

قومی راج

یکم جنوری [illegible] قیمت ۵۰ پیسے





وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی، راج بھون میں مرحوم گورنر شری علی یاور جنگ کے جسد خاکی پر پھول چڑھا رہی ہیں۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ دیوان بھی نظر آ رہے ہیں۔ →

قومی راج

۱۶ ردسمبر ۷۶ء اور یکم جنوری ۷۷ء ۱۹ کا مشترکہ شمارہ

جلد نمبر ۳-۴ ✶ شمارہ نمبر ۲۴-۱

زیرِ نگرانی: خواجہ عبد الغفور آئی. اے. ایس

ترتیب:

سخنہائے گفتنی

۱۱ ردسمبر کا دن نہ صرف مہاراشٹر بلکہ تمام ہندوستان کیلئے ایک صبر آزما دن ثابت ہوا کیونکہ اسی شب ۸ بجکر ۴۵ منٹ پر ہمارے گورنر نواب علی یاور جنگ اس دارِ فانی سے چل بسے۔ نواب صاحب مرحوم نہ صرف ایک شفیق و مہربان بزرگ تھے بلکہ انسانی قدروں کے صحیح معنوں میں علمبردار تھے۔ قدرت کی طرف سے انھیں انمول دل عطا ہوا تھا جس میں انسانی ہمدردی، بقائے باہمی، اخلاص و محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ نواب صاحب ایک ماہرِ تعلیم کے علاوہ ایک عظیم مدبّر اور ایک عظیم فلاسفر بھی تھے۔

جنوری ۱۹۷۴ء میں جب قومی راج کا پہلا شمارہ زیرِ تکمیل تھا اُس وقت نواب صاحب مرحوم نے بذاتِ خود اپنی طرف سے قومی راج کے پڑھنے والوں کے لئے اپنا پیغام پہنچایا تھا۔ قومی راج کا امیر خسرو نمبر ایک عالمی شہرت کا حامل ہوا۔ اس خاص نمبر کے لئے بھی نواب صاحب مرحوم کی ذاتِ گرامی کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی کیونکہ انھیں کے مشوروں پر قومی راج کا امیر خسرو نمبر اس آب و تاب کے ساتھ شائع کیا جاسکا۔

آج نواب علی یاور جنگ ہم میں موجود نہیں ہیں مگر ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی اور جب بھی ہم کسی مرحلے پر ان کی ضرورت محسوس کریں گے ان کی دی ہوئی تعلیم ہماری رہنمائی کرے گی۔ آج نواب صاحب کو "مرحوم" کہتے ہوئے دل تڑپ جاتا ہے مگر مشیتِ ایزدی سے کون منحرف ہوگا۔ اللہ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

"آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے"

ترسیل زر اور مراسلت کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف اِنفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، سچیوالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے ✶ سالانہ ۱۰ روپے

گورنر مہاراشٹر شری علی یاور جنگ کی رحلت

راج بھون میں آخری دیدار - حیدرآباد میں سپردِ خاک

مہاراشٹر کے ہردلعزیز گورنر شری علی یاور جنگ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۶ء کو پونے نو بجے شب راج بھون میں دورۂ قلب کے باعث انتقال فرماگئے ان کی رحلت سے مہاراشٹر ایک عظیم اور نامور سپوتِ ہند سے محروم ہوگیا۔

گورنر کی اہلیہ بیگم زہرہ جنگ، وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی، وزیر اعلیٰ شری سنکرراؤ چوان، ان کی دختر اور داماد آخری لمحات میں اُن کے سرہانے موجود تھے۔

وزیر اعظم اسی دن صبح ریاست کے سہ روزہ دورہ پر تشریف لائی تھیں انھوں نے ۱۲ دسمبر کو اپنی تمام مصروفیات منسوخ اور دورہ مختصر کردیا۔

۱۲ دسمبر کو گورنر کی میّت راج بھون میں صبح ۸ بجے سے ۱۰ بجے تک آخری دیدار کے لئے رکھی گئی جہاں ہر مذہب و ملت کے ہزارہا لوگوں نے اپنے محبوب گورنر کو آخری خراج عقیدت ادا کیا اور اُن کے تابوت پر ہار پھول چڑھائے۔ وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ نے بھی ہار پھول نذر کر کے خراج عقیدت پیش کیا۔

بعدازاں وزیر اعظم کے علاوہ متعدد ممتاز اشخاص سانتا کروز ہوائی اڈے پر جمع ہوئے جہاں سے میّت بذریعہ طیارہ حیدرآباد لے جائی گئی۔

بیگم زہرہ جنگ، وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی چوان اور وزیر محصول و شہری ترقیات؛ ڈاکٹر رفیق زکریا میّت کے ساتھ حیدرآباد گئے۔

حیدرآباد میں گورنر علی یاور جنگ کے جسد خاکی کو پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ امبرپیٹھ میں واقع اُن کے آبائی قبرستان "سرعماد الملک مقبرہ" میں سپرد خاک کردیا گیا۔

ریاستی حکومت نے ۱۱ دسمبر سے ۱۷ دسمبر تک سرکاری طور پر سوگ منانے کا اعلان کیا۔ بمبئی عظمیٰ نیز ریاست بھر میں ۱۳ دسمبر کو تمام مرکزی اور ریاستی دفاتر شری جنگ کی یاد میں بند رہے۔

۱۲ دسمبر کو سیاہ حاشیہ دار غیر معمولی سرکاری گزٹ میں ریاستی حکومت نے گورنر کی رحلت پر اظہار تاسف کیا۔ گزٹ میں شائع شدہ تعزیت نامہ میں تحریر ہے کہ "حکومت مہاراشٹر انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اعلان کرتی ہے کہ شری علی یاور جنگ، گورنر مہاراشٹر بروز سنیچر، بتاریخ ۱۱ دسمبر ۱۹۷۶ء بوقت پونے نو بجے شب انتقال فرماگئے۔

حکومت مہاراشٹر کو شری علی یاور جنگ کی رحلت پر بڑا دکھ ہوا اور وہ اس غم میں اُن کے پسماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔"

مُلک بھر میں سوگ

عظیم اور نامور سپوت کو خراجِ عقیدت

صدر، نائب صدر، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ اور دیگر ممتاز اصحاب کے تعزیتی پیغامات

گورنر شری علی یاور جنگ کی موت پر پورے ملک کو سخت صدمہ پہنچا۔ راج بھون میں سارے دیس سے تعزیتی پیغامات موصول ہوئے۔

صدر، شری فخرالدین علی احمد نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ۔
"قوم ایک ممتاز ہستی سے محروم ہوگئی جس نے مختلف ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہ کر اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی اور وقار کے ساتھ انجام دیئے۔
تعلیم، سیاست اور سماجی بہبود کے میدان میں شری جنگ کی کارگزاری بڑی خصوصیت اور فراست کی حامل رہی۔ وہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھے۔"

نائب صدر، شری بی. ڈی جتی نے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری چوان کے نام اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ۔
"مہاراشٹر کے گورنر علی یاور جنگ کی موت پر مجھے دلی صدمہ پہنچا۔
اپنی طویل اور متنوع زندگی میں شری علی یاور جنگ نے کئی امتیازات حاصل کئے۔ ان کا بڑا احترام کیا جاتا تھا اور عوام انھیں بڑی محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔"

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے فرمایا کہ۔
"آج پوری قوم بیگم علی یاور جنگ اور اُن کے خاندان کے غم میں شریک ہے۔ ہم ہند کے ایک لائق سپوت سے محروم ہو گئے جس نے ساری زندگی دیس کی خدمت میں صرف کی اور اس کا رتبہ بلند کیا۔ مرحوم ایک بیدار مغز، فرض شناس، مخلص اور محنتی انسان تھے اور ایسی تمام خوبیوں کے مالک تھے جو آج ہند کی نوجوان نسل میں ہونی چاہئیں تاکہ قوم کا رتبہ بلند ہو سکے۔ ان کی رحلت سارے دیس کا نقصان ہے۔"

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر، شری ڈی. کے بروا نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ
"شری علی یاور جنگ کی موت کے باعث ملک ایک ممتاز مدبر، منتظم، ماہر تعلیم اور خادم قوم سے محروم ہوگیا۔
میں ذاتی طور پر شری جنگ مرحوم سے واقف تھا۔ مجھے ان کے ساتھ اقوام متحدہ کے لئے ہندوستانی وفد میں کام کرنے کا موقع ملا تھا۔ ان کی موت میرا ذاتی نقصان ہے۔"

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری ایس. بی چوان گورنر کی ناگہانی موت پر دلی صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ۔
"شری علی یاور جنگ ہم سب کے لئے بڑی قوت اور توانائی کا سرچشمہ تھے ایک متبحر عالم اور سیاستداں کی حیثیت سے ان کی بات ہمیشہ توجہ اور احترام سے سُنی جاتی تھی۔ جمہوریت اور سوشلزم کے اعلیٰ آدرشوں سے ان کی پُرخلوص وابستگی ناقابل فراموش ہے۔"

شری شیخ محمد عبداللہ، وزیر اعلیٰ جموں کشمیر نے، جو دور دراز مقام کشت دار کے دورے پر تھے، بیگم زہرہ علی یاور جنگ کے نام اپنے تعزیت نامہ میں لکھا ہے کہ۔
"مجھے اور میری اہلیہ کو سخت صدمہ ہُوا۔ ملک ایک لائق و فائق منتظم، ماہر تعلیم اور سیاستداں سے محروم ہوگیا۔ وہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کے روشن مینار تھے۔ ہم عزیز دوست سے محروم ہوگئے۔"

● ●

آخری



راج بھون کے دربار ہال میں
گورنر کی میّت آخری دیدار کے لئے
رکھی ہوئی ہے۔



وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی،
وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شنکر راؤ
چوان اور ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصو
شہری ترقیات، سیاحت، پروٹوکول
اور اوقاف سوگوار کھڑے ہیں۔



وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان،
خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں.

سفر



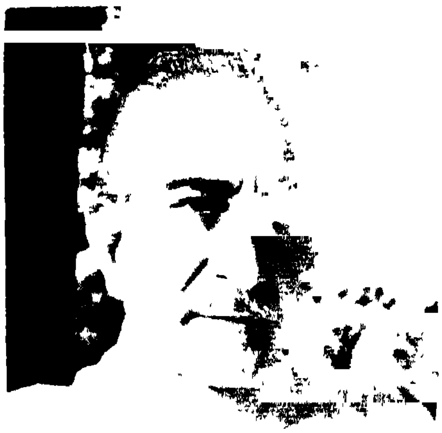
سانتا کروز ہوائی اڈے پر میت کو حیدرآباد رخصت کرنے کے لئے وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی، بیگم علی یاور جنگ کے ساتھ۔



بصد احترام میت طیارہ پر رکھی جا رہی ہے۔



اکابرین کو اپنی یاد میں سوگوار چھوڑ کر طیارہ فضا میں پرواز کر گیا۔



ایک ہمہ گیر شخصیّت

شری علی یاور جنگ، ۱۶ فروری ۱۹۰۵ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی طویل اور متنوع عوامی زندگی میں ایک جید عالم، لائق مدبر اور عظیم سیاستداں کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کیا۔ آپ مختلف ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہے اور بڑے وقار اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ انھیں تعلیم، سماجی بہبود اور دیگر متفرق شعبوں میں گہری دلچسپی رہی۔

شری جنگ، نواب خد جنگ کے فرزند اور عالم فاضل نواب عماد الملک کے نواسے تھے۔ آپ نے نظام کالج حیدرآباد اور کوئنس کالج، آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ آپ عثمانیہ یونیورسٹی میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۵ء تک جدید تاریخ اور پولیٹیکل سائنس کے لکچرار، ریڈر اور پروفیسر رہے۔

آزادی سے قبل موصوف حیدرآباد میں حکومت نظام کے کئی اہم عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نے ڈائرکٹر آف انفارمیشن اور [illegible] امور، اطلاعات و نشریات اور [illegible] سیکریٹری، داخلہ و عدلیہ کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں۔

شری جنگ ۱۹۴۵-۴۶ء اور پھر ۱۹۴۸-۱۹۵۲ء میں عثمانیہ یونیورسٹی اور پھر ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۸ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔

سفارتی میدان میں اُن کی کارکردگی [illegible] ہے۔ موصوف ۱۹۴۶ء، ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۱ء [illegible] ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۵ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہند کے مندوب رہے اور پھر ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۰ء میں ہندوستانی وفد کے ڈپٹی چیرمین مقرر ہوئے۔

۱۹۵۶ء میں آپ اسپیشل یو۔این فنڈ فور اکنامک ڈولپمنٹ (سن فیڈ) کے چیرمین چُنے گئے۔

شری جنگ نے مختلف ممالک کی راجدھانیوں میں سفیر کی حیثیت سے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۰ء تک امریکہ میں سفیر رہے۔

موصوف ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۸ء تک یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے رکن رہے۔ ۱۹۶۶-۶۷ء کے دوران آپ ڈیفنس اینڈ ایڈمنسٹریٹیو ریفارمز کمیشن سے متعلق اسٹڈی ٹیم کے چیرمین رہے۔

۱۹۷۰ء میں آپ مہاراشٹر کے گورنر مقرر ہوئے اور ریاست کے باشندوں کی خدمت کی۔ آپ نے سماجی بہبود کی خاطر کئی اقدامات کئے۔ جن میں "صاف ستھری بمبئی مہم" خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ آپ نے سوسائٹی برائے صاف ستھرے شہر کی سرگرمیوں میں خاص دلچسپی لی جو آپ کی بیگم زہرہ یاور جنگ نے قائم کی تھی۔

نابینا اور معذور بچوں اور جھونپڑپٹی کے باسیوں سے آپ کو دلی ہمدردی تھی اور ان کی بھلائی کی خاطر سدا کوشش کرتے رہے۔

شری علی یاور جنگ اسکالر اور مشترکہ تہذیب کا مظہر تھے۔ آپ اسپورٹس، لٹریچر، موسیقی اور آرٹ کے شیدائی تھے۔

میرے گرو - نواب علی یاور جنگ

• ایم۔ ایشور راج ماتھر

نواب علی یاور جنگ ۱۹۴۵ء میں، عثمانیہ یونیورسٹی میں میرے اُستاد تھے انھیں معلمی سے اس قدر لگاؤ تھا کہ انھوں نے یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہوتے ہوئے بھی ایم۔ اے کلاس کو پڑھانے کی ذمّے داری خود سنبھال لی۔ وہ ہمیں آئینِ ریاست کی تاریخ پڑھاتے تھے۔ بحیثیت پروفیسر وہ دوسروں سے بالکل مختلف تھے۔ وہ مضمون کا خوب مطالعہ کرتے۔ ان کا پڑھانے کا انداز بڑا موثر اور دلچسپ تھا۔ کلاس میں ہر طالب علم بڑے ادب اور غور سے ان کی حکیمانہ باتیں سُنتا۔ نواب صاحب (وہ اسی نام سے معروف تھے) ایوان والیان ریاست (Chamber of Princes) کے آئینی مشیر بھی تھے۔ لہٰذا مشیر کی حیثیت سے انھیں منصبی دورہ پر بھوپال اور دہلی جانا پڑتا۔ نتیجہ یہ کہ وہ مقررہ کورس پورا نہیں کرا سکے۔ انھوں نے اپنے چند ساتھیوں سے صلاح مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ بعض نے صلاح دی کہ کچھ اہم سوالات طلبہ کو بنا دیئے جائیں۔ دوسروں نے یہ رائے دی کہ فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ ایم۔ اے کے طلبہ کو اس لائق ہونا چاہئے کہ وہ خود اسٹڈی کر سکیں۔ نواب صاحب فرض شناس اُستاد تھے، انھوں نے ہم سب کے نام اور پتے لکھے اور بقیہ حصہ جو وہ نہیں پڑھا سکے تھے اس سے متعلق نوٹ بذریعہ ڈاک ہمارے مکانات پر بھیج دیئے۔

میں ۱۹۶۹ء میں دہلی میں مامور تھا۔ اس وقت میں نے اخبارات میں پڑھا کہ واشنگٹن میں ہند کے سفیر نواب علی یاور جنگ مہاراشٹر کے گورنر نامزد کی حیثیت سے ہندوستان واپس آرہے ہیں۔ ان کا پُرانا طالب علم ہونے کی حیثیت سے میرا دل خوشی سے بھر آیا اور میں نے انھیں لکھا کہ از راہ کرم اپنی آمد کی تاریخ اور وقت سے مطلع فرمائیں۔ فوراً ہی وزارت اُمور خارجہ کی جانب سے 'ٹیلیکس میسیج' کے ذریعہ مجھے اُن کی آمد کے بارے میں تمام تفصیل مل گئی جو میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میں نے پالم ہوائی اڈے پر نواب صاحب کا خیر مقدم کیا اور انھیں 'مہاراشٹر سدن' لے آیا جہاں انھیں قیام کرنا تھا۔ مہاراشٹر سدن آتے ہوئے راستے میں، میں نے نواب صاحب کو یاد دلایا کہ میں عثمانیہ یونیورسٹی میں آپ کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ اس پر وہ فوراً مُسکرا اٹھے اور بڑی گرمجوشی سے فرمایا "ہاں مجھے یاد ہے تم میرے ایک اچھے طالب علم تھے"۔ اس ملاقات کے بعد میں نے ان سے مؤدبانہ درخواست کی کہ میرے گھر پر دعوت طعام قبول فرما کر میری عزت افزائی فرمائیں۔ انھوں نے بلا تکلف دعوت قبول کرلی۔

اگلے دن صبح انھوں نے مجھے ٹیلیفون کیا اور کہا کہ میں تمھیں یہ بتانا بھول گیا تھا کہ میری خوراک کے معاملے میں کیا کیا احتیاط برتی جائے۔ انھوں نے مجھے تفصیل سے بتایا کہ کیا پکوان ہو کس طرح پکایا جائے اور اس میں مسالہ مرچ [illegible] نواب صاحب کھانے [illegible] پر تشریف لائے اور ۱۲ بجے [illegible] سب کے ساتھ رہے۔ انھوں نے مختلف ممالک میں بحیثیت سفیر اور اقوام متحدہ میں ہندوستانی وفد کے رکن کی حیثیت سے اپنے تجربات سُنا کر ہمیں محظوظ کیا۔ نواب صاحب نے بڑے دل چسپ اور موثر انداز میں جنرل ڈیگال، اندری مارکس اور دیگر ممتاز اکابرین سے اپنے قریبی تعلقات کا ذکر کیا۔ انھیں موسیقی سے شغف تھا اور خصوصاً قوالی انھیں بہت پسند تھی میں نے قوالی کے کچھ ٹیپ بجائے۔ انھوں نے کچھ دیر سُنا اور پھر یکایک مجھ سے کہا کہ میں نے کہاں سے ٹیپ لیا ہے۔ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ بے تکی دھوم دھڑام سماعت پر گراں گذرتی ہے۔ موسیقی خالص اور آمیزش سے پاک ہونی چاہئے۔ طعام اور موسیقی کے بعد نواب صاحب رخصت ہوئے۔ لیکن فوراً ہی گھر کے اندر واپس آ کر ہم [illegible] ہاتھ سے [illegible] مانگی۔ ہم سب حیران رہ گئے۔ انھیں [illegible] کی کیا ضرورت

نے بتایا کہ دہلی کے خشک موسم میں ان کا تمباکو جو وہ پائپ میں ڈال کر پیتے ہیں سوکھ رہا ہے' اسے نم رکھنے کے لئے گاجر کی تری مدد ہوگی۔ انھوں نے ہنستے ہوئے میری بیوی سے کہا کہ وہ ایک نہ ایک دن اس کی قیمت ضرور ادا کر دیں گے۔

جب نواب صاحب واشنگٹن میں سفیر تھے میں نے انھیں خط لکھ کر یہ درخواست کی کہ میرے لڑکے کو میؤ کالج اجمیر میں داخلہ دلانے میں اعانت کریں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میؤ کالج کی گورننگ کونسل کے رکن کی حیثیت سے اگر وہ مناسب سمجھیں تو کالج کے پرنسپل مسٹر گبسن سے سفارش کر دیں۔ ان کا جواب بڑا مشفقانہ اور ناصحانہ تھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ میؤ کالج میں داخلہ صرف لیاقت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اگر آپ کا لڑکا تمام شرائط پر پورا اترا تو وہاں داخلہ ممکن ہوسکتا ہے۔ میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو تعلیم کے معیار کو بلند سے بلند تر رکھنا چاہتے ہیں۔ بعد ازاں مجھے پرنسپل صاحب سے معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ازراہ کرم میرے بیٹے کے بارے میں انھیں لکھا اور خاص طور سے ہدایت کی کہ اگر وہ واقعی لائق ہے تو اُسے ضرور داخل کیا جائے۔

ایم۔ اے کی تکمیل کے بعد جلد ہی انڈین ہسٹری اور پولیٹیکل سائنس کے لکچرار کی حیثیت سے عثمانیہ یونیورسٹی میں میرا تقرر ہوگیا۔ یہ وہی مضامین تھے جو نواب صاحب ابتدا میں خود پڑھایا کرتے تھے۔

جلد ہی نواب صاحب عثمانیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے عہدے سے ترقی پا کر اعلیٰ حضرت نظام کی سرکار میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ وزیر تعلیم کی حیثیت سے نواب صاحب فارن اسکالر شپس کمیٹی کے چیرمین بھی تھے۔ میں نے بھی تین مضامین یعنی تاریخ، سوشیالوجی اور جرنلزم کے لئے وظیفہ کی درخواست دی تھی مجھے وظیفہ پانے کی کوئی اُمید نہ تھی کیونکہ میرا



شری آر۔ ایم کانٹاوالا گورنر مہاراشٹر بمبئی کے شہریوں کی جانب سے تعزیتی جلسے میں مرحوم گورنر شری علی یاور جنگ کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں' جس کا اہتمام شریف' شریمتی لیلا مول گاؤنکر نے ۱۹ر دسمبر ۷۶ء کو بمبئی یونیورسٹی کا نووکیشن ہال میں کیا تھا۔

کوئی خاص وسیلہ نہ تھا۔ لیکن نواب صاحب کے تقرر سے میری اُمیدیں بڑھ گئیں۔ بہر حال نواب صاحب نظم و ضابطہ کے سخت پابند تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میرا نام بھی دوسروں کے ساتھ مدنظر رکھا جائے گا اور اس پر لیاقت ہی کی بنا پر غور کیا جائے گا۔ جرنلزم کے واسطے وظیفہ کے لئے انٹرویو کے وقت میں ۱۵ اُمیدواروں میں سے ایک تھا جو بورڈ کے سامنے حاضر ہوئے۔ اوّل انٹرویو کے بعد صرف ۵ اُمیدوار میدان میں رہ گئے جبکہ اس مضمون کے لئے وظیفے صرف دو تھے۔ میرا حوصلہ پھر بڑھ گیا۔ لیکن نواب صاحب کے مزاج کو دیکھتے ہوئے مجھے یہی فکر دامنگیر تھی کہ جب تک لیاقت کی بنیاد پر پورا نہ اترونگا نواب صاحب کوئی مدد نہ فرمائیں گے۔ میری یہ فکر اس وقت دُور ہوئی جبکہ میں نے اس کٹھن سوال کا کہ "اگر آپ کو اخبار نکالنا پڑے تو آپ کس قسم کا اخبار نکالیں گے۔ اس کے لئے کتنی رقم درکار ہوگی، اور آپ کس طرح یہ رقم فراہم کریں گے؟" یہ جواب دیا کہ "حیدرآباد سے نکلنے والے معمولی قسم کے اخبا

مجھے نہیں بھاتے، میں تو لوگوں کے لئے اچھی ذہنی خوراک بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔ لہذا میں ماہنامہ جاری کرنا چاہوں گا۔ میں امداد باہمی تحریک کا حامی ہوں' لہذا میں ایک "کوآپریٹیو نیوز پیپر" یعنی امداد باہمی بنیاد پر ہی اخبار جاری کروں گا۔" نواب صاحب خوش ہو گئے۔ انھوں نے پھر دُہرایا "کوآپریٹیو نیوز پیپر"۔ جب نتیجہ نکلا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پانچ اُمیدواروں میں سے ایک اُمیدوار چُنا گیا ہے اور وہ اُمیدوار تھا خود میں۔ دوسرا وظیفہ کسی کو نہیں دیا گیا، اور منسوخ کر دیا گیا۔ یہ تھی نواب صاحب کی عظمت اور شان!

اردو افسانہ۔ دوراہے پر

رام لعل
۲/۳۹ آر، ملٹی اسٹوری، نادرن ریلوے
چار باغ، لکھنؤ۔۲۲۶۰۰۱

رُدو افسانے کا ایک انتہائی اہم دَوَر
ن دھائی کا زمانہ ہے، جس میں
د جیسے فکشن کے قطب مینار نے اپنا
بقی سفر ’کفن‘ جیسے جدید اور مکمل افسانے
کیا اور اس کے فوراً بعد انگارے گروپ‘
نسانہ نگاروں نے اپنے نئے تجربات
سا تھ تلاش و جستجو کا ایک نیا عرفان پایا۔
یں کوئی شک نہیں کہ سجاد ظہیر اور ان
ساتھی وراثت میں ملے ہوئے اردو
افسانوی ادب کے سرمائے کی اہمیت
بی باخبر تھے اور مغربی ادب کے مطالعے
ساتھ ساتھ عالمی ادب کی کلاسیکی د
تحریکوں کو بھی اپنے شعور کا حصہ بنا
تھے لیکن تخلیقی سطح پر انھوں نے
بھی ایسا افسانہ نہیں چھوڑا ہے جسے
د افسانوں کے بہترین انتخاب میں شامل
جا سکے جبکہ ان کے پیش رو پریم چند
افسانہ ’کفن‘ کی ایسے انتخابات میں
ولیت آج بھی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ لیکن
اد ظہیر اور اُن کے ساتھیوں کی اَدبی خدمات
ی نقطہ نظر سے ہمیشہ اہم سمجھی جاتی رہیں گی
نھوں نے بعد کے لکھنے والوں کو روایت
ے انحراف کرنے اور موضوع و فارم کو نئے نئے
یقوں سے برتنے کا حوصلہ اور شعور دیا۔ چنانچہ
دیکھتے ہیں کہ ان کے فوراً بعد کرشن چندر
عادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، فضل
ن، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی،

اختر اورینوی، سہیل عظیم آبادی، علی عباس حسینی، خواجہ احمد عباس، حیات اللہ انصاری، شکیلہ اختر وغیرہ بے شمار نئے لکھنے والوں کی اس طرح ایک بھیڑ سی لگ جاتی ہے جیسے اندھیری رات میں آسمان پر اچانک ایک کہکشاں دکھائی دے جائے۔

ادب اور آرٹ کی دنیا میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں بڑے بڑے دیوقامت تخلیق کار پیدا ہو گئے ہیں۔ اس کے لئے تیسری دہائی کے بین الاقوامی سیاسی حالات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جب بعض بڑے ترقی یافتہ ممالک یا تو اپنی سرحدیں بڑھانے کی ہوس میں مبتلا ہو گئے تھے یا وہ صنعتی و فکری انقلاب کے ایک ایسے دہانے پر پہنچ چکے تھے جس کی تکمیل کے لئے ان کا آپسی ٹکراؤ ضروری ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی حالات میں صدیوں سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے چھوٹے چھوٹے کئی ممالک کے لئے آزاد ہو جانے کے لئے اُمید کی کرنیں بھی پھوٹ نکلی تھیں۔ دوسری عالمی جنگ نے جہاں ایک طرف سوشلسٹ طرزِ فکر کے ممالک کو ایک کڑی جدوجہد کے بعد قدم جمانے کے مواقع فراہم کر دیئے وہاں دُوسری طرف فاشزم اور نام نہاد نیشنلزم کا خاتمہ کر کے ایک نئے سامراج کے مستقل خطرے سے بھی دوچار کر دیا۔ یہ زمانہ ہمارے ملک میں بھی ایک طرف تو سماجی، تعلیمی اور عام سیاسی بیداری کے لئے ایک نعمت ثابت ہوا دوسری طرف سالمیت کے ٹوٹنے اور عام طور پر فرقہ وارانہ کشیدگی کا ایک ایسا بھیانک خواب بھی بن گیا جو آنکھ کھل جانے پر بھی ایک حقیقت ہی بنا رہا، ایک ایسی حقیقت جس کی فضا میں دانشور طبقے کے لئے سانس تک لینا بھی دشوار ہو گیا تھا۔

کہا جاتا ہے تخلیقی آرٹ کی صحیح نشو و نما کے لئے ناآسودہ زندگی یعنی پسماندہ بستیوں یا بھیڑ بھاڑ والے شہروں کا ماحول ہی بے حد سازگار ہوتا ہے، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ ہمارے بیشتر لکھنے والے اسی قسم کے ماحول کے پروردہ تھے اور انھوں نے اپنے گرد و پیش کی سچی عکاسی کی، نئی تبدیلیوں کا احساس عام کیا اور ایسے خوابوں کے تانے بانے بھی بُنے جو بہتر زندگی، بہتر ماحول اور خوش حالی کی تمناؤں سے معمور تھے۔ اُس دور کی کہانیوں میں کرشن چندر کے افسانے ’زندگی کے موڑ پر‘ ’اَن داتا‘، منٹو کے ’نیا قانون‘ ہتک اور ٹوبہ ٹیک سنگھ‘ راجندر سنگھ بیدی کے ’لاجونتی‘ اور ’اپنے دُکھ مجھے دیدو‘ حیات اللہ انصاری کا ’شکستہ کنگورے‘ اور ’جُرابوں کا کارخانہ‘، سُہیل عظیم آبادی کا ’الاؤ‘ اور ’بھوک‘ اور علی عباس حسینی کا ’میلہ گھومنی‘ اور ’لاٹھی پوجا‘ کوثر چاندپوری کا ’نیا پیشہ‘ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اِن افسانوں میں سماجی معنویت کی سطح پر نئی تبدیلیوں کا احساس اور جذبہ بھی موجود ہے اور پسماندہ طبقے کے افلاس او

عام انسانی ذہن کی سیاسی بیداری کے احساسات کی عکاسی اور ملک کی سیاسی تقسیم سے پیدا شدہ صورت حال پر ایک فن کارانہ تنقید و بصیرت کا بھی احساس ملتا ہے۔ ان تخلیقات میں اگرچہ کہیں کہیں اپنے دَور کا بلند لب و لہجہ اور صحافتی اندازِ فکر بھی موجود ہیں جو فن کے بُنیادی تصوّرات کو مجروح کر دیتا ہے لیکن چونکہ یہ آہنگ ایک خاص دَور کی پیداوار ہے جس سے مفر ممکن نہیں تھا اس لئے اسے بھی تاریخی حیثیت سے دیکھنا اور پرکھنا چاہیئے۔

آزادی اپنے ساتھ جہاں بے پناہ خوشی کا احساس لے کر آئی وہاں بیشمار مصائب اور ٹوٹتے ہوئے جاگیردارانہ غلبے کے المیے بھی اس کے دامن میں موجود تھے۔ یہ دَور خوابوں کے ٹوٹنے، بکھرنے اور اُن کی نئے سِرے سے تشکیل کرنے کے ارادوں کا دَور بھی ثابت ہوا۔ ہماری سیاسی آزادی نے ہمیں ایک نئے صنعتی دَور میں داخل ہونے کا احساس دلایا، جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کی تصویر کو واضح طور پر دیکھنے اور سنانے کے مواقع عطا کئے اور تخلیقی اظہار کے لئے ایک ایسی جرأت دی جس کا کوئی بھی غیر جانبدارانہ جائزہ لے تو وہ دُوسری نسل کے افسانہ نگاروں میں قرۃ العین حیدر، ممتاز شیریں، انتظار حسین، شوکت صدیقی، اشفاق احمد، غیاث احمد گدی، جوگندر پال، جیلانی بانو، اقبال متین، ستیش بترا، قاضی عبدالستار، کلام حیدری، واجدہ تبسم، اقبال مجید، رتن سنگھ، شرون کمار ورما وغیرہ کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ میرا تعلق اسی نسل سے ہے اس لئے میں خود کو اُس دَور کے لکھنے والوں کے خوابوں اور تخلیقی تجربات میں پوری طرح شریک محسوس کرتے ہوئے پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ آزادی کے بعد اُردو افسانے کو صحافتی و بلند آہنگ اندازِ فکر سے آزاد کرانے اُس میں سماجی زندگی سے ایک نئی وابستگی کا شعور پیدا کرنے اور اس کو تخلیقی سطح پر بھی ایک کھرا اظہار دینے میں ان سب افسانہ نگاروں نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ اتفاق سے انھی افسانہ نگاروں کا تعلق اس ادبی بھنور سے بھی ہے جس میں ڈوب ڈوب کر اُبھرنے کا تماشا کم و بیش پندرہ سال تک سب نے دیکھا اور بعض ستم ظریف نقادوں نے تو اُردو افسانے میں جمود تک کا شوشہ چھوڑ دیا لیکن اُردو افسانہ کی گذشتہ نسل نے ملکی حالات کے ایک خالص تشکیلی دَور میں افسانے کی روایت کو آگے بڑھانے کے لئے جو ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی تھی اسے انھوں نے پوری طرح نبھا دیا ہے۔ ان افسانہ نگاروں کی تخلیقات جن میں قرۃ العین حیدر کا 'سیتا ہرن' اور 'ہاؤسنگ سوسائٹی'، انتظار حسین کا 'آخری آدمی' اور 'سوئیاں'، شوکت صدیقی کا 'بھرنے ہیں میر خوار'، اشفاق احمد کا 'گڈریا'، غیاث احمد گدی کا 'اندھے پرندے کا سفر' اور 'امام باڑے کی اینٹ'، جوگندر پال کا 'کھوا' اور 'بازیافت'، جیلانی بانو کا 'روشنی کا مینار' اور 'ستی ساوتری'، اقبال متین کا 'گرلو یارڈ' اور 'پرچھائیاں'، ستیش بترا کا 'ویران بہاریں'، قاضی عبدالستار کا 'پیتل کا گھنٹہ'، واجدہ تبسم کا 'شہر ممنوعہ'، اقبال مجید کا 'لوڑھا نظام' اور 'دو بھیگے ہوئے لوگ'، رتن سنگھ کا 'پہلی آواز' اور 'ہزاروں سال لمبی رات'، انور عظیم کا 'قصہ ایک رات کا' اور ان سطور کے راقم کے 'نئی دھرتی پُرانے گیت'، 'اکھڑے ہوئے لوگ' اور 'ہیڈلیس بدھا' وغیرہ شامل ہیں، نہ صرف نوعِ انسان کے بنیادی احساسات پیش کئے گئے ہیں بلکہ ان میں ایسے نئے تجربات کی بھی دھمک سنائی دے جاتی ہے جو آگے چل کر اُردو افسانے کی نئی نسل کے لئے ایک نئی فکری اَساس بن جاتی ہے۔

نئی فکری اساس اکثر و بیشتر روایت میں انحراف اور اپنی ساخت کے لئے نئے پیمانے بھی وضع کرنے میں ممد و معاون بن جاتی ہے۔ فکر اور فارم کے نئے تجربات اگر بالکل بند ہو جائیں تو اس وقت سمجھ لینا چاہیئے کہ ادب اور آرٹ میں کوئی ٹھہراؤ سا آگیا ہے۔ لیکن ہمارے افسانے میں، جو آغازِ سفر ہی سے نئے نئے تجربات کی دھن میں گرفتار رہا ہے اس وقت بھی اظہار و بیان کیلئے نئے نئے راستے تلاش کئے جا رہے ہیں جس کے لئے خوابوں کی شکست و ریخت، صلاحیتوں پر عدم اعتماد اور ان کیفیتوں سے پیدا شدہ عام بے چینی اور محرومی کا احساس ہی اُردو افسانے کی جدید روایت سے بھی انحراف کا سبب بن گیا ہے جس نے ہمیں بلراج مین را، سریندر پرکاش، احمد یوسف ظفر اوگانوی، انور سجاد، رشید امجد، شوکت حیات، سلطان سبحانی وغیرہ کچھ ایسے ناموں سے بھی روشناس کرا دیا ہے جو اُردو افسانے میں اب نئے علامتی اظہار، شاعرانہ ابہام اور تجریدیت کی ہی ایک پہچان بن گئے ہیں۔ میں کہانی کیلئے ابلاغ اور ترسیل کو بنیادی جز قرار دیتا ہوں اور اس کا حقیقی حُسن اس کے بیانیہ ہونے میں ہی دیکھتا ہوں لیکن اس کے علامتی یا تجریدی اظہار کا ہرگز مخالف بھی نہیں ہوں کیونکہ افسانے کی ایک روایتی شکل پہیلی یا بجھارت بھی رہی ہے اور کامیاب افسانہ بھی اسی کو سمجھتا ہوں جو ختم ہو جانے کے بعد بھی قاری کو غور و فکر اور حیرت میں مبتلا کر دے۔ یعنی تجسس بھی اس کا ایک اہم عنصر ہوتا ہے لیکن اگر کسی خاص دَور کے افسانہ نگار شاعری اور شاعری کے نقادوں سے ہی مرعوب ہو کر ایسے افسانے لکھنے لگیں جن کی علامتوں کے کئی کئی معنی پیدا کئے جا سکیں تو اُس وقت اس کی بُنیادی خصوصیات یقیناً خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ اُردو افسانے کا یہ نیا رجحان جس کی تقلید میں اب کچھ پُرانے افسانہ نگار کلام حیدری، انور عظیم، جوگندر پال وغیرہ بھی شامل ہو گئے ہیں اُردو

بقیہ صفحہ ۲۰ پر

غزل

راہی معصوم رضا
۱۰۔ دیودت، بینڈ اسٹینڈ
باندرہ، بمبئی ۴۰۰۰۵۰

گھر سے نکلیں اِدھر اُدھر دیکھیں
کر کے کچھ قصّہ مختصر دیکھیں

کیمیائے وفا کی قسمت کا
خاکِ پروانہ بیچ کر دیکھیں

لے چلے ہیں ہمیں سُوئے مقتل
سارے احباب اِدھر اُدھر دیکھیں

شہر سے ہو رہی ہے پھر وحشت
چل کے صحرا میں کوئی گھر دیکھیں

زندگی ایک دن تو موقع دے
تیری زُلفیں سنوار کر دیکھیں

رنگ جیسے کھُلا ہے موسم میں
آج موسم میں بھیگ کر دیکھیں

نصب ہے ایک راستے پہ صلیب
اہلِ دل جاتے ہیں کدھر دیکھیں

نامکمل سہی ہے بہارا ابھی
پھر جنوں ایک بار کر دیکھیں

★ سید احمد حسین **امجد** حیدرآبادی

قتیلِ جفا سنوہیلتا

ایک لڑکی تھی کہیں سینہلتا — جس کا سن تھا تیرہ چودہ سال کا
دلرُبا انداز مُکھڑا چاند سا — دیکھتا جو کوئی کہتا برملا
سحر دارد نرگس جادوئے تو
کرد سنبل را پریشاں موئے تو

دیکھ کر اس کا شباب اور سن و سال — باپ کو آتا تھا شادی کا خیال
تھا مگر افلاس سے آشفتہ حال — سخت تر تھا لڑکے والوں کا سوال
مانگتے تھے وہ کم از کم دو ہزار
کس طرح بے کس اُٹھا سکتا یہ بار

چاہتا تھا بیچ دے رہنے کا گھر — جھونپڑے میں زندگی کر لے بسر
بار جو کچھ ہو اُٹھا لے اپنے سر — دستگیر بیکساں ہے پرمیشر
زندگی جیسے بنے کٹ جائیگی
ورنہ عزت چار میں گھٹ جائیگی

مل کے اک دن شوہر و زن ساتھ ساتھ — کرتے تھے سینہلتا کی شادی کی بات
کہتے تھے افلاس میں ہیں مشکلات — آبروئے انساں کی ہے دولت کے ہات
زر تواند ذرہ را اختر کند
زر تواند قطرہ را گوہر کند



پاس پردے کے تھی سنبھلتا کھڑی بات ان کی کان میں اُس کے پڑی
آ گئی سنّاٹے میں اک دو گھڑی ایک تھی چھٹپن میں فہمیدہ بڑی
سوچ کر کچھ، آ گئی اپنی جگہ
آہ - وہ غش کھا گئی اپنی جگہ

اُٹھ کے پھر بستر سے وہ کہنے لگی آہ تف ہے زندگانی پر مری
میری خاطر باپ پر بپتا پڑی ہائے میں کمبخت کیوں پیدا ہوئی
خوب بودے گر نہ زادے مادرم
جائے شیرم زہر دادے مادرم

باپ پر ٹوٹے ستم میرے لئے وہ اُٹھائے رنج و غم میرے لئے
بیس سو ہوں کم سے کم میرے لئے بیچ کر گھر دے رقم میرے لئے
ان سے کہدے کوئی ازراہِ کرم
اب وہ بیٹی کا کریں کِریا کرم

الوداع اے نوجوانی الوداع الوداع اے زندگانی الوداع
الوداع اے سخت جانی الوداع الوداع اے دہرِ فانی الوداع
"سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجومِ یاس دم گھبرا گیا"

اتنا کہہ کر اُٹھ چلی مستانہ وار کھول دی اک بار زُلفِ مُشکبار
دوش پر تھے سُنبلِ تر تار تار چاند کے دو رُخ تھا ابرِ تیرہ تار
قدرتِ پروردگار آمد نظر
جلوۂ لیل و نہار آمد نظر

آہ کیونکر کہہ سکوں پھر کیا ہوا کیا لکھوں جو ہے پھر اُس نے کیا کیا
نقشِ غم کا کھنچ سکے کیونکر بھلا جب بگڑنے کو ہے خود نقشہ میرا
دردِ ما را نیست درماں الغیاث
رنجِ ما را نیست پایاں الغیاث

سر پہ روغن ڈال کر جلنے لگی شمع تھی کافور کی جلنے لگی
زندگی کی دوپہر ڈھلنے لگی ہاتھ غم سے موت بھی ملنے لگی
ہو گئی جل بھن کے ٹھنڈی شعلہ فام
چاند سی صورت ہوئی آخر تمام

ہو کہیں غارت یہ رسمِ ناروا جل گئی افسوس اسنو ہیلتا
اُس کی غیرت کا یہی تھا اقتضا واہ ری لڑکی مرحبا صد مرحبا
زندۂ جاوید مر جاتے ہیں یوں
کرنے والے نام کر جاتے ہیں یوں

غم سے تھی ماں باپ کی حالت بُری جل گئی اُمید کی ڈالی ہری
اُڑ گئی دم بھر میں شیشے سے پری رہ گئی بس خاک کی ڈھیری دھری
جسم سنہلتا کا بالکل خاک تھا
آنکھ جھپکی تھی کہ قصہ پاک تھا

ہو گئی برباد شاخِ یاسمیں خاک کی ڈھیری تھی سنہلتا نہیں
خاک سے آتی ہے آوازِ حزیں اے پدر! برخیز حالِ من ببیں
بشنو ایں خاکم حکایت می کند
وز رسمِ بد شکایت می کند

ہوم گارڈز اور شہری دفاعی ادارے

وقت کی اہم ضرورت

ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس رضا کارانہ خدمات پر منحصر شہری ادارے ہیں جو جنگ، شہری نظم و ضبط بگڑنے اور قدرتی آفات جیسے قومی ہنگامی حالات کے دوران حکومت اور جنتا کی مدد کرتے ہیں
بمبئی میں ۱۵ ر سے ۲۱ ر دسمبر تک منعقد چھٹویں کل ہند ہوم گارڈز اور شہری دفاع نیز کھیل کود مقابلے میں پورے ملک میں واقع ان اداروں سے تقریباً ۲۰۰۰ رضا کار شرکت کر رہے ہیں۔
ملک میں اور خاص طور پر مہاراشٹر میں دفاع کی اس دوسری اہم قطار نے جو موثر کردار ادا کیا ہے وہی یہاں تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

مرکزی وزارت برائے داخلی اُمور نیز
ستی حکومت کے زیرانتظام بمبئی میں
ا ر سے ۲۱ ر دسمبر ۱۹۷۶ء تک چھٹویں
ہند ہوم گارڈز اور شہری دفاع پیشہ
نہ اور کھیل کود کے جو مقابلے انڈین انسٹی
ٹ آف ٹیکنالوجی، پوائی کے مقام پر
رہے ہیں۔ مہاراشٹر اس کی میزبانی
ر رہا ہے۔

ایسے مقابلے ہر سال ملک کے مختلف
سوں میں منعقد ہوتے ہیں تاکہ ہوم گارڈ
ر شہری دفاعی رضا کاروں کا پیشہ ورانہ
جہ بلند کیا جائے۔ نیز ان میں بھائی چارہ
جذبہ مستحکم کیا جائے۔ یہ دونوں ادارے
ے طور پر رضا کارانہ خدمات پر منحصر
ں اور اس لئے جب بھی قومی ہنگامی حالا
سے جنگ، شہری نظم و ضبط میں خرابی

سیلاب، زلزلہ وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے تو یہ حکومت اور عوام کی مدد کے لئے فوراً میدان میں آجاتے ہیں۔ اور ان کے لئے آگ بجھانے، بچانے، ابتدائی امداد وغیرہ جیسے پیشہ ورانہ معاملوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ان کو ہر وقت چاق و چوبند رہنا ضروری ہے
بمبئی کے مقابلے میں پورے ملک سے تقریباً دو ہزار ہوم گارڈز اور شہری دفاعی رضا کار حصہ لے رہے ہیں۔ اس مقابلے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ۱۹۶۹ء جب سے اس کا آغاز ہوا پہلی بار خواتین رضا کار بھی اس میں حصہ لے رہی ہیں۔

پورے ملک میں ان اداروں نے دفاع کی دوسری قطار کے طور پر موثر کردار ادا کیا ہے اور خاص طور پر سرحدی ریاستوں جیسے پنجاب میں کتنے ہی رضا کاروں نے ملک کے دفاع کے لئے اپنی جان نچھاور کر دی ہے،
ریاست کے ہوم گارڈ اور شہری دفاع کے رضا کاروں نے ہمیشہ وقت کا ساتھ دیا ہے اور جب سے ان کا قیام عمل میں آیا ہے انھوں نے حکومت اور عوام کی مختلف طور پر مدد کی ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۴۶ء میں بمبئی شہر میں ہوم گارڈ ادارہ قائم کیا گیا یہ وہ وقت تھا جبکہ مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے ملک سخت پریشانی میں مبتلا تھا۔ اس وقت شہر بمبئی میں بھی فرقہ وارانہ کشیدگی موجود

تلخیص
اے۔ ڈی۔ پاشا





ی اور اسی لئے ریاستی حکومت کو شہریوں
ں ایک مضبوط اور باضابطہ جماعت کی ضرورت
سوس ہوئی جو کہ شہر میں امن دامان بنائے
کھنے میں موثر طور پر پولیس کی مدد کر سکے۔
س طرح سے سب سے پہلے ہوم گارڈ ادارہ
ا قیام عمل میں آیا۔ خاص طور پر شہر میں
من و امان قائم کرنے میں پولیس کی مدد
رنے کی غرض سے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ خاص
طور پر پولیس کی مدد کرنے کے اس ادارے
کے کردار میں تبدیلی آئی۔ آج یہ پچاس ہزار
مردوں اور خواتین پر مشتمل ایک باضابطہ
جماعت ہے۔ جس میں زندگی کے ہر شعبے
کے لوگ شامل ہیں اور موقع پڑنے پر شہریوں
کے لئے ضروری خدمات فراہم کرنے کے لئے
تیار رہتے ہیں اور سماج کے معاشی طور پر
کمزور طبقے کے سدھار کے مقصد والے کاموں
میں عملی طور پر شرکت کرتے ہیں۔ وزیر اعظم اندرا

گاندھی نے ملک میں زندگی کو بہتر بنانے اور
ملک میں خوشحالی لانے کے لئے عوامی جدوجہد
کی جو آواز دی اس پر ان لوگوں نے پوری طرح
لبیک کہا۔

بے گھر افراد کے لئے مکانات

۲۰ نکاتی پروگرام کے تحت غریبوں کے لئے
مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں وزیر اعلیٰ مہاراشٹر
شری شنکر راؤ چوان کی اپیل کو لبیک کہتے ہوئے
ہوم گارڈز نے ریاست کے مختلف حصوں جیسے
امراؤتی، بھنڈارا، بلڈانہ، دھولے، کولابہ
وغیرہ میں پسماندہ افراد کے لئے جھونپڑوں
کی تعمیر کے سلسلے میں اپنی خدمات پیش
کی ہیں۔

آنکھ کیمپس

نابیناؤں کو بینائی فراہم کرنا ایک بہت
ہی بڑا کام ہے اور اس سلسلہ میں مشہور آنکھ

سرجن پدم بھوشن ڈاکٹر ایم۔ سی مودی نے
ریاست کے مختلف علاقوں میں آنکھ کیمپس
منعقد کر کے لائق تحسین کارنامے انجام دیئے
ہیں اور ہر جگہ ہوم گارڈز نے ان کو پورا تعاون
فراہم کیا ہے۔
اس سلسلہ میں ضلع پونے کے بارامتی مقام
کے ہوم گارڈز نے بہترین خدمات پیش کی ہیں

سماجی کام

سماجی کاموں کے طور پر ریاست کے
ہوم گارڈز نے خون بنکوں کو خون عطا کئے ہیں
اور اس کے علاوہ مختلف سماجی کاموں میں
حصہ لیتے ہیں جیسے خاندانی منصوبہ بندی،
ناخواندگی دور کرنا نیز چھوت چھات کی
روک تھام اس کے علاوہ مختلف خیراتی
اداروں کے لئے چندہ وغیرہ جمع کرنے میں
ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔



ملک گیر تحریک

مہاراشٹر جس نے بہتیری تحریکوں میں قیادت کی ہے چاہے وہ ثقافتی ہو، سماجی ہو یا معاشی ہو، اس کو اس بات پر فخر کرنے کی وجہ ہے کہ اس نے ہوم گارڈ کی تحریک کو ۳۰ سال قبل شروع کیا جو کہ آج ملک گیر تحریک بن گئی ہے۔

مقاصد کی تکمیل

مہاراشٹر کے ہوم گارڈز ادارے نے ایسا وہ مقصد پورا کیا ہے جس کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ریاست میں اس کا قیام رضاکارانہ تصور کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔

کوئنا میں جبکہ زلزلہ آیا تھا تو ضلع ستارا کے ہوم گارڈز نے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک وہاں موجود رہ کر راحت کے تمام کاموں میں پوری شد و مد سے حصہ لیا اور متاثرین کی مدد کی۔ پونے کے سیلاب کے موقع پر بھی اس ادارے کے رضاکاروں نے سرکاری عہدیداروں کے ساتھ مل کر تمام متاثرین کی پوری طرح مدد کی بھیونڈی میں فساد پھوٹ پڑنے کے موقع پر ناسک اور پونے کے ہوم گارڈز فوری طور پر وہاں پہنچائے گئے جو نظم و نسق پر قابو پانے اور آگ وغیرہ بجھانے میں پوری طرح مددگار ثابت ہوئے۔

تربیت

ان کو مختلف حالات اور مواقع سے نپٹنے کے لئے مختلف قسم کی تربیت دی جاتی ہے جیسے قدرتی آفات، شہری نظم و ضبط، آگ بجھانے، بچانے، بنیادی طبی امداد اور ایمبولنس نیز مواصلاتی کاموں کے علاوہ ان کو اسکواڈ ڈرل اور اسلحہ ڈرل وغیرہ کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔

مہاراشٹر کے ہر ضلع میں ہوم گارڈ یونٹ کے آغاز سے یہ ضروری ہو گیا کہ ان میں ربط قائم ہو سکے اس لئے اعلیٰ تربیت کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس کے لئے سنٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ نے کاندیولی بمبئی میں پہلا ٹریننگ مرکز قائم کیا جس کو بعد میں گھاٹ کو پر لے جایا گیا۔ یہ انسٹی ٹیوٹ ہر ضلع کے ہوم گارڈ کو خصوصی تربیت دیتا ہے۔

جب شہری دفاعی ادارہ نہیں تھا تو اس کا پورا کام ہوم گارڈز کے ذمہ آ پڑا تھا اور ہند و چین اور ہند و پاک کے درمیان بالترتیب ۱۹۶۲ء و ۱۹۶۵ء میں جنگ کے دوران ہوم گارڈز نے شہری دفاع کا تمام کام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

۱۹۷۱ء میں پاکستان سے جنگ کے دوران ہنگامی حالات کے اعلان کے بعد بمبئی عظمیٰ، پونے، تھانے، ناسک، جلگاؤں اور ناگپور میں ہوم گارڈز کو ۲۴ گھنٹے کی ڈیوٹی پر بلایا گیا، اور شہری دفاع کا مختلف انتظام ان کے ذمہ سونپ دیا گیا۔

اس سلسلہ میں خواتین اراکین نے مرد ہوم گارڈز کے شانہ بشانہ اپنے فرائض انجام دیئے۔

شہری دفاعی ادارے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جبکہ ہند چین جنگ اچانک شروع ہو گئی، تب یہ محسوس کیا گیا اس قسم کا ادارہ مستقل بنیاد پر ہونا چاہیئے وقت پر اسے حرکت میں لایا جا سکے۔

اس سلسلہ میں ۴۹,۵۸۴ افرا[د] رضاکارانہ مقرر کیا گیا جس میں سے ۲۶،۷۹۲ رضاکار بھرتی کئے گئے اور ۱۹،۰۷۵ رضا[کاروں] کو شہری دفاعی معاملات کی پوری تربیت دی گئی۔

یہ تربیت مقامی طور پر سول ڈیفنس ٹاؤن اور سول ڈیفنس اسٹاف کالج بمبئی میں ریاستی سطح پر دی گئی۔ اس [سلسلہ] میں مختلف مدت کی مختلف اقسام کی ت[ربیت] ہیں جو کہ تربیت پانے والوں کی سہول[ت] کے مدنظر دی جاتی ہیں۔

سول ڈیفنس اسٹاف کالج کا [قیام] بمبئی میں ستمبر ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔

بقیہ صـ ۳۶

اقبال اور زندگی

این۔ اے۔ مرزا

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ . . . وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ
لبؔ پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بُلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا
چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مُسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کون ہوگا وہ شخص جسے آج بھی بچپن کی جھاڑیوں میں بنے ہوئے آشیانے کی تلاش نہ ہو؟ کون ہوگا وہ مُسلم جس نے عہدِ طفلی میں بارگاہ ربّ العزّت میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ بچّے کی دعا نہ مانگی ہو، کون ہوگا وہ ہندی جس نے اقبال کے ترانۂ ہندی کو نہ سُنا ہو۔ اور کون ہوگا وہ مُسلمان جسے شاعرِ مشرق کے اسلامی ترانے نے گرمایا نہ ہو۔

اقبالؔ، جن کی نگاہیں ہمیشہ حسنِ ازل کی جھلک دیکھا کرتیں، خاکِ وطن کا ہر ذرّہ اُن کی نگاہوں میں دیوتا تھا، وطن کے سوائے انھیں انسانوں میں اتحاد کے لیئے کوئی دُوسرا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ انسانوں کو ازلی اور ابدی رُوحانی بنیادوں پر متحد کرنا چاہتے تھے اور جب بھی لفظ استعمال کرتے اُن کی مُراد اسلامی نظام سے ہوتی۔ اس رُوحانی یعنی اسلامی نظام کی بنیاد پر وہ تمام بنی نوع انسان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے خواہاں تھے چنانچہ اسلامی شاعری کے دور میں بھی غلام ہندوستان کی اسیری انھیں تڑپاتی، اور ہندوستان کی رُوح شاعر کی زبان سے آہ و فغاں بلند کرتی۔

علامہ زندگی میں جارحانہ قومیت کے سخت مخالف تھے۔ ساتھ ہی ساتھ انھیں مغربیت سے بھی چڑ تھی۔ اسی لیئے مسولینیؔ کی درخواست پر اُنھوں نے اطالیہ کی نوجوان قوم کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ اگر وہ صحیح راہ اختیار کرنا چاہتی ہے تو اُسے مغرب کی زوال آمادہ تہذیب سے منہ موڑ کر مشرق کی رُوحانی و زندگی بخش تہذیب کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

اقبالؔ کی شاعری تین مختلف ادوار میں منقسم ہے۔ پہلا دَور 'نیا شِوالہ' اور 'تصویرِ درد' جیسی نظمیں لیئے ہوئے ہے جن میں شاعر دل کھول کر ملک کی زبوں حالی پر نوحہ خوانی کرتا ہے اور اہلِ وطن کو آپس میں محبّت اور غلامی سے آزادی کی تلقین کرتا ہے۔ اسی دور میں انھیں یوروپ میں قیام کرنا پڑا جہاں انھوں نے تصوّف اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا جس نے ان پر یہ بات واضح کردی کہ دنیا کی اصل حقیقت مادّہ نہیں بلکہ رُوح ہے

؎ عالمِ ظہور جلوۂ ذوقِ شعور ہے

دوسرا دور اُن کی فطری شاعری کا تھا۔ جس میں انھوں نے 'ایک شام' 'حقیقتِ حسُن' اور 'چاند تارے' وغیرہ جیسی فطری و حسین نظمیں کہیں۔ اس دور کی شاعری ہلکا سا تصوّف کا رنگ بھی لیئے ہوئے ہے ۱۹۰۸ء میں جب اقبالؔ ہندوستان واپس ہوئے اس وقت عالمِ اسلام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ چکی تھی۔ مُسلمانانِ عالم جنگ طرابلس، جنگ بلقان اور جنگ اناطولیہ کی تباہکاریوں سے بے چین ہوکر رہ گئے تھے اور اس بے چینی نے اقبالؔ کو بھی متاثر کیا اور انھوں نے دردِ اسلامی سے لبریز نظمیں کہیں اور اسی وجہ سے اس تیسرے دور کو اقبالؔ کی اسلامی شاعری

سے موسوم کیا گیا۔

اقبال خود اسلامی شاعری کے خالق تھے دراں کی زندگی اسلامی قومی تحریک کی علمبردار جیسے محمد علی کی سیاسی تحریر وتقریر اور مولانا آزاد کے اسلامی افکار نے جِلا بخشی اور اُسے پروان چڑھایا۔ یہ تحریک جو اسلام کے زوال کے باعث وجود میں آئی تھی، اسلام کو اس کے اصل رنگ و رُوپ میں دیکھنا اس کا اصل مقصد تھا جو ایک حد تک روایاتِ ماضی کے عالیشان قصر پر مشتمل تھا اور مذہبی حِس اس کی جان تھی۔ اس تحریک نے ایک طرف تو اُردو علم وادب کی زرخیز زمین میں ایک نئی انشاءُ اور نئی شاعری کی بنیاد ڈالی تو دوسری طرف جامعہ ملیہ اسلامیہ وجود میں آیا اور تیسری جانب خلافت اور ترکِ موالات جیسی تحریکوں کو اُبھرنے کا موقع فراہم کیا۔

زندگی کے لیل ونہار سے گذرتے گذرتے حیاتِ اقبال تصورِ کائنات سے بھی جا ٹکرائی جس کا اظہار 'اسرارِ خودی'، رموزِ خودی' پیامِ مشرق'، جاوید نامہ'، زبورِ عجم' اور ضربِ کلیم' میں ملتا ہے۔ تصورِ کائنات سے مُراد یہ نہیں کہ انھوں نے اپنا ایک فلسفہ مُرتب کیا انھیں فلسفہ سے چِڑ تھی اور وہ اپنے آپ کو فلسفی کہلوانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ فقیری انھیں ورثہ میں ملی ہے اور فلسفہ انھوں نے صرف ان ہی حقائق جن کا ان کو یقین ہے عقلی طور پر سمجھنے کے لئے سیکھ لیا ہے۔ وہ ایک شاعر تھے اور شاعری ان کے لئے مقدم۔ بلغیرِ حیات جو کچھ انھوں نے حاصل کیا وہ سرچشمۂ حقیقت سے بلاواسطہ تعلق کا نتیجہ تھا۔ وہ عقل کے ساتھ وجدانی کیفیت کے بھی ممنونِ احسان تھے۔ اس بنا پر ان کے خیالات کو محدود معنی میں فلسفہ نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک مکمل تصورِ کائنات تھے جن کو شاعری کا حسین رُوپ دیکر انھوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ محدود معنی میں فلسفہ اس نظامِ خیالات کا نام ہے جو عقلی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے اور جس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے نہیں بلکہ صرف عقل سے ہوتا ہے۔ اقبال از اوّل تا آخر ایک شاعر تھے جن کے تصورِ کائنات پر خالص اسلامی رنگ غالب تھا۔ الغزالی اور رُومی کا مطالعہ کرنے والا اور شرابِ حقیقت کا یہ پیاسا سرچشمۂ زندگی تک پہنچ ہی گیا۔ قرآن کے بارے میں ان کا قول تھا کہ اگر انسان صدقِ دل سے اس کا مُطالعہ کرے تو اس پر کائنات کے اسرار سربستہ کھُل جائیں۔ پیغمبرِ اسلام کی زندگی جس کی عملی تفسیر ہے۔ دنیا پہلے عہدِ طفولیت سے گذر رہی تھی اس لئے وہ عقلی احکامات کو سمجھنے سے قاصر رہی اس لئے ان کی رہنمائی معجزوں سے کی گئی۔ رسولؐ کے زمانے میں دنیا اپنے عہدِ بلوغ کو پہنچ گئی اس لئے آپ کو ایسا پیغام دیا گیا، جو انسان کے عقلی قوانین پر مستحکم تھا ختمِ نبوت پر بھی وہ ایک نئی دلیل پیش کرتے ہیں کہ چوں کہ تاجدارِ مکہ نے دنیا والوں کو ایسا نظامِ زندگی دیا جو عقل پر مبنی ہے اور معجزات کی ضرورت اب اس لئے باقی نہیں رہی کہ عقل انسانی اپنی فلاح وبہبود کے وسائل خود متعین کر سکتی ہے۔ ان پر ختم النبیاء کی مُہر لگ گئی۔ بظاہر یہاں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقبال سوائے عقل کے کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ایسا نہیں۔

اصولِ کائنات اور ارتقاء کے متعلق اقبال کا خیال تھا کہ دنیا یک بیک وجود میں نہیں آئی بلکہ اس نے ارتقاء کی بہت سی منازل طے کی ہیں۔ وہ مولانا رُومؒ سے اتفاق کرتے ہیں کہ "انسان نے اپنی انسانیت سے جمادات' نباتات اور حیوانات کی منازل طے کی ہیں اور آئندہ بھی وہ ترقی کی بے شمار منازل طے کرتا رہے گا۔ مادیت سے تدریجاً وہ روحانیت کی طرف بڑھ رہا ہے اور ممکن ہے کہ اس ارتقاء کا خاتمہ مکمل روحانیت پر ہو کیونکہ ارتقاء کی انتہائی منزل کا تصور صرف روحانیت ہی کا تصوّر ہو سکتا ہے"۔ لیکن یہ ارتقا ہموار نہیں بلکہ اصول تضاد کا پابند ہے جیسے زندگی کے لئے موت، ضمیرِ انسانی کے لئے نفسِ امّارہ اور خدا کے لئے شیطان وغیرہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مُصطفوی سے شرارِ بُولہبی

اور اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ اقبال' زندگی کے اس دُوسرے پہلو سے نظریں نہیں چُراتے۔ شاید اسی لئے کائنات کے ارتقاء میں تخریب کے اصول کی اہمیت کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح اصولِ تعمیر کو۔ اسی لئے وہ شیطان کو مولوی کی نگاہ سے دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے بلکہ اس کی عالی ہمتی کی داد دیتے ہیں اور نیکی و بدی کی اس جدوجہد میں نیکی بدی پر چھا جاتی ہے۔

بقول غالبؔ ؎

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا!

اور اقبال کے نزدیک کائنات کی اصل صداقت حسن اور نیکی ہے۔ وہ حسن ہر جگہ تلاش کرتے ہیں اور "ایک عاشق ہرجائی کی طرح حسن کی اس کے مظہر میں پرستش کرنا چاہتے ہیں" ؎

جستجو کل کی لئے پھرتی ہے اجزا میں مجھے
حُسن بے پایاں ہے درد لادوا رکھتا ہوں میں
گو حسنِ تازہ ہے ہر لحظہ مقصودِ نظر!
حسن سے مضبوط پیمانِ وفا رکھتا ہوں میں

وہ نیرنگئ کائنات میں جلوۂ قدرت دیکھتے ہیں جو انھیں ترقی کی اعلیٰ منزلوں تک لے جاتی ہے اقبال کے نزدیک عقل کی کوئی اہمیت نہیں ان کا خیال ہے کہ عقل زندگی کے اسرار سربستہ کو افشا نہیں کر سکتی اور نہ ہی زندگی کے لئے

ئی راہِ عمل مرتب کرسکتی ہے۔" وہ عقل کے
نابلے میں دل کی اہمیت کو نہ صرف سراہتے
ب بلکہ دل کی صفت عشق کے دلدادہ بھی
یا ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات
عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمِ بدم

اں تک مادیت میں عقل کا تعلق ہے، اقبال
ں سے انکار نہیں کرتے لیکن عالمِ ارواح میں
ہ ایک بے جان و بے معنی سی شئے ہے کیونکہ
ب، منطق، ریاضی اور سیاست وغیرہ
قل کی کسوٹی پر پرکھے جاتے ہیں لیکن جس طرح
سمانی اعضائے عقل کا کام نہیں لیا جا سکتا
سی طرح عقل سے اصلِ حقیقت کا پتہ لگانا
مکن نہیں۔

اقبال کی مشہورِ زمانہ اصطلاح 'عشق'
ی تخلیق وجدان کے نظری عناصر کی عملی عناصر
یں شمولیت کی وجہ سے ہوئی جس میں عقل کی
وشگافیوں کا دُور تک بھی گذر نہیں۔ عشق
موز کے سارے پردے اُٹھا کر شاہدِ معنی کو
ے نقاب کر دیتا ہے اور ہر چیز میں ایک انفرادیت
یدا کر کے مشکلات اور رکاوٹوں سے بے پرواہ
نزل کی جانب بے خوف بڑھتا چلا جاتا ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عشق کی یہی کامرانی کارگاہِ ہستی میں ایزدی
رہنمائی ہے جس کے ذریعہ انسان اپنی مادی
اور روحانی منازلِ ارتقاء طے کرتا ہے۔ یہاں
تک کہ یہی وہ عشق ہے جس نے خود خالقِ کائنات
کو اپنی ذات میں دلچسپی لینے پر مجبور کیا اور
جس کے باعث اس نے کائنات کو پیدا کیا
تاکہ خود اپنا مشاہدہ کر سکے۔
بقول غالب ؎

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

اقبال کے نزدیک زندگی کی اصل حقیقت
خودی میں مضمر ہے ؎

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِّ زندگانی ہے

اور ؎

زندگی ہے صدف قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا ہے جو قطرے کو گہر کر نہ سکے

خودی کیا ہے؟ رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے؟ بیداریٔ کائنات

جب یہ خودی بیدار ہو جاتی ہے تو اس کی ترقی
کے امکانات لامحدود ہو جاتے ہیں کیونکہ اس
وقت اس کا ایزدی عنصر جاگ جاتا ہے جس کی
ترقی کے امکانات کا پتہ کون و مکاں کو نہیں
لگ سکتا۔ زندگی کے اس فلسفے پر جو یہ خیال
کرتے ہیں کہ اقبال جرمن فلسفی نطشے سے مکمل
طور پر متاثر تھے یہاں پر غلطی کر جاتے ہیں۔ اس
امر سے انکار نہیں کہ اقبال، نطشے سے متاثر
ضرور تھے لیکن نطشے کے افکار میں اقبال کو صرف
تعمیرِ خودی، استحکامِ خودی اور عروجِ آدم کے
مضامین پسند تھے لیکن تخریب سے اُن کا دور
کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ نطشے کے یہاں جلال
کا پہلو جمال کے پہلو پر اس قدر غالب ہے کہ
ہستی محض ایک میدانِ کارزار بن جاتی ہے۔
اقبال خودی کے ساتھ ایک بے خودی کا فلسفہ
بھی رکھتے ہیں اور ایک کے بغیر دوسرے کو ناقص
گردانتے ہیں۔ نطشے کے یہاں انفرادی خود اختیاری
کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ وہ جمہوریت اور
مساوات کا مقلد نہیں اور غریبوں اور کمزوروں
کے لئے اس کے پاس صرف نفرت کے کچھ بھی
نہیں، جبکہ اقبال جمہوریت کی موجودہ شکلوں
کو دھوکا تو سمجھتے ہیں لیکن مساوات سے انکار
نہیں کرتے اور ایک ایسے خدا کے قائل ہیں جو
اپنے فرشتوں کو حکم دیتا ہے ؎

اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو!
جس کھیت سے دہقاں کو میسر ہو روزی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اقبال زندگی کو اعلیٰ سطحوں پر دیکھنے کے خواہشمند
تھے لیکن نطشے کی نظر صرف چند کامل افراد پر
لگی رہتی تھی۔

اقبال نے زندگی کی بنیاد "یقین محکم" اور
"عمل پیہم" پر رکھی۔ وہ انسانوں کو عامل اور
مردِ مجاہد دیکھنا چاہتے تھے۔ ؏

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

اسی لئے وہ ٹیگور کی پُرسکون زندگی کے خواہاں نہیں
جو عالمِ تخیلات میں مشکلاتِ انسانی سے بے
پرواہ ہو جانا چاہتے ہیں جبکہ اقبال کشمکشِ
حیات سے نبرد آزما ہو کر ان پر حاوی ہو جانا
چاہتے ہیں ؏

سخت کوشی سے تلخ زندگانی انگبیں

ٹیگور بارگاہِ رب العزت میں سرِ نیاز خم کر دیتے
ہیں لیکن اقبال بارگاہِ خداوندی میں بھی اپنی
انسانی خودی کو فراموش نہیں چاہتے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ٹیگور کے یہاں سب کچھ ہستی کی نفی میں ہے لیکن
اقبال کے یہاں اثباتِ ہستی کا تصور سب سے
زیادہ نمایاں ہے جو اسلام کے عملی فلسفۂ زندگی پر
مبنی ہے۔

اقبال کا تصورِ زندگی نہ تو خالص مشرقی
راہبانہ تھا اور نہ ہی مغرب کی طرح خالص
مادیت پر مبنی۔ اُن کے نزدیک زندگی کے اُبھرنے
پھلنے اور پھولنے کے لئے منفی اور مثبت دونوں
ضروری ہیں۔ وہ تعمیر کے ساتھ تخریب کو بھی
سراہتے ہیں محض اس لئے کہ تعمیر پائیدار ہو سکے
وہ تشدد کے ساتھ عدمِ تشدد کی بھی حمایت

کرتے ہیں تاکہ انصاف اور رواداری کا راستہ صاف ہو جائے ورنہ تشدد ان کے لئے موت سے کم نہیں۔ وہ تو زندگی کے خواہاں تھے اور انھیں زندگی کی نیرنگیوں، دلفریبیوں کے علاوہ مشکلات سے بھی پیار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انفرادیت اور اجتماعیت ان کے یہاں باہم سموئے ہوئے ہیں۔ ان کی نظر میں خودی اور بے خودی دونوں پر مرکوز تھیں۔ انھوں نے دین و دنیا کو یکجا کیا اور مشرق و مغرب ان کے یہاں دو ندیوں کا سنگم بنے نظر آتے ہیں۔

"اقبال جو ایک حساس دل کے مالک تھے۔ جنھوں نے فطرت کے ہر مظہر اور انسانیت کی ہر تحریک سے متاثر ہو کر ان تاثرات پر اپنی عظیم الشان شخصیت کی مُہر ثبت کی اور پھر اُن کو دوبارہ نئے انداز، جوشِ فکر اور حُسن کے ساتھ پیش کیا، وہ شاعرِ زندگی جس نے مسلمانانِ ہند کو ایک نئی حیات بخشی۔ اپنی تمام عمر دولت و ثروت، عزّ و جاہ سے بے پرواہ ہو کر قلندری و فقیری میں بسر کی ۔

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

اسی فقیری نے انھیں وہ روحانی دولت بخشی جس سے ان کی زندگی کا ہر لمحہ اور ان کے کلام کا ایک ایک شعر لبریز ہے اور وہ ہمیشہ کیلئے گوئٹے، ڈانٹے، رومی، سعدی، شیکسپیئر اور مرزا غالب کی طرح زندہ و جاوید ہیں۔ کیونکہ انھوں نے ہمیشہ زندگی سے بھرپور ازلی اور ابدی گیت گائے، کیونکہ وہ ایک مردِ قلندر، خودی کے پاسباں، مشرق کے محافظ، نیرنگیٔ حیات و انسانیت کے علمبردار اور توحید کے نغمہ خواں تھے ۔

غزل

بشیر فاروقی
۵۱۵۔ مُرادعلی لین
نئی بستی، لکھنؤ۔ یوپی

خون کو رنگِ حنا، زخم کو گلزار کہا
دل سے بے بس ہیں کہ قاتل کو بھی دلدار کہا

اَب اُسی آنکھ میں آنسو ہیں ہماری خاطر
جس نے ہم اہلِ محبت کو خطاوار کہا

صاف دل آپ ہیں لیکن یہ زمانہ تو نہیں
سب سے ہنس کر نہ ملا کیجئے سو بار کہا

رات بکھری تو اُسے ہم تری زُلفیں سمجھے
شاخِ گُل جھومی تو اس کو تری رفتار کہا

آپ تو ہم سے زیادہ ہی پریشاں نکلے
ہم نے حالِ غمِ دل آپ سے بیکار کہا

پارسا وہ ہیں جو انساں کا لہو پیتے ہیں
ہم نے پی آگ تو سب نے ہمیں میخوار کہا

ایک مرکز پہ کبھی آپ ٹھہرتے ہی نہیں
آج ہم کو تو کل اوروں کو وفادار کہا

خواب پرچھائیں ہے پرچھائیاں دھوکا ہیں بشیر
خواب دیکھا نہ کرو تم سے کئی بار کہا

عمل ہے شریعتِ زندگی

سید آلِ رسول نظمی

۱۱، بیپتی ہاؤس، دوسرا منزلہ، کالینا کرلا روڈ، سانتا کروز ایسٹ، بمبئی ۴۰۰۰۲۹

نئے راہبر، نئے راہرو، نئے کارواں، نئی منزلیں ¤ نئے عزم ہیں، نئے حوصلے، نیا جوش ہے، نئی ہمتیں
نئے ساز ہیں، نئے سوز ہیں، نئے گیت ہیں، نئی محفلیں ¤ نئے آشیاں، نئے باغباں، نئے گلستاں، نئی بلبلیں
نئے گاؤں ہیں، نئے شہر ہیں، نئے جھونپڑے، نئی بلڈنگیں ¤ نئے فارم ہیں، نئے فارمر، نئی فیکٹری، نئی صنعتیں
نئی نسل ہے، نیا خون ہے، نیا ولولہ، ہے نئی لگن ¤ نئے ذہن ہیں، نئی جستجو، نئے آسماں، نئی رفعتیں
نئے کھیت ہیں، نئی فصل ہے، نئی پود ہے، نئے بیج ہیں ¤ نئے پیڑ ہیں، نئی شاخ ہے، نئے پھول ہیں، نئی کونپلیں
وہ اندھیرے جو کہ مخالفوں[1] نے ہمیں دیئے تھے، وہ چھٹ گئے ¤ نئی شمع ہے، نئی روشنی، نیا نور ہے، نئی رونقیں
ہر اک اپنے کام میں ہے مگن، نیا شوق ہے، نیا بانکپن ¤ نئے نظم و ضبط کے راج ہیں، نہ گھراؤ ہے، نہ بغاوتیں
نہ کوئی کسی کا غلام ہے، نہ کوئی کسی کا اسیر ہے ¤ نیا حکم آیا سنو، سنو، ہوئیں ختم جبر[2] یہ محنتیں
وہ[3] جو چوستے تھے ہمارا خوں، وہ[4] جو لوٹتے تھے ہمارا دھن ¤ وہ[5] جو کاروبار کے چور تھے، وہ اٹھا رہے ہیں صعوبتیں
ہوا سود خور کا خاتمہ، ہوئے ختم سارے بچو[6] لئے ¤ ہوئے کھیت پھر سے ہرے بھرے، جو ملیں کساں کو سہولتیں[7]
وہ جو بے مکان تھے کل تلک، انھیں آج گھر کے لئے زمیں ¤ تھے جو تنگ فکرِ معاش سے، انھیں روزگار کی صورتیں[8]
مرا دیس پھر سے سنور اٹھا، مرا دیس پھر سے نکھر اٹھا ¤ نئے ضابطے[9] کی یہ دین ہے، یہ نئے نظام[10] کی برکتیں

ہے عمل حقیقتِ زندگی، ہے عمل شریعتِ زندگی
ہے عمل ہی مقصدِ زندگی، ہو عمل تو ملتی ہیں راحتیں

[1] فسطائی طاقتیں، [2] جبری مزدوری کا رواج، [3] منافع خور، [4] اسمگلر، [5] ٹیکس چور، [6] دلال، [7] دیہی بنک، کوآپریٹو ادارے، اصلاحات اراضی وغیرہ، [8] اپرنٹس شپ اسکیم وغیرہ، [9] ایمرجنسی، [10] وزیر اعظم کا بیس نکاتی اقتصادی پروگرام

ہمارا دھرم

از: کرشن بہاری نور لکھنوی

ہمارے دھرم کے پھیلاؤ پر نظر ڈالو
ہمارا دھرم محبت ہے اے وطن والو

ہمارے دھرم کے پیغمبروں کی صف ہے بڑی
اشوک اکبر و گوتم ... بخاری و تلسی
رفیع جوہر و اقبال ... نہرو و گاندھی
کبیر خسرو، چیتنیہ، نانک و چشتی

یہ چند نام جو یارو زباں پہ آئے ہیں
ذرا بتاؤ یہ اپنے ہیں یا پرائے ہیں
ہر اک نے گیت مساوات ہی کے گائے ہیں
چراغ پیار کے کس نے نہیں جلائے ہیں

ہمارے دھرم کی سیما کوئی نہ حد بندی
نہ کوئی ہندو نہ مسلم نہ سکھ نہ عیسائی
کوئی بھی موڑ نہیں اتنی راہ ہے سیدھی
ہر اونچ نیچ نشیب و فراز سے خالی

نہ یہ غرض کے لئے ہے نہ یہ طلب کے لئے
نہ بس عجم کے لئے ہے نہ بس عرب کے لئے
نہ ایک نسل کی خاطر ہے نہ اک نسب کے لئے
ہیں آفتاب کی کرنیں زمیں پہ سب کے لئے

وہ کیا ہوا، جو چلے دیکھ کر غریب امیر
وہ کیا گھٹا، جسے پڑھ نہ سکے کوئی زنجیر
وہ کیا بہار، جو سوچے یہ شاہ ہے یہ فقیر
وہ کیا صبا، کہ جسے روک لے کوئی رہگیر

ہوا محل کے لئے ہے نہ جھونپڑی کے لئے
صبا ہمارے لئے ہے نہ آپ ہی کے لئے
بہار آتی نہیں ایک آدمی کے لئے
گھٹا ٹھہر کے برستی نہیں کسی کے لئے

نگاہ اپنی جگہ ہے خیال اپنی جگہ
صدی ہے اپنی جگہ ماہ و سال اپنی جگہ
مسرت اپنی جگہ ہے ملال اپنی جگہ
فراق اپنی جگہ ہے وصال اپنی جگہ

کبھی بھی رات کا حق چھینتی نہیں ہے سحر
کسی کے پاؤں پکڑتی نہیں ہے راہگزر
جسے بھی دیکھو چلا جا رہا ہے اپنی ڈگر
کہ اپنی اپنی حدوں پر ہر ایک کی ہے نظر

زمانہ کہتا ہے اے دوست جس کو جشنِ بہار
ہمارا دھرم مناتا ہے سال میں دوبار
بہت بلند ہے چھبیس جنوری کا وقار
بڑا حسین ہے پندرہ اگست کا تہوار

ہمارے پاس یقین و عمل کی طاقت ہے
خلوص، پیار، اہنسا، وفا، صداقت ہے
یہاں غریب ہے وہ جس کے پاس دولت ہے
یہاں رئیس ہے وہ جس میں آدمیت ہے

یہاں چراغ کدورت کے جل نہیں سکتے
مصیبتوں میں ارادے بدل نہیں سکتے
حسد میں بغض میں نفرت میں ڈھل نہیں سکتے
یہ کھوٹے سکے اسی طرح چل نہیں سکتے

مزا تو جب ہے کہ ہم پر تمہارا قابو ہو
تمہاری آنکھ میں جب ہو ہمارا آنسو ہو
وہی ہے پھول کہ جس میں مہک ہو خوشبو ہو
لہو رگوں کا مسلمان ہو، نہ ہندو ہو

کسی کو مار کے کچھ روز جی لیے تو کیا
کسی کو روک کے آگے اگر بڑھے تو کیا
کسی کے لب کی ہنسی چھین کر ہنسے تو کیا
ضمیر بیچ کے جنت بھی پا گئے تو کیا

مزا تو جب ہے کہ اپنا وطن ہی جنت ہو
غلط نہ صرف ہو جو بازوؤں میں طاقت ہو
اصولِ زیست مشقت ہو اور محنت ہو
یہی ہو پوجا ہماری یہی عبادت ہو

بہار دیوی ہے اپنی تو دیوتا بادل
ہماری آنکھ کے آنسو ہی ہم کو گنگا جل
ہمارے کعبہ و کاشی ہیں تڑامبے ننگل
ہمارے مندر و مسجد اجنتا تاج محل

اِن آئینوں میں ذرا عکسِ آگہی دیکھو
جفاکشی کے چراغوں کی روشنی دیکھو
جو غم کے بعد ملی ہم کو وہ ہنسی دیکھو
اسیر کر لی جو ہم نے وہ زندگی دیکھو

مُراد یہ ہے نہ کوئی کسی کا دشمن ہو
مُراد یہ ہے کسی قسم کا نہ بندھن ہو
مُراد یہ ہے کوئی فکر ہو نہ اُلجھن ہو
مُراد یہ ہے کہ سُکھ شانتی کا جیون ہو

دعائیں کیجئے شب ختم ہو سحر آئے
ہر ایک بھٹکا ہوا اپنی راہ پر آئے
بہار جلدی ہماری طرف آئے
جدھر نگاہ اُٹھے زندگی نظر آئے

ہمارا دھرم محبت ہے اب وطن والو
ہمارے دھرم کے پھیلاؤ پر نظر ڈالو



خوش آمدید



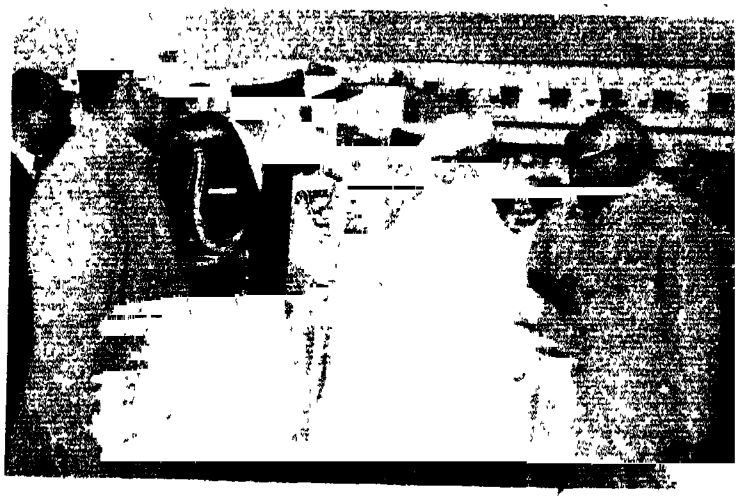
وزیر اعلیٰ، شری شنکر راؤ چوان ۵ ردسمبر ۱۹۷۶ء کو بمبئی میں صدر ہند شری فخر الدین علی احمد کی آمد پر ان کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔



ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر برائے پروٹوکول نے سانتا کروز ہوائی اڈے پر اعلیحضرت شہزادہ حسن بن طلال ولی عہد سلطنت ہاشمیہ اردن اور شہزادی ثروت کو خوش آ[مدید] کہا۔ اس تصویر میں شری منوہر جوشی، [میئر] بمبئی، شریمتی لیلا مول گاؤنکر، شریف بمبئی اور ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے پروٹوکول بھی نظر آ رہے ہیں۔



شری ادے سنگھ راؤ گائیکواڑ، وزیر مملکت برائے صنعت نے ۲۴ ر نومبر ۱۹۷۶ء کو سانتا کروز ہوائی اڈے (بمبئی) پر روسی وزیر پروفیسر دی۔ دی بوتیشسر کا خیر مقدم کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔



وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۶ر دسمبر ۷۶ء کو سانتا کروز ہوائی اڈے پر صدرِ ہند شری فخرالدین علی احمد کو الوداع کہا۔ اِس موقع پر لی گئی اس تصویر میں صدر موصوف، شری ایس۔ کے وان کھیڈے، اسپیکر مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی کے ساتھ محوِ گفتگو ہیں۔

✶



مسٹر ایل۔ نیہینی، تجارتی کمشنر بلغاریہ ۲۵ر نومبر ۷۶ء کو سیچیوالیہ، بمبئی میں، راشٹر کے وزیراعلیٰ شری ایس۔ بی چوان سے قات کی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

✶



۵ر دسمبر ۷۶ء کو حسن آباد، مجگاؤں میں معقدہ ۵۵ جوڑوں کے "سموہا لگن" میں وزیرِ مملکت برائے ہاؤسنگ، شری پربھاکر کنٹے اور نائب وزیر برائے زراعت اور اوقاف شری علی حسن ممدانی نے دُلہنوں اور دُولہوں کو مُبارکباد دی۔ اِس "سموہالگن" کا اہتمام ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان اسمٰعیلیہ لوکل کونسلس برائے شمالی اور جنوبی بمبئی نے کیا تھا۔ ایسے "سموہالگن" کا مقصد شادی بیاہ پر فضول خرچی، جہیز اور دیگر فضول رسم و رواج کو ختم کرنا ہے۔

ایک آرزو

قمر سیوہاروی
مکتبہ الفاروق وزیر بلڈنگ
ابراہیم رحمت اللہ روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳

ایک شب! جب تھی زمیں کی ساری خلقت محوِ خواب
زندگی کے بام و در پر تھی خموشی بے حساب
ایک شاعر جس کی پروازِ تخیّل ہے جواں!
روزِ روشن کی طرح جس کی نگاہوں پر عیاں
یوں تو وہ شاعر رہا کرتا ہے اکثر سوگوار
جاگتا باقی ہے اس کو گردشِ لیل و نہار
رات کے خاموش لمحوں کی صدا سنتا ہے وہ
وہ شبِ ماہتاب جس کا ذکر اوپر ہو گیا
چونکہ وہ شاعر تھا درسِ فکر و حکمت کا امیں
اُس نے دیکھا جلوہ گر ہے اِک نرالی سرزمیں
خوبصورت اک عمارت تھی وہاں پیشِ نظر
بابِ گاندھی تھا کسی پر بابِ قدوائی لکھا
بابِ نہرو اک حسیں محراب پر مرقوم تھا
شاعرِ بے تاب کو منّت سے اور احسان سے
جلوہ گر تھے ایک ہی محفل میں سارے پیشوا
سب کے جاموں سے چھلکتی تھی شرابِ سرخوشی
دیکھتے ہی کہہ اُٹھے سب آمدی خوش آمدی
یوں جوابِ زندگی شاعر کی جانب سے ملا
آج کا ہندوستاں ہے واقعی جنّت نشاں
امن و صلح و شانتی کا دَور دورہ آج ہے
ظلم و استبداد کے ہاتھوں کوئی روتا نہیں
اب نہیں ہوتے کہیں پر فرقہ وارانہ فساد!
کوئی دشمن ملک اب آنکھیں دکھا سکتا نہیں
مانتے ہوں وید کو، گیتا کو یا قرآن کو

آسماں پر ضَو فگن تھا چودھویں کا ماہتاب
آسماں کھولے ہوئے تھا نظمِ عالم کی کتاب
گھر ہے جس کا ہند میں گنگ و جمن کے درمیاں
گاندھی و نہرو کی گودوں کا پلا ہندوستاں
رُوح تو زندہ ہے لیکن جسم ہے زار و نزار
اُس کی خشک آنکھیں ہیں گویا زاہدِ شب زندہ دار
قوم کے مستقبل و حاضر پہ سر دُھنتا ہے وہ
اتفاقاً اُس نرالی رات میں وہ سو گیا
اُس کی خوابیدہ نگاہیں خود بخود کُھلنے لگیں
جس کے پتھر ہیں زمرّد جس کی مٹی عنبریں
جس میں ہر جانب کشادہ تھے بہت سے بام و در
بوس اور آزاد سب کے نام سے اِک باب تھا
بس نو مبر کی قیادت کا یہی مفہوم تھا
چند لمحوں کی اجازت مل گئی دربان سے
ہند کے بے باک رہبر، پیکرِ مہر و وفا!
سب کے دل کو مل گئی تھی جاودانی زندگی
دیش کے حالات کیسے ہیں، بتا دے واقعی؟
رشک کے قابل ہے گلزارِ اُخوّت کی فضا
آج کے ہندوستاں کی ہے نرالی داستاں
آج خوشحالی کا ہر جانب مکمل راج ہے
بھوک کے پنجے میں پھنس کر جان اب کھوتا نہیں
بھائی بھائی ہیں سبھی، نعرہ ہے سب کا اتحاد
ساکنانِ ہند کو بے جا دبا سکتا نہیں!
جان سے زیادہ سمجھتے ہیں وطن کی آن کو

اِتنا سُننا تھا کہ نہرو ہو گئے بے اختیار
اور شاعر سے کہا، اے شاعرِ شب زندہ دار
دخترِ نہرو سے کہنا آرزو نہرو کی ہے
تو ہمیشہ خوش رہے، خرّم رہے، جُگ جُگ جئے



اعجاز سیمابی

۱۰۷۔ پہلا منزلہ، جولی بھون

نیو میرین لائینس، ممبئی ۲۰

جوش ملسیانی کی سوانحی نظم

ڈاکٹر سید محمود مرحوم نے ۱۹۵۷ء میں
تھا"... جوش ملسیانی زندہ ہیں اور
تک وہ زندہ ہیں، داغ زندہ ہے..."
جوش ملسیانی مرحوم کے دوسرے مجموعۂ
م جنون و ہوش کے صفحہ ۱۹۳ پر ایک
عنوان "آنسو" درج ہے، میری ذاتی
ے میں "آنسو" ایک سوانحی نظم ہے۔
ں میں بزبانِ آنسو حضرت جوش ملسیانی
اپنی زندگی کو بیان کیا ہے۔ دُکھ بھری بیتا
طرف بڑے لطیف اشارے کئے ہیں نظم
نوان سے جن حالات و کوائف کا علم ہوتا
، وہ اپنی جگہ کردار کی حیثیت رکھتے ہیں
جوش ملسیانی کے ذاتی رکھ رکھاؤ کو
ے ابدیت بخشتے ہیں۔

ایک سوال انتہائی اہم ہے۔ وہ یہ کہ
ر شاعر نے لفظ "آنسو" ہی کیوں عنوان
نب کیا۔ اچھے اور بُرے کی بات کا سوال
یں ہے۔ لیکن کیا زندگی کی آنسو بھری
ستان سُنانے کے لئے کوئی اور عنوان
یں ہو سکتا تھا۔ مثلاً "شمع" "چراغ"
جنازہ" "بوند" "زہرابِ غم" "طوفان"
شعلہ" وغیرہ لیکن نہیں، مسلسل مصائب
عیبتی کی شعلگی لفظ آنسو ہی میں مضمر ہے
مع کی عمر کم.. اُسے دوام نہیں... چراغ بھی
ی ذیل پر روشنی ڈالتا ہے.. جنازہ حیات
ے تصادم کی آخری شکست... بوند.. میں

گنجائش کم اور "طوفان" آیا اور گیا.. "زہرابِ غم" کشاکش کی رسّہ کشی پر دلالت نہیں کرتا غرض زندگی کی اکھاڑ پچھاڑ اور پھر اس میں نمو کی خوبُو کے ساتھ اظہار کی شکل صرف آنسو میں پوشیدہ ہے۔ کسی اور لفظ کے احاطے کی چیز نہیں۔ آخر ایسے کون سے کوائف ہیں جو شاعر کو یہ نظر بخش رہے ہیں کہ وہ آنسو کی زبان میں اپنی سرگذشت کو بحُسن و خوبی بیان کرے۔ جوش ملسیانی کا کوئی تحریری یا زبانی حوالہ ابھی تک ایسا دستیاب نہیں ہوا ہے جس کے ذریعہ اس خیال کی تائید ہو کہ "آنسو" نظم اُن کی اپنی عمرِ عزیز کی کہانی ہے۔ لیکن آیئے اس پر کیوں نہ سوچا جائے کہ یہ سوانحی نظم ہے۔

جوش ملسیانی برہمن زادہ تھے۔ ان کے والد بڑی رسیا طبیعت کے آدمی تھے قصّہ خوانی بازار پشاور میں مصری اور بتاشوں کی دوکان چلاتے تھے۔ جوش صاحب کے بڑے بھائی والد کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ کی ایک بڑی بہن خان پور میں بیاہی تھیں۔ لیکن ازدواجی زندگی کانٹوں کی سیج بن گئی تھی جس نے زندگی کو کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ غالبًا اسی غم سے پردیس میں نجات پانے کے خیال سے والد کی شراب وکباب کی طرف رغبت ہو گئی۔ جو کچھ کماتے وہ سب ٹھکانے لگ جاتا۔ اس جامِ شوق میں بڑے بڑے ملک ڈوب گئے یہ تو مصری بتاشوں کی دوکان تھی، آسانی سے گھُل گئی والدۂ جوش اور خود جوش صاحب کی زندگیاں بالراست متاثر ہوئیں۔ جس کا لازمی نتیجہ عسُرت کی شکل میں بڑھتا چلا گیا۔ جوش صاحب کے فرزند ارجمند عرش ملسیانی نے اپنے والد کے لئے لکھا ہے "... والد (جوش صاحب) جب ماں کی داستان سُناتے تھے تو جی بھر آتا تھا۔" گویا تمیز کی اُٹھان کا جو زمانہ جوابی دَور (ANSWER AGE) کہلاتا ہے اور جس میں ذہن نیک و بد میں امتیاز کر کے جوابدہی کے لئے آمادہ ہونے لگتا ہے اور اس عمر کو نہایت خوشگوار اور آزاد فضا میں سانس لینے کے لائق ہونا چاہیئے۔ بتایئے اس عمر پر پہنچتے پہنچتے جوش صاحب گمبھیر ہو گئے تھے۔ آرزوئیں، جوان ہونے سے قبل سنجیدہ ہو گئی تھیں۔ والد کے شوق کا خیال ماں کی بے بسی، مستقبل کی فکر میں تعلیم کا جاری رکھنا اور پھر اس پر مستزاد بڑی بہن کا گھریلو المیہ، ان چیزوں نے جوش صاحب کو زمانے کے چیلنج قبول کرنے کا عظیم درس دیا۔ اسی دَوران جبکہ عمر پندرہ کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ والد کا انتقال بھی ہو گیا۔ گویا اب فکرِ معاش کا سوال بھی پہاڑ بن کر سامنے آکھڑا ہوا۔

یہی دَور ہے جب "آنسو" پرورش

ہے ۔ جو سُرمۂ بصیرت کو دھوتا نہیں جِلا
تا ہے ۔ دیکھئے اس دورِ شباب کی آئینہ
ں کا جوہر ۔

دل کے ڈوبے ہوئے ارمان ہیں لاکھوں مجھ میں
لوگ قطرہ جسے کہتے ہیں وہ دریا ہوں میں

ش صاحب اسی دَور سے گزر رہے تھے اس
اضح حقیقت جو والد کی موت کے بعد
دھوں نے محسوس کی ہے ۔ یہ ذمّہ داری پھوٹی
ُ تقدیر بن گئی ہے ۔

عہدِ طفلی میں مِلا داغِ یتیمی مجھ کو
اپنی پھوٹی ہوئی تقدیر کو روتا ہوں میں

ر فکرِ معاش کا مسئلہ کیوں نہ سر اُٹھاتا ۔
نا ہے کہ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا ہے
وقت ان کی جیب سے صرف سوا چودہ
ے نکلے تھے ۔ یہی کلُ اثاثہ تھا ۔ بتائیے سوا
دہ آنے سے کیا ہینگ لگتی ۔ خاندان کے
تیرے لوگ تعلیم جاری رکھنے کے قطعی مخالف
ے ۔ اور بعض متمول افراد کا یہ خیال تھا کہ
یں اُن پر یہ بار نہ پڑ جائے ۔ لیکن وہ والدہ
قناعت پسند اور خوددار طبیعت سے بھی
ف تھے ۔ ایسی صورت میں زندگی کا تماشا
بنتے دیر نہیں لگتی اس لئے کہ جب حساس
بیعتیں غربت کا مقابلہ کر رہی ہوں اور ہر
رورت خوددار انسان کے لئے موت بن جائے
ی کو نظر میں رکھ کر لطف لیجئے ۔

ہوگیا آگ سے پانی کا نکلنا ثابت
دل میں کچھ سوز ہویدا تو ہویدا ہوں میں

پھر نہایت ارفع وضاحت کے ساتھ ۔

آئینہ لوگ مجھے سمجھیں وہ حیراں ہوں میں

رعۂ ثانی کیا ہے ، آئینہ کا ٹکڑا ہے ، دیکھئے

آنکھ جس پر سے نہ اُٹھے وہ تماشا ہوں میں

اب کچھ نہیں تو زندگی کے شطرنج سے شغف
کیا ہے ۔ جوش صاحب نے تھکی طبیعت اور مزاج
بھٹکنے سے بچانے کے لئے یکسوئیِ دماغ کی
خاطر کہ چلو وقت بھی گزر جائے ، اسی دَوران
شطرنج کھیلنا سیکھا ہوگا ۔ تبھی تو احساسِ
جہد کے باعث اپنی زندگی کی بساط پر پیادا
بنے ہوئے ہیں ۔ دیکھئے کس قدر لطیف و
صادق احساس ہے جو یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے
ـــ نجانے اورکتنوں کی یہ کیفیت آج بھی
ہوگی ۔

مجھ سے جانباز کو غربت ہے بساطِ شطرنج
جو نہ پلٹے کبھی واپس وہ پیادا ہوں میں

اس یاس بردوش اور غربت بداماں بے بسی کو
ملاحظہ کیجئے جب شاعر خود کو پیادا سمجھ لے ۔
زندگی کو بساطِ شطرنج کہہ دینے سے کام نہیں
چلتا ۔ یہ تو عمر خیام کا ایک فرسودہ خیال ہے'
جو اُس کی رباعیات میں طرح طرح کی شکلوں
میں جلوہ گر ہے خود عمر خیام نے اپنے کو ایک مُہرہ
(ƎƎ) کہا ہے ۔ پیادا نہیں کہا ۔ ہمارے شاعر
نے بالتشریح اپنے کو ایسا پیادا کہا ہے "جو نہ
پلٹے کبھی" "نہ پلٹے" پر غور کرتے وقت "کبھی"
نظرانداز نہ کیجئے ۔ یہ جوش صاحب کی زندگی
کی تفسیر ہے اس لئے کہ وہ محض مفکر یا حکیم
نہیں ہیں ۔ شاعرِ مطلق ہیں ۔ جو سب کچھ
ہوتا ہے ۔ آنسو دل کے ہر راز کا انکشاف
کر کے شکوۂ جور و آلام نہیں بنتا بلکہ اپنے
جوہرِ حِس کے اظہار کے لئے بیساختہ نکل پڑتا
ہے ۔ اور خود زبان بن جاتا ہے ۔

اس شعر کو لیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ
داستانِ حیات کو قیدِ زماں سے الگ کہا
گیا ہے ۔ یہ عمر خیام یا پھر کشاکشِ غم و اندوہ
اور حزن و ملال کے پیرایۂ بیان کی کاربن
کاپی نہیں ہے ۔

جوش صاحب کی عسرت' پریشاں
حالی اور ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ انھیں
دولتِ استغناء سے نوازتا ہے ۔ اس لئے
کہ ان کی زندگی کی ہر ادا آنسو میں ڈھل
گئی ہے ۔

گر پڑا آنکھ سے منّت کشِ مژگاں نہوا
مِل گیا خاک میں شرمندۂ احساں نہوا

زندگی میں یہ دولت کم مِلتی ہے ۔ اور
جسے مِلتی ہے وہ شخصیت عظیم ہوتی ہے ۔ آنسو
"منّت کشِ مژگاں" نہ رہے اس کا بلند
مقام یہی ہے ۔ گویا وہ تھے نہیں ۔ نِکلا ہے تو
پھر خاک میں موتی ہو جائے ۔

جوش کو اپنی شاعرانہ حیثیت کا بخوبی
علم ہے ۔ وہ اس پر چپ ضرور ہیں لیکن ان
کی یہ "چپ" خود شورِ قیامت کی لغت
بن گئی ہے ۔ جبھی تو فرماتے ہیں ۔

میری چپ میں بھی تو ہے شورِ قیامت کا اثر
سینکڑوں فتنۂ خوابیدہ جگا دیتا ہوں

اور پھر وہ اس حقیقت سے بھی آشنا ہیں کہ وہ
ایک دُکھے دل والے یتیم ہیں ۔ جس کا تعلق نہ
کسی اَناتھالیہ سے ہے نہ کسی یتیم خانہ سے ۔
نہ وہ مانگے کے ٹکڑوں پر گزر کر رہا ہے' بلکہ
وہ خود گھر بلو ذمہ داریوں کو سر کئے ہوئے ہے
انھیں علم ہے کہ اللہ اس طرح کے یتیموں کی
دعا کو کس انداز سے قبول کرتا ہے ۔ اسے
آنسو کی زبان سے سُنئے ۔

گر پڑوں چشمِ یتامٰی سے اگر خاک پہ میں
کنگرہ عرشِ معلیٰ کا ہلا دیتا ہوں

آگے اسی بند کے دوسرے شعر میں لفظ و معانی
کی گیرائی پر سوچیئے ۔

ابرِ رحمت مری ہر بُوند مقرر سمجھو
شعلۂ برقِ جہاں سوز بجھا دیتا ہوں

یہ شعر خاندان کے صاحبانِ ثروت کی بے اعتنائی
اور تماشہ بینی کا کھُلا جواب ہے ۔

راز افشا نہ کروں یہ مرے بس کی نہیں بات
اپنے نافہم عزیزوں کو دُعا دیتا ہوں

اور ان حقائق کی پرکھ ، قیمت ، قدر اور اہمیت
کو کون جان سکتا ہے' اس لئے کہ دل کو مضبوط

ناہی بڑی بات ہے ؎

ضبطِ گریہ میں کوئی میرا اثر کیا جانے
اس کو وہ جانتے جو ہیرے کی کنی کھا جانے

رے کی کنی کھا جانا معمولی دل والے کا کام
ین ہے۔ اس سے زیادہ عمدہ طرزِ بیان
غ اسکول کی پیروی دنمائندگی میں اور
ا ہو سکتا ہے۔ فراق گورکھپوری نے اسی طرح
ِ بات کو اپنے ایک مضمون میں "ناگ پھنی
گچھا نگل جانا" کہا ہے۔ اظہارِ بیان نثری
نبار سے مزیدار سہی لیکن عملی زندگی میں
تیاں نہیں ہوتا۔ ہیرے کی کنی کھا جانے
ں جو بات پوشیدہ ہے وہ حقائق سے دور
ِ داستان نہیں ہے۔ اسی ہیرے کی کنی
ھا جانے کی بات کو پھر انھوں نے صبر و ضبط
ِ حدود میں اس طرح داخل کر کے اپنی کیفیت
ان کی ہے ؎

ننگِ مخلوق ہوں میں سا کیوں منہ کو نکراؤں
جی میں آتا ہے کہ ہیرے کی کنی کھا جاؤں

علوم ہوتا ہے کہ انھیں خود یہ پیرایۂ بیان
زیز تھا۔ ورنہ ایک ہی بند کے بعد دوسرے
ند کی بیت میں اسے استعمال کرنا کوئی
عنی نہیں رکھتا۔ یہ اظہار یقیناً عزیز رکھنے
ی چیز ہے۔

گھریلو واقعات کے ذیل میں شادی شدہ
ہن کے آلام اور غیروں کی خاطر غم اٹھانے
کے حوصلہ کو بھی دیکھئے کس چابکدستی سے
بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات کہنا مشکل تھی
ہتے ہیں ؎

کبھی اپنوں کا ہے رونا کبھی غیروں کا ہے غم
مختصر یہ کہ مصیبت میں گرفتار ہوں میں

وہ اگرچہ برہمن زادہ تھے لیکن تیرھویں یا
پندرھویں کی دعوتوں یا کتھا پڑھنے والے
برہمنوں کی سی بجیس زندگی گزارنے کا خیال
بھی نہ کرتے تھے۔ وہ صلح کل مشرب مسلک

کے دلدادہ تھے۔ ان کے عہدِ طفلی کے دوران بعض مذہبی تحریکات ایسی ابھر رہی تھیں جن کا اثر پنجاب کے نوجوانوں پر خاصا تھا لیکن وہ خود بیحد محتاط، سادہ مزاج اور صلح کے شاعر تھے۔ اسی لئے ایک عجیب رقت طلبی کے تحت اس نظم میں ان کا مسلک بھی ملتا ہے جو کیفیاتِ قلب کی سنجیدہ مزاج افتادگی کے ضمیر کو آواز دیتا ہے ؎

جاؤں کعبہ میں تو ہوں عابدِ تسبیح بدست
آؤں مندر میں تو باندھے ہوئے زنار ہوں میں

اور پھر وہ حافظ شیرازی کے لفظوں میں ع

"با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

کے بھی قائل ہیں ؎

پانی سورج کو دیا کرتا ہوں ہندو کی طرح
حج کیا کرتا ہوں دیندار مسلماں ہو کر

جوشؔ صاحب کی عظیم خصوصیت اس نظم میں یہ ہے کہ انھوں نے آنسو کو کے منشائے فطرت کو سمجھ کر عرفانِ ذات کو اس میں سمو دیا ہے۔ انھوں نے پیہم حادثات، مسلسل صدمات متواتر غموں کی داستان کو مرثیہ نہیں بنایا ہے بلکہ تمکنت کی آن اور تحفظ غم کی بالیدگی کی خاطر آنسو کا انتخاب کیا ہے۔ اس انتخاب سے انتہائی نیچرل طبیعت کا میلان اور فطری جذبات کی عکاسی کے افکارِ عالیہ ان کی اس نظم کا گوشت پوست بن گئے ہیں۔

آنسو کی سرگزشت کے افکار میں فصاحت و بلاغت، سنجیدگی اور سچائی کے علاوہ دل کی پکار کا درد ملتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں اپنی ذات کی ٹیس، احساس اور کرب کے جذبات کی گھٹن کی ہلکی ہلکی آنچ ملتی ہے۔ شعلۂ جوالہ نہیں جو جذبات کے ابال پر محمول ہوتا ہے۔

نظم "آنسو" تشریحِ دل ہے۔ حقائقِ زلیست کے جملہ عنوانات کی تفسیر ہے اور فکر و فن کے حسین امتزاج نے اسے کلاسیکی نور بخشا ہے۔ جس کی ضوری تلاش ذات ہو جاتی ہے۔ اور یہ کیا کم بات ہے کہ ہم اس ایک نظم کے ذریعہ شاعر کی سادگی میں بند تہہ در تہہ شخصیت کے کندن سے روشناس ہو کر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ کشمکش، تصادم سے فروغِ ذات کے جلوہ کو بیدار کر لیتے ہیں اور یہی بیداری صوفیائے کرام کے یہاں ذاتِ مطلق کی بندگی ہے۔ جیسے صرف آنسو کے ایک موتی میں فروزاں پایا جا سکتا ہے۔

اقبال کے ساقی نامہ میں علامتوں کی کارفرمائی کا تقاضا صرف یہ ہے کہ صالح معاشرہ وہی ہے جس میں ہر متنفس کو اپنے جوہر کے نمو کا موقع نصیب ہو۔ پتھر کی طرح بے حس اور مردہ رگوں میں خونِ حیات دوڑنے لگے۔ نظم "آنسو" اس سے قطعی مختلف حیثیت اس طرح اختیار کر گئی ہے۔ یہ علامت جو صرف شاعر کی ذات کی علامت ہے۔ قوتِ نمو کے جوہر سے آراستہ ہو کر کردار سازی پر زور دیتی ہے۔ اس میں حیات کا خزانہ ہے۔ مزاحمتوں سے دوچار ہو کر لچکنا (Adjustment) جس کی فطرت ہے۔ پھر اس فطرت میں انفرادیت کا عمل دخل پردۂ سوز میں حقیقت ہے۔ نمائش نہیں ہے۔ اسی لئے بغور دیکھنے پر آنسو میں کتنے حجاباتِ قلب و نظر اٹھے ملتے ہیں۔ اور حیات کے سربستہ راز منکشف ہو جاتے ہیں۔ ذرا یہ اشعار دیکھئے ؎

آئینہ خانۂ عالم کو جو دیکھا میں نے
بن گیا آپ ہی آئینہ میں حیران ہو کر
باعثِ خندۂ اربابِ نظر کر ڈالا
لغزشِ پا نے کسی رند کا ایماں ہو کر

"آنسو" پڑھئے تو واضح ہو جاتا ہے کہ جوشؔ ملسیانی کے پہلو میں ایک درد آشنا

ہے۔ جو مبتلائے غم و آلام انسانیت پر
، انداز سے کڑھتا ہے کہ وہ خود اس کا نمائندہ
، جاتا ہے۔ اس لئے کہ اُن کی حسِ غم عظیم
ار کی نشو و نما سے تربیت پا کر زیست کا
لوب بن گئی ہے۔ ایک جذبۂ بسیط ہے
دواری کی طبع ہے۔ فطری دردمندی ہے
"آنسو" کی کہانی ہے۔ جو جگر چاکی اور
ناکی کی داستان ہے۔ اس لئے اس میں
زد کا مزار نہیں ہے۔ نہ شکوہ ہے۔ بلکہ
د شاعر کے حسنِ فطرت اور حسنِ مطلق
ے ساتھ ہم آہنگی کا ذریعۂ خواہش ہے۔
ی لئے وہ اعتماد رحمت پر زندگی کا حق
ام کرتا ہے۔

تیرے ہی فضل و کرم پر ہے بھروسہ یارب
اک خطاوار سیہ کار گنہ گاروں میں
ر پھر اس پر تو پھولے نہیں سماتے ہیں۔
توشہ کچھ پاس نہیں اشکِ ندامت کے سوا
آسرا کوئی نہیں ہے اِک تری رحمت کے سوا

آپ بیتی کو آنسو میں سمو کر جوش صاحب نے
د آنسو کو نئی وسعتوں سے روشناس کرانے
ے ساتھ ساتھ روایات کی بندشوں سے اسے
بات دلائی ہے۔ اس لئے کہ وہ خود اس
ا جزوِ اعظم ہیں۔ شاعری اُن کی اوڑھنا
بچھونا بن گئی تھی۔ اور اس میں قطعی مبالغہ
ہیں ہے کہ شعر کہنے سے ہٹ کر جو وقت
ن کا گزرتا تھا وہ شعر کے فن کے بارے
یں معلومات فراہم کرنے میں گزرا ہے۔
ہ داغ اسکول کے فرد کی حیثیت سے
ہیں بلکہ ادارہ کی حیثیت سے خدمات
نجام دینے پر مامور تھے۔

آنسو کو وسیع کینوس پر اس طرح پھیلا
کر اپنی شخصیت سازی کے خد و خال کو
جاگر کیا ہے یہ اُن کا حصّہ نفسی اور ذوقی
یفیتوں کا نتیجہ ہے۔ آنسو میں وہ خود
جلوہ گر ہیں۔ یہ نظم ذہنی نہیں بلکہ مزاج
کی جودت، اُفتاد اور طبیعت کے حقیقت
پسندانہ میلان سے ایک یکساں ربط کو بھی
پیش کرتی ہے۔ اور پھر اس حُسن کے ساتھ
کہ جذبے کی فراوانی شعری اور طبعی صداقت
نے اُسے ایک معیاری نظم بنا دیا ہے۔

جب آنسو کی سرگزشت کے نہاں خانہ
دل تک رسائی ہوتی ہے تو پہلا تاثر یہ ہوتا
ہے کہ اس میں پوشیدہ شخصیت نیک
نفسی کے ساتھ سنورے انداز میں اُبھر کر
سامنے آتی ہے۔ اور جوش ملسیانی جیسے
شاعر کے ادراک و اظہار نے فطرتاً رفعت کی
اَن گنت سیڑھیاں طے کر کے ایک آنسو میں
خود کو پیش کیا ہے۔ اسی لئے ہم اُسے سوانحی
نظم (AUTOBIOGRAPHICAL POEM)
کہہ سکتے ہیں۔

شری ساوتا مالی بھون ٹرسٹ کی
جانب سے ۲۷ نومبر کو مہاتما پھلے کی ۸۹
ویں 'پونیہ تتھی' پائیکلا بھاجی بازار میں
منائی گئی۔ اس موقع پر منعقدہ تقریب میں
وزیر اعلیٰ شری سنکر راؤ چوان تقریر کر رہے ہیں



صفحہ نمبر ۱۰ سے آگے

افسانے کی تنقید کے زوال کے سبب سے بھی عام
ہو رہا ہے۔ لیکن افسانے کے اس نئے تخلیقی موڑ
پر عوض سعید، رقیہ منظور الامین، سلیم اختر،
عائشہ صدیقی، الیاس احمد گدی، شہزاد منظر
رضیہ فصیح احمد، سائرہ ہاشمی، فرخندہ لودھی
وغیرہ ایسے افسانہ نگاروں کا واضح، بیانیہ اور
جدید احساسات کے حامل افسانوں کے ساتھ
اُبھرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اُردو افسانہ
ایسے دور میں جب فرد کے اندر ایک نئی خود اعتمادی
کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے، ترقی پذیر صنعتی معاشرے
میں ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے انسان
کے اندر شہروں سے جنگلوں اور دیہات کی طرف
لوٹ جانے کی خواہش محسوس کی جانے لگی ہے
نئے تجربوں کے ساتھ اپنے اظہار کی راہ پانے
کے لئے بے معنویت میں بھی کوئی نہ کوئی معانی
تلاش کر لینے پر پوری طرح قادر ضروری ثابت
ہوگا، کیونکہ عدم وجود میں وجود کی تلاش اور
وجود کو با مقصد اور باعمل بنانے کا ہی نام زندگی
ہے اور دنیا کے سارے فنون اسی سے متاثر ہوتے
ہیں اور اسی پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں۔

اندرا گاندھی اور بیس نکاتی منصوبہ

✡ حمید اللہ خان حامد
مکان نمبر ۵-۶۳ - لیبر کالونی، ضلع ناندیڑ (مہاراشٹر)

آ چکی تھی ابتری نظم و نسق میں اس قدر
کاروبارِ مملکت ہونے کو تھے زیر و زبر!
جبکہ بڑھ جائے گا حد سے اختلاف و انتشار
کیوں حکومت کا نہ پھر شیرازہ ہوگا منتشر
بڑھ چلا تھا اس قدر سرمایہ داری کا جنوں
فرش و چھت بھی سیم و زر، دیوار و در بھی سیم و زر
ریشم و اطلس امیری کو تو پہنائیں لباس
اور غریبی! ننگے جسم و ننگے پاؤں، ننگے سر!
آسماں میں، اونچے ایوانوں کے بام و در وہاں
یاں شکستہ گھر، کھنڈر ایسے کہ بے دیوار و در!
اس طرف عیش و توانائی مرغن اغذیہ
بھوک، محنت، ناتوانی، پیٹ پر پتھر ادھر!
خوردنی اشیا تھیں گودام اور تہ خانوں میں بند
اور بازاروں میں تھی فاقہ کشی دریوزہ گر!
خوب ہے اندازۂ فکر و تدبر خوب ہے
ہر قدم تو نے اٹھایا ہے سمجھ کر سوچ کر
کشمکش کی کیفیت میں لازمی اقدام تھا
ورنہ جو انجام ہوتا، ہوتا انجام دگر
حال جب یوں ہو تو پھر حالاتِ ہنگامی درست
یونہی کچھ بن جائے صورت حرفِ مطلب مختصر!
نظم کی بنیاد میں یہ بیس جو رکھے نکات
ہے سفر کے واسطے گویا ہر اک سنگِ سفر
فرق اب مٹنے کو ہے افراط اور تفریط کا
اب یہ چڑھ جائیں گے اوپر، اب نہ آئیں گے اتر
اب تیری تکلیف اے بیمار کم ہو جائے گی
ہو گیا ہے کیمیا سے باخبر اب چارہ گر!
ہٹ رہے ہیں راہ سے خار و خس و خاشاک سب
صاف ہوتی جا رہی ہے تیری ہر اک رہگذر
دم حریفوں میں نہیں ہو بھی تو کوئی ڈر نہیں
جب کہ تو نے باندھ لی ہے راہِ صداقت پر کمر
شوق میں جو دیکھتے تھے شاخِ آہو پر برات
دیکھتے ہیں شاخِ آہو، شاخِ بے برگ و ثمر
لاکھ موجوں کی تہِ دریا اگر ہوں سازشیں
دیکھ لیتی ہے انھیں لیکن نگاہِ دیدہ ور
ایک پیہم دردِ دل نے مسئلے حل کر دیئے
مسئلے جو بن گئے تھے اک مسلسل دردِ سر
گھٹ رہا ہے اب اندھیرا گھٹ رہا ہے دیکھنا
بڑھ رہا ہے سینۂ شب چیر کر نورِ سحر!
ایک استقلال، اک عزمِ بلند، اک اعتماد
دل قوی، فکرِ صحیح، ذہنِ رسا، روشن نظر
ایک ہیرا ہے کہ موتی لعل ہے، الماس ہے
یا جواہر کی لڑی میں تو ہے یک دانہ گہر!
ہر قدم آگے ہو تیرا، ہر قدم ثابت قدم
ہر قدم ہو کامرانی، ہر قدم فتح و ظفر
فخرِ ہندوستاں ہے تو، تجھ پر ہے ہندوستاں کو ناز
آج اس آن سے ہے اور بھی سے کچھ اونچا سر
ایک دورِ یادگار و اقتدارِ پائیدار
اس کو لکھنا چاہیئے تاریخ میں باآبِ زر
تو رہے تا دیر قائم، تیرا قائم اقتدار
ہوں تری تائید میں شام و سحر شمس و قمر
میرا موضوع صرف ایک ہمت ہے اور کچھ بھی نہیں
مدعا میرا پیامِ اہلِ فکر اہلِ نظر!
خیرہ کر سکتے نہ تھے یہ جلوہ ہائے رنگ رنگ
عزم و ہمت بھی تو لیکن رکھتے ہیں برق و شرر
میں دکھاتا ہر روش باغِ سیاست کی بہار
تنگ ہے لیکن یہاں پر میرا دامانِ نظر
صاف و شیریں کس قدر حامدؔ ہے یہ اردو زباں
لیجیے شیر و شکر اور بانٹیے شیر و شکر!

مہاراشٹر کا ایک عظیم شاعر

حضرت ناطقؔ گلاؤٹھی (ناگپوری)

امینؔ تابش
۱۲۸۔ جی۔ بی روڈ باندرہ بمبئی ۵۰۔۴۰۰

● مولانا ناطقؔ گلاؤٹھی صاحب نے بیسویں صدی کے نقطۂ آغاز ہی سے اپنی شاعری کی ابتداء کی اور ساتویں دہائی تک اُن کا ذہن، ان کی زبان اور ان کا قلم قرطاسِ ابیض پر چلتا رہا، بولتا رہا اور لکھتا رہا۔ یہ ان کا فن تھا، ہنر تھا اور زبان تھی جس کی قدر بھی ہوئی اور ناقدری بھی۔ یہ دنیا کسی کو راس آئی کسی کو نہیں ـــ دنیائے شاعری میں بے شک وہ مشاہیرین اور اکابرین شعراء میں شمار ہوئے۔ ادبی مباحث میں ان کی آراء کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اکثر و بیشتر مباحث میں انھوں نے حصہ بھی لیا اور قیمتی آراء اور زریں مشوروں کا اظہار بھی بڑی جراءت و بیباکی سے فرمایا۔ اُن کی آراء کے وزن و وقار کو اہلِ علم و بصیرت حضرات نے پرکھا، دیکھا اور دل ہی دل میں قائل بھی ہوئے۔ ان کے معاصرین میں علامہ اقبالؔ وحشتؔ کلکتوی، عندلیبؔ شادانی، یگانہؔ چنگیزی فراقؔ گورکھپوری، جوشؔ ملیح آبادی، حفیظؔ جالندھری اثرؔ لکھنوی، آرزوؔ لکھنوی، فانیؔ بدایونی، حسرتؔ موہانی اصغرؔ گونڈوی، ریاضؔ خیرآبادی، مضطرؔ خیرآبادی، نوحؔ ناروی سائلؔ دہلوی، بیخودؔ دہلوی، پنڈت لبھورام جوشؔ، ـــ علامہ محویؔ صدیقی، سیمابؔ اکبرآبادی، جگرؔ مرادآبادی ماہرؔ القادری، احسانؔ دانش، اور ناقدین میں ـــ نیازؔ فتحپوری، عطاء اللہ پالوی، ڈاکٹر دین محمد تاثیر حامد الحسن قادری، حسن عسکری، عبادتؔ بریلوی پروفیسر احتشام حسین، آل احمد سرور، ڈاکٹر اعجاز اور عندلیبؔ شادانی تھے ـــ ان شعراء اور ناقدین میں مولانا ناطقؔ صاحب کی شخصیت بھی بڑی اہمیت رکھتی تھی ـــ یہ اہمیت اُن کے مقام و مرتبہ کو متعین کرتی ہے ـــ یعنی مولانا ناطقؔ بحیثیت شاعر و ناقد صفِ اوّل میں جگہ پاتے تھے ـــ

ناطقؔ صاحب کے ادبی کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں ـــ ناطقؔ صاحب کی ستّر سالہ شعری و ادبی خدمات کا شایانِ شان اعتراف ادب کا مورّخ ہی کرسکتا ہے ـــ

ناطقؔ صاحب نے اپنی ستّر سالہ شاعرانہ زندگی میں حالیؔ کے بعد اردو شعر و شاعری میں جو نیا موڑ اور نئی روآئی اُسے بھی دیکھا پھر بھی اس کے بعد ترقی پسندوں کا عہد بھی اور دس سالہ جدیدیوں کا زمانہ بھی دیکھا ـــ بدلتے ہوئے حالات اور وقت نے ناطقؔ صاحب کو بھی متاثر کیا ہوگا اور یقیناً کیا ہوگا کیونکہ مولانا محض شاعر ہی نہیں تھے، ناقد بھی تھے اور سیاس بھی۔ اس اعتبار سے فنِ شعر و سخن میں موقع بہ موقع جو تبدیلیاں آتی رہیں، اُن پر اُن کی نظر بھی رہی ہوگی ـــ اُن کے کے قلم سے نکلے ہوئے مضامین میں اُن تبدیلیوں کا اُن کے متعلق اُن کی اپنی رائے اور اپنی پسند کا سُراغ بھی ملتا ہے۔ اُن کی شاعری میں اس کے واضح اثرات اور نشانات نہیں پائے جاتے ـــ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وضع دار لوگ اپنی وضع کو بدلنا کسرِ شان سمجھتے تھے چنانچہ ان کے معاصرین کی فہرست پر نظر ڈال جائیے، آپ کو اسطرح بدلا ہوا کوئی دکھائی نہیں دے گا۔

؎ "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انھیں کچھ نہ ہو"

اُن پر یہی مثال صادق آتی ہے۔ ناطقؔ صاحب اپنے لئے بنے بنائے راستے پر گامزن رہے اور اسی دائرے میں رہ کر جولانیٔ فکر و فن کا مظاہرہ فرماتے رہے ـــ

وہ نواب مرزا داغؔ دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے مرزا داغؔ عیش و نشاط و مسرت کے شاعر تھے، زبان کے شاعر تھے۔ لطف و لذت کو شعری پیکروں میں تراشتے رہتے اور اسی میں مگن رہتے۔ اُن کے تلامذہ نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا۔ یہ اندھا دھند تقلید بھی نہیں تھی۔ زبان کے شعر کہنا اردو زبان کی خدمت تھی۔ اس کی وسعتوں کے امکانات کو روشن کرنا تھا ایسے ایسے پرلطف محاورے شعری پیکروں میں تراش خراش کے حسین و جمیل رنگ روپ دے کر بنا سنوار کر، بڑی سج دھج کے ساتھ اسے شعر و ادب کی تاریخ کے اوراق میں محفوظ کر دیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اُس سے خاطر خواہ استفادہ کرسکیں۔ اور سند و اسناد کے طور پر استعمال کرسکیں۔ فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی کی مثالیں قائم کیں۔ اس کی چند مثالیں ناطقؔ صاحب کے کلام سے ملاحظہ ہوں زبان و بیان کا لطف، محاوروں کا چٹخارہ، فکر و خیال کی گہرائی و گیرائی، اسلوب کا بانکپن اور فن کا نکھار دیکھئے۔

؎ طریقِ دلبری کافی نہیں ہر دلعزیزی کو
سلیقہ بندہ پرور چاہئے بندہ نوازی کا

+

بے خودی آئی تھی اُن کے بعد بزمِ ناز میں
پھر نہیں معلوم ہم کو، کون آیا؟ کس کے بعد

+

گھر بنانے کی بڑی فکر ہے دنیا میں ہمیں
صاحبِ خانہ بنے جاتے ہیں مہماں ہو کر

+

تقدیر سے راحت کبھی راس آئی نہ ہم کو
آسودۂ منزل ہوں تو ہوتی ہے تھکن اور

●

زندگی کا ثبوت نالۂ آزار
وہ بھی کیا؟ اک مری ہوئی آواز

●

ناطق تھا وہ زمانہ کہ گھر آنگن تھا بمبئی
اب دور ہو گئے ہیں بہت بمبئی سے ہم

اس قسم کے فکر انگیز و خیال آفریں مضامین کی ناطق صاحب کے یہاں کمی نہیں اور کمی کا احساس بھی نہیں کیا جا سکتا — اس لئے کہ ناطق صاحب نے اپنی حیاتِ عزیز کا بیشتر حصہ غزل گوئی میں صرف کیا — یہ کوئی ان کا پیشہ نہیں تھا۔ ذریعہ معاش بھی نہیں تھا۔ تاہم جتنا کچھ اور جتنی مقدار میں انہوں نے ادبی اثاثہ چھوڑا ہے، اس سے اندازہ لگتا ہے کہ بڑی دلجمعی کے ساتھ نثر نگاری اور غزل گوئی کا حق ادا کیا ہے — ناطق صاحب کی زیادہ غزلیں ملک بھر میں ہونے والے طرحی مشاعروں کی طرحوں پر مشتمل ہیں — ناطق صاحب نے غزلوں کے علاوہ اور دوسری اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے مثلاً حمد، نعت، منقبت، سلام، مثنوی، قطعہ رباعی، اور نظم وغیرہ وغیرہ — ہر صنفِ سخن میں ان کا اندازِ بیان وہی ہوتا ہے جو غزلوں میں ہوتا ہے — ان کے لب و لہجہ کی یہ یکسانیت ایک شناخت بن گئی تھی — اسی شناخت نے ناطق صاحب کو صاحبِ طرز اور منفرد بنا دیا — اب اس موقع پر ان کی "نظمیہ" شاعری کا نمونہ ایک رباعی کی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔ رباعی ایک مختصر ترین نظم ہے چونکہ یہ نظم چار مصرعوں کی ہوتی ہے اسی لئے اسے رباعی کہا گیا ہے ورنہ اصنافِ سخن کی درجہ بندیوں میں اسے بڑی آسانی کے ساتھ نظم کے ضمن میں رکھا جا سکتا ہے۔ خیر رباعی سنئے اور لطف لیجئے —

● دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں
جز خوبیٔ بخت ہم کو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر
ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

آخری مصرعہ دیکھئے۔ تاریخ کا ایک واقعہ ہے اور اس طرح نظم ہوا ہے کہ ضرب المثل بن جانے اور زبان زدِ خاص و عام بن جانے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے — ایسی ہی ایک اور تلمیح دیکھئے۔ ایک شعر میں بیان ہوئی ہے۔ حسن فطرتاً خود بین و خود آرا ہوتا ہے — شعر سنئے

● اٹھتے ہی اٹھایا ہے خود بیں نے جو آئینہ
کیا خواب میں یوسف کی تصویر نظر آئی

خواب میں یوسف کی تصویر نظر آنے کا جو گوشہ و زاویہ ناطق صاحب نے نکالا ہے، شاعری ہے۔ "کیا خواب میں یوسف کی تصویر نظر آئی؟" یہ مصرع پڑھئے۔ یہ نثری شاعری کی بھی مثال ہے۔ ایسی نثری شاعری سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہے۔ کہئے تو چلتے چلاتے کچھ اور اشعار سناتا چلوں سنئے!

● موت کا حال اب خدا جانے
زندگی نے تو بے وفائی کی

+

جو چیز خط میں اس نے لکھی تھی، نہیں ملی
خط ہم کو مل گیا ہے تسلی نہیں ملی

+

خیال آتا ہے اٹھنے بیٹھنے کا چلنے پھرنے کا
تمہاری یاد تصویروں کا البم ہوتی جاتی ہے

+

کہتے ہیں تو پھر کچھ لگی لپٹی نہیں رکھتے
ہم کہنے پہ آتے ہیں تو کہتے ہیں کھری بات

+

زندگی کٹ تو رہی ہے ناطق
خیر! غربت ہے تو غربت ہی سہی

+

ناگپور اچھا ہے ناطق کیلئے
کیوں نہ ہو! ایسے کو ایسا چاہئے

اس طرز و ادا اور اس انداز کی شاعری دس بارہ یا پندرہ برس کی مشق سے یا محنت سے نہیں آتی بلکہ مسلسل کہتے رہنے سے یا ایک عمر لگا دینے سے بات بنتی ہے۔ ناطق صاحب نے ستّر سال تک مشقِ سخن کی ہے جب کہیں جا کر اس انداز کے شعر کہہ پائے ہیں — اچھے شعر کی یہی تو خوبی ہے کہ بظاہر ایسا لگے کہ بہت آسان ہے مگر جب کہنے کی کوشش کی جائے تو پتہ پانی ہو جائے اور کلیجہ منہ کو آئے۔ یہ سہل، سہل نہیں بڑا مشکل کام ہے۔ مشکل کام کو آسان بنانے کیلئے مسلسل و متواتر مشق کرنا پڑتی ہے تب کہیں جا کر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ ناطق صاحب نے محاوراتی شاعری کی ہے۔ محاوراتی زبان کو ترسیل و ابلاغ کا وسیلہ بنانے کیلئے زبان پر بڑی قدرت ہونی چاہئے۔ محاوروں کو کھپانا یا ان کو استعمال کرنا بھی بڑی فن کاری ہے۔ یہ بھی ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ سینکڑوں کتابیں پڑھنا پڑتی ہیں۔ جتنا وقت پڑھنے میں صرف ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ مشق و مزاولت میں لگانا پڑتا ہے —

محاوروں کے استعمال پر یوں ہی قدرت نہیں آجاتی! محاوروں میں بات کہنے سے اس میں جو ایک دل نشیں و ذہن نشیں ہو جانے والی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ اسے عمرِ دوام بخش دیتی ہے — جن شعروں میں اور جن مصرعوں میں یہ خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ واقعی رہتی دنیا تک زندہ رہ سکتے ہیں — وہ روزمرہ کی بول چال میں سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتے رہتے ہیں۔ اور پھر سکے جتنے زیادہ چلن میں رہیں گے اتنی ہی ان کی آب و تاب بڑھتی جائیگی۔ وہ کبھی ماند، متروک اور مسترد نہیں ہونگے۔ اس اعتبار سے ناطق صاحب کا کلام اور ان کی شاعری جو اب تک کتابی شکل میں منظرِ عام پر نہیں آئی تھی، آنے کے بعد پڑھنے والوں کے دل و دماغ میں رچ بس جائیگی —

نیند

سلام بن رزاق
۳۸/۴ بی، قریش نگر۔ کرلا، بمبئی ۴۰۰۰۷۰

آجکل بے چارے بابو امرناتھ کی بڑی مصیبت ہوگئی تھی۔ روز صبح سورج چڑھنے تک سونے والے آدمی اب مرغ کی بانگ کے ساتھ اُٹھ جاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اُٹھنے کے بعد مرغ بانگ دیتا ہے۔ اُٹھتے ہی مشین کیطرح مصروف ہوجاتے ہیں۔ داتون کرنا، اخبار دیکھنا، نہانا دھونا، پوجا پاٹھ، تھوڑا سا وقت اور ڈھیر سارے کام، بے چارے نو بجے جب رسوئی میں آکر بیٹھتے ہیں تو ہانپنے لگتے ہیں۔ کھاتے کھاتے بار بار گھڑی دیکھتے رہتے ہیں، ساتھ ہی بیوی کو قمیض میں بٹن ٹانکنے جوتے پر پالش کرنے اور کوٹ کی جیب میں رومال اور سُپاری رکھنے کی ہدایتیں بھی دیتے جاتے ہیں۔

جب تک وہ تیار ہوکر کپڑے پہن کر لنچ بکس لئے دروازے کے باہر نہیں نکل جاتے بے چاری بیوی بھی پھرکی کی طرح گھومتی رہتی ہے۔ برسوں کے سُکھ بھوگی پہلوان کو اچانک اکھاڑے میں اُتار دیا جائے تو اس کی جو حالت ہوسکتی ہے کچھ ایسی ہی حالت بابو امرناتھ کی ہوگئی تھی۔ بابو امرناتھ دفتر کے پُرانے ملازم ہونے کے ناطے اپنا کام، اپنے چھوٹے نوکروں سے کروانے کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔ مگر آجکل دفتر کے نظام میں کچھ ایسا انقلاب آگیا تھا کہ کیا جونیئر اور کیا سینیئر سبھی اپنی اپنی کرسیوں پر مصروف دکھائی دیتے تھے۔ دس بجے فائلوں پر جو گردنیں جھکتیں تو ٹھیک ایک بجے لنچ کے بھونپو پر ہی اُٹھتیں۔ نہ کوئی کسی سے فالتو گپ بازی کرتا، نہ کوئی سگریٹ بیڑی پیتا دکھائی دیتا۔ اب نہ مس کانتا کی کھی کھی سُنائی دیتی نہ مسٹر بھاٹیا یا دامودر کے قہقہوں کی آواز گونجتی۔ سب کچھ ایک دم پُرسکون ہوگیا تھا۔

مگر بابو امرناتھ کو یہ سب بہت زیادہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ آخر وہ کوئی نئے رنگروٹ تو ہیں نہیں کہ سب کے ساتھ آٹھ گھنٹے فائلوں میں سر دیئے بیٹھے رہیں۔ جونیئر لوگوں کے ساتھ سینیئر لوگوں کو اس طرح پیس کر رکھ دینا اُن کی دانست میں ایک دم غلط تھا۔ ارے وہ تو شروع ہی سے آرام آرام سے کام کرنے کے عادی رہے ہیں۔ آرام اُن کا پیدائشی حق ہے۔ ان کا تو قول ہے کہ جلدی کا کام شیطان کا۔ انھوں نے ہائی اسکول اور کالج میں تو پہلا پریڈ کبھی اٹینڈ ہی نہیں کیا۔ اور تو اور وہ امتحان کے کمرے میں بھی ہمیشہ پانچ دس منٹ لیٹ ہی پہنچتے۔ اور اُس وقت تک نہیں اُٹھتے تھے جب تک سُپروائزر پیپر چھین کر انھیں ہال سے باہر نہ نکال دیتا۔ جلسہ جلوس میں وہ ہمیشہ سب سے آخر میں پہنچتے ایک دفعہ انھیں کسی چھوٹے سے جلسے کا صدر بنایا گیا۔ مگر جب وہ جلسہ گاہ میں پہنچے تو جلسہ برخاست ہوچکا تھا اور ہال کی کرسیاں اُٹھائی جارہی تھیں۔ تب سے انھوں نے طے کرلیا کہ زندگی میں کبھی کسی جلسے کی صدارت نہیں کریں گے۔ لوگ کمبخت اتنے بدتمیز ہوتے ہیں کہ صدر کی غیر موجودگی ہی میں جلسہ ختم کروا دیتے ہیں۔

اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر لوگوں کو جلسے کی ایسی کیا پڑی رہتی ہے کہ ٹھیک وقت پر پہنچ جاتے ہیں۔ انھیں خاص طور پر لیڈر اور ایکٹر بہت پسند تھے جو کبھی کسی جلسے میں وقت پر نہیں پہنچتے۔ پھر بھی ان کے بغیر کوئی جلسہ کامیاب نہیں ہوتا۔

اپنے ساتھیوں میں وہ 'لیٹ لطیف' کے نام سے مشہور تھے۔ انھیں اس بات پر فخر بھی تھا کہ سب ہر جگہ ان کا انتظار کرتے ہیں۔ انھیں کسی کا انتظار کرنے کا عذاب نہیں جھیلنا پڑتا۔ ان کا کہنا تھا کہ سب 'سمے کی پابندی' سمے کی پابندی' کا ورد کرتے ہیں۔ مگر اصل میں سمے کی پابندی کوئی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ قدرت بھی وقت کی پابند نہیں۔ کیا سورج کبھی ایک ہی سمے پر نکلتا ہے؟ موسم آگے پیچھے نہیں ہوتے کیا کبھی کے دن بڑے تو کبھی کی راتیں بڑی نہیں ہوتیں؟ کیا آدمی کی پیدائش اور موت کا کوئی دن معین ہے؟ جب سب کچھ اتنا غیر یقینی اور بے ربط ہے تو پھر ہمیں ہر کام سمے پر کرنے کی فکر کیوں ہو ہم تو وقت کے ہاتھوں میں محض کٹھ پتلیاں ہیں وہ جب، جیسا اور جہاں نچاتا ہے، ہم ناچتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

وقت کی پابندی کے خلاف وہ گھنٹوں بول سکتے تھے، بولتے بھی تھے۔ بقیہ ص ۳۶ پر

ڈاکٹر محمد عبدالقادر

بتوسط۔
مہاراشٹر اسٹیٹ
اُردو اکادمی۔جی۔اے ڈی
سچیوالیہ، بمبئی ۳۲

اُردو انسائیکلوپیڈیا

اُردو زبان آج بھی اپنے ارتقاء کے منازل ،کررہی ہے۔ بلاشبہ یہ درست ہے کہ سابق ں اسے امراء کی سرپرستی حاصل رہی ہے لیکن ھی صرف اس حد تک جہاں اُن کی ذاتی تسکین ،نی تھی۔ چنانچہ اُردو شاعری ساری دنیا کی قی یافتہ زبانوں کی شاعری سے کہیں زیادہ اپنے ؤد کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن یہ زبان سائنس ر دیگر علوم میں اتنی ہی پیچھے ہے جتنی کہ آج ں بہت ساری زبانیں ہیں جو صرف بولیوں علاقائی حدود کے اندر ہیں۔

حکومت ہند کی جانب سے ترقی اُردو بورڈ کے قیام نے پہلی مرتبہ اس کی حقیقی ترقی کی راہ ہموار کردی ہے۔ چنانچہ اس کے تحت بہت ی زبانوں سے سائنسی اور علمی کتابوں اور ضامین کے ترجمے ہو رہے ہیں اور لکھنے والوں ں حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ ان تمام علمی کاموں بں سب سے بڑا اہم کام اُردو انسائیکلوپیڈیا ی تدوین ہے۔

قبل اس کے کہ اُردو انسائیکلوپیڈیا کے ارے میں تحریر کیا جائے، یہ بات ضروری سوس ہوتی ہے کہ انسائیکلوپیڈیا کے بارے یں معلومات فراہم ہوجائیں۔

انسائیکلوپیڈیا، اصل میں دو یونانی الفاظ ENKYKLO اور PAIDIEA کا مرکب ہے بس کا مفہوم ہے علم و حکمت کا دائرہ، ویسے ردو میں اسے بحر العلوم، مخزن معلومات یا ائرۃ المعارف بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں کئی علوم و فنون کا نچوڑ پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے وہی مقصد حاصل ہوتا ہے جو یونیورسٹی میں جنرل ایجوکیشن کا مطمح نظر ہے یعنی پڑھنے والا اپنے مضمون کے علاوہ دوسرے مضامین سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کرسکے۔ خصوصًا اس دور میں، کیونکہ ایک شخص تمام علوم تو کجا، اپنے دائرۂ علم میں بھی پوری مہارت حاصل نہیں کرسکتا یہ تخصیص کا زمانہ ہے اور ہر علم کے کئی شعبوں میں ماہرین کے گروہ بن گئے ہیں، علاوہ ازیں جب تک انسان کو اپنے خصوصی دائرۂ علم سے ماسوا دیگر علوم میں واقفیت حاصل نہ ہو اس وقت تک اس کی روشن خیالی کی راہیں ہموار نہیں ہوسکتیں اور اسی مطمح نظر سے علوم و فنون کے اَن گنت خزانوں کو جس کے لئے کتب خانے بھی ناکافی ہوتے ہیں دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مصداق چند جلدوں میں جمع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سولہویں صدی عیسوی سے پہلے اس قسم کی کتابوں کا باقاعدہ وجود نہ تھا لیکن قدیم یونان اور روم میں اس قسم کے تصانیف کا پتہ چلتا ہے جن میں کئی علوم و فنون کا نچوڑ پیش کیا جاتا تھا۔ جس میں منطق، فلسفہ، حکمت، سائنس کے مبادی اور دیگر علوم پر طویل مقالے شائع کئے جاتے تھے۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں افلاطون، ارسطو، اور دیگر یونانی فلسفیوں کی شہرۂ آفاق تصانیف ایک طرح کے انسائیکلوپیڈیا کے ہی نمونے تھے۔ پہلی صدی عیسوی کے مشہور رومن مصنف پلینی کی نیچرل ہسٹری "Natural History" کا شمار بھی انہی میں ہے۔

ہندوستان بھی اس سلسلے میں پیچھے نہیں رہا۔ رامائن، مہابھارت اور بھگوت گیتا بھی اسی قسم کے نمونے ہیں جو آج بھی زبان و بیان اور خصوصی مذہبی توجیہات کی بنا پر مقدس مانے جاتے ہیں۔ متوسط دور میں اسلامی اور مسیحی مفکرین نے انہی نمونوں پر اپنی تصانیف مرتب کیں۔ فارابی، مسعودی، ابن سینا، ابن رشد اور امام غزالی کے شہرۂ آفاق تصانیف بھی انسائیکلوپیڈیا کے اُبھرتے نقوش تھے۔

چینی بھی اس قسم کی تصانیف میں پیچھے نہیں رہے لیکن جلدوں کی تعداد کے بارے میں انھوں نے اگلے اور پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے چنانچہ نویں صدی عیسوی میں ایک ہزار جلدوں، پندرہویں صدی میں ۲۳ ہزار جلدوں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں ۵ ہزار جلدوں میں انسائیکلوپیڈیا مرتب کیں۔ جس کے نمونے آج بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔ ان جلدوں میں مختصر مضامین کے بجائے تفصیلی اور مستقل تصنیفات یکجا کردیجاتی تھیں۔

اس دور میں انسائیکلوپیڈیا کا مقصد اور ترتیب دونوں میں اہم تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ کئی صدیوں کے تجربوں کے بعد اب اس سلسلہ کی جو جلدیں منظر عام پر آرہی ہیں ان کا مقصد ایک طرف تعلیمیافتہ پڑھنے والوں کو کسی قدر طویل مضامین کے ذریعہ جدید و قدیم علوم و فنون سے واقف کرانا اور دوسری طرف علمی اصطلاحات پر مختصر معلوماتی

نوٹ درج کرکے انسائیکلوپیڈیا کو حوالہ جاتی اغراض کے لئے کارآمد بنانا ہے۔ اس لحاظ سے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ نئے پڑھنے والوں کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ عام فہم طرز بیان کے ساتھ معلومات کی صحت اور تنوع پر زور دیا جاتا ہے۔ اور ڈکشنری کی طرح عنوانات کی ترتیب حروف تہجی Alphabetical order کے لحاظ سے دی جاتی ہے۔ نزاعی مسائل میں ایڈیٹر یا مضمون نگار کے خیالات کا پہلو نہیں کیا جاتا بلکہ تصویر کے دونوں رُخ پیش کر دیئے جاتے ہیں۔

آج کے اس دور میں دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو جو اپنی قومی ضروریات کے لئے اپنی زبان میں انسائیکلوپیڈیا مرتب نہ کرتا ہو، معاشی طور پر آسودہ حال ممالک تو کئی کئی سلسلے شائع کرتے ہیں، جیسے کمسن بچوں، ہائی اسکول اور کالج کے طلبہ کے لئے عام فہم عورتوں کے لئے مختلف پیشوں جیسے طب، زراعت، انجینئرنگ، آرٹ، طبعی، حیاتیاتی سماجی اور فن تعمیر وغیرہ پر، مذہبی نکتہ نظر سے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جیوش انسائیکلوپیڈیا، رومن کیتھولک فرقہ کی انسائیکلوپیڈیا قابل ذکر ہیں۔

ویسے تو انگریزی زبان میں کئی انسائیکلوپیڈیا مُرتب ہو چکی ہیں لیکن ان میں قابل ذکر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا، کولمبیا یونیورسٹی انسائیکلوپیڈیا، چیمبرز انسائیکلوپیڈیا، ایوری مینس انسائیکلوپیڈیا انسائیکلوپیڈیا امریکانہ، قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں بھی آزادی کے بعد ہندی مراٹھی، تلنگی اور مختلف علاقائی زبانوں میں انسائیکلوپیڈیا یا تو مرتب ہو چکی ہیں یا تکمیل کے مراحل میں ہیں۔

اردو انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کے سلسلہ میں اگرچہ کہ "دائرۃ المعارف" کے عنوان سے پاکستان میں کوشش ہوئی ہے لیکن یہ بھی صحیح معنوں میں مکمل کتاب نہیں ہے۔ ہندوستان میں اردو انسائیکلوپیڈیا کے لئے جناب قادر محی الدین زور نے کافی کوشش کی لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اب پہلی مرتبہ حکومت ہند کے قائم کردہ ترقی اُردو بورڈ کے سرمایہ سے ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد میں جناب فضل الرحمن سابق پرو۔ وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی نگرانی میں اس کی تدوین عمل میں آرہی ہے۔ جنھیں ہندوستان بھر کے نامور اساتذہ جیسے جناب مسعود حسین خاں، وائس چانسلر جامعہ ملیہ، ڈاکٹر خسرو، وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حسینی شاہد، محترمہ زینت ساجدہ پروفیسر ریاض حسن، ڈاکٹر ایم۔ آر۔ سکینہ اور ڈاکٹر ظ۔ انصاری وغیرہ وغیرہ اپنے مضامین اور مشوروں سے سرفراز کر رہے ہیں۔ یہ ایک معنوں میں اُردو کی پہلی مکمل انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔ یہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہوگی جبکہ ہر جلد پانچ سو صفحات اور ہر صفحہ چھ سو الفاظ پر مشتمل ہوگا۔ منصوبہ کے مطابق آئندہ تین سال کے اندر یہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گی۔ اس طرح اُردو کی ایک اہم ضرورت پوری ہو کر ہزاروں تشنگان علم کی پیاس بجھائے گی۔ ●

صفحہ نمبر ۱۷ سے آگے

آج یہ ریاست کا ایک مخصوص کالج ہے جہاں پر شہری دفاع سے متعلق مختلف قسم کی تربیت دی جاتی ہے۔

ریاست میں چلتا پھرتا ہنگامی کالج بھی ہے جسے ریاستی حکومت نے ممبئی عظمیٰ میں ۱۹۶۵ء میں قائم کیا تھا۔

اس کے علاوہ صنعتی شہری دفاع یونٹ مختلف صنعتوں میں موجود ہیں۔ *

صفحہ ۳۴ سے آگے

مگر آجکل صبح جلدی اُٹھنے کی فکر میں انھیں رات بھر ٹھیک سے نیند بھی نہیں آتی تھی۔ اب وہ اکثر بیوی کو 'سحر خیزی' کے فوائد پر لیکچر دیتے نظر آتے۔ ان کی اس یکایکی تبدیلی کی وجہ بیوی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ مگر انھیں اچھا لگا کہ پتی دیو اب ایک اچھے گھریلو آدمی کی طرح وقت کے پابند ہو گئے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اب وہ صبح جلد اُٹھ جاتے ہیں بلکہ شام کو دفتر سے بھی ٹھیک وقت پر آجاتے ہیں۔ آخر ایک دن انھوں نے ہنسی سے پوچھ ہی لیا۔

"کیوں جی! یہ آج کل چوبیس گھنٹے آپ کے سر پر دفتر کیوں سوار رہتا ہے؟"

بابو امرناتھ نے روٹی کا کور توڑتے ہوئے بیوی کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا۔ پھر غرا کر بولے۔

"کیوں، کیا تم چاہتی ہو کہ میں نوکری سے نکال دیا جاؤں اور ہم لوگ ہاتھوں میں کٹورے لے کر بھیک مانگتے پھریں؟"

"توبہ بھیک مانگیں ہمارے دشمن، آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں تو یہ پوچھ رہی تھی کہ وہی دفتر ہے، وہی آپ ہیں پھر یہ اچانک آپ میں تبدیلی کیسی آگئی؟"

"صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو بُرا کیا ہے؟"

کہہ کر بابو امرناتھ چوکے سے اُٹھ گئے۔ پتنی کی سمجھ میں اُن کی پوری بات تو نہیں آئی۔ پھر بھی وہ مطمئن ہے کہ وجہ کچھ بھی ہو، اُن کے شوہر کی برسوں کی نیند تو ٹوٹی۔ ●

* اور یہ دونوں ادارے شہری زندگی کو سہل، آسان اور پُرامن بنانے کے لئے دن رات کام کرتے ہیں اور حکومت کی بھرپور مدد کرتے ہیں۔ *

سرکاری فیصلے اور اعلانات

ریاستی سطح پر قومی یک جہتی کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے وزیر اعلیٰ کی زیر صدارت ریاستی سطح کمیٹی برائے قومی یک جہتی کی سر نو تشکیل کی ہے۔

کمیٹی کے ممبران حسب ذیل ہیں:

شری وی. ایس پاگے، چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل، شری ایس. کے وانکھیڈے، اسپیکر مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی، شری این. ایم تڑکے، وزیر برائے صنعت اور امور قانون سازی، ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر برائے محصول شہری ترقیات، سیاحت، اوقاف اور پروٹوکول، شری وائی. جے موہتے، وزیر برائے مالیات، شری ایس. جی پوار، وزیر زراعت دیہی علاقہ ترقیات اور کھار اراضی، شریمتی پربھا راؤ، وزیر برائے تعلیم، یوتھ سرویسز اور اسپورٹس، شری اے. ایس کستورے، وزیر برائے سماجی بہبود، ٹرانسپورٹ اور جیل، شری آر. ایس گوائی، ڈپٹی چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل، شری سید فاروق پاشا، ڈپٹی اسپیکر مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی، شریمتی وزرا دلیشپانڈے، ایم. پی؛ شریمتی پرمیلا دنڈوائی جوان، ایم. پی؛ شری سکندر علی وجد، ایم. پی؛ شری ڈی. ایس دلیسائی، ایم. ایل. اے؛ معین الدین حارث، سابق ایم ایل. سی؛ شری آر. اے پاٹل، ایم. ایل. اے؛ شری ٹی. ڈی میعم جادے، ایم. ایل. اے؛ شری وی. آر ہوشنگ، ایم. ایل. سی؛ شری اروِن دونڈے، ایم. ایل. سی؛ شری پی. کے ساونت؛ شری رجنی پٹیل؛ والیرئن کارڈینل گریشیاس، آرک بشپ آف بمبئی؛ شری ٹی. کے ٹوپے، وائس چانسلر، بمبئی یونیورسٹی، بمبئی؛ شری پی. جی پاٹل، وائس چانسلر، شیواجی یونیورسٹی، کولہاپور؛ شری ایس آر کلکرنی؛ شری خشونت سنگھ؛ ڈاکٹر وی بی کوٹھے؛ شری گووند راؤ تلوارکر؛ شری این. وائی کھاڈلکر، ایڈیٹر نواکال اور شری جی. جی جادھو، ایڈیٹر پڈھاری۔

کمیٹی کے ذمے امور و فرائض حسب ذیل ہیں:

(الف) ریاست میں فرقہ وارانہ صورت حال اور امن و ضبط کی عام حالت کا جائزہ لینا۔ (ب) ریاست کے مختلف مذہبی، لسانی، علاقائی اور دیگر فرقوں کے درمیان میل محبت، رواداری، باہمی خیر سگالی اور احترام کے جذبات کو فروغ دینا۔ (ج) مختلف فرقوں کے سالانہ تہوار امن و سکون کے ساتھ مل جل کر منانے کے مسئلہ پر غور کرنا اور اس معاملہ میں رہنمائی کرنا۔ اس سلسلے میں ہدایات خود نیز مختلف فرقوں کے ذمہ دار رہنماؤں سے اپیل کر کے متعلقہ تہوار مشترک اور عوامی سطح پر منانے کا اہتمام کرنا۔

تاریخ پیدائش کی تصحیح

طلبہ اور والدین کو آگاہی

جن طلبا کی تاریخ پیدائش سرٹیفکیٹ میں غلط درج ہے۔ انھیں اور ان کے والدین کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس وقت جبکہ متعلقہ طالب علم اسکول ہی میں ہو یا ایس. ایس سی امتحان کے لئے اس کا درخواست فارم بورڈ کے پاس بھیجنے سے قبل اس کی تصحیح کرالیں۔ انھیں چاہئے کہ وہ سیکنڈری اسکول کوڈ، آرٹیکل ۲، رول نمبر ۳ کے مطابق ضروری تصحیح کے لئے متعلقہ ڈویژنل ایجوکیشنل افسر کو اسکول کے توسط سے اپنے دعوے کی تائید میں مناسب ثبوت کے ساتھ مقررہ فارم پر درخواست دیں۔

چونکہ اکثر طلبا / والدین اس طریقۂ کار سے واقف نہیں ہوتے، لہٰذا وہ محکمۂ تعلیم کے افسران کے پاس درخواست بھیج دیتے ہیں، جو اس معاملہ میں ان کی مدد نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انھیں چاہئے کہ وہ اس سلسلے میں مناسب ثبوت کے ساتھ اسکولوں کے توسط سے ڈویژنل ایجوکیشنل افسر کو ہی درخواست بھیجیں۔

سرکاری دودھ سب سے زیادہ صحت افزا

بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کے تحت بمبئی میں جو دودھ فراہم کیا جاتا ہے اس میں جراثیمی مقدار (بیکٹیریل کاؤنٹ) اس کوالٹی درجہ سے زیادہ ہوتی ہے جو کہ انڈین اسٹینڈرڈ انسٹی ٹیوشن نے مقرر کیا ہے۔ یہ خبر صحیح نہیں ہے۔

آئی ایس آئی کے معیار کے مطابق ڈیری پلانٹ میں پاسچورائزڈ دودھ کے لئے فی ملی لیٹر ۵۰،۰۰۰ جراثیمی مقدار ہے۔ بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کی جانب سے ہر ڈیری پلانٹ پر جدید لیبوریٹریز میں فراہم کردہ دودھ کی روزانہ جانچ کی جاتی ہے۔ یہ آئی ایس آئی کے مقرر کردہ معیار پر عام طور سے پورا اُترتا ہے۔

کنزیومرس گائڈنس سوسائٹی بھی خوردہ فروشی کے مراکز پر دودھ کی جانچ کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہاں پر جراثیمی مقدار زیادہ ہوسکتی ہے۔ آئی ایس آئی نے بوتل میں بند دودھ کے لئے جو بلک بوتھ پر فروخت ہوتا ہے، کوئی درجہ مقرر نہیں کیا ہے۔ بہرحال سرکاری دودھ جو کہ بوتھ سے تقسیم کیا جاتا ہے اس میں جراثیمی مقدار مناسب ہی ہوتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فی الحال بمبئی میں فراہم کردہ یہ دودھ بے حد صاف ستھرا اور صحت افزا ہے اور غالباً پورے ملک میں بہترین ہے۔

بہرحال کنزیومرس گائڈنس سوسائٹی یا اور کسی بھی فرد کی جانب سے مشوروں کو خوش آمدید کہا جائے گا۔

شادی بیاہ کے موقع پر مال بردار گاڑیوں کے استعمال کی اجازت

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط کے ساتھ ہر سال اس زمانے میں جبکہ شادی بیاہ جیسی تقریبات کا زور ہوتا ہے یعنی ماہ اپریل، مئی اور جون میں (مانسون شروع ہونے تک) ریاست کے دیہی علاقوں میں شادی بیاہ وغیرہ کی پارٹیوں کو مال بردار گاڑیوں میں نقل و حمل کی اجازت دیدی ہے۔

چنانچہ اس قسم کی نقل و حمل کے لئے ایک فرد کو جماعت کی طرف سے متعلقہ ڈپٹی منیجر آف مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن سے 'اعتراض نہیں' کا سرٹیفکیٹ ۱۵ روز قبل درخواست دیکر حاصل کرنا ضروری ہے۔ نیز ریجنل ٹرانسپورٹ افسر/ اسسٹنٹ ریجنل ٹرانسپورٹ افسر/ علاقے کے انچارج موٹر وھیکلز انسپکٹر سے متعلقہ تفصیلات کے ساتھ رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔

اس سلسلے میں پیشگی پسنجر ٹیکس بھی ادا کرنا ضروری ہے۔

پیشہ ورانہ ٹیکس کا نفاذ

مہاراشٹر اسٹیٹ ٹیکس برائے پیشہ، تجارت دھندہ اور ملازمت (ترمیم) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے قوانین یکم نومبر ۱۹۷۶ء سے نافذ العمل ہیں۔

مہاراشٹر اسٹیٹ ٹیکس برائے پیشہ تجارت دھندہ اور ملازمت (دوسری ترمیم) قوانین بابت ۱۹۷۶ء کے تحت پیشہ ورانہ ٹیکس قوانین بابت ۱۹۷۶ء میں بعد ازاں ترمیمات کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں اطلاعنامہ مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ یکم نومبر اور ۲۰ نومبر ۱۹۷۶ء کے حصہ چہارم میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

گیہوں کی اشیاء کی قیمت پابندی ختم

حکومت مہاراشٹر نے گیہوں اشیاء کی قیمتوں پر عائد پابندی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ رولر فلور ملیں اب گیہوں کی اشیاء کسی بھی قیمت پر فروخت کرسکیں گی۔ نیز حکومت نے گیہوں کی مختلف اشیاء کی تیاری پر عائد فیصد مقدار کی پابندی کو بھی ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں ہول میل آٹا بھی شامل ہے۔

اب جن رولر فلور ملوں کو دھیٹ رولر فلور ملز (ایل سی) حکمنامہ بابت ۱۹۵۷ء کے تحت لائسنس حاصل ہے وہ کسی بھی مناسب فیصد مقدار کے تحت گیہوں سے دوسری اشیاء تیار کرسکیں گی۔

تاناجی ساگر

حکومت مہاراشٹر نے ضلع پونے میں پان شیٹ گاؤں کے قریب امبی ندی پر تعمیر کردہ بند کا نام 'تاناجی ساگر' رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

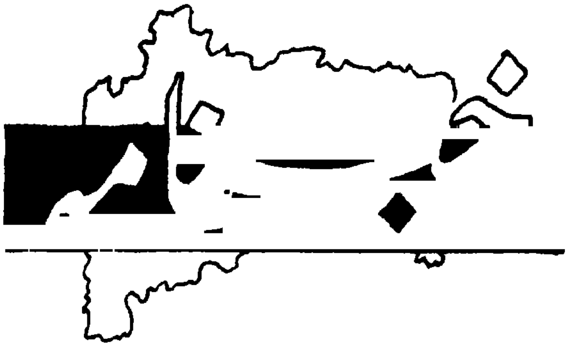
یہ فیصلہ مشہور سنہ گڑھ قلعہ کے قریب واقع ہونے کی بنا پر اس مقصد سے کیا گیا ہے تاکہ نرویر تاناجی ملوسرے کی دائمی یادگار قائم کی جائے۔ جنھوں نے بہادری کے ساتھ لڑ کر مغلوں سے یہ قلعہ حاصل کیا تھا۔

شجرکاری

حکومت مہاراشٹر نے سال ۷۸-۱۹۷۷ء کے لئے میونسپل کونسلوں اور کارپوریشنوں کے لئے شجرکاری کا مندرجہ ذیل نشانہ مقرر کیا ہے:

بمبئی میونسپل کارپوریشن: ۱۰۰،۰۰۰، ناگپور میونسپل کارپوریشن ۲۵،۰۰۰، پونے میونسپل کارپوریشن: ۲۵،۰۰۰، شولاپور میونسپل کارپوریشن ۱۰،۰۰۰، کولہاپور میونسپل کارپوریشن ۱۰،۰۰۰، اے کلاس میونسپل کونسلیں ۵،۰۰۰، بی کلاس میونسپل کونسلیں ۲،۰۰۰، سی کلاس میونسپل کونسلیں (۱۵،۰۰۰ سے کم آبادی والی) ۵۰۰ اور (۱۵،۰۰۰ تا ۳۰،۰۰۰ آبادی والی) ۱،۰۰۰، سٹی انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن ۵،۰۰۰ اور پمپری چنچوڑ نیو ٹاؤن ڈیویلپمنٹ اتھارٹی ۲۰۰۰۔





وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا دورہ

تِلک کی یادگار

نوجوانوں میں خوشحال ہندوستان کی تعمیر کا جذبہ سدا بیدار رکھے گی

—— شریمتی اندرا گاندھی

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ارشاد فرمایا کہ لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک کو ہندوستانی عوام نے شایان شان خراج عقیدت اس طرح پیش کیا کہ ملک کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کرالیا اور اس عظیم محبِ وطن کی یادگار ہمارے ملک کے نوجوانوں میں خوشحال ہندوستان کی تعمیر کا جذبہ سدا بیدار رکھے گی۔



شریمتی گاندھی ۱۱ر دسمبر کو پونے میں ۲۵ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کردہ لوکمانیہ تلک کی یادگار "تلک سمارک مندر" کی نئی عمارت کا افتتاح کر رہی تھیں۔ موصوفہ نے اس

موقع پر لوکمانیہ تلک کی سات جلدوں پر مشتمل مکمل تخلیقات "سمگر تلک" کی اشاعت کا اعلان بھی فرمایا۔

لوکمانیہ کے کارناموں کو بھرپور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے شریمتی اندرا گاندھی نے فرمایا کہ تلک نے ملک کی آزادی کے لئے اپنی ساری زندگی تج دی تھی۔ ہندوستان میں جدوجہد آزادی کے بانی کی حیثیت سے انھوں نے عوام میں حب الوطنی کی جوت جلائی۔ ان کی غیر معمولی دور اندیشی ملک کے لئے ایک نعمت ثابت ہوئی۔

شریمتی اندرا گاندھی نے فرمایا کہ تلک ہی وہ پہلے لیڈر تھے جو اس بات پر مصر تھے کہ عام آدمی کو سیاست کا مرکز بنانا چاہیئے اور اس میں اس کی امیدوں اور خواہشات کی جھلک ملنی چاہیئے۔ مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے ان کی تخلیقات اور خیالات سے اثر قبول کیا اور ہماری جدوجہد کو اسی سمت میں موڑ دیا۔

وزیر اعظم نے دانشوروں کو متنبہ کیا کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے فلسفہ کو آنکھ بند کر کے اپنانا ٹھیک نہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے معاملے میں بعض اوقات اس کا اپنانا ٹھیک ہو سکتا ہے۔ مگر جہاں تک انسانی سماج کا تعلق ہے اس میں یہ بندھے ٹکے اصول کارگر نہیں ہوتے۔ ایک مثال دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ طے کرنا ممکن نہیں



وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی ۱۱ر دسمبر ۷۹ء کو شیواجی پارک میں جلسۂ عام سے خطاب فرما رہی ہیں۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری ایس۔ بی چوان بھی تصویر میں نظر آ رہے ہیں۔

ہے کہ شری جواہر لال نہرو محض ایک قومی یا بین الاقوامی فرد، ایک جمہوریت نواز اور ایک سماج وادی، ایک انسانیت نواز اور ایک سوشلسٹ تھے کیونکہ ان میں تو دراصل یہ تمام خوبیاں موجود تھیں۔ ہمارے ملک کے بعض دانشوروں میں یہ عادت پائی جاتی ہے کہ وہ کسی فرد کو جانچنے کے لئے ایک خاص پیمانہ استعمال کرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ملک میں دراصل کیا ہو رہا ہے نیز ان کا جائزہ بھی غلط ہوتا ہے۔ لوکمانیہ تلک کے خیال میں آزادی کا بنیادی تصور یہ تھا کہ ہم اپنے ڈھنگ سے اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

شری یشونت راؤ چوان، مرکزی وزیر داخلہ نے اپنی تقریر میں اس وقف کو لوکمانیہ تلک کے شایانِ شان یادگار قائم کرنے پر مبارکباد دی۔

ریاستی حکومت کی جانب سے یادگار کے لئے دو لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے فرمایا کہ یہ ایک بڑی مناسب بات ہے کہ ملک کے دیگر حصوں کے ساتھ ساتھ خود محبِ وطن



وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی پونے میں کے۔ای۔ایم ہسپتال کی نئی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری ایس۔ بی چوان اور ڈاکٹر بانو بائی کویاجی بھی تصویر میں نظر آ رہی ہیں۔

کے مقام پر یادگار قائم کی گئی۔ اگر اس عظیم انڈ کے خیالات اور تعلیمات پر عمل نہ کیا گیا ان کی اصل یادگار ادھوری ہی رہے گی۔

تلک میموریل ہال میں پہنچتے ہی میموریل کے ٹرسٹیوں سے وزیر اعظم کا تعارف کرایا گیا۔ اس کے بعد موصوفہ نے تلک کی زندگی سے متعلق لگائی گئی نمائش دیکھی اور تلک کے مجسمہ کو ہار پہنایا۔ شریمتی گاندھی نے یادگار کے انجینئر، آرکیٹکٹ اور آرٹسٹ کو نیز "سمگر تلک" کے مدیروں کو لوکمانیہ تلک کا ایک ایک 'بسٹ'، شال اور ناریل پیش کئے شری سی۔ وی جوگ نے شکریہ ادا کیا۔

اس تقریب میں سابق وزیر اعلیٰ شری وی، پی نائیک، پونے کے میئر، شری شیواجی راؤ بھونسلے، بیرسٹر رام راؤ دیشمکھ اور شریمتی شانتا بائی تلک وغیرہ بھی موجود تھیں۔

حکومت مدھیہ پردیش نے یادگار کے لئے ایک لاکھ روپیہ عطا کیا۔

اس موقع پر صدر، شری فخرالدین علی احمد اور راجاریہ ونوبا جی بھاوے کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔

ایس این ڈی ٹی یونیورسٹی کی ڈائمنڈ جوبلی
وزیر اعظم کا خطاب

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ۱۱ دسمبر کو پونے میں ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی یونیورسٹی کیمپس کا نام بدل کر مہارشی کروے ودیا وہار رکھنے کا رسمی طور پر اعلان کیا۔

ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی یونیورسٹی کے ڈائمنڈ جوبلی جشن کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے شریمتی اندرا گاندھی نے فرمایا کہ جہیز کا لین دین ہمارے سماج پر ایک بدنما داغ ہے اور تعلیم یافتہ خواتین کو چاہیے کہ اس کو مٹانے کے لئے بھرپور کوشش کریں۔

وزیر اعظم نے مزید فرمایا کہ ہمارے دیہی علاقوں کی خواتین میں آج بھی بیداری پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہاں عورت کو حقیر اور بے بس ہی سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں کو اپنی بات کہنے میں کسی قسم کا خوف نہیں کھانا چاہئے کیونکہ اب وقت بدل رہا ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے جبکہ یہ خیال بدلنا ہوگا کہ صرف مرد ہی بائکنگ کر سکتے ہیں اور عورتیں صرف سلائی کر سکتی ہیں۔ مہارشی کروے کے ماننے والوں کو چاہئے کہ وہ خواتین میں جسم فروشی، شراب نوشی جیسی برائیوں کے خلاف بیداری پیدا کریں۔

وزیر اعظم نے فرمایا کہ خاندانی منصوبہ بندی پروگرام بچوں کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ پیدا ہونے والے ہر بچہ کو بھرپور ترقی کے لئے مناسب مواقع فراہم ہو سکیں۔ ہمارے جیسے ترقی پذیر ملک کی بہتری کے لئے ہی یہ پروگرام ہے اور ہم سب کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کو اپنانا چاہئے۔

اس موقع پر شریمتی پربھا راؤ، وزیر تعلیم نے یہ خیال ظاہر کیا کہ خواندگی کا کل اوسط اس لئے کم ہے کیونکہ خواتین بڑی تعداد میں ناخواندہ ہیں۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ اگر خواتین تعلیم یافتہ ہوں تو وہ ہمارے ملک کی آئندہ نسل کو بہتر طور پر پروان چڑھا سکیں گی۔

مہارشی کروے کی ۸۰ سالہ بہو شریمتی رلواتی بائی کروے جنھوں نے سب سے پہلے ۱۹۱۷-۱۸ء میں اس کالج میں داخلہ لیا تھا اس موقع پر موجود تھیں۔

اس موقع پر ٹھاکرسی گروپ نے یونیورسٹی کے لئے دس لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا وائس چانسلر شریمتی مادھوری شاہ نے بتایا کہ اس یونیورسٹی کو گذشتہ ساٹھ سال کے دوران ٹھاکرسی گروپ نے ۶۰ لاکھ روپے عطا کئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ، شری شنکر راؤ چوان اس موقع پر موجود تھے۔ بشری دے مرچنٹ نے شکریہ ادا کیا۔

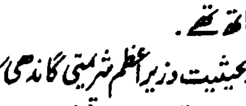
مرکزی پانی بجلی تحقیقاتی مرکز
وزیر اعظم نے معائنہ کیا

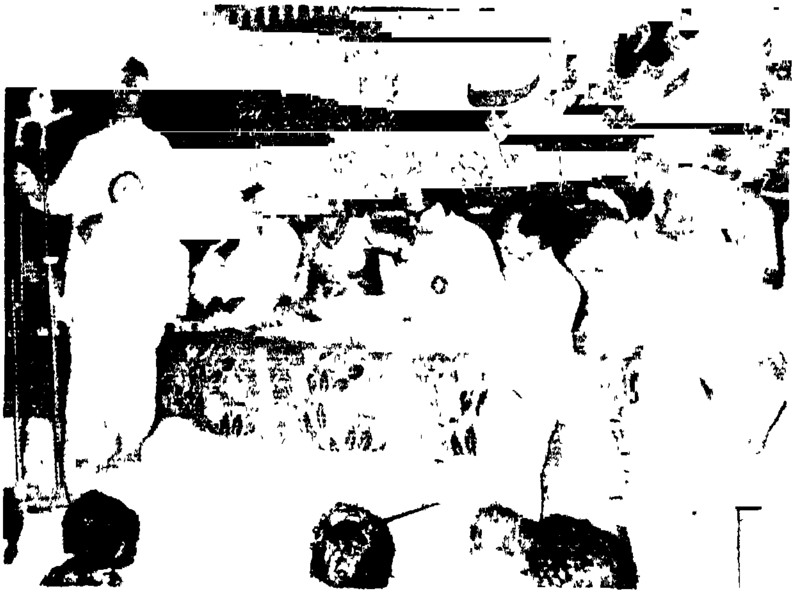
وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ۱۱ دسمبر کو پونے میں سینٹرل واٹر پاور ریسرچ سینٹر کا دورہ کیا۔ اس مرکز پر انھوں نے پون گھنٹہ گذارا اور یہاں کے بڑے پروجیکٹس کا معائنہ کیا۔ انھوں نے جہاز جانچ تالاب کے کاموں اور کانڈلہ اور بمبئی بندرگاہوں، کوسی ندی پروجیکٹ اور کچھ کی کھاڑی میں واقع ٹائیڈل انرجی جنریشن پروجیکٹ کے ماڈلوں سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان وزیر اعظم کے ساتھ تھے۔

بحیثیت وزیر اعظم شریمتی گاندھی کا اس مرکز پر پہلا دورہ تھا۔ اس سے قبل وہ ۴ جون ۱۹۵۵ء میں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کے ہمراہ تشریف لائی تھیں۔

اسٹیشن کی وزیٹر بک میں وزیر اعظم نے لکھا ہے "ہمارے انجینئر بہترین کام کر رہے ہیں جو ہمارے بیشتر منصوبوں کے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ انجینئروں کو میری جانب سے شبھ کامنائیں"۔

اس سے قبل مرکز کے ڈائرکٹر شری پی۔ سی بکسینہ نے وزیر اعظم کا استقبال کیا۔





نانا پاٹل ... صد مسابقت ... کی سرپرستی ... سی نانا ... شری شنکر راؤ ... چوہان ... ہار پہنا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تصویر میں شری صادق ... ڈ بار ڈیکر (ایم۔ ایل۔ اے) ... کی نانا صاحب گورشیکر، شری بالا پرساد ... پاسا ڈپٹی اسپیکر اور وزیر مملکت برائے آبپاشی ... سی سام راؤ کدم نظر آ رہے ہیں۔

دیہی صحت خدمات کے لئے پائلٹ پروجیکٹ

حکومت مہاراشٹر نے ضلع تھانہ کے ڑگھا بلاک میں پائلٹ بنیاد پر کمیونٹی ہیلتھ ورکرز کی اسکیم نافذ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس اسکیم کا مقصد اندرونی علاقوں میں صحت و تندرستی کی حفاظت اور انسدادی تدابیر عمل میں لانا ہے۔

حکومت نے اس اسکیم کے تحت ۱۳۲ ہیلتھ ورکرز کی تقرری کی بھی منظوری دیدی۔ بڑگھا بلاک کی ۶۶ گرام پنچایتوں میں سے ہر ایک میں سے ایک مرد اور ایک خاتون ورکر کا تقرر کیا جائے گا، جن کو ۳۱ جنوری ۱۹۷۷ء تک ماہانہ ۱۲۵ روپیہ وظیفہ دیا جائے گا۔

اس پروجیکٹ پر کل اخراجات کا تخمینہ ۱٫۷۵٫۰۰۰ روپے کا ہے۔ اس میں سے ۷۵ فیصد ریاستی حکومت فراہم کرے گی اور بقیہ ۲۵ فیصدی تھانہ ضلع پریشد اور فائدہ اٹھانے والوں کو برداشت کرنا ہوگا۔

مہاراشٹر کی ترقی قابل ستائش
— شری عبدالغنی ڈار

مہاراشٹر میں سماجی و معاشی پروگرام کی کامیابی اور تیزی کے ساتھ عمل آوری پر شری عبدالغنی ڈار، صدر کل ہند انجمن مجاہدین آزادی نے مہاراشٹر کی خوب ستائش کی۔

ضلع چندرپور میں واقع ملی کے مقام پر ... دسمبر کو مشرقی ودربھ مجاہدین آزادی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شری ڈار نے فرمایا کہ ۲۵ نکاتی پروگرام کے نشانوں کو مقررہ مدت میں پورا کرنے میں مہاراشٹر پیش پیش ہے۔

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان کی سربراہی میں جس جوش و خروش سے اس پروگرام کو زیر عمل لایا جا رہا ہے اسے مرکز کی طرف سے بھی سراہا گیا ہے۔

وزیراعلیٰ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ... ایسی ہستی کی جانب سے جس نے اپنی زندگی ملک کی آزادی کے لئے قربان کردی یہ تعریف یقیناً قابل قدر ہے۔

شیرِ انقلاب نانا پاٹل
وزیراعلیٰ کا تعزیتی پیغام

مجاہد آزادی شیر انقلاب (کرانتی سمہا) نانا پاٹل کے انتقال پُرملال پر وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ آپ نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ:

"شیر انقلاب نانا پاٹل کی ناگہانی موت کی خبر سُنکر مجھے سخت صدمہ پہنچا۔ وطن کی آزادی کے لئے ان کی قربانیاں ہمیشہ یاد رہیں گی۔ غیر ملکی حکومت کے خلاف لوگوں کے دلوں میں انھوں نے زبردست جوش و خروش پیدا کیا۔ اس ... کے لئے "کرانتی سمہا" کا خطاب شایانِ شان ہے۔

انھوں نے جدوجہد آزادی کے لئے اور اس کے بعد غریبوں تک اس کا پھل پہنچانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

سماجی اور معاشی انصاف کے حصول کے لئے موجودہ کوششوں سے ان کا بہت قریبی تعلق تھا۔ ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ ملک کے دفاع اور خوش حالی کے لئے جدوجہد کا ولولہ پیدا کرتی رہے گی۔





گیٹ وے آف انڈیا پر، سری ڈی ایس دلسائی "پھول" سمندر کی نذر کر رہے ہیں۔ میئر شری منوہر جوشی ہاتھ میں "ارن" لئے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری ایس۔ بی چوان ۱۹ر دسمبر کو سنت تکارام مندر، کرناک بندر ممبئی میں مجاہد آزادی آنجہانی کرانتی سنہہ نانا پاٹل کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں یہاں سے کرانتی سنہہ کے "پھول" وسرجن کے لئے جلوس کی شکل میں گیٹ وے آف انڈیا لے جائے گئے۔ وزیر مالیات شری وائی۔ جے موہیتے بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان ۲۱ر دسمبر ۷۶ء کو انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی، پوائی، ممبئی میں چھٹویں آل انڈیا ہوم گارڈز اور سول ڈیفنس پروفیشنل اور اسپورٹس میٹ کی اختتامی تقریب میں جیتنے والوں کو انعامات تقسیم کر رہے ہیں۔

بنک آف مہاراشٹر کی بائیکلہ شاخ کی جانب سے راستوں پر پھل ترکاری بیچنے والی خواتین کو قرض دینے کی تقریب ۱۰ر دسمبر ۷۶ء کو انجام پائی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ شری پربھاکر کنٹے، شریمتی رام پیاری ممن کو قرض دیتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔





"فلیگ ڈے" فنڈ

شری پی۔ کے کنٹھے، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ نے ۷ دسمبر کو ممبئی میں مسلح افواج 'فلیگ ڈے' فنڈ جمع کرنے کی مہم کا افتتاح کیا۔

شری کنٹھے نے اپنی افتتاحی تقریر میں ممبئی کے شہریوں سے زیادہ سے زیادہ رقم بطور چندہ دیکر اپنی روایات کو برقرار رکھنے کی اُمید ظاہر کی۔

مسلح افواج کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے شری کنٹھے نے وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا۔ شری کنٹھے نے فرمایا کہ وہ جب بھی فلیگ دیکھتی ہیں ان بہادر نوجوانوں کی قربانیوں کو یاد کرکے ان کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ شری رام کرشنا بجاج، چیرمین فلیگ ڈے کمیٹی نے بتایا کہ ممبئی میں اس مہم سے ۵ لاکھ روپے چندہ اکٹھا کرنے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔

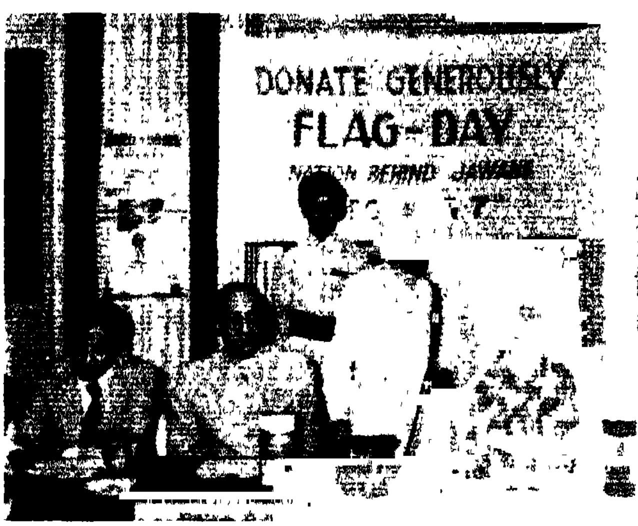
انھوں نے اس بات کی اُمید ظاہر کی کہ صنعت کار آگے بڑھ کر اس نشانہ کو مکمل کرنے میں ہاتھ بٹائیں گے۔ شری بجاج نے اس فنڈ میں ۲۰،۰۰۰ روپے کا چندہ دیا۔

شری این۔ایچ۔ آر ہنیوتا، ممبئی کے کلکٹر اور فلیگ ڈے کمیٹی کے صدر نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

شری دینیار جال جمشید جی نے چندہ دہندگان کی فہرست پڑھ کر سُنائی۔ اس تقریب میں ۵۷،۰۰۰ روپے کی رقم اکٹھا کی گئی۔

شریمتی لیلا مولگاؤنکر، شریف آف ممبئی بھی اس موقع پر موجود تھیں۔ شری چمن لال سی سیٹھ نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

ذیل کی تصویر اسی موقع کی ہے۔



پل گاؤں کاٹن مل حکومت کے زیر انتظام

وزیر صنعت شری ترڑکے کا اعلان

شری این۔ ایم ترڑکے، وزیر صنعت نے حال ہی میں یہ اعلان کیا کہ صنعت (ترقیات و ضابطگی) ایکٹ بابت ۱۹۵۱ء کی دفعہ ۱۸ الف۔ الف کے تحت ریاستی حکومت نے پل گاؤں کاٹن مل کے انتظام کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی جو سفارش کی تھی اس پر حکومت ہند نے حکم نامہ جاری کیا ہے، جس کی رو سے حکومت ہند نے مہاراشٹر اسٹیٹ ٹیکسٹائل کارپوریشن کو مل کے انتظامیہ کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ حکومت مہاراشٹر نے مل کے انتظام کو اپنے ذمہ لینے کا فیصلہ اس لئے کیا تھا کہ کئی ماہ سے اس کا انتظام غیر اطمینان بخش تھا اور مزدوروں میں بے چینی بڑھ رہی تھی یہ مل پسماندہ علاقے میں واقع ہے وہاں کے پسماندہ افراد کی معیشت پر مل کے بند ہو[نے] سے بُرا اثر پڑتا۔

شری ترڑکے نے بتایا کہ یہ پہلی ٹیکسٹائل [مل] ہے جس کا انتظام حکومت نے مذکورہ [ایکٹ] کے تحت بیمار ٹیکسٹائل یونٹوں کو قومیائے جانے کے باعث اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

مہاراشٹر اسٹیٹ ٹیکسٹائل کارپوریشن کو ہدایات جاری کی جا چکی ہیں کہ وہ اس [مل] کو معمول پر لانے کے لئے جلد از جلد اقدام کر[ے]۔

اجارہ داری کپاس حصولی اسکیم

مہاراشٹر کاٹن گروورز ایسوسی ایشن [کے] تیسرے اجلاس کا ۷ دسمبر کو وردھا میں افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان [نے] یہ خیال ظاہر کیا کہ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کی کوششوں سے اجارہ داری کپاس خرید[اری] اسکیم بحران سے بچ گئی۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ کپڑے کی قیمتوں ا[ور] کپاس کی قیمتوں میں تناسب قائم رہنا چاہئے اور اس سلسلے میں بدعنوانیوں پر کڑی نظ[ر] رکھی جانی چاہئے۔

کانفرنس میں پاس کردہ قرارداد کا [جواب] دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اگر کپاس پی[دا] کرنے والے کاشتکار قرض کی واپسی میں بھی اتنی مستعدی نہ بتاتے جتنی کہ قرض کے حاصل کرنے میں بتائی تھی تو شاید یہ اسکیم کامیا[ب ...]

نہیں ہوسکتی تھی۔

وزیراعلیٰ نے کپاس پیدا کرنے والے کاشتکاروں کو مشورہ دیا کہ وہ ایسے مفاد پرستوں کے پھندے میں نہ آئیں جو کہ اپنے مفاد کے لئے انھیں دیگر ریاستوں سے زیادہ قیمتیں دلانے کا لالچ دیتے ہیں حالانکہ وہ آدھی قیمت بھی نہیں دلوا سکتے۔

آل کاٹن گروورز ایسوسی ایشن کے صدر شری دیوراؤ پاٹل نے فرمایا کہ ریاستی سرکار اور کاٹن پروڈیوسرس یونین کو بھی اس اسکیم کی کامیابی کے لئے یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے

مہاراشٹر اسٹیٹ کاٹن گروورز ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر وی. آر کوپے نے کپاس خریداری کی عمل آوری کے سلسلے میں مفید تجاویز پیش کیں۔

شری دربار سنگھ، ایم۔پی پنجاب نے ریاست میں اسکیم کو مستحکم کرنے پر وزیراعلیٰ کو مبارکباد دی۔ شری بابوراؤ دیشمکھ، ایم۔پی نے تعارفی تقریر کی۔

اس کانفرنس میں تامل ناڈ، آندھرا پردیش اور گجرات ریاستوں نیز پونے، دھولے ناسک، اورنگ آباد اور ودربھ خطہ کے آٹھ اضلاع کے تقریباً ... ۳۰ نمائندوں نے شرکت کی۔ جن میں مہاراشٹر کے وزیر صنعت' شری این. ایم ترکے، وزیر امداد باہمی' شری ایس بی پاٹل، وزیر تعلیم شریمتی پربھا راؤ، وزیر مملکت برائے زراعت' شری این. ایس سپکال، چیرمین مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بنک' شری شیوراج راؤ پاٹل، شری وی. پی. ساٹھے' ایم. پی اور شری راجہ رام باپو پاٹل' ایم. ایل. اے شامل ہیں۔

اس موقع پر شائع کئے گئے سووینیر کا اجراء، وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کے ہاتھوں ہوا۔

شطرنج چیمپئن' روہنی - شاباش!

— وزیراعلیٰ

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۲۴ نومبر کو، چودہ سالہ کماری روہنی کھاڈلکر کو مبارکباد کا خط بھیجا، جنھیں کیرالا کے مقام کوٹائم میں حال ہی میں منعقدہ کل ہند خواتین شطرنج مقابلے میں سال کی چیمپئن قرار دیا گیا ہے۔

کماری روہنی کے والد اور روزنامہ 'نوا کال' کے ایڈیٹر شری نیل کنٹھ کھاڈلکر کے نام اپنے خط میں وزیراعلیٰ نے تحریر فرمایا کہ "گذشتہ رات گوہاٹی میں کل ہند کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے بعد جب واپس آیا تو یہ معلوم کرکے بے حد مسرت ہوئی کہ کماری روہنی کو کیرالا میں منعقدہ خواتین کے کل ہند شطرنج مقابلے میں چیمپئن قرار دیا گیا ہے۔ میری مبارکباد اسے پہنچا دیجئے۔ میری دعا ہے کہ اُسے زندگی کے ہر شعبے میں ایسی ہی کامیابی حاصل ہو۔"

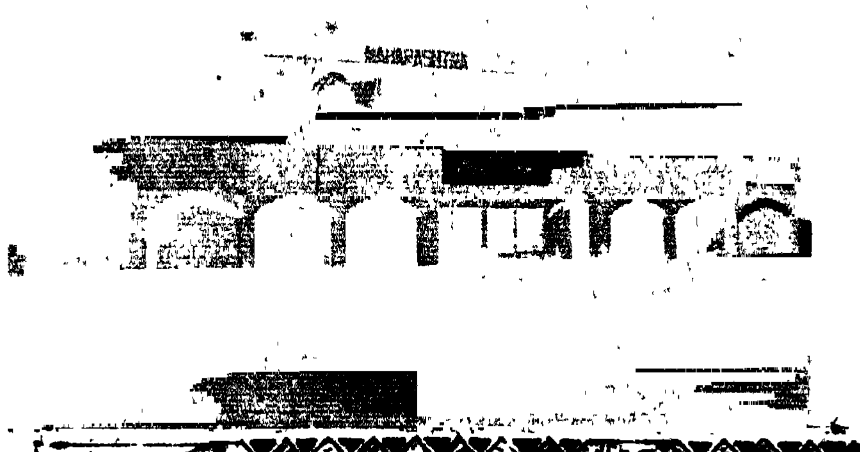
گوہاٹی نمائش میں صنعتی شعبے سے خاص دلچسپی

جواہر نگر، گوہاٹی کی نمائش میں مہاراشٹر پویلین دیکھنے والے ہزارہا اشخاص نے اس کے صنعتی سیکشن سے خاص دلچسپی کا اظہار کیا، جہاں صنعتی اشیاء جیسے سلائیڈ پروجیکٹر، میگنیفیر، مائیکروسکوپ، ٹیکسی میٹر، گھریلو استعمال کے لئے پلاسٹک کی چیزیں، ٹیپ رائٹر، بائیسکل، کار کے پنکھے، بجلی کا سامان اور سوٹ کیس وغیرہ کی نمائش کی گئی ہے۔

اس نمائش کا اہتمام اے. آئی. سی. سی اجلاس کی نمائش ضمنی کمیٹی نے کیا تھا۔

نمائش دیکھنے والے ریاست کی صنعتی ترقی سے بہت متاثر ہوئے۔ دلچسپی رکھنے والے اشخاص کی جانب سے نمائش کے صنعتی سیکشن میں رکھی گئی اشیاء کی خریداری کے سلسلہ میں معلومات کے لئے درخواستیں ملی ہیں

اب تک تقریباً ۱۰ لاکھ سے زیادہ لوگوں نے پویلین دیکھا ہے۔ اس پویلین کے دیگر شعبوں میں زراعت، آبپاشی، پاور، خاندانی





منصوبہ بندی، صحت عامہ اور تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے فراہمی روزگار کے میدان میں ریاست کی کامیابیوں نیز بیس نکاتی پروگرام کی عمل آوری پر روشنی ڈالی گئی۔

ثقافتی حصہ میں مہاراشٹر کے آرٹ اور کلچر سے بھی لوگوں نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا

آسام میں کولہاپوری چپلیں مقبول

آسام میں کولہاپوری چپلیں بے حد مقبول ہو رہی ہیں۔ جواہر نگر (گوہاٹی)، نمائش میدان میں مہاراشٹر پویلین کے اندر مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی جانب سے کھولے گئے فروخت مرکز پر پچھلے پندرہ واڑے کے دوران پانچ سو سے بھی زیادہ جوڑی چپلیں فروخت ہوئیں۔

مقامی مارکیٹ کے ایک تاجر نے تمام بچی ہوئی چپلیں خریدنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ لیکن منتظمین کے خیال میں بڑھتی ہوئی عام مقبولیت کی بنا پر شاید ہی چپلیں باقی بچ سکیں اور اس کی خواہش پوری ہو سکے

اس کے علاوہ دستکاری کی مختلف اشیاء، چاندی کی چیزیں، ہمروشال، شال، اچار، اور پاپڑ وغیرہ بھی مقامی لوگوں میں پسند کی گئیں۔

اب تک ... ۲۸ روپے کی قیمت کی مختلف اشیاء فروخت ہو چکی ہیں

نائب صدر جمہوریہ بی۔ ڈی جتی ۲۶ نومبر کو پونے میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کے "نوتن کاریہ کرم" کا افتتاح کر رہے ہیں اس تصویر میں بائیں طرف سے ڈاکٹر چترا نائک، شری جے۔ پی نائک، وزیر خوراک شری رس اپا کمبھار، تقریب کے صدر وائس چانسلر شری ڈی وا بھولکر اور میئر شری شیواجی راؤ بھوسلے دکھائی دے رہے ہیں۔

نرسنگ تعلیم میں سدھار
کمیٹی نے رپورٹ پیش کر دی

حکومت مہاراشٹر کی جانب سے مہاراشٹر میں نرسنگ خدمات و نرسنگ تعلیم میں بہتری کی خاطر شریمتی ونمالا موہتے کی سربراہی میں مقرر کردہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شنکر راؤ چوان کو ۲۴ نومبر کو سچیوالیہ میں پیش کر دی۔ شری کے۔ ایم پاٹل، وزیر صحت عامہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔

شریمتی ونمالا موہتے، رپورٹ وزیر اعلیٰ کو پیش کر رہی ہیں۔



شری کانٹاوالا قائم مقام گورنر

بمبئی ۱۲ دسمبر۔ گذشتہ ـــــ شری علی یاور جنگ کے اچانک انتقال سے شری جسٹس آر۔ ایم کانٹاوالا چیف جسٹس ممبئی ہائی کورٹ نے آج ۔ قائم مقام گورنر کے طور پر حلف لیکر عہدہ سنبھالا۔ شری جسٹس ڈی ٹی کلجاپور کرنے شری کانٹاوالا کو حلف دلایا۔

اس موقع پر حاضرین میں وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان، چیرمین مہاراشٹر قانون ساز کونسل، شری وی ایس پاگے، ریاستی کابینہ کے ارکان، چیف سکریٹری، شری جے۔ بی ڈسوزا، ہائی کورٹ کے جج صاحبان نیز دیگر عہدیدار شامل تھے۔



شری آر۔ ایم کانٹاوالا حلف لیتے ہوئے۔

ہوم گارڈز کی خدمات قابل تحسین

ـــــ وزیر اعلیٰ

وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی چوان نے ۵ دسمبر کو ناندیڑ میں ہوم گارڈز و سول ڈیفنس کی ۳۰ ویں سالگرہ تقریب پر ہوم گارڈز کے افسران اور اراکین کو ان کی قابل قدر سماجی خدمات پر مبارکباد دی۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ایسی تنظیم سماجی خدمت اور ڈسپلن کا جذبہ پیدا کرتی ہے وزیر اعلیٰ نے ہوم گارڈز کو انعامات بھی تقسیم کئے۔

وزیر مملکت برائے آب پاشی، انرجی، اطلاعات اور پبلسٹی، شری شام راؤ کدم، ڈپٹی اسپیکر، شری فاروق پاشا اور نائب وزیر برائے آب پاشی، قانون اور عدلیہ، شری شیوراج پاٹل بھی اس موقع پر موجود تھے۔

یوم ہوم گارڈز و شہری دفاع

شری آر۔ بی ولوی، وزیر مملکت برائے داخلہ نے ۵ دسمبر کی شام کو بمبئی میں "یوم ہوم گارڈز و شہری دفاع" کے موقع پر رسمی پریڈ کی سلامی لی۔

اس موقع پر ہوم گارڈ تنظیم کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے شری ولوی نے فرمایا کہ یہ خدمت گار تنظیم اب شہریوں کی ایک مضبوط اور منظم جماعت بن گئی ہے جو قدرتی یا خود انسان کے پیدا کردہ ہنگامی حالات میں ریاست اور لوگوں کی مدد کے لئے کمربستہ رہتی ہے۔

شری ولوی نے مالکان سے گذارش کی کہ وہ اپنے ملازمین کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ وہ ہوم گارڈز تنظیم میں شامل ہوں۔

وزیر موصوف نے بمبئی عظمیٰ کے چودہ ہوم گارڈ افسران کو توصیفی سرٹیفکیٹ بھی دیئے۔

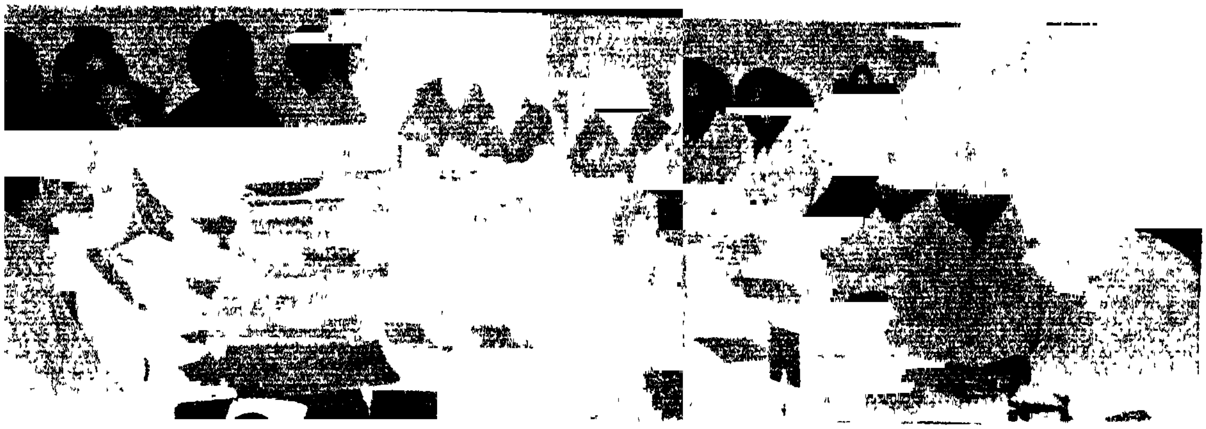
شری بی۔ جی دیوسکر، کمانڈنٹ جنرل نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

بعد ازاں ہوم گارڈوں نے آگ بجھانے اور بچانے کا مظاہرہ کیا۔

صدر نے گولڈ کپ عطا کیا

بیرھویں ایشین ریسنگ کانفرنس کے موقع پر ۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کو صدر شری فخر الدین علی احمد نے مہالکشمی ریس کورس، بمبئی میں خاص ریس دیکھی۔ صدر موصوف نے فاتح گھوڑے "پارٹی بیلے" کے مالکان شری اور شریمتی آر۔ ایم۔ گوکل داس اور شری مول راج ڈی گوکل داس کو انڈیا گولڈ کپ عطا کیا۔ انھوں نے ایک لاکھ روپے کا نقد انعام بھی حاصل کیا۔

صدر موصوف نے جاکی شری ایڈورڈ جونیئر اور ٹرینر شری بی۔ کے لاگڈ کو توصیفی نشان بھی عطا کیا۔



شری ایچ۔ آر گوکھلے، مرکزی وزیر قانون (دائیں سے دوسرے) ۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کو سچیوالیہ میں سلم سُدھار کے مسائل سے متعلق حکومت ہند اور مہاراشٹر کے مختلف محکمہ جات کے افسران کے اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں۔ اُن کے بائیں طرف شری شفیع قریشی، مرکزی وزیر مملکت برائے ریلوے اور دائیں جانب شری پی۔ کے کنٹے، مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ تشریف فرما ہیں۔

جھونپڑپٹی مسائل حل کرنے کیلئے مربوط طریقۂ کار

شری ایچ۔ آر گوکھلے، مرکزی وزیر قانون نے جھونپڑپٹیوں کے باسیوں کی باز آبادکاری اور ان کے لئے بنیادی آسائشوں کی فراہمی کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ریاستی سرکار اور مرکزی سرکار کے مختلف محکموں کے درمیان ربط باہمی کی ضرورت جتائی۔

آپ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ حکومت ہند کی ایسی اراضی پر جو کہ مستقبل قریب میں کسی مقصد کے لئے استعمال نہ کی جانے والی ہو جھونپڑپٹی کے باسیوں کو بنیادی ضروریات مہیا کی جانا چاہئیں۔

شری گوکھلے حال ہی میں مرکزی سرکار کی اراضی پر غیر قانونی طور سے بنائی گئی جھونپڑپٹیوں کے سلسلے میں حکومت ہند کے محکمہ جات کے مقامی افسران کی سچیوالیہ میں منعقدہ میٹنگ سے خطاب کر رہے تھے۔ شری شفیع قریشی، مرکزی مملکت برائے ریلوے بھی اس میٹنگ میں موجود تھے۔

اس میٹنگ میں اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ مرکزی سرکار کی اراضی پر بنائی گئی جھونپڑپٹیوں کی مشترکہ گنتی کا کام فروری ۱۹۷۷ء کے اختتام تک انجام دیا جائے اور اس وقت تک اُن کو ہٹانے کی کارروائی ملتوی رکھی جائے۔

شری قریشی نے فرمایا کہ ان جھونپڑپٹیوں کے باسیوں کی منتقلی اور باز آبادکاری میں جو خرچ آئے گا اس کا فیصلہ کابینہ سکریٹری کی رپورٹ ملنے کے بعد کیا جاسکے گا۔ آپ نے ریل کی پٹریوں کے قریب آباد جھونپڑپٹیوں کے باسیوں کو ان کے مسائل حل کرنے میں ریلوے عہدیداروں کی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

شری پی۔ کے کنٹے، ریاستی وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ نے وزراء اور مختلف محکموں کے نمائندوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی اراضی پر واقع جھونپڑپٹیوں کے باسیوں کو بنیادی ضروریات کی فراہمی اور ان کی باز آبادکاری پر روشنی ڈالی۔

شری کنٹے نے بتایا کہ نجی اراضی پر آباد جھونپڑپٹی کے باسیوں کو قانونی گنجائش نکال کر تمام تر بنیادی ضروریات مہیا کی جائیں گی اور یہ تمام اخراجات اراضی کے مالکان سے بطور محصول وصول کئے جائیں گے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ پوری ریاست میں ۴۲ کروڑ روپے جھونپڑپٹی سُدھار کے لئے خرچ کئے جا چکے ہیں جس میں سے ۹۰ فیصد خرچ بمبئی میں کیا گیا ہے۔

ہاؤسنگ سیکریٹری، شری ایس بیر ٹنیکر نے بتایا کہ جھونپڑپٹی کے ایک خاندان کی منتقلی کے لئے ۲،۵۰۰ روپے کی رقم میں سپاٹ اراضی نہ ملنے پر زمین کو درست کرنے کا خرچ بھی شامل ہے۔

اس میٹنگ میں بمبئی کے کمشنر، چیرمین بی۔ پی۔ ٹی، بمبئی کے کلکٹر، ریلوے کے جنرل منیجر ان اور دیگر محکمہ جات کے سربراہ بھی موجود تھے۔

ہوم گارڈز کا مظاہرہ

۵ ردسمبر کو کراس میدان، بمبئی میں "ہوم گارڈ و سول ڈیفنس دن" پر وزیر مملکت برائے داخلہ شری رجیش دلوی سلامی لے رہے ہیں۔





Regd. MH-BY-South-544 Licence No. 89 for without prepayment of postage

(ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئے میں چھپوا کر شائع کیا)

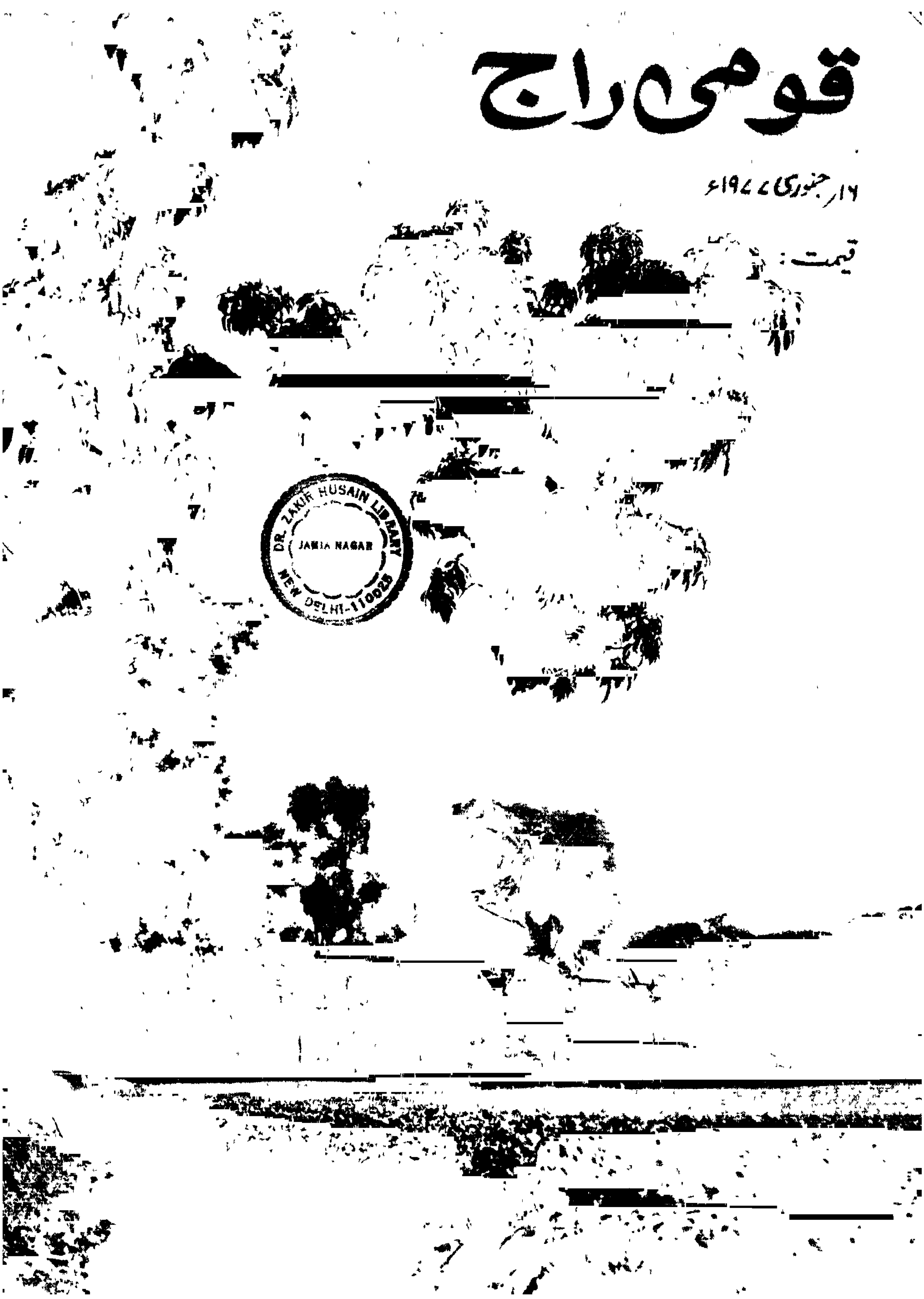
فری آئی کیمپ میں ڈاکٹر ایم۔سی مودی ایک خاتون کی آنکھوں کا معائنہ کر رہے ہیں
جس کا اہتمام پونے ضلع ہوم گارڈز نے کیا تھا۔



قومی راج

۱۶؍جنوری ۱۹۷۷ء

قیمت :





قومی راج

جلد نمبر ۴ • ۱۶ رجنوری ۱۹۷۷ء • شمارہ [illegible]

زیر نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

قیمت فی کاپی: ۵۰ پیسے ٥ سالانہ: ۱۰ دس روپے

ترتیب :-

•

ترسیلِ زر اور مراسلت کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ،
بمبئی - ۳۲ - ۴۰۰۰

سخن ہائے گفتنی

[illegible]انیشوری نمبر اور جنگلی جانور نمبر کے بعد جنھیں ہمارے قارئین [illegible] سراہا اور اس مضمون کے خطوط لکھے کہ قومی راج اُردو اور صحافت میں پائی جانے والی ایک بڑی کمی کو پورا کر رہا ہے، ہم ایک عام شمارہ فخر کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ فخر اس بات کا ہے کہ اس شمارے میں ہم نے کم سے کم صفحات میں زیادہ سے زیادہ مواد دینے کی کوشش کی ہے اور اس مواد میں آپ کافی تنوع بھی پائیں گے۔ اس میں آپ تنقیدی مضامین بھی پائیں گے اور ترقیاتی بھی۔ سائنس سے متعلق مقالہ بھی اس شمارے کی زینت ہے اور لسانیات کے بارے میں بھی تحقیقی مواد پیش کیا جا رہا ہے۔ یقین ہے کہ یہ مختصر لیکن ٹھوس شمارہ آپ کو پسند آئے گا۔

قومی راج کے لئے ہمیں جو مواد برائے اشاعت موصول ہوتا ہے اس میں حسبِ روایات غزلیات و منظومات کی بھرمار ہوتی ہے۔ بلاشبہ صنفِ شاعری اُردو کی امتیازی خصوصیت ہے لیکن اگر صرف شعر و شاعری ہی کسی زبان کا سرمایہ بن کر رہ جائے تو اس کی ہمہ جہتی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو جانے کا خدشہ ہے، نیز اس کی عملی افادیت بھی بہت کم ہو جائے گی۔ بہتر ہوگا کہ اُردو میں جدید علوم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لکھا جائے جیسا کہ دوسری زبانوں میں ہو رہا ہے۔ دیگر زبانوں خصوصاً انگریزی اور مراٹھی سے اچھے ترجمے بھی یہ کمی پوری کر سکتے ہیں۔

ماہِ رواں کے دوران قومی راج اپنی زندگی کے تین سال پورے کر رہا ہے۔ ان تین برسوں کے دوران ہم نے باوجودیکہ پوری کوشش کی کہ قارئین کو شکایت کا کم سے کم موقع دیں تاہم گوناگوں مجبوریاں راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں۔ آیئے اس امید کا اظہار کریں کہ نئے سال کے دوران ان کوتاہیوں کا اعادہ نہ ہوگا اور آپ کا یہ محبوب اور پسندیدہ جریدہ مقررہ تاریخوں میں آپ تک پہنچتا رہے گا۔

بیکلؔ اُتساہی بلرامپوری
بلرام پور۔ گونڈہ (یو۔ پی)

غزل

زُلفِ جاناں کی پریشان کہانی تو رہے
زندگی رات سہی، رات سُہانی تو رہے

وقت وہ ہے کہ ہراک حُسن یہی چاہتا ہے
کچھ حقیقت نہ رہے میری کہانی تو رہے

دوستوں کی بھری دنیا میں سکوں کی خاطر
کم سے کم کوئی مِرا دُشمنِ جانی تو رہے

خُلد کو پھونک دوں دوزخ کو بُجھادوں لیکن
آگ اِک ہاتھ میں، اک ہاتھ میں پانی تو رہے

راکھ رہنے دو نشیمن کی ابھی گُلشن میں
کچھ نہ کچھ جشنِ بہاراں کی نِشانی تو رہے

حسن عبّاس فطرت

دارالرضا، ۵، ایچ، مراٹھا ہسپتال کمپاؤنڈ، بمبئی ۴۰ ۲۶

نس بندی کیوں؟

کسی تحریک کی مخالفت کے عموماً تین سبب ہوتے ہیں، اوّل تو جہالت اور رجعت پسندی دوسرے مفاد پرستی و خود غرضی اور سب سے آخر میں انسانی فطرت و عادت جس میں دو طبقے ہوتے ہیں ایک تو آنکھ بند کرکے اس طرف بہہ جانے والے جسے بھیڑ چال بھی کہا جاتا ہے دوسرے بغیر کسی غور و فکر کے اندھا دھند مخالفت کرنے والے۔ ہندوستان میں کوئی سال، بلکہ کوئی گھڑی ایسی نہیں گذرتی جس میں ہمیں یہ تجربہ نہ ہوتا ہو۔ تازہ مثال دہلی کی وہ ہڑ لونگ ہے جو بچوں کو صحت کا ٹیکہ لگاتے وقت ہوئی مگر یہ کوئی اچھوتا واقعہ نہ تھا آزادی کے بعد جب عوامی حکومت نے صحت عامہ اور متعدی امراض کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا اس وقت بھی ڈی، ڈی ٹی کے چھڑکاؤ کو شر پسندوں نے مشتبہ بنا دیا تھا اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں عرصے تک ہوتی رہیں۔ جب زیادہ اناج اگانے کیلئے کیمیاوی کھاد کے استعمال پر زور دیا جانے لگا تب بھی بہت دنوں تک وسوسے، اندیشے، اور نادانی کی باتیں چلتی رہیں لیکن آج کیا عالم ہے؟ بتلانے کی ضرورت نہیں، اسی طرح جب عوام کو حقیقت سے آگاہی ہوجاتی ہے تو پھر اس طرف ایسی ریل پیل ہوتی ہے کہ توبہ بھلی لیکن بہت دیر بعد جب کہ وقت آگے بڑھ جاتا ہے نقصان کی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے اور وہ سہولیتں کم یاب ہوجاتی ہیں۔ نس بندی کا بھی یہی حال ہونے والا ہے کیونکہ ہم نے یہ اندازہ لگا لیا ہے کہ دیکھتے دیکھتے اسکی مخالفت میں بہت کمی آگئی ہے اور موافقت میں زیادہ آوازیں اٹھنے لگی ہیں۔

کچھ دنوں پہلے یہ افواہ بھی گشت کرتی تھی کہ جنوبی مشرقی ایشیا میں کمیونزم کے پھیلتے ہوئے خطرے سے نپٹنے کیلئے امریکی سامراج نے ضبط تولید نام کا ہتھیار ایجاد کیا ہے مگر جلد ہی سامنے آگیا کہ یہ بھی سماج دشمن عناصر کی من گھڑت تھی نہ امریکہ کے روکے وہاں کمیونزم رکا اور نہ ہی آج ضبط تولید کسی بلاک سے مخصوص ہے بلکہ ہر ملک اپنے معاشی مسائل کو دیکھتے ہوئے اس پر زور دیتا ہے اور جہاں معاشی حالات ہموار ہیں وہاں اس پر خاص توجہ نہیں دی جاتی اور وہ قوت دوسرے تعمیری کاموں پر لگائی جا رہی ہے چاہے وہ ملک کسی دھرم سے تعلق رکھتا ہو۔ پوپ پال سے لے کر مسلمانوں کے تمام بڑے مذہبی رہبروں نے اسے جائز قرار دیا اور کرنے نہ کرنے کو حالات اور اپنی صوابدید پر منحصر کر دیا ایسا بھی نہیں کہ ان لوگوں کو سمندر متھنا پڑا ہو بلکہ ہر مذہب معاد اور معاش دونوں کو بہتر بنانے پر زور دیتا ہے۔ اور تمام مذاہب کی تعلیم انھیں دو خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اب جو لوگ ضبط تولید اور نس بندی کے بیچ سدِ سکندری جیسی اونچی اور سیسہ پلائی دیوار کھڑی کرتے ہیں ان کے خلوص پر شک نہیں کیا جا سکتا مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ گہری فکر سے کام لیں، مسلسل غور کرتے رہیں تو انھیں خود اپنے استدلال کی خامی معلوم ہوجائیگی کیونکہ نسبندی آپریشن کی حقیقت اور تعریف اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مختلف ذرائع ضبط تولید میں جانا اور مانا ہوا آسان، کم خرچ، بے ضرر، اور یقینی طریقہ ہے جو انسان کو بار بار کی زحمت اور مالی نقصان سے بچا کر ضبط تولید کی پکی ضمانت دے دیتا ہے۔ اب رہی یہ غلط فہمی کہ نسبندی آپریشن قطع نسل پر منتج ہوتا ہے اور مذہب کی نظر میں ایسا شخص بہت بڑا اپرادھی ہے اس کے جواب میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ نسل تو ایک اولاد سے بھی چلتی ہے اور یہاں تو ہم دو اور تین بچوں کے بعد خود کو اس عمل سے روک رہے ہیں جبکہ ڈاکٹروں کا متفقہ بیان اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ ناگہانی اور اشد ضرورت کے وقت اس کا تدارک بھی ممکن ہے اور بند ھی ہوئی نس

کھولی بھی جا سکتی ہے۔

بھارت سرکار نے آزادی کے بعد ہی سے کنبہ بندی اسکیم لاگو کی مگر پچیس برس کے تجربہ نے بتایا کہ خرچ اور وقت کو دیکھتے ہوئے اور نشانہ آبادی کو مدنظر رکھ کر یہ طریقہ زیادہ مفید نہیں ثابت ہوا اور سوائے نس بندی کے کوئی موثر و نتیجہ خیز عمل سامنے نہیں آیا خواہ وہ بذریعہ آپریشن ہو یا انجکشن و دوا کی بدولت او حقیقت یہ ہے۔ اولاً اس کا فائدہ صاحب خانہ یا والدین کو پہنچتا ہے اسکے بعد ریاست کو، اسلئے فی الحال جو نس بندی کی سہولیتیں حاصل ہیں مثلاً مفت آپریشن و دیگر رعائتیں جو عام ہیں شکر گذاری کے ساتھ اس سے ہمیں جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہئیے ورنہ بہت ممکن ہے کہ حکومت کا اپنا نشانہ پورا ہو جائے اس کے بعد ہم کو چیت ہو جبکہ یہ سہولیتیں ختم ہو چکی ہوں، اسلئے کہ موجودہ حالات میں کوئی کہے نہ کہے، زبانی مخالفت بھی کرے مگر دل سے یہی چاہتا ہے کہ کم سے کم بچے ہوں تاکہ ہم اُن کی مناسب تربیت و پرورش کر کے سماج میں اونچا درجہ دلوائیں۔

ہمیں یہ بات دل میں بٹھا لینی واجب ہے کہ انگریزوں کا زمانہ، راجا مہاراجاؤں کا یگ اور جاگیردارانہ سماج اپنی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ عدم کے گہرے غار میں جا چکا ہے۔ اس کا بہت نشاں، نقش و خاکہ سب کچھ ہم دماغ کے تختۂ سیاہ سے جب تک نہ مٹا ڈالیں گے جمہور کی برکت اور عوامی حکومت کی لذت کے عارف نہیں بن سکتے اور نہ اس کی مہیا کی ہوئی راحت و لطف سے ہم مستفید ہو پائیں گے۔ آج جنتا اور سرکار میں کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ دونوں جسم و جان کی طرح باہم مرتبط ہیں نہ کہ دو الگ چیزیں۔ عوام کا فائدہ حکومت کی فلاح اور جمہور کے ضرر میں سرکار کا نقصان ہے آج ہم خود آقا ہیں اور خود کے غلام۔ ملک کا نشانہ ایک فلاحی ریاست قائم کرنے کا ہے جہاں کے ہر شہری کی مادی و روحانی سکون و ترقی کا کام حکومت کے سر ہوتا ہے جو عوام کے تعاون و قربانی کے بغیر ممکن نہیں ہوا کرتا۔ جس قدر عوام حکومت کے ممد و معاون ہوتے ہیں اسی حساب سے وہ ریاست نمائندہ و ترقی یافتہ ہوتی ہے۔ اس لئے کنبہ بندی کی تحریک ہی پر منحصر نہیں بلکہ ہر چھوٹی بڑی، نئی پرانی اسکیم و مسئلہ پر ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت سے اشتراک کریں حکومت کے کارندوں کی سستی و غفلت اور ناانصافی پر تنقید بھی اشتراک کے زمرہ میں آتا ہے مگر یہ اسی وقت مناسب و کارآمد ہوگا جب ہم عملی و نظری دونوں پیمانے پر قدم بقدم حکومت کے مددگار بن چکے ہوں۔

کیا حکومت کو ہمارے بچوں سے کوئی کد ہے، دشمنی ہے؟ کیا وہ ہمارے بھرے آنگن اور سیلاب آبادی کے بہتے دریا کو دیکھ نہیں پاتی، یا کثرت اولاد سے اسے اپنے زوال کا خدشہ ہے یا خواہ مخواہ پبلک حقوق پر دست اندازی اور ہمارے نجی معاملات میں ٹانگ اڑانا، ہمیں زرخرید غلام بنا لینا اس کی منشاء ہے یا اپنا رعب و دبدبہ چاہتی ہے، ایسے خوابہائے پریشاں اور توہمات کو گندے انڈے کی طرح دماغ سے دور پھینک دینا چاہئیے کیونکہ حکومت نے آبادی بڑھانے اور ساتھ ساتھ اُسے زندہ و توانا بنائے رکھنے کا جو جتن بہت پہلے شروع کیا ہے اور کنبہ بندی اسکیم سے کئی گنا زیادہ قوت و دولت اس پر صرف کر چکی ہے اور کرتی رہے گی۔ کیا آزادی کے بعد شرح اموات میں بھاری کمی نہیں ہوئی؟ عمر کا اوسط دوگنا نہیں ہوا؟ آزادی سے قبل ہندوستان جنت نشان عبارت تھا قحط و سیلاب، متعدی امراض، بھوک و عریانی کی معراج سے ہیضہ، طاعون، چیچک، تپ دق، ملیریا، سے گاؤں کے گاؤں ویران ہو جاتے تھے، سوکھا، ڈپتھیریا، جھوگا، اور خدا جانے کن کن امراض کی زد میں آکر نصف سے زائد نوزائیدہ بچے ختم ہو جاتے تھے بستان کی زندگی کے لئے مندر، مسجد، درگاہ اور شہر شہر لوگ مارے مارے پھرتے تھے۔ سیلاب و قحط کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مقام پر ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتر جاتے تھے اور حاکم کے کان پر جوں نہ رینگتی۔ آج ایشیا و افریقہ کے ممالک میں جو ہندوستانی آباد ہیں ان کے آباد اجداد ہندوستان کی انہی بلیات کے مارے گھر چھوڑ کر بھاگے تھے۔ مگر اب ایسا بالکل نہیں ہے اور جو لوگ باہر جاتے ہیں وہ صرف زیادہ پیسے کے لالچ میں ملک کا نقصان کر کے اپنا فائدہ ڈھونڈنے ہیں۔

معلوم ہوا کہ آبادی بہت اچھی اور ضروری چیز ہے اسکی مثال پانی سے دی جا سکتی ہے جس سے صحن عالم میں تازگی اور زندگی ہے مگر جب یہی سر سے اونچا ہو جائے تو قحط سے بدتر اثر دکھاتا ہے۔ باڑھ سے دنیا اتنا ہی ڈرتی ہے جتنا زلزلہ سے، اس کے پانی کی نکاسی کی، اس پر کنٹرول کرنے اور حفظ ماتقدم کی مختلف صورتیں سوچی جاتی ہیں اُن پر باقاعدہ عمل ہوتا ہے تو نقصان کا کیا سوال۔ وہ پانی کارآمد بھی بن جاتا ہے۔ اور اس سے نئی طاقتیں اور روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ بچے ہوں، ضرور ہوں مرنے کے لئے نہیں زندہ و خوش رہنے کے لئے سیلاب سے بچنے کے لئے پانی پر بندھ باندھتے ہیں — سطح زمین کو اونچا کرتے ہیں، دریا کے رُخ کو موڑتے ہیں، اسی طرح اگر آبادی کو مٹھی میں

بند کر لیا جائے تو طاقت ور نسل پیدا ہوگی، زندہ رہے گی۔ اور زندگی کی مسکانیں سارے دیس میں پھیلائی جائے گی حکومت شادی کو آسان بنانے کے لئے جہیز کے خلاف قانون بنا رہی ہے اور آبادی کو اپنے قبضے میں رکھنے اور بڑھنے نہ دینے کیلئے کنبہ بندی کا قفل مع کلید یعنی نس بندی آپریشن بھی مفت دے رہی ہے اور شادی کی عمر بڑھانے پر غور کر رہی ہے۔ علاج و صحت عامہ پر بے دریغ روپیہ خرچ کر رہی ہے تاکہ شہر سے دور دیہاتوں کے غریب عوام کو بھی وہی سہولتیں میسر ہو جائیں جو امیروں اور شہریوں کو ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں مگر حکومت کا عزم ہے کہ وہ اس حد تک جائے بغیر دم نہ لے گی۔ یہ سائنسی دور ہے ہر چیز کی ناپ تول کرنا اور اعداد و شمار کے کوزہ میں بند کرنا اس دور کا خاصہ ہے ہر چیز ریاضی کے اصولوں کے مطابق ہو یہی اس کا مقصود ہے۔ ترقی و تعمیر کی ریلوے لائن اسی زمین پر بچھائی جاتی ہے جس کی پیمائش، استعداد سب کچھ معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ جنتا و عوام جن کے لئے سب کچھ کیا جاتا ہے ان کے اعداد و شمار اگر تالو اور نظر میں نہ ہوں تو قیامت تک کام ادھورا ہی رہے گا اور ہائے وا دیلا مچی رہے گی۔ ساری محنت بیکار و بے نتیجہ ہو کر رہ جائے گی۔ اس مسئلے پر اقلیت و اکثریت کی عینک لگا کر نظر کرنا بھی نافہمی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اکثریت سے زیادہ فائدہ اقلیت کو پہونچ سکتا ہے۔ کیونکہ اقلیت کے تعلق سے ایک عالم گیر اصول یہ ہے کہ اگر اسے اپنی بقاء درکار ہے تو اسے ترقی کی دوڑ میں اوّل نہیں تو دوم نمبر لانا ہی چاہئیے ورنہ اسکی موت یقینی ہے آبادی کتنی ہی بڑھی ہوئی ہو۔ کثرت اولاد سے تعداد بڑھ جائے ... ترقی یافتہ اکثریت میں ... ورنہ ... غالب ہو جائے گی ... [illegible] ... کی ورق گردانی ... [illegible] ... گی۔

اس کلیہ کی رو سے عقلمند اقلیتوں کو بالخصوص ... پسماندہ اقلیتوں کو اس پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئیے۔ کم اور صالح اولاد ملک کو دنیا میں ترقی کا زینہ ہے اور اس سے جی چرانا نادانی اور بدبختی۔ ہر بھارتی اپنے کنبے کو آگے بڑھانا اور اونچے استھان پر دیکھنا چاہتا ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے جبکہ وہ نہ صرف نس بندی کو اپنائے بلکہ اس کی طرف دوسروں کو رغبت دلائے اور اس کے فوائد کو عام و آشکار کرے۔



سری جگش دلسائی، وزیر مملکت برائے شہری ترقیات ۲ رجنوری ۷۷ء کو کھیرواڑی، باندرہ (مشرق) میں "یری ترمالیہ میڈیکل سینٹر" کا افتتاح کر رہے ہیں۔

امرت بانی

گاندھیائی تصور کے مطابق اُردو اور ہندی شاعری سے ہندوستانی (ہندی اُردو ملی جلی آسان زبان) شاعری کا منفرد انتخاب۔ اس میں تفصیلی لسانی مقدمہ اور آخر میں حواشی فرہنگ اور شاعروں کا تعارف بھی ہے۔ اس میں ہندوستانی کے بارے میں گاندھی جی کی تحریروں کا عکس بھی شامل ہے۔ طباعت دیدہ زیب۔

مرتبہ۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی

ملنے کا پتہ:
مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر، بمبئی ۲۰
قیمت: ۲ روپے

جرّار چھولسی۔ ہمدرد دواخانہ، لال کنواں۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

جہیز کی لعنت

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!!!
ختم لعنت جہیز کی کردو

جاملا دی جو ساہراہ تو کیا   دو گھڑی کو ہوئے جو شاہ تو کیا
قرض سے کردیا جو بیاہ تو کیا   زندگی ہوگئی تباہ تو کیا

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

تم لوٹیں لے گا یہ ہوس کا ناگ   پھونک دیگی محبس جہیز کی آگ
ہائے اٹھتی جوانیوں کا سہاگ   زندگیوں سے اب نہ کھیلو پھاگ

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

ہوئیں کتنی جوانیاں برباد   کتنے پھرتے ہیں خانماں برباد
ہوگئے کتنے خانداں برباد   ہوگیا ہے سکونِ جاں برباد

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

وقت کو خوشگوار ہونے دو   زندگی پُربہار ہونے دو
عیش سے ہمکنار ہونے دو   قوم کو باوقار ہونے دو

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

آپ مٹ جائیں گے نشیب و فراز   آ ہنی عزم سے ہو سرافراز
رہو بن کے جہاں میں قسمت ساز   آرہی ہے یہ وقت کی آواز

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

مانگنے کیوں کسی کے گھر پہ چلو   کیوں کسی راہ پُرخطر پہ چلو
اپنے مذہب کی رہگذر پہ چلو   اپنے اجداد کی ڈگر پہ چلو

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

بیاہ میں رت جگا تماشا کیا   ناچ گانا، برات، باجا گیا
دے کے بیٹی کو زر دکھاوا کیا   سوچو ہے وقت کا تقاضا کیا

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

کیا نتیجہ اُدھار کھانے سے   فائدہ کیا گلا بندھانے سے
باز آجاؤ گھر لٹانے سے   رسم اٹھا دو یہ اب زمانے سے

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

زر پرستو! تمھیں نہیں ہے خبر   دیکھ لو اس طرف بھی ایک نظر
مفلسی کی چتاؤں کے اندر   کس قدر ہیں جوانیاں مضطر

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

خوش نصیبی پہ سر دھنو تو سہی   چال تدبیر کا بنو تو سہی
گوہرِ خوشنما چنو تو سہی   شعر جرّار کا سنو تو سہی

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

زیور و زر زمیں جہیز نہ دو   رہن رکھ کر زمیں جہیز نہ دو
بیچ کر گھر زمیں جہیز نہ دو   چھوڑ دو سر زمیں جہیز نہ دو

ہوش میں آؤ عورتو، مردو!
ختم لعنت جہیز کی کردو

اِندرجیت لال
۴۷۶۳، نمک پھاٹک، حوض قاضی
دہلی ۶

ہماری نیوکلیائی سائنس

نیو ایٹمی سائنس نئی سائنس ہے ہندوستان میں یہ سائنس آزادی کے بعد پہلی بار پھلی پھولی اس سے پہلے یہ سائنس ویسے صرف یونیورسٹیوں ہی میں تحقیق و تجربات کا مضمون ہوا کرتی تھی کلکتہ یونیورسٹی خاص طور پر سائنس کے پڑھنے پڑھانے اور تحقیق کا مرکز مانی جاتی تھی۔ اس یونیورسٹی میں ڈاکٹر میگھ ناتھ ساہا ڈاکٹر سی وی رمن اور کئی دوسرے مشہور سائنسدان ابھرے لیکن عملی طور پر سائنس چند سائنس دانوں کا ہی مضمون زندگی ثابت ہوئی۔ ان دنوں سائنس کے کام کرنے والے سائنس دان بڑی تھوڑی ہی تعداد میں ہوا کرتے تھے۔ لیکن بنگلور میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس کے کھل جانے سے سائنسی تعلیم کے مواقع بہت بڑھ گئے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس ادارے میں ایک دن ڈاکٹر ہومی جہانگیر بھابھا نے قومی سطح پر سائنسی تحقیق و تعمیر کا ایک خواب دیکھا جو بعد میں شرمندۂ تعبیر ہو سکا۔

ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر نے قومی سطح پر تحقیق کی سائنسی رصدگاہیں کھولیں اور ڈاکٹر بھابھا نے نیوکلیائی سائنس کو ہندوستان میں بروئے کار لانے کے لیئے منصوبے تیار کئے انھوں نے ایک خط میں ڈاکٹر دوراب جی ٹاٹا کو لکھا "اگر ہم ملکی صلاحیت کے ذریعہ توانائی سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبے بیس برس تک بھی تیار کر پائیں تو ایک دن ہندوستان کو بدیش کے ماہروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔" ایک ٹرسٹ قائم ہو گیا جس کا نام ٹاٹا کا بنیادی سائنسی ٹرسٹ رکھا گیا اور عام پیمانے پر ڈاکٹر بھابھا نے اس ٹرسٹ میں کاسمک شعاعوں پر کام شروع کر دیا۔

آزادی کے بعد ڈاکٹر بھابھا نے قیاس لگایا کہ نیوکلیائی توانائی کے کام کو طبیعات، کیمیا، حیاتیات اور انجینئرنگ کے شعبوں میں بھی فروغ دیا جا سکتا ہے چنانچہ ڈاکٹر بھابھا کی ایما پر ۱۹۴۸ء میں ایٹمی توانائی کمیشن کی بنیاد پڑی۔ کمیشن کے سامنے یہ کام تھا کہ وہ ایٹمی توانائی ایکٹ کی رو سے ہندوستان میں ان جگہوں پر اس طرز کی توانائی کے وسیلے پیدا کرے جہاں جہاں معدنیات پائی جاتی ہیں۔ اور کھوج و تحقیق کا کام جاری رکھا جائے۔ رصدگاہوں یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں تحقیق کے کام کو فروغ دیا جائے اور یونیورسٹیوں میں نیوکلیائی طبیعات کی تعلیم میں تحقیق کے زیادہ مواقع پیدا کئے جائیں۔ اس کمیشن نے کیمیا، طبیعات اور حیاتیات کے سائنسدانوں کو تحقیق و تجربات کے کاموں کے لیئے تیار کیا۔

کمیشن کے قیام سے ایٹمی تحقیق کے پروگرام میں بڑی تندہی سے کام ہونے لگا اور یورینیم، تھوریم، بیریلیم اور گریفائٹ وغیرہ کے ذرائع کی تلاش شروع ہو گئی تحقیق و تلاش کے لیئے دہلی میں ایک مرکز بھی قائم کیا گیا اور کیمیا طبیعات اور حیاتیات میں تربیت کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ کمیشن کے سامنے ایک منزل یہ تھی کہ ایک تحقیقی ری ایکٹر بنایا جائے۔ ساتھ ساتھ پرزے بنانے کے لیئے بھی ایک باقاعدہ پروگرام کی ترتیب ضروری تھی۔ تحقیق کے کام کے ساتھ ساتھ یہ بڑی ضروری بات ہے کہ کل پرزے بھی ہندوستان ہی میں تیار کئے جائیں۔ چنانچہ اس کے لیئے حیدرآباد میں الیکٹرانک کا ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اس مرکز کے قیام میں ڈاکٹر بھابھا نے بڑا حق ادا کیا۔ اُن کی لگن، انہماک، اور پھرتی بے مثال تھی جس کا اثر دوسرے کارکنوں پر بھی خاطر خواہ پڑتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ ایٹمی کمیشن کے روحِ رواں کی حیثیت سے ڈاکٹر بھابھا دوسرے سائنس دانوں کے لیئے ایک روشنی کا مینار ثابت ہوئے۔

ری ایکٹر کی بات تو اس کے لیئے پنڈت نہرو نے ۱۹۵۴ء میں نیشنل فزیکل لیباریٹری میں ہندوستانی سائنس دانوں کی ایک میٹنگ بلائی جس میں کئی سائنس دانوں کے علاوہ معروف سائنس داں مثلاً میگھناتھ ساہا، پروفیسر ستین بوس، ڈاکٹر کے ایس کرشنن نے خاص طور پر شرکت کی اس کانفرنس میں یہ سوال

زیر بحث تھا کہ ہندوستان کو ایٹمی منصوبوں کی کامیابی میں بڑے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن ایک بات پر اتفاق رائے تھی کہ ہم آگے ضرور بڑھیں گے۔ چنانچہ پنڈت نہرو کی سرپرستی اور ڈاکٹر بھابھا کی سرکردگی میں ایٹم پر کام شروع کرنے کا تہیہ کر لیا گیا۔ اس مرحلے پر ڈاکٹر بھابھا وزارت ایٹمی توانائی کے سکریٹری مقرر کئے گئے۔

۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر بھابھا یورپی ملکوں کے دورہ سے واپس لوٹے تو وہ ایک خوشخبری ساتھ لائے کہ سر جان کاک رافٹ نے ہندوستان کو بنیادی ایندھن یعنی یورنیم ادھار دینے کا وعدہ کیا ہے جسکی بدولت ایک ری ایکٹر قائم ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کے لئے یہ پیش کش ایک چیلنج ثابت ہوئی۔ آخر صرف یورنیم سے ہی کام نہیں چل سکتا تھا۔ چنانچہ تیرنے کے پانی کے ٹینک کا ڈیزائن، الیکٹرانک کے کنٹرول کا ساز و سامان وغیرہ ہندوستان ہی میں تیار کیا گیا۔ ان دنوں ہارویل میں بھی اسی طرح کا ایک ری ایکٹر تعمیر ہو رہا تھا۔ یہ بات بڑی اچھی ثابت ہوئی کہ ہارویل اور بمبئی (دونوں جگہ پر) ایک ہی وقت میں ری ایکٹر پایۂ تکمیل تک پہونچ گئے۔ ہندوستان میں ۱۹۵۶ء تک یہ ری ایکٹر بالکل مکمل حالت تک بن چکا تھا۔ ڈاکٹر بھابھا نے بڑی خوشی اور اطمینان سے یہ اعلان کیا کہ "یہ ری ایکٹر ایشیا بھر میں پہلا ری ایکٹر ہے جو ماسوائے یورنیم (ایندھن) کے ہندوستانی کاریگری اور ساز و سامان سے کامیاب ہو سکا ہے" پنڈت نہرو کو اس ری ایکٹر کی خبر فوراً ٹیلی فون کے ذریعہ دی گئی اور انھوں نے سائنس دانوں کو مبارک باد بھیجی۔ یہ "اپسرا" ری ایکٹر تھا۔

۱۹۵۵ء میں جینوا میں ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی۔ اس موقع پر ہندوستانی سائنس دانوں نے ٹرامبے (بمبئی) میں ایک اور ری ایکٹر کے قیام پر بڑا غور و خوض کیا ایک سوال پر خاص طور پر بڑی لے دے ہوئی کہ ایسا ری ایکٹر NRX طرز کا ہو (اس میں قدرتی طور پر بڑی قدرتی طور پر یورنیم کا ایندھن بخوبی کام کرتا ہے) یا ۵.۲.۰ ری ایکٹر جیسا کہ ہارویل میں ان دنوں کام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر بھابھا اسی ری ایکٹر کے حق میں تھے۔ بہر حال انھوں نے دونوں طرح کے ری ایکٹر بنانے پر اپنی رضامندی دے دی۔ لیکن دوسرے سائنس دانوں نے اس مجبوری کا عذر پیش کیا کہ چونکہ ہندوستان کے پاس اتنا سائنسی ساز و سامان اور صنعتی کاریگر نہیں ہیں اس لئے صرف ایک ہی ری ایکٹر کا منصوبہ چلایا جائے۔ ڈاکٹر بھابھا بڑے متوازی ذہن کے آدمی تھے انھوں نے سائنس دانوں کی بات مان لی اور ایک ہی ری ایکٹر کے قیام کا کام شروع ہو گیا۔

کینیڈا کے تعاون سے "سرس" ری ایکٹر کا کام کولمبو پلان کے تحت شروع ہونا قرار پایا کینیڈا کے سائنس دان اس بات پر بضد تھے کہ وہ جو ایندھن (ہمیں) دینا چاہتے تھے اس کے لئے حفاظتی تدابیر واضح کی جائیں۔ اس پر ہندوستان نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اپنے ہاں ہی ایندھن کا بندوبست کر لیں گے۔ دراصل کینیڈا کا قیاس تھا کہ ہندوستان اپنے ہاں اس طرح کے ایندھن کا انتظام نہیں کر سکے گا۔ لیکن ہندوستان کا دعویٰ سو فیصدی صحیح ثابت ہوا اور ایندھن ہمیں کامیابی سے مل پایا۔

اکتوبر ۱۹۶۳ء سے یہ ری ایکٹر بخوبی کام کر رہا ہے اسے نیوکلیائی سائنس میں تحقیق اور بڑے پیمانے پر آئسوٹوپس تیار کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ایک مرحلہ پر کینیڈا کے سائنس دانوں نے تعاون سے ہاتھ کھینچ لیا لیکن ہندوستانی سائنس دانوں نے ہمت نہیں ہاری اور سرس ری ایکٹر بہت جلد رواں کر لیا۔ یہ ری ایکٹر NRX طرز کا تھا سابق پردھان منتری شری لال بہادر نے ری پروسیسنگ پلانٹ کا افتتاح کرتے ہوئے جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کو اس پلانٹ سے فائدہ حاصل کرنے کی دعوت دی تھی۔ اسی پلانٹ میں پلوٹونیم کے ذریعے دوسری طرز کے یعنی پاور ری ایکٹر تعمیر ہو سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس طرح کے بریڈر ری ایکٹر آج کل ہندوستان میں ہمارے پروگرام میں شامل کئے جا چکے ہیں۔

اب "سرس" ری ایکٹر کے بعد "زرلینا" ری ایکٹر (۱۹۶۱ء) کی تعمیر خالص ہندوستانی ساز و سامان و سائنسی صلاحیت سے کامیاب ہوئی اور فیصلہ کیا گیا کہ ایٹمی توانائی کو امن و تعمیر کے کاموں کے لئے ہی استعمال کیا جائے اس خیال سے آئسوٹوپس کی تیاری اور کیمیا اور طبیعات کی چند رصد گاہوں کے قیام پر غور کیا جانے لگا۔ ایٹمی کمیشن کے تحت ۱۹۵۷ء میں ایک تربیتی اسکول بھی کھول دیا گیا۔ اس اسکول نے سائنس دانوں میں مل جل کر کام کرنے اور تعاون کا شعور پیدا کیا اور اس طرح تعاون اور خود اعتمادی کی لہر بڑھتی گئی۔ اس تربیت کے ساتھ ساتھ ہندوستانی سائنس دانوں کو کینیڈا میں "سرس" ری ایکٹر اور ہندوستان میں توانائی کے ری ایکٹر کی تربیت بھی بہم پہونچائی گئی۔ ظاہر ہے ہندوستانی سائنس دانوں نے اس طرح کی تربیت سے استفادہ کیا۔ "زرلینا" کے بعد "پورنیما" ری ایکٹر قائم کیا گیا۔

ڈاکٹر بھابھا کا خیال تھا کہ ہم خواہ کتنا بھاری خرچ ایٹمی توانائی پر کر ڈالیں لیکن

تب تک ہم کم دام پر بجلی کے جنریٹر نہ بنا سکیں گے ہم اس وقت تک اس خرچہ کے اہل نہیں کہلا سکتے ہیں چونکہ ہندوستان ایسے ملک میں ایسی توانائی کی بڑی ضرورت ہے اسی لئے ڈاکٹر بھابھا نے امریکہ کے ایٹمی توانائی کے کمیشن کے سربراہوں سے تارا پور ری ایکٹر کی تعمیر کے متعلق ان کے مشورے حاصل کئے ۔ اس ری ایکٹر نے گجرات اور مہاراشٹر پردیشوں کو ڈاکٹر بھابھا کی وفات کے بعد برسوں میں بہت بڑی مقدار میں پاور سپلائی کی جس کی بدولت دونوں پردیشوں میں صنعت کا کافی فروغ حاصل کر سکا ۔

اگست ۱۹۶۱ء میں نیوکلیائی طاقت کے لئے ری ایکٹر تعمیر کرنے کی ایک کمیٹی نے سفارش کی اور رانا پرتاپ ساگر (راجستھان) اور کلپاکم (تامل ناڈو) میں پاور سٹیشن خاص ہندوستانی محنت و صلاحیت سے تعمیر ہونا قرار پایا ۔ یہ دونوں سٹیشن آج توانائی کی سمت میں بڑے فخر سے تکمیل کی منازل طے کر رہے ہیں ۔ دراصل راجستھان کا پاور سٹیشن دسمبر ۷۳ء سے کام کر رہا ہے۔

ایٹمی توانائی کمیشن کے روبرو ایک یہ سوال بھی رہا ہے کہ ہندوستان میں جو تھوریم پایا جاتا ہے اسے کس طرح بروئے کار لایا جائے ۔ بدقسمتی سے تھوریم کو ایندھن کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا ۔ ہاں اس کی بدولت عمل شعاع سے یورینیم ۲۳۳ پیدا کیا جاتا ہے ۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ یورینیم کو تھوریم سے الگ کیا جا سکتا ہے ۔ اب مشکل یہ ہے کہ خود یورینیم ۲۳۳ عام ری ایکٹروں میں کم مقدار میں پیدا ہو سکتا ہے ہاں اسے تیز بریڈر ری ایکٹر کی بدولت زیادہ تیزی سے اور زیادہ مقدار میں پیدا کیا جا سکتا ہے ۔ ایک اندازے کے مطابق کلپاکم میں جو بریڈر ری ایکٹر زیر تعمیر ہے وہ ۸۵ء تک مکمل ہو جائے گا اور آٹھویں دہائی میں اس ری ایکٹر سے ایک اچھے خاصے پاور ری ایکٹر کا ذریعہ بن سکے گا ۔

نیویارک ٹائمز لکھتا ہے " کلپاکم کے تجرباتی مرکز جس میں بریڈر ری ایکٹر کی بدولت یورینیم ۲۳۳ کو تھوریم سے الگ کرنے کا منصوبہ ہے سے امید کی جاتی ہے کہ ہندوستان ایک دن بھاری پیمانے پر یورینیم ۲۳۳ حاصل کر سکے گا ۔ یوں دنیا میں تھوریم یورینیم کے مقابلے میں زیادہ پایا جاتا ہے ۔ اس اعتبار سے اگر یورینیم حاصل کرنے کی سبیل کی جائے تو نیوکلیائی ایندھن مہیا ہو سکے گا ۔ ظاہر ہے کہ یہ فخر ہندوستان کو حاصل ہو گا ۔"

ایٹمی ری ایکٹروں سے ایک مسئلہ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مسئلہ ہے ایٹمی فضلے کا یا فضائی تابکاری کا ۔ ایٹمی فضلے کو ٹھکانے لگانا اور فضا کو مسموم ہونے سے بچانا بڑا ضروری ہے ۔ یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ بھوپال اور رانچی کے کارخانوں میں تیار ہو کر اور کلکتہ کے کارخانوں میں مکمل ہو کر ایک خاص طرز کی مشین اگلے برس تک منظر عام پر آ جائے گی اس مشین کی بدولت تابکاری سے بچنے کا مسئلہ ایک حد تک حل ہو جائے گا ۔

ایٹمی توانائی یا نیوکلیائی کاموں میں سیکڑوں روپے لگتے ہیں اور یہ روپے خرچ کرنا ضروری ہے ۔ بقول سی ، راجگوپال اچاریہ " تحقیق پر جو روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اسے کھوکھلی عزت کے لئے روپیہ خرچ کرنا نہ کہئے بلکہ یہ ایک مفید اور ضروری خرچہ ہے جسے ہر ترقی پسند قوم برداشت کرتی ہے "

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان ایٹمی تحقیق پر بھاری خرچہ کرنے پر تیار ہے ۔ پنڈت نہرو نے فرمایا " پاور پیدا کرنے کے لئے ہم ایٹمی توانائی کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں ۔ کیونکہ پاور ہی ملک کے ذرائع کو وسیع کر سکتی ہے ۔ کسی ملک کی ترقی کا اندازہ ہم صرف اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ وہ ملک کتنی پاور پیدا کرتا ہے یا کتنی پاور استعمال کرتا ہے " ۔

ہمارے ملک کی خوشحالی و تعمیر کا دارومدار نیوکلیائی منصوبوں پر ہے ۔



فوری توجہ کے لئے :

ترسیل زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر جو آپ کے خط یا پتہ کے اوپری حصے میں درج ہوتا ہے ۔ ضرور تحریر فرمائیں ۔

مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ مسودہ صاف لکھا ہوا مرحمت فرمایا کریں ۔

قومی راج میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے ۔

غزل

تنہا ہوئے خراب ہوئے آئینہ ہوئے
چاہا تھا آدمی بنیں لیکن خدا ہوئے

جب تک جیئے بکھرتے رہے ٹوٹتے رہے
ہم سانس سانس قرض کی صورت ادا ہوئے

ہم بھی کسی کماں سے نکلے تھے تیر سے
یہ اور بات ہے کہ نشانے خطا ہوئے

پُر شور راستوں سے گذرنا محال تھا
ہٹ کر چلے تو آپ ہی اپنی سزا ہوئے

ندا فاضلی
بی ۔ ۳/۳۰۵ ، گورنمنٹ کالونی
باندرہ (ایسٹ) بمبئی ۵۱ ... ۴۰۰

اُردو لفظیات میں اضافے

• ڈاکٹر گیان چند
شعبۂ اُردو،
جموں یونیورسٹی جموں

اقبال کا شعر ہے ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

ہماری زندگی کے کسی اور شعبے کے بارے میں درست ہو کہ نہ ہو زبان کے بارے میں اقبال کی بات صحیح ہے۔ زبان ذخیرۂ الفاظ کے معاملے میں اس تیزی سے بدل رہی ہے جیسے ہم کسی چھوٹے اسٹیشن پر کھڑے ہوں اور سامنے سے راجدھانی ایکسپریس گزر جائے۔ ادب کے مورخ منزلوں کی بات کرتے آئے ہیں لیکن اُنھوں نے لفظیات میں اضافے کی طرف دھیان نہیں دیا۔

اُردو نے ماضی میں عربی فارسی پر اپنا دام پھینکا۔ ایک صدی سے انگریزی کے ساتھ یہ عمل جاری ہے۔ مغربی تہذیب سے رابطے کے ساتھ آئے دن کتنے یورپی الفاظ ہماری زبان میں داخل ہو رہے ہیں۔ نئی نئی ایجادات کے ساتھ انگریزی میں ہر سال متعدد الفاظ بڑھ رہے ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کو جیوں کا تیوں لے لیتے ہیں بعض کا ترجمہ کر لیتے ہیں چنانچہ بعض قدیم لفظوں کو ایسے نئے معنی دیئے گئے ہیں کہ اب انھیں ایک علیٰحدہ لفظ ماننا ہوگا مثلاً جوہر معنی ایٹم یا ایوان معنی اسمبلی یا پارلیمنٹ۔ گزشتہ پچاس ساٹھ برس میں اُردو میں جن الفاظ کا اضافہ ہوا ہے ان کا سیر حاصل جائزہ تو ایک کتاب کا موضوع ہے لیکن میں مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر آپ کے سامنے اُن کی ایک جھلک دکھانے پر اکتفا کرونگا۔

ہماری تہذیب اور زبان میں اضافے کا ایک بڑا سبب سائنسی ایجادات ہیں۔ اُردو میں ان کے نام اکثر انگریزی سے جیوں کے تیوں لے لئے گئے لیکن کچھ کا ترجمہ کیا گیا یہ الفاظ کچھ پُرانے ہو چلے ہیں۔

ریڈیو، براڈ کاسٹ۔ نشر کرنا، نشریہ، ٹیلیفون، ریسیور، بمبار، ہوائی اڈہ، ایرپورٹ ایروڈروم، ہیٹر، کولر، ایرکنڈیشن، پیٹرومیکس لیکن ذیل کے الفاظ کے نئے پن میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔

ایٹم بم، جوہری بم، ہائڈروجن بم، نیوکلیائی تاب کاری، رڈار، ہیلی کوپٹر، ہیلی پیڈ، راکٹ، پیراشوٹ، اسپُتنک، خلائی سیّارہ، خلاباز چاندگاڑی، بوئنگ، ایورو، کاردیل، اسکوٹر، ریفریجریٹر، فرج، ٹیلی پرنٹر، کمپیوٹر، ٹمپو وغیرہ۔

اور سائنسی ایجادات کا تازہ ترین اضافہ آریہ بھٹ ہے، جو کبھی کسی مہندس کا نام رہا ہوگا اب تو ایک خلائی سیّارہ کا نام ہے۔ واضح ہو کہ نام بھی ذخیرہ الفاظ کا جزو ہوتے ہیں۔

سائنس ہی کی ایک شاخ ڈاکٹری ہے۔ اس نے ہمیں انفلوئنزا، وارڈ وغیرہ کے بعد ٹینس کینسر، بلڈ پریشر، ایکسرے، کارڈیوگرام جیسے بھیانک الفاظ دیئے تو برتھ کنٹرول، فیملی پلاننگ لوپ، ترودھ اور نس بندی جیسے لفظ بھی جنھیں بولتے وقت کچھ شرم، کچھ لذتیت کا احساس، کچھ گدگدی ہوتی ہے۔

سائنس کے بعد لیکن اس سے کچھ زیادہ ہی اہم سیاسیات ہے جو ہماری زندگی کے ہر شعبے پر کمند پھینک رہی ہے۔ خود لفظ سیاست ہی کو لے لیجئے۔ غالبؔ کے نزدیک اس لفظ کے معنی ڈرانے دھمکانے کے تھے ؎

دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا

لیکن موجودہ معنی میں سیاست ایک نیا لفظ ہے۔ سیاست سے متعلق یہ الفاظ تو کم از کم ۵۰ سال پُرانے ہوں گے۔

پارلیمنٹ، اسپیکر، کورم، جمہور، ایوان، بورژوا، رجعت پرست، پرولتاری، جدلیات ڈیڈ ریس، اشتراکیت، اشتمالیت، نازی، فسطائیت، فاسسٹ، ری پبلک،

آزادی کی تحریک نے اُردو میں بہت سے الفاظ کا اضافہ کیا۔ ستیہ گرہ، مرن برت بھوک ہڑتال وغیرہ لیکن ذیل کے الفاظ ضرور پہلی جنگ عظیم کے بعد کے ہیں۔

یو این او، یونسکو، آئین ساز، قانون سا

دستور ساز، لوک سبھا، راجیہ سبھا، راشٹر پتی، راجیہ پال، بھُودان، سرودے، سی آئی اے، ایمرجنسی، میسا، مافیا، پاکستانی، دل بدل، جن سنگھ، سنگھی، سیکولر، سیکولرزم، پنچ شیل، ترقی پذیر (قومیں)، آنند مارگ۔

سیاسیات کے مقابل ماہرین معاشیات کا دعویٰ ہے کہ ہماری پوری زندگی بلکہ خود سیاست معاشیات کے تابع ہے کیسے کیسے نئے علوم اور ان کے نام ہمارے دیکھتے دیکھتے اُردو میں آ گئے۔

معاشیات، اقتصادیات، بشریات، سماجیات، لسانیات، صوتیات، معنیات، وغیرہ۔

قدما معاش کو اس معنی میں تو جانتے تھے ؎

فکرِ معاش، ذکرِ بتاں، یادِ رفتگاں
اتنی سی زندگی میں کوئی کیا کیا کرے

لیکن ان کے سامنے معاشیات کا لفظ کہا جاتا تو وہ ضرور ہمارا منہ تاکنے لگتے ممکن ہے بدمعاشیات سے وہ کچھ معنی نکال سکیں تو صاحب اس معاشیات، اقتصادیات اور مالیات نے ہماری زندگی کے اِرد گرد کیا تانے بُنے ہیں۔ ریزرو بینک، امپیریل بینک، بنکاری، چیک، انشورنس، بیمہ، زرِ مبادلہ، اسٹاک ایکسچینج، بلیک مارکیٹ، راشن، راشننگ وغیرہ تو پُرانی باتیں ہو گئیں۔ اب کوٹا، پرمٹ، اسٹیٹ بینک، پلان، پلاننگ کمیشن، یوجنا، سپریم کورٹ وغیرہ کی بات کیجئے۔ تازہ ترین سکۂ رائج الوقت اسمگلر کی تو لیجئے۔

موجودہ زندگی کی پیچیدگیوں کے ساتھ ہمارے نظم و نسق میں کتنے عہدے اور منصب پیدا ہو گئے ہیں۔ اُردو نے بیشتر انگریزی نام قبول کر لئے۔ راشٹر پتی اور راجیہ پال کا ذکر آ چکا۔ مزید ملاحظہ ہوں۔

بیرسٹر، ڈائرکٹر، سپرنٹنڈنٹ، رپورٹر، چانسلر، وائس چانسلر، ڈین، اگزیکیٹو انجینیر ریڈر، لکچرر، نامہ نگار، پائلٹ، ہوا باز، اور انھیں کے ساتھ خطابوں کو رکھئے کہ اب وہ عہدوں سے کم نہیں، بھارت رتن، پدم وبھوشن پدم بھوشن، پدم شری، ویر چکر، مہاویر چکر، پرم ویر چکر وغیرہ۔

ادب اور لسانیات نے پڑھے لکھوں کو بہت سے الفاظ عطا کئے۔ ان میں سے بعض تو پُرانے ہو چکے ہیں مثلاً ترقی پسندی، اسٹائل، پیروڈی، سائیٹ، کچھ ایسے ہیں جو قدرے پُرانے ہیں لیکن ان کا رواج حال میں ہوا ہے۔ مثلاً تاثریت، اظہاریت، اشاریت، ڈکشن، بوطیقا، دادائیت، ایگو، تحت الشعور، لاشعور، نرگسیت، سُرریلزم۔

اور یہ لفظ قطعاً آزادی کے بعد کے ہیں۔

عالبیات، اقبالیات، میریات، وجودیت، جدیدیت، جدیدیا، رپورتاژ، موتاژ، ہائکو، ترائیلے۔

SUBJECTIVE اور OBJECTIVE کے لئے معروضی اور موضوعی بھی نئے اضافے کہلائیں گے۔ غیر فلسفیانہ لفظوں میں فولو آسسٹنٹ فوٹو اسٹیٹ، گردپوش، قلم کار، مفاسنہ یعنی شامِ افسانہ کا ذکر کیا جائے گا۔ لسانیات نے صوتیات، مصوتہ، مصمتہ، فونیم، مارفیم، معنیات جیسے الفاظ عام کئے۔ تعلیم نے مختلف عہدوں کے علاوہ جامعہ، فیکلٹی، ڈپارٹمنٹ، شعبہ، ہوسٹل، اکیڈمی، سیمینار جیسے الفاظ دیئے۔

اب ادب اور زبان سے زیادہ رنگین فنون کی طرف آیئے۔ سینما، ریڈیو اور موسیقی کے سلسلے کے یہ الفاظ میری زندگی ہی میں اُردو میں داخل ہوئے ہیں۔ ہیرو، ہیروئن، ولین، پروڈیوسر، ڈائرکٹر، ڈسٹری بیوٹر، ایکٹر، ایکٹریس، میوزک، گلوکار، اداکار، ہدایت کار، تزئین کار، صدابندی، پلے بیک، ٹیکنی کلر، ٹیپ ریکارڈر، اسٹیریو، اسکرین، شوٹنگ، اسکرپٹ، ٹوئسٹ، راک اینڈ رول، جاز، کیبرے، آکاش وانی، گیت مالا وغیرہ۔

اور اگر آپ زیادہ سنجیدہ فنون پسند کرتے ہیں تو ان کے لئے اُردو میں بھارت نائیم، تجریدی، کینوس، پورٹریٹ، جیسے الفاظ ہیں۔

کھیل کود کی دنیا میں بہت سے الفاظ اس صدی کی ابتدا میں آ گئے تھے لیکن باسکٹ بال باکسنگ، اسکیٹنگ، ہاکنگ، کوہ پیمائی وغیرہ حال کے معلوم ہوتے ہیں۔

سماجی زندگی میں کثرت سے الفاظ کا اضافہ ہو رہا ہے۔

ریستوراں، بار، ہوٹل، موٹل، بوفے، لنچ، ڈنر، بیرا، ایشٹرے، ٹورسٹ، رومانس، ہنی مون، ایرہوسٹس، لپ اسٹک، باتھ روم، ڈیڈی، ممی، پاپا، آنٹی، ہپی، بیٹل، سائڈبرن، ایل ایس ڈی وغیرہ۔

ملبوسات میں بُش شرٹ، ٹی شرٹ، شرارہ، نائلن، ٹیریلن، کریپ، وائل، روبیا، سینفرائزڈ، ٹیریکاٹ وغیرہ کی طرف للچائی نظر ڈال کر گزرنا ہو گا۔ غذا میں ڈالڈا، بناسپتی، کافی وغیرہ غیر دلچسپ ہوں، تو کوکا کولا، کوک، لمکا وغیرہ سے کسی کو پرہیز نہیں ہو سکتا۔ ہاں میٹھے سے اجتناب ہو تو سیکرین کے لفظ پر توجہ کیجئے۔

بعض جغرافیائی نام بھی ذخیرۂ الفاظ میں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً آزادی کے بعد کے اضافے ملاحظہ ہوں۔

پاکستان، افریشیائی، ملیشیا، ویت نام،

(بقیہ ص ۳۰ پر ملاحظہ ہو)

اخبار کا اثر پڑھنے والوں پر

● جیلانی بانو
۱۰۸-اے، معظم پورہ، حیدرآباد اے پی

بعض بیکار فلسفیوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ مختلف چیزوں کا اثر زندگی میں تلاش کریں. مثلاً بردزگاری کا اثر ترقی ہند تحریک پر۔ آم کا اثر اُردو شاعری پر، اور کرکٹ کا اثر پاکستانی نقادوں پر ۔ میں ان بیکار نقادوں میں اپنے آپ کو شامل کرنا نہیں چاہتی لیکن دل ہی دل میں یہ ارادہ لے کے بیٹھی ہوں کہ اللہ کبھی توفیق دیگا، تو ایک تھیسس ضرور لکھوں گی جس کا عنوان ہوگا۔ '' اخبار کا اثر، پڑھنے والوں پر''

غور فرمایئے کہ یہ کتنا وسیع موضوع ہے.

دنیا بھر کے اخبار پڑھنے والوں کو چھوڑ یئے تو خود ہمارے دیس میں چاول کی طرح اخبار پڑھنے والوں کی بھی اَن گنت قسمیں ہیں بعض لوگوں کے لئے اخبار موت بھی بن سکتا ہے اور زندگی بھی ۔ جیسے اکثر لوگ موسم کے بارے میں آل انڈیا ریڈیو کی پیشین گوئی سُنکر زکام میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے ہار جانے کی خبر پڑھ کر جاں بحق تسلیم ہوتے امریکہ میں نکسن کی پگڑی اُچھالی گئی تو اپنے دیوالیہ ہونے کا اعلان کر ڈالا ، اور اخبار میں رزلٹ آتے ہی اپنا فیل ہونا تسلیم کر لیا۔

ان لوگوں کا ذکر فی الحال جانے دیجئے جو اخبار کو اتنا پڑھتے ہیں، اتنا پڑھتے ہیں کہ اس کی سیاہی چھوٹ جاتی ہے، کاغذ پتلا ہو جاتا ہے اور تمام گرما گرم خبریں باسی کھچوری کی طرح بدمزہ ہو جاتی ہیں.

آپ چاہیں تو کسی کے اخبار پڑھنے کے اسٹائیل اور ان کی پسندیدہ خبروں سے ان کے کردار کی تشریح کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ میاں نے پانچوں انگلیوں کی طرح پانچ اخبار پڑھنے والے بھی ایک سے نہیں بنائے ہیں. ہر اخبار پڑھنے والے کا اپنا ایک خاص اخباری مذہب ہوتا ہے' اپنے مخصوص اخباری عقیدے اور فرقے ہوتے ہیں، جن پر وہ سختی سے عمل کرتا ہے .جو فرق کبھی مشرق اور مغرب کے رہنے والوں کے درمیان تھا وہی فرق دو مختلف اخبار پڑھنے والوں کے درمیان ہوتا ہے .جو آدمی اُردو کا کوئی مزیدار چٹ پٹا اخبار پڑھنے کا عادی ہو اس کے لئے 'پراودا' اور 'نیویارک ٹائمز' کوئی اہمیت نہیں رکھتے .ہمارے شہر میں بھی اخباروں کے قارئین بٹے ہوئے ہیں۔ ان میں سخت جانبداری ہوتی ہے .کیا مجال کہ یہ حضرت کبھی اس اخبار کی تعریف کر جائیں جسے پڑھنا انھیں پسند نہیں ہے ـ

کیا آپ کو کبھی کسی ایسی محفل میں جانے کا اتفاق ہوا ہے جہاں دو مختلف اخبار پڑھنے والے بیٹھے ہوں ۔ دونوں اپنے اپنے اخبار کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور دوسرے اخبار کے چیتھڑے بلکہ کترنیں بکھیری جاتی ہیں .کاتبوں کی غلطیوں اور جھوٹی رپورٹنگ کا مذاق اُڑایا جاتا ہے . اپنے اخبار کی بُرائیاں بیٹے کے عیبوں کی طرح چھپائی جاتی ہیں .اسی طرح اخباروں کے قارئین کی غیر شعوری انجمنیں قائم ہو جاتی ہیں اور وہ بڑی تندہی کے ساتھ اپنا کام کرتی ہیں کیونکہ ہر اخبار پڑھنے والا اپنے اخبار کی اشاعت بڑھانا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ اپنا اخبار سارے محلے میں مفت گشت کرواتا ہے خوشامد کی جاتی ہیں، دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ بعض وقت تشدد سے بھی کام لیا جاتا ہے .

اکثر لوگوں نے اپنے باس کو خوش کرنے کے لئے اس کا پسندیدہ اخبار پڑھنا شروع کیا اور ایک ساتھ ترقی کی کئی کئی سیڑھیاں اُلانگ گئے ۔

جس طرح کوئی اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب آسانی سے اختیار نہیں کر سکتا ہے اسی طرح اپنا اخبار چھوڑ کر دوسرا اخبار پڑھنا بھی آسان بات نہیں ہے ۔ ان دہریوں کی بات چھوڑیئے جو آپ کو مندروں میں پرشاد لیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور عید کے دن سویّوں پر بھی ہاتھ مارتے ہیں ۔اسی طرح وہ اوپری جی سے ہر اخبار کی خبریں دلچسپی سے پڑھ لیتے ہیں .ہر مضمون کی تعریف کر سکتے ہیں اور ہر ایڈیٹر کی حماقت کے

لطیفے سُنا ڈالتے ہیں۔

ذکر جب چھڑ گیا ہے اخبار پڑھنے والوں کا تو بات خود بخود ان صاحب تک پہنچ جاتی ہے جو صبح جب تک اخبار نہ دیکھ لیں بستر سے اُٹھ نہیں سکتے۔ اگر کبھی اتفاق سے منہ اندھیرے اخبار نہ ملے تو انھیں سورج کے طلوع ہونے پر شک ہوتا ہے۔ سارا دن بدن ٹوٹتا رہتا ہے، جمائیاں آتی ہیں، بیوی یا باس سے ضرور لڑائی ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف کچھ لوگ اخبار ناشتے کے ساتھ کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ یعنی نظریں اخبار پر ہیں اور ہاتھ چائے کی پیالی میں انڈا تلاش کر رہا ہے۔

نہ جانے آپ خود اخبار پڑھنے والی کونسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں مگر اللہ نہ کرے، آپ ان اخبار پڑھنے والوں میں سے ہوں جو اخبار کے اوپر لکھے ہوئے ٹیلی گرام کے پتے سے لیکر آخری صفحہ پر چھپا ہوا ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر اور پریس کا نام تک پڑھ ڈالتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ جہاں کسی شخص نے آج کی کوئی اہم خبر سُنائی اور یہ حضرت لپک کر آج کا اخبار پھر اُٹھا لیتے ہیں۔

کون سے پکچر ہاؤس میں کونسی پکچر چل رہی ہے۔ آج شہر میں کتنے ٹریفک حادثے ہوئے، آج کتنی ٹرینیں پٹری سے اُتریں۔ یہ ساری خبریں وہ دوسروں سے سُن کر دوبارہ اخبار دیکھتے ہیں تاکہ جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچا سکیں۔

مگر ان لوگوں سے اللہ بچائے جو صبح اُٹھتے ہی طوطے کی طرح سارا اخبار رٹ لیتے ہیں اور سارا دن اس کا آموختہ بغیر کسی فرمائش کے سُنائے جاتے ہیں۔

آپ کسی سے کہیں گے۔ "سُنا ہے آج دوپہر کو اندرا گاندھی الٰہ آباد کی عدالت میں جائیں گی۔" اور وہ حضرت فوراً چلا کر کہیں گے "دوپہر میں نہیں جناب، دس بجکر بیس منٹ پر وہ عدالت میں حاضر ہوں گی۔"

یہ حضرت اپنے اس فن پر یوں فخر کا اظہار کریں گے جیسے پان امریکن کمپنی کا جمبو جیٹ ہوائی جہاز اغوا کرنے میں ان ہی کا ہاتھ تھا۔ کلکتہ میں ٹرین ان ہی کی کوششوں سے اُلٹی تھی۔ شاستری جی کے ہارٹ اٹیک کی وجوہات سے وہ واقف تھے۔ یہ حضرت صبح ہوتے ہی کووں کے ساتھ بلکہ کائیں کائیں شروع کر دیتے ہیں۔ "تو مرکزی ملازمین کا گرانی الاؤنس اور بڑھ گیا۔ دہلی میں سردی کی لہر آئی ہوئی ہے۔ سائرہ بانو حیدرآباد آرہی ہے۔"

آپ لاکھ چاہیں کہ یہ ساری اہم خبریں آپ خود پڑھیں مگر کیا مجال کہ وہ خبریں سُنانے سے باز آجائیں۔ اب آپ اخبار اٹھائیے تو کئی دن کا باسی لگتا ہے۔ جیسے اس کی ساری خوشبو، سارا رس کسی نے نچوڑ لیا ہو۔

اس کے برعکس وہ حضرت تو غضب ڈھاتے ہیں جو اخبار کی ہر خبر میں حسبِ ذائقہ نمک مرچ ملائیں گے۔ کہیں ٹرین کا ایک ڈبہ پھسلے گا تو یہ پوری ٹرین لڑھکا دیں گے۔ سو آدمیوں کے ہجوم کو ایک ہزار پڑھیں گے۔ بلکہ دن اور تاریخ بھی اپنی سہولت کے لحاظ سے آگے پیچھے کر ڈالتے ہیں۔

کچھ لوگوں کو دوسروں کے کاندھے پر سوار ہو کر ہی اخبار پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس وقت کا انتظار کرتے ہیں جب کوئی میز پر پڑا ہوا اخبار سامنے پھیلا کر بیٹھ جائے۔ وہ فوراً اس کی گردن پر سوار ہو جاتے ہیں اور کانوں میں کھسر پھسر شروع کر دیں گے ساتھ ہی اچھی خبروں پر ہنسنا اور بُری خبروں پر منہ سے تھوک اُڑانے کا عمل بھی جاری رہے۔ کئی بار آپ نے جان چھڑانے کے لئے زیرِ نظر ورق اٹھا کر اُن کے حوالے کیا تو انھوں نے نہایت لاپروائی سے اس ورق کو نیچے ڈالا اور آپ کے کاندھے پر ٹھوڈی ٹکا کر دوسرا صفحہ پڑھنا شروع کیا یا بعض طالبعلم ایسے ہیں جو سال میں صرف دو بار اخبار اُٹھا کر اپنا رول نمبر تلاش کرتے ہیں اور ایڈیٹر کی جہالت پر افسوس کر کے پٹک دیتے ہیں۔

چھوٹے بچے عموماً اخبار پڑھنے میں اپنے ابّا کی نقل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اخبار نونہالوں کی مرغوب غذا ہے۔ ہر شیر خوار بچپن ہی سے اخبار کے ذائقے کو پرکھ لیتا ہے اور ناپسندیدہ اخبار کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔

یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ خواتین کو اخبار سے چڑھ ہوتی ہے یا وہ اخبار نہیں دیکھتیں۔ آپ ہی غور فرمائیے کہ کوئی بھی عورت دنیا کے حالات سے کیسے بے خبر رہ سکتی ہے۔ اس لئے ہر عورت ساڑھیوں کے نئے اور دلنواز اسٹاک کی آمد۔ نئی پکچرز شروع ہونے کی تاریخ اور کلچرل پروگراموں کی تفصیل سے واقف ہونے کے لئے اخبار کا مطالعہ ضروری سمجھتی ہے۔

ایک نہایت فیشن ایبل سوشل ورکر خوبصورت خاتون اخبار کی ایسی رسیا تھیں کہ اخبار نیا ہو یا پُرانا فوراً اٹھا لیتی تھیں

ایک دن میں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ آپ کو اخبار بینی کا شوق کب سے ہوا؟"

"کیا کروں!" وہ بے بسی سے بولیں،

"اخبار چار روپے کیلو بک رہے ہیں اب"

غزل

شاذ تمکنت
اے-۱۷۳، معظم پورہ، حیدرآباد
(اے.پی)

÷ وہ ایک شخص اگر شہر میں سلامت ہے
ندیم و مطرب و ساقی کی کیا ضرورت ہے

اب اس کا ذکر ہی کیا اس سے کیا شکایت ہے
مری سُنو کہ مجھے عُمر بھر کی فرصت ہے

کبھی تھکے نہ تھکیں گے کسی کی یاد کے پاؤں
رہِ فراق تو بے منتِ مُسافت ہے

قریب آ، مرے جینے کی مُشکلیں کم کر
یہ اقتضائے محبّت نہیں ضرورت ہے

ہم اپنے ناز اُٹھالیں بھلا دماغ کسے
ہم اپنے آپ سے مِل لیں یہ کِس کو فرصت ہے

اب اور سوچ کے کیوں زندگی اُداس کریں
ہم ایک شہر میں ہیں بس یہی غنیمت ہے

گُمان گذرتا ہے مَر مَر کے جب ملے ہیں ہم
کہ وقتِ دید نہیں ہے یہ وقتِ رخصت ہے

جُدا ہوں تجھ سے مگر دُور جا نہیں سکتا
کہ تو وطن میں ہے دل کو سکونِ راحت ہے

تو ماہِ مہر صفت، تو قمر نُما خورشید
ترا بدن ہے کہ نکھری ہوئی تمازت ہے

ہے چاندنی شکن آلودہ اور تکیوں پر
گُداز حلقۂ گیسُو کا بارِ نکہت ہے

ستیزہ کار، نصیحت شعار، دل آزار
کہ جانِ شاذ کا یہ رنگ بھی قیامت ہے

÷ ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم ٭ بہ کار و بارِ زنِ کارداں بگردانیم (غالبؔ)

مرآد کرہانی

۱۷۶۸ ۔ حوض سوئیوالان
نئی دہلی، نمبر ۱۱۰۰۰۲

جوش ملیح آبادی

ایک سرسری جائزہ

حالی نے جس قومی اور وطنی تحریک یعنی نظموں کا سلسلہ شروع کیا تھا اور جسے ڈاکٹر اقبال نے فکر اور فلسفے کی گہرائیاں دیکر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا اس قومی اور وطنی نظموں کی تحریک کو جوش نے اپنے بلند آہنگ کلام میں پیش کیا۔ انھوں نے ہندوستانی تحریک آزادی کے لئے گونجتی گرجتی انقلاب انگیز نظمیں لکھیں جن سے کاروانِ آزادی کو آگے بڑھنے میں مدد ملی۔ اُن کا یہ شعر ہے

کام ہے میرا تغیّر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

ان کی شاعری کے پس منظر کو سمجھنے کیلئے کافی ہے۔ انگریزی سامراج نے ہندستان میں جو غلامی اور غریبی کی حالت پیدا کردی تھی اس کے خلاف جوش نے بڑی صدق دلی کے ساتھ نظمیں کہیں۔ برطانوی سامراجیت نے دوسری جنگِ عظیم میں جو ہندستان سے اعصابی مدد مانگی اور اپنی شکست کو فتح میں بدلنے کے لئے اپنی غلام اور محکوم قوم سے جبریہ جو مدد لی اس کے خلاف ان کی نظم "ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب" ہندستان کے کروڑوں دھڑکتے ہوئے دلوں کی آواز ہے

کس زبان سے کہہ رہے ہو آج تم سوداگرو
دھر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو

اس نظم کے استدلال اور طنز کا جواب نہیں۔ طنز اتنا لطیف ہے کہ جو شاعر کے زورِ بیان کو منوانے کے لئے کافی ہے۔ جب وہ اپنی نظم میں اجنبی حکومت کے ظلم کی فہرست پیش کرتے ہیں کہ

تیسرے فاقے میں اِک گرتے ہوئے کو تھامنے
کس کا سر لائے تھے تم شاہ ظفر کے سامنے

تو ظلم و تشدد کے ہاتھوں انسانیت کی بے پناہ توہین کی عبرتناک تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ وہ جب غلام ہندوستان کے آزاد اور روشن مستقبل کی پیش گوئی کرتے ہیں تو اک نئی ڈھارس اور نئی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے غلام ملک سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں

مٹھیوں میں بھر کے افشاں چل چکا ہے انقلاب
ابرِ غم زلفِ جہاں پہ بال جنباں ہے تو کیا

بن رہا ہے صرصر و سیلابِ خونِ ہاشمی
آج ابوسفیان کے گھر میں چراغاں ہے تو کیا

الغرض ان کی بہت سی نظمیں ہندوستان کی آزادی کی جد و جہد کی آئینہ دار ہیں۔ وہ نئے افق اور ایک نئے کاروانِ سحر کی طرف ہمارے ذہنوں کو لیجاتی ہیں لیکن یہ جوش کی شاعری کا ایک پہلو ہے۔ ان کی شاعری کا دوسرا رُخ ان کی رومانی اور عشقیہ شاعری ہے جس میں وہ حافظ اور خیام کی طرح نغمہ خواں نظر آتے ہیں۔ وہ عشق و رومان میں اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ دوسروں کو مخمور کرنے کے ساتھ خود بھی لذتیت سے آشنا نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کی بیشتر نظمیں جیسے "جنگل کی شہزادی"، "جامن والی"، "بنتِ خانقاہ" ان کی لذت پسندی کی آئینہ دار ہیں۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان نظموں میں بھی ان کی بلند آہنگی اور شوکتِ الفاظ کی خصوصیات اُن کی انفرادیت کے اجزاء کو فراہم کرتی رہتی ہیں۔ بنتِ خانقاہ میں کہتے ہیں

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے
یا لو نکل رہی تھی دلِ خانقاہ سے

کتنی خوبصورت تشبیہ ہے۔ آگے کہتے ہیں

ہونٹوں میں دب کے ٹوٹ گئی ضربِ لاالٰہ

یا

جیسے کوئی پہاڑ پہ آندھی میں دے اذاں

وغیرہ وغیرہ تمام مصرعے اس سارے جذباتی اور نفسیاتی منظر کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ دراصل جوش ملیح آبادی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو میں شوکتِ الفاظ اور استعارے اور تشبیہ کی رنگا رنگی کا

(بقیہ صہ۱۹ پر)

"کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے"

عرفان شرف - ۸۳ - نظام پورہ، بھیونڈی، ضلع تھانے

انسانی تاریخ ایسے اَن گنت واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں حق اور باطل کے درمیان معرکہ کی جنگ ہوئی ہے لیکن ان میں اکثریت ان معرکوں کی ہے جن میں حق فتحیاب ہوا ہے، اور باطل کو پسپائی نصیب ہوئی ہے مثلاً رام اور راون کی جنگ، فرعون اور موسیٰؑ کا تصادم وغیرہ۔ لیکن تاریخ عالم میں ایسے واقعات چند ہی ملیں گے جن میں حق بظاہر پسپا ہُوا ہے اور باطل سُرخرو، لیکن اپنی مادی شکست کے باوجود حق کے لئے قربان ہونے والوں نے صحرائے ہستی میں اپنے منفرد اور عظیم قدموں کے لافانی نقوش چھوڑے ہیں. انھیں معدودے چند سُورماؤں میں حضرت حُسین ابن علیؑ کا نام سرِفہرست ہے۔ میدان کربلا میں حسینؓ کی اندوہناک شکست انھیں لافانی بنا گئی۔

اسلام میں خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد جب اموی سلطنت قائم ہوئی اور سلاطین امویہ نے جب اسلامی جمہوریت کو مطلق العنان بادشاہت میں تبدیل کرنا شروع کیا اس وقت چند حریت پسند افراد نے اس طاغوتی نظام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اموی سلطنت کے بانی امیر معاویہ نے خلافت کے جمہوری منصب کو موروثی بنالیا۔ یہ عربی معاشرہ کے لئے ایک غیر مانوس اور اجنبی تبدیلی تھی کیونکہ عربی سماج اسلام سے پہلے بھی جمہوری اقدار کا حامل رہا تھا۔ وہاں کے قبائلی نظام میں موروثی قیادت کا رواج ہرچند نہ تھا۔ قبیلہ کے سردار کا انتخاب عین جمہوری طریقے پر رائے عامّہ کے ذریعہ ہوتا تھا۔ سردار عموماً قبیلہ کا سب سے معزز اور تجربہ کار شخص ہُوا کرتا تھا۔ ایسا شاذ ہی ہوتا تھا کہ کسی سردار کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سردار منتخب ہو۔ اس کے بعد پیغمبرؐ اسلام نے جب مدینہ میں اسلامی جمہوریت کی بُنیاد ڈالی تو ایک انصاف پسند، صالح اور مساوی معاشرہ وجود میں آیا۔ جس میں ہر شخص ایک فعّالی اور مثبت حیثیت رکھتا تھا۔ بانیؐ اسلام نے قوم کے قائد کو قوم کا خادم قرار دیا۔ (سیّد القوم خادمھم) اس معاشرہ میں ہر فرد کو مساوی درجہ حاصل تھا۔ راجہ اور پرجا اور حاکم و محکوم کا تصوّر ناپسندیدہ، مکروہ اور گردن زدنی تھا۔ پیغمبرؐ اسلام کی رحلت کے بعد ان کے جاں نثار اور مخلص ساتھیوں نے خلافت راشدہ قائم کی جو ایک خالص جمہوری نظام تھا جس کا بنیادی مقصد فرد کی آزادی، معاشرہ کی فلاح و بہبُود اور غریب پروری تھا۔ لیکن یزید کی جانشینی کے بعد یہ ساری عظیم الشان عمارت یکلخت مُنہدم ہونے لگی۔ سارے اسلامی آدرش بالائے طاق رکھ دیئے گئے۔ شخصی حکومت جس کی بنیادیں ظلم و استبداد، ناانصافی اور غیر جمہوری اقدار پر رکھی گئیں اسلامی ریاست کا ناسُور بن گئی۔ حسینؓ جو پیغمبرؐ اسلام کے محبُوب اور مطیع نواسے اور شیرِ خدا علی ابن ابی طالبؓ کے بہادر اور غیور بیٹے تھے، اس غیر اسلامی اور غیر انسانی منظر کے خاموش تماشائی نہ رہ سکے۔ وہ جانتے تھے کہ یزید کے پاس اقتدارِ اعلیٰ ہے، لشکرِ جرّار ہے، مکر، حیلہ اور سیاست ہے اور ان کے اپنے پاس کچھ بھی نہیں ہے بجز ایک ناقابل شکست عزم کے، اصولوں پر قرُبان ہونے والے لافانی جذبے اور نبیؐ کے گھرانے کی اعلیٰ ترین انسانی اقدار، تربیت اور کردار کے۔

میدان کربلا میں یزید کی بے پناہ فوج کے مقابلے میں چند مٹھی بھر نفوس کو برسرِپیکار کرنا تاریخ کی ایک طولانی بحث ہے۔ کیا امام حسینؓ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس تصادم کا انجام موت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے: کیا وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ فوجی اعتبار سے یہ اقدام ایک دانستہ خودکشی کے مترادف تھا؟ پھر اس کے علاوہ یہ مباحث ہمیشہ سامنے آتے رہتے ہیں کہ کیا امام حسینؓ کا یہ اقدام ایک قائم شدہ اقتدار کے خلاف بغاوت تھا؟ کیا اسلامی نقطہ نظر سے یہ ایک جائز جنگ تھی یا محض خروج تھا؟ ان تمام مباحث سے ہٹ کر جب ہم امام حسینؓ کے کردار و عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو ایک بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ امام حسینؓ کے جذبۂ صادق کے سامنے یہ تمام متنازعات لایعنی اور بے جان ہیں۔ امام حسینؓ کے سامنے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا تھا، یا تو وہ اپنے جیتے جی، اپنی آنکھوں کے سامنے اسلامی اقدار اور جمہوری روایات کو پامال ہوتے دیکھ کر سیاسی خاموشی اختیار کرلیتے، یا پھر اس عظیم نصب العین کی بقا کے خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیتے۔ انھوں نے بالآخر دوسری راہ کا انتخاب کیا۔

کربلا کے میدان میں حق و باطل میں کیونکر ٹھنی ۔ یزید کے ظالم سپہ سالار نے نبیؐ کے گھرانے کو کس بے دردی سے تاراج کیا ۔ کربلا کے تپتے ہوئے صحرا میں حسینؓ کے خون کے قطرے کیونکر جذب ہوئے یہ ساری داستان الم انگیز تاریخ عالم کا ایک ناقابل فراموش باب بن چکی ہے ۔ حسینؓ اسی عظیم قربانی دیکر ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے ۔ آج ۱۴ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی حسینؓ کی عدیم المثال قربانی ان تمام مضطرب روحوں کے لئے مشعل راہ ہے جو زندگی کے مختلف میدانوں میں ظلم و استبداد اور ناانصافی کے خلاف برسرپیکار ہیں ۔ اردو کے عظیم شاعر احمد ندیم قاسمی نے امام حسینؓ کی اس بے مثال قربانی کو کتنے پیارے انداز میں بیان کیا ہے ؂

لمحہ جو گریزاں تھا وہ تاریخ کی لَو تھا !
نیزوں پہ جو سر تھے ابدیت کے نشاں تھے
حق بات پہ مرنے کی حقیقت کے مقابل
باقی جو حقائق تھے وہ سب وہم و گماں تھے

●

صفحہ ۱۶ سے آگے

اتنا بڑا اضافہ کیا کہ ہم انھیں الفاظ و تشبیہات کا جادوگر کہیں تو بیجا نہ ہوگا اور جوشؔ کے اس احسان سے نظم اردو کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی لیکن اس کے ساتھ اگر ہم ان کا تقابل علامہ اقبالؔ سے کریں تو باوجود اس کے کہ علامہ اقبالؔ جوشؔ سے بڑھ کر قادر الکلام شاعر نہیں ہیں لیکن جنون و حکمت اور فلسفہ و فکر میں وہ اتنے عظیم ہیں کہ جوشؔ ملیح آبادی کا خوش نما الفاظ کا رنگ محل ہمیں بہت چھوٹا نظر آنے لگتا ہے ۔ ان کی انگلیاں زمانے کی نبض پر ضرور ہیں مگر مسائل حکیمانہ بیان سے یکسر عاری ہے شعر کا جو علمی اور فکری لہجہ ہونا چاہئے وہ لہجہ انھیں اس لئے نہ مل سکا کہ وہ شعر کی جسمانی رعنائیوں کے بیان میں زیادہ مصروف رہے ۔ انسان کی حزنیہ زندگی اس کی المناکیاں اور غم نصیبیاں کسی خاص اسلوب کے ساتھ پیش نہ کر سکے ۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ انسانی حیات کو نشاط

طربیہ سمجھتے ہیں اور غم سے غیر فطری طور پر متنفر ہیں ۔ ان کے یہاں نوع بشر کے ساتھ ایک سطحی ہمدردی تو ضرور ملتی ہے لیکن غمگساری کا عنصر تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے وہ غم کا اختیاری چیز سمجھتے ہیں حالانکہ غم انسان کو وہ مایوس مقدر ہے جس سے انسان بیزار ہوتے ہوئے بھی ایک نشاط انگیز کیفیت حاصل کرتا ہے

ان باتوں کے باوجود جوشؔ کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی بناء پر ایک عظیم عہد آفریں شاعر ہیں اور ان کی عظمت کو موجودہ زمانے کے مورخ اور نقادوں نے تسلیم کر لیا ہے ۔

جوشؔ کے افکار کو زمانے کی مستقبل کی روح
آج اگر رسوا یہ مرد ناسماں ہے تو کیا

•●•



شہید بھائی کوتوال اور ہیراجی پاٹل کواں کی ۴۴ ویں برسی کے موقع پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک جلسہ ۲ر جنوری ۷۷ء کو سدھ گڑھ تعلقہ مرباد ضلع تھانے میں منعقد ہوا ۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری وائی ۔ بی چوان مرکزی وزیر برائے امور خارجہ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں ۔ شری ایس ۔ بی چوان وزیر اعلیٰ مہاراشٹرا اور شری بی ۔ کے سادنت صدر ایم ۔ پی ۔ سی ۔ سی ، اور ایس ۔ جی گھولپ نائب وزیر نظر آرہے ہیں ۔

فکرِ فردا

رشید قریشی
۴۳، محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ ۱

اے مِرے دوستو، رفیقو، اُٹھو
اپنی سوچوں کو کچھ جِلا بخشو!
اور سنجیدگی سے غور کرو!

یوں ہی بڑھتی رہی جو آبادی ا
ایک ایسا بھی دَور آئے گا
شاہراہیں پناہ مانگیں گی
اور پھر ایک دن وہ آئے گا
درس گاہیں پناہ مانگیں گی

اے مرے دوستو، رفیقو، اُٹھو!
اِس حقیقت کو مُشتہر کر دو

اُلجھنوں سے نجات کی خاطر
ہوش مندی بہت ضروری ہے
اپنے گھر کو سنوارنے کے لئے
کُنبہ بندی بہت ضروری ہے

غزل

حیاتؔ لکھنوی
اِمامیہ ہال، پنج کیوئین روڈ
نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

نظر نہ آؤ مِلو بھی اگر ہوا کی طرح
میں ڈھونڈھتا ہی رہوں گا تمھیں خدا کی طرح

نہ بُوئے گُل نہ کوئی رنگ ہے حِنا کی طرح
صبا بھی رُوٹھ گئی ہے تری ادا کی طرح

اب اس سے بڑھ کے بھی قحط الرجال کیا ہوگا
سِتم شعار ملے درد آشنا کی طرح

یہ سادگیٔ تلوّن یہ شیوۂ تمکیں
وفا بھی کی ہے جو اُس نے تو بے وفا کی طرح

رہِ وفا میں جبینِ نیاز جُھک نہ سکی
ہزار نقش ملے تیرے نقشِ پا کی طرح

نہ رہ سکے گا زمانے میں رہبری کا بھرم
جو راہزن بھی نظر آئیں رہنما کی طرح

حیاتؔ کیسے ہو اِحساسِ لُطفِ آزادی
گزر رہی ہے مِری زندگی سزا کی طرح

حوصلہ شرط ہے

• طلحہ تابش صدیقی
معرفت نازش پرتاپگڈھی
پرتاپ گڈھ۔ یو۔پی

فرق پڑتا نہیں کچھ نام بدل لینے سے
ذہنیت بھی جو بدل جائے تو کچھ کام بنے !
کل یہی دشمن جاں ٹھہرے تھے ہوشیار رہو
آج ہمراہ جو چلنے لگے آگے آگے !
بچ کے رہنا ہے ہمیں دوست نما دشمن سے
آستینوں میں کوئی سانپ نہ پلنے پائے
وقت جتنا بھی لگے ہم کو مٹانا ہو گا !
کانٹے گلشن میں نہ رہ جائیں کسی صورت سے
اژدہا فرقہ پرستی کا ابھی زندہ ہے
دوستو، ساتھیو، ہوشیار ہی رہنا اس سے
ان کی ہر سازشِ مذموم کو ناکام کرو
چھوڑ کر اپنی جماعت جو ملے ہیں ہم سے
شخصیت دُہری ہے جن کی وہ بدل سکتے ہیں
اعتبار ان کی کسی بات پر آئے کیسے
ابھی منزل ہے بہت دُور ابھی چلتے رہو
راہ میں بیٹھ گئے تھک کے تو پچھتاؤ گے
اِک نئے طور سے دینی ہے گلوں کی ترتیب
اک نئے ڈھنگ سے تا اپنا گلستاں مہکے
ہر نظر ہم کو اُٹھانی ہے بڑی فکر کے ساتھ
ہر قدم ہم کو اُٹھانا ہے بڑی جرأت سے
ولولہ چاہیئے منزل کی طرف بڑھنے کا
حوصلہ شرط ہے اس دَور میں جینے کے لئے
سر میں سودا ہو سرافراز ہو اپنی دھرتی
ہو لگن دل میں کہ اب دیش ترقی پائے
نور ہی نور بکھر جائے گا اس دھرتی پہ
صرف ایک دیپ مُسرّت کا جَلا دینے سے

علاقائی زبان سے واقفیت کی اہمیت

ڈاکٹر زرینہ ثانی
۳۶۱۔ شنکر نگر، ناگپور (مہاراشٹر)

زبان آواز سے تشکیل پاتی ہے۔ انسان نے ابتدا میں اپنے مقصد اور مفہوم کے اظہار کے لئے اشارے وضع کئے۔ شعور کی بالیدگی کے ساتھ اس نے آواز سے کام لینا شروع کیا تو زبان کی تخلیق ہوئی۔ جذبات، احساسات اور خیالات کے اظہار کا بہترین وسیلہ زبان ہے اسی نطق نے انسان اور حیوان کے مابین حد فاصل کھینچا ہے۔ ابتدا میں ایک ہی زبان رہی ہوگی مگر مرور ایام کے ساتھ ساتھ شاخ در شاخ منقسم ہوتی گئی اور آج بے شمار زبانیں عالم وجود میں آگئی ہیں۔

ہندوستان کی قدیم قوم دراوڑی قوم ہے۔ آرین اس ملک میں فاتح کی حیثیت سے آئے اور دراوڑی قوم کو جنوب میں ڈھکیل دیا۔ ان فاتح آرین کی زبان سے ملکی زبان متاثر ہوئی اور مفتوح کی زبان نے بھی فاتح کی زبان پر اثر ڈالا۔ اس طرح ویدک بھاشا کا ڈھانچہ تیار ہوا ـــ ع

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

کے تحت یہ ڈھانچہ بھی تبدیلیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ حالانکہ علماء و فضلاء نے اس بات کی کوشش کی کہ ویدک بھاشا کے صرف و نحو زبان و بیان کے اُصول وضع کر کے اس کی پابندی سختی سے کی جائے تاکہ زبان شُستہ و رفتہ بن سکے۔ یہیں سے سنسکرت زبان محدود ہوتی گئی اور ایک برتر حلقے کی زبان بن کر رہ گئی۔ عوام کی زبان پراکرت کہلائی جو عوام کا ورثہ ہونے کی وجہ سے پھلتی پھولتی، شاداب اور سرسبز ہوتی گئی۔ اسی پراکرت سے کئی شاخیں نکلیں جن میں سے مہاراشٹری بھی ایک شاخ ہے، جس کی نکھری ہوئی شکل کو آج ہم مراٹھی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جو ہماری صوبائی زبان ہے۔

صوبائی اور علاقائی زبان بڑی اہم ہوتی ہے کیونکہ علاقے کی اکثریت کی ترجمان ہوتی ہے اور اکثریتی زبان اقلیت کی زبان پر اثر انداز بھی ہوتی ہے۔ ویسے ہٹ دھرمی سے کہا جا سکتا ہے کہ ہم کسی دوسرے کی زبان سے متاثر نہیں ہوں گے، مگر یہ محض طفلانہ ضد ہوگی۔ کسی دوسرے کی زبان سیکھنے اور بولنے میں پس و پیش اور جھجک محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ دوسری زبان کے الفاظ کو اخذ کرنے میں کوتاہ دستی، "محرومی" کے مترادف ہوگی۔ کیوں کہ جو بڑھ کر خود اُٹھالے گا "مینا" اسی کا ہوجائیگا۔ زبان کی ترقی اور عروج کا ایک راز یہ بھی ہے کہ دوسری زبان کے الفاظ اس میں شامل ہوتے رہیں تاکہ زبان محدود اور پھر مردہ نہ ہوجائے بلکہ تازہ خون سے نئی زندگی پاتی رہے۔ علاقائی زبان صرف متاثر ہی نہیں کرتی بلکہ دوسری زبانوں کا اثر بھی اس پر پڑتا ہے۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپس میں لین دین ہوتا رہے اور گفتگو کے مواقع ہوں۔ ہمیں علاقائی زبان سیکھنا چاہئے تاکہ ہماری اپنی زبان کے الفاظ بھی اس میں شامل ہوسکیں۔ جب تک ہم خود کسی زبان کو نہ سیکھیں کوئی دوسرا ہماری زبان کے الفاظ کے لئے کوئی کشش محسوس نہیں کرے گا۔ سچ پوچھئے تو پانے کیلئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جدوجہد اور قربانی ہی سے ایثار کا سلسلہ چلتا ہے۔

ہمیں دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ملے گی جہاں صرف ایک ہی مذہب، ایک ہی خیال ایک ہی جذبے کے لوگ رہتے ہوں، یہانتک کہ ایک ہی گھر کی چھت کے نیچے مختلف الخیال لوگ رہتے بستے ہیں۔ اس لئے کسی بھی صوبے یا علاقے میں اقلیت ضرور ہوگی مگر حکومت اور دفاتر کے کام ہر اقلیتی زبان میں کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ اس لئے علاقے کی اکثریت کی زبان صوبائی بن جاتی ہے اقلیتی

فرقوں کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ اس زبان کو سیکھیں۔ حکومت کے کاموں کو سمجھنے، مختلف دفاتر میں نوکری کرنے اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے لئے اس زبان سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

جی ہاں، جمہوریت نے اقلیت کے حقوق کا تحفظ ضرور کیا ہے، لیکن زندگی محدود نہیں بلکہ بے حد وسیع ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں، مختلف رنگ و روپ ہیں۔ ان تمام وسعتوں اور حسن و رنگ سے لطف اندوز ہونے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہمیں علاقائی زبان نہیں آتی تو ہم اپنی مسرت کا ایک چشمہ خشک کر لیتے ہیں۔ لیکن زبان آتی ہے تو اسی زبان کے ذریعہ وہاں کی ثقافت روایت اور لوگوں کے جذبات و احساسات سے آشنائی ہوگی ایک دوسرے کو سمجھنے کے مواقع فراہم ہوں گے۔ اس کے بعد اخوت و محبت کے اُجالے تب نارکی سیاہی کو مٹاتے جائیں گے۔

نفاق و افتراق کو دُور کرنے کا ایک اہم وسیلہ زبان بھی ہے اور فسادات کی آگ کو شعلہ زن بھی زبان ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ آپ دوسروں کی زبان سیکھئے، دوسرے آپ کے لئے اپنے دل میں جگہ پیدا کریں گے۔ آپ دوسرے کی زبان سے نفرت کیجئے دوسرے بھی نفرت کے شعلے ہی عطا کریں گے۔ انسان کسی بھی مذہب یا مسلک سے تعلق رکھتا ہو زندگی کی کچھ اقدار VALUES مشترک ہیں۔ کچھ جذبے مُشترک ہیں۔ مثلاً زندگی کے دُکھوں میں ہمدردی کی ضرورت ... زندگی میں مختلف نشیب و فراز آتے ہیں یہاں فصل گل اور موسم خزاں لازم و ملزوم ہیں۔ مسرت کے ساتھ ساتھ مُصیبت سے بھی عہدہ برا ہونا پڑتا ہے۔ لیکن انسان دُکھ درد، مصیبت اور پریشانی میں شرکت اور غمگساری کا خواہاں ہوتا ہے وہ اپنے دُکھ اور مصائب میں کسی اور کو حصہ دار دیکھتا ہے تو قوتِ برداشت زیادہ ہوجاتی ہے دماغی تسکین ملتی ہے اور اخلاقی جرأت۔

شرکتِ غم کے لئے زبان کا جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ انسانی جذبات اور احساسات کا مرکز دل ہوتا ہے مگر ان کے اظہار کا وسیلہ زبان ہی ہے۔ زبان "دردون خانہ" کی ترجمان بن کر انساں کے زخموں پر مرہم رکھ سکتی ہے۔ اگر آپ علاقائی زبان سے واقف ہیں تو وہاں کے لوگوں کے سُکھ دُکھ مسرت، مصیبت، رنج و راحت میں شریک ہوسکتے ہیں۔

قومی اور ملکی خدمت کے لئے ضروری نہیں کہ آپ بہت وقیع و اہم، بلند و عظیم کارنامے انجام دیں، چھوٹی چھوٹی باتیں ملکر بڑی بات ہوجاتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کو سمجھیں، ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوں، ایک دوسرے سے محبت و اخوت سے پیش آئیں تو یہ بھی ملک کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

بہت سے اُبھرتے ہوئے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے اور شاہراہ ترقی زیادہ وسیع اور کشادہ بن سکے گی۔

علاقائی زبان تجارتی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے بھی اہم ہوجاتی ہے۔ مارکیٹ میں اس زبان کو برتنے والوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ تجارتی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آپ گاہک کو متوجہ کرسکیں۔ اس کے لئے سب سے اچھا وسیلہ زبان ہے۔ ہم علاقائی زبان سے گریز کر کے پنپ نہیں سکتے۔ ہر ہر قدم پر دشواریاں پیش آئیں گی۔ زبان کی بنیاد پر جھگڑے ہوں گے اور ہم نے اس کا تماشا بارہا دیکھا ہے۔ بدیہات کے لئے دلیلوں اور مثالوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زبان کا اثر انسانی زندگی پر اس طرح پڑتا ہے جس طرح ماں کا اثر بچوں پر پڑتا ہے۔ اس لئے علاقائی زبان کو زیادہ سے زیادہ عروج و کمال کی طرف لے جانے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہوجاتا ہے۔ بسا اوقات کہا جاتا ہے کہ فلاں زبان ترقی یافتہ نہیں ہے۔ لیکن جیسے جیسے زبان لوگوں میں پھیلتی بڑھتی اور نشوونما پاتی ہے اس میں الفاظ کا ذخیرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا ادبِ اعلیٰ کی طرف پرواز کرتا ہے اس میں شائستگی آتی ہے۔ اس طرح خود بخود ارتقا ہوتا جاتا ہے۔ علاقائی زبان کی ترقی کا بہترین وسیلہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے اپنائیں۔ زبان کے علم کے ساتھ ساتھ ہم اس زبان کے ادب سے بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ ادب زندگی کا نہ صرف عکاس ہوتا ہے بلکہ زندگی کی تنقید بھی۔ اس طرح ادب میں ہمیں اس علاقے کے لوگوں کے عکس نظر آتے ہیں۔ ان کی زندگی کے نشیب و فراز دکھائی دیتے ہیں اور ان کی جدوجہد اور عمل کی کہانیاں ملتی ہیں انھیں ہم اپنے سے قریب محسوس کرتے ہیں۔

علاقائی زبان سے ہمارا تعارف بڑھے گا تو اجنبیت کی دیواریں بھی گرتی جائیں گی ایک دوسرے کے خیالات اور جذبات کو سمجھ سکیں گے محبت اور یگانگت میں اضافہ ہوگا اور رفتہ رفتہ بہت سے اختلافات خود بخود ختم ہوجائیں گے۔ جب ہم کوئی زبان سیکھتے ہیں تو ہم اس کے ذخیرۂ الفاظ میں دلچسپی لیتے ہیں الفاظ اور جملوں کے تعارف کے ساتھ ساتھ ہمیں اس زبان سے محبت ہوتی ہے اور پھر یہی محبت

(بقیہ صـ۲۵ پر ملاحظہ فرمائیے)

نجمہ اخلاق
۱۵۔ رفیع منزل، بارودخانہ، گولاگنج،
لکھنؤ (یو۔پی) ۲۲۶۰۰۱

دو گھنٹے ریل میں

اپنی ٹولی چھ سات آدمیوں پر مشتمل تھی جو سب کے سب کان پور میں کھیلا جانے والا ٹسٹ میچ دیکھنے جا رہے تھے۔ ڈی لکس، نان اسٹاپ، میل یا پسنجر کسی طرح کی بس میں جگہ ملنے کا سوال یکسر نہیں تھا کیونکہ تقریباً پچاس بسیں ایک دن قبل ہی ایڈوانس بکنگ کی نذر ہو چکی تھیں چنانچہ ہم سبھوں نے ریل سے سفر کرنے کی ٹھانی اور ریلوے اسٹیشن پہنچ کر کیو میں لگ گئے، جہاں بڑی آسانی سے ہمیں ٹکٹ مل گئے۔ انھیں حاصل کرنے کے بعد ہم ریل کے ڈبوں کو جھانکتے جگہ کی تلاش میں سرگرداں پلیٹ فارم کے صدقے ہوتے رہے، آخر خدا خدا کر کے ایک کمپارٹمنٹ میں بہ مشکل تمام ہم میں سے چند کو بیٹھنے اور کچھ کو کھڑے ہونے کی جگہ مل ہی گئی۔

جس کمپارٹمنٹ میں ہم بیٹھے تھے وہ مسافروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اول تو اُناؤ اور کان پور جانے والے ڈیلی پسنجر جن میں سرکاری ملازمین، تاجر پیشہ، نیم سرکاری اور عدالتی لوگ ہوتے، عام طور سے اسی ریل سے سفر کرتے، دوسرے سونے پر سہاگہ کان پور ٹسٹ میچ دیکھنے والے رسیا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس دن اتفاق سے مسافر دوچند ہو گئے تھے۔

ریل چلی تو کچھ مسافر اوپر کی برتھ پر چڑھ بیٹھے اور رمی کھیلنے لگے۔ کچھ نیشنل ہیرالڈ، پاہرا، ریلٹز کا مطالعہ کرنے لگے۔ چند آدمی جاسوسی ناول اور میگزین سے شغل فرمانے لگے۔ جس برتھ پر میں بیٹھا تھا اور اس کی مقابل والی برتھ پر چند سنجیدہ قسم کے پسنجر بیٹھے حالات حاضرہ پر تبصرہ کرنے لگے۔ ان میں سے ایک صاحب بریف کیس سے سگار نکال کر جلاتے ہوئے بولے

”میرا خیال ہے کہ ایمرجنسی نافذ ہونے کے بعد سے ہی ریلیں تقریباً ٹھیک وقت پر چلنے لگی ہیں؟“

سامنے والی برتھ پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے اُن کے خیال کی تائید کی۔

”جی ہاں۔ ریلوں کی کارکردگی میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ ریلوں کو باقاعدہ اور منظم طریقہ سے چلانے اور اچھے ڈھنگ سے خدمت کرنے کے پیش نظر ریلوے افسران اچانک معائنے کرنے لگے جس کی وجہ سے کام کرنے کے طریقوں میں کافی مستعدی اور اصلاح پیدا ہو گئی ہے۔“

قریب بیٹھے ہوئے ایک مسافر جو مونگ پھلی ٹونگ رہے تھے گویا ہوئے۔

”ادھر حال ہی میں ریلوے منتری نے کئی نئی ریلوں کا اضافہ کر دیا ہے جن کی وجہ سے ٹھکانے پر پہنچنے میں زیادہ آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔“

”اور جناب تھری ٹائر اور ٹو ٹائر سلیپر کوچیز لگا کر اور ریزرویشن میں کافی سہولتیں پیدا کر دی گئی ہیں جن سے مسافروں کو بڑا آرام پہنچ رہا ہے۔ گو کہ کرایہ میں تھوڑا اضافہ کر دیا گیا ہے مگر ان تمام تر سہولتوں کے پیش نظر وہ بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ہم لوگوں نے اسے ہنسی خوشی برداشت کر لیا ہے۔“ میں بولا۔

”ہاں جناب۔ یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ایمرجنسی سے واضح طور پر ملک کو فائدے پہنچے ہیں۔ ریلوے ہی پر کیا منحصر اور یہ فائدے عارضی نہیں بلکہ مستقل صورت اختیار کر چکے ہیں جن کی وجہ سے ملک کی معیشت کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے۔ ڈسپلن میں رہ کر کام کرنے کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ ابتری کا جو ماحول ملک میں پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا اور قومی زندگی میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ ایمرجنسی آتے ہی ہڑتالوں، تالہ بندیوں، فرقہ وارانہ فسادوں، علاقائی کشیدگیوں اور زبان کے مسئلہ میں بڑھتے ہوئے اختلافات کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے اس وقت تک امید سے زیادہ اچھے نتائج برآمد ہو چکے ہیں۔“

انھوں نے جملہ ختم کیا تو ان کے بائیں پہلو میں بیٹھے ہوئے مسافر بولے۔

"جی ہاں، اس میں شک نہیں کہ پردھان منتری جی کے بیس سوتری کاریہ کرم پر گمبھیر ڈھنگ سے کام کئے جانے سے دیش کی بڑی اُنتی ہوئی ہے۔"

وہ خاموش ہوئے تو ایک دوسرے صاحب بول پڑے۔

"اب یہی دیکھئے کہ بنیادی قواعد میں خاصی تبدیلیاں لانے، خاص طور سے جن کا تعلق سرکاری کارکردگی میں خود اعتمادی اور اطمینان بخش خدمت سے ہے، کافی بہتری آگئی ہے۔ ٹریڈ یونین رہنماؤں اور صنعت کاروں کے باہم مل کر کام کرنے اور محنت کرنیوالوں کو منافع میں ساجھے دار بنانے کے سلسلے میں پردھان منتری کی اپیل کا بہت اچھا خیر مقدم کیا گیا ہے۔"

"اور جناب، ملک سے رشوت خوری، اسمگلنگ، ٹیکس ماری اور دوسری بدعنوانیوں کے خلاف جو کام کئے گئے ہیں ان کے بھی تو نتائج بہت اچھے نکلے ہیں۔؟"

"اس میں کیا شک ہے!"

"اناج کی پیداوار میں بھی تو خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔"

"چلئے اچھا ہوا، بدیسی اناج کھاتے کھاتے صحت کا ستیاناس پٹ گیا تھا اس سے نجات ملی... اناج کی پیداوار بڑھی تو بدیسی ملکوں کی محتاجی سے چھٹکارا ملا۔"

"وہ تو ہونا لازمی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارا ملک زراعت پیشہ ملک ہے۔ زرعی پیداوار پر ملک کی پچاس فیصد قومی آمدنی کا دارومدار ہے۔ اس میں بڑھوتی یقیناً ملک کی معیشت کے لئے اچھی علامت ہے پیداوار بڑھانے کے وسائل پر بھی سنجیدگی سے عمل ہو رہا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب کہ بہت کم مدت میں پچاس لاکھ ہیکٹیر زمین کو مزید کاشت میں لایا جا سکے گا۔ اس نشانے کو پورا کرنے کے لئے بڑے اور اوسط پیمانے پر آبپاشی اسکیموں کے لئے پلان بن چکے ہیں۔ زمینی پانی کے وسائل سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے ایک قومی پروگرام مرتب ہو چکا ہے۔ معاشی جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ بجلی کی پیداوار جلد ہی ۳۶ لاکھ کیلو واٹ ہو جائیگی جبکہ گذشتہ سال یہ سترہ لاکھ تھی۔"

ایک صاحب اپنے چشمے کے تالوں کو بُش شرٹ کے دامن سے صاف کرتے ہوئے بولے۔

"صنعتی شعبوں میں بھی پیداوار بڑھی ہے اناج کے علاوہ کوئلہ، سیمنٹ، لوہا، فولاد، اور دواسازی کی مہم میں خاصی ترقی ہوئی ہے۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ کپڑا عوام کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اس کی پیداوار اور تقسیم میں اصلاح کی ضرورت پر جب سے زور دیا گیا اس کے نتیجہ میں کنٹرول کے بھاؤ پر مل کا تیار کیا ہوا مختلف قسم کا کپڑا سستے داموں پر کنٹرول کی دوکانوں سے مل رہا ہے۔ کپڑا تیار کرنے والی ملوں پر جب سے یہ پابندی لگا دی گئی ہے کہ وہ اپنی پیداوار کا کم سے کم تیس فیصد حصہ کنٹرول کے کپڑوں کی صورت میں تیار کریں اس وقت سے سستے داموں پر ملنے والے مختلف قسم کے کپڑوں کی بہتات ہو گئی ہے۔"

وہ خاموش ہوئے تو ان سے پہلے جو صاحب بول رہے تھے دوبارہ گویا ہوئے۔

"ایک بات اور دیکھئے کہ ضروری چیزیں یعنی کوئلہ، سیمنٹ، لوہا، فولاد اور بجلی کی پیداوار بہتر ہو جانے کی وجہ سے چھوٹے پیمانے کی صنعتوں میں بھی پیداوار بڑھی ہے۔ صنعتی تعلقات کی خوشگوار فضا اور ہڑتالوں اور تالہ بندیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے سرمایہ کاری کے امکانات بہتر ہو گئے ہیں۔"

"جی ہاں جناب۔ بیس نکاتی پروگرام میں غریبی ہٹاؤ مہم کا نکتہ بھی خاصا اہم ہے۔ ہماری پردھان منتری جی کا منشا ہے کہ دیہات کی حالت بہتر ہو خاص طور سے محنت کرنیوالے عوام خوشحال ہوں۔ چھوٹے کسان اور دست کار کی حالت بہتر ہو۔ اسی لئے انھوں نے زمینوں کا ریکارڈ جلد مکمل کرنے، زمین کی حد ملکیت کے قانون کو عملی شکل دینے، محنت کرنے والے عوام کو زمین اور مکان مہیا کرنے، کم اُجرت پر نظر ثانی کرنے، بیگار لئے جانے کی پرانی رسم کو توڑے جانے اور جاگیردارانہ رواج کو یکلخت ختم کرنے پر زیادہ زور دیا ہے۔ ان تمام باتوں کا نچوڑ یہ ہے کہ دیہات میں معاشی اور سماجی ترقی ہو جس سے چھوٹے طبقہ کو فائدہ پہنچے۔ اسی لئے مرکزی سرکار نے تمام ریاستوں سے تفصیلات فراہم کی ہیں کہ انھوں نے فالتو زمین حاصل کرنے اور انھیں محنت کشوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں زرعی اصلاحات پر خاص طور سے زور دیا جا رہا ہے کیونکہ ہمارے ملک کی ۸۰ فیصد آبادی کھیتی باڑی کا کام کرتی ہے اور ایک حساب سے یہ ہماری ریڑھ کی ہڈی ہے جب تک یہ مضبوط نہیں ہوتی ہم توانائی سے چل پھر نہیں سکتے۔"

"اور جناب۔ بیس نکاتی پروگرام میں بندھن میں کام کرنے کے رواج کی سختی سے مخالفت کرنا بھی شامل ہے۔" میں نے کہا۔ "جس پر مرکزی سرکار کی ہدایت کے مطابق بہت سی ریاستوں نے اسے ختم کرنے کے اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اس کو قانونی شکل بھی دے دی ہے۔"

"اور جناب والا۔! پردھان منتری نے بینکوں کو قومیا کر کیا کم کارنامہ انجام دیا ہے۔! ان بینکوں کے ذریعہ ضرورت مند لوگوں کو آسان

(بقیہ ۳۰ پر)

تبصرے

ریاض احمد خان

وادیٔ سنگ

ظفر گورکھپوری ایک جوان اور حساس شاعر ہیں اور جب تک ان کی شاعری میں بانکپن قائم ہے وہ جوان ہی رہیں گے۔ زندگی کی پرخار راہوں سے ظفر خوب واقف ہیں۔ انھیں پرخار راہوں پر ان کا سفرِ حیات جاری ہے اسی سفر میں انھیں زندگی کی تلخیاں بھی ملتی ہیں اور نخلستان کی طرح کبھی کبھی خوشگوار لمحات بھی اور کیونکہ وہ حساس طبیعت کے مالک ہیں اس لئے زندگی کے حقائق پر گہری نظر رکھتے ہیں اور انھیں کو شعروں میں ڈھالتے ہیں۔ جس کا اثر قارئین کے دلوں کو بھی تڑپائے بغیر نہیں رہتا۔ اچھے شعر کی تعریف یہی ہے کہ وہ دلپذیر اثر انداز ہو۔ ظفر کے اس مجموعہ کلام میں جسے انھوں نے "وادیٔ سنگ" کا نام دیا ہے۔ بے شمار ایسے اشعار ہیں جو ہمارے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے۔

جہاں تک ترقی پسند شاعری کا تعلق ہے ہمیں انھیں نئے احساسات کے ساتھ ماحول سے قربت بھی ملتی ہے۔ وہی ماحول جس میں ہم موجودہ زمانے میں سانس لے رہے ہیں اور ہر لمحہ دنیا میں ہوتی ہوئی تبدیلیوں کے دھارے میں بہہ رہے ہیں۔ ظفر کے اشعار ہمیں اس خیالی دنیا سے نکالکر حقیقت کی دنیا میں لے جاتے ہیں اور اس حقیقت میں ہمیں ایک طرف اپنے وطن کی عظمت۔ کھیتوں کے گیت ماں کی ممتا بھی ملتی ہے اور دوسری طرف نئے فریب، گلابوں کی آگ بھی اور کشتِ ویراں بھی۔

وادیٔ سنگ کی کسی ایک غزل یا ایک شعر ہی نہیں بلکہ ہر غزل اور ہر شعر ظفر کے خلوص کو اجاگر کرتا ہے۔ ہر شعر ایک دردمند دل کی آواز ہے جس سے انسانیت کو بڑھاوا ملتا ہے۔ انسان کی عظمت اور بزرگی ملتی ہے انسان کی عظمت کو بلند کرنے والا یہ شاعر اتنی بڑی دنیا میں خود کو تنہا محسوس کرتا ہے وہ اس لئے کہ اس دنیا میں بسنے والے اپنے منافع کو نظر انداز نہیں کر سکتے مگر ظفر انھیں پیغام دیتا ہے کہ دوسروں کی تکلیف بانٹ لو، دوسروں کے غم اپنالو، اگر ایسا ہوا تو پھر دنیا میں ظلم و ستم جور و جفا کا نام تک باقی نہیں رہے گا ؎

قتل اور جھوٹ میرے گاؤں کا دستور نہیں
آپ کے شہر میں چلتا ہے تو چلتا ہوگا

بھیڑ احباب کی ہے، پھر بھی اکیلا ہوں ظفر
مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی شہر میں تنہا ہوگا

+

ہم وہ چراغِ بزم تمنا ہیں دوستو
ٹوٹے گی جن کی سانس شبِ غم کے ساتھ ساتھ

+

ہماری جنگ ہے اپنی سلامتی کیلئے
ہماری جنگ ہے تہذیب زندگی کیلئے
ہم آج سارے زمانے سے کھل کے کہتے ہیں
لہو سے کھیلنے نکلے ہیں روشنی کیلئے

ظفر کے اشعار کا تیکھا پن اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ وہ اپنے دل میں، اپنے وطن کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے، اپنی آواز ہر انسان تک پہونچانے کے لئے تڑپ رہے ہیں اور یہی تڑپ قارئین کے سامنے ظفر کو مستقبل کا بے مثال شاعر بنا کر پیش کر رہی ہے۔

وادیٔ سنگ کے اشعار ۱۶۰ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور اس خوبصورت گلدستہ کی قیمت دس روپے ہے۔ یونیورسل لیتھو پریس نے طباعت کی طرف خاص طور سے توجہ دی ہے اور ستائش کا مستحق ہے۔ فراق

گورکھپوری نے ظفر اور اس کی شاعری کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کئے ہیں دیباچہ سردار جعفری کا لکھا ہوا ہے اور وہ ظفر گورکھپوری کے اس مجموعۂ کلام "وادیٔ سنگ" کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

پروانۂ چراغِ مزارِ خودیم ما

اتر پردیش اردو اکاڈمی کے مالی اشتراک سے شائع ہونے والی کتاب "پروانۂ چراغ مزار خودیم ما" کے مصنف ہیں شیب اعظمی صاحب جس کا تعارف ڈاکٹر سید انصاری نے لکھا ہے۔ "عرضِ مرتب" میں شیب اعظمی نے اعظم گڈھ کی تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے اور ان بزرگوں کے اسمائے گرامی بھی بتائے ہیں جنہوں نے جنگِ آزادی میں اور آزادی کے بعد اس مقام کو اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں سے سرفراز کیا ہے۔ انہیں برگزیدہ شخصیتوں میں ایک ہستی حکیم محمد اسحاق صاحب کی بھی ہے جنہوں نے اس صدی کے اوّل نصف حصے میں کارہائے گرانمایہ انجام دیئے؟

ڈاکٹر سید انصاری نے اپنے تعارف میں حکیم دحافظ محمد اسحاق صاحب سے اپنی دیرینہ رفاقت کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی علمی و ادبی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ حکیم صاحب نے وطن کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان کے پائے استقلال کو کبھی لغزش نہیں ہوئی نہ ہی کبھی وہ جادۂ حق سے ہٹے۔

"پروانۂ چراغِ مزارِ خودیم ما" حکیم محمد اسحاق صاحب مرحوم کی زندگی کا ایک چھوٹا سا مجموعہ ہے جسے ان کے صاحبزادے شیب اعظمی نے بمبئی۔ دلی و اعظم گڈھ کی معروف ہستیوں کے تعاون سے کتابی شکل میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ حالانکہ ۲۰ ویں صدی کا نصف موجودہ دور سے زیادہ دوری پر نہیں ہے پھر بھی ملک کی اس وقت کی سیاسی و قومی زندگی پر خوب روشنی پڑتی ہے اور قارئین یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ اس دور میں بھی لوگوں کے دلوں میں وطنیت اور جذبۂ ایثار و قربانی کس حد تک کارفرما تھا۔

"پروانۂ چراغِ مزارِ خودیم ما" ایک مستند تاریخی کتاب ہے جو حالانکہ حکیم محمد اسحاق اور ان کے رفقاء و معاصرین کے تذکروں پر مشتمل ہے پھر بھی اس میں ایسے واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں جن کو جاننا ہم سب کے لئے ضروری ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ وہ ہے جسے مصنف نے حکیم صاحب سے واقعات دریافت کرکے لکھے ہیں اور دوسرا حصہ مصنف نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔

"پروانۂ چراغ مزار خودیم ما" ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت دیدہ زیب ہے اور طباعت کی ذمہ داری جمال پریس دلی نے بڑی خوبصورتی سے انجام دی ہے۔

تقسیم کار مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ہے اور یہ تصنیف مکتبہ کی ہر شاخ اور بمبئی میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ نزد جے۔ جے اسپتال، بمبئی ۳ سے بارہ روپے میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

ماہنامہ پولٹری گائیڈ

ہمارے ادب میں سائنسی، ٹیکنیکل اور زراعتی امور پر کتابیں یا رسالے یا تو نایاب ہیں یا پھر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ صرف اردو کے ادبی رسالے ہی زبان کی ترویج کے لئے کافی نہیں ہوتے ہیں بلکہ زبان وہی زندہ سمجھی جاتی ہے جسمیں پڑھنے والوں کے لیئے ترقی کی راہیں نظر آئیں۔ اس سمت بھی کم ہی توجہ دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں دلی کے چندر پرکاش نارنگ قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اردو داں طبقہ کے لیئے مرغبانی سے وابستہ ماہنامہ "پولٹری گائیڈ" کا اجرا کیا ہے اس رسالے کے ایڈیٹوریل بورڈ میں حیدرآباد کے ڈاکٹر ایس ایم صدیقی، متھرا کے کے یکو، حسین اور عزت نگر کے اقبال الدین شامل ہیں۔ "پولٹری گائیڈ" میں مرغبانی کے متعلق ہر ماہ تحقیق شدہ باتیں بتلائی جاتی ہیں مثلاً مرغیوں کو بیماری سے کس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ انھیں خوراک کے طور پر کس قسم کے مرکب دیئے جانے چاہئیں۔ انڈوں کی پیداوار میں کس طرح ترقی حاصل کی جا سکتی ہے اور اس طرح انڈوں کو بازار میں کس طرح فائدہ مند طریقہ پر پہونچایا جا سکتا ہے

اس کے ساتھ ساتھ اس ماہنامے میں ان تمام خبروں کا نچوڑ بھی ہوتا ہے جو ملک کے دوسرے علاقوں سے موصول ہوتی ہیں اسکے علاوہ پولٹری انڈسٹری کو مرکزی سرکار سے کس طرح مالی امداد مل سکتی ہے اسپر بھی معلومات بہم پہونچائی جاتی ہے مرغبانی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے "پولٹری گائیڈ" ایک مفید اور معلوماتی رسالہ ہے۔ جس کا زر سالانہ ۲۰ روپے ہے۔ تین سالوں کے لئے ۵۰ روپے اور اگر آپ ۲۰۰ روپے ادا کریں تو ۲۰ سال تک رسالہ آپ کو پابندی سے ملتا رہے گا۔

صفحات کی تعداد اوسطاً ۴۰ سے ۴۴ تک ہوتی ہے۔ نمونے کی کاپی یا زر سالانہ کے لئے دفتر پولٹری گائیڈ، ۲۰، تیاگ راج مارکیٹ (نزد لودھی کالونی) نئی دلی ۱۱۰۰۰۳ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

●●

مخدوم علی مہائمیؒ

(حیات: آثار و افکار)

از مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی

تبصرہ: عبدالوحید جامعی

سرزمین ہند میں جن برگزیدہ ہستیوں، علمائے دین، مفکرین، مصلحین اور سنت صوفیوں نے جنم لیا اور علم و عرفان کی جوت جگائی ان میں حضرت مخدوم علی مہائمیؒ کا مقام بہت اونچا ہے۔ حضرت مخدوم مہائمیؒ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) کا زمانہ ہے۔ یہ ہندوستان کی تاریخ میں علوم و فنون کے فروغ اور ترقی کا عہد زریں سمجھا جاتا ہے۔ اس عہد میں صوفیائے کرام کی تحریک اپنے نقطۂ عروج پر تھی۔ یہی دور ہے جبکہ دکن میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ، شمال میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، مشرق میں حضرت سید اشرف سمنانیؒ اور گجرات میں حضرت شیخ احمد مغربی عرف شیخ احمد کھٹوؒ جیسے جلیل القدر صوفیائے کرام نے علم و معرفت کی شمعیں فروزاں کیں۔ ادھر مغربی ساحل پر مہاراشٹر کے خطہ کوکن میں حضرت مخدوم مہائمی رحمۃ اللہ علیہ سرگرم عمل تھے۔ تقریباً چھ صدیاں بیت چکی ہیں۔ آج بھی شہر بمبئی کے مضافات میں واقع مہائم (ماہم) کی بستی جو حضرت مخدومؒ کا مرکز تھی، ان کی روحانی تعلیمات اور کشف و کرامات کی برکت سے مرجع خلائق بنی ہوئی ہے۔

یہ انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ حضرت مخدومؒ جیسی عالم، فاضل اور کامل شخصیت کے بارے میں اتنا کچھ نہیں لکھا گیا جس کی وہ مستحق تھی۔ مولانا سید عبدالحئی حسنی اپنی کتاب "یاد ایام" میں لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔ مگر ان کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ وہ کس کے شاگرد تھے، کس کے مرید تھے اور مراحل زندگی انھوں نے کیوں کر طے کئے تھے۔ جو تصنیفات ان کی پیش نظر ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایسا شخص جس کو ابن عربی ثانی کہنا زیبا ہے وہ کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ کہیں اور ان کا وجود ہوتا تو ان کی سیرت پر کتنی ہی کتابیں لکھی جا چکی ہوتیں اور کس قدر پُرفخر لہجے میں مورخین ان کی داستان کو دہراتے۔"

(یاد ایام صفحہ ۵۹)

مولانا عبدالحئی کے یہی ارشادات مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی کے لئے جو ایک عالم، محقق اور فطرتاً صوفی ہیں، یہ کتاب لکھنے کا اصل محرک بنے۔ انھوں نے قلم اٹھانے کی ہمت کی، مواد کی تلاش و جستجو میں دور دراز مقامات کے سفر کی صعوبت اُٹھائی، عربی، فارسی اور انگریزی کی ۵۰ کتابوں کا مطالعہ کیا اور تقریباً چار سال کی محنت شاقہ اور تحقیق و چھان بین کے بعد ۳۱۲ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم کتاب مرتب کر ڈالی۔ جس میں حضرت مخدومؒ کی خوبصورت درگاہ کی تصاویر اور ان کی خوش خطی کے نمونے بھی شامل ہیں۔

مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی نے اس کتاب کو دس ابواب میں تقسیم کر کے حضرت مخدوم مہائمیؒ کے حالات زندگی، شخصیت، تعلیمات اور تصنیف و تالیف کا مفصل حال قلم بند کیا ہے اور بڑے شرح و بسط کے ساتھ ان کے آثار و افکار عالیہ پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اُردو زبان میں اس موضوع پر غالباً یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ حضرت مخدومؒ محض ایک صوفی اور درویش ہی نہیں بلکہ ایک جید عالم دین، فقیہ، مفسر القرآن، بلند پایہ فلسفی اور روشن خیال محقق تھے۔ انھوں نے 'تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان' کے نام سے قرآن شریف کی جو تفسیر لکھی ہے وہ ان کا ایک عظیم اور بے نظیر کارنامہ ہے۔ تصوف میں 'لمعات عراقی'، 'فصوص الحکم' اور 'عوارف المعارف' کی شرحیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے شریعت، فقہ اور تصوف کے مسائل پر مبسوط کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ غرض کہ بقول ڈاکٹر عبدالستار دلوی "مولانا پرواز صاحب اصلاحی کی اس کتاب سے مخدوم علی صاحبؒ کے تصنیفی کارنامے اور ان کی زندگی کے بہت سے گوشے روشن ہو گئے اور ان کی حیثیت واضح ہو گئی۔" اس طرح مولانا پرواز اصلاحی نے اس تشنگی کو بڑی حد تک دور کر دیا جو مولانا سید عبدالحئی نے شدت سے محسوس کی تھی۔ یہ حضرت مخدوم مہائمیؒ کی خدمت میں ایک شایان شان خراج عقیدت ہے۔ مولانا پرواز کا یہ علمی کارنامہ ہر لحاظ سے قابل قدر ہے۔

اس گراں قدر کتاب کے اصل محرک ڈاکٹر عبدالستار دلوی ڈائرکٹر مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر بمبئی ہیں۔ اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری نقش کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ، بمبئی نے اُٹھائی، جس کے روح رواں ہیں ڈاکٹر عبدالکریم نائیک۔ ان دونوں اصحاب کی شخصیت اور علمی اور سماجی میدان میں ان کی علمی خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان سے توقع یہی ہے کہ ایسے نیک اور بامقصد کام کو آگے بھی جاری رکھیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیے)

سرکاری فیصلے اور اعلانات

منترالیہ

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے سچیوالیہ کا نام تبدیل کر کے "منترالیہ" کر دیا جائے۔

بہرحال وزیراعلیٰ کے سکریٹریٹ نیز مہاراشٹر لیجسلیچر سکریٹریٹ کا نام بدستور بالترتیب چیف منسٹرس سیکریٹریٹ (وزیراعلیٰ کا سیچوالیہ) اور مہاراشٹر لیجسلیچر سیکریٹریٹ (مہاراشٹر ودھان منڈل سچیوالیہ) ہی رہے گا۔

کوآپریٹو بنکوں کے ذریعہ پنشن ادائیگی

سو روپے سے زیادہ رقم کے پنشن شیڈولڈ بنکوں کے توسط سے ادا کرنے کی اسکیم کے عمل میں آنے کے بعد کوآپریٹو بنکوں نے حکومت سے نمائندگی کی تھی کہ ان کو بھی متذکرہ اسکیم کے تحت ادائیگی پنشن کے لئے تسلیم کیا جائے۔

اب حکومت نے مہاراشٹر میں واقع کوآپریٹو بنکوں کو (جیسا کہ ریزرو بنک آف انڈیا ایکٹ بابت ۱۹۳۴ء کے سیکشن ۲- (بی) (ii) میں وضاحت کی گئی ہے) بھی منظوری دیدی ہے۔ یعنی اسٹیٹ کوآپریٹو بنک، سینٹرل کوآپریٹو بنک اور پرائمری کوآپریٹو بنک کو مہاراشٹر ٹریزری قوانین کے تحت ضروری بانڈ بھرنے کے بعد تنخواہ، چھٹی کی تنخواہ اور پنشن وغیرہ جمع کرنے اور ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔

مجاہدین آزادی

شوہر اور بیوی دونوں کو پنشن

حکومت ہند نے مجاہدین آزادی کو پنشن دینے کی اسکیم پر نظرثانی کی ہے۔

نئی اسکیم کے مطابق دو سو روپے ماہانہ کی پنشن شوہر اور بیوی دونوں کو اس صورت میں کہ وہ دونوں مستحق مجاہدین آزادی ہوں الگ الگ دی جائے گی۔ فی الحال حسب قاعدہ تین سو روپے ماہانہ کی مشترکہ پنشن جوڑے کو دی جاتی ہے۔

یہ فیصلہ گذشتہ تاریخ یعنی پنشن کی پہلی منظوری کی تاریخ سے نافذالعمل ہوگا۔ ابتک مستحق شوہر اور بیوی کو ۳۰۰ روپے ماہانہ کی مشترکہ پنشن ملتی تھی۔ اب یہ رقم بڑھا کر ۴۰۰ روپے ماہانہ کر دی گئی ہے۔ اب شوہر کو بقایا رقم بھی اس صورت میں دی جائے گی جبکہ مشترکہ پنشن اس کے نام منظور کی گئی ہو۔ پنشن یافتہ ۲۰۰ روپے ماہانہ الگ پنشن لے سکتا ہے جس کے لئے درخواست دینا ہوگی۔ بعدازاں تاریخ منظوری سے الگ پنشن دی جائے گی۔

اس صورت میں کہ شوہر اور بیوی کے لئے الگ الگ ۱۵۰ روپے ماہانہ کی پنشن منظور کی گئی ہو انھیں مذکورہ پنشن کی منظوری اول تاریخ سے ۲۰۰ (دو سو روپے) ماہانہ کی الگ پنشن دی جائے گی۔ بہ الفاظ دیگر سو روپے ماہانہ کی اضافی رقم میں نیز بقایا جات میں شوہر اور بیوی دونوں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

لہذا تمام مجاہدین آزادی کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو سکے جلد سے جلد حکومت ہند سے رجوع کریں نیز اس قسم کی پنشن کے معاملے میں پچھلی منظوری کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔

امداد باہمی بقایاجات

سختی سے وصولی کیلئے سرکاری ہدایات

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ چاہے اینوری چھ آنے سے کم ہی کیوں نہ معین کی گئی ہو، آبپاشی علاقوں اور ان علاقوں میں جہاں مخلوط فصلیں ہوتی ہیں امداد باہمی سوسائٹیوں کی بقایاجات کی وصولی کے لئے سخت کارروائی سے بھی گریز نہ کیا جائے۔

ریاستی حکومت نے اصولی طور پر یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ایسی زمینیں جن کے مالک بڑے باقی دار ہیں اس صورت میں کہ ان کی زمین نیلام کے لئے پیش کی جانے پر اگر کوئی خریدار آگے نہ آیا تو حکومت خود خرید لے تاکہ امداد باہمی سوسائٹیوں کے بقایاجات وصول ہو سکیں۔

کوآپریٹیو سوسائٹی یا کوآپریٹیو لینڈ ڈیولپمنٹ بنک کو حسب معاملہ بقایا جات ادا کرنے کے بعد طے شدہ طریقہ پر حکومت یا تو وہ زمین اپنی ملکیت میں رکھے گی یا فروخت کر دے گی۔

ایسی زمینوں کی خریداری اور فروخت سے متعلق ایک تفصیلی اسکیم حکومت کے زیر غور ہے۔

کمیٹی کی دوبارہ تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے زراعتی پیداوار سبز مارفین کے لئے مناسب قیمتوں کے تیقن کی کی غرض سے وزیر زراعت کی زیر صدارت مقررہ کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

کمیٹی کے دوسرے اراکین یہ ہیں: وزیر برائے امداد باہمی، وزیر برائے خوراک و شہری رسد، وزیر برائے دیہی ترقی، وزیر مملکت برائے زراعت، نائب وزیر برائے زراعت وائس چانسلر، مہاتما پھلے کرشی ودیا پیٹھ راہوری، وائس چانسلر پنجاب راؤ کرشی ودیا پیٹھ اکولہ، وائس چانسلر، مراٹھواڑہ کرشی ودیا پیٹھ، پربھنی، وائس چانسلر، کونکن کرشی ودیا پیٹھ، داپولی، شری این ڈی پاٹل، ایم ایل اے، شری این۔ ایس۔ کلکرنی، مینیجنگ ڈائرکٹر، کاٹن کارپوریشن آف انڈیا، بمبئی۔ ڈاکٹر ڈبلیو، آر، کورپے، چیئرمین، اکولہ ڈسٹرکٹ سنٹرل کوآپریٹیو بنک، اکولہ؛ کمار گووند راؤ الونیکر، الوی، سلوڈ تعلقہ، ضلع اورنگ آباد، ڈاکٹر جینت راؤ پاٹل، کوسباڈ، ضلع تھانے، ڈاکٹر ایم۔ پی۔ لوکاپے، ناگپور۔ شری بالا صاحب دیکھے پاٹل، ایم۔ پی؛ شری بالا صاحب گیتے، سونگاؤں، تعلقہ بارامتی، ضلع پونے۔

سیکریٹری محکمہ زراعت اور امداد باہمی کمیٹی کے ممبر سیکریٹری ہونگے۔

شجر کاری کیلئے مالی امداد

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ تمام درجہ 'بی' اور 'سی' میونسپل کونسلوں کو درخت لگاؤ مہم کے لئے مالی امداد دے گی۔ یہ مالی امداد ان کی طرف سے قلموں یا پودوں کی قیمت خرید کے مساوی ہوگی۔

دونوں درجوں کی میونسپلٹوں کیلئے فی قلم یا پودا زیادہ سے زیادہ شرح امداد تین روپے ہوگی اور زیادہ سے زیادہ کل مالی امداد "بی" درجہ کیلئے ...۵۰ روپے اور "سی" درجہ کیلئے ایک ہزار روپے ہوگی۔

ریاستی ملازمتوں میں بھرتی دفاعی افراد کو رعایت

حکومت مہاراشٹر نے دفاعی خدمات سے متعلق افراد کے خاندانوں کو بھی جو کہ تمام تصادم بشمول ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۵ء کی جنگوں ۴۸-۱۹۴۷ء کے کشمیر تصادم، گوا نیز حیدرآباد میں کارروائی اور پڑوسی ممالک کی سرحدوں پر جنگ جیسی جھڑپوں نیز ناگا اور میزو جیسی مسلح بغاوتوں سے متاثر ہوئے ہیں درجہ سوم اور چہارم کی ریاستی ملازمتوں میں بھرتی کے لئے رعائتیں دیدی ہیں۔

اب تک یہ رعائتیں صرف دوران جنگ دفاعی خدمات سے متعلق معذور ہو جانیوالے افراد اور پاکستان کے ساتھ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں جاں بحق ہو جانیوالے فوجی کے خاندان کے ایک فرد کو ہی دی جاتی تھی۔

ریاستی حکومت نے یہ رعائتیں برسر خدمت فوت ہو جانیوالے افراد کے اہل خاندان نیز ان تمام دفاعی افراد کو بھی جو کہ کسی تصادم میں بابرسر ملازمت معذور ہوئے ہیں دیدی ہیں۔

مولانا عباس رضوی

حکومت مہاراشٹر نے ناگپاڑہ بمبئی کے مولانا عباس رضوی کو قومی یکجہتی سے متعلق نئی ریاستی سطح کمیٹی کا ممبر مقرر کیا ہے۔

کمیٹی کا تقرر

تاجروں کے اداروں نیز زراعتی پیداوار مارکیٹ کمیٹی کے حلقۂ اختیار میں آنے والے منڈی علاقہ جات میں پیاز چھٹنے والے اور صاف کرنے وغیرہ کا کام انجام دینے والے ملازمین (خاص طور سے خواتین) کی حالتِ ملازمت وغیرہ کا جائزہ لینے اور اجرت حالت ملازمت سدھار اور بہتر سہولتوں سے متعلق سفارشات پیش کرنے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے ایک کمیٹی مقرر کی ہے۔

شری ایس۔ ڈی۔ بٹے پاٹل، ایم ایل اے، کھیڈ اندی، ضلع پونے، اس کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ دیگر ممبران یہ ہیں: شری ایس۔ بی۔ جین، صدر ناسک ضلع پیاز بیوپاری ایسوسی ایشن، لاسل گاؤں، ضلع ناسک؛ شری بی۔ ایم۔ برڈے، الیف سبزی منڈی، گھاٹ روڈ، ناگپور ۲ (دونوں مالکان کے نمائندے) شری ڈی۔ بی۔ پاٹل، لاسل گاؤں، ضلع ناسک اور شری ایچ۔ گوالی، ایم ایل اے منماڈ، ضلع ناسک (دونوں ملازمین کے نمائندے)۔

شریمتی ایس۔ بھٹاچارجی، ڈپٹی کمشنر آف لیبر بمبئی اپنے فرائض منصبی کے علاوہ ممبر سکریٹری ہیں۔

کمیٹی اپنی رپورٹ ریاستی حکومت کو تین مہینے کے اندر پیش کر دیگی۔

راشن سے متعلق شکایات

راشننگ کنٹرولر نے بمبئی راشننگ علاقے میں واقع صدر دفتر، رکنیل دفاتر اور راشننگ دفاتر کی سطح پر عوامی شکایات کی سماعت اور ان کے ازالہ کیلئے ہر ہفتہ "جمعہ" کا دن مقرر کیا ہے۔

اراضی حصولیابی کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے محکمہ محصول و جنگلات کے سیکریٹری کی زیر صدارت اراضی حصولیابی کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

کمیٹی کے دوسرے اراکین یہ ہیں۔ شری ایس. ٹی. راجے بھونسلے سیکریٹری، محکمہ قانون و عدلیہ، کمشنر آف انڈسٹریز، ریاست مہاراشٹر بمبئی، ڈائرکٹر آف ایگریکلچر، ریاست مہاراشٹر پونے، ڈائرکٹر، ٹاؤن پلاننگ، ریاست مہاراشٹر پونے شری ایکناتھ راؤ صاحب ٹوپے، ایم ایل اے اورنگ آباد، شری ستیہ دتسرے، ایم ایل اے امرؤتی، شری رویندر ناتھ مورے ایم ایل اے، پونے، شری کرشن چندر بھونسلے، ایم ایل اے ستارا اور شری شرد شنکر دیگھے، ایم ایل اے، بمبئی۔

محکمہ محصول و جنگلات کے ڈیسک آفیسر ڈیسک اے۔ (II) کمیٹی کے ممبر سکریٹری ہوں گے۔ ●

بقیہ صـ۱۲ سے آگے

سرزمینا، زامبیا، زائر، بنگلہ دیش، اترپردیش، مدھیہ بھارت، آندھرا، کیرالہ، ہماچل، میگھالیہ، اروناچل، وارانسی اور ترپو مدرم جیسے شہروں کے نام الفاظ بہت ہیں اور ٹھموں کی سمائی کم اس لئے میں قارئین سے ٹاٹا کہہ کر وداع لیتا ہوں۔ ٹاٹا سے مراد جمشید جی ٹاٹا نہیں۔ خدا حافظ کا نیا روپ۔ ●●

صـ۲۱ سے آگے

قسطوں اور معمولی سود پر مختلف قسم کے قرضے دیئے گئے ہیں جس سے ملک کے کروڑوں آدمیوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہ سلسلہ دیہاتوں میں بھی پھیلتا جا رہا ہے کیونکہ جدید ڈھنگ سے کھیتی باڑی اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب دیہات کے لوگوں کو سرمایہ کی فراہمی میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ ہو۔ کام کو آپریٹو سوسائٹیوں اور دیہی بنکوں کے ذریعہ انجام پا رہا ہے۔

ایمرجنسی کے اعلان کے فوراً بعد یہ بھی تو ہوا کہ مرکزی سرکار کی طرف سے تمام صوبائی حکومتوں کو یہ ہدایت جاری کر دی گئی کہ وہ بے زمین محنت کشوں اور پچھڑے طبقوں کے افراد کے لئے مکان بنانے کا بندوبست کریں چنانچہ انہیں مکان بنانے کے لئے مفت زمینیں دی گئی ہیں۔ اس اسکیم کے ...

... اور پچھڑے ... ۲۵ ... کو ... دلی میں ... آٹومیٹک ... فرٹیلائزر پلانٹ کا افتتاح ... سی آر ... بھی دکھائی دے رہے ہیں

ریاستوں نے تقریباً ۳۲ لاکھ پچاس ہزار پلاٹ مہیا کئے ہیں جن پر مکانات بنوا کر لوگ بستے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں دیگر قسم کی سہولتیں بھی فراہم کی گئی ہیں۔"

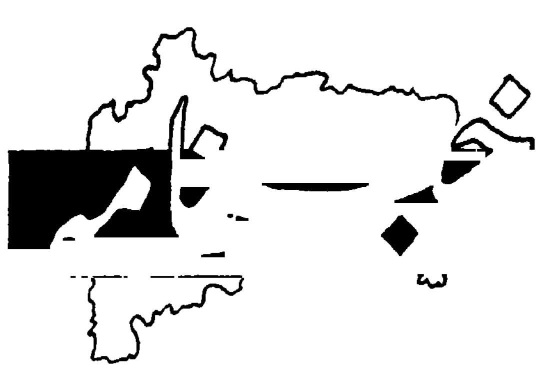
"ہاں صاحب! ایمرجنسی کے ساتھ ساتھ بیس سوتری کاریہ کرم میں ان باتوں کے علاوہ اور بہت سی چیزیں شامل ہیں جو جنتا کے فائدے کے لئے ہیں اور ایک طرح سے ہمارے لئے بڑی نعمت ہیں۔"

باتوں کا سلسلہ یہاں تک پہنچا تھا کہ کان پور اسٹیشن آ گیا اور ہم سب جلدی جلدی اتر کر تیزی سے باہر کی طرف لپکے تاکہ وقت ضائع کئے بغیر گرین پارک پہنچ کر میچ سے لطف اندوز ہوں۔ ●

بقیہ صـ۲۷ سے آگے

یہ گراں قدر کتاب اردو زبان کے دینی و علمی ادب میں یقیناً ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ امید ہے کہ مذہبی، علمی اور ادبی حلقوں خصوصاً علوم اسلامیہ اور تصوف کے شیدائیوں میں یہ کتاب قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور اس کا مطالعہ ایمان کی تقویت، دل و دماغ کی روشنی اور روحانی سکون کا باعث ہوگا۔ ★





ناندیڑ دُودھ پرُوجیکٹ
وزیراعلیٰ نے سنگِ بنیاد رکھا

وزیراعلیٰ، شری شنکر راؤ چوان نے ۲۳ر دسمبر کو ناندیڑ میں ناندیڑ دودھ پروجیکٹ کا سنگِ بنیاد رکھا جس کی تخمیناً لاگت ۹۵ لاکھ روپے ہے۔

اس موقع پر شری چوان نے فرمایا کہ اس دودھ پروجیکٹ کو ۲۰ نکاتی پروگرام کے ایک حصہ کے طور پر شروع کیا گیا ہے جس سے ان بے زمین کھیت مزدوروں اور چھوٹے کسانوں کو روزی حاصل ہو سکے گی جن کو ڈیری کے مقاصد سے گائیں دی گئی ہیں۔

اپنی صدارتی تقریر میں وزیر سیلز ٹیکس اور ڈیری سُدھار، شری سولنکے نے فرمایا کہ یہ پروجیکٹ جس میں ایک لاکھ لیٹر دودھ روزانہ تیار کرنے کی گنجائش ہوگی آئندہ ماہ اگست تک مکمل ہو جائے گا اور اکتوبر سے دُودھ ملنا شروع ہو جائے گا۔

انھوں نے مزید فرمایا کہ آئندہ دو سال کے اندر دودھ کی پیداوار دس سے پندرہ لاکھ لیٹر یومیہ ہو جائے گی، جسے اضلاع کی دیگر اضافی ڈیریوں میں اور ممبئی کی مجوزہ چوتھی ڈیری میں پراسیس کیا جائے گا۔

شیواجی زراعتی کالج کی تیار کردہ فرٹیلائزر مشین
وزیراعلیٰ نے مُعائنہ کیا

وزیراعلیٰ مہاراشٹر، شری شنکر راؤ چوان نے حال ہی میں ایم.ایل.ایز گیسٹ ہاؤس، ناگپور میں شیواجی ایگریکلچر کالج کی تیار کردہ فرٹیلائزر مشین اور کھاد تیار کرنے کی تکنیک کا معائنہ کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری چوان نے فرمایا کہ اعلیٰ پیمانہ پر زراعتی فضلہ سے قدرتی کھاد تیار کرنے کا تجربہ قابل تحسین ہے کیونکہ اس سے زمین کو زرخیز بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔

وزیراعلیٰ نے مشین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ قیمت کے لحاظ سے یہ مشین غریب کاشتکاروں کی پہنچ سے باہر ہے لیکن گرام پنچایتیں یا زراعتی خدمات مراکز کاشتکاروں کے مفاد کے لئے یہ مشین خرید سکتے ہیں۔

گیسٹ ہاؤس کمپاؤنڈ میں دس ہارس پاور جمبو ماڈل اور ۵ ہارس پاور منی ماڈل کی نمائش کی گئی تھی۔ بلا موٹر منی ماڈل کی قیمت ۸۰۰ ، ۴ر روپے ہے۔

اس موقع پر چیئرمین لیجسلیٹو کونسل شری ڈی.ایس.پاگے، وزیر زراعت شری شرد پوار، وزیر مملکت برائے آبپاشی شری شیام راؤ کدم، نائب وزیر زراعت شری علی حسن ممدانی، سابق وزیراعلیٰ ڈی.پی. نائیک، مجلس قانون ساز کے اراکین، ایگریکلچر کالج کے پروفیسران اور دیگر افسران موجود تھے۔

اس سے قبل شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر شری دھر فلکر نے وزیراعلیٰ اور دیگر مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ بعد ازاں شکریہ ادا کیا۔

پرنسپل شیواجی ایگریکلچر کالج، شری ایچ.ڈی.ڈھمالے اور ڈاکٹر پی.این.ڈالکر نے مشین کے طریقۂ کار پر روشنی ڈالی۔

آنجہانی ہجرنویس
وزیراعلیٰ کا خراج عقیدت

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے سابق مرکزی وزیر شری آر.ایم.ہجرنویس کے انتقال پُرملال پر دلی افسوس کا اظہار کیا۔ دکھی خاندان کے نام اپنے پیغام تعزیت میں شری چوان نے فرمایا کہ "آنجہانی ہجرنویس نے خصوصاً غریبوں نیز عام لوگوں کو قانونی امداد بہم پہنچانے کے لئے جو نمایاں خدمت انجام دی وہ قابل قدر ہے۔"

ڈاکٹر انجنا بائی مگر
بحیثیت شریف حلف برداری

ڈاکٹر (شریمتی) انجنا بائی مگر، چیئرمین چلڈرنس ایڈ سوسائٹی اور سابق رکن مہاراشٹر ودھان سبھا نے ۲۰ر دسمبر کو راج بھون ممبئی میں ۷۷-۱۹۷۶ء سال کے لئے بطور شریف ممبئی حلف لیا۔

اس موقع پر وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان موجود تھے۔

گورنر شری آر.ایم.کانٹاوالا نے شریمتی مگر کو حلف دلایا۔



گو۔ رو، راشٹر تہ ی آ۔ ایم کاسٹا لا انحا۔ ی مگر، سی شریف ممبئی سے حلف لے رہی ہیں۔
اس تصویر میں مہاراشٹر کے وزیر اعلی شری شنکر راؤ چوان اور سابق شریف شریمتی مولگاڈنکر بھی نظر آرہی ہیں۔

شریمتی مگر، شریمتی مولگاڈنکر کے بعد شریف بنی ہیں۔ آپ ممبئی کی پانچویں خاتون ہیں جنہیں شریف کا عہدہ دیا گیا ہے۔

اس موقع پر حاضرین میں شری دی۔ ڈی تلجاپورکر، چیف جسٹس، ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول، شری بی جے کھتال، وزیر قانون و عدلیہ، شری ربھاکر کنٹے، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ، ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت عامہ، شری جے۔ بی ڈیسوزا، چیف سیکریٹری، شریمتی لیلا مولگاڈنکر سابق شریف ممبئی، شریمتی موشیلا بہن کانٹا والا، شریمتی کسم بائی چوان اور اعلی سرکاری عہدیدار وغیرہ شامل تھے۔



صـ۲۲ کا بقیہ سلسلہ

اس زبان کے بولنے والوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب ہم دوسری زبان کے الفاظ کے ذخیرے کو کھنگالتے ہیں تو یہ دیکھ کر ہماری خوشی کی انتہا نہیں رہتی کہ بہت سے الفاظ اس زبان میں ہماری زبان کے شامل ہو گئے ہیں۔ اس وسیلے سے بھی ہم ایک دوسرے سے قریب آتے جاتے ہیں۔

ہمیں علاقائی زبان کے لئے اپنے دل کو کشادہ کرنا چاہیئے۔ اس کے عروج و کمال کے لئے اس سے واقفیت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس طرح ہم محبت و مساوات، اخوت و یگانگت کی روشنی میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہو سکتے ہیں۔

اکثریت کے لئے بھی لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اقلیتی فرقوں کی زبان سے ہمدردی رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنے دل کے دروازے اس کے لئے کھول دیں تاکہ اس کی روشنی سے ان کے دل بھی منور ہو سکیں اور اقلیتی فرقے کے لوگ کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں۔ اور نہ ہی وہ یہ سوچیں کہ ہمارے اپنے حقوق، روایت، ثقافت اور کلچر کا تحفظ نہیں کیا جارہا ہے جو جمہوریت کا دستور ہے۔ ❀



شری ایف. ایچ محسن مرکزی نائب وزیر داخلہ، دو ہزار روپے کا چیک مرحوم والنٹیئر شری ایم کے ستید کے والد کو پیش کر رہے ہیں.

قومی تعمیر میں ہوم گارڈوں کی خدمات قابلِ تحسین

—— شری ایف. ایچ محسن

شری ایف. ایچ محسن، مرکزی نائب وزیر داخلہ نے ملک میں ہوم گارڈ اور شہری دفاع رضاکاروں کے کردار کو سراہا، جو نہ صرف قومی ہنگامی حالات بلکہ زمانہ امن میں بھی تعمیر قوم کی سرگرمیوں میں حصہ لیکر اہم خدمت انجام دیتے ہیں.

شری محسن حال ہی میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، پوائی میں چھٹی آل انڈیا ہوم گارڈز اور سول ڈیفنس پروفیشنل اور اسپورٹس میٹ کی درمیانی تقریب میں خطاب فرما رہے تھے. آپ نے مزید فرمایا کہ ان رضاکاروں نے دیس کی خدمت کر کے لوگوں کے سامنے ایک اچھی مثال قائم کی ہے.

وزیر موصوف نے اس موقع پر ۲۰۰۰ روپے کی رقم بطور امداد دیوے کے ایک سول ڈیفنس والنٹیر مرحوم شری ایم. کے ستید کے والد بزرگوار کو پیش کی جو دسمبر ۱۹۷۵ء میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے فوت ہو گئے تھے. آپ نے مختلف مقابلوں میں جیتنے والوں کو انعامات بھی تقسیم کئے.

وزیر موصوف نے پریذیڈنٹس ہوم گارڈز اور سول ڈیفنس میڈل حسب ذیل افسران کو دیے.

شری کرستن ملہوترا، ڈائرکٹر، نیشنل سول ڈیفنس کالج، ناگپور؛ کمانڈر ترلوک بخشی، اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل آف سول ڈیفنس، دہلی؛ شری بد جتندر مہرا، سینئر اسٹاف افسر، ڈی. جی. سی. ڈی؛ شری ایس. ڈی نگوڈکر، ڈپٹی ڈائرکٹر، نیشنل سول ڈیفنس کالج، ناگپور؛ شری آر. این لودے ڈپٹی اسسٹنٹ ڈائرکٹر، این. سی. ڈی. سی، ناگپور؛ شری ڈبلیو. ایم گردھر، ڈیمانسٹریٹر، این. سی. ڈی. سی، ناگپور؛ صوبیدار راجندر شرما، موبائل سول انجینئرنگ فورس، دہلی؛ حوالدار ارجن سنگھ، ایم سی ای ایف، دہلی؛ کانسٹیبل بلجیت سنگھ، ایم سی ای ایس، دہلی.

قبل ازیں شری محسن نے مقابلے میں شریک ہونے والی ۲۱ - بین اسٹیٹ اور یونین ٹیریٹریز کنٹینجنٹ کی مارچ پاسٹ میں سلامی لی.

شری موشیل کمار شنڈے، وزیر مملکت برائے سماجی بہبود و ثقافتی امور نے شری محسن اور دیگر مہمانوں کا خیر مقدم کیا.



شری بی۔ ڈی جتی، نائب صدر
ہند، اپنی اہلیہ کے ساتھ ۲۵ ر دسمبر ۷۶ء
کو صبح اسپیشل آئی۔ اے۔ ایف طیارہ
کے ذریعہ شہر کے سہ روزہ دورہ پر تشریف
لائے۔ ہوائی اڈہ پر قائم مقام گورنر
مہاراشٹر، شری آر۔ ایم کانٹاوالا
اور ان کی اہلیہ نے ان کا خیر مقدم کیا،
یہ اسی موقع کی تصویر ہے



وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی چوان،
۲۰ ر دسمبر کو جہانگیر آرٹ گیلری، بمبئی
میں انڈین کینسر سوسائٹی کے زیر اہتمام
کینسر سے متعلق نمائش میں تصاویر وغیرہ
بڑے انہماک سے دیکھ رہے ہیں



کراس میدان، بمبئی میں
"کرافٹ انڈیا ۔ ۷۷" نمائش میں
مہاراشٹر پویلین



نائب صدر، شری بی. ڈی جتی ۲۵ر دسمبر ۷۶ء کو آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف لوکل سیلف گورنمنٹ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر منعقدہ تقریب سے خطاب فرما رہے ہیں.

وزیر خوراک و شہری رسد، شری رتن اپا کنبھار اور میئر شری منوہر جوشی بھی تصویر میں نظر آ رہے ہیں.

★



... ... مالدیپ کے نائب صدر، عالی جناب احمد حلمی دیدی ... ۲۵ر دسمبر ۷۶ء کو سانتا کروز ہوائی اڈے پر اترے۔ ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے پروٹوکول نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ شری ایچ ننخند ایڈیشنل چیف سکریٹری اور شری اے. ڈی ساونت، چیف پروٹوکول افسر حکومت مہاراشٹر بھی اس موقع پر موجود تھے. یہ اسی موقع کی تصویر ہے



★

مسز پرتبھا پربھا راؤ، وزیر تعلیم، ۲۵ر دسمبر کو بمبئی میں منعقدہ آل انڈیا انٹر کالیجیئٹ ہندی 'ون ایکٹ پلے مقابلہ' کے موقع پر منعقدہ تقریب سے خطاب فرما رہی ہیں



سرت جنم شتابدی جشن کے سلسلے میں ۲۸ر دسمبر کو رنگ بھون بمبئی میں منعقدہ نکھل بھارت بنگلہ ساہتیہ پریشد سے وزیراعلیٰ چوان خطاب فرما رہے ہیں۔

کھار اور سانتا کروز میں سلم سدھار کام

شری جگیش نے افتتاح کیا

شری جگیش دیسائی، وزیر مملکت برائے شہری ترقی، خوراک اور شہری رسد نے ۲۶ر دسمبر کو ڈاکٹر امبیڈکر روڈ، کھار اور اگری پاڑہ سانتا کروز (ایسٹ) میں جھونپڑپٹی سدھار کاموں کا افتتاح کیا جو ریاستی حکومت کے سلم امپروومنٹ بورڈ نے شروع کئے ہیں تاکہ جھونپڑپٹی کے باسیوں کو پانی، سنڈاس اور بجلی کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

ان سدھار کاموں کے لئے حکومت نے بالترتیب ۵.۵ لاکھ روپے اور ۳.۵ لاکھ روپے کی رقم مختص کی ہے۔

شری دلسائی نے جھونپڑپٹی کے باسیوں سے گزارش کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ جنوری کے اختتام تک ایک ہزار روپے کی رقم کے لئے بنک میں فوراً کھاتہ کھول لیں تاکہ جھونپڑپٹی سدھار کے لئے سرکاری اسکیم کو تیزی سے زیر عمل لایا جا سکے جس کے تحت ایک جھونپڑے کے سدھار کے لئے تین ہزار روپے کی رقم کی ضرورت ہوگی۔

آپ نے بتایا کہ بنک جھونپڑپٹی کے ہر باسی کو آسان قسطوں اور معمولی سود پر دو ہزار روپے کی رقم دینے کو تیار ہو گئے ہیں، لہٰذا جھونپڑپٹی کے باسیوں کو چاہئے کہ خود اپنے ہی فائدے کے لئے ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں تاکہ آئندہ برسات سے قبل یہ کام پورا کیا جا سکے۔

اگری باڑہ میں ریاستی حکومت اور رائیر پورٹ اتھارٹی کی زیر ملکیت اراضی پر ۸۰۰ جھونپڑے ہیں جن کی آبادی ۴۰۰۰ ہے۔ شری دلسائی نے اگری پاڑہ میں بنک میں کھاتہ کھولنے والوں کو پاس بکیں تقسیم کیں جہاں اب تک کل ۶۰۰ بنک کھاتے جھونپڑپٹی کے باسیوں نے کھولے ہیں۔

کھار سلم ایریا میں نجی اراضی پر تقریباً ۱۱۰۰ جھونپڑے ہیں جن کی آبادی ۶۵۰۰ ہے۔ جھونپڑپٹی کے باسیوں کی ماہانہ آمدنی ۵۰ تا ۱۰۰ روپے ہے، بعض صورتوں میں ۲۰۰ روپے تک ہے۔

شری جگدیپ مہتا، میونسپل کونسلر، سلم امپروومنٹ بورڈ کے عہدیداران اور سماجی کارکن اس موقع پر موجود تھے۔



prepayment of postage

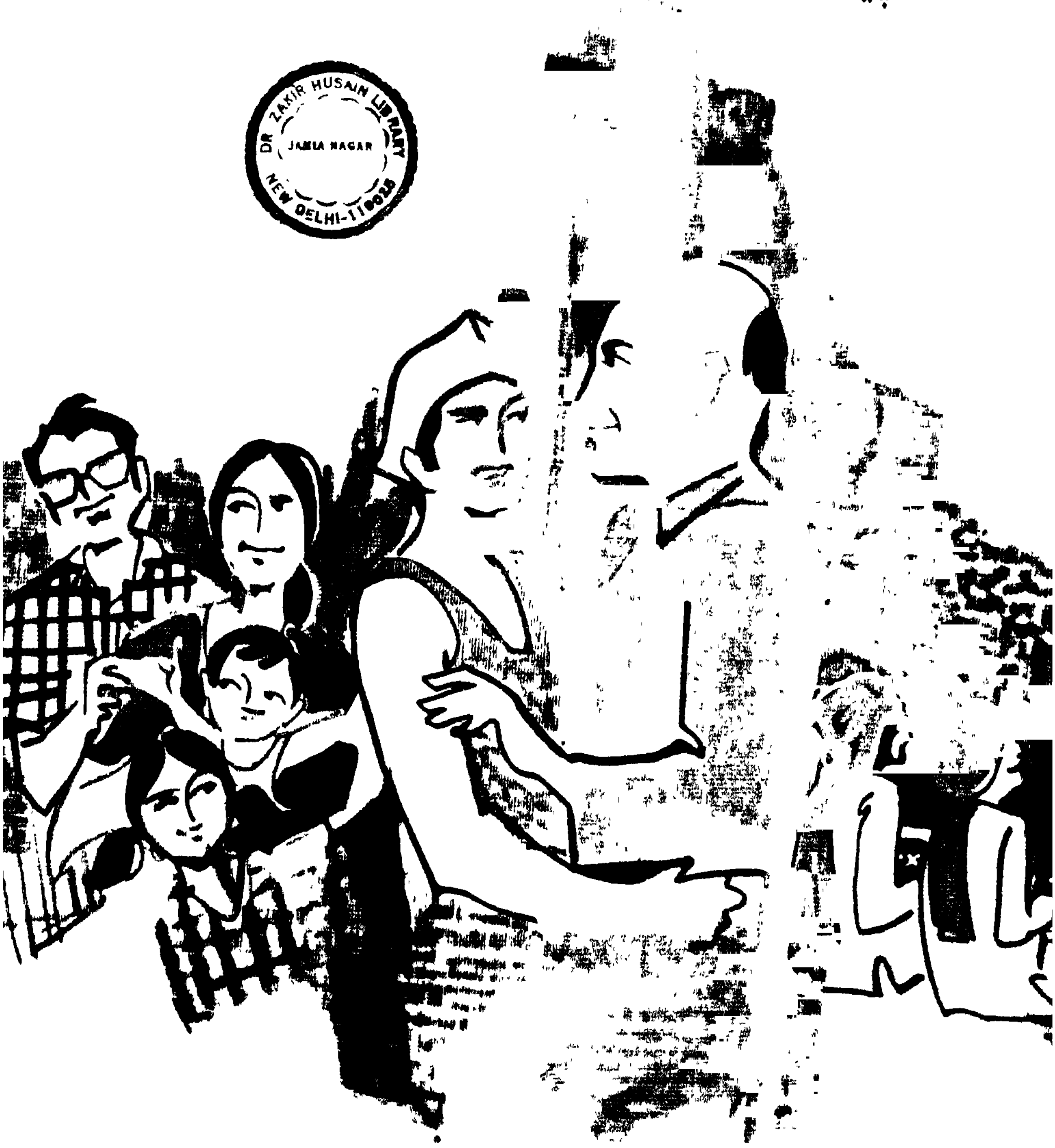


ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

قومی راج

یکم فروری ۱۹۷۷ء

قیمت ۵۰ پیسے





قومی راج

جلد ۴ • یکم فروری ۱۹۷۷ء • شمارہ ۳

نگراں: خواجہ عبدالغفور آئی۔اے۔ایس

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے • سالانہ ۱۰ روپے

ترتیب

صفحہ نمبر

سخنہائے گفتنی

یہ بات ہمارے لئے باعث فخر ہے کہ ہم نے اپنی جمہوریت کے ۲۷ سال اپنے وقار و سالمیت سے گذارے اور اب ۲۸ ویں سال میں قدم رکھ رہے ہیں۔ جس طرح ہم نے آج تک محنت و مشقت سے اپنے فرائض انجام دیئے ہیں اسی طرح آئندہ برسوں میں بھی ہمیں اسی طرح کی مثال پیش کرنا ہوگی جس سے ملک میں ایک نئے عزم اور جرائت کی جو لہر پیدا ہو چکی ہے اسے برقرار رکھا جاسکے اور ملک کی ترقی کے لئے راہیں مستقیم ہوتی جائیں

یہ ہم سب ہی جانتے ہیں کہ ملک میں ہنگامی حالات اور ۲۰ نکاتی اقتصادی پروگرام کے نفاذ کے بعد ہی سے پوری قوم نے اپنی تمام تر قوت یکجا کی اور اپنے اپنے دائرۂ عمل میں اپنی کارکردگی ظاہر کرنے کی کوشش کی اور ہر محاذ پر کارہائے گرانمایہ انجام دیئے ہیں۔ محنت و مشقت اور یہی لگن ہمیں ہمیشہ کے لئے اپنانا ہے تاکہ ملک کی اقتصادی حالت سدھر سکے اور ملک میں خوشحالی پیدا ہو سکے۔

قومی راج نے اس سلسلے میں اپنے کئی خصوصی نمبر نکالے اور ترقیاتی منصوبوں پر جو عمل درآمد ہوا ہے اس کے فوائد سے عوام کو روشناس کرانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اسی سلسلے میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عوام نے قومی راج کے ان شماروں میں دیئے گئے مضامین سے اپنی معلومات میں اضافہ کیا اور حکومت مہاراشٹر کے ہر قدم کو ایک مبارک فال سمجھا. قومی راج کے اس شمارے میں بھی آپ کو بہت سے معلوماتی مضامین ملیں گے۔ شری گرو ناتھ دیوبکر کا مضمون "اردو ادب اور ہندوستانی تلمیحات" اکبر رحمانی کا مضمون "مہاراشٹر کے چند شہیدانِ آزادی" اور ایک قابل قدر سائنسی مقالہ "ڈاکٹر سر سی. وی رامن" سے متعلق شامل ہے۔ اسی کے ساتھ جگن ناتھ آزاد صاحب کی نظم "ہم تیرے ساتھ ہیں"، اسی طرح حسرت جے پوری کا گیت "جگاوا" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین اپنے مشوروں سے قومی راج کی ترقی میں معاون و مددگار رہیں گے۔

خواجہ عبدالغفور

قوم میں
نیا وقار، نیا اعتماد، نیا ولولہ

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ۱۸ جنوری کو قوم کے نام نشریہ
میں یہ اعلان کیا کہ ایمرجنسی نرم کردی جائیگی اور مارچ میں
لوک سبھا کے انتخابات ہوں گے۔

آپ نے فرمایا کہ " دیس کے طول و عرض میں دورے کرتے وقت مجھے یہ دیکھ کر بڑی
خوشی ہوئی کہ لوگوں نے احساس پستی اور مایوسی کو دور کر دیا ہے۔ اب ہندوستانیوں میں نیا وقار پیدا ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے
کہ ابھی ختم ہونے والے سال میں قوم نے اپنے اصل مقصود، صلاحیت اور قوت کو پھر سے پالیا ہے۔
اس اُمنگ، حوصلہ اور ڈسپلن کی وجہ سے ہم اس قابل ہوئے کہ بہتیرا پالیسیوں کو عمل میں لاسکیں اور آبادی کے اُن طبقات
کی مدد کر سکیں جن کو ترقیاتی منصوبوں سے بڑا فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ دستور میں ترمیم کی گئی تاکہ ان پالیسیوں کی راہ میں کا روڑے
کو دور کیا جائے جو لوگوں کی خدمت کرنے کے مقصد سے وضع کی گئی ہیں۔

ہم نے سماجی برائیوں مثلاً جہیز کے لین دین کو جو متوسط طبقہ کے لئے ایک بار ہے دور کرنے کے لئے پروگرام شروع
کیا۔ خاندانی منصوبہ بندی شروع کی جس کا مقصد یہ ہے کہ بچے صحت مند ہوں اور ان کی اچھی پرورش ہو سکے۔ اس معاملے میں
کوئی جبر نہیں ہونے دیا جائے گا۔

میں یہ یاد دلانا چاہتی ہوں کہ ایمرجنسی اس وجہ سے لاگو کی گئی تھی کیونکہ قومی حالت معمول پر نہ تھی۔ اب حالت سُدھری
ہے تو یہ خیال رکھنا ہوگا کہ پھر نہ گرے۔

ٹھیک حالات ہی میں کام کاج ٹھیک سے ہوتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ لوگ اُصول اور ضابطہ کی پابندی کریں۔
معاشی حالت بہتر ہوئی ہے۔ افراط زر کے خلاف ہمارے مؤثر اقدامات پر دوسروں کی نظر ہے۔ پیداوار بڑھی
ہے۔ یہ اس نئے جذبہ کا نتیجہ ہے جو ہمارے کسانوں، صنعتی مزدوروں نیز ہمارے سائنس دانوں، تکنیشنوں اور منتظمین میں
پیدا ہوا ہے۔

لوگوں نے مشکلات کے باوجود تعاون کیا۔ ہم نے کئی ترقیاتی منصوبوں کا کام پھر شروع کیا۔ جس میں معاشی بحران اور
سیاسی فسادات کی وجہ سے خلل پڑا تھا۔ بیس اور پانچ نکاتی پروگراموں کے واضح نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ گو ابھی بہت
کچھ کرنا ہے تاہم اس سے نوجوان اور بوڑھے سب ہی لوگوں کے دلوں میں اعتماد پیدا ہوا ہے۔ نکتہ چینی کے باوجود سمندر پار ہمارے
ملک کا وقار بڑھا ہے۔

کئی سالوں بعد ہمارے پاس اناج کا سب سے بڑا ذخیرہ جمع ہوا ہے۔ ان عناصر کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی جو
معاشی گڑبڑ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ عوام اور حکومت کے درمیان تعاون برابر قائم رہے تو معاشی جنگ یقیناً جیتی جاسکتی ہے
آج قوم کہیں زیادہ تندرست، توانا اور مستعد نظر آتی ہے۔ اب ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ ان سیاسی مراعات کو
کیسے بحال کیا جائے جن پر ہم نے بصورت مجبوری کچھ پابندی عائد کی تھی۔
تبدیلی زندگی کا معمول ہے۔ مگر یہ پُر امن ہونا چاہیے۔ یہی ہماری تحریک آزادی، مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کی میراث ہے۔

لوک سبھا انتخابات اعلان

جمہوریت پر اعتماد کا مظہر

وزیر اعلیٰ کا پیغام

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے اپنے یوم جمہوریہ کے پیغام میں لوک سبھا کے انتخابات کیلئے وزیر اعظم کے اعلان کا دلی خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح شریمتی گاندھی نے جمہوری طرز زندگی پر اپنے بھرپور اعتماد کا اعادہ کیا ہے۔

شری چوان کے پیغام کا متن حسب ذیل ہے:

"گزشتہ سال وزیر اعظم کا بیس نکاتی پروگرام عوام اور حکام کے اشتراک و تعاون سے یقینی اور صحیح راہ پر زیر عمل رہا۔ سال کے دوران شری سنجے گاندھی کے ۵ نکات کو شامل کرکے اسے عام سدھار کا پچیس نکاتی پروگرام بنا دیا گیا۔ یہ پانچ نکات درحقیقت انفرادی اور سماجی سطح پر لوگوں کی زندگی سے وابستہ ہیں اور بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس مدت میں دستور میں بھی ترمیم کی گئی تاکہ ان پالیسیوں کی عمل آوری کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا جائے، جن کا مقصد عوام کی خدمت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج جو بہتری ہے وہ حالیہ سالوں میں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

یوم جمہوریہ کے موقع پر لوک سبھا کے انتخابات کے بارے میں وزیر اعظم کا اعلان اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ وہ جمہوری طرز زندگی، لوگوں کی سوجھ بوجھ اور طاقت پر کامل اعتماد رکھتی ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اس "عملاً اعتماد" پر اسی جذبہ سے دھیان دیں، مناسب اور منظم طرز عمل اختیار کریں، افواہوں اور گپ بازی سے دور رہیں اور ہر طرح سے ہندوستان کا وقار برقرار رکھیں۔ مہاراشٹر میں ہمارا فرض ہے کہ قومی ترقی میں سرگرم تعاون کی روایت کو قائم رکھیں اور اسے آگے بڑھائیں"

جگن ناتھ آزاد
ریزیڈنسی روڈ،
سرینگر۔ (کشمیر)

ہند تیرے ساتھ ہیں

روشن کئے جو بیشل دیئے تو نے ہند میں ظلمت میں نور پھیل گیا دُور دُور تک
چاروں طرف اب ایک تجلّی کا دَور ہے میری نظر سے میرے دلِ ناصبور تک

اس نور سے نہیں ہے سیا ہی مستنیر یہ نور اب ہے زیست کی ہر کارگاہ میں
نزدیک و دُور دیکھ کے ہوتا ہے یہ گماں اے زندگی! ہے نور تری بارگاہ میں

سوئے ہوؤں کی نیند کھُلی ہے کچھ اس طرح فردا پہ اُن کی آنکھ ہے اِمروز پر نہیں
رفتار کہہ رہی ہے کہ دن ہو کہ رات ہو کوئی بھی اِن پہ خوابِ گراں کا اثر نہیں

بیداریِ حیات کا چھیڑا یہ کس نے ساز انساں کے ساتھ ساتھ مشینیں بھی جاگ اُٹھیں
ماحول میں ہے ایک نئی زندگی کا لمس سوئی ہوئی تھیں جو وہ زمینیں بھی جاگ اُٹھیں

اعضا کہ جن کو وقت نے کچھ کر دیا تھا شل پھُرتی میں آج موجِ رواں سے بھی تیز ہیں
جو عزم ہو گئے تھے ذرا سُست چال میں پھر ایک بار بادِ وزاں سے بھی تیز ہیں

تو نے دوا جو دی ہے وہ کڑوی سہی مگر نسخہ ہے لاجواب ترا اے طبیبِ قوم
تو قوم کی مریض بھی ہے چارہ ساز بھی محبوب بھی ہے قوم کی تو اے حبیبِ قوم

اہلِ قلم ہیں، اہلِ نوا ہیں کہ اہلِ دل یہ آج سب قدم بہ قدم تیرے ساتھ ہیں
جو لوگ غیر ہیں نظر انداز کر انھیں غیروں کا خوف کیا ہے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں

اب اور کیا کہوں میں، ترا لائحۂ عمل ہندوستاں کا جیسے نصیبہ سنور گیا
وہ فتنہ و فساد کا جنگ و جدل کا دَور ہر اِک یہ پوچھتا ہے کہ آخر کِدھر گیا

قائم کیا ہے تو نے ہمارے دلوں پہ جو یہ نقشِ دل نواز مِٹایا نہ جائے گا
لکھا ہے تو نے باب جو تاریخِ ہند میں اب یہ مورّخوں سے بھُلایا نہ جائیگا

شاعر کا دل ہے آج نہایت ہی مطمئن راہِ عمل پہ تیری یہ رفتار دیکھ کر
"بِک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ لیکن عیارِ طبعِ خریدار دیکھ کر"

• اکبر رحمانی ایم۔اے۔ بی ایڈ
کاشانۂ سہیل، ۲۷۔ بھوانی پیٹھ، جلگاؤں

مہاراشٹر کے چند مسلم شہیدانِ آزادی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان کی آزادی کسی ایک فرقہ کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ اس عظیم اور آلام و مصائب سے پُر جدوجہد میں تمام ہندوستانیوں نے من حیث القوم بلالحاظ مذہب و ملت حصہ لیا۔ اس جدوجہد آزادی میں مہاراشٹر کے عوام نے جو بےمثال قربانیاں دی ہیں، جو رہنمایانہ کردار ادا کیا ہے جس جوش وخروش کا مظاہرہ کیا ہے وہ تاریخِ ہند کے صفحات پر جلی حرفوں میں نقش ہیں۔ تحریکِ آزادی کے صفِ اول کے رہنماؤں کی فہرست پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو ان میں اکثریت ان رہنماؤں کی نظر آئے گی جن کا تعلق سرزمین مہاراشٹر سے رہا ہے۔

گوپال کرشن گوکھلے، جسٹس راناڈے، لوکمانیہ تلک، دادابھائی نوروجی، فیروزشاہ مہتا چیلونکر، ویرساورکر، بدرالدین طیب جی، گنیش واسودیو جوشی، رحمت اللہ سیانی، وغیرہ صفِ اول کے وہ رہنما تھے جن کا تعلق مہاراشٹر سے تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جنھوں نے آزادی کا بیج بویا، حق گوئی و بیباکی کی روایات قائم کیں۔ ہندوستانیوں کے دلوں سے انگریزوں کا خوف و ڈر دور کیا۔ جیلوں کی سختیاں برداشت کر کے ہزاروں کے لئے جیل جانا آسان بنادیا، صحت منداور بیباک صحافت کی بنیاد ڈال کر عوام کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا اور ان میں حصول آزادی کے لئے تڑپ پیدا کی۔ ان رہنماؤں نے مہاراشٹر کی صدیوں کی ہندو مسلم اتحاد و یک جہتی کی روایت کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ اسے مزید پروان چڑھایا۔ ہندو اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کام کیا، جیلوں کی صعوبتیں برداشت کیں، لاٹھیاں اور گولیاں کھائیں۔ کئی ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس راہِ حق میں جامِ شہادت نوش کیا۔ ان شہیدانِ آزادی کی فہرست بڑی طویل ہے اس لئے میں صرف مہاراشٹر کے چند مسلم شہیدانِ آزادی کا ذکر یہاں کروں گا۔ ان شہیدانِ آزادی نے اُن تحریکوں میں حصہ لیا تھا جو ہماری جدوجہد آزادی کی تاریخ کے اہم سنگِ میل اور انقلابی موڑ ہیں۔

تحریکِ عدم تعاون ۱۹۲۱ء

تحریکِ عدم تعاون یا ترکِ موالات ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا وہ پہلا سنگِ میل ہے جہاں سے کاروان آزادی تیز گام ہوا۔ پورے ملک میں حب الوطنی کے جذبات اور آزادی کے لئے جوش وخروش پیدا ہوا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے گاندھی جی کی رہنمائی میں یکم اگست ۱۹۲۱ء کو یہ تحریک شروع کی تھی۔ دونوں قوموں نے مل کر انگریزوں کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کیا اور ایک ہی پروگرام بنایا۔ حکومت اور اربابِ حکومت سے مکمل عدم تعاون کیا گیا۔ طالبعلموں نے انگریزی اسکولوں اور کالجوں کو چھوڑ دیا، وکلاء نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا، سرکاری خطابات اور تمغے واپس کر دیئے گئے، سرکاری ملازمتیں ترک کر دی گئیں، بدیسی مال کا بائیکاٹ کیا گیا، ٹیکس دینا بند کر دیا گیا۔ غرض کہ لوگوں نے حکومت کو کسی بھی قسم کا تعاون دینا بند کر دیا۔ گاندھی جی اور مولانا محمد علی نے پورے ملک کا دورہ کیا اور اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک حب الوطنی کی آگ لگادی۔ ہر شخص آزادی کا متوالا بن گیا۔ دلوں سے

انگریزوں کا خوف جاتا رہا۔ بہت سے لوگ حکومت کے باغی ہو گئے۔ حکومت نے اس تحریک کو دبانے اور کچلنے کے لئے اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ جنھیں سن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مہاراشٹر میں جو مسلمان انگریز حکومت کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ان کا مختصر ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

اسرائیل اللہ رکھا

۱۸۹۲ء میں مالیگاؤں ضلع ناسک میں پیدا ہوئے۔ تحتانوی درجہ تک تعلیم پائی۔ پیشہ خانگی ملازمت تھا۔ آپ نے ۱۹۲۱ء کی تحریک عدم تعاون میں سرگرم حصہ لیا۔ آپ مقامی تحریک خلافت کے منتظمین اور سربراہوں میں سے تھے۔ شراب کی دکانوں پر دھرنا دینے کے پروگرام میں شریک ہوئے۔ پولیس کی مداخلت اور گولی چلانے سے ہجوم مشتعل ہوا اور تشدد پر اُتر آیا۔ اس میں ایک پولس کانسٹبل ہلاک ہوا۔ آپ کو گرفتار کرکے آپ پر قتل اور بلوے کا مقدمہ چلایا گیا جس میں آپ کو سزائے موت دی گئی۔ ۶ر جولائی ۱۹۲۲ء کو یرودا جیل پونے میں پھانسی کے تختے پر شہید ہو گئے۔

بدّھو فریدن

۱۸۸۳ء میں مالیگاؤں ضلع ناسک میں پیدا ہوئے۔ تحتانوی درجہ تک تعلیم پائی۔ پیشے کے لحاظ سے بنکر تھے۔ ۱۹۲۱ء کی عدم تعاون کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ آپ کو بھی مذکورہ تحریک میں حصہ لینے پر قتل اور فساد کا مجرم قرار دے کر ۶ر جولائی ۱۹۲۲ء کو یرودا جیل میں پھانسی دیدی گئی۔

سلیمان شاہ مومن

(ولادت: ۱۸۷۴ء مالیگاؤں، ضلع ناسک)

آٹھویں درجہ تک آپ نے تعلیم پائی تھی اور ایک ہوٹل کے مالک تھے۔ آپ کو قتل اور بلوے کے الزام میں سزائے موت دی گئی تھی اپنے مذکورہ بالا ساتھیوں کے ساتھ ۶ر جولائی ۱۹۲۲ء کو یرودا جیل میں تختۂ دار پر شہید ہوئے۔

مومن عبدالغفور عبدالشکور

(ولادت۔ ۱۸۸۶ء، مالیگاؤں) آپ کو بھی مذکورہ بالا الزام میں ۱۸ر جنوری ۱۹۲۲ء کو پھانسی دی گئی تھی۔

خلیفہ عبداللہ خدا بخش

(ولادت۔ ۱۸۸۵ء، مالیگاؤں) ساتویں درجہ تک تعلیم پائی۔ پیشے کے لحاظ سے بنکر تھے۔ آپ بھی شراب کی دکان پر دھرنا دینے والوں میں شامل تھے۔ آپ کو ۳ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی تھی۔ یکم اگست ۱۹۲۸ء کو وساپور جیل میں پولس کے بے پناہ مظالم کی وجہ سے آپ شہید ہوئے۔

محمد شعبان بھکاری

۱۸۸۹ء میں مالیگاؤں میں پیدا ہوئے۔ ساتویں درجہ تک تعلیم پائی۔ کپڑے کے تاجر تھے۔ شراب کی دکانوں پر دھرنا دینے والوں میں آپ بھی تھے۔ آپ پر قتل اور بلوے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ ۶ر جولائی ۱۹۲۲ء کو اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ یرودا جیل پونے میں پھانسی کے تختہ پر شہید ہوئے۔

(شہیدان آزادی صف ۲۳، ۴۲، ۳۱۹، ۳۴۴، ۳۴۶، ۴۹۸)

"ہندوستان چھوڑدو" تحریک ۱۹۴۲ء

۷ر اگست ۱۹۴۲ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا تاریخ ساز اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں "ہندوستان چھوڑدو" تجویز منظور ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب برطانیہ دوسری جنگ عظیم میں اُلجھا ہوا تھا اور اسے ہندوستان کی مدد کی سخت ضرورت تھی۔ لیکن انگریزوں کی بار بار وعدہ فراموشی نے ہندوستانیوں کے سوراج کے مطالبے کو سخت سے سخت بنا دیا تھا اور وہ اب غلامی کے طوق کو کسی بھی صورت میں اپنے کندھوں سے اُتار پھینکنا چاہتے تھے۔ گاندھی جی نے تجویز منظور ہونے کے بعد اجلاس میں حاضر نمائندوں کے سامنے جو تقریر کی تھی وہ عوامی جذبات کی ترجمان تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

"آپ میں سے ہر شخص، مرد ہو یا عورت خود کو اس لمحہ سے آزاد سمجھے۔ آپ کا کام کرنے کا طریقہ بھی ویسا ہی ہونا چاہئے جیسا آزاد لوگوں کا ہوا کرتا ہے۔ اپنے طریقہ کار سے ثابت کیجئے کہ آپ نے سامراجیوں کی غلامی کا جُوا اتار کر پھینک دیا ہے۔"

یہ سنتے ہی انگریزی حکومت بپھر گئی اور اس نے بجلی کی سُرعت سے ۸ر اگست کی رات ہی میں گاندھی جی، مولانا آزاد،

پنڈت نہرو اور دیگر رہنماؤں کو گرفتار کرلیا۔ ۹ اگست کی صبح "ہندوستان چھوڑ دو" اور رہنماؤں کی گرفتاری کی خبریں لوگوں نے ساتھ ساتھ سُنیں۔ عوامی ردِّعمل فوری طور پر ہوا۔ اس ردِّعمل کے لئے نہ کسی نے تحریک چلائی نہ زور دیا۔ زندگی معطل ہوکر رہ گئی۔ ہر قسم کا کاروبار بند ہوگیا۔ ہر جگہ مظاہرے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ قومی گیت اور نعروں سے فضائیں گونج اُٹھیں۔ مظاہروں میں حصّہ لینے والوں کی تعداد نے حکومت کے ہوش اُڑا دیئے۔ لوگوں نے حکّام کا حکم ماننے سے انکار کردیا۔ پولس نے لاٹھیاں اور گولیاں برسائیں۔ تحریک نے بغاوت کی شکل اختیار کرلی۔ اس بغاوت کی قیادت طالب علم، مزدور اور کسان کررہے تھے۔ کارخانوں، کالجوں اور اسکولوں میں ہڑتالیں ہوئیں۔ سرکاری عمارتوں کو جلایا گیا، ٹیلی فونوں کے تار کاٹے گئے، ریل گاڑیوں کو گرانے کی کوشش کی گئی۔ جتنا حکومت کا ردعمل شدید ہوتا تھا عوامی ردّعمل بھی اتنا ہی شدید ہوتا تھا۔ پورے ملک میں آگ اور خون کا سیلاب اُمنڈ پڑا۔ لاٹھی چارج فائرنگ اور لوگوں کی گرفتاریاں عام ہوگئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملک میں پولس راج قائم ہوگیا ہے۔ کئی جگہ نہتّے عوام کے مجمع پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ مشین گنوں سے گولیاں برسائی گئیں۔ اگرچہ یہ تحریک دبا دی گئی لیکن اس میں دس ہزار سے زیادہ اشخاص پولس اور فوج کا شکار ہوچکے تھے لیکن فائدہ یہ ہوا کہ آزادی کی منزل قریب ہوگئی۔ اس تحریک میں جو مسلمان شہید ہوئے تھے ان کا مختصر حال ان صفحات میں درج کیا جارہا ہے۔

حسن میاں ابراہیم ولد شیخ

آپ موضع جھنجھنی تعلقہ دھانو ضلع تھانہ میں پیدا ہوئے۔ پیشے کے اعتبار سے آپ کسان تھے۔ ۱۹۴۲ء کی 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک میں شریک ہوئے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۲ء کو جھنجھنی ہائی اسکول کے میدان میں منعقدہ ایک جلسہ میں آپ شریک تھے پولس نے حاضرین پر گولی چلائی تو آپ بھی شدید طور پر زخمی ہوئے اور ۱۹۴۳ء میں اسپتال میں فوت ہوئے۔

خاکسار شیخ ولد عزیز

۱۹۲۷ء میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔ درجہ چہارم تک تعلیم پائی۔ ۱۹۴۲ء کی 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک میں شریک ہوئے۔ ناگپور میں پولس کی گولی سے زخمی ہوکر شہید ہوگئے۔

رفیق میاں ظفر میاں

آپ ۱۹۱۲ء میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۲ء کی 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک میں شریک ہوئے اور ۱۵ اگست ۱۹۴۲ء کو ناگپور میں پولس کی گولی سے زخمی ہوئے اور شہید ہوگئے۔

رشید خاں نواب ولد شہادت خاں

۱۸۹۶ء میں موضع احمدپور ضلع وردھا میں پیدا ہوئے۔ ساتویں درجے تک تعلیم پائی۔ آپ زمیندار اور کسان تھے۔ آپ نے ۱۹۴۲ء کی 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک میں سرگرم حصّہ لیا تھا۔ آشٹی پولس اسٹیشن پر دھاوے کے سلسلہ میں ایک جلوس کی رہنمائی کی۔ پولس فائرنگ میں شدید طور پر زخمی ہوئے اور اسی روز اپنے گاؤں میں فوت ہوگئے۔

سیّد عرف چھوٹو

۱۹۲۰ء میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔ متذکرہ تحریک میں حصہ لیا۔ ناگپور میں پولس کی گولی سے زخمی ہوئے اور ۱۲ اگست ۱۹۴۲ء کو شہید ہوگئے۔

عثمان شیخ ولد محمد یعقوب

۱۹۲۱ء کو ناگپور میں پیدا ہوئے ۱۹۴۲ء کی 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک میں شریک ہوئے اور پولس کی گولی سے زخمی ہوکر شہید ہوگئے۔

محمد ہاشم

آپ ۱۹۲۲ء میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔ درجہ سوم تک تعلیم پائی۔ ۱۹۴۲ء کی 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۲ اگست ۱۹۴۲ء کو ناگپور میں پولس کی گولی سے زخمی ہوئے اور اسی روز شہید ہوگئے۔

۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کی تحریک اور جنگل ستیہ گرہ میں جو مسلمان شہید ہوئے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

حسین احمد قربان

آپ شولاپور کے رہنے والے تھے۔ آپ نے ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لیا تھا۔ شولاپور میں جنگل ستیہ گرہ کی تنظیم و سربراہی کی۔ پولس سے تصادم کی وجہ سے

ہجوم لوٹ مار اور آتشزنی پر اتر آیا۔ آپ کو گرفتار کر کے سزائے موت دی گئی۔ ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو یروڈا جیل پونے میں پھانسی کے تختے پر شہید ہو گئے۔

عبدالرسول ولد قربان حسین

آپ کی پیدائش ۱۹۱۱ء میں شولاپور میں ہوئی۔ آپ ٹریڈ یونین کے کارکن تھے۔ ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں حصہ لیا تھا۔ ۸ مئی ۱۹۳۰ء کو آپ نے شولاپور پولس اسٹیشن پر دھاوے میں شرکت کی تھی۔ بلوے اور قتل کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ آپ کو سزائے موت دی گئی۔ ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو یروڈا جیل پونے میں پھانسی کے تختے پر شہید ہوئے۔

بحری بیڑے کی بغاوت (۱۹۴۶ء)

۱۹۴۲ء کی بغاوت اگرچہ ناکام ہو گئی تھی لیکن اس نے ثابت کر دیا تھا کہ اب ہندوستانیوں کو انگریزوں کے مبہم وعدوں پر یقین نہیں اور وہ آزادی کے لئے ہر محاذ پر لڑائی کے لئے تیار ہیں۔ اگر ان کا مطالبۂ آزادی جلد پورا نہ کیا گیا تو حالات اس سے بھی کہیں زیادہ بگڑ سکتے ہیں۔ انگریزوں نے بھی یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب ان کے لئے ہندوستان پر حکومت کرنا ممکن نہیں رہا۔ فروری ۱۹۴۶ء میں بمبئی میں ہونے والی بحری سپاہیوں کی بغاوت نے تو انگریزوں کو اور بوکھلا دیا۔ اس بغاوت کا سبب یہ تھا کہ انگریز افسران ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ انتہائی بدتمیزی اور بدسلوکی سے پیش آتے تھے، انھیں غذا بھی اچھی نہیں دیتے تھے۔ اسی بات پر اکثر جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ ان جھگڑوں نے ہڑتال کی صورت اختیار کر لی۔ یہ ہڑتال ملک کی تمام بندرگاہوں تک پھیل گئی۔ بمبئی چونکہ بحری فوج کا سب سے بڑا مرکز تھا اس لئے یہاں کی ہڑتال میں دن بدن شدت آتی گئی اور آگے چل کر اس نے بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ بمبئی کے عوام نے اس بغاوت کی پوری پوری حمایت کی۔ بمبئی کے مزدوروں نے بھی ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء کو ہندوستانی سپاہیوں کی حمایت میں ہڑتال کر دی۔ بغاوت کو پھیلتا دیکھ کر انگریز اس قدر بوکھلا گئے کہ انھوں نے بمبئی کی سڑکوں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ بمبئی کی سڑکوں پر فوج کی لاریاں گشت کرنے لگیں۔ لوگوں نے لاریوں کو روکنا اور ان پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ ایک دو مقامات پر گورے سپاہیوں کو لاریوں میں سے نکال کر خوب مارا پیٹا گیا اور لاریوں کو جلا دیا گیا۔ پولس اور فوج کی فائرنگ سے تقریباً ۲۵۰ افراد مارے گئے۔ ان میں معصوم بچے بھی تھے، مرد اور عورتیں بھی۔ ذیل میں مسلمان شہیدوں کے نام دیئے جا رہے ہیں اور ان مقامات کے نام بھی جہاں ان پر گولیاں برسائی گئیں:

(۱) ابراہیم جی یوسف علی (۲) آدم جی محمد حسین (۳) اسمٰعیل حسین (۴) اسمٰعیل رحمت اللہ (عبدالرحمٰن اسٹریٹ امپیریل بینک کے نزدیک) (۵) اصغر اسمٰعیل (بائیکلہ میں پارسی بت کے نزدیک) (۶) اصغر میاں (جے جے اسپتال) (۷) پونجا رحیم (ناخدا محلہ) (۸) تاج محمد فضل محمد (سالویشن آرمی دفتر کے نزدیک) (۹) جوکھم امام علی (۱۰) جمال محمد، (۱۱) دلاور عبدالملک (ڈونگری) (۱۲) عبدالرحمٰن (پوتلیا واڑی) (۱۳) روشن غوث (بھنڈی بازار) (۱۴) سلیمان جی ذکی الدین (۱۵) سلیمان ابراہیم (عرب گلی) (۱۶) محمد صدیق محمد اسحاق (کماٹی پورہ) (۱۷) محمد علی (دادر) (۱۸) عزیز چھوٹو (۱۹) عبدالغنی (۲۰) عبدالعلی دین محمد (ناگپاڑہ) (۲۱) عبدالستار محمد عمر (۲۲) عبدالعزیز عبدالرزاق (فورٹ مارکیٹ) (۲۳) عبدالعزیز (۲۴) عبدالعزیز عبدالرحمٰن (ڈاکٹر اسٹریٹ) (۲۵) عبداللہ صفی (فورٹ) (۲۶) عبداللہ عبدالقادر (۲۷) عبدالکریم (کرافورڈ مارکیٹ) (۲۸) غلام حسین محمد علی (۲۹) فدا علی قائم علی (جے جے اسپتال) (۳۰) محمد سمیع (۳۱) مولا بخش عبدالعزیز، (کماٹی پورہ) (۳۲) ابوبکر حسن (بلیٹنس روڈ) (۳۳) منظور احمد (۳۴) محی الدین شیخ غلام (پریل) (۳۵) محمد شیخ سید حسن (نل بازار پولس اسٹیشن کے قریب) (۳۶) محمد عزیز (۳۷) محمد حسین ولد ملا غلام علی (جے۔ جے اسپتال) (۳۸) نورالدین عبدل (ڈاکیارڈ) (۳۹) وزیر محمد (ہندماتا سنیما کے نزدیک) (۴۰) ہارون حامد۔

مسلم شہیدان آزادی کی اس فہرست سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملک کو آزاد کرانے کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے میں ہندوستانی مسلمان اپنے دوسرے ہم وطنوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں رہے۔ یہ تو صرف ان شہداء کے نام ہیں جن کا ذکر سرکاری ریکارڈوں میں ملتا ہے۔ نہ جانے ایسے کتنے مسلم شہیدان آزادی ہوں گے جن کا ذکر سرکاری کاغذات میں آنے سے رہ گیا ہوگا۔

جگاوا

بیس نکاتی پروگرام سے متاثر ہوکر

حسرت جے پوری
۱۲۱۔ کیلاش بلڈنگ، ایس۔ وی روڈ،
کھار، بمبئی ۴۰۰۰۵۲

دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان
دھرتی پر وہ پاؤں رکھے ہے چھوئے آسمان

اس دھرتی نے اوڑھی دیکھو ہریالی کی چُنری
ہر کھیتی کا مکھڑا لاگے جیسے کوئی سُندری

دور نیا اک ایسا آیا خوش ہے آج کسان
دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان

راہوں پر اُجیارے ناچیں بھور بھئی متانی
پھول کھلے ہیں ڈالی ڈالی دور ہوئی ویرانی

ایک کلی نے کر دی آخر ہر مشکل آسان
دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان

اب نہ کوئی لوٹ سکے گا کھیتوں کو کھلیانوں کو
ایک لہر نے آج ڈبویا ان سارے طوفانوں کو

آج سے پہلے ایسا کب تھا اپنا ہندوستان
دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان

بھوک غریبی اور بیکاری اب نہ جگ میں ہوگی
سب کو ہی گھر بار ملیں گے بولے من کا جوگی

آج ترنگا گیت سنائے جس کی اونچی تان
دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان

اپنا ہی منہ پیٹ کے یارو رہ گئی کالی آندھی
آزادی کی لاج بچانے اُٹھی اندرا گاندھی

وہ عورت نے کام کیا ہے دنیا ہے حیران
دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان

سن لو بھائی! قوم کی ہمت آگے بڑھتی جائے
چلتے جاؤ بیس قدم پر منزل ملتی جائے

پیچھے رہ گئے لوگ پرانے آگے ہوئے جوان
دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان

ہر قطرے میں گنگا جمنا ہر قطرے میں شوالہ
خون ہے اپنا ہندوستانی ساتھ ہے اوپر والا

ہند کے ہم ہیں ہند ہمارا جس پہ ہم قربان
دیکھو لوگو! جاگ اُٹھا ہے بھارت کا انسان

دُنیا کے محسن:

ڈاکٹر سر سی۔وی رامن

(ایک تحقیقی مقالہ)

" ہمارے خوابوں کا ایک خوش حال ہندوستان' جس کو ہم سبھی خوشحالی سے وابستہ کرتے ہیں سائنس، انجنیئرنگ اور ٹکنالوجی میں خودکفالت کے لئے تشکیل میں آسکتا ہے "۔

یہ الفاظ وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کئی برس قبل کہہ چکی تھیں۔ اب اس کی ضمانت دن بدن روشن ہو رہی ہے۔ دراصل فی زمانہ کوئی ترقی سائنس کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی۔ کھیت باڑی ہو یا صنعت، ایٹمی توانائی ہو یا طبعیات، کیمیا ہو یا انجنیئرنگ، سائنس کے بغیر قومی ترقی ممکن نہیں اور نہ ہی خوشحالی کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں۔ ہندوستان میں سائنس، سائنسی تحقیق، سائنسی تعلیم اور سائنسداں قدیم زمانے میں بھی تھے اور یہ سلسلہ بیسویں صدی عیسوی تک چلتا رہا۔ مگر انگریز راج میں سائنسی کام کاج مدھم پڑ گیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ برطانوی سامراج کو قطعی ناپسند تھا کہ ہندوستان تعلیم سے منور ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو۔ لیکن انیسویں صدی کے آخر میں راجہ رام موہن رائے نے ہندوستانیوں میں عام تعلیم رائج کرنے کی تحریک چلائی۔ انھوں نے زور دیا کہ ہندوستان کے تعلیمی نصاب میں ریاضی، کیمیا، طبیعات اور اس طرح دوسرے کارآمد سائنسی علوم شامل رہیں۔ اور یہی موضوعات مابعد تعلیم کا جزو بن گئے۔ اسی طرح سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو جدید تعلیم کی جانب راغب کرنے کی غرض سے بڑی محنت اور کوششوں کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی کی بنا ڈالی تعلیم کے عام ہونے سے سائنس کے علوم بلکہ جدید سائنس کے علوم کا بھی آغاز ہوا۔ کلکتہ، رڑکی، مدراس، علی گڑھ اور بمبئی میں یونیورسٹیاں کھلنے سے سائنسی تعلیم کی راہیں اور زیادہ ہموار ہوئیں اور نئے نئے سائنسداں اُبھرتے گئے۔ سائنسی حس اور شعور جوان ہوتے گئے اور سرزمین ہند میں سائنس اور سائنسداں کی اصطلاح عام ہوگئی موجودہ ابتدائی دور میں سرجگدیش چندر بوس، ڈاکٹر چٹرجی، ڈاکٹر بھابھا، ڈاکٹر سرسی۔ وی۔ رامن، پروفیسر ستیین بوس، ایس راما نجم، ایم این ساہا، ڈاکٹر کوٹھاری، ہالڈین، گووند کھوسلہ، کے۔ ایس کرشنن اور ایس چندر شیکھر کے نام ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ایسے گرانقدر قابل افتخار و ممتاز و فائق سائنسدانوں کی سائنسی شعبہ جات میں دلچسپی کے باعث ملک بھر میں کئی لیباریٹریز اور ریسرچ سینٹر سائنسی تحقیق کو روزافزوں ترقی دینے میں کوشاں ہیں۔ آج یہ عالم ہے کہ ان اداروں میں لگ بھگ دس ہزار سے زائد سائنسداں سائنسی تحقیق میں مصروف ہیں۔ تحقیق کے کام کی نشو و نما اور اسے مقبول بنانے میں پنڈت نہرو کی شخصیت کو کبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ وہ اکثر فرماتے تھے کہ۔

" ہندوستان کا مستقبل سائنس کے ساتھ ہے۔ ہماری لیباریٹریز اور رصدگاہیں نہ صرف مسائل حل کرنے میں معاون بنتی ہیں بلکہ ان کو میں 'سائنس کے مندر' سمجھتا ہوں جو انسانیت کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں "۔

آج جدید سائنس میں جن ممتاز و فائق

محمد رضی الدین معظم
بی۔ کام۔ بی۔ ایڈ۔ ایل ایل۔ بی (عثمانیہ)
۸۶۶ - رحیم منزل، شاہ گنج،
حیدرآباد (اے۔ پی)

سائنسدانوں نے اپنا خاص رول ادا کیا ہے ان میں سے نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر سی وی رامن بھی ہیں جن کو "رامن ایفیکٹ" پر بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔

چندر شیکھر ونکٹ رامن ۷ نومبر ۱۸۸۸ء کو ترچنا پلی میں پیدا ہوئے۔ آبا و اجداد ضلع تنجور کے زمیندار تھے۔ ان کے والد چندر شیکھر ایئر ان کے خاندان کے سب سے پہلے فرد تھے جنھوں نے آبائی پیشہ زراعت کو ترک کر کے مغربی تعلیم حاصل کی۔ اُن کی ماں ترچنا پلی کے ایک شاستری خاندان کی چشم و چراغ تھیں جن کے والد ناڈیا کالج بنگال میں وکالت کرتے تھے۔ اس طرح ونکٹ رامن کو دونوں جانب سے اعلیٰ دماغی، آزاد خیالی اور عشق علم ورثہ میں ملا۔ رامن کی پیدائش کے کچھ دنوں بعد ان کے والد طبعیات میں عبور حاصل کر کے مقامی کالج میں طبعیات کے پروفیسر بن گئے جس کے باعث قدرتی طور پر ونکٹ رامن کا دماغ بھی علوم طبعی کی جانب مائل ہوا۔

لیکن افسوس کہ ان کے گھرانے کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر والد کو ۱۸۹۲ء میں وطن کو خیرباد کرنا پڑا اور قسمت آزمائی کے لئے نکل پڑے، اور اپنے ایک دوست مسٹر پی ہوا آئینگر جو ہندو کالج وزیگا پٹم کے پرنسپل تھے، کی خواہش پر ریاضی اور طبعیات کے پروفیسر بن گئے۔ یہ ماحول بھی ونکٹ رامن کی فطری قابلیتوں کو اُجاگر کرنے اور ان کی ہمت افزائی کے لئے سازگار ثابت ہوا۔ کم عمری ہی میں رامن نے انگریزی زبان میں پوری دسترس حاصل کر لی اور ساتھ ہی علوم طبعی سے ان کا ذوق اس قدر بڑھتا گیا کہ دیگر غیر دلچسپ مضامین میں ان کے لئے کوئی کشش باقی نہ رہی۔ بعمر ۱۲ سال میٹرک کا امتحان امتیاز سے پاس کیا اور دو سال بعد امتحان انٹرمیڈیٹ میں اعلیٰ امتیاز کے ساتھ پاس ہوئے۔ اس کے بعد رامن پریسیڈنسی کالج مدراس میں شریک ہوئے اور یہاں وہ بہت جلد پروفیسروں کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ پروفیسرز اس نوعمر طالبعلم کی ٹھوس قابلیت پر محو حیرت تھے کیونکہ ان کی عمر ابھی اس قابل نہ تھی کہ بی اے میں پڑھ سکیں۔ اس اثر کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں کالج کے دیگر اسباق اور عملی جماعتوں سے آزادی ملی۔ اس طرح انھیں اپنی دلچسپی کے مضامین ریاضی اور طبعیات میں تحقیق کا موقع ہاتھ آیا جو آئندہ بھی تحقیق کی بنیاد بنی۔ ۱۹۰۴ء میں شعبۂ سائنس بی۔ اے کی ڈگری اعزاز کے ساتھ عطا کی گئی۔ یہی ایک واحد شخص تھے جن کو انگریزی مضمون نویسی میں کالج سے انعامات کے علاوہ طبعیات میں یونیورسٹی کی جانب سے گولڈ میڈل ملا۔ پھر دو سال تک ایم۔ اے۔ کی تیاری میں مصروف رہے یہاں بھی اسباق اور حاضری سے انھیں آزادی بخشی گئی جس کے باعث طبعیات اور ریاضی میں مزید دسترس حاصل کرنے کا موقع ملا۔ یہی وہ زمانہ ہے جبکہ وہ ایک محقق کی حیثیت سے منظر عام پر آتے ہیں۔ نومبر ۱۹۰۶ء کے لندن کے فلاسفیکل میگزین کے شمارہ میں ان کا سب سے پہلا تحقیقی مضمون مستطیل کے باعث غیر متشاکل انکساری بند The Unsymmetrical Diffraction Bands due to a Rectangular aperture کے عنوان سے شائع ہوا جو نہایت ہی دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا۔ اس کے بعد دیگر مضامین مسلسل شائع ہوتے رہے ان کی تحقیقات کا آغاز علم صوت اور مناظر optics سے ان کی اس غیر معمولی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے جو آج تک پوری تابناکی سے برقرار ہے۔ ۱۹۰۷ء میں امتیاز کے ساتھ مدراس یونیورسٹی سے ایم۔ اے ہو گئے۔

ان دنوں قابل افتخار ہندوستانیوں کے لئے جو کہ غیر ممالک کی کوئی ڈگری نہ رکھتے ہوں اعلیٰ عہدہ ملتا تو وہ صرف محکمۂ فینانس ہی تھا۔ لہٰذا جب رامن نے دیکھا کہ علمی زندگی کا کوئی امکان نہیں تو محکمۂ فینانس میں بھی قسمت آزمائی کی۔ نتیجتاً ایم۔ اے کہ دوسرے سال کی تیاری کے دوران اس کے ساتھ ہی امتحان کی تیاری میں تاریخ، ادب، معاشیات میں ید طولیٰ حاصل کر لیا اور امتیازی نشانات سے امتحانات پاس کر کے محکمۂ فینانس میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ اس ضمن میں انھیں کلکتہ، رنگون اور ناگپور جانا پڑا۔ اس دوران انھیں کرنسی کے معاملات تنخواہ، وظائف کے حسابات، بیمہ کا نظریہ اور عمل، سیونگس بنک، حکومتی قرضوں کی اجرائی، محکمہ جات کے موازنوں کی ترتیب وغیرہ جیسے اہم مسائل میں بھی مہارت حاصل ہو گئی۔ اس میں بھی وہ بہت کامیاب آفیسر ثابت ہوئے۔ اس طرح زیادہ تر وقت دفتری کاروبار میں صرف ہونے لگا لیکن باوجود اس کے سائنسی تحقیق سے رامن کی دلچسپی وانہماک میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور مسلسل تبادلوں کے باعث انھوں نے ہر ایک جگہ اپنے گھر کے ایک حصہ کو تجربہ گاہ بنایا اور اسی میں ضروری آلات کی مدد سے اپنا تحقیقی کام جاری رکھا۔ اور اپنے وقت کے باعث افتخار سائنسی ادارے "انڈین اسوسی ایشن فار دی کلٹی ویشن آف سائنس" کے رکن بن گئے۔ اس دوران رامن کے تحقیقاتی مقالوں کی اشاعت نے ایک محقق کی حیثیت سے انھیں ممتاز کیا۔

سائنٹفک ریسرچ میں رامن کی غیر معمولی دلچسپی اور سرگرمی کے باعث وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی مسٹر مکرجی کی نظریں اس جوہر شناس سے اوجھل نہ ہوسکیں۔ اور ان کی یونیورسٹی میں شعبۂ طبعیات میں تحقیقاتی نگہداشت و رہنمائی کے لئے پروفیسر کی ضرورت محسوس ہوئی اور مسٹر مکرجی کی نظریں اس نوعمر فینانس آفیسر پر جم گئیں اور ۱۹۱۷ء میں رامن پروفیسر طبعیات بن گئے۔ اس طرح انھیں پورے انہماک اور سکون کے ساتھ اپنی تحقیقاتی کام کو جاری رکھنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اس طرح ۱۹۱۷ء سے ۱۹۳۳ء تک پیالٹ پروفیسر آف فزکس کلکتہ یونیورسٹی میں تقریباً پندرہ سال ایک شاندار دور گذارنے میں کامیاب ہوئے۔

تحقیقات کا جذبہ رامن کو ایک دفتری زندگی سے سائنسی تحقیقات کی جانب کھینچ لایا۔ اس کے بعد کلکتہ میں طبعیات کی تحقیق کا ایک ادارہ قائم ہوگیا جس کی تصنیفات کے باعث وہ اعلیٰ علمی حلقوں میں توجہ کا مرکز بن گئے۔ اس طرح رامن کی قیادت میں عام سائنٹفک ماحول پیدا ہوگیا:

سی۔ وی رامن کی زندگی کے اس دور کا ذکر نامکمل ہوگا، اگر ان کی اس عظیم تحقیق کا ذکر نہ کیا جائے جو ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ نور اور اس کے رنگوں کا منظر شروع سے رامن کی عظیم دلچسپی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ والیٹر اور مدراس کے طویل قیام کے دوران وہ سمندروں کے مختلف النوع رنگوں سے خوب آشنا ہوچکے تھے اور ۱۹۲۱ء میں یورپ کا مختصر سفر وسیع اور عظیم سمندروں سے ہوا تو اس کے پانی کے گہرے نیلگوں رنگ ان کی دریافت کا باعث بنے۔ اور انھیں پتہ چلا کہ یہ صاف پانی نور کے عمل انتشار کا لازمی نتیجہ ہے اور اسی نتیجے نے آگے چل کر عام مائعات اور دیگر شفاف اجسام میں نور کے عمل انتشار کے مشاہدات کا راستہ کھول دیا۔ رفتہ رفتہ ان کے تجربات نے ایک اور نئے مظہر کی جانب رہنمائی کی کہ عمل انتشار کے دوران نور میں تبدیلی رنگ کا عمل ہوسکتا ہے۔ اور ۱۹۲۷ء میں یہ مسلم طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ ایک عالمگیر مظہر ہے جو کہ اس مشہور عالم "ایفکٹ آف فلورسنس" سے بالکل مختلف ہے جو کہ مختلف کیمیائی عوامل سے پیدا ہوتا ہے اس ضمن میں قطعی فیصلہ اس وقت ہوگیا جبکہ ۱۹۲۸ء میں رامن نے اس تجربہ کیلئے "مرکیوری لیمپ" استعمال کیا اور اس کے طیف میں انھوں نے چند نئے خطوط یا پٹیاں پائیں جو کہ شعائع واقع میں موجود نہ تھے۔ یہی جدید خطوط اب رامن خطوط یا رامن بیانڈس کے نام سے اور زیر تجربہ مادہ کا اس طرح حاصل کردہ طیف رامن طیف یا رامن ایفکٹ کے نام سے مشہور ہے۔ ریاضی دانوں نے بھی اس جدید تحقیق کا پرجوش استقبال کیا، کیونکہ اس سے 'کوانٹم میکانیز' کے ان جدید نظریات کی تصدیق ہوتی ہے جو کہ نیوٹن کے کلیات حرکت کے ناکافی ہونے کے باعث پیش تھے۔ ماہرین کیمیا و طبعیات نے بھی اس تحقیق کو نعمت عظمیٰ قرار دیا، جس کے باعث غیر محدود تحقیقی تجربات کی راہیں کھل گئیں۔ اب اس موضوع پر اس قدر عام اور گہری دلچسپی پیدا ہوئی کہ اس کی وجہ سے مناظری آلات کی صنعت میں نئے سرے سے جان پڑ گئی۔ اس تحقیق کے بعد دس سال کے قلیل عرصہ میں کئی مستند کتب، درجنوں رسالے اور ۱۷ ہزار سے زائد مقالہ جات اس موضوع پر دنیا بھر میں شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں اس مختصر نشست میں مجھ میں اتنی جسارت نہیں کہ سی۔ وی رامن کے ان تمام مضامین کو پیش کر دوں جو دنیائے سائنس میں شہرت دوام حاصل کرچکے ہیں۔ انھوں نے پرانی روش پر چلنے کے بجائے اپنے لئے تحقیق کی نئی راہ متعین کی، جو غیروں کے لئے بھی ترقی کا ذریعہ بنی۔

بیس سال کے عرصہ میں ان کی پروفیسری کے دوران جو تحقیقاتی مقالے شائع ہوئے وہ تقریباً چھ سو مختلف عنوانات پر مشتمل ہیں، جن سے ان کی سائنٹفک دلچسپی کی ہمہ گیری کا ثبوت ملتا ہے، جن موضوعات پر تحقیق کی گئی ان میں نور اور موج کی حرکات، موسیقی کے سازوں کی حرکات، ڈیفراکشن کے مسائل برقی اور مقناطیسی مناظر، ٹھوس اور مائعات میں ۱۱شعاعوں کا انکسار، الٹراسونکس، شامل ہیں۔ یہ یاد رہے کہ محققین کی اکثریت قدرتی طور پر انفرادی ہستیاں ہوتی ہیں لیکن بہت کم تعداد میں محقق قائد بن کر پیدا ہوتے ہیں۔ سائنسی فضا کے لئے ان کی تحقیقات یقیناً باعث افتخار ہیں۔ آج بھی رامن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بنگلور میں نوعمر ہستیاں تحقیقاتی کاموں میں منہمک ہیں۔ جن کی ٹھیک رہنمائی اور ہمت افزائی ہر لمحہ رامن ایفکٹ کے باعث ہے۔ ان کے تحت سرزمین ہند میں نہ صرف طبعیات بلکہ موسمیات اور ارضیات پر بھی تحقیقاتی کام جاری ہے۔ رامن کی بڑی خواہشات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ سارے ملک میں مختلف تحقیقاتی ادارے کھولے جائیں۔ یہی خواہش بنگلور کے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے پوری ہوئی۔ رامن نے سائنسی تحقیقات کو اجاگر کرنے کے لئے ایک معیاری

باقی ص۴۸ پر

اعلیٰ تعلیم کے لئے اُردو میں نِصَابی کتابیں

ترقی اُردو بورڈ کے چیرمین حیات اللہ انصاری کا اظہارِ خیال

ممبئی ۔ ۲۲ جنوری کی شام کو مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی نے چیرمین اکادمی ڈاکٹر رفیق زکریا کی رہائش گاہ پر جناب حیات اللہ انصاری صاحب، چیرمین ترقی اُردو بورڈ، دلی کو ایک استقبالیہ دیا۔

اپنی تقریر کے دوران حیات اللہ انصاری صاحب نے فرمایا کہ اُردو نصابی تعلیم کے دائرے کو وسیع تر کرنے کے سلسلے میں ایسے تجربات کئے جا رہے ہیں جن سے مستقبل میں اُردو کے طلباء کو کافی سہولت مہیا ہو سکے گی۔ انصاری صاحب نے اُردو کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کے مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی اور کہا کہ ہمارے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ پہلے بی۔ اے اور ایم۔ اے تک کی تمام نصابی کتابیں اُردو میں تیار کریں یا پہلے اُردو کی مناسب آبادی رکھنے والی ریاستوں میں ایسے طلباء تیار کریں جو اُردو کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں۔ ترقی اُردو بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے تمام ضروری کتابیں پہلے اُردو میں تیار کر لی جائیں۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کمی کے باعث اُردو کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ حائل نہ ہو۔

چیرمین ترقی اُردو بورڈ نے لیتھو کے طریقے سے طباعت اور نستعلیق خطاطی کے بارے میں بھی مفید مشورے دیئے اور کہا کہ ہمیں فن خطاطی کو فروغ دینے کے لئے گراف کا استعمال شروع کرنا چاہیئے تاکہ مختلف کاتبوں کے حروف میں یکسانیت پیدا ہو۔

اپنی خیر مقدمی تقریر میں مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے سکریٹری جناب خواجہ عبدالغفور صاحب نے فرمایا کہ حیات اللہ انصاری صاحب اُردو تعلیم کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے سلسلے میں ایسے تجربات کر رہے ہیں جن سے مستقبل میں اُردو کے طلباء کو بہتر سے بہتر فائدے حاصل ہوں گے۔

اس اجتماع میں ممبئی کے ممتاز اور نمایاں ادباء، شعراء، صحافی، نیز تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں نے شرکت کی۔



مہاراشٹرا سٹیٹ اُردو اکادمی کے سکریٹری جناب خواجہ عبدالغفور اپنی استقبالیہ تقریر کر رہے ہیں۔ تصویر میں (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر رفیق زکریا صاحب جناب حیات اللہ انصاری اور علی سردار جعفری صاحب نظر آ رہے ہیں۔



غزل

زندگی میں اگر صداقت ہے
سانس لینا بھی اک عبادت ہے

دیجئے جان حسنِ سیرت پر
یہ بھی جینے کی ایک صورت ہے

اس کو دینا پڑے گا واپس بھی
زندگی دوست کی امانت ہے

ان کو راس آئے حسرتِ دیدار
سر اُٹھانے کی جن کو مہلت ہے

ہم بھی مصروف آپ بھی مصروف
بات کرنے کی کس کو فرصت ہے

دل میں جو ہے وہی زباں پہ رہے
یہ سیاست نہیں محبت ہے

اب ہوں اُس منزلِ محبت میں
شکر یہ بھی جہاں شکایت ہے

دیکھنے کا مجھی کو شوق نہیں،
ورنہ دنیا تو خوبصورت ہے

آپ رکھئے نشانیاں اپنی
ہم کو تو آپ کی ضرورت ہے

بھیڑ چلتی ہے ساتھ ساتھ اُن کے
ان کا چلنا بھی اِک قیامت ہے

ہم سے بچئے کہ اب ہمارا وجود
ایک گرتی ہوئی عمارت ہے

تم سے جو ہو سکا کیا تم نے
آ گئے ہم ہیں ہماری قسمت ہے

کیجئے واعظ کا احترام نذیرؔ
محترم کا بھی دم غنیمت ہے



☆ ـــــــ نذیرؔ بنارسی
پانڈے حویلی، وارانسی (یو۔پی)

اردو ادب اور ہندوستانی تلمیحات



گرُناتھ دیویکر

۲۷/۲/۱۰-۱ ای،

ڈاکٹر امبیڈکر روڈ. بمبئی ۱۹...۴

بھاکھا نیاری، نیاری بھاؤ
ایک کہے ترک، کہے برہمن
ــ سلطان ابراہیم عادل شاہ بیجاپور

سب کی بولی

براعظم ہندوستان میں وسیع پیمانے پر بولی اور سمجھی جانیوالی زبان ایک ہے چاہے اُسے ہندی کہئے، اُردو کہئے یا ہندوستانی. پھر بھی حیرت کی بات یہ ہے کہ اس زبان کی ہندی اور اُردو ان دو مختلف ناموں سے شناخت کی جاتی ہے اور اپنی اپنی مزید خصوصیات کے ساتھ عوام کے دو فرقوں میں رائج ہے بلکہ اسی حیثیت سے دستورِ ہند کے ضمیمہ ۸ میں ان دو علیحدہ ناموں کے ساتھ درج کی گئی ہے. ظاہراً اُردو وہ زبان ہے جو ہندوستان کے مسلمان بولتے ہیں، اور ہندی وہ جو شمالی ہند کے بیشتر حصے کے لوگوں کی مادری زبان ہے. لسانی اعتبار سے اُردو کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فارسی، عربی اور ترکی الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ہندی میں سنسکرت کے عناصر کثرت سے ہوتے ہیں. جہاں تک فارسی کا عربی الفاظ یا فقروں کا تعلق ہے ان کی آمیزش سے ہندوستان کی کوئی بھی بولی خالی نہیں ہے بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان زبانوں کو عام فہم بنانے کے لئے یا فصاحت میں اضافہ کرنے کے لئے سنسکرت سے زیادہ عربی فارسی کے الفاظ کا سہارا لیا جاتا ہے. اس لحاظ سے اُردو کے بعد دوسرا نمبر شاید مراٹھی کا ہی ہوگا. کیونکہ قدیم اُردو یا دکنی زبان اور ادب دکن کی پیداوار ہے اور مراٹھی پر اس کا اثر ایک ٹھوس حقیقت ہے.

بدیسی شبدوں کی وجہ سے زبان نہیں بدلتی

سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کیا خارجی عناصر شامل کرنے سے زبان علیحدہ بن جاتی ہے؟ ۱۲۰۶ئ سے لیکر جب کہ ہندوستان میں اسلامی ریاست قائم ہوئی وسط ایشیا اور ایران سے ترک، مغل وغیرہ قومیں جو ہندوستان میں وارد ہوئیں انھوں نے اپنی ملکی زبان کو ترک کرکے ہندوستان کی زبان 'ہندوئی' کو مادری زبان کی حیثیت سے اختیار کرلیا. بیشک ان کی نئی زبان میں خارجی الفاظ اور طرزِ بیان کی شمولیت ناگزیر تھی. مگر انھوں نے اس زبان کا نام نہیں بدلا. امیر خسروؔ سے لے کر 'جہی' ابراہیم عادل شاہ، میرؔ اور سوداؔ تک کے شاعروں نے اپنی مادری زبان کو ہندوئی یا ہندی کہا بلکہ ڈنکے کی چوٹ کہا ؎

ترک ہندوستانیم من ہندوی گویم جواب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

(میں ہندوستانی ترک ہوں اس لئے صرف ہندی میں جواب دے سکتا ہوں. میرے پاس مصری (عربی زبان) نہیں ہے تو میں عربی میں کیونکر بول سکوں گا؟)

اس طریقے سے ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندی کے علاوہ مراٹھی، پنجابی، بنگالی، سندھی، گجراتی، تامل، ملیالم اور کونکنی وغیرہ زبانوں کو بھی مادری زبان کی حیثیت سے پنالیا اور ان کی بولی کی خصوصیت بھی خارجی عناصر کی شمولیت ہی رہی لیکن اس کی بنا پر ان کی زبان ایک علیحدہ زبان قرار نہیں پائی بلکہ ان کی وجہ سے ہندوستان کی سبھی زبانیں فصیح بنتی گئیں. چند صدیوں کے اندر یہ خارجی الفاظ خاص معنوں اور تلفظ کے ساتھ اور

ایک نئے رُوپ میں عام ہندوستانی زبانوں کی ہی ملکیت بن گئے۔ مثلاً مراٹھی میں فاضل کے معنی ہیں فالتو کے، منصدّی دبیر کے، "بے چراگھ" دیوان (بے چراغ) کے۔ ایسے ہزاروں مراٹھی شبد ہیں ہی۔ اس کے علاوہ فارسی عربی سابقے اور لاحقے جوڑ کر مراٹھی کے متعدد مرکب بھی بنائے جاتے ہیں جو زیادہ فصیح مانے جاتے ہیں۔ مثلاً غیرا (نامناسب) بگر (بغیر) بے۔کھور (غور) وغیرہ جن کی گنتی کرنا تضیع اوقات ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بدیسی شبدوں کے رواج یا پہناوے سے بھی زبان کا بنیادی ڈھانچا نہیں بدلتا۔

حقیقی تفریق

پھر بھی جب یہ کہا جاتا ہے کہ اُردو اور ہندی دو مختلف زبانیں ہیں، تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جہاں تک اُردو ادب کا جو حالیہ رُوپ ہے وہ ہندی زبان اور ادب سے اُتنا ہی دُور اور علیحدہ ہے جس طرح ہندی سے فارسی علیحدہ ہے، سوائے بعض ہندی الفاظ اور مصدروں کے، دونوں میں کوئی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ ہندی کے مصنف کو اُردو میں یا اُردو کے مصنف کو ہندی میں ایک ہی بیان کے دو مختلف رُوپ پیش کرنا پڑتے ہیں تاکہ اُردو یا ہندی داں طبقے اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔ دیگر الفاظ میں یہ کہنا درست ہوگا کہ صرف حروف یا لیپی بدلنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ ہندی کا اُردو میں اور اُردو کا ہندی میں "ترجمہ" کرنا پڑتا ہے حالانکہ اگر ایک زبان ہوتی تو ایسی صورت میں "تشریح" کی جاتی "ترجمہ" نہیں۔

ایک ہی ادیب نے ہندی اور اُردو میں ایک مضمون لکھنا چاہا تو اس کو اُن دونوں زبانوں میں کس طرح تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں یہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہو جائیگا۔

اُردو

"خسرو کی غزلیں سرتاسر ایرانی فضا میں سانس لیتی ہیں۔ بُلبل، بہار، صبا سبھی ایرانی ماحول کی تعمیر میں حصہ لیتی ہیں لیکن فارسی غزلوں میں بھی خسرو ہندوستانی رنگ لے ہی آتے ہیں۔ بارش ہندوستان کا مخصوص موسم ہے مسعود سعد سلیمان نے اسی "برشگال" کے گُن گائے تھے اور خسرو نے بھی اپنی فارسی غزلوں میں بارش کا ذکر کیا ہے ؎

ابری بارد و من می شوم از یار جُدا
چوں کنم دل بچنیں روز ز دلدار جدا

(ڈاکٹر عصمت جاوید۔ امیر خسرو کی فارسی غزل گوئی)

ہندی (ہندوستانی)

"خسرو کی غزلوں کا واتاورن پورنتہ ایرانی ہے۔ بلبل، بہار، صبا سبھی ایرانی واتاورن کے نرمان میں بھاگ لیتے ہیں لیکن فارسی غزلوں میں بھی خسرو ہندوستانی رنگ لے ہی آتے ہیں، ورشا بھارت کی وشیش رِتو ہے بلکہ یہی ہندوستان کی بہار ہے۔ مسعود سعد سلمان نے اسی "ورشگال" کے گُن گائے تھے۔ خسرو نے بھی اپنی فارسی غزلوں میں ورشا کا اُلیکھ کیا ہے ؎

ابری بارد و من می شوم از یار جُدا
چوں کنم دل بچنیں روز ز دلدار جُدا

(گو یہ ہندی دیوناگری میں لکھی ہے پھر بھی الفاظ بہت کچھ بدلنے پڑے ہیں۔ مدیر)

ان اقتباسات سے ظاہر ہو جائے گا کہ پہلے جو ایک مُشترکہ زبان تھی اس کے دو الگ تھلگ ایسے رُوپ بن گئے ہیں جن کی بنا پر دونوں کو لسانی اور ادبی اعتبار سے ایک کہنا ایک جسارت کی بات ہوگی۔ اس سلسلہ میں مولانا وحیدالدین سلیم کے خیالات قابل غور ہیں۔ مولانا رقمطراز ہیں:

"اگر ہندوستانی ادب کی تاریخ پر غور کریں، تو معلوم ہوگا کہ ہندی ادب رفتہ رفتہ اپنا لباس بدلتا گیا ہے، اور جب ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفریق کے اسباب پیدا ہو گئے تو ایک ہی جسم سے دو جسم نکل کر بالمقابل کھڑے ہو گئے اور دونوں کے لباس جُدا جُدا رنگ کے نظر آنے لگے۔ ہندوستانی ادب کا پہلا دور قدیم ہندی کا دور ہے۔ یہ دور سنہ ۱۱۰۰ء سے سنہ ۱۵۵۰ء تک رہا۔ دوسرا دور وسطی ہندی کا دور کہلاتا ہے۔ یہ ہندی شاعری کا زمانہ ہے جو ۱۵۵۰ء سے اٹھارہویں صدی تک خیال کیا جاتا ہے۔ سولہویں صدی کے اختتام سے اُردو نے بھی ہاتھ پاؤں نکالے اور اٹھارہویں صدی تک اس کی شاعری ہندی شاعری کے ساتھ ساتھ قدم بڑھاتی رہی۔ یہ زمانہ گویا ہندوستانی زبان اور ادب کا تیسرا دور تھا۔ انیسویں صدی کے آغاز سے ہندی اور اُردو میں نثر نگاری کی ترقی شروع ہوئی۔ یہی دور اب چل رہا ہے۔ گویا یہ چوتھا دور ہے۔ اس زمانے میں دونوں ادبوں میں

خاص امتیاز ہوگیا ہے۔ ایک ادب میں دنیا کی قدیم زبان سنسکرت کے الفاظ بڑھائے جارہے ہیں اور دوسرے ادب میں عربی الفاظ کے اضافہ کی کوشش کی جارہی ہے۔ اگر دونوں ادب اپنی رفتار اسی انداز سے جاری رکھیں تو آئندہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ ایک نقطے پر نہ مل سکیں گے۔"

بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ تفریق کا اندازہ جس کے متعلق مولانا نے اپنا خوف ظاہر کیا ہے جاری رکھا گیا اور نتیجہ یہ ہُوا کہ حالیہ اُردو زبان اور ادب عربی فارسی ادب کے سانچے میں ڈھلا نظر آتا ہے۔ یہ مقامِ حیرت ہے کہ جہاں چھ یا سات صدیوں قبل ہندوستان میں نووارد ترک، پٹھان، مغل فرقوں نے یہاں کی زبان اپنائی اور اپنی زبان میں یہاں کے رائج اور مقبول عام الفاظ درج کر لئے اور ہندی ادب اور شاعری میں ذوق جتلانے کی خاطر چھند، دوہے وغیرہ شاعری کے ہندی طریقے اپنائے، وہاں دو صدیوں سے ہندی الفاظ، اصطلاحات اور تلمیحات کا بائیکاٹ کرنے کے سلسلے میں اُردو ادیبوں اور شاعروں نے بیڑا اُٹھایا ہے۔ مغل بادشاہ بابر نے، جو وسط ایشیائی ترک تھا اور جسے ہندی عوام کی زبان جان لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اپنی ترکی شاعری میں بھی ہندی الفاظ شامل کر لئے ہیں، مثلاً ؎

مج کا نہ ہوا کیج ہوس مانک و موتی
فقیرا ہلیغہ بس بولغوسیدر پانی و روٹی

(مجھے مانک اور موتی کے متعلق کچھ خواہش نہیں۔ میں مست فقیر ہوں اور ایک روٹی کے ٹکڑے اور پانی کے کوزہ سے خوش ہوں گا۔)

چار پانچسو سال پُرانی اس "ہندی" کا مقابلہ سابقہ نظام کی ریاست کے ایک قانون کے اس فقرے سے کیجیئے:

"از روئے تقلیدِ رسومِ اہلِ ہنود، جینی بھی اہلِ ہنود میں شمار ہوینگے مستوجب ہیں۔"

اس اُردو زبان میں پُورا اسٹرکچر فارسی ہے اور ایک دو الفاظ ہندی سے اُدھار لئے گئے ہیں، جیسے بابر نے اپنی شاعری میں کیا تھا۔

تفریق کا آغاز

ہندوستان میں نووارد مسلمانوں کی ہندی زبان کی نسبت پیار اور فراخدلی کہاں غائب ہوئی؟ اس کے برعکس ہندوستانی روایت سے مُنہ موڑ کر فارسی عربی کی طرف یہ کشش کیونکر پیدا ہوئی اور اُردو زبان کی صورت میں مستقل بھی ہوگئی۔ اُردو ادب کا غور سے مطالعہ کرنے سے اس لسانی انقلاب کے راز کا پتہ چل سکتا ہے۔ پروفیسر محمد صادق نے اپنی مشہور کتاب "ہسٹری آف اُردو لٹریچر" میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے:

"اٹھارہویں صدی میں جب ہندوستان میں فارسی زبان اور ادب کا زوال شروع ہوا تو فارسی کے شاعروں نے جو اکثر ایرانی ہوتے تھے سخن سنجی کے مقاصد کے لئے اُردو کی طرف جھکے، مگر الفاظ، اسلوبِ بیان، ادبی اصطلاحات اور تلمیحات کے سلسلے میں اُردو ادب کو ہر اعتبار سے فارسی ادب کا ہی ایک ہندوستانی رُوپ بنا ڈالا۔ خان آرزو نے جو دہلی سے ہجرت کر کے لکھنؤ وارد ہوئے تھے، اُردوئے معلیٰ کو جو شاہجہاں آباد کی بولی تھی اور شاہی محل، نوابوں، درباریوں اور سپاہیوں میں رائج تھی ادبی مقاصد کے لئے پسند کر لیا۔ واضح ہے کہ یہ ادب زیادہ تر فارسی نوعیت کا ہونے کی وجہ سے عوام کی زبان اور ادب سے علیحدہ ہو جانا ناگزیر تھا۔ پس جب اس زبان اور ادب کو زیادہ سے زیادہ معیاری بنانے کی کوششیں جاری ہوئیں تو نتیجہ اس سے اور کیا ہو سکتا تھا کہ یہ ادب ہندوستان کے ماحول سے ہٹ کر شیراز و طبریز کی فضا کو ہی اپنے لئے سازگار سمجھنے لگے؟ ولی دکنی کے دہلی پہنچنے تک فارسی شاعروں کو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہندی (دکنی) میں بھی معیاری اور دلپذیر شاعری کی تخلیق ممکن ہے۔ جب ولی نے میدان شاعری میں فتح پائی تو ایرانی شاعر کفِ افسوس ملنے لگے اپنی جلن ظاہر کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ پھر بھی وہ اس حد تک کامیاب ضرور ہوئے کہ ولی کی "دکنی" شاعری کا لباس بدل کر اُسے فارسیت میں رنگالنے پر مجبور کیا گیا اور اس طرح سے ایک ہندوستانی زبان کی فارسی کے مقابلہ میں جیت ضرور ہوئی مگر اس کو اس کی قیمت وطنیت کو قربان کر کے ادا کرنی پڑی۔"

اُردو کا المیہ

اُردو زبان اور ادب کا آغاز حب الوطنی کے جذبے کی بدولت ہوا، کیونکہ ہندوستان

کے مسلمان شعرا نے اپنی مادری زبان کو ایک معیاری زبان بنانے کی ہر ممکن کوششیں کیں اور ایک صدی کے اندر اندر فارسی زبان کا اثر اور وقار زائل ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ دہلی اور لکھنؤ میں اُردو شاعری کا بازار گرم ہوا۔ لیکن اس نئی زبان اور ادب کے اساسی عناصر یعنی الفاظ محاورے، عروضیات، استعاراتی اساطیر اور خاص طور سے تلمیحات کے بارے میں ہندوستان کی بجائے سرزمینِ ایران کو ہی ملحوظ رکھا گیا اور ہندوستان کے کنول، چمپک، کیوڑے، آم، پپیہا کی جگہ، لالہ، نرگس، بلبل، بادام اور اخروٹ نے لی۔ اور یہ ادب فارسی ادب کا ترجمان بن گیا۔ چنانچہ اُردو شاعری کی 'فارسیت' ہی اُس کی امتیازی خصوصیت تسلیم کی گئی۔ یہ حالت موجودہ دور میں بھی جاری ہے۔ ملک محمد جائسی کی "پدماوت" ہندی (اودھی) میں تصنیف کی ہوئی ایک فارسی نوعیت کی مثنوی ہی ہے لیکن چونکہ اُس کے الفاظ، عروض، استعاراتی عناصر اور تلمیحات ہندوستانی ہیں اس لئے اُس کو اُردو ادب کے تذکرات میں اُردو شاعری تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

تلمیحات اور ادب

دنیا کی سب ترقی یافتہ زبانیں اپنے الفاظ کے ذخیروں میں ایسے خاص خاص الفاظ اور فقرے شامل کر لیتی ہیں جن کے ذریعہ سے لمبے لمبے قصوں، واقعات اور دیس پردیس کے حالات کی طرف اشارے ہو سکیں اور بیان پُر اثر بن جاتا ہے۔ اگر کسی زبان کی تلمیحات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سے اس زبان کے بولنے والوں کے گذشتہ واقعات اور تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کے مذہبی عقائد ان کے معاشرتی حالات اور اُن کی رسوم اور مشاغل معلوم ہوتے ہیں۔ کسی قوم نے جس طرح تمدنی منزلیں رفتہ رفتہ طے کی ہیں اور جو تبدیلیاں اس کی زندگی میں یکے بعد دیگرے ہوتی رہی ہیں۔ اس کی زبان کی تلمیحات کے مطالعے سے سب نظر کے سامنے آتی ہیں یہ تلمیحات مندرجہ ذیل ماخذ سے لی جاتی ہیں:

(۱) مائتھالوجی یا دیومالا
(۲) مذہبی قصے۔ مذہبی عقائد کی کتابیں
(۳) تاریخی واقعات
(۴) عام فرضی قصے اور افسانے
(۵) کلاسیکی ادب کے کردار، نظمیں، ڈرامہ یا ناٹک کی کتابیں

مثال کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انگریزی ادب میں انجیل، روم، اور یونان کے دیوتاؤں کے قصے، شکسپیئر کے ڈرامے، ملٹن کا پیراڈائز لاسٹ (بہشت گمشدہ) گلیور کا سفرنامہ، ڈان کوئیکزٹ، بنین، شیریڈن ڈکنس، مولئیر، سر والٹر اسکاٹ کے افسانے، ورڈسورتھ گولڈسمتھ کی نظمیں اور انگلینڈ کی تاریخ کے واقعات اور شخصیتیں وغیرہ سے منسوب تلمیحات بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں اُردو ادب کو چھوڑ کر تقریباً سبھی جدید ہندوستانی زبانوں میں خواہ وہ آریائی یا دراوڑی گروہ کے کیوں نہ ہوں مائتھالوجی، مذہبی قصے، تاریخی واقعات، فرضی افسانے، کالیداس، بھوبھوتی وغیرہ سنسکرت کویوں کے کارناموں سے متعلقہ تلمیحات مشترکہ پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ 'بھیشم پرتگیا' اس اصطلاح سے مراد ہے عزم بالجزم اور اشارہ ہے اُس پرتگیا سے جو بھیشم جی نے شادی ہرگز نہ کرنے کے متعلق کی تھی' بھگیرتھ پریتن' ہے وہ کوشش جو راجہ بھگیرتھ نے گنگا ندی کو سورگ سے ہندوستان کے میدان میں لانے کے لئے کی تھی۔ "سمدر منتھن" سے اشارہ اس قصے کی طرف ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ دیوتاؤں اور راکشسوں نے سمندر کو متھ کر "چودہ رتن" حاصل کئے جن میں شامل ہیں لکشمی دیو، کامدھینو گائے، ایراوت ہاتھی امرت اور ہلاہل زہر بھی جو شیو مہادیو نے پی ڈالا اور اُن کا گلا نیلے رنگ کا ہو گیا۔ اسی وجہ سے شیوجی کا ایک نام ہے "نیل کنٹھ"۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ ان سبھی زبانوں کے ادب کا بڑا بھاری حصہ راماین، مہابھارت اور پرانوں کے قصوں پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گویہ زبانیں ہر اعتبار سے مختلف ہونے پر بھی استعاراتی اساطیر اور تلمیحات کے لحاظ سے "ہندوستانیت" کی دولت سے مالامال ہیں اور اردو زبان اور ادب کا "بدیسی پن" اس ورثہ سے محروم رہنے کی وجہ سے ہے۔

اُردو زبان کی تلمیحات

اُردو زبان کی تلمیحات بقول مولانا وحید الدین سلیم کے "عربیرانی"، قسم کی ہیں یعنی اُن کا اساس عرب اور ایران کی مذہبی، تاریخی، جغرافیائی اور ادبی عناصر پر قائم کیا گیا ہے۔ مثلاً انبیا کے قصے، فرشتوں کے تذکرے، جنت دوزخ اور قیامت کے نظارے وغیرہ۔

اس کے علاوہ کوہ طور، الوند، قاف بستیوں اور البرز' یہ بھی رہے۔ درخت اور پھول بھی ان ہی کی سرزمین سے لئے گئے، یعنی سرو، شمشاد، صنوبر، سوسن، سنبل، بنفشہ، ریحان، نرگس وغیرہ۔ حسن و عشق کی داستانوں میں سے لیلیٰ، سلمیٰ، قیس، عذرا، وامق، یوسف زلیخا کے نام لئے گئے۔ پرند ایران کے ہی رہے، یعنی بلبل، طوطی، قمری، کبک دری، عقاب سیمرغ، شہباز۔ مائتھالوجی کے متعلق یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اُردو ادب میں جہاں

قدیم ایران کی غیر مسلم دیومالا کی شخصیتوں اور کرداروں کے نام بڑے عزت سے لئے جاتے ہیں وہاں ہندوستان کی دیومالا کے کرداروں کو سرے سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ، نظیر اکبرآبادی اور انشاء اللہ خاں کو چھوڑ کر کسی اور شاعر کے کلام میں ہندو دیومالا یا کلاسکی ادب سے متعلقہ تلمیحات مشکل سے پائی جاتی ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جہاں ہندوستان کے فارسی شعرا نے بھی اپنی عشقیہ مثنویوں کے موضوعات میں دیولرانی (امیر خسرو) اور "نلدمن" (فیضی) وغیرہ کو شامل کر لیا مگر مابعد کے اُردو شاعروں نے کسی ہندوستانی کردار کو مثنوی کا موضوع منتخب نہیں کیا۔ رام، کرشن، شیوجی اور راجہ اندر کے علاوہ شاید ہی کسی دیوتا کو اُردو ادب میں کوئی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ برخلاف اس کے قدیم ایران کی دیومالا پر مبنی تلمیحات اَنگنت ہیں۔ جیسے جمشید، ضحاک، فریدوں، کیخسرو، رستم، سہراب، افراسیاب، نریمان، کیکاؤس، سیاوش، بہرام گور، نوشیروان عادل وغیرہ۔ ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ ایران اور ہندوستان کے متعدد مُسلمانوں کے نام بھی اسی غیر اسلامی دیومالا سے لئے گئے ہیں مثلاً جمشید علی بہرام خاں وغیرہ۔ یہ رعایت قدیم ہندوستانی دیومالا کی صورت میں ہرگز نہیں برتی جاتی۔ اگر ہندو دیومالا کے متعلق احترام کا جذبہ ہوتا تو یہاں بھی "ارجن علی" "بھیم خاں" وغیرہ نام رائج ہو جاتے۔ یہ دلیل کہ ہندو دیومالا میں بُت پرستی کا عنصر آ نے کی وجہ سے ایسے نام رائج نہیں ہوئے سَراسَر غلط ہے کیونکہ انڈونیشیا میں ہندو نام مُسلمانوں میں عام ہیں۔ مثلاً سکرنو، سوہارتو، رانی رتنا۔ اس کے علاوہ ہندیشیا کی ہوائی سروس کا نام ہے "گرودا"، جو وشنوجی کی سواری کے پرند کا نام ہے۔ اسی طرح وہاں کی تیل ریفائنری کا نام بھی "ارجن" رکھا گیا ہے ابھی کچھ دو تین سال پہلے عالمی رامائن کانفرنس بھی انڈونیشیا میں منعقد ہوئی تھی۔ الغرض صرف ہندوستان کو چھوڑ کر ساری دنیا میں مُسلمان قومیں اپنی اپنی قومی روایتیں نہ صرف برقرار رکھتی ہوئی چلی آئی ہیں بلکہ اُن پر فخر بھی کرتی ہیں۔ ایران پر عربوں کا اقتدار قائم ہو جانے کے بعد وہاں کے زرتشتیوں نے اسلام کو تو قبول کیا لیکن عرب معاشرت، زبان اور ادب کا پلہ بھاری ہونے نہیں دیا۔ گو سلطان محمود کے زمانے سے ہی یہ بغاوت جاری ہو گئی اور اس کے فرمان کے مطابق فردوسی طوسی نے "شاہ نامہ" مرتب کیا جو قدیم ایران کی مذہبی اور تاریخی ہستیوں کی تاریخ ہے جو سب کی سب زرتشتی تھیں۔

ہندوستان میں قدیم قومی ورثہ سے نفرت یا بے نیازی کیوں؟

یہ کہنا غلط ہو گا کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں قومی یک جہتی کی کوششیں نہیں کیں۔ سنہ ۱۱ء سے ۱۷۶۵ء تک سبھی سُلطانوں، شاعروں، اور صوفیائے کرام نے یہ کوششیں جاری رکھیں۔ ابراہیم عادل شاہ نے تو اپنی تصانیف (کتاب نورس وغیرہ) میں گنیش جی، سرستی ماتا لکشمی جی، اور ہنومان جی کی حمد کی ہے۔ لیکن اس کے مخالفوں نے، جن کا اس کے مقابلے میں بس نہیں چلتا تھا، اس کو "جگت گرو" کا خطاب اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے دیا۔ احترام سے نہیں۔ اسی طرح اکبر اعظم اور قومی یک جہتی کا دَم بھرنے والی دوسری مسلمان ہستیاں نفرت ہی کا شکار بنیں جن شاعروں نے مثلاً جائسی، قطبن، عبدالرحیم خان خاناں، کبیر وغیرہ نے ہندی روائت، تہذیب، ادب اور عام معاشرت سے وفاداری کا ثبوت دیا انھیں اُردو شاعروں کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا گیا۔

شاہ ولی اللہ

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں شاہ ولی اللہ نے وہابی تحریک جاری کی اور مسلمانوں کے آداب میں جو ہندوستانی رسوم اور قومی یک جہتی کو بڑھاوا دینے والے پہلو قائم ہو گئے تھے ان کا قلع قمع کر دیا۔ شاہ ولی اللہ کے بیٹوں اور پیروکاروں نے ہندو دیومالا، مُشترکہ رسوم اور تہوار جیسے ہولی، دیوالی، محرم وغیرہ سے وابستگی کو کفر قرار دیا اور اس طرح ایران اور عرب کی روایتوں کو ہندوستانی مُسلمانوں کی قومی خصوصیات کا رتبہ حاصل ہوا۔ ایک دو صدیوں کے اندر یہ تحریک زور پکڑتی گئی اور بعد میں جو "علی گڑھ تحریک" "پین اسلامزم" (عالمی وحدتِ اسلامی) "دو قومی نظریہ" وغیرہ تحریکوں نے ہندی زبان، ہندوستانی تہذیب، اور ادبی روایات کے متعلق بچے کچے احساس اور ہمدردی کا بھی خاتمہ کر ڈالا، اور اس طرح اور باتوں کے علاوہ ہندوستانی تلمیحات کا رواج اُردو ادب سے غائب ہوتا گیا۔ جب ہندوستانی تہذیب سے مغائرت برتنا ہی اُردو ادب کا شیوہ قرار پایا تو اردو زبان کے کالستھ اور کشمیری برہمن شاعروں نے اپنی نظموں اور دیگر تصنیفات میں عرب ایران، توران سے وابستہ تلمیحات کا سہارا لیا۔ چنانچہ مثنوی "گلزارِ نسیم" کا موضوع ہندوستانی (راجہ اندر، بکاولی وغیرہ) ہونے پر بھی حمد سے لے کر عشقیہ شاعری کی نوعیت وہی ہے جو نظامی گنجوی یا جامی کی مثنویوں میں پائی جاتی ہے۔ نسیم خود کشمیری برہمن تھے اور کلاسیکی سنسکرت یا ہندی ادب کی تلمیحات سے واقف تھے تاہم انھوں نے لیلیٰ مجنوں، یوسف و زلیخا کے عشق کے حوالے دیئے گویا نل دمینتی، شکنتلا، مالتی مادھو "مالوِکا اگنی متر" کا بھی ذکر کر سکتے تھے جو سبھی ہندوستانی زبانوں کی عشقیہ شاعری کے مشترکہ

موضوع ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اگر وہ ہندی استعاراتی اساطیر اور تلمیحات سے اپنی شاعری کو مزین کرتے، تو ہندی شاعر قرار دیئے جاتے اور اُردو شاعری کی تذکرات میں انھیں کوئی حیثیت نصیب نہ ہوتی۔

مولانا وحیدالدین سلیمؔ

یہ کہنا مشکل ہے کہ اُردو ادب میں ہندوستانی تلمیحات کے سلسلہ میں جو ایک مخصوص رویہ اختیار کیا گیا ہے اس سے اُردو ادب کے ارتقاء میں کس حد تک فائدہ پہنچا ہے۔ مولانا وحیدالدین سلیم نے جو سر سیداحمد کے ہم عصر اور رفیق کار تھے اور ہندوستانی مسلمانوں، اُردو زبان اور ادب کی اصلاح اور ترقی کے لئے پوری سرگرمی سے کوشاں تھے۔ اس رجحان کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ مولانا رقمطراز ہیں:

"ہندی اور فارسی دونوں آریائی خاندان کی زبانیں ہیں۔ اُردو زبان کے تیار کرنے میں ان دونوں زبانوں نے کام کیا ہے۔ عربی ایک دوسرے خاندان السنہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کو سامی خاندان کہتے ہیں۔ اگر ہم اُردو زبان کے ان الفاظ کو شمار کریں جو ہندی اور فارسی سے لئے گئے ہیں تو بمقابلہ عربی زبان کے الفاظ کے ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری زبان میں آریائی الفاظ کے درمیان چھ اور ایک کی نسبت ہے۔ اُردو زبان کی قدرتی ساخت آریائی ہے کیونکہ اس کی گرامر وہی ہے جو آریائی زبانوں کی مشترکہ گرامر ہے۔ عربی کے الفاظ بلاشبہ اس میں شامل کیئے گئے ہیں مگر اُن سے اس زبان کی قدرتی بناوٹ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کیونکہ اُردو گرامر کو عربی گرامر سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہمارا فرض ہوتا ہے کہ ہم اپنی زبان کی قدرتی بناوٹ کو قائم رکھیں اور سامی الفاظ کو اس نسبت سے آگے نہ بڑھنے دیں جس نسبت سے کہ وہ اس زبان میں شامل ہیں۔ جو حضرات سنسکرت الفاظ کی بھرمار اُردو زبان میں کرتے ہیں جیسا کہ لاہور کے اخبار "برکاش" میں کیا جاتا تھا اور جو حضرات عربی الفاظ اُردو زبان میں بکثرت استعمال کرتے ہیں جیسا کہ اخبار "الہلال" میں کیا جاتا تھا۔ وہ گویا اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اُردو ہندوستانیوں کے لئے عام فہم نہ رہے اور ہندو مسلمانوں میں جُدائی کی خلیج وسیع ہوتی رہے، اور خود اُردو زبان اپنی قدرتی بناوٹ سے دُور ہو جائے۔

"اُردو زبان میں مسلمانوں کی تاریخ مذہب اور رسم ورواج کے متعلق الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اگر اُس میں ہندوؤں کی تاریخ، دیومالا، مذہب اور رسم و رواج کے متعلق الفاظ بڑھائے جائیں تو پھر یہ زبان فی الواقع ایک ایسی زبان بن جائیگی جس کے ساتھ ہندو مسلمانوں کو یکساں دلچسپی ہوگی۔ سکھوں، پارسیوں اور عیسائیوں کی تاریخ، مذہب اور رسم ورواج کے الفاظ بھی شامل کرنے لازم ہیں کیونکہ یہ قومیں بھی ہمارے ملک میں آباد ہیں اور ان کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات برادرانہ ہیں۔ اگر ہمارے شاعر اور انشاء پرداز اس خدمت کو انجام دیں تو اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ہندوستان کے ایک مشترکہ ادب کی بنیاد ڈالیں گے۔ یہ ادب تمام ہندوستانی قوموں کا مطمح نظر ہوگا۔ اس ادب سے تمام ہندوستانیوں کے جذبات متحرک ہوں گے۔ یہ ادب ہمارے تمام اہل وطن کو ایک شاہراہ ترقی پر لا ڈالے گا۔ اب اسی ادب کی روشنی میں "ہندُ لمانیت" (ہندو مُسلمانوں کے مشترک ادب) کی صبح کا آغاز ہوگا۔ اب ہندوستان کو ایسے ادیبوں کی ضرورت نہیں جو ہندو مُسلمانوں کے تعصبات کو بھڑکائیں، جوان کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنائیں، بلکہ ایسے ادب کی ضرورت ہے جو حُب وطن کے ترانے سُنا کر سب کے دلوں کو جوش میں لائے۔ ایک ایسے ادب کی ضرورت ہے جو ہندوستانیوں کے قلب میں اتحاد و محبت کی رُوح پھونکے۔"

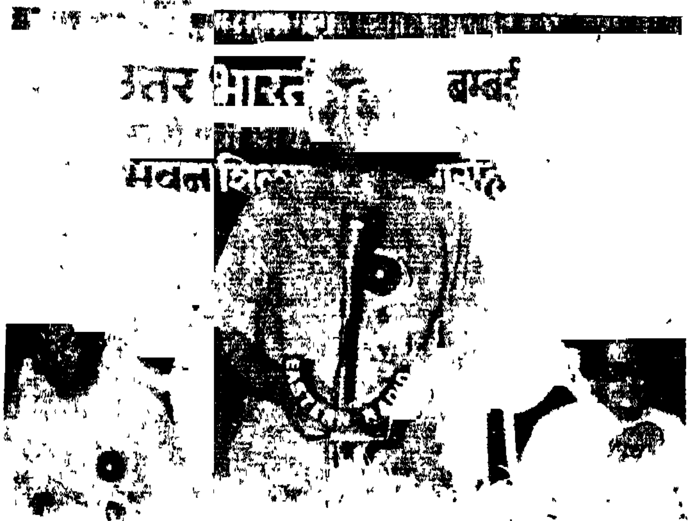
ہندوستانی تلمیحات کے تعلق سے اُردو شاعروں اور ادیبوں کی سرد مُہری کی کڑی تنقید کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

"موجودہ تلمیحات کا بیشتر حصہ عرب و ایران سے لایا گیا ہے۔ ہندوستانی تلمیحات عام بول چال میں کس قدر ہیں لیکن وہ لائق شمار نہیں ہیں۔ ہندوستان کی زبانوں اور ان کی ادبیات سے نفرت و گریز کرنے کے بعد کوئی حق نہیں ہے کہ ہم اُردو زبان کو ہندوستان کی مُشترک زبان کا

کا خطاب دیں۔ اگر آپ جرمن، فرانسیسی
یا انگریزی زبان کی لغات کھول کر
دیکھیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انھوں
نے تمام دنیا کی زبانوں اور ادبیات
سے فائدہ اٹھایا ہے۔ کوئی زبان،
کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہیں
ملے گی جس کے عقائد، رسوم، اوہام
تاریخ اور ادب کے متعلق ضروری
الفاظ ان ترقی یافتہ زبانوں میں
موجود نہ ہوں۔ گویا انھوں نے اپنی
زبانوں کے ادب کو ایک عالمگیر
ادب بنا دیا ہے۔ کیا ہمارے لئے
یہ بات شرم کی نہیں ہے کہ ہم نے
اپنی زبان کو اب تک ہندوستانی
زبان کہلانے کا مستحق بھی ثابت نہیں
کیا ہے۔ اگر ہم فراخ دل ہوتے، اگر ہم
میں تعصب کی جہالت نہ ہوتی، اگر
ہم کو اپنی زبان سے محبت ہوتی،
اگر ہم اپنی زبان کے ساتھ اپنے
وطن کی عزت بھی کرنا چاہتے تو پھر
ہمارا فرض تھا کہ جتنی قومیں ہندوستان
میں آباد ہیں، اُن کے عقائد و اوہام
ان کے رسم و رواج اور ان کی تاریخ
و ادب کے تمام ضروری الفاظ اپنی
زبان میں داخل کر لیتے اور اس کا
دائرہ اس قدر وسیع کرتے کہ ہندوستان
کی کوئی موجودہ زبان اس کا مقابلہ
نہ کر سکتی۔ اگر عام بول چال میں
تغیر و تبدل کرنے کا اختیار ہم نہیں
رکھتے، تو یہ بات تو ہماری قدرت
میں ہے کہ ہم اپنی ادبیات کا دائرہ
وسیع کر دیں اور اس کو ہندوستان
کے تمام تعلیم یافتہ باشندوں کیلئے
قابل مطالعہ اور لائق اُنس بنا دیں۔

اُردو زبان کے بنانے میں ہندو مسلمان
دونوں شریک ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ
اس کے ادب میں صرف اسلامی
ادبیات کے آثار موجود ہیں؟ ہندو
قوم کے ادبیات کا کوئی نشان نہ ہماری
نثر میں ہے نہ نظم میں۔
(افاداتِ سلیم۔ مولانا وحید الدین سلیم ص ۱۸۱)

مرکزی وزیر انرجی شری کے۔ سی پنت نے
۱۴ جنوری ۱۹۷۷ء کو باندرہ میں "بھوا اُودیشیہ
اُتر بھارتیہ بھون" کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع
پر لی گئی تصویر میں شری کے۔ سی پنت تقریب
سے خطاب فرما رہے ہیں۔ جبکہ آپ کے داہنی
جانب وزیر جنگلات، شری آر۔ جے دیوتلے اور
بائیں جانب وزیر مملکت برائے مالیات شری
وی۔ جی یر بھوگاؤنکر تشریف فرما ہیں۔



شری آر۔ جے دیوتلے، وزیر جنگلات ۱۴ جنوری کو کمار سوامی ہال، بمبئی میں مٹی کے
ظروف اور کھلونوں کی نمائش کا افتتاح کرنے کے بعد ایک خوبصورت گلدان بڑی دلچسپی سے
ملاحظہ فرما رہے ہیں۔



غزل

کبھی کھولے ہے کبھی زُلف کو بکھرائے ہے
زندگی شام ہے اور شام ڈھلی جائے ہے

میری تُربت پہ جلاؤ نہ دعاؤں کے چراغ
روشنی سے تو مری موت بھی گھبرائے ہے

ہر خوشی موم کی گڑیا ہے مقدّس گڑیا
تاج شعلوں کا زمانہ جسے پہنائے ہے

خامشی کیا کسی گنبد کی فضا ہے، جس میں
گونج کر میری ہی آواز پلٹ آئے ہے

مرد کے پوچھے ہے بھی روح کی بیوہ مجھ سے
چوڑیاں کون مرے ہاتھ میں پہنائے ہے

کون سمجھے مرے اخلاص کی عظمت کو بھلا
میں وہ دریا ہوں جو قطرے میں سما جائے ہے

پاؤں ننگے ہیں مگر راہ میں کانٹے ہیں بہت
دھوپ بھی تیز ہے کس طرح چلا جائے ہے

کوئی دیکھے مرے افکار کے گہنوں کی پھبن
شاعری بن کے دُلہن اور بھی شرمائے ہے

پریمؔ وہ جام تمنّا ہوں کہ جو رہ رہ کر
اُن کے مہندی لگے ہاتھوں میں چھلک جائے ہے

پریم وار برٹنی
۱۱۶۹ سیکٹر ۸ ۔ سی
چنڈی گڑھ، (پنجاب)



جنگِ آزادی کے سپاہی

پنڈت جواہر لال نہرو

● عثمان خان

جنگِ آزادی میں گاندھی جی کے پاس نہ مہلک ہتھیار تھے نہ توپ و تفنگ! لیکن ان کا ہتھیار تھا اصول کی پابندی اور عزم! کچھ لوگوں نے ان اُصولوں کا مذاق اُڑایا اور کچھ لوگوں نے انھیں ناقابلِ عمل بتایا۔ لیکن لاکھوں ہندوستانی انھیں ہتھیاروں سے لیس ہوئے۔ انھیں لوگوں میں پنڈت جواہر لال نہرو بھی تھے جن کی ملاقات گاندھی جی سے ۱۹۱۶ء میں ہوئی تھی اور ۱۹۱۹ء تک وہ گاندھی جی کے قریب ترین ساتھیوں میں رہے اور آخرکار گاندھی جی نے پنڈت نہرو کی آزادی کی لگن کو دیکھتے ہوئے انھیں اپنا جانشین بنالیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو ۱۹۲۰ء میں وکالت کو چھوڑ کر تحریکِ ترکِ موالات میں شریک ہوئے، اور جلد ہی انھوں نے گاندھی جی کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا لی۔ اس تحریک کے ابتدائی دور میں پنڈت موتی لال نہرو یو۔پی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔ پنڈت نہرو اس کے سکریٹری تھے۔ یہی زمانہ ان کی پہلی سزا یابی کا تھا۔ موتی لال نہرو لکھنؤ جیل میں اور پنڈت نہرو نینی تال جیل میں تھے۔

بلاشبہ اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ نہرو خاندان نے جنگِ آزادی کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنا نام ہندوستانی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے روشن کیا۔

۱۹۲۰ء میں گاندھی جی نے انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں، جو کہ کلکتہ میں منعقد ہوا تھا "ترکِ موالات" تحریک کی تجویز پیش کی۔ جسے لالہ لاجپت رائے نے، جو کہ اس اجلاس کے صدر تھے منظور کر لیا تھا اس تحریک میں سرکاری ملازمتوں، تعلیمی کالجوں، اسکولوں اور عدالتوں کا بائیکاٹ شامل تھا۔

چنانچہ پنڈت موتی لال نہرو نے بھی اپنی وکالت ترک کر دی لیکن اس سے پہلے پنڈت جواہر لال نہرو اپنی بیرسٹری ترک کر چکے تھے جواہر لال نہرو نے نہ صرف بیرسٹری چھوڑی بلکہ بدیسی کپڑا پہننا چھوڑا اور لباس بھی بہت سادہ پہننا شروع کیا، جو شخص پہلے بہترین سُوٹ بوٹ میں رہتا تھا اب کھدر کا پائجامہ کرتا اور واسکٹ پہننے لگا۔ اس وقت کی سیاست صرف شہروں تک محدود تھی لیکن پنڈت نہرو نے الہ آباد کے کسانوں میں بھی بیداری پیدا کی۔ اودھ کا علاقہ خاص طور سے پچھڑا ہوا تھا وہاں بھی انھوں نے آزادی کی جوت جلائی۔

بھارت کی آزادی کا یہ بہادر سپاہی کبھی پیدل چلتا، کبھی سائیکل پر سفر کرتا کبھی موٹر میں گاؤں گاؤں پھرتا اور عوام کے دلوں میں شمعِ آزادی روشن کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اس کے چٹانوں جیسے مضبوط ارادوں کو نہ تو بجلی کی کڑک متزلزل کر سکی نہ بادلوں کی گرج، نہ آندھیوں میں طاقت تھی اور نہ طوفانوں میں قوت کہ اس کا راستہ روکتیں۔

دیش کے نوجوانوں کو اس متوالے سپاہی سے محبت تھی اور وہ اس سپاہی کی خاطر اپنی جان بھی دینے سے گریز نہ کرتے تھے۔

اس تحریک کے دوران ۲۲-۱۹۲۰ء میں پنڈت نہرو کو ایک بار ۳ ماہ اور دوسری بار چھ ماہ کی سزا ہوئی۔

گاندھی جی جب ۱۹۲۳ء میں گرفتار ہوئے تھے اس وقت جواہر لال نہرو یو۔پی صوبائی کانگریس کے سکریٹری تھے لیکن جب گاندھی جی ۱۹۲۴ء میں رہا ہو کر آئے تو پنڈت جواہر لال نہرو آل انڈیا کانگریس کے سکریٹری منتخب ہو چکے تھے۔ گاندھی جی کی گرفتاری کے وقت فرقہ وارانہ تحریکوں نے بہت سر اٹھا لیا تھا، گاندھی جی نے رہا ہونے کے بعد ان تحریکوں کو ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا اور اپنی ساری طاقت اس قسم کی تحریکوں کو کچلنے میں لگا دی اور اس موقع پر پنڈت جواہر لال نہرو ان کے دوش بدوش رہے۔

وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ کے مشورے سے حکومت برطانیہ نے ایک کمیشن اس بات کا جائزہ لینے کے لئے مقرر کیا کہ ہندوستان کس حد تک خود مختاری یا ذمہ دار حکومت سنبھالنے کے قابل ہوا ہے، اس کمیشن کے تمام اراکین انگریز تھے جس کی صدارت سر جان سائمن کر رہے تھے اسی لئے اس کمیشن کا نام سائمن کمیشن پڑا۔ اس کمیشن کے خلاف زبردست احتجاج ہوا، اور کانگریس نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ ۱۹۲۸ء میں یہ کمیشن لکھنؤ پہنچا تو پنڈت نہرو اور پنڈت گووند ولبھ پنت نے مظاہرین کے جلوس کی قیادت کی۔ پولس نے جلوس کو منتشر کرنے کے لئے آزادانہ لاٹھی چارج کیا اور ان دونوں آزادی کے متوالوں پر خاص طور سے لاٹھیاں برسائی گئیں، لیکن پنڈت جی کے اردگرد کالج کے طلباء نے اپنا حصار قائم کر لیا ورنہ حکومت کا ارادہ تو پنڈت نہرو کی جان لینے ہی کا تھا۔

۱۹۴۲ء میں مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں "بھارت چھوڑ دو" تحریک چلائی گئی۔ لیکن ان کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ گھوم پھر کر اس تحریک کا پرچار کریں۔ یہ سعادت بھی جواہر لال نہرو اور ان کے رفقار کار کے حصہ میں آئی۔ انھیں دنوں گاندھی جی نے اعلان کیا کہ نہرو میرے جانشین ہوں گے۔ اگست میں کانگریس کا اجلاس ہوا جس میں "بھارت چھوڑ دو" تحریک کا ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں تمام بڑے لیڈر بشمول گاندھی جی گرفتار کر لئے گئے۔

گاندھی جی اور کستوربا گاندھی اور مہادیو دیسائی کو آغا خاں پیلس پونے میں نظر بند کر دیا گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد صدر کانگریس، پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے لیڈروں کو بمبئی میں گرفتار کیا گیا اور انھیں احمد نگر جیل میں رکھا گیا۔

۱۹۴۵ء میں جنگ عظیم کے خاتمہ پر تمام کانگریسیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے سرکردہ لیڈروں کو رہائی حاصل ہوئی۔

۱۹۴۶ء میں پنڈت جواہر لال نہرو پھر ایک بار کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اس سے پہلے وہ کشمیر میں عارضی طور پر گرفتار بھی ہوئے تھے۔ یہ ان کی زندگی کی آخری گرفتاری تھی۔ مسٹر جناح اور لارڈ ویول سے مذاکرات کے نتیجہ میں ملک کی پہلی ملی جلی وزارت کانگریس اور مسلم لیگ کے اشترک سے وجود میں آئی۔

ہندوستان کے سیاسی حالات بتدریج بہتر ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کا وہ مبارک دن آیا جس کا ہر ہندوستانی منتظر تھا۔ اسی دن سے ہندوستان نے آزاد فضا میں سانس لینا شروع کیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ وزیر اعظم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب تک ہماری جنگ غلامی کے خلاف تھی لیکن اب یہ غریبی اور تعصب کے خلاف رہے گی اور ہم اس کو مستحکم روپ دینے کے لئے تن من دھن سے کوشش کریں گے۔ اور آج بھارت ان ہی کے اصولوں پر گامزن رہتے ہوئے ترقی کی مثالی منزلیں طے کر رہا ہے۔

مضمون نگار حضرات سے گزارش

ہے کہ مسودے صاف (خوشخط) اور کاغذ کے صرف ایک طرف لکھے ہوئے مرحمت فرمایا کریں۔

دو ممتاز ادیبوں کی رحلت

ماہ جنوری ۱۹۷۷ء میں اُردو زبان و ادب ، دو عظیم نامور اور برگزیدہ ہستیوں سے محروم ہوگیا. ایک تھے مولانا عبدالماجد دریابادی اور دوسرے پروفیسر رشید احمد صدیقی ایسے بلندپایہ عالم، مفکر اور ادیب کسی قوم اور زبان کو گاہے گاہے ہی نصیب ہوتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو لکھنؤ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۸۵ سال تھی۔

مولانا عبدالماجد دریابادی ایک ہمہ گیر اور جامع شخصیت کے مالک تھے. وہ ایک جید عالم، مفکر اور فلسفی تھے اور عصری زندگی کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کا قلم ایک جری انشا پرداز کا قلم تھا، جس نے بیسویں صدی کے آغاز سے اب تک علم و ادب کے بے شمار موضوعات پر نادر و نایاب ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے. تفسیر القرآن، فلسفہ جذبات، مکالماتِ برکلے کے علاوہ سفر حجاز، انشائے ماجد، نشریات ماجد، تاریخ تمدن انگلستان (ترجمہ) اور زود پشیماں وغیرہ ان کی بے نظیر اور امٹ تخلیقات ہیں. مولانا کا ایک اور کارنامہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی کتاب 'فیہ ما فیہ' کی ترتیب و تدوین ہے. یہ کتاب اس سے پہلے نایاب تھی۔

مولانا نے تحریکِ آزادی میں بھی سرگرم حصہ لیا اور اپنے زورِ قلم سے جوش و خروش پیدا کرتے رہے۔

مولانا ماجد ایک بے باک اور بلند پایہ صحافی تھے. انھوں نے آخر دم تک حق و صداقت کا علم بلند رکھا اور اظہارِ حق کی خاطر بڑے سے بڑے دنیاوی نقصان کی کبھی پرواہ نہ کی. ہفت روزہ "صدق جدید" میں ان کے بے لاگ مفامین اور "سچی باتیں" قارئین کے دلوں پر ہمیشہ نقش رہیں گی۔

ابھی مولانا عبدالماجد دریابادی کی موت پر آنکھیں پُرنم ہی تھیں کہ ۱۵ جنوری کو علی گڑھ میں اُردو ادب کے ایک اور مشہور و معروف اور مایہ ناز ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی بھی چل بسے. آپ نے ۸۱ سال کی طویل عمر پائی۔

بیسویں صدی کے آغاز پر دنیائے علم و ادب میں اُبھرنے والی جلیل القدر ہستیوں میں پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنے طرز کی منفرد شخصیت تھے. وہ اُردو زبان کے لائق و فائق استاد، صاحبِ طرز ادیب، مسلمہ نقاد اور زبردست طنز و مزاح نگار تھے. انھوں نے اُردو ادب کو تنقید اور طنز و مزاح نگاری کے نت نئے شگفتہ گوشوں سے روشناس کیا. سب سے پہلے "ارہر کے کھیت" سے ان کی ظرافت پیدا ہوئی. پھر "شیطان کی آنت" نمودار ہوئی. اسی طرح ایک سے بڑھ کر ایک طنز و مزاح سے بھرے مضامین میں انھوں نے اپنی تیز قلم کے جوہر دکھا کر ادب کے میدان میں اپنا سکہ جما دیا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم، سابق صدر جمہوریہ ہند رشید صاحب کے چند گنے چنے جگری احباب میں سے تھے. ذاکر صاحب کو وہ 'مرشد' کہتے تھے. اپنے مرشد کا تعارف کس انداز میں کراتے ہیں وہ خود انھیں سے سنئے:

"چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ جس سال نان کوآپریشن کا حملہ ایم. اے. او کالج پر ہوا ہے مرشد اور میں ہم نوالہ و ہم پیالہ، ہم سبق اور ہم خیال تھے. مرشد ان طلبا میں سے تھے جن سے کالج کے ارباب حل و عقد بجا طور پر مرعوب تھے اور شاید اس کا سبب یہ تھا کہ مرشد کی حاضری ہمیشہ کم رہتی اور یونیورسٹی میں اچھے سے اچھے نمبروں سے پاس ہوتے تھے وہ یونین کے بے پناہ مقرروں میں سے تھے. کرتہ، پاجامہ اور داڑھی شرعی، شیروانی حیدرآبادی، غذا ڈائننگ ہال کی، ناشتہ دوسروں کا اور دوا دہلی کی. مرشد کو ہمیشہ اس کا اندیشہ رہا کہ ان کی تندرستی خطرہ میں ہے اور اسی فکر میں وہ آس پاس کے تمام اطباء سے رجوع کرتے رہتے تھے. ان میں حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری بھی شامل تھے اور ایسے حکیم اور ڈاکٹر بھی جن کا نام سوائے اُن کے سائن بورڈ یا خود مرشد کے کسی اور کو معلوم نہ تھا یا پھر ؎

آں راکہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

مرشد اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لیئے عطار اللہ خاں کا معجون جالینوس کا پورا مرتبان ہضم کر جاتے ہیں اور اگر اصول علاج پر بحث

بقیہ صفحہ ۴۲ پر

حسن



صبح کاشی تیری چشمِ ناز کھُل جانے کا نام
شام میخانہ تیرے گیسُو کے بکھرانے کا نام

رکھ دیا رنگیں شفق آنچل کے لہرانے کا نام
اور برقِ مضطرب گھونگھٹ میں گھبرانے کا نام

چلتا جادو ہے خرامِ نازفرمانے کا نام
وقت رُکنا آتی انگڑائی کے رُک جانے کا نام

گلُ پہ شبنم یا پسینہ شعلۂ رُخسار پر
شاخِ گلُ کا جھوُمنا' بانہوں کے لچکانے کا نام

فتنۂ بیدار تیری مست چشمِ نیم خواب
چونک پڑنا خواب سے' ساغر چھلک جانے کا نام

چاندنی کی موج کیا ہے دھوپ تیرے رُوپ کی
چاند' اک مرکز پہ جلووں کے سمٹ آنے کا نام

جنت الفردوس تیری انجمن آرائیاں
اور قیامت رُوٹھ کر پہلو سے اُٹھ جانے کا نام

رنگ، نغمہ، نوُر، نکہت، نشہ وکیفِ غزل
مختلف تیری اداؤں کے بکھر جانے کا نام

یہ تبسم یہ ہنسی بے ساختہ یہ قہقہہ!
غنچہ کھِلنا، پھُول بننا اور بکھر جانے کا نام

شام جلنا صبح بجھنا اور پگھلنا رات بھر
پھر بھی ظالم شمع ہو مظلوم پروانے کا نام

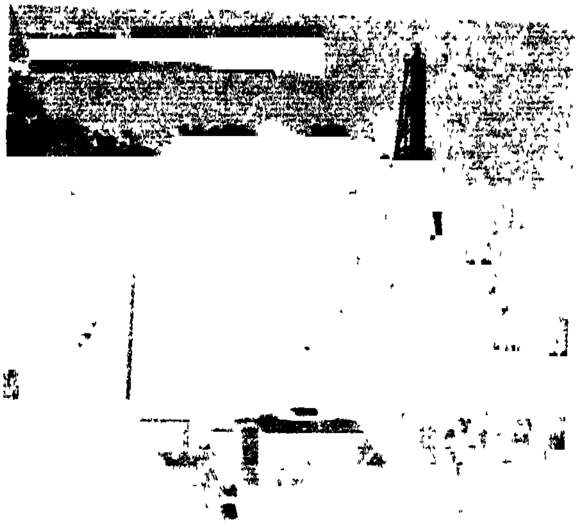
حضرتِ ناصح کو یہ سمجھائے کوئی کس طرح
خود ہے پاگل پن کسی پاگل کو سمجھانے کا نام

ایک میں ہوں جس نے رگ رگ میں بسایا ہے انھیں
ایک وہ جن کو نہیں یاد اپنے دیوانے کا نام

زندگی ہے اے مظفرؔ آرزو در آرزو
موت کیا ہے آرزو سے دُور ہو جانے کا نام

مُظفر شاہجہانپوری
ڈائمنڈ لاج ، دوسری پیر خاں اسٹریٹ، بمبئی ۸





سماجی۔معاشی

ترقی کی جانب بڑھتے قدم

ہنگامی حالات کے نفاذ کے بعد پچھلے اٹھارہ مہینوں میں ایک قوم کی حیثیت سے ہم نے اپنے آپ کو از سرِ نو دریافت کیا ہے۔ ملک کے تمام معاشی سیکٹروں میں مقاصد کے فروغ اور خود اعتمادی کی جو فضا پیدا ہوئی ہے، اس میں مہاراشٹر بھی شامل ہے۔ ہنگامی حالات کے باعث مواقع کی فراہمی، نظم و ضبط اور عمل کا جو جذبہ پیدا ہوا اس کے نتیجہ میں ریاست میں سماجی و معاشی تبدیلیوں کے لئے راہیں ہموار کی گئیں۔

ریاستی حکومت نے زراعت، آبپاشی بجلی اور صنعت پر زیادہ زور دیا۔ سماجی بہبود اقدامات کے طور پر، خاص طور سے ادیباسیوں کی بہبود کے لئے ہاؤسنگ اور جھونپڑ پٹی سدھار پروگرام وضع کئے گئے اور ان پر سختی سے عمل درآمد کیا گیا۔

زرعی محاذ:

گذشتہ دہائی مہاراشٹر کی زرعی پیداوار میں بڑی تبدیلیوں کی حامل ہے ۱۹۷۳-۷۴ء سے زرعی پیداوار میں اضافہ شروع ہوا اس سال اناج کی کل پیداوار ۲۶۔۲۶ لاکھ ٹن تھی ۷۶-۱۹۷۵ء میں یہ پیداوار بڑھ کر ۲۵۔۷۷ لاکھ ٹن ہوگئی اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں سچی لگن اور انتظامیہ نیز تکنیکی امداد سے ۹۱۔۱۹ لاکھ ٹن اناج کی پیداوار ہوئی۔ ان کامیابیوں کے نتیجے میں ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱۰۰ لاکھ ٹن اناج کی پیداوار کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے۔ ریاستی حکومت عام نظامِ تقسیم کے تحت ضروریات پوری کرنے کے لئے اناج کا مناسب ذخیرہ کرنے میں کامیاب ہوئی۔ پچھلے ۳۱ر دسمبر تک مہاراشٹر حکومت نے ۳۸۔۶ لاکھ ٹن اناج کا ذخیرہ کر لیا تھا۔

صنعتی پیداوار:

سازگار صنعتی ماحول نے ریاست کو نئے صنعتی دور کی منزل سے قریب تر کر دیا ہے۔ ستمبر ۱۹۷۶ء کو ختم ہونے والی سہ ماہی کے دوران صنعتی پیداوار کا اندازہ پچھلے سال کی صنعتی پیداوار سے تقریباً ۱۱ فیصد زائد ہے۔ اس سے پہلے

کی مدت سے تقریباً ۶ فیصد زائد تھا۔ ریاست میں ۱۹۷۶ء کے پہلے ۹ مہینوں میں صنعتی پیداوار کا اوسط ۱۹۷۵ء کے اوسط سے ۱۴.۵ فیصد زائد تھا۔

حدبندی زرعی اراضی :

نئے زرعی حدبندی ایکٹ کی رو سے بھی مہاراشٹر میں ایک نیا سماجی نظام وضع کیا گیا۔ یکم جنوری ۱۹۷۷ء تک ۱۰۹۰۷۱ جوابات پیش ہوئے۔ جس میں سے ۸۶۲۸۲ کے بارے میں تحقیقات مکمل کی جا چکی ہے، اور تقریباً ۱۳۳۰۲۵ لاکھ ہیکٹر اراضی فالتو قرار دی گئی ہے۔ اس فالتو اراضی میں سے ۹۸۳۵۸ ہیکٹر اراضی ۶۴۰۹۸ بے زمین افراد میں تقسیم کی جا چکی ہے۔

نئے ایکٹ کی رو سے ۵۰ فیصد فالتو اراضی مندرج جاتیوں، مندرج قبائل، مقررہ خانہ بدوش قبیلوں اور ویمکت جاتیوں کے لئے وقف کر دی گئی ہے۔ مہاراشٹر میں ۶۰ فیصد فالتو اراضی متذکرہ طبقات کے افراد میں تقسیم کی جا چکی ہے۔

پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے زمینوں کے نئے مالکان کو زمین پر کاشتکاری کے لئے امداد کی ضرورت ہے لہذا ان کے کھیتوں پر ہل چلانے کا ایک پروگرام مرتب کیا گیا اور اس ضمن میں ۹ مئی سے ۵ جون ۱۹۷۶ء تک پنچایت راج اور دیگر ادارہ جات کے ذریعے چھوٹے کسانوں کو مفت بیج اور کھاد کی تقسیم کے پروگرام پر عمل درآمد کیا گیا۔ زمین کے نئے مالکان کو گاؤں کے امداد باہمی ادارہ جات کا ممبر بنایا گیا۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء تک ۵۶۰۰۵ نئے مالکان کا اندراج کیا گیا۔

کھاتے پستک :

حکومت نے کھاتے پستک اسکیم کا نفاذ کیا۔ اس کے ساتھ ایک کتابچہ جو کہ ایک بنیادی دستاویز ہوتا ہے جس کے تحت بنک اداروں اور تمام سرکاری و نیم سرکاری محکموں سے متعلق ربط قائم کیا جاتا ہے۔ اس میں حقوق ریکارڈ کی نقل اور کاشت و فصل سے متعلق معلومات نیز محصول اراضی کی ادائیگی اور دیگر بقایا جات وغیرہ کے بارے میں تفصیلات درج ہوتی ہیں۔

کھاتے داروں کو کھاتے پستک کی تیاری اور تقسیم کا کام یکم اگست ۱۹۷۶ء سے شروع کیا گیا۔ اور امید ہے کہ مارچ ۱۹۷۷ء تک تمام کام مکمل کئے جائیں گے۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء تک ۳،۶۸،۰۰۰ کھاتے پستک تقسیم کئے جا چکے ہیں۔

ادیباسیوں کے لئے اراضی کی بحالی کے ضمن میں اب تک ۷۹۹۳ ادیباسیوں کو ۱۳۵۶۱ ہیکٹر اراضی منتقل کی جا چکی ہے۔

دیہاتوں کے بے زمینوں کو گھر

دیہات کے بے زمینوں کو مکانات دینے کا سرکار وعدہ کر چکی ہے۔ مہاراشٹر میں ۳.۶۱ لاکھ بے زمین مزدوروں کی فہرست بنائی گئی ہے تاکہ گھر بنانے کے لئے انھیں اراضی دی جائے۔ ان میں سے ۲.۵۸ لاکھ افراد میں اراضی تقسیم کی جا چکی ہے۔ ان میں ۶۵ فیصد افراد مندرج جاتیوں، مندرج قبائل اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

بے زمینوں کے لئے مکانات کی فراہمی کے سلسلے میں حکومت نے کم لاگت کے گھر بنانے کے لئے ایک پروگرام وضع کیا ہے۔ سرکاری امداد کے علاوہ رضاکارانہ طور پر امداد بھی مل رہی ہے۔ سماجی، خیراتی اور نجی صنعتی ادارے جات کے تعاون سے مکانات کھڑے کئے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں اب تک ۵.۷ لاکھ روپے اکٹھا کئے جا چکے ہیں اور صرف



بھی کئے جا چکے ہیں۔

۷۶-۱۹۷۵ء میں ۴۳،۷۳،۱۳۲ جھونپڑے تعمیر کر کے الاٹ کئے گئے۔ جب کہ مقررہ نشانہ ۲۵ء۱ لاکھ جھونپڑوں کا تھا۔ ۷/۹ فیصد جھونپڑے مندرج جاتیوں، مندرج قبائل خانہ بدوش قبائل اور دیمکت جاتیوں نیز پسماندہ طبقات کے افراد میں تقسیم کئے گئے۔

موجودہ سال کے دوران ۱۰۶،۰۰۰ جھونپڑے بنانے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں ۳۶،۲۱،۲۲ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ دسمبر ۱۹۷۶ء کے اختتام تک ۲۰،۰۰۰ جھونپڑے تعمیر کئے جا چکے تھے۔ چنانچہ مہاراشٹر میں اب تک ۵۴ء۱ لاکھ مستحق افراد کو جھونپڑے دیئے جا چکے ہیں۔ یہ پروگرام مزید دو سال تک جاری رکھا جائے گا۔ جب تک کہ تمام دیہی بے زمینوں کو مکانات فراہم نہ ہو جائیں ان جھونپڑوں کے مالکوں کو ضلع پریشدوں کے ذریعے بنیادی سہولتیں مثلاً سڑک، پینے کا پانی وغیرہ بھی فراہم کی جائیں گی۔ قومیائے گئے بینکوں سے ان افراد کو مالی امداد بھی بہم پہنچائی جارہی ہے۔ آمدنی کے لئے ایسے افراد میں مخلوط نسل کی گائیں بھی تقسیم کی جارہی ہیں۔

ادیباسیوں کو قرضہ جات:

مہاراشٹر میں بیگار کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ پھر بھی حکومت مہاراشٹر نے دوسرے قسم کے استحصال سے تحفظ کی خاطر بعض اقدامات کئے ہیں۔ پالیموڈے خاتمہ اسکیم کے تحت ادیباسیوں کو ۲۵۰ روپے تک قرض دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ ساہوکاروں کے چنگل میں نہ پھنس جائیں۔ اس اسکیم کے تحت ۵۷ء۱۰۱ لاکھ کی رقم ۵۹،۲۷ ادیباسیوں میں تقسیم کی جا چکی ہے اور ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء تک دیگر ۵۵ ۲۴ ادیباسیوں کی بھی امداد کی گئی ہے۔

دیہی قرضہ جات:

قرض راحت ایکٹ نے بعض کاشتکاروں کاریگروں، دیہی مزدوروں اور درکروں کو راحت فراہم کی ہے۔ اب تک اس کے تحت ۵۸۸۳۲ افراد کو فائدہ پہنچا ہے۔

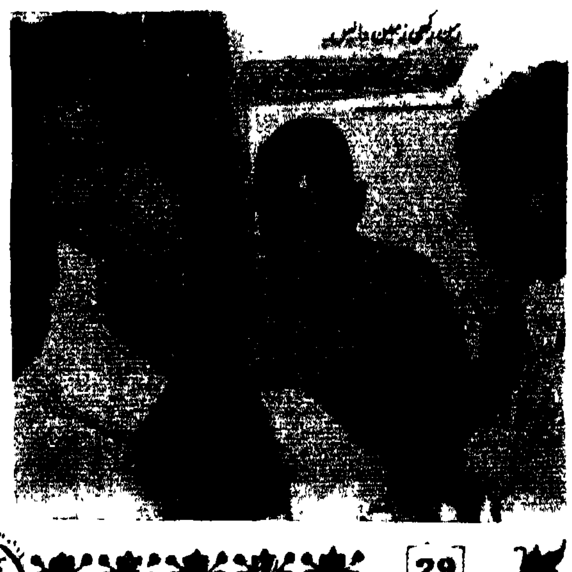
قرضوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر امداد باہمی ڈھانچے کو دوبارہ منظم اور مستحکم کرنے کے لئے اقدام بھی کئے گئے ہیں۔ چھوٹے اور ضمنی کاشتکاروں کو پرائمری ایگری کلچرل کوآپریٹو سوسائٹیز میں بطور ممبر درج کرنے کی ایک مہم شروع کی گئی ہے جس میں اب تک ۱۶،۹۶ لاکھ افراد شامل کئے جا چکے ہیں۔

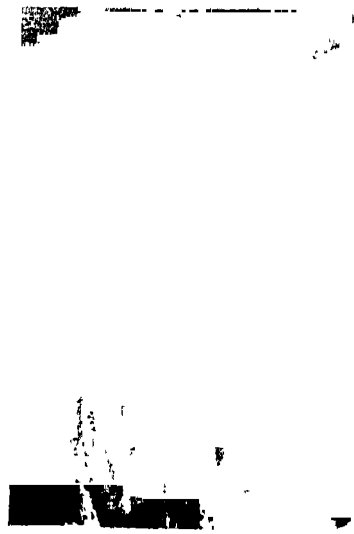
متذکرہ سوسائٹی کے ذریعہ پسماندہ طبقات کو قرض فراہم کرنے کے لئے بھی ریاستی حکومت نے ایک اسکیم مرتب کی ہے۔

زائد آبپاشی صلاحیت

پانچویں منصوبے کے چار سالوں (۷۹-۷۵ء) کے دوران ملک میں بڑے اور درمیانی درجہ کے پروجیکٹوں کے ذریعہ زائد آبپاشی صلاحیت کا جو پچاس لاکھ ہیکٹر کا کل نشانہ رکھا گیا ہے۔ اس میں سے ریاست مہاراشٹر کو ۲۹،۴ لاکھ ہیکٹر کا نشانہ دیا گیا ہے۔ بہر حال ریاستی حکومت نے خود اپنا نشانہ ۷۴،۴ لاکھ ہیکٹر کا مقرر کیا ہے۔ اس میں سے جون ۱۹۷۶ء کے اختتام تک ۶۵،۰۰۰ ہیکٹر صلاحیت پیدا کی گئی اور اکتوبر ۱۹۷۶ء کے اختتام تک ۱۵،۰۰۰ ہیکٹر زائد صلاحیت پیدا کی گئی۔







ریاستی حکومت کو اعتماد ہے کہ بقیہ نشانہ پانچویں منصوبے کے اختتام تک پورا کر لیا جائے گا۔

بجلی کی پیداوار:

مہاراشٹر میں بجلی کی مانگ ۲،۶۰۰ میگا واٹ کی ہے جبکہ موجودہ صلاحیت ۱۹۰۰ میگا واٹ کی ہے اور اس طرح سے ۷۰۰ میگا واٹ کی کمی پڑتی ہے۔

۲۰ نکاتی پروگرام کے اعلان کے بعد ریاست کی صلاحیت میں ۴۰۶ میگا واٹ کا اضافہ کیا گیا۔ حال ہی میں حکومت ہند نے ۶ عدد تھرمل پاور اسٹیشن قائم کرنے کی منظوری دی ہے اور جب یہ مکمل ہو جائیں گے تو ۲،۵۰۰ میگا واٹ زائد بجلی مل سکے گی۔ چندر پور میں ۱۶ جنوری کو مرکزی وزیر برائے انرجی شری کے۔ سی۔ پنت نے جب سنگ بنیاد رکھا تو ۴۰۰ کروڑ روپے کی لاگت کے سپر تھرمل پاور اسٹیشن کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔

۱۹۷۶-۷۷ء مالی سال کے اول سات مہینوں کے دوران ۴۰۶ نئے گاؤں میں بجلی فراہم کی گئی اور اس طرح بجلی فراہم کردہ گاؤں کی تعداد ۲۰،۵۰۶ ہو گئی۔ اسی طرح ۱۶۶۲۸ نئے پمپوں میں بجلی لگائی گئی۔ اس وقت بجلی سے چلنے والے پمپوں کی کل تعداد ۲۹۱،۳۴۰ ہو گئی ہے۔

شہری زمینوں کا سماجی کرن

اربن لینڈ سیلنگ اور ریگولیشن ایکٹ کے تحت حکومت نے جو زمین حاصل کی ہے اس کو کمزور طبقات کے مکانوں اور دوسرے عوامی مقاصد کی تعمیر کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

اس قانون کے نفاذ کی سمت اول اقدام کے تحت ریاستی حکومت نے تو شہری علاقو میں با اختیار عہدیدار متعین کئے ہیں اور شہری غریبوں کو زمینی سماجی کرن کے فوائد جتنی جلد ممکن ہو فراہم کرنے کے لئے اپنی مشنری کو مستحکم کیا ہے۔ اب تک مالکان کی جانب سے تقریباً ۶۰،۰۰۰ ریٹرن داخل کئے جا چکے ہیں۔

ایک نئی اپرنٹس اسکیم:

ریاست مہاراشٹر نے ۱۹۷۶-۷۷ء سال کے دوران ۱۸،۷۶۸ اپرنٹس بھرتی کئے اس طرح اس سال کا مقررہ نشانہ جو کہ ۱۶،۰۰۰ کا تھا اس سے آگے بڑھ گئی۔ اس بارے میں ملک کی تمام ریاستوں میں مہاراشٹر اول مقام پر ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی

گذشتہ کئی سال [illegible] کے دوران ریاست میں خا[illegible] [illegible] سلسلہ میں بہت ہی [illegible] حاصل کی گئی ہیں جو کہ اس حقیقت [illegible] ہو جائیں گی کہ ۱۹۷۰ء اور [illegible] کے دوران ملک بھر میں ریاست مہاراشٹر دس بار بہترین کارکردگی کا انعام حاصل کر چکی ہے۔

ایک خصوصی مہم اس سلسلہ میں یکم جون ۱۹۷۶ء سے شروع کی گئی اور اب تک سات لاکھ نس بندی آپریشن کئے جا چکے ہیں۔

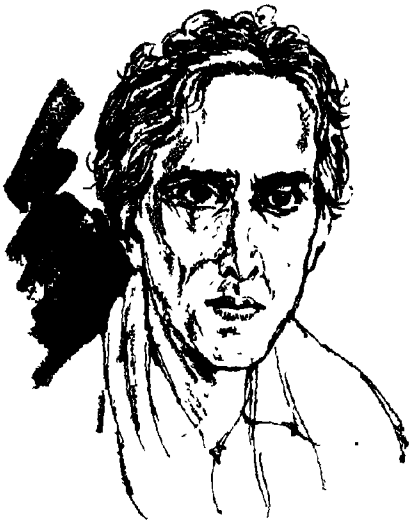
ہاؤسنگ

ہاؤسنگ کا منصوبہ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے ملک میں بہت ہی بڑا ہے۔ ریاستی حکومت بے گھروں کو مکان فراہم کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے تاکہ وہ ایک خوشگوار زندگی گذار سکیں۔ حال ہی میں تو مالیاتی بنکوں سے قرض کی امداد کے ساتھ گندی بستیوں کے جھونپڑے کی مرمت کرنے اور کمزور طبقے کو مکانات کی فراہمی کے لئے ایک زبردست اسکیم شروع کی گئی ہے۔ اس اسکیم میں بمبئی کی مخدوش عمارتوں کی مرمت کا کام بھی شامل ہے۔

چھوت چھات کا خاتمہ:

وزیر سوشل ویلفیر کی زیر صدارت ایک پالیسی سطح کی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے تاکہ چھوت چھات (خلاف ورزی) ایکٹ کے مؤثر نفاذ کے لئے خصوصی توجہ دی جا سکے۔ ضلع سطح پر بھی ویجیلنس کمیٹیاں بھی تشکیل دی گئی ہیں۔

اس سمت میں کافی کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے تاکہ عام آدمی کے لئے یقینی صورت حال پیدا کی جا سکے۔ اور عام انسانوں میں جو خود اعتمادی کا جذبہ بیدار ہوا ہے اس سے ریاست کو بھی ایک خوش حال سماج کی تخلیق میں بے حد مدد ملے گی۔



شرت چندر چٹرجی کا صد سالہ جشن

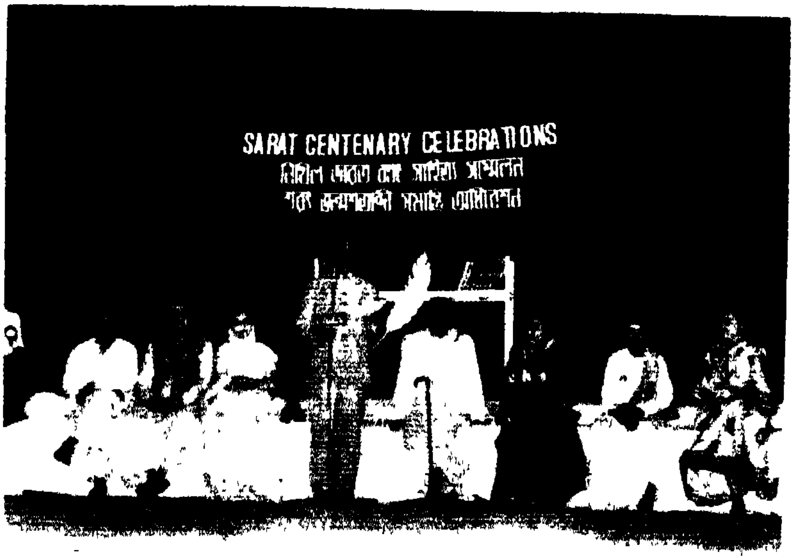
جولائی ۱۹۳۶ء کا ذکر ہے جب ڈھاکہ یونیورسٹی نے شرت چندر چٹرجی کو ڈاکٹر آف لٹریچر کے اعزاز سے نوازا۔ اس وقت انھوں نے طلبہ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے اپنی ایک کمزوری کا اعتراف کھلے الفاظ میں کیا۔ "مجھے ہمیشہ اس بات کا احساس ہوتا رہا ہے کہ میری ادبی کاوشیں یکطرفہ رہیں۔ میں نے اپنی تحریروں میں بنگال کی اکثریت (یعنی مسلمانوں) کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے۔ چنانچہ اس بات کا مجھے اعتراف ہے کہ ایسا کرنے میں، میں حق بجانب نہیں ہوں۔ مگر اب میں اچھی طرح جان گیا ہوں کہ مجھے مسلم سماج کی طرف پورا دھیان دینا چاہیئے۔"

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب ڈھاکہ اسلامی ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور غیر منقسم بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ بدقسمتی سے شرت چندر چٹرجی کی زندگی نے اُن سے وفا نہ کی، ورنہ وہ اپنا یہ وعدہ بھی ضرور پورا کرتے جس طرح کہ انھوں نے دوسری کہی ہوئی باتوں کو سچ کر دکھایا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے مہیش نامی ایک کہانی لکھی جس میں مرکزی کردار کے رُوپ میں ایک نادار مفلس مسلم کسان غفور کو پیش کیا جو اپنے بیل سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ گائے سے عقیدت رکھنے والے ہندو بھی اس کو یہی مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنے بیل کو فروخت کر دے کیونکہ جن حالات میں وہ گذر اوقات کر رہا ہے ان حالات میں بیل کا رکھنا بیوقوفی ہے۔ مہیش نامی کہانی میں صرف انھوں نے بنگال کے مفلس مسلمانوں کی غربت اور بےکسی کی تصویر کشی کی ہے، بلکہ

فیروزہ خان
یونم اپارٹمنٹ 'بی' فلیٹ نمبر ۱۰۱، شیوساگر اسٹیٹ، ڈاکٹر اینی بیسنٹ روڈ، ورلی، ممبئی ۴۰۰۰۱۸

سماج کے تضادوں کی طرف بھی رہنمائی کی ہے۔
شرت بابو کی کہانیوں اور ناولوں میں جنی گہرائی کے ساتھ ساتھ حقیقت نگاری کا پرتو ملتا ہے وہ کسی مقصد کے تحت انسانی کمزوریوں پر پردہ نہیں ڈالتے ہیں بلکہ ان کی صحیح تصویر دکھا کر انسانی فطرت کے اہم رازوں کو منکشف کرتے ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے 'گرہ داہ' اور 'دیہاتی سماج' میں بیان کیا ہے۔ متذکرہ ناولوں میں تلخی یا بیزاری سے زیادہ زندگی کے تاریک گوشوں میں محبت، ہمدردی اور انسانیت کی کرنیں نظر آتی ہیں جو زندگی کو قابل برداشت بناتی ہیں۔ شرت بابو کی تحریروں میں مذہب ذات پات، اونچ نیچ کے نفرقات کو مٹانے کے آدرش اصول ملتے ہیں۔ اصل کشمکش دو طبقوں کے درمیان ہوتی ہے ایک ظلم کرنے والا اور دوسرا ظلم کو برداشت کرنے والا۔ مو خرالذکر میں عورتوں کا خاص طور سے ذکر آنا لازمی امر ہے شاید اسی لئے شرت بابو کو صنف نازک کی نمائندگی کرنے والا ادیب کہا گیا ہے۔ ان کی تحریریں نہ صرف ملک گیر بلکہ عالمگیر قدروں کی حامل ہیں۔

شرت بابو کی اس مقبولیت کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ممبئی میں ۲۸ سے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۶ء تک ان کی یاد میں منائے گئے جشن صد سالہ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ تقریبات نکھل بھارت بنگلہ ساہتیہ سمیلن کے ۴۹ ویں سالانہ اجلاس کے طور پر رنگ بھون میں منائی گئیں۔ اس سہ روزہ ادبی کانفرنس میں نہ صرف بنگال بلکہ پورے ملک کے نامور ادیبوں، انشا پردازوں، شاعروں اور صحافیو نے حصہ لیا اپنی نوعیت کی اس انوکھی کانفرنس میں ملک کے گوشے گوشے سے تقریباً ایک ہزار نمائندوں نے شرکت کی۔ مختلف زبانوں کے ادب ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہوئے۔ انگریزی، اُردو، گجراتی، ہندی، مراٹھی، بنگالی



وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شنکر راؤ چوان ۲۹، دسمبر ۱۹۷۶ء کو شرت چندر صد سالہ تقریبات کا افتتاح کر رہے ہیں۔ تصویر میں شریمتی پربھا۔ ٹل وزیر برائے ثقافتی امور اور شری نستار کانتی گھوش، کانفرنس کے چیف سیکریٹری بھی بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔

اور سندھی زبانوں میں، شرت بابو پر مقالے پڑھے گئے۔ انگریزی، ہندی، بنگالی اور مراٹھی میں ڈرامے پیش کیے گئے۔ (جن کی بنیاد شرت بابو کی کہانیاں ہی تھیں۔)

اس سہ روزہ ادبی کانفرنس کا رسمی طور سے افتتاح کرتے ہوئے مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے اپنی تاریخی تقریر میں مہاراشٹر کے عوام کی جانب سے انسانیت کے علمبردار شرت بابو کو خراج عقیدت پیش کیا۔ شری چوان نے فرمایا کہ بنگال اور مہاراشٹر سیاسی، سماجی اور فلسفیانہ میدانوں میں یکساں طور پر ساتھ ساتھ قدم ملاتے آئے ہیں۔ انھوں نے لال۔ بال۔ پال مثلث کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ لالہ لاجپت رائے، بال گنگا دھر تلک، اور بنگال کے بپن چندر پال نے ملک کی آزادی کے لئے ایک جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔

مہاراشٹر اور بنگال کی مشترکہ ثقافت اور تہذیب اور باہمی لین دین کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے شرت بابو کو نہ صرف بنگال، ہندوستان بلکہ پوری انسانی برادری کا نمائندہ قرار دیا۔ شری چوان نے فرمایا کہ ادب میں مقصدیت اور افادیت کو شرت بابو نے ہمیشہ ترجیح دی جس کی مثال انھوں نے شرت بابو کے انقلابی ناول 'پاتھر دابی' (پتھ کے دعویدار) کا حوالہ دے کر پیش کی۔ شری چوان نے ادب کے نام نہاد حقیقت پرستوں پر کھلی چوٹ کرتے ہوئے فرمایا کہ ادب زندگی کے تمام تر واقعات اور حادثات کا تذکرہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ ادیب کا کام یہ ہے کہ وہ صرف قابل ذکر واقعات کا انتخاب کر کے زندگی پر کیچڑ اُچھالنے سے پرہیز کرے اور اپنی تحریروں کے ذریعے بلند اصولوں کو اس طرح پیش کرے کہ پڑھنے والوں کا زندگی پر اعتماد بحال ہو اور بنیادی انسانی قدروں کی اُن کی نظروں میں توقیر و اہمیت بڑھے۔ شرت چندر کی تحریریں متذکرہ خصوصیات کی حامل ہیں۔

اپنی استقبالیہ تقریر میں شریمتی پربھا پاٹل، وزیر ثقافتی امور جو کہ اس کانفرنس کی



رنگ بھون میں ۲۹ ردسمبر کو شرت چندر کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر شریمتی پربھا باٹل وزیر برائے ثقافتی امور مہاراشٹر، بہ حیثیت صدر، شرت چندر صد سالہ استقبالیہ کمیٹی، جلسے سے خطاب کر رہی ہیں

تقریبات کمیٹی کی صدر رہی تھیں، انھوں نے ان تقریبات کے لئے بمبئی کے انتخاب پر فخر و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ شرت بابو کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے بمبئی شہر سے بہتر اور کوئی شہر نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ شہر ملی جلی ثقافت کا مرکز ہے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے دنیا کے مشہور ترین ڈاکٹر اور ماہر جراحیِ قلب کرسچین برناڈ کی بات کا حوالہ دیا جو ڈاکٹر صاحب نے بمبئی میں اپنے قیام کے دوران کہی تھی کہ "بمبئی کا دل ایک نہایت عمدہ خون کا پمپ ہے جو نہ صرف لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنا بھی سکھاتا ہے"

ان تقریبات میں مرکزی وزیر خارجہ شری وائی۔ بی چوان نے بھی حصہ لیا تھا۔

یہ ادبی کانفرنس حقیقت میں بمبئی کے عوام کی وسیع القلبی کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔ بمبئی کی طرف سے اُردو ادب کی نمائندگی علی سردار جعفری اور ڈاکٹر عبدالستار دلوی ڈائرکٹر مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی نے کی۔

شری دلوی نے اپنے مقالے کے ذریعے شرت بابو کو شردھانجلی پیش کرتے ہوئے اقبالؔ اور شرت بابو کی ادبی خدمات کا موازنہ کیا اور کہا کہ

"اقبالؔ شرت بابو سے عمر میں ایک سال چھوٹے تھے دونوں ادبی لحاظ سے ہندوستان کی تہذیبی تاریخ کے بلند مینار ہیں ایک ادیب ہے تو دوسرا شاعر۔ واقعہ یہ ہے کہ نثر اور نظم فنی اعتبار سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے ان دونوں کا مقابلہ نامناسب ہے، تاہم فکری لحاظ سے دونوں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں ہی اپنے ملک اور عوام کے بہی خواہ تھے اپنی جنم بھومی سے محبت تھی اس کی تکلیف کو وہ اپنی تکلیف سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ آزاد ملکوں کی تاریخ میں ان کا ملک بھی اعلیٰ مقام حاصل کرے"۔

اس تاریخی کانفرنس میں وشو بھارتی یونیورسٹی (شانتی نکیتن) کے وائس چانسلر ڈاکٹر سرجیت سنہا نے غیر بنگالیوں کی شرت بابو کی ادبی تخلیقات سے گہری واقفیت کو بیحد سراہا۔ سامعین نے خاص طور پر غیر بنگالی ادیبوں کے مقالوں میں سے علی سردار جعفری اور مراٹھی کے مشہور و معروف ڈرامہ نگار پی۔ ایل دیش پانڈے کے مقالوں کو بھی پسند کیا۔ اس تقریب کے دوران شرت بابو کے ناولوں اور ڈراموں نیز کہانیوں کا ہندستان کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے والوں اور اُن کی تخلیقات کو عوام سے قریب ترکرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی اور انھیں انعامات سے نوازا گیا۔

اس کانفرنس کی ایک اور خصوصیت بمبئی کی فلمی ہستیوں کی شرکت تھی۔ اس سلسلہ میں بمبئی کی فلمی دُنیا کی ممتاز ہستیوں نے مکمل تعاون عطا کیا کیوں کہ فلم انڈسٹری شرت بابو کی احسان مند ہے اب تک ہندوستان کی تمام زبانوں میں شرت بابو کی کہانیوں کو لیکر ۲۰۰ سے زائد فلمیں بنائی جا چکی ہیں۔ ہندی میں دیوداس تیسری مرتبہ بن رہی ہے۔

اس تقریب میں تقریر کرتے ہوئے شہرۂ آفاق فلمی ستارے دلیپ کمار نے بھی اس



شرت صد سالہ تقریبات کے کنوینر امرت باذار پتریکا کے بمبئی دفتر کے کنور شکل بھی نظر آرہے ہیں۔ شلیل گھوش مہمانوں کا تعارف کروا رہے ہیں۔

بات کا اعتراف کیا کہ آج وہ شرت بابو کی وجہ سے اس مقام کو پہنچے ہیں۔ دیوداس میں ان کی لازوال نہ بھولنے والی اداکاری ہی اصل میں ان کی شہرت کی وجہ بنی۔ دلیپ کمار نے اپنے جذباتی انداز میں کہا کہ میرے بچپن، عہد شباب سے لے کر آب تک شرت بابو کی کہانیوں کا اثر مجھ پر روز اوّل کی طرح گہرا ہے۔ ان کے سحر سے بچنا کسی بھی صاحب فہم انسان کے لئے ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ چند دیگر فلمی ہستیوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جن میں مایہ ناز ہدایت کار باسو بھٹا چاریہ، نتن بوس، اداکارہ کامنی کوشل اور سُلکھشنا پنڈت کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں سب سے اہم اور بڑا رول حکومت مہاراشٹر نے ادا کیا۔ حکومت مہاراشٹر نے دامے، درمے، سخنے ہر لحاظ سے مدد کی اور ہر ممکن تعاون کیا۔ حکومت مہاراشٹر کی اس ادب نوازی کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ امرت بازار پتریکا کے بمبئی آفس کے منیجر شری شلیل گھوش، جن کا شمار درجہ اوّل کے صحافیوں میں ہوتا ہے اور جو کہ ایک سوشل ورکر بھی ہیں اور جن کی انتھک کوششوں سے یہ پروگرام انجام پایا۔ انھوں نے بذاتِ خود خود مجھ سے حکومت مہاراشٹر کے تعاون کی ستائش کی۔

یہ سہ روزہ ادبی اور رنگارنگی کانفرنس جو کہ ہر لحاظ سے ایک انفرادی مقام رکھتی تھی قومی اتحاد، اتفاق اور نظریاتی ہم آہنگی کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔

ان تقریبات کے دوران ملکی اور غیر ملکی زبانوں کے ادیبوں، شاعروں اور نمائندوں کو ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا موقع ملا اور ایک دوسرے کی زبان و ادب کو جاننے کی کوششیں کی گئیں۔ اس تبادلۂ خیالات کی خوشگوار یادیں ان تمام لوگوں کے ذہنوں پر عرصۂ دراز تک نقش رہیں گی۔

★

۲۵ سے آگے

مانتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں تو ہر مرض کا علاج اچھے سے اچھے کھانے سے کرتا ہوں اور اگر یہ میسّر نہ ہو تو سب سے مقوی اور مفرّح چیز ٹھنڈا پانی ہے۔"

علی گڑھ سے رشید صاحب کا رشتہ عاشق معشوق کا تھا۔ بقول آل احمد سرور:

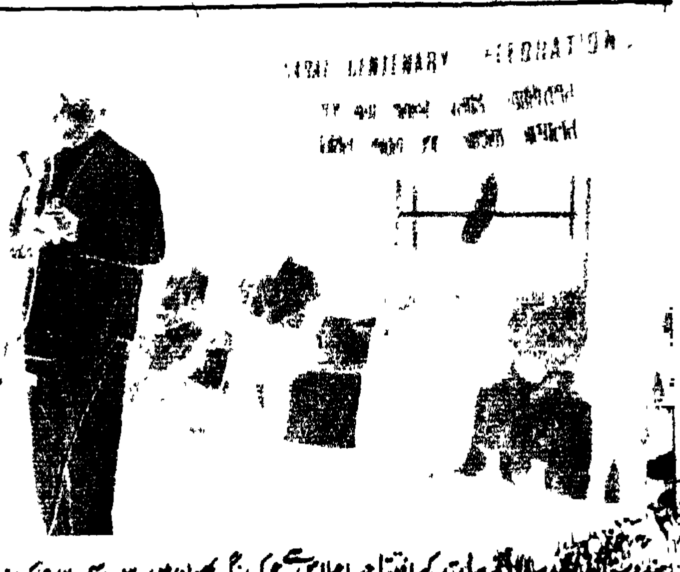
"ان کو ہر اچھے شخص یا ہر اچھے کام میں علی گڑھ کا فیضان ضرور نظر آتا تھا اور اس معاملہ میں وہ اگر ہمہ اوست کے نہیں تو ہمہ از اوست کے قائل ضرور تھے۔"

رشید صاحب کی تصانیف مضامین رشید، خنداں، گنج ہائے گرانمایہ، ہمارے ذاکر صاحب، عزیزانِ ندوہ کے نام، علیگڑھ سے خطاب، اور طنزیات و مضحکات وغیرہ اُردو ادب کے لئے ایک نایاب اور قابل فخر سرمایہ ہیں اور ان کی دلنواز شخصیت کی یادگار بھی۔ ان کی گرانقدر علمی و ادبی خدمات پر حکومت ہند نے انھیں "پدم شری" کا اعزاز عطا کیا تھا۔ نیز آل انڈیا ساہتیہ اکادمی اور اُتر پردیش کی اُردو اکادمی نے بھی ان کے ادبی کارناموں پر نقد انعامات سے نوازا تھا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کی رحلت دنیائے علم و ادب خصوصاً اُردو زبان و ادب کے لئے اندوہناک ہے۔ مگر مشیت ایزدی کے سامنے بندہ بے بس و مجبور۔ ادارہ قومی راج اس سانحہ پر سوگوار ہے اور دعاگو ہے کہ ؎

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے

(عبدالوحید خاں جامعی)



ہندوستانی [illegible] کے افتتاحیہ اجلاس سے جو کہ رنگ بھون میں ۳۰ دسمبر ۱۹۷۶ء کو منعقد ہوا۔ [illegible] تصویر میں کامنی کوشل، سلکھشنا پنڈت بھی دیکھی جا سکتی ہیں

غزل

جلتی دنیاؤں کی آواز بنا دے مجھ کو
میں تری آگ میں جلتا ہوں بجھا دے مجھ کو

لوگ نفرت کریں وہ لفظ بنا دے مجھ کو
بیوفائی کا سلیقہ ہی سکھا دے مجھ کو

بے گناہی مری یوں روئے کہ اندھی ہو جائے
اتنی بے درد عدالت میں سزا دے مجھ کو

وقت پی بھی نہ سکے اور گرا بھی نہ سکے
ہو سکے تجھ سے تو وہ زہر بنا دے مجھ کو

راستہ کاٹ کے جانے کی یہ زحمت کیسی
میں تری راہ کا پتھر ہوں ہٹا دے مجھ کو

میں یہ کہتا ہوں اب ختم ہے سانسوں کا سفر
درد کہتا ہے ابھی اور جلا دے مجھ کو

کھوٹا سکہ ہوں اگر میں تو زمانے کیا غم
اس کے کام تو آؤں گا اڑا دے مجھ کو

میرے اظہار کی لے مجھ سے کہا کرتی ہے
اس کے لہجے کا خنک سحر بنا دے مجھ کو

جسم اور روح میں رشتے نہ رہیں تو جاوید
کوئی دفنائے کہ گنگا میں بہا دے مجھ کو

● عبدالعزیز جاوید
مکتبہ جامعہ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳



جناب فدا حسین، پاکستانی سفیر برائے ہند نے ۶ر جنوری کو منترالیہ، بمبئی میں شری شنکر راؤ چوان سے ملاقات کی۔
ہندوستان میں آبادی کی روک تھام کے معاملے میں اچھی شروعات کو سراہتے ہوئے جناب فدا حسین نے فرمایا کہ پاکستان نے بھی اس مسئلہ کی اہمیت کو محسوس کر کے اس سے نپٹنے کے لئے علیحدہ وزارت برائے خاندانی منصوبہ بندی قائم کی ہے۔
سفیر موصوف نے شری سنجے گاندھی کی صفائی تحریک کی بھی تعریف کی جو شہروں کی آبادی بڑھنے کے مدنظر نہایت ضروری ہے۔



۶ر جنوری ۷۷ ۱۹ء کو منترالیہ، بمبئی میں روسی قونصل جنرل مسٹر دکٹر سیزدت اور وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی چوان کے درمیان ملاقات۔

ڈاکٹر فرانسیز آدم کبوز، وزیر بھاری صنعت و زراعتی مشینری، پولینڈ نے ۱۲ر جنوری کو منترالیہ، بمبئی میں وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی چوان سے ملاقات کی اور دونوں ممالک کے درمیان تجارتی اور معاشی تعلقات بڑھانے کے امکانات پر تبادلہ خیال کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔





مرکزی وزیر تعلیم، پروفیسر نور الحسن ۱۱/جنوری ۱۹۷۷ء کو بمبئی میں "شراب نوشی کے خلاف مہم میں نوجوانوں کی شرکت" پر اجتماع میں طلباء اور نوجوانوں سے خطاب فرما رہے ہیں۔ وزیر شراب بندی، شریمتی پرتبھا پاٹل بھی تصویر میں نظر آرہی ہیں۔

—•—

کشمیر کے اسٹیج ڈرامیٹک کلب کے سولہ فنکاروں نے ۱۰/جنوری کو محترمہ البیہ بمبئی میں وزیر مملکت برائے سماجی بہبود و ثقافتی امور، شری سوشیل کمار شندے سے ملاقات کی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔ ▼





▶ شری پرتبھا کر کنٹے، وزیر مملکت برائے پبلک ورکس، ۱۵/جنوری کو شیواجی پارک میں "روڈ سیفٹی پیٹرول" سے وابستہ طلبا کی جانب سے سلامی لے رہے ہیں۔

غزل

● مہدی پرتابگڈھی
معرفت ایگزیکیٹو انجنیئر
اِرری گیشن ڈویژن، پرتاب گڈھ، یوپی

تہذیبِ غمِ عشق نے وہ کام کیا ہے
دنیائے محبت میں ترا نام بڑا ہے

اب دل کے بہلنے کی نہیں کوئی بھی صورت
مئے ہے تری آنکھوں کی نہ زلفوں کی گھٹا ہے

مجھ کو بھی یقیں آگیا اب اپنے جنوں پر
تم نے بھی تو آخر مجھے دیوانہ کہا ہے؟

پھیلا ہے اُفق تا بہ اُفق ایک اُجالا!
تقدیس کی دہلیز پہ یہ کون کھڑا ہے؟

اب نام مرا آنے لگا اُن کے لبوں پر
شائستگیِ دل نے بڑا کام کیا ہے

کیا جانئے کیا اور دکھائے گا تغیّر
سایہ مرا اس وقت مرے قد سے بڑا ہے

اعزاز تو دِلوا نہ سکا مجھ کو غمِ دوست
ہاں! مجھ کو ہر اک گام پہ رسوا ہی کیا ہے

اُمیدِ وفا اس سے عبث رکھتے ہو مہدی
وہ شخص کسی کا نہیں میں نے بھی سنا ہے

غزل

● احساس گونڈوی
فری پرائمری اسکول،
تلجلا روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۴۶

نظروں سے چند ایسے بھی منظر گذر گئے
ہم آنسوؤں کو روک کے جب ضبط کر گئے

کم ظرف تھے جو عشق میں بے موت مر گئے
ہم وہ ہیں جی کے عشق پہ احسان کر گئے

دل خون ہوگیا تو ہمیں اس کا غم نہیں
تاریخِ گلستاں میں تو کچھ رنگ بھر گئے

دیر و حرم میں دیکھ کے ہنگامہ رات دن
ہم آکے میکدے ہی میں آخر ٹھہر گئے

اپنی تباہیوں کا تو رونا نہیں ہمیں
غم یہ ہے حادثات کے چہرے اُتر گئے

ہرچند وقتِ مرگ معین سہی مگر
کچھ لوگ موت آنے سے پہلے ہی مر گئے

احساس ہم شکایتِ اغیار کیا کریں
دامن بچا کے اپنے بھی اکثر گذر گئے

"مراٹھی ادب کا مطالعہ"

رسمِ اجرا تقریب



منگل ۱۱ر جنوری کی شام کو مہاراشٹر کالج بمبئی کے وسیع و عریض ہال میں مراٹھی ادب پر اوّلین اُردو کتاب، پروفیسر یونس اگاسکر کی تالیف "مراٹھی ادب کا مطالعہ" کی تقریب رسمِ اجرا مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی، مہاراشٹر کالج آف آرٹس اینڈ سائنس اور نقش کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی۔ تقریب کی صدارت اور رسمِ اجرا جناب اعجاز صدیقی، مدیر رسالہ 'شاعر' نے انجام دی۔

تقریب کے کنوینر، مہاراشٹر کالج کے پرنسپل عبدالقدوس منشی نے اپنی استقبالیہ تقریر میں فرمایا کہ جناب یونس اگاسکر نے ایسے موضوع کو چھُوا ہے جو ابھی تک تشنہ تھا۔ یہ ایک نیک آغاز ہے۔ مراٹھی اُردو کا رشتہ بہت پرانا اور قدیم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مہاراشٹر میں اُردو پر مراٹھی اور مراٹھی پر اُردو کی گہری چھاپ پڑی ہے۔ یونس اگاسکر نے یہ کتاب تالیف کرکے مراٹھی اور اُردو کو قریب تر لانے اور اس رشتے کو مستحکم بنانے کی جانب ایک بنیادی قدم اٹھایا ہے جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مہمانِ خصوصی جناب علی سردار جعفری نے یونس اگاسکر صاحب کی اس کاوش کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ وہ محض ایک قاصد نہیں ہیں جو عاشق کا خط محبوب تک پہنچاتا ہے بلکہ وہ خود عاشق ہیں۔ ان کا یہ کام کسی طرح تخلیقی کام سے کم اہمیت کا نہیں۔ سوویت یونین میں مترجم کو ادیب کے مساوی مقام دیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی مترجم کو ادیب کا درجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اگاسکر صاحب تو ادیب بھی ہیں۔ انھوں نے مراٹھی ادب کو اُردو سے روشناس کرانے کے لئے یہ کتاب "مراٹھی ادب کا مطالعہ" تالیف کی۔ اس سے ہندوستان کی زبانوں میں جذباتی ہم آہنگی پیدا ہونے میں مدد ملے گی۔

مراٹھی کے مشہور لیکھک شری ودیا دھر گوکھلے نے اپنی مراٹھی تقریر کے دوران کہا کہ اُردو قارئین کو مراٹھی ادب کی تاریخ سے متعارف کرانیوالی یہ اوّلین کوشش علمی انداز لئے ہوئے ہے۔ یونس اگاسکر کا یہ اقدام قابلِ قدر ہے۔ اس کتاب میں قدیم و جدید شعری و نثری ادب کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ گیانیشور اور گیانیشوری نیز تکارام کے ابھنگوں کو بڑی وضاحت اور خوبی کے ساتھ روشناس کرایا گیا ہے۔ انھوں نے پُرمزاح انداز میں فرمایا کہ اگاسکر صاحب نے پہلی مرتبہ یہ غیر معمولی کام انجام دیا ہے

اس لئے میں سامعین کی اجازت سے ان کا نام بدل کر انھیں اگاسکر کی بجائے "آغازکر" کہوں گا۔

مراٹھی کے مشہور شاعر نارائن سروے نے کہا "میں یونس اگاسکر صاحب کی اس تصنیف کے علاوہ ان کے دیگر ادبی کارناموں پر نظر رکھتا ہوں۔ اس سے قبل ان کی لکھی ہوئی کہانیاں اور مشہور اردو ادیبوں سے لئے گئے انٹرویو بھی میری نظر سے گذرے ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ان انٹرویوز کو مراٹھی میں ترجمہ کرکے مراٹھی قارئین کو اردو کے ان ادیبوں اور ان کے کارناموں سے متعارف کرایا جائے۔

انھوں نے مزید کہا کہ اس کتاب میں جدید مراٹھی شاعری کا تعارف شامل نہیں ہے اسکے باوجود کتاب کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں

جناب یوسف ناظم نے، یونس اگاسکر صاحب کا قلمی مزاحیہ خاکہ "ادبی نوشہ" پیش کیا جو کافی پسند کیا گیا اور سامعین سنتے سنتے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ یونس اگاسکر کے قریبی دوست اور بچپن کے ساتھی پروفیسر عرفان فقیہ (شعبہ عربی، مہاراشٹر کالج) نے یونس صاحب کے متعلق اپنا تاثراتی مضمون پڑھا۔ جناب اعجاز صدیقی نے اپنی صدارتی تقریر میں یونس اگاسکر کی ادبی خدمات کو سراہا۔ اور اس کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دی۔

آخر میں یونس اگاسکر صاحب نے مختصر سی تشکر آمیز تقریر کی اور آئندہ مراٹھی کہانی، شاعری اور یک بابی ڈراموں کے علاوہ علاحدہ انتخابات مرتب کرکے مع مقدمہ شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے ایگزیکیٹو آفیسر جناب سرار عرفان نے شکریہ ادا کیا۔ استاد مرتضیٰ خاں کی غزل سرائی کے بعد یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

ص ۱۲ سے آگے

رسالہ 'انڈین جنرل آف فزکس'، کے نام سے جاری کیا۔ جس کو انجمن ترقی سائنس ہند نے کافی دنوں تک جاری رکھا۔ یہ اپنے وقت کا ایک گرانقدر رسالہ مانا جاتا تھا۔

سی۔ وی رامن نے بہ حیثیت ایک موجد اور محقق سائنس میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی اہمیت کو سارے عالم میں بہت جلد تسلیم کیا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں لندن کی رائل سوسائٹی کے فیلو منتخب ہوئے اور ۱۹۲۹ء میں 'سر' کا خطاب عطا کیا گیا۔ ۲۹-۱۹۲۸ء میں اطالوی انجمن سائنس کی جانب سے میتوشی میڈل (Mateuchi Medal) اور ۱۹۳۰ء میں رائل سوسائٹی کا ہیوز میڈل Hughes Medal عطا کیا گیا اور اسی سال انھیں طبعیات کا نوبل پرائز بھی ملا۔ پیرس یونیورسٹی نے D-Sc، گلاسگو یونیورسٹی نے L.L.D. اور برگ یونیورسٹی نے Ph.D. کی اعزازی ڈگریوں سے ان کی قدردانی کی۔ اسی طرح اندرون ملک بھی کلکتہ، بمبئی، مدراس، بنارس اور ڈھاکہ یونیورسٹیوں نے بھی اعزازی ڈگریاں عطا کیں۔ سر سی۔ وی رامن کئی بڑی بڑی سوسائٹیوں کے اعزازی رکن بھی رہے۔ جن میں رائل فلوسافیکل سوسائٹی گلاسگو، فزیکل سوسائٹی زیورچ، رائل آئرش اکاڈمی، جرمن اکاڈمی میونخ، سائنس اکاڈمی ہنگری، قابل ذکر ہیں۔ اس طرح بے پناہ صلاحیتوں وتحقیق کے باعث ۱۹۵۴ء میں بھارت رتن کا اعزاز اور ۱۹۵۷ء میں بین الاقوامی لینن انعام سے بھی ممتاز کئے گئے۔

ڈاکٹر سر سی۔ وی رامن کی زندگی کی سب سے معرکتہ الآرا بات یہ ہے کہ انھوں نے بغیر کسی بیرونی تحریک کے تحقیقاتی کام کی ابتدا کی اور خود اپنی ذاتی محنت، قابلیت اور اپنے عزیز شاگردوں کی مدد سے سائنسی فضا میں شہرتِ دوام حاصل کرلی۔ یہ امر کہ انھوں نے بیرونِ ہند کوئی ٹریننگ حاصل نہیں کی، ان کے فطری جذبۂ تحقیق اور جدّت پسندی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ البتہ بعد میں جب انھیں بیرونِ ہند جانے کا موقع ملا تو انھوں نے مختلف تحقیقاتی اداروں کا معائنہ بھی کیا اور لیکچرس بھی دیئے۔

افسوس کہ ۱۹۷۰ء میں زندگی علم سے پروانہ وار عشق اور سرزمین ہند میں سائنس اور اس کی تحقیقاتی ترقی کی خاطر بے پناہ عظیم ترخدمات انجام دینے والا ایسا لائق و فائق سپوت اس دنیا سے روپوش ہوگیا۔ جن کی تحقیقات کی قدروقیمت کا ثبوت خود نوبل انعام پیش کرتا ہے اور سر سی۔ وی رامن کا نام عہدِ عتیق سے عہدِ حاضر تک ان مخصوص افراد میں شمار کیا جاتا رہے گا جن کی تحقیقات اور ایجادات کا ریکارڈ خود جدید سائنس کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ رامن جیسی محسن و معظم شخصیتیں شاذونادر ہی پیدا ہوتی ہیں جن کا اٹھ جانا کسی ایک ملک یا قوم کا نہیں بلکہ دنیائے علم و دانش کا ایک عظیم نقصان ہے۔ لیکن پھر بھی میں ان کی تحقیقات پر نظر کرتے ہوئے یہ سوچتا ہوں کہ ؎

یہ دورِ دورِ سعادت ہے آدمی کے لئے



آج کے ہندوستان میں ادیب کا رول

ایس، ایم شاہنواز
سی۔ ۱۲۳، ڈیفنس کالونی
نئی دھلی۔ ۱۱۰۰۲۴

کسی معاشرے، کسی سماج میں ادیبوں، شاعروں، اور دانشوروں کا کیا رول ہوسکتا ہے، یہ بات چند بندھے ٹکے لفظوں میں نہیں کہی جاسکتی۔

ادیبوں نے ہر دور میں اور ہر جگہ اپنے قلم کا جادو جگایا ہے۔ ان کے الفاظ نے پست ہمتوں کو حوصلہ بخشا ہے، زندگی سے مایوس ہونے والوں میں نئی رُوح پھونکی ہے اور ظلم و استحصال کے خلاف ڈھال کا کام کیا ہے۔

ہمارے ملک کے ادیب بھی اپنے اس فرض کی ادائیگی میں پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے ہندوستان کے عوام میں بیداری اور شعور کی جوت جگانے کے لئے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور، شرت چندر چٹرجی، سرسید احمد خاں، منشی پریم چند، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خاں کو کون بھلا سکتا ہے۔ ان ادیبوں نے اپنی تحریروں میں سماج کے ان مسائل کو جگہ دی، جن کی طرف کسی نے توجہ تک نہیں دی تھی۔ ان سماجی برائیوں پر نشتر چلائے جنھیں لاعلاج سمجھا جاتا تھا، عوام کے اس درد کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جس کا کوئی سننے والا نہ تھا۔ فطری طور پر ان کی تحریروں سے ملک گیر پیمانے پر اثرات مرتب ہوئے اور ایک مثبت ماحول تیار ہوا۔ اسی ماحول کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانی عوام میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ایسی لہر پھیلی، جس کے آگے غیر ملکی طاقت کو بھی سر جھکانا پڑا۔

ادیب ایک ایسا "ماحول پیما" یا بیرومیٹر ہے، جو اپنے اردگرد رونما ہونے والی معمولی سے معمولی بات کو ریکارڈ کرتا رہتا ہے اور اسے اپنے پرکشش اور موثر الفاظ کے ذریعہ عام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ وہ نہ صرف انسانی نفسیات کی گہرائی سے واقف ہوتا ہے بلکہ الفاظ کا مزاج بھی جانتا ہے۔ ان الفاظ کے ذریعہ وہ ایسے کام کر جاتا ہے جو تلواریں اور سنگینیں بھی نہیں کرسکتیں۔ عوامی جذبات و احساسات کی نمائندگی کرنے کا اُس کا دعویٰ غلط نہیں۔ لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ آزادی کے بعد کا ہندوستانی ادیب اپنے مسلک، اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے۔ اُس نے اپنے پیش رو ادیبوں کے مشن سے اپنا تعلق تقریباً ختم سا کرلیا ہے۔

آج ہندوستانی عوام جن مسائل سے گھرے ہوئے ہیں، وہ آزادی سے قبل کے مسائل سے قطعی مختلف ہی نہیں بلکہ سنگین بھی ہیں۔ اس لئے آج کے ادیب کی ذمہ داریاں آزادی سے قبل کے ادیب سے زیادہ نازک ہوگئی ہیں۔ اُس وقت صرف ایک ہی لڑائی لڑی جارہی تھی، اور وہ تھی آزادی حاصل کرنے کی لڑائی۔ لیکن آج پورا ملک مختلف محاذوں پر مختلف لڑائیاں لڑ رہا ہے۔ کہیں یہ لڑائیاں آزادی کی حفاظت کے لئے لڑی جارہی ہیں، کہیں ملک کو سائنس، تکنیکی، صنعتی، اور زرعی دوڑ میں آگے لے جانے کیلئے۔ کسی محاذ پر یہ لڑائی

ملک کو ہر شعبے میں خود کفیل بنانے کیلئے لڑی جارہی ہے تو کہیں عوام کا معیار زندگی بہتر بنانے اور غریبی کی صدیوں پرانی بیماری کا خاتمہ کرنے کے لئے۔ ان لڑائیوں میں کئی محاذوں پر ملک کو نمایاں کامیابی ملی ہے اور کئی محاذوں پر یہ کامیابیاں قریب تر نظر آرہی ہیں۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ان لڑائیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے؟ وہ کونسا محاذ ہے، جس سے پیچھے ہٹا جائے؟ اب ہم ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ کہ نہ پیچھے ہٹا جا سکتا ہے اور نہ حالات سے سمجھوتہ کیا جا سکتا ہے۔

سائنسی، تکنیکی اور صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ نئی نئی باتیں، نئے نئے موضوعات سامنے آرہے ہیں۔ آج کے انسان کے لئے طرح طرح کے مسائل، طرح طرح کی الجھنیں جنم لے رہی ہیں لیکن ہندوستانی ادیب ان تمام باتوں کی طرف کچھ کم ہی توجہ دے رہا ہے۔ وہ عوام کا معیار زندگی بہتر بنانے کی ہر کوشش سے خود کو علیحدہ رکھے ہوئے ہے، کیوں کہ ایک عام آدمی کی طرح وہ بھی ان چیزوں کو اچٹتی نگاہ سے دیکھتا ہے، اور انھیں ادب کے دائرے سے باہر سمجھتا ہے۔ وہ چاند ستاروں، محبوب کے ملن اور جدائی، قتل و خون اور جرائم کی اول جلول باتیں تو لوگوں کو بتاتا ہے، لیکن انھیں زندگی کے ان ٹھوس حقائق سے روشناس نہیں کراتا، جن کا عوام کی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔

فیملی پلاننگ ہی کو لیجئے۔ آبادی کا طوفان نہ صرف ہمارے ملک کے لئے، بلکہ تمام انسانیت کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔ بے روک ٹوک بڑھتی ہوئی آبادی سے ماہرین معاشیات و سماجیات بوکھلائے ہوئے ہیں۔ وہ برابر چیخ رہے ہیں۔ لوگوں کو اس خطرہ سے آگاہ کر رہے ہیں۔ آنے والی نسلوں کے مستقبل کی دہائی دے رہے ہیں۔

کتنے ادیب ہیں، جنھوں نے حالات سے متاثر ہو کر اس مسئلے پر کچھ لکھا ہے؟ عام لوگوں کو بڑھتی ہوئی آبادی کے خلاف مہم چلانے کی تحریک دی ہے؟ معزز ادیب اس قسم کے موضوعات پر قلم اٹھانا باعث توہین سمجھتے ہیں؟

اگر ہندوستانی ادیب موجودہ دور کے تقاضوں اور ضرورتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک عام انسان کے مسائل اور اس کی محرومیوں کو اپنی تحریر میں جگہ دے، اسی صورت میں صحت مند اور کثیر جہتی ادب کی تخلیق ہو سکتی ہے، اور وہی ادب ہندوستانی عوام کی امنگوں اور خواہشات کا عکاس ہوگا۔

ہمارے ادیب کو ماسکو، برلن، پیرس، روم، اور نیویارک کی زندگی تو یاد رہتی ہے۔ وہاں کے قصے وہ چٹخارے لے لے کر سناتا ہے۔ لیکن ان چیزوں پر اس کی نظر نہیں جمتی جو بالکل سامنے کی ہیں، اس کے قریب کی ہیں۔ اگر ان چیزوں کو دیکھنے کا موقع ملتا بھی ہے تو وہ ان سے گریز کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ایک تو وہ بزرگ ادیب، جو دنیائے ادب میں ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرے نئی نسل کا ادیب جسے ادبی دنیا میں وہ مقام وہ مراعات تو نصیب نہیں، لیکن اپنے مشاہدے اور حالات سے بندھے ہونے کے باعث وہ موجودہ دور کے تقاضوں کو سمجھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، لیکن اسے اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع نہیں مل پاتا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی طرف سے کوئی کام یا سہولت ملنے کی بات آتی ہے تو قرعہ ہمیشہ ان ہی بزرگوں کے نام نکلتا ہے، کیونکہ یہی ادیب برسوں سے ادب کی قیادت سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان میں سے بہت سے ادیبوں نے گذشتہ بیس پچیس سال سے کچھ نہیں لکھا۔

نئے سماج کی تعمیر میں نئی نسل کا ادیب اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔

نئی نسل کا ادیب آج کے ماحول میں سانس لے رہا ہے۔ وہ موجودہ دور کے تقاضوں اور مسائل کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتا ہے۔ اس میں تندی، قوت اور شدت ہے، اور وقت آنے پر وہ ملک کو درپیش مسائل سے لڑ بھی سکتا ہے۔

•••



ابراھیم اختر
فائینس ڈپارٹمنٹ ضلع پریشد
پربھنی (مہاراشٹر)
۴۳۱۴۰

دردؔ کی صوفیانہ شاعری

ہندوستان میں صوفی تحریک کے بانی حضرت مخدوم سید علی تھے۔ جنھوں نے ۱۰۷۲ء میں وفات پائی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی آمد کے بعد اسکو مزید تقویت حاصل ہوئی۔ وحدت الوجود تصوف کا بنیادی فلسفہ ہے اور اس فکر فلسفہ کا محور خدا کی ذات ہے۔ صوفیوں کے عقیدہ کے مطابق خدا کی ذات ہی سب سے اہم ترین ہے۔

اسی طرح بھکتی تحریک کا مرکزی نقطۂ نظر ایشور واد ہے۔ ہندوستان اور رشیوں کی فکر کا مرکز ایشور رہے، اور وہ اسکی بھکتی میں اپنے آپ کو جذب کر دیتے ہیں۔ بھگوت گیتا میں ایک جگہ کرشن جی کا ارشاد ہے کہ جملہ مخلوقات میری نظر میں یکساں ہیں۔ میرے نزدیک نہ کوئی محبوب ہے نہ قابلِ نفرت۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو والہانہ میری بھگتی کرتے ہیں وہ مجھ میں ہیں اور میں ان میں۔ بھگتی تحریک کے مبلغین نے کرشن جی کے ارشاد کو اس تحریک کی مدح میں سمو دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بھکتی تحریک کی تمام تر تاریخ انسانی مساوات کی جد وجہد پر مبنی رہی ہے۔ قطع نظر اسکے تصوف کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے اپنی فکر کی اساس رسول اکرم کی اس حدیث پر رکھی ہے کہ نہ گورا کالے پر فضیلت رکھتا ہے نہ عراقی عجمی پر۔ سب اولادِ آدم ہیں اور آدم خاک سے بنے تھے۔

رسول اکرم کے اس ارشادِ مبارک پر صوفیوں نے اپنی فکر کی بنیاد رکھی۔ اور اس نقطۂ نظر کی تبلیغ ہی تصوف کی تاریخ ہے۔ صوفیائے کرام کا یہ لافانی کارنامہ ہے کہ انھوں نے انسانی قدروں کی تزئین میں تاریخی رول ادا کیا ہے۔ تصوف اور بھکتی تحریک نے انسانی معاشرہ کی شیرازہ بندی میں اہم حصہ لیا ہے۔ ان تحریکوں نے بنی نوع انسانوں میں پیار و محبت، ایثار و قربانی، عدل وانصاف، مساوات، اور بھائی چارگی کے جذبہ کو مستحکم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

شاعری صوفیائے کرام کے نقطۂ نظر کی تبلیغ کا اہم وسیلہ رہی ہے۔ انھوں نے اپنے خیالات کو اشعار کے ذریعہ عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ان کے بیان میں اثر آفرینی اور گہرائی و گیرائی پیدا ہو جو عوام کے دلوں کو گرما دے۔ تصوف میں ایسی ہی کچھ کشش تھی کہ اردو کے اہم شعراء یعنی غالبؔ سے لیکر اقبالؔ تک اس سے متاثر رہے ہیں۔ گو کہ وہ صوفی نہیں تھے لیکن ان کے بہت سے اشعار میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔ اس صف میں خواجہ میر دردؔ کا نام بھی نظر آتا ہے۔

وہ ۱۱۳۳ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب ایک متقی اور پرہیزگار اور درویش صفت بزرگ تھے۔ جن کی عمر کا بیشتر حصہ یادِ الٰہی میں گذرا تھا۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت اپنی نگرانی اور سرپرستی میں کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ میر دردؔ کے کردار میں ان کے والد کی شخصیت کا پرتو نظر آتا ہے۔ ان کی مالی حالت کچھ زیادہ ٹھیک نہیں تھی، اسلئے ان کو درباروں کی ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ لیکن وہ درباری ملازمت سے زیادہ عرصے تک وابستہ نہ رہ سکے۔ طبیعت میں استغناء اور خود داری تھی اسلئے درباروں کی راہ و رسم سے نباہ نہ کر سکے اور ملازمت سے دست بردار ہو کر گوشۂ تنہائی اختیار کر لی۔ اپنی ذات کو یادِ الٰہی کے لئے وقف کر دیا کہ عالمِ رنگ و بو کی ناپائداری پر کثرت میں وحدت کی جلوہ آرائی غالب آتی جا رہی تھی۔ اسلئے بھی کہ ان کا فطری رجحان تصوف کی جانب مائل تھا۔ چنانچہ وہ دلی خلوص اور سچائی کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

صوفیائے کرام نے جس مسلک کو اپنایا وہ صرف عبادت، پرہیزگاری، تقویٰ اور تزکیۂ نفس کا ہی راستہ نہیں تھا بلکہ انھوں نے ایک ایسے نقطۂ نظر کو اپنایا جس نے انسانی سماج کی شیرازہ بندی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ان کے پیغام میں اتنی طاقت اور قوت تھی کہ عوام

کا قابلِ لحاظ طبقہ اس سے متاثر ہوا ہے — چنانچہ اونچ نیچ، ذات پات، اور ادنیٰ و اعلیٰ کی بنیاد پر سماج میں جو برائیاں اور ناانصافیاں پھیلی ہوئی تھیں بڑی حد تک ان کا اثر کم ہوگیا۔ کیونکہ انھوں نے فلسفۂ وحدت الوجود کو فکری ہم آہنگی، جذباتی اتحاد، نظریاتی قربت ذہنی افہام و تفہیم، بھائی چارگی اور محبت و رواداری کے مسلک سے پیش کیا تھا، اگر ہم تصوف کو آفاقی قدروں کا نقطۂ اتصال کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایک ایسے نقطۂ نظر کی تبلیغ و اشاعت کی جس نے ذات پات، رنگ و نسل، حسب و نسب، اور اعلیٰ و ادنیٰ کے رجحان کی سختی سے نفی کی ہے۔ جیسا کہ امیر خسرو کہتے ہیں ؎

کافرِ عشقم مسلمانی مرا درکار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

یا خواجہ میر دردؔ کے خیال کے مطابق ؎

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
دردؔ منزل ایک تھی کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

تصوف کا یہ ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو انسان کو صحیح معنوں میں انسان بننے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی طرح بھکتی تحریک نے ہندوستان کے پس ماندہ عوام کو سماج میں باعزت مقام دلانے کے لئے سماجی انقلاب کی راہ ہموار کی ہے۔ صوفیوں اور سنتوں کا یہ ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے کہ انھوں نے انسانی سماج کو ایک ایسا رجحان دیا جس نے سماج کی تعمیر میں ذہنی و فکری انقلاب کا باعث بنا۔

خواجہ میر دردؔ اپنے پیشرو صوفیائے کرام کے خیالات، نظریات اور رجحانات سے کافی متاثر ہوئے ہیں۔ اس پس منظر میں ان کی صوفیانہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو اس میں معرفت و طریقت، عبادت و اطاعت اور عرفان سے معمور مضامین ملتے ہیں۔ وہ اس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے جو خدا تک رسائی پانے کے لئے جذب کو اولیت اور اہمیت دیتا ہے چنانچہ انھوں نے اپنے اس نقطۂ نظر کی اس طرح ترجمانی کی ہے۔ کہتے ہیں ؎

ڈھونڈھے ہے تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہے
سنتے ہیں یوں کہ آہ تو ہم میں ہے چھپ رہا کہیں
اپنی تلاش سے غرض ہم کو ترا سراغ ملا

+

اے دردؔ مثلِ آئینہ ڈھونڈا اسکو آپ میں
بیرونِ در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

+

دونوں جگہ میں معنی مولا ہے جلوہ گر
غافل ایاز کون ہے محمود کون ہے

ان کی شاعری میں ایک رجحان بھی ملتا ہے، جس میں صوفی اس نکتہ کو پانے کی کوشش کرتا ہے کہ جزو کو کل سے یا خالقِ عالم سے کائنات کو کیا نسبت یا تعلق ہو سکتا ہے۔ اس رجحان کو تصوف کے حقائق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کو انھوں نے اپنے اشعار میں اسطرح پیش کیا ہے ؎

ہر جزو کو کُل کے ساتھ بہ معنی ہے اتصال
دریا سے در جدا ہے پہ ہے غرقِ آب میں

+

جلوہ گر ہے تجھی میں اے ذرہ
جس کی خاطر تجھے تکا پو ہے

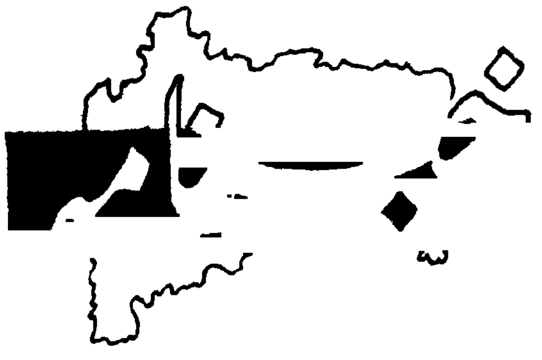
مذہبی مسائل بھی ان کی شاعری کا موضوع رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک رسالہ "اسرار الصلوٰۃ" لکھا جس میں نماز کے ارکان وغیرہ کے تعلق سے وضاحت کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ اسکے بعد دوسرا ایک رسالہ "واردات دردؔ" لکھا جس کا موضوع معرفت و حقیقت کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ ان پر "علم الکتاب" میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ قطع نظر اس کے انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ درسِ اخلاق بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں ؎

شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل
بندے سے پر نہ ہو کوئی بندہ شکستہ دل
گر زندگی اس طور سے اے دردؔ جہاں میں
خاطر پہ کسی شخص کی تو بار نہ ہووے

خواجہ صاحب کا دور سلطنتِ مغلیہ کے زوال اور سیاسی انتشار کا دور تھا۔ دلی کی سیاسی مرکزیت اور شاہی وقار لوٹ چکے تھے۔ ہندوستان کے سیاسی افق پر مغربی جمہور کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ انھوں نے ملک کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے تیور دیکھ لئے تھے۔ نوشتہ دیوار پڑھ لینا ان جیسے دور اندیش انسان کے لئے کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے گوشہ تنہائی اختیار کرنے کو ترجیح دی۔ ان کا مزاج چونکہ عافیت پسند اور صلح کن تھا اسلئے انھوں نے ان ساری تبدیلیوں سے اپنے آپکو الگ رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ گوشۂ تنہائی اختیار کرنے کے بعد وہ ہمہ تن عبادت، ریاضت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔

دردؔ نے اردو کو اپنا جو شعری سرمایہ دیا ہے وہ زہد و تقویٰ، نیکی و پرہیزگاری، صبر و قناعت، عزم و استقلال، انسانی مساوات، بھائی چارگی، اور درسِ اخلاق کی خوشبو سے لبریز ہے۔ مسائلِ تصوف کو اپنے اندازِ بیان میں جس سادگی اور پرکاری سے بیان کیا ہے، یہ ان کا اہم کارنامہ ہے — اپنی اردو شاعری کے ساتھ ساتھ انھوں نے فارسی میں بھی شعر کہے ہیں، اور ایک مکمل دیوان بھی لکھا ہے۔ لیکن ان کی فارسی شاعری میں ایسی چونکا دینے والی بات نہیں ہے۔ ان

باقی صفحہ ۵۱ پر



شری دیوورت مہتا
نئے چیف ڈائرکٹر

حکومت مہاراشٹر کے شعبۂ اطلاعات اور تعلقات عامہ کے چیف ڈائرکٹر کی حیثیت سے شری دیوورت مہتا کا یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے تقرر ہوا ہے اور اسی روز سے وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں منہمک ہو گئے ہیں۔

شری مہتا ۱۷ر ستمبر ۱۹۴۰ء میں بمبئی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد سڈنہم کالج سے بی۔ کام کی ڈگری حاصل کی اور گورنمنٹ لا کالج سے ایل۔ ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۳ء میں امریکہ کی برح یورٹ یونیورسٹی سے ایم۔ بی۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۶۵ء میں آئی اے ایس کر کے اورنگ آباد میں اسسٹنٹ کلکٹر ہوئے۔ شری مہتا، تھانے، پنویل میں بھی اسسٹنٹ کلکٹر رہے۔ دوبارہ تھانے میں ایڈیشنل کلکٹر کی حیثیت سے بھی کام کر چکے ہیں۔ مارچ ۱۹۷۳ء سے مارچ ۱۹۷۵ء تک آپ مہاراشٹر اسٹیٹ ٹیکسٹائل کارپوریشن کے مینیجنگ ڈائرکٹر بھی رہ چکے ہیں۔ چیف ڈائرکٹر ہونے سے پہلے شری مہتا کولابہ ضلع کے کلکٹر تھے۔

شری مہتا کی مادری زبان گجراتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی، ہندی، مراٹھی اور فرنچ زبانوں سے بھی بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔ ہندی میں کووِد کا امتحان پاس کر چکے ہیں۔ اُردو زبان نہ جانتے ہوئے بھی آپ کو اُردو ادب سے دلچسپی ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی
ماہانہ نشانے پر وزیر اعلیٰ کا زور

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے اس بات پر خاص زور دیا کہ خاندانی منصوبہ بندی کا نشانہ ماہانہ مقرر ہونا چاہیئے اور اسکو پورا کیا جانا چاہیئے تاکہ مالی سال کے موقع پر آخری وقت میں رش اور عجلت سے بچا جا سکے۔

۱۲ر جنوری کو منترالیہ بمبئی میں ضلع پریشدوں کے صدور، چیف ایگزیکیٹو افسران اور ان گیارہ اضلاع جہاں مقررہ نشانہ پورا نہیں ہوا ہے کے کلکٹران کی ایک بیٹھک کی صدارت کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ہمارے ۲۰ نکاتی سماجی و معاشی پروگرام کی کامیابی کا انحصار خاندانی منصوبہ بندی پر ہی ہے اور افسران اور



خاندانی منصوبہ بندی مہم کے سلسلے میں وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان منترالیہ میں ضلع پریشدوں کے صدور، چیف ایگزیکیٹو افسران اور کلکٹران کی بیٹھک میں خطاب فرما رہے ہیں۔ اس تصویر میں (بائیں سے دائیں) وزیر شراب بندی شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیر صحت عامہ شری کے۔ ایم پاٹل اور وزیر محنت شری ایس۔ بی پاٹل اور وزیر تعلیم شریمتی پربھا راؤ نظر آ رہی ہیں۔

غیر سرکاری افراد کو چاہیئے کہ وہ اپنا نشانہ خود مقرر کریں اور ہر ماہ اس کو پورا کریں۔ انھوں مزید فرمایا کہ اس طرح وہ آخری وقت پر عجلت سے پیدا ہونے والی مشکلات سے بھی بچے رہیں گے۔

قانونی گنجائشوں اور شہری علاقوں میں جوش و خروش کی کمی کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ لوگوں کو سمجھا بجھا کر اس مہم کو کامیاب کرنا چاہیئے۔ شہری علاقوں پر خاص دھیان دینا چاہیئے۔ افسران، عہدیداران اور سماجی کارکنو کے پیش نظر ترغیب خاص مقصد ہونا چاہیئے جس کے نتائج بہتر ہی نکلیں گے۔

اس سے قبل شری کے۔ ایم پاٹل، وزیر صحت عامہ نے ریاست کے خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ریاست کے بڑھائے گئے بارہ لاکھ کے نشانے میں سے اب تک ساٹھ لاکھ نس بندی آپریشن کئے جا چکے ہیں۔

انھوں نے مزید فرمایا کہ اس سال جون تک باقی ۲۳ء۱ لاکھ کی کمی پورا کرنے کی کوشش کیجائے گی۔

مالونی میں نیا پولس اسٹیشن

شری بابوراؤ کالے نے افتتاح کیا

شری بابوراؤ کالے، نائب وزیر داخلہ نے ۱۲ر جنوری کو ملاڈ (بمبئی) کے قریب مالونی میں ایک نئے سب پولس اسٹیشن کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری کالے نے فرمایا کہ کسی بھی علاقے کے کسی بھی منصوبے کے لازمی جز کے طور پر پولس اسٹیشن کے قیام پر ضرور غور کرنا چاہیئے۔ عام انسانوں کو پولس کے دکھ سکھ میں شریک ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنے فرائض کو موثر ڈھنگ سے ادا کر سکے۔ نیا پولس اسٹیشن اس علاقے کے دو لاکھ سے زائد لوگوں کی ضروریات پوری کرے گا۔

سوشیل کمار شندے

بہترین نوجوان فرد

بمبئی ۱۴ر جنوری۔ شری سوشیل کمار شندے وزیر مملکت برائے سماج سدھار، اسپورٹس ثقافتی امور اور یوتھ سروسیز کو کالی کٹ کنونشن میں انڈین جے سیز نے بطور بہترین نوجوان فرد منتخب کیا۔

انڈین جے سیز نے پورے ہندوستان سے دس بہترین نوجوان افراد کو منتخب کرنے کا پروجیکٹ شروع کیا ہے۔

شری شندے کو میرین لائنز جے سیز نے نامزد کیا تھا۔

ڈاکٹر آر۔ کے پاریکھ، چیرمین پبلک ریلیشنز کمیٹی نے فرمایا کہ پہلی بار کسی وزیر کو اس پروجیکٹ کے تحت نامزد کیا گیا ہے۔

آٹھ مزید پروجیکٹوں کے لئے امداد

ریاست میں رضاکارانہ ایجنسیوں کے ذریعہ شروع کئے جانیوالے آٹھ غذائی پیداوار پروجیکٹوں کو ۵٫۶۴٫۰۰۰ روپے کی امداد دی جائے گی۔

یہ پروجیکٹ؛ ایک پونے، تین وردھا، ایک احمد نگر، ایک اورنگ آباد، ایک ستارا اور ایک تھانے ضلع کے ہیں۔ متذکرہ فیصلہ عوامی اقدام برائے ترقیات (ہند) کی ریاستی سطح کمیٹی کی میٹنگ میں کیا گیا تھا جو کہ حال ہی میں شری ایس۔ جی پوار، وزیر زراعت کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔

اس مہم کے تحت پچھلے سال ۱۲ پروجیکٹوں کو ۷٫۰۰٫۰۰۰ روپے کی امداد دی گئی تھی۔ ان آٹھ مزید پروجیکٹوں کے بعد ریاست میں ایسے کل پروجیکٹوں کی تعداد ۲۰ ہو جائے گی، جنھیں پچھلے دو سالوں کے دوران ریاست سے امداد ملی ہے۔ اب تک مرکزی کمیٹی نے ۱۸ پروجیکٹوں کو امداد دی ہے اور اس مہم کے تحت ریاست میں کل ۳۸ پروجیکٹ کام کر رہے ہیں۔



قلمی معاونین سے گذارش ہے

کہ تخلیقات کے خاتمے پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ، کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

آلودگی کی روک تھام کیلئے صنعتوں کی منتقلی
سمینار میں ڈاکٹر رفیق زکریا کی تجویز

مہاراشٹر مجلس قانون ساز نے جو فضائی آلودگی بل پاس کیا ہے اس کی صدر ہند کی جانب سے منظوری کا انتظار ہے جس سے ریاستی حکومت کو بہتر نتائج کے حصول کے لئے موثر اقدامات کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اس بات کا انکشاف ۱۰ر جنوری کو منترالیہ بمبئی میں ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول اور شہری ترقی نے کیا۔

وزیر موصوف پانچ روزہ سمینار کا افتتاح کر رہے تھے جس کا موضوع تھا۔ "پانی (آلودگی کی روک تھام) ایکٹ بابت ۱۹۷۴ء کا نفاذ عمل' اور جس کا اہتمام مشترکہ طور سے مرکزی اور ریاستی بورڈ برائے آبی آلودگی کی روک تھام نیز سنٹرل پبلک ہیلتھ انوائرن مینٹل انجنیئرنگ آرگنائزیشن واقع نئی دہلی نے سائوتھ ایسٹ ایشیا ریجنل آرگنائزیشن آف ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے اشتراک سے کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر رفیق زکریا نے نئی صنعتوں کے قیام کے سلسلے میں پوری احتیاط اور موجودہ صنعتوں کو اگر ضروری ہو تو نئی جگہوں پر منتقل کرنے کی ضرورت جتائی اور فرمایا کہ اس کے ساتھ خود آبی آلودگی کی روک تھام کے لئے تدابیر عمل میں لائی جائیں۔

آلودگی آب کے اسباب پر نظر ڈالتے ہوئے ڈاکٹر زکریا نے ماہرین سے گذارش کی کہ وہ مقامی حالات اور ذرائع کا خیال رکھتے ہوئے نئے موثر طریقے تجویز کریں۔

مہاراشٹر انسداد آلودگی بورڈ کی نمایاں کارگذاری کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر زکریا نے فرمایا کہ ریاست مہاراشٹر اس میدان میں رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

شری ٹی۔ ایس سوامی' ایڈوائزر سی پی ایچ ای ای او' اور ڈاکٹر این۔ چودھری' چیرمین مرکزی بورڈ برائے انسداد آلودگی آب نے بھی اس موقع پر تقریر کی۔

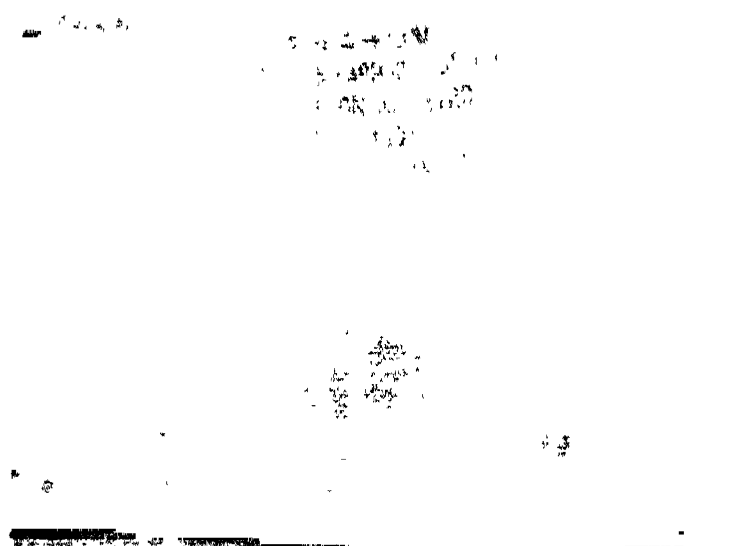
شری جگیش دیسائی' وزیر مملکت برائے شہری ترقی، آلودگی آب سے متعلق مختلف بورڈوں کے صدور، ریسرچ اداروں کے نمائندے اور حکام سمینار میں شریک ہوئے۔

اس سے قبل فرینک ہوجز (ادارہ عالمی صحت) کے مشیر نے مہمانوں کا استقبال کیا اور شری میاں خاں نے شکریہ ادا کیا۔

شری جگیش دیسائی کی اپیل

انڈین ایسوسی ایشن برائے آبی آلودگی روک تھام کے سمینار کا افتتاح کرتے ہوئے شری جگیش دیسائی وزیر مملکت برائے شہری ترقی' اور شہری رسد نے فرمایا کہ میں نے اپنی زندگی کا آغاز انڈسٹری میں بطور اکاؤنٹنٹ کیا تھا۔ اب حکومت مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے شہری ترقی و شہری رسد کی حیثیت سے مجھے موقع مِلا ہے کہ نہ صرف آبی آلودگی بلکہ فضائی آلودگی کا بھی مطالعہ کر سکوں۔ آپ نے مشورہ دیا کہ اسی کے مطابق اس ایسوسی ایشن کا نام بھی تبدیل کر دینا چاہیئے۔

شری دیسائی نے مزید فرمایا کہ حکومت مہاراشٹر پہلی حکومت ہے جس نے آلودگی کے خلاف قانون وضع کیا۔ آلودگی آب کی روک تھام کے لئے صنعتوں کا تعاون قابل اطمینان ہے



ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول اور شہری ترقیات' سمینار کا افتتاح کر رہے ہیں۔ شری جگیش دیسائی، وزیر مملکت برائے شہری ترقی بھی نظر آ رہے ہیں۔



ڈاکٹر رفیق زکریا وزیر محصول اور شہری ترقیات ۱۹ جنوری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ، ممبئی میں مہاراشٹر واٹر سپلائی اینڈ سیوریج بورڈ کے پہلے اجلاس کا افتتاح فرما رہے ہیں۔

آپ نے تمام متعلقہ لوگوں سے اپیل کی کہ وہ مسئلہ آلودگی کے بارے میں گہری دلچسپی لیں کیونکہ یہ شہریوں کی زندگی اور فلاح سے وابستہ ہے۔ اس سے قبل ایسوسی ایشن کے سکریٹری شری سی۔ ای۔ ایس راؤ نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

ہاروں کے بجائے مکانات
وزیر اعلیٰ کا مشورہ

وزیر اعلیٰ شری سنکر راؤ چوان نے عوام سے اپیل کی کہ وہ جلسوں میں ہار پھول پیش کرنے سے گریز کریں کیونکہ ان کے خیال میں یہ اسراف بیجا ہے جسے بچا کر بہتر طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ایوت محل سے ۱۱۰ کلو میٹر دور دانی میں حال ہی میں میونسپل کونسل کی گولڈن جوبلی تقریبات کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ہار پھول پیش کرنے کے پیچھے جو جذبہ کار فرما ہے اس کو وہ پسند کرتے ہیں مگر وہ اس وقت زیادہ خوشی محسوس کریں گے جبکہ وہی رقم بطور عطیہ وصول ہو، جسے بے گھروں کے لئے مکان تعمیر کرنے نیز غریبوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

وویکانند وجیم کو پہلا انعام
سنسکرت ڈرامہ مقابلے

۱۶ ویں ریاست مہاراشٹر ناٹیہ مہوتسو کے سلسلہ میں پونے میں ریاستی حکومت کے زیر اہتمام ہونیوالے سنسکرت ڈرامہ مقابلے میں بنگالی ایسوسی ایشن ناگپور کو اس کے ڈرامے 'وویکانند وجیم' پر اور مراٹھی ساہتیہ مندر، کلیان کو اس کے ڈرامے 'سنگیت ستو پریکشا' پر بالترتیب پہلے اور دوسرے انعام کے طور پر ۵۰۰ اور ۳۰۰ روپے دیئے گئے۔ اس مقابلے میں ۲۰۰ روپے کا تیسرا انعام دریا دھام پرشالہ، شیرور۔ گھوڑندی کو اس کے ڈرامے 'امرنام اپوشنم' پر دیا گیا۔

بہترین اداکاری پر حسب ذیل دو اداکاروں کو انفرادی طور پر سلور میڈل دیئے گئے:

(۱) شری ستریکانت راناڈے کو 'سنگیت ستو پریکشا' میں 'شری پال' کے رول پر اور
(۲) شریمتی دریا راناڈے کو 'سنگیت ستو پریکشا' میں 'جانگونا' کے رول پر۔

حسب ذیل آٹھ اداکاروں کو اداکاری پر میرٹ سرٹیفکیٹ دیئے گئے:

شری اروند گورے (وویکانند وجیم)، شری دیویندر آر۔ اُپادھیہ (نیتر سنگھرشم)، شری چندر سیکھر کیلکر (امرنام اپوشنم)، شری اَرون باجپئی (وویکانند وجیم)، کماری سادھنا اتھاولے (گج گوری ورتم)، کماری میگھنا مراٹھے (گج گوری ورتم)، کماری تارامتی نرگنڈے (امرنام اپوشنم) اور کماری پربتی پاٹھک (گج گوری ورتم)

اس مقابلے میں شری وائی۔ ایس والمبے، شری ایس۔ ایچ دھوبکر اور شری گھنشیام دیاس نے جج کے فرائض انجام دیئے۔

عوام کی فلاح کے لئے اپنی قوت یکجا کیجئے
— شری شنکر راؤ چوان

وزیر اعلیٰ شنکر راؤ چوان نے سماجی کارکنوں سے گذارش کی کہ وہ غریبوں اور سماج کے کمزور طبقوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی قوت یکجا کریں۔

وزیر اعلیٰ ۹ جنوری کو پربھنی سے ۴۶ کلو میٹر دور دیو نندرا میں چھ کروڑ روپے کی لاگت سے قائم ہونے والی گوداوری دودھنا کوآپریٹو شوگر فیکٹری کے بھومی پوجن کے بعد تقریر فرما رہے تھے۔

شری چوان نے مزید فرمایا کہ سماجی کارکن اس کام کو ایک چیلنج سمجھیں اور ایک مقررہ وقت کے اندر اس پروجیکٹ کو پورا کریں تاکہ اس امداد باہمی اقدام سے معمولی کسانوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ امداد باہمی تحریک بنیادی طور پر ان لوگوں کے لئے ہے جو انفرادی کوششوں سے خوش حالی حاصل نہیں کر سکتے اور اسی مقصد کے مدنظر چھوٹے کاشتکاروں کو ترجیح دینا چاہیئے۔

مراٹھواڑہ کے پانچ اضلاع میں زیر عمل مختلف زراعتی و صنعتی منصوبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اگر سارے سماجی کارکنوں کی قوت کو یکجا کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ منصوبے جلد سے جلد مکمل ہو سکتے ہیں بلکہ ان پانچ اضلاع میں پسماندہ لوگوں کی حالت یکسر بدل جائے گی۔

جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے شری شامراؤ کدم وزیر مملکت برائے آبپاشی، اطلاعات و پبلسٹی نے فرمایا کہ ضلع پربھنی کی یہ تیسری امداد باہمی شکر فیکٹری ہے جس کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ ایک نے تو اس سال پیداوار بھی شروع کر دی ہے۔

وزیر اعلیٰ نے ۱۹۵ چھوٹے کاشتکاروں کو گائیں خریدنے کے لئے قرض بھی تقسیم کئے۔

وزیر اعلیٰ نے جائیکواڑی بائیں کنارے کی نہر کے کام کا بھی معائنہ کیا جو کہ پتھاری کے قریب ہو رہا ہے۔ ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ۱۴۵ کلو میٹر لمبی نہر پر ۱۵،۵۷۰ مزدور کام کر رہے ہیں۔

ضلع پربھنی میں خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کی عمل آوری سے متعلق تمام لوگوں کو شری چوان نے مبارکباد دی۔

اس ضلع میں اب تک ۳۸،۱۰۱ فیملی پلاننگ آپریشن کئے جا چکے ہیں جبکہ نشانہ صرف ۲۹،۹۰۳ کا تھا۔

کم داموں پر معیاری دوائیں تیار کیجائیں

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شنکر راؤ چوان نے دوا ساز صنعت سے اپیل کی کہ وہ عام لوگوں کو مناسب داموں پر مہیا کرنے کے لئے کافی مقدار میں اعلیٰ ترین معیاری دوائیں تیار کرے۔

وزیر اعلیٰ تاج محل ہوٹل بمبئی میں آلات تشخیص DIAGNOSTIC EXPOSITION کا افتتاح فرما رہے تھے۔ یہ آلات جرمنی کے میسرز بوئہرینگر نول کے اشتراک سے جدید موڈولر لیبوریٹری سسٹم 'موڈولر لیب' کی بنیاد پر تیار کئے گئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ موڈولیب طریقہ جدید اور معیاری ہونے کے ساتھ ہی کفایتی اور سہل ہے۔ اس سے ان مقامات میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جہاں سہولتیں محدود ہوں اور ضروری ٹکنیکل ماہرین دستیاب نہ ہوں۔

وزیر اعلیٰ نے ایسے معیاری آلات تیار کروانے والے منتظمین کی ستائش کی جو دور دراز دیہی علاقوں میں بے حد کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

شری چوان نے مزید گذارش کی کہ امراض کی تشخیص کی خاطر آلات بنانے کے لئے دیسی صلاحیت کو پوری طرح بروئے کار لایا جائے۔



... شری ایس۔ بی چوان ۶ جنوری کو تاج محل ہوٹل بمبئی میں تشخیص امراض سے متعلق 'موڈولر لیب سسٹم' کا معائنہ فرما رہے ہیں۔ اس تصویر میں وزیر صحت شری کے۔ ایم پاٹل بھی نظر آ رہے ہیں۔

شری کے. ایم پاٹل، وزیر صحت نے فرمایا کہ موڈ لیب نے سماج کی دیرینہ ضرورت کو پورا کیا ہے. اس سے وقت اور پیسہ دونوں کی بچت ہوتی ہے اور ابتدا ہی میں اس کے ذریعہ جگر، دل، گردہ، پھیپھڑے اور ہڈی وغیرہ کی بیماریوں کی تشخیص کی جاسکتی ہے.



کماری رتن مالا، طالبہ واشی اسکول، ۶ر جنوری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ میں چیک، وزیراعلیٰ شری ایس. بی چوان کو پیش کر رہی ہیں.

وزیراعلیٰ کے راحت فنڈ میں بچوں کا عطیہ

واشی کے پرائمری اسکول کے بچوں نے وزیراعلیٰ کے 'راحت فنڈ' میں چندہ دینے کے لئے اپنے جیب خرچ سے ۴۵۱ روپے کی رقم اکٹھا کر کے وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کو پیش کی.

کماری رتن مالا، فرسٹ نیو ممبئی اسکول کی چوتھی جماعت کی طالبہ نے ۶ر جنوری کو منترالیہ' ممبئی میں متذکرہ رقم کا چیک وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کی خدمت میں پیش کیا.

اس موقع پر شری بی. سی کری اپا، 'سڈکو' کے مینیجنگ ڈائرکٹر اور شریمتی ایم. ڈیسوزا، پرائمری اسکول کی پرنسپل موجود تھیں.

آندھرا پردیش کے وزیر مہاراشٹر پویلین میں

شری کے. وی کیشو یلو، وزیر کامرس و ہینڈلوم، آندھرا پردیش نے ممبئی کے کراس میدان میں لگی ہوئی "کرافٹ انڈیا. ۷۷" نمائش میں مہاراشٹر پویلین دیکھا.

شری کیشو یلو نے مہاراشٹر میں، وزیراعظم کے ۲۰ نکاتی پروگرام کی عمل آوری پر اطمینان کا اظہار کیا، جس پر پویلین میں آویزاں رنگ برنگی چارٹ اور نقشوں کے ذریعہ روشنی ڈالی گئی ہے.

وزیر موصوف نے پویلین میں برآمدی اشیاء کو دیکھ کر فرمایا کہ مہاراشٹر اشیائے صارفین اور مشینوں کی برآمد میں ملک میں سب سے آگے ہے.

وزیر موصوف نے چمڑے کی بنائی ہوئی اشیاء خصوصاً کولہاپوری چپلوں کو پسند کیا. اور فرمایا کہ یہ خوبصورت بھی ہیں اور پائیدار بھی.



شری کے. وی کیشو یلو، وزیر آندھرا پردیش (دائیں طرف) شری ریاض احمد خاں کے ہمراہ مہاراشٹر پویلین دیکھ رہے ہیں.



شری ایس. جی ماکنیکر، وزیر مملکت برائے تعلیم، ۱۳ جنوری ۷۷ء کو "ٹیچی پرنسپلز اسٹڈی کانفرنس" سے خطاب فرما رہے ہیں۔

ٹکنیکل تعلیم کی اہمیّت

شری ایس جی ماکنیکر

پالی ٹکنیک اداروں اور صنعتوں کے درمیان ایسا رشتہ قائم ہونا چاہیئے جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اس خیال کا اظہار وزیر مملکت برائے تعلیم شری سنگرام ماکنیکر نے ۱۳ر جنوری کو شری بھاگو بھائی مفت لال پالی ٹکنک، ممبئی میں ٹکنیکل ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، ویسٹرن ریجن کے زیر اہتمام منعقدہ پرنسپلز اسٹڈی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ اس قسم کی کانفرنسوں سے دونوں شعبوں کے افراد کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ اور خاص ضروریات، تعلیمی طریقہ، تعلیمی سامان کی تیاری، معاون کتب اور تربیتی پروگرام کی عمل آوری کے سلسلے میں برابر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حقائق اور سماجی احساسات کا خیال رکھتے ہوئے صنعتی ترقی کی ضروریات پر غور کیا جانا چاہیئے۔ پالی ٹکنک تعلیم کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جس سے "مین پاور" کی ضرورت پوری ہو سکے۔

وزیر موصوف نے پالی ٹکنک اداروں سے ڈپلوما لیکر نکلنے والے افراد کے لیئے ۲۵ نکاتی پروگرام کے تحت اپرینٹس شپ اسکیم کی اہمیت جتاتے ہوئے یہ امید ظاہر کی کہ کانفرنس پروگرام کی مؤثر عمل آوری کے لیئے مفید مشورے دے گی۔

اس سے قبل، پروفیسر ایچ. سی پٹیل، پرنسپل، شری بھولا بھائی مفت لال پالی ٹکنک، ممبئی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ پرنسپل، شری سرن ٹی. ٹی. ٹی. آئی بھوپال نے شکریہ ادا کیا۔

برطانوی صلاح کار، پروفیسر ڈی. این ٹریفورڈ بھی ہندوستانی ماہرین کے ساتھ کانفرنس میں شریک ہوئے۔

تفریحی ٹیکس سے مستثنیٰ

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط کے تحت موجودہ مالی سال کے دوران فوری طور پر پوری ریاست میں فلم "انڈس دیلی ٹو اندرا گاندھی" کی نمائش کو تفریحی ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

صفحہ ۴۴ سے آگے

کے فارسی کلام کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے رعایتاً فارسی میں طبع آزمائی کی ہے۔ ورنہ فطرتاً ان کا شعری میلان اردو کی جانب مائل تھا، اور اپنی شاعری میں انھوں نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ یقیناً ایک قیمتی اور قابلِ قدر سرمایہ ہے۔ ...

فوری توجہ کے لئے

ترسیل زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے خط یا پتے کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے) ضرور تحریر فرمائیے



مہاراشٹر کیسری، شری ہیرامن بنکر نے
۶ جنوری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ، بمبئی میں وزیر اعلیٰ
شری شنکر راؤ چوان سے ملاقات کی۔
اس موقع پر لی گئی تصویر میں بائیں طرف
وزیر مملکت برائے زراعت شری ناناصاحب
سپکال، وزیر زراعت شری اتر دلوار، وزیر
محنت و امداد باہمی، شری شنکر راؤ پاٹل بھی
نظر آرہے ہیں۔

—o—



ڈاکٹر وائی۔ ایس پرمار، وزیر اعلیٰ ہماچل
پردیش ۱۷ جنوری ۱۹۷۷ء کو بمبئی میں ہماچل
متر منڈل کی سلور جوبلی تقریب میں بحیثیت
مہمان خصوصی اظہار خیال فرمارہے ہیں۔
شری منوہر جوشی، میئر بمبئی بھی تصویر میں
نظر آرہے ہیں۔

—o—



چوبیسواں ناٹیہ مہوتسو ناندیڑ میں
منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر تقسیم انعامات
کی تقریب میں شری فاروق پاشا، ڈپٹی
اسپیکر مہاراشٹر اسمبلی، شریمتی وساہت
کیندرا، ناندیڑ کے ایک عہدیدار کو انعام دے
رہے ہیں، جس کا ناٹک "کیرٹیکر" اول
آیا تھا۔





← وزیر صنعت شری نریندر تڑکے نے ۱۳ر جنوری کو منترالیہ ممبئی میں ریاست بھر میں سب سے اچھے برآمد کنندگان کو ریاستی انعامات تقسیم کئے۔ یہ اسی موقع پر لی گئی تصویر ہے۔

شری بالا صاحب وکھے پاٹل ممبر پارلیمنٹ اور ریاست میں گنّے کی پیداوار کے جائزے سے متعلق اسٹڈی گروپ کے چیرمین اپنی رپورٹ ۱۳ر جنوری کو منترالیہ ممبئی میں وزیر زراعت، شری ایس. جی پوار کو پیش کر رہے ہیں۔



شری آر. وی بیٹ، وزیر مملکت برائے امداد باہمی نے ۶ر جنوری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ ممبئی میں سرٹیفکیٹ آف رجسٹریشن آف مہاراشٹر اسٹیٹ ہینڈلوم ویورس کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن لمیٹیڈ، شری ایس. ایم آدم، سوسائٹی کے چیف پرموٹر کے حوالہ کیا۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات

رپیئر بورڈ کو مالی امداد حکومت کی وضاحت

ممبئی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے ممبئی بلڈنگ رپیئر اینڈری کانسٹرکشن بورڈ کو ادا کی جانیوالی مالی امداد کے بارے میں بعض اخبارات میں خبریں شائع ہوئی ہیں۔

اس سلسلے میں یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ ممبئی مرمت عمارات و تعمیر نو بورڈ ایکٹ کے تحت ممبئی میونسپل کارپوریشن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر سال ۱۶۷ کروڑ روپے کی امدادی رقم حکومت کو ادا کرے۔ بہرحال ریاستی حکومت یہ رقم پیشگی طور پر رپیئر بورڈ کو ممبئی میونسپل کارپوریشن کی طرف سے ادا کرتی ہے اور سال کے دوران کارپوریشن سے وصول کرتی ہے۔

اس انتظام کے مدنظر رپیئر بورڈ کو ۱۶۰ کروڑ روپے کی مالی امداد حکومت سے حاصل ہو چکی ہے اور وہ اس رقم کو مرمت اور دوبارہ تعمیر کے لئے استعمال بھی کر چکا ہے۔ اب ریاستی حکومت کو یہ رقم کارپوریشن سے وصول کرنی ہے۔ اب اگر کارپوریشن یہ رقم ابھی یا کچھ عرصہ بعد ادا کرتی ہے تو اس سے ممبئی رپیئر بورڈ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔

شری پی کے کنیٹے، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ اور پبلک ورکس نے ۱۰ر جنوری کو اپنی پریس کانفرنس میں ان باتوں کی وضاحت کر دی تھی۔ انھوں نے مزید فرمایا تھا کہ حکومت فی الحال تین کروڑ روپے کی مزید رقم رپیئر بورڈ کو ادا کر چکی ہے جو صرف بھی ہو چکی ہے۔ اب اگر ممبئی میونسپل کارپوریشن ایک کروڑ روپے کی مزید رقم دے تو جو کام دو تین ماہ سے رقم نہ ہونے کے سبب رُکا پڑا ہے، اس کو فوری طور پر شروع کیا جا سکتا ہے۔

کارپوریشن کی جانب سے بعض اخبارات میں جو وضاحت کی گئی ہے وہ ۱۶۷ کروڑ روپے کے بارے میں ہے جو کارپوریشن پر واجبی ہیں مگر فی الحال وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ نے جو ایک کروڑ روپے کی مزید رقم کے بارے میں کارپوریشن سے گذارش کی ہے اس کے بارے میں کوئی جواب نہیں ملا ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ کارپوریشن اس درخواست پر غور کرے گی اور فوری طور پر رپیئر بورڈ کو ضروری ادائیگی کر دے گی۔

انگریزی ذریعۂ تعلیم کے اسکول بند نہیں ہوں گے

حکومت مہاراشٹر نے یہ وضاحت کی ہے کہ ممبئی عظمیٰ میں واقع انگریزی ذریعۂ تعلیم کے ۱۳ پرائمری اسکولوں کے بند کر دیئے جانے کے سلسلے میں حکومت کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ چونکہ ریاستی حکومت کی جانب سے انھیں منظوری حاصل نہیں ہے اس لئے ممبئی میونسپل کارپوریشن نے ان اسکولوں کو بند کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

ان خبروں میں کچھ اصلیت نہیں ہے کیونکہ ان پرائمری اسکولوں کو کارپوریشن چلاتی ہے ریاستی حکومت کی جانب سے اس کی تسلیمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے کارپوریشن نے اس بات کی بھی تصدیق کی ہے کہ وہ فی الحال ان اسکولوں کو بند نہیں کر رہی ہے۔

ایڈووکیٹس ترمیم ایکٹ کا نفاذ

ایڈووکیٹس ایکٹ بابت ۱۹۶۱ء میں حال ہی میں ایڈووکیٹس (ترمیم) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے ذریعہ ترمیم کر دی گئی ہے۔

اس ترمیم کے تحت سالیسیٹرس یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے عدالت کے روبرو کسی فریق کے لئے مقدمے کی پیروی نہیں کر سکتے۔ بہرحال اگر کوئی سالیسیٹر بطور ایڈووکیٹ درج ہے تو وہ عدالتی معاملات میں بطور ایڈووکیٹ اپنے موکل کی نمائندگی کر سکتا ہے۔

جن لوگوں کے مقدمات عدالت میں موجود ہیں اور ان کی نمائندگی اٹارنیز کر رہے ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ فوراً اپنے اٹارنیز سے رابطہ قائم کریں اور یہ معلوم کر لیں کہ آیا وہ ان کے مقدمات کی نمائندگی بحیثیت ایڈووکیٹ یکم جنوری ۱۹۷۷ء کے بعد بھی کر سکیں گے یا نہیں۔ اگر اٹارنی اس تاریخ کے بعد نمائندگی کا اہل نہ ہو تو وہ ان عدالتی معاملات میں اپنی نمائندگی کے لئے دوسرا مناسب انتظام

کریں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو عدالت جیسا مناسب سمجھے گی ان کی عدم موجودگی میں احکامات صادر کرسکتی ہے۔

اسٹیٹ سلیکشن بورڈ تقررات کے معاملے میں ہدایت

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ تقرری کرنے والے عہدیداروں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مہاراشٹر پبلک سروس (سب آرڈی نیٹ) سلیکشن بورڈ ایکٹ بابت ۱۹۷۳ء کے تحت بورڈ کے حلقۂ اختیار میں آنے والی تمام اسامیوں پر بھرتی اور ترقی کے تمام معاملات میں اسٹیٹ سلیکشن بورڈ سے مشورہ کریں۔

حکومت کے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ سرکاری ہدایت کے باوجود بعض تقرری کرنیوالے عہدیداروں نے متذکرہ ایکٹ کے نفاذ کے بعد بھی سلیکشن بورڈ سے مشورہ کئے بغیر اس کے حلقۂ اختیار میں آنے والی اسامیاں پُر کی ہیں۔

لہٰذا حکومت پھر متنبہ کرتی ہے کہ سلیکشن بورڈ کے مشورہ کے بغیر کسی جگہ کو پُر کرنے کی کارروائی خلاف قانون ہے اور وہ منسوخ کی جاسکتی ہے۔

حکومت نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ تقرری کرنے والے عہدیداروں نے اگر اسامیاں پُر کرنے کے لئے اشتہارات جاری کئے ہیں یا بھرتی کے لئے دوسرے اقدامات کئے ہیں تو وہ فوری طور پر واپس کرلئے جائیں اور ایکٹ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جو تقرری عمل میں لائی گئی ہے اُسے منسوخ کردیں۔

چٹ فنڈ ایکٹ کا نفاذ

مہاراشٹر چٹ فنڈ ایکٹ ۱۹۷۴ء کا نفاذ یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اطلاعنامہ مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۶ء کے حصہ چہارم ب۔ میں شائع کردیا گیا ہے۔

ایکٹ کے نفاذ کے بعد چٹ فنڈ شروع کرنا، چلانا یا جاری رکھنا بجز اس صورت کے کہ وہ ایکٹ کے قوانین کے مطابق ہو، قابل سزا جرم ہے جس پر ۲ سال تک کی سزائے قید یا دو ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں ہی سزائیں دی جاسکتی ہیں۔

فی الحال ممبئی بکری ٹیکس ایکٹ بابت ۱۹۵۹ء کے تحت مقررہ سیلز ٹیکس کمشنر ڈائرکٹر آف چٹس بھی ہوں گے۔

غیر رہائشی عمارتیں پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں

حکومت مہاراشٹر نے اعلان کیا ہے کہ کسی ایسی غیر رہائشی جگہ کے لئے جس کا فرشی رقبہ ۷۴ مربع میٹر ہے آئندہ سے "اعتراض نہیں سرٹیفکیٹ" کے واسطے کنٹرولر آف اکوموڈیشن کو درخواست دینے کی ضرورت نہیں۔ ایسی جگہوں کے لئے جو درخواستیں کنٹرولر کے پاس ہیں وہ منظور مانی جائیں گی۔

۷۴ مربع میٹر یا اس سے کم رقبہ کی غیر رہائشی جگہوں کو حکومت حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی بشرطیکہ وہ بدستور غیر رہائشی مقاصد کے لئے استعمال کی جائیں۔ اسی مقصد سے ممبئی لینڈ ریکویزیشن ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء میں مناسب ترمیم کردی گئی ہے۔

ممبئی عظمیٰ میں غیر رہائشی جگہوں کے معاملہ میں جن کا رقبہ ۷۴ مربع میٹر سے زیادہ ہے پہلے ہی کی طرح "اعتراض نہیں سرٹیفکیٹ" کرایہ داری قبضہ یا تبادلہ کی غرض سے ضروری ہوگا۔ ممبئی لینڈ ریکویزیشن ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء کی دفعہ ۶ کے تحت مالک کو خالی جگہ کی اطلاع دینا ضروری ہے۔

پیدائش و اموات کا اندراج لازمی

پیدائش اور اموات کے باقاعدہ و یکساں طریقہ پر اندراج (رجسٹریشن) کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے اندراج پیدائش اور اموات ایکٹ بابت ۱۹۶۹ء کے تحت مہاراشٹر اندراج پیدائش اور اموات قوانین بابت ۱۹۷۶ء کے نام سے قوانین وضع کئے ہیں۔ ان قوانین کے تحت اس مقصد کے لئے مقرر کردہ رجسٹریشن افسر کو پیدائش اور موت کی اطلاع دینا لازمی ہے۔

میونسپل یا چھاؤنی کے علاقے یا مقررہ علاقے میں زندہ یا مردہ بچہ پیدا ہونے پر اس کی تحریری اطلاع پیدائش کی تاریخ سے سات دنوں کے اندر اور موت کی صورت میں موت کی تاریخ سے تین دنوں کے اندر دی جائے۔ دیگر علاقوں میں پیدائش یا موت کی اطلاع بالترتیب ۱۴ یا ۷ دن کے اندر دی جائے۔

اگر پیدائش یا موت کسی چلتی ہوئی گاڑی یعنی ہوائی جہاز، کشتی، جہاز، ریل گاڑی، موٹر کار، ٹھیلہ، ٹانگہ اور رکشا میں واقع ہو تو اس گاڑی کے انچارج کی ذمہ داری ہے کہ جس مقام پر پہلے رُکے وہیں اس کی اطلاع دے۔

اگر مقررہ مدت گزرنے کے بعد تاہم پیدائش یا موت واقع ہونے کی تاریخ سے ۳۰ دنوں کے اندر اس کی اطلاع دی جائے تو ایک روپیہ تاخیری فیس ادا کرنے پر اندراج کیا جائے گا۔ اگر کسی پیدائش یا موت کی اطلاع تاریخ سے ۳۰ دنوں کے بعد مگر ایک سال کے اندر رجسٹرار پیدائش و اموات کو دی جائیگی تو صرف بااختیار عہدیدار کی تحریری اجازت

کے بعد تین روپے ناخیری فیس ادا کرنے پر اندراج کیا جائے گا۔

پیدائش یا موت کے ایک سال کے بعد اندراج صرف اس صورت میں ہو سکے گا کہ کوئی درجہ اوّل مجسٹریٹ حکم صادر کرے نیز پانچ رُوپے تاخیری فیس ادا کی جائے۔

ایسے معاملے میں جبکہ کسی بچّے کی پیدائش کا اندراج بغیر نام کے ہوا ہے تو ایسے بچے کے والدین یا سرپرست کو چاہیئے کہ بچے کی پیدائش کے اندراج کی تاریخ سے بارہ ماہ کے اندر رجسٹرار کو زبانی یا تحریری طور پر بچے کے نام کی اطلاع دے۔

پیدائش و اموات کیلئے رجسٹرار

حکومت مہاراشٹر نے اندراجِ پیدائش و اموات ایکٹ بابت ۱۹۶۹ء کے تحت مندرجہ ذیل افسران کو بہ حیثیت رجسٹریشن افسران مقرر کیا ہے۔

ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروس بطور چیف رجسٹرار برائے پیدائش و اموات، ڈپٹی ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروس (اسٹیٹ بیورو آف ہیلتھ انٹیلیجنس اینڈ وائٹل اسٹیٹکس) بطور ڈپٹی چیف رجسٹرار برائے پیدائش و اموات (دونوں ریاست مہاراشٹر کے لئے) تمام پریشد دل کے ڈسٹرکٹ ہیلتھ افسران (متعلقہ محصول ضلع ایگزیکیٹو کے لئے) ایگزیکیٹو ہیلتھ افسر یا ہیلتھ افسر یا میڈیکل افسر آف ہیلتھ، اگر ایسا کوئی افسر نہ ہو تو چیف افسر (متعلقہ میونسپل علاقے کے لئے)، کنٹونمنٹ ایگزیکیٹو افسر، (کنٹونمنٹ بورڈ کے تمام علاقے کے لئے) اور گرام سیوک یا گرام سیوک کے نہ ہونے پر، مددگار گرام سیوک (متعلقہ گاؤں پنچایت کے علاقے کے لئے)، مقررہ علاقے کا منتظم متعلقہ مقررہ علاقے کا پیدائش و اموات کے لئے رجسٹرار ہوگا۔

لائسنس معطل

مندرجہ ذیل ۱۶ افراد کے الیکٹریکل کنٹریکٹر لائسنس نیز اہلیت کے سرٹیفکیٹ اتنی مدّت کے لئے معطل کر دیئے گئے ہیں جو اُن کے ناموں کے سامنے درج ہیں۔ لائسنسنگ بورڈ اور انسپکٹر آف لفٹس، بمبئی نے اپنی حالیہ بیٹھک میں اس قسم کا فیصلہ کیا ہے۔

افراد کے نام یہ ہیں:

شری ایس۔ ایس جنگاڑے، ۳۰ر جون ۱۹۷۷ء تک۔

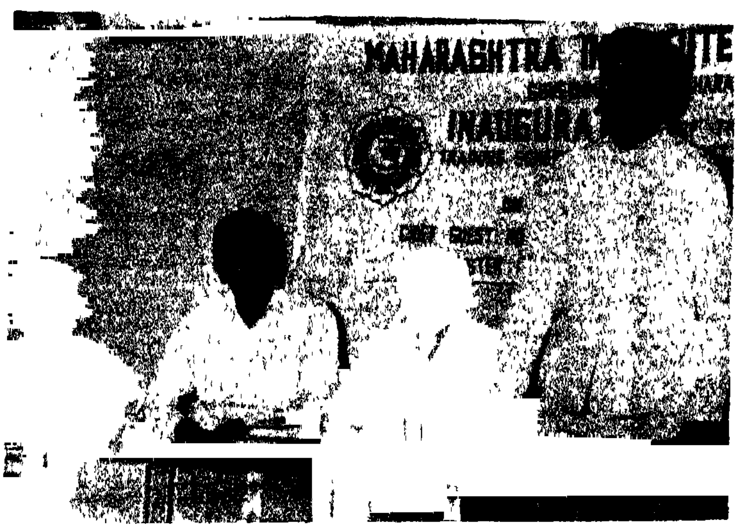
سرو سری بھاسکر راؤ گنجوار، جی۔ جی ٹھاکرے، جی۔ ایل۔ گھاٹے، سی۔ ڈی اگروال، مدھوکر برڈے، ایم۔ بی پرانک، ایس۔ کے کدم، یاردت بھرلے، ٹی۔ ڈی ترویدی، ایس۔ پی یوکالے، وی۔ وی جوشی، کے۔ این کلکرنی اور ایس۔ آر لوار ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۷ء تک۔ اور سرو شری ڈی۔ جی ٹکلے اور آر۔ آر۔ نیسل ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۸ء تک۔

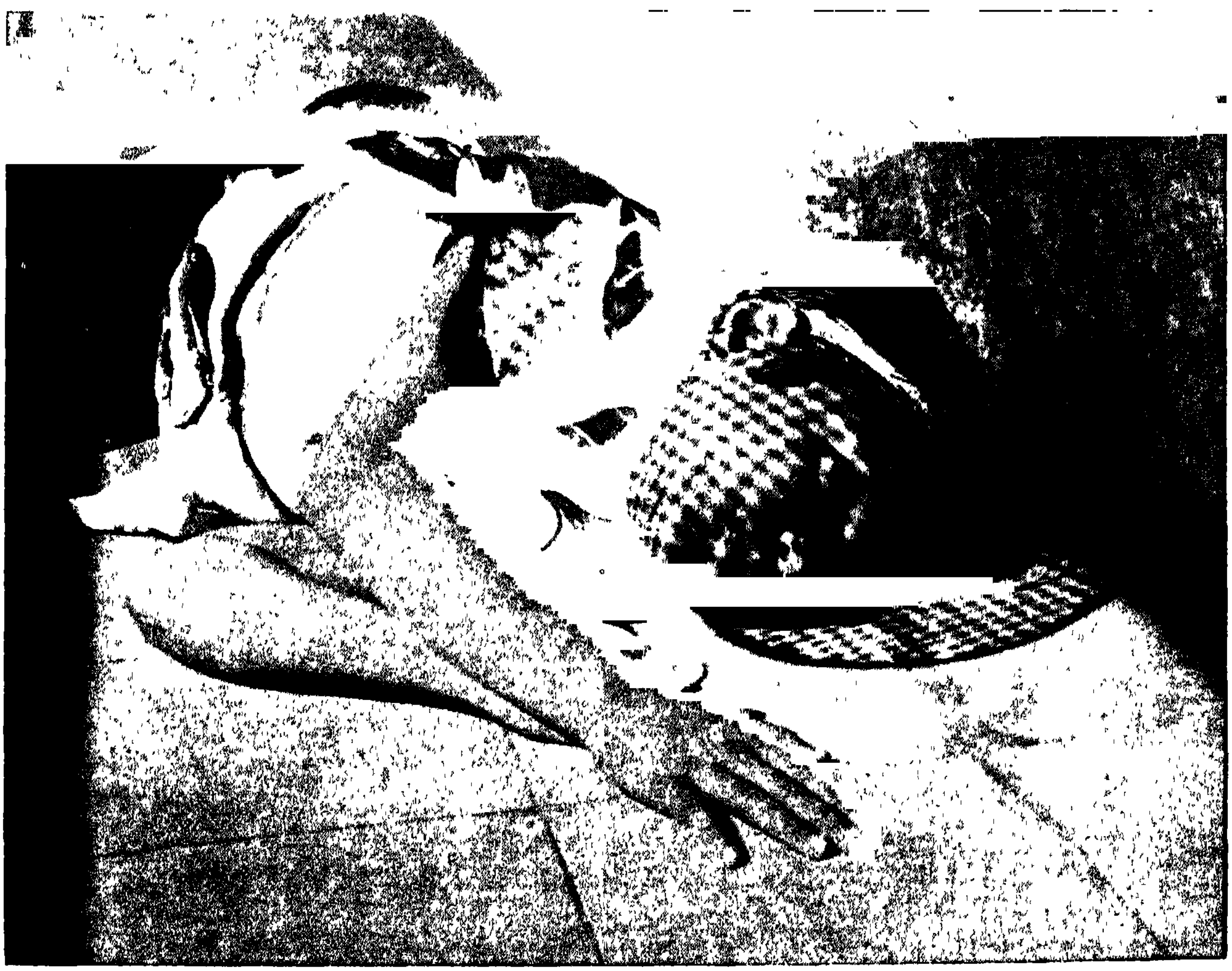
اظہارِ تشکر

حکومت مہاراشٹر نے تجارت اور صنعت سے متعلق ان متعدد افراد اور ایسوسی ایشنوں کا شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے بکری ٹیکس تحقیقاتی کمیٹی کے کام میں امداد و اعانت کی تھی۔

حکومت نے یہ کمیٹی اس مقصد سے مقرر کی تھی کہ بکری ٹیکس کے موجودہ نظام پر نظر ثانی کر کے اس کی بہتری کی تجاویز پیش کرے جس سے بکری ٹیکس کے جائزہ کا طریقہ سہل بنایا جا سکے۔ اس نے اپنی رپورٹ ۳ر مئی ۱۹۷۶ء کو حکومت کو پیش کر دی تھی۔

وزیر مملکت برائے محنت شری رام ناتھ پانڈے ۱۷ر جنوری ۱۹۷۷ء کو مہاراشٹر انسٹی ٹیوٹ آف لیبر اسٹڈیز، بمبئی میں ٹریڈ یونین لیڈروں سے متعلق ٹریننگ اسکیم کے پہلے سیشن کا افتتاح کر رہے ہیں۔ ▼

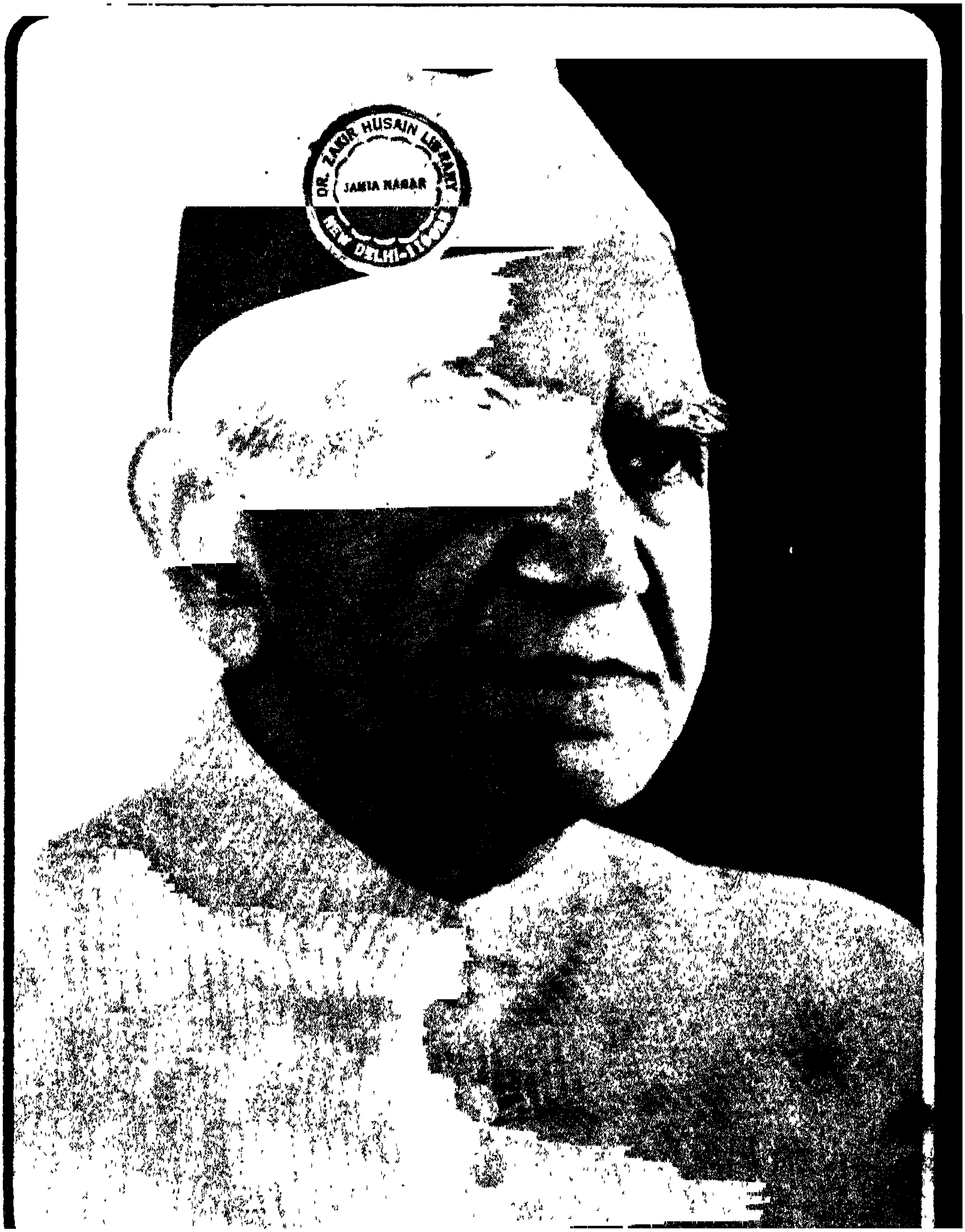






فوارہ

مارچ ۱۹۷۷ء



جلوسِ جنازہ کا ایک منظر



قومی راج

قیمت ۵ پیسے — سالانہ دس روپے

جلد ۲ ★ ۱۶ فروری اور یکم مارچ ۱۹۷۷ء ★ مشترکہ شمارہ نمبر ۴

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی۔ اے۔ ایس

قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہم برابر کوشش کرتے ہیں کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم یکم مئی ۱۹۷۷ء سے قارئین کی دلچسپی کے خیال سے 'سوال و جواب' کالم شروع کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگرام اور سرگرمیوں کے بارے میں سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ براہِ مہربانی اپنے سوالات اس پتے پر بھیجئے: ایڈیٹر 'قومی راج'، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ بمبئی ۳۲ ۴۰۰

سخنہائے گفتنی

مہاراشٹر کے ہر دلعزیز گورنر علی یاور جنگ کی وفات کا صدمہ ہنوز اہلِ ہند کے دل و دماغ سے محو نہ ہوا تھا کہ قدرت نے ایک اور زخم کاری لگایا اور ملک و قوم کو صدر ہند فخرالدین علی احمد کی رحلت کے عظیم سانحہ سے دوچار ہونا پڑا۔

فخرالدین علی احمد مسلسل چالیس برس تک ملک و قوم کی خدمت میں جان و دل سے مصروف رہے۔ آزادی سے قبل وہ ایک سچے مجاہدِ آزادی تھے اور گاندھی جی کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے آرام و سکون کی زندگی اور ملازمت کو تج کر جہدِ آزادی میں شامل ہو گئے تھے۔

جمہوریۂ ہند میں انھوں نے گوناگوں ذمہ داریاں سنبھالیں اور ہر شعبہ میں اپنی محنت و لیاقت کی بناء پر کامیاب رہے۔ یہ ان کی اعلیٰ خدمات، منکسرالمزاجی اور خلوص ہی تھا جس نے انھیں ملک کے اعلیٰ اور معزز ترین منصب پر پہنچا دیا اور وہ ہندوستانی سیکولرزم کا اعلیٰ ترین نمونہ بن گئے۔

"نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو"، کی زندہ مثال فخرالدین علی احمد اپنی شرافت، انسانیت دوستی اور رواداری کی بناء پر نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

مرحوم کو اُردو سے فطری لگاؤ تھا۔ غالب صدی ہو یا جشنِ خسرو، وہ ہمیشہ اس قسم کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل وہ اقبال صدی کی تیاریوں میں کافی دلچسپی لے رہے تھے۔ دو سال قبل فخرالدین علی احمد حکومت مہاراشٹر کی درخواست پر مہاراشٹرا اسٹیٹ اُردو اکادمی کے افتتاح کے لئے بمبئی تشریف لائے تھے۔ اس تقریب کے بعد ان کی خدمت میں جب "قومی راج" کے شماروں کا ایک مجلد نسخہ پیش کیا گیا تو انھوں نے نہایت مسرت کا اظہار کیا اور حکومت مہاراشٹر کے ان اقدامات کو سراہا جن سے ریاست میں اُردو کی ترقی کے راستے کھلتے جا رہے ہیں۔

ہندوستان کے اس مایۂ ناز فرزند کی یاد ہم اسی طرح زندہ رکھ سکتے ہیں کہ اُن کے بنائے ہوئے طور طریقے اپنائیں اور اس ملک کو جمہوریت، سیکولرزم اور سوشلزم کی جنت بنانے کی جدوجہد شروع کر دیں۔

خواجہ عبدالغفور

'بھارت کے مہان سپوت'

قائم مقام صدر شری بی۔ڈی جتی کا خراجِ تحسین

بھارت کے قائم مقام صدر شری بی۔ڈی جتّی نے اپنے پیش رو مرحوم صدر فخرالدین علی احمد کو دلی خراجِ عقیدت پیش کیا اور انھیں سچا اور عظیم محبِ وطن قرار دیا۔ قائم مقام صدر شری جتی نے ۱۱ر فروری کو شب میں آل انڈیا ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"صدر احمد کی اچانک اور بے وقت موت سے مجھے سخت صدمہ پہنچا۔ وہ کل ملیشیا کے دورے سے واپس آئے تھے۔ ہوائی اڈے پر جب ان سے میری ملاقات ہوئی تھی تو وہ ٹھیک دکھائی دیتے تھے اور خوش تھے۔ انھیں دیکھ کر کسی کو یہ خیال نہیں ہوسکتا تھا کہ ان کا آخری وقت اتنا قریب ہوگا۔

شری جتی نے مزید فرمایا کہ 'فخرالدین صاحب بھارت کے ایک مہان سپوت' سچے دیش بھگت اور پکے نیشنلسٹ تھے۔ انھوں نے دیش کی آزادی کی لڑائی میں نمایاں رول ادا کیا۔ شری احمد نے پہلے آسام اور پھر مرکز میں مختلف شعبوں میں اپنی خدمات سے ممتاز مقام حاصل کیا۔ وہ پارلیمانی امور میں ماہر تھے۔ وزیر کابینہ کی حیثیت سے انھوں نے بہت سے اہم شعبے کامیابی سے سنبھالے۔ انھیں دیس کے سب سے اونچے عہدے پر بٹھایا گیا، صدر بنایا گیا۔ یہ اُن کی خوبیوں، صلاحیتوں اور اعلیٰ خدمات کا شایانِ شان اعتراف تھا۔

فخرالدین صاحب آخر دم تک دیس کی خدمت کرتے رہے۔ اپنی انسانیت، شرافت اور سیکولر خیالات کی وجہ سے وہ لوگوں میں مقبول تھے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اس قدر جلد ایسے رہنما سے محروم ہو گئے جو اس قدر خداداد خوبیوں کے مالک تھے۔ خدا ان کی رُوح کو شانتی دے، اور خدا بیگم صاحبہ اور ان کے کنبے کے دیگر افراد کو صبر دے۔"

●●

فخرِ ہند

عظیم انسان ـــــ عظیم مسلمان

وزیر اعظم اندرا گاندھی کا خراجِ عقیدت

وزیر اعظم، شریمتی اندرا گاندھی نے صدر فخرالدین علی احمد کو دلی خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا " وہ ایک عظیم ہندوستانی، ایک عظیم انسان اور ایک عظیم مسلمان تھے۔ انھوں نے بڑی لگن، سوجھ بوجھ اور جانفشانی سے دیس کی خدمت کی۔ اتحاد، جمہوریت اور سیکولرزم کو فروغ دیا اور اس کے وقار کو دنیا بھر میں بلند کیا۔

" اس موقع پر قوم اپنے ممتاز ترین رہنما کے شایانِ شان خراجِ عقیدت اسی طرح پیش کرسکتی ہے کہ انتخابات قطعی پرامن اور خیرسگالی کی فضا میں ہوں تاکہ ہماری جمہوریت اور بھی صحت مند، توانا اور مضبوط تر ہوکر اُبھرے۔"

وزیر اعظم نے اپنی اور قوم کی طرف سے اس غم میں بیگم عابدہ احمد اور مرحوم صدر کے دیگر عزیزوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔

صدر جمہوریہ ہند شری فخرالدین علی احمد کی اچانک رحلت پر وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے تعزیتی پیغام کا متن حسبِ ذیل ہے:

" یہ ایک زبردست صدمہ ہے۔ میرا دل بھر آیا ہے۔ اس غم کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ آج ہم ایک ایسے نیک اور عظیم انسان کے لئے سوگوار ہیں، جسے ہمارے ملک کے سب ہی طبقوں میں بڑی محبت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے اُٹھ جانے سے حکومت اور قوم کو شدید نقصان پہنچا ہے وہ ایک زبردست سیاست دان، مدبر، متین، مخلص خادم، ہمدرد اور فرض شناس رہنما سے محروم ہوگئی۔

فخرالدین صاحب بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ انسانیت، شرافت، اخلاق، تہذیب اور رواداری کا پیکر تھے۔ وہ سچے مسلمان تھے، ہر دھرم اور مذہب کا یکساں احترام کرتے تھے۔ انھوں نے تمام مذاہب کے محاسن کو اپنا لیا تھا۔ اس طرح وہ ہمارے سیکولرزم کا بے مثال نمونہ اور ہماری شاندار روایات کے بہترین نمائندے تھے۔

" صدر احمد کو ادب، آرٹ اور اسپورٹس سے بھی خصوصی دلچسپی تھی۔ ان کے فروغ کے لئے انھوں نے بہت کچھ کیا۔

" کچھ عرصہ سے ان کی صحت اچھی نہ تھی۔ میری تشویش کی انھوں نے کبھی پرواہ نہ کی۔ وہ برابر پورے انہماک کے ساتھ اپنے قومی فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہے۔ ابھی ملیشیا کے دورے سے واپس آئے تو بالکل ہشاش بشاش نظر آئے۔ کسے خبر تھی کہ ان کا آخری وقت اس قدر قریب ہے۔

" یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے فخرالدین صاحب کی شفقت اور دوستی ملی۔ مجھے گذشتہ ۲۰ سال سے ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ پہلے وہ اپنے صوبہ آسام میں سرگرم رہے۔ پھر پورا ہندوستان ان کا میدانِ عمل بن گیا۔

" ہر معاملہ میں ان کی رائے بڑی صائب اور منصفانہ ہوتی۔ وہ بڑے صبر و تحمل اور رواداری کے ساتھ تمام معاملات طے کرتے۔ کئی نازک بین الاقوامی مواقع پر انھوں نے حکومت کی جانب سے بدلیس کے دورے کئے اور اپنے تدبر سے ہندوستان کا وقار بڑھایا۔

" لوک سبھا کے انتخابات کے لئے باضابطہ اعلان بھی بحیثیت صدر اُن کا آخری فرمان تھا۔ ہماری جمہوری تاریخ میں قومی انتخابات

بقایا صفحہ ۵۱ پر

قطعۂ تاریخ

بر وفات عالی جناب فخرالدین علی احمد مرحوم صدر جمہوریہ ہند

فخرِ ملت آپ کے غم میں آپکا عزمی شام و سحر
آہ کرے فریاد کرے ہے فخرالدین علی احمد
حُسنِ عمل، ایثار و خدمت، آپکے سارے قومی کام
ہندوستان اَب یاد کرے ہے فخرالدین علی احمد

۱۹ ۶ ۷۷

آہ صدرِ جمہوریۂ ہند

خادمِ باکمال فخرالدین حاکمِ خوش خصال فخرالدین
صدرِ ہندوستان و نازشِ قوم بَشرِ باکمال فخرالدین
کس قدر تھا خیالِ مُستقبل کی نہ کچھ فکرِ حال فخرالدین
رنجِ زنداں سہے وطن کیلئے ہے جو کارِ محال فخرالدین
مَرحبا جذبۂ خلوص و وَفا کم ملے گی مثال فخرالدین
آپ کی یاد میں ہیں لوگ تمام وقفِ رنج و ملال فخرالدین
آہ عزمی سُپردِ خاک ہوئے
مردِ گردُوں مثال فخرالدین

•

سوگوار:
آفتاب عزمی
پیلی حویلی، کامٹی (ناگپور)

نذرانۂ عقیدت

سابق صدرِ جمہوریۂ ہند

فخرالدین علی احمد

فخرِ بھارت، فخرِ ملّت، فخرالدین
تو اخوّت کا علمبردار تھا
بیکسوں کا مونس و غمخوار تھا
اتحاد و آشتی کا تو امین

•

خدمتِ قوم و وطن تیرا شعار
تو شریف اقدار کا قائل رہا
آدمیت ہی پہ تو مائل رہا
حریّت کے نام پر تن مَن نثار

•

تیرا مسلک، اِنکساری عاجزی
تو نمازِ پنج گانہ پر فِدا
زہد و تقویٰ زیست کا حاصل رہا
وار دی عِلم و عمل پر زندگی

•

تجھ سے پہنچا رُوحِ غالبؔ کو ثواب
عِلم پروَر، بے حِساب و لاجواب

•

پریم پال اشکؔ
۱۸۶۵۔ وزیر سنگھ اسٹریٹ
جوہا منڈی، پہاڑ گنج، نئی دہلی ۵۵

صدر ہند شری فخرالدین علی احمد

کی

اچانک رحلت پر پوری قوم سوگوار

صدر جمہوریۂ ہند شری فخرالدین علی احمد بروز جمعہ ۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء کو نئی دہلی میں رحلت فرماگئے۔ یہ اندوہناک خبر سُن کر پوری قوم رنج وغم میں ڈوب گئی۔

صدر کو راشٹرپتی بھون میں یکے بعد یگرے دو شدید قلب کے دوَرے پڑے ر آٹھ بجکر باون منٹ پران کا انتقال وگیا۔

صدر، ملیشیا کے دوَرے پر گئے تھے ر۱۰ر فروری کو کوالالمپور سے واپس آئے تھے۔ موصوف فلپائن اور برما کے دوَرے پر ھی تشریف لے جانیوالے تھے مگر یکایک لحہ ناسازیٔ طبیعت اور تھکاوٹ کے سبب وَرہ منسوُخ کرنا پڑا۔

وزیرِاعظم شریمتی اندرا گاندھی شری احمد لی یکایک علالت کی اطلاع ملتے ہی صبح ونے سات بجے راشٹرپتی بھون پہنچ گئیں ورتادمِ آخر وہاں رہیں۔

آخری لمحات میں ان کے سرہانے زیرِاعظم شریمتی اندرا گاندھی کے علاوہ ان لی اہلیہ بیگم عابدہ احمد، دو بہنیں بیگم حمیدہ سلطانہ اور بیگم نجستہ سلطانہ اور قریبی عزیز وجود تھے۔ بعد میں مرحوم صدر کے دونوں نرزند ڈاکٹر پرویز علی احمد اور شری بدر دُریز حمد بھی پہنچ گئے اور شروع سے آخر تک تمام رسومات میں شریک رہے۔

وزیرِاعظم کی زیرِ صدارت راشٹرپتی بھون کے کابینہ کمرے میں کابینہ کا خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں تجویز تعزیت منظور کی گئی۔ بعدازاں جلد ہی صدر کی وفات کا اعلان کردیا گیا۔ اس اعلان کے بعد ریڈیو اور ٹی وی پر تلاوت کلام مجید، اشلوک اور بھجن کی پُرسوز صدائیں بلند ہونے لگیں اور تمام فضا سوگوار ہوگئی۔

دیس بھر میں ۱۳ دن تک سوگ منانے کا اعلان کیا گیا۔ ۱۱ر فروری کو تمام مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے دفاتر صدر کی یاد میں بند رہے۔ تمام سرکاری عمارتوں پر قومی پرچم سرنگوں کر دیئے گئے۔ ۲۳ر فروری تک ۱۳ روزہ سوگ کے دوَران کوئی بھی سرکاری تقریب منعقد نہ ہوگی۔

دربار ہال میں آخری دیدار

صدر کی میّت قومی پرچم سے سجا کر بعد ادب واحترام آخری دیدار کے لئے راشٹرپتی بھون کے دربار ہال میں رکھدی گئی۔

سب سے اول، بحری، برّی اور ہوائی افواج کے تین سرداروں نے (جن کے صدر سُپریم کمانڈر تھے) میّت پر ہار پھُول چڑھائے۔ بعدازاں قائم مقام صدر، شری بی۔ ڈی جتّی، وزیرِاعظم شریمتی اندرا گاندھی، صدر کانگریس، شری ڈی۔ کے برَوا، مرکزی وزراء، سفارتی نمائندوں اور دیگر سربرآوردہ اصحاب نے گلہائے عقیدت پیش کئے۔

بعدازاں دربار ہال عام درشن کے لئے کھُلا۔ سوگواروں کا تانتا بندھ گیا۔ صبح سے شام تک ہزارہا لوگوں نے مرحوم صدر کے جسدِ خاکی کے آخری درشن کئے اور ان کی رُوح کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

نمازِ جنازہ

اتوار کے دن صبح مختلف بیرونی ممالک سے آئے ہوئے سرکاری نمائندوں نے مرحوم صدر کا آخری دیدار کیا اور گلہائے عقیدت نذر کئے۔ ظہر بعد راشٹرپتی بھون کے مغل گارڈن میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی جس کی امامت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی دہلوی نے کی۔ مرحوم صدر کی ذات سے محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں نمازیوں کے ساتھ غیرمسلم بھی صفوں میں شامل ہوگئے۔

جسدِ خاکی سپردِ خاک

راشٹرپتی بھون سے پورے سرکاری اعزاز کے ساتھ جنازہ اُٹھایا گیا فوجی بینڈ نے قومی ترانہ بجایا۔ ۲۱ توپوں کی سلامی کے ساتھ آخری سفر شروع ہوا۔ جلوس جنازہ قدم بہ قدم لاکھوں سوگواروں کی پُرنم آنکھوں کے سامنے سے گذرتا ہوا آخری آرام گاہ نئی دہلی جامع مسجد پہنچا۔ اس قدیم سبز گنبد مسجد کے زیرِ سایہ چمن میں ہندوستان کے پانچویں پیارے صدر، فخرالدین علی احمد کا جسدِ خاکی سپردِ خاک کردیا گیا۔

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

اس قومی سانحہ پر ساری دنیا بھارت کے غم میں شریک ہوئی۔ سب ہی ممالک کے سربراہوں نے تعزیتی پیغامات اور تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے نمائندے بھیجے۔

مہاراشٹر میں سوگ

سارے دیس کے ساتھ ساتھ مہاراشٹر پر بھی رنج و غم کی گھٹائیں چھاگئیں، بمبئی میں یہ افسوسناک خبر پہنچتے ہی تمام سرکاری اور میونسپل دفاتر، عدالتیں، صدر دفاتر پولس، تعلیمی ادارے، کالج اور اسکول اور بمبئی یونیورسٹی کے دفاتر ۱۱ر فروری کو بند کردیئے گئے۔

ریاستی حکومت نے ریاستی تماشہ مہوتسو پروگرام منسوخ کردیا جو اس دن رنگ بھون میں منعقد ہونیوالا تھا نیز اسٹیٹ لاٹری کی قرعہ اندازی بھی ملتوی کردی گئی۔

منترالیہ میں تعزیتی جلسہ

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے صدر ہند شری فخرالدین علی احمد کی اچانک رحلت پر اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کیا۔

۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء کی صبح یہ اندوہناک خبر ملتے ہی منترالیہ، بمبئی میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مرحوم صدر کو دلی خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری چوان نے فرمایا کہ شری احمد نے قوم کی تعمیر میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہ تادمِ آخر سیکولرزم اور جمہوریت کی اعلیٰ اقدار کے فدائی اور علمبردار رہے۔

جلسہ میں اتفاق رائے سے یہ تعزیتی تجویز منظور کی گئی:

"مجلسِ وزراء، افسران اور عملہ حکومتِ مہاراشٹر صدر ہند شری فخرالدین علی احمد کی اچانک رحلت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم صدر، ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کا مظہر اور سیکولر روایات کے سچے نمائندہ تھے۔ اس موقع پر یہ قومی نقصان دیس کے تمام ہی شہریوں کے لئے اندوہناک ہے جن کی انھوں نے تادمِ آخر دل و جان سے خدمت کی۔

" خدا ان کی رُوح کو سکون بخشے"

تعزیتی جلسہ میں اراکینِ ریاستی کابینہ چیف سکریٹری، شری جے۔ بی ڈیسوزا، اعلیٰ سرکاری افسران، ریاستی حکومت کے ملازمین اور دیگر حضرات موجود تھے۔

وزیر اعلیٰ نے بیگم عابدہ احمد کے نام بھی تعزیتی پیغام ارسال فرمایا۔

گورنر کا خراجِ عقیدت

قائم مقام گورنر مہاراشٹر، شری آر۔ ایم کانٹاوالا نے اپنے نشریہ پیغام تعزیت میں صدر شری فخرالدین علی احمد کی اچانک رحلت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

" صدر فخرالدین علی احمد جنگ آزادی میں پیش پیش رہے۔ انھوں نے چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک عوام کی نمایاں خدمات انجام دیں، مہاراشٹر اور بمبئی کے لوگ ان کی جُدائی شدّت سے محسوس کریں گے ان کے لئے ہمارا بہترین خراج عقیدت یہی ہوگا کہ ہم بھی ان اعلیٰ اصولوں کو اپنائیں اور عمل کریں جن پر وہ اپنی زندگی بھر عمل پیرا رہے"۔

وزیر اعلیٰ کا تعزیتی پیغام

وزیر اعلیٰ نے تعزیت نامہ میں ان الفاظ میں صدر فخرالدین علی احمد کو خراج عقیدت ادا کیا:

" صدر فخرالدین علی احمد کے انتقال پر سخت صدمہ پہنچا۔ وہ ایک بڑے مجاہد آزادی منتظم، خدا ترس اور مہذب انسان تھے۔ انھوں نے زندگی بھر بڑے خلوص سے قوم کی خدمت کی۔ درحقیقت ان کی بے لوث اور اعلیٰ خدمات لاثانی ہیں۔ ان کے انتقال سے ہندوستان ایک "نیک اور مخلص خادم" سے محروم ہوگیا اور اس نازک وقت پر ان کی رہنمائی سے محرومی شدّت سے محسوس ہوگی"

سرکاری تعزیت نامہ

حکومت مہاراشٹر نے سرکاری طور پر ۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء کو نئی دہلی میں صدر شری فخرالدین علی احمد کی وفات پر اپنے غمناک تاثرات قلم بند کئے۔

غیر معمولی سرکاری گزٹ میں شائع شدہ سیاہ حاشیہ دار قرارداد میں تحریر ہے کہ:

"حکومت مہاراشٹر صدر شری فخرالدین علی احمد کی ناگہانی موت پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔

"کیمبرج میں شاندار طریقہ پر تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ بڑے جوش و خروش کے ساتھ جد و جہد آزادی میں شریک ہوئے۔ گاندھی جی کے سرگرم پیرو کی حیثیت سے آپ کو بھی انفرادی 'ستیہ گرہ' کے لئے چنا گیا۔ آپ نے دوبار سزائے قید جھیلی اور ساڑھے چار سال جیل میں گذارے۔ ایک پکے قوم پرست کی طرح آپ فرقہ واریت کے خلاف نبرد آزما رہے۔ آج ہند میں جو سیکولر ریاست قائم ہے اس کے آپ پیش رو تھے۔ آپ کی عظیم شخصیت گوناگوں خوبیوں کی حامل تھی۔ آپ ایک لائق منتظم، فاضل قانون داں اور سب سے بڑھ کر ایک ہمدرد انسان تھے۔ اپنی تہذیب و شرافت اور مختلف تجربات کی بناء پر آپ اس سرزمین کے سب سے اونچے عہدے پر فائز ہوئے جس پر آپ کی شخصیت کا نقش کبھی نہ مٹ سکے گا۔

"سیکولرزم کے حامی کی حیثیت سے صدر فخرالدین علی احمد نے سب ہی فرقوں کے دلوں میں اعتماد پیدا کیا۔ بے نفسی، حرمت اور حوصلہ مندی کی روایات پر چل کر آپ نے تمام طبقات میں مقبولیت حاصل کی۔ مرحوم صدر کا دور بڑا کٹھن دور تھا جس میں انھوں نے بیشتر مسائل کو حل کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

"۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء کو صدر فخرالدین علی احمد کی وفات پورے ملک اور دنیا کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ حکومت مہاراشٹر مرحوم صدر فخرالدین علی احمد کو دلی خراج عقیدت پیش کرتی ہے اور اس دکھ میں بیگم عابدہ احمد اور دیگر افراد خاندان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔ ہند کے اس عظیم سپوت کے تئیں بہترین خراج عقیدت یہی ہے کہ اس ملک کے تمام لوگوں میں کلیتاً یک جہتی، اتحاد اور یگانگت قائم رہے اور وہ مضبوط اور خوشحال ہندوستان کی تعمیر میں اپنی پوری قوت لگا سکیں۔"

●●

چیف جسٹس ایم. ہدایت اللہ بیگ، نائب صدر شری بی. ڈی جتی سے قائم مقام صدر کے عہدے کا حلف اٹھوا رہے ہیں۔ ↓



عقیدت کے پھول

صدرِ جمہوریہ ہند سری فخرالدین علی احمد کی وفات پر

اک مثالِ آدمیت آج رخصت ہوگیا
فخرِ دنیائے سیاست آج رخصت ہوگیا

باغبانِ گلستانِ ہند، تاجِ ملک و قوم
شخصِ اخلاص و محبت آج رخصت ہوگیا

اک شفیق و مہرباں، عوام کا اک ترجماں
اک عظیم الشان فطرت آج رخصت ہوگیا

پھر بنا کر ہند کو ہندوستاں جنت نشاں
دیکے عالمگیر شہرت آج رخصت ہوگیا

آفتابِ آسمانِ ملک و سچا رہنما
ماہرِ تعمیرِ ملت آج رخصت ہوگیا

پتھروں کے حوصلے تنکے تھے جس کے سامنے
آبشارِ عزم و ہمت آج رخصت ہوگیا

روشنی دیتا رہا دنیا کو جو مثلِ چراغ!
بزم سے وہ مثلِ نکہت آج رخصت ہوگیا

اک جلیل القدر، مایہ ناز، انسانی شعار
مشعلِ راہِ صداقت آج رخصت ہوگیا

منتظم، اعلیٰ مدبر، قوم کا زریں خواب
خواب ہے یا ہے حقیقت آج رخصت ہوگیا

فخرِ ہندوستاں، فخرالدین احمد، الوداع
پی گیا جامِ شہادت آج رخصت ہوگیا

لحد پر اُس کی فرشتے پھول افشانی کریں
ہو غریقِ نورِ تربت آج رخصت ہوگیا

• نور احمد نورؔ
ماتور، ہواڑکھیڈ، ضلع اکولہ

• ریاض احمد خاں

محبِّ وطن
عالی جناب فخرالدین علی احمد

ہندوستان کی جنگ آزادی کا وہ سپاہی جس نے ہر موقع پر گاندھی جی کی آواز پر لبیک کہا، ہندوستان کا وہ جیالا جس نے آزادیٔ وطن کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، ہندوستان کا وہ روشن ستارہ جو ملک کا صدر بن کر ڈھائی سال تک اپنی ضوفشانیوں سے تاریک راہوں کو روشن کرتا رہا آخرکار ۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء کی صبح ۸ بجکر ۵۲ منٹ پر اپنی سرکاری رہائش گاہ راشٹرپتی بھون دلّی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، اور ملک کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو اپنی یاد میں تڑپتا چھوڑکر چلا گیا اور اس کے جسدِ خاکی کو ۲۱ توپوں کی سلامی کے بعد نئی دلّی کی سبز گنبد والی جامع مسجد کے پہلو میں تمام سرکاری اعزاز کے ساتھ ۱۳ر فروری کی شام میں ۱/۲ ۴ بجے سپردِ خاک کر دیا گیا۔

شری فخرالدین علی احمد کی زندگی کا وہ تابناک سفر جو آج سے ۷۱ سال پہلے شروع ہوا تھا ختم ہوگیا۔ اس سفر میں حصولِ تعلیم کے لئے بلند عزائم بھی ہیں۔ ملک اور ملک کے عوام سے اُنسیت بھی ہے اور وطن کی آزادی کے لئے جد و جہد بھی ہے۔ انھوں نے کبھی جنگِ آزادی کا سپاہی بن کر اور کبھی آسام اسمبلی کا ممبر بن کر۔ کبھی وزیر بن کر اور پھر جمہوریۂ ہند کا صدر بنکر ایسی بے مثال خدمات انجام دی ہیں جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی جن کی روشنی میں ہم ملک کو ترقی کے راستوں پر لے جا سکیں گے۔

فخرالدین علی احمد نہ صرف اپنے ملک اور اپنے عوام میں ہردلعزیز تھے بلکہ بیرونِ ملک بھی ان کی شخصیت کافی مقبول اور پسندیدہ تھی ان کی وفات پر بدیسی ملکوں سے جو تعزیتی پیغامات مسلسل آرہے ہیں ان سے صدر مرحوم کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ اُن کی تجہیز و تکفین میں ۲۷ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے نمائندوں نے شرکت کی اور اپنے ملک اور عوام کی طرف سے صدر ہند کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

شری فخرالدین علی احمد کا بحیثیت صدر ہند آخری سرکاری دورہ کوالالمپور (ملیشیا) کا تھا جو ۶ر فروری کی صبح سے شروع ہوا تھا۔ کوالالمپور کے بعد صدر ہند فلپائن اور برما کا دورہ بھی کرنیوالے تھے، مگر ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے بعد کے دورے ملتوی کرنا پڑے۔ ملیشیا کے دورے میں صدر ہند نے اپنے تمام پروگراموں میں شرکت کی۔ حالانکہ ان کے ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ وہ زیادہ وقت آرام کریں۔ کیونکہ صدر ہند کو کھیلوں میں سب سے زیادہ دلچسپی تھی اس وجہ سے وہ ۷ر فروری کی صبح ہی گولف کھیلنے تشریف لے گئے اور متواتر ۱/۲ ۱ گھنٹے تک کھیلتے رہے۔ حالانکہ کھیل کے بعد وہ کافی تھک گئے تھے۔

مگر پھر بھی انھوں نے اس دن کے پروگرام میں شرکت کی۔ اسی شب میں اُن کی طبیعت خراب ہوگئی اور مکمل دو دن آرام کرنے کے بعد وہ پھر سے ہشاش بشاش نظر آنے لگے۔ مگر ڈاکٹروں کے مشورہ کی بنا پر انھیں اپنے دوسرے پروگرام ملتوی کر کے ۱۰ فروری کی شام میں ہندوستان آنا پڑا۔

صدر ہند کی حیثیت سے شری فخرالدین علی احمد نے جولائی ۱۹۷۵ء کے پہلے ہفتہ میں دو آرڈی نینس جاری کیے جس میں پہلا آرڈی نینس افراط زر کی روک تھام کے لئے تھا اور دوسرا آرڈی نینس فاضل اُجرتوں اور تنخواہوں کا ایک سال کے لئے ڈپازٹ کرنا تھا اس آرڈی نینس کے اجراء کے بعد منظور کیے جانیوالے فاضل مہنگائی بھتے کی نصف رقم دو سال کے لئے ڈپازٹ کرانا لازمی قرار دی گئی۔ ان دونوں آرڈی نینس جاری کرنے کا خاص مقصد یہ تھا کہ ملک جس شدید قسم کے بحران سے گذر رہا تھا اس پر قابو پایا جاسکے، اور ملک کے حالات استوار کیے جاسکیں۔ ان دو آرڈی نینس کے بعد بھی شری فخرالدین علی احمد نے دوسرے آرڈی نینس جاری کیے جن کا مقصد بھی ملک میں حالات کا بہتر بنانا تھا۔

ہمارے ملک کے صدر کی حیثیت سے شری فخرالدین علی احمد ۲۴ راگست ۱۹۷۴ء کو منتخب ہوئے۔ آپ ہندوستان کے پانچویں صدر تھے۔

شری فخرالدین علی احمد دلی میں ۱۳ مئی ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کرنل زیڈ۔ اے احمد تھے۔ ابتدائی تعلیم گونڈہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے سینٹ اسٹیفنس کالج دلی میں داخلہ لیا اور بار۔ ایٹ۔ لاء کیمبرج کالج سے کیا۔

آپ نے انڈین نیشنل کانگریس کی ممبر شپ ۱۹۳۱ء میں حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں آسام اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ جنگ آزادی میں دو مرتبہ گرفتار ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں راجیہ سبھا کے لئے منتخب ہوئے اور اسی سال وزیر آبپاشی و پاور رہے۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں لوک سبھا کے ممبر چنے گئے اور وزیر خوراک مقرر ہوئے اور اب صدر ہند کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے۔

یکم جولائی ۱۹۷۵ء میں جب کہ ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ۲۰ نکاتی پروگرام کا نفاذ کیا تب بھی صدر ہند کی حیثیت سے قوم کے نام آپ نے مسلسل پیغاموں میں ملک کی سالمیت کو برقرار رکھنے اور ملک کو ترقی کی راہوں پر چلانے کی ہدایت کی۔

شری فخرالدین علی احمد نے مادر وطن کی خدمت کے لئے دن رات ایک کیے ہیں اور اُن کی یاد اسی طرح قائم رکھی جاسکتی ہے کہ ہم صحیح معنوں میں ان کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن ہوں۔ ●●

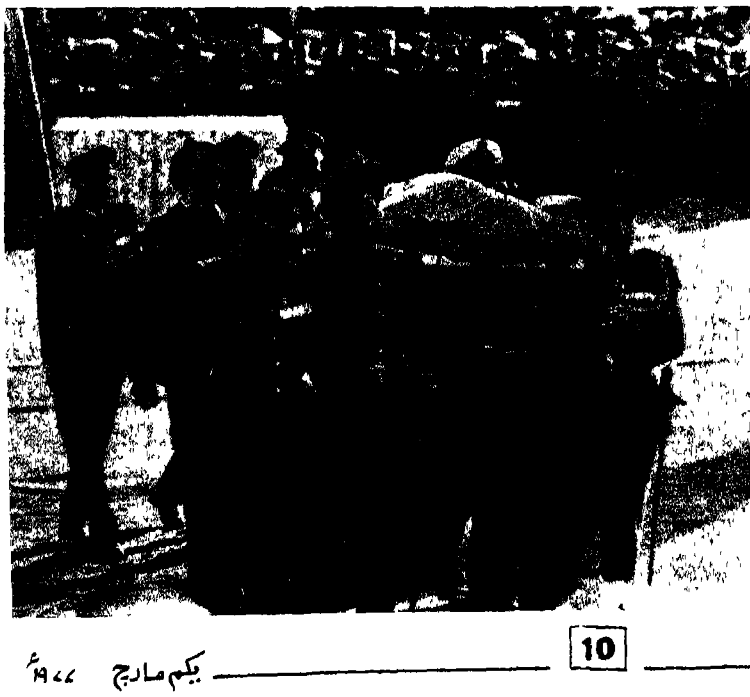
(بقیہ ص۳ سے آگے)

کے وقت ہمیں کبھی پہلے ایسی محرومی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

"لہٰذا قوم انھیں بہترین خراج عقیدت اسی طرح پیش کر سکتی ہے کہ انتخابات قطعی طور سے پُرامن اور دوستانہ ماحول میں ہوں تاکہ ہماری جمہوریت اور بھی صحت مند، توانا اور مضبوط ہو کر ابھرے۔ یہی مرحوم صدر کی آخری خواہش تھی۔

"مجھے اور قوم کو بیگم عابدہ احمد اور دُکھی خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ دلی ہمدردی ہے ہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔" ●●

صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد کی میت اعلیٰ فوجی افسران پورے احترام کے ساتھ مقام تدفین کی طرف لے جا رہے ہیں۔



از: پروفیسر داؤد عبدالرحیم دلوی
مترجم: اعجاز مدنی

مہاراشٹر کی سیاسی اور سماجی اصلاحات

مہاراشٹر نے ہندوستان کی تاریخ میں دورِ ماضی سے آج تک ایک مخصوص رول ادا کیا ہے۔ اس ریاست کی ہمیشہ سے انفرادی تہذیب و ثقافت رہی ہے۔ مہاراشٹر ان دنوں ہندوستان کی ممتاز ترین اور خوش آئند ریاست تصور کی جاتی ہے۔ اس صوبہ کے لوگوں کی یہ دیرینہ آرزو تھی کہ قدیم صوبہ بمبئی پر مہاراشٹر ریاست کی تشکیل ہو اور وہ بالآخر یکم مئی ۱۹۶۰ء کو پوری ہوئی۔ نہایت جدوجہد اور کشمکش کے بعد یہ ریاست بنی اور پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس ریاست کے انعقاد سے اس خطہ کے لوگوں کو مزید موقع ملا کہ وہ سماجی اور معاشی میدان میں ترقی کریں اور ساتھ ہی ساتھ ملک کی معیشت اور فلاح و بہبود میں نمایاں کارکردگی انجام دے سکیں۔ گو کہ اس ریاست کی تاسیس و تعمیر لسانیاتی بنیاد پر ہوئی تھی اور ریاست کی آبادی کا بڑا حصہ مراٹھا قوم پر مشتمل تھا۔ لیکن اس امرِ حقیقت کے باوجود اس ریاست کی تشکیل میں دیگر مذاہب، اقوام، رنگ و نسل اور ذات پات کو بھی وہی اہمیت دی گئی جو مراٹھا قوم کو حاصل تھی۔ یہ تمام مختلف قومیں اور مذاہب کے معتقدین صدیوں سے بھائی چارگی اور اخوت سے رہتے ہیں۔ الغرض مہاراشٹر کو قومی یک جہتی کا عظیم علمبردار سمجھنا چاہیئے، یا اپنی تصوراتی ساخت کی وجہ سے ایک چھوٹا سا مثالی ہندوستان۔ اگر مہاراشٹرین کی تعریف مطلوب ہو تو ہم کہیں گے کہ مہاراشٹرین ہر اس ہندوستانی شہری کو کہیں گے جو ریاست مہاراشٹر کی حدود میں رہے اور مراٹھی تہذیب و ثقافت سے دلی وابستگی و انسیت کا اظہار کرے۔

مہاراشٹر کی سماجی تجدید و تنظیم

انیسویں صدی کی ابتدا ہی سے سماجی میدان میں نشاۃ ثانیہ کا عمل درآمد شروع سمجھنا چاہیئے اگر نشاۃ ثانیہ کو ہم وسیع معنی میں لیں اور بیداری و تشکیل جدید کے مترادف سمجھیں۔ مہاراشٹرا انیسویں صدی کی ابتدا میں یاسیت، افسردگی و اداسی کا شکار ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ سماجی و معاشی حالات اس ریاست کے خشک سالی و زبوں حالی کی وجہ سے دگرگوں تھے۔ مثلاً ناخواندگی، ذات پات کی تفریق، خلوت پسندی، بے حسی، کٹرپن، توہم پرستی، اونچ نیچ اور بھید بھاؤ کا دور دورہ تھا۔ دل و دماغ کے خشک کھیتوں سے محبت و رحمت کی فصلیں نہ لہلہاتی تھیں۔ گویا سماج طبقات میں تقسیم تھا اور اچھوت ذاتوں، مفلسوں و لاچاروں کا استحصال، ظلم و تشدد کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ ۱۸۱۸ء میں اس ریاست سے پیشوا حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس حکومت کے خاتمے سے ریاست میں مزید بدامنی پھیلی اور خوف و ہراس خونی سائے کی طرح ہر ذی نفس کا پیچھا کرنے لگا۔ یہی وہ وقت تھا جب ریاست پر معاشی و سماجی جمود طاری تھا۔ ایسے ہی حالات میں ریاست سے بیدار مغز مغربی تعلیم سے مزین پاکیزہ سماجی و علمی ذوق رکھنے والا طبقہ ابھرا۔ اور سماجی ناہمواری کے خلاف اعلانِ جہاد کر بیٹھا۔ مہاراشٹر کے احیاء و اصلاح میں اور تعمیر و تاسیس میں انہی سماجی مصلحوں کو سب سے زیادہ دخل رہا ہے جن کا تذکرہ ابھی ہم نے کیا ہے۔ ان نیر بندوں میں بڑے بڑے ادبا، شعراء، سیاست داں اور مدبر العصر سب ہی شامل تھے۔ انیسویں صدی کے وسط سے ہی اس ریاست کی سماجی و معاشی میدان میں قیادت ان تمام بڑے لوگوں نے تواتر سے کی جو اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمہ گیر شخصیت اور بہترین دماغ بھی رکھتے تھے۔ ان کہکشاں نما چمکدار ستاروں میں کچھ سربرآوردہ نام اور بالخصوص وہ نام معتبر جس نے سب کی قیادت کی وہ بال شاستری جامبھیکر کا ہے ان سماجی رہنماؤں کی قیادت میں نہ صرف روحانی قدروں کو جلا پہنچی بلکہ شیواجی مہاراج جیسے عظیم قومی ہیرو سے مستعار مملکت پسند جذبہ کا بھی از سر نو احیاء ہوا۔ اور عظیم بننے کی خواہش دوبارہ دل میں چٹکیاں سی لینے لگی۔ اس ترقی پسند جذبہ کو سنت شعراء نے بھی اپنی شاعرانہ تخلیقات سے بہت کچھ ابھارا اور بڑھا دیا ہے۔

سماجی سدھار میں مغربی مفکرین نیز مغربی تعلیم دونوں نے ہمارے سماج کو یکساں

شاثر کیا ہے۔ سماجی اصلاح میں سب سے پہلے سماجی برائیوں کا سدِّ باب کیا گیا۔ ان تغیّر پسندوں میں لوک ہت وادی دیشمکھ، رانا ڈے، بھنڈارکر اور تلنگ شامل ہیں۔ یہ سب مل، ایمرسن اور اسپنسر سے بہت متاثر تھے۔ ان تمام اصلاح پسندوں نے اصلاح قوم میں اپنی تعلیم و تجربہ، مجاہدہ و مشاہدہ سے نیز پیہم عمل سے وہ اصلاحات عامتہ الناس میں کیں جو زیادہ تر مغربی فلسفہ و تعلیمی نظریات کی دین تھیں۔ لیکن لوک ہت وادی کا سماجی فلسفہ و اصلاح کارانہ نقطہ نظر دوسروں سے مختلف تھا۔ مثلاً وہ مغربی افکار و نظریات سے بہت زیادہ متاثر تھے اور انگریزوں کو نعمتِ آسمانی سمجھتے تھے۔ اور انھیں خدائی فوجدار کا درجہ دیتے تھے۔ وہ حکومت برطانیہ کو بھی انعامات الٰہی میں تصور کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تمام مظالم و شدائد سے نجات دلانے کے لئے اللہ میاں نے سفید چمڑی والوں کو بھیجا ہے۔ ان کی ایک کتاب "سو خطوط کا انتخاب" خود ایک کلاسیکل مثال ہے۔ اس دور کی سماجی برائیوں کو سمجھنے نیز ان کے افکار و آراء کو پرکھنے کی۔ ان خطوط سے اور دیگر ذرائع معلومات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کا سماج کس قدر رجعت پسند، رسوم و قیود کا پابند، توہم پرست اور ظلم و تشدد روا رکھنے والا تھا۔ سماج کی رسکشی و ہٹ دھرمی اصلاح کاروں کے لئے ایک مسئلہ تھی۔ مثلاً برہمن جو صدیوں سے ایک اونچی ذات والے بن کر حکومت کرتے چلے آ رہے تھے وہ اپنا مذہبی و معاشرتی اقتدار چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے ان کے افعال و اقوال میں حد سے زیادہ بے رحمی و تنگ نظری تھی۔ ان تمام سماجی و مذہبی خرابیوں سے نپٹنے کے لئے مہاراشٹر نے ریاست بنگال کی قیادت قبول کی۔ بمبئی، پونے اور دیگر بڑے شہروں میں برہمو سماج، پرارتھنا سماج، آریہ سماج، رام کرشن مشن کی شاخیں قائم کیں۔ یہ ادارے اپنا کام کرتے رہے، گو کہ خاطر خواہ فائدہ نہ پہنچا۔

سماجی مُصلحین کی اصلاح

ابتدائی دور کے نیم کار آمد مصلحین آہستہ آہستہ پردۂ ثقافت سے غائب ہونے لگے، اور ان کی جگہ بڑے بڑے ماہرینِ تعلیم، مدبّر و با اثر اشخاص نے لی۔ ان نئے انقلاب پسندوں میں ناقابل تسخیر قوت و جذبہ تھا۔ اور کچھ کر گذرنے کی جرأت و ہمت تھی۔ ان بڑے لوگوں میں گوپال گنیش اگرکر، وشنو شاستری چپلونکر، شیورام مہادیو، پرانجپے اور مہادیو شیورام گوڑبولے کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں، جنھوں نے یقین کے ساتھ سمجھ لیا تھا کہ بغیر شدید تخلیلی عمل کے سماجی انقلاب کا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہو سکتا۔ ان شورش پسندوں کی جادو بیانی شعلہ نوائی اور سخت قسم کی انفرادی و اجتماعی تنقیدیں، مہاراشٹر کے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر سکیں کہ سماجی و مذہبی برائیاں جو کھلائی جا رہی ہیں، وہ واقعی امراض کی طرح جسم اور رُوح میں سرایت کر چکی ہیں۔

ان سماجی انقلاب پسندوں نے اپنے دَور میں جو ادب تخلیق کیا ہے، وہ زبان اور تاثیر کی وجہ سے، مواد اور اسلوب کے اعتبار سے مراٹھی ادب کا جدید ادب العالیہ ہے۔ ملک کے ادب میں بھی یہ تحریریں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ مہاراشٹر کے ان فن کاروں نے مراٹھی ادب کے تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی، لیکن خصوصیت سے جن اصناف کو مالا مال کیا ان میں ڈرامے، مضامین، ناولیں اور تقریریں وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام تخلیقی سرمایہ کا موضوع سماجی ناہمواری، حقارت آمیز اعلیٰ ذات والوں کا سلوک، اچھوت ذاتوں کا احساسِ پستی، کم سنی کی شادیاں اور مناجات بیوہ رہے۔ اگرکر، چپلونکر اور گوڑبولے ان تینوں سماجی رہبروں کو دیگر مصلحین کے معلمین ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

سیاسی تحریکیں و عام بیداری

مہاراشٹر کی سیاسی تحریکیں سماجی تحریکوں کا ہی ایک حصہ ہیں۔ اگرکر (سو۔راجیہ) کے قائل تھے اور اعتدال پسندوں کی طرح بہتر طرز حکومت چاہتے تھے نا کہ مکمل آزادی۔ انیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ گاندھی جی کے بیلگام اعلامیہ کے بعد مہاراشٹر کے تمام مقتدر سیاسی رہنماؤں نے مکمل آزادی کی مانگ کی۔ جن سیاسی رہنماؤں نے قیادت کی ان میں ممتاز ترین گوپال کرشن گوکھلے، لوکمانیہ تلک اور وی۔ ڈی ساورکر کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ گوکھلے نہ صرف ماہر ریاضیات و سیاسیات تھے بلکہ ایک زبردست مدبّر و سیاسی مفکر بھی تھے۔ اس لئے ان کے خیالات میں مستقبل کے لئے باقاعدہ لائحہ عمل ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی ان کو اپنا قائد مانتے تھے اور سیاسی گرو کہا کرتے تھے۔

گاندھی جی کی سیاسی حکمت عملی ہمیشہ اعتدال پسند اور اُصول اہنسا پر مبنی رہی ہے لیکن تلک اور ساورکر کی تقریریں و تحریریں بے پناہ شعلہ نوا ہوا کرتی تھیں اور ان میں حب الوطنی کے جذبے بھی کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے سیاسی رہنماؤں نے گو کہ جنتا کی قیادت کی تھی اور حب الوطنی کی راہ دکھائی تھی لیکن تلک کے میدان سیاست میں آتے ہی بعد حصول آزادی کا دھارا بہت تیزی سے بہنے لگا تھا۔ تلک نے "کیسری" و "مراٹھا" اخبار و کے ذریعہ حکومت برطانیہ اور انگریزی حکام پر

سخت نکتہ چینی کی۔ اور برٹش سامراج کے خلاف ملک گیر پیمانے پر زبردست محاذ قائم کیا۔ تلک کا یہ ایک مشہور سا جملہ ہے "سوراج میرا پیدائشی حق ہے"۔ تلک کی جرأت مندی اور بے خوف رہنمائی سے ہی کانگریسی رہنماؤں نے بھی گویا برٹش راج پر بھروسہ کرنا ترک کر دیا اور مکمل آزادی کی مانگ کرنا شروع کی۔

لوکمانیہ تلک کا صرف سیاست ہی میں عمل دخل نہیں ہے بلکہ ان کا نام مراٹھی صحافت میں بھی انفرادی مقام رکھتا ہے۔ اس حقیقت کا اور بھی سیاست دانوں نے اعتراف کیا کہ مراٹھی صحافت نے جو رول جد و جہد آزادی میں ادا کیا وہ قابل تعریف ہے۔

مہاراشٹر کی تعلیمی اصلاحات

تعلیمی اور سماجی اصلاحات میں نمایاں کارکردگی، تلک، گوکھلے کے علاوہ جیوتی راؤ پھولے، شاہو مہاراج، انّا صاحب شندے، بھاؤ راؤ پاٹل اور مہارشی کروے نے سرانجام دیں۔ جیوتی راؤ پھولے نے ذات پات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور مہاراشٹر بھر میں یہ اعلان کر دیا کہ تمام بنی نوع انسان ایک خدا کی مخلوق ہے۔ یہی وہ مقتدر قائدین ریاست ہیں جنھوں نے غریبوں اور پڑھت لوگوں کی حمایت کی۔ اور ان کے تمام حقوق دلوانے کی حتی الامکان کوششیں کیں۔ جیوتی راؤ پھولے نے عورتوں کے لئے نیز ہریجنوں کے لئے مدارس قائم کئے۔ اسی طرح مہارشی شندے اور کرم ویر پاٹل نے مہاتما پھولے کی طرز پر اپنے اپنے علاقوں میں غریب لوگوں کے فائدے کے لئے جامعات اور دیگر سماجی ادارے قائم کئے۔ ان سماجی اور تعلیمی اصلاحات میں مہارشی ڈھونڈو کیشو کروے کا کم از کم مہاراشٹر میں تو کوئی ثانی نہیں ہے۔ مہارشی کروے نے بیواؤں اور یتیموں کی جو دستگیری کی اور ان کے مسائل حل کرنے کے لئے جو انتھک محنت کی ہے وہ پورے بھارت درشن میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

مہارشی کروے کی یاد میں نیز دیگر رہنمایانِ مہاراشٹر کی یاد میں بمقام ہینگنے نزد پونے، جو تعلیمی اور سماجی ادارہ قائم کیا گیا ہے وہ رہتی دنیا تک ان عظیم مصلحین کی یاد دلاتا رہے گا۔

سماجی، معاشی و تعلیمی کام یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ مزید آگے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اب تازہ دم رہنماؤں میں ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر، ماتے گروجی اور اچاریہ ونوبا بھاوے شامل ہیں۔ ان ماہرین سیاست، قانون، اور علم و ادب نے تمام بے سہارا لوگوں کی پشت پناہی کی اور سماج کے آہنی پنجوں سے نبرد آزمائی کی۔

ونوبا بھاوے نہ صرف سیاسی رہنما ہیں، بلکہ مشہور زمانہ سادھو سنت بھی ہیں۔ "بھودان" اور "سرودیا" تحریکیں ان ہی کے نام سے وابستہ ہیں۔ ونوباجی نے انسانیت کے فروغ اور صلح و شانتی کے لئے انتھک کوششیں کیں۔ وہ افتراق بین المسالک اور اختلاف بین المذاہب کو ختم کر کے ہمیشہ ایک جہاں چاہتے رہے جہاں، مذہب، رنگ، نسل، ذات پات کا بھید بھاؤ نہ ہو۔ اور سب کو یکساں حقوق مل سکیں۔ بہرحال پورے ملک کے لئے ونوباجی کی خدمت سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

صرف سو سال کے اندر مہاراشٹر میں کتنے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے اور ان سب نے کتنا عظیم کام انجام دیا۔ تعجب ہوتا ہے کہ مختصر سی مدت میں قدرت نے مہاراشٹر کی قسمت جگانے کے لئے کیسے کیسے خوش بختوں کو پیدا کر دیا تھا۔

مہاراشٹر میں زبان و ادب کی توسیع

مہاراشٹر میں ادب جیسا کہ کہا جا چکا ہے براہ راست مغربی تعلیم و فکر سے متاثر رہا ہے۔ مراٹھی پر سنسکرت کے بھی اثرات ہیں، جیسے کہ انگریزی ادب کے ہیں۔ مراٹھی علم و ادب نے زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری کافی رہنمائی کی۔ لوکمانیہ تلک کی 'گیتا رہسیہ' اور ڈاکٹر کیتکر کی 'مراٹھی گیان کوش' مراٹھی ادب میں تحقیقی مواد کے اعتبار سے نیز خوبصورت انداز نگارش کی خاطر امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ مراٹھی ادیبوں کے اثر سے بیسویں صدی کے مراٹھی ادب میں اب کافی حد تک سیکولر اور مقصدی رجحانات پائے جاتے ہیں۔

کیشو سُوت کی شاعری روایت سے بغاوت کی نشاندہی کرتی ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب چاہتی ہے۔ مراٹھی ادب علوم عقلیات کی روشنی میں آگے بڑھ رہا ہے۔ اس لئے اس ادب کے انتقادی اصول بھی بین الاقوامی ہیں۔

جدید ڈرامہ نگاروں میں کرلوسکر، دیول اور کھاڈلکر نے سماجی ڈرامے لکھے اور انھیں اسٹیج بھی کئے ان ڈراموں نے بہت سرعت کے ساتھ سماجی اصلاح کا کام کیا۔ مراٹھی کے ڈرامے موضوع ہیئت، مواد اور زبان کے اعتبار سے ہندوستان کی تمام زبانوں میں اپنا ایک الگ ہی مقام رکھتے ہیں۔

ہمارے شہروں کا سماجی، معاشی، سیاسی غرض کہ ہر میدان میں بڑا ہنگامہ خیز یوگ دان رہا ہے۔ بالخصوص، ممبئی، پونے، ناگپور اور کولہاپور کے نام سرفہرست آتے ہیں۔ ممبئی نے جدوجہد آزادی میں دلی کی طرح خود بھی بے جوڑ کردار ادا کیا ہے۔ ممبئی کی تاریخ جدید، ملک میں بڑھتے ہوئے نئے رجحانات کی تاریخ ہے۔ مثلاً ۱۸۸۵ء میں اسی شہر میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا

بقایا صفحہ ۲۱ پر

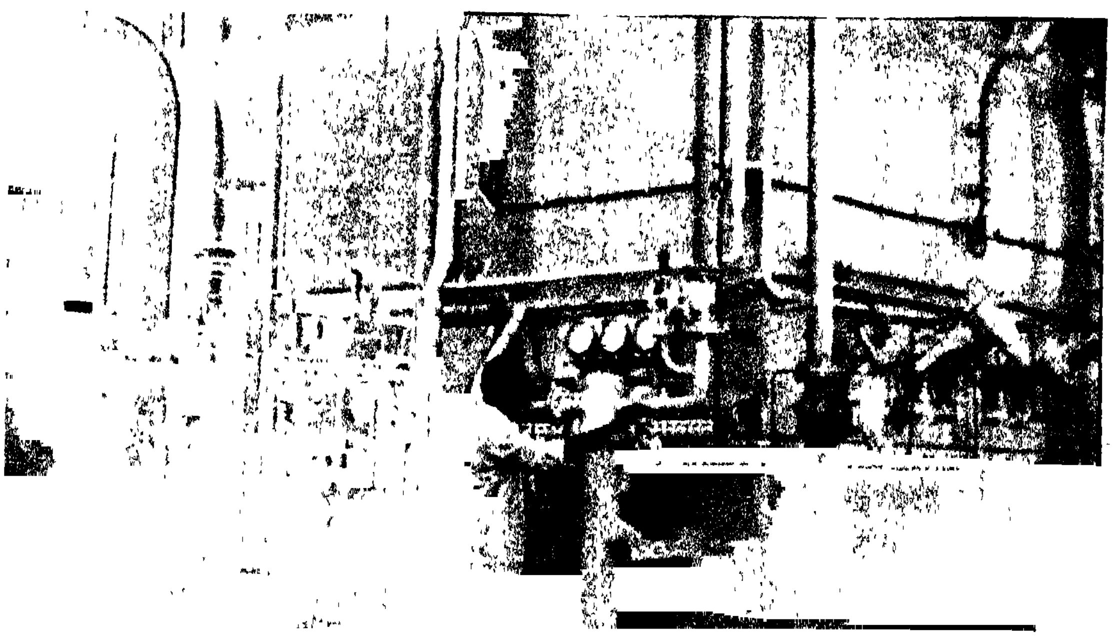
اِندرجیت لال
۹۳/۴، نمک پھاٹک، حوض قاضی،
دہلی ۶

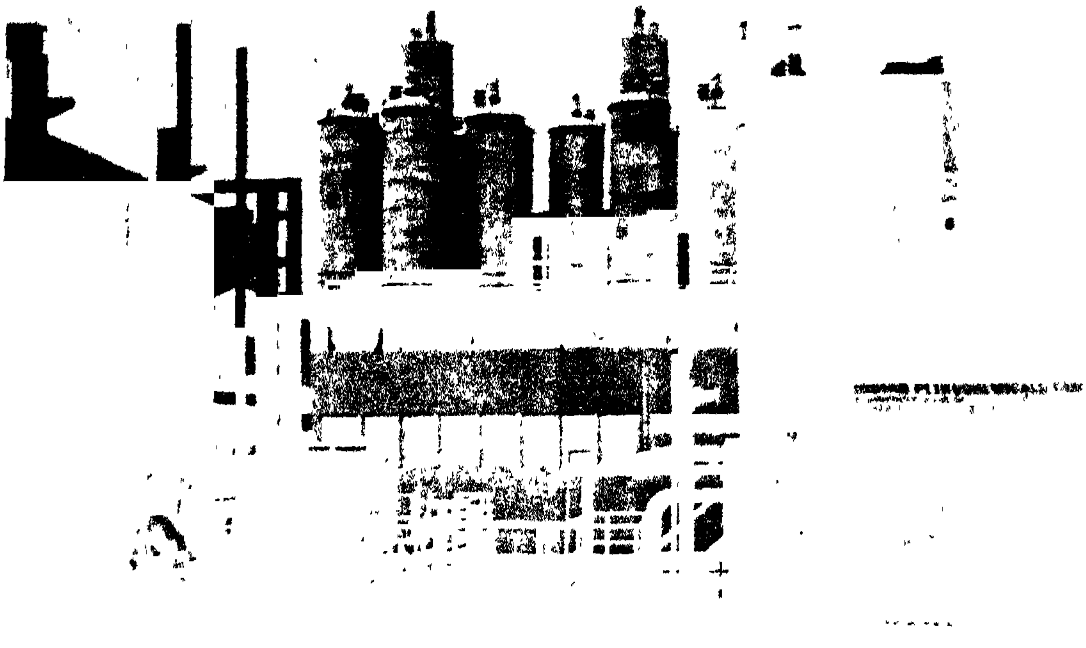
نئے ہندوستان میں سائنس

۔ ایک جائزہ

”ہمارے خوابوں کا ایک خوشحال ہندوستان جس سے ہم سبھی خوشی وابستہ کرتے ہیں، سائنس، انجینئرنگ اور ٹکنالوجی میں خودکفالت سے ہی تشکیل میں آسکتا ہے“

یہ الفاظ پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی نے کئی برس پہلے کہے تھے۔ لیکن ان کی صداقت اب دن بدن روشن ہو رہی ہے۔ دراصل





نی زمانہ کوئی ترقی سائنس کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی۔ کھیتی باڑی ہو یا صنعت، ایٹم ہو یا طبعیات، کیمیا ہو یا انجینئرنگ۔ سائنس کے بغیر قومی ترقی کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اور نہ ہی خوش حالی کی راہیں وسیع ہو سکتی ہیں۔

ہندوستان میں سائنس، سائنسی تحقیق سائنسی تعلیم اور سائنسداں قدیم زمانے میں بھی تھے۔ اور یہ سلسلہ بیسویں صدی تک چلتا رہا۔ مگر انگریزی راج میں سائنسی کام مدھم پڑ گیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ برطانوی سامراج یہ نہ چاہتا تھا کہ ہندوستانی تعلیم سے منور ہو کر ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے گامزن ہوں مگر انیسویں صدی کے آخری دور میں راجہ رام موہن رائے نے ہندوستانیوں میں تعلیم عام کرنے کی تحریک چلائی۔ انھوں نے زور دیا کہ "ہندوستان کے تعلیمی نصاب میں ریاضی کیمیا، طبعیات اور دوسری کارآمد سائنس شامل کرنی چاہئیں۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے موضوعات بعد میں تعلیم کا جزو بن گئے اور تعلیم کے عام ہونے سے ہندوستانی سائنسداں بھی اُبھرنے لگے۔

سر سید احمد خاں نے مُسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لئے اپنے دونوں لڑکے انگلستان بھیجے۔ انھوں نے بڑی محنت اور کوشش سے علی گڑھ یونیورسٹی کی بُنیاد رکھی۔ تعلیم کے عام ہونے سے سائنس کے علم بلکہ جدید سائنس کا آغاز ہوا۔ کلکتہ، رُڑکی، مدراس، علی گڑھ اور بمبئی میں یونیورسٹیاں کھُل جانے سے سائنسی تعلیم کی راہیں زیادہ ہموار اور وسیع ہو گئیں اور نئے نئے ہندوستانی سائنسداں اُبھرنے لگے۔ سائنسی حس اور شعور بیدار ہونے لگا اور ہندوستان میں سائنس اور سائنسداں کی اصطلاح عام ہو گئی۔

موجودہ صدی کے ابتدائی دور میں سر جگدیش چندر بوس، پرفلہ چندر رائے، پروفیسر ستیین بوس، رامانجم اور ولڈین کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا جنھوں نے مختلف شعبہ جات میں سائنسی تحقیق و تعلیم کو جاری رکھا۔ اور آج ہندوستان میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، بنگلور، اٹامک انرجی کمیشن بمبئی، ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ، انڈین ایگری کلچرل انسٹی ٹیوٹ، نیشنل فزیکل لیباریٹری، انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ، انڈین کونسل آف انڈسٹریل اینڈ سائنٹفک ریسرچ اور انڈین ڈرگس اینڈ فارماسیوٹیکل لیباریٹری کے قیام سے سائنسی تحقیق کا کام روز افزوں بڑھنے لگا۔ آج حالت یہ ہے کہ ان اداروں میں ہزاروں سائنسداں تحقیق کا کام کر رہے ہیں۔

آزادی کے بعد ہندوستان نے ملک کو خوشحال بنانے کے کچھ منصوبے بنائے۔ یہ منصوبے دو طرح کے تھے۔ ایک زرعی تحقیق و ترقی کیلئے اور

دوسرا صنعتی تحقیق و ترقی کے لئے۔ ظاہر ہے کہ زرعی یا صنعتی دونوں کاموں میں تکنیکی تحقیق پر پورا پورا زور دیا گیا، تاکہ ملکی سطح پر آمدنی کو بڑھایا جا سکے۔ اس مقصد کے پیش نظر مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ اور کئی ادارے کھل گئے جن میں تحقیق کا کام آج بھی جاری ہے۔

تحقیق کے کام کی نشوونما اور اسے مقبول بنانے میں پنڈت نہرو نے بڑا رول ادا کیا۔ ان میں بڑی سوجھ بوجھ، لگن، حب الوطنی اور سائنسی شعور تھا جو ملک کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا۔ سائنس کے متعلق پنڈت نہرو کہتے ہیں:

"ہندوستان کا مستقبل سائنس کے ہاتھ ہے مستقبل صرف اُن لوگوں کا ہو سکتا ہے جو سائنس سے رشتہ استوار کرتے ہیں۔"

اسی طرح ایک جگہ لیبارٹریوں کے متعلق کہتے ہیں:

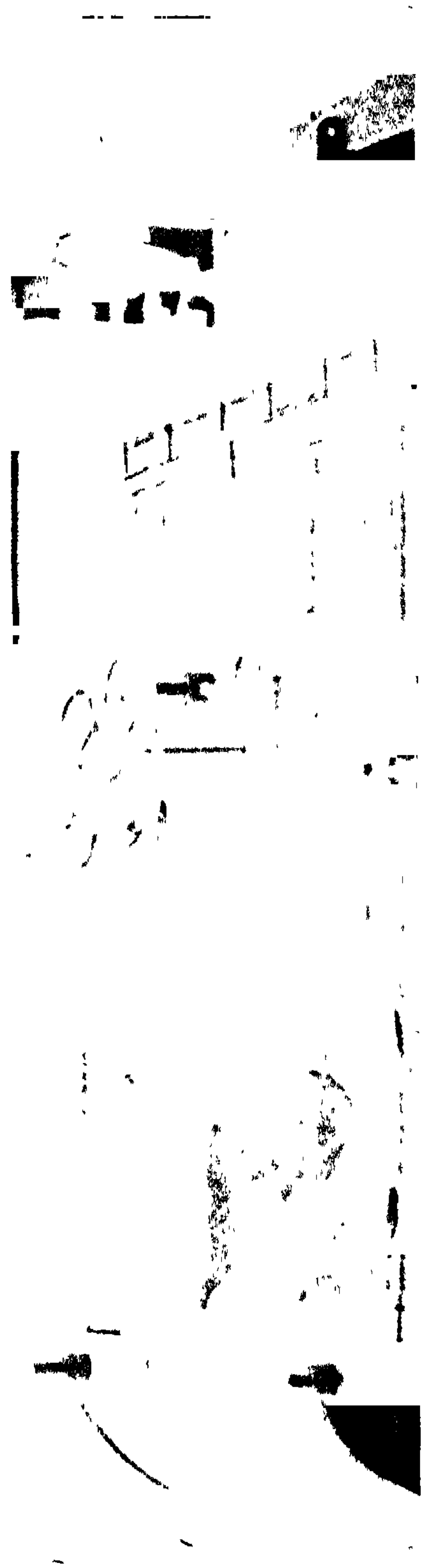
'ہماری رصدگاہیں' ہماری توجہ نئے نئے موضوعات' نئے نئے پہلوؤں کی طرف راغب کرنے کے وسیلے ہیں، میں ان رصدگاہوں کو اس نظریہ سے نہیں پرکھتا کہ وہ کون کون سے مسائل حل کرنے میں معاون بن سکتی ہیں' بلکہ ان کو میں سائنس کے مندر سمجھتا ہوں' جو انسانیت کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں۔"

جدید سائنس میں جن سائنسدانوں نے خاص الخاص کام کیا ہے ان کا ذکر بھی ضروری ہے۔ نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر سی وی رامن نے شعاعوں پر بڑا قابل قدر کام کیا ہے "رامن ایفیکٹ" پر آپ بین الاقوامی شہرت پا چکے ہیں۔ انھی کے شاگرد پروفیسر کے. ایس. کرشنن نے ڈھاکہ اور کلکتہ یونیورسیٹوں میں کئی سال تحقیق کا کام کیا۔ کرشنن' نئے نئے تجربات کرنے کے زبردست حامی تھے۔ اور انھوں نے کرسٹل اور دھاتوں کی طبعیات پر بڑی تحقیق کی۔ ہندوستان کو تحقیق کی طرف موڑنے میں انھوں نے بڑا حق ادا کیا۔ اور چودہ برس نیشنل فزیکل لیبارٹری کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے انھوں نے تحقیق کے کام میں بڑی رہنمائی کی۔

یاد رہے کہ نیشنل فزیکل لیبارٹری، اور اسی طرح کے دوسرے اداروں نے تکنیکی ترقی میں بڑا گرانقدر کام کیا ہے۔ ناگپور میں واقع صحت کے ادارے، بمبئی میں سمندری پانی پر تحقیق کے ادارے، رڑکی میں تعمرات کے کام پر جدید کھوج کے ادارے، دہرہ دون میں پیڑوں کی برآمد پر کام کرنیوالے ادارے، احمدآباد میں کپڑے پر تحقیق کے ادارے، اور اناج پر انڈین ایگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ کا کام قابل ذکر ہے گیہوں کی نئی موٹی قسموں، چاول اور دوسری سبزیات، چارہ جات







اور پھل پھولوں پر جو نئے نئے تجربات اپنائے گئے ہیں اس سے ملک میں "سبز انقلاب" کو کامیاب بنانے میں بڑی تقویت ملی ہے۔

ایٹمی توانائی پر ڈاکٹر بھابھا کا کام قابل تعریف ہے، جسے بھابھا کی موت کے بعد ڈاکٹر سارا بھائی نے جاری رکھا اور پھر سارا بھائی کی موت پر تحقیق کا کام آج بھی اٹامک کمیشن کے تحت چل رہا ہے خاص طور پر یورینیم سے سستے داموں پر بجلی پیدا کرنے کا قابل قدر کام اس ادارے کے تحت تین جگہوں پر چل رہا ہے۔ لکھنؤ میں نباتات کے پروفیسر ڈاکٹر بیربل ساہنی نے زمین کے اندر چھپی ہوئی نباتات پر گرانقدر تحقیق کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اور کئی طرز کی تحقیق کی۔ اُن کی بدولت لکھنؤ میں نباتاتی سائینس پر تحقیق کا ایک ادارہ قائم ہوا۔ جو زمین کے اندر سے نکلی ہوئی نباتات اور پرانے کھنڈروں پر تحقیق کرتا ہے۔

موجودہ برسوں میں ڈاکٹر راج چندر بوس کا کام ریاضی میں جے. بی. ایس الڈین کا حیاتیات میں۔ ڈاکٹر کھوسلہ کا انجینئرنگ میں۔ ڈاکٹر دولت سنگھ کوٹھاری کا ایٹمی دھماکوں سے پیدا شدہ اثرات پر۔ ڈاکٹر مہامد نوبس کا ریاضی اور طبعیات میں اور سی. ایچ راؤ کا کام اعداد و شمار پر ستاروں کی سائینس میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ڈاکٹر میگھ ناد ساہا کے نیوکلر طبعیات کے ادارے میں تحقیق کا کام اور موسمیات کے ماہرین کے ہاتھوں پیشین گوئی کا کام نت نئی باتوں اور ڈھنگوں سے سائینسی کام کاج اور آگے بڑھ گیا ہے۔

تحقیق یا کھوج کا کام آج بھی رصدگاہوں میں جاری ہے۔ اور آئندہ برسوں میں کیا جاتا رہے گا۔

یاد رہے کہ تحقیق کا کام تکنیکی ترقی میں قومی درجہ اختیار کر گیا ہے۔ بقول مرحوم سی. راجگوپال آچاریہ

"بنیادی تحقیق پر جو روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، اُسے کھوکھلی عزت کے لئے روپیہ خرچ کرنا نہ کہیئے، بلکہ یہ ایک مفید اور ضروری خرچ ہے جسے ہر ترقی پسند قوم برداشت کرتی ہے دراصل جب ہم کسی منصوبے میں ایک اہم منزل پر پہنچ جاتے ہیں وہاں صرف سائنس اور ٹیکنالوجی ہی ہماری مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔"

تو یوں سمجھئے، تحقیق یا کھوج ایک ذہنی اور علمی نقطہ نظر ہے، یہ ترقی پذیر تبدیلی کی طرف ایک دوستانہ رویہ کی نشان دہی کرتی ہے، دوسرے کھوج آنے والے کل کی نمائندہ ہے نہ کہ گذرے ہوئے کل کی۔ یہ مشین اور تحقیق ہی کی برکت ہے کہ آج کا انسان چاند پر کمند ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس دور میں اسرار فطرت دن بدن بے نقاب ہوتے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ؎

یہ دور دورِ سعادت ہے آدمی کیلئے
کہ ایک خاک نشیں بام عرش پر جائے

●●

★ فیروزہ خان
پونم اپارٹمنٹ 'بی' فلیٹ نمبر ۱۰۱
ورلی، بمبئی ۱۸

خاندانی منصوبہ بندی

دانشور اور عام مسلمانوں کی نظر میں

حال ہی میں دہلی میں نس بندی کے متعلق ایک گمراہ کن افواہ پھیلائی گئی تھی کہ انجکشنوں اور ٹیکوں کے ذریعہ اسکول کے بچوں کی نس بندی کی جا رہی ہے۔ اس افواہ سے ہزاروں معصوم بچوں کو نقصان پہنچا، کیونکہ ملیریا اور دیگر متعدی امراض سے تحفظ کے لیئے جو ٹیکے اور انجکشن اسکولوں میں مفت لگائے جاتے ہیں اور جن پر سرکار ہزاروں روپے خرچ کرتی ہے، چند شرپسندوں کی نادانی سے موقوف کر دیئے گئے۔ اگر والدین ان افواہوں پر کان دھرتے رہے تو خدا جانے کتنے بچے ان موذی امراض کا شکار رہوں گے۔

بمبئی میں نیا شوشہ چھوڑا گیا۔ یہاں کے مسلمانوں میں جب کنبہ بندی کی مقبولیت بڑھنے لگی تو ایک عجیب اور خطرناک افواہ پھیلائی گئی جس کا تعلق مذہبی جذبات سے ہے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیئے کہا گیا کہ اس سال حاجیوں کا جہاز واپس لوٹا دیا گیا ہے، کیونکہ حاجیوں میں ایسے مرد تھے جنھوں نے نس بندی کرائی تھی اور نس بندی سے مردانگی ختم ہو جاتی ہے اور نامردوں کا چونکہ حج نہیں ہوتا ہے اس لئے ایسا کیا گیا ہے۔ ایسی افواہیں پھیلانے کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں ناراضگی پیدا کر کے اپنا الو سیدھا کیا جائے اور کنبہ بندی مہم کی اندھا دھند مخالفت کروائی جائے

اور اب گوا کی باری ہے وہاں یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ اسکول جانے والے ہر لڑکے کی جانچ کی جا رہی ہے۔ ہر وہ لڑکا جو والدین کا تیسرا بچہ ہے اسے انجکشن دیکر اس کی نس بندی کی جا رہی ہے۔ نتیجتاً کئی علاقوں میں خصوصاً دیہاتوں میں لوگوں نے اپنے لڑکوں کو اسکول بھیجنا بند کر دیا ہے اس بات کی تائید مسز ودیا رانے (گوا کے در پرتاپ سنگھ رانے کی بیوی اور گوا برانچ آف انڈین کونسل آف سوشل ویلفیر کی صدر) نے بھی کی اور بتایا کہ اسکول جانے والے بچوں کے والدین میں کافی خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔

متذکرہ واقعات مسئلہ کا صرف ایک رُخ پیش کرتے ہیں۔ یہ ان تخریب پسندوں، ملک دشمنوں، بدامنی پھیلانے والوں کی حرکتوں کا ردّ عمل ہے۔ اس قسم کی افواہوں سے پیدا کردہ ناسازگار حالات کے باوجود کنبہ بندی مہم کو جو کامیابی بالعموم پچھلے چند سالوں میں اور بالخصوص پچھلے ۱۸ مہینوں میں ہوئی ہے قابل تحسین ہے۔ پچھلے اپریل سے دسمبر تک ملک میں ۵۰ لاکھ سے زائد نسبندی کے آپریشن کئے گئے جس سے خاندانی منصوبہ بندی کی افادیت، ضرورت اور اہمیت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کی عمل آوری میں ہنگامی حالات کے نفاذ نے بڑی مدد کی ہے لیکن اس پروگرام کو شدت بخشنے، اسے عوامی تحریک بنانے نیز اس میں لازمیت کا عنصر شامل کرنے کی تجویز کا سہرا یوتھ کانگریس کے لیڈر شری سنجے گاندھی کے سر ہے۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لئے عوام کی حمایت بے حد ضروری ہے اور سماج کے کسی ایک فرقے کے اشتراک سے اس مسئلہ پر قابو نہیں پایا جا سکتا ہے۔ ہندو، مسلم، سکھ اور

عیسائی تھی کہ ہندوستانی سماج کے اہم ستون ہیں، کنبہ بندی مہم کے لئے ان کا اشتراک و تعاون بے حد ضروری تھا۔ متذکرہ افواہوں اور ہنگامی حالات کے باوجود مسلمانوں میں خاندانی منصوبہ بندی کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے۔ اس کا ثبوت مجھے حال ہی میں ملا جب میں نے چند مسلم خواتین اور نوجوان مردوں کا انٹرویو لیا۔ ان افراد نے اپنے بیانات میں نہ صرف وقت کی ضرورت کے تحت کنبہ بندی کی حمایت کی ہے بلکہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی اس کو جائز قرار دیا۔ زیادہ تر پڑھے لکھے طبقہ سے تعلق رکھنے والوں سے میری اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی مگر پھر بھی میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ معاشی طور پر پسماندہ مسلم طبقہ کی بھی اس انٹرویو میں نمائندگی ہو سکے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسز خیرالنساء یوسف خان کے خیالات قابل غور ہیں جن کے شوہر دوبئی میں CATRIDGE ہوٹل میں پرسنل افسر کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں اور وہ خود یہاں پر ٹیچر ہیں۔

سوال: آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟

جواب: تقریباً سات سال۔

سوال: بچے تو صرف دو ہی نظر آرہے ہیں۔ (کیونکہ پہلے ہی دو پیاری بچیوں سے میرا تعارف کرادیا جا چکا تھا) ظاہر ہے آپ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرتی ہونگی۔

جواب: بالکل!

سوال: آپ جو طریقہ استعمال کرتی ہیں، کیا اس کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتی ہیں؟

جواب: (ہچکچاہٹ کے ساتھ) ویسے ہم نے دو تین طریقوں پر عمل کیا تھا (ان کا ذکر میں نہیں کرنا چاہتی ہوں ورنہ بات لمبی چوڑی ہو جائے گی) لیکن فی الحال CONDOM (نرودھ) کا جو طریقہ ہے اسی پر ہم لوگ عمل کرتے ہیں۔ چونکہ میرے شوہر بے حد مذہبی آدمی ہیں اس لئے مذہب کی رو سے جس طریقہ کی اجازت دی گئی ہے اسی کو میں بھی مناسب سمجھتی ہوں۔۔

خیرالنساء نے مجھے یہ بات بھی بتائی کہ قاضی خان اور علامہ ابن ہمام نے عزل کے لئے بیوی کی رضامندی کی شرط کو بھی فساد زمان کی وجہ سے ہٹا دیا ہے۔ اسلام کتنا ترقی پسند اور زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے والا مذہب ہے اس کا اندازہ مجھے مسز خان کی باتوں سے ہوا۔

سوال: جب کہ آپ کے شوہر کی تنخواہ کافی اچھی ہے اور آپ ماشاء اللہ آسودہ حال ہیں اور پھر آپ کی دونوں اولاد لڑکیاں ہیں تو کیا آپ تیسری اولاد لڑکا پیدا کرنے کی خواہشمند نہیں ہیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ میں خود کام کرتی ہوں اور جس قسم کی تربیت میں اپنے بچوں کو دینا چاہتی ہوں اس کے لئے جو وقت بچتا ہے وہ بھی ناکافی ہے اور پھر ہم جس ملک کے رہنے والے ہیں وہاں کی تو وزیراعظم بھی ایک عورت ہے اس لئے ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ باتیں قصۂ پارینہ بن چکی ہیں کہ لڑکا ہوگا اور وہ خاندان کا نام روشن کرے گا۔ دیکھا جائے تو ہمارے رسول اکرمؐ کی بھی ایک ہی اولاد تھی اور وہ بھی لڑکی"۔ مسز خان نے پھر مذہبی حوالہ دیکر کہا۔

اس کے بعد بڑ ہائی کالج کے نوجوان پروفیسر سید اقبال سے میں نے ملاقات کی اور ان کے خیالات جاننے کی کوشش کی جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

FAMILY PLANNING یا کنبہ بندی کی جو اسکیم ہے اس کا براہ راست تعلق سیاست سے ہے (یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ پروفیسر اقبال صاحب چونکہ سوشیالوجی پڑھاتے ہیں اپنی گفتگو کو سیاست اور معاشیات کی جانب ضرور لے جاتے ہیں۔)

"جب ہمارے ملک کے وسائل میں اضافہ کے مقابل ان وسائل کو استعمال کرنے والی آبادی میں اضافہ زیادہ ہو رہا ہے تو ظاہر ہے کہ قلت کی کیفیت برقرار رہے گی اور جب تک کہ اس مسئلہ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعہ حل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی گمبھیرتا برقرار رہے گی۔

پروفیسر اقبال نے فوری طور پر نس بندی کو بہتر طریقہ قرار دیا۔ کیونکہ اس طریقے سے چند منٹوں میں عمل جراحی سے بلا کسی تکلیف کے عورتوں اور مردوں کو STERILIZE کر دیا جاتا ہے۔ میں نے ان سے نس بندی سے متعلق عمرانی نقطۂ نظر جاننا چاہا تو انھوں نے بتایا کہ جو شخص نسبندی کراتا ہے اس میں قوت مردمی پوری طرح رہتی ہے اس لئے میاں بیوی کے تعلقات حسب معمول قائم رہتے ہیں۔ چنانچہ جو عورت عمل جراحی کراتی ہے یا جو مرد نس بندی کراتا ہے وہ اپنے کو بانجھ بنالیتا ہے' تاکہ اولاد نہ ہو"۔

ٹاٹا میں سول انجینئر کے عہدے پر فائز وقارالسعید عرف 'انجم' نے مجھے بتایا کہ خاندانی منصوبہ بندی اس وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کے لئے، کیونکہ قوم کی ترقی کے دھارے میں انھیں بھی دوسروں کے ہمراہ قدم آگے بڑھانا ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے انجم نے بتایا "ہندوستان میں ہر دو سیکنڈ پر ایک بچہ پیدا ہو رہا ہے اور اگر یہی عالم رہا اور بچوں کی پیدائش کو نہ روکا گیا تو پنجسالہ منصوبوں سے

حاصل شدہ تمام کامیابیاں خاک میں مل جائیں گی۔"

ایک انجینئر ہونے کے ناطے انھوں نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا کہ سرکار کی جانب سے بے گھروں کو گھر دینے کی اسکیم جاری ہے لیکن اس کے باوجود فی الحال ۴۰ فیصد شہری آبادی بے گھر ہے اور اگر آبادی کو نہ روکا گیا تو ۵ سالہ منصوبے کے اختتام پر بے گھروں کی تعداد ۶۰ فیصد ہو جائے گی۔"

میں نے ان سے پوچھا کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ کا اس سلسلہ میں کیا خیال ہے؟"

انھوں نے کہا "میں کنبہ بندی کو بالکل صحیح سمجھتا ہوں، کیونکہ وہ زمانہ گذر گیا جب کہ دولت مند اور صاحب استطاعت افراد زیادہ بچے پیدا کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ اب تو نفسا نفسی کا عالم ہے، ایسی صورت میں زیادہ اولاد کی پرورش کی خاطر یا تو انسانوں کو ناجائز طریقوں سے آمدنی بڑھانی پڑے گی یا تو وہ ان بچوں کو خاطر خواہ تربیت نہیں دے سکتا ہے۔"

انھوں نے رسول اکرمؐ کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ نکاح بے شک سنت ہے لیکن اگر بیوی بچوں کے حقوق ادا نہ کئے جائیں تو کوئی شخص اگر نکاح نہ کرے تو وہ گنہگار نہیں ہے ایک مفلوک الحال شخص کو حضورؐ نے روزے رکھنے کی تلقین کی تھی تاکہ وہ اپنی نفسانی خواہش پر قابو پا سکے۔"

انجم کے اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر DIRECTLY نہیں تو INDIRECTLY اس واقعہ میں کنبہ بندی کی تلقین ضرور کی گئی ہے۔

اسی سلسلے میں، میں نے جین مندر کے قریب ڈاکٹر ابنی بیسنٹ روڈ پر جھونپڑپٹی میں رہنے والی وحیدہ بیگم کا انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو اس لئے بھی اہم تھا کہ وہ پسماندہ طبقہ کی نمائندہ فرد تھیں۔ اگرچہ وحیدہ بیگم فیملی پلاننگ کے بارے میں صرف اتنا جانتی تھی کہ اس کے شوہر نے اس سے چھپ کر نس بندی کرائی ہے اور اس سے وہ خوش ہے کیونکہ کثرت اولاد سے وہ خود تنگ ہے۔ غربت کی وجہ سے اسے اپنے دس سالہ بچے کو موٹریں دھونے اور دودھ کی بوتلیں تقسیم کرنے کے لئے بھیجنا پڑتا ہے۔ مجھے اس نے بتایا کہ پاس پڑوس میں جھونپڑپٹیوں میں رہنے والی عورتوں سے جب اس کا جھگڑا ہوتا ہے تو وہ اکثر اس کے شوہر کی قوت مردمی کو لے کر طعنے ضرور مارتی ہیں مگر حقیقت میں اس نے اپنے مرد میں کوئی ایسا تغیر نہیں دیکھا اس لئے وہ پڑوسنوں کی بکواس پر کان نہیں دھرتی۔

بھونڈی کی وزیر بیگم نے مجھے بتایا کہ ان کے چودہ بچے بقید حیات ہیں جن کو انھوں نے بڑی مشکل سے بڑا کیا ہے جبکہ ان کی مالی حالت بھی بُری نہیں تھی۔ لیکن اگر انھیں مذہب کے نام سے خوفزدہ نہیں کیا جاتا یا انھیں کنبہ بندی کی افادیت سے روشناس کیا جاتا تو شاید اتنے بچے نہ ہوتے، اور اس صورت میں وہ انھیں اچھی تربیت بھی دے سکتیں اور کثرت اولاد سے جو تکالیف ہوتی ہیں اس سے بھی بچ جاتیں یعنی بڑھاپے میں اس کا صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

حکومت مہاراشٹر کے پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ میں سب ایڈیٹر کے عہدے پر فائز شری دتار پاشانے اس سلسلے میں اپنا تحریری بیان دیا جس کا اختصار حسب ذیل ہے:

"خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں آپ نے میری رائے دریافت کی تو سب سے پہلے میں اپنا اور اپنے خاندان کا مختصر تعارف کرا دوں۔

جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ میں سرکاری ملازم ہوں، ساتھ ہی میری اہلیہ بھی ایک لمیٹیڈ کمپنی میں ملازمت کرتی ہیں۔ ہم دونوں کی مشترکہ آمدنی تقریباً سولہ سو روپیہ ہے۔

میری شادی ۳ جنوری ۱۹۶۵ء میں ہوئی تھی اور میری پہلی لڑکی ۲ دسمبر ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئی جو کہ اس وقت پونے کے ایک بہترین کانوینٹ میں ۶ اسٹنڈرڈ میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ میری دوسری اولاد لڑکا ہے جو ۱۱ مئی ۱۹۷۰ء کو عالم وجود میں آیا۔ اور اس وقت وہ بمبئی کے ایک انگلش اسکول میں فرسٹ اسٹینڈرڈ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ میں نے خاندانی منصوبہ بندی پر کس موثر ڈھنگ سے عمل کیا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے 'پہلے بچے میں دیر مت کرو اور دوسرے بچے میں جلدی مت کرو' تو میں نے اسی پر عمل کیا اور کامیابی حاصل کی۔

میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے اگر دونوں لڑکیاں یا دونوں لڑکے بھی ہوتے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج وہ دور آ گیا ہے جب خاندان کا نام روشن رکھنے کے لئے لڑکے کی اشد ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی ہے آج ہمیں خاندان کے نظریہ کو وسعت دینی ہوگی۔ آج گھر کا مطلب ملک اور خاندان کا مطلب ہم وطنوں سے ہے جو ملک و قوم معاشی نکتہ نگاہ سے کمزور ہوتی ہے اس کو طاقتور ملک دبانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے آج ہمیں اپنے ملک اور اپنی قوم کو معاشی طور پر طاقتور بنانا ہے جس کیلئے خاندانی منصوبہ بندی بے حد اہم ہے۔

آج جبکہ ہم اپنے دو بچوں پر چار سو روپیہ ماہانہ خرچ کر کے اچھی تعلیم اچھی خوراک اور اچھے لباس فراہم کرتے ہیں، اگر کہیں ہمارے چار یا چند بچے

ہوتے تو ہمیں انھیں چار سو روپیوں میں ان سب کو متذکرہ چیزیں فراہم کرنی پڑتیں جو کہ ممکن نہیں ہے ایسا نہ کرنے کی صورت میں ایک کمزور نسل پروان چڑھتی ہے جس کا انجام ہی ایک کمزور قوم اور کمزور ملک کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

یہ ایک موٹی سی بات ہے اور جسے کم سے کم تعلیم یافتہ شخص بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے میں صرف اتنا کہوں گا کہ ہمارے ساتھیوں، دستوں اور وطن والوں کو خاندانی منصوبہ بندی کو پوری طرح اپنانا چاہئے۔ اس کے لئے بہت سے طریقے کار ہیں، وہ جو بھی مناسب سمجھیں اپنائیں مگر اپنائیں ضرور اور ملک و قوم کے لئے اپنے فرائض کو پورے کریں۔"

میرے استاد جناب جالب مظاہری جنھوں نے دیوبند سے منشی فاضل کیا ہے اور مولوی سلیم الدین مدرسہ مظاہر العلوم (سہارنپور) سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں کافی عرصہ تک بیگ محمد ہائی اسکول میں پڑھایا بھی ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے یہاں اسقاط کا مسئلہ تو حضرت علی کب کا حل کر چکے ہیں۔ بقول حضرت علی جب تک کہ حمل میں جان نہیں پڑتی وہ موات ہے۔ اور اس کی مدت کا اندازہ ایک سو بیس دن ہے اس مدت میں عورت کسی عذر کی وجہ سے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اسقاط کرا سکتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۴ سو سال پہلے جب عزل اور اسقاط کی اجازت تھی تو آج عمل جراحی کی صورت میں ہم نس بندی کیوں قبول نہیں کر سکتے؟ جہاں متذکرہ افراد نے کنبہ بندی کی موافقت کی وہاں میں نے کئی لوگوں کو اس کی مخالفت میں بھی کہتے سنتا۔ ہم محض ان لوگوں کی مگر یہی کہہ کر اس مسئلہ کو ٹال نہیں سکتے ہیں اس سلسلہ میں جس چیز کی اشد ضرورت ہے وہ ہے کنبہ بندی کے لئے ساز گار ماحول کی تیاری تاکہ گمراہ کرنے والوں کو اس کا موقع ہی نہ مل سکے۔

ہماری تاریخ شاہد ہے کہ سماجی برائیوں کو دور کرنے میں ہمارے بھارت میں ایسے رہنما بھی پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے سماج کی کایا پلٹ دی تھی۔ جیسے راجہ رام موہن رائے یا سر سید وغیرہ جنھوں نے مذہب کا مضبوط سہارا لے کر بھی گرتی ہوئی قوم کو ابھارنے میں مدد کی تھی۔ کیا ہم پھر سے اس قسم کی امید کنبہ بندی کے سلسلہ میں نہیں کر سکتے ہیں؟ کیا یہ تبدیلی مندروں، مسجدوں، گرجاؤں اور گردواروں کے ذریعہ نہیں لائی جا سکتی ہے؟ آج جبکہ کنبہ بندی کے لئے ذرائع زیادہ ہیں، حکومت کی سرپرستی حاصل ہے خصوصاً ریاست مہاراشٹر تو اس سلسلہ میں دوسری ریاستوں سے بہت آگے ہے یہاں ۷۷-۱۹۷۶ء کے لئے ۱۲ لاکھ نس بندی کا نشانہ مقرر کیا گیا تھا جبکہ اس دوران ۲۳ لاکھ نس بندی کے آپریشن کئے گئے۔ کیونکہ ضلع پریشدوں، گرام پنچائتوں، سرکاری اور نیم سرکاری ادارہ جات نے بھی بھرپور تعاون دیا ہے ایسی صورت میں صحیح رہنمائی سے ان تمام مراعات اور سہولتوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

آج کے اس دور میں سائنس کی ترقی کی بناء پر آنیوالا مہمان لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ اس سسپنس (SUSPENCE) کو بھی بڑی حد تک ختم کر دیا گیا ہے۔ میرٹھ کے لالہ لاجپت رائے میموریل میڈیکل کالج کے LYTOGENETICS LABORATORY OF THE DEPT. OF ANATOMY کے کامیاب تجربے کے بعد ۹۰ فیصد یقین کے ساتھ پیدا ہونیوالے بچے کی جنس بتائی جا سکتی ہے اس کے علاوہ اگر نس بندی کرنے والا جوڑا خدانخواستہ ناگہانی آفات کے نتیجہ میں اپنی اولاد سے محروم بھی ہوگیا تو جس رگ کو جیسے کہ پہلے الگ کیا گیا تھا اسی آسانی کے ساتھ اسے دوبارہ جوڑا بھی جا سکتا ہے اور وہ شخص اس معمولی سے عمل کے بعد دوبارہ بچہ پیدا کرنے کے قابل بن سکتا ہے۔ ان تمام سہولتوں کے باوجود بھی اگر اس مسئلہ کی جانب سے چشم پوشی کی جائے تو گویا اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے ●●

صفحہ ۱۳ سے آگے

تھا۔ اس شہر نے قومی تحریک کو بہت بڑے بڑے سیاسی رہنما دیئے ہیں۔ مثلاً دادا بھائی نوروجی، فیروز شاہ مہتہ اور بدرالدین طیب جی وغیرہ۔ بمبئی شہر ہر طرح گوناگوں دلچسپیوں کا ہمیشہ سے مرکز رہا اور شاید آئندہ بھی رہے گا۔

مہاراشٹر نے اپنے قائدوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور ان کے ادنیٰ اشارے پر جان تک قربان کر دینے پر آمادہ رہے۔ اب ہمارا اخلاقی مذہبی اور سماجی فرض یہ ہے کہ یکم مئی کے موقع پر جو مہاراشٹر کی تشکیل کا دن ہے، ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ ہم اپنے بزرگوں اور اسلاف کی روایات کو تازہ رکھیں گے اور انھی کے نقش قدم پر ہمیشہ چلتے رہیں گے۔ ہمارے پرکھوں نے اس ریاست اور پورے ملک کی ترقی و بقاء کی خاطر عظیم تر قربانیاں دی ہیں۔ اور نخل وطن کو اپنے خون سے سینچا ہے۔ امید ہے کہ مہاراشٹر کے لوگ اور ہندوستان کے شہری کسی قیمت پر بھی قربانی، تعاون اور سعی پیہم سے گریز نہیں کریں گے۔ ●●

آخری



وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی
صدر احمد کی میت پر گلہائے عقیدت
نذر کرتے ہوئے۔

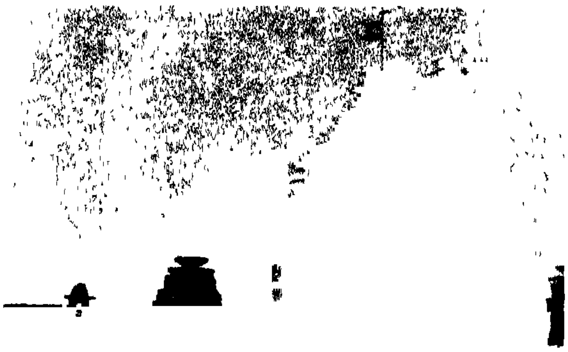


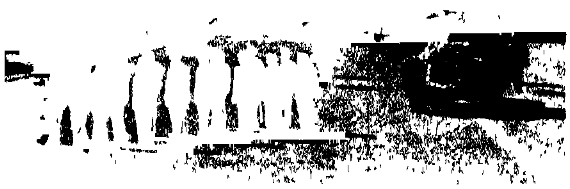
فوجی سردار اپنے مرحوم اعلیٰ سردار و صدر
شری فخرالدین علی احمد کی میت راشٹرپتی
بھون کے دربار ہال سے باہر لا رہے ہیں۔



آخری سفر کے لئے مرحوم شری فخرالدین
علی احمد کی میت دربار ہال کے باہر پھولوں
سے سجی توپ گاڑی پر رکھدی گئی۔ اس
کے پیچھے فوجی سردار، صدر مرحوم کے دونوں
فرزند، قائم مقام صدر شری جتی اور وزیراعظم
اندرا گاندھی کھڑی ہیں۔

سفرِ آ ا





جلوسِ جنازہ راشٹرپتی بھون
سے روانہ ہو رہا ہے۔



وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی اور دیگر خواتین بیگم
عابدہ احمد اور ان کے صاحبزادے کو پُرسہ دے رہی ہیں۔



شری فخرالدین علی احمد (مرحوم) کے چھوٹے فرزند
شری مدر دُریز احمد اپنی مغموم والدہ کے ساتھ۔

خدمتِ خلق

کچھ یادگار



صدر احمد ۱ ستمبر ۱۹۷۴ء کو بمبئی کے ہوائی اڈے پر اترے۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں صدر موصوف کے ساتھ گورنر شری علی یاور جنگ، سابق وزیر اعلیٰ شری وی پی نائیک اور میئر شری بومن بہرام نظر آرہے ہیں۔



صدر احمد بمبئی میں سلامی لے رہے ہیں



صدر احمد بحریہ کی پریڈ کا معائنہ کر رہے ہیں

میں گذری زندگی جھلکیاں



صدر احمد کے اعزاز میں ۱۷ستمبر ۱۹۷۴ء کو بمبئی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے استقبالیہ۔ اس تصویر میں صدر احمد سپاسنامہ کا جواب دے رہے ہیں۔ اُن کے پیچھے گورنر علی یاور جنگ اور ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول تشریف فرما ہیں۔



صدر احمد، بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ، پونے میں (۱۹ستمبر ۱۹۷۴ء)



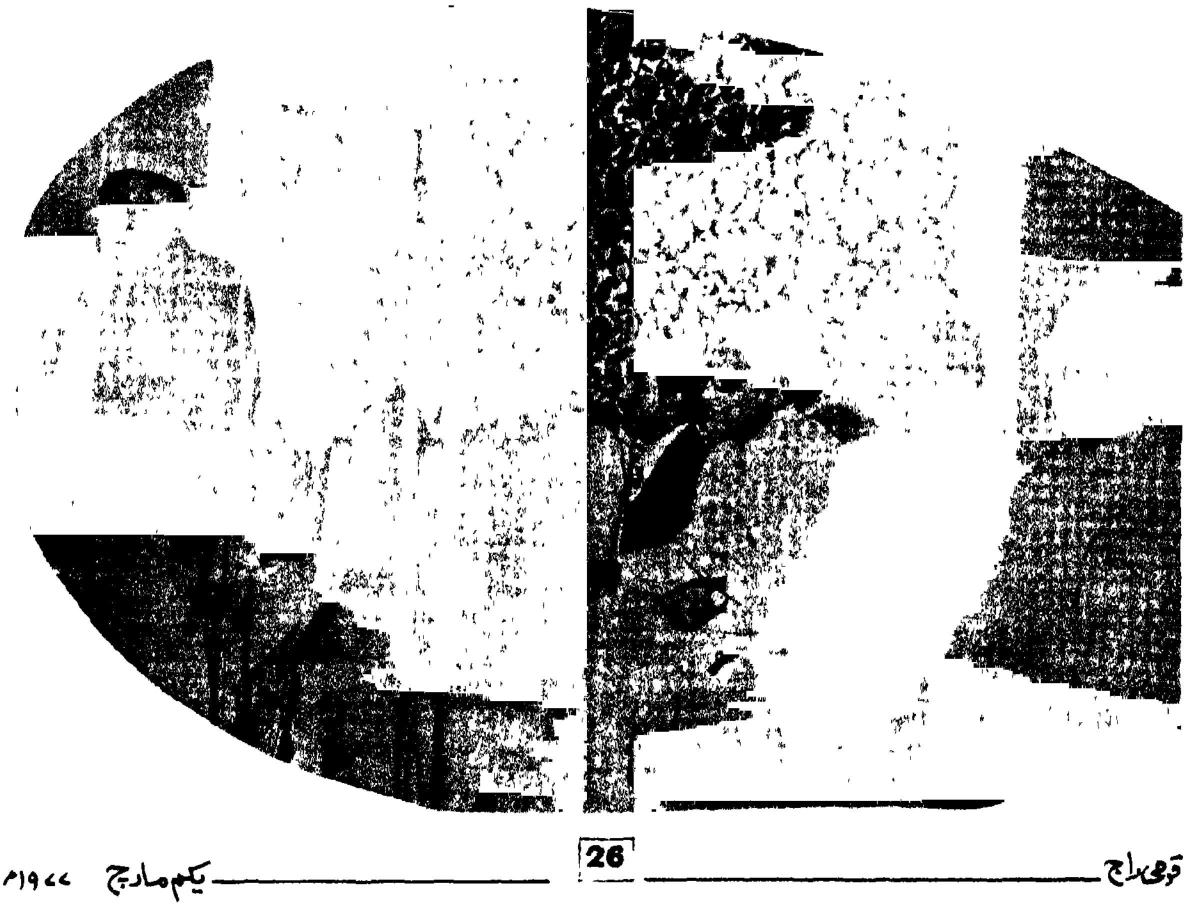


صدر ہند شری فخرالدین علی احمد ۲۰ستمبر ۱۹۷۴ء کو کھڑکی میں واقع معذور فوجیوں کے لئے مصنوعی اعضاء سینٹر تشریف لے گئے۔ یہ اسی موقع کی تصاویر ہیں۔



صدرِ جمہوریۂ ہند عالی جناب فخرالدین علی احمد نے ممبئی میں بیت الحجاج (حج ہاؤس) کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اس تصویر میں صدرِ محترم اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں۔ (۲؍جون ۱۹۷۶ء)

۲۰؍اپریل ۱۹۷۵ء کو راج بھون ممبئی میں صدر احمد، مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کا افتتاح فرماتے ہوئے۔ وزیرِ اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان، وزیرِ محصول ڈاکٹر رفیق زکریا، شری سکندر علی وجد اور شری خواجہ سید العفور بھی تشریف فرما ہیں۔



عرشؔ ملسیانی
الف۔۴۴/۱۱۔ ماڈل ٹاؤن،
دہلی ۱۱۰۰۰۹

غزل

کھینچ کے محبوب کے دامن کی طرف
آ گئے اور بھی اُلجھن کی طرف

ہم فقیروں کی تو ہے راہ الگ
ہم نہیں شیخ و برہمن کی طرف

اس قدر راہ طلب تھی دلکش
ہم نہ آئے کبھی مسکن کی طرف

جلوۂ دل پہ نظر رکھتے کلیم
کیوں گئے وادئ ایمن کی طرف

مدھ بھری تان جو بنسی کی سُنی
گوپیاں چل دیں مدھوبن کی طرف

تم چھپاتے رہو کتنا اس کو
بجلیاں آئیں گی خرمن کی طرف

دیدۂ شوق اگر بند رہا!
لاکھ جھانکا کرو چلمن کی طرف

نغمگی رقص کی کیوں کر سُنتے
کان تو محو تھے جھانجھن کی طرف

قہقہہ زاروں کی جانب سب ہیں
کون ہے نالہ و شیون کی طرف

تن کی باتوں سے نہ بہلا جب جی
میں نے رُخ موڑ دیا من کی طرف

ہر طرف نور کا تڑکا دیکھا
کون آیا مرے آنگن کی طرف

اے چمن والو! رُکوں یا جاؤں
اِک دھواں سا ہے نشیمن کی طرف

خیر مقدم کو جھکیں گی شاخیں
اِک ذرا آؤ تو گلشن کی طرف

عرشؔ، کس دوست کو اپنا سمجھوں
سب کے سب دوست ہیں دشمن کی طرف

غزل

* نیاز حیدر
معرفت سکھدیو، راک ہاؤس،
ورلی ہل روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۱۸

عشق ہے غم بھی اور خوشی بھی ہے
عشق ہے موت زندگی بھی ہے

وصل کی رات واہ کیا کہنا!
لیکن اِک رات ہجر کی بھی ہے

میرے صیاد یہ قفس تیرا!
رُوح کیا قید میں رہی بھی ہے

نشہ کیا ہے شراب ہے کہ شباب
کیا کوئی نشۂ آگہی بھی ہے!

زہر جو گھول دے فضاؤں میں
لبِ انساں پہ وہ ہنسی بھی ہے

انتظار اور چاند اور اک دل!
آس، اُمید، بے بسی بھی ہے

عورت کے روپ

این. ڈی. قاضی
۹. ملا بیری روڈ، باندرہ، بمبئی ۵۰

بارش کے زوردار طوفان میں سومیش آگے بڑھ رہا تھا. چھاتا جو اس کا آخری سہارا تھا ایک تیز جھونکے سے تار تار ہو گیا اور وہ بڑبڑانے لگا. "ہے بھگوان! مجھے کون سے کرموں کا پھل بھگتنا پڑ رہا ہے میں صبح سے بھوکا پیاسا ہوں اور یہ بھیانک سمندر مجھے کھانے کو اُمڈ رہا ہے. اب کسی طرح رمیش کے گھر تک پہنچ جاؤں". وہ ہمت کر کے آگے بڑھا اور ایک بنگلے کے گیٹ کے پاس رک گیا.

"رمیش ولا"

'ہاں' یہی ہے"

اس سے پہلے کہ وہ اندر چلا جائے، ایک طوفانی جھونکا اس کا چھاتا اُڑا لے گیا. اس کے ہاتھ میں اب صرف چھاتے کا دستہ ہی رہ گیا. اسے اُلٹا کر کے دیکھا تو زندگی اس کے سامنے سوالیہ نشان بن کر رہ گئی. دستے کو ایک طرف پھینک کر اندر آ گیا اور کال بیل دبا دی ایک نوکرانی نے دروازہ کھول کر پوچھا "کون ہے"

جب اس نے اس کی طرف دیکھا تو تلخ لہجہ میں بولی.

"جاؤ، جاؤ. اس وقت کچھ نہیں ہے. چلے آتے ہیں آدھی رات کو تنگ کرنے."

سومیش نے التجا کی. "میں صاحب سے ملنا چاہتا ہوں. مجھے اُن سے ضروری کام ہے."

"لیکن وہ اس وقت نہیں مل سکتے." نوکرانی نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے جواب دیا

"صاحب سے صرف اتنا کہہ دو کہ "ماں کا بیٹا آیا ہے."

وہ سر ہلا کر اندر چلی گئی. کچھ دیر کے بعد جب اس نے دروازہ کھولا تو سومیش کا دل دھڑکنے لگا. لیکن خلاف توقع صاحب خود نہ آئے. نوکرانی نے بڑے ادب سے کہا.

"صاحب نے کہا ہے کہ اندر آ جائیے. کپڑے بدل کر کھانا کھا لیجئے آپ کو بھوک لگی ہوگی."

سومیش کا دل بیٹھ گیا. "میں کھانے کی بھیک مانگنے نہیں آیا. مجھے صرف ان سے ملنا ہے. یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے"

"اچھا ذرا ٹھہریئے، میں ابھی اُن سے پوچھ کر آتی ہوں."

سومیش خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک نوکرانی کی آواز نے چونکا دیا.

"صاحب نے کہا ہے کہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو ماں کا بیٹا نہیں بلکہ سومیش بن کر مجھ سے ملنے آؤ."

اس کے ذہن میں اُلجھنوں کا تلاطم برپا ہو گیا. پیچھے مڑا تو بارش کا طوفان ختم ہو چکا تھا. تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے باہر چلا آیا. سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کارٹر روڈ کے موڑ پر رک گیا. سمندر کی لہریں پورے شباب پر تھیں. وہ روٹرز کلب کی زیر تعمیر دیواروں پر سے ہوتا ہوا سب سے اونچی دیوار پر چڑھ گیا اور ایشور کا نام لیا. "ہے بھگوان! میں اب اس زندگی کا سامنا نہیں کر سکتا. مجھ سے جو بھی پاپ ہوئے ہیں ان کو معاف کر دینا."

یہ کہہ کر وہ سمندر میں کودنے ہی والا تھا کہ ایک خوبصورت لڑکی نے اُسے پیچھے سے پکڑ لیا

"آتم ہتیا کرنا مہا پاپ ہے. اور بہت بڑی بزدلی. مردانگی تو زندگی سے مقابلہ کرنے میں ہے."

سومیش نے بہت کہا کہ مجھ بدنصیب کو میرے حال پر چھوڑ دو." لیکن اس نے ہنس کر جواب دیا

"چلو میرے ساتھ. میں تمھارا ساتھ دوں گی."

سومیش اس کے ساتھ چلنے پر مجبور ہو گیا. سینٹ اینڈریوز چرچ کے پاس ایک چھوٹے سے گھر میں شانتی، سومیش کو لے آئی.

"یہ ہے میرا جھونپڑا، اور یہ میری ماتا جی"

سومیش نے ہاتھ جوڑ کر ماتا جی کو نمسکار کی.

شانتی نے ماتا جی سے کہا "جلدی سے ان کو کھانا دیجئے."

ماتا جی نے کھانا لگاتے ہوئے پوچھ لیا

"شانتی یہ کون ہے؟"

شانتی نے جواب دیا. "یہ بہت دکھی ہیں"

زندگی سے تنگ آکر سمندر میں کودنے لگے تھے، میں نے بچالیا۔"

"بہت اچھا کیا بیٹی۔ یہ تو بڑا ہی پُنیہ کا کام کیا تو نے آج۔"

ماتاجی نے جلدی سے کھانا لگایا۔ سومیش نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو اس کی جان میں جان آئی۔

شانتی نے بستر لگا دیا اور کہا "اب تم آرام کرو، بہت تھکے ہوئے ہو نا! اور دیکھو اب اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

سومیش نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ "شانتی۔ میں تمہارا بہت احسان مند ہوں اور زندگی بھر اس کا بدلہ نہیں چکا سکوں گا۔"

"اچھا، اچھا اب زیادہ باتیں مت کرو اور چپکے سے سو جاؤ۔" شانتی نے اسے دلاسا دیا۔

سومیش صبح کافی دیر سے جاگا۔ اُٹھتے ہی شانتی آگئی۔ "یہ لو سومیش۔ تمہارے لئے کپڑے لائی ہوں۔ جلدی سے نہا دھو کر نئے کپڑے پہن لو۔ ماتاجی کب سے تمہارے لئے ناشتہ تیار کئے بیٹھی ہیں۔"

سومیش نے جلدی سے نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُسے دوسرا جنم ملا ہے۔ سب نے مل کر ناشتہ کیا۔ شانتی نے اس سے کہا۔

"دیکھو، میں ایک آفس میں اسٹینو گرافر ہوں۔ ابھی آفس جا رہی ہوں۔ منیجر صاحب سے بات کروں گی۔ شاید تمہیں کوئی کام مل جائے۔ کام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ پہلے اگر چھوٹا ہی کام مل جائے بعد میں تم ترقی کر سکتے ہو۔"

سومیش کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ جلدی سے بول اُٹھا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ میں کوئی بھی کام کرنے کو تیار ہوں"۔ شانتی بھی خوش ہو گئی۔

"اچھا تو میں اب چلتی ہوں۔ آج شام کو ہی تمہیں خوشخبری سناؤں گی۔ اور ہاں، آج تم گھر پر ہی آرام کرنا۔"

ماتاجی کو تاکید کی۔ "ماتاجی، سومیش کو کھانا اچھی طرح کھلا دینا۔" شانتی آفس چلی گئی۔ سومیش دن بھر آرام سے پڑا رہا۔

شام شانتی واپس گھر لوٹی تو سومیش کو خوشخبری سنادی۔

"منیجر صاحب نے مان لیا ہے۔ کمپنی کی ایک کوائیری ہے، تم اس کے انچارج ہو گے تنخواہ بھی تین سو روپے ملے گی۔ کل تمہیں میرے ساتھ آفس چلنا ہوگا۔ انٹرویو کے لئے۔"

"مجھے منظور ہے میں دل و جان سے کام کروں گا۔"

سومیش خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا ماں جی نے مبارکباد دی اور کہا کہ "چلو بیٹا چائے تیار ہے منہ ہاتھ دھو لو۔"

چائے پینے کے بعد سومیش نے کہا۔ "چلو شانتی ذرا باہر گھوم آئیں۔ آج تو گھر میں پڑے پڑے تنگ آگیا۔"

دونوں باہر نکلے اور سمندر کے کنارے سیر کرتے ہوئے منڈا اسٹینڈ تک آ پہنچے۔

"شام کا سماں یہاں کتنا سہانا لگتا ہے۔" شانتی نے کہا۔

سومیش نے جواب دیا۔ "سب ہی کچھ سہانا لگتا ہے جب کوئی خوبصورت ساتھی ہو، من کو شانتی مل جائے۔" سومیش نے شانتی کی آنکھوں میں جھانکا۔

شانتی شرما گئی۔ "دیکھو زیادہ شرارتی نہ بنو۔"

"اچھا بابا، کوئی شرارت نہیں کروں گا چلو تھوڑی دیر کے لئے یہاں بیٹھ جائیں۔"

سومیش نے اُسے چٹان پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دونوں بیٹھ گئے۔

"اچھا سومیش یہ بتاؤ کہ تم خودکشی کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

"اوہو، تم نے تو موڈ ہی خراب کر دیا، اس وقت تو میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔"

شانتی نے بات کاٹ دی "لیکن اب تمہیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ تو کیا تم میری بات کا جواب دو گے؟"

"ارے دوں گا کیسے نہیں، تم میری میری مُحسن ہو، تم نے مجھے نئی زندگی دی، تم سے اب کیا چھپانا۔ اچھا لو سُنو۔ میرے بڑے بھائی ہیں رمیش۔ ان کا بنگلہ کارٹر روڈ پر ہے۔ اب ان کا بہت بڑا کنسٹرکشن کا کام ہے۔ ناسک میں ہمارے پتاجی کے انگور کے باغ تھے۔ بڑے بھائی کو پتاجی بہت چاہتے تھے اور میں ماں کا لاڈلا تھا۔ ماں کے لاڈ پیار نے مجھے بگاڑ دیا۔ جب بھی پتاجی مجھے پڑھنے کو ڈانٹتے تو ماتاجی بیچ میں پڑ جاتیں اور کہتیں کہ ابھی تو اس بیچارے کے کھیل کود کے دن ہیں، آپ خواہ مخواہ میرے لاڈلے کو ڈانٹتے رہتے ہیں۔ میرا جی بھی پڑھنے میں نہ لگتا۔ ماتاجی میری ہر ضد کو پورا کر دیتیں اور میں ہر وقت دوستوں کے ساتھ کھیل کود میں لگا رہتا۔

پتاجی بڑے بھائی کی تعلیم کا بڑا خیال رکھتے۔ میں زیادہ نہ پڑھ سکا اور اس نے انجینئرنگ پاس کرلی۔ اسی دوران ہماری ماتا کچھ دنوں بیمار رہ کر بھگوان کو پیاری ہوگئیں۔ ان پر کافی پیسہ خرچ ہوگیا۔ ادھر بڑے بھائی کو اپنا کام شروع کرنے کے لئے پیسہ چاہیئے تھا آخر پتاجی نے باغ بیچ دیئے بھائی نے اپنا کام شروع کر دیا۔ چند روز بعد ایک ایکسیڈنٹ میں پتاجی بھی چل بسے۔

سس کے بعد تو میری حالت خراب ہو گئی، ام کی بہت تلاش کی، لیکن میں کوئی کام با نتا نہ تھا اس لئے مجھے کوئی کام نہ مل سکا۔ آخر تنگ آکر کل میں اس کے بنگلے ران سے ملنے گیا کہ وہ میری کچھ مدد کرے بلکن اس نے یہ کہا کہ 'میں ماں کا بیٹا ہیں بلکہ سومیش بن کر اس سے ملنے جاؤں۔ ہو نکہ بچپن سے مجھے 'ماں کا بیٹا' کہہ کر پکارا جاتا اور اُسے 'باپ کا بیٹا'۔ میری ماں کے رتے ہی بھائی نے بھی مجھ سے آنکھیں پھیر لیں ب میں نے بھی مرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور تم رشتہ بن کر آ گئیں اور میری جان بچا لی۔ نے کو ایک نئی زندگی بخش دی۔ سومیش ے شانتی کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"میں کس زبان سے تمھارا شکریہ ادا کروں؟"

وہ شانتی سے پیار جتلانا چاہتا تھا لیکن شانتی ایک دم کترا گئی۔ "چلو چلو بہت دیر ہو رہی ہے، ماتا جی انتظار کر رہی ہونگی۔"

سومیش نے کئی بار شانتی کو قریب نے کی کوشش کی۔ وہ ہر وقت اس کے رے میں سوچتا رہتا لیکن شانتی ہر بار سے چکمہ دے کر بچ نکلتی۔

تین ماہ کا عرصہ گذر گیا۔ سومیش نے ڈائیری کا کام بڑی ایمانداری اور لگن سے انجام دیا۔ ایک دن مینجر نے اُسے خوشخبری سنائی اس کے کام سے خوش ہو کمپنی کے مالک نے اسے ڈائیری کا آدھا حصہ دار بنا لیا۔ سومیش خوشی خوشی گھر لوٹا اور شانتی کو کہہ سنایا۔ آج اسے محسوس ہوا کہ اب وہ ماں کا بیٹا نہیں رہا، بلکہ سومیش بن گیا۔ آج میں اپنے بھائی سے ملوں گا اور اُسے بتا دوں گا کہ آج میں سومیش، تم سے ملنے آیا ہوں۔ چلو شانتی تم بھی، لیکن شانتی نے ٹال دیا۔

وہ نہا دھو کر تیار ہوا۔ اور ٹیکسی میں بیٹھ سیدھا بنگلے کے اندر ٹیکسی کھڑی کی، وہی نوکرانی باہر آئی اور بڑی عزت سے اُسے ڈرائینگ روم میں لے گئی۔ آج وہ قیمتی سُوٹ زیب تن کئے تھا اور پاؤں میں نیا جوتا۔ تھوڑی دیر کے بعد صاحب آئے اور آتے ہی سومیش کو گلے لگا لیا۔ بس میں تمھیں ایسا ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ ایک دن ضرور تم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گے۔ سومیش کے اندر ایک لاوا اُبل رہا تھا وہ پھوٹ پڑا۔ آج میں کچھ ہوں تو اپنی محنت سے، ایک انجان لڑکی کی مدد سے' شانتی اگر مجھے نہ بچا لیتی تو آج میں یہاں نہ ہوتا بلکہ میری لاش کو سمندر کی مچھلیاں نوچ نوچ کر کھا جاتیں۔ وہ بھائی کس کام کا جو دوسرے بھائی کی مدد تک نہ کر سکے۔ اب میں آپ کے لئے مر چکا ہوں اور شاید اب آپ میرا منہ کبھی نہ دیکھ پائیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو بھائی نے کہا۔ "اپنی بھابی سے نہیں ملو گے؟" تو وہ خود ہی آ گئیں۔ "یہ ہیں تمھاری بھابی۔" اور رتنا یہ ہیں تمھارے دیور 'مسٹر سومیش'۔"

سومیش نے ہاتھ جوڑتے ہوئے بھابی کی طرف دیکھا تو چند لمحوں کے لئے دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر ایک دم تعجب سے پکار اُٹھا۔

"شانتی تم یہاں؟"

شانتی بہت قیمتی ساڑی میں ملبوس کھڑی تھی۔ رمیش مسکرا کر بولا "یہ شانتی نہیں، رتنا ہے، تمھاری بھابی۔"

وہ بھونچکا سا کھڑا سوچتا رہ گیا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اتنی دیر میں ماں جی چائے لیکر آ گئیں تو وہ اور بھی حیران ہوا۔ پھر رمیش نے بتایا۔

"ماں کے لاڈ نے تمھیں خراب کیا۔ اور اب مجھے یقین تھا کہ بھائی کا پیار ہی تمھیں سُدھار سکے گا۔ اور ویسا ہی ہوا۔ رتنا کو میں نے ہی تمھارے پیچھے بھیجا تھا اور وہ ہماری نوکرانی کا گھر ہے۔

اب تمام ڈرامہ سومیش کی سمجھ میں آ چکا تھا۔ وہ بھابی کے قدموں پر گر گیا۔ بھابی نے اسے اُٹھایا اور کہا۔

"اپنے بڑے بھائی کے قدم چھوؤ، وہ ہی تمھاری کمپنی کے سیٹھ ہیں، اور اب پارٹنر"

سومیش نے کہا "بھائی صاحب، مجھے معاف کر دیں، میں نے آپ کو غلط سمجھا تھا"

رمیش نے اُسے گلے لگا لیا۔ "بھئی اس میں تمھارا کوئی دوش نہیں۔ ماتا جی نے تمھیں بگاڑ دیا تھا اب تمھاری بھابی نے تمھیں سُدھار دیا۔ دیکھو رتنا، اس نے عورت کے دو روپ دیکھ لئے۔"

بھابی ایک دم بول اُٹھی "اور اب جلد ہی تیسرا روپ دیکھنا ہے۔"

سومیش نے پوچھا۔ "وہ کون سا بھابی؟"

بھابی نے جواب دیا "بیوی کا!" اور اس جملے پر سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

قلمی معاونین
سے گذارش ہے کہ تخلیقات کے خاتمہ یا پشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر کریں۔ نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں

* حسرت جے پوری
۱۳۱۔ کیلاش بلڈنگ،
ایس. وی روڈ، کھار، بمبئی ۔ ۵۲

غزل

وفا جرم ہے یا جفا جرم ہے
ذرا آپ کہہ دیں کہ کیا جرم ہے

نگاہِ محبت ادب سے اُٹھے
مسلسل انھیں دیکھنا جرم ہے

یہ کعبہ نہیں کہ بن جائے پھر
کہ دل توڑنا بخدا جرم ہے

وہاں لے کے آئی مجھے عاشقی
جہاں خواہشِ مدعا جرم ہے

محبت میں کوئی نصیحت نہ کر
نصیحت میرے ناصحا جرم ہے

میں جاں دینے پہنچا تو کہنے لگے
یہ پہلا نہیں دوسرا جرم ہے

بھری بزم میں اُن کا دامن نہ چھو
دلِ ناسمجھ، حوصلہ جرم ہے

نہ حسرت کرو شکوۂ دوستاں
محبت میں پیارے گلہ جرم ہے

(پنجابی کہانی)

منہ بولا بھائی

مصنف: کرتار سنگھ دگل

مترجم: بدر سیفی

آج تیس سال سے بھی زیادہ کا عرصہ گذر گیا ان کی شادی ہوئے۔ اس دوران وہ ایک دن کے لئے بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں رہے تھے۔ ایک رات بھی ایسی نہیں گذری تھی جب سلمیٰ کا شوہر اس سے ایک ہاتھ کی دوری پر ہو۔ اس کی لمبی لمبی سانسیں۔ دھیمی دھیمی سانسیں اور سانسوں کی خوشبو۔ یہ خوشبو پھولوں کی نہیں تھی لیکن پھولوں سے کہیں زیادہ بھینی، کہیں زیادہ دلکش اور ایک لذت آمیز۔ یہ لذت شہد کی بھی نہیں تھی لیکن شہد سے کہیں زیادہ شیریں اور ایک گدگدی لیتی ہوئی گرماہٹ،

ایک عمر اس کی اس نشہ نشہ ہی میں گذر گئی۔ ملازم پیشہ لوگ۔ ترقی کی ایک سیڑھی، اس سے اگلی سیڑھی۔ اگلی سیڑھی سے اگلی سیڑھی . . . .

پھر ان کے دو بچے ہوئے۔ ان کی شادیاں ہوئیں اور وہ سب اپنا اپنا گھر بسا کر رہ گئے۔ اب جہاز جیسے گھر میں سلمیٰ تھی اور اس کا شوہر۔ دوسرا کوئی بھی نہیں۔

اور اب جاوید کو دس دن کے دورے پر باہر جانا پڑ رہا تھا۔ کام کچھ ایسی جگہ تھا جہاں سلمیٰ نہیں جا سکتی تھی۔ کوئی تفتیش کرنی تھی اور اس دورے میں سلمیٰ کا جانا مناسب بھی نہیں تھا۔

دس دنوں سلمیٰ اکیلی رہے گی، سارے دن اکیلی ساری رات اکیلی، بالکل اکیلی۔ سلمیٰ سوچتی اور اسے عجیب عجیب سا لگنے لگتا۔ اپنے دل کو دلاسا دیتے ہوئے وہ کہتی۔ مجھے ڈر کس کا؟ مجھے کبھی ڈر نہیں لگتا! میں ریوالور بھر کر اپنے پاس رکھوں گی، مجھے خوف کیسا؟ اور سلمیٰ سوچتی کہ اس نے اپنی زندگی کے تیس سال کیسے گذار دیئے تھے۔ جب کبھی وہ میکے جاتی تو اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ ہوتا، شادی، بیاہ، خوشی، غمی، غرضیکہ وہ جہاں کہیں بھی جاتی، جاوید پرچھائیں کی طرح اس کے ساتھ رہتا۔ جتنی بار اسے ہسپتال جانا پڑا اور جب ان کے ہاں بچہ ہوا بچہ کا باپ بھی ماں کے ساتھ رہا۔ نرسیں اندر زچہ خانے میں اسی کا ذکر کرتیں۔ جاوید بھی کبھی کسی کو کچھ لا دیتا، کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ — ہسپتال کا عملہ اسے برآمدے میں کھڑا دیکھ کر دیکھا ان دیکھا کر دیتا۔

جاوید کی ملازمت ہی ایسی تھی کہ اسے اکثر دورہ پر جانا پڑتا تھا لیکن وہ جہاں کہیں بھی جاتا، سلمیٰ اس کے ہمراہ ہوتی۔ یہ سلمیٰ کو بھی بہت اچھا لگتا۔

دلی جیسے گنجان شہر میں کس کا دم نہیں گھٹنے لگتا۔ گرمیوں میں ہر دوسرے سال جب پہاڑ پر جانا ہوتا تب سارا خاندان ساتھ جاتا اور جب بچوں کی شادیاں ہو گئی تھیں اور وہ اپنا اپنا گھر بار بسا کر رہنے لگے تھے تو سلمیٰ کو عجیب اکیلے پن کا احساس ہونے لگتا۔ جاوید تو جیسے اس کے وجود کا ایک اہم حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ اتنے سال اکٹھے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے ہنستے گاتے، کھیلتے کودتے سلمیٰ کو محسوس ہوتا جیسے جاوید کی سانسیں اس کی سانسوں میں گھل گئی ہیں۔ ان کے دلوں کی دھڑکنیں ایک ہو گئی تھیں۔

کئی بار جاوید کے پاس سلمیٰ بیٹھی کہتی۔ کوئی تو ہو جس سے وہ بات کر سکے۔ ایک عجیب اکیلے پن کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس کا شوہر ایک بالشت کے فاصلے پر اس کے پاس ہوتا۔

پچھلے کئی دنوں سے سلمیٰ کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی تھی۔ ان کے پڑوس میں ایک ماسٹر جی رہتے تھے۔ وہ اسلامیہ اسکول میں پڑھاتے تھے۔ ماسٹر جی سلمیٰ کے منہ بولے بھائی بن گئے۔ ماسٹر جی تھوڑی بہت شاعری بھی کر لیا کرتے تھے۔ سلمیٰ کا دل بہلانے کے لئے کبھی اپنے اور کبھی دوسروں کے شعر سنایا کرتے۔ نوجوان آدمی تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا جیسے ان کی بیوی سے ان کی ان بن رہتی ہے۔ جب کبھی فرصت ملتی وہ سلمیٰ کے ہاں چلے آتے، سلمیٰ کا کبھی کوئی کام کر دیتے کبھی کوئی۔ خاص طور پر باغبانی کے کام میں ان کی مدد سلمیٰ کو بہت متاثر کر گئی۔ دراصل ماسٹر جی نے کالج میں "باغبانی" پڑھی تھی۔ پھولوں اور سبزیوں سے متعلق ان کی معلومات اچھی تھی۔ کچھ نہیں تو کیاریوں میں پانی ہی لگا دیتے۔ سلمیٰ بھی ان کی خوب تواضع کیا کرتی۔ ان کے بیوی بچوں کے لئے بھی کچھ نہ کچھ بھجوا دیتی۔

اور اب جبکہ جاوید کو دس دنوں کے لئے باہر جانا تھا، ماسٹر جی بار بار کہتے۔

"سلمیٰ کو اکیلے نہیں رہنا چاہیئے۔ اتنے بڑے گھر میں اکیلی ایک عورت! یہ ٹھیک نہیں۔"

سلمیٰ ہنسنے لگی، "ڈر کس کا؟ مجھے ڈر نہیں لگتا۔"

جتنی بے پروائی سے سلمیٰ ہنستی، ماسٹر جی اس کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھ کر عربی میں کوئی کلمہ پڑھتے۔ سلمیٰ کو تو عربی نہیں آتی تھی۔ ڈر کے نام سے ہنستی ہوئی سلمیٰ، ماسٹر جی کو اور بھی اچھی لگتی۔ وہ نئے زمانے کی تھی۔ رقص و نغمہ اور شعر و شاعری کی دل دادہ۔ اسے ڈر کاہے کا؟ اور سلمیٰ ماسٹر جی کو اپنی پرانی تصویریں دکھانے لگتی کہیں گھوڑے کی سواری کر رہی ہے، کہیں دونالی سے نشانہ باندھ رہی ہے، کہیں شکار سمیٹ رہی ہے۔ اور کہیں جیپ چلا رہی ہے۔

چلنے سے پہلے سلمیٰ کو دیکھ کر جب جاوید ایک لمحہ کے لئے ٹھٹک کر رہ گیا تب اسے ماسٹر جی کا خیال آیا۔ آخر اس کا منہ بولا بھائی ہے۔ اگر کوئی ضرورت پڑی تو وہ ہے ہی۔ دس قدم کے فاصلے پر اس کا قیام ہے۔

ماسٹر جی، ماسٹر جی کی بیوی اور ان کے چار بچے۔ پانچ ہی برسوں میں شاعر صاحب نے چار بچے پیدا کر لیئے تھے۔ ان کی بیوی کے ساتھ ان کی کچھ خاص نہیں بنتی تھی۔ بات بات پر اپنی بیوی کی برائی کرنے بیٹھ جاتے۔ سلمیٰ کو کسی شوہر کا اپنی بیوی کی برائی کرنا بڑا عجیب سا لگتا اور وہ ماسٹر جی کو سمجھایا کرتی۔

ادھر جاوید کی ٹیکسی آنکھوں سے اوجھل ہوئی ادھر سلمیٰ کو چوٹ سی لگی۔ اسے اپنا دل بیٹھتا سا محسوس ہونے لگا۔ اتنے میں ماسٹر جی ادھر سے گزرے۔ دودھ لے کر آ رہے تھے۔ سلمیٰ کو دیکھ کر باتیں کرتے کھڑے ہوگئے۔ سلمیٰ گیٹ کے اِس طرف تھی اور ماسٹر جی دوسری جانب، باہری حصے میں۔ آدھ گھنٹہ... پھر ایک گھنٹہ گزر گیا تو ماسٹر جی کو سلمیٰ نے چونکا دیا کہ ان کی گھر والی دودھ کا انتظار کر رہی ہوگی۔ ان کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی تو تھے۔ اوپر سے دھوپ نکل آئی تھی اور پھر ماسٹر جی کو اسکول بھی تو جانا تھا۔ ماسٹر جی بے بسی سے گھر کی جانب چل دیئے۔ اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے وہ وہی شعر گنگنانے لگے جو اکثر گنگنایا کرتے تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سلمیٰ نے سنا تو جیسے کوئی شئے اس کے دل کے کسی گوشہ میں جا چھپی، صبح کی پہلی کرن کی طرح اردو کے اس شعر کے معنی سلمیٰ کی نگاہوں میں گھومنے لگے اور پھر سلمیٰ اپنے باغیچے کی دیکھ بھال میں مصروف ہوگئی۔ باغیچے میں کام کرتے ہوئے اس پر ایک وحشت سی طاری ہونے لگی۔ دوپہر کے وقت وہ تھکن سے چور اپنی کوٹھی کی طرف چل دی۔ ملازم ناشتہ کر کے انتظار کر رہا تھا سلمیٰ ملازم کی مدد سے گول کمرہ سجانے لگی۔ اسی میں دوپہر ڈھل گئی وہ دوپہر کا کھانا بھی بھول گئی اور مارے تھکن کے وہ سو گئی۔ سونے سے پیشتر ملازم کو رخصت دی اور کوٹھی کے دروازے اندر سے بند کر لیئے۔ تھکی ہاری سلمیٰ ایسی سوئی کہ شام ہوگئی۔ آنکھ اس وقت کھلی جب باہر کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ یہ ماسٹر جی تھے۔ ماسٹر جی اکثر شام کو آجایا کرتے تھے۔ آج ذرا جلدی ہی آ گئے۔ "میں نے سوچا سلمیٰ بی کی خیریت پوچھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" کہتے کہتے ماسٹر جی اندر گول کمرے میں چلے آئے اور صوفے پر بیٹھ گئے۔ نئے انداز سے سجے ہوئے کمرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔

"اسے میں جادوگری کہتا ہوں۔ ہم شاعر لوگ اسے حسن کی جادوگری کہتے ہیں۔ وہی کمرہ وہی فرنیچر اور سلمیٰ بی تم نے اسے جنت بنا دیا اسے میں طلسم کہوں گا۔"

ایک نشے میں بولتے ہوئے ماسٹر جی سامنے والے صوفے پر آ بیٹھے ہر چیز کی بار بار تعریف کرنے لگتے۔ یہ سب سن سن کر سلمیٰ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے کانوں سے جیسے دھواں نکل رہا تھا۔

پھر کچھ ہی دیر بعد سلمیٰ ماسٹر جی کے لئے چائے تیار کرنے باورچی خانے میں چلی گئی۔ باورچی خانے میں اس نے سنا کہ ماسٹر جی کوئی غزل زور زور سے پڑھ رہے تھے۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد سلمیٰ چائے کے ساتھ تازہ پکوڑے لے آئی۔ فریج سے چٹنی نکالی اور ڈھیر ساری مٹھائیاں لاکر رکھ دیں۔ ماسٹر جی چٹخارے لئے جا رہے تھے اور بار بار کہتے "ایسی چائے اس انداز کے پکوڑے اور اس طرح کے سجے سجائے گول کمرے میں۔ سلمیٰ بی آپ کی انگلیاں ایک فنکار کی انگلیاں ہیں۔"

سلمیٰ کو محسوس ہوا کہ ماسٹر جی آج کچھ زیادہ ہی چہک رہے ہیں۔ پھر اسے یاد آیا کہ بھوپال میں اس کی ایک سہیلی بتایا کرتی تھی کہ جب اس کا گھر والا دورہ پر ہوتا تو اس کا ملازم منڈو غسل خانے میں زور زور سے فلمی گانے گایا کرتا تھا اور ہر رات سینما دیکھنے چل دیتا۔ . . نہیں اس طرح کی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ ماسٹر جی منہ بولے بھائی ہیں۔

چائے وغیرہ پی کر ماسٹر جی چلنے لگے۔ سلمیٰ کو عجیب سی بے چینی محسوس ہونے لگی۔

"آپ جا رہے ہیں؟ بیٹھیے نا، کھانا کھا کر جائیے"، سلمیٰ نے ماسٹر جی سے رسماً کہا۔

"نہیں! میں سینما دیکھنے جا رہا ہوں، چلیئے آپ کو بھی لے چلوں۔"

"نہیں جی! توبہ، توبہ، میں تو جاوید کے بغیر..."

باقی تمام الفاظ جیسے اس کے حلق میں سوکھ کر رہ گئے۔

اس کے شوہر کو گئے ایک دن بھی نہیں گزرا تھا اور آج ہی وہ اسے شدت سے یاد آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سلمیٰ ابھی رو پڑے گی۔

ماسٹر جی جانے کے لئے کھڑے ہوگئے۔

ہ کہنے لگے۔ "نہ معلوم آپ کو ڈر کیسے نہیں لگتا؟ دا کی قسم مجھے اگر یوں اکیلے رات کاٹنی پڑے تو مارے ڈر کے برا حال ہو جائے۔ اور تم عورت ذات...

ڈر کاہے کا۔ میں تو ریوالور ساتھ لئے پھرتی ہوں۔ مجھے ڈر کیسا؟

کچھ دیر بعد نوکر آ گیا وہ نوکر کے ساتھ پکانے میں لگ گئی۔ اکیلی عورت اسے کون سا زیادہ کھانا نا تھا۔ لیکن اس کی عادت تھی کہ میز سجی رہے۔ جب تک دو تین طرح کی سبزیاں ترکاریاں میز ر نہ ہوں اس کی تشفی نہیں ہوتی تھی۔ کھانا کھلا کر، کافی پلا کر اور میز صاف کر کے ملازم چلا گیا۔

ملازم کے جاتے ہی سلمیٰ نے کوٹھی کا پچھلا دروازہ بند کر لیا اور اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔ ریڈیو پر خبریں کب کی ختم ہو چکی تھیں۔ معمول کے مطابق سلمیٰ گیلری میں ٹہلتی رہی۔ ویسے عموماً وہ باہر یا برآمدے میں ٹہلا کرتی تھی۔ آج وہ تمام دروازے بند کر کے گیلری میں ٹہل رہی تھی رات بھی اندھیری تھی اور وہ اتنے بڑے گھر میں تنہا تھی۔ اور پھر س کے سونے کا وقت بھی ہو گیا۔ وہ جماہیوں پر جماہیاں لینے لگی۔ اس نے کپڑے بدلے ہر روز کی طرح چہرے پر کریم سے مالش کی اور بتی بجھا کر سونے کے لیئے لیٹ گئی۔ لیٹنے سے پہلے س نے تکیئے کے نیچے چھو کر دیکھ لیا۔ اس کا چھ گولیوں سے بھرا ہوا ریوالور ٹھیک اپنی جگہ رکھا ہوا تھا۔

آنکھیں بند کرنے سے پہلے سلمیٰ کے دل میں جانے کیا خیال آیا کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر پھر بتی جلا دی اور اٹھ کر سب دروازے اور کھڑکیاں دیکھنے لگی۔ کوئی چٹخنی رہ تو نہیں گئی۔

ایک ایک کر کے اس نے ہر دروازہ، ہر کھڑکی کو دیکھا اور سارے کمرے، غسل خانے، پچھلی گیلری اور پھر بے فکری سے کمرے میں آ کر بتی بجھا دی۔ کوئی دس منٹ بعد ابھی اس کی آنکھ نہیں لگی تھی کہ اسے خیال آیا کہ اگر چٹخنیاں ٹھیک سے بند نہ کی جائیں تو باہر سے دھکا دینے پر دروازہ کھل جاتا ہے۔ میکے میں کئی بار اس نے اسی طرح دروازہ کھولا تھا۔

اس نے اٹھ کر پھر بتی جلا دی اور کوٹھی کے ہر دروازے کی چٹخنی ہاتھ لگا کر دیکھنے لگی کہ وہ ٹھیک طرح بند ہیں یا نہیں؟

سلمیٰ نے محسوس کیا کہ اسے ہلکا ہلکا بخار چڑھ آیا ہے۔ اس کا جسم آگ کی طرح گرم ہو رہا ہو۔ جیسے اسے چکر آ رہے ہوں۔ سلمیٰ نے سوچا کہ اسے آج سونے میں دیر ہو گئی ہے اس لئے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ وہ جلدی سے کمرے میں لیٹ گئی۔ اس نے بتی بجھا دی تھی۔

اچانک ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا۔ سامنے ڈیوڑھی کے دروازے کی چٹخنی نہیں دیکھی، شاید دیکھی ہے!! شاید نہیں!!.. ہاں ڈیوڑھی کی طرف تو وہ گئی ہی نہیں۔

وہ اٹھ کر ویسی کی ویسی ہی اندھیرے میں ڈیوڑھی کی طرف چلدی۔ ڈیوڑھی میں اس نے بڑے دروازے کی چٹخنی کو ہاتھ لگایا اور دیکھا، اس کی انگلیوں سے جیسے آگ نکل رہی تھی چٹخنی اسے برف کی ڈلی کی طرح محسوس ہوئی۔ سلمیٰ کا سر چکرا رہا تھا۔

تیسری بار اطمینان کرتے ہوئے کہ چٹخنی بند ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ چٹخنی کھول دی۔

بخار میں جھلستی ہوئی رات کے اندھیرے میں وہ پھر پلنگ پر گر پڑی۔ اس کا سر چرخی کی طرح گھوم رہا تھا۔ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے؟ کہاں پڑی ہے اور کب اس کی آنکھ لگی ہے۔

ادھر سلمیٰ پلنگ پر آ کر لیٹی ادھر ہوا کے زور سے باہر کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ دروازے کا ایک پٹ آہستہ آہستہ کھلتا جا رہا تھا۔ اسی اثنا میں ماسٹر جی کا ادھر سے گذر ہوا۔ سینما دیکھنے کے بعد وہ کسی شراب خانے میں جا بیٹھے تھے۔ آج معلوم نہیں کیوں وہ اداس اداس تھے۔ جیسے کوئی چیز کھو گئی ہو۔ رات گئے تک شراب پیتے رہے اور سگریٹ پر سگریٹ پیتے رہے۔

آدھی رات کو جب شراب خانہ بند ہوا تو یار لوگوں نے انھیں رکشہ پر سوار کرا دیا۔

اپنے گھر جانے کے بجائے ماسٹر جی نے رکشہ سلمیٰ کی کوٹھی کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ ایک دم سے انھیں خیال آیا کہ سلمیٰ اکیلی ہے۔

رکشہ کو چھوڑ کر وہ آگے بڑھے اور یہ دیکھ کر ان کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی کہ سلمیٰ کی کوٹھی کا دروازہ کھلا ہے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

لیکن دروازہ کھلا تھا۔ ماسٹر جی آگے بڑھے تو باہر نیچے کی طرف باغیچے کی آڑ سے ایک بلی پھلانگ کر ڈیوڑھی کے اندر چلی گئی۔

شراب کے نشے میں بدمست لڑکھڑاتے ہوئے ماسٹر جی کو ایسے لگا جیسے کھلا دروازہ ان کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اور وہ دبے پاؤں کوٹھی کے اندر جا گھسے۔

ڈیوڑھی، سونے کا کمرہ، گول کمرہ، سونے کا دوسرا کمرہ جس میں سلمیٰ سامنے ہی پڑی تھی ایک بے جان لاش کی طرح۔ ماسٹر جی نے پردہ ہٹا کر جھانکا ہی تھا کہ سلمیٰ اچانک چیخ مار کر اٹھی اور تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال کر چھ کی چھ گولیاں اس نے جھونک دی۔

ماسٹر جی جہاں تھے وہیں لہو میں نہائے ڈھیر ہو گئے۔ ◻◻

مضمون نگار

حضرات سے گذارش ہے کہ اپنے مسودے صاف (خوشخط) اور کاغذ کے صرف ایک طرف لکھے ہوئے مرحمت فرمایا کریں۔

غزل

تمہاری یاد نے کی دلدہی تو کیا ہوگا
جو لمحہ بھر کو ملی بھی خوشی تو کیا ہوگا

ہے تیرگی ہی کے دم سے شعورِ غم میرا
اسے بھی چاٹ گئی روشنی تو کیا ہوگا

چلو یونہی سہی محرومیوں پہ رولیں گے
ہوئی نہ درد میں پھر بھی کمی تو کیا ہوگا

ابھی سے دل ہُوا جاتا ہے عقل سے بدظن
بڑھی کچھ اور اگر آگہی تو کیا ہوگا

میں مر کے پیچھا چھڑالوں ہر ایک غم سے مگر
وہاں بھی ساتھ رہی زندگی تو کیا ہوگا

رہِ حیات بہت پُر خطر ہے ڈرتا ہوں
کسی نے چھین لی میری خودی تو کیا ہوگا

ہماری موت بھی کیا زندگی سے کم ہوگی
وہ چھین لیں گے جو یہ زندگی تو کیا ہوگا

زمانہ ہم پہ ہنسے اس کا غم نہیں لیکن
خود اپنے حال پہ آئی ہنسی تو کیا ہوگا

ہم اپنے غم ہی سے پیدا نشاط کرلیں گے
کسی کے لطف میں آئے کمی تو کیا ہوگا

میں بزمِ وعظ میں چلتا تو ہوں مگر ساحرؔ
وہاں پر آگئی مجھ کو ہنسی تو کیا ہوگا

* ــــــ ساحرؔ بھوپالی

غزل

فیضی نظامپوری
ایم۔اے۔ بی ایڈ۔ ادیب کامل
۵۰۔ نظام پور۔ بھیونڈی (تھانے)

جب بلندی پر پہنچ جاتے ہیں لوگ
کس قدر چھوٹے نظر آتے ہیں لوگ

زندگی کی دھوپ جب کھاتے ہیں لوگ
تجربوں کی چھاؤں میں آتے ہیں لوگ

مرنے والے مر کے بھی مرتے نہیں
اور جیتے جی بھی مر جاتے ہیں لوگ

بات کیا ہے اپنی شکلیں دیکھ کر
آئینہ خانے میں گھبراتے ہیں لوگ

جب بکھر جاتے ہیں دانوں کی طرح
وقت کی چکی میں پس جاتے ہیں لوگ

آگئی ہے زندگی اس موڑ پر
فکر میں ڈوبے نظر آتے ہیں لوگ

کچھ تو اے فیضی ترے شعروں میں ہے
گوش بر آواز ہو جاتے ہیں لوگ

پہلے خود کو جلائے گا سورج
پھر کہیں جگمگائے گا سورج

لمحہ لمحہ کرنے گا ایک جگہ
اور صدیاں بنائے گا سورج

میرے آنسو نہ پی سکا اب تک
یوں تو دریا سکھائے گا سورج

بہتے پانی میں جھانک لینے دو
خود بخود ڈگمگائے گا سورج

زلف لہرا کے مت چلو دن میں
راستہ بھول جائے گا سورج

گرم کرنوں کی برچھیاں لے کر
خاک سونا بنائے گا سورج

تم اُدھر چاند کو مناؤ گے
اور اِدھر روٹھ جائے گا سورج

ندرت نواز
باگلا اسٹریٹ، امروہہ۔ یوپی

ایم۔ یونس افسر، نیا بازار، کامٹی (ضلع ناگپور)

ہاتھ کرگھا صنعت اور بنکر

ذرا ہاتھ کرگھے کی صنعت تو دیکھو جو بُنکرنے کی ہے وہ محنت تو دیکھو
دکھائی ہے کتنی لیاقت تو دیکھو ذرا بُنکری کی مہارت تو دیکھو
نیا روپ پیدا کیا کلپنا سے!
بنایا ہے ذرّے کو سورج کلا سے

نہیں ہے جو مہنگا وہ کپڑا یہی ہے جو ملتا ہے سستا وہ کپڑا یہی ہے
جو ہوتا ہے اچھا وہ کپڑا یہی ہے جو برسوں ہے چلتا وہ کپڑا یہی ہے
پہنتے تھے گاندھی جی اس کو خوشی سے
ہُوا نام بھارت کا روشن اِسی سے

○

ذرا اس کی تاریخ اجنتا سے پُوچھو وطن کے محافظ ہمالہ سے پوچھو
بنارس میں تم ماں کے گنگا سے پوچھو اٹھو جاؤ دلّی میں جمنا سے پوچھو
تمدّن و تہذیب صنعت رہی ہے
غریبوں کو اس سے محبّت رہی ہے

○

ہیں وردھا میں اب تک وہ کھادی کے کرگھے کہ ہیں آشرم میں ابھی تک وہ چرخے
دکھایا ہے سب کچھ یہ باپُو نے کر کے مگر اس کو سمجھا نہ شاید کسی نے
تھی باپُو کو معلوم ساری حقیقت
وہ کرتے تھے بُنکر سے بیحد محبّت

○

یہ امریکہ، رَشیا، یہ جاپان والے یہ برٹش، یہ اٹلی، یہ یُونان والے
اندھیرے میں تھے جبکہ ایران والے تھے بھارت کے بُنکر ہی شان والے
کہ اُس دم بھی شہرت قدم چومتی تھی
جہاں داد دیتا تھا کاریگری کی

○

اگر دیش کی اُنّتی چاہتے ہو! اگر قوم کی بہتری چاہتے ہو!
اگر بُنکروں کی خوشی چاہتے ہو! کلا کار کی زندگی چاہتے ہو!
تو پھر اس طرف سے نہ غفلت کرو تم
اُٹھو اس کلا کی حفاظت کرو تم

○

یہ اک روز بُنکر تھے 'آبِ رَواں' کے اسی پر تو ان کے انگوٹھے کٹے تھے
زمانے میں تھے ہر طرف اِن کے چرچے گذرنا تھا مَلمَل بھی انگشتری سے
کرشمہ تھا کوئی نہ جادوگری تھی
یہ کاریگری تھی، یہ کاریگری تھی

○

ہے اندرا کا بیشک یہ اقدام اچھا سمجھتے ہیں ہم اِس کو اُمید افزا
نئے طرز سے فائدہ سب کو ہوگا بشرطیکہ حُسنِ عمل کا ہو جذبہ
وطن پر میرے اب شباب آ رہا ہے
ترقی کا اِک انقلاب آ رہا ہے

○

حقیقت میں یہ شانتی کا نشاں ہے یہ سنسار میں دوستی کا نشاں ہے
یہی قوم کی زندگی کا نِشاں ہے یہی دیش کی اُنّتی کا نشاں ہے
بَنا ہے اسی سے یہ پیارا ترنگا
رہے کیوں نہ اونچا ہمارا ترنگا

○

کریں آج مِل کر یہ اعلان بُنکر کہ سب پر رہیں گے مہربان بُنکر
وہ ہندو ہو یا ہو مُسلمان بُنکر ہے امن و اماں کا نگہبان بُنکر
دِکھادو زمانے کو تنظیم کیا ہے
کبیر اور باپُو کی تعلیم کیا ہے

۲۰ نکاتی پلان

سرکاری فیصلے اور اعلانات

تحفظ شہری حقوق ایکٹ

چھوت چھات کے خاتمہ کیلئے سخت اقدام

حکومت ہند نے زندگی کے ہر شعبہ سے چھوت چھات کے مکمل خاتمہ کی غرض سے حال ہی میں چھوت چھات (جرائم) ایکٹ بابت ۱۹۵۵ء میں ترمیم کی ہے جو اب تحفظ شہری حقوق ایکٹ کے نام سے معروف ہے۔

دستور کے آرٹیکل ۱۷ کے تحت چھوت چھات کے خاتمے کے سبب ایک فرد کو حاصل ہونیوالے حقوق، ایکٹ کی رو سے شہری حقوق قرار دیئے گئے ہیں۔

شہری حقوق ایکٹ کے تحت چھوت چھات کے تمام جرائم قابل تعزیر ہیں۔ اب کسی بھی صورت میں ایسی خلاف ورزیوں پر ہرگز درگزر نہیں کیا جائے گا۔ جن کو کہ پہلے کبھی معاف بھی کر دیا جاتا تھا۔

ایکٹ کی رو سے چھوت چھات برتنے پر سزا بھی کافی بڑھا دی گئی ہے اور اب ایسے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کیلئے بیک وقت قید اور جرمانہ دونوں ہی سزائیں رکھی گئی ہیں۔

ترمیم شدہ ایکٹ کے تحت براہ راست یا کسی اور طریقہ سے چھوت چھات کا پرچار یا اسے تاریخی، فلسفیانہ، مذہبی یا روایتی بنیادوں پر جائز قرار دینا جرم ہے۔

نجی ملکیت کی عبادت گاہیں اور ایسی دیگر اراضی، جو مالک کی اجازت سے بطور عام عبادت گاہ استعمال کی جا سکتی ہے، اس ایکٹ کے زمرے میں شامل کی گئی ہے۔

چھوت چھات کی بنا پر زبردستی کسی بھی شخص کو مہتر کا کام کرنے پر مجبور کرنا قابل سزا جرم ہے اور اس سلسلے میں ریاستی حکومتوں کو زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں۔

ایکٹ کی رو سے چھوت چھات کے جرم پر سزا پانیوالے افراد کو مرکزی اور ریاستی مجالس قانون ساز کے انتخابات لڑنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اس ایکٹ کے تحت ایسے سرکاری ملازم کو بھی سزا دی جائے گی جو جان بوجھ کر چھوت چھات کے کسی جرم کے بارے میں چھان بین سے گریز کرے۔

ایکٹ کی رو سے چھوت چھات کے خاتمہ کے بعد شہری حقوق کو حاصل کرنے میں ناکام افراد کی امداد کے لئے خصوصی اقدامات معین کئے گئے ہیں۔

قانونی امداد، ایسے مقدمات دائر کرنے کے لئے عہدیداران، قانونی کارروائی کے لئے خصوصی عدالتوں نیز ضابطہ عمل بنانے میں ریاستی حکومت کی اعانت کے لئے کمیٹیوں کے قیام کے سلسلے میں یہ ایکٹ مناسب سہولتوں کی یقین دہانی کرتا ہے۔

ریاستی حکومتوں کی جانب سے کئے گئے اقدامات کے سلسلے میں مرکزی حکومت برابر ربط قائم کرے گی نیز مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے اقدامات کی رپورٹ ہر سال لوک سبھا کے دونوں ایوانوں کے سامنے رکھے گی جو کہ ایکٹ کے قوانین کی عمل آوری کے لئے کئے گئے ہیں۔

تحفظ شہری حقوق ایکٹ، حکومت ہند کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کے حصہ دوم سیکشن ۱ میں شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۷۶ء کے حصہ چہارم میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

مجاہدین آزادی کی پنشن

درخواست کی تاریخ سے منظوری

مجاہدین آزادی پنشن اسکیم بابت ۱۹۷۲ء کے تحت مجاہدین آزادی کی پنشن کی منظوری میں ضابطہ کی کارروائیوں سے ہونے والی تاخیر سے بچنے کی غرض سے حکومت ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ مرکزی یا ریاستی حکومت کو درخواست موصول ہونے کی تاریخ ہی، جو بھی پہلے ہو، پنشن جاری کرنے کی تاریخ مانی جائے گی۔

دوسرے لفظوں میں اگر ریاستی حکومت کو مخصوص سال کے دوران یعنی ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو یا اس سے قبل جو درخواستیں موصول ہوئی ہوں گی ان پر پنشن ۱۵ اگست ۱۹۷۲ء سے جاری کی جائے گی، چاہے وہ درخواستیں وزارت امور داخلہ کو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کے بعد ہی کیوں نہ بھیجی گئی ہوں۔

ریاستی حکومت کو جو درخواستیں ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کے بعد موصول ہوئی ہوں گی، ان کی پنشن اس تاریخ سے واجب ہوگی جس

تاریخ کو ریاستی حکومت کو وہ درخواستیں موصول ہوئی ہوں گی۔

مرکزی حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ضلع کلکٹران کے نام درخواستیں جس تاریخ کو ان کے دفتر میں موصول ہوئی ہوں گی وہی تاریخ ریاستی حکومت کو درخواست موصول ہونے کی تاریخ مانی جائے گی۔

جن مجاہدین آزادی کو مرکزی خزانے سے پنشن مل رہی ہے اور وہ متذکرہ فیصلہ کے تحت اس کے مستحق ہیں کہ ان کی پنشن درخواست داخل کرنے کی تاریخ سے دی جائے ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ فارم پر تین نقول میں اپنی درخواستیں اسی ضلع کے کلکٹر کے دفتر میں داخل کریں جس کے توسط سے مرکزی پنشن کے لئے اصل درخواست بھیجی تھی ۔ درخواست فارم متعلقہ ضلع کلکٹران سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رینٹ ایکٹ کمیٹی

سرکاری وضاحت

حکومت مہاراشٹر وضاحت کرتی ہے کہ وہی. کے ٹھیمبے، ایم ایل اے. کی زیر صدارت مقرر کردہ رینٹ ایکٹ تحقیقاتی کمیٹی نے جو رپورٹ داخل کی ہے وہ صرف سفارشات پر مبنی ہے۔ جب تک کہ حکومت سفارشات کو منظور نہیں کر لیتی اور ایک نیا قانون وضع نہیں کر لیتی موجودہ رینٹ ایکٹ جن علاقوں میں نافذ ہے وہاں بدستور نافذ رہے گا۔

یہ وضاحت اس لئے ضروری ہو گئی ہے کہ بعض لوگوں نے اس خیال سے کارروائی کرنی شروع کردی ہے کہ ٹھیمبے کمیٹی نے جو نیا رینٹ ایکٹ تجویز کیا ہے وہی نافذ ہونیوالا ہے

صنعتی مزدور مکان مالک

جو صنعتی مزدور مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ کے ۱۴۱۰۰ رعائتی کرایہ کے مکانات میں رہ رہے ہیں ان کو اجازت دی جائے گی کہ وہ ان مکانات کو قسطوں کی بنیاد پر خرید لیں۔ اس سے جو رقم حاصل ہوگی اسی کو شہری غریبوں اور صنعتی مزدوروں کے لئے نئے مکانات کی فراہمی کے ایک بڑے منصوبے پر صرف کیا جائے گا۔

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ ہاؤسنگ وزراء کی اس کانفرنس کی سفارشات کے تحت کیا ہے جو کہ حال ہی میں کلکتہ میں منعقد ہوئی تھی۔

ڈسپنسریوں کے لئے اُجرت کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے شری ڈبلیو رانگیکر، ایم ایل اے کی سربراہی میں ممبئی ڈویژن (ممبئی عظمیٰ کے علاوہ) اور مراٹھواڑہ کی ڈسپنسریوں میں حالت ملازمت کے بارے میں چھان بین کرنے اور حکومت کو اقل ترین شرح اُجرت مقرر کرنے کے بارے میں مشورہ دینے کی غرض سے اقل ترین اُجرت کمیٹی مقرر کی ہے۔

کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں: (مالکان کے نمائندے) سردشری ڈاکٹر بی. ایم جوشی ناسک؛ ڈاکٹر ڈی. آر دلتیمکھ، سیکریٹری، انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن، ناندیڑ، ڈاکٹر این. آر سرکر، ممبر مینیجنگ کمیٹی، انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن اورنگ آباد؛ (ملازمین کے نمائندے) سرد شری پی. وی بلونکر، جنرل سیکریٹری ہسپتال کرمچاری سنگھ ناسک؛ ڈی. آر پٹنی جنرل سیکریٹری، نیشنل ایسوسی ایشن آف میڈیکل ہسپتال ملازمین (انٹک) اورنگ آباد؛ اور شریمتی لیلا ٹیکیکر، اعزازی جنرل سکریٹری مہاراشٹر اسٹیٹ نرسیس ویلفیئر ایسوسی ایشن، ممبئی۔

شریمتی ایس. پی گائیتونڈے، اسسٹنٹ کمشنر آف لیبر، کمیٹی کی ممبر سیکریٹری ہیں۔ کمیٹی اپنی رپورٹ چھ ماہ کے اندر پیش کر دے گی۔

•

کرناٹک میں اُردو اکادیمی کا قیام

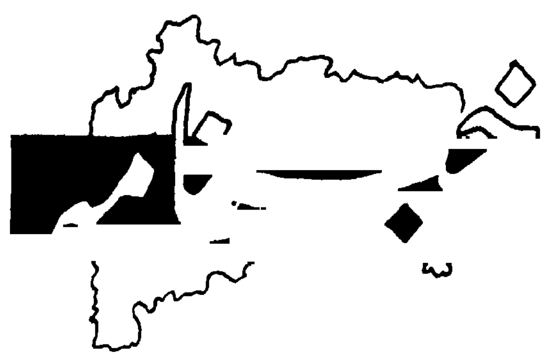
مسٹر حبیب تنویر صدر نشین مقرر

حیدرآباد-۲۶ فروری۔ حکومت کرناٹک نے اپنے ایک اعلان مورخہ ۲۱ فروری کے تحت کرناٹک میں اُردو اکادیمی تشکیل دی ہے اور اس کے لئے مسٹر حبیب تنویر صدر نشین، ڈاکٹر مدنا منظر نائب صدر نشین، مسٹر ن.م سعید معتمد ڈپٹی ڈائرکٹر لٹریری اینڈ کلچرل ڈیولپمنٹ بہ اعتبار عہدہ خازن ہوں گے۔

ارکان اکادیمی جن کی تعداد (۱۸) ہے۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون، پروفیسر حنیف کلیم، مسٹر نظر صدیقی (ایم ایل اے) مسٹر خالد عرفان، مسٹر محمود ایاز، مسٹر حمید الماس، محترمہ حسنیٰ سرور، ڈاکٹر سدپا پرانک، مسٹر مقصود علی خاں (ایم پی) اور مسٹر عزیز سیٹھ بھی شامل ہیں۔

علاوہ ازیں حکومت نے ایگزیکیٹو بورڈ بھی تشکیل دینے کا اعلان کیا ہے، جس میں صدر، نائب صدر، معتمد اور خازن کے علاوہ جنرل کونسل کے پانچ ارکین کو نامزد کیا جائے گا۔

•



"نوجوان سماجی انقلاب لائیں"

گورنر شری کانٹا والا

شری آر۔ ایم کانٹا والا، گورنر مہاراشٹر نے تعلیم یافتہ نوجوان مردوں اور خواتین سے گذارش کی کہ وہ ریاست میں شروع کئے گئے سماجی انقلاب پروگراموں کی عمل آوری میں آگے بڑھ کر قیادت سنبھالیں۔

جمہوریہ ہند کی ستائیسویں سالگرہ کے موقع پر ۲۶ جنوری کی صبح آل انڈیا ریڈیو بمبئی اسٹیشن سے اپنی نشری تقریر میں گورنر موصوف نے فرمایا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ غریب اور پسماندہ طبقہ کے نوجوانوں کو بڑی تعداد میں تربیت دیں اور ان میں جوش پیدا کریں۔ یہ قیادت مالآخر خود غریب اور پست طبقات ہی سے اُبھرنا چاہئے تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں اور اپنی حالت سنوار سکیں۔

شری کانٹا والا نے فرمایا کہ ملک کی سیاسی صورت حال میں اچھی تبدیلی آئی ہے فرض شناسی، نظم وضبط، استقامت، اتحاد اور سکون کے ماحول میں معاشی کارکردگی نمایاں طور سے بہتر ہوئی۔ اور اُس پروگرام کو تیزی سے روبہ عمل لانے کی راہ ہموار ہوئی جس کا مقصد سماج کے کمزور طبقات، بے زمین مزدوروں، چھوٹے کسانوں، جھونپڑپٹی کے باسیوں، صنعتی مزدوروں، ادیباسیوں، غریب طلباء اور بے سہارا لوگوں کی خاطر سماجی انصاف حاصل کرنا ہے۔

گورنر موصوف نے یہ خیال ظاہر کیا کہ افراطِ زر رُک گیا ہے لیکن ختم نہیں ہوا ہے، ذخیرہ اندوزوں کالا بازاریوں، منافع خوروں اور دیگر معاشی مجرمین کے خلاف کئے گئے سخت اقدامات برابر تندہی کے ساتھ جاری رہنا چاہئیں۔ ان میں ذراسی بھی ڈھیل سے افراطِ زر کا دباؤ پھر بڑھ جائے گا۔

شری کانٹا والا نے آخر میں فرمایا کہ دیس تعمیرِ نو اور ترقی کے اہم کام میں لگا ہے۔ ہمیں قومی اتحاد برقرار رکھنے کے لئے سدا چوکنا رہنا چاہئے تاکہ معاشی ترقی کی تیز رفتار کم نہ ہو۔

۲۵ نکاتی پروگرام پر نظرِ ثانی

وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے ۱۲ جنوری کو منترالیہ بمبئی میں ۲۵۔ نکاتی پروگرام کی عمل آوری سے متعلق ریاستی سطح کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے بتایا کہ شری ڈی۔ ایس پاگے چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹیو کونسل، شری منوہر کولوال اور شری جی۔ بی نیولکر پر مشتمل ایک سہ رکنی کمیٹی مقرر کی جائے گی تاکہ ریاست میں صنعت میں مزدوروں کی شرکت سے متعلق اسکیم کی رفتارِ ترقی کا جائزہ لے جو ۱۹۷۶ء سے مہاراشٹر میں زیرِ عمل ہے

شری چوان نے مزید فرمایا کہ ڈائرکٹر آف ٹکنیکل ایجوکیشن کو ہدایت کی جائے گی کہ وہ اپرنٹس شپ اسکیم کی عمل آوری کا جائزہ لے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ یہ اسکیم کہاں تک نئے



وزیراعلیٰ شری ایس۔ بی چوان ۲۵ نکاتی پروگرام سے متعلق ریاستی سطح کمیٹی کے اجلاس سے خطاب فرما رہے ہیں۔

اپرینٹسوں کی تربیت اور بعد ازاں انھیں صنعت میں ملازمت دلانے میں معاون ہوں گی۔

شری چوان نے اجلاس میں یہ بھی بتایا کہ ریاست میں اب تک سات لاکھ نس بندی آپریشن ہو چکے ہیں اور رواں سال کے دوران کم سے کم دس لاکھ نس بندی آپریشن کی تعداد پوری ہو جائے گی۔

اجلاس میں بیان کیا گیا کہ اس ماہ کے آخر تک ۲۴ اسمگلروں کی جائیداد کی ضبطی کے احکامات صادر کر دیئے جائیں گے۔

اجلاس میں شری وی. ایس ماگے، چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل، شری این. ایم تڑکے، وزیر صنعت، ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول اور شہری ترقی، شری شام راؤ کدم، وزیر مملکت برائے آبپاشی دانز جی اور شری بالو راؤ کالے، نائب وزیر برائے داخلہ حاضر تھے۔

دو افسران کو میڈل

یوم جمہوریہ کے موقع پر صدر ہند نے شری آر. ایل بھونسلے اور شری راؤ صاحب جامکر پاٹل کو جو کہ بالترتیب ضلع ناگپور اور ضلع پربھنی کے ڈسٹرکٹ کمانڈنٹ ہیں، ان کی قابل قدر خدمات کے صلے میں ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس میڈل عطا کئے۔

شری بھونسلے ۱۹۵۹ء سے ہوم گارڈز ادارے سے منسلک ہیں۔ اعلیٰ بھونسلے خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے موصوف ناگپور ضلع میں ایک مستعد اور سرگرم ہوم گارڈز تنظیم قائم کرنے میں ایک نہایت کامیاب کمانڈنٹ ثابت ہوئے۔

شری جامکر پاٹل کا تقرر ۱۹۶۴ء میں پہلے اعزازی ضلع کمانڈنٹ کی حیثیت سے ضلع پربھنی میں ہوا تھا اور اسی وقت سے آپ خوش اسلوبی اور دیانتداری کے ساتھ تنظیم کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی قیادت ضلع میں مضبوط ہوم گارڈز تنظیم قائم کرنے میں بڑی مدد ہوئی۔

ریاستی شاہراہوں کے لئے مزید سرمایہ

ریاستی حکومت کا ارادہ ہے کہ سال رواں کے دوران ریاستی شاہراہوں کی ترقی کے لئے تین کروڑ روپے کی مزید رقم مختص کی جائے۔ یہ اعلان شری سندر راؤ سولنکے، وزیر پبلک ورکس نے ۲۵ جنوری کو ماخورد (ممبئی) میں آمدورفت کے لئے جمہور - ماخورد جوڑ سڑک کا افتتاح کرتے ہوئے کیا۔



شری سندر راؤ سولنکے، وزیر برائے پبلک ورکس، جمہور - ماخورد جوڑ سڑک کا افتتاح کر رہے ہیں۔ وزیر مملکت شری پربھاکر کینٹے بھی تصویر میں نظر آ رہے ہیں۔

شری سولنکے نے فرمایا کہ اس نئی جوڑ سڑک سے مہاراشٹر کے مشرقی سمت واقع شہر ولی پیر مشرقی مضافات ممبئی کو درپیش ٹریفک مسئلہ بڑی حد تک حل ہو جائے گا۔

اس موقع پر شری پی کے کینٹے، وزیر مملکت برائے پبلک ورکس نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ وزیر اعلیٰ شہر کے مختلف مسائل حل کرنے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتے ہیں۔ آپ نے مقامی اداروں سے اپیل کی کہ وہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے بنیادی ضروریات بہم پہنچانے میں تعاون کریں جو ایک کروڑ تک پہنچ جائیگی۔

اس سڑک کی تعمیر پر اب تک ایک کروڑ روپے کی رقم خرچ ہو چکی ہے۔

قبل ازیں شری آر. ٹی اترے، چیف انجینئر پبلک ورکس نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شری جے. ڈی کالے، سپرنٹینڈنگ انجینئر نے شکریہ ادا کیا۔

پسماندہ طبقہ کے لئے مکانات

شری کستورے کا اعلان

شری اے. ایس کستورے، وزیر سماجی بہبود نے یہ اعلان کیا کہ حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ممبئی عظمیٰ میں ۲۰۰۱ مکانات کی ملکیت جلد ہی ۲۷ بیک ورڈ کلاس کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے حوالے کر دی جائے۔

آپ نے بتایا کہ ان مکانات کی ملکیت سوسائٹیوں کے حوالے کرنے کا سوال کچھ عرصہ سے حکومت کے زیر غور تھا۔

شری کستورے نے فرمایا کہ مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ نے سماج کے کمزور طبقات کے لئے ریاستی حکومت کی تعمیر مکانات اسکیم کے تحت یہ مکانات ان سوسائٹیوں کو دینے کے لئے تعمیر کئے ہیں۔ بعض فنی دشواریوں کی وجہ سے اس معاملہ میں تاخیر ہو گئی۔ لیکن اب یہ طے کیا گیا ہے کہ ان مکانات کی ملکیت مذکورہ بالا سوسائٹیوں کے حوالے کر دی جائے۔

وِدیُت بھون کا سَنگِ بُنیاد

شری شنکر راؤ چوان، وزیر اعلیٰ نے ۲۶ جنوری کو کف پریڈ، بمبئی میں مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کی نئی گیارہ منزلہ ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ 'وِدیُت بھون' کا سَنگِ بُنیاد رکھا۔

اس موقع پر وزیر اعلیٰ نے یہ انکشاف کیا کہ جلد ہی پلاننگ کمیشن کی جانب سے چار یا در جنریٹنگ یونٹوں کے لئے منظوری حاصل ہو جائے گی، جن کی تخمینی لاگت تقریباً ۵۲ کروڑ روپے اور صلاحیت ۶۰ میگا واٹ فی یونٹ ہو گی۔ اس پروجیکٹ کا کام بھی جلدی شروع کر دیا جائے گا اور ۹ ماہ کی مدت میں پورا کر لیا جائے گا۔

توقع ہے کہ یہ ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ ۲ سال میں تعمیر ہو جائے گی جس میں الیکٹریسٹی بورڈ کے بمبئی عظمیٰ میں واقع کل آٹھ صدر دفاتر رہیں گے۔ ان دفاتر میں ۳۰۰۰ ملازم ہیں۔

شری آر۔ جے دیو تلے، وزیر جنگلات اور اِنرجی نے تقریب کی صدارت کی۔

شری شام راؤ کدم، وزیر مملکت برائے آبپاشی اور اِنرجی، ممبران بورڈ اور دیگر حکام اس موقع پر موجود تھے۔

شروع میں ڈاکٹر مادھو گوڑبولے، چیرمین بورڈ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شری کدم نے شکریہ ادا کیا۔



"وِدیُت بھون" کا سَنگِ بُنیاد رکھے کے موقع پر لی گئی تصویر میں وزیر اعلیٰ، شری شنکر راؤ چوان اور شریمتی کُسم تائی چوان کے علاوہ وزیر جنگلات واِنرجی، شری آر۔ جے دیو تلے اور وزیر مملکت برائے اِنرجی، شری شام راؤ کدم بھی نظر آ رہے ہیں۔

بمبئی میں قدرتی عِلاج کیلئے ہسپتال

ڈاکٹر شرد رکشت نے جو فیربنک الاسکا کی مسز روتھ بیرک کے متبنٰی بیٹے ہیں قدرتی علاج کے لئے مجوزہ اسپتال کے واسطے ڈھائی لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا جو، جوہو پارلے، علاقہ میں قائم کیا جائے گا اور مسز روتھ بیرک کے نام سے منسوب ہو گا۔

عطیہ کی پہلی قسط کے طور ۵۰۰۰ ڈالر کا ڈرافٹ شری آر۔ جے دیو تلے، وزیر جنگلات اور انرجی نے حال ہی میں پراکرتک چکتسہ وگیان کے ٹرسٹیوں کے حوالے کیا۔

مسز روتھ بیرک الاسکا یونیورسٹی کی چیرمین اور کئی بنکوں کی ڈائرکٹر ہیں۔ ڈاکٹر شرد رکشت ہندوستانی النسل ہیں اور آپ نے اوپتھلمولوجی اور پلاسٹک سرجری میں خاص مہارت حاصل کی ہے۔ مسز روتھ ۱۹۷۴ء میں ہندوستان تشریف لائی تھیں۔ اس وقت پراکرتک چکتسہ وگیان کے ٹرسٹیوں نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ شہر میں قدرتی طریقہ علاج کا ہسپتال قائم کرنے میں اعانت فرمائیں۔

قدرتی علاج کا یہ جدید ہسپتال دیگر طریقہ ہائے علاج سے مایوس مریضوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہو گا۔

قومی راج

میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، کو ضرور روانہ کی جائے۔



ہینڈلوم کے خوبصورت کپڑے

وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان نے سولاپور کی ھدراونی ہینڈلوم بنکر امداد باہمی سوسائٹی کے تیار کردہ کپڑوں کے نمونوں کو پسند فرمایا۔

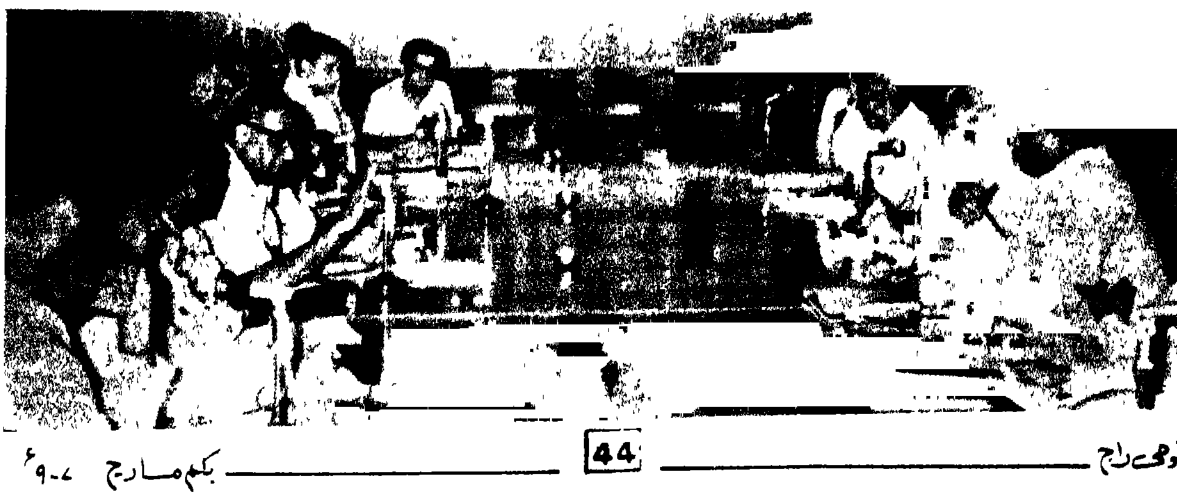
شری بی. سی یوم دیال، سوسائٹی کے چیئرمین نے حال ہی میں ہینڈلوم کپڑوں کے مختلف نمونے شری چوان کو دکھائے تھے۔ اس موقع پر شری آر. وی. بٹ، وزیر مملکت برائے امداد باہمی بھی موجود تھے

اس قلیل عرصہ میں سوسائٹی کی ترقی کی، وزیر اعلیٰ نے تعریف کی۔ پچھلے اگست میں ...را لوم سے شروع کئے جانے والے اس مشترکہ کارخانہ کو ریاستی حکومت کی جانب سے برآمداتی بلاک کے طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔

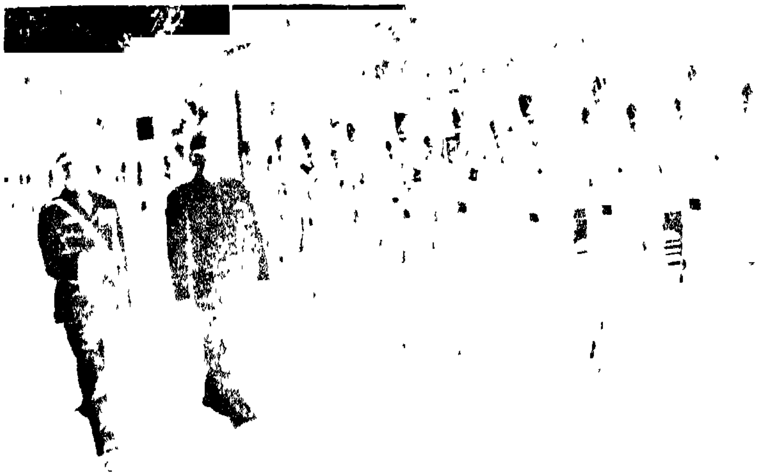
مذکرہ سوسائٹی جو...ر بنکروں کو روزی مہیا کرتی ہے، ان کے لئے مکانات فراہم کرنے کا بھی ارادہ رکھتی ہے

وزیر اعلیٰ شری ایس بی چوان، ہینڈلوم کپڑا بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ جو ھدراونی ہتھ کرگھا امداد باہمی سوسائٹی نے تیار کیا ہے شری آر. وی. بٹ، وزیر مملکت برائے امداد باہمی اور شری بی. سی یوم دیال، چیئرمین سوسائٹی بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

چیف الیکٹورل آفیسر مہاراشٹر، شری ام، سا اسیم ۸، فروری کو منترالیہ میں معتدد سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کے اجلاس سے خطاب فرمارہے ہیں



یومِ جمہوریہ تقاریب



جمہوریۂ ہند کی ستائیسویں سالگرہ کے موقع پر بمبئی میں "ہتا تماعوک" (فلورا فاؤنٹین) پر رسمی پریڈ ۔ گورنر شری کا منٹا والا معائنہ فرمارہے ہیں ۔

پولیس انسپکٹر شری منوہر ساونت کو ان کی قابل قدر خدمات پر گورنر شری کا منٹا والا پولیس میڈل عطا کر رہے ہیں ۔

برہورن اسٹیڈیم (بمبئی) میں بچوں کی ریلی کے موقع پر وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان پرچم لہرا رہے ہیں ۔





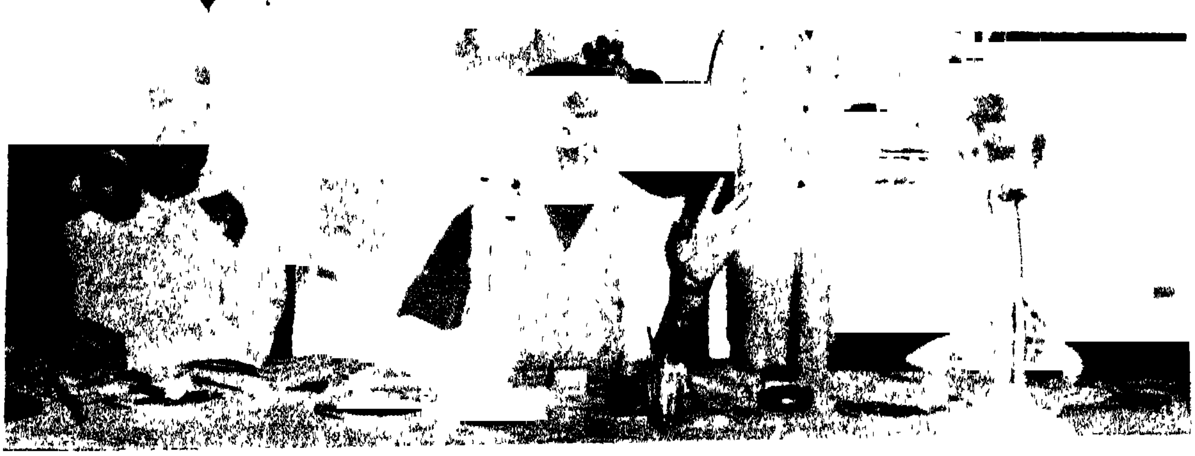


مسٹر الکزینڈر اسٹانک، قونصل جنرل یوگوسلاویہ اور مسٹر پیرک، ٹریڈ کمشنر نے ۲۵ر جنوری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ، بمبئی میں وزیر اعلیٰ شری ایس۔بی چوان سے ملاقات کی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

سفیر کوریا، مسٹر بی۔ ایس لی نے ۲ر فروری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ، بمبئی میں وزیر اعلیٰ شری ایس۔بی چوان سے ملاقات کی۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے۔



بمبئی میٹروپولیٹن ریجن ڈیولپ منٹ اتھارٹی کا اجلاس ۲۴ر جنوری ۷۷ء کو کارپوریشن ہال میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول اور شہری ترقیات نیز چیئرمین "بمرڈا" شری ایس۔جی گھولپ، نائب وزیر برائے آبپاشی اور شری منوہر جوشی میئر بمبئی نے بحث میں حصہ لیا۔ یہ اسی موقعہ کی تصویر ہے۔



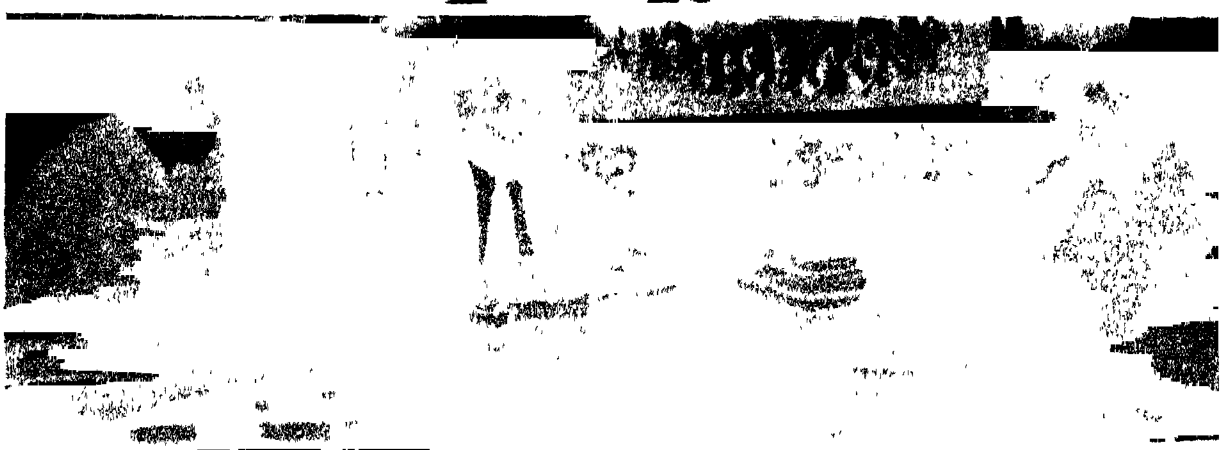


شری شام راؤ کدم وزیر مملکت برائے اطلاعات و تعلقات عامہ ۱۰ فروری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ میں ۲۵ نکاتی پروگرام پر آٹھ کتابچوں کا سیٹ وزیر اعلیٰ شری چوان کو پیش کرتے ہوئے۔ ←

دوسرے تنخواہ کمیشن کے چیرمین شری آر۔ آر بھولے اپنی رپورٹ ۱۶ فروری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ میں وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کو پیش کر رہے ہیں۔ ↓



شری ٹی سوامی ناتھن، چیف الیکشن کمشنر، ہند، ۱۴ فروری ۱۹۷۷ء کو منترالیہ میں چیف سکریٹری شری جے۔ بی۔ ڈیسوزا کے ساتھ ریاست میں آئندہ لوک سبھا انتخابات کے انتظامات کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔ چیف الیکٹورل افسر شری ایم سبرامنیم اور انسپکٹر جنرل آف پولیس شری، ای ایس، مودک بھی اس موقع پر حاضر تھے۔ ↓

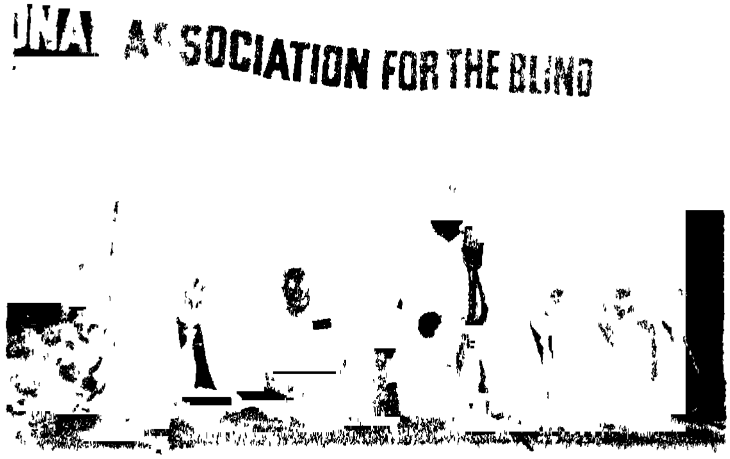




وزیر اعلیٰ، شری ستنکر راؤ چوان نے ۲۵ر جنوری ۷۷ء کو سر جے. جے اسکول آف آرٹ، بمبئی میں "۲۵ - نکاتی پروگرام - بابِ خوشحالی" نمائش کا افتتاح کیا. اس تصویر میں وزیر اعلیٰ اپنی اہلیہ شریمتی کسُم تائی چوان کے ساتھ نمائش دیکھ رہے ہیں.



وزیر اعلیٰ شری ستنکر راؤ چوان نے ۲ر فروری کو منترالیہ بمبئی میں ضابطۂ انتخابات پر غور کرنے کے لئے سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کی میٹنگ بلائی تھی. یہ اسی موقع کی تصویر ہے.

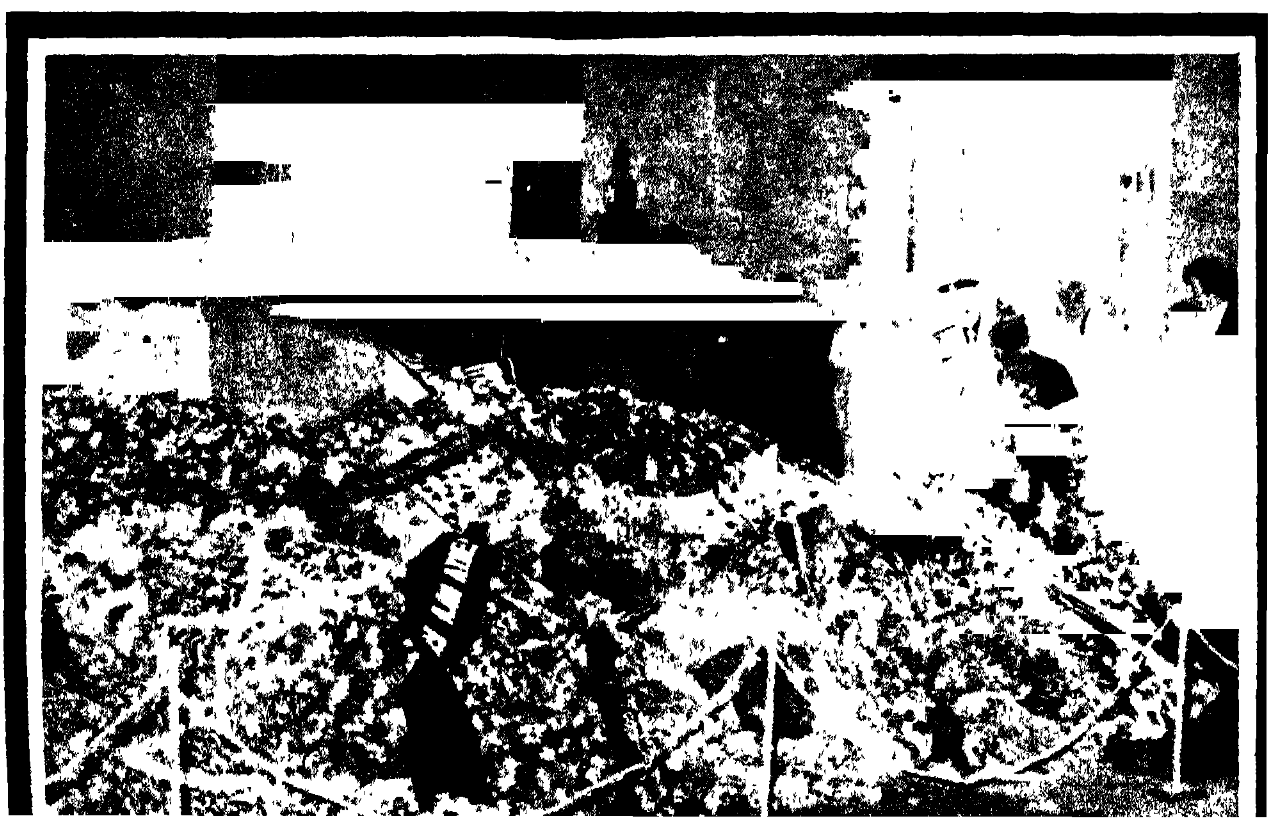


شری اے. ایس کستورے، وزیر سماجی بہبود ۲۲ر جنوری ۷۷ء کو برلا کریڑا کیندر، بمبئی میں نابینا اشخاص کی خدمت سے متعلق تیسری آل انڈیا کانفرنس کے اجلاس سے خطاب فرما رہے ہیں.

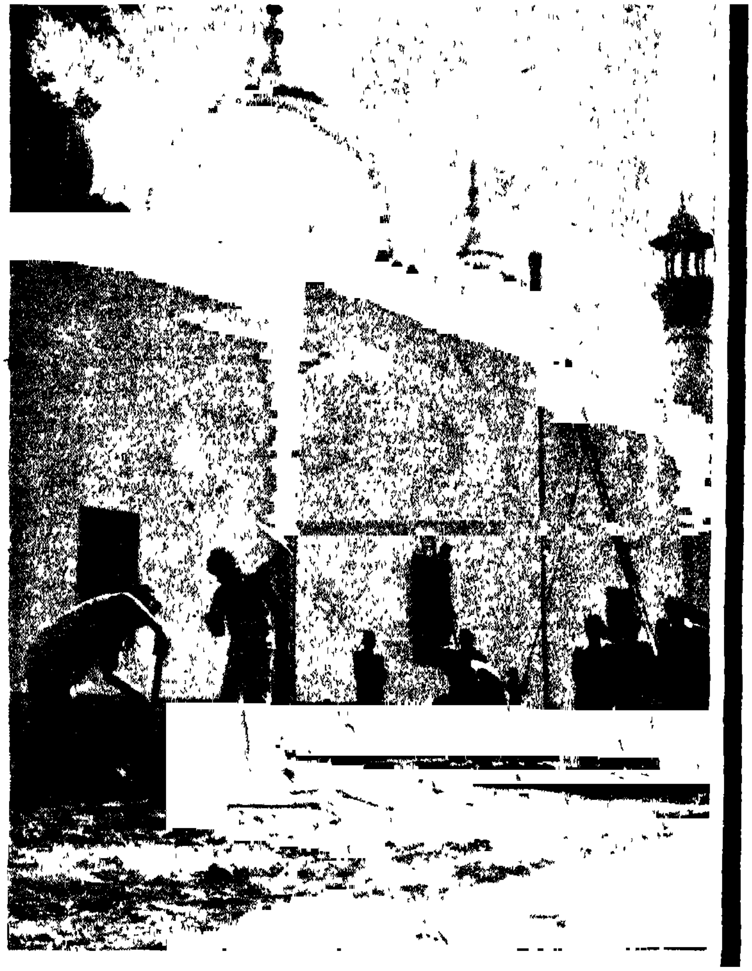


▲ ۔ نائب صدر شری بی۔ڈی جتی صدر شری احمد کی میت پر گلہائے عقیدت نذر کرتے ہوئے ۔●

▼ مسز لیلین کارٹر، والدہ محترمہ مسٹر جمی کارٹر، صدر امریکہ، گلہائے عقیدت نذر کرتے ہوئے ۔ اُن کے پیچھے صدر امریکہ کے فرزند مسٹر جیمس (چپ) سوگوار کھڑے ہیں۔



Licence No. 89 for without
prepayment of postage; 1-3-77
QAUMI RAJ : Regd. No. MH-BY-South-54

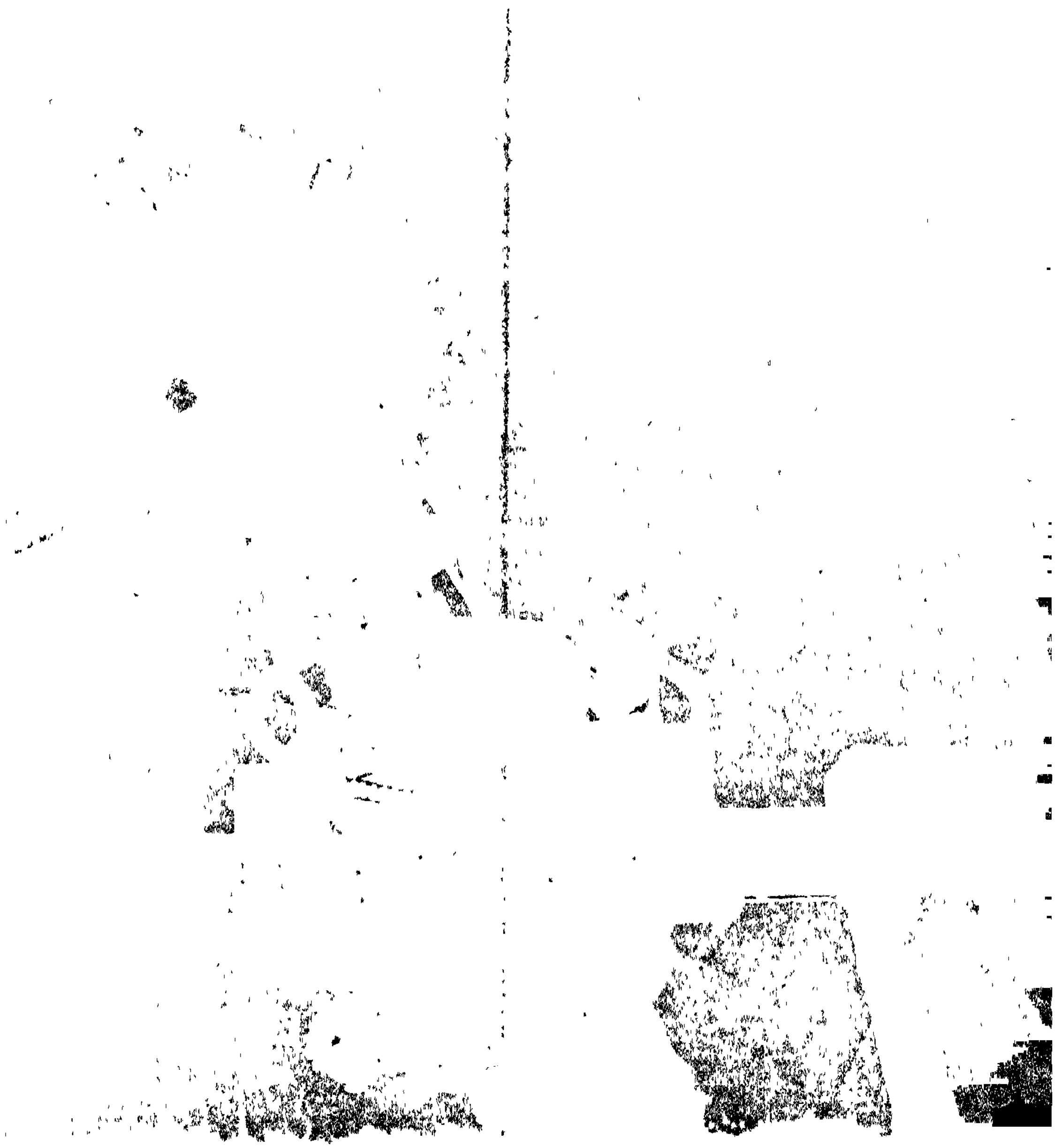


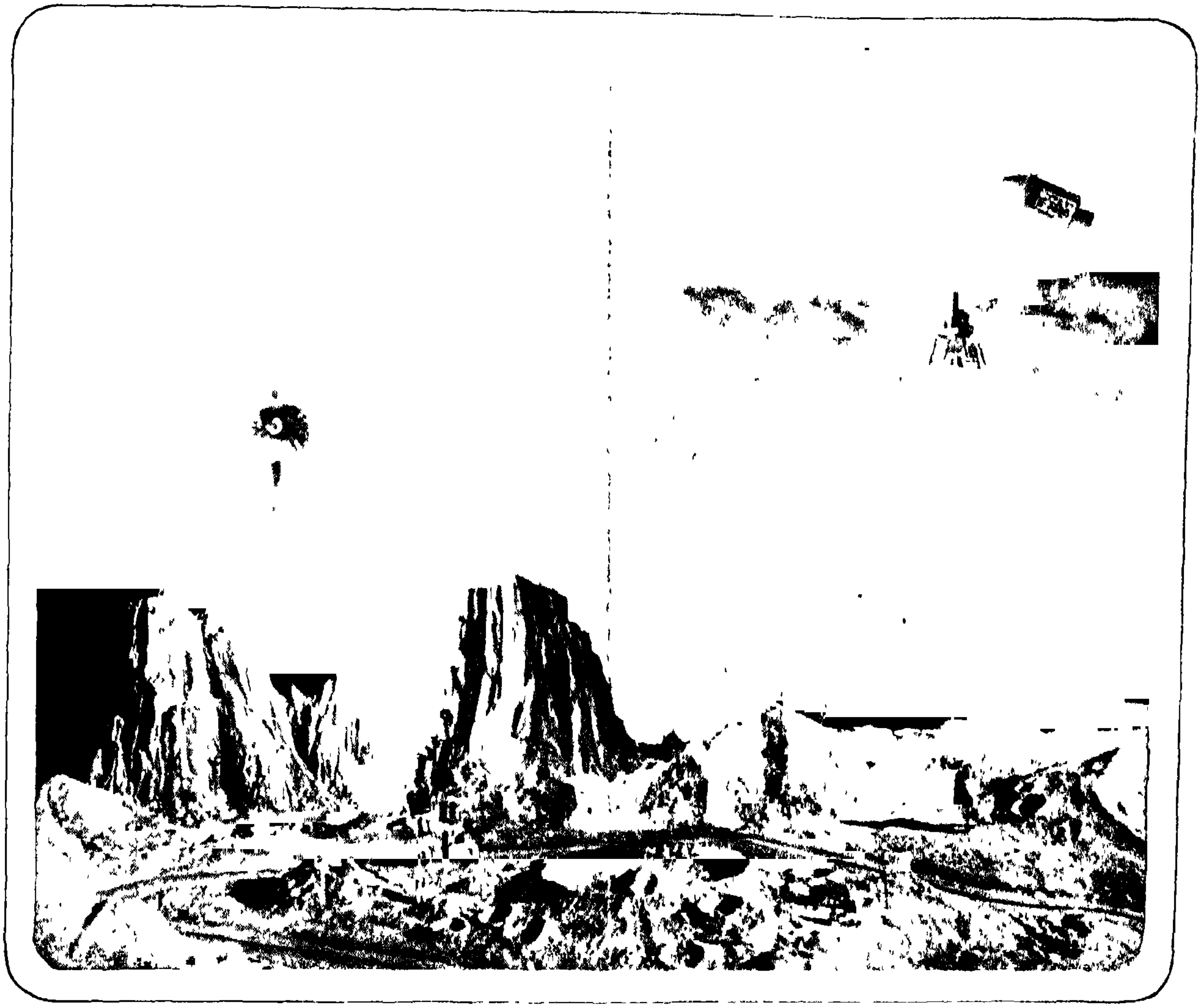
صدر احمد کی آخری آرامگاہ ۔ سبز گنبد
۔ جامع مسجد (نئی دہلی) اس تصویر میں
قبر کی تیاری کا ایک منظر ۔

(نیچے) وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی
تدفین کے بعد عقیدت کے آخری پھول
پیش کرتے ہوئے ۔



ڈائرکٹوریٹ جنرل
آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی





نظارۂ ماہتاب۔ چاند پر کھڑے ہوں تو یہ منظر سامنے ہوگا۔ امریکی "موُن روور" اور روسی "لونوخود" چاند کی سطح پر حرکت پذیر ہیں تین خلا باز چاند پر مٹی وغیرہ کھود رہے ہیں۔ سطح پر متعدد سائنسی تجربات جاری ہیں۔ "اپولو لونار لینڈر" کمانڈ موڈول سے جدا ہوکر سطح پر اتر نے والا ہے۔ ایک دم دائیں کرا۔ ے پر زمین ابھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

قومی راج

جلد ۷ ✻ ۱۲ر مارچ ۱۹۷۷ء ✻

قیمت: ۵۰ پیسے ✻ سالانہ: دس روپے

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب

بہترین خط پر انعام

محترم قارئین

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ "قومی راج" کے ایڈیٹر کے نام آپ کے خطوط پر انعام دیا جائے گا۔ انعام کی رقم ۲۵ روپے ہے جو بہترین اور خیال آفریں خط پر دی جائے گی۔ آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی خاص کالم یا مضمون وغیرہ پر تبصرہ کر کے اپنی مخلصانہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ یہ آپ کو کیوں پسند یا ناپسند ہے۔

اسی طرح آپ حکومت کی کسی بھی اسکیم پر بحث کر کے اپنا تعمیری مشورہ دے سکتے ہیں یا یہ بتا سکتے ہیں کہ اس کی عمل آوری میں کیا خامی ہے۔

خط ۳۰۰ سے زیادہ الفاظ کا نہ ہونا چاہئے اور اس پتے پر ارسال کیا جائے:

ایڈیٹر "قومی راج"، ۱۵-مالا، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بالمقابل منترالیہ، بمبئی ۳۲۔ ۴۰۰۰

سخنہائے گفتنی

ہمارا ملک سائنس اور ٹیکنیکل تعلیم میں صدیوں سے پیچھے رہا ہے جس کی تلافی اب اس طرح ہو رہی ہے کہ ان شعبوں میں نت نئے تجربات کئے جا رہے ہیں اور ان تجربات کی روشنی میں سائنسی ادارے قائم کئے جا رہے ہیں۔ قومی راج کے اس شمارے میں ایک خاص مضمون کا ذکر لازمی ہے اور وہ مضمون ہے "نہرو پلانیٹیریم" جو کہ حال ہی میں بمبئی میں بڑی کاوشوں کے بعد وجود میں آیا ہے۔ یہ مضمون یقیناً آپ کی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنے گا اور آپ پر بہت سی نئی باتیں روشن ہو جائیں گی جو ممکن ہے آج تک آپ کے علم میں نہ آئی ہوں۔

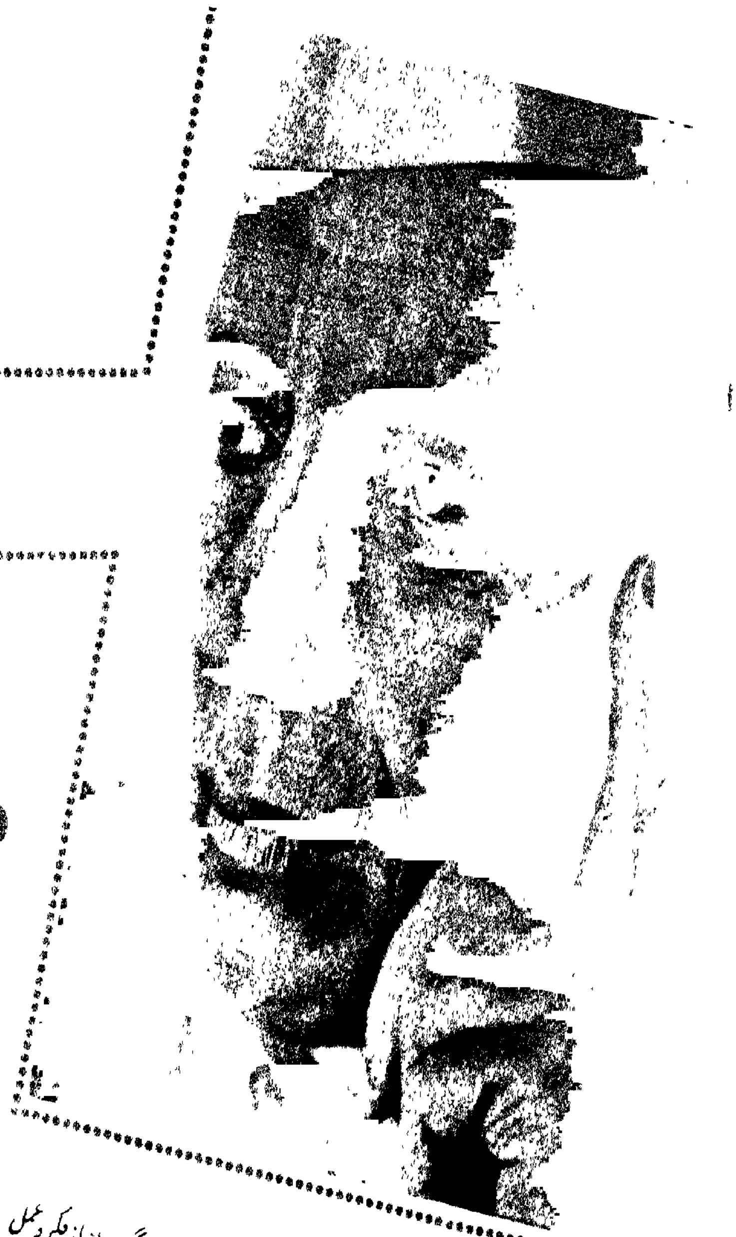
اردو کے عظیم و نامور کہانی کار کرشن چندر ۸ر مارچ کی صبح ۷ بجے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ کرشن چندر نے اپنی کہانیوں میں اپنے ماحول کی بے مثال عکاسی کی ہے۔ ان کا قلم ایک عام آدمی کے احساسات میں ڈوبی ہوئی کہانیاں تخلیق کرتا رہا۔ دنیائے ادب میں کرشن چندر کی موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر کرنا ممکن نہیں۔

کرشن چندر متواتر ۴۵ سال سے ادب کی خدمت میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اس عرصہ میں انھوں نے سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں جن میں ناول بھی ہیں۔ افسانوں اور طنزیہ مضامین کے مجموعے بھی ہیں۔ ان کی ہر تصنیف نے عوام کے دل موہ لئے۔

کرشن چندر یوں تو عارضۂ قلب میں مبتلا تھے مگر ۷ مارچ کو جو دورہ پڑا وہ انھیں زندگی سے دور اور موت کے قریب لیتا گیا۔ اسی روز انھیں بمبئی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ کچھ طبیعت سنبھلی عزیزوں کو زندگی کی رمق نظر آئی۔ بعد میں جو غفلت چھائی وہ ابدی ہی ثابت ہوئی۔

قومی راج نے اپنے آئندہ شمارے میں کرشن چندر کے بارے میں ملک کے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور دانشوروں کے تاثرات شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس ضمن میں قارئین سے درخواست ہے کہ اپنے تاثرات مختصراً روانہ کریں۔

خواجہ عبدالغفور



نہرا

مہاراشٹر زمانہ قدیم سے علوم فلکیات اور ریاضی میں بیش قیمت ورثہ کا مالک رہا ہے۔ بھاسکر۔ دوم ۱۱۱۴ء میں سرزمین مہاراشٹر ہی کے بجد بیڑ نامی مقام پر پیدا ہوئے تھے، جو اب معدوم ہے۔ لیکن یہ غالباً دولت آباد کے قریب واقع تھا۔ ان کے بعد سے مہاراشٹر میں کئی مشہور و معروف ماہرین فلکیات اور ریاضی داں مثلاً ایس۔ بی۔ دکشت اور لوکمانیہ بال گنگادھر تلک پیدا ہوئے۔ انھوں نے قدیم ہندوستانی علم فلکیات کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا اور ان علوم پر متعدد کتابیں لکھیں۔

"سائنسی لگاؤ اور جذبہ ہی دراصل صحیح طرز زندگی، انداز فکر و عمل اور انسان سے وابستگی کا طریقہ ہے اور ہونا چاہئے...... سائنسی جذبہ ہی وہ راہ ملتی ہے جس پر انسان کو سفر کرنا ہے۔ یہی آزاد انسان کا جذبہ ہے۔"

— انڈیا

از:- ڈاکٹر اروند بھٹناگر



اسکائی تھیٹر کے وسط
میں نصب زلیس یونیورسل پروجیکٹر میں
۱۲۰ سے زیادہ عینی پروجیکٹر ہیں جن سے
آسمان پر رات کا وہی سماں پیدا ہوتا ہے
جیسا کہ زمین کے کسی حصہ سے نظر آتا ہے۔

انیٹیریم - ایک چھوٹی سی کائنات



بمبئی میں نہرو پلانیٹیریم حال ہی میں عام لوگوں کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں کو بھی اس مسحورکن علم سے روشناس کرایا جائے۔ یہ خیال سب سے پہلے بمبئی ہی کے باشندے شری پی۔ جے پٹیل کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ انھوں نے ۱۹۴۴ء میں جبکہ وہ ۲۶ سال کے نوجوان تھے، ہیڈن پلانیٹیریم، نیویارک میں ایک فلکی نمائش دیکھی تھی۔ اس دلکش نمائش نے انھیں مسحور کر دیا اور سائنسی تعلیم کی اہمیت ان پر واضح ہوگئی۔ اسی وقت سے انھوں نے بچوں کے لئے بھی پلانیٹیریم قائم کرنے کی ٹھان لی اور اس کے لئے کوشاں رہے۔

نہرو سینٹر، بمبئی میں ہی پلانیٹیریم کے قیام کے لئے موزوں جگہ ہو سکتی تھی جو سابق وزیر اعلیٰ، شری وی۔ پی نائک، شری رجنی پٹیل اور بمبئی کے دیگر ممتاز شہریوں نے قائم کیا تھا۔ تاکہ سائنس، تہذیب و تمدن اور تاریخ کے فروغ کی خاطر پنڈت جواہر لال نہرو کے خیالات سے بچوں اور بڑوں سب ہی کو روشناس کیا جائے۔

سائنس کی جوت:

سینٹر کا ارادہ ہے کہ ورلی، بمبئی میں اس کے ۴۴ ہیکٹر میں پھیلے علاقہ کے اندر تخلیقی شعبہ جات قائم کئے جائیں جہاں ماہرین اور حوصلہ مند نوجوانوں



ڈاکٹر اروند بھٹناگر

کے لئے اپنے علم و ہنر کو بڑھانے کے بھرپور مواقع میسر ہوں۔ ریسرچ کی اہمیت کے پیش نظر یہاں ہر کام ریسرچ پر مبنی ہوگا۔ اس سلسلہ میں نہرو پلانیٹیریم پہلا شعبہ ہے، جس سے عام لوگوں خصوصاً ہمارے بچوں میں سائنس سے دلچسپی اور جستجو کا شوق پیدا ہوگا۔ اس سے فلکیات کی تمام شاخوں نیز خلائی سائنس میں بھی ریسرچ کو بڑھاوا ملے گا۔

بقول ہماری وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی:
"ہم چاہتے ہیں کہ سائنس کی جوت
سے ولولہ بیدار اور دماغ روشن ہو جائے۔"

عظیم الشان عمارت:

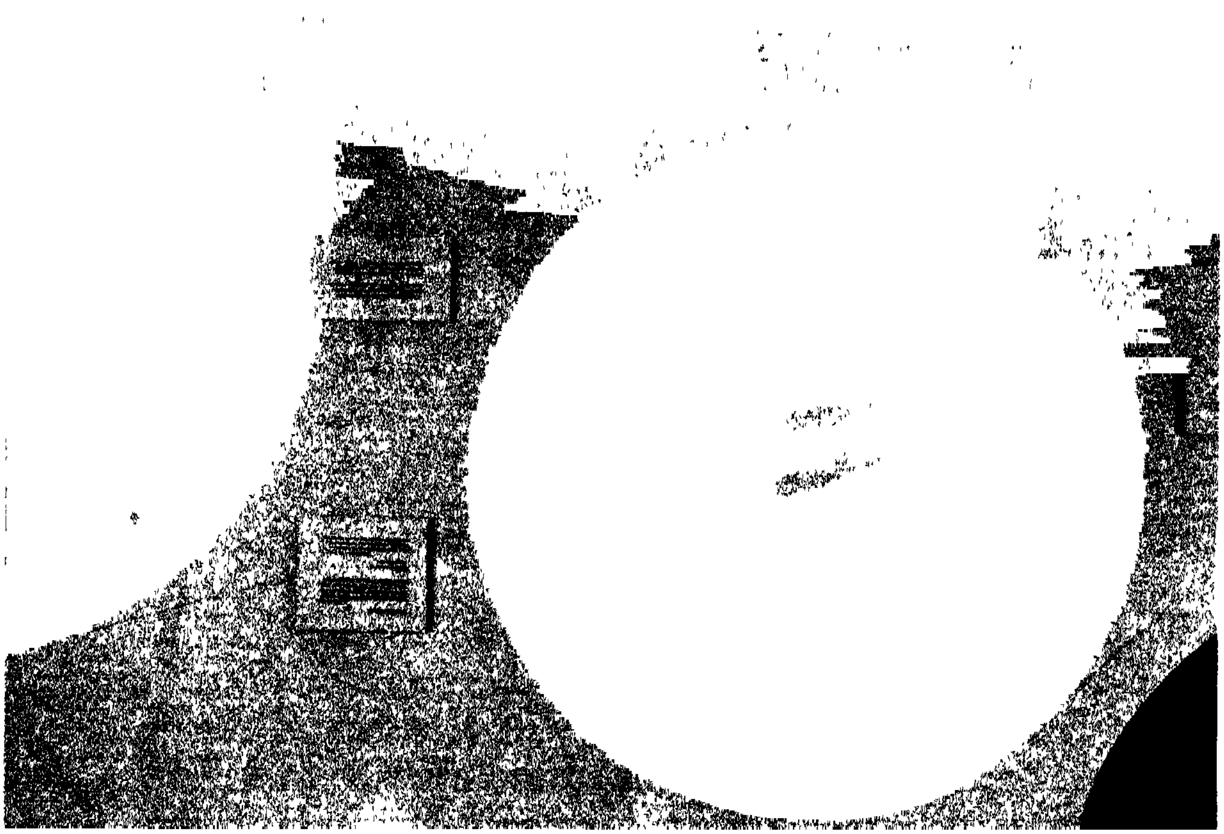
نہرو پلانیٹیریم کی عظیم الشان عمارت کی تعمیر ایک سال سے بھی کم مدت کے اندر مکمل ہوگئی۔ یہ عمارت جس کا تعمیری رقبہ ستر ہزار مربع فٹ سے زیادہ ہے۔ ۱۵۰ ٹن صلاحیت کے ایرکنڈیشننگ پلانٹ کے علاوہ ہر طرح کے مصنوعی آلات، سازوسامان اور ماڈل وغیرہ سے آراستہ ہے، اور اس میں ۵۸۰ سے زیادہ افراد کے لئے نشست کی گنجائش ہے۔ نہرو سینٹر نے بڑی لگن اور جوش وخروش سے یہ بے مثال کام انجام دیا اور ہند میں سب سے بڑا پلانیٹیریم وجود میں آیا۔

پلانیٹیریم کی عمارت سہ منزلہ ہے یعنی تہہ خانہ زیریں اور بالائی منزل۔ تہہ خانہ میں ایک بڑا لکچر ہال ہے جس میں تقریباً ۱۵۰ اشخاص کے لئے جگہ ہے۔ جماعتی مباحث کے لئے دو چھوٹے ہال ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں پلانیٹیریم اسٹاف کے لئے جگہ، لائبریری، ہابی ورکشاپ اور ایرکنڈیشننگ پلانٹ ہیں۔

فلکیاتی نمائش:

زیریں منزل فلکیاتی نمائش کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ گول ہال کے وسط میں سماوی نظام کا متحرک ماڈل ہے جس میں چھ ستارے (عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری اور زحل) مرکزی سورج کے گرد قدرتی تناسب رفتار سے گردش کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ اس ماڈل سے ستاروں کے تغیر اور گردش کو ظاہر کیا گیا ہے۔ نمائش ہال کی دیواروں پر سدیم (NEBULAE) اور کہکشاں کی رنگین تصاویر ہیں جن سے کائنات کا دلکش نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ایک سہ رخی متحرک ماڈل میں پہاڑ اور سمندر کے ساتھ چاند کا حسین منظر پیش کیا گیا ہے۔

نمائش ہال کے ایک اور بیش قیمت ماڈل میں چاند کے گرد و پیش جوالا مکھی پہاڑوں اور وادیوں کا منظر ہے جو چاند کی سطح سے نظر آتی ہیں۔ امریکی 'لونارووَر' روسی 'لونوخود' بھی سطح پر گھومتے اور 'اپولو' چاند پر اترتا دکھائی دیتا ہے۔



یہ تصویر نقشہ کائنات میں ہماری زمین کی نشان دہی کر رہی ہے۔ اقلیم سماوی آفتاب اور اس کے تمام سیاروں سمیت سمٹ کر ہماری کہکشاں کے مقابل چھوٹے نقطوں کی مانند بکھری ہے۔ ہمارے آفتاب کی طرح اربوں ستاروں بھری کہکشاں پورے سلسلۂ کائنات میں دیکھنے پر مدھم اور حقیر لگتی ہے۔ جہاں ہماری ہی طرح کے بے شمار نظام شمسی ہو سکتے ہیں۔ یہ علم کائنات ہماری انا کے لئے سبق آموز ہے۔

پانچ وزن کرنے والی مشینیں اس طرح لگائی گئی ہیں کہ ایک شخص سورج، چاند، مریخ یا مشتری پر اپنے وزن کا اندازہ کر سکتا ہے مثلاً چاند پر ایک شخص کا وزن زمین کے مقابلے میں ⅙ رہ جائے گا، جبکہ سورج پر اس کا وزن ۲۵ گنا ہو جائے گا۔ وزن میں یہ فرق سماوی واضح کشش ثقل کا نتیجہ ہے۔

مریخ کا نظارہ:

نمائش ہال میں ایک بڑی رنگین تصویر میں مریخ سیارے کا منظر دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر وائکنگ ۱ اور ۲ اور بحری خلائی رتھوں کے مشاہدات کی بنا پر بنائی گئی ہے اس میں مریخ کی سطح پر جوالا مکھی پہاڑ، خشک دریائی تلیٹی اور وادیاں دکھائی گئی ہیں۔ مریخ کی سرزمین اکسائڈ اثرات کی وجہ سے سرخ ہے اور آسمان ہلکا زرد۔ زمین کے مقابلے میں مریخ میں قلیل آب و ہوا ایسی نہیں جس میں کوئی جاندار زندہ رہ سکے۔ مریخ کے دو چاند یعنی فوبوس اور ڈیموس بھی دکھائے گئے ہیں جن کی سطح پر جگہ جگہ گڑھے پڑے ہیں۔

پہلی منزل پر چڑھتے ہی 'ملکی وے' یعنی کہکشاں کی وسیع رنگین تصویر سے اسکائی تھیٹر تک خلائی سفر کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلی

منزل پر جنوبی ہند میں واقع کوڈی کنال رصدگاہ کی دوربینوں کے ذریعے لی گئی بڑی بڑی تصاویر آفتاب نیز سہ رخی ترشہ آفتابی ماڈل ہے اس ماڈل (درمیانی صفحہ تصاویر ملاحظہ) میں سورج کا اندرونی حصہ دکھایا گیا ہے جہاں سے انرجی نکل کر شمسی سطح پر آتی ہے اور پھر ہم تک پہنچتی ہے۔ مرکز آفتاب میں انرجی ہر لمحہ پھٹنے والے ہزارہا ہائیڈروجن بموں کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور ہیلیم یعنی شفاف گیس بن جاتی ہے جو فضائے آفتاب میں پائی جاتی ہے۔ سورج کی سطح پر بڑے آفتابی داغ، شمسی شعاعیں اور شمسی گیس وغیرہ دکھائی گئی ہے جو سورج سے پھوٹتی ہے۔ بعض اوقات شمسی شعاع کا اثر زمین تک محسوس ہوتا ہے اور اس سے کبھی کبھی دور دراز ریڈیو مراسلات میں بھی خلل پڑتا ہے۔

ہوبہو آفتاب:

محض سماوی تصاویر اور ماڈل ہی سے لوگوں کے شوق تحقیق کی تسکین نہیں ہوسکتی لہٰذا چھت کے اوپر اصل آفتابی دوربین "سولر ٹیلس کوپ" نصب کی گئی ہے۔ پلانیٹیریم کی عمارت سے سورج کی روشنی پہلی منزل میں آتی ہے اور یہاں پر روشنی کا ایک حصہ ہوبہو سورج کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اس مثالی سورج پر اصل سیاہ داغ دھبے نظر آتے ہیں۔ روشنی کا ایک دوسرا جز ایک بڑے طیف پیما (SPECTRO-SCOPE) میں منتقل ہوتا ہے جس سے سفید روشنی مشہور و معروف دھنک یا اسپیکٹرم یعنی قوس و قزح میں پھوٹتی ہے۔ ان پر سیاہ خطوط سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ سورج میں کون کون سے عناصر موجود ہیں۔ نیز فضائے شمسی کا درجۂ حرارت، کثافت اور دباؤ گیا ہے۔

یہ سولر ٹیلس کوپ سورج اور ستاروں سے متعلق تعلیم دینے کا ایک دلچسپ اور موثر ذریعہ ہے۔ طلباء کے لئے یہ بڑی تعلیمی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہاں وہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں جو انھوں نے اپنی درسی کتابوں میں پڑھا ہے۔

سورج اور چاند گرہن

ایک اور دلچسپ اور متحرک ماڈل ہے جس میں سورج اور چاند گرہن واقع ہونے کے قدرتی اصول پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ زمین اور چاند اپنے محور پر مرکزی لیمپ یعنی سورج کے گرد گردش میں ہیں۔ اس گردش کے دوران جب چاند زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے تو سورج گرہن ہوتا ہے اور جب چاند پر زمین کا سایہ پڑتا ہے تو چاند گرہن واقع ہوتا ہے۔ یہ ماڈل خصوصاً بچوں کو گرہن کا اصول سمجھانے میں بڑا کارگر ہے اور وہ اس میں روشنی کے اثرات دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔

پلانیٹیریم کی مدد سے بڑی تعداد میں پروگرام تیار کرکے ہمارے نظام شمسی، سورج کے گرد سیاروں کی حرکت جیسا کہ زمین سے نظر آتی ہے۔ ستاروں کے پس منظر میں ان کی الٹی حرکت، سورج اور چاند گرہن کے اصول، دمدار ستاروں اور مصنوعی تابع سیاروں اور بہت سے مظاہرات قدرت کے بارے میں تعلیم دی جاسکتی ہے۔ جیسے عموماً کلاس روم کے لکچروں یا نصابی کتابوں سے سمجھنا مشکل ہے۔ اسی طرح پلانیٹیریم کے مظاہرات ہوابازوں اور جہازرانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی بڑا موثر ذریعہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کئی خلابازوں کو پلانیٹیریم پروجیکٹر استعمال کرکے خلا میں جہاز چلانے کی تربیت دی گئی۔

چند لمحات میں نظارۂ قدرت

پلانیٹیریم میں موسموں کی کیفیت قطبین سے نظر آنے والے آفتاب نصف شب اور سدا روشن اور اوجھل ستاروں کا دلکش نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ستاروں کے درمیان سورج کی بظاہر نقل و حرکت کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ وہ زمین سے سورج کے گرد زمین کی سالانہ گردش کے باعث نظر آتا ہے۔ شب میں تاروں بھرا آسمان حقیقی سماں پیش کرتا ہے۔ میٹروپولیٹین شہروں میں گرد و غبار، دھوئیں اور روشنی کے باعث ایسا سماں شاذونادر ہی نظر آتا ہے۔ مختصر یہ کہ نظام قدرت میں سماوی مظاہرات جو دنوں، سالوں یا ہزارہا برسوں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں پلانیٹیریم کے اندر چند لمحات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

نہرو پلانیٹیریم میں بیش قیمت زیس یونیورسل پلانیٹیریم پروجیکٹر اور دیگر متعدد پروجیکٹر مظاہرات قدرت کا یہ سب کرشمہ دکھاتے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

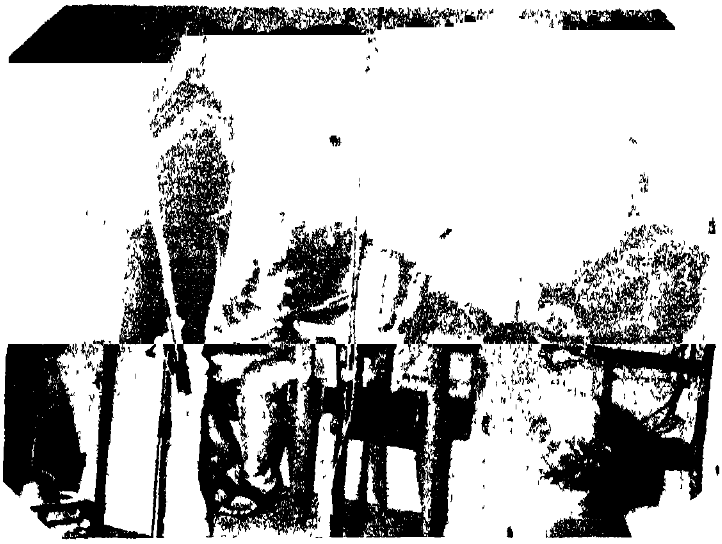
نہرو کی خواہش کی تکمیل

وقتاً فوقتاً ملک کے ہر گوشے سے طلباء اور ماہرین سب ہی کو دعوت دی جائے گی تاکہ وہ مباحث میں حصہ لیں اور ورکشاپ میں تجربات کریں۔ ہر طرح کے ساز و سامان سے آراستہ لائبریری، لکچر ہال اور ہابی سینٹر پر مشتمل یہ پلانیٹیریم ایسا مرکز ہے جہاں سے علم فلکیات اور خلائی سائنس کی روشنی پھیلے گی۔ اس طرح اس پلانیٹیریم سے نہرو جی کی وہ نیک خواہش بھی پوری ہوگی جو ان کے دل میں آرٹ اور سائنس کے ذریعہ انسانی زندگی کو خوش حال بنانے کے لئے موجزن تھی۔

●●

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی ۳ / مارچ کو
نہرو سینٹر ورلی (بمبئی) میں نہرو پلانیٹیریم کا
افتتاح کر رہی ہیں۔ وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ
چوان اور سابق وزیر اعلیٰ شری نائک تشریف فرما ہیں

→





افتتاح کے بعد وزیر اعظم نے پلانیٹیریم کا دورہ
کیا۔ سینٹر کے ایک شعبہ میں آپ ایک تصویر
بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی ہیں۔ وزیر اعلیٰ چوان
آپ کے ہمراہ ہیں

←

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو نہرو پلانیٹیریم
کا ایک ماڈل پیش کیا جا رہا ہے وزیر اعلیٰ
شری ایس۔ بی چوان اور سابق وزیر اعلیٰ شری
نائک بھی نظر آ رہے ہیں۔

→



مایہ ناز ادیب کرشن چندر

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا پیغامِ تعزیت

مایہ ناز ادیب شری کرشن چندر کی اہلیہ کے نام اپنے ایک تعزیتی خط میں شریمتی اندرا گاندھی نے فرمایا کہ ۔" شری کرشن چندر کی موت پر مجھے بے حد دکھ ہوا ہے۔ اُن کی انسانیت نوازی، ترقی پسندی، غریبوں سے ہمدردی اور اُردو زبان پر ان کی غیر معمولی قدرت نے انھیں اپنے وقت کا ایک عظیم ادیب بنا دیا تھا۔ انھوں نے ادب کو زندگی کے قریب کیا۔ وہ بڑے مخلص اور دانشمند تھے۔ ان کی موت ایک بڑا نقصان ہے۔ میری ہمدردیاں آپکے اور آپ کے خاندان کے افراد کے ساتھ ہیں۔"

"کرشن چندر امر ہیں!" ــــــ وزیر اعلیٰ چوان

شریمتی کرشن چندر کے نام اپنے تعزیتی پیغام میں وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ " مجھے آپ کے عظیم شوہر کی موت کی خبر سُن کر دلی رنج ہوا زندگی اور ادب کے لئے ان کا عطیہ اس پائے کا تھا اور ان کے بے شمار چاہنے والوں کی تعداد کو دیکھتے ہوئے اُن کی تعریف میں کہے گئے میرے الفاظ بہت حقیر معلوم ہوں گے۔ اس کی جو بھی اہمیت ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ میرے دل کی آواز ہے۔

حقیقت تو یہ ہے اور بہت ہی اہم ہے کہ کرشن چندر جیسے لوگ کبھی نہیں مرتے بس وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا جسے آپ کے شوہر نے مالا مال کیا ہے انھیں ہمیشہ یاد رکھے گی اور اسی خیال سے شاید آپ کو اور آپ کے خاندان کو اس دُکھ میں کچھ ڈھارس ملے گی۔ مرحوم کے لئے دلی عقیدت اور دعا کے ساتھ۔"

اُردو زبان کے لئے سب سے بڑا صدمہ ــــــ ڈاکٹر رفیق زکریا

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول و شہری ترقیات نیز چیرمین مہاراشٹرا اسٹیٹ اُردو اکادمی نے شری کرشن چندر کی اندوہناک موت پر مندرجہ ذیل پیغام تعزیت جاری کیا۔

" شری کرشن چندر کی موت کے باعث اُردو ادب ایک عظیم ہستی سے محروم ہو گیا ان کی ناولیں اور افسانوں نے اُن کی زندگی ہی میں عظیم مرتبہ حاصل کر لیا تھا اور انھیں دنیائے اُردو میں ہر جگہ بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ نہ صرف ملک کی مختلف زبانوں میں بلکہ غیر ملکی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ اس طرح انھیں عالمگیر شہرت ملی۔ ساری زندگی وہ اُردو زبان کی بقا کے لئے جنگ لڑتے رہے۔ چاہے جیسی بھی مشکل پیش آئی اُن کے قدم کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ آزادی کے بعد سے اُردو زبان نے جتنی بھی مصیبتیں جھیلی ہیں اُن میں اُن

کی رحلت سب سے زیادہ ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ ہماری دلی ہمدردیاں ان کے پسماندگان کے ساتھ ہیں۔

شریمتی پرتبھا پاٹل کا پیغامِ تعزیت

شریمتی پرتبھا پاٹل، وزیر برائے ثقافتی امور نے اُردو زبان کے عظیم ادیب شری کرشن چندر کی موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ آپ کے پیغام تعزیت کا متن حسب ذیل ہے:

" ممتاز ترقی پسند اُردو ادیب شری کرشن چندر کی اندوہناک موت کی خبر سنکر مجھے سخت صدمہ ہوا۔

آنجہانی شری کرشن چندر کی ترقی پسند تحریروں نے اُردو ادب کو نیا رنگ رُوپ دیا۔ ان کی تحریروں سے ترقی پسند ممالک ہندوستان کے قریب آئے اور قوم کے لئے ان کی خدمات ہندوستانی ادب، فنون لطیفہ اور ثقافت کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ اُردو زبان کے لاتعداد چاہنے والوں کے ساتھ میں بھی کرشن چندر کی موت کے اس غم میں شریک ہوں۔"

غزل

چراغِ شام تک کچھ صبح کی تنویر پہونچا دو
میں آئینہ ہوں مجھ تک وقت کی تصویر پہونچا دو

چٹانوں کی ہتھیلی پر اُبھر آئی ہیں ریکھائیں
جبیں تک شیش محلوں کی یہی تحریر پہونچا دو

وہ دورِ جنگ تھا مہندی رچی تھی دستِ نازک میں
یہ عہدِ امن ہے اب تو کوئی شمشیر پہونچا دو

چلا جاتا ہے ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے٭
وہ دیوانہ ہے اُس کے پاؤں تک زنجیر پہونچا دو

بڑے اُستاد بنتے ہیں ہمارے عہد کے غالب
چلو بیکل انھیں بھی کچھ کلامِ میر پہونچا دو

٭ اصغر گونڈوی کا مصرعہ

☆ بیکل اُتساہی بلرام پوری

اقبال اور کشمیر

(اسی عنوان کی زیرِ تصنیف کتاب یعنی اقبال اور کشمیر کا ایک غیر مطبوعہ باب)

جگن ناتھ آزاد - ریزیڈنسی روڈ، سرینگر، کشمیر

اپنے اس موضوع پر بحث شروع کرنے سے قبل یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اقبال اور کشمیر کا رشتہ ایک دو نہیں بلکہ کئی ابعاد کا حامل ہے۔ اقبال کے فکر و نظر نے کشمیر سے لیا بھی بہت کچھ اور کشمیر کو دیا بھی بہت کچھ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اہلِ کشمیر کے دلوں میں اقبال کے لئے جو عقیدت اور محبت کا جذبہ موجود ہے اس کا اظہار بھی لفظوں میں ممکن نہیں۔ کشمیر کے رسائل، اخبارات اور علمی، ادبی اور سماجی محفلوں پر ایک نظر ڈالنے سے بآسانی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ذکرِ اقبال اہلِ کشمیر کے لئے ایک موضوع نہیں بلکہ ایک تہذیبی اندازِ فکر اور ایک طرح کا رجحانِ طبع ہے۔ جس طرح اقبال کے لئے ذکرِ کشمیر ایک ذکرِ محبوب کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح اہلِ کشمیر کے لئے بھی ذکرِ اقبال ایک ذکرِ محبوب کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس حقیقت سے میں یوں تو خالی الذہن کبھی نہیں رہا تھا لیکن اس کا بھرپور اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے وزارتِ اطلاعات و نشریات کی زیرِ ہدایت کشمیر یونیورسٹی کے لئے اقبال نمائش مرتب کی۔ جس زمانے میں یہ نمائش تکمیل کی منزلوں میں تھی میرے دفتر کا وہ کمرہ جس میں بیٹھ کے میں یہ کام کیا کرتا تھا ایک طرح سے مرجعِ خاص و عام بنا ہوا تھا۔ اس نمائش کے ساتھ اخبارات کے مدیرانِ محترم کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ اس کام میں ہر دوسرے چوتھے روز جتنا اضافہ ہوتا تھا اس کے بارے میں پوری اطلاعات وہ اپنے قارئین کو دینے میں مسرت محسوس کرتے تھے اور جب یہ نمائش منعقد ہوئی تو اس کے متعلق مدتوں تک اخبارات میں اداریے اور تبصرے شائع ہوتے رہے اور جس انداز سے یہ اداریے، تبصرے اور خبریں شائع ہوئی تھیں اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کشمیر میں ایک قومی جشن منایا جا رہا ہے اور اہلِ کشمیر کو ایک دولتِ گم گشتہ ہاتھ آگئی ہے۔

شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے جو اس نمائش میں ایک مہمانِ خصوصی کے طور پر تشریف لائے تھے اپنی تقریر میں کہا:

"اقبال کی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل اس تصویری نمائش کی افتتاحی تقریب میں شرکت کرتے ہوئے مجھے ایک روحانی مسرت کا احساس ہو رہا ہے اور میرے ذہن میں اقبال کی ذات اور حیات سے وابستہ وہ تمام یادیں تازہ ہو رہی ہیں جن پر گردشِ ایام نے گرد جما کے انھیں دھندلا کر دیا تھا۔ پینتیس برس قبل اپنی موت سے دو ماہ پہلے انھوں نے لاہور میں اپنی قیام گاہ پر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سال ضرور کشمیر تشریف لائیں گے اور ہم نے ان کی آمد، اُن کے استقبال اور ان کے قیام کے لئے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے لیکن موت نے انھیں اپنا وعدہ نبھانے کی فرصت نہیں دی اور ہم اُن کی راہ دیکھتے ہی رہ گئے۔ آج ۳۵ برس بعد ان کے تصویری پیکر کا استقبال کرتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اقبال نے بالآخر اپنا وعدہ نبھا ہی لیا۔ وہ خود نہیں آسکے لیکن اپنی یادوں کی برات بھیج کر انھوں نے ہمارے دلوں میں یادوں کی کتنی ہی شمعیں فروزاں کر دی ہیں۔"

سید میر قاسم وزیرِ اعلیٰ جموں و کشمیر نے اپنے دلی جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی تصویروں اور تحریروں پر مبنی یادگار نمائش کی افتتاحی تقریب میں شرکت کا موقع ملنے پر مجھے بے انتہا

مسّرت ہے۔ یہ مسّرت اس احساس سے دوچند ہو رہی ہے کہ اس قابلِ فخر کارنامے کی ابتدا کشمیر ہی کی ولادیز سرزمین سے ہو رہی ہے۔"

محمد یوسف ٹینگ سیکریٹری کلچرل اکیڈیمی نے بھی اپنے خطبۂ استقبالیہ میں اقبال اور شمیر کے باہمی تعلق کا بھرپور انداز میں ذکر یا۔ انھوں نے کہا:

"اقبال کو سرزمینِ کشمیر سے جو نسبت اور کشمیر کی تحریکِ آزادی سے جو قربت رہی ہے اس کے پیشِ نظر اقبال کی زندگی، شخصیت اور فن کے مختلف گوشوں پر حاوی اس تصویری نمائش کو خاص اہمیت حاصل ہے جس کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لئے ہم سب عاشقانِ اقبال آج یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اقبال کے آبا و اجداد کشمیری تھے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اقبال نے "ہم گلے زخنابانِ جنتِ کشمیر" کہہ کر اپنے کشمیری نژاد ہونے پر فخر کیا ہے۔"

یہ اور دوسری تمام تقریریں جو اس موقع ی کی گئیں اس کتاب کے دوسرے حصے "اقبال ائش سرینگر" میں مکمل صورت میں شائع ی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں لطف کی بات ہے کہ اگرچہ یہ نمائش سرینگر کے بعد دہلی، لی گڑھ، حیدرآباد اور بھوپال میں بھی منعقد ۔ئی، لیکن اس کا ذکر آج بھی کہیں ہوتا ہے اسے "اقبال نمائش سری نگر" کہہ کے یاد یا جاتا ہے اور میرے لئے بھی یہ بات باعث سرت ہے کہ اقبال نمائش اس سرزمین ے ساتھ منسوب ہو کے رہ گئی ہے جہاں میں ے اپنی عمرِ عزیز کے آٹھ سال بسر کئے اور ہاں میں نے اس نمائش کا خاکہ بھی بنایا اور اسے اپنی تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود پایۂ تکمیل تک بھی پہنچایا۔

یہ اقبال کے ساتھ اہلِ کشمیر کے عشق کا ایک ہی پہلو ہے۔ اس کے علاوہ اس کے کتنے ہی پہلو اور کتنے ہی ابعاد ہیں۔ کشمیر کی سرزمین پر اقبال کے بارے میں جو کام ہوا ہے اس کی پوری تفصیل تو میرے سامنے نہیں لیکن جو کچھ بھی کام اس ضمن میں میری نظر سے گذرا ہے اس کے معیاری ہونے میں کلام نہیں۔ ڈاکٹر تاثیر مرحوم نے *Aspects of Iqbal* کا جو دیباچہ لکھا ہے وہ اقبالیات میں ایک مختصر سی تحریر ہونے کے باوجود اکثر کتابوں پر بھاری ہے۔ (ڈاکٹر تاثیر نے یہ دیباچہ کشمیر ہی میں لکھا) پرنسپل محمود احمد کا انگریزی ترجمہ "جاوید نامہ" ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح سے بشیر احمد ڈار کی تصنیف *Iqbal and Post-Kantian Voluntarism* کا جواب شاید مدتوں تک دنیائے ادب و فلسفہ میں پیدا نہ ہو سکے۔

اس بات چیت کو ختم کرنے سے قبل ایک واقعے کا بیان میں ضروری سمجھتا ہوں جو فقیر وحید الدین نے قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ فقیر صاحب لکھتے ہیں: "جناب ممتاز حسن فرماتے ہیں کہ ایک روز علاّمہ کی صحبت میں کشمیر کی سیاسی تحریک پر گفتگو ہو رہی تھی علامہ موصوف فرمانے لگے کہ:

"میں نے کشمیر کے متعلق جو نظم 'ساقی نامہ' نشاط باغ میں بیٹھ کر لکھی تھی اُس میں ریشم ساز کارخانوں اور کاریگروں کا ذکر بھی شامل تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ بعد میں کشمیر کی سیاسی تحریک وجود میں آئی تو اس کی ابتدا ایک ریشم کے کارخانے میں کاریگروں کی بغاوت سے ہوئی"

ممتاز حسن کہتے ہیں کہ علامہ کی شہرہ آفاق تصنیف "پیامِ مشرق" (جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی) کا نسخہ جس پر علامہ کے دستخط بھی ثبت ہیں میرے پاس موجود تھا۔ میں نے 'ساقی نامہ' کو غائر نظر سے دیکھا تو اس کے مندرجہ ذیل تین اشعار نے میرے دل میں علامہ کے اس ارشاد کی اہمیت میں اور اضافہ کر دیا ؎

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ
بُتے می تراشند ز سنگِ مزارے

بَرِیشم قبا خواجہ از محنتِ اُو
نصیبِ تنش جامۂ تار تارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

چنانچہ ممتاز حسن جب چند سال قبل "آزاد کشمیر" تشریف لے گئے تو انھوں نے مظفرآباد میں ایک معزز کشمیری ڈاکٹر عبدالواحد سے سوال کیا کہ کیا وہ تحریکِ کشمیر کے بالکل ابتدائی وجوہ اور اسباب پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟ اس پر انھوں نے ایک مفصل مضمون قلمبند کر کے ممتاز صاحب کو دیا جو ابھی تک ان کے پاس محفوظ ہے۔ مضمون کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ "پیامِ مشرق" کی اشاعت کے ایک سال بعد ۱۹۲۴ء میں اس تحریک کا آغاز ریشم کے کارخانے کے مزدوروں کی ہڑتال اور بغاوت سے ہُوا۔ حکومت نے احتجاج کرنے والے مزدوروں اور شہریوں پر گولی چلا دی، جس کے نتیجے میں بہت سے اشخاص ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ حالات پولیس کے قابو سے باہر ہو گئے تو فوج طلب کر لی گئی جس نے کشمیری عوام پر تشدد کیا۔ انجام کار یہ تحریک دبنے کے بجائے پھیلتی گئی اور کشمیری عوام میں خودداری کا احساس بیدار ہو گیا اور یہی وہ جذبہ تھا جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ

بقایا صفحہ ۲۶ پر

غزل

اِن شب کی ظلمتوں کو بھی شاید نہیں پتا
میں آخری چراغ ہوں سُورج کے شہر کا

بزمِ سکوتِ دل میں ہے ہلچل مچی ہوئی !
سارنگیاں ہیں کسی کے بدن کی غزل سرا

میری بیاض در در کو پڑھ کر بہت ہنسے !
تھا نام جن کا پہلے ورق پر لکھا ہوا

دیکھا عجیب خواب اَماوس کی رات نے
ہم چل رہے تھے چاند پر دونوں برہنہ پا

شعلوں کے ہاتھ تھے کہ ٹھٹھرتے چلے گئے
پھر برف کا لباس کسی نے پہن لیا

سونے کی طشتری میں سجا کر نہ پھول بھیج
یہ کھیل مجھ غریب سے دیکھا نہ جائے گا

اے دوست اس قدر بھی اکیلا کوئی نہ ہو
میں خود بھی اپنے ساتھ نہیں دوسرا تو کیا

کاغذ کی ناؤ آگ کے دریا میں ڈال دی
کیا جانے اور چاہتی کیا ہے تری اَنا

خوشبو کے خواب میں نہ ڈھلی زندگی مگر
چندن کی لکڑیوں سے جلانا مری چتا

اے پریم اور ڈھونڈ ابھی شاعری کا گھر
یہ آسماں تو تیرے سفر کی ہے ابتدا

پریم وار برٹنی
۱۱۶۹- سیکٹر ۸- سی. چنڈی گڑھ

بیگم عابدؔ احمد

اُردو اور جنگِ آزادی

ہمارے ملک کے نامور رہنماؤں مہاتما گاندھی، موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، دیش بندھو گپتا، حسرتؔ موہانی، ڈاکٹر راجندر پرشاد، آصف علی، لالہ لاجپت رائے وغیرہ اور دوسرے سبھی محبانِ وطن کی یہ اُمیدیں تھیں کہ ہمارا دیش ایک ایسا دیس بن سکے جو ایکتا، یک جہتی کی بہترین مثال ہو۔ ایسے موقع پر یہ غیر موزوں نہ ہوگا اگر میں اُردو کے لئے کچھ کہوں، کیونکہ اُردو ایکتا کی خود ایک مثال ہے۔

جنگِ آزادی میں اُردو کے ادیب اور شاعر کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ انھوں نے دُور سے بیٹھ کر زندگی کا تماشا نہیں دیکھا بلکہ جدوجہد میں خود بھی شریک ہوئے۔ مشاعروں میں حسن و عشق، گل و بلبل کا تذکرہ چھوڑ کر آزادی کے گیت الاپنے لگے۔ اور آزادی جیسی نعمت حاصل کرنے کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ صہبائی کو توپ کے ذریعے لقمۂ اجل بنایا گیا اور مولوی محمد باقر کو پھانسی دی گئی۔ منیرؔ شکوہ آبادی کو کالا پانی نصیب ہوا۔ مفتی صدرالدین آزردہ، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، اور نواب ضیاء الدین خاں نیرؔ نے قید و بند کی مصیبت اُٹھائی۔ اس کے علاوہ شبلیؔ، حالیؔ، اکبرؔ، چکبستؔ اور سرشارؔ کے قومی نغموں سے کون واقف نہیں۔

دراصل وہی شعراء قابلِ تحسین ہیں جو اپنے ماحول سے باخبر رہ کر اپنے احساسات دوسروں کے سامنے رکھتے ہیں اور سوئی ہوئی قوم میں بیداری لاتے ہیں۔ اُردو کا ذخیرہ ایسے کلام سے پُر ہے: اور یہ کہنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اُردو ہی نے ہمیں وہ پُراثر نعرہ عطا کیا جو ملک کے ہر ہر گوشے میں بلند ہوا اور گونجا۔ زبان اور علاقہ کی بندشوں سے آزاد رہا اور جو یک جہتی کی ایک زبردست مثال ہے یعنی "انقلاب زندہ باد" ایک ایسی زبان جو نسل و مذہب کا فرق دور کرتی ہے جو ایک دوسرے کو قریب لاتی ہے۔ اور خود سب سے مل جل کر پیدا ہوئی اس کو زندہ رکھنا ہم سب کا فرض ہے۔ یہ ہماری زبان ہے ہمارے پیارے ملک کی زبان ہے اور ہم سب کی توجہ کی مستحق ہے۔ پنڈت نہرو نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ:

"اُردو ہماری زبان ہے۔ اسے کچلا نہیں جا سکتا اور وہ ہمیشہ زندہ رہے گی۔"

سرکار نے بہت سی اسکیمیں اُردو کے فروغ کے لئے بنائی ہیں۔ ان کو کامیاب بنانا ہم سب پر لازم ہو جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے اور اُردو کے بہی خواہوں نے اپنا فرض ادا کیا تو ایک دن ؎

مل ہی جائیگی کبھی منزلِ لیلیٰ اقبالؔ
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر!

یوں تو آج ہر زبان میں شاعروں کا رواج ہوگیا ہے جو صحت مند معاشرہ کی عکاسی کرتے ہیں لیکن اُردو کے شعراء بہت پہلے سے انسانیت اور تہذیب کی خدمت کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کا کلام لافانی ہے ؎

باقی سخن سے نام سخن ور کا رہ گیا
اولاد سے جیا تو کوئی تین چار پشت
— میر انیسؔ

●●

آئینۂ محبت

★ حیات وارثی
باغ انوار۔ لکھنؤ-۳

جب طویل ہوتے ہیں انتظار کے سائے
کیوں سمٹنے لگتے ہیں اعتبار کے سائے

آئینہ محبت کا جب سے ہم نے توڑا ہے
ذہن پر مسلّط ہیں انتشار کے سائے

دھوپ بدگمانی کی سرد ہو گئی اتنی
اِس قدر گھنیرے ہیں اعتبار کے سائے

ڈوبتا ہوا سورج آئینہ دکھاتا ہے
عارضی ہیں اے یارو اقتدار کے سائے

ہم سے کیوں ہراساں ہے اب تمازتِ دوراں
جانے کب سے برہم ہیں زُلفِ یار کے سائے

یُوں خزاں رسیدوں کو مُسکرا کے مت دیکھو
مُستقل نہیں ہوتے یہ بہار کے سائے

قتل گاہِ ارماں تک لے حیات پھر چلئے
دل تلاش کرتا ہے پھر قرار کے سائے

غزل

★ صلاح الدین نیّر
۲۲-۲-۴۶۷ • بازار نورالامرا
حیدرآباد-۲۴

جُرمِ اُلفت کی سزا دانستہ دیتے جاتے ہیں لوگ
پیار کرتے ہیں مگر ملنے سے گھبراتے ہیں لوگ

دل شکستہ ہم ہیں، تم کو اس کا اندازہ نہیں
لمحہ لمحہ بن کے صدیوں تک بِکھر جاتے ہیں لوگ

بزمِ ساقی میں اگر چشمِ کرم خاموش ہو
اپنے آنسو اپنا دامن ساتھ لے جاتے ہیں لوگ

تہمتِ آوارگی جب میکدے میں عام ہو
زندگی کا زہر خاموشی سے پی جاتے ہیں لوگ

فاصلہ، قُربت کا اک بدلی ہوئی سی شکل ہے
دل گرفتہ رہ کے محفل سے کہاں جاتے ہیں لوگ

قیمتِ عرضِ ہُنر کی بات رہنے دیجئے
کوڑیوں کے مول میں بھی آج بِک جاتے ہیں لوگ

آپ کی چشمِ وفا کا فیض کم کم ہی سہی
رفتہ رفتہ روشنی کی زد میں آ جاتے ہیں لوگ

اس زمینِ سُرخ کی مٹی اُٹھا لاتے ہیں ہم
نقشِ پا اپنے جہاں بھی چھوڑ کر جاتے ہیں لوگ

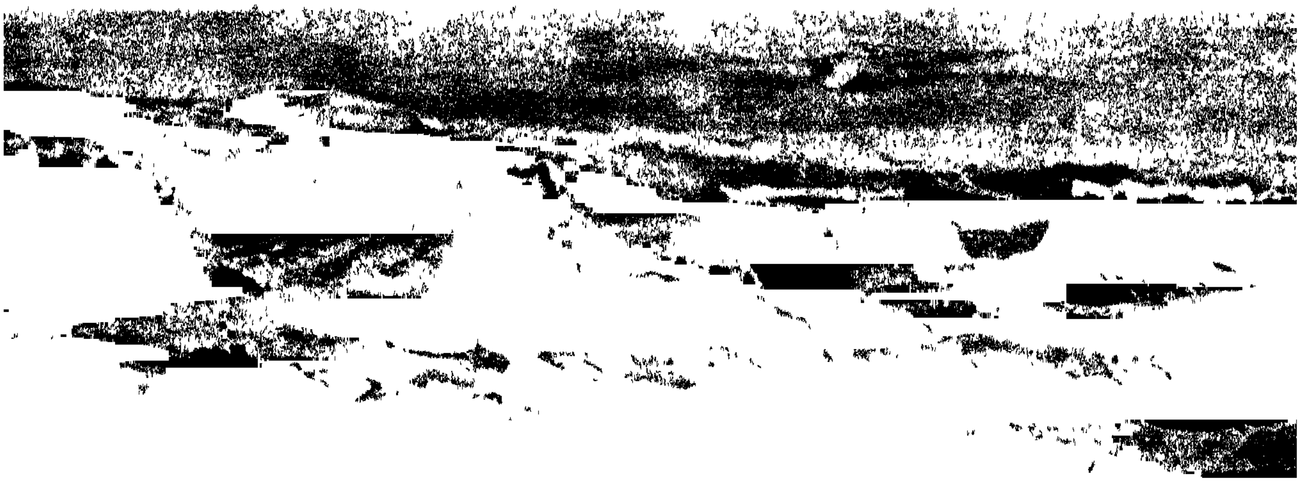
جانتے ہیں وہ بھی نیّر! کیا ہے تہذیبِ وفا
رُکتے رُکتے پاس آ کر پھر بھی گھبراتے ہیں لوگ



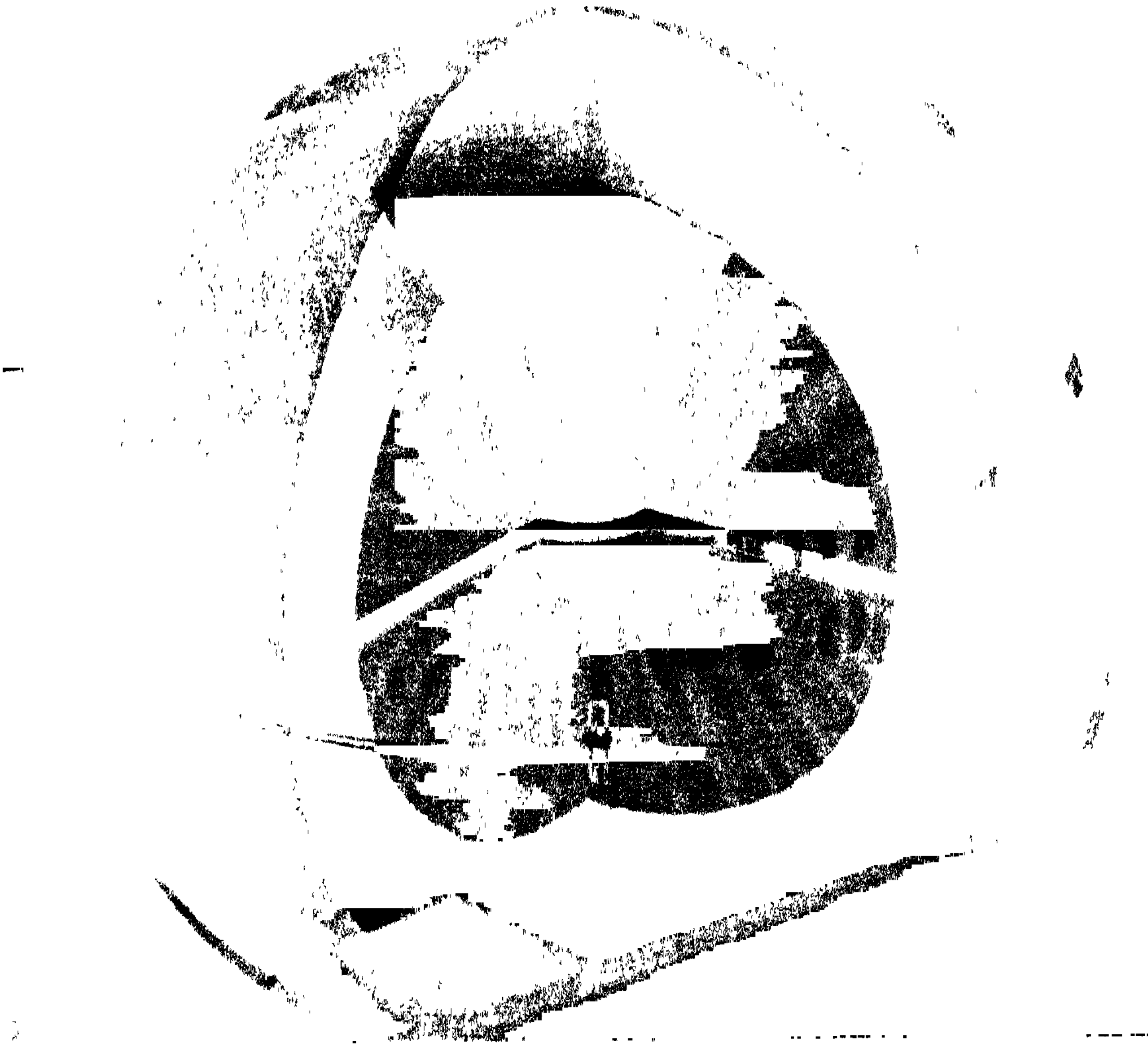
مشہور و معروف مصوّر ایم. ایف
حسین نے اس تصویر میں "گارودڑا" کی
دھارمک کہانی کی عکاسی کی ہے

نظارهٔ مریخ





نظارۂ مریخ: یہ حسین تصویر جے۔ جے اسکول آف آرٹس، بمبئی کے شری ہری ننگ جوشی نے ڈائرکٹر آف آرٹ پروفیسر بی۔ این سددیلکر کی زیرِ ہدایت وائیکنگ اوّل و دوم اور میرینر اسپیس کرافٹ کے مشاہدات کی روشنی میں تیار کی ہے۔ اس تصویر میں مریخ کی سطح پر جولا اٹھی خشک دریائی تلیٹیاں اور گہری وادیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بائیں طرف کونے میں "پیلی آندھی" اٹھی ہے اور "فوبوس" اور "ڈیموس" نامی مریخ کے دو چاند بھی دکھائی دیتے ہیں۔ مریخ کی سطح سُرخ ہے اور آسمان کا رنگ ہلکا زردی مائل۔



آفتابی ماڈل کے اس ترشے حصے میں قلبِ آفتاب دکھائی دیتا ہے جو ۰۰۰۰۰۰۰ درجہ ہا سینٹی گریڈ پر ہے اور جہاں سے تھرمونیوکلیر ردعمل سے انرجی یا قوت نکل کر ہم تک پہنچتی ہے حرارت و روشنی آفتاب کی مختلف پرتوں سے گذر کر سطح تک پہنچی ہے۔ آفتاب کی سطح پر شمسی سرد یا گیس اور داغ دکھائی دیتے ہیں۔

● خضر برنی
باٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ہندوستان کے پہلے تاریخ نویس ضیاءالدین برنی

ضیائے برنی جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے برن میں پیدا ہوئے جو آج بلند شہر کے نام سے موسوم ہے، دہلی سے تقریباً ۸۰ کلومیٹر، میرٹھ اور علی گڈھ کے مابین واقع ہے۔ آثار قدیمہ کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مقام کسی زمانے میں بودھوں کا مرکز رہا ہے۔ اسی ضلع کے قصبہ اَہار میں مشہور ہے کہ یہ راجدھانی راجہ بھیشمک جس کی بیٹی رکمنی دیوی سری کرشن کی پٹ رانی تھیں' پورانوں میں لکھا ہے کہ سری کرشن رکمنی جی کو امبکا دیوی کے مندر سے ہر لے گئے تھے' اس مندر کا نشان یہاں کے برہمن اَہار سے دو میل پورب کی طرف یاتریوں کو اب تک دکھاتے ہیں، سنسکرت کی کتابوں میں بنام کوسا مبھی مشہور ہے اور اس کھیڑے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشک کسی بڑے شہر کا ویرانہ ہے۔ بہرحال یہ کھیڑہ محققین کی تحقیقات کے لائق ہے، ایک روایت ہے کہ اہار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مقام پر راجہ جنمے جے نے سانپوں کی نسل نابود کرنے کے لئے یگ کیا تھا۔ سنسکرت میں سانپ کو آہ اور قتل کو ہار کہتے ہیں۔ اس واسطے موضع کا نام آہ ہار پڑ گیا۔ جو بعد کو کثرت استعمال سے آہار کہلایا۔ حالانکہ مستند کتابوں سے اس کی تائید نہیں ہوتی، لیکن ناگر برہمن یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ قصبہ اہار ہی وہ مقام ہے جہاں ان کے بزرگوں نے راجہ جنمے جے کو سانپوں کی یگ میں مدد دی، اور انعام و جاگیریں پائیں۔ چنانچہ اس بخشش و اکرام کے بعد ریاست کا مقام اہار سے اُٹھ کر اس مقام پر قائم ہوا جہاں اب بلند شہر واقع ہے۔ لچھمن پرشاد نے اپنی کتاب تاریخ برن میں اس کا تذکرہ کیا ہے، یہ قصبہ بلند شہر سے مشرق اور شمال کی طرف گنگا کے کنارے راست، بہ فاصلہ ۱۶ میل پر واقع ہے۔

ہندوستان اپنی بے پناہ خصوصیات کی بنا پر دوسرے ممالک میں اسی لئے ممتاز سمجھا جاتا ہے کہ اس کی اپنی تاریخ عظیم ہونے کے ساتھ ساتھ ہمہ صفات وہمہ رنگ ہے، اس کا قدیم تمدن، تاریخ، معاشرتی نظام، کھیتی باڑی، اور سادہ رہائش کے طور طریقے آج کے حالات کی مناسبت سے اچھے تصور کئے جاتے ہیں اگرچہ مغرب زدہ لوگ اپنی قدیم ڈگر کو بھولتے جا رہے ہیں، تاہم گوتم کی یہ دھرتی جس میں اشوک جیسے منصف مزاج حکمراں، عوام کی فلاح وبہبود کے لئے مشہور ہیں، نصف صدی قبل مستقبل شناس گاندھی جی نے کہا تھا کہ ہمیں روٹی، کپڑا اور رہائش کے ایک محدود ضابطہ کو اپنانا چاہیئے۔ ہمیں فضول خرچی اور بے کار نمائش سے گریز کرنا ہے۔ قومی یک جہتی کے علمبردار نے رُوحانی قدروں کے سانچے میں پیغام استحکام و بقا دیا تھا۔ ہمارا وطن ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں ہمہ رنگ گلوں کا انداز ہے۔ ہمارا چمن طرح طرح کے پھولوں سے لالہ زار ہے۔ ہمارے دلش میں ہمالہ کی برفانی چوٹیاں ہماری سرحدوں کی پاسباں ہیں، ہمارے گہرے نیلے ساگر ہماری پُربہار وادیوں کو سیراب کرنے کے ضامن بنے روانی کے ساتھ بہہ رہے ہیں، ہمارا جنت نظیر کشمیر ہماری خوبصورتی اور قدرتی مناظر کا شاہکار ہے، ہمارے دیدہ زیب اجنتا اور ایلورا، ہمارے پیار ومحبت کی جیتی جاگتی تصویر تاج محل' ہمارے خلوص کی غمازی کرتا ہے، ہمارا گنگا جمنی دوآبہ جس کے کنارے کنارے لہلہاتے مرغزار، باغات لہلہاتے کھیت تاریخی عظمت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اسی لئے ہندوستان کی تاریخ روشن اور تابناک ہے۔ ہماری اس تاریخی عظمت کو روشن کرنے والے پہلے ہندوستانی مورّخ ضیاءالدین برنی ہمارے لئے مشعل بطور اپنی کتاب بزبانِ فارسی (تاریخ فیروز شاہی) چھوڑ گئے ہیں جو قطب نما کی صورت ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ اپنے مطالعہ اور ذی علمی میں ضیائے برنی منفرد نظر آتے ہیں، وہ اپنی شہرت کے خاص مالک

تھے۔ ضیاء الدین برنی نے عہدِ مغلیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، موصوف کے والد موید الملک اور چچا علاء الملک بادشاہوں کے وزیر اور درباری رہے ہیں، ان کے والد موید الملک برن کے قاضی القضات کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے اور بجا طور پر صاحب حیثیت اور گرد و نواح میں ذی وقار شمار ہوتے تھے۔ آئینہ اکبری سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلند شہر اکبر کے دور میں ایک بڑے ضلع کا صدر مقام تھا۔ تاریخ فیروز شاہی، تاریخ فرشتہ، تاریخ ہند، تاریخ حقیقت تاریخ برن میں اس کی تفصیلات درج ہیں۔ کل رقبہ بلند شہر کا ۱۹۰۸ مربع میل ہے، پہلے اس کا نام بن چھتی، برن، بھراؤ نیا نگر، جو فارسی ترکیب سے بدل کر بلند شہر مشہور ہوا۔ بن چھتی کے حاکم پرمال نے اپنا قلعہ یہیں تعمیر کرایا۔ پرمال کے بعد راجہ اہیرن کے نام سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ راجہ سیاہ رنگ مثل ناگ ہوگا۔ راجہ اہیرن قوم تنور نے بن چھتی کے متصل شہر آباد کیا وہ اس کے نام پر 'برن' کہلایا۔ جواب بلند شہر کہلاتا ہے۔ اس کا خط استوا شمال کی طرف ۲۸ درجہ ۳ دقیقہ اور ۲۸ درجہ ۴۳ دقیقہ کے درمیان واقع ہے۔ ضلع احاطہ فورٹ ولیم کے غربی شمالی ضلعوں میں کمشنری میرٹھ سے متعلق ہے۔ ضلع علی گڑھ غربی حد دریائے جمنا اور شرقی دریائے گنگا ہیں۔ طول ضلع کا پورب پچھم اوسط ۵۵ میل اور عرض اُتر دکھن ۴۵ میل از روئے پیمائش بندوبستی۔

مشہور روایت ہے کہ محمود غزنوی کے نویں حملے سے تقریباً ۲۵ برس پہلے مہاراجہ دہلی نے ڈور راجپوتوں کو دوآبے کے مشرقی اطراف سے بلاکر اشتعال دی کہ برن کے حاکم کو بیدخل کر کے خود برن سے کول تک آباد ہوجائیں۔ اس اشتعال پر ڈوروں نے اس پر قبضہ کر لیا اور ہردت ڈور نے برن کے سواد میں بہت سے ویرانے، ایک تالاب اور تحصیل روڈ پر اپنے نام کے پتھر نصب کرائے۔ ۱۷۶ سال تک ہردت ڈور کے خاندان کا اس پر قبضہ رہا۔ اس زمانے میں دہلی کے حکمراں پرتھی راج تھے۔ ۱۱۹۳ء میں قطب الدین ایبک سپہ سالار سلطان شہاب الدین غوری نے جو بعد کو سلطان موصوف ہوا، قصبات کول، میرٹھ، بدایوں اور برن پر قبضہ کیا۔ برن کا راجہ اس وقت چندر سین ڈور تھا۔

تاریخ کے اوراق کی روشنی میں محمد بن قاسم کے زمانے سے لے کر شہاب الدین غوری اور دوسرے آتے جاتے رہے۔

ضیائے برنی سے قبل دو اور مورخ گذرے ہیں جنھوں نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی تاریخ لکھی ہے۔ صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری جو قطب الدین ایبک کے زمانے میں آیا تھا اور ۶۲۳ء میں اپنی کتاب تاج الذاکر تصنیف کی جس میں غوریوں اور سلاطین دہلی فتوحات التمش کے عہد درج ہیں۔ اس کے بعد ابو عمر منہاج الدین عثمان بن سراج الدین الجوزجانی ہوا۔ جس نے سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ایک عام تاریخ لکھی، جس میں ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کا حال ۱۲۵۹ء تک درج ہے دونوں مورخین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ہندوستانی نہیں تھے بلکہ باہر سے آئے تھے۔ حسن نظامی اور منہاج سے پہلے غزنویوں کے دور میں ہندوستان سے متعلق جن مورخوں نے لکھا تھا، وہ بھی ہندوستانی نہیں تھے، البیرونی متوفی ۱۰۴۸ء صاحب کتاب 'کتاب الہند' اور ابوالفضل متوفی ۱۰۷۷ء اور ابونصر عتبی متوفی ۱۰۲۹ء صاحب تاریخ یمینی وسط ایشیا کے رہنے والے تھے، ان لوگوں کا تعلق ہندوستانی تاریخ سے رہا لیکن مورخ کی حیثیت میں ہندوستانی نہیں ہیں۔

ضیائے برنی کا سال ولادت ۶۸۴ھ بعہد سلطان غیاث الدین ہوتا ہے۔ جائے پیدائش برن تھا۔ لیکن وہ اوائل عمر ہی اپنے والد کے ساتھ ملازمت شاہی میں ساتھ رہے۔ کیقباد کے عہد میں وہ غور دس سال تھے۔ جلال الدین خلجی کے عہد میں وہ سن بلوغ کو پہنچے۔ اور اسی عہد میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ یہ تو تحقیق نہیں کہ کن کن علوم سے بہرہ ور ہوئے تاہم اس قدر ذکر ضرور ہے کہ ان کے اساتذہ علامہ روزگار تھے۔ مغلوں کی یورش اور تسلط کی وجہ سے بلبن کے ہی عہد سے وسط ایشیا کے بڑے بڑے فضلائ، عالم اور ذی علم ہندوستان آنے لگے تھے۔ اور اکثر دہلی میں مقیم ہونے لگے تھے۔ برنی کی تعلیم علاء الدین کے عہد میں مکمل ہوئی۔ ضیائے برنی نے عہد جلالی کے حالات میں اپنے استاد ۴۶-۴۷ گنائے ہیں۔ ان میں سے مولانا افتخار الدین برنی، ضیاء الدین برنی کے ہموطن تھے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے سلاطین تیموریہ سے پہلے عہدِ علائی سے بڑھ کر کوئی زمانہ علمی و سیاسی حیثیت سے ممتاز نہیں رہا۔ لیکن اتفاق دیکھئے کہ ان دوروں کے دو سب سے بڑے فرماں روا علاء الدین خلجی اور جلال الدین اکبر قطعاً ناخواندہ تھے، تاہم ان دونوں کے عہد میں علمی و ادبی ترقیاں غیر معمولی حیثیت رکھتی ہیں۔ بلاشبہ ضیائے برنی کو تعلیم کے لئے اچھا زمانہ نصیب ہوا۔ ہر چند کہ ان کے خاندان میں پہلے ہی سے پڑھنے لکھنے کا رواج تھا۔ ان

کے والد اور چچا ہر لحاظ سے دہلی کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی تعلیم زیادہ تر مذہبی زاویۂ نگاہ کے پیش نظر ہوئی شاید اسی لئے علم تصوف کی چھاپ ان کے ذہن و مزاج میں حلول کر گئی اور وہ اگرچہ حلقۂ شاہی سے وابستہ تھے لیکن رحجان طبع درویشانہ تھی، وہ عام طور پر فقیروں، درویشوں اور صوفیائے کرام کی صحبتوں کو عزیز رکھتے تھے۔

ضیائے برنی کے والد موید الملک اور چچا علاء الملک مشہور وزراء شاہی گذرے ہیں۔ خود علاء الدین خلجی نے علاء الملک کو اپنے امراء کے روبرو وزیر زادہ بیان کیا، (صفحہ ۲۵۷ ف) ضیائے برنی لکھتے ہیں۔ "پدر ایں ضعیف شریف بُو" (صفحہ ۲۵ ف) ضیائے برنی کی ماں سید جلال کیتھلی کی بیٹی تھیں۔ ضیائے برنی کے والد مؤید الملک جلال الدین خلجی کے عہد میں اس کے منجھلے بیٹے ارکل خاں کے نائب تھے۔ ان کے والد کیلوکھری جہاں آجکل ہمایوں کا مقبرہ ہے ایک عالیشان مکان میں رہتے تھے۔

لچھمن پرشاد اپنی کتاب تاریخ برن میں لکھتے ہیں کہ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی کی شمع سے ہمیں راہ دکھائی ہے۔ ضیاء الدین برنی کی علم روحانیت کی پیاس نے شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے آستانے سے شربتِ رُوح حاصل کیا۔ حضرت نظام الدین کی خدمت میں آتے جاتے رہے بالآخر غیاث پور میں جہاں حضرت شیخ موصوف رہتے تھے سکونت پذیر ہوئے اور شیخ موصوف کے مقربین کہلائے۔

ضیائے برنی باوجود مذہبی اور صوفیانہ روِش کے شروع عمر بلوغت اور عہد جوانی میں نہایت آزادانہ زندگی پر گامزن رہے۔ اور وا۔ لملک کی رنگین صحبتوں، رقص و سرود کی محفلوں میں حصّہ لیتے اور بڑھاپے میں ان کی رنگینیاں یاد کرتے رہے جس کا ذکر انھوں نے کیا ہے۔ عہدِ جلالی اور عہدِ علائی کی عیش و عشرت بھری مجالِس، ساقیاں، ماہرو اور مطربانِ خوشنوا کا تذکرہ خوب سے خوب تر بیان کیا ہے۔

ایک موقع پر لکھا ہے کہ خود اس کے یہاں بہت سے کروفر والانشاط نوکر تھے اور جوانی خوب عیش و عشرت میں گذرتی تھی۔ انھوں نے خصوصیت کے ساتھ حضرت امیر خسرؒ اور حسَن علائی سنجری کے ساتھ اپنی دوستی کا تذکرہ بھی بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں برنی اپنے زمانے کے بہترین اشخاص سے دوستی پر فخر کرتا ہے۔ ضیائے برنی نے ۱۳۲۵ء میں محمد تغلق کے ساتھ اپنی لطافت طبع اور مہارت فن ندیمی کی بدولت ۱۷، ۱۸ برس صحبت میں گذارے۔ محمد تغلق بہت مہربان تھا، بہت اعتماد کرتا اور سلطنت کے پیچیدہ مسائل میں ان سے مشورہ لیتا۔ ایک دفعہ سلطان نے جبکہ اس پر گردش کا وقت آیا، چاروں طرف شورشیں اور بغاوتیں رونما ہوئیں، اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کیا جائے تو اس نے ضیاء الدین برنی کو رات کے پچھلے پہر بُلا کر مشورہ کیا۔

بادشاہ کے دریافت کرنے پر برنی نے تاریخ خسروی کے حوالے سے جمشید کا قول دُہرایا کہ سات موقعوں پر بادشاہوں کیلئے سیاست جائز ہے۔ اس فلسفۂ تعزیرات کو جمشید کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ خود ضیائے برنی کے زمانے کے فلسفۂ سیاست و تعزیرات کو ظاہر کرتا ہے۔

تاریخ فیروز شاہی کی تصنیف کے وقت فیروز شاہ کو تخت نشین ہوئے صرف چھ برس گذرے تھے۔ اگرچہ ضیائے برنی اس وقت بھی معتوبین شاہی تھے اور آخر وقت تک نہایت تنگی اور عسُرت کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن ایک جگہ اپنی کتاب پر فخر کرتے ہوئے اظہارِ مسرت بھی کیا ہے کہ بادشاہ کو تاریخ کا شوق ہے، لیکن چونکہ ناخوش ہیں کسی طرح فیروز شاہی ان کی نظر سے گذرنی چاہیئے۔ آخر میں ملک الامرا ملاں سلطانی نے جو فیروز شاہ کے بندگانِ خاص میں سے تھا۔ بادشاہ سے ضیائے برنی کی کچھ سفارش کی لیکن اس کا بھی کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ ضیائے برنی دنیا کے ان لوگوں میں سے تھے جو سخاوت اور عطاد بخشش کے خاص طور پر دلدادہ ہوتے ہیں سُلطان محمد تغلق نے اگرچہ بہت کچھ انعام و اکرام دیئے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کچھ بھی پس انداز نہیں کیا۔ میر خورد کے بیان سے بھی وضاحت ہوتی ہے کہ آخر ایام ضیائے برنی کے عسُرت و تنگی میں گذرے ہیں اور وہ دنیا سے کچھ تمنائیں لئے رخصت ہوگئے البتہ بادشاہ نے آخری ایام میں گزر اوقات کے لئے کچھ وظیفہ ضرور مقرر کر دیا تھا۔ (صفحہ ۲۱۲ سیر الاولیاء)

تاریخ کے موضوع اور مورّخ کے اُفق نظر کو اس طرح محدود کر دینے کی وجہ سے ضیائے برنی نے تاریخ کے دائرے کو بہت کچھ تنگ کر دیا ہے۔ وہ موضوعِ تاریخ کے اس صحیح تصورّ سے بہت دوُر ہے جو اس سے کچھ ہی عرصہ بعد ابن خلدون نے قائم کیا اور جس پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے وہ بجا طور پر فلسفۂ تاریخ کا امام مانا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں ابن خلدون سے بہتر کسی نے موضوعِ تاریخ کو صحیح طور پر متعین نہیں کیا ہے۔ اس نے تاریخ کی جو تعریف بیان کی ہے اس میں وسیع النظری کا ثبوت ملتا ہے۔ ابن

خلدون کے خیال میں تاریخ کا موضوع اجتماعِ انسانی نے وحشت کی حالت سے تمدن کی طرف ترقی کی ہے۔ کس طرح انسان نے جماعتیں بنائیں، کس طرح ان جماعتوں نے باہمی جنگ وجدل کے بعد ایک دوسرے پر غلبہ پایا، کس طرح مختلف انواع و مدارج کی حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہوئیں، کس طرح دورانِ تمدن میں مختلف قسم کے کاروبار وجود میں آئے اور علوم صنائع پیدا ہوئے الغرض نسل انسانی نے تمدن کے مختلف شعبوں میں قدم رکھا اور ترقیاں کیں۔

ضیائے برنی، عام مورخین کے اور ابن خلدون کے نقطۂ نظر میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر بجائے اجتماع انسانی کے افرادِ انسانی کو تاریخ کا موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ بجائے اجتماع انسانی کی تاریخ کے، افراد کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

طبقات ناصری کی تصنیف سے ایک صدی بعد تاریخ فیروز شاہی وجود میں آئی۔ اس دوران کوئی ایسا مصنف نہیں ہوا جو فی الواقع ہندوستان کی تاریخ لکھتا۔ ضیائے برنی کے بعد بھی برسوں تک کوئی مورخ نہیں ہوا!

ضیائے برنی کی رنگین بیانی، ادیبانہ پرواز اور شاعرانہ تخیل کا بہترین مرقع تاریخ فیروز شاہی کا وہ مقام ہے جہاں اس نے بلبن کے رنگیلے جانشین سلطان معزالدین کیقباد کی عیش پرستیوں کا نقشہ کھینچا ہے وہ خود اس عہد میں بچہ تھا اور سن شعور کو نہیں پہنچا تھا جو کچھ اس نے لکھا اس میں قوتِ متخیلہ سے کام لیا ہے۔

برن (بلند شہر) بقول لچھمن پرشاد مصنف تاریخ برن، ایسی بستی ہے جس میں تاریخ نویس کے علاوہ مجاہدین وطن ۱۸۰۶ء سے جنگِ آزادی کی سرگرمیوں میں نمایاں نظر آتے ہیں، روندے خاں اور ولی داد خاں آف مالاگڈھ جو بہادر شاہ ظفر کے سمبدھی تھے اور جن کے پاس بہادر شاہ ظفر کی ڈاک روزانہ گھوڑوں کی گاڑی میں آیا کرتی تھی جنھوں نے دست بدست انگریزوں سے جنگ کی۔ اور دورانِ جنگ' رانی جھانسی نے ان کی امداد کے لئے اپنا بریگیڈ بھی بھیجا تھا۔ میرٹھ بلند شہر اور آگرہ کے اطراف میں انگریزوں کی چھاؤنیاں پڑی تھیں اور مجاہدین آزادی برابر لڑ رہے تھے۔ اس لڑائی میں اس ضلع کے مشہور تعلقہ دار دریئس جو غالب کے ہمعصر اور تلمیذ رشید نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے بھی حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے ان کی تمام جائیداد جہانگیر آباد، ہرڈل (ہیلول) ضبط کرلی گئی تھی، اور بڑے عرصہ بعد واگذار ہوئی تھی۔ اس مختصر مگر پُر وقار خطہ برن کو تاریخ نے اپنے بطن میں جگہ دی ہے۔

ضیاءالدین برنی نے برن کا نام روشن کرکے اپنے نام کو چار چاند لگا لئے مگر خود اپنی ذات کے آخری لمحے نہایت تنگدستی میں گذارے۔ انتقال کے وقت ان کے پاس کچھ نہ نکلا۔ کیونکہ ایک اہل دل اور اہلِ فن حالات کا شکار رہا تو یہ کوئی نئی بات نہیں' ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

ضیائے برنی نے اپنی زندگی ہی میں' اپنے کپڑے، بستر اور دیگر ضروری سامان سب کچھ خیرات کردیا تھا۔ ان کی میت کو بوریہ میں لپیٹ کر حضرت امیر خسروؒ کے مزار کے بالکل سامنے دفن کردیا گیا۔

ان کے والد بھی سلطان المشائخ حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے قریب کسی جگہ مدفون ہیں۔ فیروز شاہی کی تصنیف کے وقت ان کی عمر ۷۴ برس تھی، وفات کا سن تحقیق نہیں ہوسکا اور نہ اس کا کہیں ذکر ہے۔ ان کی تصانیف میں ثنائے محمدیؐ، صلوٰۃ کبیر، عنایت نامہ، ماثر سادات، حسرت نامہ، امیرالاولیاء، اور تاریخ برمک مشہور ہیں۔ اور سب سے زیادہ مشہور کتاب بزبانِ فارسی فیروز شاہی' جس کی بدولت ان کا نام رہتی دنیا تک تابندہ اور درخشاں رہے گا۔ شاید اسی لئے شہنشاہِ وقت بھی انھیں ایک باخبر مورخ کی حیثیت سے دیکھتے رہے۔

●●

قلمی معاونین سے گزارش

ہے کہ تخلیقات کے خاتمے پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ، کوڈ نمبر کے ساتھ تحریر کریں قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں ناطلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

قومی راج میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے۔

غزل

کتنی پلکوں کی نمی مانگ کے لائی ہوگی !
پیاس تب پھول کی شبنم نے بجھائی ہوگی

یہ ستارا جو گرا ٹوٹ کے اونچائی سے
کسی ذرّے کی ہنسی اُس نے اُڑائی ہوگی

ہم نے کچھ تم کو کہا ہو تو زباں جل جائے
کسی دشمن نے یہ افواہ اُڑائی ہوگی !

ہاتھ پھیلے ہیں سویرے کی دعاؤں کے لئے
دیکھئے کب ان اندھیروں سے رہائی ہوگی

ہم تو آہٹ کے بھروسے پہ سحر تک پہنچے
رات بھر آپ کو بھی نیند نہ آئی ہوگی !

جتنی اب سُرخ لہو سے ہے چمن کی مٹی !
اتنی شہلاؤں نے مہندی نہ لگائی ہوگی

جلتے گھر دیکھ کے کہتے رہے اچھے شہری
شہر والوں نے یہاں آگ لگائی ہوگی !

آندھیاں ہیں کہ مچلتی ہی چلی آتی ہیں
کسی مُفلس نے کوئی شمع جلائی ہوگی

پھر کس اُمید پہ طے ہوگا یہ تاریک سفر!
مشعلوں میں بھی اگر آگ پرائی ہوگی

نم اندھیروں کے وہ گھر بھی ہیں یہاں اے تسنیم
جہاں بھولے سے کبھی دُھوپ نہ آئی ہوگی

* تسنیم فاروقی
باغ قاضی، لکھنؤ۳
(یو.پی)



"بچّوں کو سمجھدار اور روشن خیال شہری بنایئے"

— پروفیسر نورالحسن کی مدرسین سے گذارش

پروفیسر سید نورالحسن، مرکزی وزیر برائے تعلیم، سماجی بہبود اور ثقافتی امور نے یہ خیال ظاہر کیا کہ بچّوں کو تعلیم دیتے وقت مدرسین کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ وہ صحیح تربیت پائیں اور بڑے ہو کر سمجھ دار اور روشن خیال شہری بنیں۔

وزیر موصوف ۲۵ فروری کو دکھر دلی (بمبئی) میں آل انڈیا ٹیچرس کانفرنس کا افتتاح فرما رہے تھے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ سماجی و معاشی مسائل کے مدنظر اسکولوں میں متعلقہ عمر کے بچوں کو نصابی تعلیم کے ساتھ مناسب عام تعلیم دینا بھی ضروری ہے۔ مزید برآں ہر مدرس کو چاہیئے کہ بچوں کے علاوہ رضاکارانہ طور پر ہر سال کم از کم پانچ بالغ افراد کو تعلیم دے۔

ملک میں تعلیم کی ترقی پر نظر ڈالتے ہوئے وزیر موصوف نے بتایا کہ حصول آزادی کے وقت ہمارے اسکولوں میں بچوں کی تعداد ایک سو دس لاکھ تھی جو ۱۱ ـ ۶ عمر ـ زمرے کا ۳۵ فیصد ہوتا ہے۔ ۷۷ ـ ۱۹۷۶ء میں داخل بچوں کی تعداد ۶۸۵ لاکھ اور فیصد لگ بھگ ۸۶ تک پہنچ گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ۷۹ ـ ۱۹۷۸ء کے لئے نشانہ ۷۱۷ لاکھ اور ۹۶ فیصد کا ہے۔ تمام ریاستی حکومتوں کو پلاننگ کمیشن نے یہ یقین دلایا ہے کہ اسکولی نظام تعلیم کی توسیع میں ان کی ہر طرح اعانت کی جائے گی اور ان کی ضرورت پوری کی جائے گی۔

شری حسن نے مزید فرمایا کہ تعلیم کی قومی پالیسی قرارداد میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ مدرسین کو سماج میں ان کے شایان معزز جگہ دی جائے۔ اس مقصد کے مدنظر مرکزی حکومت کا ارادہ ہے کہ ان کے لئے ریاستوں کے صلاح مشورے سے کافی تحفظاتی اور بہبودی اقدامات کئے جائیں۔

شری ڈی۔ پی یادو، مرکزی نائب وزیر تعلیم نے تقریب کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ نے اپنی تقریر میں سماجی اصلاحات میں مدرسین کے کردار پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ آزادی کے بعد سے تعلیم کا سالانہ بجٹ ۸۰ کروڑ روپے سے بڑھ کر ۲۰۵۰ کروڑ روپے تک پہنچ گیا ہے۔ اس سے قوم کی ترقی میں تعلیم کی اہمیت بخوبی واضح ہوتی ہے۔

شری شنکر راؤ چوان، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر اور صدر استقبالیہ کمیٹی نے اپنی تقریر میں ریاستی حکومت کی جانب سے آل انڈیا ٹیچرس فیڈریشن کے لئے ۱ لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا نیز



مرکزی وزیر تعلیم، پروفیسر نورالحسن آل انڈیا ٹیچرس کانفرنس کا افتتاح فرما رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان آپ کے بازو میں تشریف فرما ہیں۔

کانفرنس کے لئے مساوی عطیہ دینے پر مرکز کا شکریہ ادا کیا۔ وزیر اعلیٰ کی تقریر شریمتی پربھا راؤ وزیر تعلیم نے پڑھ کر سُنائی تھی۔

'دلت متروں' کی حوصلہ افزائی

حال ہی میں ناگپور میں شری ایس۔ کے وانکھیڈے، اسپیکر ریاستی اسمبلی کے ہاتھوں ریاست کے تیس ۳۰ سماجی کارکنوں کو بطور 'دلت متر' ایک سرٹیفکیٹ، ناریل اور نقد مبلغ ۱۰۰۱ روپے کے انعام سے نوازا گیا۔ اس موقع پر شری وانکھیڈے نے فرمایا کہ پسماندہ اور کمزور طبقات کے مسائل مسلسل کوششوں ہی سے حل کئے جاسکیں گے۔

شری اے۔ ایس کستورے، وزیر سماجی بہبود نے مطلع کیا کہ ۱۹۷۸ء سے ایسے انعامات دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے اور اب تک ریاست میں ۱۵۰ سماجی کارکنوں کو اعزاز دیا جاچکا ہے۔

شری بی۔ این مکیجا، ڈائرکٹر آف سوشیل ویلفیئر نے شکریہ ادا کیا۔

جانوروں کی بیماریوں کیلئے ٹیکہ پلانٹ کا افتتاح

شری پی۔ کے ساونت، وزیر صنعت نے ۲ مارچ کو ملنڈ (بمبئی) میں مشہور زمانہ ہوچسٹ فارماسیٹیکل لمیٹڈ کے قائم کردہ پلانٹ "بہرنگ انسٹی ٹیوٹ" کا افتتاح کیا جس میں ایسے ٹیکے (ویکسین) تیار کئے جائیں گے جو جانوروں کے پاؤں اور منہ کی بیماریوں کی روک تھام کرسکیں گے۔

اُمید ہے کہ یہ پلانٹ روزانہ ایک کروڑ خوراک تیار کرے گا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری ساونت نے فرمایا کہ ہندوستان کی معیشت خاص طور پر زراعت پر مبنی ہے اور فی الحال آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ کاشتکاری پر انحصار رکھتا ہے۔

پیداوار میں اضافے کے لئے انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ کاشتکاروں کو بہتر آلات اور جدید معلومات سے روشناس کرایا جائے۔

اس نئی دوا کی وجہ سے اُمید ہے کہ سالانہ ۴۰ کروڑ روپے کی بچت ہوسکے گی جو کہ جانوروں کی افزائش نسل میں کمی، بیلوں میں کام کرنے کی قوت میں کمی اور دودھ سُوکھ جانے وغیرہ کی وجہ سے ضائع جاتے تھے۔ اس طرح یہ دوا ہماری دیہی معیشت میں اہم رول ادا کرے گی۔

وزیر صنعت نے بڑے پیمانے کی صنعتوں سے اپیل کی کہ وہ ریاست کے دیہی علاقوں میں صنعتیں قائم کرنے کے لئے اپنے وسیع ذرائع استعمال کریں۔

انھوں نے یقین دلایا کہ اگر یہ صنعتیں مقامی لوگوں کی صلاحیت کو پوری طرح سے استعمال کریں تو ان کو قطعۂ اراضی اور پانی وغیرہ جیسی تمام بنیادی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

اس سے قبل ہوچسٹ فارماسیٹیکل لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائرکٹر شری ڈی. کران نے مہمانوں کا استقبال کیا اور ڈاکٹر ایچ. ہیمش، ڈپٹی مینجنگ ڈائرکٹر (ٹکنیکل) نے شکریہ ادا کیا۔

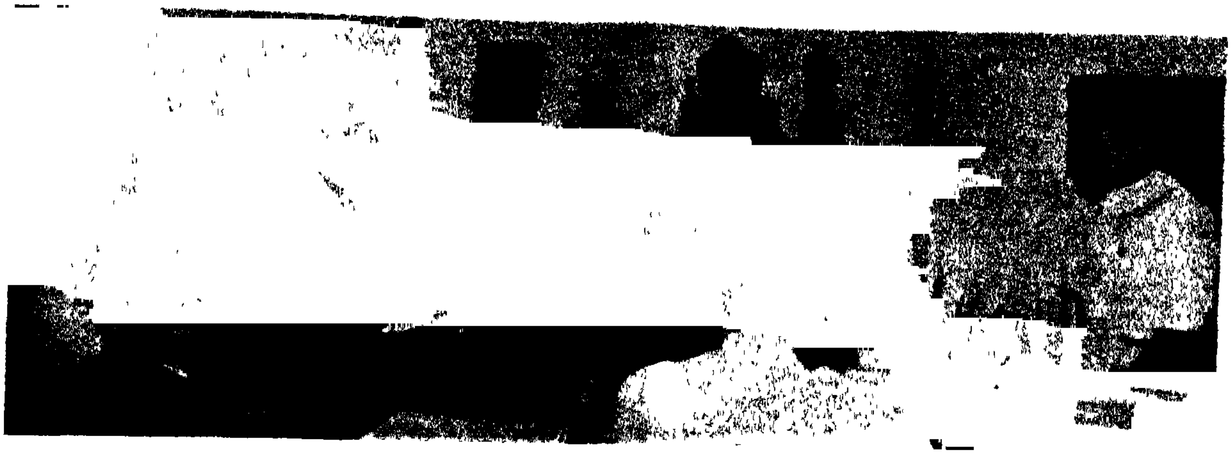


شری ایس. کے وانکھیڈے، سماجی کارکن شریمتی گیتا بائی بھاؤ راؤ گائیکواڑ کو 'دلت متر' پدوی دیتے ہوئے۔

معذوروں کے لئے اسپورٹس مقابلے

معذور اشخاص کے لئے 'ورلڈ ڈے' تقریبات کے سلسلہ میں، ۷ فروری کو برابورن اسٹیڈیم (بمبئی) میں چار روزہ اتھلیٹک اسپورٹس اور تیراکی مقابلے اختتام پذیر ہوئے۔

اس موقع پر منعقدہ اختتامی تقریب میں شری رجنی پٹیل نے معذوروں کے لئے اس قسم کے مقابلوں کا اہتمام کرنے پر منتظمین کی ستائش کی اور فرمایا کہ اس مقابلے میں حصہ لینے والے معذور اشخاص کے مظاہرے سے بہت متاثر ہوا۔ انھوں نے ایسے نیک کاموں میں معذوروں کے لئے یکساں مواقع فراہم کرنے کی خاطر نیشنل سوسائٹی کو بھرپور



امداد کا یقین دلایا

شریمتی بکول پٹیل نے انعام جیتنے والوں کو انعامات تقسیم کئے۔ ریاست بھر سے ۱,۶۰۰ اشخاص نے ان مقابلوں میں حصہ لیا تھا۔

شری و جے مرچنٹ، سوسائٹی کے صدر نے شکریہ ادا کیا۔

کل ہند بیڈمنٹن مقابلہ
مہاراشٹر خواتین ٹیم چیمپین

اندور میں منعقدہ مغربی کل ہند شہری بدمنٹن بیڈمنٹن مقابلے میں ریاست مہاراشٹر نے ویمنس ٹیم چیمپین شپ جیت لی۔

شریمتی مالتی تامبے دیدبا نے شریمتی لتا بگوے کو ۱۱ - ۳ - ۱۱ صفر سے ہرادیا۔ شریمتی تامبے ویدیا اور شریمتی سنگھوی نے شریمتی رضیہ اور شریمتی سکینہ کو ۱۵ - ۹ - ۱۵ - ۴ سے ہرادیا۔

آٹھ لاکھ سے زائد نس بندیاں

جاریہ مالی سال کے دوران ۱۴ر فروری تک ریاست میں آٹھ لاکھ سے زائد نس بندی آپریشن کئے گئے جبکہ نشانہ ۱۲ لاکھ کا ہے۔

ضلع پربھنی اور سولاپور، دکھائی، بی میونسپل کارپوریشن اپنے سالانہ نشانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔

ناندیڑ میں امداد باہمی بنک
ڈاکٹر زکریا کے ہاتھوں افتتاح

ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیر محصول نے ۶ر مارچ کو ناندیڑ میں بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بنک لمٹیڈ کی ۱۶ویں شاخ کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر سماج کے کمزور طبقات کی حالت سدھارنے کے لئے بنک کی جانب سے کئے گئے کام کی ستائش کرتے ہوئے ڈاکٹر زکریا نے امید ظاہر کی کہ بنک غریبوں اور تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم کرنے میں مدد کرے گا۔

وزیر موصوف نے بنک کے انتظامیہ کو معاشی طور پر پسماندہ علاقوں مثلاً مراٹھواڑہ وغیرہ میں مزید شاخیں کھولنے کی ترغیب دی۔

اس تقریب کی صدارت کے فرائض انجام دیتے ہوئے شری شام راؤ کدم، وزیر مملکت برائے آبپاشی و اطلاعات نے بتلایا کہ ملک بھر میں ۴۵ ۶ شہری امداد باہمی بنک ہیں جن میں سے ۴۰۰ سے اوپر صرف مہاراشٹر میں ہیں۔ بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بنک نے ۲۸ کروڑ روپے کے ڈپازٹ جمع کئے ہیں اور ۱۰ کروڑ روپے کی رقم کے قرضہ جات چھوٹے کسانوں کو دیئے ہیں۔

شری سید فاروق پاشا، ڈپٹی اسپیکر مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی بھی اس موقع پر موجود تھے۔

•••

جان تھامس، برطانوی ہائی کمشنر برائے ہند نے مسٹر ڈبلیو ہیٹرس ڈپٹی ہائی کمشنر برائے مغربی ہند کی معیت میں ۹ر فروری کو منترالیہ میں وزیر اعلیٰ شری ایس بی چوان سے ملاقات کی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔





شیواجی پارک، دادر، بمبئی میں وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر کے مجسمے کی گلپوشی کرتے ہوئے۔ اس تصویر میں وزیر اعلیٰ شری ایس چوان اور شری بھیا صاحب امبیڈکر بھی نظر آرہے ہیں۔



قائم مقام گورنر، شری آر۔ ایم۔ کانٹاوالا، راج بھون میں شری پی۔ کے ساونت سے وزارت کا عہدہ سنبھالنے پر حلف لے رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان بھی حاضر ہیں۔



وزیر صحت عامہ شری کے۔ ایم۔ پاٹل نے ۲۴ فروری کو نارد لیود (بمبئی) میں روٹری کلب اور فوڈ اینڈ ڈرگس ایڈمنسٹریشن کے زیر اہتمام نمائش کا افتتاح کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔



مرحوم صدر شری فخر الدین علی احمد کو خراج عقیدت ادا کرنے کے لئے "شریف ممبئی" انجمن نگر کے ایما پر ۲۰ فروری ۷۷ء کو ایک جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس تصویر میں وزیر اعلیٰ شری ایس۔ بی چوان اسی جلسے سے خطاب فرما رہے ہیں۔



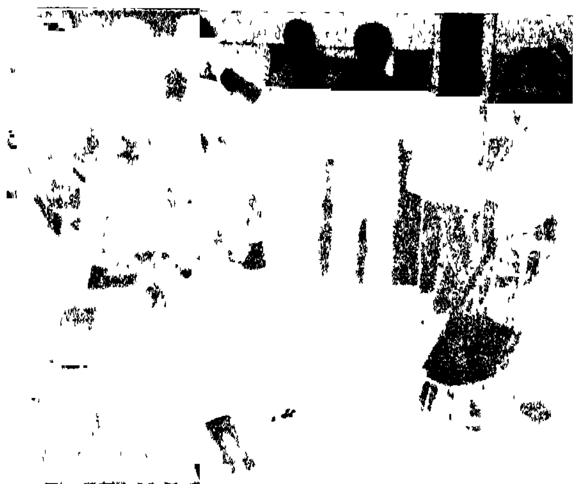
وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان، ۲۰ فروری کو تلک بھون میں داگھری سماج کے اجلاس سے خطاب فرما رہے ہیں۔



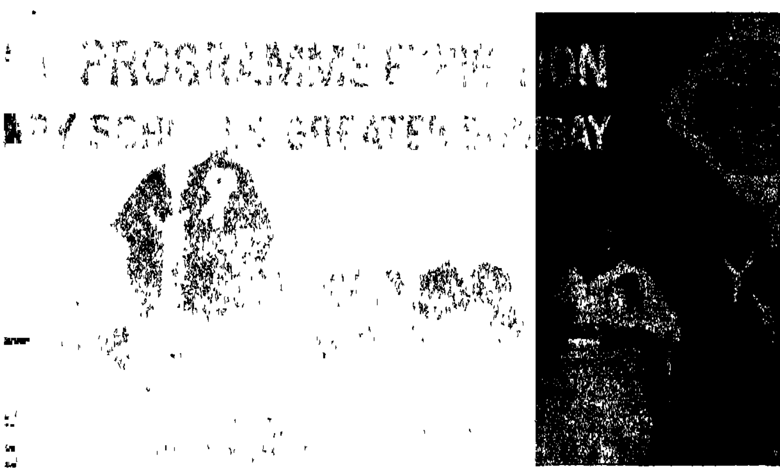
تین ٹرانسپورٹ کمپنیوں نے ۴ مارچ کو منترالیہ میں شری کا ے۔ ایس۔ کستور ے وزیر سماجی بہبود و ٹرانسپورٹ کے دفتر میں کرایہ جات سے متعلق معاہدہ پر دستخط کئے۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔



مسز لیلین کارٹر، والدہ صدر امریکہ اپنی پارٹی سمیت ۱۴ر فروری کو بمبئی تشریف لائی تھیں۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں سانتا کروز ہوائی اڈے پر مہاراشٹر کے وزیر برائے سماجی بہبود شری اے۔ ایس۔ کستورے، مسز کارٹر کا استقبال کر رہے ہیں۔



مسز لیلین کارٹر، والدہ صدر امریکہ اور مسٹر جیمس کارٹر فرزند صدر امریکہ رقص دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ جو اسکول کے بچوں نے ۱۵ر فروری ۷۷ء کو گوڈریج کالونی، وکھرولی میں ان کی آمد کے موقع پر پیش کیا تھا۔



وزیر تعلیم، شریمتی پربھا راؤ نے ۴ر فروری ۷۷ء کو گوری دت منل وویالیہ، سائن (بمبئی) میں "۲۵ نکاتی پروگرام سے متعلق نمائش کا افتتاح کیا جس کا اہتمام بڑی بمبئی ثانوی اسکول سمیتی نے کیا تھا۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات



انجینئرنگ کالجوں میں داخلہ امتحان

حکومت مہاراشٹر نے آئندہ سال انجینئرنگ کالجوں میں باضابطہ داخلے کی غرض سے داخلے کے امتحان منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

میڈیکل کالجوں کے بارے میں اس قسم کا فیصلہ قبل ہی کیا جا چکا ہے۔ یونیورسٹی کے لحاظ سے میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں نشستوں کی تقسیم کا موجودہ طریقہ جاری رہے گا۔

داخلے کے امتحان انگریزی زبان کے ذریعہ لئے جائیں گے۔ اس امتحان میں شرکت کیلئے اہلیت کی بنیاد یہ رکھی گئی ہے کہ انٹر سائنس بی۔ ایس سی حصہ اول، پیشہ ورانہ امتحان یا ہائر سیکنڈری امتحان یا اس کے مساوی امتحان میں غیر پسماندہ طبقات کے طالبعلم نے، کم از کم کل پچاس فیصد نمبر اور پسماندہ طبقہ کے طالبعلم نے کل ۴۵ فیصد نمبر فزکس، کیمسٹری، میتھمیٹکس / بائیولوجی میں حاصل کئے ہوں۔

جن طالب علموں نے ہائر سیکنڈری سرٹیفکیٹ امتحان ادنیٰ سطح انگریزی کے ساتھ پاس کیا ہے اور مذکورہ بالا کم از کم فیصد نمبر حاصل کئے ہیں وہ بھی ان امتحانوں میں شرکت کے اہل ہونگے

داخلے کا امتحان فزکس، کیمسٹری، میتھمیٹکس اور بائیولوجی میں ہوگا۔

بمبئی، پونے، ناگپور، شیواجی اور مراٹھواڑہ کی یونیورسٹیاں اپنے حلقہ کے امیدواروں کے لئے امتحان داخلہ کا اہتمام کریں گی۔

مزید تفصیلات متعلقہ یونیورسٹیوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

شہری تعمیر: تازہ فیصلہ

حکومت مہاراشٹر نے شہری علاقوں میں مقررہ حد سے زائد قطعات اراضی پر تعمیرات کی باقاعدگی سے متعلق مندرجہ ذیل تازہ ترین فیصلے کئے ہیں۔

جہاں پر قطعۂ اراضی خالی ہے، یعنی جہاں پر کسی قسم کی کوئی بھی تعمیر نہیں ہوئی ہے، اس میں مقررہ حدود سے زائد حصہ الگ کر دیا جائے گا۔ حد بندی ایک کمیٹی کرے گی جو کہ کلکٹر، سٹی انجینئر، بااختیار عہدیدار اور ٹاؤن پلاننگ کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر پر مشتمل ہوگی۔

حد بندی کا خاکہ، سیکریٹری، محکمہ جنرل ایڈمنسٹریشن (شہری اراضی حد بندی) کو بھیجا جائے۔

فاضل اراضی کی حد بندی کے بعد (جو حاصل کی جائے گی) پلاٹ کے بقیہ حصہ پر جو کہ مقررہ حد تک ہوگا، میونسپل قواعد کے تحت تعمیر کی اجازت دی جائے گی۔ ایسی تعمیرات میں ایف ایس آئی کا استعمال زمین کی مقرر کردہ حد کے رقبہ تک ہوگا۔

اجازت صرف اسی وقت دی جائے گی جب کہ مالک زمین یہ حلف نامہ داخل کرے گا کہ وہ کسی دوسرے شہری علاقہ میں کوئی خالی زمین نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی رہائشی گنجائش رکھنے والی عمارت کا مالک ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے شہری علاقے میں واقع کسی امداد باہمی ہاؤسنگ سوسائٹی میں کوئی فلیٹ رکھتا ہے۔ مذکورہ بالا اقسام کی ملکیت رکھنے والوں کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جائے گی جب تک کہ فاضل اراضی کا جائزہ مکمل نہیں ہو جائے گا۔

موجودہ عمارتوں کی اُفقی یا بالائی توسیع کی اجازت مقررہ قواعد و ضوابط کے مطابق دی جائیگی

شہری اراضی قانون

کارخانہ جات کو چھوٹ

کارخانوں کی جانب سے شہری اراضی (حد بندی اور باقاعدگی) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کی دفعہ ۲۰ کے تحت چھوٹ کے لئے متعدد درخواستوں پر حکومت مہاراشٹر نے مرکزی حکومت کی ہدایات کے مطابق کارخانوں کی جائز ضروریات کی حد تک چھوٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

بمبئی میٹروپولیٹن ریجن کے زون ۱ اور زون ۲ میں واقع صنعتی یونٹوں کے لئے صنعتوں کے لئے صنعتوں کے قیام کی جگہ کے متعلق سرکاری پالیسی کے تحت کارخانوں کے فی الحال استعمال کے لئے درکار زمین کے کم سے کم حصہ کی حد تک استثنیٰ پر غور کیا جائے گا۔ کارخانوں کی ضروریات توسیع کے صرف ایسے معاملات پر غور ہوگا جن میں ریاستی حکومت کی جانب سے توسیع کے لئے "نو آبجکشن سرٹیفکیٹ" دیدیا گیا ہوگا۔

ماسٹر پلان میں غیر صنعتی استعمال کے لئے محفوظ علاقے میں قائم صنعتی یونٹوں کے لئے کم سے کم اراضی کی حد تک جو خالی رکھنا ضروری ہو استثنیٰ پر غور کیا جائے گا تاکہ بلڈنگ قوانین، یا ڈیولپمنٹ کنٹرول قوانین، فیکٹری ایکٹ، ایکسپلوسوز ایکٹ وغیرہ سے مطابقت رہے۔

صرف انھیں امداد باہمی، صنعتی اسٹیٹس

ستثنیٰ کرنے کے بارے میں غور کیا جائے گا جن ی ریاستی سرکار کی جانب سے سرپرستی کی گئی ہے اور جن کے سرمایہ حصص میں ریاستی حکومت نے رقم دی ہے نیز لائف انشورنس کارپوریشن ، انڈسٹریل فائننس کارپوریشن وغیرہ سے حاصل کردہ قرضہ جات پر ریاستی حکومت نے ضمانت دی ہے۔ امداد باہمی صنعتوں کو جو رعایت ستثنیٰ دی گئی ہے اس کا خودبخود اطلاق نجی صنعت کاروں پر نہیں ہوگا بلکہ ان کو بذات خود استثنیٰ کے لئے درخواست دینی پڑےگی۔

مہاراشٹرا انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے علاقہ میں واقع اراضی کے سلسلہ میں جو صنعتی یونٹ ریاستی حکومت کو ایکٹ کی دفعہ ۲۰ کے تحت استثنیٰ کے لئے درخواست دے چکے ہیں وہ مہاراشٹرا انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے قریبی دفتر سے رابطہ قائم کریں، البتہ مذکورہ کارپوریشن کے علاقے سے باہر واقع اراضی کے معاملے میں وہ ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کے مقامی دفتر سے رجوع کریں۔ انھیں درخواست کے لئے مقررہ فارم دیا جائے گا جسے بھر کر جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بالمقابل منترالیہ ۴۰۰۰۳۲ کے پتے پر بھیج دیا جائے۔

ایسے صنعتکار جو کہ شہری مخصوص علاقوں میں نئی صنعتیں جاری رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان پر شہری اراضی (حدبندی اور باقاعدگی) ایکٹ کا اطلاق ہوتا ہے وہ حسب ضرورت اراضی الاٹمنٹ کے لئے مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن یا سٹی اینڈ انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن سے جیسی بھی صورت ہو، رجوع کرسکتے ہیں۔ یہ ادارہ جات پروجیکٹوں کی خاطر صنعت کاروں کی جائز ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے انھیں حدبندی سے زائد اراضی الاٹ کرسکتے ہیں۔ یہ ادارہ جات اس ایکٹ کی دفعہ ۲۰ کے تحت استثنیٰ کے لئے الاٹمنٹ کے ایسے معاملات حکومت سے رجوع کریں گے

مدرسین کو ریاستی اعزاز

حکومت مہاراشٹر نے ۷۷-۱۹۷۶ء میں حسب ذیل مدرسین کو تعلیمی اور سماجی میدان میں ان کی قابل قدر خدمات پر انعامات دینے کا اعلان کیا ہے:

ابتدائی مدرسین:

شریمتی دجیہ رانے، ہیڈ مسٹریس، گلڈرلین ایم پرائمری مراٹھی اسکول، بمبئی؛ شری پانڈورنگ بھاؤ کلکرنی، ہیڈ ماسٹر پرائمری اسکول، کلوک جائی، تعلقہ مان، ضلع ستارہ؛ شری سکھارام کنھوجی کوروڈے، اسسٹنٹ ٹیچر، سی، ٹی، ایس ملھیورا، ہنگولی، ضلع پربھنی؛ شریمتی چندریکا اچھوت راؤ جوشی اسسٹنٹ ٹیچر، ضلع پریشد گرلز اسکول، پربھنی؛ شری دشنو بابو کامبلے، ہیڈ ماسٹر، میونسپل ادی دینکٹ راؤ اسکول نمبر ۱، اچل کرنجی، ضلع کولھاپور؛ شری دولت راؤ مہادیو موہیتے، ہیڈ ماسٹر، پونے میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر ۵۱، منگلوار پیٹھ، پونے - ۱۱؛ شریمتی انوسیہ ساولہ رام کلا، ہیڈ مسٹریس، گرلز اسکول، ناگوتھانہ، تعلقہ روہا، ضلع قلابہ؛ شری کرشن نکارام گائیکواڑ، ہیڈ ماسٹر، پرائمری اسکول، ساکھر دائی، تعلقہ پھالٹن، ضلع ستارہ؛ شری کیشو مورشیور بروے، ہیڈ ماسٹر اسکول نمبر ۱، روہا، ضلع قلابہ؛ شری سداشیو آرکاٹ کر، ہیڈ ماسٹر، انڈین ایجوکیشن سوسائٹی، انگلش میڈیم پرائمری اسکول، دادر، بمبئی نمبر ۱۴؛ شری دینکر ملہار راؤ سوادے اسسٹنٹ ٹیچر، ضلع پریشد اسکول، کینڈور، تعلقہ شیرور، ضلع پونے؛

شریمتی نلومینا روڈرچ، ہیڈ ٹیچر، ماہم مورسے ہنہ انگلش میڈیم اسکول، ماہم، بمبئی؛ شری ہریش چندر رام راؤ جگدالے، ہیڈ ماسٹر ضلع پریشد، سنٹرل پرائمری اسکول، واشی تعلقہ بھوم، ضلع عثمان آباد؛ شریمتی اندرابائی چمپک لال شاہ، ہیڈ مسٹریس ضلع پریشد گجراتی اسکول بوئیسر، تعلقہ پال گھر، ضلع تھانے؛ شری داگا کالو پاٹل، ہیڈ ماسٹر جے ہند مراٹھی اسکول دیوپور، ضلع دھولے؛ شری ودیادھر لچھمن کلکرنی اسسٹنٹ ٹیچر، میونسپل اسکول بورڈس اسکول نمبر ۲، بارشی، ضلع سولاپور؛ اور شری شنکر اودھوت راؤ دادلے، ہیڈ ماسٹر میونسپل پرائمری اسکول نمبر ۱۳، امراوتی۔

ثانوی مدرسین

سرو شری مارودتی رام چندر راؤت پرنسپل، مہاتما گاندھی ودیالیہ، اربی کیمپ، ضلع پونے؛ امبیکا پرساد بن دیشوری پرساد شکلا، ہیڈ ماسٹر، اینگلو ہندی اسکول، الیوت محل؛ خوب چند سی بجاج، ہیڈ ماسٹر، مہاتما گاندھی سندھی سی۔ ای اور ہائر سیکنڈری اسکول، ناگپور؛ ونائک شنکر گوکھلے، ہیڈ ماسٹر، ماڈرن ہائی اسکول، پونے؛ رگھوناتھ مہادیو کلکرنی، ہیڈ ماسٹر، سیٹھ ہیرالال صراف پاٹھ شالہ ہائر سیکنڈری اسکول، پونے؛ نیل کنٹھ رگھوناتھ سہسرابدھے، ہیڈ ماسٹر، پارلے تلک ودیالیہ ولے پارلے، بمبئی؛ پانڈورنگ گووند انکولے، ہیڈ ماسٹر راشٹریہ ہندی ودیالیہ، جالنہ ضلع اورنگ آباد؛ نامدیو کیشو ددکے، ہیڈ ماسٹر، سوامی رامانند بھارتی ودیامندر، تاس گاؤں، ضلع سانگلی؛ بھگوان کشن جوپڑے ہیڈ ماسٹر، شری شیواجی ودیالیہ، بلڈانہ؛ چنتامن ونائک بھاوے، ہیڈ ماسٹر جی۔ بی۔ ووڈر ہائی اسکول، پالی، ضلع قلابہ۔ مرلی دھر ناگ ناتھ کدم، ہیڈ ماسٹر، بھارت ہائی اسکول، جیور، ضلع سولاپور؛ ہریش

چندر دامودر جوشی، اسسٹنٹ ٹیچر گورنمنٹ گرلز اسکول، اورنگ آباد؛ وشواس پانڈورنگ ساونت، ہیڈ ماسٹر، ودیا مندر، پاپرس، رتناگیری اور ترائن کرشن جی پوار، ہیڈ ماسٹر، جنتا انگلش اسکول، دندوری، ضلع ناسک۔

خاص مدرسین

شریمتی مالتی کیشو جوشی، ہیڈ مسٹریس، دی، آر رُوتیا ڈیف اینڈ ڈمب ودیالیہ، پونے اور شری ترمبک بھگونت مصود کر، ڈرائنگ ٹیچر کچن ہائی اسکول، سولاپور؛

یونیورسٹی ٹیچرز :

ڈاکٹر ایس۔ جی مدگل، پرنسپل ڈی۔ جی رد پریل کالج، بمبئی؛ کماری شکنتلا کے جینا، پرنسپل پریم کنور بائی دی۔ ڈی۔ ٹھکرسی مہیلا شکشن مہاودیالیہ، بمبئی۔ ڈاکٹر بی۔ جی۔ دیشپانڈے، پروفیسر و ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آف جیولوجی، پونے یونیورسٹی، پونے؛ پروفیسر کے بھوگی ستیان، پرنسپل سنگمیشور کالج، سولاپور، ڈاکٹر دی۔ جی۔ ہتادلانے (بعد از مرگ) پروفیسر و ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آف بائیو کیمسٹری ناگپور یونیورسٹی، ناگپور؛ اور ڈاکٹر یوایم۔ پٹھان، پروفیسر و ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آف مراٹھی، مراٹھواڑہ یونیورسٹی، اورنگ آباد۔

بیوپاریوں کو انتباہ

سینڈرل پیکیج اشیاء (ضابطہ) حکمنامہ بابت ۱۹۷۵ء کے تحت ریاستی حکومت نے مہاراشٹر میں تمام مینو فیکچروں، پیک کرنے والوں، تھوک فروشوں اور خوردہ فروشوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ پیکیج کے اوپر بعض مقررہ تفصیلات درج کئے بنا، پیک کی ہوئی اشیا کی فروخت سے پرہیز کریں۔

چنانچہ ہر پیکیج کے اوپر مینو فیکچر ر/پیکر کا نام اور پتہ، مینو فیکچر/پیکنگ کی تاریخ، پیک کی ہوئی اشیا کی شناخت، خالص وزن/مقدار تعداد (معیاری یونٹ میں) اور قیمت فروخت درج ہونی چاہیئے۔

حکم نامہ کے تحت درج 'خوردہ قیمت فروخت' کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ قیمتِ فروخت ہے جس میں تمام ٹیکس شامل ہیں۔

بہرحال مقامی ٹیکس ہر جگہ مختلف ہوتے ہیں لہٰذا خوردہ قیمت فروخت کے ساتھ مقامی ٹیکس پیکیج پر الگ درج کرنے کی اجازت ہے۔ مقامی ٹیکس کے بہانے خوردہ فروشوں کے ہاتھوں صارفین کے استحصال کو روکنے کے لئے ریاستی حکومت نے ریاست کے تھوک فروشوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی اشیائے فہرست میں ٹیکس کے بارے میں مکمل تفصیلات علیحدہ سے درج کریں۔

بیوپاریوں کو چاہیئے کہ وہ اصل پیک اشیاء کے بارے میں مقامی ٹیکس وغیرہ ظاہر کریں تاکہ عام صارفین کو اس بات کا علم ہو سکے کہ اشیا پر مقامی ٹیکس کتنا لگایا گیا ہے۔ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔

اس سلسلے میں مزید تفصیلات اور وضاحت کے لئے ڈپٹی کنٹرولر آف دیٹس اینڈ میجرز، ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔



تمغوں کے لئے رابطہ قائم کیجئے

سابق فوجیوں کو مشورہ

مراٹھا لائٹ انفینٹری کے مختلف تمغے حاصل کرنے والے سابق فوجیوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا نام، نمبر اور پتہ، ریکارڈ آفس آف دی مراٹھا لائٹ انفینٹری، بیلگام کو بھیج دیں تاکہ وہ دفتر ان کے تمغے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک انھیں بھیج سکے۔

ایسے تمغے کافی تعداد میں رکھے ہوئے ہیں اور سابق فوجیوں کے پتے نہ ہونے کی وجہ سے انھیں بھیجا نہیں جا سکتا۔

ان سے یہ بھی گذارش ہے کہ اگر ممکن ہو تو بھرتی دفتر کو اپنے ڈسچارج/پنشن سرٹیفکیٹ کے ساتھ آکر اپنے تمغے حاصل کرلیں۔

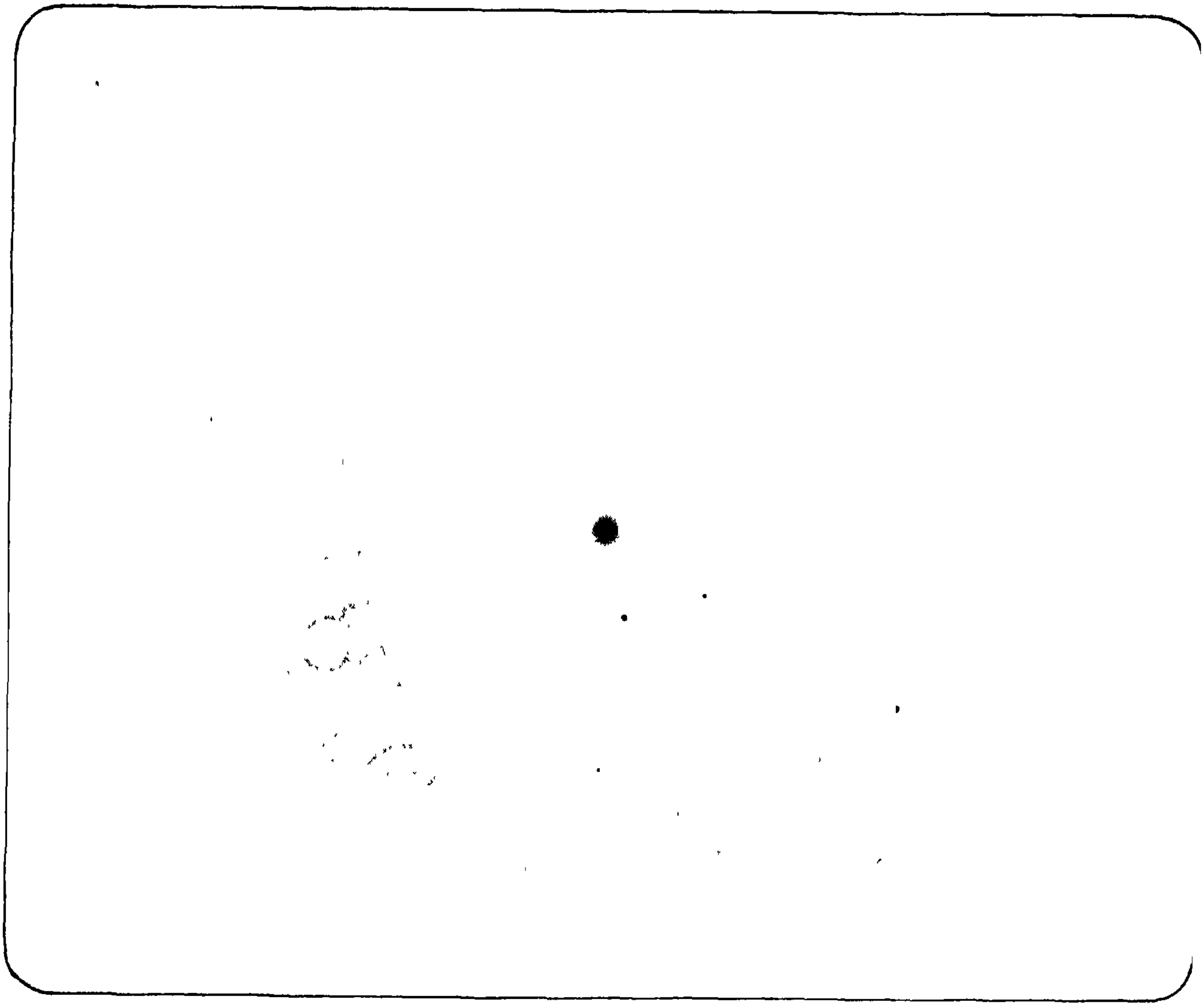
صفحہ ۱۸ سے آگے

مضبوط اور پختہ ہوتا چلا گیا۔

"پیامِ مشرق" میں علامہ اقبال کے وہ اشعار جو انھوں نے ۱۹۲۴ء سے قبل کہے تھے اُن کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ آمیز بات نہ ہوگی کہ کشمیر کے مستقبل کے لئے یہ اشعار پیش گوئی ثابت ہوئے۔ جیسے آنے والے واقعات کی پرچھائیاں برسوں پہلے شاعر مشرق کے ذہن و فکر پر منعکس ہو چکی تھیں"۔

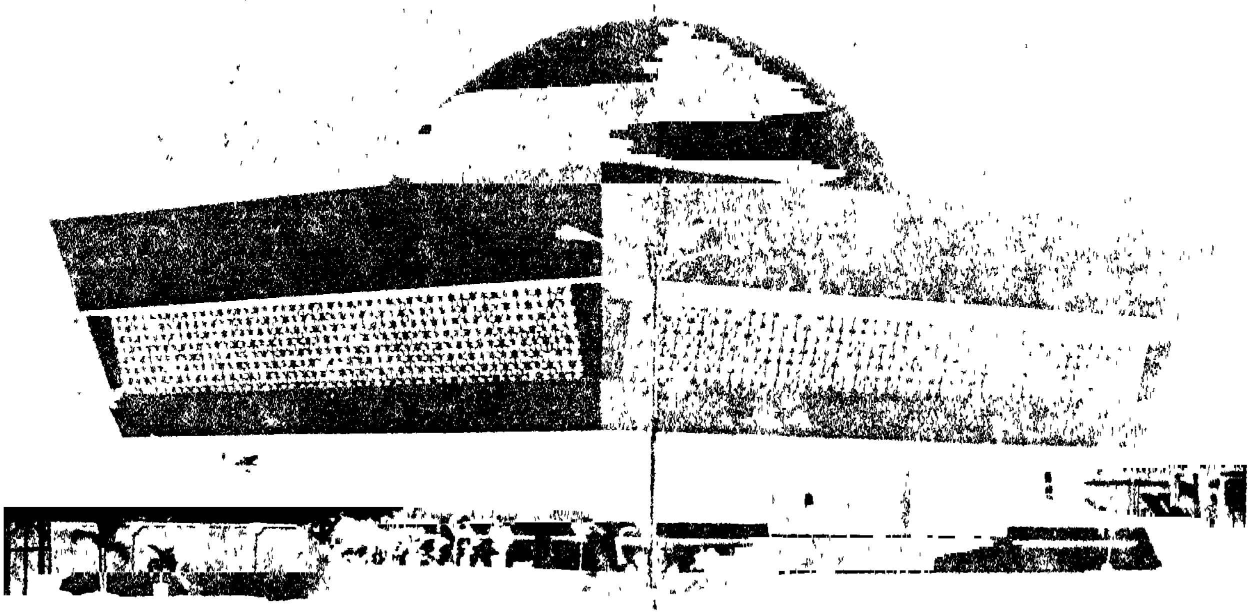
میں نے عرض کیا ہے کہ اقبال اور کشمیر کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ محب کون ہے اور محبوب کون ہے ذرا مشکل سی بات ہے دونوں طرف یکساں جذبۂ محبت بلکہ جذبۂ عشق نظر آتا ہے اور اس کتاب میں اسی جذبۂ عشق کو اس کے ادبی، سیاسی اور سماجی پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

●●



تصویر میں سورج اور پانچ سیارے یعنی عطارد، زہرہ، زمین اپنے ماہتاب کے ساتھ، مریخ اور مشتری دکھائی دے رہے ہیں. گول حلقہ منطقۃ البروج کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ حلقہ آسمان میں مختلف سیاروں کا محل وقوع معلوم کرنے میں معاون ہوتا ہے، مثلاً آفتاب جیمنی میں، زہرہ برجِ اسد میں، مریخ برج جدی میں اور مشتری برج میزان میں نمودار ہوتا ہے۔

QAUMI RAJ : Regd. No. MH-BY-South-544 — Licence No 89 for 'without prepayment of postage' 16-3-77



نہرو پلانیٹیریم کی بے نظیر عمارت

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔













چھوٹی صنعت ترقیاتی کارپوریشن کے فیض سے ریا
مہاراشٹر میں نئی قسم کے صنعت کار ابھر رہے ہیں۔ یہ مالدار
کے نہیں بلکہ متوسط طبقہ کے نوجوان ہیں جنھوں نے ا
بل پر خود اپنی صنعت قائم کرنے کی راہ نکالی ہے اور ا
طرح صنعتی ترقی کے لئے قومی جدوجہد میں اپنا فرض ادا کیا

قومی راج

قیمت فی پرچہ: ۵۰ پیسے ★ سالانہ: دس رُوپے

جلد نمبر ۴ یکم اپریل ۱۹۷۷ء شمارہ نمبر ۶

زیرِ نگرانی: خواجہ عبدالغفور (آئی۔اے۔ایس)

ترتیب

سخنہائے گفتنی

ملک کے معاشی اور اقتصادی حالات سُدھارنے کے لئے جن اُمور پر فوری توجہ دی جارہی ہے ان میں سے زراعت اور صنعت سرِ فہرست ہیں۔ جہاں ان شعبوں میں نت نئے تجربات ہو رہے ہیں وہیں زراعتی و صنعتی تعلیم کے لئے بڑے پیمانے پر تعلیمی ادارے قائم کئے جارہے ہیں۔ قومی راج کے پچھلے شماروں میں ہم نے متواتر کوشش کر کے سائنسی مضامین کی اشاعت کی اور آئندہ کے لئے بھی سائنسی، ٹیکنیکل اور زراعتی مضامین کی اشاعت کے لئے کوششیں جاری رکھیں گے۔

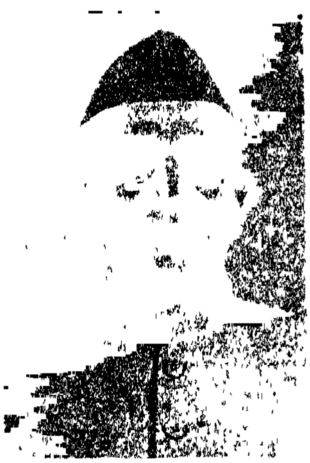
اسی مقصد کے پیشِ نظر اس شمارے میں بھی "صنعتی معیشت میں چھوٹی صنعت ترقیاتی کارپوریشن کی کارگزاری" پر ایک اہم مضمون شامل ہے۔

پچھلے شمارے میں "نہرو پلانیٹیریم" پر ایک معلوماتی مصور مضمون شائع کیا گیا تھا۔ دراصل "نہرو پلانیٹیریم" دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جو اس دور میں سائنسی ترقی کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے۔

گذشتہ اعلان کے مطابق ہم اگلا شمارہ عظیم فن کار شری کرشن چندر کی یاد میں پیش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ملک کے مقتدر لکھنے والوں کے بیش قیمت مضامین اور چند یادگار تصویریں بطورِ خاص شامل ہوں گی۔

خواجہ عبدالغفور

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ: چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲
"قومی راج" میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جاسکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو مندرجہ بالا پتہ پر ضرور روانہ کی جائے۔



ہمارے وزیر اعظم

شری مرارجی دیسائی

شری مرارجی دیسائی شروع ہی سے گاندھی جی کے نظریات اور فلسفہ زندگی سے متاثر تھے۔ انھوں نے اپنی عوامی زندگی کا آغاز اس قدر بلند ہمتی اور یقین و اعتماد کے ساتھ کیا جو شاذ و نادر ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہر کام کی انجام دہی کے سلسلے میں ان کی نظر مقصد اور اس کے حصول کے ذرائع دونوں ہی پر رہتی ہے۔ انھوں نے گاندھی جی سے جو اقدار حاصل کیں ان سے انھیں روشنی ملی۔ انھوں نے ان اقدار کی تکمیل کیلئے زندگی بھر پوری تن دہی سے کام کیا اور خود کو ان کے لئے وقف کر دیا۔ ان کے نزدیک سچائی محض ایک ضرورت نہ رہ کر عقیدے کے درجے میں شامل ہوگئی۔ انھوں نے کبھی بھی اپنے اصولوں کو وقت کے تقاضوں کا طابع نہیں رکھا۔

شری مرارجی دیسائی کا جنم گجرات میں بلساڑ کے قریب بھڈیلی نامی گاؤں کے ایک برہمن خاندان میں ہوا۔ شری دیسائی نے بمبئی کے ولسن کالج میں تعلیم پائی۔ موصوف ۱۹۱۸ء میں بمبئی پراونشل سول سروس میں شامل ہوئے۔ انھوں نے بارہ سال تک ایک غیر ملکی سرکار کی خدمات انجام دیں۔ جیسے انھوں نے اپنے ملک کی "مناسب خدمت" تصور نہیں کیا۔ اس کے بعد انھوں نے ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کی تحریک میں شمولیت کی اور وہ تین بار جیل بھی گئے۔

شری دیسائی ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے رکن رہے۔ ۱۹۳۷ء میں پہلی کانگریسی سرکار میں انھیں وزیر برائے محاصل بنایا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں انھیں بمبئی سرکار میں داخلہ اور محصول کے محکمہ سونپے گئے۔

۱۹۵۲ء میں پہلے عام انتخابات کے بعد وہ بمبئی کے وزیر اعلیٰ بنے اور ۱۹۵۶ء تک جبکہ ریاستوں کی تنظیم نو عمل میں آئی اس ریاست میں خدمات انجام دیں۔ ان کی مدت عہدہ کے دوران بہت سی دور رس اہمیت کی حامل اصلاحات ہوئیں جن میں اراضی کے لگان، انتظامیہ اور پولیس کے محکمہ کی اصلاحات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ بقول ان کے سوشلزم کی باتیں اس وقت تک بے معنی ہیں جب تک کہ دیہات اور شہروں میں رہنے والے غریب اور نیم مراعات یافتہ لوگوں کو ایک نفیس معیار زندگی سے ہمکنار نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ شری دیسائی نے اپنے اس نظریے کو عملی شکل دینے کے لئے کسانوں اور لگان دار کاشتکاروں کی مشکلات و تکالیف کے ازالے کے لئے ترقی پسندانہ قانون وضع کئے۔۔ اس ضمن میں شری دیسائی کی حکومت ملک کی کسی بھی دوسری ریاست سے بہت آگے تھی۔ اس سلسلے میں زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ انھوں نے اس قانون پر اس خلوص دلی اور دیانتداری سے عمل کیا کہ بمبئی میں ان کی حکومت کو بڑی قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

ریاستوں کی از سر نو تنظیم کے بعد شری دیسائی ۱۴ نومبر ۱۹۵۶ء کو تجارت وصنعت کے وزیر کی حیثیت سے مرکزی کابینہ میں شامل ہوئے۔ ۲۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو انھوں نے محکمۂ مالیات کی ذمہ داریاں قبول کیں۔ شری دیسائی اقتصادی منصوبہ بندی اور مالی نظم و نسق کے بارے میں جو کچھ کہا کرتے تھے انھوں نے اسے عملی جامہ پہنایا۔ ملک کے دفاع اور

بقایا صفحہ ۳۲ پر

لوک سبھا انتخابات کے نتائج

ہندوستان میں لوک سبھا کے حالیہ انتخابات پُر امن اور آزادانہ ماحول میں اختتام پذیر ہوئے۔ ان انتخابات میں جنتا پارٹی بھاری اکثریت حاصل کر کے برسراقتدار آگئی۔ آخری اعلان نتائج کے مطابق مختلف پارٹیوں کی پوزیشن یہ ہے:

کل نشستیں	—	۵۴۲
نتائج کا اعلان	—	۵۳۹

جنتا پارٹی	... ...	۲۷۱
کانگریس	... ...	۱۵۳
جمہوری کانگریس	... ...	۲۸
مارکسٹ	... ...	۲۲
انا ڈی. ایم. کے	... ...	۱۹
ڈی ایم کے	... ...	۱
اکالی دل	. ...	۸
کمیونسٹ	... ...	۷
دوسری پارٹیاں	... ...	۲۳
آزاد	... ...	۸



جنتا پارٹی کے چیرمین شری مرارجی آر. ڈیسائی وزیراعظم مقرر ہوئے ہیں۔ اُن کی کابینہ ۲۰ وزراء پر مشتمل ہے جن کے نام اور عہدے حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ شری مرارجی آر. دیسائی .. .. وزیراعظم
۲۔ چودھری چرن سنگھ ... ... وزیر برائے امورداخلہ
۳۔ شری جگجیون رام ... ... وزیر برائے دفاع
۴۔ شری ایل. کے ایڈوانی ... وزیر اطلاعات و نشریات
۵۔ شری پرکاش سنگھ بادل ... وزیر زراعت و آبپاشی
۶۔ شری ایچ. این بہوگنا ... وزیر پٹرولیم و کیمیاوی کھاد
۷۔ شری سکندر بخت ... وزیر تعمیرات عامہ، مکانات اور بجالیات
۸۔ شری شانتی بھوشن، وزیر قانون، انصاف اور کمپنی امور
۹۔ شری پرتاپ چندر چندر یہ، وزیر تعلیم و سماجی بہبود اور ثقافتی امور
۱۰۔ پروفیسر مدھو ڈنڈوتے... وزیر برائے ریلوے
۱۱۔ شری موہن دھاریہ ... وزیر کامرس، شہری رسد اور امداد باہمی
۱۲۔ شری جارج فرنانڈیس ... وزیر برائے مواصلات
۱۳۔ شری پرشوتم کوشک ... وزیر سیاحت و شہری ہوابازی
۱۴۔ شری راج نارائن ... وزیر صحت عامہ اور خاندانی منصوبہ بندی
۱۵۔ شری ایچ. ایم پٹیل ... وزیر مالیات، ریونیو اور بینکنگ
۱۶۔ شری بیجو پٹنائک ... وزیر فولاد اور معدنیات
۱۷۔ شری پی. رامچندرن ... وزیر برائے انرجی
۱۸۔ شری اٹل بہاری واجپئی ... وزیر امور خارجہ
۱۹۔ شری روبند ورما... وزیر پارلیمانی امور اور محنت
۲۰۔ شری برج لال ورما ... ... وزیر صنعت

●●

ریاست مہاراشٹر کی ہمہ جہتی ترقی قابلِ فخر

گورنر، شری کانٹاوالا کا مُشترکہ اجلاس سے خطاب

مہاراشٹر کے قائم مقام گورنر، شری آر۔ ایم کانٹا والا نے ۲۱ر مارچ ۱۹۷۷ء کو ریاستی مجلسِ قانون ساز کے دونوں ایوانات کے مُشترکہ اجلاس سے خطاب کیا۔

اراکین کا بہ مسرت خیر مقدم کرتے ہوئے شری کانٹا والا نے فرمایا کہ گذشتہ سال حکومت نے بڑی تندہی کے ساتھ ۲۵- نکاتی پُروگرام کی عمل آوری و تکمیل کے لئے اپنی کوشش جاری رکھی جن میں زراعت، آبپاشی، اناج کی تقسیم اور مزدوروں کی فلاح و بہبود خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مزید برآں سماج کے کمزور اور پسماندہ طبقات کے سماجی و معاشی حالات کے سُدھار کے لئے جو اقدامات کئے گئے اور جس حد تک کامیابی حاصل ہوئی وہ حکومت کے لئے بجاطور پر قابل فخر ہے۔

ریاست مہاراشٹر کے پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کے کلُ مصارف ۲،۳۴۸ کروڑ روپے ہیں۔ منصوبہ کے اوّل دو سال میں مصارف بالترتیب ۲۸۰ کروڑ روپے اور ۳۵۵ کروڑ روپے تھے۔ رواں سال میں منصوبے پر متوقع صرفہ ۵۰۶ کروڑ روپے ہے اور آئندہ سال ۶۵۰ کروڑ روپے صرف ہوں گے۔ مصارف منصوبہ کا بڑا حصہ، رواں اور آئندہ سال قبائلی ضمنی منصوبہ میں لگایا جائے گا جس نے کافی ترقی کی ہے۔

سماجی و معاشی انصاف

حکومت نے سماج کے کمزور طبقات کی خاطر سماجی و معاشی انصاف کے مقصد کے تحت انھیں فاضل اراضی تقسیم کی، مکان کے لئے زمین دی اور ان کے لئے جھونپڑے بنائے۔ ترمیم شدہ زراعتی اراضی حد بندی قانون تندہی سے نافذ کیا گیا۔ اس قانون کی عمل آوری سے ۱،۴۱،۰۰۰ ہیکٹر سے زیادہ اراضی حاصل ہوئی۔ تقریباً ۱،۰۵،۰۰۰ ہیکٹر اراضی فی الحال تقریباً ۶۷،۰۰۰ اشخاص کو تقسیم کی جاچکی ہے جن میں ۵۰ فیصد پسماندہ طبقات کے افراد ہیں۔

چند معاملات کے سوا جن میں حکم امتناعی کے باعث حصول کی کارروائی روکنا پڑی، دیہی علاقوں میں کلُ ۳،۶۱ لاکھ بے زمین اور بے گھر اشخاص کو مکان کے لئے زمین دی گئی جن میں سے ۶۵ فیصدی پس ماندہ طبقہ کے افراد ہیں۔ اب تک ۱،۵۷،۰۰۰ جھونپڑے بنا کر بے زمینوں کو دیئے جاچکے ہیں۔ یہ پُروگرام مارچ ۱۹۷۹ء تک مکمل ہوجائے گا۔

قرض راحت قانون کے نتیجہ میں فی الحال تقریباً ۵،۴۰،۰۰۰ کمزور طبقات کے افراد کو قرض سے نجات مل چکی ہے۔ ان اشخاص کو متبادل



مہاراشٹر کے گورنر شری آر۔ ایم کانٹا والا ۲۱ر مارچ کو مجلس قانون ساز کے دونوں ایوانوں کے مُشترکہ اجلاس کا افتتاح کرنے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں۔ ان کی دائیں جانب اسمبلی کے اسپیکر شری وانکھیڈے اور بائیں جانب کونسل کے چیرمین شری ر.ی۔ ایس پاگے ہیں۔

امداد باہمی ذرائع سے سرمایہ بہم پہنچانے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے ہیں۔

زراعت کے میدان میں پیشقدمی

زراعت کے میدان میں بھی ریاست مہاراشٹر نے بڑی پیش قدمی کی۔ اناج کی پیداوار برابر بڑھ رہی ہے۔ ۷۴-۱۹۷۳ء میں اناج کی پیداوار ۴۵ء۷۰ لاکھ ٹن تھی جو ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۹۱ء۱۹ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی۔ بارش کی کمی وبیشی اور دیگر مشکلات کے باوجود ۷۷-۱۹۷۶ء میں فصل کے اختتام پر اناج کی پیداوار تقریباً ۹۵ لاکھ ٹن ہو جائے گی جبکہ پلاننگ کمیشن کا خیال تھا کہ یہ پیداوار ۸۷ لاکھ ٹن ہوگی۔

کھلی منڈی میں اناج کی بہتات کے باعث عام نظام تقسیم پر بوجھ قدرے ہلکا ہوا اسی کے ساتھ اناج کی وصولی قدرے اطمینان بخش رہی۔ یکم دسمبر ۱۹۷۶ء سے ماہانہ مقدار گیہوں اور ملو فی بالغ بڑھا کر ۱۵ کلو گرام کر دی گئی ہے نیز راشن کارڈ رکھنے والے اشخاص ایک ماہ میں مزید ۱۰ کلو گرام گیہوں اور ۱۰ کلو گرام ملو لے سکتے ہیں۔ حکومت نے مستقبل کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اناج کا کافی ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔

دودھ کی فراہمی

چھوٹے کسانوں کو مہیا کردہ مخلوط النسل گایوں کے دودھ کی فروخت سے اُن کی آمدنی بڑھی۔ کسانوں سے فی دن اکٹھا کی جانے والی دودھ کی مقدار ۱۰ لاکھ لیٹر سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ جبکہ گذشتہ سال یہ مقدار تقریباً ۶ء۸۱ لاکھ لیٹر تھی۔ مہاراشٹر میں سرکاری دودھ اسکیم دیس بھر میں سب سے بڑی ہے۔ کسانوں کو ہر روز دودھ کے لئے ۲۰ لاکھ روپے کی رقم ادا کی جاتی ہے۔

مہاراشٹر میں آبپاشی کی سہولتیں بڑھانے کو سب سے زیادہ ترجیح دی گئی ہے کیونکہ ریاست مہاراشٹر میں دیگر تمام ریاستوں کے مقابلے میں فی صد سینچائی علاقہ سب سے کم ہے۔ سالانہ منصوبہ بابت ۷۷-۱۹۷۶ء کے تحت بڑے اور درمیانی سینچائی پروجیکٹوں کے لئے مصارف کی رقم تقریباً ۸۶ کروڑ روپے ہے تاکہ جون ۱۹۷۷ء کے اختتام تک مزید ۱،۰۸،۲۰۰ ہیکٹر پر سینچائی کی جا سکے۔ لیکن ۷۶-۱۹۷۵ء اور ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران مزید رقم کے باعث یہ نشانہ بڑھ کر ۱،۳۷،۰۰۰ ہو جائے گا۔

چھوٹی سینچائی اسکیموں کے ذریعہ جون ۱۹۷۷ء کے اختتام تک مزید ۲۲،۰۰۰ ہیکٹر پر سینچائی کی گنجائش نکل آئے گی۔ ان میں سے کچھ اسکیمیں قبائلی علاقہ جات کے ضمنی منصوبے میں شامل کر لی گئی ہیں۔

کپاس اجارہ داری اسکیم

حکومت کپاس اجارہ داری تحصیل اسکیم ۷۳-۱۹۷۲ء سے زیر عمل لا رہی ہے۔ اس اسکیم کی عمل آوری پر غور کرنے کی غرض سے مقررہ کمیٹی نے چند ماہ پیشتر اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی اس کی تقریباً تمام سفارشات منظور کر لی گئیں اور فی الحال زیر عمل لائی جا رہی ہیں۔ رواں فصل میں حکومت پیداوار پیش کرنے والے کپاس کاشت کاروں کو پوری ضمانتی قیمت دینے کے قابل ہو گئی جبکہ ۷۵-۱۹۷۴ء اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں یہ ادائیگی ۳۰ فیصد کم تھی۔ اس تبدیلی سے ریاست میں کپاس کی معیشت پر خوش گوار اثر پڑا ہے۔

مہاراشٹر میں شکر کارخانوں کے لئے ۷۶-۱۹۷۵ء ریکارڈ سال تھا جبکہ ہندوستان میں تقریباً ہر جگہ شکر کی پیداوار کم رہی صرف امداد باہمی شکر کارخانوں ہی نے تقریباً ۱۲ ملین ٹن گنا پیل کر تقریباً ۱½ ملین بورے شکر تیار کی۔ اس سال ملک بھر میں شکر پیداوار میں مہاراشٹر کا حصہ ۳۸ فیصد رہا جبکہ پچھلے سال ۳۲ فیصد تھا۔

پالیسی کے مطابق ریاست کے ترقی پذیر علاقوں میں صنعتوں کو فروغ دینے کی کوشش جاری رہی۔ ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کی امدادی اسکیم کے انداز پر منتخب مقامات ترقی کے لئے خاص سرمایہ حوصلہ افزائی اسکیم وضع کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت منتخب مقامات کا اعلان جلد ہی کر دیا جائے گا۔

روزگار پروگرام

ایمپلائمنٹ پروموشن پروگرام کے تحت حکومت یہ دو اسکیمیں زیر عمل لا رہی ہے (۱) سیڈ منی اسسٹنس یعنی بنیادی مالی امداد اور (۲) تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی تربیت۔ ابتدا میں یہ دونوں اسکیمیں مرکز کے تحت تھیں لیکن ۷۷-۱۹۷۶ء سے ریاستی اسکیمات کے طور پر جاری ہیں۔ بنیادی مالی امداد اسکیم کے تحت ۷۶-۱۹۷۵ء میں تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے ۷،۱۳۹ یونٹوں کو ۸۸ء۲ کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم بطور مالی امداد دی گئی۔ بینکوں اور مالیاتی اداروں نے ان یونٹوں کو ۹۶ء۱۲ کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم کے قرضہ جات دیئے۔ گذشتہ سال ۱۱،۰۰۰ سے زیادہ اُمیدواروں کو تربیتی اسکیم سے فائدہ پہنچا۔

صنعت ہی نہیں بلکہ پوری معیشت کی ترقی کا انحصار برقی قوت پر ہے۔ لہٰذا حکومت نے حالیہ سالوں میں پاور سیکٹر میں برابر زیادہ رقم لگائی جس کا اندازہ حسب ذیل اعداد سے ہو جائے گا:

۷۵-۱۹۷۴ء — ۹۱ء۲۶ کروڑ روپے

۷۶-۱۹۷۵ء — ۱۱۰۶۲۵ کروڑ روپے
۷۷-۱۹۷۶ء — ۱۵۰۰۰ کروڑ روپے (تخمینی)

گذشتہ چار ماہ میں حکومت ہند نے ان تین نئے پروجیکٹوں کی منظوری دی ہے:

پارلی پروجیکٹ — ۲۱۰ میگاواٹ
ناسک پروجیکٹ — ۲۰۰ میگاواٹ
چندرپور ،، — ۲۰۰ میگاواٹ

ان پاور اسٹیشنوں سے مزید ۱۰۵۰ میگاواٹ بجلی پیدا ہو سکے گی۔

جھونپڑپٹی مسئلہ

بمبئی اور پونے جیسے بڑے شہروں میں جھونپڑ پٹیوں کا مسئلہ بدستور ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ لہٰذا سلم امپرومنٹ پروگرام اور جھونپڑپٹیوں کو بہتر بنانے اور انھیں صاف ستھرا رکھنے کا پروگرام تندہی سے زیر عمل لایا جائے گا۔

شہری اراضی حدبندی قانون

شہری اراضی (حدبندی اور ضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کے تحت حاصل کی گئی اراضی صنعت، صنعتی تعمیر مکانات اور مفاد عامہ کے دیگر مقاصد کے لئے استعمال کی جائے گی۔ حکومت کو یہ علم ہے کہ خصوصاً بمبئی میں اس ایکٹ کے بعد تعمیرات کی سرگرمی مدھم پڑ گئی ہے۔ لہٰذا اسے پھر تیز کرنے کے لئے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ اس قانون کی رُو سے فاضل خالی اراضی کے مالکان بعض شرائط کے ساتھ یہ اراضی رکھ سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ کمزور طبقات کے لئے مکانات بنانے پر تیار ہوں۔

مربوط بمبئی پانی فراہمی اور نکاس پروجکٹ اسکیم جس کی پہلے مرحلے پر لاگت ۲۱۷ کروڑ روپے ہے انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن کی امداد سے شروع کی گئی ہے اور اُمید ہے کہ آئندہ سال کے وسط تک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔ اس سے بمبئی عظمیٰ نیز بمبئی میٹروپولیٹن ریجن کے دیگر علاقوں میں پانی کی فراہمی اور نکاس کی سہولتیں بڑھ جائیں گی۔

خاندانی منصوبہ بندی

حکومت ہند نے ۱۶ اپریل ۱۹۷۶ء کو قومی آبادی پالیسی کا اعلان کیا تھا۔ اس کے بعد سے خاندانی منصوبہ بندی کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ ریاستی حکومت نے بڑی تندہی سے اسے زیر عمل لانے کی کوشش کی، اور مہاراشٹر نے دیس بھر میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ گذشتہ سال ریاستی مجلس قانون ساز نے اس موضوع پر ایک بل بھی پاس کیا تھا، تاہم حکومت اسے نافذ کرنے سے قبل اس میں سے 'لازمی عنصر' حذف کر دے گی۔

تعلیم کے نئے نظام ۱۰+۲+۳ کے مطابق حکومت نے ریاست کے دیہی اور ادیباسی علاقہ جات میں ۴۴ پوسٹ ایس ایس سی پائلٹ ووکیشنل ٹریننگ سینٹر قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آئی۔ اے۔ ایس اور دیگر امتحانات مقابلہ میں مہاراشٹر کے اُمیدواروں کے لئے کامیابی کے مواقع بڑھانے کی غرض سے حکومت نے حال ہی میں بمبئی میں ایک ریاستی ادارہ قائم کیا ہے جس میں ریاست کے ۳۶ ہونہار اُمیدوار داخل کئے گئے ہیں اور انھیں کل وقتی تعلیم و تربیت دی جارہی ہے۔

دفاعی خدمات میں خصوصاً افسری درجہ پر مہاراشٹر کے جوانوں کی بھرتی بڑھانے کے مدنظر حکومت نے تھورات کمیٹی کی سفارش کے مطابق اورنگ آباد میں ایک سروسیز پری پریپریٹری انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

بمبئی میں نئی کونسل ہال کی عمارت کی تعمیر معمول کے مطابق جاری ہے۔ اس کی تعمیر کی تخمینی لاگت ۶۲۰ لاکھ روپے ہے۔ سال کے اختتام تک تقریباً ۲۰۰ لاکھ روپے صرف ہوں گے۔ حکومت اس کام کی رفتار تیز کرنے کے لئے تمام ضروری اقدامات کر رہی ہے۔

قانون وعدلیہ

جہاں تک قانون اور امن کا تعلق ہے مہاراشٹر کی کارگذاری مثالی رہی ہے۔ تاہم پولس فورس میں جدید اصلاحات کی ضرورت ہے۔

یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے بمبئی ہائی کورٹ میں اوریجنل سائڈ پر دوہرا سسٹم، ختم کردیا گیا ہے۔ اس دیرینہ مطلوبہ اصلاح سے مقدمات کا خرچ بڑی حد تک کم ہوا ہے، اور عدالتی کارروائی سہل ہوگئی ہے جو عام فریق مقدمہ کے لئے سُودمند ہے۔

حکومت نے ایک لا کمیشن مقرر کیا ہے تاکہ فوجداری، دیوانی اور محصول قوانین پر نظر ثانی کر کے ان میں جدید اصلاحات کی سفارش کرے۔

ریاستی پالیسی کے رہنما اُصولوں میں سماج کے کمزور طبقات کے لئے قانونی امداد کی سہولت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی عمل آوری کی غرض سے حکومت نے وزیر قانون وعدلیہ کی زیر صدارت ۱۵ رکنی مہاراشٹر قانونی امداد اور مشاورتی بورڈ قائم کیا ہے۔ یہ بورڈ اضلاع اور تعلقہ جات میں قانونی امداد کمیٹیاں قائم کرنے کے لئے اسکیمات وضع کرے گا اور حکومت کی جانب سے منظوری کے بعد ان اسکیموں کو روبہ عمل لائے گا۔ ہر شہری جس کی کل سالانہ آمدنی ۲،۵۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہو مفت قانونی امداد کا مستحق ہوگا۔ پسماندہ طبقات کے لئے موجودہ قانونی اسکیمات جو فی الحال نافذ ہیں اور ان کے موافق ہیں بلاشبہ جاری رہیں گی۔

●●

مہاراشٹر بجٹ بابت ۱۹۷۷-۷۸ء

شراب پر بھاری ٹیکس - عام صارفین اور چھوٹے کسانوں سے رعایت

۴٫۶۲ کروڑ روپے کی بچت

وزیر مالیات شری وائی. جے موہیتے نے ۲۲ مارچ ۱۹۷۷ء کو لیجسلیٹو اسمبلی میں حکومتِ مہاراشٹر کا بجٹ برائے سال ۱۹۷۷-۷۸ء پیش کیا. جس میں پاور اور آب پاشی کی ترقی نیز سماجی خدمات کی مدات میں زیادہ سرمایہ لگانے پر زور دیا گیا ہے.

وزیر مالیات کے پیش کردہ ۱۸۲۱٫۵۰ کروڑ روپے کے بجٹ تخمینہ جات بابت ۱۹۷۷-۷۸ء کے مطابق ریوینو کھاتہ پر ۹۳٫۱۱ کروڑ روپے کی بچت اور کیپٹل کھاتہ پر ۸۸٫۴۹ کروڑ روپے کا خسارہ ہوگا. اس طرح خالص بچت کی رقم ۴٫۶۲ کروڑ روپے نکلتی ہے.

اس بجٹ کی دیگر قابل ذکر خصوصیات یہ ہیں کہ شراب پر اکسائز ڈیوٹی بڑھادی گئی ہے، عام آدمی کی ضروریات کی چند اشیاء پر بکری ٹیکس میں رعایت کی گئی ہے، گھاسلیٹ پر بکری ٹیکس بالکل ہٹالیا گیا ہے اور چھوٹے کسانوں کو محصول اراضی میں چھوٹ دی گئی ہے.



اپنی طویل بجٹ تقریر کے آغاز میں وزیر مالیات، شری موہیتے نے ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے پُراعتماد لہجہ میں فرمایا کہ ہماری وزیراعظم کی رہنمائی میں جمہوریت مضبوط ہوئی، ایمرجنسی بتدریج نرم کردی گئی اور بالآخر لوک سبھا کے انتخابات کرانے کا خوشگوار فیصلہ ہوا. یہ جمہوریت میں ہمارے اعتماد کی کسوٹی تھی. جس پُرامن اور آزادانہ ماحول میں انتخابات اختتام پذیر ہوئے اس سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ملک میں جمہوریت کی جڑیں مضبوط ہوچکی ہیں.

آپ نے مزید فرمایا کہ انتخابات کے ختم ہوتے ہی ایمرجنسی اُٹھالی گئی. ہمیں اُمید ہے یقین ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت پہلے ہی کی طرح حسب معمول کارفرما رہے گی اور مستقبل میں بھی ایک بڑی قوم کی حیثیت سے ہمارا مقام بلند رہے گا.

مہاراشٹر کے وزیر مالیات شری یشونت راؤ موہیتے (بائیں جانب) ۲۲ مارچ ۱۹۷۷ء کو وزیر مملکت برائے مالیات شری ڈی. جی پربھو گاؤنکر کے ہمراہ اسمبلی میں بجٹ پیش کرنے جارہے ہیں

بجٹ ایک نظر میں

		کروڑ روپے بجٹ تخمینہ جات
(الف) ریونیو کھاتہ		
آمدنی	...	۱۳۱۴٫۸۴
خرچ	...	۱۲۲۱٫۷۳
بچت		(+) ۹۳٫۱۱
(ب) کیپٹل کھاتہ :		
آمدنی	...	۵۰۶٫۶۶
خرچ	...	۵۹۵٫۱۵
خسارہ :		(-) ۸۸٫۴۹
(ج) کل		
آمدنی	...	۱۸۲۱٫۵۰
خرچ	...	۱۸۱۶٫۸۸
بچت		(+) ۴٫۶۲

منصوبہ مصارف

وزیر مالیات شری موہیتے کے تجویز کردہ منصوبہ مصارف کی رقم برائے ۷۸-۱۹۷۷ء ۶۵۰٫۰۷ کروڑ روپے ہے۔ اس رقم میں سے بڑا حصہ یعنی ۲۵۴٫۳۰ کروڑ روپے پاور کیلئے ۱۰۷٫۵۳ کروڑ روپے بڑی اور درمیانی آبپاشی اور ۹۶٫۰۰ کروڑ روپے سماجی اور قومی خدمات کے لئے ہے۔

بہر حال اس کل بجٹ تخمینہ جات میں ریاستی منصوبہ کھاتہ میں ۱۴۳٫۸ کروڑ روپے کے مصارف شامل نہیں ہیں جو بعد میں سال کے دوران تفصیلات طے پا جانے کے بعد مہیا کرنے کی تجویز ہے اس غیر بجٹ خرچ کو ملا کر ۶۲٫۴ کروڑ روپے کی کل بچت، کل ۷۶٫۹ کروڑ روپے کے گھاٹے میں بدل جائے گی۔

تخمینہ جات میں محاصل آمدنی ۱۳۱۴٫۸۴ کروڑ روپے اور خرچ ۱۲۲۱٫۷۳ کروڑ روپے دکھایا گیا ہے۔ اس طرح ۹۳٫۱۱ کروڑ روپے کی بچت ہوئی۔ کیپٹل کھاتے میں آمدنی ۵۰۶٫۶۶ کروڑ روپے اور خرچ ۵۹۵٫۱۵ کروڑ روپے ہے۔ اس طرح خسارہ ۸۸٫۴۹ کروڑ روپے بیٹھتا ہے۔

وزیر مالیات کی تجویز کے مطابق خرچ کے کھاتے برا ۳۱ جولائی ۱۹۷۷ء کو ختم ہونے والی چار ماہ کی مدت کے لئے منظوری لی جائے گی، تاکہ اسٹیمیٹ کمیٹی محکمہ واری بجٹ کی جانچ مکمل کر سکے۔ یہی طریقہ کار گذشتہ سال بھی اختیار کیا گیا تھا۔

اِنرجی پروگرام کو اوّلیت

سرمایہ لگانے میں سالانہ انرجی پروگرام کو اولیت دی گئی ہے۔ سالانہ منصوبے میں پاور کے لئے مختص رقم بڑھا کر ۲۵۴٫۳۰ کروڑ روپیے کر دی گئی ہے۔ جبکہ رواں سال کے منصوبہ میں یہ رقم ۱۳۹٫۹۵ کروڑ روپے ہے۔

وزیر مالیات نے بتایا کہ مسلسل برقی قوت (انرجی) کی مانگ بڑھنے کے مدنظر ریاست کو برقی قوت کی قلّت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسی لئے اس مد میں رقم بڑھائی گئی ہے۔

پروگرام کے تحت کوئنا پروجیکٹ کے تیسرے اور چوتھے یونٹ کے جاری ہونے کی توقع ہے جس سے ریاست کی قائم صلاحیت میں ۱۶۰ میگا واٹ کا اضافہ ہو جائے گا نیز کوئنا کے تیسرے مرحلے میں ۲۰۰ میگا واٹ یونٹ جاری ہو جائے گا۔

توقع ہے کہ ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران ہائیڈرو اور تھرمل پروجیکٹوں کے ذریعہ کل قائم صلاحیت میں ۳۶۰ میگا واٹ کا اضافہ ہو جائیگا۔ مزید برآں حکومت ہند نے تھرمل پروجیکٹ چندر پور (مرحلہ ۱، ۴۰۰ میگا واٹ)، ناشک

توسیع (مرحلہ ۲، ۴۲۰ میگاواٹ) اور پارلی توسیع (۲۱۰ میگاواٹ) کو منظوری دیدی ہے

بمبئی ہائی سے گیس کی متوقع فراہمی کے مدنظر بجٹ میں گیس ٹربائن پروجیکٹ کے لئے ۲۰ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ریاستی حکومت کو اُمید ہے کہ حکومت ہند یہ پروجیکٹ جلد ہی منظور کردے گی۔

ثانوی اسکولوں کی حوصلہ افزائی

ثانوی اسکولوں کی حوصلہ افزائی اسکیم کے تحت حکومت کا ارادہ ہے کہ ایسے اسکولوں کو جن کا ہر لحاظ سے انتظام اور کارگذاری اچھی ہے ۱۰،۰۰۰ روپے کی غیر مکرر الوقوع امداد (فی اسکول) سائنسی ساز و سامان، آڈیو وژول ایڈس، لائبریری، ریفرنس بُک اور نقشہ جات کی خریداری کے لئے دی جائے۔ شری موہیتے نے بتایا کہ ریاست کے ۸۸ غیر سرکاری ثانوی اسکول اس اسکیم سے فیضیاب ہوں گے۔

دوسری تعلیمی اسکیم یہ ہے کہ داخلہ کے امتحانات منعقد کر کے ریاست میں میڈیکل اور انجینیرنگ کالجوں میں داخلے باضابطہ کئے جائیں۔

وزیر مالیات نے بتایا کہ شہری اراضی (حدبندی اور باضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء مہاراشٹر کے نو شہری مجموعہ علاقوں میں ۱۷ فروری ۱۹۷۶ء سے نافذ العمل ہے۔ زمین داروں کی جانب سے ۶۰،۰۰۰ سے زیادہ بیانات موصول ہوئے ہیں اور مختار حکام ان کی جانچ کر رہے ہیں۔ سال ۷۷-۱۹۷۶ء میں ہم نے ایسے معاملات میں جن کی کارروائی مکمل ہو جائے معاوضہ دینے کے لئے ۱۰ لاکھ روپے کی معمولی رقم رکھی تھی۔ آئندہ سال اس مد میں یہ رقم بڑھا کر ۴ کروڑ روپے کردی گئی ہے۔

ریاست کی دیہی ضمانت روزگار اسکیم کے لئے ۵۰ کروڑ روپے کی رقم رکھی گئی تھی۔ رواں سال کے بجٹ میں بھی اتنی ہی رقم کی گنجائش رکھی گئی ہے جس میں سے حکومت اس سال فروری کے اختتام تک ۴۰ کروڑ روپے کی رقم صرف کرچکی ہے۔

آبپاشی کے محاذ پر توقع ہے کہ جون ۱۹۷۸ء تک مجموعی امکانی نشانہ ۱۸٫۰۸ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ جائے گا جب کہ جون ۱۹۷۷ء تک یہ نشانہ ۱۶٫۳۸ لاکھ ہیکٹر ہو جائے گا۔ لہٰذا آبپاشی سیکٹر میں مصارف بڑھا کر ۱۷۱٫۴۴ کروڑ روپے کر دیئے گئے ہیں، جب کہ رواں سال کے لئے متوقع خرچ ۱۳۰ کروڑ روپے ہے۔

تعمیر مکانات

ریاست میں تعمیر مکانات کا پیش نظر پروگرام ۱۴۱٫۶۲ کروڑ روپے کی رقم کا ہے جس میں ہاؤسنگ بورڈ، سڈکو، سلم امپرومینٹ بورڈ اور بمبئی بلڈنگ ریپئرس اینڈ ری کنسٹرکشن بورڈ کے پروگرام شامل ہیں۔

ریپئرس اور ری کنسٹرکشن بورڈ نے آئندہ سال کے لئے ۱۵ کروڑ روپے کا پروگرام بنایا ہے۔ ریاستی حکومت کا ارادہ ہے کہ بورڈ کو اس مقصد کے لئے بلاسود ۷ کروڑ روپے کی رقم بطور پیشگی دی جائے۔ آئندہ سیس سے ہونے والی آمدنی میں سے یہ رقم نکالی جائے گی عام حصہ اور سیس سے آمدنی اس کے علاوہ رہے گی۔

بمبئی میں جھونپڑپٹی ماحول سُدھارنے کے لئے ۳ کروڑ روپے کی رقم رکھی گئی اور دیگر شہروں کے واسطے یہ رقم ۲٫۰۸ کروڑ روپے ہے۔

قبائل ضمنی منصوبے کے تحت آئندہ سال مختلف اسکیمات کے لئے ۴۰ کروڑ روپے کی رقم رکھنے کی تجویز ہے۔

اناج کی زبردست پیداوار

گذشتہ سال کی زبردست پیداوار ۹۱٫۱۹ لاکھ ٹن تھی۔ رواں سال میں قدرے کم موافق بارش کے باوجود ہمیں اُمید ہے کہ اور بھی زیادہ پیداوار حاصل ہوگی جو تقریباً ۹۶ لاکھ ٹن تک پہنچ جائے گی۔ ارادہ ہے کہ آئندہ سال اچھی اقسام کی فصل کے زیر کاشت رقبہ مزید ۷،۲۰،۰۰۰ ہیکٹر تک بڑھا دیا جائے تاکہ پیداوار میں اضافہ کی رفتار قائم رہے۔ اس مقصد کے لئے ۵ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

بمبئی میں چوبیس گھنٹے سے زیادہ کے واسطے گارڈ ڈیوٹی پر پولیس کو دیا جانے والا ریفریشمنٹ الاؤنس ایک دم ۷۵ پیسے سے بڑھا کر فی کس دو روپے یومیہ کردیا گیا ہے۔ بجٹ میں آئندہ اس کے لئے ۵٫۳۰ لاکھ روپے کی رقم رکھی گئی ہے۔

آئندہ سال کے بجٹ میں ۴۷٫۰۱ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے تاکہ ریاست میں نرسنگ عملہ کے میسنگ الاؤنس، یونیفارم الاؤنس اور واشنگ الاؤنس میں اضافہ کیا جاسکے۔

ریاست کے سرکاری ملازمین سے متعلق مقررہ تنخواہ کمیشن کی رپورٹ مل چکی ہے اور حکومت کے زیر غور ہے۔ اس کے مدنظر بجٹ تخمینہ جات میں رکھی گئی ۲۰ کروڑ روپے کی رقم سال کے دوران صرف نہ کی جاسکی۔ بہرحال چونکہ تنخواہ کمیشن کی سفارشات یکم اپریل [illegible] سے نافذ العمل قرار دی جائیں گی۔ لہٰذا آئندہ سال کے واسطے بجٹ میں ۵۴٫۰۸ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

شراب پر محصول میں اضافہ

وزیر مالیات نے فرمایا کہ شراب پر اکسائز ڈیوٹی میں اضافہ دوہرے مقصد سے کیا گیا ہے۔ اس سے ایک طرف یہاں سے پڑوسی ریاستوں کو شراب کی اسمگلنگ روکنے میں مدد ملے گی جہاں مہاراشٹر کے مقابلے میں شراب کے دام زیادہ ہیں۔ دوسرے اس کی قیمتیں بڑھنے کے باعث شراب کی کھپت میں بھی کمی ہوگی۔ مزید برآں اس کارروائی سے ۲۹٫۳۴ کروڑ روپے کی مزید آمدنی بھی ہوگی۔

اکسائز ڈیوٹی میں اضافہ کے باعث شراب کی قیمتیں بھی بڑھ جائیں گی۔ بیئر کی ایک بوتل کی قیمت میں کم سے کم ۴۰ پیسے تک اور ہندستانی ساختہ بدیسی شراب کی ۷۵۰ ایم۔ایل بوتل کی قیمت میں ۳ روپے تک اضافہ ہوگا۔ اسی طرح راب دار اسپرٹ سے تیار کردہ دیسی شراب پر مجوزہ اکسائز ڈیوٹی ۴٫۲۰ روپے فی پروف لیٹر (الکحل جز) سے بڑھا کر ۱۰٫۳۰ روپے کر دی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ۷۵۰ ایم۔ایل بوتل پر اکسائز ڈیوٹی ۲٫۳۷ روپے فی بوتل سے بڑھ کر ۵٫۷۹ روپے فی بوتل ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا اقسام کی شراب کے تھوک اور خوردہ فروشوں کو ہر بوتل پر دس پیسے مزید کمیشن دیا جائے گا۔ اضافی قیمت پر بکری ٹیکس شمار کر کے ریاست بھر میں دیسی شراب دس روپے فی بوتل کے حساب سے کنٹرول بھاؤ پر فروخت ہوگی۔ اس سے زیادہ قیمت پر چنگی بھی عائد ہوگی۔

ہندوستانی ساختہ بدیسی شراب پر حسب تجویز اکسائز ڈیوٹی ۱۵ روپے فی پروف لیٹر (الکحل جز) سے بڑھا کر ۲۰ روپے کر دی جائیگی اس طرح ۷۵۰ ایم۔ایل کی بوتل پر بار ۸٫۴۴ سے بڑھ کر ۱۱٫۲۵ روپے ہو جائے گا۔

بیئر پر اکسائز ڈیوٹی ۲٫۱۰ روپے سے بڑھا کر ۸٫۵۰ روپے فی پروف لیٹر (الکحل جز) کر دی گئی ہے۔ اس طرح ۶۵۰ ایم۔ایل کی بوتل پر اکسائز ڈیوٹی ۱۲ پیسے سے بڑھا کر ۵۰ پیسے ہو جائے گی۔

عام صارفین اور چھوٹے کسانوں سے رعایت

بجٹ کے تحت کچھ اشیاء پر بکری ٹیکس میں رعایت کی گئی ہے جو ایک عام آدمی کے استعمال میں آتی ہیں۔

گھاسلیٹ غریبوں کا ایندھن ہے لہذا اُسے بکری ٹیکس سے بالکل مستثنیٰ کر دیا گیا ہے

تمام چھوٹے زمیندار جن کی تعداد ۲۰ لاکھ ہے اور جن پر ۵ روپے یا اس سے کم زراعتی اراضی محصول لگتا ہے یکم اگست ۱۹۷۷ء سے اس محصول سے اس محصول پر مقامی ٹیکس سے بری ہو جائیں گے۔

ہاتھ سے تیار کردہ بیکری اشیاء یعنی ذرسان چکی، ریوڑی اور گڈانی کی فروخت ۵ روپے فی کلوگرام کی حد تک بکری ٹیکس سے مستثنیٰ تھی، اب استثنیٰ کی یہ حد بڑھا کر ۱۰ روپے فی کلوگرام کر دی گئی ہے۔

اسی طرح چھوٹے ہوٹل مالکان، برنرس، جوتے تیار کرنیوالے اشخاص (جو پاور استعمال نہیں کرتے ہیں) اور تازہ پھولوں کے ہار و گلدستہ فروش جن کا سالانہ فروخت کاروبار ۳۰,۰۰۰ روپے تک ہے بھی بکری ٹیکس سے مستثنیٰ تھے یہ حد استثنیٰ بھی بڑھا کر ۵۰,۰۰۰ روپے کر دی گئی ہے۔

عام استعمال میں آنے والا زراعتی ساز و سامان اور مشینری (ٹریکٹر، آئل انجن اور الیکٹریکل موٹرس کے علاوہ) جو بجلی سے چلائی جاتی ہے، ان کا بکری ٹیکس ۳ فیصد سے گھٹا کر ۲ فیصد کر دیا گیا ہے۔

عام نہانے دھونے کے صابن پر (واشنگ سوپ) جو بار یا ٹکیہ کی شکل میں ہو بکری ٹیکس پانچ فیصد سے گھٹا کر چار فیصد کر دیا گیا ہے۔ فلورسنٹ ٹیوب پر بکری ٹیکس ۱۴ فیصد سے گھٹا کر دس فیصد کر دیا گیا ہے۔

خیراتی ہسپتالوں کے معاملے میں لوہے اور فولاد کے فرنیچر کی فروخت پر ۵ فیصد رعایتی شرح سے بکری ٹیکس عائد ہوتا ہے۔ اب تجویز یہ ہے کہ ان کے ادا کردہ ٹیکس کی بھرپائی امداد کی شکل میں کر دی جائے۔

فوری توجہ کیلئے

ترسیل زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے خط یا پتے کے اوپری حصے میں درج ہوتا ہے) ضرور تحریر فرمائیے۔

اسیرِ ابہام...

جس نے اِک عہد کے ذہنوں کو جِلا دی ہوگی
میرے آوارہ خیالات کی بجلی ہوگی

لے اُڑی ہے ترے ہاتھوں کی حِنا پچھلے پہر
میرے اُلجھے ہوئے افکار کی آندھی ہوگی

جتنی مل جائے گی کانٹوں کی چبھن لے لونگا
جو بھی حالت دلِ بے تاب کی ہوگی ہوگی

ہم نہ مانیں گے خموشی ہے تمنّا کا مزاج
ہاں بھری بزم میں وہ بول نہ پائی ہوگی!

میری ناکامیٔ حالات کے دھارے کے سوا
ایک ندی بھی تو بے آب نہ بہتی ہوگی

ہے رضاؔ آج کا عالم تو اسیرِ ابہام
یار زندہ ہیں تو کل اور ترقی ہوگی!

* کالی داس گپتا رضاؔ

۴۳/۴۱ جل درشن، نے پنسی روڈ،
ممبئی-۴۰۰۰۳۶

○ عرش ملسیانی

شہرِ فروزاں

پھول والوں کی سیر

ہندوستان کے میلے اکثر ایسے ہیں جو ملی جُلی تہذیب کے آئینہ دار ہیں۔ ان میں تمام مذاہب کے لوگ بغیر کسی امتیاز کے شرکت کرتے ہیں۔ اور حظ اُٹھاتے ہیں۔ چند مشہور میلوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) حاجی علی قربان علی شاہ وارث ۱۸۱۶ء تا ۱۹۰۵ء کا عرس۔ آپ سلسلۂ وارثی کے بزرگ اعلیٰ ہیں اور صاحبِ حال وقال ہوئے ہیں۔ حضرات بیدم وارثی اور حسرت وارثی اسی سلسلے کے معروف شاعر ہیں۔ درگاہ پر سالانہ عرس کے موقعہ پر چہل پہل اور رونق ہوتی ہے۔ طوائفوں اور قوالوں کے جمگھٹ ہوتے ہیں اور مزار پر منتیں مانی جاتی ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ اسلامی میلہ ہے۔ دیوا شریف ضلع بارہ بنکی اتر پردیش میں یہ میلہ ہر سال منعقد ہوتا ہے۔

(۲) نوچندی۔ لغوی طور پر ہر مہینے کی پہلی جمعرات۔ لکھنؤ میں اس تاریخ کو لوگ کربلا شاہ مینا کی درگاہ پر جاتے ہیں۔ لیکن میرٹھ میں اس نام کا بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ جو دو تین ہفتے چلتا ہے۔ اُتر پردیش کے ہر مقام سے ہندو مُسلمان یکساں اس میں شریک ہوتے ہیں مویشیوں کا میلہ بھی ہوتا ہے اور دوسرا ساز و سامان بھی بکتا ہے۔

اسی طرح نظیر اکبرآبادی نے آگرے کے کئی میلوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے آگرہ ملی جلی تہذیب کا سنگم رہا ہے۔ تیراکی، پتنگ بازی وغیرہ کے میلے بڑی شان سے ہوتے ہیں۔

ہمیں ایک نئی قسم کے میلے کا ذکر کرنا ہے۔ جو دلّی میں ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ مدت سے بڑے اہتمام سے منایا جا رہا ہے۔ آخری مغل بادشاہ جس کا تعلق مغلیہ خاندان سے تھا، کے چھوٹے بھائی مرزا جہانگیر بڑے منہ زور بھی تھے لیکن اس کے ساتھ اپنے والد اکبر شاہ ثانی کے منظورِ نظر بھی تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ غصہ میں آکر مسٹر اسٹین ریزیڈنٹ پر گولی چلادی۔ چنانچہ انھیں قید کر کے الہ آباد بھیج دیا گیا۔ اُن کی ماں ممتاز محل نے منّت مانی کہ اگر میرا بیٹا واپس آجائے تو میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر چادر اور پھول کی مسہری چڑھاؤں گی۔

مسٹر اسٹین نیک دل انگریز تھے انھوں نے سفارش کی کہ مرزا جہانگیر کو رہا کر دیا جائے چنانچہ وہ رہا ہو کر دہلی آئے چادر اور مسہری چڑھانے کی رسم بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ اس میں پھولوں کا ایک پنکھا بھی لٹکایا گیا اور قطب صاحب میں کئی دن تک میلہ لگا رہا۔ اس میں شہر کے سب ہندو مُسلمان شریک ہوئے۔

بادشاہ کو یہ میلہ پسند آیا۔ طے پایا کہ ہر



سال بھادوں کے نہینے میں یہ میلہ ہوا کرے۔ مسلمان درگاہ شریف پر پنکھا چڑھائیں اور ہندو جوگ مایا کے مندر پر۔ مسلمان پنکھے میں ہندو اور ہندوؤں کے پنکھے میں مسلمان شریک ہوں۔ گویا یہ تھا ایک نقشہ اس زمانے کے قومی میل جول کا، اور واقعی اس سے دونوں میں میل جول خوب بڑھا۔ پنکھا شمسی تالاب کے بند پر دوسری طرف سے اٹھتا ہے اور مہرولی کے بازار سے ہوتا ہوا جلوس کی شکل میں جہاز محل میں بادشاہ کو سلامی دیتا تھا۔ پہلے دن جوگ مایا کے مندر پر اور دوسرے دن خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر چڑھایا جاتا تھا۔

بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں میلے نے خوب رونق پائی۔ جھولے جھولے جاتے۔ پکوان چڑھتے۔ میلے والے دن سارا وقت کھانے پینے، پتنگ اڑانے، مرغوں اور بٹیر لڑانے میں گزرتا۔ لوگ شام کو پنکھے کے انتظار میں جھجوں کٹہروں برآمدوں اور چبوتروں پر آبیٹھتے۔ دن کے خاص شہنائی نواز شہنائی بجاتے اور اس کے ساتھ ساتھ جلوس چلتا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے اس میلے کا حال بڑے دل کش انداز میں بیان کیا ہے۔

یہ واقعہ اکبر شاہ ثانی کے زمانے کا ہے تند مزاج شہزادے کا نام تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں' مرزا جہانگیر نے کہیں ۱۸۰۶ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیان یہ ہنگامہ کیا۔ خیر بات سلجھ گئی اور ریزیڈنٹ نے اپنی نیکی کی وجہ سے اُسے رہا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ہر سال دلی والے جوق در جوق پھول والوں کی سیر دیکھنے مہرولی جاتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر خواجہ بختیار کاکی کی درگاہ پر اور چند سو گز کے فاصلے پر واقع جوگ مایا کے مندر میں پھولوں کی چادریں اور پھولوں کے پنکھے چڑھاتے ہیں۔ مہرولی گاؤں' اس کی گلیوں، بازاروں، بھورے اور لال پتھر سے بنے لال محل اور جہاز محل، شمسی تالاب اور جھرنے کو پھولوں سے سجایا جاتا ہے گینتوں کشتیوں اور تیراکی کے مقابلے ہوتے ہیں مغل زمانے کے بادشاہ، اس کے وزراء اور درباری لوگ یہاں آتے تھے اور پھول والوں کی سیر میں شریک ہوتے تھے۔ اس سال بھی یہ میلہ بڑی دھوم دھام سے منایا گیا تھا۔ جہاز محل کو گیندے اور گلاب کے پھولوں سے سجایا ہوا تھا اور اس کے اندر پھولوں کی محرابیں تھیں۔ سینکڑوں درخت رنگین روشنی کے دوشالے اوڑھے ہوئے کھڑے تھے اور قطب صاحب کی درگاہ اور جوگ مایا کا مندر روحانیت کا عجیب و غریب سماں پیش کر رہے تھے۔ اب یہ میلہ تین دن تک چلتا ہے۔

جلوس جھرنے سے شروع ہو کر فیروز تغلق کے سائے میں شمسی تالاب اور جہاز محل سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا ہے، مہرولی کی قدیم گلیوں اور پرانے بازاروں، دکانوں کی چھتوں، قدیم عمارتوں کے جھروکوں اور جہاز محل کے دالانوں' محرابوں سے ہزاروں لوگ اس جلوس کا نظارہ کرتے ہیں۔ پھر یہ خواجہ صاحب کی درگاہ اور جوگ مایا کے مندر پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ دلی کے بہترین شہنائی نواز سنہری اچکنیں پہنے جلوس کے آگے آگے چلتے ہیں اور عجیب کیفیت کا سماں ہوتا ہے۔

۱۹۶۲ء میں حکومتِ ہند نے میلے میں پھر جان بھر دی، اور اسے از سرِ نو تازہ کر دیا تاکہ دلی کی تہذیب اور اس میں قومی یک جہتی اور قومی میل جول کے اثرات پھر تازہ ہوں۔ اب یہ میلہ اپنی پرانی شان سے اسی طرح منایا جاتا ہے۔

••

غزل

ایک سکون کی حسرت دل کو راس آئی تنہائی میں
دیکھے کوئی جلوۂ غم کی رعنائی تنہائی میں
اے دلِ سادہ محفل محفل بھول گیا کیوں اپنی بساط
جانے کیسی کیسی ہوگی رسوائی تنہائی میں!
چشمِ ہوس سے بچنا اتنا سہل نہیں اے جانِ حیا
آئینہ تو دیکھ رہا ہے انگڑائی تنہائی میں
شاید اُس کی بزم میں جا کر کچھ تنہا ہو جائیں گے
ہم تو اب تک پا نہ سکے ہیں تنہائی، تنہائی میں

میلے میں آباد جہاں کے آپ جسے چھوڑ آئے تھے
قیسی صاحب پھر وہ تمنا لوٹ آئی تنہائی میں

عزیز قیسی
نمبر ۵، مون کرافٹ اپارٹمنٹ
آف کارٹر روڈ، باندرہ،
بمبئی ۴۰۰۰۵۰

• عبدالقوی دسنوی

ادیب اور سماجی ذمہ داریاں

کوئی بھی ادیب، اپنے ملک، اس کے رہنے والے، اُن کی زندگی، ان کے مسائل، اُن کی اُلجھنیں، اُن کے جذبات، اُن کے احساسات، ان کے خیالات سے ہٹ کر اور بے نیاز رہ کر وجود میں نہیں آسکتا اور اگر کوئی تحریر اس قسم کی تخلیق ہوئی تو اسے ادب کے حدود میں داخل ہونے کی اجازت شاید بہت مختصر مدت کے لئے ملے۔

دراصل ادب کی تخلیق میں کسی نہ کسی طرح پورے سماج کا تعلق ہوتا ہے اس لئے اس میں انسانی زندگی کی حقیقتیں روشن ہوتی ہیں، اس کی عظمتوں کا احساس ہوتا ہے، اُس کی پستیوں کا اظہار ملتا ہے، اُس کی کوتاہیوں پر روشنی پڑتی ہے، اس کی بے راہ رویوں سے آگاہی ہوتی ہے اور اس کی کامرانیوں کی داستانیں سُنی جاتی ہیں، گویا ادب، سماج، افراد پر منحصر جیتی جاگتی اور متحرک دُنیا کو اپنے اندر محفوظ رکھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مختلف زبانوں کے ادب کے مطالعہ سے ہم، مختلف قوموں، مختلف خطہ کے لوگوں اور مختلف خیالات رکھنے والوں سے نہ صرف پوری طرح سے آگاہ ہوتے ہیں بلکہ ان کے مزاج، ان کے افکار، ان کے رجحانات اور ان کے مسائل کو آسانی سے سمجھنے لگتے ہیں۔

ادب جب سے وجود میں آیا ہے اُس نے انسانی زندگی کے ہر موڑ کو نہ صرف اپنے اندر محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے بلکہ اس کی رہنمائی بھی کی ہے۔ اور اسے اس کی ذمہ داریوں کا احساس بھی دلایا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ادب پورے سماج ہی نہیں بلکہ اس سماج کے افراد، یا کسی ایک طبقہ یا کسی ایک فرد کا بھی اثر قبول کرتا ہے اس لئے فرد جس مکتبہ خیال کا ہوگا اس کا ادب بھی اس کی تشریح کرے گا۔

ادب نے ہمیشہ زمانے کے مختلف رجحانات، مذہبی خیالات، سیاسی افکار کی نشر و اشاعت کی ہے اور دشوار گزار راہوں سے آسانی کے ساتھ گزر جانے کا حوصلہ دیا ہے اس نے ہمیشہ انسانی ذہن و دماغ کی تربیت کی ہے اور اسے تہذیب یافتہ قوموں کے آداب سکھائے ہیں۔ آزادی کے رموز سے آگاہی دی ہے کبھی اس نے خادم کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں اور سماج کی خدمت کی ہے اور کبھی مخدوم بنکر معاشرے کو جس طرف چاہا ہے موڑ دیا ہے اور اُسے برائیوں اور خرابیوں سے پاک کرنے کی کوشش کی ہے اس نے افراد میں صحت مند زندگی کا احساس پیدا کیا ہے اور اس کے حصول کے طریقے بتائے ہیں، اس نے مذہب کے کاندھے پر سوار ہوکر، انسانیت کی خدمت کا حوصلہ دیا ہے اور اخلاقیات کو اپنے سر پر اُٹھا کر گھر گھر، در در اُسے پہچانے کی کوشش کی ہے اس نے سیاسی شعور پیدا کیا ہے اور سماجی احساس جگایا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ادب سماج کو خوب سے خوب تر اور مضبوط سے مضبوط تر بنانے کا ایک خوبصورت ذریعہ بھی رہا ہے۔

دراصل ادیب زندگی کی مختلف کامیابیوں اور ناکامیوں کے تجربوں، اس کی مسرتوں اور اذیتوں، اس کی ضرب و کرب سے گزر کر اعلیٰ فکر و خیال کی مدد سے ادب تخلیق کرتا ہے، اس کا یہ عمل نہایت دشوار ہوتا ہے لیکن یہی اس کی عظمت کا باعث بنتا ہے۔

ادب برائے ادب کا نعرہ لگایا جائے، یا ادب برائے تفریح کا، معاشرے سے الگ ہوکر ادب پیدا ہو نہیں سکتا ہے، اور اگر کسی سبب ایسا ہوگیا تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی ادب کو قبولیت عام حاصل ہوتی ہے جو سچائی کے ساتھ زندگی کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے، چاہے اس میں کسی طبقہ کی زندگی ہو، کسی مذہب کے ماننے والوں کا ذکر ہو، کسی ملک کی آئینہ داری ہو اور جس ادب کو قبولیتِ عام حاصل ہوتی ہے وہ ادب امر ہو جاتا ہے۔

وہ ادب جو سچائی کا ترجمان ہے کسی سماج کا پیدا کردہ ہو، کسی بھی ملک و قوم کے افراد کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی زبان کے عظیم فنکاروں کی تخلیقات کسی دوسری زبان میں ترجمہ کی جائیں تو اپنا اثر دکھلائے بغیر نہیں رہ سکتی ہیں اگر

ایسا نہ ہوتا تو ایک زبان کا ادب دوسری زبان میں منتقل نہ کیا جاتا اور اگر ایسا کیا جاتا تو اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اچھا ادب وہ بھی ہے جو مختلف خطوں کے انسانوں کو سمجھنے اور قریب لانے میں مدد کرے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب اس میں صداقت ہو۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ادب کا موضوع پورا سماج نہیں بلکہ زندگی کا ایک مختصر سا حصہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ادیب کی اپنی فنکاری ہے کہ وہ اس مختصر پہلو کو کس قدر جاندار بنا کر پیش کرتا ہے کہ لوگ اس کے معترف ہو جائیں۔ یہ کہنا درست ہے کہ زندگی کا ہر پہلو ادب نہیں بن سکتا، سماج کا ہر گوشہ ادب میں جگہ پانے کے لائق نہیں ہوتا، اس کا حق ادیب کو ہے کہ وہ سماج کے کس حصے اور گوشے کو ادب میں جگہ دے اور اس پر کس زاویئے سے روشنی ڈالے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو اور اس کی تحریر کو مقبولیت حاصل ہو۔

ایک مدت سے ادب نے انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا ہے، اور اسی طویل مدت میں دنیا کے مختلف خطوں کے، مختلف زمانوں کے انسانوں اور ان کے جذبات، احساس اور کردار، ان کی شکست و فتح اور ان کی راہ کے پیچ و خم کو اپنے اندر سمو کر ان کی سچی اور حقیقی تصویریں پیش کر کے، اپنی بصارت اور بصیرت سے اسے تابناک بنانے کی کوشش کی ہے اس نے گمرہی میں رہبری کی ہے، شکست خوردگی میں ہمت بندھائی ہے اور ایسی طاقت اور توانائی بخشی ہے کہ فرد یا پورے سماج میں کچھ کر گزرنے کی ہمت پیدا ہوگئی ہے اس لئے یہ کہنا بھی کسی حد تک درست ہے کہ ادب کا کام انسانی زندگی کے معراج کی جستجو ہے۔

ادب نے جب بھی انسانی زندگی کو مصائب اور مشکلات سے گزرتے دیکھا اس نے اس کے افراد کی انگلیاں تھام لی ہیں اور اس دشوار گزار منزل سے آگے بڑھنے میں رہنمائی کی ہے، اس نے ہمیشہ نئے افکار سے، نئی سمتوں سے، نئی تابناکیوں سے اور نئی حقیقتوں سے اپنے زمانے کو باخبر کرنے اور باخبر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ صدیوں سے دنیا کے وسیع اور عریض حصہ میں جو ذہنی اور فکری رجحانات پیدا ہوئے ہیں، مذہبی عقائد کے چراغ روشن ہوئے، سیاسی انقلابات آئے، سماجی تبدیلیاں ظاہر ہوئیں تہذیبی منزلیں طے ہوئیں، یہ سب کچھ بہت حد تک ادب کے عملی نتائج ہیں، اس کے پیچھے ادیب کا شعور، اس کا ذہن، اس کی اپنی صلاحیتیں کارفرما رہی ہیں۔

آج جب دنیا مختصر ہو رہی ہے دور دراز کے علاقے سمٹ کر بہت قریب آرہے ہیں، مختلف طبقے ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے ہیں، مختلف تہذیبیں ایک دوسرے سے ہاتھ ملا رہی ہیں، مختلف زبانیں اور ادب نہایت تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کو متاثر کر رہی ہیں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ایک دوسرے کو متعارف کرانے میں مدد کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے کے راستے کو بھی ہموار کر رہے ہیں، اخبارات اور رسائل نے بھی مختلف ملکوں اور قوموں کو ایک دوسرے سے باخبر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تیز رفتار ہوائی جہازوں نے دنیا کو مختصر کرنے اور مختلف قوموں اور ملکوں کو جان پہچان کرانے میں نمایاں حصہ لیا ہے، یہ بھی درست ہے کہ سائنس کی ترقیوں نے جہاں ہمیں بلندی کی اس منزل پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ ع

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

وہاں بہت سے مسائل بھی پیدا ہو گئے ہیں، جن سے ہماری الجھنوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ ہم چاند کو سر کر چکے ہیں، مریخ کو جولان گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کامیابیوں کے نتیجہ میں تہہ در تہہ سیاسی لہریں پیدا ہو رہی ہیں جن کی زد میں بہت سی تہذیبیں آرہی ہیں اور بہت سے ملکوں کا ان سے متاثر ہونا لازمی ہو گیا ہے، ترقیوں نے زندگی کی پیچیدگیوں میں بڑا اضافہ کر دیا ہے، اب انسان سادہ مزاج نہیں رہا ہے، ہمارے مسائل دشوار ہوتے چلے جا رہے ہیں اس لئے آج کے ادیب اور اس کی سماجی ذمہ داریاں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

ادیب کسی بھی نظریہ کا حامل ہو سکتا ہے، اس کے کسی طرح کے بھی معتقدات ہو سکتے ہیں وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے اپنے آپ کو وابستہ کر سکتا ہے وہ اپنی تخلیقات میں اس کو جگہ بھی دے سکتا ہے لیکن اس کی فکر کی جولان گاہ زندگی اور سماج سے ہٹ کر نہیں ہو سکتی، اچھا ادب وہی ہوگا، جو محدود نظریہ میں گرفتار نہ ہوگا، مختصر زمانے کے لئے تخلیق نہ کیا جائے گا، چھوٹے علاقے کو محیط نہیں کرے گا اور کسی ایک طبقہ کے لئے نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ایسا ادب جو وقتی تقاضے کو پورا کرتا ہے وقتی سیاست سے متاثر ہوتا ہے اور وقتی نظریہ کی ترویج کرتا ہے خود بھی وقتی ہوتا ہے اور وقت کے گزر جانے کے بعد اپنے اثر و تاثیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ ادب جو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور زندگی اور سماج کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور انسانیت کی خدمت کو اپنے دائرے میں لیتا ہے ہمہ گیر ہو جاتا ہے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب ادیب سماج سے الگ ہو کر نہیں

بقایا صفحہ ۳۶ پر

غزل

دِل کو دریا بنا لیا ہم نے ؛ سوچتے ہیں یہ کیا کیا ہم نے
خاک کا بھی سُراغ مِل نہ سکے ؛ خود کو ایسا مٹا دیا ہم نے
جاؤ سے جس کی اینٹ چُنی ؛ وہ نگر دل کا ڈھا دیا ہم نے
درد کے سیپ یاد کے موتی ؛ کُل خزانہ لُٹا دیا ہم نے
ہر تمنّا کو شکاستے ہاتھوں ؛ بزمِ دل سے اُٹھا دیا ہم نے
بے حیائی جو وقت کی دیکھی ؛ اپنا چہرہ چھُپا لیا ہم نے
سُن زمیں کی کراہ ـ کانوں کو ؛ گرم سیسہ پِلا دیا ہم نے
جب جڑھا سر پہ درد کا سُورج ؛ خونِ دل سے نہا لیا ہم نے
اس طرح زندگی کو ڈھویا ہے ؛ موت کو بھی لجا دیا ہم نے
جانے زخمی نگاہ میں کیا تھا ؛ دشمنوں کو رُلا دیا ہم نے
مرثیہ تھا جسے غزل کہہ کر ؛ دوستوں کو سُنا دیا ہم نے

رُخ جو دیکھا ہوا کا، دل کا کنول
خود ہی اُٹھ کر بجھا دیا ہم نے

کنول پرشاد کنول
پریم سدن، دھول پیٹھ، حیدرآباد اے.پی

ڈاکٹر پربھاکر ماچوے

ہندوستانی زبان وادب کے قدآور پیشوا سے کچھ باتیں —

ابوالفیض سحر ۔ ۴ ویسٹ بلاک ۔ آر ۔ کے ۔ پورم ۔ نئی دہلی ۲۲

ڈاکٹر پربھاکر ماچوے کا نام تو میں نے بہت پہلے سنا تھا ۔ مگر ان سے میری پہلی شخصی ملاقات آج سے تقریباً ۶ برس پہلے ساہتیہ اکاڈمی میں بین سمینار کے موقع پر ہوئی تھی جس میں ہندوستان کے تقریباً سبھی اہم زبانوں کے اہم ادیب ، شاعر اور دانشور اکٹھا ہوئے تھے ۔ ہندوستانی زبان وادب کے قدآور پیشوا (مرہٹی اور مہاراشٹر کی نسبت سے بھی) ڈاکٹر ماچوے سے مجھے شروع ہی سے ایک خاص لگاؤ اور انس تھا ۔ شاید رہے گا بھی — کیونکہ آج کے زمانے میں بھی ان جیسا شریف النفس ، راست باز ، دیانت دار اور حق گو شخص شاعروں ادیبوں اور فنکاروں میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا —

حالاں کہ یہ طبقہ کسی ملک اور قوم کا باشعور ، دانشور اور آدرش وادی طبقہ کہلاتا ہے جس کی طرف تاریخ کی نگاہیں لگی رہتی ہیں ۔ تہذیب کا دامن پسارا ہوا ہوتا ہے اور علم وادب کی جھولیاں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں ۔ آج جب کہ شاطروں اور عیاروں کی چالبازیاں علامت ہیں علم کی ہنر کی ، دلیل ہیں کامیابوں کی بلندیوں کی بنیادیں ہیں اعزاز و اکرام کی ، ضامن ہیں مقام کی اور شہرت کی ، نکیں اس ریگستان بے آب وگیاہ کے سرابوں کے دام میں آئے بغیر ایک قلندر ریگستان کے ساتھ اپنے کام کے اونچے ٹیلے پر کھڑا ماچوے مسکراتے ہوئے اپنے آس پاس پر اچٹتی نظر ڈال کر پھر آگے ہی دیکھ رہا ہے اوپر ہی دیکھ رہا ہے ۔ آنکھوں میں ایک پیاس لیے ، دل میں ایک تڑپ لئے ، سچائی کی ، پیار کی ، انسان دوستی کی ادب پروری کی ، آرٹ کی تخلیق کی اور ایک نئے شیوالے کی تعمیر کی ، جیسے کسی بھولے بھالے ، معصوم بچہ کے ننھی منی ، پیاری پیاری جھیل سے دل میں چاند کو پالینے کی خواہش مچلنے لگی ہے ۔ حال ہی میں چند اہم مسائل پر ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ۔

پرانے قلعے سے صفدر جنگ ایرپورٹ جانے والی اور انڈیا گیٹ سے مہرولی لے جانے والی سڑکوں کے سنگم سے کچھ پہلے نئی دہلی کے ایک اہم علاقے خان مارکیٹ سے متصل راجدر نگر کے ایک مکان میں ہم بیٹھے تھے ۔ شام کے ۶ بج چکے تھے ۔ دسمبر کی سردیاں رہ رہ کے انگڑائیاں لے رہی تھیں ۔ ڈرائنگ روم میں مرے سامنے داہنی طرف ڈاکٹر ماچوے بیٹھے ہوئے تھے ۔ گرم اوورکوٹ ، اونی ٹوپی پہنے ہوئے ابھی ابھی چائے ختم ہوئی تھی ۔ ایک منٹ کے وقفے کے بعد میں نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے عام بات چیت کا رخ ایک خاص موضوع کی طرف موڑ دیا ۔

ماچوے صاحب ، ادب میں ، خواہ وہ اردو کا ہو یا ہندی کا یا کسی اور زبان کا ، آج کل یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہمارے ادیبوں اور شاعروں ، استادوں اور طالب علموں نے اپنے علم وادب ، اپنی تہذیب ، اپنی طرز معاشرت ، اپنی فہم وفراست ، اپنے تجربے اور تجزیے پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی بجائے دوسرے ملکوں ، دوسری تہذیبوں اور دوسری زبانوں کے دانشوروں اور ان کے اقوال ، ان کی کتابوں اور ان کے مضامین کے حوالے دینے کی جو بیشتر صورتوں میں غیر ضروری ہوتے ہیں علم وادب اور مطالعے کی وسعت اور گیرائی کا ثبوت مقرر کر رکھا ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ آج انسانی زندگی بین الاقوامی سطح پر نمایاں ہو رہی ہے ۔ مگر پھر بھی قومی اور مقامی ضروریات اور تقاضوں سے کس طرح منہ موڑا جا سکتا ہے ؟ اور یہی نہیں ، ماچوے صاحب ، ہماری بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ ہم غیر ملکی مفکرین کی بار بار کہی

دوہرائی گئی باتوں کو علم و احساس کی بنیاد قرار دیتے ہوئے انھیں یاد رکھنے اور پھر دوہرانے کو ہی معیار تعلیم اور کامیابی کی کلید سمجھتے ہیں۔ کیا یہ دونوں ہمارے ذہنی افلاس کا اعلان نہیں ہے؟

"یقیناً ہے۔ مجھے آپ کی اس بات سے پورا اتفاق ہے اسی ذہنی افلاس اور اپنی تہذیبی اقدار اور ادبی سرمایہ کو بے مایہ سمجھنے کے رجحان اور دوسروں کے علم و ادب پر تکیہ کرنے کے یا اس سے مرعوب ہونے کے رویے سے ایک طرح کی ذہنی غلامی پرورش پانے لگتی ہے۔"

"ماچوے صاحب، میں حسب ضرورت معلومات حاصل کرنے علم و ادب کو نئی سمتیں دینے کی حد تک دنیا کے سارے ادبوں اور ساری تہذیبوں کا تقابلی مطالعہ کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کا قائل ہوں۔ مگر مختلف ادبوں اور رجحانات کو غیر ضروری طور پر مسلط کرنے یا ان کی اندھی تقلید کو ہماری تہذیب ہمارے سماج اور ہمارے ادب کے لئے نامناسب سمجھتا ہوں۔"

میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی تھی کہ ڈاکٹر ماچوے نے کہا "ہاں اندھی تقلید کی بجائے COMPARATIVE STUDY ہمارا مقصد ہونا چاہیئے اور آج کے دور میں جینے اور ترقی کرنے کا زندگی کے ہر شعبے میں یہی طریقہ ہے۔"

یقیناً COMPARATIVE STUDY ہمارا مقصد ہمارا طریقہ کار ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر انداز فکر ایک رخی ہو یا رویہ جانبدارانہ ہو تو خود تقابلی مطالعے اور تجزیے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اور پھر نہ ادب سے انصاف ہو سکتا ہے اور نہ ادیب سے۔" میں نے کہا۔

ہاں ماچوے جانب داریت یا Commitment سے جس سے صحیح نتائج اخذ کرنے میں کامیابی نہ ہو، پرہیز کرنا چاہیئے۔ حقیقت کو حقیقت کی نظر سے دیکھنے، سچائی کو سچائی تسلیم کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔

یہ محتاط رویہ اس وقت صحیح ڈھنگ سے اپنا رنگ دکھا سکتا ہے جب ادیب یا فن کار سے ادب یا فن کے CREATIVE PROCESS سے الگ نہ کرتے ہوئے اور جو کچھ تخلیق کیا گیا اسے سماجی اور تہذیبی پس منظر اور ساتھ ہی عوامی رابطہ کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور پرکھا جائے امریکی فلاسفر EMERSON کے خیال کے مطابق

"TO APPROACH THE BEAUTIFUL ONE SHOULD BE BEAUTIFUL"

ادب کی تخلیق سیاسی دھارے کے زیر اثر بھی ہو سکتی ہے اور ہمارے سماجی اور تہذیبی ضروریات اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق بھی، ادب کشمکش اور جدوجہد کے دور میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن بہرصورت ادب کو ادب آرٹ کو آرٹ کی قدروں کا آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ یہ انداز فکر ہمیں گاندھی جی کی نگارشات ٹیگور کی شاعری، آنند کمار سوامی اور اردو ہندو کے ادب میں اور اقبال کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ ادب اگر ESTABLISHMENT کا حصہ ہی بن کر رہ جائے تو پھر وہ ادب نہیں پروپیگنڈہ بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ ادب عالیہ کی قدروں سے محروم ہو جاتا ہے۔"

ڈاکٹر ماچوے اور بہت کچھ کہنا چاہتے تھے مگر اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور وہ معذرت چاہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ٹیلیفون تک گئے، رسیور اٹھایا ہلو کہا، بات کی اور پھر لوٹے۔

میں نے پھر گفتگو شروع کرتے ہوئے دریافت کیا ماچوے صاحب، ہم جس کلاسیکی ادب کی بات کرتے ہیں۔ اس ادب کا گہری نظر سے جائزہ لیں جو غیر عقیدت مندانہ اور بے نیازانہ ہو تو ایک خاص پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس طرح کے ادب میں عام طور پر مذہبی، سیاسی کردار، ذی اثر طبقات، تحریکات اور شخصیات تاریخی واقعات کا بیان زیادہ ملتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ میرا سوال اور پھر ٹوٹتی ہوئی نظریں۔

کلاسیکی ادب کے ایک حصے کے بارے میں آپ کا تجزیہ درست ہو سکتا ہے۔ مگر سارے کا سارا کلاسیکی ادب ایسا ہی نہیں ہے۔ مگر جس نکتہ کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ بات ضرور ہے۔ اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ ہمارے تہذیبی، تاریخی اور ادبی ارتقا کے ابتدائی دور پر مخصوص حالات کی وجہ سے ایسے ہی رجحانات رویے اور نظریے حاوی رہے۔ لیکن ادب اور فن میں بھی محض چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا کا رویہ کوئی صحت مند رویہ نہیں۔ جن کا رعب داب ہے۔ جن کا بول بالا ہے۔ انھیں کی جے جے کار ہے اور بس تو پھر ایک جھنڈے بردار اور قلم کار میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وقت کی حمایت سماج کی دھڑکن، ادب اور فن کے ارتقا سے ہماری ایک مجموعی ذمہ داری ہے۔" ماچوے صاحب کی نپی تلی رائے۔

یوں تو اب جدید ادب کی بات بھی پرانی ہو چکی ہے۔ مگر پھر بھی اردو کے علاوہ ہندوستان کی دیگر زبانوں کے ادب پر بھی آپ کی نظر ہے۔ اس لئے میں یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ ہماری تاریخ ہماری تہذیب کے پس منظر میں اس جدیدیت کا تجربہ کیسا رہا؟ جہاں تک میرا مطالعہ اور تجربہ رہا ہے میں نے اس میں ترقی پسندی حقیقت نگاری اور سماجی شعور کے عناصر کچھ بدلے ہوئے روپ میں دیکھے ہیں۔ مگر احساس اور اظہار میں غیر مغلوب جذباتیت کے ساتھ ساتھ تصنع اور مبالغہ زیادہ رہا ہے جس کی وجہ سے ادب اور

فن کی بنیادی قدریں گنہا گئی ہیں ۔ شاید اسی لئے جدیدیت نئے ذہن کی جولانیوں اور عصری شعور کی باریک بینیوں اور دور رسائیوں تازہ علم و فکر کی روشنیوں کے باوجود نہ تو ادب سے پورا انصاف کر سکی ہے نہ سماج سے اور نہ تہذیب سے بلکہ خود سے بھی نہیں ۔ شاید اسی لئے، ذہن جدید سے ان دیکھی بھول بھلیوں کے چکرانے والے مکر دن اچھوتے سرابوں کے تھکا دینے والے تعاقبوں اور بے روزن گنبدوں کی چیختی ہوئی گونجوں کی تاب لانے والے دم خم کا مظاہرہ نہ ہو سکا ۔ مگر بے زمینی اور لاسمیت کا نیا ادب اور نیا فن، ادب عالیہ کی آفاقی بلندیوں کو چھونے میں بڑی حد تک ناکام رہا ۔ آپ کا کیا خیال ہے ۔ میرے سوال کا غالباً خود میں نے ہی جواب دے دیا تھا پھر بھی جواب طلب نظروں کے ساتھ سوال کر بیٹھا

اب ڈاکٹر ماچوے بول رہے تھے " ہمارے جدید ادب کا تجزیہ ایسا نہیں ہے کہ جیسے سارا کا سارا کامیاب یا تمام کا تمام ناکام کہا جا سکے ۔ آپ کی طرح میرا بھی یہی احساس ہے کہ اس میں بعض تازہ اور توانا پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ہمارے جدید ادیبوں شاعروں یا فنکاروں کے ذہن اپنی ذات کی اندرونی ایج کو بھول کر سیڑی نظر باب اور دیوں کو فیشن کی طرح اوڑھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں ۔ ہمارے سماجی ماحول ہمارے سماجی تہذیبی سرمائے کا کوئی قومی احساس کئے بغیر ۔ بھری بھیڑ میں خود کو تنہا محسوس کرنا، ہر طرف جاتے ہوئے لاسمیت کا اعلان کرنا وغیرہ اور اس طرح کے دیگر رویے اور رحجان اس ذیل میں آتے ہیں ۔ دو عظیم جنگوں کے بعد کے اثرات میں اور Facelessness ہے ۔ جو ان جنگوں میں واقعی ملوث ہوئے معاشروں اور تہذیبوں کے سیاق و سباق میں نظر آتی ہے ۔ ہمارے سماج اور ہماری تہذیب قدرے مختلف ہے ۔ علاوہ ازیں لسانی دائرہ، مغرب سے جداگانہ نوعیت سے سامنے آتا ہے ۔ اس لئے جا د بے جا وجودیت کے نظریہ کا اطلاق، جدیدیت کی رٹ، ہماری سماجی زندگی اور تہذیبی رنگا رنگی سے بے جوڑ لگتی ہے ۔ جدید ادب کا عظیم المیہ اس کے ابلاغ کی ناکامی ہے ۔ دوسری بات جو مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ میں ہر اچھے فن پارے کی قدر کرتا ہوں مگر میں

پارے کے فن کار کے [illegible] میں اس احساس کی رعوت کا کہ وہ کوئی انتہائی [illegible] [illegible] فن کار یا دالستور ہے [illegible] کے فکر و فن کی سطح تک پہنچنا معمولی انسان کے بس کی بات نہیں مجھے کوئی جواز نظر نہیں آتا ۔ کہا یا کہ We are the product of The Masses ہمارے لئے ایسا ادب جو عوام سے کوئی ربط نہ رکھے بے کار ہے غیر ضروری ہے ۔

ہم لوگ اردو ادب کی بات کرتے ہیں ۔ ہندی والے ہندی ادب کی فکر کرتے ہیں ۔ آسامی بولنے والے آسامی ادب کا چرچا کرتے ہیں ۔ مراٹھی، تامل اور تلگو والے اپنی اپنی زبانوں اور اپنے اپنے ادبوں سے مطلب رکھتے ہیں ۔ مگر ہندوستانی زبان اور ہندوستانی ادب کی اجتماعی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتا ۔ ایسی صورت میں ہم ہندوستانی ادب کی تخلیق سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں ۔ میرا سوال جیسے دور فضا میں کوئی رنگ برنگا جھنڈا لہرا رہا ہو ۔ ذہن میں مختلف جوابوں کی کٹھ پتلیاں ناچ رہی تھیں ۔ میں ماچوے صاحب کی طرف دیکھ رہا تھا ۔ ماچوے صاحب میری طرف دیکھ رہے تھے ۔ کہنے لگے ۔

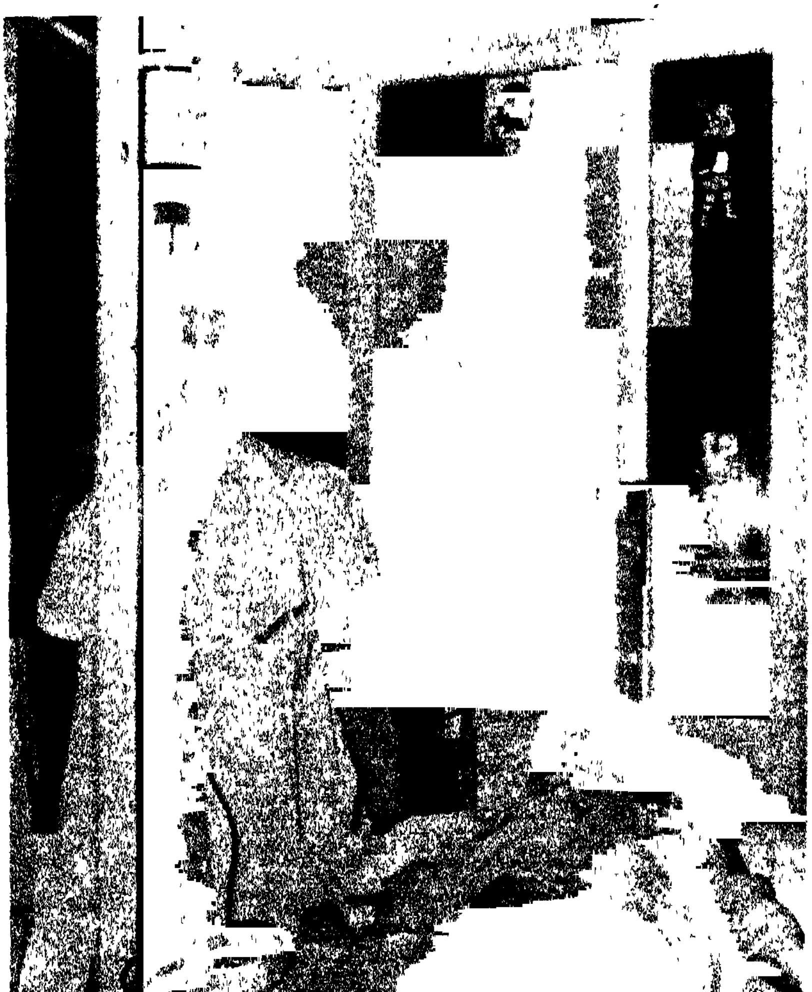
" ہماری تمام زبانیں قومی زبانیں ہیں ۔ ہر ایک کا احترام ہونا چاہیئے ۔ ہر ایک کو اس کا اپنا حق ملنا چاہیئے ۔ ہر زبان میں اچھا ادب تخلیق پا سکتا ہے ۔ مگر ان سب زبانوں میں تخلیق پانے والا وہ ادب جس میں ہندوستان کی تاریخ لہلہاتی ہو، ہندوستان کی تہذیب جگمگاتی ہو، ہندوستان کا سماج سانس لیتا ہو ۔ ہندوستانی سماج و زندگی مسکراتی ہو ۔ ہندوستانی ادب ہے ۔ اس کی اچھی مثالیں ہیں ۔ امیر خسرو کا ادب، جائسی کا ادب اور کبیر داس کا ادب' ہمارے قدیم ادب میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں ۔ انگریزوں کی آمد کے بعد سے مذہب زبان ادب اور علاقوں کی تفریق اور تقسیم میں سیاست اثر انداز ہونی شروع ہوئی ۔ پھوٹ اور اختلاف جڑ پکڑنے لگے ۔ ہر ایک کو اپنی زبان اپنے علاقے کی فکر کرنے، اسے پسند کرنے، دوسروں کی فکر نہ کرنے، بلکہ دوسروں کو پسند نہ کرنے کی غیر شعوری طور پر تربیت دی جاتی رہی ۔ آج کے لسانی جھگڑوں کی بنیاد یہی باہمی منافرت اور تعصب ہے ۔ حد یہ ہے کہ ہم ایک زبان کے علاقے کے لب و لہجے کو بھی برداشت نہیں کر پا رہے ہیں کوئی کہتا ہے اردو تو بس لکھنؤ کی ہی اردو ہوتی ہے ۔ کوئی کہتا ہے دلی والے اہل زبان ہیں، اہل دکن کی زبان مستند نہیں، اسی طرح بنارس کی ہندی ہی ہندی ہے یہ ہریانہ والے کیا جانیں ہندی ۔ حالاں کہ ہندوستانی زبان میں مختلف علاقوں اور مختلف زبانوں کی مخصوص روایات آہنگ رنگ در روپ جھلکیں گے ۔ الفاظ اور محاورے آئیں گے ۔ لب و لہجے بھی آئیں گے ۔ یہی ہماری دولت ہے اور یہی ہمارا سرمایہ ۔ ان سب کا ملا جلا مزاج ان سب کی روح رکھنے والی زبان ہی ہماری ہندوستانی زبان ہے اور یہی مشترکہ گنگا جمنی ادب ہی ہمارا ہندوستانی ادب ہے ۔ سینٹرل ایشیا کے روسی ادب کو بھی انہیں خصوصیات کی وجہ سے وہاں کا قومی ادب کہا جاتا ہے ۔" اتنا کہہ کر ڈاکٹر ماچوے کچھ دیر کے لئے رُکے ۔ شاید وہ کچھ اور سوچ رہے تھے ۔ میں نے پھر دوسرا تار چھیڑا ۔ ہندوستانی زبانوں میں کئی زبانیں ایک

دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ لغت کے اعتبار سے اور رسم خط کے لحاظ سے بھی مگر باوجود رسم خط کے اختلاف کے ہندی اور اردو جس قدر ایک دوسرے سے قریب اور ملتی جلتی ہیں دوسری کوئی زبان نہیں۔ نہ سنسکرت اور ہندی، نہ ہندی اور مرہٹی، نہ تلگو، کنڑی نہ تامل اور ملیالم مگر اس کے باوجود ہندی اور اردو کا مسئلہ ایک عجیب وغریب مسئلہ بنا ہوا ہے۔ لگ بھگ ۳۰ برسوں سے اس لسانی آویزش یا کشمکش کو حل نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس عرصے میں ہندوستان تو ہندوستان دنیا کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جسے حل نہیں کیا گیا ہے۔ کیا آپ بھی سوچتے ہیں کہ اس مسئلے کو اب بھی حل نہیں کیا جا سکتا یا اسے حل نہیں کیا جانا چاہیے۔

نہیں نہیں، مجھے ہی کیا کسی بھی سچے ہندوستانی کو ایسا نہیں سوچنا چاہیئے۔ دنیا کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہوتا جسے حل نہیں کیا جا سکے سوال صرف اس نیت کا اور حالات کا ہے۔ جن میں ہم اس مسئلے پر غور کرتے ہیں یا یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ظاہر ہو کہ واقعی غور کیا جا رہا ہے۔ اور پھر اردو اور ہندی کا مسئلہ تو سبھی کو معلوم ہے، انگریزوں کے زمانے سے پیدا کیا گیا مسئلہ ہے۔ مگر اب جمہوریت اور سیکولرزم کے دور میں ہر قسم کی غلط ذہنیت کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ ہندوستان کی اور زبانوں کی طرح اردو کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف ہونا چاہیئے۔ نہ اردو والوں کو ہندی کو ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھنا چاہیئے اور نہ ہی ہندی والوں کو اردو کے ساتھ تعصب برتنا چاہیئے۔ ہندی اور اردو ایک دوسرے کے مقابل کھڑی ہو کر ترقی نہیں کر سکتیں بلکہ ایک دوسرے کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے ہی ترقی کر سکتی ہیں۔ اردو والوں کو ہندی پڑھنی چاہیئے اور ہندی والوں کو اردو سیکھنی چاہیئے۔ اب وقت آگیا ہے کہ سنسکرت جیسی CLASSICAL زبان کو اردو جیسی MODERN زبان بناتے ہوئے اندرونی طور پر اردو کو سنسکرت جیسی بھولی بسری زبان بنا دینے کی ذہنیت کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ ہمیں زبانوں کو آگے کی طرف لے جانا ہے نہ کہ پیچھے کی طرف، یورپ، لیٹن کی طرف نہیں جا سکتا، ایران، پرانی فارسی کے دور کو دوبارہ شروع نہیں کر سکتا، اسی طرح ہندوستان سنسکرت جیسی قدیم اور غیر عوامی زبان کی طرف عود نہیں کر سکتا۔ ہمیں آج کے ہندوستان کی آج کی ہندوستانی ضرورت اور آج کے ماحول کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر آج کی ہندوستانی بھاشا کو فروغ دینا ہوگا۔

●●

ٹاٹا بلڈ بنک، جے جے ہسپتال میں اس ... کو خون دیا گیا اور زندگی کی نئی لہر اس کی ... نوں میں دوڑ گئی۔



لوک سبھا چناؤ

کچھ دلچسپ جھلکیاں

نوپاڑہ سے ناگپاڑہ تک

شری اور شریمتی بی۔ انیس رائے کے لئے یہ نوپاڑہ سے ناگپاڑہ کا سفر تھا: حالانکہ وہ تھانے کے محلہ نوپاڑہ کے رہنے والے ہیں مگران کا نام فہرست رائے دہندگان برائے ناگپاڑہ میں ہے جوکہ بمبئی جنوبی وسطی حلقے میں واقع ہے یہ جوڑا چند ماہ قبل نوپاڑہ' تھانے منتقل ہوا تھا۔ اس حلقے میں صبح جلد آنیوالے ووٹراں میں یہ لوگ بھی تھے۔

ووٹ پہلے سفر بعد میں

کرلا (نہرونگر) کے ایک بوتھ پر ایک ووٹر اپنے سامان کے ساتھ اپنا حق رائے دہندگی استعمال کرنے آیا۔ جب اس ووٹر شری جے وائی جوشی سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ مجھے ایک تار ملا تھا جس کے تحت مجھے کل ہی بمبئی سے چلا جانا چاہیئے تھا۔ مگر اپنا ووٹ ڈالنے کے لئے میں نے اپنا سفر چند گھنٹوں کے لئے ملتوی کردیا۔ یہاں سے میں سیدھا ایس ٹی اسٹینڈ جاؤں گا۔"

مسکراتے ہوئے رخصت!

شریمتی راما بائی سیتارام دھامکے (۷۲ سالہ) بینگن سے بھری ٹوکری سر پر اٹھائے بڑی تیزی کے ساتھ ضلع تھانے کے تعلقہ مرباد میں واقع کسور کے پولنگ اسٹیشن پر آئیں تاکہ اپنا ووٹ ڈال سکیں۔ وہاں پہلے ہی سے قطار میں ۲۵ ووٹرد کو کھڑا دیکھ کر وہ ذرا مشکل میں پڑ گئیں کیونکہ انھیں اپنی روزی کمانے کے لئے ہفتہ داری بازار جانا تھا اور ووٹ بھی دینا تھا۔

انھوں نے اپنی ٹوکری ایک پولیس مین کے سپرد کی اور قطار میں کھڑے ووٹروں سے درخواست کی کہ انھیں پہلے جانے کا موقع دیں۔ انھوں نے بڑی خوشی سے یہ درخواست قبول کرلی۔ اس طرح اپنا ووٹ پہلے ڈال کر وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئیں۔

راشن کارڈ بطور شناخت

نہرونگر، کرلا کے قریب جھونپڑپٹی سے بعض ووٹر اپنا راشن کارڈ لے کر آئے اور پولنگ بوتھ کی قطار میں کھڑے رہے۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ اگر میری شناخت کو چیلنج کیا گیا تو یہ کارڈ میرے شناخت نامے کا کام کرے گا۔

شادی شدہ خاتون کا تجربہ

الہاس نگر کی ایک نوجوان شادی شدہ خاتون جس کو پہلی بار ووٹ دینے کا حق ملا تھا اپنے شوہر کے ساتھ پولنگ بوتھ پر آئی۔ اور جب وہ اپنا ووٹ ڈال رہی تھی تو اس نے اپنے شوہر سے چپکے سے مدد کے لئے کہا۔ یہ بات پریسائڈنگ افسر سے چھپی نہ رہ سکی، انھوں نے اس کے شوہر سے نرمی سے فرمایا "جناب، معاف کیجئے۔ ان کے ووٹ کو خفیہ رہنے دیجئے! آپ ان کی مدد کے لئے ووٹنگ کے خانے میں تشریف نہیں لے جا سکتے۔" اس کے بعد اس خاتون نے خود اپنا ووٹ ڈالا۔

بمبئی سے ٹٹوالا کا سفر!

ٹٹوالا کا ایک ووٹر جو حال ہی میں بمبئی منتقل ہوا تھا، ۱۷ مارچ کو انتخاب کے دن صبح ٹٹوالا آیا، کیونکہ اس کا نام نیز اس کے ساتھ اس کے خاندان کے چار افراد یعنی اس کی بیوی، دو بیٹوں اور ایک لڑکی کا نام ٹٹوالا کی فہرست میں ہے۔ ووٹ ڈالنے کے بعد یہ خاندان بمبئی واپس لوٹ آیا۔

معذوری رکاوٹ نہیں

جسمانی طور پر معذور ایک ووٹر شری بھان داس لوگل اپنی بیساکھی کے سہارے سیوری کے ایک پولنگ بوتھ پر ووٹ ڈالنے آئے۔ وہ بڑے ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ جب ان سے ان کے جوش وخروش کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا "حالانکہ میں ایک معذور شخص ہوں مگر میرا ووٹ ایک امیدوار کے لئے کارآمد ہوسکتا ہے، جسے میں ووٹ دے رہا ہوں۔"

فرض شناس نرس

جے۔ جے ہسپتال کی ایک فرض شناس نرس کماری شمن تھومبرے کو دیکھا گیا کہ وہ اس تذبذب میں ہے کہ آیا پہلے ووٹ ڈالے یا پہلے اس مریض کی دیکھ بھال کرے جوکہ اس کو سونپا گیا ہے۔

اُسے جلد سے جلد اپنے دونوں ہی فرائض پورے کرنے کی فکر تھی۔ مریض کے لئے اس کو جو کچھ بھی کرنا تھا اس نے پولنگ بوتھ پر آنے سے پہلے کر ڈالا اور پھر ووٹروں کی قطار میں آکر کھڑی ہوگئی۔ اس کے چہرے سے سکون کا اظہار ہو رہا تھا۔

مہاراشٹر میں لوک سبھا انتخابات کی جھلکیاں

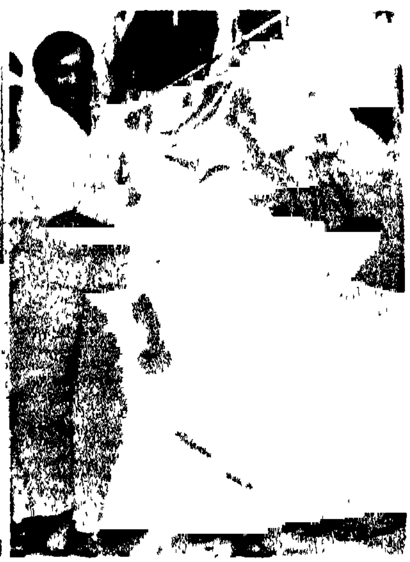


پونے میں ایک پولنگ اسٹیشن پر پُرشوق ووٹروں کا ہجوم ۔



دھابو لوک سبھا حلقہ انتخابات میں کھیڈے گاؤں کے ایک پولنگ اسٹیشن پر سویرے ہی سے ووٹ ڈالنے کے لئے ادیباسی مرد اور عورتوں کی لمبی قطار ۔

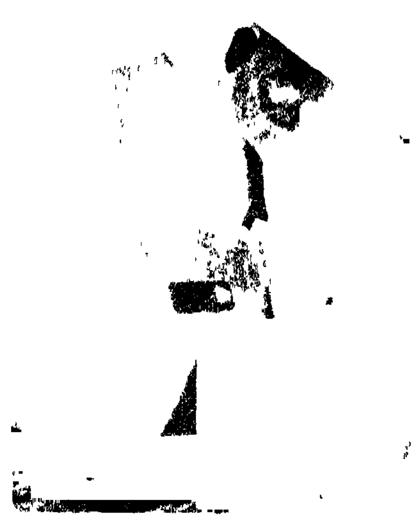
پونے میں ضعیف خاتون اپنے عزیزوں کے سہارے ووٹ ڈالنے جارہی ہیں۔



پونے میں ایک پولنگ اسٹیشن پر ضعیف خاتون ایک رضاکار کی مدد سے ووٹ ڈالتی ہیں



پونے میں ایک بزرگ ووٹ ڈالتے ہوئے



پہلی مرتبہ حقِ ووٹ کا استعمال







اُدہامپور نگر میں نوجوان [illegible] پہلی مرتبہ ووٹ ڈالتے ہوئے۔

[illegible] نوجوان پہلی بار ووٹ ڈالتے ہوئے

[illegible] ایک خاتون ووٹر [illegible]

[illegible] ووٹ ڈالنے کے لیے [illegible]

اک خاتون ووٹ ڈالتے ہوئے







ایک نوعمر ... اپنا ووٹ ڈال رہی ہے۔



سادہ دلی لوگ بوکھر ایک ... بہ ہی ... اپنا ووٹ ڈالتے ہوئے

ٹسٹ ... میں ... معذور ... ووٹ ڈالے ہوئے۔

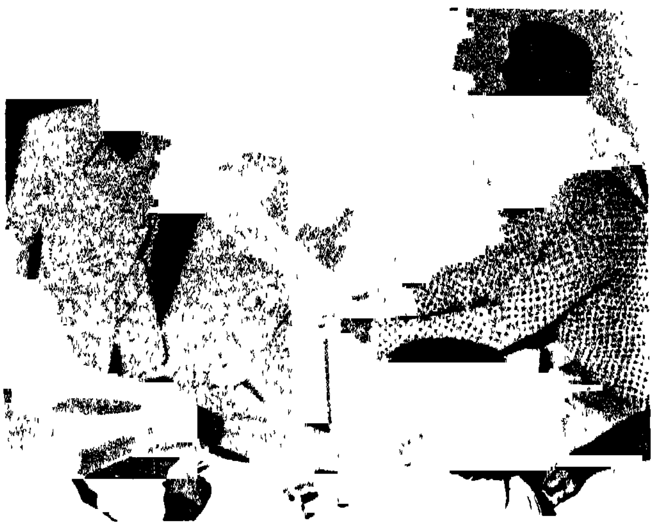


ایک نابینا ووٹ ڈالے ہوئے



۲۰ مارچ کو الفنسٹن کالج بمبئی میں
کاؤنٹنگ سینٹر پر ووٹوں کی گنتی کا آغاز۔





ان تصاویر میں بیلٹ بکس کھولے جا رہے ہیں



بیلٹ بکس خالی کرنے کے بعد ایک
ایجنٹ کو دکھایا جا رہا ہے۔

مصنف: (آنجہانی) ڈاکٹر اے۔ ایس۔ آلٹیکر
مترجم: ڈاکٹر منصور الدین قریشی۔ پروفیسر آف ایجوکیشن، مہاراجہ سیاجی راؤ یونیورسٹی، ۴۴۔ نوتن سوسائٹی۔ فتح گنج۔ بڑودہ - ۲

قدیم ہندوستان میں تعلیم کا تصور اور اسکے مقاصد

موضوع کی اہمیت

قدیم ہندوستان کے نظام تعلیم کی تاریخ اور اس کے نمایاں خط و خال کا مطالعہ تعلیم، تہذیب اور تمدن کے طالب علم کے لئے بے انتہا دلچسپی اور اہمیت کا موضوع ہے۔ تعلیمی ادارے عموماً کسی قوم کے نصب العین کی آئینہ داری اور اس کے نفس تہذیب کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ قدیم زمانہ پر تو اس بات کا اطلاق اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس وقت درس گاہیں اور مدرسے ہی وہ اہم مرکز ہوتے تھے۔ جہاں نئی نسل کے دل و دماغ پر قوم کی روایات کا رنگ چڑھایا جاتا تھا اور جہاں اسے اپنی زندگی میں ان روایات پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اس عہد میں لوگ کاغذ اور طباعت سے واقف نہیں تھے اور اخباروں، رسالوں اور سستی اور عام پسند کتابوں جیسے جدید وسائل سے عوام تک رسائی نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت تو عوام تک رسائی محض اس اثر سے ہی ہوتی تھی جو ان میں بالواسطہ طور پر درسگاہوں اور مدرسوں میں تعلیم پانے والے محدودے چند طلبہ کے ذریعہ سرایت کرتا تھا۔

طویل اور مسلسل تاریخ کے فائدے

قدیم ہندوستانی تہذیب دنیا کی اہم ترین اور دلچسپ ترین تہذیبوں میں سے ہے۔ اس تہذیب کو بخوبی سمجھنے کے لئے ہمیں اس نظام تعلیم کا گہرا مطالعہ کرنا پڑے گا جس نے گزشتہ چار ہزار سال تک اسے محفوظ رکھا، اس کی اشاعت کی اور اس میں ترمیمات کیں۔ ایسی صورت میں قدیم ہندوستانی نظام تعلیم کے مطالعہ کی اہمیت اور دلچسپی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ نظام تعلیم کے خط و خال اور اس کی تاریخ پر بدلتے ہوئے مقاصد اور حالات کے اثرات ہم پر جتنے یہاں ظاہر ہوں گے اتنے اور کہیں نہ ہو سکتے۔ اکثر یہ سنا جاتا ہے کہ فلاں فلاں چیزیں ہندوستانی نظام تعلیم کو متمیز کرتی ہیں۔ مگر اس بیان میں صرف جزدی صداقت کے ہونے کا امکان ہے۔ کیوں کہ اس کا اطلاق ہندوستان کی تاریخ کے ایک عہد پر ہو سکتا ہے تو دوسرے پر نہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ کسی فرد کی معاشی زندگی اور پیشے کا تعین اس کی ذات پر منحصر تھا تو یہ "سمرتی" کے عہد کے لئے تو

Education in Ancient India کے پہلے باب کا ترجمہ

بڑی حد تک صحیح ہے۔ مگر ویدوں کے عہد کے لئے گمراہ کن ہے۔ قدیم ہندوستانی تعلیم کی تاریخ سے واضح ہوجائے گا کہ ایک وقت عقل کو حکم پر فضیلت تھی۔ مگر بعد میں معاشرہ کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اسی طرح ہندو معاشرہ ایک وقت تعلیم نسواں کی حمایت کرتا تھا۔ مگر آگے چل کر وہی اس کو ناپسند کرنے لگا۔ کبھی وہ دستکاری اور محنت کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ مگر بعد میں وہی اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ تعلیم کے نظام اور مقاصد میں یہ انقلابات کیوں اور کیسے رونما ہوئے یہ بات قدیم ہندوستانی تعلیم کے مطالعہ کرنے والے پر اس لئے پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اس کی تاریخ ہزاروں سالوں پر محیط ہے۔

ماخذ

ایسی کتابوں کا تو جو صرف تعلیم کے مختلف مقاصد، اصول اور گوناگوں پہلوؤں پر ہی بحث کرتی ہوں۔ سترہویں صدی سے پہلے یورپ میں بھی وجود نہیں تھا۔ اس لئے قدیم ہندوستان کا بھی اگر یہی حال تھا تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ تاریخ کا وہ طالب علم جو براہ راست قدیم ہندوستانیوں کے تعلیمی نظریوں اور عملوں کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے اتنا خوش نصیب نہیں ہے کہ اسے اس موضوع سے متعلق چند معیاری کتابیں بھی مطالعہ کے لئے مل جائیں۔ بے شک "دھرم سوتروں" اور "سمرتیوں" نے چند ابواب میں ان موضوعات پر بحث کی ہے۔ جنھیں ہم آسانی سے ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا نام دے سکتے ہیں مگر ان کا طریقۂ بحث توصیفی زیادہ اور تنقیدی کم ہے۔ ان میں تعلیم کے بنیادی تصورات، مقاصد اور اصولوں پر باقاعدہ بحث نہیں کی گئی ہے۔ یہ سب چیزیں تو ہمیں ان کے منتشر اقوال اور مشاہدات سے مستنبط کرنا پڑتی ہیں۔ ان موضوعات سے متعلق معلومات کے حصول کے لئے سب سے زیادہ قابل وثوق ماخذوں کے طور پر ہم شلوکوں کے اس تغیر پذیر انبار کو پیش کر سکتے ہیں۔ جن کے مصنف گمنام ہیں اور جو پشت ہا پشت سے روایاتی طور پر مہذب حلقوں میں منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور جو تعلیم کے تصورات، مقاصد اور اصولوں پر ان کی اصابت آراء کی آئینہ داری کرتے ہیں۔

تعلیم کا مفہوم

اس موضوع پر بحث کے آگے بڑھنے سے پیشتر یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ بعض جدید ماہرین تعلیم کے مانند قدیم ہندوستانیوں نے بھی تعلیم کے لفظ کو اس کے وسیع اور محدود دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس کے وسیع معنی میں تعلیم تہذیب نفس اور اصلاح ذات ہے اور اس کا عمل زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہتا ہے۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ حقیقی معنوں میں استاد وہی ہے جو آخری دم تک طالب علم ہی رہے۔ کوئی کالج یا نصاب کسی ڈاکٹر کو وہ سب کچھ نہیں سکھا سکتا ہے جو اسے سیکھنا ہے۔ اس کی روزمرہ کی مشق رفتہ رفتہ اس کے احاطۂ علم کو وسیع تر کرتی چلے گی اور جو بات ایک ڈاکٹر پر صادق آتی ہے وہی استاد، مصور، وکیل، تاجر اور سنگتراش پر بھی صادق آتی ہے۔ مگر جب ہم تعلیم کے تصور اور مقاصد پر بحث کرتے ہیں تو اس لفظ کو اسی محدود معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ جس سے وہ ہدایت اور تربیت مقصود ہے۔ جو ایک نوجوان اپنے زمانۂ طالب علمی میں مستقل طور پر اپنی زندگی میں کسی پیشے کو اختیار کرنے سے پہلے حاصل کرتا ہے۔ یہاں ہمارا اشارہ انھیں مخصوص اثرات کی طرف ہے۔ جو نئی نسل کے افراد پر ان کے کشمکش حیات سے دوچار ہونے سے پہلے تعلیمی اداروں میں دانستہ طور پر ڈالے جاتے ہیں۔

تعلیم کی ضیاپاشی

ویدوں کے زمانے سے ہی ہندوستانیوں کا مرکزی تصور تعلیم یہ رہا ہے کہ وہ ایک سرچشمۂ نور ہے جو زندگی کے مختلف شعبوں کی راہوں کو روشن کرتا ہے۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ علم انسان کی تیسری آنکھ ہے جو اس کو تمام امور زندگی کو دیکھنے کے لئے بصارت عطا کرتی ہے اور راہ عمل دکھاتی ہے۔ مہابھارت میں لکھا ہے کہ تعلیم کے مانند کوئی ایسی شئے نہیں جو ہمیں درک یقینی عطا کرے۔ روحانی دنیا میں وہ ہمیں نجات دلاتی ہے۔ اور مادی دنیا میں وہ ہر طرح کی ترقی اور بہبودی کا ذریعہ بنتی ہے۔ تعلیم کی عطا کردہ روشنی سب طرح کے تیرگیوں کو منتشر کر دیتی ہے۔ دشواریوں کو دور کرتی ہے۔ اور زندگی کی صحیح قدر و قیمت معلوم کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔ جس شخص کے پاس علم کی روشنی نہیں ہے۔ اسے ہم نابینا کہہ سکتے ہیں۔ وہ صحیح بصیرت جو مردوں اور عورتوں کو تعلیم سے حاصل ہوتی ہے قدرتاً ان کی ذہانت، صلاحیت اور قابلیت میں اضافہ کرتی ہے۔ قدیم ہندوستانیوں کا حتمی دعویٰ ہے کہ جس عقل کی نشوونما اور جلا میں تعلیم کا ہاتھ رہا ہے۔ وہی اس دنیا میں حقیقی قوت ہے۔ تعلیم کے استعمال اتنے متنوع ہیں کہ ان کو حیطۂ شمار میں لانا مشکل ہے۔ وہ ماں کی طرح ہماری پرورش کرتی ہے۔ باپ کی طرح ہمیں راہ راست دکھاتی ہے اور بیوی کی طرح مسرت اور آرام بخشتی ہے۔ وہ ہماری شہرت میں اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔ ہماری مشکلات کو رفع کرتی ہے اور ہمیں مہذب

اور متمدن بناتی ہے ۔ سفر کی تنہائی یا کسی اجنبی ملک میں وہ ہماری عزیز القدر رفیق بنتی ہے ۔ اس طرح وہ فی الحقیقت "کلپ درکش" ہے۔ وہی انسانی آسودہ حالی کی جڑ ہے وہ ہماری کار گزاری کو بڑھاتی ہے ۔ اس کی مدد سے عوامی مجلسوں اور شاہی درباروں میں عزت حاصل کرکے ہم دولت اور شہرت کے مالک بنتے ہیں ۔ جو دولت ہم اس طرح حاصل کرتے ہیں وہ صرف ہمارے آرام و آسائش کا ذریعہ ہی نہیں بنتی بلکہ اس کے ذریعہ ہم رفاہ عامہ کے مستحسن کام کرتے ہیں اور مختلف قسم کے مذہبی فرائض بھی انجام دیتے ہیں ۔ جو بالواسطہ طور پر ہمیں نجات کی طرف لے جاتے ہیں ۔ اس طرح تعلیم دنیوی اور اخروی زندگی میں ہماری مادی اور روحانی فرفلاح کو فروغ دیتی ہے ۔

تعلیم بحیثیت ذریعہ اصلاح

تعلیم کے ذریعہ ہم جو روشنی ، بصیرت اور ہدایت حاصل کرتے ہیں ان سے ہماری قلب ماہیت ہو جاتی ہے ۔ ویدوں کے عہد کا ایک مفکر کہتا ہے کہ اگر کسی انسان کو دوسرے پر فضیلت ہے تو وہ اس لئے نہیں ہے کہ اس کے ایک ہاتھ یا ایک آنکھ زائد ہے بلکہ وہ اس لئے ہے کہ تعلیم نے اس کی عقل اور دماغ کو سان پر چڑھا دیا ہے ۔

بھرتر ہری کا قول ہے کہ محروم تعلیم ہونے سے ہم حیوان مطلق ہی رہتے ہیں ۔ تعلیم ہی ہمیں انسانیت کے درجہ پر فائز کرتی ہے ۔ تعلیم سے معرا زندگی ناقص و بیکار ہے ۔ اسی خیال کو ایک عالم دین اپنی زبان میں اس طرح ادا کرتا ہے کہ ایک برہمن اپنی فطرت کو معقول تعلیم کے ذریعہ جلا دیکر جب تک مہذب نہ بنے وہ شودر ہی رہتا ہے ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ہوگا کہ بعد کے زمانے میں ملکیسٹر کی طرح قدیم ہندوستانی بھی مانتے تھے کہ تعلیم انسانی فطرت کو پایہ تکمیل تک پہنچنے میں معاون ہوتی ہے ۔

تعلیم کے مختلف افعال

تعلیم کے ذریعہ یہ انقلاب عظیم یا تغیر کلی مختلف شکلوں میں رونما ہوتا ہے ۔ ابتدا میں تعلیم ہمارے ذہن میں طہارت اور اخلاق و عادات کے صحیح تصورات پیدا کرکے ہمیں اپنے ہمسروں میں زیادہ قابل بناتی ہے ۔ یہ بات قابل غور ہے کہ قدیم ہندوستانیوں نے اس موضوع کو بہت اہمیت دی ہے ۔ انہوں نے یہ ضابطہ قرار دیا ہے کہ نوعمر طلبہ کو سب سے پہلے طہارت اور اخلاق و عادات کے اصول ہی کی تعلیم دینا چاہیئے ۔ تعلیم ہمارے تعصبات کو رفع کرتی ہے اور دوسروں کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرکے ہمیں زیادہ معقولیت پسند ہونا اور غیروں کا پاس و لحاظ کرنا سکھاتی ہے ۔ وہ عقل کو تیز کرتی ہے ۔ سمجھنے کی طاقت کو بڑھاتی ہے ، قوت ممیزہ کو فروغ دیتی ہے اور اس طرح ہمیں غلطیاں کرنے سے باز رکھتی ہے ۔ وہ ہمارے اخلاق کو تقویت بخشتی ہے اور زندگی کی شدید ترین تحریصوں کے خلاف مقابلہ کی طاقت پیدا کرتی ہے ۔ زندگی کے بعض غمناک ترین المیئے اس لئے واقع ہوتے ہیں کہ ہماری شخصیت میں ضبط نفس کا فقدان ہوتا ہے ۔ صحیح تعلیم ہمارے اخلاقی مزاج کو مصفا کرکے تقویت پہنچاتی ہے اور ہمیں عارضی ہیجانات اور تعصبات کے متلون مزاج جھونکوں کا اثر قبول کرنے سے روکتی ہے ۔ مونٹین کہتا ہے کہ اگر تعلیم سے دماغ میں بہتر رجحانات پیدا نہ ہوں اور قوت فیصلہ میں استقلال نہ آئے تو بہتر یہی ہے کہ میرا طالب علم ہمیشہ ٹینس ہی کھیلتا رہے ۔" قدیم ہندوستانی یقیناً اس کی رائے سے متفق تھے ۔

تعلیم میں جسمانی تربیت بھی شامل

قوی دماغ قوی جسم کی بیش قیاسی کرتا ہے ۔ (قوی دماغ کے لئے لازمی ہے کہ جسم بھی قوی ہو) اس لئے قدیم ہندوستانیوں نے بڑی دانشمندی سے نوعمر طلبہ کے ذہن میں اس بات کو راسخ کر دیا تھا کہ وہ اپنی جسمانی تربیت کی طرف بھی پوری طرح متوجہ ہوں کیوں کہ دنیاوی معاملات کے ساتھ ساتھ مذہبی معاملات میں حصول کامیابی کے لئے بھی قوی جسم کا ہونا ایک ناگزیر شرط ہے ۔ طالب علم سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ لاٹھی کے استعمال میں جو اس کی وردی کا ضروری جز ہوتی تھی مہارت پیدا کرکے اپنی حفاظت کر سکے اپنے پھیپھڑوں کو تقویت پہنچانے اور پوری جسمانی ترقی کے لئے اسے روزانہ سویرے "پرانایام" اور "سوریہ نمسکار" کی ورزش کرنا پڑتی تھی ۔

تعلیم محض کتابی نہیں

چونکہ تعلیم کے تصورات میں اس کی صفت ضیا رپاشی ایک مرکزی تصور ہے اس بات پر اس بات کا اضافہ کرنا کہ تعلیم محض کتابی علم کے مترادف نہیں ہے ۔ غیر ضروری ہے یہ کہا جا چکا ہے کہ اگر علم کی متعدد شاخوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی کوئی شخص بصیرت سے بے بہرہ اور ضیائے علم سے محروم رہے تو وہ غیر تعلیم یافتہ ہی ہے ۔ در حقیقت وہی شخص تعلیم یافتہ ہے جس کے کارنامے میدان عمل میں بھی درخشاں ہوں ۔ حقیقی تعلیم مسئلہ معاش بھی حل کرتی ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ ہمیں دولت حاصل نہ ہو کیوں کہ دولت مندی اکثر قسمت پر منحصر ہوتی ہے ۔ مگر تعلیم کے ذریعہ ہم معقول روزی تو کما سکتے ہیں ۔ ایک مفکر کا قول ہے کہ ایک طوطا بھی چند کلمات کو رٹ کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے تو کیا وہ شخص جس نے صحیح معنوں میں تعلیم حاصل کی ہو اپنی روزی حاصل نہیں کر سکے گا؟ تعلیم کا مسئلہ کبھی محض توس کا مسئلہ نہیں بنا تھا ۔ قدیم ہندوستان میں ایسے خیالات کے لوگوں پر سخت ملامت کی جاتی تھی ۔

مگر یہ بات ملحوظ رکھی جاتی تھی کہ اگر ہم محض روٹی سے ہی زندہ نہیں رہتے ہیں تو روٹی کے بغیر بھی زندہ نہیں رہ سکتے ہیں۔ اس لئے جہاں تعلیم سے ہم روشنی، بصیرت اور تہذیب و تمدن حاصل کرتے ہیں وہاں وہ ہمیں باعزت اور خود پرور شہری کی طرح زندگی گذارنے کے قابل بھی بناتی ہے۔ تعلیم سے ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صرف زندہ رہنے کے قابل ہی نہ بنائے بلکہ ہم میں روزی حاصل کرنے کی قابلیت بھی پیدا کرے۔

خلاصہ

مختصر یہ کہ تعلیم وہ منبع نور اور قوت تصور کی جاتی ہے جو جسمانی، ذہنی، عقلی اور روحانی قویٰ اور صلاحیتوں کے ترقی پذیر اور ہم آہنگ ارتقا کے ذریعہ ہماری فطرت کو متغیر اور متمیز کرتی ہے تعلیم ہمیں معاشرہ میں معزز اور کار آمد شہریوں کی طرح رہنے کے قابل بناتی ہے اور بالواسطہ طور پر اس زندگی اور آئندہ زندگی کے روحانی حلقوں میں ترقی کرنے کی طاقت پیدا کرتی ہے۔

تعلیم کے اغراض و مقاصد

آئیے اب ہم دیکھیں کہ قدیم ہندوستان میں تعلیم کے اغراض و مقاصد کیا تھے۔ قدیم ہندوستانی تعلیم کے نمایاں اغراض و مقاصد میں ہم تقویٰ اور دینداری کی روح پھونکنے، کردار کی تربیت کرنے، شخصیت کی نشو و نما کرنے شہری اور سماجی فرائض کا شعور پیدا کرنے، معاشرتی قابلیت کو فروغ دینے اور قومی تہذیب اور ثقافت کے پھیلانے کو شامل کر سکتے ہیں۔ اب ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق ہمارے مفکرین تعلیم کے کیا خیالات تھے۔

تقویٰ و دینداری کی روح پھونکنا

قدیم ہندوستان میں مذہب کی بہت اہمیت تھی اور پروہت ہی عموماً استاد ہوتے تھے اس لئے یہ حیرت کی بات نہیں کہ اس زمانہ میں نئی نسل کے دل و دماغ میں تقویٰ اور دینداری کے جذبات کو پیدا کرنا تعلیم کا مقصد اولین سمجھا جاتا تھا۔ وہ رسومات جو ادبی اور پیشہ ور، ابتدائی یا اعلیٰ، تعلیم کے آغاز میں ادا کی جاتی تھیں۔ وہ مذہبی آداب جن کے طلبہ زمانۂ طالب علمی میں پابند ہوتے تھے۔ وہ عبادت جو وہ صبح شام کرتے تھے، اور وہ مذہبی تہوار جو تقریباً ہر مہینہ مدرسے یا استاد کے گھر میں دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ ان سب کا منشا کم عمر طالب علموں کے ذہنوں میں تقویٰ اور دینداری کے جذبات کی آبیاری ہی کرنا تھا۔ یہ امید کی جاتی تھی کہ اس طرح جو روحانی پس منظر تیار ہوگا وہ طالب علموں کو زندگی کی تحریصوں کا مقابلہ کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ وہ فضا جس میں وہ رہتا تھا اور سانس لیتا تھا اس کے دل پر روحانی دنیا کے حقیقی ہونے کے خیال کو مرتسم کرتی تھی اور وہ محسوس کرنے لگتا تھا کہ گو میرا جسم مادی ہے میری روح اور عقل کا تو اس روحانی دنیا سے تعلق ہے جس کے قوانین کو میرے اطوار اور عادات پر مسلط ہونا چاہیئے۔ میری سیرت کو اپنے سانچے میں ڈھالنا چاہیئے اور میری زندگی کے نصب العین کو معین کرنا چاہیئے۔

دینداری کی حد بندی

باوجودیکہ یہ نظام تعلیم تقویٰ اور دینداری کا پس منظر تیار کرتا تھا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اس سے متاثر ہو کر طالب علم دنیا کو ترک کر کے بدھ یا تلسی داس کے مانند خدا کی تلاش میں آوارہ پھرنے لگے۔ ویدوں کے ان طلبا میں سے بھی جو مذہب کو ذریعہ معاش بنانا چاہتے تھے محض چند نفوس ہی برہمچاریہ زندگی اختیار کر کے اپنی روحانی جستجو جاری رکھتے تھے ان طلبہ کی ایک بہت بڑی تعداد سے تو دنیا امید رکھتی تھی کہ وہ گرہست بنیں گے اور وہ بنتے بھی تھے۔ تعلیم کا غیر مبہم مقصد چاہے وہ ادبی ہو یا پیشہ ورانہ یہی تھا کہ طالب علم معاشرہ کا ایک نافع اور صالح رکن ہونے کے قابل بنے۔

کردار کی تربیت

جو روشنی اور طاقت مردوں اور عورتوں کو تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مقصد اولیٰ یہی ہے کہ وہ ان کی فطرت کو متغیر اور مشرف کرے اس لیئے قدیم زمانہ میں اخلاقی جذبات کی مناسب نشو و نما کر کے کردار کی تربیت کرنا تعلیم کا دوسرا مقصد تھا۔ لاک (LOCKE) کی طرح قدیم ہندوستانی مفکرین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ عقلی اکتسابات بہ نسبت صحیح اخلاقی جذبات اور کردار کی تربیت کے کم اہم ہیں۔ چونکہ اس وقت لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وید الہامی کتابیں ہیں معلمین ان کے تحفظ کو ایک اہم قومی فریضہ سمجھتے تھے۔ تاہم وہ بے دھڑک یہ بھی کہتے تھے کہ وہ نیک کردار شخص جسے ویدوں کی شد بد ہی ہو ہو ویدوں کے اس عالم سے بہتر ہے جو اپنی زندگی برائیوں میں گزارتا ہو اور جس کے اطوار و عادات اور خیالات ناپسندیدہ ہوں۔ مونٹین کہتا ہے کہ "اگر تم پکار کر کہو گے کہ دیکھو وہ عالم جا رہا ہے تو دنیا اس کے گرد جمع ہو جائے گی۔ مگر جب تم یہ کہو گے کہ دیکھو وہ ایک نیک آدمی جا رہا ہے تو دنیا اس سے منہ پھیر لے گی"۔ ہندوستانی مفکر انسان کے اس فطری رجحان سے واقف تھے اور اس کا سد باب یہ سمجھا کر کرتے تھے کہ کردار علم سے زیادہ اہم ہے۔ ایک مفکر نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ صرف وہی صاحب علم

ہے جو منتقی ہے۔ یہ رائے سقراط کی اس رائے کے بالکل مطابق ہے کہ نیکی ہی علم ہے۔ قدیم ہندوستانیوں کو ان تمام برائیوں کا احساس تھا جو طاقت کو نیکی سے، عقلی اور سائنسی ترقی کو اخلاقی اور روحانی اقدار سے منقطع کرنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اور جن کا مظاہرہ اس دور جدید میں علانیہ طور پر ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ ایام طالب علمی میں ہر شخص میں اخلاق کی تعظیم کا جذبہ بڑھایا جائے۔ اس کے دل میں انسانوں کی خیر خواہی کے احساس کی پرورش کی جائے۔ اور اس میں اپنے خیالات پر قابو رکھنے کی طاقت پیدا کی جائے تاکہ وہ اپنے ضمیر کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارے۔ بہ الفاظ دیگر تعلیم کی غنایت یہ ہونا چاہیئے کہ وہ انسان میں متعلق اخلاقی جذبہ اور حیوانی فطرت کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت پیدا کر کے اس کی معیاری فطرت کی نشو و نما صحیح طور پر کرے۔ نہال تعلیم کی بار آوری نیکی اور عقل مندی اور علم و اخلاق کے پھلوں کی شکل میں ظاہر ہونا چاہیئے۔

کردار کی تربیت کیسے کی جاتی تھی

طالب علموں کو جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان کے تقریباً ہر صفحے پر اخلاقی حس پیدا کرنے کے لئے اوامر و نواہی بکھرے پڑے تھے۔ یہی باتیں ان کے استاد بھی زبانی طور پر وقتاً فوقتاً انھیں سنایا کرتے تھے ان چیزوں کے علاوہ وہ فضا جس میں طالب علم رہتے تھے بذات خود ایسی ہوتی تھی کہ جس میں ان کی فطرت نیکی کی طرف مائل ہو۔ وہ براہ راست اپنے استاد کی ذاتی نگرانی میں رہتے تھے۔ جو صرف ان کی عقلی ترقی پر ہی نہیں بلکہ ان کی اخلاقی حرکات و سکنات پر بھی نظر رکھتے تھے۔ قدیم ہندوستانی یہ مانتے تھے کہ نیک سیرتی نیک اطواری سے جدا نہیں ہو سکتی تھی۔ استاد کا فرض تھا کہ وہ اس بات پر توجہ دے کہ طلبہ اپنی روزانہ زندگی میں بزرگوں، ہمعصروں اور چھوٹوں سے ادب سے پیش آتے ہیں یا نہیں۔ یہ سب باتیں کردار کی تربیت میں غیر محسوس مگر موثر طور پر ثابت ثابت ہوتی تھیں۔ وہ مذہبی رسومات جو وقتاً فوقتاً اور وہ عبادات جو روزانہ باقاعدگی سے طلبہ ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں اس بات کی اہمیت کو مرتسم کرتی تھیں کہ طالب علمانہ زندگی وہ مقدس دور حیات ہوتا ہے جس کے اعلیٰ معیار صرف انھیں کی رسائی میں ہوتے ہیں۔ جو فرائض کی تنگ اور دشوار گذار راہ سے سر مو گریز نہیں کرتے۔ ہریش چندر، بھیشم، رام لکشمن، ہنومان، سیتا، ساوتری اور دروپدی جیسے قومی ہیروں اور ویرانگناؤں کی مثالیں بھی جو طلبہ کے سامنے نمایاں طور پر پیش کی جاتی تھیں موثر طریقے سے کردار کی تربیت میں معاون ثابت ہوتی تھیں۔ کردار کی تعمیر اس طرح کچھ تو بلاواسطہ احکام کے اثر سے، کچھ مسلسل تادیبی اثرات سے اور کچھ ان قومی ہیروں کی توقیر سے کی جاتی تھیں جن کی معاشرہ میں بے انتہا عزت تھی۔

شخصیت کو دبایا نہیں جاتا تھا

عام طور سے ایسا سمجھا جاتا ہے کہ ہندو معلمین ایک ہموار نصاب تعلیم متعین کر کے اور آہنی سختی کے ساتھ اس کا پابند بنا کر طلبہ کی شخصیت کو دبا دیتے تھے مگر صورت واقعہ دراصل ایسی نہیں تھی۔ تقریباً ۵۰۰ ق۔م تک ذات پات کا نظام سخت گیر نہیں ہوا تھا۔ اور اس وقت تک کوئی پیشہ نظری اور عملی طور پر آزادی سے اختیار کیا جا سکتا تھا۔ بعد میں جب اس سماجی نظام میں لچک باقی نہیں رہی تب نظری طور پر تو بے شک ہر شخص کو اپنا خاندانی پیشہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ مگر ہمت والوں کے لئے عملاً ہر طرح کی راہیں کھلی ہوئی تھیں۔ چند پراگندہ اقتباسات سے یہ اخذ کر لینا کہ اگر پوری آریہ قوم نہیں تو کم از کم پوری برہمن برادری کو بارہ سال تک ویدوں کے متن کو حفظ کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا ایک فاش غلطی ہے۔ کشتریوں (چھتریوں) اور ویشوں نے سنجیدہ طور پر ویدوں کے مطالعہ کی طرف کبھی توجہ مبذول نہیں کی۔ برہمنوں کی ایک قلیل تعداد ہی ویدوں کے مطالعے میں منہمک رہتی تھی اور قوم کا بقیہ حصہ ویدوں کے وہ چند شلوک ہی یاد کرنے پر اکتفا کرتا تھا جو روزانہ ضرورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی پوری استعداد تو وہ اپنے پسندیدہ علوم مثلاً منطق فلسفہ، ادب، شعریات اور قانون کی تحصیل پر ہی صرف کرتا تھا۔ سمرتیوں کا نصاب تعلیم صرف برہمن عالم دینیات کی خیالی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس میں معاشرہ کی اصلی صورت کا نشان تک نہیں ہے۔

شخصیت کی نشو و نما نظام تعلیم کا تیسرا مقصد تھا اس مقصد کے حصول کے لئے طلبہ کے سامنے غیرت اور خودداری کی بہت تعریف کی جاتی تھی۔ ضبط نفس کی عادت کی پرورش کے ساتھ ساتھ خود اعتمادی کی حس کو تقویت دی جاتی اور قوت فیصلہ اور تمیزہ کو بڑھایا جاتا تھا۔ طالب علم کو ہمیشہ یاد رکھنا پڑتا تھا کہ وہ نسلی تہذیب کا محافظ اور مشعل بردار ہے۔ اس کے بجا طور سے فرائض انجام دینے پر ہی قومی فلاح و بہبود منحصر ہے۔ اگر کوئی سورما میدان جنگ میں اپنے جوہر دکھاتا یا کوئی راجہ انتظام حکومت میں کامیاب ہوتا تھا تو یہ اس کی صحیح تعلیم و تربیت کا ہی نتیجہ تھا۔ کسی غریب طالب علم کی مدد کرنا معاشرہ کا مقدس فرض تھا۔ جس کی عدم ادائیگی سخت روحانی نکبت میں مبتلا کرتی تھی۔ وہ نوجوان جو حسن و خوبی اپنی تعلیم و تربیت مکمل کر لیتا تھا راجہ سے بھی زیادہ

عزت کا مستحق ہو جاتا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کی خودداری حیرت انگیز طریقہ سے بڑھتی تھی۔

خود اعتمادی کا اثر

طلبہ کی خود اعتمادی کو بھی ان کی خودداری کی حد تک بڑھایا جاتا تھا۔ اپ نین کی رسم اس بات کی طرف اشارہ کرکے خود اعتمادی کو بڑھاتی تھی کہ اگر طالب علم اپنے فرائض بحسن و خوبی ادا کرے گا تو خدائی طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ اور اس کو منزل مقصود پر پہنچنے میں مدد کریں گی۔ غریبی سے اسے افسردہ دل نہیں ہونا چاہیئے۔ معیاری طالب علم وہی ہوتا تھا جو بھیک مانگ کر اپنا گذارہ کر لیتا تھا۔ اگر وہ اپنے فرصت کے وقت میں محنت کرنے کے لئے تیار ہوتا تھا تو وہ کسی بھی ادارہ سے مفت تعلیم طلب اور حاصل کر سکتا تھا۔ خود کوشی خود اعتمادی کو جنم دیتی ہے۔ اور ہندو نظام تعلیم اس صفت کو کئی طریقوں سے بڑھانے کی کوشش کرتا تھا۔ مستقبل غیر معین ہونے پر بھی طالب علم کی خود اعتمادی پژمردہ نہیں ہوتی تھی۔ وہ اگر کسی پیشہ ورانہ نصاب تعلیم کو پسند کرتا تھا۔ تب تو اس کا آئندہ پیشہ خود بخود متعین ہو جاتا تھا۔ ان دنوں کسی پیشہ میں لوگوں کی بھرمار نہیں ہوتی تھی اور نہ گلا کاٹ مقابلہ۔ اگر کوئی طالب علم دینی یا "لبرل" (شرفا کے لئے موزوں) تعلیم حاصل کرنا پسند کرتا تھا تو اس کے معنی یہ تھے کہ وہ غریبی کو اپنا رفیق حیات بنانے کے لئے تیار تھا۔ ایسے طالب علم کی حاجتوں کو محدود ہونا چاہیئے تھا اور دراصل وہ محدود ہوتی بھی تھیں اور ان حاجتوں کو حکومت اور معاشرہ معقول طور پر پورا کر دیتے تھے۔

ضبط نفس کا اثر

ضبط نفس کی جس صفت پر نظام تعلیم اتنا زور دیتا تھا وہ طالب علم کی شخصیت کی بالیدگی میں بڑی معاونت کرتی تھی۔ ضبط نفس قہر علی النفس نہیں ہوتا تھا۔ اس کا مقصد صرف سادہ زندگی گذارنا اور بے تکلف عادتیں ڈالنا ہی تھا۔ طالب علم پیٹ بھر کر کھاتا تھا مگر اس کا کھانا سادہ اور لباس پورا مگر طمطراق سے عاری ہوتا تھا۔ طالب علم کے تفریح کے ذرائع بھی تھے۔ مگر وہ بے ہودہ اور غیر سنجیدہ نہیں ہوتے تھے۔ اسے نہایت ہی پاکیزہ اور زندگی گذارنا پڑتی تھی مگر صرف اس لئے کہ شادی کے بعد وہ قابل اور صحت مند کنبے والا بنے۔ اس طرح واضح ہو جائے گا کہ معلموں کا یہ تعلیمی مقصد طلبہ کے لئے قہر علی النفس نہیں ہوتا تھا وہ تو ان میں ایسا ضبط نفس پیدا کرنا تھا جو ان کی شخصیت کی متوازن بالیدگی کے لئے نہایت ضروری تھا یہ ضبط نفس ان میں اسپارٹا والوں کی طرح تنبیہ اور تعزیر سے پیدا نہیں کیا جاتا تھا۔ استاد سے یہ امید کی جاتی تھی کہ جہاں تک ہو وہ نرم کلامی اور ترغیب سے کام لے اور بید یا چھڑی دور ہی رکھے اگر استاد غیر ضروری شدت سے کام لیتا تو اس پر مقدمہ دائر ہو سکتا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں اچھی عادتیں ڈال کر ہی ضبط نفس پیدا کیا جاتا تھا۔

قوتِ تمیز اور فیصلہ کو بڑھانا

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ تمیز اور فیصلہ کی قوت جو شخصیت کی صحیح نشو و نما کے لئے نہایت ضروری ہے۔ طلبہ میں "لبرل" تعلیم کے ذریعہ منطق، قانون، فلسفہ، شعریات اور ادب میں مہارت خصوصی پیدا کر کے ہی بڑھائی جاتی تھی۔ علوم کی یہ شاخیں پر مناقشہ ہوتی ہیں اس لئے طالب علم کو کسی موضوع کے مختلف پہلوؤں پر پوری طرح غور و خوض کر کے صحیح رائے قائم کرنا پڑتی تھی۔ اور ادبی مباحثوں میں اپنے دعویٰ کی تائید میں دلائل پیش کرنا پڑتے تھے۔ صرف ویدوں کے طالب علموں کے لئے تعلیم نے حافظہ کی مشینی تربیت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ویدوں کے عہد کے بعد تو حافظہ کی مشینی تربیت اور بھی ضروری ہو گئی تھی کیوں کہ جس ادب کو محفوظ رکھنا تھا وہ بہت وسیع ہو گیا تھا اور اس کے تحفظ کے جدید ذرائع مثلاً کاغذ اور طباعت ان دنوں مہیا نہیں تھے۔ اس قدیم دور میں جب طلبہ کو ویدوں کے شلوکوں کی تعلیم نادیل کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی وہ انھیں حفظ کر لیا کرتے تھے۔

سماجی فرائض کی اہمیت

شہری اور سماجی فرائض کی ادائیگی کی قابلیت پر جو نظام تعلیم کا چوتھا مقصد تھا۔ خاص طور پر زور دیا جاتا تھا سند یافتہ شخص کا فرض تھا کہ وہ خود غرض زندگی نہ گزارے۔ معاوضہ نہ ملنے کا امکان ہونے پر بھی اس کا فرض تھا کہ افزائش نسل کے ساتھ ساتھ نئی نسل کو تعلیم بھی دے۔ اس پر لازم تھا کہ وہ بیٹے شوہر اور باپ کے فرائض ہوشیاری اور ایمان داری سے ادا کرے وہ اپنی دولت اپنی اور اپنے خاندان والوں کی حاجت روائی پر ہی صرف نہ کرے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ مخیر اور مہمان نواز بھی ہو۔ ہر پیشہ کا ایک مروجہ ضابطۂ اخلاق ہوتا تھا۔ جو اس بات کی تاکید کرتا تھا کہ اس کا ہر رکن اپنی شہری ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ ہر معالج کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنی جان کی بازی لگا کر مریض کی بیماری اور تکلیف کو دور کرے۔ سپاہی کا اپنا الگ ایک ضابطۂ اخلاق تھا۔ وہ اپنے دشمن پر اس وقت ہی حملہ کرتا تھا کہ جب وہ لڑنے کے لئے تیار ہوتا تھا۔ قدیم ہندوستان میں سماج اور حکومت کے محور مختلف ہوتے تھے۔ حکومتیں قائم ہوتیں اور مٹ جاتی تھیں مگر ان حادثات کا سماجی اور دینی زندگی

ر قومی تہذیب و تمدن پر چنداں اثر نہیں ہوتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے تعلیمی نظام نے شہری فرائض کی فہرست میں حب الوطنی کو جگہ نہیں دی تھی۔

معاشرتی قابلیت اور آسودہ حالی

قدیم ہندوستانی تعلیم کا یہ پانچواں مقصد تھا س مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نئی نسل کو علم کی مختلف شاخوں، پیشوں اور صنعتوں کی مناسب تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ تعلیم صرف اس غرض سے نہیں دی جاتی تھی کہ لوگ مہذب ہوں یا ان کی ذہنی اور عقلی قوتیں اور صلاحیتیں ہی ڑھیں بلکہ بالواسطہ مگر موثر طریقے سے بے شک ہ ان مقاصد کی تائید کرتی تھی۔ مگر بنیادی طور پر ہر فرد کو اس پیشے کی تربیت ہی دی جاتی تھی جو آگے چل کر وہ اختیار کرنے الا تھا۔ اگرچہ کہ معاشرہ نے تقسیم کار کے نظریہ کو جو بعد میں اصول وراثت کے طابع ہو گیا تھا قبول کر لیا تھا۔ تاہم غیر معمولی استعداد الے اپنی پسند کا پیشہ اختیار کر سکتے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں برہمن اور ویشیہ اجداد ور سورماؤں کی حیثیت سے اور چھتری اور شودر تک فلسفیوں اور مذہبی استادوں کی حیثیت سے جا بجا نظر آتے ہیں۔ اوسط رجہ کے آدمیوں کی بھلائی کے لئے یہ مناسب سمجھا جاتا تھا کہ وہ اپنا خاندانی پیشہ اختیار کریں۔ نظام تعلیم کا منشا یہی تھا کہ وہ آنے الی نسل کے افراد کو پیشتر سے معین کئے ہوئے میدان عمل کے لائق بنائے۔ ہر خاندان وہ پیشہ وروں کی ہر انجمن بچوں کو اپنے پیشے کی تربیت دیتی تھی۔ یہ سچ ہے کہ چند افراد کے مخصوص رجحانات اس نظام کے بھینٹ چڑھ جاتے تھے۔ مگر وہ بلاشبہ وہ ایک بڑی تعداد کے مفاد کا ضامن ہوتا تھا۔ پیشوں کی تفریق اور مختلف موروثی خاندانوں میں ان کی تخصیص قدرتی طور پر ان پیشوں کو انجام دینے کی صلاحیتوں کو بڑھا کر معاشرتی قابلیت کو بڑھانے میں معاون ثابت ہوتی تھی۔ علوم و فنون اور پیشوں کی مختلف شاخوں کو اس طرح ترقی دے کر اور نئی نسل کے ذہن میں شہری فرائض اور ذمہ داریوں کو راسخ کر کے یہ نظام تعلیم معاشرہ کی عمومی ترقی اور خوش حالی میں اہم اضافہ کرتا تھا۔

ثقافت کا تحفظ اور اشاعت

قومی ورثہ ثقافت کا تحفظ اور اس کی اشاعت اور ترویج قدیم ہندوستانی نظام تعلیم کا چھٹا اور نہایت ہی اہم مقصد تھا۔ یہ تو مسلم حقیقت ہے کہ تعلیم ہی سماجی اور ثقافتی تسلسل کو قائم رکھنے کا اہم ذریعہ ہے اور اگر اس نے نئی نسل کو فکر و عمل کی بہترین روایات کو قبول کرنا اور انھیں جاری رکھنا اور اس ورثہ کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا نہیں سکھایا تو اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا جس کسی نے بھی اس موضوع پر قدیم کتابوں کا سرسری سا بھی مطالعہ کیا ہوگا اس کے دل پر اس گہری تشویش کا نقش ضرور بیٹھ گیا ہوگا۔ جو قوم کے پورے ادبی تمدنی اور ثقافتی ورثہ کے تحفظ اور انتقال پر ان دنوں محسوس کی جاتی تھی کسی بھی پیشہ کے اختیار کرنے والے کا یہ فرض تھا کہ وہ اپنی اولاد کو اس پیشہ کی تربیت دے اور ابتدا سے ہی اسے ان تمام مہارتوں اور عملی طریقوں سے روشناس کرے جنھیں گزشتہ نسلوں نے بڑی محنتوں سے حاصل کیا تھا۔ ویدوں کے مکمل ادب کو محفوظ رکھنے کے لئے پوری آریہ قوم سے جبری خدمت لی گئی تھی۔ ہر فرد کے لئے لازمی تھا کہ وہ اپنے اس مقدس ادبی ورثہ کا کچھ حصہ حفظ کرے۔ پروہتوں کے طبقے پر یہ لازم تھا کہ وہ ویدوں کا مکمل ادبی سرمایہ ازبر کرے تاکہ وہ نوزائیدہ نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائے۔

یہ سچ ہے کہ سبھی برہمن اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کا سبب یہی تھا کہ ان میں اتنی سمجھ تو تھی کہ اس کام کے لئے پوری جماعت کی خدمات حاصل کرنا غیر ضروری ہے۔ برہمنوں کے فرقے کا ایک حصہ البتہ مقدس کتابوں کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی پوری زندگی اور صلاحیتوں کو وقف کر دیتا تھا۔ تعلیم کے حق میں ان کی یہ پرجوش عقیدت المناکی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ کیوں کہ زندگی بھر تک وہ اس چیز کو حفظ کرنے کے لئے رضامند ہو جاتے تھے جس کی ناویل دوسرے تو کر سکتے تھے مگر وہ خود نہ کر سکتے تھے۔ وہ دنیاوی فوائد جن کی وہ امید رکھتے تھے بہت ہی کم اور ان کی محنتوں سے بالکل غیر متناسب ہوتے تھے۔ برہمن فرقہ کے باقیماندہ حصے "لبرل" تعلیم کے مختلف علوم مثلاً صرف و نحو، ادب، شعریات، قانون، فلسفہ، منطق وغیرہ کے مطالعہ کو بڑھانے میں لگے ہوئے تھے وہ نہ صرف قدماء کے ان علوم کی حفاظت ہی کرتے تھے بلکہ اپنی طرف سے ان میں اضافہ کرتے کرتے قرون وسطیٰ تک ان کی حدود بڑھاتے رہے۔

تین قرضوں کا نظریہ

ویدوں کے زمانے سے تین قرضوں کا جو نظریہ پیش کیا گیا ہے اس نے نئی نسلوں کو گزشتہ نسلوں کی بہترین فکری اور عملی روایات کو قبول کرنے اور جاری رکھنے پر موثر طریقے سے آمادہ کیا ہے۔ اس نظریے کے مطابق کسی شخص کے پیدا ہوتے ہی اس پر تین فرضے عائد ہو جاتے تھے۔ جن سے سبکدوش ہونے کے لئے اس کو چند فرائض ادا کرنے پڑتے تھے پہلا فرض دیوتاؤں کا ہوتا تھا۔ اس کو ادا کرنے کے لئے ہر شخص کو یہ سیکھنا پڑتا تھا کہ دیوتاؤں کے سامنے صحیح اور باقاعدہ طور سے قربانیاں کیسے دی جائیں۔ اس طرح قوم کی

مذہبی روایات زندہ رکھی جاتی تھیں۔ دوسرا فرض قدیم زمانے کے رشیوں اور عالموں کا ہوتا تھا جس کو ادا کرنے کے لئے اسے ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا اور ان کی ادبی اور بیش قیمت روایات کو قائم رکھنا پڑتا تھا۔ اس طرح نئی پود کو بہترین ادبی اور بیش قیمت روایات پر عبور حاصل کرنے کے قابل بنایا جاتا تھا۔ تیسرا فرض آباد اجداد کا ہوتا تھا اس کی ادائیگی کی یہ صورت تھی کہ وہ اولاد پیدا کر کے اسے صحیح تعلیم دے۔ اس طرح وہ تدبیریں کی جاتی تھیں جن سے نئی نسل قدیم تہذیب اور روایات کی مشعل برداری کی اہل بن جائے۔

تہذیبی روایات کو زندہ رکھنے کے چند اور طریقے

والدین کی فرماں برداری، بزرگوں کی تعظیم اور قدیم زمانہ کے علما کا ممنون ہونے پر جو زور دیا جاتا تھا وہ بھی قدیم روایات کو زندہ رکھنے میں معاون ثابت ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں سوادھیائے اور "رشی ترپن" خصوصی اہمیت رکھتے تھے۔ پہلا اس کی تاکید کرتا تھا کہ طالب علمی کے زمانے میں جو کچھ پڑھا تھا اس کے کچھ حصے کا اعادہ روز کیا جائے اور دوسرے کا مقصد یہ تھا کہ قدیم زمانے کے دیو قامت ادبی مصنفوں کو عبادت کے وقت روز خراج تشکر پیش کیا جائے۔ بعد میں جب قدیم سنسکرت زبان لوگوں کی سمجھ سے باہر ہو گئی اور دقیق اور پیچیدہ فلسفہ عوام کی دل چسپی کا موضوع نہیں رہا تب قومی تہذیب اور روایات کو مقبول بنانے کے لئے ایک نئے قسم کے ادب یعنی پرانوں نے جنم لیا۔ اس ادب کو لوگوں کے سامنے انھیں کی زبان میں پیش کیا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماضی کی بہترین   ثقافتی روایات نیم خواندہ اور ان پڑھ لوگوں تک پہنچ گئیں۔ اس کے علاوہ ملکی زبانوں کے دینی ادب نے بھی یہی کام کیا۔

خلاصہ

انسان مشتمل ہے جسم، دماغ، عقل اور روح پر۔ قدیم ہندوستانی تعلیم کا مقصد ان سب کی ہمہ وقت اور ہم آہنگ نشو و نما کو فروغ دینا تھا۔ انسان سماجی مخلوق ہے۔ قدیم ہندوستانی تعلیم نے نہ صرف سماجی فرائض کو اہمیت دی بلکہ اسنے سماجی آسودہ حالی کو بھی بڑھایا۔ جو قوم اپنے تہذیبی ورثہ کو محفوظ نہ رکھ سکے اور اس میں اضافہ نہ کر سکے وہ تعلیم یافتہ نہیں کہی جا سکتی۔ ہماری تعلیم نے اس فرض کو ادا کرنے میں سینکڑوں سال تک ہماری مدد کی ہے۔ ■■

صفحہ ۲ سے آگے

مرکز کی ضروریات کی تکمیل کے لئے انھوں نے کافی وسائل پیدا کئے اور سرکاری انتظامیہ میں کفایت شعاری کو فروغ دینے کی غرض سے اخراجات میں تخفیف اور فضول خرچی کے تدارک کے لئے اقدامات کئے۔ انھوں نے مالی ڈسپلن نافذ کر کے خسارہ مالیت کی سطح کو بہت کم کر دیا۔ انھوں نے معاشرے کے مراعات یافتہ اور خوشحال طبقہ کی فضول خرچیوں پر بھی روک لگائی۔

۱۹۶۲ء میں وہ دوبارہ سورت سے لوک سبھا کے لئے منتخب ہوئے اور جواہر لال نہرو کے زمانے میں وزارت مالیات کی ذمہ داریاں سنبھالیں لیکن اگست ۱۹۶۳ء میں کامراج پلان کے تحت رضاکارانہ طور پر ریٹائر ہو گئے۔ ۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران میں انتظامی اصلاحات کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے انھوں نے حکومت کے انتظامی ڈھانچے کی تنظیم نو کے لئے مؤثر اصلاحات تجویز کرنے کے فرائض انجام دیئے۔ وزیر اعلیٰ اور مرکزی وزیر کی حیثیت سے ان کو جو طویل اور متنوع تجربہ حاصل تھا اس کی بناء پر انھوں نے اپنے اس فرض کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

شری دیسائی ۱۹۶۷ء میں دوبارہ لوک سبھا کے انتخابات میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے شریمتی اندرا گاندھی کی کابینہ میں نائب وزیر اعظم اور وزیر مالیات کی حیثیت سے شمولیت کی۔ شری دیسائی نے آمدنی اور دولت کے فرق کو کم کرنے کے لئے کوششیں کیں لیکن وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ سماجی انصاف کے حصول کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ انھوں نے ملک کی معیشت کی ترقی کے لئے وسائل فراہم کرنے پر زور دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ترقی کے لئے زیادہ رقوم دے سکتے ہیں اس فرق کو دور کرنے میں زیادہ حصہ لینا چاہئے۔

اپنی عوامی زندگی میں شری دیسائی اس بات پر فخر کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کی پیدائش گاندھی جی کے وقت میں ہوئی اور انھیں ان کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا! اس لئے وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ گاندھی جی کے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خصوصی ذمہ داری رکھتے ہیں۔

جولائی ۱۹۶۹ء میں وزیر اعظم نے ان سے وزارت مالیات لے لی۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگرچہ وزیر اعظم کو وزیروں کے عہدے بدل دینے کا حق حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی عزت نفس مجروح ہوئی ہے اس لئے کہ ان سے اس سلسلے میں اخلاقی طور پر بھی پوچھا نہیں گیا۔ اس لئے انھوں نے نائب وزیر اعظم کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا اور سرکار چھوڑ دی۔ اس کے بعد جب کانگریس دو حصوں میں بٹی تو وہ تنظیمی کانگریس میں رہے۔ ●●

یشونت یشپانڈے

جسم

(مراٹھی کہانی)

پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ چلنے کی سکت نہیں تھی پھر بھی اپنے آپ کو اسی طرح گھسیٹے جا رہا تھا۔ تھکنے سے معذور تھا۔ اگر میں تھک جاتا تو بڑی گڑبڑی مچ سکتی تھی۔

میں ایک میت کے جلوس میں شریک تھا ارتھی میرے کاندھے پر تھی۔ ہم سب جن کی ارتھی اُٹھائے چل رہے تھے وہ میرے حقیقی چچا تھے۔ میرے سگے کاکا، جنھوں نے میرے پتا جی کی موت کے بعد مجھے اپنا بیٹا سمجھا تھا اور مجھ سے باپ کی طرح پیار کیا تھا۔ مجھے اپنے آپ سے شرم بھی محسوس ہوئی تھی اور نفرت بھی۔ میری بھوک آٹھ دس گھنٹوں کے صبر کے لئے بھی تیار نہ تھی۔ میرے جسم کو ہر چیز کا ٹھیک وقت پر ملنا نہایت ضروری تھا، بالکل کسی مشین کی طرح۔

کسی نے تھوڑی دیر کے لئے مجھے ریلیو (RELIEVE) کیا۔ ہم شہر کے گھنی آبادی والے پُرشور حصے سے گزر رہے تھے۔ دکانیں اور ہوٹلیں، گاہکوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ ہوٹلوں اور ریستورانوں کی طرف دیکھنے سے میری اشتہا اور تیز ہوگئی۔ کچھ کھانے کے لئے جی بڑی طرح للچانے لگا۔

صبح سے کھانے کا کوئی دانہ میرے پیٹ میں اترا نہیں تھا۔ روزانہ دوپہر کے کھانے پر گھر پہنچ جانا میرا معمول ہی نہیں اصول بھی تھا۔ اسی لئے ہر روز کی طرح کچھ نہ کھاتے ہوئے آج صبح بھی دس بجے دفتر چلا گیا تھا۔

گیارہ بجے ٹیلیفون کھڑکھڑانے لگا۔ کاکا چل بسے تھے۔ ہارٹ فیل ہوا تھا۔ کام کرتے کرتے گر پڑے تھے۔ اسپتال لے جانے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ ریسیور نیچے رکھتے رکھتے دل میں سوچا تھا آج کھانا رات کے سوا کہاں ملے گا؟

اپنے آپ سے گھِن سی آنے لگی۔ باپ جیسے کاکا کا دیہانت ہُوا تھا اور مجھے کھانے کی فکر پڑی تھی۔ انسان اپنے جسم کا غلام ہے سچ یہی ہے۔

ترجمہ: بدیع الزماں خاور
ڈمٹکر کوارٹرس، مندن گڑھ روڈ،
پی۔ او ڈاپولی، ۴۱۵۷۱۲
ضلع رتناگری (ایم ایس)

اس کے بعد وقت کس طرح کٹ گیا کچھ معلوم ہی نہیں ہوا۔

کاکا کا انتقال اچانک ہوا تھا اور اس ناگہانی حادثے کا صدمہ برداشت کرنا، ہم سب کے لئے مشکل تھا۔ میرے چچیرے بھائی رو رہے تھے۔ اُن کے دُکھ کی کوئی حد نہیں تھی۔ میرے کاکا ہی مر گئے تھے ان کے تو باپ نے زندگی سے منہ موڑ لیا تھا۔ کاکی بے ہوش پڑی تھیں۔

مگر جسم کے تقاضوں سے کون بچ سکتا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی ہوش میں آئیں۔ ہم سب چکرا گئے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ مگر پڑوسی تھے۔ انھوں نے اگلے سب انتظام مکمل کر لئے۔

شہر کا گنجان آباد علاقہ پیچھے چھوٹ گیا تھا اور اب ہم کالونی میں سے جا رہے تھے جو چھوٹے چھوٹے خوبصورت بنگلوں پر مشتمل تھی۔ اب ہوٹلوں اور ریستورانوں میں اونچی آواز سے بجنے والے ریڈیو کی چیخیں سُنائی نہیں دے رہی تھیں۔ رہ رہ کر اُبھرنے والی موسیقی کے مدھم سُروں نے اُن کی جگہ لے لی تھی۔ کسی کا ریاض جاری تھا۔

ہماری یاترا ابھی جاری ہی تھی۔

ایک درمیانی عمر کی سجی سنوری عورت' جس کے بالوں میں گجرا بھی تھا' قریب کے گھر کا دروازہ کھول کر باہر جانے کے لئے نکلی، اور ہم لوگوں کو دیکھ کر' تیزی کے ساتھ پیچھے' گھر کے اندر کی طرف مڑ گئی۔ اس کا مڑنا شاید خود اس کے دھیان میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ آتا بھی کیوں کر؟ جسم کو تو عادت ہی پڑ گئی تھی۔ ایسے موقعوں پر کیا کرنا چاہئے اس (کے جسم) کو اچھی طرح معلوم تھا۔

مجھے اس حالت میں بھی یہ دیکھ کر لطف سا آیا۔ ایک زندہ جسم' ایک مردہ جسم سے ڈر رہا تھا۔

اب ہم مرگھٹ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ دل میں خیال سا گزرا۔ "واپس جانے تک کیا بچے گا؟ کون جانے!"

الیکٹرک کریمیشن کی ضرورت کا مجھے اب احساس ہوا۔ جانیوالا تو جا تا ہی ہے مگر پیچھے رہنے والوں کو تو زیادہ ٹھہرنا نہیں پڑتا۔ انھیں تو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی مگر اوسط درجے کے ایک شہر میں یہ انتظام کہاں؟ ہوتا بھی تو کیا لوگ اسے پسند کرتے؟؟

مجھے لگا کہ اس لحاظ سے کام کچھ جلد ہی پورا ہوا۔

"اچھا ہوا کہ لکڑیاں سوکھی مل گئیں"

میں نے کسی کی سرگوشی سن لی تھی۔

گھر لوٹے تو شام کے سات بج چکے تھے گھر میں پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی بھیڑ جمع تھی۔ ہم لوگوں کو آتا دیکھا تو سب نے ایک بار پھر واویلا شروع کر دیا۔ کوئی دہاڑیں مار رہا تھا کوئی سسکیاں بھر رہا تھا۔

اس کہرام میں بھی' کمرے کے بیچوں بیچ رکھی ہوئی شمع پورے سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی۔

میرے چچیرے بھائیوں میں جو سب سے بڑا تھا اُسے سب سے زیادہ صدمہ پہنچا تھا اس کی حالت غیر تھی۔

"میرا پیٹ جہنم بن گیا ہے، اندر آگ بھڑک رہی ہے" وہ بار بار چیخ رہا تھا

بھوک لگی تھی مجھے اور پیٹ جل رہا تھا اُس کا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جسم سب ایک ہی جیسے ہوتے ہیں، چاہے اس کا ہو چاہے میرا۔"

کسی نے اُسے بڑا ہونے کے ناطے' کھانے پر بٹھا ہی دیا مگر بڑوں سے آئے ہوئے کھانے کا ایک لقمہ منہ میں لیتے ہی وہ چلا اُٹھا' مجھے نہیں چاہئے۔ مجھ سے کھایا نہیں جا رہا ہے۔ کھانا میرے حلق سے نیچے اُتر ہی نہیں رہا ہے۔ میرے پیٹ میں آگ سلگ رہی ہے"

میرے پیٹ میں بھی آگ جل رہی تھی۔

لوگ اسے سمجھا رہے تھے۔ کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ اور وہ برابر انکار کئے جا رہا تھا۔

اسے میں کوئی دادی اماں سی آگے آئیں اور اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں "اچھا رہنے دو مت کھاؤ"

پھر اصرار کرنیوالوں کی طرف رُخ کر کے انھوں نے کہا۔" اسے مت ستاؤ۔ نا سمجھ ہے۔ پیٹ میں آگ جل رہی ہے اور کہتا ہے بھوک لگی ہے مگر۔ بھوک کہاں ہے؟ ماتا کے جذبے سے پیار کرنیوالا کوئی انسان بچھڑ جائے تو پیٹ میں ایسی ہی کلبلاہٹ ہوا کرتی ہے"

دادی اماں کے الفاظ سُنے۔ اور میں اپنے جسم پر (رشک ہی نہیں) فخر محسوس کرنے لگا۔

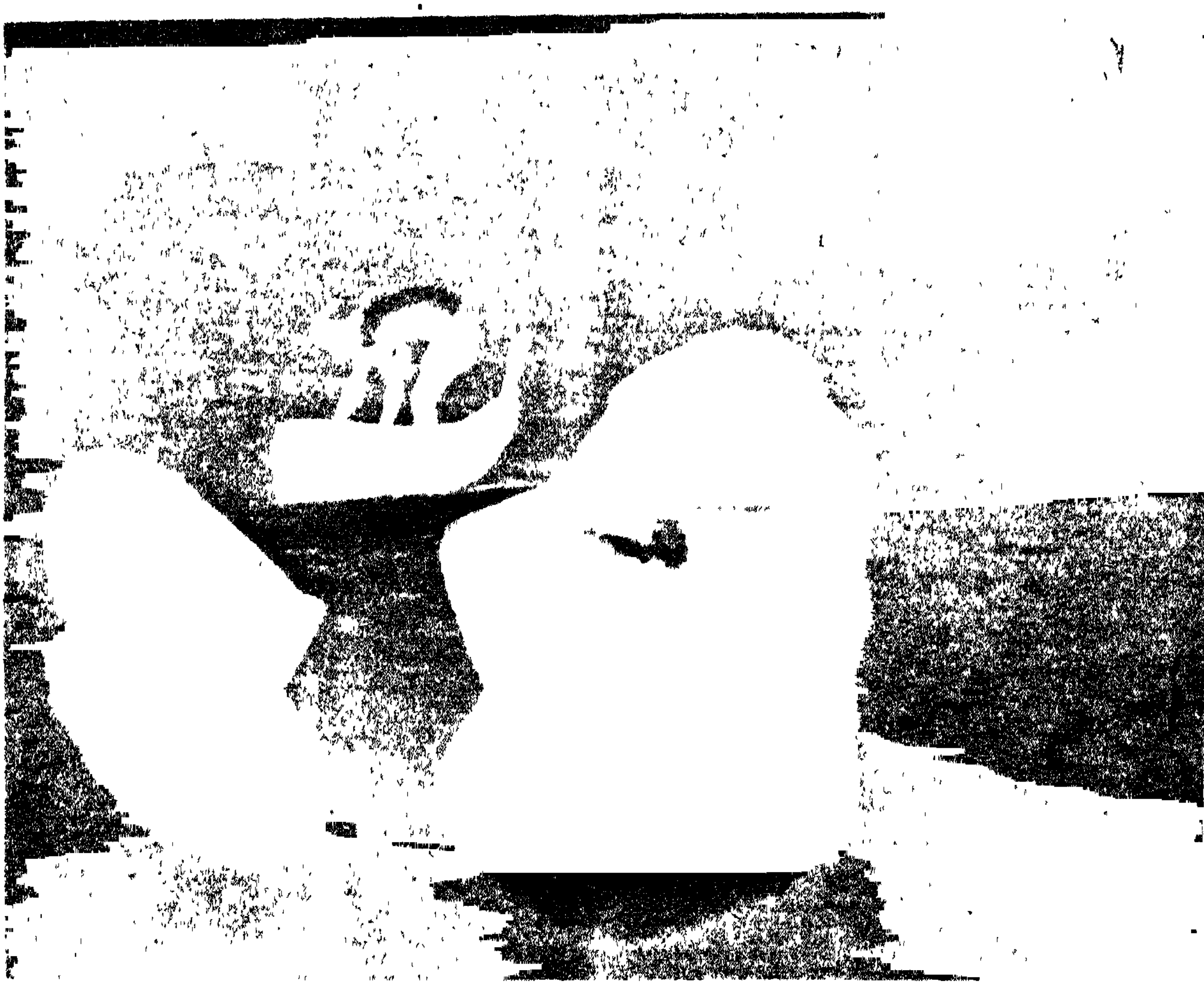
• •

صفحہ ۱۶ سے آگے

بلکہ سماج کا فرد بن کر اس کی فلاح و بہبود کی ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے آگے بڑھتا ہے اور اپنی تخلیق کو اسی نظریہ سے وجود میں لاتا ہے کہ وہ ایک صحت مند معاشرہ کے پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو، اس لئے یہ برحق ہے کہ ادیب سماجی ذمہ داری کے مسائل سے علیحدگی اختیار کر کے نہ اچھا ادب پیدا کر سکتا ہے نہ سماج کی خدمت کر سکتا ہے۔

مضمون نگار حضرات سے گذارش

ہے کہ مسودے صاف (خوشخط) اور کاغذ کی صرف ایک جانب لکھ کر رحمت فرمایا کریں۔



راموا س کی بیوی رادھا اور دو بچوں کے لئے سر چھپانے کے لئے محلات تو نہیں بلکہ جھونپڑی ضرور تھی اور اسی جھونپڑی میں یہ چھوٹا سا کنبہ زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔ کسان مزدور، بیگار مزدور کی طرح راموبھی مزدور تھا۔ یعنی وہ مچھیرا جس کے پاس جال تو تھا مگر کشتی کرائے پر لینا پڑتی تھی اور اپنی حاصل کردہ مچھلیوں میں سے نصف کشتی مالک کو بطور معاوضہ دینا پڑتا تھا۔ سال کے آٹھ ماہ تو آمدنی ہو جاتی جس سے گذر بسر ہو جاتی مگر برسات کے موسم میں پیٹ بھرنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ بھلا چھوٹی سی کشتی کس طرح طوفانی سمندر کے تھپیڑوں کو سہارتی! راموا پنی چھوٹی سی کشتی کو کنارے کنارے لئے قسمت آزمائی کرتا۔ مگر قسمت کبھی ساتھ نہ دیتی۔ دن یونہی گذرتے گئے اور اب وہ عمر کے اس حصے پر پہنچ چکے تھے جہاں سے آخری منزل کی نشاندہی آسانی سے کی جا سکتی تھی۔

رامو محنت کش اور ایماندار تو تھا ہی مگر دیش کی محبت سے اس کا معصوم دل لبریز تھا۔ جس بستی میں رامو کی جھونپڑی تھی وہاں کے مچھیرے کافی خوشحال تھے، کیونکہ انھوں نے ماہی گیری کی آڑ میں سمگلنگ کے پیشے کو اپنا لیا تھا۔ رامو کو بھی یہ پیشہ اپنا لینے کے لئے کہتے لیکن رامو تو اپنی دیش بھکتی میں مگن تھا۔ وہ انکی اس تجویز کو ہاتھ جوڑ کر بڑی عاجزی سے رد کر دیتا اور کہتا کہ اسمگلنگ سے ہمارے دیش کی ساکھ کمزور ہوتی ہے اور دیش کا نقصان ہوتا ہے۔ ہم اچھا کام بھلے ہی نہ کریں لیکن کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے دیش کو نقصان پہنچے۔ اس کے یار دوست اس کا مذاق اڑاتے، اُسے دیش بھگتی کا اوتار کہتے۔ مگر رامو پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ اس کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں، پیٹ بھر کھانے کو روٹی نہیں، سر چھپانے کو پکا مکان نہیں پھر بھی

راموتمام دروطن کی محبت کا چراغ اپنے ننھے دل میں روشن رکھا۔ راموں نے کبھی نہیں سوچا کہ دیش کی محبت نے اُسے کیا دیا... اس کے سوچنے کا انداز ہی نرالا تھا وہ یہ سوچتا کہ دیش کو اس سے کیا فائدہ پہنچا۔

رامو ہر روز اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ مچھلی پکڑنے سمندر پر جاتا لیکن اس کی کشتی مضبوط نہ ہونے کے کارن وہ زیادہ دور نہیں جا سکتا تھا۔ نزدیک ہی سے جتنی مچھلیاں بھی ملتیں وہ انھیں لے آتا۔ اکثر خالی ہاتھ بھی لوٹتا، اس روز گھر بھر کا فاقہ ہوتا۔

آج خلاف معمول سمندر میں تیز تیز ہوائیں چلنی شروع ہوگئیں اور طوفان کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے دل ہی دل میں کہا کہ "اے بھگوان! کیا آج بھی میں خالی ہاتھ لوٹ جاؤں گا؟ اپنے بھوکے بچوں کو کیا کھلاؤں گا؟ اس کی ٹوٹی پھوٹی کشتی سمندر کے بے رحم تھپیڑوں کی تاب نہ لاکر ادھر اُدھر ڈول رہی تھی سمندر کی ایسی کیفیت دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور بھائی سے کشتی واپس گھر کی طرف کھینے کو کہا۔

ٹوٹی ہوئی کشتی کا رُخ دونوں بھائیوں نے گھر کی طرف کیا۔ کشتی ذرا ہی بڑھی ہوگی کہ اچانک اُس کا بھائی چلّا اٹھا۔ "دیکھو بھیّا، وہ کیا چیز ہے؟" شاید کوئی آدمی سمندر میں پھنس گیا ہے وہ شاید اسی طرف آرہا ہے"۔ رامو نے چپّو چلانا بند کر دیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ کشتی کے قریب آیا تو دونوں بھائیوں نے اُسے کشتی پر لے لیا۔ اس آدمی نے لائف جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے نیچے اس نے سونا بھی چھپا رکھا تھا، جو رامو کی نظروں سے چھپ نہ سکا۔ اس کے تیور فوراً بدل گئے اور اس نے سختی کے ساتھ اس سے پوچھ گچھ کی جس پر اس آدمی نے کہا کہ وہ ایک اسمگلر ہے اور اس کی لانچ کسٹم والوں نے پکڑ لی۔ اپنی جان و مال بچانے کی خاطر وہ سمندر میں کود پڑا۔ اس نے رامو سے کہا کہ اگر وہ اُسے ساحل تک پہنچا دے تو وہ اُسے کافی دولت دے گا۔

دفعتاً رامو کی آنکھوں میں اپنی غربت کے بادل اُمڈ آئے اور انھیں بادلوں کی اوٹ سے اس کی بیوی اور بچوں کے افلاس زدہ چہرے راموں کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھ کر غائب ہو گئے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ رامو ان معصوم نگاہوں کی تاب نہ لاکر گھبرا اُٹھا۔ دولت ہی زندگی ہے۔ بیوی بچوں کے لئے آسائش ہے تو زندگی ہے۔ دنیا میں قدریں بدلتی جا رہی ہیں آج تک بیوی بچوں کو جی بھر رونے بھی نہ دیا۔ رامو کا پاک دل عارضی آسائش کے احساس سے بھر گیا۔ اس نے فوراً اسمگلر کو کشتی میں بٹھا لیا اور زور سے چپّو چلانے لگا۔

سمندر کی ہر لہر کے ساتھ رامو کے دماغ میں تلاطم برپا تھا۔ لہر آتی تو اسے ایسا معلوم ہوتا وہ ایک خوبصورت کمرے میں میں بیٹھا ہے دوسرے کمرے میں اس کے بیوی بچے اچھے اچھے کپڑوں میں ملبوس خوشی خوشی کھانا کھا رہے ہیں...

دوسری لہر آتی تو اسے یہ محسوس ہوتا کہ وہ دیش کا مجرم ہے ان کے سُکھ کی خاطر اس نے اپنے دیش سے غداری کی ہے وہ گاندھی جی کی تعلیم کو بھول گیا ہے۔

اسی ذہنی مد و جزر میں کنارہ قریب آگیا لیکن کنارہ قریب آنے سے پہلے رامو کا نفس رامو کے ضمیر سے شکست کھا چکا تھا۔

کنارے پر اُترتے ہی رامو نے اپنے بھائی کی مدد سے اسمگلر کو پکڑ لیا اور اپنی بستی کے لوگوں کو ہکّا بکّا چھوڑ کر قریبی پولیس اسٹیشن لے گیا۔

جب پولیس انسپکٹر کو مجرم کی اصلیت کا پتہ چلا تو اس نے رامو کے سراپا پر نظریں گاڑ دیں۔

کچھ دیر بعد رامو پولیس کمشنر کے سامنے ان کے دفتر میں بڑی عزت سے بیٹھا تھا کمشنر صاحب کو جب رامو کے گھریلو حالات کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً اپنی جیب سے رامو کو ۱۰۰ روپے انعام دیئے تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں کا پیٹ بھر سکے، اور جب رامو کا معاملہ حکومت تک پہنچا تب حکومت کی طرف سے رامو کو ایمانداری اور بہادری کے طور پر ایک ہزار روپے نقد اور ایک موٹر لگی کشتی بطور انعام دی گئی۔ جس سے رامو کی زندگی ہلکی پھلکی لہروں کی طرح سُبک رفتاری سے بہنے لگی۔

●●

مزاحیہ



دوزخ میں منہ دکھانے کا ساماں نہ ہو سکا
دنیا میں مجھ سے ایک بھی عصیاں نہ ہو سکا
جھنجلا کے میں نے کرتہ ربر کا پہن لیا
جب کچھ علاجِ تنگیٔ داماں نہ ہو سکا
بیساکھیوں نے لاکھ سہارا دیا مگر
مجھ سے طوافِ کوچۂ جاناں نہ ہو سکا
کولھو سے بیل کے نکلا تو نسخوں پہ چڑھ گیا
رینڈی کا تیل صرفِ چراغاں نہ ہو سکا
واعظ نے دو گھڑی میں جوکر کے دکھا دیا
رندوں سے عمر بھر میں وہ عصیاں نہ ہو سکا
ایک اپنے، ایک آپ کے والد کو چھوڑ کر
مجھ پر کسی کے باپ کا احساں نہ ہو سکا!



یہ فردیاں ہیں ستاروں کو ضوفشاں نہ کہو
یہ اُن کے سر کا دوپٹہ ہے آسماں نہ کہو!
ہوا ہے تم پہ فلو کا یہ تیسرا حملہ
کفن منگاؤ حکیموں سے داستاں نہ کہو!
یہ میکدہ ہے نکالو رقم۔ پیؤ۔ کھسکو
کہاں سے آئے ہو، کیا حال ہے یہاں نہ کہو!
خدا نے کچھ تو سمجھ کر مجھے بنایا ہے
میرے وجود کو تخلیقِ رائیگاں نہ کہو!
مرا خلوص ہے محدود چائے پانی تک
یہ مختصر سا گڑھا ہے اسے کنواں نہ کہو!

★ آفتاب لکھنوی
بلوچ پورہ، لال مسجد، لکھنؤ-۳

صنعتی معیشت میں —

چھوٹی صنعت ترقیاتی کارپوریشن کی کارگزاری

پروفیسر ایم۔ وی۔ راجدھیکش

هم مذہبی معاملات ہی میں نہیں بلکہ معاشی معاملات میں بھی قدرے توہم پرست واقع ہوئے ہیں۔ موخرالذکر میں ہم نے کچھ بندھے ٹکے اصول اپنا لیئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جتنی بڑی ہماری صنعت ہوگی اتنی ہی تیز ہماری رفتار ترقی ہوگی۔ مغرب کی ترقی اور کامیابی کا بھی ہمارے خیالات پر اثر پڑتا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ ہم ایک غریب قوم ہیں، اگر ہم ان کے نقشِ قدم پر نہ چلے تو پچھڑے رہیں گے۔ اس طرح ہم بڑی باتیں سوچتے اور بڑی بڑی صنعتوں کے قیام کی فکر کرتے ہیں اور اپنے پس منظر اور موجودہ مسائل کو فراموش کر دیتے ہیں۔

خوش قسمتی سے ہمارے دیس میں سب ہی اس خیال خام میں مبتلا نہیں ہیں۔ مثلاً اس کے بارے میں ہمارے دستور سازوں کا ذہن صاف تھا۔ انھوں نے یہ طے کر دیا تھا کہ قوم کے مادی وسائل و ذرائع کی ملکیت کی تقسیم اس طرح ہو جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے اور معاشی نظام کی کار فرمائی کا نتیجہ یہ نہ نکلے کہ دولت اور ذرائع پیداوار ایک جگہ اکٹھا ہو کر عوام کے حق میں ضرر رساں ثابت ہو۔ مہاتما گاندھی نے اس خطرہ کو بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ اور قوم کو اس سے متنبہ کر دیا تھا۔ لیکن بڑی بڑی صنعتوں کے ذریعہ فوری ترقی کے حامیوں نیز تیزی کے ساتھ روپیہ کمانے کے دھنی لوگوں نے اس انتباہ اور رہنما اصولوں کو نظرانداز کر دیا۔ لیکن یہ خیال دیرپا ثابت نہ ہوا اور برسراقتدار لوگوں کو اصلاح حال کے لیئے اقدامات کرنے پڑے۔

صنعتی پالیسی قرارداد

حکومت ہند کی صنعتی پالیسی قرارداد بابت ۱۹۵۶ء میں نئی معاشی پالیسی کی بخوبی وضاحت کر دی گئی ہے، اس کے مطابق حاصل ذرائع سے کلی افادے، علاقائی نابرابری اور بے روزگاری کے مسائل حل کرنے کے لئے لامرکزیت اور صنعتوں کا پھیلاؤ ضروری ہے۔ اس کا مقصد نئی قسم کے منتظم صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی ہے۔ ہم عرصہ سے دیکھتے آئے ہیں کہ یہ عموماً امیر اور اونچے طبقے ہی کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن اب اس میں 'سماجی وسعت' آگئی ہے۔ متوسط طبقہ کے سفید پوش نوجوان، جو وضع داری کی بنا پر ملازمتوں پر ہی قناعت کرتے ہیں، خواہ تنخواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو نیز نچلے طبقہ کے افراد بھی آگے بڑھ کر اس قومی معاشی جدوجہد میں راست حصہ لے سکیں گے۔ اس طرح یقیناً ایک سماجی انقلاب رونما ہوگا جس کی ہمیں شدید ضرورت ہے۔

اس نئی صنعتی راہ کے مدنظر حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۶۲ء میں مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن (ایم ایس ایس آئی ڈی سی) قائم کی۔ کارپوریشن کا دائرہ عمل مرکز کے زیر انتظام علاقہ جات گوا، دمن اور دیو تک بڑھا دیا گیا ہے۔ اس علاقہ کی حکومت کارپوریشن کے کچھ سرمایہ حصص رکھتی ہے۔ اسی طرح اسٹیٹ ٹریڈنگ کارپوریشن بھی حصہ لیتی ہے۔ گذشتہ پندرہ سال پر نظر ڈالی جائے تو کارپوریشن اپنی کامیابیوں پر یقیناً فخر کر سکتی ہے۔ یہ اسی طرح آئندہ سالوں

میں اپنی سرگرمیوں کو بڑھانے کا عزم رکھتی ہے۔

مہاراشٹر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ ملک بھر میں صنعتی طور سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ریاست ہے۔ اس کی راجدھانی بمبئی اور اس کے نواح کا علاقہ صنعتی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ یہاں صنعتیں اور مزدور ایک جگہ اکٹھا ہو گئے ہیں۔ اس کے نقصانات ظاہر ہیں۔ ریاستی حکومت نے یہ محسوس کر لیا کہ اس صورت حال کو روکنا ضروری ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ صنعتوں کو مناسب طریقہ پر تیزی کے ساتھ پھیلا دیا جائے۔ اسی نہج پر یہ کام کر رہی ہے۔ نتیجہ یہ کہ ریاست کے صنعتی نقشہ پر نئے نئے مقامات رونما ہو رہے ہیں۔

سبھی کے ساتھ ایک اہم سوال یہ تھا کہ صنعتیں کتنی بڑی ہوں۔ اگر صرف بڑی صنعتوں کو پھیلایا جائے تو اس کے ساتھ ان کی مخصوص برائیاں بھی پھیلیں گی۔ اس کا حل یہی تھا کہ چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم کی جائیں۔ ایسے کارخانوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی، اتنا ہی اچھا ہے۔ مذکورہ کارپوریشن بڑے جوش خروش کے ساتھ اس کام میں لگ گئی۔

یہ سہل کام نہ تھا۔ پالیسی اور پروگرام وضع کرنا تھا جو مخصوص سماجی اور معاشی ماحول کے مطابق ہو۔ کچھ سال ہوئے آنجہانی ڈاکٹر ڈی۔ آر۔ گاڈگل نے بتایا تھا کہ اولین ضرورت یہ ہے کہ یہ پھیلاؤ اس طریقے پر ہو جس سے نئے مقامات پر صنعتی سرگرمیوں کے لئے معاون سہولتیں اور درکار ساز و سامان مہیا ہو سکے۔ ان کے خیال میں دوسری اہم ضرورت یہ تھی کہ سرمایہ اور فنی سہولتیں دستیاب ہوں۔ یہ کارپوریشن نہ صرف ان ضروریات بلکہ کچھ اور ضروریات کی تکمیل کے لئے لگاتار کوشاں ہے۔

خام مال کی تقسیم

کارپوریشن کا اولین کام یہی تھا کہ چھوٹے یونٹوں کے لئے درکار خام مال حاصل کر کے انہیں تقسیم کرے۔ یہی اس کا اصل کام ہے۔ اس کا ستر اسی فیصد کاروبار خام مال ہی سے متعلق ہے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں اس ضمن میں رقم بارہ کروڑ روپے تک تھی۔ لوہا، فولاد، کوک، کوئلہ، مٹی کا تیل، زنک، تانبا، کیڈمیم یعنی رانگ کی طرح سفید نیلی دھات، اسٹین لیس اسٹیل، خالص الکحل اور صاف اسپرٹ، یہ خاص اشیاء ہیں جن کا کارپوریشن نے لین دین کیا۔ ریاستی حکومت نیز مختلف صلاح کار کمیٹیوں کے مشورے سے تقسیم کی پالیسی طے کی جاتی ہے۔ خام مال مختلف ڈپوؤں کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ لوہے اور فولاد کی قیمت یکساں ہوتی ہے۔ غالباً یہ پہلی کارپوریشن ہے جو یہ کام کر رہی ہے۔ اپنے گاہکوں کی ضروریات کے مدنظر، کارپوریشن اپنی پالیسیوں اور تقسیم کے طریقے میں ان کے مشوروں کا خیال رکھتے ہوئے برابر رد و بدل کرتی رہتی ہے۔ اب سیمنٹ بھی کارپوریشن کی اشیائے تقسیم میں شامل کر لیا گیا ہے۔

الکحل اور صاف اسپرٹ کے معاملے میں کارپوریشن ریاستی حکومت کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتی ہے اور اس مقصد سے دو گودام قائم کئے ہیں۔ اکثر چھوٹے کارخانوں کے لئے بڑے پروڈیوسروں کی جانب سے بعض کیمیکلس کیلئے وصول کی جانیوالی قیمت بھاری ہوتی ہے۔ کارپوریشن کا ارادہ ہے کہ یہ کیمیکلس اکٹھا خرید کر چھوٹے کارخانوں کو ان کی حسب ضرورت مہیا کرے۔ اس نے فی الحال تھانے کی واگلے انڈسٹریل اسٹیٹ میں کیمیکلس کے لئے ایک گودام قائم کیا ہے۔ ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کے اس فیصلے کے مطابق کہ ریاست کے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر علاقہ جات کے درمیان توازن رکھا جائے کارپوریشن ان دو اقسام کے علاقہ جات میں خام مال کی تقسیم میں ۶۰ : ۴۰ کے تناسب پر عمل کرتی ہے۔

مشینری کی فراہمی

ان دس سالوں میں کارپوریشن نے چھوٹے کارخانوں کے لئے ایک اور اہم خدمت انجام دی ہے اور وہ ہے انہیں قسطوں میں مشینری کی فراہمی، کارپوریشن نے اب تک اس امداد میں ۱۰،۷۶ کروڑ روپے کی رقم لگائی ہے۔ ۳۲ء۶۹ لاکھ روپے کی رقم کم ترقی یافتہ علاقوں کے لئے ہے۔ سرمایہ کی قلت کے سبب دسمبر ۱۹۷۴ء میں یہ کام روکنا پڑا تھا لیکن اسٹیٹ بنک آف انڈیا اور پنجاب نیشنل بنک کی اعانت سے پھر شروع کر دیا گیا ہے جو اس مقصد سے کافی سرمایہ منظور کر رہے ہیں۔ اب کارپوریشن نے یہ کام ریاست کے تیرہ کم ترقی یافتہ اضلاع اور گوا علاقے کے لئے محدود کر دیا ہے۔

'سیڈ کیپٹل' اسکیم

بلاشبہ چھوٹے صنعت کاروں کی اصل پریشانی سرمایہ ہے۔ اس پریشانی کو دور کرنے کی غرض سے کارپوریشن نے 'سیڈ کیپٹل' اسکیم جاری کی ہے۔ یہ روزگار بڑھانے کی مہم کا حصہ ہے اور فی الحال بمبئی عظمیٰ تک محدود ہے۔ اس اسکیم کی کامیابی ان صفحات پر دیئے گئے جدول سے واضح ہوتی ہے۔

سال	صنعتیں جنھیں امداد دی گئی	'سیڈ کیپٹل' جو مہیا کیا گیا (لاکھ روپے)	بنکوں کا حصہ (لاکھ روپے)	صنعت کاروں کا حصہ (لاکھ روپے)
۱۹۷۳-۷۴ء	۱۸۹	۴٫۹۲	۶۴٫۹۴	۷٫۶۲
۱۹۷۴-۷۵ء	۳۰	۴٫۰۸	۲۰٫۹۱	۴٫۵۰
۱۹۷۵-۷۶ء	۳۲۵	۸٫۷۰	۶۱٫۱۵	۱۴٫۴۲

آئندہ بننے والے صنعت کار کے لئے اگر اس نے کسی صنعتی ادارے میں کافی عرصہ تک کام نہ کیا ہو یہ ضروری ہے کہ وہ اس میدان میں قدم رکھنے سے قبل ضروری تربیت حاصل کرے۔ کارپوریشن اس ضروری کام پر بھی توجہ دے رہی ہے اس نے ۷۵-۱۹۷۴ء میں پانچ "انٹر پرینرز ڈیولپ منٹ کلینکس" قائم کئے جن میں سے ایک گوا میں اور چار مہاراشٹر کے مقامات دھولے، رتناگیری، چندرپور اور اورنگ آباد میں واقع ہیں۔ ذیل کے جدول میں کارگذاری کا اندراج ہے:

مرکز	موصول شدہ درخواستیں	منتخب اُمیدوار	اُمیدوار جنھیں تربیت دی گئی	صنعتیں جو جاری کی گئیں
چندرپور	۱۸۲	۲۶	۲۳	۳
دھولے	۱۰۴	۲۳	۲۱	۲
رتناگیری	۹۷	۲۱	۱۴	۵
اورنگ آباد	۱۴۸	۲۸	۱۸	۳
گوا	۴۷	۱۶	۱۶	۲
کل میزان	۵۷۸	۱۱۴	۹۲	۱۵

فروخت تنظیم

تیار مال کی فروخت چھوٹے پیمانے کی تمام صنعتوں کے لئے ایک زبردست مسئلہ ہے۔ یہ کارپوریشن ملک بھر میں غالباً واحد ادارہ ہے جو بڑے پیمانے پر ایسے مال کی فروخت کا انتظام کرتی ہے۔ گذشتہ سال تک اس میدان میں کارپوریشن کی سرگرمیاں بڑی حد تک محدود تھیں اور یہ صرف حکومت ہند کے ڈائرکٹوریٹ جنرل آف سپلائیز اور ڈسپوزلس اور چھوٹے پیمانے کے کارخانے جات کی نیشنل پرچیز آرگنائزیشن کے ساتھ لین دین کرتی تھی ریاست میں خشک سالی پڑنے پر اس نے متاثرہ علاقوں کے لوگوں کی امداد کے لئے فلت کے کام شروع کئے۔ کارپوریشن نے ان کاموں کے لئے ۸٫۲ کروڑ روپے کی مالیت کے اوزار وغیرہ مہیا کئے۔ مختلف علاقوں کے تقریباً نوے چھوٹے کارخانوں نے کارپوریشن کے واسطے اوزار تیار کئے۔ ان میں سے کچھ لوہاروں کی امداد باہمی جماعتیں تھیں۔ کارپوریشن نے ریاست کے فیملی پلاننگ پروگرام کے لئے فولک ایسڈ ٹیبلٹس مہیا کرنے میں بھی سبقت کی۔ گذشتہ سال سے اس کارپوریشن نے پبلک سیکٹر ادارہ جات کو ان کی ضرورت کی کچھ اشیاء سپلائی کرنا شروع کر دیا ہے۔ 'کول مائنس اتھارٹی' اور 'سنگرینی کالریز' ناگپور کو ایسی فراہمی کا تجربہ حوصلہ افزا رہا۔ یہ ادارے دُور دراز واقع ریاست مغربی بنگال سے خریداری کرتے تھے اور مقامی صنعتوں کا تیار کردہ مال بیکار پڑا رہتا تھا۔ اس کا علم ہونے پر کارپوریشن اس میدان میں داخل ہوئی اور خطہ ودربھ میں چھوٹے کارخانوں کے

اشیاء کے لئے آرڈر حاصل کئے۔ اس
ل اب تک یہ دوا دارے کارپوریشن کو ۱۴
ر روپے کی مالیت کے مال کے لئے آرڈر
ے چکے ہیں۔ کارپوریشن ایک قدم اور آگے
کران دوا داروں کو درکار اعلیٰ قسم کے
ں کی تیاری کو فروغ دینے والی ہے۔ یہ کام
ایسے کارخانجات کی مدد سے انجام دیا
ئے گا جنھیں قابل فنی ماہرین چلاتے ہیں۔
س کامیابی سے حوصلہ پا کر کارپوریشن نے تیلک
یکٹر میں زیادہ سے زیادہ اداروں سے رجوع
نا شروع کر دیا ہے جو آئندہ چھوٹی صنعتوں
تیار کردہ مال کے طالب ہو سکتے ہیں۔ یہ
ی چھوٹی صنعتیں قائم کرنے کی بھی کوشش
رہی ہے جو ایسی اشیاء تیار کر سکیں جن
فراہمی قلیل ہے یا وہ درآمد کی جاتی ہیں۔
۔ ۱۹۷۴ء میں ۵ء۵ کروڑ روپے کی کاروبار
کے مقابلے میں کارپوریشن نے رواں سال
لئے ۱۰ کروڑ روپے کا نشانہ رکھا ہے۔ یہ
ں کے توسط سے ہونے والی فروخت پر
۲ تا ۵ء۷ فیصد کمیشن لیتی ہے۔ یہ فیصد
رح متعلقہ کارخانہ کے صلاح مشورے سے
کی جاتی ہے اور سودے سے ہونے والے
افع نیز کارپوریشن کی خدمات کی وسعت
ر نوعیت پر مبنی ہوتی ہے۔

اگر چھوٹی صنعت بڑی صنعت کا محض
ین کردہ جائے تو وہ موخر الذکر کے رحم و کرم
ر ہے گی۔ فروخت اور دیگر کاموں میں
ادن ہی سے اس کی ماتحتی سے بچا جا سکتا
ہے۔ اسی بات کے مدنظر کارپوریشن مختلف
توں میں امداد باہمی کوششوں کو بڑھاوا
ی ہے تاکہ چھوٹے کارخانوں کو فائدہ پہنچے۔
س طرح آمدنی اور منافع کے علاوہ شرکاء
ں تعاون کا جذبہ کارفرما رہتا ہے۔

دستکاری مال کی فروخت

حکومت مہاراشٹر اور گوا نے ریاست میں روایاتی دستکاریوں کے تیار کردہ مال کی فروخت بڑھانے کی ذمہ داری کارپوریشن کو سونپی ہے۔ کارپوریشن ریاست کی طرف سے دہلی میں شری مورتی ایمپوریم چلاتی ہے جس نے بڑا اچھا بیوپار کیا ہے۔ اس نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ ایسی دکانیں ریاست کے دیگر شہروں اور گوا نیز ہوائی اڈوں پر کھولی جائیں۔ یہ پوری ریاست میں دستکاری کی نمائشوں کا انتظام بھی کرنیوالی ہے۔ کارپوریشن نے فی الحال چھوٹے پیمانے پر پروڈکشن یونٹ قائم کئے ہیں تاکہ چھتریاں، بدری ویر نیز ہمرو اور پیٹھنی قسم کے پارچہ جات تیار کئے جائیں۔ ان یونٹوں سے تقریباً ایک سو دستکاروں کو روزی ملتی ہے۔ بہترین کام پر انعام بھی دیا جاتا ہے۔ اس طرح تمام تر مقصد یہ ہے کہ دستکاروں کا معیار زندگی بلند ہو۔

ڈیری ڈیولپ منٹ کارپوریشن کی دودھ ہنڈوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کارپوریشن نے روٹیکنا لوجسٹوں کو تری مورتی کینس پرائیویٹ لمیٹیڈ کے قیام کے لئے مالی امداد دی ہے۔ کوکن ڈیولپ منٹ کارپوریشن کی شراکت میں کارپوریشن نے ضلع تھانے میں ایک بوبنگ مینوفیکچرنگ یونٹ کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے جو مزدوروں میں بے چینی اور مالی مشکلات کے سبب بند ہو گیا تھا۔ اب اس کا نام تری مورتی یونٹ ہے۔ اور یہ اچھا کام کر رہا ہے۔ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو مزدور کام کر رہے ہیں۔ یہ سب کے سب ادیباسی ہیں۔ اس میں نصف تعداد عورتوں کی ہے۔

برآمد کی حوصلہ افزائی

کارپوریشن کا ایک اور مقصد ایکسپورٹ پروموشن یعنی برآمد کو فروغ دینا ہے۔ یہ بمبئی میں ایک بڑا تجارتی مرکز کھولنے والی ہے جہاں بدیسی اور ہندوستانی خریداروں کے لئے دیس بھر کی منتخب دستکاری اشیاء رکھی جائیں گی نیز اس مرکز سے برآمد و درآمد کنندگان تاجر اور خریداروں کی ضروریات پوری ہو سکیں گی یہ ایسے سولہ مراکز میں سے ایک ہے جو حکومت ہند جاری کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کارپوریشن بمبئی میں خصوصاً شمالی علاقے والوں کے لئے گودام کی سہولتیں بھی مہیا کرتی ہے جنھیں ماضی میں اس قلت کے باعث نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

۲۰ نکاتی پروگرام پر عمل

۲۶ جون ۱۹۷۵ء کو ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد ملک کی معیشت نئے دور میں داخل ہوئی جس میں ۲۰ نکاتی پروگرام پر زور دیا گیا۔ اور بعد ازاں پانچ نکات بھی اس میں جوڑ دیئے گئے۔ پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ سماج کے ان طبقات کو جنھیں اب تک نظر انداز کیا گیا ہے ترقی کے حلقے میں لایا جائے جس میں سب کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں اور ملک پیداوار میں اضافہ کے ذریعہ یقینی طور سے ترقی کی راہ پر لگ جائے۔ یہی مقاصد کارپوریشن کے کام میں کارفرما ہوئے اور وہ زیادہ جوش خروش کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہوئی۔ کارپوریشن نے پروگرام کے بعض نکات کو کس طرح عملی جامہ پہنایا اس کا مختصر بیان یہ ہے۔ اس نے اسکولوں کے دو لاکھ سے زیادہ بچوں کے لئے قوت بخش ہلکا ناشتہ معمولی

بقایا صفحہ ۴۴ پر

خبرنامہ

اُردو اَدیبوں کی حوصلہ افزائی

ریاست مہاراشٹر اُردو اکادمی کی جانب سے ۲۱ اُردو مُصنّفین اور شعراء کے لئے بطور مالی امداد ۳۰۰، ۲۷ روپے کی رقم منظور کی گئی ہے تاکہ وہ اپنی تصنیفات شائع کرا سکیں
اس کے علاوہ کالجوں کی ۴۲ طلبہ انجمنوں کے لئے بطور مالی امداد ۲۴،۰۰۰ روپے کی رقم منظور کی گئی ہے تاکہ وہ اُردو کی ترقی کا کام جاری رکھ سکیں۔

مصنفین اور ان کے مسودوں کے نام نیز امدادی رقم حسب ذیل ہے:

(۱)	امین تابش	"نقطے اور لکیریں"	ایک ہزار روپے
(۲)	تابش سُلطانپوری	"نخلِ صدا"	ایک ہزار روپے
(۳)	عائشہ مسرور	"تنہائیاں"	ایک ہزار روپے
(۴)	حمیداللہ خاں حامد	"رزم و بزم"	ایک ہزار روپے
(۵)	نشاط ہندی	"نشاطِ جنوں"	ایک ہزار روپے
(۶)	محمود عشقی	"رقصِ شرر"	دو ہزار روپے
(۷)	قیصر الجعفری	"سنگ آشنا"	ڈیڑھ ہزار روپے
(۸)	جاوید اختر	"لمس"	ایک ہزار روپے
(۹)	شاہد کبیر	"مٹی کا مکان"	ایک ہزار روپے
(۱۰)	ضیا دہانی	"آئینۂ وطن"	ایک ہزار روپے
(۱۱)	محمد عمر قدسی (مرحوم)	"ترکش"	ایک ہزار روپے
(۱۲)	ظرفہ قریشی بھنڈاروی	"نصف النہار"	دو ہزار ۵ سو روپے
(۱۳)	عبداللہ کمال	"میں"	ایک ہزار روپے
(۱۴)	پریم رتن دوہر	"اٹک سے بمبئی تک"	دو ہزار ۵ سو روپے
(۱۵)	آفتاب حسین	"دلو کا پیڑ"	تین سو روپے
(۱۶)	نظام الدین نظام	"بنلیاں"	پانچ سو روپے
(۱۷)	ددر سیفی	"سکھڑیاں"	ایک ہزار روپے
(۱۸)	ڈاکٹر عصمت جاوید	"لسانیاتی جائزے"	دو ہزار روپے
(۱۹)	سلام بن رزاق	"ننگی دوپہر کا سپاہی"	ڈیڑھ ہزار روپے
(۲۰)	خورشید نعمانی	"دارالمصنفین کی ادبی خدمات"	دو ہزار ۵ سو روپے
(۲۱)	فیضی نظام پوری	"زخموں کے پھول"	ایک ہزار روپے

اِمداد پانیوالی کالج طلبہ انجمنیں حسبِ ذیل ہیں:

۱. سنگمیشور کالج، سولاپور ـ ۵۰۰ روپے
۲. ایل. اے. ڈی. کالج، شنکر نگر ۔ ۵۰۰ روپے
۳. گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج، اورنگ آباد ایک ہزار روپے
۴. بھیونڈی نظام نگر مالیگا کالج، بھیونڈی ۵۰۰ روپے
۵. بُرہانی کالج، مجگاؤں، بمبئی ۔ ۱۰۰۰ روپے
۶. مہاراشٹر کالج، بمبئی ۔ ۱۰۰۰ روپے
۷. سیکنڈری ٹریننگ کالج بمبئی ۔ ۵۰۰ روپے
۸. سینٹ زیویرس کالج، بمبئی ۔ ۱۰۰۰ روپے
۹. پنڈت نہرو مہاودیالیہ، اورنگ آباد ۵۰۰ روپے
۱۰. ناگپور مہاودیالیہ، ناگپور ۔ ۵۰۰ روپے
۱۱. مہارشی دیانند کالج، پریل، بمبئی ۔ ۵۰۰ روپے
۱۲. جی. ایس. کالج. کھام گاؤں ۔ ۵۰۰ روپے
۱۳. مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد ۔ ۱۰۰۰ روپے
۱۴. احمد نگر کالج، احمد نگر ۔ ۵۰۰ روپے
۱۵. مہاراشٹر اُدے گیر مہاودیالیہ، اُدگیر ۵۰۰ روپے
۱۶. وردھا مہاودیالیہ، وردھا ۔ ۵۰۰ روپے

۱۷۔ اسمٰعیل یوسف کالج، بمبئی ـــ ۱,۰۰۰ روپے
۱۸۔ باباصاحب امبیڈکر کالج، تلابہ، ۵۰۰ روپے
۱۹۔ پرٹن کالج، املنیر، جلگاؤں ـــ ۵۰۰ روپے
۲۰۔ سدھارتھ کالج، بمبئی ـــ ۵۰۰ روپے
۲۱۔ سڈنہم کالج، بمبئی ـــ ۵۰۰ روپے
۲۲۔ پیپلس کالج، ناندیڑ ـــ ۵۰۰ روپے
۲۳۔ مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن، اورنگ آباد
۱,۰۰۰ روپے
۲۴۔ مولجی جیٹھا کالج، جلگاؤں ـــ ۵۰۰ روپے
۲۵۔ این۔ ایس۔ جے۔ آر۔ آرٹس، سائنس اینڈ کامرس کالج، بیڑ ـــ ۵۰۰ روپے
۲۶۔ بل بھیم آرٹس، سائنس اینڈ کامرس کالج، بیڑ ـــ ۵۰۰ روپے
۲۷۔ سائنس کالج، ناندیڑ ـــ ۵۰۰ روپے
۲۸۔ یشونت مہاودیالیہ، ناندیڑ ـــ ۱,۰۰۰ روپے
۲۹۔ دیگلور کالج، دیگلور، ناندیڑ ـــ ۱,۰۰۰ ،،
۳۰۔ نوروزجی واڈیا کالج، پونے ـــ ۵۰۰ روپے
۳۱۔ نیسواڈیا کالج آف کامرس، پونے
۴۰۰ روپے
۳۲۔ شیواجی مہاودیالیہ، اُدگیر، عثمان آباد
۳۰۰ روپے
۳۳۔ آرٹس، سائنس اینڈ کامرس کالج، پنچوٹی، ناشک ـــ ۴۰۰ روپے
۳۴۔ شری بنکٹ سوامی مہاودیالیہ، بیڑ
۳۰۰ روپے
۳۵۔ گورنمنٹ اولڈ جونیئر کالج آف ایجوکیشن اُمراوتی ـــ ۴۰۰ روپے
۳۶۔ اینگلو اُردو جونیئر کالج، جلگاؤں ـــ
۴۰۰ روپے
۳۷۔ پونا کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس پونے ـــ ۴۰۰ روپے
۳۸۔ شری شیواجی کالج، پربھنی، ۳۰۰ روپے

بقایا صفحہ ۴۶ پر

اُردو ادیبوں کو انعامات

ریاست مہاراشٹر اُردو اکادمی کی جانب سے حوصلہ افزائی کی اسکیم کے تحت مندرجہ ذیل اُردو ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو ۷۶-۱۹۷۵ء سال میں ان کی منتخبہ بہتر تصانیف پر انعامات دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ مصنفین اور ان کی تصانیف کے نام نیز انعامات کی رقم حسب ذیل ہے:

افسانے

کتاب کا نام	مصنف کا نام	انعام کی رقم
(۱) اپنے آپ کا قیدی (دوسرا انعام)	احمد عثمانی	۱,۰۰۰ روپے
(۲) چہرے (تیسرا انعام)	عثمان غنی	۵۰۰ روپے

ـ شاعری ـ

کتاب کا نام	مصنف کا نام	انعام کی رقم
(۳) پچھلے پہر (پہلا انعام)	جاں نثار اختر (مرحوم)	۲,۰۰۰ روپے
(۴) وادیٔ سنگ (تیسرا انعام)	ظفر گورکھپوری	۵۰۰ روپے
(۵) انحراف (کنسولیشن انعام)	یعقوب راہی	۳۰۰ روپے
(۶) خوشبو (کنسولیشن انعام)	بدیع الزماں خاور	۳۰۰ روپے

(۷) ۱,۰۰۰ روپے کا خصوصی انعام کیفی اعظمی کو اُن کی اُردو شاعری کی خدمات کے صلہ میں دینا منظور کیا گیا ہے۔

ـ بچوں کا ادب ـ

کتاب کا نام	مصنف کا نام	انعام کی رقم
(۸) پلک نہ مارو (دوسرا انعام)	یوسف ناظم	۱,۰۰۰ روپے

تکنیکی ادب

کتاب کا نام	مصنف کا نام	انعام کی رقم
(۹) لکھنؤ کی لسانی خدمات (پہلا انعام)	ڈاکٹر حمید اللہ ندوی	۲,۰۰۰ روپے
(۱۰) یونان اور یانی (دوسرا انعام)	نفیس جعفری	۱,۰۰۰ روپے
(۱۱) بحث و تکرار (تیسرا انعام)	تصدیق سہاروی (مرحوم)	۵۰۰ روپے
(۱۲) اسلامی ادبیات پر ایران کا اثر (کنسولیشن انعام)	عبدالستار فاروقی	۱,۰۰۰ روپے

صحافت

(۱۳) پہلا انعام	شری عبدالحمید لوہیرے (ماہنامہ صبح اُمید)	۲,۰۰۰ روپے
(۱۴) دوسرا انعام	شمس کنول (ماہنامہ گگن)	۱,۰۰۰ روپے
(۱۵) خاص انعام	شری ریاض احمد خاں (روزنامہ انقلاب)	۵۰۰ روپے
(۱۶) خاص انعام	شری اختر حسن (ہفت روزہ بلٹز)	۵۰۰ روپے
(۱۷) خاص انعام	شری حسینی جاوید (روزنامہ آج)	۵۰۰ روپے

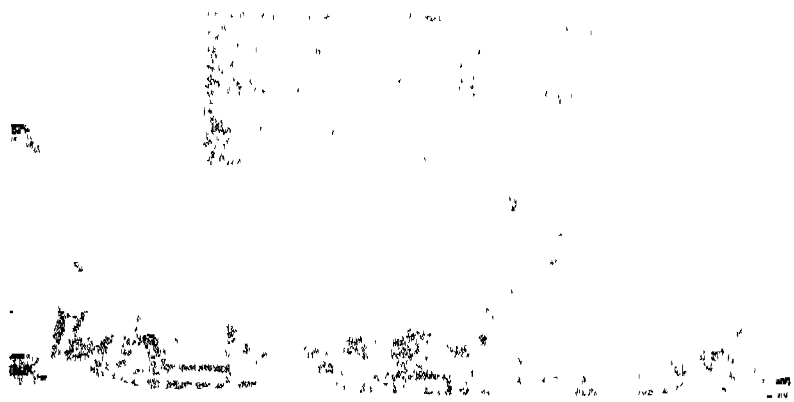
۱,۰۰۰ روپے کا خصوصی انعام شری آر۔ بی۔ جوشی، بمبئی کو ان کے مضامین پر دیا گیا ہے جن کے ذریعہ انھوں نے مراٹھی دانوں کو اُردو ادب سے روشناس کیا ہے۔

تپ دق کانفرنس

پندرھویں ریاست مہاراشٹر تپ دق وامراض سینہ کانفرنس (مہاراشٹرا اسٹیٹ ٹیوبرکلاسس اور چیسٹ ڈسیزز کانفرنس) کا افتتاح ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت عامہ نے ۱۱ مارچ کو ہوٹل برینڈی بمبئی میں کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر ڈیسوزا نے نجی اور سماجی انجمنوں سے اپیل کی کہ وہ دیہی علاقوں میں بڑے پیمانے پر بی سی جی کیمپ کے انعقاد کا انتظام کریں تاکہ اس بیماری کی روک تھام کی جاسکے۔ انھوں نے مزید کہا کہ حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ اضلاع میں اس کے موجودہ مراکز کے ذریعے جانچ کرنے کے پروگرام پر زیادہ سے زیادہ زور دیا جائے۔

شری بی جی دیشمکھ، میونسپل کمشنر نے سائنٹفک اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ کارپوریشن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شہر کے مختلف علاقوں میں بی سی جی کلینک کھولے۔ انھوں نے مزید کہا کہ بیماری کی روک تھام کے لئے ایک تحقیقاتی ادارہ



ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، وزیر مملکت برائے صحت عامہ "پندرھویں ریاست مہاراشٹر تپ دق کانفرنس" کا افتتاح فرما رہے ہیں

نیز ایک اطلاعاتی مرکز بھی شروع کیا جائیگا۔

اس موقع پر وزیر موصوف نے ایک یادگار سوونیر اور میونسپل کمشنر نے ایک کتابچہ بعنوان "تپ دق سے متعلق حقائق" کے اجراء کی رسم بھی انجام دی۔

ڈاکٹر ایم. ڈی دیشمکھ، اعزازی سیکریٹری برائے اسٹیٹ اینٹی ٹیوبرکلاسس' ایسوسی ایشن نے وزیر موصوف اور مہمانوں کا استقبال کیا اور ڈاکٹر این. سی پوری نے شکریہ ادا کیا۔

ریاستی لاٹری انعام یافتگان

مہاراشٹرا اسٹیٹ لاٹری کے دسمبر ۱۹۷۶ء اور جنوری ۱۹۷۷ء میں منعقدہ مختلف ڈرا میں مندرجہ ذیل افراد نے ایک ایک لاکھ روپے کا انعام حاصل کیا۔ ڈرا کی تاریخ قوس میں درج ہے:

شری چندر شیکھر آر۔ منّل، بمبئی (۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء)، شریمتی اوشا جی گپتے، ناگپور (۵ جنوری ۱۹۷۷ء)، شری گووند فی ٹ کدم بمبئی (۱۵ جنوری ۱۹۷۷ء)، شری یشونت ٹی. جا تھر، کولہاپور (۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء)، شری سنت رام وی. کسارا، بمبئی (۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء)، اور شری جگناتھ وشوناتھ چوگلے، مہوڑ بزرگ، ضلع سولاپور، (۵ فروری ۱۹۷۷ء)۔

ریاستی ناٹیہ مہوتسو!

بہترین ہندی ڈرامے پر انعامات

ڈائرکٹر آف کلچرل افیرس' حکومت مہاراشٹر کے زیر اہتمام ریاستی ہندی ڈرامہ مقابلے میں شری نارد ق میمن کو ناٹک "کھڑکی" کے اسکرپٹ پر ۱۵۰ روپے کا پہلا لیکھک انعام اور شری بابا دکھے کو ناٹک "سنکلپ" کے اسکرپٹ پر ۱۰۰ روپے کا دوسرا انعام دیا گیا۔

شری اُما کانت نارنگے اور شری مادھو مہولکر نے جج کے فرائض انجام دیئے۔

سرکاری ملازمین کے لئے رہائشی مکانات

شری پربھاکر کنٹے، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ اور پبلک ورکس نے ۲۰ مارچ کو مضافات بمبئی' اندھیری (مشرق) میں کوآپریٹو ہاؤسنگ اسکیم کے تحت مرکزی اور ریاستی سرکاری ملازمین

صفحہ ۴۵ سے آگے

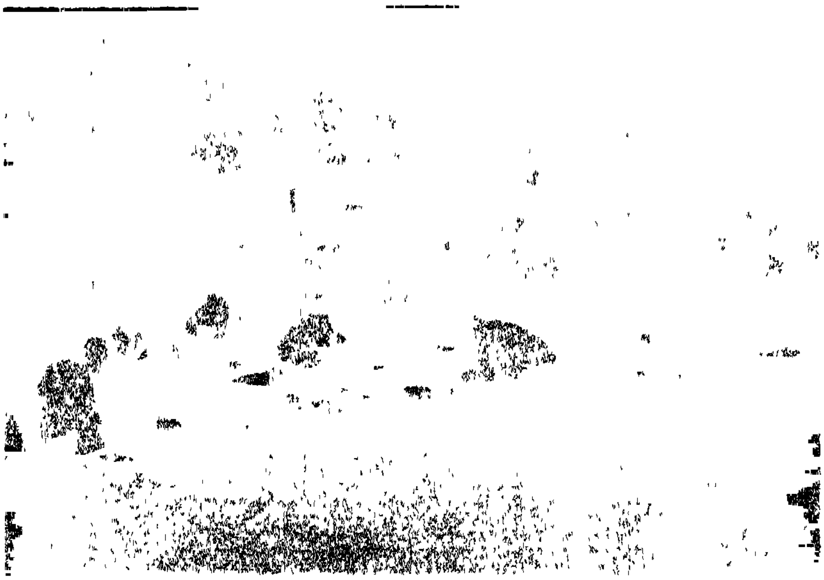
۳۹۔ اے۔ کے۔ آئی جونیئر کالج آف ایجوکیشن، بمبئی ـــ ۴۰۰ روپے

۴۰۔ سوامی رامانند تیرتھ مہاودیالیہ، امباجوگئی۔ بیڑ ـــ ۳۰۰ روپے

۴۱۔ کنیا مہاودیالیہ، سانگلی' ۳۰۰ روپے

۴۲۔ جگدمبا مہاودیالیہ' شہر اچل پور۔ ۳۰۰ روپے

۴۳۔ شریمتی کے۔ ایل' مہاودیالیہ' امراوتی ۳۰۰ روپے



کے لئے رہائشی عمارات کا سنگ بنیاد رکھا۔

...۴۰ رہائشی مکانات پر مشتمل چار منزلہ ۴۰ عمارتیں ...۴۰۰ افراد کو رہائشی جگہ فراہم کریں گی۔

ان پر لاگت کا تخمینہ ۵ء۱ کروڑ روپے کا ہے جن کی تعمیر کا کام دس ماہ میں مکمل ہو سکے زمین حکومت مہاراشٹر سے حاصل کی گئی ہے

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری کنٹے نے فرمایا کہ آئندہ سال کے دوران ہاؤسنگ کی مد میں صرف کے لئے ۱۵ کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم رکھی گئی ہے۔

بمبئی عظمیٰ کے ضرورتمند غریب لوگوں کو رہائشی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے حکومت کے فیصلہ و عزم کا تذکرہ کرتے ہوئے شری کنٹے نے اب تک جو اقدامات کیئے گئے ہیں، ان کی تفصیلات بتائیں۔

آغاز میں شری جی. سرینواسن نے حاضرین کا استقبال کیا۔ شری ایل. این گھاڈگے ڈونگر نے شکریہ ادا کیا۔

مصوری مُقابلہ

آتشزدگی کی روک تھام سے متعلق مصوری مقابلے میں ..۵ سے زیادہ طلباء شریک ہوئے، جس کا اہتمام ۱۳ مارچ کو بمبئی میں اسٹیٹس فائر ایڈوائزر، لائنس کلب اور روٹری کلب نے مشترکہ طور سے کیا تھا۔

یہ مقابلہ "فائر سروس ویک" کے سلسلے میں کیا گیا تھا جو اگلے ماہ منایا جائے گا۔ مقابلے میں جیتنے والے بچوں کو ۱۴ اپریل کو انعام دیا جائیگا

مندرجہ بالا تصویر میں مقابلے میں شریک بچے مصوری میں مصروف ہیں۔

صفحہ ۴۳ سے آگے

داموں میں فراہم کیا۔ ساڑھے تین لاکھ روپے کی مانع حمل گولیاں فراہم کیں۔ انسداد ملیریا کے قومی پروگرام کے لئے دو کروڑ روپے کی 'کلورو کوئین فاسیلیٹ' گولیاں بہم پہنچائیں۔

ایسی ہی اسکیموں کے باعث روزگار کے مواقع بڑھے۔ پروگرام کے مقاصد کے مدنظر کارپوریشن نے سماج کے دو کمزور طبقات یعنی عورتوں اور ادیباسیوں کے لئے روزگار مہیا کرنے کی خاص کوشش کی۔ ہتھ کرگھا صنعت کو بھی کارپوریشن کی خدمات سے فیض پہنچا، حالانکہ اس صنعت کی ترقی کے لئے ایک الگ ادارہ قائم ہے۔

کارپوریشن کی کامیابیاں

مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن کو کیا کچھ کرنا تھا اور اس نے اب تک کتنا کام کیا ہے اس کا مختصراً حال اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ہم جمہوری معیشت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں ہر غریب سے غریب ایک مقصد کے ساتھ شریک ہو۔ ریاست کے پچھڑے علاقوں تک روزگار کے مواقع بڑھانے کے علاوہ کارپوریشن نے لائق ہنرمندوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جو قلیل سہولتیں بھی دستیاب نہ ہونے کے باعث کسمپرسی کی حالت میں تھے۔ صنعتوں کو پھیلانے کی تحریک میں اس کی کامیابی خواہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو اس سے بعض سماجی برائیوں کو دور کرنے میں مدد ملی ہے جو صنعتوں کے اجتماع سے لازماً پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً شہروں میں مزدوروں کے آنے سے جھونپڑ پٹیاں بڑھتی ہیں جن میں انسان کو بڑی بدتر حالت میں زندگی گذارنا پڑتی ہے۔ ان خرابیوں کو دور کرنا ایک بڑا کام ہے۔ یہ زبردست چیلنج ہے۔ کارپوریشن اپنی جگہ پندرہ سال سے پوری لگن کے ساتھ جو کچھ اس سے ہو سکتا ہے کر رہی ہے۔ اس کی کوشش یہی ہے کہ نہ صرف ریاست کی معیشت کا نمونہ بدلے بلکہ لوگوں میں بھی نیا رجحان اور نیا جذبۂ عمل پیدا ہو۔

●●

سرکاری فیصلے اور اعلانات

قلّت راحت فنڈ کمیٹی

بمبئی ریاستی مستقل قلّت راحت فنڈ کمیٹی، وزیر محصول کی سربراہی میں دوبارہ تشکیل کی گئی ہے۔ وزیر مملکت کمیٹی کے وائس چیرمین ہیں شری وی. ایس پاگے، چیرمین، مہاراشٹر لیجلیٹو کونسل اور شری ایس. کے وانکھیڈے اسپیکر، مہاراشٹر لیجلیٹو اسمبلی ۲۹ فروری ۸۰ء تک تین سال کی مدّت کے لئے کمیٹی کے غیر سرکاری ممبران کی حیثیت سے مقرر کئے گئے ہیں۔

کمیٹی کے بہ لحاظ عہدہ ممبران یہ ہیں۔

سیکریٹری (I) حکومت مہاراشٹر، محکمۂ محصول و جنگلات؛ سیکریٹری حکومت مہاراشٹر محکمۂ زراعت و امداد باہمی (زراعت) اور سیکریٹری حکومت مہاراشٹر، محکمہ پبلک ورکس و ہاؤسنگ، ڈیسک آفیسر، محکمہ محصول و جنگلات، کمیٹی کے سیکریٹری ہیں۔

ماہی گیروں کو مالی امداد

تمام ماہی گیروں نیز ماہی گیری امداد باہمی سوسائٹی کے ممبران کو ان کی کشتیوں میں مشین لگانے کے واسطے 'سب سڈی' کی صورت میں مالی امداد دی جائے گی۔

درمیانی سائز کی ماہی گیری کے کل سازو سامان سے لیس کشتی کو جس میں ۱۰۰ ہارس پاور سے کم کا میرین انجن لگا ہوا در ساحل سے ۴۰ 'فیتھم' کی دوری تک چل سکتی ہو. کل لاگت کے ۲۵ فیصد کے برابر امداد کشتی کی تعمیر اور رجسٹریشن کے بعد دی جائے گی۔

یہ امداد حاصل کرنے والے ماہی گیروں کو اپنی پکڑی ہوئی مچھلی کا نصف حصہ اپنی پسند کی ماہی گیری امداد باہمی سوسائٹی یا فیڈریشن کے ذریعہ فروخت کرنا ہوگا۔

فشریز لیبوریٹری

۹ مارچ ۱۹۷۷ء سے ہیفکن بایو فارمیسٹیکل کارپوریشن نے فشریز ٹیکنالوجیکل لیبوریٹری، بمبئی کی نگرانی کا کام مہاراشٹر فشریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن سے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

یہ لیبوریٹری فی الحال ٹانک اور قوت بخش ادویات مثلاً شارکو وٹ، شارک لیور آئل، وٹامن اے اور ڈی وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہے۔ ان ادویہ کی پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے ایک اور پروگرام شروع کیا جائے گا۔

بھور میونسپل کونسل

بھور میونسپل کونسل کی حدود میں توسیع حکومت مہاراشٹر کے زیر غور ہے۔ اس سلسلہ میں حکمنامہ مہاراشٹر سرکار کے گزٹ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۷۷ء کے حصہ اے میں شائع کر دیا گیا ہے۔

تبدیلی سے متعلق اعتراضات و تجاویز کلکٹر پونے کے پتہ پر ۲۴ اپریل ۱۹۷۷ء سے قبل بھیجی جا سکتی ہیں۔

زراعتی خالی اراضی کی حصولیابی
سرکاری وضاحت

حکومت مہاراشٹر یہ وضاحت کرتی ہے کہ ایسی خالی زمین جو زراعت کے تحت آتی ہے اور جس کی فوری طور پر سرکاری یا نیم سرکاری اداروں کو شہری ترقی یا غیر زراعتی مقاصد سے ضرورت ہے شہری اراضی (حد بندی اور باقاعدگی) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے تحت فوراً حاصل کرلی جائیگی

حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسی زمین کو چھوٹ نہ دی جائے حالانکہ ایسی زمین کے مالکان نے چھوٹ کے لئے ریاستی حکومت کو درخواستیں دی ہیں تاکہ اس کا زراعت کے لئے استعمال جاری رکھ سکیں۔

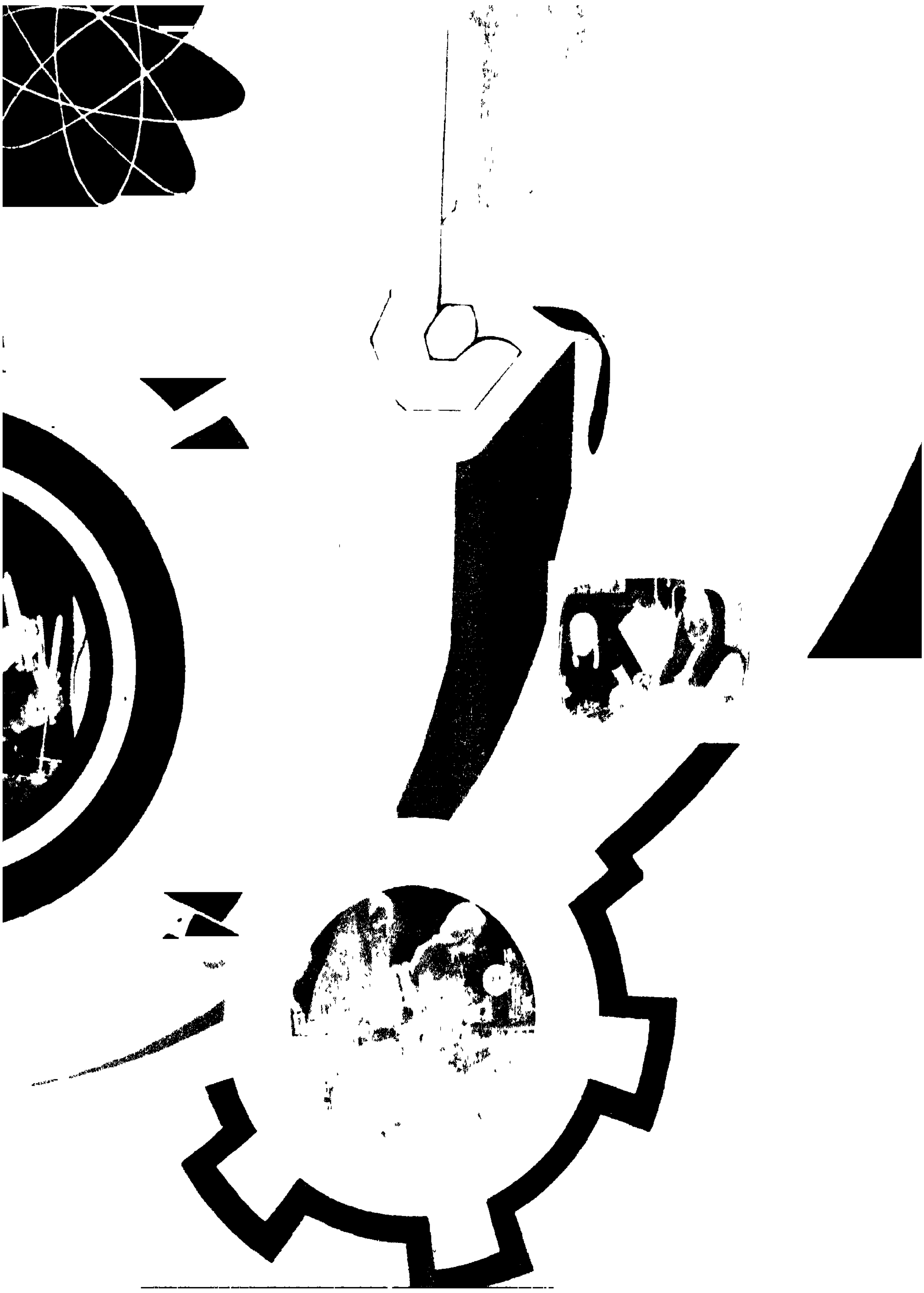
بہر حال یہ ممکن ہے کہ ایسی اراضی شہری ترقی کے مقاصد سے استعمال کے لئے فوری طور پر درکار نہ ہو یعنی میونسپل حدود میں واقع اراضی کے سلسلے میں ایکٹ کے نفاذ سے تین سال کے بعد اور محیط علاقے میں واقع اراضی کے سلسلے میں ایکٹ کے نفاذ سے دس کے بعد حاصل کی جائے۔







مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپ منٹ کارپوریشن نے چھوٹی صنعتوں کے قیام اور ان کی حوصلہ افزائی میں قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ یہ اپنی کامیابیوں خصوصاً قدرے پسماندہ اور ترقی پذیر علاقوں میں صنعتوں کی توسیع و ترقی پر بجا طور سے فخر کر سکتی ہے۔ اس نے چند بڑے صنعتی شہروں میں صنعت کے اجتماع کو روکا ہے اور صنعتی ترقی میں نئی راہ دکھائی ہے۔





سماج سے اونچ نیچ کی دیوار کو مٹانے والے ممتاز سماجی کارکنوں کو حکومت کی طرف سے ہر سال «دلت متر» کا خطاب دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

یہ تصویر ایسے ہی ایک استقبالیہ موقع کی ہے۔



سماج سے اونچ نیچ مٹانے میں بلا امتیاز ذات برادری شادی بھی بڑا مؤثر رواج ہے۔

سماج میں ایسی شادیاں ہونے لگی ہیں۔ ایک ایسے ہی شادی شدہ جوڑے کو تحفہ میں سلائی مشین پیش کی جا رہی ہے۔

قومی راج

جلد ۴ ؛ ۱۶ را پریل ۱۹۷۷ء ؛ شمارہ [illegible]

قیمت : ۵۰ پیسے ☆ سالانہ : دس روپے

نگران : خواجہ عبد الغفور (آئی ۔ اے ۔ ایس)

گفتنی

ہندوستان کے عظیم افسانہ نگار کرشن چندر کی وفات پر اردو ادب میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے اسے پر نہیں کیا جا سکتا۔ قومی راج میں اعلان کیا گیا تھا کہ اس عظیم فن کار پر ادیب، شاعر و صحافی حضرات اپنے احساسات سے نوازیں تاکہ اس ذریعہ سے ہی کرشن چندر کی یاد تازہ ہو اور اس میں شامل ہونے والے مضامین کرشن چندر کی زندگی پر اس طرح روشنی ڈالیں کہ قارئین کو اس فنکار کی پہلو دار شخصیت سے بھی متعارف کیا جا سکے۔

اس سلسلے میں خطوط بھی روانہ کئے گئے۔ حاصل شدہ مضامین قارئین کی معلومات کے لئے شائع کئے جا رہے ہیں۔

قومی راج کے اس شمارے میں "چھوت چھات" سے متعلق ایک خاص مضمون بھی ہے جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حکومت نے نہ صرف آزادی کے بعد بلکہ آزادی سے پہلے بھی پسماندہ طبقات کو سماج میں صحیح مقام دینے اور ان کی معاشی حالت درست کرنے کے لئے کیا کیا اقدام کئے۔ پسماندہ طبقات کو سماج میں برابری کا درجہ دینا ہم اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین کو یہ مضمون نہ صرف دلچسپ بلکہ ضروری بھی معلوم ہوگا۔

خلیل العزہ [signature]

ترسیل زر اور مراسلت کا پتہ :

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ترتیب

چھُوت چھات —
— خاتمہ کے لئے بھرپور جدوجہد

چھُوت چھات ایک طرح سے بڑی بُری سماجی بیماری ہے جس سے خصوصًا ہندو سماج زیادہ متاثر ہُوا، یہ ہندو دھرم کی دین نہیں۔ اس میں تو دھرتی کے سب ہی جانداروں کے ساتھ میل محبت کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہ مذموم رسم و رواج دراصل 'چار جاتی ورن' نظام کا نتیجہ ہے۔

برطانوی عہد میں سب سے پہلے ملک میں سماجی اصلاح اور انقلاب کی لہر اُٹھی، اور اس سماجی بُرائی کے خلاف بیداری پیدا ہوئی۔ ایک طرف نکارام اور ایکناتھ، جیسے رحم دل سنتوں نے اس بُرائی کے خلاف آواز اُٹھائی اور دوسری طرف مہاتما جیوتی با پھلے، مہاتما گاندھی، کرم ویر شندے اور ڈاکٹر امبیڈکر جیسے مصلحین اور رہنماؤں نے چھُوت چھات اور سماجی نابرابری کو مٹانے کا بیڑا اُٹھایا۔ قومی لیڈروں نے تو چھُوت چھات کے مٹانے اور ہریجن سُدھار کی تحریک کو اپنی جدوجہد آزادی سے جوڑ دیا نتیجہ یہ کہ بہت سے مقامات پر خاتمہ چھُوت چھات پروگرام جاری ہوئے اور اس بُرائی کو مٹانے کے لئے فضا ہموار ہوئی۔

بہرحال آزادی کے بعد ہی حکومت اس کام میں شریک ہوئی اور پسماندہ طبقات اور اچھوتوں کی تعلیمی، سماجی اور معاشی ترقی کے لئے پروگرام وضع کئے۔ عوامی راج کے قیام سے اس تحریک میں پورا زور پیدا ہُوا۔ تاہم مجموعی طور سے بیشتر سماج نے ان اقدامات کی خاطر خواہ حمایت نہیں کی۔ یہ بھی ایک ستم ظریفی ہی ہے کہ لوگ اصولاً تو خاتمۂ چھوت



بلاامتیاز - ذات برادری شادیاں

چھات تحریک کی حمایت کرتے لیکن عملاً اس کے خلاف کرتے ہیں۔

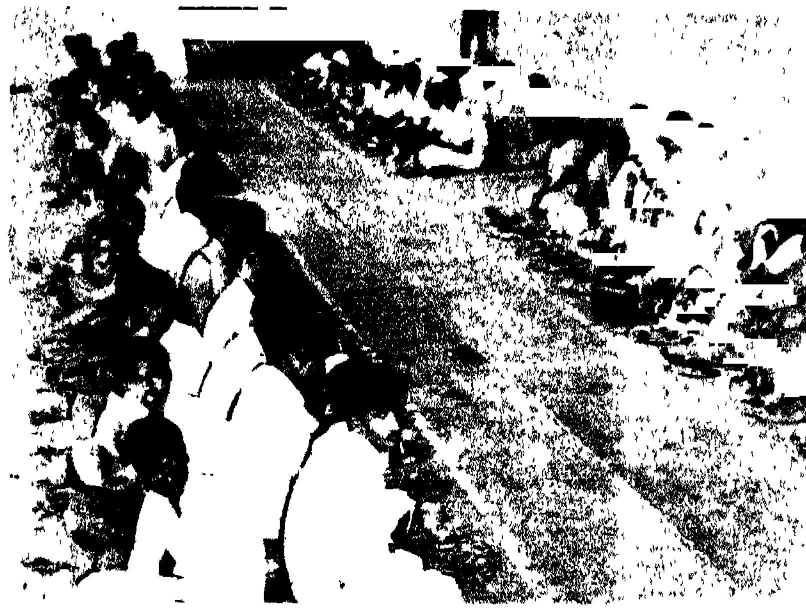
بہرحال ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کے بعد ہی جب حکومت نے اپنا دستور اختیار کیا تو اس کی دفعہ ۱۷ کے تحت کسی بھی شکل میں چھوت چھات برتنا ممنوع قرار دیا گیا۔ اس دفعہ کا مقصد اس برائی کو ختم کرنا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے سزا کے مستحق ہیں۔ اسی کے ساتھ دفعات ۱۵(۱) (۲)، ۱۶(۱)، ۲۹ (۲)، ۴۶، ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۴۰ اور ۳۴۱ کے تحت پسماندہ طبقات کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے نیز حکومت کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان طبقات کے لئے مختلف سہولتیں بہم پہنچا سکے۔

تعلیمی ترقی پر زور

چھوت چھات کے خاتمے کے لئے حکومت نے اب سہ رخی پروگرام اپنایا ہے۔ اس پروگرام کا اولین مقصد یہ ہے کہ ان نام نہاد "اچھوتوں" کو ان کی سماجی و معاشی ترقی کی غرض سے تعلیمی اور دیگر سہولتیں بہم پہنچا کر سماج کے دیگر طبقات کے برابر لایا جائے۔ ان تمام اسکیمات میں جیسا کہ اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے ان کی تعلیمی ترقی پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔

ان پسماندہ طبقات کے مدنظر متعدد اسکیمات کے واسطے ۱۲۶۱ لاکھ روپے کی مختص رقم میں سے ۹۵۰ لاکھ روپے محض تعلیمی سہولتوں پر صرف کئے جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں صرف اس ایک مد میں خرچ مختلف اسکیمات کے لئے کل مختص رقم کا ۷۵٫۴ فیصد حصہ ہے۔

پسماندہ طبقات کے طلبہ کو تمام مراحل



چھوت چھات سے پاک دسترخوان

پر مفت تعلیم دینے کے پروگرام کے تحت اس سال پرائمری اسکولوں میں ۱۱٫۴۰ لاکھ ایسے بچے اور سیکنڈری اسکولوں میں ۴٫۶۵ لاکھ بچے فیضیاب ہوئے۔

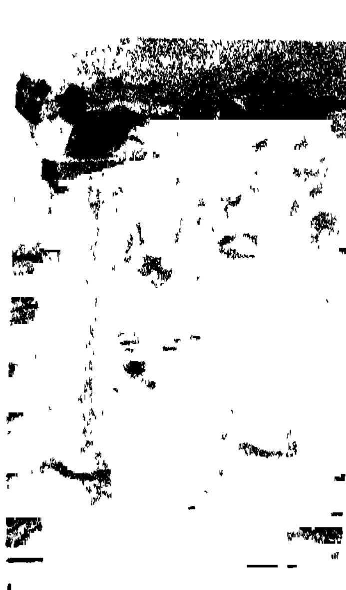
پسماندہ طبقات کے طلبہ کے لئے حکومت ۷۰ ہوسٹل چلا رہی ہے جب کہ رضاکارانہ جماعتیں ایسے ۱۲۰۰ ہوسٹل چلا رہی ہیں۔ ان تمام ہوسٹلوں میں تقریباً ۶۰۰۰۰ طلبہ مقیم ہیں۔ جو پسماندہ طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بھی مرکزی منظورہ وظائف ملتے ہیں۔ ۱۹۵۹-۶۰ء میں ان وظائف کی تعداد ۸۰۱ ،۷ تھی جو فی الوقت بڑھ کر ۶۹,۵۰۰ ہوگئی ہے۔ اسی تناسب سے خرچ ۲۹٫۸۴ لاکھ سے بڑھ کر ۶۲۳٫۴۷ لاکھ روپے ہوگیا ہے۔

معاشی ترقی کا پروگرام

پسماندہ طبقات کی معاشی ترقی کے پروگرام میں، مالی امداد دینے کی اسکیمیں شامل ہیں جو ان طبقات کے کسانوں کی اراضی پر کھیتی باڑی، اور کھیتوں کی سینچائی کے لئے کنوؤں کی کھدائی سے متعلق ہیں۔ انھیں چھوٹی صنعتوں کے لئے بھی امداد دی جاتی ہے۔ انھیں سرمایہ حصص کے طور پر امداد دی جاتی ہے تاکہ وہ امداد باہمی سوسائیٹیوں کے ممبر بن سکیں۔ ایک اور اہم اقدام سرکاری ملازمتوں میں پسماندہ طبقات کے افراد کے لئے ان کی آبادی کے تناسب سے ملازمتوں کا تحفظ ہے۔ مزید برآں ترقی کے خیال سے کچھ جگہیں بھی ان کے لئے محفوظ کر دی گئی ہیں۔ یہ احکامات لوکل سیلف گورنمنٹ اور دیگر سرکاری خود مختار اداروں پر بھی لاگو کئے گئے ہیں۔

مزید برآں ایک اور قابل ذکر مالی امداد پسماندہ طبقات کے افراد کو اس مقصد سے دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے لئے انفرادی طور پر یا امداد باہمی انجمنوں کے ذریعہ اچھے خاصے مکانات بنا سکیں



سب کے لئے ٹھنڈا پانی

پرچار مہم

پیش نظر دوسرا مقصد زوردار پرچار مہم ہے تاکہ لوگوں کا سماجی مطمع نظر بدلے. سرکاری ذرائع محدود ہونے کے مدنظر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یہ ذمہ داری رضاکارانہ تنظیموں کو سونپ دی جائے. فی الحال نو رضاکارانہ تنظیمیں 'پرچار مہم' میں مصروف ہیں. انھوں نے مہم چلانے کے لئے ۱۲۶ پرچارک مقرر کئے ہیں جن پر سرکار ۲۴ء۲ لاکھ روپے سالانہ بطور امداد صرف کر رہی ہے. ان پرچارکوں کے ذمے یہ کام ہے کہ ایک طرف سورن ہندؤں میں چھوت چھات کے خلاف فضا ہموار کریں اور دوسری طرف پسماندہ طبقات میں ان کے حقوق کا احساس پیدا کریں نیز انھیں ان اسکیموں سے آگاہ کریں جو حکومت نے ان کی بھلائی کے لئے شروع کی ہیں اور انھیں کون کون سی سہولتیں حاصل ہو سکتی ہیں.

بہرحال چھوت چھات کے مسئلہ کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر محض رضاکارانہ تنظیموں کی کوششیں ہی سے خاتمہ چھوت چھات کا پروگرام پورا ہونا کٹھن ہے. حکومت کو بھی یہ احساس ہے کہ چھوت چھات کے خلاف اجتماعی طور سے دلوں کی تبدیلی کا یہ کام اتنا سہل نہیں ہے. حکومت نے یہ بھی جان لیا ہے کہ پرچار کی مہم میں اخبار، آکاش وانی اور دوردرشن جیسے عوامی ذرائع بڑے کارگر ہو سکتے ہیں. ان کے پرچار کا لوگوں کی روزمرہ زندگی پر لازمی اثر پڑتا ہے.

ہریجن پندھرواڑہ'

خاتمہ چھوت چھات کے لئے سازگار فضا پیدا کرنے کی غرض سے حکومت ہر سال ۱۴ اپریل سے یکم مئی تک 'ہریجن پندھرواڑہ' منانے کا اہتمام کرتی ہے. اس مدت کے دوران چھوت چھات کے خلاف پرچار کے لئے برادری دعوتوں، پربھات پھیریوں اور عام سبھاؤں وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے. اس برائی کے خاتمہ اور سماجی کاموں کے دیگر میدانوں میں قابل قدر خدمات انجام دینے والے سماجی کارکنوں کی ہر سال عزت افزائی کی جاتی ہے. انھیں 'دلت مترا' کے خطاب نیز ۱۰۰۱ روپے کے نقد انعام سے نوازا جاتا ہے.

اسی طرح ۲۵,۰۰۰ روپے کی رقم اس فلم کو دی جاتی ہے جو سال کے دوران خاتمہ چھوت چھات کے موضوع پر بہترین تسلیم کی گئی ہو. اب تک 'جھنجھ'، 'کارتکی' اور 'چھیر بھنگ' نے مذکورہ امداد حاصل کی ہے. اس موضوع پر ادیبوں کو کہانیاں اور مضامین لکھنے کی دعوت دی جاتی ہے اور بہترین مضامین پر انعامات دیئے جاتے ہیں.

اسی طرح 'بال واڑیوں' کی بھی مدد کی جاتی ہے جو ہریجن بچوں میں صفائی ستھرائی اور صحت مند عادتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں. ثقافتی مراکز بھی اہمیت کے حامل ہیں جن کے ذریعہ ہریجن عورتوں کو سورن ہندو عورتوں سے ملنے جلنے کا موقع ملتا ہے. ہریجن بستیوں کے سدھار کے لئے بھی قدم اٹھایا گیا ہے اور ان میں سڑک، روشنی اور صفائی وغیرہ کی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں.

ہر سال چھوت چھات کے خلاف مہم کے سنچالکوں اور سماجی کارکنوں کے سیمینار (کیمپ) لگائے جاتے ہیں جہاں وہ تمام پہلوؤں سے 'پرچار مہم' پر بحث کرتے ہیں اور نئے اقدامات تجویز کرتے ہیں.

ہریجنوں اور سورن ہندؤں میں شادی بیاہ

ہریجنوں اور سورن ہندؤں کے درمیان شادی بیاہ کی حوصلہ افزائی بھی ایک اہم قدم ہے جس سے اس برائی کے خاتمے کے لئے فضا سازگار ہوتی ہے. ایسے نئے شادی شدہ جوڑوں کو عام بدھائی دی جاتی ہے اور انھیں تحائف پیش کئے جاتے ہیں.

یہاں یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ریاستی حکومت نے شری ڈی. ایس پاگے، چیرمین اسٹیٹ لیجسلیٹو کونسل کی زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی تھی تاکہ وہ اس مسئلے پر غور کرے کہ چھوت چھات مٹانے کے لئے آئینی نصب العین کس طرح پورا ہو سکتا ہے اور اس برائی کے تدارک

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

"کہانی سوگئی جیسے"

کرشن چندر ایک عظیم ناول نگار، طنز و مزاح نگار ہی نہ تھے بلکہ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ انھوں نے افسانہ نگاری کو نیا موڑ، نئے تجربات، نیا اسلوب دیا۔ ایسا انداز اب شاید ہی کسی اور کو نصیب ہو۔

ایشیا کے اس عظیم افسانہ نگار نے اُردو فکشن کو فنی معیار عطا کیا، اُردو افسانے کو زندگی کی حقیقتوں کا ترجمان بنانے اور دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے افسانوی ادب کے مقابل لانے میں جو اہم رول ادا کیا وہ کسی کے حصہ میں نہیں آیا۔ جس کے فکر و فن کا اعتراف دنیا بھر میں ہوا ہے۔ اُردو ادب کا لوہا دنیا کی مختلف زبانوں کے ادب سے منوایا ہے۔ جس کی ہر تصنیف لافانی، ادبی دنیا کا قیمتی سرمایہ بھی۔ جس کی ہر تخلیق میں انسان دوستی، عالمی امن کا رنگ چوکھا ہے۔

جس کے افسانوں میں زندگی نشیب و فراز کو جھیلتی ہوئی اس مقام پر پہنچتی ہے جس کا تصور اور فن کار مشکل سے کر پائیں گے۔

جس کی ناولوں میں حسن و جوانی کی انگڑائیاں، جوان دلوں کی دھڑکنیں ہیں۔

جس کی مزاحیہ، طنزیہ تحریروں میں آج کے معاشرے کے رنگین اور بھیانک روپ کا شفاف درپن ہے۔

جس کی کاوشوں میں طنز کے زہر میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹیں، خاموش محبت کے کرب سے لبریز آنسوؤں اور آگ برساتی آہوں کی انوکھی لازوال داستان ہے۔

یقین نہیں آتا کہ وہ مخلص، باغ و بہار، ذہین شخصیت ہمارے درمیان نہیں رہی۔ فکر و فن کا احساس درخشاں، اُردو ادب کی تابناک علامت، افسانہ نگاری کا مجلّی ذہن ہم میں ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس کی عظمت زندہ جاوید ہے۔ مگر اب وہ اَبدی نیند سو گیا ہے ؎

خزاں کے سائے سائے گلفشانی سو گئی جیسے
ہوائیں چپ ہیں آشفتہ بیانی سو گئی جیسے
اجل کی گود میں اسلوب کی رعنائیاں گم ہیں
زباں گونگی ہے اُردو کی کہانی سو گئی جیسے

سوگوار

بیکل اُتساہی بلرامپوری

نکہت و نور سے بھرپور گُلِ بے خار کرشن چندر

کرشن چندر کو مرحوم لکھنے میں کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دستِ گُلچیں نے اس نکہت و نور سے بھرپور گُلِ بے خار کو گلشنِ ہستی سے چھین لیا۔ اِس کا تعلق ہندوستان والوں کو ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے ادیب اور دانشوروں کو ہے۔

کسی بھی ادب میں افسانہ نگاری کو سہل ترین صنفِ ادب کہا جاتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ افسانہ نگاری نہایت ہی مشکل اور محنت طلب فن ہے۔ کیونکہ اس میں افسانے کے ساتھ ساتھ سماج، تمدن، تہذیب، معاشر، کلچر اور سوسائٹی کی اصلاح کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ افسانہ محض عشق و محبت کی داستان نہیں اس میں ہجر و وصال، رقیبِ روسیاہ، گل و خار، بہار و خزاں، خرد و جنوں سب ہی کا مناسب وقت پر تذکرہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن اسے بنی نوع انسان کی خاطر کارآمد اور مُفید بنانے کے لئے اِصلاحی اور تنقیدی پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کرشن چندر کے قلم کو پروردگار نے ایک دھڑکتا ہوا دل، دُوربین نگاہیں اور فاتح عالم محبت عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے جس پر لکھا بھرپور لکھا، جس سے جو کہنا چاہئے تھا وہی کہا۔ ایک مشہور مقولہ ہے "Human nature is the same all over the world" 'انسانی فطرت ہر جگہ ایک سی ہوتی ہے'۔ اور یہی وجہ ہے کہ کرشن چندر کے کروڑوں قارئین نے ان کے افسانوں کو "جو سُنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے" سمجھ کر سینے سے لگایا، اور اپنے ہی ماحول کے کرداروں سے منسوب کیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کی ز جنوں مختلف زبانوں میں ان کے افسانوں کے ترجمے ہوئے جو مقبولِ عام ہیں۔

کرشن چندر کے بارے میں اگر تفصیل سے لکھا جائے تو ایک دفتر درکار ہے، لیکن آفتاب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہوتا اس لئے میں اس اُمید اور اس دعا کے ساتھ اپنے ان مختصر تاثرات کو یہ کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ خدا کرے ہمارے ملک کے ادیب اور دانشوران کے نقشِ قدم کو مشعلِ راہ بنائیں اور اپنے ادب کو "زندگی برائے ادب" کے سانچے میں ڈھالیں تاکہ ان کا ادب ملک اور قوم کا قیمتی سرمایہ بن سکے۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

غزل

دل میں یہ احتمال ہے کیسا
میں تو ہوں میں، وصال ہے کیسا

شہر کا شہر سر قلم کر کے
میں بھی دیکھوں سوال ہے کیسا

چہرے چسپاں ہوئے ہیں چہروں پر
آئینوں کا زوال ہے کیسا!

لمحہ لمحہ ہوا ہوں ریزۂ خاک
سفرِ ماہ و سال ہے کیسا

میں ہی میں ہوں جدھر بھی آنکھ اٹھے
یہ طلسمِ خیال ہے کیسا

خود سے ٹوٹا ہوں میں تو دیکھ تو طور
اب مرا جی بحال ہے کیسا!

• کرشن کمار طور
رٹز اینکس، شملہ

• محمود سروش

ساحل کی ریت پر بکھرے نقوش

"زہنی کے متعلق میں کیا جانتا ہوں یہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ انسان کی ذہنی کیفیتیں سمندر کے مدوجزر کی طرح دل کے ساحل پر آتی ہیں اور اکثر نہایت ہی لطیف اور ناپائیدار اور مبہم نقوش چھوڑ جاتی ہیں اور عموماً یہ مبہم سی تصاویر لہروں کے دوسرے ریلے ہی میں یوں فنا ہو جاتی ہیں کہ پھر اُن کا نام و نشان بھی نہیں پایا جا سکتا۔ یا پھر نقوش اپنی تزئینِ نو اور حسنِ امتزاج سے نئی جمالیاتی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ اور ان کے آغوش میں اس ساحل کی ریت کا ہر ذرہ گنگنا اُٹھتا ہے۔ کیا اس سے پہلے بھی زندگی تھی؟ یا یہ نغمۂ حیات کی ایک اضطراری لے ہے۔

لیکن بعض نقوش اس قدر ناپائیدار اور مبہم نہیں ہوتے اور وہ ساحلِ حیات پر ایسی تصویریں کھینچ دیتے ہیں جو مدت تک قائم رہتی ہیں۔ ایسی تصویروں میں ایک تصویر زہنی کی بھی ہے۔"

یہ کرشن چندر کے افسانے 'جنت و جہنم' کے ابتدائی جملے ہیں اور اب اُن کے انتقال کے بعد جب ان کو پڑھا جاتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات خود کرشن چندر کے بارے میں راست اُترتی ہے۔

میں کرشن چندر کے بارے میں کیا جانتا ہوں یہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ بمبئی میں رہنے کے باوجود، اُردو کا ادیب ہونے کے باوجود، ترقی پسند تحریک کا ہمدرد ہونے کے باوجود، فلم انڈسٹری سے وابستہ ہونے کے باوجود، اُردو کی مہم میں ان کا ہم آواز ہونے کے باوجود میں کرشن چندر سے کبھی قریب نہیں ہوا۔ صرف انھیں پڑھتا رہا انھیں دور سے دیکھتا رہا ان کے مختلف معاشقوں کا تماشائی رہا

کبھی انھیں ریڈیو اسٹیشن پر ان کے ڈرامے کی ریہرسل میں شریک ہوتے دیکھا۔ کبھی انھیں سرائے کے باہر اور راکھ کی شوٹنگ میں منہمک دیکھا، کبھی انھیں 'یوم غالب' کے موقع پر مقالہ پڑھتے دیکھا۔ کبھی ترقی پسند مصنفین کے جلسے میں صدارت کرتے ہوئے بحث و تکرار میں حصہ لینے والوں کو اکساتے اور دباتے ہوئے دیکھا۔ مگر قریب جانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اس لئے نہیں کہ ان کی شخصیت بہت قدآور تھی اور میں اُن سے دبتا تھا۔ یا اتنی عقیدت تھی کہ انھیں دیوتا سمجھ کر اس فاصلے کو قائم رکھنا ضروری سمجھتا تھا جو ایک صنم اور اس کے پرستار کے درمیان رہنا ضروری ہے۔ اس لئے بھی نہیں کہ ادیب کی حیثیت سے میں انھیں اپنے سے بہت اونچا پا رہا تھا بلکہ اس لئے کہ جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انھیں کہیں نہ کہیں گم پایا۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ کرشن چندر کا جسم انکم ٹیکس کے دفتر کے باہر ٹہل رہا ہے لیکن ان کی رُوح کشمیر کی کسی وادی میں سیر کر رہی ہے۔ آخری بار انھیں ان کے گھر میں دیکھا تھا جب وہ مجروح سلطان پوری کے ساتھ "خاک بر سر کن غم ایام را" کی تیاری کر رہے تھے مگر باتیں اس طرح کر رہے تھے جیسے وہ وہاں موجود نہ ہوں۔

غالباً پہلی بار ۱۹۴۰ء میں ادبی دنیا کے سالنامے میں ان کا ایک افسانہ پڑھا تھا — "زندگی کے موڑ پر"۔ انھیں دنوں دبستان محمد حسین آزاد کے ایک نامور انشاء پرداز مولانا صلاح الدین صاحب اسمٰعیل یوسف کالج جوگیشوری میں ایک تقریر فرمانے آئے تھے۔ موصوف اس زمانے میں اپنے بھائی ڈبلیو۔ زیڈ احمد کی فلم "ایک رات" کے مکالمے لکھ رہے تھے۔ وہ ادبی دنیا کے مدیر بھی تھے۔ تقریر کے بعد چائے پیتے ہوئے کچھ بات چیت کی نوبت آئی تو میں نے موصوف سے پوچھا کہ یہ کرشن چندر صاحب کون ہیں جن کا افسانہ آپ نے چھاپا ہے۔ اگر آپ کو کبھی کالج کے کسی ایسے لڑکے کو سوال کرتے دیکھنے کا موقع ملا ہو جو اپنے کو ادیبوں میں شمار کرتا ہو تو میرے سوال کے تیور آپ سمجھ سکتے ہیں۔ موصوف نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا "مستقبل کا سورج ہے"

میں نے ایک حملہ اور کیا "مگر زبان میں پنجابیت ہے"
مولینا صلاح الدین صاحب نے مجھے غور سے دیکھا اُن کی بڑی بڑی آنکھیں کچھ اور بڑی ہوگئیں، پھر ابرو پر بل پڑے اور مِٹے اور پھر مسکراکر ارشاد ہوا "وہ خود پنجابی ہے" بات ختم ہوگئی۔

اس کے بعد میں کرشن کو پڑھتا رہا۔ ادبی دنیا میں۔ ادب لطیف میں۔ ساقی میں اور دوسرے پرچوں میں مگر ان کو دیکھنے یا ان سے ملنے کی تمنا کبھی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ میں نے ان کا "ان داتا" پڑھا۔ 'ان داتا' پڑھنے کے بعد تو جی یہ چاہنے لگا کہ کرشن چندر سے ضرور مِلا جائے۔ مگر اُس کو کیا کیا جائے کہ میرے مزاج میں جھجک بے حد ہے۔ کسی کے دروازے پر نیاز مندانہ جاکر کھڑا نہیں ہوسکتا ورنہ بمبئی سے پونہ دور نہ تھا۔ ریڈیو اسٹیشن پر وشوامتر اور رندھیر سے کرشن کے بارے میں پوچھا کرتا۔ ایک دن رندھیر نے میرا تعارف مہندر ناتھ سے کرا دیا۔ مہندر ناتھ کرشن کے بھائی۔ اور پھر یہ پروگرام بنا کہ ریڈیو سے کرشن کا ڈرامہ 'سرائے کے باہر' نشر کیا جائے۔ 'سرائے کے باہر' میں ایک کردار میں نے بھی ادا کیا۔ دوسرا ڈرامہ 'کتے' نشر کیا گیا۔ اب میں بلراج ساہنی، دمینتی ساہنی۔ وشوامتر کے حلقہ میں تھا، اور یہ حلقہ تھا کرشن چندر کا۔ 'کتے' کی ریہرسل ہورہی تھی کرشن ریڈیو اسٹیشن پر آئے۔ مہندر ناتھ نے میرا تعارف کرایا میں نے بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا، مگر وہاں برف کی سی کیفیت تھی۔ میں تو کشمیر گیا نہیں سُنتا ہوں کہ وہاں کی آب و ہوا بہت سرد ہے۔ شاید کشمیر کے اس ترجمان نے کشمیر کو اپنی ذات میں سمو لیا تھا۔

پھر ایک زمانہ گذر گیا۔ جہازیوں کی بغاوت ہوئی اور کرشن نے "تین غنڈے" لکھا۔ 'ان داتا' میں جو طنز کا تیکھا پن تھا ایک بار 'تین غنڈے' میں پھر نمودار ہوا۔ اور زیادہ زہریلے انداز میں۔ مجھے تو تعجب ہے کہ برطانوی حکومت نے اسے ہضم کیسے کرلیا۔ اب کرشن نے سکونت بمبئی میں اختیار کرلی تھی۔ ورسوا چار بنگلہ میں جس علاقے کو انھوں نے اپنے ایک بابی ڈرامے "مچھلی والی" میں زندہ کردیا ہے ایک بار نیاز حیدر مجھے اُن کے گھر لے گئے۔ پھر تعارف ہوا۔ کرشن ملے 'نویوں' جیسے تازہ تعارف ہو لیکن کہتے یہ رہے کہ میں انھیں جانتا ہوں۔ حالانکہ یہ غلط تھا میرا تعارف کرشن چندر سے چار پانچ مرتبہ ہوا اور ہر مرتبہ جب بھی وہ تعارف کے بعد ملے تو بالکل اجنبی معلوم ہوئے مگر ان کے اس رویہ کا اثر ان کے فن سے جو مجھے عشق تھا اس پر نہ پڑ سکا۔

پھر کرشن چندر نے فلم کمپنی بنالی۔ مہندر ناتھ ہیرو ہوگئے۔ 'سرائے سے باہر' اور 'راکھ' بننے لگیں ہیرو دھرتی کے آنسو بٹورنے لگا۔ ظاہر ہے کہ فلم دیکھنے والوں کو وہ فلم کیوں پسند آتا جس کا ہیرو دھرتی کے آنسو بٹورتا ہو اور جس کی ہیروئن صرف ڈائرکٹر پروڈیوسر کی پسندیدہ ہو۔ کرشن قرضدار ہوگئے۔ کمپنی میں سب "ترقی پسند" بھرے ہوئے تھے۔ فن کے لئے بھوکے مرنے والے۔ مگر ترقی پسند بھوکے مرسکتے تھے' پیاسے کیسے رہ سکتے تھے۔ نیاز حیدر نے تقاضہ شروع کیا "پگار گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے" کرشن نہ پگار دے سکے نہ شراب، آخر ان کو احساس ہُوا کہ کاروبار ان کے بس کا روگ نہیں' پھر افسانہ نگاری پر اُتر آئے۔ عادل رشید اور انھوں نے مل کر ہفت روزہ 'شاہد' کو سلطانی پریس سے نکالنا شروع کیا۔ اور اسی زمانے میں ہندوستان تقسیم ہوگیا۔

اگر کرشن چندر کی افسانہ نگاری کا بے لاگ مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ اُن کے فکر و فن کا آتش فشاں تو ان کی افسانہ نگاری کے ابتدائی زمانے میں پھوٹا تھا جب وہ کشمیر کی بھولی بھالی دیہاتی حسیناؤں کو افلاس کے جبر سے عصمت بیچتے دیکھ کر تڑپے تھے یا پھر ۱۹۴۵ء سے لیکر ۱۹۵۰ء تک' جب انھوں نے ہندوستانیوں کو آزادی کی لگن میں تقسیم کی تلوار سے کٹتے دیکھا تھا۔ انجیر، کالو بھنگی' مہالکشمی کا پُل، بُت جاگتے ہیں، ہم وحشی ہیں' یہ وہ افسانے ہیں جو جنت و جہنم، رنگ و بو، ٹوٹے ہوئے تارے، موبی، بالکنی اور 'زندگی کے موڑ پر' کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

۱۹۵۰ء کے بعد کرشن چندر کے فن میں صحافیت آگئی۔ رومانی ادب کی روایتوں کو لیکر عبارتوں کے گل بوٹے بنانیوالا کرشن چندر، ہنس ہنس کر چٹکی لینے والا اور چٹکی لے لے کر ہنسانیوالا کرشن چندر اچانک گذر بسر کے لئے لکھنے لگا اور سطحی ہوتا چلا گیا۔ 'ایک گدھے کی سرگذشت' غالباً وہ آخری کتاب ہے جو کرشن چندر کے کلاہ افتخار میں ایک نیا پَر لگاتی ہے ورنہ 'بہادر کار جنگ' اور 'ہانگ کانگ کی حسنہ' تو ایسے ناول ہیں جیسے کسی پیغمبر کے وہاں ابلیس جنم لیلے۔

۱۹۵۲ء کے سالنامہ 'ادب لطیف' میں دھرم پرکاش آنند کے افسانوں پر کرشن نے ایک تنقیدی مضمون لکھا تھا اس کا یہ ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے:

> "دھرم پرکاش آنند نے اپنے افسانوں میں مُسکراہٹیں بھی بھری ہیں شوخی اور طنز سے بھی کام لیا ہے۔ زندگی کی خوشیوں اور اس کی تابناک سچائیوں اور ان کے بُنیادی حُسن کو بھی آشکار کیا ہے۔ اس کے افسانوں میں خوبصورت عورتیں گلگشت کرتی ہیں توانا صحت مند مرد ہنستے نظر آتے ہیں۔ اتھاہ سمندر کا نیلا پانی لہریں لیتا ہے... قاری کا ذہن طنز، مزاح

تبسم، شوخی، چمک، پالش ہر طرز انشا کی مختلف جھلکیاں دیکھتا ہے اور اس سے محظوظ بھی ہوتا ہے لیکن ہر ورق اُلٹنے کے بعد گرا غبار افسردگی کا بوجھل غبار روح پر چھا جاتا ہے اور قاری جب افسانہ ختم کر چکتا ہے اور کتاب کا آخری ورق پلٹ کر خاموش بیٹھ جاتا ہے تب بھی یہی گرے کلر اس کے ذہن کی پرچھائیوں پر طاری و ساری رہتا ہے — لیکن یہ رنگ کیوں ہے؟ اگر مجھے اپنے ذاتی تاثرات کو بیان کرنا مقصود ہوتا تو میں کہتا کہ یہ گرے کلر خود آنند کی رُوح کا پس منظر ہے، یاداس تبسم خود اس کے لبوں کا ہے۔ یہ محزون چمک جو اس کے افسانے میں بارہا نظر آتی ہے، خود اس کی آنکھوں کی ہے۔ یہ سچ بھی ہے لیکن یہ پوری سچائی بھی نہیں۔ دیگر فہمیدہ ادیبوں کی طرح جن میں سماجی شعور اور سماجی قدروں سے عہدہ برآ ہونے کا احساس غالب ہے، دھرم پرکاش آنند بھی اپنی انا، اپنی شخصیت، اپنے ذاتی ماحول کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے افسانے کو اتنی وُسعت بخش دیتا ہے کہ وہ افسانہ محض ایک شخصی واردات ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ اس کے تاثر کا دائرہ اور اس کے اظہار کا پھیلاؤ ایک پُورے سماجی طبقے کا احاطہ کر لیتا ہے اور اس کے بیان کی شدّت اور اس کے مرکزی خیالات کا رجحان اس سوسائٹی کی غمازی کرتا نظر آتا ہے کہ جس کے ایک کونے میں دھرم پرکاش آنند خود کھڑا ہے۔"

ذرا گرے رنگ کو سُرخ سے بدل کر اور دھرم پرکاش آنند کی جگہ کرشن چندر کو سمو کر اس عبارت کو پڑھیئے تو کیا یہ خود کرشن چندر کا اپنے فن اور اپنی افسانہ نگاری پر بہترین انتقاد نہیں ہے۔

کسی زبان کے ادب میں بھی ادیب اپنی معین حیات اپنا صحیح درجہ نہیں پا سکا۔ یا تو اس کے دوستوں نے اُسے تحسین بے جا بلکہ تحسین ناشناس سے آسمان پر پہنچا دیا ہے یا اس کے دشمنوں نے، مخالفوں نے تنقیص بے جا اور تنقید نامناسب سے اس کی قدر و قیمت گھٹا دی ہے۔ یا سکوت سخن شناس نے اس کے فن کو زینت طاق نسیاں کر دیا ہے۔ ادیب کی موت کے فوراً بعد بھی اس کے درجے کا تعین نہیں ہو سکتا، کیونکہ مرنے والے کی صرف تعریف کرنا ہی اصول اخلاق ہے۔ تعزیتی مقالات میں تنقید برداشت نہیں کی جاتی۔ ہاں اس کے بعد جو نسل آتی ہے وہ اس کی شخصیت کی اثر آفرینی اور اس کے فن کی خالدیت پر مہر توثیق لگاتی ہے اور تیسری پُشت میں اس کا کام اگر باقی رہ جائے تو ایک روایت کی صورت اختیار کر کے اس کی صحیح قدرُ قیمت معلوم ہوتی ہے۔ کرشن چندر نے اُردو ادب کو کیا دیا۔ کرشن چندر نے دنیائے فکر و فن کو کیا دیا۔ یہ نہ آج بیدی طے کر سکتے ہیں نہ حیات اللہ انصاری — ان کے بعد والی پیڑھی بھی چھانتی پھٹکتی رہ جائے گی۔ مگر وہ لوگ جو کرشن چندر کے فکر و فن کی صحیح قیمت بتائیں گے جو یہ بتائیں گے کہ وہ زندہ رہے گا یا ختم ہو جائے گا وہ یا تو ابھی بطن مادر میں ہیں یا ابتدائی درجوں میں پڑھ رہے ہیں۔ لیکن وہ کیا طے کریں گے یہ اس وقت بتایا نہیں جا سکتا۔ ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ کرشن نے ساحل حیات پر ایسی تصویریں کھینچ دی ہیں جو مدّت تک قائم رہیں گی۔

●●

قطعہ

(کرشن چندر کی موت پر)

عُمر بھر جاگا کیا، ہر شب چراغوں کی طرح
موت کی آغوش میں اِک رات آخر سو گیا
یہ بھی کیسا سانحہ ہے خوابِ ہستی کے لئے
جو کہانی لکھ رہا تھا خود فسانہ ہو گیا

ہلال سیوہاروی
سیوہارہ۔ بجنور (یو۔پی)

رام لعل II/39 آر۔ ملٹی اسٹوری چار باغ۔ لکھنؤ۔

کرشن چندر اور ان کے اثرات

میں نے جب کبھی کرشن چندر کے بارے میں سوچا تو میرا ذہن بے اختیار ۱۹۳۸ء کی طرف چلا گیا۔ جب میں نے ان کی سب سے پہلی کہانی زندگی کے موڑ پر پڑھی تھی وہ میرا طالب علمی اور ایک ورکشاپ میں اپرنٹس شپ کرنے کا زمانہ تھا۔ اس تیسری دہائی میں میں نے اس زمانے کے نئے پرانے بہت سے ادیبوں کی کہانیاں ایک خاص لگن اور شوق کے تحت پڑھی تھیں۔ ٹیگور، سرت چندر اور پریم چند اگرچہ میرے پسندیدہ ادیب بن گئے تھے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی کئی تھے۔ جیسے راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، خواجہ احمد عباس، احمد ندیم قاسمی، عصمت چغتائی، سہیل عظیم آبادی، حیات اللہ انصاری، علی عباس حسینی وغیرہ ان میں سے جس کسی کی کتاب میرے ہاتھ لگ جاتی تو اسے میں پڑھے بغیر چھوڑتا نہیں تھا۔ ان کے علاوہ بھی کئی تھے جو اس وقت بھی میرے نزدیک قابل ذکر نہیں تھے اور آج بھی یقینی طور پر ویسے نہیں ہیں۔ لیکن ٹیگور نے جس قسم کی انسانیت پرستی کا جذبہ اپنی تخلیقات میں ابھارا تھا اور پریم چند نے اپنے ناولوں و افسانوں میں جس قسم کے انقلابی ہیرو کا تصور پیش کیا تھا وہ اگرچہ بے حد مثالی ہی رہ جاتا تھا لیکن وہ اس کے باوجود دل و دماغ پر ایک خاص اثر چھوڑ جاتا تھا۔ ایک اور خصوصیت جو پریم چند میں تھی وہ دیہات کی تصویر کشی تھی جو کہانی کے ایک طالب علم کے لیے ایک نئی حقیقت پسندی تھی۔ سرت چندر نے نچلے متوسط طبقے کے ہندوستانی گھروں کے دکھوں اور سکھوں کی جذباتیت پیش کی تھی۔ یہ سب مل کر ایک انٹلکچول قسم کی فضا تو نہیں بنا سکے لیکن اتنا تو ضرور ہوا کہ وہ کہانی کو طویل قصہ گوئی اور بنیادی عشق و محبت کی داستانوں سے بحفاظت باہر نکال لائے۔ لیکن کرشن چندر کی یہ کہانی پڑھ کر مجھے یک بیک یہ احساس ہوا کہ ہماری کہانی کو اب MYSTIC قسم کی انسانیت پرستی، بنیادی آدرش واد اور کھوکھلی جذباتیت سے بھی بہت جلد آزاد ہونا پڑے گا۔ یہ امر قدرتی بھی ہے اور ضروری بھی۔

کرشن چندر کے فن پر کچھ لکھتے وقت یہ ذرا غیر ضروری سا ہوگا کہ یہاں ان کے ہم عصر کہانی کاروں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا جائے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور کا کہانی کار اپنے سے پہلے کے اور اپنے آس پاس کے لکھنے والوں سے بھی متاثر ہوتا رہتا ہے۔ ایسے بے شمار لکھنے والوں میں سے چند لکھنے والوں کا خود بخود ایک گروہ بن جاتا ہے۔ جو ایک طرح سے سوچتے ہیں۔ ایک طرح سے بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اور قریب قریب ایک ہی جیسی اہمیت بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اس گروہ کا تصور مجھے ترقی پسند تحریک کی یاد دلاتا ہے جو اپنے زمانے کی ادبی تحریک تھی —— کرشن چندر اس تحریک کے ایک نمائندہ افسانہ نگار کی حیثیت سے ابھرے، اس سچائی کو جھٹلانا مشکل ہوگا

میں نے اپنی بات کرشن چندر کے افسانے "زندگی کے موڑ پر" سے شروع کی تھی۔ اس افسانے کے تعلق سے میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس افسانے کو پڑھ کر میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہماری کہانی کو اب MYSTIC قسم کی انسانیت پرستی بنیادی آدرش واد اور کھوکھلی جذباتیت سے بھی بہت جلد آزاد ہونا پڑے گا۔ کرشن چندر اس وقت تک زیادہ کہانیاں نہیں لکھ سکے تھے۔ دس پندرہ ہی لکھی ہوں گی۔ ان میں بہترین کہانی یہی تھی زندگی کے موڑ پر۔ اس میں مجھے ایک اور ہی قسم کی حقیقت نگاری کا احساس ہوا تھا۔ ایسی حقیقت نگاری کا جو نہ صرف زندگی کے قریب تھی زندگی کے ہر موڑ پر تھی اور زندگی سے بھرپور تھی بلکہ

اس میں ایک الگ رویہ بھی تھا۔ اجتہاد کا۔ زندگی کو ایک نئی نہج پر دیکھنے کا۔ اس میں ایسی باتوں کا ذکر کیا گیا تھا جو ہم سوچتے تو تھے کہتے کبھی نہیں تھے۔ وہ سب خیالات میرے اردگرد موجود تھے۔ بکھرے ہوئے تھے۔ اس طرح جیسے دھوپ بکھری ہوتی ہے۔ جیسے پانی پھیلا ہوتا ہے۔ جیسے ٹھنڈی چھاؤں اور رومان پرور اندھیرا اور حیات بخش خوشبو موجود ہوتی ہے۔ اور وہ ساری سانسیں جو انسان کو اس کی زندگی کا احساس بھی دلاتی ہیں۔ اس کے اپنے اندرونی کرب سے اسے جگاتی بھی ہیں۔ اس کہانی میں بھی ایک آدرش ضرور تھا لیکن پریم چند کے آدرش سے بہت مختلف بالکل دوسرے ہی احساسات کا حامل۔ اس میں اگرچہ جذباتیت کا گداز بھی تھا۔ لیکن وہ سرت چندر کی طرح آنسو رلانے والا ہرگز نہیں تھا۔ اور اس کی زبان بھی نئی تھی۔ بے حد تازہ، بے حد جوان، بے حد سادہ اور بے حد شاعرانہ بھی۔ ایسی شاعرانہ ہرگز نہیں جیسی نیاز یا کچھ دوسرے لوگ لکھنے لگے تھے۔

اس کے بعد میں نے کرشن چندر کی پہلے کی لکھی ہوئی ساری کہانیاں پڑھ ڈالیں۔ اس طرح اس کے ادب کے بارے میں اپنا مطالعہ اپ ٹو ڈیٹ کرلیا اور آج کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کی ہر نئی تحریر میری ہم سفر بن جاتی تھی۔ اس کی بہت ساری کہانیوں میں سے چند ایک کا ذکر اور کروں گا، ان داتا، گرجن کی ایک شام، بالکونی اور دو فرلانگ لمبی سڑک۔ کرشن چندر کی آزادی سے پہلے لکھی ہوئی کہانیوں میں غالباً یہی نمائندہ کہانیاں ہو سکتی ہیں۔ ان کہانیوں کے مطالعے سے جس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے وہ کرشن چندر کی فن کاری ہے۔ اپنی بات کہنے کا ایک خاص سلیقہ ہے اور اس کا ترقی پسند نظریات کے ساتھ ساتھ تخلیقی ادب میں بھی ایک گہرا اعتقاد ہے۔

مختصر افسانہ نگاری کے سلسلے میں کوئی ایک سانچہ یا پیٹرن متعین نہیں کیا جا سکتا جس کے اندر رہ کر ہی افسانہ لکھا جا سکتا ہے۔ مختصر افسانہ دراصل ہے کیا چیز، اس کے بارے میں بہت سے لکھنے والے اپنے اپنے خیالات پیش کرتے آئے ہیں۔ بقول وڈ مور یہ ایک ایپی سوڈ (EPISODE) یعنی ضمنی بیان یا قصہ در قصہ بھی ہو سکتا ہے۔ ایک دل چسپ گفتگو بھی یا کسی ایک کردار کی پیش کش جو خود ہی ایک بینچ پر کھڑا ہو کر بول رہا ہو۔ اور کسی غیر محتاط شخص کا دلگداز تجربہ بھی، ہنسی و مزاح سے بھرپور ایک مکالمہ بھی، کسی خاص منظر کا پینو راما (PANORAMA) کسی بدنام گلی کا تصور، کوئی قدیم روایت یا کوئی گہرا دستاویز جس سے ہماری موجودہ زندگی متاثر ہو رہی ہو اور کسی مبہم آدرش کا تجربہ بھی اور کسی کھوئے بسرے مقام کی جھلک بھی۔!

مختصر افسانہ نگاری کو میں ہمیشہ بنا چار دیواری کا ادب ہی سمجھتا رہا ہوں جس کی حدود کا تعین نہ کیا جا سکتا ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ مختصر ہو یا مختصر ترین یعنی اس قدر طویل نہ ہو کہ اس پر ناولٹ یا ناول کا گمان کیا جا سکے۔ کرشن چندر نے مختصر سے مختصر افسانہ دو فرلانگ لمبی سڑک لکھا ہے اور طویل سے طویل افسانہ ان داتا۔ جسے اردو میں طویل مختصر افسانہ تا کر چھاپا گیا۔ جبکہ ہندی اور انگریزی میں اسے ایک ناولٹ کا درجہ دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک بھی یہ طویل مختصر سا افسانہ ہے جو کہیں کہیں رپورتاژ کی سی کیفیت اختیار کرلیتا ہے۔ لیکن اس کا مجموعی رکھ رکھاؤ اور برتاؤ ایک افسانے کا سا ہی ہے۔ ناولٹ یا ناول کا ہرگز نہیں۔

یہ بات بہت سے حلقوں میں کہی گئی ہے کہ کرشن چندر کا فن ایک چار دیواری کے اندر قید ہے یا اس کا ذہن ایک خاص قسم کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ جس میں سے وہ کبھی نکل نہیں سکتا۔ یہاں میں چند باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

جہاں تک افسانے میں تکنیک کے تجربات کا تعلق ہے۔ اس میں کرشن چندر کسی کے پیچھے نہیں تھا۔ دو فرلانگ لمبی سڑک، ان داتا، زندگی کے موڑ پر۔ یہ تینوں افسانے عام روش سے ہٹ کر لکھے گئے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اور افسانے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ (مثلاً آدھ گھنٹے کا خدا، اور سو گز لمبی دوڑ) جن کا فنی رکھ رکھاؤ، دوسرے افسانوں سے یکسر مختلف ہے۔ اگر کرشن چندر کے رپورتاژ بھی ان کی افسانہ نگاری میں شامل کر لیے جائیں تو شاید اردو افسانہ نگاروں میں کرشن چندر ہی پہلا افسانہ نگار ہوگا جس نے اردو ادب میں رپورتاژ کو ایک مستقل فن کے طور پر پیش کرنے میں پہل کی۔ ان کے رپورتاژ ایک دل چسپ قسم کی صحافتی رپورٹ سے کہیں زیادہ افسانوی دل چسپی کے حامل ہیں۔ جن میں بے شمار چہرے عام لوگوں کے ہیں۔ ساتھی ادیبوں کے ہیں اور ایک چہرہ خود مصنف کا بھی ہے۔ یہ سب اپنے حقیقی خد و خال کے ساتھ بڑے دل چسپ انداز سے سامنے آتے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ کرشن چندر نے تجریدی افسانے اور مونولاگ بھی لکھے۔ جیسے مردہ سمندر، آدھ گھنٹے کا خدا، چھتری وغیرہ، اس طرح کرشن چندر پر ایک ہی فارمولا برتنے یا چار دیواری کا قیدی ہونے کا الزام کم سے کم تکنیکی تجربوں کی حد تک تو غلط ہو جاتا ہے۔ جہاں تک کرشن چندر کے نظریات اور عقائد کا تعلق ہے وہ یقیناً دو قسم کے ازموں (ISMS) کا شکار رہا۔ وہ مالوتیت اور ترقی پسندی۔ کبھی کبھی تو یہ دونوں ازم اس کے ہاں اس قدر خلط ملط نظر آتے کہ یہ فیصلہ کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ترقی پسند تھا یا رومانویت کا پرستار۔ میرا خیال ہے کہ وہ بنیادی طور پر وہ رومانیت پرست ہی تھا۔ انقلاب کی شدید آرزو، انسان کی مظلومیت اور استحصال، سماجی سطح پر ناانصافیاں اور جہالتیں، یہ سب اس

کے اندر ایک رومانی احساس کے طور پر موجود تھیں۔ وہ آدمی کو آدمی کے طور پر ضرور پیش کر دیتا تھا۔ اور اس کی تمام تر خوبصورتی اور بدصورتی کے ساتھ بھی اس کی نیکی اور بدی کے ساتھ بھی، سنجیدہ و غیر سنجیدہ فطرت کے ساتھ بھی محبت اور نفرت کے آفاقی دیژن کے ساتھ بھی، لیکن وہی آدمی اچانک انقلاب لانے کی ادب سیشن (OBSESSION) کا بھی شکار ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں عقیدے کی سطح پر میں بھی کرشن چندر سے الگ نہیں رہا لیکن میں اس بات کو قطعاً ضروری نہیں سمجھتا کہ کسی مصنف کی پانچسو کہانیوں کے سارے ہی کردار ایک طرح سے سوچتے ہوئے نظر آئیں۔ یا وہ ایک ہی سمت میں چلنے کے آرزو مند ہوں۔ ایک ہی قسم کا انقلاب لانے کے خواب دیکھتے ہوں۔ کرشن چندر پر فارمولا بازی کا الزام عائد کرنے والے صرف اسی معاملے میں کسی حد تک سچے نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ تو کرشن چندر کی افسانہ نگاری کا صرف ایک رخ ہے۔ اس کی تمام تر افسانہ نگاری اسی ایک ہی ادب سیشن اس کی ساری افسانہ نگاری پر اتنا زیادہ حاوی ہے بھی کہ اس کی دلکش نثر نگاری، تکنیکی تجربات کی خوبیاں اور کردار نگاری کے بے مثال نمونے تک چھپ جاتے ہیں تو بھی ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ کرشن چندر ایک بہت بڑا انسان دوست ادیب بھی ہے۔ جو ایک جابر اور طاقت ور انسان پر ایک معصوم اور محبت کرنے والے مظلوم انسان کی قطعی (ULTIMATE) فتح میں گہرا یقین رکھتا ہے وہ اگر تباہی و بربادی اور انتہائی ناکامی کے ہی افسانے لکھتا تو ان میں بھی امید کی کوئی نہ کوئی کرن ضرور نظر آ جاتی۔ پھر بھی اس کی یہی خوبیاں کہ وہ ایک انسان دوست ادیب تھا، امیدوں کا پیامبر تھا اور مایوسی کو انسان کا مقدر نہیں مانتا تھا اسے ہندوستانی اور عالمی ادب میں زندہ رکھنے کے لئے بہت کافی ہے۔

میں نے اوپر ادب میں چار دیواری کی بات کی تھی۔ یوں بھی صنف ادب میں چار دیواری کا تصور غلط ہے۔ کیوں کہ ادب آزادی پسند قلمکاروں کا ایک آزاد رویہ ہوا کرتا ہے۔ اپنے افکار کی سمتیں وہ خود متعین کیا کرتے ہیں۔ دوسروں کی قید بھی ان کے لیے ایک ذاتی دکھ بن جاتی ہے جو لوگ دوسروں کے اشاروں پر خود اپنے آپ کو قید میں ڈال لیتے ہیں وہ سطحی ذہن کے مالک ہوتے ہیں ان کی حیثیت کیمپ فالوئرز (CAMP FOLLOWERS) کی سی ہوتی ہے۔ لیکن کچھ قیدیں اس قسم کی بھی ہوتی ہیں جن سے نکلنا کبھی ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً سچ بولنے کی قید، انسانی ہمدردی کے جذبے کی قید وغیرہ۔ یہ عالمی صداقتیں بھی کسی نہ کسی عقیدے سے جڑی ہوتی ہیں۔ جنھیں قابل نفرت یا نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں قرار دیا جا سکتا ان سے فرار یا انحراف یا بغاوت اپنے سماجی ڈھانچے کو ہی کمزور بنانے کے مترادف ہوگا۔ جو ارتقا کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد ہمارے سامنے اس وقت موجود ہے۔ ان عقیدوں کو میں قید کا نام نہیں دے سکتا۔ کرشن چندر کے یہاں انہی عقیدوں کے تئیں جو اظہار اور احترام ملتا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اگرچہ ان کا بار بار دہرانا بھی اچھا نہیں لگتا۔ بعض لوگ ہر قسم کے عقیدے کو چار دیواری کہہ دیتے ہیں۔ ان سے پوچھا جانا چاہیے کہ پھر غیر عقیدگی کا ادب سیشن کیا ہوتا ہے۔ کیا وہ بھی ایک چار دیواری نہیں ہے؟ کرشن چندر کے یہاں اصل فساد عقیدوں کے دہرانے کا ہے۔ اس نے ایک ہی بات کو اتنی بار دہرایا کہ نہ صرف اس کا پڑھنے والا اس سے ادبنے لگا بلکہ کبھی کبھی تو خود کہانی بھی کرشن چندر کی مضبوط گرفت سے نکل نکل گئی۔

کرشن چندر کے یہاں ایک اور بنیادی جذبہ برہمی کا ہے۔ اگرچہ یہ جذبہ بھی اس کے رومانوی مزاج سے ملوث ہے لیکن درحقیقت وہ ہے برہمی کا ہی۔ لیکن اس نے یہ جذبہ کسی نمائشی جذبے کے تحت نہیں اپنایا تھا۔ جیسا کہ بعض نئے لکھنے والوں کے یہاں (جو کرشن چندر کے نقاد بھی رہے ہیں۔) یہ برہمی محض نمائش کے طور پر ہی ابھرتی ہے یا اپنی شناخت پانے کی کوشش کے طور پر۔ لیکن کرشن چندر نے تو ایک خاص طرح سے سوچنے والے ذہن سے وابستہ ہو کر خود کو پوری طرح بہت پہلے IDENTIFY کر لیا تھا۔ اسے اپنی شناخت پانے کے لئے منبروں پر مکے مارنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ اس کے ایسا نہ کرنے پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حیران ہونے کا جذبہ بھی بہت بڑا جذبہ نہیں ہے۔ یہ تو بس خاص قسم کا نفسیاتی عمل ہی ہو سکتا ہے جو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اپنی پہچان پا کر حیران ہونا چھوڑ دیں اور نارمل ہو جائیں۔

کرشن چندر پرانا افسانہ نگار ہے یا جدید۔ یہ سوال بھی اکثر ہمارے سامنے آتا رہا اور ہمیں سوچنے پر مجبور کرتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں اردو ادب کی جملہ اصناف میں افسانہ نگاری ہی ایک ایسی صنف ہے جو اپنے جنم سے ہی جدید ہے۔ پریم چند کے دو ایک اور افسانوں کے علاوہ خاص طور پر ایک افسانہ کفن ہے۔ جس سے ہماری جدید افسانہ نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ابھی تک انہی خطوط پر چل رہی ہے۔ ان راستوں سے جتنے افسانہ نگار آئے ہیں وہ ابھی تک اتنے ہی جدید ہیں۔ جتنے کہ ان کے بعد آنے والے۔ یہ بات میں یقیناً اس بھیڑ کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں جس کا ابھی تک اپنا کوئی چہرہ نہیں بن سکا ہے وہ تو صرف بھیڑ کا ایک بے سمت سیلاب ہی ہے۔ مختلف متضاد اور الجھی آوازوں



کرشن چندر مطالعہ میں مصروف

کا ایک شور محض ہے۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس قسم کی بھیڑ سے الگ رکھنے کی کوشش کی اور اپنی انفرادی پہچان کا ثبوت دیا وہ کبھی پرانے نہیں ہوں گے۔ کرشن چندر ان میں سے یقیناً ایک ہے۔

کرشن چندر کے بارے میں سوچتے وقت ہمارا ذہن ان لوگوں کی طرف بھی بے اختیار جاتا ہے جن پر کرشن چندر کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میں نے شروع میں ہی اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ کرشن چندر کے یہاں کئی جذبے مل کر کام کر رہے تھے۔ سماجی، سیاسی، رومانی اور تجرباتی، گزشتہ چالیس سال میں کرشن چندر نے بہت سے نئے لکھنے والوں کو بھی متاثر کیا۔ جو اس کے مخالف رہے وہ بھی اس کے اثرات سے نہیں بچ سکے ہیں۔ جو اس کی موافقت کا دم بھرتے تھے ان میں کسی کسی نے تو کرشن چندر کے صرف ایک ہی جذبے کا اثر قبول کر لیا اور یہ بات ان کی افسانہ نگاری کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ افسانہ نگاری ایک ہی رخ کا نام نہیں ہے، ان کی شان و شوکت، چمک دمک اور دلبری اس کے کئی رخوں سے متعین ہوتی ہے۔ وہ لوگ یقیناً نادان تھے جنھوں نے کرشن چندر کی تقلید کرتے وقت ذہانت کا ثبوت نہیں دیا۔ جن لوگوں نے کرشن چندر کی تقلید نہ کرنے میں شعوری کوشش دکھائی وہ تو یقیناً قابل تعریف قرار دی جا سکتی ہے کیوں کہ ایسا کر کے ہی وہ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھ سکتے تھے۔ اور ایسا کرنا ہر لکھنے والے کا بنیادی حق ہے لیکن پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ کرشن چندر کی افسانہ نگاری اور شخصیت دونوں ہی میں اتنی کشش رہی ہے کہ ہم اپنے چاروں اور کے دروازے اور کھڑکیاں بند بھی کر لیتے تھے تب بھی وہ کہیں نہ کہیں سے بہت چپکے سے ہمارے اندر داخل ہو جاتا تھا۔ کبھی روشنی کی پتلی سی کرن بن کر جو کسی نہ کسی دراز سے اندر آ ہی جاتی ہے۔ اور کبھی ہوا کا لطیف جھونکا بن کر جسے خود کو زندہ رکھنے کے لئے ناک اور منہ کے ذریعہ اندر لے جانا ضروری ہو جاتا تھا۔ اور اس طرح ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ وہ کب ہم تک پہنچ گیا۔ اس روشنی اور ہوا کا سفر اگرچہ کھڑکیوں اور دروازوں کی ننھی ننھی درزوں سے لے کر کمرے کے اندر بچی ہوئی ہماری بیٹھنے کی جگہ تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ سفر تو باہر کی لامحدودیت سے ہی شروع ہوتا ہے جن میں دنیا کے کتنے مفکرین عظیم مفکرین کی بھی سانسیں شامل ہو چکی ہیں۔ انہی میں کوئی ایک سانس کوئی ایک سرسراہٹ یا سرگوشی کرشن چندر کی بھی شامل ہو چکی ہے۔ جو آسانی سے الگ نہیں کی جا سکے گی۔ یہ ایک اچھی بات ہے۔ اگر وہ پہچان بھی لی جائے گی تب بھی بری بات نہیں ہوگی۔ ●●

٭ عرش ملسیانی
ایف - ۴/۱۱ ماڈل ٹاؤن
دہلی نمبر ۹

فن کارِ اعظم - کرشن چندر

کرشن چندر سے میں اس زمانے سے واقف ہوں جب میں ادارۂ "آج کل" میں جوش صاحب کا جلیس ہوا۔ یہاں ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کی آمد آمد رہتی تھی اور میری ان سے علیک سلیک ہوتی رہتی تھی۔ ان میں کرشن چندر بھی تھے۔ باقی کس کس کا نام لوں اور کس کس کو چھوڑ دوں۔

کرشن چندر ترقی پسند ادیبوں کی تحریک کے رہنماؤں میں سے تھے اور اس لحاظ سے جوش صاحب کو وہ اپنا رہنما مانتے تھے۔ جب بھوپال میں ترقی پسندوں کی کانفرنس ہوئی تو جوش صاحب بھی شمولیت کے لئے گئے۔ وہاں بڑا ہنگامہ رہا۔ خیر، اس سے کرشن چندر کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ بس بات یہاں ختم ہوتی ہے کہ جب صہبا لکھنوی نے "افکار" کراچی کا جوش نمبر نکالا تو کرشن چندر نے اُس کے باب میں ایک مختصر سی رائے بھیجی جو یہ ہے:

"جوش نمبر کی اشاعت سے تم نے ایک نئی روایت کا آغاز کیا ہے۔ اتنے مشاہیر اہلِ قلم کے مضامین، اتنی محنت اور سنجیدگی سے لکھے گئے۔ مضامین کی فراہمی تمھاری جگر کاوی کی دلیل ہے۔"

جب کرشن چندر کا بحیثیت افسانہ نگار، نام پورے عروج پر تھا تو "شاعر" بمبئی کے 'کرشن نمبر' کے لئے خواجہ غلام محمد صادق وزیر اعلیٰ جموں کشمیر نے صحیح طور پر ان کی زبردست مقبولیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ "وہ نچلے طبقے کے نمائندہ ادیب ہیں اور اُن کی ہر کہانی سماجی اور معاشی عدم مساوات کے خلاف بغاوت کی آواز ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے عالمی امن اور بین الاقوامی مسائل کو بھی اپنے ادب میں نمایاں جگہ دی ہے۔ وہ سیاسی بے راہ روی اور رجعت پسندانہ رویّوں کے خلاف مجاہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم کشمیر کے لوگ خاص طور پر ان کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنی کہانیوں میں ہندوستان کے اس خطّہ کی خوبصورتی، یہاں کے عوام کی زندگی اور اُن کے گوناگوں مسائل کو اُبھارا ہے۔"

کرشن چندر مارکسسٹ تھے۔ مارکسی تحریکات اُن کی تخلیقات کا جزو ہوتی تھیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کبھی بھی قاری کو یہ احساس نہیں ہونے دیتے کہ وہ کوئی ایسا خیال پڑھ رہا ہے جو کسی مخصوص نظامِ حیات کی تبلیغ پر مبنی ہے جیسا کہ عموماً اشتراکی ادبا و شعراء کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔ کرشن چندر کے ہاں تحریک فن کے تابع ہے نہ کہ فن تحریک کے۔

ان کی سَو سے زیادہ تخلیقات ہیں۔ انھوں نے افسانہ نگاری کے ہر شعبے میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ کہانی، ناول، رپورتاژ، طنزیہ، ڈراما اور بچوں کا ادب وغیرہ۔ اُن کی مشہور تخلیقات کے نام آسانی سے گِنے نہیں جا سکتے۔ ایک تخلیق دوسری سے بڑھ کر ہے۔ طلسمِ خیال، ہم وحشی ہیں، شکست، ایک گدھے کی سرگزشت، قاہرہ کی ایک شام، سرائے کے باہر، اور دوسری لافانی تصنیفات اُن کو ہمیشہ زندہ و پائندہ رکھیں گی۔ ان کی تخلیقات کے تراجم دُنیا کی بہت سی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ انھوں نے ملکوں ملکوں کی سیاحت بھی کی۔

کرشن چندر ایک عظیم افسانہ نگار تھا جس کا جواب ہندوستان کی کسی ایک زبان میں تو کیا، دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی کم ہی ملے گا۔ اس نے کشمیر کی منظر نگاری جب کی تو لوگوں نے اُسے مصور قرار دیا وہ مصور ضرور تھا لیکن جذبات نگاری میں بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ میں جب بھی اس سے ملا وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آیا۔



کرشن چندر اپنے ڈرائنگ روم میں
دلیپ کمار، جاں نثار اختر اور رامانند ساگر کے ہمراہ

سو میں سے وہ ہنستا ہوا معصوم
چہرہ جس میں فن کار ہی فن کار نظر آتا تھا نظر نہیں آئے گا۔ کیا کیا قصے سناؤں۔ بزرگوں کا ادب کرنا اور خوردوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا اس کا شعار تھا۔ افسوس کہ اس نے زندگی پر کوئی پہرہ بیٹھنے نہ دیا۔ مرض کو مرض نہ سمجھا۔ ڈاکٹروں کی ہدایت کو ہدایت نہ جانا کیونکہ وہ سچا فن کار تھا۔ وہ ہم سے روٹھ چکا۔ اب ہم اس سے نہیں مل سکیں گے لیکن اس کا فن ہمیں ہمیشہ اس کی یاد دلاتا رہے گا۔

OO

قلمی معاونین
سے گذارش ہے کہ تخلیقات کے خاتمے یا پشت پر اپنا مکمل پتہ پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اپنا اصل نام بھی تحریر کریں۔ نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

• عبدالقوی دسنوی
- شعبۂ اُردو سیفیہ کالج، بھوپال

کرشن چندر جو ہم سے جُدا نہیں ہوئے

موت سے کون بچ سکتا ہے، یہ ہر شخص کے لئے لازمی اور یقینی ہے اور اس کا وقت بھی مقرر ہے، لیکن اس کے باوجود ہم جیسے عزیز رکھتے ہیں اس کی موت کے خیال سے کانپ اُٹھتے ہیں، اور جب وہ واقعی ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجاتا ہے تو پھر ہماری نظروں میں کچھ دیر کے لئے دنیا بے رنگ، بے کیف، بے مزہ اور ہیچ پوچ نظر آنے لگتی ہے اور پھر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ؎

عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

کرشن چندر کی موت پر بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوا، اگرچہ مجھے ان سے زیادہ ملنے کا موقع نہیں مِلا ہے، بمبئی کی چند مُلاقاتیں یادوں کی صورت میں دل ودماغ میں آج تک محفوظ ہیں، ان ہی مُلاقاتوں کے سہارے اُن کی شخصیت کے خدوخال جو ابھر میرے سامنے آئے ہیں، وہ ایک اچھے، شریف اور نیک انسان کے ہیں جو خدا کی مخلوق سے محبت کرتا تھا، اس کے لئے ہمدردی کا جذ رکھتا تھا، اس کے دُکھوں سے رنجیدہ ہوتا تھا اس کی خوشیوں سے مُسکرا اُٹھتا تھا، اس کے لئے مدد کا طالب رہتا تھا اور اس کی رہنمائی کا خواہشمند نظر آتا ہے، محبت، خلوص، ہمدردی اور رہنمائی کے جذبے کی وجہ سے ان کی شخصیت اور زیادہ حسین اور پُرکشش بن گئی تھی، ان کی شخصیت کے یہی پہلو جب اُن کی تحریر میں ڈھل کر کبھی افسانوں، کبھی ناولوں، کبھی ڈراموں، کبھی رپورتاژوں اور کبھی مضامین کی صورت میں تخلیق ہوکر ہزار ہا صفحات میں بکھر گئے تو کرشن چندر سے اور زیادہ گہرا تعلق پیدا ہوگیا، اور وہ ہمارے بہت قریب ہوگئے، اتنے قریب کہ ہم ان کی سانس کی گرمی اور احساس کی نرمی کو محسوس کرنے لگے۔

اُردو میں شاید ہی کوئی افسانہ نگار ان کے مقابلے میں ٹھہر سکے جس نے اتنے زیادہ تعداد میں افسانے لکھے ہوں گے، ان کے افسانے اور ناول اچھے بھی ہیں، اوسط درجے کے بھی ہیں اور سپاٹ بھی ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے افسانے اتنے اچھے ہیں کہ اُردو ادب کو ہمیشہ اُن پر ناز رہے گا۔ پریم چند کے بعد اُردو افسانہ نگاری کو کرشن چندر نے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے جہاں اس سے پہلے اُردو افسانہ نگاروں کے قدم نہیں پہنچ سکے تھے، ان کے افسانے عام طور سے دلچسپ سچے انسانی جذبات سے بھرپور اور ہماری زندگی کے مسائل اور مشکلات کی ترجمان ہیں، انھوں نے ہندوستان کے دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں بسے ہوئے انسانوں کو دیکھا، اُن کے ساتھ رہے، ان کی اُلجھنوں کو سمجھنے کی کوشش کی اور ان کے مسائل کے درماں کے فکرمند فکرمند رہے۔ یہی سب کچھ ان کی کہانیوں میں ہے، ان کے قصے میں اُونچے طبقے کے انسان سے لے کر عام انسان، کسان، مِل مزدور یہاں تک کہ کالو بھنگی بھی زندگی کے معرکہ آرائیوں میں مصروف نظر آتا ہے۔ ان کرداروں کے سہارے ہمیں ہندوستان کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آج سے صدیوں بعد جب لوگ اپنے ماضی کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کریں گے اور اپنے ملک کی اس وقت کی تہذیب، تمدن اور مزاج وافکار سے آگاہ ہونا چاہیں گے تو کرشن چندر کی یہ تخلیقات، افسانے، ناول، ڈرامے وغیرہ اس وقت کے ہندوستان سے واقف کرانے میں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوں گے اور یہ بھی سچ ہے کہ ان تحریروں ہی کے ذریعے ہماری ملاقات کرشن چندر سے ہنستے، بولتے، چلتے، پھرتے، لطیفے پیش کرتے، طنز کرتے، مُسکراتے اور کہانیاں سُناتے ہوتی رہے گی اور اس طرح ہم اُن سے کبھی جُدا نہیں ہوں گے۔ ●●

دل کا جانا ٹھہر گیا تھا

کرشن چندر ایک بھرپور زندگی جیئے اور کسی رسالے میں سلسلے وار شائع ہونے والی کسی کہانی کی طرح قسطوں میں مرے۔ مرتے وقت نہ وہ زندگی سے پشیمان تھے، نہ موت سے خوفزدہ۔ پشیمان اس لئے نہیں کہ انھوں نے زندگی کے ایک ایک پل کا رس اچھی طرح نچوڑ کر پیا تھا خوفزدہ اس لئے نہیں کہ مرنے کی انھیں بڑی پریکٹس تھی۔ وہ ہندوستان پاکستان میں ہونے والے ہر ہندو مسلم فساد میں ہزاروں ہزار بار مارے جا چکے تھے۔ وہ آزاد ہندوستان کی پولس کی رائفلوں سے چلنے والی ہر اس گولی کا نشانہ بن چکے تھے جو مظاہرہ کرتے ہوئے کسی کسان، کسی مزدور یا کسی طالبعلم کا سینہ تلاش کرنے نکلی تھی۔ موت سے اُن کی پرانی اور گہری ملاقات تھی! شاید یہی وجہ ہے کہ بمبئی اسپتال میں ڈاکٹر جب اُن کی موت کو شکست دینے یا ملتوی کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے تو خود کرشن چندر قومی انتخاب کے نتیجے کی طرف سے فکرمند تھے! ان کے لئے یہ چناؤ اُن کی اپنی زندگی سے زیادہ اہم اور زیادہ معنی خیز تھا!

کرشن چندر وہ کافر تھے جس پر اسلام عاشق تھا۔ یا پھر وہ ایسے مسلمان تھے جس پر کفر نازاں تھا۔ پر سچ پوچھئے تو وہ نہ ہندو تھے نہ مسلمان۔ ان کے دین کا نام جمالیات تھا وہ زندگی بھر کسی بدصورت چیز سے صلح نہ کرسکے، ہائے حُسن کا ایسا پرستار اُٹھ گیا اور نہ چاند کو گہن لگا اور نہ سورج کا چہرہ اُترا، نہ پھول مرجھائے نہ بہتی ہوئی ندی پل بھر کو ٹھہری۔ شاید زندگی کا دستور یہی ہے! زندگی بھی کتنی بے مروت ہوتی ہے۔ کرشن چندر جیسے عاشق کو ایک پل میں چھوڑ کر یوں آگے بڑھ گئی جیسے کرشن چندر سے اس کی جان پہچان ہی نہ رہی ہو۔ شمشان پر ستر بہتر آدمی آئے! جب کرشن چندر کو مرنے کے بعد یہ مٹھی بھر آدمی ملے تو ہم جیسوں کا کیا ہوگا! لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر کرشن چندر پھر زندہ ہو جائیں تو وہ دوبارہ زندگی اور اس کے جلال و جمال سے اسی طرح ٹوٹ کر پیار کریں گے۔

وہ زندگی بھر سائے کی طرح حُسن کے ساتھ لگے رہے اور مرنے کے بعد بھی اُن کی حُسن پرستی نہ گئی۔ اپنی راکھ کے لئے انھوں نے کسی مقدس دریا کا انتخاب نہیں کیا۔ اس کے لئے انھوں نے ہندوستان کے سب سے خوبصورت، شفاف اور چنچل دریا لڈر کا انتخاب کیا۔ مسز گاندھی کے ساتھ بھی ان کی ہمدردیاں عقایدی یا نظریاتی کم اور جمالیاتی زیادہ تھیں۔

راہی معصوم رضا
۱۰۔ دلودت، بینڈ اسٹینڈ،
باندرہ، بمبئی ۴۰۰۰۵۰

اس میں شک نہیں کہ انھوں نے سلمیٰ آپا سے بڑا بے مثال عشق کیا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ ہرجائی تھے۔ انھیں کافل، چیڑ اور دیودار کے پیڑوں، اپنے نوکر روبن، فلم رائٹرز ایسوسی ایشن، سیب، انگور خوبانی، لنگڑے اور دسہری آموں، اچھی وہسکی، خواجہ احمد عباس اور مارکسزم سے بھی بے مثال عشق تھا۔ پریشان حال ادیبوں کی مدد کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

صاف بات یہ ہے کہ ایسے آدمی سے لڑنا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر میں نے یہ دشوار کام بار بار کیا۔ اور بہت جی لگا کر کیا۔

کرشن چندر سے میری پہلی لڑائی ان دنوں ہوئی جب انھوں نے اپنا افسانہ "ایرانی پلاؤ" لکھا۔ یہ کہانی خراب تھی اور ان دنوں میں جوان تھا۔ قلم لے کر پل پڑا۔ اردو کے تمام نامور ادیب اور نقاد میری اینٹ سے اینٹ

بجانے کو صف آرا ہو گئے۔ سید سجاد ظہیر نے پاکستانی جیل سے میری مذمت کی۔ مگر کرشن چندر مسکراتے رہے۔ ان دنوں انھوں نے مجھے جو دو ایک خط لکھے ان میں کسی تلخی کا شائبہ تک نہ تھا۔

لیکن آج جب میں لگ بھگ پچاس سال کا ہو گیا ہوں، یہ اعتراف کرتا ہوں کہ "ایرانی پلاؤ" کے معاملہ میں میں غلطی پر تھا۔ تب میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ "بالکنی، زندگی کے موڑ پر، گرہن کی ایک شام، دو فرلانگ لمبی سڑک، پرانے خدا، پشاور ایکسپریس، ان داتا، کالو بھنگی، مہالکشمی کا پل، برہمپتر، محراب، دادر پل کے بچے، پانچ لوفر، اور اس طرح کی دوسری لافانی کہانیاں لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ افسانہ نگار زندہ رہے۔ اور ہندوستانی سماج جیسے پسماندہ سماج میں اچھی کہانیوں کے بوتے پر زندہ رہنا ناممکن ہے۔ ہمارے ملک میں ادیب صرف نیم تخلیقی اور غیر معیاری ادب کے ذریعہ ہی زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر کرشن چندر لافانی کہانیوں کے چکر میں پڑے رہ گئے ہوتے تو زندگی یا حالات سے انھیں یہ کہانیاں لکھنے کا موقع ہی نہ ملا ہوتا، اور آج ہم جس عظیم افسانہ نگار کا ماتم کر رہے ہیں وہ عظیم ہونے سے بہت پہلے ہی مر کھپ چکا ہوتا!

دراصل قابلِ مذمت ہے وہ سماج جو اپنے کرشن چندروں سے "ایرانی پلاؤ" یا اسی قسم کی دوسری کہانیاں لکھواتا ہے، مگر قابلِ صد احترام ہے وہ قصہ گو جو کسی نیم تخلیقی کہانی کو تخلیقی کہانی کی عظمت دینے میں کامیاب ہو جائے۔ میں کرشن چندر کی کہانی "زرگاؤں کی رانی" کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور یہ بیان دے رہا ہوں کہ ایک نیم تخلیقی کہانی ہونے کے باوجود اردو ادب کی تاریخ "زرگاؤں کی رانی" کا شمار ادبی کارناموں میں کرے گی۔ اور یوں اس نیم تخلیقی کارنامے کے ساتھ کرشن چندر، فردوسی، عرفی، نظیری اور سودا وغیرہ کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں ــ کہ شاہنامہ بھی ایک نیم تخلیقی کارنامہ ہے! اور قصیدہ گوئی نیم تخلیقی صنف ہی ہے۔ اور جو لوگ عرفی، نظیری یا سودا کو بڑا شاعر مانتے ہیں، انھیں یہ حق نہیں کہ وہ زندگی کے کسی ترقی پسند قصیدہ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں کیونکہ زندگی سے بڑا ممدوح کوئی نہیں۔

کرشن چندر کے نیم تخلیقی افسانے بھی بہتوں کے تخلیقی افسانوں سے بہتر ہیں۔ یہ کہہ کر میں اپنے بڑے پیارے دوست باقر مہدی کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جن کی نگاہ میں بلراج مینرا اور سریندر پرکاش، کرشن چندر سے اچھے افسانہ نگار ٹھہر چکے ہیں!

میں یہ فضول باتیں کرنا نہیں چاہتا کہ ابھی کرشن چندر کے مرنے کے دن نہیں تھے کیونکہ جس سماج میں ہم رہتے ہیں اس میں ہر دن غیرت مندوں کے مرنے کا دن ہے! مگر میں یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ کرشن چندر بڑے دل والے تھے اور آخر کار دل ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔

●●



سفرِ آخر

• انجم رومانی
روزنامہ اُردو ٹائمز، بمبئی

ایک اِنسان کی موت

وہ ۹ر مارچ کی صبح تھی جب معمولات کو اپنے ذہن میں لئے ہوئے میں اُردو ٹائمز کے دفتر میں پہنچا، کیا پتہ تھا' یہ صبح اُردو ادب کی شام بن کر طلوع ہوئی ہے' دن نِکلا ضرور ہے مگر اس نے اُجالوں کے بجائے اندھیرے بانٹنے کا فیصلہ کر رکھا ہے ـــــ

ابھی اپنی میز تک پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اطلاع مِلی "کرشن چندر صاحب کا انتقال ہوگیا ہے"۔ ایک لمحہ میں "دن کے اندھیرے" اور زیادہ گہرے ہو گئے ـ

میں نے پوچھا۔ "یہ خبر کہاں سے مِلی؟"

جواب مِلا "جناب مجروح سلطان پوری نے فون کیا ہے"۔

اور اس مختصر سے جملے نے ان توقعات کا گلا گھونٹ دیا جو خبر کو غلط ثابت کرنے کے درپے ہو چکی تھیں۔

اس کے بعد میرا طلسمِ خیال اُس وقت ٹوٹا جب میں کرشن جی کے مکان پر ان کے بے جان جسم کے سامنے تھا۔

ـــ پُورا ڈرائنگ رُوم کچھ جانے پہچانے اور کچھ انجانے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہر کسی کے چہرے پر وہی غم تھا جو اپنے کسی قریبی عزیز کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے پر ہوتا ہے وہ چہرے جن پر میں نے سدا زندگی کی دھوپ دیکھی تھی اُن پر کسی اپنے کی موت ایک روح فرسا سائے کی طرح پھیلی ہوئی تھی لیکن سفید چادر میں لپٹا ہُوا' کرشن چندر کا معصوم چہرا اب بھی مُسکراہٹوں کی کرنوں سے جگمگا رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ یہ کرنیں برچھیوں کی طرح دلوں میں پیوست ہو رہی تھیں ـــ آنکھوں میں آنسوؤں کے خنجر چبھے ہوئے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کرشن چندر کا ڈرائنگ روم غم کے اتھاہ سمندر میں ڈوب چکا ہے ـــ غم کی انتہا کو اگر کوئی شکل دی جا سکتی ہے تو وہ سلمٰی صدیقی تھیں۔ روتے روتے جن کی آنکھیں آنسوؤں سے خالی ہو چکی تھیں ـــ غم کی وہ منزل بھی کتنی جگر فگار اور دلدوز ہوتی ہے جب رونے پر آمادہ لوگوں کے پاس آنسو بھی نہ رہ جائیں ؎

آنسوؤں کی کیا ضرورت خشک آنکھیں ہی سہی
رونے والو حادثوں پر یوں بھی رویا جائے ہے

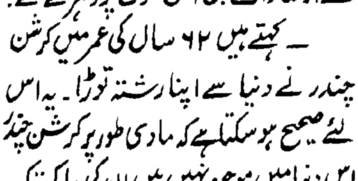
اور حادثہ بھی کیسا ـ "ایک انسان کی موت"

ـــ آج کے عہد میں انسان کہاں ملتے ہیں ـ اور پھر کرشن چندر جیسے انسان ـ جنھوں نے صرف انسانوں سے محبت اور انسانیت کی خدمت کو اپنی زندگی کا اُصول بنا لیا ہو۔

ممکن ہے اپنی زندگی کے کسی گوشے میں کرشن چندر نے کہیں اپنے آپ کو "ہندو" بنا رکھا ہو لیکن یہ ہندو بھی ویسا ہی ہوگا جس کے ایمان کی مُسلمان قسمیں کھائیں۔ ساتھ ہی یہ احساس بھی ہو کہ وہ ہم سے بڑا ـ بہت بڑا مسلمان ہے ـ اسی لئے تو کرشن چندر کی لاش کو چتا کے سپُرد کرنے سے پہلے اس کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت بھی کی گئی ـ

چونکہ کرشن چندر نے انسانیت ہی کو اپنا مذہب بنا لیا تھا ـ اس لئے گیتا کا پاٹھ کیا گیا گرنتھ صاحب کی بانیاں اور بائبل کے ارشادات بھی اس موقع پر دُہرائے گئے۔

ـ کہتے ہیں ۶۲ سال کی عمر میں کرشن چندر نے دنیا سے اپنا رشتہ توڑا۔ یہ اس لئے صحیح ہو سکتا ہے کہ مادی طور پر کرشن چندر اس دنیا میں موجود نہیں ہیں ان کی راکھ تک بکھر چکی ہے، لیکن دنیا سے ان کا رشتہ اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک یہاں محبت کے نام پر دھڑکنے والے دل موجود ہیں، جب تک یہاں انسانوں کے بیچ تفریق کی دیواروں کے مخالف پائے جاتے رہیں گے جب تک الفاظ کی آواز کو اپنی رُوح میں سمو لینے کا مقدس جذبہ رکھنے والے لوگ اس دھرتی پر اس مذہب کی تبلیغ کرینگے جو انسانیت کے نام سے جانا جاتا ہے



✶ شمس کنول
۱۴۸/۴۴۸۸ - دِکھرُلی (ایسٹ)
بمبئی ۴۰۰۰۸۳

اِک مہک سی دمِ تحریر کہاں سے آئی!

جاآن گینتھر نے اپنی کتاب 'اِنسائڈ ایشیا' میں مولانا آزاد کے متعلق لکھا ہے۔ "میں نے مشرق و مغرب میں آن سے بڑا فاضل دوسرا کوئی نہیں دیکھا!" مولانا آزاد عالِم تھے اور سیاست داں بھی تھے مگر جہاں تک اُردو زبان کی افسانوی دنیا کا تعلق ہے اس دنیا میں کرشن چندر سے بڑا افسانہ نگار دوسرا کوئی نہیں۔

دراصل اُردو افسانے کی دنیا میں چار نام اپنی انفرادیت کی بناء پر سب سے زیادہ محترم ہیں۔ پریم چند، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر اور عصمت چغتائی! پریم چند کے افسانوں میں ہندوستان کی مٹی کا سوندھا پن پایا جاتا ہے۔ منٹو کے یہاں یونان کا سا جلال ہے یعنی تیزی، تندہی، چستی اور تاثیر۔ اور عصمت مُسلم معاشرے کی صحیح عکاسی پیش کرتی ہیں مگر کرشن چندر کے فن میں ایرانی جمال اور شعری لطافت پائی جاتی ہے اور جو شیرینی اور طنزِ ملیح کرشن کی زبان میں رچا بسا ہے وہ کسی دوسرے اُردو افسانہ نگار کو حاصل نہیں ہے۔

کرشن جی سے میری پہلی ملاقات رنگین صاحب کے آفس میں ہوئی تھی۔ اس مختصر سی مُلاقات میں کرشن جی کی متوازن گفتگو سے میں اس نتیجہ میں پہنچا تھا کہ وہ سادہ لوح ہیں اور ان کی ذات بناوٹ و تصنع سے پاک ہے۔ ان کی کامیابی اور عالمی شہرت نے ان کو اتنا خود اعتماد اور قدآور بنا دیا ہے کہ اب مخالفت یا تنقید کا کوئی تیر بھی نہ ان تک پہنچ سکتا ہے اور نہ اُن کو کسی قسم کی تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ وہ اپنے ہر مخالف کے ہر حملے کی زد سے باہر ہیں۔

بمبئی کی دنیا میں یہ ڈھکی چھپی بات نہیں کہ ہمارے دانشور بزرگ اپنے حالات سے مجبور ہو کر اپنے چھوٹوں کو بھی ایکسپلائٹ کرنے سے نہیں چوکتے۔ مگر کرشن جی کی ذات میں یہ خامی نہیں تھی۔ ایک شام میں اور آنند ساگر (فلم ڈائرکٹر) کرشن جی کے مکان پر پہنچے۔ آنند ان دنوں 'ہمراہی' بنا رہے تھے، جس کے مکالمے کرشن جی لکھ رہے تھے۔ اسی سلسلے میں آنند کرشن جی سے کچھ باتیں کرتے رہے لیکن جیسے ہی ان دونوں کی باتوں کا سلسلہ ٹوٹا میں نے فوراً کرشن جی سے 'گگن' کے 'ہندوستانی مُسلمان نمبر' کے لئے ایک مضمون کی فرمائش کر دی۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ وہ معاوضہ لئے بنا کچھ نہیں لکھتے تھے ان کا ذریعۂ معاش ہی ان کا قلم تھا اور یہ بات بھی واضح تھی کہ 'گگن' کسی سرمایہ دار کا رسالہ نہیں تھا جو معاوضہ دیتا۔ مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انھوں نے میری فرمائش کے جواب میں کسی معاوضہ کے لئے کوئی اشارہ کئے بغیر فوراً 'ہاں' کر لی اور پھر دوسرے ہی لمحہ انھوں نے ہنس کر مجھ سے کہا:

"اب آپ بھی ہمارا تھوڑا کام کیجئے۔"

یہ سُنتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا اور میں نے سوچا کہ کرشن جی اگر مضمون کا معاوضہ نہیں لیں گے تو بدلے میں مجھ سے کوئی کام ضرور لیں گے چنانچہ میں یہی سوچ کر ان کا بتایا ہوا کام انجام دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ ان دنوں کرشن جی ایک سماجی ادارے کی ایک ضخیم کتاب ایڈٹ کر رہے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ میں اس سلسلے میں ان کا ہاتھ بٹاؤں۔ پہلے انھوں نے 'گگن' کے نمبر کے لئے مضمون لکھ کر میرے حوالے کیا اور پھر اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں لگ گئے۔ میں بھی حسب وعدہ ان کا ساتھ دینے لگا۔ دو پونے دو مہینوں کے بعد جیسے ہی وہ کام اپنی تکمیل کو پہنچا کرشن جی نے ایک معقول رقم میری تھوڑی سی محنت کے معاوضے میں مجھے نذر کر دی۔

میرے لئے یہ دل خوش کُن حیرت کی بات تھی۔

کرشن جی میں یہ خوبی تب پائی جاتی تھی جب کہ وہ خود شاہ خرچ تھے اور اپنی اَرسٹوکریسی (اَمارت پسندی) کو سنبھالے رکھنے کے لئے ان کو خاصے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے

ایک دن ٹیکسی میں کاوش صاحب، کرشن جی اور میں خواجہ احمد عباس کے گھر جا رہے تھے، راستے میں کرشن جی کو کچھ دل لگی سوجھی، کہنے لگے "یار کاوش! ان دنوں کڑکی (مفلسی) بہت ہے!"

کاوش صاحب نے چونک کر دریافت کیا: "کیوں؟ اس مدراس کی فلم کا کیا ہوا؟"

"ہاں یار! ایک لاکھ دس ہزار پر سائن کیا تو تھا، دس ہزار اس نے ایڈوانس میں بھی دیا مگر ایک مہینہ ہوگیا وہ آیا ہی نہیں شاید میسیا علیہ السلام کی زد میں آگیا"

کاوش صاحب یہ سن کر ہنسے اور بولے "مگر وہ دس ہزار کیا ہوئے؟"

"ارے یار! تو تو جانتا ہی ہے اپنے خرچے بہت ہیں، پینا پلانا ہے، دو بیویاں ہیں، قرضہ ہے وغیرہ وغیرہ!" کرشن جی ہنس ہنس کر کہتے رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ کرشن چندر پیدائشی طور پر امارت پسند تھے، ان کا بچپن اور اُن کی جوانی خوشحال والدین کے سائے میں گزری تھی، چنانچہ بعد میں بھی ان کی یہی کوشش رہی کہ ان کی زندگی عیش و آرام ہی سے گزرے۔ وہ ایک ہزار روپے ماہوار کرائے کے فلیٹ میں رہتے تھے جو ماڈرن ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ وہ خود بھی خوش پوش تھے اور کھانے پینے میں بھی وہ معیار اور زبان کا چٹخارہ ضروری سمجھتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے سلسلے میں بھی وہ نہ صرف صفائی پسند تھے بلکہ اس حد تک Aesthetic (حُسن پسند) تھے کہ کسی معمولی کاغذ پر وہ کوئی بھی چیز نہیں لکھ سکتے تھے۔ ہلکے نیلے رنگ کا پیڈ کا کاغذ ان کو بہت پسند تھا۔ اُن کے لکھنے پڑھنے کے کمرے میں لکڑی کے کپ بورڈ میں درجن دو درجن نیلے رنگ کے لیٹر پیڈ ہمیشہ محفوظ رہتے تھے۔ کرشن جی کی روزمرّہ کی زندگی کے کسی پہلو میں بھی وہ لااُبالی پن اور گندگی نہیں پائی جاتی تھی جس سے عام طور پر دوسرے اُردو ادیب و شاعر پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے آسُودگی دیکھی تھی اور وہ اپنے مزاج سے بھی آسُودہ تھے اس لئے نہ وہ ندیدے تھے اور نہ بدطینت ۔۔ اسی لئے جہاں وہ اپنے ہم عصروں سے اپنا کام لیتے تھے وہاں وہ اپنے چھوٹوں کے کام بھی آتے تھے۔

میں ایک ایسے اُردو شاعر سے واقف ہوں جو دس پندرہ برس پہلے بمبئی آئے تھے بہت دنوں تک فلمی دنیا میں کوشش کرتے رہے تھے، کام ملتا تھا مگر گذارے کے لائق نہیں، ایک بار جب فاقے کی نوبت پہنچی تو جانے پہچانے بغیر وہ کرشن جی کے یہاں پہنچ گئے۔ کرشن جی نے انھیں مایوس نہیں کیا بلکہ بعد میں بھی انھوں نے اُن کے فاقوں کے تسلسل کو اکثر توڑا۔

کرشن چندر نے اُردو نثر کے ہر صنعت میں تجربے کئے۔ افسانے لکھے، ڈرامہ نگاری کی، ناول تخلیق کئے، فلموں کے لئے مکالمے اور کہانیاں گھڑیں۔ انشائیہ اور رپورتاژ نگاری بھی کی، خاکے لکھے، مزاحیہ و طنزیہ مضامین تحریر کئے، ادبی رسالوں کے ایڈیٹر بھی رہے اور فلم کے ڈائرکٹر بھی مگر واقعہ یہ ہے کہ انھیں سب سے زیادہ کامیابی و مقبولیت فن افسانہ نگاری ہی میں حاصل ہوئی۔ افسانہ نگار کی حیثیت سے اُردو دنیا میں کرشن چندر کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ اپنے چبھتے ہوئے ماڈرن تلمیحات و استعارات، تہہ دار اور دلنشیں اندازِ تحریر، رومان انگیزی و دل آویزی، بے ساختگی و شادابی اور اپنے منفرد اُسلوب کی بنا پر بلاشبہ اُردو زبان کے سب سے بڑے افسانہ نگار ہیں۔ اگرچہ ان کے الفاظ ایسے سجے ہوئے ہوتے تھے جیسے ڈرائینگ روم کا سامان موزوں جگہ پر رکھا ہو مگر برجستگی اور روانی اتنی کہ تصنع کا نام نہیں۔ دوسرا کوئی بھی افسانہ نگار ایسا حُسن و جمال اپنے افسانوں میں پیش نہیں کر سکا۔ حقیقت نگاری کے اس حُسن کو ایک بار علی سردار جعفری نے 'جادوگری' کہا تھا۔

کرشن چندر نے جو لکھا ہے وہ کم و بیش سو کتابوں کی صورت میں چھپ کر عوام و خواص کے سامنے آیا ہے اور دنیا کی چالیس اہم زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے اگرچہ وہ سبھی پڑھنے کے لائق ہے، مگر اس میں 'غدار'، 'ہم وحشی ہیں'، 'دادر پُل کے بچے'، 'سڑک واپس جاتی ہے'، 'کالو بھنگی'، 'مہالکشمی کا پُل'، 'برہمپترا'، 'زندگی کے موڑ پر'، 'بالکنی'، 'ان داتا'، 'پشاور ایکسپریس'، اور 'دانی' جیسے افسانے، اور 'اُلٹا درخت'، 'دوسری برفباری سے پہلے'، 'ستاروں کی سیر'، 'جب کھیت جاگے'، 'خرگوش کی الف لیلہ'، اور 'ایک گدھے کی سرگزشت' جیسے ناول ہمیشہ یاد رہیں گے۔

کرشن چندر کا ایک واضح نظریہ تھا کہ وہ اشتراکیت ہی کو انسان کے لئے راہِ نجات سمجھتے تھے اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ اشتراکی نظامِ حیات ساری دنیا پر چھا کر رہے گا۔ اسی لئے انھوں نے ایک بار لکھا تھا:

"جب تک دنیا میں منافع کا رواج ہے جب تک ذرائع پیداوار شخصی جائداد بنے ہوئے ہیں، جب تک ادب سرمایہ

ہستی کا غزل خواں ہے، جب تک پریس پر بینکروں کا قبضہ ہے اور جب تک مشینوں اور انسانی ہاتھوں کی پیداوار کو جمہوری اشتراک کے اصولوں کے تحت تقسیم نہیں کیا جاتا اس وقت تک دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا، سچی آزادی نہیں آ سکتی آزاد و پائندہ ادب تخلیق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جنگ کی تباہ کاریوں اور ایٹمی ہولناکیوں سے نجات پانے کا ایک ہی راستہ ہے وہ ہے زندہ، محرک، آگے کی طرف بڑھتی ہوئی، پھیلتی ہوئی اور رواں دواں اشتراکیت، اس کے بغیر انسانیت کا مستقبل خطرے میں ہے!"

چنانچہ کرشن جی کا ادب مقصدی ادب تھا۔ اگرچہ وہ زندگی کے ہر رنگ میں جلوہ گر ہوئے تھے مگر اپنے مقصد کو نہیں بھولنے تھے یعنی چلے جدھر کو نسیم بہار ہو کے چلے!

کرشن چندر اپنے ازم کے سلسلے میں مخلص تھے اور یہی وجہ تھی کہ ان کی تحریر سیدھی سادی اور عام فہم تھی۔ دراصل دنیا میں جو چیز حقیقت سے جتنی قریب ہو گی وہ اتنی ہی عام فہم اور دل نشین ہو گی۔ بناوٹ تصنع، تکلف اور منافقت سے تحریر میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قلمکار اپنے نظریات کے سلسلہ میں منافق ہو گا، اس کی تحریر بھی گنجلک ہو گی اور نتیجے میں بے اثر ثابت ہو گی کرشن جی کی تحریر میں جیسی مٹھاس اور نرمی تھی ویسے ہی ان کے چہرے سے رسیلا پن اور ملائمت ٹپکتی تھی۔ گھر سے ملی آسودگی اور فن کی بخشی ہوئی کامیابی اور شہرت نے

اُن کے من کو اتنا وشال بنا دیا تھا کہ وہ جب دوسروں کی کوئی چیز دیکھتے یا پڑھتے تو اس کی خوب خوب تعریف کرتے۔ رسالہ 'فن و شخصیت' کے 'مہندر ناتھ نمبر' کو کرشن جی نے اپنا بھرپور تعاون دیا۔ سی۔ ایل کاوش صاحب نے اس کو بڑے سلیقے سے ایڈٹ کیا۔ نتیجہ خوشگوار رہا۔ چند ہی دن بعد 'دگنتر' کا 'ہندوستانی مسلمان نمبر' تیار ہوا۔ میں اس نمبر کی ایک کاپی لے کر کرشن جی کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھتے ہی ہنس پڑے اور خوشی کے ساتھ نمبر اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بہ آواز بلند کہنے لگے

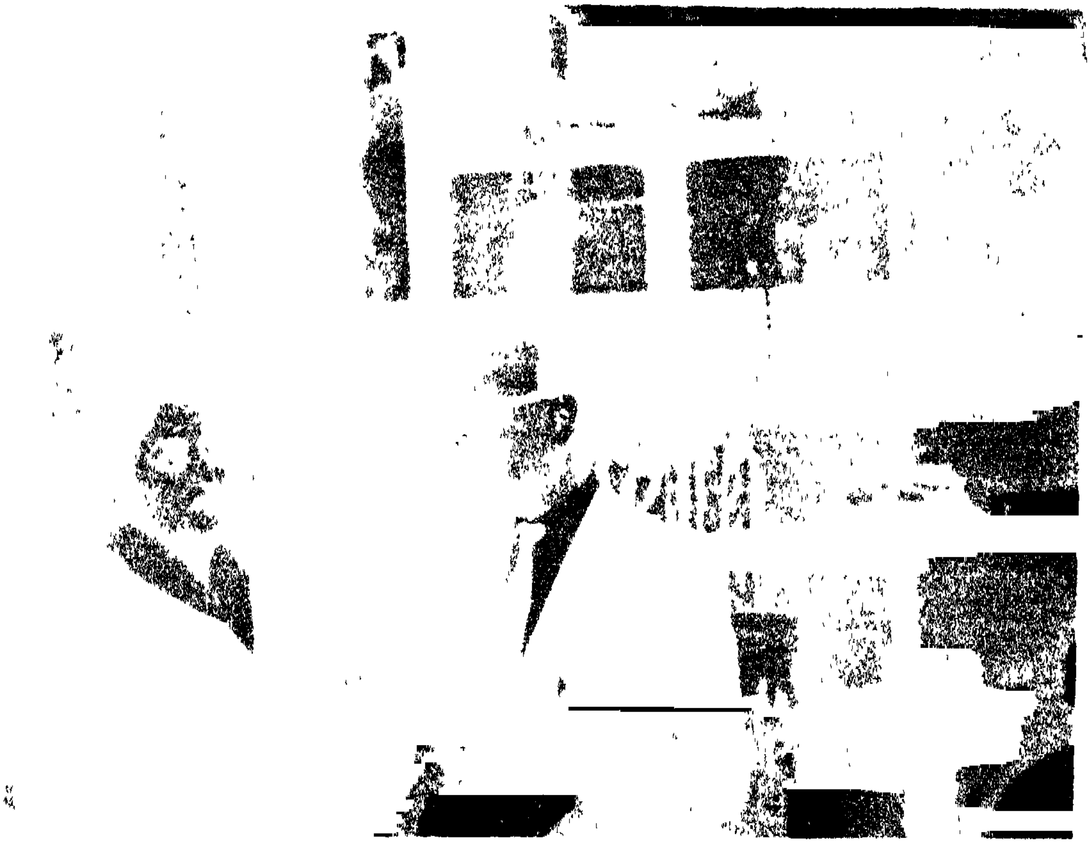
"واہ واہ! یہ کوئی بات ہوئی" یہ کون نہیں جانتا کہ ہم ادیب و شاعر دلی بغض، جھوٹے غرور، جھوٹے وقار، جھوٹی عظمت خود بینی، خود نمائی، خود پسندی، فتنہ آرائی، سازش و کینہ پروری، عیب جوئی، رقابت اور حسد و جلن میں ہمہ وقت مبتلا رہتے ہیں۔ اپنے ہمعصر یا اپنے چھوٹے کی تعریف کرنا تو کجا، تعریف سننا بھی پسند نہیں کرتے مگر اس حقیقت کے برخلاف کرشن جی عاقل و بالغ تھے، ان کا دل وسیع تھا اور ذہن روشن۔ اُن کی اپنائیت اور یگانگت سب کے ساتھ تھی۔

اگرچہ ترقی پسند ادیب اپنی گروہ بندی کی بنا پر بدنام رہے ہیں مگر کرشن چندر ترقی پسند ہونے کے باوجود اس بدعت سے پاک تھے۔ 'اندرا گاندھی ابھینندن گرنتھ' نام کا جو سوونیئر شائع ہوا تھا کرشن جی اس کے اردو حصے کے ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے اس سوونیئر کے لئے جہاں خواجہ احمد عباس وحید اختر، رام لال اور احتشام حسین رضوی جیسے ترقی پسند ادیبوں سے مضامین لکھوائے وہاں سی۔ ایل کاوش اور ڈاکٹر عبدالستار دلوی جیسے غیر کمیونسٹ ادیب اور علی جواد زیدی جیسے گاندھی وادی قلمکار سے بھی مضامین لکھوا کر اپنے دل کی وسعت اور ذہن کے روشن ہونے کا ثبوت دیا۔

مرد جلال ہے اور عورت جمال۔ جلال و جمال کا امتزاج زندگی ہے۔ عورت مرد سے قوت لیتی ہے اور مرد عورت سے لطافت اور حُسن چاہتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ ضرورت اور خواہش تھی کہ جس نے سلمیٰ صدیقی اور کرشن چندر کو یکجا کر دیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کی اور کرشن جی تو اپنے آخری سانس تک محبت کا دم بھرتے رہے۔ وہ سچے فن کار تھے، عاشق بھی وہ سچے ہی ثابت ہوئے۔ دراصل سلمیٰ اور کرشن دونوں نے سماج و مذہب کی پابندیوں سے بلند ہو کر محبت کی، اور سچ تو یہ ہے کہ دونوں نے محبت کا حق ادا کر دیا۔

سلمیٰ بہن کرشن جی کی محبوب بھی رہیں اور عاشق بھی، بیوی بھی اور دوست بھی۔ اُن کی علالت کے دنوں میں وہ ایک اچھی نرس بھی ثابت ہوئیں اور محبت بھری نگراں بھی۔ کرشن جی سلمیٰ بہن سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کا احترام بھی۔ کرشن جی دل کے مریض تھے۔ ڈاکٹروں کی ہدایت اور سلمیٰ بہن کا 'حکم' تھا کہ محتاط ہو کر رہا جائے۔ سلمیٰ بہن کی عدم موجودگی میں جب وہ کسی قسم کی بد پرہیزی کرتے تو سہمی ہوئی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے اور پھر اپنے آپ کو محفوظ پا کر بد احتیاطی کے مرتکب ہو جاتے۔

ایک دن وہ اپنے مکان (واقع سنتا کروز) سے ٹیکسی میں جوہو پہنچے اور ٹیکسی سے اُتر کر خواجہ صاحب کے آفس میں جانا چاہا جو تیسرے منزلے پر واقع ہے۔ اس بلڈنگ



میں لِفٹ نہیں ہے۔ چنانچہ مجبوراً انھوں نے زینہ چڑھنا شروع کیا۔ ساتھ میں میں بھی تھا اور کادش صاحب بھی۔ اس سے پہلے کہ ہم کرشن جی کو زینے پر چڑھنے سے منع کرتے وہ خود بولے "نہیں نہیں سلمیٰ کو پتہ چل جائے گا، ٹھیک نہیں!"

اور بیچ ہی میں سے واپس ہو لئے۔ وہ سلمیٰ بہن سے محبت بھی کرتے تھے اور ڈرتے بھی تھے۔ سلمیٰ بہن ان کے لئے رادھا بھی تھیں اور میرا بھی۔

اگرچہ کرشن جی نے سلمیٰ بہن کو اپنے سوا کچھ نہیں دیا مگر وہ دلداری اور دلنوازی کا ایک ایسا رشتہ ضرور استوار کر گئے کہ آخر معترض سماج اور مخالف مذہب کی نظر میں دونوں معتبر و محترم بن گئے۔

کرشن جی جا چکے ہیں لیکن زندگی بھر انھوں نے اپنے قلم سے جو خوشیاں اور خوشبوئیں بکھیری ہیں ان کی مہک کبھی ختم نہیں ہوگی۔

آنسوؤں کا ہدیہ بہت ہی حقیر سا ہدیہ ہے مگر اس کے سوا میں پیش بھی کیا کر سکتا ہوں!

●●

سلمیٰ صدیقی اور کرشن چندر، دورۂ روس کے موقع پر لی گئی ایک یادگار تصویر، مشہور روسی مصنف ٹالسٹائی کے 'ہاؤس میوزیم' میں

● شری پاد جوشی
شری کا، گھوڑنشی
ڈاکٹر کیٹکر روڈ، پونہ ۴

کرشن چندر کی یاد میں

کرشن چندر کا نام مہاراشٹر کے لوگوں کے لئے کوئی اجنبی نہیں ہے۔ ان کے 'شکست'، 'ان داتا'، 'ایک گدھے کی سرگذشت' اور دیگر بے شمار افسانے مراٹھی میں شائع ہو چکے ہیں۔ تقریباً بیس سال پہلے جب میں نے مراٹھی کے جدید افسانہ نگاروں کو بتایا کہ جس جدید افسانہ پر وہ فخر کرتے تھے وہ نیا افسانہ اردو میں مراٹھی سے دس سال پیشتر آچکا تھا اور کرشن چندر اس کے بانیوں میں پیش پیش تھے تو انھیں بڑا تعجب ہوا تھا۔ اپنی دلیل کو ثابت کرنے کے لئے جب میں نے انھیں کرشن چندر کے شروع زمانے کے کچھ افسانے پڑھ کر سنائے تو ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ حقیقتاً اردو افسانہ مراٹھی جدید افسانہ سے بہت آگے بڑھا ہوا ہے۔

مہاراشٹر کے باشندے

یوں دیکھا جائے تو کرشن چندر نے اپنی زندگی کا آخری نصف حصہ پونہ اور بمبئی یعنی مہاراشٹر میں گذارا تھا۔ چنانچہ ایک طرح سے وہ مہاراشٹر کے باشندے ہی ہو گئے تھے یہاں کے ادیبوں کے ساتھ اُن کے اچھے تعلقات تھے۔ اس لئے مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے لئے جب مراٹھی ادیبوں کے کے نام سجھانے کا سوال آیا تو اُردو سے محبت رکھنے والے مراٹھی ادیبوں کی ایک لمبی فہرست وہ پیش کر سکے۔ ان کے بیشتر افسانوں کا ماحول اور کردار بمبئی سے دابستہ ہیں۔ اور ان کی زبان میں بھی کئی ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو خاص بمبئی کے ہیں اور جو شاید اُردوئے معلیٰ میں نہ کھپ سکیں۔ مگر کرشن چندر کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ ایسے کئی غیر اُردو الفاظ کا استعمال بے جھجک کر جاتے ہیں جو اُردو کی معیاری لغات میں نہیں ملتے اس سے ان کی زبان پر ایک خاص بمبیا پن کا اثر جھلکتا ہے۔ اُن کی اُردو خاص ہندوستانی تھی۔

ایک شام کی گفتگو

چونکہ میں بمبئی بہت کم جاتا ہوں اور جب بھی کسی کام سے جانا پڑتا ہے تو کام ہوتے ہی پونے لوٹ آتا ہوں اس لئے بمبئی کے ادیبوں سے ملنے جلنے کا موقع مجھے بہت کم میسر ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر ادیبوں سے دور سے ہی تعارف رہتا ہے۔ کرشن چندر کے افسانوں کے مترجم کی حیثیت سے انھیں میں ایک زمانے سے جانتا تھا اور وہ بھی میرے نام و کام سے واقف تھے۔ مگر جب ہم مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے ممبر منتخب ہوئے تو ہمیں ایک دوسرے کو نزدیک سے جاننے کا موقع ملا۔ ان کے پیار اور خلوص سے میں بڑا متاثر ہوا۔

مجھے ۲۸ مئی ۱۹۷۵ء کی شام آج بھی یاد آرہی ہے۔ جب وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کے 'سہیادری' بنگلے پر ہماری اکادمی کی میٹنگ تھی۔ اکادمی کی وہ پہلی ہی باقاعدہ میٹنگ تھی۔ اس میں کرشن چندر نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ شرکت کی تھی۔ کھانے کا انتظام بھی وہاں تھا۔ جب ہم کھانا کھا کر رخصت ہونے لگے تو کرشن جی نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ کہاں جائیں گے؟"

میں نے کہا۔ "مجھے دادر جانا ہے۔ میں بس میں چلا جاؤں گا"۔

مجھے اپنے ساتھ پیار سے گھسیٹتے ہوئے کرشن جی بولے "اجی چلئے ہماری ٹیکسی میں۔ میں آپ کو دادر میں چھوڑ کر آگے چلا جاؤں گا"۔

پھر کچھ مزاحیہ انداز میں بولے "آپ لوگ ہمیں میٹنگ کے لئے دس بیس روپے دیں گے مگر مجھے تو پچاس روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں"

میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ان کی اُردو محبت جھلکتی تھی۔

"میں عوام کو مانتا ہوں"

بات چیت کے دوران میں نے کرشن چندر سے پوچھا "آپ کمیونسٹ پارٹی کے ممبر کب

سے ہیں؟"

کیونکہ ان کی تصنیفات سے میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ کیمونسٹ پارٹی کے ممبر ہوں گے، مگر انھوں نے مجھے یہ کہہ کر گویا ایک دھچکا سا دیدیا کہ۔

"جوشی صاحب، میں کسی بھی پارٹی کا ممبر نہیں ہوں۔ میں کسی پارٹی کو نہیں بلکہ عوام کو مانتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی ادیب یا فنکار کو کسی پارٹی سے وابستہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ویسا کرنے سے اس کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی پارٹی جو بھی طے کرے اس سے اس کو متفق ہونا پڑتا ہے۔ چاہے وہ صحیح ہو یا غلط۔ اس قسم کی غلامی فن کار کی ترقی میں حائل ہوتی ہے۔ گاندھی جی کی کئی باتوں سے مجھے ضرور اختلاف تھا، مگر میں ہمیشہ یہی مانتا آیا ہوں کہ گاندھی جی ہندوستانی عوام کے سچے نمائندے اور حمایتی تھے۔ انھوں نے نہتے لوگوں کو عدم تشدد کے طریقہ سے سامراج شاہی کے خلاف لوہا لینے کی تعلیم دی اور بے خوف بننا سکھایا۔ ظلم سے ٹکر لینے کی جو تعلیم انھوں نے بھارت کے ذریعہ دنیا کے لوگوں کو دی وہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ مارکس کی بنیادی باتوں پر میں یقین رکھتا ہوں مگر اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پارٹی کا ممبر بنا جائے۔"

اصل بات یہ ہے کہ کرشن چندر زندگی سے وفادار تھے۔ انسان سے انھیں بے حد محبت تھی۔ اور اس انسان کو اوپر اٹھانے کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہے۔ عوام کے دکھ درد، ان کے اپنے دکھ درد تھے۔ اسی لئے ان کی تصانیف لاکھوں، کروڑوں دلوں تک جا پہنچی تھی۔ کرشن چندر ان دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ●●

(بقایا صفحہ ۱۲ سے آگے)

کے لئے موثر اقدامات تجویز کرے۔ حال ہی میں کمیٹی کی رپورٹ ریاستی اسمبلی میں پیش کر دی گئی ہے۔ حکومت اس کی سفارشات پر جلد فیصلہ کرنے والی ہے۔

انسداد چھوت چھات پروگرام کا تیسرا اہم مقصد قانونی اقدامات ہیں۔ ہمارے سماج میں بعض سماج دشمن عناصر ایسے ہیں جن پر پرچار اور ترغیب کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ سماج دشمن عناصر تو چھوت چھات برتنے سے اسی وقت باز رہ سکتے ہیں جب کہ انھیں قانونی طور سے سزا پانے کا خوف ہو۔

شہری حقوق کا تحفظ

آزادی سے قبل ۱۹۴۶ء کے آغاز پر اس وقت کی حکومت نے ہریجنوں پر عائد سماجی پابندیاں اٹھانے کے لئے قانون وضع کیا۔ اس کے بعد کے سال میں ہریجن داخلہ مندر ایکٹ پاس کیا گیا۔

آزادی کے بعد مرکزی حکومت نے دستور کے مقاصد کے تحت ۱۹۵۵ء میں چھوت چھات (جرائم) ایکٹ وضع کیا۔ حال ہی میں گذشتہ بیس سال کے دوران اس ایکٹ کے نفاذِ عمل میں خامیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے نومبر ۱۹۷۶ء میں تحفظِ شہری حقوق قانون وضع کیا گیا ہے

ریاستی سطح کمیٹی

ریاستی سطح پر ایک کمیٹی ہے جو ۱۹۶۹ء میں وزیر سماجی بہبود کی زیر صدارت قائم کی گئی تھی۔ یہ کمیٹی چھوت چھات رواج کے سلسلے میں جرائم سے نپٹنے کے مسئلہ پر مختلف محکمہ جات کے نگرانوں سے تبادلۂ خیال کرتی ہے اور ایسے جرائم کی فوری تحقیقات اور عدالت سے رجوع کرنے کے لئے فوری اقدامات کرتی ہے۔ اضلاع میں ایسی سرگرمیوں میں اعانت کے لئے ضلع نگراں کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ یہ کمیٹیاں سماجی کارکنوں کی خدمات سے فائدہ اٹھاتی ہیں جنھوں نے پسماندہ طبقات کے سدھار کا بیڑا اٹھایا ہے۔

ان اقدامات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت چھوت چھات کی سماجی برائی کو ختم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ اس مقصد سے جدید پرچار ذرائع سے پورا استفادہ کیا جا رہا ہے۔

بہرحال سماجی بیداری پیدا کرنے کا کام سہل نہیں ہے اور ان تمام کوششوں کا نتیجہ کچھ عرصہ بعد ہی ظاہر ہوگا۔

امید ہے کہ کچھ عرصہ میں ان تعلیمی سہولتوں اور سماجی ترقی سے ان نام نہاد اچھوتوں میں خود اعتمادی پیدا ہوگی۔ یہ خود اعتمادی جتنی تیزی سے بڑھے گی اتنی ہی تیزی سے چھوت چھات مٹے گی۔ بہرحال اس تیز رفتاری کو جاری رکھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ لوگوں کے نمائندے اور سماجی کارکن حکومت سے بھرپور تعاون کرتے رہیں۔ ●●

قطعات

ایشیا کے عظیم مصنّف کرشن چندر کی موت سے مُتاثر ہو کر !

گذر گئی ہے جو کچھ اُس کو کون سمجھے گا
جو حال دل کا ہوا ہے اُسے بتاؤں کسے
تری وفات سے اے کرشن چندر میرے عزیز
جو داغ دل کو ملا ہے اُسے دکھاؤں کسے

ہزاروں یادیں ہوا کرتی ہیں مگر تری یاد
وہ یاد ہے کہ جسے آدمی بھُلا نہ سکے
ترا شعورِ ادب ہو کہ تیری فکرِ بلند
یہ چیز وہ ہے جسے زندگی بھُلا نہ سکے

جہاں کوئی بھی نہ پہنچے وہاں تھے تیرے قدم
جو بن پڑے نہ کسی سے وہ کام کرتا رہا
نگارِ نقد کی زُلفیں سنوارنے کے لئے
رگِ ادب میں خود اپنا ہی خون بھرتا رہا

★

★ طلحہ تابش
معرفت نازش پرتاپ گڑھی
بیگم وارڈ، پرتاپ گڑھ، یو۔پی

نہ کوئی خندہ رہا اور نہ کوئی خندہ نواز

• خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

کرشن چندر اُردو ادب کے میرِ کارواں بھی تھے اور کارواں بھی۔ یقیناً یہ شعر انھیں کی شان میں کہا گیا ہے ؎

نگہہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

میرِ کارواں کیا گیا کہ کارواں ہی کی منزل پہنچ سے باہر ہو گئی اور کارواں تتر بتر ہو گیا۔ خدا جانے اب کون اور کب اس کارواں کو راستہ پر لگائے گا۔

ان کی گفتگو، ان کی تحریر، ان کی تقریر اور ان کی زندگی نے ہم کو اُردو ادب کی بلندی کا حوصلہ عطا کیا اور ہم کو یہ فخر بھی بخشا کہ ہم اُردو کے بولنے والے ہی نہیں بلکہ اس کے پرستار بھی ہیں۔ اُردو پر ناز ہم کو انھوں نے ہی سکھایا وہ بھی ایسے دور میں کہ جب سب ہی کی ہمت پست ہوتی جا رہی تھی۔ انھوں نے ہم کو وہ حوصلہ دیا کہ ہم بجا طور پر اُردو کو دنیا کی مہذب ترین زبانوں کی صف میں دیکھنے لگے۔

کرشن جی کی تصانیف اور اُن کے ہندوستانی زبانوں اور دنیا کی دیگر زبانوں کے تراجم، ان کے اسلوب تحریر کی ندرت، انوکھا پن اچھوتا پن اور شستہ ستھری زبان نے نہ صرف ان کو اونچا درجہ عطا کیا بلکہ اُردو زبان اور اُردو ادب کو دنیا میں بلند مقام دیا۔

ان کی زبان عربی، فارسی یا انگریزی الفاظ سے پاک صاف اور ان کے اندازِ بیان میں وہ خوبیاں ہیں کہ جو ہزاروں بار گنائی جا چکی ہیں، لیکن میں نے ایک خاص بات یہ محسوس کی کہ اُنکو اپنی رواں دواں تحریروں میں کسی کے مقولے یا حوالے کا سہارا لینے کی کبھی ضرورت ہی نہ پڑی۔ انھوں نے کسی مُفکر، دانشور یا شاعر اور ادیب کا بھی سہارا لینا گوارا نہ کیا۔

خود ایک بانکے، رسیلے، جوشیلے ادیب تھے کہ جو کہنا چاہتے وہ صاف اور صریح زبان میں کہتے اور اس خوبی سے کہتے کہ شیرینی اور حلاوت دل و دماغ میں سرایت کر جاتی۔

ان کی تحریروں میں جمالیاتی حسن، رومانی افسانہ نگاری، طنز میں مٹھاس کی زیریں رو ہمیشہ رواں دواں رہی۔

ان کی نثر میں وہ آہنگ پایا جاتا ہے جو کہ نظم میں ہوتا ہے۔ مزاح کی حس اتنی تیز اور شگفتہ تھی کہ سلمیٰ صدیقی ہوں اور کوئی درمیان میں ہوں تو گھنٹوں لطیفے جوڑے جائیں، چٹکلے گھڑے جائیں اور بغیر کسی زہر خند کے ہر شخص خنداں ہو۔ دوسرے کا کہا ہوا لطیفہ بڑی متانت اور توجہ سے سُنتے اور حفظ ما تقدم کے طور پر ضرور ہنستے۔ ان کی تحریریں بشارت نامے ہوتیں اور طنازی شگفتہ اور شائستہ۔

ایم اے۔ ایل ایل بی کیا، لیکن وکالت کا نام نہ لیا۔ نہ جی کی خواہش کی۔ جرنلسٹ رہے لکچرر رہے، ریڈیو سے منسلک رہے، فلموں کی کہانیاں لکھیں، منظر نامے، مکالمے لکھے، فلم پروڈکشن بھی کیا، ڈائرکٹ بھی کیا۔ فلم رائٹرس ایسوسی ایشن کے صدر رہے تو ہر وقت اسی لگن سے میرے پاس آتے کہ کس طرح اس ایسوسی ایشن کو زمین ملے۔ اس کے لئے ہر جگہ جانے ہر کسی سے ملنے اور درخواست پیش کرنے کے لئے تیار۔ کسی کو سفارش چاہئے، آپ کہہ کر بھول جائیے یہ اسی کی پیروی میں لگے رہیں گے۔ لیکن اپنے لئے یا اپنے خاندان والوں کے لئے کبھی ایسی بات سوچی بھی نہیں۔

میں نے برسہا برس پہلے اپنی پہلی اُردو کی تصنیف 'قہقہہ زار' کا مسودہ انھیں پڑھنے اور پیش لفظ لکھنے کے لئے دیا تو مجھے یقین نہ تھا کہ کسی خاص عُجلت یا جلدی میں وہ کچھ لکھ پائیں گے۔ لیکن ہفتہ عشرہ میں مجھے اپنا مسودہ واپس ملا تو اس کے ساتھ رنگین اور نفیس کاغذ پر تحریر بھی ملی۔ خیال ہوا کہ شاید کوئی خط لکھا ہے اور مجھے کچھ ہدایتوں سے سرفراز کیا ہے۔ تعجب کی انتہا نہ تھی جب میں نے دیکھا کہ انھوں نے پیش لفظ رنگین کاغذ پر تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے میری کچھ ایسی خوبیاں گنائیں کہ جن سے میں خود ناواقف تھا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ ان کی نفاست پسندی نے کبھی معمولی کاغذ پر لکھنا گوارا نہ کیا۔ میں نے

کہیں کاٹ چھانٹ دیکھی اور نہ کسی جملہ کو بدلا ہوا دیکھا۔ تحریر کی روانی ان کی آزاد فکر اور سلجھے پن کی دین تھی۔

ترقی پسند ادب کی سب سے بڑی دریافت کرشن چندر ہیں اور ان کے مزاج کی مناسبت سے وہ کبھی خاموش نہیں رہ سکتے وہ ہمارے بیچ نہیں لیکن ان کی تحریریں ہم کو ان کے وجود کا یقین دلاتی رہیں گی۔ وہ محض فرد نہیں ایک تحریک تھے اس لحاظ سے نہ تو کرشن چندر مر سکتے ہیں نہ ان کی تحریک ماند پڑ سکتی ہے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

مگر کرشن جی کے وصال و انتقال کو موت کا لقب دینا زیادتی ہے، وہ زندہ ہیں اور جاوداں ہیں ۔

ان کی ہر خوشی ایک حادثہ کا پیش خیمہ رہی۔ ہم نے بڑے دھوم دھام سے جشنِ کرشن چندر منایا تو انھوں نے اُردو پر ہونیوالے مصائب اور زیادتیوں کی وزیر اعظم سے بے باکانہ فریاد کی۔ اور اسی رات عارضۂ قلب میں مبتلا ہوئے۔ نہرو ایوارڈ سے سرفراز کئے گئے تو خاندان کے عزیز فرد کا انتقال ہوا۔ پدم بھوشن سے نوازے گئے تو ایک اور سانحہ ہوا۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر مہندر ناتھ جاں بحق تسلیم ہوئے۔

مجھے جو خاص بات یاد رہی وہ یہ تھی کہ ہر عزیز اور ہر دوست کی بیماری میں انھوں نے گڑگڑا کر دعائیں کیں کہ ان کی خود کی زندگی کے کچھ سال خدائے تعالیٰ مریض کی زندگی کے ساتھ جوڑ دے اور ہر ایسی دعا کے بعد وہ مریض صحت یاب ہوتے رہے۔

میں نے ان کی بیماری کے دوران ان سے پوچھا کہ آپ نے تو بڑی فیاضی سے اپنی زندگی کے اتنے بہت سال لوگوں کو بخش دیئے اب آپ کی خیر اور خیریت کا کیا ہوگا۔ اپنی روحانی مسکراہٹ کے ساتھ انھوں نے جواب دیا۔

"غفور صاحب جہاں میں نے اتنی فیاضی برتی ہے وہاں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میری ہر بیماری میں آپ جیسے مخلص اور بہی خواہوں نے اسی طرح کھلے دل سے اپنی زندگی کے بیش قیمت سال مجھے بھی بطور دعائے صحت و سلامتی عطا کئے ہیں۔ اس طرح پر شاید میں اپنی عمر سے زیادہ ہی جیونگا۔"

مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہتی اور ان کی ہر بیماری میں انھیں یاد دلاتا رہا اور وہ اس بات سے بے حد مطمئن ہو جاتے۔ مجھے لگتا کہ اُن کی مُسکان کبھی نہ مٹے گی۔

میں نے جس دن ہسپتال چھوڑا، وہ اسی دن اسی وارڈ میں شریک کر دیئے گئے۔ مجھے ڈاکٹروں نے اجازت نہیں دی تھی پھر بھی جس صبح ان کا انتقال ہوا ہے میں اور حبیبہ آدھی رات کے بعد ہسپتال پہونچے اور میں نے اُن کو جس حال میں دیکھا اس سے میرے دل کو دھکا لگا، میں نے کہا "یا خدا تو تو قادرِ مطلق ہے کُل کائنات کا مالک ہے جسے چاہتا ہے جِلاتا ہے پھر تیرے فرشتوں نے حساب میں ایسی کیسی غلطی کی کہ لوگوں کی طرف سے ان کو بخشے ہوئے اتنے سارے سال اُن کے حساب میں جمع نہیں کئے؟ کیا لوگوں کی اتنی ساری عمریں اسی طرح ضائع ہو جائیں گی؟" یقین نہ آتا تھا لیکن صبح ہونے سے پہلے پہلے ـــ

وہ سحر کی رات کا ستارہ وہ ہم نفس ہم سخن ہمارا
سدا رہے نام اس کا پیارا سُنا ہے کل رات مر گیا

مَرنے سے پہلے یقیناً ان کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اس بار یہ ناگہانی ٹلنے والی نہیں' لوگ آنکھیں اور جسم کے دوسرے حصے دان کرتے ہیں انھوں نے بطورِ خاص ہدایت کی کہ ان کے جسم میں لگا ہوا پیس میکر نکال لیا جائے تا کہ کسی اور کے کام آئے۔ سلمیٰ جی کو تاکید کی کہ گریہ و ماتم بالکل نہیں ہونا چاہیئے۔ دوسرے مریضوں کو تکلیف ہوگی۔ صبر و تحمل اور دنیا کی اچھائی پر بھروسہ اُن کی خاص خوبیاں تھیں۔

●●

ایک خط

کرشن چندر کی وفات سے ہندوستان کی ادبی اور تہذیبی قدروں کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ مرحوم نے اپنے ذہن وفکر کی توانائیوں سے ملک کے ذخائر میں اضافہ کیا ہے۔ ان کے سینے میں ایک دردمند دل تھا انھوں نے ملک کے کروڑوں لوگوں کے دُکھ درد کو اپنے وجود میں جذب کیا تھا۔ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ آپ 'قومی راج' کے چند صفحات کرشن چندر کی یاد کے لئے وقف کر رہے ہیں۔ میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ 'قومی راج کا ایک پورا شمارہ کرشن چندر کے لئے وقف ہونا چاہیئے تھا۔

حامدی کاشمیری
۳۹۶۔ جواہر نگر، سری نگر (کشمیر)

شاطر حکیمی
ڈاکٹر شیخ کالونی
کامٹی

قطعۂ تاریخ

جامعِ کمالاتِ عظیم فنکار

۱۹۷۷ء

کرشن چندر

مطلع روشن، حریفِ مہر و ماہ   ایک ادیبِ عصر، مردِ حق پناہ
مخلص و محسن، رفیق و دستگیر   صاحبِ ایثار و خدمت، خیر خواہ
باغِ اردو کا گلِ رعنا صفت   روحِ محفل، فرحتِ قلب و نگاہ
ضامنِ عزم و یقیں، حسنِ شعور   کارنامے، مرکزِ فکر و نگاہ
شہسوارِ عرصۂ لوح و قلم   مجلسِ علم و ہنر کا سربراہ
جراءت انگیزی، صداقت کی دلیل   جذبۂ اخلاص کا عالم گواہ
قابلِ تقلید، اقدامِ عمل   نقشِ پا آئینہ دارِ شاہراہ
عالمی شہرت کنیزِ آستاں   اور وہ بیگانۂ اقبال و جاہ
لفظ و معنیٰ دفترِ جذب و کشش   شعبۂ تخلیق جس کی جلوہ گاہ
منفرد جس کا ہوا اسلوبِ بیاں   مٹ نہیں سکتی دلوں سے اس کی چاہ
نیر[1] و اعجاز[2]، شہباز[3] و غفور[4]   آہ بر لب قدر دانِ بے پناہ
جعفری[5]، عباس[6]، بیدی[7]، رام لعل[8]   مبتلائے غم ہیں سب اہلِ نگاہ

دے گیا شاطرؔ ہمیں داغِ فراق،
مردِ قابل، اک ادیبِ خوش نگاہ

۱۳۹۷ھ

---

[1] رحمان نیر، مدیر "بیسویں صدی" [2] اعجاز صدیقی مدیر "شاعر" [3] شہباز حسین مدیر "آج کل" [4] خواجہ عبدالغفور نگراں "قومی راج" [5] سردار جعفری [6] خواجہ احمد عباس [7] راجندر سنگھ بیدی [8] رام لعل

○ ریاض احمد خاں

پونا کی یادیں اور کرشن چندر

۱۴؍جنوری ۱۹۷۷ء کی ایک دوپہر ہے۔ کرشن چندر 'قومی راج' کے پہلے شمارے کے لئے باوجود خواجہ عبدالغفور صاحب سے وعدے کے، اپنا مضمون مکمل نہیں کر سکے اور یہی ظاہر کرنے کے لئے اپنا مسودہ لے کر سچیوالیہ میں خواجہ صاحب کے دفتر میں حاضر ہیں۔ خواجہ عبدالغفور صاحب نے ادھورا مسودہ پڑھ لیا ہے اور بضد ہیں کہ کرشن چندر یہیں بیٹھ کر مضمون مکمل کریں۔ کیونکہ خواجہ صاحب کو بکارِ سرکار کہیں باہر بھی جانا ہے اس لئے مجھے طلب کیا جاتا ہے اور بقول شخصے کرشن چند کے سر پر مجھے مُسلط کر دیا جاتا ہے کہ کسی بھی طرح مضمون مکمل کرا لیا جائے۔ مجھے طلب کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی رہی کہ کرشن چندر کو ماحول سے اجنبیت نہ محسوس ہو سکے۔ خواجہ صاحب تھوڑی دیر میں واپسی کا وعدہ کر کے چلے جاتے ہیں۔

کرشن چندر نے مسودہ پڑھا اور پھر پڑھا۔ مجھے پڑھنے کو دیا۔ میں نے پڑھ کر واپس کر دیا۔ انھیں زکام کا اثر ہے۔ ناک بہہ رہی ہے بار بار رومال سے ناک صاف کرتے ہیں۔ سامنے تیار کی ہوئی چائے کی پیالی رکھی ہے چائے پیتے جا رہے ہیں اور مضمون کے سرے جوڑنے میں مصروف ہیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں ایک عظیم کہانی کار کو اپنا شاہکار تخلیق کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کبھی ایسا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا۔ کرشن چندر دو تین سطریں لکھتے اور رک جاتے۔ مجھے پڑھ کر سُناتے اور پھر لکھنا شروع کر دیتے اور اب کرشن چندر پونا کے پاروتی مندر کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ یکایک رُک جاتے ہیں، اور مجھ سے دریافت کرتے ہیں۔

"آپ پونا کتنی بار گئے"

"بارہا"

"کبھی پاروتی دیوی کے مندر تک بھی گئے ہیں؟"

"جی ہاں" میرا یہ اُصول ہے کہ جب بھی میں کسی نئی جگہ جاتا ہوں تو سب سے پہلے وہاں کے مقدس مقامات کی زیارت کرتا ہوں!"

کہنے لگے "زندگی میں اب ایک ہی حسرت ہے اور وہ یہ کہ کسی طرح وہ زمانہ ایک پَل کے لئے لوٹ آئے جب کہ میں پاروتی کے مندر میں بیٹھ کر کچھ سکون کے سانس لے سکوں"

میں نے کہا "یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ آپ آج بھی وہاں جا سکتے ہیں اور آپ کی یہ حسرت پوری ہو سکتی ہے!"

کہنے لگے "نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ میں تو وہ زمانہ چاہتا ہوں جب کہ میرے ساتھ میرے پورے دوست ہوں اور دل میں وہی اُمنگیں ہوں جو اس زمانے میں تھیں جب کہ میں پہلی مرتبہ پونا آیا تھا اور یہ کہہ کر کرشن چندر نے اپنے ایک ایک دوست کے بارے میں، جن کا تذکرہ "پونا کی یادیں" میں ہے کرنے لگے۔ اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید کرشن چندر اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکیں گے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ آئے گا اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو ان کا دل یکایک حرکت کرنا بند کر دے گا۔ تھوڑی دیر میں خود ان کے جذبات میں بہتا ہوا چلا گیا اور پھر کرشن چندر نے پاروتی دیوی کی پہاڑی۔ اس پر اُگے ہوئے پیڑوں، پھولوں پھلوں اور پہاڑی کے پتھروں کا تذکرہ کرنا شروع کیا اور پھر پاروتی دیوی کے مندر کی عظمت اور بزرگی کی باتیں بتاتے رہے۔ اور میں اس عظیم فن کار کے معصوم دل پر عش عش کرنے لگا۔ گذرے ہوئے واقعات کو زمانہ بیت گیا تھا مگر وہ آج بھی کرشن چندر کے دل پر اپنا نقش تازہ بنائے ہوئے ہیں۔ میں یہی سوچتا رہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنا بڑا کہانی کار جس کی آواز جس کی انسانی ہمدردی دنیا بھر میں مشہور رہے، اس کا دل اتنا نازک ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ایک واقعے کو بیان کرتے ہوئے اتنا جذباتی ہو جائے۔

کرشن چندر خاموش ہو گئے۔ اور پھر لکھنا شروع کیا۔ دس منٹ بعد ہی انھوں نے بغیر نظر ثانی کئے ہوئے مسودہ میرے حوالے کر دیا۔ "پونا کی یادیں" مکمل تھا۔



سلمیٰ صدیقی، کرشن چندر، فیض احمد فیض،
راجندر سنگھ بیدی، نوشاد، جاں نثار اختر

اب میں سوچتا ہوں کہ اگر کرشن چندر کو اس طرح گھیر کر یہ مضمون نہ لکھوایا جاتا تو ادب "یونا کی یادیں" جیسے فنی کارنامے سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا اور یہ یادیں بھی نہ معلوم اور کتنی یادوں کی طرح کرشن چندر کے چوڑے چکلے سینے میں دفن ہی رہتیں

بہر حال کرشن چندر لکھتے رہے اُن کی کہانیاں چھپتی رہیں اور عوام نئی کہانیوں کے منتظر رہے۔

۸ رمارچ کی شام میں، میں بمبئی اسپتال میں اپنے دوست کی عیادت کو آیا ہوا ہوں۔ نیچے ہال میں لفٹ کے پاس عزیز قیسی سے ملاقات ہوتی ہے۔ عزیز قیسی بتلاتے ہیں کہ کرشن چندر پر دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ اسی اسپتال میں ہیں۔ اسپتال کے رجسٹر دیکھ ڈالے کرشن چندر کا نام کسی بھی رجسٹر میں نہیں ہے۔ عزیز قیسی مزید اطلاع کے لئے اختر ایمان کو فون کر رہے ہیں۔ آخر کرشن چندر بمبئی اسپتال میں کس کمرے میں ہیں؟ یہ سوال ہم دونوں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ وقت گذرتا جا رہا ہے۔ میں گھر واپس آتا ہوں۔ وہاں اعجاز صدیقی صاحب کے فرزند ناظر نعمان صدیقی میرے منتظر ہیں۔ میں نے ان سے کرشن چندر کی تشویشناک حالت کا ذکر کیا۔ کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ اعجاز صاحب کو کرشن چندر ہمیشہ اپنا بڑا بھائی سمجھتے رہے ہیں۔ اور

دوسرے دن صبح ۲/۱ ۶ بجے یہ عظیم فن کار اپنے حقیقی معبود سے جا ملتا ہے۔

●●

دوراہا

★ نشاط ہندی

زندگی کی راہوں میں موڑ جتنے آئے ہیں
ہر نئے اُجالے کو دُور چھوڑ آئے ہیں
تلخیوں کے ہیولے بھی منزلوں پہ چھائے ہیں
ہر قدم پہ اشکوں نے کچھ دیئے جلائے ہیں

پھر ملا ہے دوراہا زندگی کی راہوں میں
پھر کوئی بلاتا ہے آرزو کی باہوں میں
ہر قدم جھجکتے ہیں دیکھ کر دُھندلکے کو
کہہ رہے ہیں ماضی کے زخم دل سنبھلنے کو

دل میں ایک طوفان ہے عقل مسکراتی ہے
غم کدے کی ہر مورت دل مرا ڈراتی ہے
دِل کے نرم گوشوں میں اِک خلش سی باقی ہے
وہ تو کوئی ہمدم تھا یہ تو کوئی ساقی ہے

پھر کسی نے چاہا ہے میں کسی کا ہو جاؤں
گیسوؤں کے سائے میں ایک نیند سو جاؤں
آج پھر مرا ماضی مجھ کو یوں ڈراتا ہے
وہ تو اِک ستارہ تھی یہ تو اِک شرارہ ہے

اور وہ بھی ہلکا سا، آنچ بھی نہیں آتی
میرے دُکھے دامن کو آگ بھی نہیں پاتی
ایک سرد شعلہ ہے جو مجھے جلاتا ہے
موم کی طرح مجھ کو دن بدن گھلاتا ہے

اجنبی مسافر کا ساتھ کس طرح دُوں گا؟
خوف چھوٹ جانے کا کس طرح سے بھولونگا؟

○ ایم۔ آئی ساجد کھام گانوی
(ایم۔اے) ریسرچ اسکالر

— نزد کچھی مسجد، جلال پورہ
کھام گاؤں (بلڈانہ)

کرشن چندر اور "نغمے کی موت"

کرشن چندر کی ناگہانی موت نے ہم سے ایک تاریخ ساز شخصیت کو چھین لیا ہے۔ آزادی کے بعد کرشن چندر کسی ایک طبقہ کی نہیں بلکہ ہندوستانی تہذیب کی مشترکہ میراث تھے۔ گو کہ کرشن چندر آج ہم میں نہیں لیکن ان کا ترقی پسند ادب اُردو میں ہمیشہ ایک روشن مشعل بنا رہے گا۔ کرشن چندر کے افسانوں کو ترقی پسند تحریک سے ایک خاص نسبت رہی ہے، انھوں نے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور عنوانات پر اپنا قلم اُٹھایا ہے۔ ان کی تحریر میں جدید رجحانات، رومانیت اور سماج کے بدلتے ہوئے حالات کی تصویریں ملتی ہیں۔ کرشن چندر کا قلم ہر موضوع پر بہت تیزی سے چلتا ہے۔ چاہے وہ دیہاتی ماحول پر لکھیں یا سماجی حالات پر اپنے طنز بھرے نشتر کا وار کریں، ان کا قلم ہر حالت میں انصاف کا ضامن تھا۔

"نغمے کی موت" بھی ان کا ایک نفسیاتی اور تجزیاتی افسانہ ہے۔

گلاب کا کردار اپنے پورے وجود کے ساتھ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے، کرشن چندر نے اس کردار کو اپنی فن کارانہ صلاحیتوں سے اس طرح تخلیق کیا کہ وہ اپنی زندگی کے ساتھ اُبھر کر سامنے آتا ہے۔

گلاب جو یتیم تھا اور بچپن ہی سے زمین دار نرائن کی توجہ اور کرم سے پلا بڑھا۔ زمیندار کے مویشیوں کو چرانا اس کی ڈیوٹی تھی، گلاب کے جسم میں نزاکت، لوچ اور نسوانی حُسن کے ساتھ ساتھ ایک حساس دل بھی تھا جس میں محبت کے سوتے بھی پھوٹتے تھے جو درگا کے رُوپ میں اس کے تخیل میں اَن گنت سُنہرے رنگ بھر دیتے تھے۔ اپنی بانسری کے سُریلے نغموں میں گلاب زندگی کا ہر دُکھ درد بھلا دیتا تھا۔

"نغمے کی موت" میں کرشن چندر نے دیہات کے ماحول کو بڑے خوابناک انداز میں پیش کیا ہے۔ دیہات کی سادگی رہن سہن کا انداز، ایثار و محبت، چرواہوں کی معصوم اور دل میں اُتر جانے والی باتیں، دلفریب مناظر، کائنات کی عکاسی، جذباتی اتار چڑھاؤ اور الہڑ جوانیوں کا سیمابی حُسن ان ساری باتوں کا احاطہ کیا ہے۔

وہ جب کسان اور دیہات کے ماحول کے بارے میں منظر نگاری کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے گو یا نثر کو شاعری کا حسین لباس پہنا دیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس —

"دوپہر کے وقت جب سورج کی کرنیں چیڑ کے لاتعداد درختوں کے ہلتے سایوں میں سے سبز گھاس پر ایک دلفریب شطرنج سُن دیتے ہیں اور ریوڑ کی آنکھیں نیند کے مارے بند ہو جاتیں، چرواہے اور چرواہیاں اپنے مختلف کھیلوں سے تنگ آ گئے ہوتے اس وقت گلاب کی بنسری کا سُنہری نغمہ بنند کے ماتوں کو ایک میٹھی مدہوشی کے رُوپہلی مرغزاروں میں لے جاتا۔" (نغمے کی موت)

جذبات نگاری میں کرشن چندر کو بڑی مہارت حاصل ہے۔ وہ اپنے کردار کے جذبات کو اتنی پُرکاری سے تراشتے ہیں کہ اس کے خدوخال پوری آب و تاب سے اُبھر آتے ہیں، جذبات نگاری میں کرشن چندر کو ملکہ حاصل ہے۔ یہ اقتباس دو الگ الگ کرداروں کے جذبات کی بڑی عمدہ عکاسی کرتا ہے —

"بوڑھے نمبر دار کی بیوی نے جیسے وہ

ماں کہا کرتا تھا، اس سے کہا۔
' بیٹا تم رات کو ایسی بنسی نہ بجایا کرو۔'
'کیوں ماں؟'
' بیٹا میرا دل دُکھتا ہے، میں کل رات کو مالا پھیر رہی تھی کہ میں نے تمہاری بنسی سُنی اور میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے میں نے سوچا کہ گوکل میں گوپیوں کے درمیان کرشن مُراری اسی طرح بنسی بجاتے ہوں گے۔ بیٹا تم یہ بنسی نہ بجایا کرو۔ لیکن اکثر راتوں میں بنسی کا یہ نغمہ دُرگا کے دل کو بھی بیتاب کر دیتا تھا۔ اور یہ جان کر کہ ان نغموں کا محبوب کون ہے اس کے دل میں ایک نامعلوم سی خوشی گدگدی لیتی' بستر پر لیٹے لیٹے اس کا سارا جسم ٹوٹنے لگتا۔ اُسے اپنے گالوں پر ایک شعلہ سا جلتا ہوا محسوس ہوتا، اور شعلے کی لپک اُس کے کانوں تک پہنچ جاتی اور وہ چاہتی کہ کوئی اُسے اپنے طاقتور بازوؤں میں لے لے اور بھینچ بھینچ کر اُسے اپنے گلے سے لگائے کہ اس کا سانس بند ہونے لگے' لیکن صبح ہوتے ہی اپنے احساس پر شرمندگی اور ندامت سی محسوس ہوتی۔"

کرشن چندر ایک افسانہ نگار ہی نہیں اعلیٰ درجہ کے حقیقت نگار بھی ہیں۔ ان کے افسانوں میں حقیقت اپنے پورے وجود کے ساتھ کھُل کر آتی ہے، اپنے کرداروں کی زبانی حقیقت کو بڑی بے باکی اور بے خطر ہو کر اس طرح کہلواتے ہیں کہ قاری اس میں کرواہٹ اور تلخی سی محسوس کرتا ہے۔

وہ انسانی نفسیات سے بھی اچھی طرح واقف ہیں، انسانی زندگی کا عمیق مطالعہ ان کے افسانوں کی ایک خاص خوبی رہی ہے وہ بڑے جذباتی انداز میں خوشنما رنگوں اور خوبصورت نغموں کی شکل میں زندگی کا خاکہ کھینچتے ہیں، زندگی کے ہر پہلو پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور کہیں بھی چُوکتے نہیں۔

"نغمے کی موت" کے دو کردار 'گلاب' اور 'دُرگا' اپنے پورے تاثر کے ساتھ قاری کے ذہن پر اپنا تغیراتی عکس چھوڑ جاتے ہیں۔ گلاب کی زبانی انھوں نے ان ہی خیالات کی عکاسی کی ہے۔

سماج نے انسانی احساسات کو بہت متاثر کیا ہے اور گمراہ بھی، جب انسان اپنی حیثیت سے بڑھ کر سوچنے لگتا ہے، ایثار و محبت کو دولت و آرائش کے ترازو میں تولنے لگتا ہے' جب وہ خودغرض بن جاتا ہے' اس میں مطلب پرستی آجاتی ہے۔ اسی بات کو کرشن چندر نے دُرگا کی زبانی پیش کیا ہے۔

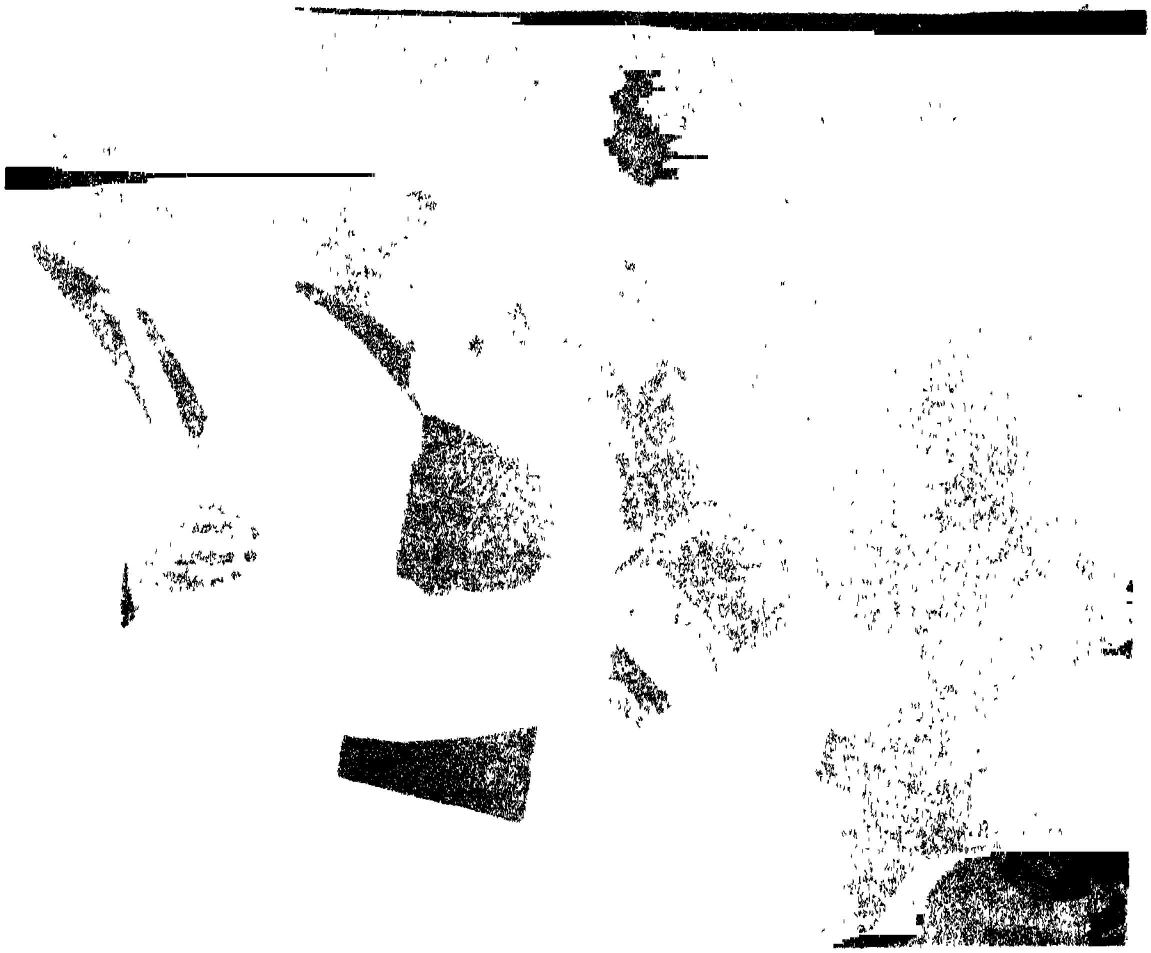
" اب جو تم نے من کی بات پوچھی ہے تو میں بھی سچ سچ کہونگی، تم مجھے اچھے تو لگتے ہو لیکن اتنے اچھے تو نہیں کہ میں تمہارے ساتھ بھاگ جاؤں' اور پھر شادی تو ماں باپ کے بس میں ہے اور میرا خیال ہے تمہاری میری شادی کبھی نہیں ہو سکتی' ایک تو تمہارے ماں باپ کا قضیہ ہے اور پھر بُرا نہ ماننا.... تمہارے پاس نہ زمین، ہے نہ زیور نہ مکان .... کچھ بھی تو نہیں.... بُرا نہ ماننا گلاب.... تم نے من کی بات پوچھی تھی۔" (نغمے کی موت)

ان سطور میں بظاہر بڑی سادگی سے دل کی بات کہی گئی ہے لیکن اپنی جگہ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ کرشن چندر نے اُسے دیہات کی ایک الھڑ، شوخ اور گنوار لڑکی کی زبانی کہلوا کر محبت اور خلوص کے زخموں پر نمک پاشی کر کے سماج کے ان اُصولوں پر ایک کاری ضرب لگائی ہے جہاں اس قسم کے اُصول بنتے ہیں' ان اصولوں کا اثر اعلیٰ طبقے پر ہی نہیں بلکہ نچلے طبقہ پر بھی ہوتا ہے، ورنہ درگا اتنی بڑی بات سوچ سکے یہ کیسے ممکن تھا؟

کرشن چندر نے اپنے قاری کو افسانوں کے رُوپ میں جاندار کردار ہی نہیں دیئے بلکہ حقیقت کو پرکھنے کے انداز بھی بتائے ہیں۔ انھوں نے سوسائٹی کے متبادل حالات کا درس بھی دیا ہے اور زندگی سے قریب بھی لے گئے ہیں۔

کرشن چندر کی ایک خاص خوبی اور وصف اُن کی المیاتی جذبات کی عکاسی بھی ہے۔ ان کے انداز بیان میں انتہا درجہ کی تاثیر ہے۔ قاری کو اپنے کرداروں سے اتنا قریب کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اُسی ماحول کا ایک فرد سمجھنے لگتا ہے۔ 'نغمے کی موت' میں، گلاب کا المیہ قاری کو بہت متاثر کرتا ہے اور قاری کچھ لمحے کے لئے اُس کے بارے میں سوچنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے

" سچ مچ دُرگا کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا پانی میں چلتے چلتے اُسے محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں بے جان ہو گئی ہیں اور وہ خود بھی ایک بے جان



شری ہیرگنا، کرشن چندر، شیام کشن نگم
ایک یادگار تصویر،

[illegible]
[illegible]
اور [illegible] کے اندر
پر سے اتر پڑی اور وہ ایک
دوسرے سے آنکھیں نہ ملا سکے
رات کو مویشی خانے کی دہلیز پر
بیٹھے بیٹھے اس نے اپنی بنسری
کو کئی بار اٹھایا لیکن وہ اُسے
لبوں تک نہ لے جا سکا اور اسے
احساس ہوا کہ اس بنسری میں
کوئی نغمہ باقی نہیں ہے۔"
(نغمے کی موت)

اس افسانہ کا مطالعہ کرتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کرشن چندر حقیقتوں کے ترجمان ہیں مظلوموں کے سچے دوست اور ہمدرد ہیں، ان کی تحریر [illegible] ہے، کرشن چندر نے اپنے افسانوں کے ذریعہ سماج کی اصلاح کا بہت بڑا فرض ادا کیا ہے، ان ہی خصوصیات نے کرشن چندر کے افسانوں کو اونچا اٹھایا ہے انھیں ایک بڑا فنکار، ایک عظیم افسانہ نگار اور بین الاقوامی شہرت کا مالک بنایا ہے، ان کی ادبی خدمات اُردو ادب کے لئے ایک گنج گراں مایہ سے کسی طرح کم نہیں۔

تبصرے

نوح ناروی - حیات اور شاعری

نوح ناروی کی حیات اور شاعری پر ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر نے اپنا تحقیقاتی مقالہ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کی مالی اعانت سے شائع کیا ہے۔

اس حقیقت سے انحراف نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کے اس عظیم شاعر پر جس پر کہ دلی کی ٹکسالی زبان کو ناز ہے، بہت کم لکھا گیا ہے اور جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ بکھرے ہوئے اوراق میں ہے اور کسی طرح بھی ان کی سوانح اور شاعری پر روشنی نہیں ڈال پاتا۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام نے بڑی کاوشوں سے اور بڑی جد وجہد و طویل سفر اختیار کر کے نوح ناروی کے حالات کی زندگی کے حالات جمع کئے۔ اور ان کے عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کی اور مستند حوالے تلاش کر کے اس کتاب میں شامل کر کئے جس سے کتاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ نوح ناروی کا وطن جیسا کہ ہم سب ہی جانتے ہیں 'نارہ' ہے، جس سے متعلق نوح کا ایک شعر ہے ؎

جو آنا ہے اے نوح اُن کو تو آئیں
وہ رستہ، طرف، فاصلہ کچھ نہ پوچھیں
چلیں ریل پر اور پہنچیں سراتھو
سراتھو سے نو میل دکھن ہے نارہ

اس شعر میں نوح سراتھو سے نارہ کا فاصلہ نو میل بتلاتے ہیں مگر ڈاکٹر ظفر الاسلام نے اس فاصلے کو دس میل بتلایا ہے ممکن ہے کہ صحیح فاصلہ دس میل ہی ہو مگر دل میں ایک کریدسی باقی رہ جاتی ہے کہ صحیح فاصلہ نو میل ہے یا دس؟

جہاں تک نوح ناروی کی زندگی سے متعلق حالات تحریر کئے گئے ہیں وہ دلکش بھی ہیں اور معلوماتی بھی۔ حالانکہ نوح ناروی کے مورث اعلیٰ کے بارے میں جاننے کے لئے دل میں خلش باقی رہ جاتی ہے۔ نوح ناروی بچپن ہی میں پدرانہ شفقت سے محروم ہو گئے تھے جس کی وجہ سے اُن کی تعلیم و تربیت پر بھی بہت اثر پڑا۔ جائیداد کے لئے خاندانی جھگڑوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی، مگر نوح ناروی کی خداداد صلاحیت تھی کہ انھوں نے اپنی زمینداری کا کام خود سنبھالا اور با کمال منصفانہ طور پر اسے انجام دیتے رہے۔ اور پھر آخر وقت تک خوش حالی کی زندگی بسر کرتے رہے ؎

مجھ کو آرام دیا، عیش دیا، رزق دیا،
نوح ناچیز پہ احسان ہے کیا کیا اس کا

نوح کی شاعری پر داغ کا گہرا رنگ نظر آتا ہے ممکن ہے اس کی وجہ داغ کا مشفقانہ برتاؤ ہو، یا پھر شاگرد نوح کے دل پر اُستاد کی بزرگی اور محبت اثرانداز ہو گئی ہو۔ حالانکہ داغ کی شاعری کو انقلابی شاعری نہیں کہا جا سکتا، مگر انقلابی شاعری کی تحریک ضرور نمایاں ہوتی ہے۔ نوح کے اشعار میں اکثر مقامات پر انقلابی رنگ جھلکتا ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام نے اپنی اس تصنیف سے ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اس مقالے پر انھیں بمبئی یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی ملی ہے۔ یہ تصنیف سادگی میں بھی بڑی دلکش ہے۔ طباعت کے فرائض رحیمی پریس بمبئی ۸ نے بخوبی ادا کئے ہیں۔ سولہ روپے میں آپ اس نادر تخلیق کو مکتبہ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳ سے خرید یا منگوا سکتے ہیں۔

اعراض

حضرت ادیب مالیگانوی کی فنی صلاحیتوں سے صحیح معنوں میں مستفیض ہونے والوں میں رئیس مالیگانوی ہی ایک ہیں۔ رئیس صاحب نے مشق سخن پر خاص طور سے توجہ دی اور اپنے اطراف کے ماحول کو اپنے اشعار میں سمو کر عوام سے خراج تحسین وصول کر رہے ہیں۔ اس مجموعہ کلام 'اعراض' سے پہلے رئیس صاحب کا کلام اکثر رسالوں اور اخبارات کے ذریعہ پڑھا اور سراہا گیا۔ کتابت اور طباعت ہر لحاظ سے یہ گلدستہ بڑا خوبصورت ہے اور علمی عملی کوششوں کا ایک عمدہ ثمر ہے جناب عبدالمجید سرور صاحب نے "ارتسام" میں رئیس صاحب کا تعارف کرایا ہے جو انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔

جہاں تک اس مجموعے کلام کی غزلوں کا تعلق ہے اس میں یہ امر قابل توجہ ہے کہ

رئیس صاحب نے اپنے اشعار کو سادہ الفاظ کا جامہ پہنایا ہے جس سے شعر نہ صرف بامعنی بلکہ اپنی وسعتوں میں اور بڑھ جاتا ہے۔ اور یہی علامت ایک اچھا شعر ہونے کی دلیل ہے۔ نئی تہذیب اور نئی ادبی راہوں سے بے نیاز ہو کر رئیس نے اپنے خیالات اور اپنے اشعار کو ان سے اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ وہ سیدھے سادے لہجہ میں اپنا مدعا بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ اور یہی طرز بیان قابلِ ستائش ہے۔ بمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

مقتل سے لوٹتے ہوئے کس سادگی کے ساتھ
قاتل بھی میرے، دادِ وفا دے گئے مجھے

آئے تھے بانٹنے کے لئے زندگی کے غم،
دامن میں اپنے اشکوں کی خیرات لے گئے

آج کا کام یہی سب سے بڑا ہے کہ رئیس
آبرو اپنی زمانے میں بچالی جائے

"اعراض" میں جتنی بھی غزلیں شامل کی گئی ہیں، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ مجموعہ کلام مالیگاؤں میں "بزمِ جمال" مومن پورہ سے دس روپے میں دستیاب ہو سکتا ہے۔ رئیس مالیگانوی اس مجموعے کلام کی اشاعت پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ناچ رِی گڑیا

ظفر گورکھپوری کبھی کبھی بچوں کے شاعر نہیں رہے۔ انھوں نے ہمیشہ اپنے اشعار سے نوجوانوں کے بلند عزائم کو مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے اور ان مقامات پر جہاں ملک، قوم یا فرد کے افعال میں جھول پاتے ہیں اپنی فرض شناسی کو بروئے کار لاتے ہوئے بے جھجک ٹوک دیتے ہیں۔ اور یہی بے باکی ان کے کلام کی جان ہے۔

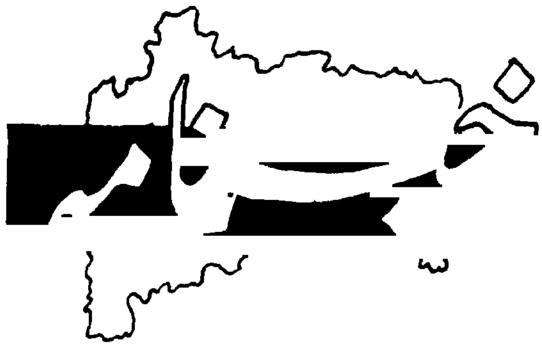
"ناچ رِی گڑیا" کا انتساب انھوں نے "چاچا نہرو کے پیارے کروڑوں ہندوستانی بچوں کے نام" کیا ہے۔ بچوں کے ادب میں نظموں، غزلوں اور کہانیوں کی جس قدر کمی ہے اس کا احساس تو بہت کچھ ہے مگر عملی طور پر بہت کم کام ہو رہا ہے۔ ظفر گورکھپوری نے بڑی ہمت سے کام لے کر بچوں کو یہ تحفہ پیش کیا ہے "ناچ رِی گڑیا" میں مختلف موضوعات پر نظمیں ہیں اور ہر نظم بچوں کے شعور کو بلند کرنے کے لئے اپنے اندر ایک پیغام رکھتی ہے۔ یہ نظمیں نہ صرف بچوں کے لئے ہیں بلکہ بڑے آدمی بھی اس سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ سرورق خوبصورت ہے۔ اس کی طباعت کی خوبصورتی اُردو رپورٹر آفسیٹ پریس کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مہاراشٹرا اسٹیٹ اُردو اکادمی نے اس کی اشاعت میں مالی تعاون کیا ہے۔ ۲ روپے پچاس پیسے میں یہ کتاب مصنف سے ۴۰۳ ۔ اے۔ آئی۔ پاروے چال، ہال روڈ، کرلا، بمبئی ۷، سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

پاکٹ ٹرانزسٹر ریڈیو

عثمان عاجز نے صحافی ہوتے ہوئے بھی صحافت کو اپنا ذریعۂ معاش نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اپنے ٹیکنیکل فن سے ادب میں ٹیکنیکل کتابوں کی کمی کو پورا کرنے میں منہمک ہیں۔ پاکٹ ٹرانزسٹر ریڈیو ان کی اس صنف میں پہلی تصنیف ہے جو ہر لحاظ سے مکمل اور معلوماتی ہے۔

اس چھوٹی سی کتاب میں عثمان عاجز نے ٹرانزسٹر کی ایجاد اور اس میں استعمال ہونے والے پُرزوں کی تشریح کی ہے۔ بغیر بیٹری کا ٹرانزسٹر ریڈیو کس طرح ایک عام آدمی تھوڑی سی معلومات حاصل کر کے بنا سکتا ہے یہ اس کتاب میں سمجھایا گیا ہے۔ بعض پیچیدہ باتوں کو نقشے کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب اپنی ضخامت کے لحاظ سے مختصر ہے مگر معلوماتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس فن پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب یو۔ ایم۔ اے ریڈیو ۱۰۲ - ۹۲، ایم۔ ایس علی روڈ، کارنر۔ ٹینک اسٹریٹ، بمبئی ۸ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ ●●

مضمون نگار
... سے گزارش ہے کہ اپنے مسودے صاف ستھرے (خوشخط) اور کاغذ کے صرف ایک طرف لکھے ہوئے مرحمت فرمایا کریں۔



کینسر کے لئے آیورویدک علاج

لارنکس، اوسوفیگس اور لیوکیمیا (خون کا کینسر) جیسے کینسر میں مبتلا مریض مفت علاج کے لئے ایم۔ اے۔ پودار آیورویدک اسپتال میں مدستور داخل کئے جائیں گے۔

متذکرہ اقسام کے کینسر میں مبتلا مریضوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ علاج کے لئے ایم۔ اے۔ پودار ہسپتال، ڈاکٹر اینی بسنٹ روڈ، ورلی، بمبئی ۱۸...۴ پر پیر اور جمعرات کے روز دوپہر ڈھائی بجے سے ساڑھے چار بجے تک وید، کے۔ این۔ مہتہ ڈین یا وید ایس۔ کے اچاریہ، وید انچارج کینسر وارڈ سے ملاقات کریں۔

آگ سے بچاؤ کی تربیت

شری اٹل، ایچ، شاہ، فنانشل ڈائرکٹر، میسرز کودرجی دیوشی اینڈ کمپنی لمٹیڈ، فائر انجینئرز، اردن چیمبرس، تاردیو بمبئی نے حال ہی میں مختلف صنعتوں اور دفاتر کے ۳۲ تربیت یافتگان کو سرٹیفکیٹ دیئے جنھوں نے سول ڈیفنس انسٹی ٹیوٹ کالج کراس میدان، دھوبی تالاب، بمبئی میں آگ سے بچاؤ کے متعلق دو ہفتہ کا تربیتی کورس مکمل کیا تھا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری شاہ نے کہا کہ انھوں نے اس مختصر کورس کے دوران جو ابتدائی تربیت حاصل کی ہے وہ آئندہ آگ پھیلنے سے قبل ہی اس پر قابو پانے میں ان کے لئے بے حد مددگار ثابت ہوگی۔ اس قسم کی تربیت پانے والے اشخاص صنعتوں کے لئے یا جہاں پر بھی ہوں آگ سے تحفظ کے کام میں بہت کارآمد ہوتے ہیں۔

آغاز میں بریگیڈیر، بی۔ جی۔ دیوسکر ڈائرکٹر آف سول ڈیفنس مہاراشٹر اسٹیٹ نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

شرکت کرنے والے رضاکاروں نے آگ بجھانے کا عملی مظاہرہ کیا۔

ستارا میں چھوٹی بچت

ضلع ستارا نے ۷۷-۱۹۷۶ء سال کے دوران چھوٹی بچت میں ۶۲ء۱ کروڑ روپے کی رقم جمع کی۔ جبکہ اس کا مقررہ نشانہ ۱٫۵ کروڑ روپے کا ہی تھا۔

اس رقم میں سے ۴۵ لاکھ روپے ڈاک گھر بچت بنک کھاتے میں اور بقیہ رقم ٹائم ڈپازٹ کھاتے، ریکرنگ ڈپازٹ کھاتے اور سات سالہ قومی بچت سرٹیفکیٹ میں جمع کی گئی۔

کاشت کاروں کو ۵ کروڑ روپے کا قرض

ستارہ ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو سنٹرل بنک نے ۵ کروڑ روپے سے زیادہ کی رقم کاشت کاروں کو بطور عام فصلی قرض کے طور پر دی۔

ضلع میں کل ۷۵۴ کوآپریٹیو سوسائٹیوں میں سے بنک نے ۲۷۱ سوسائٹیوں کو مالی امداد دی ہے۔ اس ماہ کے اختتام تک دیگر سوسائٹیوں کے لیے بھی قرض منظور کر دیا جائے گا۔

بنک کاشت کاروں کو ۱۰ کروڑ روپے تک سرمایہ بہم پہنچائے گا۔

شریمتی مول گاؤنکر کا عطیہ

شریمتی لیلا مول گاؤنکر، سابق شریف بمبئی نے ۱۵۰ روپے کی رقم بلڈ بنک ایسوسی ایشن کو بطور عطیہ دیدی جو انھیں ایک پندرہ روزہ رسالہ میں ان کے مضمون کی اشاعت پر ملی تھی۔

وزیر اعلیٰ فنڈ میں عطیات

شری نول ٹاٹا نے سر دوراب جی ٹاٹا ٹرسٹ، سر رتن ٹاٹا ٹرسٹ اور سر جے۔ آر، ڈی ٹاٹا ٹرسٹ کی جانب سے ۳۰ مارچ ۱۹۷۷ء کو مبلغ ایک لاکھ روپے کا عطیہ وزیر اعلیٰ کے راحت فنڈ میں دیا۔

ایگزیکٹیو انجینیر، چھوٹی آب پاشی حلقہ بھنڈارہ نے ۲۲۱ روپے کی رقم وزیر اعلیٰ کے "سیلاب راحت فنڈ" میں بطور عطیہ دی۔

سرکاری فیصلے اور اعلانات

جوار، گیہوں پر پابندی ختم

حکومت ہند نے پورے ملک میں گیہوں کی نقل و حمل پر سے پابندی ہٹادی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح مہاراشٹر بھر میں مناسب قیمتوں پر گیہوں کی دستیابی اور بڑھ جائے گی۔

لہٰذا ریاستی حکومت نے فوری طور سے صرف ریلوں کے ذریعہ بمبئی راشننگ علاقے میں گیہوں اور جوار کی نقل و حمل پر سے موجودہ پابندی ہٹا دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب متذکرہ اناج بمبئی راشننگ علاقے میں سڑکوں کے راستے سے بھی لایا جا سکتا ہے۔

آر۔ ٹی۔ او۔ کے تین زون

بمبئی میں واقع ریجنل ٹرانسپورٹ آفس کو وسطی، مشرقی اور مغربی زون میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

وسطی زون قلابہ سے ماہم نیز قلابہ سے سائن تک ہوگا جس کا دفتر موجودہ مقام پر یعنی اولڈ باڈی گارڈ لائینز، تلسی واڑی، بمبئی میں ہی واقع ہے۔

مغربی زون باندرہ سے دہیسر اور مشرقی زون چیمبور سے ملنڈ اور کرلا سے مانخورد تک موٹر رانوں کے معاملات طے کرے گا۔

مغربی اور مشرقی زون کے دفاتر ٹرانسپورٹ سروس پوچھ کھانہ والا روڈ، ورلی بمبئی میں ہوں گے۔ موٹر ران حضرات متعلقہ دفاتر میں اپنے کام کے لیئے صبح دس بجے اور شام کے پانچ بجے کے درمیان آ سکتے ہیں۔

شکایات کی سماعت

ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج، بلارڈ اسٹیٹ بمبئی، روزگار کے طالب امیدواروں کی شکایات کی سماعت کرے گا۔ اس مقصد کے لیے ایک خصوصی افسر مقرر کیا گیا ہے۔ جو کہ ہر روز (پیر کے سوا) دوپہر ۲ بجے سے ساڑھے تین بجے تک شکایات کی سماعت کرے گا۔

ہر پیر کے روز دیگر افسران شکایات سننے کا کام باری باری انجام دیں گے۔

بلند عمارتوں کی تعمیر کی اجازت

حکومت مہاراشٹر نے ۲۰ میٹر سے اونچی عمارات کی تعمیر پر عائد پابندی ہٹالی ہے۔

مفت قانونی امداد

اگست ۱۹۷۶ء میں جاری کردہ لگان داری ایکٹ کے تحت قانونی کارروائی میں غریب اہل مقدمہ کو مفت قانونی امداد دینے کی اسکیم ۱۹۷۷-۷۸ء میں بھی جاری رکھی جائے گی۔

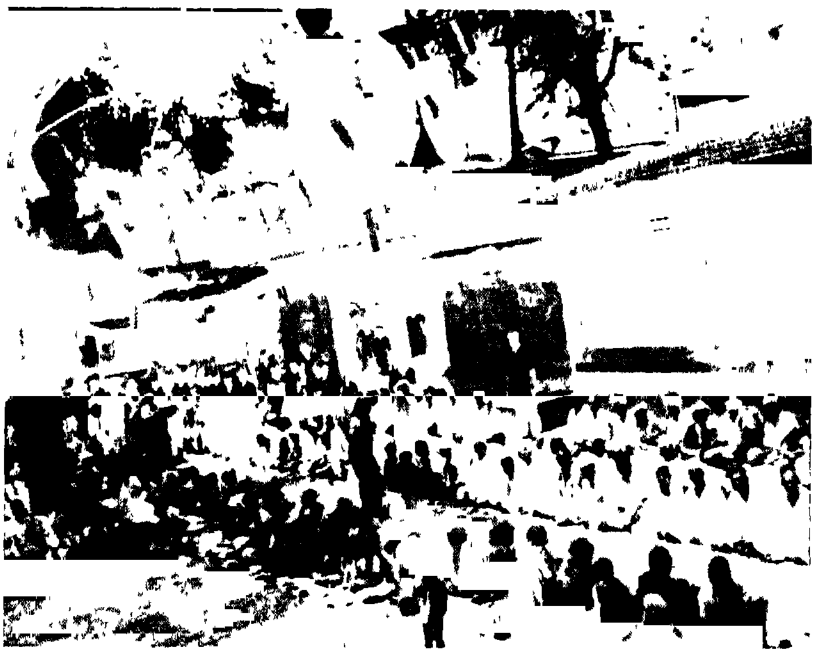
سائیکل رکشاؤں میں موٹر انجن

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ سائیکل رکشاؤں میں ان کے مالکان موٹر انجن لگا سکیں موجودہ سائیکل رکشا لائسنسوں کی تجدید محض آئندہ دو سال کے لئے کی جائیگی۔ نئے لائسنس محض موٹر انجن لگے ہوئے سائیکل رکشا کے مالک۔ ڈرائیور کے نام جاری کئے جائیں گے۔

دو سال کی مدت کے دوران موجودہ سائیکل رکشا لائسنس کے بدلے موٹر دار سائیکل رکشا لائسنس جاری کئے جائیں گے۔ اس سلسلے میں موجودہ رکشا کھینچنے والوں کی تشکیل کردہ کوآپریٹیو جماعتوں اور مالکان۔ ڈرائیور۔ کو فوقیت دی جائیگی۔

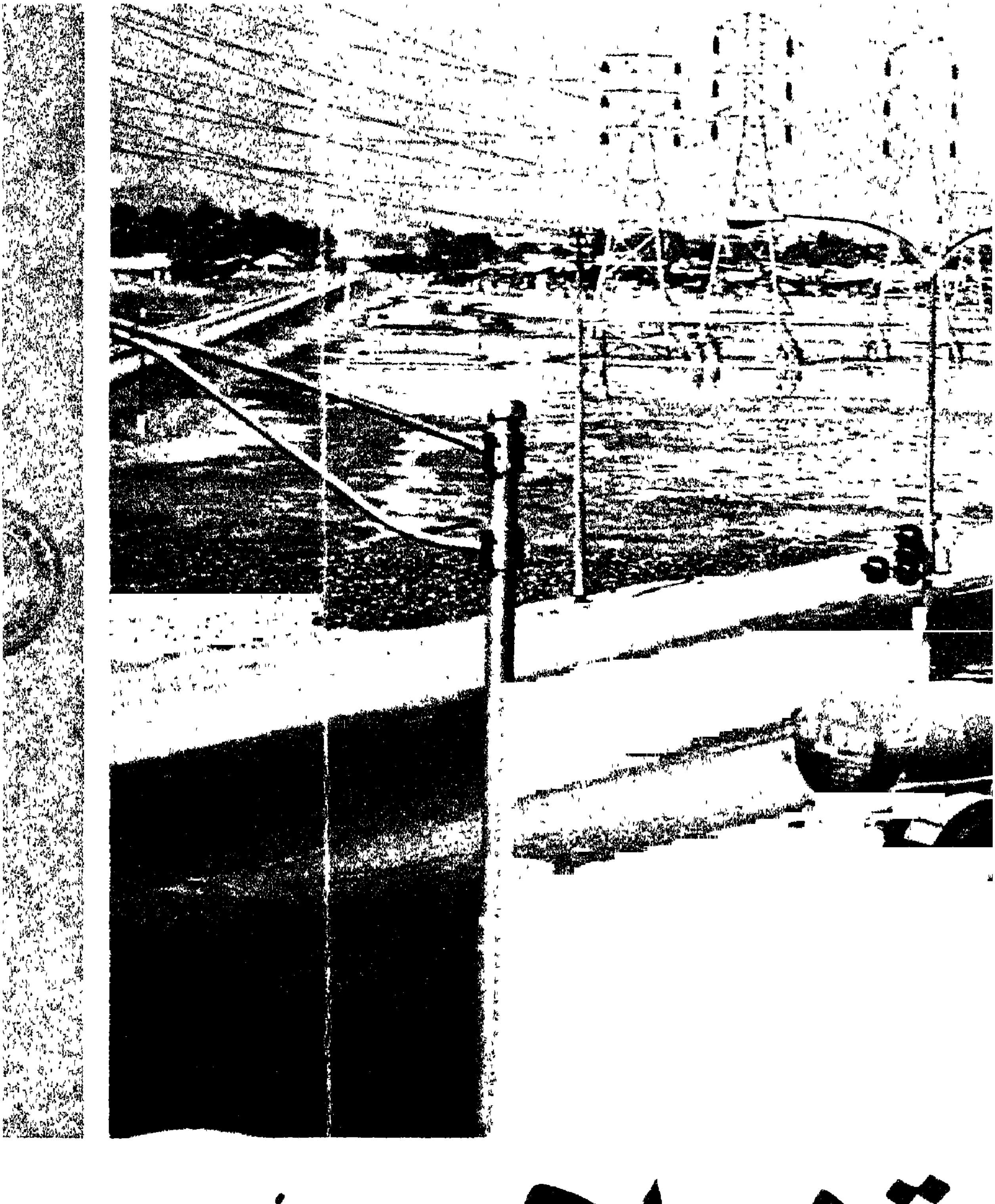
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

چھوت چھات سے پاک دسترخوان



سماجی زندگی میں ایسے کچھ واقعات ہوتے ہیں جن سے آدمی سے آدمی کی نفرت مٹ جاتی ہے اور ان کے دل میں دوستی اور محبت کا پودا پروان چڑھتا ہے۔ ایک ساتھ مل کر کھانا ایک ایسا خوش آئند موقع ہے۔ گاؤں گاؤں میں ایسی عام دعوتوں سے چھوت چھات مٹ رہی ہے۔


ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی
میں چھپوا کر شائع کیا۔



قومی راج

یوم مہاراشٹر نمبر

یکم مئی ۱۹۷۷ء





مہاراشٹر کے سترہ سال

محترم قارئین،

ہم قومی راج نئی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس میں بالخصوص حفظانِ صحت، رہنمائی صارفین، گوشۂ خواتین، یوتھ فورم عام دلچسپی کے ایک دو مضامین نیز کامیابی کی کہانی مستقل طور سے شامل رہے گی۔ تصادیر کے ساتھ ریاستی خبریں شائع کی جائیں گی۔ مزید برآں خصوصی مضامین میں اضلاع، شہروں اور قصبات کے حالات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ "اپنا قانون جانئے" اس عنوان کے تحت نئے یا متنازع قوانین پر بحث کی جائے گی۔ ان کے علاوہ ایک اور خاص مضمون ہوگا جس میں سرکاری سرگرمیوں کے خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ آپ دیکھیں کہ بیشتر مضامین متعلقہ میدان میں ماہرین اور غیر جانبدار صحافیوں نے لکھے ہیں۔

'سوال و جواب' کالم میں ہم اپنے قارئین کے معقول سوالات اور ان کے مسائل کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔ 'قارئین کی رائے'، اس کالم میں ہم 'قومی راج' کے نئے رُوپ کے بارے میں آپ کی بے باکانہ رائے اور مشورے کے طالب ہیں۔ ہم تمام قارئین کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ان کی صائب رائے پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے تاکہ 'قومی راج' کے بارے میں ہم اور آپ دونوں ہی مطمئن ہوسکیں۔

چیف ایڈیٹر

چیف ایڈیٹر:
ڈی۔ مہتا
ایڈیٹر:
ریاض احمد خاں
سب ایڈیٹر:
عبدالوحید خاں جامعی

سالانہ قیمت:
دس روپے
قیمت فی پرچہ:
۵۰ پیسے

ہر ماہ کی
یکم اور ۱۶ تاریخ کو
شائع ہوتا ہے

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومتِ مہاراشٹر، منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ نے شائع کیا۔

یوم مہاراشٹر نمبر

قومی راج

جلد ۴ • شمارہ نمبر ۸

یکم مئی ۱۹۷۷ء

زیر نگرانی: خواجہ عبدالغفور آئی اے ایس

ترتیب:

قارئین کی رائے

ہم نے اپنے قارئین کے نام ایک سوالنامہ جاری کیا تھا تاکہ یہ جان سکیں کہ 'قومی راج' میں پیش کردہ خبروں اور مضامین کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے اور کس قسم کا مزید مواد وہ اس میں شامل کرانے کے خواہش مند ہیں۔ ہم یہاں وہ جوابات شائع کر رہے ہیں جو ہمارے دو قارئین شری شفیق احمد ڈانگے اور مومن محمد حسین نے بھیجے ہیں۔ ہم پھر سب ہی قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کریں۔

قارئین اور خریداروں کے نام سوالنامہ

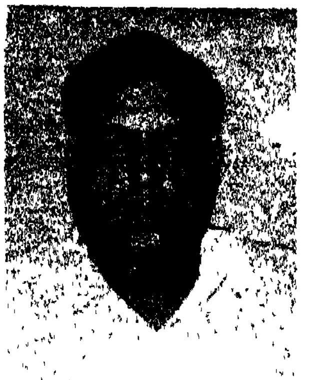
۱۔ نام اور پتہ
۲۔ پیشہ اور آمدنی
۳۔ عمر
۴۔ جنس
۵۔ رسالہ میں آپ کو خصوصاً کون سا مواد پسند ہے؟
۶۔ آپ کے خیال میں 'قومی راج' میں شائع شدہ کون سا مضمون دلچسپ ہے اور کیوں؟
۷۔ کیا آپ نے کبھی اپنے دوست احباب سے اس رسالہ کی سفارش کی؟
۸۔ کیا آپ نے اپنی گھریلو لائبریری کے لئے قومی راج کا کوئی شمارہ محفوظ رکھا ہے؟
۹۔ حوالہ اور ریکارڈ کے مقصد سے رسالہ کہاں تک مفید ہے؟
۱۰۔ کس قسم کے نئے مضامین آپ رسالہ میں شائع کرانے کے خواہشمند ہیں؟
۱۱۔ کیا آپ کوئی مشورہ دے سکتے ہیں، جس سے ہمارا مضامین اور خبریں پیش کرنے کا طریقہ اور بہتر ہو؟
۱۲۔ ہمارے سرورق کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟
۱۳۔ کیا کوئی خاص کہانی، افسانہ یا ... حاضرہ پر ادبی مضمون آپ ... پسند کریں گے؟
۱۴۔ کیا آپ اس رسالہ میں مضامین / تصاویر وغیرہ دینا چاہتے ہیں؟
۱۵۔ کیا آپ آئندہ سال کے لئے بھی خریدار بننا چاہتے ہیں؟

شری شفیق احمد ڈانگے کا جواب

۱۔ شفیق احمد ڈانگے، لائبریرین، مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر، مہاتما گاندھی میموریل بلڈنگ، نیتاجی سبھاش روڈ، ممبئی ۴۰۰۰۰۲
۲۔ لائبریرین، ۰۰۰،۱ روپے
۳۔ ۳۸ سال
۴۔ مرد
۵۔ ترتیب، معیار، صفِ مضمون۔
۶۔ ریسرچ اور علمی مضامین۔
۷۔ جی ہاں۔ میں نے اپنے دوستوں سے سفارش کی ہے۔
۸۔ میں نے اپنی گھریلو لائبریری کے لئے دو شمارے 'تامبے' اور 'گیانیشور' محفوظ رکھے ہیں۔
۹۔ یہ ان اشخاص کے لئے مفید ہے جو خصوصاً علوم انسانی اور تہذیبی پس منظر کے تعلق سے مہاراشٹر پر ریسرچ میں لگے ہیں۔
۱۰۔ مہاراشٹر کے تاریخ دانوں مثلاً ھڈار ... (کو بھی) ... وغیرہ پر خاص مضامین ہونا چاہئیں۔
۱۱۔ میں کوئی خاص مشورہ دینے کے ... نہیں
۱۲۔ سرورق بالکل ٹھیک ہے۔
۱۳۔ جی ہاں۔ میں عباسیوں کے ... کونکنی (۱۶۵۹ تا ۱۸۹۰ء) پر مضمون نسط وار پڑھنے کا خواہاں ہوں۔
۱۴۔ جی ہاں۔
۱۵۔ آپ کے رسالہ کے لئے فی الحال چندہ بھیج چکا ہوں۔

مومن محمد حسین کا جواب

۱۔ مومن محمد حسین، ۲/۸۴، ... ، بھیونڈی، ضلع تھانے۔
۲۔ ٹیچر۔ ۳۵۶ روپے
۳۔ ۲۴ سال
۴۔ مرد
۵۔ معاشی اور سائنسی خبریں۔
۶۔ ... معاشی اور فنی مضامین کیونکہ ... ترقی کا ذریعہ ہیں۔
۷۔ جی ہاں۔ بہت سے دوستوں سے۔
۸۔ جی ہاں۔
۹۔ ... قوانین و ضوابط، شاعروں اور ادیبوں کی زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے میں خصوصاً مفید و معاون ہے۔ مشہور و معروف ہستیوں اور ترقیاتی سرگرمیوں سے متعلق خاص نمبر ریکارڈ کے مقصد سے محفوظ رکھنے کے لائق ہیں۔
۱۰۔ سائنس اور ٹیکنالوجی پر خاص مضامین
۱۱۔ قومی راج کو حسین اور رنگین بنانا چاہئے سوال و جواب کا کالم اور قلمی دوستی کے لئے ایک صفحہ رکھا جائے تو بہتر ہے۔
۱۲۔ یہ مختلف رنگوں میں اور رسالہ کے متن سے منسوب ہونا چاہیئے۔
۱۳۔ افسانہ یا سسپنس کہانی پسندیدہ ہیں۔
۱۴۔ ہیں مضامین دینا چاہتا ہوں۔
۱۵۔ جی ہاں۔



ہمارے نئے وزیر اعلیٰ

شری وسنت راؤ پاٹل امداد باہمی تحریک کے زبردست حامی اور علمبردار ہیں۔ آپ نے آنجہانی ڈاکٹر دھانن جے راؤ گاڈگل اور شری وِکھے پاٹل کے دوش بدوش ریاست میں اس تحریک کو فروغ دینے کے لئے بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ آپ لوگوں میں وسنت دادا کے نام سے مقبول ہیں۔ آپ نے مہاراشٹر کے دیہی علاقے خصوصًا مغربی مہاراشٹر کا نقشہ بدل دیا جہاں آج جگہ جگہ کوآپریٹیو سیکٹر میں، شکر کارخانے، اسپنگ مِل، اور آئل مِل بکھرے ہیں۔ آپ نے امدادِ باہمی ہی کے ذریعہ ریاست کے بڑے خطے کو سبز انقلاب سے ہمکنار کیا۔

عوام کے سچے ہمدرد اور مخلص خادم شری وسنت دادا نے سدا عوام ہی کی جمانی کی اور انھی کی بھلائی کی خاطر سرگرم مل رہے۔ نہ جانے کتنے لوگ ہیں جن کی ظریں پدرانہ شفقت، نصیحت اور رہنمائی کے لئے انھی پر اُٹھتی ہیں۔

شری پاٹل، ۱۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو ضلع ستارا میں واقع مڈمالا نامی چھوٹے سے بہات میں پیدا ہوئے۔ آپ نوجوانی ہی سے انڈین نیشنل کانگریس کے رکن رہے۔ ۱۹۴ء میں آپ کو انفرادی ستیہ گرہ کے لئے نا گیا اور آپ نے چھ ماہ کی سزائے قید جھیلی۔ ۱۹۴۲ء میں 'ہندوستان چھوڑ دو تحریک' کے دوران شری پاٹل کی تنظیمی صلاحیتیں اُبھریں اور آپ نے رُو پوش ہو کر لوگوں کے دلوں میں بدیسی حکمرانوں کے خلاف بغاوت پیدا کی۔ ایک دفعہ شری پاٹل اور ان کے ساتھی ۱۹ رائفلیں اٹھا کر بچ نکلنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ایک گولی اُن کے کندھے پر لگی۔ آپ پھر گرفتار کر لئے گئے۔ اور ۱۳ سال کے لئے سزائے قید بامشقت دی گئی۔ آزادی کے بعد ہی آپ کی رہائی عمل میں آئی۔

آزاد ہندوستان میں شری پاٹل اپنی تنظیمی صلاحیت اور مہارت کے ساتھ امداد باہمی تحریک کو فروغ دینے میں لگ گئے۔ آپ کی زیرِ قیادت کسانوں میں اعتماد کال ہوا اور وہ مِل کر پوری قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہوئے۔

شری پاٹل نے زرعی و صنعتی سماج کا پیغام دُور دُور تک پہنچایا۔ کاشتکار اور عام آدمی کی بھلائی کی خاطر مخلص اور پُرجوش کارکنوں کی ایک بڑی جمعیت تیار ہو گئی۔ اس کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ سانگلی میں ایک منڈی (مارکیٹ یارڈ) کا قیام شری پاٹل کی پہلی زبردست کارگزاری ہے۔ کسانوں کی یہ معمولی مانگ کے ان کی پیداوار ٹھیک سے تولی جائے اور مناسب نگرانی میں فروخت کی جائے، منوانے کے لئے آپ کو سخت جدوجہد کرنا پڑی۔ اسی زمانے سے شری پاٹل نے ستارا اور سانگلی اضلاع میں پوری شدت اور تیزی سے امداد باہمی تحریک چلائی۔ آپ متعدد امداد باہمی جماعتوں مثلاً زراعتی امداد باہمی جماعتوں، مارکیٹ کمیٹیوں، کوآپریٹیو ڈسٹلریز، سہاکا سیمنٹ کارخانہ، سہاکار بنک، ڈسٹرکٹ لینڈ ڈیولپمنٹ بنک، کوآپریٹیو اسپننگ مِل، کوآپریٹیو پولٹری فارم اور کوآپریٹیو شوگر کارخانوں سے وابستہ رہے۔ آپ ہی کی تحریک پر سانگلی اور میرج میں انڈسٹریل کوآپریٹیو اسٹیٹس کا قیام عمل میں آیا۔

آپ ہی کی حوصلہ افزائی سے سانگلی میں ایک صنعتی تربیتی ادارہ قائم ہوا تاکہ قائم ہونے والے متعدد کارخانوں کے لئے ماہر

قائم مقام گورنر شری آر۔ ایم کانٹا والا ۱۷ اپریل ۱۹۷۷ء کو راج بھون میں شری وسنت دادا پاٹل سے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے عہدے کا حلف لے رہے ہیں۔



سرورق کے صفحہ ۲ پر :

اُوپر : مہیلا آرتھک ویکاس مہامنڈل کی مددگار خواتین گڑیاں بناتے ہوئے۔
نیچے : تھانے ضلع میں واقع دیچیری ڈیری پروجیکٹ میں برسر کار ایک کسان کنبہ۔

ورکروں اور ٹکنیکل افراد کو تربیت دی جا سکے۔ شری وسنت دادا پاٹل مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹو بنک کے چیرمین اور آل انڈیا کوآپریٹو شوگر ملز فیڈریشن کے صدر بھی رہے۔

آپ نے مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے اس کی قیادت کی۔ آپ راشٹریہ مل مزدور سنگھ، ممبئی کے بھی صدر رہے، اور اس زمانے میں مزدور تحریک کو بڑی تقویت پہنچائی۔ آپ کو ۱۶ مارچ ۱۹۷۲ء کو مہاراشٹر کابینہ میں بحیثیت وزیر سینچائی اور بجلی شامل کیا گیا۔ اور فروری ۱۹۷۵ء تک آپ نے بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام دیئے۔

●●

ہم بھی ہیں مُشتاق...

ایک باخبر شہری کی طرح آپ یہ جاننے کے مُشتاق رہتے ہیں کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ اس شوق کی تسکین کے لئے آپ روزانہ بڑے غور سے اخبار کا مطالعہ کرتے ہیں، ٹی وی کھول کر پروگرام دیکھتے ہیں یا ریڈیو سُن کر اپنی معلومات بڑھاتے ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے چھوٹی بچت اور ریاست مہاراشٹر لاٹری کے موضوعات پر آل انڈیا ریڈیو کے تجارتی شعبہ یعنی وِودھ بھارتی سے پروگرام نشریات کا اہتمام کیا ہے۔

ہر منگل — ہر جمعرات

مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری پروگرام، ہر منگل کو ۹ بجے شب اور چھوٹی بچت پروگرام ہر جمعرات کو لو نے نو بجے شب نشر کیا جاتا ہے۔ یہ پروگرام آل انڈیا ریڈیو کے ممبئی، پونے اور ناگپور اسٹیشنوں سے سُنا جا سکتا ہے۔

یہ پروگرام معلومات اور دلچسپی سے بھرپور ہوتے ہیں۔ بہرحال ہمیں یہی کھوج ہے کہ یہ کہاں تک مقبول ہیں۔

آپ ہی کی طرح 'ہم بھی ہیں مُشتاق...' یہ جاننے کے لئے کہ مواد، موضوع اور پیش کش کے بارے میں آپ کا ردعمل اور تاثر کیا ہے۔

• سری رام تریکانند

ہمارے نئے وزیر اعظم

شری مُرارجی دیسائی



ملک کے وزیر اعظم کی حیثیت سے شری مُرارجی دیسائی نے پہلی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا " سچائی اور بھگوان پر مجھے پورا وشواس ہے۔ یہی میری زندگی کا اُصول ہے. میں خود کو لوگوں کا سیوک سمجھتا ہوں جنھوں نے مجھے اس اُونچے عہدے کے لئے چُنا ہے. یہ ایک مثالی بیان ہے، قدرے مختلف بھی جو وزیر اعظم ہند کی حیثیت سے حلف اُٹھاتے ہی دیا گیا ہے۔ بہر صورت یہ مرارجی دیسائی کی شخصیت اور اُن کے خاص مِزاج کا مظہر ہے جنہوں نے اپنی پوری عوامی زندگی میں مہاتما گاندھی کے اعلیٰ نظریات کو اپنایا، سادہ زِندگی گذاری، بہت سے نشیب و فراز سے گذرے اور طالبِ حق کی طرح ہمیشہ صبر و تحمّل سے کام لیا۔

صاف سُتھرا انتظام

دیگر ریاستوں کے مقابلے میں ہماری ریاست خصوصًا شری مرارجی دیسائی سے بخوبی متعارف ہے اور دس سال سے زیادہ عرصہ تک اُن کے حسنِ انتظام و انصرام سے فیض اُٹھا چکی ہے۔ اولاً وہ سابق ریاست بمبئی میں شری بی۔ جی کھیر کی وزارت میں وزیر داخلہ رہے۔ بعد ازاں ریاست بمبئی کے وزیر اعلیٰ بنے۔ ان دونوں عہدوں پر رہ کر شری مرارجی دیسائی نے ریاست کو صاف سُتھرا اور ترقی یافتہ انتظامیہ دیا، جس کا اوّلین اصول یہی تھا کہ ہر مرد اور عورت کو بلا روک کام کرنے کا موقع ملے اور وہ ترقی کر سکے۔ شری دیسائی ہی کے دَور میں ریاست بمبئی برطانوی راج سے گذر کر دیسی خود مختار راج میں داخل ہوئی اور شری مرارجی کے فیض سے ان اعلیٰ ہندوستانی عہدیداروں کے دلوں میں بھی خلوص اور فرض شناسی کا جذبہ پیدا ہوا جنھوں نے انگریز افسران سے مختلف محکمہ جات کا انتظام سنبھالا تھا۔

شری دیسائی نے اپنی حکومت کے تمام امور میں پاکیزگی اور انصاف کا احساس پیدا کیا۔ خود اپنے وزیر ساتھیوں، عہدیداروں اور عملہ کے ساتھ بھی ان کا سلوک ہمیشہ منصفانہ رہا۔ وہ اپنی راہ سے ذرا سا ہٹ کر مدِمقابل سے مفاہمت ضرور کر سکتے ہیں، لیکن جہاں اصول کا سوال ہوتا ہے، وہاں اٹل رہتے ہیں۔

اصلاحاتِ اَراضی

آج یہ بات فراموش کر دی گئی ہے یا بہت ہی کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ ریاست مہاراشٹرا اور گجرات بھی دور رس اصلاحاتِ اراضی اور خاتمۂ زمینداری کے معاملے میں شری مرارجی دیسائی کی حکومت ہی کا ممنون ہے۔ انہی کے دورِ حکومت میں ریاست میں سب سے پہلے قانون پاس ہوا جس کے تحت کسانوں کو قدیم طوقِ غلامی سے نجات ملی۔ اور اس زمین کا مالک بننے کا موقع میسر آیا جس پر وہ کاشت کرتے آئے ہیں۔ اراضی لگان داری قانون کی رو سے محصول کا وہ جابرانہ رواج بیک جنبشِ قلم منسوخ کر دیا گیا جس کے تحت ایک غریب کسان کو

داہ اس کی فصل اچھی ہو یا نہ ہو لگان با محصول بھرنا پڑتا تھا۔ شری مرارجی دیسائی ہی نے سب سے پہلے یہ طریقہ راج کیا تھا کہ سرکاری طور سے مختلف لوگوں سے ملاقات کے لئے روزانہ دو گھنٹے مقرر کئے جائیں۔ آج بھی تمام وزراء اس پر عمل پیرا ہیں۔ عام آدمی سے ربط ضبط قائم رکھنے کے لئے یہی ان کا طریقہ ہے۔ فوری توجہ اور تعمیل، اسی طریقہ پر کام کرتے ہوئے شری دیسائی ہمیشہ ملاقاتیوں کی اہم باتوں کو نوٹ کر کے فوری کارروائی کا وعدہ کرتے ہیں۔ ریاست کے وزیر داخلہ، وزیر اعلیٰ، مرکزی وزیر مالیات اور پھر نائب وزیر اعظم، ان تمام حیثیتوں سے شری دیسائی نے ہمیشہ ان کے نام آنے والے خطوط کے فوری جوابات دیئے۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ یہی اصول رہا کہ جب کہ ایک شخص نے انھیں خط لکھنے کی زحمت اٹھائی ہے تو اسے کوئی اہم بات ہی کہنی ہوگی اور اس بات کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا فوراً جواب دیا جائے۔ انھوں نے اپنے افسران اور ماتحتوں کو بھی ہمیشہ یہ بات جتائی کہ لوگوں کی مانگوں اور شکایات پر فوری دھیان دیا جائے۔ انھوں نے ساتھی وزراء کو بھی ہمیشہ یہی ہدایت کی کہ وہ اکثر جب بھی ممکن ہو اضلاع کا دورہ کریں اور ضلع اور تعلقہ سطح پر انتظامیہ کی ذاتی طور سے جانچ کرتے رہیں تاکہ کسی کمتر سے کمتر شخص کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہو سکے اور انتظامیہ کے کسی درجہ پر بھی بدانتظامی اور دھاندلی کا احتمال نہ رہے۔

سچے گاندھی وادی

شری مرارجی دیسائی کا کردار محتاج تعارف نہیں۔ سب ہی جانتے ہیں کہ برطانوی راج کی ... سول سروس میں شری مرارجی دیسائی ڈپٹی کلکٹر کے اونچے عہدے پر مامور تھے۔ ان کے عزیزوں کو بھی ان سے بڑی توقعات تھیں لیکن شری مرارجی دیسائی اس اونچی ملازمت کو ٹھکرا کر جدوجہد آزادی میں کود پڑے۔

شری مرارجی کے کردار کی ایک اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جو بھی کام کرتے ہیں یا کرنے کا عزم کرتے ہیں، وہ ادھورا نہیں ہوتا اور انھیں "نیم دلی" کا دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح گاندھیائی طریقہ سے جدوجہد آزادی پر ان کا عمل بھرپور تھا۔ وہ یک لخت سب سے بڑھے سادھے گاندھی وادی بن گئے۔ مغربی پوشاک ترک کر کھدر کی دھوتی اور کرتا پہنا۔ گاندھی جی کے سادہ اصول زندگی پر دلی عقیدت کے ساتھ برابر عمل پیرا رہے اور آج بھی یہ عالم ہے کہ جب کہ ان کی عمر ۸۲ سال ہے اور وزیر اعظم کی حیثیت سے بھاری ذمہ داریاں ان کے کاندھوں پر ہیں وہ بلاناغہ صبح ۴ بجے بیدار ہوتے ہیں اور کچھ دیر سوت کاتتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کی حد تک سخت اصولی ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انسان فطرتاً جوک سکتا ہے۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ہر شخص کا اپنا اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ بمبئی لیجسلیٹو اسمبلی میں ایک طوفانی بحث کے دوران جبکہ پوری اپوزیشن اُن کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی تھی شری مرارجی دیسائی کو جرچل کے لہجہ میں یہ کہتے سُنا گیا" ہو سکتا ہے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے میں متفق نہ ہوں، لیکن میں پہلا شخص ہوں جو آپ کے حق کے لئے لڑے گا، اس حق کے لئے کہ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں۔"

اپوزیشن سے خوش اخلاقی

پارلیمانی ماہر کی حیثیت سے شری دیسائی نے اپنا فرض ہمیشہ خوب نبھایا۔ حزب مخالف کے اراکین اور منفرد رکن کی حرمت کا پوری طرح سے خیال رکھا۔ لوک سبھا میں اپوزیشن کا لیڈر چُنے جانے کے بعد شری وائی۔ بی چوان کے ساتھ جو ان کے رفیق کار بھی رہ چکے ہیں وزیر اعظم کی حیثیت سے شری مرارجی دیسائی نے خوش اخلاقی اور فراخ دلی کا سلوک کیا وہ محض گیلری میں بیٹھے ہوئے مشاہدین کو خوش کرنے کی کوشش نہیں ہے، بلکہ یہ ان کی دلی محبت اور خلوص کا اظہار ہے اور اس ...

جمہُوریت

جمہُوریت میں یہی روا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قوانین گنے چُنے ہوں اور کام میں سرکاری دسترس کم سے کم رہے۔ پوری حکومت خود لوگوں ہی کو چلانا چاہیئے، کیونکہ جمہوریت میں لوگ ہی سرکار کا درجہ رکھتے ہیں۔ لوگ سرگرم عمل رہیں اس مقصد کے لئے اُن میں جوش و خروش کی ایک لہر رواں دواں رہنی چاہیئے۔

— مرارجی دیسائی

فلاحی ریاست

اگر ہم چاہتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو جلد سے جلد فلاحی ریاست کی منزل پر پہنچ جائیں تو یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر فرد پہلے اپنا اپنا فرض انجام دے اور یہ نہ سوچتا رہے کہ آیا دوسرا اپنا فرض انجام دیتا ہے یا نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج یہی ہماری عام کمزوری ہے۔ ہمیں یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ ہم اسی وقت خوش رہ سکتے ہیں جب کہ دوسرے بھی خوش ہوں۔ جب تک ہم اس اصول زندگی کو نہ اپنائیں گے اور اس پر عمل پیرا نہ ہوں گے اس وقت تک حقیقت میں ایک کار گذار فلاحی ریاست کا قیام محال ہے۔

[illegible]

کا ثبوت ہے کہ وہ اپوزیشن کے حقوق اور مراعات کو پوری طرح تسلیم کرتے ہیں۔ راقم الحروف بمبئی مجلس قانون ساز کے ایوان میں شری دیسائی کے طرز عمل کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ گھنٹوں بیٹھ کر بے لطف طویل بحث سُنا کرتے اور خصوصاً حزب مخالف اراکین کی تقاریر میں سے اہم نکات لکھ لیتے۔

انھوں نے اپنے دیرینہ ساتھیوں کو ہمیشہ یہی بات جتائی کہ آداب ایوان اور عوام کے چُنے ہوئے اراکین کے احترام کا پورا پورا خیال رکھیں اور پارلیمانی طرز حکومت کے اصولوں پر کاربند رہیں۔

اوّل آخر ہندوستانی

شری دیسائی اول اور آخر ہندوستانی ہیں۔ ملک میں ریاستوں کی تنظیم نو کے ساتھ علاقہ واریت کا جو جھگڑا چلا تھا وہ اس سے قطعی متاثر نہیں ہوئے۔ نہ ہی انھیں آزاد ہند میں مغربی طور طریقے اپنانے کی ریت پسند ہے۔ انھیں تو ہر چیز میں ’ہندوستانیت‘ سے لگاؤ ہے انھیں ایوان میں بھی کسی دوسری زبان (شیکسپیئر، کیٹس یا شیلے کی زبان) میں بولنا پسند نہیں۔ ایسے موقع پر وہ دیسی قومی زبان بولنے کے حامی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کی قومی زبان کی حیثیت سے ہندی کو ترقی دی جائے اور ملک کی تمام جاتیوں، لوگوں اور زبانوں کے درمیان رابطہ کی اصل زبان بنایا جائے۔ انھیں ہندی سے اس قدر عشق ہے کہ اگر عام اجلاس میں کوئی شخص ہندی جانتے ہوئے انگریزی بولتا ہے تو اُسے ٹوک دیتے ہیں، البتہ نجی مجلسوں میں اگر کوئی ملاقاتی انگریزی بولتا ہے تو مرارجی بھائی بھی بلا تکلف انگریزی بولتے ہیں۔

شری دیسائی کی سخت اصول پسندی سے ایک عام تاثر یہ پیدا ہُوا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو برداشت نہیں کرتے۔ یہ بات سچ نہیں ہے۔ شری دیسائی نے خود بارہا اس نکتہ کو واضح کیا ہے، ان کا ارشاد ہے کہ ”میں آپ کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔ اسی طرح آپ بھی بڑی خوشی کے ساتھ مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ بہر حال مجھ میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں ہے۔“ اس سے ان کی رواداری بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

شراب بندی

اس ریاست میں شری مرارجی دیسائی کے دَورِ حکومت کی ایک اور میراث ’شراب بندی‘ ہے جو اپنی جگہ خوب نکتہ چینی کا موضوع ہی رہی۔ بعد کی حکومت نے شراب بندی کے معاملے میں اعتدال پسندی اور سرگرمی اختیار کی تاکہ شراب کی ناجائز کشید اور فروخت روکی جا سکے۔ آج بھی شری مرارجی دیسائی کو شراب بندی کا مقصد دل سے عزیز ہے اور وہ اسے اپنی قوم کے لئے بدستور ضروری سمجھتے ہیں۔ بیس تیس سال پہلے ہی کی طرح آج بھی ان کا خیال ہے کہ محض اس بنا پر کہ شراب کی ناجائز کشید و فروخت بڑھ گئی، شراب بندی کو ناکام نہیں سمجھنا چاہئے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انتظامیہ اور حکومت اور مستعد ہو جائے۔ عام آدمی کو غربت، افلاس اور تباہی سے بچانا ہے اور اسے نیک بنانا ہے تو شراب بندی اشد ضروری ہے۔

وہ اکثر ان متعدد خطوط کا ذکر کرتے ہیں جو پہلے پہل شراب بندی لاگو کرنے پر بہت سی ماؤں اور بیویوں نے انھیں لکھے تھے اور

(باقی صفحہ پر)

شہری لکیت دوشی، ڈپٹی سیکریٹری حکومت مہاراشٹر، محکمہ جنرل ایڈمنسٹریشن شہری اراضی (حدبندی اور باضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کے نفاذِ عمل سے وابستہ ہیں۔ آپ نے اس مضمون میں ایکٹ کے خاص خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

شہری اراضی (حدبندی اور باضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء

۱۔ شہری اراضی (حدبندی اور باضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کو وضع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

شہری جائداد کی گرانی کے سبب شہری اراضی کی قدر قیمت بڑھ رہی ہے۔ یہ مسئلہ ملک کے لئے تشویشناک بن گیا ہے اگرچہ بھارت کی کلُ آبادی کا صرف ۲۰ فیصد حصہ شہری علاقوں میں رہتا ہے لیکن اعداد و شمار کے لحاظ سے شہری آبادی لگ بھگ ۱۲۰ ملین ہے۔ دنیا کے ممالک میں شہری آبادی کے سلسلہ میں بھارت تیسرے نمبر پر شمار کیا جاتا ہے۔ اندازہ ہے کہ ۲۰۰۱ء میں بھارت میں شہری آبادی تین چار سو ملین ہوجائے گی اور شاید دنیا بھر میں یہ سب سے زیادہ شہری آبادی والا ملک ہوجائے گا۔

بھارت میں تیزی سے بڑھتی ہوئی صنعتوں نے دیہاتوں سے بڑی تعداد میں لوگوں کو شہری علاقوں میں منتقل کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ذمہ دار اراکین کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ ان اوسط آمدنی والے گروہوں کے لئے گھروں کا انتظام کریں' توقع ہے کہ اس ایکٹ کو مکمل حیثیت دینے سے شہری علاقوں میں بسے کمزور طبقے کے لئے رہائش کا مسئلہ کچھ حل ہوجائے گا۔ اگر کاروبار کو جمنے کا موقع دیا گیا تو موجودہ خالی شہری اراضی کام میں لائی جاسکے گی اور اس سے مالکوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ یہ منافع عام طور پر اس صورت میں زیادہ ہوتا ہے جب کہ صرف ان اراضی پر تجارتی ادارے یا عالیشان مکانات تعمیر کئے جائیں۔ اس ایکٹ کا خاص مقصد یہ ہے کہ یہ اراضی سماجی بھلائی کی خاطر سماج کے کمزور طبقہ کے لئے مکانات تعمیر کرنے کے لئے استعمال کی جائے۔

۲۔ مذکورہ بالا مقصد کو پورا کرنے کے لئے

۱) اس ایکٹ کے تحت اقدامات۔

یہ ایکٹ شہری علاقوں میں خالی اراضی کی حدبندی کرتا ہے اور مقررہ حد سے زیادہ اراضی حاصل کرنے کی ضمانت دیتا ہے تاکہ فاضل اراضی حکومت کے ہاتھ میں آجائے جو کمزور طبقوں کے لئے مکانات کی تعمیر اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال ہوسکے۔

۲) چونکہ تمام زائد خالی اراضی پر مکانات کی تعمیر کے لئے مناسب ذرائع تلاش کرنا ریاستی حکومت کے لئے مشکل ہے اس لئے کمزور طبقوں کے لئے مکانات کے انتظام کی خاطر نجی سرمایہ لگانے کی ترغیب کے لئے گنجائش نکالی گئی ہے۔ کوئی بھی شخص جس کے پاس حدبندی سے زائد زمین ہے اس زمین پر اسی شرط پر اپنا قبضہ قائم رکھ سکتا

ہے جب کہ اس کا مقصد زائد اراضی پر کم درطبقہ کے لئے مکان کی تعمیر ہو۔

۳) رہائشی حصہ کے فرشی لینتھ علاقوں میں حد بندی کا نفاذ کرتے ہوئے یہ ایکٹ عالی شان اور اس مقصد سے رہائشی یونٹ کے فرشی رقبے کی حد مقرر کرتا ہے۔

۳۔ یہ قانون کب سے نافذ ہوا؟

یہ قانون بل کی حیثیت سے ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء کو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا تھا اور ۱۷ فروری ۱۹۷۶ء سے اس قانون کو نافذ کیا گیا ہے۔ مہاراشٹر میں ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء کا دن متعین ہے اور ۱۷ فروری ۱۹۷۶ء اس قانون کے نفاذ کی تاریخ ہے۔

۴۔ کن علاقوں پر اس قانون کا نفاذ ہوتا ہے؟

اس قانون کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ بھارت کی متعدد ریاستوں پر حاوی ہے۔ اور ان ریاستوں میں جہاں یہ قانون لاگو ہے حد بندی کے مقصد سے ملکیت اکٹھا کرنے کی گنجائش نکالتا ہے۔ اس کا نفاذ ان تمام شہری حلقہ جات میں ہوتا ہے جہاں ایک لاکھ سے زائد آبادی ہے نیز جہاں کی آبادی میں تیزی سے اضافہ کی توقع ہے۔

۵۔ اکٹھا شہری حلقہ کیا ہے؟

شہری حلقے کا مطلب ہے اپنے محیط علاقے سمیت ایک چھوٹا شہر جس میں کئی دوسرے قصبات یا گاؤں شامل ہوں۔ مثلاً بمبئی عظمیٰ کا شہری حلقہ، بمبئی عظمیٰ کی میونسپل حدود اور اس کے نواح میں آٹھ کیلومیٹر مقررہ علاقے پر مشتمل ہے، جس میں تھانے اور قلابہ ضلع کے کچھ حصے شامل ہیں۔

۶۔ معینہ حد بندی کیا ہے؟

شہری حلقہ جات چار درجوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ بمبئی، کلکتہ، دہلی اور مدراس 'اے' درجہ میں ہیں۔ جہاں معینہ حد ۵۰۰ مربع میٹر ہے۔ اطراف میں گھرا علاقہ ۸ کیلو میٹر ہے۔ 'بی' درجہ میں شامل شہری حلقے کے لئے حد بندی ۱۰۰۰ مربع میٹر اور محیط علاقہ ۵ کیلومیٹر ہے۔ 'سی' درجہ کے لئے یہ حد ۱۵۰۰ مربع میٹر اور محیط علاقہ ۵ کیلو میٹر ہے۔ اور 'ڈی' درجہ کے لئے ۲۰۰۰ مربع میٹر اور محیط علاقہ ایک کیلو میٹر ہے۔

۷۔ مہاراشٹر میں شہری حلقہ جات کون سے ہیں؟ ان کا محیط رقبہ کیا ہے اور حد بندی کی حد کیا ہے؟

مہاراشٹر میں شہری حلقہ جات میں مندرجہ ذیل ۹ نو شہری حلقے ہیں:

شہری حلقے	درجہ	محیط علاقہ	معینہ حد بندی
۱. بمبئی عظمیٰ	اے	۸ کیلومیٹر	۵۰۰ مربع میٹر
۲. الہاس نگر	سی	۵ " "	۱۵۰۰ " "
۳. پونے	بی	۵ " "	۱۰۰۰ " "
۴. تھانے	ڈی	۱ " "	۲۰۰۰ " "
۵. ناشک	ڈی	۱ " "	۲۰۰۰ " "
۶. سانگلی	ڈی	۱ " "	۲۰۰۰ " "
۷. سولاپور	سی	۵ " "	۱۵۰۰ " "
۸. کولہاپور	ڈی	۱ " "	۲۰۰۰ " "
۹. ناگپور	سی	۵ " "	۱۵۰۰ " "

۸۔ کیا شہری علاقوں میں تمام خالی اراضی اس قانون کے تحت آتی ہے؟

نہیں۔ وہ اراضی جو زراعت کے لئے استعمال ہوتی ہو اور جس کا اندراج لینڈ ریکارڈ میں اسی حیثیت سے کیا گیا ہو اور جو زراعتی زون یا 'جی' زون یا غیر ترقیاتی زون میں واقع ہو، ان پر یہ قانون لاگو نہیں ہوتا، البتہ وہ زراعتی اراضی جو غیر زراعتی زون میں شامل ہے، اسے خالی اراضی میں شمار کیا جائے گا۔ وہ زمین جو گھاس اگانے، مویشیوں کی افزائش نسل یا پولٹری فارمنگ کے لئے استعمال ہوتی ہو، اسے زراعتی مقاصد میں استعمال ہونیوالی زمین نہیں سمجھا جائے گا۔ اسی طرح وہ زمین جو سڑکوں، باغات، پارک یا سڑکوں کی توسیع کے پلان میں شامل ہو اسے بھی خالی زمین نہیں سمجھا جائے گا۔

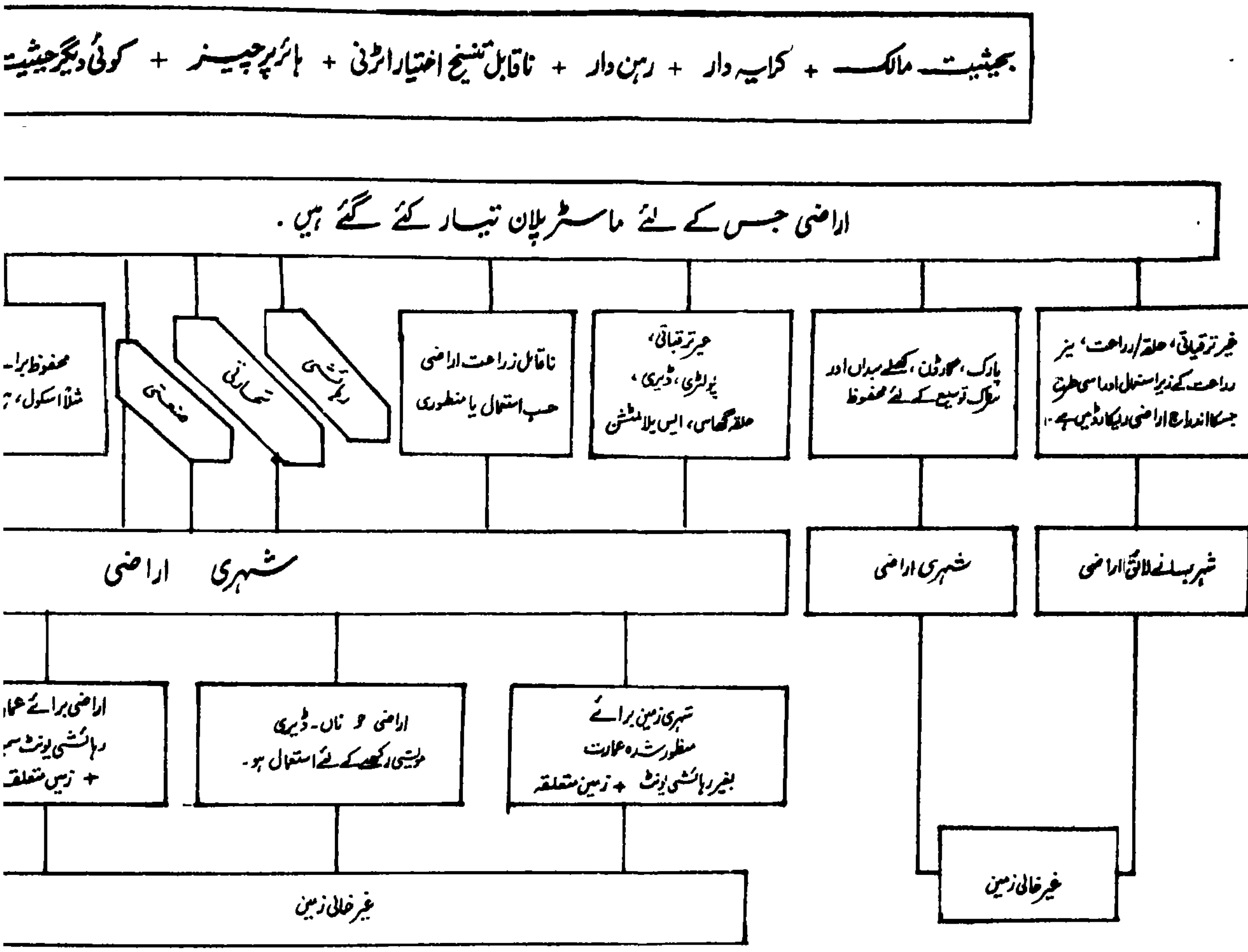
۹۔ آیا عمارات ضابطہ کے تحت زیر عمارت اراضی نیز کسی عمارت کے اطراف کھلی اراضی خالی اراضی ہے؟

زیر عمارات اراضی جو منظور شدہ عمارات میں یعنی وہ عمارات جن کی باقاعدہ شروعات تعمیر کے لئے متعلقہ میونسپل حکام سے اجازت نامہ حاصل کیا گیا تھا اور جو ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء سے پہلے تعمیر ہوئی ہیں یا جو اس تاریخ سے زیر تعمیر ہیں خالی اراضی نہیں ہے ایسی اراضی جسے عمارات ضابطہ کے تحت کھلا چھوڑا گیا ہے یا ۵۰۰ مربع میٹر اراضی جو بھی کم ہو، اسے بھی خالی اراضی نہیں سمجھا جائے گا۔ اگر عمارت ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء سے

اسکیم شہری اراہ

شہری حلقہ میں ایک

دشہری حلقے میں شخص سے مراد فرد/کنبہ



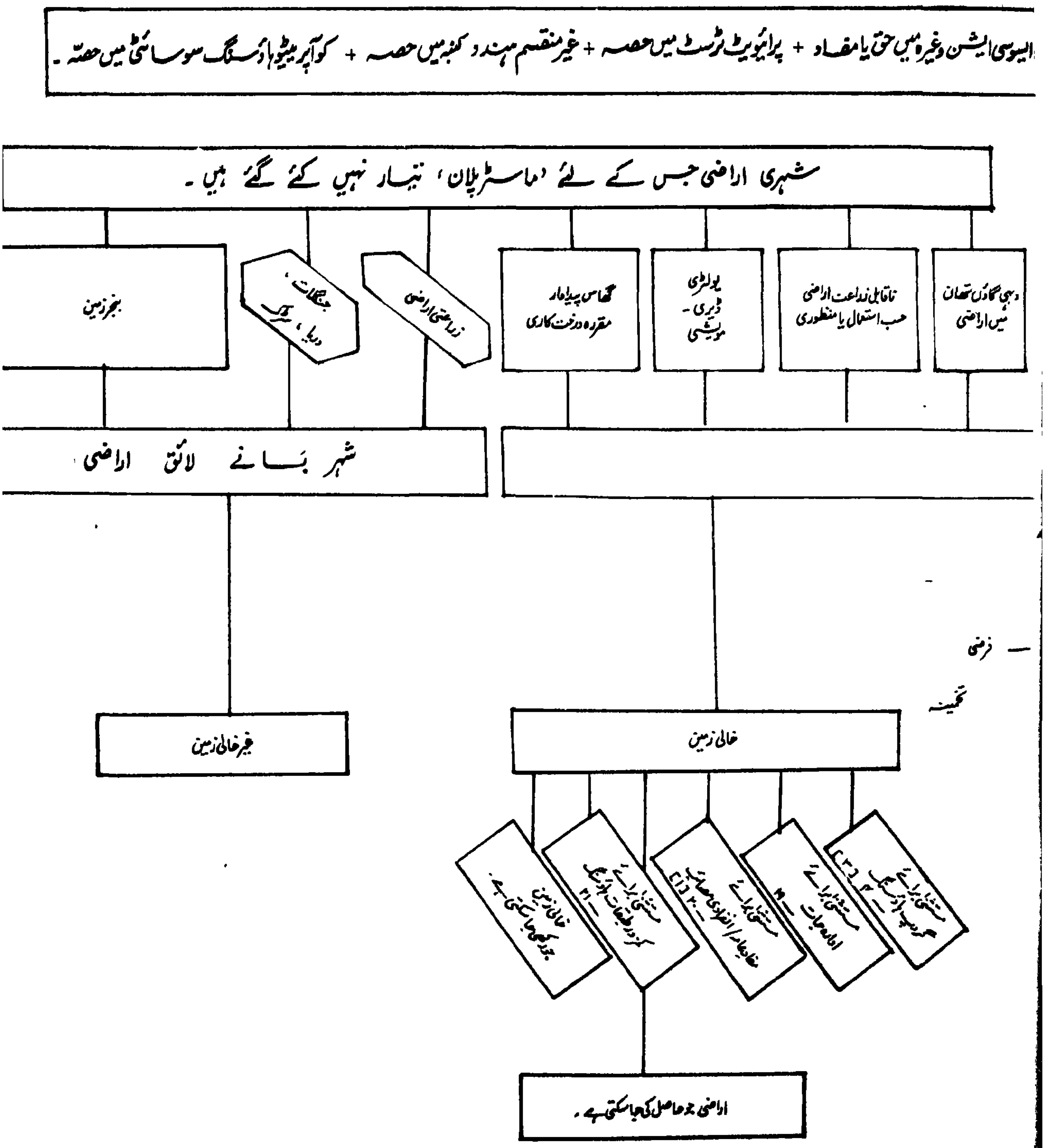
مہاراشٹر میں شہری حلقہ جات

	شہر	محیط علاقہ	درجہ
۱	بمبئی عظمیٰ میونسپل کارپوریشن	۸ کلومیٹر	اے
۲	الہاس نگر شہری حلقہ	۵ کلومیٹر	سی
۳	پونے شہری حلقہ	۵ کلومیٹر	بی
۴	تھانے شہری حلقہ	۱ کلومیٹر	ڈی
۵	ناسک شہری حلقہ	۱ کلومیٹر	ڈی
۶	سانگلی شہری حلقہ	۱ کلومیٹر	ڈی
۷	سولاپور میونسپل کارپوریشن	۵ کلومیٹر	سی
۸	کولہاپور شہری حلقہ	۱ کلومیٹر	ڈی
۹	ناگپور شہری حلقہ میونسپل کارپوریشن	۵ کلومیٹر	سی

(حد بندی اور باضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء

کی زیر ملکیت اراضی

یا افراد کی جماعت یا ادارہ خواہ اجتماعی ہو یا نہ ہو، وغیرہ،



قبل تعمیر ہوئی ہو نیز اس عمارت میں رہائشی جگہ ہو تب اس کے لئے ۵۰۰ مربع میٹر تک زائد متعلقہ زمین کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ عمارت کی مذکورہ بالا متعلقہ اراضی کے متصل دستیاب ہو۔ اگرچہ زیر عمارت اراضی نیز ایسی عمارت کی متعلقہ اراضی مذکورہ بالا قاعدے کی رو سے خالی اراضی نہیں ہے تاہم اگر بلڈنگ میں رہائشی یونٹ موجود ہے تو مالک اراضی کی کل خالی زمین کا اندازہ کرنے کی خاطر اس کا فرضی شمار کیا جائے گا۔ لیکن صنعتی یا تجارتی عمارت جس میں رہائشی یونٹ نہ ہو، اس کے تحت زمین یا ایسی عمارت سے متصل زمین کو فرضی شمار میں نہیں لیا جائے گا۔

۱۰۔ حساب (ریٹرن) کیسے داخل کرنا چاہیئے؟

• ہر اس شخص کو جس کے پاس حد بندی سے زائد اراضی ہو، حساب داخل کرنا چاہیئے۔ قانون کے تحت ایسے شخص کی یوں تعریف کی گئی ہے:

"شخص" سے مراد ایک فرد، خاندان فرم، کمپنی یا انجمن یا جماعت افراد ہے چاہے وہ متحدہ ہو یا نہ ہو۔

اس طرح شوہر، بیوی اور نابالغ بچوں کے حصے کو جوڑ کر ایک خاندان شمار کیا جائے گا۔ اگر کچھ اشخاص مشترک نام کے تحت خالی زمین کے مالک ہیں تو انہیں جماعت کے افراد کے طور پر شمار کرتے ہوئے ایک فرد سمجھا جائے گا۔ مگر غیر تقسیم شدہ ہندو خاندان کے افراد کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی جائداد کی فرضی تقسیم کریں اُن میں سے ہر بالغ فرد کو ایک علیحدہ شخص تسلیم کیا جائے گا۔ مگر شوہر، بیوی اور نابالغ بچوں کے حصے کو ایک ساتھ جمع کرتے ہوئے ایک خاندان اور فرد کی حیثیت دی جائے گی۔

ایسے بیانات داخل کرنے کی آخری تاریخ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۶ء تھی۔ مہاراشٹر میں تقریباً ۶۰،۰۰۰ ایسے بیانات موصول ہوئے ہیں۔ آئندہ حد بندی سے زائد اراضی حاصل کرنے والے اشخاص کو بھی اس تاریخ سے جب زائد خالی زمین حاصل کی جائے تین مہینے کے اندر بیان داخل کرنا لازمی ہوگا۔

۱۱۔ کس کے پاس یہ بیانات داخل کئے گئے، اور اس قانون پر عمل آوری کے لئے سرکاری طور پر کیا بندوبست کیا گیا ہے؟

• یہ بیانات اس قانون کے تحت مقررہ مختارِ حاکم (Competent Authority) کے پاس داخل کئے گئے ہیں۔ انھیں اس قانون پر عمل کرنے کے لئے مناسب اسٹاف بھی دیا گیا ہے۔ اس عہدیدار کا آفس بمبئی یونیورسٹی کے قریب اولڈ سکریٹریٹ میں واقع ہے۔ دوسرے عہدیداروں کے پتے ضلع کلکٹر کے آفس سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ اس عہدیدار کا خاص کام ان بیانات پر غور کرنا، فاضل زمین طے کرنا، اس زمین کو حاصل کرنا اور قانون کے تحت رقم کی ادائیگی کرنا ہے۔ انھیں بلڈنگ، فلیٹ سے متصل زمین، مقررہ حد بندی کے اندر خالی زمین کی منتقلی کی اجازت دینے کا بھی اختیار ہوگا۔

۱۲۔ اگر مقررہ حد بندی سے زائد اراضی رکھنے والا شخص بیان داخل نہیں کرتا ہے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟

• وہ شخص جو بیان داخل کرنے کے فرض کی تکمیل نہیں کرتا، اسے دو سال تک کی سزائے قید یا ۵۰۰۰ روپیہ تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ اس عہدیدار کے آفس میں ایک 'انفورسمینٹ اسکواڈ' ہے جو جائیداد اور شہری سروے ریکارڈ اور زمین کے ریکارڈ کا معائنہ کرتا ہے تاکہ خلاف ورزی کرنیوالوں کا پتہ چل سکے ایسے لوگوں کو قانون کی دفعہ ۱۸ اسیکشن ۶ (۲) کے تحت نوٹس بھجوائے جاتے ہیں۔

۱۳۔ زائد زمین کو حاصل کرنے کا مختصر طریقہ کیا ہے؟

• مختصر طریقہ یوں ہے:

عہدیدار داخل شدہ بیانات کی ابتدائی جانچ کرتا ہے اور فریقین کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ بیان میں پائی گئی خامیوں کی اصلاح کریں کافی معلومات اکٹھا ہونے پر عہدیدار متعلقہ افراد کو گفتگو کا موقع دیتے ہوئے ایک ڈرافٹ اسٹیٹمینٹ تیار کرتا ہے۔ ڈرافٹ اسٹیٹمینٹ کے خلاف مالک اراضی کو اپنے اعتراضات پیش کرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ ان اعتراضات پر غور کرنے کے بعد عہدیدار آخری اسٹیٹمینٹ تیار کرتا ہے۔ پھر دعویٰ کرنے کے لئے دفعہ ۱۰ (۱) کے تحت نوٹس جاری کرتا ہے دفعہ ۱۰ (۳) کے تحت دوسری نوٹس جاری کی جاتی ہے جس کے مطابق زائد زمین حکومت کی تحویل میں آجاتی ہے۔ اس کے بعد عہدیدار اراضی پر قبضہ حاصل کرنے کیلئے اقدامات کرتا ہے اور قانون کے مطابق قابلِ ادائیگی رقم طے کرتا ہے۔ رقم ادا کرنے کے بعد معاملہ ختم کر دیا جاتا ہے۔

۱۴۔ قانون کے تحت کتنی رقم ادا کی جاتی ہے؟

• زائد زمین پر مندرجہ ذیل رقم ادا کی جاتی ہے:

(الف) اگر خالی زمین سے کوئی آمدنی ہوتی ہے تو اس زمین سے متواتر گذشتہ پانچ سالوں کے دوران حاصل کی گئی اوسط سالانہ آمدنی کا ۸½ گنا کے برابر رقم۔

(ب) اگر اس خالی زمین سے کوئی آمدنی نہیں ہوتی تو 'الف' اور 'ب' درجہ کے شہری حلقہ میں دس روپیہ فی مربع میٹر اور 'ج' اور 'د' درجہ کے شہری حلقہ میں پانچ روپیہ فی مربع میٹر کے حساب سے رقم ادا کی جائے گی۔ کسی بھی شخص کو دو لاکھ روپے سے زائد نہیں دیا جائے گا۔ جو بھی رقم واجب الادا ہو اس کا ۲۵ فیصد یا ۲۵ ہزار روپیہ جو بھی کم ہو نقد ادا کیا جائے گا، اور باقی ماندہ پانچ فیصد شرح سود کے ساتھ بانڈ کی صورت میں بیس سال بعد ادا کیا جائے گا۔

۱۵۔ عہدیدار کے آرڈر کے خلاف کیا کسی اپیل کی گنجائش ہے؟

• جی ہاں۔ بمبئی عظمیٰ، تھانے اور الہاس نگر کے عہدیدار کے احکامات کے خلاف ڈویژنل کمشنر سے اپیل کی جا سکتی ہے۔ دوسرے علاقوں میں ضلع کلکٹر سے اپیل کی جا سکتی ہے۔ بالترتیب بمبئی، پونے اور ناگپور ڈویژن میں شہری اراضی عدالت (URBAN LAND TRIBUNAL) میں واجب الادا معین رقم کے خلاف اپیل کی جا سکتی ہے جو بمبئی، پونے اور ناگپور میں واقع ہے۔

شہری اراضی ٹربیونل کے آرڈر کے خلاف رقم کی ادائیگی کے لئے ہائی کورٹ میں اپیل کی جا سکتی ہے۔ دوسرے معاملوں میں اپیلیٹ اتھارٹی کا حکم آخری مانا جائیگا متعلقہ افراد کی جانب سے اپیل نہ ہونے پر ریاستی حکومت کو معاملے پر دوبارہ غور کرنے کا اختیار ہے۔

۱۶۔ کیا قانوناً اراضی حاصل کرنے کے اقدامات سے کوئی شخص بَری ہے؟ آیا یہ استثنیٰ مشروط یا غیر مشروط ہے!

• جی ہاں۔ ریاستی حکومت، مرکزی حکومت، مسلح افواج، بنک، رجسٹرڈ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائیٹی، اقوام متحدہ کی ایجنسیاں، سفارتی اور قونصل کے ادارے غیر مشروط طور سے بَری ہیں۔ عوامی خیراتی ادارے یا مذہبی اوقاف مشروط طور سے بری ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ایسے ادارے حقیقتاً خالی زمین کو عام خیراتی یا مذہبی مقصد کے لئے استعمال کرتے ہوں۔

اسی طرح سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ سوسائٹی کو بھی صرف اسی حالت میں بَری کیا جاتا ہے کہ ایسی سوسائٹی زمین کو منافع حاصل کرنے یا تجارتی مقصد کے لئے استعمال نہ کرتی ہو۔ عام خیراتی ادارے یا مذہبی اوقاف سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ چیریٹی کمشنر سے سرٹیفکیٹ حاصل کریں کہ وہ خالی زمین کو واقعتاً عوامی یا مذہبی مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ فی الحال اگر زمین کا ایسا استعمال نہ ہوتا ہو مگر مستقبل میں عوامی یا مذہبی مقصد کے لئے استعمال کرنے کی تجویز ہو تو ایسے اداروں کو چاہئے کہ وہ عوامی مفاد کے لئے زیر دفعہ ۲۰ کے تحت ریاستی حکومت کو امتیازی طور سے بَری ہونے کی درخواست دیں۔

۱۷۔ کیا ریاستی حکومت کو اختیار ہے کہ وہ دوسرے مالکان کو، جو کہ مذکورہ بالا جوابات کی ذیل میں نہیں آتے بَری کرے؟

• جی ہاں۔ ریاستی حکومت کو زیر دفعہ ۲۰۔ کے تحت اختیار ہے کہ وہ حدبندی کی حدود سے زائد اراضی کو عوامی مفاد یا ناقابل برداشت مشکلات کی بناء پر حصول سے بَری کر دے۔

ریاستی حکومت کے پاس پہلے ہی ایسے کیس آ چکے ہیں جن میں صنعتی اداروں نے حدبندی کی حدود سے زائد اراضی کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا قابل قبول جواز پیش کیا ہے کئی افراد نے جس میں صنعتی اور تجارتی ادارے شامل ہیں' دفعہ ۲۰ کے تحت ریاستی حکومت کو اراضی چھوڑ دینے کی درخواست دی ہے۔ یہ معاملات ابھی زیر غور ہیں۔

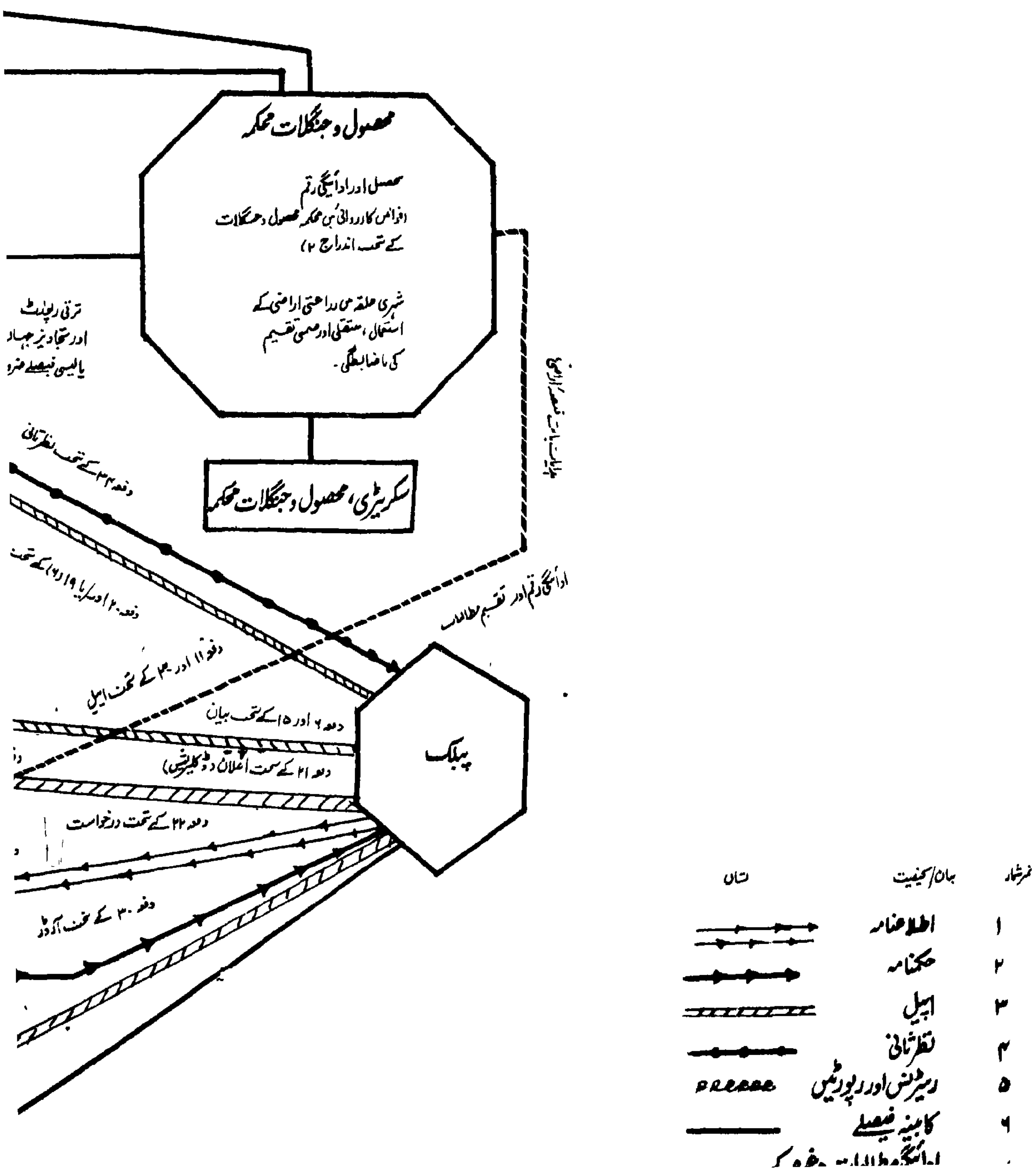
۱۸۔ کیا حکومت ایسے کسانوں کو مستثنیٰ کر سکتی ہے جن کے پاس غیر زراعتی زون میں زراعتی زمین ہو؟

• جی نہیں۔ حکومت نے یہ طے کر لیا ہے کہ ایسی اراضی کو مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ان کی ملکیت کو اگر وہ میونسپل حدود میں ہوں تو تین سے پانچ سال تک' اور اگر وہ سرحدی علاقوں میں ہوں تو دس سال تک نہیں چھوا جائے گا۔ بجز اس کے کہ جب شہری ترقی کے لئے ایسی زمین کی فوری ضرورت ہو۔

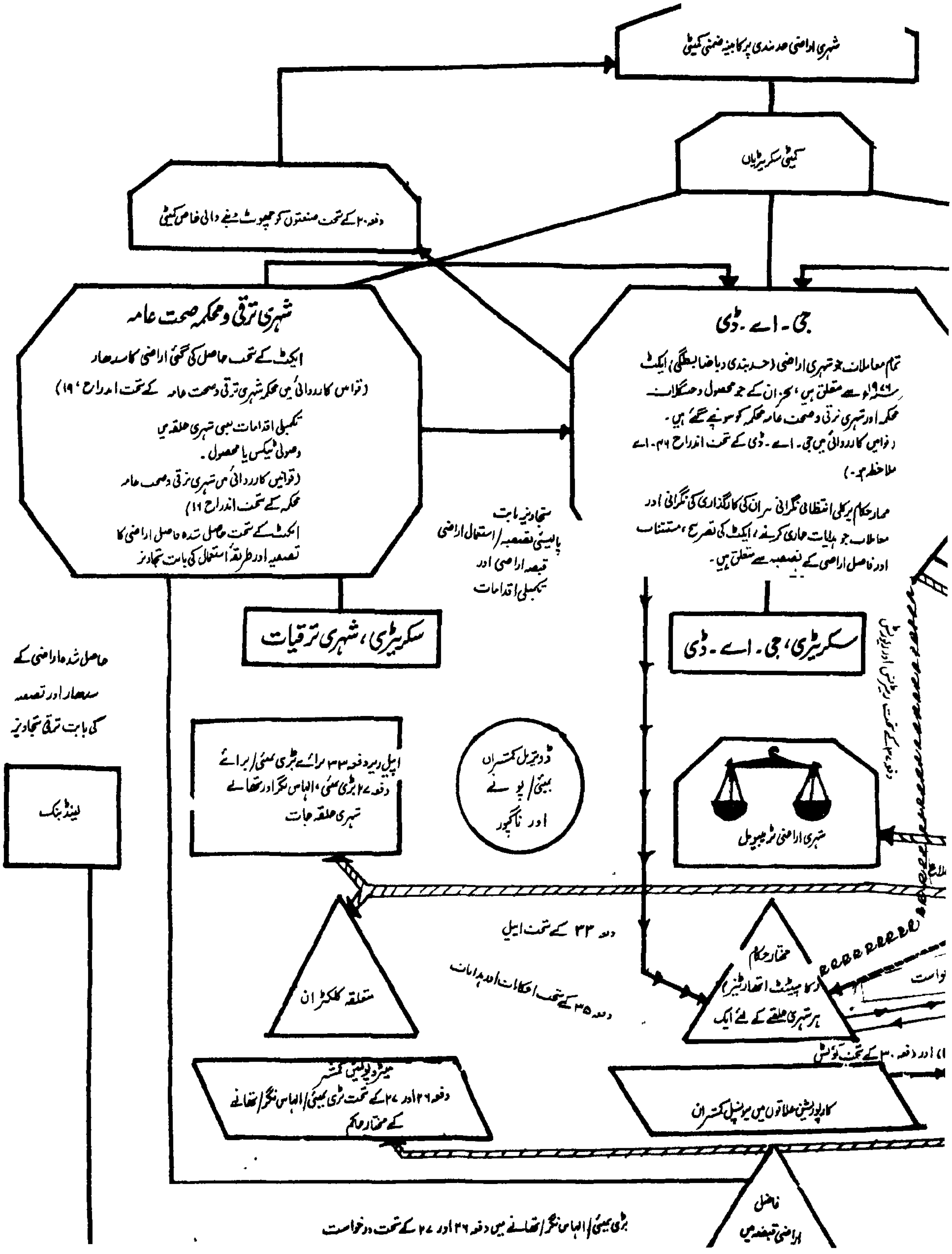
۱۹۔ کیا وہ شخص جن کے پاس حدبندی کی حدود سے زائد خالی اراضی ہو، اُسے یا اس کے ایک حصہ کو دوسرے شخص کے نام فروخت، ہبہ، تحفہ یا گروی وغیرہ کی صورت میں منتقل کر سکتا ہے؟

• جی نہیں۔ کسی شخص کی جانب سے جس کے پاس حدبندی کی حدود سے زائد اراضی ہو، زمین کی کسی قسم کی بھی منتقلی

مہاراشٹر میں شہری اراضی



دبندی وباضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کے نفاذ عمل کی بابت نقشہ



جائز۔

۲۰۔ کیا کرنا چاہیئے اگر اس ۔۔۔ حدبندی کے حدود کے اندر اراضی ہو اور ایسی اراضی کو حدبندی کی حدود میں وہ دوسرے کے نام منتقل کرنا چاہتا ہو؟

• مذکورہ بالا معاملے میں اس شخص کو چاہیئے کہ وہ ایکٹ کی دفعہ ۲۶ کے تحت عہدیدار کو نوٹس بھیجے۔ اس کے لئے درخواست فارم عہدیدار کے آفس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ درخواست کے ساتھ اسے ایگریمنٹ اور سائٹ پلان کی نقل بھی بھیجنی چاہیئے۔ اُسے عہدیدار کی اجازت کے لئے انتظار کی ضرورت نہیں لیکن عہدیدار کا پہلا حق ہوگا کہ وہ اراضی خریدے اگر اراضی کو فروخت کرنے کی تجویز ہے۔ ۶۰ دنوں کے اندر اسے اپنی مرضی سے مطلع کرنا چاہیئے ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی کوئی مرضی نہیں ہے۔

۲۱۔ اگر ایک رجسٹرڈ کوآپریٹو سوسائٹی نے کسی شخص سے جس کے پاس حدبندی سے زائد اراضی ہے خریدنے کا معاہدہ کیا ہے اور اُسے قبضہ بھی مل گیا ہے تو کیا ایسی کوآپریٹو سوسائٹی خودبخود ایکٹ کے تیسرے باب کی شرائط سے بری ہوجائیگی؟

• پٹہ یا فروخت کے معاہدہ سے سوسائٹی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا اور قانون کے تحت اصل مالک کو ہی خالی اراضی کا مالک مانا جاتا ہے۔ چونکہ ایسا شخص حدبندی کی حدود سے زائد اراضی کا مالک ہوتا ہے، اس لئے اسے خالی اراضی کو منتقل کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا لہذا اس سلسلے میں کسی قسم کا معاہدہ قابل عمل نہیں ہوتا۔

۲۲۔ ایک بلڈنگ یا فلیٹ سے متصل اراضی کو فروخت، پٹہ یا تحفتاً یا گردی کی صورت میں منتقل کرنے کے لئے عہدیدار کی اجازت ضروری ہے؟

• جی ہاں۔ قانون کی دفعہ ۲۷ کے تحت شہری جائداد کی منتقلی کے لئے اجازت کی ضرورت ہے۔ عہدیدار کی اجازت کے لئے منتقل کروانے والے کو مقررہ فارم پر درخواست دینا پڑتی ہے۔ فارم کے ساتھ معاہدہ اور سائٹ پلان کی نقل بھی بھیجنی چاہیئے۔ عہدیدار درخواست پر غور کر کے اطمینان کرتا ہے کہ اسمیں کوئی پیچیدگی نہیں ہے اگر جائداد فروخت کرنا ہو تو اسے پہلا حق ہے کہ وہ اراضی حاصل کرلے کے قانون کی دفعات کے مطابق بازار کے نرخ پر جائداد خریدے۔ عہدیدار ۶۰ دنوں کے اندر درخواست پر فیصلہ واضح کرتا ہے۔ اگر اس مدت تک کوئی جواب نہ ملے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اجازت مل گئی ہے، عام طور پر اجازت دے دی جاتی ہے اور لوگوں کو اسے حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

۲۳۔ کیا کسی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے فلیٹ کی منتقلی کے لئے بھی دفعہ ۲۷ کے تحت اجازت حاصل کرنا ضروری ہے؟

• جی ہاں۔ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے فلیٹ کی منتقلی کے لئے بھی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

۲۴۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تعمیری کاموں پر اس ایکٹ کا بُرا اثر پڑا ہے؟

• معلوم ہوا ہے کہ تعمیری کاموں پر اس ایکٹ کے نافذ ہونے سے اثر پڑا ہے۔ حدبندی کی حدود سے زائد اراضی پر عمارت تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہے بشرطیکہ اراضی دفعہ ۲۰ کے تحت بری قرار دی گئی ہو۔ لیکن اس صورت میں اجازت دی گئی ہے کہ تعمیر اراضی حدبندی کی حدود میں ہو، اور تعمیری کام ایکٹ کے پاس ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی شہری اراضی کے قانون کے امکانات جانے بغیر شروع کیا گیا ہو۔

۲۵۔ کیا آپ کے پاس حدبندی سے زائد اراضی ہے اور کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ تعمیر حدبندی کی حد تک محدود رکھیں؟

• اس سلسلہ میں حدبندی کی حدود میں اراضی پر تعمیری کام کی اجازت حاصل کرنے کے لئے میونسپل حکام کو درخواست بھیجنی چاہیئے۔ ایسے معاملات پر غور اور حدبندی کی حد تک اراضی کے تعین اور اس اراضی پر تعمیر کی اجازت دینے کے لئے کلکٹر، سٹی انجینئر، مختار عہدیدار اور ٹاؤن پلاننگ کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ تعمیر شروع کرنے سے پہلے آپ کو ایک حلفیہ بیان دینا ہوگا کہ آپ کے پاس کوئی دوسری خالی اراضی یا رہائشی جگہ کے ساتھ عمارت یا کسی ہاؤسنگ سوسائٹی میں فلیٹ نہیں ہے۔ (باقی آئندہ)

قلمی معاونین سے گذارش ہے

کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔



اراضی حدبندی قانون کا نفاذ

•

وی۔ آر پدیار

(نامہ نگار ٹائمز آف انڈیا)

•

ضلع ناشک میں واقع گنگاپور کے گووند برکو کھاڈے،
اپنے فصل سے بھرے کھیت میں، جو انھیں گذشتہ دنوں دیا گیا تھا۔

اصلاحات اراضی میں ریاست مہاراشٹر ہمیشہ پیش پیش رہی ہے۔ اسی طرح اب زراعتی اور شہری اراضی پر حدبندی کے معاملے میں بھی اس نے سبقت کی ہے۔

بیس سال سے زیادہ عرصہ ہؤا ریاستی حکومت نے لگانداری قانون میں ترمیم کرکے کسان کو زمین کا مالک بنانے کی پالیسی اختیار کی تھی۔ اسے نافذ کرنے میں آٹھ سال سے زیادہ عرصہ لگا۔ تقریباً ۱۲ لاکھ لگان داروں کو ۱۴ لاکھ ہیکٹر زمین کا مالک قرار دیا گیا، جس پر ۵۱ ۱۹۵۷ء تک اپنے زمینداروں کے لئے کاشت کرتے آئے تھے۔

۱۹۶۱ء میں یہ احساس ہؤا کہ یہ اصلاح بھی کم ہے۔ لہٰذا ۱۹۶۲ء میں یوم جمہوریہ سے مہاراشٹر زراعتی اراضی (حدبندی ملکیت) قانون لاگو کیا گیا اور سینچی و خشک فصل اراضی ملکیت پر حدبندی عائد کی گئی۔ ۱۹۷۵ء میں قومی پالیسی کے مطابق اس قانون پر نظرثانی کی گئی۔

نظرثانی شدہ قانون کی رُو سے حد بندی یہ ہے: ۲ء۷ ہیکٹر برائے دوامی سینچائی اراضی فی کنبہ، ۸ء۱۰ ہیکٹر برائے موسمی سینچائی اراضی، ۴ء۱۴ ہیکٹر برائے دھان اراضی جو یقینی بارش کے علاقہ میں ہو، نیز غیر یقینی سینچائی اراضی اور ۶ء۲۱ ہیکٹر برائے خشک فصل اراضی۔

زبردست مسئلہ

فاضل اراضی کا تصفیہ کرنے کے لئے ۳۲۵ ٹریبونل قائم کئے گئے تھے۔ مستحق کسانوں کو از سر نو تقسیم اراضی کے لئے بھی تقریباً ۳۲۵ ٹریبونل مقرر کئے گئے تھے۔

فاضل اراضی کا تصفیہ اور تقسیم، یہ بڑا زبردست کام ہے۔ جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ یکم جنوری ۱۹۷۶ء تک ۱۷۱ء۹۰ حسابات داخل کئے گئے، تقریباً ۲۸۳ء۸۶ حسابات کی جانچ کی گئی اور اس کے نتیجہ میں تقسیم کے واسطے ۳۵۰,۳۳ء۱ ہیکٹر اراضی ہاتھ آئی۔

فاضل اراضی کا تقریباً ۷۵ فیصد حصہ (۹۸,۳۵۸ ہیکٹر) ۷۹۸ء۶۴ بے زمین کنبوں میں تقسیم کیا جا چکا ہے۔ فاضل اراضی کی تقسیم میں مندرج جاتیوں، مندرج قبائل، عام خانہ بدوش قبائل اور ومکت جاتیوں کو فوقیت دی گئی ہے۔ ایکٹ کی رُو سے ۵۰ فیصد فاضل اراضی ان کے لئے مخصوص کی گئی ہے لیکن فی الواقعی تقسیم دس فیصد تک بڑھ گئی ہے۔

بے زمینوں کو محض زمین تقسیم کردینے سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ نہ ہی اس سے زرعی اصلاحات کی تکمیل ہوتی ہے۔ زمین پانے والے بے زمین کنبہ کو بیل، ہل، زرعی آلات، کھاد اور کیڑا مار ادویہ وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ مرکزی حکومت کی ایک اسکیم کے تحت بعض علاقوں میں زمین پانے والے نئے مالکان کو ۵۰۰ روپے فی ہیکٹر (۵۰ فیصد بطور قرض اور باقی بطور امداد) دیئے جاتے ہیں۔ پہلی دو فصلوں کے لئے ۲۵۰ روپے فی ہیکٹر پیداواری امداد بھی دی جاتی ہے۔ یہ ابتدائی زراعتی امداد، امداد باہمی سوسائیٹیوں کے توسط سے بہم پہنچائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سوسائیٹیوں کے ممبران فصل سدھار اور ایسے ہی دیگر مقاصد کے لئے امداد کے حق دار ہیں۔

گذشتہ ایک سال میں نئے مالکان نے ۱۴ء۳۱ لاکھ روپے کی رقم بطور قرض و امداد حاصل کی، اور ۱۸۳ روپے کی رقم بطور سدھار امداد پائی۔

یہ امداد بھی بہت حقیر ہے۔ گذشتہ سال حکومت نے کچھ مالدار کسانوں، ٹریکٹر مالکان اور امداد باہمی شکر کے کارخانوں کو کھیتوں کی جُتائی، بوائی میں نئے مالکان کی مدد کرنے پر آمادہ کیا تھا، پھر بھی جب تک خود گاؤں کے لوگ آگے بڑھ کر اس زبردست کام میں بخوشی اعانت نہ کریں گے، پیداوار بڑھانے میں یہ اصلاح کارگر نہیں ہو سکتی ــــ یہی خیال سابق وزیراعلیٰ، شری وی۔ پی۔



فاضل زمین کے نئے مالک، دستاویز اراضی، نہایت مسرت کے ساتھ اپنی بیوی اور بیٹی کو دکھلا رہے ہیں۔

ناٹک نے ظاہر کیا تھا۔

ریاست میں زراعتی پیداوار ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۳۶ء۲۷ لاکھ ٹن تھی جو ۷۶-۱۹۷۵ء میں بڑھ کر ۱۹ء۹۱ لاکھ ٹن ہوگئی۔ لہٰذا ۷۷-۱۹۷۶ء سال کے لئے ۱۰۰ لاکھ ٹن کا نشانہ پورا ہو، بظاہر ممکن ہے۔

بے زمینوں کے لئے مکان

شہری علاقہ جات میں زمین کی ملکیت اور قیمت کے باعث پیدا شدہ معیشت کی ابتری بھی قابلِ توجہ ہے۔ شہری اراضی (حدبندی و باقاعدگی) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کا مقصد ان شہری مسائل کو حل کرنا ہے، جو اراضی چند ہاتھوں میں اکٹھا ہو جانے نیز سٹہ بیوپار کے سبب زمین کی قیمت بڑھ جانے سے پیدا ہوئے ہیں۔

ایکٹ کے تحت حدبندی کے سختی سے نفاذ کے باعث اراضی کی قیمتوں میں اندھا دھند اضافہ سٹہ بیوپار اور اجتماع ملکیت بڑی حد تک رُک سکے گا۔ لیکن کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ حکومت، ممبئی میں جلد سے جلد فاضل اراضی حاصل کر کے بے زمینوں کے لئے مکانات بنانے میں استعمال کرے۔

یہ ایکٹ دیگر آٹھ حلقہ جات یعنی الہاس نگر، پونے، ناشک، تھانے، سانگلی، سولاپور، کولہاپور اور ناگپور میں لاگو کیا گیا ہے۔

لاگو حدبندی یہ ہے: ممبئی میں ۵۰۰ مُربع میٹر، پونے میں ۱۰۰۰ مربع میٹر، الہاس نگر، سولاپور اور ناگپور میں ڈیڑھ ہزار مُربع میٹر، ناشک، تھانے، سانگلی، اور کولہاپور میں ۲,۰۰۰ مربع میٹر۔

ممبئی میں ملکیت اراضی کی حدبندی سے واضح ہوتا ہے کہ ریاست کے اس مقام میں مسئلہ اراضی کتنا سخت ہے، جہاں ۱۵ لاکھ افراد جھونپڑ پٹیوں میں رہتے ہیں اور مزید ۱۰ لاکھ راستوں پر سوتے ہیں۔

بالآخر اصل کام یہی ہے کہ بے گھروں کو گھر دیا جائے۔ محض ملکیت زمین پر حدبندی لاگو کر کے مقصد پورا نہیں ہوسکتا اگر حکومت تمام فاضل اراضی لیکر خاموش بیٹھ جائے اور اس کے بعد کوئی کارروائی نہ کرے تو اس سے صورت حال میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہ ہوگی اِلّا یہ کہ ملکیت اراضی نجی ہاتھوں سے حکومت کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

ارادہ یہ ہے کہ صنعتی ہاؤسنگ اسکیمیں نیز سماج کے کمزور طبقات کے لئے اس قسم کی اسکیمیں بڑے پیمانے پر شروع کی جائیں تاکہ ممبئی میں تعمیر اور فراہمیِ مکانات کا مسئلہ حل ہوسکے۔ فاضل اراضی کے بارے میں بیانات کے اندراج اور ان کی جانچ کے سوا سرکاری سطح پر اب تک فاضل اراضی کے استعمال کے بارے میں کوئی کارروائی نہیں کی گئی ہے جو ۱۲,۰۰۰ ہیکٹر تک حاصل ہونے کی توقع ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ بعض معاملات میں حصول کی کارروائی شروع کی گئی ہے۔

●●

کامیابی کی کہانی:

'خود روزگار' دلی راحت کا سامان

ایک پرنٹنگ پریس کے لئے بڑا سرمایہ اور قیمتی مشینری درکار ہے اس سے یہ بھی اُمید نہیں ہوتی کہ اس کے جاری ہوتے ہی خاصی آمدنی ہونے لگے گی۔ مشینری کو کارگر رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کام برابر ملتا رہے۔

بہرحال ضلع ستارہ میں واقع لوند کے تین دکشت بھائیوں کو جو متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ان باتوں کی کوئی خاص پرواہ نہ تھی۔ انھیں تو بس اپنا کام شروع کرنے کی دھن تھی۔

ان تین بھائیوں کے نام ہیں، جگدیش، ششی کانت اور روی راج۔ ان سے اس وقت جبکہ یہ تینوں اپنے کام میں ہمہ تن مصروف تھے اور پرنٹنگ کے کام سے ان کے ہاتھ سیاہ ہو رہے تھے، بات چیت کرتے ہوئے شری پی۔ ایس۔ مہاجن، ضلع افسر اطلاعات، ستارہ کو اس بات کا اندازہ ہوا، جنھیں خاص طور سے 'لوک راجیہ' کے لئے ان برادران سے ملاقات کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

ان تینوں میں بڑے بھائی شری جگدیش نے 'نمستے' کہہ کر شری مہاجن کا سواگت کیا۔ وہ اس ملاقات کے مقصد پر ذرا حیران نظر آتے تھے۔ ضلع افسر اطلاعات نے انھیں یہ بتایا کہ آپ کا یہ کام تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ایک مثال ہے اور ان میں کام کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

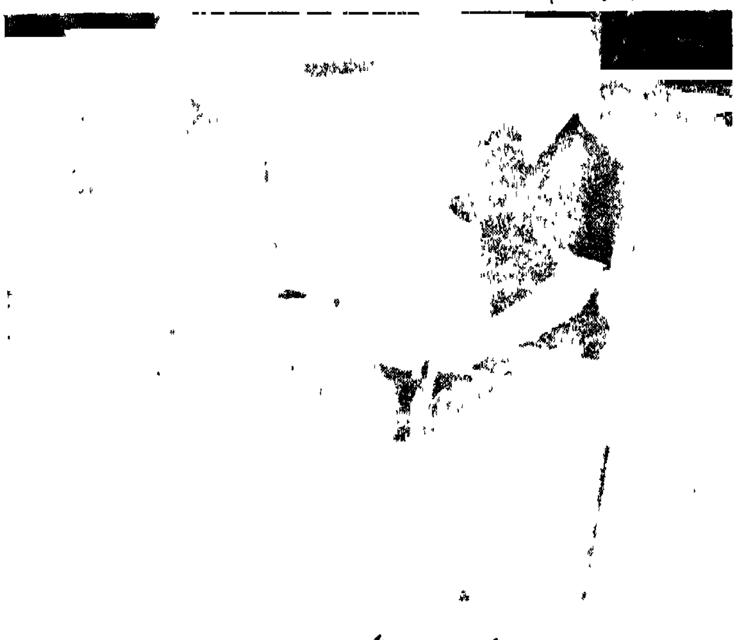
ضلع افسر اطلاعات نے جگدیش سے دریافت کیا:

سوال: آپ کو خود اپنا پرنٹنگ پریس کھولنے کا خیال کیسے آیا؟

جواب: میں نے ایس۔ ایس سی تک تعلیم پائی ہے۔ کوشش کرنے پر مجھے کوئی اچھی ملازمت مل سکتی تھی۔ لیکن مجھے یہ پسند تھا کہ ملازمت کے بجائے خود آزادانہ طور پر اپنا کام کروں۔

سوال: آپ نے خاص طور پر یہ ہی صنعت کیوں پسند کی؟

جواب: میرے خیال میں یہ ایک ایسی آزادانہ چھوٹی صنعت ہے جس میں مواقع بڑھ رہے ہیں۔ دیہی علاقوں میں تعلیم پھیلنے کے ساتھ طباعت کے چھوٹے موٹے متفرق کاموں مثلاً دعوتی کارڈ، اشتہار، رسید بک، کھاتے اور پمفلٹ وغیرہ کی مانگ لوند جیسے چھوٹے قصبات



شری دکشت پرنٹنگ کے کام میں مصروف

میں بھی بڑھ رہی ہے۔ اس مقصد کے مدنظر میں نے پنڈھرپور میں کمپوزنگ سیکھی۔

سوال: کیا آپ کے پاس ضروری سرمایہ تھا؟

جواب: میرے پاس فقط پانچ چھ ہزار روپے کی رقم تھی، لیکن میرے پیش نظر منصوبے کے لئے تیس ہزار روپے کی رقم درکار تھی۔ چونکہ قومیائے بنکوں اور ایسے ہی دیگر اداروں سے چھوٹے صنعتی کام شروع کرنے کے لئے مالی امداد ملنے لگی ہے۔ لہذا میں نے مہاراشٹر اسٹیٹ فائننشل کارپوریشن کی ستارہ برانچ سے رجوع کیا اور پرنٹنگ پریس کھولنے کے لئے مفصل منصوبہ پیش کیا۔ میں نے اپنی ابتدائی رقم کے بارے میں بھی تفصیلات بتادیں اور قرض مانگا۔

سوال: آپ کو قرض کب ملا؟

جواب: بنک حکام نے حسب معمول میرے منصوبے کی مفصل جانچ کی اور ۱۶،۰۰۰ روپے کی رقم دیدی تاکہ میں ضروری مشینری اور دیگر سامان خرید سکوں۔ میں اہلکاران بنک کا ممنون ہوں جنھوں نے بہت جلد قرض دیدیا۔

اس کے علاوہ مجھے کام چلاؤ پونجی کے طور پر یونائیٹڈ ویسٹرن بنک کی ستارہ برانچ سے پانچ ہزار روپے کا قرض مل گیا۔ نیز سیڈ کیپٹل کے طور پر ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمینٹ کارپوریشن نے بھی ڈھائی ہزار روپے بطور قرض دئیے۔

سوال: آپ قرض کیسے ادا کریں گے؟

جواب: مہاراشٹر اسٹیٹ فائننشل کارپوریشن سے ملے ہوئے قرض کی ادائیگی دو سال بعد شروع ہوگی۔ کارپوریشن کے قوانین کے تحت ششماہی میعاد پر ۱۷ اقساط میں یہ رقم چکانا ہوگی۔ بنک کا قرض "نقد سرمایہ" نوعیت کا ہے۔

سوال: آپ کا ماہانہ خرچ کیا ہے؟

جواب: مجھے تقریباً ۱۰۰ روپے جگہ کے کرایہ کی ادائیگی میں خرچ کرنا پڑتے ہیں۔ چھپائی کاغذ، سیاہی اور دیگر سامان کا خرچ الگ ہے۔

سوال: کیا آپ کا ارادہ ہے کہ اپنے کام میں مدد کے لئے کوئی ملازم رکھیں؟

جواب: فی الحال تو نہیں۔ میرے دو بھائی ہیں، ششی کانت (عمر ۲۶ سال) اور روی راج (عمر ۲۰ سال) یہ میرے ساتھ کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کو پرنٹنگ کے کام کی کچھ جانکاری بھی ہے۔ انھوں نے لونند میں یہ کام سیکھا ہے۔

ہمارا یہ کام مشترکہ ہے، میرے بھائی بھی میری ہی طرح کا جذبہ رکھتے ہیں۔ لہذا ہمیں امید ہے کہ ہم پورے اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں، اور آگے چل کر ہمارا "پرمود پرنٹرس" اس خطہ میں مشہور پرنٹنگ ایجنسی بن سکتا ہے۔

سوال: آپ نے ابتدا میں کام کے آرڈر حاصل کرنے کے لئے کیا تدبیر کی؟

جواب: میرے دوستوں اور بہی خواہوں کو پہلے ہی سے ذاتی پریس قائم کرنے کے سلسلے میں میرے ارادے کا علم ہوگیا تھا۔ نیز میں نے مشینری حاصل کرنے اور لگانے سے قبل ہی کئی چھوٹے بڑے اداروں سے رجوع کیا تاکہ کام کے آرڈر مل سکیں۔

ہماری سدا یہی کوشش ہوگی کہ پرنٹنگ میں اونچا معیار قائم رکھیں تاکہ ہمارا کام جاننے سے قبل ہی جن لوگوں نے ہماری سرپرستی کی ہے وہ نہ صرف ہماری سرپرستی جاری رکھیں بلکہ اپنے دوسرے دوستوں سے بھی ہماری سفارش کریں۔ طباعت کا کام نفیس ہو اور تعمیل فوری ہو۔ یہی دو مقاصد ہمارے پیش نظر ہیں۔

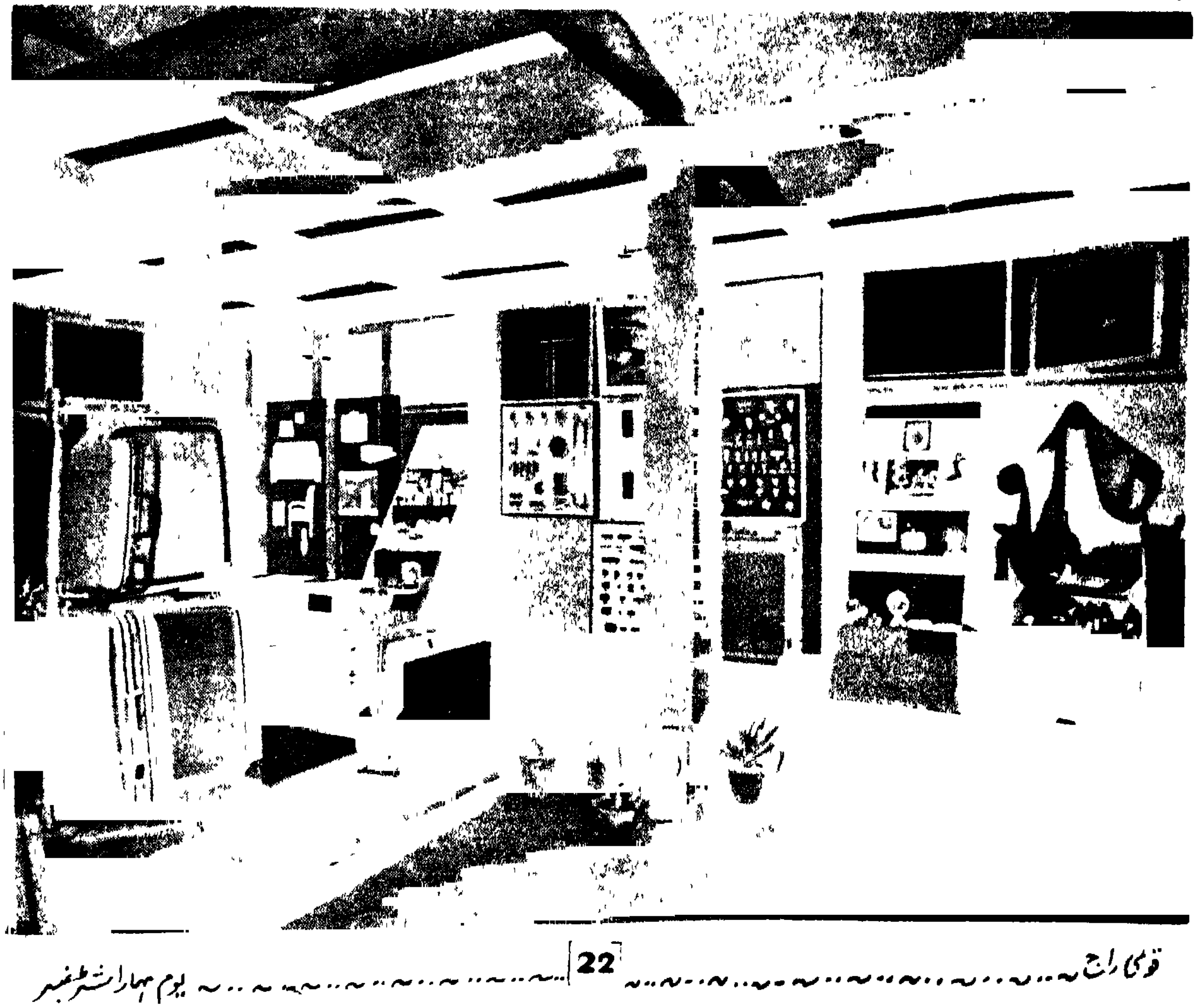
سوال: نئی نسل میں بہت سے نوجوان ایسے ہو سکتے ہیں جن کے دل میں بھی آپ ہی کی طرح کا جذبہ ہو۔ کیا ان کے لئے آپ کوئی پیغام دیں گے؟

جواب: سچ تو یہ ہے کہ یہ کوئی اتنا بڑا کام نہیں جس کی اتنی چرچا اور تعریف کی جائے۔ بہرحال ہمارا خیال ہے کہ ایسے کاموں میں جیسا کہ ہم نے شروع کیا ہے کچھ مسائل اور مشکلات ضرور پیش آتی ہیں۔ لیکن ہمیں پورا یقین ہے کہ کام کی لگن اور عزم سے ہر مسئلہ اور مشکل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ ذرا سوچئے اپنے بل پر یہ کام شروع کرکے ہمیں جو اطمینان و مسرت حاصل ہوئی ہے کیا وہ خاصی تنخواہ والی نوکری سے حاصل ہو سکتی تھی۔

مہاراشٹر ۔ ۱۷ سال میں ہمہ جہتی ترقی

شری بنود راؤ، مُمتاز ادیب اور صحافی نے اس مضمون میں مہاراشٹر کے قیام کے بعد سے مختلف میدانوں میں اس کی سرگرمیوں اور کامیابیوں کا مختصراً جائزہ لیا ہے ہم آئندہ شماروں میں ترقیاتی کاموں کے ہر پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

کیمیکل فائبر اور پلاسٹک اشیاء کا شعبہ۔ مہاراشٹر سالانہ ۹۰ کروڑ روپے مالیت کا متفرق سامان مثلاً انجینئرنگ سامان، بیسک کیمیکل اور فارماسیٹکل، سوتی کپڑا اور پراڈکٹس برآمد کرتا ہے۔



۱۷ سال قبل یک لسانی ریاست مہاراشٹر کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت اور عوام کے درمیان ان کی مادری زبان میں قریبی رابطہ قائم ہو، وہ ریاست کے امور میں پوری طرح شریک ہوں اور اس طرح انھیں زیادہ سے فائدہ پہنچے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ دیگر زبانیں بولنے والے باشندوں کا مفاد نظرانداز کر دیا جائے گا۔ یہ امر واضح کر دیا گیا تھا کہ نئی ریاست میں ریاست اور مراٹھی بھاشی اپنا فرض سمجھتے ہوئے دوسرے لسانی فرقوں کے دلوں میں سلامتی اور حفاظت کا احساس پیدا کریں، سب بدستور بھائیوں کی طرح مل جل کر رہیں، اور مہاراشٹر کی عظمت کو بڑھانے میں معاون ہوں۔

یہ بات ریاست کی راجدھانی، شہر بمبئی کے لئے زیادہ برمحل ہے جو کاسموپولیٹن ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کے دیگر شہروں کے درمیان خاص مقام رکھتا ہے۔ اسی کاسموپولیٹن خصوصیت کی بنا پر یہاں مہاراشٹری، گجراتی، مارواڑی، پارسی، پنجابی، سندھی، دکنی، بنگالی، مسلمان اور عیسائی سب ہی مل جل کر رہتے ہیں۔ ساتھ کام کرتے ہیں اور اس طرح بمبئی، ہندوستان کا بڑا معاشی وثقافتی مرکز بن گیا۔ حکومت مہاراشٹر نے اسی خصوصیت کو برقرار رکھنے اور سنوارنے کا بیڑا اُٹھایا۔

حکومت نے ریاست کے تمام خطوں کے ساتھ مساوی سلوک کا یقین دلایا اور یہ واضح کیا کہ اس ذمہ داری کو سرانجام دیتے ہوئے ان علاقوں کا خاص خیال رکھا جائے گا جو بدقسمتی سے کچھ تاریخی اسباب سے دوسروں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ریاست کے نئے علاقہ جات یعنی مراٹھواڑہ نیز کوکن کے پسماندہ خطہ کو یہ یقین دلایا گیا کہ ان کے جائز مفادات کی حفاظت کی جائے گی۔

اسی طرح حکومت نے پس ماندہ جاتیوں کو یقین دلایا جن میں ہریجن، نوبدھ اور ادیباسی شامل ہیں۔ انتظامیہ نے مہاراشٹر کی سماجی و معاشی زندگی میں نئی جان ڈالنے کی کوشش کی تاکہ سماج کے تمام طبقات میں برابری کا احساس پیدا ہو اور پسماندہ شعبے ریاست کی زندگی میں جائز مقام پا سکیں۔ مہاراشٹر نے اس سترہ سال کے دوران اس راہ پر کہاں تک پیشقدمی کی ہے جو اس نے اپنے قیام کے بعد خود اپنے لئے معین کی تھی؟

اس سوال کا جواب دیتے وقت ریاست کے مخصوص سماجی و معاشی حالات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اسّی فیصدی آبادی کا انحصار زراعت پر ہے، غیر یقینی اور ناکافی بارش کے سبب سینچائی محدود رہتی ہے اور اس طرح زراعت گراں بیٹھتی ہے۔ اس طرح بے زمین کھیتی مزدوروں کا بڑا طبقہ پیدا ہو گیا ہے۔ نیز کافی تعداد ایسے چھوٹے کسانوں کی ہے جن کے پاس غیر منفعت بخش چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ پھر بڑی تعداد میں شہری مزدور ہیں جو شہری آبادی کا بڑا حصہ ہیں، انھیں مکان اور مختلف ضروری کام بہم پہنچانا پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ ادیباسی اور سماج کے دیگر کمزور طبقات ہیں جنھیں امیر زمیندار جنگلات کے ٹھیکیدار اور ساہوکار ایک زمانے سے لوٹتے کھسوٹتے آئے ہیں۔ انھیں بھی بڑے پیمانے پر راحت درکار ہے۔

خودکفالتی کی سمت

عام فلاح و بہبود کی راہ معاشی ترقی ہی سے کھلتی ہے۔ ہندوستان میں معاشی ترقی کا ذریعہ پانچ سالہ منصوبہ جات ہیں ایسا پانچواں منصوبہ فی الحال زیرعمل ہے۔ ریاست کی



تقریباً ۶۶ فیصد فاضل اراضی کمزور طبقات یعنی ادیباسیوں اور خانہ بدوش قبائل وغیرہ میں تقسیم کی جا چکی ہیں۔

معیشت میں زراعت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اُسے سب سے زیادہ ترجیح دی گئی۔ نتیجہ یہ کہ اناج کی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوا۔ ۶۲-۱۹۶۱ء میں اناج کی پیداوار ۴۴٫۷۷ لاکھ ٹن ہوئی تھی جو ۷۶-۱۹۷۵ء میں بڑھ کر ۹۲ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی اور حسب توقع ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۹۵ لاکھ ٹن کی زبردست پیداوار ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں مہاراشٹر جہاں گذشتہ سالوں میں غذائی قلت لاحق رہتی تھی برابر خود کفالتی کی سمت بڑھ رہا ہے۔

۱۹۷۲ء، ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۴ء کے سالوں میں خشک سالی کے باوجود یہ پیش قدمی اور کامیابی، دستیاب آبی ذرائع سے زیادہ سے زیادہ استفادہ، اچھی فصل دینے والے بیج اور کھاد کے استعمال، زمین اور پودوں کی حفاظت و جدید زراعتی طریقے اختیار کر کے حاصل کی گئی۔ کنوؤں، ٹیوب کنوؤں، تالابوں، ندیوں سے پانی کی بہم رسانی بڑے، درمیانی اور چھوٹے آب پاشی منصوبوں کی تکمیل کے ذریعہ گذشتہ پندرہ سال میں سنچائی کی صلاحیت ۳٫۹۸ لاکھ ہیکٹر سے بڑھ کر ۱۲٫۹۱ لاکھ ہیکٹر ہوگئی۔ اس مدت کے دوران بڑے منصوبہ جات مثلاً ویر، گھوڈ، گیرنا، پوس اور پورنا پایۂ تکمیل کو پہنچے جبکہ اجانی، جائیک واڑی اور ککرڈی منصوبوں کا کام تیز کیا گیا۔

اس طرح یقینی طور سے پانی کی فراہمی کے باعث روایاتی فصلی طریقہ میں تبدیلی رونما ہوئی۔ ایک ہی زمین پر مختلف موسموں میں مختلف فصلیں اُگانا ممکن ہو سکا۔ اس طرح آج اُن علاقوں میں جہاں پہلے صرف جوار پیدا ہوتی تھی، وہاں دھان اور جہاں صرف دھان کی کاشت ہوتی تھی وہاں جوار بھی پیدا ہونے لگی ہے۔

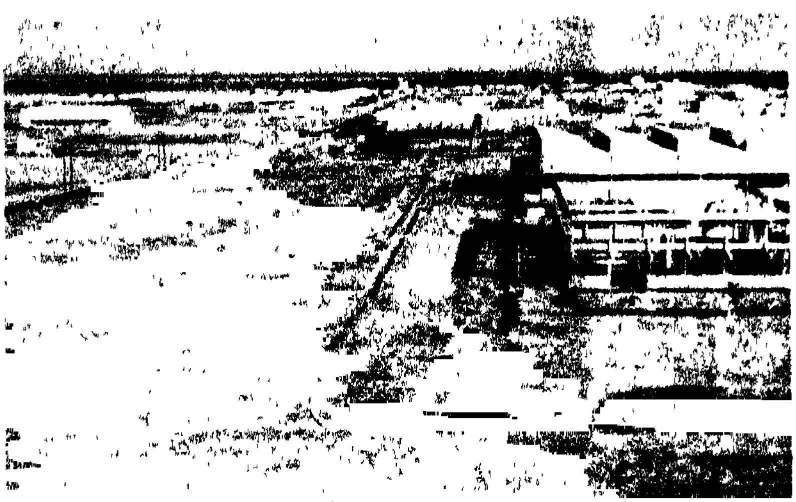
ضلع قلابہ، جو روایتاً دھان کی پیداوار کا خطہ ہے اب غیر دھان موسم میں گیہوں بھی پیدا کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔

اسی کے ساتھ سنچائی سے فیضیاب ہونے والوں کو جو پہلے صرف نقد فصل اگانے پر دھیان دیتے تھے، ترغیب دی گئی کہ وہ اُس کی جگہ کچھ اناج بھی پیدا کریں۔ چھوٹے زمیندار جو کسان برادری کا ساٹھ فیصد حصہ ہیں ایک سنچائی پانی کے بندوبست اور دوسری طرف بیج اور زراعتی ساز و سامان خریدنے کے لئے امداد باہمی امداد پا کر منفعت جماعت اور کارآمد کسان بن گئے۔ ان اقدامات کی بدولت کسانوں میں اعتماد پیدا ہوا اور اُن کے مطمح نظر اور طرزِ عمل میں یکسر تبدیلی واقع ہوئی۔ اب کسان زراعت کو محض روزی کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک صنعت سمجھتا ہے۔

انقلابی اقدام

فاضل اراضی کے اعلان اور تقسیم سے متعلق ریاستی حکومت کا پروگرام دیہی علاقوں میں سماجی و معاشی نابرابری ختم کرنے کے لئے ایک جرأت مندانہ انقلابی اقدام ہے۔ بندوبست اراضی کے جابرانہ نظام کے خلاف پہلا زبردست اقدام مختلف لگان داری قوانین کے ذریعہ مالکانہ حقوق کا خاتمہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زمین کا مالک کسان، یہی پالیسی بروئے کار لائے۔

نئے زمین حدبندی قانون بابت ۷۵ء کے تحت ۱٫۴۳ لاکھ ہیکٹر زمین حکومت کے ہاتھ میں آئی ہے جو دیگر تمام ریاستوں میں حاصل شدہ اراضی کے نصف حصے سے بھی زیادہ ہے۔ اس اراضی میں سے لگ بھگ ۶۶ فیصد حصہ سماج کے کمزور طبقات کو تقسیم کیا جا چکا ہے جو مندرج جاتیوں، مندرج قبائل، خانہ بدوش قبائل اور دیگر جاتیوں پر مشتمل ہے اور یہ فیضیاب ہونیوالوں کا تقریباً ۷۵ فیصد حصہ ہیں۔ فروری ۱۹۷۷ء



چیکھل تھانے انڈسٹریل اسٹیٹ
ریاست میں متوازن صنعتی ترقی کی غرض سے ایسی ۶۹ صنعتی بستیاں قائم کی گئی ہے

کے اختتام تک کل ۲۶۱ء۳ لاکھ بے زمین مزدوروں میں سے ۵۸ء۳ لاکھ کو مکان کے لئے جگہ دی گئی۔ ان میں سے ۶۵ء۱ لاکھ نے مکان بنالئے۔ اس کام میں مقامی لوگوں نے بخوشی روپیہ اور محنت کی شکل میں بڑا حصہ ادا کیا۔ معاون ذریعہ آمدنی کے طور پر ان لوگوں کو جہاں کہیں ممکن ہے زمین کا پلاٹ دیا جا رہا ہے تاکہ وہ مخلوط النسل گائیں یا بھیڑ بکریاں یا مرغیاں پال سکیں۔

گاؤں کی پوری برادری نئے زمینداروں کی جوتائی، بوائی اور فصل کی کٹائی میں مختلف طرح سے اعانت کر رہی ہے۔ اس باہمی تعاون عمل اور عوامی شرکت کے جذبہ سے دیہاتوں میں سماجی و معاشی انقلاب کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔

اصلاحات اراضی کا نفاذ 'حقوق ریکارڈ' پر منحصر ہے جس کی نہایت تیزی سے تجدید کی جارہی ہے۔ پہلی مرتبہ کسان کو اپنی 'کھاتے پُستک' (لینڈ پاس بُک) ملی ہے جس میں اس کی ملکیت کے بارے میں تمام ضروری اندراجات ہیں۔ یہ بنیادی دستاویز ہے جو انھیں بے ایمان زمیندار اور بے ایمان گاؤں ادھیکاریوں کی دھاندلی سے محفوظ رکھے گی۔

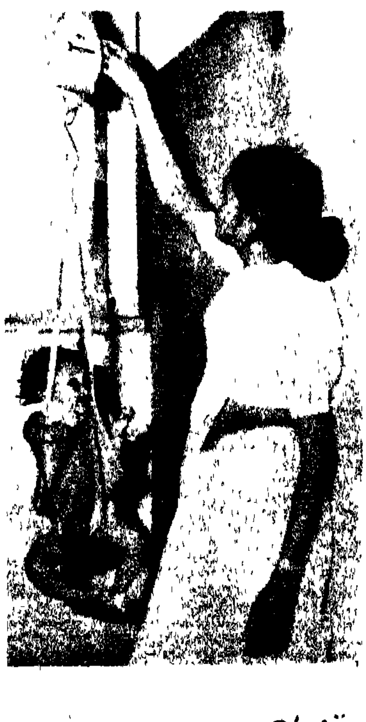
حکومت نے ضمانت روزگار اسکیم کے تحت اس امر کی یقین دہانی کی ہے کہ دیہی علاقوں میں کوئی بھی شخص جو محنت کا کام کرنے پر آمادہ ہو کام اور اجرت سے محروم نہ رہے۔ اجرت کام کی نوعیت اور پیداوار سے وابستہ ہے۔ کام کو ترقیاتی رُخ دیا گیا ہے اس طرح اس اسکیم سے 'روزگار' کی فراہمی اور قوم کے لئے پائیدار اثاثہ' یہ دوہرا مقصد حاصل ہوتا ہے۔



ایسی تقریباً ۳۰ ہزار مناسب بھاؤ کی دوکانوں سے ضروری سامان مناسب داموں پر خریداروں کو فروخت کیا جاتا ہے

قبائل کی فلاح و بہبود

مہاراشٹر میں قبائل کی آبادی کل ریاستی آبادی کا چھ فیصد حصہ ہے۔ قبائلی سماج کا کمزور ترین حصہ ہے۔ جہالت، غربت اور علیحدگی کے سبب وہ اس ترقی سے پوری طرح فیضیاب نہ ہو سکے جو آزادی کے بعد متعدد سماجی و معاشی پروگرام کے تحت ہوئی ہے۔ ان میں قبائلی ترقیاتی حلقہ جات، جنگلاتی مزدوروں کے لئے امداد باہمی سوسائٹیوں اور قبائلی بچوں کے لئے آشرم شالاؤں کا قیام شامل ہے لیکن ان کے ذریعہ قبائلی باشندوں کو قوم کے اصل دھارے میں ملانے کا مقصد پورا ہو سکا



پرائمری ہیلتھ سینٹر، ددو، ضلع پونے میں ایک بچے کا وزن کیا جارہا ہے۔

لہٰذا قبائلی علاقوں کی ترقی کے لئے قبائلی ضمنی منصوبہ نامی خاص پروگرام جاری کیا گیا۔ یہ پروگرام تیرہ اضلاع میں زیرِ عمل لایا جا رہا ہے جہاں قبائلی آبادی یا قبائلی علاقہ زیادہ اکٹھا ہے۔ اندازہ ہے کہ پانچویں پنج سالہ منصوبہ کی مدت کے دوران ان پر ۱۳۰ کروڑ روپے کی رقم خرچ ہوگی۔ فی الحال گذشتہ دو سال کے دوران کل ۳۸ ادیباسی امداد باہمی سوسائٹیاں قائم کی گئی ہیں تاکہ ادیباسیوں کو پیداواری اور کھیت سرمایہ نیز منڈی اور دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں۔

امداد باہمی تحریک جو سوشلسٹ معیشت قائم کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے دور دراز دیہاتوں تک گھر گھر پہنچ گئی ہے۔ پانچ لاکھ سوسائٹیوں سے جن کے اراکین کی تعداد ۱۱۲ لاکھ ہے ریاست میں زراعتی ترقی کو بڑھاوا ملا ہے۔ امداد باہمی شکر سوسائٹیوں کی تعداد ۲۰ سے بڑھ کر ۲۷ تک پہنچ گئی ہے اور اب 'گنّے کے رس' کی جگہ شکر کارخانوں نے لی ہے۔

پنچایت راج

۱۹۶۲ء میں ریاست میں پنچایت راج شروع ہوا اور لوکل سیلف گورنمنٹ دیہی سطح تک کارفرما ہوئی اور اپنی جگہ کامیاب رہی، اس کے ساتھ ضلع پریشدوں نے خشک سالی اور دیگر ہنگامی حالات میں اپنی ذمے داری پوری کی۔ انھوں نے لوگوں میں تعمیری کاموں میں شریک ہونے کے لئے جوش و خروش پیدا کیا جس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ سرکاری امداد جو ۱۹۶۲ء میں صرف ۲۹٫۶۰ کروڑ روپے تھی ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھا کر ۱۵۰ کروڑ روپے کر دی گئی۔

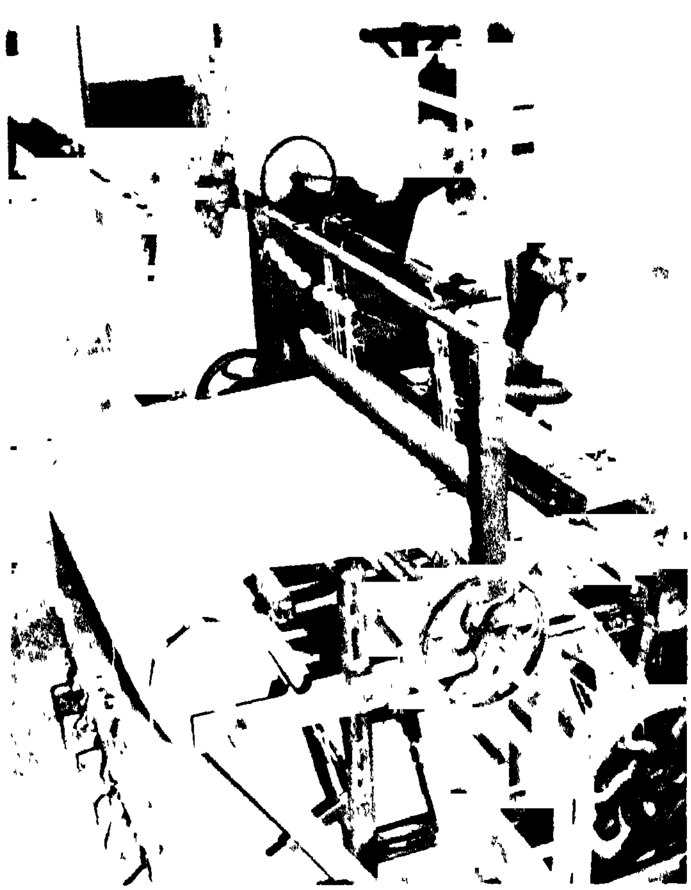
ریاست کا پانچواں پنج سالہ منصوبہ ضلع کو اکائی قرار دیکر وضع کیا گیا ہے۔ غربت دور کرنا اور خود اعتمادی پیدا کرنا ہی پانچویں منصوبہ کے تحت جڑواں قومی مقصد ہے، یہی ہمارے لئے بھی مشعلِ راہ ہے اور ۱۹۷۱ء میں حکومت مہاراشٹر کا وضع کردہ ۱۵-نکاتی پروگرام منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ضلع منصوبہ بندی میں بنیادی طور سے ہر ضلع کیلئے معینہ ذرائع مختص کئے گئے ہیں، اس طرح ضلع کے اندر ترجیحات کا خیال رکھا جا سکے گا۔ ضلع منصوبہ بندی کا ایک اور اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے یقیناً مقامی لوگوں کے دلوں میں شریک کار ہونے کا جذبہ بڑھے گا۔

شہروں میں تیزی سے صنعتوں کے فروغ پانے سے آبادی کا مسئلہ نازک شکل اختیار کر گیا ہے۔ لہٰذا ٹاؤن پلاننگ کی اہمیت اور ضرورت مزید بڑھ گئی۔ بمبئی، پونے اور ناگپور کے میٹروپولیٹن علاقہ جات کے علاقائی منصوبہ جات تیار کئے گئے ہیں۔ اول الذکر منصوبہ کی عمل آوری کے لئے بمبئی ریجنل ڈیولپمنٹ اتھارٹی مقرر کی گئی ہے ناشک، کولہاپور، اچل کرنجی اور اورنگ آباد۔ جالنہ کے لئے

ریاست میں معذوروں کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ ناگپور میں لگائے گئے ایک کیمپ میں ڈاکٹر معذوروں کا معائنہ کر رہے ہیں۔



ہینڈلوم ٹریننگ سینٹر، ناگپور میں ایک بُنکر کو جدید طریقہ پر بنائی کی تربیت دی جارہی ہے۔ ایک وقت میں ۳۰ بُنکروں کو اس دو ماہی تربیتی کورس کیلئے چُنا جاتا ہے اور ہر ایک کو ۱۰۰ روپے ماہانہ معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔



علاقائی منصوبہ جات تیار ہیں اور حکومت کی جانب سے منظور کیئے جانے والے ہیں۔

حکومت نے نئے شہر بسانے کا پروگرام بھی بنایا ہے۔ جس میں ممبئی بندرگاہ کے پار نئے شہر کی تعمیر قابل ذکر ہے۔ نئی بمبئی کی تعمیر اور اورنگ آباد، ناندیڑ، ناشک اور ناگپور جیسے شہروں کے متصل علاقوں کی ترقی کا کام سٹی اینڈ انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (سِڈکو) کو سونپا گیا ہے۔

شہروں کی آبادی برق رفتاری سے بڑھنے کے باعث مکان، نقل و حمل، روزگار اور ایسے ہی دیگر پریشان کن مسائل اور پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ حکومت ان پر قابو پانے میں پوری پوری مدد دے رہی ہے۔ مہاراشٹر ہاؤسنگ بورڈ نے جس کا دائرۂ عمل ودربھ کے آٹھ اضلاع کو چھوڑ کر پوری ریاست ہے اب تک ایک لاکھ سے زیادہ مکانات تعمیر کرائے ہیں جبکہ ودربھ ہاؤسنگ بورڈ نے ۸,۶۶۷ مکانات بنوائے ہیں۔ بمبئی بلڈنگ ریپیرس اینڈ ری کانسٹرکشن بورڈ ۱۹۶۹ء میں قائم کیا گیا تھا اس نے اب تک ۳,۰۰۰ عمارات کی مرمت کی ہے نیز دیگر تقریباً ۲,۰۰۰ مکانات کی مرمت کا کام جاری ہے۔

مہاراشٹر جھونپڑپٹی سُدھار بورڈ نے جو ۱۷ شہروں میں جھونپڑپٹیوں کے سُدھار کے کام سے وابستہ ہے ۱۶ کروڑ روپے کی رقم (جس میں بمبئی عظمیٰ میں صرف کی گئی ۱۲ کروڑ روپے کی رقم شامل ہے) ۱۲ لاکھ آبادی کے لئے جھونپڑپٹیوں میں نل پانی، گندے پانی کی نکاسی، سنڈاس اور سڑکوں پر بجلی لائٹ کے انتظام پر صرف کی ہے۔ قومیائے بنک جھونپڑپٹی سُدھار اسکیم کے لئے ۴ کروڑ روپے کی رقم مہیا کرنے پر آمادہ ہیں جس کے لئے بمبئی عظمیٰ میں جھونپڑپٹی کے ۶۰,۰۰۰ باسیوں نے مختلف بنکوں میں فی الحال کھاتے کھلوا لیئے ہیں۔

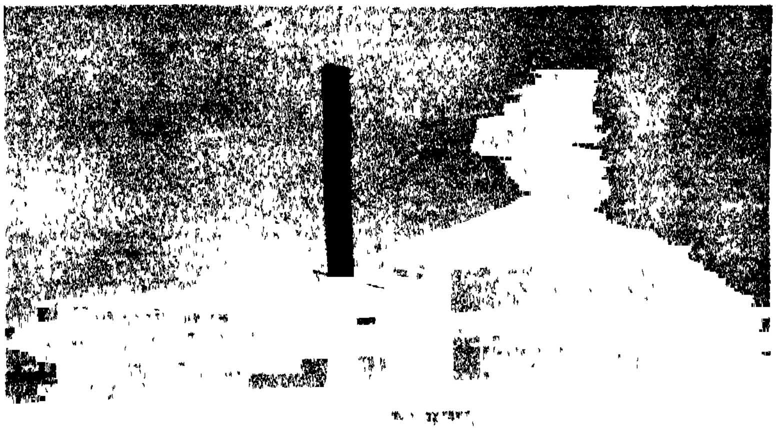
بے روزگاری کے مسئلہ سے نپٹنے کے لیئے حکومت نے ہر ضلع میں فراہمی روزگار دفتر (ایمپلائمنٹ ایکسچینج) کھولا ہے۔ جو بے روزگار اشخاص کے نام وغیرہ جاری رجسٹروں میں درج کرتا ہے اور انھیں روزگار بہم پہنچاتا ہے۔ ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران ان دفاتر کی معرفت ۳۴,۵۰۰ اشخاص کو مختلف ملازمتیں ملیں۔ خود روزگار پروگرام کے تحت تعلیم یافتہ بیروزگار اشخاص کو کاروبار یا کارخانہ جاری کرنے میں مدد دی جاتی ہے۔ اس طرح ۱۹۷۲ء سے تقریباً ۱۳,۰۰۰ کارخانہ جات کو امداد دی گئی اور اس سے ۱۳,۵۱۴ اشخاص کو فائدہ پہنچا۔

صنعتی ترقی

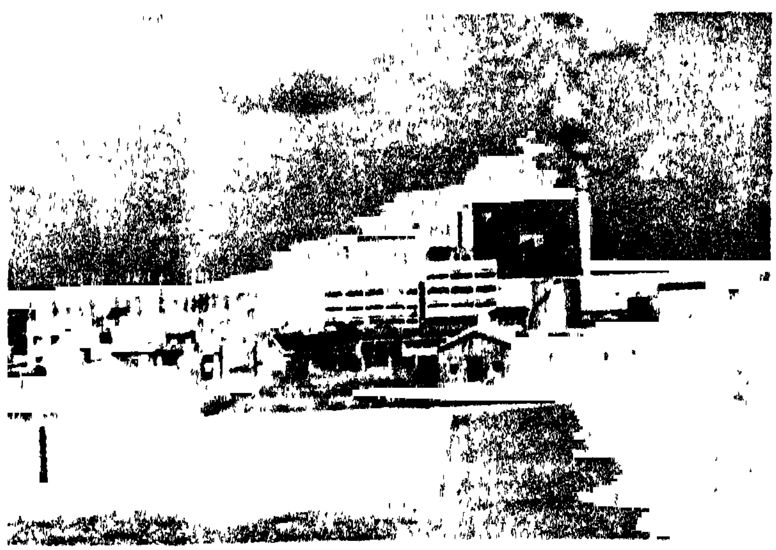
مہاراشٹر، ہندوستان میں صنعتی طور پر سب سے زیادہ ترقی یافتہ ریاست ہے۔ یہاں طرح طرح کی صنعتوں کا وسیع سلسلہ ہے نیز بمبئی، تھانے، پونے پٹی میں صنعتوں کے اکٹھا ہو جانے سے ایک نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ریاست کی متوازن ترقی کے خیال سے حکومت نے سوچ سمجھ کر صنعتوں کے پھیلاؤ کی پالیسی اختیار کی ہے تاکہ ریاست کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں رفتارِ ترقی تیز ہو۔

یہ پروگرام مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (ایم آئی ڈی سی) مہاراشٹر اسٹیٹ فائنینشل کارپوریشن (ایم ایس ایف سی) اور اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن (ایس آئی سی او ایم) جیسی ایجنسیوں کے ذریعہ زیرِ عمل لایا جا رہا ہے جو نئے صنعت کاروں کی مختلف طریقوں سے حوصلہ افزائی کرتی ہیں اور ان کی مدد کرتی ہیں۔ چنانچہ ۵۱ 'ترقی مراکز' ہموار کیے گئے ہیں نیز بمبئی سے دُور دراز فاصلہ پر واقع مقامات مثلاً احمد نگر، ناشک، ناگپور، چندرپور، اورنگ آباد اور رتناگیری میں صنعتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔

گذشتہ پندرہ سال کے دوران بجلی کی پیداوار میں چار گنا اضافہ ہوا ہے۔ ریاست کے ۳۵۰۰۰ دیہاتوں میں سے ۲۰۰۰۰ سے زیادہ دیہاتوں میں بجلی پہنچ گئی ہے اور ریاست کی آبادی کا اسّی فیصدی سے زیادہ حصّہ اس سے فیضیاب ہے۔ مرکزی حکومت نے چھ تھرمل پروجیکٹوں کی منظوری دیدی ہے جن سے ۲۰۵۰ میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی۔ چندرپور میں ۴۰۰ کروڑ روپے کی لاگت کے سپر تھرمل پاور اسٹیشن کے سلسلہ میں کام جاری ہے۔



مہاراشٹر میں شکر کارخانوں کا جال بچھا ہے۔ گذشتہ ۱۷ سالوں میں امدادِ باہمی شکر کے کارخانوں کی تعداد ۲۰ سے بڑھ کر ۷۲ ہو گئی ہے۔ یہ ضلع جلگاؤں میں واقع بیل گنگا کوآپریٹو شکر کارخانے کی تصویر ہے۔



مراٹھواڑہ میں بیس کروڑ روپے کی لاگت کا پارلی تھرمل پروجیکٹ جاری ہو گیا ہے جس سے ۶۰ میگاواٹ بجلی پیدا کی جا سکے گی۔

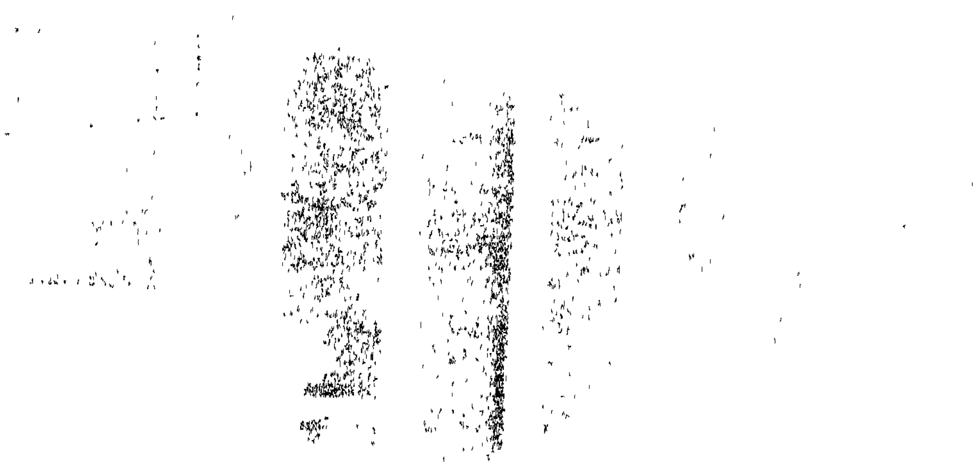


ایگریکلچرل کالج فارم، پونے میں بندگوبھی کا کھیت، دوسری طرف انگور کا باغ

پُونے یونیورسٹی
بلڈنگ

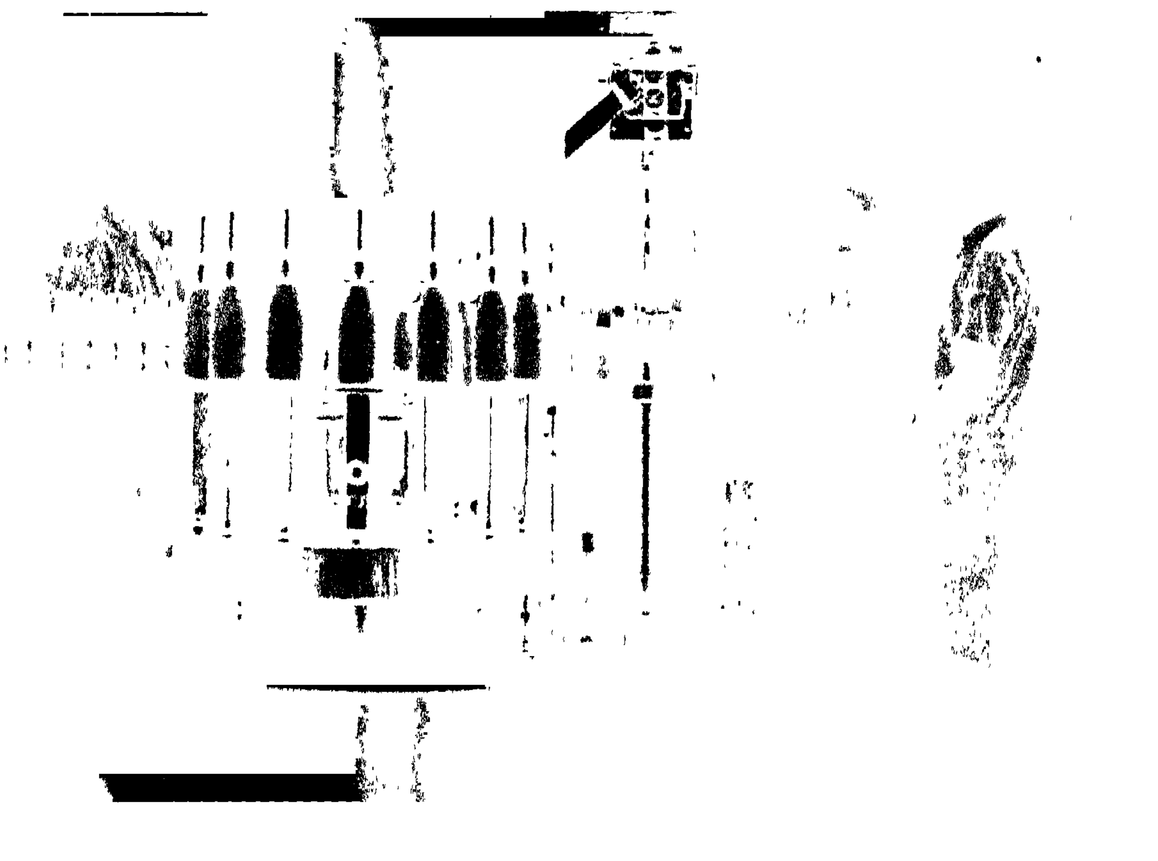


فلم سٹی، گورے گاؤں، بمبئی میں
اسٹوڈیو اور ایجنسی کی عمارت





ہڈپسار انڈسٹریل اسٹیٹ، پونے
میں الیکٹرانک انڈسٹری

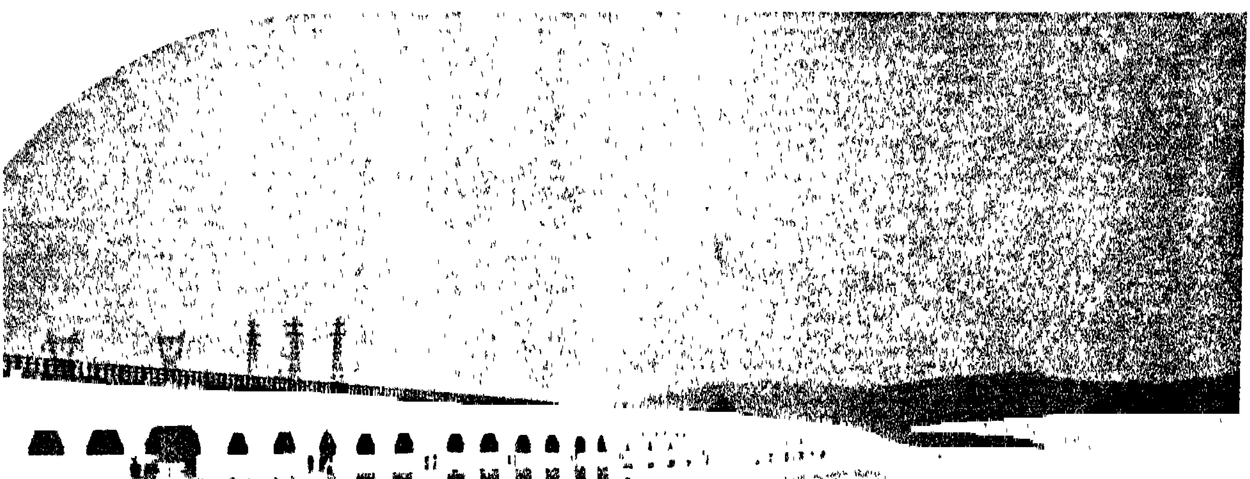


پونے ڈیری میں پلانٹ کے ذریعہ
دودھ کی بوتلیں بھری جا رہی ہیں



واشی، نئی بمبئی میں نیا شہر، جو بڑ کو

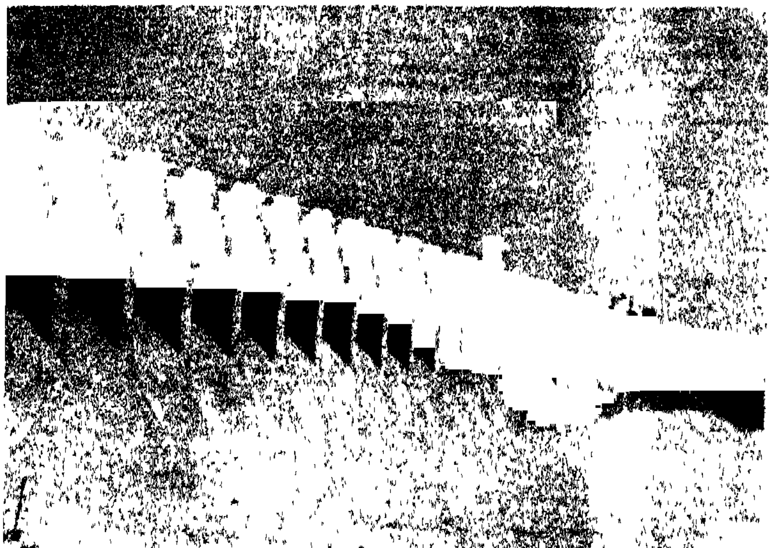
تر ہے۔ پنویل روڈ پر تھانے کھاڑی پُل، جس سے بمبئی۔ پونے فاصلہ
۲۵ کیلو میٹر کم ہو گیا ہے۔



صحت عامہ کے میدان میں شہری علاقہ جات کے مقابلے میں دیہی علاقوں میں طبی علاج سے زیادہ صحت کی حفاظت اور دیکھ بھال پر زور دیا گیا ہے۔ اس طرح ضلع تھانے کے تعلقہ بھیمڑی میں بڑگھا پروجیکٹ، جو ایک لاکھ آبادی کے لئے ہے، کامیاب ہونے پر مہاراشٹر کے پورے دیہی علاقے میں حفظان صحت کی یہ اسکیم جاری کی جاسکے گی۔

مجموعی طور سے حکومت کی پالیسی یہی ہے کہ ترقی کے گوناگوں مواقع کو دور دور تک پھیلایا جائے تاکہ ہر غریب آدمی ان سے فائدہ اٹھا سکے جن میں گاندھی جی کو بھگوان کا روپ نظر آتا تھا۔ حکومت کے پالیسی فیصلے میں یہی جذبہ کارفرما ہے کہ ہر ایسے خاندان کے ایک فرد کو جس کی سالانہ آمدنی ۲۴۰۰ روپے سے کم ہے نیز جس میں کوئی فرد کماؤ نہیں ہے کام مہیا کیا جائے۔ اسی طرح غریب سے غریب تر شخص، ہریجن، ادیباسی، چھوٹے کسان، بے زمین مزدور، دیہی دستکار، غریب طالب علم اور جھونپڑ پٹی کے باسی ان سب ہی کی حالت سدھارنے کی جدوجہد بھی اسی جذبہ کی حامل ہے۔ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا ہے جس میں اس قسم کے ہر فرد کے دل میں یہ احساس موجزن ہو کہ وہ سماج کا جز ہے اور برابر کا حقدار ہے۔

انقلاب یک لخت رونما نہیں ہوتا، اس کے لئے سعی پیہم کی ضرورت ہے۔ یہی رہنما اصول تھے جو مہاراشٹر نے ۱۹۶۰ء میں اپنے قیام کے وقت اپنائے تھے اور گذشتہ سالوں میں انھی اصولوں پر کاربند رہا۔



جائیک واڑی پروجیکٹ کے تحت گوداوری ندی کے اوپر پیٹھن کے مقام پر کچے بند نیز سندپھن ندی کے اوپر مالیگاؤں میں ایسے ہی کچے بند کی تعمیر سے اورنگ آباد احمدنگر، بیڑ اور پربھنی میں دو لاکھ ،، ہزار پانچ سو سڑسٹھ ہیکٹر اراضی پر سینچائی ہو سکے گی۔

امداد باہمی سے ماہی گیروں کو پکڑی ہوئی مچھلیاں بازار میں فروخت کرنے کی سہولت۔



مہاراشٹر : بنیادی اعداد و شمار

	سال		سال	
آبادی	۱۹۶۱ء	۳,۹۵,۰۴	۱۹۷۱ء	۵,۰۴,۱۲
ایک لاکھ سے زیادہ آبادی والے شہر	″	۱۲	″	۱۷
سالانہ بجٹ				
الف) محصول آمدنی (کروڑ روپے)	۱۹۶۱-۶۲ء	۱۱۰.۶۱	۱۹۷۶-۷۷ء	۱۱۲۱.۷۴
ب) محصول خرچ (کروڑ روپے)	″	۱۴۱.۶۸	″	۱۰۵۳.۵۹
اناج کی پیداوار (لاکھ ٹن)	۱۹۶۱-۶۲ء	۷۷.۴۴	″	۹۵.۲۴ (اندازاً)
ماہی گیری				
سمندری مچھلی (لاکھ ٹن)	مئی ۱۹۶۰ء	۱.۹۰	جنوری ۱۹۷۷ء	۴.۰۲
دریائی مچھلی (ٹن)	″	۲,۰۰۰	″	۲۱,۰۰۰
مویشی اور پولٹری				
مویشی	۱۹۶۱ء	۲۶,۰۴۸,۰۰۰	۱۹۷۲ء	۲۶,۳۶۱,۰۰۰
پولٹری	″	۱۰,۵۷۷,۰۰۰	″	۱۲,۲۱۷,۰۰۰
صنعتی یونٹوں کی تعداد				
الف) بڑے پیمانے پر	۱۹۶۰ء	۹۴۶	جون ۱۹۷۵ء	۱۲۷۶
ب) چھوٹے ″ ″	۱۹۶۱ء	۴۸۶۰	جون ۱۹۷۶ء	۴۰,۳۷۸
ج) درمیانی ″ ″	—	—	جون ۱۹۷۵ء	۳۸۱
صنعتی پیداوار (کل قیمت پیداوار) (کروڑ روپے)	۱۹۶۱ء	۱,۰۷۸	۱۹۷۴-۷۵ء	۶,۶۳۷
برآمد (کروڑ روپے)	۱۹۶۵-۶۶ء	۲۰۰	۱۹۷۶ء	۹۰۰
روزانہ اوسط کام	۱۹۶۰-۶۱ء	۷,۸۷,۳۷۹	۱۹۷۵ء	۱۰,۱۴,۷۲۷
صنعتی اسٹیٹ کی تعداد	۱۹۶۱ء	۱۰	۱۹۷۶ء	۶۹
بجلی ۔				
نصب صلاحیت (ہزار کلوواٹ)	۱۹۶۰-۶۱ء	۷۵۹	۱۹۷۵-۷۶ء	۲,۷۹۶
پیدا کی گئی بجلی (ملین کے ڈبلیو ایچ)	″	۳۲۶۸	″	۱۲,۰۵۳
بجلی کھپت (″ ″)	″	۲۷۲۰	″	۹,۳۹۲
سڑکیں ۔				
قومی شاہراہ (کلومیٹر)	۱۹۶۱ء	۲,۳۱۱	۱۹۷۶ء	۲,۷۶۶
ریاستی شاہراہ (کلومیٹر)	″	۹,۸۰۴	″	۱۵,۱۷۵
ضلع کی بڑی سڑکیں (″ ″)	″	۶,۹۵۴	″	۱۹,۹۳۹
ضلع کی دوسری سڑکیں (″ ″)	″	۹,۱۱۴	″	۱۵,۵۶۹

گاؤں کی سڑکیں (کلومیٹر)	"	۹،۱۱۴	"	۳۶،۳۶۲
کل (کلومیٹر)	"	۳۹،۲۴۱	"	۸۹،۸۱۱
آبپاشی گنجائش				
(ریاستی سیکٹر کے ذریعہ)	۱۹۶۱ء	۳٫۹۸ (لاکھ ہیکٹر)	۳۰ جون ۱۹۷۶ء	۱۲٫۹۱ (لاکھ ہیکٹر)
طبی سہولتیں ـ				
اسپتالوں کی تعداد	مئی ۱۹۶۰ء	۳۸۸	۱۹۷۶ء	۶۲۵
پلنگوں کی تعداد	"	۲۴،۴۳۶	"	۶۴،۴۷۷
درج رجسٹر (ایلوپیتھک طبی معالجین)	"	۱۶،۵۴۴	"	۳۱،۵۵۴
میڈیکل کالج	"	۷	"	۱۳
تعلیم ـ				
ابتدائی تعلیم (اداروں کی تعداد)	۱۹۶۰-۶۱ء	۳۴،۵۹۴	۱۹۷۶-۷۷ء	۴۸،۶۲۰
داخل طلباء (لاکھ میں)	"	۴۱٫۷۸	"	۷۷٫۰۹
ثانوی تعلیم ـ اداروں کی تعداد	۱۹۶۰-۶۱ء	۲۳۶۸	۱۹۷۶-۷۷ء	۵۷۸۲
داخل طلباء (لاکھ میں)	"	۸٫۵۸	"	۲۶٫۱۴
اعلیٰ تعلیم ـ اداروں کی تعداد	"	۹۵	"	۳۸۷
داخل طلباء (لاکھ میں)	"	۰٫۸۶	"	۴٫۰۳
ٹکنیکل تعلیم ـ				
انجینئرنگ کالج (تعداد)	"	۵	"	۱۱
گنجائش داخلہ	"	۹۵۲	"	۱۸۹۰
انجینئرنگ پالی ٹیکنک (تعداد)	"	۱۴	"	۲۵
گنجائش داخلہ	"	۲،۰۰۵	"	۴،۲۳۶
صنعتی تربیتی ادارے (تعداد)	۱۹۶۰-۶۱ء	۱۸	۱۹۷۶-۷۷ء	۵۷
گنجائش داخلہ	"	۴۸۶۰	"	۲۱،۱۴۸
ریاستی سرکاری ملازمین	جولائی ۱۹۶۱ء	۲،۱۷،۸۹۶	۱۹۷۶-۷۷ء	۴،۴۷،۰۲۴
پولس بشمول افسران	۱۹۶۱ء	۵۵،۳۵۹	۱۹۷۷ء	۸۲،۸۹۸

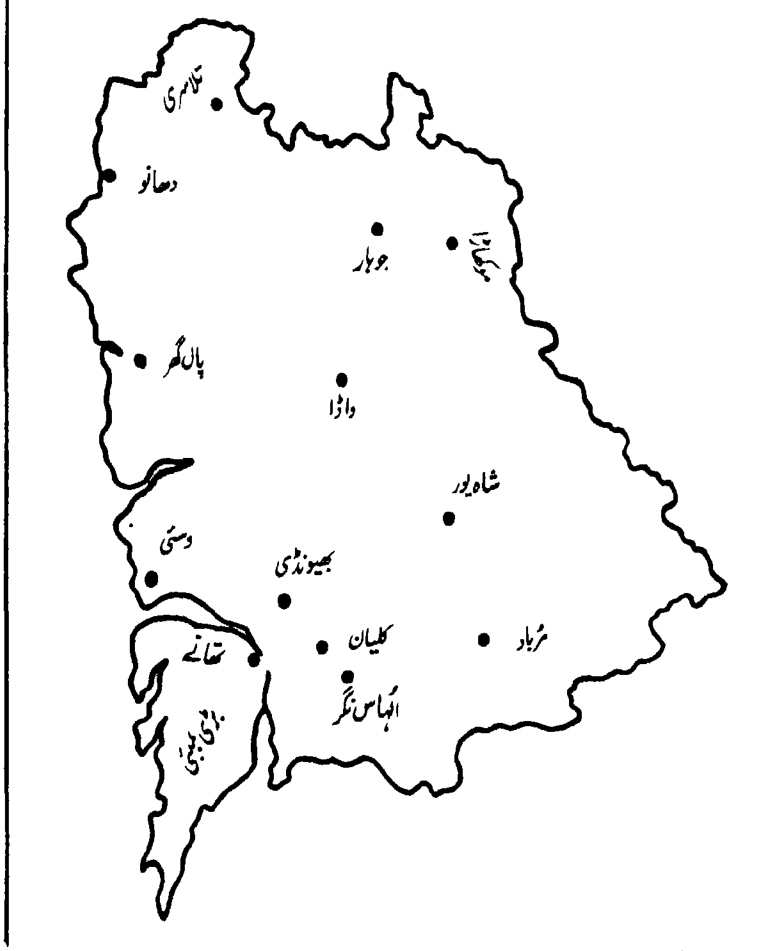


عام پنگھٹ: نانڈگاؤں، ضلع امراؤتی میں بنایا گیا ہے یہاں سب ہی ذات کی خواتین کا جمگھٹا رہتا ہے۔

کے. دی. پیٹھے

تھانے

بسین سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر شمال میں واقع سوپارہ کے مقام پر ایک چٹان پر اشوک کے وقت کی جو تحریر ملی ہے اس سے تھانے سے متعلق حقائق تیسری صدی قبل مسیح تک کے ملتے ہیں۔ لگتا ہے کہ سوبارہ اس زمانے میں اس علاقے کی راجدھانی اور ایک بڑا تجارتی مرکز رہا ہوگا۔



مہابھارت میں ایک جگہ تذکرہ ہے کہ ارجن جب سومناتھ پٹن یا جنوبی کاٹھیاواڑ میں دیراول جا رہے تھے تو راستہ میں انھوں نے متبرک مقام شورپارک میں قیام کیا تھا۔ اس سے ان کی کنہری غاروں کے علاقے میں واقع برہمن مندروں تک آمد کا پتہ بھی چلتا ہے۔ بدھ اور برہمن مندروں کے تذکرے نیز 'سوفار' یا 'اوفر' جیسے ناموں سے مماثلت کی بنا پر یہ قیاس زیادہ مستحکم ہوتا ہے کہ سوپارہ ہی سلیما اوفر تھا جو مسیح سے ایک ہزار سال قبل اپنے عروج پر تھا اور ایک مشہور تجارتی مرکز تھا۔ یہ حقیقت ہمیں اس سے بھی قبل زمانے میں لے جاتی ہے جبکہ مصر اور پنت کے متبرک مقام کے درمیان تجارتی تعلقات تھے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تھانے کے ساحل سے

ضلع تھانے کا نقشہ۔ بشمول بڑی بمبئی

فارس، عرب اور افریقہ کے درمیان ماقبل تاریخ سے ہی آمدورفت رہی ہے۔

ضلع تھانے کا رقبہ ۹۵۳۳ مربع کلومیٹر ہے اور جس کی آبادی ۲۲,۸۲,۰۰۰ ہے۔ جس میں سے ۲۵٫۴ فیصد قبائل ہیں۔ تھانے شہر، کلیان، الہاس نگر، بدلاپور اور امبرناتھ کے قرب و جوار کے علاقے کو چھوڑ کر باقی علاقہ پسماندہ ہے۔ اس لئے قبائلیوں کی زندگی میں بہتری لانے کے لئے زبردست تدابیر کی جارہی ہیں تاکہ ان کا استحصال نہ ہو سکے۔

قبائلیوں میں کتھکری، وارلی، دوبلا اور مہادیو کولی نامی فرقے ہیں، جن کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت نے قبائلی ضمنی منصوبہ تیار کیا ہے تاکہ ان کو قومی دھارے میں سمویا جا سکے۔ اس منصوبے کے تحت اب تک ۲۹٫۲ کروڑ روپے کی رقم صرف کی جا چکی ہے جس میں سے ۲۳ لاکھ روپے سے زائد رقم صرف بہتر مواصلات فراہم کرنے میں ہی صرف کی گئی۔

دھانو تحصیل میں واقع وکھاڑی مقام پر پہلی بار تجربتاً ایک رہائشی آشرم شالا شروع کیا گیا ہے جس کی کامیابی پر پوری ریاست کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔

مواصلات

اس ضلع کی ایک دوسری اہم مشکل مواصلات کی ہے۔ ضلع تھانے سے تین خاص ریلوے لائن گذرتی ہیں یعنی ممبئی۔ پونے، ممبئی۔ کلکتہ، اور ممبئی۔ سورت۔ دور دراز موکھاڑے واڑہ اور جوہر تعلقہ جات کو چھوڑ کر پورا ضلع ان لائنوں سے مستفید ہوتا ہے۔ ممبئی۔ آگرہ قومی شاہراہ بھی اسی ضلع سے ہو کر گزرتی ہے جبکہ مشرقی شاہراہ نیز مضافاتی ریلوے لائن

ممبئی۔ احمدآباد روڈ پر دسئی کھاڑی پُل، جس سے ممبئی اور دسئی کے درمیان فاصلہ ۳۸ کیلومیٹر کم ہو گیا ہے۔



ممبئی اور تھانے کے درمیان اہم ذریعہ مواصلات ہے۔ سینکڑوں لوکل گاڑیاں روزانہ لاکھوں مسافروں کو کام اور تجارت کے لئے ممبئی لاتی لے جاتی ہیں۔ اس کے باوجود تھانے کے اسٹیشن پر صبح و شام صنعتی ملازمین کی زبردست بھیڑ نظر آتی ہے جنھیں صنعتی پٹی میں اپنے کام کے مقام پر پہنچنے میں سخت دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ اس سے یہ بحد ضروری ہوجاتا ہے کہ ان کو جلد سے جلد مزید مواصلاتی ذرائع فراہم کئے جائیں۔

۸۱-۱۹۶۱ء کے سڑک منصوبے میں ۴۹۸۹ کلومیٹر سڑک کی تعمیر کی گنجائش رکھی گئی تھی جس میں سے ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک ۴۳۲۲ کلومیٹر لمبائی مکمل کی جاچکی تھی۔ اس میں سے ۱۸۶۱ کلومیٹر سڑک ڈامری ہے اور ۲۸ کلومیٹر سڑک سیمنٹ کانکریٹ کی ہے۔ ادیباسی علاقوں میں سڑک ۱۵ کا موں کو ۵۱ لاکھ روپے کی لاگت سے مکمل کیا جائیگا۔

زمین کی طلب نہ صرف ضلع تھانے بلکہ پورے مہاراشٹر میں ہے اور یہی شئے کمیاب ہے۔ مگر اس ضلع میں اس نے ایک خاص اہمیت اختیار کرلی ہے اور اس کا سبب ہے ممبئی سے قربت نیز تھانے، بیلاپور اور کلیان کے حلقہ میں تیزی سے صنعتی ترقی!

مگر قبائلیوں کی اس ضمن میں اشد ضرورت نے مسئلہ کو مزید پیچیدہ بنادیا ہے۔ حالات پر قابو پانے کے لئے زمین حد بندی ایکٹ کے تحت جو زمین فاضل قرار دی گئی وہ اور ساتھ ساتھ سرکاری زمینوں کو قبائلیوں اور دوسرے پسماندہ طبقات میں تقسیم کیا جارہا ہے۔ بسرعت صنعت کاری کے سبب رہائش کے مسئلہ نے بھی ایک مشکل شکل اختیار کرلی ہے، اس لئے کوشش کی جارہی ہے کہ اس بڑھتی ہوئی مانگ کو ہاؤسنگ بورڈ کے تعمیراتی پروگرام کے ذریعہ پورا کیا جاسکے۔ عمارت سازی کے کام میں امداد باہمی سوسائٹیاں بھی آگے آرہی ہیں۔

پینے کے پانی کی فراہمی کے مسئلہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس وقت ۷ قصبے اور ۸۲ مواضع کو نلوں کے ذریعہ پانی فراہم ہورہا ہے جب کہ ۹۷ مواضع جات کو ٹیوب ویل سے پانی مل رہا ہے۔ باقی مواضع جات کنوؤں کا استعمال کررہے ہیں۔

تیز صنعتی ترقی

تقریباً ۱۵ سال قبل ضلع تھانے میں چند اونی ملیں تھیں جن کو بڑی صنعت کہا جاسکتا تھا، مگر اب ایک ہزار سے زائد مینوفیکچرنگ پلانٹس مختلف قسم کی اشیاء تیار کرنے میں لگے ہیں، جیسے اونی اور سوتی کپڑے، کیمکلز، دوائیں، جراثیم کش ادویہ، مشینوں کے پرزے، بجلی کے سامان، آلات، پیکنگ سامان، ٹیلی ویژن سیٹ، ریڈیو ٹرانزسٹر، شیونگ بلیڈ، ریڈی میڈ کپڑے اور رنگ وغیرہ۔ ان یونٹوں میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ مزدور اور کاریگر ملازم ہیں جہاں ۵۰ کروڑ سے زائد روپے کا سامان تیار کیا جارہا ہے۔

اس بہ سرعت صنعتی ترقی کا سہرا ریاستی حکومت کے سر ہے جس نے ممبئی کے قریب منصوبہ بند صنعتی ترقی کی پالیسی اپنائی اور اس کے لئے مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کی۔ اس کارپوریشن نے تھانے، ڈومبی ولی، امرناتھ، بدلاپور، میرا، بیلاپور اور تاراپور میں انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کیں۔ جہاں صنعتی شیڈ، سڑکیں، پانی اور بجلی فراہم کی گئی ہے۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اسمال اسکیل انڈسٹریز کارپوریشن اور مہاراشٹر فنانشیل کارپوریشن نے صنعت کاروں کو مالی امداد نیز فنی امداد فراہم کی۔ واگلے انڈسٹریل اسٹیٹ جو کہ ۱۶۰ ہیکٹر کے علاقے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں ۳۰۰ درمیانی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم ہیں۔ ٹرانس ٹریک علاقے کو جو کہ بیلاپور پٹی کے نام سے مشہور ہے۔ پیٹرو کیمیکل کمپلیکس کے طور پر ترقی دی گئی ہے۔ اس ۱۲۰۰ ہیکٹر پٹی میں نوسل، ہرڈلیا کیمیکلز اور یونین کاربائڈ وغیرہ کے کیمیکل کارخانے تیزی سے ترقی کررہے ہیں۔

تھانے کھاڑی کا پل ان کارخانوں کو ممبئی سے بہت قریب کردیتا ہے۔ ایسی تجویز ہے کہ ممبئی سے ہٹائی جانے والی صنعتوں کو اسی پٹی میں جگہ فراہم کی جائے۔

کلیان۔ امرناتھ کمپلیکس بھی ایک بڑا کیمیکل صنعتی کمپلیکس ہے۔ ۲۵ سال قبل اس علاقے میں دھرم سی مرارجی کیمیکل فیکٹری، ومکو اور ایک وولن مل کے سوا اور کوئی قابل ذکر صنعت نہ تھی۔ اب اس کمپلیکس میں سنتھری ریان، امرڈائی کیم اور دوسرے بہت سے یونٹ ریان، رنگ، بجلی کے بلب، کپڑے کھاد، کیمیکلز وغیرہ تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کلیان۔ بھیمڑی سڑک پر واقع سرسوتی انڈسٹریل اسٹیٹ کو ۴۰ سے ۸۰ ہیکٹر مزید علاقہ پر توسیع دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔

بیلاپور پٹی اور کلیان۔ امبرناتھ کمپلیکس میں کیمیکل اور پیٹرو کیمیکل کمپلیکس کے تیزی سے پھیلاؤ کے باعث آلودگی کے مسئلے سے نپٹنا ضروری ہوگیا۔ ریاستی پانی آلودگی انسداد بورڈ نے اس سلسلے میں کئی اقدامات کئے ہیں جن میں وقت ضرورت قانونی کارروائی بھی شامل ہے۔

زراعت

ضلع کی زراعت میں دھان کی کاشت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ پچاس فیصد سے زائد علاقہ میں دھان کی کاشت ہوتی ہے۔ چاول کے بعد دوسرا نمبر چارے کا ہے چارہ پیدا کرنے کے خاص مراکز پالگھر اور دھانو ہیں جبکہ بسئی تعلقہ کیلئے، سبزی اور پان کے لئے مشہور ہے۔

اس ضلع میں کئی زراعتی تحقیقاتی مراکز ہیں۔ اس میدان میں کوسباڈ میں واقع زراعتی اسکول اور پالگھر میں واقع تحقیقاتی اسٹیشن کافی اہم کام کر رہے ہیں۔

حالانکہ اس ضلع میں آبپاشی کا کوئی بڑا پروجیکٹ نہیں ہے مگر درمیانی سوریا پروجیکٹ سے، جس پر لاگت کا تخمینہ ۱۷ کروڑ روپے سے زائد کا ہے، مکمل ہونے پر جوہر، پالگھر اور دھانو تعلقہ جات میں ۳۴،۲۲۳ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی ہو سکے گی۔ اس کے علاوہ، ۱۵ چھوٹی آب پاشی کے کام مکمل ہو چکے ہیں جن سے ۲،۸۴۳ ہیکٹر پر آبپاشی ہوتی ہے۔ جون ۱۹۷۷ء تک مزید چار کام مکمل ہو جائیں گے اور آبپاشی صلاحیت بڑھ کر ۳۷۰۴ ہیکٹر ہو جائیگی۔

ماہی گیری

ضلع کے ۱۱۲ کلومیٹر ساحل پر ماہی گیری ہوتی ہے۔ کچھ اہم ماہی گیری کے مراکز میں ست پٹی، دانی وارے، ارنالہ، اُچھیل، کیلوا۔ ماہم، نوالپور اور دسئی شامل ہیں۔ گہرے پانی میں ماہی گیری ٹرالر کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

مچھلی کی تجارت ضلع میں کافی بڑھ گئی ہے۔ سالانہ پیداوار ۱،۵۰،۰۰۰ ٹن ہوتی ہے جس کے لئے ممبئی کا بازار تیار ملتا ہے۔ ضلع میں تقریباً ۴۰ فشریز کوآپریٹیو ہیں جن میں ماہی گیر ممبروں کی تعداد ۲۲،۶۵۸ ہے۔ اور انھوں نے غیر ممالک کے بازار میں بھی اپنی جگہ بنالی ہے۔

دپچری پروجیکٹ

دھانو تعلقہ میں دپچری کے مقام پر دس کروڑ روپے کی لاگت کا اہم ہبنڈری پروجیکٹ قابل ذکر ہے۔ اس کو ممبئی سے طویلوں کو دپچری منتقل کرنے کے مقصد سے شروع کیا گیا ہے۔ یہاں پر مخلوط نسل کی گائیں بھی پیدا کی جا رہی ہیں جن کے لئے غیر ممالک کے سانڈوں کی مدد لی جاتی ہے اب تک یہاں ایک ہزار سے زائد مخلوط نسل کی بہتر گائیں پیدا کی جا چکی ہیں۔ اس پروجیکٹ سے یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ روزانہ ۱۵ لاکھ لیٹر دودھ پیدا کرے گا جو کہ ممبئی کے بازار میں کھپ سکے گا۔

پڑگھا پروجیکٹ

بھیمڑی تعلقہ میں پڑگھا کے مقام پر اکتوبر ۱۹۷۶ء میں جو میڈیکل پروجیکٹ شروع کیا گیا ہے اس کی اپنی اہمیت ہے۔ یہ مرکز دیہی آبادی کو بہتر طبی سہولتیں فراہم کرے گا۔ اگر یہ کارآمد ثابت ہوا تو اس کو ریاست کے دوسرے تمام حصوں میں پھیلا دیا جائے گا۔

اس پروجیکٹ کے تحت ۴۴ گاؤں کی ایک لاکھ سے زائد آبادی کو سہولت فراہم ہوئی ہے۔ اس پروجیکٹ سے متعلق تمام لوگ دل وجان سے اپنے کام میں منہمک ہیں جس کی تعریف ادارہ اقوام متحدہ کے ماہرین نے بھی کی ہے۔

اعداد و شمار

علاقہ	—	۹،۵۳۳ مربع کلومیٹر
قصبات کی تعداد	—	۲۴
دیہاتوں کی تعداد	—	۱،۶۲۲
۱) آباد	—	۱،۵۸۸
۲) غیر آباد	—	۳۴
کل آبادی	—	۲۲،۸۲،۰۰۰
شہری آبادی	—	۸،۲۷،۰۰۰
دیہی آبادی		۱۴،۵۵،۰۰۰
قبائلی آبادی	—	۵،۷۹،۵۳۸
خواندگی (فیصد)	—	۴۹٫۶۵
خواندگی (مرد)	—	۵۰٫۳۴
خواندگی (خواتین)	—	۲۹٫۸۰
کارخانے	—	۱،۵۰۴۳
روزانہ اوسط کام	—	۱،۱۰،۵۲۲
کوآپریٹیو سوسائیٹیاں	—	۱،۹۸۶
اراکین کی تعداد	—	۲،۵۰،۰۰۰
گاؤں پنچایتیں	—	۹۱۱
میونسپلٹیاں بشمول کارپوریشن	—	۸

اہم مقامات

پہاڑی مقام: جوہر اور سوریامل

سیاحی مقامات: دسئی ارنالہ، ماہم اور دجرلشوری (گرم پانی کے چشمے)

شاہ پور تحصیل میں واقع تانسا جھیل، جہاں سے شہر ممبئی کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔

امبرناتھ میں قدیم شیو مندر، گنیش پوری آشرم، جو نتیہ نند سوامی نے بنایا تھا۔

●●

قدرت کے پھیلائے ہوئے عظیم شاہکار دنیا کے کونے کونے میں چھائے ہوئے ہیں. پہاڑ اپنی بلندی، ندیاں اپنی سُبک رفتاری، آبشار اپنی موسیقی، جنگلات اپنی انمول معدنیات لئے ہوئے انسان کی زندگی میں قہقہے بکھیرنے کے لئے موجود ہیں. انسان ان قدرتی نظاروں کو دیکھ کر اپنے اندر ایک قسم کی فرحت اور تازگی محسوس کرتا اور صحیح معنوں میں زندگی کی قدر کرنا سیکھتا ہے.

ماتھیران



ہندوستان میں پھیلی ہوئی زمین کے شمالی حصہ میں وادیٔ کشمیر واقع ہے جو دنیا بھر میں اپنے قدرتی مناظر کی وجہ سے بے نظیر ہے. دنیا بھر سے لوگ اس سرزمین میں خوبصورت قدرتی نظاروں کی سیر کرنے آتے ہیں اور اپنی رُوح میں بالیدگی لے کر واپس لوٹتے ہیں.

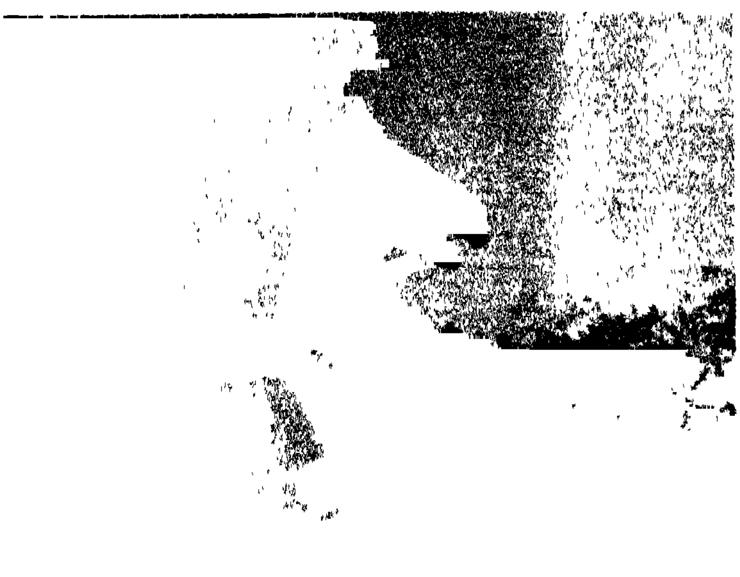
اسی طرح ہندوستان کے مغربی حصہ میں ماتھیران۔ ایک صحت افزا مقام بھی واقع ہے. جو بمبئی سے ۷۵ میل کے فاصلے پر ہے.

ماتھیران میں بندروں کی بہتات ہے جو موقع پاکر ہمارے کھانے میں بھی شریک ہو جاتے ہیں.

بہت کم ایسے لوگ ہیں جو صنعتی شہروں میں ہمیشہ رہنا پسند کرتے ہیں وہ زندگی کی صرف ایک ڈگر پر چلتے چلتے اُکتا جاتے ہیں اور اپنی اس اُکتاہٹ کو دُور کرنے کے لئے ایسے خوبصورت مقامات کو تلاش کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے چند لمحات ان خوبصورت اور دلکش نظاروں میں گذارنا پسند کرتے ہیں۔ ممبئی کے لوگ خاص طور سے ماتھیران کا سہارا لیتے ہیں اور یہاں آکر اپنے آپ کو ایک نئی جنت میں پاتے ہیں۔ ماتھیران کی آب و ہوا عمدہ اور خوشگوار ہے جس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں نہ تو کارخانے ہیں اور نہ ہی چھوٹے یا بڑے صنعتی ادارے، اس وجہ سے یہاں کی ہوا پاک صاف اور ستھری ہے جو دل و دماغ کو تازگی بخشتی ہے۔ ماتھیران شور و غل سے پاک ہے اور نہ ہی اس کی فضا میں کثافت پائی جاتی ہے۔ قدرتی مناظر دل کو موہ لینے کے لئے کافی ہیں۔ اسی پہاڑی علاقے میں بندروں کی قدیم نسل آباد ہے جو اپنی اُچھل کود سے زندگی کی رونق بڑھاتے ہیں۔ دور دور تک نظروں سے یہاں کی ہریالی اوجھل نہیں ہونے پاتی۔ ہرے بھرے جنگل۔ پہاڑوں پر ہری بھری جھاڑیاں جن میں سے سرسراتی ہوئی تازہ ہوا جسم کو ۲۴ گھنٹہ فرحت بخشتی رہتی ہے۔ بھری دوپہر میں بھی آپ یہاں کی سُرخ سڑکوں پر بغیر پسینہ بہائے آرام سے سفر کرسکتے ہیں اور ایک خوبصورت مقام سے دوسرے مقام تک بغیر تھکن محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ ماتھیران کی یہی خصوصیت ہے کہ ممبئی اور پونے سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ آکر یہاں سکون کے کچھ لمحے گذارتے ہیں۔ ماتھیران ایک ایسا مقام ہے جہاں سوائے تفریح کے کوئی اور کام نہیں سوجھتا کسی بھی ایک مقام پر بیٹھ کر اطمینان سے دل و جان کو سکون پہنچایا جا سکتا ہے۔

اگر آپ کسی ایک جگہ بیٹھ کر قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونا پسند نہیں کرتے تو آپ کی تفریح کے لئے گھوڑ سواری ہے۔ آپ بے خوف و خطر گھوڑے پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا سکتے ہیں۔ اگر آپ کو پہاڑوں پر چڑھنا پسند ہے تو یہ تفریح بھی یہاں میسر ہے۔ آپ جس طرح چاہیں پہاڑوں چڑھ کر اپنی تفریح کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔ گھوڑے یہاں پر کرائے سے حاصل کرنے میں بڑی آسانی ہے اور آپ دن بھر کے لئے گھوڑا کرائے پر لے سکتے ہیں۔

ماتھیران کی پھیلی ہوئی خوبصورتی دیکھنے کے لئے یہاں پر ۳۰ پوائنٹ (مقامات) ہیں جہاں سے مختلف مناظر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ہر مقام خوبصورتی میں اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے اور جو ماتھیران کی خوبصورتی کو ظاہر کرنے میں بڑے معاون و مددگار ہیں۔



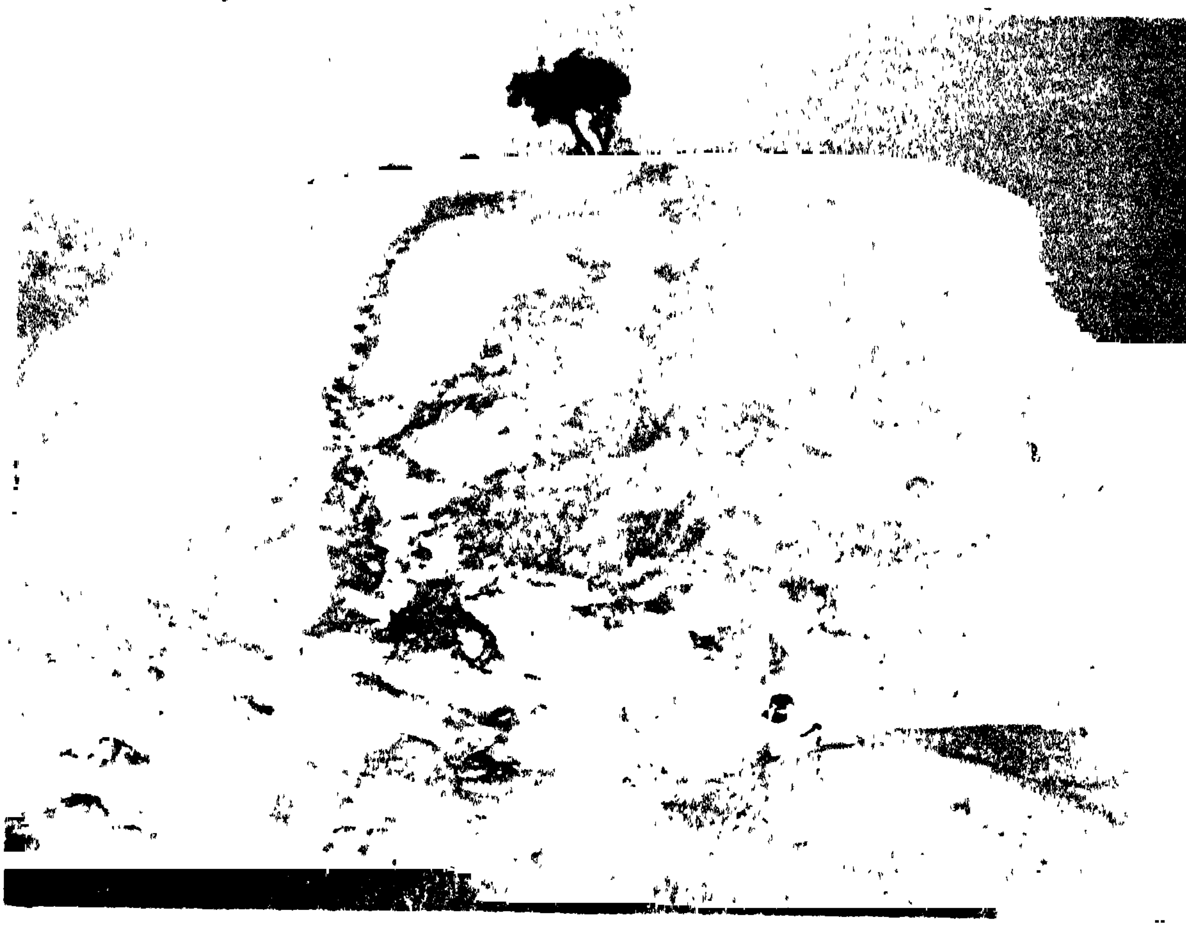
ماتھیران میں "گھوڑ سواری" ایک دلچسپ تفریح۔

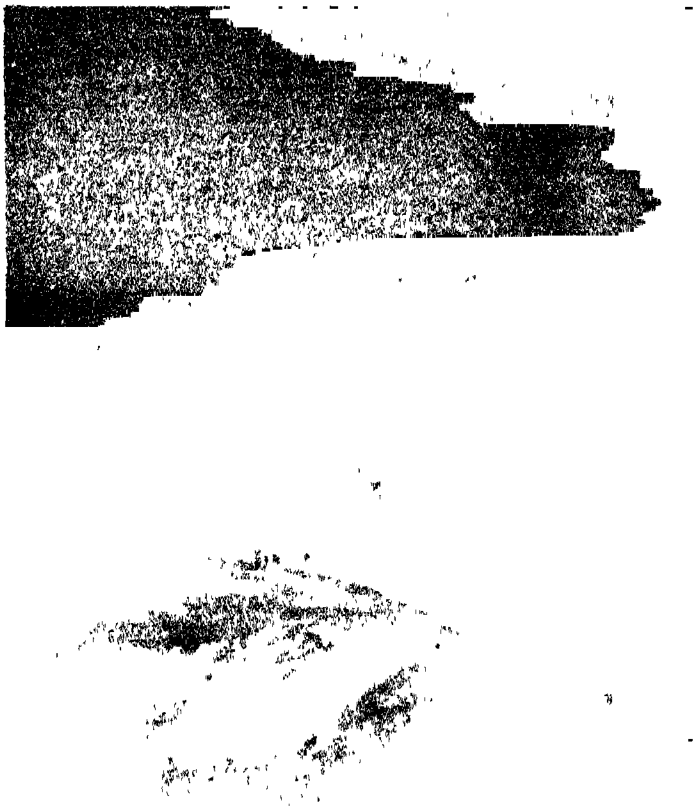
ماتھیران کے جنگلوں میں طرح طرح کے پودے اور درخت پائے جاتے ہیں۔ ایک تخمینہ کے مطابق یہاں پر تقریباً ۱۵۰ درخت جن میں جامن، بھیڑا، ہرڈا، کڈا، گیلا، بھارنگ ایسے ہیں جن سے دوا تیار کی جاتی ہیں۔ یہی درخت ماتھیران کی خوبصورتی کو بھی بڑھاتے ہیں۔

ماتھیران میں قسم قسم کے طیور کی بڑی آبادی ہے۔ جن میں روبن، کنگ فشر، کوئل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان پرندوں کے مختلف رنگ اور چہچہاہٹ ماتھیران کی فضا کو رنگین بنا دیتی ہے۔ صبح و شام ان کا جمع ہو کر چہچہانا دل کو راحت بخشتا ہے۔ یہاں آنے والوں کے لیے موسم کی کوئی قید نہیں ہے۔ گرمی ہو یا سردی، ٹورسٹ ہیں کہ جوق در جوق چلے آتے ہیں۔ البتہ بارش کے مہینوں میں چوں کہ راستہ بند ہو جاتا ہے اس وجہ سے ان کی آمد بھی کم ہو جاتی ہے اور کیونکہ یہاں بارش بھی بہت ہوتی ہے اس وجہ سے ماتھیران کی تمام رونقیں بارش کے موسم میں ختم ہو جاتی ہیں، پھر بھی وہ لوگ جو پہاڑوں پر چڑھنے کے شائق ہوتے ہیں، ماتھیران آجاتے ہیں اور اس موسم میں پہاڑوں پر چڑھنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

۱۶ر جنوری ۱۸۸۰ء کے "اورلینڈ میل" نے جنوب مغربی حصے کی بارش کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"بروز پیر مورخہ ۶ر جون ۱۸۶۵ء کی دوپہر میں، شمالی۔ مغربی حصہ میں، جہاں بادل ستونوں کی طرح جمع ہو رہے تھے اچانک گرجنے لگے۔ گرج کے ساتھ ہی بادل آہستہ آہستہ کوکن کے شمال کی طرف بڑھنے لگے۔ تقریباً ۴ بجے بابا ملنگ کی طرف جم گئے۔ شمالی اور بابا ملنگ کے پورے علاقے کے زمین و آسمان، گھنے بادل، گرج، چمک اور موسلا دھار بارش سے بھر گئے۔ کلیان ندی زور و شور سے بہنے لگی۔





اچانک ممبئی سے کھنڈالا تک کا حصہ مدھم روشنی سے بھر گیا تھا۔ ہر گاؤں، ہر جھونپڑی، ہر راستہ اور جنگل کی پگڈنڈی، اتنا ہی نہیں، چوک کے قریب ندی پر بنا ہوا پل بھی صاف صاف دکھائی دینے لگا۔ پیڑ پودے ایک ہرا بھرا طلسماتی منظر پیش کرنے لگے اور روشنی کی کرنوں نے چشمے کے پانی کو چاندی کے رنگ میں رنگ دیا۔ بنویل اور ناگوٹھنا ندیاں آئینہ کی طرح شفاف اور چمکدار نظر آنے لگیں۔ اچانک قریب ۵ بجے طوفانی سمندر کی طرح گھنے بادل امڈ آئے اور ماتھیران اور بنویل کی گھاٹی پر چھا گئے۔ دل میں ڈر پیدا کرنے والی گھڑ گھڑاہٹ، چکا چوند کر دینے والی بجلی کی چمک کے ساتھ گھنے بادلوں نے گھاٹی کو چھپا لیا اور بارش و ہوا رک گئی۔ گھڑ گھڑاہٹ کی آواز گھاٹی کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گونجتی تھی چھ بجے کے قریب بادل پھر سے جنوب کی سمت پربھال پر سے ناگوٹھنا کی طرف بڑھنا شروع ہوئے۔ آہستہ آہستہ مطلع صاف ہوتا گیا۔ دھان کے کھیت پانی سے بھر گئے۔ ندیاں شفاف اسٹیل کی طرح چمکنے لگیں اور ہر ایک گھاٹی پر بادل ٹِک گئے۔ جیسے ہی ممبئی کے پیچھے سورج غروب ہوا۔ فضا میں سنہرا رنگ چمکنے لگا۔

مغرب میں تھانے کی طرف کے پہاڑ سنہری روشنی سے چمک اٹھے اور ان میں بہنے والی الہاس ندی ایک سنہری لکیر کی طرح نظر آنے لگی، چاند نکلتے ہی ٹیلوں کے آس پاس پھیلے ہوئے اندھیرے دور ہو گئے۔ تاہم دور جنوب میں اندھیرا پھیلتا چلا گیا اور رات بھر بادلوں کی گرج سنائی دیتی رہی۔ دوسرے دن (منگل) طوفان کا نام و نشان نہیں تھا۔"

ماتھیران کسی زمانے میں دھنگر، ٹھاکر اور کاتھکری لوگوں کی بستی تھی۔ ۱۸۵ء سے یہ علاقہ صرف چراگاہوں

کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ماتھیران کو نقشہ میں ایک صحت افزا مقام دکھانے کا سہرا سر ایچ۔ پی میلٹ کے سر ہے جو کہ اس وقت ماتھیران کے کلکٹر تھے

۱۸۵۰ء میں شکار کھیلنے کے دوران ایک دن کلکٹر نے اس پہاڑی کا پتہ چلایا۔ وہ اس منظر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ وہاں پابندی سے جانے لگے۔ ان کی پیروی دوسرے لوگوں نے کی۔ اور بہت جلد ماتھیران ایک پہاڑی صحت افزا مقام میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔ یہ پہاڑی علاقہ باقاعدہ آہستہ آہستہ حکومت کی کوششوں سے ترقی کرتا چلا گیا۔ یہاں پر ایک لائبریری ۱۸۹۷ء میں قائم کی گئی اور ۱۹۰۲ء میں

ایک اسپتال کھولا گیا۔ ۱۹۰۳ء میں ایک ڈاکخانہ اور ۱۹۰۵ء میں میونسپلٹی قائم کی گئی۔ ۱۹۰۷ء میں ایک چھوٹی ریل گاڑی شروع ہوئی۔ اسی سال پانی بہم پہنچانے کے لئے اسکیم بنی۔ بجلی ۱۹۳۱ء میں اور ٹیلیفون ۱۹۳۴ء میں قائم ہوئے۔ ۱۹۳۴ء تک چھٹیاں گذارنے والوں کے لئے یہ تمام آسانیاں مہیا کردی گئیں۔

سر آدم جی پیر بھائی کی وہ شخصیت ہے جن پر ہر ٹورسٹ ان کا احسان مند رہے گا کیوں کہ انھیں کی کامیاب کوشش سے نیرل۔ ماتھیران کے درمیان چلنے والی چھوٹی ریل گاڑی، جرمن انجنیئرس کی مدد سے شروع کی گئی اور ماتھیران جانے کا سنہرا راستہ ہر شخص کے لئے کھل گیا۔

بمبئی۔ پونے ریل لائن ۱۸۵۴ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ مگر ماتھیران تک پہنچنے کے لئے یا تو گھوڑے کی سواری اختیار کرنا پڑتی تھی یا رکشا میں بیٹھ کر۔ ایک کہانی یہ بھی مشہور ہے کہ سر آدم جی پیر بھائی ایک مرتبہ نیرل پہنچے۔ انھیں معلوم ہوا کہ سب ہی گھوڑے، رکشا مالکان ماتھیران جانے کے لئے انکار کر رہے ہیں۔ سر آدم جی ناامید ہوکر بمبئی واپس آئے اور ماتھیران تک ریلوے لائن ڈالنے کے لئے غور و فکر کرنے لگے

ان کے لڑکے اور کچھ دوسرے آدمیوں نے سرکار کو ۱۹۰۳ء میں ایک منصوبہ پیش کیا جو کہ منظور ہوا۔ اس منصوبہ کو ۱۹۰۳ء ہی میں درست کیا گیا اور اس پر عمل درآمد شروع ہوا۔

سر آدم جی پیر بھائی نے رائے صاحب ہر بیشچندر کو (جنھوں نے شملہ۔ کالکا پہاڑ ریل کا منصوبہ بنایا تھا) یہ ریلوے لائن تیار کرنے کے لئے چار سال کے لئے تعینات کیا۔ چار سال کی مدت میں یہ ریلوے لائن مکمل ہوئی جس پر ۱۳ لاکھ روپے کی لاگت آئی۔ ۱۵؍ اپریل ۱۹۰۷ء کو سر آدم جی کی یہ خواہش پوری ہوئی۔

ماتھیران ایک چھوٹا سا شہر ہے جس کی آبادی ۴۰ ہزار افراد پر مشتمل ہے مئی کے موسم میں یہ آبادی بڑھ کر ۵۰ ہزار ہو جاتی ہے۔ مالدار لوگوں نے چھوٹے چھوٹے اور خوبصورت بنگلے بنوائے ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں پر بہت سے ٹورسٹ ہوٹل اور سرکاری پالی ڈے کیمپس بنائے،





گئے ہیں جو ٹورسٹ کی سہولتوں کو پورا کرتے ہیں۔

پہلے ماتھیران "چھوٹا شملہ" مانا جاتا تھا۔ سر فیروز شاہ مہتہ، بیرسٹر جناح، سر کاؤس جی جہانگیر، گرمیوں کی چھٹیاں گذارنے ماتھیران ہی جاتے تھے۔ سارا ماحول پارسی اور انگریزوں کے زیر اثر تھا۔

اب ماتھیران ۷۲۳ ہیکٹر علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اسمیں سے صرف ۱۹۴ ہیکٹر کا علاقہ تجارتی و رہائشی استعمال میں ہے۔

ماتھیران میں کہاں ٹھہرا جائے

ٹورسٹ کی سہولیت کے لئے حکومت مہاراشٹر نے سستے داموں پر اچھے اور صاف ستھرے ہالی ڈے کیمپس بنائے ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

کرایہ کے علاوہ بجلی اور پانی کے لئے مزید ایک روپیہ فی کس یومیہ علیحدہ لیا جاتا ہے۔ ریزرویشن کرانے کے لئے مبلغ ۳۰ روپے نقد یا ایم۔ ڈی بطور ضمانت جمع کرانے ہوتے ہیں۔ ماتھیران میں کئی سینیٹوریم۔ پرائیویٹ بنگلے اور ۲۴ ہوٹل بھی ہیں۔ جو ٹورسٹ کی رہائش کا انتظام کرتے ہیں

کمروں کی تفصیل	کمروں کی تعداد	ریزرویشن اتھارٹی	ایک بلاک کا یومیہ کرایہ
۱۔ اسکاٹ بنگلہ	۵	مینیجنگ ڈائرکٹر مہاراشٹر کلچرل اینڈ ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن، بمبئی فون نمبر: ۲۹۶۳۸۹ ۲۹۶۴۸۹ ۲۹۶۰۹۶	۳۵۔۰۰ روپے
۲۔ "اے"	۱۶	ریجنیل آفیسر۔ مہاراشٹر کلچرل اینڈ ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن، بمبئی۔ فون نمبر: ۲۹۶۲۰۱/۲۹۶۲۴۱	۲۰۔۰۰ روپے
۳۔ سراف اور شانتی ولا	"	"	۱۵۔۰۰ روپے
B	۱۳		
C	۱	"	۱۰۔۰۰ روپے

ڈاکٹر پی۔ این پائی، ایسوسی ایشن آف فزیشین بمبئی کے صدر ہیں اور اسی ادارہ کی جانب سے ڈاکٹروں کے لئے جاری کردہ ایک رسالہ 'اعلیٰ تربیتی کورس' کے لکچرار بھی ہیں آپ نے کئی قومی اور بین الاقوامی سطح کی اعلیٰ کانفرنسوں میں سائنٹفک مقالے بھی پڑھے، اور آپ کے کئی مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہوکر مقبول ہوچکے ہیں۔ آپ نے بمبئی کے ڈاکٹر ڈی. بی اٹھاولے جیسے نامور ماہرامراض اطفال (PAEDIATRICIAN) کے ساتھ ٹیٹانس نیونیٹورم (NEONATORUM) بچوں میں بلڈ پریشر وغیرہ پر مقالات تیار کرنے میں بھی مدد کی ہے۔

دل کا حال

○ ڈاکٹر پی۔ این پائی

دل کے دورے کو بظاہر صحت مند نظر آنے والے انسانوں کی اچانک موت کا باعث سمجھا جاتا ہے. یہ خیال بڑی حد تک درست بھی ہے، لیکن یہ سمجھنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دورۂ قلب کی بنا پر فوری طور سے مریض کا خاتمہ ہوجاتا ہے. حقیقت میں دل کے دورے کا تعلق چھپے ہوئے ان پرانے امراض سے ہے جن کے حد سے گذر جانے پر یہ دورہ پڑتا ہے۔

عام طور سے امراض قلب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک تو زندگی میں لگے ہوئے امراضِ قلب اور دوسرے پیدائشی امراض قلب۔

پیدائشی امراضِ قلب

بعض بچوں کے دل میں پیدائش کے وقت سے ہی مختلف نقص پائے جاتے ہیں جن کی مختلف وجوہات ہیں عموماً حاملہ عورتوں کو جرمن خسرہ یا اسی قسم کی دوسری بیماریاں ہونے سے' پیدا ہونے والے بچوں کے دل پر اثر پڑتا ہے. اگر مندرجہ ذیل کوئی بھی علامت کسی بچے میں پائی جائے تو فوری طور سے ڈاکٹروں سے صلاح و مشورہ کرلینا چاہیئے۔

۱) ہونٹوں، ناخنوں یا پورے جسم کی رنگت کا نیلا پڑجانا۔

۲) یکایک ہونٹوں یا ناخنوں وغیرہ کا رنگ نیلا پڑجانا یا اس میں اضافہ ہوجانا اور سانس لینے میں تکلیف یا تھکن محسوس کرنا

۳) چلتے چلتے بیٹھ جانا۔

۴) بے حد کمزوری محسوس کرنا یا جلد تھک جانا۔

۵) بچوں کا دودھ پیتے پیتے یا بوتل چوستے ہوئے جلد تھک کر سوجانا وغیرہ

نتائجِ علاج خواہ طبی یا جراحی' مرض کی نوعیت پر منحصر ہیں۔ لیکن دل کے یہی بعض نقص تجاوز کر کے بڑی عمر میں دل کے دورہ کا سبب بنتے ہیں۔

دل کے پیدائشی امراض

گٹھیا بخار عارضۂ قلب کا ایک عام سبب ہے. اس مرض کا تعلق خاص طور سے دل کے والو (VALVE) سے ہوتا ہے. جیسے جیسے یہ مرض بڑھتا جاتا ہے دل کے والو کمزور پڑتے جاتے ہیں. بیماری کی کیفیت کا انحصار مریض کی عمر، والو کی حدِ خرابی اور مرض کی شدت سے ہے. غیر معمولی بلڈ پریشر وغیرہ جیسے امراض

بھی دل کے دورہ کا عام باعث بنتے ہیں۔

شدید بے چینیٔ قلب

۱۰۰ - ۱۶۰ کے درمیان (SYSTOTIC) خون کا دباؤ اور ۵۰ سے ۹۰ تک (DIASTOTIC) خون کے دباؤ کو نارمل سمجھا جاتا ہے لیکن اس سے کم یا اس سے زیادہ خون کا دباؤ صحت کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اس صورت میں مریضوں کو ڈاکٹری جانچ کروانا اشد ضروری ہے اور بار بار جانچ مفید ثابت ہوتی ہے۔

خون کے دباؤ کے کم یا زائد ہونے کے اسباب معلوم کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ شدید بے چینی کا مرض عموماً ۳۵ سے ۵۵ سال کی عمر کے لوگوں کو ہوتا ہے لیکن ذیابیطس اور گردہ کے مرض میں مبتلا افراد کو خون کے دباؤ میں کمی و بیشی کا مرض کسی بھی عمر میں لاحق ہو سکتا ہے۔

تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد طبی جانچ کرانے سے اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ دل کے والو برابر کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ والو کے برابر کام نہ کرنے کی صورت میں مریض شدید بے چینی کا شکار ہوتا ہے۔

گردے کی بیماریوں کے تحت یا بصورت دیگر شدید بے چینی کے مریضوں کے خون کی نالیاں تنگ ہوتی جاتی ہیں اور اس طرح بے چینی بڑھتی جاتی ہے۔ دل اور دماغ کی شریانیں موٹی اور سخت ہوتی جاتی ہیں، جس سے یکایک دل کا دورہ پڑنے کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے اور ایسا ہونے کی صورت میں مریض کا اچانک خاتمہ ہوجاتا ہے۔ مرض کی ابتدا میں علامات بظاہر نظر نہیں آتیں، پھر بھی مندرجہ ذیل باتوں کے پائے جانے پر مریض کو فوراً چیک اپ کروانا چاہئے۔

۱) سر کے پچھلے حصے میں درد محسوس کرنا خاص طور سے صبح اور شام کے وقت

۲) مستقل درد سر

۳) بے حد کمزوری محسوس کرنا اور جلد تھک جانا۔

۴) قویٰ کا مضمحل ہونا

۵) سانسوں کا تیزی سے لینا۔ دل کی حرکت کا بڑھنا، سینے میں درد محسوس کرنا یا زیادہ پسینہ خارج ہونا، قے وغیرہ کا آنا۔

۶) نیند میں اچانک سانس کا بند ہونا محسوس کرنا۔ مریض کا اُٹھ کر بیٹھ جانا اور آرام کی خاطر چلنا وغیرہ

شریانی عارضۂ قلب یا

ARTERIOSCLEROTIC HEART DISEASE اس عارضہ میں دل کی شریانیں موٹی ہونے لگتی ہیں جن سے خون کا دباؤ رکنے لگتا ہے نالیوں کا تنگ ہوجانا ہی اختلاج قلب کا باعث ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اچانک موت واقع ہوجاتی ہے۔

اس مرض کی یہ علامتیں مردوں میں ۵۰ سے ۶۰ سال کی عمر میں اور عورتوں میں ۶۰ سے ۷۰ سال کی عمر میں پائی جاتی ہیں۔

مرض کی عام علامتیں یہ ہیں:

الف) سینے کے درمیانی یا بائیں حصہ میں درد پیدا ہونا۔ یہ درد خاص طور سے چلتے وقت محسوس کرنا۔ بیٹھ جانے یا رک جانے سے آرام محسوس کرنا، بعض اوقات زیادہ خوراک یا جذباتی صدمے بھی اس قسم کے درد کا باعث بنتے ہیں۔

ب) جیسے جیسے مرض بڑھتا جاتا ہے یہی درد رات کو سوتے وقت بھی محسوس ہونے لگتا ہے۔

اگر کسی شخص کو متذکرہ بالا شکایات ہوں تو وہ بہت جلد عارضۂ قلب میں مبتلا ہو سکتا ہے اور وہ کسی وقت بھی اچانک موت کا شکار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی علامتیں ظاہر ہوتے پر ڈاکٹروں سے رجوع کرنا اشد ضروری ہے۔

آجکل (Cholesterol) کے بارے میں بہت سُنا جارہا ہے۔ جو اس مرض کی ایک اور وجہ قرار دیا گیا ہے مگر جب تک کہ اس بات کا ثبوت نہ مل جائے غذا میں چربی کے کم استعمال اور باقاعدہ ورزش سے دل کے مرض کو روکا جاسکتا ہے۔

دل کے عارضہ میں مبتلا تمام مریض اچانک موت سے ہی نہیں مرتے۔ عموماً پرانے امراض یعنی دمہ یا پھیپھڑوں کی کوئی اور بیماری جو کہ شدید ہو جاتی ہے اس صورت میں دل کے والو اکثر متاثر ہوتے ہیں اور AORTIAN-EURYM کی حالت پیدا ہو جاتی ہے جس کا صحیح اور بر وقت علاج نہ ہونے سے مریض دورۂ قلب کا شکار ہو جاتا ہے۔

انجماد خون کی بناء پر عارضۂ قلب

(CONGESTIVE HEART FAILURE)

۵۰ سے ۶۰ فیصد مریض عموماً شریانوں میں خون کے انجماد سے اچانک موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس مرض کی علامتیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱) عمل تنفس میں تکلیف محسوس کرنا۔ پہلے جس کام کو آسانی سے کیا جا سکتا تھا اس کو کرنے میں تھکن محسوس کرنا۔

۲) قویٰ کا مضمحل ہوجانا۔

۳) رات میں بار بار پیشاب کا آنا۔

۴) رات کو سوتے ہوئے اچانک سانس رکتے ہوئے محسوس کرنا۔
۵) بھوک نہ لگنا۔
۶) پیٹ کا پھولنا۔
۷) پیشاب کم آنا
۸) چہرے اور ٹخنے پر سوجن آجانا۔

دل کے دائیں اور بائیں حصے کے الگ الگ بے کار ہونے سے مریض میں مختلف علامتیں ظاہر ہوتی ہیں مگر مندکرہ بالا علامتیں صرف CONGESTIVE HEART FAILURE کے مریض میں پائی جاتی ہیں۔

الیکٹرو کارڈیو گرام

ای.سی.جی سے دل کے امراض کی بخوبی تشخیص کی جاسکتی ہے۔ ۹۰ سے ۹۸ فیصد MYOCARDIAL INFARCTION الیکٹرو کارڈیوگرام کی مدد سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ ۲۴ گھنٹے کے اندر ہی دل کی خرابی الیکٹرو کارڈیوگرام پر ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اگر شریانوں میں کہیں خون جمع ہو گیا ہو اور راستہ رُک گیا ہو تو الیکٹرو کارڈیوگرام سے آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ کبھی کبھار مرض کی تشخیص میں ۳ روز کا عرصہ بھی لگ جاتا ہے، چنانچہ ماہرین کارڈیوگرام ہفتہ بھر کی رپورٹ کی ایک سیریز تیار کرلیتے ہیں۔ جس سے مرض کا پتہ چلانے میں بے حد مدد ملتی ہے۔ الیکٹرو کارڈیوگرام سے ایک صحت مند انسان کے دل کی معمولی اور غیر ضروری تبدیلیاں بھی ظاہر ہوجاتی ہیں۔

دل کے مریضوں کو چاہیئے کہ وہ جذباتیت سے بچیں۔ شراب اور سگریٹ کے استعمال سے انھیں گریز کرنا چاہیئے۔ بعض اوقات پیاز کا عرق بھی مُفید ثابت ہوتا ہے۔

MYOCARDIAL ہارٹ اٹیک یا INFARCTION کے علاج کا انتظام اضلاع کے تمام اسپتالوں میں ہے۔ تشخیص کے لئے طبی اداروں کو مختلف قسم کی مشینیں اور آلات مہیا کئے گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل اداروں میں ان کا مکمل انتظام ہے اور عوام کی سہولتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

جے جے اسپتال بمبئی، ساسون جنرل اسپتال پونے، میڈیکل کالج اینڈ اسپتال ناگپور، میڈیکل کالج اینڈ اسپتال اورنگ آباد، سوامی رامانند تیرتھ رورل میڈیکل کالج امبے جگائی (ضلع بیڑ) وینلس اسپتال، میرج، میں انٹینسو کارڈیک کیئر یونٹس ہیں جہاں MIOCARDIAL INFARCTION کے واقعات کی تشخیص ہوتی ہے۔ بمبئی کے تمام سرکاری اسپتالوں کے علاوہ کارپوریشن میڈیکل کالج اسپتال مثلاً کے.ای.ایم، نائر، لوکمانیہ تلک اسپتال، سائن اور دیگر پرائیویٹ اسپتال، جیسے جسلوک اسپتال، بمبئی اسپتال نانا وتی اسپتال، ہرکرشن داس اسپتال وغیرہ میں بھی یہ سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ ●●

بقیہ صفحہ نمبر ۴۸ سے آگے

شکر یہ ادا کیا تھا کہ شراب بندی کے نتیجہ میں ان کے مرد اپنی ماہانہ کمائی میں سے کچھ نہ کچھ حصہ گھر لانے لگے ہیں۔ مہاراشٹر میں ۱۹۷۱ء میں شری وی. پی نائک کے دورِ حکومت میں سب سے پہلے شراب بندی نرم کی گئی تھی۔ اس وقت شری مُرارجی دیسائی نائب وزیر اعظم نیز وزیر مالیات تھے۔ انھوں نے اس موقع پر خیال ظاہر کیا تھا کہ کچھ وجوہات ہوسکتی ہیں جن کی بنا پر ریاست نے خود یہ دور رس قدم اٹھایا ہے۔ اگر اس سے شراب کی ناجائز کشید وفروخت رُکتی ہے تو اچھا ہی ہے۔ ●●

بقیہ صفحہ ۳ سے آگے

سے لیاقت اور اہلیت کی بنیاد پر ہوتا ہے

نسل، مذہب، عقیدہ، ذات یا جنس کی بنا پر کوئی سیاسی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ سرکاری ملازمتوں میں آزادانہ مقابلہ ہے اور باصلاحیت اشخاص کے لئے بھرپور مواقع ہیں۔

البتہ بعض پسماندہ طبقات اور مندرج جاتیوں اور قبائل کے لئے ملازمتوں کے معاملے میں کچھ تحفظات اور رعائتیں دی گئی ہیں۔

کارکردگی، اونچی ذمہ داری اُٹھانے کی اہلیت، خود اعتمادی، ایمانداری اور حوصلہ مندی وغیرہ کی بنیاد پر ترقی دی جاتی ہے۔ استحقاق ترقی کے لئے محکمہ واری امتحانات اہلیت رکھے گئے ہیں۔ انتخاب کے لئے محکمہ واری ترقیاتی کمیٹی متعلقہ ملازم شخص کے ریکارڈ پر نظر ڈالتی ہے۔ کلاس ۲ سطح پر جونیئر ترین حد تک سینیارٹی وتندرستی کی بنیاد پر ترقیاں درجہ بدرجہ دی جاتی ہیں پھر اعلیٰ عہدوں پر ترقی سینیارٹی کا لحاظ کئے بغیر منبت لیاقت واہلیت کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔

ریاستی ملازمتوں کے معاملے میں درجہ اول و دوم میں ترقیوں کے سلسلہ میں پبلک سروس کمیشن سے اور آل انڈیا سروسوں اور مرکزی ملازمتوں کے سلسلہ میں یونین پبلک سروس کمیشن سے صلاح و مشورہ کیا جاتا ہے ★★

رہنمائی صارفین

"ہم خریداروں کی رہنمائی کے لئے ایک نیا سلسلہ اس مضمون کی صورت میں پیش کر رہے ہیں اور
ہمیں امید ہے کہ ہماری خواتین اسے پسند کریں گی. شریمتی لیلا جوگ، بانی و سکریٹری کنزیومر گائیڈنس
سوسائٹی آف انڈیا اس عنوان پر چند مضامین تصنیف کریں گی. اس پہلے مضمون میں آپ نے خریداروں
کی رہنمائی کے اصولوں سے بحث کی ہے.

ایک منصفانہ عالمی ضابطہ کیلئے گاہکوں کی تحریک

لیلا جوگ

گاہکوں کا مفاد، مزدوروں کے مفاد
سے غیر وابستہ نہیں ہے. چاہے وہ کھیتوں میں ہوں،
کانوں میں ہوں، تعمیراتی جگہ پر ہوں، کارخانوں
میں ہوں یا کہیں اور. بے شک بنیادی طور پر
یہ سب کسی نہ کسی چیز یا کسی نہ کسی خدمت
کے طلب گار ہیں. (وہ لوگ بھی جو ذرائع پیداوار
کے مالک ہیں، علیحدہ نہیں ہیں) گاہکوں کی تحریک
صرف اس حد تک نہیں ہے کہ جو پیسہ خرچ کیا
جائے اس کا مناسب بدل ملے. یہ مکمل زندگی
کی خصوصیت سے بھی مساوی طور پر وابستہ
ہے. ہمارے ملک میں ابھی ابھرتی ہوئی اس
تحریک کا پہلا مقصد گاہکوں کو ان کے پیسوں کی
قدر و قیمت سے واقف کرانا ہے. غیر ملاوٹی
اور مکمل غذا، اچھی قسم کی استعمال ہونے والی
اشیاء اور بہتر خدمت جیسے پبلک ٹرانسپورٹ
پوسٹ اور ٹیلیگراف ان سب کے بغیر پیسہ کی
قوت خرید غیر سرکاری طور پر کم ہو جاتی ہے.
گاہک چاہے وہ کمسن ہوں یا پختہ عمر کے

لوگ، تعلیم یافتہ ہوں یا اوسط درجہ کے، نہ صرف
یہ کہ مالی نقصان سے دوچار ہوتے ہیں بلکہ
جسمانی خرابیوں میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں.
دنیا بھر کی تمام حکومتوں کی پہلی ذمہ داری امن و امان
قائم رکھنا ہے. لیکن بڑھتی ہوئی صنعتوں کی وجہ
سے اس ذمہ داری میں ایک نیا اضافہ یعنی گاہکوں
کی حفاظت بھی ہوا ہے. پرانے الفاظ "گاہک
خبردار" "گاہک ہوشیار" اپنی انفرادیت کھو چکے
ہیں. اس صدی کے شروع میں مغربی ممالک
میں ایک نئی فصل "گاہکوں کی حفاظت کا قانون"
پیدا ہوئی ہے. چونکہ دنیا کے اس حصہ پر بھی صنعتی
دور اثر انداز ہوا ہے اس لئے اس سے منسلک
مسائل بھی ہم پر نازل ہو گئے ہیں، جیسے کھانے
پینے کی اشیاء کی تیاری، سوپر بازار خرید و فروخت
کی سہولتیں اور نمایاں اشتہار بازی. ہماری لاکھوں
کی آبادی کی وجہ سے جن میں اکثریت غریب
اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے، جو صرف تقدیر پر
بھروسہ کرتے ہیں. یہ تمام مسائل اور وسیع
ہو جاتے ہیں.

تجارتی گول مال کے شکار

اور وہ تجارتی ہتھکنڈوں کے آسانی سے
شکار ہو جاتے ہیں. سماج کے تعلیم یافتہ اور اچھے
لوگوں کا کیا حال ہے؟ کیا ان کی سماجی حیثیت
مارکیٹ میں انھیں جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے؟
بالکل نہیں. کئی دباؤ مثلاً بیچی جانے والی اشیاء
(جن پر اکثر بناوٹی لیبل لگے ہوتے ہیں.) فروخت کا
لالچ (اکثر غیر ضروری اشیاء کی خریداری کا لالچ
دیا جاتا ہے) مفت تحفے (جو کہ دراصل کم مانگ
والی اشیاء سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ
ہے.) پڑنے سے خریداروں کو یوں نقصان اٹھانا
پڑتا ہے کہ انھیں اپنے خرچ کئے ہوئے پیسوں کا
مناسب بدل حاصل نہیں ہوتا. یہاں تک کہ وہ جب
وہ کم ترین دھوکہ بازیاں مثلاً کم وزن اور پیمانے
مدت گذری ہوئی دوائیاں، بناوٹی اشیاء وغیرہ
جیسی حرکتوں سے دوچار ہوتے ہیں تو انھیں علم
نہیں ہوتا کہ اس کا کیا علاج کریں.
اس بات کو ہم بخوبی جانتے ہیں کہ نقب زنی،

چوری اور قتل کے معاملوں میں شکایت کہاں کی جائے۔ لیکن اس قسم کے جرائم کے نتیجہ میں ہونے والے سماجی و معاشی نقصانات اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ بغیر انکوائری اور سزا کے نہیں رہ سکتے۔ اس قابل افسوس حالت کے لئے قابل استعمال اشیاء کی سپلائی میں کمی ہی اس کی وجہ نہیں ہے۔ غیر سماجی حرکتوں کو کچلنے کے لئے قانون بنائے گئے ہیں اور وقت ضرورت ان میں سدھار بھی کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود، ایسے شدید جرائم گزشتہ کئی سالوں سے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ کیوں کہ ہم لوگوں میں سے اکثر بنیادی حفاظتی قوانین جیسے ملاوٹی غذا کے روک کا قانون، اشیاء کی فروخت کا قانون، اوزان اور پیمانوں کا قانون، وغیرہ، اہم قوانین سے واقف نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ ان قوانین پر عمل کروانے والی میونسپل اور حکومتی سطحوں پر جو مشنریاں قائم ہیں ان میں کارکن کم ہیں اور انھیں ناکافی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ ہندوستانی گاہکوں میں بہت ہی کم ایسے ہیں جو دکانداروں کے ہتھکنڈوں کے خلاف ان مشنریوں کے سامنے اپنی شکایات پیش کرتے ہیں۔ وہ ان دھوکہ بازوں کے چیکنگ کرنے والے عہدیداروں پر اثرات سے خائف رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے صحیح اقدام میں رکاوٹیں حائل ہو جائیں۔ یہاں تک کہ کورٹ کے فیصلے بھی سماجی الجھنوں کی بہ نسبت قانونی توضیحات پر مشتمل پائے جاتے ہیں۔ تنہا گاہک اس حالت میں اپنے آپ کو مجبور محسوس کرتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ بات گاہک کے لئے زیادہ مردہ دلی کا باعث ہوتی ہے۔

سماجی شعور رکھنے والے لوگوں کا فرض

حکمرانوں کے اشاروں پر اس مردہ دلی کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ سماجی شعور رکھنے والے اور ہماری قوم کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے سماجی مقام کا لحاظ رکھتے ہوئے گاہکوں کی ایک لمبی قطار کو آگاہ کریں اور انھیں تربیت دیں۔ صنعت کار اور تجار جو اگرچہ ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لئے مقابلہ آرائی میں لگے ہوئے ہیں بس اسی خیال میں مگن رہتے ہیں کہ انھیں زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو۔

یہی طاقت ور اور مضبوط طاقتیں ہیں۔ جن کے خلاف گاہکوں کو جنگ شروع کرنا چاہیئے۔ گاہکوں کی ایک چوکنی منظم اور موثر جماعت ہی اس کام کو انجام دے سکتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جو تحریک شروع ہو وہ سیاسی اور مقامی رسہ کشی سے پاک ہو۔ دنیا کے مختلف حصوں میں واقع گاہکوں کے اداروں میں سے اکثر ادارے اس پالیسی پر گامزن ہیں۔

اس تحریک کی شروعات چند ہی برس پہلے دیکھنے میں آئی ہے۔ مثلاً مہاراشٹر میں ہندوستانی گاہکوں کی رہنمائی کرنے والی سوسائٹی (جس کا ہیڈ آفس ممبئی میں ہے۔) اپنی کارروائیوں کے دس سال پورے کر چکا ہے۔ گاہکوں کی خدمت کے سلسلے میں اس کی کوششوں کو ریاستی اور مرکزی حکومتوں نے بھی سراہا ہے اور اس لحاظ سے اس سوسائٹی کو بہت سی مشاورتی کمیٹیوں کی نمائندگی کا شرف حاصل ہے۔ رضاکارانہ طور پر کام کرنے والوں پر مشتمل یہ ادارہ انٹرنیشنل آرگنائزیشن آف کنزیومرز یونین، جو کہ آئی او سی یو کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اور جو کہ نیدرلینڈ کے ہاگ مقام پر ہے، ایک منتخب ممبر ہے۔ اس عالمگیر ادارہ کی رہنمائی میں ۵۰ ملکوں کے سو سے زیادہ حکومتی اور غیر حکومتی ادارہ ہیں۔

آئی۔ او۔ سی۔ یو کے نمائندے سے اقوام متحدہ سے ملحقہ یونیسکو، ایف اے او، یو این آئی سی ای ایف، اور یہاں تک کہ آئی ایل او جیسے اداروں کا مشاورتی درجہ حاصل ہے۔ یہ تیسری دنیا کے گاہکوں کی غرض و غایت کی حمایت کرتے ہیں۔ پس قومی رکاوٹوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے، گاہکوں کی تحریک ایک طاقت بن سکتی ہے۔ جو دنیا کو ایک ترتیب سے آراستہ کر سکتی ہے۔

●●

قومی راج

ترسیل زر و مراسلات کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، ممبئی ۳۲-۴۰۰

شری ایل۔ ایم ناڈکرنی، مہاراشٹر کے اپ لوک آیکتا اور ریاستی حکومت کے سابق چیف سیکریٹری نے حال ہی میں روٹری کلب بمبئی کی جانب سے منعقد کردہ طالب علموں کے لئے کیریر (معاش) کانفرنس میں ایک تقریر کی تھی۔ اس تقریر پر مشتمل دو مضامین میں سے پہلا مضمون اس شمارہ میں دیا جارہا ہے۔

سرکاری مُلازمت بطورِ معاش۔ ۱

معاش کا انتخاب خاص کر چار باتوں پر منحصر ہے: معاشی ضرورت، بہتر محنتانہ، تعلیمی صلاحیت نیز رغبت، مقصد اور کام کے ماحول سے نفسیاتی میلان' نیز سماجی مطابقت۔ حالانکہ بعض نوجوان اپنی تعلیم کو ایس ایس سی یا بارھویں درجہ کے بعد بھی جاری رکھنے کے خواہش مند ہوں گے مگر یہ بات بھی عیاں ہے کہ مالی ذرائع کی کمی اُن کے آڑے آئے۔ ایسی صورت میں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ایس ایس سی یا بارہویں درجہ کو پاس کرنے کے بعد ملازمت تلاش کریں، اُن کے لئے یہی بہتر اور مناسب ہوگا کہ وہ اپنا نام دفتر روزگار میں درج کرائیں۔

دفتر روزگار

ریاست کے ہر ضلع میں صدر مقام پر ایک دفتر روزگار قائم ہے۔ بمبئی عظمیٰ میں پانچ روزگار دفاتر ہیں۔ کلرک کی تمام طرح کی اسامیوں کے لئے بشمول خواتین اُمیدوار۔ ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج افسر ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج، مرکنٹائل چیمبر گراونڈ فلور، بیلارڈ اسٹیٹ، بمبئی ۱؎ (ٹیلیفون نمبر ۲۶۳۴۳۵) تمام طرح کے غیر تربیت یافتہ ورکرز، بشمول خواتین اُمیدوار کے لئے، سب ریجنل ایمپلائمنٹ افسر، سب ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج، مظفر آباد ہال، پراکٹر روڈ، گرانٹ روڈ، بمبئی ۷؎ (ٹیلیفون نمبر: ۳۴۷۳۲۱) جسمانی طور پر معذور افراد کے لئے۔ ایمپلائمنٹ افسر، اسپیشل ایمپلائمنٹ ایکسچینج برائے جسمانی طور پر معذوروں کے لئے، مظفر آباد ہال، پراکٹر روڈ، گرانٹ روڈ، بمبئی ۷؎ (ٹیلیفون نمبر: ۳۴۷۳۲۱) تمام ٹکنیکل افراد جن کے پاس تجربہ/اسناد ہوں' اُن کے لئے۔ ایمپلائمنٹ افسر، ایمپلائمنٹ ایکسچینج، سہکار بھون، پہلی منزل، کرلا انڈسٹریل اسٹیٹ، آگرہ روڈ، گھاٹ کوپر (مغربی) بمبئی ۸۶؎ (ٹیلیفون نمبر: ۵۵۵۱۲۶) تمام ٹکنیکل افراد جن کے پاس ڈپلومہ، ڈگری ہے اور تمام پوسٹ گریجویٹس کے لئے، یونیورسٹی ایمپلائمنٹ انفارمیشن اینڈ گائڈینس بیورو' ۷۹۔ قیمت رائے بلڈنگ، مہارشی کروے روڈ، بمبئی ۲۰؎ (ٹیلیفون نمبر: ۲۹۶۷۰۱)

ان کے علاوہ تین دفتر روزگار، واشی' ضلع تھانے، پمپری' ضلع پونے اور چندر پور (کوئلے کی کانوں میں بھرتی کے لئے) ہیں۔

دفتر روزگار میں صرف نام درج کرا دینا ہی کافی نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ کسی شخص کا اپنا رجحان کیا ہے تاکہ وہ کسی خاص ملازمت کے لئے مناسب قسم کا انفرادی مشورہ حاصل کر سکے۔ مہاراشٹر کے تقریباً ...۶ اسکولوں میں انسٹی ٹیوٹ آف وکیشنل گائڈنس اینڈ سلیکشن نے تقریباً ...۸ کیریر ماسٹروں کو تربیت دی ہے۔ یہ کیریر ماسٹر پیشہ ورانہ اطلاعات جمع کر کے ملازمت کے خواہشمندوں کو فراہم کرتے ہیں۔

اس میدان میں ایک اور بھی اہم ایجنسی

ہے اور وہ ہے کیریر کانسلرز ۔ کسی کانسلر کی کم از کم تعلیمی قابلیت پوسٹ گریجویٹ ہوتی ہے ۔ خاص طور پر نفسیات میں ایم ۔ اے یا ماسٹر آف ایجوکیشن ۔ اس کورس کی مدت ایک سال کی ہوتی ہے، مگر بدقسمتی سے پورے مہاراشٹر میں انسٹی ٹیوٹ آف وکیشنل گائیڈنس اینڈ سلیکشن کے تربیت کردہ صرف ایسے سو ہی کانسلر ہیں ۔ انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل کے مطابق اگر ایسے ۳۰۰ کانسلر ہوں تو پوری ریاست میں پیشہ ورانہ مشیروں کا انتظام مؤثر ڈھنگ سے کیا جا سکتا ہے ۔ ۳ ۔ مہاپالیکا مارگ، ممبئی ۱ پر واقع اس انسٹی ٹیوٹ میں اس سلسلہ میں موجود سہولتوں کا پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔

اگر کوئی یہی چاہے کہ وہ خود کا پیشہ اپنائے تو بات دوسری ہے، ورنہ سرکاری ملازمت نوجوانوں کے لئے کافی دلچسپی رکھتی ہے ۔ سرکاری ملازمت میں آدمی کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ انتظامی مشینری میں پالیسی سازی اور فیصلہ سازی میں حصہ لے سکے اور اس طرح عوام کی سماجی اور معاشی ترقیات کے کاموں میں اپنا کردار ادا کر سکے ۔

سرکاری ملازمت کیا پیش کرتی ہے

ایک اہم چیز یہ ہے کہ سرکاری ملازمت مزید محفوظ مدت کار پیش کرتی ہے ۔ اگر سرکاری ملازم عارضی بنیاد پر نہیں ہے تو اس کو ملازمت سے اس وقت تک برخواست یا ہٹایا نہیں جا سکتا جب تک کہ اس کے خلاف ڈسپلنری تحقیقات نہ کر لی جائے اور اس کو یہ موقع دیا جاتا ہے کہ وہ یہ بتائے کہ اس کو ملازمت سے کیوں نہ ہٹایا جائے ۔ درجہ اوّل اور دوم ملازموں کے بارے میں سزا دینے سے قبل پبلک سروس کمیشن سے مشورہ کرنا پڑتا ہے ۔ اس کے علاوہ یہ کہ ایک سرکاری ملازم انتظامی مشینری کی کارروائیوں میں عملی حصہ لیتا ہے ساتھ ہی اس کو سماج میں بعض حد تک اعلیٰ رتبہ بھی حاصل ہوتا ہے ۔

سرکاری ملازمت روزگار کے سلسلہ میں بھرپور مواقع فراہم کرتی ہے سرکاری ملازمت میں اسامیوں اور ملازمتوں کی درجہ بندی فرائض و ذمہ داری کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتی ہے ۔ اس کے علاوہ بھرتی و انتخاب کا طریقہ کار بھی موزوں ہوتا ہے، ترقی کے لئے منصوبہ بند طریقہ، کارکیر پر طریقہ کار کا قیام نیز مناسب تنخواہ وغیرہ کا باقاعدہ منصوبہ ہوتا ہے ۔

امیدواروں کا انتخاب سیاسی التفات کا نتیجہ نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں ذات پات، نسل، مذہب اور جنس کی تفریق کی جاتی ہے ۔ انتخاب مکمل طور پر لیاقت اور اہلیت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، سرکاری ملازمت میں قابل نوجوانوں کے لئے راہیں کھلی ہیں اور مقابلے میں بدعنوانیوں کا امکان تک نہیں ہوتا ہے ۔ البتہ مندرج جاتیوں اور قبیلوں کے لئے چند فیصد نشستیں محفوظ ہوتی ہیں ۔

مندرج جاتیوں کے لئے ۱۸ فیصد، مندرج قبیلوں کے لئے ۶ فیصد، نومیڈک اور نوٹیفائڈ قبیلوں کے لئے ۴ فیصد نیز مہاراشٹر کے دیگر پسماندہ طبقات کے لئے ۱۰ فیصد نشستیں محفوظ ہوتی ہیں ۔

آل انڈیا سروس اور سنٹرل سروس کے لئے مندرج جاتیوں اور قبیلوں کے لئے بالترتیب ۱۵ اور ۵ء۷ فیصد نشستیں محفوظ ہوتی ہیں ۔ مندرج جاتیوں اور قبیلوں کے افراد کے لئے عمر کی لگائی قید میں ۵ سال کی نرمی کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہے ۔

ترقی، اہلیت اور اعلیٰ کارکردگی پر دی جاتی ہے ۔ ترقی کے لئے محکمہ جاتی امتحانات مقرر کئے گئے ہیں ۔ نیز محکمہ جاتی ترقی کمیٹی، سرکاری ملازمین کے پچھلے تمام ریکارڈ کا جائزہ لے کر ترقی دیتی ہے ۔ البتہ مختلف درجوں سے ہوتے ہوئے سب سے جونیئر درجہ اول سطح کے عہدے تک ترقی سینارٹی اور اہلیت کی بنیاد پر دی جاتی ہے، مگر اعلیٰ عہدوں پر یہ طریقہ کار نہیں رہتا بلکہ ترقی سینارٹی نہیں، قابلیت کی بنیاد پر دی جاتی ہے ۔

ریاستی سرکاری ملازمت میں درجۂ اوّل اور درجۂ دوم کے ملازمین کی ترقی کے لئے پبلک سروس کمیشن سے مشورہ لیا جاتا ہے اور آل انڈیا سروس نیز سینٹرل سروس کے معاملات میں یونین پبلک سروس کمیشن کی مدد حاصل کی جاتی ہے ۔

جیسا کہ پہلے مندرج جاتیوں، قبیلوں نیز نومیڈک قبیلوں اور نوٹیفائڈ قبیلوں کی بھرتی کے وقت نشستوں کا فیصد مقرر کرنے کا ذکر کیا جا چکا ہے یہ سہولتیں انھیں درجۂ اوّل کے عہدوں پر پہنچنے تک ملتی ہیں لیکن اس کے بعد سے اعلیٰ عہدوں پر ترقی ہر صورت میں اعلیٰ قابلیت پر دی جاتی ہے ۔

مزید برآں سرکاری ملازمتوں میں انتخاب کی بڑی گنجائش ہے ۔ فرائض اور ذمہ داری کے لحاظ سے عہدے اور سروس کی درجہ بندی کی گئی ہے ۔ بھرتی اور چناؤ کے لئے باقاعدہ نظام ہے ۔ اسی طرح جائز ترقی اور واجبی تنخواہوں وغیرہ کیلئے ضابطۂ عمل ہے ۔ انتخاب قطعی طور ر

(بقیہ صفحہ ۹۴ پر)

سوال و جواب

لیناشیٹھ - ممبئی

س: میں کنگ جارج ہائی اسکول دادر کی ایک طالب علم ہوں' اپنے بچپن ہی سے میں ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھتی رہی ہوں، امسال میں انٹر سائنس کے امتحان میں شریک ہو رہی ہوں مجھے یقین ہے کہ میں ۶۰ فیصد مارکس سے پاس ہو جاؤں گی اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ امسال میڈیکل کالج میں داخلہ انٹرنس امتحان میں پاس ہونے پر ہی ملے گا۔ مجھے اس امتحان کی تفصیلات کیسے معلوم ہوں گی۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ یہ پہلا موقع ہے کہ اس قسم کا امتحان ہو رہا ہے۔

ج: جی ہاں' آپ صحیح کہہ رہی ہیں' یہ پہلا موقع ہے کہ آپ جیسے طالب علموں کے لئے جو طبی پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہیں' ریاست میں انٹرنس امتحان لیا جائے گا۔ ریاست کی مختلف یونیورسٹیاں اپنے علاقے کے طالب علموں کے لئے یہ امتحان لیا کرتی ہیں' یہ یونیورسٹیاں امتحان کی تاریخ، درخواست کا فارم، فیس اور مرکز وغیرہ کی تفصیل تیار کر رہی ہیں۔

ہر وہ طالب علم جس نے انٹر سائنس' بی۔ ایس سی حصہ اول یا ہائر سکنڈری امتحان میں کم از کم ۵۰ فیصدی مارکس حاصل کئے ہوں گے اس امتحان میں شریک ہو سکتا ہے۔ کسی بھی میڈیکل کالج میں داخلے کے لئے انٹرنس امتحان میں آپ کی کارکردگی بھی شمار کی جائے گی۔ دیگر میڈیکل کورسیز جیسے ڈینٹل، فزیوتھراپی، فارمیسی وغیرہ کے داخلے کے لئے بھی آپ کا دارومدار آپ کے انٹرنس امتحان کی کارکردگی پر ہوگا۔

امتحان انگریزی میں ہوگا اور اس میں تین پرچے (فزکس، کیمسٹری اور بایولاجی) مضامین کے ہوں گے۔ ہر پرچہ ۱۰۰ نمبر کا ہوگا۔ زبانی اور عملی (PRECTICAL) امتحان نہیں ہوگا۔

شیکھر جوشی - علی باغ

س: میں اپنی گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ دن کسی ہالی ڈے کیمپ میں گزارنا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے سمندر کے کنارے واقع کسی ہالی ڈے کیمپ کا نام مل جائے تو بڑی مدد ملے گی۔ ایسی جگہ میں کس طرح محفوظ کر سکوں گا۔ اور اس کا کیا کرایہ ہوگا؟

ج: آپ کے اپنے ضلع میں' مُرُوڈ جنجیرہ میں سمندر کے کنارے ایک ہالی ڈے کیمپ واقع ہے۔ آپ اسے مینیجنگ ڈائرکٹر، مہاراشٹر کلچرل اینڈ ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن، نواں منزلہ ایکسپریس ٹاور، نریمان پائنٹ، ممبئی نمبر ۲۰ یا اسی کارپوریشن کے ریجنل آفیسر کے دفتر جو کہ یوگا کشیما بلڈنگ کے مقابل نریمان پائنٹ' ممبئی ۲۰ میں واقع ہے' کے ذریعہ ایک بلاک محفوظ کرا سکتے ہیں۔

آپ کو 'اے' ٹائپ بلاک کے لئے روزانہ ۱۶ روپے کرایہ دینا ہوگا 'بی' اور 'سی' ٹائپ کے بلاک کے لئے کرایہ کم ہے لیکن مُرُوڈ جنجیرہ ہالی ڈے کیمپ میں صرف 'اے' ٹائپ ہی کے بلاک ہیں۔

گنپت سوناونے - رتنا گیری

س: میرے والد کے دوست نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ امسال میرے آئی۔ ٹی۔ آئی کے وائرمین کورس کے مکمل ہونے کے بعد وہ اپنے برقی اشیاء کے درستگی کارخانے میں کام دیں گے، لیکن میں اسی قسم کا اپنا ذاتی کارخانہ قائم کرنا بہتر سمجھوں گا۔ میرے مکان کے سامنے کا ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین اس کے لئے کافی ہوگا۔ کیا اپنا ذاتی کارخانہ قائم کرنا مفید ہے؟ برائے مہربانی سرکاری امداد کی تفصیلات مہیا کیجئے تاکہ میں اپنے خاندان کے دوسرے افراد کو اپنے منصوبے کے امکانات سے مطمئن کر سکوں، بحیثیت ایک ہریجن کے' کیا مجھے کوئی خاص رعایت ملے گی؟

ج: آپ کا فیصلہ معقول، ہوشمندانہ اور کاروباری بھی ہے۔ اپنے ذاتی کارخانے میں آپ بغیر کسی کا احسان لئے زیادہ آزادی سے کام کر سکیں گے۔ اپنے خاندان کے افراد کو بتائیے کہ وہ اس منصوبے کے تعلق سے نہ گھبرائیں کیونکہ یہ نچلے طبقے کے کارخانے داروں کی امداد کے سرکاری پلان سے مطابقت رکھتا ہے جو ابھی

ذاتی صنعتیں قائم کرنا چاہتے ہیں. علاوہ اس کے اس پروجیکٹ میں دس ہزار روپے سے زیادہ لاگت نہیں آنی چاہئے.

آپ کو ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کارخانہ قائم کرنے کے لئے آپ کی ذاتی زمین موجود ہے یعنی آپ کو قطعہ اراضی خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں. جہاں تک فنڈ کا تعلق ہے آپ کو ۵، فیصد قرض یعنی آپ کی کل ضرورت کا ۲/۳ بینک قومیائے بنک سے، ۱۵ فیصد علاقائی ڈیولپمنٹ کارپوریشن (آپ کے معاملے میں دی کوکن ڈیولپمنٹ کارپوریشن) اور ۵ فیصدی سرکار کی جانب سے مہیا کیا جائے گا.

بقیہ فنڈ کا ۵ فیصد حصہ آپ کو اپنے طور پر لگانا ہوگا مزید تفصیلات کے لئے آپ کے ضلع کا افسر برائے سماجی بہبود بھی آپ کی رہنمائی کرسکتا ہے۔

بیتری پدمائیہ

س : باوجود ۱۹۷۵ء میں [illegible] موٹر میکینک حاصل کرنے کے میں ابھی تک کوئی کام [illegible] جب بھی میں نے آٹوموبائل ریپئرس کارخانوں کے مالکوں سے انکوائری کی، مجھے یہی جواب ملا" فی الحال ہمیں موٹر میکینک کی ضرورت نہیں ہے"۔ میں نے کام کی بےعمل تلاش بند کردینے کا فیصلہ کیا ہے اور اب میں خود اپنی [illegible] آرمبھ کرنا چاہتا ہوں اسکوٹر ڈرائیوروں کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرا ریپئرس ورکشاپ بہتر کام کریگا۔ اب مجھے یہ بتایئے کہ اپنی اسکیم کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے مجھے کس سے ملنا چاہئے اور مجھے کس حد تک قرض مل سکتا ہے۔

ج : آپ ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپمنٹ کارپوریشن سے رابطہ قائم کیجئے. یہ کارپوریشن اور ساتھ ہی ساتھ مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن (ایم ایس ایس آئی ڈی سی) آپ کو کارخانہ کھولنے کے لئے پروجیکٹ رپورٹ کی تیاری کرنے کے بارے میں رہنمائی کریں گے. کھادی ویلیج انڈسٹریز بورڈ بھی آپ کی مدد کرسکتا ہے.

آپ کا یہ پورا پلان ریاستی حکومت کے 'خود کار روزگار اسکیم برائے خواندہ ملازم' کی حدوں میں آتا ہے اس لئے آپ قومیائے گئے بنکوں اور مہاراشٹر اسٹیٹ فائنانس کارپوریشن سے مدد کے حقدار ہیں. وہ آپ کی کل ضروریات کا ۵، فیصدی تک 'میعادی قرض' دیں گے. دس فیصد 'سوفٹ لون' (SOFT LOAN) ۴ فیصد شرح سود پر بحیثیت 'سیڈ منی' کے دیا جائے گا لیکن یہ آپ کو بعد میں ادا کرنا ہوگا. یعنی جب آپ فائنانس کارپوریشن کا 'میعادی قرض' لوٹا دیں گے. باقی رقم (۱۵ فیصد) آپ کو خود لگانی پڑے گی.

●●

قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہم برابر یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے لہٰذا ہم [illegible] اعلان [illegible] قارئین کی دلچسپی کے خیال سے 'سوال و جواب' کالم شروع کررہے ہیں

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلہ خیال سے ہمیں اور بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا. [illegible] شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں پروگرام اور سرگرمیوں کے بارے میں سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے.

براہ مہربانی اپنے سوالات اس پتہ پر بھیجئے.

ایڈیٹر، قومی راج، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن، اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی۔ ۴۰۰۰۳۲ ۔

کیمرہ کی آنکھ سے



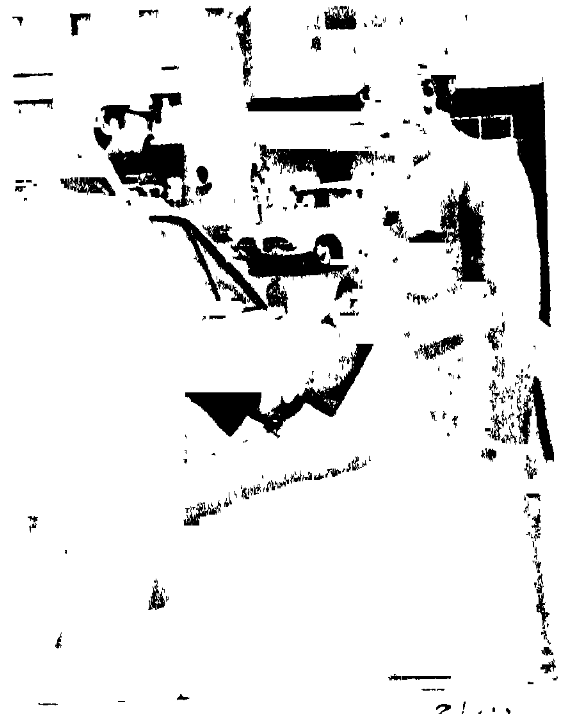
شاہ نیپال، بریندر بیر بکرم شاہ اور رانی ایشوریہ راجیہ لکشمی دیوی شاہ حال ہی میں ممبئی تشریف لائے تھے، سانتا کروز ہوائی اڈے پر قائم مقام گورنر مہاراشٹر شری آر۔ ایم کانٹا والا نے ان کا خیر مقدم کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

★

نیچے کی تصویر میں شری کانٹا والا شاہ نیپال کو الوداع کہہ رہے ہیں

بریگیڈیئر شری جی۔ ایس دیوسکر، وائر اینڈ دائرز حکومت مہاراشٹر، قائم مقام گورنر شری آر۔ ایم کانٹا والا کے کالر پر "فلیگ" لگا رہے ہیں۔ تصویر میں شری اے ایس کلکرنی چیف فائر آفیسر "دال بیٹی" لئے کھڑے نظر آ رہے ہیں۔





نئی مرکزی کابینہ

۱۔ شری مرارجی آر۔ دیسائی ... ... وزیراعظم
۲۔ شری چودھری چرن سنگھ ... وزیر برائے امور داخلہ
۳۔ شری جگجیون رام ... ... وزیر برائے دفاع
۴۔ شری ایل۔ کے ایڈوانی .. وزیر اطلاعات ونشریات
۵۔ شری پرکاش سنگھ بادل ... وزیر زراعت وآبپاشی
۶۔ شری ایچ۔ این بہوگنا ... وزیر پٹرولیم، کیمیکلز اور کھاد
۷۔ شری سکندر بخت .. وزیر تعمیرات عامہ، مکانات اور بحالیات
۸۔ شری شانتی بھوشن ... وزیر قانون، انصاف اور کمپنی امور
۹۔ شری پرتاپ چندر چندر ... وزیر تعلیم وسماجی بہبود اور ثقافتی امور
۱۰۔ پروفیسر مدھو ڈنڈوتے ... وزیر برائے ریلوے
۱۱۔ شری موہن دھاریہ ... وزیر کامرس، شہری رسد اور امداد باہمی
۱۲۔ شری جارج فرنانڈیس ... وزیر برائے مواصلات
۱۳۔ شری پرشوتم کوشک ... وزیر سیاحت وشہری ہوابازی
۱۴۔ شری راج نارائن ... وزیر صحت عامہ اور خاندانی بہبود
۱۵۔ شری ایچ۔ ایم پٹیل ... وزیر مالیات، ریونیو اور بنکنگ
۱۶۔ شری بیجو پٹنائک ... وزیر فولاد اور معدنیات
۱۷۔ شری پی۔ رامچندرن ... وزیر برائے انرجی
۱۸۔ شری اٹل بہاری واجپئی .. وزیر امور خارجہ
۱۹۔ شری رویندر ورما ... وزیر پارلیمانی امور اور محنت
۲۰۔ شری برج لال ورما ... وزیر صنعت



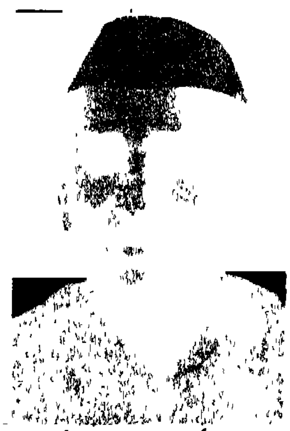
شری مرارجی آر۔ دیسائی



شری چودھری چرن سنگھ



شری پرکاش سنگھ بادل



شری ایچ۔ این۔ بہوگنا



شری سکندر بخت



شری وائی۔ بی چوان

لیڈر کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کو لوک سبھا میں کابینی وزیر کے ہم رتبہ اپوزیشن لیڈر کا درجہ دیا گیا ہے۔



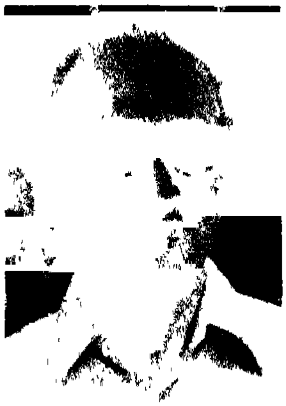
شری شانتی بھوشن



شری موہن دھاریہ



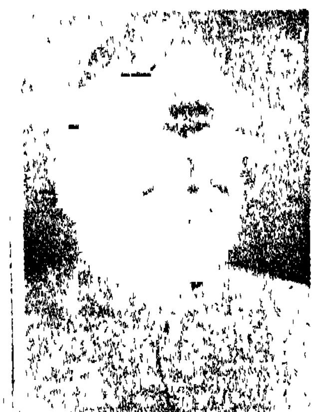
شری جارج فرنانڈیس



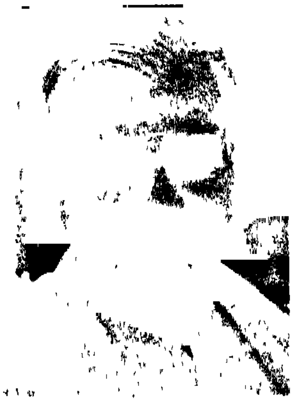
شری ایچ۔ ایم پٹیل



شری بیجو پٹنائک



شری جگجیون رام



شری پی۔ راجندرن



شری اٹل بہاری واجپئی



شری برج لال ورما

ریاستی خبریں

تحصیلِ مکانات منسوخ

حکومت نے یہ فیصلہ لیا ہے کہ [illegible] رہائشی عمارات [illegible] لی جائیں۔

[illegible] عمارتیں حاصل کی جا چکی ہیں وہ زیرِ تحویل رہیں گی۔ البتہ حکومت تجارتی (غیر رہائشی) عمارت جس کا رقبہ ۴۰ مربع میٹر سے زیادہ ہو مقاصد عام کے لئے ضروری حد تک تحویل میں لینا جاری رکھے گی۔ ۱۶ جولائی ۱۹۷۵ء کو یہ پالیسی دوبارہ اختیار کرنے کے بعد سے ۱۲ مارچ ۱۹۷۷ء تک [illegible] ۱۹۶ [illegible] عمارات طلب کی گئی تھیں۔ ان میں سے [illegible] ۵۹ عمارات باقاعدہ حاصل کی جا سکیں۔ [illegible] مالکان نے عدالتوں سے رجوع کیا اور حکومت کو قبضہ لینے سے روک دیا۔ بعض [illegible] مالکان کرایہ دار یا قبضہ دار کے حق میں ان کی [illegible] کی برابر واپسی [illegible] ضروری ہوا۔

[illegible] مالکان [illegible] مطابق خالی ہونے کی اطلاع [illegible] حکومت سے [illegible] نہیں کرا [illegible] اسی صورت میں [illegible] کیا جا سکتا ہے جبکہ خالی مکانات [illegible] دستیاب ہوں۔

نئی تعمیرات میں دستیاب خالی مکانات کے معاملے میں پارٹیوں نے اپنے جائز استعمال کی غرض سے براہ راست خریداری کی اجازت چاہی۔ پٹہ پر لی گئی عمارات کے معاملے میں حکومت کو اس صورت میں کہ پٹہ دار بنک، پبلک سیکٹر ادارہ جات یا غیر ملکی اعلیٰ عہدیداران ہوں فراخ دلی برتنی پڑی۔

بمبئی میں نئی عمارات کی تعمیر کا کام ٹھیکہ دار [illegible] انہوں نے پٹہ پر دینے کے لئے نہیں [illegible] راست فروخت کی غرض سے شروع کیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ نئی تعمیرات میں بہت کم مکانات مل سکے۔ پرانی عمارات کے معاملے میں بھی چند [illegible] جن میں موجودہ کرایہ داروں نے مکان خالی کر دئے مالکان نے صریحاً حکومت سے اجازت طلب کی تاکہ ان پر خود یا اپنے بیٹے بیٹیوں کے لئے قبضہ کر سکیں۔ ایسے معاملات میں بھی یہ مشکل تھا کہ ہمدردانہ رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ لہٰذا ایسی عمارات حاصل کرنے کا بھی امکان نہ رہا۔

بمبئی عظمیٰ کے علاقے میں ۱۶ جولائی ۱۹۷۵ء کو رہائشی مکانات حاصل کرنے کی پالیسی پھر اختیار کی گئی تھی۔ قبل ازیں جون ۱۹۵۶ء کے بعد سے یہ پالیسی منسوخ کر دی گئی تھی۔ اسے دوبارہ جاری کرنا اس خیال سے ضروری سمجھا گیا تھا کہ "پگڑی" کے رواج کو ختم کیا جائے اور دستیاب رہائشی مکانات و فلیٹ مساوی طور سے تقسیم کئے جا سکیں۔

لگزری ہوٹلوں کی توسیع کی اجازت

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ بمبئی میں ترقیاتی کنٹرول کے قاعدے کے تحت لگزری ہوٹلوں کو زیادہ گنجائش کے لئے مزید فلور اسپیس انڈیکس (ایف۔ ایس۔ آئی) کی اجازت دے دی جائے تاکہ وہ آنے والے سیاحوں سے زیادہ بدیسی زرمبادلہ کما سکیں۔

قبل ازیں یعنی ۲۱ جولائی ۱۹۷۶ء کو [illegible] کارپوریشن کے نام حکومت نے یہ ہدایت جاری کی تھی کہ بمبئی میں ہوٹلوں کو زائد ایف ایس آئی [illegible] ۵۰ فی صد تک بھی نہیں جس کی قاعدہ (۱۰) (۲) [illegible] رعایت ہے، اجازت نہ دی جائے۔ [illegible] میں زائد ایف ایس آئی کی اجازت تھی بشرطیکہ [illegible] اس سے ٹریفک کا ہجوم نہ ہو جبکہ خاص سڑک پر واقع نہ ہو اور موجودہ ہوٹل کے باعث بڑھی ٹریفک سے نپٹنے کے لئے مناسب بندوبست کیا جائے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۷۷ء کو [illegible] ہدایت واپس لے لی گئی اور میونسپل کارپوریشن [illegible] کے مطابق اطلاع دے دی گئی۔

بلند تعمیرات

بمبئی جیسے شہروں میں بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے حالانکہ تمام قوانین و ضوابط کی تعمیل کرتے ہوئے کم بلند عمارات آسانی سے تعمیر کی جا سکتی ہیں۔ ایسی بلند عمارتیں، لفٹ، آگ بجھانے کے لوازمات اور فراہمی آب وغیرہ کے لئے خاص بندوبست کرنے کے سبب زیادہ گراں پڑتی ہیں۔ مزید برآں کم اونچی عمارتوں کے درمیان بلند و بالا عمارتیں کچھ بھلی بھی نہیں لگتیں۔

اس رجحان کو روکنے کی غرض سے ۲ جولائی ۱۹۷۶ء کو ریاست [illegible] میونسپل کارپوریشنوں کو [illegible] ہدایت کی گئی تھی کہ ۲۰ میٹر سے اونچی بلند [illegible] اجازت [illegible] نہ دی جائے، تاآنکہ ترقیاتی کنٹرول قاعدے میں مناسب ترمیم کی جائے۔ بعد ازاں ۷ جولائی ۱۹۷۶ء کو [illegible] وضاحت جاری کی گئی کہ ۲۰ فٹ [illegible] (گراؤنڈ فلور) اور [illegible] ۱۰ [illegible]

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایسی صورتوں میں جبکہ تعمیراتی نقشے [illegible]

سے قبل منظور کر لئے گئے تھے اور منظور شدہ نقشہ جات کے مطابق کام شروع کر دیا گیا تھا تعمیرات کا کام آگے جاری رکھنے کی اجازت دی جائے جبکہ پابندی ۲۰ میٹر سے زیادہ ہو جائے۔

بعد ازاں اندازہ ہوا کہ اس پابندی سے کافی مشکلات پیدا ہوئیں اور تعمیراتی کاموں پر برا اثر پڑا۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۲۰ میٹر سے بلند عمارات کی تعمیر پر پابندی اٹھالی جائے جو ۲ر جولائی ۱۹۷۶ء کو عائد کی گئی تھی۔ تمام میونسپل کمشنران کو ۱۱ر اپریل ۱۹۷۷ء کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا۔

کھیل کود کے میدان میں امتیاز

قائم مقام گورنر شری آر۔ ایم کانٹاوالا نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مہاراشٹر اسپورٹس میں اچھی اور ممتاز روایت کا حامل ہے اور لوگوں میں کھیل کود کا ذوق و شوق پیدا کرنے میں ریاست اور رضاکارانہ اداروں نے قابل تعریف کام انجام دیا ہے۔ گورنر موصوف ۵ر اپریل کو راج بھون ممبئی میں ۳۰ کھلاڑیوں کو تقسیم شیو چھترپتی ریاستی انعامات تقریب سے خطاب فرما رہے تھے۔

شری کانٹاوالا نے مزید فرمایا کہ دیگر میدانوں کی طرح کھیل کے میدانوں میں بھی بچوں کو کم سنی ہی سے تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ صرف ہونہار بچوں کو چن لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ لگن اور محنت کے ساتھ برابر یہ کوشش کرنا چاہئے کہ ممتاز کھلاڑی انہیں اچھے ماحول میں تربیت دیں تاکہ وہ شاندار کھلاڑی بن جائیں اور نام پیدا کریں۔ مجھے امید ہے کہ ایسی لگاتار محنت اور کوشش سے ریاست میں بین الاقوامی پایہ کے کھلاڑی ہوں گے۔

انعامات کے لئے ۳۰ منتخب کھلاڑیوں میں سے تین غیر حاضر تھے۔ شریمتی کانٹاوالا نے ۲۷ انعام یافتگان کو انعامات تقسیم کئے۔

انعام یافتگان کے نام یہ ہیں:

اتھلیٹکس: شری لیلی لوئی (ممبئی)، کماری درجیبا کرسیٹو (ممبئی)؛ بیڈمنٹن: کماری سُدھا ایف۔ باسار (پونے)؛ باسکٹ بال: شری محمد ریاض اسمٰعیل (ممبئی)، کماری شوبھا دست پرکھو (ممبئی)؛ کرکٹ: شری سدھیر سکھارام نائیک (ممبئی)؛ کماری اجولا واسو دیو نکم (پونے)؛ فٹ بال: شری بندیا آر کاکڑے (ممبئی)؛ جمناسٹک: شری دینا دناترے، لوکر (پونے)، شری مہندر راے چیمبور کر (ممبئی)؛ ہاکی کماری حما دی، اسانیکر (ممبئی)؛ کبڈی: شری دیجے کمار بی۔ جادھو (ستارا)، کماری اردن، اے۔ ایس۔ چوان (ممبئی)؛ کھوکھو: شری شیکھر، آر، دھمر واڈکر (پونے)؛ کماری نرملا ڈی میدھیکر (پونے)؛ تیراکی: شری کلیمینٹ لارینس میڈونکا (ممبئی)؛ شریمتی کرونا ہیرو میر چندانی (ممبئی)؛ ٹیبل ٹینس: شری اتول کیرتی لال پاریکھ (ممبئی)؛ کماری کلاوتی سیتارام (ممبئی)؛ ٹینس: شری ششی مینن (ممبئی)؛ شریمتی نرد یما سنکڈ (ممبئی)؛ والی بال: شری سید عتیق قادری (ممبئی)؛ کماری پشپا امرادل (ناگپور)؛ ویٹ لفٹنگ: شری جزدل رستم مہتا (ممبئی)؛ بہترین کسرتی جسم: شری سمتی مرانڈی (ممبئی)؛ کشتی: شری رگھوناتھ پوار (پونے)؛ سائیکلنگ: شری رستم اے۔ ہوے والا (ممبئی)؛ باکسنگ: شری مدن شرما (ممبئی) اور رائفل شوٹنگ: شری اشوک کمار بھنڈاری (ممبئی)۔

امراوتی کے شری پی۔ اے۔ دیدیا کو بھی جسمانی تعلیم، کھیل اور اسپورٹس کے میدان میں طویل عرصہ تک قابل قدر خدمات انجام دینے پر انعام دیا گیا ہے۔

حکومت مہاراشٹر نے ۷۰-۱۹۶۹ء میں کھلاڑی مردوں اور خواتین کے لئے شیو چھترپتی ریاستی انعامات اسکیم کی شروعات کی تھی۔ اس مقصد کے تحت ریاستی حکومت نے مردوں کے لئے ۲۴ کھیلوں اور خواتین کے لئے ۱۲ کھیلوں کو منظور کیا ہے۔ خواتین کے لئے کرکٹ کا انعام اس سال سے جاری کیا گیا ہے۔

انعام پانے والے کو چھترپتی شیواجی مہاراج کا کانسہ کا نصف مجسمہ اور ایک سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے۔



شریمتی کانٹاوالا انعامات تقسیم کر رہی ہیں۔

انعام کی منظوری سے قبل مقررہ سرکاری جانچ کمیٹیاں ریاستی سطح کے ادارہ جات کی جانب سے سفارش کردہ کھلاڑیوں کی تین سالہ کارکردگی کی جانچ کرتی ہیں۔

سرکار کی جانب سے آخری طور پر منظوری کے بعد ہی انعامات دئیے جاتے ہیں۔

۷۶-۱۹۷۵ء سال میں مختلف اسپورٹس اور کھیلوں سے متعلق کل ۶۷ درخواستیں موصول ہوئیں تھیں۔

ریاستی ناٹیہ مہوتسو

بہترین ڈراما اسکرپٹ پر انعام

ڈائرکٹوریٹ آف کلچرل افیرس کے زیر اہتمام شہری مراٹھی ڈرامہ مقابلے میں شری بھرت ساسنے کو ناٹک "یم دہاتی یاد گاہ" کے اسکرپٹ پر ۵۰۰ روپے کا پہلا بیکھک انعام اور پروفیسر اپل سونار کو ناٹک "گنپت وانی" کے اسکرپٹ پر ۳۰۰ روپے کا دوسرا انعام دیا گیا۔

شری نارائن اہتواد یکر کو ۱۵۰ روپے کا پہلا بیکھک انعام ان کے ڈرامے "ہے اندھا لیپن ڈول سانچ" کے اسکرپٹ پر دیا گیا۔

شری اروند پوار کو مراٹھی موسیقی ڈرامہ مقابلہ میں "سنسکار" کے اسکرپٹ پر ۲۵۰ روپے کا پہلا انعام دیا گیا۔ ججوں کی جماعت نے اس سلسلے میں دوسرے انعام کے لیے کسی اسکرپٹ کی سفارش نہیں کی۔

پروفیسر دی۔ ڈی۔ کلکرنی، شری دتّرام بیڈیکر، شری ڈی۔ ڈی۔ امونکر اور شری دیانیشور ناڈکرنی نے جج صاحبان کے فرائض انجام دئیے۔

بکری ٹیکس میں رعایت

۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء کو مہاراشٹر مجلس قانون ساز میں وزیر مالیات نے اپنی بجٹ تقریر میں بکری ٹیکس میں رعایتوں کا اعلان کیا تھا جو مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ یکم اپریل ۱۹۷۷ء کے حصہ چہارم۔ب میں شائع شدہ حکم نامہ کے تحت یکم اپریل ۱۹۷۷ء سے نافذ العمل ہیں۔

لہٰذا ہاتھ سے بنائی بیکری کی اشیاء، نان، چپتی، ریوڑی اور گزاتی پر بکری ٹیکس سے چھوٹ کی حد فی کلو ۵ روپے سے بڑھا کر ۱۰ روپے کر دی گئی ہے۔

[illegible] مقبول

[illegible] دیہی اور [illegible] کے معاملے میں سالانہ فروخت پر بکری ٹیکس سے استثنیٰ کی حد ۳۰,۰۰۰ روپے سے بڑھا کر [illegible] ۵ روپے کر دی گئی ہے جب ذیل چیزوں پر بکری ٹیکس کی شرح میں حسب ذیل کمی کی گئی ہے۔

(۱) زراعتی ساز و سامان اور مشینری (ٹریکٹر آئیل انجن اور الیکٹریکل موٹروں کے علاوہ) جو بجلی سے چلائی جاتی ہے۔ ۳ سے گھٹا کر ۲ فیصد

(۲) نہانے دھونے کے صابن جو بار یا ٹکی کی شکل میں ہو ۵ سے گھٹا کر ۴ فیصد۔

(۳) فلورسینٹ ٹیوب پر ۱۴ سے گھٹا کر ۱۰ فیصد، البتہ کیروسین پر ۳ فیصد شرح میں کوئی کمی نہیں کی گئی ہے یا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ ○○

بہترین خط پر انعام

محترم قارئین!

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' کے ایڈیٹر کے نام آپ کے خطوط پر انعام دیا جائے گا۔ انعام کی رقم ۲۵ روپے ہے، جو بہترین اور خیال آفریں خط پر دی جائے گی۔

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی خاص کالم یا مضمون وغیرہ پر تبصرہ کر کے اپنی مخلصانہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ یہ آپ کو کیوں پسند یا ناپسند ہے۔

اسی طرح آپ حکومت کی کسی بھی اسکیم پر بحث کر کے اپنا تعمیری مشورہ دے سکتے ہیں یا یہ بتا سکتے ہیں کہ اس کی عمل آوری میں کیا خامی ہے۔

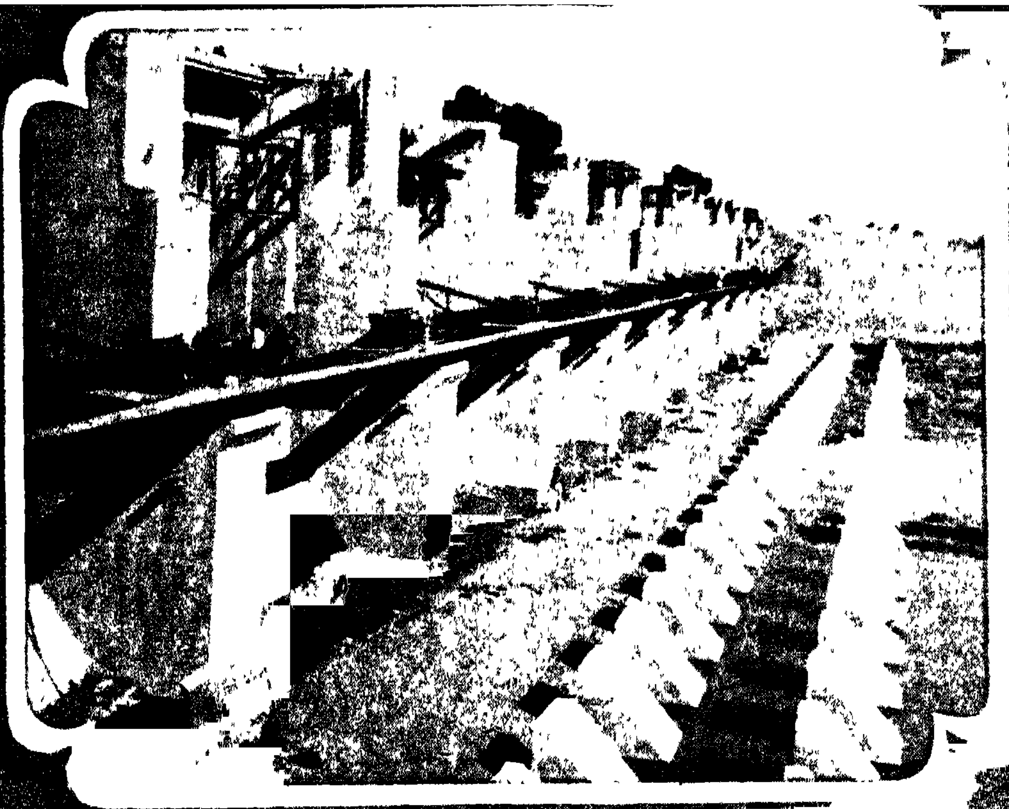
خط ۳۰۰ سے زیادہ الفاظ کا نہیں ہونا چاہئے اور اس پتہ پر ارسال کیا جائے:

ایڈیٹر 'قومی راج'، ۱۵- مالا،
نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ،
بالمقابل منترالیہ،
بمبئی ۴۰۰۰۳۲

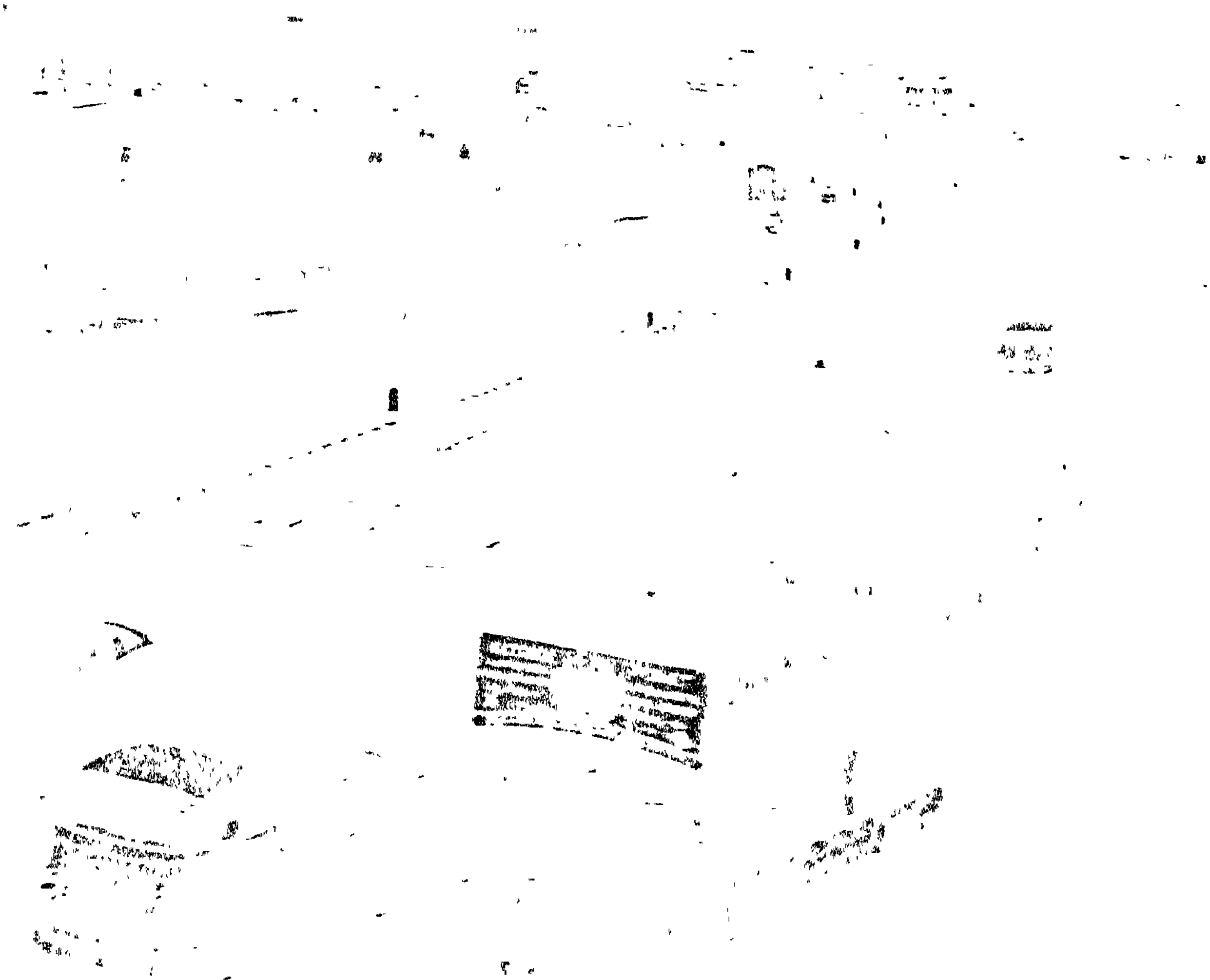
اوپر: ککرڈی پروجیکٹ کا ید گاؤں ڈیم۔ یہ پروجیکٹ پانچ باندھوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تکمیل پر اضلاع پونے، احمد نگر اور سولاپور میں ۱,۲۰,۰۰۰ (ایک لاکھ بیس ہزار) ہیکٹر اراضی سیراب ہوگی۔

نیچے: ضلع جلگاؤں میں واقع کیلے کے باغ میں ایک کنوئیں پر برقی پمپ۔ یہ ضلع پوری طرح بجلی سے روشن ہوگیا ہے۔

سرورق کے صفحہ ۳ پر



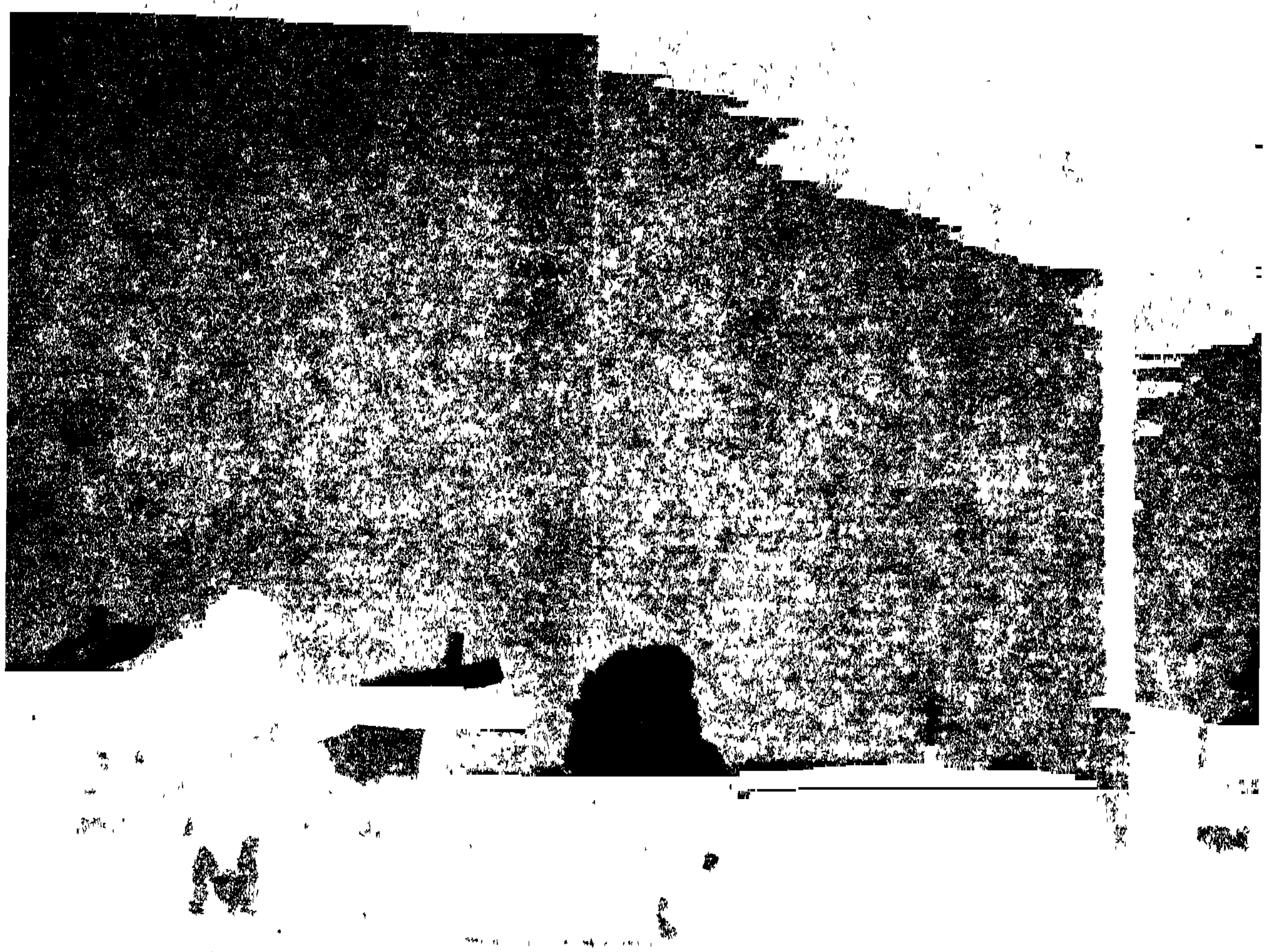




ایسٹرن ایکسپریس ہائی وے، بمبئی

ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی
میں چھپوا کر شائع کیا۔

قیمت ۵ پیسے



قومی راج

* بجلی کے حصول میں کامیابی
* وزیراعلیٰ کا پالیسی اسٹیٹمنٹ

قیمت: ۵۰ پیسے

۲۰ مئی ۱۹۷۷ء



رتناگری ضلع میں چپلون تعلقہ کے مقام «الور» پر کوئنا اسٹیج III کے پاور ہاؤس کے آبی چرخ (Turbine) اور جنریٹر کو کنٹرول کرنے والے «گورنر» کا ایک منظر



ریاست کے مختلف علاقوں میں قبائلی حصوں کو بجلی سے منور کرنے کا کام بڑی مستعدی سے جاری ہے۔ ناگپور ضلع کے رام ٹیک تعلقہ «دیولاپور» میں مزدور بجلی کے تار جوڑنے میں مصروف ہیں۔

قومی راج

جلد ۴ • ۱۶ مئی ۱۹۷۷ء • شمارہ ۹

ہر ماہ یکم اور ۱۶ کو شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ: دس روپے • فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور آئی۔ اے۔ ایس

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

ترتیب

قارئین کی رائے

قارئین کی کانفرنس بلائیے

'واہ واہ' 'نہرو پلانیٹیریم' (۱۶ مارچ شمارہ) کا حسین سرورق خوب ہے۔ اس سے متعلق مضمون بھی دلچسپ ہے۔ یہ پڑھ کر ہی لاثانی نہرو پلانیٹیریم کی اہمیت مجھ پر واضح ہوئی۔ اس سے یقیناً نوجوانوں میں نیا سائنسی ذوق و شوق پیدا ہوگا۔

یقیناً اسی قسم کے معلوماتی مضامین سے آپ کا رسالہ زیادہ بامقصد بن جائے گا۔

اس کی مقبولیت اور بڑھانے کے لئے میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں، قارئین کی کانفرنس بلائیے۔ اس سے قارئین اور اور آپ کے درمیان رابطہ اور بڑھے گا۔ اور اور آپ کے رسالہ کو بہتر رہنمائی مل سکے گی

ہنری جی۔ ایم والوی
نواپور، ضلع دھولے

ترقی کی نظر سے
'ریاستی خبریں' کالم پر ایک تبصرہ

اس کالم کی ادارت ٹھیک نہیں ہوتی۔ زراعت، آب پاشی اور صنعت وغیرہ جیسے ضمنی عنوانات کے تحت سرگرمیوں کے بارے میں خبریں دیتے وقت آپ کو واضح ضابطہ یا پالیسی وضع کرنی چاہیئے۔ ان تمام ضمنی شعبہ جات میں ہمہ جہتی ترقی ہی وسیع تر مطمع نظر ہونا چاہیئے۔

"ریاستی خبریں" اس کالم میں آپ کو دو نئے ضمنی عنوانات یعنی "روزگار" اور "اپرنٹس شپ" قائم کرنا چاہئیں، جن میں ریاست کے مختلف حلقوں میں روزگار کی صورت حال اور مختلف کمپنیوں اور کارخانہ جات میں 'اپرنٹس شپ اسکیم' کے بارے میں کافی جانکاری دی جائے۔

ایس۔ ٹی واکیڈکر
وڈالی، ضلع بلڈانہ

سماجی بیداری کی خاطر

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ گذشتہ چار پانچ سال کے دوران آپ کے پیش کردہ سب ہی خاص شمارے قابل داد ہیں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ ایسے شمارے صرف اس امر کے لئے ہی وقف نہ ہونا چاہئیں کہ تاریخی ہستیوں یا ممتاز افراد کی زندگی اور ان کے کارناموں کو اجاگر کریں۔ اگر آپ کا رسالہ سماجی مسائل پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالے اور بعض سماجی برائیوں مثلاً جہیز کی رسم اور ذات پات وغیرہ کے بارے میں لوگوں خصوصاً دیہی باشندوں کے درمیان پھیلی ہوئی جہالت کو دور کرنے میں معاون ہو، تو یہ زبردست سماجی خدمت ہوگی۔

اس سلسلے میں، میں آپ کے "جذام نمبر" (یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء) کا ذکر کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ اس موضوع پر اس سے بہتر نمبر اور کون نکال سکتا تھا؟

اپنے رسالہ کو صحیح معنوں میں عوامی روپ دینے کی غرض سے آپ کو چاہئے کہ اس قسم کے موضوعات پر خاص طور سے توجہ دیں، جس سے دیہی علاقوں میں زیادہ سے زیادہ بیداری پیدا ہوگی۔

شریمتی شیلجا کلکرنی
ستارا، ضلع ناسک

مہاراشٹر کے نئے گورنر

شری صادق علی

ممبئی - مہاراشٹر کی راجدھانی، مہاراشٹر کے نئے گورنر شری صادق علی کے لئے کوئی نئی جگہ نہیں ہے۔ "ہندوستان چھوڑو" تحریک کے دور میں برطانوی پولس سے بچنے کے لئے وہ ایک مجرم کی طرح یہاں کی ایک چال سے دوسری چال میں پولس سے آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔ چار ماہ تک وہ کسی بھی ایک مقام پر ایک ہفتہ سے زیادہ قیام پذیر نہیں ہوئے۔

اس دوران وہ بھیس اور نام بدل کر کبھی ہندو کا، کبھی مسلمان کا، یہاں تک کہ وہ خاتون کے نام پر بھی سفر کرتے رہے۔ اپنی روپوشی کے دوران انھوں نے مزدوروں، کسانوں اور دانشوروں کو ہدایات دیں کہ وہ جدوجہد آزادی میں اپنا حصہ کیسے ادا کریں۔

شری صادق علی ہمیشہ سے مذہبی ایکتا اور قومی اتحاد کے چیمپئن رہے اور اس کے لئے ہمیشہ برسرپیکار رہے۔ سیاسی اور معاشی قوت کی غیر مرکزیت بھی ان کی خاص دلچسپی کا مضمون رہا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے بہترین سال تعلیم کی توسیع، دیہی ترقی اور پنچائت راج کے لئے دیئے ہیں۔ موصوف نے ۶۶-۱۹۶۵ء میں ریاست کا دورہ بطور چیرمین مطالعاتی جماعت کے کیا اور پنچائت راج پر عمل آوری دیکھی۔

شری صادق علی ۱۹۱۰ء میں اودے پور راجستھان میں پیدا ہوئے اور الہ آباد یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی۔

الہ آباد میں اپنے طالب علمی کے زمانے میں وہ یوتھ لیگ کے رکن تھے جو کہ اس لئے بنائی گئی تھی تاکہ پنڈت جواہر لال نہرو اس کے صدر ہوں۔

۱۹۳۰ء کی نمک ستیہ گرہ کے دوران انھوں نے جواہر لال نہرو کے ساتھ نمک تیار کیا اور اس کا نیلام کیا۔ انھوں نے جواہر لال نہرو کی موثر قیادت میں کپڑے کی دوکانوں شراب کی دوکانوں اور الہ آباد یونیورسٹی میں دھرنا دیا۔ یونیورسٹی بند کردی گئی اور شری صادق علی گرفتار کر لئے گئے۔

جیل سے رہائی کے بعد وہ گاندھی جی سے ملے اور یوپی کے دیہاتوں میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ تعمیری کاموں میں لگ گئے۔ انھوں نے کتنی ہی کھادی کی تحریکیں نیز صفائی مہم منظم کیں۔ فاضل وقت میں وہ ہمیشہ سچے گاندھی وادی کی طرح چرخہ چلایا کرتے تھے۔

شری صادق علی نے کل ہند کانگریس کمیٹی کے دفتر میں اس وقت کام شروع کیا جبکہ اچاریہ کرپلانی جنرل سکریٹری تھے۔ انھوں نے اے آئی سی سی کے آفس سکریٹری کے بطور بڑے بڑے قومی لیڈران کے تحت کام کیا جیسے نیتاجی سبھاش چندر بوس، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت نہرو اور ڈاکٹر راجندر پرشاد۔

۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۸ء تک

۱۹۴۰ء میں جب انفرادی سول نافرمانی تحریک شروع ہوئی اس وقت انھوں نے مہاتما گاندھی کے ساتھ وردھا میں ایک سال تک کام کیا۔ "ہندوستان چھوڑو" تحریک کے دوران اپنی روپوشی کی تھوڑی سی مدت کے بعد ممبئی میں وہ ۱۹۴۲ء میں گرفتار کر لئے گئے۔

آزادی کے بعد ۱۹۵۱ء وہ اُتر پردیش سے لوک سبھا کے لئے منتخب ہوئے۔ وہ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۰ء تک راجیہ سبھا کے دو بار رکن رہ چکے ہیں۔

موصوف ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲ء تک متواتر اے آئی سی سی کے جنرل سکریٹری رہے وہ کانگریس (او) کے جون ۱۹۷۱ء سے جولائی ۱۹۷۳ء دو سال تک صدر رہے۔

(بقایا صفحہ ۳۰ پر)

وزیراعلیٰ کا پالیسی بیان

آئیے ہم مہاراشٹر کو ایک بہتر رہائش گاہ بنائیں

مہاراشٹر کے نئے وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کا یہ پالیسی اسٹیٹمنٹ یوم مہاراشٹر کے موقع پر آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن سے نشر اور ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔

"دوستو!"

ریاست مہاراشٹر کی ۱۷ ویں سالگرہ کے موقع پر میں آپ کو اپنی دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

میں مہاراشٹر کے وزارتِ اعلیٰ کی ذمہ داری ایسے موقع پر لے رہا ہوں جبکہ ریاست کو متعدد چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے اور پورا ملک ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے میں اسے پوری خاکساری اور سنجیدگی سے قبول کر رہا ہوں۔ اور آزادی کے معمار شری چھترپتی شیواجی مہاراج سے روحانی فیضان اور پدرِ قوم مہاتما گاندھی سے وجدان کا طالب ہوں۔ مہاراشٹر کو دنانیشور، نامدیو، تکارام، ایکناتھ، گوراکمبھار، چوکھا میلا جیسے سنتوں سے اور لوکمانیہ تلک، مہاتما پھلے آگرکر، مہارشی کروے، شاہو مہاراج، ڈاکٹر امبیڈکر، اور پنجاب راؤ دیشمکھ جیسے سیاستدانوں اور صحیح معنوں میں عوام کے رہنماؤں سے عظیم و شاندار روایات ورثہ میں ملی ہیں۔ مہاراشٹر اس باب میں بھی خوش قسمت رہا ہے کہ اس نے بڑے بڑے انقلاب پسندوں کی روایات ورثے میں پائی ہے یہی فیضان و وجدان ہے جس نے مجھے ان سخت و مشکل نئی ذمہ داریوں کو قبول کر لینے کی ہمت عطا کی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مہاراشٹر کے عوام میں ان چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی قوت ہے۔ اور اسی لحاظ سے میں نے اس ریاست کے عوام کی طرف سے ان نئی ذمہ داریوں کو قبول کیا ہے۔

میں اور میرے بہت سے ساتھی ہندوستان کی جنگ آزادی میں سپاہی تھے۔ ہم بھی ریاست مہاراشٹر کے جنم لینے سے پہلے بے شمار تکالیف سہنے میں شریک رہے۔ اس لئے جہاں ہم آزادی کی اہمیت و مقصد سے بخوبی واقف ہیں وہیں ہم آج کے بدلے ہوئے حالات میں مہاراشٹر کے عوام کی توقعات اور امیدوں سے اچھی طرح آگاہ بھی ہیں ہم نے پوری انکساری کے ساتھ عوام کے اس فیصلے کو منظور کیا جس کا اظہار لوک سبھا کے حالیہ انتخابات میں کیا گیا۔ ہم نے اس بات کو بھی نوٹ کر لیا ہے کہ عوام کے مسائل کیا ہیں، سیاسی صورت حال کیا ہے اور یہ کہ عوام کی قوت کیا ہے۔ میں یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم بہترین کوشش کریں گے کہ ان پالیسیوں پر کاربند رہیں جن پر اب تک ہم چلتے رہے ہیں اور ان کی بنیاد عوام کی توقعات اور امیدوں پر ہو۔ ہم اس اصول پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کہ ہماری حکومت عوام کی حکومت ہے۔ ہمارے لئے یہ ایمان و یقین کی بات ہے کہ وزراء عوام کے نمائندے ہیں اور حکومت کے افسران اور ملازمین عوام کے خدمتگار ہیں اور عوام ہی ہمارے آقا ہیں۔ ہم اس بات کے لئے سچائی کے ساتھ کوشاں ہوں گے کہ جہاں جہاں اس تعلق میں بگاڑ پیدا ہوا ہے اس میں اصلاح کی جائے۔

کسی ذات پات کی حکومت نہیں،

میں اس بات کو پھر دہراتا ہوں کہ یہ حکومت کسی ایک ذات یا فرقے کی نہیں ہے۔ مہاراشٹر ان سب کا ہے جو اس میں بستے ہیں۔ میں مہاراشٹر کے اولین وزیراعلیٰ شری یشونت راؤ چوان کی اس بات کی توثیق کرنا چاہتا ہوں جو انھوں نے ۱۹۶۰ء میں مہاراشٹر کے جنم کے موقع پر کہی تھی۔ "مراٹھی ریاست کا مطلب نہ مراٹھا ریاست ہے نہ کسی خاص ذات کی ریاست۔ اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہوگا کہ یہ مراٹھوں کی ریاست

ہے یا اس کے کسی خاص حصے کے لوگوں کی۔ ہم راست بازی اور حسن خلق کے پجاری ہوں گے۔" اس لئے ہم اس کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں کہ اس ریاست کی تعمیر و ترقی تمام مذاہب کو ماننے والے اور زبانوں کو بولنے والے عوام کے ساتھ ہو۔

پس یہ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم جہاں تک ممکن ہو سکے مراٹھی استعمال کریں۔ یعنی ہماری ریاستی زبان۔ ہم ثانوی سطح تک گجراتی، ہندی، اردو، کنڑ، تیلگو اور سندھی زبانوں کو سہولتیں مہیا کریں گے۔ اس بات کی بھی کوشش کی جائے گی کہ اردو اکیڈیمی کی کارکردگی میں ایک جوش پیدا کر دیا جائے۔

ہم اس بات سے آگاہ ہیں کہ عوام نے ہمیشہ اسی ریاست کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ جس نے عوام کی بھلائی کے لئے پالیسیاں بنائی ہوں۔ عوام میں نئی قدریں پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سماجی اور معاشی تبدیلیاں لائی جائیں۔ صرف وہی لوگ جن میں یہ نئی قدریں ہوں گی، سوسائٹی میں ایک نئی روح ڈال سکتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت عوام کو اس جانب راغب کرے گی۔

"عدم مشابہت کے باوجود ایکتا" کا خیال ہمارے ہندوستان کی تہذیب کی روح ہے۔

بمبئی شہر کاسموپولیٹن کردار کا حامل ہے۔ اور مہاراشٹر کو اس بات پر ناز بھی ہے۔ ہم شہر بمبئی کے عوام کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ شہر بمبئی کے کاسموپولیٹن کردار کو مستقبل میں بھی برقرار رکھا جائے گا۔

ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ ایمرجنسی کے دوران پریس اور ریاستی حکومت کے درمیان قائم شدہ دلی تعلقات کو ٹھیس پہنچی۔ اس بات کی بھی کوشش کی جائے گی کہ ان سے بھی اچھے تعلقات بڑھائے جائیں۔

آزادی کے موقع پر، یہ کانگریس کا ہی ریکارڈ تھا کہ اس نے جمہوریت کو بڑھانے اور قوم کی تعمیر میں حیرت انگیز رول ادا کیا ہو سکتا ہے کہ کانگریس سے کچھ غلطیاں ہوگئی ہوں لیکن چونکہ یہ ایک متحرک اور ترقی پسند پارٹی ہے اس لئے اس نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ عوام کے قدم آزادی اور انصاف کی طرف بڑھیں۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ یہ خیال ہمیشہ روشن رہے۔

مہاراشٹرین ایک خود دار فرد ہے جو کسی طرح کی ذلت برداشت نہیں کرتا۔ وہ غریب ہو سکتا ہے، وہ ان پڑھ ہو سکتا ہے لیکن وہ وقار کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ اور اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ جہاں کہیں بھی وہ جائے اس کے ساتھ اچھا انسانی سلوک روا رکھا جائے۔ وہ ناانصافی پسند نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ سچائی کا متلاشی ہوتا ہے اور وہ اصولوں کا پابند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر سطح پر اس کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

اتحاد - ایک قوت

یہ اتحاد کا جذبہ ہی تھا جس کی وجہ سے اس ریاست کا جنم ہوا۔ اس جذبہ کو مزید تقویت پہنچائی جائے گی۔ اپنے مختلف علاقوں کی ہمہ گیر ترقی کے لئے ہی اس ریاست کا جنم ہوا ہے۔ ہم نے اب تک اس بات کی کوشش کی ہے کہ مراٹھواڑہ، ودربھ، اور کوکن کی پسماندگی کو دور کیا جائے اور اب ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان علاقوں کے اپنے اپنے مسائل ہیں جن پر اب ہم فوری توجہ دیں گے۔ اسی طرح ہم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ قلت زدہ علاقوں، ادیواسی اضلاع، پسماندہ طبقات اور معاشی طور پر کمزور فرقوں کے لئے بھی خاص توجہ ضروری ہے۔ لہٰذا ہم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ان افراد اور علاقوں کے لئے مختلف سطحوں پر جو کام انجام دیئے گئے ہیں ان کا پھر سے جائزہ لیا جائے اور مستقبل کے لئے کوئی راہ نکالی جائے۔

چونکہ تجارت اور صنعت ہی مہاراشٹر میں معاشی بڑھاوے کے لئے ضروری ہیں اس لئے یہ ہماری کوشش ہوگی کہ ان مسائل کو حل کرلیا جائے۔

یہ ہمارا منصب ہے کہ مہاراشٹر کو ایک جدید، ترقی پسند اور سوشلسٹ ریاست بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکومت نے شروع ہی سے مختلف اسکیموں پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ یہ ہمارا نصب العین ہے کہ ان اسکیموں کے ذریعہ ہی ایک نیا مہاراشٹر تعمیر ہو۔

اس لئے ہم یہ کوشش کریں گے کہ تعلیم کے پھیلاؤ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ اور اس کی اچھائی کو اجاگر کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہم اس بات کے متمنی ہیں کہ والدین اساتذہ، اسکول کے منتظمین اور طلبہ ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ ہمارے طلبہ کو مستقبل میں بھاری ذمہ داریوں کو سنبھالنا ہے اس لئے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی ہر منزل پر ترقی کے لئے کوشش کرتے رہیں۔ پس حکومت تعلیم کو عوام کے لائق بنانا چاہتی ہے اور یہ بھی کوشش کرنا چاہتی ہے کہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ افراد میں پھیلی ہوئی بے روزگاری کو دور کرے۔

یہ تعاون ہی ہے جس کی وجہ سے اچھی صنعت والی معیشت پیدا کی جاسکتی ہے لہٰذا اس تحریک کی حوصلہ افزائی کے لئے ہر ممکن

کوشش کی گئی ہے تاکہ معیشت کی ترقی ہو۔ اس عمل کو پوری طور پر انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان تمام برائیوں کو دور کر دیا جائے جو اس تحریک کے راستے میں روڑا ہیں۔ چونکہ یہ تحریک معاشی ترقی کے لئے عوام ہی کی جانب سے جاری کردہ ہے اس لئے ہمارے لئے یہ لازم ہے کہ ہم اس کی ہر سطح پر ہمت افزائی کریں۔

عام آدمی اور سماج میں معاشی طور پر کمزور طبقات ہی ہمارے منصوبوں کے مرکز ہیں۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان منصوبوں کو دیہی سطح پر بھی جاری کریں۔

ہماری یہ بھی کوشش ہوگی کہ ضمانت روزگار اسکیم پر اچھی طرح سے عمل درآمد ہو اور زرعی مزدوروں، دیہی کاریگروں اور بنکروں کے مسائل حل کئے جائیں۔

ضمانت روزگار اسکیم ایک انقلابی قدم ہے اور حکومت ایک خاص قانون بنا کر اس کو زیادہ پر اثر بنا سکتی ہے۔

ہم اس بات کے لئے متفکر ہیں کہ ہر کاشت کار اپنی زندگی وقار کے ساتھ گزارے اپنی آمدنی کو بڑھائے، اپنی زمین کی پیداوار کو ترقی دے اور رہن سہن کے درجہ کو اونچا اٹھائے اور یہ تمام کام انجام دیتے ہوئے وہ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ اس سے یہ امید رکھی گئی ہے کہ وہ ریاست کی ترقی کا بھی ضامن ہے۔ بلا کسی امتیاز ہر کاشت کار کو سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

کسانوں کی بدحالی

مہاراشٹر کے کسان ہمیشہ قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ بارش کا غیر یقینی ہونا اور پیداوار کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ان کسانوں کی تباہ حالی اور بڑھ گئی ہے۔ اس لئے یہ بالکل نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سے رقم وصول کرنے کے لئے بے حساب کارروائی کی جائے۔ بدقسمتی سے بعض دفعہ یہ کارروائیاں کی گئیں جس کی وجہ سے ان کی تکلیفوں میں بہت اضافہ ہو گیا۔ ہم اس کے لئے واقعی متاسف ہیں۔ باقی ماندہ رقم کی حصولی کے لئے کام تو اب بھی جاری رہے گا۔ لیکن یہ زیادتیوں سے مبرا ہوں گے اور انسانی سلوک کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ مختلف ترقیاتی اسکیموں کے لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے وسائل کو بڑھائیں۔ اس کے لئے یہ لازم ہے کہ ہم یا نئے ٹیکس عائد کریں یا اپنی بجٹ کو بڑھائیں۔ عوام کو ٹیکس کے بوجھ سے بچانے کے لئے بجٹ کی مختلف اسکیمیں جاری کی گئیں اور بعض اسکیموں پر عمل کے لئے دباؤ بھی ڈالا گیا۔ لیکن اب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس کی وجہ سے عوام میں بے اطمینانی پھیل گئی۔ اس لئے میں یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ ان اسکیموں پر از سر نو غور کیا جائے گا۔

صنعت اور تجارت میں مہاراشٹر نے جو ترقی کی ہے اس پر ہر شخص بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اب یہ ضروری ہے کہ اس سلسلے کو قائم رکھا جائے۔ اس لئے ہم دیہی اور شہری صنعتوں کی ترقی کے لئے خاص خاص تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ ہم چھوٹے پیمانے والی صنعتوں کی ترقی پر بھی کافی توجہ دیں گے تاکہ وہ بھی بڑی صنعتوں تک اپنا مقام حاصل کر سکیں۔

چونکہ زراعتی اور صنعتی ترقی کے لئے بجلی بہت ہی ضروری ہے اس لئے حکومت بجلی کی پیداوار اور سپلائی کے پروگرام کو خاص اہمیت دے گی۔ بار آوری ہ

طبقہ کے لحاظ سے ہماری سوسائٹی کا اہم جزو مزدور ہے۔ ہماری حکومت کی یہ کوشش ہوگی کہ ان کے مسائل کو اولیت کا درجہ دیکر حل کرے اور ان کے لئے بڑی سطح پر فیکٹریوں کے انتظام میں حصہ دار بنائے جانے کے مواقع فراہم کرے۔ لیکن بمبئی میں تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات پر مجھے بہت زیادہ تشویش ہے۔ صحت مند ٹریڈ یونین تحریک پیدا کرنے کی بجائے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے یہ تحریکیں کمزور پڑ جائیں گی۔ مزدور لیڈروں سے بات چیت کر کے ہم ملازمین اور مالکان کے درمیان اچھے تعلقات کو بڑھانے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ بھی ہمارا مقصد ہے کہ ملازمین کے اعتماد کو بحال رکھا جائے۔ اور صنعتی محاذ پر امن قائم رہے۔

اس سال مہاراشٹر کے کچھ دیہی علاقوں میں پینے کے پانی کا ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ضروری اور طویل وقت والی کارروائیاں کرے گی۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ شہری علاقوں میں لینڈ سیلنگ بل کے نفاذ سے صنعتی، رہائشی اور زرعی پیداوار میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ہم ضروری کوششیں کریں گے۔

معاشی اور خاص خاص ترقیوں کے لئے اب خاندانی بہبودی کے بارے میں دو خیال بالکل غیر ضروری ہیں۔ لیکن اس پروگرام کو عمل میں لانے کے لئے جبر کے طریقے نے ایک طرح کی بے اطمینانی پھیلا دی۔ اس لئے اب ہم کسی طرح کا جبر استعمال نہیں کریں گے۔ لیکن قوم کے مفاد کے لئے اس پروگرام کی رضاکارانہ طور پر عمل درآمد کے لئے ہمت افزائی کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

(بقایا صفحہ نمبر ۱۴ پر)

شہری اراضی (حدبندی قانون) ایکٹ ۱۹۷۶ء

مسٹر للیت دوشی، ڈپٹی سکریٹری، حکومت مہاراشٹر، محکمۂ جنرل ایڈمنسٹریشن، شہری اراضی (حدبندی اور باضابطگی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کے نفاذ عمل سے وابستہ ہیں آپ نے اس مضمون میں، جس کی یہ دوسری قسط پیش کی جا رہی ہے مذکورہ ایکٹ کے خاص خاص پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

۲۶۔ کیا آپ موجودہ مکان کو ڈھا کر اسی پلاٹ کو نئے سرے سے ٹھیک کرنا چاہتے ہیں جو قدرتی اسباب سے اس پرانی عمارت کے گر جانے پر خالی ہو گیا ہے؟

● زیر عمارت اراضی نیز ایسی عمارت سے متصل اراضی جس کا شمار شہری اراضی قانون (حدبندی اور باضابطگی) ایکٹ کے تحت کیا گیا ہے، قانوناً خالی اراضی نہیں ہے۔ اس سے زائد اراضی کو خالی اراضی شمار کیا جائے گا۔ بہرحال عمارت گر جانے سے تمام اراضی خالی ہو جاتی ہے، اور اگر یہ حدبندی کی حدود سے زائد ہو تب اس صورت میں پلاٹ کو نئے سرے سے بنانے سے قبل دفعہ ۲۲ کے تحت عہدیدار کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

ایک مشکل یہ بیان کی گئی ہے کہ پہلے ہی سے عمارت ڈھا دی گئی حالانکہ دوبارہ تعمیر کے بارے میں کوئی یقین دہانی نہ ہو۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو پلاٹ پر دوبارہ تعمیر چاہتے ہوں عہدیدار کو درخواست دیں۔ فی الحال صرف رہائشی مقصد کے لئے دوبارہ تعمیر کے معاملات پر غور کیا جائے گا۔ عمارت (جسے گرانا ہے) کے تحت زمین، اس سے متصل زمین یا وہ زمین جسے مالک اراضی کو حدبندی کی حدود تک رکھنے کا اختیار ہے، کے ایف ایس آئی کو کام میں لانے کی غرض سے عہدیدار دوبارہ تعمیر و تبدیلی کی اجازت دے سکتا ہے۔ دوبارہ تعمیر کے لئے اس قسم کی اجازت عہدیدار ایک خط کی صورت میں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ دے گا:

الف) مکان کا فرشی رقبہ (پلینتھ ایریا) ۸۰ مربع میٹر سے زائد نہ ہو۔

ب) نئی بلڈنگ میں ہر شخص کو صرف ایک ہی مکان ملے گا۔

ج) دوبارہ تعمیر کے بعد تمام موجودہ کرایہ دار نئی بلڈنگ میں بسائے جائیں۔

عہدیدار کی جانب سے دیا گیا خط دفعہ ۲۲ کے تحت اصلاً حکم کی شکل اسی وقت اختیار کر سکتا ہے جبکہ بلڈنگ گرا دی جائے۔ اس خط کے مدنظر میونسپل افسران تعمیر کی اجازت دیں گے۔ عمارت ڈھا دینے کے بعد میونسپل ذمہ داران عہدیدار کو عمارت ڈھا دیئے جانے کی اطلاع دیں گے۔ میونسپل حکام کی جانب سے اس اطلاع کے موصول ہونے پر عہدیدار دفعہ ۲۲ کے تحت دوبارہ تعمیر کی اجازت کیلئے باقاعدہ حکم نامہ جاری کرے گا۔

۲۷۔ کیا آپ 'کرتا' یا غیر منقسم ہندو خاندان کے فرد ہیں جس کے پاس حدبندی کی حدود سے زائد اراضی ہے؟

● ایکٹ کے تحت ایک غیر منقسم ہندو خاندان کو ایک "فرد" کی حیثیت نہیں دی گئی ہے اس لئے ہندو قانون کے مطابق حصوں کا حساب کرنا ہوگا۔ شوہر، بیوی اور نابالغ بچوں کے حصص کو ایک ساتھ جمع کیا جائے گا۔ اس طرح غیر منقسم ہندو خاندان کئی افراد کی شکل میں بانٹا جائے گا۔ یعنی انھیں 'بالغ افراد' یا کئی خاندان شمار کیا جائے گا۔ ایسے ہر شخص کو حدبندی کی حد تک اراضی رکھنے کا حق ہوگا۔ اس طرح اس حساب سے اگر یہ معلوم ہو کہ کل اراضی حدبندی کی حدود میں واقع ہے تو میونسپل حکام سے کہا گیا ہے کہ وہ تعمیر کیلئے ضروری اجازت دیں۔

۲۸۔ میونسپل حکام کی جانب سے جائز شروعات سرٹیفکیٹ (اس کا مطلب ہے شروعات کا سرٹیفکیٹ نہ کہ محض نامنظوری کا اطلاع نامہ) حاصل کر کے کیا آپ کی بلڈنگ ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء کو زیر تعمیر تھی؟

• قانونی نقطہ نظر سے ایسی اراضی جس پر میونسپل حکام کے جائز اجازت نامے کے تحت ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء کو عمارت زیر تعمیر تھی تو ایکٹ کے تحت ایسی اراضی کو غیر خالی تسلیم کیا گیا ہے اور اس پر عمارت مکمل کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

کچھ میونسپل حکام نے تعمیر اس بنیاد پر رکوا دی تھی کہ عمارت تعمیر کروانے والے شخص نے زمین صرف فروخت کرنے کے معاہدے پر لی تھی اور جس کی رد سے اُسے کوئی جائز اختیار حاصل نہیں تھا۔ میونسپل حکام کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ ان عمارتوں کی تعمیر مکمل کرنے کی اجازت دیدیں جو کہ ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء سے قبل جائز تعمیری اجازت نامے کی رُو سے زیر تعمیر تھیں۔

۲۹۔ کیا آپ نے گروپ ہاؤسنگ اسکیم کے لئے میونسپل حکام سے ۱۷ فروری ۱۹۷۶ء سے قبل 'شروعات سرٹیفکیٹ' حاصل کر لیا تھا؟

• اگر کسی خالی زمین کے سلسلے میں متعلقہ میونسپل حکام کی جانب سے شروعات سرٹیفکیٹ (نہ کہ نامنظوری کا اطلاع نامہ) ۱۷ فروری ۱۹۷۶ء سے قبل گروپ ہاؤسنگ اسکیم کے لئے جاری کیا گیا تھا تو ایسا مالک اراضی اس اراضی پر اپنی ملکیت جاری رکھ سکتا ہے اور تسلیم شدہ پلان کے تحت گروپ ہاؤسنگ عمارات تعمیر کر سکتا ہے

کچھ کوآپریٹیو سوسائٹیوں نے زمین خریدنے کا معاہدہ کیا تھا اور اپنی عمارات تعمیر کرنے کے لئے ۱۷ فروری ۱۹۷۶ء سے قبل شروعات کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کر لیا تھا، لیکن چونکہ ان کا حق ملکیت واضح نہیں تھا لہٰذا انھیں تعمیر شروع کرنے یا اگر تعمیر شروع ہو چکی ہو تو اسے جاری رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ایسے تمام معاملات میں میونسپل حکام کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ تعمیری اجازت دے دیں کیونکہ اگر مالک اراضی نے ۱۷ فروری ۱۹۷۶ء سے قبل گروپ ہاؤسنگ اسکیم کے لئے ضروری شروعات سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا ہے تو اسے اراضی پر ملکیت قائم رکھنے کا اختیار ہے بہرحال ایسے معاملات میں مالک اراضی اس لائق نہیں ہوگا کہ وہ زمین ان سوسائٹیوں کے حق میں منتقل کر دے بشرطیکہ اس پر بلڈنگ تعمیر کی گئی ہو۔ بلڈنگ تعمیر ہو جانے کے بعد، بلڈنگ سے منسلکہ اراضی ایکٹ کی دفعہ ۲۷ کے تحت مختار عہدیداران سے اجازت حاصل کرکے منتقل کی جا سکتی ہے۔

۳۰۔ کیا آپ نے ۹ اپریل ۱۹۷۶ء سے قبل نامنظوری کا اطلاع نامہ اور ۴ ستمبر ۱۹۷۶ء سے قبل شروعات سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد ۴ ستمبر ۱۹۷۶ء تک گروپ ہاؤسنگ عمارت کی تعمیر شروع کرکے 'پلنتھ لیول' تک پہنچا دی تھی؟

• اگر آپ نے مذکورہ بالا شرائط پوری کر دی ہیں تو ایکٹ کی دفعہ ۲۰ کے تحت ناواجب مشکلات کی بنیاد پر میونسپل حکام کے ذریعہ ریاستی حکومت کو استثنیٰ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ زمین جو بلڈنگ کے تحت زمین یا اطراف عمارت کی زمین ہی کے استثنیٰ پر غور کیا جائے گا جسے میونسپل ضابطے کے تحت خالی چھوڑنا ضروری ہے۔

بلڈنگ کے اطراف کی ایسی خالی جگہوں کی حد کا شمار ایف ایس آئی ضابطہ کے تحت ممبئی میونسپل کارپوریشن سے منظور شدہ پلان کی بنیاد پر ہوگا۔

ایسے معاملات اس فیصلہ کے تحت نہیں آتے جہاں ۹ اپریل ۱۹۷۶ء کے بعد نامنظوری کا اطلاع نامہ یا ۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کے بعد شروعات کا سرٹیفکیٹ جاری کیا گیا ہو۔ متعلقہ مالک اراضی کی جانب سے بری کئے جانے کی درخواست کی بنیاد پر ایسے معاملات پر فرداً فرداً غور کیا جائے گا۔

۳۱۔ کیا آپ نے میونسپل حکام سے ۹ اپریل ۱۹۷۶ء سے قبل شروعات سرٹیفکیٹ حاصل کرکے تجارتی یا صنعتی مقصد کے لئے عمارت کی تعمیر شروع کر دی تھی اور کیا تعمیر ۴ ستمبر ۱۹۷۶ء تک 'پلنتھ لیول' تک پہنچ گئی تھی؟

• ایسے معاملات میں متعلقہ اشخاص کو چاہیئے کہ وہ میونسپل حکام کے ذریعے دفعہ ۲۰ (۱) (ب) کے تحت غیر ضروری مشکلات کی بنیاد پر بری کئے جانے کے لئے درخواست دیں۔ بری کئے جانے کے بعد انھیں عمارت مکمل کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

۳۲۔ کئی منزلہ عمارت کے اطراف کھلی جگہ یا تجارتی یا صنعتی عمارت کی جگہ کو جنھیں 'ایف ایس آئی' ضابطہ کے تحت کھلا چھوڑا جانا چاہیئے اور جو شہری اراضی (حد بندی اور باضابطگی) قانون کے مطابق قابل اجازت اراضی سے زائد ہو، بری کیا جائے گا یا نہیں؟

• یہ طے کیا گیا ہے کہ ایسی کھلی جگہوں کو عوامی مفاد کے مدنظر بری قرار دیا جائے جو کہ بلڈنگ کے اطراف میں واقع ہیں اور جنھیں دفعہ ۲۰ کی رو سے 'ایف ایس آئی' ضابطہ کے تحت کھلا چھوڑا جانا چاہیئے۔ بلڈنگ کے اطراف ایسی خالی زمین جسے بری قرار دیا جاتا ہے، کی حد کا تعین

الف ایس آئی ضابطہ کے تحت میونسپل حکام کے منظور شدہ پلان کی بنیاد پر ہوگا۔ بلڈنگ ضابطہ کے مطابق صرف زمینی شمار کافی نہیں ہوگا بلکہ تمام حصوں کا شمار الف ایس آئی کے مطابق کرکے، بری کئے جانے لائق زمین کا حساب کیا جائے گا۔ وہ لوگ جو اس طرح استثنیٰ حاصل کرنا چاہتے ہوں، وہ مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کریں:

الف) ان اشخاص کو چاہیئے کہ بمبئی میونسپل کارپوریشن کے علاقے میں اپنے لائسنس یافتہ آرکی ٹیکٹ کے ذریعہ ریاستی حکومت کو درخواست دیں اور اس کے ساتھ جگہ کا نقشہ پیش کریں جس میں وہ زمین جسے الف ایس آئی ضابطہ کے تحت کھلا چھوڑنا ہے، ظاہر کی گئی ہو۔ ایسی درخواست کے لئے مفصل فارم تیار کیا جارہا ہے جو کہ میونسپل کارپوریشن یا مختار عہدیدار کے آفس سے حاصل کیا جا سکے گا۔

ب) بمبئی میونسپل کارپوریشن اور پونے میونسپل کارپوریشن کے باہر کے علاقوں میں بری کئے جانے کی درخواست میونسپل حکام کے ذریعہ دینا ہوگی جو ایک سرٹیفکیٹ الف ایس آئی ضابطہ یا دیگر دستوری ضروریات کے تحت خالی جگہ کھلی چھوڑنے کے سلسلے میں جاری کریں گے اور اپنی سفارش کے ساتھ معاملے کو حکومت کے سپرد کردیں گے۔

۳۳۔ کیا آپ کو بلڈنگ کے ساتھ والی زمین اور بلڈنگ کے اطراف کی کھلی جگہ جیسے الف ایس آئی ضابطہ کے تحت کھلا چھوڑا جانا چاہیئے، کی منتقلی میں کوئی دشواری درپیش ہے؟

• اکثر معاملات میں جب کوئی شخص ایکٹ کی دفعہ ۲۷ کے تحت بلڈنگ کے ساتھ والی زمین منتقل کرنا چاہتا ہے تو اسے مختار عہدیدار کی جانب سے بلڈنگ کے تحت زمین اور بلڈنگ کے مطابق متصل عمارت، زمین یا ۵۰۰ مربع میٹر تک زمین، ان میں سے جو بھی کم ہو، منتقل کرنے کی اجازت دی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی الف ایس آئی ضابطہ اور دوسری دستوری ضروریات کے پیش نظر کھلی چھوڑی جانے والی زمین ۵۰۰ مربع میٹر سے زائد ہوجاتی ہے۔ ایسے اشخاص کو جیسا کہ ایکٹ میں کہا گیا ہے، ایسی زمین جو کہ متصل زمین سے زائد نکل آتی ہے منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ اس سے کافی غیر ضروری مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ یہ شخص بھی بلڈنگ کے ساتھ والی زمین یا بلڈنگ کے متصل زمین کی منتقلی کے وقت دفعہ ۲۰ کے تحت ریاستی حکومت کو اس سلسلے میں مقررہ درخواست دے۔ نیز بمبئی اور پونے میونسپل کارپوریشن کے علاقوں میں لائسنس یافتہ آرکی ٹیکٹ کا ضروری سرٹیفکیٹ بھی ساتھ بھیجنا ضروری ہے۔ دوسرے علاقوں میں ایسے سرٹیفکیٹ میونسپل حکام سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ انھیں ایسی زمین کو دفعہ ۲۰ کے تحت بری قرار دیئے جانے کے لئے درخواست اس اجازت کے ساتھ کہ وہ زمین بلڈنگ کے خریدار کے نام منتقل کردی جائے، ریاستی حکومت کو بھیجنی چاہیئے۔ صرف حکم استثنیٰ جاری ہونے کے بعد ہی وہ ایکٹ کی دفعہ ۲۷ کے تحت بلڈنگ کے تحت زمین اور بلڈنگ کے اطراف کھلی جگہ جیسے بلڈنگ کے ضابطہ اور دوسری دستوری ضروریات کے پیش نظر کھلا رکھنا ضروری ہے، کی منتقلی کے لئے مختار عہدہ دار کو درخواست دے سکیں گے۔

۳۴۔ کیا ایسا کوئی ضابطہ ہے کہ زائد اراضی کے مالکان کو اجازت دی جائے کہ وہ اپنی اراضی پر کمزور طبقوں کے لئے عمارات تعمیر کر سکیں؟

• جی ہاں۔ ایسا ضابطہ ہے جس کی رو سے ایکٹ کی دفعہ ۲۱ کے تحت مختار عہدیدار کے پاس ایک بیان داخل کرنا ہوتا ہے۔ اس بیان کے داخل کرنے کی آخری تاریخ یکم اپریل ۱۹۷۷ء تھی، حکومت ہند کو فی الحال شرائط طے کرنا ہیں، جن کی بنیاد پر ایسی اجازت دی جا سکے گی۔ اس اثناء میں ریاستی حکومت اس فکر میں ہے کہ ایکٹ کی دفعہ ۲۰ کے تحت عوامی مفاد کے لئے بری قرار دیتے ہوئے سماج کے کمزور طبقات کے لئے گھروں کی تعمیر کی اجازت دیدی جائے۔ اس اسکیم کی تفصیلات ابھی طے کرنا باقی ہے۔

۳۵۔ توقع ہے کہ اس ایکٹ کے تحت کثیر زمین حاصل ہو سکے گی۔ ایسی زمین کو کام میں لانے کے لئے حکومت کے پاس کیا تجویز ہے؟

• ایسی زمین کو کام میں لانے کے لئے ریاستی حکومت کو فی الحال آخری طور سے پالیسی طے کرنا ہے، بہرصورت زیادہ تر ایسی زمین کمزور طبقات کے لئے مکانات کی تعمیر، صنعتی مزدوروں کے لئے مکانات کی فراہمی، عام آسائشیں بہم پہنچانے اور مفاد عام کے دیگر مقاصد کے لئے ہی استعمال کی جائے گی۔

• •

حکومت مہاراشٹر کی نوتشکیل یافتہ کابینہ

وزرائے کابینہ

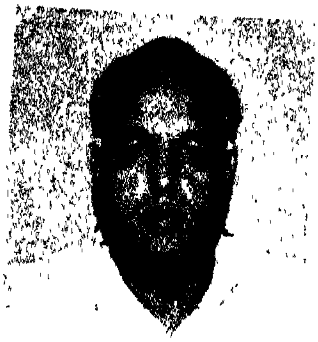
وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے ۲۰ر اپریل کو ۴۰ ممبران پر مشتمل دو صفی کابینہ کا اعلان کیا۔ نئی کابینہ میں ۲۳ وزراء اور ۱۷ وزرائے مملکت شامل ہیں۔

نئی کابینہ میں نائیک وزارت کے ۱۸ وزراء، چوان وزارت کے ۱۱ وزراء اور ۱۱ نئے وزراء شامل ہیں۔ اس کے علاوہ خود وزیراعلیٰ، شری این. کے تریڑے اور شری سدھاکر نائیک جو کہ ریاست کی مجلسِ قانون ساز کے کسی بھی ایوان کے ممبر نہیں ہیں، شامل ہیں۔

۲۱ر اپریل کو راج بھون میں نئے وزرا نے حلف لیا۔ شری آر. ایم کانٹا والا کارگزار گورنر نے کابینہ سے حلف اٹھوایا۔ حلف برداری کی رسم کے وقت ڈپلومیٹک نمائندے، میئر شری مُرلی دیوراس، شریف آف مبئی شری مبنی انجنا بائی مگر، لیجسلیٹو کونسل کے چیرمین شری دی. ایس پاگے اور سابق وزیراعلیٰ شری دی. پی نائیک بھی موجود تھے۔

۲۳ر اپریل کو وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے بذاتِ خود قلمدان وزارت کا اعلان کیا۔ سابق وزیرِ محصول شری ڈی. ایس دیسائی اور نائیک وزارت کے ڈپٹی منسٹر شری شیوراج پاٹل کو بالترتیب قانون ساز اسمبلی کا اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر نامزد کیا گیا۔

وزراء کے نام اور ان کے قلمدان، ان کی تصاویر کے ہمراہ ان صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔



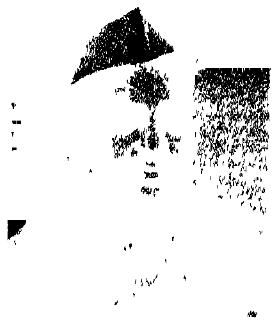
شری وسنت راؤ بی. پاٹل وزیراعلیٰ
جنرل اڈمنسٹریشن، انیمل ہسبنڈری
اور ڈیری سدھار



شری ڈی. ایس. ڈیسائی
اسپیکر مہاراشٹر اسمبلی



شری بینس اڈکرس ادوا کھیڈے
صنعت اور اسپورٹس



شری سُندر راؤ صاحب سولنکے
پبلک ورکس



شری نریندر مہی پتی برڑکے
انرجی، منصوبہ بندی اور لیجسلیٹو افیئرس



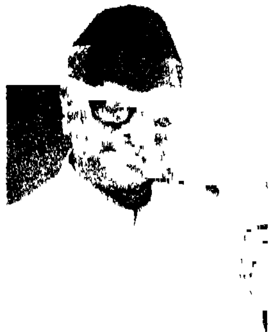
شری مدھوکر راؤ دھناجی چودھری
محصول



سنری ناسک راؤ کھنتادو برترے
قبائلی بہبودی، سماجی



سری سوبھ راؤ کھٹاباسا ہیبے
— مالیات



شری ہری گووند ورتک
زراعت اور کمان ایریا
ڈیولپ منٹ اتھارٹی۔



سنریمتی پربھا دیوی سنگھ پاٹل
— تعلیم



سری سنکرراؤ باجی راؤ پاٹل
محنت اور بار آبادکاری



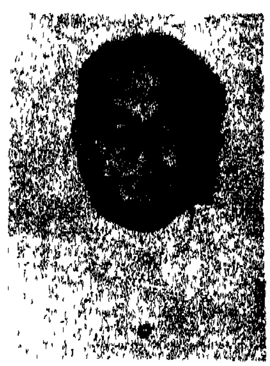
سری سرد چندلو دیدراد لوار
مور دا حلہ اور لوکا سر دسنر



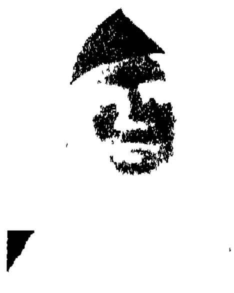
سری رام چندر جنار دھن دیو یلے
— حسکلات



شری رن ایا جو میا سھا۔
— شہری ترقیات



سری: مودر۔ بھایا رد مادے
سماجی بہبود و ثقافتی امور



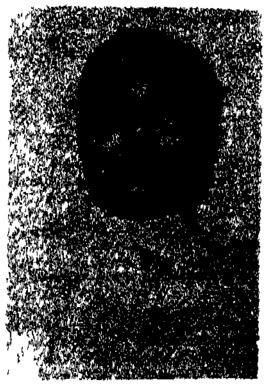
سنری کرسن راؤ نہار دپاٹل
— زہبی رنی



سنری سنواجی راؤ ندھر پاٹل
— مداد باہمی



سنری سنکر راؤ دولت راؤ گیڈم
ندا اور سہری رسد



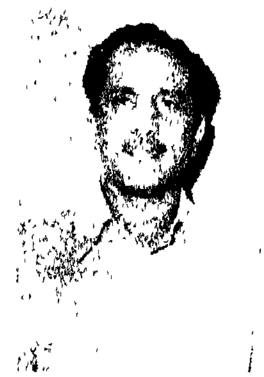
شری سیواجی راؤ بھاؤ راؤ پاٹل
(سلانگکر) آب پاشی



شری دیوندر راؤ بھیکن راؤ سرنائک
صحت عامہ اور خاندانی بہبود



شری بابو راؤ جنگلوجی کالے
ٹرانسپورٹ، جیل



شری سکھرا ؤ کھوماکھ راکھ
شراب بندی اور آبکاری

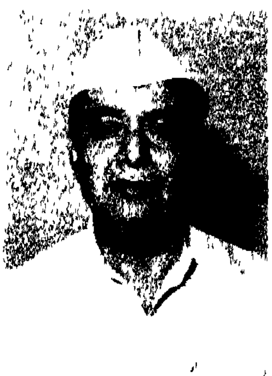
وزرائے مملکت



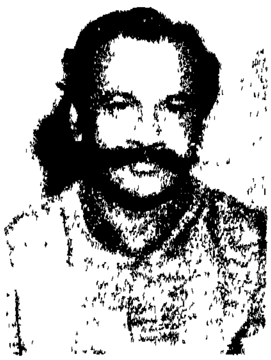
شری حسین ابراہیم دلوائی
- قانون و عدلیہ، ماہی گیری۔
کھار اراضی و ترقیات



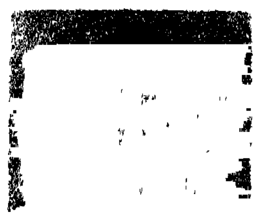
شری وسنت رنگناتھ ہوشنگ
ہاؤسنگ، بمبئی میٹروپولیٹن
ریجنل ڈیولپمنٹ اتھارٹی



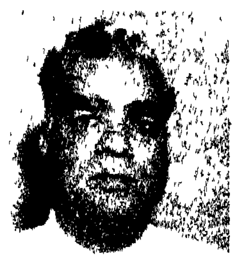
شری اناساہب راؤ دادا صاحب مبالکر
آب پاشی (چھوٹی آب پاشی کے علاوہ)



شری جے سنگھ راؤ گائیکواڑ
جنرل ایڈمنسٹریشن صنعت



شری رمیش پنیا والوی
امور داخلہ و جنگلات



شری رام ناتھ بہادر پانڈے
محنت، آبادکاری، سیاحت



شری ام پرس دہکنس بٹ
امداد باہمی



شری جے ایس ... سماجی سدے
صحت عامہ اور خاندانی بہبود



شری سید فاروق ماما سید مخدوم ماما
منصوبہ اور اوقاف



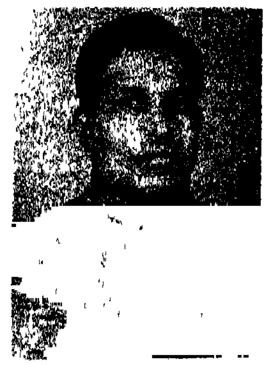
شری ہگس دیسائی
مالیات، ٹرانسپورٹ، جیل



شری سے۔ لیون ڈیسوزا
پروٹوکول، شراب بندی و آبکاری



ڈاکٹر (شریمتی) سوشیلا بلراج
شہری ترقیات



شری شانتا رام کوبان گھوسے
صنعت تجارت، ماہی گیری، دستکاری



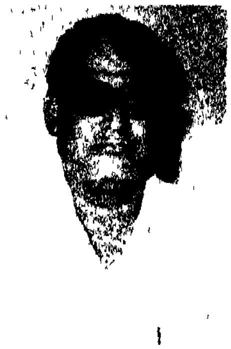
شری سدھاکر نائک
زراعت، کمان ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی
ڈیری سدھار



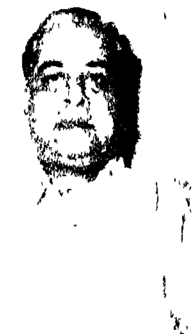
شری جمنالال شری رام جی گوئنکا
غذا اور شہری رسد



شری راؤ صاحب بالو صاحب جامکر
دیہی ترقیات، ایس ٹی سی



شری بالوراؤ نرائن مداوی
پبلک ورکس، سماجی بہبود، قبائلی بہبود



شری ایم راؤ بلی رام باعیڑ
محصول



شری ملہار گنپت مہولکر
انرجی، منصوبہ بندی، لیجسلیٹو افیئرس

ایم. آر کری شیٹھی

سوال: چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی کے لئے ریاستی حکومت نے کون کونسی سہولتیں فراہم کی ہیں؟ مہاراشٹر میں آزادی کو چھوٹی صنعتیں قائم کرنے کے سلسلہ میں کون کونسی مراعات حاصل ہیں؟

جواب: مہاراشٹر حالانکہ صنعتی ترقی کے میدان میں ترقی یافتہ ریاست مانی جاتی ہے۔ لیکن یہاں پر صنعتوں کا پھیلاؤ بمبئی، تھانے، پونے صنعتی کامپلیکس تک محدود ہے۔ حکومت نے ریاست کے باقی ماندہ حصے میں متوازی صنعتی ترقی کی خاطر کوکن، مغربی مہاراشٹر، مراٹھواڑہ اور ودربھ کے لئے چار علاقائی ترقیاتی کارپوریشنوں کا قیام کیا ہے۔ یہ علاقائی کارپوریشن متعلقہ علاقوں کے قدرتی وسائل، موسمی حالات اور دیگر اہم عناصر کو مدنظر رکھتے ہوئے ان علاقوں کی صنعتی ترقیاتی کاموں پر عمل درآمد کر رہے ہیں۔

ریاستی سطح پر دیگر کئی کارپوریشن بھی سرگرم عمل ہیں۔ مثلاً اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ انوسٹمنٹ کارپوریشن (سی کوم) مہاراشٹرا انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (MIDC) مہاراشٹرا اسٹیٹ فائنانشیل کارپوریشن (ایم ایس ایف سی) مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (ایم ایس ایس آئی ڈی سی) وغیرہ۔ یہ تمام ریاستی کارپوریشن چھوٹے پیمانے کے صنعت کاروں کو مختلف طریقوں سے ان کی متعلقہ صنعتوں کے سلسلہ میں ہر ممکن تعاون عطا کرتے ہیں۔

سی کوم (SICOM) یہ کارپوریشن صنعت کاروں کو نئی صنعت کے قیام کے وقت قسم اور سائز نیز کارآمد جگہ (Location) سے متعلق مشورہ دیتا ہے۔ قومیائے گئے بنکوں اور ایم ایس ایف سی کے ہمراہ آسان قسطوں کی ادائیگی کی بنیاد پر فکسڈ اسیٹ کے ۲۵ فیصد مالی امداد بہم پہنچاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حصہ لینے والے بنک ۵۰ فیصد تک مدتی قرض کے طور پر امداد دیتے ہیں۔

ایم آئی ڈی سی (MIDC) ریاست کے مختلف حصوں میں صنعتی علاقوں کو پھیلانے کا کام کرتا ہے نیز دیگر بنیادی سہولتیں مثلاً پانی، بجلی وغیرہ کی فراہمی میں مدد کرتا ہے اور ایسے علاقوں میں صنعت کاروں کو کارخانہ جات کی تعمیر کے لئے اراضی کے پلاٹ فراہم کرتا ہے MIDC نے چند ایک علاقوں میں بنائے خود فیکٹری سٹینڈرز کھولے ہیں جو کہ صنعت کاروں کو لیز (lease) پر دیئے گئے ہیں۔

ایم ایس ایم سی (MSMC) نئی صنعتوں کے قیام کے وقت نیز صنعتوں کے پھیلاؤ کے لئے رعایتی شرح سود پر صنعتوں کو امداد فراہم کرتا ہے ٹیکنیشنز اسسٹنٹ قرض اسکیم کے تحت کئی صنعتوں کے قیام کے لئے اس کارپوریشن نے ٹیکنیشنز کو ۲۵ء۲ لاکھ روپے کا قرض فراہم کیا ہے۔

ایم ایس ایس آئی ڈی سی (MSSIDC) سرویس اور نٹیڈ ادارہ ہے جو کہ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو مندرجہ ذیل امداد بہم پہنچاتا ہے۔

چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو لوہا ملا اور غیر لوہا ملا کچا مال نیز چینی مٹی، کوئلہ کوک اور دیگر کیمیائی اشیاء فراہم کرتا ہے۔

کارپوریشن نے ایک ہائر پرچیز (Hire Purchase) اسکیم جاری کی ہے جس کے تحت ترقی پذیر علاقوں میں چھوٹے پیمانے کے صنعت کاروں کو پلانٹ اور مشینری فراہم کی جاتی ہے اس کے علاوہ کارپوریشن مرکزی و ریاستی حکومت کی ضروریات کی اشیاء حاصل کرنے نیز تمام چھوٹے پیمانے کی صنعتوں میں ان کی تیاری کے لئے ٹینڈر بھی حاصل کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ترقی پذیر علاقے کی یونٹوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔

صنعت کاروں کے لئے ترغیبی پروگرام

بمبئی، تھانے، پونے صنعتی کامپلیکس سے ہٹ کر ریاست کے دیگر علاقوں میں متوازی صنعتی پھیلاؤ کو بڑھانے کی خاطر نئے صنعت کاروں کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک ترغیبی پروگرام جاری کیا گیا ہے جس کے تحت ترقی پذیر علاقوں میں صنعتوں کے قیام اور ترقی یافتہ علاقے کے صنعت کاروں کی صنعتوں کی دیگر علاقوں میں منتقلی یا نئی صنعتوں کے پھیلاؤ کے لئے ہر ممکن تعاون شامل ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل رعایتیں دی گئی ہیں:

۱) فکسڈ اسٹس میں لگائی گئی رقم یا ادا کردہ بکری ٹیکس کی بھرپائی کے لئے بغیر سودی قرض۔

۲) بجلی ڈیوٹی، چنگی پانی کے لئے رائلٹی اور غیر زرعی اسسمنٹ میں رعایت۔

۳) کارآمد مطالعہ کے لئے آنے والے صرفہ میں ادا کردہ حصہ۔ (بقایا صفحہ ۲۹ پر)

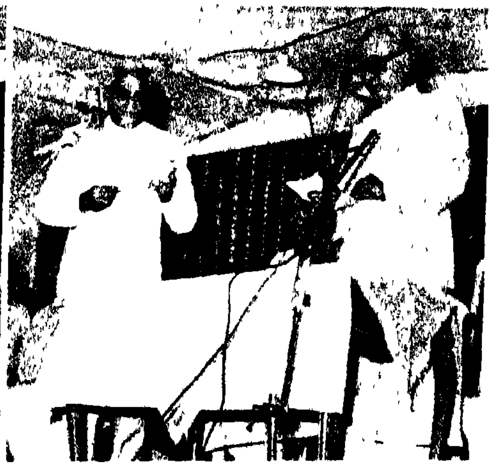
کیمرہ کی آنکھ سے



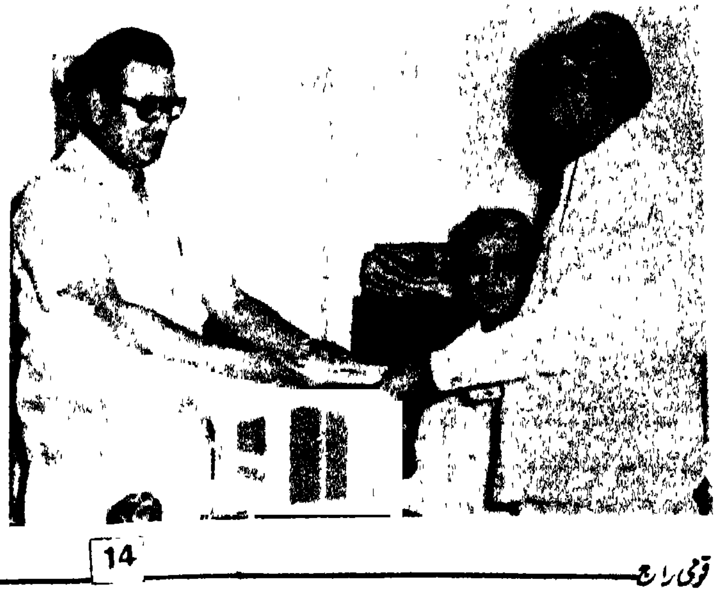
۔ پردھان منتری (وزیراعظم) شری مرارجی ڈیسائی ۵ مئی ۱۹۷۷ء کی صبح فرنٹیر میل سے بمبئی تشریف لائے۔ ان کے استقبال کے لیے بمبئی سنٹرل اسٹیشن پر مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی موجود تھے۔ وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل و ان کی بیگم شریمتی شالنی تائی پاٹل بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔







قائم مقام گورنر شری آر ایم کاسٹالا، شری الس کے وانکھیڈے، شری الس۔ اے۔ سولنکی اور شری ایم۔ ڈی چودھری سے حلف اٹھوا رہے ہیں



کاغذ اور گتے کے ڈبے اور تھیلیاں بنانے والے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے جو کم سے کم اُجرت، کمیٹی قائم کی گئی تھی اس نے ۲۸ اپریل کو منترالیہ میں وزیر محنت کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ تصویر میں شری ڈی۔ این میٹکر مذکورہ کمیٹی کے صدر، اپنی رپورٹ وزیر محنت شری سنکر راؤ پاٹل کو پیش کر رہے ہیں۔



مہاراشٹر کے نامزد گورنر شری صادق علی اپنی بیگم کے ہمراہ ۲۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو سانتا کروز ہوائی اڈے پر پہنچے۔ ان کے استقبال کے لئے ہوائی اڈے پر مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ وسنت دادا پاٹل، وزیر برائے پروٹوکال شری حسین دلوائی، وزیر اعلیٰ کی بیگم شریمتی شالینی تائی پاٹل۔ بمبئی کی شریف شریمتی انخابائی مگر حاضر تھے یہ تصویر اسی موقع کی ہے۔



چیف جسٹس شری ڈی تلحا پورکر شری صادق علی سے گورنر کے عہدے کا حلف اٹھوا رہے ہیں تصویر میں میں وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل اور قائم مقام گورنر شری آر۔ ایم کانٹاوالا دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ تقریب راج بھون میں ۳۰ اپریل ۱۹۷۷ء کو منعقد ہوئی۔



۳۰ اپریل کو رنگ بھون میں ایک تقریب زیر صدارت جناب داداصاحب رُوپاوتے، وزیر سوشل ویلفیر منعقد ہوئی جس میں شری دلیپ کمار، مراٹھی فلم پروڈیوسر اور ایکٹر شری دادا کونڈکے کو مراٹھی چترپٹ اوارڈ پیش کر رہے ہیں۔

یومِ مہاراشٹر تقاریب



مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی یومِ مہاراشٹر (یکم مئی) کو شیواجی پارک میں منعقدہ پولس پریڈ کی سلامی لے رہے ہیں۔

پریڈ کا منظر



• ایس۔ آر ٹیکیکر

لوناولہ - کھنڈالہ

سیہادری پہاڑ پہ لوناولہ اور کھنڈالہ جُڑواں شہر ہیں جو سطح سمندر سے ۶۲۵ میٹر بلندی پر واقع ہیں۔ یہی پہاڑی سلسلہ مغربی گھاٹ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہاڑی سلسلہ ہمالیہ پہاڑوں سے بھی پُرانا ہے اور سخت چٹانوں پر مشتمل ہے جو دراصل لاوے سے پیدا ہوا ہے۔ پتھروں کو تراش کر اس کی غاروں میں مندر بنائے گئے ہیں جو ہندوستاں میں مختلف مقامات پر بھی پائے جاتے ہیں

رائل ٹیریس کار اہماجی پوائنٹ، وہ سیاح جو لوہاگڑھ کا قلعہ وقت کی کمی کے سبب نہیں دیکھ سکتے وہ اس مقام سے اس قلعہ اور دیگر قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔



لوناولہ دراصل دلّی یا بلّی کا بگڑا ہوا نام ہے جیسے کنڑی زبان میں "دہات" کہتے ہیں۔ دراوڑی زبان میں ناموں کے آخر میں اسی قسم کے لفظ جیسے دلی، پلی اور ہلی آئے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں یہ علاقہ کرناٹک کے زیر اثر رہا ہوگا۔ صرف یہی وجہ نہیں ہے کہ لوناولہ ہی توجہ کا مرکز رہا ہو بلکہ پہلے اس کا نام لونا ولی تھا جو دراوڑی طریقے پر جس طرح مالوی، کاندولی پورلولی ہیں، رکھا گیا تھا۔

کھپولی سے گھاٹ کا یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے اور لوناولہ پہنچنے کے لئے زیادہ چڑھائی بھی نہیں چڑھنی پڑتی۔ بمبئی سے لوناولہ کا فاصلہ تقریباً ۱۲۸ کلومیٹر ہے جبکہ پونا سے فاصلہ صرف ۶۲ کلومیٹر ہے۔ کھپولی سے اس کی اونچائی شروع ہوتی ہے اور بعض جگہ ایسے خطرناک موڑ ہیں جو بالوں میں لگانے والے پن کی شکل اختیار کر گئے ہیں جو موٹروں کے لئے واقعی خطرناک ہیں۔ سڑکیں اچھی حالت میں رکھی گئی ہیں اور ایسے منصوبے بھی زیر غور ہیں جن سے سڑکوں کی وسعت بڑھائی جا سکے اور وہ محفوظ بن سکیں۔

مغربی پہاڑیاں اپنی قدرتی خوبصورتی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ ان کی خوبصورتی موسم باراں میں دوبالا ہو جاتی ہے۔ دور افق تک یہ پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے۔ جو بلند چوٹیوں کی وجہ سے اُفق کے منظر کو چھپا لیتا ہے۔ وادی سرسبز اور گھنے پیڑوں سے اَٹی پڑی ہے جو جنگلی جانوروں کا محفوظ مسکن بن گئی ہے۔ پہاڑی پر چلنا پھرنا صرف انھیں پگڈنڈیوں پر ممکن ہے جو یہاں کے باسیوں کی آمد و رفت سے پہاڑوں پر بن گئی ہیں۔ کچھ لوگ چلنے کے لئے سڑکوں کا سہارا لیتے ہیں اور کچھ ریلوے لائن کا۔ مگر شائقین تو انھیں پگڈنڈیوں پر



کارلا ہالیڈے کیمپ کا ایک منظر

چلنے میں فرحت محسوس کرتے ہیں۔

پرانے دنوں میں جب ریلوے لائن بن گئی، اس وقت مراٹھوں میں حسن کا

لوناولہ کی مشہور چکی

لوناولہ میں آنیوالے سیاح اور خاص طور سے بچے لوناولہ سے جاتے وقت یہاں کی چکی ضرور لیتے جاتے ہیں۔

چکی انڈسٹری بین الاقوامی شہرت رکھتی ہے۔ انگلینڈ اور امریکہ میں خاص طور سے چکی کی مانگ ہے۔ کاجو، بادام، مونگ پھلی، چنے کی دال، کھوپرا، تل اور چاکلیٹ نیز مُرمُرے کی مختلف قسم کی ۴۲ چکیاں تیار کی جاتی ہیں۔

یہ انڈسٹری ۱۵ بیوپاریوں پر مشتمل ہے جہاں ۳ ہزار آدمی اپنی روزی کماتے ہیں۔ جس سے سالانہ ۱۰ لاکھ روپے کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

صدر مقام پونے تھا اور انگریزوں میں حسن کا صدر مقام بمبئی تھا، سڑک نے کافی اہمیت اختیار کر لی تھی۔ اس مقام پر جنگیں بھی ہوئی ہیں۔ اور فوج کی آمد و رفت بھی رہی ہے۔ اس وقت انگریز ملٹری کے ماہرین نے محسوس کیا کہ گھاٹ کے اوپر بمبئی اور پونے کا راستہ ہی ایک ایسا محفوظ اور مضبوط مقام ہے جس سے بہتر مقام اور کہیں نہیں پایا جا سکتا۔

مغربی گھاٹ کی چوڑی سطح دراصل ملک کے لئے قلعوں کا کام دیتی ہے۔ یہ جگہ ملٹری نظام حکومت کے لئے محفوظ ترین ہے۔ ایک زمانے میں شہری حکام ملٹری کے زیر اثر تھے اور ملک میں علاقائی نظام دراصل ایک سردار کے ذمہ تھا۔ شیواجی کے بہت سے قلعے دراصل لوناولہ اور کھنڈالہ کے علاقے ہی میں

واقع ہیں۔ جو یہاں بخوبی دیکھنے میں آتے ہیں۔ قدرتی مناظر میں گھرے ہوئے یہ قلعے اپنی دیرینہ عظمتوں کا پرچم لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ جہاں بھی ممکن ہوتا لوگ اونچی اونچی دیواریں بنالیتے اور اپنے مسکن کو اور زیادہ مضبوط کرلیتے۔ اتنی بلندی پر بنائے گئے قلعے پانی کے چشمے مہیا کرتے جبکہ پہاڑیوں کے قدموں پر بسنے کے پانی کی قلت محسوس ہوتی۔ قدرت کے ایسے عطیات اکثر پہاڑی علاقے کے لوگوں کو مستفیض کرتے ہیں۔

اگر آپ ریل میں بمبئی سے پونے کی طرف سفر کر رہے ہوں تو کھنڈالہ کا سب سے زیادہ خوبصورت مقام "ڈیوکس نوز" بخوبی نظر آتا ہے۔ یہ پہاڑی ڈیوک آف ویلنگٹن اور اس کی ناک کی مشابہت رکھتے ہیں اور اس نام کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ یہ ایک ملٹری لیڈر تھا جو اپنے کارناموں کی وجہ سے مشہور رہا۔ اس جگہ کی خوبصورتی میں بادل بھی چار چاند لگاتے ہیں۔ اس مقام سے ہر شے نیچے کی طرف چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہے اور یہاں پر آپ گھنٹوں بیٹھے رہئے مگر طبیعت میں اکتاہٹ نہیں آپاتی، یہ اس مقام کی خوبصورتی کی کشش ہے۔

بہت سے لوگوں کو اس بات کا پتہ نہیں ہے کہ یہاں پر ایک ریزونگ اسٹیشن ہے جہاں سے "ڈیوکس نوز" بڑی خوبصورت نظر آتی ہے۔ یہی وہ سڑک ہے جہاں سے موٹریں پتھروں سے تراشی ہوئی محرابوں میں سے گذرتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے بمبئی اور پونے کے درمیان چلنے والی ریل گاڑیوں میں انجن سامنے سے پیچھے کی طرف لگائے جاتے ہیں تاکہ واپسی کا سفر یا تو کھنڈالہ سے شروع ہو یا کرجت سے اور اسی وجہ سے بھی اس مقام کا نام ریزونگ اسٹیشن رکھا گیا۔ بہت بعد میں ان پہاڑیوں میں بگدے بنائے گئے (بگدا نمبر ۲۶) اور اس کے بن جانے سے ریلوے انجن کو پیچھے کی طرف لگانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس زمانے میں ایک ریل گاڑی میں صرف ۷ یا ۸ ڈبے لگائے جاتے تھے اور ریل کی لمبائی بھی کم ہوتی تھی۔ اب چونکہ انجن کو پیچھے لگانے کی ضرورت نہیں رہی اس وجہ سے ریل میں ڈبوں کی تعداد بھی بڑھادی گئی ہے اور ریل کی لمبائی بھی زیادہ ہوگئی ہے جو اس بگدے میں سے بخوبی گذر سکتی ہے۔

ریلوے کی ترقی کی تاریخ اسی ریزونگ اسٹیشن کی دید سے وابستہ ہے۔ یہ ایک خوبصورت مقام ہے یہاں پر کچھ دیر ٹھہر کر اگر مخالف سمت میں دیکھا جائے تو سخت پہاڑیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ دکھائی دیتا ہے اور ہم یہ معلوم کرنے سے قاصر رہتے ہیں کہ ان پھیلی ہوئی پہاڑیوں میں راستہ کدھر سے گذرتا ہے۔

ان پہاڑیوں میں ریلوے لائن کا ڈالنا، بگدوں کی تعمیر اور پہاڑیوں کے

کھنڈالہ - لوناولہ

بمبئی سے فاصلہ — ۱۳۰ کیلومیٹر

پونے سے فاصلہ — ۷۰ کیلومیٹر

سطح سمندر سے بلندی: ۶۲۱ میٹر

بارش کا اوسط: ۵۰۰ سینٹی میٹر

آب و ہوا: سرد خشک

میونسپل رقبہ: ۱۵ مربع میل

لوناولہ میونسپل کونسل: ۱۸۷۷ء میں قیام عمل میں آیا۔

میونسپل کونسل کی آمدنی: ۶۷ لاکھ ۶ ہزار روپے

میونسپل کونسل کا سالانہ خرچ: ۶۶ لاکھ ۱۷ ہزار روپے

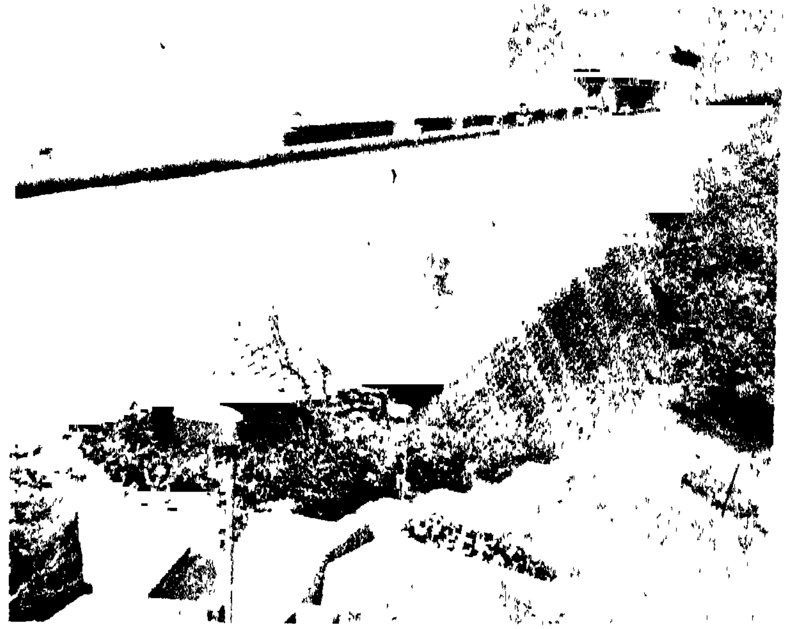
تعلیمی سہولت: یہاں پر ۱۳ پرائمری اسکول۔ ۵ مڈل اسکول۔ ریجنل پولس ٹریننگ اسکول (سرکاری) آئی۔ این۔ ایس۔ سکول (مرکزی حکومت کے زیر اہتمام) اور ایک کالج ہے۔

بجلی کی فراہمی: پرائیوٹ کمپنی کے ذریعہ ہے۔ بجلی کا نرخ یہاں پورے مہاراشٹر میں سب سے زیادہ ہے۔ یعنی ۸۵ پیسے فی یونٹ۔ میونسپل کونسل جو درجہ "سی" میں شمار کی جاتی ہے عوام کے لئے ایک اسپتال بھی چلاتی ہے

حکومت مہاراشٹر کی منظوری سے میونسپل کونسل نے ۲۸ء۱ کروڑ روپے کی لاگت سے پانی کی فراہمی کے لئے ایک اسکیم شروع کی ہے تاکہ پینے کے لئے صاف پانی مہیا کیا جاسکے۔

مرکزی حکومت نے زمین دوز گٹر کی ایک پائلٹ اسکیم زیر عمل لانے کے لئے لوناولہ کا انتخاب کیا ہے۔ تقریباً ۱۴ لاکھ روپے کی لاگت سے عمل میں آنیوالی یہ اسکیم ۱۹۷۸ء میں مکمل ہونے کی توقع ہے۔

شہریوں کی سہولت کے لئے ریلوے لائن کے لیول کراسنگ گیٹ نمبر ۳ کے قریب ۲۰ لاکھ روپے کے صرفے سے ایک اور برج جلد ہی تعمیر ہوگا۔



والون بندھ کا ایک منظر

اُبھار چڑھاؤ انجینئرنگ کے میدان میں ایسے کارنامے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے کارنامے انگریز انجینئروں کے ہیں جو آجکل اپنے وطن میں غیر معروف زندگی گذار رہے ہوں گے اور اِن کے دل میں بھی ایک مرتبہ اور ان گھاٹیوں کو دیکھنے کا خیال آتا ہوگا انھیں انجینئروں کے ساتھ ریلوے ڈرائیور جنھوں نے ان گھاٹوں پر ریل چلائی وہ بھی اپنے دل میں ایک مرتبہ اور یہاں آنے کی خواہش رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ بمبئی سے پونے اور بمبئی سے ناسک کے ریلوے راستوں پر بھی ان کے انجام کردہ کارنامے ملتے ہیں۔ بعد میں ریلوے نے جو تعمیرات کیں وہ اس قدر مشکل نہ تھیں۔ بمبئی ـ پونے ریلوے لائن جس درّے سے گذرتی ہے، مغربی گھاٹ میں پھیلی ہوئی پہاڑیوں میں ایسے کئی درّے ہیں جو ذرائع آمد و رفت مہیا کرتے ہیں۔

لوناولہ کے قریب کارلا کیوز کا باہر کا

اس [illegible] سے اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے کہ غار میں [illegible] سے تراشی ہوئی مورتیاں کسی زمانے میں تجارتی اغراض و مقاصد کے لیے حدّ درجہ معاون رہی ہوں گی۔ انھیں غاروں میں موسم باراں میں بدھ مت کے 'بھکشوؤں' کے ٹھہرنے کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا کیونکہ تجارت کو فروغ دینے میں اس قسم کے تفریحی مقامات سیاحوں کو رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے اس شاہراہ پر کارلا کیوز کی تعمیر کو اہمیت حاصل ہوئی ہے

ہندوستان میں کھنڈالہ اور لوناولہ کا علاقہ ہی وہ سب سے مقام ہے جہاں ٹاٹا نے اپنا پہلا بجلی گھر بنایا تھا۔ اسی مقام پر ٹاٹا نے ندی کے پانی کو اپنی ضرورت کے مطابق پائپ کے ذریعہ اس مقام تک پہنچایا جہاں سے کہ بجلی پیدا ہو سکے۔ جیسے ہی کھپولی سے آپ چڑھائی چڑھنا شروع کریں گے یہ پاور ہاؤس آپ کو بائیں سمت نظر آئے گا۔ ریل کے ذریعہ آپ سفر کر رہے ہوں تو پہاڑی پر سے نیچے کی طرف آتے ہوئے پائپ آپ کو بخوبی نظر آسکتے ہیں۔ درحقیقت ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں پر ریلوے لائن پائپوں کے اوپر بنائے ہوئے ٹریک پر سے گذرتی ہے۔ ان پائپوں کے اوپر سے جن میں پانی تیزی سے گزرتا رہتا ہے، اور ٹرینیں دوڑتی رہتی ہیں۔

انھیں خوبصورت مناظر کے درمیان آئی۔ این۔ ایس شیواجی (نیوی ٹریننگ) اسکول قائم کی گئی ہے۔ اس جگہ کی خاموش فضا صرف پرندوں کے چہچہانے سے ہی درہم برہم ہوتی ہے۔ آئی این ایس شیواجی ٹریننگ اسکول اسی گھنے جنگل میں ۲۲ ہیکٹر پلاٹ پر قائم کی گئی ہے۔ اسی مقام پر سدھیشور مندر اور ایگریکلچرل محکمہ کا "گرین ہاؤس" بھی ہے۔ یہی جگہ پکنک کے لئے موزوں و مناسب ہے۔ کیوں کہ یہی وہ جگہ ہے جو آپ کو مشینی دنیا سے بالکل الگ کر دیتی ہے۔ اس روڈ کے شروع میں ہی شیواجی گارڈن ہے جو لوکل میونسپلٹی کے زیر انتظام ہے۔ پولس اسکول بمبئی۔ پونے سڑک پر واقع ہے۔

موسم باراں میں صنعتی شہر بمبئی کے رہنے والے اپنے آپ کو قدرتی نظاروں میں گم کر دینے کے لئے اس طرف کا رُخ کرتے ہیں اور اکثر شائقین کھپولی سے پیدل پہاڑ پر چڑھ کر لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تیز و تند ہوائیں ان لوگوں کو پہاڑ پر چڑھنے سے روک بھی دیتی ہیں۔ دلفریب قدرتی مناظر مسلسل پہاڑیاں، پہاڑوں سے نیچے بہتے ہوئے شفاف چشمے اور ہر طرف ہریالی، دل پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ یہاں سالانہ بارش کا اوسط

(بقایا صفحہ ۳۶ پر)

بجلی

کے حصول میں کامیابی

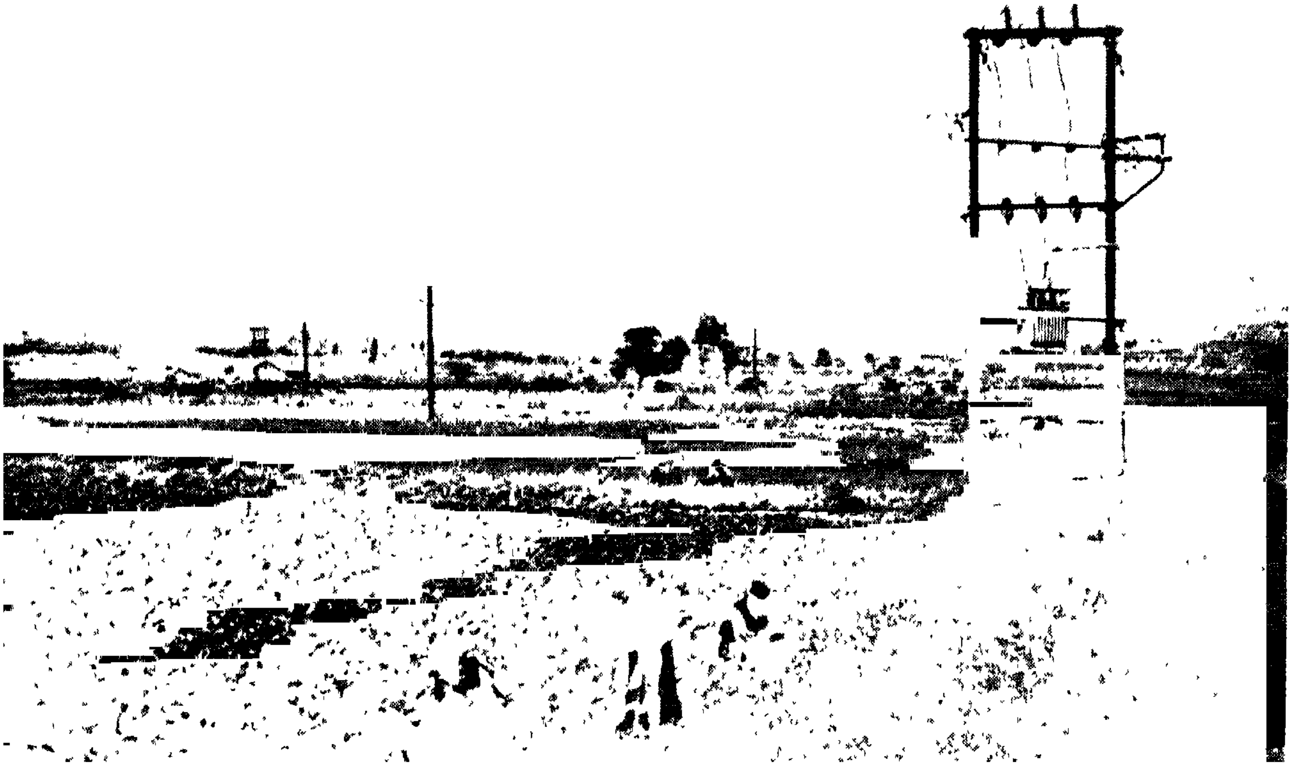
شری اے۔ این۔ کلکرنی

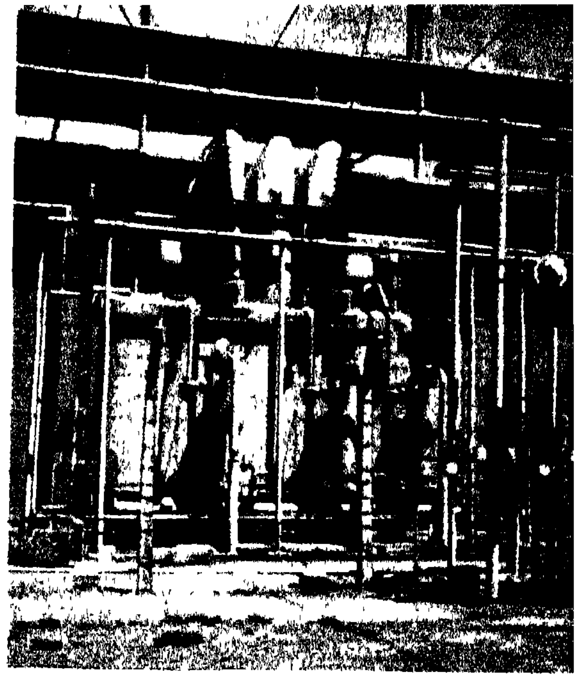
ایک مشہور صحافی ہیں۔ انھوں نے بجلی پیدا کرنے والے پروگرام میں کامیابی کے حصول کے لئے ریاست کی اٹل کوششوں کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مہاراشٹر نے پچھلے چند برسوں میں بجلی پیدا کرنے والے پروگرام میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ریاست میں آئندہ چھ برسوں میں جن نئی اسکیموں پر عملدرآمد ہوگا۔ ان کی بنا پر امید ہے کہ زیادہ پاور پیدا کرنے کی قوت آج کے مقابلے میں دوگنی ہوجائے گی۔

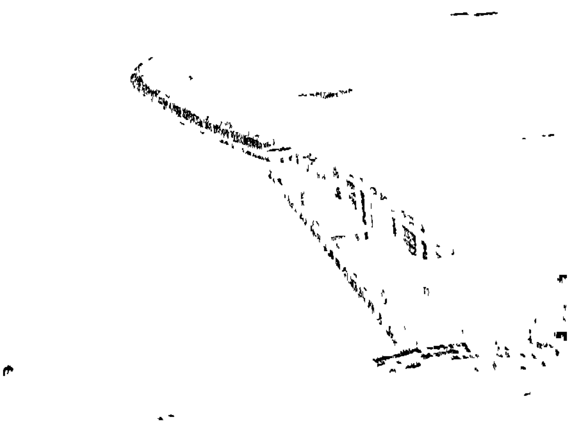
زرعی اور صنعتی حلقوں کے لئے بجلی کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں اور وسائل کی دستیابی کے سلسلے میں رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی ریاست بجلی کی ضروریات کو پورا کرنے کی اپنی اٹل کوشش میں مصروف ہے۔

ریاست کے ۸۰ فیصد دیہات برقیائے جاچکے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں ایک ٹرانسفارمر دیکھا جاسکتا ہے۔





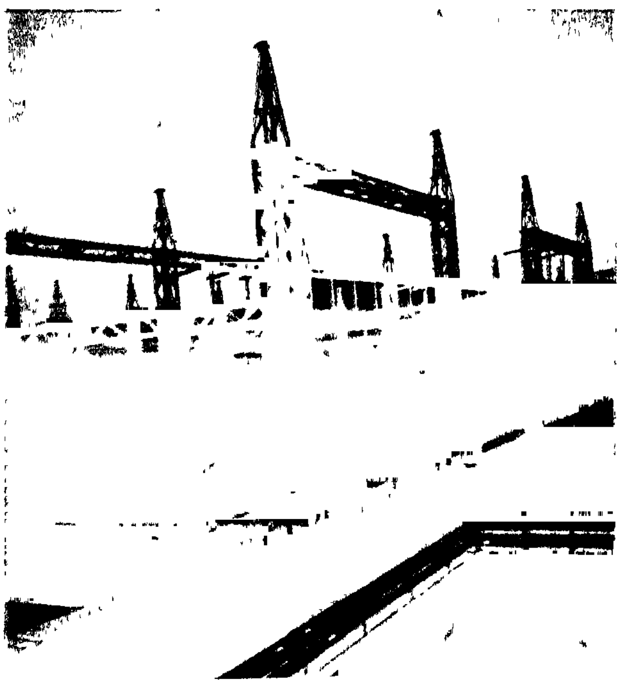
مک تھرمل پاور اسٹیشن کے ٹرانسفارمرس کا ایک منظر



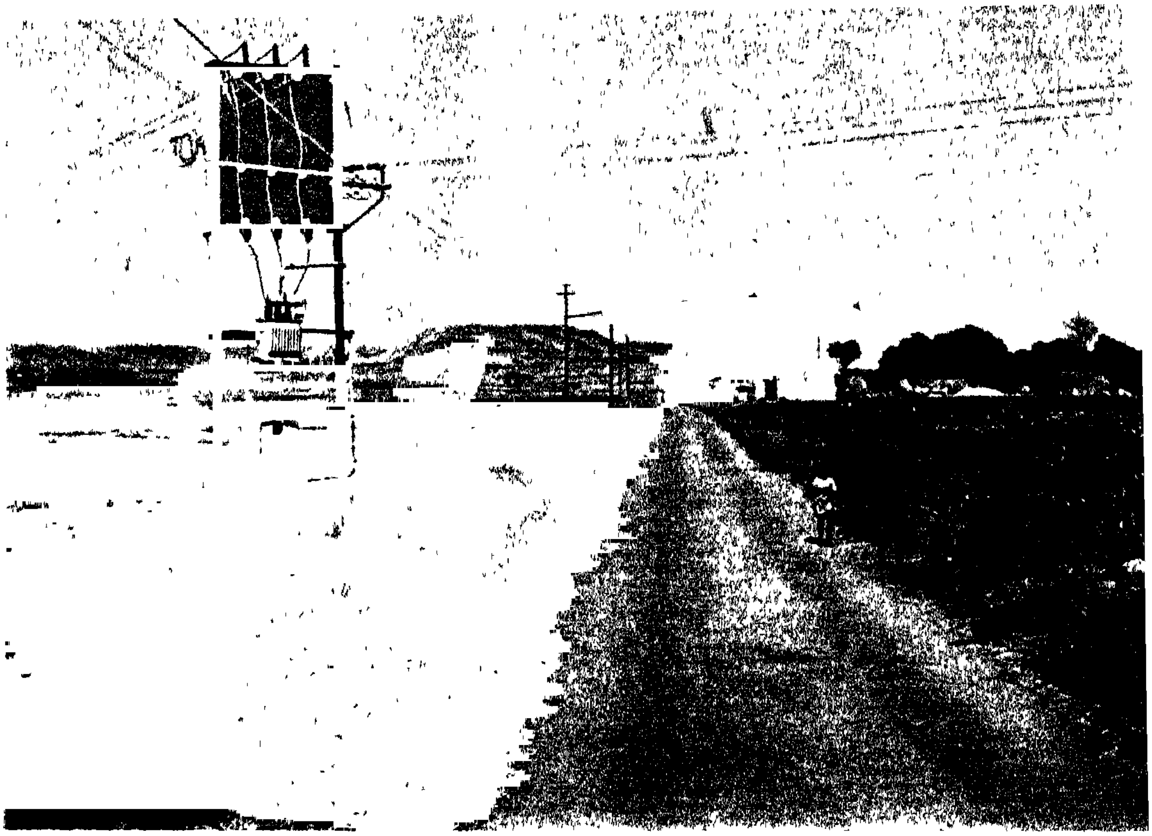
کولکے واڑی میں کوئنا پروجکٹ اسٹیج III کے بند کا ایک منظر جس میں ۳۲۰ میگاواٹ کی مجموعی صلاحیت ہوگی



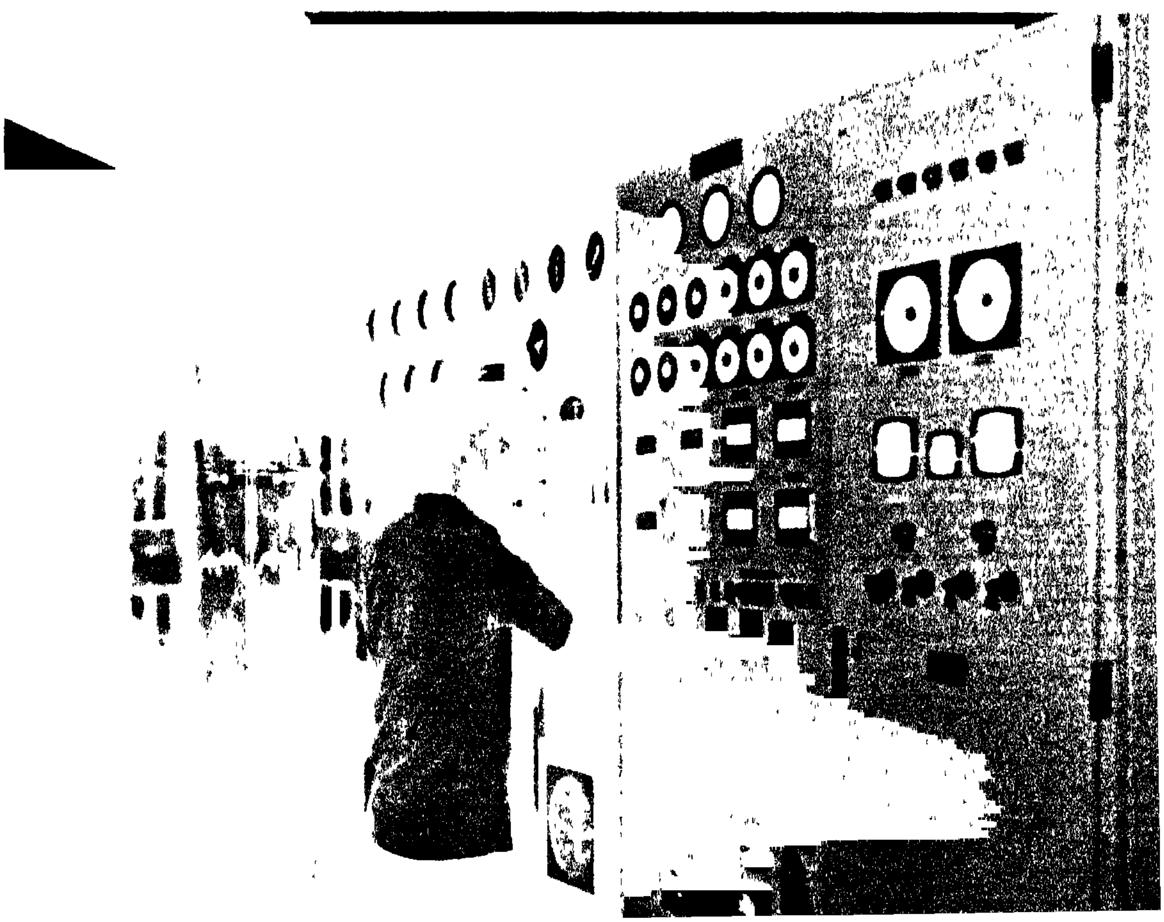
ناسک تھرمل پاور اسٹیشن کے کولنگ ٹاور کا ایک منظر



کوئنا پروجکٹ اسٹیج III کے سوئچ یارڈ کا ایک منظر



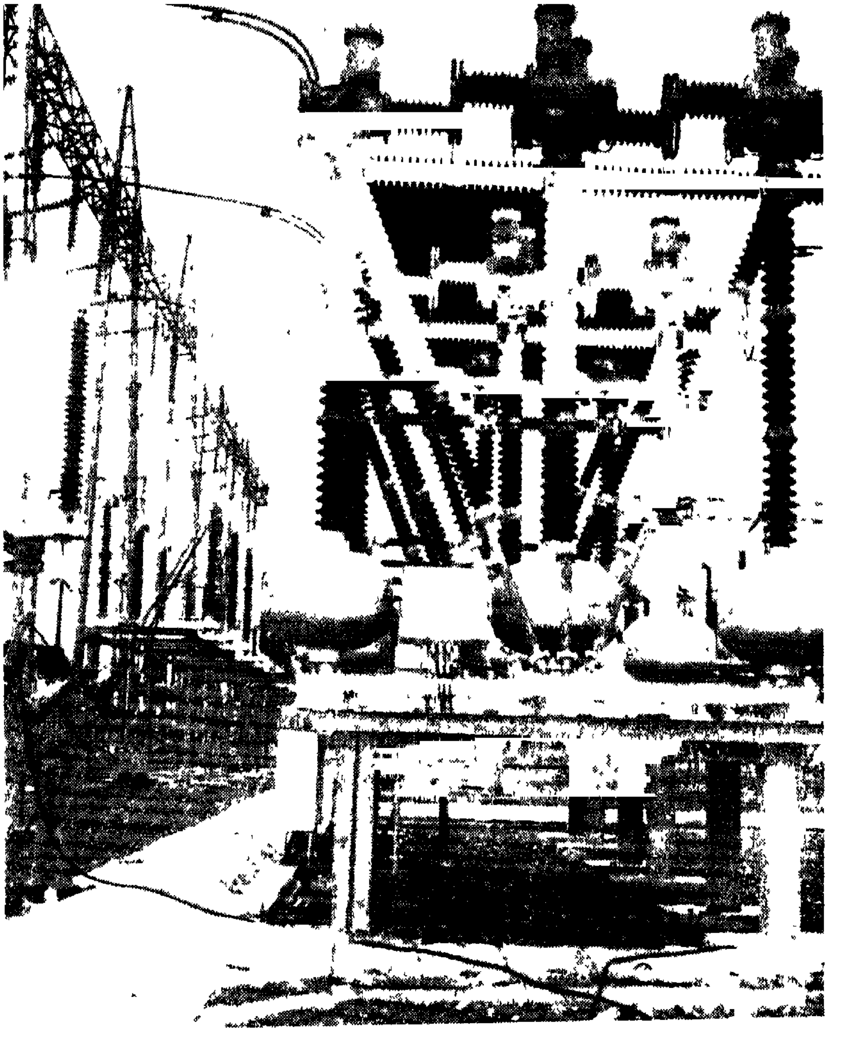
دیہی علاو
کو درقانے
اطراف و نوا
میں خوشحالی



پاور اسٹیشر
میں
کنٹرول رو

ریاست نے دیہاتوں کو بجلی کی روشنی سے منور کرنے کے منصوبے میں خاص طور پر قابلِ تعریف پیش قدمی کی ہے ـــ مہاراشٹر نے غذائی محاذ کی طرح بجلی کی پیداوار اور استعمال کے لحاظ سے ملک میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ ہندوستان بھر میں بجلی کی جو نصب شدہ صلاحیت ہے اس کا پندرہ فیصد، اسی طرح بجلی کی جملہ پیداوار کا ۱۵ فیصد اور جملہ صرف و خرچ کا ۱۶ فیصد کی حد تک جا پہنچنا اسی ریاست کا طرۂ امتیاز ہے۔

بجلی کی پیداوار کے پروگرام کو خاص طور پر ۷۵-۱۹۷۴ء میں بڑھاوا ملا۔ جو پانچویں پنج سالہ پلان کا پہلا سال تھا، جبکہ اسے ترجیح کے لحاظ سے اولیت دی گئی۔ زرعی اور صنعتی صارفین کی طرف سے بجلی کی مانگ میں اضافہ اور دوسری طرف بار بار پاور کی کٹوتی جس کا اثر پیداوار اور صنعت کے ساتھ تعلقات پر مرتب ہوئے، یہ دونوں ایسی باتیں تھیں جنھوں نے بالآخر پروگرام پر نظرثانی کرنے کی ضرورت کی نشاندہی کی۔



تاراپور سوئچ یارڈ

اہم ضرورت

کافی عرصہ سے مہاراشٹر میں زرعی اور صنعتی امور کے لئے بجلی کی شدید ضرورت پر زور دیا جا رہا تھا۔ ملک بھر کی جملہ صنعتی روزگار کے ۲۰ فیصد اور صنعتی پیداوار کے ۲۴ فیصد کی تکمیل ریاست مہاراشٹر کرتی ہے۔ بعض دیوقامت اور اہم صنعتیں ریاست کے مغربی حصے میں یکجا ہیں۔ پاور کے زبردست خرچ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بجلی کی پیداوار کا ۶۴ فیصد حصہ صرف ان کارخانوں کے استعمال میں آتا ہے۔ اس لئے بجلی کی کافی مقدار میں پیداوار اور عمدگی کے ساتھ مختلف حلقوں تک اس کی ترسیل اور تقسیم کے لئے ایک بہترین نظام کی ضرورت بہت اہم ہے۔

ریاست زرعی محاذ پر پسماندہ ہے۔ اس میں ہمیشہ بہنے والی کوئی ندی یا دریا نہیں ہے اس کی تقریباً ایک چوتھائی آبادی قحط سالی کا شکار رہا کرتی ہے۔ اس لئے ریاست کی غذائی پیداوار بڑھانے کے لئے بجلی پر بہت زیادہ دباؤ پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زراعت کے لئے پمپوں کی تنصیب اور دیہاتوں کے لئے بجلی کی فراہمی پر زیادہ زور دیا جا رہا ہے۔

حالیہ اصول کے مطابق، برقابی والے منصوبوں کے سلسلے میں ریاستی حکومت کے برقی محکمے کی وساطت سے برقی پیداوار کا کام انجام پاتا ہے۔ جبکہ تھرمل پاور پلانٹ بجلی کی ترسیل اور تقسیم کی اسکیموں ـــ جس میں دیہاتوں کو برقانا بھی شامل ہے، کی دیکھ بھال مہاراشٹر الیکٹریسٹی بورڈ کرتا ہے۔ برقابی والے پروجیکٹوں کو، ان کے مکمل ہو جانے کے بعد، بورڈ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

چھ گنا اضافہ

دوسرے پنج سالہ منصوبے کے اختتام تک مہاراشٹر میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ کا سلسلہ خاص طور پر بمبئی۔ پونے حلقے، وودربھ اور کسی حد تک کولہاپور۔ سانگلی حلقے تک ہی محدود تھا۔ ریاست کے دوسرے علاقوں کو ادھر ادھر لگائے گئے ڈیزل اسٹیشنوں کے ذریعہ بہت محدود حد تک بجلی فراہم کی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں جب روز افزوں اسکیموں کو روبہ عمل لایا جانے لگا تو بجلی کی پیداوار جو ۱۹۵۱ء میں ۱۵۱۴ میگا کیلوواٹ تھی اتنی بڑھی کہ ۱۹۷۲ء ۱۰۲۶۰ میگا کیلوواٹ ہوگئی۔ اس طرح گزشتہ ۲۰ برسوں میں چھ گنا اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔

دوسرے پنج سالہ پلان کے خاتمے پر تنصیب شدہ صلاحیت جو ۱۰۲۱ میگاواٹ تھی۔ اتنی بڑھی کہ تیسرے پلان کے خاتمہ پر ۱۵۹۶ میگاواٹ تک اور چوتھے پلان کے اختتام پر ۲۱۲۷ میگاواٹ تک جا پہنچی۔ امید ہے کہ پانچویں پلان کے اختتام تک یہ صلاحیت ۲۵۸۶ ہو جائے گی۔

بجلی کی پیداوار کے لئے برقابی کے تقریباً تمام وسائل آزمائے گئے اور اب بجلی کی روز افزوں مطالبات کو پورا کرنے کے لئے صرف ایک ہی طریقہ باقی رہ جاتا ہے یعنی کوئلے کے ذریعہ بڑی مقدار میں تھرمل پلانٹوں کو وسعت دی جائے۔ تھرمل پلانٹوں کے ذریعہ ۱۹۵۱ء میں ۱۹ فیصد بجلی حاصل کی جاتی تھی جو اب وسعت دینے کے بعد ۱۹۷۲ء میں ۵۰ فیصد ہو چکی ہے۔ اس کے برعکس اسی مدت میں آبی بجلی کا حصول ۴۷ سے گھٹ کر ۳۹ پر آ گیا ہے۔

فی الحال تنصیب شدہ بجلی کی صلاحیت ۲۳۴۰ میگاواٹ ہے۔ جس میں سے نصف سے زائد صلاحیت تھرمل ہے، ۲/۵ گنا آبی اور باقیماندہ ایٹمی توانائی والی ہے۔ نیل سے حاصل ہونے والی توانائی تقریباً نہیں کے برابر ہے۔

پانچویں پنج سالہ پلان کے دوران ۱۷۰۰ میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں اضافہ کی توقع ہے۔ اس میں سے ۴۰۰ میگاواٹ کی صلاحیت برقابی اور بقیہ تھرمل ہے۔ پانچویں پلان کی اکائیاں یہ ہیں: کوراڈی اسٹیج I اور II (۲۰۰ میگاواٹ) کوئنا اسٹیج III (۱۶۰ میگاواٹ) ونزنا (۶۰ میگاواٹ) اور بھٹگر (۱۱ میگاواٹ)۔ پانچویں پنجسالہ پلان کے دوسرے پروجیکٹ یہ ہیں: کوراڈی اسٹیج III۔ اکائی ۵ (۲۰۰ میگاواٹ) کوئنا اسٹیج III، اکائی ۳ اور ۴ (۱۶۰ میگاواٹ)، ناسک اسٹیج II (۲۱۰ میگاواٹ)، بھساول اسٹیج II (۲۱۰ میگاواٹ) گیس سے چلنے والے چرخ ۲۴۰ میگاواٹ۔

بمبئی۔ ہائی سے گیس حاصل ہونے کے امکانات کی وجہ سے ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت پر زور دیا ہے کہ بمبئی کے قریب گیس سے چلنے والے چرخ (TURBINE) کے منصوبے کو فوری طور پر منظوری دے۔ امید ہے کہ یہ منصوبہ جلد منظور ہو جائے گا اور اس کے لئے ۲۰ کروڑ روپے کی فراہمی کا بھی انتظام کر لیا جائے گا۔

چھٹے پنج سالہ پلان کی اسکیمیں

چھٹے پنج سالہ پلان کے دوران ۱۰۰۰ میگاواٹ کی صلاحیت کی توقع ہے۔ اس میں سے ۲۳۰ میگاواٹ کی صلاحیت آبی طور پر اور ۶۰۰۰ تھرمل طور پر ہوگی۔

مستقبل قریب میں بجلی کی زبردست ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بورڈ نے ایک حوصلہ مندانہ اسکیم مرتب کی ہے جس کے تحت ۲۳۰۰ میگاواٹ کی زائد تھرمل اور گیس پیدا کرنے والی صلاحیت آئندہ چھ برسوں میں آ جائے گی۔ اس کی وجہ سے ۲۳۴۰ میگاواٹ کی تنصیب شدہ صلاحیت میں دگنا اضافہ ہو جائے گا۔

ان پیدا ہونے والی صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کہ پانچویں اور چھٹے پنج سالہ پلان کے دوران زیر عمل پروجیکٹ اور ایسے پروجیکٹ جو کہ مستقبل میں منظور ہونے والے ہیں، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جملہ تنصیب شدہ صلاحیت پانچویں پلان کے خاتمے پر ۲۵۸۶ میگاواٹ ہوگی۔

اسی طرح چھٹے پنج سالہ پلان کے اختتام پر ۵۰۵۰ میگاواٹ بجلی کی ضرورت محسوس کئے جانے کی توقع ہے۔ اس کے لئے تقریباً ۷۵۰۰ میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ تاہم آئندہ پانچ یا چھ برسوں میں ۴۰۰۰ میگاواٹ کی زائد برقابی صلاحیت اور ۳۰۰۰ میگاواٹ کی تھرمل اور گیس سے چلنے والے چرخ کی صلاحیت کی ضرورت ہوگی۔

ریاستی حکومت بجلی پیدا کرنے کے پروگراموں کی خامیوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ مستقبل میں پیش آنے والی بجلی کی ضرورت کو محسوس کرتے، اس نے بہت پہلے ہی پروجیکٹ کے بارے میں رپورٹ پیش کر دی ہے۔ جس کے تحت پانچویں اور چھٹے پنجسالہ پلان کے دوران تقریباً ۶۵۰۰ میگاواٹ صلاحیت پر غور کرنا ہے۔ لیکن اب تک ۲۴۵۰ میگاواٹ کے پروجیکٹوں کو روبہ عمل لانے کی منظوری مل چکی ہے۔

مستقبل کی منصوبہ بندی

ریاستی حکومت نے مستقبل کی منصوبہ بندی کے پروگرام کے تحت بہت سی اسکیمیں تیار کی ہیں۔ یہ پروجیکٹ زیر غور ہیں: کھاپر کھیڑا کی وسعت (۱۲۰ میگاواٹ)، چندرپور اسٹیج۔ II۔ (۴۰۰ میگاواٹ)، اور اسٹیج۔ III (۵۰۰ میگاواٹ) اور۔ (۴۰۰ میگاواٹ)، نہواسیوا ۲۰۰۰ میگاواٹ اور ٹاٹا ٹرامبے یونٹ کی وسعت۔ (۵۰۰ میگاواٹ) ابتدائی (۲۴۰ میگاواٹ کو بعد میں بڑھا کر ۲۰۰۰ میگاواٹ تک پہنچانا ہے۔)، بھساول۔ اسٹیج III (۲۱۰ میگاواٹ) اور پارلی۔ اسٹیج۔ III (۲۱۰ میگاواٹ)

ایٹمی توانائی کمیشن سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ وہ تاراپور ایٹمی پاور اسٹیشن کی صلاحیت کو ۶۰۰ میگاواٹ تک بڑھانے کے بارے میں تحقیق کرے۔ ایٹمی توانائی میں جگہ متعین کرنے والی کمیٹی نے سولاپور ضلع میں ایک جگہ ۱۰۰۰ میگاواٹ کا پاور اسٹیشن نصب کرنے کی منظوری دیدی ہے۔ ریاستی حکومت نے ایٹمی توانائی کمیشن سے یہ درخواست کی ہے کہ وہ جلد اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرے۔

ریاستی حکومت اور بورڈ اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ کسی طرح سے بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔ ریاست کی قانون ساز مجلس کی تخمینہ لگانے والی کمیٹی نے بھی ناکافی پاور سپلائی پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ان حالات پر قابو پانے کے لئے منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔ مجلس قانون ساز کو پیش کی گئی ایک حالیہ رپورٹ میں یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ ریاستی حکومت میعادی پلان کے تحت پاور کی کمی کو پورا کرے۔

ترسیلی اسکیمیں

بجلی پیدا کرنے والے پروگراموں کے علاوہ یہ بھی تجویز رکھی گئی ہے کہ ترسیل کا جال پھیلا دیا جائے تاکہ مختلف اسٹیشنوں پر پیدا ہونے والی بجلی کی وافر مقدار کی نکاسی کی جا سکے اور اسے صارفین تک پہنچایا جا سکے۔

۲۶۸،۶۹ کروڑ روپے کے ترسیلی پروگرام میں یہ خاص بات رکھی گئی ہے کہ بمبئی کے قریب بھساول سے ہوتے ہوئے کورڈی تا کلوا تک ۴۰۰ کلوواٹ کی ترسیلی لائن ڈالی جائے گی۔ اس اسکیم کی وجہ سے کورڈی اسٹیشن پر پیدا کی جانے والی بجلی کو ان لائنوں کے ذریعہ مغربی مہاراشٹر کے بڑے دباؤ والے مرکزوں تک پہنچایا جا سکے گا

ایسی امید ہے کہ کورڈی سے بھساول تک کی لائن مارچ ۱۹۷۸ء تک اور بھساول سے کلوا تک کی لائن اکتوبر ۱۹۸۰ء تک مکمل ہو جائے گی۔

چندرپور پاور کی نکاسی کے لئے ۴۰۰ کلوواٹ کی اسی طرح کی لائن چندرپور سے کورڈی تک اور ۲۲۰ کلوواٹ کی لائن کورڈی سے امراوتی تک ڈالی جانے گی والی ہے۔ اسی طرح کی، لیکن کم وولٹیج والی لائنیں دوسرے مقامات پر بھی ڈالی جائیں گی تاکہ پوری ریاست میں ایک ترسیلی جال پھیل جائے۔

مرکز کی طرف سے شروع کئے گئے پروگرام کے تحت بہت سے بین الریاستی ترسیلی لائنیں شروع کی گئی ہیں۔ ناسک سے گجرات کے علاقہ نوساری تک اور کولھاپور سے گوا کے علاقہ پونڈا تک ۲۲۰ کلوواٹ کی لائن آخری مرحلوں پر ہے۔ ۴۰۰ کلوواٹ لائن کے ذریعہ چندرپور کو آندھرا پردیش کے علاقہ رام گنڈم سے جوڑنے کا معاملہ زیر غور ہے۔

بین بین الریاستی لائنیں اس وقت چاندنی، بھساول، بیلگام، کولھاپور اور ست پڑا، امبزاری اس وقت عمل میں ہیں۔ اس طرح کی بین الریاستی لائنیں اس وقت کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ جب بجلی کے بحران سے واسطہ پڑتا ہے۔

اس بات کی طرف نشاندہی ضروری ہے کہ ترسیل اور نظام کی خرابی کی وجہ سے بجلی کا نقصان حالیہ برسوں میں بہت بڑھ گیا۔ ۱۹۷۱-۷۲ء میں یہ نقصان ۱۳ فیصد تھا جو ۱۹۷۵-۷۶ء میں بڑھ کر ۱۷ فیصد ہو چکا ہے۔ پبلک انڈرٹیکنگ کمیٹی (۱۹۷۶-۷۷ء) نے اپنی بیسویں رپورٹ میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ تجویز پیش کی ہے کہ اس طرح کے نقصان کو ۱۵ فیصد تک محدود رکھا جانا چاہیئے۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ اب نقصان کم ہوتا جا رہا ہے۔

دیہاتوں کو بجلی کی فراہمی

بورڈ کا دوسرا اہم پروگرام دیہاتوں کو بجلی کی روشنی سے منور کرنا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں نئی ریاست میں وجود میں آنے کے بعد ہی اس میں تیز رفتاری آ گئی۔ یہ بات اس حقیقت سے واضح ہو جاتی ہے کہ اس عرصے کے دوران صرف ۵۱۸ گاؤں کو برقایا جا چکا تھا لیکن اس وقت آبادی کا ۴/۵ حصہ بجلی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

چوتھے پنچسالہ پلان کے دوران اور اس کے بعد بورڈ نے دیہاتوں کو بجلی سے منور کرنے پر ایک کثیر رقم صرف کی ہے، ۲۵ کروڑ روپے کی گنجائش کے برخلاف بورڈ نے ۹۷،۲۲ کروڑ روپے خرچ کئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برقائے گئے گاؤں میں ۶۰ فیصد کا اضافہ ہوا اور ۱۷۰ فیصد پمپوں میں گویا جان ڈال دی گئی ہو۔

۱۹۶۱ء میں ۵۳۸ گاؤں کو برقایا گیا لیکن

سالانہ پلان میں بجلی کا تعین

اسکیم	۱۹۷۵-۷۶ء (موجودہ)	روپے کروڑ میں ۱۹۷۶-۷۷ء (متوقع)	۱۹۷۷-۷۸ء (تجویز کردہ خاکہ)
پیداوار:			
۱- آبی	۱۸٫۴۰	۱۴٫۹۹	۱۶٫۹۷
تھرمل	۴۷٫۸۷	۸۰٫۲۴	۱۴۷٫۷۵
ترسیل			
۲- بشمول لائسنوں کے حصول کے لئے	۳۰٫۶۸۴	۴۴٫۶۹۰	۷۲٫۸۹۰
۳- دیہاتوں کو برقانا اور عام ترقی	۱۳٫۳۰	۱۰٫۰۱	۱۹٫۶۷۲
جملہ	۱۱۰٫۶۴۱	۱۵۰٫۶۵۴	۲۵۴٫۶۳۰
جملہ سالانہ پلان کا خاکہ	۳۶۱٫۳۶	۴۶۱٫۲۰	۶۵۰٫۶۰۷
پلان میں جملہ خاکہ کے پاور کا فیصد	۳۱	۳۲	۳۹

فی الحال ۶۷٫۰۳۶ جگہوں میں سے ۲۰٫۹۸۷ جگہوں تک بجلی پہنچائی جا چکی ہے۔ ۱۹۷۷-۷۸ء تک ۹۲۰ گاؤں میں بجلی پہنچانے کا منصوبہ ہے۔

ریاست میں دیہاتوں کو بجلی سے منور کرنے کے پروگرام کے تحت یہ امتیاز صرف جلگاؤں ضلع کو ہی حاصل ہے کہ اس کو سو فیصدی برقایا جا چکا ہے۔ چھوپڑا تعلقہ کے بھوتی کے گاؤں میں حال ہی میں بجلی پہنچائی گئی ہے۔ اب اس ضلع کے ۱۴۲۳ گاؤں اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ ان میں بجلی آ چکی ہے۔ اتر پردیش کے بعد ریاست کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ گاؤں گاؤں بجلی پہنچانے میں دوسرے نمبر پر ہے۔

زرعی پمپوں میں بجلی دوڑانے کے سلسلے میں بھی ریاست نے اسی طرح قابل تعریف ترقی کی ہے۔ ۱۹۶۰-۶۱ء میں ریاست میں صرف ۳٫۶ فیصد اس طرح کے پمپ تھے لیکن ۱۹۷۵-۷۶ء میں یہ ۱۴٫۷ فیصد تک پہنچ گئے۔ اب تک کل ۱۲٫۳۴۴ پمپوں کو کام کے لائق بنایا جا چکا ہے۔ ۱۹۷۷-۷۸ء میں ۱۵۰۰ پمپوں کو بجلی پہنچانے کی تجویز ہے: تامل ناڈو کے بعد مہاراشٹر ہی وہ واحد ریاست ہے جس میں زرعی پمپ زیادہ تعداد میں کام کر رہے ہیں۔

گیس سے چلنے والے چرخ (TURBINE)

ایک نیا تجربہ

مہاراشٹر گورنمنٹ کے ہاتھوں اس وقت ایک انوکھا پروجیکٹ ہے یعنی بمبئی کے قریب گیس سے چلنے والے چرخ (TURBINE) کی تنصیب تاکہ ریاست میں بجلی کی بڑھتی ہوئی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔ اس پروجیکٹ کے لئے بمبئی ہائی سے ٹربائن (TURBINE) کے لئے گیس حاصل کرنے کا معاملہ زیر غور ہے۔

سنٹرل الیکٹریسٹی اتھارٹی نے پروجیکٹ کی رپورٹ کو اچھی طرح جانچ لیا ہے اور ۶۰ میگاواٹ کے چار گیس کے چرخ (TURBINE) لگانے کی سفارش کی ہے۔ اس نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ ۶۰ میگاواٹ کے دو بھاپ کے چرخ لگائے جائیں جن کو گیس والے چرخ کی فاضل گرمی سے چلایا جائے۔ یہ پروجیکٹ، جس کا تخمینہ کل ۹۸٫۵ کروڑ روپے ہے، مرکز کی منظوری کے لئے رکا ہوا ہے۔

۶۰ میگاواٹ والا پہلا گیس ٹربائن یونٹ ۱۹۷۸ء میں شروع ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد ہر نیا یونٹ تین ماہ بعد شروع ہوگا۔ بھاپ والا ٹربائن ۱۹۸۰-۸۱ء میں جاری ہوگا۔

نمایاں کامیابیاں

مہاراشٹر نے ملک میں دیہاتوں کو بجلی دینے اور زرعی پمپوں کو آمادۂ عمل کرنے کے پروگرام میں دوسرا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ ۳۶,۰۶۷ گاؤں اور شہروں میں سے ۲۰,۱۸۷ گاؤں کو منور بنایا جا چکا ہے اور اتر پردیش کے بعد یہ ریاست ہی بنانے کے محاذ پر دوسرے درجہ پر ہے۔ ۳,۴۳,۱۲۱ زرعی پمپوں کو توانائی سپلائی کر کے اس ریاست نے تامل ناڈو کے بعد دوسرا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

جلگاؤں ضلع کو یہ طرۂ امتیاز حاصل ہو سکا ہے کہ اس کو سو فیصد برقیانے کے پروگرام کے تحت برقایا جا چکا ہے۔

دیوقامت تھرمل پاور پلانٹ

مہاراشٹر میں چندر پور کے علاقے میں ایک اعلیٰ درجہ کا تھرمل پاور اسٹیشن بہت جلد نصب کیا جائے گا اور یہ ملک کے ان پانچ پروجیکٹوں میں سے ایک ہوگا۔ جن کا منصوبہ بنایا جا چکا ہے۔ اسٹیشن کا پہلا مرحلہ (۴۲۰ میگاواٹ) جس کی کل صلاحیت ۱۳۰۰ میگاواٹ ہوگی اور جس پر اندازاً ۴۰۰ کروڑ روپیہ خرچ ہوگا، ۸۲-۱۹۸۱ء تک پانچ ادوار میں مکمل ہوگا۔ اس میں اس علاقہ کے بڑے بڑے کوئلے کے ذخیرے جو کہ دستیاب ہیں، استعمال میں آ جائیں گے۔ مرکز نے پروجیکٹ کے پہلے دور کی ۴۲۰ میگاواٹ کی صلاحیت کی منظوری دیدی ہے۔ اس پروجیکٹ کا کام حال ہی میں شروع ہوا ہے۔

قارئین نوٹ فرمائیں

ہم حتی الامکان اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے قارئین کو حکومت کی مختلف ترقیاتی سرگرمیوں سے آگاہ رکھیں لیکن ہو سکتا ہے کہ قارئین ہمارے پیش کردہ مضامین میں کچھ کمی محسوس کریں اس لئے ہم نے سوالات، جوابات کا کالم بھی ہمارے قارئین کے فائدے کے لئے پچھلے شمارے سے شروع کر دیا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ ہمارے لئے بہت زیادہ کارآمد ہوگا اگرچہ ہر فرد کی تکالیف کو چھاپنا مشکل ہے لیکن کسی طرح کی پوچھ تاچھ یا شکوک جو کسی حکومت کی پالیسی، پروگرام یا سرگرمی پر ہوں گے ضرور چھاپے جائیں گے۔

سوالات اس پتہ پر بھیجئے:۔
ایڈیٹر "قومی راج" ہوا منسٹر بلڈنگ
۱۵ مالا۔ بالمقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مختلف ریاستوں کی نصب شدہ بجلی کی صلاحیت

فروری ۱۹۷۷ء

مہاراشٹر	۲۷۵۱٫۵	میگاواٹ
تامل ناڈو	۲۳۶۴	میگاواٹ
یو۔ پی	۲۳۵۰	میگاواٹ
گجرات	۱۴۱۰	میگاواٹ
آندھرا پردیش	۱۱۳۹	میگاواٹ
کرناٹک	۱۰۴۳	میگاواٹ
کیرالا	۱۰۱۲	میگاواٹ
ایم۔ پی	۹۴۰	میگاواٹ

قلمی معاونین سے

گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے یا پشت پر اپنا مکمل پتہ کوڈ کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی درج فرمائیں۔ نا طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔



شری اے۔ بی پاٹل۔ ایڈیٹر شیتکری

مہاراشٹر کے کِسان کا کارنامہ

۱۱۱ کوئنٹل گیہوں فی ہیکٹر پیداوار

بہت سے لوگ مشکل سے یہ یقین کریں گے کہ مہاراشٹر کے ایک کسان نے ایک ہیکٹر کھیت میں ۱۱۱ کوئنٹل گیہوں پیدا کیا، حالانکہ مہاراشٹر میں گیہوں کی فی ہیکٹر اوسط پیداوار صرف ۸٫۷۵ کوئنٹل ہی ہے۔ لیکن یہاں ایک کسان ایسا بھی ہے جس نے اوسط سے تیرہ گنا زیادہ پیداوار حاصل کی۔ ان کا نام ہے شری سنورمل سیدمل اور یہ ضلع پونے کے تعلقہ ڈونڈ میں واقع راجے گاؤں کے باسی ہیں۔

شری سنورمل سیڈمل ایسے روایتی کسان ہیں جو صرف کھیتی باڑی کے قدیم طریقے ہی چلتے ہیں۔ انھوں نے کاشت کے جدید طریقے کو اپنایا۔ لہٰذا انھیں قدرتی طور سے ریاستی کل ہند سطح پر مختلف فصل مقابلوں میں انعامات ملے۔ ریاست مہاراشٹر کے گیہوں پیداوار مقابلے بابت ۷۶-۱۹۷۵ء میں انھیں فی ہیکٹر ۱۱۱ گیہوں پیدا کرنے پر اول انعام ملا۔ انھیں کل ہند گنا مقابلے میں بھی انعام ملا تھا۔

جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ فصل مقابلے میں ان کی اس شاندار کامیابی کا راز کیا ہے تو انھوں نے بتایا کہ جدید زراعتی طریقہ کے استعمال اور سائنسی جانکاری



شری ساوریل سیدمل

کے سبب یہ کامیابی نصیب ہوئی۔ کسی بھی پیداوار میں اچھے بیج بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا بوائی سے پہلے میں نے بڑی احتیاط سے بہترین بیج کا انتخاب کیا اور مقابلے کے کھیت کے لئے گیہوں کی ارجن نسیم چنی۔

انھوں نے بھیما ندی کے کنارے اپنا کھیت ہموار کیا۔ اس پر دو مرتبہ ہل چلایا اور تین مرتبہ دندانے دار ستروال پھیرا۔ ان کے خیال میں بوائی کے لئے یہ ابتدائی تیاری بہت ضروری ہے کیونکہ گیہوں کے بیج ڈالنے کے لئے کھیت کی سطح صاف اور برابر ہونی چاہیے۔

انھوں نے باقاعدہ سائنٹفک طریقے پر منصوبہ بنایا تھا لہٰذا انھیں اول انعام پانے کا قطعی یقین تھا۔ انھوں نے خریف موسم میں اپنے کھیت پر کوئی فصل نہیں اگائی بلکہ زرخیزی بڑھانے کے لئے سن ہیمپ

گائی۔ شری سنور مل کا خیال ہے کہ ایسی قدرتی کیمیاوی کھاد سے مٹی کی ساخت اور نمی بہتر ہوتی ہے اور گیہوں کی فصل کے لیے بڑی مفید ہوتی ہے۔ لہٰذا انھوں نے ایک ہیکٹر کھیت پر ۱۵ ٹھیلہ لادی ملوان کھاد ڈالی۔

شری سنور مل جانتے ہیں کہ گیہوں کی بوائی میں وقت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ سرمائی فصل ہے اور عموماً اکتوبر۔ نومبر تا مارچ۔ اپریل کے زمانے میں پروان چڑھتی ہے۔ لہٰذا انھوں نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو گیہوں کی بوائی کی۔ کھیت کافی پودوں سے بھرا رہے اسی پر پیداوار منحصر ہوتی ہے۔ لہٰذا انھوں نے ۲۲۵ کلوگرام ہیکٹر گیہوں کی اچھی پیداوار دینے والے اعلیٰ قسم کے 'ارجن' بیج ڈالے۔

شری سنور مل نے کیمیاوی کھاد ڈالتے وقت کا خیال رکھا۔ انھوں نے بوائی کے وقت ۸۰۰ کلوگرام ہیکٹر ملوان سفالہ کھاد دی۔ بوائی کے ۲۵ دن بعد انھوں نے ۱۲۰ کلوگرام، ہیکٹر کے حساب سے یوریہ کی دوسری خوراک دی۔ پھر پندرہ دن کے وقفے سے دس پندرہ کلوگرام/ہیکٹر یوریہ ڈالی۔ انھوں نے چار مرتبہ کھیت سے گھاس پھوس صاف کی تاکہ ان کا کھیت بالکل صاف رہے۔

انھوں نے اپنی گیہوں فصل کے لیے بھیما ندی پر اٹھاؤ آب پاشی اسکیم سے فائدہ اٹھایا۔ چھ یا آٹھ دن کے وقفے سے ۸ مرتبہ کھیت کی سینچائی کی۔

شری سنور مل نے اپنی گیہوں کی فصل کی اچھی طرح دیکھ ریکھ کی۔ انھوں نے فصل کو بیماری کیڑوں سے محفوظ رکھنے کے لیے احتیاطاً فصل پر مختلف قسم کی کیڑا مار ادویہ چھڑک دی۔ جو موں پر قابو پانے کے لیے زنک فوسفائڈ استعمال کیا۔ ان احتیاطی تدابیر سے ان کی فصل کی حالت بڑی اچھی رہی اور بھرپور فصل ہوئی۔

۱۰ مارچ ۱۹۷۶ء کو انھوں نے مقابلہ کے نگراں جج صاحبان کی موجودگی میں فصل کی کٹائی کی۔ انھیں اچھی پیداوار کی توقع تھی اور وہ پوری ہوئی۔ انھوں نے ایک ہیکٹر پر ۱۱۱ کنٹل گیہوں پیدا کیا۔ کٹائی کے وقت موجود بہت سے کسان اس بڑی پیداوار کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس طرح انھیں گیہوں کے لیے ریاستی سطح مقابلے میں اول انعام ملا۔

اب کسان اکثر سنور مل کے پاس آتے ہیں اور ان سے صلاح لیتے ہیں۔ وہاں سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور ان کے دل میں بھی یہ امنگ پیدا ہوتی ہے کہ اپنی زندگی کو خوش حال بنائیں۔ اور ریاست کو بھی اناج کے معاملے میں خود کفیل بنائیں۔ ••

بقیہ صفحہ ۱۹ سے آگے

۴) سرکاری خریداری پروگرام میں ترجیحی عمل آوری۔

حکومت ہند کی جنرل سب سڈی اسکیم کے تحت نئی صنعتی یونٹوں کے قیام کیلئے خاص طور پر سے مقررہ علاقوں یعنی اورنگ آباد، چندرپور اور رتناگری جیسے ترقی پذیر علاقوں کو پوری مالی امداد فراہم کی گئی ہے۔

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو مالی امداد فراہم کرنے کے پروجیکٹ کی کل لاگت کی ۱۰ سے ۱۵ فیصد امداد دی جاتی ہے جس کی شرح سود بنیادی پونجی کے ۴ فیصدی ہوتی ہے۔

مجاہدین آزادی کو کوئی خاص سہولت نہیں دی گئی ہے، البتہ مذکورہ مراعات دیتے وقت مجاہدین آزادی کو فوقیت ضرور دی جاتی ہے۔ ••

بقیہ صفحہ ۲ سے آگے

شری صادق علی گاندھی میوزیم اینڈ لائبریری کے بھی دس سال تک چیرمین رہے۔

انھیں لکھنے لکھانے کا بھی شوق ہے۔ وہ 'کانگریس آئیڈیالوجی اینڈ پروگرام'، 'نو یور کنٹری'، 'دی کلچر آف انڈیا'، 'دی جنرل الیکشن' ۱۹۷۶ء ایک سروے'، 'ٹوواردز سوشلسٹ تھنکنگ ان کانگریس'، 'کیمپین اگینسٹ نیوکلر آرمز' جیسی کتابوں کے خالق ہیں۔ موصوف اے آئی سی سی اکنامک ریویو (۱۹۵۸-۶۲ء) کے چیف ایڈیٹر نیز پولیٹیکل اینڈ اکنامک ریویو (مارچ ۱۹۷۰ء سے مئی ۱۹۷۱ء تک) کے ایڈیٹر رہے۔

ان کی اہلیہ شریمتی شانتی صادق علی افریقی امور کی ماہر ہیں اور برسوں تک کاؤنسل برائے افریقہ کے ساتھ کام کرتی رہی ہیں۔ ••

اس مضمون کو سپردِ قلم کرنیوالے ڈاکٹر ایس۔ این ناڈکرنی ہیں جو لوکمانیہ تلک میموریل میڈیکل کالج، بمبئی میں سرجری کے پروفیسر اور شعبۂ سرجری کے افسرِ اعلیٰ ہیں۔

کینسر:

کچھ حقائق

جسم میں خلافِ معمول نئے انداز سے خلیوں [کی] نشوونما کا نام کینسر ہے۔

جس طرح بنی نوعِ انسان کے ... سے ... سوسائٹی بنتی ہے اسی طرح جسم بھی بہت ... خلیوں سے مل کر بنتا ہے۔ یہ سب خلیے ... یہ ایک ہی اصل خلیے سے وجود پاتے ہیں لیکن ... میں مختلف ... کے خلیوں کی شکل اختیار ... تے ہیں، جیسے جگر کے خلیے، گردے کے خلیے، ... کے خلیے، دماغ کے خلیے عضلات کے خلیے وغیرہ۔ ... خلیے اپنا اپنا کام بالکل اسی طرح انجام ... تے ہیں جس طرح سوسائٹی میں مختلف افراد ... اپنی امتیازی شان کو برقرار رکھ کر اپنے ... اپنے پیشے، مہارت کے ساتھ انجام دیتے ... ممتاز بن جاتے ہیں اور "اسپیشلسٹ" کہلاتے ... ہیں اسی طرح خلیے بھی اپنے اپنے فعل ... ممتاز ہوا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہر خلیے کو اس کی مخصوص اور مقررہ غذا ملتی ہے اور وہ اپنے خاص کام کو بہترین طور سے انجام دیتا ہے۔ ان سب باتوں میں ہر خلیے اور جسم کے درمیان ہم آہنگی اور نظم وضبط قائم رکھنے کا کام جس کے ذمے ہے وہ دماغ (یا نظام) ہے۔

لیکن بعض دفعہ بعض خلیے دماغ کے کنٹرول سے باہر ہوجاتے ہیں اور بغیر کسی ظاہری سبب کے بے اندازہ بڑھنے لگتے ہیں۔ یہ خلیے جسم سے خون اور غذا کی زائد مقدار چوسنے رہنے اور جسم کے کام کرنے کے عام قوانین کو ماننے سے انکار کردیتے ہیں۔ اس پر بھی وہ جسم کے لئے بالکل ناکارہ ہی ہوتے ہیں۔ اپنے مقررہ حدود میں رہ کر کام کرتے رہنے کی بجائے وہ حدود شکنی کرکے آس پاس کے دوسرے خلیوں پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہی بڑھنے والے خلیے اطراف کے خلیوں میں بالکل اس طرح پھیل جاتے ہیں جیسے کہ سرطان (کیکڑے) کے پاؤں ہوں۔ اسی لئے انھیں کینسر (سرطان) کہتے ہیں۔

اس کے بعد یہ خلیے اپنے مقامی ماحول سے تجاوز کرکے مائع راستوں یا خون لے جانے والی شریانوں کے ذریعہ جسم کے دوسرے حصوں کی جانب پھیلنے لگتے ہیں۔ ان راستوں کو LYMPHATICS (شریانی راستے) کہتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ بیماری زیادہ پرانی ہوجاتی ہے تو جسم کا ہر عضو کینسر والے خلیوں کے حملے سے تباہ وبرباد ہوجایا کرتا ہے اور مریض مرجاتا ہے۔

یہ خلیے جتنے پرانے ہوں گے اتنا ہی اپنا کام انجام دینے میں ناکارہ ہوں گے۔ جسم میں کوئی ایسا قدرتی انتظام نہیں ہے جس کے ذریعے بے ڈول طور سے بڑھنے والے یہ خلیے اپنے آپ دفع ہوں بالخصوص جس وقت ان کی نشوونما شروع ہوجاتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کینسر جسم کے

کسی بھی حصہ میں ہو سکتا ہے۔

کینسر کے اسباب

یوں تو کینسر کی پیدائش کے بہت سے وجوہ بیان کئے جاسکتے ہیں لیکن ایک عام آدمی کے لئے یہ سب بے فیض ہیں کیوں کہ ان کے ذریعہ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اس بیماری کو رد کنے کی کیا تدبیر کی جانی چاہیئے۔ بایں ہمہ کچھ مشہور اسباب ہیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ قارئین سمجھ جائیں کہ انسان اس بیماری سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ کسی عضو میں لگاتار پرانی سوزش کینسر کا سبب بن سکتی ہے۔ چنانچہ گال کے درمیان یا زبان کے نیچے پان یا تمباکو دبائے رکھنے سے گال اور زبان کا کینسر ہو جاتا ہے کشمیر میں لوگ کمر پر کانگڑی (گرم انگیٹھی) لٹکائے رہتے ہیں جس سے انھیں جلد کا کینسر ہو جاتا ہے۔ اگر گردہ یا مثانہ کی پتھری کے علاج سے چند برسوں تک غفلت برتی جائے تو ان اعضاء کا کینسر زدہ ہو جانا یقینی جانیئے۔ غذا یا وٹامن کی کمی بھی اس بیماری کا ایک سبب ہوا کرتی ہے۔ اس بات کا پتہ چلا ہے کہ پیٹ اور نرخرے کے کینسر غذائیت بخش کھانوں اور وٹامن اے کی کمی سے ہوا کرتے ہیں۔ اگر جسم کے کسی عضو سے کوئی کام نہ لیا جائے یا اسے بہت کم استعمال کیا جائے تو باوجودیکہ اس عضو کو خون اور غذا مناسب طور سے پہنچتی ہو، اسے کینسر ہو سکتا ہے۔ زیادہ بچوں والی ماؤں کو پستانوں کا کینسر ہو جاتا ہے۔ پستان سے دودھ پلانے کو اس کا سبب گردانا جاتا ہے۔ ہندوستان میں، جہاں مائیں بچوں کو کافی طویل عرصے تک پستانوں سے دودھ پلاتی ہیں، پستانوں کے کینسر بہت کم پائے جاتے ہیں بخلاف مغربی ممالک کے جہاں ایسے واقعات بہت عام ہیں۔ مغربی ممالک کے لوگ زیادہ تر قبض کی بیماری کے مریض ہوتے ہیں۔ اس لئے بڑی آنت کا کینسر ان میں بہت عام ہے۔ بعض صنعتوں جیسے رنگ کے کارخانوں میں کام کرنے والوں کو پیشاب کی نالی میں کینسر کی شکایت ہوا کرتی ہے۔ ان لوگوں کے کینسر کا پتہ لگانے کے لئے باقاعدگی کے ساتھ جانچ پڑتال ضروری ہے تاکہ ابتدائی مرحلے میں ہی ان کے کینسر کی تشخیص ہو سکے۔ کچھ کینسر موروثی بھی ہوتے ہیں۔

کامیابی کے ساتھ کینسر کے علاج کے لئے اس کی تشخیص بالکل ابتدائی مرحلے میں ہو جانی چاہیئے۔ لیکن یہ بہت بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ اکثر مریضوں میں ابتدائی مراحل میں کینسر کی خاطر خواہ علامتیں نہیں ہوا کرتیں۔ اس بنا پر کینسر کی بیماری کی طرف سے عموماً غفلت برتی جاتی ہے تاآنکہ وہ پرانی ہو جاتی ہے اور تب اس کا علاج بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اس ناقص چکر کی وجہ سے لوگوں میں یہ وہم عام ہو چکا ہے کہ کینسر لاعلاج ہے۔ لیکن یہ بات حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ ضروری ہے کہ کینسر کا ذرا سا بھی شبہ ہوتے ہی فوراً کسی اچھے اور تجربہ کار ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے۔

۴۰ سال سے زیادہ عمر والے لوگوں میں سب سے بڑی علامت سوجن ہے۔ یعنی کوئی پھوڑا یا مادے کا ابھار جو بڑھتا جا رہا ہو۔ شروع شروع میں اس میں درد بھی محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح بغیر کسی درد کے اندھا پھوڑا، جو اچھا نہ ہوتا ہو، البتہ آہستہ آہستہ ہفتوں، ماہ دو ماہ میں کافی بڑا ہو جائے، شک و شبہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس لحاظ سے وہ کینسر جن کی بیرونی علامتیں نمایاں ہوں جیسے جلد، منہ، زبان، پستان وغیرہ، تو ایسے کینسروں کا پتہ لگا لینا آسان ہے اور اس لئے ان کا علاج بھی ممکن ہے۔

لیکن جسم کے اندر ہونے والے کینسر کی بات ذرا ٹیڑھی ہے۔ اس کی سب سے اہم علامت یہ ہو سکتی ہے کہ یکایک بغیر کسی وجہ کے، چھوٹی یا بڑی مقدار میں خون بہنے لگے۔ حسب معمول یوں خون بہنے میں بھی درد نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ پھیپھڑے کے کینسر میں تھوک کے ساتھ خون کا آنا، پیٹ کے کینسر میں قے کے ساتھ خون کا آنا اور مقعد کے کینسر میں پاخانے کے ساتھ خون کا آنا وغیرہ ممکن ہے۔ عورتوں میں رحم کے نچلے حصے میں کینسر کی وجہ سے مسلسل یا بے قاعدگی کے ساتھ رحم سے خون کا بہنا پیش آسکتا ہے۔ دوسری اہم علامت کسی عضو کی کارکردگی میں یکایک بنا کسی وجہ کے تبدیلی ہے۔ بس آواز میں تبدیلی آسکتی ہے، یکایک بھوک میں کمی محسوس ہو سکتی ہے یا یکایک قبض کی شکایت پیدا ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا تمام حالتوں میں سب سے اہم اور خاص بات یہ ہے کہ یہ اثرات آہستگی سے اور لگاتار بڑھنے بڑھتے کئی ہفتوں بعد بنا کسی درد، بخار یا قابل ذکر علامت کے شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ ۴۰ سال سے زیادہ عمر والے لوگوں میں یہ علامتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں اور ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس بات کا اچھی طرح معائنہ کیا جائے کہ آیا یہ کینسر ہے۔ یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس مرحلے پر وزن میں کمی یا شدید کمزوری محسوس نہیں ہوتی۔ درحقیقت کینسر کے مریض شروع شروع میں بالکل صحت مند ہوتے ہیں۔ لیکن بعد میں درد شروع ہوتا ہے۔ اور وہ بڑھتا جاتا ہے اور مریض چڑچڑا ہو جاتا ہے۔

تشخیص

جب بھی کوئی پھوڑا دکھائی دے تو کسی تجربہ کار ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیئے تاکہ کینسر کی تشخیص ہو سکے۔ اس طرح کے مریضوں کے پھوڑے میں سے تھوڑا سا مادّہ

ل کر خورد بین سے جانچ کی جاتی ہے۔ اس
کا نام بائی آپسی (BIOPSY) ہے۔ اس
ے مکمل تشخیص ہو جاتی ہے۔ لیکن جسم کے اندر
یسے معدہ، گردہ، بڑی آنت، پھیپھڑے وغیرہ
ہلئے ایکس رے (X-RAY) کے ذریعہ ہی
نچ ضروری ہوتی ہے۔ کینسر زدہ عضو کو ایسے
دے سے بھر دیا جاتا ہے جو ایکس رے میں سے
ضو پر صاف روشنی ڈالتا ہے اور پھوڑے کی
شخیص ہو سکتی ہے۔ پیٹ اور آنتوں کے لئے
بریم۔ کھانا والا ایکس۔ رے اور گردے کے
لئے پائیلو گرافی وغیرہ جیسے طریقوں سے جانچ
ی جاتی ہے۔

لیکن اینڈواسکوپک جانچ

(ENDUSCOPIC EXAMINATION)

ایسا آلہ جس سے جسم کے اندرونی اعضا کا حال معلوم
ہوتا ہے) اب کینسر کی تشخیص کے لئے واقعی
ہت مددگار ثابت ہو رہی ہے۔ لمبے اور مختلف
سم کے لچکدار ٹیوبوں کو جو عدسوں (LENS) کے
ظام پر کام کرتے ہیں، گہرائی تک مختلف اعضا
یں آسانی سے گذارا جاتا ہے تاکہ ان اعضا کو
یح طور پر دیکھا جا سکے۔ ان ٹیوبوں میں روشنی
ا انتظام کسی عضو کو بہت بڑا کر کے دیکھنے
(BIOPSY) یا کاٹنے یا داغنے کا انتظام ہوتا
ہے۔ اس لئے ان ٹیوبوں کی مدد سے کینسر شروع
کے مراحل میں ہی دیکھا اور تشخیص کیا جا سکتا
ہے۔

علاج

اگرچہ پرانے مرض کا علاج بہت مشکل ہے
ور بہت سے مریض برس یا دو برس کے اندر ہی
مر جاتے ہیں لیکن حالیہ چند برسوں میں یہ حالت
ت بڑی حد تک بدل چکی ہے اگر شروع کے مراحل
پر مرض کی تشخیص ہو جائے۔ اور علاج کے تمام
جدید طریقوں کو استعمال میں لایا جائے تو ۵۰ تا
۶۰ فیصد مریضوں کا علاج کامیابی کے ساتھ ہو
سکتا ہے۔ آج کینسر کے خلاف طب میں تین
مختلف ہتھیار ہیں: آپریشن، گہرائی والی ایکس
رے۔ تھیراپی یا ریڈیو تھیراپی اور کینسر روک
دوائیں۔

شروع شروع کے کینسر زدہ مریضوں
کے لئے جراحی ہی ایک مستقل علاج ہے۔ کینسر
اور دور تک کے اثر زدہ خلیوں کو اور ساتھ ہی
ساتھ شریانوں کے غدود، جن پر کینسر کا اثر
ہو سکتا ہے، اس عمل سے دور کیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ یہ آپریشن بڑا ہوتا ہے لیکن شروع
شروع کے کینسر زدہ مریضوں کے لیئے بہت ہی
محفوظ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت مریض
کافی صحت مند ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایک افسوسناک
حقیقت ہے کہ اس مرحلے پر اکثر مریض آپریشن
سے انکار کر دیتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنے
چھوٹے سے پھوڑے کے لئے جس کی وجہ سے
کوئی تکلیف بھی محسوس نہیں ہو رہی ہے، اتنا
بڑا آپریشن کیوں ہو رہا ہے۔ لیکن جب یہی مرض
بڑھ جاتا ہے اور تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے
تو اس وقت مریض سرجن سے دنیا کا بڑے سے
بڑا طریقہ اپنانے کی درخواست کرتا ہے لیکن اس
مرحلے پر سرجن بھی لاچار ہوتا ہے۔

اینٹی کینسر دوائیاں کینسر کے خلاف خاص
ہتھیار ہیں۔ ان دوائیوں سے خون کا کینسر،
شریانوں کا کینسر، ہڈیوں سے رقیق مادوں کے
نفوذ کا کینسر وغیرہ کا علاج ہو جاتا ہے۔

ریاست مہاراشٹر میں میڈیکل کالجوں سے
منسلک اسپتالوں اور ساتھ ہی ساتھ اکثر ضلعی اسپتالوں میں علاج
کیا جا سکتا ہے۔ بمبئی میں ہر قسم کے کینسر کا علاج
ٹاٹا کینسر اسپتال میں ہوتا ہے۔ حکومت کے
اسپتالوں کے علاوہ، کارپوریشن کے اسپتالوں
میں جیسے، ایس۔ جی۔ میڈیکل کالج اور اسپتال
اور پرائیویٹ اسپتالوں میں جسلوک اسپتال، بمبئی
اسپتال، میں مریضوں کے علاج کے لیے جراحی کا
طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ ٹاٹا کینسر اسپتال، جسلوک
اسپتال اور بمبئی اسپتال میں ریڈیو تھیراپی ہوتی
ہے۔ ناگپور میں پرائیویٹ سوسائٹی کی طرف سے
چلنے والے اسپتال میں کوبالٹ تھیراپی کا علاج
ہوتا ہے۔ میڈیکل کالج اور اسپتال، ناگپور میں
گہرا (ڈیپ) ایکس۔ رے تھیراپی، ریڈی ایشن
تھیراپی کے طریقۂ علاج کو اپنایا جاتا ہے مستقبل
قریب میں کوبالٹ تھیراپی اورنگ آباد میڈیکل کالج
میں بھی استعمال کیا جائے گا۔ مشن اسپتال میرج
میں بھی کوبالٹ تھیراپی کا طریقہ رائج ہے۔

●●

یہ مضمون کی دوسری قسط ہے جو شری ایل۔ ایم ناڈکرنی، مہاراشٹر کے لوک نوکت اور ریاستی حکومت کے سابق چیف سکریٹری کی تقریر پر مشتمل ہے۔ یہ تقریر موصوف نے حال ہی میں روٹری کلب کی جانب سے منعقدہ "طلبہ کی کیریر کانفرنس" میں کی تھی۔ یہ مضمون ریاستی اور مرکزی حکومت میں مختلف انتظامی ملازمتوں کے بارے میں واقفیت پسند معلومات پر مشتمل ہے۔

سرکاری ملازمت۔ بطور معاش نمبر۲

تین کل ہند خدمات ہیں۔ جنھیں انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس (آئی اے ایس)، انڈین پولیس سروس (آئی پی ایس) اور انڈین فاریسٹ سروس (آئی۔ ایف۔ ایس)۔

انڈین فارن سروس مرکزی حکومت سے متعلق ہے۔ اُمیدوار کو یونیورسٹی کا گریجویٹ ہونا چاہیئے۔ انڈین فارن سروس کے لئے ڈگری کے لئے مندرجہ ذیل میں سے کم از کم ایک مضمون ضروری ہے:

باٹنی، کیمسٹری، جیالوجی، میتھمیٹک فزکس، زولوجی، زراعت یا انجنیئرنگ میں ایک بیچلرز ڈگری۔

عمر اور علمی قابلیت

جہاں تک عمر کا سوال ہے، آئی اے ایس اور آئی ایف ایس کے لئے اُمیدوار کو ۲۱ سال کا ہونا چاہیئے اور جس سال امتحان منعقد ہو اس سال کے یکم اگست کو اس کی عمر ۲۶ سال سے تجاوز نہ کر چکی ہو۔ جہاں تک آئی پی ایس کا تعلق ہے، عمر کی حد ۲۰ اور ۲۶ سال ہے۔ جب کہ انڈین فاریسٹ سروس کے لیے ۲۰ اور ۲۴ سال کی ہے۔

شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائبس اُمیدواروں کو عمر کی حد میں پانچ سال کی چھوٹ دی جاتی ہے۔

تحریری امتحان میں انگریزی مضمون نگاری، جنرل انگلش اور جنرل نالیج لازمی مضامین ہیں۔ ہر ایک کے ایک سو پچاس نمبر ہوتے ہیں۔ آئی اے ایس اور آئی ایف ایس کے لئے اُمیدواروں کو مقررہ مضامین میں سے تین کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جس کے ۲۰۰ نمبر ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کو ۲۰۰ نمبر کے دو مزید مضامین اور منتخب کرنے ہوتے ہیں۔

انڈین فاریسٹ سروس

جہاں تک انڈین فاریسٹ سروس کا سوال ہے لازمی مضامین میں، مضمون نگاری، جنرل انگلش، جنرل نالج، ہر ایک کے ۱۵۰ نمبر۔ دو انتخابی مضمون ہوتے ہیں۔ جس کے فی کس ۲۰۰ نمبر ہوتے ہیں۔

ان تمام امتحانوں میں تحریری امتحان کے علاوہ اُمیدوار کا ذاتی امتحان لیا جاتا ہے۔ وہ جب تحریری امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے تب بُلایا جاتا ہے۔

دوسرے امتحانات

یونین پبلک سروس کمیشن انڈین اکنامکس سروس اور انڈین اسٹیٹکل سروس اور دیگر مرکزی درجہ اول کی خدمات جیسے سینٹرل انفارمیشن سروس، انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس اور انڈین کسٹم اینڈ سینٹرل اکسائز سروس، انڈین ڈیفنس

اکاؤنٹس سروس، انڈین انکم ٹیکس سروس وغیرہ کے امتحانات بھی منعقد کرتا ہے۔ ان تمام امتحانات کیلئے یونیورسٹی ڈگری کا ہونا لازمی ہے۔

کمیشن مرکزی درجہ دوئم خدمات کے امتحانات بھی منعقد کرتا ہے جیسے سنٹرل سکریٹریٹ سروس، سیکشن آفیسرز درجہ دوئم، انڈین فارن سروس برانچ (بی) سیکشن آفیسر گریڈ، ریلوے بورڈ سکریٹریٹ سروس، آرمڈ فورسیز ہیڈکوارٹرز، سول سروسز سپرنٹنڈنٹس گریڈ، کسٹم اپریزرز سروس وغیرہ۔

یونین پبلک سروس کمیشن آرمڈ فورسیز کے لئے بھی امتحانات منعقد کرتا ہے۔ نیشنل ڈیفنس اکاڈمی امتحانات کے لئے اُمیدوار کو ۱۵ سال کی عمر کا ہونا چاہیئے اور جس ماہ میں کورس شروع ہو اس کے پہلے دن اس کی عمر ½ ۱۷ سال پوری نہ ہونی چاہیئے۔ اس کو ہائر سکنڈری امتحان پاس ہونا چاہیئے۔ آخری طور پر منتخب شدہ اُمیدوار کو تین سال کی تربیت پر جانا پڑتا ہے، اس کے بعد اس کو مزید "اسپیشل" ٹریننگ کے لئے جانا پڑتا ہے جس شعبے میں اُسے کام کرنا ہے، اس کے انتخاب کے لئے۔

فوج میں کمیشن

جہاں تک انڈین ملٹری اکاڈمی امتحان کا تعلق ہے اُمیدوار کو ڈگری یا اس کے مساوی امتحان پاس ہونا چاہیئے اور اس کی عمر امتحان کے سال میں یکم جنوری کو ۱۹ اور ۲۳ سال کے درمیان ہونا چاہیئے۔ تربیت دو سال کی دی جاتی ہے۔ کیڈٹ جب تربیت کامیابی سے پوری کر لیتا ہے تب اس کو سیکنڈ لفٹی ننٹ کے درجے میں مستقل کمیشن دیا جاتا ہے۔

انڈین نیوی امتحان کے لئے اُمیدوار کو ذیل میں سے کوئی امتحان پاس کیا ہونا ضروری ہے، حکومت ہند کے منظور شدہ کسی بورڈ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان یا اس کے مساوی یا حکومت ہند سے منظور شدہ تین سالہ یونیورسٹی ڈگری کورس کا سال اوّل کامیاب، دہلی پالی ٹیکنک کا پری انجنیئرنگ امتحان، کسی ہندوستانی یونیورسٹی سے پری پروفیشنل یا پری ٹکنالوجیکل امتحان، کسی یونیورسٹی کی پانچ سالہ انجنیئرنگ ڈگری کورس کا سال اول کامیاب یا کیمبرج ہائر اسکول سرٹیفکیٹ امتحان یا کوئی دوسرا منظور شدہ مساوی امتحان عمر کی حد یہ ہے: ۱۷ سال سے کم نہ ہو، اور جس ماہ میں کورس شروع ہو اس کے پہلے دن کو ۲۰ سال سے زائد نہ ہو۔ اس میں نیوی کورس چھ سال کا ہے۔ تحریری امتحان میں انگلش، جنرل نالج اور میتھمیٹکس شامل ہے جو عام طور پر جنوری میں منعقد ہوتا ہے۔

آرمی میڈیکل کاریس امتحان کے لئے جس سال امتحان منعقد ہو اس دن اُمیدوار کی عمر ۳۰ سال سے زائد نہیں ہونی چاہیئے۔ تعلیمی لیاقت کے لئے اُمیدوار کو میڈیکل کوالی فکیشن رکھنی چاہیئے جو کہ انڈین میڈیکل کونسل ایکٹ بابت ۱۹۵۶ء کے تحت ضروری ہے۔

اُمیدواروں کیلئے تربیت کی سہولت

حکومت اور یونیورسٹی آل انڈیا سروسیز کے لئے اُمیدواروں کو تربیت کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ ریاستی حکومت نے ایک یکسالہ کورس اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ برائے ایڈمنسٹریٹیو کیریرز میں ۴۰ طالب علموں کے لئے شروع کیا ہے۔ اس سال ۳۱ طالب علم (۳ پسماندہ طبقات کے) ان درخواست کنندوں میں سے منتخب کئے گئے جو کہ فرسٹ کلاس گریجویٹ اور کم از کم سیکنڈ کلاس پوسٹ گریجویٹ تھے۔ ٹرینیز کو مفت قیام، طعام اور تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کو ۶۰ روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

بمبئی یونیورسٹی بھی آئی اے ایس اور دیگر یو پی ایس سی مقابلے کے امتحانات کے لئے کورسیز کا انتظام کرتی ہے۔ یہ کورس ۴۰ طالب علموں کیساتھ ۱۹ نومبر ۱۹۷۶ء سے شروع کیا گیا ہے۔ کورس میں شرکت کے خواہش مند اُمیدواروں کے پاس فرسٹ کلاس کی ڈگری ہونی چاہیئے اور اگر سیکنڈ کلاس کی ڈگری ہو تو ۵۰ فی صد سے کم نمبر نہ ہونے چاہئیں۔

اسٹیٹ پبلک سروس کمیشن

مہاراشٹر پبلک سروس کمیشن ریاست میں درجہ اول اور دوئم کی اسامیوں کی بھرتی کرتا ہے جو کہ یہ ہیں: ڈپٹی کلکٹران، تحصیلدار، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس اور سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف لینڈ ریکارڈز سپرنٹنڈنٹ آف پروہیبیشن اور ایکسائز درجہ دوئم ڈپٹی رجسٹرار آف کوآپریٹو سوسائٹیز، مہاراشٹر سروس آف انجنیئرس درجہ اول اور دوئم (ایڈمنسٹریٹیو برانچ) حکومت مہاراشٹر کے دفاتر میں منسٹریل اسامیاں جو کہ بمبئی عظمیٰ میں ہوتی ہیں بشمول جونیئر اسسٹنٹس اسٹینوگرافرز اور ٹائپسٹس۔

ڈپٹی کلکٹر کی جگہ کے لئے اُمیدوار آرٹس سائنس، زراعت، کامرس، قانون یا انجنیئرنگ کی ڈگری کسی منظور شدہ یونیورسٹی کی ہونی چاہیئے اور مراٹھی زبان میں مناسب لیاقت ہونی چاہیئے تاکہ اس میں آسانی سے لکھ پڑھ اور بول سکے۔ عمر کی حد ۲۱ سے ۲۵ سال کی ہے۔ پسماندہ طبقات کے لئے پانچ سال کی چھوٹ ہوتی ہے۔ امتحان تحریری اور زبانی لیا جاتا ہے۔ پروبیشنری تحصیلدار کی آسامی کے لئے عمر کی حد ۲۱ سے ۲۴ سال، اور ۲۹ سال

پسماندہ طبقات کے لئے ہے۔

ان آسامیوں کے لئے تعلیمی لیاقت وہی ہے جو ڈپٹی کلکٹران کے لئے ہے۔

ممبئی عظمیٰ اور دوسرے شہروں کے لئے ڈپٹی سپرنٹینڈنٹ آف پولس اور اسسٹنٹ کمشنر آف پولس کی اسامیوں کے لئے امیدوار کے لئے ایک منظور شدہ یونیورسٹی کی آرٹس، سائنس، زراعت، کامرس، قانون، یا انجینئرنگ ڈگری لازمی ہے، نیز مقررہ جسمانی اہلیت: کم از کم لمبائی ۱۶۵ سینٹی میٹر (پانچ فٹ پانچ انچ) اور سینہ ۸۴ سینٹی میٹر نیز پھیلانے پر ۸۹ سینٹی میٹر ہونا چاہیئے۔ عمر کی حد وہی ہے جو پروبیشنری تحصیلدار کے لئے مقرر ہے۔ امتحانات تحریری اور زبانی لازمی پرچوں کے ساتھ جیسا کہ ڈپٹی کلکٹران اور پروبیشنری تحصیلداران کی آسامیوں کے لئے ہوتے ہیں۔

ڈسٹرکٹ انسپکٹر برائے لینڈ ریکارڈ کی اسامیوں کے لئے امیدوار کے پاس کسی منظور شدہ یونیورسٹی کی آرٹس، سائنس، زراعت، کامرس، قانون یا انجینئرنگ کی ڈگری ہونی چاہیئے۔ عمر کی حد وہی ہے جو ڈپٹی کلکٹران کی اسامی کے لئے ہوتی ہے۔ امتحان بھی تحریری اور زبانی ہوتے ہیں۔ تحریری امتحان انھیں لازمی پرچوں کے ہوتے ہیں جو کہ ڈپٹی کلکٹران اور تحصیلداران کے لئے مقرر ہیں۔

پروبیشنری سپرنٹینڈنٹ آف پروہیبشن اور ایکسائز کے لئے تعلیمی لیاقت وہی مقرر ہیں جو کہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر برائے لینڈ ریکارڈ کے لئے ہے اور عمر کی حد وہی ہے جو کہ پروبیشنری تحصیلدار کی آسامی کے لئے ہوتی ہے۔ ڈپٹی رجسٹرار آف کوآپریٹو سوسائٹیز کے لئے تمام شرائط وہی ہیں جو ڈسٹرکٹ انسپکٹرز برائے لینڈ ریکارڈ کی آسامی کے لئے ہوتی ہیں۔

مہاراشٹر سروس آف انجینئرز درجہ اول و درجہ دوئم کے لئے امیدوار کو ریاست مہاراشٹر میں واقع کسی یونیورسٹی سے بی۔ای (سول) ڈگری ہونی چاہیئے یا حکومت مہاراشٹر کی جانب سے تسلیم شدہ اس کے مساوی تعلیمی قابلیت ہونی چاہیئے۔ عمر کی حد ۲۰ سے ۲۵ سال۔ پسماندہ طبقات کے امیدوار کے لئے ۳۰ سال کی عمر تک کی چھوٹ ہوتی ہے۔

مہاراشٹر ایجوکیشن سروس درجہ اول (ایڈمنسٹریٹیو برانچ) کے لئے ایک امیدوار کو تسلیم شدہ یونیورسٹی کی آرٹس، سائنس، زراعت، کامرس، قانون یا انجینئرنگ میں ڈگری لازمی ہے یا اس کے مساوی تعلیمی لیاقت اور ساتھ میں اس کو مراٹھی زبان سے واقفیت بھی لازمی ہے تاکہ وہ اس زبان میں آسانی سے لکھ پڑھ اور بول سکے۔ اس کے امتحان بھی ویسے ہی لئے جاتے ہیں جیسے پروبیشنری تحصیلداروں کی آسامی کے لئے ہوتے ہیں۔

●●

صفحہ ۳۰ سے آگے

...۵۴ ایم ایم (۱۸۰ انچ) ہے۔ جب بارش شروع ہوتی ہے تو کھنڈالہ اور لوناولہ میں ہوتی ہی رہتی ہے۔ یہی بارش بعض اوقات اس قدر دھواں دھار ہوتی ہے کہ سامنے ۲ میٹر سے زیادہ دور کی چیز بھی نظر نہیں آتی۔ لوناولہ۔ کھنڈالہ سے قریب راج مچی، لوہاگڈھ اور وساپور کے قلعے بھی ہیں۔

سیاحوں کی سہولت کے لئے لوناولہ اور کھنڈالہ اور اس کے اطراف میں کھانے پینے کے لئے ریسٹورنٹ بنائے گئے ہیں رہائش کے لئے بھی بہت سے ہوٹل ہیں۔ کاٹج ہیں اور سینٹوریم ہیں جن میں سے کچھ مخصوص طبقہ کے لئے ہیں۔ مہاراشٹر گورنمنٹ کے ٹورزم ڈیپارٹمنٹ سے اس بارے میں مزید فہرست حاصل ہو سکتی ہے۔ ایک درمیانی طبقہ کے لئے رہنے اور کھانے پینے کا معقول انتظام ہو سکتا ہے۔

لوناولہ۔ کھنڈالہ میں قابل دید مقامات کے بارے میں مہاراشٹر گورنمنٹ کے گائڈس سے بھی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ کارلا میں ہالی ڈے ہوم بھی ہیں۔ لوناولہ اور ٹنگلرلی کے چشمے، والون ڈیم اور لوگا انسٹی ٹیوٹ ایسے مقامات ہیں جنھیں دیکھنا نہ بھولنا چاہیئے۔

ان مقامات پر طبی سہولتیں مہیا ہیں میونسپل لائبریری ہے۔ موٹریں درست کرنے کے لئے امدادی مراکز بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بینک بھی ہے۔ مراٹھی صحافیوں کا اپنا گھر ہے جہاں وہ آرام سے رہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی سہولتیں اور اطلاعات آپ کو حکومت مہاراشٹر کے ٹورسٹ انفارمیشن بیورو سے مل سکتی ہیں۔

●●

مضمون نگار حضرات

سے درخواست ہے کہ مسودہ روشنائی سے کاغذ کے ایک طرف صاف لکھا ہوا مرحمت فرمائیں۔

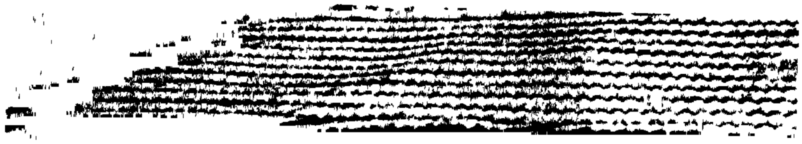
ایچ آر۔ لوبو

بے گھروں کے لئے گھر



وہ لوگ جو تمام زندگی اچھے عمدہ اور سکون بخشنے والے مکانوں میں رہے ہیں، ان لوگوں کی خوشیوں کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکتے جنہیں زندگی میں پہلی بار اپنا گھر نصیب ہوا ہو۔ اپنا گھر ہونا ایک بہت بڑی نعمت ہے اس سے سروکار نہیں کہ وہ گھر پکا ہو یا گھانس پھونس پر مشتمل ایک جھونپڑا۔

مہاراشٹر میں ایسے ہزاروں بے زمین لوگ ہیں جن میں کھیت مزدور بھی شامل ہیں جن کے سر پر برسوں سے کوئی چھت نہیں ہے ان لوگوں کو پچھلے دو برسوں میں جھونپڑے مہیا کئے گئے ہیں۔ یہ کام بڑے پیمانے پر کیا گیا اور مہاراشٹر کے پورے علاقے میں بے گھروں کو گھر مہیا کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح سے بے گھروں کو گھر دیتے



ضلع قلابہ کے مقام جھراڑ میں
جھونپڑوں کی بستی کا ایک منظر



جھونپڑپٹی والوں کو گائیں بھی دی گئیں
تاکہ وہ گذر اوقات
کر سکیں۔

کا کام پورے ملک میں جاری ہے اس منصوبے کے تحت حکومت نے ضلع کلکٹروں کو دیہات میں ایسے بے گھر لوگوں کو مکان بنانے کے لیے زمین مہیا کرنے کے احکام جاری کر دیئے ہیں۔

لیکن مکان بنانے کے لئے جگہ دینے سے پہلے اس بات کی پوری جانچ پڑتال کی گئی ہے کہ ہر گاؤں تعلقہ و ضلع میں کتنے خاندان یا لوگ اس طرح سے زمین حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔

اس سلسلے میں ناموں کا اندراج کرنے سموح

اس سلسلے میں ناموں کا اندراج کرنے کیلئے ایک بڑے پیمانے پر کام شروع ہوا اور کل ۶۱ء۷۶ لاکھ بے زمین لوگوں کے نام درج کئے گئے جس میں سے ۶۵ء۷۳ لاکھ لوگوں کو مکان بنانے کیلئے جگہ دی گئی۔ ان بے گھر لوگوں میں سے جن کو مکان بنانے کے لئے زمین ملی ہے ان میں سے ۷۴ فی صد مندرج جاتیوں اور پچھڑے ہوئے طبقوں کے لوگ ہیں جو ہمارے سماج کے کمزور افراد میں شامل ہوتے ہیں۔

باقی ۳ ہزار خاندانوں کو جونہی کورٹ کے ذریعہ جاری کئے گئے اسٹے آرڈر واپس ہوں گے ویسے ہی مکانات تعمیر کرنے کے لئے زمین دی جائے گی اور کل معاملوں میں جب زمینوں کی کاروائی جانچ پڑتال پوری ہو جائے گی۔ بے گھر لوگوں کو دیئے جانے والے جھونپڑے ۱۰×۱۰ فیٹ کے ہوں گے جو ۳۸ مربع میٹر پر حکومت کی طرف سے بنائے جائیں گے اور بے گھروں کو تقسیم کئے جائیں گے

۷۶-۱۹۷۵ء سال کے لئے اس کام کے لئے بجٹ کا تخمینہ ۱۲ء۳ کروڑ روپے تھا۔ فروری ۷۶ء تک ۸۸ ہزار جھونپڑے تعمیر کئے گئے اور اس سال مارچ کے آخر تک ۲۵ء۱ لاکھ جھونپڑے تعمیر کرنے کا نشانہ تھا جو ۳۰ء۱ لاکھ تک پہنچ گیا۔

ایک جھونپڑا تعمیر کرنے کے لئے سرکار کو ۳۵۰ روپے کی لاگت آتی ہے جس میں ۱۵۰ روپے وہ بھی شامل ہیں جو ضمانتِ روزگار اسکیم کی تحت خرچ کئے جاتے ہیں۔

۷۷-۱۹۷۶ء سال میں ایک لاکھ ۶ ہزار جھونپڑے تعمیر کرنے کا منصوبہ تھا جس کے لئے ۲۱ء۲ کروڑ روپے بجٹ میں پروویزن تھا حالانکہ ۷۷-۱۹۷۶ء سال کے لئے اس کام کی رفتار پچھلے سال کے مقابلے میں دھیمی تھی اور فروری ۱۹۷۷ء تک صرف ۳۵ ہزار ۳ سو دو جھونپڑے ہی تعمیر کئے جا سکے لیکن مارچ میں تعمیری کاموں میں بڑی تیزی پیدا ہوئی اور ۷۰ ہزار جھونپڑے بنا دیئے گئے جو ۱۱ ماہ میں بنائے گئے جھونپڑوں سے دگنے تھے۔

اسی وقت سے بے گھروں کو جھونپڑے دینے کا کام شروع ہوا اور فروری ۱۹۷۷ء تک ۶۵ء۱ لاکھ جھونپڑے لوگوں کو دیئے گئے۔

کسی بھی سماجی کام کے لئے حکومت کو عوام کی طرف سے بھی مدد ملنی چاہیئے۔ جھونپڑے بنانے کے کام میں ضلع کلکٹروں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ایسے اداروں کے ناموں کا اندراج کریں جو جھونپڑے بنانے کے لئے اپنی محنت یا روپے بطور عطیہ دے سکیں جیسے خیراتی ادارے، پرائیویٹ انڈسٹریز کو آپریٹیو گنّے کے کارخانے اور سماج میں اونچا مقام رکھنے والے لوگ۔

اس کام میں عوام کے ہاتھ بٹانے سے ہمّت افزائی ہوئی اور آج تک عوام سے ۷۵ لاکھ روپے بطور عطیہ حاصل ہوا۔ گاؤں کے لوگوں اور طالب علموں نے جھونپڑے بنانے کے لئے بغیر کسی اُجرت کے کام کئے۔

صرف جھونپڑے بنا کر ہی کام پورا نہیں ہوتا۔ ان جھونپڑوں میں رہنے والے لوگوں کو اور بہت سی مراعات پہنچانا بھی ضروری ہے۔ ضلع پریشد سڑکوں کی تعمیر اور پانی بہم پہنچانے کا انتظام کرتی ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ قومیائے گئے بینک بھی مدد کر رہے ہیں۔

اس قسم کی شکایت بھی موصول ہوئی ہے کہ کچھ جھونپڑے ایسی جگہ بنائے گئے ہیں جہاں پینے کے پانی کی آسانی نہیں ہے اور یہ بھی کہ کچھ جھونپڑے قریب کے گاؤں سے بہت دور بنائے گئے ہیں اور بارش اور آندھی میں یہ جھونپڑے برباد ہو گئے ہیں کیونکہ جھونپڑے بنانے میں جو سامان استعمال کیا گیا تھا وہ اچھی قسم کا نہیں تھا اس قسم کی شکایت پر توجہ دیکر یہ شکایت

یوتھ فورم

'قومی راج' کے یکم مئی کے شمارے سے ہم نے "یوتھ فورم" کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوگا۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جائے گی۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک صفائی کی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جائے گا۔

اپنے مضامین ایڈیٹر 'قومی راج' نیو اینڈ مسٹر بلڈنگ ۱۵ مالہ بالمقابل منترالیہ بمبئی ۰۰۰۳۲-۴ کو بھیجے جا سکتے ہیں۔

ر کرنا چاہیئے۔

ایک بار جب جھونپڑے ان کو بے گھر لوگوں کو دے دیا
جاتا ہے تو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ
اپنی زندگی کس طرح گزار رہے ہیں۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا
چاہیئے کہ وہ لوگ اپنی زندگی کس طرح گزار رہے ہیں
ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ انہیں طبی امداد برابر مل رہی
ہے یا نہیں۔

ان جھونپڑوں میں رہنے والے غریب لوگ تب ہی
اچھی زندگی گزار سکیں گے جب اس بات کا خیال رکھا
جائے کہ انہیں آسانی سے روزگار بھی مل سکے۔ دیہی
ضمانت۔ روزگار اسکیم کا مقصد بھی یہی ہے کہ روزگار
کے مواقع فراہم کئے جائیں اگر ان لوگوں کو برابر روزگار ملتا
رہے تو یہ لوگ نہ صرف اپنی پریشان حالی کو دور کر سکیں
گے بلکہ اپنے جھونپڑوں کو بھی اچھی حالت میں رکھ سکیں گے

وہ دن دور نہیں جبکہ وہ لوگ اپنے جھونپڑوں کو پکے
گھروں میں تبدیل کر لیں گے ہمیں اس بات کا پورا پورا
خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ اپنی زندگی خوشی سے
گزار سکیں۔

ان خاندانوں کو جن میں جھونپڑے دیئے گئے ہیں
ان کی آمدنی بڑھانے کے لئے مزید کام مہیا کئے جائیں
وہ لوگ جو دودھ جمع کرنے والے راستوں یا گھاس
کے میدانوں یا چراگاہوں کے پاس رہتے ہیں انہیں
حکومت کی طرف سے دوغلی نسل کی گائیں بھی دی گئی
ہیں۔

●●

فوری توجہ کے لئے

ترسیل زر اور مراسلت کے دوران
حوالہ نمبر جو آپ کے خط یا پتے کے اوپری
حصہ میں درج ہوتا ہے۔ ضرور تحریر فرمائیں

۶۰۰ خاندانوں کو نئی زندگی

بنک آف انڈیا کی مدد سے ۲۵ ہیکٹر زمین پر ۶۰۰ بے گھر لوگوں کے لئے ایک مثالی بستی کولھاپور ضلع کے کارگھوئی نامی مقام پر بنائی جارہی ہے۔
یہ منصوبہ بنک کے معرفت زیر عمل آیا ہے جس سے ۱۴۷ ہریجن اور دیگر پچھڑے اور کمزور طبقے کے لوگوں کو رہنے کی جگہ ہی نہیں دیتی بلکہ ان کے روزگار کیلئے مستقل ذرائع بھی مہیا کرتی ہے۔

حکومت نے ۱۴۷ خاندانوں کے لئے جو ۲۶۵ ہیکٹر زمین دی ہے اس پر ۳۰×۴۰ کے پلاٹ بنائے گئے ہیں۔ اس ایک پلاٹ پر زمین رہائشی کمرے دو ہزار روپے لاگت پر بنائے گئے ہیں۔ اس خرچ کا بڑا حصہ یعنی ۱،۳۰۰ روپے بنک کی طرف سے دیا گیا اور شکر کارخانوں کی طرف سے ۵۰۰ روپے نقد اور ۲۰۰ روپے بطور مزدوری دیئے گئے۔

بنک نے کم سود پر دو ہزار روپے ہر ایک خاندان کو قرض دینا طے کیا ہے جس سے یہ لوگ سبزی، مرغیاں۔ ڈیری فارمینگ۔ بیل گاڑی کی خرید۔ بانس کا کام۔ بڑھئی و درزی کا پیشہ کر سکیں۔

دودھ کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں نے ان خاندانوں سے دودھ خریدنا طے کیا ہے یہ کوآپریٹیو سوسائٹیاں ان خاندانوں کے بنک سے لئے گئے قرض کو ادا کریں گی
کارگھوئی گاؤں کے رہنے والے لوگوں نے ان ۶۰۰ خاندانوں کے بسانے کے نیک کام میں اپنا دست تعاون بڑھایا ہے۔ انہوں نے ان خاندانوں کے لئے پاخانے بنوائے اور گندے پانی کو بہانے کے لئے گڑھ پینے کا پانی مہیا کرنے کی سہولت بھی دی ہے۔

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

ہم اس بات سے واقف ہیں کہ حکومت اور مصنفوں، آرٹسٹ اور پریس کے درمیان قائم شدہ تعلقات میں کچھ کھنچاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ ہم یہ بھروسہ دلاتے ہیں کہ ان تعلقات کے کھنچاؤ کو دور کرنے کے لئے ہم پوری پوری کوشش کریں گے اس لئے کہ ان لوگوں کو قوم کی تعمیر کے لئے ایک اہم رول ادا کرنا ہے۔

اسی طرح فریڈم فائیٹرز، فوجی جوان اور سابق فوجی جوانوں کے مسائل کو بھی ہم توجہ سے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

کمزور طبقات کی قسمت کو بہتر بنانے کے لئے

ہریجنوں، گریجنوں، نیوبدھسٹوں، نوماڈک قوم کے لوگوں کے لئے بہت سی اسکیمیں بنائی گئی ہیں۔ اس مقصد کے لئے بہت سے قوانین وضع کئے گئے ہیں۔ لیکن ان تمام کوششوں سے صرف ذرا سا ہی مسئلہ حل ہوا ہے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ اس لئے ہم اس کام کو رضاکارانہ طور پر حل کرنے والی ہر کوشش کی ہمت افزائی کریں گے۔

اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ عورتوں کو ہر میدان میں برابر کے مواقع میسر ہوں۔

حکومت اس بات سے بھی واقف ہے کہ ضروری اشیاء کی قیمتوں اضافہ ہو گیا ہے اور ان قیمتوں کو روکنے کے لئے مرکز کی ہر کارروائی کو دلی طور پر تعاون دے گی۔

حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ جانوروں کے طبیلوں کو بمبئی شہر سے ہٹا دیا جائے گا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ ان طبیلوں کے مالکان کے دلوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ ان کو دور دراز علاقوں میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ یقین رکھیں کہ ان کو دور دراز علاقوں میں نہیں ڈالا جائے گا اور ان کی منتقلی اسی وقت ہوگی جبکہ نئی جگہ پر ان کے لئے پوری پوری سہولتیں مہیا کر دی جائیں گی۔

حکومت کے ملازمین کے بھی کچھ مسائل ہیں۔ ہم خلوص دل سے اس بات کی کوشش کریں گے کہ ان مسائل کا ہمدردانہ حل آپسی بات چیت کے ذریعے نکلے۔ ہم ہر طرح سے یہی کوشش کریں گے کہ عام لوگوں کو لائق خدمت اور صاف ستھرا انتظام میسر آجائے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ حکومت کے ملازمین میری اس کوشش میں پورا ساتھ دیں گے۔

حزب مخالف سے مدد کی طلب

میں اپنے ان دوستوں سے جو حزب مخالف میں ہیں۔ مسائل کو حل کرنے میں مدد کرنے کی اپیل کرتا ہوں۔ میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کے تعمیری مشوروں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ آئیے ہم سب اس پر خلوص کوشش میں جٹ جائیں اور مہاراشٹر کو ایک بہتر رہائش گاہ بنائیں۔

مہاراشٹر کے عوام نے گزشتہ ۷ سال سے ریاستی حکومت کے ساتھ بہت اچھا تعاون کیا ہے۔ ہمیں ایک خوش حال مہاراشٹر کے خواب کو حقیقت بنا کر پیش کرنے کے لئے اب بھی ہم قدم ہو کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

ہم میں سے ہر ایک اس بات کا خواہش مند ہے کہ مہاراشٹر جمہوری، سماجی اور سیکولر ہندوستان کی تعمیر میں مددگار ثابت ہو اس لئے میں آپ تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اس بڑے کام کو انجام دینے کے لئے تعاون دیں۔

(جے ہند)

●●

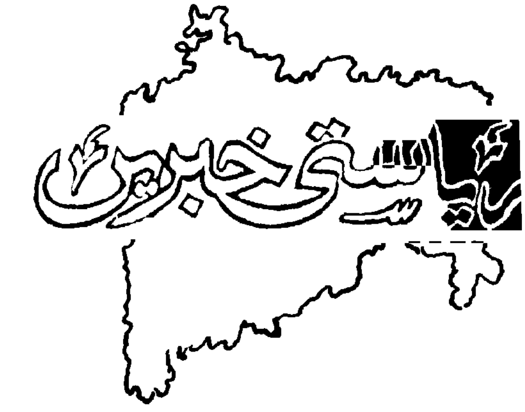
— بہترین خط پر انعام —

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ قومی راج میں قارئین کی رائے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونے والے بہتر اور خیال انگیز خط پر پچیس روپے کا انعام دیا جائے گا۔

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون، افسانہ یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات آپ کو ناپسند ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں آپ کی کوئی تعمیری رائے ہو تو اس کا بھی اظہار کر سکتے ہیں۔

خطوط ۳۰۰ الفاظ سے زیادہ نہ ہوں اور سارے خطوط "مدیر، قومی راج" ۱۵ مالا، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ ممبئی ۴۰۰۰۳۲ کے پتہ پر بھیجے جائیں۔

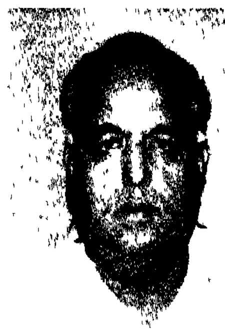


انسانی نکتہ نگاہ سے اسکیموں کا نفاذ
یوم مہاراشٹر پر وزیر اعلیٰ کا پیغام

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے عوام کو یقین دلایا کہ کاشتکاروں سے بقایاجات کی وصولی، فیصوٹی بچت نیز خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیموں کا نفاذ بغیر کسی جبر کے کیا جائے گا۔ حکومت مسئلہ کا حل انسانی نکتۂ نگاہ سے نکالے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ریاستی حکومت کو معلوم ہے ان اسکیموں پر جس طرح عمل آوری ہوئی ہے اس سے عوام میں ناراضگی پیدا ہوئی اور اس لئے نفاذ کے طریقۂ کار پر نظرِ ثانی کی جائے گی۔

یوم مہاراشٹر کے موقع پر اپنے ایک پیغام جو کہ آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن پر نشر اور ٹیلی کاسٹ ہوا، شری پاٹل نے فرمایا کہ بدلے ہوئے حالات میں وہ مہاراشٹر کے عوام کی خواہشات اور امیدوں سے پوری طرح واقف ہیں اور ریاستی حکومت اپنی پوری کوشش کرے گی کہ جہاں تک ممکن ہو عوام کی خواہشات اور امیدوں کو پورا کیے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ہماری حکومت ریاست میں رہنے والے تمام لوگوں کی ہے اس لئے ہمیں یہ اپنا فرض سمجھنا چاہیئے کہ ریاست کی ترقی میں تمام مذاہب اور لسانی فرقوں کے لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے۔ حالانکہ مراٹھی ریاست کی سرکاری زبان ہے مگر کوشش کی جائے گی کہ ثانوی سطح تک ہندی، گجراتی، اردو، کنڑ، تلگو اور سندھی زبانوں میں تعلیم کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔ اردو اکاڈمی کے کام کو مزید توسیع دینے کی کوشش بھی کی جائے گی۔



شری پاٹل نے حکومت اور ادیبوں، فنکاروں نیز اخبارات کے درمیان ہنگامی حالات اور لوک سبھا چناؤ کی مدّت میں کھنچاؤ کا تذکرہ کیا اور یقین دلایا کہ ان رشتوں کو استوار کرنے کیلئے ہر طرح کی کوشش کی جائے گی کیونکہ قوم کی تعمیر میں ان کو بہت اہم کردار نبھانا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ ہریجنوں، گرجنوں، نئے بدھوں، نومیڈک قبائلیوں اور ومکت جاتیوں وغیرہ کی بہتری کے لئے بہت سی اسکیمیں تیار کی گئیں اور ان پر عمل آوری کی گئی۔ بہر حال یہ تمام اسکیمیں مسئلے کو حل کرنے کیلئے کافی نہیں تھیں اور ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ یہ کام کرنا چاہیں گے ان کی رضاکارانہ کوششوں کی حکومت حوصلہ افزائی کرے گی۔

بمبئی میں بڑھتے ہوئے تشدّد کے واقعات پر پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ مزدور نیتاؤں سے صلاح و مشورہ کر کے مالکان اور ملازمین کے مابین رشتوں میں بہتری کی کوشش کی جانی چاہیئے تاکہ صنعتی محاذ پر امن و سکون کے ساتھ زیادہ سے زیادہ پیداوار کی جا سکے۔

اپنی بات ختم کرتے ہوئے شری پاٹل نے عوام سے اپیل کی کہ عوام خاص طور سے محنت کش نیز متوسط طبقات کے مسائل کو حل کرنے کے لئے حکومت سے تعاون کریں تاکہ خوشحال مہاراشٹر کے خواب کو حقیقت بنایا جا سکے۔

ضلع ستارا پانی فراہمی میں آگے

انوائرنمنٹل انجینیرنگ ورکس ڈیویژن ستارا نے ضلع میں ۳۰ دیہی پانی فراہمی اسکیموں پر عمل درآمد کر کے ایک اہم ترین کام انجام دیا ہے۔ اس اسکیم سے تقریباً ۱۶۲۵ لاکھ افراد فیضیاب ہوئے ہیں۔

ان اسکیموں پر تقریباً ۱۶-۶ لاکھ روپے خرچ کئے گئے ہیں۔

مزید ۹ اسکیموں کی تعمیر کا کام تیز رفتاری سے ہو رہا ہے اور ۱۹۷۷ء تک ان پر ۲۱۶۵ لاکھ روپے خرچ کئے جا چکے ہیں جبکہ دیگر ۱۰ اسکیموں کے منصوبہ جات اور صرفہ کے اندازے مکمل کئے جا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ۵۲ مواضعات کیلئے علیحدہ اسکیموں کے کام زیر غور ہیں۔

متاثرہ گاؤں میں پینے کے پانی کی فراہمی
آٹھ اضلاع کو ۲۷ لاکھ روپے منظور

حکومت مہاراشٹر نے بعض گاؤں میں پینے کے پانی کی شدید قلت کی حالت پر غور کیا اور فوری طور پر ان متاثرہ موضعہ جات میں پینے کے پانی کی فراہمی کے لئے اقدامات کئے ہیں اس کے نتیجہ میں متعلقہ ضلع پریشد کے چیف ایگزیکیوٹیو افسران سے پوچھا گیا ہے کہ وہ پینے کے پانی کی قلت سے متاثرہ علاقے کی نشاندھی کریں اور کلکٹران ضلع پریشدوں کے صدور، پنچایت سمیتیوں کے سبھاپتیوں اور مقامی ایم ایل ایز سے صلاح و مشورہ کر کے فوری طور پر اقدام کریں۔

تجویز کردہ اقدامات یہ ہیں: (۱) بورویل کھودنا اور موجودہ کنوؤں کو گہرا کرنا وغیرہ (۲) پمپ لگانا اور جہاں ضروری ہو وہاں مرمت کرنا (۳) ٹینکروں ٹرکوں، بیل گاڑیوں وغیرہ کے ذریعے پینے کا پانی پہنچانا۔

حکومت نے اس مقصد کے لئے مندرجہ ذیل مالی امداد ضلع پریشدوں کو دی ہے عثمان آباد، دس لاکھ روپے، بیڑ، اورنگ آباد اور ناندیڑ کو پانچ پانچ لاکھ روپے، پونے، احمد نگر، سانگلی، سولاپور کو تین تین لاکھ روپے۔

ڈائرکٹر، زیرزمین پانی سروے اور ترقیات ایجنسی، ان تمام کاموں کی نگرانی کرے گا۔

اب تک کی جو رپورٹ موصول ہوئی ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ ریاست کے آٹھ اضلاع کے تقریباً ۱۲۰۰ موضعہ جات میں پینے کے پانی کی قلت ہو سکتی ہے۔ ضلع عثمان آباد کے ۱۴۵۳ گاؤں میں پانچ تعلقہ جات کے ۳۰۰ گاؤں، ضلع اورنگ آباد کے ۲۰۶۰ گاؤں میں سے آٹھ تعلقہ جات کے ۲۱۹ گاؤں، ضلع ناندیڑ کے ۱۲۷۶ گاؤں میں سے چار تعلقہ جات کے ۱۲۰ گاؤں۔

بیڑ کے ۱۰۸۶ گاؤں میں سے چھ تعلقہ جات کے ۵۸ گاؤں، پونے کے ۱۵۳۱ گاؤں میں سے تین تعلقہ جات کے ۲۶۹ گاؤں، احمد نگر کے ۱۳۲۲ گاؤں سے نو تعلقہ جات کے ۸۲ گاؤں، سولاپور کے ۹۵۵ گاؤں میں سے پانچ تعلقہ جات ۷۷ گاؤں اور سانگلی کے ۵۴۸ گاؤں میں سے ۸۷ گاؤں پینے کے پانی کی قلت سے متاثر ہو سکتے ہیں۔

شری شندے کو
ثقافتی امور اور اسپورٹس کے محکمے

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے شری سوشیل کمار شندے، وزیر مملکت برائے صحت و خاندانی بہبود کو ان محکموں کے علاوہ ثقافتی امور نیز اسپورٹس کے محکمے بھی سونپ دیئے ہیں۔

کم داموں پر اشیاء
مزدوروں کیلئے بین الاقوامی غذائی پروگرام

بین الاقوامی غذائی پروگرام کے تحت سولاپور، اورنگ آباد، پربھنی اور بیڑ اضلاع کے جائیکواڑی اور بھیمہ پروجیکٹوں نیز اراضی ترقیاتی کاموں اور کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ کاموں کے مزدوروں اور سرکاری ملازمین کو جن کی ماہانہ آمدنی ۵۰۰ روپے سے زائد نہیں ہے، رعایتی داموں پر گیہوں، کھانے کا تیل اور دودھ پاؤڈر ملا کرے گا۔

تقسیم کاری کا کام ۲۱ اپریل ۱۹۷۷ء سے شروع کیا جا چکا ہے اور تین سال تک جاری رہے گا۔ ان اشیا کی قیمتیں مناسب دکانوں یا علاقائی منڈیوں میں اشیار کی جو قیمتیں ہیں ان کے ۷۵ فی صد ہوں گی۔

تین سال کی مدت کے دوران بین الاقوامی غذائی پروگرام کے تحت ۱۰۱۲۵۰ ٹن گیہوں، ۴۵۹۷ ٹن دودھ کا پاؤڈر اور ۴۹۷۵ ٹن کھانے کا تیل بمبئی بندرگاہ کو سپلائی کیا جائے گا۔

۲۳ کروڑ روپے کی امداد

مہاراشٹر اسٹیٹ فنانشیل کارپوریشن کی جانب سے اپریل ۱۹۷۴ء سے ستمبر ۱۹۷۶ء تک ۲½ سال کے دوران پسماندہ

تک ۲½ سال کے دوران پس ماندہ علاقوں میں چھوٹی اور درمیانی صنعتوں کو ۴۲ء۶۰ کروڑ روپے کی رقم بطور امداد دی گئی۔ اس کے علاوہ ۲۴ء۱۱ کروڑ روپے کی امداد بمبئی عظمیٰ کے ترقی پذیر علاقہ جات نیز اضلاع پونے اور تھانے کے کچھ حصوں میں ان صنعتوں کو بہم پہنچائی گئی۔

کارپوریشن کی قرض اسکیم سے ۲۶۸۹۱ چھوٹے پیمانے کی صنعتیں نیز ۲۴۲

پیمانے کی صنعتیں نیز ۲۴۲ دیگر صنعتیں فیضیاب ہوئیں۔

ٹیکنیشینوں کو تعلیم یافتہ بے کاروں کو قرض دینے کی اسکیم کے تحت جو بالترتیب جون ۱۹۷۲ء اور اپریل ۱۹۷۳ء میں جاری کی گئی تھی۔ ستمبر ۱۹۷۶ء تک کارپوریشن نے انہیں ۲ء۲۱ کروڑ روپے اور ۲۰ء۴ کروڑ روپے رقم قرض دی۔

بمبئی: آبی آلودگی انسداد علاقہ

مہاراشٹر تحفظ آبی آلودگی ایکٹ بابت ۱۹۶۹ء کے سیکشن ۱۸ کے تحت جزیرہ بمبئی کو آبی آلودگی سے تحفظ کا علاقہ قرار دیا گیا ہے۔



یکم مئی کو مہاڈ قلابہ میں چودار ٹینک ستیہ گرہ کی گولڈن جوبلی کی تقریب کا افتتاح وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کے ہاتھوں ہوا۔ انہوں نے ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر کے پتلے (بائیں طرف) کی نقاب کشائی کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے پچاس قبل مہار قوم کے افراد کو تالاب سے پانی پینے کی اجازت دلوانے کیلئے ستیہ گرہ کی رہنمائی کی تھی۔ وزیر برائے محصول شری ایم۔ ڈی چودھری بھی نظر آرہے ہیں۔

اس علاقے کی تمام صنعتوں اور کارخانوں نیز بمبئی عظمیٰ میونسپل کارپوریشن کو چاہیئے ،وہ فاضل اشیاء یا کچرا پھینکنے اور اس کو ضائع کرنے ے طریقۂ کار سے متعلق مہاراشٹر پریونشن آف اٹر پالوشن بورڈ بمبئی کو مطلع کریں۔ اس مقصد کیلئے ام صنعتوں/کارخانوں کے انتظامیہ کو چاہیئے کہ وہ ، بورڈ کے ریجنل افسر کو ۳۱ مئی ۱۹۷۷ء سے قبل مقررہ فارم کے ذریعے درخواستیں بھیجیں۔ ایکٹ کے تحت متذکرہ تاریخ تک اس بات کی اطلاع نہ ینے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائیگی۔ مقررہ فارم آرمی اینڈ نیوی بلڈنگ، مہاتما گاندھی روڈ، فورٹ بمبئی را۔۔۔۰۰۰۴ کے پتہ پر ریجنل افسر سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

صنعت کاروں کیلئے بنیادی سرمایہ

ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپ منٹ کارپوریشن نے ۲۹۰ صنعت کاروں کے لئے ۱۰۶۵ لاکھ ،روپے سے زیادہ کی رقم بطور "سیڈ کیپٹل" منظور کی تاکہ وہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران ضلع ستارہ میں چھوٹی صنعتیں شروع کرسکیں

مذکورہ کارپوریشن کل درکار سرمایہ (انویسٹمنٹ) کا دس فی صد تک حصہ بطور "شیئر کیپٹل" دیتی ہے رقم کا ۷۵ فی صد قومیائے بنک یا مہاراشٹر اسٹیٹ فنانشیل کارپوریشن بطور قرض انجام دیتی ہے اور بقیہ ۱۵ فی صد صنعت کار کو اپنے حصے کے طور پر دینا ہوتا ہے۔

بہرصورت پس ماندہ طبقہ کے صنعت کار کے معاملے میں اس کا خود کا حصہ (شیئر) صرف ۵ فی صدی تک محدود ہے۔ ویسٹرن مہاراشٹر ڈیولپ منٹ کارپوریشن ۱۵ فی صد تک "سیڈ کیپٹل" دیتی ہے اور بقیہ ۵ فی صد بطور امداد دیا جاتا ہے قرض کی فی صد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

بکری ٹیکس بقایا۔ مخبروں کیلئے انعام

ریاستی حکومت نے ایک اسکیم کا اعلان کیا ہے جس کے تحت ان اشخاص کو انعام دیا جائے گا جو ایسے بکری ٹیکس بقایاجات کی وصولی میں بکری ٹیکس حکام کی عملاً مدد کریں، جن کی بصورت دیگر وصولی محال ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ وصولی راہ راست ان کی بہم پہنچائی ہوئی امداد کے سبب ہو۔

انعام کی رقم محدود ہے جو وصول شدہ رقم کا ۵ فی صدی تک یا ۵۰۰۰ روپے جو بھی رقم کم ہو، ہوگی۔ نادہند مالکان یا حصہ داران کے نام اور پتے وقتاً فوقتاً اخبارات میں شائع کئے جائیں گے۔

مالک یا حصہ دار یا اس کی جائیداد کے بارے میں اتا پتہ بتانے والا شخص اس انعام کا مستحق ہے جس کی اطلاع کے نتیجے میں بقایا کی وصولی ہوسکے۔

اطلاع ایڈیشنل کمشنر آف سیلز ٹیکس (ریکوری) چھٹا مالا ، ڈکری کرگھون، مجگاؤں بمبئی ۴۰۰۰۱۰ کو دی جائے۔ مخبروں کے نام خفیہ رکھے جائیں گے۔

مہاراشٹر ہمیشہ آگے رہے گا

شری صادق علی

مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے یہ امید ظاہر کی کہ مہاراشٹر حسبِ روایت ان مسائل کو حل کرنے میں پیش پیش رہے گا جو ملک کو درپیش ہیں۔

شری صادق علی یوم مہاراشٹر کے موقع پر شیواجی پارک، بمبئی میں منعقدہ سترہویں سال گرہ تقریب سے خطاب فرما رہے تھے آپ نے مزید فرمایا کہ مہاراشٹر نے تعلیم، سائنس اور ٹکنالوجی وغیرہ کے مختلف میدانوں میں نمایاں ترقی کی ہے۔ تحریکِ آزادی میں بھی اس نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

شری وسنت راؤ پاٹل، وزیر اعلیٰ، شری حسین دلوائی، وزیر پروٹوکول اور شری جے۔ بی ڈیسوزا، چیف سیکریٹری نے گورنر موصوف کا خیر مقدم کیا۔

گورنر موصوف نے اس موقع پر رنگارنگ پریڈ کی سلامی لی جس میں شہری پولس۔ ایس آر پی فائر بریگیڈ، ہوم گارڈ اور سول ڈیفنس آرگنائزیشن وغیرہ کے افراد شامل تھے۔

شری دی۔ ایس پاگے، چیئرمین، اسٹیٹ لیجسلیٹو اسمبلی، شری مرلی دیورا، میئر بمبئی، شری آر۔ ایم کانٹاوالا، چیف جسٹس، شری ایس۔ پی کوتوال، لوک آیکت، ریاستی کابینہ کے اراکین، سرکاری اور دیگر حکام اس موقع پر حاضر تھے۔

۳۰ لاکھ روپے کا دودھ پلانٹ

۳۰ لاکھ روپے لاگت کے دودھ پلانٹ کی تعمیر جہاں ۲۰۰۰۰ لٹر دودھ روزانہ تیار کیا جائے گا۔ اس کو اسی سال ماہ اکتوبر کے اختتام تک مکمل کر لیا جائے گا۔

یہ پلانٹ جو کہ ضلع ناشک کے مقام وانی میں قائم کیا جا رہا ہے وہ قلت سے راحت والی نز ضلع کے ادیباسی ضمنی منصوبے کے ایک حصہ کے طور پر ہے۔ ایک ریجنل ملک پروڈیوسرز سوسائٹی بھی قائم کی گئی ہے جس کے چیف پروموٹر شری آر۔ ایم۔ کھونڈے ہیں۔

علاقہ میں دودھ کی پیداوار میں اضافہ کے لئے کئی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

دیہی حفظانِ صحت کیلئے یونیسکو کی امداد

بمبئی کی یونیسکو شاخ نے ضلع تھانہ کی تلاسری بلاک میں سنتر بکیر موضع کے دیہی حفظان صحت اور ٹریننگ پائلیٹ پروجیکٹ کی خاطر ۲۵،۰۰۰ روپے کی امداد دی ہے۔

دیہی حفظان صحت کے متعلق حکومت کے آنریری ایڈوائزر شری کرشنا داس شاہ اس پروجیکٹ پر عمل درآمد کریں گے۔

سنتر بکیر موضع میں ۲ سے ۱۰ مئی تک ۱۰ روزہ کیمپ لگایا جائے گا جس کا افتتاح شری زیبری سکریٹری برائے حکومت مہاراشٹر محکمہ دیہی ترقیات کریں گے۔

تاریخ اشاعت میں تبدیلی

قومی راج ہر ماہ کی یکم اور ۱۶ تاریخ کو شائع ہوتا رہا ہے۔ لیکن اب جون ۱۹۷۷ء سے قومی راج کی تاریخ اشاعت ہر ماہ کی دس اور پچیس تاریخ ہوگی۔

قارئین اور خریدار حضرات نوٹ فرمالیں۔

(ادارہ)

سرورق:

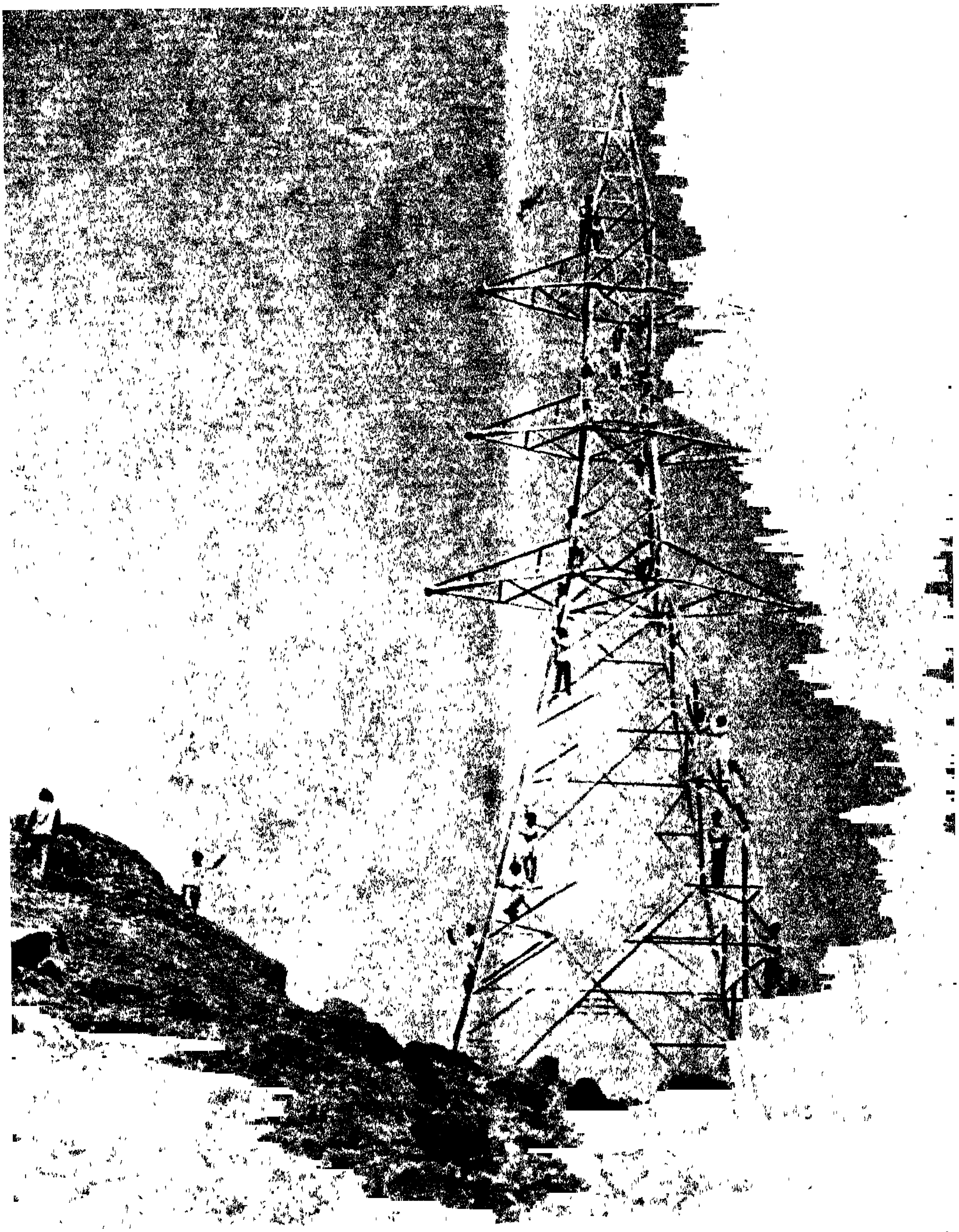
ریاست مہاراشٹر میں اس قسم کے ۱۲۱،۳۴۳،۵۴ بجلی سے چلنے والے پمپ زیر استعمال ہیں اور زراعتی خوشحالی کا باعث ہیں۔



ریاست مہاراشٹر، بجلی کی
پیداوار اور استعمال میں اول
درجہ پر ہے مختلف اسکیموں کی
وجہ سے ریاست کی بجلی پیدا
کرنے کی صلاحیت میں آئندہ
چھ برسوں میں دگنا اضافہ
ہونے کی توقع ہے ۔ تصویر میں
رتنا گیری ضلع میں چپلون تعلقہ
کے مقام الور پر کوئنا اسٹیج
III کا پاور ہاؤس لگایا جا رہا
ہے ۔



کھیت میں نصب شدہ
الیکٹرک پمپ سے پانی کی
فراہمی



ایک ترسیلی مینار پر، مزدور کام م
جٹے ہوئے ہیں۔

یکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے
ممنٹ سینٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔



قومی راج

* سِڈکو: جدید شہروں کا معمار
* کاسا صحت پروجیکٹ

قیمت: ۵۰ پیسہ ۱۰-۱۲/۱۰/۱۹۷۷ء



داشی میں تعمیرات کا ایک منظر

قومی راج

جلد ۲ ★ شمارہ نمبر ۱۰

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

۱۰ جون ۱۹۷۷ء

سالانہ دس روپے ★ فی کاپی ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور، آئی اے ایس

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا
ایڈیٹر: ریاض احمد خان
سب ایڈیٹر: عبدالوحید خان جامعی

ترتیب

سرورق: نئے شہر واشی (نئی بمبئی) کی ایک جھلک
قومی راج

قارئین کی رائے

"صحت دولت ہے"

"صحت دولت ہے" کا مقولہ ساری دنیا میں حقیقت مانا جاتا ہے۔ یکم مئی کے شمارے میں مضمون "دل" میں ڈاکٹر بی۔ ایس پنڈت نے اپنے قارئین کو سمجھانے کیلئے بہت اچھا ڈھنگ اپنایا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے کالم 'حفظانِ صحت' میں اسی طرح کے نئے نئے معلوماتی مضامین کا اضافہ کرتے رہیں گے اور تپ دق، السر وغیرہ جیسے مضامین کو یکے بعد دیگرے چھاپتے رہیں گے۔

میں چاہتا ہوں کہ 'کھیل' اور 'تھیٹر' جیسے دُوسرے دو کالموں کو بھی آپ اپنے میگزین میں جگہ دیں۔

اگر آپ اپنے کور صفحہ پر، شہری زندگی کے نمونے کو پیش کرنے کے بجائے دیہی زندگی کے نمونے کو پیش کریں تو زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ مہاراشٹر کے زیادہ تر لوگ گاؤں میں آباد ہیں نہ کہ شہروں میں۔

سریش آتمارام کورکے۔ بلڈانہ

زرعی مزدُوروں کے لئے کم سے کم اُجرتیں

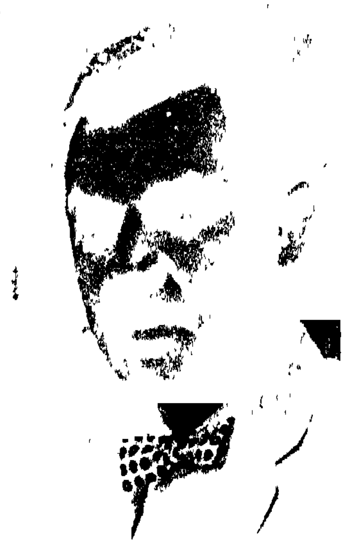
ریاستی حکومت نے زرعی مزدوروں کی کم سے کم اُجرتیں ۳ روپیہ یومیہ رکھی ہیں۔ مرد اور عورتوں کو مساوی اُجرتیں دینے کا بھی قانون وضع کیا گیا ہے۔ لیکن موجودہ قیمتوں کے چڑھاؤ اور کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت کے پیشِ نظر یہ رقم بہت ہی کم ہے۔ اُجرت کم سے کم ۵ روپے ہونی چاہیئے۔ ۳ رُوپیہ کی مستقل رقم بھی بعض گاؤں میں بہت سے مزدوروں کو نہیں ملتی ہے۔ بہت سے سلدار مستقل بنیاد پر ہوتے ہیں، ۱۲ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ اس بات کا تجربہ ہوگیا ہے کہ کم سے کم اُجرت کا قانون جو کہ زرعی مزدوروں کے لئے وضع کیا گیا ہے' بڑی مشکل سے رو بہ عمل لایا جارہا ہے۔ کھیت میں کام کرنے والے مزدوروں کا حساب کتاب رکھنے کا کام اور انھیں تنخواہ کے ساتھ سال میں چھٹی دینے کا کام بالکل انجام نہیں دیا جاتا۔ اگر متعلقہ آفیسروں سے کسی قسم کی شکایت بھی کی جاتی ہے تو وہ صرف بناوٹی طور پر جانچ پڑتے ہیں۔ زمیندار ان مزدوروں کو اپنے خلاف شکایت کرنے پر کام سے نکال دیتے ہیں۔ ایسے حالات سے واسطہ پڑ رہا ہے۔

اس ایکٹ کو مناسب طور پر رُو بہ عمل لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مقامی سطح پر ہی شکایات کو دور کرنے کا بندوبست کیا جانا چاہیئے۔ غیر جانبدار لوگوں کی ایک کمیٹی بنائی چاہیئے۔ اس کمیٹی کو کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی شکایات پر غور کرنا چاہیئے۔ اگر معاملات کو کمیٹی کی سطح پر حل نہ کیا جاسکا ہو تو ایسا بھی راستہ ہونا چاہیئے کہ ایسے معاملات کو کورٹ میں لے جایا جاسکے جہاں وہ دو دن کے اندر ہی طے پا سکے۔ زرعی مزدوروں کو رہنے کے لئے گھر مہیا کیا جانا چاہیئے۔ زرعی مزدوروں کی نصف اُجرت کنٹرول بھاؤ میں اناج کی صورت میں ادا کی جانی چاہیئے انھیں گائے، بکریاں، مُرغیاں دی جانی چاہئیں تاکہ وہ اپنی آمدنی بڑھا سکیں۔

گووند کے۔ شنڈے، بمبئی

(مذکورہ بالا خط کو ۲۵ رُوپے انعام دیا گیا ہے)

ڈاکٹر رابرٹ ایف گوہین



ایک وجہ سے مہاراشٹر اور ساتھ ہی ساتھ امریکہ کو بھی ڈاکٹر رابرٹ ایف گوہین پر فخر کرنے کا مجاز ہے۔ اس لئے کہ مہاراشٹر، ہندوستان کے نئے امریکی سفیر کی جائے پیدائش ہے۔

ڈاکٹر گوہین، رتناگری ضلع کے ایک چھوٹے سے ساحلی وینگرلا میں ۱۵ راگست ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین وہاں پر طبی مشینریوں کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے تھے۔ ایسی امید ہے کہ اس پرانی دوستی یعنی ان کی ہندوستان میں پیدائش اور تعلیم، کی وجہ سے ہندوستان اور امریکہ کے درمیان گہرے دوستانہ اور صحت مندانہ تعلقات قائم ہو جائیں گے۔

ہندوستان کے لئے امریکی سفیر کے انتخاب کے لئے گزشتہ چند سالوں سے روشن خیال لیڈرشپ ہی معیار مانا جا رہا تھا۔

ڈاکٹر گوہین سے قبل مسٹر ولیم سیکسبے جنھوں نے ذاتی طور پر اوہیو میں قانون داں کی حیثیت سے پریکٹس شروع کر دی ہے اور مسٹر جان کینتھ گلبریتھ اور سماجی سائنس داں مسٹر ڈینیال پیٹرک مانیان نئی دہلی میں سفیر تھے۔

ڈاکٹر گوہین نے اپنی اسکول کی تعلیم مدراس میں حاصل کی اور ۱۵ سال بعد انھوں نے نیو جرسی پر پیپریٹری اسکول، لارنس ولا میں داخلہ لیا۔

بعد ازاں انھوں نے پرنسٹان یونیورسٹی میں داخلہ لیا جہاں ورزش کے معاملے میں اور حاشیہ نویس کی حیثیت سے ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ انھوں نے ۱۹۴۰ء میں فائی بیٹا کپا کی (PHI BETA KAPPA KEY) کے ساتھ کلاسک میں گریجویٹ کا امتحان پاس کیا۔ انھوں نے پائن آنر پرائز کا قابل فخر انعام بھی حاصل کیا۔ یہ پرنسٹان کا سب سے اعلیٰ ممتاز طور پر عطا کردہ انعام تھا جو ایک انڈر گریجویٹ کو دیا گیا۔

اس سے قبل ڈاکٹر گوہین، پرنسٹان یونیورسٹی کے صدر تھے۔ فی الحال وہ ایڈ نابیک کونسل کلارک فاؤنڈیشن کے صدر ہیں اور گزشتہ دو سال سے وہ انڈو۔ یو۔ ایس سب کمیشن برائے تعلیم اور ثقافت کے چیرمین ہیں۔

۱۹۴۱ء میں انھوں نے پرائیویٹ افیسر کی حیثیت سے یو۔ ایس۔ آرمی انفنٹری میں اپنا نام لکھوایا۔ اس کے بعد انھوں نے پیسیفک میں انٹیلی جنس افیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

بقایا صفحہ ۱۷ پر



وینگورلا میں
"ڈاکٹر رابرٹ گوہین میموریل نسواں شپ عمارت"

کاسا صحت پروجیکٹ

بھکتوں کا خاتمہ

از:- انمول پروہت، نامہ نگار ٹائمز آف انڈیا

شری انمول پروہت، نامہ نگار، ٹائمز آف انڈیا نے اس مضمون میں بتایا ہے کہ کاسا پروجیکٹ نے گاؤں والوں کے شعور صحت پر کتنا زبردست اثر ڈالا ہے۔

ایک نیم تعلیم یافتہ عورت ایک جھونپڑے کے باہر بیٹھتی ہے۔ جس کے چاروں طرف درجن بھر قبائلی عورتیں ہوتی ہیں۔ وہ ان کا وزن نوٹ کرتی ہے اور غذائیت، بچوں کی دیکھ بھال، صفائی اور حمل میں پیچیدگی سے متعلق کیا کرنا چاہیئے کے سلسلے میں مشورے دیتی ہے۔ ادھ ننگے بچوں کی ایک بھیڑ جن کی ناکیں جاری ہیں۔ اس منظر کو غور سے دیکھتے ہیں۔

یہ عورت ایک جزوقتی سماجی کارکن (پی ڈی ایس ڈبلیو) ہے اور وہ جو کام پالگھر (ضلع تھانے) کے ایک گاؤں میں کر رہی ہے وہی ساری دنیا کے عوام چاہتے ہیں یعنی گاؤں کے لوگوں کو صحت کی خدمات ان کے گھروں تک پہنچے۔

یہ اور دیگر سات سماجی کارکنوں نے اپنی برادری کی خدمت کرنے کے لئے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ ۲۰۰۰۰ نفوس پر مشتمل ۲۰ موضع جات میں حکومت مہاراشٹر جے۔ جے۔ گروپ آف ہاسپٹل اور گرانٹ میڈیکل کالج، بمبئی ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی مدد سے غذائیت کی کمی کے انسداد کا کام ایک منصوبے کے تحت کر رہی ہیں۔

اس تجرباتی منصوبہ کو اس خوبی سے تیار کیا گیا کہ ۱۹۷۳ء میں جبکہ اس پر عمل آوری شروع ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد ہی مرکزی منصوبہ کمیشن نے اس کی توسیع پڑوس میں واقع ضلع تھانے کے دھانو تعلقہ میں واقع کاسا ساگاؤں قبائلی بلاک میں کرنے کی تجویز رکھی۔

قبائلیوں کا فائدہ

یہ دوسرا منصوبہ جس کو مرکز، ریاستی حکومت اور ہر جگہ امریکن راحت کی امداد باہمی دکیئر مہاراشٹر نے شروع کیا ہے اس کے تحت فائدہ اٹھانے والے افراد کی تعداد ۶۳۰۰۰ ہے۔ جس میں سے ۹۵ فیصدی تعداد ادیباسیوں کی ہے۔ اس منصوبے کو جسے کاسا ماڈل انٹیگریٹیڈ مدر چائلڈ ہیلتھ نیوٹریشن کہتے ہیں۔ اس سے ادیباسیوں کو زبردست فائدہ پہنچا ہے۔

مثال کے طور پر جب ۱۹۷۴ء میں یہ دوسرا منصوبہ شروع کیا گیا تو اس کے تحت صرف ۲ء۱۴ فی صد بچے آتے تھے ان سب کو ٹرپل ویکسین کا پورا کورس دیا گیا۔ اٹھارہ ماہ کے اندر ہی بہرحال ۷۰ فیصدی بچوں کو یہ ٹیکے دئے گئے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ یہ انجکشن تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

دوسری طرف پالگھر میں کورشیورکور (پروٹین اور کیلوری کی سخت کمی) کے واقعات جو بچوں میں پائے جاتے تھے وہ اس پراجیکٹ کے شروع ہونے کے بعد دو سال کے اندر ۳ء۱۴ فیصد سے کم ہو کر ۵ء۰ فی صد رہ گئے۔

پراجیکٹ کے عہدیداران تجربات کی کامیابی کی ذمہ داری کارکنوں کے چار درجوں پر ڈالتے ہیں۔ جزوقتی سماجی کارکن، بہتیرے مقاصدی صحت کارکن، ہیلتھ سپروائزر اور ڈاکٹرز۔ حال ہی میں ۱۴۰ دائیوں (ڈڈوائیوز) کو پراجیکٹ نے آلات اور تربیت دی ہے تاکہ وہ بہتر صاف ستھرے طور پر بچے پیدا کروانے کا کام کر سکیں۔

بہرحال اس میں سب سے اہم کڑی جزوقتی سماجی کارکنوں کی ہے کیونکہ وہ خود اسی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حقیقتاً ان کا انتخاب ان کی برادری کا قائد کرتا ہے۔

انھیں ۶۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے اور دس روپے بطور سفر خرچ کے بھی ملتے ہیں۔ بچوں اور حاملہ خواتین کی دیکھ بھال کی ایک ماہ کی تربیت کے بعد وہ اپنا کام شروع کرتے ہیں۔

تربیت کے دوران زیادہ زور "خطرے میں" کے تصور پر دیا جاتا ہے۔ یہ تصور پراجیکٹ کے عہدیداروں نے وضع کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ پراجیکٹ کے ڈاکٹروں کو اس بات کی نشاندہی کرے کہ فوری طور پر کن خواتین یا بچوں کو طبی امداد درکار ہے۔ عملی طور پر اس خیال نے ان گنت خواتین اور بچوں کی جان بچائی



ہر مرحلہ پر طبی معائنہ اور علاج کی سہولت اب ادیباسیوں کو حاصل ہے۔

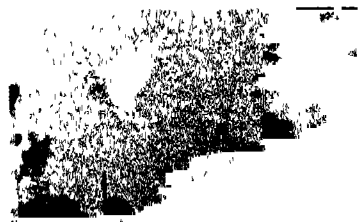
●●

بچوں کا وزن کرنے والا "انوکھا جھولا" جس کی مانگ بڑھ رہی ہے

بہت سے مسائل

بچوں کو سامنے ہی پیکٹ کی اشیاء کھلائی جاتی ہے تاکہ بڑے بچے اس کو چھین نہ لیں کیوں کہ اس میں سنگال چنا اور مونگ پھلی شامل ہوتی ہے۔ ان اشیاء کو ایسے تناسب میں







پیغام رسانی کا پرانا طریقہ

ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس تصور کی جدیدیت نے پوری دنیا میں ایک دلچسپی پیدا کی ہے۔ جس کے نتیجے میں ۱۹۷۵ء میں قاہرہ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔

اس پراجیکٹ کی ایک اہم دین ہے غذائیت فراہم کرنے کے طریقۂ کار میں بہتری۔ اس میں جن خواتین اور بچوں کو فوری طور پر غذائیت کی ضرورت ہوتی ہے ان کی نشاندھی جز وقتی سماجی کارکن کرتے ہیں جن کو خاص طور پر غذائیت سے بھرپور خوراک کے پیکٹ دیئے جاتے ہیں جن کو وہ مریض تک پہنچاتے ہیں۔

ملایا جاتا ہے تاکہ پروٹین اور کیلوریز کی مقدار ضرورت کے مطابق پہنچ سکے۔

پراجیکٹ علاقے کی بڑے شہروں سے دوری نیز رقومات کی فراہمی کے سوال کے مدنظر عہدیداروں کو بہت سی تبدیلیاں اور بہتری کرنی پڑیں۔

ایک مسئلہ بچوں کے وزن کرنے کا تھا۔ اس کو اس طرح حل کیا گیا کہ ایک مقامی میکانک سے ایک جھولے کے لئے لوہے کا فریم تیار کرنے کے لئے کہا گیا۔ اس جھولے کو بعد میں وزن کرنے کی مشین سے منسلک کر دیا گیا اور اس کو ایک کڑی میں لٹکا دیا گیا۔

ترکیب کارگر ہوئی۔ آج اس میکانک کو ایسے ہی جھولے بنانے کے آرڈر پورے ملک سے موصول ہو رہے ہیں۔

جب میں اس سے ملا تو وہ پریشان تھا کہ اسے حیدرآباد سے ویسے ہی تقریباً دو سو جھولے تیار کرنے کا آرڈر ملا ہے اور وہ بھی پندرہ دن کے اندر۔

جب یہ محسوس ہوا کہ بعض مقامات پر برسات کے دنوں میں انسانی پہنچ سے باہر ہو جاتے ہیں تب عہدیداروں نے قدیم ترین نسخہ آزمانے کا فیصلہ کیا۔ یعنی کبوتروں کے ذریعہ پیغام رسانی۔ ایسے سولہ کبوتر ہیں جو کہ ضرورت کے وقت آدھ گھنٹے میں دس کلومیٹر دور سے پیغام لا سکتے ہیں۔

ایک دوسری بہتری یہ لائی گئی ہے کہ عورتوں کی غذائیت کا درجہ بتلانے والی تین رنگ کی بازو کی پٹی تیار کی گئی ہے۔ یہ استعمال شدہ ایکسرے فلم سے نکالی گئی ہے اور اس میں تین رنگ کی پٹی ہوتی ہے۔ لال یعنی اچھی صحت، نارنجی یعنی عام (نارمل) اور پیلی، یرقان کا پتہ دیتی ہے۔ جس سے فوری طور پر دیکھ بھال شروع کی جاتی ہے۔

کاسا کے ادیباسی اس پراجیکٹ سے بے حد خوش ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ یہ جاری رہے اس نے عوام کے شعور صحت پر زبردست اثر ڈالا ہے جو کہ بڑی تعداد میں اپنے بچوں کو لے کر آجاتے ہیں۔ جیسے ہی انھیں اپنے گاؤں میں جزوقتی سماجی کارکن کے آنے کی خبر ملتی ہے۔

اس پراجیکٹ کا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ اس گاؤں والوں کی اس عادت کو ختم کیا جائے جو کہ وہ بیماری وغیرہ کے وقت بھگتوں (جھاڑ پھونک کرنے والے) کے پاس جاتے ہیں۔

ان میں سے بہتوں کا کہنا ہے کہ چونکہ ابتدائی صحت مراکز بہت دور واقع ہیں اس لئے وہ بھگتوں کے پاس جانے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اب جزوقتی سماجی کارکنوں کی وجہ سے لگتا ہے کہ بھگت لوگوں کا دھندا مندا پڑتا جا رہا ہے۔

میں ایک بھگت سے ملا اور اس کو ترغیب دی کہ مریض کے علاج کے لئے جو منتر وہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ بول کر مجھے بتائے۔ مگر وہ اپنے فن کے بارے میں بہت حساس تھا۔ اور وہ نہیں بتانا چاہتا کہ یہ فن اس نے کہاں سے سیکھا ہے۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ اس کو اس پراجیکٹ پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے کیوں کہ اب لوگ اس کے پاس نہیں آتے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں اور یہ پراجیکٹ بہت اچھا ہے۔ جہاں لوگوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جاتی ہے۔

اب پالگھر پراجیکٹ کو حکومت مہاراشٹر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس پراجیکٹ پر سالانہ صرفہ ٣٢٠٠٠٠ روپے کا ہے۔ یعنی ١٢٧٣ روپیہ فی کس سالانہ۔

حالاں کہ مہاراشٹر میں اور دیگر ریاستوں میں ایسے بہت سے پراجیکٹ ہیں۔ جن کے ذریعہ ذرائع صحت گاؤں والوں کو ان کے گھروں پر ہی موصول ہو جاتے ہیں مگر زیادہ تر یہ پالگھر اور کاسا پراجیکٹ کے بتائے ہوئے راستے پر ہی کام کر رہے ہیں۔ تازہ ترین ایسا ہی ایک پراجیکٹ گزشتہ اکتوبر میں ہی پڑگھا (بھیمڑی) میں شروع کیا گیا ہے۔

کاسا پراجیکٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر پی۔ ایم۔ شاہ ہیں جو کہ جے، جے، ہسپتال کے انسٹی ٹیوٹ آف چائلڈ ہیلتھ میں پیڈیاٹرکس کے پروفیسر ہیں۔

گزشتہ ٢١ اپریل کو مرکز نے ۴۸۶ کروڑ روپے کا مجوزہ منصوبہ برائے دیہی صحت دیکھ بھال کا جو اعلان کیا گیا تھا۔ اس میں جس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ یعنی "دروازے پر ابتدائی طبی امداد" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بڑے کام کی بنیاد پہلے ہی ہے جو کہ پالگھر اور کاسا میں ڈاکٹر شاہ اور ان کے بے لوث ڈاکٹروں کی جماعت نے کئے ہیں۔ ڈاکٹر شاہ اور ان کی جماعت کے ڈاکٹر بڑی لگن کے ساتھ پراجیکٹ علاقے کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔ اور گاؤں والوں نیز جزوقتی سماجی کارکنوں سے رابطہ قائم رکھتے ہیں۔

(بشکریہ ٹائمز آف انڈیا، مورخہ ٢٢ اپریل ٧٧ ١٩ء)

●●

قومی راج

میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے۔

اپنا قانون جانیئے

زمین کی خریداری

شری جے. جی کرندیکر
ڈپٹی سکریٹری، محکمۂ محصول جو کہ
زمین سے متعلق معاملات کے قوانین
کی عمل آوری سے منسلک ہیں.

زمین ایک محدود شئے ہے، اس میں نہ تو اضافہ ہوتا ہے سوائے سیلاب سے جمع ہوجانیوالی مٹی کے ذریعہ، حالانکہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے اور نہ ہی گھٹتی ہے سوائے نالوں، دریاؤں کے کٹاؤ کے سبب سے۔ ہماری آبادی کا ۷۰ فیصد حصہ ذریعۂ معاش کے لئے زمین پر ہی انحصار کرتا ہے. زراعتی اور اس سے متعلقہ کارروائیوں کے علاوہ زمین کی ضرورت خواہ کوئی بھی ترقیاتی کام ہو، سب سے پہلے ہوتی ہے چاہے ایک رہائشی مکان بنانا ہو یا ایک نیا کارخانہ وغیرہ قائم کرنا ہو۔

زراعتی زمینوں کی خرید و فروخت ہر سال بڑے پیمانے پر ہوتی ہے. زمین کے خریدار کے لئے یہ قدرتی بات ہے کہ وہ یقین کرلے فروخت کرنیوالا ہی اصل مالک ہے اور فروخت میں دلچسپی رکھتا ہے. وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس زمین کا وہ جو استعمال کرنا چاہتا ہے، آیا وہ اس علاقہ کے ماسٹر پلان کے تحت اس کا اجازت شدہ ہے یا نہیں.

بعض اوقات بہر حال خریدار کو یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ مختلف قوانین کے تحت زراعتی اراضی کے تبادلے پر پابندی عائد ہے. کون سے عہدیدار سے تبادلے کے لئے اجازت حاصل کی جائے اور اس سلسلے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے وغیرہ. اس لئے یہاں پر ایک کوشش کی گئی ہے تاکہ ایسی زمینوں کے تبادلے پر وہ کیا قانونی گنجائشیں ہیں جس کے تحت پابندی عائد ہوتی ہے۔

زراعتی اراضی کیا ہے؟

قانونی اقدامات جو خاص طور پر بر سر پرست یا مہاراشٹر میں زرعی اراضی سے متعلق ہیں، وہ یوں ہیں:

۱) مہاراشٹر اراضی محصول کوڈ بابت ۱۹۶۶ء

۲) بمبئی پریونشن آف فریگمنٹیشن اینڈ کنسالیڈیشن آف ہولڈنگز ایکٹ بابت ۱۹۴۷ء

۳) مہاراشٹر زرعتی اراضی (حد ملکیت) ایکٹ، بابت ۱۹۶۱ء

۴) بمبئی ٹیننس اینڈ ایگریکلچرل لینڈز ایکٹ، بابت ۱۹۴۸ء (مغربی مہاراشٹر میں نافذ العمل ہے)

۵) حیدر آباد ٹیننسی اینڈ ایگریکلچرل لینڈز ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء (مراٹھواڑہ میں نافذ العمل ہے) اور

۶) بمبئی ٹیننسی اینڈ ایگریکلچر لینڈز (وودربھ ریجن) ایکٹ بابت ۱۹۵۸ء

جو زمینیں زراعتی مقاصد کے لئے استعمال ہوتی ہیں یا جو اس مقصد کے تحت لائق استعمال ہیں ان پر مذکرہ قانون کے تحت تبادلے وغیرہ کے سلسلہ میں پابندی کے دائرے میں آتی ہیں. عام طور پر کوئی شخص کتنی زمین اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے اس کی حد مہاراشٹر ایگریکلچرل لینڈز ایکٹ بابت ۱۹۶۱ء کے تحت مقرر کردی گئی ہے. یہ زیادہ سے زیادہ حد جو مقرر کی گئی ہے وہ مختلف اقسام کی زمینوں کے سلسلے میں ہیں جیسے نہروں کے ذریعہ آبپاشی کی جانیوالی زمین بشمول گنا بلاک کے تحت آنیوالی ۲۸،۷ ہیکٹر (۱۸ ایکڑ) وہ زمین جس کو کمانڈ علاقے میں یقینی موسمی آبپاشی یا نہری آبپاشی بذریعہ بجلی یا کنوئیں وغیرہ کی سہولت ہے ۹۲،۱۰ ہیکٹر (۲۷ ایکڑ) وہ زمین جن کی آبپاشی غیر یقینی ہے یا بعض یقینی بارش کے علاقے میں چاول والی زمین کے لئے ۵۶،۱۶ ہیکٹر (۳۶ ایکڑ) اور دوسری تمام زمینیں یعنی خشک فصل اراضی ۸۵،۲۱ ہیکٹر (۵۴ ایکڑ)

گاؤں فارم VII

حق داری کا ریکارڈ (ادھیکار ابھیلیکھ پترک)

گاؤں: ہمدا باج — تعلقہ: ستارا

سروے نمبر	سروے نمبر کا سب ڈویژن	میعاد	قابض کا نام	کھاتہ نمبر
۵۷		قابض کلاس II (محدود میعاد)	انا گووند دھنے	۱۸
	کھیت کا علاقائی نام	ایچ. اے	کرایہ دار کا نام	کرایہ روپے پیسے
	قابل کاشت زمین	۵۰ = ۰۰	....	
		جملہ ۵۰ = ۰۰	دوسرے حقوق: زمین حکومت کے رہن میں ہے۔	-
	غیر کاشت کار کلاس (الف) .. کلاس (ب) ..	جملہ ۵۰ = ۰۰	نئی میعاد کرایہ داری ایکٹ کے دفعہ ۴۳ کے تحت	
		روپیہ پیسے		
	لگان	۱ ۱۹		
	خاص لگان		حدود اور سروے نشانات	

حد ملکیت ایک خاندان کے پاس زمین کی ملکیت۔ کے مطلب میں یعنی شوہر اہلیہ اور نابالغ بچوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لئے کسی خاندان کو اتنی زمین حاصل نہ کرنی چاہیئے جو کہ مقررہ حد سے تجاوز کر جائے۔ بہر حال جن معاملات میں زمین مالک نے اراضی محصول کوڈ کے سیکشن ۴۴ کے تحت اجازت نامہ حاصل کیا ہے کہ وہ زمین کو زراعتی مقاصد کے علاوہ استعمال کریگا اور وعدہ کردہ استعمال میں زمین کو لے آیا ہے تو متعلقہ قوانین کے تحت عائد شدہ پابندی کے زمرے سے نکل آتا ہے۔

دو طرح کے زمین مالک

اراضی محصول کوڈ زمین اور زمینی محصول کا بنیادی قانون ہے، کوڈ دو طرح کے زمین مالکان یا قبضہ داران کو تسلیم کرتا ہے جن کو درجہ اول اور درجہ دوئم (سیکشن ۲۹ دیکھئے) کہا جاتا ہے۔

درجہ اول والوں کو یہ حق ہے کہ وہ زمین کو آزادی سے منتقل یا کسی کو دے سکتے ہیں۔ بہر حال درجہ دوئم والوں کو بغیر کلکٹر کی پیشگی اجازت کے منتقلی یا بٹوارے کا حق نہیں ہے دوسرے درجے کے زمین مالکان کے زمرے

میں آنے والے اس طرح ہیں :
i) وہ تمام افراد جنھیں حکومت نے نئی اور غیر منتقلی کے تحت زمین دی ہے، ان میں وہ افراد بھی شامل ہیں جن کو انعام اراضی پھر سے دی گئی ہے متعلقہ قوانین کی منسوخی کے بعد نئی مدّت کے لئے۔
ii) موضع جات کے وہ تمام مالکان، جو کنسالیڈیشن اسکیم کے تحت آتے ہیں جس کے تحت مالکان کو کنسالیڈاٹیڈ بلاک الاٹ کئے گئے ہیں۔
iii) کرایہ دار خریدار جن کو ٹیننسی قوانین کے تحت زمین کی ملکیت منتقل کی گئی ہو اور
iv) الننڑ سیلنگ ایکٹ کے تحت فاضل زمین حاصل کرنے والے۔
یہ حقیقت کہ ایک شخص زمین بطور درجہ دوئم کے قبضہ میں رکھتا ہے جس کے ساتھ منتقلی کے حق پر پابندی ہے یہ حقوق کے ریکارڈ میں ظاہر کیا گیا ہے (V.F.VII-XII) جس سے مراد زمین کے اندراج سے یوں ہے۔ " زمین نئے ضابطے کے تحت رکھی گئی"۔ گاؤں کے یہ ریکارڈ موضع جات کے محصول عہدیدار رکھتے ہیں، جیسے "تلاٹھی"۔ وہ دلچسپی رکھنے والوں کو مقررہ فیس کی وصولی کے بعد حقوق کے ریکارڈ سے متعلق اندراج دیتا ہے۔

گاؤں فارم XII

فصل کا رجسٹر

فصل کی کٹائی کی ہوئی زمین کی تفصیل

مخلوط کٹائی والی زمین — خالص کٹائی والی زمین — کاشت کاری کے لئے دستیاب نہ ہونے والی زمین

جزوی فصل بشمول ہرزمین کے

سال	موسم	مخلوط فصل کا نمبر	آبپاشی کا رقبہ ہیکٹر	غیر آبپاشی کا رقبہ ہیکٹر	فصل کا نام	آبپاشی کا رقبہ ہیکٹر	غیر آبپاشی کا رقبہ ہیکٹر	فصل کا نام	آبپاشی کا رقبہ ہیکٹر	غیر آبپاشی کا رقبہ ہیکٹر	آب	نوعیت	رقبہ ہیکٹر میں	[illegible]	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶
			ایچ۔اے	ایچ۔اے		ایچ اے	ایچ اے		ایچ اے	ایچ اے			ایچ اے		
۷۶-۱۹۷۷ء	خریف ..	...	.	۰.۴۰	خریف جوار ارڈ	...	۰.۳۰	گھاس	...	۰.۹۰	...	..	...	...	آم-I
						...	۰.۱۰	...	...	...	..	...	...	...	...
۷۶-۱۹۷۷ء	خریف ...	...	..	..	...	...	..	ارڈ	...	۰.۴۰	..	...	...	...	...
								گھاس	..	۰.۱۳	..	...	...	...	...
								دوسری فصل							
	ربیع	...	...	...	..	..	...	جوار	...	۰.۴۰	...	...	...	...	...

حقوق کا ریکارڈ

مہاراشٹر اراضی محصول کوڈ کے چیپٹر X کی گنجائشوں کے تحت نیز اس کے تحت بنائے گئے قوانین جو کہ حقوق کے ریکارڈ (XII - VII. F. 7) کے سلسلہ میں گاؤں کے سارے ریکارڈ رکھے جاتے ہیں۔ اس ریکارڈ میں علاقہ، اسیسمنٹ، زمین کے مالک کا نام، زمین پر دیگر لوگوں کے حقوق وغیرہ کا اندراج ہوتا ہے۔ یہ مشترکہ فارم بطور گاؤں فارم XII - VII کے جانا جاتا ہے۔ اس ریکارڈ سے پوری معلومات سے متعلق مختصر اطلاع صفحہ پر دی جاتی ہے۔

فارم کے پہلے نصف حصہ پر بائیں جانب زمین سے متعلق تفصیلات یعنی اس کا سروے نمبر، یا گٹ نمبر، اس کا مقامی نام، علاقہ نیز اسیسمنٹ وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ پہلے نصف کے ایک دم اوپر زمین مالک کا نام دیا جاتا ہے۔ اس اندراج کے نیچے جو نمبر ہوتا ہے وہ تبدیل شدہ اندراج کا نمبر ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے نام ریکارڈ پر لایا جاتا ہے۔

فارم کے پہلے نصف حصے کے داہنے جانب کو "دیگر حقوق کالم" کہا جاتا ہے۔ اس حصے میں اگر کوئی رکاوٹ زمین سے متعلق ہو تو وہ ظاہر کی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اس زمین پر منتقلی یا بٹوارے پر کوئی پابندی عائد ہے تو وہ بھی اس کالم میں درج کی جاتی ہے۔

فارم کا نچلا نصف حصہ گاؤں فارم XII کہلاتا ہے۔ جو یہ تفصیل بتاتا ہے کہ زمین پر کیا فصل بوئی جاتی ہے اور کس علاقے میں کونسی فصل اُگائی جاتی ہے۔ فصل کی اقسام آیا یہ آبپاشی یا غیر آبپاشی وغیرہ کی ہیں، تو وہ بھی درج کی جاتی ہیں۔ ایک دوسری اہم اطلاع جو اس میں دی جاتی ہے وہ اصل کاشتکار کے نام کی ہے۔ یہ اندراجات سال درسال، سالانہ فصل کاٹنے کے وقت تلاٹھی کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔

جہاں پر اصل کاشتکار اس شخص سے جُدا ہے، جس کا نام بطور مالک زمین درج ہے، فارم کے اوپر نصف میں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا تو زمین لیز پر دی گئی ہے یا دوسرے شخص کے قبضے میں یہ قانونی یا غیر قانونی طور پر ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک ایسا کاشتکار جس کو مالک زمین نے قانونی طور پر اجازت دی ہو یا تو پھر وہ غیر قانونی طور پر قابض ہوگا۔

حقوق کے ریکارڈ سے گاؤں کی کسی بھی زمین سے متعلق معلومات، کوئی بھی دلچسپی رکھنے والی پارٹی تلاٹھی سے مقررہ فیس ادا کر کے حاصل کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں مقررہ فیس یہ ہیں:

حقوق کے ریکارڈ میں موجود سیریل نمبر یا اندراج، رکاوٹ اندراج، اور رجسٹرار سے اکاؤنٹ نیز ریکارڈ سوائے اس نقشے کے جو تلاٹھی کوڈ کے سیکشن ۱۴ کے سب سیکشن (۴) کے تحت رکھتا ہے، کی ہر سرٹی فائڈ کاپی کے لئے پچاس پیسے اور پورے (XII-VII.F.7) فارم کی سرٹی فائڈ کاپی کے لئے فی کاپی ایک روپیہ۔

زمین کی منتقلی کی اجازت

جب کبھی بھی ایک قانون کہتا ہے کہ بغیر پیشگی اجازت کلکٹر کے زمین منتقل یا تقسیم نہیں کی جا سکتی، وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ کن حالات اور معاملات میں اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ عام طور سے جن معاملات یا حالات میں اجازت دی جاتی ہے وہ یوں ہیں:

۱) دیوانی عدالت کی ڈگری کے اطلاق کے لئے زمین کی فروخت یا اراضی محصول کے بقایاجات کی وصولی کے لئے فروخت۔

۲) زمین مالک اس دلیل پر کہ وہ کاشتکاری کے پیشے کو چھوڑ رہا ہے اس لئے زمین فروخت کرنا چاہتا ہے۔

۳) زمین مالک نجی طور پر زمین پر کاشت کے قابل نہ رہ گیا ہو۔

۴) زمین کا زمین کے مساوی یا قریبی مالیت کی زمین سے تبادلہ۔

۵) کہ زمین غیر زرعی مقاصد کے لئے درکار ہے۔

۶) کہ زمین صنعتی یا تجارتی ادارے یا تعلیمی اور خیراتی ادارے کی سہولت کے لئے درکار ہے۔

۷) زمین امداد باہمی سوسائٹی کو درکار ہے۔

اس طرح کی درخواستوں پر اجازت دینے کے کلکٹر کے اختیار جو عام طور پر ریونیو سب ڈویژن کے انچارج سب ڈویژنل افسران استعمال کرتے ہیں۔

کسی غیر کاشتکار کو زمین خریدنے کی اجازت

مالکان زمین کے درجوں کے سلسلے میں عائد شدہ پابندیوں کے علاوہ زراعتی اراضی کی منتقلی پر بعض عام پابندیاں بھی ہیں، اس کے علاوہ جو قبل میں پابندیاں مقرر کی گئی تھیں وہ خاص طور پر زمین کے فروخت کنندوں کے لئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں منتقل کے لئے اجازت اس کے مالک کو حاصل کرنی ہوتی ہے جو زمین فروخت یا منتقل کرنا چاہتا ہے۔ (باقی آئندہ)

شری رادھا کرشن،
نمائندہ، ٹائمز آف انڈیا نے اس مضمون میں بھوسری انڈسٹریل اسٹیٹ، پونے میں نوجوانوں کی جانب سے جاری کردہ کچھ اہم کاموں کا ذکر کیا ہے۔

بھوسری انڈسٹریل اسٹیٹ نوجوانوں کی مِلکیت



شریمتی سواتی تیجا، اپنے کارخانہ میں مصروف

اگر کوئی شخص پونے کے مشرقی علاقوں کا دورہ کرے تو اس کے کان مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ سے گونج اٹھیں گے۔ رات میں بھوسری میں آسمان دکن کی سطح مرتفع پر نصب کی گئی مشینوں کی نگرانی کرتا ہوا معلوم ہوگا، بھوسری کے ٹیڑھے راستوں پر نیون لیمپوں سے نکلتی ہوئی مدھم اور دھندلی روشنی اس بات کا گویا اعلان کرتی ہوئی معلوم ہوگی کہ مغربی مہاراشٹر میں ترقی کی نئی افق پھیلنے والی ہے۔

بھوسری انڈسٹریل اسٹیٹ نوجوانوں کی ہی مِلکیت ہے۔ یہ جوان صنعت کار جو چھوٹی چھوٹی لیکن اونچی چھتوں والے ڈھانچوں میں دوکانیں چلا رہے ہیں آزادانہ طور پر، محنت اور رجائیت پسندی سے بنا کسی قسم کی شکایت کے اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ ان لوگوں کی بھوسری کی زمین بر آمد، جو کہ چند سال قبل بالکل خالی پڑی ہوئی تھی، ایک منصوبہ بندی کے ساتھ بہت سی سرکاری ایجنسیوں کی مدد سے ہوئی۔

سب سے اہم مددگار ویسٹرن مہاراشٹر ڈولپمنٹ کارپوریشن لمیٹیڈ (مغربی مہاراشٹر ترقیاتی کارپوریشن لمیٹیڈ WMDC) تھا جو اس مقصد کے لئے بنایا گیا تھا کہ صنعتوں کو پونے، دھولے، ناسک، جلگاؤں، احمد نگر، سانگلی، سولاپور، ستارا اور کولہاپور ضلعوں میں بہت ہی ترتیب اور اچھے ڈھنگ سے ترقی دے۔ ان نو اضلاع کے ایک طویل جائزے سے ڈبلیو ایم ڈی سی کو روزگار متعین کرنے والے منصوبوں کو بنانے میں کافی مدد ملی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وسائل پر مشتمل صنعتوں اور زرعی صنعتوں و ضمنی ترقیوں کے کام انجام دینے میں بھی بہت معاونت مِلی ہے۔

پونے میں ڈبلیو ایم ڈی سی (WMDC) کا آفس ہر نوجوان کے لئے، مستقبل کے صنعتکاروں کی رہنمائی اور مشوروں کے لئے کھلا ہوا ہے۔ ہر منگل کو ان افراد کے لئے ربط دہی کی خاطر دوسری ایجنسیوں کے ساتھ تھا



فرار انڈیا۔ ایک رنگ ساز کارخانہ کا تیار مال

جن کی مدد منصوبوں کو شروع کرنے میں ضروری ہوتی ہے ڈبلیو ایم ڈی سی کی آفس میٹنگ مقرر کرتی ہے۔ صنعت کاروں کے پاس اگر منصوبہ کا ۱۵ فیصد سرمایہ ہوتا ہے، تب ہی اس کو ڈبلیو ایم ڈی سی (WMDC) مہاراشٹر اسٹیٹ فائنانشیل کارپوریشن (MSFC) سے اور بینکوں سے بھی مالی امداد ملتی ہے۔ ڈبلیو ایم ڈی سی (WMDC) صنعت کاروں کو مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (MIDC) سے بھوسری میں زمین کا پلاٹ دلانے میں مدد کرتا ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ، بجلی کے کنکشن دیتا ہے اور رعایتی بھاؤ سے ان صنعت کاروں سے دام وصول کرتا ہے۔

بھوسری کے ایک صنعت کار ستری جے وی ستیتے ہیں، جنھوں نے مکانکل انجینئرنگ میں ڈپلوما کیا ہے، اور جو اپنا کارخانہ اسمتا انٹرپرائز دسمبر ۱۹۷۵ء میں کھولنے سے قبل ایک صنعتی کارخانے میں کام کرتے تھے۔ اس وقت ان کو کچھ نقصان اٹھانا پڑا تھا لیکن ان کو خود پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ اب وہ ہندوستان بھر کے پہلے صنعت کار ہیں جو بلند ارتعاش والے برقیہ کے کنکٹرز میں فیمیل برقیہ کانٹیکٹ بناتے ہیں۔

ستری ستیتے نے اپنی جدوجہد کی کہانی اس طرح بیان کی ہے کہ: پہلے ۵ مہینے امید افزا نہیں تھے اور تقریباً ان کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ انھوں نے زمین اور عمارت کے لئے ۸۵,۰۰۰ روپے خرچ کئے تھے۔ پلانٹ اور مشینوں کے لئے ۲٫۷۵ لاکھ روپے صرف کئے اور خام مال کے لئے بینک اور حکومت کی فائنانشیل ایجنسیوں سے ۳۰,۰۰۰ روپے لئے اور ۸۰,۰۰۰ روپے نقد بھر دسے پر لئے تھے۔

اب وہ ۱۲ گھنٹوں تک کام کرتے ہیں اور دو شفٹ چلاتے ہیں۔ تیسری شفٹ بھی چلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ سلٹنگ۔ کم۔ ڈرلنگ مشین (کاٹنے اور سوراخ کرنیوالی مشین) کی قیمت بازار میں ۵۰,۰۰۰ روپے ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنی ذاتی مشین بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان کو یہ مشین صرف ۶,۰۰۰ روپے میں پڑے گی۔ انھوں نے ایک ٹول گرائنڈر Tool grinder بھی بنایا ہے۔ یہ تمام مشینیں اب MSFC (ایم ایس ایف سی) میں رہن ہیں۔ انھوں نے اب تک اپنے گاہکوں کو ۲٫۳۰ لاکھ روپیوں کے بنائے ہوئے قیمتی ٹرن کامپوننٹس (TURN COMPONENTS) سپلائی کئے ہیں۔ ان کے پاس فی الوقت ۱٫۱۰ لاکھ روپیوں کے آرڈر بھی ہیں۔ کاروبار کی رقم ۲۶,۰۰۰ روپے فی ماہ ہے۔ انھوں نے اس کو بڑھا کر اب ۳۰,۰۰۰ روپے کر دیا ہے۔ "اگر میں یہاں مقیم رہا تو مجھے پورا یقین ہے کہ میں کاروبار میں ۱۵ فیصد کا اضافہ کر سکتا ہوں"۔

ستری ستیتے کی اشیاء درآمد کردہ چیزوں پر مشتمل ہیں۔

شری اے۔ ایس ہتکر کی کامیابیاں برآمدی آرڈروں پر ہیں۔ شری ہتکر نے بھی ایک صنعتی کارخانہ میں ۱۱ سال تک کام کیا تھا اور پھر انھوں نے یہاں ترّی موریٰ انٹرپرائز شروع کیا۔ وہ خود بھی ایک ربر ٹیکنالوجسٹ ہیں۔ انھوں نے اپنے سالے، شری ایس۔ این دہرکرکو، جو اس سے پہلے ممبئی میونسپل کارپوریشن میں تھے، اپنے مینجنگ پارٹنر کی حیثیت سے ربر کے پانی وغیرہ چوسنے والے پائپ بنانے کے لئے شامل کرلیا ہے۔ اب یہ پائپ خلیجی ممالک میں مہندر اینڈ مہندر گروپ آف انٹرپرائز کے ذریعہ برآمد کیئے جاتے ہیں۔

شری ہتکر اپنے خاندان کے پہلے شخص ہیں جنھوں نے کاروبار یا صنعتی کام میں قدم رکھنے کی جرأت کی ہے۔ اب ان کے پاس نو ملازمین ہیں اور وہ ایک شفٹ چلاتے ہیں۔ انھوں نے یہ نیا کام اپریل ۱۹۷۶ء سے شروع کیا تھا اور اب ان کو نفع کی اُمید ہے۔ ان کو سالانہ ۸ لاکھ روپے کے کاروبار کی توقع ہے۔

یہ جُوا بہت خطرناک تھا۔ یہ ۵ء۳ لاکھ روپیوں کا منصوبہ تھا۔ مشینوں کی ہی قیمت صرف ۵۰ء۲ لاکھ روپے تھی۔ طبعی ربر کے لئے خام مال کوچین سے لانا پڑتا تھا اور کیمیائی طریقہ سے بنائے گئے ربر کے لئے کیمیائی اجزاء بمبئی سے لانا پڑتے تھے۔ اب پونے میں اسکول کے بچے ان کے کیمیائی طریقہ سے بنائے گئے ربر کو، جو کہ مقامی بیوپاریوں کے ذریعہ بیچے جاتے ہیں، استعمال کرتے ہیں۔

۲۲ سالہ جگدیپ سنگھ اگرچہ کامرس کے گریجویٹ ہیں، لیکن وہ رنگ بنانے کا کارخانہ فرآر انڈیا چلاتے ہیں۔ انھوں نے ۵۰ء۲ لاکھ روپے اس کاروبار میں لگائے ہیں۔ اس سرمائے کا ۸۰ فیصد حصہ انھوں نے پنجاب نیشنل بینک سے قرض لیا، اور ۱۰ فیصد ڈبلیو ایم ڈی سی (WMDC) سے۔ انھوں نے ایم آئی ڈی سی (MIDC) سے زمین خریدی۔ اب ایک پینٹ ٹیکنالوجسٹ اور ۷ ملازمین ان کی ماتحتی میں کام کررہے ہیں۔ ان کے پاس فی الحال ایک لاکھ روپے کا آرڈر ہے۔ انھیں سالانہ ۵ء۴ لاکھ روپے کے کاروبار کی اُمید ہے۔ لیکن کچھ دشواریاں بھی ہیں۔ پرائیویٹ خریدار اُن کو رقم فوراً نہیں دیتے۔ اس لئے وہ صارفین کی حیثیت سے سرکاری ایجنسیوں کو ان پرائیویٹ کمپنیوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

جگدیپ سنگھ ہی بھوسری کے کوئی سب سے کم عمر صنعتکار نہیں ہیں۔ شری وائی۔ ایم پٹھان اور شری این بی دھورے جو کہ ڈبلیو۔ ایم۔ ڈی۔ سی کے ترجمان ہیں، کے بموجب ایسے اور بھی ۵ صنعتکار ہیں جو کہ جگدیپ سنگھ سے بھی کم عمر ہیں اور وہ بجو نکے کھاد لئے بنانے، انجنیرنگ کے کام کرنے اور کیمیاوی اشیاء بنانے میں مصروف ہیں۔

بھوسری میں صرف ایک خاتون صنعتکار ہیں، یعنی شریمتی بنیجا، جو انجنیئر ہیں۔ ان کے کارخانے میں چھ مرد کام کررہے ہیں۔

ڈبلیو ایم ڈی سی (WMDC) ان جیسے تمام صنعتکاروں کو بہت کم سود کی شرح پر ۱۰ فیصد قرض دیتا ہے اور قرض کی ادائیگی میں تاخیر کو بھی گوارہ کرلیتا ہے۔ کارپوریشن کے پاس قدرتی طور پر مجبور صنعتکاروں کے لئے ذاتی روزگار کی بھی خاص اسکیمیں ہیں۔ لیکن ایسے افراد کے پاس کم از کم ۵ فیصد سرمایہ ہونا چاہیئے بہ نسبت دوسروں کے جن کے پاس ۱۵ فیصد سرمایہ ضروری ہوتا ہے۔ ایسے مجبور صنعتکاروں کو حکومت کی طرف سے بھی ۵ فیصد امدادی رقم ملتی ہے۔

گائیکواڑ کین ورکس (GAEKWAD CANE WORKS) جو کہ ڈبلیو۔ ایم۔ ڈی۔ سی کی طرف سے جاری کردہ کارخانہ ہے، ایک نابینا صنعتکار کی ملکیت ہے۔

●●

قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے، لہٰذا قارئین کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافہ کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ ہر شمارہ میں شائع کیا جارہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی زیادہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

آپ اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرما سکتے ہیں:

ایڈیٹر، "قومی راج" (پندرہ روزہ)
۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ
مقابل منترالیہ، بمبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲



ڈاکٹر جی۔ ایس سینانی

"ڈاکٹر بی۔ سی رائے انعام" جیتنے والے

انڈین میڈیکل کونسل ہر سال بی سی رائے نیشنل ایوارڈ فنڈ سے طبی دنیا کے مشہور اشخاص کو انعامات دیا کرتی ہے۔ اس قسم کے انعامات کی تفصیل یوں ہے :

۱) مشہور میڈیکل ٹیچر

۲) ادویات کی مختلف شاخوں میں مہارت کو ترقی دینے والے بہترین استعداد کے مالک افراد

۳) سماجی۔ طبی سہولتیں پہنچانے پر بہترین خدمات

اس سال کل چھ انعامات تھے۔ تین مشہور میڈیکل کے اساتذہ کے لئے، دو طبی مہارت کو ترقی دینے والے بہترین استعداد کے مالک افراد کے لئے اور ایک سماجی طبی خدمات انجام دینے والوں کے لئے۔

ڈاکٹر جی۔ ایس سینانی مہاراشٹر کے پہلے پروفیسر ہیں جنھوں نے ڈاکٹر بی۔ سی رائے انعام برائے ۱۹۷۶ء میڈیکل کونسل آف انڈیا کی جانب سے بہترین استاد ہونے کی حیثیت سے حاصل کیا ہے۔ وہ بی۔ جے میڈیکل کالج، پونے کے افسر اعلیٰ ہیں اور پونے یونیورسٹی کی ادویاتی فیکلٹی کے صدر ہیں۔ شری وسنت چودھری، سینیئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف پبلسٹی، پونے، نے سسون اسپتال، پونے میں ڈاکٹر سینانی سے ۲۷ر اپریل کو انٹرویو لیا۔

اسپتال کے تیسرے منزلے پر واقع ڈاکٹر سینانی کے کمرہ کو کھٹکھٹانے سے پہلے میں نے ان کے اسسٹنٹ سے یہ درخواست کی کہ مجھے اُن کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرے۔ دوسرے ہی لمحہ ان کے اسسٹنٹ نے میرے سامنے کاغذات کا ڈھیر لگا دیا۔ بلا شک و شبہ یہ تمام کاغذات بہت ہی وزنی، اور نہایت لمبی چوڑی ڈگریوں، فیلو شپ وغیرہ سے بھرے ہوئے تھے۔ جنھیں ڈاکٹر سینانی نے ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں حاصل کیا تھا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ اتنی سب ڈگریوں وغیرہ رکھنے والا شخص ضرور بوڑھا اور سر کے بالوں سے مبرا ہوگا۔ لیکن جوں ہی میں اندر داخل ہوا میں نے ایک دُبلے پتلے، خوش طبیعت، خوش پوشاک، چشمہ لگائے ہوئے تقریباً ۴۰ سال کے ایک شخص کو دیکھا۔ اُن کے چہرے سے ان کی ذہانت ٹپک رہی تھی۔ واقعی وہ بہت ہی زندہ دل طبیعت کے حامل ہیں میرے داخل ہونے سے چند منٹ قبل وہ غالباً اپنے ٹیبل پر رکھے ہوئے کاغذات کا مطالعہ کر رہے تھے۔

میں اندر داخل ہوا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ ان کے چہرے پر تازگی کی ایک لہر دوڑ گئی اور فوراً ہی انھوں نے مبرا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

انھوں نے نرم آواز سے میرے سوالوں کے جوابات دیئے۔ جوابات دیتے وقت انھوں نے ظریفانہ انداز اختیار کر رکھا تھا۔

سوال : مہاراشٹر سے آپ کا تعلق کب سے ہے؟

جواب : ۱۹۴۷ء میں بٹوارہ کے وقت میرے بھائی کی منتقلی پاکستان میں واقع سندھ کے علاقے سے ناگپور میں ہوئی۔ میں بھی ان کے ساتھ یہاں آیا اور ناگپور کے سائنس کالج میں داخلہ لے لیا۔

• وسنت چودھری
سینیئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف پبلسٹی، پونے

س: اچھا تو آپ پاکستان سے ہجرت کرکے آئے ہیں۔ آپ سندھ کے کس علاقے کے رہنے والے ہیں؟

ج: میں ۱۹۲۲ء میں سندھ کے علاقے لڑکانہ میں پیدا ہوا۔ پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو میرے پڑوسی تھے۔

س: آپ تعلیمی کیریر کی جانب کیوں راغب ہوئے جب کہ آپ آسانی سے اپنے طور پر ذاتی پریکٹس کر سکتے تھے؟

ج: یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے سندھی ہونے کے ناطے اتنے نفع بخش پیشے سے کیوں فائدہ نہ اٹھایا۔ ٹھیک ہے! یہ سوال بہتیرے لوگوں نے مجھ سے پوچھا ہے۔ انھیں تعجب ہے کہ مجھ میں تجارتی مادہ کی، جو سندھیوں میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے، کیوں کمی ہے۔ میرے خیال میں آپ کا سوال بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

س: نہیں! قطعاً نہیں۔ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ آپ پیسے کی جانب کیوں راغب نہیں ہوئے۔ آپ کی طرح قابلیت رکھنے والا شخص بڑی آسانی کے ساتھ پیسے بٹور سکتا تھا۔

ج: لیکن کیا پیسہ ہی سب کچھ ہے؟ ۱۹۳۹ء میں جب میں کالج میں انٹر سائنس میں کلاس میں تھا، میں نے یہ محسوس کیا کہ ذہانت کی تسکین، جو کہ تحقیق سے حاصل کی جا سکتی ہے، پیسہ اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ پیسے سے کامیابی کا احساس پیدا نہیں ہو سکتا جو کہ کسی تعلیم یافتہ شخص کو کچھ قابل قدر بات لکھنے یا کہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

س: آپ کے اس فیصلے کا آپ کے خاندان پر کیا اثر ہوا؟

ج: میرے بھائی نے میری ہمت افزائی کی۔ خوش قسمتی سے انٹر سائنس میں، میں کیمسٹری اور میتھمیٹکس میں ممتاز رہا۔ مجھے ایم بی بی ایس میں ۴ سال کی میرٹ اسکالرشپ ملی۔ اس کے بعد میں نے ناگپور میڈیکل کالج میں M. D. جاری رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے مہاراشٹر کے مختلف میڈیکل کالجوں جیسے میڈیکل کالج، اورنگ آباد، میڈیکل کالج، جام نگر اور گرانٹ میڈیکل کالج بمبئی میں ادویات پڑھاتا رہا۔

س: آپ بی۔ جے کالج میں کب آئے؟

ج: میں اس کالج میں ۲۵ جون ۱۹۷۳ء سے پڑھا رہا ہوں۔

س: آپ مہاراشٹر کے باہر کن کن کالجوں سے منسلک ہیں؟

ج: میں نیشنل اکیڈمی آف میڈیکل سائنس کا ممبر ہوں اور آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف ڈائی بیٹس کا فیلو ہوں۔

س: بین الاقوامی لحاظ سے آپ نے کیا کیا خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی خدمات کو کن کن میڈیکل سوسائیٹیوں نے سراہا ہے؟

ج: میں نے مختلف ممالک کی قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں کے لئے تقریباً ۱۰۰ مضامین لکھے ہیں۔ بیرونی ممالک کی میڈیکل سوسائیٹیوں کی فہرست جن کا میں ممبر ہوں بہت طویل ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

امریکن کالج آف کارڈیولاجی، امریکن



شری راج نرائن، مرکزی وزیر برائے صحت عامہ و خاندانی بہبود، ۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء کو دہلی میں حلقہ تقریب میں ڈاکٹر جی۔ ایس۔ سیسائی کو ڈاکٹر بی۔ سی۔ رائے انعام" دے رہے ہیں۔

کالج آف فزیشین، امریکن کالج آف انجیولاجی، امریکن کالج آف چیسٹ فزیشین، رائل کالج آف فزیشین (لندن) رائل سوسائٹی آف میڈیسن (لندن) میں ۱۸ ماہ تک چکاگو میڈیکل سکول اور سنٹ سینائی اسپتال، چکاگو میں کارڈیالوجی کا ملاقاتی پروفیسر بھی رہا ہوں۔ امریکہ میں، میں نے کوک کنٹری اسپتال، چکاگو میں بھی کام کیا ہے۔ ہیمر اسمتھ اسپتال، لندن میں بھی میں نے خدمت انجام دی ہے۔ میری بیوی لِشپا، جو خود بھی ڈاکٹر ہے، امریکہ میں میرے ساتھ تھی اور وہیں پر اس نے کلینکل پیتھولاجی میں مہارت حاصل کی۔

س : وہ اب کیا کر رہی ہیں۔ کیا وہ آپ کی تحقیق میں مدد کرتی ہیں؟

ج : فی الحال وہ چیسٹ اسپتال، اوندھ، پونے میں ہیں۔ وہ ادویات پر میری تعلیمی جستجو میں برابر کی شریک ہیں۔

س : تمام تحقیقی کاموں میں آپ اپنے کس کام کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں؟

ج : وہ PRIME CARDIAC DIAGNOIS 'پرائم کارڈیائیک ڈائگنوز' ہے۔ اس کتاب کو میں نے لکھا ہے اور یہ کتاب امریکہ سے شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر الڈو لساڈو بھی اس کتاب کے میرے ساتھ کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کا جرمن زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے پانچ دوسری کتابیں لکھی ہیں۔

س : آپ کے طاق پر رکھی ہوئی ایک کتاب رینو کے نام معنون ہے۔ رینو کون ہے؟

ج : او! وہ میری لڑکی ہے۔ اس کی عمر ۱۲ سال ہے۔

س : رینو کے علاوہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟

ج : میرے دو لڑکے ہیں۔ راجیش اور اشوینی۔ وہ رینو سے چھوٹے ہیں۔

س : آپ کو تحقیق کے کس قسم کے کام سے زیادہ لطف آتا ہے؟

ج : ہر ایک کام میں۔ نہ صرف کتابوں میں بلکہ تشخیصی کیمپوں اور افراد کی صحت کے بارے میں۔ ان کاموں میں مجھے بے حد لطف آتا ہے۔ اس سے مجھے اپنے آئندہ کے تحقیقی کاموں میں مدد ملتی ہے۔

س : فی الحال آپ کس کام میں جٹے ہوئے ہیں؟

ج : اس وقت میں یہ تحقیق کر رہا ہوں کہ لہسن اور پیاز دل کی بیماریوں کو روکنے میں کس حد تک مفید ہو سکتے ہیں۔ یہ میری تحقیق کا ایک بالکل ہی الگ مضمون ہے۔

سوال : اس بیماری کو روکنے میں لہسن اور پیاز کیا رول ادا کرتے ہیں؟

جواب : ٹھیک ہے! یہ تو میری تحقیق کا مختصراً نقطہ ہے۔ اس کے بارے میں اس وقت میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ بعد میں اس کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کر دوں گا۔

●●

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ پندرہ روزہ "قومی راج" میں "قارئین کی رائے" کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں موصول ہونے والے بہتر اور خیال انگیز خط پر پچیس روپے کا انعام دیا جاتا ہے۔

آپ بھی 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کسی بھی کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کو کس قسم کی تخلیقات، کیوں پسند ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کیوں ناپسند ہیں۔ آپ حکومت کی کسی اسکیم پر بھی تعمیری بحث کر سکتے ہیں یا اپنی تعمیری رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یا یہ بتا سکتے ہیں کہ اس کی عمل آوری میں کیا خامی ہے۔ بس اتنا خیال رکھئے کہ خطوط میں تین سو الفاظ سے زیادہ نہ ہوں۔

اپنا خط اس پتہ پر بھجوائیے:۔

ایڈیٹر "قومی راج" (پندرہ روزہ)
۵ اواں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ
مقابل منترالیہ۔ بمبئی نمبر ۳۲ ۴۰۰۰

شریمتی شاردا مکرجی



آندھرا پردیش کی نئی گورنر، شریمتی شاردا مکرجی بمبئی کی رہنے والی ہیں۔ انھوں نے اپنے مشہور و معروف کیریر کا آغاز مہاراشٹر سے ہی شروع کیا۔ ان کی شہرت میں اس وقت چار چاند لگ گئے جب وہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۷ء میں شمالی رتنا گری حلقے سے لوک سبھا الیکشن میں کامیاب ہوگئیں۔

شریمتی مکرجی ۲۴ رفروری ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئیں۔ وہ ایلفنسٹن کالج، بمبئی کی طالبہ تھیں۔

اب ان کا نام بھی آزادی کے بعد سے بنی خواتین گورنر کی فہرست میں لیا جاسکتا ہے۔ یہ خواتین گورنر صرف انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

شریمتی سروجنی نائیڈو (جو اتر پردیش کی گورنر تھیں) شریمتی پدماجی نائیڈو (ان کی لڑکی جو مغربی بنگال کی گورنر تھیں) اور شریمتی وجے لکشمی پنڈت (جو مہاراشٹر کی گورنر تھیں)۔

شریمتی مکرجی کے شوہر، ایرمارشل سبرتو مکرجی سب سے اول ہندوستانی ہیں جنھوں نے یہ عہدہ پایا تھا اور وہ سب سے اول ہندوستانی ہیں جو چیف آف دی انڈین ایرفورس بنے۔ شریمتی مکرجی خود بھی انڈین ایئر فورس بنیولنٹ فنڈ کی اگزیکیٹو کمیٹی میں تھیں۔

مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا اور سماجی خدمت کے لئے تڑپنا ان کو ورثہ میں ملا ہے۔ ان کی ماں شریمتی سرسوتی پنڈت ایک سرگرم سوشل ورکر ہیں اور وہ ایک یتیم خانہ بھی چلاتی ہیں۔ شریمتی مکرجی ملک کے چیشائر ہوم کے ساتھ اس کے قائم ہونے کے وقت سے ہی منسلک ہیں۔

پارلیمانی رکن کی حیثیت سے شریمتی مکرجی نے دفاعی معاملات پر اچھا عبور حاصل کر لیا ہے۔ ایڈمنسٹریٹو ریفارمز کمیشن کے دو کمیٹیوں کی، جن میں سے ایک کا تعلق دفاع سے ہے اور دوسرے کا تعلق پلاننگ کمیشن کو پھر سے مرتب کرنے سے ہے، ممبر ہیں۔ انھوں نے انگلستان اور سنیگل کی جانب روانہ کردہ پارلیمانی وفد کی رہنمائی بھی کی تھی۔ وہ روس کی جانب روانہ کردہ وفد کی بھی ممبر تھیں۔ انھوں نے امریکہ، یورپ، مغربی ایشیا، انڈونیشیا کا کافی دورہ کیا ہے۔ ■■

سڈکو: جدید شہروں کا معمار

ایل۔ کے۔ موٹاٹکر، ایکونامکس ٹائمز

مہاراشٹر نے ریاست کی معیشت کے ہمہ طرفہ ارتقا کو مہمیز لگانے کی خاطر لاتعداد کارپوریشنیں شروع کی ہیں۔ سٹی اینڈ انڈسٹریل ڈیویلپمنٹ کارپوریشن آف مہاراشٹر لمیٹڈ (سڈکو)، کارپوریشنوں کی اس کہکشاں میں سب سے اہم مقام کی حامل ہے۔

پانچ کروڑ روپے کی اجازت شدہ پونجی سے جس نے زندگی شروع کی اس کا قیام ۱۷ مارچ ۱۹۷۰ء میں اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن آف مہاراشٹر لمیٹڈ (سی کوم) کی ایک ضمنی کمپنی کے طور پر ہوا تھا اس کے بعد اپنی ترقی کے مدارج کے دوران مارچ ۱۹۷۱ء میں سڈکو کو نئی بمبئی علاقے کے لئے ایم آر ٹی۔پی ایکٹ کے تحت نیوٹاؤن ڈیویلپمنٹ اتھارٹی کی حیثیت عطا کی گئی۔ اور اب ۳۰ مارچ ۱۹۷۶ء سے پوری طور سے یہ سرکاری ملکیت کی کمپنی ہے۔

اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہونے کی بنا پر کہ مہاراشٹر میں شہری ارتقا کی رفتار پورے ملک میں سب سے زیادہ ہے۔ سڈکو نے بھی اپنا نشانہ بلندی پر مقرر کیا۔ اس کو دی گئی ذمہ داری کے تحت سڈکو نے جوڑواں شہروں کی تعمیر کے کام کا ذمہ اپنے اوپر لیا ہے کہ شہری گنجانیت کو متبادل مگر قریبی مقام فراہم کرنے میں ایک اہم کردار نبھائے گا۔ ٹاؤن پلاننگ کے ایک نمونے کے طور پر سڈکو کی ترجیحی فہرست میں موجودہ نئی بمبئی، نیا اورنگ آباد، نیا ناسک نیا نانڈیڑا اور نیا ناگپور شامل ہیں۔ اس توسیعی افق میں مستقبل میں مزید شہروں کو شہری تجدیدی پروگرام میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

نئی بمبئی

بمبئی پروجیکٹ جو کہ بمبئی شہر کے متبادل باعث کشش مرکز کے طور پر تیار کیا گیا وہ میٹروپالیٹن ڈیولپمنٹ پر ایک نئی روشنی ڈالتا ہے۔ موجودہ بمبئی میں افزائش کا مسئلہ پیچیدگی اختیار کرتا جا رہا ہے کیوں کہ شہر کی شکل نوکدار ہے اور تول تجارت اور بیوپار کی مختلف کارروائیوں کے سبب گنجلک ہوتی جا رہی ہے۔ جوڑائی میں اضافہ کی مدھم سی شعاع بھی نظر آتی جبکہ مواصلاتی نظام مثلث کے دو طرف مساوی طور پر جاری ہے اور خاص طور پر جزیرے پر آکر جمگھٹا سا لگا دیتے ہیں وہ ایسی بہتری کے لئے زور شور سے مانگ کرتے ہیں۔

جزیرے کے اندر بڑھوتری پر زور کے ساتھ ساتھ جغرافیائی طور پر غیر مناسب مقامات پر کارگذاریوں کے زبردست اجتماع نے مشرق کی سمت نکاس کے لئے ایک متبادل مقام افزائش کی ترقی کی ضرورت کو بے حد اہم بنا دیا۔

افزائش کے اس پس منظر میں حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر ڈی۔ آر گاڈگل کمیٹی تشکیل دی تاکہ بمبئی اور پونے شہروں کے علاقائی معاملات میں منصوبہ بندی کے حصول کے اقدامات پر رپورٹ داخل کرے۔ کمیٹی کی سفارشات پر منحصر ریجنل پلاننگ بورڈ ان دو شہروں کے لئے ۱۹۶۷ء میں قائم کیا گیا۔ بمبئی کے مقابل براعظم پر "میٹرو سنٹر" کے تصور کی وکالت بمبئی میٹروپولیٹن ریجنل پلاننگ بورڈ نے کی۔

براعظم کی ترقی کے لئے ریجنل بورڈ کی تجویز کو حقیقت میں ڈھالنے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۷۱ء میں عملی طور پر اقدام کرتے ہوئے سڈکو کو جاری کیا۔ ریاست نے ۱۵۲۰۰ ہیکٹر نجی ملکیت کی اراضی جو کہ بندرگاہ کے اس پار کے علاقے کے ۸۶ موضع جات پر مشتمل تھی، کے حصول کی نوٹس جاری کی۔ ان موضع جات میں سرکاری ملکیت کی اراضی کے ساتھ ہی کوئی فائدہ زمین کو منصوبہ بندی اور ترقیات کی غرض سے سڈکو کے پورے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔

حالاں کہ آغاز میں زمین کی حصولیابی نے



سست رفتار اختیار کی مگر پھر اس میں تیزی آتی گئی۔ جبکہ فنڈ کی بھی کمی تھی نیز مقامی لوگوں کا بھی تعاون دشوار تھا مگر ان دونوں مشکلات پر قابو پالیا گیا۔

حکومت نے ۳۰ نومبر ۱۹۷۶ء تک ۲۰۸۳ ہیکٹر اراضی پر آراضی حصولیابی ایکٹ بابت ۱۸۹۴ء کے تحت قبضہ کیا نیز ۸۵۷ ہیکٹر رضاکارانہ طور پر ہی دنجی زمین اب تک جتنی حاصل ہو چکی ہے وہ ہے ۲۱۰۴ ہیکٹر سڈکو نے جتنے علاقے کو حاصل کیا ہے وہ ۳۷۳۸۵ ہیکٹر ہے۔ (۳۰ نومبر ۱۹۷۶ء تک حاصل کردہ زمینوں کے لئے جو رقم ادا کی گئی وہ مجموعی طور پر ۵٫۲۹ کروڑ روپے تھی۔

حکومت کی جانب سے تھانہ، پنویل اور ارن تحصیلوں کے ۹۵ موضع جات میں تقریباً ۱۶۵۵۱ ہیکٹر نجی اراضی کے حصول کے لئے جو نوٹیفیکیشن جاری کیا وہ زیر کارروائی ہے۔ زمین کی حصولی کی مزید کارروائیاں جاری ہیں۔

دفاتر کے جال

سڈکو کے ذریعہ مجوزہ نئی بمبئی کی ترقی خود اس کی اپنی انفرادی شناخت کے ساتھ اور وہ بھی ممکنہ قلیل مدت میں ایسا تصور ہے جس کے تحت موجودہ شہر کے لئے متبادل جائے کشش کا کام کرے ساتھ میں اس جڑواں شہر کے باسیوں کو اعلیٰ طرز زندگی نیز اسٹانش معیار بہم پہنچایا جاسکے ایک ایسا خواب ہے جو شرمندۂ تعبیر ہوا ہی چاہتا ہے۔ بیلاپور مرکزی تجارتی ڈسٹرکٹ کا مرکز بن جائے گا۔ کوکن بھون جو کہ دفاتر کے جال کی بہترین مثال ہے وہ انسانی آوازوں سے گنگنانے بھی لگا ہے۔ حکومت مہاراشٹر

بچے "پلے گراؤنڈ" میں جارہے ہیں۔ واشی کے دو میڈیم اسکولوں میں شاندار "پلے گراؤنڈ" ہیں۔

۲۱ دفاتر اور ۱۲۴۷ ملازمین کے ساتھ مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ بمبئی سرکل کے دفتر اور اس کے ۵۸۰ ملازمین نے اس میں کام بھی شروع کر دیا ہے۔

ہاؤسنگ اور اربن ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے کوکن بھون کے مقابل رہائشی مکانات کا ایک جال پھیلا دیا ہے۔ جس کے لئے ۲ء۴۸ لاکھ روپیے کے قرضے سے ۸۵۰ عمارتوں کی تعمیر جاری ہے جس میں سے ۳۵۰ یونٹیں معاشی طور پر پسماندہ طبقات کے لئے ہیں۔

سڈکو کی زیر ہدایت ٹاؤن پلانرز نے مستقبل میں مختلف درجوں پر ترقی کے لئے پوری گنجائش رکھتے ہوئے منصوبہ بنایا تاکہ اس جوڑواں شہر کی ترقی میں کسی موڑ پر بھی مشکلات کا سامنا نہ ہو سکے۔

صنعتوں کے لئے کشش

بمبئی شہر کی پرانی نیز جدید صنعتوں کو نئی بمبئی میں منتقل کرنے کے لئے درج ذیل خطوط پر کشش پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ بندرگاہ پر انحصار رکھنے والی صنعتیں جو کہ بھاری مقدار میں اپنی پیداوار کو سمندر کے ذریعہ برآمد کرتی ہیں ان کے لئے نہوا شیوا بندرگاہ کے قریب جگہ فراہم کی گئی ہے۔

۲۔ نہوا شیوا بندرگاہ دیگر متعلقہ خدمات کی سہولتیں فراہم کرتا ہے۔

۳۔ میٹروپولیٹن بمبئی یا اس علاقے کی دیگر تمام صنعتوں کی آپسی ضروریات کے مدنظر نئی بمبئی ترقی کا ایک بہترین مرکز فراہم کرتی ہے۔

۴۔ منڈی سے متعلق صنعتوں کو نئی بمبئی میں ترجیحی مواقع فراہم ہوں گے تاکہ کنزیومرس اشیاء فراہم جیسے بیکری پراڈکٹس اینڈ بیوریجز ڈرنکس، دودھ اور دودھ سے تیار کردہ اشیا، فرنیچر، پیکیجنگ نیز پرنٹنگ وغیرہ تیزی سے ادھر سے ادھر لائی جا سکیں۔

۵۔ ایسی صنعتیں جن کا انحصار بمبئی کی تحقیقاتی اور ترقیاتی سہولتوں پر ہے جیسے ڈرگس نیز فارماسیوٹیکل اور الیکٹرانکس وغیرہ اپنے پلانٹ نئی بمبئی میں لگانے کو زیادہ نفع بخش پائیں گے۔

۶۔ بمبئی عظمیٰ میں ہزار ہا ایسی صنعتی یونٹ ہیں جن کے پاس کسی قسم کا بھی لائسنس نہیں ہے اور کچھ کے پاس صرف میونسپل کارپوریشن کا دیا ہوا کوئی لائسنس ہے۔ اور زیادہ تر بمبئی عظمیٰ کے ان مقامات پر قائم ہیں جو کہ اس مقصد کے لئے مقرر نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ انھیں ۷۵۰۰۰ ملازم کام کرتے ہیں۔ ان سب کو اس نئے ماحول میں منتقل کرنا ایک چیلنج سے کم نہیں ہے جس کا بیڑا نئی بمبئی پروجیکٹ نے اٹھایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جوڑواں شہر کے پاس اس سوال کا حل موجود ہے۔

بمبئی کی موجودہ صنعتوں کی محرک ٹیکسٹائل انڈسٹری تھی جس نے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۷۱ء کی مدت کے دوران بمبئی کی آبادی کو ۹ لاکھ سے ۶۰ لاکھ تک پہنچا دیا۔ اس پس منظر میں اس میں کوئی شک نہیں کہ بمبئی ہندوستان کی صنعتی و تجارتی دھری ہے۔ جہاں ملک کی فیکٹری ملازمت کا ۲۰ فیصدی حصہ روزگار پاتا ہے اور ملک کی صنعتی پیداوار کا ۲۵ فیصدی یہاں تیار ہوتا ہے۔ نیز ملک کی کل جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کا ۴۲ فیصدی یہیں ہے۔

۱۹۶۵ء سے صرف دس سال کے اندر نئی بمبئی کا نصف شمالی حصہ جو کہ متوالی نیند میں تھا۔ بڑی بڑی صنعتوں کی ہماہمی سے بیدار ہو گیا ہے جہاں کہ چوبیس گھنٹے مشینوں کے پہئے چلتے ہی رہتے ہیں۔ اس دہائی کے اختتام تک یہاں ۳۰۸ کروڑ روپے کی پونجی صنعتوں وغیرہ میں لگائی جا چکی ہے۔ جبکہ مہاراشٹر بھر کی صنعتوں میں لگی پونجی ۲۲۰۰ کروڑ روپے ہے۔ اس کی وجہ سے ایک ٹرانس تھانہ کریک ایریا عالم وجود میں آیا۔ جس کو ایسی واحد صنعتی پٹی کہا جاتا ہے جو کہ جیڑواں شہر کا کہلاتی ہے۔ یہاں پر موجود ۸۰ صنعتی یونٹوں نے روزگار کے نئے مواقع فراہم کئے ہیں۔

ٹرانس۔ تھانا کریک انڈسٹریل بیلٹ جو کہ تھانہ ریلوے اسٹیشن سے جنوب مشرق کی سمت چار کیلومیٹر فاصلہ پر واقع ہے وہ تھانہ بیلاپور سڑک کے مشرق میں تقریباً ۱۶ کیلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں پیچیدہ قسم کی بڑی صنعتوں کو دیکھا جا سکتا ہے جو مختلف اقسام کے کیمیکل، مشینری، ادویہ، بجلی کے سامان و آلات وغیرہ تیار کرنے میں مشغول ہیں۔

اس پٹی میں بڑھتی ہوئی صنعتی کارروائیوں کی مدد کی غرض سے ضمنی صنعتوں کو ایم آئی ڈی سی نے موجودہ دہائی کے آغاز میں نئی بمبئی کے مشرقی علاقے میں تلوجہ کے مقام پر ایک اور صنعتی علاقہ شروع کیا۔ پرانی پونا شاہراہ پر یہ تقریباً ۷۵۰ ہیکٹر علاقے پر پھیلی ہوئی ہے۔ خود تلوجہ میں ۳۷ صنعتی یونٹیں ہیں تقریباً ۳۹ تعمیری مرحلے سے گزر رہی ہیں۔

تیسرا بڑا صنعتی مرکز جو کہ ۱۶۰۰ ہیکٹر علاقے پر ہوگا وہ نئی بمبئی کے نہوا شیوا بندرگاہ کے قریب قائم کرنے کی تجویز ہے۔ اسی علاقے میں قائم ہونے والی صنعتیں ملکی اور غیر ملکی

تجارت میں زیادہ فائدہ حاصل کرسکیں گی کیوں
کہ بندرگاہ کے قریب ہونے سے ٹرانسپورٹ
کا اصراف بچ جائے گا۔

برآمدی پروسیسنگ زون

نئی بمبئی کے صنعتی علاقے میں ایک برآمدی پروسیسنگ زون (ای پی زیڈ) کا بندرگاہ پر منحصر صنعتی علاقہ قائم کرنے کی بھی گنجائش موجود ہے۔ جہاں پر پلاسٹک (بشمول سمنٹ) خوردنی وغیر خوردنی تیلوں کی کھلی، تیار پوشاک بنے ہوئے کپڑے، پراسیسڈ پھل اور ترکاریاں، سلائی مشینیں، بجلی کے پنکھے نیز دیگر بجلی کے آلات اور پرنٹنگ کے کارخانے

ای پی زیڈ میں واقع ہیں جو کہ اپنی پیداوار کا زیادہ تر حصہ برآمد کرلیا۔ انھیں نہوا شیوا بندرگاہ کی سہولت ملک میں ایک اہم مقام عطا کرے گی۔ ساتھ ہی بہت سے غیر ضروری اصراف سے بھی انھیں نجات ملے گی۔

یہاں پر دوسری سہولتیں اس طرح ہیں:
(۱) کافی زمین (۲) بجلی اور پانی کی کافی یقینی فراہمی۔ جڑواں شہر میں صنعتوں کے قیام میں پونجی لگانا اور بھی زیادہ فائدہ مند ہوگا کیوں کہ کلوا میں ایک بہت بڑا ریسیونگ اسٹیشن جس کے ساتھ تقسیم کا ایک جال ہوگا۔ ۱۵ کروڑ روپے کی لاگت سے قائم کیا جائے گا اس کے علاوہ پاتلگنگا اور بردی پانی فراہمی اسکیم جس پر ۲ کروڑ روپے کی لاگت آئے گی کی شروعات نیز کھاڑی پر فراہم کردہ نیا اور قریبی راستہ جو نئی یونار یاستی شاہراہ ہے کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

نئی بمبئی میں قائم ہونے والی صنعتی یونٹوں کو حاصل ہونے والے فوائد کی فہرست لامحدود ہے۔ آئیل اینڈ نیچرل گیس کمیشن نے اپنے بمبئی ہائی فام تیل کے لئے آئل ٹرمینل کا کامپلکس نہوا میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو کہ نہوا شیوا گہرے پانی کے بندرگاہ کے قریب ہوگا۔ نئی ریلوے لائن آجانے سے مزید سہولتوں میں اضافہ ہوگا۔

نوجوانوں کے لئے پیشہ ورانہ تربیت

سڈکو نے پروجیکٹ سے متاثر نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کا ایک عظیم منصوبہ تیار کیا ہے۔ یہ نوجوان مقامی ہی ہوں گے۔ ان کو شہری نوجوانوں کی طرح کی تعلیم و تربیت دیکر روزگار حاصل کرنے کے لائق بنانے کے لئے سڈکو اپنا پورا زور صرف کررہی ہے۔ تاکہ مقامی آبادی ... ۱۱۲ نفوس پر مشتمل ہے وہ

اس نئے شہر میں خود کو بہتر سطح پر کھپا سکے۔
سڈکو پبلک ٹرانسپورٹ میں یقین کرتی ہے نیز نئے سطح کے مواصلاتی نظام اس کے زیر مطالعہ ہیں۔

سڈکو نے اس نئے شہر کو بسانے کے لئے ہر ہر طرح کے تجربات و تحقیقات کی ہیں اور کررہی ہے۔ تاکہ یہاں پر بسنے والی آبادی کو صنعتی شہروں کے مسائل سے نجات بھی حاصل ہوسکے۔ جیسے آبی اور فضائی آلودگی وغیرہ

نئے شہروں کے بسانے کے لئے جو زمینیں حاصل کی جاتی ہیں اس سے زمین مالکان کو جو لائق کاشت زمین کا نقصان ہوتا ہے اس کے لئے سڈکو نے باز آبادکاری کا ایک زبردست پروگرام شروع کیا ہے۔

(الف) ہر متاثرہ خاندان کے کم از کم ایک فرد کو ایسا موقع فراہم کیا جائے تاکہ وہ



ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹر، اُرن میں تربیت یافتگان کام میں مصروف نظر آرہے ہیں۔

اپنی زمین سے پیدا کردہ آمدنی سے زائد آمدنی کر سکے۔

(ب): ان کو جو ان کی زمین کے عوض ہرجانے کی رقم دی گئی ہے اس کو فکسڈ آمدنی کے طور پر انھیں ملے جو کہ جسمانی طور پر کام کرنے سے معذور ہوں۔

(س): دیہی آبادی کو نئے شہری ڈھانچے میں سمونے کے لئے کوششیں۔

یہ پروجیکٹ سے متاثر افراد کو ٹیکنیکل تعلیم اور عام تعلیم کے ذریعہ اپنی روزی کمانے کے لائق بنانے کی بھی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

سڈکو نے نئی بمبئی کے مختلف علاقوں میں اس مقصد کے تحت پانچ ٹیکنیکل ٹریننگ مراکز قائم کئے ہیں۔ جہاں پروجیکٹ سے متاثر لڑکوں کو تربیت دی جاتی ہے۔ اب تک اس نے ۲۵۰۰ سے زائد لڑکوں کو تربیت دی ہے۔ اور ۳۰۰۰ سے زائد تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ افراد کو نئی بمبئی، بمبئی عظمیٰ پونے نیز قرب وجوار کے علاقے کے صنعتی اداروں میں ملازمتیں دلائی ہیں۔ تربیت حاصل کرنے والوں کو وہ وظیفے بھی عطا کرتی ہے۔

سڈکو باز آبادکاری پروگرام میں خود کی ملازمت اسکیم، دیہی ترقیات نیز عام تعلیم کے ذریعہ بڑھاوے کی غرض سے پروجیکٹ کے علاقے کے پرائمری اور ثانوی اسکولوں کو مالی امداد کی فراہمی بھی شامل ہے۔ اب تک اس نے مالی امداد کے طور پر آٹھ لاکھ روپے کی رقم دی ہے۔ پانی کی قلت والے بعض گاؤں کو اس نے نلوں کے ذریعہ پانی بھی فراہم کیا ہے۔

سڈکو بس سروس

۱۹۷۲ء سے شروع ہونیوالی یہ سڈکو بس سروس دادر سے تھانے اور دادر سے پنویل کے دو شہری راستوں کے درمیان چلتی ہیں۔ اُرن تک کے علاقوں تک اس بس سروس کو پھیلانے کا انتظام بھی ہوچکا ہے اور جلد ہی بس سروس کا کام بھی انجام پاجائے گا۔ حکومت کے کچھ آفسوں کی منتقلی بمبئی سے 'کوکن بھون' ہوچکی ہے۔ اس لئے حسب ذیل چار راستے حکومت کے ملازمین اور عوام کی آسانی کے لئے بنائے جارہے ہیں یعنی دادر کوکن بھون، باندرہ کوکن بھون، مانخورد کوکن بھون اور تھانے کوکن بھون۔

سڈکو کی بس سروسیں ہر دس منٹ میں صبح تا نصف شب دستیاب ہیں۔ یہ بس سروس دن بدن مقبولیت حاصل کرتی جارہی ہے۔ یہی تنہا سروس ہے جو بمبئی عظمیٰ اور مختلف ترقیاتی مرکزوں کے درمیان نقل حمل کے لئے کڑی کا کام انجام دے رہی ہے۔ فی الحال سڈکو بس سروس کی کل ۹۷ سنگل ڈیک والی بسیں چل رہی ہیں۔ ان میں سے ۳۲ بسیں ایسی ہیں جن کے لئے صرف ایک ہی شخص متعین ہے اور ۶۵ بسیں ایسی ہیں جن میں کنڈکٹر بھی ہیں۔ اس بس سروس سے ۱۵۰۰۰ اشخاص روزانہ سفر کرتے ہیں۔

واشی کیسا مقام ہے

بندرگاہ کے پار خوابوں کی ایک بستی یعنی نئی بمبئی کافی عرصہ پہلے ہی ترقی کی ابتدائی منزلوں کو پار کرچکی ہے۔ تھانے کریک برج کے آرپار واشی، نئی بمبئی کا پہلا اور نمونہ بن کر اُبھرنیوالا شہر ہے۔ نئی بمبئی کا یہ شہر دیہی منصوبہ بندی کے جدید طریقوں پر بنایا جارہا ہے۔ اس وقت واشی کی کل آبادی تقریباً ۱۰۰۰۰ ہے جو کچھ دنوں بعد ایک لاکھ تک پہنچ جائے گی۔

واشی مکمل طور پر فلیٹوں پر مشتمل ہے، جہاں دوکانوں کا مرکز، دو میڈیم کی اسکولیں، دواخانے اور اسپتال، پوسٹ آفیس، ایمپلائمنٹ ایکسچینج، پارک اور باغ تفریح

تاراپور ہاؤسنگ اسکیم

نیا اورنگ آباد، نیا ناشک، نیا ناگپور وغیرہ کی طرح تاراپور میں بھی صنعتی ترقی میں تیز رفتاری کے سبب ہاؤسنگ کے مسئلے نے زبردست اہمیت حاصل کرلی۔ وہاں پر سڈکو نے ایک ہاؤسنگ اسکیم مکمل کی ہے۔ جس میں مختلف صنعتوں کے ملازمین کے لئے چار قسم کے مکانات فراہم کئے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت نو ہیکٹر اراضی پر ۱۰۵ مکانات تعمیر کئے گئے ہیں۔ سماجی سہولتیں جیسے اسکول، شاپنگ سینٹر، عبرادری مرکز وغیرہ فراہم کی گئی ہیں۔

مختلف راستوں کے بس کے کرائے حسب ذیل ہیں

بس کا راستہ	سڈکو کا کرایہ (روپے میں)	ایس.ٹی کی بسوں کا کرایہ (روپے میں)
۱۔ دادر سے پنویل تک	۱.۸۰	۲.۴۰
۲۔ دادر سے تھانے تک	۱.۸۰	–
۳۔ دادر سے راہبل بس ڈپو تک	۱.۵۰	–
۴۔ دادر سے کوکن بھون تک	۱.۳۰	–
۵۔ واشی سے ماخور در ریلوے اسٹیشن تک	۰.۲۵	–

ات وغیرہ رہائشی مقاموں سے بہت
صلوں پر واقع ہیں۔ مافکو کا تھوک
ی کا زرعی مارکیٹ واشی سے بالکل الگ
ہے، جہل قدمی تو بالکل محفوظ طور پر کی
تی ہے۔ کالج، سینما اور تیراکی کے تالاب
لئے زمین محفوظ کر دی گئی ہے۔ اب تک
شی طور پر کمزور طبقوں سے لیکر اعلیٰ طبقوں
ـ کے افراد کے لئے ...۱۶ گھر بنائے
چکے ہیں۔

اگر آپ کو اپنا ذاتی بنگلہ بنانا ہو تو اس
لئے واشی میں ساحل کے قریب جگہ مخصوص
ی گئی ہے۔

واشی کو سڈکو بس سروس کے ذریعہ تھانے،
ل اور ممبئی عظمیٰ کے دادر سے جوڑ دیا گیا ہے
ی ممبئی کے مرکزی علاقے سے ٹھیک ½
منٹ کے بس کے سفر پر واقع ہے۔

واشی آپ کے لئے منتظر ہے۔ لہٰذا بہتر
ی زندگی کے لئے واشی منتقل ہو جائیے۔
فی الحال واشی میں کوئی بھی فلیٹ
دستیاب نہیں ہے بہت سے مذکورہ فلیٹ
اور قطار میں بنے ہوئے گھر ہائر پرچیس بنیاد
پر ہڈکو (ایچ.یو.ڈی.سی.او) لون کی سہولت
سے، جن کو ۱۰ یا ۲۰ سال کے دوران واپس
واپس کرنا ہوتا ہے، دستیاب ہیں۔ ۱۵۰
روپے تا ۲۰۰ روپے فی مربع میٹر کے بھاؤ
سے ۲۰۰ مربع میٹر، ۳۰۰ مربع میٹر اور ۴۰۰ مربع
میٹر کے بنگلوں کے پلاٹس برائے فروخت
ہیں۔ رجسٹرڈ شدہ کو آپریٹیو ہاؤسنگ
سوسائیٹیوں کے لئے بھی مناسب پلاٹس
دیئے جاتے ہیں۔

پلاٹس یا فلیٹس کی خریداری کے لئے
رابطہ قائم کیجئے: مارکٹنگ منیجر سڈکو سے
سڈکو آفس، واشی، نئی ممبئی۔ ۴۰۰۷۰۳
تھانے ضلع۔ ٹیلیفون ۱۵۹ (ڈیمانڈ) ۲۴۱
تا ۲۴۹، اور سڈکو آفس، نرمل، دوسرا مالا
نریمان پوائنٹ، ممبئی ۴۰۰۰۲۱۔ ٹیلیفون۔
۲۹۴۶۴۹ - ۲۹۴۶۱۵

واشی میں فلیٹس کی قسمیں:

قسم	فلیٹوں کی کُل تعداد	فرشی رقبہ مربع میٹر میں: سے	تک	خرچ روپے میں: سے	تک	حصہ
B	۷۶۴	۱۶۶.۷	۱۸۶.۱	۹۲۰۰	۱۱۳۲۵	I اور IV
B-I	–	۱۸۶.۲	۲۰۶.۶۵	۱۴۵۰۰	۱۵۲۰۰	VI
C	۱۷۶	۲۲.۶۰	۲۳.۴۲	۱۱,۱۰۰	۱۴,۵۰۰	I
D	۲۸۸	۱۵.۳۵	۲۳.۸۰	۱۰,۰۰۰	۱۷,۵۰۰	I
E	۲۶۴	۳۶.۹۵	۸۵.۸۳	۲۸,۳۱۴	۵۲,۵۰۰	I، IV اور V
جگہ اور خدمت	۲۸۵	۳۵ (پلاٹ رقبہ)	–	۳۰۰	۶۶۰۰	I

قطار میں بنے گھر

RH-I سے RH-VI تک

	فلیٹوں کی کُل تعداد	فرشی رقبہ: سے	تک	خرچ: سے	تک	حصہ
	۷۸۰	۴۵.۰۲	۱۰۴.۰۰	۳۷,۴۰۰	۹۷,۲۵۰	۱۴ اور ۷



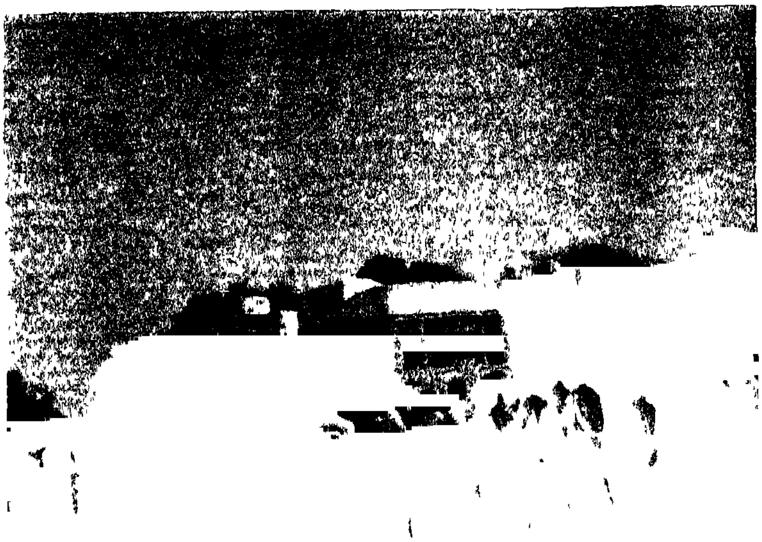
نئے اورنگ آباد میں N - 7 کے پڑوس میں گھروں کا ایک منظر، ان گھروں کی تعمیر میں کم سے کم سمنٹ اور لوہا استعمال کیا گیا ہے۔



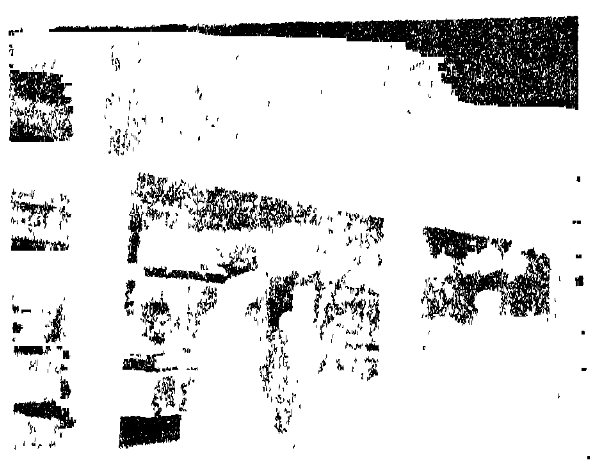
نیا اورنگ آباد بنائے جانے والا علاقہ بالکل اجاڑ اور درختوں سے خالی تھا۔ سڈکو نے ۲۲ مختلف قسموں کے کل ۲۲۳،۳۰،۴ درخت لگائے۔ اس طرح درختوں کو لگانے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ یہ



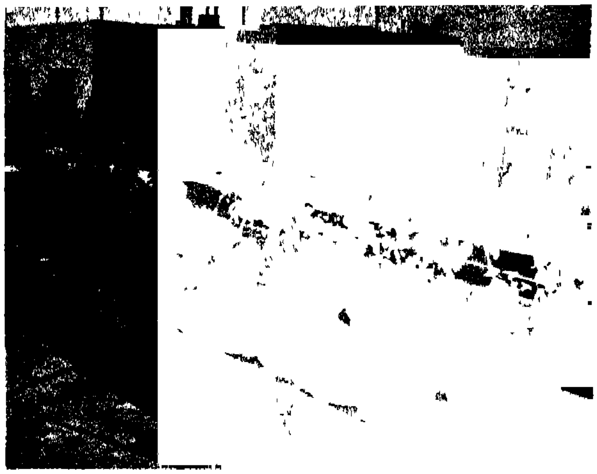
واشی میں کے. جی کلاس میں پڑھنے والے بچے ۔ یہاں دو ۔ میڈیم اسکول جاری کیے گئے ہیں ۔ رہائشی علاقوں سے بہت ہی کم فاصلے پر بازار، دواخانے اور اسکول وغیرہ ہیں ۔ فی الحال اس کی آبادی ۱۰،۰۰۰ ہے ۔ لیکن یہی آبادی کچھ دنوں بعد ایک لاکھ تک پہنچ جائے گی ۔



۷۹ سنگل ڈیک والی سڈکو کی بسیں دن بہ دن مقبولیت حاصل کرتی جارہی ہیں ۔ ان بسوں کے ذریعے تقریباً ۵۰،۰۰۰ مسافر روزانہ سفر کرتے ہیں ۔



واشی میں ترکاری کا ایک بازار



واشی سیکٹر۔ I ۔ B ٹائپ اپارٹمنٹ کا ایک منظر۔ واشی میں اب تک معاشی طور پر کمزور اور اعلیٰ آمدنی والے گروپوں کے لئے ۱۴۰۰ گھروں کی تعمیر ہو چکی ہے، تمام شہر، شہری پلاننگ کی بنیاد پر تعمیر ہو رہے ہیں۔



سیکٹر۔ I ، واشی میں ڈی۔ ٹائپ (D-TYPE) کے پری فیبریکیٹڈ مکانات۔



واشی میں کم آمدنی والے افراد کے لئے بی (B) قسم کے مکان۔

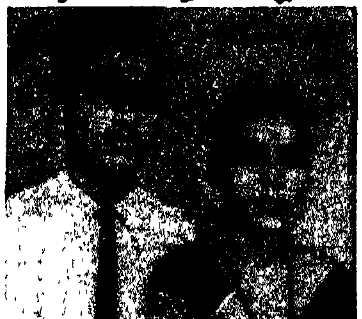


(بہاولپور) میں
)ہ کا ایک منظر
ف قسم کی تقریباً
میں لگائی گئی



بستروں والا
تال

واشی کا پہلا باشندہ کیسا محسوس کرتا ہے



شری جی۔ ٹی سالوی، واشی کے پہلے باشندہ ریلیس انڈیا پرائیویٹ لمیٹیڈ میں جو کہ تھانے۔ بیلا پور روڈ پر ہے، کام کرتے ہیں۔ وہ ۱۹۵۸ء میں بمبئی آئے۔ شری سالوی اور ان کی بیوی سے اس جریدے کے نمائندے نے نئی بمبئی کے بارے میں اپنا پہلا تاثر معلوم کرنے کے لئے انٹرویو لیا۔

سوال: شریمتی سالوی آپ نئی بمبئی میں آنے سے پہلے کہاں مقیم تھیں؟

شریمتی سالوی: ہم شروع شروع میں بمبئی میں ٹھاکر دوار میں رہتے تھے۔ اس کے بعد ہم نے گھاٹ کوپر پر رہائشی جگہ پائی۔ نئی بمبئی میں منتقلی سے پہلے ہم لوگ ورتک نگر تھانے میں رہتے تھے۔

سوال: آپ کو نئی بمبئی میں دستیاب ہونے والے فلیٹس کے بارے میں کس طرح معلومات ملیں۔

شریمتی سالوی: ۱۹۷۳ء کی شروعات میں سڈکو مارکیٹنگ برانچ کے ایک نمائندہ نے واشی میں دستیاب فلیٹس کے بارے میں معلومات دینے کے لئے میرے شوہر سے آفس میں ملاقات کی۔

سوال: ورتک نگر تھانے میں آپ کو کن کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا؟

شری سالوی: ورتک نگر، تھانے میں آپ کو کن ان

شری سالوی: ورتک نگر میں پانی کی بے حد کمی تھی، اسکول اور بازار بہت دور تھے، مجھے آفس پہنچنے میں بہت دشواری پیش آتی تھی اور بہت سا وقت اور پیسہ ضائع ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ ہمارا فلیٹ، کرایہ داری پر تھا۔ واشی میں ہم اپنے فلیٹ کے مالک ہیں۔ یہاں تمام سہولتیں مثلاً اسکول، بازار وغیرہ ہمارے لئے بہت قریب ہیں۔ لیکن ان سب میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہاں ہمیں ۲۴ گھنٹے پانی ملتا رہتا ہے۔ بمبئی میں، فلیٹ کی بہت زیادہ قیمتیں ہونے کی وجہ سے فلیٹ کے مالک بن جانا ایک ناممکن بات ہے۔ لیکن واشی میں ہم فلیٹ کے مالک بن سکتے ہیں۔ اس لئے کہ فلیٹس کی قیمتیں ہماری پہنچ تک ہوتی ہیں۔ اب میں اپنی آفس ۱۰ منٹ میں پہنچ جاتا ہوں جبکہ اس سے پہلے مجھے ڈیڑھ گھنٹے ضائع کرنا پڑتے تھے۔

سوال: شریمتی سالوی صاحبہ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ کو واشی کے پہلے باشندہ ہونے کی وجہ سے شروع شروع میں بہت سی تکالیف سے دوچار ہونا پڑا ہوگا؟

شری سالوی: جی ہاں! اس وقت یہاں بجلی نہیں تھی۔ سڈکو نے پیٹرومکس مہیا کر دیا تھا۔ دوکانیں شروع نہیں ہوئی تھیں۔ راستے ٹھیک سے نہیں بنے تھے۔ لیکن ہم نے ان تجربوں کو رابنسن کروسو کے جذبے کی طرح خوشی خوشی برداشت کر لیا۔

سوال: شری سالوی! آپ اپنا فرصت کا وقت کیوں کر گذارتے ہیں؟

شری سالوی: مجھے سماجی خدمت سے بہت لگاؤ ہے۔ لیکن، جب ہم تھانے میں تھے تو مجھے سماجی خدمت کا وقت نہیں ملتا تھا۔ اب واشی میں مجھے کافی فرصت کا وقت مل رہا ہے۔ اس وقت میں 'E' قسم کی ایسوسی ایشن کا صدر ہوں، اور نیڈریشن آف ریذیڈنٹس ایسوسی ایشن کا نائب صدر ہوں۔ میں شیو وشنو مندر ٹرسٹ اور سروجنک گنیشوتسو منڈل کا بھی صدر ہوں۔

سوال۔ اور آپ شریمتی سالوی صاحبہ؟

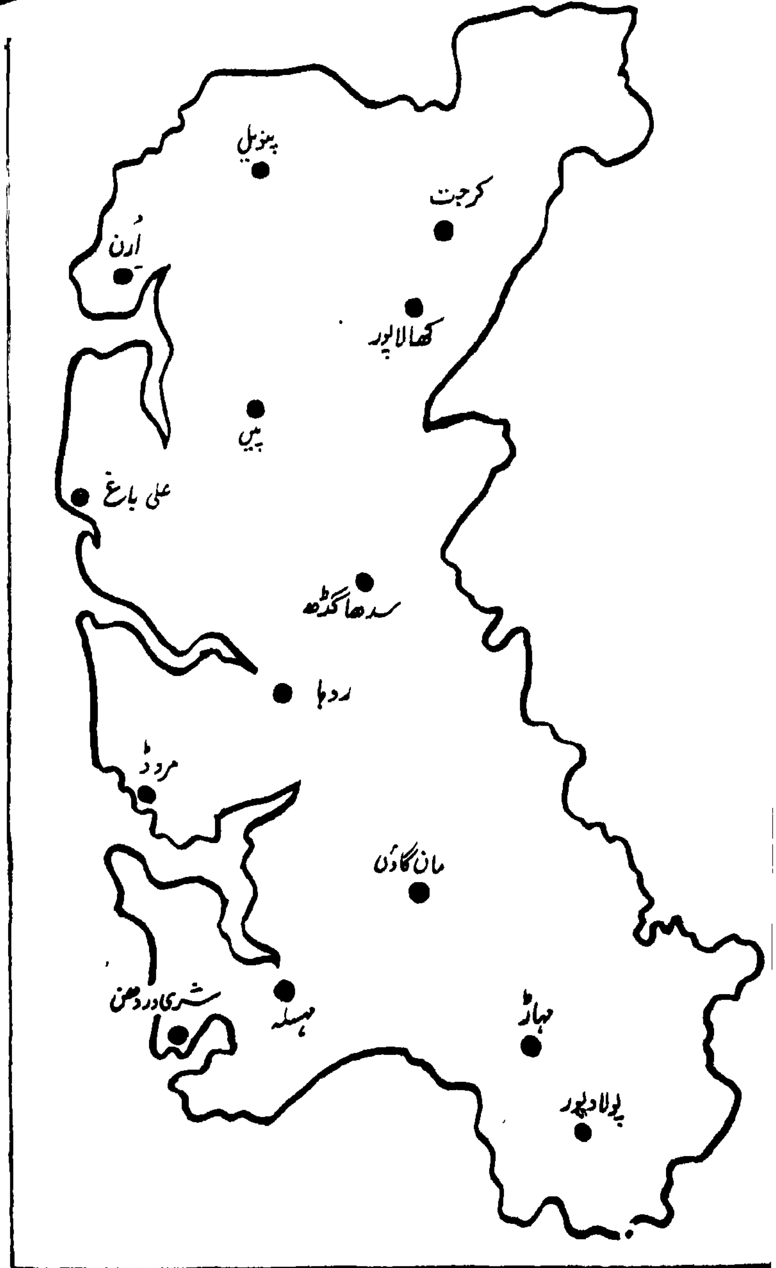
شریمتی سالوی: میں اپنا وقت گھریلو کام کاج میں لگا رہی ہوں۔ میرے دونوں بچے K.G. ۱۰ (کے جی) میں ہیں۔ انھیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس لئے فی الحال میں کہیں بھی کام نہیں کر رہی ہوں۔ پھر بھی چونکہ میں نے اس سے قبل ٹیلرنگ ٹیچر کی حیثیت سے کام کیا ہے، میں واشی میں ٹیلرنگ، پینٹنگ، دستکاری سکھاتی ہوں میں ان سرگرمیوں کو بڑے پیمانے پر شروع کرنا چاہتی ہوں لیکن فی الحال جگہ کی قلت ہے۔

سوال: واشی شہر کے بارے میں آپ کا عام خیال کیا ہے؟

شریمتی سالوی: واشی شہر کا خاکہ بہت اچھا ہے لیکن گھر کی ڈیزائنوں میں کچھ خامیاں ہیں۔ "C" اور "D" قسم کے گھروں کی کھڑکیوں میں کسی طرح کی حفاظتی جالی وغیرہ نہیں ہے۔ اس لئے کچھ ایسے بھی واقعات پیش آچکے ہیں کہ چھوٹے بچے کھڑکیوں سے باہر گر پڑے ہیں۔ بے شک سڈکو نے اب جالیاں ان کھڑکیوں میں لگا دی ہیں۔ پانی رسنے کی بھی کچھ شکایات ہیں۔ اس وقت یہاں کوئی عام باغ یا بچوں کے کھیلنے کے سامان نہیں ہیں

از : پروفیسر مادھو آر۔ پودار

ضلع قلابہ



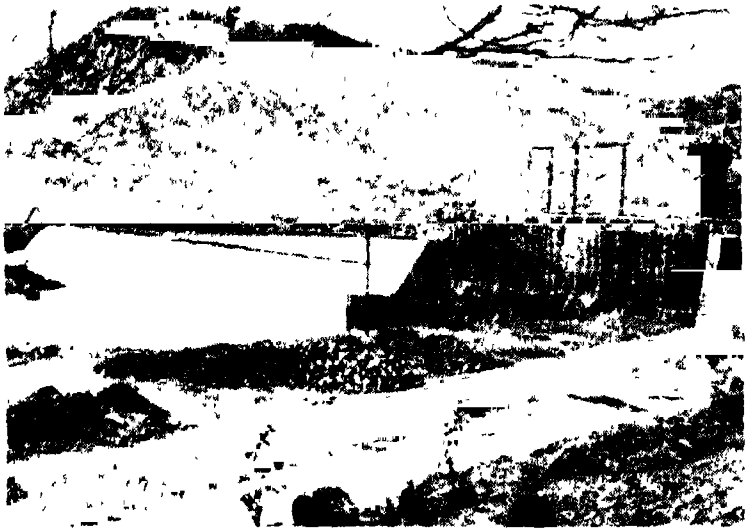
خوش نما مناظر کے درمیان واقع اس ضلع کی اپنی بھی ایک خوب صورتی ہے۔ بہترین تواریخی روایات سے بھرپور اس کا پس منظر ہے جو کہ مشکل سے ہی کہیں اور پایا جاتا ہے دور دور تک گرجتے ہوئے سمندروں سے آنکھ مچولی کھیلتی ہوئی یہ دھرتی ایک مثالی تصویر پیش کرتی ہے۔ پہاڑی وادیوں، گھاٹیوں نیز نشیب و فراز سے بھرپور چٹانیں ایک دوسری ہی زندگی کی نشان دہی کرتی ہیں جو کہ غربت سے بھری اور سخت جدوجہد پر مشتمل ہے۔ مگر مجموعی طور پر اس سرزمین پر تواریخی ماضی کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ ساحل سمندر کی ریت پر پڑے گذرے ہوئے زمانے کے نقوش اور چٹانوں پر عظیم کلچر کی کھدی ہوئی تصویریں خود آپ اپنی کہانی کہتی ہیں۔

ایک طرف سہیادری کے سلسلوں سے گھرا ہوا اور سمندر کے ذریعہ دوسروں سے الگ تھلگ کیا ہوا یہ ضلع ایک زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ جو کہ مراٹھا حکومت کے دوران بحری کارروائیوں کا مرکز رہ چکا ہے۔ مراٹھا بحری فوج کے سپہ سالار کانہوجی انگرے اسی جگہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی وہ مقام تھا

جہاں ایک بار پھر مراٹھاؤں نے بڑی بہادری سے غیر ملکی سدھیوں، مغلوں اور برٹشوں سے نبرد آزمائی کی تھی۔ ضلع کی مشرقی سرحد پر واقع سہیادری کے غیر مفتوح قلعوں میں رائے گڑھ، کرنالا، سدھا گڑھ اور دیگر، نیز جنجیرہ کا سمندری قلعہ گزرے ہوئے عظیم زمانے کی زندہ مثالیں ہیں۔

ان تواریخی عمارات کی طرح ہی ثقافتی اور مذہبی مقامات بھی اپنا الگ مقام رکھتے ہیں۔ عبادت کے مقدس مقامات جیسے شمال میں بھیما شنکر، جنوب میں سنس گری پہاڑی پر واقع بھوانی دیوی کا مندر، ساحل سمندر پر واقع ہری ہریشور کا مندر، علی باغ تعلقہ کے شمالی سنکیشور کے گھرا پوری میں واقع تری مکھی شیو، سیول کی شیتلا دیوی، بھگوان گنیش کی آٹھ زیارت گاہوں میں سے تین مقامات مہاڑ پال اور مندگاؤں ضلع میں قلابہ میں واقع ہیں۔ جہاں بھگتوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ چمپاوتی، بادشاہ کی پرانی راجدھانی جس کو اب سیول کہتے ہیں۔

قلابہ میں واقع سیول، مہاڑ، گھوڑے گاؤں اور جنجیرہ میں راجپوری بندرگاہیں آغاز تاریخ (۲۲۵ قبل مسیح) سے ہی لگتا ہے کہ تجارتی مراکز تھے۔ اس زمانے میں تجارت سہیادری کے دروں سے ہوتی ہوگی جو کہ بور، دیوستھلی کمبھ اور سیوبتیا کہلاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اس وقت پورے قلابہ کے ساحل پر ایسے حکمراں کی حکمرانی رہی ہو جس کے تحت کوکن اور دکن دونوں ہی ہوں اور بندرگاہوں کی غیر ممالک سے ہونے والی تجارت اس وقت گھٹ کر صرف مقامی حد تک رہ گئی ہو۔ جبکہ قلابہ گجرات کا ایک حصہ بن گیا۔ جہاں ایک مقامی سرداسکی حکومت تھی مسیح کے بعد پہلی ہی صدی سے بدھسٹ غاروں کا پتہ سیول، پال اور کول





اوپر: کال پروجیکٹ کا ایک منظر۔ اس پروجیکٹ کی بدولت ما ا گاؤں اور روہا تعلقہ میں خوشحالی آگئی ہے۔ (نیچے) مذکورہ پروجیکٹ کے ذریعہ کھیتوں کو سیراب کیا جا رہا ہے ساٹ کروڑ روپے کے اس پروجیکٹ کا کام تیسرے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران شروع کیا گیا تھا تاکہ اس علاقہ کی تقریباً ۸۰۰۰ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی ہو سکے۔

نزد مہاڑ اور راج پوری کے نزدیک کدا میں لگا۔ ان تواریخی مقامات کے ساتھ ہی گھوڑے گاؤں کو بھی تجارتی مرکز کے طور پر بتایا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ پولمیز سیمولا یا تیمولا (۱۵۰ء) اور ممکن ہے پلائی نس پیر یمولا (۷۷ء) سیمولا یا سیمول

سے مشابہت رکھتے ہیں۔

۱۵۱۶ء میں پرتگیز سیول اور ریوڈنڈا میں ایک کارخانہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ سیول ایک بہت ہی اہم بندرگاہ تھا جس کے ذریعہ زمانہ آتش کی

تجارت پندرہ دیں صدی میں بڑی سرعت سے کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ڈبول اور راجپوری بھی اس کے مقابلے پر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ریشم، مسالے، جائفل اور ناریل بڑی مقدار میں یورپ کو برآمد کئے جاتے ہیں۔ سیول مناسب گودیوں سے مزین تھا جس سے کہ اس زمانے میں کشتیاں آسانی سے کھڑی کی جا سکتی تھیں۔ آج جو ریوڈانڈا کہلاتا ہے حقیقتاً وہ سیول کا ہی ایک حصہ تھا۔ بہرحال گوا پر پرتگیزیوں کے قبضے نے ان کی بڑھتی ہوئی قوت کے سبب سیول کی تجارت جنوب کی طرف منتقل ہو گئی۔ جب سدیوں نے جنجیرہ اور ڈانڈہ راجپوری پر اپنا قبضہ مضبوط کر لیا اور انگریزوں نے خود کو سورت میں قائم کر لیا۔ تب سیول کی خوشحالی پر زوال آنے لگا۔

شیواجی کا رابطہ موجودہ ضلع قلابہ سے ۱۶۵۶ء سال میں قائم ہوا جبکہ انھوں نے جاول کے مورس کے خلاف مہم کے دوران انھوں نے رائری (رائے گڈھ) پر چڑھائی کی تھی۔ اس وقت رائری ایک بہت ہی بلند اور تقریباً ہی ... باہر میدان مرتفع تھا۔ بغیر کسی تحفظ کے جس کو بعد میں شیواجی نے مستحکم کیا اور ۱۶۵۶ء میں اس کا نام رائے گڈھ رکھا۔

ضلع قلابہ کی موجودہ حدود میں پرانے بمبئی پراونس قلابہ ضلع، سابق کھور ریاست کے سدھاگڑھ محل، سابق جنجیرہ ریاست اور ضلع رتناگری کے دو موضع جات شامل ہیں۔ یہ کوکن کا ساحلی ضلع کافی لمبا ہے۔ مگر چوڑائی میں بہت کم ہے۔ اس کی شمالی جنوبی لمبائی سو میل ہے۔ اس کی خصوصیات میں اونچے پہاڑ، کھائیاں، گہری وادیاں اور زبردست بارش شامل ہیں۔

ساوتری، کنڈالیکی، کال، امبا، بھوگوتی، پاتل گنگا، پیچ، الہاس اور گندھاری خاص ندیاں ہیں۔ پیچ الہاس اور پاتل گنگا کو "کسانوں کی گنگا" کہا جا سکتا ہے۔

ضلع کا خاص مقام علی باغ ہے۔ ساتھ ریاستی انتظامیہ کے ضلع افسران کی بڑی تعداد کا مقام قیام بھی ہے۔

یہ ضلع سیاسی اور سماجی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ لیکن یہ تحریکیں خاص کر پویا ناڈ اور مہاڈ کے ارد گرد محدود رہی ہیں۔ سر دشری نانا پاٹل، نانا پروہت اور نانا صاحب ٹینس نے برٹش سرکار کے وقت سے آج تک زبردست جدوجہد کی ہے۔ غریبوں اور کسانوں کو انصاف دلانے کے لئے۔

چودار تھیل ستیہ گرہ، جو پچاس سال قبل کی گئی تھی وہ نہ صرف قلابہ کی سماجی سیاسی تواریخ کا بلکہ ساری انسانیت کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ یہی واقعہ آنجہانی ڈاکٹر امبیڈکر کو ملک کی سماجی سیاسی زندگی میں آگے لانے والا ہے۔

ادبی شہرت رکھنے والے لوگوں میں سے بعض میں آنجہانی شری شنکر بالکرشنا دکشت ساکن ریوڈانڈا، مصنف، جیوتر ولاس آنجہانی شری بالکرانا اشنت پھڑے، مردڈ جنجیرہ کے مشہور مراٹھی ادیب اور آنجہانی پرنسپل شری جی۔ سی۔ بھاٹے، مہاڈ کے سماجی سدھار کے زبردست مقلد وغیرہ۔ آنجہانی شری ایس۔ ایم۔ پرانجپے، انقلابی نیشنل ازم کے حیثیت نیز ایک مراٹھی ہفتہ وار دکال کے ایڈیٹر بھی مہاڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ نیز اسی مقام سے متعلق مہاراشٹر ناٹک منڈل کے مشہور اداکار مادھوراؤ پٹنس بھی ہیں۔ حالیہ سالوں میں ڈاکٹر امبیڈکر نے مہاڈ کو اپنا گھر بنا لیا اور ۱۹۳۰ء میں چھوت چھات کے خلاف مشہور ستیہ گرہ شروع کی اس حق کے لئے کہ "چودار تالاب" سے پانی لینے کی اجازت نہ دی جائے"۔ یہ ایک تواریخی واقعہ تھا۔ یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ مہامہو پادھیا ڈی۔ دی پودوار، شری سی۔ ڈی۔ دیشمکھ، سابق مرکزی وزیر مالیات بھی ضلع قلابہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ واسو دیو بلونت جیسے زبردست انقلابی لیڈر کی بھی جائے پیدائش ہے۔ جب کہ ضلع قلابہ میں واقع گاگوڑے گاؤں اچاریہ ونوبا بھاوے کی جائے پیدائش ہے۔

چودار ٹینک کے علاقے کو ایک نیا روپ

تاریخی حقیقت کا حامل چودار ٹینک جہاں ۵۰ سال قبل ڈاکٹر امبیڈکر نے ایک ستیہ گرہ چلائی تھی، جلد ہی ایک نیا روپ اختیار کرے گا اور ایک ماسٹر پلان کے ذریعہ اس علاقے کو خوبصورت بنا دیا جائے گا۔

حال ہی میں یکم مئی کو، اس جگہ (قلابہ ضلع کے مہاڈ تعلقہ میں) ایک بڑی تقریب منائی گئی تاکہ اس ستیہ گرہ کی یاد تازہ کی جا سکے۔ پھر وزیر برائے سماجی بہبود شری ڈی۔ ٹی۔ روپاوتے نے ضلع کلکٹر پرانت آفیسر اور مہاڈ میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ اس علاقہ کا دورہ کیا۔ انھوں نے خوب صورت بنانے والی اسکیم پر بحث کی اور حکام سے ماسٹر پلان بنانے کے لئے کہا۔

اس ضلع میں جاری اذیت ناک رسم و رواج کو ختم کرنے کے لئے مہاڈ کے علاقہ میں ۱۹۲۶ء سے ایک تحریک جاری ہے۔ مہاڈ میں واقع دیویشورا مندر میں ہریجنوں کے داخلے کے لئے ایک ستیہ گرہ بھی کی گئی تھی۔ آزادی کے بعد کے زمانے میں پورے ماحول میں ایک کایا پلٹ سی ہو گئی ہے۔ پانی حاصل کرنے کے مقامات اب ہریجنوں اور ادیباسیوں کے لئے کھل گئے ہیں۔ عوامی مخیر ادارے جیسے لائن کلب اب ادیباسیوں کے لئے ایک کالونی تعمیر کر رہا ہے۔ ایسی ایک صاف ستھری کالونی پولدپور میں تعمیر کی جا چکی ہے۔ بے زمین کاشت کاروں کو کھیتی باڑی کے لئے زمین الاٹ کی گئی ہے۔ ریاستی حکومت نے ادیباسیوں کو ۷۰۶ ہیکٹر آراضی واپس دلائی۔ اور ۴ ۱۰۹۵ بے زمین لوگوں کو مکانوں کے لئے جگہ فراہم کی۔ اب تک ان جگہوں پر ۶۹۷۸ جھونپڑے تعمیر کئے جا چکے ہیں۔ آدیباسیوں کے لئے زیراڑ میں پکے جھونپڑے کی کالونی کی تعمیر اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ اب ادیباسیوں سے کوئی غفلت نہیں برتی جا رہی ہے۔ اب وہ احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ قرض سے نجات ایکٹ کے ذریعہ ۱۹۴۹ افراد کو ان کی رہن شدہ قیمتی اشیاء جن کی مالیت تین لاکھ روپے تھی واپس دلائی جا چکی ہیں۔

پانی کی فراہمی

ضلع کے تقریباً تمام قصبوں میں نلوں کے ذریعے پانی فراہم کیا جاتا ہے۔ مگر گاؤں میں پانی کی سخت قلت محسوس کی جاتی ہے کیوں کہ وہاں ایسی کوئی سہولت نہیں ہے۔ ۳۰ سال قبل اگر کوئی سورن ہندو ہریجنوں کے کنویں سے پانی لیتا تھا تو اس کو ذات باہر کر دیا جاتا تھا۔ مگر اب وقت بدل گیا ہے۔ پنچایت سمیتی نے گاؤں کی ہر واڑی میں ایک کنواں تعمیر کرنے کی اسکیم تیار کی ہے۔ پھر بھی پانی کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا ہے۔ بمبئی۔ گوا سڑک پر ناگھر تھنے۔ پین علاقے میں ہم کو چند تالاب دکھائی دیتے ہیں جن میں پانی بند سے فراہم کیا جاتا ہے۔

دیہی علاقوں میں پانی کی فراہمی

ضلع میں زبردست بارش کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگوں کو مارچ سے جون تک پینے کا پانی ناکافی ملتا ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تالاب اور کنویں کھودے جائیں۔ تالاب جو مٹی سے بھر گئے ہیں ان کو پنچایت کمیٹیاں روزگار ضمانت اسکیم کے تحت مزید گہرا کرائیں۔ بڑے پیمانے پر ٹیوب ویل کی ایک اسکیم شروع کی جا سکتی ہے تاکہ موضعہ جات جیسے درس گاؤں، کیمبوری، دیر، چیمبر کھنڈ اور مان گاؤں تعلقہ کی پانی کی مانگ پوری کی جا سکے۔

زراعتی اراضی کی آب پاشی کا مسئلہ بھی بہت ہی ٹیڑھا ہے۔ کال پراجیکٹ، راج نالا پراجیکٹ وغیرہ ضلع کے بعض علاقوں میں دو فصلیں پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

یہ ضلع جہاں ۱٫۳۶ لاکھ ہیکٹر میں دھان کی کاشت ہوتی ہے۔ وہ 'سبزہ زار دھان' کہلاتا ہے۔ چونکہ اس کی فصل کو کافی پانی درکار ہوتا ہے اس لئے حکومت ضلع میں نئی پانی اسکیموں کو شروع کرنے میں کافی دلچسپی لیتی ہے۔ لگ بھگ ۱۳۸۵۱ ہیکٹر اراضی زیر آب پاشی لائی گئی اور ۷۵-۱۹۷۴ء اور ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران محکمہ زیر زمین سروے نے آب پاشی کے مقاصد کے لئے ۲۱ کنویں



روہا انڈسٹریل اسٹیٹ:
اس علاقہ میں متعدد چھوٹی صنعتوں کے قیام کیلئے مہاراشٹر اسٹیٹ فائننس کارپوریشن، کونکن ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور قومیائے گئے بینکوں نے امدادی سرمایہ لگا کر صنعت کاروں کی ہمت افزائی کی ہے۔

کھود سے - دیہی علاقے میں پانی کی فراہمی کے لئے ۱۰۸ ٹیوب ویل کھودے گئے جن میں سے ۴۳ ادیباسی علاقے میں ہیں -

کال پراجیکٹ ایک تحفہ

کال پراجیکٹ نے مان گاؤں اور روہا تعلقہ جات کی معاشی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے - سات کروڑ روپئے کے اس پراجیکٹ کو تیسرے پانچ سالہ منصوبہ میں شروع کیا گیا تھا تاکہ روہا تعلقہ کی کنڈالکا واڈی اور مانگاؤں تعلقہ کی کال واڈی کی تقریباً ۸۰۰۰ ہیکٹر اراضی کی آب پاشی ہوسکے - جس کے نتیجے میں ممبئی گوا سڑک پر کولاڈ سے گوریگاؤں تک کا علاقہ خوش حالی سبز پٹی میں تبدیل ہوگیا ہے -

صنعت کاری :

ضلع میں کھپولی، روہا اور پنویل کے قرب جوار کے علاقے کو چھوڑ کر مشکل سے کہیں کوئی صنعتی ہلچل دکھائی دیتی ہے - مہاراشٹر اسٹیٹ فنانشیل کارپوریشن اور قومیائے بنکوں کے ذریعہ اس علاقے میں چھوٹے صنعت کاروں کو نئی صنعتیں شروع کرنے کے لئے مدد دی گئی ہے -

کسان تحریک :

اس ضلع کو یہ فخر حاصل ہے کہ حقیقتاً ملک میں یہ کسان تحریک کے لئے شہرت رکھتا ہے. علی باغ تعلقہ کے مقام چاری میں سب سے پہلی عظیم کسان ریلی ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوئی تھی جبکہ ظالم سود خوروں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا گیا تھا - مانگاؤں اور مہاڈ کے تعلقے اس تحریک میں ہمیشہ آگے رہے - بہتیرے سماجی کارکنوں کو اس سے حوصلہ ملا - اور سکھوں نے "کھوتی" طریقے کے خلاف بغاوت کی - ہمیں تشنی تحصیلشن کی جڑیں اس تحریک تک پھیلی ملیں گی -

رائے گڈھ کا علاقہ آغاز تاریخ سے ہی جنگجو یانہ جذبہ سے معمور جانا جاتا ہے - چھترپتی شیواجی مہاراج نے رائے گڈھ کے آس پاس کے علاقے کے سینکڑوں نوجوانوں کی مدد سے ہندوی سوراج قائم کیا تھا - یہاں تک کہ پہلی اور دوسری جنگوں میں بھی اس ضلع نے اپنی جنگی روایات کو برقرار رکھا - کسی بھی دوسرے ضلع نے مراٹھا انفنٹری اور مہار رجمنٹ کو اتنے نوجوان فراہم نہیں کئے جتنے اس ضلع نے - مانگاؤں کے دیر بیتونت راؤ گھاٹگے ہمیشہ دوسروں کے لئے ایک مثال رہیں گے -

جب بھی بیرونی حملہ ہوا تو اس ضلع کے سپاہیوں نے اپنے فرائض بہت ہی خوش اسلوبی سے انجام دیتے - امباوڑے، پیٹھن جیسے گاؤں کے ہر گھر کا ایک فرد فوج میں موجود ہے - مہاڈ، مانگاؤں اور پولادپور تعلقہ جات کا خصوصی ذکر کرنا ضروری ہے کیوں کہ وہاں کے ہر گاؤں سے کم از کم ۲ - ۳ نوجوان فوج میں بھیجے گئے - یہ حقیقت ہے کہ اس ضلع کے نوجوانوں کو اعتماد اور بہادری کا جذبہ خود رائے گڈھ کی پاک مٹی سے ورانتاً ملا ہے - کیا ہی اچھا ہو کہ اس ضلع میں ایک فوجی اسکول کھولا جائے - تاکہ ضلع کے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی ہوسکے -

مواصلات :

ریاستی ٹرانسپورٹ بسیں ضلع کی بہتر خدمت کر رہی ہیں - اب تو یہ پہاڑی دشوار گذار اور دور دراز علاقوں تک پہنچنے لگی ہیں - یہاں تک کہ دنیج کی پسماندہ وادی کو بھی شہری علاقے سے جوڑ دیا گیا ہے -

کشتیوں کی خدمات صرف ارن - مورے علاقہ اور کھاڑی کے کنارے تک ہی محدود ہیں -

مگر ضلع کی اصل ضرورت ریل ہے - کوکن ریلوے ۸۰ سالوں سے زائد مدت سے زیر غور ہے - برٹش سرکار نے یہ خیال ۱۹۰۹ء میں ظاہر کیا تھا - جبکہ کلیان سے مہاڈ تک تلوجہ، پنویل، پین، نگوٹھنے، کولاڈ، مانگاؤں، گوریگاؤں اور داس گاؤں سے ہوتے ہوئے ۹۰ میل کی لائن کا منصوبہ بنایا گیا تھا - یہ ظاہر ہے کہ کوکن ریلوے کے خواب کو حقیقت میں تبدیل ہونے کے ساتھ ہی یہ ضلع خوش حالی میں بدلا جائے گا -

چند مسائل :

اگر ہمیں ضلع کی معیشت میں انقلاب لانا ہے تو ہمیں خاص طور پر زراعت، ماہی گیری، مواصلات، پانی فراہمی وغیرہ کے مسائل حل کرنے ہوں گے -

زبردست بارش کے سبب چھوٹے ندی نالوں میں سیلاب آجاتا ہے - جس کے سبب اوپری مٹی کا سخت نقصان ہوتا ہے - اس کو کسی نہ کسی طرح سے روکنا ضروری ہے - اس کے علاوہ برسات کے دوران یہاں تک کی خاص سڑکوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے - ممبئی - گوا سڑک جو کہ ضلع کی سب سے خصوصی سڑک ہے وہ اچھی حالت میں ہوسکتی ہے - مگر دوسری چھوٹی سڑکوں کا کیا ہو جو کہ گاؤں کو جاتی ہیں؟ برسات کے پہلے ہی جھٹکے سے کچی سڑکیں استعمال کے قابل نہیں رہ جاتیں، دنیج، رائے گڈھ اور پولادپور وادی کے مواضع جات چند مہینوں تک دنیا سے کٹے رہتے ہیں - اس طرح اس ضلع کا اصل مسئلہ ہے کہ ہر سال نئی سڑکیں اور نئے پل تعمیر کئے جائیں - اس سلسلے کو اسی وقت

حل کیا جا سکتا ہے جبکہ گاؤں میں سڑکیں تعمیر کرنے کی اسکیم تیار کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ مناسب ہوگا اگر پل لوہے کے تعمیر کئے جائیں یہ بھی ضروری ہے کہ پہاڑی علاقوں میں چھوٹے پل (ساکو) اس طرح سے بنائے جائیں تاکہ برسات کی شدت سہہ سکیں۔

کال پراجیکٹ کے پانی کو ایک سرنگ کے ذریعہ پال۔ سدھاگڈھ۔ ناگو تھنے، بین علاقوں کو فراہم کرنے کی ایک اسکیم پر عمل آوری ہو رہی ہے۔ اس سے علاقے کے کسانوں کی زندگی میں یقینی انقلاب آجائے گا۔

ضلع میں ہر سال دھان کی فصل کو (کھوڑ۔ کیڑا) سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ اشد ضروری ہے کہ اس کیڑے کو پوری طرح نیست و نابود کر دیا جائے۔ مگر حکومت جو جراثیم کش ادویہ فراہم کرتی ہے وہ کاشت کاروں کے لئے کافی مہنگی ہوتی ہے۔ ایک بار پھر دیکھنے میں آتا ہے کہ پنچایت سمیتی کی سطح پر کوئی ہم آہنگ اسکیم نہیں ہے۔ حکومت کو کچھ اسکیمیں انداد چینچک اسکیم کی طرز پر شروع کرنی چاہئیں جو کہ دھان کی فصل کے لئے اس خطرے کو مٹانے کی غرض سے سال بھر تک جاری رکھی جائیں۔

اوسر زمین کا استعمال:

ضلع کو خوش حال بنانے کے لئے کئی اسکیموں پر عمل آوری کی جا سکتی ہے۔ زمین کافی موجود ہے مگر جب تک اس کا مناسب استعمال نہیں کیا جائے گا غربت کا خاتمہ ممکن نہیں۔ گاؤں میں سیکڑوں ہزاروں ایکڑ اراضی اوسر اور بے کار پڑی ہوئی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ایک ایسی مشینری قائم کی جائے جو اس زمین کو 'افانسو' آم کی پیداوار کے تحت لائے۔ یہ غریبوں کے لئے ایک عظیم تحفہ ثابت ہوگی۔

ان اوسر زمینوں پر مارویل، جیسی گھاس اگائی جا سکتی ہے۔ جو کہ مویشی چارے کے لئے موزوں ہوگی اور اس طرح دودھ کا مسئلہ حل کیا جا سکے گا۔ اگر حکومت کی مدد ملتی ہے تو ایسی زمینوں پر فصلیں بھی پیدا کی جا سکتی ہیں۔ بین تعلقہ ایسی زمینوں کو سبزی پیدا کرنے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اس طرح ضلع کے کاشت کاروں کی زندگی میں بہترین تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔

آج اس ضلع کا کسان اس لائق بھی نہیں ہے کہ ایک لکڑی کا ہی ہل رکھ سکے۔ یہ ضروری ہے کہ مشینوں کے استعمال کو ترجیح دی جائے۔ آج کل ایسی مشینیں کاشت کاروں کو فراہم کی جائیں۔

ضلع کی کھاڑیاں کیچڑ سے بھری ہوئی ہیں اور ساحلوں پر دلدل ہیں۔ جس کے نتیجے میں دریائی مواصلات نقصان اٹھا رہا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان کھاڑیوں کو صاف کیا جائے تاکہ کشتی بانی کے لئے کئی بندرگاہ قابل استعمال ہو سکیں۔ اس سے ماہی گیری کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اور ماہی گیروں کو خوش حالی نصیب ہوگی۔ اس کے علاوہ ضلع میں ماہی گیری کے اسکول کھولے جائیں تاکہ نوجوان ماہی گیروں کو سائنٹفک تربیت دی جا سکے۔

ان تمام اقدامات پر اگر عمل آوری ہو تو عام انسانوں کے ذہن میں اعتماد بحال ہوگا خاص طور پر ضلع کے کسانوں میں۔

●●

قلابہ میں رہائشی سہولت

سیاحوں کی رہائشی سہولت کے لئے علی باغ میں چھ ریسٹ ہاؤس اور چار سوٹ ہیں جن کا ریزرویشن پبلک ورکس اینڈ ہاؤسنگ کے ایگزیکیٹو انجینئر علی باغ کی معرفت کیا جا سکتا ہے۔

یہاں پر ایک پرائیویٹ ہالی ڈے کیمپ بھی ہے۔ جس میں ضروریات زندگی کا سامان مہیا کیا گیا ہے جس کا یومیہ کرایہ ۱۵ روپے سے ۲۵ روپے تک ہے۔ یہاں ایک بڑا ہال (کامن ہال) ہے جس کا یومیہ کرایہ پانچ روپے ہے۔

اس کے علاوہ 'آسرا'، 'اُپکار'، 'آشیرواد' اور مہاراشٹر گیسٹ ہاؤس' پرائیویٹ ریسٹ ہاؤس ہیں جن کا یومیہ کرایہ ۳ روپیے سے ۶ روپے ہے۔ کم و بیش چھ طعام خانے ہیں جہاں ویجیٹیرین اور نان ویجیٹیرین کھانے ملتے ہیں۔

ڈاکٹر ایم. وی دیویکر ایل. ٹی. ایم ایم کالج اور ایل. ٹی. ایم. جی اسپتال، بمبئی کے پروفیسر اور شعبۂ ادویات کے افسرِ اعلیٰ ہیں۔ انھوں نے بین الاقوامی شہرت یافتہ سائنسی جریدوں کے لئے ۴۰ سے زیادہ مضامین لکھے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے ادویات پر نصابی کتابوں کے لئے انگریزی اور مراٹھی وِشوکوش کے لئے مراٹھی میں کئی ابواب لکھے ہیں۔ وہ ذیابیطس اور مصنوعی طور پر گردے کے علاج کے اسسٹنٹ ہیں۔ وہ ذیابیطس اور موٹاپا کے علاج کے لئے یوگ کے طریقے کے مطابق معالجہ پر تحقیق بھی کر رہے ہیں۔

ذیابیطس۔ میٹھی اور ترش بیماری

ڈاکٹر ایم۔ وی دیویکر

ذیابیطس ایک نہایت قدیم مرض ہے۔ اس کا ذکر آیورویدا (۲۰۰۰ سال قبل مسیح) میں پایا جاتا ہے۔ شسترُتا (۸۰۰ سال قبل مسیح) نے اس کے لئے "مدھ میہنہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے جسم میں شکر کی خرابی۔ اسے ایک پیچیدہ استحصالی خرابی کہتے ہیں جو مادۂ حیات کی تحلیل سے پیدا ہوتی ہے۔ اس مرض کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب عنق الطحال یا لبلبہ کاربوہائیڈریٹ (نشاستئی اجزا اور شکر) کو تحلیل کرنے کا کام بند کر دیتی ہے جس کی وجہ سے پیشاب کے ذریعہ شکر خارج ہونے لگتی ہے، اسی کو ذیابیطس کا مرض کہتے ہیں۔ اس مرض میں عنق الطحال کے پاس خلیوں کے جھرمٹ کے ذریعہ انسولین کے اخراج میں کمی پیش آتی ہے۔ عام طور پر انسولین (INSULIN) ریشوں میں عملِ احتراق اور جگر اور عضلات میں ذخیرہ اندوزی کے ذریعے خون میں شکر کی مقدار کو کم کرتی ہے۔

ذیابیطس کس طرح بڑھتی ہے

اگرچہ اس بیماری کا اصلی سبب اب تک معلوم نہیں ہو سکا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ بیماری ایک طرف ورزش کی کمی اور دوسری طرف زیادہ شکر اور ریفائنڈ نشاستہ (جیسے میدہ، اناجوں کا آٹا وغیرہ) کے بکثرت کھانے سے ہوتی ہے۔ لوناولے "گھاٹ" کے غریب لیکن محنتی 'وارلی' قبائل کے لوگوں کا حال ہی میں ایک جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی کو بھی ذیابیطس کا مرض نہیں ہے۔ یہ بیماری زیادہ تر متمول لوگوں اور امیر ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ صوبجاتِ امریکہ میں تقریباً ۲ فیصد آبادی اس بیماری میں مبتلا ہے۔ ہندوستان میں جملہ آبادی کے تقریباً نصف فیصد (۱۰ لاکھ) لوگ غالباً اس بیماری کا شکار ہیں۔ یہ بیماری ۴۰ سال سے زائد عمر کے لوگوں میں زیادہ عام ہے جسے ذیابیطس بعد از بلوغت کہتے ہیں۔ اگرچہ دو سال کا بچہ بھی کم عمری میں ذیابیطس کا مریض ہو سکتا ہے۔

یہ بیماری اکثر موٹے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ مرض موروثی ہے اس لئے کہ جو والدین اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اکثر ان کے بچے اور خاندان کے دوسرے افراد بھی اس بیماری میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ذیابیطس کا مرض اندرونی غدود کی ریزش سے بھی ہوتا ہے لیکن اس قسم کے مریضوں کی تعداد بہت کم ہے۔ مرض کی اس شکل کو ثانوی ذیابیطس کہتے ہیں۔

بیطس کی علامتیں

ذیابیطس کی کوئی خاص علامت نہیں کرتی۔ پیشاب کی جانچ کے وقت اس مرض نہ لگ جانے کا امکان ہوتا ہے یا جب ں میں چڑچڑاپن پایا جائے۔ اس کے علاوہ بیطس کی بعض علامات ہیں سے لمبے بچے یدا ہونا۔ پیشاب کے مقام کے اطراف ھلی، بار بار جلد پر پھوڑوں کا ہونا، رات وقت پیروں میں درد محسوس ہونا، قبل قت موتیا بند کی شکایت پیدا ہونا، خون دباؤ کا بڑھنا، وزن یا قوت میں کمی کا ں آنا وغیرہ ہیں۔ سب سے زیادہ عام اور روف و مشہور علامت ہے بکثرت پیاس ک اور پیشاب کا لگنا۔ لیکن یہ سب اس لے کی علامات ہیں جب بیماری میں کافی اضہ ہوچکا ہوتا ہے۔

یا ذیابیطس خطرناک مرض ہے؟

ذیابیطس کی ابتدا بالکل معمولی علامتوں ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ تحلیل شکر کے نظام کو ڑ دیتی ہے اس لئے جسم کے ہر عضو کو دھیرے ے نقصان پہنچاتی ہے۔ رگوں پر اس اثرات سے ورمِ اعصاب، پیروں میں فالج رری، رات میں اسہال وغیرہ کی شکایت ہوجاتی ہے۔ آنکھوں پر اس کے اثرات موتیا بند ہوا کرتا اور پردۂ چشم سے خون اہے جس کا نتیجہ اندھاپن ہوا کرتا ہے کے اثر سے گردوں میں سوزش پیدا ہوسکتی اور پیشاب میں البومن شامل ہونے ی ہے۔ خون کا دباؤ بڑھ سکتا ہے جس ے دل کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ پاؤں کی وں یا پاؤں کی شریانوں میں دورانِ خون میں وٹ کی وجہ سے کالاپن یا (سڑنے کی کیفیت) پیدا ہوسکتی ہے اور اس کی بنا پر بعد میں ماؤف حصّۂ جسم کو کاٹ دینے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ حاملہ پن بیماری میں اضافہ کا باعث بن جاتا ہے اور بچہ تولد سے پہلے یا بعد میں مر سکتا ہے۔ سب سے زیادہ ہیبت ناک پیچیدگی ذیابیطسی بے ہوشی ہے جو ذیابیطس کے ایسے مریضوں میں پیدا ہوجاتی ہے جنھوں نے اپنی شدید بیماری کا علاج نہیں کیا ہو، اور یہ بے ہوشی کسی ماریا جراحی کے بعد ہوا کرتی ہے۔ اُس وقت خون میں اعلیٰ سطح کی شکر ہوتی ہے جس میں زہریلی چربی دار تیزابیت (کیٹونس) اور ایسیٹون ہوتی ہے۔ مریض غنودگی محسوس کرتا ہے اور پھر بے ہوش ہوجاتا ہے اور اگر اس کا خاطر خواہ فوری علاج نہ کیا جائے تو مر بھی سکتا ہے۔ اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر ذیابیطس کا علاج نہ کرایا جائے تو جسم پر اس کے اثرات بہت خطرناک ہوسکتے ہیں اور مریض جلد مر سکتا ہے۔

ذیابیطس کی شناخت

ہر درمیانی عمر کے شخص کے لئے جو ۴۰ سال سے تجاوز کر چکا ہو، یہ لازم ہے کہ وہ اپنے پیشاب اور خون میں شکر معلوم کرنے کے لئے اپنے کھانا کھانے کے ٹھیک دو گھنٹے بعد جانچ کروائے۔ اگر کھانا کھانے کے بعد خون میں ۱۶۰ ملی گرام فیصد کے اوپر شکر پائی جائے تو اس سے یہ قیاس پیدا کرلینا چاہئے کہ ذیابیطس ہے اور ایک طویل خون اور پیشاب کی جانچ کروالینی چاہئے۔ یہ جانچ جی۔ٹی۔ٹی یعنی گلوکوز ٹالیرنس ٹیسٹ کہلاتی ہے جو ۵۰ گرام گلوکوز پینے کے بعد کی جاتی ہے۔ پیشاب کی جانچ ۵ ملی لیٹر بینے ڈکٹ کے عامل کو ۸ قطرے پیشاب میں ملانے کے بعد اُبال کر کی جاتی ہے۔ آجکل پیشاب کی جانچ بڑی آسانی سے کی جاتی ہے یعنی ایک پیلے عامل ٹکڑے کو (جو گلوکو اسٹرپ کہلاتا ہے) بابا جاتا ہے جو ذیابیطس کے مریض کے پیشاب ہونے پر ہرا ہوجاتا ہے۔ یہ گلوکو اسٹرپ صرف ۳۰ پیسے میں دستیاب ہے اور یہ جانچ گھر پر بھی بڑی آسانی سے اور کم خرچ میں کی جاسکتی ہے۔

ذیابیطس کو کس طرح کنٹرول میں رکھا جائے؟

ذیابیطس کی بیماری کو غذا، دوائیوں اور ورزش کے ذریعہ مکمّل طور پر کنٹرول میں رکھا جاسکتا ہے۔ جب یہ بات پختہ طور پر معلوم ہوجائے کہ مریض ذیابیطس کے مرض میں مُبتلا ہے تو اس پر کنٹرول کرنے کے لئے یہ طریقہ اپنانا چاہئے:

(الف) جسم کے وزن پر کنٹرول: اگر مریض موٹا ہے تو اُسے اپنی غذا کم کردینی چاہئے ورزش زیادہ کرنا چاہئے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ایک معیاری وزن قائم رہے۔ معیاری وزن ان دو عددوں سے معلوم کیا جاسکتا ہے:

اونچائی (انچ میں) × ۲ = معیاری وزن (پاؤنڈ میں)

مثلاً: قد ۶۵" × ۲ = ۱۳۰ پونڈ

قد — ۱۰۰ = معیاری وزن
(سنٹی میٹر میں) (کلوگرام میں)

مثلاً: ۱۵۵ سم — ۱۰۰ = ۵۵ کلوگرام

بہت سے موٹے اشخاص اپنی ذیابیطس کی بیماری کو صرف ورزش اور غذا سے کنٹرول میں رکھ سکتے ہیں البتہ شرط یہ ہے کہ وہ اپنے معیاری وزن کو قائم رکھیں۔ بھوک کم کرنے والی گولیوں جیسے (PONDERAX وغیرہ) کے ذریعے بعض

دفعہ موٹا یا کم کیا جاتا ہے۔

ب) **ورزش:** اس کے ذریعہ جسم کے عضلات مضبوط ہوتے ہیں۔ دوران خون بڑھ جاتا ہے اور شکر کو جلانے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے وزن کم ہو جاتا ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ غذا بھی کم کر دی گئی ہو۔ کچھ لوگوں کے لئے یہ شروع شروع میں مشکل معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ورزش کرنے سے خوراک اور بھوک بھی بڑھ جاتی ہے۔ اٹل ارادہ کرنے سے غذا کم کر دی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر بہت ضروری ہو تو بھوک کو پتہ دار ترکاریوں مثلاً گوبھی، پالک، میتھی اور بھنڈی کھا کر دور کیا جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جو گولیاں کھاتے ہیں انھیں یہ معلوم ہے کہ ورزش سے INSULIN/ یا گولیوں کی خوراک کم ہو جاتی ہے۔ ایل۔ ٹی۔ ایم۔ جی ہاسپٹل، سائن میں ہم نے یہ دیکھا ہے کہ یوگا آسن، پدماسن، دیراسن، پدن گستھاسن، شیواسن وغیرہ کے ذریعہ ذیابیطس کو اچھی طرح قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔

ج) **غذا:** مریضوں اور کچھ ڈاکٹروں میں یہ غلط خیال بہت عام ہے کہ ذیابیطس کے مریضوں کو چاول، آلو اور شکر نہیں کھانا چاہئے۔ یہ غلط ہے۔ ذیابیطس کا مریض جو غذا چاہے کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ کم مقدار میں ہو۔ ہمارے دواخانے میں ہم مریضوں کو ان کی خوراک کی عادت کو دیکھتے ہوئے خوراک کا مشورہ دیتے ہیں۔ جنوبی ہند کے لوگوں کو چاول، اڈلی، ڈوسا، کم مقدار میں کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ شکر اور چربی کی مقدار (مسکہ یا تیل وغیرہ) کا پرہیز ہونا ہے۔ عام طور پر ہم یہ غذا تجویز کرتے ہیں لیکن یہ زیادہ موٹے بالغ افراد کے لئے نہیں ہے۔

(i) کاربوہائیڈریٹ (چاول/گیہوں/چینی شکر) ۲۵۰ گرام

(ii) پروٹین (دودھ، دالیں، انڈے، مچھلی، گوشت) ۵۰ گرام

(iii) چربی، مسکہ، تیل وغیرہ) ۵۰ گرام

(iv) فی دن کیلوری ۱۵۰۰ ـ ۱۷۰۰

اس فہرست طعام میں رد و بدل ہو سکتا ہے۔ اس بات کی اجازت ہے کہ اپما، اڈلی، میدو وڑا، چولے، ایسے اناج جس سے اکل پھوٹے وغیرہ کھائے جا سکتے ہیں۔ کبھی کبھار مٹھائی بھی کھائی جا سکتی ہے مٹھائی کھانے پر کوئی پابندی نہیں ہے بشرطیکہ مٹھائی میں شکرین استعمال کی گئی ہو۔ اس میں کچھ نقصان ہے، لیکن اعتدال پسندی سے اس کا استعمال اور ڈاکٹر کے مشورے پر اس چیز کے استعمال پر پرہیز نہیں۔ غذا کم از کم چار برابر حصوں میں لی جانی چاہئے۔ ناشتے میں صرف چائے کا کپ کافی نہیں۔ اس وقت ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا، آدھا انڈا، ۱۰۰ ملی لیٹر دودھ بھی لے لینا چاہئے۔ چار بار تھوڑا کھانے کے بجائے اگر دو بار ہی کھانا کھا لیا جائے تو عنق الطحال یا لبلبہ کے انسولین پر رطوبت جسمانی کی خون سے نفرلن پر یکایک بہت بڑا دباؤ پڑتا ہے۔ سبز ترکاریاں اور اچار کھانے میں کوئی پرہیز نہیں۔ کڑوی ترکاریوں کے کھانے سے ذیابیطس قابو میں نہیں آتی۔ شہد اور سار بیٹال جیسی شکر گرچہ ان کے احتراق کے لئے انسولین کی ضرورت نہیں پڑتی، بہت زیادہ استعمال نہیں کی جا سکتی۔

موٹے افراد میں سے ۱۰ فیصد افراد کے ذیابیطس کو صرف خوراک اور ورزش سے ہی قابو میں نہیں رکھا جا سکتا بلکہ اس کو قابو میں رکھنے کے لئے دوائیوں کی بھی ضرورت ہے۔

د) **دوائیاں:** ذیابیطس کے ان مریضوں کے لئے جن کا علاج وزن میں کمی یا خوراک کم کر دینے سے نہیں کیا جا سکتا یہ لازم ہے کہ وہ دوائیاں کھائیں۔ ہلکے مرض کو قابو میں رکھنے کے لئے یہ گولیاں مفید ہیں: (TALBUTAMIDE) ٹالبوٹامائڈ (RESTINON) ریسٹینان CHLORPRO-PMIDE (کلورپرامائڈ) (D.B.I.) (BIGUANIDES) (بائیگوانائڈس) کچھ مریضوں کو صرف ایک ہی قسم کی دوائیاں کارآمد نہیں ہوتیں۔ ان کو دوسری قسم کی گولیاں دی جانی چاہئیں۔ اس طرح کل آٹھ مختلف قسم کی گولیاں ہیں۔ جو دن میں ایک بار، دو بار یا تین بار نگلنی پڑتی ہیں۔ یہ گولیاں کمزور عنق الطحال کو زیادہ انسولین بنانے میں مدد دیتی ہیں اور عضلات کو زیادہ آسانی کے ساتھ شکر کے احتراق میں بھی معاون بنتی ہیں۔ ان گولیوں کو کھانے والے مریضوں کو چاہئے کہ وہ الکحل (شراب) نہ پئیں، اس لئے کہ اس کی وجہ سے جلد پر بہت زیادہ لال رنگ کی تمتماہٹ اور بعض دفعہ خون میں شکر کی کمی اور یکایک غشی کی شکایت پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ لوگ جو کبھی کبھار شراب نوشی کرنا چاہتے ہوں، ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ گولیاں چھوڑ دیں یا پھر ڈاکٹر سے مشورہ کریں کہ ان مواقع پر کس قسم کی گولیاں کھانی چاہئیں۔ ہم تو ذیابیطس کے مریضوں کو

ذیابیطس

ذیابیطس ایسی بیماری ہے جو علامات
ے نہیں ہوا کرتی بلکہ پیچیدگیوں مثلاً
رامباسس (THROMBOSIS) (کسی
نو یا شریان میں خون جم جانا)، ورم عضلا
ب میں نسیج (MYOCORDIAL
INFRACTIO یعنی دل کے دورہ، بید
باؤ (HYPERTENSION) یعنی زیادہ
ن کا دباؤ وغیرہ سے ہوا کرتی ہے۔ اگرچہ
یابیطس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ لیکن
ا، انسولین اور اینٹی۔ ذیابیطسی
داؤں وغیرہ سے ذیابیطس کی بیماری
ور کا جاسکتا ہے اور مریض حسب معمول
حت مند افراد کی طرح زندگی گذار سکتا
ہے۔ ذیابیطس کا علاج ہر جگہ دستیاب
ہے۔ میڈیکل کالج اسپتالوں میں خاص
یابیطس کے دواخانے بنائے گئے ہیں۔
ضلاع میں واقع اسپتالوں میں بھی اس
یماری کا علاج کیا جاتا ہے۔

یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ شراب نوشی چھوڑ ہی دیں۔ وہ لوگ جن کے مرض کو گولیوں سے قابو میں نہیں رکھا جاسکتا اُن کے لئے انسولین کے طریقۂ علاج پر غور کرنا چاہیئے۔

ج) انسولین: یہ اندرونی افراز (جو خون میں مِلکر تحریکِ اعضاء کا باعث ہوتا ہے) ذیابیطس کے مریضوں میں کم مقدار میں ہوتا ہے ایک ایسا صاف وشفاف تجارتی مرکب دستیاب ہے جو سادہ انسولین کی حیثیت سے ایک یا دو گھنٹے کے اندر اپنا عمل شروع کردیتا ہے اسکے انجکشن کو ہر بار کھانا کھانے سے

کے اندر اپنا عمل شروع کردیتا ہے اس کے انجکشن کو ہر بار کھانا کھانے سے پہلے دن میں دو یا تین بار لگانا پڑتا ہے، خاص طور پر ان جاں گسل مریضوں کے لئے جن کو فی دن ۶۰ یونٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اُن مریضوں کو جنھیں ۶۰ یونٹ سے کم کی ضرورت پڑتی ہے، قابو میں رکھنے کے لئے دیر پا اثر رکھنے والا ایک ہی انجکشن (LENTE OR PROTAMINE ZINC) کافی ہے جو ناشتہ سے پہلے دیا جاتا ہے۔ ذیابیطس کے مریضوں کو انجکشن لینے کی تربیت ڈاکٹروں سے لینی چاہیئے خاص طور پر ران یا شکم میں انجکشن لگانا آسان ہے۔

انسولین یا گولیاں کھانیوالے ذیابیطس کے مریضوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ معمول کے مطابق وقت پر اپنا کھانا کھانا نہ بھُولیں۔ اگر وہ کھانا کھانا بھُول گئے تو خون میں شکر کم ہو جائے گی۔ اور اس کی وجہ سے پسینہ بہنے کا دورہ، غشی، فِٹ یا بیہوشی کی شکایت پیدا ہوسکتی ہے۔ ایسے مریضوں کو اپنے پاس قند یا شکر رکھنی چاہیئے تاکہ اس قسم کی علامتوں کا فوراً علاج کرلیا جائے۔ ایسے مریضوں کو اپنے پاس ایک شناختی کارڈ بھی رکھنا چاہیئے جس میں گولیاں کھانے کی مقدار درج ہو تاکہ اس قسم کے حادثات پیش آتے ہی فوراً علاج کیا جاسکے۔

تربیت:

ذیابیطس کے مریض کو اس بیماری میں دلچسپی رکھنا چاہیئے، اور اُسے غذا کی مختلف اشیاء کے کیلوری اور شکر کے درجہ کو جاننا چاہیئے۔ اُسے وقتاً فوقتاً شکر پر کنٹرول کی جانچ کے لئے کھانا کھانے کے بعد پیشاب کی جانچ کرواتے رہنا چاہیئے اور اپنی آنکھ، دل، خون کے دباؤ اور رگوں کی جانچ کم از کم چھ ماہ میں ایک دفعہ اپنے ڈاکٹر سے کروالینا چاہیئے۔ ڈائیابیٹک ایسوسی ایشن آف انڈیا، ہر ماہ ممبئی میں ذیابیطس کے مریضوں کے لئے لکچر کا انتظام کرواتی ہے اور سال میں ایک بار ذیابیطس کیمپ لگواتی ہے تاکہ مریضوں کو غذا، ورزش اور مرض کی پیچیدگیوں پر قابو پانے کے لئے تربیت دے سکے۔ صحت مند اور اپنے مرض پر اچھی طرح قابو رکھنے والے مریضوں کو ہر سال اہلیت کے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

اگر ذیابیطس کا مریض اپنی خوراک اور علاج کو عقلمندی کے ساتھ کسی ڈاکٹر کے زیرِ نگرانی قابو میں رکھے تو وہ بھی صحت مند افراد کی طرح اپنی زندگی گذار سکتا ہے یہی وہ مقصد ہے جسے میڈیکل سائنس حاصل کرنا چاہتی ہے۔

— مالیتی بیسن —

بودوباش کی جانب ایک بہتر ڈھنگ سے قدم

اپنے مراٹھا مندر ہال، بمبئی میں سنسار شاستر ہر سال اپریل کے مہینے میں کھانا پکانے کے مقابلے کو منعقد کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ اس سال ۱۶ ر اپریل کو مجھے ان چیزوں کو بذاتِ خود دیکھنے کا موقع ملا اور میرے لئے خوبصورتی کے ساتھ برف کی طرح سفید کپڑوں سے ڈھکی ہوئی ٹیبل پر رکھی ہوئی یہ رکابیاں کتنی زیادہ فرحت کا باعث بن گئیں۔ سب سے زیادہ قابلِ رشک بات یہ تھی کہ تین ججوں یعنی ڈاکٹر رمیش سنگھوی، ڈاکٹر رمیش پوتدار اور کماری منورما کوٹنس جو کہ غذائیت کی ماہر ہیں، نے ان تمام رکابیوں میں رکھی ہوئی چیزوں کو "چکھا"۔ چاول،



کم خرچ۔ لذیذ کھانوں سے بھری میز

دال، لیمو اور پالک ان میں سے ہر ایک کی بنی ہوئی دس چیزوں کو چننے کا ان لوگوں کو اختیار ہے۔ چاہے وہ ممبر ہو یا کوئی بیرونی شخص ہو، مرد ہو یا عورت۔ ہر ایک کو اس مقابلے میں اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو شامل کرنے کی اجازت ہے۔ سب سے اچھی بنی ہوئی چیز کو جانچنے کا طریقۂ کار یہ ہے کہ ان چیزوں کی غذائیت ذائقہ ظاہری شکل اور بنانے پر آیا ہوا خرچ مدنظر رکھا جاتا ہے۔

میری طرح ایک تماشہ بین کے لئے یہ بلاشک وشبہ ایک بہت ہی پراثر کارنامہ تھا کہ ان نفیس کھانوں کو دیکھا جائے۔ ۲۷ سالہ شریمتی نائن دھر مندر اپنی خوش تدبیری اور قوت اختراع کی وجہ سے سرفہرست رہیں اور اول انعام حاصل کیا۔ انھوں نے مصنوعی طریقے سے گاجر، چقندر، ککڑی اور ترکاریاں استعمال کر کے انناس بنایا تھا۔ میں بہ مشکل اپنی آنکھوں کو اس کھانے کی طرف سے ہٹا سکا۔ کتنا اصلی یہ معلوم ہو رہا تھا۔

سنسار شاستر کے سربراہِ اعلیٰ شری باباصاحب گاوڈے ہیں۔ انھوں نے ہی مراٹھا مندر انسٹی ٹیوشن کی بنیاد ڈالی تھی۔ ایک غیر رسمی بات چیت کے دوران انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں یہ جانتا ہوں کہ "سنسار شاستر" کا مقصد کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اس کے صرف لفظی معنے جانتا ہوں یعنی گھر بار کے انتظام سے متعلق سائنس.

انھوں نے اپنے سر کو ہاں میں ہلاتے ہوئے کہا کہ وسیع تر معنوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بودوباش کی جانب ایک بہتر ڈھنگ سے قدم بڑھانا.

میں نے پوچھا "کس طرح؟" گھر بار کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر کے مثلاً کھانا پکانا، غذائیت، صفائی اور اصولِ صحت. ہم عورتوں کو اس بات کی بھی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو کفایت شعاری سے گزارنے

شری باباصاحب گاوڈے



کے لیے گھر کے اخراجات اور آمدنی کے حساب کتاب کو کس طرح سائنسی طریقے کے ذریعے سدھار سکتے ہیں۔

"آپ کی سنسار شاستر کی کلاسوں میں دوسرے کن مضامین کی تعلیم دی جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس طرح متوازن غذا تیار کرنے کے علاوہ ان عورتوں کو استری کرنا، کپڑے دھونا وغیرہ کے جدید سائنسی طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ بچوں کی نگرانی، اصولِ صحت اور عملِ اعمال و افعالِ اعضا بھی سکھائے جاتے ہیں۔ مزید برآں انھیں بینک کے کاروبار، انشورنس پالیسی، انجمن امداد باہمی وغیرہ کے بارے میں بھی عام معلومات دی جاتی ہیں تاکہ وہ اپنی روزمرہ کی ضروریات کو بنا کسی تردد اور پریشانی کے پورا کرسکیں۔

"کیا ان عورتوں کو صرف کلاس روم کے درس تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں! ہم ان عورتوں کو سماجی خدمت گار اداروں، صنعتی محکموں وغیرہ کی طرف بھی راغب کرکے لے جاتے ہیں تاکہ ان کو کلاس روم کے باہر ضروری معلومات مل جائے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ "ہم ان عورتوں کو تعلیمی ڈاکومینٹری اور سماجی فلمیں بھی دکھاتے ہیں۔"

"کیا آپ سنسار شاستر کے کوئی اہم پروگرام کو بتا سکتے ہیں جو حسبِ معمول چلنے والی کلاسوں کے علاوہ جاری کیا گیا ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں،" انھوں نے کہا۔ ہم بچوں کی امدادی سوسائٹی، ماٹنگرد میں ملازم عورتوں کے لئے بچوں کی نگرانی کے مضامین کی تعلیم بذریعۂ مثال و تجربہ اور لکچر اہتمام کرتے ہیں۔ اس سے ان عورتوں کو اس بات کی تعلیم مل جاتی ہے کہ وہ بدنصیب جسمانی اور دماغی طور پر لاچار بچوں کو کس طرح پیار دیں — ڈونگری ریمانڈ ہوم کی سزا یافتہ لڑکیوں کو پھول کے انتظام اور چھوٹی موٹی گھریلو مرمت کے کام سکھائے جاتے ہیں۔ کافی عرصے سے ہم اس طرح کی ۴۲ کلاسیں باپنا گھر ورلی میں چلا رہے ہیں۔

"آپ کو ان تمام کاموں کے لئے رقم کہاں سے ملتی ہے۔ میں نے پوچھا۔

"ہمارا انسٹی ٹیوشن حکومت کا منظور شدہ ہے۔ بمبئی میونسپل کارپوریشن ہم کو ۲۰۰۰ روپے کی گرانٹ ہر سال دیا کرتی تھی جو اب ۱۰۰۰۰ روپے کردی گئی ہے۔" انھوں نے کہا اس انسٹی ٹیوشن کا آغاز جب ۱۹۶۲ء میں ہوا تو شروع شروع کے تین سالوں میں ہمیں ہر سال ۳۰۰۰ روپے کا خسارہ اٹھانا پڑا؟

غالباً اس وقت آپ ان کلاسوں کو بند کر دینے کا ارادہ بھی کرچکے ہوں گے۔ میں نے کہا۔

"نہیں کبھی نہیں" انھوں نے اپنے سر کو جنبش دی۔ یہ خیال میرے ذہن میں کبھی بھی نہیں آیا۔ میں نے اٹل ارادہ کرلیا تھا کہ عورتوں کو یہ تمام سودمند کام اپنے دائرۂ مشاہدہ میں رکھنا ہی چاہیئے۔ یہ شریمتی دچارے ہی تھیں جنھوں نے ان کلاسوں کو جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ انھیں کی کوششوں کی وجہ سے یہ کلاسیں بعدازاں، ایک خاص اہمیت کی حامل بن گئیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایک اچھا ناظم یعنی شریمتی ارمیلا وارٹی مل گئیں۔ انھوں نے میونسپل گرانٹ حاصل حاصل کرنے کے لئے ہر ممکنہ طریقہ اپنایا اور کامیاب رہیں۔ اب ہمارے لئے ذرائع آمدنی کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے۔ انھوں نے کہا اور اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔

اس وقت ایک خاتون داخل ہوئیں شری گوڑا نے اس خاتون سے میرا تعارف کروایا۔

"یہ میناکشی ہیں جو ہماری کلاسوں کی نگرانی ۱۹۶۹ء سے کررہی ہیں۔ یہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہماری یہ سرگرمیاں دور دراز کے مضافات مثلاً ملاڈ گورے گاؤں وغیرہ لبودیولی وغیرہ وغیرہ میں پھیل گئی ہیں۔

اس خاتون کے چہرے پر شفق کی سی سرخی دوڑ گئی اور اس نے کہا "لیکن یہ سب آپ ہی کی وجہ سے ہے، بابا صاحب!"

وہ زور زور سے ہنسنے لگے۔ "میں یہاں آکر سوائے آرام کرنے اور تمباکو نوشی کے کیا کام کرتا ہوں؟ یہ یہی خاتون ہیں جو محنت کررہی ہیں۔"

یہ بہت ہی بے تکلفانہ اور طبعی اسلوب بیان تھا میں نے فوراً ہی بھانپ لیا کہ سنسار شاستر کے تمام ملازمین میں خاکسارانہ مادہ ہے جس کی وجہ سے ان کے ادارہ میں راست بازی اور صداقت کا عزم پیدا ہوگیا ہے۔

●●

توسیلِ زر کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر
منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

سوال و جواب

سوال: سب سے اچھا گرام سیوک کا انتخاب کن بنیادوں پر کیا جاتا ہے؟ ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران ہونے والی مسابقت میں پہلے تین انعامات جیتنے والے کون لوگ تھے؟ انعام تقسیم کرنے کے طریقۂ کار اور انعامات کی اسکیموں کے بارے میں بھی تفصیلی معلومات فراہم کیجئے؟

دی۔ ڈی جالیکر

جواب: گرام سیوک اور سیویکا س اور دیہی مقابلے کی اسکیمیں خاص طور پر مرکزی حکومت کی ہی اسکیمیں ہیں جن کو ریاستی حکومتیں روبہ عمل لاتی ہیں۔ گرام سیوک یا سیویکا کی سرگرمیوں مثلاً زراعت میں نمایاں کارنامہ، جانوروں کی دیکھ ریکھ، امداد باہمی، پنچایت راج میں ترقی اور بچوں و عورتوں کی بہبود کے کام وغیرہ کو مقابلے میں انتخاب کے لئے مدنظر رکھا جاتا ہے۔ مقابلہ چار سطحوں پر ہوتا ہے: مقامی، ضلعی، ریاستی اور قومی سطح پر۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر سطح کا پینل سب سے پہلے گرام سیوک یا سیویکا کو مقامی سطح پر چنتا ہے۔ وہ لوگ جو مقامی سطح پر کامیاب ہوجاتے ہیں ضلع مقابلے میں شریک ہوتے ہیں اور پھر ریاستی سطح پر۔ ریاستی حکومت ریاستی سطحی مقابلے میں جیتنے والوں کے نام مرکزی حکومت کو بھیجتی ہے۔ پھر مرکزی حکومت پہلے تین گرام سیوکو اور سیویکاؤں کو ملک بھر میں سے چنتی ہے۔ مقامی سطح پر مقابلہ کرنیوالوں کو کوئی انعام نہیں دیا جاتا۔ ضلع میں سب سے اچھے گرام سیوک یا سیویکا کو صرف ۵۰۰ روپے نقد انعام دیا جاتا ہے لیکن ضلعی سطح پر گرام سیوک کے لئے پہلا اور دوسرا انعام بالترتیب ۱۵۰۰ روپے اور ایک ہزار روپے کا ہے۔ اسی طرح کے انعامات ریاستی سطح پر گرام سیویکاؤں کے لئے مخصوص ہیں۔ ریاست میں سب سے اچھے گاؤں کو ۳۰۰۰ روپے دیئے جاتے ہیں۔ قومی سطح پر جیتنے والے ہر گرام سیوک یا سیویکا کو اول، دوم اور سوم انعامات بالترتیب ۵۰۰۰ روپے، ۳۰۰۰ روپے اور ۲۰۰۰ روپے دیئے جاتے ہیں۔ ملک بھر میں سب سے اچھے گاؤں کو اول اور دوم انعام بالترتیب ۷۰۰۰ روپے اور ۵۰۰۰ روپے دیا جاتا ہے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں قومی سطح پر کوئی انتخاب نہیں ہوا۔ لیکن ریاستی سطح پر شری ایچ۔ جی پاٹل نے ضلع جلگاؤں سے (پہلا انعام) اور شری این۔ وی کندورنے، ضلع چندرپور سے (دوسرا انعام) جیتا۔ متعلقہ ضلع پریشد کا چیف ایگزیکیوٹو آفیسر منتخب شدہ امیدواروں کو میرٹ سرٹیفکیٹ عطا کرتا ہے۔

سوال: ایمرجنسی کے بعد ریاستی حکومت نے نئی بھرتی بند کر دی تھی تاکہ تجویز کردہ اور غیر تجویز کردہ اسٹاف کو لیا جاسکے۔ کیا یہ بندش اٹھالی گئی ہے؟ اگر نہیں تو اس کے نہ اٹھانے کے اسباب کیا ہیں؟

شری راجن ڈرانی۔ درما
— جلگاؤں

جواب: یہ سچ ہے کہ ریاستی حکومت نے تجویز کردہ اور غیر تجویز کردہ اسٹاف کو لینے کی سہولتوں کے پیش نظر یہ بندش لگائی گئی تھی۔ لیکن یہ بندش ایمرجنسی کی وجہ سے نہیں لگائی گئی تھی۔ غیر تجویز کردہ ترقیاتی کام ریاستی حکومت کی طرف سے تقرر کردہ کمیٹی کی سفارشات پر اور ساتھ ہی ساتھ کابینہ کی سب کمیٹی کی رپورٹ پر جو کہ اخراجات کو کم کرنے کی تجویز پیش کرنے کے لئے بنائی گئی تھی، بند کر دیئے گئے۔ اس لئے کچھ اسٹاف ممبر زائد ہو گئے۔ ان ملازمین کو حکومت کے دوسرے محکموں میں مناسب جگہوں پر تقرر کرنے کے لئے، بالراست بھرتی پر پابندی لگانا پڑی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بھرتی کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ ان جگہوں کو زائد اسٹاف سے ہی بھرنا ہے۔ اگر کسی جگہ کے لئے زائد اسٹاف میں سے کوئی مناسب شخص نہ ملتا ہو تو ایسی جگہوں کو باہر کے افراد سے بھر لینے کی اجازت ہے چونکہ اس طرح کے زائد اسٹاف کو جذب کرنے کا کام مکمل نہیں ہو سکا ہے اس لئے بھرتی پر لگائی گئی پابندی اب بھی جاری ہے۔

سوال: ایسے علاقوں میں جہاں آبکاری نہیں

ہوتی. کسان کنوئیں کے پانی سے اپنے کھیتوں کو سینچتے ہیں تاکہ دوسری بار فصل پیدا کی جا سکے. لیکن پانی خاص طور پر ناکافی بارش ہونے پر، کافی نہیں ہوتا ہے. اگر نئے کنویں بنائے جائیں یا موجودہ کنوؤں کو اور گہرا کر دیا جائے یا ان کو از سر نو تعمیر کیا جائے تو زیادہ پانی دستیاب ہو سکے گا. کیا اس طرح کی کوئی اسکیم حکومت کے زیر غور ہے؟

دیوداس جی. انگالے، ارمبھرنی
(بلڈانہ)

جواب: جی نہیں! حکومت براہِ راست ان معاملات میں دخل نہیں دیتی ہے نہ ہی کنویں کھودنے کی کوئی اسکیم حکومت کے پاس ہے، تاہم زمین کے ترقیاتی اور ... اور قومیائے گئے بینک قرض دیتے ہیں تاکہ نئے کنویں کھودے جا سکیں. ان لوگوں کی سہولت کے لئے گراؤنڈ واٹر سروسیز اینڈ ڈیویلپمنٹ ایجنسی نے ایسی بینکوں اور دوسرے قرضہ دینے والے اداروں کو نقشہ جات مہیا کر دیئے ہیں تاکہ ایسی جگہوں کا تعین کیا جا سکے جہاں نئے کنویں کھودے جا سکتے ہیں. ان لوگوں کو کنویں کے لئے "مناسب" اور "غیر مناسب" جگہوں کے بارے میں رہنمائی کر دی گئی ہے. اسی بنیاد پر 'ورلڈ بینک' کے قرض کی سہولت سے ریاست بھر میں تقریباً.... ۵۰ کنویں کھودے جا چکے ہیں. اب ایگری کلچرل ریفائنانس کارپوریشن بھی نئے کنویں کھدوانے والے کسانوں کے لئے قرضہ جات دینے کا سلسلہ جاری رکھے گی.

صفحہ ۲ سے آگے

۱۹۴۵ء میں انھوں نے لیفٹیننٹ کرنل کی حیثیت سے سبکدوشی حاصل کی. اس وقت ان کو کانسہ اسٹار اور لیجن آف میرٹ کے انعام کے ساتھ دوسرے بہت سے تعریف و تحسین کے خطابات سے نوازا گیا.

دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر گوہین پرنسٹان واپس گئے. جہاں انھیں دو ڈوبلین فیلوشپ کے پہلے انعام میں سے ایک سے نوازا گیا.

کلاسکس میں اپنی تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے، گوہین نے ۱۹۴۷ء میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کرلی اور پھر آئندہ سال ڈاکٹری.

پرنسٹان کے کلاسکس ڈپارٹمنٹ میں ڈاکٹر گوہین نے ۱۹۴۸ء میں ایک انسٹرکٹر کی حیثیت سے شامل ہوئے اور ۱۹۵۷ء میں یونیورسٹی کے ۱۶ ویں صدر کی حیثیت سے منتخب ہوئے.

طلبہ سے اپنی بات چیت کے دوران انھوں نے تعلیم پر اپنے ذاتی فلسفہ کو پیش کیا.

انھوں نے ۱۹۶۴ء میں نئے آنے والے ایسے طلبہ کو دوسری یونیورسٹی میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا جن کا مقصد صرف معلومات کو جمع کرنا ہے. ان کا کہنا ہے کہ کالج میں تعلیم اخلاق کی کھوج اور ذہانت کے لئے حاصل کرنا چاہیئے. ان کی رہنمائی میں پرنسٹان کا نیصد گر گیا. دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی سماجی قوت کم ہو گئی، کالے طلبہ کا داخلہ بڑھ گیا اور عورتوں کو بھی داخلہ ملنے لگا.

۳۰ جون ۱۹۷۲ء کو ڈاکٹر گوہین نے پرنسٹان چھوڑ دیا اور کونسل آف فاؤنڈیشن کے چیرمین بنائے گئے. نیویارک میں ایڈنا میک کانل کلارک فاؤنڈیشن جس کا کام بے گھر بچوں کی مدد کرنا اور ذہنی طور پر کمزوروں کو سہارا دینا ہے، کے صدر چنے گئے.

۱۹۴۱ء میں ڈاکٹر گوہین کی شادی مارگریٹ اسکیلی سے ہوئی. اب ان کے چھ بچے ہیں.

ہندوستان کے سفیر بننے کے بعد ڈاکٹر گوہین جو کہ خود بھی ایک عالم ہیں، اس بات کی امید ظاہر کی ہے کہ ہندوستان کا راستہ اب امریکی اسکالروں کے لئے بھی کھل جائے گا.

●●

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں، تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے. لہٰذا قارئین کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافہ کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ ہر شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے.

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلہ خیال سے ہمیں اور بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا. انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے.

آپ اپنے سوالات اس پتے پر روانہ فرما سکتے ہیں:

ایڈیٹر "قومی راج" (پندرہ روزہ)
۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ،
مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

کیمرہ کی آنکھ سے

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، بمبئی ڈویژن کے خریف موسم کے لئے جدوجہد کرنے والی تنظیمی میٹنگ کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ منترالیہ میں ۱۴ مئی ۱۹۷۷ء کی ایک میٹنگ میں وزیر برائے دیہی ترقی شری کے۔ ایم۔ پاٹل، وزیر برائے زراعت شری ایچ۔ جی۔ ورتک، وزیر برائے محصول شری مدھوکر راؤ چودھری اور وزیر برائے انرجی اور منصوبہ بندی شری نریندر ترڈ کے موجود تھے ان کو تصویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔



شری حمید دلوائی، بانی مسلم ستیہ شودھک سماج ۳ مئی کو ایک طویل بیماری کے بعد جسلوک اسپتال میں انتقال کر گئے۔ تصویر میں شری ایم۔ ڈی۔ چودھری وزیر مال اور شری ایس۔ جی۔ پوار وزیر داخلہ بمبئی میں منعقدہ تعزیتی میٹنگ میں تقریر کر رہے ہیں۔



بمبئی میں مئی کے پہلے ہفتے میں ایک بہت ہی ہیبتناک واقعہ پیش آیا۔ جبکہ گھاٹ کوپر میں واقع جھونپڑپٹی میں ۴۷ افراد ناجائز شراب پی کر ہلاک ہو گئے۔



وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے "بمبئی چیمبر آف کامرس اور انڈسٹری" کی سالانہ جنرل میٹنگ کو تاج محل ہوٹل میں ۱۰ مئی ۱۹۷۷ء کو خطاب کیا۔



1977

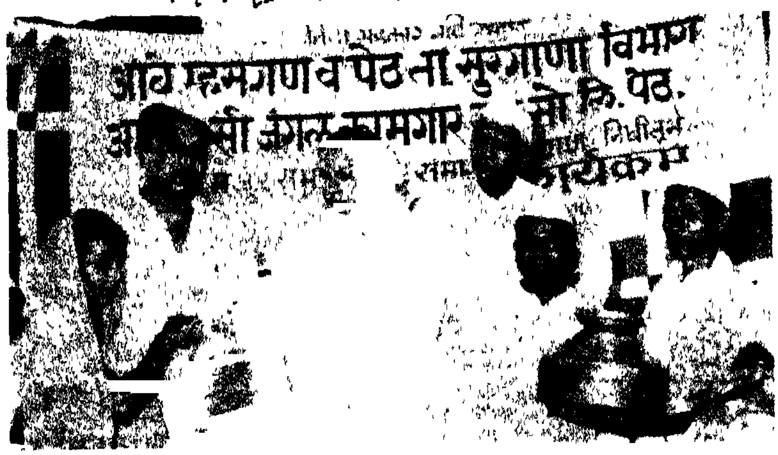


۱۶ اپریل تا یکم مئی تک ریاست بھر میں چھوت چھات کے خاتمے کے لیے اورنگ آباد میں چلائی گئی مہم کا منظر۔ اس تقریب میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے ہریجنوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔



ریاست میں ۲۱ اپریل کو "ورلڈ فوڈ" پروگرام کے تحت سولاپور اورنگ آباد، پربھنی اور بیڑ اضلاع میں جائکواڑی اور بھیما پروجیکٹ، زمین ترقیاتی کام، اور کمانڈ ایریا ترقیاتی کاموں کے حکومتی ملازمین اور مزدور تین سال تک گیہوں، خوردنی تیل اور دودھ کے ڈبے کم قیمت پر حاصل کر سکیں گے۔ اس اسکیم کے تحت وہی ملازمین اور مزدور فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کی فی ماہ ۵۰۰ روپے سے زیادہ آمدنی نہیں ہے۔ تصویر میں ضروری اشیا تقسیم کی جا رہی ہے۔

شری دھیر پاٹل راؤ، ایم۔ پی، ادیواسیوں میں برتن تقسیم کر رہے ہیں۔ جنگلاتی مزدوروں کی کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کے سماجی بہبود کے فنڈ سے ایک لاکھ کے برتن بانٹے گئے۔ سرگنا علاقہ کے امبے، دہاسگن اور پیٹھ کی تین سوسائیٹیوں کے تقریباً ۷۰۵ ممبروں نے فائدہ اٹھایا۔



۳ مئی کے روز بمبئی میں وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل مشہور ٹریڈ یونین لیڈروں کی میٹنگ سے خطاب کر رہے ہیں۔



ریاستی خبریں

کوآپریٹیو سیکریٹریوں کو ۶۰ روپے کا مخصوص اضافہ ملے گا۔

مہاراشٹر کی پرائمری کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے سکریٹریوں کی ۸ دن پرانی ہڑتال، ۸ مئی کو مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل اور وزیر برائے امداد باہمی شری شیواجی راؤ پاٹل کی مداخلت کی وجہ سے ختم ہوگئی۔

وزیر برائے امداد باہمی اور گروپ سکریٹریوں کی یونین کے نمائندوں کے درمیان مفاہمت کی بات چیت کے بعد جاری کردہ بیان میں یہ بتلایا گیا کہ تمام درجوں کے گروپ سیکریٹریوں کو ۶۰ روپے فی ماہ کا مخصوص اضافہ ۱۱ اپریل ۱۹۷۷ء سے دیا جائے گا۔

یہ فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ ایک کمیٹی کا تقرر ہوگا تاکہ وہ اس بات پر غور کرے کہ ضلع سپروائزری سنگھ کے گروپ سیکریٹریوں کو مہنگائی بھتہ دیا جانا چاہیئے یا نہیں۔ یہ کمیٹی حکومت کو ۴ ماہ کے اندر اپنی رپورٹ پیش کردے گی اور اس کی سفارشات پر ایک ماہ کے اندر فیصلے کئے جائیں گے۔

الیکٹرک وائرنگ کی جانچ کروائی جائے

مالکان مکانات، کرایہ داروں اور بجلی استعمال کرنے والے دوسرے تمام افراد کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بجلی کے سوئچ بورڈوں کو حکومت کے منظور شدہ کنٹراکٹروں کے ذریعہ جانچ کروالیں۔ اس احتیاط کی ضرورت اس لئے ہے کہ بارش کے موسم میں اگر بجلی کے تار پر پانی پڑے گا تو ہاتھ لگنے پر بجلی کے شاک لگنے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ بجلی استعمال کرنے والے افراد کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پرانے بجلی کی لائنوں کو اگر وہ ٹوٹ پھوٹ چکی ہوں تو نئی لائنوں سے بدل دیں۔ سوئچ بورڈ میں بارش کے موسم میں کسی بھی حالت میں پانی نہیں جانا چاہیئے۔ دوسری احتیاط یہ ہونی چاہیئے کہ عارضی بجلی کے کنکشنوں کو نکال دیا جانا چاہیئے اور الیکٹرک پمپ وغیرہ پر کوئی چیز پانی سے بچانے کیلئے ڈھانک دی جانی چاہیئے

ایم، بی، بی، ایس، میں داخلہ کی شرطوں میں تخفیف کر دی گئی

میڈیکل کونسل آف انڈیا نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میڈیکل ڈگری کورس میں پہلے سال میں داخلے کے لئے لگائی گئی اس شرط کو دو سال (۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۸ء) کے لئے ختم کر دیا جائے گا کہ طلبہ کو ہائر سیکنڈری سرٹیفکیٹ کا امتحان "اعلیٰ سطح" پر انگلش مضمون سے پاس کرنا لازمی ہے۔

یہ تخفیف اس شرط پر کی گئی ہے کہ طلبہ کو M.B.B.S کورس کے پہلے سال میں انگلش کا مضمون لازمی طور پر پڑھنا ہوگا تاکہ طلبہ کونسل کی تجویز کردہ انگلش کی سطح تک پہنچ جائیں۔

مرکز کے توسط سے ریاستی حکومت نے ان طلبہ کے بارے میں جنھوں نے جونیئر کالج (سائنس) کے پہلے سال کی کلاس میں ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں ادنیٰ سطح کی انگلش مضمون کے ساتھ داخلہ لیا تھا، کونسل سے گفتگو کی۔

لہٰذا مہاراشٹر کے وہ طلبہ جو جون ۱۹۷۷ء اور جون ۱۹۷۸ء میں ادنیٰ سطح کی انگلش مضمون کے ساتھ ہائر سیکنڈری سرٹیفکیٹ کا امتحان پاس کریں گے۔ وہ بھی M.B.B.S. کورس میں داخلے کے حقدار ہوں گے اور ان طلبہ کے لئے جن کو میرٹ کی بنیاد پر میڈیکل کالجوں میں داخلہ مل جائے گا ان کے لئے M.B.B.S کورس کے سال اول کے دوران لازمی انگریزی مضمون پڑھانے کا بندوبست کیا جائے گا۔

۱۹۷۷-۷۸ء اور اس کے بعد کے تعلیمی سال کے دوران جو طلبہ F.Y.J.C. سائنس میں داخلہ لیتے ہیں۔ اور جو مستقبل میں میڈیکل ڈگری کورس میں داخلے کے لئے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے جونیئر کالج کورس میں پورے سال "اعلیٰ سطح" کے انگلش مضمون کو پڑھیں۔

کونسل نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ طلبہ جن کی عمریں میڈیکل ڈگری کورس میں داخلے کے وقت ۳۱ دسمبر تک ۱۷ سال تک نہ ہوں گی۔ انھیں داخلہ نہیں دیا جائے گا اور عمر میں کسی طرح کی کمی بیشی کی اجازت نہ ہوگی۔

بقایاجات کی ادائیگی کے لئے کوئی زیادتی نہیں کی جائیگی

اپنے بقایاجات کی ادائیگی میں ناکام ہونے والے مہاراشٹر کے ایسے کسان جن کی زمینیں چھین کر حکومت کو ایک روپے کی معمولی رقم پر بیچ دی گئی ہیں، انھیں تین سال کا وقت دیا جائے گا کہ وہ حکومت اور کوآپریٹیو سے لئے گئے قرضہ جات کو ادا کر دیں۔

مذکورہ کسانوں کو ان تین سال کے دوران اپنی زمینوں کی کاشت کاری کرنے کی اجازت ہوگی۔ اگرچہ یہ زمینیں ان دنوں تک حکومت کے ہی نام پر رہیں گی۔

اگر کسانوں نے تین سال کے دوران تمام بقایاجات ادا کر دیئے تو یہ زمینیں کسانوں کو واپس

سر کے ان کے نام پر کردی جائیں گی۔

تاہم اگر یہ زمینیں کسی دوسرے اشخاص کو بیچی جا چکی ہوں گی۔ اور اب وہ حکومت کے قبضے میں نہیں ہیں تو حکومت اس معاملے میں کچھ کرنے سے لاچار ہے۔

اگر کوئی گھر میں استعمال ہونے والی اشیاء، ٹریکٹر، زرعی پمپ، انجن، دوسری استعمال ہونے والی چیزیں یا مویشی، قبضہ کی ہوئی چیزوں میں شامل ہوں گے تو انھیں مذکورہ کسانوں کو واپس کر دیا جائے گا۔

کسانوں سے بقایا جات کی ادائیگی کے لئے کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ادائیگی کے لئے معمولی طریقہ اپنایا جائے گا۔

حساب و سائنس کی تعلیم انگریزی میں لازمی نہیں

حکومتِ مہاراشٹر نے اپنے اس پہلے فیصلے کو بدل دیا ہے جس سے حساب اور سائنس لازمی طور پر آٹھویں جماعت سے انگریزی میں پڑھائے جائیں گے۔

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے ۲۰ مئی کو بمبئی میں اخبار نویسوں کو ایک پریس کانفرنس میں بتلایا کہ دونوں مضامین کو لازمی طور پر انگریزی میں پڑھانے کے فیصلے کو روبہ عمل نہ لایا جائے گا۔ اس لئے کہ تربیت یافتہ اساتذہ کی دیہی علاقوں میں خاص طور پر بہت کمی ہے۔

پیشہ ورانہ کالجوں کے لئے داخلہ کا امتحان نہیں ہوگا

وزیر اعلیٰ نے یہ بھی اعلان کیا کہ ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اس سال بارھویں جماعت اور انٹر سائینس پاس کر لینے کے بعد جو طلبہ میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں داخلہ کے خواہاں ہوں گے اُن کا داخلے کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ ان دونوں تعلیمی شعبوں یعنی میڈیکل اور انجینئرنگ میں سیٹوں کی تقسیم بارھویں اور انٹر سائینس کے کامیاب طلبہ میں طلبہ کی امتحان میں بیٹھنے کی تعداد کے تناسب پر کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ زیادہ مارکس حاصل کرنے والے طلبہ کو داخلہ دیا جائے گا۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ یہ سوال آئندہ سال نہیں اٹھے گا اس لئے کہ آئندہ سال سے انٹر سائینس امتحان ہی ختم کر دیا جا رہا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ حکومت نے اس سے قبل یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میڈیکل اور انجینئرنگ میں داخلے کے خواہش مند طلبہ کے لئے داخلے کا امتحان لیا جائے گا لیکن اب یونیورسٹی امتحانات میں تاخیر کے سبب یہ ممکن نہیں ہے کہ داخلہ کا امتحان لیا جائے۔

خریف تدبیر سے حاصل ہوگیا ۷۰ لاکھ ٹن کا نشانہ

ریاستی حکومت نے ۱۹۷۷-۷۸ء کے لئے ۱۰۵ لاکھ ٹن اناج کی پیداوار کا نشانہ متعین کیا ہے اس نشانہ میں ۷۰ لاکھ ٹن خریف فصل سے ۳۵ لاکھ ربیع فصل سے حاصل کیا جائے گا۔

علاقہ واری نشانہ یوں ہے : بمبئی ڈیویژن : ۱۹ء۷۵ لاکھ ٹن، پونے ڈیویژن : ۱۴ء۶۶ لاکھ ٹن اورنگ آباد ڈیویژن : ۱۲ء۵۹ لاکھ ٹن اور ناگپور ڈیویژن : ۲۲ء۶۳ لاکھ ٹن۔

اس نشانہ لگائی ہوئی پیداوار کا ۷۰ فی صد حصہ بارش والے اور مختلف آبکاری کی سہولتوں والے علاقوں سے حاصل کیا جائے گا۔ باقی ماندہ پیداوار ان علاقوں سے جہاں بارش ہونا غیر متعین ہوتا ہے، حاصل کی جائے گی۔ اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ خشک کھیتی کے طریقوں کو اپنا کر پیداوار بڑھائی جائے۔

خریف فصل کے لئے مختلف قسم کے اناج پیدا کرنے والے علاقوں کو یوں بانٹا جا سکتا ہے (i) دھان کی کثیر تعداد میں پیداوار ــــ ۸ء۷۵ لاکھ ہیکٹر۔
(ii) مخلوط جوار ــــ ۱۴ لاکھ ہیکٹر (iii) جوار کی کثیر تعداد میں پیداوار ــــ ۳ لاکھ ہیکٹر اور
(iv) مخلوط مکئی ــــ ۳ء۵ لاکھ ہیکٹر

۱۹۷۶-۷۷ء میں خریف موسم میں اناج کی پیداوار کا تخمینہ ۶۶ء۲۴ لاکھ ٹن تھا۔

فصل کے لئے روپیہ امداد باہمی اور کمرشیل بنکوں سے دیا جائے گا۔ جون ۱۹۷۶ء تک تقریباً ۶ء۲۵ لاکھ کسان ممبر بنے۔

بہت سی دوسری ایجنسیاں بیج، کھاد اور کیڑے مار دوائیں کسانوں کو بہم پہنچائیں گی۔ تمام ضلع پریشدوں کو اس بات کا حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ اس بات کا یقین دلائیں کہ گاؤں کی سطح تک ہر کاشتکار کو یہ چیزیں بہت پہلے دے دی جائیں گی۔

ضلعی اور مقامی سطحوں پر تربیت کے پروگرام منعقد کئے گئے ہیں زراعتی یونیورسٹیاں، ان پروگراموں میں بہت بڑا رول ادا کر رہی ہیں۔ تمام ضلعوں میں نئی ٹیکنولوجی وغیرہ پر تجربات پیش کئے جائیں گے۔

زیادہ سے زیادہ پیداوار فی ہیکٹر حاصل کرنے کے لئے بہت سے رہنمائی کرنے والے منصوبے (جن میں سے ہر ایک تقریباً ۲۰۰-۴۰۰ ہیکٹر پر ہوں گے) ریاست بھر میں کئے جائیں گے۔

ایسے علاقوں میں جہاں تھوڑے سے کسان ہیں، ۵۰ رہنمائی کرنے والے منصوبے چلائے جائیں گے تاکہ وہ پروگراموں میں زیادہ سے زیادہ حصّہ لے سکیں۔

۱۴ر ۱۵ر ۱۶ر اور ۱۷ر مئی کو بمبئی، پونے، اورنگ آباد اور ناگپور میں متعلقہ منسٹروں اور دوسرے حکومت کے افسران کی ۴ ڈیویژنوں کی میٹنگیں، خریف فصل کی پیداوار کی تدبیروں پر بحث کے لئے ہوئیں۔

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے اس مباحثہ میں رہنمائی فرمائی۔ ایک اہم مشورہ جو انہوں نے بمبئی کی میٹنگ میں دیا وہ یہ تھا کہ زراعتی خواہیوں کے پیش نظر سرمایہ کا گوشوارہ پھر سے بنایا جائے۔

انہوں نے وزیر برائے امداد باہمی شری ایس جی پاٹل کو یہ مشورہ دیا کہ سیکریٹری، زراعت اور مینجنگ ڈائرکٹر آف مہاراشٹر اسٹیٹ کو آپریٹیو

بنک کی ایک کمیٹی بنائی جائے تاکہ وہ ریزرو بنک کو پھر سے بنانے کی سفارش کرے۔ وہ چاہتے تھے کہ زر اصل اور سود کی رقموں کو صاف صاف علیحدہ کرکے رکھا جائے اور گوشوارہ کو زر اصل پر بنایا جائے۔ ایسے وقت پر جبکہ زراعتی پیداوار کافی ہو رہی ہے اگر ادھار دینا بند کر دیا گیا تو زراعت پر بہت برا اثر پڑے گا

خریف میں دھان کی زیادہ پیداوار

اس سال بھنڈارہ ضلع میں ۱۲ رہنمائی کے منصوبے پر عمل ہوگا تاکہ خریف میں زیادہ قسموں کی پیداوار پر دھیان دلایا جا سکے ان منصوبوں کے لئے ۱٫۶۵ لاکھ ہیکٹر زمین کام میں لائی جائے گی ضلع کا اناج پیدا کرنے کا نشانہ ۲۶۵ لاکھ میٹرک ٹن ہے۔

بڑھتی ہوئی صنعتوں کے مسائل

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے بمبئی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے سالانہ عام اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بمبئی چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری کو ریاستی حکومت سے ان کے مسائل کو حل کرنے کے لئے جوابی تعاون ملے گا نیز صنعتی یونٹوں کے پاس موجودہ فاضل زمین کے سوال کے بارے میں ان کی اصل ضرورت کے مدنظر ہمدردی سے غور کرے گی۔

شری پاٹل تاج محل ہوٹل میں منعقدہ بمبئی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے سالانہ عام اجلاس سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر شری ایس کے۔ وانکھیڈے وزیر صنعت، شری ایس۔ جی۔ گیدم، وزیر خوراک و شہری رسد، شری جے۔ بی۔ ڈیسوزا، حکومتِ مہاراشٹر کے چیف سیکریٹری نیز ڈپلومیٹک کارپس کے اراکین موجود تھے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ اربن لینڈ سیلنگ ایکٹ کے تحت ریاستی حکومت اس بات پر غور کر سکتی ہے کہ عوامی مقاصد نیز صنعتی ضرورت کے لئے ایسی زمینوں کو چھوٹ دی جائے گی۔

ریاست میں بجلی کی کمی کا تذکرہ کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ۴۰۱۰ میگاواٹ صلاحیت پر مشتمل پانچ بجلی پروجیکٹ کی تجویز منظوری کے لئے مرکزی حکومت کو بھیجی گئی ہے۔ ان کو اعتماد ہے کہ مرکزی حکومت جلد سے جلد کلیرنس عطا کرے گی۔

ریاستی حکومت نے مرکز سے گزارش کی ہے کہ تاراپور اٹامک یونٹ کی صلاحیت ۴۰۰ میگاواٹ سے بڑھا کر ۱۰۰۰ میگاواٹ کر دی جائے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ اس درمیان صنعتوں کو ان کی بجلی کی کمی پوری کرنے کے لئے جنریٹر کے استعمال کی اجازت ریاستی حکومت دے گی۔

وزیر اعلیٰ نے امید ظاہر کی کہ نئے پروجیکٹ کے شروع ہو جانے پر ۲۴۰۰ میگاواٹ مزید بجلی ریاست میں پیدا ہو سکے گی۔

ریاست کے دیہی علاقوں میں صنعتوں کے پھیلاؤ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے شری پاٹل نے کہا کہ حکومت اس مقصد کیلئے روایتی صنعتوں کو آگے بڑھائے گی نیز دیہی کاریگروں کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ بہرحال ایسے معاملات میں جہاں ایسی صنعتوں کا قیام بمبئی کے قرب و جوار میں اگر ضروری ہوا تو ریاستی حکومت ان پر عملی طور پر غور کرے گی۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ ہر معاملے کو اس کی میرٹ پر طے کیا جائے گا۔

انہوں نے آگے کہا کہ ریاستی حکومت نے صنعتی طور پر پسماندہ علاقوں میں چھوٹے پیمانے کی ۵۰۰۰ نئی یونٹیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی اسکیم کا تذکرہ کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ نئے جوکھم کاروں کو چھوٹے پیمانے کے سیکٹر میں ۱۸۵۵۲ صنعتیں شروع کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے بنیادی سرمائے کے طور پر ۱۰٫۵ کروڑ روپے کی رقم منظور کی ہے۔

پیداوار میں اضافے کیلئے صنعتی سکون بے حد ضروری ہے وزیر اعلیٰ نے مالکان سے اپیل کی کہ وہ ملازمین کے مسائل پر ہمدردی سے غور کریں۔ اس سے قبل شری کے۔ وارنر نے مہمانوں کا استقبال کیا بعد میں شری ایم۔ ایل۔ آپٹے نے شکریہ ادا کیا۔

جلگاؤں میں دواسازی کا پروجیکٹ

مغربی مہاراشٹر ترقیاتی کارپوریشن نے جلگاؤں میں دواسازی کے لئے ضابطہ بنانے کا پروجیکٹ شروع کیا ہے اس میں میسرس ہافکن بائیو فرماسیوٹیکل کارپوریشن لمیٹیڈ مددگار ہیں کارپوریشن نے منی صنعتی اسٹیٹ کے قیام کے لئے ۲۲ جگہوں کا انتخاب کیا ہے اور ۷۶-۷۷ء کے دوران ان جگہوں کی ترقی کے لئے ۹ لاکھ روپے مہیا کئے ہیں اس نے تقریباً ۱۰۰۰ ان تعلیم یافتہ بے روزگار صنعت کاروں کی بھی مدد کی ہے۔ جن کے پاس اس دوران کل ۲۱ لاکھ روپے کا سرمایہ تھا ۱۹۷۷ - ۷۸ء کے دوران کارپوریشن ۴۴ء۱۲۷ لاکھ روپے ان بڑے پروجیکٹوں اور اسکیموں پر خرچ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اس سے ۱۷۹۶۶ لوگوں کے لئے روزگار پیدا ہو جائے گا۔

کنکولی تعلقہ میں کانچ کی بوتلوں کا کارخانہ

کوکن ترقیاتی کارپوریشن نے ضلع رتناگیری کے تعلقہ کنکولی میں واقع موضع کرول میں کانچ کی بوتلیں بنانے کا ایک پروجیکٹ شروع کیا ہے اس کو آگے بڑھانے والے مقامی علاقے کے قلیل آمدنی والے لوگوں کی ایک جماعت ہے۔

اس پروجیکٹ پر کل لاگت ۱۲۵ لاکھ روپے ہے اور کارپوریشن نے اس میں اپنے حصے کی رقم کے طور پر ۵۵ء۲۲ لاکھ روپے لگائے ہیں اس پروجیکٹ کی تخمیناً سالانہ صلاحیت ۴۸۰۰ ٹن ہے کارپوریشن نے ۸۔ ہائیڈروکسائی کنولائین تیار کرنے کے لئے بھی اسنٹ لیٹر حاصل کر لیا ہے جو ادویہ سازی کی صنعت کے لئے ایک اہم شے ہے اور فی الحال درآمد کی جاتی ہے۔ پروجیکٹ کے نفاذ کیلئے متعلقہ پارٹیوں سے بات چیت جاری ہے۔

چھوٹی بچت سے ۴۴ کروڑ روپے حاصل ہوئے

۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران اضلاع اور بمبئی عظمیٰ اشہر نے چھوٹی بچت کے نشانہ کو پار کرلیا۔ ریاست میں ۴۸ء۸۵ کروڑ روپے کے نشانے کے برخلاف ۴۴ء۶۴ کروڑ روپے کی بچت ہوئی۔

نشانہ پار کرلینے والے اضلاع یہ ہیں :

بمبئی عظمیٰ ـــ ۴۳ء۲۰ کروڑ بخلاف ۱۶ء۵۵ کروڑ روپے
رتناگیری ـــ ۱ء۵۰ کروڑ " (۱ء۳۵ کروڑ) روپے
تھانے ـــ ۲ء۵۱ کروڑ " (۲ء۴۰ کروڑ) "
کولہاپور ـــ ۱ء۷۹ کروڑ " (۱ء۶۵ کروڑ) "
ستارا ـــ ۱ء۶۲ کروڑ " (۱ء۱۲ کروڑ) "
پونے ـــ ۲ء۹۱ کروڑ " (۲ء۷۰ کروڑ) "
سانگلی ـــ ۱ء۳۴ کروڑ " (۱ء۰۵ کروڑ) "
اور چندرپور ـــ ۸۳ لاکھ " (۷۵ لاکھ) "

پنشن کی دستیابی میں آسانی

ریاستی حکومت کے پنشن پانے والے افراد کو منی آرڈر یا بنکوں کے ذریعے حکومت کے خرچ پر پنشن کی ادائیگی والی اسکیم کو اب مہاراشٹر کے سب ٹریشریز تک وسعت دے دی جائے گی۔ یکم جون ۱۹۷۷ء کو ادا کی جانے والی مئی ۱۹۷۷ء کی پنشن ہوگی۔

اس اسکیم کے تحت ۱۰۰ روپے سے کم تک کی پنشن کی رقم حکومت اپنے خرچ پر منی آرڈر کے ذریعے بھیجتی ہے اور سو روپے سے زائد پنشن کی رقموں کو پنشن پانے والے افراد کے بنک کھاتوں میں جمع کرادی جاتی ہے۔

اس اسکیم کے تحت دیہی علاقوں میں پنشن پانے والے افراد کی تکالیف کا سدِ باب ہوجائے گا۔ اور ان کو ٹریژری آفسوں اور لمبی لمبی قطاروں میں اپنی پنشنوں کو حاصل کرنے کے لئے کھڑے رہنے کی زحمت سے چھٹکارا مل جائے گا اور ان لوگوں کو بیٹھے بٹھائے اپنے گھروں پر پنشن مل جایا کرے گی۔

"ایس۔ آئی۔ سی۔ او۔ ایم" نے ۷۴ء۶ کروڑ روپے لگائے

اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ انوسٹمنٹ کارپوریشن (ایس آئی سی او ایم) نے گزشتہ دس سال میں ریاست بھر کی ۲۱۶۹ صنعتی کارخانوں میں کل ۷۴ء۹ کروڑ روپے لگائے تاکہ مقامی لوگوں کے لئے غیر ترقی والے علاقوں میں روزگار پیدا کیا جاسکے۔

ان میں سے ۱۴۵۳ کارخانوں نے یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء تک پیداوار جاری رکھی اور ۶۸۰۰۰ افراد کو روزگار فراہم کیا گیا۔

۱۹۷۸-۷۹ء کے دوران کارپوریشن ۲۰۰۰ لاکھ روپے کی منظوری اور صنعتی کارخانوں کو ۱۶ لاکھ روپے کے قرضہ جات دینا چاہتی ہے

سیمنٹ پرمٹ

مہاراشٹر کی ریاستی حکومت لائسنس رکھنے والے بیوپاریوں کے پاس دستیاب سیمنٹ پرمٹ پر ۲۵ فی صد تک آزادانہ طور پر بیچنے کے لئے تقسیم کرے گی۔

بمبئی عظمیٰ میں یہ پرمٹ چھوٹی موٹی مرمت کے لئے ۱۵ تھیلیوں تک، علاقہ کے ڈپٹی کنٹرولر آف راشننگ کی طرف سے جاری کئے جائیں گے۔ وہ لوگ جن کو چھوٹی موٹی مرمت کیلئے سیمنٹ کی ضرورت ہے ان کو چاہیئے کہ وہ چھپے ہوئے فارم پر اپنی درخواست ڈپٹی کنٹرولر آف راشننگ کو بھیجیں اور ڈپٹی کنٹرولر آف راشننگ جانچ پڑتال کے بعد پرمٹ جاری کردیگا۔

درخواست فارم ان آفسوں میں دستیاب ہیں۔

"A" علاقہ ـــ کریسنٹ ہاؤس، ۳ مالا۔
بلارڈ اسٹیٹ۔ بمبئی

"C" علاقہ ـــ کھنہ کنسٹرکشن، دریلی سی فیس، بمبئی ۱۸

"D" علاقہ ـــ الکا بلڈنگ، سحر روڈ، اندھیری (مشرق) بمبئی ۶۹

"E" علاقہ ـــ جینگل شرینتی، پہلا مالا، جی۔ ڈی۔ امبیکر روڈ۔ بمبئی ۳۱

تعلیمی اور خیراتی ادارے، رجسٹرڈ شدہ کو آپریٹیو سوسائٹیاں اور ہاؤسنگ سوسائٹیاں جو ۸۵۰ مربع فٹ کے رہائشی فلیٹس کی تعمیر کے لئے ہوں، لائف انشورنس کارپوریشن کی مدد سے بنائے جانے والے رہائشی مکانات اور ان افراد کے رہائشی گھروں کے لئے جن کے گھروں یا جگہوں کو عوامی مقاصد کے لئے لے لیا گیا ہو۔ ان کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ ریجنل ڈپٹی کنٹرولر آف راشننگ کو درخواست دیں۔ ان کے لئے پرمٹ، کنٹرولر آف راشننگ بمبئی کی طرف سے یا محکمہ خوراک اور سول سپلائی منترالیہ انیکس بمبئی ۳۲ کی جانب سے جاری کردیا جائے گا۔

ناگپور میں اناج منڈی کا گیڈم کے ہاتھوں افتتاح

شری ایس۔ وی گیڈم، وزیر خوراک اور شہری رسد، نے تجاروں سے اپیل کی کہ وہ قوم کی فلاح کیلئے عملی تعاون پیش کریں۔ موصوف آج یہاں ۳۰ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کردہ گاندھی گرین مارکیٹ کا افتتاح کررہے تھے

شری جمنالال گوئنکا، وزیر مملکت برائے خوراک اور شہری رسد، مہمان خصوصی تھے۔ ناگپور کے میئر شری اٹل بہادر سنگھ نے صدارت کی۔

دیہی کاریگروں کیلئے امداد

ریاست کی ۸ منتخبہ صنعتی کارخانوں میں ۴ء۶۲ لاکھ کاری گروں میں سے ۴۸۴۲۳ کاریگروں کے نام نئی تشکیل کردہ ہمہ مقصدی امدادِ باہمی سوسائٹیوں کے ممبر کی حیثیت سے مقامی سطح پر کاریگر ضمانت روزگار اسکیم کے تحت درج کرلئے گئے ہیں۔

اس اسکیم کو دیہی کاریگروں کی پیداوار بڑھانے کی اہلیت کو اجاگر کرنے کیلئے بنایا گیا ہے اور ان کو اوزار، ہتھیار اور نقد قرضہ جات دیئے جائیں گے تاکہ وہ اپنی آمدنی بڑھا سکیں۔

کھادی اینڈ ویلیج انڈسٹریز بورڈ اس اسکیم کو چلائے گی۔

تدریس کا کام انجام دینے والے افراد کے مہنگائی بھتہ میں اضافہ

ریاستی حکومت نے اس بات کی اجازت دیدی ہے کہ مغربی مہاراشٹر میں میونسپل اسکول بورڈ اور کینٹونمنٹ بورڈ یکم مارچ ۱۹۷۷ء سے پرائمری تعلیم کے لئے تدریس کا کام انجام دینے والے افراد کے مہنگائی بھتہ میں اضافہ کردے۔ اس وجہ سے جو زائد خرچ کا بوجھ پڑیگا وہ موجودہ شرح سے حکومت کی گرانٹ سے مل جائے گا۔

تعلیم پر تحقیق میں مدد

منظور شدہ اور اچھی طرح جمے جمائے اداروں بشمول ہیڈ ماسٹروں اور اساتذہ کی ایسوسی ایشنوں میں کام کرنے والے عملے کے ممبروں کی طرف سے تعلیم پر تحقیق کے کام کو تقویت پہنچانے کے لئے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے درخواست مطلوب ہے۔

درخواست وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ جون ۱۹۷۷ء ہے۔

کسی پروجیکٹ پر زیادہ سے زیادہ ۲۰۰۰ روپے کی امداد دی جاسکتی ہے۔

تحقیق کا کام کسی ٹیکنیکل رہنما جو کہ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کی طرف سے مقرر کیا جائے گا انجام دینا ہوگا یا ریاستی انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن پونے کے براہ راست نگرانی میں کام کرنا ہوگا۔ درخواست، ڈائرکٹر، اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن پونے ۳۰-۴۱۱ کو بھیجی جاسکتی ہے۔

قبائیلیوں کی جانب سے "تسر" کی پیداوار

چندرپور اور بھنڈارہ ضلعوں کے قبائیلیوں نے ۱۷۰۰۰ میٹر "تسر" ریشم گزشتہ دس ماہ میں یعنی اپریل ۱۹۷۶ء سے جنوری ۱۹۷۷ء تک پیدا کیا اس کپڑے کی فروخت سے ۲ء۱۴ لاکھ روپے منافع ہوا۔ ودربھ کی ترقیاتی کارپوریشن نے یہ پروجیکٹ اپنے ذمہ لیا تھا کہ قبائلی آبادی کے لئے فائدہ مند ہو۔ اس کارپوریشن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ایک کروڑ ابریشم کا کویا جس کی قیمت ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۶ لاکھ روپے ہوگی، دیدیگی ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۸۰،۰۰،۰۰۰ ابریشم کے کویئے کی قیمت ۴ء۵ لاکھ روپے تھی ۷۸-۱۹۷۷ء میں "تسر" ریشم کی پیداوار کا نشانہ ۲۲۰۰۰ میٹر ہے۔

اس پروجیکٹ سے قبائیلی لوگوں کے ۴۰۰۰ رئرس (Rearس) اور ۱۰۰۰ ابنکروں کو روزگار فراہم ہوجائے گا۔ یہ تمام لوگ ماہر کاریگر ہیں اور اس کاروبار کو پشتہا پشت سے کرتے چلے آرہے ہیں۔

اورنگ آباد میں سروسیز پریپریٹری انسٹی ٹیوٹ

ریاستی حکومت نے اورنگ آباد میں سروسیز پریپریٹری انسٹی ٹیوٹ قائم کیا ہے۔ اس میں گروہ کی صورت میں داخل ہونے والے ۱۲۰ لڑکوں کو تربیت دی جائے گی۔ پہلے سال ۴۰ طلبہ داخل کئے جائیں گے اور بقیہ چار سالوں میں ہر سال بیس لڑکوں کو داخلہ دیا جائے گا۔ یہ تربیتی کورس ۵ سالہ ہوگا اور ان لڑکوں کو جنہوں نے دسویں کا امتحان پاس کرلیا ہے داخلہ دیا جائے گا۔ لڑکوں کو اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم جاری رکھنے کی اجازت ہوگی۔

ریاستی حکومت نے لیفٹیننٹ جنرل ایس۔ پی۔ پی تھورات کی چیئرمین شپ میں ایک کمیٹی قائم کی تھی۔ اس کمیٹی نے جولائی ۱۹۷۳ء میں مہاراشٹر میں ڈیفنس سروسیز میں لڑکوں کے بھرتی میں کمی کے سوال کا ایک طویل جائزہ لیا۔ ریاستی حکومت نے کمیٹی کی سفارشات کو منظور کرلیا ہے۔ کمیٹی نے دوسرے امور کے ساتھ ساتھ یہ بھی سفارش کی ہے کہ ہر ریوینیو ڈویژن میں سروسیز پریپریٹری انسٹی ٹیوٹ کھولنا چاہیئے تاکہ ان لڑکوں کے لئے جو ڈیفنس سروسیز میں داخلہ لینے کے خواہشمند ہوں ضروری تربیت دی جاسکے حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شروع شروع میں صرف ایک ہی ایسا انسٹی ٹیوٹ اورنگ آباد میں شروع کیا جائے گا۔

سروسیز پریپریٹری انسٹی ٹیوٹ کے آفس نے یکم اپریل ۱۹۷۷ء سے سیڈکو کے علاقہ اورنگ آباد میں اپنا کام شروع کردیا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ یکم جولائی ۱۹۷۷ء سے اپنا کام شروع کردیگا۔

بجلی کی کٹوتی میں چھوٹ

ریاستی حکومت نے یکم مئی ۱۹۷۷ء سے بمبئی الیکٹری سٹی (اسپیشل پاور) ایکٹ ۱۹۴۶ میں بجلی کے خرچ اور مطالبہ میں کٹوتی کے سلسلے میں ترمیم کی ہے۔

اس ترمیم کی وجہ سے ریاست بھر میں ہر طرح کے صارفین کو ۵ فی صد کٹوتی میں چھوٹ دی گئی ہے۔

اسی طرح زیادہ سے زیادہ سے زیادہ مطالبہ بھی یکم نومبر ۱۹۷۶ء سے پہلے کی طرح تک کم کردیا گیا ہے۔

یہ اطلاع ۲۷ راپریل ۱۹۷۷ء کے غیر معمولی گزٹ کے پارٹ IV - B میں شائع کردی گئی ہے۔

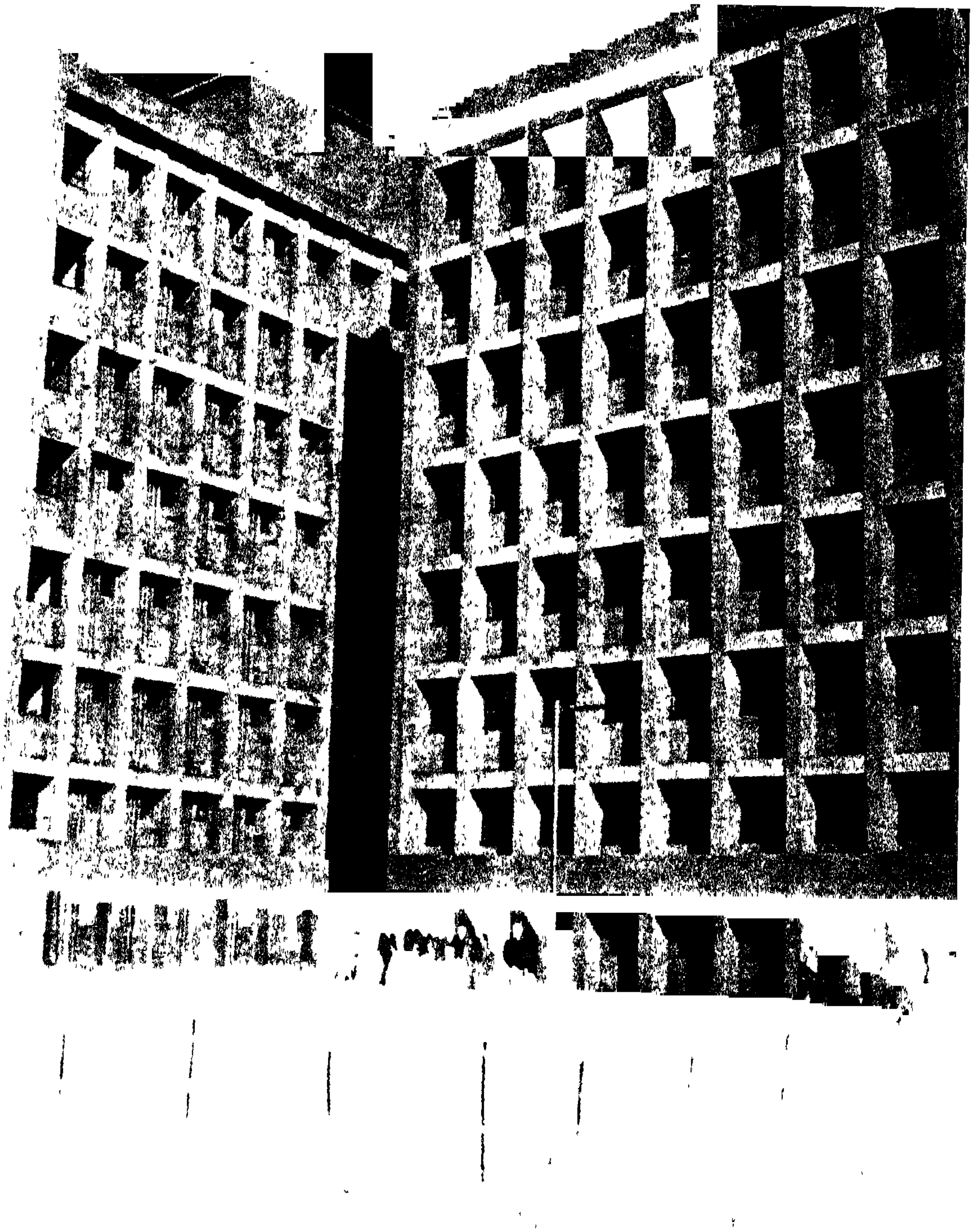
نئے ای۔جی۔ایس کے کام

ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ۱۱۰ نئے کام کی منظوری دی جاچکی ہے اس کی وجہ سے ۲۰۰۰۰ تا ۲۵۰۰۰ مزدوروں کو اسی سال ناشک ضلع کے ایگلان، کلوان، ایولہ، چاندوڑ، سنر، نندگاؤں پیٹھ اور وندوری تعلقہ جات میں روزگار فراہم ہوگا۔

●●



داشی میں بازار کا ایک منظر



کوکن بھون (نئی ممبئی) دفاتر (آفسوں) کا مرکز

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، ممبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔



قومی راج

• مہاراشٹر میں ماہی گیری

• اپنا بازار - سہکاری

• نابینا افراد کے لئے ورکشاپ

۲۵ر جون ۱۹۷۷ء

قیمت: ۵۰ نئے پیسے

سوال وجواب

س: حکومت کی جانب سے ہر سال بجلی کی کٹوتی کیوں نافذ کردیجاتی ہے؟ اگر واقعی بجلی کی کمی ہے تو حکومت کیا کر رہی ہے؟

جیانت کلکرنی۔ پونے

ج: بجلی کی کٹوتی اُسی وقت لگائی جاتی ہے جب نصب شدہ صلاحیت اور صارفین کی طرف سے بنا رُکاوٹ بجلی کی طلب ہوتی ہے۔

مہاراشٹر میں، چوتھے پلان کے نصف تک بجلی کی حالت بہت ہی اطمینان بخش تھی، تاہم یہ حالت زیادہ دنوں تک قائم رکھی نہیں جاسکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بجلی حاصل کرنے کا مطالبہ بہت بڑھ گیا اور اس کے مطابق بجلی کی پیداوار کا تناسب قائم نہ رکھا جاسکا۔ نتیجتاً بجلی کی کمی کا عجوبہ ظہور پذیر ہوا اور پھر یہ لازم ہوگیا کہ بجلی کے استعمال پر مختلف انداز سے پابندیاں لگا دی جائیں۔

اکتوبر ۱۹۷۲ء میں سب سے پہلے مہاراشٹر میں بجلی کی کٹوتی نافذ ہوئی۔ ان پابندیوں پر وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں، بجلی کے استعمال پر کٹوتی اور زیادہ سے زیادہ مطالبہ پر حال ہی میں یعنی یکم مئی ۱۹۷۷ء کو تخفیف کی گئی۔ ۲۰ مئی ۱۹۷۷ء کو کوئنا اسٹیج III کے یونٹ۔۳ کے جاری ہونے کی وجہ سے مزید تخفیف کی گئی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ موسم گرما میں بجلی کی کٹوتی میں تخفیف ہوئی ہے۔ بجلی کے استعمال پر لگائی گئی پابندیاں بجلی کی کٹوتی کے لئے ۱۰ تا ۲۰ فیصد ہے اور مختلف قسم کے صارفین کے مطالبوں کی کٹوتی پر ۱۰ تا ۲۵ فیصد ہے۔

فی الحال مہاراشٹر میں مختلف ذریعوں سے (آبی، تھرمل اور نیوکلائی) نصب شدہ صلاحیت ۲۵۰۰ میگاواٹ ہے ریاست میں ۱۸۷۰ میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے جبکہ بجلی کا مطالبہ ۲۶۰۰ میگاواٹ ہے۔ یہ کمی بجلی میں کٹوتی کر کے ہی پوری کی جاتی ہے۔ بجلی کی کٹوتی کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا جاتا ہے کہ زرعی پیداوار اور پسماندہ علاقوں میں صنعتی ترقی کسی طرح بھی متاثر نہ ہو۔

۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران، ۵۰۰ تا ۶۰۰ میگاواٹ بجلی کی پیداوار میں کمی کے باوجود، زرعی صارفین کے بجلی کے مطالبے کو بنا روک ٹوک پورا کیا گیا۔ زرعی صارفین پر صرف اتنی پابندی عائد کی گئی تھی کہ اُن کو ہفتہ میں ۲ بار بجلی مہیا نہیں کی جاتی تھی۔ صنعتی صارفین کے بجلی استعمال کرنے پر پابندی اس طرح عائد کی گئی تھی کہ صنعتی پیداوار پر کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ صنعتی صارفین ۶۰ تا ۶۵ فیصد بجلی کی کل پیداوار کا استعمال کرتے ہیں۔

بجلی کی کٹوتی زیادہ سے زیادہ نصب شدہ صلاحیت پیدا کر کے ہی دُور کی جاسکتی ہے۔ اب تک ریاست کے سالانہ منصوبہ کے تحت بجلی کے سیکٹر کا تعین صرف تقریباً ۳۰ فیصد تھا جو ۱۹۷۷-۷۸ء میں ۳۹ فیصد تک بڑھا دیا جائے گا۔ بجلی کی پیداوار میں اضافے کے اس پروگرام کو ۱۹۷۷-۷۸ء میں ۲۵۴ کروڑ روپے تک بڑھانے کی تیاری کی جاچکی ہے۔

پانچویں پلان کے دوران اور چھٹے پلان کے شروع شروع کے سالوں میں ۲،۶۸۷ میگاواٹ صلاحیت تک کے پروجیکٹوں کو زیر عمل لانے کی منظوری مل چکی ہے۔ ریاستی حکومت مرکزی حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ ۱۰۴۰ میگاواٹ صلاحیت کے ۵ پروجیکٹوں کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

آئندہ ۴ تا ۵ سالوں تک کی جانیوالی شدید کوششوں کی وجہ سے ریاست میں ۴۳۰۰ میگاواٹ صلاحیت کا اضافہ ہوجائیگا۔ اس طرح یہ موجودہ صلاحیت ۲۵۰۰ میگاواٹ کا دوگنا ہوجائے گی۔

موجودہ بجلی کے اسٹیشنوں کی پیداوار بڑھانے کے لئے، تاکہ بجلی کی دستیابی کی کمی کو کم کیا جاسکے۔ تمام آبی اور تھرمل پاور اسٹیشنوں کو زیادہ سے زیادہ حد تک کام میں لایا جارہا ہے۔ بین ریاستی ترسیلی لائنوں کے ذریعہ گجرات سے رات کے وقت بجلی حاصل کی جاتی ہے۔

س: نرسنگ کورس میں کن کو داخلہ ملتا ہے اور یہ کورس کہاں سکھایا جاتا ہے؟ کیا ٹریننگ حاصل کرنیوالوں کو وظیفہ بھی ملتا ہے؟

شیلا پی۔ لوٹلیکر
راجہ واڑی، راجہ پور، رتناگری ضلع

ج: تمام ضلعوں کے ہیڈکوارٹر اسپتالوں میں نرسنگ کا اسکول ہے۔ ۳ سال ۶ ماہ کے کورس کے لئے ۲۹۶۶ طالبات کو داخلہ دیا جاتا ہے اور ۲ سال کے کورس کے لئے ۹۳۸ طالبات کو۔

انسٹی ٹیوٹ آف نرسنگ ایجوکیشن، بمبئی میں بی۔ ایس سی نرسنگ کا کورس جاری ہے جہاں ۳۰ طالبات کی گنجائش ہے۔

آکزیلیری نرسنگ اور مڈوائفری کورس اور جنرل نرسنگ کورس میں داخلہ کے لئے خواہش مند اُمیدواروں کی عمریں کم از کم ۱۸ سال ہونی چاہیئے۔ اوّل الذکر کورس کے لئے کم سے کم تعلیمی قابلیت آٹھویں جماعت پاس ہے اور آخر الذکر کے لئے ایس ایس سی۔ بمبئی کے امیدواروں کو بمبئی میں اسپتال کے متعلقہ سپرنٹنڈنٹ کو درخواست بھیجنی چاہیئے۔

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

قومی راج

جلد ۲ ۲۵ جون ۱۹۷۷ء شمارہ ۱۱

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے * فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگران: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب:

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا
ایڈیٹر: ریاض احمد خان
سب ایڈیٹرز: عبدالوحید خان جامعی
عبداللہ عبدالخالق

قارئین کی رائے

"قومی راج" جہاں تہذیبی، لسانی، معاشی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے مفید و دلچسپ ہے وہیں اس نے صنعت و حرفت، سائنس و ٹیکنالوجی کے علاوہ مختلف علوم و فنون کے عروج و ترقی کی راہیں بھی کھول دی ہیں۔ آپ نے حفظانِ صحت، رہنمائی صارفین، اپنا قانون جانیئے، اور یوتھ فورم وغیرہ کے عنوانات سے معیاری مضامین کی اشاعت کا جو اہتمام کیا ہے، اُس سے رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی ہے۔ اس سلسلے میں میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ بعض مخصوص ذوق رکھنے والے لوگوں کی طمانیت کی خاطر اگر رومانی، تاریخی، سنسنی خیز اور دلچسپ افسانوں اور کہانیوں کو بھی اس میں شامل کیا جائے تو بہتر و مناسب ہوگا۔ صفحات میں اضافہ کا مشورہ دیتے ہوئے شرم سی محسوس ہو رہی ہے کہ 'قومی راج' کی قیمت پہلے ہی بہت کم ہے! لیکن دیگر دلچسپیوں کو شامل کر رہے ہوں تو بے کھٹکے قیمت میں اضافہ کر دیجئے کیونکہ یہ ایک اُصولی بات ہے۔ ترقیاتی سرگرمیوں سے متعلق تصاویر معلومات میں اضافہ کا باعث تو بنتی ہیں لیکن جو کمی محسوس ہوتی ہے اسے بھی 'عکسِ جمیل' سے پورا کر دیجئے، اس طرح 'قومی راج' کو جہاں لوگ معیاری اور معلوماتی کہیں گے وہیں 'دیدہ زیب' کہنے میں بھی انھیں کوئی تامل نہ ہوگا۔

آپ نے انعامی خط کے اعلان میں الفاظ کی جو حد مقرر کر دی ہے اس کی وجہ سے اب قلم کا سینہ چھوٹ رہا ہے اور وہ مزید آگے بڑھنے سے اڑیل ٹٹو کی طرح انکار کر رہا ہے۔ آپ کے مقررہ حدود سے تجاویز کی جسارت نہ کرتے ہوئے اجازت چاہتی ہوں! متوقع ہوں گی اس ناچیز کے مشوروں کو جو کم اور اہم ہیں غور و خوص کے قابل سمجھا جائے گا۔

—— شمیم کوثر ایچ۔ جاوید۔ اورنگ آباد

مہاراشٹر سے نکلنے والا سرکاری اُردو رسالہ 'قومی راج' ایک عرصہ سے دیکھ رہا ہوں۔ میرے خیال میں 'قومی راج' اس وقت جو اہم فریضہ انجام دے رہا ہے اس جانب یا تو لوگ متوجہ نہیں ہو پائے ہیں' یا پھر ہو پائے ہوں گے تو اتنی جرأت نہیں رکھتے ہیں کہ افسانوں، غزلوں اور نظموں کے علاوہ سائنسی تکنیکی مضامین کی اشاعت سے قارئین کا حلقہ کم کر بیٹھیں۔ بہترین افسانوں اور غزلوں کے لئے تو مارکیٹ میں "بیسویں صدی" "روبی" "شمع" "سوبرس" موجود ہیں۔ مقالات، تبصرے اور جدید اَدب کے پرستاروں کے لئے "شاعر" "تحریک" اور "شب خون" نکل رہے ہیں۔ اس طرح اس میدان میں جھنڈے گاڑنے کی قطعی ضرورت نہیں۔

ممکن ہے فی الوقت 'قومی راج' کی موجودہ روش دادِ تحسین وصول نہ کر پائے لیکن وہ دن دُور نہیں جب افسانوں اور غزلوں کے رسیا زندگی کے حقائق سے دوچار ہوں گے تو انھیں 'قومی راج' میں اپنی منزل کے نشان مل جائیں گے۔ بالفرض یہ نہ ہوا تو یہی کیا کم ہے کہ سائنسی، تکنیکی اصطلاحات اُردو داں طبقہ کے لئے 'قومی راج' میں موجود ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ اُردو ادب کو مالا مال کروانے کی خاموش اور صحت مند تحریک ہے جس کی قدر نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی۔

افسانوں اور دوسری چٹخارہ دینے والی چیزوں کو تو ہر کوئی جگہ دیتا ہے۔ سائنسی، تکنیکی و معلوماتی مضامین شائع کروا کے 'قومی راج' اُردو کے قاری پر واقعی احسان کر رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ آج ان مضامین میں اُردو رسائل پڑھنے والے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اب وہ دن دور نہیں جب آنے والا (بقیہ صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ فرمائیے)

کامیابی کی کہانی

"لٹل ماسٹر۔ سنیل گاوسکر"

سنیل گاوسکر اس ماہ ۲۸ سال کے ہو جائیں گے۔ کرکٹ کی دنیا میں ہندوستان کی قسمت کا ستارہ ان کی آمد سے بہت چمک اٹھا ہے۔ ہندوستان کی کرکٹ کی تاریخ میں سنیل گاوسکر نے جو نمایاں کارنامے دکھلائے ہیں انہیں ٹائمز آف انڈیا کے مسند راجن نے بجا طور پر بیان کیا ہے۔ سنیل گاوسکر نے کچھ دنوں قبل ہی "ارجن ایوارڈ" حاصل کیا ہے۔



یہ سوال اکثر بحث کا باعث رہا ہے کہ اوپنگ بیٹسمین پیدائشی ہوتا ہے یا خود ترقی کر کے یہ رتبہ حاصل کرتا ہے؟ اگرچہ اس کا خاطر خواہ جواب حاصل کرنا مشکل ہے لیکن ایک بات یقینی ہے ایسے لوگ بہت ہی مشکل سے ملتے ہیں بلکہ یوں کہنا بہتر ہے کہ یہ کام اتنا مشکل ہے جیسا ایک صحرا میں کسی پھول کا دستیاب ہونا۔

اگرچہ کچھ اوپننگ بیٹسمین وقتاً فوقتاً مل جاتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ کرکٹ ٹیسٹ کے صد سالہ دور میں، انگلینڈ میں ہوبس اور سٹکلف، ہٹن، واشبروک، جان ایڈریچ اور بائیکاٹ ہی پیدا ہو سکے ہیں۔ آسٹریلیا میں موریس، لاری، سمپسن اور غالباً ریڈپاتھ سب سے اعلیٰ اوپنر ہیں۔

پس یہ بات واضح ہو گئی کہ اوپننگ بیٹسمین، پیدائشی ہو یا خود ترقی کر کے یہ مقام حاصل کیا ہو، بہت ہی کم ہیں۔ چونکہ کرکٹ میں ان کا مقام بہت اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے ایسے لوگوں کی بہت تعریف و تحسین ہوتی ہے۔

ہندوستان میں اوپننگ کرنے والے کرکٹ کھلاڑیوں کی بہت کمی ہے۔ ان تمام سالوں میں ہم صرف دو اچھے کھلاڑی پیدا کر پائے ہیں وجے مرچنٹ اور اب گاوسکر۔ کاش ہم کوئی تیسرا کھلاڑی اس لیاقت کا پیدا کر سکیں۔ اوپننگ بیٹسمین کا قابل بھروسہ جوڑ بہت اہم بات ہے لیکن اب تک یہ معاملہ کھٹائی میں ہی پڑا ہوا ہے کہ گاوسکر کا پارٹنر کون ہوگا۔

سب سے پہلے ہم نے ۱۹۷۱ء میں ویسٹ انڈیز کے مقابلے میں سیریز جیتا۔ پھر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ کہ ہم نے انگلینڈ کو بھی ہرایا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ۷۰ء کے شروع میں بہت سے کھلاڑیوں نے اس سنہرے دور کو اجاگر کیا جس کا سہرا ہمارے اسپنروں کے سر ہے لیکن گاوسکر کا رول بہت ہی حیرت انگیز تھا۔ میچ کو پورے عروج پر لانے کے لئے ایک ایسے کھلاڑی کی ضرورت ہوتی ہے جو اچھی طرح کھیل کو شروع کر سکے اور گاوسکر اس معاملے کو بہت اچھی طرح نبھاتے ہیں۔ جب مخالفین گاوسکر کو آؤٹ کر دیتے ہیں تو ان کے حامی خوشی سے اچھل پڑتے۔ چاہے یہ کوئی مقامی کھیل کی بات ہو، رانجی ٹرافی ہو یا ٹیسٹ میچ ہو اس سے یہ بات بہت واضح ہو جاتی ہے کہ گاوسکر سے مخالف ٹیم کو کتنا خوف لگا رہتا ہے۔

گاوسکر جون میں ۲۸ سال کے ہو جائیں گے لیکن اس نوعمری میں ہی انہوں نے بہت سے معرکے سر کر لئے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں انہوں نے ویسٹ انڈیز کے مقابلے میں ۸ پالیوں میں ۷۷۴ رنوں کے ڈھیر لگا دیئے اور "ننھا ماہر" کا خطاب حاصل کیا۔ اس سیریز میں وہ پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے ایک سنچری پوری کی اور اسی ٹیسٹ میں دو سنچری پوری کی۔

اکثر انہیں یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ اب کرکٹ میں "فیل" ہو چکے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اتنے رن نہیں بنائے ہیں جتنا کہ ۱۹۷۱ء میں ویسٹ انڈیز کے مقابلے میں بنائے تھے۔ یہ کتنی انوکھی بات ہے۔ لیکن گاوسکر کے کھیل کو رنوں کے ڈھیر سے نہیں جانچنا چاہیئے بلکہ یہ بات مدِ نظر رکھنا چاہیئے کہ انہوں نے کھیل کی شروعات کس بہتر انداز سے کی ہے۔ وہ یہ دونوں ذمہ داریاں بہت ہی مہارت کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

گاوسکر کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ وہ رابرٹس اور ہولڈنگ جیسے تیز رفتار بالروں کا کس طرح مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر یہ راز بے پردہ ہو جائے تو غالباً ہمارے پاس دوسرے بہت سے گاوسکر پیدا ہو جائیں۔

گاوسکر کا جادو

حقیقتاً یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے گاوسکر نے ایک اوپنر کی طرح شروعات کی ہے۔ ان میں ایک طرح کی شان، دور رس نگاہیں، مہارت اور ان سب سے بڑھ کر غیر متزلزل جذبہ ہے۔ گیری سوبرز نے ایک دفعہ "دماغی معاملات" پر بات چیت کی۔ یہ گاوسکر کے لئے کوئی منتر ہے۔ ان کی خواہش اور کامیابی کے اٹل ارادے ہمیشہ غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔

بمبئی، ویسٹ زون اور ہندوستان کے لئے گاوسکر ایک طاقت کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ غالباً بہت سے رنوں کا ڈھیر لگا چکے ہوتے اگر ان کے دل میں یہ بات جم جائے کہ رنوں کے ڈھیر لگانا ہی مقصد ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اس بات کو پسند کیا ہے کہ وہ بیٹنگ سے لطف اٹھائیں لیکن وہ اس طرح لطف اسی وقت اٹھاتے ہیں جبکہ ان کی ٹیم کی حالت بہتر ہوتی ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ گاوسکر ایک لیٹل ماسٹر ہیں۔

نیوی میں کیریئر

ہندوستان کا ساحل بہت وسیع ہے اور اس کے پڑوس میں کچھ دوست ممالک بھی ہیں۔ بحر ہند کی اہمیت تیل اور معدنی اشیاء کی تلاش کی وجہ سے ہندوستانی نیوی کا کام اپنے ملک کی ساحلی حفاظت کرنے میں بہت بڑھ گیا ہے۔ ہندوستانی نیوی کے لئے یہ بہت ہی چیلنج کا کام ہے کہ وہ ملک کے سمندری محاذ کی نگرانی کرے اور ان جزائر کی بھی دیکھ ریکھ کرے جو ہندوستان سے دور سمندر میں واقع ہیں ۔ جوانوں کے لئے، جو عظیم سمندروں میں کھوج کی تڑپ رکھتے ہیں، اور جن کے دل ملک کی خدمت کے جذبے سے معمور ہوتے ہیں ان کے لئے ہندوستانی نیوی میں بہت زیادہ مواقع موجود ہیں۔

ہندوستانی نیوی کے خاص خاص حصے ہیں یعنی ایگزیکیٹو برانچ، انجینئرنگ برانچ، الیکٹریکل برانچ، سپلائی اور سیکریٹریٹ برانچ، ایجوکیشن برانچ، میڈیکل برانچ اور کنسٹرکٹر برانچ۔

ایگزیکیٹو برانچ: سمندر پر حکمرانی کرنا، جہازرانوں کی خدمات کی دیکھ ریکھ کرنا، جہازوں کی آمد و رفت، مواصلات، توپ سازی، بحری جہازرانی، بحری بیڑہ اور سروے وغیرہ فرائض انجام دینا ہے۔

انجینئرنگ برانچ، جہازوں کی تمام مشینوں کی دیکھ ریکھ، مرمت وغیرہ کے کام کرتی ہے۔ الیکٹریکل برانچ، جدید الیکٹریکل، الیکٹرانک سامان جیسے راڈر، میزائل، کمپیوٹر، ہتھیار وغیرہ کی نگرانی کرتی ہے۔ سپلائی اور سیکریٹریٹ برانچ نظم فوج، پوشاک، خوراک کی سپلائی، تنخواہ وغیرہ کی ادائیگی اور عام انتظام سنبھالتی ہے۔ ایجوکیشن برانچ نیوی کے عملے کی تعلیمی لیاقت کی خبرگیری کرتی ہے۔ وہ بہت سے پیشہ ورانہ کام میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ بہت سے بحری امتحانات کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ میڈیکل برانچ نیوی کے عملے اور ان کے خاندانوں کی اچھی صحت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

نیوی میں داخلہ یا تو مسابقتی امتحانات جو ہر سال ہوتے ہیں، کے ذریعے ہوتا ہے یا پھر ایک کیڈٹ کی حیثیت سے جو کہ ملک میں مختلف بھرتی والے مرکزوں پر بھرتی کئے جاتے ہیں۔

آفیسر کی حیثیت سے بھرتی

ایسے مختلف مرحلے ہیں جبکہ کوئی جوان نیوی میں اپنی منتخبہ



کمانڈنگ آفیسر ملاحوں کا معائنہ کر رہے ہیں۔

شاخ میں ایک آفیسر کی حیثیت سے بھرتی ہو سکتا ہے۔

نیشنل ڈیفنس اکیڈمی، کھڑکواسلہ میں ان نوجوانوں کو بھرتی کیا جاتا ہے جن کی عمریں ۱۶ سال اور ½۱۸ سال کے درمیان ہوتی ہیں اور جو ہائر سیکنڈری یا اس کے مساوی امتحانات پاس ہوتے ہیں۔ انتخاب یونین پبلک سروس کمیشن کی طرف سے سال میں دو دفعہ منعقد ہونے والے ملک بھر میں مسابقتی امتحانات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کامیاب امیدواروں کو سروس سیلیکشن بورڈ کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا ہے۔ پھر آخری انتخاب طبی جانچ اور آزمائش میں حاصل کردہ نمبروں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ کامیاب امیدواروں کو ۳ سال تک کھڑکواسلہ میں ٹریننگ دی جاتی ہے۔

گریجویٹ امیدواروں کو براہ راست آفیسر کی حیثیت سے بھرتی کر لیا جاتا ہے۔ وہ امیدوار جو طبیعیات اور میتھمیٹکس کے ساتھ، بی۔ایس۔سی (B.Sc) ہوتے ہیں یا جو انجینئرنگ میں ڈگری کے حامل ہوتے ہیں اور جو ۱۹ اور ۲۲ سال عمر کے درمیان ہوتے ہیں تو انھیں یونین پبلک سروس کمیشن کی طرف سے داخلے کے لئے تحریری امتحان میں شرکت کی اجازت ہوتی ہے۔

N.C.C. کے "C" سرٹیفکیٹ رکھنے والے امیدواروں کو تحریری امتحانات میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انھیں براہ راست اسپیشل

سیلیکشن بورڈ کے سامنے انٹرویو کے لئے بلایا جاتا ہے۔ منتخب شدہ اُمیدواروں کو نیول اکیڈیمی، کوچین میں ٹریننگ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔

سپلائی اور سیکریٹریٹ برانچ میں امیدواروں کے پاس آرٹس، کامرس/سائنس اور لاء کی ڈگری ہونی چاہیئے۔ اور ان کی عمریں ۱/۲ ۱۹ اور ۲۵ سال کے درمیان ہونی چاہئیں۔ انھیں براہ راست اسپیشل سیلیکشن بورڈ کے سامنے بلایا جاتا ہے۔ کامیاب اُمیدواروں کو ٹریننگ کے لئے کوچین اور "ہملہ" بھیجا جاتا ہے۔

میکانیکل/الیکٹریکل انجنیئرنگ کے گریجویٹ جن کی عمر ۱/۲ ۱۹ سال اور ۲۵ سال کے درمیان ہوتی ہے انجنیئرنگ میں نیوی کمیشن کے لائق ہوتے ہیں۔ انجنیئرنگ برانچ میں منتخبہ اُمیدواروں کو ٹریننگ کے لئے لوناولہ بھیجا جاتا ہے۔ الیکٹریکل برانچ کے امیدواروں کو جامنگر بھیجا جاتا ہے۔

وہ اُمیدوار جن کی عمریں ۲۱ سال اور ۲۵ سال کے درمیان ہوتی ہیں اور جن کے پاس فزکس یا میتھمیٹکس میں دوسرے درجے میں پاس کردہ ماسٹر ڈگری ہوتی ہے یا جو میکانیکل/الیکٹریکل انجنیئرنگ میں ڈگری رکھتے ہیں، ایجوکیشن برانچ کے لئے کمیشن کو درخواست بھیج سکتے ہیں۔ یہاں بھی اُمیدواروں کا آخری انتخاب اسپشل سلیکشن بورڈ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

آرمڈ فورسیس کے ذریعے میڈیکل سروس میں کمیشن کے لئے اسی میڈیکل کالج، پونے یا براہ راست یونیورسٹیوں سے ہوتا ہے۔ وہ اُمیدوار جو M.B.B.S پاس ہوتے ہیں میڈیکل سروسوں کے لئے درخواست بھیج سکتے ہیں۔

آفیسروں کی بنیادی تنخواہیں ۷۵۰ روپے سے ۴۰۰۰ روپے تک ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے بھتے بھی ہوتے ہیں۔ بحری بیڑوں، جہازوں اور میڈیکل سروسوں کے آفیسروں کو بہت اچھی تنخواہیں دی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ماہانہ بھتے بھی۔

اس کے علاوہ بہت سی مختلف بہبودی اسکیمیں بھی، جیسے پنشن کے فائدے، گریجویٹی، انشورنس، بچوں کی تعلیم کے بھتے وغیرہ وغیرہ آفیسروں اور ان کے خاندانوں کے لئے ہوتی ہیں۔

آفیسر کی حیثیت سے داخلہ کے لئے تفصیلات ڈائرکٹوریٹ آف پرسنل سروسیس، نیول ہیڈکوارٹرز، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۱۱ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

ملاح اسکیم میں داخلہ

ملاح اسکیموں میں داخلہ براہ راست یا تحریری مقابلوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ۲۰-۱۸ سال کی عمر والے، سائنس کے ساتھ میٹریکولیشن کئے ہوئے اُمیدوار یا اس کے مساوی پاس کردہ امتحان والے اُمیدوار براہ راست مواصلات، الیکٹریکل، میڈیکل، سیمین، انجنیئرنگ، اور میکانیکل شاخوں میں داخلہ لے سکتے ہیں۔

ایسے اُمیدوار جو صحت مند اور کسی جسمانی نقص سے مبرا ہوتے ہیں، اُن کو میڈیکل، رائٹر، اسٹورس، میوزیشین، اسٹیوارڈز، کک شاخوں میں لے لیا جاتا ہے۔ رائٹر اور اسٹور اسسٹنٹ کے لئے کم سے کم لیاقت میٹریکولیشن یا اس کے مساوی امتحان ہے۔ میوزیشین کے لئے ۲ سالہ میٹرک سے پہلے کا امتحان، اسٹیوارڈوں کے لئے ثانوی درجے سے نیچے اور کک (باورچی) کے لئے چوتھی جماعت پاس۔ ٹوپاسیس کے لئے کوئی تعلیمی لیاقت مقرر نہیں ہے۔ ملک بھر میں ۵۶ بھرتی کے مراکز ہیں۔ مہاراشٹر ریاست میں یہ مراکز بمبئی، پونے، کولہاپور، ناگپور اور اورنگ آباد میں واقع ہیں۔

(ملاح) سیلر کی تنخواہ ۲۰۰ روپے سے ۸۲۵ روپے تک ہوتی ہے۔ میٹرک پاس سیلروں کو جن کا داخلہ براہ راست ہوتا ہے۔ ۲۱۵ روپے بنیادی تنخواہ دی جاتی ہے اور نان۔ میٹرک سیلروں کو جن کا داخلہ بھی براہ راست ہوتا ہے ۲۰۰ روپے بنیادی تنخواہ دی جاتی ہے۔ نیول آفیسروں کی طرح سیلروں کو بھی اچھا خاصہ مہنگائی بھتہ دیا جاتا ہے۔ ان بھتوں کے علاوہ انھیں مفت پوشاک، خوراک اور رہائش کی جگہ یا نقد رقم ملتی ہے۔

کیڈٹ، سال میں ۶۰ دن کی چھٹی لے سکتے ہیں اور گھر تک اور گھر سے واپس آنے کا مفت کرایہ بھی۔ ان کو ۳۰ دن کی اتفاقی چھٹی بھی ملتی ہے۔

امتحانات پاس کر کے کوئی سیلر، ماسٹر چیف پیٹی آفیسر کی رینک تک پہنچ سکتا ہے۔

نیوی، کھیل، لائبریری کی کتابوں، ریڈیو، گراموفون، ریکارڈوں اور دوسری تفریحی چیزوں کے لئے روپیہ مہیا کرتی ہے۔

حکومت نے نیوی کے لوگوں کو سروس کے بعد بہت سی سہولتوں سے نوازا ہے۔ آجکل ہندوستانی نیوی دنیا کی سب سے اچھی نیویوں میں شمار کی جاتی ہے۔ نیوی ہمارے ملک کی ہر قیمت پر حفاظت کرتی ہے۔ اس میں جوش وخروش کو برقرار رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس میں ہر سطح پر نیا خون لیا جائے۔ نیوی صرف ملک کی خدمت کے ہی مواقع فراہم نہیں کرتی بلکہ ایک خوشحال اور باعزت کیریئر بھی مہیا کرتی ہے۔

تنخواہ اور بھتّے ــــ سیلروں کیلئے

غیر ہُنرمند افراد ــــــــ • ــــــــ ہُنرمند افراد

میٹرک پر داخلہ سی مین، انجینئرنگ میکانکس، ٹیلیگرافسٹ سگنل مین، رائٹرز، اسٹور اسسٹنٹ، میڈیکل اسسٹنٹ، الیکٹریکل میکانکس		پانی کے جہازوں کے سیلرس اور بحری بیڑہ کے آرمس	غیر میٹرک پر داخلہ باورچی، اسٹیوارڈس میوزیشین، ٹوپاسیس	انجن روم، الیکٹریکل اور شپ رائٹ کے ہنرمند افراد اور سکل ساز	
مساوی درجہ	تنخواہ کا اسکیل	تنخواہ کا اسکیل	تنخواہ کا اسکیل	درجہ	تنخواہ کا اسکیل
سی مین U/T	۲۱۵	۲۴۵	۲۰۰	آرٹ کلاس	۲۴۰-۶-۲۴۶
سی مین II	۲۳۰-۶-۲۴۲	۲۵۵-۶-۲۶۷	۲۱۰-۵-۲۲۵	عمر آرٹ IV کیس	۳۰۰-۸-۳۰۸
سی مین I	۲۴۰-۶-۳۱۲	۲۸۵-۷-۳۶۹	۲۲۰-۵-۲۸۰	آرٹ/میک IV کلاس	۳۴۰-۸-۳۵۶
لیڈنگ سی مین	۲۵۰-۶-۳۱۰-۸-۳۲۶	۳۱۰-۷-۳۸۰	۲۳۵-۶-۲۹۵-۸-۳۱۱	آرٹ/میک III کیس	۳۹۱-۱۰-۴۴۱
پیٹی آفیسر	۳۰۰-۸-۳۸۰	۳۶۰-۸-۳۹۶-۸-۴۴۰	۳۰۰-۸-۳۸۰	آرٹ/میک II کلاس	۴۳۵-۱۰-۴۸۵
چیف پیٹی آفیسر	۳۸۵-۱۵-۴۷۵	۴۵۵-۱۵-۵۴۵	۳۸۵-۱۵-۳۷۵	آرٹ/میک I کلاس	۵۰۰-۱۰-۵۵۰
ایم سی پی او II	۴۸۰-۲۰-۶۰۰	۵۵۰-۲۰-۶۷۰	۴۸۰-۲۰-۶۰۰	چیف آرٹ/میک	۵۶۵-۱۵-۶۴۰
ایم سی پی او I	۶۰۰-۲۵-۷۰۰	۶۵۰-۲۵-۷۵۰	۶۰۰-۲۵-۷۰۰	ایم سی پی او II	۶۲۰-۲۰-۷۴۰
				ایم سی پی او I	۷۲۵-۲۵-۸۲۵

اپرنٹس

اپرنٹس سال اوّل ۱۹۵ روپے
اپرنٹس سال دوئم ۲۰۰ روپے
اپرنٹس سال سوئم ۲۰۵ روپے
اپرنٹس سال چہارم ۲۱۰ روپے

لڑکوں کے لئے

داخلے پر ۵۵ روپے
پہلی ٹریننگ مکمل کرنے پر ۵۸ روپے
بوائے سی گوئنگ ۸۰ روپے

آنرری کمیشنڈ آفیسرز

سب لیفٹیننٹ ۱,۰۰۰ روپے
لیفٹیننٹ ۱۱۰۰ روپے

جنرل

مہنگائی بھتہ
سٹی کمپنسیٹری بھتہ
کٹ اپ کیپ بھتہ
بال کٹائی بھتہ
راشن کے بدلے پیسہ
کوارٹر کے بدلے معاوضہ
کنوینس بھتہ
کنزروینسی بھتہ
بچوں کی تعلیم کے لئے بھتہ
جی. سی. بی تنخواہ
ہارڈ لائننگ پیسہ اور
دوسرے بہت سے بھتے

بھتہ

سروے باؤنٹی
بحری بیڑہ تنخواہ اور بھتہ
ڈاوننگ بھتہ اور ڈپ پیسہ
فلائنگ باؤنٹی

نیوی میں مختلف پیشے

قسم	عمر (سال)	جسمانی حالت اونچائی (CM)	وزن (کلوگرام)		واقفیت
۱) رائٹر	۱۷-۲۰	۱۵۷	۴۸	E	ایس ایس سی
۲. میڈیکل اسسٹنٹ	,,	,,	,,	X	,,
۳. مواصلات	,,	,,	,,	P	,,
۴. الیکٹریکل	,,	,,	,,	A	,,
۵. اسٹور اسسٹنٹ	,,	,,	,,	N	,,
۶. سی مین	,,	,,	,,	S	دسویں جماعت
۷. میکانکل انجینئرنگ	,,	,,	,,	I	,,
۸. اسٹیوارڈ کک	,,	,,	,,	O	چھٹی جماعت
۹. ٹوپاز	,,	,,	,,	N	پڑھا لکھا جاتا ہو
۱۰. آرٹیفیشر اپرینٹس	۱۵-۱۷½	,,	,,	۵	ایس ایس سی
۱۱. ڈاک یارڈ	۱۴-۱۷	,,	,,	سم	نویں جماعت

تنخواہ ـــ آفیسروں کی

درجہ	تنخواہ کا اسکیل
مڈشپ مین	۵۶۰/- روپے فی ماہ
کارگزار سب لیفٹیننٹ	۷۵۰/- ,, فی ماہ
سب لیفٹیننٹ	۸۳۰/- ۴۰ - ۸۷۰ روپے
لیفٹیننٹ	۱۱۰۰/- ۵۰ - ۱۴۵۰ ,,
لیفٹیننٹ کمانڈر	۱۴۵۰/- ۵۰ - ۱۸۰۰ ,,
کمانڈر	۱۷۵۰/- ۵۰ - ۱۹۵۰ ,,
کیپٹن	۱۹۵۰ - ۷۵ - ۲۱۰۰ - ۱۰۰ - ۲۴۰۰ ,,
ریئر ایڈمیرل	۲۵۰۰/- ۱۲۵ - ۲ - ۲۷۵۰ ,,
وائس ایڈمیرل	۱۰۰۰/- روپے فی ماہ

●●

شری ایس۔ وی بھاوے



یکم جون ۱۹۷۷ء سے شری ایس. وی. بھاوے نے حکومت مہاراشٹر کے چیف سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرنا شروع کردیا ہے۔

شری بھاوے ۱۶ اگست ۱۹۱۹ء کو ناگپور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۱ء میں ناگپور یونیورسٹی کے ایم. ایس. سی امتحان میں فرسٹ کلاس فرسٹ کامیاب ہوئے۔ ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ نے انڈین ایرفورس میں بطور پائلٹ آفیسر کام کیا۔ اور ۱۹۴۷ء میں انڈین ایڈمنسٹریٹیو سروس میں داخل ہوئے اسی سال مشرقی پنجاب میں رفیوجی ری ہیبلیٹیشن REHABILITATION آفیسر مقرر ہوئے۔ اس وقت کے صوبہ مدھیہ پردیش کے اضلاع ہوشنگ آباد، بیتول، ایوت محل اور امراؤتی میں کلکٹر رہے۔ ۱۹۵۶ء میں ان کی خدمات صوبہ ممبئی کے لئے پیش کی گئیں، اور ۱۹۶۰ء میں حکومت مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد یہاں نامزد کئے گئے۔ ۶۰-۱۹۵۷ء تک پونے میونسپل کارپوریشن کے کمشنر رہے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک حکومت مہاراشٹر کے ڈائرکٹر آف جیالوجی اور مائننگ کی حیثیت سے ناگپور میں کام کرتے رہے۔ ۶۶-۱۹۶۵ء میں بطور انڈسٹریز کمشنر، ممبئی میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے، اور ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۲ء تک انڈسٹریز اور لیبر ڈیپارٹمنٹ کے سیکریٹری کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

۱۹۷۲ء سے مئی ۱۹۷۷ء تک حکومت ہند کے ڈائرکٹر جنرل آف شپنگ کارپوریشن کے عہدے پر ممبئی میں کام کیا۔

◇◇

روہنی کھاڈیلکر

شطرنج کی کھلاڑی



روہنی کھاڈیلکر چیمپئن شپ ایوارڈ لے رہی ہیں۔

نیشنل چیس فیڈریشن نے ۱۴ سالہ شطرنج کی کھلاڑی روہنی کھاڈیلکر کو "A" کلاس مقابلے میں گذشتہ سال مئی میں قومی شطرنج مقابلے میں حصہ لینے کی اجازت نہ دیکر کھیل کود کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ ریاستی حکومت کو اس بات کی ناانصافی پر کے خلاف مرکزی حکومت کی توجہ مبذول کرانی پڑی۔ اُن کی غیر معمولی شطرنج کی لیاقت کو دیکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے اس کھلاڑی کو (جو قومی سطح پر شطرنج کی خاتون چیمپئن ہیں) چھترپتی ایوارڈ انعام سے بنا کسی عمر کی قید کے' نوازا تھا۔ اس سے قبل بمبئی میونسپل کارپوریشن نے روہنی کو سنہرا تمغہ انعام میں دیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ان کی دو بہنوں یعنی وسنتی اور جے شری کو بھی شطرنج کی کھلاڑی کی حیثیت سے انعامات سے نوازا تھا۔

روہنی کی شطرنج میں مہارت کو مشہور انگریز کھلاڑی اور گارجین (انگلینڈ) کے کالم نویس مسٹر لیونارڈ بارڈن اور بین الاقوامی طور پر مانے ہوئے ہندوستان کے شطرنج کھلاڑی شری مینول آرن نے بھی سراہا ہے۔ اُن کی اس بڑھتی ہوئی لیاقت کو دیکھ کر بلا شک و شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے نام کو غیر ممالک میں شطرنج کے مقابلوں میں بہت روشن کریں گی۔

روہنی صرف ۱۴ سال کی ہیں اور اس نوعمری میں ہی انھوں نے بہت اہلیت حاصل کرلی ہے۔ اس جریدے کے نمائندے شری رمیش جوشی نے روہنی سے اُن کی رہائش گاہ بمبئی میں ایک انٹرویو لیا۔

سوال: "A" کلاس مقابلے میں فیڈریشن نے آپ کے داخلے کو روک دیا تھا، اس پر آپ کا کیا ردعمل تھا۔؟

جواب: قدرتی تو ہے یہ بات میرے لیئے بہت ہی رنج کا باعث تھی، میں "A" کلاس مقابلے میں حصہ لینے والی ایک بہت ہی سرگرم کھلاڑی تھی لیکن فیڈریشن کی پابندی نے میری سرگرمی کو ختم کر دیا۔ میں بہت ہی پست ہمت ہوگئی۔ اس کا اثر میرے کھیل پر بھی پڑا [illegible] کبھی نہ تھی۔

سوال: کیا آپ کے دوسرے کوتیام کے کھلاڑیوں نے جو آپ کے مخالف تھے آپ کی ہمت افزائی کی؟

ج: اگرچہ تعلقات بڑھانے کا وقت بہت ہی کم تھا، لیکن انھوں نے میرے ساتھ بہت ہی زیادہ تعاون کیا۔ میں ان سے مقابلے میں بہت ہی کم عمر تھی لیکن میں نے اُن سے کسی قسم کی سہولت نہیں مانگی۔

س: کوتیام میں 'B' کلاس کے قومی مقابلے میں کیسے کھلاڑیوں نے حصہ لیا اور کتنی عورتیں اور لڑکیاں وہاں تھیں؟

ج: کل ملاکر ۱۱۶ کھلاڑی وہاں تھے۔ میرے علاوہ کوئی خاتون کھلاڑی وہاں نہیں تھی۔

س: اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ ہی پہلی خاتون کھلاڑی ہیں جو 'B' کلاس کی قومی شطرنج چیمپئن ہیں۔

ج: جی ہاں! اگر اس کا مطلب کسی طرح کی شیخی بگھارنا نہ ہو۔ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ میں ہی پہلی خاتون ممبر ہوں جس نے قومی شطرنج کھلاڑیوں کو پچھاڑا ہے۔

س: کیسے اور کب آپ کو شطرنج سے رغبت پیدا ہوئی؟

ج: میرے والد صاحب خود بھی شطرنج کے ایک کھلاڑی ہیں۔ وہ بمبئی یونیورسٹی کے چیمپئن تھے۔ اس لحاظ سے شروع شروع کی ترکیبیں میں نے انھیں سے سیکھیں۔ میں ان کے کھیل کا بغور مطالعہ کیا کرتی تھی اور اُن کے کھیلنے کے طریقوں اور مہارت سے مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی۔ لیکن اس شطرنج کے کھیل میں مہارت حاصل کرنے کا جذ

مجھ میں اُس وقت پیدا ہوا جب کہ بابی فشر اور پاسکی کے درمیان بین الاقوامی مقابلے کا اہتمام ہوا۔ بے شک میری بڑی بہنوں یعنی وسنتی اور جے شری کی وجہ سے بھی مجھ میں ولولہ پیدا ہوا تھا۔

س: لیکن آپ کھیل کی پیچیدگیوں سے کس طرح واقف ہوئیں؟

ج: میرے والد نے مجھے کھیلنا سکھایا۔ درحقیقت وہی میرے استاد ہیں۔ اور روزانہ میرے ساتھ کھیلتے تھے اور مجھے کھیل کی باریکیوں سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔

س: کیا تمہارے والد کے علاوہ تمہارا کوئی دوسرا بھی اُستاد ہے؟

ج: شطرنج پر سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں تفصیل کے ساتھ دنیا کے شہرت یافتہ اور انعام یافتہ لوگوں کے اپنائے ہوئے طریقے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ کتابیں میرے لئے بہت ہی نمونہ ثابت ہوئیں۔ دوسرے کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے بھی مجھے بہت بڑا تجربہ ہوگیا۔

س: تب تو آپ فشر اور پاسکی کے بین الاقوامی مقابلے میں اپنائے ہوئے طریقوں کو اچھی طرح پڑھ چکی ہوں گی۔

ج: جی ہاں، بے شک!

س: اُن کے کھیل کو آپ نے کیسا پایا؟

ج: میں نے اُن کے کھیل بہت ہی منطقیانہ اور سنسنی خیز پایا۔ انھوں نے بالکل اس طرح کھیلا تھا جیسا کہ بین الاقوامی شہرت رکھنے والے افراد کھیل سکتے ہیں۔

س: آپکے کھیلنے کا انداز کیسا ہے؟ آپ حملہ آور حیثیت سے کھیلتی ہیں یا بچاؤ کرنے کے انداز سے؟

ج: میں بچاؤ کرنے کے انداز کو پسند نہیں کرتی۔ میں ہمیشہ حملہ کرنے کو پسند کرتی ہوں۔

س: وسنتی اور جے شری نے آپ کی کس طرح مدد کی؟

ج: ہم تینوں بہنیں اور والد صاحب کھیل پر خود ہی بحث کیا کرتے ہیں اور بلاناغہ کھیلا بھی کرتے ہیں۔ درحقیقت ترکیبیں اور تدبیریں ہی شطرنج کی جان ہیں۔ انھوں نے میرے طریقوں پر کوٹیام مقابلے کے وقت بحث بھی کی تھی۔ انھوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں نے کھیل میں کہاں پر غوطہ کھایا تھا۔

علاوہ ازیں ہم نے یکجا ہوکر اکثر مقابلوں میں حصہ لیا تھا۔ میری بہن وسنتی نے ۱۹۷۴ء میں چیمپئن شپ حاصل کی تھی۔ یہ مقابلہ ریاستی سطح پر ہوا تھا اس وقت جے شری دوئم تھی اور میں سوئم۔

میں نے قومی خواتین شطرنج چیمپئن شپ ۱۹۷۴ء میں مہاراشٹر کی طرف سے بنگلور میں نمائندگی کی تھی اور چیمپئن شپ جیتی بھی تھی۔
۱۹۷۵ء میں میں نے دوبارہ ریاستی چیمپئین حاصل کی۔ اسی سال کلکتہ میں بین الریاستی خواتین چیمپئین شپ میں جے شری چیمپئین قرار دی گئی۔

پچھلے سال، قومی خواتین شطرنج چیمپئین شپ، کوٹیام میں، میں ناقابل شکست رہی اور چیمپئین شپ جیتی۔ وسنتی تائی دوئم اور جے شری تائی چہارم تھیں۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میری بہنوں نے بھی مقابلوں میں خاصی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں عمر میں اُن سے چھوٹی ہوں۔

س: آپ آٹھویں جماعت میں دوئم نمبر سے کامیاب ہوئی ہیں۔ آپ کھیل اور پڑھائی بیک وقت کیسے کرتی ہیں؟

ج: میں نے کچھ اوقات دونوں کے لئے چن لئے ہیں۔ میں بلاناغہ صبح و شام تقریباً ۲ یا ۳ گھنٹے تک شطرنج کھیلتی ہوں۔

س: لیکن امتحانات کے وقت؟ کیا اس سے آپکے پروگرام میں خلل واقع نہیں ہوتا؟

ج: جب امتحانات کے لئے دو ماہ رہ جاتے ہیں تو میں کھیل بند کر دیتی ہوں اور اپنی توجہ پڑھائی کی طرف راغب کر دیتی ہوں۔

س: شطرنج ایک درون خانہ کھیل ہے۔ آپ اپنی جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے کیا کرتی ہیں۔ کیا آپ ورزش کرتی ہیں؟

ج: ورزش میرے لئے بہت ہی ضروری چیز ہے۔ میں روزانہ رسی کھیلتی ہوں اور تیراکی کے لئے جانے کا ارادہ بھی رکھتی ہوں

س: آپ کی خوراک کیا ہے؟ کیا آپ نے کھانے کے کسی قسم کے اُصول کو اپنایا ہے؟

ج: کوئی خاص خوراک نہیں ہے۔ لیکن انڈے میں روزانہ کھاتی ہوں۔

س: آپ کس اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں کیا آپ اسکول میں اور اُستادوں کی نظر میں مقبول ہیں؟

ج: میں سینٹ کولمبا اسکول میں جاتی ہوں، اگرچہ وہ میری تعریف کرتے ہیں لیکن میں دوسری طالبات سے اپنے آپ کو کبھی بڑا نہیں سمجھتی ہوں۔ میری سہیلیاں بھی مجھ سے ایک انوکھے انداز سے پیش آتی ہیں۔

س: آپ نے اس عمر میں بہت کچھ عجیب و غریب باتیں حاصل کرلی ہیں، کیا یہ آپ کے لئے غیر معمولی بات نہیں ہے؟

ج: میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے۔ اگر کسی دوسری لڑکی کو ایسا ہی ماحول ملتا تو وہ ضرور مجھ جیسا ہی ہنر حاصل کرلیتی۔ جس بات نے مجھے اُبھارا ہے وہ ہے میرے والدین کی رہنمائی۔ لیکن یہ شرط ہے کہ شطرنج کھیلنے کی شروعات ۸ یا ۹ سال کی عمر سے ہی کر دینی چاہیئے۔ والدین کو بھی اپنے بچوں کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے۔

س: آپ کا شطرنج کے علاوہ اور کیا مشغلہ ہے؟

ج: اسٹیمپ جمع کرنا، تیرنا اور ٹیبل ٹینس کھیلنا۔

س: صحافت تو آپ کے خاندان میں ورثہ کے طور پر ہی ملی ہے۔ آپ کے والد (نیل کانت کھاڈیلکر، مدیر نوا کال، روزنامہ) تو مشہور صحافی ہیں، کیا آپ کو بھی لکھنے کا شوق ہے۔

ج: جی ہاں، مجھے شوق ہے۔ میری بچوں کے لئے دو کہانیاں بھی چھپ چکی ہیں۔ جب مجھے زیادہ وقت ملتا ہے تو میں لکھنے بھی لگتی ہوں۔

س: تعلیمی کیریئر میں آپ کی کیا اُمنگیں ہیں؟ آپ کیا بننا چاہتی ہیں — ڈاکٹر، انجنیئر یا کچھ اور —؟

ج: میں نے ابھی کوئی ارادہ نہیں کیا ہے۔ لیکن مجھے میتھمیٹکس میں بہت دلچسپی ہے۔

س: آپ کے دادا (کے. پی کھاڈیلکر) نیتا چاریہ کے نام سے مشہور تھے اور وہ اوّل درجہ کے ڈرامہ نویس بھی ہیں۔ مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ آپ کو بھی ڈراموں اور موسیقی سے دلچسپی ہے۔

ج: میں فلم اور ڈرامہ کبھی کبھار دیکھ لیتی ہوں۔ موسیقی میں مجھے بانسری بجانا بہت پسند ہے۔ اس وقت میں بانسری بجانا سیکھ رہی ہوں۔

س: آپ کو کس قسم کی فلمیں پسند ہیں؟

ج: میں عام طور پر فلمیں نہیں دیکھتی ہوں، لیکن میری پسند کی فلمیں لارل اور ہارڈی کی ہوتی ہیں۔ اور دوسرے مزاحیہ ایکٹر بھی پسند ہیں پُراسرار فلموں کو بھی میں پسند کرتی ہوں۔

س: آپ کے پسندیدہ کون کون سے اداکار ہیں؟

ج: پال مرفی، کاپا، بلنکار اور شیلی گرام

س: آپ نے شطرنج کن کن مشہور ہندوستانیوں کے ساتھ کھیلا ہے، کیا ان میں سے کسی سے آپ نے شکست کھائی ہے؟

ج: اب تک میں نے مہاراشٹر میں ادیناش، آپٹے، بنگال میں لے کے گھوش، گجرات میں جہنا سے، آندھرا میں ستیہ نارائن سے، بہار میں جی. کے شریواستو اور عبدالجبار (مہاراشٹر) سے کھیلا ہے۔ میں نے ان تمام لوگوں کو ٹورنامنٹ میں شکست دی ہے۔

س: کیا آپ نے قومی چیمپئن روسی شیکھر کے ساتھ بھی کھیلا ہے؟

ج: جی ہاں۔ ۱۹۷۵ء میں ودیا میموریل ٹورنامنٹ سانگلی میں، میں نے روسی سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ میرے لئے کبھی نہ بھولنے والا واقعہ تھا

س: آپ کی نظر میں دوسری کون کون سے نہ بھولنے والے واقعات تھے

ج: تقریباً ۲½ سال پہلے کرگام سرکل نے ایک مخصوص قسم کے مقابلہ کا اہتمام کیا۔ جس میں روس کے "گرینڈ ماسٹر" اورنج نے حصّہ لیا تھا۔ اس نے تقریباً ۳۰ لوگوں کے ساتھ کھیلا۔ جے شری تائی، وسنتی تائی اور میں نے بھی اس میں حصّہ لیا تھا۔ اورنج نے دو یا تین دن تک لوناولہ میں ہماری رہنمائی کی۔

س: اب آپ نے کوٹیام واقعہ کے بعد کیا فیصلہ کیا ہے؟

ج: ہم انصاف کے لئے لڑ رہے ہیں اور معاملات کو سُدھارنا چاہتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ میں ریاستی اور مرکزی حکومتوں نیز عوام کی رائے سے کامیاب ہو جاؤں، اس وقت میں اس کوشش میں ہوں کہ "گرینڈ ماسٹر" کا خطاب حاصل کرلوں۔

س: کیا اس فوری مقصد کے لئے آپ نے کوئی خاص منصوبہ بنایا ہے؟

ج: میرے والد چاہتے ہیں کہ میں اپنی تعلیم ایک سال کے لئے ملتوی کردوں اور اپنا پورا دھیان شطرنج پر لگا دوں تاکہ کالیکٹ بھیلواڑ؟ میں ہونے والے کھلے مقابلے میں جو اگلے سال انگلینڈ اور فلپائن میں خواتین کی چیمپئن شپ کے لئے ہوگا، میں حصہ لوں۔

س: اس مقابلے کے لئے آپ کس طرح خود کو تیار کریں گی، کیا آپ کوئی خاص کوچنگ لے رہی ہیں؟

ج: جی ہاں، میں ارون دیدیا اور رسرش شالیگرام سے کوچنگ لے رہی ہوں

اس دوران روہنی کے والد نیلکانتھ کھاڈیلکر بھی موجود تھے۔ انھوں نے ریاستی حکومت کے اس اقدام کو سراہا کہ حکومت نے مرکزی حکومت توجہ اس بات پر مبذول کرائی کہ قومی شطرنج فیڈریشن کی طرف سے لگائی گئی پابندی کو ہٹالے۔ مرکزی حکومت کا رویّہ بھی ہمدردانہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقابلے میں جیتنے کی وجہ سے صرف روہنی کی ہی بڑائی نہیں ہے بلکہ اس سے سارے ملک کا نام اونچا ہوگا۔ اس لئے روہنی کے ساتھ انصاف ہونا چاہیئے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ریاستی اور مرکزی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں میں کھیل کود کے مواقع کا خاص خیال رکھے۔

ہمارے شہر ہمارے قصبات

مہابلیشور

جن لوگوں نے مہابلیشور کے دلکش اور دلفریب مقام کی ایکبار سیر کی ہے ان کے ذہنوں میں اس مقام پر دوبارہ جانے کا اشتیاق موجزن رہتا ہے۔ دراصل 'مہابلیشور' لفظ کا منہ سے نکلنا ہی اس مثالی بری مناظر کی پہلی سیر کی یاد کو دوبارہ تازہ کرنے کے لئے کافی ہے،

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام کو کبھی دیکھا ہی نہیں وہ بھی اس کے شاعرانہ منظر کشی کے ذریعہ اس مقام سے واقف ہو گئے ہیں۔

مہاراشٹر کے لوگوں کے لئے تقریباً ۱۲۵ مربع کلومیٹر کا مرتفع میدان جو سہیادری کی بلندی پر واقع ہے، قدرت کا فیاضانہ تحفہ ہے، جیسے ہی کوئی اس مرتفع میدان میں قدم رکھتا ہے فردوسی مناظر دیکھنے لگتا ہے، جن میں ندیاں، چشمے، درخت، پھول، اونچی چوٹیاں، درے اور نیچے گہرے بھورے ٹیلے اور اوپر نیلا آسمان مہابلیشور کے مناظر قدرت کی فنکارانہ مہارت معلوم ہوتے ہیں۔ بارش میں یہاں کی بدلتی ہوئی رنگینیاں، قوس قزح، چمکدار دھوپ، کہر، ٹھنڈی ہوا اور تیز ہوا بڑی بھلی لگتی ہیں۔

رشیوں کا مسکن

اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ رشیوں اور منیوں نے زمانہ قدیم میں مہابلیشور کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ یہاں کی خاموشی ان کی ریاضت کے لئے بہترین مقام تھا۔ شاید ان ہی کی سخت ریاضتوں اور محنتوں کی وجہ سے قدرت نے مہابلیشور کو یہ خصوصی حسن بخشا، مہابلیشور کے تمام مناظر ان ہی لوگوں کی عبادتوں اور ریاضتوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ آج یہ ٹیلے اور پتھر متبرک راکھ کے آثار کی طرح کھڑے ہیں۔ مہابلیشور نے اپنا نام کیسے اخذ کیا؟ مہابلیشور کا پورا ماضی فرحت بخشنے والی اساطیری کہانیوں سے وابستہ ہے، یہ مقام دیوتاؤں اور شیطانوں کا مسکن سمجھا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دو شیطان مہابل اور اتیبل اتنے طاقتور بن گئے کہ دیوتاؤں کو بھی ان پر اپنا اثر جمانا مشکل ہو گیا۔ درویشوں اور یوگیوں نے ان شیطانوں سے پناہ حاصل کرنے کے لئے کفارہ کے طور پر سخت ریاضتیں کیں اور برہما، وشنو، مہیش، ان تینوں دیوتاؤں سے شیطانوں کے ظلم کو ختم کرنے کی درخواست کی، سورماؤں کی شکل



مہابلیشور میں وینا جھیل کا ایک خوبصورت منظر

میں دیوتا اپنی زبردست فوج لیکے ساتھ شیطانوں سے لڑنے کے لئے آئے' اتیبل' بھگوان وشنو کے پہلے ہی وار میں ہلاک ہوگیا، اس سے مہابل غضبناک بن گیا، بھگوان وشنو' مہابل کی غضبناک حالت کو دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ وہ مہابل کا مقابلہ نہ کرپائیں گے تو انھوں نے مہامایا دیوی سے مدد کی درخواست کی۔

مہامایا کی چالاکی

مہامایا نے انوکھی چالاکی سے کام لیا، وہ ایک حسین عورت کی شکل میں مہابل کو بہکانے پھسلانے کے لئے مہابلیشور آئی۔ مہامایا کا حسن دیکھ کر مہابل اپنے آپ کو بچا نہ سکا، مہابل جنگ اور مقابلے کے بارے میں سب کچھ بھول گیا، اس نے حسینہ سے کہا کہ وہ اس کے لئے سب کچھ قربان کرسکتا ہے، دیوتاؤں نے اس کو سنہرا موقعہ سمجھ کر فوراً مہابل کو پکڑ لیا، اور ان دیوتاؤں کی جانب سے مہامایا نے مطالبہ کیا: "مجھے صرف تمھارا سر چاہئے"

اب مہابل کو دوبارہ ہوش آیا اور اسے تعجب ہوا کہ اسے مہامایا کے حسن سے کیا دھوکا ہوا لیکن اب پچھتانے کے لئے تاخیر ہوچکی تھی، مہابل نے اپنے آپ کو پابند کرلیا تھا اور حالانکہ وہ ایک شیطان تھا وہ اپنے وعدہ کا پابند تھا۔ لیکن اس کے ہلاک کئے جانے سے قبل اس نے اپنی آخری خواہش بھگوان برہما۔ دشنو اور مہیش کے سامنے پیش کی:

"ہم مہابلیشور کو اپنا مسکن بنانا، بھگوان مہیش کو خود یہاں رہنا چاہئے اور اپنے آپ کو لنگا کی شکل میں ظاہر کرنا چاہئے، میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ بھگوان وشنو بھی یہاں قیام کریں اور میرے بھائی اتیبل کا نام رکھ لیں جسے انھوں

چپلوں اور "لیڈیز پرس" کی ایک دوکان





مہابلیشور: سنہد کیلئے بھی مشہور
شہد کی ایک دوکان

نے قتل کردیا ہے۔ بھگوان برہما کے بارے میں' میں یہ تجویز کرونگا کہ وہ یہاں "کوٹیشور" کے نام سے رہیں جو میرے سورماؤں کا ۔ تھا جس نے میرے لئے جان دی۔ بھگوانوں نے بڑی فراخدلی سے اس کی یہ آخری خواہش پوری کی اور اس طرح سے مہابل نے اپنے آپ کو غیر فانی کردیا! وراس لئے اس مقام کو مہابلیشور کہا جاتا ہے۔

زندہ یادگاریں

اس خیالی قصہ کی زندہ یادگاریں وہ تین مندر ہیں جو تین دیوتاؤں سے منسوب ہیں، مہابلیشور کے مندر میں جو لنگا موجود ہے وہ بجائے عام شیولنگ کے روڈ رکشا کی شکل کی چٹان ہے، یہ ہمیشہ پانی سے بھری رہتی ہے، یہ پانچ تالاب پانی سے بھرے ہوئے ہیں جو پانچ ندیوں کے نام سے منسوب ہیں ... کرشنا، وینا، ساوتری، گائتری اور کوئنا۔ دوسرے دو تالاب بھاگیرتی اور سرسوتی کے نام سے منسوب ہیں۔

ان پانچوں ندیوں کا سرچشمہ کرشنا بائی کے مندر میں ہے، یہ ثابت کرنے کے لئے نشان موجود ہے، جب یہ ندیاں آپس میں ملتی ہیں تب اس مقام پر پانی کا بہاؤ گومکھ (گائے کا منہ) کی شکل کا ہوتا ہے، اسی مقام پر شیوراتری کا جشن بڑے دھوم سے منایا جاتا ہے۔

ندیوں کی بنیاد

ان پانچوں ندیوں کی بنیاد کے بارے میں بڑی دلچسپ کہانی ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ سخت ریاضت کے بعد بھگوان برہما نے یگنیہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یگنیہ کا وقت آگیا لیکن ان کی بیوی ساوتری اپنے بناؤ سنگھار میں مصروف

تھی، چونکہ بھگوان برہما کو دیر ہو رہی تھی انھوں نے اپنی دوسری بیوی گائیتری کے ساتھ نگلینیہ کیا۔ آخر کار ساوتری آئی اور بھگوان برہما کو گائتری کے ساتھ رسم ادا کرتے دیکھا، وہ سخت ناراض ہوئی۔ تمام بھگوان موجود تھے اس لئے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”تو تم نے میرا انتظار کئے بغیر نگلینیہ کر لیا اب تم سب ندیوں کی شکل اختیار کرو گے، تمھارا زنانہ نام ہوگا اور ہمیشہ بہتے رہو گے کبھی نہ رُکو گے۔“

وِشنو نے جواب دیا ” اور تم بھی ندی کی شکل اختیار کرو گی اور ہمارے ساتھ دوڑو گی۔“

ساوتری جو پہلے سے ہی غصّہ میں بھری ہوئی تھی، پہاڑی کی اونچائی پر سے نیچے کود گئی اور ندی کی شکل میں سمندر کی سمت بہنے لگی (”ساوتری پوائنٹ“ آرتھر سیٹ کے قریب واقع ہے اور تبتبرا مہابلیشور سے تین میل دور ہے، پہاڑی کے اسی مقام سے ساوتری نے چھلانگ لگائی تھی ایسا سمجھا جاتا ہے۔)

ساوتری کی بد دعا نے برہما کو کوئنا ندی میں تبدیل کر دیا، مہیش بنا ندی بن گیا، وشنو، کرشنا ندی میں تبدیل ہو گیا اور گائتری بھی ندی میں تبدیل ہو گئی اور اپنا ہی نام باقی رکھا۔

اب سب دیوتا اور لوگ شش و پنج میں پڑ گئے، اُن کے سب ٹھکانے ان ندیوں میں تبدیل ہو گئے۔ اب وہ کس کے لئے پرستش کریں گے؟ کس کیلئے نگلینیہ کی رسم ادا کی جائے گی؟ انھوں نے اپنا منسند بھگوانوں کو سمجھایا اور ان کو ان کے اصلی رُوپ میں واپس آنے کی مِنّت کی۔ بھگوان راضی ہو گئے اور اپنے اصلی رُوپ میں حاضر ہو گئے اور ندیوں کو جیسا تھا ویسا ہی رہنے دیا۔

تاریخی ربط

مہابلیشور کے مثالی ماضی کی خوشدلی اندر ہی اندر سرایت کرتی جاتی ہے، پنچ گنگا مندر کو دیکھتے ہوئے وہی تاریخی خیال ناگہاں آپڑتا ہے۔ جو ماضی میں اس کا تاریخی ربط غیر معمولی مجاہدوں اور معزز شخصیتوں سے تھا اور فوراً جاولی کے چندر راؤ مورے، سمرتھ رام داس، چھترپتی سیواجی، اہلیا بائی ہولکر اور گنگا بھٹ کے نام یاد آجاتے ہیں۔ اور وہاں پر برتاب گڑھ ہے جو بہادر مراٹھوں کا میدان جنگ تھا اور جہاں ان کی شجاعت کے نشان موجود ہیں، افضل خاں کا مقبرہ بھی یہاں پر ہے، جہاں پر مٹی کے نیچے بیجاپور کے حکمراں اور مغل دونوں دفن ہیں جن کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے خوابوں اور ہوس کو جیکر میں ڈالیں گے۔

مُسرّت کا گُنبد

یہ واضح ہے کہ مہابلیشور کیوں سوامی رامداس کے ۱۲ سالہ ملک کے طول و عرض کے دورے کا نقطۂ معراج بنا۔ اس لئے کہ وہ اپنے خواب کو مُسرّت کے گنبد (آنند بھون) میں تشکیل دینا چاہتے تھے۔ ہنومان کا مندر جو انھوں نے تعمیر کیا آج بھی آنند بھون کی شان کے طور پر یادگار کی صورت میں موجود ہے، اس مقام پر کئی حکمراں منڈلاتے رہے۔ جب پرتاپ گڈھ ستارا کے حکمرانوں کے حلقۂ انتظام میں آیا تو وہ اکثر وہاں جایا کرتے تھے، کیونکہ بھام دیوی، گویا اُن کی گھریلو دیوی ہو۔ اسی دوران عہد میں پیشوا کے شاہی ایوان میں مقیم سر چارلس مالیٹ کا ۱۷۹۱ء میں مہابلیشور گزر ہوا اور وہ اس کے حسین اور دلفریب مناظر کو دیکھ کر بیحد متاثر ہوا اور واپسی میں اپنے انگریز دستوں سے اس مقام کی خوبصورتی کا تذکرہ کیا اور خوش ہوا۔ سر چارلس نے مہابلیشور کا سودا ستارا کے حکمراں سے کیا۔ کھنڈالہ کے عیوض مہابلیشور اور اطراف کا خوبصورت علاقہ حاصل کر لیا اور اس وقت سے سر چارلس نے مہابلیشور کی دیکھ بھال اپنے گھر کی طرح رکھی جو اس کے اپنے انگلستان کے مکان کا عکس تھا

اس کے بعد ۱۸۲۴ء میں لاڈ وِک آئے۔ سر جان مالکوم، ممبئی کے گورنر بھی آئے اور اپنا ذاتی بنگلہ بنایا، انھوں نے راستے بھی بنوائے۔ گھوڑ سواری کے لئے انھوں نے گھوڑے سوار رکھے، سر جان مالکوم ہی نے سہیادری کی



’شہتوت‘ اور ’رس بھری‘۔ پھیری والے۔ چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں فروخت کرتے ہوئے

مہابلیشور میں قیام گاہیں

سیاحوں کی سہولت کے لئے حکومتِ مہاراشٹر نے سستی اور عمدہ جگہ مہیا کرنے کی غرض سے ہالی ڈے کیمپس تیار کئے ہیں جن کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں :

بلاک کی قسم	بلاکس کی تعداد	ریزرویشن اتھارٹی	بلاکس کا یومیہ کرایہ
'اے' ٹائپ بلاکس	۲۳	مینجنگ ڈائرکٹر، مہاراشٹر کلچرل اینڈ ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن۔ بمبئی فون نمبر: ۲۹۶۳۸۹ ۲۹۶۰۹۶/۲۹۶۴۸۹	۲۰ روپے
'بی' ٹائپ بلاک	۱۶	'اے' ٹائپ بلاک کے لئے نمبر ۲ سے ۱۳، ۱۹ سے ۲۶ اور ۲۸ سے ۳۳	۱۵ روپے
		'بی' ٹائپ بلاک کے لئے نمبر ۱ سے ۹ اور ۱۳ سے ۱۶	۱۰ روپے
'سی' ٹائپ بلاک	۵۷	'سی' ٹائپ بلاک کے لئے نمبر ۱ سے ۳۲ اور ۳۷ سے ۴۷	ایک روپیہ
ڈورمیٹریز	۶	ڈورمیٹریز بلاک نمبر ۱ سے ۲، ۹ تا ۱۱ ریجنل آفیسر۔ مہاراشٹر کلچرل اینڈ ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن، سنٹرل بلڈنگ پونے۔ فون: ۲۶۶۹۷ 'اے' ٹائپ بلاک نمبر ۱۴ تا ۱۸ کیلئے 'بی' ٹائپ بلاک نمبر ۱۰ تا ۱۲ کے لئے۔ 'سی' ٹائپ بلاک نمبر ۴۰ تا ۶۱ کے لئے۔ ڈورمیٹری بلاک نمبر ٹی ۴ کے لئے	

کرایہ کے علاوہ بجلی اور پانی کی فراہمی کے لئے 'اے'، 'بی'، 'سی' ٹائپ بلاکس کے لئے فی کس یومیہ ایک روپیہ مزید کرایہ لیا جاتا ہے۔ اور ڈورمیٹری بلاکس کے لئے فی کس ۵۰ پیسے یومیہ مزید کرایہ لیا جاتا ہے۔ ریزرویشن کے لئے ۳۰ روپے بذریعہ منی آرڈر یا نقد بطور ڈپازٹ جمع کرانا ہوتا ہے۔

اونچی چوٹیاں دریافت کیں اور وفادار برٹش افسران کے نام سے انھیں منسوب کیا۔

نئے مناظر

جب برطانوی دورِ حکومت آیا یہاں کے قدرتی مناظر نے نئی تبدیلیاں دیکھیں، انگریزوں نے طرح طرح کے درخت اور پھولوں کے پودے لگائے فرانس سے صنوبر کے درخت، اسکاٹ لینڈ سے کھجور کے درخت، اور انگلستان سے اسٹرابیری کے درخت لاکر لگائے۔ یہاں پر متعدد پوائنٹس ہیں جہاں سے قدرت کے مناظر مختلف زاویوں سے دیکھے جا سکتے ہیں سائیکل یا کار سے ایک دن میں کئی مقامات کا دورہ کیا جا سکتا ہے۔ بس کے ذریعے کچھ پوائنٹس نہیں دیکھے جا سکتے، مثلاً گوسنی پوائنٹ، بغداد پوائنٹ، ہنٹر پوائنٹ۔

آرتھر سیٹ

آرتھر سیٹ، جو مہابلیشور سے ۸ میل دور ہے تمام پوائنٹس سے زیادہ دلکش ہے، یہ وینا جھیل سے شری سیترا مہابلیشور جاتے ہوئے راستے میں ملتی ہے۔ ہنٹر پوائنٹ، کتّا ٹی جوٹی، مرجوری پوائنٹ، الفنسٹن پوائنٹ اور کاسل راک پوائنٹ بھی آرتھر سیٹ جاتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں بس اسٹاپ کے بعد ایک یا دو فرلانگ چلا جائے اور چند زینے اترنے کے بعد 'سیٹ' کو پہنچا جا سکتا ہے۔

سیّاحوں کی جنّت

مہابلیشور لاتعداد سیاح جاتے ہیں، یہاں پر ۲۵ ہوٹلیں ہیں جو روزانہ دس ہزار سے بارہ ہزار سیاحوں کی رہائش کا انتظام کر سکتے ہیں اکثر ہوٹلیں پرانے بنگلوں میں واقع ہیں، نئے تعمیر کردہ کم ہیں، بمبئی جیسے شہر کی فائیو اسٹار ہوٹل کی طرح آرام اور عیش و عشرت کی توقع یہاں نہیں رکھنی چاہئے۔ لیکن دونوں گجراتی طرز کا کھانا اور غیر نباتی کھانا ان ہوٹلوں میں اونچے معیار کا ہوتا ہے، کچھ ہوٹلوں میں خاص طور سے مغلائی چینی اور پنجابی طرز کے کھانے ملتے ہیں۔ یہاں پر حکومت کی جانب سے چلائے گئے ہالی ڈے کیمپس میں بھی ایک اچھی کینٹین ہے جو سیاحوں کے قیام کا انتظام بھی کر سکتی ہے۔

مہابلیشور میں سیاحوں کی خریدی کے لئے مشہور چیزوں میں شہد اسٹرابیری، راسبیری، چنے، سانبر کے چمڑے سے بنے ہوئے جوتے خوبصورت دستوں والی چلنے کی لکڑیاں، لکڑی کے پھول، کھلونے، جولوا کی مستوری اور دیگر شوق کی چیزیں، کشمیر کی شالیں و دیگر دستکاری، نیپالی سوئیٹرس اور راجستھان کی دستکاری بھی سستے داموں ملتی ہیں۔ درحقیقت سیاحت کے موسم میں پورا مارکیٹ، ہینڈلوم ساڑی، قالین،

گھوڑسواری ـــــ سیّاحوں کی مہم

مہابلیشور میں سیاحوں کو جس بات میں سب سے زیادہ لطف آتا ہے وہ ہے گھوڑسواری۔ چاہے ان سیاحوں کو گھوڑسواری آتی ہو یا نہ آتی ہو لیکن ان کا ہمیشہ یہ اصرار رہتا ہے کہ کوئی گھوڑا کرایہ پر لیا جائے اور گھنٹہ بھر مہابلیشور کے کوہستانی راستوں پر ان کو دوڑایا جائے۔ ایسے سیّاح جو گھوڑسواری سے بالکل نابلد ہوتے ہیں، گھوڑوں کے ساتھ ان کے مالکان بھی اس لطف آفریں موقع پر ساتھ ہو جاتے ہیں۔ کرایہ پر گھوڑے ان مقامات پر مل جاتے ہیں۔ بمبے پوائنٹ، دینالنک (جھیل) بازار چوک اور ایس۔ ٹی اسٹینڈ۔

درحقیقت یہاں سیّاحوں کے لئے گھوڑسواری بہت ہی کفایتی ذریعہ ہے۔ موسم میں ۱۰۰ گھوڑے دستیاب ہوجاتے ہیں اور ان کے لئے فی گھنٹہ ۱۵ روپئے تک کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ کم فاصلے کا کرایہ ۱ تا ۲ روپیہ ہوتا ہے۔

گھوڑے کے مالک کو عام طور پر موسم میں ۱۰۰ تا ۱۲۵ روپے مل جاتے ہیں دوسرے دنوں میں صرف ۲۰ تا ۲۵ روپے آمدنی ہوتی ہے اور فی گھنٹہ کرایہ ۲ تا ۱۰ روپے ہوتا ہے۔ تقریباً ۴۵ افراد گھوڑوں کے مالک ہیں، دوسرے لوگ ان مالکان سے گھوڑے کرایہ پر لیتے ہیں اور سیّاحوں کو کرایہ پر سیر کراتے ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کی آمدنی موسم میں ۱۰ روپیہ یومیہ ہوجاتی ہے۔ اور دوسرے عام دنوں میں ۵ روپیہ یومیہ۔ موسم سرما میں آمدنی دوسرے موسموں کا صرف ۲۵٪ فیصد ہوتی ہے۔ موسم باراں میں یہ دھندا بالکل ماند پڑا رہتا ہے۔ گھوڑے گھاٹوں سے اُتار کر نیچے گاؤں میں ٹھہرا دیئے جاتے ہیں۔ وہاں وہ آنے والے موسم کا انتظار کرتے رہتے ہیں جبکہ ان کو دوبارہ پہاڑی علاقوں پر چڑھائی اور دوڑ کا لطف اُٹھانے کا موقع ملتا ہے۔

اسٹیٹ بنک نے اب ان افراد کو قرضہ جات دینے کا سلسلہ بھی شروع کردیا ہے جو گھوڑا خریدنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اب تک تقریباً ۲۰ افراد گھوڑوں کے مالک بن چکے ہیں۔

شالوں اور چادروں وغیرہ کی نمائش سا لگتا ہے۔

گراں کاروبار نہیں

مہابلیشور صرف مالداروں کے لئے نہیں ہے، درمیانی طبقے کے لوگ بھی اپنے اکتا دینے والی زندگی میں کچھ روز کے وقفے کے لئے جاسکتے ہیں۔ مارکیٹ کے قریب روزانہ کرایہ کے حساب سے کمرے ملتے ہیں، کھانے کے دام بھی مناسب ہیں اور وہ یہاں کے تمام مناظر "مہابلیشور درشن" بس کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں جو کہ کم خرچ ہے، لہٰذا کسی بھی قسم کا یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ یہاں کی سیر و سیاحت کوئی گراں کاروبار ہے۔ ماہ عروسی کے لئے بھی یہ مقام مثالی ہے۔

●●

'قارئین کی رائے' صلہ سے آگے

وقت بتلائے گا کہ آج 'قومی راج' میں چھپے ہوئے مضامین کل کے لوگوں کے لئے نشانِ منزل ثابت ہوں گے۔

ـــــــــ شکیب، ایوت محل

'قومی راج' کا "یوم مہاراشٹر نمبر" ملا۔ دیدہ زیب سرورق دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ چیف ایڈیٹر صاحب کے نوٹ نے چونکا دیا لیکن پرچے کے مطالعے کے بعد بڑی مایوسی ہوئی۔ پورے پرچے میں شاید ہی کوئی مضمون اُردو داں قاری کی دلچسپی کا ہوگا۔ "نیا دور" (حکومت یو۔پی) یا "آجکل" (مرکزی حکومت) اس لئے معیاری سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اس میں اُردو کے بہترین اہلِ قلم کی نگارشات شامل ہوتی ہیں۔ "قومی راج" کے موجودہ شمارے میں اُردو کے اہلِ قلم حضرات کی کمی بڑی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ اکثر مضامین غیر دلچسپ ہیں مگر "دل کا حال" اور 'ما تھیران' معلوماتی اور دلچسپ مضامین ہیں۔

"قومی راج" کو اپنے قارئین کے خیال اور پسند کو دیکھ کر چلنا چاہیئے مجھے اُمید ہے کہ چیف ایڈیٹر صاحب اپنے اس نئے پروگرام کے ساتھ ہی ساتھ 'قومی راج' کو اس کی پرانی روش پر ہی کاربند رہنے دیں گے تاکہ وہ ترقی کی راہ پر اسی تیزی کے ساتھ گامزن رہے جیسا کہ پہلے تھا۔ ۵۸

ـــــــــ مخلص: سلیمان ظفر، بمبئی

●●

اشتہارات کے نرخ

'قومی راج' میں اشتہارات مندرجہ ذیل شرح سے قبول کئے جائیں گے

سرورق ۲	... ...	ایک ہزار روپے
سرورق ۳	... ...	ایک ہزار روپے
سرورق ۴	... ...	پندرہ سو روپے

ـــــ اندرونی صفحات ـــــ

پورا صفحہ	... ...	پانچ سو روپے
آدھا صفحہ	... ...	تین سو روپے
چوتھائی صفحہ	... ...	ایک سو پچھتر روپے

شیش گری راؤ
چیف رپورٹر، ٹائمز آف انڈیا

مہاراشٹر میں ماہی گیری



مہاراشٹر، جس کا ۷۲۰ کلومیٹر طویل سمندری ساحل، نیز ۷۰۰۸ کلومیٹر پر مشتمل کھاڑیوں کا رقبہ آبی زندگی سے معمور ہے۔ اس لئے ملک میں ماہی گیری کی صنعتی ترقی اور اس کی پیداوار کی برآمدات کے معنوں میں اس ریاست کو اولین مقام حاصل ہے۔

زمانۂ امن کے چار اضلاع کے ساحل یعنی تھانے، بمبئی عظمیٰ، قلابہ، اور رتنا گری سمندر کی جانب ریاست کی سرحد بناتے ہیں جہاں، چھوٹی ریتیلی کھاڑیاں، چٹانی دیواریں جن کو کافی تعداد میں ندیوں نے کاٹ کر کھاڑیوں کی شکل دی ہے۔ انھیں ۱۸۵ خاص مراکز میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ مراکز جن کو چھوٹے ماہی گیری بندرگاہ کہا جاتا ہے وہاں کشتیاں کھڑی کرنے کی مناسب سہولتیں نہیں ہیں۔

ریاست میں مچھلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی غرض سے پہلے پانچ سالہ منصوبے میں ماہی گیری کی مشینی کشتیوں کی اسکیم شروع کی گئی تھی اس اسکیم کی وجہ سے ان بندرگاہوں پر مشینی کشتیوں کو روکنے اور کھڑی کرنے کی مناسب سہولتوں کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس لئے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ میں اس سلسلے میں ایک اور اسکیم شروع کی گئی۔

یہ مرکز کی شروع کردہ اسکیم ہے جس کے تحت ان چھوٹے بندرگاہوں پر رکنے اور ٹھہرنے کی غرض سے بندرگاہوں کو ترقی دینے کے کام کا آغاز ہوا جس کے لئے ۶۶-۱۹۶۵ء تک مرکز کی جانب سے پچاس فیصد امداد حاصل تھی۔ اس کے بعد مرکز نے اس کو پوری طرح اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس وقت یہ محکمہ داخلہ (ٹرانسپورٹ) کے تحت ہے۔

اب تک ۳۶ پروجیکٹوں، جیسے جیٹوں کی تعمیر، گائڈ کرنے والے روشنی کے مینار نکالنے، کشتی بانی کے دھاروں سے چٹانوں کو ہٹانا اس اسکیم کے تحت کیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک تجویز ہے کہ اہم ماہی گیری کی بندرگاہوں کو ترقی دیکر پوری طرح سے ماہی گیری کے بڑے بندرگاہوں میں تبدیل کر دیا جائے۔

محکمہ داخلہ نے ۴۱ پروجیکٹس کے لئے منصوبہ اور تخمینہ تیار کیا جس پر لاگت کا اندازہ ۹۰۶۰.۰۰ لاکھ روپے کا تھا اور اس کو حکومت ہند کے



مچھلیوں کی افزائش نسل کے لئے ان کے انڈے
تالاب میں چھوڑنے کی تقریب کا ایک منظر۔

پاس بغرض منظوری بھیج دیا۔ اب تک ۴۶ ۸ ر ۱۹ ر ۲۳ روپے کی لاگت پر مشتمل پانچ پروجیکٹس کی منظوری حاصل ہوئی ہے جن کے نام ہیں اننّ، نھال، کرنجا، دانیوارسے اور ملگاؤں، جلد ہی ان کا کام شروع ہوجائے گا۔

ماہی گیری بندرگاہوں کی ترقی

جہاں تک ماہی گیری بندرگاہوں کی ترقی کا سوال ہے ریاستی حکومت کی تجویز ہے کہ اگر ڈانڈا ضلع قلابہ اور میرکر داڑہ ضلع رتناگری کو پوری طور پر ماہی گیری کے بندرگاہ کی حیثیت سے ترقی دی جائے۔ مرکزی حکومت نے اس پروجیکٹ کی منظوری دے دی ہے۔ جس پر لاگت کا تخمینہ ۴۴ ر کروڑ روپے کا ہے۔ اس کے علاوہ بمبئی پورٹ ٹرسٹ کے ۶.۰ ر۴ کروڑ روپے کی تجویز کو بھی منظوری دے دی ہے۔

فی الحال مہاراشٹر میں ماہی گیری اندرون ساحل اور ساحل سے دور کے علاقوں یا وہ علاقے جو کہ بالترتیب صفر سے ۱۰ فیتھم اور دس سے ۴۰ فیتھم گہرائی پر مشتمل ہیں میں ہی ہوتی ہے۔ چار اضلاع یعنی تھانے، بمبئی، قلابہ اور رتناگری میں اندرون ساحل ماہی گیری کے لئے تقریباً ۶۲۰۰ مربع کلومیٹر کا علاقہ ہے جبکہ ساحل سے دور یہ رقبہ ۳۷۰۰۰ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ ان چاروں اضلاع میں مچھلی کی پیداوار میں ۷۵ - ۱۹۶۵ء کی دہائی میں ساڑھے چھ گنا اضافہ ہوا ہے۔

۱۹۷۶ء سال میں اس کی پیداوار ۲.۰ ر۴ لاکھ ٹن تھی۔

اس طرح گہرا سمندری علاقہ بالکل چھوٹ جاتا ہے جو کہ چاروں اضلاع کے لئے ۳۴۰۰۰ کلومیٹر کا ہے ابھی اس کا سروے کرنا ہے اور استعمال میں لانا ہے۔

جہاں تک فی مربع کلومیٹر میں مچھلی پکڑنے کا سوال ہے بمبئی پہلے نمبر پر ہے جہاں فی مربع کلومیٹر کے رقبے میں ۸۰ ر۱۶ ملین ٹن مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ بمبئی کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ قلابہ اور تھانے کی زیادہ تر کشتیاں اپنا مال اس شہر میں اتارتی ہیں۔

عہدیداروں نے حساب لگایا ہے کہ گزشتہ دس سال میں مچھلی پکڑنے کی مقدار میں ۹ ر فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ جو ایک ترقی پذیر ریاست کے لئے کارنامے سے کم نہیں۔

مستقبل کی ضروریات

جہاں تک غذائیت کا تعلق ہے فی کس یومیہ ۶۵ گرام پروٹین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بجائے فی کس یومیہ صرف ۸ر۴۶ گرام پروٹین استعمال ہوتی ہے۔ جس سے ۲ ر ۱۸ گرام پروٹین کی کمی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ۸ ر ۴۶ گرام پروٹین میں سے صرف ۴ ر ۱۲ گرام پروٹین جانوروں کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ ضروری ہے کہ ایک شخص کم از کم ۲۵ فیصدی یا ۱۶ گرام پروٹین ان ذرائع سے حاصل کرے۔ اگر اس کو چار اشیاء کے ساتھ یکساں طور پر حاصل کیا جائے یعنی گوشت اور پولٹری، دودھ اور دودھ سے تیار کردہ اشیا، انڈا اور مچھلی کو اس طرح مچھلی کا حصہ فی کس یومیہ چار گرام کا ہوتا ہے۔

اس بنیاد پر کہ مہاراشٹر کی آبادی میں اضافہ سالانہ موجودہ شرح سے جاری رہے گا تو امید کی جاتی ہے کہ مہاراشٹر کی آبادی ۱۹۸۵ء میں سات کروڑ اور ۲۰۰۰ میں دس کروڑ ہو جائے گی۔ یہ خیال کرکے کہ ۶۰ فیصدی آبادی مچھلی کھانے والی ہے مہاراشٹر کو ۱۹۸۵ء اور ۲۰۰۰ء میں بالترتیب ۲۰۰۰ر۴ ٹن اور ۶۰۰۰ر۰ ٹن مچھلی کی ضرورت ہوگی۔

جیسا کہ اوسطاً ۴ سے ۵ فیصد پیداوار میں اضافہ ہو رہا ہے اس حساب سے ۲۰ سال کی مدت میں ۲۰۰۰ء تک ۶۰۰۰ر۰ ٹن مچھلی حاصل کرنے کا نشانہ پورا کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ ریاست میں ضروری فنی معلومات موجود ہے اور ذرائع بھی ہیں جس کے سبب ضروری سطح کا حاصل کرنا مشکل نہیں ہے۔

مشکلات

چونکہ مچھلی کی کل پیداوار کا تقریباً ۹۵ فیصد ۲۰ فیتھم کی دوری تک سے ہی حاصل کیا جاتا ہے اس کے آگے جانے میں کئی مشکلات سامنے آئی ہیں جن میں سے ایک ہے گہرے سمندروں میں ماہی گیری کی معلومات میں کمی حکومت ہند نے جو سروے کے مقاصد سے گہرے سمندر میں ماہی گیری کے اسٹیشن قائم کئے۔ انھوں نے ۴۰ فیتھم سے آگے کی گہرائی کی چھان بین میں بہت کم کام کیا ہے۔ بہرحال پولینڈ کے اشتراک سے ایک سروے جہاز کا انتظام

کیا گیا تاکہ مہاراشٹر گوا اور گجرات کے سمندر میں ۳۰ سے ۱۰۰ فیتھم تک ذرائع کا جائزہ لے۔

گہرے سمندر میں ماہی گیری کی معلومات کی کمی کی وجہ سے گہرے پانی میں مچھلی تجارتی طور پر پکڑنے میں مشکلات ہیں۔

اس کے علاوہ کھلے سمندر میں کافی بڑے ماہی گیری جہاز کی قیمت جوکھم اٹھانے والوں کے لئے ایک اور روڑا ہے۔ ساتھ ہی حکومت کی یہ ہدایت کہ جو مالک ٹرالرز درآمد کرے گا اس کو ٹرالر کی کل قیمت کی تین گنا مچھلی کی پیداوار کو برآمد کرنا پڑے گا۔ یہ بھی ٹرالر کی درآمد میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ ہندوستان میں گہرے پانی میں ماہی گیری کرنے والے چند ہی ماہر کپتان ہیں۔

پھر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ گہرے سمندر میں ماہی گیری پراجیکٹ پر عمل آوری کے لئے کسی غیر ملکی تجربہ کار فرم کے اشتراک کے عملی طریقہ کار سے استفادہ اٹھایا جائے۔

مرکزی وزارت زراعت نے بھی ان حالات کو محسوس کیا اور اپنی بعض شرائط میں نرمی کر دی اور حقیقتاً وہ ایسی مشترکہ کارروائی کے لئے تجاویز طلب کر رہی ہے۔ شپنگ ڈیولپمنٹ فنڈ کمیٹی ایک تجویز لے کر آگے آئی ہے جس کے تحت غیر ملکی کشتیاں خریدنے کے لئے بہت ہی معمولی شرح سود پر مالی امداد دینے کی پیشکش کر رہی ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشترکہ جوکھم کی فضا میں ۱۹۷۰-۷۱ء کافی بہتری آئی ہے اور اگر اس وقت ہم دو ٹوک اقدامات کریں تو بعض غیر ملکیوں کو متوجہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو ہمارے اشتراک میں کام کر سکیں۔

چونکہ گہرے سمندر میں ماہی گیری کے لئے مجموعی مالی جوکھم موجود ہے اس لئے فی الحال فشرمینز کوآپریٹیوز کو ایسے پراجیکٹ پر عمل آوری کے لئے کہنا مناسب نہیں ہے۔ نجی سیکٹر میں بعض ادارے ہیں جو ایسے پراجیکٹ میں ہاتھ ڈالنا چاہیں گے اگر انھیں اچھے بندرگاہ، پراسیسنگ پلانٹ کے لئے مناسب جگہ، مواصلات، کشتی بانی وغیرہ جیسی ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔ یہاں پر حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مذکورہ سہولتیں فراہم کرے۔ نیز جہاں ضروری ہو غیر ملکی اشتراک کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس سے ۲۰۰ میل کے معاشی زون میں ماہی گیری کے ذخائر سے استفادہ اٹھانے میں مدد دے گی۔

توسیع کے بہتر پروگرام

محکمہ ماہی گیری کے خاص مقصد میں پیداوار میں اضافہ نیز کھارے اور میٹھے پانی کی مچھلیوں کی مارکٹنگ شامل ہے تاکہ مچھلی زیادہ مقدار میں حاصل ہو سکے اور مچھلی ماروں کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔ اس لئے ریاستی حکومت نے کئی پروگرام تیار کئے ہیں جو یہ ہیں:



سُرکی مچھلی

۱۔ کشتیوں میں مشینیں لگانے اور بہتر جال وغیرہ کی خریداری کے لئے امداد کے ذریعہ خالص جدید بنیادوں پر ماہی گیری میں توسیع کی حوصلہ افزائی۔

۲۔ حکومت ہند کے ٹریننگ انسٹی ٹیوشن سے منسلک چار تربیتی مراکز پر ریاستی حکومت مچھلی ماروں کو تربیتی سہولتیں فراہم کرتی ہے اور ان تربیت یافتگان کو ریاستی حکومت اپنے خرچ پر بھیجتی ہے۔

۳۔ حکومت فشرمینز کوآپریٹیو کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے تاکہ ماہی گیری سے متعلق تمام صنعتوں کو تجارتی بنیاد پر منظم کیا جا سکے۔

۴۔ مہاراشٹر نے میٹھے پانی سے مچھلی کی حاصل ہونے والی پیداوار میں قابل ذکر اضافہ کیا ہے۔ یہ پیداوار جو کہ ۱۹۷۰-۷۱ء میں ۱۳۵۰۰ ٹن تھی وہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں بڑھ کر ۲۳۷۰۰ ٹن ہو گئی اور امید کی جاتی ہے کہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں یہ مقدار ۳۶۰۰۰ ٹن ہو جائے گی۔

۵۔ محکمہ ماہی گیری کوکن کرشی ودیا پیٹھ کے ذریعہ ماہی گیری میں مزید ترقی کے لئے تحقیقات کو بھی مالی امداد دیتا ہے۔ اس تحقیقات میں مختلف پہلوؤں پر کام ہوتا ہے۔ جس میں مصنوعی طور پر جھینگا مچھلیوں کی افزائش نسل بھی شامل ہے۔

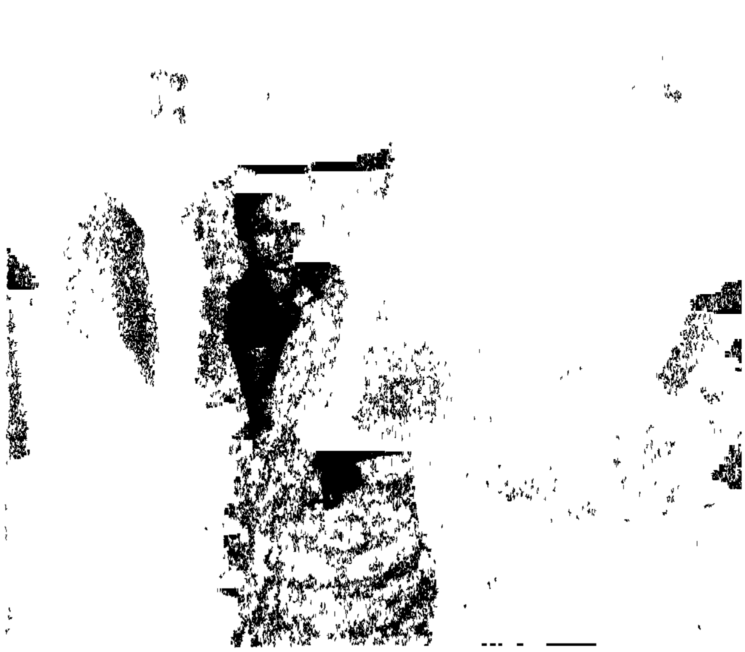
مچھلی کی برآمدات

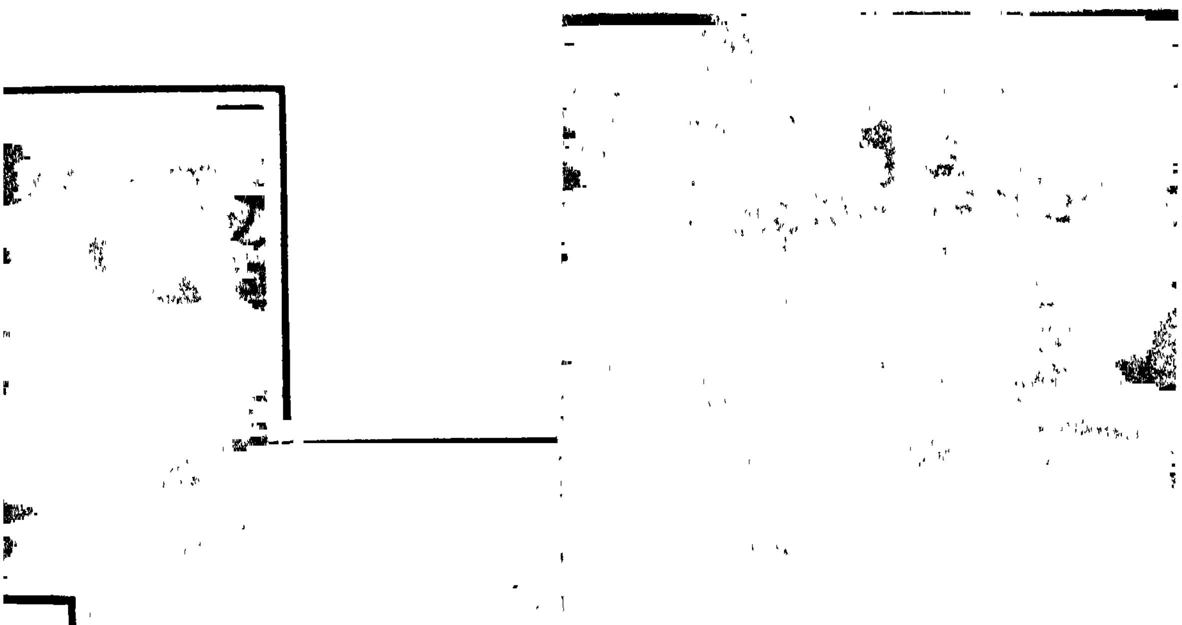
فی الحال مہاراشٹر سے گیارہ مختلف اقسام کی مچھلیوں کو برآمد کیا جا رہا ہے جس میں منجمد کردہ جھینگے، بڑا جھینگا، مچھلی نیز مینڈک کی ٹانگیں، ڈبہ بند فرائز اور خشک مچھلیاں، شنکس، فنز، فش ماز، فش میلز اور متفرق چیزیں جیسے اچار وغیرہ



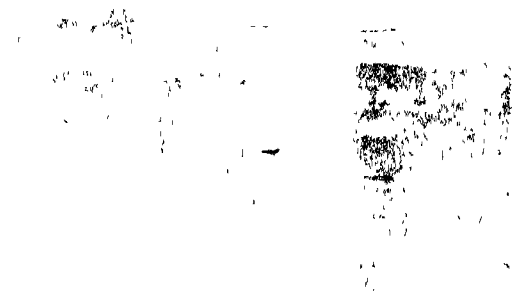
پکڑی گئی مچھلیوں کی چھنٹائی

فروخت کا ایک منظر





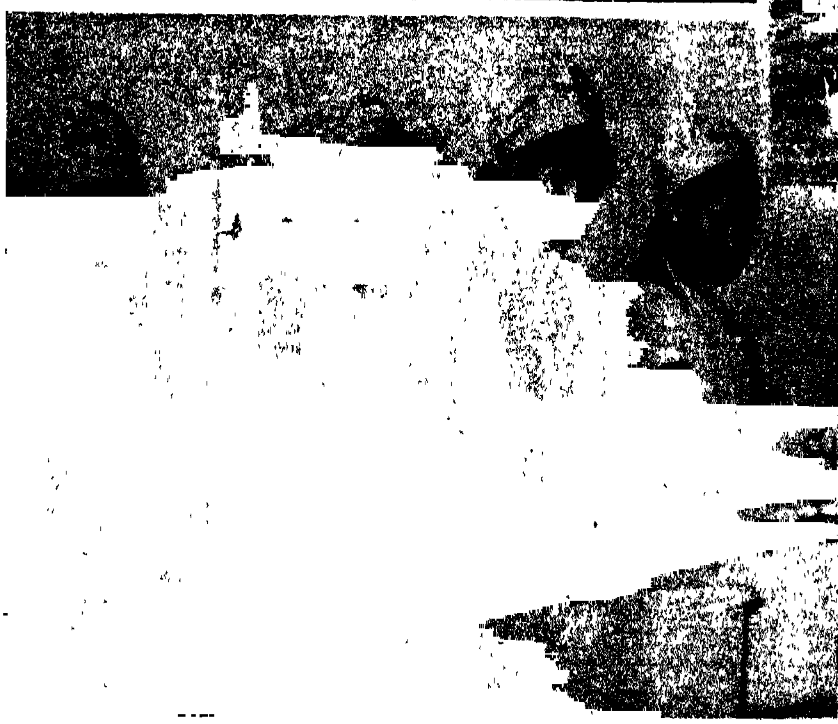
ہوئی مختلف
ں کے ذخیرہ
منظر



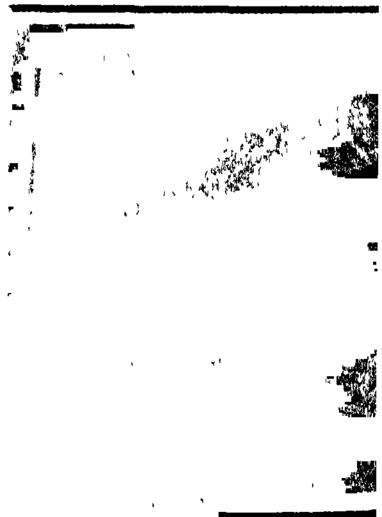
مچھلیا
برآ
کی ج
ہیں۔

جھینگوں کو کیمیائی عمل کے ذریعے استعمال
کے لئے محفوظ کیا جا رہا ہے۔

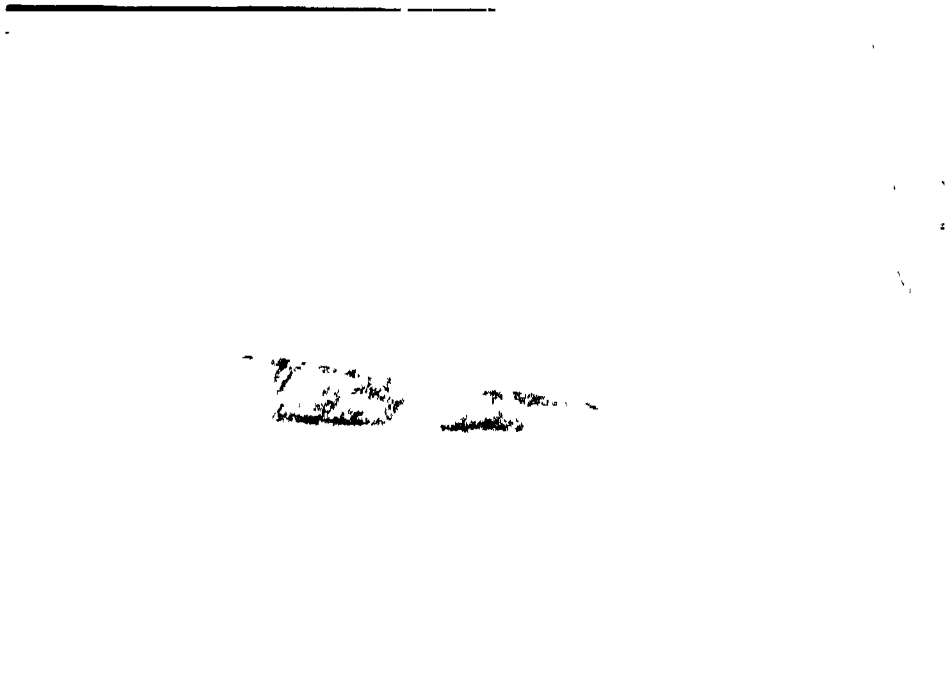




میٹھے پانی کی مچھلیاں

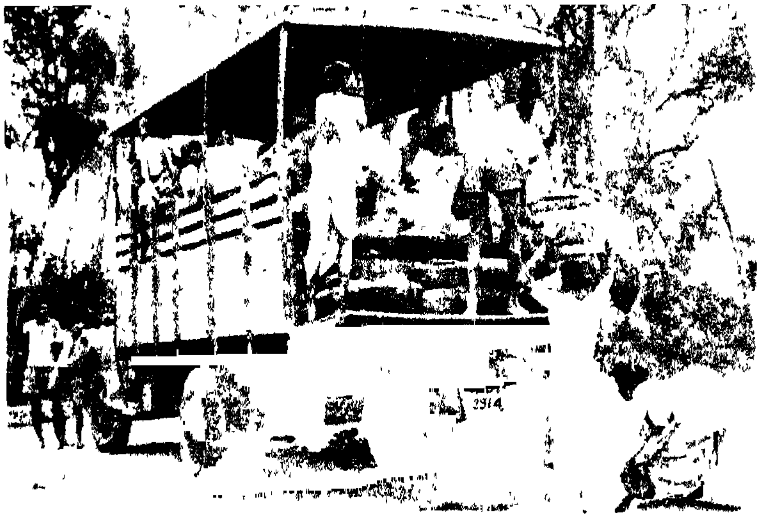


مختلف
قسموں
کی
مچھلیاں
پلاسٹک
کے
پیکٹوں
میں



ماہی گیری ——— ایک نظر میں

قسم	یونٹ	۱۹۷۴-۷۵ء	۱۹۷۵-۷۶ء
۱	۲	۳	۴
مچھلی پکڑنے والی کشتیاں :			
(الف) میکانیکی	نہیں	۲,۶۲۸	۲,۷۲۶
(ب) غیر میکانیکی	نہیں	۸,۴۶۱	۸,۴۳۲
(ج) جملہ تعداد	نہیں	۱۱,۰۸۹	۱۱,۱۵۸
مچھلیاں پکڑنا :			
(i) جملہ تعداد	ایم۔ٹی	۳۸۲۹۰۸	۴۲۳۰۱۲
(ii) سمندری	ایم۔ٹی	۳۶۴۱۵۸	۴۰۲۰۱۲
(iii) ساحل سے دُور	ایم۔ٹی	۱۸۷۵۰	۲۱۰۰۰
آجروں کے لئے پکڑنے کی قیمت :			
(i) جملہ تعداد	لاکھ روپے	۷۹۱۸٫۹۲	۹۵۵٫۲۲
(ii) سمندری	لاکھ روپے	۷۰۷۵٫۱۷	۸۶۰۵٫۲۲
(iii) ساحل سے دور	لاکھ روپے	۸۴۳٫۷۵	۹۴۵٫۰۰
تالاب، جھیل اور ذخیرۂ آب میں مچھلی کی پرورش کیلئے جملہ مناسب رقبہ	ہیکٹر	۱۵۸۰۰۰	۲۰۱۳۹۸
ماہی پروری کے لئے جملہ رقبہ	ہیکٹر	۱۵۲۶۷۳	۱۷۳۱۴۰
ماہر ماہی گیر (ساحل سے دُور) مردم شماری ۱۹۷۲ء	نہیں	۱۲۴۶۹	۱۲۴۶۹
سَرد ذخائر	نہیں	۷۹	۷۹
سَرد کرنیوالے پلانٹس	نہیں	۲۸	۲۸
ٹین کے ڈبّے میں بند کرنیوالے پلانٹس	نہیں	۵	۵
ماہی گیری کی اسکولیں	نہیں	۹	۹
ماہی گیروں کی امدادِ باہمی سوسائیٹیاں :			
(الف) جملہ تعداد	نہیں	۴۶۵	۵۰۲
ممبران کی تعداد	نہیں	۷۹۱۴۹	۸۲۲۰۰
سمندری مچھلی اور مچھلیوں سے بنی ہوئی چیزوں کی برآمدات :		۱۹۷۴ء	۱۹۷۵ء
(i) تعداد	ایم ٹی	۱۱۰۸۰	۷۰۰۵
(ii) قیمت	کروڑ روپے	۱۱٫۳۰	۱۳٫۸۵
۱۹۷۶ء کے دوران برآمدات :			
(i) تعداد	۱۳۰۰۹	ایم ٹی	
(ii) قیمت	۲۷٫۷۹	کروڑ روپے	



امداد باہمی طریقہ پر مچھلیوں کو لانے لے جانے کا ٹرک کے ذریعہ بندوبست۔

میرین پراڈکٹس اکسپورٹ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے بموجب برآمدات کی مقدار میں جو کہ ۱۹۷۳ء میں ۶۴۸۰ء۱ کروڑ روپے مالیت کی ۷۸۹۰ ملین ٹن تھی وہ ۱۹۷۵ء میں بڑھ کر ۱۳۸٫۸۲ کروڑ روپے مالیت کی ۹۹۰ء۸ ملین ٹن ہوگئی۔ ۱۹۷۶ء میں تخمیناً برآمدات ۲۹ء۲۷ کروڑ روپیہ مالیت کی ۱۳۰۰۹ ملین ٹن تھی۔

اس کے علاوہ مچھلی سے تیار کردہ دیگر اشیاء بھی تجرباتی طور پر باہر بھیجی جارہی ہیں۔ تمام میرین پیداوار میں دس فیصد سالانہ اضافہ کا نشانہ آئندہ پانچ سال میں پورا کرنے کا مقصد ہے۔

مستقبل میں ان ساری اسکیموں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے اور بہتر کارکردگی کے ذریعہ بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

خانگی مچھلی گھر

مچھلیوں کو پالنا ایک بہت ہی محبوب مشغلہ ہے۔ یہ کام قطعاً مشکل نہیں ہے۔ بہرحال اس میں شروع شروع میں صرف ۶۰ روپیہ خرچ آتا ہے۔ اور خوراک اور دیکھ بھال پر بمشکل فی ماہ ۸ تا ۱۰ روپے خرچ آتا ہے۔

مچھلی پالنے کے لئے چھوٹی سی ٹنکی 12" × 24" کی ہوتی ہے۔ جس میں ۱۲ گیلن پانی اور ۲۴ زندہ مچھلیاں (ایک انچ یا سوا انچ) لمبائی کی رکھی جاسکتی ہیں۔ یہ ٹنکی ایسی جگہ رکھی جانی چاہیے جہاں دن کی کافی روشنی (براہ راست سورج کی کرنیں نہیں) پڑنی چاہیئے۔ یہ روشنی آٹھ گھنٹوں تک دن میں پڑتی رہنی چاہیئے۔

مچھلیوں کا یہ چھوٹا سا ٹینک ۴ فٹ اونچے اور مسطح اور مضبوط لکڑی کے اسٹینڈ پر رکھا جانا چاہیئے تاکہ مچھلیوں پر اچھی طرح نظر رکھی جاسکے۔ ٹینک کو صاف پانی سے دھونا چاہیئے۔ دھوتے وقت کسی بھی قسم کا صابن یا دوسرا دھونے کا پاؤڈر استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ صاف اور خشک کئے گئے بالو کو ٹینک کی سطح پر پھیلا دینا چاہیئے۔ اور ۲" کی تہہ پچھلی جانب اور ایک انچ کی تہہ سامنے کی جانب ہونی چاہیئے۔ اب ٹینک کو پانی سے بھر دینا چاہیئے اور صرف اوپری سطح آدھا انچ تک کھلی رکھنی چاہیئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ بالو کی تہہ پر کسی طرح کا اثر نہیں ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے بالو کی سطح پر ایک کاغذ پھیلا دینا چاہیئے اور پانی دھیرے دھیرے خارج کرنا چاہیئے۔ پانی میں کلورین نہیں ہونی چاہیئے۔ کلورین سے پاک رکھنے کے لئے پانی کو ۲۴ گھنٹوں تک جمع رکھے رہنا چاہیئے۔ پانی میں گھاس پوس جیسے والسنیریا، ہائیڈریلا، ہائیگروفیلا وغیرہ بالو میں اگائے جا سکتے ہیں۔ یہ تحلیل شدہ آکسیجن کا توازن پانی میں قائم رکھتے ہیں۔ اور یہ مچھلیوں کے لئے غذا کا کام بھی دیتے ہیں۔ یہ تمام اشیاء بہ آسانی کسی بھی مچھلی رکھنے والی دوکان سے مل سکتی ہیں۔

مچھلی رکھنے کے لئے اب ٹینک بالکل تیار ہو گیا۔ شروع شروع میں کچھ سخت جان مچھلیاں اس ٹینک میں رکھنی چاہیئے۔ عام طور پر شارک قسم کی مچھلی، گرامی، ٹیٹراس، سورڈ ٹیل، مولیس، گیمبیز وغیرہ مچھلیاں پالی جاتی ہیں۔

خوراک دینا

ٹینک میں رکھی ہوئی مچھلیوں کے لئے زندہ ٹیوبی فیکس، کیڑے، ڈفنیا، مچھر کے لاروے وغیرہ بہترین غذائیں ہیں۔ کیڑے مکوڑوں کو ٹینک میں ایک چھوٹے سے گلاس کی تھیلی میں رکھا جا سکتا ہے۔ خشک خوراک بھی بازار میں مختلف ناموں سے دستیاب ہے۔ اس بات کی احتیاط رکھنی چاہیئے کہ خوراک حد سے زیادہ نہ ہو۔ جو خوراک بچ گئی ہو اسے پانی سے نکال باہر کرنا چاہیئے تاکہ پانی خراب نہ ہونے پائے۔

پانی کی تبدیلی بھی بہت ضروری ہے۔ ٹینک میں پانی کی حرارت کو بجلی کے ذریعہ قائم رکھا جاتا ہے تاکہ آکسیجن تحلیل ہوجائے۔

صارفین کی رہنمائی

”اپنا بازار“ — سہکاری

خواب سچ ہوگیا

سُدیش بی۔ دیسائی

شری سُدیش بی۔ دیسائی۔ اسسٹنٹ ڈائرکٹر، کاٹن ٹیکسٹائل ایکسپورٹ پرُوموشن کونسل، مختلف نشریات اور عملی صحافت کا کافی تجربہ رکھتے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں، جب پہلی دفعہ آزادی کی شعاعیں اپنی تابناکی سے ملک کو منور کرنے لگیں تو ممبئی میں پریل کے قرب و جوار میں رہنے والے کچھ لوگوں نے ایک خواب دیکھا۔

اِن خواب دیکھنے والوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ اُن کا خواب حقیقت بن چکا ہے۔

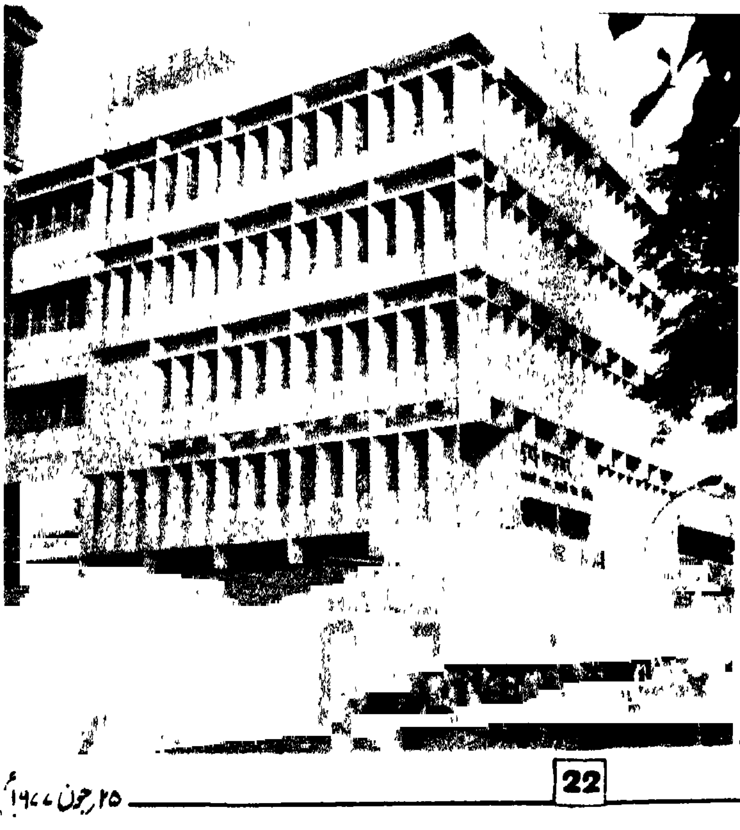
یہ کُل ۷۷ لوگ تھے جن میں دادا سرفرے سب سے پیش پیش تھے۔ انھوں نے آپس میں کُل ۵۰۰ روپے کی ناقابلِ رشک رقم جمع کی اور ایک کنزیومرز کوآپریٹو سوسائٹی قائم کی۔

یقیناً یہ ۷۷ رہنما کوئی شہر کے چیدہ لوگ نہیں تھے۔ یہ تمام لوگ ممبئی کی ٹیکسٹائل مِل کے مزدور تھے جن کا جمہوریت اور سوشلزم پر ناقابلِ تسخیر بھروسہ تھا۔ اُن کی اُفتاد طبیعت ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ سچے سوشلسٹ معلوم ہوتے تھے۔

چارلس ڈکنس کی لاثانی تحریر کے سے انداز میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ۴۸-۴۷ء سالوں میں سب سے اچھا سال اور سب سے بُرا سال تھا۔ ۴۸-۱۹۴۷ء سب سے اچھا سال اس لئے تھا کہ ہندوستان نے اسی سال برطانوی راج کا جُوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا تھا اور جمہوریت، سوشلزم اور مساوات کے نئے دَور میں قدم رکھا تھا۔ یہ تمام سالوں سے سب سے بُرا سال اس لئے تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کی متواتر بدبختیاں زندگی کے ہر شعبہ میں نمودار ہونا شروع ہوگئی تھیں۔

ایک انوکھے قحط سے واسطہ پڑا۔ تقریباً ہر کنزیومر آئیٹم کا دستیاب ہونا مشکل ہوگیا۔ راشن کی دوکانوں کے سامنے، گھاسلیٹ کے لئے، دودھ کے لئے اور یہاں تک کہ کپڑے کے لئے بھی لمبی لمبی قطاریں لگنا شروع ہوگئی تھیں۔

ان ہیبت ناک حقیقتوں کے درمیان گھِر لنے کے باوجود ان ۷۷ افراد نے بے خوف ہوکر ممبئی کے اس مزدور علاقے میں اپنے ساتھ



نائیگام میں 'اپنا بازار' عمارت

مزدوروں کی تکالیف کو دور کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے یہ بات سوچی کہ امداد باہمی کی ہی تحریک ان تکالیف کے لئے سدّباب بن سکتی ہے۔ اس لئے انھوں نے بنا وقت برباد کئے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ وہ ایک کنزیومر امدادِ باہمی کی سوسائٹی قائم کریں گے۔

آج جب ہم اس سوسائٹی کی کارگزاریوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ۷۷ افراد کتنے حقیقت پرست اور بے ریا کار لوگ تھے۔ آج کا "اپنا بازار" زندگی کے لئے ایک بہت بڑا نمونہ ہے۔ اس کی کامیابی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس کے لئے کتنی محنت، عرق ریزی اور بے لوث خدمت کی گئی ہے۔ پانچ ہزار روپے کی حقیر رقم سے شروع کی گئی یہ انجمن امداد باہمی کی کامیابی ۲۴ مختلف سوسائٹیوں کی صورت میں اب ۵ء۱۱ کروڑ روپے سے زائد سرمایہ کی حامل ہے۔ تقریباً ۱۵ سال تک اپنا کام انجام دینے کے بعد اس چھوٹی سی کنزیومرز کوآپریٹو سوسائٹی کو حکومت نے مرکزی ہول سیل سوسائٹی کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اب تمام چھوٹی چھوٹی سوسائٹیاں اس سوسائٹی سے منسلک ہیں جسے ممبئی کامگار سنٹرل ہول سیل کنزیومرز کوآپریٹو سوسائٹی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

"اپنا بازار" — نائیگام

۱۹۶۸ء میں، نائیگام میں انجمن امداد باہمی کا سب سے اعلیٰ ڈیپارٹمنٹ اسٹور۔ اپنا بازار — جہاں ٹافی سے لے کر ریفریجریٹر تک خریدا جا سکتا ہے، سوسائٹی نے کھولا۔ صرف ۹ سال کے عرصہ میں یہ اتنا مشہور اور مقبول عام بن گیا کہ ہندماتا ٹاکیز کے سامنے کے بس اسٹاپ کا نام ہی "اپنا بازار" اسٹاپ کہلانے لگا۔ فورٹ کے علاقے میں بھی 'اپنا بازار' کی ایک شاخ ہے۔

اس اسٹور میں بیچی جانیوالی مختلف اشیاء قابل بھروسہ ہوتی ہیں۔ اس میں موسمی پھلوں سے لے کر برآمد کردہ ٹیلیوژن سیٹ، ساڑیوں سے لیکر فرنیچر تک، اور خوشبودار روغنوں سے لے کر بجلی کے ساز و سامان تک کی اشیاء دستیاب ہو سکتی ہیں۔ گھڑیاں اور ریڈیو ماہر کاریگروں کے ذریعے درست بھی کئے جاتے ہیں۔

اس ڈیپارٹمنٹ اسٹور کے مختلف شعبے ہیں جیسے — کرانہ، ادویات، خوشبودار روغن، کپڑے، اسکولوں کی کتابیں وغیرہ۔

مستورات کو یہ اسٹور اتنا پیارا لگتا ہے کہ وہ دور دراز کے علاقوں سے آپس میں ٹیکسی کا کرایہ بانٹ کر ٹیکسیوں میں بیٹھ کر آتی ہیں۔ اور مناسب داموں میں قابل بھروسہ اور اچھی چیزیں خریدتی ہیں۔ انھیں معلوم ہے کہ اس جگہ کسی طرح کی دھوکہ دہی نہیں ہوتی اور یہاں چیزوں میں کسی طرح کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ ملک کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگ اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اس تین منزلہ شاندار اسٹور کو دیکھیں۔

کوئی باہر کا شخص "اپنا بازار" میں کوئی بھی اسٹال کرایہ پر نہیں لے سکتا۔ یہ "اپنا بازار" کی بنی بنائی پالیسی ہے کہ وہ اس میں تمام اسٹال خود چلائے اور کسی بیرونی ایجنسی کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ گرچہ اس طرح بہت زیادہ منافع حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن وہ لوگ جو "اپنا بازار" چلا رہے ہیں ان کا قطعی یہ مقصد نہیں کہ منافع بٹورا جائے۔

"اپنا بازار" کا ہول سیل شعبہ ۳۰

مشہور اداروں بشمول کچھ ملوں کے، اشیاء کی تقسیم کا کام انجام دے رہا ہے۔ اس ڈیپارٹمنٹ اسٹور کی سالانہ آمد و خرچ تین کروڑ روپے ہے۔ صارفین میں برتن کی خرید کے لئے "اپنا بازار" بونس اسکیم اور ماہانہ بچت اسکیم کافی مقبول ہے۔ تقریباً ۲۰,۰۰۰ افراد، دوسری اسکیم میں نائیگام اور فورٹ کے "اپنا بازار" کے ممبر ہیں۔

ادویات کا اسٹور

جب سوسائٹی کے وادر میں واقع دن رات چلنے والے ادویات کے اسٹور نے پرائیویٹ بیوپاریوں کی بہ نسبت کم قیمت میں دوائیوں کی فروخت شروع کی، تب ایک طرح کی ہاہا کار مچ گئی۔ اور یہ الزام تراشی شروع ہوئی کہ سوسائٹی میں فروخت ہونے والی ادویہ مشکوک ہیں اسی لئے وہ کم داموں میں فروخت کی جا رہی ہیں۔ لیکن جانچ پڑتال کے بعد یہ معلوم پڑا کہ سوسائٹی میں فروخت ہونیوالی ادویہ اصلی اور اچھی خاصیت کی ہیں۔ کم سے کم نفع اور زیادہ سے زیادہ فروخت کے اصول کو اپناتے ہوئے اسٹور صارفین کے فائدے کی خاطر کم سے کم قیمت میں دوائیاں فروخت کر رہا ہے۔

گرم مسالے کی فیکٹری

'اپنا بازار' اُدیوگ بھون، تلوجہ، پنویل تعلقہ، قلابہ ضلع میں سوسائٹی نے ایک فیکٹری قائم کی۔ اس کا افتتاح ۱۴ مئی ۱۹۷۵ء کو ایک مشہور اور قابلِ عزت لیڈر، شری ناناصاحب گورے کے ہاتھوں ہوا۔ صفائی اس مسالہ فیکٹری کی خصوصیت میں شامل ہے۔ یہاں مختلف قسم کے مسالے جات پیسے، ملائے اور بند کئے جاتے ہیں۔ مختلف قسم کے مزید اچار بھی بنائے جاتے ہیں۔ گھروں میں استعمال

کئے جانیوالے اور برآمد کرنے کے لئے عام کیری کے اچار کے علاوہ، لیمو، مرچ، کریلا وغیرہ کے اچار بھی بنائے جاتے ہیں۔

اس فیکٹری میں بنائے جانیوالے مسالے کی جو سہکاری مسالہ کے نام سے مشہور ہیں، امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان کو تیاری کے وقت پانچ بار جانچا جاتا ہے اور پھر اس پر "اگمارک" کا نشان لگایا جاتا ہے۔ ضمنی طور پر یہ بات کہنا مناسب ہے کہ سہکار مسالوں کو "اگمارک" کا رجسٹریشن سب سے پہلے مل گیا۔ ان مسالوں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پرائیویٹ دکانداروں نے بھی ان کی فروخت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش شروع کر دی ہے

اس فیکٹری کی تنصیب شدہ صلاحیت ۶۰۰۰ ٹن سالانہ ہے جس کی قیمت تقریباً ایک کروڑ روپیہ ہے۔ صفائی کے خیال سے خاص خاص مشینیں لگائی گئی ہیں تاکہ کام کرتے وقت ہاتھ کا استعمال کم سے کم ہو۔ سامانوں سے مزین ایک جدید جانچ کرنے والی لیبارٹری بھی قائم کی گئی ہے۔

سوسائٹی کے پاس بہت سے اسٹاکسٹ ہیں اور اس نے چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے بہت سی گاڑیوں کا انتظام کیا ہے۔

اشتہار بازی سے مارکیٹ میں مال کو زیادہ سے زیادہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے سہکار مسالوں کو اخباروں اور ریڈیو کے ذریعہ مشتہر کیا جاتا ہے۔ ۸۰۰ پرائیویٹ اور انجمن امداد باہمی کے ذریعہ ان مصنوعات کو بازار میں فروخت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔

دودھ کی تقسیم

اس ام البلاد کے شہریوں کو کافی مقدار میں دودھ حاصل کرنے میں جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ "اپنا بازار" اپنی بنیادی پالیسی کو اپناتے ہوئے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ سوسائٹی ہر صبح شہاپور تعلقہ دودھ اُتپادک سہکاری سنگھ کی طرف سے سپلائی کردہ دودھ کو فروخت کرتی ہے۔

دودھ کے مسئلے کو پوری طرح حل کرنے کے لئے سوسائٹی نے ایک اٹل ارادہ کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک قدم اُٹھایا ہے۔ اس نے ممبئی سے ۳۰۰ کلومیٹر دور، چالیس گاؤں میں دودھ کو سرد کرنے کا ایک پلانٹ قائم کیا ہے۔ یقیناً یہ ایک اہم قدم ہے۔ سوسائٹی خود کی ایک ڈیری قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

اسی طرح مسالہ جات، اچار اور ڈیری فیکٹری میں قدم رکھتے ہوئے سوسائٹی نے امداد باہمی تحریک میں اچھی خاصی تبدیلی



قلابہ ضلع میں پنویل تعلقہ کے تلوجہ مقام پر مسالہ فیکٹری میں صفائی اور اصلیت ہی اہمیت رکھتے ہیں۔ تصویر میں صاف ستھری پیکنگ کا کام جاری ہے۔

پیدا کر دی ہے۔ اب کنزیومر کوآپریٹیو سوسائٹیاں اپنے کاروبار کو صرف اناج کی فروخت تک ہی محدود نہیں رکھتیں۔

سوسائٹی کی جانب سے دادا سرفرے ہیلتھ کلینک بھی "اپنا بازار" کے احاطہ میں جاری ہے جہاں لوگوں کی خدمت کے لئے مشہور کارڈیالاجسٹ، دانت کے سرجن، پیڈیاٹریشین، ناک، کان اور گلے کے ماہر ڈاکٹر اور نسوانی امراض کے ماہرین اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ آنکھ کی جانچ مفت ہوتی ہے

صاحب فراست لوگوں کی خدمت

مزدوروں کی خدمت کی ان کوششوں میں سوسائٹی نے صاحب فراست لوگوں کو فراموش نہیں کیا۔ اس نے پچھلے سال سے کتابوں کی نمائش کا سلسلہ شروع کیا ہے جس میں کثیر تعداد میں لوگ آتے ہیں۔ بہت سے مشہور مصنفین اس نمائش کو دیکھنے آتے ہیں۔



سوسائٹی نے واداسرفرے لیکچروں کا سلسلہ بھی جاری کیا ہے۔ مختلف شعبوں کے ماہرین کو اپنی معلومات اُجاگر کرنے کے لئے لیکچر کے لئے بلوایا جاتا ہے۔

'اپنا بازار' میں ویٹر کا انتظار نہیں کیا جاتا بلکہ دُست خود دہان خود والا معاملہ ہے۔

اپنی منتخب اشیاء کی قیمت واپسی پر ادا کی جاتی ہے یہ طریقہ کار بہت سراہا جارہا ہے۔

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ "قومی راج" میں قارئین کی رائے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہوتے والے بہتر اور خیال انگیز خط پر پچیس روپے کا انعام دیا جائے گا۔

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون، افسانہ یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات آپ کو ناپسند ہیں۔

حکومت کی کسی بھی اسکیم پر آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں آپ کی کوئی تعمیری رائے ہو تو اس کا بھی اظہار کر سکتے ہیں۔

خطوط ۳۰۰ الفاظ سے زیادہ نہ ہوں اور سارے خطوط "ایڈیٹر 'قومی راج' ۱۵ معرلہ نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے پتہ پر بھیجے جائیں۔

قومی راج

میں شائع شدہ مواد حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم جس شمارے میں یہ مواد شائع ہو، اس کی ایک کاپی، چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے۔

ترسیلِ زر کا پتہ :

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز' ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔ منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

مہاراشٹر یشقدمی نے

نابینا افراد کیلئے ورکشاپ

— کماری اشوینی ٹیمبے —

ہر روز کئی سال سے میں اسی راستے سے آتی جاتی رہی ہوں اس کے باوجود مجھے اس بات کا اقرار ہے کہ میں نے نابینا افراد کے ورکشاپ کی جاذبیت رکھنے والی عمارت کو جب بھی دیکھا صرف سرسری نظر ہی سے دیکھا۔ اس وقت مجھے کبھی یہ خیال آیا ہی نہیں کہ معذوروں کی بہبود کے سلسلے میں عموماً اور نابیناؤں کے بارے میں خصوصاً کبھی میرے دل میں دلچسپی پیدا ہوسکتی ہے۔ ایک دفعہ چند سال پہلے بالکل اچانک کماری گائے تونڈے جو اس ورکشاپ میں ابتدا ہی سے کام کررہی تھیں ایک باہمی واقفکار کی معرفت ہم سے ملنے آئیں۔ کچھ ہی دنوں بعد میں اپنی والدہ کے ہمراہ اس ورکشاپ کو دیکھنے گئی۔

یہ کوئی سات سال پہلے کی بات ہے۔ تب سے اس ادارے کے ساتھ ہمارا تعلق گہرا ہوچکا ہے۔ کئی دفعہ میں نے اس ورکشاپ سے وابستہ اصحاب سے مختلف حیثیتوں سے بات چیت بھی کی۔

دراصل یہ بات چیت بالکل غیر رسمی تھی لیکن ان بحثوں اور گفتگوؤں سے بعض معاملات کے نقوش میرے ذہن میں واضح طور پر ابھر آئے۔ نابیناؤں کو واقعتاً کام کرتے دیکھ کر بعض شبہات جو میرے ذہن میں پیدا تھے، دور ہوگئے۔ اس سلسلے میں اس ادارے کے چھپے ہوئے کتابچے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سارے ایشیا میں اپنی نوعیت کا یہ اولین ادارہ ہے۔ تاہم اس بیان کی حقیقت مجھ پر بعد میں اس وقت ظاہر ہوئی جب میں نے پہلے پہل اس ادارے کا معائنہ کیا میرے ذہن کو سب سے زیادہ جھنجھوڑنیوالی بات یہ تھی کہ وہ لوگ جو نابینا تھے مشینیں چلارہے تھے۔ سلائی کی مشینیں، لیتھ مشینیں اور دوسری مشینیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ یہاں باہمی گفتگو کے انداز میں وہ باتیں پیش کردوں جو اکثر میرے ذہن میں آتی رہی ہیں:

س: ورکشاپ میں نابیناؤں کو کس قسم کی تعلیم یا ٹریننگ دیجاتی ہے؟

ج: یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو تعلیم اس ورکشاپ میں دیجاتی ہے وہ روایتی قسم کی تعلیم نہیں ہے بلکہ نابیناؤں کو مختلف قسم کے پیشوں کی تعلیم جیسے بڑھئی کے کام کی، ہلکے قسم کی انجینئرنگ، برش سازی، درزی گری، املاگیر آلہ کے ذریعہ املا نویسی، ٹائپ رائٹنگ اور ٹیلیفون آپریٹر کے کام سکھائے جاتے ہیں۔ ان کاموں کو سیکھنے کے بعد نابیناؤں کو آجکل کے تکنیکی ماحول میں خود کفیل ہونے میں مدد ملتی ہے۔



ورکشاپ میں ایک نابینا شخص سائیکل بیئرنگ میں مصروف ہے۔

س: جب میں نے ایک نابینا شخص کو خرادنے والی مشین پر کام کرتے ہوئے دیکھا تو دم بخود رہ گئی۔ لیکن نابینا شخص اپنا کام ویسی ہی آسانی سے کرتا رہا جو تجربہ کاری اور دل لگا کر کام کرنے کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

ج: یہ حقیقت اکثر نظر انداز کردی جاتی ہے لیکن یہ واقعہ اپنی جگہ سچ ہے کہ گھبراہٹ کے بغیر کام کرنے کی صلاحیت ہی ان



فن موسیقی میں مہارت حاصل کرنے کے لئے قائم کردہ کلاس کا ایک منظر

تربیت یافتہ نابیناؤں کا سب سے بڑا ہنر ہے۔ اس قسم کے کاروبار کرنے کرانے والے مالکان کو چاہیئے کہ وہ ان نابیناؤں کی مخفی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ کام میں لائیں اور بہترین فائدے حاصل کریں۔

س : ورکشاپ کا ہر شعبہ سچ مچ ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے، جو اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ نابینا ہونے کے کیا معنی ہیں اور کہ دل

ورکشاپ کا وجود کیونکر ہوا؟

نابینا لوگوں کا ورکشاپ نیشنل ایسوسی ایشن فار بلائنڈ کی طرف سے جاری کردہ ہے، اور یہ منتظمین کی ایک کمیٹی اور بورڈ آف ٹرسٹیز جس کے ڈائرکٹر لیفٹننٹ جی۔ ایل نرڈیکر ہیں، چلاتی ہے۔ آمدنی کے ذرائع یہ ہیں:

(۱) سماجی بہبود کے ڈائرکٹر کی طرف سے ایک لاکھ کی گرانٹ،
(۲) میونسپل کارپوریشن کی طرف سے ۱۰،۰۰۰ روپے کی ایڈہاک گرانٹ،
(۳) تقریباً ۶۰،۰۰۰ روپے کے تحفہ جات
(۴) صنعتی سیکشن کی طرف سے تقریباً ۲ لاکھ روپے کی آمدنی،
(۵) دوسرے ذرائع سے تقریباً ایک لاکھ روپے کی آمدنی،

فی الحال ورکشاپ میں ایک ہزار تربیت یافتگان ہیں۔ ان میں تربیت حاصل کرنیوالے افراد کے لئے ۸۵ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہے اور رہائش کی سہولت پانیوالے تربیت یافتگان کے لئے فی ماہ ۷۰ روپے کا وظیفہ۔

گھر کی سخت محنت کے بعد ان کے لئے دل بہلانے اور تفریحات کی کیا سہولتیں مہیا کی گئی ہیں؟

ج : ہمارے یہاں تفریح کے لئے ایک کمرہ ہے جہاں نابینا افراد شام کے وقت جمع ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے پسندیدہ پروگراموں کو اپنے خاص ٹی وی سیٹ پر "دیکھتے" (بلکہ سنتے ہیں) بعض دوسرے جنھیں موسیقی سے دلچسپی ہے اور آلات موسیقی سے کام لینا جانتے ہیں یا اچھا گا لیتے ہیں اپنے ساتھیوں کو اپنے گانوں سے یا آلاتِ موسیقی کے ذریعہ خوش کرتے ہیں۔ آپ کو یہ علم ہوگا کہ موسیقی آنکھ سے معذور افراد میں سے اکثروں کے لئے نہایت شوق کی چیز ہے۔ اسی لئے موسیقی سے ان کے لگاؤ کو معلوم کرنے کے واسطے ان کے تفریحی کمرے میں عام طور سے مقبول آلاتِ موسیقی، جیسے ستار، بانگو، ہارمونیم، طبلہ، وائلن چکارا (چار سے چھ تاروں والی سارنگی)، وغیرہ موجود ہوا کرتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً

مشہور فن کاروں کو ان نابیناؤں کی تفریح کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ اسی موقعہ کی مناسبت سے پروگرام بھی رکھے جاتے ہیں۔ ہر سطح پر اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان آنکھوں سے معذور افراد کو سوسائٹی کے وسیع تر دائرے کے ساتھ وابستہ رکھا جائے۔

س : نابیناؤں کی فلاح و بہبود سے متعلق ہونے کے ناطے آپ سوسائٹی کے دوسرے افراد کے لئے کیا پیغام دینا چاہتی ہیں، تاکہ ان معذوروں کا سماج کے تمام لوگوں کے ساتھ پورا میل جول ایک زندہ حقیقت بن جائے؟

ج : چونکہ ہمارا تعلق سماج کے وسیع تر دائرے سے ہے اس لئے ہمیں اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا اور اپنے عمل سے ثابت کرنا ہوگا کہ ہم ان معذور افراد سے کسی بھی طرح برتر نہیں ہیں۔ ورنہ ان کے ساتھ رحمدلی اور ہمدردی

کیا آپ کو معلوم ہے؟

ہندوستان میں بصارت کو نقصان پہنچانے والے اور اندھاپن پیدا کرنے والے خاص خاص مرض یہ ہیں:
موتیا بند (۵۵٪) حشر (آنکھ کی بیماری جس میں پپوٹے پر دانے نکل آتے ہیں) ۵٪، آنکھوں کی خرابی (۱۵٪) چیچک (۳٪) غذائیت کی کمی (۲٪) زخم (۱ء۲۵٪) بھینگاپن (۰ء۲۵٪) گلاکوما GLAUCOMA (آنکھ کی بیماری جس میں پتلی پھیل جاتی ہے اور نظر رفتہ رفتہ جاتی رہتی ہے) (۰ء۵٪) اور دوسری (۱۸٪)

۲۔ اس بات کا تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ۴۵ ملین لوگ بصارت کی نقصان دہ بیماری میں ۹ ملین لوگ اندھے پن میں مبتلا ہیں۔
۹ ملین اندھے لوگوں میں سے ۵ ملین کو جراحی کے بعد اچھا کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا بھی تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ۱ء۲ ملین لوگوں کو ہر سال خارجی طور پر چشم کی سرجری کے آپریشن کی ضرورت ہے لیکن صرف ۵ لاکھ افراد کے لئے ہی سہولتیں ہیں۔

۳۔ یہ بھی تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ۱۹۹۵ء کے اختتام تک ۸۵ ملین لوگوں میں سے صرف ۲ ملین لوگوں کو ہی جراحی کی ضرورت پیش آئے گی۔

کے اظہار کے لئے ہماری تمام کوششیں اور جذبات نہ صرف رائیگاں جائینگی بلکہ کسی حد تک ہتک آمیز بھی ہونگی اگر وہ سماج میں ہماری ہی طرح حسب معمول زندگی بسر نہیں کرتے ہیں تو اس کے لئے ہم ہی قابل ملامت ہیں۔ انھیں سوسائٹی میں جائز مقام دلانے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے اور یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ان معذوروں کو ان کی اپنی قابلیت کے لحاظ سے کاروبار میں مشغول رہنے کے مواقع ملیں تاکہ دیگر افراد کی طرح وہ بھی خود اپنی روزی حاصل کر سکیں۔ سماجی حیثیت سے ہمیں چاہئے کہ انھیں معمول کے مطابق مقام دیں اور یہ سمجھیں کہ سوائے آنکھوں سے معذور ہونے کے ان نابینا مردوں اور عورتوں میں اور کوئی نقص نہیں ہے۔

س: آپ کے ادارہ کا دو طرفہ مقصد ہے۔ یعنی معاشی اور سماجی سہولتیں — نفسیاً یہ ایک بہت ہی بڑی مہم ہے، لیکن یہ مہم تن تنہا انجام دینا کسی بھی ادارہ کے لئے بہت مشکل کام ہے۔ میں نے جو کچھ بھی اس ادارہ میں دیکھا ہے اس لحاظ سے میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس ادارہ کی جو بھی کوششیں ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔ اب مجھے بتلائیے کہ آپ اپنا کام کیونکر آگے بڑھاتے ہیں؟

ج: ہم بہت سے کارخانوں سے معاہدہ کرتے ہیں اور ان کے کام کو مطلوبہ وقت میں پورا کرتے ہیں۔ لگاتار کام حاصل کرنے کے لئے، کام کو اچھی طرح انجام دیا جاتا ہے ورنہ یہ بہت ممکن ہے کہ اگر سامان رد ہوتا رہا تو مستقبل میں ملنے والے آرڈر بھی رد ہی ہونے جائیں گے۔

س: ایک ادارہ کی حیثیت سے آپ کے ادارہ کو سب سے زیادہ ضرورت کس بات کی ہے؟

ج: ان سہولتوں سے اگر زیادہ سے زیادہ نابینا افراد فائدہ اٹھاتے رہے تو یہ بہت ممکن ہے کہ بہت ہی تیزی کے ساتھ نابینا افراد کارخانوں میں لگ جائیں گے۔ اس مرحلے پر ہم کو عوام سے پورے پورے تعاون کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں کسی بھی مالک کے لئے نابینا افراد اور بینا افراد میں کسی بھی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھنا چاہئے اس لئے اب بہت سے لگان معذور لوگوں کی معذوری کو نہ دیکھتے ہوئے، نابیناؤں کے مخلص پن اور محنت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ ایسے مخلص لوگوں کی تعداد بڑھنی چاہئے۔

میں نے کچھ نابینا تربیت یافتگان سے بات چیت بھی کی۔ ان میں بھی کچھ خواہشات اور آگے بڑھنے کی امنگیں ہیں۔ غالباً سب سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں پیروں پر خود ہی کھڑے ہونا چاہتے ہیں۔ اس ضرورت کے پیش نظر مسٹری لکشمن پاٹل جو کہ ورکشاپ کے ایک پرانے ساتھی ہیں اور جو کہ ایک ماہر بید بننے والے ہیں اس بات کے خواہش مند ہیں کہ وہ اپنے ملازمین میں ۲ نابینا افراد کو کام پر رکھیں۔ بد قسمتی سے وہ ایسا اس لئے نہیں کر پا رہے ہیں کہ ان کے پاس اچھی رہائش کی جگہ کی کمی ہے۔

میں دوسرے افراد سے بھی جو کہ اچھی طرح مطمئن نہیں ہیں، ورکشاپ دیکھنے کا مشورہ دیتی ہوں۔ ڈائرکٹر سے ٹیلیفون نمبر ۴۵۴۲۲۷۸ پر وقت لیکر ورکشاپ دیکھا جا سکتا ہے۔

جب میں ورکشاپ سے باہر آئی تو مجھے ہیلن کیلر کا یہ لاثانی بیان یاد آیا۔ "بنا بصارت کے کام کرنا عرق ریزی ہے، بنا کام کے بصارت صرف خواب ہے اور بصارت کے ساتھ کام کرنا قابل قبول ہے"

آئیے، ہم اس بات کو دہرالیں کہ معذور افراد کو کام کرنے کا پورا پورا حق ہے۔ ●●

اپنا قانون جانیئے

قانونِ حصولی زمین ۱۸۹۴ء
ریاست مہاراشٹر میں اُس کا استعمال

I قانونِ حصولی زمین ۱۸۹۴ء کی وسعت و حدود

قانونِ تحصیل زمین ۱۸۹۴ء مرکزی حکومت کا بنایا ہوا قانون ہے جس کا نفاذ دیگر ریاستوں کی طرح پوری ریاستِ مہاراشٹر میں بھی ہے۔ البتہ اس میں ریاستی حکومت نے حالات کی مناسبت سے وقتاً فوقتاً بعض ترمیمات کی ہیں۔ اس قانون کے تحت عوامی مقاصد کے لئے و نیز کمپنیوں کے لئے زمین حاصل کی جاتی ہے اور معاوضہ کے طور پر دی جانیوالی رقم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

II مختلف طریقۂ کار

(الف) قانون تحصیل زمین کے حصّہ دوئم کی مطابقت میں مرکزی حکومت، ریاستی حکومت، لوکل باڈیز، حکومت وغیرہ کی مملوکہ یا مقبوضہ کارپوریشنز عوامی مقاصد کے لئے زمین کی تحصیل کرتی ہیں۔

(ب) قانونِ تحصیل زمین کے حصّہ ہفتم کی دفعات کے مطابق اور زمین حصولی (کمپنیوں) کے رُولز (۱۹۶۳ء کے تحت تحصیل زمین ایکٹ کے دفعہ ۳ (ی) میں واضح کئے گئے طریقوں کے مطابق کمپنیوں کے لئے زمین کی حصولی کی جاتی ہے۔ سیکریٹری، حکومتِ مہاراشٹر، محکمۂ مال اور جنگلات کی چیئرمین شپ کے تحت مقرر کردہ مشاورانی کمیٹی کا تقرر اس رولز کے تحت کیا جاتا ہے تاکہ وہ کمپنیوں کے لئے زمین کی تحصیل کے معاملات پر حکومت کو مشورہ دے۔

III کن مقاصد کے لئے زمین حاصل کی جاتی ہے

(الف) تحصیلِ زمین ایکٹ کے تحت کسی بھی عوامی مقصد کے لئے زمین اپنائی جا سکتی ہے۔ عوامی مقصد کی تعریف کو زیادہ واضح کرنا مشکل ہے اس لئے کہ اس اصطلاح میں وقت اور موجودہ حالات کے لحاظ سے تبدیلی آ سکتی ہے۔ تاہم اس اصطلاح کا اطلاق پوری قوم کے عوامی مفاد پر براہ راست ہوتا ہے۔

(ب) قانون کی دفعہ ۳ (ی) میں دی گئی کمپنی کی تعریف کے بموجب کمپنیوں اور سوسائیٹیوں کے لئے زمین قانون کے حصۂ ہفتم کے تحت حاصل کی جا سکتی ہے بشرطیکہ :

(i) زمین حاصل کرنے کا مقصد کمپنی کے ملازمین کے لئے رہائشی مکانات بنانا ہو۔

(ii) اس طرح کی حصولی کسی بلڈنگ کی تعمیر یا کمپنی کے کسی کام کے لئے ہو جو عوامی مقصد کا حامل ہو۔

(iii) اس طرح کی حصولی کسی کامل عوامی فائدے کے لئے ہو۔

IV جگہ حاصل کرنے کا انتخاب

یہ بات قابل ذکر ہے کہ زمین کی حصولی کی کارروائیاں سوائے ان حالتوں میں جب کہ محکمۂ مال خود حصولی باڈی کی طرح کام انجام دیتا ہے، محکمۂ مال کا رول صرف ایک ایجنٹ کی سی حیثیت سے ہوتا ہے جو حصولی باڈی اور متذکرہ مالکان کے درمیان قانون کے خاکے میں رہ کر انجام دیتا ہے۔ اس لحاظ سے زمین کی حصولی کا کام حصولی باڈی ہی انجام دیتی ہے۔

V زمین کی حصولی کا مختصراً طریقۂ کار

(الف) تجاویز: عوامی مقاصد کے لئے جو زمین، تحصیل زمین ایکٹ کے حصۂ دوئم کے تحت حاصل کرنا ہو تو حاصل کرنیوالی باڈی یعنی محکمہ یا لوکل باڈی کو چاہئے کہ وہ متعلقہ کلکٹر کو زمین کی مکمل معلومات جیسے سروے نمبر، حصہ نمبر، رقبہ وغیرہ سے آگاہ کر دے۔

کسی کمپنی یا سوسائٹی کے لئے زمین کی حصولی کے واسطے محکمہ مال اور جنگلات کو تجاویز پیش کرنا چاہئے جو ان تجاویز کو متعلقہ ضلع کے کلکٹر کو تحصیل زمین (کمپنیز) رولز ۱۹۶۳ء میں رکھی گئی گنجائش کے تحت جانچ پڑتال کے لئے بھیجتا ہے۔

نوٹس کا اجراء

زمین کی مناسبت معلوم ہو جانے کے بعد قانون کی دفعہ ۴ کے تحت ایک ابتدائی نوٹس جاری کی جاتی ہے کہ زمین اس خاص عوامی مقصد کے لئے ضروری ہے۔

(i) اگر زمین مرکزی حکومت کے مقاصد کے لئے ضروری ہوتی ہے تو نوٹس کا اجراء، سوائے بمبئی شہر کے، جس ڈویژن میں زمین واقع ہوتی ہے اس کا کمشنر نوٹس جاری کرتا ہے۔

(ii) اگر ریاستی حکومت، لوکل باڈیز، کارپوریشن وغیرہ کو عوامی مقاصد کے لئے زمین کی ضرورت ہوتی ہے تو متعلقہ زمین حصولی آفیسر

کی طرف سے نوٹس جاری کی جاتی ہے بشرطیکہ زمین شہر بمبئی میں نہ ہو۔

(iii) کسی کمپنی یا سوسائٹی کے لئے زمین کی حصولی کے لئے نوٹس کا اجراء، تحصیل زمین کمیٹی سے مشورے پر جو کہ تحصیل زمین (کمپنیز) رولز ۱۹۶۳ء کی جانب سے مقرر کی جاتی ہے، حکومت کی طرف سے ہوتا ہے۔

قانون کے تحت اس طرح کی تمام نوٹسیں، حکومت کے گزٹ یا لوک راجیہ یا مقامی اخبارات میں چھاپی جانی چاہیئے۔ دفعہ ۴ کے تحت جاری کی گئی نوٹسوں کے بعد تمام زمینی لین دین غیر قانونی ہو جاتی ہے۔

(ج) اعتراضات کی سماعت

تحصیل زمین کے بارے میں نوٹس کے اجراء کے بعد متعلقہ شخص تحصیل زمین آفیسر کے پاس ۳۰ دن کے اندر اپنے اعتراضات لکھ کر پیش کر سکتا ہے۔

(د) شالوں کے دفعہ ۶ کے تحت آخری نوٹس کا اجراء

حکومت یا ڈویژن کا کمشنر دفعہ ۵ (الف) کے تحت رپورٹ پر غور کرنے کے بعد اس بات سے مطمئن ہو جاتا ہے کہ کوئی زمین عوامی مقصد کے لئے یا کمپنی کے لئے ضروری ہے تو دفعہ ۶ کے تحت نوٹس کا اجراء کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں زمین عوامی مقصد یا کمپنی کے لئے ضروری ہے۔ قانون کے دفعہ ۴ کے تحت نوٹس کی اشاعت کے تین سال کے بعد دفعہ ۶ کے تحت ایک آخری نوٹس جاری کی جاتی ہے۔

(ہ) معاوضہ کا دعویٰ

اس کے بعد تحصیل زمین کا آفیسر عوام کی آگاہی کے لئے ایک نوٹس تحصیل زمین کے لئے حکومت کے منشاء کو جاننے کے بعد جاری کرتا ہے اور متعلقہ شخص کو معاوضہ کا دعویٰ کرنے کی آگاہی دیتا ہے

معاوضہ کی رقم ان بنیادوں پر متعین کی جاتی ہے:

(الف) دفعہ ۴ کے ذیلی دفعہ (۱) کے تحت جاری کردہ نوٹس کی تاریخ اشاعت کے وقت زمین کی بازاری قیمت۔

(ب) کلکٹر کی جانب سے زمین پر قبضہ کرتے وقت کھڑی فصلوں یا موجودہ درختوں کی وجہ سے اگر متعلقہ شخص کو کوئی نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہو۔

(ج) کلکٹر کی جانب سے زمین پر قبضہ کرتے وقت متعلقہ شخص کی زمین کی کاٹ چھانٹ کی وجہ سے کوئی نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہو۔

(د) کلکٹر کی جانب سے زمین پر قبضہ کرتے وقت متعلقہ شخص کی کسی دوسری منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کو کسی بھی طرح سے یا آمدنی کے لحاظ سے کوئی نقصان ہوا ہو۔

(ہ) اگر اس طرح کلکٹر کی جانب سے زمین کی حصولی کی وجہ سے متعلقہ شخص اپنی رہائش یا کاروبار کی جگہ کو منتقل کرنے پر مجبور ہو گیا ہو۔

(و) کلکٹر کی جانب سے زمین پر قبضہ کرنے اور دفعہ ۶ کے تحت شائع کردہ ڈیکلریشن کے دوران اگر کسی قسم کے نفع میں تخفیف ہو گئی ہو اور اس طرح نقصان برداشت کرنا پڑا ہو۔

اگرچہ تحصیل زمین کا قانون کوئی ضبطی قانون نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے بلاشک و شبہ متعلقہ شخص کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن ان تمام پریشانیوں اور تکلیفوں و نقصانات کو مدِ نظر رکھ کر ہی معاوضہ ادا کیا جاتا ہے، لیکن بہت سے ایسے بھی جذباتی نقصانات ہیں جن کو ادا کرنا محال ہے اس لئے کہ بازار میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی۔ اس حقیقت کی بنا پر ۱۵ ٪ بازاری قیمت کا ردِ تلافی بھی دیا جاتا ہے۔

معاوضہ کے تعین کے وقت ان وجوہات کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا:

(الف) حصولی کے لئے اشد ضرورت

(ب) زمین اپناتے وقت متعلقہ شخص کا عدم میلان

(ج) اگر کسی پرائیویٹ شخص کی وجہ سے کوئی نقصان برداشت کرنا پڑا ہو، جس کی وجہ سے کیس کی نوبت پیش آجائے۔

(د) دفعہ ۶ کے تحت ڈیکلریشن شائع کرنے کی تاریخ کے بعد اگر اپنائی ہوئی زمین کو کوئی نقصان پہنچا ہو۔

(ہ) تحصیل زمین کی قیمت میں بعد ازاں کسی قسم کا اضافہ

(و) متعلقہ شخص کی تحصیل زمین کے علاوہ کسی دوسری زمین کی قیمت میں اضافہ۔

(ز) تحصیلِ زمین میں کسی طرح کی سدھار وغیرہ

فیصلہ کا اعلان: جانچ پڑتال کے بعد تحصیل زمین کا آفیسر فیصلہ کا ڈرافٹ تیار کرتا ہے اور اُسے بااختیار عہدیدار سے منظور کروا لینے کے بعد مقررہ دن اعلان کرتا ہے۔ جس کے تحت (i) زمین کا صحیح رقبہ (ii) معاوضہ (iii) تمام متعلقہ اشخاص میں معاوضہ کی تقسیم

اس طرح کا فیصلہ آخری فیصلہ مانا جاتا ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی یا کمی کو تحصیل زمین آفیسر خود یا فیصلہ کے چھ ماہ کی مدت میں درخواست دینے پر درست کر سکتا ہے

(د) حکومت کو حوالہ : قانون کے دفعہ ۸ کے تحت حوالہ :
اگر کسی شخص کو اس طرح دیئے گئے فیصلہ سے اطمینان نہ ہو تو وہ تحصیل زمین آفیسر کو ایک درخواست دیکر معاملات کو کورٹ کی طرف رجوع کر سکتا ہے، بشرطیکہ ایسی درخواست چھ ماہ کے اندر اندر ہی کی جانی چاہیئے۔

معاوضہ کی ادائیگی : قانون کے دفعہ ۱۱ کے تحت دیئے گئے فیصلے کے بعد تحصیل زمین آفیسر کو چاہیئے کہ وہ معاوضہ ادا کرے بشرطیکہ

(ا) متعلقہ شخص اس معاوضہ کو لینے پر رضامند نہ ہو

(ii) وہاں کوئی دوسرا شخص نہ ہو جو زمین کی منتقلی کا اختیار رکھتا ہو۔

(iii) جگہ کی ملکیت کے بارے میں کسی قسم کا تنازعہ ہو۔ ایسی حالت میں کلکٹر رقم کو کورٹ میں جمع کر دیتا ہے۔

قبضہ لینا : (I) تحصیل زمین آفیسر دفعہ ۱۷ کے تحت یا دفعہ ۱۶ کے تحت فیصلہ کے اعلان کے بعد تحصیل زمین قانون کے تحت زمین اپنے قبضہ میں لے سکتا ہے۔

(II) **سود کی ادائیگی :** تحصیل زمین قانون کے تحت اگر زمین پر قبضہ کرنے سے پہلے معاوضہ کی رقم کی ادائیگی نہیں کی جاتی یا اسے جمع نہیں کرایا جاتا تو قبضہ لینے کی تاریخ اور رقم کی ادائیگی کی مدت کا ۴ فیصد شرح سے سود دینا پڑتا ہے۔

(ح) قبضہ کرنے کا اختیار

اگر تحصیل زمین آفیسر کو قبضہ کرنے میں کسی قسم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو کمشنر آف پولس یا مجسٹریٹ کی مدد سے زمین پر قابض ہو سکتا ہے۔

(ط) حصولی سے دستبرداری

جب تک زمین کا قبضہ تحصیل زمین قانون کے تحت نہیں لیا جاتا، حکومت یا ڈیویژن کا کمشنر اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ زمین کی حصولی سے دستبردار ہو جائے۔

(ك) اسٹیمپ ڈیوٹی اور فیس سے چھوٹ

قانون کے تحت فیصلہ یا معاہدہ پر کسی قسم کی اسٹیمپ ڈیوٹی نہیں لگتی۔ اسی طرح کسی بھی شخص سے کاپی کی فیس نہیں لی جاتی۔

(VI) ذاتی بات چیت کے ذریعہ قبضہ

تحصیل زمین قانون کے تحت دفعہ ۱۷ یا فیصلے کے ڈیکلریشن کے بعد ہی زمین کی حصولی ہو سکتی ہے۔ زمین حصولی قانون میں قبضہ ذاتی بات چیت کے ذریعے عمل میں نہیں آتا۔

(VII) پیشگی معاوضہ کی ادائیگی

فیصلے کے اعلان کے بعد ہی تحصیل زمین قانون کے ذریعے معاوضہ کی ادائیگی عمل میں آتی ہے، تاہم متاثر ہونے والے اشخاص کی تکالیف کے سدباب کے لیئے حکومت نے انتظامی احکامات جاری کر دیئے ہیں کہ خاص خاص حالات میں پیشگی معاوضہ دیا جانا چاہیئے۔ درحقیقت حکومت کا منشا یہی ہے کہ حصولی کی کارروائیاں بہت تیز رفتاری سے عمل میں لائی جانی چاہئیں تاکہ معاوضہ کی آخری رقم متعلقہ شخص سے ادا کی جا سکے۔ ●●

(بقایا سرورق صفحہ ۲ سے آگے)

اور اضلاع میں ضلع کے اسپتال کے سول سرجن کو۔

آگزیلیری نرسنگ اور مڈوائفری کورس کے لیئے ۱۲۵ روپے ماہانہ وظیفہ پہلے سال اور ۱۳۵ روپیہ ماہانہ دوسرے سال دیا جاتا ہے۔ جنرل نرسنگ کورس کے لیئے پہلے سال، دوسرے سال اور تیسرے سال بالترتیب ۱۳۲٫۵۰ روپے، ۱۴۲٫۵۰ روپے اور ۱۵۲٫۵۰ روپے وظیفہ دیئے جاتے ہیں۔ ●●

قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں، تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے، لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافہ کے خیال سے ''سوال و جواب'' کا خصوصی صفحہ ہر شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کیئے جائیں گے۔ آپ اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرما سکتے ہیں: ایڈیٹر 'قومی راج' (پندرہ روزہ) ۱۵۔ واں منزلہ نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۔ ۳۲ ۔ ۴۰۰۰۰

کیمرہ کی آنکھ سے



۲۸ مئی کو راجہ شیواجی کالج، ممبئی میں مراٹھی پترکار پریشد کے ۲۴ ویں سیشن میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل تقریر کر رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، شری جے سنگھ راؤ بھوسلے کو جو کولہاپور کے ایک صحافی ہیں اور جنہوں نے نوسندلیش اور لوک سماچار اخبارات میں کام بھی کیا تھا، ۲۱،۰۰۰ روپے کا چیک دے رہے ہیں۔ شری بھوسلے قبل از وقت نابینا ہو گئے۔ ۲۲ مئی کو کولہاپور میں منعقدہ تقریب میں وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے وزیر اعلیٰ امدادی فنڈ سے ۴۰۰۰ روپے کا عطیہ دینے کا اعلان بھی کیا اور ضلع پترکار سنگھ کو ایک صحافی کی مدد کیلئے اس طرح قدم اٹھانے کو بہت سراہا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری رتن اپا کمبھار، وزیر برائے شہری ترقیات اور شری یو۔ این ۔ گائیکواڑ، وزیر مملکت برائے صنعت دیکھے جا سکتے ہیں۔

۲۷ مئی کو وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے آنجہانی وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو کی برسی پران کی شبیہہ کو منترالیہ میں پھولوں کا ہار پہنایا۔





۲۲ مئی کو ۸۲ سالہ ضعیف مشہور سماجی کارکن اور فریڈم فائٹر شری مادھوراؤ باگل کو کولہاپور میں وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے "دلت متر" سند پیش کی۔ یہ ۸۲ سالہ لیڈر دلت متر کی نشاط انگیز تقریب میں پچھلے مارچ میں جوناگپور میں منعقد ہوئی تھی ناسازئ طبیعت کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ مسٹری پاٹل نے شری باگل کو اُن کی رہائش گاہ پر ایک "شال" اور "شری پھال" بھی پیش کیا شری رتن اپا کمبھار وزیر برائے شہری ترقیات اور شری یو۔این۔ بجائیکواڑ وزیر برائے صنعت بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۲۷ مئی کو وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل یوتھ فریٹرنٹی کے لیڈر شپ ٹریننگ کیمپ کا بمبئی میں چراغ روشن کر کے افتتاح کیا۔
شری ایم۔ ڈی۔ چودھری وزیر برائے مال شری وجے مرچنٹ اور شری کانتی شاہ، چیئرمین آف دی یوتھ فریٹرنٹی بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

۲۲ مئی کو وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے باجی پربھو دیشپانڈے کے پتلے کی پنہالہ، کولہاپور ضلع میں نقاب کشائی کی۔



پبلک ورکس منسٹر شری ایس۔ اے سولنکے نے ۲۳ مئی کو بیک بے ریکلے میشن میں مجوزہ ودھان بھون کی جگہ کا معائنہ کیا۔







۱۷ مئی کو شری وسنت راؤ ہوشنگ وزیر برائے ہاؤسنگ نے "پشپا سدن" کا افتتاح کیا مہاراشٹر بلڈنگس اور ریپئر بورڈ نے پرانی ستار چال کو مرمت کرنے کے بعد یہ نیا نام دیا ہے۔

ریاستی خبریں

شہری زمین (حد بندی اور ضابطہ) ایکٹ ۱۹۷۶ء کے تحت استثنا سے متعلق پالیسی

ریاستی حکومت اس بات سے واقف ہے کہ شہری زمین (حد بندی اور ضابطہ) ایکٹ ۱۹۷۶ء کو زیرِ عمل لانے کی وجہ سے صنعت کاروں، کاشت کاروں، آرکیٹیکٹوں، معماروں، انجینئروں اور عام لوگوں کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان تکالیف کے سدِ باب کے لئے، استثنا سے متعلق مندرجہ ذیل پالیسی فیصلے کئے گئے ہیں۔

صنعتوں کو مستثنا رکھنا

یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ صنعتی کارخانوں کو مندرجہ ذیل حالات میں مستثنا رکھا جائے۔

(الف) بمبئی شہری ایگلومیریشن میں نصف ایکڑ تک۔

(ب) پونے شہری ایگلومیریشن میں ایک ایکڑ تک۔

(ج) باقی ماندہ شہری ایگلومیریشن میں دو ایکڑ تک۔

مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے علاقوں میں اس طرح کے استثنا چیف ایگزیکیوٹیو آفیسر، مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کی جانب سے دئے جاتے ہیں جبکہ غیر مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے علاقوں میں صنعتی کمشنر کی طرف سے جاری کئے جاتے ہیں۔

صنعتی اداروں کے استثنا پر غور کرتے وقت اُن کے ۱۵ سالوں کے دوران وسعت کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔ ۱۵ سالوں کے دوران وسعت کو مدِ نظر رکھنے کے باوجود بھی اگر کچھ زمین فاضل رہ جاتی ہے تو اسے خالی زمین کی حیثیت سے تحصیل میں لے لیا جائے گا۔

اگر کوئی صنعتی ادارہ، ادارہ کو بشمول زمین کے منتقل کر دینا چاہتا ہو تو اُسے اس طرح کی منتقلی کرنے کی اجازت ہوگی۔ مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے علاقوں میں اس طرح کی منتقلی مہاراشٹر صنعتی ترقی کارپوریشن کے نظم و ضوابط کے تحت انجام پائیں گی۔

تمام استثنا کے معاملات، مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے علاقوں میں مہاراشٹر ترقیاتی کارپوریشن کے فیصلے پر ہوں گے اور چیف ایگزیکیوٹیو آفیسر مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن ضروری احکامات جاری کرے گا۔ غیر مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے علاقوں کے استثنا والے معاملات صنعتی کمشنر کے ذریعہ جانچ پڑتال میں لائے جائیں گے۔

تعمیری سرگرمیوں کو بڑھانے کیلئے استثنا سے متعلق پالیسی

اس بات کا فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ خالی پڑی ہوئی زمینوں کو عوامی مقاصد کے لئے سوسائٹی کے کمزور طبقات کو گھر تعمیر کرنے کے لئے دے دئے جائیں لیکن خالی زمین کی ریاستی حکومت کو ضرورت پڑتی ہے تو دفعہ ۲۰ کے تحت دئے گئے استثنا کا عمل عوامی مقاصد کے لئے اور کمزور طبقات کے لئے گھروں کی تعمیر کے لئے نہ ہوگا۔

(الف) حکومت کی ضروریات کے لئے

(ب) بمبئی مضافات میں ریپیئر اور دوبارہ تعمیر کرنے والے بورڈ کی ضروریات

(ج) ہاؤسنگ بورڈ یا ترقیاتی اتھارٹی کے علاقوں کی ضروریات۔

(د) پسماندہ طبقات کے لئے ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی ضرورت۔

(ھ) فریڈم فائٹرز کیلئے کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی ضرورت۔

(و) دیگر کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹیاں۔

وہ تمام رجسٹرڈ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹیاں جنہوں نے ۲۸ رجنوری ۱۹۷۶ء سے قبل خریدی کے لئے معاہدہ کر لیا ہے اور چیک کے ذریعے رقم کی ادائیگی بھی کر دی ہے تو ان کو انتقالِ جائداد مکمل کرنے کی اجازت ہوگی اور جنرل ایڈمنسٹریشن محکمہ ضروری استثنا بھی دے گا۔

الیف۔ ایس۔ آئی ضابطے کے تحت وہ زمینیں جو کہ بلڈنگوں کے اطراف واقع ہوتی ہیں تو انہیں جنرل ایڈمنسٹریشن محکمہ کی جانب سے اربن ترقیاتی قوانین اور ترقیاتی کنٹرول رولز وغیرہ سے استثنا ہوں گے اور والیسی زمینوں کو بلڈنگ کے ساتھ منتقل کر دینے کی اجازت ہوگی

زرعی زمینوں کو استثنا

اس بات پر غور کیا جا رہا ہے کہ زرعی زمینوں کو جو شہری ایگلومیریشن کے تحت آتی ہیں مستثنا رکھا جائے اس طرح سے استثنا پر یہ شرط ہے کہ ایسی زمینیں صرف زرعی مقاصد کے لئے ہی استعمال میں لائی جائیں گی (کھیت میں گھروں کی تعمیر کی اجازت ہوگی) اگر ایسی زمینیں منتقل بھی ہو گئیں تو ان کو منتقلی کے بعد بھی زرعی مقاصد کے لئے ہی استعمال کرنا پڑے گا۔

گوداوری گارمینٹس

کمزور طبقات کی حاجت مند خواتین کو روزگار مہیا کرنے اور انہیں اپنی گھریلو آمدنی میں اضافہ کرنے میں مدد کی خاطر مراٹھواڑہ ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے اپنے ماتحت کمپنی کے ذریعہ خاص طور پر تیار پوشاک کا منصوبہ شروع کیا ہے۔

منصوبہ کے تحت تقریباً ۵۰۰ خواتین کو پانچ مراکز پر روزگار ملے گا۔

اب تک تین مراکز ناندیڑ، لاتور اور اورنگ آباد میں شروع کئے گئے ہیں۔ اس منصوبہ کے تحت تیار کردہ پوشاک "گوداوری گارمینٹس" کے نام سے تیار اور فروخت ہونا شروع ہو چکی ہے مقامی بازاروں میں ان پوشاکوں کی اچھی مانگ ہے کارخانہ کے لئے ایک پلاٹ کوآپریٹیو انڈسٹریل اسٹیٹ ناندیڑ میں حاصل کیا گیا۔

سستی چٹنی اور جوار کی روٹی مریضوں کے رشتہ داروں کے لئے

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے سول اسپتال سانگلی میں مریضوں کے رشتہ داروں کے فائدے کے لئے جنتا کلیان ٹرسٹ کی جانب سے شروع کئے گئے "سستے لنچ سنٹر" کا افتتاح کیا۔ انہوں نے اس موقع پر "چٹنی جوار کی روٹی" کچھ لوگوں میں تقسیم کی۔ اس طرح کی ایک پلیٹ کی قیمت ۲۰ پیسے ہوتی ہے۔

ٹرسٹ کو فی ماہ ۱۰۰۰ روپیوں کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن مخیر حضرات اس کام میں مدد کرتے رہتے ہیں۔

کولہاپور میں مشین ٹولز فیکٹری

۲۳ مئی ۱۹۷۷ء کو پنجاب نیشنل بنک کی مہاراشٹر میں ۱۷ ویں شاخ کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر مملکت برائے صنعت، شری یو۔ این کاٹیکواڑ نے کہا کہ مشینوں کے اوزار اور گھڑیوں کی فیکٹری جلد ہی کولہاپور میں کھولی جائے گی اس کے علاوہ کولہاپور کی ریا ۸ فیکٹریوں میں ریلوے کے اسپیر پارٹس بھی بنائے جائیں گے۔

'پالیموڈ' طریقہ کا استیصال

۱۹۷۷-۷۸ء کے سالانہ بجٹ میں ۶۳ لاکھ روپے کی گنجائش 'پالیموڈ' طریقہ کے استیصال کے لئے رکھی گئی ہے جو موسم باراں کے دوران اور اس سے پہلے ادیباسی کسان اپنی روزمرّہ کی ضرورت کے لئے ناجائز اور بے ایمان ساہوکاروں سے روپے اور اشیاء بطور قرض لیتے ہیں اور فصل کٹنے کے بعد قرض مع ۲۰۰ سے ۳۰۰ فی صد سود ادا کرتے ہیں۔ بالآخر ان کے لئے مفلسی کے بُرے چکر میں سے باہر نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ تھانے۔ ناشک قبائلی پٹّی میں اس طریقہ کار کو 'پالیموڈ' کہا جاتا ہے اور دوسرے ضلع میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس اسکیم کے تحت ایک خاندان کو دو قسطوں میں ۲۵۰ روپے قرض دیا جاتا ہے پہلی قسط مئی کے آخر میں اور دوسری قسط ۱۵ راگست تک ہر سال دی جاتی ہے۔ اس قرض کی رقم میں سے ۷۵ فی صد اشیاء کی شکل میں اور بقایا نقد دیا جاتا ہے۔ یہ ایک مختصر مدّتی قرض ہے جو مالی سال کے اختتام سے پہلے ایک قسط میں نقد وصول کیا جاتا ہے۔ اس قرض پر سالانہ شرح سود ساڑھے سات فی صد ہوتا ہے۔

یہ اسکیم تھانے۔ قلابے۔ ناشک۔ دُھلے۔ پونے۔ احمد نگر۔ ناندیڑ۔ امراوتی۔ ایوت محل۔ ناگپور۔ بھنڈارہ۔ چندرپور اور وردھا ضلعوں میں زیر عمل ہے۔

ویت نام سے وطن واپس آنے والوں کی امداد

حکومت مہاراشٹر نے ویت نام سے وطن واپس آنے والے ہندوستانیوں کی بحالی کے لئے ایک امدادی اسکیم کا اعلان کیا ہے۔

جو لوگ کھیتی باڑی کے علاوہ تجارت شروع کرنا چاہتے ہوں ان کو ۲۰۰ سے ۵۰۰۰ روپے تک کے قرضے دیئے جائیں گے۔

شہری علاقوں میں ۱۰۰۰ روپے اور دیہی علاقوں میں ۲۰۰ روپے دُکان کی تعمیر کے لئے مزید قرض دیا جائے گا۔ اسی طرح ۴۰۰۰ اور ۳۰۰۰ روپے حسب ترتیب مکان کے لئے قرض دیا جائے گا۔ امداد ان وطن واپس آنے والوں کو دی جائے گی جنہوں نے اپنے ساتھ فی خاندان ۱۰۰۰۰ روپے سے زیادہ کی جائداد نہ لائی ہو۔ فی شخص ۳۰ روپے کے حساب سے نقد امداد تین مہینوں کے لئے دی جائے گی ایک خاندان کو ۴۵۰ روپے سے زیادہ نہیں دیئے جائیں گے۔ اسکول۔ کالج اور ہُنر کے لئے کتابیں بھی دی جائیں گی وطن واپس آنے والوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ضلع کلکٹر سے ملیں اور اس کی معرفت سیکریٹری۔ ریونیو اینڈ فاریسٹس ڈیپارٹمنٹ حکومت مہاراشٹر۔ منترالیہ بمبئی ۳۲ کو درخواست بھیجیں۔

پانچ لاکھ کنوئیں کی ضرورت۔ ریاستی جائزہ

گراؤنڈ واٹر سروے اینڈ ڈیولپمنٹ ایجنسی کے ابتدائی تخمینہ کے حساب سے ریاست میں مزید پانچ لاکھ سینچائی کنوؤں کی ضرورت ہے۔

ان تخمینوں پر تعمیل کرنے اور زیر زمین پانی کی مزید دریافت کے لئے تفصیلی تحقیق کی جا رہی ہے۔ اس مقصد کے لئے ریاست کو ۱۴۰۷ پن دھارا میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۷۶-۱۹۷۷ء کے دوران ستمبر کے آخر تک ۵۹۲۷۶۵ مربع کلومیٹر علاقہ کا نقشہ تیار کیا جائے گا اور اسکیموں کے تحت ۵۰۰۰ کنوؤں کی جانچ کی جائے گی۔ اس کام کے لئے ۳۰ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے

بورویلز کے ذریعہ زیر زمین پانی کو ترقی دینے کے لئے ایجنسی کے پاس ۴۰ تیز رفتار ڈرلنگ رِگز ہیں جن میں سے ۱۷ رِگز (UNICEF) نے بطور قرض دئے ہیں۔

بنکروں کے لئے مکانات

مراٹھواڑہ ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ۱۲۶۶ کروڑ میٹر کپڑا فروخت کر کے ۵۲ء۶ کروڑ روپے کمائے۔ یہ کپڑا بنکروں نے یکجا کردہ پاور لومز منصوبہ کے تحت اپریل ۷۶ء سے فروری ۱۹۷۷ء ۸ مہینے کے دوران تیار کیا تھا۔

یہ منصوبہ ۴۸ پاور لوم انڈسٹریز کوآپریٹیو سوسائٹی پر مشتمل ہے جس میں ۲۳۰۴ پاور لومز مراٹھواڑہ کے ۹ مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں اور جس کا مرکزی یونٹ ناندیڑ میں ہے۔

اس منصوبہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ کوآپریٹیو سوسائٹیز کے تمام ۱۱۰۲ بنکر ممبر خاندانوں کو رہائشی مکان، نئے پاور لومز کے سائبان کے متصل ہی مہیّا کئے گئے ہیں پاور لومز سوسائٹی کی ممبرشپ بڑھانے کے لئے کوشش جاری ہے تاکہ دن رات مسلسل پالی چلتی رہے اور ان کو معقول رقم جاری رکھنے کے لئے فراہم کی جا سکے۔ پورا منصوبہ ۲۰ء۲ کروڑ روپے کی لاگت سے تیار کیا گیا ہے اور ۳۰۳ء۱ کروڑ روپے کا باقی سرمایہ دیگر مالیاتی ادارے اور قومیائی بنکوں سے حاصل کئے گئے۔

۱۹۷۹ء تک نیا کونسل ھال

بمبئی میں مجوزہ نئے کونسل ہال کی تعمیر کا کام نومبر ۱۹۷۹ء تک مکمل ہونے کا امکان ہے، منصوبے کی لاگت تقریباً ۴ کروڑ روپے ہے،

جنوری ۱۹۷۷ء تک اس منصوبے پر ۱۴۱۶۸۰ لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔

بیک بے ریکلامیشن اسکیم کے علاقے میں اس کی تعمیر ہو رہی ہے۔ کونسل ہال کی عمارت ۵ منزلہ گول دائرے کی شکل میں اور ایک ۲۱ منزلہ بلند عمارت پر مشتمل ہوگی۔

دیہاتوں کے لئے زیادہ شکر

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ جن دیہاتوں کی آبادی پانچ ہزار سے کم ہے ان میں ماہ جون کے لئے شکر کا کوٹہ فی بالغ ۳۰۰ گرام سے بڑھا کر ۴۰۰ گرام کر دیا جائے۔ کوٹہ اس لئے بڑھا دیا گیا ہے کیونکہ تھوک بیوپاریوں کے پاس کنٹرولڈ شکر کا کافی اسٹاک ہے۔

سنترہ پر پائیلٹ جائزہ

اس سال ناگپور اور امراوتی اضلاع میں سنترہ کی فصل پر پائیلیٹ جائزہ شروع کیا جائے گا تاکہ پیداوار کی لاگت اور سنترہ کی فروخت کی مارکیٹنگ کے حالات معلوم کئے جاسکیں۔ اس کام کے لئے موجودہ سال کے دوران ۱٫۵۹ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

انڈین کاؤنسل آف اگریکلچرل ریسرچ نے اس جائزہ کی تجویز رکھی ہے۔

اسکیم کا ۷۵ فی صدی خرچ کاؤنسل برداشت کرے گی اور بقایا ۲۵ فی صد ریاستی حکومت برداشت کرے گی۔

کھیت مزدوروں کو باعمل بنایئے، شری ورتک کا اعلان

"ڈیولپمنٹ آف پیپرنٹس آرگنائزیشن اِن انڈیا" پر سہ روزہ سیمینار کا ۲۴ مئی کو افتتاح کرتے ہوئے جو کہ سینٹر فار اگرین ریسرچ، ٹریننگ اینڈ ایجوکیشن، نئی دہلی اور ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشیل سائینس، بمبئی کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا شری ایچ. جی ورتک وزیر برائے زراعت نے کہا کہ کھیت مزدوروں کو پیداواری محنت سے متعلق کوششوں سے واقف کرانے اور باعمل بنانے میں سرکاری کوششوں کو رضاکار اداروں کی جانب سے کافی مدد ملنی چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ کھیت مزدور بھی معاشی ترقی کے کام میں شرکت کریں۔

شری جے پرکاش نارائن نے سیمینار کی مکمل کامیابی کے لئے پیغام بھیجا ہے۔

دیہی مزدوروں کی حالت سدھارنے کے لئے جو مختلف اقدامات کئے گئے جن میں روزگار ضمانت اسکیم شامل ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے شری ورتک نے کہا کہ جہالت، لاعلمی اور تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے کھیت مزدوران مواقع کا مناسب فائدہ نہیں اٹھاپاتے۔

یہ سیمینار ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران کئے گئے سالوں کے اداروں کے جائزوں کے نتائج اور بعد کے کاموں پر غور کرے گی۔ یہ مطالعے سات ریاستوں مثلاً آندھرا پردیش، بہار، کیرالا، مہاراشٹر، پنجاب، تامل ناڈو اور مغربی بنگال سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے حساب سے شری ورتک نے کہا کہ زراعتی مزدور کل آبادی کا ۳۲ فی صد حصہ ہیں۔ صرف ۱۵ء۳ کروڑ زراعتی مزدور دیہاتی اداروں کے ممبر ہیں۔ اس سیمینار میں شری وی. ایس. پاگے، چیئرمین، مہاراشٹر لیجسلیٹو کاؤنسل اور دیگر اداروں کے نمائندوں اور عہدیداروں نے شرکت کی۔

قبائلی علاقوں میں راستوں کی ترقی

۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران ۵۱۷۶۶ ۵ لاکھ روپے قبائلی علاقہ سب۔ پلان کے تحت خرچ کئے جائیں گے۔ یہ اسکیم قبائلی علاقوں راستوں کی ترقی کے کام کو متصل غیر قبائلی علاقوں کے برابر لانے کے لئے ہے۔ ریاست میں ۱۳ اضلاع کے قبائلی علاقوں کے راستوں کے کام کے لئے ایک ماسٹر پلان بھی تیار کیا گیا ہے۔ قبائلی علاقہ کے ضلعی سطح کے راستوں کے لئے ۲۳۶٫۸۰ لاکھ روپے کے علاوہ مزید ۱۲۶ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ قبائلی علاقوں میں ریاستی سطح کی اسکیموں کے تحت ریاست کے شاہراہوں کے ۲۰ نئے کاموں پر کئے جانے والے خرچ کو بڑھا دیا گیا ہے۔

فلم سٹی اسٹوڈیو کامپلیکس

حکومت مہاراشٹر کے زیر تحت تیار کردہ فلم سٹی اسٹوڈیوز، بمبئی کے دونوں فلورز نیز دیگر محکمہ جات کی عمارتیں استعمال کے لئے تیار ہوجائیں گی۔ پروڈیوسران کو شوٹنگ کے لئے اسٹوڈیوز اور ضروری آلات فوری طور پر اس وقت سے فراہم کیا جانا شروع ہوجائے گا جیسے ہی ضروری ٹیکنیکل اسٹاف کی تقرری عمل میں آجائے گی۔ اسٹاف کا انتخاب اور تقرری جاری ہے۔

دیگر کام جیسے لوکیشن کی جگہیں، شجر کاری وغیرہ اس ۳۵۰ ایکڑ کے فلم سٹی علاقے میں تیزی سے ہو رہی ہے۔

بڑے بڑے فلم ساز جن کو پلاٹ الاٹ کئے گئے ہیں اُن کو اُن کے پلاٹس کا قبضہ جلد سے جلد دیا جائے گا کیونکہ حکومت نے شہری اراضی حد بندی ایکٹ کے تحت فلم سٹی کے ان الاٹیوں کو ۵۰۰ مربع میٹر کی قطعہ اراضی کی حد سے چھوٹ دینا منظور کرلیا ہے۔

قومی شاہراہوں کے لئے ۱۱ لاکھ روپے

۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران مہاراشٹر میں قومی شاہراہوں کے لئے ۱۰۱٫۰۶ لاکھ روپے خرچ کرنے کی تجویز ہے۔ بمبئی۔ کوکن۔ گوا روڈ قومی شاہراہ نمبر ۱۷ کے سدھار کے کاموں کے لئے مرکزی حکومت نے ۲۵۰ لاکھ روپے منظور کئے ہیں اور کام جاری ہے۔ اسی طرح بمبئی آگرہ روڈ پر دوسرا راستہ (ڈائیورژن) تھانے اور بھیونڈی کے باہر مع پلوں کے جو کلوا اور کاشیلی کریکس پر ہیں اور ضلع جلگاؤں کے قریب دھلے۔ ناگپور سیکشن پر گرنا ندی پر برج ان سب کا کام بھی جاری ہے۔

مہاراشٹر میں کل ۹ قومی شاہراہیں ہیں جن کی جملہ لمبائی ۲۰۸۶۵ کلومیٹرس ہے۔

یوتھ فورم

'قومی راج' کے یکم مئی کے شمارے سے ہم نے 'یوتھ فورم' کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوگا۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی و معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جائے گی۔ قومی پروگراموں میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی کی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جائے گا۔ اپنے مضامین، ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ مالا، بالمقابل منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کو بھیجے جاسکتے ہیں۔



ملک میں مہاراشٹر مچھلیاں پیدا کرنیوالی ایک اعلیٰ و ارفع ریاست ہے۔ ۱۹۷۶ء میں ۴ لاکھ ٹن سے بھی زیادہ مچھلیاں پیدا کرنے کا تخمینہ لگایا گیا تھا۔ گذشتہ ۲۰ سالوں میں مچھلیاں پکڑنے کا پروگرام ۲½ گنا زیادہ ہوگیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ریاستی حکومت نے بڑے پیمانے پر دوطرفہ ماہی گیری پروگرام کو بڑھایا ہے یعنی ریاست نے جدید سائنسی طریقے اپنائے ہیں اور مچھیروں کی قسمت کو سدھارنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔





Qaumi Raj Regd. No. MH-BY-South-544

Licence No. 89 for without prepayment of postage

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔



قومی راج

سنت گاڈگے مہاراج
صد سالہ
یوم ولادت نمبر

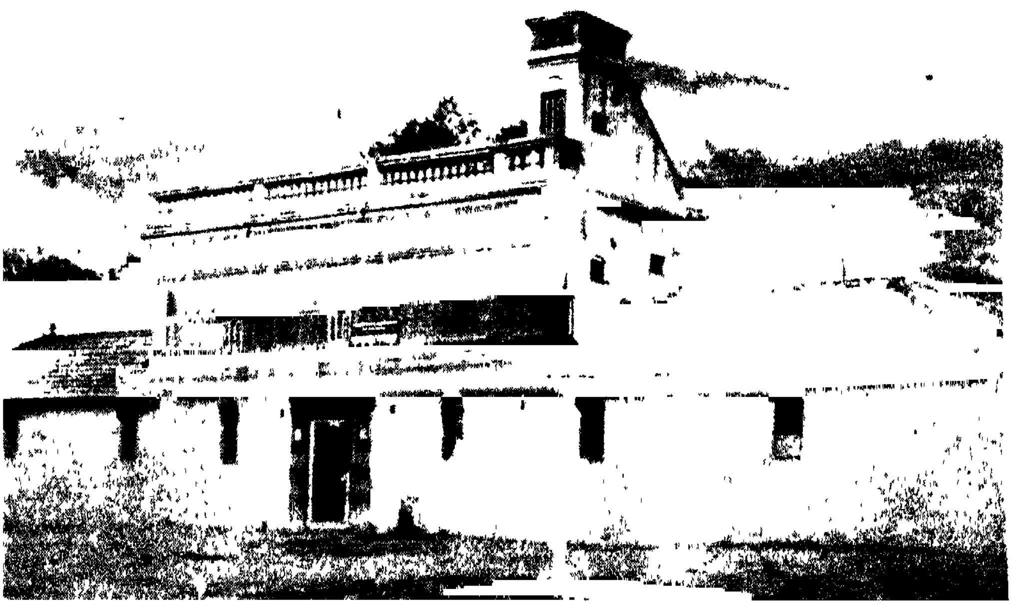
قیمت : ۵۰ پیسے

۱۰ جولائی ۱۹۷۷ء



شری گاڈگے بابا بمبئی کی گورے
گاؤں لین کے راستے کی صفائی کرتے
ہوئے (۱۹۵۶ء)

اچھوتوں اور پسماندہ طبقات
کے افراد کے لئے تعمیر کی گئی پنڈھرپور
کی دھرمشالہ شری بابا نے یہ دھرمشالہ
۱۹۱۷ء میں تعمیر کروائی تھی۔



قومی راج

جلد ۱۴ : ۱۰؍ جولائی ۱۹۷۷ء : شمارہ ۱۲

ہر ماہ کی ۱۰؍ اور ۲۵؍ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے * فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامی

عبداللہ عبدالخالق

سخنہائے گفتنی

یکم مئی ۱۹۷۷ء [illegible] قومی راج، کو زیادہ سے زیادہ مفید اور معلوماتی بنانے کے خیال سے [illegible] نیا رنگ دیا [illegible] گوشۂ خواتین، یوتھ فورم، کامیابی کی کہانی، مہاراشٹر کی بیش [illegible] ہمارے اضلاع ہمارے تصبات، اضلاع کی جھلکیاں، اپ [illegible] [illegible]ین کی رہنمائی، اور سوال و جواب جیسے عنوانات کے تحت ایسے معلوماتی، [illegible] اور مفید مضامین کی اشاعت ہو رہی ہے جو اپنی نوعیت اور انفرادیت کے لحاظ سے اہم مقام رکھتے ہیں۔

مسرت کی بات ہے کہ ان مضامین کے بارے میں ہمیں بے شمار خطوط موصول ہو رہے ہیں (جن میں سے چند "قارئین کی رائے" میں آپ نے ملاحظہ فرمائے ہوں گے) اکثر قارئین نے ہمارے نئے اقدام کو بے حد سراہتے ہوئے اور 'قومی راج' کی خدمات کو قابل قدر قرار دیتے ہوئے اس کو جاری رکھنے کی فرمائش کی ہے۔ اکثر نے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے مواد شامل نہ ہونے کی شکایت کی ہے۔

ہم قارئین کے بے حد شکر گذار ہیں کہ وہ اپنی رائے کا اظہار فرما کر ہماری ہمت افزائی کرتے رہے ہیں اور یقین ہے آئندہ بھی اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہیں گے' تاکہ اُن کی روشنی میں ہم اپنے اگلے منصوبوں پر عمل کر سکیں۔

سنت گاڈگے مہاراج کے صد سالہ یوم ولادت کے موقع پر اس شمارے میں خصوصی مضامین کے ذریعے ہم مہاراشٹر کے عظیم سماج سدھار انقلابی سنت کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کا پیغامِ محبت بھی شامل کر رہے ہیں جو ساری انسانی برادری کے لئے مشعلِ راہ ہے، یقین ہے کہ گذشتہ شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی آپکو پسند آئے گا۔

قارئین کی رائے

دیہی زندگی کو اُجاگر کیجیئے

میں یکم جون کے شمارے میں رادھا کرشنن کا مضمون "بھوسری انڈسٹریل ایسٹیٹ نوجوانوں کی ملکیت" پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ آپ کو اس قسم کے مضامین دوسری صنعتی ایسٹیٹ پر بھی لکھنا چاہیئے۔ رنگین تصاویر بہت دلکش تھیں۔

آپ کو دیہی زندگی پر چھوٹی چھوٹی کہانیاں شائع کرنے پر بھی غور و خوض کرنا چاہیئے میں گاؤں کی زندگی کے بارے میں اور زیادہ تصویریں دیکھنے کا متمنی ہوں۔

بھنٹ سنگھ ویلے، پونے

مہاراشٹر کا نقشہ اُبھر رہا ہے

ریاست بھر میں شائع ہونے والے تمام جریدوں میں سے "قومی راج" ہی ایک تنہا ایسا جریدہ ہے جو مہاراشٹر کے نقشے کو اور اس کی سماجی، ثقافتی تقاضوں کو اُبھار کر پیش کر رہا ہے۔ میں نے آپ کے نکالے گیا "نیشنو نمبر" کو ایک "پوتھی" کی طرح محفوظ کر لیا ہے اور اس کو روزانہ پڑھتا ہوں۔

پرکاش بھگوت، امرکھیڑ

رہنمائی

ہم جون کے شمارے میں جے۔ جی کرندیکر کا مضمون "اپنا قانون جانئے" واقعی بہت بصیرت افروز ہے۔ اس مضمون کے ذریعے عام آدمی بھی زرعی زمین خرید نے کے بارے میں اچھی خاصی معلومات پا سکتا ہے۔ آپ کو قانون کے ماہرین کو اسی قسم کے معلوماتی مضامین لکھنے کی دعوت دینا چاہیئے تاکہ عام آدمی بھی ہر قانون کو اچھی طرح جان سکے۔

آر۔ جے۔ سامنت، بمبئی

جہالت کے دُور ہو رہی ہے

"ڈاکٹر ناڈکرنی" کے مضمون "کینسر" کو اگر غایت نظر سے دیکھا جائے تو قارئین کے لئے بہت ہی عمدہ مضمون ہے۔ اس سے قارئین نے اس خوفناک مرض کے بارے میں اچھی معلومات حاصل کرلی ہیں۔ آپ "حفظانِ صحت" کے کالم میں اس قسم کے مضامین شائع کرکے واقعی سماج کی ایک بہت اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس سے عوام میں بعض مختلف مرضوں کے بارے میں پھیلی ہوئی جہالت دُور ہو جائے گی۔

اروند مادھوکر ٹھلور۔ حنوگڑلے واڑی ستارا ضلع

چھوت چھات۔ مخالف مضامین

آپ کو ریاستی حکومت کی طرف سے جاری کردہ چھوت چھات۔ مخالف تحریک کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کرنا چاہیئے۔

گجانن گلاب راؤ بھنکر، مورمبا، اکولہ ضلع

یہ مضامین بھی شامل کیجیئے

اور بھی بہت سے مضامین ہیں جن کو آپ اپنے جریدے میں خاص اہمیت دے سکتے ہیں وہ یہ ہیں: رضاکارانہ خون کا عطیہ، آنکھوں کا عطیہ، حکومت کی طرف سے جسمانی طور پر معذور افراد کی بازآبادکاری پر کارروائیاں، بھیک مانگنا اور بیروزگاری، اور حکومت ان سے کس طرح نمٹ سکتی ہے؟

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں دیہی لوگوں میں پھیلی ہوئی بدگمانی اور خوف کو دُور کرنے کے لئے آپ کو گاؤں میں خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانے والوں کے انٹرویو شائع کرنا چاہیئے۔

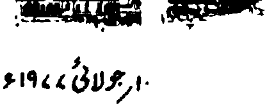
شیش راؤ لنگڑے، لمبے
پربھنی ضلع

محض سرکاری گزٹ ہی نہیں

"قومی راج" اردو کا محض سرکاری گزٹ ہی نہیں ایک ادبی مجلّہ بھی ہے۔ ریاست مہاراشٹر کی تازہ ترین پالیسیوں اور ترقیاتی منصوبوں، قانونی پیچیدگیوں کی تشریحات جو کہ ایک اہم اور ضروری چیز تھی جس کی تشریح اور تقسیم نہ ہونے سے نظام حکومت میں خلل اور تعطل پیدا ہونے کا خدشہ ہوسکتا ہے۔ ایسے اہم کام کی پوری پوری جانکاری اور معلومات اردو دان طبقے کے لئے جو ضروری بھی تھا ہمیں صرف "قومی راج" کے ذریعے ہوتی ہے جو کہ پندرہ دن کے وقفے سے شائع ہوتا ہے اور حالیہ ایڈمنسٹریشن کی فعال و قابلِ قدر کارکردگی کا نتیجہ سمجھی جائے گی۔

دیہی زندگی کے سدھار کے لئے موجودہ حکومت کی پالیسیاں اور ترقیاتی منصوبے سے متعلق قائم کردہ کمیٹیوں کا قیام ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے جو پسماندہ طبقات کی سماجی حالت اور گاؤں کی ترقی کے لئے نئے قرضہ جات کی تفصیلی رپورٹ اور نئے فلاحی منصوبوں میں مسلسل اضافے کی معلومات یقیناً انتظامِ حکومت کو سمجھنے میں سہولت اور آسانی پیدا کرتا ہے۔

ایم۔ اے۔ کبیر۔ مالیگاؤں



• شریپاد جوشی
شری رگھوونش،
ڈاکٹر کیتکر روڈ، پونے ۴۱

سنت گاڈگے مہاراج کی بے لوث خدمت



مہاراشٹر کے زمانۂ حال کے ایک اعلیٰ درجہ کے ولی سنت گاڈگے مہاراج کی پیدائش کی صد سالہ تقریبات اس سال منائی جارہی ہیں چنانچہ یہ موزوں ہی ہوگا اگر ہم ان کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کریں۔

غریب کی جھونپڑی کا چراغ

سنت گاڈگے مہاراج کی پیدائش ودراڑ (برار) کے ایک دیہات شین گاؤں میں ۱۸۷۶ء میں ہوئی تھی۔ اُن کے والد کا نام جھنگراجی تھا اور والدہ کا سکھو بائی۔ وہ ذات سے دھوبی تھے۔ دھوبی عام طور پر پچھڑی ہوئی جماعتوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ شہروں کے دھوبی ویسے اچھے کھاتے پیتے ہوتے ہیں مگر گاؤں میں ان کی حالت پسماندہ ہی ہوتی ہے۔ چونکہ وہ دنیا بھر کی غلاظت کو دھو ڈالتے ہیں اس لئے دراصل ان کو سماج میں اونچا درجہ مل جانا چاہئے مگر بدقسمتی سے ہندو دھرم میں صفائی کا کام کرنے والی سبھی ذاتیں حقیر ہی سمجھی جاتی رہی ہیں۔ خیر ایسی ذاتوں میں بھی اچھے اچھے ولی اور سنت پیدا ہوئے ہیں اور انھوں نے لوگوں کو صحیح راہ دکھائی ہے۔ اس لئے اونچی ذاتوں میں بھی اُن کی بڑی عزت ہوتی رہی ہے۔ سنت گاڈگے مہاراج بھی ایسے سنتوں میں سے ایک تھے۔ ان کا اصلی نام ڈیبوجی تھا ایک غریب کی جھونپڑی کا یہ چراغ آگے چل کر سموچے مہاراشٹر میں علم کی روشنی پھیلانے والا منور ستارہ ثابت ہوا۔

بچپن سے غریبوں کی خدمت کا شوق

۱۸۸۴ء میں جب ڈیبوجی صرف آٹھ سال کے تھے تب اُن کے والد جھنگراجی خدا کو پیارے ہو گئے۔ گھر میں اتنی مفلسی تھی کہ ڈیبوجی کی والدہ سکھو بائی کو اپنے لڑکے کو لیکر اپنے میکے جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ ڈیبوجی نے اپنے ننہال ہی میں پرورش پائی۔ بچپن میں چرواہے کا کام کرتے تھے۔ اس زمانے میں غریبوں کے بچوں کی تعلیم کا گویا کسی کو خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اس لئے ڈیبوجی کی پڑھائی بالکل نہیں ہوئی مگر سماج میں پھیلی بُرائیوں کا احساس اس چھوٹی عمر میں بھی ڈیبوجی میں بڑے پیمانے پر موجود تھا۔ وہ ہم عمر بچوں کو جمع کر کے انھیں بھجن سُناتے تھے۔ انھوں نے بھجن گانے والے لڑکوں کی جماعتیں بھی بنائیں۔ انھیں مراٹھی میں بھجنی منڈل کہتے ہیں۔ ذات پات کے تفرقہ سے انھیں سخت نفرت تھی۔ وہ اپنی جماعت میں اچھوتوں کو بھی شامل کر لیتے تھے بھوکوں کو کھانا کھلانا ان کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔ ان کا یہ مشغلہ آخری دم تک قائم رہا۔ انھوں نے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو کھانا کھلایا اور غریبوں کی دعا حاصل کی۔

گھر چھوڑ کر نکل پڑے

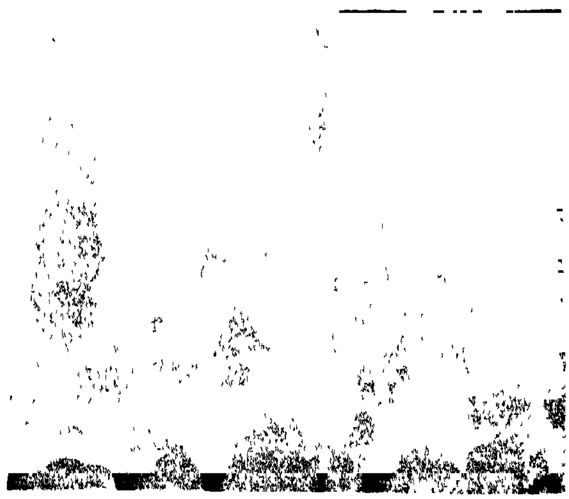
تقریباً ۳۰ سال تک ڈیبوجی گھر گرہستی یا دنیاداری میں لگے رہے

۱۸۹۲ء میں اُن کی شادی ہوئی۔ ان کے ایک لڑکی بھی ہوئی، جی جان سے کھیتی کر کے انھوں نے ساہوکار کے قبضہ سے اپنے ننہال کی زمین چھڑالی۔ مالی حالت اب اچھی ہوگئی تھی، مگر ڈیبوجی کا دل دنیاداری میں نہیں لگا۔ ایک روز وہ گھر چھوڑ کر نکل پڑے۔ عوام کے درد و غم نے انھیں بیقرار بنا دیا تھا۔ اُن کے دُکھ درد کو دُور کرنے کی دُھن اُن پر سوار ہوگئی۔ وہ اس بات کی تلاش کرنے لگے کہ آخر یہ رنج و غم کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اس سے نجات پانے کی تدبیر کیا ہے؟

۱۹۰۵ء سے لیکر ۱۹۱۷ء تک یعنی تقریباً بارہ سال تک ڈیبوجی گاؤں گاؤں الکھ جگاتے ہوئے گھومتے رہے۔ وہ اپنے پاس صرف ایک مٹکی یعنی مٹی کی ہنڈیا رکھتے تھے اور جو بھی رُوکھا سُوکھا مِل جاتا اسی میں لیکر وہ کھاتے تھے۔ اس ہنڈیا کو مراٹھی میں گاڈگے کہتے ہیں اسی لئے ڈیبوجی آگے چل کر گاڈگے مہاراج کہلائے۔ گاڈگے مہاراج اپنے بدن پر ایک گدڑی اوڑھے رہتے تھے۔ گدڑی کو مراٹھی میں گودھڑی کہتے ہیں، اس لئے گاڈگے مہاراج گودھڑے مہاراج سے بھی مشہور تھے۔ گاڈگے مہاراج پھٹے پُرانے چیتھڑے پہنتے تھے اس لئے کچھ لوگ انھیں چندھے بووالیعنی چیتھڑے مہاراج بھی کہتے تھے۔ گاڈگے مہاراج کو مُفت خوری سے سخت نفرت تھی۔ اس لئے وہ جہاں بھی جاتے وہاں کے کھیتوں اور کھلیانوں میں کام کرتے انھوں نے جب دیکھا کہ ہمارے دیہات گندگی سے بھرے پڑے ہیں تو انھوں نے صفائی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرانے کے لئے خود جھاڑو لیکر گاؤں میں صفائی کا کام شروع کیا۔ شروع شروع میں لوگ انھیں بھکاری سمجھ کر دھتکار دیتے تھے، کبھی کبھی تو پٹائی بھی کی جاتی تھی کیونکہ وہ اپنے کو اچھوت کہلواتے تھے۔

بُرائی کے خلاف جہاد!

سنت گاڈگے مہاراج جب کسی گاؤں میں جاتے تو وہاں کے مندر کے سامنے والا میدان خود صاف کر لیتے اور رات کو وہاں کیرتن کرتے۔ کیرتن ایک طرح کا وعظ ہوتا ہے جس میں گانے بجانے سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ گاڈگے مہاراج کی آواز بڑی میٹھی اور سُریلی تھی اس لئے وہ جیسے ہی بھجن گانا شروع کرتے ویسے ہی لوگ جمع ہو جاتے۔ اُن کے پاس نہ جھانجھ ہوتی تھی نہ مجیرا نہ کرتال وہ تو دو پتھر لے کر انھیں سے ٹھیکہ پکڑتے۔ پھر بھی لوگوں کو ان کی آواز کی مٹھاس برلس کھینچ لیتی۔ مگر گانا تو کیرتن کا ایک معمولی حصہ ہوتا



لوگوں میں سماجی بیداری پیدا کرنے کے لئے گاڈگے مہاراج کیرتن کو اپنایا کرتے تھے۔ تصویر میں گاڈگے بابا اپنے ایک اجتماع میں کیرتن میں مصروف ہیں۔

ہے اُس کا اہم حصہ تو وہ وعظ ہوتا ہے جو کتھا سُنانے والا کیرتن کے ذریعہ دیتا ہے۔ مگر گاڈگے مہاراج ایسے بھجنوں کا انتخاب کرتے تھے جن سے لوگوں کو نصیحت بھی ہوتی تھی۔ وہ سنت تکارام مہاراج کو اپنا پیر و مُرشد قرار دیتے تھے اور زیادہ تر انھیں کے بھجن گاتے تھے۔ وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ انھیں صفائی کا خیال رکھنا چاہیئے کیوں کہ گندگی سے خدا کو بھی نفرت ہوتی ہے۔ لوگوں میں جو بُرائیاں پھیلی ہوتی ہیں اُن سے پاک رہنے کی بھی نصیحت وہ لوگوں کو کرتے تھے۔ مثلاً قرضہ نکال کر بھگوان کا عرس نہیں منانا چاہیئے۔ گایوں اور بیلوں کی اچھی حفاظت کرنی چاہیئے۔ انھیں بوڑھے یا کمزور ہونے پر قصاب کے ہاتھ نہیں بیچنا چاہیئے۔ خدا کے نام پر جانوروں کو ذبح نہیں کرنا چاہیئے شادیوں میں جہیز نہیں لینا چاہیئے، قرضہ لے کر دعوتیں نہیں کرنی چاہئیں شراب سے دُور رہنا چاہیئے۔ گالی گلوج سے توبہ کرنی چاہیئے، بھوکوں کو کھانا کھلانا چاہیئے وغیرہ۔ وہ جانتے تھے کہ ساری خرابیوں کی جڑ بے علمی سے پیدا ہونیوالی جہالت ہے۔ چنانچہ وہ لوگوں سے اصرار کرتے تھے کہ وہ خود پڑھیں لکھیں اور اپنے بچوں کو تعلیم دیں۔ صرف نصیحت کرنے پر ہی انھوں نے اکتفا نہیں کیا بلکہ جگہ جگہ مدارس کھولنے میں بھی انھوں نے لوگوں کی مدد کی۔

گاڈگے مہاراج مشن

آجکل مذہب کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیکر اُنھیں لوٹنے والے بگلا بھگت یعنی ریاکار اور مکار زاہد سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ایسے جالباز پیروں سے گاڈگے مہاراج کو سخت نفرت تھی اور وہ لوگوں کو ایسے باباؤں سے دُور رہنے کی تنبیہہ کرتے تھے۔ اپنے نام پر دُوسرا کوئی شخص لوگوں کو دھوکا نہ دے سکے اس لئے انھوں نے نہ کسی کو اپنا چیلا بنایا اور نہ اپنی گدّی قائم کی۔ انھوں نے تقریباً ۲۵ لاکھ رُوپے جمع کئے مگر سب کے سب لوگوں کی بھلائی کے لئے خرچ کر دیئے۔ انھوں نے ملک بھر میں پھیلے ہوئے مقدس مقامات میں دھرم شالائیں یعنی سرائیں بنوائیں جہاں غریب زائر زیارت کے موقع پر قیام کر سکتے ہیں۔ مگر اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے لوگوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ اگر وہ اپنے کو غریبی اور پستی سے اُوپر اُٹھانا چاہتے ہوں تو اس کے لئے انھیں خود سخت محنت کرنی چاہیئے۔ اس کے واسطے گاڈگے مہاراج خود لوگوں کے ساتھ محنت کے کام میں شریک ہوتے تھے۔ مٹی ڈھونا، گارا بنانا، پتھر توڑنا وغیرہ کام وہ خود جب کرنے لگتے، تو دُوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہو جاتے اور گاؤں کے یہ اشتراکی کام دیکھتے ہی دیکھتے تکمیل کو پہنچ جاتے۔ اس سے لوگوں میں اپنے گاؤں کے لئے خوشی سے کام کرنے کی عادت پڑ جاتی۔ دیہی ترقی میں اس سے بڑی مدد ملی اور عوام کی حالت سُدھر گئی۔

سنت گاڈگے مہاراج نے لوگوں کی جو بے لوث خدمت کی اُسے آگے چلائے رکھنے کے لئے اُن کے مریدوں نے 'شری گاڈگے مہاراج مشن' نام کی ایک انجمن ۱۹۵۲ء میں قائم کی' جو ان کے کام کو آگے چلا رہی ہے۔ گاڈگے مہاراج نے لوگوں کے دلوں میں اپنی مدد آپ کرنے کا جو پختہ ارادہ جگایا تھا وہ اتنا مضبوط ثابت ہوا کہ ۱۹۵۶ء میں ان کے انتقال فرمانے کے بعد بھی قائم رہا اور جو چراغ انھوں نے روشن کیا تھا وہ برابر روشنی دیتا رہا۔

سنت گاڈگے مہاراج تو چلے گئے لیکن عوام کی خدمت کی انھوں جو بے نظیر مثال قائم کر دی اس کا اثر لوگوں کے دلوں پر عرصۂ دراز تک برقرار رہے گا۔ آج بھی اس اثر کو مہاراشٹر کے دیہاتوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ گاڈگے مہاراج کی نصیحت کی وجہ سے چھُوا چھُوت کم ہو گئی ہے، لوگ اپنی مدد آپ کرنا سیکھ گئے ہیں، بچوں کی تعلیم کی اہمیت کو جان گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نئے نئے مدرسے اور کالج کھُلتے جا رہے ہیں اس طرح آنیوالی نسل کی ترقی کی راہیں ہموار ہو گئی ہیں

یہ سب سنت گاڈگے مہاراج کی بے لوث خدمت کا کرشمہ ہے۔

ناسک میں گاڈگے مہاراج کی دھرمشالہ

• گر ناتھ دیویکر
ڈاکٹر امبیڈکر روڈ،
ماٹونگا، بمبئی - ۱۹ ... ۴۰

جنتا جناردھن کے بھگت سنت گاڈگے مہاراج



بھارت میں سنتوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے، بعض شیو جی کے اُپاسک ہیں اور بعض وشنو جی کے۔ گو ان کا میدان کار زیادہ تر دھرمی الہامی مسائل سے وابستہ ہے تاہم ان سبھوں نے غریب اور مظلوم عوام کی سماجی اور اخلاقی ترقی اور اقتصادی بہبودی کو اپنا اولین مقصد قرار دیا۔ بھسوییشور، گیانیشور، نانک، چیتنیہ، نام دیو، تکارام وغیرہ سنتوں نے کیرتن، ست سنگ اور میلوں کے موقعوں پر خدا کا نام جپنے کی تلقین کے علاوہ بھی عوام کو ایسی ہدایات دیں جس کے ذریعے ہندو دھرم میں دینی ٹھیکیداروں کے کرتوتوں کی وجہ سے شدہ خرابیوں کا قلع قمع ہو سکے۔ خاص طور سے ذات پات کے خلاف تو ان سنتوں نے ایک خاص محاذ قائم کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان ناانصافیوں اور مظالم جن کے پسماندہ فرقے اور ہریجن شکار بن گئے تھے، چار صدیوں کے اندر دور ہو گئے۔ مہاراشٹر میں مہانو بھاؤ پنتھ کے بانی چکردھر سوامی کے زمانے سے (۱۱ویں صدی) یہی سنت لوگ سماج کے اُدھار کے متعلق بہت سرگرم رہے ہیں۔ مذہبی اُمور کے علاوہ دنیوی معاملوں کے بارے میں بھی انھوں نے عوام میں کافی بیداری پیدا کر دی تھی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی دیگر ریاستوں کی طرح مہاراشٹر میں بھی ایک نئے طاقتور مذہب کی وجہ سے یہاں کے صدیوں پرانے دینی اُصول اور رسوم برباد ہو رہے تھے اور ایک نیا تمدن جنم لے رہا تھا۔ اس تہذیبی انقلاب کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ ہندو سنتوں اور بھگتوں کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان صوفیوں اور بزرگوں نے بھی غریب اور بے یار و مددگار جنتا کی فلاح اور بہبود کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ اور لاکھوں ہندوؤں نے ان کو اپنا مرشد مان لیا تھا۔ چنانچہ سادھو اور سنتوں کے میلوں میں وہ جس عقیدت مندی کے ساتھ شریک ہوتے تھے اسی جذبے کے ساتھ وہ مسلم پیروں کے عُرس میں بھی سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔

ہندوستان میں برٹش راج قائم ہوجانے کے بعد نئی تعلیم اور سیاسی بیداری کی وجہ سے سنتوں کے علاوہ گاندھی جی، وٹھل رامجی شندے شاہو مہاراج چھترپتی، ونوبا بھاوے جیسے لیڈروں نے بھی مذہب اور سماج میں داخل ہونیوالی خرابیوں کو دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور اپنی زندگی اس کار خیر کے لئے وقف کردی۔ مگر اس جدوجہد کی نوعیت بڑی حد تک سیاسی رہی، جبکہ عوام کا رجحان مذہب کی طرف تھا اور سیاسی نیتاؤں سے زیادہ سادھو سنت عوام میں مقبول تھے ایسی صورت میں یہ نہایت ضروری ہوگیا تھا کہ وہ سادھو اور سنیاسی بھی جو دنیوی امور سے منہ موڑ کر ملک بھر میں بھٹکتے پھرتے تھے، عوام کی ضروریات کی طرف متوجہ ہوں، جن سنتوں نے اس حقیقت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اپنی پوری زندگی سماج سیوا میں صرف کی، ان میں سنت گاڈگے مہاراج کا مقام بہت اونچا ہے۔

گاڈگے مہاراج ودربھ کے دریاپور تعلقے کے ایک گاؤں شین گاؤں میں ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ خاندانی پیشہ دھوبی کا تھا۔ اس سے اُن کی مالی حالت کا اندازہ آسانی سے ہوسکتا ہے اُن کا نام ڈیبوجی تھا اور اُن کے کا نام جھنگراجی تھا۔ اُن دنوں تعلیم عام نہیں تھی، بلکہ اعلیٰ طبقے کے لوگوں کے سوا اور کسی کو خواندگی تک نصیب نہیں ہوتی تھی۔ یہ ہی انھیں تعلیم کا مستحق قرار دیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ڈیبوجی کی زندگی میں تعلیم یا اعلیٰ تعلیم جیسے مراحل رُونما نہیں ہوئے۔ وہ گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتے۔ یہیں پر وہ ایک بلائے ناگہانی کا شکار ہوئے اور ۱۸۸۴ء میں ان کے والد بزرگوار کا سایہ اُن کے سر سے اُٹھ گیا۔ دھوبی گھر کا پیشہ ۸ سال کا بچہ کیا کرے؟ اُن کی ماں سکھو بائی اُن کو لے کر مائیکے چلی گئیں۔ اب ڈیبوجی گائیں چرانے لگے۔ اس سے اُن کے کردار کا ایک اور پہلو نکھر آیا، جو عام چرواہوں میں مشکل سے پایا جاتا ہے۔ انھوں نے چرواہوں کا ہی ایک بھجن منڈل قائم کیا اور اس کے ذریعے گاؤں والوں کو نہ صرف دینی فرائض کے ساتھ تفریح کا سامان فراہم کیا بلکہ اُن میں سماجی، تعلیمی اور سیاسی بیداری بھی پیدا کی۔ بھجن منڈل کے لڑکے سماج کی سیوا بھی کرنے لگے۔ گاؤں کی صفائی، بیماروں کی آسائش اور فاقہ کشوں کو اَن دان کرنا شیوہ بن گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بھجنی منڈل کے سرگروہ ڈیبوجی اپنی کمسنی کے باوجود ایک سماج سُدھارک نیتا اور سادھو مان لئے گئے۔ دیگر باتوں کے علاوہ انھوں نے کاشتکاروں کی بہبودی کی طرف بھی دھیان دیا اور اپنے ماموں کے کھیت میں خود بھی کام کرنے لگے۔ اس کی وجہ سے اُن کو دیہاتی مسائل سے براہ راست واسطہ پڑا، اور ان کے تجربہ کا دائرہ بھی کافی وسیع ہوگیا۔ وہ اگرچہ دیہاتی بولی میں اپنا کاروبار چلاتے تھے پھر بھی تعلیم یافتہ طبقہ اور افسروں پر اُن کے خلوص اور ان کی ذہانت کا اچھا خاصہ اثر پڑتا تھا۔ اس لئے ان کی نظروں میں ان کا رتبہ بھی بہت بڑھ گیا۔



جسمانی طور پر معذور افراد کے لئے گاڈگے بابا کے دل میں بے حد ہمدردی رہی۔ تصویر میں بابا ایک نابینا شخص کے ساتھ دکھائی دے رہے ہیں۔

اِقتصادی خدمات

ان دنوں کاشتکاروں کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی کیوں کہ بیسیوں ایکڑ زمین کے مالک بھی مالی مشکلات کی وجہ سے اپنی ملکیت ساہوکاروں اور مہاجنوں کے ہاتھ گروی رکھنے پر مجبور ہوجاتے تھے اور کچھ عرصہ کے بعد اُس سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ گاڈگے مہاراج نے کاشتکاروں کو ساہوکاروں کی گرفت سے نجات دلانے کی مُہم شروع کی اور اپنے ماموں کی زمین مہاجن سے دوبارہ حاصل کرکے ایک اچھی مثال قائم کی۔

گاڈگے مہاراج کی شادی ۱۹۱۲ء میں کنتی بائی سے ہوگئی لیکن ڈیبوجی کو گھر گرہستی کے معاملوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ نفرت تھی۔ وہ ایک زاہد، محنت کش اور عوام کی بھلائی چاہنے والے مہاپُرش تھے، اس لئے قدرتی طور پر وہ گھر چھوڑکر چلے گئے۔ اُن کی ماں نے اُن کو بہت سمجھایا بُجھایا مگر وہ گھر لوٹنے پر راضی نہیں ہوئے۔ چنانچہ اُن کا سارا کُنبہ غربت اور خانہ بدوشی کا شکار ہوگیا۔ ڈیبوجی خود بھی جنگل جنگل اور گاؤں گاؤں بھٹکتے اور توکل پر زندگی بسر کرتے رہے پھر بھی انھوں نے دیہاتی عوام کی سماجی اور اقتصادی بہبودی کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا، بلکہ اپنے اور اپنے پیروکاروں کے لئے زندگی کا ایک خاص نظام بنالیا۔ چنانچہ جب بھی وہ کسی گاؤں میں پہنچتے تو سب سے پہلے وہاں کی صفائی اپنے ذمّے لے لیتے، اور ہاتھ میں جھاڑو لے کر خود اس کو صاف کرڈالتے تھے۔ بعد میں بھجن اور کیرتنوں کے جلسے ہوتے تھے

ڈیبوجی گاڈگے مہاراج بنے

ڈیبوجی اپنے ساتھ ایک مٹی کا ٹھکرا رکھتے تاکہ جو بھی کھانے کی چیز ان کو ملتیں، بلا لحاظ اُن کے معمولی یا معقول ہونے کے، ملاکر کھائی یا باسی جائیں۔ تن پوشی کے لئے خرقہ یا گدڑی استعمال کرتے اس لئے لوگوں نے اُن کا نام "گاڈگے (برتن والے) مہاراج یا گودڑی مہاراج (گدڑی والے)" رکھا اور اس نام سے وہ مشہور ہوگئے ___ گاڈگے مہاراج کی محفلیں سماج سُدھار اکیڈمیاں بن گئیں اور ان میں مہاراشٹر کے بڑے بڑے دانشمند بھی شریک ہوتے گئے۔

یہ زمانہ وہ تھا جب کہ مہاتما جیوتی با پھُولے اور ساہو مہاراج والئی کولہاپور کی انتھک کوششوں کی وجہ سے پچھڑی جماعتوں میں بھی اپنی زندگی سُدھارنے کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا اور ذات پات کا بندھن، وہم پرستی، قدامت پسندی اور دیگر متعدد سماجی اور اخلاقی کمزوریاں سماج پر حاوی ہوگئی تھیں۔ گاڈگے مہاراج نے اپنی سبھاؤں کے ذریعہ ان پر وہ اثر ڈالا جو سیاسی لیڈروں اور تعلیم یافتہ سماجی کارکنوں سے بھی ناممکن تھا۔ چنانچہ متعدد خیراتی اسکیمیں بنائی گئیں اور تعلیمی ادارہ قائم ہوئے۔ گاڈگے مہاراج خود درویش تھے مگر ان مفید کاموں کے لئے انھوں نے اپنے بھجنوں اور کیرتنوں کے ذریعہ ۲۵ لاکھ روپیہ اکٹھا کیا۔ سبھاؤں کے حاضرین قسم قسم کے کھانے اور میوے نذر کرتے تھے جو وہیں تقسیم کردیئے جاتے تھے۔ وہ خود "بھاجی بھاکری (ساگ اور جوار کی روٹی)" پر قناعت کرتے تھے۔ وہ دن رات الہامی اور سماجی مسائل میں مصروف رہتے اور اُن کے مُریدوں کا دائرہ بھی دن بدن بڑھتا رہا۔ سنت کی حیثیت سے وہ تکارام جی پر ایمان لائے۔ چنانچہ اپنے لئے انھوں نے کوئی جانشین یا سجّادہ نشین مقرر نہیں کیا۔ انھوں نے جو مفید عام ادارے قائم کئے ان میں "ان موچن" گاؤں کے گھاٹ اور مندر، پنڈھرپور، ناسک، آلندی، دیہو، ترمبکیشور یا مہابلیشور اور پُونے کی دھرم شالاؤں اور گورکشن سبھاؤں کا ذکر کیا جاسکتا ہے (پنڈھرپور، ناسک، ترمبکیشور یا مہابلیشور مہاراشٹر کے تیرتھ ذیارت گاہیں) ہیں۔ جب کہ آلندی میں سنت گیانیشور مہاراج کی سمادھی (آرام گاہ) ہے دیہو تو سنت تکارام جی کا جنم استھان ہے۔ اس طرح سے بھگتوں اور سادھوؤں کو راحت پہنچانے کے علاوہ گاڈگے مہاراج نے گوشالاؤں کے ذریعہ کاشتکاروں کی بھی بڑی امداد کی۔

گاڈگے مہاراج ویسے تو کوئی بڑے عالم نہیں تھے، نہ ہی وہ دُنیوی نعمتوں کے مالک تھے مگر وہ غریبوں کے لامتناہی مصائب سے پوری طرح واقف تھے اور ان کا ذاتی تجربہ ہی بےکسوں کی راحت اور آسائش کے سلسلہ میں ان کی رہنمائی کرتا تھا

چنانچہ انھوں نے اس سمت میں جو بھی جدوجہد کی اس سے عوام کو بہت فائدہ پہنچا اور یہی وجہ ہے کہ آج اُن کے انتقال کے بیس سال بعد بھی مہاراشٹر کی جنتا انھیں بڑے احترام کے ساتھ یاد کرتی ہے۔

سنت گاڈگے مہاراج

حیات اور کارنامے

○ بدیع الزماں خاورؔ
ڈسٹرکٹ کوارٹرس، منڈن گڑھ روڈ
داپولی، ۱۲۔۴۱۵۷ ضلع رتناگیری

مہاراشٹر کے جدید سنتوں میں جن چند مہاتماؤں نے گاؤں گاؤں قریہ قریہ پھیلے ہوئے خدا کے بندوں سے صحیح معنوں میں پیار کیا اور مخلوق کی خدمت کو سب سے افضل عبادت سمجھ کر اپنی ساری زندگی لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دی، اُن میں سنت گاڈگے مہاراج کا نام سرِفہرست ہے۔ دراز قد، گٹھا ہوا مضبوط جسم، گورا رنگ، سر پر چاندی جیسے چمکتے ہوئے بال، بدن پر پھٹا ہوا مگر صاف ستھرا کرتا اور تہہ بند، ایک پاؤں ننگا تو دوسرے پاؤں میں چپّل یا کینواس کا جوتا۔ ہمیشہ نمسکار کے لئے جوڑے ہوئے ہاتھ اور ان ہاتھوں میں ایک لاٹھی اور ایک مٹکا: یہ سراپا تھا اُس نشکام کرم یوگی سادھو کا، جس نے کم و بیش نصف صدی تک انسانیت کی ایسی عظیم اور یادگار خدمت انجام دی، جسے اگر اس دَور کا معجزہ کہا جائے تو شاید بیجا نہیں ہوگا۔

ہم پنڈھرپور کی زیارت کریں چاہے ناشک، دیہو اور آلندی جیسے مہاراشٹر کے کسی دوسرے متبرک مقام پر چلے جائیں، ایسے تقریباً ہر شہر میں ہم کو گاڈگے مہاراج کی بنائی ہوئی کوئی نہ کوئی دھرم شالہ ضرور دکھائی دے گی۔ انھوں نے مہاراشٹر کی مختلف ندیوں کے کنارے گھاٹ تعمیر کئے، جگہ جگہ پیاؤ بنوائے۔ غریبوں، یتیموں اور معذوروں کے لئے خیرات خانے قائم کئے، بچّوں کے لئے اسکولوں، کالجوں اور اقامت گاہوں کا انتظام کیا۔ قحط اور زلزلوں سے اُجڑے ہوئے دیہاتوں کو از سرِ نو آباد کیا۔ چھوت چھات اور شراب نوشی جیسی لعنتوں کو ختم کرنے کے سلسلے میں عملی اقدامات کئے اور مذہبی، سماجی اور تعلیمی میدانوں میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ جدید مہاراشٹر کی تاریخ میں ان کا نام تعمیری اور صحت مند انقلاب کی ایک روشن علامت بن گیا ہے۔ یہ ان کی بے لوث خدمات ہی کا اثر ہے کہ گیانیشور اور سنت تکارام کی اس سرزمین کے باشندوں کو گاڈگے مہاراج کا نام، گاندھی اور نہرو کے ناموں جیسا ہی مقدس اور پیارا لگتا ہے۔

دھوبی کے گھرانے میں جنم

گاڈگے مہاراج دِدربھ کی تحصیل دریاپور میں شین گاؤں نام کے ایک چھوٹے سے مقام پر ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک غریب دھوبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد کا نام جھنگراجی اور اُن کی والدہ کا نام سکھو بائی تھا۔ ماں باپ نے اُن کا نام ڈیبوجی رکھا تھا مگر وہ چونکہ اپنے ساتھ اکثر ایک گھڑا رکھتے تھے اس لئے گاڈگے مہاراج یا گاڈگے بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ بچپن ہی میں ڈیبوجی کے باپ کا انتقال ہو گیا اس لئے سکھو بائی اُن کو لے کر میکے میں اپنے بھائی کے پاس رہنے کے لئے چلی گئیں۔ وہاں ڈیبوجی نے مویشی چرانا اور کھیتی باڑی کے کاموں میں اپنے ماموں کا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ محنت مشقت کی وجہ سے اُن کی صحت بنتی چلی گئی اور اُن کا جسم نکھرنے لگا۔ ان کے ماموں کا ایک کھیت ساہوکار کے پاس رہن تھا جسے ساہوکار ہضم کر لینے کے درپے تھا۔ مگر ڈیبوجی نے ساہوکار کی چال کو کچھ اس طرح ناکام بنا دیا کہ وہ گھبرا گیا اور اپنا قرض، ڈیبوجی کے ماموں کی سہولت کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے وصول کرنے پر رضامند ہو گیا۔ اس سے ڈیبوجی کے ماموں بے حد خوش ہوئے اور انھوں نے اپنی بہن کے مشورے سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ ڈیبوجی کا بیاہ کر دیا۔ ڈیبوجی دن بھر کھیت میں محنت کیا کرتے تھے۔ دوسروں کی طرح، شادی کے بعد بچے بھی پیدا ہوئے۔ ان کا سنسار ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور خود انھیں کسی بات کی تکلیف نہیں تھی، مگر وہ دوسروں کے دُکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کُڑھ رہے تھے اور اس کُڑھن کی وجہ سے ان کو سکون کی نیند آنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ اُن کے اِرد گرد کے لوگ بے حد غریب تھے۔ کالی اور زرخیز مٹی کے باوجود ان لوگوں کو نہ پیٹ بھر کھانا ملتا تھا نہ بدن ڈھانکنے کے لئے کپڑا نصیب ہوتا تھا۔ شادی بیاہ کرنے اور تہوار منانے کے لئے ان لوگوں کو قرض لینا پڑتا تھا۔ شراب نوشی عام تھی۔ بیمار پڑ جانے کی صورت میں کوئی دوا دارو نہیں کرتا تھا بلکہ بکروں اور مرغیوں کی قربانی کر کے منتیں مانگی جاتی تھیں۔ گاؤں میں ہر طرف گندگی ہی گندگی پھیلی ہوئی تھی، کہیں صفائی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ڈیبوجی کو یہ سب دیکھ کر بے حد دُکھ ہوتا تھا۔ انھوں نے اپنے گاؤں کے لوگوں کو اکٹھا

کیا اور انھیں ساری اچھی باتیں سمجھائیں۔ مگر بہت کم لوگ ان کی باتوں پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوئے اس سے ڈیبوجی کو اور بھی قلق ہوا اور وہ غمگین رہنے لگے۔ ان کی آواز بڑی میٹھی تھی اور ان کو بھجن گانے کا بھی شوق تھا۔ اُن کے کچھ ساتھی بانسری اور ڈھول بجانا جانتے تھے۔ ڈیبوجی نے ان ساتھیوں کی مدد سے ایک بھجن منڈلی بنائی اور اطراف کے قریوں میں جاکر بھجن گانا شروع کیا مگر جب وہ بھجن ختم کرکے واپس آتے اور کھیتی باڑی کے کاموں میں لگ جاتے، تو ان کو پھر لوگوں کی غریبی، جہالت، قرض، شراب نوشی اور غلط مذہبی عقائد کا احساس شدت سے ستانے لگتا، اور وہ بے چین ہو اُٹھتے۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ یہ لوگ سُدھر جائیں اور ہر انسان انسان کی طرح زندگی گذارنا سیکھ لے۔ آخر انھوں نے سوچا کہ "میری ماں میرے لئے تکلیف اُٹھاتی ہے اس لئے میں اس کا کہنا مانتا ہوں پھر کیوں نہ میں لوگوں کے لئے اتنی تکلیف اُٹھاؤں کہ وہ میرے کہے بغیر ہی خود بخود میری باتوں پر عمل کرنے لگ جائیں"۔

اس خیال کا آنا تھا کہ انھوں نے نہ صرف اپنے گاؤں کو، بلکہ پورے مہاراشٹر کے دیہاتوں کو سُدھارنے اور لوگوں کو جگانے کا مصمّم ارادہ کرلیا۔ اس ارادے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ان کو رام داس کی طرح بھاگ جانا، تکارام کی طرح بیراگ لینا، اور گیانیشور کی طرح گاؤں گاؤں گھومنا ضروری تھا۔ لہٰذا انھوں نے سنیاس لینے کا فیصلہ کیا اور یکم فروری ۱۹۰۵ء کے روز، وہ عین جوانی کے عالم میں، اپنی ماں اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر گوتم بدھ کے عزم کے ساتھ گھر سے نکل پڑے چہارشنبہ کا وہ دن مہاراشٹر کی تاریخ کا بڑا یادگار دن تھا، جب ودربھ کے ایک سیدھے سادے اور اَن پڑھ دھوبی کا جوان سال بیٹا، غربت اور جہالت کا خاتمہ کرکے لوگوں کو سچّا دھرم سمجھانے کی نیت سے، ایک ہاتھ میں گھڑا اور دوسرے ہاتھ میں سہارے کے لئے لاٹھی لئے ہوئے ننگے پاؤں اپنے گھر سے دور چلتی ہوئی راہوں پر چل پڑا تھا۔

گاؤں گاؤں کیرتن اور صفائی

گھر چھوڑنے کے بعد ڈیبوجی مسلسل چلتے رہے۔ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کی طرف جاتے رہے۔ گرمی میں بھی اور سردی میں بھی۔ دھوپ میں بھی اور بارش میں بھی ان کا یہ سفر برابر جاری رہا۔ انھوں نے اس سفر کے دوران کبھی کسی کے گھر ٹھہرنا پسند نہیں کیا۔ رات ہوتی تو وہ کسی مندر کے سائے میں یا کسی درخت کے تلے زمین ہی پر آرام سے سو جاتے تھے۔ لوگ ان کے گھڑے میں روٹی کے جو ٹکڑے ڈال دیتے تھے وہ انھیں ٹکڑوں پر قناعت کرلیتے۔ سماج کی تمام تر برائیوں کو وہ اپنے ذاتی عیوب تصوّر کرتے تھے۔

ان برائیوں کو دُور کرنے کے لئے انھوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ سادھو سنتوں کا راستہ تھا۔ اس راستے پر چلتے ہوئے انھوں نے ہر قسم کی تکلیف اُٹھائی مگر انھوں نے یہ سب تکالیف نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ برداشت کیا۔ وہ زخم کھاکر بھی مُسکراتے رہے اور قریہ قریہ، بستی بستی گھومتے رہے۔ دھیرے دھیرے لوگ ڈیبوجی کے اندر چھپے ہوئے گاڈگے مہاراج کو پہچاننے لگے اور سماج کی اصلاح کا راستہ ہموار ہوتا گیا۔

اکثر لوگ گاڈگے مہاراج کے پھٹے کٹے جسم کو دیکھ کر اُن کو بھکشا دینے سے پہلے، اُن سے مختلف قسم کے کام بھی لیا کرتے تھے گاڈگے مہاراج یہ کام بڑی خوشی سے کر دیا کرتے تھے۔ کبھی وہ کسی کی لکڑیاں توڑ دیتے، تو کبھی کسی کے کھیت پر کام کرتے۔ البتہ جب مزدوری لینے کا وقت آتا، تو وہ دوسرے مزدوروں کے برخلاف مزدوری لئے بغیر ہی وہاں سے غائب ہو جاتے اور ان سے کام لینے والے لوگ دیکھتے رہ جاتے۔ کبھی کبھی وہ ریل سے بھی سفر کیا کرتے تھے اور پیسے نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہ سفر ٹکٹ لئے بغیر ہی کرتے تھے اس جرم کی پاداش میں کوئی اسٹیشن ماسٹر ان سے سنڈاس صاف کرواتا تو وہ یہ حقیر کام بھی اس طرح دل لگاکر انجام دیتے کہ اسٹیشن ماسٹر خوش ہو جاتا اور ان کو انعام دینے کی کوشش کرتا، مگر گاڈگے مہاراج یہ انعام ہاتھ میں پڑنے سے پہلے ہی اپنا گھڑا اُٹھاکر، لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے پھاٹک سے باہر نکل جاتے۔

انھوں نے ۱۹۳۶ء میں فیض پور کانگریس کے اجلاس کی جگہ کی صفائی کا کام بھی کیا تھا۔ ان کے کام کرنے کا طریقہ کچھ ایسا تھا کہ وہ جس کام کو بھی ہاتھ لگاتے اُس کی خوبی اور خوبصورتی میں چار چاند لگ جاتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے محنت کے عادی تھے اور کسی بھی قسم کے کام میں عار یا شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

گاڈگے مہاراج جب ترنگ میں آتے تو چلتے چلتے تکارام جی کا کوئی ابھنگ گنگنانے لگ جاتے۔ ان کی آواز میں کچھ ایسا جادو تھا کہ ان کے ابھنگ سن کر لوگ بُلائے بغیر ہی اُن کے اطراف جمع ہونے

لگتی۔ انھوں نے لوگوں کو اس طرح قریب آتے دیکھا تو باقاعدہ بھجن اور کیرتن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اب وہ جس گاؤں میں بھی جاتے وہاں ان کا کیرتن ضرور ہوتا۔ کیرتن کرتے کرتے وہ لوگوں کو ان کی بول چال کی زبان میں ہی اُپدیش دینے لگے اور اُن کی باتیں لوگوں کے دلوں میں اُترتی چلی گئیں۔ لوگ اصرار کے ساتھ انھیں اپنے گاؤں لے جاتے اور کیرتن کرواتے تھے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو لوگ گاڈگے بابا کے لئے میٹھے میٹھے پکوان لے آتے مگر وہ یہ سب کھانا غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور خود بھکشا میں ملی ہوئی سبزی روٹی پر ہی گزارہ کر لیتے تھے۔ لوگ آٹھ آٹھ، دس دس ہزار کی بھاری تعداد میں ان کا کیرتن سُننے کے لئے شام ہی سے اکٹھے ہونے لگتے اور رات کے دو دو بجے تک ان کا کیرتن چلتا رہتا تھا۔ کیرتن کے بعد سیکڑوں عقیدت مند اُن کے قدموں پر اپنا سر رکھنے کے لئے بیچین ہو اُٹھتے تھے مگر گاڈگے مہاراج کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ اس لئے انھوں نے لوگوں کے اصرار سے بچنے کے لئے ایک ترکیب ڈھونڈ نکالی کیرتن ختم ہونے پر جب لوگ آرتی میں محو ہو جاتے تو وہ چپکے سے وہاں سے اُٹھ کر، رات کے اندھیرے میں کہیں غائب ہو جایا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اگر کوئی عقیدت مند ان کو ڈھونڈھ نکالتا اور ان کے قدموں پر سر رکھ دیتا تو وہ بڑی شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتے اور اُسے سادھو سنتوں کی باتیں بتاتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ "لوگوں کو اپنا کردار درست کرنا چاہیئے۔ میرے پاؤں پر ماتھا ٹیکنے سے کسی کو کچھ نہیں مل سکتا۔"

انھوں نے اپنے کیرتنوں کے ذریعہ لوگوں میں بیداری پیدا کی، اور سماج کی ایک ایک بُرائی کو ان کے سامنے کچھ اس انداز سے پیش کیا کہ سب لوگ چونک اُٹھے اور دل ہی دل میں شرمندہ ہوئے۔ انھوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ "انسان کو ہمیشہ اپنی اور سب کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ جسے تم بھگوان کہتے ہو، وہ خود تمہارے ہی اندر چھپا ہوا ہے۔ یہ سورج، یہ چاند، یہ پہاڑ، یہ درخت سب اُسی نے پیدا کئے ہیں مگر ذات پات کی تفریق نہ اس نے پیدا کی ہے اور نہ اونچ نیچ کا فرق اس کی مرضی سے پیدا ہوا ہے، اس لئے انسان کو ہر قسم کا بھید بھاؤ چھوڑ دینا چاہیئے۔ اسی میں اُس کی بھلائی ہے۔"

دن بدن گاڈگے مہاراج کے عقیدت مندوں میں اضافہ ہوتا گیا اور ان کے عقیدت مند بھی ان کے ساتھ ایک گاؤں سے دُوسرے گاؤں جانے اور ہر کام میں ان کے ساتھ رہنے لگے۔ وہ اپنے اُنھی عقیدت مندوں کو ساتھ آنے کی اجازت دیتے جو اُن کی کسوٹی پر پورے اُترتے تھے۔ وہ ایک سچے سادھو اور مہان سنت تھے مگر انھوں نے نہ اپنا کوئی مُٹھ بنایا اور نہ کوئی گدی قائم کی۔ انھوں نے ایک عام انسان کی طرح زندگی گزاری اور زندگی بھر عام انسانوں کی خدمت انجام دی۔ اُن کا قول تھا کہ "تُکارام مہاراج ہم سب کے گرو ہیں، میں خود نہ کسی کا گرو ہوں اور نہ کوئی میرا چیلا ہے۔"

گاڈگے مہاراج سنت اور سادھو ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم گرام سُدھارک بھی تھے۔ انھوں نے مہاراشٹر کے دیہاتوں سے جہالت کو دور کرنے اور دیہات کے رہنے والوں کو صحت وصفائی کی طرف مائل کرنے کے سلسلہ میں جو کام کیا وہ حقیقت میں ناقابلِ فراموش ہے۔ اُن کا ایک اُصول تھا جس کی وہ آخری دم تک برابر پابندی کرتے رہے، وہ جس گاؤں میں بھی جاتے، سب سے پہلے وہاں کی صفائی کیا کرتے تھے۔ عام طور پر صفائی کا یہ کام صبح کے اوقات میں کیا جاتا تھا۔ اُن کے گاؤں میں پہنچتے ہی جھاڑو، پھاوڑے اور ٹوکرے اکٹھا کر لئے جاتے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا گاؤں صاف ستھرا ہو کر کُندن کی طرح چمکنے لگ جاتا۔ گاؤں کو صاف ستھرا دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوتے تھے۔ اُن کو صاف ستھرے گاؤں دیوتاؤں کی طرح سُندر اور پیارے لگتے تھے۔

انھوں نے گاؤں کے لوگوں کو صحت وصفائی کی برکتوں سے روشناس کیا، ان کو تعلیم کی اہمیت سمجھائی اور ان کے غلط مذہبی عقائد کی اصلاح کی۔ انھوں نے اپنی انتھک کوششوں سے مہاراشٹر کے پسماندہ دیہاتوں کی اس طرح کایا پلٹ دی کہ وہ جہاں بھی گئے دھرتی کا وہ ٹکڑا سورگ کا نمونہ بن کے رہ گیا۔

دھرم شالاؤں کی تعمیر

گاڈگے مہاراج دیہات میں پیدا ہوئے تھے، اور دیہات ہی میں پلے بڑھے تھے۔ انھوں نے گاؤں گاؤں گھوم کر مہاراشٹر کے دیہاتوں کی حالت کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ اس لئے وہ دیہاتی عوام کے مختلف مذہبی، سماجی اور تعلیمی مسائل سے بخوبی واقف ہو گئے تھے اور دن رات انھیں مسائل کا حل تلاش کرنے کی فکر میں غرق رہتے تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ نہ صرف مہاراشٹر کے دوسرے مقدس مقامات پر، بلکہ خود پنڈھرپور میں بھی، جسے جنوبی بھارت کی کاشی کہا جاتا ہے، دیہاتوں کے غریب اور پسماندہ یاتریوں کیساتھ

اچھا سلوک نہیں کیا جاتا اور وٹھوبا کی سرزمین پر آنیوالے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو سردی، گرمی، دھوپ اور بارش میں بھی شہر سے دُور کھلے میدانوں میں رہنا پڑتا ہے تو انھیں بے حد دُکھ ہوا، اور انھوں نے سب سے پہلے پنڈھر پور میں ہی، یاتریوں کے لئے ایک دھرم شالہ بنوانے کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرے بہت سے اصلاحی کاموں کا ایک خاکہ اپنے ذہن میں تیار کیا۔ ان سب کاموں کے لئے کافی رُوپوں کی ضرورت تھی اور خود اُن کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی، مگر قدرت نے اُن کی یہ مشکل بھی آسان کردی۔ انھوں نے اپنے کیرتنوں میں لوگوں کے سامنے اس وقت کے سماجی حالات کا دردناک نقشہ کھینچا اور ان حالات کو بدلنے کی ضرورت پر زور دیکر اپنے منصوبوں کی کچھ اس انداز سے تبلیغ شروع کی کہ لوگ بن مانگے ہی، اُن کے نیک کاموں میں دل کھول کر چندہ دینے لگے۔ اس چندے سے انھوں نے پنڈھر پور میں گوپال روڈ پر جگہ خریدی اور ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء کے درمیان لاکھ سوا لاکھ رُوپے کے مصارف سے ایک شاندار دھرم شالہ بنوائی۔ یہ دھرم شالہ "شری گاڈگے مہاراج چوکھا میلہ دھرم شالہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس دھرم شالہ کے بعد انھوں نے پنڈھر پور میں ہی اور تین دھرم شالائیں تعمیر کروائیں۔ اور اس طرح اُن ہزاروں یاتریوں کو، جن کے لئے وٹھوبا کے مقدس پنڈھر پور میں داخل ہونا تک ممنوع تھا، سفر کے دوران رہائشی آرام و آسائش کی سہولت راس آئی اور ان کے لئے معقول پناہ گاہوں کا انتظام ہوا۔

پنڈھر پور کی طرح ہی، گاڈگے مہاراج نے اپنی زندگی میں مہاراشٹر کے دوسرے شہروں اور متبرک مقامات پر بھی درجنوں مُسافر خانے تعمیر کروائے۔ جن میں ناسک، دیہو، آلندی، پُونے، بمبئی، رن موچن، اچل پور، مہابلیشور یا ترمبکیشور اور مرتضیٰ پور وغیرہ کے مُسافر خانے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جس طرح ان کے کیرتن کی محفل میں ہر ذات اور ہر فرقے کے لوگ جوق در جوق شریک ہوتے تھے اسی طرح ان کی تعمیر کردہ دھرم شالاؤں کے دروازے بھی ہمیشہ تمام انسانوں کے لئے کھلے رہتے ہیں، چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دھرم شالاؤں کی تعمیر چھوت چھات کے انسداد کی طرف گاڈگے مہاراج کا پہلا اور مؤثر عملی قدم تھا۔ دھرم شالاؤں کے دوش بدوش انھوں نے یاتریوں کے لئے مختلف ندیوں پر گھاٹ بھی تعمیر کروائے۔ اور پینے کے پانی کے انتظام کی غرض سے جگہ جگہ پیاؤ بنوائے، جن سے امیر اور غریب یکساں طور پر سیراب ہوتے ہیں۔ انھوں نے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے حوض تعمیر کروائے اور بیمار و معذور مویشیوں کی دیکھ بھال کیلئے "گورکھشن" ادارے قائم کئے اور اس طرح انھوں نے انسان کو نہ صرف انسان سے بلکہ بے زبان جانوروں سے بھی محبت اور ہمدردی کا سبق پڑھایا۔

غریبوں کے لئے کھانا اور کپڑا

گاڈگے مہاراج اکثر و بیشتر اپنے کیرتنوں میں لوگوں کو بتایا کرتے تھے کہ " دنیا میں کسی بھوکے کو کھانا کھلانے سے زیادہ نیک کام اور کوئی نہیں ہے۔ تم لوگ خوش قسمت ہو کہ ہمیشہ یا کم سے کم تہواروں پر ہی سہی میٹھے میٹھے پکوان اور عمدہ عمدہ کھانے کھا لیتے ہو۔ مگر سینکڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اندھے، لنگڑے، لُولے اور مہا روگی ایسے ہیں جو گاؤں گاؤں چیونٹیوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں اور دانے دانے کو ترس رہے ہیں۔ کیا تم لوگ اپنے اُن ابھاگے بہن بھائیوں کو سال میں ایک آدھ بار، کسی یاترا وغیرہ کے موقع پر بھی عزت کے ساتھ پیٹ بھر کھانا نہیں کھلا سکتے؟"

گاڈگے مہاراج کی ان باتوں کا لوگوں پر اتنا اچھا اثر ہوا کہ وہ لوگوں کے تعاون سے نہ صرف ہفتہ وار بھنڈارے کا اہتمام کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ بہت سے لوگ، اور دنوں میں بھی یتیموں، مسکینوں اور اپاہجوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بھوجن کرانے اور "دستر دان" کے طور پر حاجت مندوں میں کرتے، کمبل، دریاں، دھوتیاں وغیرہ بھی تقسیم کرنے لگے۔ گاڈگے مہاراج نے جگہ جگہ باقاعدہ خیرات خانے اور لنگر خانے قائم کر کے لوگوں کی اس فیاضی کو مستحکم رُوپ عطا کیا۔ ناسک، مرتضیٰ پور اور پنڈھر پور وغیرہ میں اُن کے قائم کردہ خیرات خانے آج بھی جاری ہیں۔ انھوں نے بیماروں کی خدمت اور تیمار داری کے جذبے کو بھی، عبادت کے جذبے کی طرح لوگوں کے دلوں میں اُبھارا اور انھیں مریضوں کی خدمت پر آمادہ کیا۔ اس سلسلہ میں ناسک میں اُن کا قائم کیا ہوا "کُشٹھ دھام"، خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے، جہاں کوڑھ کے مریضوں کا علاج پوری توجہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت اور ہر قسم کے مصیبت زدوں کی امداد کے لئے تیار رہتے تھے۔ کہیں زلزلہ آجاتا، کہیں قحط پڑتا، کہیں باڑھ آجانے کی وجہ سے لوگ بے سہارا ہو جاتے یا گرمی کے دنوں میں کہیں آگ لگ جاتی تو وہ اور ان کے عقیدت مند دوڑ کر ایسی جگہوں پر پہنچ جاتے۔ لوگوں کی ڈھارس بندھاتے، ان کے لئے کھانے پینے اور کپڑوں کا بندوبست کرتے نیز ان کو ہر ممکن مدد بہم پہنچاتے تھے۔ یہ اُن کی اسی انسان دوستی اور

دردمندی کا نتیجہ ہے کہ مہاراشٹر کے جدید سنتوں میں گاڈگے مہاراج کا نام آج بھی نہایت عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

بچوں کے لئے اقامت گاہیں اور اسکول

گاڈگے مہاراج نے محسوس کیا کہ مختلف جاتیوں اور جماعتوں کے بچے اگر ایک ساتھ رہیں، ایک ساتھ کھائیں اور ایک ساتھ کھیلیں تو اس سے نہ صرف مساوات، اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ فروغ پائے گا بلکہ پسماندہ طبقوں میں تعلیم و تہذیب کی اشاعت میں بھی خاطر خواہ مدد ملے گی۔ اسی لئے انھوں نے غریب بچوں کے لئے اقامت گاہیں قائم کرنے کی طرف بھرپور توجہ دی۔ میرج، ستارا، بمبئی، پنڈھرپور، بھساول، احمد نگر، پونے، اکولہ اور تھانے وغیرہ میں ان کی تحریک سے قائم شدہ لڑکوں اور لڑکیوں کی اقامت گاہوں کا مہاراشٹر کی مثالی اقامت گاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ ان اقامت گاہوں میں بچوں کے رہنے سہنے، کھانے پینے اور پڑھنے کا بے حد اچھا انتظام ہونے کی وجہ سے، یہ اقامت گاہیں خاص طور پر ہریجنوں اور دوسری پسماندہ جاتیوں میں تعلیم سے دلچسپی پیدا کرنے کے سلسلے میں کافی مددگار ثابت ہوئی ہیں۔ ان اقامت گاہوں کے علاوہ مہاراشٹر کے مختلف حصوں میں کئی ایسے آشرم بھی ہیں جو گاڈگے مہاراج نے یا ان کے پیروؤں نے خاص ادیباسی بچوں کی خاطر بنائے ہیں۔ گاڈگے مہاراج جس طرح یہ چاہتے تھے کہ کوئی بھوکا یا ننگا نہ رہے اسی طرح اُن کی یہ خواہش بھی تھی کہ علم کی روشنی عام ہو اور کوئی بچہ کسی مجبوری کی بنا پر تعلیم جیسی نعمت سے محروم نہ رہے۔ انھوں نے اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے اپنی زندگی میں کئی اسکول اور مدرسے قائم کئے جو آج بھی بڑی باقاعدگی سے چل رہے ہیں۔ مہاراشٹر کے گوشے گوشے میں ایسے متعدد بال مندر، اسکول اور کالج پھیلے ہوئے ہیں جو یا تو گاڈگے مہاراج نے خود قائم کئے ہیں یا اُن کی تحریک پر قائم ہوئے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں ان کا یہ کارنامہ حقیقت میں مستحسن اور ناقابل فراموش ہے۔

عوام کے رُوپے سے عوام کی خدمت

گاڈگے مہاراج نے مہاراشٹر کے عوام کی ہر وہ خدمت انجام دی جس کی اُن کو ضرورت تھی۔ انھوں نے بے گھروں کو مکان مہیا کئے، بیوہ عورتوں کو سکون اور عزت سے جینے کا سامان فراہم کیا، دیہی صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے لوگوں کو کتائی، بُنائی اور رنگائی کی طرف مائل کیا، انھیں محنت کرنا سکھایا اور شراب بندی، گرام سُدھار اور صحت وصفائی کے سلسلے میں نہ صرف خود عملی اقدامات کئے، بلکہ اس سلسلے کی سرکاری اسکیموں کو بروئے کار لانے میں بھی پورے جوش خروش کے ساتھ اپنا تعاون پیش کیا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں تقریباً پچیس تیس لاکھ روپے چندہ اور عطیات کی صورت میں اکٹھا کئے، مگر اس رقم میں سے انھوں نے ایک پیسہ بھی نہ خود اپنی ذات کے لئے استعمال کیا اور نہ اپنے عقیدت مندوں اور پیروکاروں کو خرچ کرنے دیا۔ عوام کا سارا روپیہ انھوں نے عوام ہی کی خدمت میں لگا دیا اور پائی پائی کا حساب رکھا۔ انھوں نے اپنے انتقال سے چند سال پہلے مہاراشٹر کے مختلف حلقوں میں اپنے قائم کردہ تمام مذہبی، سماجی اور تعلیمی اداروں کے انتظام کے لئے باقاعدہ ٹرسٹ بنائے اور جب ۱۹۵۲ء میں "گاڈگے مہاراج مشن" کا قیام عمل میں آیا، تو ان ٹرسٹ شدہ اداروں کی نگرانی کے سب حقوق اس مشن کو منتقل کر دیئے۔ اس مشن کا مرکزی دفتر بمبئی میں ہے اور مختلف شہروں میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ مشن آج بھی مہاراشٹر کا ایک فعال خدمتی ادارہ سمجھا جاتا ہے اور اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ اس کی نگرانی میں نہ صرف گاڈگے مہاراج کے قائم کردہ مسافر خانوں، اقامت گاہوں، اسکولوں، خیرات خانوں اور دوسرے سماجی اداروں کی صحیح دیکھ بھال ہو رہی ہے بلکہ دن بدن اس کا دائرۂ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اور ریاست کے مختلف ترقیاتی منصوبوں کی کامیابی میں اس کے تعاون سے تقویت بھی حاصل ہو رہی ہے۔

سچے دھرم کی تبلیغ

گاڈگے مہاراج نے لوگوں کی بھلائی کے لئے اپنا گھربار چھوڑ دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ "آدمی وہی ہے جو کام کرتے کرتے اس طرح مر جائے کہ لوگوں کو تعجب ہو کہ ارے، یہ شخص تو ابھی ابھی کام کر رہا تھا۔ نہ جانے اچانک ہی کیسے چلا گیا"۔ اُن کی زندگی بھی اُن کے قول کے مطابق گذری، اور ان کی موت بھی ان کے قول کے مطابق ہی واقع ہوئی۔ وہ زندگی بھر عوام کے لئے سفر کرتے رہے اور عوام کے لئے سفر کرتے کرتے ہی ۲۰ دسمبر ۱۹۵۶ء کو اچانک اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ چلتی ریل گاڑی میں ان کو اس طرح اَبدی نیند آئی کہ اُن کی آواز پر غفلت کی نیند سے جاگے ہوئے مہاراشٹر کے کروڑوں لوگ ٹکر ٹکر دیکھتے ہی رہ گئے۔ اُن کی وفات پر "گیت رامائن" کے مشہور مراٹھی شاعر گجانن

دگمبر ماڈگولکر نے جو درد انگیز نظم لکھی اور اُس کا آزاد ترجمہ اس طرح کیا جا سکتا ہے ؎

وِٹھوبا کے پاؤں تلے، اینٹ تھرا گئی
کرشن کے مندروں میں گھنٹیاں بج اُٹھیں
گیا نیشور کے دوار پر ــــ
ــــ پیپل کے رونگٹے کھڑے ہو گئے
اِندرا ینی کے ساکت پانی میں
تموّج پیدا ہُوا !
دیہو کی ہَوا سِسکیاں بھرنے لگی
سَمادھی کے اندر ــــ
ــــ تکارام کی نیند اُچٹ گئی
سجن گڑھ میں ٹھہری بولی
رام داس کے مقبرے کو جنبش ہوئی
ایکناتھ کے پیٹھن کی آدھی رات ــــ
آنسوؤں سے بھیگ گئی
چلتی گاڑی میں، اپنے فانی جسم کو چھوڑ کر
دیشنو نکلا ــــ ویکنٹھ کی جانب
آج اچانک ــــ
سنت مالا کا آخری موتی بھی ٹوٹ کر
بکھر گیا !

گاڈگے مہاراج آج ہم میں نہیں ہیں۔ ہم اُن کے سایۂ عاطفت سے محروم ہیں، مگر انھوں نے ہم کو انسانی محبّت اور اخوّت کا جو پیغام دیا ہے وہ آج بھی زندہ ہے اور کل بھی زندہ رہے گا۔ اُن کے اس آفاقی پیغام سے ہر عہد کے انسانوں کو روشنی مِلتی رہے گی۔ ان کا یہ قول آج بھی ہماری بصیرت کے لئے کافی ہے کہ " بھگوان نہ تیرتھوں میں ہے اور نہ مورتیوں میں، بلکہ وہ غریبی اور جہالت کی شکل میں ہمارے سامنے مجسّم کھڑا ہے ہمیں پریم اور محبّت کے ساتھ اسی کی سیوا کرنی چاہیئے "

گاڈگے مہاراج، بھوکوں کے لئے اناج، پیاسوں کے لئے پانی ننگوں کے لئے کپڑے، غریب لڑکے لڑکیوں کے لئے تعلیم، بے گھروں کے لئے مکان، اندھوں، لولوں اور بیماروں کے لئے معقول علاج اور بے کاروں کے لئے روزگار کی فراہمی، بے زبان جانوروں سے ہمدردی، اقتصادی طور پر پسماندہ نوجوانوں کی شادی کے انتظام اور دُکھی، مصیبت زدہ اور مایوس انسانوں کی حوصلہ افزائی کو ہی سچا مذہب یا دھرم سمجھتے تھے اور اسی کو سچی بھکتی مانتے تھے۔ انھوں نے زندگی بھر اسی سچے دھرم کی تبلیغ کی اور ایک سنت کی حیثیت سے گاؤں گاؤں، بستی بستی انھوں نے یہی سچا دھرم پھیلایا۔ اور حقیقت کی نظر سے دیکھئے تو آج جب کہ ہمارا ملک غریبی اور جہالت کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی اور خوش حالی کے راستے پر گامزن ہے، ہم سب کا بھی وہی دھرم ہے، جو گاڈگے مہاراج کا دھرم تھا اور ہم سب کی بھی وہی بھکتی ہے جو گاڈگے مہاراج کی بھکتی تھی۔ اور اسی لئے گاڈگے مہاراج نے اپنی کوئی گدّی چھوڑی ہو یا نہ چھوڑی ہو، وہ ہم سب کے دلوں میں گدّی نشین ضرور ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے۔

گاڈگے مہاراج اپنے حامیوں کے ساتھ



• شریمتی وِدیا لکشمی میٹکر
بھارتیہ مہا ودیالیہ، اُمراوتی

سماج سُدھار انقلابی

عوام سنت تکارام کے لئے جو جذبۂ احترام رکھتے ہیں ویسا ہی جذبہ گاڈگے مہاراج کے لئے اُن کے دلوں میں ہے۔

ذہین اور باعمل سنت جو مہاراشٹر کی سرزمین پر نظر آتے ہیں کوئی بھی گاڈگے بابا کی مثالی شرافت اور عظیم کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتا موصوف عام انسانوں کے حقوق زندگی کے اُصولوں کے زبردست خطیب اور مُقلد رہے ہیں۔

جیسی کہ روایت ہے کہ ایک بڑھئی کا بیٹا بڑھئی ہوگا اور کسان کا بیٹا کسان، اسی طرح یہ بھی اُمید کی گئی ہوگی کہ ڈیبو (اُن کا قلمی نام) جو کہ ایک دھوبی کے گھر پیدا ہوئے وہ بھی دھوبی کا ہی پیشہ اپنائیں گے۔ مگر وہ آنکھ بند کر کے دوسروں کے راستے پر چلنے والے نہیں تھے بلکہ اپنا راستہ خود تلاش کرنیوالوں میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے چاروں طرف بہت سی بُرائیاں دیکھیں جس سے اُن کے ذہن کو بہت تکلیف پہنچی۔ انھوں نے دیکھا کہ کس طرح انسانوں میں سماجی نابرابری، اوہام پرستی، انتہائی افلاس، معاشی بے تحفظی کے ساتھ ساتھ ساہوکاروں اور پُروہتوں کے ذریعے جاہل عوام کا استحصال ہو رہا تھا۔ اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنے کی غرض سے وہ دن رات منصوبے بناتے رہتے تھے۔

گاڈگے مہاراج جو کہ ایک باعمل اور دور اندیش انسان تھے انھوں نے اپنی ساری زندگی قربان کر دی تاکہ وہ اپنے مقصد کو سماج کے ذریعے اپنانے پر اثر انداز ہو سکیں۔ ان کا ہتھیار بہت ہی آسان تھا۔ کیرتن۔ وہ لوگوں سے بات کرتے وقت اور سوال و جواب کرتے وقت انھیں بہت سی اچھائیاں سکھا دیتے تھے۔

اُن کی نئی زندگی بالکل ایک کھلی ہوئی کتاب تھی۔ ان کے تمام خیالات اور عمل آوریاں اُن کے اپنے وقت کے نئے ہندوستان میں



جب مہاراشٹر کا دوبارہ جنم ہو رہا تھا اس سے ہی ہم آہنگ تھیں وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر گھومتے رہے، ننگے پاؤں اپنے کھانے کے لئے بھیک مانگی، کھلی زمین پر چیتھڑوں کے بستر پر سوئے جس کی چھت صرف آسمان تھی۔ گھنے پیڑوں یا پھر مندروں میں پناہ لی، وہ ہمیشہ ایک ایسا کپڑا پہنتے تھے جس میں مختلف اقسام اور رنگوں کے پیوند ہوتے تھے جس سے وہ تنوع میں یک جہتی کی مثال پیش کرتے تھے یہی ان کی زندگی کا مشن تھا جس کو وہ پھیلانا چاہتے تھے۔ وہ مساوات کے زبردست حامی تھے اور ایک ایسا سماجی نظام قائم کرنا چاہتے تھے جہاں ہر ایک کو مساوی مواقع حاصل ہو سکیں۔ افلاس زدہ لوگوں کو دیکھ کر اُن کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ خاص طور پر اچھوتوں کو جنھیں تعلیم کے حصول اور مندروں میں داخلے کے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔ اونچی ذات کے ہندو ان کو چھونا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔ کسی عوامی کنویں سے انھیں پانی بھرنے دینا گناہ تھا کیونکہ اس سے پانی آلودہ ہونے کا خطرہ تھا۔

کسی کو کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ اس طرح کا سماجی برتاؤ قابل اعتراض ہے۔ اس طرح سے ایک عظیم اور پاک مذہب کو استحصال اور تشدد میں ڈھال دیا گیا۔

بابا نے اس بُرائی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی زبردست تحریک شروع کی۔ انھوں نے عوام کو بتایا کہ مذہب کیا ہے؟ انھوں نے لوگوں کو پیغام دیا کہ خدا ایک ہے، صرف اسی کی پوجا ہونی چاہئے۔ اخلاق کے بنیادی اُصول جو کہ عام ہیں اور اپنانے کے لائق ہیں ان پر ہی عمل کیا جانا چاہئے۔ خاص مگر سب سے آسان بات یہی تھی کہ: دوسروں سے اچھائی کرنا ہی نیکی ہے اور برائی کرنا گناہ ہے۔

اُن دنوں میں مبیّنہ اچھوتوں کی حالت بے حد خراب تھی۔ وہ غربت میں پیدا ہوتے تھے اور غریبی و غلامی میں مرجاتے تھے۔ انھوں نے ان حالات میں دُکھ جھیلے، یہ سوچ کر غلامی کو قبول کرلیا کہ ان کا تو جنم ہی شودروں میں ہوا ہے۔ ان نیچی ذات کے لوگوں کو تعلیم حاصل کرنا منع تھا اُن کے بچے بھی جاہل تھے، اَدھ ننگے اور بھوکے تھے۔ بابا کو پوری طرح یہ محسوس ہوا کہ جب تک ان کو تعلیم نہیں حاصل ہوگی اس وقت تک یہ اپنے حقوق کو پہچان نہ سکیں گے۔ انھوں نے فرمایا کہ تعلیم ہی اُن کی ترقی اور تمام سماجی بہتری کی ایک کلید ہے۔ اور سماجی تبدیلی کے آغاز کا یہی پہلا قدم بھی ہے۔

انھوں نے اچھوتوں سے کہا کہ "جہالت کا مطلب تاریکی ہے' تعلیم کے ساتھ وقار اور عزت کا شعور جاگتا ہے"۔

وہ جہاں بھی جاتے تھے لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہوجاتے تھے۔ وہ ان سے سوال کر کے جواب مانگتے تھے: "مجھے بتاؤ کہ خدا نے تمھیں اتنی خوبصورت زندگی کیوں دی ہے؟ شراب پینے کے لئے؟ جُوا کھیلنے کے لئے؟ جانوروں کو مارنے کے لئے؟ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے؟"

قدرتی طور پر ان کے جوابات 'نہیں' میں ہوتے تھے۔ بنیادی انسانی قدروں اور اخلاقی شعور کو ان میں بیدار کرنے کا یہ سب سے آسان طریقہ تھا۔ پھر بابا سب سے اہم موضوع پر آتے تھے جو کہ سماجی رسم و رواج نیز اوہام پرستی پر مشتمل تھے۔ مثال کے طور پر بھگوان کو خوش کرنے کے لئے معصوم جانوروں کی قربانی کی بات پر بابا لوگوں سے براہ راست پوچھتے تھے کہ اس غلط طریقے سے کیسے کوئی خدا کو خوش کر سکتا ہے۔ پھر وہ پروہتوں اور پُجاریوں کے ذریعہ اس فعل کی ہمت افزائی کو عیاں کرتے تھے کہ کس طرح پُجاری اپنا پیٹ بھرنے کے لئے لوگوں کو اس غلط رسم کے ادا کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ انھوں نے لوگوں سے کہا کہ ایک جانور کی قربانی سے کسی بچے کی موت ٹل سکتی ہے، جیسا کہ ایک پجاری نے پیشین گوئی کی ہے۔ اس طرح بابا کی صاف صاف باتوں کے طریقے سے لوگوں پر براہ راست اثر ہوتا تھا۔ وہ کوئی بھی لفظ چباتے نہیں تھے۔ ان کے سادے طرزِ بیان اور منطق کا اثر ان غیر تعلیم یافتہ اور معصوم لوگوں پر فوری ہوتا تھا۔

اگرچہ گاڈگے مہاراج نے لوگوں میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کی ہمیشہ کوشش کی تھی لیکن وہ دستاویز اور خطوط پر اپنا انگوٹھا لگایا کرتے تھے۔ ایک دستاویز پر گاڈگے بابا کا انگوٹھا دکھائی دے رہا ہے



۱۹۱۰ء ۔ مرتضیٰ پور میں لی ہوئی
گاڈگے بابا کی
پہلی تصویر

۱۹۱۹ء میں بمبئی میں ایک
الگ کیفیت مزاج میں ڈوبی ہوئی
گاڈگے بابا کی لی گئی تصویر



گاڈگے بابا کی بیوی کنتا بائی



مقدس جگہ
رن میچن کا گھاٹ اور
لکشمی نارائن کا مندر



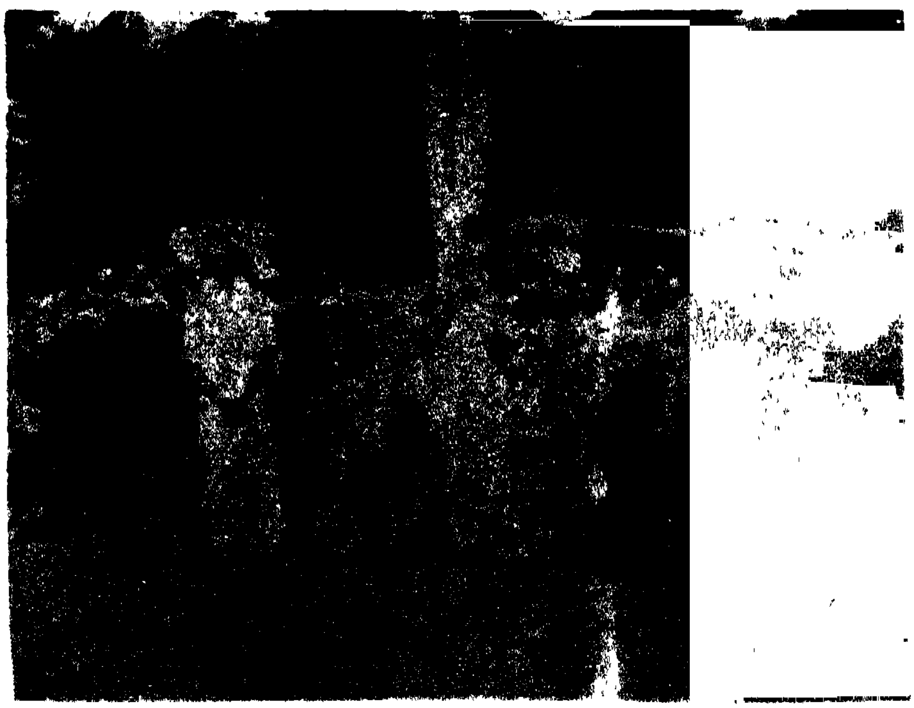
گاڈگے بابا اور مہر بابا
پنڈھرپور کے
ایک مریض کو
نہلاتے ہوئے

ممبئی کی ایک بستی میں
گاڈگے بابا صفائی کرتے ہوئے



گاڈگے بابا کی
آملہ میں
جھونپڑی

مرتضیٰ پور کے گائے کو پالنے والے
اسکول میں گایوں کے ساتھ
گاڈگے بابا





ناسک میں دھرم شالہ کے پاس
گاڈگے بابا کی جھونپڑی

گاڈگے بابا
کیرتن میں ڈوبے ہوئے

آخری دیدار ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۶ء



دورِ جدید کا مُصلح ۔ سنت گاڈگے مہاراج

ooo ——— اکبر رحمانی ایم اے، بی ایڈ، کاشانۂ سُہیل، ۲۷ بھوانی پیٹھ، جلگاؤں

مہاراشٹر کی لسانی و مذہبی رواداری اُن عظیم سنتوں اور صُوفیوں کی تعلیمات کا نتیجہ ہے جنھوں نے شاعری، ابھنگ، کیرتن پند و نصائح اور وعظ کے ذریعے 'قصۂ سکندر و دارا' کی بجائے 'مہر و وفا' کی دِلنشیں حکائتیں سُنائیں۔ محبت، اخوت اور انسانیت کا درس دیا۔ سماجی بُرائیوں، ذات پات کے تفرقوں اور اُونچ نیچ کے مصنوعی امتیازات کے خلاف عوام کو بیدار کیا اور ایک ایسے سماج کی تعمیر و تشکیل کے لئے راہ ہموار کی، جس کی بنیاد محبت و مساوات پر تھی۔

مہاراشٹر کے عظیم سنتوں کی یہ امتیازی خوبی رہی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو کبھی ترکِ دنیا اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ عوام کو گلے سے لگایا ان کے دُکھ درد کو سمجھا اور اُن کی زبان ہی میں انھیں رُوحانی درس دیا۔

مہاراشٹر کا گوشہ گوشہ اِن سنتوں اور صوفیوں کی تعلیمات سے منور ہے۔ انھوں نے اپنی 'پریم بانیوں' سے نفرت و تعصب کے آتشکدے بجھائے اور محبت و اخوت کے گلشن کھلائے، ہر قسم کے امتیازات کی دیواریں گرائیں اور 'ابنِ آدم' کا وہ تصور دیا جس نے تمام فرقوں کو محبت و اخوت کی ایک زنجیر میں باندھ دیا اور ایک ایسے سماج کی تشکیل کی جس نے مالوجی بھوسلے کے شاہ شریف[1] پیر سے 'نوس (नवस)' لینے اور ان کی دعاؤں سے اولاد ہونے پر اعتراض کیا اور نہ شیخ محمدؒ کے وِٹھوبا وِٹھوبا کہنے پر تعجب کا اظہار کیا۔

ان سنتوں نے جہاں لوگوں کے اخلاق و کردار کو سُدھارنے کی کوششیں کیں وہاں سماجی برائیوں کے خاتمے کے لئے بھی عوام کو بیدار کیا۔ انھیں مذہبی دائرے میں محدود کرنا درست نہیں بلکہ یہ اپنے عہد کے سماجی مصلحین تھے۔ ان مصلحین سنتوں میں برار کے عظیم مصلح سنت گاڈگے مہاراج کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔

سنت گاڈگے مہاراج نے نہ صرف سماجی نابرابری، چھوت چھات اور بھید بھاؤ کے خلاف آواز اُٹھائی بلکہ محنت کش طبقہ کے استحصال کے خاتمہ اور معاشی عدم مساوات کے خلاف بھی عوام کو بیدار کیا۔ مہاراشٹر میں سنتوں کی چلی آرہی روایات اصلاح میں انھوں نے ایک جدید باب کا اضافہ کیا۔ اسی لئے سنت گاڈگے مہاراج کو 'دورِ جدید کا مصلح' کہا جاتا ہے۔

حالاتِ زندگی

سنت گاڈگے مہاراج ۱۸۷۶ء میں موضع شین گاؤں کے تعلقہ دریاپور ضلع امراؤتی کے ایک خوش حال اور باعزت کسان گھرانے میں پیدا ہوئے اس چھوٹے سے گاؤں میں آپ کے والد جھنگراجی کو بڑی عزت حاصل تھی۔ گاؤں کے سب لوگ اپنے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ انھیں سے کراتے تھے۔ آپ کی والدہ سکھوبائی بھی شریف و نجیب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور بڑی خوددار طبیعت کی مالک تھیں۔ اکلوتے لڑکے ہونے کی وجہ سے ماں باپ اور خاندان کا ہر فرد گاڈگے بابا سے بجد پیار کرتا تھا اور لاڈ و پیار کی وجہ سے انھیں سب "ڈیبو" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

بچپن کا زمانہ خوش حالی میں گزرا لیکن اس کے بعد مصائب و مشکلات کا ایک لامتناہی دور شروع ہوا۔ مغربی تہذیب کے اثرات چھوٹے چھوٹے گاؤں تک بھی پہنچے۔ جھنگراجی شراب کے ایسے عادی ہوئے کہ پورا خاندان تباہ و برباد ہوکر رہ گیا۔ خوش حالی کی جگہ بدحالی اور امارت کی جگہ غربت نے سایہ فگن کیا۔ جب انسان پر مصیبت پڑتی ہے تو دوست، رشتہ دار کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ اس خاندان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ 'محفلِ رنداں' کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے دور ہوتے گئے۔ اعزہ و اقارب نے آنکھیں پھیر لیں۔ جھنگراجی نے جب یہ 'بے مہری ایام' دیکھی تو دل کو ایسا صدمہ ہوا کہ اس کی تاب نہ لا سکے اور اپنی بیوی اور اکلوتے

---

[1] شاہ شریف کا مزار احمد نگر میں ہے۔ پیر صاحب کی دعا سے مالوجی بھوسلے کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے اُن کے نام پیر کے نام پر رکھے گئے (۱) شاہ جی اور (۲) شریف جی۔ شاہ جی کے ہاں شیواجی پیدا ہوئے [2] ۱۶ ویں صدی کا عظیم مراٹھی سنت شاعر شری گودندہ (احمد نگر) میں مزار ہے۔

لڑکے کو اس دُکھ بھری دنیا میں بے سہارا اور بے یار و مددگار چھوڑ کر پرلوک سدھارے۔

گاڈگے بابا کی والدہ سکھو بائی بھی بڑی حوصلہ مند اور خود دار خاتون تھیں۔ میکے جاکر بھائی کے یہاں آرام و چین کی زندگی گزارنے کے بجائے مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ نہ کسی رشتہ دار کے آگے ہاتھ پھیلایا اور نہ کسی کا سہارا قبول کیا۔ بچے کو گود میں اٹھا مختلف گھروں میں نوکری کرکے اپنا گذارہ کرنے لگیں۔ بچے کو لیکر پھٹی حالت میں راستے اور بازاروں میں پھرنے لگیں۔ ایک دن ماں جائے بھائی نے دیکھا تو دل بھر آیا۔ بہن اور اس کے بچے ڈیبو کو سمجھا بجھا کر گھر لایا لیکن بہن نے یہاں بھی مفت کی روٹی کھانا حرام سمجھا۔ بھائی کے گھر کا سب کام کرتی، جانوروں کو چارہ پانی دیتی، صاف صفائی کرتی، بغیر محنت اور کام کے وہ روٹی نہ کھاتی تھی۔ رات کو سوتے وقت ڈیبو کے کان میں وہ یہی منتر پھونکتی تھی کہ۔ ”بیٹا کام کیا کر۔ محنت کرنے ہی سے انسان کو عزت ملتی ہے۔ مفت کی روٹیاں توڑنے والوں کو کوئی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا، جو محنت کرتے ہیں وہ سب کو پیارے ہوتے ہیں۔“ ماں کے اس منتر کا یہ اثر ہوا کہ جب صبح ڈیبو اٹھا تو اس نے اپنے ماموں سے کہا۔ ”ماموں جان! چرواہا رکھنے کی ضرورت نہیں اب میں مویشیوں کو لے کر چرانے جایا کروں گا۔“ اور پھر ڈیبو نے کام شروع کر دیا۔ ماں بڑی خوش ہوئی۔

ڈیبو مویشیوں کو لیکر جنگل میں نکل جاتا۔ جہاں شکستہ اور ویران مندر نظر آتے اُن کی صفائی کرتا۔ اب تک یہ مندر بھگوان کے نام سے ایک مدت سے ناآشنا تھے۔ ڈیبو کے آنے سے ان مندروں میں بھگوان کا نام لیا جانے لگا، گھنٹیاں بجنے لگیں، بھجن اور بھکتی گیتوں سے ان کے در و دیوار گونجنے لگے۔ آہستہ آہستہ کھیتوں میں کام کرنیوالے کسان، جنگلوں میں لکڑیاں توڑنے والے محنت کش اور مویشیوں کو چرانیوالے چرواہے ڈیبو کے گرد جمع ہونے لگے۔ سب ایک ساتھ بھجن گاتے، کھیلتے کودتے، ایک ہی ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ ان میں نہ کوئی بھید بھاؤ تھا اور نہ ذات پات کا فرق۔ ڈیبو کو سب چاہنے لگے۔ اس کی بات پر عمل کرنے لگے۔

ساہوکاری نظام کے خلاف پہلی لڑائی

ماموں نے کھیتی باڑی کی ذمہ داری بھی ڈیبو پر ڈال دی تھی۔ لیکن ماموں کو یہ بے فکری کی زندگی راس نہ آئی۔ فضول خرچی ایسی بڑھی کہ گھر بار، جائداد، کھیت سب ساہوکار کے ہاں رہن ہوگیا۔ ماموں نے ڈیبو کی شادی بھی کرا دی تھی، لیکن ان کا بال بال قرض میں جکڑ گیا تھا ساہوکاروں کے سود در سود کے جال میں ماموں کو تڑپتا ہوا ڈیبو نہ دیکھ سکا اور اس نے اس لعنتی نظام کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب ساہوکار قرض کی وصولیابی کے لئے کھیت پر قبضہ کرنے پہنچے تو ڈیبو نے دینے سے صاف انکار کیا اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آج تک گاؤں میں کسی نے ساہوکاروں اور مہاجنوں کو للکارا نہیں تھا۔ ڈیبو نے پہلی بار ساہوکاری نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور اس میں اسے کامیابی نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کے بعد سے گاؤں کے سب محنت کش مزدوروں اور کسانوں نے سر آنکھوں پر بٹھانا شروع کیا۔ پہلی بار انھیں ڈیبو کے اندر پوشیدہ اس شکتی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ سیدھا سادہ مٹی کے برتن میں بھاجی روٹی کھانیوالا انسان اب ڈیبو نہیں تھا، گاڈگے بابا کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

شخصیت اور تعلیمات

گاڈگے بابا نے تمام زندگی غربت، اور افلاس سے پیدا ہونیوالے مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ کبھی محنت سے جی نہ چرایا۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہر کام کیا۔ بچپن میں ماں نے جو منتر کان میں پھونکا تھا مہاراشٹر کے کونے کونے میں اُسے پہنچایا۔ محنت کش طبقہ کی پسماندگی کو دُور کرنے کے لئے انھیں تعلیم اور محنت کا گُر بتایا

بابا نے اگرچہ کسی مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی وہ جاہل مطلق تھے لیکن انھوں نے اپنے وعظوں اور کیرتنوں کے ذریعہ جو کچھ دولت جمع کی اُسے دھرم شالائیں اور تعلیم گاہیں قائم کرنے میں صرف کیا۔ آج بھی پورے مہاراشٹر میں سنت گاڈگے مہاراج سنستھان کے نام سے کئی تعلیمی ادارے اور دھرم شالائیں جاری ہیں۔

بابا اکثر اپنے کیرتنوں میں لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ علم کسی ایک فرقہ کی میراث نہیں ہے۔ ان کے نزدیک ایسا شخص پتھر کے مانند تھا، جو اپنے علم سے انسانوں میں تفریق، بھید بھاؤ اور نفرت پیدا کرے۔ عالم وہی کہا جا سکتا ہے جو غریبوں اور دُکھیاروں سے ہمدردی کرے، انسانوں کے ساتھ محبت اور پریم سے پیش آئے، جس دل میں محبت اور پریم نہیں وہ پڑھا لکھا ہونے کے باوجود پتھر ہے ؎

پڑھی پڑھی کے پتھر بھیا
پنڈت بھیا نہ کوئے!
ایکے آخر پریم کا ۔ پڑھے سو پنڈت ہوئے

چھوت چھات سے انھیں سخت نفرت تھی۔ ایک بار گاؤں میں طعام گاہ میں چھوت اچھوت کا جھگڑا پیدا ہوا۔ بابا نے کھانے کا بائیکاٹ کیا اور طعام گاہ سے اپنے اچھوت بھائیوں کو لیکر روانہ ہو گئے۔ گاڈگے بابا نے لوگوں سے کبھی اپنی پوجا اور پرستش نہیں کرائی۔ انھیں یہ بات قطعاً پسند نہیں تھی کہ لوگ ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومیں اور سجدہ ریزیاں کریں۔ جہاں ایسا موقع آتا وہ لوگوں کی بھیڑ سے نکل جاتے۔

گاڈگے بابا نے آواز بڑی سُریلی پائی تھی۔ جہاں جاتے اُن کا کیرتن سُننے لوگ ہزاروں کی تعداد میں اُمڈ پڑتے۔ انھیں کیرتنوں کے ذریعے انھوں نے مہاراشٹر کے عوام کو سماجی و معاشی استحصال اور دیگر بُرائیوں کے خلاف بیدار کیا۔

"گوپالا گوپالا دیوکی نندن گوپالا" کے اس منتر نے مہاراشٹر کے محنت کش عوام نے ایک نئی رُوح پھونکی۔ اُن کے عوام کو بیدار کرنیوالے کیرتنوں میں کبیر کی طرح طنز و نشتر ہوتے تھے۔ کبھی وہ بڑے بھکڑ انداز میں مالداروں اور سرمایہ داروں پر طنز کرتے تھے۔

بابا کی زندگی میں دُکھ کے کئی پہاڑ ٹوٹے۔ اکلوتا ایک لڑکا مر گیا، لیکن انھوں نے کمزوروں اور دُکھیاروں سے کبھی ناطہ نہ توڑا دل پر لگنے والے گھاؤ کا چہرے سے کبھی اظہار نہ کیا۔ غریبوں، کسانوں، دُکھیاروں اور محنت کشوں کے لئے سہارا بنے رہے۔ صرف چھوٹے اور نچلے طبقے کے لوگوں ہی کو اُن سے عقیدت نہیں تھی بلکہ بڑے بڑے لوگ بھی بابا صاحب سے عقیدت رکھتے تھے۔ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر نے اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کے لئے گاڈگے بابا ہی سے مشورہ لیا تھا اس وقت کے وزیر داخلہ شری بالاصاحب کھیر نے تبلیغ و اشاعت کے لئے انھیں گاڑی مہیا کی۔

گاڈگے بابا کا رہن سہن بڑا ہی سادہ تھا۔ چیتھڑوں کا کوٹ، سَر اور کان کپڑے سے ڈھکے ہوئے اور کیسری رنگ کی لنگی! بس یہی ان کا سادہ اور مختصر لباس تھا۔ ۱۹۴۹ء میں وہ جلگاؤں تشریف لائے تھے اور بلی رام پیٹھ میں ان کا قیام تھا۔ بابا صفائی پسند تھے، جہاں بھی جاتے اور جس جگہ بھی قیام کرتے پہلے کھراٹے سے اس جگہ کو صاف کرتے۔

انھوں نے لوگوں کو زندگی سے محبت کرنے اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی پرستش کرنے کا درس دیا۔ نظم و ضبط سکھایا اور محنت کی پوجا کرائی۔ سماجی و معاشی نابرابری کے خلاف عوام کو بیدار کر کے سماج کو ترقی کی راہ پر گامزن کرایا۔

مہاراشٹر کے غریب، محنت کش اور دلت سماج کے اندھیروں کو روشن کرنیوالا یہ آفتاب' ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو غروب ہو گیا۔ جب تک اس سنسار میں سماجی و معاشی نابرابری کے خلاف سنگھرش جاری رہیگا سنت گاڈگے مہاراج کی خدمات اور تعلیمات زندہ رہیں گی۔ اور مینارۂ نور کا کام دیتی رہیں گی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

۔۔۔ نے ضلع ۔۔۔ ہوس گاڈگے مہاراج کی دھرمشالہ

o ریاض احمد خاں

بابا کے ساتھ

دس منٹ

بسا اوقات دماغ یہ سوچنے سے قاصر رہتا ہے کہ ایک ہی ملک ایک ہی قوم، ایک ہی علاقے کے لوگوں کے سوچنے سمجھنے، عادات و اخلاق میں زبردست فرق کیوں پایا جاتا ہے۔ محققین کی رائے ہے کہ سماج کا اثر بچپن ہی سے شعور کو متاثر کرتا ہے اور یہی اثر آہستہ آہستہ انسانی کردار کو سنوارتا رہتا ہے حتیٰ کہ آدمی کسی خاص مقام پر پہنچ جائے، اور جب کسی کو یہ مقام مل جاتا ہے تب اُسے دنیاوی آسائشوں سے کوئی رغبت نہیں رہتی، اور نہ ہی اُن کی خاطر جائز د نا جائز کام میں پڑتا ہے۔ جب آدمی کا کردار سنور جائے اور وہ اس منزل پر پہنچ جائے تب ہی اُسے انسانیت کی معراج حاصل ہوتی ہے۔ ہر چھوٹا و بڑا اُسے عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتا ہے اس کے بلند کردار سے اپنے آپ کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے اس کے طرز زندگی کو اپنانا چاہتا ہے تاکہ اس کا کردار بھی مثالی بن سکے اور وہ ہر شئے کی طمع کو چھوڑ کر انسانی فلاح و بہبود میں اپنی تمام تر صلاحیت صرف کرے۔

بالکل اسی طرح ایک مثالی کردار سنت گاڈگے مہاراج کا ہمارے سامنے ہے۔ گاڈگے مہاراج غریب تھے، غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور دنیا انھیں اسی حال میں دیکھنا بھی چاہتی تھی مگر سماج کا اثر گاڈگے مہاراج نے قبول نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنی غربت دُور کرنے کے بجائے عام انسانوں کی بھلائی کی طرف قدم بڑھایا جس میں وہ کامیاب رہے۔ آج کم از کم مہاراشٹر میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے جو گاڈگے بابا کے نام سے واقف نہ ہو۔

اپریل ۱۹۵۳ء کی ایک دوپہر تھی۔ بمبئی سرکار کے سکریٹریٹ میں ڈائرکٹر آف پبلسٹی میں سب ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ اچانک ایک قسم کی کھڑکھڑاہٹ نے سب ہی کو چونکا دیا، ان چونکنے والوں میں میں بھی تھا۔ میرے سامنے ایک غیر مانوس شخصیت کھڑی تھی۔ دفتر کے سب ہی لوگ کھڑے ہوگئے اور "نمسکار" کرنے لگے۔ سب کی پیروی کرتے ہوئے میں نے بھی نمسکار کیا۔ دماغ میں اس شخصیت کے بارے میں سوچنے کی کوشش کرتا رہا کہ یہ بلند قامت، آنکھوں میں مقناطیسی قوت لئے، مٹیالے کپڑوں میں ملبوس، کچھ پھٹے ہوئے، کچھ چندیوں میں تبدیل ہوئے، چہرے پر بھولی سی مسکراہٹ لئے کون ہے؟ دوسرے ہی لمحے ساتھیوں کی سرگوشی نے یہ معمہ حل کردیا۔ میرے سامنے گاڈگے بابا کھڑے تھے۔

میں نے اس سے قبل گاڈگے مہاراج کا نام تک نہیں سُنا تھا مگر انھیں اپنے سامنے دیکھ کر میرا جی اُن کی تعظیم اور احترام کے لئے مچل گیا۔ میرے ساتھی تو نمسکار کرکے اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے مگر میرے ضمیر کی آواز نے مجھے کرسی پر بیٹھنے نہ دیا اور میں اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر گاڈگے بابا کے قریب پہنچ گیا۔ میرا ان کے پاس پہنچنا تھا کہ اس وقت کے ڈائرکٹر آف پبلسٹی شری ایم۔ ایچ شاہ اپنے کمرے سے باہر آئے اور بابا کو نمسکار کرکے وہیں کھڑے ہوگئے۔ بابا بھی خاموش اور شاہ صاحب بھی خاموش۔ دو منٹ خاموشی رہی جسے شاہ صاحب نے یہ کہتے ہوئے توڑا کہ "بابا آپ کے لئے گاڑی تیار ہے"۔

بابا مسکرائے اور دور کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے میں باوجود کوشش کے اپنی کرسی تک نہ پہنچ سکا، اور کوئی ایسی مقناطیسی قوت تھی جو مجھے بابا کے ساتھ چلنے پر مجبور کر رہی تھی، میں بابا کے ساتھ چند ہی قدم چلا تھا کہ بابا رک گئے۔ انھوں نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ مجھے بجائے گھبراہٹ اور پریشانی کے ایک سکون سا محسوس ہوا، وہ ہچکچاہٹ جو شروع میں محسوس کر رہا تھا ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بابا نے مجھ سے بات نہیں کی بلکہ ان کے چہرے پہ ایک معصوم سی مسکراہٹ پھیل گئی ادھر میری ہمت بڑھی۔ بابا نے گاڑی کی طرف جانے کے لئے قدم بڑھائے اور میرے قدم خود بخود بابا کے پیچھے مجھے لے چلے۔ میری نظریں بابا کی پیٹھ پر تھیں اور بابا کی نظریں زمین پر۔
دس ہی قدم چلے ہوں گے کہ بابا اچانک رکوع کی حالت میں جھک گئے، میں نے دیکھا کہ وہ سگریٹ اور بیڑی کے ٹکڑے زمین پر سے اٹھا رہے ہیں۔ یہ وہی سگریٹ اور بیڑی کے ٹکڑے تھے جو سکریٹریٹ میں کام کرنے والوں نے پی کر بیچ سڑک پر پھینک دیئے تھے۔ بابا نے ان سب ٹکڑوں کو زمین سے چن کر اپنی مٹھی میں دبا لیا۔ اور پھر چل کھڑے ہوئے۔ اب میں بابا کے برابر برابر چل رہا تھا۔ نہ میں نے کوئی بات کرنے کی کوشش کی اور نہ بابا نے۔ میں بات کرنا چاہتا تھا مگر زبان ساتھ نہ دیتی تھی۔ بابا کو مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی۔ مجھے تو ان کی تعظیم مقصود تھی جس کی بنا پر میں اُن کے پیچھے پیچھے چل کھڑا ہوا تھا جب بابا سکریٹریٹ کے احاطے سے باہر آئے تب انھوں نے اپنی مٹھی میں جمع کئے ہوئے سگریٹ اور بیڑی کے ٹکڑوں کو فٹ پاتھ سے لگے ہوئے کچرے کے ڈھیر میں ڈال دیا۔ اور بغیر ادھر ادھر دیکھے سڑک پار کر کے دوسری طرف جہاں گاڑی کھڑی تھی روانہ ہوئے۔ میں اس وقت بھی بابا کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ بابا کو گاڑی میں بٹھا کر رخصت کر دوں پھر اپنی جگہ واپس آ جاؤں، جیسے ہی بابا گاڑی کے قریب پہنچے فوراً پلٹ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر اور قدرے میری طرف جھک کر نمسکار کیا۔ گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئے۔ بے خیالی میں میرے ہاتھ خود بخود نمسکار کے لئے جڑ گئے اور بابا رخصت ہو گئے۔ بابا سے میری یہ پہلی اور آخری ملاقات تھی۔
بابا کے جانے کے بعد میرے دل میں ان کے حالاتِ زندگی جاننے کی خواہش روز بروز بڑھتی گئی مگر نہ تو کچھ بابا کے متعلق پڑھنے کو ملا اور نہ ہی کسی نے کبھی بابا کی شخصیت پر خاطر خواہ روشنی ڈالی۔
دن گذرتے گئے اسی عرصے میں ۱۹۵۶ء میں بابا اس دارِ فانی



نشہ بندی پروپیگنڈے کے لئے گاڈگے مہاراج نے جو لاؤڈ اسپیکر لگی ہوئی گاڑی استعمال کی تھی وہ نظر آ رہی ہے۔

سے کوچ کر گئے۔ میری دلی خواہش کہ بابا کے بارے میں معلومات حاصل کروں گھٹ کر رہ گئی۔ ایک روز جے جے اسپتال کے مُردہ خانے کے پیچھے والی سڑک کے سرے پر ایک بڑا سا رنگین بورڈ نظر آیا جو شروع سے آخر تک مراٹھی میں لکھا ہوا تھا۔ وہ چیز جو میری توجہ کا مرکز بنی، بورڈ پر بنی ہوئی ایک جھاڑو اور ٹوکری کی پینٹنگ تھی، صبح و شام آتے جاتے اس جھاڑو اور ٹوکری کی طرف نظریں کرتا ہوا گذرتا رہا۔ ایک دن اتفاق سے اس بورڈ پر کے دو حرف "گاڈگے مہاراج" پڑھ سکا۔ یہ پڑھتے ہی برسوں پہلے بابا کے حالاتِ زندگی معلوم کرنے کی خواہش عود کر آئی۔ بڑی مشکل سے بورڈ پر میں نے پڑھا کہ یہاں "گاڈگے مہاراج دھرمشالہ" قائم کی گئی ہے۔
سڑک پر چلتا ہوا پتہ پوچھتا ہوا دھرمشالہ پہونچا۔ اس وقت دھرمشالہ کے منیجر شری دیشپانڈے تھے۔ جنھوں نے مجھے بابا کی زندگی کے بارے میں، ان کے بچپن کے حالات، اُن کے سماج سُدھار منصوبے اُن کے غریبوں کی امداد کے طریقے، اُن کی سادگی، اُن کے پھٹے پُرانے کپڑے، ان کے سماج میں یکسانیت کے اُصولوں پر عمل آوری غرضیکہ جتنا مجھے جاننا تھا اس سے زیادہ ہی معلومات فراہم کیں، اس وقت سے میں یہی سوچتا رہا ہوں کہ ہمارے سماج کو سیدھا سچا اور پاکیزہ راستہ اختیار کرنے کے لئے نہ معلوم کتنے اور گاڈگے مہاراجوں کو جنم لینا ہوگا۔ کاش، اس ایک ہی مہاراج کی دی ہوئی روشنی سے سب لوگ اپنی منزل تک پہنچ سکیں!

ڈاکٹر وی۔ بی۔ اٹھاولے

بچوں کی نگہداشت : کچھ بنیادی حقائق

ہمارے ملک میں بچوں کی صحت اور نشوونما کے دو مسائل ہیں۔ یعنی غذائیت بخش خوراک کی کمی اور وبائی بیماری ، معاشی اور سماجی پسماندگی کی وجہ سے ، روایتی وہم اور مذہبی عقائد اور جہالت نے عام طور پر ان مسائل کو اور بھی زیادہ بڑھاوا دے دیا ہے۔

اس لحاظ سے بچوں کی نگرانی کرنے والے حامیوں کو اپنی تمام تر کوششیں اس طرف مبذول کر دینی چاہیے کہ والدین کو باعلم بنایا جائے تاکہ وہ بچوں کی نگرانی کے مسائل کو غور سے حل کر سکیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حفظان صحت کے اصولوں کو اپنائے رکھا جائے۔ صاف وشفاف پینے کا پانی اس بات سے لاکھ گنا بہتر ہے کہ بچوں کو گولیاں اور دوائیاں کھلائی جائیں۔ پس بچوں کی صحت کو قائم رکھنے کے لئے تعلیم، غذائیت بخش اجزا، متعدی بیماریوں سے حفاظت اور حفظان صحت کے اصولوں کو اپنائے رکھا جائے۔ صاف وشفاف پینے کا پانی اس بات سے لاکھ گنا بہتر ہے کہ بچوں کو گولیاں اور دوائیاں کھلائی جائیں پس بچوں صحت کو قائم رکھنے کے لئے تعلیم، غذائیت بخش اجزاء، متعدی بیماریوں سے حفاظت اور حفظان صحت، سائنسی طور پر بچوں کی صحت کے پروگرام کے اہم اسباب ہیں۔

اصولی طور پر ماں کو بچوں کی حفاظت پیدائش کے تصور کے وقت سے ہی شروع کر دینی چاہیئے۔ بچوں کی حفاظت لڑکپن کے مختلف ادوار میں مختلف طور پر کی جا سکتی ہے۔ بچوں کی نگرانی کے اسباب معاشی پس منظر کے علاوہ یہ بھی ہیں :

پیش پیدائش نگرانی، دردِزہ کے وقت خبر گیری اور زچگی کے فوراً بعد دیکھ ریکھ، شیرخواری کے وقت غذا کا اہتمام، پیدا ہوئے بچے کی نگرانی، بچوں کے بڑے ہونے تک گھر اور اسکول کی طرف رغبت ، متعدی بیماری سے محفوظ رکھنا ، نفسیاتی ارتقا، کھلونے اور کھیل کا کردار، حادثات سے بچانا اور ہنگامی حالات سے حفاظت۔

پیش پیدائش نگرانی شروع شروع سے ہی کر دی جانی چاہیئے۔ پہلے تین ماہ تک گولیوں وغیرہ سے دور رہنا چاہیئے ورنہ بچوں کی ساخت میں خرابی پیدا ہو جانے کا امکان ہو جاتا ہے۔ آخری تین ماہ میں ماں کو ٹٹنیس ٹاکسائڈ (TITANUS TOXOID) لگانا چاہیئے تاکہ ماں ٹٹنس نیوناٹورم (TITANUS NEONATORUM) کے ڈر سے محفوظ رہے۔ بہت بری طرح بیماری میں مبتلا ماؤں کو حمل کے وقت تسمیم الدم (خون میں زہر پھیل جانا TOXEMIA) وغیرہ سے بچانے کے لئے خاص توجہ دینی چاہیئے۔

جہاں تک متعدی بیماریوں کا تعلق ہے، اکثر والدین اس بات سے واقف ہی ہوتے ہیں کہ ٹیکہ لگانا کیا چیز ہے۔ وہ بیماریاں جو ہندوستان میں بچوں کو عام طور پر لگ جاتی ہیں یہ ہیں : کھانسی، ٹٹنیس، خناق (DIPHTHARIA)، ٹی بی، کھسرا ، (ایک قسم کی چھوٹی چیچک ، MEASLES) پولیو میلیٹس (POLIOMYELITIS) اور چیچک وغیرہ ، ان سب کے لئے ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔

صفائی، وقت پر خوراک دینا اور دوسرے صحت کی بنیادی صورتیں، بچوں میں پیدائش کے وقت سے ہی شروع کر دینی چاہئیں۔

بچوں میں صفائی کی عادت ڈالنے کے لئے انھیں اس طرف راغب کرنا چاہیئے کہ وہ دن میں کم از کم ایک بار نہا لیا کریں۔ بے بی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کے جسم سے میل دور کی جائے۔ اور اس کے جسم کو کھجلی وغیرہ سے پاک رکھنے کے لئے ایک بار نہلا دینا چاہیئے۔ دوسری بات یہ دھیان میں رکھنی چاہیئے کہ بچوں کو اس بات کی تربیت ہو جائے کہ پیشاب یا خانہ سے اٹھتے ہی فارغ ہو جائیں۔ چہرہ اور آنکھیں ٹھنڈے پانی سے صاف کرنی چاہئیں۔ کسی بھی چیز کو ہاتھ لگانے کے بعد ہاتھ دھو لینا بہت ضروری ہے۔

جب بچہ دودھ پینے کی عمر میں ہو تو اس کے دانت صاف کرنا ضروری نہیں ہے۔ صرف پانی کی تھوڑی سی مقدار اس کے دانت کو صاف کرنے کے لئے کافی ہے۔ صرف پانی کی تھوڑی سی مقدار اس کے دانت کو صاف کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہر دفعہ کھانے کے بعد منہ کو اچھی طرح غرارہ کر کے صاف کر لینا چاہیئے۔ یہ ان بچوں کے لئے بہت ہی ضروری ہے جو

بہت زیادہ چاکلیٹ کھاتے ہیں۔ ماں کو بچوں کے دانتوں کی جانچ کسی دانت کے ڈاکٹر سے ہر ماہ ۶ ماہ یا ۱۲ ماہ کے بعد کروا لینی چاہیئے۔

بچے کی زبان کو صاف کرنے سے منہ کی بدبو دور ہو جاتی ہے اور منہ میں لگے ہوئے خراب اجزاء دور ہو جاتے ہیں۔ اور زبان کے مزے کو بڑھا دیتے ہیں زبان صاف کرنے سے دانتوں کے جراثیم دور ہو جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے رونا ہی آنکھوں کی صفائی ہے۔ اچھی صحت کے لئے آنکھوں کو ٹھنڈا رکھنا چاہیئے۔

ہمیشہ بیٹھ کر مطالعہ یا کسی کتاب وغیرہ کو پڑھنا چاہیئے تاکہ کتاب اور نظر کے درمیان کا فاصلہ ایک جیسا رہے۔ یہ فاصلہ ۳۵ - ۳۰ سم ہونا چاہیئے۔ کمرہ روشن ہونا چاہیئے۔ روشنی بیٹھ کی طرف سے اور بائیں طرف سے کتاب پر پڑنی چاہیئے تاکہ اپنی ہی انگلیوں کا سایہ الفاظ پر نہ پڑے۔ چلتی ہوئی گاڑیوں یا موٹروں میں پڑھنا نہیں چاہیئے۔

بچوں کو آگ، سورج اور بجلی کی چمک کی طرف دیکھنے سے منع کرنا چاہیئے۔

اچھے صحت مند کان کو قائم رکھنے کے لئے بچوں کو کان کا زیادہ استعمال کرنے سے بچانا چاہیئے۔ جیسے لاؤڈ اسپیکر یا ایئر [illegible] کا سننا، تیز [illegible] کی آواز کا سننا وغیرہ

نئے پیدا ہوئے بچے کا چھینک کا آنا حسب معمول ہوتا ہے۔ بچوں کو ٹھنڈی ہوا یا دھول غبار سے دور رکھنا چاہیئے۔ بچوں کو ٹھنڈی زمین پر نہیں سلانا چاہیئے اور سردی ہونے پر اسے ٹھنڈے پانی سے سر دھونے سے بچانا چاہیئے۔

ورزش جسم کے لئے طاقت اور توانائی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ورزش ہمیشہ صبح کے وقت خالی پیٹ کرنا چاہیئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اپنے عضلات کو اچھل کود کر کے ہی بڑھاتے ہیں۔ اس لئے ان کو اچھل کود سے روکنا نہیں چاہیئے۔ بچوں کی چلنے اور رینگنے کی عادتوں کی ہمت افزائی کرنا چاہیئے۔ ڈگمگا کر چلنے والے بچوں کو گھر کے اندر اور گھر کے باہر چلنے کی سہولتیں فراہم کرنا چاہیئے۔

دوسرے یا تیسرے سال بچوں میں [illegible] اس اور پیشاب کرنے کی عادت پر کنٹرول آجاتا ہے۔

بچے جب سو رہے ہوں تو ان کو کبھی بھی اٹھانا نہیں چاہیئے۔ مختلف بچوں کے سونے کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ نیند کی ضرورت رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ سونے کے وقت کی پابندی بہت ضروری چیز ہے۔ سونے کا کمرہ اچھا خاصا روشن اور ہوادار ہونا چاہیئے۔

سونے کے وقت ہمارے ملک کے موسم کے لحاظ سے سب سے اچھا لباس سوتی ہوتا ہے۔ سردی کے دنوں میں اون کے کپڑے مناسب ہوتے ہیں۔

جلد کو اچھی خوراک، ورزش، اچھے برتاؤ اور پوشاک سے صحت مند رکھا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تیل یا خشک پاؤڈر کے ذریعہ مالش کر کے بھی جلد کو صحت مند رکھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح بچوں کے ناخن کاٹنے کا بھی دھیان رکھنا چاہیئے۔

چلنے سے پہلے ہمارے بچوں کو جوتے پہنانا غیر ضروری ہے۔ اگر ننھے ننھے بچوں کا چلنا پھرنا گھر کے اندر ہی ہو تو انھیں نرم جوتے پہنانا چاہیئے سخت جگہوں پر جوتوں کے تلوے بھی سخت ہونے چاہیئے۔

نفسیاتی طور پر بچوں کو اپنی مشکلات، جذبات اور خیالات کے اظہار کا پورا پورا موقع دینا چاہیئے۔ خاندان ابتدائی سماجی ادارہ ہوتا ہے جو کہ بچے کی حیاتیاتی طور پر نشو و نما اور سماجی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ والدین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بچوں میں وقت پر کھانے اور سونے کی عادت کو ابھاریں اور بچہ جب اسکول جانے کی عمر کو پہنچے تو ان عادتوں میں تھوڑی بہت تبدیلی کر دیں۔

متعدی بیماری سے بچانے کا خاکہ

وقت	ٹیکہ کا نام	بیماری	جگہ
پیدائش کے پہلے ہفتہ میں	بی سی جی	ٹی۔بی	اسپتال [illegible] سے چھٹی لیتے وقت اگر اس جگہ ٹیکہ لگانا رہ گیا ہو یا گھر میں زچگی ہوئی ہو تو قریب کے میونسپل یا حکومت کے طبی مراکز یا ٹیکہ لگانے کے مرکزوں
تیسرا ماہ	چیچک ٹرپل ٹیکہ پہلا ڈوز پولیو (اورل) پہلا ڈوز	چیچک ٹیٹنس ڈپتھیریا کالی کھانسی پولیو مائیلائٹس	حکومت / میونسپل یا دوسرے خیراتی طبی مراکز پر یا رضاکارانہ اداروں یا ذاتی پریکٹس کرنے والوں کے پاس
۴½ - ۶ ماہ	ٹرپل ٹیکہ دوسرا ڈوز	"	"

	پولیو (اورل) دوسرا ڈوز			
۷-۸½ ماہ	ٹریپل ٹیکہ تیسرا ڈوز			
	پولیو (اورل) تیسرا ڈوز			
۹ ماہ	کھسرا کا ٹیکہ	کھسرا	"	"
ایک سال	ٹی۔اے۔جی اور کالیرا، ہر ۶ ماہ۔۱۲ ماہ بعد (اختیاری)	ٹائیفائیڈ پیراٹائیفائیڈ اے اور بی کالیرا	"	"
۲ سال	ٹریپل کا پہلا انجکشن پولیو کا پہلا انجکشن		"	"
۳ سال	ثانوی چیچک دوبارہ ٹیکہ اور پھر ہر تین سال کے بعد		"	"
۵ سال	ٹریپل اور پولیو کا دوسرا انجکشن			
اوسط۔ اسکول کا سال	ٹیٹنس ٹاکسائیڈ، ٹی۔اے۔بی، کالرا، چیچک، وبا کے وقت، ڈی۔ٹی لگنے کے وقت		اسکول	اسکول صحت کے ذمہ داران
جب بھی	ٹیٹنس ٹاکسائڈ			
بچہ اسکول چھوڑے	بی سی جی دوسرا انجکشن		"	"

فوری توجہ کیلئے: ترسیل زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر جو آپکے خط یا پتے کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے، ضرور تحریر فرمائیے۔

بچوں کی نگہداشت کے لئے مزید بندوبست

بچوں کی نگہداشت کے تین طریقے ہیں:
بچاؤ، تقویت اور شفا بخش طریقوں کو اپنانا۔
بچاؤ طریقوں کو اپنانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متعدی بیماریوں جیسے خناق (DIPTHERIA) بچوں کی کالی کھانسی (WHOOPING COUGH)، دق (TUBERCULOSIS)، چیچک (SMALL POX) اور کزاز (TETANUS) وغیرہ سے بچوں کو محفوظ رکھنا۔ ان سب بیماریوں سے بچنے کا علاج سب اسپتالوں بشمول میونسپل اسپتالوں کے دستیاب ہے۔ ریاست کے بہت سے ابتدائی ہیلتھ مراکز پر بھی ان بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ پولیو کا علاج بھی میڈیکل کالج اسپتالوں اور ضلعی اسپتالوں میں کیا جاتا ہے۔ جے جے گروپ آف ہاسپٹلز، بمبئی میں پیڈیاٹرک محکمہ میں بچوں کی صحت کی نگہداشت کا ایک مرکز بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ بچوں کو مختلف بیماریوں سے محفوظ رکھنے کا یہاں بندوبست ہے۔ میونسپل کارپوریشن کے اسپتالوں جیسے کے۔ای۔ایم، نائر اور سائن میں بھی اس طرح کے علاج کئے جاتے ہیں۔

تقویت کے طریقوں کو اپنانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو وٹامن سے بھری تقویت افزا غذا بہم پہنچانا چاہیئے۔ شہر کے گندے علاقوں، کارپوریشن کے علاقوں میں فورٹیفائڈ بریڈ سپلائی کرنے کا پروگرام سماجی بہبود محکمہ انجام دیتا ہے۔ اور وٹامن افزا چیزیں سرکاری اسپتالوں، میونسپل اسپتالوں اور ابتدائی صحت مراکز پر دی جاتی ہیں۔

ویل۔ بے بی کلینک (WELL-BABY CLINICS) بہت سے سرکاری اور میونسپل اسپتالوں میں بنائے گئے ہیں تاکہ بہتر انداز میں بچوں کی نگہداشت ہو سکے اور اُن کو صحت مند رکھا جا سکے۔

شفا بخش طریقے پر حکومت کے اداروں اور ذاتی اداروں و میونسپل اسپتالوں میں دستیاب ہیں۔ میڈیکل کالج اسپتالوں میں بچوں کی بہت سی بیماریوں کے لئے پیڈیاٹرک محکمہ کو تیزی سے بڑھایا جا رہا ہے، بمبئی میں جے جے اسپتال میں اور کارپوریشن کے اسپتالوں میں پیڈیاٹرک سرجری محکمہ جات بچوں کے خاص خاص آپریشنوں کے لئے بڑھائے جا رہے ہیں۔

سوال و جواب

سوال: ہمارے ضلع میں کنٹر کے قریب جنگلی جانوروں کی ایک پناہ گاہ بنانے کی حکومت کی مجوزہ اسکیم پر اورنگ آباد کے باشندے بہت خوش تھے، اُس کا کیا ہوا؟

روندر کالے، اورنگ آباد

جواب: ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۵ء کو منعقد کردہ میٹنگ میں ریاستی جنگلی زندگی کی ایڈوائزری کمیٹی نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ مجوزہ گنتلہ پناہ گاہ کنٹر گاؤں سے ۹ کلومیٹر دُور بنائی جانی چاہئے۔ اس بات کا بھی فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ اس علاقے میں بندوق وغیرہ سے گولی چلانے اور شکار کرنے کی ممانعت کے بارے میں ایک نوٹیفکیشن لاء اینڈ جوڈیشری محکمہ کو رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اور پھر اس کے بعد اس کو پاس بھی کر دیا گیا ہے۔ ضلع کے منصوبہ بندی اور ترقیاتی بورڈ پر اس مجوزہ پناہ گاہ کے لئے رقم بڑھانے کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ ایسی اُمید ہے کہ ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران اس کی رقم ۱۶۸۰۶۰ روپے تک بڑھ جائے گی۔ اس سے قبل اس اسکیم پر ۸۰۸۶۷ روپے خرچ کا اندازہ لگایا گیا تھا۔

مرکزی حکومت نے اس پناہ گاہ کو قائم کرنے کے لئے کچھ رہنمائی بھی کی ہے اس لئے اس کے تحت پہلے بنائے گئے منصوبے میں کچھ تبدیلیاں بھی کرنا پڑیں گی۔ فی الحال ریاستی حکومت ترمیم شدہ مجوزہ منصوبے کے بارے میں تفصیلات تیار کر رہی ہے۔

سوال: سماج کے معاشی طور پر کمزور طبقات کے بچوں کو فری اسٹوڈنٹ شپ دینے کے بارے میں جانچ کا کیا معیار ہے۔ کیا تعلیمی سال ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران اس اسکیم میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟

وِٹھل۔ ٹی۔ پرب، اندا پور،
قلابہ ضلع

جواب: جی نہیں! اس سال اس اسکیم میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ وہ طلباء جن کے والدین یا سرپرست عام طور پر مہاراشٹر میں رہتے ہیں انھیں فری اسٹوڈنٹ شپ مل سکتی ہے۔ اس کی شرائط یوں ہیں: یہ طلباء حکومت کے منظور کردہ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہوں، یعنی منظور شدہ ثانوی مدارس میں (جہاں فری اسٹوڈنٹ شپ پنجم تا دہم تک دی جاتی ہے) منظور شدہ سکنڈری اسکولوں اور کالجوں میں جہاں F.Y.J. COLLEG اور S.Y.J. COLLEG میں کلاسیں چلتی ہوں، منظور شدہ کالجوں میں، پوسٹ گریجویٹ اداروں میں اور یونیورسٹی کے محکموں میں اور منظور شدہ ٹیکنیکل اور صنعتی اور پیشہ ورانہ اسکولوں اور کالجوں میں۔

اس اسکیم کے تحت طلباء کو داخلہ کی فیس، پڑھائی کی فیس، ٹرم فیس، لائبریری فیس اور تجربہ گاہوں کی فیس ادا کرنے سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے پنجم تا دہم کی جماعتوں تک میں داخلہ کی فیس اور ٹرم فیس اور دہم کے لئے تجربہ گاہوں کی فیس نہیں لی جاتی ہے۔ F.Y.J. COLLEGE اور S.Y.J. COLLEGE کے طلباء کے لئے فری اسٹوڈنٹ شپ تمام حالتوں میں دی جاتی ہے سوائے ٹیوشن فیس کے۔

کچھ آمدنی کی حد بھی قانوناً لگادی گئی ہے اور وہ یوں ہے: پنجم تا دہم جماعت کے طلباء کے لئے، ان کے والدین یا سرپرستوں کی سالانہ آمدنی ۲،۴۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔ F.Y.J. COLLEGE اور S.Y.J. COLLEGE کے طلباء کے والدین یا سرپرستوں کی کل آمدنی ۱،۸۰۰ روپے سے زائد نہ ہونی چاہئے، اور کالج، پوسٹ گریجویٹ اداروں اور یونیورسٹی کے محکموں میں ۱،۲۰۰ روپے سے زائد نہ ہونی چاہئے۔ ریاستی حکومت کے ملازمین کے لئے آمدنی کی حدبندی وہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کی بنیادی تنخواہ کو ہی خیال میں رکھا جاتا ہے۔ پچھلے مالی سال (اپریل تا مارچ) تک کی آمدنی کو ہی فری اسٹوڈنٹ شپ کے لئے خیال میں رکھا جاتا ہے۔

طالب علم، اس کے والدین یا سرپرست کے ذریعہ فری اسٹوڈنٹ شپ کے لئے درخواست بھیجنی چاہئے۔ اور یہ درخواست تعلیم حاصل کرنے والے ادارے کے کھلنے سے ۳۰ دن کے اندر بھیجی جانی چاہئے یا نئے داخلہ شدہ طالب علم کے تاریخ داخلہ سے ۳۰ دن کے اندر۔

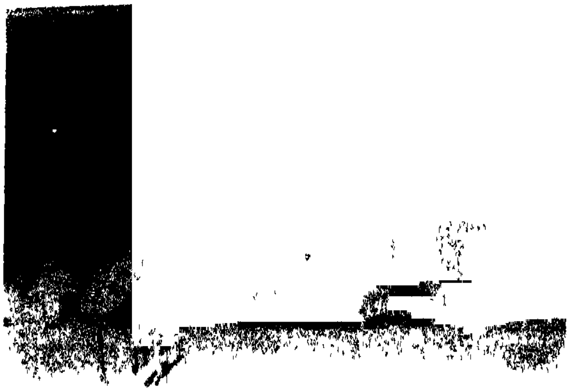
اگر کوئی طالب علم سالانہ امتحان میں ناکامیاب ہو جائے یا اگلی جماعت میں اس کو ترقی نہ دی گئی ہو تو اسے یہ رعایت نہیں دی جاتی ہے۔ تاہم اگر طالب علم بعد میں ترقی حاصل کرلیتا ہے تو اُسے یہ دوبارہ ملنے لگتی ہے۔ فری اسٹوڈنٹ شپ حاصل کرنے کے لئے طالب علم کو ہر سال نئی درخواست دینا چاہئے۔ اسے ایک کورس سے زیادہ کورسوں میں یہ رعایت نہیں ملتی ہے۔

سوال: کیا حکومت مہاراشٹر کے زیر غور ایسی کوئی اسکیم ہے جس کے تحت تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کو واجبی قیمتوں پر اشیاء بیچنے کی دوکانیں چلانے کی سہولت دی جانیوالی ہو۔ اگر ایسی کوئی اسکیم ہے تو وہ کب سے زیر عمل لائی جائے گی۔

دی۔ ایل ڈھکنے سوگاؤں، احمدنگر ضلع

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

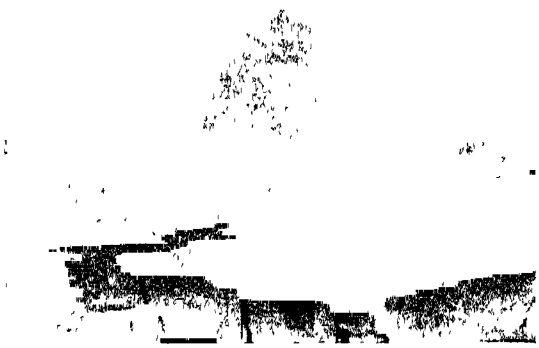
کیمرہ کی آنکھ سے



گورنر مہاراشٹر شری صادق علی ۴ر جون کو انڈین مرچنٹس چیمبر میں بمبئی کے ریجن کے موضوع پر منعقد ہونے والے سیمینار میں افتتاحی تقریر فرما رہے ہیں۔



ڈائرکٹر ٹورزم اینڈ موٹیل پبلسٹی [illegible] تصویر [illegible]
کی طرف سے انعام کا مستحق قرار دیا گیا ہے اس تصویر میں راون سینا کو [illegible]۔



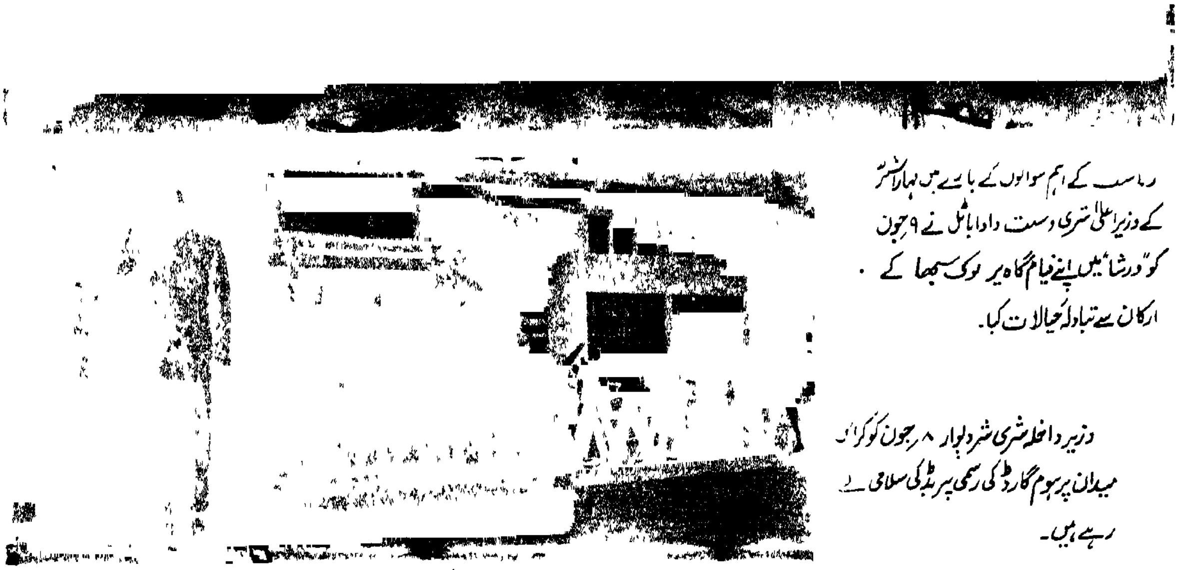
۵ جون کو وزیر برائے سماجی بہبود مسز [illegible] صاحب [illegible] قومی [illegible]
مہاراشٹر [illegible] کا افتتاح فرماتے ہوئے تقریر کر رہے ہیں۔



وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری [illegible] جون کو سماجی [illegible]
[illegible] افتتاح کر رہے ہیں [illegible] وزیر برائے سماجی بہبود
شری ایس۔ ایم۔ [illegible]
نظر آ رہے ہیں۔



وزیر صحتِ عامہ
شری ایس۔ اے۔ سولنکی
۱۵ر جون کو
سپرنٹنڈنگ انجینئروں
کی کانفرنس سے
خطاب کر رہے ہیں۔



ریاست کے اہم سوالوں کے بارے میں مہاراشٹر کے وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے ۹ جون کو "ورشا" میں اپنے قیام گاہ پر لوک سبھا کے ارکان سے تبادلۂ خیالات کیا۔

وزیر داخلہ شری شرد لوار ۸ جون کو کراس میدان پر ہوم گارڈ کی رسمی پریڈ کی سلامی لے رہے ہیں۔



یوتھ برادری کا کولی واڑہ، گورے گاؤں (بمبئی) میں لیڈرشپ ٹریننگ کیمپ کا آغاز کلچرل ورکس منسٹر شری دادا صاحب رُوپوانے کے ہاتھوں یکم جون کو ہوا۔ ذیل کی تصویر میں یوتھ برادری کے ناظم شری کرانتی شاہ اور فلم اسٹار کماری آشا پاریکھ نظر آرہے ہیں۔

۶۰۰ روپے کی لاگت سے تیار کی جانے والی صحافی عمارت کی بھول پوجا مہاراشٹر کے وزیر محصول شری مدھوکر چودھری نے انجام دی۔ اس موقع پر ضلع پریشد کے صدر شری سدھاکر پاٹل اور سابق ممبر پارلیمنٹ شری سداشیو راؤ ٹھاکرے اور ایوت محل ضلع کے جملہ صحافی بھی موجود تھے۔



سرمتی پربھا پاٹل وزیر تعلیم ۲ جون کو نیشنل ایسوسی ایشن فار بلائنڈ، دادر کی طرف سے منعقدہ سہ روزہ ریاضی کے بریل کوڈ کے ورکشاپ کا افتتاح کر رہی ہیں۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کا جلسۂ تقسیمِ انعامات

۲۵ر جون کی شام کو بھولا بھائی دیسائی آڈیٹوریم میں مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کی جانب سے منعقدہ جلسۂ تقسیم انعامات کے موقع پر شری بابو راؤ کالے، وزیر برائے ٹرانسپورٹ اور جنگل نے فرمایا کہ مہاراشٹر کے لوگوں کی مادری زبان خواہ کچھ ہو، انھیں اُردو زبان سے دلی لگاؤ ہے۔

آپ نے سابق وزیر اعلیٰ شری شنکر راؤ چوان کی اُردو اکادمی کے قیام سے متعلق کامیاب کوشش کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل بھی اُردو کے کام کو آگے بڑھانے میں ہر ممکن تعاون دیں گے۔

اکادمی کے وائس چیرمین شری سید فاروق پاشا وزیر مملکت برائے تعلیم نے دو سال کے مختصر عرصہ میں اکادمی کی کارگزاریوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اکادمی کے قیام سے ریاست کے اُردو داں طبقہ کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ آپ نے شری وسنت دادا پاٹل کی اُردو دوستی اور اقلیت نوازی پر تبصرہ کرتے ہوئے اس اُمید کا اظہار کیا کہ وہ اُردو کو زیادہ سے زیادہ ترقی کے مواقع فراہم کریں گے۔ اس ضمن میں خاطر خواہ و اطمینان بخش کامیابی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ اُردو داں طبقہ میں بھی اپنی زبان کے فروغ اور ترقی کا جذبہ پیدا ہو۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے سکریٹری شری خواجہ عبدالغفور نے تمام حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس تقریب کی نوعیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے انعام یافتگان

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے انعام یافتگان کی فہرست درج ذیل ہے:

افسانے

۱۔ اپنے آپ کا قیدی	احمد عثمان	۱۰۰۰ روپے
۲۔ چہرے	عثمان غنی	۵۰۰ روپے

شاعری

۳۔ پچھلے پہر	جاں نثار اختر	۲۰۰۰ روپے
۴۔ وادیٔ سنگ	ظفر گورکھپوری	۵۰۰ روپے
۵۔ انحراف	یعقوب راہی	۳۰۰ روپے
۶۔ خوشبو	بدیع الزماں خاور	۲۰۰ روپے

۷۔ ایک ہزار روپے کا خصوصی انعام کیفی اعظمی کو ان کی اُردو شاعری کی خدمات کے صلہ میں دیا گیا۔

بچوں کا ادب

۸۔ بلک نہ مارو	یوسف ناظم	۱۰۰۰ روپے

تکنیکی ادب

۹۔ لکھنؤ کی لسانی خدمات	ڈاکٹر حمید اللہ ندوی	۲۰۰۰ روپے
۱۰۔ چٹان اور پانی	فضیل جعفری	۱۰۰۰ روپے
۱۱۔ بحث و تکرار	تصدیق سہاروی	۵۰۰ روپے
۱۲۔ اسلامی ادبیات پر ایران کا اثر	عبدالستار فاروقی	۱۰۰۰ روپے

صحافت

۱۳۔ پہلا انعام شری عبدالحمید بوہرے (صبح اُمید) ۲۰۰۰ روپے

۱۴۔ دوسرا انعام " شمس کنول (گگن) ۱۰۰۰ روپے

۱۵۔ خصوصی انعام " ریاض احمد خاں (انقلاب) ۵۰۰ روپے

۱۶۔ خصوصی انعام " اختر احسن (بلٹز) ۵۰۰ روپے

۱۷۔ خصوصی انعام " حسینی جاوید (آج) ۵۰۰ روپے

۱۸۔ ایک ہزار روپے کا خصوصی انعام شری آر۔ بی حوشی، ممبئی کو اُردو ادب کا مراٹھی ادب میں ترجمہ کرنے اور مراٹھی جاننے والوں سے اُردو ادب کو روشناس کرانے کے لئے دیا گیا۔

ریاستی خبریں

ریاستی مسئلوں پر مذاکرہ، وزیر اعلیٰ نے ریاستی ممبران پارلیمنٹ سے ملاقات کی

بمبئی ہائی اور گیس کی ٹرمنل سہولتوں کے قیام کے لئے جگہ، مہاراشٹر میں ریلوے لائینوں، خوردنی تیل کی دستیابی، روئی کی اجارہ دارانہ خرید، فاضل زمین پانے والوں اور حکومت ہند کے مختلف وزراتوں کی زمینوں پر جھونپڑے والوں کیلئے مرکزی سیکٹر، جانب کی جانب سے مالی امداد یہ چند موضوعات تھے جن پر وزیر اعلیٰ، شری وسنت دادا پاٹل نے مہاراشٹر کے اراکین پارلیمنٹ سے اپنی رہائش گاہ "ورشا" پر آج گفتگو کی۔

یہ بیٹھک لوک سبھا کے اجلاس سے ایک دن قبل منعقد ہوئی جو کہ ۱۱ر جون سے شروع ہونے والا ہے۔

بٹیھک میں بتلایا گیا ہے کہ اپٹا۔ داس گاؤں سیکشن کے قطعی مقام کا سروے ہو چکا ہے اور داس گاؤں۔ رتنا گیری سیکشن کا پورا ہونے کو ہے وزیر برائے ریلوے نے وزیر اعلیٰ کو اپنے خط میں یہ یقین دلایا کہ وہ کوکن ریلوے پروجیکٹ پر فوراً کام شروع کرنے کیلئے وہ اپنی پوری کوشش کریں گے۔

وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ریاستی حکومت مرکزی حکومت کی زمینوں پر جھونپڑوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے راضی ہے اور ان کاموں کو کرنے کیلئے مرکز سے اجازت حاصل کرنے میں ممبران پارلیمنٹ کا تعاون درکار رہے۔

شری پاٹل نے یہ محسوس کیا کہ ریاستوں کے مابین خوردنی تیل کی نقل و حرکت پر پابندی اٹھا لینے سے خوردنی تیل کی تقسیم برابر ہو سکے گی۔

متعلقہ محکمہ کے وزرا، بیٹھک میں حاضر تھے۔

عینکوں کے فریمس کی صنعت کیلئے کم سے کم اُجرت ایکٹ کمیٹی

عینکوں کے فریم بنانے کی ملازمت میں یکم ستمبر ۱۹۷۷ء سے کم از کم اجرت ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء نافذ ہوگا۔ حکومت مہاراشٹر نے اس ملازمت کو ایکٹ کے شیڈیول کے حصّہ اوّل میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کم از کم اُجرتوں کا شرح اس کے مطابق طے کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں نوٹیفکیشن حکومت مہاراشٹر کے ۳۰ر مئی ۱۹۷۷ء کے غیر معمولی گزٹ کے حصّہ ۱۔ ایل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

صارفین کے لئے گائے کا دودھ

جو صارفین سرکاری دودھ کے مراکز سے باقاعدہ صبح میں گائے کا دودھ خریدنا چاہتے ہوں انہیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات آرے، ورلی اور کرلا ڈیریوں کے دودھ کی تقسیم کے شعبوں کو لکھیں

گائے کے دودھ کیلئے کارڈس انہیں ڈیریوں سے جاری کئے جائیں گے۔ بوتل میں فی لیٹر کی قیمت دو روپے ساٹھ پیسے ہوگی اور اگر کین میں فراہم کیا گیا تو تھوک یا پرچون دودھ کی قیمت دو روپے پچاس پیسے ہوگی۔

فی الحال گائے کے دودھ کی فراہمی صبح کے کچھ چنندہ مراکز تک محدود ہے

ریاستی بورڈ برائے ادب اور تہذیب کی تشکیل نو

حکومت مہاراشٹر نے ترک تیرتھ شری لکشمی شاستری جوشی کی زیر صدارت ریاستی بورڈ برائے ادب اور کلچر کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

بورڈ کے دیگر اراکین ہیں: شری جی۔ وی۔ ہیڈیکر، پروفیسر اننت کانیکر، پروفیسر ایم۔ پی۔ ریگے، ڈاکٹر ایم۔ این۔ وانکھیڈے، پروفیسر ایم۔ پی۔ وتھالی اور ڈاکٹر ایس۔ ایچ۔ دیشپانڈے (سب بمبئی سے)۔ پروفیسر اے۔ بی۔ شاہ، شری پی۔ ایل۔ دیشپانڈے، شری۔ ڈی۔ جی۔ منڈگلکر، پروفیسر ڈی۔ اے۔ وابھولکر، ڈاکٹر شریمتی چترا نائیک اور ڈاکٹر سروجنی بابر (سب پونے سے)، ڈاکٹر ڈی بولائی گوہوکر اور پروفیسر بھاسکر بھولے ناگپور سے۔ پروفیسر شریمتی سُمتی پاٹل، کولہاپور ڈاکٹر یو۔ ایم۔ پیٹھان اورنگ آباد اور شری دیوسنگھ وی چوہان، عثمان آباد، ڈاکٹر ڈی۔ وائی۔ راجادھیکش بورڈ کے سیکریٹری ہوں گے۔

بورڈ کی معیار یکم جون ۱۹۷۷ء سے تین سال ہوگی۔

جوار/ دھان پائیلیٹ پروجیکٹس

حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۷۷ء کے خریف کے موسم کے دوران دھان اور مخلوط جوار۔ قسموں کی پائیلیٹ اسکیم کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

زیادہ پیداواری قسموں کے دھان کے ۱۰۷ پائیلیٹ بلاکس ہوں گے ہر ایک بلاک ۲۰۰ ہیکٹرس تک ہوگا اور یہ روایتی یا غیر روایتی دھان پیدا کرنے والے علاقے میں ہوگا۔ مخلوط جوار کے ۲۰۲ پائیلیٹ بلاکس ہر ۴۰۰ ہیکٹرس روایتی جوار پیدا کرنے والے علاقے اور ایسے علاقوں میں بھی جہاں فی الحال باجرہ اُگایا جاتا ہے اور جس کی جگہ مخلوط جوار اگایا جاسکتا ہے اور ۴۹ پائیلیٹ بلاکس زیادہ پیداواری قسموں کے دھان/ یا مخلوط جوار چھوٹے زمین مالکان کے لئے۔ ایسا ہر ایک بلاک ۱۰۰ سے ۲۰۰ ہیکٹرس ہوگا۔

چھوٹے کسانوں کو اناج پیدا کرنے کے پروگرام میں شریک کرنے کی غرض سے مالی و دیگر سہولت دینے کی کوشش کی جائے گی۔

پروجیکٹ کے علاقوں کے چھوٹے کسانوں کو قرض کی ضرورت پر خاص توجّہ دی جائے گی اور اگر وہ انجمن امداد باہمی کے رکن نہ ہوں گے تو انہیں رکن بنایا جائے گا تاکہ وہ قرض حاصل کرنے کے مستحق ہوں۔

ہوم گارڈس کو بہتر بناؤ
۲ استادوں کو شری آر. پی. والوی کی ہدایت

شری آر. پی. والوی، وزیر مملکت برائے داخلہ نے آج ۲۹ ہوم گارڈس اُستادوں کو جنہوں نے سینٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں تربیت حاصل کی ہے ہدایت کی کہ وہ اس خدماتی ادارے کے رضاکاروں کو اچھی طرح ڈھالیں تاکہ وہ بہ وقتِ ضرورت سماج کی بہتر طور پر خدمت کر سکیں نیز ملک کے تعمیری کاموں میں مدد کر سکیں۔

شری والوی جو سینٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، گھاٹ کوپر میں استادوں کی پاسنگ آؤٹ پریڈ سلامی کے بعد تقریر کر رہے تھے کہا کہ ریاستی حکومت نے وقفے وقفے سے ضلع تربیتی مراکز کے قیام کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ہوم گارڈس کو آگ بجھانے، بچاؤ، فوری امداد وغیرہ جیسے مضامین میں تربیت دی جائے تاکہ ادارہ تربیت کے میدان میں خود اعتمادی حاصل کر سکے۔

بریگیڈیئر بی. جی. دیوسکر، کمانڈنٹ جنرل، ہوم گارڈس نے اس سے قبل مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ میجر ایل. آر. اکلکوٹکر، انسٹی ٹیوٹ کے چیف انسٹرکٹر نے شکریہ ادا کیا۔

تربیت یافتگان استادوں نے اس موقع پر بیونٹ فائٹنگ، آگ بجھانے، بچاؤ، فوری امداد وغیرہ کا پراثر عملی مظاہرہ کیا۔

انجینئرنگ کالجوں میں داخلے

ریاست کے انجینئرنگ کالجوں میں اضافی نشستوں کے لئے داخلے جس کی قطعی منظوری مرکزی منظوری دے سکتی ہے کہ دوسرے ٹرم کی ابتدا یعنی نومبر/دسمبر ۱۹۷۷ء میں کئے جانے کی تجویز ہے۔

چونکہ آئندہ تعلیمی سال میں ریاست کے انجینئرنگ کالجوں میں داخلے کے مستحق طالب علموں کے دو دستے ہوں گے، ایک جو کہ انٹر سائنس / بی. ایس. سی حصّہ اول / پری. پروفیشنل امتحان کامیاب ہوں گے اور دوسرے جو ہائر سیکنڈری سرٹیفکیٹ امتحان (جماعت XII) کامیاب ہوں گے۔ اس لئے حکومتِ مہاراشٹر نے حکومتِ ہند سے صرف آئندہ تعلیمی سال کے لئے انجینئرنگ کالجوں میں نشستوں کی تعداد بڑھانے کے لئے درخواست کی ہے۔

جولائی ۱۹۷۷ء سے شروع ہونے والے تعلیمی سال میں حسبِ ذیل انجینئرنگ کالجوں میں داخلے ان میں نشستوں کے مطابق حسبِ معمول ہوں گے: وی جے ٹی آئی بمبئی؛ سردار پٹیل کالج آف انجینئرنگ بمبئی؛ گورنمنٹ کالج آف انجینئرنگ پونے؛ گورنمنٹ کالج آف انجینئرنگ، کراڈ؛ والچند کالج آف انجینئرنگ، سانگلی؛ گورنمنٹ کالج آف انجینئرنگ، اورنگ آباد اور گورنمنٹ کالج آف انجینئرنگ امراوتی۔

پراسپیکٹس اور داخلے کے لئے عریضہ کے فارم انہی کالجوں سے ۲۱ جون سے ۲ روپے (اور پسماندہ طبقات کے طالب علم کو ایک روپیہ میں) میں دستیاب ہونگے۔ عریضہ کے فارم کالجوں میں ۱۲ جولائی تک قبول کئے جائیں گے۔

پسماندہ طبقات کے مسائل
رسائی میں تبدیلی کیلئے شری روباونے کی درخواست

شری ڈی. ٹی. روباوتے، وزیر برائے سماجی بھلائی نے آج لوگوں سے گزارش کی ہے کہ وہ پسماندہ طبقات کے لوگوں کے مسائل کی بنیادی رسائی تبدیلی لائیں اور خاص طور پر ان کے بہبود کی اسکیموں کے عمل درآمد میں۔

وزیر موصوف پلاننگ، قناعت اور سماجی بھلائی تنظیم کی خدمات پر قومی سیمینار کا افتتاح ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشیل سائنس میں کر رہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ سماجی بہبود کے شعبوں کے اعلیٰ افسران جب ان کا سماجی بھلائی جیسے محکمہ میں تقرر کیا گیا تو انہوں نے اپنے آپ کو ٹال دیئے گئے ہوئے لوگوں کے خیال کی پرورش کی۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت پسماندہ طبقات کے لئے زیادہ فکرمند رہتی ہے اور زیادہ سہولتیں عنایت کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اسکیموں کا مقصد پورا کرنا ہے تو یہ خیال بدل دینا چاہیئے۔

تمام متعلقہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ سماج کے کمزور طبقوں کی بھلائی کے کاموں کو کامیاب بنانے کی اسکیموں میں ذاتی طور پر حصّہ لیں۔

سیمینار میں شرکت کرنے والوں میں سماجی بھلائی کے محکموں کے سکریٹریز، مختلف ریاستوں کے سماجی بھلائی بھلائی کے ڈائرکٹران اور رضاکارانہ تنظیموں کے مدعو کئے گئے لوگ تھے۔

شری ایم ایس. گورے، انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر نے وزیر کا خیر مقدم کیا۔ شری اے جی موس، پلانگ ریسرچ نے شکریہ ادا کیا۔

انڈین نیوی میں داخلے شروع

انڈین نیوی میں آرٹیفائیسر اپرنٹس کے طور پر داخل ہونے کے لئے ۷ ستمبر سے ۱۵ نومبر تک پری کیڈٹ ٹریننگ سینٹر احمد نگر میں پندھرواں گائیڈنس کورس منعقد کیا جائے گا۔

بہرے اور نابینا طلبہ کیلئے وظائف

حکومتِ مہاراشٹر نے سال برائے ۷۸-۱۹۷۷ء میں تسلیم شدہ اسکولوں میں اوّل جماعت سے ہشتم جماعت تک تعلیم پانے والے نابینا، بہرے اور جسمانی طور پر معذور طلبہ کو وظائف دینے کا فیصلہ کیا ہے

اس سلسلے میں درخواستیں وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۷۷ء ہے یکم جون سے ۳۱ جولائی تک درخواست فارم ڈائرکٹوریٹ آف سوشیل ویلفیر ۳- چرچ روڈ، پونے ۱ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ بھرے ہوئے درخواست فارم ۳۱ جولائی کو متذکرہ پتہ پر بھیجے جا سکتے ہیں۔

کرشنا پر نیا بندھ

کراڈ۔ ۱۴ رجون : شری شیواجی راؤ پاٹل نیلنگیکر وزیر برائے آبپاشی کل یہاں کرشنا ندی
پراڈ کے قریب نئے بندھ کی تعمیر کا اعلان کیا نیا بندھ موجودہ کھودشی بندھ کے بالکل نیچے
یر کیا جائے گا کیونکہ کھودشی بندھ کی تہہ میں کافی مٹی جمع ہو گئی ہے اور اس کی معیاد کار
نم ہو گئی ہے ۔ وزیر موصوف ترالے اور کھودشی دھرن پر لیشد میں امبرج کے مقام پر
قریر کر رہے تھے ۔

شری پاٹل نے پاٹن تعلقہ میں ترالی ندی پر مٹی کے بندھ کی تعمیر کا بھی اعلان کیا ۔
س بندھ کی تعمیر کے لئے جگہ کا انتخاب سادرگڑھ اور دھامک واڑی کے درمیان کیا
بائے گا ۔ البتہ جگہ کے انتخاب کے وقت زمین کم سے کم استعمال ہو اور موضع جات کم سے کم
ماثر ہوں ان باتوں کا خیال رکھا جائے گا ۔

وزیر اعلیٰ کا اظہار تعزیت

بمبئی ۔ ۱۴ رجون : وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت دادا پاٹل نے شری
رشنا داس شاہ ' ریاستی حکومت کی دیہی صحت نیز صفائی کے اعزازی مشیر کی موت
ر اظہار افسوس کیا ۔

وزیر اعلیٰ کے تعزیتی پیغام کا متن حسب ذیل ہے :

" شری شاہ نہ صرف مہاتما گاندھی کے چیلے تھے بلکہ انہوں نے اپنی پوری
ندگی کو ایک نئے موڑ سے ہمکنار کیا ۔

شری شاہ کے چھوڑے ہوئے ادھورے کام کو مکمل کر کے ہی صحیح معنو
ں انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا جا سکتا ہے ۔ میں اور شریمتی پاٹل ان کے خاندان
ے غم میں شریک ہیں ۔ "

چنا کرمرا تول کے فروخت

حکومت مہاراشٹر نے اس بات کی ہدایت کی ہے کہ فوری طور سے چنا یا پھٹانا
رمرا' پوہا' لاہیا' ڈٹانا اور مونگ پھلی کی فروخت وزن کر کے کی جائے البتہ متذکرہ
اشیاء کا وزن ایک سو گرام سے کم ہونے پر یا قیمت ۶۰ پیسے سے زائد نہ
ہونے پر بغیر وزن کئے فروخت کی جا سکتی ہے ۔

گوشت کی برآمدات کیلئے صحت مندی سرٹیفکیٹ

حکومت مہاراشٹر نے وضاحت کی ہے کہ برآمدات کے مقاصد سے
ڈبوں میں بند کئے جانے والے تازہ منجمد کردہ بھیڑ کے گوشت اور قیمے کے لئے صحت مندی
سرٹیفکیٹ پرنسپل ، بمبئی ویٹرنری کالج دینا جاری رکھیں گے ۔ بہرحال زندہ جانوروں
اور تازہ منجمد کردہ ہڈیوں کو برآمد کرنے کے لئے سرٹیفکیٹ ڈسٹرکٹ ہسبنڈری افسر
بمبئی جاری کرے گا ۔

ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم

ماہ اپریل کے دوران ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت ۱۲۲۳۷ بیمہ شدہ
افراد کو ۱۷۸۶۵۷۱ روپے کی راحت پہنچائی گئی ۔ اس ماہ کے دوران ۹۰۴۲
واقعات کا پتہ چلا ہے ۔

علالت معاوضہ کے طور پر ۸۳۶۹۶ افراد کو ۵۰۲۲۶۷ روپے دیئے گئے
طویل علالت معاوضہ کی مد میں ۵۸۹۶۶۴ روپے ادا کئے گئے ۔
زچگی معاوضہ کے طور پر ۲۵۱ بیمہ شدہ خواتین کو ۴۰۹۰۶۸ روپے ادا کئے گئے ۔
۱۳۷ واقعات میں کفن دفن کیلئے ۱۲۵۹۶ روپے دیئے گئے جبکہ بیمہ شدہ افراد
کی بیوؤں کے ایام حمل کے دوران ۸۵۰۵۰ روپے دیئے گئے ۔
نس بندی کیلئے ۲۴۲۱ افراد کو ۲۴۸۹۹ روپے دیئے گئے ۔

جھونپڑ پٹی کے سدھار کیلئے ۲۷۹ لاکھ روپے

جھونپڑ پٹی ماحول سدھار اسکیم کے تحت مہاراشٹر سلم امپرومنٹ بورڈ
نے سال برائے ۷۸-۱۹۷۷ کے دوران ۱۳۲۶۸۷ لاکھ روپے بمبئی عظمیٰ اور
۱۴۸۶۸۰ لاکھ روپے دیگر شہروں پر خرچ کرنے کی تجویز رکھی ہے ۔

یہ اسکیم مہاراشٹر کے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ایک لاکھ سے
زائد آبادی کے تمام شہروں پر لاگو ہوتی ہے ۔

لقیہ صفحہ ۲۹ سے آگے :

جواب : حکومت نے ایک معیار بنایا ہے تاکہ فیئر پرائز اناج کی دوکانیں
جس کے تحت ۱۶ قسموں کے ادارے اور افراد بشمول تعلیم یافتہ بے
روزگاروں کو فوقیت دی جاتی ہے ، چلانے کے لئے دی جا سکیں ۔
یہ ۱۶ قسم کے افراد یا ادارے یہ ہیں : ہمہ ۔ مقصد امداد باہمی سوسائٹیاں
پسماندہ طبقات کی امداد باہمی سوسائٹیاں ، فریڈم فائٹروں کی امداد
باہمی سوسائٹیاں ، ایکس سروس مین افراد کی امداد باہمی سوسائٹیاں '
خواتین کی امداد باہمی سوسائٹیاں ، (تاہم یہ تمام سوسائٹیاں قانونی
طور پر رجسٹرڈ ہونی چاہئیں) پسماندہ طبقہ جات کے افراد ، وہ افراد
جن کو ہند پاک جنگ کے دوران نقصان اٹھانا پڑا ہو ۔ فریڈم فائٹرز '
ایکس سروس مین ، تعلیم یافتہ بے روزگار ، نس بندی سے متاثر ہونے
والے افراد ، گولڈ کنٹرول آرڈر سے متاثر ہونیوالے افراد اور وہ تمام لوگ
جو مذکورہ بالا زمرہ میں نہ آتے ہوں ۔

فیئر پرائز دوکانیں دیتے وقت فوقیت دینے والی فہرست میں جو
ادارے یا افراد ہوتے ہیں ان کے معاملات پر کلکٹر یا ریاستی حکومت
غور کرتی ہے ۔

یہ اسکیم فی الحال زیر عمل ہے ۔ ●●

[illegible]

اسٹیج پرفارمینس بورڈ کی ازسرنو تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے یکم جون ۱۹۷۷ء سے تین سال کی مدت کے لئے اسٹیج پرفارمینس اسکروٹنی بورڈ کی ازسرنو تشکیل کی ہے۔

دوبارہ تشکیل کردہ بورڈ کے سربراہ شری چندرکانت گوڑسے ہیں۔ پہلی مرتبہ بورڈ میں تماشہ آرٹسٹوں اور شہریوں کو نمائندگی کا موقع دیا گیا ہے۔ بورڈ کے دیگر ممبران یہ ہیں: شری پرشوتم دارووھیکر، شری بی بساولارام، شری ویکنتیش مڈگولکر، شریمتی شانتا شیلکے، پروفیسر رتن لال سونگرا، شری شانتی کمار بھٹ، شریمتی جیوتسنا تربھون، ڈاکٹر آپا صاحب انعامدار، شری تھمنت کدم، شری اشوک جی پرانجپے، ڈاکٹر وائی۔ ایم پٹھان، شاہیر سیلے، شری وامن راؤ کروک اور شری انیل بروے۔

ضلع ناگپور کے ۱۷ موضع جات میں تفریحی ٹیکس کا نفاذ

بمبئی تفریحی ڈیوٹی ایکٹ ۱۹۲۳ء، یکم جولائی ۱۹۷۷ء سے ناگپور کے مندرجہ ذیل موضع جات پر نافذ العمل ہوگا: وڈودا، کوراڈی اور باکل گھاٹ (سب ناگپور تعلقہ کیلئے) بیلونا، کھیر گاؤں، ساور گاؤں، جلال کھیڈا، بھسنور، ساونگا (لوہاری)، براہ سنگھا، ساونگا (کپاری)، اور ریدھورا (سب کاٹول تعلقہ میں) مچولی (کھار کھیڈا) کیلوڈ، دھاپا واڑا، پاٹن ساونگی اور بھانے گاؤں (سب ساونیر تعلقہ میں)۔

دیہی پینے کے پانی کی فراہمی کیلئے ۹ کروڑ روپے زائد

ریاست مہاراشٹر میں ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران دیہی پینے کے پانی کی فراہمی کے لئے ۹,۰۸,۶۶,۰۰۰ روپے کی گنجائش کی تجویز ہے۔ تقریباً ۹۰ سے ۱۰۰ فی صد تک مالی امداد ضلع پریشدوں کو پانی کی فراہمی اسکیموں کے لئے دی جائے گی۔

پانچویں منصوبہ کے آغاز میں لگائے گئے اندازے کے مطابق پینے کے پانی کے معاملے میں ۱۹۰۰۰ موضع جات پر دھیان دینے کی ضرورت تھی۔ ان میں سے ۱۳۰۰۰ موضع جات کو آسان ذرائع جیسے کنویں، تالاب، ٹیوب ویلز وغیرہ کی ضرورت تھی۔ جبکہ باقی ۶۰۰۰ مشکل گاؤں تھے جہاں نلوں کے ذریعے پانی فراہم کرنا ضروری تھا۔

۱۱۶۶ نل پانی فراہمی اسکیموں کو زندگی بیمہ کارپوریشن مدد ملی اور ۲۶۸ بغیر اس کی امداد کے۔ اس کے علاوہ پراجیکٹ متاثرہ موضع جات اور ایسے گاؤں جہاں زیادہ تر پسماندہ طبقات کی آبادی ہے، کے لئے ۲۷ اسکیمیں ہیں۔

مشکل موضع جات کو پینے کا پانی فراہم کرنے کے لئے جہاں زمینی پانی کے ذرائع ہیں ۳۵ء۷۶ لاکھ روپے فراہم کئے گئے، اور امید کی جاتی ہے کہ سال کے دوران ۷۰۰ بورویل گراؤنڈ واٹر سروے اینڈ ڈیولپمنٹ ایجنسی ڈرل کرے گی۔ بورویل کے لئے ۷۸-۱۹۷۷ سالانہ منصوبہ میں ۹۷ و ۱۵ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ص.ح



بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ قومی راج، میں قارئین کی رائے، کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونیوالے بہتر اور خیال انگیز خط پر پچیس ۲۵ روپے کا انعام بھی دیا جارہا ہے۔

آپ قومی راج، میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کرسکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کرسکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط آپ اس پتے پر روانہ فرمائیے:

مدیر، پندرہ روزہ "قومی راج" پندرہواں منزلہ،
نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فوری توجہ کے لئے

ترسیلِ زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر، جو آپ کے خط با نے کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے، ضرور تحریر فرمائیے

یوتھ فورم

'قومی راج' کے مئی ۱۹۷۷ء کے شمارے سے ہم نے "یوتھ فورم" کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوگا۔

اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جائے گی۔ قومی پروگرام جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی کی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جائے گا۔

اپنے مضامین اس پتے پر بھجوائیں:
ایڈیٹر 'قومی راج'، (پندرہ روزہ)
۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ،
بمبئی - ۴۰۰۰۳۲



سنت شری گاڈگے بابا
کرم ویر بھاؤ راؤ پاٹل اور ڈاکٹر
باباصاحب امبیڈکر کے ساتھ
(۱۹۵۲ء)

ناشک میں کوڑھ کے شفاخانہ کے
افتتاح کے موقع پر شری باباصاحب
اور قومی سادھو شری تکڑو مہاراج۔
(۱۹۵۶ء)



QAUMI RAJ : Regd. No. MH-BY-South-544 Licence No. 89 for without prepayment of postage

گاڈگے بابا کا پیغام

حقیقی خدا کو پہچان لیجئے اور تنہا اسی کے اطاعت گذار بن جایئے

دوستو! سُنئے! یہ آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا نہ تو مندروں میں ہے، نہ صنم میں اور نہ ہی زیارت گاہوں پر۔ خدا کا نور غریبوں کی خدمت کرنے سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ ان کی خدمت کیجئے۔ خدا کی اطاعت بجا لایئے!

بُھوکوں کو کھانا کھلا کر
پیاسوں کو پانی پلا کر
ننگے لوگوں کو کپڑے دے کر
غریب بچوں کو تعلیم دلا کر
بے گھروں کو پناہ دے کر
نابیناؤں، معذوروں اور بیماروں کو دوائیاں دیکر
بے زبان جانوروں کو سایۂ حفاظت میں لیکر
بے روزگاروں کو روزگار دیکر
رنجیدہ اور نا اُمید لوگوں کی
ہمت افزائی کرکے

یہی تنہا درد آشنا مذہب ہے
یہی تنہا سچی عقیدت ہے
اور خدا کی اطاعت گذاری

ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا [redacted]



قومی راج

* آبپاشی۔ کامیابیاں اور ناکامیاں

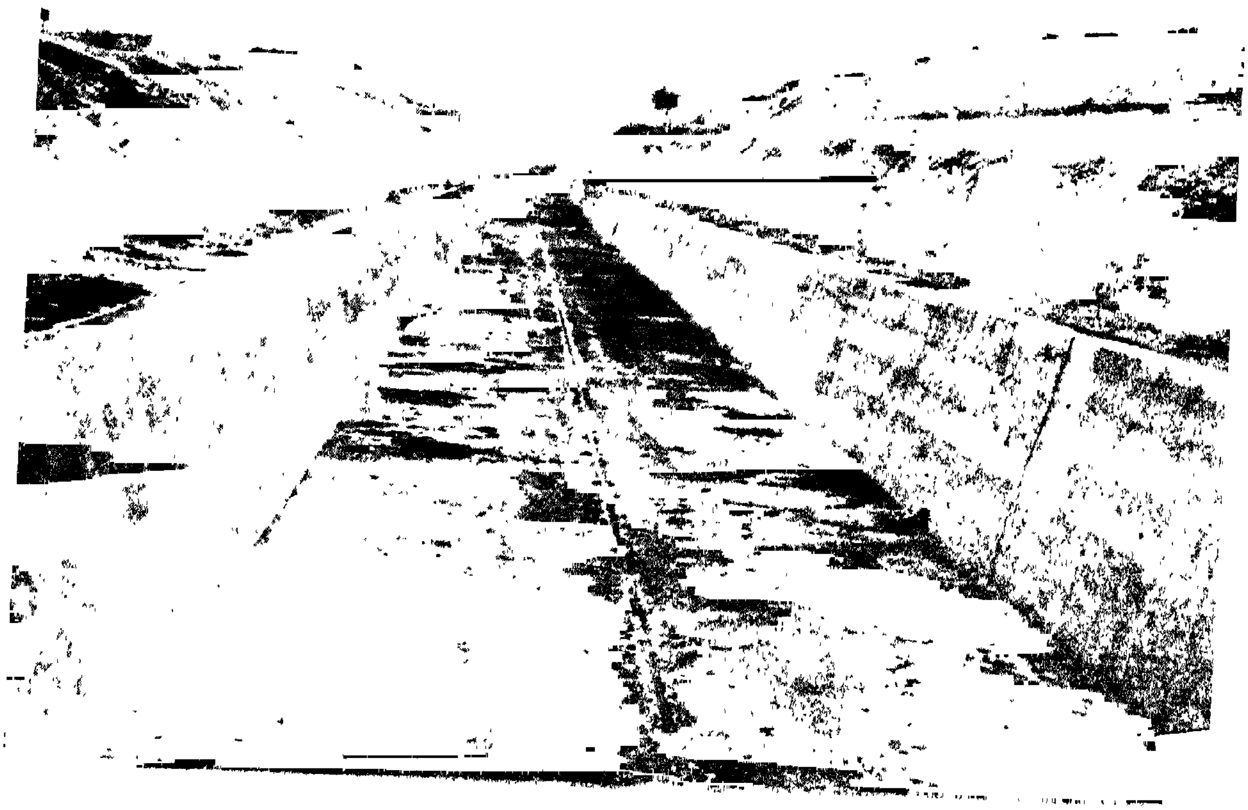
* آنند بن۔ باغِ نشاط

۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء

قیمت: ۵۰ پیسے



▲ ضلع سولاپور، تعلقہ مدھا کے اجانی گاؤں کے قریب بھیما ندی پر تعمیر کردہ اجانی بردحکٹ
بائیں کنارے پر تعمیر کردہ ۱۷ کلومیٹر لمبی نہر ▼



قومی راج

جلد نمبر ۴ • ۲۵ رجولائی ۱۹۷۷ء • شمارہ نمبر ۱۴

ہر ماہ کی ۱۰ ر اور ۲۵ ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

قیمت فی کاپی: ۵۰ پیسے ✱ سالانہ: دس روپے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔اے۔ایس)

ترتیب

سخنہائے گفتنی

سنت گاڈگے مہاراج خصوصی نمبر اُردو داں طبقہ میں جیسا کہ اُمید کی جارہی تھی کافی مقبول ہوا ہے اور ہم ان تمام قارئین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اِس خصوصی نمبر پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ دراصل مہاراشٹر کی سرزمین پر ہر دَور میں بڑے بڑے سنت، صُوفی اور بزرگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے فیوض سے عام انسانوں کی ہمیشہ بھلائی ہی ہوئی ہے۔ جیساکہ آپ جانتے ہیں، ہمارا بھی یہی ارادہ ہے کہ کم از کم سال میں ایک مرتبہ مہاراشٹر کے کسی عظیم سنت یا صُوفی کی زندگی پر خصوصی نمبر شائع کریں۔

زیرِ نظر شمارہ ریاست کی آبپاشی اسکیموں پر ایک مختصر سا جائزہ ہے۔ اِس میں تصاویر کے ذریعے آپ کو نئے اور پُرانے بند، نہریں، پاور ہاؤس کی جھلکیاں نظر آئیں گی، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ ہماری ریاست نے اِس سِمت کس قدر اُمید افزا ترقی حاصل کی ہے۔

باغِ نشاط یا آنند بن آپ کے سامنے جذام کے مریضوں کی حقائق پر مبنی کہانی ہے کہ وہ کس طرح اپنی روزی آپ کما سکنے کے لائق بنے، اور یہ کتنا بڑا کام تھا جو عزم اور حوصلے سے پورا ہوا۔ دراصل ہمارے معاشرے کو اس قسم کے بہتیرے "باغِ نشاط" کی ضرورت ہے۔

سنندا سہکاری گرہیہ اُدیوگ سوسائٹی کی سرگرمیوں سے متعلق بھی ایک خاص مضمون اِس شمارے میں شامل ہے، ساتھ ہی حسبِ معمول مستقل عنوانات کے تحت مُفید اور معلوماتی مضامین بھی ہیں جو یقین ہے قارئین کو پسند آئیں گے۔

خواجہ عبدالغفور

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا

ایڈیٹر: ریاض احمد خان

سب ایڈیٹرس: عبدالوحید خان جامعی

فیروزہ خان

ترسیلِ زر کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز

حکومت مہاراشٹر

منترالیہ، بمبئی ۳۲ ۴۰۰۰

کامیابی کی کہانی

اِس کامیابی پر کسے ناز نہیں ؟

اِمسال پُونے ڈیویژن بورڈ کی طرف سے مارچ میں منعقدہ ایس ایس سی، امتحان میں تمام طلباء میں اول آنیوالی ۱۴ سالہ کماری پونت کرنِک کا 'لوک راجیہ' کی طرف سے انٹرویو لیا گیا۔ ان کی اس شاندار کامیابی کا راز اُن کے جوابات سے ظاہر ہوسکے گا۔ کماری کرنِک ممبئی کے بال موہن ودیا مندر کی طالب علم ہیں، جنھوں نے ۹۳٫۲۹ فیصد نمبر حاصل کئے ہیں۔ کماری کرنِک نے بورڈ کی طرف سے دیئے جانے والے ۵ انعامات اور مختلف انعامات ملاکر اس طرح کے کُل تیس ۳۰ انعامات حاصل کئے ہیں۔ ہمارے سوالات پر انھوں نے جو تفصیلی جوابات دیئے ہیں وہ حاضر خدمت ہیں :

س : آپ کو یہ پوزیشن پالینے پر کیا محسوس ہورہا ہے ؟

ج : مجھے اگرچہ اول نمبر پر پاس ہونے کی اُمید کم تھی مگر اتنا یقین تھا کہ پہلے پانچ کامیاب طلباء میں ضرور آجاؤں گی۔ میرے اسکول والوں کو بھی مجھ سے یہی اُمید تھی۔

س : اسکول کی طرف سے آپ کے لئے کسی خاص قسم کی رعایت دی گئی تھی ؟

ج : ہمارے اسکول والوں نے آٹھ ہوشیار طلباء کو چُنا اور پھر اُن کی پڑھائی کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی۔ اس اُمید پر کہ ہم آٹھوں میں سے سب کے سب پہلے ۲۵ کامیاب طلباء میں آئیں۔

س : ایس ایس سی کے نئے نصاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج : یوں تو نیا نصاب مشکل ضرور ہے مگر توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اگر پڑھائی کی جائے تو یہ آسان بھی ہوجاتا ہے۔ پھر بھی یہ ضروری ہے کہ ہمارے ٹیچر ہماری ضرورت سے زیادہ رہنمائی کرتے رہیں۔ طریقۂ امتحان بہت مناسب ہے۔ امتحان کے پرچے دیکھنے میں طویل ہوتے ہیں مگر جوابات لکھنے میں اتنے مشکل نہیں ہوتے۔ لیکن اچھے جوابات کے لئے ضروری ہے کہ پڑھائی خوب اچھی طرح کی جائے۔

س : اچھا اب یہ بتلایئے کہ بازار میں دستیاب 'گائیڈس' اور پرائیویٹ طریقے پر چلائی جانے والی کوچنگ کلاسیز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟

ج : دونوں 'امتحان کے نقطۂ نظر سے مفید ہیں۔



کماری پونت کرنِک

س : یہ تو صحیح ہے کہ دونوں مفید ہیں' مگر آپ اپنا تجربہ بیان کریئے

ج : گائیڈ کے استعمال سے ہمیں اس بات کا علم ہوجاتا ہے کہ سوالات کے جوابات کس طرح دیئے جائیں۔

س : اگر آپ کے خیال میں گائیڈ اور کوچنگ کلاسیز ہی سے کامیابی حاصل ہوسکتی ہے تو پھر اسکولوں کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوگی۔

ج : جی نہیں۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ اسکولوں میں ایک سوال کے جواب کے مختلف پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ طلباء کے جواب اُن کے ذہن نشین ہوجائیں، اور جواب لکھتے وقت اسکول میں بتلائی گئی باتیں مددگار ثابت ہوں۔ زیادہ اور مفید معلومات کے لئے اسکول کی پڑھائی ہی ضروری ہے اسکول کی پڑھائی میں مختلف پہلوؤں سے سمجھایا جاتا ہے مگر صحیح جوابات لکھنے کا طریقہ گائیڈ اور کوچنگ کلاسیز سکھاتے ہیں۔

س : کیا آپ کو اسکول کی طرف سے اس قسم کی رہنمائی نہیں ملتی ؟

ج : ہر طالب علم کو اس قسم کی رہنمائی میسر نہیں ہوسکتی کیوں کہ ایک ایک کلاس میں ساٹھ۔ ساٹھ اور ستر۔ ستر طلباء ہوتے ہیں اور ٹیچر کو ہر طالب علم پر خصوصی توجہ دینے کا موقع نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ کورس بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔ اسکول میں صرف امتحان کے نقطۂ نظر سے نہیں پڑھایا جاتا، اس لئے ہمیں گائیڈ اور کوچنگ کلاسیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ طلباء گائیڈ اور کوچنگ کلاسیز پہ ہی اپنا دارومدار رکھیں، بلکہ طلباء کو اسکول کی پڑھائی پر توجہ دے کر ہی ان دونوں باتوں سے مستفید ہونا چاہیئے۔ سنسکرت کی پڑھائی کے لئے گائیڈ کی ضرورت بہت محسوس ہوتی ہے۔

س : اب آپ یہ بتلائیں کہ آپ بذاتِ خود کس طرح سے اپنی پڑھائی کرتی تھیں ؟

ج: میں نے اسکول شروع ہوتے ہی ہر روز دو دو گھنٹے اپنی پڑھائی میں صرف کئے اور پریلیم امتحان کے بعد تو متواتر سات سات اور آٹھ آٹھ گھنٹے پڑھائی میں معروف رہی۔ زیادہ رات تک یا بالکل صبح اُٹھ کر میں نے کبھی پڑھائی نہیں کی۔

س: پڑھائی کے علاوہ آپ نے کھیل کود یا اور مختلف قسم کی سرگرمی میں کبھی حصہ لیا؟

ج: معاف کیجئے، مجھے آؤٹ ڈور کھیلوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ مگر گھر میں بیٹھ کر کھیلا جانے والا ہر کھیل مجھے پسند ہے۔ اپنی دلچسپی کے لئے سینما دیکھتی ہوں۔ پوسٹل اسٹامپ جمع کرنے کا مجھے شوق ہے۔

س: آپ نصاب کی کتابوں کے علاوہ اور کس قسم کا مطالعہ کرتی ہیں؟

ج: مجھے ناول زیادہ پسند ہیں خاص طور پر یوگنی جوگلیکر کے ناول۔

س: پُرانے ادیبوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: میں نے کھانڈیکر اور پھڑکے کی لکھی ہوئی ناولیں پڑھی ہیں لیکن نئے ادیبوں کی لکھی ہوئی ناولیں مجھے زیادہ پسند ہیں۔

س: آپ ایسا کیوں محسوس کرتی ہیں کہ نئے ادیبوں کی ناولیں اچھی ہوتی ہیں؟

ج: اس لئے کہ نئے ادیبوں نے ہماری روزمرہ کی زندگی کی صحیح تصویر کشی کی ہے۔ اور ہم ایسا محسوس کرتے ہیں کہ یہ خود ہماری ہی کہانی ہے۔ پُرانی ناولوں میں ایسا محسوس نہیں ہوتا۔

س: آپ کو موسیقی سے بھی دلچسپی ہے؟

ج: شاستریہ سنگیت سے دلچسپی نہیں ہے مگر فلمی اور ہلکے پھلکے گانے پسند ہیں۔

س: آپ سے پہلے آپ کے خاندان میں کسی کو اس طرح کی کامیابی حاصل ہوئی ہے؟

ج: آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میری والدہ ۱۹۴۷ء کے ایس ایس سی امتحان میں کنگ جارج ہائی اسکول میں پہلا نمبر پاس ہوئیں۔ اس سے پہلے میری دادی کے قول کے مطابق میرے دادا ۱۸-۱۹۱۷ء میں علی باغ کے اسکول میں میٹرک کے امتحان میں پہلا نمبر پاس ہوئے تھے۔

س: اب چونکہ ذکر دادا اور دادی کا نکل آیا ہے اس لئے میں یہ سوال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ تمہاری کامیابی میں تمہارے والدین کا کیا حصہ ہے؟

ج: جی ہاں! صرف میری پڑھائی ہی سے مجھے یہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ میرے والد نے مجھے ہر وہ کتاب فراہم کی جس کی میں نے ضرورت محسوس کی۔ اس کے علاوہ انگریزی کی پڑھائی میں مجھے انہی کی رہنمائی حاصل ہوئی۔ میری والدہ کو ہر وقت میری صحت کی فکر رہی۔ پڑھائی کے دوران میری والدہ گھنٹوں میرے ساتھ اس لئے بیٹھی رہتیں کہ میں پڑھائی سے اُکتا نہ جاؤں۔ اور آپ سمجھ لیجئے کہ والدین کی یہ بڑی قربانی تھی۔

س: اب یہ بتلایئے کہ آپ داخلہ کس کورس میں لے رہی ہیں؟

ج: میں نے سائنس کلاس میں داخلہ لے لیا ہے۔

س: مستقبل میں آپ کا کیا پروگرام ہے؟

ج: فی الحال تو میرا ارادہ کیمیکل انجینئر ہونے کا ہے۔ آئندہ حالات کیا رُخ اختیار کرتے ہیں، اس کا مجھے علم نہیں۔

س: اب آپ سے ایک آخری سوال اور پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ اپنی اس نمایاں کامیابی پر کیا محسوس کرتی ہیں؟

ج: مجھے اس بات کی خوشی ہے۔ مگر یہ تو ابھی ابتدا ہے۔ اور آئندہ امتحانوں میں بھی مجھے اسی طرح کی کامیابی ملنا چاہئے۔ کالج کا ماحول میرے لئے نیا ہوگا۔ کالج میں کیونکہ ذریعۂ تعلیم انگریزی ہی ہوگا اس سے میری پڑھائی پر اثر تو ضرور ہوگا مگر اس مشکل پر قابو پانے کے لئے میں انگریزی پڑھنے کی طرف خوب توجہ دوں گی۔

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونیوالے بہتر اور خیال آفریں خط پر پچیس ۲۵ روپے کا انعام دیا جاتا ہے۔

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون، یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات آپ کو ناپسند ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں آپ کی کوئی تعمیری رائے ہو تو اس کا بھی اظہار کر سکتے ہیں۔

خطوط ۳۰۰ الفاظ سے زیادہ کے نہ ہوں اور سارے خطوط: ایڈیٹر 'قومی راج' ۱۵ اوّل منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے پتے پر بھیجے جائیں۔

پرنسپل رامجوشی

نئے وائس چانسلر

"تعلیم سے مجھے ہمیشہ سے ہی خاص شغف رہا ہے اور مجھ جیسے پرائمری اسکول ٹیچر کے بیٹے کے لئے تعلیمی میدان کے اس اعلیٰ عہدے پر فائز ہونا واقعی قابلِ فخر بات ہے"۔ پروفیسر رامجوشی، بمبئی یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر نے بے حد صاف گوئی کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا ہم ان کی اس تقرری کے سلسلہ میں انھیں مبارکباد دینے ان کے گھر گئے تھے کئی سال تک پرنسپل رامجوشی عملی سیاست میں بھی سرگرمِ عمل رہے ہیں لیکن تعلیم کی حصولی اور سیاست کی سرگرمیوں کے درمیان جب بنیادی اختلافات کا انھیں احساس ہوا تو تعلیم سے غیر معمولی رغبت کی بناء پر انھوں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی کرلی۔ انھوں نے یونیورسٹی کو درپیش مشکلات اور مسائل کو دور کرنے کے سلسلے میں طلبہ، پروفیسران، نیز یونیورسٹی کے دیگر ملازمین سے تعاون کی امید ظاہر کی ہے اور یونیورسٹی کے شاندار ماضی کو برقرار رکھنے کے لئے مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

شری جوشی کی پیدائش ۸رجون ۱۹۲۴ء میں تعلقہ بھیونڈی کے پڑگھا مقام پر ہوئی، ان کے والد نہایت شریف اور عزت دار آدمی تھے اور پرائمری اسکول میں ٹیچر تھے۔ اگر ان دنوں ریاستی انعامات سے ٹیچروں کو سرفراز کرنے کا رواج ہوتا تو شری رام جوشی کے پتا کو یقیناً یہ اعزاز دیا جاتا کیونکہ وہ بالکل کلاسیکی ہندوستانی روایات کے مطابق ایک سچے گرو تھے اور گرام پنچایت کے لیڈر اور خادم تھے۔

شری رام جوشی کی ابتدائی تعلیم ضلع تھانے کے جینچپانی مقام پر ہوئی اور پھر پتا کی اچانک موت کی وجہ سے دو سال تک انھیں اناتھ ودیارتھی گرہ میں تعلیم حاصل کرنی پڑی۔

۱۹۴۲ء میں انھوں نے بمبئی کے روئیا کالج میں داخلہ لیا اور اسی دوران وہ 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک سے وابستہ ہو گئے اور اس تحریک میں انڈر گراؤنڈ سرگرمیوں کے لئے خود کو بطور والنیٹر پیش کیا۔ اس سلسلہ میں انھیں جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی۔ اور پولس کے ہاتھوں پٹائی بھی ہوئی، لیکن آزادی کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر ان خدمات کے عوض انھیں سابق وزیرِ اعلیٰ شری وی۔ پی نائک کے ہاتھوں 'مجاہدِ آزادی' کا میڈل [illegible]



اس کے بعد وہ سوشلسٹ تحریک سے وابستہ ہو گئے، اور اس کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ 'کماؤ اور پڑھو' اس اصول پر وہ کاربند رہے۔ چنانچہ انھوں نے کئی ملازمتیں کیں۔ سنٹرل ٹیلیگراف آفس اور ٹیکسٹائل مل میں کلرکی کی۔ 'نوا کال' اخبار کے رپورٹر بنے۔ نیشنل اسٹینڈرڈ میں پروف ریڈنگ کی، ماٹونگا ریلوے ورکشاپ میں آفس سیکریٹری وغیرہ کے کام میں اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ ان تمام مقامات پر انھوں نے رات کی ڈیوٹی کو فوقیت دی تاکہ وہ دن میں طلباء کی سیاسی تحریکوں میں حصہ لے سکیں۔

اسٹوڈنٹس اور ٹریڈ یونین تحریک میں انھوں نے شری دنکر ساکری کر، شری راجہ کلکرنی ٹاٹا آئی این۔ ٹی یو سی لیڈر، شری مدھو ڈنڈوتے، ریلوے منسٹر، شری پربھاکر کنٹے، سابق وزیرِ مملکت برائے ہاؤسنگ وغیرہ کے ساتھ کام کیا۔ اس کے علاوہ وہ راشٹریہ سیوا دل میں بھی سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ اس دوران وہ سانے گروجی سے بیحد متاثر تھے۔ انھوں نے پروفیسر سی۔ ڈی پاریکھ کو تعلیمی میدان میں اپنا گرو بنایا۔ اس کے علاوہ نارتھ بمبئی اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے سیکریٹری کے فرائض بھی انھوں نے انجام دیئے۔

گریجویٹ ہونے کے بعد شری رامجوشی آر۔ اے پودار کالج میں ٹیوٹر مقرر ہو گئے۔ اس کے بعد سے ہی انھوں نے کئی تدریسی عہدوں پر فائز ہو کر خدمات انجام دیں۔ روئیا کالج میں پالٹیکس اور اکونومکس کے لیکچرر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۸-۶۰ء میں اس شعبے کے سربراہ بنے اور ۱۹۶۰ء میں وائس پرنسپل بنائے گئے، اور ۱۹۶۳ء میں بالآخر وہ پرنسپل کے عہدہ پر پہنچ گئے۔ اور یکم جون ۱۹۷۷ء تک یعنی بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بننے سے قبل تک وہ اپنے اس عہدے پر فائز رہے۔

شری رامجوشی بمبئی میونسپل کارپوریشن میں ماہم حلقے سے ۱۹۵۲ء سے

۱۹۵۷ء تک اور پھر ۱۹۵۷ سے ۱۹۶۱ء تک دو مرتبہ مسلسل چنے گئے۔ کارپوریشن میں وہ سمیکت مہاراشٹر کے ہمیشہ محرک رہے اور آخر کار اس قرارداد کو پاس کرا کے ہی چھوڑا۔ اس قرارداد کی وجہ سے شہر بمبئی کو نئی ریاست میں شامل کرنے کی بات یقینی ہو گئی۔ انھوں نے ۶۱-۱۹۵۷ء تک بمبئی یونیورسٹی کی سینٹ میں کارپوریشن کی نمائندگی کی۔ ۱۹۶۴ء میں اشوک مہتہ کے ساتھ کانگریس میں داخل ہوئے۔ اور کچھ ماہ کے لئے ایم۔ایل سی کے عہدے پر قائم رہے۔ اس کے بعد امریکہ میں فل برائٹ وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے جانے کے لئے ۱۹۶۶ء میں ممبرشپ سے استعفیٰ دیدیا۔

وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت نیز مطالعہ کی غرض سے شری راجوشی دو تین مرتبہ بیرونی ممالک گئے۔ ۱۹۶۲ء میں فریڈرک ایبرٹ فاؤنڈیشن کی جانب سے مغربی جرمنی میں یونیورسٹی کی تعلیم کے سروے اور جرمنی میں تعلیم بالغان کے سلسلہ میں مدعو کئے گئے۔ ۶۷-۱۹۶۶ء میں موصوف یو۔ایس۔اے تشریف لے گئے اور بعد میں ۷۵-۱۹۷۴ء میں کل پراجیکٹ ایکسچینج پروگرام کے تحت گئے۔ پہلے دورے میں انھوں نے ٹیکساس یونیورسٹی میں جو سیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی اور (DEVUES) ڈیوئز یونیورسٹی میں "حکومت اور ہندوستانی سیاست" اور "مشرقی سیاست" پر لیکچر دیئے۔

دوسرے دورے کے دوران شری راجوشی نے بطور وزیٹنگ پروفیسر کے ٹیکساس یونیورسٹی، سان فرانسسکو یونیورسٹی اور ملس کالج میں۔ 'حکومت اور ہندوستانی سیاست' کے موضوع پر لیکچر دیئے۔ اور اپنے دونوں دوروں میں آپ کو بہترین پروفیسر قرار دیا گیا۔ جس پر نہ صرف ہندوستانی اساتذہ بلکہ ہر ہندوستانی فخر کر سکتا ہے۔

پروفیسر جوشی نے مختلف رسالوں میں تقریباً ۲۵ مضامین لکھے ہیں۔ جن میں 'مہاراشٹر میں سیاست' 'ہندوستان میں ریاستی سیاست' قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ آنیوالی کتاب 'لیجسلیٹو بیہیویر ان انڈیا' ۔ کمپریٹو اسٹڈی آف لیجسلیچر ان مہاراشٹر' کے بھی آپ معاون ادیب ہیں۔ بین الاقوامی درجہ کے رسالے 'انٹرنیشنل سوشیل سائنس ایبسٹرکٹ' میں ان کے دو مضامین کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

فی الحال پروفیسر راجوشی اپنی ڈاکٹریٹ 'پولیٹیکل لیڈرشپ ان بمبئی سٹی' پر کام کر رہے ہیں۔ دراصل وہ یکم جون سے اس سلسلہ میں چھٹی لے رہے تھے کہ انھیں بمبئی یونیورسٹی میں وائس چانسلر کے عہدے پر فائز کیا گیا۔

جب ہم نے پروفیسر راجوشی سے ان کی اس نئی تقرری کے سلسلے میں ان کے احساسات جاننے چاہے تو انھوں نے بتلایا کہ ان کے لئے وائس چانسلر کی یہ ذمہ داری بالکل اچانک اور غیر متوقع تھی۔ البتہ آجکل کے حالات کے مطابق یہ ذمہ داری میرے لئے ایک قسم کا چیلنج تھی اور میں نے سوچا کہ مجھے میرے تعلیمی تصور اور خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ہاتھ آیا ہے۔

آپ کے سامنے درپیش مسائل کیا ہیں آپ انھیں کس طرح حل کریں گے؟

اس سوال کے جواب میں شری راجوشی نے فرمایا کہ میرا سب سے پہلا کام ہے کہ طلباء، پروفیسر اور یونیورسٹی کے دیگر ملازمین میں خود اعتمادی پیدا کرنا — پچھلے چند سالوں میں جن حالات کی بنا پر اس قسم کی فضا پیدا ہو گئی ہے جن پر قابو نہیں پایا جا سکا اس کی خاص وجہ اضافی ایکادیمک دباؤ بھی ہے چنانچہ امتحانات کے شیڈول بھی اس سے متاثر ہوئے، جن کی بناء پر تعلیمی سال بھی دیر سے شروع ہونے لگے۔ تاخیر سے امتحانات کی بناء پر نتائج میں بھی تاخیر پیدا ہونے لگی اور تعلیم کی مدت میں کمی پیدا ہوئی ان باتوں کا خاتمہ بے حد ضروری ہے۔

کئی امتحانات جو باقی تھے ختم ہو گئے ہیں جن میں میڈیکل کے پریکٹیکل امتحان بھی شامل ہیں اب جلد از جلد نتائج کا اعلان باقی ہے اور اس سلسلے میں اقدامات کئے گئے ہیں تاکہ مزید تاخیر کو روکا جا سکے۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یونیورسٹی کے امتحانی شعبے میں بہت بڑی خامیاں ہیں؟ آپ اس میں کیسے بہتری لائیں گے؟

مجھے معلوم ہے کہ شعبۂ امتحان تقریباً ۲٫۵ لاکھ طالب علموں کا امتحان منعقد کرتا ہے حالانکہ یہ بہت بڑا کام ہے مگر اس کے لئے صرف ۳۰ ملازمین کو معمور کیا گیا ہے۔ دوسری یونیورسٹیوں میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کام کے لئے دوگنا اسٹاف ہوتا ہے۔ میری کوشش رہے گی کہ میں خاص دلچسپی لے کر اسٹاف اور طالب علموں میں اعتماد پیدا کروں تاکہ بہتر نتائج نکل سکیں۔

انھوں نے فرمایا کہ یونیورسٹی کے اسٹاف کی کچھ مشکلات اور مسائل ہیں جن میں سے سب سے اہم اسٹاف کے نجی مسائل ہیں جس پر کچھ صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح ان کو فوری طور پر حل کیا جا سکتا ہے اور یہ حقیقت کہ اس مسئلہ میں وائس چانسلر کی پوری ہمدردیاں شامل ہیں اسٹاف میں خود بخود اعتماد پیدا کرے گی۔ اس طرح شاید یہ ملازمین خود کفایت شعاری کے کچھ اقدامات تجویز کریں۔

حکومت اور یونیورسٹی کے درمیان تعلقات کیسے ہونا چاہئے اور آپ حکومت سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟

زیادہ امداد اور کم دخل اندازی۔ یہی حکومت کی پالیسی ہونی چاہئے پروفیسر جوشی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ صحیح تعلیم آزاد فضا میں ہی ممکن ہے۔ تعلیمی مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لئے نہ صرف تعلیمی شعبوں سے متعلقہ افراد اور اداره جات سے رائے حاصل کی جانی چاہئے بلکہ ماہرین کے مشوروں کو بنیاد بنا کر چلنا چاہئے۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی ایکٹ میں بھی تبدیلی کی

ضرورت ہے تاکہ یونیورسٹی مطلق العنان بنکر خاص تعلیمی ایجنسی کے طور پر کام کرسکے۔

کیا آپ تعلیمی طریقۂ کار اور امتحانات کے طریقۂ کار میں سُدھار لانا چاہتے ہیں؟" اس سوال کے جواب میں انھوں نے کہا:

"میرے خیال میں دونوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ آجکل کالجوں میں لیکچروں کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن میری نظر میں چھوٹی چھوٹی کلاسوں کی ضرورت ہے جہاں بحث و مباحثہ، سیمینار اور ٹیوٹوریل وغیرہ پر زور دیا جاسکے۔ اس کے علاوہ اب ہم سمیسٹر طریقہ اختیار کرنے والے ہیں۔ جس کے تحت ۱۲ درجہ پاس کرنے کے بعد طلباء کے لئے انٹرنل اسیسمنٹ ہوں گے۔"

"نئے طلباء کے لئے کیا آپ نئے نصاب کو بھی جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

پروفیسر راجوشی نے کہا کہ "ویسے تو طلباء اپنی پسند کے مطابق سائنس آرٹس اور کامرس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ ہر میدان میں سہ سالہ ڈگری کورس کے طالب علم کو دوسرے سال سے ایک پرچہ فاؤنڈیشن کورس کے طور پر دینا ہوگا۔ ہر پرچہ کے دو سیکشن ہوں گے۔ دوسرے سال کے پرچے کے لئے یہ مضامین ہوں گے:

(۱) سائنٹفک میتھڈ (۲) سائنٹفک ڈیولپمنٹ اور اس کے اثرات تیسرے سال کے لئے بھی فاؤنڈیشن کورس کے پرچہ میں مندرجہ ذیل سیکشن ہوں گے (۱) سوشیل اینڈ اکونومک لائف (۲) ایسٹرن سویلائزیشن اینڈ کلچر اِن انڈیا۔ اس کے علاوہ ہم دیہی ترقیاتی کورس بھی شروع کرنیوالے ہیں، جہاں طلباء کو فیلڈ ورک کرنے کا موقع ملے گا۔ اس سلسلہ میں ضلع تھانہ میں بورڈی کے قریب اسولی کے مقام پر کیمپس کی توسیع کا کام شروع کیا جاچکا ہے۔ ان میں طلباء کو ٹریڈ یونین ورک، سلم امپرومنٹ وغیرہ میں کام کرنے کا تجربہ حاصل ہوسکے گا۔ اس اپلائیڈ کیمونیٹش کورس سے اُمید ہے کہ انتظامیہ مشینری میں نوجوان لوگ آئیں گے جو کہ ترقیاتی کاموں کو اچھی طرح جانیں گے۔

اس قسم کے سماجی کام یقیناً تعلیم کے معیار کو بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔ اور نوجوانوں کی ایک ایسی نسل تیار ہوگی جس پر ہم فخر کرسکیں گے۔

آپ کا ٹریڈ یونین اور اسٹاف یونین کے متعلق کیا نظریہ ہے؟

اس سوال کے جواب میں شری راجوشی نے کہا: "یونین بنانے میں کوئی ہرج نہیں ہے، مگر یونینوں کو چاہئے کہ وہ محض چند لوگوں کے لئے مخصوص نہ ہوجائیں بلکہ پورے سماج کے مفاد کا خیال رکھیں۔ خاص طور سے ان یونینوں کے مطالبات سے تعلیم اور تعلیمی ادارہ جات کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔ اگر طلباء ہی تعلیمی طریقۂ کار میں ایمان نہ رکھیں تو تعلیمی میدان کی ہر چیز کمزور پڑ سکتی ہے۔ اس لئے انھیں چاہئے کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو باقاعدگی کے ساتھ نبھائیں۔

انھوں نے مزید کہا کہ میں نوجوانوں کی تحریک سے اسکول اور کالج کے زمانے سے وابستہ ہوں اور راشٹریہ سیوا دل کے رُکن کی حیثیت سے میں نے قوم کی معماری سرگرمیوں میں شرکت بھی کی اور اب بھی سیوک برادری کا رکن ہوں۔ اس کے علاوہ ایس۔ آئی۔ ای۔ ایس کالج میں ۱۵ سال تک پرنسپل رہنے کے بعد اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ طلباء اور اتھارٹیز میں 'لو اور دو' قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ لیکن اگر طلباء کو یہ بتایا جائے کہ وہ کسی بھی مسئلے کو حل کرنے میں برابر کے حصہ دار ہیں تو ان مسائل کو حل کرنے میں آسانی پیدا ہوسکتی ہے۔

تعلیم سے متعلق ہر فیصلہ میں طلباء کی شرکت سے متعلق آپ کے کیا نظریات ہیں اور وہ کس طرح نمائندگی کرسکتے ہیں؟

آجکل سینٹ میں طلباء کے نمائندے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نمائندگی صرف نہ ہونے کے برابر ہے۔ مؤثر بھی نہیں ہے۔ اس لئے یونیورسٹی ایکٹ میں ترمیم کی ضرورت ہے اور سینٹ میں طلباء کو مکمل نمائندگی حاصل ہونی چاہئے۔ تاکہ کسی بھی قسم کے فیصلہ کے وقت وہ برابر کے حصہ دار رہیں۔

تعلیم کے معیار کو اونچا کرنے میں انٹر۔ یونیورسٹی رابطوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اور اس سلسلے میں آپ کیا اقدام کرنا چاہتے ہیں؟

ریاستی یونیورسٹیوں کو چاہئے کہ وہ باہمی رابطوں کو بڑھائیں، تاکہ پڑھانے کے طریقے، امتحان اور تعلیمی پروگرام میں یکسانیت پیدا ہوسکے۔ اس مقصد کے لئے جائنٹ بورڈ برائے وائس چانسلر بھی بنایا جاسکتا ہے۔

آپ علاقائی زبان کی اہمیت کو کس طرح بڑھا سکتے ہیں۔ ذریعۂ تعلیم کونسی زبان ہونی چاہئے؟

اس سوال کے جواب میں پروفیسر راجوشی نے فرمایا کہ یونیورسٹی میں مراٹھی کی حوصلہ افزائی کرکے اس کا مقام دلانا چاہئے۔ اس لئے مراٹھی اور گجراتی میں طلباء کو جواب دینے کی اجازت دی گئی ہے۔

طلباء میں سنسکرت، مراٹھی، گجراتی وغیرہ لینے کا رجحان کم ہے۔ اس قسم کے حالات کے تحت کالجوں کے درمیان تعاون ضروری ہے تاکہ مختلف زبانوں کے جاننے والے طلباء کے مسئلہ کو حل کیا جاسکے۔

پروفیسر جوشی نے کہا کہ آجکل ہندوستان بڑے تعلیمی مسئلوں سے دوچار ہے جس کو انھوں نے (LEGITIMACY CRISIS) کہا۔ اعلیٰ تعلیم کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ جدید ہے، اعلیٰ ہے اور اس کی ضرورت ہے

[illegible]

اپنا قانون جانیے

بمبئی میں راشن کارڈ

کس طرح مل سکتا ہے!

راشننگ ضروری اشیاء ایکٹ ۱۹۵۵ء اور مہاراشٹر فوڈ گرینس راشننگ (دوسرا) آرڈر ۱۹۶۶ء اور اس کے تحت بنائے گئے قوانین سے لگائی گئی ہے۔ شکر کی تقسیم مہاراشٹر لیوی شکر (ریگولیشن آف ڈسٹری بیوشن) آرڈر ۱۹۷۲ء کے تحت عمل میں لائی گئی ہے۔

راشننگ کے بارے میں معلومات، راشن پر دی جانیوالی اشیاء کی تقسیم اور بمبئی کے راشننگ علاقوں میں راشن کارڈ وغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل طریقہ پر وضاحت کی گئی ہے

س : بمبئی راشننگ علاقے میں راشن کارڈ حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج : اگر کسی کو راشن کارڈ حاصل کرنا ہو تو اُسے علاقے کے راشننگ آفس میں جانا چاہئے۔ متعلقہ راشننگ آفیسر اُس شخص سے درخواست کو بھروالیتا ہے۔ اس درخواست کی راشننگ آفس میں تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے بعد راشن کارڈ جاری کیا جاتا ہے اور پھر اس کو منظور شدہ راشن کی دوکان میں رجسٹرڈ کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح رجسٹرڈ کرنے کے بعد کارڈ رکھنے والے شخص کو ہر پندھرواڑے پر راشن کا کوٹہ ملتا ہے۔

س : راشن کارڈ پر کون کونسی اشیاء دی جاتی ہیں؟

ج : چاول اور ملو کنٹرول کی گئی اشیاء ہیں۔ لیکن فی الحال مقرر کردہ مقدار میں صرف چاول ہی دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ضروری اشیاء جیسے شکر، گیہوں، جوار، گھاسلیٹ وغیرہ بھی مقرر کردہ مقدار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب کبھی میٹھا تیل یا خوردنی کے تیل کی قلت پیدا ہوتی ہے تو جیسا ممکن ہوتا ہے ان اشیاء کو بھی تقسیم کرنے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

س : خانگی راشن کارڈ میں گھر کے کسی فرد کا نام بڑھانے یا گھٹانے کا کیا طریقہ ہے؟

ج : گھر کے کسی فرد کا نام بڑھانے یا گھٹانے کے لئے اس شخص کو راشننگ آفس جانا پڑتا ہے اور مخصوص درخواست کو بھرنا پڑتا ہے۔ نام گھٹانے کا کام اُسی وقت کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح گھر کے چھوٹے بچوں کے نام کو بڑھانے کا کام بھی اُسی جگہ کر دیا جاتا ہے۔ تاہم ان اشخاص کے نام جو بمبئی سے باہر سے آئے ہوئے ہوتے ہیں تو ان کے نام صرف مخصوص دستاویز کی تصدیق کے بعد ہی درج کئے جاتے ہیں۔

س : گم شدہ / پھٹے ہوئے / خراب حالت میں رکھے ہوئے راشن کارڈ کو بدلنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج : اس سلسلے میں اس متعلقہ شخص کو راشن کی اس دوکان پر جانا چاہئے جہاں راشن کارڈ شروع شروع میں رجسٹرڈ کیا گیا تھا۔ اور وہاں سے راشن کارڈ کی تمام تفصیلات حاصل کرنا چاہئے۔ یہ تفصیلات متعلقہ علاقے کے راشننگ آفیسر کو دینا چاہئے اور مخصوص فارم جو اس سلسلہ کا ہوتا ہے بھرنا چاہئے۔ پھر مخصوص فیس لیکر راشننگ آفس سے دوسرا راشن کارڈ جاری کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آفس میں حوالہ کے رجسٹر سے پرانا راشن کارڈ خارج کر دیا جاتا ہے اور دوکاندار کو ایک اطلاع بھجوادی جاتی ہے تاکہ وہ بھی اپنے ریکارڈ میں اس طرح کا کوئی نوٹ لکھ لے۔

س : اگر گھر کا پتہ بدل جائے تو کس طرح یہ تبدیلی راشن کارڈ پر کی جاتی ہے؟

ج : اگر گھر کا پتہ بدل جائے تو متعلقہ راشننگ آفس میں راشن کارڈ جمع کرادینا پڑتا ہے۔ اگر کسی شخص کو بمبئی کے راشننگ علاقہ کو چھوڑنا ہوتا ہے تو راشننگ آفیسر اس کارڈ کو خارج کر دیتا ہے اور اس سلسلے میں ایک رسید دیتا ہے۔ جب یہ رسید نئے راشننگ علاقہ میں بتلائی جاتی ہے تو ایک نیا راشن کارڈ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

س : ایک مستقل راشن کارڈ کب جاری کیا جاتا ہے؟

ج : عام طور پر مستقل راشن کارڈ اسی شخص کو دیا جاتا ہے جو پکی عمارت میں مستقل طور پر رہتا ہے۔ عارضی راشن کارڈ ان اشخاص کو دیا جاتا ہے جو عارضی طور پر علاقے میں ٹھہرتے ہیں۔ اسی طرح جھونپڑپٹی میں رہنے والے اُن لوگوں کو عارضی کارڈ دیئے جاتے ہیں جو بار بار جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ تاہم جو شخص بمبئی راشننگ علاقہ میں مستقل طور پر رہتا ہے اور جس کا روزگار مستقل ہے اور جو بمبئی میونسپل کارپوریشن کی طرف

سے جاری کردہ شناختی کارڈ حاصل کرتا ہے۔ اُسے مستقل کارڈ دیدیا جاتا ہے گرچہ وہ جھونپڑپٹی میں ہی رہتے ہوں۔

س: راشن کارڈ کے حامل افراد کی ذمہ داریاں کیا کیا ہوتی ہیں؟

ج: یہ جُرم ہے کہ کوئی دُوسرا شخص غیر حاضر شخص یا انتقال کردہ شخص کا راشن لے۔ اس لئے ایسے اشخاص کا نام راشن کارڈ پر سے خارج کرالینا چاہیئے۔ اگر غیر حاضری ایک ماہ سے زیادہ ہو تو ایسے کارڈ کو راشننگ آفس میں جمع کرادینا چاہیئے۔ یہ جُرم ہے کہ اپنے راشن کارڈ کو دوسرے کو دیدیا جائے اور وہ اُس سے راشن حاصل کرے۔

س: کِس ایکٹ کے تحت بمبئی راشننگ علاقہ میں راشننگ نافذ کی گئی ہے؟

ج: ضروری اشیاء ایکٹ ۱۹۵۵ء کے تحت اور مہاراشٹر فوڈ گرینس راشننگ (دوسرا) آرڈر آف ۱۹۶۶ء اور اس کے تحت بنائے گئے قوانین کے تحت راشننگ نافذ کی گئی ہے۔ شکر کی تقسیم مہاراشٹر لیوی شکر (ریگولیشن آف ڈسٹری بیوشن) آرڈر ۱۹۷۲ء کے تحت عمل میں لائی گئی۔

س: کیا راشن پر دی جانیوالی اشیاء کو بمبئی راشننگ علاقہ میں لانے کی اجازت ہے؟

ج: جی ہاں! کوئی بھی کارڈ رکھنے والا شخص ذاتی سامان کی طرح ۱۰ کلو تک چاول وغیرہ اپنے گھریلو استعمال کے لئے لاسکتا ہے۔ تاہم ۱۰ کلو سے زیادہ چاول لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ متعلقہ ریجنل ڈپٹی کنٹرولر آف راشننگ سے پرمٹ حاصل کرلے۔ لیکن اتنی ہی مقدار کا راشن چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ کام راشننگ آفس میں کیا جاتا ہے اور کارڈ پر سے ضروری اتنے ہی کوٹے کا کوپن خارج کردیا جاتا ہے، جتنا کہ کوٹہ باہر سے لانا ہوتا ہے۔

س: بمبئی راشننگ علاقے میں راشن پر دی جانیوالی اشیاء کی تقسیم کس طرح کی جاتی ہے؟

ج: بمبئی راشننگ علاقہ میں منظور شدہ دوکاندار تحریری حُکم کے تحت اپنی متعلقہ ایسوسی ایشن کے ذریعے مال طلب کرتے ہیں یہ مال طلب کرنے کا تحریری حکم بہت جانچ پڑتال کرلنے کے بعد راشن کے مطلوبہ کوٹے کے لئے دیا جاتا ہے۔ اُن کی ایسوسی ایشن کنٹرولر آف راشننگ کی طرف سے جاری کردہ ڈیلیوری آرڈر متعلقہ حکومت کے گوادام کو دیتی ہے اور پھر راشن کا کوٹہ حاصل کرلیتا ہے۔ لیکن تھانے راشننگ علاقہ میں منظور شدہ راشن کے دوکاندار اپنا تحریری حکم برائے راشن کو راشننگ آفیسروں کو دیتے ہیں۔ راشننگ آفیسر دوکانداروں کو یہ اختیار دیدیتا ہے کہ وہ حکومت کے گودام میں سے براہ راست راشن کا کوٹہ حاصل کرلیں۔ دوکاندار براہ راست شکر کا منظور کردہ کوٹہ لیوی شکر حاصل کرلیتے ہیں۔

ضِلع کے لحاظ سے نِکاسی

نمبر شمار	ضلع کا نام	منظور کردہ نکاسی	جتنے نکاسی کے مراکز درحقیقت کام کر رہے ہیں
۱	۲	۳	۴
۱	تھانے	۱۲۵	۱۲۵
۲	رتنا گری	۴۰۰	۳۲۲
۳	قلابہ	۵۴	۵۴
۴	ناسک	۷۰	۷۰
۵	دھولے	۹۶	۸۴
۶	جلگاؤں	۱۲۸	۱۱
۷	احمد نگر	۵۰	۵۰
۸	پونے (R)	۵۸	۵۸
۹	پونے (C)	۳۲	۳۲
۱۰	سانگلی	۱۲۰	۶۸
۱۱	ستارا	۱۴۰	۱۴۰
۱۲	کولہاپور	۸۵	۸۵
۱۳	شولاپور (R)	۷۱	۷۱
۱۴	شولاپور (C)	۲۴	۱۰
۱۵	اورنگ آباد	۳۳	۳۳
۱۶	پربھنی	۱۰۳	۲۷
۱۷	ناندیڑ	۱۲۰	۳۸
۱۸	بھیڑ	۸۷	۵۶
۱۹	عثمان آباد	۱۶۳	۱۶۳
۲۰	ناگپور (R)	۴۰	۷
۲۱	ناگپور (C)	۸۰	۲۹
۲۲	بلڈانہ	۱۰۵	۱۰
۲۳	اکولہ	۶۰	۱۳
۲۴	امراؤتی	۱۳۴	۷۹
۲۵	ایوت محل	۷۳	۶۸
۲۶	واردھا	۷۰	۱۲

(مزید صفحہ ۲۹ پر)

کنزیومرس تحریک پر مضامین کے سلسلہ کا یہ دوسرا مضمون ہے جسے شریمتی لیلا جوگ، بانی سکریٹری، کنزیومر گائڈنس سوسائٹی آف انڈیا نے تحریر کیا ہے۔ اس مضمون میں مصنفہ نے کنزیومرز اداروں کے فرائض نیز ذمہ داریوں پر بحث کی ہے۔

ایک منصفانہ عالمی ضابطہ کے لئے گاہکوں کی تحریک

• ——— شریمتی لیلا جوگ

جب ایک بار یہ مان لیا گیا کہ ہم سب صارف ہیں تب ان کو منظم کرنے اور ان کی بہبود کے لئے کام کرنے کی ذمہ داری ہم سبھی کی ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ ہر شخص کی ذمہ داری ہوتے ہوئے بھی اکثر کسی کی بھی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔

بہرحال ایک وقت آتا ہے ایک فرد یہاں یا ایک شخص کہیں اور اس کو اپنی ذمہ داری بنا لیتا ہے کیونکہ غلط بات کے ساتھ وہ زیادہ مدت تک نہیں رہ سکتا۔ جب قیادت ملتی ہے تو چند حوصلہ مند لوگ بھی ساتھ آتے ہیں۔ وہ شور مچاتے ہیں جو کہ سنائی پڑتا ہے۔ شنوائی ہو، یہ صارفین کے چار حقوق میں سے ایک ہے۔ دوسرے تین ہیں حقِ تحفظ، حقِ انتخاب اور حقِ جانکاری۔ اقوام متحدہ نے ۱۹۴۶ء میں حقوق انسانی کا چارٹر منظور کیا تھا۔ یہ اسی کا حصہ ہیں۔ حقِ شنوائی سے یہ یقین دہانی ملتی ہے کہ حکومت صارفین کی فلاح پر پوری طرح ہمدردی سے غور کرے گی جبکہ وہ پالیسی تیار کرے گی اور اس کا نفاذ کریگی۔ حقِ تحفظ کا مطلب ہے کہ صارف کو جو اشیاء یا خدمات پیش کی جا رہی ہیں اس سے جسم و جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ حقِ انتخاب صارف کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے بہتر قسم کی مناسب قیمت کی اشیاء کا انتخاب کر سکے اور حقِ جانکاری کا مطلب ہے کہ صارف کو اس اشیاء کے بارے میں پوری اور ٹھیک معلومات ملے جو کہ وہ خرید نے والا ہے۔ کنزیومر اداروں کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ عوام کو ان کے ان حقوق سے روشناس کرائے اور ٹھوس مثالوں سے ان کو یہ بات بتائے کہ بے ایمان مینو فیکچررس اور تاجران کو کس طرح سے ٹھگتے ہیں۔

صارفین کی تربیت

اس سمت میں جب ایک بار شروعات ہو جاتی ہے تو صارف چوکنا ہو جاتا ہے اور وہ ان باتوں کو راہ راست پر لانے کے ذرائع اور طریقے پوچھنا شروع کرتا ہے۔ صارف کی تربیت کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ایسا بنایا جائے کہ وہ خود کے بارے میں سوچے اور اس کے بعد مناسب اقدام کرے۔ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مختصراً صارف کی یہ خاص ذمہ داری ہے۔ بہرحال حقوق (یا فرائض) کی ذمہ داری یکساں ہوتی ہے۔ چاہے سیاسی زندگی ہو، شہری معاملات ہوں یا صارفی امور ہوں۔

صارف جو روزانہ زندگی میں مشکلات کا سامنا کرتا ہے وہ کچھ اور بھی کر دکھانا چاہتا ہے۔ انھیں اسباب کے لئے صارف انجمنوں کو اصل شکایات حل کرنے، جانچ پراجیکٹ اور قیمتوں کا سروے کرنے کا کام ہاتھوں میں لینا چاہئے۔ یہ سب اشیا اور خدمات جو عام طور پر عوام بڑے پیمانے پر استعمال کرتے ہیں' اسی سلسلے میں ہونا چاہیئے۔ اس سے صارف کو قیمتوں کا مقابلہ، اشیاء کی بہتری اور مناسب انتخاب کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ صارفین کی انجمنوں کے اسلحہ خانے میں سب سے مؤثر اسلحہ شکایاتی سیل کا قیام ہوتا ہے لیکن صارفین کو ٹھیک طور پر شکایت کرنے کا طریقۂ کار بتانا چاہیئے، کیونکہ افراد کی جانب سے موصولہ شکایات پر فوری طور پر عمل نہیں کیا جاتا کیونکہ یا تو خریداری کا ثبوت نہیں ہوتا یا خریداری اور شکایت کے درمیان کافی وقت ہو جاتا ہے جس سے قیمتیں اُدھر نیچے بھی ہو سکتی ہیں۔ چھوٹا خوردہ فروش اکثر صارف کو دھوکا دینے والا نہیں ہوتا۔ وہ تو مینوفیکچرر اور خریدار کے درمیان صرف ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کو خود چاہئے کہ وہ اسٹاکسٹ ڈیلر سے یہ پتہ چلائے کہ دوسرے دوکانداروں وغیرہ سے انھیں کوئی شکایت تو موصول نہیں ہوئی ہے' دوسری طرف صارفین کی انجمن میں کتنی تعداد میں شکایات مختلف اشیاء کے سلسلہ میں درج ہیں اس سے انجمن کو مینوفیکچرر سے اس معاملے میں بات چیت کرنے میں مضبوطی آتی ہے۔

مینوفیکچرر کو اگر بیوپار میں رہنا ہے تو اس کو خریداروں کی ایک مشترکہ جماعت کی سربراہی کرنی ہی ہوگی جو اس کی اشیاء خریدتے ہیں۔

اشیاء کی کوالٹی اور درجے کی یقین دہانی

سرکاری ایجنسیاں جیسے آئی ایس آئی، ایگمارک اور بعض مینوفیکچرر اپنے پاس ایسی سہولتیں رکھتے ہیں کہ وہ صارفین کے استعمال کی مختلف اشیاء کی جانچ کرسکیں۔ بہرحال آزادانہ جانچ کی سہولت بےحد ضروری ہے تاکہ کوالٹی میں استحکام اور درجہ کی یقین دہانی کو' خاص طور سے ہندوستان جیسے اتنے بڑے ملک کے بازاروں میں قائم رکھا جا سکے۔ امریکہ، انگلینڈ، آسٹریلیا اور جاپان میں طاقتور کنزیومر ادارے ہیں جن کے پاس اپنی جانچ کی تجربہ گاہیں ہیں۔ استعمال کنندہ جانچ کے علاوہ (یعنی ریٹنگ صارفین کے ذریعہ) وہ خوراک کے پیکیجوں' صابن وغیرہ خشک بیٹری سیل، بجلی کے سامان' آٹو موبائلز وغیرہ وغیرہ کی لیبوریٹری جانچ کرتے ہیں۔ ان تجربہ گاہوں کے آلات کے لئے کافی رقم اور تجربہ کار افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تمام اشیاء بازار سے خریدنی پڑتی ہیں۔ اس طرح جانچ کی جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں دوہری جانچ ہوتی ہے۔ پہلی سرکاری جانچ ایجنسی اور دوسری پروڈیوسرز کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ ان صارفین انجمنوں کی جانب سے دی گئی ریٹنگ خریداروں کو خریداری گائیڈ فراہم کرتی ہے اور پروڈیوسرز پر روک لگاتی ہے

ہندوستانی حالات میں کم از کم مستقبل قریب میں ایسے انتظامات عملی طور پر ممکنات میں نہیں ہیں۔ سوک اور سرکاری محکمہ جات کی جانب سے فراہم کردہ موجودہ سہولتوں سے فائدہ محدود پیمانے پر اٹھایا جاسکتا ہے تعلیمی ادارے بھی اس کام میں مدد کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کرنے کی حالت میں ہیں جیسا کہ چند صارف گروپ کا اس ملک میں تجربہ ہے۔

خوراکی اشیاء جیسے کہ مسالے (جن میں آسانی سے ملاوٹ کی جاسکتی ہے) دودھ اور دودھ سے بنی اشیاء، دیا سلائی، خشک بیٹری سیل، دھونے کا صابن یا پاؤڈر کی جانچ کنزیومر گائیڈنس سوسائٹی آف انڈیا وقتاً فوقتاً کرتی رہتی ہے تاکہ ان کی صلاحیت اور کوالٹی معلوم ہو سکے۔ بڑے پیمانے پر استعمال ہونے والی اشیا کے ان نتائج سے جب مینوفیکچروں کو روشناس کرایا گیا تو ان میں سے بعض نے اس میں سدھار کرنے کے اقدام کئے۔ ان جانچوں کے نتائج سے ممبران اور ورکروں کو آرگنائزیشن کے نیوز لیٹرز اور بلیٹن، جماعتی میٹھکوں یہاں تک کہ زبانی بھی روشناس کرایا جائے تاکہ بڑے پیمانے پر صارفین کو چوکنا کیا جا سکے

بین الاقوامی مشاورتی ادارہ کا قیام

رضاکارانہ جماعتوں کی جانب سے اس قسم کی خدمات مختلف سطحوں پر صارفین کے لئے ایک یقینی صورت حال پیدا کرتی ہے اسی وجہ سے ایک کنزیومر ٹسٹنگ اینڈ ایڈوائزری سروس کا قیام پینانگ میں کیا گیا۔

انٹرنیشنل آرگنائزیشن آف کنزیومرز یونینز کا علاقائی دفتر ایشیا اور پیسفک کی کنزیومر آرگنائزیشن کے فائدے کے لئے قائم ہے۔ یہاں پر افراد کو تربیت دی جائے گی اور مختلف ممالک میں متعلقہ کنزیومر آرگنائزیشنز کے ذریعہ خریدی و منتخب کردہ اشیاء کی جانچ کی جائے گی۔

●●

آنند بن - باغِ نشاط

شوبھا مانے

ایک ایسا مقام جہاں دماغ خوف سے پاک اور انسان سر اٹھا کر چل سکتا ہے۔ وہ بے حد نشاط انگیز ہے۔ اور وہ خوشی ہے دکھ درد میں ہم ندہبی کی۔ یہ مقام ہے ودربھ کے ضلع چندرپور میں ورورا کے نزدیک جس کو آنند بن کہتے ہیں۔

وہ لاکھوں لوگ جنھوں نے آنند بن کا نام سنا ہے اس کے لئے وہ جذامیوں کے ہسپتال کے ایک پراجکٹ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا لیکن وہ ہزاروں افراد جن کو یہ پراجیکٹ معلوم ہے یہ زمین پر بہشت سے کم نہیں ہے۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی پریشانیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی یہ آخری واحد جگہ ہے۔ جہاں کوئی شخص باعزت زندگی گذارنے کے لئے حوصلہ اور جوش و خروش کا پورا خزانہ حاصل کر سکتا ہے۔

مصنفوں کے لئے یہ ایسی جگہ ہے جہاں انھیں ایک ناول، افسانہ یا سنجیدہ مضمون لکھنے کی تحریک مل سکتی ہے۔ ڈاکٹروں کے لئے یہ وہ جگہ ہے جہاں یہ بندھا ٹکا خیال ترک کرنا پڑتا ہے ہاتھ بغیر انگلیوں کے کچھ نہیں کر سکتا۔ انجنیئروں کے لئے آنند بن وہ جگہ ہے جہاں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ بیکار رکھ دی گئی اشیاء کو کس طرح کارآمد اشیاء میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ کاشتکاروں کے لئے آنند بن آبپاشی بنڈنگ اور فصل کاٹنے کے نئے طریقوں سے روشناس ہونے کا بہترین مقام ہے۔ سماجی کارکنوں کے لئے آنند بن ایک مکّہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

آنند بن کا جنم آج سے ۲۵ سال قبل ایک عام سے چونا کئے ہوئے مکان میں ہوا تھا، جس کے چاروں طرف پچاس ایکڑ کے رقبے میں شیر، بھالو اور دیگر موذی قسم کے جانوروں سے پُر جنگل تھا۔ بابا صاحب اور سادھنا تائی اس میں رہتے تھے۔ کچھ ہی فاصلے پر جنگلوں سے گھرا دوا خانہ نیز جذام کے مریضوں کا کمرہ تھا۔

حالانکہ یہ بہت ہی معمولی آغاز تھا جو کہ اس وقت ایک ایسا کامیاب اور عظیم مقام بن گیا ہے جہاں انسانی سماج سے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ وہ گھر آج بھی موجود ہے مگر اب وہ سیمنٹ کا ہے جس میں بجلی بھی ہے۔ دوا خانہ اب ایک پورا ہسپتال بن گیا ہے جس میں آپریشن یونٹ بھی موجود ہے۔ جنگل غائب ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی جنگلی جانور بھی۔ اُن کی جگہ بہت سی عمارتوں، باغات اور ہرے بھرے کھیتوں نے لے لی ہے۔

حالانکہ "آنند بن" اس وقت بھی خاص طور سے ایک صحت دیکھ بھال پروجیکٹ ہے مگر وہ ایک مثال بن گیا ہے' انسانی جذبے کی ایسی کامیاب مثال جس کو "انسانی ٹیکنالوجی" کہہ سکتے ہیں یعنی ایسا فن جو کہ بھلائے یا ٹھکرائے گئے انسانی ذرائع کو ایسی فن کاری سے موڑتا ہے جو کہ بیمار کی زندگی میں روح پھونک دے۔ اور اس کو باہمت اور بھرپور زندگی بخش دے۔ یہ ان سب کے لئے ایسا موقع بھی ہے جس میں وہ اپنا علمیہ دے کر زندگی میں معنی تلاش کر سکتے ہیں تاکہ آرام و آسائش کی سطح سے پرے بھی زندگی ایک جینے کی چیز معلوم ہو۔

آنند بن نے اس کو کیسے کیا۔ آنند بن ایک بڑا خاندان ہے۔ کوئی بھی وہاں آسکتا ہے۔ جذام کے مریضوں کو مفت علاج، قیام اور خوراک کے ساتھ جیب خرچ بھی دیا جاتا ہے۔ جو لوگ کام کر سکنے کے لائق ہیں ان کو مختلف مراکز میں سے کسی ایک پر ملازمت دی جاتی ہے۔ وہ مختلف محکموں میں سے کوئی بھی ایک کام منتخب کر سکتے ہیں۔ جیسے چمڑے کا کام، دھات کا کام، موٹر میکانک، ڈیری یا زراعت وغیرہ۔ آنند بن میں پیدا ہونے والی اشیاء کی فروخت سے سارے پروجیکٹ کا خرچ نکلتا ہے۔ یہاں پر بہت سے طعام خانے ہیں جہاں قیام پذیر ایک ہزار اشخاص اور مریضوں کو کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔ سب ساتھ بیٹھ کر اور ایک ہی ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ اس ایک خاندان کے تصور نے سیکڑوں افراد کو اس دکھ سے نجات دلا دی جو کہ ان کو ٹھکرانے والے سماج میں باز آبادکاری کے سلسلے میں ہوتا۔ آنند بن کی عظمتوں میں سے یہ ایک ہے

درد! اس عظیم کام کا آغاز بنا۔ دن کا وقت تھا زبردست بارش ہو رہی تھی۔ ورورا کے بس اسٹیشن پر ایک شخص اترا جو کہ غیر بیانی جذام کا مریض تھا۔ جسم و جاں دونوں سے بیمار اور تھکا ہارا شخص بارش کے غیض و غضب کی تاب نہ لا کر وہیں زمین پر گر پڑا۔ بارش میں ساکت پڑے اس شخص پر کسی نے بھی نظر نہیں ڈالی، بارش کا پانی بے رحمی سے اس پر برستا رہا۔

بابا امٹے، جو کہ اس وقت بھنگیوں کے ساتھ کام کر رہے تھے اور اپنے راؤنڈ پر تھے اُن کی نظر اُس بیمار پر پڑی، جی تو ہچکچایا مگر مدد کرنے کا جذبہ جاگ پڑا۔ اس شخص کو ایک ٹٹے سے ڈھک کر آگے بڑھ گئے اپنی مدد کے بارے میں سوچ بچار کرتے ہوئے کہ آیا انھوں نے سچ مچ مدد کی ہے کیا اس سے زیادہ اور نہیں کیا جا سکتا تھا؟ کیا ایسا کچھ نہیں کیا جا سکتا



پدما شری
باباصاحب آمٹے،
آشرم کے بانی،
اپنی اہلیہ کے ساتھ۔

جس سے زندگی میں انقلاب آجائے، انسانیت کے دُکھوں کا مداوا ہوسکے۔ انسانیت کے ناسُور سکھائے جاسکیں۔ انسانیت کے زخم کا مرہم تلاش کیا جاسکے۔ آنیوالی ایک پوری نسل کو اس سے نجات دلائی جاسکے۔ وہ سوچتے جارہے تھے۔

اور پھر انھوں نے فیصلہ کرلیا۔ ٹھیک ہے، پھر وہ اس وقت کی مدھیہ پردیش سرکار کی مدد سے کلکتہ گئے تاکہ اسکول آف ٹراپیکل میڈیسن میں جذام پر مطالعہ کرسکیں۔ اپنی تعلیم ختم کرلینے کے بعد انھوں نے پچاس ایکڑ زمین بطور تحفہ مانگی۔ بس اسی پر آنندبن عالم وجود میں آیا۔

بہت سے اچھے ہوجانیوالوں کو ڈھالنے میں بھی دردِ ہی عنصر بنا۔ حالانکہ بیماری سے نجات مل گئی تھی مگر سماج کی جانب سے ان کو اپنانے کا مسئلہ ایک بھیانک دیو کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا۔ اس تجربے کی بنیاد پر آنندبن کے ایک خاندان کے تصور نے جنم لیا، جس نے آنندبن کے سب سے عظیم تجربے کو سچ ثابت کردیا۔

جناردھن ٹھاکرے نے کہا کہ "میں نے آنندبن میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ میرا ضمیر اس قدر احسان مند تھا اور یہ جذبہ اس قدر شدید تھا کہ جس نے مجھے تقریباً موت سے ہمکنار کردیا تھا اس کے لئے اپنی ساری زندگی نچھاور کرنے کے لئے میں اپنے آپ کو روک نہ سکا۔"

۵۶-۱۹۵۵ء میں جب کہ آنندبن کی شہرت پھیلی تو ایک درخواست آئی کہ ناگپور کے قریب اشوک بن میں بھی ایک ایسا ہی پراجیکٹ شروع کیا جائے۔ جناردھن ٹھاکرے اس کے منیجر بنے۔ اپنی اس معذوری کے باوجود جس میں کہ جناردھن نے جنم لیا، اپنی اس بیماری کے باوجود جس میں سے شنکر دادا کو دوبارہ تخلیق کیا گیا، وہی سومناتھ پراجیکٹ کے انچارج بنائے گئے اور وہ مہاروگی سیوا سمیتی کے ٹرسٹیان میں سے ایک منتخب ہوئے۔

تقریباً اسی زمانے میں اشوک بن کا قیام عمل میں آیا۔ آنندبن کی شہرت نے خیمہ بدوش رضاکاروں کی ایک جماعت کو راغب کیا، جو وارڈ اور دیگر تعمیرات میں مدد کرنے کے لئے آگے آئے۔ اپنے تجربے سے معمور بعض رضاکاروں نے آنندبن میں اپنے قیام کا ذکر ایک جرمن نن سسٹر لیلا سے کیا۔ اس نے آنندبن کا دورہ کیا۔ اور اپنی دہلی واپسی پر اس نے پراجیکٹ کا تعارف مسٹر دیلودھی سے کرایا۔ مسٹر دیلودھی جب بطور سفیر سوئیزرلینڈ میں تھے اس وقت مسٹر دیلودھی کو سوس ایڈ بورڈ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ دفتر میں داخل ہوئے اور مدد مانگی۔ جس سے آنندبن میں ایک انقلاب آگیا۔ ہیرادپ لاگر جو کہ الموڑہ میں سوس ایڈ کے نمائندہ کے طور پر کام کررہے تھے، انھوں نے آنندبن آکر دیکھا اور اپنے اعلیٰ حکام سے اس کی زبردست سفارش کی۔ آنندبن کے اسٹاف سے گفت وشنید کے وقت کیئر (CARE) کی جانب سے ایک ورکشاپ شروع کرنے کی تجویز سامنے آئی، جس کے لئے سوس ایڈ نے ... ۳۵ روپے کی امداد دی۔

دوسرا خیال یہ پیدا ہوا کہ ایک جگہ جو صرف اچھے ہوجانے والوں کے لئے

ہو، اُن کی اپنی ایک ایسی جگہ جہاں وہ خود کاشت کرسکیں۔ اصل۔ ۱۵ ایکڑ سے متصل۔ ۲۵ ایکڑ اراضی پر 'مکتی دان' کا قیام عمل میں آیا۔ جہاں پر انفرادی مکانات، پانی اور بجلی ہو مگر کاشتکاری مشترکہ ہو۔

اپنی مدد آپ کرنے نیز خود کفیل بننے کا سبق جان لینے سے ان میں ایک جذبہ یہ جگادیا کہ وہ اسی سماج میں شامل ہوں جس نے اُسے ٹھکرادیا تھا اور اسی جذبے نے آنندبن کے باسیوں کو ایک ایسا پراجیکٹ شروع کرنے پر اکسایا جو کہ پوری طرح ان کا ہی تھا۔

۱۹۶۴ء میں انھوں نے آنند نکیتن کھولا جو کہ ایک ڈگری کالج تھا، ناگپور یونیورسٹی سے الحاق شدہ۔ کالج میں چار شعبے ہیں۔ آرٹ، سائنس زراعت اور کامرس۔ ریاست کا یہ واحد ادارہ ہے جو اپنے ملازمین کو ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو نقد ادائیگی کرتا ہے۔ تمام تر ضروریات بشمول قوماً آنندبن کے جذام کے مریض اپنی مختلف مشقتوں کے ذریعہ مہیا کرتے ہیں۔ اس طرح آنند نکیتن نے اس علاقے کی دو عظیم ضرورتوں کو پورا کیا ایک تو کالج اور دوسرا سماج، وہی جس نے انھیں ٹھکرایا تھا۔

قانع ہوجانا امٹے خاندان کی روایت نہیں تھی۔ وہ غیرمرئی طاقت کے تحت آگے ہی بڑھتے رہے۔ ۱۹۶۵ء میں انھوں نے سومناتھ شروع کیا۔ ۳۵ جوڑوں کے لئے ۱۲۰۰ ایکڑ پر بازآبادکاری مرکز جس کی بنیاد زراعت پر تھی۔

آنندبن میں مریضوں کو ایک دوسرے سے شادی کرنے کی اجازت ہوتی تھی، اور وہ شادی شدہ زندگی اس صورت میں گذار سکتے تھے جب کہ شادی سے قبل وہ نس بندی کروالیں۔ اس بڑے فیصلے نے جنسی محرومی سے متعلق کئی مسائل کے حل میں مدد کی نیز ساتھ ہی مریضوں کو ایک عام انسانی زندگی گذارنے کا موقع بہم پہنچایا۔

آنندبن کا ایک نیا رُخ اس وقت سامنے آیا جب چند سال قبل سُکھ سدن کا قیام عمل میں آیا۔ سُکھ سدن بوڑھے لوگوں کو اپنانے کا ایک پراجیکٹ ہے۔ یہاں پر ایک نوجوان جذام کے مرض میں مبتلا بوڑھے جوڑے کو اپنے والدین کی طرح اپناتا ہے۔ وہ یہاں چار کمروں اور ایک ورانڈے پر مشتمل مکان میں ساتھ ہی رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اور خاندانی زندگی کی کوئی بھی خوشی اُن سے منہ نہیں موڑتی ہے۔

جب کوئی شخص آنندبن میں آتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ کارآمد زندگی کے ساتھ کام کرکے زندگی گذارنے کا جذبہ کتنا مُستحکم ہے۔ چاروں طرف پٹیوں میں بندھے ہاتھ اور پاؤں ہیں، بدہیئت ناکیں، گلے ہوئے کان اور سُوجے ہوئے چہرے ہیں پھر بھی وہ خوشی، اطمینان اور سکون کی سانس لیتے ہیں جس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اور ہر طرف مزید کچھ کرنے کا جوش و خروش نظر آتا ہے۔ آنندبن میں آسمان بھی کوئی حد نہیں ہے۔

آنندبن میں نابیناؤں کا ایک اسکول ہے۔ اگر جذام کے مریض سماج کے معذور ہیں تو کیوں نہ تمام مریضوں کو امداد فراہم کی جائے؟ اس خیال نے اس وقت جوش و خروش اختیار کیا جب کہ کاؤنٹ تارنودسکی (زیر [illegible]



جذام کے مریض سلائی کے کاموں میں مصروف



ماہر ڈاکٹر
جذام کے مریضوں کا
معائنہ کر رہے ہیں

جسم سے فالج سندہ یولش باستدہ، جنھوں نے انگلینڈ میں سکونت اختیار کرلی ہے، نے آنندبن میں اپنا دوسرا دورہ کیا اور ۲,۰۰۶,۰۰۰ روپے کا خطیر تحفہ دیا تاکہ سندھی نکیتن شروع کیا جاسکے۔

" ان کو بھی ایک موقع دو" یہی مقصد ہے۔ سندھی نکیتن میں کوئی بھی تمام شعبوں میں تربیت حاصل کرسکتا ہے جیسے چھپائی، درزی گری بنائی، پتھرے کا کام، مرٹر میکانک، آرٹس اور کرافٹس، چمڑے کا کام اور دھات کے کام۔

آنندبن کی تازہ ترین اسکیم ہے آنندبن دیہی مرکز دھان مثالی فارم۔ یہ چھوٹے اور درمیانی زمین مالکان، جذامی مریضوں نیز زراعتی کالج کے طالبعلموں کو تربیت دینے کے لئے آنندبن کے اطراف میں دس میل کا دام ہے تاکہ باغبانی، کچن گارڈن، دھان پیداوار اور لینڈ نگ کی تربیت دی جاسکے۔ یہ بند باندھنے، جراثیم کش ادویہ کے استعمال، رقم، بیج اور کھاد حاصل کرنے کی بھی تربیت دیتا ہے۔ آنندبن کی پشت پر اس پراجیکٹ کے لئے دس ایکڑ اراضی دی گئی ہے۔ کنواں اپنا خرچ خود برداشت کرتا ہے وہ اس طرح کہ ایک ایکڑ کے ٹکڑے پر وہ کیلے کی کاشت کی آبپاشی کرتا ہے۔

سارے مقام پر مریض کام کرتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔ کچھ فریم بناتے ہیں دوسرے گڑھا کھودتے ہیں اور دیگر کھیت جوتتے ہیں، لیکن سبھی کام میں لگے ہیں۔ لگن اور چاہ ہے۔ کیونکہ یہ ان کی زمین ہے اور یہ ان کا فرض ہے کہ اُسے سرسبز و شاداب رکھیں۔ جون کی گرمی میں جب کہ اطراف کی زمین خشک ہو جاتی ہے کہیں سبزہ نظر نہیں آتا اس وقت بھی آنندبن میں سبزیوں کے ہرے بھرے کھیت آنکھوں میں تازگی پیدا کرتے ہیں۔ ہر اتوار کے روز ساری آبادی 'شرم دان' کے لئے جمع ہوتی ہے۔

بابا امٹے شاید ہی کبھی کہیں دکھائی دیں۔ وہ تو پہیوں پر چلنے والے خانہ بدوش ہیں جو کہ ایک پراجیکٹ سے دوسرے پراجیکٹ کا دورہ کرتے رہتے ہیں۔ آنندبن اس وقت بابا کے سب سے بڑے بیٹے وکاس کے پورے چارج میں ہے وہ اس خطہ کے ہسپتال کے ڈاکٹر بھی ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایک انجینئر، منصوبہ ساز اور آرکیٹیکٹ بھی۔ مختصراً وہ ایک ماہر ہیں جنھوں نے سارے ہنر خود ہی حاصل کئے اور تخلیق کئے ہیں۔

آخراً آنندبن کیا ہے؟ اس وقت آنندبن مصیبت زدوں کی امداد کا صرف ایک پراجیکٹ ہی نہیں بلکہ یہ وہ سوتا ہے جس کے اثرات اشوک بن، سومناتھ، ناگے پال، بھرا گڑھ اور لاہیری کے پانچ مراکز کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ آنندبن ایک تجربہ ہے۔ دوراندیشی ہی ضمیر کی آواز ہے اور سب سے زیادہ ایک تعلیم ہے۔ یہ روشنی کی مشعل جس میں اُمید کا سمندر موجزن ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو اگر انسان چاہے تو حاصل نہ کرسکے۔

واقعی وہ باغِ نشاط ہے!

گوشۂ خواتین

• مالینی بیبین

سنند اسہکاری گرہہ اُدیوگ سوسائٹی

پارٹ ٹائم روزگار مُہیّا کرتی ہے

ایک دفعہ جب میں نریمان پوائنٹ کی ایئر انڈیا بلڈنگ سے باہر نکلی تو میری توجہ ایک موبائل وین کی جانب مبذول ہوگئی جو کہ ایئر انڈیا بلڈنگ کے بالمقابل کھڑی ہوئی تھی۔ میں اس گاڑی تک گئی اور کچھ ناشتہ کی چیزوں کا آرڈر دیا۔ جتنی بھی چیزیں تھیں وہ صرف دکھاوے ہی میں خوبصورت نہیں لگ رہی تھیں بلکہ وہ کھانے میں بھی ذائقہ دار تھیں اور ان کو بیچنے والیاں اچھی صاف رکابیوں میں پیش کر رہی تھیں اور پھر میں نے اس کی مینیجر شرمتی شو بھنگی جوشی سے بات چیت کی۔ اس نے مجھے بتلایا کہ یہ گاڑی سنند اسہکاری گرہہ اُدیوگ سوسائٹی کی طرف سے چل رہی ہے جس میں عورتوں کو پارٹ ٹائم روزگار بھی دیا جاتا ہے۔ یہ گاڑی اتنی کامیاب اور مقبول ہو چکی ہے کہ ایئر انڈیا کی درخواست پر اب ایک سنند اکینٹین ۱۵ ویں منزلہ پر جاری کی گئی ہے۔ ۴ لڑکے اور ۴ لڑکیاں اس کینٹین میں کھانا پکاتے ہیں اور ایئر انڈیا کے ملازمین کی کھانے کی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں۔

مجھے مسز جوشی نے یہ بھی بتلایا کہ موبائل وین کے تمام پکوان، سنندا بھیل پوری ہاؤس جو کہ بابل ناتھ کے امیر علاقے میں واقع ہے، پکایا جاتا ہے۔ بھیل پوری ہاؤس میں تمام ہلکے پھلکے ناشتہ کا انتظام ہے جو خالص اور غیر ملاوٹی چیزوں سے تیار کیا جاتا ہے اور جن کی قیمتیں باہر کسی اور جگہ سے بہت کم ہوتی ہیں۔ سنندا گاڑی رات میں وہاں کھڑی رہتی ہے اور صبح کے وقت اس میں تازہ تیار کردہ اشیاء بھر دی جاتی ہیں اور پھر وہ نریمان پوائنٹ پر آجاتی ہے۔ بلاشک و شبہ اس گاڑی میں اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ نئے پکوان تیار کئے جا سکیں، اگر جمع کردہ پکوان کا مطالبہ زیادہ ہو جائے۔

درحقیقت وہ چاہتے ہیں کہ لال باغ اور پریل جیسے مزدور علاقوں میں ان چیزوں کو فروخت کریں لیکن ان کو صرف نریمان پوائنٹ پر ہی ان پکوانوں کو فروخت کرنے کی اجازت ملی ہے۔ برس کلب آف انڈیا کی کینٹین بھی سنند اگرہہ اُدیوگ سوسائٹی کی جانب سے جاری کردہ ہے۔ وانکھیڈے اسٹیڈیم میں بھی سنندا کی طرف سے ایک بھیل پوری اسٹال جاری ہے۔ ان تمام جگہوں پر صرف عورتیں ہی ملازم ہیں۔

میری حیرت بڑھ گئی اس لئے میں نے اس سوسائٹی کے ورکشاپ کو جو کہ کامرس اسٹیٹ، پرھادلوی پر ہے، جاکر معائنہ کیا، اور مسز لیلا مورے سے ملاقات کی۔

مسز لیلا ۱۹۶۸ء سے جب سے کہ اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی اس ورکشاپ کے معاملات کا انتظام کر رہی ہیں۔

تعلیم کی کمی کے سبب سے سماج کے متوسط طبقہ سے بھی نیچے رہنے والی عورتوں کو گورنمنٹ آفسوں، پرائیویٹ کمپنیوں اور کاروباری اداروں یا اسکولوں میں نوکریاں نہیں ملتی ہیں۔ چونکہ ایسی عورتوں کی کی شادیاں کم عمری میں ہی ہو جاتی ہیں اس لئے وہ ۲۲/۲۳ سال تک پہنچتے پہنچتے ۳/۴ بچوں کی مائیں بھی بن جاتی ہیں ان کے شوہروں کی آمدنی اس لائق نہیں ہوتی کہ وہ ان ۳/۴ بچوں کی اچھی طرح کفالت کر سکے بس ان کو زندگی میں بہت زیادہ غربت پریشانی اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس لحاظ سے کچھ سماجی کارکن عورتوں نے جس میں مسز کستور بائی مانجریکر، مسز منگلا پاریکھ، مسز پرمیلا ڈنڈوتے اور مسز کسم کلکرنی پیش پیش ہیں، یہ فیصلہ کیا کہ ان عورتوں کو پارٹ ٹائم روزگار مہیا کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے شوہروں کی آمدنی کو بڑھانے میں مددگار بن سکیں۔ اٹل ارادوں اور ثابت قدمی کے ساتھ انھوں نے صنعتی امداد باہمی سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جو کہ سنند اسہکاری گرہہ اُدیوگ سوسائٹی کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ اس سوسائٹی کی مالی امداد ریاستی حکومت بھی کر رہی ہے۔



سنندا سہکاری میں کاغذ کاٹنے کی مشین خواتین پیٹنگ کے کام میں منہمک ہیں اور شریمتی لیلا مورے (مینیجر) ستائشی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔

سوسائٹی کے ورکشاپ کا معائنہ کرنے پر مجھے بہت حیرت ہوئی جب کہ میں نے دیکھا کہ عورتیں بڑی تندہی اور ہمت کے ساتھ کتابوں کی جلد سازی میں مصروف ہیں۔ وہ حکومت مہاراشٹر کی چوتھی جماعت کے لئے منظور کردہ کتاب 'شیوچھترپتی' کی جلد سازی کر رہی تھیں جس کو ریاستی حکومت کے راجیہ پتھیہ پُستک منڈل نے کنٹراکٹ دیا تھا کہ ۳ لاکھ ۸ ہزار کتابوں کی جلد سازی کرنا ہے۔ سوسائٹی کو ہر سال منڈل کی جانب سے بڑے بڑے آرڈر مِل جاتے ہیں۔ اور اس طرح ہندی، مراٹھی، انگلش، گجراتی اور اُردو زبانوں میں تاریخ، حساب اور سائنس کی کتابوں کے آرڈر ملتے ہیں۔

سوسائٹی صرف عورتوں کو ہی ملازم رکھتی ہے۔ صرف آئس کریم بنانے کے لئے اور کٹنگ مشینوں پر مرد ملازم ہیں۔ ان ملازمین کو روزانہ تنخواہ کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔ کام کا وقت ۱۱ بجے صبح سے شروع ہوتا ہے اور آدھا گھنٹہ دوپہر کے کھانے کے لئے دیا جاتا ہے یہ وقت ان کے لئے بہت ہی مناسب ہے اس لئے کہ اس وقت سے پہلے وہ اپنے گھر کے دیگر کام کاج آسانی سے کر لیتی ہیں، بچوں کو اسکول بھیج دیتی ہیں اور شوہروں کو آفسوں وغیرہ میں کام کے لئے روانہ کر دیتی ہیں۔

چونکہ ہر ملازم کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ شیئر ہولڈر ہو، اس لئے اُن کو سال کے آخر میں ۹ فیصد منافع دیا جاتا ہے۔

شروع شروع میں سنندا کوآپریٹو سوسائٹی نے ... ۷ شیئر فی شیئر ۲۵ روپیہ کے حساب سے بیچ کر اپنا سرمایہ بڑھایا تو ہر ممبر کو ایک روپیہ ممبر شپ بھی دینی پڑی تھی۔ حکومتِ مہاراشٹر نے سوسائٹی کے اس خیال کو کہ خواتین کو پارٹ ٹائم نوکری مِل جاتی ہے بہت سراہا اور ... ۵ روپیہ کا قرضہ بہت ہی کم شرح سُود پر دیا، جس سے سوسائٹی کی کارکردگی میں بہت آسانی پیدا ہوگئی۔ سوسائٹی کے جلد سازی کے محکمہ کے لئے جرمن ادارہ اِملٹر ولفرٹ نے ... ۵ روپے کا عطیہ دیا تاکہ کٹنگ مشین خریدی جاسکے۔

سوسائٹی کے خیال کو اور اس کے عمدہ کام کرنے کے انتظام کو اور امدادِ باہمی کے اُصولوں کو اپنانے پر، غیر ممالک کے بڑے بڑے لوگوں نے بہت تعریف و تحسین پیش کی ہے۔ ان بڑے بڑے لوگوں میں میری سرن، جو کہ بین الاقوامی کونسل آف سوشل ڈیماکریٹک خواتین کی چیئرمین ہیں اور کیرولین ڈال اون جو کہ رابرٹ اون کی پوتی ہیں اور جو کہ متحدہ جات امریکہ میں امدادِ باہمی کی تحریک کی قائد سمجھی جاتی ہیں، شامل ہیں۔

جب میں نے سماج کے کم آمدنی والے طبقہ کی عورتوں کو پارٹ ٹائم روزگار فراہم کرنے پر مبارکباد پیش کی تو مسز لیلا مورے نے کہا "ہم زیادہ سے زیادہ عورتوں کو پارٹ ٹائم بنیاد پر روزگار مہیا کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم کو چند ہی کام ملتے ہیں ہم چاہتے ہیں حکومت ہم کو اور زیادہ آرڈر دے اور ہمارے دوسرے خیر خواہ بھی آرڈر دیں۔ اگر آرڈر لگاتار آتے رہے تو زیادہ سے زیادہ عورتوں کو روزگار ملتا رہے گا۔ اور اس طرح عورتیں اپنی آمدنی کو بڑھا سکیں گی میں بھی اس بات سے پوری طرح متفق ہو گئی۔

آب پاشی: کامیابیاں اور ناکامیابیاں

وی۔ آر۔ دے اُسکر
سیکریٹری، محکمۂ آب پاشی

زمانۂ قدیم سے آب پاشی یعنی مصنوعی طریقوں سے کھیتوں کو پانی پہنچانے کا انتظام ہندوستان میں جاری ہے۔ مہاراشٹر میں بھی اس طرح آب پاشی کا کام جاری ہے اور یہ کام کاویری، گوداوری اور کرشنا ندی سے لیا جا رہا ہے۔

ان تینوں ندیوں کے ڈیلٹاؤں پر آبیاری کا کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔ مٹی کے ڈیم اور ذخیرۂ آب جو کہ قدیم زمانہ میں بنائے گئے تھے اور جو فی الوقت تامل ناڈو ریاست میں کام بھی کر رہے ہیں، تقریباً ۲۰،۰۰۰ سے زیادہ ہیں۔ اسی طرح کا کام دکن کے علاقوں اور کرناٹک کے چاول اگانے والے علاقوں اور مہاراشٹر میں بھنڈارا، چندرپور اضلاع میں جاری ہے۔

شمال میں آبیاری مشہور دریاؤں جیسے گنگا اور جمنا سے کی جاتی ہے۔ جب ان دریاؤں میں طغیانی آتی ہے تو ان کے ساحل پانی سے لبریز ہو جاتے ہیں اور پھر اس پانی کو اچھی اچھی تدبیروں سے آبیاری کے کام کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔

برطانوی دور میں ملک میں بہت سے آبیاری کے کام کو تقویت ملی۔ سر آرتھر کاٹن نے جنوب میں اور سر پی۔ ٹی۔ کاٹلے نے شمال میں قابلِ تحسین کام انجام دئے۔

مہاراشٹر میں آبیاری کے کام

شمالی ہندوستان کے حالات اور مہاراشٹر کے حالات میں بہت کچھ فرق ہے۔ مرکزی مہاراشٹر کا ایک بہت بڑا حصہ مغربی گھاٹ کی بارش کی وجہ سے سیراب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بارش ساحلی علاقوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مغربی گھاٹ کے علاقوں میں بھی، لیکن رفتہ رفتہ مشرقی جانب یہ بارش کم ہوتی جاتی ہے اور بہت سے علاقوں میں تو یہ بارش ۲۰ انچ سالانہ سے بھی کم ہوتی ہے۔

مہاراشٹر کے قلت زدہ علاقوں کا پتہ چلانے والی سروے کمیٹی نے جو کہ شری ایس۔ ای۔ سکھتنکر کی چیئرمین شپ میں بنائی گئی تھی، یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ۲۳۲ تعلقہ جات میں سے ۸۴ تعلقہ جات قلت زدہ علاقوں کے طور پر تصور کئے جا سکتے ہیں۔

اگرچہ دونوں مشہور ندیوں کا یعنی کرشنا اور کاویری کا منبع مہاراشٹر میں ہی ہے لیکن ان سے نکلنے والی بے شمار چھوٹی چھوٹی ندیاں سال کے ۲ یا ۳ ماہ تک ہی بہتی رہتی ہیں اور سال کے باقی دنوں میں خشک پڑی رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے ذخیرۂ آب کی ضرورت آبیاری کے لئے بہت ضروری ہے۔ مہاراشٹر میں آبیاری کا کام ملک میں دوسری جگہوں پر آبیاری کے کاموں سے زیادہ مہنگا ہے۔ اس پس منظر کے تحت اب ہمیں اس بات پر متعجب نہ ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس بہت ہی کم قدیم آبیاری کے ذرائع ہیں۔ مغربی مہاراشٹر میں چند دریاؤں کے آرپار بندھوں کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ جہاں فڈ سسٹم پر آبیاری کا کام منظم طور پر جاری ہے۔ یہ کام ناسک اور دھولے اضلاع میں کیا جا رہا ہے۔ بھنڈارا اور چندرپور کے بعض حصوں میں اس وقت کے مالگزاروں نے کچھ چھوٹے چھوٹے ٹینک آبیاری کے لئے بنائے تھے تاکہ ناکافی بارش ہونے پر ان سے کام لیا جا سکے اور دھان کی پیداوار کی جا سکے۔ ریاست کے باقی حصوں کا دار و مدار چند کنوؤں پر ہے۔

آبیاری۔ حفاظت کے ساتھ

برطانوی دورِ حکومت میں قلت زدہ علاقوں کی تکالیف کو دور کرنے پر بہت ہی سنجیدگی سے غور و خوض کیا جاتا تھا۔ چند چھوٹے چھوٹے آبیاری کے لئے ٹینکوں کا کام ہاتھوں میں لیا گیا تاکہ محفوظ طریقوں سے آبیاری کی جا سکے۔ ۱۹ ویں صدی کے نصف میں اور بیسویں صدی کے شروع میں کچھ بڑے کام ہاتھ میں لئے گئے۔ جیسے کرشنا نہر، سابقہ کوشی بند، جو کرشنا ندی پر بنایا گیا تھا۔ کھڑکواسلہ بند اور اس کی نہروں کا نظام، نیرا، پرورا اور گوداوری نہروں کے نظام اور ان کے ذخیرۂ آب بھاٹگر، بھنڈردارہ اور دُرنا پر بالترتیب گرتا نہر سسٹم، سابقہ تھینگوڑا بند۔ یہ تمام کام آبیاری کو قلت زدہ علاقوں میں تقویت بخشنے کے لئے کئے گئے تھے۔



دائیں کنارے پرنیر نہر
اور
پاور ہاؤس کا ایک منظر

مانک ڈوبند ضلع پونے
کے جنیر تعلقہ میں مانک ڈو
گاؤں کے قریب گھوڑ
ندی کی معاون ندی
ککڑی پر تعمیر کیا گیا ہے۔

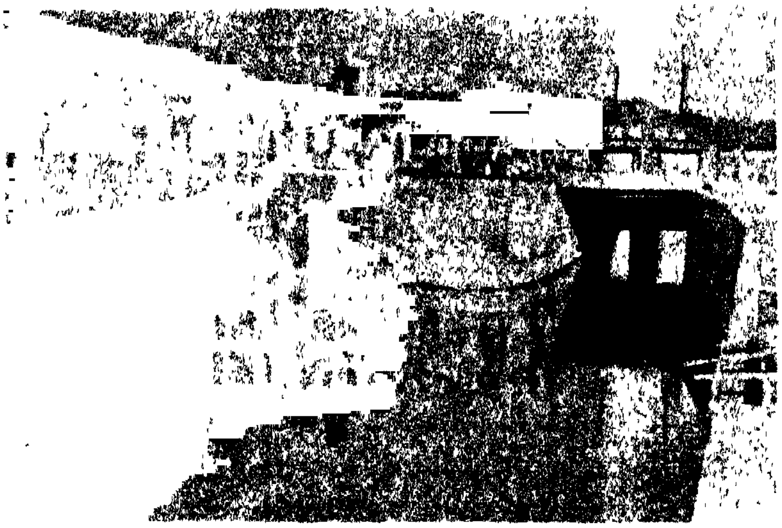
ضلع
پرو جیک
کی تنا
پیداوا

ہمارے آبپاشی پروجیکٹ ترقی کے مندر





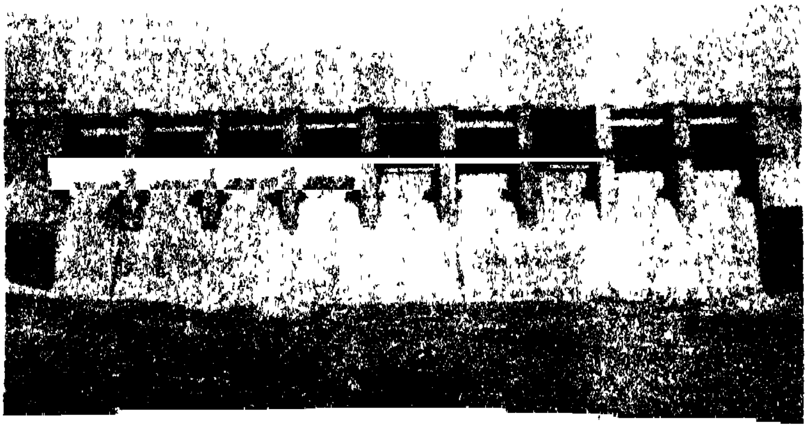
پان شیٹ بند کی
کھڑک واسلہ پر
تحت ۱۹۶۵ء
۱۹۷۲ء میں پایۂ
ذخیرۂ آب سے
سے زیادہ علاقے
ہو سکے گی۔

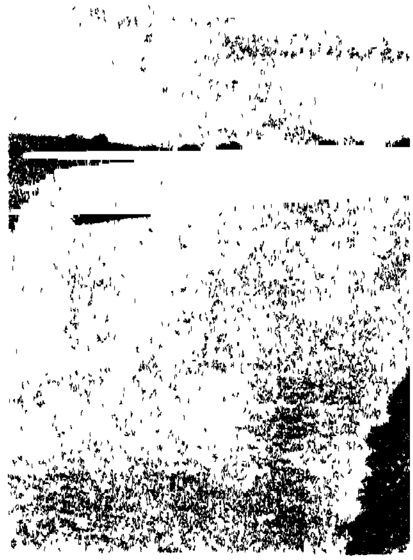


کرشنا آبپاشی پروجیکٹ کے تعمیر ہونے سے ستارا اور سانگلی کے اضلاع زیادہ مستفیض ہوں گے۔ مارچ ۱۹۷۷ء کے آخر تک اس پروجیکٹ پر بیس۲ کروڑ سے زیادہ روپیہ خرچ ہوا ہے۔

یر میں واقع ککرڈی
ادی اور اس
ج کر کے اس سے

وبرڈیم پروجیکٹ، پانی کے زیریں بہاؤ کا ایک منظر







زیر تعمیر پختہ اجانی بند پر ایک طائرانہ نظر

حتی الامکان آبیاری کو تقویت

آزادی کے فوراً بعد اس حقیقت سے روشناسائی ہوئی کہ آبیاری کے کاموں کو زیادہ سے زیادہ بڑھاوا دیا جانا چاہیئے تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلے کو حل کیا جا سکے۔ پہلے اور دوسرے پنج سالہ منصوبوں میں انجینیئروں نے برطانوی دور پر جو تحقیقات کی تھیں ان کی بنیادوں پر کچھ اسکیمیں جیسے دیر گرنا، مُلا، کھرڈکواسلہ وغیرہ کا کام انجام دیا گیا ہے۔

آنجہانی شری ایس. جی. بروے کی چیرمین شپ میں مہاراشٹر آبیاری کمیشن کے تحت مہاراشٹر میں آبیاری کی تمام ممکنہ صورتوں کا ایک مکمل جائزہ پہلی دفعہ لیا گیا۔ کمیشن اس نتیجہ پر پہنچا کہ تقریباً ۴۳ء۶۱ لاکھ ہیکٹر کو آبیاری کے تحت لانا ہے اور اس کام کے لئے تمام ممکن صورتیں مثلاً سطحی، زیر زمین وغیرہ کاموں کو ترقی دی جائے گی۔ اگر ایسا سمجھ لیا جائے کہ مہاراشٹر میں سالانہ فصل کا رقبہ ۲۰۰ لاکھ ہیکٹر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کل فصل کے رقبہ کا ۳۱ فیصد ہوگا۔

کرشنا اور گوداوری کے تنازعہ کی صورت میں مہاراشٹر میں پانی کی حصولی کا پھر سے جائزہ لیا گیا۔ کرشنا پانی کے تنازعہ والی کمیٹی نے مہاراشٹر کو ۵۶۰ ٹی۔ ایم۔ سی پانی (بشمول مغربی علاقہ کی آبی بجلی) دینے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کی رو سے آبیاری کے لئے موجودہ ۴۴۰ ٹی۔ ایم۔ سی تھا یہ پانی بہت کم ہے۔ گوداوری پانی کے تنازعہ کی سماعت ابھی تک جاری ہے۔

کوکن کے علاقوں میں آبپاشی

مہاراشٹر کی کل مقدار کا اندازہ لگاتے ہوئے بروے کمیشن نے یہ فیصلہ کیا کہ کوکن کے علاقوں میں پروجیکٹ کو مکمل کرنا محال ہے۔ اس لئے کہ وہاں قدرتی طور پر زمین کی ساخت بڑی عجیب و غریب ہے۔ لیکن بعد میں جب اور غور کیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ پانی کو مغربی علاقوں تک موڑ دیا جا سکتا ہے تاکہ آبی بجلی کا استعمال ہو سکے۔ کرشنا پانی تنازعہ کے ٹربیونل کے فیصلے کی وجہ سے مغربی جانب پانی کو موڑ دینا ممکنات میں سے نہیں ہے۔ اسی دوران جو تحقیقات ہوئیں اس کی بنا پر یہ بات سامنے آئی کہ مغربی طرف بہنے والے دریاؤں کے پانی کو آبیاری کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ اسکیمیں بھی روبہ عمل ہیں۔

تینوں کوکن اضلاع کا جغرافیائی رقبہ ۳۱ لاکھ ہیکٹر ہے۔ جس میں سے ۱۷ لاکھ ہیکٹر کاشت کے لائق ہے اس ۱۷ لاکھ ہیکٹر میں سے ۴ء۲۵ لاکھ ہیکٹر دھان کی کاشت کے لئے ہے۔ موجودہ تحقیقات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۳ لاکھ ہیکٹر زمین کو آبیاری اسکیموں وغیرہ سے سینچا جائے گا۔

آزادی کے بعد کا دور

برطانوی دور میں کچھ بڑی بڑی اسکیمیں چلائی گئی تھیں۔ جیسے بھنڈر اور بھنڈارڈا بند وغیرہ جو کہ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۰ء میں مکمل کی جا چکی تھیں اس کے بعد آبیاری کے کاموں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی لیکن آزادی کے بعد پھر آبیاری کے کاموں میں تیز رفتاری آگئی۔ ریاست میں آبیاری کے کاموں، فنڈ کی حصولی وغیرہ کا خاکہ ذیل میں دیا گیا ہے۔

جون ۱۹۷۶ء میں حقیقی آبیاری کی صلاحیت ۱۲ء۹۱ لاکھ ہیکٹر تھی۔ جون ۱۹۷۹ء تک ۴ء۸۳ لاکھ ہیکٹر آبیاری کے لئے مزید کام میں لائے جائیں گے۔ اس طرح پانچویں پنجسالہ پلان میں کاشت کاری کے لائق آبیاری

آبپاشی پروجیکٹوں کی خصوصیات

۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۶ء تک دس سال کے دوران ۷ء۲۱ لاکھ ہیکٹر کی یا پہلے تین منصوبوں کی مدت کے دوران پیدا شدہ صلاحیت کا ½۲ گنا صلاحیت آبپاشی پیدا کی گئی۔

(۲) اسٹیٹ اریگیشن ورکس نے جون ۱۹۷۶ء تک ۱۲ء۹۱ لاکھ ہیکٹر یا کل فصل رقبہ کا ۶ء۶۵ فیصد صلاحیت پیدا کی۔ جاری اور پانچویں پنج سالہ منصوبہ میں شامل نئے آب پاشی پروجیکٹوں کی تکمیل پر یہ بڑھ کر ۸۸ء۳۴ لاکھ ہیکٹر یا کل فصل رقبہ کا ۱۷ء۹۵ فیصد ہو جائے گی۔

۳۔ اسٹیٹ سیکٹر اریگیشن ورکس پر پانچویں پنج سالہ منصوبہ کے مصارف ۵۴۸ کروڑ روپے ہیں، جو پہلے چار پانچ سالہ منصوبہ جات میں کئے گئے کل ۴۰۰ کروڑ روپے کے مصارف سے زیادہ ہیں۔

۴۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۶ء تک گذشتہ پچیس (۲۵) سال کے دوران ۷۹ بڑے اور درمیانی درجہ کے پروجیکٹ مکمل ہوئے اور ان میں سے ۱۹ پروجیکٹوں سے جزوی فائدہ ملنے لگا۔ گذشتہ اتنی ہی مدت میں ۷۳۵ چھوٹی آب پاشی اسکیمات (اسٹیٹ سیکٹر) پایۂ تکمیل کو پہنچیں اور ۱۳۰ اسکیمات سے جزوی فائدہ حاصل ہونے لگا ہے۔ ۴۳۲ اُٹھاؤ آب پاشی اسکیمات بھی مکمل کی گئیں۔

کی قوت ۲۴٫۱۷ لاکھ ہیکٹر ہو جائے گی۔ چھٹے پلان کے لئے ۲۶٫۲۰۳ لاکھ ہکٹر باقی رہ جائے گی۔ اس لحاظ سے ۲۰۰۰ء میں آبپاشی کے لئے تمام سطحی پانی کو استعمال میں لایا جا سکے گا۔

پلان کے دوران فنڈ کا الاٹمنٹ اور آبپاشی کی توانائی

نمبر شمار	منصوبہ کی مدت	الاٹمنٹ (کروڑ روپیہ میں)	پیدا شدہ قوت (لاکھ ہیکٹر میں)	کاشت کاری کے لئے آبپاشی کے لئے قوت، لاکھ ہیکٹر میں۔
۱	پلان سے پہلے		۲٫۷۴	۲٫۷۴
۲	پہلا پنج سالہ پلان ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۶ء	۱۱٫۸	۰٫۴۰	۳٫۱۴
۳	دوسرا پنچسالہ پلان ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۱ء	۳۳٫۹۴	۰٫۸۴	۳٫۹۸
۴	تیسرا پنچسالہ پلان ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء	۶۴٫۹۹	۱٫۷۲	۵٫۷۰
۵	تیسرا سالانہ پلان ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء	۵۹٫۷۹	۱٫۴۸	۷٫۱۸
۶	چوتھا پنچسالہ پلان ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۴ء	۲۳۳٫۰۷	۳٫۸۴	۱۱٫۰۲
۷	سالانہ پلان ۱۹۷۴-۷۵ء	۹۱٫۶۱	۱٫۰۳	۱۲٫۰۵
۸	سالانہ پلان ۱۹۷۵-۷۶ء	۷۸٫۳۳	۰٫۸۶	۱۲٫۹۱
۹	سالانہ پلان ۱۹۷۶-۷۷ء	۱۲۰٫۱۶	۱٫۷۶	۱۴٫۶۷

۲۰۰۰ء کے بعد

۲۰۰۰ء تک تمام سطح کے پانی کے ذرائع کو آبپاشی کے کام میں لے لیا جائے گا۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ یہ بات یہاں بیان کرنا غیر ضروری نہیں ہے کہ ہندوستان کی آبادی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے اور وہ ۲۰۰۰ ... ملین کا نشانہ پورا کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات اب ممکن نہیں ہے کہ زمینی وسائل کو زیادہ بڑھایا جائے۔ اس لئے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لئے اب ہر ممکن طریقے سے پانی کو حاصل کرنا ہی بہتر ہوگا۔

جو بات ہندوستان کے لئے مناسب ہے وہ بات مہاراشٹر کے لئے بھی مناسب ہے۔ اس لئے زیادہ زراعتی پیداوار کے لئے پانی کے وسائل پیدا کئے جائیں۔

کئی طریقوں کو اپنا کر پانی کے لئے تمام وسائل کو بچت کے ساتھ استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ نہروں سے کھیتوں تک پانی پہنچنے تک کتنا پانی بخارات کے ذریعہ اور رستے ہوئے ضائع ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے نقصان کو دور کرنے کے لئے نہروں کی حدبندی وغیرہ بہت ضروری ہے۔ پانی کے استعمال کو بھی بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے۔

نئے نئے طریقوں سے جیسے پانی چھڑکنے کے آلوں کو استعمال میں لانا چاہیئے تاکہ فصلوں کی جڑوں کو جتنا پانی چاہیئے اتنا ہی مل سکے۔ اگرچہ یہ بہت گراں طریقہ ہے لیکن اس سے اچھے نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ مہاراشٹر میں زمینی پانی کے وسائل بہت کم ہیں۔ ●

قارئین نوٹ فرمالیں

ہم حتی الامکان اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے قارئین کو حکومت کی مختلف ترقیاتی سرگرمیوں سے آگاہ رکھیں لیکن ہو سکتا ہے کہ قارئین ہمارے پیش کردہ مضامین میں کچھ کمی محسوس کریں اس لئے ہم نے سوالات۔ جوابات کا کالم بھی اپنے قارئین کے فائدے کے لئے شروع کر دیا ہے ہمیں یقین ہے کہ یہ کالم بہت زیادہ کارآمد ہوگا۔ اگرچہ ہر فرد کی تکالیف کو چھاپنا مشکل ہے لیکن کسی طرح کی پوچھ تاچھ یا شکوک جو حکومت کی کسی پالیسی، پروگرام یا سرگرمی پر ہوں گے، ضرور چھاپے جائیں گے۔

اپنے سوالات اس پتے پر روانہ فرمائیے:

ایڈیٹر 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ ۱۵ واں منزلہ، بالمقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مہاراشٹر کی پیش قدمی

• شانتا شاستری

ڈپٹی سکریٹری، غذا و سول سپلائی محکمہ، حکومت مہاراشٹر

کنزیومرس سوسائیٹیوں کے ذریعہ ضروری اشیاء کی تقسیم کی اسکیم

ایک عام صارف اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ اسے کو ضروری اشیاء فوراً اور ہمیشہ ملتی رہیں۔ لیکن وہ اس بات سے ناواقف ہوتا ہے کہ حکومت اس سلسلے میں کیا کیا کوششیں کر رہی ہے۔ عام طور پر "ضروری اشیا" کی اصطلاح بہت وسیع تر معنوں کی حامل ہے اور اس میں سماج کے مختلف ذات پات والوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ تاہم ضروری اشیا میں اناج، کپڑا، وغیرہ حقیقتاً شامل ہیں۔

حکومت کے پاس کئی سالوں پہلے ہی سے ان اشیا کی تقسیم کے لئے ایک اچھی خاصی مشنری ہے۔ اناج جیسے گیہوں، چاول، جوار وغیرہ عوامی تقسیم نظام کے ذریعہ سپلائی کیا جاتا ہے۔ صارفین کو اناج کی کافی مقدار مناسب داموں پر دی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے کنٹرول شدہ آئیٹم جیسے شکر، تھا سلیٹ، سمنٹ وغیرہ بھی صارفین کو بآسانی سپلائی کئے جاتے ہیں۔

ریاستی حکومت کے پاس مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ کسی [illegible] جالوں

طور پر پیداوار حصولی اور تقسیم کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ چند ایک اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ جیسے چاء، تیل وغیرہ ایک قومی مسئلہ ہے اس لئے چونکہ ریاست میں ان اشیاء کی کمی ہے اسے کو دوسری ریاستوں پر منحصر ہونا پڑتا ہے۔

مرکزی حکومت کی اسکیم

ریاست نے ضروری اشیاء کی تقسیم کا نظام کو آپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعہ کرکے ایک اچھی پیش قدمی کی ہے تاکہ قیمتوں کو کنٹرول میں رکھا جا سکے۔

شروع شروع میں مرکزی حکومت نے اسکیم کو اس طرح رخ دیا تھا کہ کو آپریٹیو ادارے ضروری اشیاء کو براہ راست کارخانہ داروں سے حاصل کر سکیں۔ یہ توقع تھی کہ پیداوار کا ۲۰ فیصد حصہ یہ کارخانہ دار کو آپریٹیو اسٹوروں کو دے دیں گے۔ تقریباً ۶ اشیاء یعنی ونا سپتی بے بی فوڈ، خشک بیٹریاں، ماچس، صابن اور ریزر بلیڈ اس اسکیم کے تحت آتی تھیں۔ مرکزی حکومت اس بات کی خواہاں تھی کہ ریاستی حکومت اس طریقہ کو اپنا لے گی۔ اس لحاظ سے حکومت مہاراشٹر نے اس اسکیم کو فروری سنہ ۷۶ء میں پہلی بار رائج کیا۔

ماضی میں بھی ریاستی حکومت نے کچھ اس طرح کے انتظامات کئے تھے کارخانہ داروں کے ذریعہ ان کی کچھ صنعتوں کو حکومت کی ایجنسیوں کے ذریعہ تقسیم کیا جائے۔ بے شک یہ کوشش صرف ایک یا دو اشیاء تک ہی محدود تھی۔ لیکن چند اشیاء ضروری کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کی اسکیم زیادہ سختی کے ساتھ رائج کی۔



سولاپور میں ڈیپارٹمنٹ اسٹور
بعض خریداروں کا خیال ہے کہ ایسے اسٹور، ہر محلہ میں کھولے جائیں تاکہ قیمتوں میں اضافہ روکا جا سکے۔



امداوتی میں
سنٹرل کوآپریٹیو کنزیومر اسٹور
جس میں
تیل، صابن، بلیڈ وغیرہ
ہمہ اقسام کی اشیاء فروخت
ہوتی ہیں۔

کارخانہ داروں سے ابتدائی مذاکرات کے بعد مہاراشٹر را حیہ ہول سیل کنزیومرس کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کی فیڈریشن کے ذریعہ تقسیم کرنے کا پہلا تجربہ بمبئی میں کیا گیا۔ اس کے بعد ریاست کے دوسرے اضلاع میں بھی یہ اسکیم جاری کی گئی۔ اور اس لحاظ سے کوآپریٹیو اداروں کو کمپنی کے اسٹاکسٹوں کی حیثیت سے تصور کیا جانے لگا۔

قیمتیں :

اگر ضروری اشیاء کو اسٹاکسٹوں کی شرح پر ہی براہ راست دستیاب کر دیا جائے تو اس سے صارفین کو کسی طرح کی رعایت کا یقین نہیں آتا۔ بیوپار میں تقسیم کے وقت اسٹاکسٹ، ہول سیلر، اور چھٹکل بیوپاری اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنا اپنا منافع رکھیں اور اشیاء کو فروخت کریں۔ مثلاً ہندوستان لیور لیمیٹیڈ کو اپنی صنعتوں پر ۱۰ تا ۱۳ فیصد منافع کمانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس میں سے ۲ فیصد اسٹاکسٹوں کا منافع ہے۔ ۳ فیصد ہول سیلروں کا منافع ہے اور ۵ فیصد تا ۸ فیصد چھٹکل بیوپاریوں کا منافع ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا اسکیم کے تحت فیڈریشن بشمول کچھ بڑے مرکزی کنزیومرز اسٹوروں کے 'اسٹاکسٹ کم۔ ہول سیلر کا رول ادا کر رہی ہے۔ ان کو ۵ فیصد منافع رکھنے کا اختیار ہے۔ اس طرح کل منظور شدہ منافع کا ۲ فیصد منافع تقسیم میں لگ جاتا ہے اور باقی منافع صارفین کو سہولت کے طور پر مل جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوآپریٹیو سوسائیٹیاں براہ راست کارخانہ داروں سے اشیاء کی حصولی کرنے لگیں تو ان کو بھی اسٹاکسٹ کا سا سلوک ملنے لگے گا۔ اور وہ ۲ فیصد کے منافع سے اپنا کام چلا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو چھٹکل بیوپاریوں کا ۵ فیصد تک منافع ملے گا۔

ذیل میں کمپنیوں کے اسٹاکسٹوں کے منافع اور مذکورۂ بالا اسکیم کے تحت حاصل کردہ منافع کا ایک مقابلہ پیش کیا گیا ہے۔

	عام طور پر کیا جانے والا کاروبار	موجودہ اسکیم
اسٹاکسٹ ۔	۲ فیصد	۱٫۵٪ (۳٫۵٪ تک منافع میں بچت)
ہول سیلر	۳ فیصد	
چھٹکل بیوپاری	۵ تا ۸ فیصد	۵ فیصد (۳٪ تک منافع میں بچت)

واضح اسکیم کے تحت ہر کوآپریٹیو سوسائٹی منافع کی حقدار نہیں ہوتی صرف وہی سوسائیٹیاں اس بات کا حق رکھتی ہیں جن کو حکومت کی طرف سے نامزد کیا گیا ہے کہ وہ کمپنیوں کی مصنوعات کو اسٹاکسٹوں کی شرح پر حاصل کر لیں یہ کارروائیاں اس طرح انجام دی جاتی ہیں ۔ کلکٹر ان کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کی جو کہ اس اسکیم میں حصہ لینا چاہتی ہیں ان کی درخواستوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اور وہ ان سوسائیٹیوں کی مالی حیثیت اور ضروری اشیاء کو حاصل کرنے کی قوت کو سمجھ کر ان سوسائیٹیوں کے ناموں کو ریاستی حکومت سے سفارش کرتا ہے۔ کلکٹر اس بات کا بھی دھیان رکھتا ہے کہ کوئی سوسائٹی اپنے علاقہ میں صرف اپنا ہی راج جاری نہ کرے۔ حکومت سے اجازت ملنے کے بعد۔ ایسی نامزد کردہ سوسائیٹیاں کارخانہ داروں سے سامان ضروری حاصل کرنے جاتی ہیں۔

ادائیگی کا طریقہ

کارخانہ دار ڈیمانڈ ڈرافٹ، بینکی چیک اور دیگر چیک ادائیگی کے لئے قبول کرتے ہیں۔ اشیاء صرف اسی صورت میں دی جاتی ہے جب چیک وغیرہ کے ذریعے بھری ہوئی رقم مل جاتی ہے۔

وقتاً فوقتاً کلکٹروں کو کمپنی کی طرف سے جاری کردہ اشیار کی قیمتوں کی فہرست اور شرائط و ضوابط بھیجے جاتے ہیں۔ ۲۶ ضروری اشیاء اس اسکیم کے تحت ۹۹ امداد باہمی سوسائیٹیوں کو دی جاتی ہیں۔ ۲۹ کے قریب کارخانہ دار اپنی مصنوعات کو اس اسکیم کے تحت فروخت کرتے ہیں۔

واجبی قیمت کی دوکانیں

اسی اسکیم کے تحت واجبی قیمت کی دوکانیں بھی حصہ لے سکتی ہیں مارکیٹ میں اناج کی آسانی سے دستیابی کی وجہ سے اب دوکانداروں کو اپنی دوکانیں چلانا مشکل معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے حکومت نے مختلف طریقوں کو اپنا کران دوکانوں کے جائز منافع کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ ۲۰۰۰ کپڑے کی دوکانوں کو شامل کرلیا جائیگا ان میں سے ۱۱۰ نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

زائد رقم

چونکہ کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کو کارخانہ داروں سے براہ راست اشیاء لینی پڑتی ہیں اس لئے ان کی ایک بڑی رقم مختلف مصنوعات کی خرید میں چلی جاتی ہے اگرچہ صرف ان ہی سوسائیٹیوں کو اس اسکیم کے تحت نامزد کیا گیا ہے جو مالی اعتبار سے بہتر ہیں پھر بھی ان کے ضروری فنڈ کو بڑھانے کے لئے ریاست کے مختلف مرکزی کنزیومرس اسٹوروں کو نیشنل کوآپریٹیو ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی طرف سے زائد رقم ضروری اشیار کی تجارت کے لئے دی جاتی ہے۔ اس سے امداد باہمی سوسائیٹیاں اپنا کاروبار بڑی عمدگی سے انجام دے سکتی ہیں۔

اس اسکیم کی تفصیلات کے لئے اور اسکیم کی کارروائیوں پر نظر رکھنے کے لئے ریاستی حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ ایس پاٹل شنڈے، ایم ایل اے کی چیرمین شپ میں بنائی ہے کمیٹی میں ۱۲ ممبران ہیں اور مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو بنک کا ایک نمائندہ بھی شامل ہے۔

طلباء کو سپلائی

طلباء کو ضروری اشیاء سپلائی کرنے کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ اس لئے نہ منافع نہ نقصان بنیاد پر ضروری اشیار کی طلباء کو سپلائی کے لئے کوششیں کی جاتی ہیں۔

بنیادی طور پر جس خیال کے تحت یہ اسکیم بنائی گئی ہے۔ وہ بہت اچھا ہے لیکن کارخانہ داروں اور کوآپریٹیو سوسائیٹیوں وغیرہ کی طرف سے تعاون بھی بہت ضروری ہے۔ ایسی امید ہے کہ اس اسکیم سے جلد ہی صارفین کو سہولت میسر آجائے گی۔

اپنے گاؤں میں کھولے گئے نئے کوآپریٹیو اسٹور کی کارکردگی کے بارے میں دیہی کنزیومرز کے خیالات جاننے کے لئے ہمارے نمائندے نے دور دراز لینے والے بہت سے گاؤں والوں سے انٹرویو لیا۔ بہت سے لوگوں نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ ان کے لئے ضروری اشیار مناسب داموں میں مل جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ مشورے دیئے کہ سپلائی میں تیزی پیدا کرنی چاہیئے اور مزید چند روزانہ استعمال ہونے والی چیزوں کو اسٹور میں رکھنا چاہیئے۔ ہمارے نمائندے کی جمع کردہ رپورٹ یوں ہے :-



بلمٹ روڈ، بمبئی میں کنزیومر اسٹور، کنزیومر کوآپریٹیو اسٹورز بمبئی جیسے شہروں میں کثیر آبادی کو ضروری اشیاء کی فراہمی میں نمایاں کام انجام دے رہے ہیں۔



'اپنا بازار' ۔ یہ سنٹرل کنزیومرس کوآپریٹیو اسٹوروں میں ایک بڑا اسٹور ہے جو نائیگام (بمبئی) جیسی خالص مزدور آبادی میں واقع ہے۔ یہاں ضروری اشیاء برابر ملتی رہتی ہیں اور عام آدمی مطمئن رہتا ہے

رتناگیری ضلع کے لوان تعلقہ میں پواسی گاؤں میں میں نے ایک مزدور شری رام گنگارام شرکے سے پوچھا آیا وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کے گاؤں میں واجبی قیمت پر کنٹرول کا کپڑا بیچا جاتا ہے۔

اس نے جواب دیا "ہماری پواس کوآپریٹیو سوسائٹی نے بہت پہلے کپڑے کی دوکان کھول دی ہے۔ اس میں صابن، بیڑیوں کے مسالے، کپڑے وغیرہ بھی فروخت کئے جاتے ہیں۔"

"اس سے قبل آپ یہ چیزیں کہاں سے خریدتے تھے؟"

"کھلے بازار سے۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میں ان اشیاء کو اس کوآپریٹیو سوسائٹی کے اسٹور سے ۴ یا ۵ پیسے کم قیمت پر حاصل کر سکتا ہوں۔"

گاؤں کے تمام باشندوں کے لئے یہ بات بہت ہی آسانی پیدا کر دیگی اگر یہ دوکان خوردنی تیل، دالیں اور گڑ بھی بیچنا شروع کر دے۔

شری ایم ... قیصر باغ، بیدر روڈ، امراؤتی نے کہا "ہمارا سہکاری بھنڈار بہت بڑا ہے۔ میں یہاں سے اناج وغیرہ اشیاء بآسانی حاصل کر لیتا ہوں۔ میں اشیاء کی خریداری پر ہر ماہ ۵۰ روپے خرچ کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ حکومت کے ملازمین کو خاص رعایت دی جانی چاہیئے۔ یعنی یہ کہ ضروری اشیاء ادھار بھی ملنی چاہیئے۔ جیسا کہ دوسری جگہ یہ سلسلہ رائج ہے اور اس طرح ادھار چیزوں کی رقم آفس میں سے تنخواہ سے کاٹ لی جانی چاہیئے۔ اس سے صارفین کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دوکانداروں کو صارفین سے بہت خوش خلق سے پیش آنا چاہیئے۔

واسدیو ڈھونڈو ساؤ گھٹبھنگڈے بھنڈارا ضلع کے سکولی تحصیل کے کنازی گاؤں کے ایک کسان ہیں انھوں نے اسسٹنٹ ضلع آفیسر کو کہا کہ وہ کوآپریٹیو اسٹور کھل جانے کی وجہ سے اب ہر ماہ ۱۰ روپے تا ۱۵ روپے کی ان کی بچت ہو جاتی ہے انھوں نے مزید یہ بھی کہا کہ پرائیویٹ دوکانداروں کے پاس سے خریدی جانے والی اشیاء کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا کہ کب اس کا اسٹاک ختم ہو جائے۔ اس سوسائٹی کی دوکان کی وجہ سے یہ تردد دور ہو گیا ہے۔

صارفین کے اسٹور کے بارے میں ایک بمبئی کے باشندے نے اپنے خیال کا اظہار یوں کیا "مختلف حلقوں میں اس طرح کے کھولے گئے اسٹوروں کی وجہ سے لوگوں کی بہت بڑی تعداد فائدہ حاصل کر رہی

ہے ۔ بمبئی میں ٹیمپا ڑا، بھانڈوپ میں اشنتا ممتی مدھیادرتی سہکاری منڈل لمیٹیڈ ایک بہت بڑی کوآپریٹیو سوسائٹی ہے ۔ ہمارے نمائندے نے اس سوسائٹی کا معائنہ کیا جو کہ ٹیمپا ڑا کوکن نگر اور نتن نگر اور اشوک نگر میں واقع ہے ۔ ٹیمپا ڑا کی دوکان پر ان کی ملاقات شریمتی جے شری پانڈورنگ سے ہوئی جو اس دوکان کی ایک مستقل کنزیومر ہیں ۔ شری یشونت بھوا میکر اس دوکان کے کیشیر ہیں ان دونوں سے بیک وقت براہ راست انٹرویو لینے کی بجائے ہمارے نمائندے نے شریمتی پانڈورنگ سے درخواست کی کہ وہ چونکہ اس دوکان کی ایک پرانی صارف ہیں اس لئے وہ اس دوکان کی کارکردگی کے بارے میں اپنے سوالات زیادہ بہتر انداز سے شری میکر سے پوچھ سکتی ہیں ۔
ہمارے نمائندے نے ان کی بات چیت کو نقل کر لیا ہے ۔

شریمتی پانڈورنگ : میں دوسری دوکانوں پر اکثر گھی اور تیل کے اسٹاک ختم ہو جانے کی خبر سنتی ہوں ۔ لیکن آپ کی دوکان پر کبھی یہ بات نہیں ہوتی ۔ آپ کس طرح یہ چیزیں لگاتار سپلائی کرتے رہتے ہیں ؟

شری میکر : جب کبھی بھی ہمیں خوردنی تیل کی کمیابی کا احساس ہوتا ہے ہم فوراً بورڈ کے ڈائرکٹروں کو اس بات سے مطلع کر دیتے ہیں کہ وہ بھاری مقدار میں اسٹاک جمع کرلیں اور ہمارے روز کے صارفین کو تیل بنا کسی رکاوٹ اور پریشانی کے دیتے رہیں ۔ قلت کے زمانے میں بھی جو کہ پرائیویٹ دوکاندار عام طور پر پیدا کر دیتے ہیں ہم نے تیل سپلائی کیا ہے ۔ پرائیویٹ دکاندار ہمیشہ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں پھر وہ تیل کو بلیک بھاؤ میں فروخت کرتے اور وہ بھی صرف ان لوگوں کو جن کو وہ جانتے ہیں ۔

شریمتی پانڈورنگ : آپ تھوڑی مقدار میں تیل کس طرح سپلائی کر پاتے ہیں جبکہ دوسرے کوآپریٹیو سوسائٹی والے ایسا نہیں کر پاتے ؟

شری میکر : درحقیقت تھوڑی تھوڑی مقدار میں تیل بیچنا زیادہ منافع بخش نہیں ہوتا ۔ غریب لوگ تیل کے ڈبے خریدنے سے قاصر ہوتے ہیں اس لئے وہ تھوڑی مقدار میں تیل خرید لینے کو زیادہ پسند کرتے ہیں اس لئے یہ بنیادی طور پر غریب عوام کی ضروری شے ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ تھوڑی تھوڑی مقدار میں اس طرح تیل کھلا بیچنے میں زیادہ ملاوٹ کا شبہ ہوتا ہے ۔ پرائیویٹ دوکاندار تیل میں ملاوٹ کر کے بیچتے ہیں ۔ اس لئے بورڈ کے ڈائرکٹروں نے یہ قدم اٹھایا ہے اور اب تیل کھلے طور پر بھی ملتا ہے ۔

نتن نگر دوکان میں شری پربھاکر گرجے جو کہ روزانہ کے خریدار ہیں شری ملند آر جگتاپ جو کہ وہاں کے کیشیر ہیں ان سے انٹرویو لیا ہے ۔

شری گرجے : جب آپ کی دوکان یہاں نہیں تھی تو پرائیویٹ دوکاندار ہمیشہ ۴ سے ۸ آنے تک ہر چیز کی قیمت بڑھا دیتے تھے ۔ اب جب سے آپ کی دوکان یہاں کھلی ہے انھوں نے بھی چیزوں کے دام کم کر دیتے ہیں ۔ ایسا کیسے ہوا ؟

شری جگتاپ : کنزیومر اسٹور منافع کمانے کے مقصد سے نہیں چلائے جا رہے ہیں ۔ ہم چیزوں کو مناسب داموں پر فروخت کرتے ہیں اور منافع کی شرح بہت کم رکھتے ہیں قدرتی طور پر اس وجہ سے دوسرے دکانداروں کو بھی اس سے متاثر ہونا پڑا ۔ ان کو ہماری مرتب کی ہوئی قیمتوں کو ہی اپنانا پڑا اور انھیں اس بات کا خطرہ بھی لاحق ہو گیا کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو ان کی دوکان بند ہو جانے کا خدشہ ہے ۔

شری گرجے : اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہر علاقہ میں ایک کوآپریٹیو سوسائٹی ہونا چاہیئے ؟

شری جگتاپ : بالکل ٹھیک بات ہے ! یہی کوآپریٹیو تحریک کے اصولوں میں ہیں ۔ اور بورڈ کے ڈائرکٹر اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ کم از کم ایک کوآپریٹیو سوسائٹی ہر علاقے میں قائم کرنا چاہیئے لیکن ریاستی حکومت کو بھی اس سلسلے میں مدد کرنا چاہیئے ۔ اس لئے کہ بمبئی جیسے شہر میں دوکان حاصل کرنے کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہے ۔

کوکن نگر کی دوکان پر شریمتی انیتا آننت نائک جو کہ روزانہ کی خریدار ہیں نے شری جے راجہ رام ساونت جو کہ کیشیئر ہیں سے ایک انٹرویو لیا اور ان سے پوچھا کہ ان کی دوکان پر صابن، ڈالڈا، بسکٹ وغیرہ کی قیمتیں دوسری دوکانوں کی بہ نسبت کم کیوں ہیں ؟

کیشیئر نے جواب دیا "ہم براہ راست کارخانہ داروں سے یہ اشیاء حاصل کرتے ہیں ۔ اس درمیان میں کوئی دوسرا شخص یا "دلال" نہیں حائل ہوتا ہے ۔

●●

صفحہ نمبر ۸ سے آگے

۱	۲	۳	۴
۲۷	بھنڈارہ	۷۰	۱۲
۲۸	چندرپور	۴۵	—
۲۹	بمبئی عظمیٰ	۲۱۰	۲۱۰
	کل جمع	۳۰۵۷	۱۹۷۹

●●

اضلاع کی جھلکیاں

مہاراشٹر کے حدود کی حفاظت۔ جلگاؤں

ایس۔ آر۔ ٹیکیکر

جلگاؤں ضلع بہت قدیم علاقہ ہے اور اس کی تاریخی حیثیت بہت ہی گوناگوں ہے۔ صرف نام کے لحاظ سے ہی یہ جدید ہے۔ جب ۱۹۶۰ء میں مہاراشٹر ریاست کی تشکیل ہوئی اس وقت مشرقی خاندیش کا نام جلگاؤں رکھا گیا اور مغربی خاندیش کا نام دھولے۔

جلگاؤں میں مقدس ندی تاپی بہہ رہی ہے۔ تقریباً ۳۰۰ سال قبل مسیح یہاں بدھ مذہب کے ماننے والے لوگوں کی حکومت کے آثار پائے جاتے ہیں۔

دہلی کے خلجی خاندان کے مغربی حملوں کی وجہ سے خاندیش پھر تغلق خاندان کے لوگوں کے قبضے میں چلا گیا۔ جہاں انھوں نے کچھ وقت تک حکومت کی۔ بگلوانوں ربگلان کے راجپوت حاکم نے ۱۶ ویں صدی کے دوران خاندیش میں اپنی حکومت چلائی۔ دہلی کے حاکموں نے یعنی مغلوں نے جب اپنی حکومت کو دکن تک بڑھانا شروع کیا تو انھوں نے خاندیش کے صوبوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تاکہ شمال اور جنوب دونوں طرف اپنی حکومت کی نگرانی کر سکیں۔

ملک کے اس طرح کی حکومتوں کی تبدیلیوں سے تین باتیں زیر بحث آتی ہیں۔ (i) یہ علاقہ بہت سے حملہ آوروں کے لئے قابل کشش تھا۔ (ii) غیر لوگوں کو یہاں بود و باش اختیار کرنے کے لئے یہ علاقہ کافی زرخیز معلوم ہوا۔ (iii) اس کا نام کئی دفعہ بدلتا رہا۔

ہندوستان کے نقشے پر اگر ہم ایک نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ شمالی اور مشرقی ہندوستان کے حملہ آوروں کے لئے دکن ایک دروازہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان دنوں یہ علاقہ صنعت و روزگار کے لئے بہت ہی مشہور ہے۔

کہاں دیش، سونا دیش، کنہا دکرشنا) دیش، خان دیش وغیرہ چند ایسے نام ہیں جو ماہرین نے اخذ کئے ہیں۔

بگلاؤں کے وقت، یہ علاقہ میورا گیری کے نام سے موسوم تھا جیسا کہ رودراکوی کی سنسکرت کی نظم[1] (۱۵۹۶ء) سے ظاہر ہے۔

جغرافیائی مطالعہ کی رو سے، جلگاؤں ضلع مختلف خصوصیتوں اور مناظر سے پُر ہے۔ اس میں پہاڑوں اور جنگلات کا سلسلہ، باغات اور درختوں کے جھنڈ، بنجر ہموار خطے، چٹانوں کا سلسلہ اور دریاؤں کے ساحل اور تنگ گھاٹیاں اور درے ہیں۔ ملک کے تین منطقے ہیں۔ (i) مرکزی علاقہ جو کہ تاپی کی زرخیز وادیوں سے پُر ہے۔ (ii) شمال کی جانب اونچی اونچی ست پڑا پہاڑیوں کا سلسلہ (iii) جنوب اور جنوب مشرق کی جانب اجنتا تک پانی سے بھری ہوئی وادیوں کا سلسلہ۔

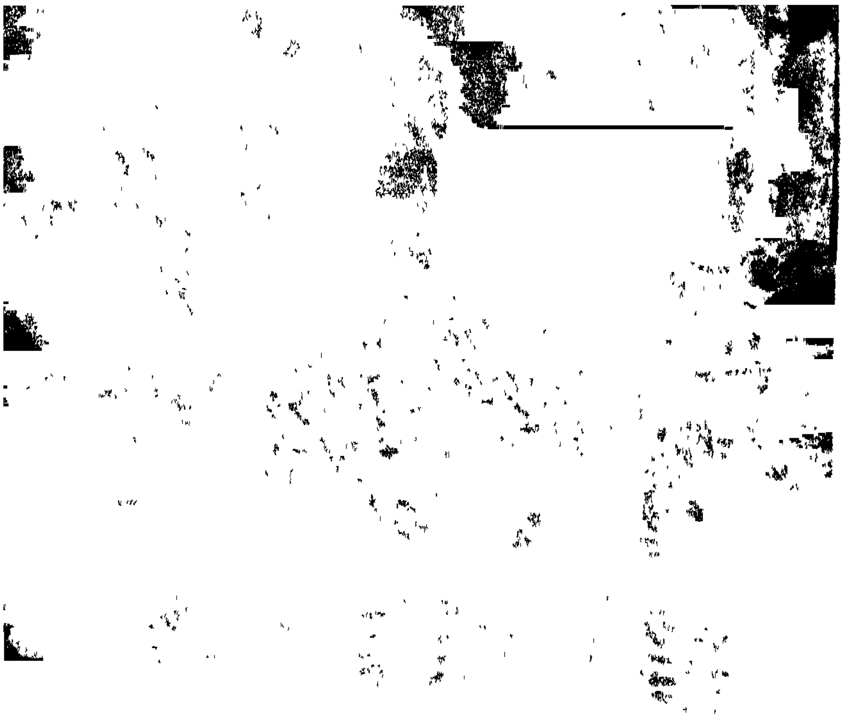
یہ لمبا چوڑا سطح مرتفع تقریباً ۱۲۸ کلومیٹر (۸۰ میل) میں برہان پور سے ضلع کے مغربی حدود تک پھیلا ہوا ہے۔ تاپی وادی میں سیلابی مٹی، دوسرے چھوٹے چھوٹے ندی، نالے وغیرہ مناظر کے لحاظ سے بہت خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔

جلگاؤں کے آسمانی قطار سے تین اونچے اونچے پہاڑی سلسلے چلتے ہیں۔ (i) شمال کی جانب ست پڑا پہاڑی سلسلہ (ii) اجنتا یا ست مالا جنوب مشرق میں۔ ست پڑا کی اونچائی ۶۰۰ تا ۹۰۰ میٹر (۲۰۰۰ یا ۳۰۰۰) فٹ ہے۔ اونچی اونچی چوٹیوں پر تیج پانڈوا اور مودیا مل واقع ہیں ہٹی پہاڑیوں سے مشرق میں پورنا وادی بنتی ہے جو کہ شمال مغرب سے جنوب مشرق تک پھیلی ہوئی ہے۔ ست مالا جو کہ چندور یا اجنتا کے نام سے بھی مشہور ہے ۸۰ کلومیٹر (۵۰ میل) تک واقع ہے۔ (ضلع گزیٹر صفحہ ۲-۴)

بہت سے معنوں میں جلگاؤں مہاراشٹر کا سرحدی ضلع ہے۔ ایک لمبی چوڑی آرڈیننس فیکٹری جو کہ آزادی کے بعد سب سے پہلے بنائی گئی تھی، وہ ورن گاؤں میں بنائی گئی تھی جو جلگاؤں سے بہت قریب ہے۔ مہاراشٹر کے تمام راستے جو ملک کے جنوب اور مرکزی حصوں کو جاتے ہیں۔ جلگاؤں سے ہو کر ہی گزرتے ہیں۔ بہت سی ضروری اشیا رچاہے وہ سڑ جانے والی ہوں یا سڑ جانے والی نہ ہوں اور جو میٹرو پولیٹن کے لئے خاص طور پر ضروری ہوتی ہیں۔ جلگاؤں کے راستوں سے ہی آتی ہیں اور پھر ساحلی شہروں تک ان کو بھیج دیا جاتا ہے۔ بھوساول جو کہ ہندوستان کا سب سے اہم ریلوے جنکشن ہے، جلگاؤں کے قریب ہی ہے اور یہاں دن رات نقل و حمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اچھے راستوں کی وجہ سے تجارتی ترقیوں میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ بھوساول کو بمبئی کے ذریعہ

---

[1] بھارتیہ ودیا بھون کی "ہسٹری اینڈ کلچر آف دی انڈین پیپل" جلد ۸، مغل امپائر، صفحہ ۶۱۰۔



ضلع میں لگ بھگ ۴۰ ہزار ہیکٹر اراضی پر کیلے کی کاشت ہوتی ہے اور بڑے پیمانے پر اس کی برآمد کی جاتی ہے۔
زیر نظر تصویر میں ایک اسٹیشن پر کیلوں کا وزن کیا جارہا ہے ←

دوسری جنگ عظیم میں ایک تیل کی پائپ لائن سے جوڑ دیا گیا تھا۔ چونکہ اس علاقہ میں بہت سے دریا بہتے ہیں اس لئے یہ علاقہ بہت زرخیز ہے اور بہت سی فصلیں جیسے کپاس، کیلا، گنا وغیرہ اور اناج پیدا کیا جاتا ہے۔ ترقیاتی اسکیموں کی وجہ سے آب پاشی میں آسانی ہوگئی ہے اور چھوٹے چھوٹے بند، بجلی کے ذریعہ چلائے جانے والے پمپ اور کنویں کی وجہ سے کسانوں کو بہت مدد ملی ہے کہ وہ اپنی زمینوں کو اچھی طرح استعمال میں لائیں۔ پھلوں کے باغات سے یہ علاقہ بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح جلگاؤں ضلع کو ہی یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اچھے قسم کے کیلے پورے ملک میں سپلائی کررہا ہے۔ تقریباً ۴۰۰۰۰ ہیکٹر زمین میں کیلے کے کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔

جلگاؤں ضلع مختلف گاؤں اور شہروں سے بنا ہوا ہے۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے وقت یہ پتہ چلا کہ بھساول اور جلگاؤں ہی ایسے دو شہر ہیں جن کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر ہے۔ اول الذکر میں بہت زیادہ ریلوے اور دفاعی ادارے ہیں۔ اور آخر الذکر ضلع کا ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ ان دو شہروں کے علاوہ املنیر، چالیس گاؤں، چوپڑا، پاچورا دوسرے کاروباری مراکز ہیں۔ دھرن گاؤں پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے اس لئے کہ یہ کپڑوں کی برآمد کا ایک بڑا مرکز تھا۔

چھترپتی کے زمانے میں یہ علاقہ غیر مراٹھوں کے قبضے میں تھا۔ پیشواؤں کے زمانے میں یہ ہولکر کی زیر حکمرانی آگیا۔ پیشواؤں کے بعد یہ برطانوی علاقے کا ایک حصہ بن گیا اور پھر اس کو مشرقی اور مغربی حصے خاندیش یعنی جلگاؤں اور دھولے میں بانٹ دیا گیا۔

جلگاؤں کو ہی یہ طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں انڈین نیشنل کانگریس کا ۱۹۳۶ء میں فیض پور میں پہلا سیشن ہوا تھا جس کے صدر جواہر لال نہرو تھے۔ اسی طرح ڈسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا سودیشی نمائش بھی یہاں ہوئی تھی۔

یہ امتیاز اس لئے حاصل ہوا ہے کہ یہاں بے لوث خدمت کرنے والوں کی کثیر تعداد ملتی ہے۔ دھناجی، نانا چودھری دیوا کنندان اور دستے، جلگاؤں ضلع کے مشہور سماجی کارکن تھے جنہوں نے کانگریس کی بہت سی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ دیوا کنندان مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ایک ممبر بھی تھے۔

مشہور اجنتا کے غار جلگاؤں اسٹیشن سے ۸۰ کلومیٹر (۵۰ میل) کے فاصلے پر ہیں۔ یہ راستہ ہر موسم میں جاری رہتا ہے۔ مہاراشٹر اور گجرات ریاستوں کو بھوساول سورت ایکسپریس کے ذریعہ جوڑ دیا گیا ہے۔

صنعتی ترقیاتی پروگراموں کو زیر عمل لانے کے لئے بہت سے راستے سدھارے جارہے ہیں۔ جلگاؤں کے لوگوں نے زراعت ہی کو پیشے کے طور پر اپنا لیا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری کوششوں کی وجہ سے یہ ضلع کثیر فصل پیدا کرنے والا بن گیا ہے۔ جلگاؤں ضلع اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ یہاں کی ہر جگہ بجلی سے منور کر دی گئی ہے۔ اور ۴۰۰۰۰ سے اوپر پمپ ۱۴۲۴ گاؤں میں اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔ تقریباً ۳۰۰ ہریجن بستیوں کو بجلی مہیا

قومی راج



چھتیس کروڑ روپے کی مالیت
کے ہتنور بند (HATNUR DAM)
کی تکمیل پر اس سے
۳۹,۵۰۰ ہیکٹر اراضی پر
سینچائی ہو سکے گی۔
سال رواں میں تقریباً
پانچ ہزار ہیکٹر اراضی پر
سینچائی ہو سکے گی۔

کردی گئی ہے۔

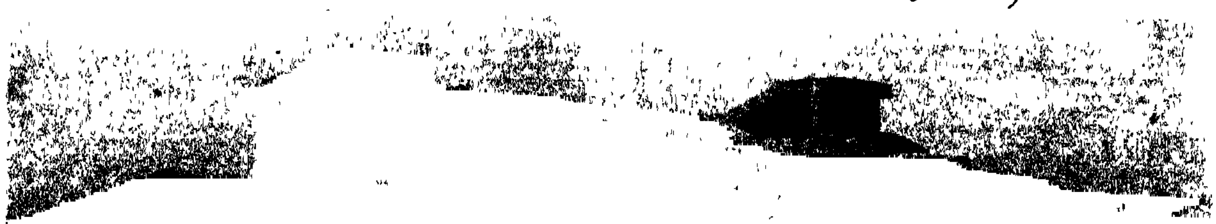
جوار، باجری، گیہوں، دالیں، کپاس، گنا اور کیلے جلگاؤں ضلع کی خاص خاص پیداوار ہیں اور تقریباً ۶۵۰۰۰۰ ہیکٹر زمین سے یہ فصلیں پیدا کی جارہی ہیں۔ اس ضلع سے توقع سے زیادہ اناج حاصل ہوجاتا ہے۔ کیلے کی وجہ سے ہمیں اچھا خاصا زرمبادلہ حاصل ہورہا ہے۔ امداد باہمی کی اسپننگ ملیں ہیں جن سے بہت سے دیہی لوگوں کو روزگار مل گیا ہے۔

نئی دودھ اسکیم کی وجہ سے کسان اور گاؤں کے دیگر افراد گائے اور بھینس پال رہے ہیں۔ دودھ پیدا کرنے والے ادارے جب اپنی پوری طرح زور شور سے کام انجام دینا شروع کردیں گے تو ۵ ٹن ملائی اتار دودھ کا پاوڈر حاصل ہونے لگے گا اور تقریباً ۴ ٹن گھی/مسکہ سر ردز مل سکے گا۔

یہاں تعلیم بھی رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے۔ یہاں بہت سے ۷ ج اور اسکول ہیں۔ ۱۵۵۰ گاؤں ہیں، جن میں سے ہر ایک کی آبادی ۲۰۰ سے زیادہ ہے، لازمی مفت تعلیم کے تحت آتے ہیں اور ۶ - ۷ سال کی عمر کے بچوں کو لازمی مفت تعلیم دی جارہی ہے۔

اسی تناسب سے اساتذہ کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے۔ اس ضلع میں ٹیچر ٹریننگ کالج بھی ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ہر ریٹائرڈ ٹیچر کو بشمول پرائمری ٹیچروں کے پنشن اسکیم کے تحت پنشن دی جارہی ہے۔

جلگاؤں میں ۳٫۵ کروڑ روپے کا ڈیری پروجیکٹ، جس کی صلاحیت ایک لاکھ لیٹر دودھ روزانہ ہے



ضلع کے افراد کے لئے تعلیم بالغان کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

اس ضلع نے تحریر و پڑھائی کے سلسلے میں انعام بھی جیتا ہے۔

صنعتی مطالبات کو پورا کرنے کے لئے ٹیکنیکل اسکولیں بہت مقبول عام ہو رہی ہیں۔ کاشت کاری کے پروجیکٹوں کو زیر عمل لانے کے لئے زرعی اسکولیں اور کالج اچھی خاصی تعداد میں تربیت شدہ افراد بہم پہنچا رہے ہیں۔

پس یہ معلوم ہو گیا کہ جلگاؤں ضلع اپنی تدبیروں کی وجہ سے مہاراشٹر میں مشہور و معروف ہو چکا ہے۔

لوگوں کی تمنّائیں

★ یہ کہ حکومت کو خاندیشی ٹیکسٹائل ملز اپنے قبضے میں لے لینا چاہیئے۔ (جن کو مالکان نے بند کر دیا ہے) یا پھر اسے امداد باہمی سیکٹر کی طرح چلانا چاہئے۔

★ یہ کہ حکومت اس ضلع کو صنعتی طور پر پسماندہ ہونے کا اعلان کر دے اور اسے خاص خاص سہولتیں بہم پہنچائے۔

★ خاص صنعتی پروجیکٹ جامنیر اور عدل آباد تعلقہ جات میں شروع کرے۔

★ چالیس گاؤں تعلقہ میں اجنتا غاروں کے قریب پاٹن گاؤں میں جنگلات بنانے کی ایک زبردست مہم شروع کرے۔

★ یہ کہ پٹن دیوی، وناپ دیو اور پدمالیہ کو سیاحوں کی تفریح کے مقامات ہونے کا اعلان کیا جائے۔



پال مامن میں ہرنوں کا مسکن

★ یہ کہ جلگاؤں تعلقہ کے عیدگاؤں گاؤں میں تاپی دریا کے آرپار ایک پل تعمیر کرے۔

★ پاچورا، جامنیر، ریلوے لائنز کو وسعت دے کر بلڈانہ تک پہنچایا جائے۔

★ ایک یونیورسٹی، میڈیکل اور انجینیئرنگ کالج قائم کئے جائیں۔

★ املنیر کے پرائیویٹ اسپتال کو گورنمنٹ اپنے قبضے میں لے لے اور اسے جدید سہولتوں سے آراستہ کرے۔

جلگاؤں ضلع کی نمایاں خصوصیات

رقبہ ——— ۱۱۶۳۹۸۱ کلومیٹر

آبادی ——— ۲۱۲۲۱۲۱

خاص فصلیں ——— دھان، باجرہ، جوار، گیہوں، کیلا، کپاس مونگ پھلی اور ان کی بالترتیب پیداوار ۲۱،۰۰۰، ۴،۰۰۲، ۴،۰۰۰، ۲،۶۰،۰۰۰، ۸۰،۰۰۰، ۱۰،۷ میٹرک ٹن۔

کل پیداوار ——— ۴،۸۵،۰۰۰ میٹرک ٹن

کاشت کاری کے لائق کل رقبہ ——— ۸،۶۵،۲۹۰ ہیکٹر

جنگلات کا رقبہ ——— ۱،۹۹،۹۶۳ ہیکٹر

بجلی کی سپلائی ——— سو فیصد بجلی سے منور ہے۔

ابتدائی مدارس ——— ۱۵۹۱

ثانوی مدارس ——— ۲۳۲

کالج ——— ۱۳

ٹیکنیکل ——— ۶

سیاحوں کے لئے تفریح کی جگہیں ——— پال (جنگلات میں باغات) اینڈیو (انتا) آبشار، پاٹن دیوی (جنگلات) فرخندہ (ہلتے ہوئے مینارے)، پدملیا (خوبصورت تفریح کا مقام جو مذہبی اہمیت کا حامل ہے۔)

ٹیکس سے آزاد زیارت

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میونسپلٹیوں کو اہم مقدس مرکزوں جیسے پنڈھرپور، آلندی، پیٹھان میں زائرین سے ٹیکس وصول نہ کرنا چاہیے۔

حکومت جمع کرنے کے اخراجات کو منہا کر کے میونسپلٹیوں کو زائرین سے جمع ہونیوالی کل رقم کا ۵۰ فیصد کے برابر گرانٹ دے گی۔

یہ فیصلہ زیارت کے ان مراکز کی میونسپل کمیٹیوں پر لاگو ہوگا جن کی زائرین ٹیکس سے آمدنی ۲۵۰۰۰ روپے سے کم نہیں ہے۔

اناج کے بیوپاری لائسنس کے آرڈر میں ترمیم!

چھٹکل بیوپاریوں کے لئے ۱۰ کوئنٹل تا ۵۰ کوئنٹل اور ہول سیل بیوپاریوں کے لئے ۲۰ کوئنٹل تا ۱۰۰ کوئنٹل تک اناج کی مقدار کو بڑھانے کے لئے حکومت مہاراشٹر نے فوڈ گرینس ڈیلرس لائسنسنگ آرڈر ۱۹۶۳ء میں ترمیمات کی ہیں۔

اس لحاظ سے ان بیوپاریوں کو جو گیہوں، دھان/ چاول، جوار، باجری، میلو، سوڑگھم میں سے کسی کی بھی تجارت ۵۰ کوئنٹل یا اس سے اوپر کی مقدار میں ایک وقت میں کرتے ہیں، کو ہی اپنے لائسنس جاری رکھنے کا اختیار ہوگا اور قانونی پابندیوں کا پابند رہنا ہوگا۔

بہترین برآمدکنندگان

حکومت مہاراشٹر نے حسب ذیل بہترین برآمدکنندگان کو ۷۶-۱۹۷۵ء کے لئے انعامات دیئے ہیں۔ مینوفیکچرر ایکسپورٹرس (چھوٹے صنعتی یونٹس) میسرز منگلا انجینئرنگ ورکس، بمبئی ۲۵؛ میسرز نیشنل پلاسٹک انڈسٹریز بمبئی ۲؛ میسرز الائیڈ کیمیکلز، تھانے۔ میسرز ایگل ویکیوم بوٹل مینوفیکچرنگ کمپنی، بمبئی ۳؛ میسرز اسٹارٹ رائٹ شوز پرائیویٹ لمیٹیڈ، بمبئی ۲۷؛ میسرز حامی فشریز، بمبئی ۱؛ میسرز پادیل میٹنیز پرائیویٹ لمیٹیڈ، بمبئی ۲۲؛ میسرز نیشنل ریفائنیری پرائیویٹ لمیٹیڈ، بمبئی ۴۰۰؛ میسرز سوری اسپورٹس انڈسٹریز، بمبئی ۱۔

مینوفیکچرر ایکسپورٹرس (بڑے صنعتی یونٹس) میسرز ٹاٹا انجینئرنگ اینڈ لوکوموٹیو کمپنی لمیٹیڈ، بمبئی ۱؛ میسرز ایسبس لمیٹیڈ، بمبئی ۱، میسرز ڈاکٹر بیک اینڈ کمپنی (انڈیا) لمیٹیڈ، پمپری، میسرز کیمپری ہنس انڈیا لمیٹیڈ، بمبئی ۱۸؛ میسرز کرونا ساہو کمپنی لمیٹیڈ، بمبئی ۱؛ میسرز انڈمان گم انڈسٹریز لمیٹیڈ، بمبئی ۳۸؛ میسرز گودریج سوپس لمیٹیڈ، بمبئی ۷۹؛ میسرز وانی وولٹیکس کارپوریشن، بمبئی ۲؛ میسرز ملٹنس لمیٹیڈ، بمبئی ۲۔

مرچنٹس ایکسپورٹرس: میسرز منی لال تلک چند پرائیویٹ لمیٹیڈ بمبئی ۲؛ ایکسپورٹس ہاؤس، میسرز ٹاٹا ایکسپورٹس لمیٹیڈ، بمبئی ۱۸۔

علاقائی انعامات: ناگپور کے علاقے کے لئے: میسرز سوئز کیمیکلز، چندراپور، اورنگ آباد کے علاقے کے لئے: میسرز ارسطو فارماسٹیکلز پرائیویٹ لمیٹیڈ، اورنگ آباد، پونے کے علاقے کے لئے: میسرز پریسیشن اسپرس پرائیویٹ لمیٹیڈ، اچل کرنجی اور بمبئی کے علاقے کے لئے: میسرز رتناکر کیننگ انڈسٹریز، رتناگیری۔

ہومیوپیتھک ڈاکٹروں کا رجسٹریشن

ایسے تمام اُمیدواروں کو جو کہ اکنامترس آف ہومیوپیتھک اینڈ بائیوکیمک سسٹم آف میڈیسن مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ کے ذریعہ چلائے جانیوالے ڈی.ایچ.بی/ ڈی.ایچ.ایم.ایس اور ایل.سی.ای.ایم امتحانات پاس کر چکے ہیں، ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ناموں کے رجسٹریشن کے لئے رجسٹرار بورڈ آف ہومیوپیتھک اینڈ بائیوکیمک سسٹم آف میڈیسن پیرامل مینشن، تیسرا منزلہ، ۲۳۵، ڈی.این روڈ، فورٹ بمبئی ۴۰۰۰۰۱ سے رجوع کریں۔

ایسے اُمیدوار جنھوں نے اپنے ناموں کا اب تک مستقل رجسٹریشن نہیں کرایا ہے انھیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ مستقل رجسٹریشن کے لئے رجسٹرار سے رابطہ قائم کریں۔

گوشت کی برآمدات کے لئے صحت مندی سرٹیفکیٹ

حکومت مہاراشٹر نے وضاحت کی ہے کہ برآمدات کے مقاصد سے ڈبوں میں بند کئے جانیوالے تازہ منجمد کردہ بھیڑ کے گوشت اور قیمہ کے لئے صحت مندی کا سرٹیفکیٹ پرنسپل بمبئی ویٹرنری کالج دینا جاری رکھیں گے بہرحال زندہ جانوروں اور تازہ منجمد کردہ ہڈیوں کو برآمد کرنے کے لئے سرٹیفکیٹ ڈسٹرکٹ ہسبنڈری آفیسر بمبئی جاری کرے گا۔

چنا کرمرا، تول کے فروخت ہو

حکومت مہاراشٹر نے اس بات کی ہدایت کی ہے کہ فوری طور سے چنا یا دٹانا، کرمرا، لوہا، لاہیا، پھٹانا اور مونگ پھلی کی خرید و فروخت وزن کر کے کی جائے، البتہ متذکرہ اشیا کا وزن ایک سو گرام سے کم ہونے پر یا قیمت ۶۰ پیسے سے زائد نہ ہونے پر بغیر وزن کے فروخت کی جا سکتی ہیں۔

پروفیشنل کالجوں میں داخلے

حکومت مہاراشٹر نے غور و خوض نیز یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں سے بات چیت کرنے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ سال ۱۹۷۹-۸۰ء سے مہاراشٹر کے پروفیشنل (انجینئرنگ اور میڈیکل) کالجوں میں طالب علموں کے داخلے ان ہائر سیکنڈری سرٹیفکیٹ امتحان جو کہ مہاراسٹرا اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن منعقد کرتا ہے، میں تین مضامین یعنی فزکس، کیمسٹری اور میتھمیٹکس / بائیلوجی میں اُن کی کارگزاریوں کی بنیاد پر دیئے جائیں گے۔

۱۹۷۷-۷۸ء کے جاریہ سال سے ریاست کی تمام یونیورسٹیاں تعلیم کے نئے ۱۰ + ۲ + ۳ کے ڈھانچے پر تین سالہ ڈگری کورس شروع کر رہی ہیں۔ اس طرح پُرانا ڈگری کورس ختم ہونے پر ہے۔

پُرانے یونیورسٹی ڈگری کورس کے طالب علموں کے لئے مندرجہ ذیل انتظامات کئے گئے ہیں:

وہ طالب علم جنھوں نے یونیورسٹی کا فرسٹ ایر (ممبئی) پری ڈگری / پری یونیورسٹی سائنس پاس کیا ہو انھیں ایس وائی جے سی (درجہ بارہ) سائنس درجہ برائے ہائر سیکنڈری کورس میں داخلے کے لئے اہل قرار دیا جا چکا ہے۔

وہ طالب علم جنھوں نے اس بیچ نئے ڈھانچے کے تحت تین سالہ بی ایس سی ڈگری کورس میں داخلہ لے لیا ہے اگر وہ چاہیں تو وہاں سے اپنا نام واپس لے کر ایس. وائی. جے. سی (سائنس) کلاس میں داخلہ لے سکتے ہیں. بہرحال اگر وہ نئے ڈھانچے کے تحت تین سالہ بی. ایس سی ڈگری کورس میں تعلیم جاری رکھنا چاہیں تو ان کو متعلقہ تین مضامین میں مارچ / اپریل ۱۹۸۰ء کے ایچ ایس سی. امتحان میں ایکسٹرنلی شریک ہونے کی اجازت ہوگی. بہرحال ایسے طالب علم جن کو نئے ڈھانچے کے تحت تین سالہ بی ایس سی ڈگری کورس کے پہلے سال میں اے. ٹی کے. ٹی کے ساتھ داخلہ مل گیا ہے ان کو متعلقہ تین مضامین میں ایچ ایس سی امتحان سے قبل اپنا اے. ٹی کے. ٹی پورا کرنا پڑے گا۔ ایسے داخلوں کے لئے اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا پڑے گا۔

جو طالب علم یونیورسٹیوں کے انٹر سائنس (ممبئی) پری پروفیشنل / بی. ایس سی حصہ اول میں ناکامیاب ہو گئے ہوں اُن کو ایچ. ایس سی میں ایس وائی جے سی (درجہ XII) سائنس کلاس میں داخل ہونے کی اجازت دی جا چکی ہے، جو ہائر سیکنڈری کورس کے ایس. وائی جے سی درجہ میں داخلے کے خواہشمند نہ ہوں ان کے لئے مندرجہ ذیل گنجائش رکھی گئی ہے

(۱) ان کو ایچ ایس سی امتحان میں بطور ایکسٹرنل اُمیدوار کے بیٹھنے کی اجازت ہوگی اور ان کو سارے چھ مضامین پاس کرنے ہوں گے یا

(۲) انھیں اپنی یونیورسٹی کا انٹر سائنس (ممبئی) پری پروفیشنل / بی. ایس سی حصہ اوّل امتحان میں پھر سے شامل ہونا پڑے گا اور ساتھ ہی متعلقہ مضامین میں ایچ ایس سی امتحان میں بطور ایکسٹرنل اُمیدوار کے بھی شرکت کرنا ہوگی۔

جو طالب علم متذکرہ نمبر (۲) دوا پنانا چاہیں گے تو ایچ ایس سی متحان میں متعلقہ تین مضامین میں ان کی کارگذاری کی بنیاد پر انھیں اسوقت پروفیشنل کالجوں میں داخلہ دیا جائے گا جب کہ وہ یونیورسٹی کا انٹر سائنس (ممبئی) پری پروفیشنل / بی ایس سی حصہ اوّل امتحان پاس کر لیں گے۔

بہرحال وہ طالب علم جو کہ مہاراشٹر میں واقع اسکولوں میں انڈین سرٹیفکیٹ (درجہ XII) یا مہاراشٹر کے باہر کسی کانسل یا بورڈ کا کوئی دوسرا مساوی ہائر سیکنڈری (درجہ XII) امتحان میں شامل ہوتے ہیں تو ان کو مہاراسٹر اسٹیٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کے ایچ ایس سی امتحان متعلقہ مضامین میں بطور ایکسٹرنلی شریک ہونا پڑے گا۔

پروفیشنل کالجوں میں داخلہ کے لئے وہ جو کارگذاری ایچ ایس سی امتحان میں تین متعلقہ مضامین میں دکھائیں گے وہی بنیاد ہوگی۔

۱۹۷۸-۷۹ء کے بعد سے مہاراشٹر کے پروفیشنل کالجوں میں داخلے یونیورسٹیوں کے انٹرمیڈیٹ سائنس / پری پروفیشنل / بی ایس سی حصہ اول امتحان یا آئی ایس سی (درجہ XII جو کہ کسی بورڈ یا کونسل کا ہو سکتا ہے) کی بنیاد پر دیئے جائیں گے۔

جھونپڑپٹی سدھار کے لئے ۲۷۹ لاکھ روپے

جھونپڑپٹی ماحول سُدھار اسکیم کے تحت مہاراشٹر سلم امپروومنٹ بورڈ نے سال برائے ۱۹۷۷-۷۸ء کے دوران ۱۳۲٫۸۷ لاکھ روپے ممبئی عظمیٰ اور ۱۴۸٫۰۸ لاکھ روپے دیگر شہروں پر خرچ کرنے کی تجویز رکھی ہے۔

یہ اسکیم مہاراشٹر کے ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ایک لاکھ سے زائد آبادی کے تمام شہروں پر لاگو ہوتی ہے۔

زرعی کریڈٹ سوسائیٹیوں کے مطالبات کے مطالعہ کیلئے کمیٹی

حکومت مہاراشٹر نے ابتدائی زرعی کریڈٹ سوسائیٹیوں کے سکریٹریوں کے مہنگائی بھتہ اور دیگر مطالبات میں رعایت پر غور کرنے کی خاطر ایک کمیٹی مقرر کی ہے۔

گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف اکنامکس اینڈ پالیٹکس کے پروفیسر ڈی ایم دانڈیکر کمیٹی کے چیرمین ہیں۔

قومی راج

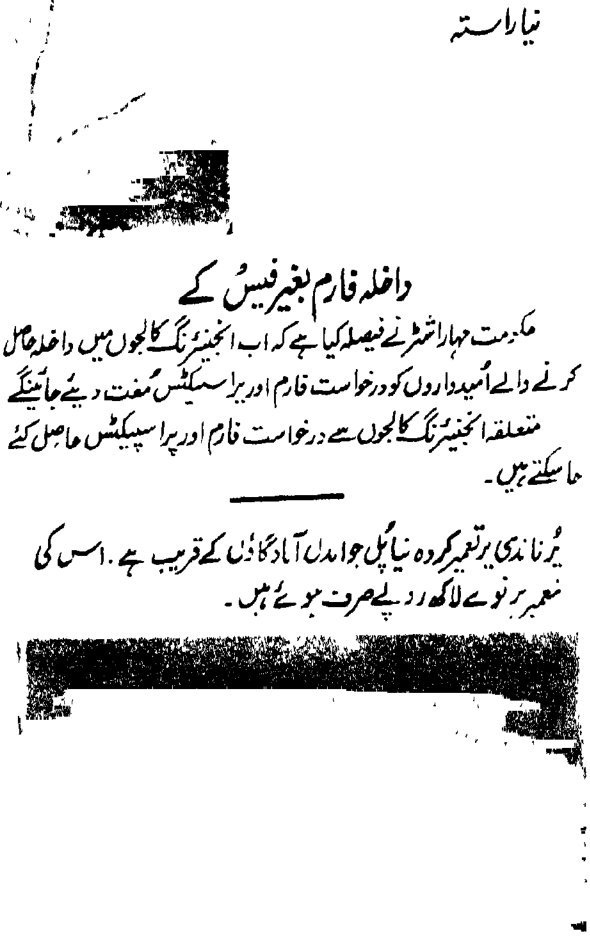


ڈھابل گھاٹ سے
کاکر ڈانک تعمیر کردہ
نیا راستہ

داخلہ فارم بغیر فیس کے

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ اب انجینئرنگ کالجوں میں داخلہ حاصل کرنے والے اُمیدواروں کو درخواست فارم اور پراسپکٹس مفت دیئے جائینگے متعلقہ انجینئرنگ کالجوں سے درخواست فارم اور پراسپیکٹس حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

پُرنا ندی پر تعمیر کردہ نیا پُل جوامدل آباد گاؤں کے قریب ہے۔ اس کی تعمیر پر نوے لاکھ روپے صرف ہوئے ہیں۔



ایم۔آئی ڈی سی ریجنل دفاتر

مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ناگپور، اورنگ آباد اور پونے میں اپنے علاقائی دفاتر کھولے ہیں تاکہ ان علاقوں کے صنعت کاروں اور جوکھم اٹھانیوالوں کی ضروریات پوری کی جا سکیں۔

علاقائی دفاتر کے پتے اور اُن کے حلقۂ اختیار مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) شری ایم۔ بی پاٹھک، ریجنل آفیسر، ناگپور معرفت ایگزیکیٹو انجنیئر، ایم۔آئی ڈی سی، ڈیویزن نمبر Ⅹ ناگپور۔ بلڈانہ، اکولہ، امراوتی، ایوت محل، وردھا، ناگپور، بھنڈارہ اور چندرپور کے لئے۔

(۲) شری ایس۔ جی گڑگڑے، ریجنل آفیسر، اورنگ آباد، وکاس بھون، ڈاکٹر راجندر پرشاد روڈ، اورنگ آباد۔ اورنگ آباد، پربھنی، بیڑ، ناندیڑ، عثمان آباد کے لئے۔ (۳) شری وی ایچ ولاوڑے، ریجنل آفیسر، پونے، معرفت ایگزیکیٹو انجنیئر، ایم آئی ڈی سی ڈیویزن نمبر Ⅱ چینچوڑ۔ احمد نگر، پونے، ستارا، سانگلی، سولاپور اور کولہاپور کے لئے

ان علاقوں کے جوکھم اُٹھانیوالے و صنعت کار ایم آئی ڈی سی علاقوں میں اپنے پلاٹ، شیڈز وغیرہ کے لئے مستقبل میں متعلقہ ریجنل افسران سے رابطہ قائم کریں۔

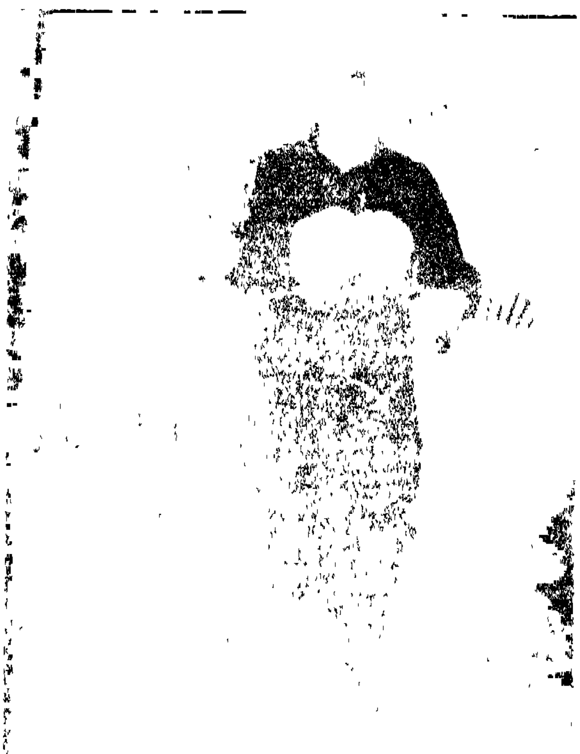
یُوتھ فورم:

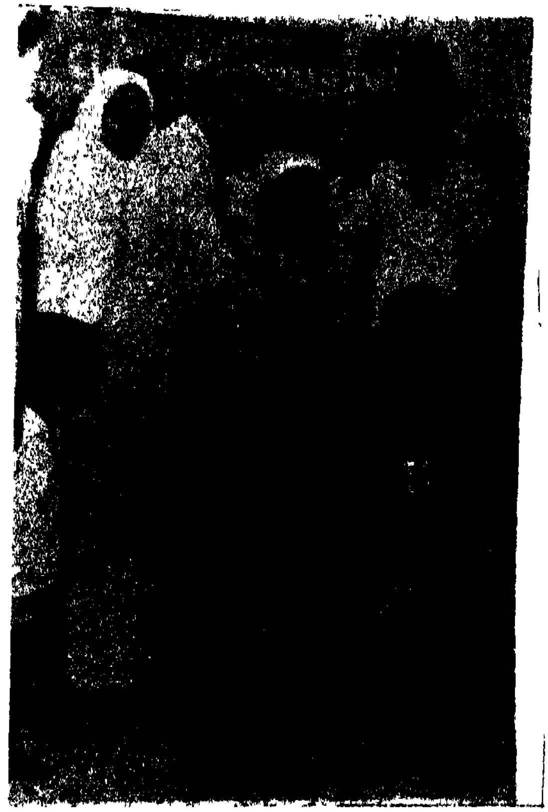
'قومی راج' کے یکم مئی کے شمارے سے ہم نے 'یُوتھ فورم' کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوگا۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی، ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جائے گی۔ قومی پروگراموں میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جائے گا۔ اپنے مضامین: ایڈیٹر 'قومی راج' نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ پندرہواں منزلہ، بالمقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲... پر بھیجیے۔



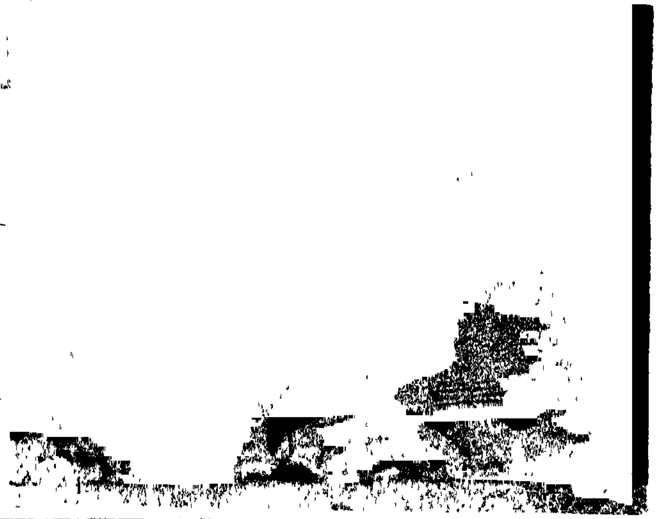
۲۸ر جون کو حکومت مہاراشٹر کی طرف سے ریاست کے مختلف علاقوں کے فنکاروں کی عزت افزائی کی تقریب رویندر ناٹیہ مندر میں منعقد ہوئی۔ زیر نظر تصویر میں گورنر مہاراشٹر شری صادق علی، ماسٹر دتا رام کو انعام دے رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت دادا پاٹل بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل نے ۲۷ر جون کو پنڈھر پور میں ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کی جانب سے شائع کردہ "سنت گاڈگے مہاراج خصوصی نمبر" کا اجرا کیا۔

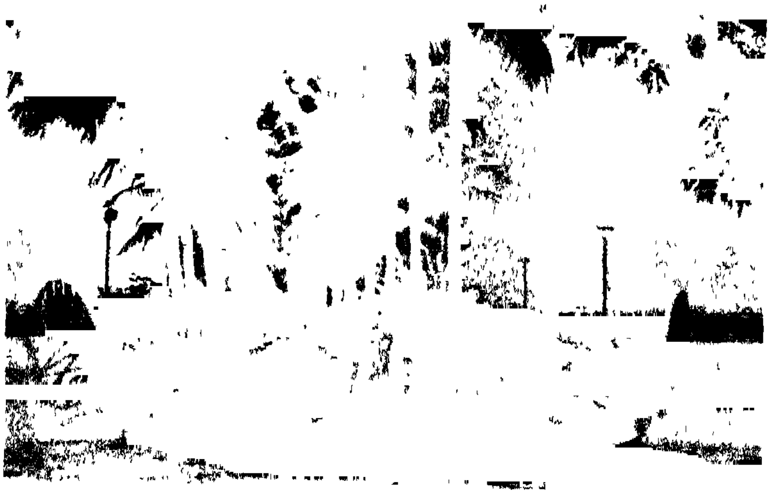




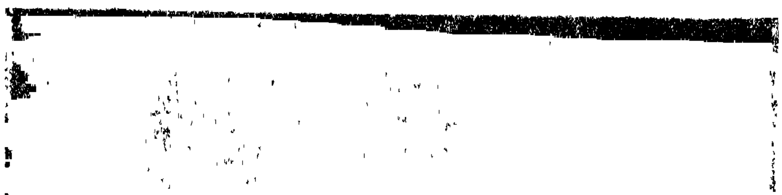
گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے "سپر کلوڈیا ماؤنٹ کرزند کالونیٹ یوتھ نگر" ادارے کی جانب سے وہاں کے غریبوں میں فی کس ایک کلو چاول تقسیم کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔



شریمتی شالینی پاٹل کی تصنیف "جیجا ماتا" کا افتتاح، شری ڈی آئی بی چوہان، ممبر پارلیمنٹ کے ہاتھوں مورخہ ۱۹ر جون کو عمل میں آیا۔ زیرِ نظر تصویر میں (دائیں سے) شری وائی۔ بی چوہان، مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل اور شریمتی شالینی پاٹل نظر آ رہے ہیں۔



مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے ۸ر جون کو اورنگ آباد میں "سدھارتھ اُدیان" کا افتتاح کیا۔ یہ اُدیان ۳۷ ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ہے جس میں چار ہزار پھل اور پھولوں کے پودے لگائے گئے ہیں۔



جلگاؤں میں ریاست مہاراشٹر کی 'کل گڈریہ سماج' کی میٹنگ حال ہی منعقد ہوئی۔ زیرِ نظر تصویر میں شری دادا صاحب روپاوتے، وزیر برائے سماجی بہبود تقریر کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔





شری بابو راؤ کالے، وزیر برائے ٹرانسپورٹ،
شری ریاض احمد خاں کو خصوصی انعام
برائے صحافت پیش کر رہے ہیں۔

۲۲ر جون کی شب میں
بھولا بھائی ڈیسائی آڈی ٹوریم میں
مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کی طرف
سے جلسۂ تقسیم انعامات منعقد ہوا۔
مندرجہ بالا تصویر میں (بائیں سے) خواجہ
عبدالغفور، شری فاروق پاشا، وزیر مملکت
برائے تعلیم، ڈاکٹر رفیق زکریا؛ شری بابو راؤ
کالے، وزیر برائے ٹرانسپورٹ؛ شری سکندر
علی وجد، ایم۔ پی۔ اور ڈاکٹر عبدالستار دلوی،
دیکھے جا سکتے ہیں۔





کنکیری گاؤں تعلقہ ساونت واڑی
میں ساگوان کے لگائے گئے پودے۔

قارئین کی رائے

ذہنی اُلجھنوں میں مسرت بخش، تنہائی کے رہنما اور خاموشی میں بنے سہرا اپنے قصبات"۔ پر تبصرے "حفظانِ صحت" پر تحریر آزمائی، اور "وِتھ فورم" کے "سرکاری ملازمت۔ بطورِ معاش" (۱۶ مئی کا شمارہ) کے معلوماتی مضامین کافی دلربائی کرتے ہیں۔

'قارئین کی رائے' کا سلسلہ شروع کر کے آپ نے یقیناً قارئین کی دوست نوازی کا ثبوت دیا ہے، مگر افسوس کہ آپ نے ادب نواز حلقے کی جانب کوئی خاص توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ 'قومی راج' جیسے اُردو کے پرستار رسالے میں ادبی مضامین کا فقدان ہے۔ ناچیز کی رائے ہے کہ آپ ایک صفحہ بنام "گوشۂ ادب" کا سلسلہ جاری کریں جس میں مشہور و جدید نیز قدیم شعراء کی حیات، شخصیت اور شاعری پر تبصرے ہوں۔

اکثر جملوں میں اُردو الفاظ کے بجائے آپ ہندی، مراٹھی کے الفاظ استعمال میں لاتے ہیں کیا اُردو میں الفاظ کی کمی ہے؟ براہ کرم جہاں تک ہوسکے اُردو استعمال کرنے کی کوشش کریں۔ والسلام

شیخ بشیر، کھام گاؤں

● 'قومی راج' میں 'حفظانِ صحت' کے تحت ذیابیطس پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، قابلِ ذکر ہے۔ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے تو اچھا ہے — ہرنیا، اپینڈکس، دردِ گردہ، کان ناک آنکھ، پیٹ وغیرہ کے امراض میں اکثر لوگ مبتلا ہیں، ایسے لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ اور بڑی خدمت ہوگی۔

جدید شہر سڈکو نئی ممبئی بھی تصویری صورت میں دیکھنے میں آئی۔ بہت خوب ہے۔ 'قومی راج' میں ادبیات کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ تو اخبارات اور رسالوں کی جان ہوتی ہے۔ مہاراشٹر کے بہترین شعرائے کرام سے روشناسی کا موقع ملتا ہے۔ ان کی نظموں اور غزلوں سے اور بھی نکھار پیدا ہوگا۔ والسلام

ایم۔ ایم پاردے۔ ممبئی ۳۱

● 'قومی راج' کا نیا روپ جو آپ نے پیش کیا وہ یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ نئی شکل میں خاص کر 'اپنا قانون جانئے'، 'یوتھ فورم'، 'سوال و جواب' ایسے کالم ہیں جو کسی اور اُردو رسالے میں نہیں ملتے۔

اگر اسی طرح 'قومی راج' ترقی کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں ہے جب 'قومی راج' معلومات کے میدان میں بے مثال ہوگا۔ ہماری رائے ہے کہ اگر آپ اپنا قانون جانئے کی طرح فوجداری قانون کے بارے میں بھی کالم رکھیں تو اردو جاننے والوں کے لئے یہ نئی بات ہوگی اور بہت سے قارئین اس سلسلہ کو بہت پسند کریں گے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ اس سلسلے میں غور کریں گے۔ فقط آپ کا قاری

عبدالرزاق

● چیف آف ویجلنس سروس (ایس او) بمبئی ۳۱

" قومی راج" کافی عرصہ سے زیرِ مطالعہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل آپ نے شعرائے کرام اور افسانہ نگار حضرات کو 'سخنہائے گفتنی' میں اشارہ دیا تھا کہ آج اُردو کو فنی اور ٹکنیکی مضامین اور دوسری زبانوں سے مفید مضامین کے ترجمے کی ضرورت ہے" اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ عام طریقے کے مطابق آپ حضرات صرف مشورہ دیکر چپ نہیں بیٹھے بلکہ جو سوچا وہ کر دکھایا اور سچی بات تو یہ ہے کہ 'قومی راج' کچھ اس انداز سے نکھرا ہے اور اس قدر مفید معلوماتی رسالہ بن گیا ہے کہ وہ لوگ جو اب تک اسے صرف سرکاری گزٹ کہا کرتے تھے، اب نئے شمارے کے لئے تڑپتے رہتے ہیں۔ بس اس کا بھی خیال رکھئے کہ اسی انداز سے ادبی حصہ بھی شامل ہو، یعنی تعمیری افسانے، نظمیں، ادبی مقالات مثلاً مہاراشٹر کے شاعر، ادیب وغیرہ۔

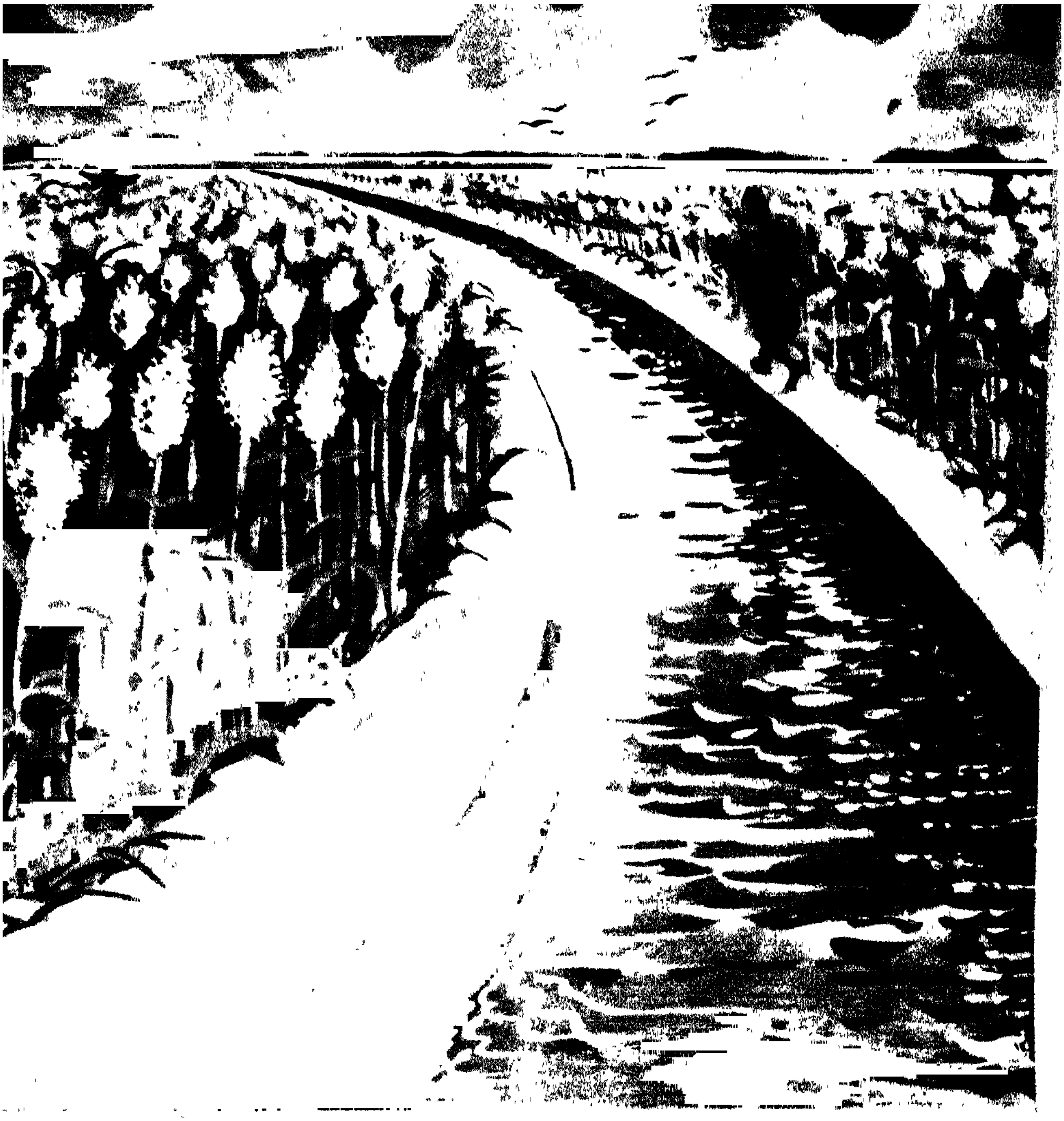
تعلیمی و ادبی سرگرمیوں پر بھی مقالات ہوں تو 'قومی راج' ملک کا مثالی رسالہ بن جائے گا۔

عبدالمجید۔ بمبئی ۲۷

● 'قومی راج' کے مطالعہ کے بعد (جو پہلی بار اتفاقیہ طور پر ایک کرم فرما کے یہاں پڑھنے کو مل گیا) حیرت ہوئی، وہ تمام مسائل جن کا تعلق عام زندگی سے ہے اور قانون وغیرہ جن کی جانکاری بہرحال ہر شہری کو ہونا چاہیے 'قومی راج' میں نہایت سلیقہ سے پیش کئے گئے ہیں۔ 'کامیابی کی کہانی' اور 'صارفین کی رہنمائی' کے تحت حقائق کو نہایت مؤثر ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ واللہ اُردو ادب میں 'قومی راج' ایک نئی روشنی پھیلا رہا ہے اور اُردو کو مالامال کر رہا ہے، سوال و جواب کے تحت چھوٹے سرمائے سے روزگار کر سوالوں کی رہنمائی کے لئے مفید معلومات پڑھ کر خوشی ہوئی۔ یہ اور دیگر مضامین 'حفظانِ صحت' مہاراشٹر کے پُرفضا مقامات سے متعلق باتصویر فیچر قابلِ تعریف ہے۔ اس کے ساتھ ہی خوبصورت رنگین سرورق، نہایت خوب ترتیب و طباعت، مثالی حد تک لاجواب ہے۔

ایم۔ اے شیخ
۱۴۸۔ نیپس اسٹوڈیو، ممبئی ۱۱

● 'قومی راج' کا نیا نکھرا، رنگا رنگ انداز (مئی ۱۹۷۷ء سے) واقعی چونکا دینے والا ہے۔ کم از کم اتنے مفید اور قیمتی مضامین اُردو کے کسی اور رسالہ میں ابتک نظر نہ آسکے۔ حکومت مہاراشٹرا اور آپ حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں! ایک کمی کھٹکتی ہے، کاش تھوڑا حصہ منتخب غزلوں اور افسانوں کے لئے بھی ہو! محمد اسلم بمبئی ۳۱



'aumiraj Regd. No. MH-BY-South-544 *Licence No. 89 for without prepayment of postage*

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹرا نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

قومی راج

۱۰ اگست ۱۹۷۷ء

- نئے صدر ۔ نیلم سنجیوا ریڈی
- ایس. ٹی. مسافروں کی خدمت گذار
- کرشن داس شاہ ۔ بے لوث خدمتگار

قیمت: ۵۰ پیسے

سوال و جواب

س : کیا ریاستی حکومت نے بوڑھوں کو پنشن دینے کی کوئی اسکیم جاری کی ہے۔ اگر جاری کی ہے تو مہربانی کر کے اس کے بارے میں بتایئے؟

شام راؤ کالے
پونے

ج : فی الحال ایسی کوئی اسکیم موجود نہیں ہے البتہ معمر لوگوں کو پنشن دینے کی ایک اسکیم حکومت کے زیرِ غور ضرور ہے۔ اسکیم کی نوعیت، اس سے مستفیض ہونے والے اشخاص کی متوقع تعداد اور اس کے باعث مالیاتی بوجھ کے بارے میں ایک جماعت جانچ کر رہی ہے، یہ کام دو ماہ کے اندر پورا ہو جائے گا۔ اسکیم کا خاکہ تیار ہو جانے کے بعد اس کی عمل آوری پر غور کیا جائے گا۔

•

س : مہاراشٹر میں ضمانت روزگار اسکیم کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے تحت بیکار شخص کو اس کے مطالبہ پر پندرہ دن کے اندر کام مل جائے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مزید یہ کہ مزدوروں کو ساز و سامان بھی مہیا نہیں کئے جاتے، پھر کیا کیا جائے سخت اور کٹھن کام کی اُجرت بھی ۳ روپے روزانہ نہیں ہوتی ہے، یہ بہت کم ہے۔ اس کا حل کیا ہے؟

گووند کے۔ تندے، بمبئی

ج : ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ریاستی حکومت نے افسران متعلقہ کے نام یہ ہدایت جاری کی ہے کہ کام کے خواہش مند اشخاص کو ان کے مطالبہ پر پندرہ دن کے اندر کام مہیا کر دیا جائے۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ہو کہ بیکار اشخاص کو ان کے مطالبہ پر ۱۵ دن کے اندر کام مہیا نہیں کیا گیا، یا ساز و سامان مہیا نہیں کیا تو اس کے بارے میں معینہ شکایات ڈسٹرکٹ کلکٹر یا افسر متعلقہ کے پاس داخل کی جائیں۔

اسکیم کے تحت قاعدہ کے مطابق شرح اُجرت اس طرح معین کی گئی ہے کہ سات گھنٹے کام کرنے والے ایک عام مزدور کو تین روپے روز مل جائیں۔ اُجرت فی الواقعی انجام دیئے گئے کام کے تناسب اور اس کے درجہ کے لحاظ سے دی جاتی ہے اسکیم کے تحت کوئی انتہائی اور کم ترین شرح اُجرت نہیں رکھی گئی ہے

•

س : میں فی الحال ایک نجی گوالے سے دودھ لیتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کے بجائے باقاعدہ سرکاری دودھ حاصل کروں، مجھے کہاں درخواست دینی چاہیئے؟

رام چندر شیٹے، جھول
چیمبور، بمبئی

ج : بڑی بمبئی دودھ اسکیم کے تحت باقاعدہ دودھ فراہمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ کنٹرولر کو درخواست دیکر کارڈ حاصل کیا جائے جن کا پتہ یہ ہے: کنٹرولر، ملک پروکیورمنٹ اینڈ ڈسٹری بیوشن، گریٹر بمبئی ملک اسکیم، عبدالغفار خاں روڈ، درلی، بمبئی ۴۰۰۰۱۸ (ٹیلیفون نمبر: ۳۷۸۲۲۰)۔ مقررہ درخواست فارم دآرے، درلی اور کرلا میں واقع گورنمنٹ ملک اسکیم کے دفاتر سے مفت حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اگر دودھ کے کوٹے میں عارضی تبدیلی کرانا ہو تو مقامی سینٹر مینجر کو اطلاع دی جائے۔ دودھ کارڈ کی تجدید کے لئے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ بالا کنٹرولر کو درخواست دی جائے۔

ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں تبادلہ ہو جانے پر وہاں وہ رسید پیش کر کے جو پچھلے ضلع میں دودھ کارڈ واپس کر کے حاصل کی گئی ہے نیا دودھ کارڈ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

دودھ یا اس کی تقسیم کے بارے میں شکایات حسب ذیل افسران کو پیش کی جاسکتی ہیں:

ملک پروکیورمنٹ اینڈ ڈسٹری بیوشن افسر، آرے ملک ڈیری، ڈنکر راؤ دیسائی روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۶۱ (ٹیلیفون نمبر ۶۹۲۲۱۱)۔

ملک پروکیورمنٹ اینڈ ڈسٹری بیوشن افسر، کرلا ملک اسکیم، ایس جی۔ بروے روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۲۴ (ٹیلیفون نمبر ۵۲۵۱۸۰) اور

ملک پروکیورمنٹ اینڈ ڈسٹری بیوشن افسر، گریٹر بمبئی ملک اسکیم، عبدالغفار خاں روڈ، درلی، بمبئی ۴۰۰۰۱۸ (ٹیلیفون ۳۷۹۹۸۶)

••

س : بمبئی میں کتنے دفاتر روزگار (ایمپلائمنٹ ایکسچینج آفس) ہیں اور کس کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

راجنیش گناچاریہ، کرلا، بمبئی

ج : بمبئی میں فراہمی روزگار کے پانچ دفاتر ہیں: تمام اقسام کی کلرکی ملازمت خواہوں (بشمول خواتین درخواست گذار) کے لئے دی ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج افسر، ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج مرکنٹائل چیمبر، نچلا منزلہ، بلارڈ اسٹیٹ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱ (ٹیلیفون نمبر ۲۶۳۴۳۵)

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

قومی راج

جلد نمبر ۴ / ۱۰ اگست ۱۹۷۷ء / شمارہ نمبر

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

قیمت فی کاپی: ۵۰ پیسے ★ سالانہ: دس روپے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

[illegible] گفتنی

شری نیلم سنجیوا ریڈی، جمہوریہ ہند کے چھٹے صدر اتفاق رائے سے منتخب ہو گئے ہیں اور انھوں نے صدر کی حیثیت سے ۲۵ جولائی کو حلف بھی لے لیا ہے۔ ملک کے سیاسی و سماجی حلقوں میں، شری ریڈی ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح عوام میں بھی انھوں نے اپنی خدمات سے ہر دلعزیزی حاصل کی ہے۔ شری ریڈی آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ بھی رہے ہیں اور ریاست میں ترقی کے لئے نئے نئے منصوبے بنائے اور اُن پر عمل پیرا ہوئے جس کے نتیجہ میں آندھرا پردیش ملک کی ممتاز ریاستوں میں شامل ہونے لگی ہے۔

شری ریڈی کو نہ صرف ہندوستان کی مختلف زبانوں سے محبت ہے بلکہ وہ ان کی ترقی اور ترویج کے بھی خواہشمند ہیں۔ اسی طرح آپ کو زبانِ اُردو سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ آپ کی ادب نوازی بھی بیمثال ہے۔

— پچھلے شمارہ کے خاص مضمون میں آبپاشی کی توسیع و ترقی پر نظر ڈالی گئی تھی جو یقیناً حکومت مہاراشٹر کی کارکردگی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح موجودہ شمارہ بھی یقیناً آپ کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ نے اس قلیل عرصے میں ریاست کے دور دراز دیہاتوں کو شہروں اور تجارتی مرکزوں سے جوڑنے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مہاراشٹر سے دوسری ریاستوں تک مسافروں اور مال کی نقل و حرکت میں بھی ایک نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ مہاراشٹر میں ایس ٹی کی اہمیت یوں بھی بڑھی ہوئی ہے کیونکہ مغربی حصہ زیادہ تر پہاڑیوں پر مشتمل ہے جہاں ریلوے لائن نہیں ہے ایس ٹی نے ریلوے کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

آپ کے مفید مشوروں کے لئے ہم شکر گذار ہیں اور آئندہ بھی آپ کے اسی طرح کے تعاون کے منتظر!

ترسیلِ زر کا پتہ: چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر — منترالیہ، بمبئی ۳۲ ۴۰۰۰۰

ترتیب

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خان

سب ایڈیٹرز: عبدالوحید خان جامعی

فیروزہ خان

قارئین کی رائے

یوں تو ایک عرصہ سے گورنمنٹ آف مہاراشٹر کا آرگن پندرہ روزہ 'قومی راج' عمدہ کتابت وطباعت کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے لیکن گذشتہ چند شمارے چونکا دینے والے ثابت ہوئے اور حقیقتاً ایک حکومت کے رسالے کو ایسے ہی مواد کے ساتھ عوام کے ہاتھوں میں آنا چاہئے تھا۔ یہ خوشگوار تبدیلی ہر ایک نے محسوس کی۔ حکومت کے رسالے میں عوام کی معلومات کے لئے مختلف عنوانات کے تحت دلچسپ انداز میں بڑے کارآمد مضامین شائع ہورہے ہیں ۔ غزلوں، نظموں اور افسانوں کے مقابلے میں یہ مواد عوام کے لئے زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔

سیاحتی مراکز، نیز ترقیاتی منصوبوں اور پروجیکٹوں اور مختلف اسکیموں سے عوام کس طرح فائدہ حاصل کرسکتے ہیں، ایسی معلومات اب 'قومی راج' کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اس کے لئے مہاراشٹر کے چیف ڈائرکٹر جناب مہتہ صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ وہ جہاں جرنلزم کا بے حد عمدہ شعور رکھتے ہیں وہیں اس بات کا بھی احساس رکھتے ہیں کہ گورنمنٹ کے آرگن کو کس طرح ہونا چاہئے اسی طرح ریاض احمد خاں صاحب بھی پوری صلاحیتوں کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ عوام سے اور خصوصاً اردو عوام سے اب اس بات کی پرزور سفارش کی جاسکتی ہے کہ وہ مہاراشٹر کے حکومتی آرگن 'قومی راج' کی ہر کاپی کو محفوظ رکھ سکتے ہیں اور پرچہ انھیں فائدہ ہی پہنچائے گا نہ صرف فائدہ بلکہ مختلف مسائل کے حل میں گائڈ کا رول بھی ادا کرے گا۔ ایسے مفید پرچے کی ہر کاپی محفوظ رکھنی چاہئے۔

یہ پرچہ ۵۰ پیسے کا ہے اور اس کا سالانہ چندہ دس روپے ہے۔ جو چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے پتے پر منی آرڈر سے بھیجا جاسکتا ہے۔

خلیل احمد صابغی
ایڈیٹر ہفتہ وار 'تنویر' بمبئی

—•—

'قومی راج' علمی، ادبی، طبی، سائنسی اور ثقافتی مضامین نیز ہر اعتبار سے بہترین جریدوں میں شمار ہونے کا مستحق ہے۔ خبروں کے لحاظ سے بھی بہت آسان اور عام فہم باتیں درج ہوتی ہے۔

زیر نظر شمارہ جون ۱۹۷۷ء میں بلڈ پریشر دل کے امراض کے بارے میں بھی اچھا مضمون ہے آئندہ بھی اگر آپ صحت اور اصولِ صحت کے بارے میں ڈاکٹر اور حکیم و دید حضرات کے مضامین بھی شائع کریں تو قارئین کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ مہاراشٹر کے صحت افزا مقامات مثلاً ماتھیران، اجنتا، ایلورا، اورنگ آباد، بلڈانہ، میرج، سانگلی، پونہ، اور جہاں جہاں بھی سینی ٹوریم موجود ہیں، اُن کے بارے میں بھی معلومات شائع کی جائے تو بہتر ہوگا۔ سوال وجواب کا سلسلہ بھی بہت بہتر ہے۔ ہمارا مہاراشٹر جغرافیائی حیثیت سے بھی پورے ملک کا ایک مثالی صوبہ ہے۔

قاری محمد عمر
مدنی روڈ، مالیگاؤں ضلع ناسک

—•—

مجھے آپ کا شمارہ ابھی ابھی ملا، جسے دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ گاڈگے بابا کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر جو روشنی ڈالی گئی ہے' قابلِ تعریف ہے۔ مضامین ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں اور تصاویر نے جریدے کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے۔ ٹائیٹل صفحہ پر گاڈگے بابا کی رنگین پینٹنگ بہت عمدہ ہے۔ یہ شمارہ محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔

ڈائرکٹوریٹ آف انفارمیشن اینڈ پبلسٹی نے پہلے بھی خاص شمارے نکالے ہیں جس کے لئے وہ قابلِ مبارکباد ہے۔

پروفیسر بی۔ آر جوشی

—•—

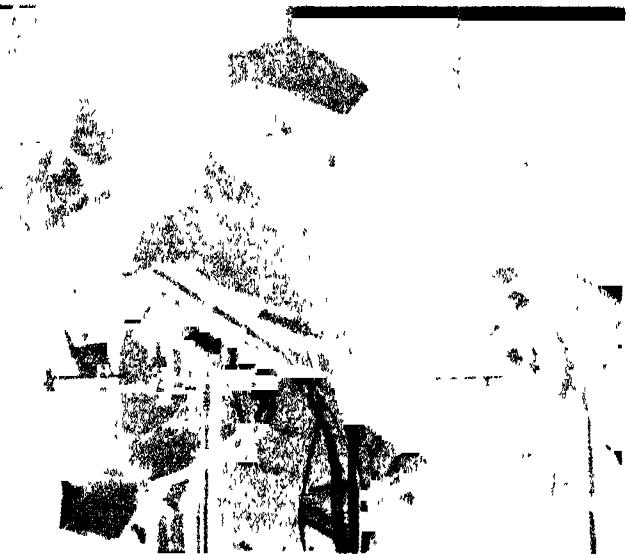
'قومی راج' کی تزئین اور اس کے معیار کے لئے آپ کی کوششیں قابلِ مبارکباد ہیں۔ میں بذاتِ خود نیز میرا حلقۂ احباب 'قومی راج' کے مطالعہ میں بہت کافی دلچسپی لیتا ہے۔ لیکن ہم سب کی رائے ہے کہ رسالہ میں افسانے اور منظومات کا فقدان سا رہتا ہے۔ میری رائے میں رسالے کے کم از کم چوتھائی حصہ میں غزلیں، نظمیں اور افسانے ضروری طور پر شائع کیا کریں۔ معلوماتی مضامین اور اخباری حصہ وغیرہ کے لئے باقی حصہ کافی ہوگا۔ مقالات اور تاریخی مضامین کے ساتھ ساتھ رسالے میں تنقیدی مضامین بھی شائع کریں۔ کبھی کبھی ہی سہی لیکن اس قسم کے مضامین بھی رسالے کی افادیت میں اضافہ کے لئے بہت ضروری ہیں۔

احمد صدیقی۔ منہاج پور، الہ آباد یو۔پی

—•—

(مزید صفحہ نمبر ۶ پر)

قومی راج میں شائع شدہ مضامین حوالہ کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کیا جاسکتا ہے، تاہم جس شمارے میں یہ مضمون شائع ہو، اُس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کو ضرور روانہ کی جائے۔



شری نیلم سنجیوا ریڈی نے ۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو پارلیمنٹ کے تاریخی مرکزی ہال میں جمہوریہ ہند کے چھٹے صدر کی حیثیت سے حلف لیا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شری ایم۔ ہدایت اللہ بیگ نے آپ سے حلف اُٹھوایا۔

جمہوریہ بھارت کے چھٹے صدر

شری نیلم سنجیوا ریڈی

شری نیلم سنجیوا ریڈی نے ۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو بھارت کے صدر جمہوریہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ موصوف بھارت کے چھٹے صدر ہیں اور بلامقابلہ منتخب ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان کی زندگی کے مختصر حالات پیش کئے جا رہے ہیں۔

بھارت کے چھٹے صدر جمہوریہ شری نیلم سنجیوا ریڈی ایک ماہر سیاست داں اور لائق ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ موصوف نے ملک کی آزادی سے پہلے اور اس کے بعد بیشتر اہم ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ موصوف ۱۹ مئی ۱۹۱۳ء کو آندھرا پردیش کے ضلع اننت پور کے ایک گاؤں الور میں ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مدراس میں ادیار کے تھیوسوفیکل ہائی اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ اننت پور میں آرٹس کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں انھوں نے اپنی تعلیم چھوڑ دی اور ملک کی جدوجہد آزادی میں شریک ہوئے وہ پہلے پہل اس وقت منظر عام پر آئے جب انھوں نے طلباء کے ستیہ گرہ میں حصہ لیا۔

۲۵ سال کی عمر میں انھیں آندھرا پردیش کی صوبائی کانگریس کا سکریٹری چن لیا گیا۔ وہ اس عہدے پر دس سال تک فائز رہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۵ء کے درمیانی عرصہ میں وہ زیادہ تر جیل میں رہے۔ مارچ ۱۹۴۴ء میں انھیں کچھ عرصے کے لئے رہا کیا گیا لیکن اسی سال اگست کے مہینے میں انھیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا، اور امراوتی جیل میں، جو اب مہاراشٹر میں ہے، شری پرکاشم، شری ستیہ مورتی، شری کامراج، شری گری، اور دیگر افراد کے ساتھ ۱۹۴۵ء تک رکھا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں انھیں مدراس لیجلیٹو اسمبلی کے لئے چن لیا گیا۔ اور ۱۹۴۷ء میں وہ بھارت کی قانون ساز اسمبلی کے رکن ہو گئے۔ اپریل ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۱ء تک شری ریڈی مدراس کی مشترکہ ریاست میں مکانات، جنگلات اور نشہ بندی کی روک تھام کے محکموں کے وزیر ہوئے۔

۱۹۵۱ء میں انھوں نے اس عہدے سے استعفیٰ دیدیا اور آندھرا پردیش کانگریس کمیٹی کی صدارت کے لئے انتخاب لڑا اور اس میں کامیاب ہوئے اس عرصہ میں شری ریڈی کا پانچ سالہ بچہ موٹر کے حادثہ میں ہلاک ہو گیا۔ یہ ان کے لئے ایک زبردست صدمہ تھا۔ وہ اس حادثہ سے اس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے آندھرا پردیش کانگریس کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا، بعد میں انھیں استعفیٰ واپس لینے پر آمادہ کیا گیا۔ ۱۹۵۲ء میں وہ راجیہ سبھا کے ممبر بن گئے۔ ۱۹۵۳ء میں شری ریڈی نے سورگیہ شری ٹی۔ پرکاشم کی کابینہ میں نائب وزیر اعلیٰ کا عہدہ قبول کیا۔ اگرچہ

میں کانگریس لیجسلیچر پارٹی کا سربراہ چُنا گیا تھا۔ انھیں ۱۹۵۵ء میں لیجلیٹو اسمبلی کے لئے دوبارہ منتخب کر لیا گیا اور شری بی. گوپالا ریڈی کی کابینہ میں نائب وزیر اعلیٰ رہے۔

شری ریڈی آندھرا پردیش کی نئی ریاست کے پہلے وزیر اعلیٰ تھے جو (REORGANISATION) ریاستوں کی نئی تنظیم کے نتیجہ میں تشکیل دی گئی تھی۔ ۱۹۵۹ء میں انھوں نے وزیر اعلیٰ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور وہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ مارچ ۱۹۶۲ء میں انھیں دوبارہ آندھرا پردیش کا وزیر اعلیٰ بنا یا گیا۔ فروری ۱۹۶۴ء میں انھوں نے دوبارہ رضاکارانہ طور پر آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا تاکہ عوامی زندگی کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا جا سکے۔ انھیں دوبارہ کانگریس لیجسلیچر پارٹی کا سربراہ منتخب کر لیا گیا لیکن انھوں نے گورنر سے سفارش کی کہ وہ شری کے۔ برہمانند ریڈی کو نئی وزارت تشکیل دینے کے لئے دعوت دیں۔

۹ جون ۱۹۶۴ء کو شری ریڈی، شری لال بہادر شاستری کی مرکزی کابینہ میں شامل ہوئے اور انھیں فولاد و کانوں کا محکمہ سونپا گیا نومبر ۱۹۶۴ء میں انھیں راجیہ سبھا کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ شری ریڈی جنوری ۱۹۶۶ء سے مارچ ۱۹۶۷ء تک شریمتی اندرا گاندھی کی طرف سے تشکیل دی گئی کابینہ میں ٹرانسپورٹ، شہری ہوا بازی، جہاز رانی اور سیاحت کے وزیر رہے۔ ۱۹۶۷ء میں انھیں آندھرا پردیش میں ہندو پور کے حلقۂ انتخاب سے لوک سبھا کے لئے چُن لیا گیا۔

۱۷ مارچ ۱۹۶۷ء کو انھیں لوک سبھا کا اسپیکر چُنا گیا۔ شری ریڈی نے ۱۹ جولائی ۱۹۶۹ء کو اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ انھوں نے کانگریس پارٹی کے نمائندے کی حیثیت سے صدر جمہوریہ کا انتخاب لڑا لیکن اس کے بعد جو حالات پیش آئے وہ سب کو معلوم ہیں۔

۱۹۶۹ء کے بعد شری ریڈی نے زراعت سے دلچسپی لی جو اُن کا خاص موضوع ہے البتہ یکم مئی ۱۹۷۵ء کو انھوں نے حیدرآباد کے جلسے میں شری جے پرکاش نرائن کے ساتھ عوام سے خطاب کیا اور اس طرح وہ ایک بار پھر سیاست میں آ گئے۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں انھوں نے جنتا پارٹی کے اُمیدوار کی حیثیت سے آندھرا پردیش میں نندیال کے حلقۂ انتخاب سے الیکشن میں کامیابی حاصل کی۔ آندھرا پردیش سے وہ واحد غیر کانگریسی اُمیدوار ہیں جو الیکشن میں کامیاب ہوئے۔

شری ریڈی ۲۶ مارچ ۱۹۷۷ء کو اتفاق رائے سے لوک سبھا کے اسپیکر بنائے گئے۔ موصوف ۱۳ جولائی ۱۹۷۷ء کو اس عہدے سے سُبکدوش ہو گئے تاکہ جمہوریہ بھارت کے عہدۂ صدارت کے لئے کاغذاتِ نامزدگی داخل کر سکیں۔ موصوف کے نام پر تمام سیاسی پارٹیوں میں اتفاق ہو گیا جو کہ بھارت کی سیاسی تاریخ میں ایک نادر واقعہ ہے۔ موصوف ۲۱ جولائی ۱۹۷۷ء کو بلا مقابلہ جمہوریۂ بھارت کے صدر منتخب ہوئے۔

شری وینکٹیشور یونیورسٹی نے ۱۹۵۸ء میں شری سنجیوا ریڈی کو ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ شری سنجیوا ریڈی کی شادی ۸ جون ۱۹۳۵ء کو شریمتی ناگ رتنم سے ہوئی۔ موصوف کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں حیات ہیں۔

● ●

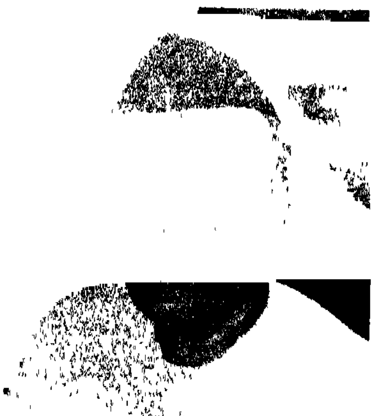
قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے، لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافہ کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ ہر شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

آپ اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرما سکتے ہیں:

ایڈیٹر "قومی راج" (پندرہ روزہ) نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲



• ——— جیٹھالال شاہ

کرشن داس شاہ

ایک بے لوث خدمت گار

۱۴ جون ۷۷ ۱۹ء کے کسی اخبار میں ایک بہت ہی مختصر خبر شائع ہوئی تھی کہ کرشن داس شاہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس خبر کو پڑھ کر مجھے انتہائی دکھ ہوا۔ مجھے یقین نہ آیا، ابھی دو دن پہلے ہی مجھے ملے تھے اور میرے کام کاج کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔ میرے دماغ میں یہ خیال بار بار آتا رہا کہ کرشن داس شاہ کو آخر کتنے لوگوں نے پہچانا ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ ان کی موت پر بجائے بڑی بڑی سرخیاں دیکر اخبارات خبریں شائع کرتے، ایک کونے میں ان کے انتقال کی خبر دی۔ وہ اس لئے کہ کرشن داس جی نے زندگی بھر دوسروں کی بھلائی کے لئے کام کیا اور اس خاموشی سے کہ کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکا۔ انھیں ظاہرداری سے قطعی تعلق نہیں تھا۔

گیتا میں بھگوان سری کرشن نے کرم یوگ کے بارے میں کہا ہے کہ آپ اپنے کاموں میں منہمک رہیئے اور اس کے صلہ کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔ ٹھیک اسی طرح کرشن داس شاہ نے اپنی زندگی دوسروں کے کام کاج کے لئے مخصوص کر دی۔ پچھلے ۲۵ برسوں سے وہ خاموشی سے اپنے مشن میں مصروف رہے۔ گاندھی جی کی تعلیمات میں گرام صفائی پر بھی زور دیا گیا ہے۔ کرشن داس جی نے اسی کو اپنا نصب العین قرار دیا، اور اس کام میں لگ گئے۔ کرشن داس شاہ حالانکہ ۷۰ برس کے تھے مگر پھر بھی اپنے اور دیہات کے پاخانے اور غسل خانے خود اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے اور انھیں صاف رکھنے کی تلقین کرتے تھے کبھی ان کے دل میں یہ خیال تک نہیں آیا کہ یہ ایک معمولی اور گھٹیا کام ہے۔

کرشن داس شاہ نے یہ محسوس کیا کہ دیہات کے لوگوں کو "گوپوری" قسم کے پاخانے، بغیر دھوئیں کے چولھے اور زمین دوز کھاد کے بارے میں ان کی معلومات میں اضافہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں انھوں نے دیہاتیوں کو اپنے علم سے حاصل کی ہوئی روشنی سے مستفیض کیا۔ یہ علم انھوں نے کتابوں سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اپنے مشاہدات اور تجربوں سے حاصل کردہ تھا۔ سر پر ٹوکری اور ہاتھ میں جھاڑو لئے کرشن داس شاہ اپنا کام دیہاتوں میں کرتے تھے۔

کرشن داس شاہ کی ان بے لوث خدمات کو دیکھتے ہوئے جب ریاست گجرات قائم ہوئی تو انھیں وہاں آنے کی دعوت دی گئی، لیکن اس وجہ سے کہ وہ گجراتی ہیں اس لئے گجرات جائیں یہ ان کی طبیعت نے گوارہ نہیں کیا۔ وہ تو پورے سماج میں صفائی کی لہر پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انھیں ذات یا بھید بھاؤ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مہاراشٹر ان کی جنم بھومی تھی، اس سے انھیں دلی لگاؤ تھا اور ان کے کام کا علاقہ بھی یہی سرزمین تھی۔ حکومت مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ نائیک نے ان کی خدمات سے متاثر ہو کر انھیں حکومت مہاراشٹر کا مشیر برائے صاف صفائی منتخب کیا۔ اس عہدے پر کرشن داس جی نے اپنا کام شروع کر دیا اور ہر ماہ میں کم از کم ۲۰-۲۵ دن وہ دورہ پر دیہاتوں میں جایا کرتے تھے۔ حالانکہ کرشن داس جی کو سرکاری طور پر فرسٹ کلاس میں جانے کی اجازت تھی مگر انھوں نے کبھی فرسٹ کلاس میں سفر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ تیسرے درجے میں (اب دوسرا درجہ) سفر کیا۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ کرشن داس جی نے اپنے کپڑے کبھی 'رانی پال' سے نہیں دھوئے، بلکہ اپنے ہاتھ سے دھوئے ہوئے صاف ستھرے کپڑے۔ ایک دھوتی۔ ایک کرتہ اور ایک ٹوپی میں ملبوس رہتے تھے اور یہ کپڑے کبھی اجلے نہ ہوتے بلکہ خاکستری رنگ جیسے لگتے۔ پیروں میں بغیر چمڑے کے چپل۔ کندھے پر ایک لمبی سی تھیلی جس میں ہاتھ سے کوٹے ہوئے چاول یا آٹا ہوتا تھا۔ اس سادگی کے باوجود ان کے چہرے پر ایک انمول مسکراہٹ ہر شخص کو متاثر کرتی رہی ۔ جہاں جاتے وہاں اپنا چولھا جلاتے۔ چاول یا روٹی پکاتے۔ خود کے پیسے خرچ کر کے گائے کا دودھ منگواتے اور یہی ان کی غذا تھی۔ چائے کافی سے انھیں کوئی

لگاؤ نہیں تھا۔

کرشن داس شاہ نہ صرف گرام صفائی ہی میں مصروف رہتے بلکہ جب بھی انھیں کسی دیہات میں کوئی مریض نظر آتا تو اُسے آیورویدک دوائیں دیتے۔ شراب نوشی مٹانے کے بارے میں لوگوں کی منت کرتے۔ ان کا معمول تھا کہ چاہے کتنی ہی سخت سردی ہو وہ صبح ۵ بجے اُٹھتے، ٹھنڈے پانی سے نہاتے، پوجا پاٹ کرتے اور تیار ہوکر سورج نکلنے سے پہلے ہی اپنے کام پر روانہ ہو جاتے۔ اور زیادہ سردی ہو تو صرف ایک کھادی کا جیکٹ اور ایک شال استعمال کرتے۔

بمبئی جیسے بڑے شہروں میں رہنے والوں کو کرشن داس جی کے کام کی نوعیت بڑی مشکل سے سمجھ میں آئے گی۔ مہاراشٹر کا ایک گاؤں بھی ایسا نہیں بچا جس میں کرشن داس شاہ کے قدم نہ پہونچے ہوں، انھوں نے اپنے کام کے سلسلے میں میلوں سفر کیا اور ہر دیہاتی سے ملاقات کی اور اس کی تکلیف دُور کرنے کی سعی کرتے رہے۔ حالانکہ کرشن داس جی بمبئی میں رہتے تھے مگر انھوں نے کبھی بمبئی شہر کی صفائی کی طرف توجہ نہیں دی، ان کا مشن تو دیہاتوں کی صفائی پر مبنی تھا، مگر پھر بھی بمبئی کے مضافات میں جھونپڑیوں میں کرشن داس شاہ صفائی کے لئے وقت بے وقت حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ٹی۔ وی والوں نے اپنے پروگرام کے لئے کرشن داس شاہ سے درخواست کی، کرشن داس جی پہلے تو بہت گھبرائے اور کسی طرح راضی نہ ہوئے، آخر ٹی وی والوں کے سامنے بے بس ہو گئے۔ اب ان سے کہا گیا کہ ٹی وی پر رنگین کپڑے پہن کر کیمرہ کے سامنے آنا چاہیئے اس پر وہ ناراض ہوئے کیونکہ زندگی بھر انھوں نے صرف ایک ہی رنگ "سفید" پہنا تھا۔

شری کرشن داس شاہ چیچن تاراپور میں ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی سے اُصولی، سچے اور گاندھی جی کے اُصولوں پر پابند تھے۔ انھوں نے سیاست میں بالکل دلچسپی نہ لی ہمیشہ اپنے صاف صفائی کے کاموں میں مصروف رہے۔

نیرا اسکیم بنانے والے بھی کرشن داس شاہ تھے۔ کرشن داس جی کو روپے پیسوں کی کبھی فکر نہ رہی اور نہ حصولِ زر کے لئے انھوں نے کبھی کوشش کی۔

زندگی کے آخری سفر سے پہلے انھیں رتناگیری اور کولھاپور جانا تھا۔ مگر چونکہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے ان کے بھائی اور بھابی نے انھیں ۴۔۵ روز آرام کرنے کو کہا۔ لیکن چونکہ ان کی نس نس میں کام کرنے کی عادت تھی، وہ اپنے دورے پر روانہ ہوگئے۔

کرشن داس جی زندگی بھر اکیلے رہے۔ زندگی بھر محنت اور صفائی کی جوت جگاتے رہے۔ ایک سچے گاندھیائی کی حیثیت سے زندگی گذار کر ۱۳ر جون ۱۹۷۷ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ●●

(بقیہ صفحہ ۲ سے آگے)

ستائش کے قابل ہیں آپ کی کوششیں جن کی وجہ سے 'قومی راج' کا ہر شمارہ ایک نئے انداز سے نکل رہا ہے۔ پھر بھی اس میں کچھ تشنگی نظر آتی ہے۔ میری تجویز ہے کہ 'قومی راج' میں ایک نیا سلسلہ عوام کو حکومت کے مختلف شعبوں سے متعارف کرانے کا شروع کیا جائے۔ آج بھی ایسے شعبے جن سے عوام کا براہ راست تعلق ہے، عوام کے ذہن میں محفوظ نہیں رہتے، مثال کے طور پر ایمپلائمنٹ ایکسچینج آفس، محکمۂ سیر و سیاحت، فلم پبلسٹی، مہاراشٹر پبلک سروس کمیشن وغیرہ، ان آفسوں کے بارے میں جانکاری خاص طور سے لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ ایسے محکموں کے بارے میں متعارف کراتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ اس میں پڑھے لکھے نوکری کے خواہشمند نوجوانوں کے لئے وہ تمام تفصیلات مثلاً قابلیت، ضروری سرٹیفکیٹ وغیرہ بھی شامل ہوں تاکہ 'قومی راج' کا شمارہ اس طبقے میں بھی مشہور ہو سکے اور انھیں اپنے آپ کو ان آسامیوں کے لئے تیار کرنے کا موقع مل سکے۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ ادبی مضامین اور چٹکلوں کی شمولیت کھانے میں نمک کا کام دے سکتی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ تجاویز آپ کو پسند آئیں گی۔

محمد اقبال ایم۔ اے
کھاڈپاسٹریٹ، بمبئی ۳

مہاراشٹر کی پیشقدمی

کامیاب مہم

• ——— سری رام تریکاناڈ

محکمۂ صحت عامہ کے زیر نگراں ناگپور کے ویکسن انسٹی ٹیوٹ کو ریاستی ہیفکن بائیو کیمیکل کارپوریشن اپنے ہاتھوں میں لینے کا منصوبہ رکھتی ہے اس خبر سے اس تجارتی ادارہ کی بڑھتی ہوئی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اصل میں ہیفکن کارپوریشن سرکار کے زیر نگرانی کامیاب تجارتی اداروں میں سے ایک ہے جن پر لگائے گئے سرمائے کے عوض میں خاطر خواہ آمدنی بھی ہوئی ہے اس کے علاوہ متعدی اور وبائی بیماریوں پر قابو پانے کے لئے کافی مقدار میں ٹیکے تیار کرنے کے بنیادی مقصد کو بھی پورا کیا گیا ہے، جس کے لئے اس ادارہ کی تشکیل کی گئی تھی۔

پریل مرکزی بمبئی میں واقع ابتدائی ہیفکن انسٹی ٹیوٹ کو تین سال قبل ہی دو حصوں میں یعنی تحقیقاتی شاخ اور پیداواری شاخ میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ موخرالذکر کو بعد میں ہیفکن بائیو فارماسیوٹیکل کارپوریشن کے نام سے قائم کیا گیا اور اس کے تمام شیئرز حکومت کے پاس محفوظ ہیں۔

حالانکہ کارپوریشن کا رجسٹریشن ۱۸ر مارچ ۱۹۷۴ء میں ہوا لیکن ایک مطلق العنان ادارہ کی حیثیت سے اس نے یکم ستمبر ۱۹۷۵ء سے ہی کام کرنا شروع کیا۔ اس ادارہ کا بنیادی مقصد نہ صرف ریاست بلکہ پورے ملک اور بیرونی ممالک میں برآمد کرنے کیلئے ہیضہ اور پولیو کے ٹیکے بڑی تعداد میں تیار کرنا تھا۔

چنانچہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے فوراً بعد ہی ایک مطلق العنان ادارہ کی حیثیت سے کارپوریشن نے ایک زبردست پروگرام جاری کیا۔ اولڈ پولیو ویکسن بلڈنگ میں ایرکنڈیشننگ اور دیگر ساز و سامان و لوازمات کے ساتھ نئے شعبے قائم کئے گئے اور اکتوبر ۱۹۷۵ء سے یہاں کام کی ابتدا کی گئی۔ اس سے فوری فائدہ پیرینٹل سولیوشن (سالین اور انفیوجن پروجیکٹ) کی پیداوار میں اضافے کی شکل میں رونما ہوا یعنی ماہانہ پیداوار ۱۵۰۰ بوتلوں کے بجائے ۷۵۰۰ بوتلیں ہو گئی۔

نئی اورل پولیو ویکسن کی رصدگاہ کی عمارت بنائی گئی اور یہاں پیداوار کا کام اپریل ۱۹۷۶ء سے شروع کیا گیا۔

کارپوریشن سے اُمید تھی کہ وہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W.H.O) کی جانب سے مقررہ معیاری اورل پولیو ٹیکے کے ۳ کروڑ خوراک ادویہ ہر سال تیار کرے گی۔ (ماضی میں ہیفکن اور اس کے دیگر اداروں کی ڈبلیو ایچ او کے ماہرین نے معیاری پیداوار کی وجہ سے کافی ستائش کی تھی) پولیو ویکسن رصدگاہ ڈبلیو ایچ او سے ملنے والی ابتدائی رقم کے ساتھ ہی اپنا کام شروع کر دے گی۔

نومبر ۱۹۷۵ء میں جاری کردہ ایک نئے سیکشن نے INJECTABLE تیار کرنے کا کام شروع کر دیا ہے تاکہ پیتھیڈین انجکشن اور اٹروفن سلفیٹ انجکشن تیار کئے جا سکیں۔

بائیو فارماسیوٹیکل کارپوریشن کی تشکیل کے تحت حکومت کا مقصد مختلف ٹیکنولوجیکل رصدگاہوں کو کارپوریشن کی زیر نگرانی لانا تھا کارپوریشن نے پونے کے اسمال انڈسٹریز ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے پائیروجن یونٹ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اب کارپوریشن اس رصدگاہ کو INJECTABLE تیار کرنے کے لئے استعمال کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے۔ اور اس کے لئے آخری جگہ پمپری فارم چننے کی تجویز ہے۔

پچھلے سال ہی کارپوریشن نے مہاراشٹر ماہی گیری ترقیاتی کارپوریشن سے اس کی ماہی گیری ٹیکنولوجیکل رصدگاہ کو اپنی نگرانی میں لے لینے کے سلسلے میں ساری گفتگو مکمل کر لی ہے اور جلد ہی اس کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ اس یونٹ سے شارک لیور آئل اور مچھلی کے تیل سے متعلق دیگر ضمنی پیداوار میں اضافہ کیا جائے گا۔ اس یونٹ کو لے لینے کے بعد اعلیٰ پیمانے پر ٹانک، اورل وٹامن، کھانسی مکسچر، آنکھ اور کان کی دوائیاں برائے فروخت تیار کی جا سکیں گی۔

سال برائے ۷۸-۱۹۷۷ء کے پروگرام میں ہافکن کے سائنسدانوں کے ذریعے تجارتی ترقیات کے لئے سائنٹیفک ایجادات بھی شامل ہیں مثال کے طور پر انھوں نے کامیابی کے ساتھ گما کلوبولن اور ریٹیرو پلیسنٹل خون تیار کرنے کا طریقہ کار ایجاد کیا ہے جس کی بناء پر کارپوریشن کے سائنسدانوں نے ایسی دو چیزوں کو قابل استعمال بنا دیا جو کہ ہمیشہ بے مصرف سمجھ کر ضائع کر دی جاتی تھیں اس طرح یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ گما کلوبولن کی قیمت میں بھی کمی پیدا کی جا سکے گی اس سال پروجیکٹ کے اختتام پر GAMMA GLOBULIN کے سالانہ ۱۰,۰۰۰ انجکشنوں کے بجائے ۵۰,۰۰۰ معیاری انجکشن تیار کرنے کی امید ہے۔

ہیفکن کارپوریشن نے بچوں کے لئے ایک کروڑ ٹریبل اینٹیجن کے ڈوسیس تیار کرنے کی اسکیم مرتب کی ہے تاکہ ڈفتھیریا، کالی کھانسی، ٹیٹانس

وغیرہ کے لئے نئے فرمنٹیشن طریقے سے زیادہ سے زیادہ بچوں کو ٹیکے دیئے جاسکیں۔ اسّی لاکھ روپے کی مالیت کے اس پروجیکٹ کے سلسلہ میں مرکز کی مدد کی بھی اُمید ہے نیز دو مراحل میں پورے ہونے والے اس پروجیکٹ کو ڈبلیو۔ ایچ۔ او، کی جانب سے بھی صنعتی پیمانے پر فرمنٹیشن ٹیکنالوجی میں کارپوریشن کے سائنس دانوں کو تربیت دینے کی شکل میں امداد ملےگی اس کے علاوہ کارپوریشن اینٹی ریبک ویکسین کے بجائے بےٹا پروپلو لیکٹن، کاربولائیزڈ طریقے سے بنائے گئے ٹیکے جوکہ زیادہ موثر ہوتے ہیں اور جن کی خوراک اول الذکر کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے، تیار کرنے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ اس طرح سے کارپوریشن اپنی موجودہ پیداوار جوکہ سالانہ پچاس لاکھ خوراکوں پر مشتمل ہے، اس سے دوگنی تعداد کو فائدہ پہنچا سکے گی۔

خسرہ کے ٹیکے

اب تک ملک میں بچوں کو خسرہ سے بچانے کے لئے کسی قسم کے ویکسین دستیاب نہیں تھے۔ اب ہیفکن انسٹی ٹیوٹ کی تجویز ہے کہ ویکسین تیار کرنے کا کام شروع کیا جائے۔ ابتداء میں بیرونی ممالک سے ویکسین کی ۱۰ لاکھ خوراکیں درآمد کی جائیں گی اور جانچ کے بعد یہ اندازہ کیا جائے گا کہ مقامی بازاروں میں ان کی کتنی مانگ ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد ویکسین اکٹھا منگائی جائے گی اور ملک میں فروخت کے لئے مقامی طور پر بتدریج تیار کی جائے گی۔ اس اسکیم کی شروعات ہونیوالی ہے اور ۱۹۸۰ء تک مکمل ہونے کی اُمید ہے۔

اس اثناء میں کارپوریشن دیہی علاقوں کی جانب توجہ دے گی، تاکہ موثر طریقے پر وہاں کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ اس سلسلے میں جلگاؤں میں ایک پلانٹ قائم کرنے کا ارادہ ہے تاکہ عام ضرورت کی گولیاں، کیپسول اور مرہم تیار کیئے جاسکیں۔

یہ پلانٹ ایک ضمنی کمپنی جو ویسٹرن مہاراشٹر ڈیویلپمنٹ کارپوریشن کے اشتراک سے جاری کی جائے گی۔ اس پروجیکٹ کے لیئے ریاستی حکومت کی منظوری ملنے کا انتظار ہے اور توقع ہے کہ ۱۹۷۹ء میں پورے زور و شور سے جاری ہو جائے گا۔

ہیفکن کارپوریشن کا ایسی بنیادی دوائیں کیمیاوی طریقے سے تیار کرنے کا بھی منصوبہ ہے جو تپ دق، جزامی، چھوت کی بیماری، ملیریا، پیچش وغیرہ کے لئے استعمال کی جاسکیں۔

یہ تجویز ہے کہ اس یونٹ کو ریاست کے ترقی پذیر علاقے ناندیڑ میں قائم کیا جائے تاکہ پسماندہ علاقوں کے عوام کی ضرورت کو پورا کیا جاسکے۔ ریاستی قانون ساز اسمبلی میں ہیفکن بائیو فارماسیٹیکل کارپوریشن سے متعلقہ بل پیش کرنے پر اس وقت کے وزیر برائے صحت عامہ نے فرمایا تھا کہ اس تجارتی ادارہ کو قائم کرنے کا مقصد محض دوا میں خودکفالتی پیدا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ عوام کو مناسب قیمتوں پر آسانی کے ساتھ ادویہ کی فراہمی بھی ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ جس مقصد کے لئے یہ کارپوریشن قائم کی گئی تھی دو سال کی قلیل مدت میں ہی یہ اپنے مقاصد کو پالینے میں کامیابی کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

★

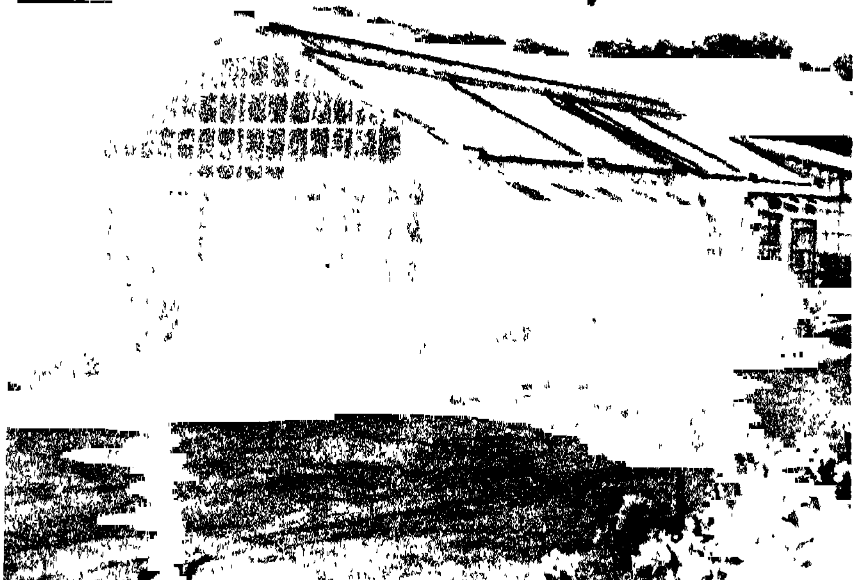


مسز نیلم راؤ راکھے، وزیر آب بندی، ۱۲ جولائی کو منترالیہ میں منعقدہ ضلع نشہ بندی پرچارک و آبکاری افسران کے اجلاس سے خطاب فرما رہے ہیں۔ وزیر مملکت برائے شراب بندی، ڈاکٹر لیون ڈیسوزا بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں۔

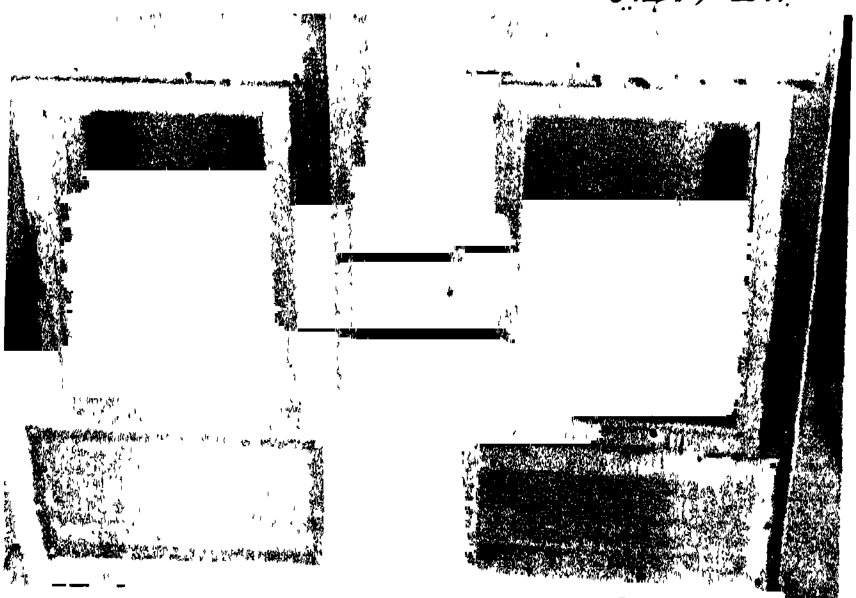
توجہ، راج

مدھو شیٹے
نامہ نگار خصوصی، پیٹرمابٹ اورلنگ

گیہوں ریسرچ سینٹر - مہابلیشور



سینٹر میں "شیش خانہ"۔ یہاں خاص اہتمام سے گیہوں کے ایسے اقسام کے پودوں کی نشوونما کی جاتی ہے جن پر پھپھوند اثر انداز نہ ہو۔ نیچے خانوں میں پھپھوندی دار پودے نظر آرہے ہیں۔



مہاراشٹر کے پہاڑی مقامات کی ملکہ مہابلیشور کے پُرسکون و پُرفضا ماحول میں ایک منصوبہ کے تحت بڑی خاموشی سے کام ہو رہا ہے جو قومی معیشت کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ہے مہابلیشور میں واقع "گیہوں ریسرچ سینٹر"۔

اس سینٹر میں ابتک پندرہ بیس اقسام کے پودوں کی نشوونما کی گئی ہے جن پر پھپھوند کا اثر نہیں ہوتا اور گیہوں جیسی ضروری فصل تمام پھپھوند کے حملہ اور تباہی سے محفوظ رہتی ہے۔

اس حقیقت کے مدنظر کہ اس قسم کے پھپھوند سے محفوظ پودوں کو پروان چڑھانے میں عموماً تقریباً دس سال لگتے ہیں، گیہوں کی قیمتی فصل کو بچانے میں سینٹر کی کارگذاری قابل تعریف ہے۔ یہ انکشاف بھی یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا کہ کس طرح مائیکرو ماہرین اور زراعتی سائنس دانوں نے یہ منصوبہ وضع کیا اور کس طرح یہ خاموشی سے قومی معیشت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

یہاں شیش خانہ (گلاس ہاؤس) میں بیج اور اس سے پودے پیدا ہونے کے مرحلے تک درجہ بندی کر کے ان کی پرورش کی جاتی ہے اور تمام احتیاطی تدابیر عمل میں لائی جاتی ہیں۔ یہ سینٹر مہابلیشور پہاڑ کی چوٹی پر ڈیڑھ ہزار میٹر سے زیادہ کی بلندی پر واقع ہے اور اس کی فضا گیہوں کے پودوں پر تجربات کے لئے بہت موافق ہے۔

۱۹۴۱ء میں ایک منصوبہ کے تحت گیہوں کی فصل کو بچانے کے لئے سائنس دانوں اور



← شیش خانہ میں گیہوں کے ایسے پودے رکھے ہیں جنھیں پھپھوند کی بیماری سے بچانے کے لئے ٹیکہ دیا گیا ہے



← گیہوں کے اقسام کی جانچ کی جارہی ہے۔

•

ان ضرر رساں جراثیم کے درمیان جنگ شروع ہوئی، جس کے لئے انڈین کونسل آف ایگریکلچرل ریسرچ، نئی دہلی اور سابق حکومت بمبئی نے مشترکہ طور سے مالی امداد دی تھی۔ پھپھوند سے محفوظ گیہوں کی ایسی اقسام کی جستجو اور نشوونما کے مقصد سے یہ سینٹر مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، گجرات، کرناٹک اور آندھرا پردیش کے لئے کام کررہا ہے۔ شمالی ہند کے لئے شملہ میں ایسا دوسرا مرکز کام کررہا ہے۔

ہندوستان میں 'تمبیرا' (پھپھوندی) فصلِ گیہوں کی خاص بیماری ہے اور بڑی تباہی لاتی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۶۵ء میں ملک میں اس بیماری کے باعث ۲۹ کروڑ روپے مالیت کی گیہوں کی فصل برباد ہوئی۔ ہندوستان میں پھپھوندی کی تین اقسام ہیں جو گیہوں کی فصل پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ یہ اقسام ہیں: سیاہی مائل پھپھوندی، گلے سڑے پتہ دار یا کتھئی پھپھوندی اور زرد یا پٹی دار پھپھوندی، بہرحال مہاراشٹر میں سیاہی پھپھوندی یا پتے دار کتھئی پھپھوندی گیہوں کی فصل پر حملہ آور ہوتی ہے۔

گیہوں مہاراشٹر کی ایک اہم غذا ہے اور فی الحال تقریباً دس لاکھ ہیکٹر پر اس کی کاشت ہوتی ہے۔ شمالی ہند میں شربتی گیہوں کی فصل عموماً اگائی جاتی ہے جبکہ مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، گجرات اور کرناٹک میں بخشی قسم بوئی جاتی ہے یہ گیہوں کی اعلیٰ قسم سمجھی جاتی ہے۔ ایک اور تیسری قسم 'کھاپلی' ہے جو مہاراشٹر، کرناٹک، آندھرا، اور تامل ناڈو میں بوئی جاتی ہے۔

مہاراشٹر میں سیاہ 'تمبیرا' (پھپھوندی) جس کی ۲۲ اقسام ہوتی ہیں گیہوں کی فصلوں کی اصل دشمن ہے، جبکہ شمالی ہند میں زرد 'تمبیرا' فصلوں کو زبردست نقصان پہنچاتی ہے۔ ریاست کے ضلع ناسک میں واقع نیپھڑ میں قائم ایک دوسرے مرکز پر گیہوں کی اقسام کو اس بیماری سے بچانے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔

شری ایس. کے رودنیکر، مائیکرو لوجیکس انچارج آف دی رسٹ سینٹر، مہابلیشور کا خیال ہے کہ 'زرد تمبیرا' ہمالیہ کی ترائی سے پھیلتی ہے اور جنوب میں واقع نیلگری سلسلہ کوہ سے چلنے والی تیز ہواؤں کے ساتھ سیاہ 'تمبیرا'، جنوبی ہند بشمول مہاراشٹر پھیلتی ہے۔ نومبر میں بارش ہوجائے تو اس وبا کے پھیلنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

••

ترسیلِ زرِ مراسلت کا پتہ: چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

● ایم. دی. ساٹھی. ایڈوکیٹ، سپریم کورٹ، ممبئی

قابلِ دست اندازی اور ناقابلِ دست اندازی جرائم

ترجمہ: عبداللہ عبدالخالق

"قابلِ دست اندازی جُرم" کا مطلب ایسا جُرم ہے جس میں پولس افسران کو اختیار ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو، جس کا تعلق کسی جرم سے ہو، یا جس کے تعلق رکھنے کی بابت علم یا اطلاع ہو یا تعلق رکھنے کا شبہ ہو، بغیر کسی وارنٹ اور بغیر مجسٹریٹ کے حکم کے، گرفتار کرلے۔ جبکہ ناقابلِ دست اندازی جرم، ایسا جرم ہے، جس میں پولس افسروں کو بغیر وارنٹ کے کسی کو گرفتار کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اوّل الذکر معاملات میں پولس افسران اپنے تئیں حق قانونی کا استعمال اور پیش قدمی، اور بذاتِ خود تحقیقات کا آغاز کرسکتے ہیں جبکہ موخرالذکر درجے کے جرائم میں انھیں بذاتِ خود حق قانونی کے استعمال کا اختیار نہیں ہوتا، اور نہ وہ پیشقدمی یا تحقیقات کا آغاز کرسکتے ہیں تاوقتیکہ انھیں ایسا کرنے کا اختیار نہ دیا جائے یا بااختیار مجسٹریٹ ہدایت نہ دے۔ بعض اوقات تو کہا جاتا ہے کہ وہ مجسٹریٹ کی خدمت میں اس کی رپورٹ تک نہیں دے سکتے۔ پولس افسران، بس شکایات کا اندراج اور فریقین کو مجسٹریٹ کے رُوبرُو عدالت میں مناسب چارہ جوئی کی ہدایت کرسکتے ہیں، بعض اوقات، کوئی معاملہ ایک یا زیادہ جرائم پر مشتمل ہوتا ہے جن میں سے کم از کم ایک قابلِ دست اندازی ہوتا ہے۔ اس حالت میں پورا معاملہ قابلِ دست اندازی شمار ہوگا، باوجودیکہ دوسرے جرائم ناقابلِ دست اندازی ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض اوقات پولسِ افسران کو، بعض خاص قوانین کے تحت اختیارات دیئے جاتے ہیں کہ مجرموں کو اُن قوانین کے تحت بغیر وارنٹ کے گرفتار کرلیں۔

یہاں پولس آفیسر سے مُراد وہ لوگ ہیں جو پولس اسٹیشن کے انچارج ہوں یا وہ جنھیں خاص طور سے اختیار عطا کیا گیا ہو، اور قدرتی طور پر وہ بلند مرتبہ اور اچھا تجربہ رکھنے والے افسر ہوں جنھیں لوگوں کو وارنٹ کے بغیر گرفتار کرنے کا فرض یا اختیار سونپا گیا ہو، اس لئے کہ کسی شخص کی آزادی بغیر کسی قانونی سبب کے، سلب نہیں کی جاسکتی، تاوقتیکہ اس کے لئے کوئی معقول یا مناسب وجہ یا بنیاد نہ ہو۔ ان افسران کو ایسے معاملات پر تمام زاویوں سے غور کرنا پڑتا ہے اور کسی شخص کو وارنٹ کے بغیر گرفتار کرنے سے پہلے قوتِ فیصلہ اور سوجھ بوجھ سے کام لینا ہوتا ہے۔ اگر بلاوجہ اور بے ضرورت بعض اشخاص کی آزادی کو خطرے میں ڈالا گیا تو بعض حالات میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر پولس افسران اور ریاستی حکومت کے خلاف نقصانات کے لئے مقدمات دائر کردیئے جائیں۔

فہرست معاملات

یہ اختیارات واقعی غیر مشروط اور قانوناً غیر مجاز ہوتے ہیں۔ لیکن شہریوں کے مفاد کے لئے اور اُن کی املاک کی حفاظت کے پیش نظر و نیز ریاست کی سلامتی کے لئے یہ ضروری ہیں۔ کچھ ان معاملات کی فہرست ذیل میں درج ہے جن کے سلسلے میں پولس افسروں کو یہ اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ کسی بھی شخص کو بنا کسی مجسٹریٹ کے حکم یا وارنٹ کے گرفتار کرسکتے ہیں۔

(۱) ایسے اشخاص جن کا تعلق کسی بھی قابلِ دست اندازی جرم سے ہو یا جن سے تعلق رکھنے کی بابت علم یا اطلاع ہو یا تعلق کا شبہ ہو۔

(۲) ایسے اشخاص جو نقب زنی کے ساز و سامان پر غیر قانونی طور سے قابض ہوں۔

(۳) ایسے اشخاص جن کو ریاستی یا مرکزی حکومت کے احکام کے تحت مجُرم قرار دیا گیا ہو۔

(۴) ایسے اشخاص جن پر چوری کے اسباب رکھنے کا شُبہ ہو۔

(۵) ایسے اشخاص جو پولس افسروں کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں رکاوٹیں ڈالتے ہوں۔

(۶) ایسے اشخاص جو قانونی تحویل سے نکل بھاگے ہوں یا جو کسی بھی مسُلح افواج کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔

(۷) ایسے اشخاص جو ہندوستان میں ارتکابِ جرم میں ملوث ہوں اور جو قابلِ اعتراض مانا گیا ہو اور جن کا تحویلِ مجرمین قانون کے تحت حراست میں لئے جانا یا ہندوستان کی حوالات میں بند رکھے جانا ناگزیر ہو۔

(۸) ایسے اشخاص جن کو سزایاب ہونے کے بعد رہا کردیا گیا ہو اور

جو کسی ایسے جرائم کا دوبارہ ارتکاب کر بیٹھے ہوں جن کا ذکر کوڈ آف کریمنل پروسیجر کے دفعہ (۵) ۳۵۶ میں ہے۔

(۹) ایسے اشخاص جن کی گرفتاری کے لئے زبانی یا تحریری درخواست کسی پولیس افسر کی طرف سے کی گئی ہو۔

(۱۰) ایسے اشخاص جو عادی لٹیرے، نقب زن، چور یا جعل ساز وغیرہ ہوں۔

ہنگامی حالات کے وقت یا جب پولیس اسٹیشن کے انچارج افسران مصروف ہوں، وہ اپنے ماتحت اشخاص کو بغیر کسی وارنٹ کے ایسے افراد کو گرفتار کرنے کے لئے متعین کر سکتے ہیں۔ یعنی وہ یہ اختیارات اپنے ماتحت اشخاص کو سونپ سکتے ہیں، لیکن ایسے معاملے میں ان کو ایک ہدایتی راستہ اپنانا پڑتا ہے یعنی یہ کہ ایسے احکامات تحریری طور پر دیئے جانے چاہئیں، اس لئے کہ بعض دفعہ ان اختیارات کو غلط طور پر استعمال میں لیا جا سکتا ہے۔ ایسے افسران بوقتِ ضرورت ایسے احکام کو بتلا سکتے ہیں تاہم اگر پولیس افسران یا ان کے ماتحت اشخاص کوئی حقیقی غلطی کے مرتکب ہو جائیں اور غلطی سے کسی شخص کو گرفتار کرلیں تو اُن کی قانونی طور پر حفاظت کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اُن سے یہ غلطی اپنے صحیح فرائض کی انجام دہی اور صدقِ نیت سے ہو گئی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ پولیس افسران کو جتنے حقائق اور اسباب جو ان کے سامنے ہوں، پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ بغیر وارنٹ کے گرفتار کئے گئے کو ہمیشہ مجسٹریٹ کے سامنے مقدمہ کے وقت للکار دیا جاتا ہے۔ اُن کے جمع کئے گئے مواد یا ثبوت کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور مجسٹریٹ کو اس بات کا اطمینان دلانا پڑتا ہے کہ پولیس افسروں نے صحیح اور درست کارروائی کرنے میں مستعدی سے کام انجام دیا ہے۔

انسدادی کارروائی

مزید یہ کہ پولیس افسروں کو بہت وسیع اختیارات حاصل ہیں تاکہ وہ قابلِ دست اندازی جرائم کے ارتکاب کے تدارک کے لئے انسدادی کارروائی کریں، وہ ایسے شخص کو ۲۴ گھنٹے تک زیر حراست رکھ سکتے ہیں۔ اگر ایسے شخص کو ۲۴ گھنٹوں سے زیادہ مدت تک حراست میں رکھنا ہو تو پولیس افسروں کو تحریری طور پر اپنے قریب کے کسی مجسٹریٹ کی اجازت لینا پڑتی ہے۔

اگر کسی شخص کو بنا کسی معقول سبب سے ۲۴ گھنٹوں سے زائد مدت تک روکا رکھا گیا یا ۲۴ گھنٹوں سے زائد مدت تک کسی مجسٹریٹ سے احکام حاصل کئے بغیر روکا گیا تو ایسی حراست ہمیشہ غیر قانونی مانی جاتی ہے اور متعلقہ افسر کے خلاف نقصانات کا مقدمہ انفرادی طور پر یا ریاستی حکومت کے خلاف دائر کیا جا سکتا ہے۔

اوّل معلوماتی رپورٹ

پولیس افسروں کو قابلِ دست اندازی جرم کے ارتکاب کی معلومات تحریری طور پر مختصراً لکھ لینا پڑتی ہے۔ اس پر خبر دینے والے یا شکایت کرنے والے کی دستخط لینا پڑتی ہے۔ اسے عام طور پر اول معلوماتی رپورٹ یعنی F.I.R (FIRST INFORMATION REPORT) کہتے ہیں۔ اس رپورٹ پر پولیس اپنی تحقیقات شروع کر دیتی ہے۔ یہ ایف آئی آر بہت ہی اہم دستاویز ہوتی ہے اور اُسے ثبوت کے طور پر، تصدیق یا تائیدی شہادت کے طور پر یا اطلاع دینے والے شخص کی شہادت کی تردید کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اُسے کسی دوسرے گواہ کی بے اعتباری ثابت کرنے کیلئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اب تعزیری قانون حرکت میں آجاتا ہے اور پولیس ملوث شدہ اشخاص اور ان کی مجرمانہ حرکت کی کھوج میں لگ جاتی ہے۔ یہ رپورٹ پہلی فرصت میں ہی ریکارڈ کر لی جانی چاہیئے تاکہ حقائق پر بعد میں گرد نہ پڑ جائے یا اس کو کسی طرح سے نمک مرچ لگا کر پیش نہ کیا جا سکے۔ اگر اس معلومات کو ریکارڈ کرنے میں کوئی تاخیر ہو رہی ہو تو اُسے واضح کر دینا چاہئے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ان رپورٹوں کے بارے میں شکوک بڑھ جائیں گے اور ملزم کو شک کا فائدہ دینا پڑ جائے گا۔ بعض دفعہ ٹیلیفون پر موصول ہوئے پیغام کی وجہ سے بھی پولیس مشنری حرکت میں آجاتی ہے۔ تاہم ایسے تمام اشخاص کو جو رپورٹ دیتے ہیں، انھیں گواہ کے طور پر جانچنا پڑتا ہے، ورنہ ایسی ایف۔ آئی۔ آر (F.I.R.) کو ثبوت کے طور پر بالکل پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

پولیس افسروں کو ایسی رپورٹوں کی کاپیاں ان مجسٹریٹوں کے پاس بھیجنی پڑتی ہیں جن کو ایسے جرائم کے سلسلہ میں قابلِ دست اندازی کے اختیارات دیئے گئے ہیں اور پھر ان کو حقائق اور حالات کی کھوج میں آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اور اگر ضرورت پیش آجائے تو ان کے پاس اختیارات ہوتے ہیں، جن کے تحت وہ قانونی کارروائی کر کے مجرموں کا پتہ لگا سکتے اور ان کو تحت حراست میں رکھ سکتے ہیں۔ یہ مجسٹریٹ اپنے اضلاع میں جرم کے خاتمے کے لئے ابتدائی طور پر ذمہ دار ہوتے ہیں پس مجسٹریٹ تحقیقات پر اپنا کنٹرول رکھ سکتا ہے۔

دلچسپ معاملات

اس ضمن کے تحت بہت سے دلچسپ حالات بھی پیش آچکے ہیں۔

(۱) ایک معاملے میں ایک ہاتھ گاڑی والے نے ایک بچے پر گاڑی

(بقایا صفحہ ۱۵ پر)

زمین کی خریداری

مسٹر جے. بی کرندیکر
ڈپٹی سکریٹری محکمۂ محصول، جو کہ
زمین سے متعلق معاملات کے قوانین
کی عمل آوری سے منسلک ہیں۔

جہاں ملک عام پابندی کے ذریعہ ایک غیر کاشتکار کو زراعتی اراضی خریدنے پر بھی ہے۔ تاہم اس میں ایک گنجائش یہ ہے کہ کوئی بھی فروخت بشمول دیوانی عدالت کی ایک ڈگری پر عمل آوری کے لئے یا زمین محصول کے بقایاجات کی وصولی کی غرض سے تبدیلی یا پھر کسی بھی زمین کی یا زمین رہن رکھنے پر آنے والے سود (جہاں پر جائیداد کا قبضہ رہن رکھنے والے کو دیا جاتا ہے) وہ کسی بھی غیر کاشتکار کے لئے جائز نہیں ہوگی۔ غیر کاشتکار شخص سے مراد ہے کہ ریاست میں اس کے پاس کوئی بھی زراعتی زمین نہیں ہے بطور مالک کے یا پھر کے۔ اگر ایک غیر کاشتکار زراعتی اراضی حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو اس کو کلکٹر سے اجازت حاصل کرنی ہوتی ہے کہ وہ کاشتکاری کے پیشے کو اپنانا چاہتا ہے اور زمین پر بذات خود کاشت کرنے کے قابل ہے (دیکھئے سیکشن ۶۳ آف بی۔ ٹی اور اے ایل ۔ ایکٹ' بابت ۱۹۴۸ء اور اس کے تحت دوسرے میں ایسی ہی گنجائشیں دیگر دوسرے قوانین میں)

اسی طرح دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی غیر کاشتکار زراعتی مقاصد کے لئے زمین حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو ضروری سرٹیفکیٹ کے لئے کلکٹر کو درخواست دینی ہوتی ہے اسی طرح زمین فروخت کرنے والے کو بھی غیر کاشتکار کے ہاتھوں زمین فروخت کرنے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ان دونوں درخواست کنندوں کو کلکٹر ایک ساتھ سنتا ہے تب وہ طے کرتا ہے کہ اس کے سامنے موجود تمام شہادتوں کے مطالعہ کے بعد اجازت عطا کرے یا نہ کرے۔ بہرحال یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ اگر کوئی غیر کاشتکار جس کی کسی بھی ذرائع سے سالانہ آمدنی ۱۲۰۰۰ روپے یا اس سے زائد ہے۔ اس پر زراعتی مقاصد سے اراضی حاصل کرنے پر پوری طرح سے پابندی عائد ہے۔

جہاں زمین کی ضرورت غیر زراعتی مقاصد کے لئے ہو

بہرحال جہاں ایک غیر کاشتکار کو غیر زراعتی استعمال کے لئے زمین درکار ہے تو کلکٹر بعض شرائط و ضوابط کے تحت ضروری سرٹیفکیٹ عطا کرتا ہے۔ اس کے لئے ایک خاص شرط ہے عمارت سازی کی مدت عام طور پر جو زمین خاص کر غیر زراعتی مقاصد کے لئے حاصل کی گئی، اس کے لئے ضروری ہے کہ جس تاریخ کو اجازت لی گئی ہے اس سے ایک سال کے اندر اس مقصد کے لئے اس کا استعمال شروع ہوجانا چاہئے۔ بہرحال اس مدت میں کلکٹر پانچ سال تک کی توسیع کرسکتا ہے۔ جہاں پر وہ شخص پانچ سال کے اندر اس خاص مقصد کے تحت زمین کا استعمال نہیں کرتا تو کلکٹر مزید توسیع کی اجازت دے سکتا ہے اگر اس کو اطمینان ہو کہ یا خبر خریدار کے بس کے باہر کی بات تھی۔

جرمانے

اگر کوئی شخص اپنی زمین منتقل کرنے سے قبل کلکٹر کی ضروری اجازت حاصل کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو اس کا سودا غیر قانونی قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے معاملات میں تحصیلدار کے لئے ضروری ہے کہ تحقیقات کرے اور اگر وہ دیکھتا ہے کہ یہ منتقلی غیر قانونی ہے تو وہ اس منتقلی کو غیر قانونی قرار دینے والے احکامات صادر کرتا ہے۔ ایسے احکامات کے بعد زمین بحق سرکار ضبط کرلی جاتی ہے منتقل کرنے والے کو جو رقم سودے میں ملتی ہے وہ بھی بحق سرکار ضبط کرلی جاتی ہے۔

جن شرائط کے تحت اجازت دی گئی ہے، اگر ان کی شرائط کی خلاف ورزی کی گئی ہو، اس صورت میں بھی زمین بحق سرکار ضبطی کے زمرے میں آجاتی ہے۔

جہاں ایک شخص غیر زراعتی یا صنعتی استعمال کے لئے زمین حاصل کرتا ہے اس کو کلکٹر کی جانب سے منظور شدہ مقررہ مدت میں اجازت کردہ استعمال میں لے آنا ضروری ہے۔ ایسی زمین کو استعمال میں لانے سے قبل اس کو کلکٹر سے اراضی محصول کوڈ کے سیکشن ۴۴ کے تحت اجازت حاصل کرنا ہوگی جس کے لئے مقررہ فارم پر درخواست دینی ہوتی ہے۔ اگر کلکٹر درخواست

وصول ہونے کے ۹۰ دن کے اندر اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو اجازت منظور ہونا سمجھا جاتا ہے۔

کنسالیڈیشن آف ہولڈنگز ایکٹ کے تحت پابندیاں

بمبئی پریونشن آف فریگمینٹیشن اینڈ کنسالیڈیشن آف ہولڈنگز ایکٹ بابت ۱۹۴۷ء کے تحت لگی پابندیاں دو طرح کی ہیں۔ اول قانون ٹکڑے کرنے اور موجودہ ٹکڑوں کو منتقل کرنے پر پابندی عائد کرتا ہے۔ ٹکڑے کا مطلب زمین کا ایک ٹکڑا جو کہ اسٹینڈرڈ رقبے سے کم ہو اور مقامی علاقے کے لئے مقررہ ہو۔ ریاست کے مختلف علاقوں میں اسٹینڈرڈ علاقہ مقرر کیا ہوا ہے۔ میونسپل علاقوں (چاروں طرف کی دو میل پٹی) کو مقامی علاقے سے الگ رکھا گیا ہے۔ ہر ایسے مقامی علاقے کے لئے مختلف درجوں کی زمین کے لئے اسٹینڈرڈ رقبہ مقرر کردہ ہے۔ مثال کے طور پر باغایت زمین یا چاول زمین کے لئے اسٹینڈرڈ رقبہ عام طور پر ۲۰ صفر ہیکٹر (۳ گنٹھے) ہیں جبکہ جیرایت یا خشک فصلی زمین کے لئے عام طور پر ۴۰ صفر سے ۲ء۱ ہیکٹر (۳ سے ۱۱ ایکڑ) پر مشتمل ہوتا ہے۔

زمین کی منتقلی یا ضمنی تقسیم جس سے ایک قطعہ کی تخلیق ہو قانوناً جائز نہیں ہے اسی طرح اسٹینڈرڈ علاقے کے نوٹیفکیشن کے بعد اور یہ حقیقت کہ ایک مخصوص قطعہ اراضی ایک الگ کیا ہوا ٹکڑا ہے اور زمین کے حقوق کے ریکارڈ میں درج ہے اور اس سلسلہ میں ایک قطعہ نوٹس مقررہ طریقہ کے تحت جاری کی گئی ہے تو ایسا کوئی بھی قطعۂ اراضی فروخت یا منتقل نہیں کیا جا سکتا سوائے ملحقہ زمین کے مالک / کرایہ دار کے، بہرحال یہ ریاستی حکومت کو منتقل کی جا سکتی ہے۔

ایکٹ کی دوسری دفعات موضع جات میں چک بندی اسکیموں میں نافذ کی جاتی ہیں جن کو ان مقاصد کے تحت نوٹی فائز کیا گیا ہے۔ اب تک ایسی اسکیمیں ۳۰۷،۱۴۳ موضع جات میں نافذ کی گئی ہیں جن کے تحت ۶۵ء۱۲۱ لاکھ ہیکٹر اراضی آتی ہے۔ چک بندی اسکیم کے تحت ایسے شخص جس کے پاس گاؤں میں الگ ٹکڑوں میں بکھری زمین کے

زمین کے خریداروں کے لئے گائڈ لائن

اس طرح سے ہم نے دیکھا کہ عام طور پر درجہ دوئم کے قبضہ داروں کے معاملات میں کلکٹر کی اجازت پہلے حاصل کرنا ضروری ہوتی ہے۔ ایسی زمین کی منتقلی سے قبل، ادیباسیوں کی زمینوں کے سلسلہ میں بھی خصوصی پابندیاں ہیں۔ ساتھ ہی ایک غیر کاشتکار جس کی سالانہ آمدنی کسی بھی ذرائع سے ۱۲، روپے سے زائد ہے اس کو بھی زراعتی مقاصد سے زمین حاصل کرنے پر پابندی ہے اسی طرح جس گاؤں میں چک بندی اسکیم نافذ ہے تو منتقلی پر بذات خود پابندی عائد ہو جاتی ہے۔ اور اس گاؤں کی کوئی بھی زمین منتقل نہیں کی جا سکتی، اور نہ ہی تقسیم کی جا سکتی ہے، سوائے تحصولی عہدیداروں کی پیشگی اجازت کے۔

ٹکڑے ہیں اس کو ایک یا زائد بلاک میں متبادل زمین دی جاتی ہے۔ اسی طرح ٹکڑے کرنے کی ہمت شکنی کی کوشش کی جاتی ہے متبادل زمین جس کو دی جاتی ہے اسکیم کے تحت وہ چک بندی بلاک یا گٹ، کہلاتی ہے ایسے چک بندی بلاک یا گٹ، محصول عہدیداروں کی اجازت کے بغیر دوبارہ تقسیم یا منتقل نہیں کئے جا سکتے۔ بلاک کی دوبارہ تقسیم کی اجازت ڈویزنل کمشنر دیتا ہے جبکہ بلاک کی منتقلی کی اجازت کلکٹر یا محصول سب ڈویژن کا انچارج سب ڈویزنل افسر دیتا ہے۔

ادیباسیوں سے متعلق زمینوں پر خصوصی پابندی

ادیباسیوں سے متعلق بھی بعض خصوصی قاعدے ہیں۔ دستور کے آرٹیکل ۳۴۲ کے تحت اس ریاست میں کئی فرقوں کو بطور شیڈیولڈ ٹرائبس کے اطلاق ہوا ہے۔ عام طور پر ان فرقوں کو مقررہ علاقے میں شیڈولڈ ٹرائبس گردانا جاتا ہے۔ بہرحال اراضی محصول کوڈ میں ۱۹۷۴ء میں جو ترمیم کی گئی تو ادیباسیوں کی ملکیت کی زمینوں کی منتقلی سے متعلق پابندیاں تمام ادیباسی مالکان زمین (جہاں بھی ہوں) ریاست میں جہاں بھی رہتے ہوں یا زمین رکھتے ہوں پر بھی نافذ کر دی گئیں۔

ان زمینوں کے بارے میں پابندیاں دو طرح کی ہیں۔ اول، اگر کوئی ادیباسی اپنی زمین کسی دوسرے ادیباسی کو منتقل کرنا چاہے تو اس کو کلکٹر کی اجازت لینی ہوگی۔ اگر وہ ایسی اجازت لینے میں ناکام رہا تو منتقلی غیر قانونی قرار دی جائے گی اور کوڈ کے سیکشن ۳۶ (۳) کے تحت منتقل کار یا اس کا وارث اپنے

مفاد میں منتقلی کی تاریخ سے دو سال کے اندر ایسی زمین کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کلکٹر سے رجوع کر سکتا ہے دوسرے اگر کوئی ادیباسی اپنی زمین کسی غیر آدیباسی کو منتقل کرنا چاہے تو دوسری طرح کی پابندیاں اس پر نافذ ہوتی ہیں۔ ایسے معاملات میں یعنی جس کو زمین منتقل کی جاتی ہے اگر وہ غیر ادیباسی ہے تو اسے کلکٹر سے ضروری اجازت حاصل کرنا ہوگی۔ ایسی اجازت عطا کرنے سے قبل

بہر حال کلکٹر اپنا اطمینان کرے گا کہ کوئی دیگر قبائلی گاؤں میں قیام پذیر نہیں ہے یا اس گاؤں کے پانچ کلومیٹر کے حلقہ میں ایسا کوئی قبائل نہیں ہے جو غیر قبائلی کی پیش کردہ رقم کے برابر رقم پر زمین خریدنے کا خواہش مند ہو۔ اس کے علاوہ جہاں پر منتقلی بذریعہ فروخت یا رہن یا لیز برائے پانچ سال کی مدت کے طور پر ہو تو کلکٹر صرف ریاستی حکومت کی گذشتہ منظوری کے تحت اجازت دے سکتا ہے۔ جہاں پر

کسی ادیباسی کی زمین بغیر کلکٹر کی اجازت کے کسی غیر ادیباسی نے حاصل کی ہو وہاں پر ادیباسی کے ذریعہ تین سال کے اندر درخواست پر وہ منتقلی غیر قانونی قرار دی جائے گی یا کلکٹر جب بھی چاہے ایسا کر سکتا ہے۔ منتقلی اس طرح غیر قانونی قرار دیئے جانے پر زمین بحق سرکار ضبط کر لی جائے گی

(صفحہ ۱۲ سے آگے)

جڑھادی اور اُسے زخمی کر دیا۔ ایک پولس سب انسپکٹر گاڑی والے کیخلاف اس کی شکایت درج کر رہا تھا، یہ کہنے پر کہ گاڑی والا بھاگ رہا ہے اس سب انسپکٹر نے زبانی طور پر پولس کانسٹیبل کو یہ حکم دیا کہ اس گاڑی والے کو گرفتار کر لے اور پکڑ کر اس کے پاس لے آئے۔ یہ خیال کیا گیا کہ گرفتاری کا یہ زبانی حکم غیر قانونی تھا۔ یہ خیال اس لحاظ سے مُسترد سمجھا گیا کہ کانسٹبل یہ کارروائی کرنے میں حق بجانب تھے اور مجبورًا تحریری حکم جاری نہ کیا جاسکا۔

ایسے مجرم جو اپنے آپ کو حوالے کر دینے سے انکار کر دیتے ہیں اور وہ اشخاص جو کانسٹبلوں کو گرفتاری کا عمل کرنے سے باز رکھتے ہیں تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۵۳ کے تحت مجرم ہیں لیکن حال ہی میں ایک بہت ہی دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ میں ایک شکایت درج کروائی گئی کہ کچھ لڑکے غیر قانونی طور پر ایک تالاب میں مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔ پولس اسٹیشن کے آفیسر نے ایک کانسٹبل کو بھیجا تاکہ ان لڑکوں کو پکڑ کر لایا جاسکے اور ان سے تفصیلی پوچھ تاچھ کی جاسکے تمام لڑکے ۱۵ سال سے کم عمر کے تھے اور حکم زبانی تھا۔ ایک تیسرے شخص نے لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوں اس لئے اُسے پولس افسروں کو فرائض کی انجام دہی میں روڑا اٹکانے پر گرفتار کر لیا گیا۔ یہ تیسرا شخص اس بنا پر رہا کر دیا گیا کہ اس نے کسی بھی قسم کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ وہ پولیس افسر جس نے زبانی طور پر لڑکوں کو پکڑ لانے کا حکم دیا تھا، اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی بھی عوامی امر کا مقصد پورا کر رہا تھا۔

۱۹۴۲ء کی تحریک میں ایک سب انسپکٹر کو یہ شک پیدا ہوا کہ مجرم کے پاس "کانگریس سے متعلق" کچھ کاغذات ہیں اس لئے اس نے اس کی تلاشی لینے کی کوشش کی، لیکن اس نے تلاشی دینے کے لئے اپنے آپ کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ سب انسپکٹر نے اس کانگریسی کو جبرًا لے جانے کی کوشش کی، اس لئے ملزم نے سب انسپکٹر کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لینے کی کوشش کی۔ اس کانگریسی کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا گیا کہ اس نے ایک پولس افسر کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں رکاوٹ ڈالی۔ اُسے، تاہم رہا کر دیا گیا، صرف اس بنا پر کہ 'کانگریس سے متعلق' کاغذات رکھنا کوئی قابلِ دست اندازی جرم نہیں تھا۔ اور کرمینل پروسیجر کوڈ کے دفعہ ۵۴ کو یہاں قابل تجدید نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ فیصلہ ہوا کہ اس سب انسپکٹر کا رویہ درحقیقت بہت جابرانہ اور کلیتاً غیر قانونی تھا۔

۱۹۴۲ء میں الہ آباد کیس میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو کسی بھی شخص کو انقلاب پسندوں کے ساتھ رہنے سے باز رکھے۔ اس لئے کہ یہ خود بھی کوئی قابلِ دست اندازی جرم نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ: چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر ۔ منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

گیسٹ کنٹرول آرڈر

حکومتِ مہاراشٹر نے مہاراشٹر گیسٹ کنٹرول آرڈر ۱۹۷۲ء اور مہاراشٹر ویسٹیج آف فوڈ اسٹف ایٹ بیجنا اس کنٹرول آرڈر ۱۹۷۵ء نافذ کر دیا ہے تاکہ اناج اور اناج سے بنی ہوئی اشیاء کی حفاظت ہو سکے اور اُن کے ضائع ہونے کو روکا جا سکے۔

لازمی اشیاء ایکٹ، ۱۹۵۵ء کے تحت جاری کردہ یہ احکامات وقتاً فوقتاً جاری ہیں۔ یہ احکامات ۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۷ء تک فی الحال نافذ رہیں گے۔

ان احکامات کی اہم خصوصیات کو ذیل کے کالم میں سوالات و جوابات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱) کیا اس بات پر کوئی پابندی ہے کہ کتنے افراد کی کسی تقریب میں چاول اور گیہوں سے بنائی ہوئی اشیاء سے تواضع کی جاتی ہے؟

جی ہاں! مہاراشٹر گیسٹ کنٹرول آرڈر ۱۹۷۲ء کے تحت اس سلسلے میں کچھ پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

(۲) شادی وغیرہ جیسے مواقع پر کتنے افراد کی کھانا کھلاکر تواضع کی جا سکتی ہے؟

شادی بیاہ یا شرادھ (برسی) کے موقع پر زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ افراد کی چاول اور گیہوں سے بنی چیزیں کھلاکر تواضع کی جا سکتی ہے۔ اگر اس طرح کی تقریب میزبان کے گھر پر یا کسی کینٹین میں یا کسی اور جگہ ہو، تو میزبان اور اس کے گھر کے دیگر افراد کو گنا نہیں جاتا ہے یعنی ان لوگوں کو مہمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد سے مبرّا رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح باورچیوں، سربراہی کرنے والوں یا کھانا کھلانے والوں یا دیگر ان افراد سے جو کہ وہاں اس تقریب میں موجود ہوں لیکن کھانا کھانے میں حصہ نہ لے رہے ہوں تو انھیں بھی اس تعداد سے مبرّا رکھا جاتا ہے۔

(۳) بچے کا نام رکھتے وقت، نوروز کے موقع پر یا ناگہ باندھنے کی رسم کے وقت کتنے افراد کی اشیائے خوردنی سے تواضع کی جا سکتی ہے؟

اگر اشیائے خوردنی چاول یا گیہوں سے بنی ہوں تو صرف ۲۵ افراد کی ہی تواضع ان مواقع پر کی جا سکتی ہے۔ یہاں بھی میزبان، باورچی یا مذکورہ بالا دیگر افراد قانونی طور پر لگائی گئی پابندیوں سے مبرّا ہوتے ہیں۔

(۴) چاول یا گیہوں کے علاوہ بنائی ہوئی اشیائے خوردنی سے تواضع کرنے پر بھی کوئی پابندی ہے؟

جی نہیں! صرف چاول یا گیہوں سے بنائی گئی اشیائے خوردنی پر ہی پابندی ہے۔ بسکٹ یا نان، سموسہ، کچوری اور بریڈ، گیسٹ کنٹرول آرڈر کے تحت نہیں آتے ہیں۔ ان چیزوں سے کتنے بھی افراد کی تواضع کی جا سکتی ہے۔

(۵) کیا شادی یا اسی طرح کی دوسری تقاریب کے موقع پر کسی شخص کو چاول یا گیہوں سے بنائی گئی اشیائے خوردنی کے لئے ۱۰۰ سے زائد افراد کی تواضع کے سلسلے میں پابندی پر کوئی رعایت نہیں دی جا سکتی ہے؟

جی نہیں! اس طرح کی رعایت کسی بھی موقع پر نہیں دی جاتی، چاہے وہ شادی کا موقع ہو یا شرادھا یا ناگہ باندھنے کی رسم ہو۔ رعایت صرف مجمع، سیمینار، کھیل کود کی میٹنگوں پر جو کہ حکومت، میونسپلٹی، سماجی یا سیاسی اداروں کی جانب سے منعقد کردہ ہوں، تو ہی دی جاتی ہے۔ ان مواقع پر ۱۰۰ سے زیادہ افراد کے لئے خصوصی اجازت دی جاتی ہے تاکہ ان کی تواضع کی جا سکے۔ اسی طرح کی رعایت اس وقت بھی دی جاتی ہے، جب کہ ڈنر، جمع کردہ رقم یا اپنا خود کا راشن جمع کر کے تواضع کی جائے۔

حکومت قومی تہواروں کے موقعوں پر بھی جیسے یومِ آزادی یا یومِ جمہوریہ یا یومِ مہاراشٹر پر عام رعایت دیتی ہے

(۶) بیجنا کے دوران آہوتی کی طرح استعمال کرنے کے لئے اناج گھی یا خوردنی تیل کے استعمال کرنے پر بھی کوئی پابندی ہوتی ہے؟

جی ہاں! مہاراشٹر ویسٹیج آف فوڈ اسٹف ایٹ بیجنا کنٹرول آرڈر ۱۹۷۵ء کے تحت اس طرح کی پابندیاں عاید کر دی گئی ہیں۔

(۷) یدنیا کے دوران آہوتی کے لئے ان اشیاء کے لئے قانوناً کتنی مقدار ہونی چاہیئے؟

اشیاء خوردنی جو آہوتی کے لئے استعمال کرنا ہو تو وہ دو کلو سے زائد نہ ہونی چاہیئے۔ اور بیجنا کے کسی بھی دن ممانعت کردہ اشیاء خوردنی جیسے چاول، گیہوں، باجرہ، جوار، ناگلی، دری، ملو، تل، اُرد، ایک کلو تک استعمال میں لائی جا سکتی ہیں اور ان کے ساتھ گھی، خوردنی تیل اور ونا سپتی ایک کلو تک۔

اسٹیٹ ٹرانسپورٹ سروس

مسافروں کی خدمتگذار

ششی کانت گپتے

پبلک ریلیشنز آفیسر، مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن

ہندوستان میں آزادی کے بعد مسافروں کو سڑکوں کے راستے لانے لے جانے کی خدمات کو قومیانے کی تحریک نے زور پکڑا۔ مہاراشٹر میں ۱۹۴۸ء میں صرف ۳۶ بسوں سے پونے۔ احمد نگر حلقے میں اس کا آغاز ہوا تھا۔ آج بسوں کے اس بیڑے میں ۷،۵۰۰ سے زیادہ بسیں ہیں، اور اس طرح مہاراشٹر اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن (ایم۔ ایس۔ آر ٹی) گو پوری دنیا میں نہیں تاہم ملک بھر میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی تنظیم بن گئی ہے۔

مہاراشٹر نے ۱۹۴۸ء میں روڈ ٹرانسپورٹ کو قومیا کر سوشلزم کی جانب ایک زبردست قدم اٹھایا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقت روڈ ٹرانسپورٹ سیکڑوں چھوٹے موٹے نجی آپریٹروں کے ہاتھ میں تھی جو ریاست بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی غیر اطمینان بخش کارکردگی اور ناکافی خدمات کے بارے میں حکومت کو برابر شکایتیں ملتی رہتیں۔ بسوں کو گنجائش سے زیادہ بھرنا اور بے قاعدگی برتنا روزمرہ کا معمول تھا۔ اس صنعت میں ملازم اشخاص کو نہ تو اچھی اُجرت دی جاتی اور نہ انھیں پائیداری ملازمت کے بارے میں کوئی ضمانت حاصل تھی۔ ان کا مقصد صرف روپیہ کمانا تھا۔

اس پس منظر میں قومیانے کا رواج ہوا۔ جس کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسافروں کو مناسب، سستی اور کارگزار سروس ملے۔ اور ضروری سہولت اور راحت حاصل ہو نیز ملازمین کی حالتِ ملازمت بھی ٹھیک ہو۔ یہ ایک انقلابی قدم تھا جس سے ریاست میں ایک عام آدمی اس سروس کو چلانے میں باعزت شریک کار بن گیا۔ اس ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ کارپوریشن کے سبھی ممبران میں سے دس عوام کے نمائندے ہیں جنھیں حکومت نے مقرر کیا ہے۔

مہاراشٹر اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن 'ایس۔ ٹی' کے نام سے مشہور ہے۔ "مسافروں کی خدمت" یہی اس کا نصب العین اور نشانِ راہ ہے۔ جس پر یہ گذشتہ اٹھائیس سال سے زیادہ عرصہ سے تیزی سے گامزن ہے۔ مہاراشٹر ملک بھر میں پہلی ریاست ہے جس نے پسنجر روڈ ٹرانسپورٹ سروس کو صدفی صد قومیالیا ہے۔ فی الحال ۷،۵۹۴ ایس۔ ٹی بسیں ۷،۱۱۴ راستوں پر رواں دواں رہتی ہیں اور ہر روز ۱۹ لاکھ سے زیادہ مسافروں کو لاتی لے جاتی ہیں۔ ان راستوں (روٹ) کی کل لمبائی چار لاکھ ۳۸ ہزار ۹۳ کلومیٹر ہوتی ہے اور ایس۔ ٹی بسیں روزانہ اوسطاً ۱۲ لاکھ کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ طے کرتی ہیں۔

تنظیم: ریاست مہاراشٹر ۲۷ ایس۔ ٹی حلقوں میں تقسیم کی گئی ہے جن کے تحت ۱۵۴ ڈپو کام کرتے ہیں۔ یہ ڈپو مناسب جگہوں پر واقع ہیں جہاں سے بسیں چلتی ہیں۔ گاڑیوں کی دیکھ بھال اور مرمت کی غرض سے ڈپو ورکشاپ اور ڈویژنل ورکشاپ ہیں۔ اس کے علاوہ داپوڑی اورنگ آباد اور ناگپور میں سنٹرل ورکشاپ ہیں جہاں خاص اور بڑی نوعیت کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ کارپوریشن کے مختلف یونٹوں مثلاً حلقہ جات بمبئی، پونے، اورنگ آباد اور ناگپور میں واقع چار علاقائی دفاتر نیز بمبئی میں مرکزی دفاتر کے توسط سے پچاس ہزار سے زیادہ اشخاص دن رات مسافروں کی خدمت میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔

کارپوریشن مسافروں کو مختلف سہولتیں بہم پہنچاتی ہے تاکہ ان کا سفر آرام سے طے ہو۔ ان میں سے کچھ قابلِ ذکر سہولتیں یہ ہیں: ۳۵۰ جدید بس اسٹیشن، ۲،۲۰۳ مسافروں کو لینے اور چھوڑنے کے اڈے، ۱۰ ریٹائرنگ روم، ۸۴ کلوک روم، ۱،۱۷۱ ریفریشمنٹ روم اور اسٹال، ۱۲۲ بک اسٹال اور کھانے پینے کے لئے ۹۰۵ دیگر مختلف اسٹال۔

کارپوریشن نے مسافروں کی ضروریات کے لحاظ سے مختلف قسم کی بسوں کا انتظام کیا ہے۔ اس کے موجودہ بیڑے میں ڈے سروس بس، نائٹ سروس بس، سپر ایکسپریس بس، سیمی لگزری بس، لگزری بس اور سٹی سروس بسیں شامل ہیں۔ رات کی بسیں مسافروں میں بہت مقبول ہیں کیوں کہ ان سے لوگ رات کو سفر کر سکتے ہیں اور دن کام کے لئے بچا سکتے ہیں۔ فی الحال ایسی ۱۴۰ نائٹ سروسیں جاری ہیں۔ ان بسوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی نشستوں کی پشت اونچی ہے جس سے ٹیک لگا کر مسافر لمبے سفر کے دوران آرام کر سکتے ہیں۔ کارپوریشن نے اب دیگر قسم کی بسوں میں بھی ایسی ہی نشستوں کا انتظام کرنے کا کام شروع کیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ "ہندوستان گاؤں میں آباد ہے" لہٰذا ہمارے

پچھڑے علاقے اسی وقت ترقی کرسکتے ہیں جبکہ لوگوں اور مال کی آزادانہ نقل و حمل کے لئے سڑکوں کا جال بچھا کر دیہی علاقے جات کی راہ کھل جائے۔ روڈ ٹرانسپورٹ ہماری دیہی آبادی کی روزمرہ زندگی میں اہم فرض انجام دیتا ہے جس کے لئے کوئی دوسرا مؤثر ذریعۂ نقل و حمل نہیں ہے جس پر وہ انحصار کرسکے۔ اس تمام عرصے میں کارپوریشن کی پالیسی یہی رہی ہے کہ دیہی علاقوں میں اپنی سرگرمی بڑھاتے تاکہ جہاں تک ممکن ہو دیہاتوں کے قریب سے قریب ایس ٹی سروس دستیاب ہو سکے۔ فی الحال ہماری تقریباً ۹۷ فیصد دیہی آبادی کو ۸ کلو میٹر حلقہ کے اندر ایس ٹی کی سروس دستیاب ہے۔ ایس ٹی بسیں ریاست کے اندرونی علاقوں میں دور دور تک جاتی ہیں ان کے ذریعے صنعت، تجارت اور تعلیم کے مراکز اور دور دراز واقع دیہاتوں کے درمیان رابطہ پیدا ہوگیا اور دیہی ماحول میں ایک خوشگوار تبدیلی آئی ہے۔

میلے اور تہوار کارپوریشن میلہ اور تہواروں وغیرہ کے موقع پر خاص سروس چلاتی ہے۔ ایسے مواقع پر مسافروں کی سہولت کی خاطر میلہ کی جگہ خیمے اور سائبان لگانے، عارضی موتریاں اور سنڈاس، ٹکٹ تیزی سے تقسیم کرنے کے لئے عارضی بکنگ آفس اور پینے کے پانی کے لئے پیاؤ وغیرہ کا خاص طور سے انتظام کیا جاتا ہے۔ اس طرح لوگ ریاست کے تیرتھ استھانوں اور دھرم سے بہ آسانی فیض اٹھا سکتے ہیں۔ ایس ٹی ہر سال پنڈھرپور کے بڑے آشاڑھی میلہ پر جو اعلیٰ انتظامات کرتی ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

داپوڈی ورکشاپ

انٹر اسٹیٹ سروس:

مسافروں کی سہولت کی غرض سے کارپوریشن بین الریاستی راستوں پر اسٹیج کیریج سروس چلاتی ہے۔ اور اس طرح مہاراشٹر کے مختلف مقامات کو کرناٹک، مدھیہ پردیش، گجرات، آندھرا پردیش اور گوا میں واقع مقامات سے منسلک کر دیتی ہے۔ فی الحال بین الریاست راستوں کی کل تعداد جن پر کارپوریشن خود الگ سے یا ریاستوں کے اشتراک سے سروس چلاتی ہے بالترتیب ۱۱۴ اور ۵۱ ہے۔

داپوڈی ورکشاپ داپوڈی میں کارپوریشن کے سینٹرل ورکشاپ کا قیام ۱۹۵۱ء میں عمل میں آیا تھا۔ یہ خاص پونے شہر سے دس کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور ۱۱ء۷۵ ہیکٹر قطعہ اراضی پر پھیلا ہوا ہے۔ قیام کے بعد اولین چھ ماہ کی مدت میں ورکشاپ میں ۱۳۶ نئی بس باڈیاں تیار کی گئیں نیز ۱۰۹۱ گاڑیوں، ۱۹۲۱ انجنوں، ۴۴۲ فیول انجکشن پمپوں، ۱۷۷ اسٹارٹروں اور ۱۳۸ ریڈی ایٹروں کی مرمت وغیرہ کی گئی۔ ورکشاپ نے ہمیشہ اپنا تیزی سے بڑھتا ہوا کام اتنی ہی تیزی سے انجام دیا۔ اس نے ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران ۸۳۹ نئی بس باڈیاں تیار کیں نیز ۳۱۱ گاڑیوں کو ازسرنو درست کیا جو اس کے قیام کے ۲۵ سال میں یقیناً شاندار کارگذاری ہے۔ اسی مدت کے دوران ۱،۸۵۸ انجن، ۶،۵۰۷ فیول انجکشن پمپوں اور ۴،۰۸۰ جیربکسوں کی دوبارہ درستگی و مرمت کی گئی۔ نیز ۱۵،۶۱۵ ٹائر دوبارہ قابل استعمال بنائے گئے۔ ورکشاپ نے ایسے پارٹس بنا کر یا درست کر کے ۲،۲۴ کروڑ روپے کی بچت کی جو بصورت دیگر درآمد کرنا پڑتے۔ داپوڈی میں معمولی پیمانے پر اس سینٹرل ورکشاپ کا آغاز ہوا تھا اور آج یہ دیش بھر میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی ورکشاپ سمجھی جاتی ہے جہاں ۲،۳۰۰ ماہر اور تجربہ کار کارکن مختلف کاموں میں پوری طاقت سے سرگرم عمل ہیں۔

داپوڈی ورکشاپ میں ۱۹۷۵ء سے مہاراشٹر کی چند میونسپل ٹرانسپورٹ تنظیموں کے لئے جو نئی باڈیاں تیار کی گئیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے:

	پونے	پمپری/چنچوڑ	سولاپور	کولہاپور
۷۶-۱۹۷۵ء	۲۲	۲۰	۶	—
۷۷-۱۹۷۶ء	۴۴	—	۴	—
۷۸-۱۹۷۷ء	۳	—	۴	۱۰
	۶۹	۲۰	۱۴	۱۰

عام شکایات:

اخبارات اور عوام کی جانب سے ملنے والی شکایات پر فوراً دھیان دیا جاتا ہے تاکہ وجہ شکایات کا ازالہ کیا جائے اور مسافروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رہیں۔ عام طور سے شکایات بسوں کی آمد و رفت میں بےقاعدگی، غیر مناسب اوقات، عملہ کی بداخلاقی، مال و اسباب کے نقصان اور کرایہ کی واپسی کے بارے میں ہوتی ہیں۔ تمام شکایات پر فرداً فرداً جواب دیا جاتا ہے نیز ان کے ازالے کے لئے فوری کارروائی کی جاتی ہے۔

سینٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ

ایسے ٹرانسپورٹ ادارہ کے عملہ کو تربیتی سہولتیں بہم پہنچانے کی شدید ضرورت کے مدنظر کارپوریشن نے پونے کے قریب سینٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ قائم کی جس نے فروری ۱۹۷۲ء سے کام شروع کیا۔ یہ انسٹی ٹیوٹ ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس ہے اور ۱۲ لاکھ روپے کی لاگت سے

تعمیر ہوئی ہے۔ اس میں تربیت کی غرض سے تمام سہولتیں مہیا کی گئی ہیں
۱۸ر اپریل ۱۹۷۷ء سے انسٹی ٹیوٹ میں تربیت پانیوالے ۵۲ افسران کی جماعت طویل المدتی تربیتی کورس میں تربیت حاصل کر رہی ہے ریاستی حکومت کی پالیسی کے مطابق ان تمام تربیت پانیوالوں کو پسماندہ طبقات سے چُنا گیا ہے۔

درحقیقت کارپوریشن نے انسٹی ٹیوٹ کی عمارت تعمیر ہونے سے کافی پہلے ہی یعنی ۱۳ر جولائی ۱۹۷۰ء سے اپنے عملہ کی تربیت کا کام شروع کر دیا۔ انسٹی ٹیوٹ نے سال بسال تربیت کا جو کام انجام دیا اس کی تفصیل یہ ہے:

تربیت یافتہ ملازمین

مدّت	پری سروس کورس	ریفریشر کورس	کُل تعداد
۱۳ر جولائی ۱۹۷۰ء تا ۳۱ر جنوری ۱۹۷۲ء	۱۰۰	۷۶	۱۷۶
یکم فروری ۱۹۷۲ء تا ۳۱ر مارچ ۱۹۷۳ء	۵۱	۵۳۰	۵۸۱
یکم اپریل ۱۹۷۳ء تا ۳۱ر مارچ ۱۹۷۴ء	۳۱	۳۴۱	۳۷۲
یکم اپریل ۱۹۷۴ء تا ۳۱ر مارچ ۱۹۷۵ء	۱۵۰	۱۴۸	۲۹۸
یکم اپریل ۱۹۷۵ء تا ۳۱ر مارچ ۱۹۷۶ء	۶۸	۱,۰۴۸	۱,۱۱۶
یکم اپریل ۱۹۷۶ء تا ۳۱ر مارچ ۱۹۷۷ء	۱۰	۶۱۵	۶۲۵
یکم اپریل ۱۹۷۷ء تا ۳۱ر مئی ۱۹۷۷ء	۵۲	۳۹	۹۱
کُل میزان:	۴۶۲	۲,۷۹۷	۳,۲۵۹

ملازمین کی بھلائی:

کارپوریشن نے ہمیشہ ورکروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار رکھنے کی ضرورت پر دھیان دیا ہے اور اس مقصد کے مدنظر اُن کی بھلائی کے لئے مختلف اقدامات کیے۔ ملازمین کی بھلائی کی خاطر ان اقدامات میں بہتر اُجرت و شرح تنخواہ، گریجویٹی، پراویڈنٹ فنڈ، بونس کے بدلے امداد، طبی سہولت اور مکانات وغیرہ شامل ہیں۔ روڈ ٹرانسپورٹ کے سلسلہ میں یہ کارپوریشن غالباً پہلا قومیایا ادارہ ہے جس نے انتظام و انصرام میں مزدوروں کی شراکت کے اُصول پر عمل کیا تسلیم شدہ یونینوں کے دو نمائندے کارپوریشن کے ممبر ہیں۔ کارپوریشن سالانہ ڈرامہ مقابلوں اور سالانہ اسپورٹس کا اہتمام کرتی ہے جو ورکروں میں بہت مقبول ہیں۔ سال میں ایک مرتبہ ورکروں اور ان کے کُنبے کو مفت پاس دیئے جاتے ہیں نیز ان کے بچوں کو مختلف امتحانات میں نمایاں کامیابی پر وظائف اور توصیفی انعامات بھی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قومیانے کے بعد سے اس صنعت میں ملازمین کا معاشی اور سماجی درجہ بلند ہوا ہے۔

حکومت کو ادا کردہ ٹیکس

اس صنعت کو قومیانے کا ایک بڑا مقصد اصل سرمایہ جمع کرنا ہے۔ ۳۱ر مارچ ۱۹۷۶ء کو کارپوریشن کا اصل خرچ ۸,۷۵۲٫۶۶ لاکھ روپیہ تھا۔ اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے کارپوریشن نے قرض کی صورت میں ۴,۹۹۹٫۱۹ لاکھ روپے حاصل کئے، حکومت کی جانب سے اصل حصہ کے طور پر اسے ۳,۰۹۹٫۱۹ روپے ملے اور ۵,۱۸۶٫۴۹ لاکھ روپے کارپوریشن کے خود اپنے اندرونی ذرائع سے جمع ہوئے۔

اندرونی ذرائع کو مُستحکم بنانے کے ساتھ ساتھ ایس ٹی بڑے پیمانے پر حکومت کو ٹیکس ادا کرتی رہی ہے۔ ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران کارپوریشن نے مرکزی، ریاستی اور لوکل گورنمنٹ ٹیکسوں کی شکل میں ۳,۶۸۱٫۶۲ لاکھ روپے کی رقم ادا کی۔ اس کے علاوہ ریاستی اور مرکزی حکومتوں کی طرف سے موصولہ اصل سرمایہ پر ۱۷۹٫۴۲ لاکھ روپے کی رقم بطور سود ادا کی گئی۔ ذیل کے اعداد و شمار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پڑوسی ریاستوں کے ایس ٹی ادارہ جات کے مقابلے میں مہاراشٹرا ایس ٹی نے قومی خزانے میں انفرادی طور پر ان سے کہیں زیادہ رقم دی۔

ریاست کا نام	۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران ادا کردہ کُل ٹیکس لاکھ روپے
مہاراشٹر	۳,۶۸۱٫۶۲
گجرات	۱,۸۹۸٫۶۹
آندھرا پردیش	۱,۱۰۷٫۹۰
کرناٹک	۶۶۹٫۴۳

موجودہ مالی حالت

سال ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران کارپوریشن نے ۸۴۰٫۵ کروڑ کلومیٹر پر سروس چلائی، اور اسے تقریباً ۱۲۱ کروڑ روپے کی آمدنی ہوئی۔ سال کے ابتدائی اندازے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کارپوریشن کو ۵ کروڑ روپے کا منافع ہوا۔ اس مدت میں کارپوریشن نے اپنے بیڑے کو بڑھانے اور جدید بنانے کے لئے ایک ہزار سے زیادہ گاڑیوں کے ڈھانچے خریدے نیز ایک ہزار پچاس سے زیادہ بس باڈیاں تیار کیں۔ کارپوریشن نے ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران ۱۰۰۱ گاڑیوں کے ڈھانچے خریدنے اور ان پر باڈیاں بنانے کا بندوبست کیا ہے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران قابل ذکر کارگذاری یہ ہے کہ کارپوریشن نے بنکوں اور مالیاتی ادارہ جات کو رقم کی واپس ادائیگی کے علاوہ ریاستی حکومت کو اُسکے قرض پر ۲ کروڑ روپے، اصل اور قرض پر ۳ کروڑ سے زیادہ روپے

کی رقم بطور سود ادا کی اور مزید برآں ۰۴ء۱۹ کروڑ روپے کا مسافر ٹیکس بھی بھرا۔

عوام کی اس سروس کو بہتر بنانے، اپنی آمدنی بڑھانے اور خرچ گھٹانے کی غرض سے انتظام کی لامرکزیت کی اپنی پالیسی کے مطابق کارپوریشن نے ۱۵ر جون ۱۹۷۶ء سے بمبئی، پونے، اورنگ آباد اور ناگپور میں چار علاقائی دفاتر قائم کئے ہیں۔ یہ علاقائی دفاتر اپنے حلقہ جات میں ڈویژنوں کی رہنمائی اور نگرانی کرتے ہیں۔ ان علاقائی دفاتر کے قیام سے مرکزی دفتر اس قابل ہوگیا ہے کہ پالیسی امور پر زیادہ وقت اور قوت صرف کرسکے نیز فیلڈ افسران کو زیادہ اختیارات اور ذمہ داریاں سونپ سکے تاکہ وہ مقامی مسائل بخوبی نپٹا سکیں۔ گذشتہ ایک سال کے دوران ان علاقائی دفاتر کی کارگزاری حوصلہ افزا رہی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کارپوریشن نے لامرکزیت کی جانب یہ صحیح قدم اُٹھایا تھا۔

مہاراشٹر اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی کارگزاری ہر لحاظ سے بے مثال ہے نیز یہ قومیانے کے میدان میں ایک بڑا اور کامیاب تجربہ ہے۔

تکارام پانڈورنگ پتھارے۔ ایس ٹی کے پہلے ڈرائیور

س: پتھارے جی۔ آپ وہ فرد ہیں کہ جسے ایس ٹی کی پہلی بس چلانے کا فخر حاصل ہوا۔ کیا آپ کو یہ پہلا تجربہ پوری طرح یاد ہے اور اس پر بھرپور روشنی ڈال سکتے ہیں؟

ج: یقیناً۔ مجھے یہ واقعہ اچھی طرح سے یاد ہے اور میں اس سے متعلق ایک ایک بات بیان کرسکتا ہوں۔ وہ بس، پونے۔ احمد نگر روڈ پر چلائی جانے والی تھی۔ اس کا بس نمبر یہ تھا: بی ایم ایل ۵۰۱۴، یہ بیڈفورڈ گاڑی تھی، بس کی روانگی سے قبل بابو راؤ سنسانی نے ٹھیک اس جگہ ناریل پھوڑنے کی رسم ادا کی، جہاں آج آپ پونے کا ڈویژنل آفس دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے پہلے ٹرانسپورٹ کنٹرولر کی اہلیہ شریمتی ساٹھے نے بس کی پوجا کی۔ اُس بس سے پہلی مرتبہ سفر کرنے والے مسافر اس جگہ بس میں بیٹھے جہاں فی الحال پونے میونسپل کارپوریشن کا دفتر واقع ہے۔ یہیں ایس ٹی کا پہلا اڈہ (اسٹینڈ) بنایا گیا تھا۔

س: بلاشبہ آپ کا حافظہ بہت تیز ہے، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو پہلا انٹرویو بھی بخوبی یاد ہوگا۔ کیا آپ مجھے کوئی ایک سوال بتا سکتے ہیں جو اس انٹرویو کے دوران آپ سے پوچھا گیا ہو؟

ج: مجھے ایک سوال خوب یاد ہے۔ انٹرویو لینے والے اصحاب میں سے ایک نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں شراب پیتا ہوں۔ مجھے ڈرائیور منتخب کرنے سے قبل انھوں نے مجھے جتا دیا تھا کہ میں شراب نوشی سے پرہیز کروں۔

س: جب آپ نے پہلی قومیائی بس چلائی تو کیسا ماحول تھا، اور آپ کے اِرد گرد لوگ آپ کے ساتھ کیسے پیش آئے؟

ج: اس وقت کافی کھینچا وٹ تھی۔ کیونکہ نجی گاڑیوں کے مالکان نے ہمیں دھمکی دی تھی کہ بسیں چلانے میں رکاوٹ ڈالیں گے۔ لیکن مسافروں نے حکومت کے اپنے ہاتھوں میں لینے کے اقدام کی حمایت کی کیونکہ بالآخر اس سے ان کو ہی فائدہ اور راحت پہنچنے والی تھی۔

س: ایس ٹی میں شریک ہونے سے قبل آپ کیا کرتے تھے؟

ج: میں پونے۔ احمد نگر ٹرانسپورٹ لمیٹیڈ میں تھا۔ فی الحال ہر بس میں ایک کنڈکٹر ہوتا ہے۔ نیز دیگر ورکر ہیں جو دیکھ ریکھ اور مرمت وغیرہ کا کام دیکھتے ہیں۔ لیکن اُن دنوں صورت حال مختلف تھی، پُرانے نظام میں صورت حال یہ تھی کہ ڈرائیور ہی ڈرائیور و کلینر ہوتا اور کلینر ہی سمجھئے کنڈکٹر ہوتا۔ مزاجاً بس یہ سمجھئے کہ اس وقت میں ایک 'غنڈہ' تھا۔ ان دنوں اس پیشے میں ایسا ہی طرزِ عمل رکھنا پڑتا تھا آج آپ مجھے بدلا پائیں گے۔ اب مجھ میں تیز مزاجی نہیں رہی۔ مجھے بعض پابندیوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور ضبط و تحمل سے کام لینا پڑتا ہے ایس ٹی سے منسلک ہونے پر مجھے زندگی میں یہ نیا طرزِ عمل اپنانا پڑا۔

س: اب یقیناً آپ کے ریٹائر ہونے کا وقت آگیا ہے؟

ج: جی ہاں۔ اب میں اس درجہ پر پہنچ گیا ہوں۔ میں مقررہ امتحان پاس کرکے اسسٹنٹ ٹریفک انسپکٹر کے درجہ تک پہنچ چکا تھا لیکن اب ریٹائر ہونے کے وقت صرف ڈرائیور ہی کی حیثیت سے میری عزت افزائی کی جارہی ہے۔

س: اس کی وجہ کیا ہے؟

ج: میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ بالکل سیدھی سادی بات ہے۔ آپ نے بھوساری میں واقع ہمارے ٹریننگ سینٹر کے بارے میں سنا ہی ہوگا۔ وہاں ہمارے نئے افسران ڈرائیونگ سیکھ رہے ہیں اور آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ انھیں کون تربیت دے رہا ہے!

س: ظاہر ہے یہ آپ ہی ہیں اور کوئی دوسرا نہیں! لہٰذا ڈرائیور کی حیثیت سے آپ کی عزت افزائی کرنے میں وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟

ج : ریٹائر ہونے کے بعد میرا ارادہ ہے کہ ایک ڈرائیورس ٹریننگ اسکول کھولوں. میری خواہش ہے کہ میرے اسکول سے اچھے تربیت یافتہ ڈرائیور نکلیں جنھیں کارپوریشن میں بھرتی کیا جاسکے. اس طرح نئی بھرتی کے وقت ہی کارپوریشن کو سدھے سدھائے ڈرائیور مل جائینگے دیکھئے کیا ہوتا ہے. اگر یہ اسکیم عمل میں آگئی تو ایس. ٹی سے میرا رشتہ بنا رہے گا اور اس سے مجھے دلی اطمینان حاصل ہوگا.

ایس ٹی ورکشاپ کے پہلے ورکر - شری کیشو ڈھونڈیبا پاٹھک

س : پاٹھک جی. کیا یہ ٹھیک ہے کہ آپ پہلے ورکر ہیں جو ایس ٹی ورکشاپ میں ملازم ہوئے.

ج : جی ہاں. میں یکم جون ۱۹۴۸ء کو ملازم ہوا. میں ایک معاون کی حیثیت سے رکھا گیا تھا. اب میں آرٹ. اے عہدے پر ہوں.

س : آپ اس ادارے میں کیسے شامل ہوئے ؟

ج : ہم نے جب یہ سنا کہ حکومت اس ادارے کو لے رہی ہے تو ہمیں اس میں شریک ہونے کی خواہش پیدا ہوئی، کیونکہ یہاں ملازمت محفوظ تھی. اس سے قبل میں نے نگر موٹر ٹرانسپورٹ میں ۹ سال کام کیا تھا. ایس. ٹی کارپوریشن میں شریک ہوتے ہی مجھے ۷۵ روپے ماہانہ ملنے لگے. آج مجھے لگ بھگ ۶۰۰ روپے مل رہے ہیں جو بصورتِ دیگر مجھ جیسے آدمی کو ملنا محال تھے جس نے چوتھے درجے سے آگے نہیں پڑھا ہے. یہاں بعض قاعدے قانون بھی لاگو ہیں اور ترقی کے بھی مواقع ہیں.

س : دوسرے الفاظ میں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ایس. ٹی سے رشتہ قائم ہو جانے سے آپ کو خوش حالی نصیب ہوئی ؟

ج : جی ہاں. یقیناً. اس ملازمت کے سبب میں بہت سے گھریلو فرائض بھی پورے کرسکا. زندگی میں اہم مواقع پیش آنے پر مجھے قرض مل گیا. بعد ازاں آسان شرائط پر باقاعدگی کے ساتھ میری تنخواہ سے قرض وضع کیا گیا. میں نے اپنی لڑکی کی شادی جیسے موقع پر قرض حاصل کیا.

قومی راج میں مطبوعہ کسی مضمون کو حوالے یا بغیر حوالے کے نقل کیا جاسکتا ہے تاہم جس شمارے میں یہ مضمون شائع کیا جائے اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کے نام ضرور روانہ کی جائے۔

ایس ٹی کا دسواں کنڈکٹر

ایس. ٹی کے دسویں کنڈکٹر شری بابو راؤ کاٹکر کے تاثرات سوال و جواب کی شکل میں ملاحظہ فرمایئے :

س : کاٹکر صاحب، میرے خیال میں آپ ایس. ٹی کے دسویں کنڈکٹر ہیں ؟

ج : آپ نے سچ کہا جناب ! میں نے یہ ملازمت ۲۴ مئی ۱۹۴۸ء میں اختیار کی. مجھ سے پہلے جو دوسرے نو کنڈکٹر تھے وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں.

س : آپ اس ملازمت سے پہلے کہاں تھے ؟

ج : ایس. ٹی کی ملازمت اختیار کرنے سے پہلے میں 'لکشمی سروس' میں ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۸ء تک کام کرتا رہا.

س : آپ کو یہ ملازمت اختیار کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا ؟

ج : حکومت نے جب ایس. ٹی کو اپنا لیا، اس وقت ہمیں یہ خیال آیا کہ اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لئے سرکاری نوکری سے بہتر کوئی نوکری نہیں ہے. اس تحفظ کے علاوہ اگر ایک شخص حکومت کی اپنائی ہوئی کارپوریشن میں نوکری کرتا تو اسے ایک دم ۱۰۰ روپے ماہانہ کی ترقی مل جاتی. خیال فرمایئے کہ ایک سو روپے اس زمانے میں کتنی بڑی رقم تھی. ایک خاص بات اور میں آپ کے گوش گذار کر دوں کہ ہمارے جیسے کنڈکٹر یا ڈرائیور جو پرائیویٹ روڈ ٹرانسپورٹ کمپنیوں میں ملازم تھے انھیں عموماً اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا. ہمارے بارے میں یہ خیال عام تھا کہ ہم شرابی ہیں اور کسی مصرف کے نہیں ہیں. شادی بیاہ کے معاملات میں بھی لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی کنڈکٹر یا ڈرائیور کے ساتھ کرنا پسند نہیں کرتے تھے.

س : اور اب کیا حالات ہیں ؟

ج : آجکل حالات ہی بدل گئے ہیں. یہ معلوم ہوتے ہی کہ فلاں شخص ایس ٹی میں ملازم ہے، لوگ خوشی سے اپنی لڑکیوں کی شادی کرنا منظور کر لیتے ہیں. یہ اس لئے کہ ایس. ٹی نے اپنی اعلیٰ کارکردگی اور خدمت سے اچھا اثر قائم کیا ہے. ہم اس کے ضابطے کے پابند مستقل ملازم ہیں. باقاعدہ یونیفارم پہنتے ہیں اور لوگ ہماری بڑی قدر کرنے لگے ہیں.

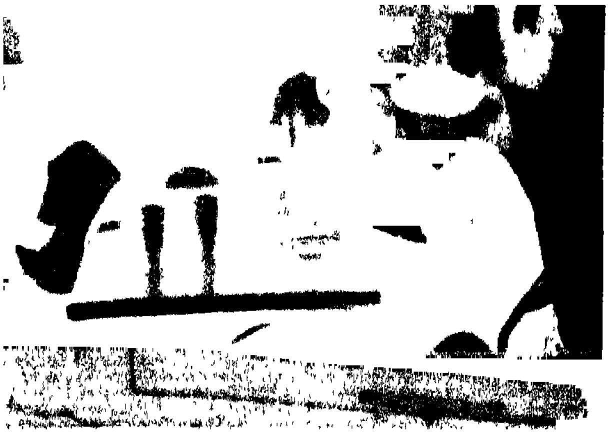
س : آپ اپنی اس ملازمت کے بارے میں کیسا محسوس کرتے ہیں ؟

ج : میرے تاثرات بہت خوش آئند ہیں. میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال ایس. ٹی کی ملازمت میں گذارے ہیں.

●●

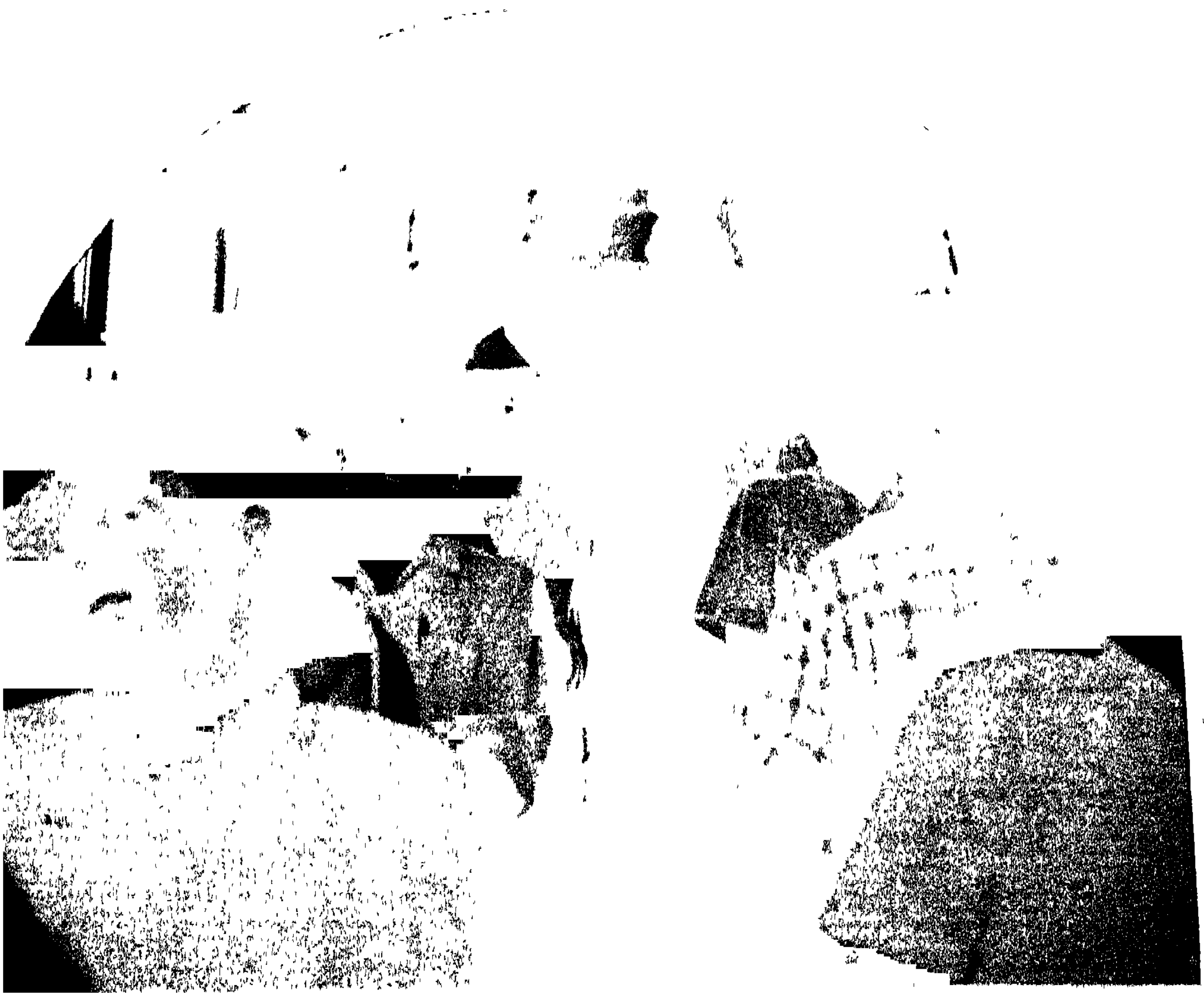


ایس. ٹی کے پونے ڈویژن میں راج گرو نگر میں ٹکٹ گھر



ایس. ٹی کے زیادہ تر بس اسٹینڈوں پر کینٹین ہیں جہاں مسافروں کے ناشتہ اور کھانے پینے کا معقول انتظام ہے

روانہ ہونے سے پیشتر مسافر بس میں اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ رہے ہیں۔





ناندیڑ بس اسٹیشن کی عمارت

پونے کے قریب واقع دا پوڑی سنٹرل ورکشاپ کی تیار کردہ نئی بسیں



فوجی کیریئر

شیلندر کمار، نامہ نگار دیش منچ،

ہندوستانی فوج کا شمار دنیا کی بہترین فوج میں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایک طرف اس سے شاندار ماضی وابستہ ہے تو دوسری جانب وہ ایک درخشاں مستقبل لئے ہوئے ہے۔ فوجی ہر قیمت پر قوم کی حفاظت کے لئے ڈٹے رہتے ہیں۔ چنانچہ فوج میں بھرتی ہونا نہ صرف ملک و قوم کی خدمت کرنے کے مترادف ہے بلکہ فوجی بن کر باعزت طریقے سے ذریعۂ معاش بھی حاصل کیا جا سکتا ہے فوج میں بلا امتیاز نسل، ذات و مذہب مقررہ تعلیمی اور جسمانی معیار پر اُترنے والوں کے لئے بھرتی کے دروازے کھلے ہیں۔ ایک پھرتیلے اور مستعد انسان کے لئے فوجی زندگی کوئی مشکل زندگی نہیں ہے بلکہ ایک طرح یہ کام اور کھیل کود میں توازن نے فوجی زندگی کو خوشگوار بنا دیا ہے

فوج میں بھرتی ہونے کے لئے اُمیدوار کو مندرجہ ذیل شرائط کا اہل ہونا چاہیئے (۱) ہندوستان کا شہری یا (۲) نیپال کا شہری یا (۳) سکم کا شہری یا (۴) بھوٹان کا شہری یا (۵) ہندوستانی نژاد شخص جو کہ پاکستان سے ہجرت کر کے ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں رہائش پذیر ہوا ہو لیکن ایسے شخص کو حکومت ہند کی جانب سے جاری کردہ اہلیت کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوگا۔ (اگر اس شخص کا فوج میں بھرتی ہونے کا ارادہ ہو تو)

فوج کو ذریعۂ معاش بنانے کے لئے بھرتی کے وقت کم از کم عمر ۱۷ سال ہونی چاہیئے، نیز مختلف درجہ بندی کے تحت کمیشنڈ افسران کی عمر ۱۲ سے ۲۳ سال کے درمیان ہونی چاہیئے، البتہ ہر صورت میں فوج میں بھرتی کے وقت کسی بھی عہدے پر اُمیدوار کی زیادہ سے زیادہ عمر ۲۱ سال ہونی چاہیئے لیکن بعض عہدوں کے لئے ۲۷ سالہ افراد کو بھی فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔

نوجوان فوج میں کمیشنڈ افسران یا دیگر عہدوں پر بھرتی ہو سکتے ہیں۔ فی الحال عہدوں کی تین خاص درجہ بندی کی گئی ہے۔

(۱) لڑنے والے افسران (۲) اسپیشل لسٹ افسران (۳) میڈیکل افسران جن میں ڈینٹل اور ویٹرنری کور افسران، آرمی میڈیکل کور (غیر تکنیکی) اور ملٹری نرسنگ افسران وغیرہ شامل ہیں۔ فوج میں لڑنے والے افسران کی بھرتی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں پر بھرتی کے وقت اُمیدوار کا کیڈٹ ہونا ضروری ہے نیشنل ڈیفنس اکاڈمی میں یا انڈین ملٹری اکاڈمی میں تربیت ختم کرنے کے بعد اُمیدواروں کو بطور کیڈٹ بھرتی کیا جاتا ہے اس کے علاوہ شارٹ آفیسرز ٹریننگ اسکول میں تربیت حاصل کرنے پر شارٹ سروس کمیشن کی منظوری کے بعد بھی تقرری انجام پاتی ہے۔

اسپیشل لسٹ کیڈر میں بھرتی عموماً فوج کے جے سی او / ایس سی او (بشمول ایمرجنسی / شارٹ سروس کمیشن آفیسرز، آرمی کے جے سی او / ای این سی او کے ذریعے کمیشنڈ کردہ) کے ذریعہ منتخب کردہ افراد سے اسامیاں پُر کی جاتی ہیں سی او ایس میں کام کرنے والے اور آرمی رینک کے کمیشنڈ افراد نیز پرمننٹ کمیشن کے ذریعہ منظوری پانے والے افراد عموماً بھرتی کئے جاتے ہیں۔

میڈیکل، ڈینٹل اور ویٹرنری کور میں نیشنل ڈیفنس اکاڈمی یا انڈین ملٹری اکاڈمی میں تربیت حاصل کئے بغیر براہ راست کمیشن کیا جاتا ہے۔

بھرتی کے ذرائع	عمر/سال	قابلیت
نیشنل ڈیفنس اکاڈمی	۱۶ سے ½۱۸	ہائر سیکنڈری
انڈین ملٹری اکاڈمی دہرہ دون	19 سے ۲۲	ڈگری
گریجویٹ کورس		
انجینئرنگ سگنل ای ایم ای	۲۰ سے ۲۷	انجینئرنگ ڈگری
آرمی ایجوکیشن کور	۲۳ سے ۲۷	ایم اے / ایم ایس سی سیکنڈ کلاس مع ڈگری یا ڈپلومہ اِن ٹیچنگ یا ۲ / ۳ سال کا پڑھانے کا تجربہ
آرمی سپلائی کور (فوڈ)		
اِنسپکشن آرگنائزیشن	۲۰ سے ۲۷	ایم ایس سی آرگینک کیمسٹری، بائیو کیمسٹری مائیکرو بایولوجی
ملٹری فارم	۲۰ سے ۲۷	ڈیری فارمنگ یا ایگریکلچر میں ڈپلومہ
ایم ایچ میں اسکول آف نرسنگ، جالندھر کنٹونمنٹ لکھنؤ، بنگلور، سکندرآباد، بمبئی اور کلکتہ	۱۷ سے ۲۹	میٹرک / اس کے مساوی
کالج آف نرسنگ اے ایم یو، پونہ	۱۷ سے ۲۹	ہائر سیکنڈری مع سائنس مضمون کے

دیگر عہدوں پر ریکروٹنگ افسران بھرتی کرتے ہیں۔ ریکروٹنگ افسران مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہیں اور جو افراد فوج میں بھرتی ہونا چاہتے ہیں ان کی اطلاع کے لئے مناسب پبلسٹی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے متعلقہ افسر سے تفصیلات حاصل کر سکیں۔



اینٹی ایئرکرافٹ گن چلانے کی تربیت حاصل کرتے ہوئے فوجی جوان

مہاراشٹر میں ریکروٹنگ افسر پونے، بمبئی، ناگپور، کولہاپور اور اورنگ آباد میں ہیں۔ بھرتی کے وقت نئے فوجی افسر کو اس کی درجہ بندی کے مطابق سب سے کم عہدے پر فائز کیا جاتا ہے۔

عام طور پر لڑنے والے افسران کو ۱۵ سے ۱۸ سال کے لئے بھرتی کیا جاتا ہے جن میں کلر سروس اور پنشن کی مدت دونوں شامل ہیں۔ عام طور سے کلر سروس کی میعاد ۱۰ سال ہوتی ہے۔

فوج میں مختلف درجوں پر بھرتی ہونے کے لئے تعلیمی قابلیت بھی مختلف مقرر کی گئی ہے۔ ایسے نوجوان جو کہ اپنی زبان میں پڑھ سکتے ہیں، سے لیکر میٹرک تک یا اس سے زیادہ قابلیت رکھنے والے نوجوان الا اُن کی عمر مقررہ حد سے تجاوز نہیں کر گئی ہو اور جو طبی طور پر نوکری کے لئے اہل (F/T) ہوں، ان کے لئے فوج میں بھرتی کے دروازے کھلے ہیں فوج میں بھرتی ہونے والے تمام نوجوانوں کے لئے جسمانی اور ذہنی تندرستی کا ہونا لازمی ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف عہدوں کے لئے مختلف معیار رکھا گیا ہے۔ یہ اُمیدوار کے متعلقہ ریجمنٹ / کور پر منحصر ہے۔

ترقی کے مواقع :

فوج میں بھرتی ہونے والے نوجوانوں کے لئے ترقی کے بھرپور مواقع ہیں۔

ایسے فوجی جو زیادہ لیاقت رکھتے ہیں ان کی ترقی کے لئے آرمی کیڈٹ کالج کے ذریعے کمیشنڈ رینک کے لئے سفارش کی جاتی ہے، لیکن ایسے اُمیدوار کے لئے بھی عمر کی قید ہے اور کالج کی منظوری کے باوجود اُمیدوار کی عمر ½۱۹ سال سے ۲۴ سال کے درمیان ہونی چاہئے۔ امیدوار کے لئے میٹرک پاس ہونا لازمی ہے یا اس کے مساوی امتحان کا سرٹیفکیٹ ہونا چاہئے

درخواست فارم بھرتے وقت اُمیدوار کم از کم تنخواہ دار یا غیر تنخواہ دار لانس نائیک کے عہدے پر ہونا ضروری ہے۔ اس کی انرول منٹ کی تاریخ سے لے کر فارم بھرنے تک کم از کم ۲ سال فوج میں باقاعدہ سروس ہونی چاہئے۔

سہولتیں / رعائتیں :

فوجیوں کو کئی سہولتیں و مراعات حاصل ہیں جن میں مُفت کپڑا، مفت راشن، ایندھن، بجلی، گھر، مفت طبی امداد، حجامت اور دھوبی کی سہولتیں، مفت تعلیم وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی دیگر سہولتیں ہیں مثلاً ایک سال میں ۶۰ دن کی چھٹی اور گھر تک آنے جانے کا مفت کرایہ، اس کے علاوہ سال میں ۳۰ ہنگامی چھٹیاں وغیرہ۔

کلر سروس میں اضافہ :

یکم فروری سے ۱۹۷۶ء سے جوانوں کی کلر سروس تکنیکی ۱۰/۱۲ سال سے بڑھا کر ۱۵ سال اور غیر تکنیکی ۱۵ سال سے بڑھا کر ۱۸ سال کر دی گئی ہے۔ اس طرح نوجوان پوری تنخواہ پر زیادہ عرصہ تک کام کر سکتے ہیں اور پنشن و ریٹائرمنٹ کی سہولتیں بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک سپاہی ۱۵ سال غیر تکنیکی مدتِ کار ختم کر لنے کے بعد ۲ سال تک ریزرو لائبلٹی دو سال کے لئے جاری رکھ سکتا ہے۔ تکنیکی ملازمتوں میں ریزرو لائبلیٹی ۳ سال تک جاری رکھی جا سکتی ہے۔

جماعتی بیمہ اسکیم :

فوجی جوانوں اور افسران کے لئے جنوری ۱۹۷۶ء سے جماعتی بیمہ اسکیم شروع کی گئی ہے۔ یہ اسکیم معمولی ادائیگی کے عوض لازمی بیمہ کا تحفظ فراہم کرتی ہے جس میں جنگ کے دوران موت بھی شامل ہے۔ معمولی زنگروٹ

ماہانہ ۵ روپے ادا کرکے ...۵ روپے کی بیمہ رقم کے حقدار ہوتے ہیں۔ جے سی اوز کو دس روپے ماہانہ کے عوض دس ہزار روپے اور کمیشنڈ افسران کو ۳۰ روپے ماہانہ کے عوض ...۳۰ روپے بیمہ رقم ملتی ہے۔

دفاعی افراد کے لئے یہ اسکیم ایک زبردست تحفہ ہے۔ نئے فوجی رنگروٹ جو صرف پانچ روپے ماہانہ ادا کرتا ہے اس کو ۱۵ سال کی ملازمت کے بعد ۱۲۸۵ روپے ملتے ہیں اس کے علاوہ اگر ملازمت کے دوران اس کی موت واقع ہو جائے تو پسماندگان کو بیمہ کی پانچ ہزار کی رقم بھی ملتی ہے

اس کے علاوہ سروس آفیسر / پرسونیل کے لئے ۸ر جنوری ۱۹۷۵ء سے ایک ڈیپازٹ منسلک بیمہ اسکیم بھی شروع کی گئی ہے۔ ڈاک بیمہ زندگی اسکیم کافی عرصہ سے جاری ہے جو کہ فوجیوں اور افسران میں یکساں طور پر مقبول ہے۔

گھر کی سہولت :

لفٹننٹ یا دوسرے شعبے میں اس کے مساوی دفاعی سروسیز افسران ۷۲ فیصد تک شادی شدہ رہائش کے حقدار ہوتے ہیں۔ میجروں یا اس سے اوپر والوں کے معاملے میں صد فی صد۔ جے سی اوز بھی صد فیصد کے حقدار ہیں اور دیگر درجوں کو ۴۰ فیصد سے سو فیصد تک ہے۔ مکانات کی تعمیر کے لئے زیادہ سے زیادہ فنڈ الاٹ کرنے کی کوشش متواتر کی جا رہی ہے۔

گھر کا کرایہ :

افسران کے درجے سے نیچے کے تمام فوجیوں کے لئے کوارٹر نہ ملنے کی صورت میں گھر کے کرائے میں یکم نومبر ۱۹۷۳ء سے اضافہ کیا جا چکا ہے۔ مختلف درجوں کے لئے نئی شرح کرایہ حسب ذیل ہے :

جے سی اوز کے لئے - اے، بی -۱، اور بی -۲ کلاس : شہروں میں مکان کا کرایہ ۱۴۵ روپے ماہانہ۔ سی کلاس کے شہروں میں ۱۰۵ روپے اور دیگر قصبہ جات میں ۶۵ روپے ماہانہ۔

حولدار کے لئے بالترتیب ۱۱۰ روپے، ۸۰ روپے اور ۵۰ روپے

نائک کے لئے بالترتیب ۹۰ روپے، ۶۵ روپے اور ۴۰ روپے۔ اور سپاہی کے لئے بالترتیب ۸۰ روپے، ۵۵ روپے اور ۳۵ روپے

پنشن :

تیسرے پے کمیشن کی سفارش پر مسلح افواج کے افراد کی پنشن پر یکم جنوری ۱۹۷۳ء سے نظر ثانی کر دی گئی ہے۔ فوج کے سپاہی کو (بانیوی اور ایر فورس میں اس کے مساوی کو) اب کم سے کم پنشن ۱۰۱ روپے (جس میں ۲۵ روپے راحت شامل ہے) ماہانہ اور زیادہ سے زیادہ ۱۵۲٫۵۰ روپے (جس میں ۳۰٫۵۰ روپے راحت شامل ہے) ماہانہ ہے جب کہ ۱۹۷۳ء سے قبل پرانی شرح کے مطابق یہ بالترتیب ۴۰ روپے اور ۷۲ روپے ماہانہ تھی۔ اسی طرح صوبیدار میجر کو بالترتیب ۲۴۶٫۲۵ روپے اور ۴۵۷٫۵۰ روپے جبکہ پرانی شرح کے تحت یہ بالترتیب ۱۰۶ روپے اور ۲۱۸ روپے تھی۔ اس طرح سفارش کے تحت جوانوں اور افسران کے ہر درجے کی پنشنوں میں اضافہ ہوا۔ افسران کے معاملے میں اضافہ حسب ذیل ہے :

درجہ	ماہانہ پنشن کی نئی شرح
سبالٹرن	۳۵۰ روپے
کیپٹن	۵۷۵ روپے
میجر	۶۷۵ روپے
لفٹیننٹ کرنل	۷۷۵ روپے
کرنل	۹۰۰ روپے
بریگیڈیر	۱۰۰۰ روپے
میجر جنرل	۱۰۵۰ روپے
لفٹیننٹ جنرل	۱۱۰۰ روپے

سروس چیف کی سبکدوشی کی پنشن یکم جنوری ۱۹۷۵ء سے ۱۲۰۰ روپے ماہوار مقرر کر دی گئی ہے۔

معمولی فیملی پنشن اب کم از کم ۴۰ روپے سے بڑھا کر ۶۰ روپے ماہانہ کر دی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ ۱۵۰ روپے سے بڑھا کر ۲۵۰ روپے ماہانہ کر دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ مسلح افواج کے تمام درجوں کے پنشن پانے والوں کو راحت پنشن دی جاتی ہے جو کہ کم از کم ۲۵ روپے اور زیادہ سے زیادہ ۱۲۵ روپے ہوتی ہے۔ جو پنشن پانے والے یکم جنوری ۱۹۷۳ء سے قبل سبکدوش ہو گئے تھے وہ اس تاریخ سے اس راحت کے علاوہ ۱۵ روپے سے ۳۵ روپے تک ایک ہنگامی راحت کے بھی حقدار قرار دیئے گئے ہیں۔

معذوری کی شرح پنشن میں بھی کافی اضافہ کیا گیا ہے۔ پورے طور پر معذور ہونے والوں کو پنشن ۳۵ روپے سے بڑھا کر ۴۵ روپے سپاہی کے معاملے میں نائک اور حوالدار کے لئے ۴۸ روپے سے بڑھا کر ۶۰ روپے۔ جے سی اوز کے لئے ۱۱۰ روپے کر دیئے گئے ہیں اور جے سی او کو اعزازی کمیشن کے طور پر ۱۷۰ روپے ماہوار منظور کئے گئے ہیں۔ افسران کے لئے شرح میں تبدیلی کی گئی ہے جس کے تحت اب انہیں کم از کم ۲۰۰ روپے اور زیادہ سے زیادہ ۴۶۰ روپے ملتے ہیں۔

زیادہ گریجویٹی :

موت / سبکدوشی گریجویٹی اب تنخواہ کا ساڑھے سولہ گنا ہے مگر زیادہ سے زیادہ ...۳۰ روپے جب کہ اس سے قبل ۱۵ گنا تھا۔ اور زیادہ سے زیادہ رقم



فوجی جوان جسم سازی میں مشغول



۲۴۰۰۰ روپے کی تھی۔ اسپیشل فیملی پنشن جوکہ کم از کم ۴۰ روپے اور زیادہ سے زیادہ ۲۷۵ روپے تھی، اس کو بڑھاکر بالترتیب ۹۶ روپے اور ۴۶۰ روپے کردیا گیا ہے۔

سابق فوجی:

فوجیوں کے سبکدوش ہوجانے کے بعد اُن کی افواج کی اُن میں دلچسپی ختم نہیں ہوجاتی۔ یہ اس اصول پر قائم ہے کہ ایک بار کا فوجی ہمیشہ کا فوجی ہوتا ہے۔ اور جب شہری زندگی میں واپس آتا ہے تو فوج اس کے اور اس کے خاندان کی فلاح کے بارے میں ہمیشہ دلچسپی لیتی ہے۔ وہ شہری زندگی میں زائد تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہوکر واپس آتا ہے جس سے اُسے شہری ملازمت کے حصول میں کافی مدد ملتی ہے۔ اس کے بیٹے کو فوج میں بھرتی ہونے کا ایک خصوصی موقعہ دیا جاتا ہے۔ سابق فوجیوں کی بازآبادکاری کے لئے حکومت کے پاس بہت سی اسکیمیں ہیں جس سے انھوں نے فوجی زندگی سے نکلنے کے بعد خوشحال اور عملی زندگی گذارنے کا موقع ملتا ہے۔

تقریباً ۶۰۰۰۰ فوجی ہر سال ۳۲ سے ۳۵ سال کی عمر کے قریب مسلح افواج سے ریلیز یا ریٹائر ہوتے ہیں۔ سابق فوجیوں کی بازآبادکاری کو قومی فریضہ کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ سرکاری، نیم سرکاری، عوامی اور پرائیویٹ سیکٹر نیز پیرا ملٹری فورسیز کی تمام قسم کی مُلازمتوں میں اس تربیت یافتہ اور باضابطہ انسانی طاقت کو سودمندی سے جذب کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انھیں خود کا کام کرنے خصوصاً چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے میدان میں بڑھاوا دیا جاتا ہے۔

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلہ میں موصول ہونیوالے بہتر اور خیال انگیز خط پر ۲۵ روپے کا انعام بھی دیا جاتا ہے۔

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کرسکتے ہیں اور اگر اس سلسلہ میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کرسکتے ہیں بس یہ خیال رکھیئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔ آپ اپنے خطوط اس پتے پر روانہ فرمایئے:

مدیر پندرہ روزہ 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ' ۱۵واں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

فوج

درجہ	عمر سال	جسمانی معیار			لیاقت
میٹرک انٹری		قد سینٹی میٹر	وزن کلوگرام	چھاتی سینٹی میٹر	
۱۔ کلرک	۱۷-۲۷	۱۶۳	۵۱	۷۷/۸۲	ایس.ایس سی
۲۔ الیکٹریکل فٹر	۱۷-۲۱	۱۶۷	۵۱	۷۹/۸۴	"
۳۔ انسٹرومنٹ میکانک	۱۷-۲۴	"	"	"	"
۴۔ انسٹرکٹرز اے.اِی.سی	۱۷-۲۷	"	"	"	انٹر
۵۔ نرسنگ اسسٹنٹ	۱۷-۲۱	"	"	"	ایس.ایس.سی
۶۔ آپریٹر گروپ	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۷۔ پرسنل اسسٹنٹ	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۸۔ اسٹورکیپر ٹکنیکل	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۹۔ سٹیل کم. میکانک	۱۷-۲۴	"	"	"	"
۱۰۔ ورکشاپ گروپ	۱۷-۲۴	"	"	"	"
نان: میٹرک					
۱۔ ایمبولینس اسسٹنٹ	۱۷-۲۱	"	"	"	پانچویں جماعت
۲۔ ہتھیار ساز (آرمورر)	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۳۔ بینڈس مین	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۴۔ لوہار	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۵۔ راج	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۶۔ بڑھئی و مددگار	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۷۔ باورچی	۱۷-۲۷	"	"	"	خواندہ
۸۔ ڈسپیچ رائڈر	۱۷-۲۱	"	"	"	پانچویں جماعت
۹۔ ڈرافٹس مین	۱۷-۲۴	"	"	"	نویں جماعت
۱۰۔ ڈریسر	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۱۱۔ ڈرائیور	۱۷-۲۱	"	"	"	پانچویں جماعت
۱۲۔ الیکٹریشن	۱۷-۲۱	"	"	"	نویں جماعت
۱۳۔ ای.بی.آر	۱۷-۲۷	"	"	"	خواندہ
۱۴۔ فائرمین	۱۷-۲۱	"	"	"	پانچویں جماعت
۱۵۔ کریبنر	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۱۶۔ گنر	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۱۷۔ پیادہ سپاہی	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۱۸۔ لائسٹرمین	۱۷-۲۱	"	"	"	"

۱۹. مشینسٹ	۱۷-۲۴	۱۶۷	۵۱	۷۹/۸۴	نویں جماعت
۲۰. لائن مین		"	"	"	پانچویں جماعت
۲۱. ملٹری پولس مین	۱۷-۲۱	۱۷۳	۵۵	۸۱/۸۶	نویں جماعت
۲۲. مولڈر	۱۷-۲۱	۱۶۷	۵۱	۷۹/۸۴	پانچویں جماعت
۲۳. آئل مین	۱۷-۲۱	"	"	"	خواندہ
۲۴. آپریٹر ریڈیو	۱۷-۲۱	"	"	"	نویں جماعت
۲۵. پینٹر و ڈیکوریٹر	۱۷-۲۷	"	"	"	پانچویں جماعت
۲۶. پاٹینیر	۱۷-۲۱	"	"	"	خواندہ
۲۷. سوار (رائڈر)	۱۷-۲۱	"	"	"	نویں جماعت
۲۸. ریفریجریشن میکانک	۱۷-۲۴	"	"	"	"
۲۹. رجمنٹل سروئیر	۱۷-۲۱	"	"	"	ایس. ایس. سی
۳۰. اسٹور ہیڈ ٹیکنیشن	۱۷-۲۱	"	"	"	پانچویں جماعت
۳۱. ٹین و تانبا لوہار	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۳۲. ٹرنر	۱۷-۲۱	"	"	"	آٹھویں جماعت
۳۳. ٹیلر	۱۷-۲۷	"	"	"	خواندہ
۳۴. ٹکنیکل اسسٹنٹ	۱۷-۲۱	"	"	"	ایس. ایس. سی
۳۵. صوفا ساز (اپ ہولسٹر)	۱۷-۲۱	"	"	"	خواندہ
۳۶. وہیکل میکانک	۱۷-۲۱	"	"	"	پانچویں جماعت
۳۷. ویلڈر	۱۷-۲۱	"	"	"	"
۳۸. باربر	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۳۹. دھوبی	۱۷-۲۷	"	"	"	"
۴۰. مہتر	۱۷-۲۷	"	"	"	"

یوتھ فورم

یوتھ فورم : ’قومی راج‘ کے مئی ۱۹۸۷ء کے شمارے سے ہم نے ’یوتھ فورم‘ کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی کی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جائے گا۔ اپنے مضامین اس پتے پر روانہ فرمائیں :

ایڈیٹر ’قومی راج‘ (پندرہ روزہ) ۱۵واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

یوگا اور دوائیں

● ــــــ ڈاکٹر ایم۔ وی دیویکر

ڈاکٹر ایم۔ وی دیویکر جوکہ ایل۔ ٹی۔ ایم۔ ایم کالج اور ایل۔ ٹی۔ ایم جی ہسپتال، سائن بمبئی کے پروفیسر نیز میڈیسن ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ ہیں انھوں نے بین الاقوامی شہرت کے مختلف سائنسی رسالوں میں ۳۰ سے زائد مضامین تحریر کئے ہیں اور موصوف نے دواؤں کی ایک نصابی کتاب نیز مراٹھی وشو کوش کے لئے انگریزی اور مراٹھی میں بھی ابواب تحریر کئے ہیں۔

"یوگا توازن اور ہم آہنگی ہے" (بھگود گیتا)

"یوگا کام کی مہارت ہے" (بھگود گیتا)

"یوگا دماغ اور روح کو کنٹرول میں رکھتا ہے" (پتن جلی)

یوگا ہندوستان کا ایک قیمتی ورثہ ہے۔ یہ ایک فن ہے اور ساتھ ہی زندگی کا فلسفہ نیز سائنس بھی ہے۔ اس کا مقصد جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی طریقے سے ایک صحت مند زندگی گذارنا ہے۔

یوگا کا لفظ سنسکرت کے لفظ 'یُج' سے لیا گیا ہے جس کا مطلب 'جوا' ہے (جو دو بیلوں کو ہل میں جوڑتا ہے) جس سے ملاپ اور مواصلت حاصل ہوتی ہے۔ یوگا شاستر یا یوگک سائنس میں ایسے طریقے ہوتے ہیں جن سے باضابطہ طور سے جسم، دماغ اور روح کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں باضابطگی مشہور قواعد داں پتنجلی نے اپنی کتاب "یوگا سوتراز" میں لائی تھی۔ یوگا کے اصول ویدوں سے نکلے اور آیور ویدک علاج میں کئی یوگک طریقے شامل ہیں۔ چونکہ اس کے چاروں طرف اسرار کے پردے تھے جس کے سبب صدیوں تک لوگوں کا خیال اس جانب نہ جا سکا۔

گذشتہ ۱۵ سال سے مغربی دنیا میں اس کے لئے زبردست دلچسپی پیدا ہوئی ہے اور وہ اس کا استعمال سائنسی طریقے سے انسانی صحت کی بہتری کے لئے کر رہے ہیں۔ ہمارا ملک بھی پیچھے نہیں ہے، سینٹرل کانسل آف ریسرچ اِن انڈین میڈیسن اینڈ ہومیوپیتھی نئی دہلی نے یوگک سائنس میں ایک تحقیقاتی پروگرام مرتب کیا ہے۔ یوگک طریقۂ علاج نے ذیابیطس، دمہ، اختلاج اور بعض دماغی امراض کے لئے بہتر نتائج ظاہر کئے ہیں۔

یوگا کیا نہیں ہے؟

"یوگا سائنس" کے بنیادی اصولوں کی تشریح کرنے سے قبل مجھے اس بات کو صاف کر لینے دیجئے کہ 'یوگا' کوئی کالا جادو، ٹونا ٹوٹکا وغیرہ نہیں ہے۔ یہ ہندو مذہب سے وابستہ نہیں ہے۔ آگ پر چلنا، نبض روک لینا، دنوں کے لئے خود کو زمین میں دفن کر لینا جیسے تماشوں نے' دنیا کے سامنے یوگا کی بہت غلط تصویر پیش کی ہے، یہ ہٹ یوگ کی انتہا ہے یا ایسے لوگوں کی جانب سے پیش کردہ کفارہ ہے جن کو اپنے جسم اور دماغ پر کنٹرول حاصل ہو گیا ہے۔ یوگا شاستر ایسی کوئی تجویز پیش نہیں کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یوگا جسمانی یا جمناسٹک طریقے کی کوئی کسرت نہیں ہے۔

یوگا کیا ہے؟

یہ ایک سائنس ہے اور ایک ایسی زندگی گذارنے کا فن ہے جو کہ صحت مند ہو۔ جسمانی، ذہنی، اخلاقی، روحانی اور نفسیاتی طور پر۔ اس کی بنیاد ایک سائنسی ڈھانچے پر ہے جس سے ذہن اور دماغ کے درمیان آہنگ توازن قائم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یوگا کا عمل ایک شخص کو اخلاقی اور ذہنی باضابطگی کی تعلیم دیتا ہے۔

یوگا کی تعلیم میں پانچ اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے جو کہ درجہ وار اس طرح ہیں (۱) یم اور نیم: یہ پہلا اصول عالمی اخلاقیات روک (یم) اور تعظیم (نیم) کی شکل میں پرزور بنا دیتا ہے۔ پیار، انس، ایمانداری، برداشت جلن، نفرت، لالچ، غصہ، خیرات کے اخلاقی پہلوؤں کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ یوگا زندگی میں حسن خلق اپنا لینے میں یقین رکھتا ہے جو کہ درجہ وار نصاب کی تربیت کے ذریعہ انوورت سے مہاورت تک لے جاتا ہے۔

(۲) آسن: یہ دوسرا اصول ہے جو آپ کو صحت مند رکھتا ہے، اور اگر صحت نہ ہو تو صحت مند کرتا ہے یوگا طریقۂ علاج کے ذریعہ ساتھ ساتھ خوراک، صفائی اور خود کے تحفظ کے طریقے سے۔ آسن ہمیں صحت مند رہنے اور دراز اور خوش خرم زندگی گذارنے میں مددگار ہوتے ہیں۔

آسنوں کو رشیوں اور منیوں نے بنایا ہے جو کہ دنوں اور مہینوں تک

غرقِ عبادت رہتے تھے۔ اُن کا جسم چاق و چوبند رہے اس لئے انھوں نے مختلف قسم کے آسن اپنائے۔ پتنجلی نے اُس کو سائنسی کہا اور اُنھیں سائنسی بنیاد عطا کی اور آیوروید نے بھی علاج معالجہ کے لئے ان میں سے چند کو اپنایا ہے۔ ان آسنوں کو اس طرح بنایا گیا ہے جن سے اہم اعضا کی عمل آوری میں بہتری پیدا ہوتی ہے جیسے دل، دماغ، پھیپھڑے نہ صرف قوّت محسوس کرتے ہیں بلکہ جسم و دماغ پر کنٹرول بھی لاتے ہیں۔ ان آسنوں میں جسمانی تربیت اور سانسوں کی یکسانیت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اُن میں سے کئی پر درمیانی عمر کے افراد بھی عمل کر سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض شکل ہیں خاص طور پر زائد وزن والے لوگوں کے لئے۔ ایک چیز تو طے ہے کہ ان آسنوں سے اہم جسمانی اعضا میں خون کے دوران میں بہتری پیدا ہوتی ہے عنق الطحال میں تحریک پیدا ہوتی ہے جس سے مزید انسولین پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی دماغ کو سکون ملتا ہے جس سے دماغی پریشانیاں دُور ہو جاتی ہیں۔

(۳) پرانایم یوگا کا عمل کرنے کا تیسرا درجہ ہے جس کا مقصد ضمنی توت کا تحفظ اور کنٹرول کرنا ہے تنفس اور اعصابی کنٹرول کے ذریعہ۔ اس کا انتہائی طریقہ نبض یا دل کو روکنا ہے جس کی وکالت یوگا نہیں کرتا دل کے مریضوں کو بعض قسم کا پرانایم کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔

(۴) پرتیا دھرا' اس کے بعد آتا ہے جو کہ جسمانی کنٹرول کے بعد حاصل کیا جاتا ہے۔ اس میں ذہن کو شعوری منظر سے ہٹایا جاتا ہے۔ اس سے جسمانی اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔

(۵) سمادھی: یوگا کی یہ عظیم ترین عمل آوری ہے جس سے ایسی حالت پیدا ہوتی ہے، جب رُوح جسم سے جُدا ہو کر عالم ملکوت کی سیر کرتی ہے اور اس پر روحانی حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

یہ مضمون صرف پہلے دو اُصولوں یعنی یم، نیم اور آسن تک محدود ہے جس میں خود کی بہتری کے لئے مکمل عملی طریقۂ کار ہے اور جس کا مقصد کسی جسم، دماغ اور نفسیاتی قوتوں کو ہم آہنگ ترقی دینا ہے۔

یوگا بطور علاج

اگر مذکرہ اُصولوں کو ذہن میں رکھا جائے تو یوگا ایک فائدہ مند علاج ہے۔ خوراک کا اثر دماغ پر ہوتا ہے اور دماغ جسم پر کنٹرول کرتا ہے ایک ساتھوک سے سبزی خوروں کا کھانا جس میں اناج، دودھ اور پھل شامل ہوتے ہیں اس سے علاج کافی مؤثر ہوتا ہے۔ کھانا مناسب مقدار میں کھایا جائے۔ مسالے، چکنائی اور نمک کم سے کم لینا چاہیئے۔ یوگا خوراک، نیند اور جنسیت میں مناسبیت کی وکالت کرتا ہے، ہمارے وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی یوگا سائنس پر زبردست اعتقاد رکھتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں۔

فی الحال یوگا کے ذریعہ شدید بے چینی، ذیابیطس، دمہ اور دماغی تھکاوٹ کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ سمادھی (ٹی ایم) کے ذریعے ذہنی امراض میں بہتری لائی جا سکتی ہے۔ امریکہ میں بہت سے لوگ کام پر یا سونے کے لئے جانے سے قبل ٹی۔ ایم پر عمل کرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے ایل۔ ٹی۔ ایم۔ میڈیکل کالج میں جو حالیہ کام کئے ہیں اس سے ذیابیطس اور موٹاپے پر یوگا کو موثر پایا ہے۔ ہمارے ساٹھ فیصدی کیسوں میں چھ ماہ کے علاج کے بعد ذیابیطس پر کنٹرول دواؤں کی خوراک میں کمی کے ساتھ ہُوا اور دو کیسوں میں دوا کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اس کام کو نومبر ۱۹۷۶ء میں نئی دہلی میں منعقدہ ذیابیطس پر عالمی کانگریس میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیلات ڈائے بیٹک ایسوسی ایشن آف انڈیا کے جرنل میں شائع ہو چکی ہے

یوگا کیسے کام کرتا ہے؟

حالانکہ ہم اب بھی نہیں جانتے ہیں کہ یوگا کیسے کام کرتا ہے' ہو سکتا ہے ہماری جسمانی عمل پذیری کی میکانکی پر اثرانداز ہوتا ہو۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو شخص یوگا بطور علاج کرنا چاہتا ہو اس کو ڈاکٹر سے مشورہ کر کے آسنوں کی اقسام جو اس کے لئے بہتر ہوں معلوم کرنا چاہئے بعض ہڈیوں اور جوڑوں کی بیماریوں میں اور دل کی بیماریوں میں بعض قسم کے آسن نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔

اس کا مستقبل

دسمبر ۱۹۷۶ء میں مہاراشٹر کے ضلع ستارا کے مقام پنچگنی میں انٹرنیشنل یوگا ٹیچرز ایسوسی ایشن (آئی۔ وائی۔ ٹی۔ اے) کی پانچویں بین۔ الاقوامی کانگریس کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ اس کانفرنس میں دنیا کے مختلف حصّوں کے تقریبًا ۲۰۰ نمائندوں نے شرکت کی تھی اور اپنے تجربات بیان کئے تھے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے جو میں نے ان نشستوں میں شرکت کے بعد بنائی ہے کہ یوگا بطور علاج کے ایک زبردست مستقبل رکھتا ہے۔ یوگا کی قدر و قیمت مغربی ممالک نیز آسٹریلیا اور جاپان میں تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ آئی۔ وائی۔ ٹی۔ اے کی صدر جو کہ برازیل کی مسز ماریا ہیلینا ہیں' انھوں نے برازیل میں یوگا کے اتنے مرکز قائم کئے ہیں جتنے کہ ہندوستان میں بھی نہیں ہیں۔ یوگا کے بارے میں بیداری بہت تیزی سے پیدا ہو رہی ہے اور اس کی جڑیں برازیل، پورٹوریکو، ایران آسٹریلیا اور جاپان میں بڑی مضبوطی سے جم گئی ہیں۔ جاپانیوں نے یوگا

کے مراکز نہ صرف جاپان بلکہ فرانس اور یو۔ ایس ۔ اے میں بھی قائم کئے ہیں انھوں نے چینیوں کے قدیم عمل زمین کو یوگا کے ساتھ ملادیا ہے اور ایک مشترکہ عمل بنادیا ہے۔

ہمارا ملک یوگا سائنس کا گہوارہ ہے اور ہمیں اس معاملے میں قیادت کرنی چاہیئے۔ یہاں کے تمام بڑے ہسپتالوں میں یوگا علاج کلینک ہونا چاہیئے۔ اس کلینک کو قیمتی آلات کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یوگا ٹیچروں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ ہم کو تو بس ضرورت اس کام کو کرنے کی خواہش اور حکومت نیز مخیر اداروں کی جانب سے حوصلہ افزائی کی۔ اگر ہم جلد سے جلد اس بارے میں کچھ نہیں کریں گے تو مزید ترقی کرنا مشکل ہوگا۔

کرلا میں الفاروق لائبریری کا افتتاح

جناب سید فاروق پاشا، وزیر مملکت برائے تعلیم و اوقاف نے ۲۶ جولائی کی شب میں جماعت المسلمین، نیو مل روڈ، بازار وارڈ کرلا کی طرف سے قائم کردہ الفاروق لائبریری کا افتتاح کیا۔ شری پاشا نے نہایت فصیح اور بلیغ انداز میں تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے وہ ہمیشہ اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔ پیر نرالے شاہ صاحب کی صدارت میں منعقدہ اس جلسہ میں جناب سید سہیل اشرف نے جلسہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔

بیرسٹر اقبال گایا۔ شری شہریار عابدی اور کامریڈ عبدالجبار نے تقریریں کیں۔ جناب منشی منفق، جناب عبدالرحیم مصباحی، جیلانی صاحب، ملک ریاض گونڈوی، نسیم جونپوری اور دیگر شعراء نے نعتیہ کلام سنایا۔ جناب انجم رومانی اور جناب خلیل صباغی نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی اور جناب اصغر حسین طیب (جنرل سکریٹری) نے مہمانوں کی گل پوشی کی۔

سوال و جواب

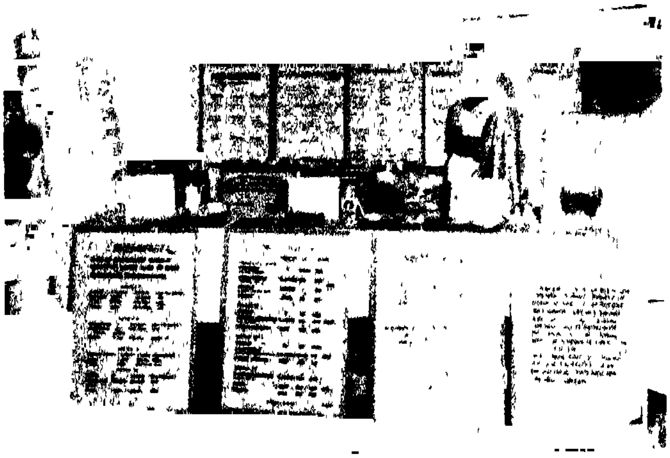
(سرورق سے آگے)

تمام درجوں کے غیر ماہر ورکروں (بشمول خواتین درخواست گذار) کے لئے، سب ریجنل ایمپلائمنٹ افسر، سب ریجنل ایمپلائمنٹ ایکسچینج آفس، مظفر آباد ہال، بردکٹر روڈ، گرانٹ روڈ، بمبئی، ۴ (ٹیلیفون نمبر ۳۲۱، ۲۴۷۳۲)، جسمانی طور سے معذور اشخاص کے لئے، ایمپلائمنٹ افسر، اسپیشل ایمپلائمنٹ ایکسچینج فار فزیکلی ہینڈی کیپڈ، مظفر آباد ہال، بردکٹر روڈ، گرانٹ روڈ، بمبئی، ۴۰۰۰۰۴، (ٹیلیفون نمبر ۳۲۱، ۲۴۷۳۲)۔ تجربہ کار سرٹیفکیٹ رکھنے والے تمام ٹیکنیکل اشخاص کے لئے، ایمپلائمنٹ افسر، ایمپلائمنٹ ایکسچینج سہکار بھون، پہلا منزلہ، کرلا، انڈسٹریل اسٹیٹ آگرہ روڈ، گھاٹ کوپر (مغربی) بمبئی ۴۰۰۰۸۶ (ٹیلیفون نمبر ۵۵۵۱۲۶)۔ ڈپلوما/ ڈگری رکھنے والے تمام ٹکنیکل اشخاص نیز تمام پوسٹ گریجویٹوں کے لئے یونیورسٹی ایمپلائمنٹ انفارمیشن اینڈ گائیڈنس بیورو، ۹، قیمت رائے بلڈنگ، مہارشی کروے روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۲۰ (ٹیلیفون نمبر ۲۹۶۷۰۱)۔

ریاست کے ہر ضلع میں اس کے صدر مقام پر ایک ایمپلائمنٹ ایکسچینج قائم کیا گیا ہے۔



شری سید فاروق پاشا وزیر مملکت برائے تعلیم و اوقاف نے ۲۶ جولائی کی شب میں الفاروق لائبریری کرلا کا افتتاح کیا۔ مرکز تصویر میں شری سید فاروق پاشا کے ساتھ افتتاح کے وقت پیر نرالے شاہ صاحب اور جناب سید سہیل اشرف صاحب دکھائی دے رہے ہیں۔



★ لیلا جورج

کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ

● ــــــــ ترجمہ: اے۔ وی پاشا

کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کوئی نئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ اتنی ہی پُرانی ہے جتنی ہماری تہذیب۔ ہماری قدیم کتابوں اور کوٹلیہ کی معیشت میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں صرف چند چیزوں خاص کر مسالے میں ملاوٹ ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان چیزوں کی خاصیت میں کمی واقع ہوجاتی تھی، ساتھ ہی پیسوں کا نقصان بھی ہوتا تھا۔ لیکن اس سے انسانی زندگی کو کوئی خطرہ یا نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔

دھیرے دھیرے دودھ، خوردنی تیل، مکھن، شراب، گھی ملاوٹ کرنیوالوں کی گرفت میں آئے۔ ملاوٹ کرنیوالوں کی یہ قوم بڑھتی گئی اور دوسری جنگ عظیم میں پورا نقشہ ہی بدل گیا۔ موسم کی خرابی کے سبب اناج کی کمی، اشیائے ضروری کی فراہمی میں رکاوٹ اور آبادی میں اضافے نے کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنے کے لئے بڑا سازگار ماحول پیدا کردیا۔ اچھے اقسام کے اناج میں گھٹیا قسم کا اناج ملانا یا پتھر، لکڑی کا بُرادہ، مٹی وغیرہ ملانا اور لونگ، الائچی سے پیسے کی لالچ میں تیل نکالنا بہت عام بات ہوگئی۔

کچھ خاص قسم کی ملاوٹوں کو دیکھ کر، سونگھ کر یا اس کا ذائقہ لے کر پکڑا جاسکتا ہے۔ لیکن آخری طریقہ خطرناک ہے۔ دیکھ کر یا سونگھ کر چیزوں کی ملاوٹ کا پتہ لگانا لائق اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ آج کل خاص قسم کے بنائے ہوئے پتھر چاول میں ملائے جاتے ہیں جنھیں آنکھیں جلد پہچان نہیں پاتیں۔ اس کے علاوہ اناجوں میں جو بناوٹی خوشبو ہوتی ہے وہ ہماری زندگی کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ بیوپاریوں کے ملاوٹ کے ان طریقوں نے حکومت کو مجبور کردیا کہ ملاوٹ کے اس گندے کام پر روک تھام لگانے کے لئے قانون بنائے۔ ۱۹۵۴ء سے پہلے ہر ریاست میں اپنے الگ قانون تھے۔ اس لئے یہ قدرتی بات تھی کہ قوانین میں مسابقت نہیں تھی۔ ان قوانین کو نافذ کرنے کی ذمہ داری میونسپلٹیوں اور سرکاری ایجنسیوں کی تھی۔ مرکزی حکومت نے ان ریاستی قوانین کی جگہ پر ایک مرکزی کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کی روک تھام قانون بنایا۔ جس کی وجہ سے ملاوٹ کے میدان میں کافی کمی آئی۔

عام طور پر اناج ملاوٹ روک تھام قانون ملاوٹی یا غلط نام سے کھانے پینے کی اشیاء کے ذخیرے فروخت اور تقسیم پر روک لگاتا ہے۔ اس قانون کے تحت اناج کی تجارت کے لئے ایک لائسنس طریقۂ کار طے کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ کار تجارت کو قانونی بناتا ہے اور اس کے نتیجے میں "اناج ملاوٹ روک تھام قانون" پر عمل آوری ہوتی ہے۔ اس قانون پر عمل آوری اناج انسپکٹر کے ذریعہ کی جاتی ہے جو کہ مختلف ریاستی حکومت کے ملازم ہوتے ہیں۔ یہ انسپکٹر کھانے پینے کی چیزوں کے نمونے جمع کرتے ہیں اور ان کو جانچ کے لئے تحقیقاتی مرکز (شہری میونسپلٹی یا سرکاری تحقیقاتی لیبوریٹری) کو بھیجتے ہیں۔ اچھی اور تمام آلات سے مزین تحقیقاتی لیبوریٹریز کی تعداد بہت کم ہے نیز ان پر کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔ اس لئے جانچ کے نتائج نکالنے میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے۔ کبھی کبھی جانچ کے نمونے خراب بھی ہوجاتے ہیں یا انھیں غائب کیا جاتا ہے جو گواہ ہوتے ہیں وہ خلاف ہوجاتے ہیں۔ یہ سب باتیں کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کی روک تھام قانون کے پاس ہونے کی دو دہائیوں کے بعد پھیلی ہوئی ملاوٹ کی بھیانک پن کا ہمیں احساس کراتی ہیں۔

اِن خامیوں کے ساتھ ساتھ قانون میں بھی کچھ خامیاں ہیں جو کہ ملزم کو شک کا فائدہ دیتی ہیں اور اس کو بچ کر نکل جانے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ ساتھ ہی عدالتیں ان غیر سماجی عناصر کو جرم ثابت ہونے پر جو سزائیں



دیتی ہیں وہ بہت ہلکی ہوتی ہیں، اس طرح کے طور طریقوں نے ملاوٹ کے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ۷۴، ۱۹۷۳ء میں ملک میں عوام کے ذریعے استعمال کی جانیوالی کھانے پینے کی اشیاء میں کم سے کم ایک تہائی چیزیں ملاوٹی پائی جانے کا اندازہ کیا گیا تھا۔ اس طرح کے ملاوٹ کے بڑے تناسب کو قومی صحت کے لئے بھیانک ترین حالات کے سوائے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قانون کو مؤثر طریقے سے نافذ کرنے کے لئے مرکزی حکومت نے سینٹرل کمیٹی فور فوڈ اسٹینڈرڈ نامی قانونی کمیٹی تشکیل دی۔ ملاوٹ روک تھام قانون انڈین اسٹنڈرڈ انسٹی ٹیوٹ ایکٹ بابت ۱۹۵۶ء، ایگریکلچرل پروڈیوس اینڈ گریڈنگ اینڈ مارکنگ ایکٹ بابت ۱۹۳۷ء، فروٹ پروڈکٹس آرڈر بابت ۱۹۵۵ء کے تحت وقتاً فوقتاً کھانے پینے کی خصوصیت کے پیمانوں کے اعلان کئے جاتے ہیں جس سے ان چیزوں کی بہتری کے بارے میں تیسری پارٹی کی طرف سے یہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ چیزیں بہتر ہیں اور خرید نے کے لائق ہیں، ایسا احساس عوام میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر آئی ایس آئی کی مہریں لگی چیزیں بازار میں بہت کم ملتی ہیں۔ یہ اشیائے ضروری تھوک میں ملتی ہیں یا پیک بند ملتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستانی صارفین کا بیحد کم فیصد ان اشیاء کو خریدنے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہماری آبادی کا بہت بڑا حصہ معاشی طور پر پسماندہ ہے اور کھانے پینے کی چیزیں پیک بند کے بجائے بہت کم مقدار میں اپنی ضرورت کے مطابق خریدتا ہے اور انھیں لوگوں کو ملاوٹ کی چیزوں کے خطرے سے بچانا ضروری ہے۔ اگر ہمیں اپنی قومی صحت کی حفاظت کرنی ہے۔

اسی مقصد کے تحت لوک سبھا نے ملاوٹ روک تھام قانون بابت ۱۹۵۴ء میں جنوری ۱۹۷۶ء میں ترمیم کی۔ اس ترمیم نے قانون کی بہت سی خامیوں کو دور کیا۔ ملاوٹ کی چیز کو بیچنے کے لئے ہی نہیں بلکہ اس میں مدد کرنے کے لئے بھی تا زندگی قید کی سزا مل سکتی ہے اس بات کی گنجائش ترمیم شدہ قانون میں رکھی گئی ہے، مگر صرف اس قسم کی سخت سزاؤں کی قانون میں گنجائش ہی ملاوٹ کے مسئلے کو نہیں سلجھا سکتی۔

اونچی آمدنی والوں کو چاہیئے کہ وہ جانچ کردہ اشیاء ہی خریدیں اور اشیاء تیار کرنے والوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اپنی چیزوں کو آئی ایس آئی کے تحت لائیں۔ کھانے پینے کی چیزوں کی کمی کے زمانے میں وہ اپنے لئے ضرورت بھر کی چیزیں ہی خریدیں جس سے ان اشیاء کی کالا بازاری اور ذخیرہ اندوزی و ملاوٹ سازی روکی جا سکے۔ انھیں اشیاء میں ملاوٹ کی روک تھام کرنیوالی ایجنسیوں کی مدد کرنی چاہیئے اور اگر ملاوٹ والی چیزیں انھیں ملیں تو اس کی شکایت بھیجنی چاہیئے۔ انھیں با اختیار ایجنسیوں سے کھانے پینے کی چیزوں کے نمونوں کی جانچ کرا لینی چاہیئے بھلے ہی اس پر انھیں کچھ پیسہ ہی خرچ کرنا پڑے۔

خواتین انجمنیں، مردوں کے تفریحی کلب (جہاں کھانے پینے کا انتظام ہوتا ہے) اور دیگر جماعتوں وانجمنوں کو چاہیئے کہ وہ ملاوٹ کے خلاف تحریک چلائیں۔ غیر سرکاری انجمنوں کے ذریعے اس طرح کے اقدام غیر انسانی حرکتوں کی روک تھام میں بہت معاون ثابت ہوں گے۔ قانون گائیڈنس سوسائٹی کا اپنا تجربہ اس طرح کی تحریکوں کا ہے۔ اس اسی سوسائٹی کو سینٹرل کمیٹی آف فوڈ اسٹنڈرڈ اور مہاراشٹر راجیہ ملاوٹ روک تھام قانون" کے تحت تشکیل کردہ صلاح کار کمیٹی میں بھی نمائندگی ملی ہے۔ یہ سوسائٹی کی کوششوں کا ہی پھل ہے۔ ریاست میں کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ جو کہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں ۸ء۷ فیصد تھی ۱۹۷۶ء میں چار فیصد رہ گئی (جب کہ ۷۵-۱۹۷۴ء کا کل ہند فیصد ۱۸ فی صد ہے۔)

صارفین کو چاہیئے کہ وہ اناج میں ملاوٹ کے آسان طریقے کے بارے میں جانکاری حاصل کریں۔ دوکانداروں کے خلاف شکایت نوٹ کریں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جو ان ملاوٹ کی چیزوں کے تھوک فروش ہیں ان کے ناموں کا پتہ لگا کر "غذا اور ادویہ انتظامیہ کمشنر حکومت مہاراشٹر، گرہ نرمان بھون، باندرہ، ممبئی نمبر ۵۱ یا اسسٹنٹ غذا وادویہ کمشنر، حکومت ہند، مانک جی واڈیا بلڈنگ، مہاتما گاندھی روڈ، ممبئی نمبر ۱ کو مطلع کریں۔ پہلے کا کام ریاستی حدود کے اندر تک ہے جب کہ دوسرے کا صرف ممبئی تک ہی ہے۔

مصوّری سے کھیتی باڑی تک

بے زمین مزدور کی کہانی

• شری پربھاکر پُرانک
ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر، بیڑ

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ضلع بیڑ میں "زمین کا مالک کاشتکار" یہ اُصول صرف کاغذ پر تھا۔ ابھی دو تین سال پہلے زمین جوتنے والے اصل کاشتکار محض زرعی مزدور کی حیثیت رکھتے تھے جن کے پاس خود اپنی زمین نہیں تھی جس زمین پر وہ کاشتکاری کرتے تھے اس کے مستقل مالک امیر زمیندار، بڑے کسان اور بڑے صنعت کار تھے۔ یہ مزدور گزارہ کے بیل کے مانند کھیتوں پر کام کرتے۔ ہمیشہ حد سے زیادہ کام کرتے، کم اُجرت پاتے، اور بڑی عسرت کی زندگی گذارتے تھے۔

ریاستی حکومت نے ملکیت اراضی کی حد گھٹانے کے لئے کئی قوانین وضع کئے کسی نہ کسی وجہ سے یہ قوانین رو بہ عمل نہ لائے جا سکے۔ بہرحال ڈیڑھ سال قبل اراضی حد بندی ملکیت قانون بابت ۱۹۷۶ء کے تحت فاضل اراضی نکالی گئی۔ اس ایکٹ کے مطابق یہ فاضل اراضی بے زمین زرعی مزدوروں، پسماندہ طبقات کے افراد اور سابق فوجی ملازمین کے درمیان تقسیم کرنا تھی۔ ریاستی حکومت نے محض تقسیم اراضی ہی کو کافی نہ سمجھا بلکہ آگے بڑھ کر ایک اور قدم اُٹھایا تاکہ نئے مالکان کی زمین قابل کاشت بنائی جا سکے اور جوتائی وغیرہ کی سہولت نیز زرعی آلات کی کمی کے باعث بیکار نہ پڑی رہے۔

ضلع بیڑ میں ۸،۱۵۱ ہیکٹر اراضی فاضل قرار دی گئی تھی۔ اس میں سے ۳،۱۳۱ ہیکٹر سے زیادہ زمین پسماندہ طبقات کے لوگوں میں تقسیم کی گئی۔ ان کی زمین کو زیر کاشت لانے کے لئے صرف بنکوں ہی نے نہیں بلکہ امیر کسانوں نے بھی امداد دی نئے زمینداروں کی زندگی میں اس طرح کیا تبدیلی آئی ہے یہ معلوم کرنے کے لئے بیڑ کے ڈسٹرکٹ پبلسٹی افسر شری پربھاکر پرانک نے شری آتمارام کسان مل سے ملاقات کی تھی جو اس ضلع کے تعلقہ امبے جوگئی میں واقع گھاٹ ندور موضع کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے یہ بیان قلم بند کیا ہے۔

اوّل تو میں شری آتمارام کو صاف ستھری سفید دھوتی اور انگرکھے میں ملبوس دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ کسان یا کاشتکار نہیں معلوم ہوتے تھے۔ لہٰذا میرا پہلا سوال یہی تھا۔

س: آتمارام، فی الحال آپ کا پیشہ کیا ہے؟

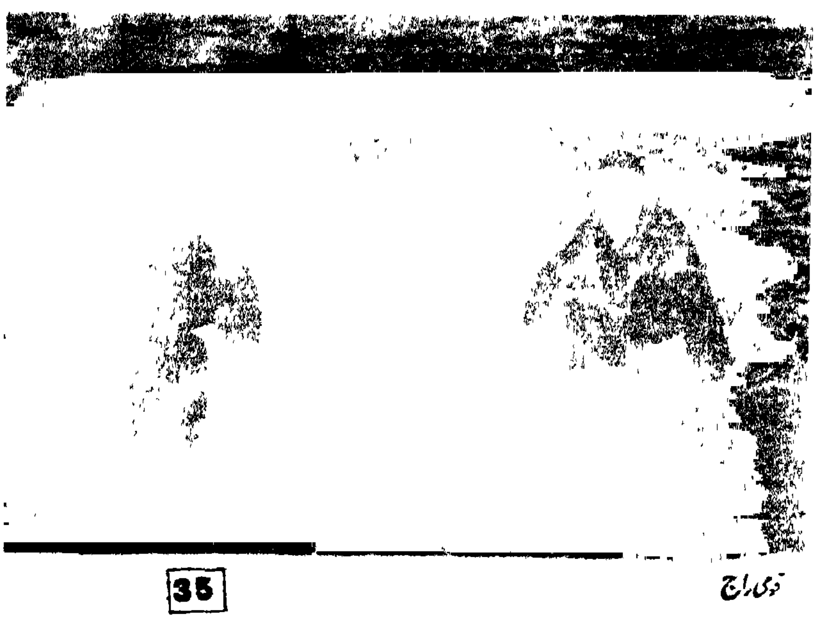
ج: فقط کھیتی باڑی، اور کیا ہو سکتا ہے؟

س: آپ نے زمین کب پائی؟

ج: اپریل ۱۹۷۶ء میں۔ نئے قانون کے تحت جب حکومت نے فاضل اراضی کا اعلان کیا تو میں نے تحصیلدار صاحب کو درخواست دی۔

س: آپ کو کتنی زمین ملی؟

ج: کُل ۴ ایکڑ اور ۳۰ گُنٹھے (۱۶۷ ہیکٹر سے اوپر) یہ زمین زرخیز نکلی حالانکہ پہلے بنجر پڑی تھی۔



آتمارام،
اپنے کھیت میں
ایک پودا بو رہے ہیں
اُن کے پتا بھی
اُن کے
ساتھ ہیں

س: کیا اب اس پر سینچائی کرتے ہیں؟

ج: جی ہاں، زمین ملتے ہی میں نے تحصیلدار صاحب کے مشورہ پر لینڈ ڈیولپمنٹ بنک کی امبے جوگئی برانچ کو کنویں کے لئے درخواست دی۔ فوراً ہی میرے لئے قرض منظور کر دیا گیا، اور مئی میں ۲۸۰، ۲ روپے کی پہلی قسط مجھے مل گئی۔ دوسری قسط کی رقم ۶۲۰، ۱ روپے تھی۔

س: کنواں کھودنے اور تعمیر کرنے کے لئے آپ کو کل کتنی رقم درکار تھی؟

ج: لینڈ ڈیولپمنٹ بنک نے کل ۰۰۰، ۱۰ روپے کی رقم منظور کی تھی۔ قرض منظور ہوتے ہی میں نے کھدائی شروع کر دی۔ اور دس فٹ گہرائی تک کھودنے پر پانی نکل آیا۔ میں نے ۳۰ فٹ تک کنواں گہرا کرایا اور پھر اس کی تعمیر کے لئے پتھر وغیرہ جمع کئے۔ جولائی میں میں نے کنواں مکمل کر لیا۔ اگر کنواں مزید ۱۰ فٹ گہرا اور ۳۳ فٹ چوڑا کر دیا جائے تو خوب پانی ملنے لگے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ دیگر اقساط ملنے پر کھدائی آگے جاری کروں۔

س: آپ نے اپنے کھیت میں سب سے پہلے کونسی فصل اگائی؟

ج: پہلی فصل میں مخلوط جوار جو خریف کی تھی۔ بعد ازاں میں نے مرچ، بھنڈی، بینگن، ٹماٹر، شیپو اور میتھی کی دوسری فصل اگائی۔ میں نے جوار کی ۱۶ کوئنٹل پیداوار حاصل کی۔ سبزی ۳۰۰ روپے کی نکلی۔

س: آپ نے بیج، کھاد اور دیگر اشیاء کیسے حاصل کیں؟

ج: دوسرے نئے زمین مالکان کی طرح میں بھی امداد باہمی سوسائٹی کا ممبر بن گیا۔ اس سوسائٹی نے مجھے بیج اور کھاد کے لئے ۳۰۰ روپے قرض دیئے۔

س: فصل ربیع میں کیا کیا؟

ج: میں نے گیہوں، چنے اور کرڈی وغیرہ کی کاشت کی۔

س: خریف اور ربیع کی آمدنی ملا کر آپ نے کتنی رقم کمائی؟

ج: تقریباً ساڑھے تین ہزار روپے۔

س: کیا آپ کے خیال میں آپ کی ۱ء۶ ہیکٹر اراضی کے تناسب سے آپ کے پاس کنواں بھی ہونے کی صورت میں یہ آمدنی حقیر ہے؟

ج: آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لیکن میں یہ وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے پوری اراضی پر کاشت نہیں کی۔ ابتدا میں میرے پاس زرعی آلات نیز ضروری اشیاء نہ تھیں جس سے پوری اراضی زیر کاشت لا سکوں۔ لہذا میں نے صرف ایک ہیکٹر پر کاشت کی۔ باقی اراضی بنا کاشت رہی۔ لیکن اب میرا پکا ارادہ ہے کہ آئندہ خریف فصل میں پوری زمین زیر کاشت لاؤں۔

س: کیا اب آپ پوری طرح سازوسامان سے لیس ہیں؟

ج: جی نہیں۔ ابھی تک نہیں۔ لیکن مجھے وشواس ہے کہ اپنے لوگوں سے ضرور مجھے مدد ملے گی۔ پچھلی دفعہ بھی انھوں نے مدد کی تھی۔ بوائی، سینچائی، راتوں کو فصل کی حفاظت، غرض کہ ہر ہر مرحلے پر انھوں نے ہاتھ بٹایا۔ ہل اور بیل بھی مجھے دیئے گئے۔ اسی طرح اس سال بھی میرا ارادہ ہے کہ مخلوط جوار، باجرہ، ارہر، تل اور سال کی کاشت کروں۔

س: کچھ اپنی فیملی کے بارے میں بتایئے۔ کیا آپ اکیلے کاشت کرتے ہیں؟

ج: میرے پتا اور پتنی بھی میرا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ میری دو لڑکیاں ہیں۔ دونوں ابھی چھوٹی ہیں۔ اس طرح ہم پانچ فرد زراعت پر گذر بسر کرتے ہیں۔

س: کیا آپ نے کنویں کے لئے ملا ہوا قرض دوبارہ ادا کرنا شروع کر دیا ہے

ج: ابھی نہیں۔ واپسی ادائیگی آئندہ دیوالی سے شروع ہوگی۔ میں مانگ جاتی سے تعلق رکھتا ہوں جو پسماندہ مانی جاتی ہے۔ میں بنک سے ۲۵ فیصد امداد پانے کا حقدار ہوں۔ بعد ازاں میں کنویں کے لئے انجن بھی حاصل کر سکتا ہوں۔ ان سب سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔ میں ابھی سے سنچائی کی غرض سے زمین سُدھارنے میں لگا ہوں۔

س: گذشتہ سال آپ کے گاؤں میں ایک کسان شیبر (کیمپ) لگایا گیا تھا، کیا آپ اس میں گئے تھے؟

ج: جی ہاں، میں گیا تھا۔ میں نے گذشتہ سال ملواں کھاد تیار کی تھی، جس کا طریقہ میں نے کیمپ میں سیکھا تھا۔ اس سال اس سے فائدہ اُٹھاؤں گا۔ دراصل میں پیشہ کے اعتبار سے کسان نہیں ہوں لیکن اس کیمپ سے مجھے کھیتی باڑی کے طریقوں کے بارے میں جانکاری حاصل ہوئی۔

س: پھر اس سے قبل آپ کیا کرتے تھے؟

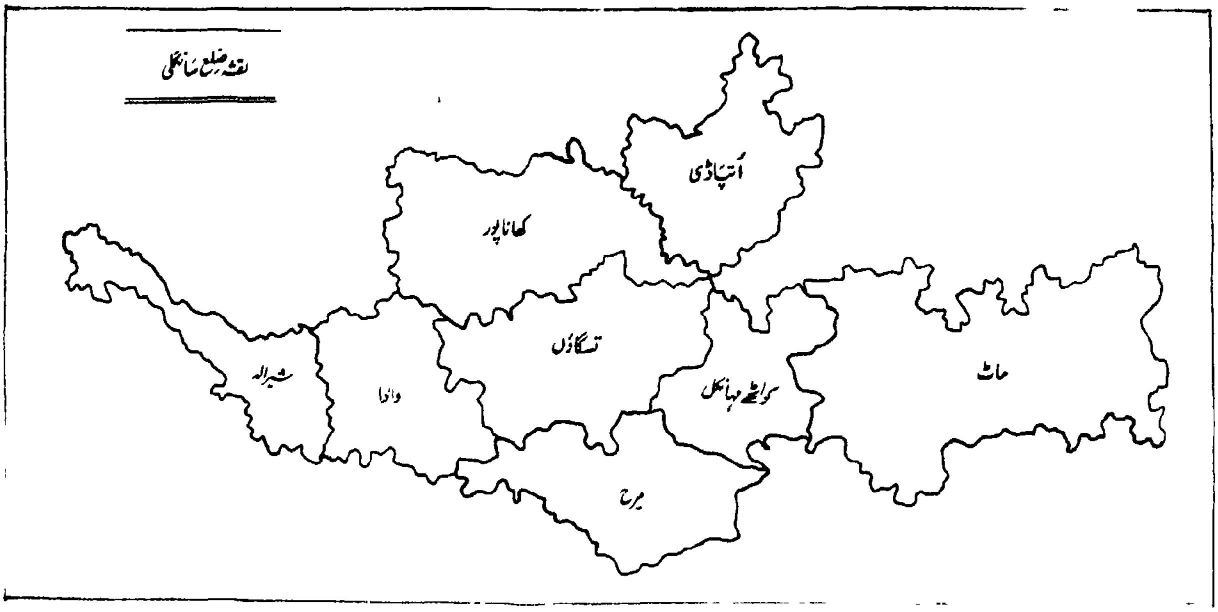
ج: میں ایک دوسرے مصور (پینٹر) کے ماتحت مصور کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ میرے پتا ایک کھیت مزدور تھے۔ اس سے آپ کو ہماری بپتا کا اندازہ ہو جائے گا۔ مجھے اپنے کنبہ کی آمدنی بڑھانے کے لئے پینٹر کی حیثیت سے کام کرنا پڑا۔ اسکول کے زمانے میں خوشخط لکھتا تھا۔ میں ڈرائنگ میں بھی اچھا تھا۔

س: اس وقت آپ کی کمائی کیا تھی؟

ج: روزانہ تقریباً چار پانچ روپے۔ لیکن کام باقاعدہ نہیں تھا کبھی کبھی ہی ملتا تھا۔

س: اپنے زراعت کے نئے پیشے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: میں اسے پسند کرتا ہوں۔ زمین کا مالک بن جانے سے ہم خصوصاً اپنے آپ کو محفوظ اور آزاد سمجھنے لگے ہیں۔ پھر لوگ بھی ہمدرد ہیں۔ امبے جوگئی کے تحصیلدار صاحب اور گھاٹ نندور کے سرپنچ نے ہماری اعانت کی۔ میں ان کا شکر گذار ہوں، اب میں فخر کر سکتا ہوں کہ زمین کا مالک ہوں۔ ●



اضلاع کی جھلکیاں

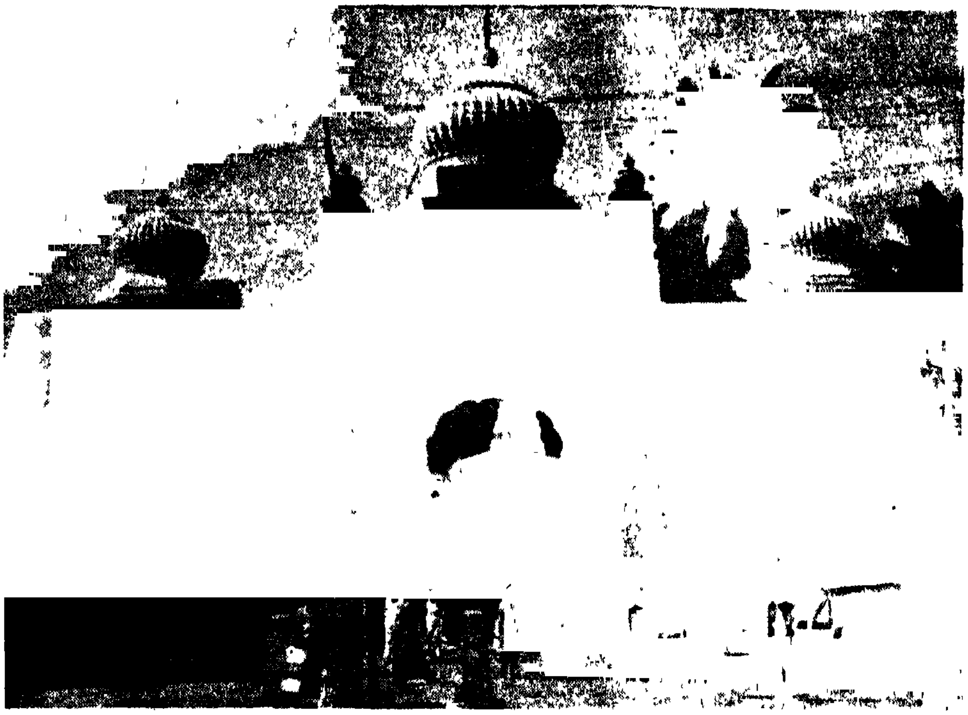
ضلع سانگلی

صدیوں پہلے انسان اپنے ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہوا اس دور میں داخل ہوا جب کہ اسے اپنی رہائش کے لئے مکان اور کھیتی باڑی کے لئے زمین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نقطۂ نظر سے اس نے عام طور پر چھوٹی بڑی ندیوں کے کناروں کو اپنا مسکن بنایا تاکہ پینے کا پانی۔ کھیتی کے واسطے پانی کی فراہمی کے لئے آسانی پیدا ہو اور اس سلسلے میں انھیں ادھر ادھر بھٹکنا نہ پڑے۔ ہمارے جتنے بھی قدیم شہر آباد ہوئے ہیں وہ زیادہ تر ندیوں اور دریاؤں کے کناروں پر ہی آباد ہوئے تھے جو بتدریج ترقی کرتے ہوئے موجودہ ترقی یافتہ شہروں کی شکل اختیار کرتے گئے۔

مہاراشٹر کے جنوبی حصہ میں واقع ضلع سانگلی اپنی ایک خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا رقبہ ۳ء۸۵۹۱ کیلو میٹر اور آبادی ۱۶،۳۰،۱۲ افراد پر مشتمل ہے۔ اس ضلع میں ۶ شہر ہیں اور دیہاتوں کی تعداد ۵۳۴ کے قریب ہے جس میں سے ۴ دیہات غیر آباد ہیں۔ سانگلی کے شمال میں ستارا ضلع ہے۔ مغربی حصہ میں سولاپور ضلع واقع ہے جب کہ جنوب میں کولہاپور اور مشرق میں بیلگام ضلع واقع ہے۔

سانگلی ضلع کا علاقہ ۱۹۴۸ء تک کچھ تو ستارا ضلع میں شامل تھا اور کچھ انودھ، جاٹھ، کرندواد (بزرگ) میرج (بزرگ) میرج (خورد) اور واڈی علاقے پر مشتمل تھا۔ ۱۹۴۹ء میں اس کا نام ضلع جنوبی ستارا رکھا گیا۔ مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد ۱۹۶۰ء یہ نام بھی تبدیل ہوا اور ضلع سانگلی رکھا گیا، جس کا صدر مقام سانگلی کو بنایا گیا۔ حکومتی نظام کی بہتر عمل آوری کے لئے اس ضلع کو دو سب ڈویژن میں بانٹ دیا گیا۔ ایک ڈویژن والوہ اور دوسرا میرج۔

ضلع سانگلی کی زرخیزی سب سے زیادہ کرشنا ندی کی مرہون منت ہے جہاں پر گنے، کیلے اور جوار کی کاشت بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے حالانکہ ضلع کے دوسرے علاقوں کو ورنا، مورنا، یارلہ ندیاں بھی سیراب کرتی ہیں۔ ضلع کی آب و ہوا خوشگوار ہے جو سال کے زیادہ حصے میں خشک رہتی ہے۔ موسم سرما دسمبر سے شروع ہوتا ہے اور فروری تک قائم رہتا ہے موسم گرما مارچ سے شروع ہوتا ہے اور مئی تک رہتا ہے۔ اس کے بعد جون سے ستمبر تک برسات کا موسم رہتا ہے۔ یہاں جنوب مغربی مانسون ہواؤں سے بارش ہوتی ہے۔ اکتوبر اور نومبر یہ دونوں ماہ مانسون کی واپسی کے ہوتے ہیں۔ ضلع میں بارش کا اوسط ۴ء۶۹۲ ایم ایم (۲۶،۲۷) ہے۔ ضلع کے مغربی حصے میں، جو مغربی گھاٹ سے قریب ہے بارش زیادہ ہوتی ہے اور اسی حصے سے بارش ضلع کے مشرقی حصہ کی طرف آتی ہے بارش کا موسم بادلوں کی کڑک اور بجلی کی چمک سے شروع ہوتا ہے۔
جہاں تک جنگلات کا تعلق ہے سانگلی ضلع میں سہادری پہاڑ پر ہمیشہ سرسبز رہنے والے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ اسی ضلع میں کچھ ایسے جنگلات بھی ہیں جو سال میں خشک اور بے برگ ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے جنگل پہاڑی ڈھلوان پر عام طور سے پائے جاتے ہیں۔ کچھ جنگل



گنیش مندر کا صدر دروازہ

جھاڑیوں پر بھی مشتمل ہیں۔ عام طور سے ان جنگلات میں جامبل، یسا، بھوجا، انجانی اور ہیرڈا کے درخت پائے جاتے ہیں۔ جاٹھ کے مشرقی حصے میں جو جنگلات ہیں وہاں کھیر اور تارواڈ کے درخت پائے جاتے ہیں۔ ان درختوں کی لکڑی عمارتی کاموں نیز گھر کے فرنیچر وغیرہ بنانے کے کاموں میں بہت کارآمد ثابت ہوئی ہے۔

جنگلات کی رونق اس وقت تک پوری نہیں سمجھی جاتی تا وقتیکہ وہاں پر بسنے والے جنگلی جانوروں کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ سانگلی ضلع کے جنگلات کو بھی یہاں کے بسنے والے جنگلی جانوروں نے رونق بخشی ہے ان جنگلوں میں درندہ صفت جانور بھی ہیں اور معصوم خصلت جانور بھی ہیں۔ ایک زمانے میں سانگلی کا جنگل چیتوں کا مسکن تھا مگر بڑھتی ہوئی آبادی نے چیتوں کو یہاں سے دور بھگا دیا۔ اب بھی تھوڑی تعداد میں ان جنگلوں میں چیتے پائے جاتے ہیں جن کی خوراک چیتل اور سانبھر ہیں۔ چیتے حالانکہ آدم خور نہیں ہیں مگر ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ وہ پالتو مویشیوں یا ان کے بچوں کو اپنی خوراک بنا لیتے ہیں۔ گھنے جنگلات میں ریچھ بھی پایا جاتا ہے جس کا مسکن پہاڑوں کے غار میں ہوتا ہے۔ ریچھ کی خوراک عام طور پر درختوں کی جڑیں اور جنگلی پھل پر مشتمل ہوتی ہے۔ شاذ و نادر ہی ریچھ انسانوں پر حملہ کرتا ہے وہ بھی اس وقت جبکہ اسے ستایا جائے۔ انہیں جنگلات میں لکڑ بھگا، جنگلی سور، ارنا بھینسا، اور لومڑی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

سانگلی ضلع میں مسلمانوں کی بھی بڑی تعداد ہے جو اسلامی طرز زندگی گذارتے ہیں۔ عیدین کی نماز، جمعہ کی نماز پابندی سے پڑھتے ہیں



پرتاب سنگھ باغ میں شری گنیش جی کی مورتی

دی میں ہندوؤں کے بعد دوسرا نمبر مسلمانوں کا ہے. یہاں پر بھی ۸۰ فیصد
سلمانوں نے اپنے آپ کو سید، پٹھان اور شیخ میں تقسیم کرلیا ہے. یہاں
سلمانوں کے کچھ اور بھی گھرانے ہیں جو اپنے آپ کو مغل کہلواتے ہیں.
نگلی میں گجرات سے آئے ہوئے بوہرے، خوجے اور میمن بھی آباد ہوگئے
تاکہ وہ یہاں رہ کر اپنے تجارتی کاروبار کو جاری رکھیں. سب سے
ی خوبی یہ ہے کہ یہاں کے تمام مسلمان مراٹھوں اور کنبیوں میں مل جل
ئے ہیں اور مہاراشٹر کی ملی جلی تہذیب کا گلدستہ پیش کرتے ہیں. بول
ل کی زبان مراٹھی ہے جس کے ساتھ ہندوستانی بھی استعمال کرتے ہیں
ہمارے ملک میں عرس، میلے، جترائیں ایک ایسی رنگین فضا کو
م دیتی ہیں جس کی مثال کسی اور قطعۂ ارضی پر ملنا مشکل ہے. سانگلی
لع میں بھی بزرگوں اور پیروں کے عرس ہوتے ہیں، زیارت گاہوں
میلے لگتے ہیں اور جترائیں بھری جاتی ہیں. گنپتی کا تہوار سب سے زیادہ
ر روشور سے منایا جاتا ہے جس میں ایک لاکھ سے ½ ۱ لاکھ آدمی
رکت کرتے ہیں.

ضلع کا خاص پیشہ کاشتکاری ہے. لوگ اپنی آمدنی کے ذرائع
ھانے کی غرض سے اب فیکٹریوں میں بھی کام کرنے لگے ہیں. گنّے
ر مونگ پھلی کی کاشت بہت زیادہ ہوتی ہے اور شہر کے بازاروں میں
ڑ کی بھیلیاں اور مونگ پھلی کے پہاڑ نظر آتے ہیں. گذشتہ برسوں میں
انوں نے کاشت کے نئے اور سائنسی طریقے اپنانا شروع کر دیئے ہیں
لوط قسم کے بیج استعمال کرتے ہیں اور پیداوار بڑھانے کے لئے ہر قسم کے
اد کے تجربے کرتے رہتے ہیں. کیونکہ کرشنا اور وارنا ندیوں کا پانی موسم گرما
ں کم ہو جاتا ہے اس وجہ سے اس کا اثر آبپاشی پر بھی بہت پڑتا ہے.

شہر کی تہذیبی زندگی اس دور میں بھی اپنی پرانی روایات کو سینے سے
ائے ہوئے ہے. سانگلی کی مستورات آج بھی ۹ گز کی ساڑھی میں ملبوس
ل میں نتھ ڈالے ہوئے نظر آتی ہیں. آج بھی عورتیں بڑ کے درخت کو پوجتی
ہیں اور اس کے چاروں طرف کچے دھاگے باندھ کر ستی ساوتری سے اپنے
ن کی مرادیں مانگتی ہیں. لڑکے اور لڑکیاں آج بھی سڑکوں پر آزادی
سے گھومتے پھرتے نہیں دکھائی دیتے.

سانگلی شہر آرٹ اور کلچر کا ایک گہوارہ ہے. عوام میں ڈرامے اور
تھیٹر دیکھنے کا بھی شوق ہے. اکثر و بیشتر علمی مجالس بھی منعقد ہوتی رہتی
ہیں. چھوٹی چھوٹی گلیوں تک میں موسیقی کی محفلیں شہر کی زندگی میں رونق
بکھیرتی رہتی ہیں. انھیں چھوٹی چھوٹی محفلوں نے بڑے بڑے فنکاروں کو
جنم دیا. لوگ اپنا شوق اپنی ترقی پیسوں میں نہیں تولتے، اور نہ پیسوں



"سُندر ہاتھی"

کی انھوں نے کبھی ہوس کی، انھوں نے ہمیشہ موسیقی سے سچی محبت اور
عقیدت رکھی. ہر موسم میں ناچ، تماشے، لاونی سے لوگ لطف اندوز
ہوتے ہیں.

یہاں کے لوگ ہاتھی کو بہت مقدس مانتے ہیں کسی گھر کے سامنے
سے ہاتھی کا گذرنا ایک نیک ساعت سمجھی جاتی ہے.
اس کے مکیں فوراً باہر آتے ہیں اور ہاتھی کو پانی، ناریل، بھاجی سبزی
اور پھل پیش کرتے ہیں. سانگلی کا ہر شہری ہاتھی سے عقیدت رکھتا ہے
اگر کسی ہاتھی کے بیمار پڑ جانے کی خبر ملتی ہے تو ہر شہری بے چین ہو جاتا
ہے اور اس کے صحت مند ہونے کی تدابیر کرتا ہے.



خبریں ۔ تصویروں میں

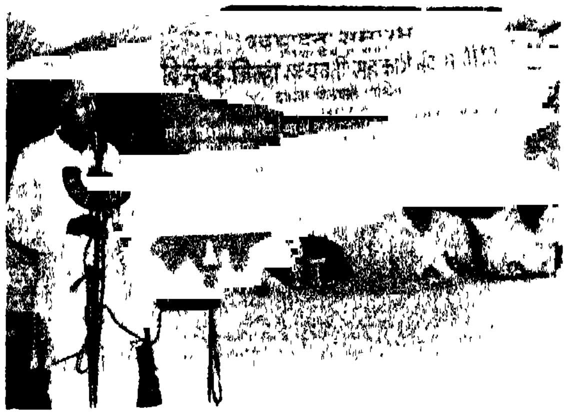


مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے شری جے پرکاش نارائن کو حال ہی میں بھارتیہ ودیا بھون کی 'اعزازی رکنیت' پیش کی۔ اس موقع پر مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل بھی موجود تھے۔

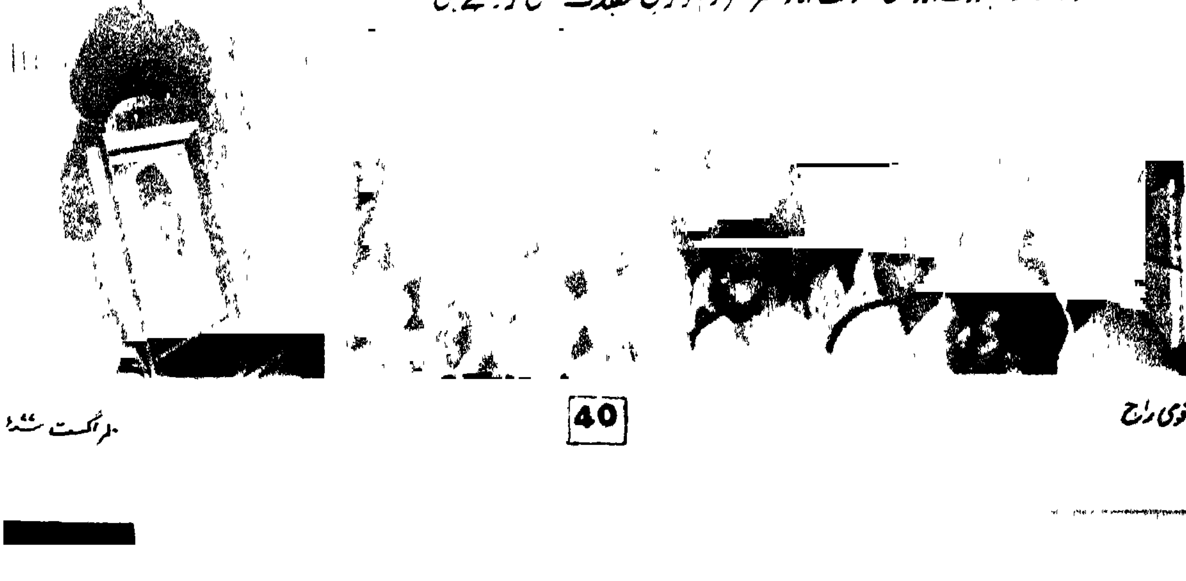
وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل، لائینس کلب کی طرف سے منعقدہ افتتاحیہ جلسے سے خطاب فرما رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، بمبئی ڈسٹرکٹ سینٹرل کوآپریٹو بنک کی ویلے پارلے برانچ کے افتتاح کے موقع پر حاضرین سے خطاب فرما رہے ہیں، ذیل کی تصویر میں منتری شیواجی راؤ پاٹل، وزیر برائے امداد باہمی اور ڈاکٹر منتری مل بنک کے میجنگ ڈائرکٹر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



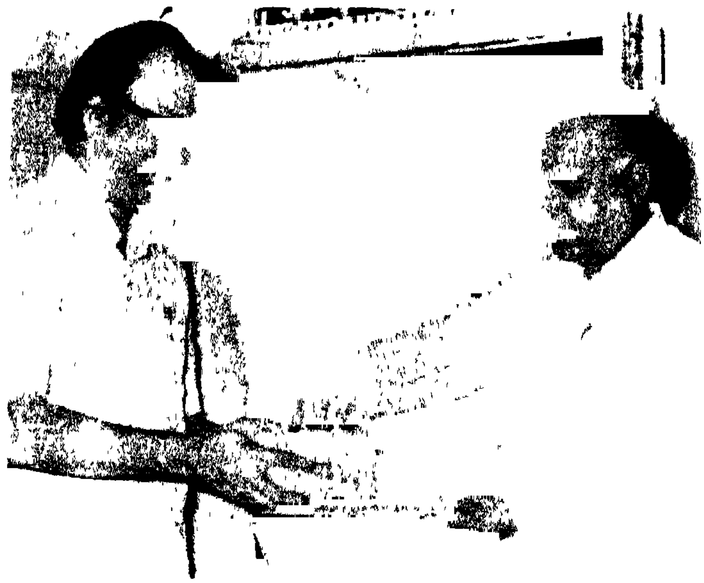


آنجہانی ... کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے مسلمانان شہر بمبئی کی جانب سے داؤد فاصل بھائی ہال میں ۱۶ جولائی کی شام ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں ہر طبقۂ خیال کے لوگوں نے شرکت کی۔ زیر نظر ہیں شری بابو راؤ کالے وزیر برائے ٹرانسپورٹ اور ... حکومت مہاراشٹر، مرحوم کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں





مہاراشٹر راجیہ سہکاری بھو ویکاس بنک کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ منترالیہ میں ۸ رجولائی کو منعقد ہوئی جس میں وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل، وزیر مالیات شری یشونت راؤ موہیتے اور وزیر برائے امداد باہمی، شری شیواجی راؤ پاٹل بھی شریک تھے۔



وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل، ۱۱ رجولائی کو ودھان بھون میں "اورنگ آباد دِن درشِکا" نامی کتاب کی رسم اجراء ادا کر رہے ہیں۔ مینیجنگ ایڈیٹر و سکریٹری گزیٹیئر ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر بی۔ جی کنیٹے بھی نظر آرہے ہیں





ی حسین دلوائی
ر قانون و عدلیہ
اراشٹر لاء کمیشن کی
لی رپورٹ، شری
م راؤ اڈِک ایڈوکیٹ
رل اور چیئرمین کمیشن
ے ۱۳ رجولائی کو
ترالیہ میں وصول
ر رہے ہیں۔

—•—

وزیر مالیات شری یشونت راؤ موہیتے "مہاتما گاندھی کے مجموعۂ مضامین" کی چار جلدوں (مراٹھی ترجمہ: جلد نمبر ۳۱، ۳۴، ۳۸ اور ۴۱) کی بھارتیہ ودیا بھون میں رسم اجراء ادا کر رہے ہیں، مندرجہ بالا تصویر میں ایگزیکیٹو ایڈیٹر اور سکریٹری گزیٹیئر ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر بی. جی کنیٹے بھی نظر آرہے ہیں۔

ریاستی خبریں

مویشی پیداواری پروگرام

حکومت ہند نے ریاست مہاراشٹر کے ۴ اضلاع کا انتخاب کیا ہے جہاں سماج کے کمزور طبقات کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے خصوصی مویشی پیداواری پروگرام پرعمل آوری کی جائے گی۔

اضلاع اور پروگرام اس طرح ہیں: تھانے اور ناسک برائے دودھ، مرغبانی، سور۔ اورنگ آباد، وردھا، پربھنی، بھنڈارہ اور ناگپور — دودھ، ناندیڑ۔ دودھ، سور، بیڑ۔ دودھ، بھیڑ، سولاپور، احمد نگر اور پونے۔ بھیڑ، ستارا اور سانگلی۔ مرغبانی اور بھیڑ۔

پروگرام سے فائدہ اٹھانے والوں کو چھوٹے اور ضمنی کسانوں نیز زراعتی مزدوروں میں سے چنا جائے گا جن کی نشاندہی اسمال فارمرز ڈیولپمنٹ ایجنسیاں یا مارجنل فارمرز اینڈ ایگریکلچرل لیبورز ایجنسیاں کریں گی۔ زراعتی مزدوروں ضمنی کاشتکاروں اور چھوٹے کاشتکاروں کو اسی ترتیب سے ترجیح دی جائے گی جبکہ مویشی پیداواری پروگرام کے لئے امداد منظور کی جائے گی شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائبس کو پراجیکٹ علاقے کی کل آبادی میں ان کے اوسط کے حساب سے نمائندگی دی جائیگی۔

سور اور مرغبانی کا پروگرام میفکو کے ذریعے نافذ کیا جائے گا جو کہ بڑ اور سور بھی فائدہ اٹھانیوالوں کو منتخب کر کے فراہم کرے گا، اور خوراک اور مارکٹنگ کا بھی انتظام کرے گا۔

حکومت نے ۴ اضلاع میں ضلع سطح کے پراجیکٹ سیل قائم کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے تاکہ پروگرام پرعمل آوری کی جاسکے اور ابتداء کی لاگت کے طور پر ۵۱ء۱۱ لاکھ روپے منظور کئے ہیں۔

طلباء کو انعامات
مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کا فیصلہ

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی نے فیصلہ کیا ہے کہ سال رواں سے ریاست کے پرائیویٹ اسکولوں کے ان طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے انعامات دیئے جائیں جنھوں نے ایس ایس سی امتحان میں اردو کے پرچے میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے ہوں اور فرسٹ کلاس میں پاس ہوئے ہوں۔

اس کے علاوہ ان طلباء کو بھی انعامات دیئے جائیں گے جنھوں نے ایس ایس سی امتحان میں اردو میں دوسری پوزیشن پائی ہو۔

یہ انعامات بالترتیب ایک سو روپے اور پچاس روپے پر مشتمل ہیں انعامات تینوں ڈویزنل بورڈ کے حالیہ ایس ایس سی امتحانات میں کامیاب طلباء کو دیئے جائیں گے۔

اسپورٹس ادارہ جات کو مالی امداد

ایسے اسپورٹس ادارہ جات جو کہ سوسائیٹیز رجسٹریشن ایکٹ یا چیریٹی کمشنر ایکٹ کے تحت رجسٹر ہیں انھیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ امداد کے لئے متعلقہ اضلاع کے اسپورٹس کے دفاتر کو درخواستیں بھیجیں۔

یہ امداد کھیل کے میدانوں کے سدھار اور دیکھ بھال نیز ہنگامی مقاصد کے لئے دی جائے گی۔ اس سلسلے میں مہاراشٹر اسٹیٹ اسپورٹس کونسل کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ادارہ کے مختلف عناصر، کام، اس کی ضروریات اور مالی ذرائع کو مدنظر رکھتے ہوئے امداد کی منظوری دے یا درخواست نامنظور کر دے

درخواست فارم بغیر کسی فیس کے متعلقہ اضلاع / ڈسٹرکٹ اسپورٹس افسر سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ بھرے ہوئے درخواست فارم مع ضروری دستاویزوں کے ڈسٹرکٹ اسپورٹس افسر کو ۱۰ اگست یا اس سے قبل مل جانے چاہئیں۔

نرسوں کو ریاستی انعامات

حکومت مہاراشٹر نے سال برائے ۷۴-۱۹۷۳ء اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں وزیراعلیٰ لیاقتی انعامات کے لئے مندرجہ ذیل پانچ بہترین تربیت یافتہ نرسوں اور پانچ بہترین نرس طالبہ کے ناموں کا اعلان کیا ہے۔

سال برائے ۷۴-۱۹۷۳ء کے لئے بہترین تربیت یافتہ نرسوں کے نام یہ ہیں: کماری اے۔ ڈی گھار، سسٹر، کاما اینڈ ایلبلیس ہسپتال، بمبئی (بمبئی عظمیٰ)؛ مسز میتی اے۔ ایل یار دیشی سسٹر، این۔ ایم مینٹل ہسپتال، تھانے، (بمبئی ڈویژن)؛ کماری کے۔ ایل کلکرنی، اسٹاف نرس، میڈیکل کالج اینڈ ہسپتال، اورنگ آباد (اورنگ ڈویژن)؛ کماری جیونتی اسیک، پیڈیاٹرک نرس، میڈیکل کالج اینڈ ہسپتال، ناگپور (ناگپور ڈویژن)؛ اور مسز میتی سنیتا بی۔ ڈیسائی، سسٹر، جنرل ہسپتال، کولہاپور (پونے ڈویژن)

بہترین طالب علم نرسیں یہ ہیں: کماری شوبھنا ایل۔ بیلوالکر، جی۔ ٹی ہسپتال، بمبئی (بمبئی عظمیٰ)؛ کماری ایس۔ کے گاندھی، جنرل ہسپتال، رتناگیری، (بمبئی ڈویژن)، کماری سنہہ لتا ستاولے، میڈیکل کالج اینڈ ہسپتال، اورنگ آباد، (اورنگ آباد ڈویژن)؛ کماری ایس۔ آر کالے، جنرل ہسپتال، اکولہ، (ناگپور ڈویژن)؛ اور کماری وائی۔ ڈی کامبلے، سسون جنرل ہسپتال، پونے، (پونے ڈویژن)۔

سال برائے ۷۶-۱۹۷۵ء کے لئے بہترین تربیت یافتہ نرسوں کے نام یہ ہیں:

کماری ایل. ڈبلیو کوٹھارے، سینٹ جارجیز ہسپتال، ممبئی (ممبئی عظمیٰ)؛ کماری سینہ پربھا گووند دلگرہیؔ، جنرل ہسپتال، ناسک، (ممبئی ڈویژن)؛ شریمتی راجا مالپی. بالن، ڈسٹرکٹ ہسپتال، پربھنی (اورنگ آباد ڈویژن)؛ شریمتی انما جان، میڈیکل کالج اینڈ ہسپتال، ناگپور (ناگپور ڈویژن) ورشریمتی آئی. ایم پاٹیل، جنرل ہسپتال، ستارا (پونے ڈویژن).

بہترین طالب علم نرسیں یہ ہیں: مِس تھرلیسا پنٹو، جے. جے گروپ آف ہسپتالز، ممبئی (ممبئی عظمیٰ)، مِس شیلا دھر ما مگر، جنرل ہسپتال، تھانے (ممبئی ڈویژن) مِس پربھولتا دیشپانڈے، جنرل ہسپتال، عثمان آباد ورنگ آباد ڈویژن)؛ کماری چھایا شنکر دیشمکھ، میڈیکل کالج اینڈ ہسپتال، ناگپور (ناگپور ڈویژن) اور شریمتی پی. بی دیشپانڈے، جنرل ہسپتال، ستارا (پونے ڈویژن).

کو ناگپور میں

شری وانکھیڈے کے ہاتھوں ون مہتسو کا افتتاح

شری ایس. کے وانکھیڈے، وزیر صنعت نے ستیا ہلدی ہلز پر ۱۴ر جولائی بیپل کا قلم لگاکر ۲۸ ویں دن مہتسو کا افتتاح کیا۔

شری آر. جے دیوتلے، وزیر برائے جنگلات مہمان خصوصی تھے اور صدارت کے فرائض ناگپور کے میئر شری آتل بہادر سنگھ نے انجام دیئے۔

شری سی. جی گیڈام، وزیر غذا و شہری رسد اور ڈاکٹر (شریمتی) سوشیلا بلراج وزیر مملکت برائے شہری ترقیات نے بھی اس موقع پر قلم لگائے۔

اس موقع پر شری وانکھیڈے نے تیز رفتاری کے ساتھ درخت اُگاؤ اسکیم پروگرام کے لئے اس ضمن میں صحیح معنوں میں لگاؤ پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

شری دیوتلے نے فرمایا کہ نئی قومی جنگلاتی پالیسی تحفظ و دیکھ بھال پیداواری ترقی کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ریاست کے ایسے جنگلات جو کہ معاشی طور پر فائدہ مند نہیں ہیں ان کی جگہ پر نئے درخت لگائے جانے چاہئیں۔

بوگس لیبر انسپکٹر سے خبردار رہیئے

حکومت مہاراشٹر کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی ہے کہ چند غیر مجاز افراد اپنے آپ کو مختلف لیبر ایکٹوں کے تحت سرکاری لیبر افسر یا انسپکٹر بتاتے ہیں۔ سرکاری لیبر افسر جو کہ مختلف لیبر قوانین کے تحت افسر مقرر کئے گئے ہیں اُن کو شناختی کارڈ دیئے گئے ہیں جن پر ان کی تصاویر لگی ہوئی ہیں اور ان شناختی کارڈوں پر لیبر کمشنر کی دستخط بھی موجود ہے۔ ان افسران کو چاہئے کہ وہ اپنی شناخت کے لئے جب بھی ضرورت ہو اپنا شناختی کارڈ پیش کریں۔

لہٰذا عوام کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس قسم کے واقعات کی خبر لیبر کمشنر اور پولس کو باقاعدہ تفصیلات کے ساتھ دیں تاکہ اس سلسلے میں مناسب اقدام کیا جاسکے۔

اورنگ آباد گزیٹیئر

ڈاکٹر جی. جی کنٹے، ایگزیکیٹو ایڈیٹر اور سکریٹری گزیٹیئر ڈیپارٹمنٹ نے وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت دادا پاٹل کو حال ہی میں اورنگ آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیئر کا نظر ثانی شدہ اڈیشن پیش کیا۔

گزیٹیئر ضلع کی تاریخ اور وہاں کے لوگوں کی سماجی، معاشی وثقافتی زندگی کی غمازی کرتا ہے۔ اس میں اجنتا اور ایلورا سے متعلق بھی دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اورنگ آباد گزیٹیئر ۱۲۶۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت ۳۶ روپے ۱۵ پیسے ہے۔

مڈل سکول اور ہائی اسکول وظائف امتحان مضمون میں تبدیلی

حکومت مہاراشٹر نے فروری ۱۹۷۸ء میں مڈل اسکول اور ہائی اسکول میں "جنرل نالیج" کے پرچے پر وظائف دینے کے فیصلہ کو بدل کر ایک گھنٹے کے لئے ۱۰۰ نمبروں پر مشتمل ذہانت کے امتحان کے پرچے پر وظائف دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس امتحان کے تمام سوالناموں کی نوعیت سے متعلق تفصیلات اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کے جیون شکشنا کے ماہ اگست کے شمارے میں شائع کی جائیں گی تاکہ تمام اسکولوں کو مطلع کیا جاسکے۔

جادوگروں کے وفد کی شری روپا وتے سے ملاقات

چندودی گریٹ کی سربراہی میں جادوگروں کے وفد نے شری دادا صاحب روپا وتے، وزیر سماجی بھلائی سے ۳۰ر جون کو ملاقات کی۔ وزیر موصوف نے فرمایا کہ جادوئی تماشہ کا شمار مظاہراتی فن میں کیا جاسکتا ہے اور دیگر مظاہراتی فنون کی طرح اس فن کی حوصلہ افزائی کرنا بھی ضروری ہے۔

ریاستی سطح پر ممبئی میں جادوگر مہوتسو منعقد کیا جانے والا ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ۔ اور جب جب ممکن ہوگا مظاہراتی فنون سے متعلقہ کمیٹیوں میں جادوگروں کے نمائندوں کو ان کا جائز مقام دیا جائے گا۔ انھوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ ریاستی حکومت کی جانب سے دیگر فن کاروں کو دی جانے والی سہولتیں وانعامات جادوگروں کو بھی دیئے جانے چاہئیں۔

نشانِ معیار اسکیم

ریاستی حکومت کے ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز نے تمام چھوٹے پیمانے کے مینوفیکچروں سے اپیل کی کہ وہ اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے معیار کا تعین کرنے کے لئے اپنے آپ کو مہاراشٹر کے چھوٹے پیمانے اور کاٹیج انڈسٹریز کی چیزوں کے لئے نشانِ معیار اسکیم کے تحت رجسٹرڈ کروالیں۔

رجسٹریشن کے بعد تیسری پارٹی کی جانب سے چیزوں کے معیاری ہونے کی یقین دہانی کے لئے گئی مدراسیل لگنے کے بعد مینوفیکچرر اپنی اشیاء کو فروخت کرسکتے ہیں۔

یہ سیل اعلیٰ رصدگاہوں میں جانچ پڑتال کے بعد حکومتِ مہاراشٹر کی جانب سے اشیاء کے معیاری ہونے کی یقین دہانی کرتی ہے۔

اس اسکیم کا نفاذ چھوٹے پیمانے اور کاٹیج انڈسٹریز کے مینوفیکچروں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۹۵۶ء میں کیا گیا تھا۔

اس سلسلہ میں مزید تفصیلات اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز (کیو۔ایم) انڈسٹریل ریسرچ لیبوریٹری، سائن، چونا بھٹی روڈ، کرلا، بمبئی نمبر ۷۰ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ٹیلیفون نمبر ۵۲۱۷۱۷ ہے۔

بمبئی ہائی اور بسین گیس، رابطہ پینل

حکومت مہاراشٹر نے وزیر صنعت کی سربراہی میں بمبئی ہائی اور مشرقی بسین سے ملنے والی گیس کے سلسلہ میں گیس کے مسائل سے متعلق معاملات میں ربط باہمی پیدا کرنے کے لئے ایک رابطہ کمیٹی مقرر کی ہے۔ ان دونوں جگہوں سے قدرتی گیس فراہم ہونے کی وجہ سے اس بات کو ضروری مانا گیا ہے کہ پٹروکیمیکل اور دیگر صنعتوں کی ترقی کے لئے اس کا زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے۔ کمیٹی ان تمام معاملات میں ربط باہمی پیدا کرنے کے فرائض انجام دے گی۔

کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں: (۱) وزیر برائے انرجی (۲) وزیر برائے شہری ترقیات (۳) وزیر داخلہ (۴) وزیر زراعت (۵) سرکاری سیکریٹری برائے محکمۂ صنعت، انرجی اور محنت (۶) سرکاری سیکریٹری برائے محکمۂ صنعت انرجی اور محنت (انرجی) (۷) وزیراعلیٰ کے سیکریٹری اور (۸) جائنٹ سرکاری سیکریٹری برائے محکمہ صنعت، انرجی اور محنت۔

بی۔سی۔ طلباء کے لئے انجینئرنگ کالجوں میں داخلے

حکومت مہاراشٹر کے احکامات کے مطابق ریاست کے سرکاری اور غیر سرکاری انجینئرنگ کالجوں میں تعلیمی سال برائے ۷۸-۱۹۷۷ء میں داخلے کے لئے ۲۴ فیصد نشستیں تین قسم کے پسماندہ طبقے کے طلباء کے لئے محفوظ کی گئی ہیں۔ اس میں لیاقت کی بنا پر داخلہ حاصل کرنے والے پسماندہ طلباء شامل نہیں ہیں۔

البتہ لیاقت اور ۲۴ فیصد محفوظ نشستوں کو ملاکر داخلوں کی کل تعداد ۴۰ فیصد سے زیادہ نہیں ہوگی۔

پسماندہ طبقے کے طلباء کی، کی گئی درجہ بندی، ذیل میں درج ہے:

(۱) مندرج جاتیوں اور نوبدھسٹ (۲) مندرج قبائل جن میں مقررہ علاقے کے باہر کے قبائل شامل ہیں؛ (۳) ڈینوٹیفائیڈ قبائل اور نومیڈک قبائل۔ دیگر پسماندہ طبقوں سے تعلق رکھنے والے طلباء ۱۰ فیصد محفوظ نشستوں کا فائدہ اٹھاسکیں گے۔ لیکن ان کے لئے لیاقت کی بنا پر داخلہ لینے والے طلبہ کا شمار بھی انھیں ۱۰ فیصد محفوظ نشستوں میں ہوگا۔ ان طلباء سے داخلہ فارم کے لئے کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔ اگر ان سے اس سلسلہ میں کوئی فیس وصول کی گئی ہوگی تو واپس کردی جائے گی۔

عوامی مقاصد کیلئے کارپوریشن کو سرکاری اراضی کا گرانٹ

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ اراضی محصول قوانین کے قانون ۵۔ اور ۶۔ کے تحت پارکوں، پلے گراؤنڈ، ڈسپنسریوں، اسکولوں اور عوامی سہولتوں کے لئے ترقیاتی منصوبوں کی خاطر میونسپل کارپوریشن کے علاقوں میں موجود سرکاری اراضی کارپوریشن کو مفت دیدی جائے۔ ان قوانین کا اطلاق ان تمام معاملات پر ہوگا جن میں کارپوریشن کو اراضی کا قبضہ ان احکامات سے قبل نہیں دیا گیا ہے۔

کارپوریشن شہروں میں واقع سرکاری اراضی کے معاملے میں جس کو میونسپل کارپوریشن اپنے ترقیاتی منصوبے کے تحت کسی عوامی مقصد کے لئے، متذکرہ کو جبوراً حاصل کرنا چاہے گی تو مجوزہ ترقیاتی منصوبہ کی اشاعت کی تاریخ کو جو بازار شرح زمین کی ہوگی اس حساب سے زمین کی قیمت وصول کی جائے گی، چاہے وہ زمین آمدنی یا دیگر مقاصد کے لئے ہی کیوں نہ استعمال کرنے کا ارادہ ہو۔

یہ گرانٹ اس شرط پر دی جائے گی کہ میونسپل کارپوریشن سرکار کی پیشگی منظوری کے بغیر ان مقاصد جن کے لئے منظوری دی گئی ہے، کے سوا کسی اور مقصد کے لئے اس کا استعمال نہیں کرے گی۔

یہ تمام فیصلے میونسپل کارپوریشن کو ترقیاتی منصوبوں کی عمل آوری میں درپیش مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے کئے گئے ہیں۔

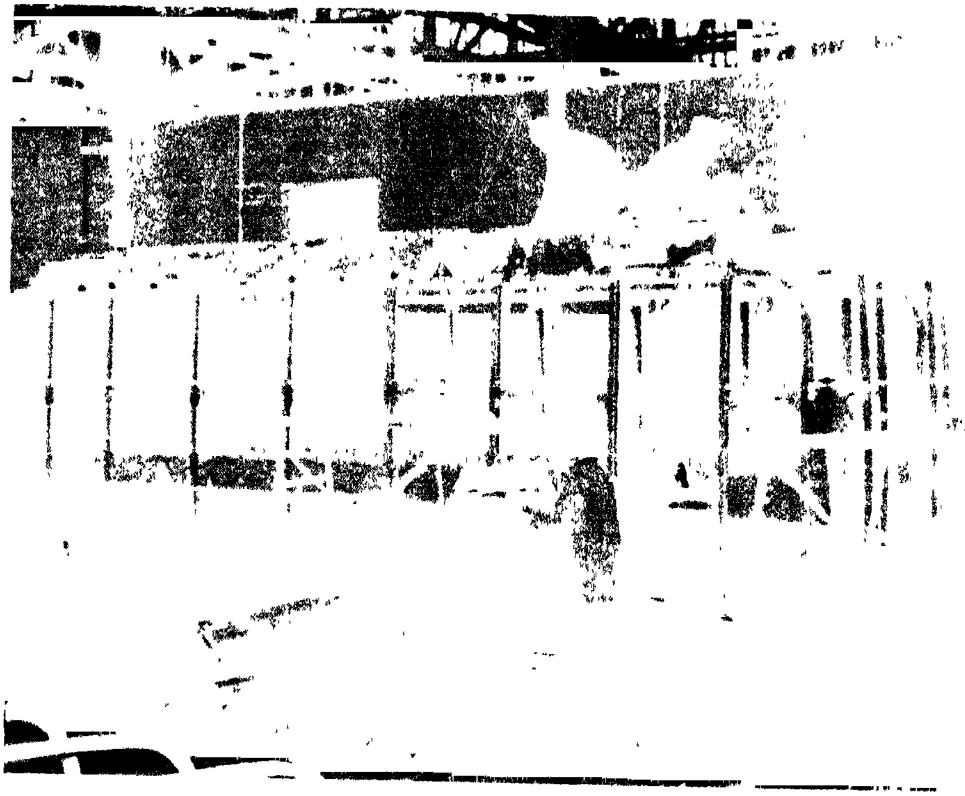
فوری توجہ کیلئے: مراسلت اور ترسیل زر کے وقت 'حوالہ نمبر' ضرور تحریر کیجیے جو آپ کے پتے کی چٹ کے اوپر درج ہوتا ہے۔



پرانے ناسک اسٹیشن پر ایک پرانی ایس۔ٹی بس



تہواروں کے موقع پر بمبئی کے باشندے ایسے ایسے گاؤں جانے نکلتے ہیں بے حس ہوجاتے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں بمبئی سنٹرل کے بس اسٹینڈ پر مسافروں کا ہجوم۔



↑ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ
ورکشاپ میں
بس کی باڈی
بنائی جارہی ہے

•

← گھسے ہوئے ٹائر کو
کو دوبارہ
قابلِ استعمال
بنانے کے لئے
اس پر مزید
ربر کا پلاسٹر
چڑھایا جارہا ہے





قومی راج

* دودھ ۔ دیہی خوشحالی میں ایک نیا عنصر
* اَجیت راؤ پٹوردھن ۔ سدابہار بہرو
* مجاہدین آزادی کے لئے آسائش

سوال و جواب

س : اسٹیٹ لاٹری ڈرا کا طریقہ کار کیا ہے۔ لاٹری انعامات کس طرح طلب کئے جاتے ہیں؟

ج : کیونکہ ٹکٹوں پر ۱۰,۰۰,۰۰۰ سے لیکر ۱۹,۹۹,۹۹۹ تک نمبر ڈالے جاتے ہیں لہذا جیتنے والے نمبر کا پہلا ہندسہ ہمیشہ '۱' رہے گا، جسے نکالنے کی ضرورت نہیں۔ ڈرم سے جیتنے والے نمبر نکالنے کی کارروائی شروع ہونے سے قبل ڈرا کے مقام پر ہال میں نمایاں جگہ آویزاں نوٹس بورڈ پر ہندسہ '۱' (۱۰ لاکھ کی جگہ) پہلے درج کر دیا جاتا ہے

اس ہال کے آخری حصے میں جہاں ڈرا کی کارروائی ہوتی ہے کشادہ جگہ پر چھ ڈرم رکھے جاتے ہیں۔ ان پر حسب ذیل شناختی پرچیاں چسپاں ہوتی ہیں:

۱ (لاکھ) ۲ (دس ہزار) ۳ (ہزار) ۴ (سینکڑہ) ۵ (دہائیاں) ۶ (یونٹ)

ان ڈرموں میں سے ہر ایک میں 'دس ڈسک' (گول سکہ نما ٹکڑے) پڑے ہوتے ہیں جن پر صفر تا ۹ ہندسے لکھے ہوتے ہیں ہر ڈسک پلاسٹک کی تھیلی میں لپٹا ہوتا ہے تاکہ اس پر درج نمبر نظر نہ آ سکے۔ ان کل چھ ڈرموں کو ایک ساتھ چلا کر 'ڈرا' کا آغاز ہوتا ہے۔ چیرمین جیسے ہی گھنٹی بجاتا ہے یہ ڈرم دس سے پندرہ سکنڈ گردش کرتے ہیں تاکہ ان کے اندر پلاسٹک کی تھیلی میں لپٹے ڈسک گڈمڈ ہو جائیں۔ پھر جب چیرمین دوبارہ گھنٹی بجاتا ہے تو یہ ڈرم رک جاتے ہیں ڈرموں کے رک جانے پر ہر ڈرم سے ایک ایک تھیلی نکالی جاتی ہے اور چیرمین کے پاس لے جائی جاتی ہے جو اسے کھول کر ڈسک پر پڑے ہندسے کا اعلان کرتا ہے ڈرم ۱، ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ سے بالترتیب نکالے گئے چھ ہندسے وہاں آویزاں نوٹس بورڈ پر پہلے سے لکھے دس لاکھ کی جگہ '۱' ہندسہ کے بعد بائیں سے دائیں جانب اسی ترتیب سے سلسلہ وار درج کر دیئے جاتے ہیں۔

اس طرح کسی خاص نمبر کے نکل آنے پر یعنی نمبر بنانے والے ہندسے نکالنے اور مذکورہ بالا طریقے پر بورڈ پر درج کرنے کے بعد فوراً ہی جہاں تک ۱۰,۰۰۰ روپے سے زیادہ رقم کے انعامات کا تعلق ہے اس نمبر کو غیر فروخت شدہ ٹکٹوں کی فہرست کے ساتھ جانچا جاتا ہے اگر یہ نمبر کسی غیر فروخت شدہ ٹکٹ کے برابر ہوتا ہے تو مذکورہ بالا طریقے سے جیتنے والا نمبر پھر نکالا جاتا ہے تاآں کہ فروخت شدہ ٹکٹ کا نمبر برآمد ہو جائے۔ بعد ازاں نگران جماعت (پینل) کے اراکین اپنی کاپیوں پر جیتنے والے نمبر درج کر لیتے ہیں 'ڈرا ختم ہونے پر چیرمین اور جماعت کے تمام اراکین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ چیرمین کی اندراج کاپی پر اپنے دستخط ثبت کریں اور یہی نتیجہ کی مستند دستاویز ہوتی ہے۔

۱۰,۰۰۰ روپے سے زیادہ رقم کے انعامات کے سلسلہ میں ہر سیریز میں انعامی نمبر مذکورہ بالا طریقہ پر پورے کے پورے نکالے جاتے ہیں۔

ماہانہ ڈرا کی ہر سیریز کے لئے چوتھے، پانچویں اور چھٹے انعامات کے لئے طریقہ کار حسب ذیل ہے:

چوتھے انعام کے لئے ڈرم ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ میں سے اسی ترتیب سے ہندسے نکال کر آخری پانچ ہندسوں کی 'اکائی' معین کی جاتی ہے ہر سیریز میں الگ الگ ایسی تین واضح اکائیاں نکالی جاتی ہیں۔ ان سیریز میں ایسے تمام ٹکٹ جن کا نمبر ان میں سے کسی ایک اکائی پر ختم ہو چوتھے انعام کے مستحق ہوتے ہیں۔

پانچویں انعام کے لئے ڈرم ۳، ۴، ۵ اور ۶ میں سے اسی ترتیب سے ہندسے نکال کر آخری چار ہندسوں کی اکائی معین کی جاتی ہے۔ ہر سیریز میں الگ الگ ایسی تین واضح اکائیاں نکالی جاتی ہیں ان سیریز میں ایسے تمام ٹکٹ جن کا نمبر ان میں سے کسی ایک اکائی پر ختم ہو' پانچویں انعام کے مستحق ہوتے ہیں

چھٹے انعام کے لئے ڈرم ۴، ۵ اور ۶ میں سے اسی ترتیب سے ہندسہ نکال کر آخری تین ہندسوں کی اکائی معین کی جاتی ہے۔ ہر سیریز میں الگ الگ پانچ واضح اکائیاں نکالی جاتی ہیں۔ ان سیریز میں ایسے تمام ٹکٹ جن کا نمبر ان میں سے کسی ایک اکائی پر ختم ہو' چھٹے انعام کے مستحق ہوتے ہیں۔

ماہانہ ڈرا کے سلسلہ میں مشترکہ انعام تمام سیریز کے لکی نمبر نکالے جانے کے بعد سب سے آخر میں نکالا جاتا ہے، مشترکہ انعام نکالنے کا طریقہ یہ ہے۔

ڈسک کے دو سیٹ جن پر سیریز کے ترمیم اعداد درج ہوتے ہیں۔ ایک ڈرم میں رکھے جاتے ہیں اور لکی نمبر نکالنے کے لئے معینہ طریقے کے مطابق لکی سیریز نکالی جاتی ہے۔ بعد ازاں عام طریقے سے لکی نمبر نکالا جاتا ہے' لکی سیریز کا ایسا ٹکٹ جس پر لکی نمبر ہو مشترکہ انعام پاتا ہے۔ اس صورت میں کہ اس طرح نکالا ہوا لکی نمبر اتفاق سے لکی سیریز میں غیر فروخت شدہ ٹکٹ کا ہو تو لکی سیریز اور لکی نمبر دونوں کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے اور مذکورہ بالا طریقے پر لکی سیریز اور اس کا لکی نمبر از سر نو نکالا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار دہرایا جاتا ہے تاآں کہ فروخت شدہ ٹکٹ کا نمبر نکل آئے۔

درمیانی ڈرا کے سیریز میں چوتھے، پانچویں اور چھٹے انعامات کے سلسلے میں طریقہ کار حسب ذیل ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

قومی راج

یومِ آزادی نمبر ۱۹۷۷ء

قومی راج

جلد ۴ * ۲۵ راگست ۱۹۷۷ء * شمارہ ۱۵

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

قیمت فی کاپی: ۵۰ پیسے * سالانہ: دس روپے

نگران: خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

سخنہائے گفتنی

۱۵ راگست ۱۹۷۷ء کو ہماری آزادی کے ۳۰ سال مکمل ہو گئے ہیں اور اب ہم کامیابی کے ۳۱ ویں سال میں قدم رکھ رہے ہیں۔ ان تیس سالوں میں ہمارے ملک نے چھوٹی اور بڑی صنعتوں میں، زراعت میں، سماجی فلاح و بہبود کے کاموں میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ملک میں غریبوں اور پچھڑے ہوئے طبقات کے لوگوں کی بھلائی کے لئے بھی اُمید افزا کام ہو رہے ہیں اور اس بات کا یقین ہے کہ اگر ہمارے کام اسی طرح ہمت اور لگن سے ہوتے رہے تو ملک زندگی کے ہر شعبے میں خود کفیل ہو جائے گا۔ آیئے اس مبارک دن ہم سب مل کر ایک نئے عزم سے اپنے کاموں میں لگ جائیں۔

دودھ، ضروریات زندگی میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ بوتلوں میں آپ کو گھر بیٹھے دودھ مل جاتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ کتنے مراحل طے کرنے کے بعد دودھ آپ کے گھر تک پہنچتا ہے۔

ناشک شہر ہماری ریاست کا ایک صنعتی شہر بھی ہے اور متبرک مقام بھی۔ جس کے بارے میں کچھ حقائق بھی اس شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔

اسی شمارے میں ہنود راؤ صاحب کا مضمون "سو دنوں میں سو اقدام" بھی شامل ہے۔ ہمیں قوی اُمید ہے کہ قارئین 'قومی راج' کو اس سے ریاست میں ہونے والی ترقی کا کم از کم اندازہ تو ہو ہی جائے گا۔ قارئین ہمیں اپنی رائے سے نوازیں۔

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

فیروزہ خان

یوم آزادی کے موقع پر
وزیر اعلیٰ کا پیغام



۱۵ راگست ۱۹۷۷ء آزادی کی تیسویں سالگرہ کے موقع پر شری وسنت دادا پاٹل، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے آل انڈیا ریڈیو سے اپنے نشریہ میں مہاراشٹر کے عوام سے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ ملک کی خوشحالی میں ہاتھ بٹائیں اور تعمیری کاموں کے لئے اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے ملک کی ترقی کی جانب قدم اٹھائیں۔ پیغام کا متن درج ذیل ہے:

شری پاٹل نے فرمایا کہ خوش حالی حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام وسائل کا استعمال کیا جائے اور اس سلسلے میں عوام، ادارے، کاشتکار، ملازمین مالکان، تجار، طلباء اور ادیب سب ہی اہم رول ادا کرتے ہیں۔ زرعی میدان میں پیداوار میں اضافہ کیلئے وزیر اعلیٰ نے چھوٹے قطعات اور خشک اراضی کے مالکان کی فی ہکٹر پیداوار میں اضافہ پر زور دیا۔

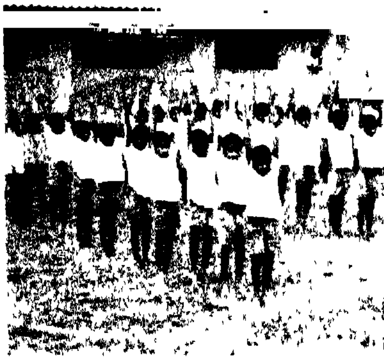
انھوں نے فرمایا کہ زرعی محاذ میں خودکفالتی محض چند کسانوں کے ذریعے پیداوار میں اضافہ کرنے سے نہیں حاصل ہوسکتی ہے۔ اس سال خوش قسمتی سے پوری ریاست میں کافی بارش ہوئی ہے۔ چنانچہ سوچے سمجھے منصوبہ بند اقدام کے تحت ریاست میں امسال کے مقررہ نشانے کو حاصل کرنے میں یقیناً کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

صنعتی محاذ سے متعلق وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ خودکفالتی حاصل کرنے کے لئے مزدوروں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ صنعتی پیداوار میں اضافہ انتشار کی حالت میں نہیں کیا جاسکتا ہے اس لئے ملازمین و مالکان میں مساوی حصہ دار ہونے کے احساس کو برقرار رکھنا بیحد اہم ہے۔ جب تک کہ دونوں میں ربط باہمی نہ پیدا ہو، زرعی پیداوار ہرگز نہیں بڑھ سکتی ہے۔

شری پاٹل نے فرمایا کہ حکومت مہاراشٹر قومی سطح پر ضروری اشیاء کی تقسیم کے اقدامات کے اعلان کا خیر مقدم کرے گی، کیونکہ اس اقدام سے منافع خوری جیسے غیر سماجی عناصر پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

نئو دِنوں میں نئو اقدام

• بنود راؤ





قبائلی لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے حکومت کے اقدامات سے تعلیم اور زراعت کو فروغ

چار ماہ کے مختصر عرصے میں ایک ایسے شخص کی سربراہی میں جن کا عوام سے گہرا رشتہ رہا ہے حکومت مہاراشٹر نے عوامی بہبود کی حصولی کیلئے مختلف اقدامات کئے ہیں اس سلسلے میں لوگوں کی بہبودی کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے جو صحیح معنوں میں اس کے مستحق ہیں۔

اس جانب بڑھتا ہوا پہلا قدم مطالبہ پر روزگار کی فراہمی یا روزانہ ایک روپیہ بے روزگاری بھتہ ہے۔ بھارت کے دستور میں درج رہنما اصول میں ہر شہری کو کام کرنے کے مواقع کی فراہمی پر زور دیا گیا ہے تاکہ ہر شہری باعزت زندگی گزار سکے اس بات کو مہاراشٹر ایکٹ کی بنا پر ہندوستان میں پہلی مرتبہ عملی جامہ پہنایا گیا ہے۔

مہاراشٹر میں اکثر سوکھا پڑتا ہے اس طرح کے علاقے کے لئے ضمانت روزگار اسکیم بے حد اہمیت رکھتی ہے کیونکہ زرعی مزدور قحط زدہ علاقوں سے شہر کا رخ کرتے ہیں اور شہر میں ان کی آمد کئی نئے مسائل پیدا کر دیتی ہے چنانچہ ضمانت روزگار اسکیم کے ذریعے دیہاتوں کے رہنے والوں کو وہیں رہنے اور اسی علاقے میں کام کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور علاقائی ترقیاتی کاموں میں ان کو مصروف رکھا جاتا ہے۔

یہ ایک مثالی اسکیم ہے جس کی آئی ایل او نے ستائش کی ہے۔ ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت ریاستی حکومت اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہے۔ معاشی سرگرمیاں زور وشور سے جاری ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ روزگار فراہم کیا جا سکے۔ مہاراشٹر اس مد میں کثیر رقم صرف کر رہا ہے اور جاری سال کے دوران روزگار کی فراہمی کے لئے ۵۰ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ضمانتِ روزگار اسکیم بنانے کا سہرا موجودہ وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کے سر ہے کیونکہ چھ سال قبل ان ہی کی سربراہی میں مہاراشٹر پردیش کانگریس کمیٹی نے ورکرز کے ایک شبّر میں ۱۵ نکاتی پروگرام اپنایا تھا۔

"عام آدمی" ایک سیدھی سادھی اصطلاح ہے جس میں سماج کے غریب، کمزور اور پچھڑے نیز محروم افراد شامل ہیں چنانچہ فلاح وبہبود کے پروگراموں میں بھی غریب، کمزوروں اور محروم طبقات کے لوگوں کو فوقیت دی جانی چاہیے اس لئے سرکار بھی سماج کے سب سے زیادہ محروم طبقے قبائلیوں کی بہبودی کے پروگراموں کو فوقیت دے رہی ہے۔

اب حکومت قبائلی ترقیاتی کارپوریشن کے ذریعے خاص طور سے ریاست کے نوٹیفائیڈ اور غیر نوٹیفائیڈ علاقوں کے قبائلیوں کے نہ صرف مالی مسائل حل کرنے بلکہ ان کی پیداوار کے لئے مارکیٹنگ کی دیکھ بھال کا کام بھی سنبھالتی ہے۔ ایک نئی اسکیم کے ذریعہ ادیباسیوں سے براہِ راست مارکیٹ کی شرح پر ان کی زرعی پیداوار خریدی جاتی ہے تاکہ انہیں پورے پورے دام مل سکیں نیز دلالوں سے بھی نجات حاصل ہو۔ اس سلسلے میں پنج سالہ



ضلع جلگاؤں
میں
واقع
اودوگاؤں
میں
تعمیر شدہ
ایک
نئی سڑک

منصوبہ کے پچھلے دو سالوں میں ۱۳۰ کروڑ روپے قبائلیوں پر خرچ کیے جا چکے ہیں۔ پروجیکٹ علاقوں غیر مہارتی اسامیوں محض قبائلیوں کو روزگار دیا جائے گا۔ مہارتی اسامیوں پر اگر تربیت یافتہ قبائلی نہ ملے تو اس صورت میں دوسروں کو بھرتی کیا جائے گا اور اس دوران قبائلیوں کو تربیت حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے گی اور جیسے ہی تربیت یافتہ قبائلی ان اسامیوں کے لئے مل سکیں گے دوسروں کو کہیں اور منتقل کر دیا جائے گا۔

سرکار کی ادیباسیوں میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔ ضلع تھانے میں تالاساری اور گنجڑ کے کسانوں نے ادیباسی کھیت مزدوروں کی اُجرت بڑھاکر چار روپیہ یومیہ کر دی ہے جو کہ سرکار کی جانب سے مقررہ اقل ترین شرح اجرت سے ایک روپیہ زیادہ ہے۔ ریاست میں خصوصی ادیباسی فلاحی مراکز قائم کیے جائیں گے۔

۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء سے شروع ہونے والا سال سالِ مساوات کی حیثیت سے منایا جائیگا اس دوران چھوت چھات کے قلع قمع پر خاص طور سے توجہ دی جائے گی۔ سرکاری محکمہ برائے سماجی بہبود نے ذات پات کے خاتمے کے لئے مہم چلائی ہے اور وہ سمانتا ورش (سالِ مساوات) میں سماجی کارکنوں اور ممبران اسمبلی کی شمولیت کے لئے بھی اقدام کریگا۔

نوبدھوں کیلئے حکومت مہاراشٹر نے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی ہے کہ ان کو تعلیم، ملازمت وغیرہ میں وہ تمام مراعات حاصل ہوں گی جو کہ مندرج جاتیوں کو حاصل ہیں۔

وزیراعلیٰ کے نزدیک سب سے اہم کام پسماندہ طبقات کی فلاح ہے اس سلسلے میں ان لوگوں کے سدھار کے لئے ترقی پسند اقدامات کیے گئے ہیں۔ ہریجنوں کے شکایات کی فوری تحقیقات اور ازالہ کے لئے وزیراعلیٰ کے دفتر سے ملحقہ موجودہ خصوصی سیل محکمۂ داخلہ میں منتقل کر دیا جائے گا اور اضلاع کا عملہ اس سے منسلک ہوگا۔

غذائی پیداوار میں اضافے کے لئے کئی تدابیر کی گئی ہیں وزیراعلیٰ نے ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران موسم خریف میں ۹۷ لاکھ ٹن اناج کے نشانہ کو حاصل کرنے کے لئے ریاست کے مختلف علاقوں میں کانفرنس منعقد کی ہیں۔ کاشتکاروں کو رتون جوار کی پیداوار کے لئے مفت پانی فراہم کیا جائے گا اس کے ساتھ ہی ساتھ کاشتکاروں کو ناگلی کے بجائے جوار پیدا کرنے کے لئے بیج بھی دیئے جائیں گے۔

وزیراعلیٰ کا خیال ہے کہ پیداوار بڑھاکر (زرعی اور صنعتی) اور کوآپریٹیو اور نجی ذریعوں سے مناسب تقسیم کے طریقۂ کار کو اپنا کر بڑھتی ہوتی قیمتوں کو روکا جاسکتا ہے۔

ریاستی حکومت کے تعاون سے زیر عمل لائے جانے والے قومی بیج پروگرام کے سلسلے میں مہاراشٹر اسٹیٹ سیڈ کارپوریشن کاشتکاری کا ایک پروگرام جاری کرے گی جس کے تحت راہوری، پربھنی، اور اکولہ کے مقامات پر زرعی یونیورسٹیوں کے اطراف نجی کھیتوں پر اچھے قسم کی بیج کی کاشت کی جائے گی۔ کارپوریشن بیج کی چھٹائی، ذخیرہ نقل وحمل کا کام اپنے ذمہ رکھے گی۔ کھیتوں کے مالکان کو ان بیجوں کے لئے مناسب قیمتیں دی جائیںگی۔

کاشتکاری کیلئے آبپاشی کا ۵۰ فی صد پانی دینے کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ ہر بلاک میں نقد اور فصل اجناس کے درمیان پانی کی تقسیم کے لئے ۱:۴ کا تناسب بھی قائم رہے گا۔

آبپاشی پروجیکٹ کی مہالدوی سے نیلاونڈے تک پھیلاؤ تکنیکی مشورہ کی بنا پر کیا گیا ہے اس سے وہی علاقے سیراب ہوں گے جبکہ نئی جگہ پر دو گاؤں ہی زیر آب ہوں گے حالانکہ پرانی جگہ پر پہلے چھ موضع جات زیر آب ہوئے تھے۔

صنعتی محاذ پر زیادہ تر فوقیت دیہی علاقوں میں صنعتوں کے قیام کو دی گئی ہے تاکہ تمام علاقوں میں ترقی کا توازن برقرار رہے پسماندہ علاقوں میں ۵۰۰۰ نئے صنعتی یونٹ قائم کیے جائیں گے۔



ان کی محنت
سے
بھرپور
پیداوار

وزیراعلیٰ نے مہاراشٹر چیمبرس آف کامرس کی گذارش کا خیر مقدم کیا ہے جس میں ناسک، احمد نگر، جلگاؤں اور دھولے اضلاع میں چھوٹی صنعتی علاقوں کے قیام کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ وزیراعلیٰ نے صنعتی یونٹوں پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے ملازمین کیلئے مکانات کا انتظام کریں۔

ریاستی حکومت مرکزی حکومت پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ رتنا گیری ایلومنیم پروجیکٹ کا کام جاری کیا جائے۔ مرکز کی جانب سے پانچویں منصوبے میں ۵۰ کروڑ کی گنجائش رکھی ہے جبکہ اس پورے پروجیکٹ کا تخمینہ ۱۵۰ کروڑ روپے ہے۔

حکومت انتظامیہ اور مزدوروں دونوں سے ہمدردانہ رویہ رکھتی ہے ایک جانب وہ انتظامیہ کی مزدوروں کے خلاف سرگرمیوں اور بجانب ہڑتالوں کو روکنے کی حمایت کرے گی تو دوسری جانب ذہنیت کو بھی برداشت نہ کرے گی جس سے قومی پیداوار کو نقصان پہنچتا ہے۔ ۵۰ فی صد سے زائد ملازمین اگر کام کرنے کے حق میں ہوں گے تو کارخانوں کے مالکان کو جب بھی ضرورت ہوگی حکومت کا تعاون حاصل رہے گا۔ وزیراعلیٰ نے ہمیشہ مالکان اور ملازمین کے تعلقات کی بہتری پر زور دیا ہے اور حکومت ہمیشہ صنعتی تنازعہ کے خوشگوار تصفیہ کے حق میں ہے۔

وزیراعلیٰ نے بے روزگاری کے مسئلے کے لئے ایک زبردست پروگرام جاری کیا ہے اگر تعلیم یافتہ بے روزگار افراد اپنی انڈسٹری قائم کرنا چاہتے ہیں تو ان کو ۸۵ فی صد امداد دی جائے گی جس میں سے ۱۰ فی صد حکومت کی جانب سے اور باقی ۷۵ فی صد ریاستی مالیاتی اداروں سے ملے گی۔ امسال حکومت نے شہری علاقوں میں ۶٫۵ کروڑ روپے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کیلئے مہیا کئے ہیں جبکہ پچھلے سال اس مد میں ۵٫۱۰ کروڑ روپے خرچ کئے گئے تھے۔

اس دوران صنعتی اور تجارتی سرگرمیوں اور دیہی علاقوں سے بمبئی شہر میں آنے والے افراد کو کنٹرول میں لانے کے لئے ترقیاتی اسکیمیں مثلاً نئی بمبئی، باندرہ۔ کرلا کمرشیل کمپلیکس اور کلیان کمپلیکس جاری کئے گئے ہیں۔

بجلی کے مطالبات اور پیداوار کو ایک سطح پر لانے کے لئے ریاستی حکومت نے مرکز کو ۴۰۱۰ میگاواٹ کے ۵ نئے پروجیکٹوں کو منظوری کے لئے پیش کیا ہے جس میں ٹاٹا کے ذریعے ٹرامبے میں ۵۰۰ میگاواٹ یونٹ پیدا کرنے کا پروجیکٹ شامل ہے۔

اس اثنا میں یہ توقع ہے کہ مرکزی حکومت مہاراشٹر کو بمبئی کے قریب مجوزہ تھرمل پاور اسٹیشن کے لئے بمبئی ہائی گیس دے۔ اس بات کی بھی توقع ہے کہ وزارت پیٹرولیم کیمیکلز اور فرٹیلائزر، ریاست کی اس درخواست کو کہ پاور اسٹیشن کے لئے ایندھن کے طور پر گیس دی جائے، مان لے گی تا آنکہ گیس کے بہتر استعمال نیز کھاد اور پیٹرو کیمیکل کی تیاری کیلئے پلانٹ قائم کئے جاسکیں۔

ریاست مجموعی طور پر اپنے ذرائع پاور کو بڑھانے کے لئے منصوبہ مصارف کا تقریباً ۴۰ فی صد اور ۳۰ فی صد رقم بڑی آبپاشی کے کاموں کے لئے رکھی ہے اس طرح اس سال کے پلان میں سے تقریباً ۴۰۰ کروڑ روپے آبپاشی اور پاور کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔

شہری اراضی ملکیت کی حدبندی ایکٹ کے تحت اراضی کے جو خالی پلاٹ باضابطہ چھوڑے گئے ہیں ان کی وجہ سے صنعتی اور ہاؤسنگ سرگرمیوں میں تیز رفتاری پیدا ہوگئی ہے اس طرح بے گھروں کے لئے گھروں کی فراہمی کے ذرائع بھی بڑھ گئے ہیں۔ صنعتی ملازمین اور تعمیرات کے کاموں سے وابستہ ملازمین کے لئے اپاہمیاں بھی پیدا ہوگئی ہیں۔ وزیراعلیٰ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ریاست کے فلاحی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے طاقتوروں کو کمزوروں کی مدد کرنی ہوگی اور تب ہی وہ کامیابی کا ثمر پاسکیں گے۔

وزیراعلیٰ نے ہمیشہ ہی کوشش کی ہے کہ شکر کارخانوں کے

مالکان چھوٹے کسانوں کی مدد کریں اور چھوٹے شکر کارخانوں کو بڑھاوا دیں۔ وزیراعلیٰ کے دیگر عوامی فلاحی کاموں میں پنڈھرپور آلندی پیٹھن اور دیگر مقدس مقامات میں تہواروں کے موقع پر یاتری ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے کے اقدامات بھی شامل ہیں۔ انہوں نے گرانٹ ان ایڈ کے لئے کسی بھی کالج کو بند نہ کرنے کی یقین دہانی کی ہے نیز آٹھویں سے سائنس اور حساب دوبارہ مادری زبان میں پڑھانے کا فیصلہ بھی اہم ہے کیونکہ انگریزی میں پڑھانے کیلئے تربیت یافتہ اساتذہ خصوصاً دیہی علاقوں میں نہیں ملتے حالانکہ مراٹھی ریاستی زبان ہے لیکن پھر بھی گجراتی، کنڑ، تلگو، سندھی اور اردو زبانوں کے لئے ثانوی سطح پر تعلیمی سہولیات فراہم کی گئی ہیں موجودہ حکومت طلبہ سے بھی ہمدردانہ رویہ رکھتی ہے اور ان کے مسائل کو سلجھانے کے حق میں ہے۔

حکومت نے دیہی سڑک کی تعمیر کیلئے ۲۵ کروڑ روپے کا ایک فوری پروگرام تیار کیا ہے جو کہ آئندہ سال مارچ تک مکمل کر لیا جائے گا۔ دیہی علاقوں میں نقل و حمل کی کافی سہولتیں نہ ہونے کے سبب کاشتکار اپنی پیداوار اونے پونے داموں پر فروخت کرنے کیلئے مجبور ہو جاتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ تمام دیہی معیشت انحصار مناسب سڑکوں کے جال پر رہی ہے۔

موجودہ پروگرام کے تحت ہر ضلع میں دو یا تین موضع جات کو پکی سڑکوں کے ذریعے جوڑنے اور موضع جاتی سڑکوں کو قومی شاہراہوں ریاستی شاہراہوں اور بڑی اضلاعی سڑکوں سے ملانے اور سڑکیں بنانے کا منصوبہ ہے۔

غریبوں سے وزیراعلیٰ کی دلی ہمدردی اکثر عملی شکل اختیار کرتی ہے۔ حال میں انہوں نے ان کاشتکاروں کو معاوضہ دینے کے معاملے پر بیان دیا ہے جن کی زمینیں ضلع ستارہ میں واقع دُھوم پروجیکٹ کے تحت زیرِ آب ہو گئی ہیں۔ وزیراعلیٰ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ان کو مناسب اور فوری طور پر معاوضہ ملنا چاہیئے اور اگر تاخیر ہو گئی تو اس مدت میں قیمتوں میں جو اضافہ ہوگا اسی شرح سے ان کے معاوضے میں بھی اضافہ کیا جائے گا۔

دہلی میں منعقدہ وزراء اعلیٰ کی کانفرنس میں وزیراعلیٰ مہاراشٹر نے اس بات کی زبردست وکالت کی کہ جو کاشت کار کم وقتی یا زائد وقتی قرض لیں گے اس پر وصول کئے جانے والے سود کی شرح میں کمی کی جائے موجودہ ۱۱ سے ۱۵ فیصد تک شرح سود زراعت کو منفعت بخش نہیں بناتا۔

تخلیقی اور ہمدرد شخصیت کے مالک موجودہ وزیراعلیٰ

ادیبوں، صحافیوں، فنکاروں اور دانشوروں سے ریاست کے رشتوں کو استوار کرنے کے لئے بے چین ہیں۔

ریاست میں ایک فلم، اسٹیج و کلچرل ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کی جائے گی تاکہ ہر قسم کے آرٹ کو فروغ دینے میں ٹھوس مدد دی جائے۔

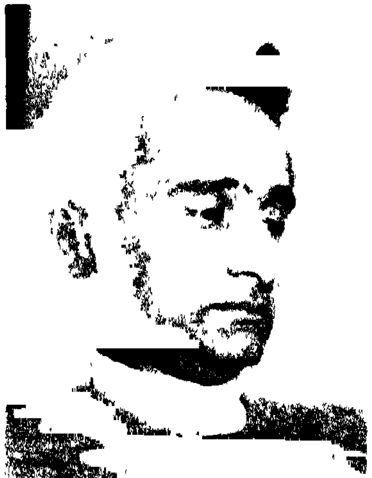
کارپوریشن بمبئی میں فلم سٹی کی ترقی اور انتظام اور کولہاپور جیسے مقام پر واقع فلم انڈسٹری، جہاں سے مہاراشٹر کی فلم انڈسٹری کا آغاز ہوا ہے، کی دیکھ بھال کرے گی۔

شری وسنت دادا پاٹل کی خصوصیات ان کے کام کرنے کے طریقے پر اپنی پوری چھاپ رکھتی ہیں اور حکومت نے اس تھوڑی سی مدت میں جو کچھ کیا ہے وہ ریاست کے خوش آئند مستقبل کی یقین دہانی کراتا ہے۔

●○



ضمانت روزگار اسکیم کے تحت باندھ کام



• دنکر ساکریکر

(ترجمہ: عبدالوحید خاں جامی)

اَچیُت راؤ پٹوردھن - سدا بہار ہیرو

مضمون نگار دنکر ساکریکر ۱۹۴۲ء کی تحریک میں طلباء کے لیڈر رہے تھے۔ آپ افرو ایشائی معاملات سے متعلق بین الاقوامی رسالہ 'یونائیٹڈ ایشیا میگزین کے مدیر نیز 'کلیرٹی' کے بانی۔ مدیر رہ چکے ہیں۔

اَچیُت راؤ پٹوردھن 'اگست انقلاب' اور 'ہندوستان چھوڑ دو' تحریک کے عظیم مجاہد تھے۔ اَچیُت پٹوردھن، جے پرکاش نرائن، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اور ارونا آصف علی' خفیہ مرکز کی محرک تھیں جس نے برطانوی سامراج کے خلاف عوامی بغاوت کی رہنمائی کی۔ ان میں سے جے پرکاش نرائن اور لوہیا تو گرفتار ہو گئے تھے، لیکن اَچیُت پٹوردھن اور ارُونا آخر تک پولس کی گرفت میں نہ آئیں۔ بہر حال رہنماؤں کی رہائی کے بعد انھوں نے خود ہی پونے میں اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ اس طرح اَچیُت پٹوردھن نے ۱۹۴۲ء کی جدوجہد میں 'امر غازی' کا مقام پایا۔

اِنقلابیوں کے رُوح رواں!

اَچیُت پٹوردھن اوّل و آخر مجاہد رہے۔ انھوں نے قدرے مختلف ڈھنگ سے خاموش رُوحانی طریقہ اپنایا۔ اُن کے دل میں بھی درحقیقت نیتا جی سبھاش چندر بوس جیسا ہی جذبہ موجزن تھا۔ انھوں نے قومی پیمانے پر وہی سب کچھ کیا جو نیتا جی نے بڑی جواں مردی سے وسیع تر بین الاقوامی میدان میں سر انجام دیا۔ گو وہ نیتا جی کی مانند اصل فوج اکٹھا نہ کر پائے، لیکن انھوں نے اسی ولولے اور لگن سے قومی جنگ آزادی لڑنے کے لئے نوجوانوں کو بھرتی کیا، جن کی تعداد بھی تھوڑی تھی اور ساز و سامان بھی کم۔ یہ منظم اور وسیع تر قومی میدان میں سرگرم عمل تھے۔ انھوں نے دشمن پر کچھ بڑی ضربیں لگائیں اور تقریباً چار سال تک طاقتور انگریزی راج کے لئے زبردست خطرہ اور چیلنج بنے رہے۔ یہ بھی اپنی جگہ کوئی حقیر کارنامہ نہیں ہے۔ وہ تمام صوبہ جات کی پولس کی نظروں سے بچتے ہوئے دیس بھر میں گھومتے، اپنے 'تخریب کار دستوں' سے ملتے، ادیبوں کے رہنماؤں، سیاستدانوں، صحافیوں، پُروفیسروں اور رادیبوں وغیرہ سے مُلاقات کرتے۔ ہمہ وقت نئی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ اس طرح وہ اگست انقلابیوں کے روح رواں بن گئے۔

اَچیُت پٹوردھن عملی منصوبوں پر بڑی گہرائی سے تبادلۂ خیالات کرتے، وضاحت کرتے اور رہنمائی کرتے۔ اُن کے زیرِ مطالعہ آنیوالی تازہ ترین کتاب پر ان کے تبصرہ پر دانشور حیران و ششدر رہ جاتے۔ اُن کی تحریر و تقریر اور انداز بیان بڑا سادہ، شُستہ اور دلفریب ہوتا جس پر مشکل ہی سے یہ یقین آسکتا تھا کہ وہ ایک زبردست شعلہ مزاج انقلابی ہیں۔ قومی انقلاب کی تڑپ کے ساتھ انھیں علم' زیادہ سے زیادہ علم و روشنی کی جستجو اور طلب تھی۔

مُسلمان کے بھیس میں!

اُن کے دوست احباب اس ہنگامہ خیز زمانے میں بھی ان کے ذہن رسا کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ اُن دنوں جب ہر لمحہ خطرہ لاحق تھا اور جان سُولی پر ٹنگی رہتی تھی انھوں نے بڑے تدبر اور صبر و تحمل اور استقامت سے کام لیا۔ وہ بڑا ٹھنڈا مزاج رکھتے تھے اور ان کے تمام ساتھی اور پیرو اس کے قائل تھے۔ ان کے خود ضبط و تحمل اور ہوشیاری کا نمونہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب کہ پولس نے ایک جگہ چھاپہ مارا تھا جہاں ایس۔ ایم جوشی نے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ یہ جگہ محمد علی روڈ کے آس پاس تھی اور ایس. ایم جوشی ایک مُسلمان کے بھیس میں وہاں رہتے تھے۔ وہ اسی عمارت میں نچلے منزلہ پر واقع ریسٹوراں میں کھانا کھاتے تھے۔ عام کھانے کے وقت وہ حالاتِ حاضرہ پر بحث میں شریک ہو جاتے اور پاکستان کے زبردست حامی بن جاتے۔ اس طرح انھوں نے وہاں اعتماد پیدا کر لیا۔ اَچیُت پٹوردھن

کو اس چھاپے کی خبر نہ ملی تھی اور وہ ایس. ایم جوشی سے ایک ضروری ملاقات کے لئے وہاں پہنچے۔ عمارت کے دروازے پر کھڑے ہوئے لوگوں نے خود بخود یہ اندازہ کر لیا کہ یہ بھی 'امام' صاحب کے کوئی ملاقاتی ہیں۔ انھوں نے انھیں وہاں پولس کی موجودگی سے باخبر کیا۔ ایک لفظ کہے بغیر وہ پلٹے، دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتے ہوئے پاس کی ایک گلی میں گئے اور ایک گھوڑا گاڑی لیکر اس کا چھتر اٹھائے بنا چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ایک شب کا واقعہ ایک دفعہ شب میں دروازہ پر یکایک دستک ہوئی ہم دونوں یعنی میں اور میری بیوی خوفزدہ ہو گئے۔ ہم نے سہم کر ایک دوسرے کو دیکھا اور خاموشی میں زبان سے بس یہی لفظ نکلا۔ 'پولس!' بہر حال گھر صاف تھا اور ہم نے سوچا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔ وہاں پولس نہیں ہمارے صاحب سامنے کھڑے تھے۔ وہ اندر آ گئے اور میں نے دروازہ بند کر دیا انھوں نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ رات ہمارے گھر ہی پر گذاریں گے۔ ہم ذرا ڈر گئے کیونکہ ہمارے مکان پر برابر نظریں لگی رہتی تھیں اور یہ ایک عام بات تھی کہ 'مخبر' آس پاس ہی منڈلاتے رہتے یا جب ہم باہر جاتے تو ہمارا پیچھا کرتے۔ اگر وہ ہمارے گھر میں خدانخواستہ پولس کے ہاتھ آ جاتے تو یہ ہمارے لئے شرم سے ڈوب مرجانے کی بات ہوتی۔ ہمیں بڑی فکر لاحق ہوگئی۔ ہم برابر چوکنا اور خلاف معمول خفیف سی آہٹ اور کھٹکے پر کان لگائے رہے۔ کچھ طالب علم مجھ سے ملنے آئے لیکن میں نے ڈانٹ ڈپٹ کر انھیں بھگا دیا۔ صاحب کی موجودگی کی بھنک پاکر انھوں نے خود ہی یہ طے کر لیا کہ رات بھر چوکسی رکھیں گے، مقصد یہ تھا کہ جونہی کچھ پولس سرگرمی نظر آئے فوراً باخبر کر دیا جائے تاکہ پولس کے پہنچنے سے قبل ہی انھیں کہیں دوسری محفوظ جگہ پہنچا دیا جائے۔ لگ بھگ دو درجن طلباء نے رات بھر یہ دلچسپ اور دلفریب چوکسی انجام دی۔ اس خاموش ہماہمی میں وہ بڑے آرام و سکون سے سوئے۔ سویرے ۵ بجے اُٹھے، تھوڑے سے پاؤ کے ساتھ چائے پی۔ بڑے سکون اور اطمینان سے باہر گئے اور غائب ہو گئے۔

مُخلص رہنما: وہ بڑے آزمودہ کار، مخلص اور با اعتبار لیڈر تھے۔ خود انھوں نے مجھ پر جو بھروسہ کیا اسی کی بدولت مجھے یہ نادر موقع ملا اور میں اس عظیم جدوجہد میں حقیر حصہ لے سکا۔ واقع یوں ہے:
غالباً ۱۹۳۹ء کے اواخر یا ۱۹۴۰ء میں، میں کمیونسٹ پارٹی کا باقاعدہ ممبر بن گیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ انقلابی جماعت ہے اور قومی تحریک آزادی میں کامیابی سے رہنمائی کر سکتی ہے۔ لیکن جلد ہی مجھے یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی کہ دیگر ترقی پسند جماعتوں کی طرح اس جماعت میں بھی پھوٹ ہے، لیڈروں میں اقتدار کے لئے کھینچ تان، ساز باز اور رقابت جاری ہے، اور ایک دوسرے کے خلاف یہ رسہ کشی نچلی سطح تک پہنچ چکی ہے۔ یہ کافی پریشان کن بات تھی لیکن اس وقت تو میری مایوسی کی انتہا ہوگئی جب کہ پارٹی نے اپنا 'عوامی نظریہ جنگ' وضع کیا اور برطانوی سامراج سے تعاون کا پروگرام شروع کیا۔ اس نے سُبھاش بوس، جے پرکاش نرائن اور دیگر قومی لیڈروں کو بدنام کرنے کی مہم بھی چلائی، جنہوں نے اس زمانے میں طاقتور سامراج کے خلاف جان کی بازی لگا دی تھی۔ میرے خیال میں یہ حرکت سراسر غداری تھی۔ لہٰذا میں نے بڑے دُکھ کے ساتھ پارٹی سے استعفیٰ دیدیا۔ لیکن میں خود اُلجھن میں پڑ گیا۔ میں نے اپنی پارٹی اس لئے چھوڑی تھی تاکہ اس جدوجہد میں کود پڑوں۔ لیکن اس حقیقت کی بنا پر کہ میں کمیونسٹ پارٹی سے آیا ہوں، ذمہ دار لیڈروں کے دل میں میرے متعلق شک وشبہات اور بداعتمادی ہوگئی۔ انھیں اچنبھا ہوا، اور یہ یقین نہ آیا کہ آیا میں واقعی سب سچے عوامی نظریۂ جنگ، کا مخالف ہوں، صدق دلی سے مجاہدین آزادی میں شامل ہوا ہوں اور اس پارٹی کا محض 'شہ زور گھوڑا' نہیں ہوں۔ یہ بڑی تکلیف دہ حالت تھی اور میں دنوں، ہفتوں ذہنی کوفت میں مبتلا رہا، میری ہمت نے جواب دیدیا۔

اسی وقت ایک صحافی ساتھی کے توسط سے میں اَچیُت پٹوردھن سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوا۔ بڑی طویل اور بے لاگ گفتگو کے بعد انھوں نے مجھے کچھ کام دیا۔ اس کام سے، گو معمولی ہی سہی، مجھے زندگی میں سب سے زیادہ اطمینان قلب نصیب ہوا۔ یہی میری زندگی کا شاندار اور حسین ترین موقع تھا جس نے مقصد حیات کو حقیقی معنی پہنائے، بے لوث کام ہی سے زندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اَن گنت مردوں اور خواتین کے بھی یہی تاثرات ہوں گے، جنھوں نے ان دنوں میں کام کیا۔ زندگی کی اس سب سے بڑی مسرت و شادمانی کے لئے ہم اَچیُت پٹوردھن ہی کے ممنون احسان ہیں۔

مَذہب سے لگاؤ: آزادی کے بعد جب سوشلسٹ کانگریس سے نکل گئے تھے وہ کچھ عرصہ تک اس کے جنرل سکریٹری رہے۔ انھوں نے 'جنتا ویکلی' نکالا جو ایمرجنسی کے دوران کچھ عرصہ مجبوراً بند رہنے کے بعد اب بھی شائع ہو رہا ہے۔ پہلے عام انتخابات سے کچھ قبل وہ یکایک پارٹی

سے سُبکدوش ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے سیاست ترک کردی۔ وہ کرشنا مورتی کے بھگت بن گئے اور تھیوسوفیکل سوسائٹی کے لئے بنارس میں نیو ایجوکیشنل اسکول چلانے لگے۔ سالہا سال کے بعد وہ پونے میں پہلی مرتبہ پھر عوام کے سامنے آئے تاکہ امرت مہوتسو تقریبات کی صدارت کے فرائض انجام دیں جن سے انھیں بڑی محبت تھی۔ انھوں نے یونیورسٹی کے زیر اہتمام 'ہندوستانی سوشلزم' پر تین لیکچر بھی دیئے وہ سوشلسٹ تحریک کے ناقد تھے اور ان رجحانات سے خوش نہ تھے جو ان کے خیال میں منفی تھے۔ فی الحال ان کا طرز عمل محتاط تھا۔ پھر ایمرجنسی کے دوران انھوں نے کچھ اجلاسوں میں شرکت کی۔ وہ ایمرجنسی کے مخالف تھے، لیکن غصہ اور نفرت کے قائل نہ تھے۔ وہ تو 'روحانی جستجو' میں محو تھے۔ انھیں درحقیقت اس زمانے کی سیاست سے خاص دلچسپی نہ تھی۔ بلاشبہ انھیں انسانی آزادی، جمہوریت، شہریوں کے حقوق اور متوازن ترقی جیسے بنیادی مسائل سے خاص لگاؤ تھا۔ وہ غالباً سوشلسٹ سے زیادہ آزاد خیال اور حریت پسند تھے۔ ایسے حریت پسند جو زندگی میں ہر قسم کے استحصال، ظلم و زیادتی اور نابرابری کا مخالف ہوتا ہے۔ کئی طرح سے وہ گاندھی جی کی قربت کے سبب زندگی میں بالآخر سکون و راحت کیلئے مذہب کی طرف رجوع ہوئے۔

انھیں یہ خبر سُنکر دُکھ ہوا کہ جے پرکاش نرائن نے صدارت کے لئے ان کا نام تجویز کیا تھا۔ ان کا ردعمل بھی انوکھا تھا۔ انھوں نے اپنے بچپن کا ایک دلچسپ قصہ سُنا کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ "ہمارے گھر کے پاس ہی کچھ کھُلی زمین پڑی تھی جس پر ایک ٹوٹا پھوٹا مکان بھی تھا۔ یہاں ایک گدھا مستقل گشت کرتا کیونکہ یہ اس کے لئے بڑی اچھی اور پُرسکون چراگاہ تھی۔ دیوالی کے دنوں میں گلی کے کچھ شریر لڑکے اس کی دم میں ٹن کے ساتھ پٹاخے باندھ کر ماچس دکھا دیتے۔ لڑکوں کے لئے یہ ایک دلچسپ کھیل تھا، لیکن غریب جانور کے لئے سخت اذیت ناک عذاب۔" اتنا کہہ کر اچیُت پٹوردھن نے رُخ بدلا اور فرمایا "میری دم اپنے کھیل کے لئے کیوں استعمال کرتے ہو، مجھے آرام سے رہنے دو۔" بہرصورت مجھے اپنی جگہ یہ یقین ہے کہ وہ ایک عظیم اور پُروقار صدر ثابت ہوتے اور ان کی شاندار شخصیت سے اس عہدے کی شان و شوکت کو چار چاند لگ جاتے۔ اس میں بھی کلام نہیں کہ بھارت میں آئندہ نسلیں ان کی روحانیت اور جذبۂ حُرّیت سے ہمیشہ متاثر ہوتی رہیں گی اور آزادی و جمہوریت کی حفاظت کریں گی۔

●●

قارئین نوٹ فرمالیں

ہم حتی الامکان اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے قارئین کو حکومت کی مختلف ترقیاتی سرگرمیوں سے آگاہ رکھیں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ قارئین ہماری پیش کردہ مضامین میں کچھ کمی محسوس کریں اس لئے ہم نے سوالات جوابات کالم بھی ہمارے قارئین کے فائدے کے لئے پچھلے شمارے سے شروع کر دیا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ ہمارے لئے بہت زیادہ کارآمد ہوگا۔ اگرچہ ہر فرد کی تکالیف کو چھاپنا مشکل ہے لیکن کسی طرح کی پوچھ تاچھ یا شک جو کسی حکومت کی پالیسی، پروگرام یا سرگرمی پر ہوں گے، ضرور چھاپے جائیں گے۔

یوتھ فورم

'قومی راج' کے مئی ۱۹۷۷ء کے شمارے سے ہم نے "یوتھ فورم" کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوگا۔

اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جائے گی۔ قومی پروگرام میں جیسے 'جہیز مخالف تحریک، صفائی کی مہم' چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج' وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جائے گا۔ اپنے مضامین اس پتے پر روانہ فرمائیں:

ایڈیٹر 'قومی راج' (پندرہ روزہ) ۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈ منسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مجاہدینِ آزادی کے لئے آسائش

— (ترجمہ : عبدالخالق) —

مجاہدینِ آزادی نے انتہائی قربانیاں دی ہیں تاکہ ہم باعزت زندگی گزار سکیں۔ یہ ہمارا فرض عین ہوجاتا ہے کہ ہم نہ صرف اُن کی تعظیم کریں اور انہیں یاد رکھیں بلکہ اس بات کا بھی اہتمام کریں کہ وہ اور ان کی اولاد باعزت زندگی گزار سکیں اسی فرض کے احساس کے ساتھ حکومت نے انہیں مختلف سہولتوں سے نوازا ہے جنہیں یہاں مختصر اُسوال وجواب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

مجاہدِ آزادی کسے کہتے ہیں؟

مجاہد آزادی اُس شخص کو کہتے ہیں جسے کم سے کم ایک مہینے کے لئے جیل یا نظر بندی کی تکلیف سہنی ہو جسے ۱۰۰ روپے یا زیادہ جرمانہ کیا گیا ہو یا جو فی الواقع جیل میں یا بحالت نظر بندی فوت ہوا ہو یا مار ڈالا گیا ہو یا جسے موت کی سزا دی جاچکی تھی یا جو فائرنگ یا لاٹھی چارج کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے معذور ہوچکا ہو یا بنا دیا گیا ہو یا جو اپنے کام یا وسیلۂ رزق سے محروم ہوا ہو یا جو آزادیٔ ہند کی قومی تحریک میں شرکت کی وجہ سے اپنی جائداد کا بعض یا تمام حصہ کھو بیٹھا ہو۔

ایک ماہ کی مذکورہ مدت میں قید خانہ / نظر بندی کی وہ مختصر میعادیں شامل ہیں جو اسے آزادی ہند کی قومی تحریک میں شرکت کرنے کی وجہ سے برداشت کرنی پڑی ہوں۔ اگر اس کی نظر بندی / قید خانے کی مدت مجملہ طور سے ایک ماہ سے کم نہ ہو۔

مہاراشٹر میں مجاہدینِ آزادی کی عزت افزائی کس طرح کی جاتی ہے؟ انہیں کیا کیا سہولتیں یا رعایتیں حاصل ہیں؟

ریاستی حکومت مجاہدینِ آزادی کو نوازتی ہے اور انہیں حسبِ ذیل طریقے پر امداد دیتی ہے۔

(الف) سنمان پتر کے ذریعے اعزاز
(ب) یک مشت رقم کا عطیہ اور پنشن
(ج) روزگار (د) زمین
(ھ) طبّی امداد (و) فیئر پرائس شاپ اور راشن کی دکانیں
(ز) تعلیمی رعایتیں (ح) ہاؤسنگ بورڈ کی تعمیر کی ہوئی رہائش گاہوں میں محفوظ کوٹہ

'سنمان پتر' کس طرح عطا کیا جاتا ہے؟

"سنمان پتر" ہر ایک مجاہد آزادی کو عطا کیا جاتا ہے اور فوت شدہ مجاہد آزادی کے ہر قانونی وارثین کو بھی ضلع کلکٹر کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مجاہدینِ آزادی کو یہ اعزاز دے اب تک کل ۱۵۰۶۹ مجاہدینِ آزادی کو "سنمان پتر" سے نوازا جاچکا ہے۔

وہ لوگ جن کے لئے حکومتِ ہند کی جانب سے پنشن منظور کی جاچکی ہے یا جنہیں "تامر پتر" عطا کیا جاچکا ہے وہ "سنمان پتر" پانے کے مقدار ہوتے ہیں۔ "سنمان پتر" کی بنیاد پر مجاہدینِ آزادی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو حکومت کے مختلف محکموں کی طرف سے انہیں دیئے جاتے ہیں۔

"تامر پتر" کن کو عطا کیا جاتا ہے؟

حکومت ہند کی جانب سے ریاستی حکومت ایسے مجاہدینِ آزادی کو "تامر پتر" عطا کرتی ہے جو کم از کم چھ مہینے قید کی صعوبت برداشت کرچکے ہوں اس مقصد کے لئے ضلع کے صدر مقامات پر خاص جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ تا حال ۵۸۰۷ مجاہدینِ آزادی کو "تامر پتر" عطا کئے جاچکے ہیں۔

یکمشت رقم کا عطیہ کسے دیا جاتا ہے؟

یکمشت رقم کا عطیہ ۲۵۰ روپے سے ۱۰۰۰ روپے تک مجاہدین آزادی کو امتیازی فنڈ (Discretionary Fund) سے عطا کیا جاتا ہے لیکن اس کا انحصار اس مدت پر ہے جس مدت کے لئے انہیں قید کی صعوبت برداشت کرنی پڑی ۵۰۰ روپے کی یکمشت رقم کا عطیہ ایسے مجاہدین آزادی کو پیش کیا جاتا ہے جو پولس کی فائرنگ سے زخمی ہوئے تھے اور ہزار روپے کا عطیہ اس طرح شہید ہونے والوں کی اولاد کو ملتا ہے اس اسکیم کے آغاز کے وقت سے ۶۲۵۹ حضرات اس یکمشت عطیوں سے نوازے جا چکے ہیں۔

پنشن کے حقدار کون ہیں؟

پنشن اُن ضرورت مند مجاہدین آزادی کو دی جاتی ہے جن کی عمر ۵۵ سال سے زیادہ ہوتی ہے اور جن کی سالانہ آمدنی تمام ذریعوں سے ۱۸۰۰ روپے سے کم ہوتی ہے اور وہ چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک جیل کی صعوبتیں برداشت کر چکے ہوں تاہم اگر کوئی مجاہد آزادی جس کی عمر ۵۵ سال سے کم ہو اور جو جسمانی اعتبار سے معذور ہو اور روزی کمانے کے لائق نہ ہو تو اسے بھی پنشن عطا کی جاتی ہے۔

۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک مجاہد آزادی کو ۵۰ روپے فی ماہ پنشن دی جاتی تھی تاہم یکم اپریل ۱۹۷۵ء سے یہ رقم بڑھا کر ۱۰۰ روپے کر دی گئی ہے۔ ریاستی حکومت نے اب تک ۲۴۲۶ مجاہدین آزادی کیلئے پنشن منظور کی ہے۔

پنشن دینے کے سلسلے میں مرکزی حکومت کی کونسی اسکیم ہے؟ اسے کون حاصل کر سکتا ہے اور کس طرح؟

حکومت ہند نے ۱۵ ر اگست ۱۹۷۲ء سے مجاہدین آزادی اور ان کے خاندان کے افراد کو پنشن دینے کے لیے ایک اسکیم رائج کی۔ اس طرح ایک مجاہد آزادی کو زندگی بھر کے لئے ۲۰۰ روپے فی ماہ کی پنشن منظور ہوئی۔ فوت شدہ مجاہد آزادی کے خاندان کے لئے یا شہیدوں کے لئے ۱۰۰ روپے تا ۲۰۰ روپیے فی ماہ کی پنشن منظور ہو چکی ہے۔

یہ اسکیم ان ہی مجاہدین آزادی کے لئے ہے جو کم از کم چھ ماہ کیلئے جیل جا چکے تھے اور جن کی سالانہ آمدنی ۴۹۹۹ روپیے سے زیادہ نہ ہو۔

قومی راج

ریاستی حکومت ضلعی کلکٹروں کی جانب سے وصول ہونے والی درخواستوں کو جانچتی ہے اور پھر ضرورتمند ریاستی سطح کمیٹی برائے مجاہدین آزادی اور وزیر اعلیٰ کی منظوری کے بعد اپنی سفارشات کے ساتھ انہیں حکومت ہند تک پہنچاتی ہے۔

حکومت ہند نے اب تک مہاراشٹر کے ۹۶۶۵ مجاہدین آزادی / ان کے متعلقین کیلئے پنشن منظور کی ہے۔

کیا مجاہدین آزادی کو روزگار کے لئے فوقیت حاصل ہے؟ اگر ہاں تو وہ کس طرح؟

متعلقہ مجاہد آزادی ان آفسوں کے کلاس III اور کلاس IV جگہوں پر بھرتی کیلئے ' اسٹیبلشمنٹ آفیسر کو درخواست بھیج سکتا ہے۔ جہاں امیدواروں کی بھرتی ریاستی پبلک سروس کمیشن کے ذریعے نہ ہوتی ہو لیکن اسے اپنا "سنمان پتر" اس وقت پیش کرنا پڑتا ہے اس کے بعد ہی اسے حسب ذیل مراعات مل سکتی ہیں۔

(i) اسے درخواست پر تقرر کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ ایمپلائمنٹ ایکسچینج آفس کے ذریعے بھرتی کی شرط کو اس حالت میں ختم سمجھی جاتی ہے۔

(ii) تقرر کے لائق مجاہدین آزادی کو فوقیت دی جاتی ہے۔

(iii) ان امیدواروں کے لیے عمر کی شرط میں تخفیف کر دی جاتی ہے جو تعلیمی اعتبار سے یا کسی اور طرح سے ضروری استعداد یا صفات کے مالک ہوتے ہیں۔

(iv) ایسے مجاہدین آزادی جنہوں نے ایس ایس سی امتحان کی یا ڈپلوما کورس یا ڈگری کورس کی تعلیم حاصل کی ہو لیکن ان امتحانات میں کامیاب نہ ہوئے ہوں تو ان کو ان جگہوں پر تعلیمی قابلیت کی شرط میں تخفیف کر کے تقرر کیا جاتا ہے جس کے لئے یہ سرٹیفکیٹس یا ڈپلوما یا ڈگریاں کم از کم تعلیمی لیاقت سمجھی جاتی ہیں ایسا مجاہد آزادی جو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے اس رعایت سے فائدہ اٹھانے سے مجبور ہو تو وہ اس شخص کو نامزد کر سکتا ہے جو اسی پر منحصر ہو اور یہ شخص اس رعایت کو حاصل کرنے کا حقدار سمجھا جائے گا۔ اب تک ۱۷۲ مجاہدین آزادی کو روزگار فراہم کیا جا چکا ہے۔

مجاہدین آزادی کو حکومت کی زمینیں یا رہائش کی جگہیں کس طرح تقسیم کی جاتی ہیں؟

حکومت کی زمینیں، مہاراشٹر لینڈ ریونیو (ڈسپوسل آف گورنمنٹ لینڈ) رولز ۱۹۷۱ء کے تحت تقسیم کی جاتی ہیں۔ مجاہدین آزادی کو جو انول

ایکس سروس میں درج فہرست جاتیوں اور درج فہرست قبائلیوں کے افراد ویمکتا جاتیاں، خانہ بدوش جاتیاں، بانیوں بدھسٹوں پر زمین کی تقسیم کے لیے تیسری فوقیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ مجاہدین آزادی کو دیگر امید واروں کی طرح مندرجہ ذیل شرائط پوری کرنی پڑتی ہے۔

(i) سالانہ آمدنی ۳۶۰۰ روپے سے کم ہونی چاہیئے۔

(ii) نامزد کی گئی زمین سے رہائش گاہ ۸ کلومیٹر کے اندر ہونی چاہیئے۔

(iii) خشک فصل والی ایک ہیکٹر یا اس سے زیادہ کی زمین پر قابض نہ ہونا چاہیئے یا ۵۰ء ہیکٹر موسمی طور پر آبپاری کی جانے والی یا دھان یا چاول کی زمین پر یا ۲۵ء ہیکٹر باغ یا دائمی طور پر آبپاری والی زمین پر اس کے علاوہ ایسے مجاہدین آزادی جنہیں تا زندگی پنشن مل رہی ہو اس بات کے حقدار نہیں ہیں۔

اب تک ۸۸۴ مجاہدین آزادی کو ۱۹۴۳ ہیکٹر جنگلات اور آراضی غیر مزروعہ عطا کی جا چکی ہیں۔

کسی شخص کو گھر تعمیر کرنے کے لئے زمین عام طور پر بذریعہ نیلام دی جاتی ہے لیکن مجاہدین آزادی کے لئے گھر کے لئے تعمیر کی جگہ بغیر نیلام دی جاتی ہے بشرطیکہ اس کی ماہانہ آمدنی ۱۲۵ روپے سے زیادہ نہ ہو اور اس کا مطالبہ کم سے کم درج شدہ جگہ کے لئے ہونا چاہیئے (اور جہاں رقبہ متعین نہ ہو تو وہ ۴۶۵ مربع میٹر سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے) تو وہ پھر اس بات کا حقدار ہوتا ہے کہ وہ زمین کی قیمت کا ۵۰ فی صد رعایت حاصل کرلے۔

طبّی سہولتیں حاصل کرنیکا کیا طریقہ ہے؟

مجاہدین آزادی اور ان کے خاندان کے دیگر افراد حکومت کے اسپتالوں میں مفت طبّی امداد یا علاج پاتے ہیں۔ اس سے قبل یہ مفت علاج کی سہولت صرف اُنہیں مجاہدین آزادی کو ملتی تھی جن کی تنخواہیں فی ماہ ۳۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ یہ آمدنی کی حد بندی کی شرط ۱۸ مئی ۱۹۷۷ء سے ختم کردی گئی ہے۔

فیئر پرائس اور راشن کی دکانیں چلانے کی اجازت کے سلسلے میں کیا اصول ہے؟

مجاہدین آزادی کی امداد باہمی سوسائیٹیوں کو تیسری فوقیت دی گئی ہے جبکہ کسی تنہا مجاہد آزادی کو دسویں فوقیت۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء تک ۲۱۵ مجاہدین آزادی کو فیئر پرائس دکانیں نامزد کی گئیں ہیں۔ اسی طرح مجاہدین آزادی کو کنٹرول کپڑے کی دکانیں نامزد کرنے کے لئے ۵ ویں فوقیت دی گئی ہے۔

مجاہدین آزادی اور ان کے رشتے داروں کو کن کن تعلیمی سہولتوں سے نوازا گیا ہے؟

مجاہد آزادی اس کی بیوی، بچے (بشمول گود لئے گئے یا سوتیلے بچوں کے) اور نواسے یا پوتے (فوت شدہ لڑکے کے بچے) بشرطیکہ مجاہد آزادی کی ماہانہ تنخواہ ۴۰۰ روپے سے زائد نہ ہو، کو مختلف تعلیمی سہولتیں دی جاتی ہیں۔

ایسے افراد جنہوں نے آئی این اے تحریک اور سابق حیدرآباد ریاست میں ذمہ دار حکومت کے لئے چلائے جانے والی تحریک میں حصہ لیا ہو تو وہ بھی ان سہولتوں کے حقدار ہیں۔

وظیفہ یاب کو منظور کردہ اسکولوں میں داخلے کے لئے ضروری نمبروں کی شرط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے داخلے دیئے جاتے ہیں۔

میڈیکل اور انجینیرنگ کورسوں میں داخلے کی اہلیت کے فیصلے کے وقت وظیفہ یاب اصحاب کے متعلقین کو نجلہ حاصل کردہ نمبروں میں ۱۰ نمبر کا اضافہ دیا جاتا ہے۔

فری اسٹوڈنٹ شپ، اسکالرشپ اور کتابوں کے لئے گرانٹ ان وظیفہ یاب اصحاب کے متعلقین کو پوسٹ گریجویٹ سطح تک دی جاتی ہیں اس کی تفصیل یوں ہے:

اسکالرشپ

معیار V تا X	۱۰ روپے	ماہانہ
" XI تا XII	۲۵ "	"
سرٹیفکٹ کورسیس	۴۰ "	"
ڈپلوما کورسیس	۵۰ "	"
ڈگری کورسیس گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ دونوں میڈیکل اور انجینیرنگ چھوڑکر	۴۰ "	"
ڈگری کورسیس گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ دونوں میڈیکل اور انجینیرنگ کالجوں میں	۶۰ "	"

کتابوں کیلئے گرانٹ

معیار I - IV	۱۵	روپے
" V - VII	۲۰	روپے
" VIII - X	۴۰	روپے
" XI - XII	۵۰	روپے

سرٹیفکٹ کورسیس	۵۰	روپے
ڈپلوما کورسیس	۵۰	روپے
ڈگری کورسیس گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ (میڈیکل اور انجینئرنگ چھوڑکر)	۱۰۰	روپے
ڈگری کورسیس گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ (میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں)	۲۰۰	روپے

ہر حکومت کے ہاسٹلوں میں وظیفہ یاب اصحاب کے متعلقین کے لئے کل ۵ سیٹیں ہیں اور ان کو کرایہ ادا کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

مندرجۂ بالا رعایتیں صرف اُن ہی طلبہ کو مل سکتی ہیں جن کے والدین ریاستِ مہاراشٹر کے باشندے ہیں یا ریاست مہاراشٹر جن کی جائے بود و باش ہے۔ یہ رعایتیں ان طلبہ کو بھی حاصل ہیں جن کے والدین ریاستِ مہاراشٹر کے باشندے ہیں لیکن جو دوسری ریاستوں کے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں. بشرطیکہ طلبہ جن کورسوں کی تعلیم حاصل کر رہے ہوں وہ ریاست مہاراشٹر کے تعلیمی اداروں میں نہ مل سکتی ہوں اور یہ کہ ایسے طلبہ اس اسکیم کی ہر شرط کو پورا کر رہے ہوں۔

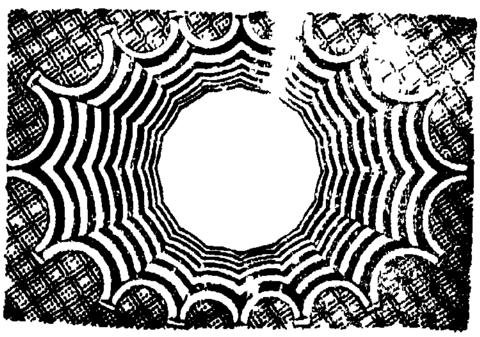
اب تک ۹,۲۵۷ مجاہدینِ آزادی کے بچّے ان تعلیمی سہولتوں سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ ۴۲ طلبہ کو میڈیکل کالجوں میں داخلہ مل چکا ہے۔

مجاہدینِ آزادی کو ہاؤسنگ بورڈ کی تعمیر کی ہوئی رہائش گاہوں میں کس طرح گھر مل سکتے ہیں؟

ہاؤسنگ بورڈ مختلف اسکیموں کے ماتحت بنائے گئے رہائش گاہوں کیلئے درخواست منگواکر اور قرعہ اندازی کے ذریعے گھروں کو الاٹ کرتا ہے. ہر اسکیم میں ۲۶۵ فی صد رہائش گاہیں مجاہدینِ آزادی کے لئے محفوظ ہیں. لیکن انہیں ان محفوظ کردہ رہائش گاہوں کے لئے جب کبھی بھی بورڈ کی جانب سے بذریعہ اشتہار درخواست منگوائی جاتی ہو تو انہیں بھی درخواست بھیجنا چاہیئے. اب تک ۴۶ مجاہدینِ آزادی کو اس طرح رہائش گاہیں دی جا چکی ہیں.

روپوش مجاہدینِ آزادی کیلئے کیا کیا سہولتیں میسّر ہیں؟

"روپوش مجاہدین آزادی" کی فہرست میں نام کی شمولیت کے لئے روپوش مجاہدینِ آزادی کی جانب سے درخواستیں منگوائی جاتی ہیں۔ مجاہدین آزادی کی ریاستی سطح کمیٹی درخواستوں کو جانچتی ہے. اب تک کمیٹی نے ۴۲۵۱ افراد کے ناموں کو روپوش مجاہدینِ آزادی کے ناموں کی فہرست میں شامل کرنے کے لئے سفارشات پیش کی ہیں اس زمرہ کے مجاہدین آزادی صرف تعلیمی سہولتوں کو پانے کے حقدار ہوتے ہیں۔



● ـــ جی. بی گجر. ایڈیٹر لوک راجیہ (مگر ٹا)

مجاہدین آزادی میں امداد باہمی تنظیم

خوش حالی کی ضامن

"مجاہدین آزادی امداد باہمی سوسائٹی برائے زراعتی سُدھار" ایک نیا اور خیال آفریں تجربہ ہے" یہ خیال شری سی. ڈی. شیٹھ نے جو خود بھی مجاہد آزادی ہیں، اس وقت ظاہر کیا تھا جب کہ میں گذشتہ ماہ کے شروع میں اُن سے ملا تھا۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ فی الحال مہاراشٹر میں ایسی صرف دو سوسائٹیاں ہیں۔ ایک احمد نگر ضلع میں ہے جہاں سنتراستی کسانوں نے امداد باہمی طریقے پر گنّے کی کاشت شروع کی ہے۔ دوسری ضلع تھانے کے مقام وانگنی میں ہے (شری شیٹھ خود اس کے صدر ہیں)



شری
سی. ڈی. شیٹھ

شری شیٹھ نے ضلع قلابہ میں ۱۵ر مارچ ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے تھے اسکول کے زمانے ہی سے آپ بڑے جوشیلے اور من چلے تھے اور آپ نے نصاب کے ماسوا بھی مختلف سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ آپ نے ضلع قلابہ کے جنوبی حصہ میں تعلقہ کے صدر مقام مہاڈ میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کی۔

ابھی آپ کی عمر مشکل سے ۱۶ سال کی ہی ہوگی کہ آپ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کے دوران میدانِ سیاست میں داخل ہو گئے۔ "راشٹریہ سیوادل" سے دیرینہ تعلق رہا تھا اور دل میں وطن کی تڑپ تھی آپ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ایسے ہیجانی زمانہ میں خاموش تماشائی بنے رہیں۔ آپ نے اپنے وسیع حلقۂ احباب یعنی موہن دھاریہ (موجودہ مرکزی وزیر تجارت) نانا پروہت، ممبر اسمبلی اور مشہور مہاڈ مورچہ کے لیڈر "بابا پنسارے، شکم مہتا، کملاکر ڈانڈیکر اور وسنت داتے (جنھوں نے مہاڈ میں معاملت دار کی کچہری پر مشہور مورچہ کے دوران شہادت پائی)، ڈاکٹر پیتمبر شیٹھ اور دیگر اصحاب کے ساتھ معاملت دار کے دفتر پر مورچہ اور پرچم لہرانے کا اہتمام کیا تھا۔ اس مقصد سے انھوں نے پربھات پھیریاں اور جلوس نکالنے کا انتظام کیا اور روپوش رہ کر باہم نہاد قابل اعتراض کتابچے تقسیم کئے نیز خفیہ اجلاس بلائے۔

مورچہ "بھارت ماتا کی جے" اور "چلے جاؤ" جیسے نعرے لگاتا ہوا جوش و خروش کے ساتھ معاملت دار کی کچہری کی جانب بڑھ رہا تھا پولس نے شری سی. ڈی. شیٹھ اور دیگر اصحاب کو روک لیا اور ان کے خلاف کارروائی شروع کی۔ گو شری شیٹھ صرف سولہ سال کے بالک ہی تھے، انھوں نے بڑی جوانمردی سے معاملت دار کے روبرو کہا "میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے، میں تو قوم کے پتا کے حکم کا پالن کر رہا ہوں، جنھوں نے انگریزوں سے کہا ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں۔" اس پر انھیں چار ماہ کی قید بامشقت دی گئی۔

رہائی کے بعد شری شیٹھ اپنی پڑھائی میں لگ گئے اور ۱۹۵۲ء میں لاء کالج، پونے سے لاء کی ڈگری لی۔ کالج کے طالب علم رہتے ہوئے بھی آپ نے اسٹوڈینٹس یونین کی سرگرمیوں میں عملی حصہ لیا۔

مہاڈ میں آپ نے وکالت شروع کی اور اسی کے ساتھ کانگریس کے تعمیری پروگرام اور سماجی کاموں پر توجہ دی۔ خوش قسمتی سے آپ کو سابق وزیر مالیات شری سی. ڈی. دیشمکھ (جو ضلع قلابہ میں روہا کے باشندے ہیں) اور شری نانا صاحب (جو ضلع قلابہ کی پرانی پیڑھی کے آزمودہ کانگریسی لیڈر ہیں) جیسے اصحاب کی رہنمائی میں کام کرنے کا موقع نصیب ہوا۔

۵۶-۱۹۵۵ء میں شری شیٹھ، تھانے منتقل ہو گئے اور زیادہ تر انکم ٹیکس، سیلس ٹیکس پریکٹس میں لگے رہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے مجاہدین آزادی اور ادیباسیوں کی بھلائی کے کاموں میں زیادہ دلچسپی لینا شروع کی۔ تھانے ڈسٹرکٹ فریڈم فائٹرز یونین کے سیکریٹری کی حیثیت سے آپ کے کام کی بڑی شہرت ہوئی۔ آپ تین سال تک مہاراشٹر فریڈم فائٹرز ایسوسی ایشن کے بھی سیکریٹری رہے اور اس اثناء میں آپ نے تھانے، پونے، قلابہ، سولا پور، ناسک اور بمبئی کے مجاہدین آزادی کے لئے مختلف مراعات حاصل کیں۔

شری شیٹھ کی گوناگوں سماجی سرگرمیوں میں قابل فخر کارنامہ وانگنی مجاہدین آزادی امداد باہمی اُٹھاؤ آب پاشی سوسائٹی کا قیام ہے۔ جسے سب ہی ایک قابل قدر اور مفید انجمن سمجھتے ہیں۔ لہٰذا میں نے خاص طور سے اسی بے نظیر اسکیم کے بارے میں تبادلہ خیال کیا جو سوال وجواب کی صورت میں حسب ذیل ہے:

س: مجاہدین آزادی کی خاطر فلاح وبہبود کی سرگرمیوں سے آپ کو کیسے دلچسپی پیدا ہوئی؟

ج: آپ سب جانتے ہیں کہ مجاہدین آزادی نے مادر وطن کو آزاد کرانے کے اعلیٰ ونیک مقصد کے لئے طرح طرح کی صعوبتیں اُٹھائیں، تنگ دستی اور غربت کا سامنا کیا اور سخت سزائیں بھگتیں۔ ایک مجاہد آزادی کی حیثیت سے میں نے اپنے دوسرے برادران مجاہدین آزادی کی مصیبتیں قریب سے دیکھیں۔ میرے خیال میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ انھیں منظم کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جائے تاکہ وہ بھی سکھ اور چین کی زندگی گذار سکیں۔ سماج اور حکومت کے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ ان کے لئے مختلف سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ اُن کا بار کسی حد تک ہلکا ہو، حالانکہ انھوں نے بذات خود اس کی کبھی آرزو نہ کی۔

لہٰذا جب میں وکالت کرنے کی غرض سے تھانے میں مقیم ہوا تو میں نے تھانے ڈسٹرکٹ فریڈم فائٹرز یونین کے قیام میں سرگرم حصہ لیا۔ اس کام میں بذات خود آزمودہ مجاہد آزادی نیز یونین کے صدر شری دھرم تانڈیل اور ایک اور مشہور مجاہد آزادی دجننا بیناشری دنا تھالے نے پوری طرح تعاون کیا۔

س: دوسرے کون سے رہنما اور ساتھی ہیں جنھوں نے اس کام کے لئے آپ میں ولولہ اور جوش پیدا کیا؟

ج: میں اس خصوص میں شری بڈلیش کلکرنی، لفٹیننٹ گورنر پانڈیچری کا ذکر کروں گا جن کے ساتھ میرا قریبی تعلق رہا۔ دوسرے ہیں موجودہ وزیر زراعت، شری ایچ۔ جی۔ ورتک، جنھوں نے مجاہدین آزادی کی فلاح وبہبود کے کاموں میں بڑی دلچسپی لی اور رہنمائی کی۔

س: آپ کی یونین کیسا کام کر رہی ہے؟

ج: یہ یونین دور دراز واقع دیہاتوں میں پھیلے ہوئے مجاہدین آزادی کی مختلف سہولتوں کے حصول مثلاً پنشن، بچوں کے لئے تعلیمی مراعات، ہاؤسنگ بورڈ کے تعمیر کردہ مکانات، فراہمی روزگار اور تقسیم اراضی وغیرہ کے معاملات میں مدد کرتی ہے۔ خصوصاً بوڑھے اور معذور مجاہدین آزادی اس یونین کو ایک نعمت سمجھتے ہیں۔ ہم نے ضلع میں اب تک آٹھ سو سے زیادہ مجاہدین آزادی کی ایک یا دوسرے طریقے سے مدد کی ہے۔

س: کیا آپ یونین کی کسی خاص کارگذاری پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟

ج: میرے خیال میں ہمارے ملک میں زمین کی طلب عام ہے۔ مجھے فخر ہے کہ ہماری یونین ضلع کے وانگنی، بدلاپور، دھانو، پال گھر، وسئی اور واڑا مقامات میں تقریباً ۸۰۰ ہیکٹر اراضی مجاہدین آزادی کے لئے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ باندھ بندی، بیج، کھاد اور زراعتی ساز وسامان کے لئے ہم ضلع پریشد اور بنکوں سے مالی امداد اور قرض بھی حاصل کر سکے۔

س: میں نے وانگنی، بدلاپور میں مجاہدین آزادی کی امداد باہمی سوسائٹی کے بارے میں بہت کچھ سُنا ہے۔ خیال ہے کہ اس سے دیگر مجاہدین آزادی، پسماندہ طبقات اور ادیباسیوں کی بھی رہنمائی ہوگی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

ج: مجھے ذرا تفصیل سے بیان کرنا پڑے گا۔ دس مجاہدین آزادی کو جن میں میں خود اور شری تشر لوار، انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کے لیڈر شامل ہیں، وانگنی (ضلع تھانے) میں تقریباً ۳۵ ہیکٹر زمین دی گئی تھی۔ یہ ساری زمین ورکاس ہے جس کو دبا کر ٹھیک کرنے کی ضرورت تھی۔ بارش موافق ہو تو اس پر دھان یا ناگلی کی ایک فصل ہو سکتی ہے۔ ہم نے سوچا کہ اگر صورت ایسی ہی رہے تو اس قسم کی کھیتی پر ہم اچھی طرح گذر بسر نہیں کر سکتے۔ قریب ہی الہاس ندی بہتی ہے، لیکن اس کی سطح کھیتوں سے نیچی ہے۔ لہٰذا میں نے سب سے اول بنک آف انڈیا سے ۳۰,۰۰۰ روپے کا قرض اُٹھایا اور تجربتاً ۷۲-۱۹۷۱ء میں اُٹھاؤ سینچائی کے ذریعے اپنی زمین کو سیراب کرنے کی کوشش کی۔ تجربہ کامیاب ثابت ہوا۔ اس سے تشر لوار کا حوصلہ بڑھا اور انھوں نے آگے بڑھ کر ۱۹۷۶ء میں وانگنی مجاہدین آزادی امداد باہمی اُٹھاؤ آب پاشی سوسائٹی قائم کی۔ سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے میں مہاراشٹرا اسٹیٹ کوآپریٹو بنک سے دو لاکھ روپے سے زیادہ رقم کا قرض حاصل کرنے کے

قابل ہوگیا۔ آئندہ فصل میں ہمیں توقع ہے کہ ہم دو تین دھان کی فصلیں، سبزی اور دیگر فصلیں اُگا سکیں گے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اس طرح کھیتی باڑی سے ہمیں سالانہ تقریباً ۲۶ ؍۱ لاکھ روپے کی آمدنی ہوگی اور بتدریج قرض چکا دیں گے۔ اس طرح ہماری کاشت کاری بکھاؤ ہی نہیں بلکہ بڑی منافع بخش بھی ہوگی۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم امداد باہمی فروخت (کوآپریٹو مارکٹنگ) کا طریقہ بھی اختیار کریں گے۔

س: آپ کے کام کو سہل بنانے میں حکومت نے کیا طریقہ اختیار کیا؟

ج: میں اس سلسلہ میں اس وقت کے وزیر محصول اور موجودہ وزیر زراعت شری ایچ۔ جی ورتک، سابق ایڈیشنل کلکٹر، شری دیوبھا اور شریمتی کمد بنسال، متعلقہ تحصیل داران اور دیگر مال گذاری افسران کا ممنون ہوں جنھوں نے بسرعت کارروائی میں ہماری اعانت کی اور مجاہدین آزادی کی خاطر انتہائی دلچسپی لی۔

س: کیا دوسرے مقامات پر ایسی ہی امداد باہمی سوسائیٹیاں قائم کرنے کے لئے آپ کے پاس مزید کوئی منصوبہ ہے؟

ج: دانگنی کی کامیابی سے حوصلہ پاکر ہم تقریباً سو مجاہدین آزادی کی ایک سوسائٹی قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جنھیں تعلقہ پال گھر میں تقریباً ۲۰۰ ہیکٹر زمین ملی ہے۔

س: سوشل ورکر کی حیثیت سے آپ کو کس قسم کے دیگر سماجی کاموں سے دلچسپی ہے؟

ج: مجاہدین آزادی کو مُفت صلاح اور قانونی امداد دینے کے علاوہ مجھے سماج کے کمزور طبقات خصوصاً ادیباسیوں کے سُدھار کے کاموں سے دلچسپی ہے۔ میں تھانے ادیباسی سنگھ کا صدر ہوں جو ادیباسیوں کے لئے قابل تعریف کام کر رہی ہے۔ ہم نے ۵۰ ادیباسیوں کو اراضی واپس دلوائی۔ بنکوں کے ذریعے تقریباً سو ادیباسیوں نے بھیڑ بکریاں وغیرہ خریدنے کے لئے قرض پایا۔ مزید برآں امداد باہمی سوسائیٹیاں اور تعلیمی ادارے وغیرہ چلانے میں، اُن کی رہنمائی کی جاتی ہے۔

شری شیٹھ نے آخر میں یہی خواہش ظاہر کی کہ اور مجاہدین آزادی آگے بڑھ کر اس قسم کی امداد باہمی سوسائیٹیاں قائم کریں تاکہ خوش حال زندگی گذار سکیں۔ انھیں اس طرح 'امداد باہمی سوشلزم' کا ایک نمونہ پیش کرنا چاہیے جس سے ہمارے دیش کا مستقبل محفوظ اور روشن ہوگا۔

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ "قومی راج" میں 'قارئین کی رائے' کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونے والے بہتر اور خیال انگیز خط پر پچیس روپے کا انعام دیا جائے گا۔

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون، افسانہ یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات آپ کو ناپسند ہیں۔ حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں آپکی کوئی تعمیری رائے ہو تو اس کا بھی اظہار کر سکتے ہیں۔ خطوط ۳۰۰ الفاظ سے زیادہ نہ ہوں۔ اور سارے خطوط "ایڈیٹر 'قومی راج'، ۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ مقابل منترالیہ، بمبئی ۳۲...۴ کے پتہ پر بھیجے جائیں۔

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے لہذا قارئین کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال وجواب" کا خصوصی صفحہ ہر شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلہ خیال سے ہمیں اور بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور تبصرے بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

آپ اپنے سوالات اس پتے پر روانہ فرما سکتے ہیں۔

ایڈیٹر 'قومی راج' (پندرہ روزہ)
۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ
مقابل منترالیہ بمبئی ۳۲ - ۴

ہوائی فوج ۔ ذریعۂ معاش

• شلندر کمار • ترجمہ: اے. خالق

دفاع ملک کے سلسلے میں انڈین ایئر فورس کی زبردست اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ ہماری ہوائی فوج کے اُن جوانوں کے بہادرانہ کارناموں کی داستان جنہوں نے پڑوسی ملک کی ہوائی طاقت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا، جب اس نے ہماری مقدس سرزمین پر حملہ کرنے کی جرأت کی تھی، اب تک ہندوستانی باشندوں کے ذہن میں تازہ ہے۔ ہمارے نوجوانوں نے، باوجودیکہ ان کے پاس حملہ آوروں کو زک دینے کیلئے کافی طاقت نہیں تھی، انہیں ہر محاذ پر، اپنی اعلیٰ تربیت اور بہتر جنگی حکمتِ عملی کی بدولت، زبردست شکست دی۔ ہندوستانی ہوائی فوج نے زمانۂ امن میں بھی بہت قابلِ تعریف کام انجام دیئے ہیں۔ سیلاب وغیرہ جیسی قدرتی آفات کے دوران لوگوں کو مصیبتوں سے نجات دلانے میں انہوں نے نہایت اطمینان بخش کارنامے انجام دیئے ہیں۔

ان نوجوانوں کے لئے جو دفاعی خدمات انجام دینا چاہتے ہیں ہوائی فوج میں معاش کا ذریعہ غالباً سب سے زیادہ موہ لینے والا اور جوش پیدا کرنے والا ثابت ہو سکتا ہے۔ مضبوط ارادے، اچھی ذہانت اور تندرست جسمانی حالت والے نوجوانوں کا اس ہوائی فوج کی جانب راغب ہو جانا یقینی بات ہے جس میں عالی حوصلگی کی بلندیاں آسمان کے حدود تک وسعت رکھتی ہیں۔ ہوائی فوج میں بھرتی عام طور پر بری فوج اور بحری فوج کے طرز پر کی جاتی ہے۔ کوئی نوجوان اگر ہوائی فوج میں بھرتی ہونا چاہے تو وہ کمیشنڈ آفیسر یا ایئرمین کی حیثیت سے داخلہ حاصل کر سکتا ہے۔

ہوائی فوج کے افسران کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(ا) فلائنگ شاخ کے افسران، جو پائلٹ اور نیویگیٹر پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(ii) زمینی فرائض انجام دینے والی شاخ کے افسران:

زمینی فرائض انجام دینے والی شاخیں یہ ہیں:

(الف) تکنیکی شاخ جس میں ایروناٹیکل انجینئرنگ (الکٹرانکس) کی ذیلی شاخیں شامل ہیں

(ب) انتظامی شاخ جس کے ذمے انتظامی معاملات، ذہانت، کوڈ اور صفر سے واقفیت، فوٹوگرافی، ہوائی ٹرافک کنٹرول وغیرہ ہوتے ہیں

(ج) فوجی نظام سے متعلق شاخ

(د) حساباتی شاخ

(ھ) میڈیکل اور ڈینٹل شاخیں

(و) موسمیات کا علم رکھنے والی شاخ

(ز) تعلیمی شاخ

فلائنگ شاخ کی ضروریات کا ایک بڑا حصہ نیشنل دفاعی اکادمی کے امیدواروں کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے۔ نیشنل دفاعی اکادمی کے ان امیدواروں کو جو ہوائی فوج میں کمیشنڈ افسران کی حیثیت سے خدمت انجام دینا چاہتے ہیں فوج کے امیدواروں کے طرز پر ایک امتحان دینا پڑتا ہے اور ساتھ ہی پرواز میں قابلیت وصلاحیت کا امتحان بھی۔

فلائنگ شاخ میں خالی اسامیوں کا کچھ فی صد حصہ ایئرمین اور این سی سی کے طلبہ کے ذریعے پُر کیا جاتا ہے جو امیدوار ہوائی فوج کے انتخابی بورڈ والے امتحان میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں اور میڈیکل جانچ پر بھی پورے اُترتے ہیں انہیں فلائنگ کی تربیت کے لئے خالی اسامیوں کی دستیابی پر بھیجا جاتا ہے۔

فلائنگ کی تربیت ۱۸ ماہ تک ۳ مختلف درجوں میں ونگ پریزنٹیشن سطح تک دی جاتی ہے۔

نیویگیشن شاخ کے لئے انتخاب سابق این ڈی اے طلبہ میں سے کیا جاتا ہے اس کی تربیت بھی ۱۸ ماہ تک دی جاتی ہے

تکنیکی شاخ

ہوائی فوج کی تکنیکی شاخ میں امیدواروں کا انتخاب براہ راست ان امیدواروں کی بھرتی کے ذریعے ہوتا ہے جو ضروری تکنیکی معلومات رکھتے ہیں یعنی جو انجینئرنگ میں یا اس کے مساوی کوئی ڈگری یافتہ ہوں۔ اور جن کی عمریں ۱۸ سے ۲۸ سال کے درمیان ہو۔ امیدواروں کا انٹرویو لیا جاتا ہے اور پھر ہوائی فوج کے لئے سلیکشن بورڈ ان کا انتخاب کرتا ہے جو امیدوار انتخاب کر لئے جاتے ہیں اور میڈیکل امتحان میں بھی کامیاب ثابت ہوتے ہیں انہیں ہوائی فوج میں کمیشن ملتا ہے اور پھر تکنیکی کالج میں تربیت دی جاتی ہے۔

غیر تکنیکی شاخیں

میڈیکل اور ڈینٹل شاخوں کو چھوڑ کر تمام غیر تکنیکی شاخوں کے لئے انتخاب ایسے آنرز گریجویٹوں میں سے کیا جاتا ہے جن کی عمریں ۲۱ اور ۲۳ کے درمیان ہوتی ہے یہ انتخاب انتظامی امور اور افواج کی نقل وحرکت سے متعلق شاخوں کیلئے ہوتا ہے۔ تکنیکی ڈگری یا تجربہ رکھنے والے

آنرز گریجویٹ اور تجربہ رکھنے والے انجینئرنگ گریجویٹ جو عمر میں ۲۱ اور ۲۵ سال کے درمیان ہوں (علم موسمیات کی شاخ کے لئے اعلیٰ قابلیت رکھنے والوں کی عمریں ۲۸ سال تک بڑھادی گئی ہیں اور بی کام ڈگری رکھنے والوں کی ۲۱ اور ۲۳ کردی گئی ہے) اسی طرح عمر کی حدیں کاسٹ اکاؤنٹنٹ کے لئے ۲۵ تک اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کے لئے ۲۷ تک بڑھادی گئی ہے۔

امیدواروں کا انٹرویو ایئر فورس سلیکشن بورڈ لیتا ہے اور منتخب امیدوار جو میڈیکل طور پر صحت مند ہوتے ہیں انہیں ایئر فورس ایڈمنسٹریٹو کالج میں فلائٹ طالب علم کی حیثیت سے بھیج دیا جاتا ہے سوائے علم موسمیات کی شاخ کے امیدواروں کے جنہیں ٹریننگ کے دوران معمولی سروس کمیشن بھی دیئے جاتے ہیں۔ ٹریننگ میں کامیاب ہونے کیلئے انہیں ریگولر کمیشن دیا جاتا ہے علم موسمیات کے افسران کو مزید تربیت دی جاتی ہے۔

میڈیکل اور ڈینٹل شاخوں کی ضروریات ہوائی فوج کے ایم سی /اے۔ڈی سی افسران کی سیکنڈمنٹ سے پوری کی جاتی ہیں سوائے میڈیکل، ڈینٹل، موسمیات اور تکنیکی شاخوں کے امیدواروں کے ہوائی فوج کے لئے انتخاب کیئے گئے کمیشن یافتہ امیدواروں کا اندراج فلائٹ کیڈٹ کی حیثیت سے اسی دن سے ہوتا ہے جس دن کہ وہ ایئر فورس کالج میں تربیتی کورس کی ٹریننگ کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

تکنیکی شاخوں کے لئے منتخب امیدواروں کو داخلہ کے بعد کم مدتی سروس کمیشن پر پائلٹ افسران کے درجہ پر مقرر کیا جاتا ہے اور جن کو چھ ماہ تک بطور آزمائش اپنی ٹریننگ کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے بعد رکھا جاتا ہے۔ آزمائشی میعاد کو پورا کرنے کے بعد انہیں ہوائی فوج میں مستقل کمیشن دیا جاتا ہے تربیت کے دوران انہیں تنخواہ اور بھتے ہوائی فوج کے پائلٹ کو دی جانے والی تنخواہوں اور بھتوں کی طرح دیئے جاتے ہیں۔ موسمیات شاخوں کے امیدواروں کو عارضی کم مدتی سروس کمیشن دیا جاتا ہے جو پائلٹ افسر کی سطح کے ہوتے ہیں اس مدت کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے بعد انہیں مستقل کمیشن پائلٹ افسر کی سطح تک دیا جاتا ہے جو ایک سال تک بطور آزمائش ہوتا ہے۔

تربیت کے دوران کھانے اور رہائش کا خرچ حکومت برداشت کرتی ہے فی طالب علم ۲۰ روپیہ فی ماہ کے حساب سے ہوائی فوج کالج کے کمانڈنگ افسر کے فیصلے پر منظور شدہ اسباب خرچ کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

فی ۵۵ روپیہ کی مالی امداد ان ضرورت مند مستحق

فلائٹ کیڈٹوں کو دی جاتی ہے جن کے والدین/سرپرستوں کی آمدنی تمام ذریعوں سے ۲۵۰ روپیہ فی ماہ سے زائد نہیں ہوتی ہے جب ایک لڑکا/زیر ولایت لڑکا مسلح فوجی تربیتی اداروں میں پری کمیشن تربیت حاصل کر رہا ہے تو ۵۵ روپیہ فی ماہ کی مالی امداد ایک لڑکے/زیر ولایت لڑکے کو دی جاتی ہے جو بعد میں داخلہ لیتا ہو اگر اس کے والدین/سرپرست کی تنخواہ ۲۵۰ روپیہ سے زائد ہو لیکن چار سو روپیہ فی ماہ سے کم ہو جب تک کہ دو لڑکے/زیر ولایت لڑکے بیک وقت مسلح فوجی تربیتی اداروں میں زیر تربیت ہوتے ہیں۔ مالی امداد پری کمیشن تربیت کی مدت تک کیلئے ہی دی جاتی ہے۔ اگر والدین/سرپرست کی تنخواہ منظور شدہ حد سے زائد ہو جاتی ہے تو یہ امداد بھی روک دی جاتی ہے۔

کس طرح داخلہ لیں؟

ہندوستان کے اہم شہروں میں ایئر مین انتخابی مراکز قائم ہیں شہر کے بڑے بڑے اخباروں میں ایئر مین میں بھرتی کے لئے اشتہارات وقتاً فوقتاً شائع کئے جاتے ہیں۔ امیدواروں کو ایئر مین انتخابی مراکز کی جانب سے منگوائی گئی درخواستوں کو بھیجنا چاہیئے۔ قابلیت رکھنے والے امیدواروں کو انتخابی امتحان اور انٹرویو کے لئے بلوایا جاتا ہے انہیں اپنے ساتھ مندرجہ ذیل اصلی سرٹیفکٹ لے جانا پڑتا ہے۔

(۱) عمر اور تعلیم کے ثبوت فراہم کرنے والے سرٹیفکیٹس

(۲) کردار کے بارے میں سرٹیفکیٹ جو کسی گیزیٹیڈ افسر یا وظیفہ یاب میجسٹریٹ کی طرف سے جاری کیا گیا ہو۔ (ادارہ کے سربراہ کی طرف سے دستخط کئے گئے کردار کے سرٹیفکیٹس جہاں امیدوار پہلے تعلیم حاصل کرتا تھا، صرف مستثنیٰ حالات میں ہی قابلِ قبول ہوتے ہیں۔)

(۳) والدین کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ (۱۸ سال سے کم عمر والے امیدواروں کے لئے۔)

مہاراشٹر، گجرات اور گوا، دمن اور دیو کے لئے بھرتی کا مرکز بمبئی میں نرنجن بلڈنگ (چوتھا مالا) ۹۹ میرین لائنس (مغربی) بالمقابل میرین لائنس ریلوے اسٹیشن پر واقع ہے۔

داخلہ کے وقت ایئر مین کی حیثیت سے بھرتی ہونے والے امیدواروں کی عمریں ۱۶ اور ۲۰ تک ہونی چاہیئے اور انہیں جسمانی اعتبار سے صحت مند ہونا چاہیئے۔ میٹرک میں ناکامیاب امیدواروں کو گروپ۔ IV کے شعبے میں ہی داخل کیا جاتا ہے جبکہ میٹرک پاس امیدواروں کو گروپ۔ II اور گروپ۔ III کے مخصوص شعبوں میں بھرتی کیا جاتا ہے اور یہ بھرتی بھی ہوائی فوجی بھرتی افسر کی جانب سے مختلف بھرتی کے مراکز پر لئے جانے والے امتحانات کی کامیابی کی بنیاد

پر کی جاتی ہے۔ ہوائی فوج بھرتی افسر کی سفارشات کی بنیاد پر اسٹیشن کمانڈر امیدواروں کو ایئرمین برائے تربیت داخلہ دیتا ہے۔ اور پھر انہیں تربیت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ یہ تربیتی مدت شعبے کے مطابق ۲۰ ہفتوں تا ۲۷ ہفتوں تک ہوتی ہے۔ ایئرمین کو شروع شروع میں ۱۵ سال کی مدت تک ریگولر سروس کے لئے داخل کیا جاتا ہے جس میں تربیتی مدت اور چھ سال کی محفوظ مدت ہوتی ہے۔ ۱۵ سال کی شروع شروع کی مدت کو پورا کرنے کے بعد ۶ سال کی مدت کو بڑھانے کے قابل ہوتے ہیں اور پھر اس کے بعد تین سال تک یا اس سے کم مدت تک جب تک کہ وہ پنشن کی عمر تک نہ پہنچ جائیں۔

گروپ۔ I میں داخلہ، گروپ۔ II کے ایلائڈ شعبوں میں سے کیا جاتا ہے۔ ان شعبوں کے لئے جو گروپ۔ II میں نہیں ہوتے ان میں داخلے براہِ راست گروپ۔ I میں ہوتے ہیں۔

۱۷ اور ۲۵ کے درمیان عمر والے امیدواروں کا انتخاب — نان۔کمباٹنٹس (داخلہ) کی طرح باورچی، دھوبی، لسکر، برتن صاف کرنے والے کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اُن کا داخلہ ۱۵ سالوں تک کیلئے ہوتا ہے اور یہ مدت پوری کر لینے کے بعد ۵ سال کا اضافہ دیا جاتا ہے یا اس سے کم مدت کے لئے جب تک وہ ۵۵ سال کا نہ ہو جائے درجہ IV کی حیثیت سے کام کرنے والے ہوائی فوج کے ملازموں کو بھی ۴۵ سال تک عمر کی تخفیف کر کے داخلے کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ داخلے کے وقت ۴۰ سال سے زائد عمر کے لوگوں کو اتنی ہی مدت کے لئے داخلہ دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ ۵۵ سال کی عمر تک نہ پہنچ جائیں۔

ہوائی فوج میں معاش تنخواہ کے اعتبار سے کم کشش والا نہیں ہے اچھی بنیادی تنخواہ کے علاوہ انہیں دوسرے بھتے بھی دیئے جاتے ہیں جیسے مہنگائی بھتہ، تلافی بھتہ، رخصت سفر کی درستی کا بھتہ، گھر کرایہ، پانی اور بجلی، مفت ایک رہائشی جگہ، چھاتہ برداری تنخواہ، پرواز تنخواہ، فیلڈ سروس رعایت، سیپریشن بھتہ، بلندی / غیر موسمی فضا بھتہ وغیرہ کی رعایت۔

انڈین ایئر فورس افسروں کو ترقی دو طریقوں سے دی جاتی ہے۔

(i) ملازمت پر مقررہ مدت تک رہنے پر

(ii) انتخاب کے ذریعے

فلائنگ افسروں سے فلائٹ لیفٹنٹوں، اسکاڈرن لیڈروں اور ونگ کمانڈروں تک کی ملازمت پر مقررہ مدت تک رہنے کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ ۲۴ سال کی اچھی ملازمت کے بعد فلائنگ افسر فلائنگ شاخ میں ونگ کمانڈر بن جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ زمینی فرائض والی شاخوں پر بھی سوائے میڈیکل کے۔

ونگ کمانڈر کے بعد گروپ کیپٹن ایئر کمانڈر، ایئر وائس۔ مارشل، ایئر مارشل اور ایئر چیف مارشل پر ترقی انتخاب کی بنیاد پر دی جاتی ہے

ایئر کمانڈر اور اس کے بعد کی جگہیں مدت کی بنیاد پر دی جاتی ہیں یعنی ایئر کمانڈر (ایک / دو ہر چار سال پر)، ایئر وائس مارشل (چار سالوں پر ایک)، ایئر مارشل (چار سالوں پر ایک)، ایئر چیف مارشل (۴ سالوں پر ایک)

ایئرمین عام طور پر سارجنٹ فلائٹ سرجنٹ، وارنٹ افسر اور ماسٹر وارنٹ افسر کی حیثیت سے ترقی پاتے ہیں۔

ملازم ایئرمین جو ماسٹر وارنٹ افسر اور فلائٹ سرجنٹ کے درجوں پر ہوتے ہیں اور جن کی سروس ۱۰ سال کی ہو جاتی ہے اور جو ۴۰ اور ۴۵ سال کی عمر کے درمیان ہوتے ہیں، وہ بھی اس لائق ہوتے ہیں کہ اُنہیں انڈین ایئر فورس کی تکنیکی اور کچھ غیر تکنیکی شاخوں میں برانچ کمیشن کی حیثیت سے رکھا جائے۔ برانچ کمیشن کے لئے تعلیمی لیاقت گریجویشن یا اس کے مساوی امتحان ہے جو تمام زمینی فرائض والی شاخوں کے لئے ہوتا ہے سوائے تعلیمی شاخ کے جس کے لئے ڈگری اور پڑھانے کی ڈگری یا تجربہ ضروری ہوتا ہے اُن کو اسکاڈرن لیڈر تک کے درجہ تک ترقی دی جا سکتی ہے۔

ایئر فورس افسروں کو اس وقت لازماً سبکدوش کر دیا جاتا ہے جب وہ اس عمر کی حد کو پہنچ جاتے ہیں جو ذیل میں دی گئی ہے۔ موسمیاتی شاخوں اور تعلیمی شاخوں کو چھوڑ کر افسروں کے لئے میعاد پوری کرنے پر فلائنگ شاخ: اسکاڈران لیڈر: ۴۸ سال، ونگ کمانڈر: ۴۸ سال، گروپ کیپٹن: ۵۰ سال، ایئر کمانڈر: ۵۲ سال، میڈیکل، تعلیمی اور موسمیات شاخوں کے علاوہ، اسکاڈران لیڈر: ۵۲ سال، ونگ کمانڈر: ۵۲ سال گروپ کیپٹن: ۵۰ سال، ایئر کمانڈر: ۵۲ سال، ایئر وائس مارشل: ۵۴ سال تعلیمی شاخ: اسکاڈران لیڈر، ونگ کمانڈر: ۵۵ سال، گروپ کیپٹن ایئر کمانڈر ایئر وائس مارشل: ۵۵ سال، ایئر مارشل ۵۶ سال، موسمیات شاخ: اسکاڈران لیڈر، ونگ کمانڈر، گروپ کیپٹن، ایئر کمانڈر اور ایئر وائس مارشل ۵۵ سال چیف مارشل کی ریٹائر ہونے والی عمر ۵۸ سال ہوتی ہے۔

ریٹائر ہونے کے بعد چونکہ یہ افراد اچھا تربیتی کردار رکھتے ہیں اس لئے ان ہوائی فوج کے افراد کو ملازمت ملنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی ہے مزید یہ کہ ان لوگوں کو حکومتی، نیم حکومتی، پرائیویٹ اور عوامی اداروں میں ملازمت کیلئے فوقیت دی جاتی ہے وہ بہت سی دوسری فلاحی اسکیموں سے جو کہ دفاعی افراد کیلئے مخصوص ہوتی ہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں مرکزی حکومت نے ایک علیحدہ ڈائرکٹوریٹ آف ری ہیبلیٹیشن برائے دفاعی افراد قائم کیا ہے جو ملازمت دلانے میں مدد کرتا ہے یہ ادارہ آزاد پیشہ اپنانے یا چھوٹی موٹی صنعت یا ذاتی کاروبار شروع کرنے کے سلسلے میں بھی رہنمائی کرتا ہے۔

ہندوستانی ہوائی فوج میں کمیشنس

داخلے کا ذریعہ	عمر کی حد (سالوں میں)	تعلیمی قابلیت	انتخاب کا طریقہ کار	ریمارکس
نیشنل دفاعی اکادمی (بری، بحری اور ہوائی فوجوں کے لئے)	۱۶ - ۱۸½	اعلیٰ ثانوی یا (اس کے مساوی)	یونین پبلک سروس کمیشن کا امتحان اور ایس۔ ایس۔ بی انٹرویو	دو کورسیس جو عام طور پر ہر سال جنوری اور جولائی میں شروع ہوتے ہیں۔
تکنیکی شاخیں: ایرونائٹکل انجینئرنگ (الیکٹرانکس)	۱۸ - ۲۸	الیکٹریکل انجینئرنگ میں ڈگری یا منسلکہ مضامین میں	اے۔ ایف۔ ایس۔ بی انٹرویو	۲ کورسیس، جو عام طور پر ہر سال جنوری اور جولائی میں شروع ہوتے ہیں۔ ہر کورس شروع ہونے سے ۱۰/۱۱ ماہ قبل اخبارات میں اشتہار شائع کیا جاتا ہے
ایرونائٹکل انجینئرنگ (میکانیکی)	۱۸ - ۲۸	میکانیکل/ایرونائٹکل انجینئرنگ یا منسلکہ مضامین میں ڈگری		
غیر تکنیکی شاخیں: انتظامی شاخ	۲۱ - ۲۳	بی۔ اے (آنرز)/ بی۔ ایس سی (آنرز) یا ایم۔ اے/ایم ایس سی	اے۔ ایف۔ ایس۔ بی انٹرویو	انتظامی شاخ کے لئے عام طور پر ایک سال میں یعنی جنوری اور جولائی میں دو کورسیس ہوتے ہیں جبکہ دوسری شاخوں کے لئے جنوری/جولائی میں صرف ایک کورس ہوتا ہے۔
حساباتی شاخ	۲۱ - ۲۳	بی۔ کام/ایم کام/اے آئی سی ڈبلیو۔ اے/اے۔ سی ڈبلیو/اے		
فوجی نظام سے متعلق شاخ	۲۱ - ۲۳	آنرز کے ساتھ گریجویٹ یا ایم۔ اے/ایم۔ ایس سی		
موسمیات سے تعلق رکھنے والی شاخ	۲۰ - ۲۵	ایم۔ ایس۔ سی (اول یا دوم کلاس) فزکس/اپلائڈ فزکس/علم موسمیات/علم طبقات الارض/علم بحریات سے یا میتھمیٹکس/اپلائڈ میتھمیٹکس میں بشرطیکہ بی۔ ایس۔ سی سطح پر فزکس اور میتھمیٹکس کا مضمون بھی لیا گیا ہو۔		ہر کورس کے شروع ہونے سے ۱۰/۱۱ ماہ قبل اخبارات میں اشتہار شائع کیا جاتا ہے۔ ۲ کورسیس جو عام طور پر ہر سال جنوری اور جولائی میں شروع کئے جاتے ہیں۔
فلائنگ شاخ: شہری این۔ سی۔ سی براہ راست بھرتی	۱۹ - ۲۱½	گریجویٹ، این۔ سی۔ سی کے "سی" سرٹیفکیٹ کے ساتھ (ہوائی ونگ)	اے۔ ایف۔ ایس۔ بی انٹرویو	درخواستیں ڈائریکٹوریٹ جنرل این۔ سی۔ سی کے ذریعہ منگوائی جاتی ہیں۔

• .... نیلاڈیسوزا
فری لانس جرنلسٹ

دُودھ - دیہی خوشحالی میں ایک نیا عنصر

گوڈسے کے دونوں لڑکے جو پونے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں شاید اپنے والد کی طرح کسان بننا نہیں چاہیں گے کیونکہ گوڈسے نے انھیں اپنا مستقبل آپ سنوارنے کے قابل بنا دیا ہے۔ گوڈسے کا مکان پونے سے ۴۰ کلومیٹر دُوری پر کڑوس گاؤں میں واقع ہے ایک عام مکان ہوتے ہوئے بھی اس کی خوشحالی چھپی نہیں رہ سکتی۔ آپ اصطبل میں داخل ہوئیے جہاں آپ کا ہاتھ ایک مخلوط نسل کا بچھڑا چاٹے گا۔ آگے ایک احاطہ ہے جس سے ہوکر ان کے مکان میں داخل ہو جائیے۔ ایک کنارے پر ایک آئل انجن تال پتری سے ڈھکا ہوا نظر آئے گا۔ اندر کے کمرے سے گذرنے کے بعد باورچی خانہ ملے گا جہاں پیتل اور اسٹین لیس اسٹیل کے چمکتے ہوئے برتن نظر آئیں گے۔ آگے بڑھیں گے تو آپ کو اصطبل کے قریب ایک اور کھلی جگہ نظر آئے گی جہاں مزید مویشی ہوں گے۔ قریب ہی ایک کنواں گوڈسے خاندان کو صاف پانی فراہم کرتا ہے۔

گوڈسے کا کہنا ہے کہ اس کی خوشحالی میں اس کی دودھ دینے والی گائیوں کا ہاتھ ہے۔ اس وقت اس کے پاس نو گائیں ہیں صحت مند اور مخلوط نسل کی۔ ان کا کہنا ہے کہ دودھ کے ذریعے تمام مصارف نکال ان کو سالانہ ۴۰۰۰ روپے کے قریب آمدنی ہوتی ہے۔ اگر آپ کھاد کا صرفہ نکال دیں جو کہ گوڈسے اپنے جانوروں کے گوبر کو اپنے جوار، باجرہ اور مونگ پھلی کے کھیتوں میں استعمال کرتے ہیں تو اور بھی اچھی خاصی رقم کا فائدہ نظر آئے گا۔

اس طرح سے گوڈسے اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنے بیٹوں کو پونے بھیجنے کے قابل ہو سکے اور ساتھ ہی یہ آزادی بھی ملی کہ وہ اپنا مستقبل چن سکیں۔ ان کی کہانی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ ان کے اور قرب وجوار کے گاؤں کے دوسرے کسانوں کے لئے بھی حقیقت رکھتی ہے جو کہ کڑوس پرائمری کلکشن سنٹر کے ممبر ہیں اس امداد باہمی کا کام صرف یہی ہے کہ دودھ جمع کرے



ادیباسی عورتیں دُودھ دُوہنے میں مصروف



شہری گوڈسے کی دودھ دینے والی کائیں جن سے انہیں خوشحالی نصیب ہوئی

جو پونے ملک اسکیم کو فراہم کیا جاتا ہے. یہاں پر روزانہ تقریباً ۰۰۰ لیٹر دُودھ جمع کیا جاتا ہے.

پونے ملک اسکیم کو دُودھ فراہم کرنے والی ۲۱۴ پرائمری کوآپریٹیو میں سے کرڈوس ایک ہے. یہ ملک اسکیم شہر کے ۳۰۰ مقامات سے ۶۰,۰۰۰ لیٹر دُودھ فروخت کرتی ہے. یہ ملک اسکیم گوڈسے جیسے کسانوں پر ہی انحصار کرتی ہے. مہاراشٹر میں دُودھ اسکیم کی ترقی اور گوڈسے جیسے لوگوں کو اس سے ملنے والے فوائد کی ایک دلچسپ کہانی ہے. پونے دودھ اسکیم کی ترقی جو کہ ریاست کے دوسرے حصوں کی ایسی ہی اسکیموں سے کچھ مختلف ہے اپنی کہانی خود بیان کرتی ہے.

یہ سن پچاس کی بات ہے جبکہ پونے کے لیئے دودھ اسکیم کے بارے میں سوچا گیا تھا چونکہ اس کی بنیاد دیہی ہے اس لیئے اس کے چاروں طرف موجود دیہاتوں سے براہ راست دودھ جمع کیا جاتا تھا. جلد ہی انفرادی کسانوں سے دودھ حاصل کرنے میں مشکلات ظاہر ہونے لگیں کیا یہ نہ ہوگا کہ دودھ مقامی طور پر جمع کریں، پھر حکومت اس کو ایک ساتھ حاصل کرے؟

اس طرح کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ وہ خود کو ایک امداد باہمی کی شکل میں منظم کریں، اس طرح دودھ جمع کرنے کے ابتدائی مراکز قائم کئے گئے. کرڈوس کوآپریٹو انھیں میں سے ایک ہے. اس سوسائٹی نے ایک قابل تعریف مرکز تعمیر کیا ہے اور جلد ہی ایک دودھ ٹھنڈا کرنے کا پلانٹ شامل کرنے کی امید ہے.

ہم نے امداد باہمی کے حوصلہ مند چیرمین شری پنسارے سے ملاقات کی، جنھوں نے بڑے اعتماد سے ہمیں مرکز دکھایا. یہ خود اس کے اپنے فنڈ سے تعمیر ہوا ہے جو کہ ہر لیٹر پر صرف پانچ پیسے کمیشن لیتی ہے. آئندہ سال کے منصوبے میں ایک چلنگ پلانٹ (ٹھنڈا کرنے کا پلانٹ) شامل ہے. کرڈوس کے کسان دودھ کے ذریعے دوسرے مقامات کی سیر بھی کرتے ہیں.

مرکز سے منسلک رہنے کے لیئے ہر کاشتکار ۲۵ روپے ادا کرتا ہے. اس کے لائے ہوئے دودھ کی رقم درج کی جاتی ہے اور ہر دس دن میں ادا کی جاتی ہے. مرکز دودھ کی چکنائی اور تازگی کی جانچ کرتا ہے اور برف کے ذریعے ٹھنڈا کرتا ہے کیونکہ چلنگ پلانٹ ابھی موجود نہیں ہے اور پھر ملک اسکیم کے ٹرک کو سونپ دیتا ہے.

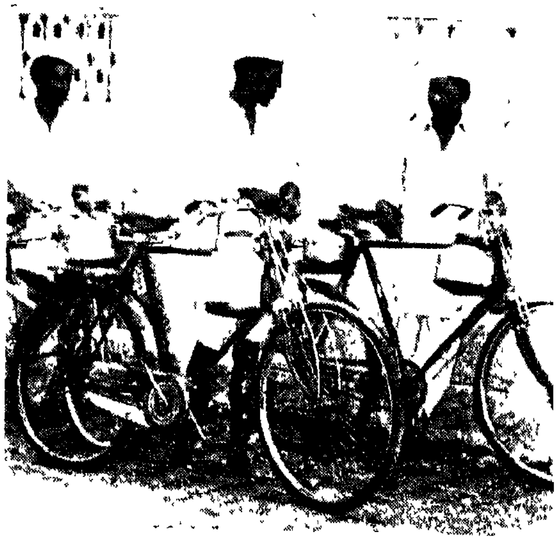
ایسے زیادہ تر ابتدائی مراکز صرف دودھ جمع کرتے ہیں، ان میں سے بعض کے پاس چلنگ پلانٹ ہیں. مہاراشٹر میں ۲۷ چلنگ پلانٹ ہیں جن میں سے ۶ کوآپریٹو سیکٹر میں ہیں.

دُودھ خراب ہونے والی شے ہے جسے زیادہ دیر تک رکھا نہیں جا سکتا. اسے صارفین تک تازہ پہنچانا پڑتا ہے اس لیئے تیز رفتاری ضروری ہے. دُودھ کی پروسیسنگ اس کی تازگی کی مدت میں اضافہ کرتی ہے، ساتھ ہی اس بیکٹیریا کی روک تھام کرتی ہے جس سے دُودھ کھٹا ہو جاتا ہے یہ کام چلنگ پلانٹ میں کیا جاتا ہے اگر کہیں قریب میں چلنگ پلانٹ موجود نہ ہو تو دوہری دیوار والی دودھ بالٹی میں اسے بھرا جا سکتا ہے جس کے باہری حصے میں برف رکھی جاتی ہے اس کے بعد اس کو رکھا یا لے جایا جا سکتا ہے. برف کے خانے کی وجہ سے دُودھ ٹھنڈا رہتا ہے اور چند گھنٹوں تک اچھی حالت میں رہ سکتا ہے.

مختلف ابتدائی مراکز میں جمع کیا ہوا دُودھ ڈیری پر لایا جاتا ہے جہاں اسے پیسچورائز کیا جاتا ہے. مگر اس سے قبل اس کی جانچ کی جاتی ہے. دُودھ کو یکجائی مراکز اور پھر ڈیری میں تازگی کے



مخلوط نسل کی گائیں، جو خوب دودھ دیتی ہیں



کسان، سائیکل کے ذریعہ دودھ جمع کرانے کے سینٹر پر لے جا رہے ہیں

لئے جانچا جاتا ہے۔ اس کی خوشبو سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ تازہ ہے یا نہیں۔ اس لئے صرف سُونگھ کر ہی اس بات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ دوسرے چکنائی اور دیگر باتوں کی جانچ ذرا پیچیدہ ہوتی ہے۔ مرکز میں لائے جانے والے دودھ کے نمونے نکالے جاتے ہیں اور جانچ کرنے کے بعد ہی اسے قبول کیا جاتا ہے۔ چکنائی کی مقدار معلوم کرنے کے لئے تھوڑے سے دودھ میں سلفیورک ایسڈ اور میل الکوحل ملا کر ہلایا جاتا ہے جس سے چکنائی الگ ہوجاتی ہے اس کو تول کر درج کر لیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے کے لئے مرکز پر تربیت یافتہ مقامی لڑکے موجود ہوتے ہیں۔

دودھ پیسچورائز کرنے کا طریقہ کافی آسان ہے۔ اس میں دودھ کو ۶۳° ڈگری سینٹی گریڈ تک گرم کیا جاتا ہے پھر یہی حرارت ۲ سیکنڈ تک برقرار رکھی جاتی ہے اور اس کے بعد تیزی سے ٹھنڈا کر کے ۴° ڈگری سینٹی گریڈ درجہ تک لایا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار سے اس میں موجودہ تپ دق اور ٹائیفائڈ کے جراثیم ختم ہوجاتے نیز ٹھنڈا کرنے سے تیزابی جرثومے کے اضافے پر روک لگ جاتی ہے پیسچورائز کرنے کے بعد دودھ کو بوتلوں میں بند کیا جاتا ہے۔ اب یہ صارفین کو فراہم کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ جب دوسرے دن صارف کو بوتل کا دودھ ملتا ہے تو اس کی تازگی اور بہتری برقرار رہتی ہے۔

پونے دودھ اسکیم ریاست میں جاری کردہ دوسری ایسی ہی اسکیموں کی طرح ضلع میں پھیلے ہوئے پرائمری مراکز سے براہ راست دودھ حاصل کرتی ہے اور شہر میں موجودہ اپنی ڈیری میں اس کو پروسیز کرنے کے بعد فروخت کرتی ہے۔

پونے شہر کو دوسرے دودھ فراہم کرنے والوں میں پونے ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو ملک پروڈیوسرز فیڈریشن ہے جن کی ڈیری ستارا روڈ پر کٹرج میں واقع ہے۔ اس کے خوش مزاج اور جانکار مینیجر شری ایم۔ این پٹیل نے ڈیری دکھائی جو کہ بہت ہی باصلاحیت طور پر چلائی جا رہی ہے۔ جسے ۸۵ کوآپریٹیو سوسائیٹیاں دودھ فراہم کرتی ہیں اور اس کا پیسچورائزیشن پلانٹ دوپہر تک مشغول رہتا ہے۔ کٹرج سے ٹرک صبح سویرے نکل جاتے ہیں اور ۷۵ کلومیٹر کا سفر کر کے دودھ جمع کرتے ہیں۔ اس میں سے کچھ تو چلنگ پلانٹ سے دودھ حاصل کرتے ہیں مگر زیادہ تر کوآپریٹیوز سے ہی لیتے ہیں۔

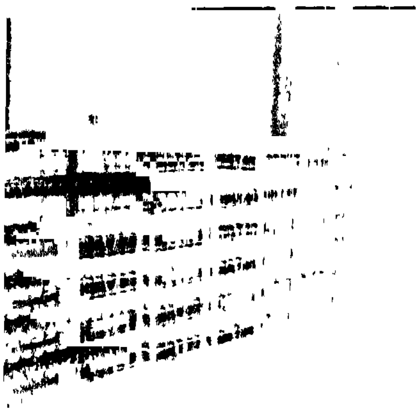
ڈیری اور دودھ پراسیسنگ کی جانکاری شری پٹیل کو آنند سے ملی۔ جس کے بعد وہ مزید تربیت کے لئے مغربی جرمنی کے مقام کیل



کسان، دوُدھ کوآپریٹیو سینٹر پر جمع کرا رہے ہیں



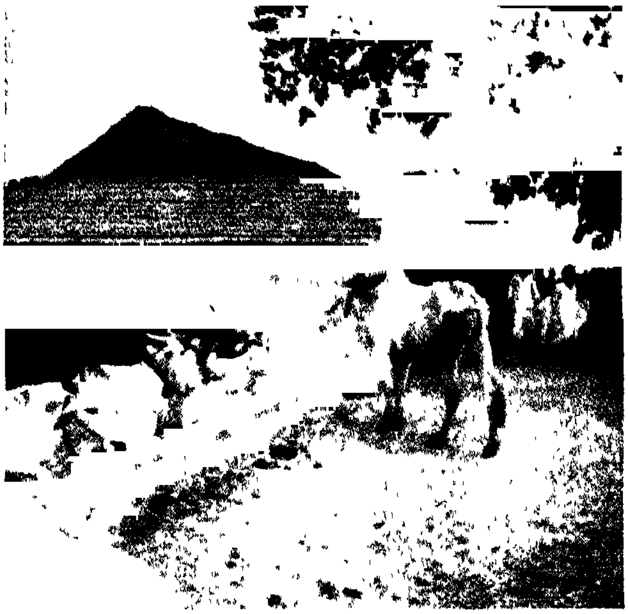
بمبئی میں ایک "ملک بوتھ" پر
خریداروں کا ہجوم۔
ایک عام منظر



مختلف رنگوں میں ذائقہ دار
اسٹرلائزڈ دودھ، آرے ڈیری
بمبئی سے مہیا کیا جاتا ہے۔

پونے کے طلعت فارم
میں ایک گائے
یہاں ایسی ایک گائے
دن میں ۲۵ لیٹر دودھ
دیتی ہے۔



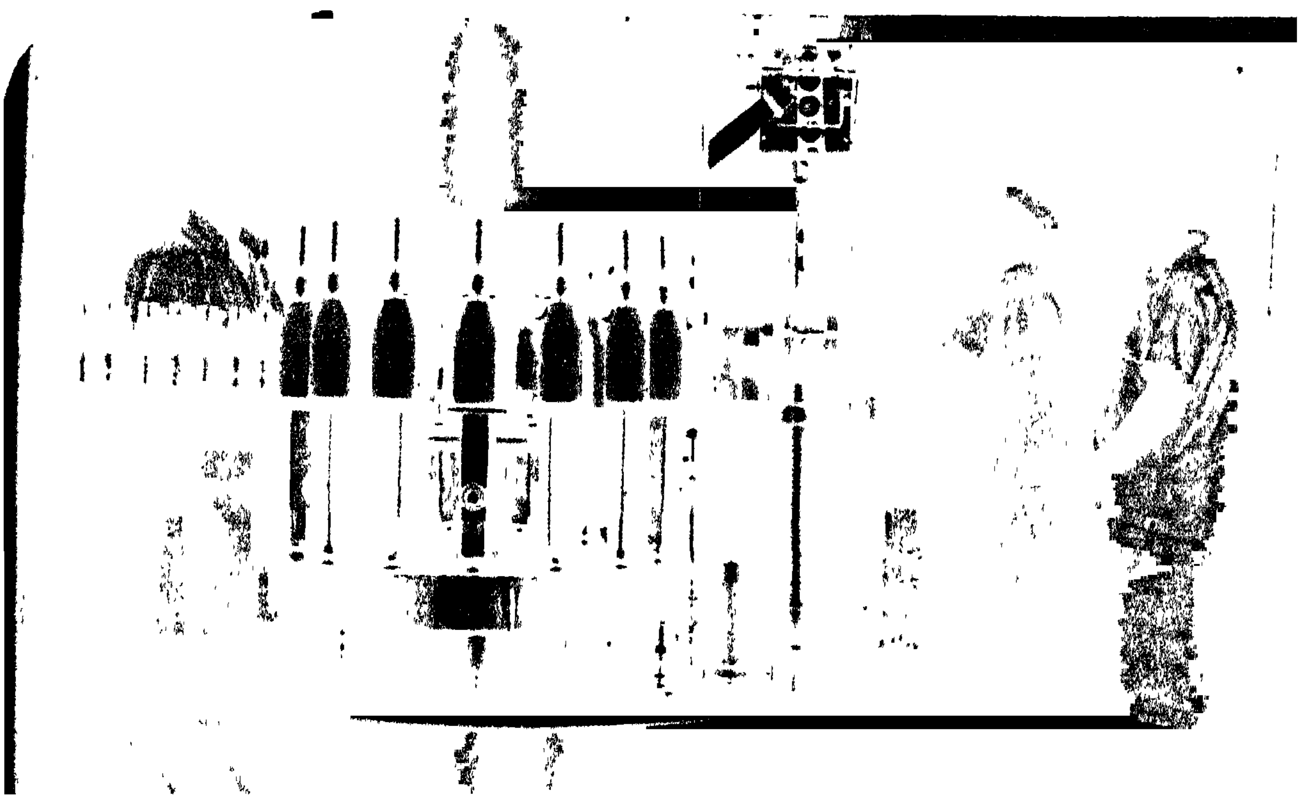


پُونے کے نزدیک کنڑدس میں
ایک عام کسان
اپنے "گئو استھان" میں
دُودھ کی پیداوار
کسانوں کی آمدنی بڑھانے کا
ایک معاون ذریعہ ہے جس کی
بدولت ان میں خوشحالی آگئی ہے



دُودھ کے کین
باہر لے جانے سے پہلے
تولے جارہے ہیں۔

پونے کی ڈیری میں
بوتلوں میں دُودھ
بھرنے کا پلانٹ





گئے۔ بعد میں انھوں نے ایک جرمن ڈیری میں کام کیا اور جب مشرقی جرمنی کو آپریٹو کنزیومرس کانگریس نے ہندوستان کو ایک ملک پلانٹ کا تحفہ دینے کا فیصلہ کیا جو مہاراشٹر کو الاٹ کیا گیا اور پونے کے قریب کٹرج میں قائم کیا گیا تو شری پٹیل کو اسے قائم کرنے اور چلانے کے لئے بھیجا گیا۔

اس طرح دودھ کی زنجیر جو ضلع کے ایک دور دراز گاؤں سے شروع ہو کر قصبہ پیٹھ پونے کے ایک گھر میں ختم ہوتی ہے اس کی ایک کڑی مغربی جرمنی سے بھی ملتی ہے۔

دودھ کی ادا کی جانیوالی قیمتیں موسم کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہیں نیز اس کا انحصار دودھ میں موجود چکنائی اور ایس۔ این۔ ایف پر بھی ہوتا ہے۔ دودھ تو عام طور پر پانی ہوتا ہے جس میں چکنائی اور پروٹین سے کچھ گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے۔ دودھ کا درجہ حکومت مقرر کرتی ہے جو کہ گائے کے دودھ میں کم از کم ۵ء۴ فیصد چکنائی اور ۵ء۸ فیصد ایس این ایف قبول کرتی ہے۔

مویشی اکتوبر سے جنوری تک زیادہ دودھ دیتے ہیں کیونکہ اس دوران ان کو کافی مقدار میں پانی اور چارہ دستیاب ہوتا ہے اس لئے اس مدت کے دوران دودھ کی قیمت ۸۵ء۱ روپیہ فی لیٹر ادا کی جاتی ہے۔ فروری اور مارچ نیز اگست اور ستمبر کے مہینوں میں قیمت بڑھا کر ۹۵ء۱ روپیہ کر دی جاتی ہے۔ اپریل سے جولائی تک دودھ کی پیداوار میں بہت کمی آجاتی ہے اس وقت ۱۵ء۲ روپے فی لیٹر ادا کی جاتی ہے۔ مگر صارفین شہر کو بارہ مہینے ایک ہی قیمت پر یعنی ۵۰ء۲ روپے فی

ریلوے ویگنوں کے ذریعہ، دیہاتوں سے شہروں کو دودھ کی ترسیل

لیٹر ادا کرنی پڑتی ہے۔ دودھ چاہے گائے کا ہو یا بھینس کا، کاشتکار کو دودھ کی قیمت یکساں ہی ملتی ہے۔ ملک فیڈریشنوں کو اگر وہ دودھ ۱۳ ڈگری سینٹی گریڈ تک ٹھنڈا کر کے ڈیری تک لاتی ہیں تو ان کو کچھ زائد رقم ادا کی جاتی ہے۔

کٹرج ڈیری فی لیٹر ۲۰ء۲ روپے ادا کرتی ہے، ۹۸ء۱ روپے دودھ پیدا کرنیوالے کو، سولہ پیسے ٹرانسپورٹ، برف اور انتظامیہ [illegible] کے لئے نیز چھ پیسے پرائمری مراکز کے اخراجات کے لئے۔ بیس پیسے اس میں پراسیسنگ، اور مارکیٹنگ کا خرچ اور دس پیسے سود وغیرہ کے لئے اور آپ ۵۰ء۲ روپے کی ڈیری کی لاگت پر دودھ حاصل کرتے ہیں۔ کٹرج ڈیری کا دودھ ۶۰ء۲ روپے فی لیٹر ہوتا ہے جبکہ ملک اسکیم ۷۵ء۲ روپے وصول کرتی ہے۔ بمبئی میں سرکاری دودھ کی وہی قیمت ہے جو کٹرج ڈیری اپنے صارفین سے وصول کرتی ہے۔

چھوٹے کاشتکار جن سے ہم کٹرج میں ملے وہ دودھ سے حاصل کردہ آمدنی کو زائد آمدنی ہی سمجھتے ہیں۔ وٹھل کانڈرجی گرگولے جو روزانہ دو میل چل کر دودھ پہنچاتے ہیں وہ امداد باہمی کے قدیم ترین رکنوں میں سے ایک رکن ہیں۔ ان کے پاس چھ مویشی ہیں ایک گائے اور ایک بھینس حال میں خریدی ہیں۔ دونوں ہی مناسب دودھ دیتی ہیں۔ انھوں نے ان کی قیمت بالترتیب ۲۴۰۰ روپے اور ۱۹۰۰ روپے ادا کی ہے۔ اپنی گھریلو ضرورت کے لئے تین لیٹر دودھ رکھ کر، کیونکہ گھر میں کل آٹھ ممبر ہیں، باقی دس گیارہ لیٹر دودھ فروخت کر دیتے ہیں۔ مویشی کی خوراک اور چارے پر ان کو ماہانہ ۳۲۵ روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں اور ان کو ۳۳۰ روپے پھر بھی بچ جاتے ہیں۔ اپنی ۶ء۳ ہیکٹر اراضی پر وہ باجری اور مویشیوں کے لئے چارے والی گھاس اگاتے



ایک سینٹر پر دودھ کی جانچ



سبز بمر
دودھ کی
جانچ کرانے کے لئے
منتظر کسان

ہیں جن دنوں میں کھیتی باڑی کا کام نہیں ہوتا ہے تب بھی وہ مکان میں ہے کیونکہ اب ان کے مویشیوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے۔ دودھ کی آمدنی ان کے لئے بہت اہم ہے کبھی کبھی لعد ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ گرگوٹے اپنی ماہانہ آمدنی کی اتنی ہی اہمیت سمجھتے ہیں جتنی کہ انھیں زمین سے حاصل ہوتی ہے اور امید کرتے ہیں کہ اُن کے بچے بھی اس طرح کی مخلوط فارمنگ کریں گے۔

بعض ضمنی کاشتکار ہیں جن کے پاس چھوٹی یا غیر زرخیز زمین ہے۔ انھیں گائے بھینس پالنے اور دودھ فروخت کرنے میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور گوبر کو وہ اپنی زمین پر بطور کھاد کے استعمال کرتے ہیں۔ اُن کی خاص آمدنی دودھ سے ہوتی ہے اور زمین سے جو کچھ بھی حاصل کرسکتے ہیں کرتے ہیں۔

کنڑوس گاؤں کے اسکول ماسٹر جیسی بھی مثالیں ہیں، جن کی بیوی اور لڑکی مویشی اور زمین کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ ان کا گھر خوشحال ہے اور ان کے زمین میں توسیع ہوئی ہے۔ ان کا بیٹا گریجویٹ ہوگیا ہے اور اُمید کرتا ہے کہ قانون پڑھ کر وکالت کریگا۔ شاید قانون اور دودھ ایک اچھا مخلول ثابت ہوں گے۔

مخلوط فارمنگ سے مویشی اور زمین کا اچھا استعمال ہوتا ہے۔ زمین کو زرخیز رکھنا ضروری ہے، اگر کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے تو کچھ دینا بھی پڑتا ہے۔ نہیں تو زبردست فصل کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔ کیمیائی کھاد ہی کافی نہیں ہے کیونکہ زمین میں بائیو کیمیکل عنصر کی بھرپائی ضروری ہے۔ اس کے لئے مویشی کے گوبر کی کھاد کی کوئی برابری نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ زمین کی پوری زرخیزیت برقرار رکھتا ہے۔ اس لئے کاشتکاروں کے لئے مویشی بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

کنڑوس کے گرگوٹے اپنی زمین کا کچھ حصہ چراگاہ کے طور پر الگ رکھتے ہیں، جہاں وہ لوکرنی گھاس اگاتے ہیں جو کہ مویشی کے لئے بہت بہتر ہوتی ہے۔ وہ گوبر کو اپنے جوار، مونگ پھلی اور سبزی کے کھیتوں میں بطور کھاد استعمال کرتے ہیں۔ جوار کے ڈنٹھل اور مونگ پھلی کے پودے نیز اناج کا بھوسہ مویشیوں کو کھلاتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی سائکل ہے۔ جانور۔ کھاد۔ زمین فصل۔ جانور جس سے کاشتکار اور اس کی زمین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

کنڑوس اور قرب و جوار کے گاؤں کے جن کسانوں سے ہم ملے وہ اب مخلوط نسل کے مویشی کے بارے میں اس طرح سوچنے لگے ہیں جیسے وہ مخلوط جوار کے بارے میں سوچتے ہیں۔ معمولی مقامی گائے بہت کم دودھ دیتی ہے، روزانہ دو لیٹر سے بھی کم۔ اچھی نسل کی گائے یا بھینس، خاص طور سے گجرات کی خریدنا مہنگا پڑتا ہے حالانکہ پرائمری امداد باہمی قرض کا بھی بندوبست کرتی ہے۔ مصنوعی طریقہ حمل میں بالکل خرچ نہیں آتا۔ اس کو انجکشن کیا جاتا ہے اور اگر بچھڑا گائے ہوئی تو مالک خوش ہوجاتا ہے کیونکہ مخلوط نسل کی گائے دوگنے سے بھی زائد دودھ دیتی ہے کنڑوس کی زیادہ تر گائیں مخلوط نسل کی ہیں زیادہ تر جرسی یا ہالسٹین نسل کافی جانی پہچانی ہوگئی ہیں۔ مویشی تندرست اور مضبوط ہوتے ہیں اور پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ گجرات سے درآمد کردہ گیر گائے بھی یہاں بہتر پیداوار دیتی ہے اور جلد ہی کاشتکار کو اس کی لگائی رقم واپس مل جاتی ہے۔ جہاں شہر میں زیادہ تر کسانوں کے پاس مقامی، گجرات اور مخلوط نسل کے جانور ہیں پونے کے قریب تالاب فارم پر جس کا مالک ایک صنعت کار ہے،



ضلع پونے میں کٹرج ڈیری،
جہاں سڑک کے راستے
ٹینکروں کے ذریعہ
دودھ لایا جاتا ہے۔

اور اُسے ڈیری میں دلچسپی ہے ہم نے دیکھا اس کا اصطبل نمبئی کائیوں سے بھرا ہوا ہے زیادہ تر منگلور سے درآمد کی گئی ہیں۔ ہالسٹین اور ریڈ ڈین کی پیداوار روزانہ ۲۵ لیٹر تک جاتی ہے۔ وہ بڑے جانور ہیں اور زیادہ کھاتے بھی ہیں۔ اُن کی خوراک سائنسی طریقے سے تیار کی جاتی ہے

نالاب ڈیری کے پاس تین سانڈ ہیں، ۱۵ مولیشی ہیں۔ ۶۲ دودھ دینے والی گائیں اور اتنے ہی بچھڑے نیز ۳۳ گائیں خشک ہو چکی ہیں۔ کٹرج ڈیری کو یہاں سے روزانہ ۵۰۰ لیٹر دودھ فراہم کیا جاتا ہے نالاب ڈیری کو کافی خوبصورت بنایا گیا ہے پھلوں کے درخت لگائے گئے ہیں جس سے ایک خوشگوار تاثر پیدا ہوتا ہے گائیوں کو بچھڑوں سے الگ رکھا جاتا ہے اور ہر ایک کی پیداوار کا انفرادی ریکارڈ رکھا جاتا ہے

روزانہ ان جانوروں پر سب ملاکر ۵۵۰ روپیہ خرچ ہوتا ہے اور روزانہ پیداوار بھی ایک ہزار روپے کے لگ بھگ ہوتی ہے سب خرچ کرکے دس ہزار روپے ماہوار کی آمدنی ہوتی ہے۔

نالاب ڈیری سے کفایت، بہمانے اور انتظام کا سبق سیکھا جا سکتا ہے۔ کیا مہاراشٹر کے دُور دراز موضع جات کے چھوٹے کسانوں تک یہ بات پہنچائی جاتی ہے۔ جواب فوری میسر نہیں ہے مگر امداد باہمی ڈیری ایک ممکنات میں سے ہو سکتی ہے اگر دیگر مشکلات پر قابو پایا جا سکے تو مزید تعاون بڑھایا جا سکتا ہے اور زیادہ لوگوں کو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

جب کہ بمبئی شہر کی ڈیریاں دودھ کی دیگر اشیاء جیسے مکھن، گھی آئس کریم اور پنیر وغیرہ تیار کرتی ہیں اضلاعی ڈیریاں صرف دودھ پر ہی انحصار رکھتی ہیں کٹرج میں پٹیل نے بتایا کہ پیداوار کی موجودہ سطح پر کسانوں کو اس کی قیمت اسی وقت ادا کی جا سکتی ہے جبکہ ہم خود کو صرف دودھ تک ہی محدود رکھیں۔ دودھ کی دیگر پیداوار سے فروخت کا توازن بگڑ جائے گا اور جس کا نتیجہ ڈیری کا نقصان ہوگا۔ جیسے ہی مصنوعی طریقہ حمل سے اچھے جانوروں کی تعداد بڑھے گی اور پیداوار میں اضافہ ہوگا تو دودھ کی قیمت کم ہو سکتی ہے۔ اس طرح اچھے موسم میں ڈیری' دودھ کی دیگر اشیا، جیسے مکھن اور پاؤڈر تیار کر سکے گی حکومت کی جانب سے حوصلہ افزائی پر جس نے مہاراشٹر کے مختلف حصوں میں سیٹلائٹ ڈیریاں قائم کی ہیں ریاست میں کوآپریٹو سوسائٹیز کی تعداد بڑھ کر ۳۸۰۰ ہو گئی ہے، ۳۰ تعلقہ یونین ہیں اور ۱۷ ڈسٹرکٹ فیڈریشن ہیں (جیسے پونے ڈسٹرکٹ کوآپریٹو ملک پروڈیوسرز فیڈریشن جو کہ کٹرج ڈیری چلاتی ہے) جو آج دودھ کی تجارت میں مشغول ہیں۔ بعض اضلاع جیسے دھولیے اور جلگاؤں' جو اپنے دودھ کی پیداوار کے لئے مشہور ہیں' ان کے پاس کمیونٹی ملکنگ شیڈ ہیں مزید چلنگ مراکز ہیں اور ٹرانسپورٹ کی اچھی سہولتیں ہیں یہ حقیقت ہے کہ وہاں کے جانور اچھی نسل کے ہیں مگر اب جبکہ مصنوعی طریقہ حمل سے مخلوط نسل میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا ہے اور جب گوڑسے اور گرگوٹے جیسے کاشتکار یہ سمجھ لینگے کہ یہ فائدہ مند چیز ہے اور اس طرف ترقی میں سرعت آئے گی اور منصوبہ بند طریقہ سے جانوروں کی افزائش کے ذریعے دودھ ہی دودھ

نظر آئے گا۔

دودھ۔ ایک مکمل غذا

مکھن، گھی اور پنیر کے علاوہ دودھ سے کئی کارآمد اشیاء حاصل کی جاتی ہیں جن کی ایک لمبی فہرست تیار کی جاسکتی ہے لیکن اگر ہم خاص خاص نام گنوائیں تو دہی یا آئس کریم، سٹری کھنڈ، فیرنی، مادا اور دودھ پاؤڈر (چھوٹے بچوں کی مکمل غذا) وغیرہ سرفہرست ہیں۔

جسم کی موزونیت اور نشوونما کے لئے ہمیں متوازن غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسم میں روزانہ نئے خلیوں کے بننے کا کام ہوتا رہتا ہے جس کے لئے پروٹین کی ضرورت ہوتی ہے اور پروٹین کے لئے انرجی درکار ہے۔ جسم کو انرجی مناسب مقدار میں شکر اور چربی سے حاصل ہوتی ہے جسم کی نشوونما میں معدنیات بھی اہم رول انجام دیتے ہیں کیونکہ خون بننے ہڈیوں کے مضبوط ہونے اور مختلف اعضاء میں حرکات وسکنات پیدا کرنے کے لئے جسم کو معدنیاتی اشیاء کی بے حد ضرورت ہے۔ متذکرہ چیزوں میں سے اگر جسم کو کوئی بھی ایک چیز کم ملے تو نتیجہ صحت کی خرابی کی صورت میں رونما ہوتا ہے اور جسم کو یہ تمام چیزیں دیگر غذاؤں کی بہ نسبت دودھ سے زیادہ مقدار میں حاصل ہوتی ہیں۔ کہنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو کسی بھی صورت میں روزانہ لون سے ایک لیٹر دودھ استعمال کرنا چاہیئے۔

دودھ کی دوسری سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ یہ ایک بہت زود ہضم غذا ہے اور اپنے میں سب سے زیادہ غذائیت رکھتی ہے ایک عام آدمی روزانہ دودھ کے استعمال سے اپنی ضرورت کا ½ حصہ کیلشیم ⅕ پروٹین، ⅖ حصہ وٹامن بی اور ⅓ کیلوا بینر حاصل کرسکتا ہے۔

دودھ سے ہی اطفال کے خلیئے اور عضلات بنتے ہیں۔ کم عمر کے بچوں میں نشوونما کا عمل زیادہ تیز رفتاری سے ہوتا ہے چنانچہ دودھ ہی ان کے لئے مکمل غذا ہے۔ ایک لیٹر یا اس سے ذرا زیادہ دودھ اگر استعمال کیا جائے تو ایک نوجوان کی تمام جسمانی ضروریات کے لئے جس قدر پروٹین کی ضرورت ہوتی ہے وہ بہ آسانی حاصل کی جاسکتی ہے۔

دودھ سے انرجی بھی حاصل [illegible] ہے کیونکہ اسمیں شکر اور چربی کے عناصر بھی شامل ہیں یہی وجہ ہے کہ رت پر کھانا نہ ملے تو ایک گلاس دودھ سے کام چلایا جاسکتا ہے۔

دودھ میں وٹامن اور معدنیات کے عناصر بھی شامل ہیں۔ دودھ میں کیلشیم اور فاسفورس کے عناصر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں، جو کہ [illegible] دانتوں کے لئے بے حد کارآمد ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے استعمال سے جسم کو وٹامن اے اور بی ملتے ہیں۔

ایسے بچے جن کو اسکولوں میں دودھ دیا جاتا ہے وہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں قدآور، مضبوط اور ذہین نکلتے ہیں۔ سرکار کی جانب سے اسکولوں میں دودھ کی تقسیم سے بچوں کی صحت کا عام معیار بھی بہتر ہوگیا ہے۔ البتہ متوازن غذا کے لئے وٹامن سی اور لوہے کی نسبت تازہ پھلوں اور ترکاریوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

کس ملک کے باشندے روزانہ کتنا دودھ استعمال کرتے ہیں، یہ جان کر ہی اس ملک کے رہن سہن کے درجہ کا تعین بھی کیا جاتا ہے۔

صحت کو بنائے رکھنے کے لئے ایک عام آدمی کو روزانہ کم از کم پاؤ لیٹر دودھ، مشروب کے طور پر لینا چاہیئے۔ اس کے علاوہ پنیر جیسی دودھ کی بنی چیزوں کا کم از کم ایک وقت کے کھانے میں ضرور استعمال کرنا چاہیئے۔

دودھ کی افادیت واہمیت نے اُسے نہ صرف ایام صحت بلکہ بیماری کے دنوں میں بھی تقریباً ہر طرح کے لوگوں کے لئے ضروری غذا بنا دیا ہے۔ صحت مندی کے لئے متوازن اور خاص قسم کی غذائیں کھانے کی دو وجوہات ہیں، اول انرجی حاصل کرنا دوم وزن کم کرنا۔

ایسے افراد جو کہ جسمانی محنت کا کام کرتے ہیں، مثلاً اتھلیٹس وغیرہ انھیں زیادہ کیلوریز کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ وہ اپنے معدے کو زیادہ چیزیں کھا کر پُر کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے دودھ سب سے بہتر غذا ہے جو کہ ہر پاؤ لیٹر میں (ایک پنٹ)۔ ۳۸۰ کیلوریز پیدا کرتی ہے مکھن ملائی اور پنیر میں کیلوریز اور بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ ۱۲ برس سے اُوپر کے بچوں کو ایک جوان آدمی کے مساوی کیلوریز درکار ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب تک وہ ثقیل چیزیں کھا کر انھیں ہضم کرنے کے لائق نہ ہو جائیں ان کے لئے دودھ ہی سب سے زیادہ بہتر غذا ہے۔

دودھ بچوں اور بڑوں دونوں کے لئے مفید ہے۔ بوڑھے حضرات اکثر غذا کی طرف سے لاپروائی برتتے ہیں جس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، جس میں مالی مشکلات بھی شامل ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے جسم میں کیلشیم اور پروٹین کی کمی ہوجاتی ہے۔ دودھ اُن کے لئے ایک سستی اور زود ہضم غذا ہے جو کہ ان کی تمام جسمانی ضرورتوں کو پورا کرسکتی ہے۔ اُن کو چاہیئے کہ وہ پنیر جیسی غذا کا استعمال کم از کم دن میں ایک مرتبہ دوپہر یا رات کے کھانے میں ضرور کریں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی غذا میں کم از کم ایک انڈا بھی ضرور شامل کرلیں۔

حاملہ عورتوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کو بھی دودھ کا استعمال کرنا چاہیئے تاکہ اُن کے بچوں کی نشوونما مناسب طور سے ہوسکے۔

قومی راج

دودھ کی بناوٹ	گائے کا دودھ	بھینس کا دودھ
اجزائے ترکیبی		
۱) پروٹین	۳٫۳%	۴٫۲%
۲) چربی	۴٫۰%	۷٫۰%
۳) کاربوہائیڈریٹس	۴٫۵%	۵٫۱%
۴) معدنیات مثلاً		
کیلشیم، میگنیشیم	۰٫۷۲	۰٫۰۲%

مختلف مقامات پر دودھ کی پیداوار

علاقہ	نسل کا نام	روزانہ دودھ دینے والے مویشی سے حاصل کردہ دودھ کا اوسط لیٹر	چربی
۱) مہاراشٹر	ڈانگی	۲٫۵ سے ۳٫۰۰	۴٫۵
۲) گجرات	گیر	۵٫۵ سے ۶٫۰۰	۳٫۵
۳) ہریانہ	ہریانہ	۴٫۰ سے ۴٫۲۵	۴٫۰۰
۴) پنجاب	ساہیوال	۵٫۰ سے ۶٫۵	۴٫۰۰
۵) حیدرآباد	سندھی	۵٫۰ سے ۵٫۲۵	۴٫۰۰
۶) جرمنی	—	۱۱٫۵ سے ۱۳٫۰۰	۴٫۰۱
۷) سوئزرلینڈ	—	۲۰٫۰۰ سے ۲۳٫۷۵	۳٫۰ سے ۳٫۵
۸) امریکہ	—	۲۳٫۰۰ سے ۲۶٫۵	۳٫۶
۹) نیوزی لینڈ	—	۱۵٫۰۰ سے ۱۶٫۵	۴٫۵
۱۰) فرانس	—	۲۰٫۰۰ سے ۲۳٫۲۵	۵٫۰
۱۱) ہالینڈ	—	۲۲٫۲۵ سے ۲۶٫۵	۳٫۶

روزانہ فی کس ۲۷۶ ملی لیٹر (ایم ایل) دودھ کی ضرورت ہوتی ہے مختلف ریاستوں میں فی کس دودھ کے استعمال کا اوسط ذیل میں درج ہے:

ریاست کا نام	روزانہ فی کس دودھ استعمال کرنے کا اوسط (ملی لیٹر)
مہاراشٹر	۵۵ ملی لیٹر
گجرات	۱۷۹ 〃
پنجاب	۲۷۶ 〃

گائے کے دودھ کا غذائی تناسب (۱ لیٹر)

انرجی	۶۵۰	کیلوری
پروٹین	۳۳	گرام
کیلشیم	۱٫۱۲	گرام
فاسفورس	۰٫۹۴	گرام
لوہا	۲٫۲۶	ملی گرام
تانبا	۰٫۲۶	〃

قومی راج

آیوڈین	۰٫۰۴ سے ۰٫۰۷ ملی گرام
وٹامن 'اے'	۵۰۰ سے ۱۰۰۰ آئی یو. ونٹر
	۲۰۰ سے ۳۰۰۰ آئی یو بیسچورائزڈ
وٹامن 'ڈی'	۵٫۱۵ آئی یو
تھیامن	۰٫۳۵ ـ ۰٫۴۰ ملی گرام
ریبوفلاون	۱٫۵ ملی گرام
نیاسین	۰٫۲ سے ۱٫۲
پنٹوتھینک ایسڈ	۰٫۹۰ ملی گرام
اسربک ایسڈ	۲۰ ملی گرام تازہ دودھ
	۵ ملی گرام بیسچورائزڈ دودھ

ضرورت کے مطابق دودھ کا معیاری مصرف ذیل میں درج ہے:

عمر	روزانہ کم از کم ضرورت (ملی لیٹر)
طفل (بچہ)	۵۷۰ ـ ۸۵۰ ملی لیٹر
اسکول جانے سے پہلے کی عمر کے بچوں کے لئے	۴۵۰ ملی لیٹر
اسکول جانے والے بچے	۲۸۰ 〃
جوان	۱۷۰ 〃
حاملہ عورت اور دودھ پلانیوالی ماں	۴۵۰ 〃

دودھ، پنیر، گوشت، مالٹیڈ دودھ، سیم، انڈا

اشیاء کے نام	چربی	پروٹین	کاربوہائیڈریٹ	کیلوری
۱) دودھ ۱۰۰ گرام	۴%	۳٫۴	۴٫۸	۶۹
۲) پنیر ۱۰۰ گرام	۳۲٫۲	۲۵	۲٫۱	۳۹۸
۳) گوشت ۱۰۰ گرام	۳٫۰	۲۱	—	۱۱۶
۴) مالٹیڈ دودھ ۱۰۰ گرام	۵٫۸	۸٫۴	۸٫۲	۴۱۴
۵) سیم ۱۰۰ گرام	۲٫۴	۲۲٫۶	۵۲٬۹۶	۳۳۶
۶) انڈا ۱۰۰ گرام	۱۱٫۲۸	۱۱۶٬۳۷	—	۱۵۳٫۴

دودھ کی تقسیم

سال برائے ۷۷-۱۹۷۶ء میں سرکاری دودھ اسکیموں کے ذریعے ۲۸۳۶٫۴۹ لاکھ لیٹر دودھ کی وصولیابی ہوئی اور ۵۹۵۶٫۶۳ لاکھ روپئے دودھ کی خرید میں صرف کئے گئے۔

۲) ٹوٹل ـ سرکاری دودھ اسکیموں کے ذریعے ریاست کے مختلف شہروں میں ۱٫۵ لاکھ لیٹر روزانہ (بمبئی کے سوا) تقسیم کیا جاتا ہے۔

۳) ریاست میں دودھ کی تقسیم کے علاقے:

پونے، احمدنگر، سولاپور، ادکیر، جیلون، ناگپور، کولہاپور،

نا شک، اورنگ آباد اور دھولیہ

۴) دودھ کی تقسیم کے کلُ مراکز : ۲۷۶۵
۵) بمبئی میں کلُ ۴ ۷، ۷ لاکھ لیٹر/ روزانہ دودھ تقسیم کیا جاتا ہے.
۶) بمبئی میں کارڈ ہولڈروں کی کل تعداد ۸۲۷۲۸۸

دُودھ کی بہتری معلوم کرنے کا طریقۂ کار

دودھ کی بہتری معلوم کرنے کے لئے سائنسی آلات استعمال کئے جاتے ہیں. جن میں لیکٹو میٹر سب سے اہم ہے. یہ ہائیڈرومیٹر کی ایک قسم ہے.
دودھ کو ۷۰ ڈگری فارین ہائیٹ تک گرم کرنے کے بعد ۵ منٹ تک درجۂ حرارت کو برقرار رکھئے اور اس کے بعد اس کو دوسری بوتل میں ڈالئے اور ہلاکر ہوا خارج کر دیجئے اس کے بعد اس دودھ کو لیکٹومیٹر کے مرتبان میں اُنڈیلئے اور اس میں لیکٹو میٹر ڈالئے پھر کچھ دیر رہنے دیجئے تاکہ لیکٹو میٹر ایک سطح پر قائم ہو جائے اس کے بعد میٹر پڑھئے اور ساتھ میں دودھ کی حرارت بھی نوٹ کیجئے.

مکھن اور پاؤڈر کی پیداوار

رقیق دودھ کی زیادہ قیمتوں کی بناء پر مکھن اور پاؤڈر کی پیداوار میں مشکلات پیدا ہوئی ہیں. رقیق دودھ سے مکھن اور پاؤڈر کی قیمتیں کسی حد تک کم ہیں. مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکھن اور پاؤڈر بنانے میں ہمیں کس قدر نقصان اُٹھانا پڑتا ہے:

خریدا ہوا ۱۰۰ لیٹر دودھ اور پیداوار کا خرچ :
۲۲۰ روپے ۱۰۰ لیٹر دودھ کے لئے
۳۰ روپے پروسیسنگ اور مارکٹنگ کا خرچ، کل خرچ ۲۵۰ روپے
۲۰۸ روپے فروخت سے وصولی
۴۲ روپے ہر ۱۰۰ لیٹر دودھ پر نقصان

فروخت

۱۰۰ لیٹر دودھ سے ۷٫۰ کلو مکھن
۱۶ روپے کلو قیمت فروخت
۱۱۲ روپے تک فروخت سے وصولی
۱۰۰ لیٹر دودھ سے ۸٫۰۰ کلو دُودھ کا پاؤڈر حاصل کیا جا سکتا ہے
۱۲ روپے قیمت فروخت
۹۶ روپے پاؤڈر کی فروخت سے حاصل کئے جا سکتے ہیں.
۱۱۲ مکھن کی فروخت سے
۲۰۸ روپے کل آمدنی



شری شیو لے' اپنی سائیکل پر دُودھ سے بھرے ہنڈے لادکر سینٹر لے جانے کے لئے تیار

دسرتھ شیولے

دسرتھ شیولے ۳۰ سالہ ہنس مکھ نوجوان ہے جو کھڑوس سے چند میل دُور رہتا ہے. وہ کوآپریٹیو سے دُودھ کی سپلائی کر کے واپس لوٹ رہا تھا کہ ہم سے ملاقات ہوئی، اس نے بتایا کہ وہ روزانہ سینٹر کو ۴ لیٹر دُودھ دیتا ہے. مویشیوں پر اس کا ماہانہ خرچ ۸۵ روپے ہے جبکہ دُودھ سے اس کی آمدنی ۲۵۰ روپے ہے. اس کے علاوہ اس کی دو ہیکٹر اراضی ہے جس پر وہ ترکاریاں، آلو، پیاز اور جوار کی کاشت کرتا ہے. اسے اس بات کا احساس ہے کہ مویشیوں کی تعداد بڑھائے بغیر دودھ زیادہ مقدار میں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اس نے مصنوعی طریقہ سے تخم ریزی کرواکے اپنی گائے کو حاملہ کیا ہے جو جلد ہی بچھڑا دینے والی ہے۔
اس کے موضع کے تقریباً ۳۵ گھروں سے ۱۰۰ خاندان دس کوآپریٹیو کو دودھ فراہم کرتے ہیں. اس کے بتائے ہوئے اعداد کے مطابق کولے (KIVLE) میں ۱۰۰ مخلوط نسل کے دودھ دینے والے مویشی ہیں جو کہ زیادہ تر جرسے نسل کے

ہیں۔ متذکرہ باتوں سے مہاراشٹر میں دودھ کی پیداوار میں اضافے کے لئے غیر معمولی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔

دودھ اس طرح پیجئے: ماؤں کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر بچے کو کم از کم ۲ کپ دودھ روزانہ دیں اور اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ دودھ پینے کے بعد وہ کلی ضرور کریں کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اکثر دانتوں میں (کیڑا لگنا) CAVATY ہو جاتی ہے آسان طریقہ یہ ہے کہ دودھ ناشتہ کے دوران استعمال کیا جائے بجائے بعد میں پینے کے۔ بچوں کو پھل یا کچی سبزیاں کھانے کی تاکید کی جائے۔ مثلاً گاجر وغیرہ جس سے دانت خود بخود صاف ہو جاتے ہیں

رات کو دودھ مناسب ہے بہتر ہے البتہ سونے سے پہلے دانتوں کو مانجھنا یا کلی کرنا بیحد ضروری ہے۔

اگر بچہ کو بخار ہو تو دودھ نہیں دینا چاہیئے کیونکہ اس سے بچہ مزید بیمار ہو سکتا ہے۔

ٹھنڈا دودھ زیادہ مفید ہے اس لئے بچوں کو ٹھنڈا دودھ دینا زیادہ بہتر ہے۔

(بقیہ سرورق ۳ سے آگے)

چوتھے انعام کے لئے ڈرم ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ میں سے ہندسے نکال کر آخری پانچ ہندسوں کی اکائی معین کی جاتی ہے۔ ہر سیریز میں الگ الگ ایسی چار واضح اکائیاں نکالی جاتی ہیں۔ ان سیریز میں ایسے تمام ٹکٹ جن کے نمبران میں سے کسی ایک اکائی پر ختم ہوں، چوتھے انعام کے مستحق ہوتے ہیں۔

پانچویں انعام کے لئے ڈرم ۳، ۴، ۵ اور ۶ میں سے اسی ترتیب سے ہندسے نکال کر آخری چار ہندسوں کی اکائی معین کی جاتی ہے۔ ہر سیریز میں الگ الگ ایسی چار واضح اکائیاں نکالی جاتی ہیں۔ ان سیریز میں ایسے تمام ٹکٹ جن کا نمبران میں سے کسی ایک اکائی پر ختم ہو، پانچویں انعام کے مستحق ہوتے ہیں۔

چھٹے انعام کے لئے ڈرم ۴، ۵، اور ۶ میں سے اسی ترتیب سے ہندسے نکال کر آخری تین ہندسوں کی اکائی معین کی جاتی ہے۔ ہر سیریز کے لئے الگ الگ ایسی پانچ واضح اکائیاں نکالی جاتی ہیں۔ ان سیریز میں تمام ٹکٹ جن کا نمبران میں سے کسی ایک اکائی پر ختم ہو، چھٹے انعام کے مستحق ہوتے ہیں۔

تمام انعامات کسی بھی مقررہ بنک کے ذریعے طلب کئے جا سکتے ہیں۔ ایک ہزار یا اس سے کم رقم کے انعامات ریاست میں کسی بھی ٹریزری یا سب ٹریزری یا پے اینڈ اکاؤنٹ آفس، ممبئی سے، دو ہزار یا اس سے زیادہ کی رقم کے انعامات ڈائرکٹر آف مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری، فنانس ڈیپارٹمنٹ، آٹھواں منزلہ، نیو ایڈ منسٹریٹو بلڈنگ، بلمقابل منترالیہ، میڈم کاما روڈ، ممبئی ۳۲-۴۰۰۰ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ انعام کی رقم کام کے ایام میں صبح ۱۰½ بجے سے ایک بجے تک اور سنیچر کے دن صبح ۱۰½ بجے اور ۱۲½ بجے دوپہر کے درمیان حاصل کی جا سکتی ہے۔ تمام انعامات تاریخ ڈرا سے دو ماہ کی مدت کے اندر طلب کر لئے جائیں۔ بہر صورت پانچ روپے کی رقم کے انعامات تاریخ ڈرا سے چالیس دن کی مدت کے اندر اندر طلب کر لینا چاہئیں۔

••

سوال: میں نے ایک سال قبل میٹرک کا امتحان پاس کیا ہے۔ میں یہاں مقامی کپڑے کے کارخانے میں فِٹر ہوں۔ میں اردو میڈیم سے آگے تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ برائے مہربانی مجھے بتایئے کہ مہاراشٹر اسٹیٹ کی کونسی یونیورسٹی میں اردو میڈیم سے تعلیم کا انتظام ہے؟

سید فضل مسعود (ناندیڑ)

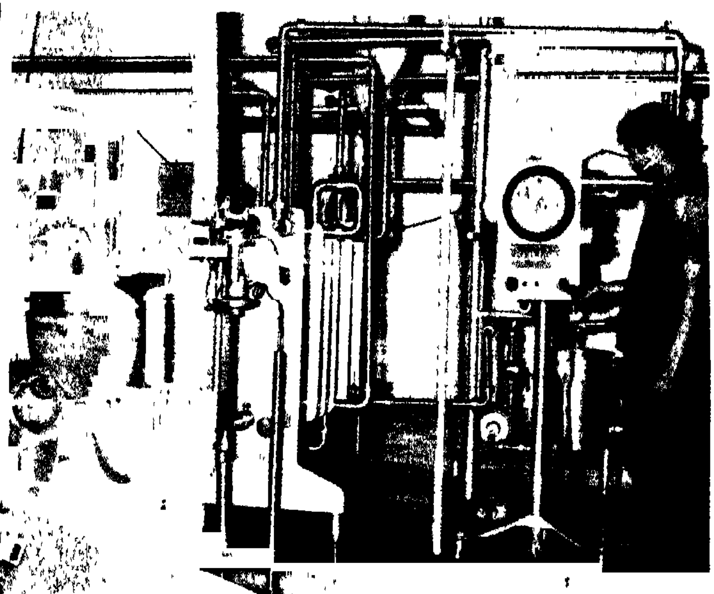
جواب: مہاراشٹر کی کسی بھی یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم اردو نہیں ہے خاص مضمون کی حیثیت سے اردو پڑھی جا سکتی ہے اور اس کے لیئے بی۔ اے، ایم۔ اے تک ممبئی یونیورسٹی کے بہت سے کالجوں میں انتظام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ ممبئی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہاں آکر کالج میں داخلہ لینا ہوگا۔ پرائیویٹ طلبہ یونیورسٹی امتحان میں شرکت نہیں کر سکتے۔ ••

ترسیلِ زر کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ، ممبئی ۳۲-۴۰۰۰



ٹینکروں کے ذریعہ لایا ہوا دوُدھ ڈیری میں جمع کیا جا رہا ہے۔



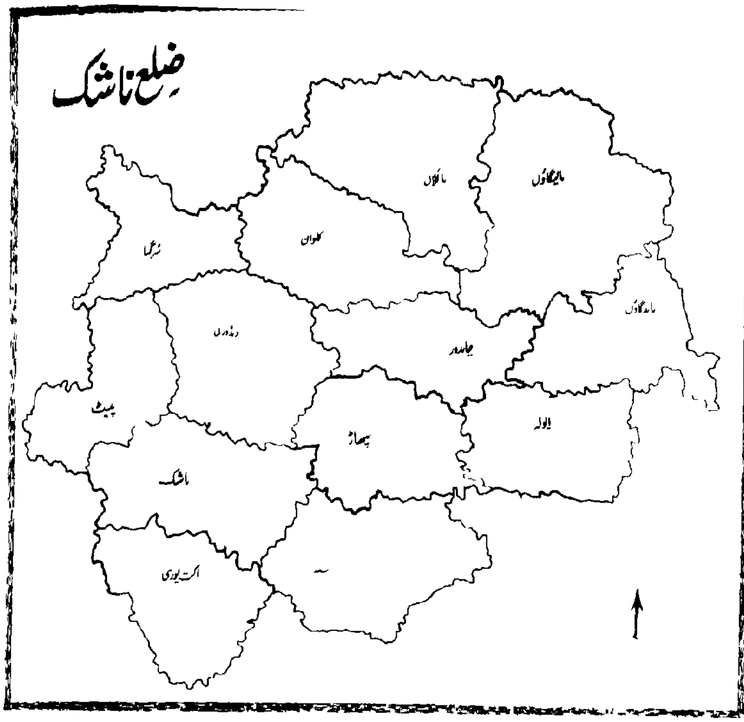
یہ ملک پیسچورائزڈ سینٹر ہے جہاں دوُدھ ۶۳ سینٹی گریڈ درجہ تک گرم کیا جاتا ہے۔ یہ حِدّت بیس سیکنڈ تک قائم رکھی جاتی ہے، پھر فوراً ہی ٹھنڈا کر کے درجۂ حرارت ۴۰ سینٹی گریڈ پر لایا جاتا ہے



خودکار مشین کے ذریعہ بوتلوں میں دودھ بھی بھرا جاتا ہے اور ڈھکن بھی لگائے جاتے ہیں۔

ضلع ناشک

• ریاض احمد خاں



شمالی ہندوستان میں مذہبی نقطۂ نگاہ سے جو مقام کاشی کا ہے کم وبیش ویسا ہی بلند مقام مغربی ہند میں ناشک کو حاصل ہے۔ ناشک میں بھی گوداوری ندی کے کنارے کنارے واقع مندروں سے ہلکی اور مدھر سُروں میں نکلتی ہوئی گھنٹوں کی آواز طلوع ہوتے ہوئے سورج کا استقبال کرتی ہے۔ مندروں پر لہراتے ہوئے پرچم سیکڑوں عقیدت مندوں کے دلوں کو تازگی بخشتے ہیں۔ گوداوری میں صبح ہی سے اشنان کرنے والوں کا جمِ غفیر ہو جاتا ہے۔ جو اشنان سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں میں گیندے گلاب، کنیر کے رنگ برنگے پھولوں کو لیکر مندروں میں جاتے ہیں اور زمانے سے ترسی ہوئی آتما کو سکون میسر آتا ہے۔ ناشک کو ایک طرح کی خصوصیت اور حاصل ہے کیونکہ شری رام اپنے بن باس کے دنوں میں یہاں بھی مقیم تھے۔ دوران قیام انھوں نے ان راکششوں کو مارا تھا جو وہاں کے باشندوں کے لئے عذاب جان ہو گئے تھے۔

پُرانے زمانے کا "رام شیتر جنا ستھان" موجودہ زمانے کا ناشک ہے۔ یہاں پر شری لکشمن کی لڑائی "شورپ نکھا" سے ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں لکشمن نے شورپ نکھا کو شکست دی اور شری رام کی ہدایت کے مطابق شورپ نکھا کی ناک کاٹ لی۔

ضلع کا صدر مقام ناشک ہے جو سادھو سنتوں اور راجاؤں سے وابستہ رہا ہے جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بڑھی ہوئی ہے۔ یہاں سے ۱۸ میل کے فاصلے پر ترمبکیشور کی پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ناشک میں "سیتا گپھا" نہ صرف مذہبی عقیدت رکھنے والوں بلکہ سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بھی بنا ہوا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ یہاں آتے ہیں اور اس تاریخی شہر کو دیکھ کر اس کے ماضی کی کہانی دہراتے ہیں۔ سیتا گپھا کے قریب ہی ۵ بڑ کے درخت ہیں اور یہی مقام پنچوٹی کہلاتا ہے۔

تاریخ ہند کے مطابق ناشک میں موریہ خاندان کی حکومت رہی۔ ان کے بعد آندھرا بھارتیہ ست واہن کی۔ اور پھر بالترتیب چالوکیہ، راٹھور یادو اور مسلمان و مراٹھوں کی حکومت رہی۔ ۱۸۰۰ء میں انگریزی سرکار نے اسے پیشواؤں سے حاصل کر کے اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ ۱۸۵۸ء کی جنگ آزادی میں ناشک تمام ملک کی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ اسی جنگ آزادی کے ایک مجاہد آنند کنہیری نے کلکٹر جیکسن کا ایک سینما ہاؤس میں قتل کیا تھا۔

ناشک ۱۵۵۸۲ کلو میٹر کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے جہاں کی آبادی ۲۳ لاکھ ۶۹ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ آج کا ناشک ملک کی زرعی پیداوار میں ترقی کر رہا ہے اور ملک کی مجموعی پیداوار میں ناشک کا بھی ایک بڑا حصہ ہے۔ جہاں تک دستکاری کا تعلق ہے، ناشک نے اس سمت میں بھی خاطر خواہ ترقی حاصل کی ہے۔ یہاں پر ایرو ناٹک فیکٹری قائم ہے۔ اور مرکزی حکومت کا سیکیورٹی پرنٹنگ پریس اور غلہ کے بڑے بڑے گودام قائم ہیں جو کہ نمارڈ میں واقع ہے۔ یہاں زندگی کے ہر شعبے میں

ہنرمندی سے کام ہو رہا ہے۔ ضلع کا ایک حصہ بنجر ہے جہاں کسی قسم کی پیداوار نہیں ہو سکتی اور کچھ علاقہ ہمیشہ خشک سالی کا شکار رہتا ہے۔

ضلع کا بہت بڑا حصہ جنگلات سے گھرا ہوا ہے اور پہاڑیوں کا سلسلہ بھی دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں پر تقریباً ۶ لاکھ ۵۷ ہزار ادیباسی آباد ہیں جن میں بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ضلع کے زیادہ تر لوگوں کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ کچھ لوگ کپڑے کی بُنائی اور پیتل کے برتن بنانے کے کاموں میں مصروف ہیں اور کچھ لوگ تیل نکالنے کی فیکٹریوں سے اپنی روزی کماتے ہیں۔ شکر کے کارخانوں میں بھی بڑی تعداد میں لوگ کام کرتے ہیں۔ ضلع کے صنعتی ترقی میں ست پور انڈسٹریل اسٹیٹ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

ریاستی حکومت خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کی ترقی کے لئے ہرسول، ماندود، داجگاؤں، دودی بزرگ، جیودھی، جوسالے۔ روہرای راں واڈ کے پانی جمع کرنے کے علاقوں میں تیزی سے مشغول ہے۔ اسی طرح نندگاؤں، کالون، سنار، باگلن، یادلہ، پیٹھاڑ اور مالیگاؤں تعلقہ کے خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں بھی پانی کی فراہمی کے کاموں میں مصروف ہے۔ حکومت نے ۱۰۳ دیہاتوں میں چھوٹی آبپاشی اسکیمیں جنگلات کی توسیع، بنڈنگ، ڈیری فارم، انیمل ہسبنڈری اور کاشتکاری کی ترقی کے منصوبے بنائے ہیں تاکہ ان خشک علاقوں میں ترقی ہو سکے۔ حکومت کسانوں کو مالی امداد بھی دے رہی ہے۔

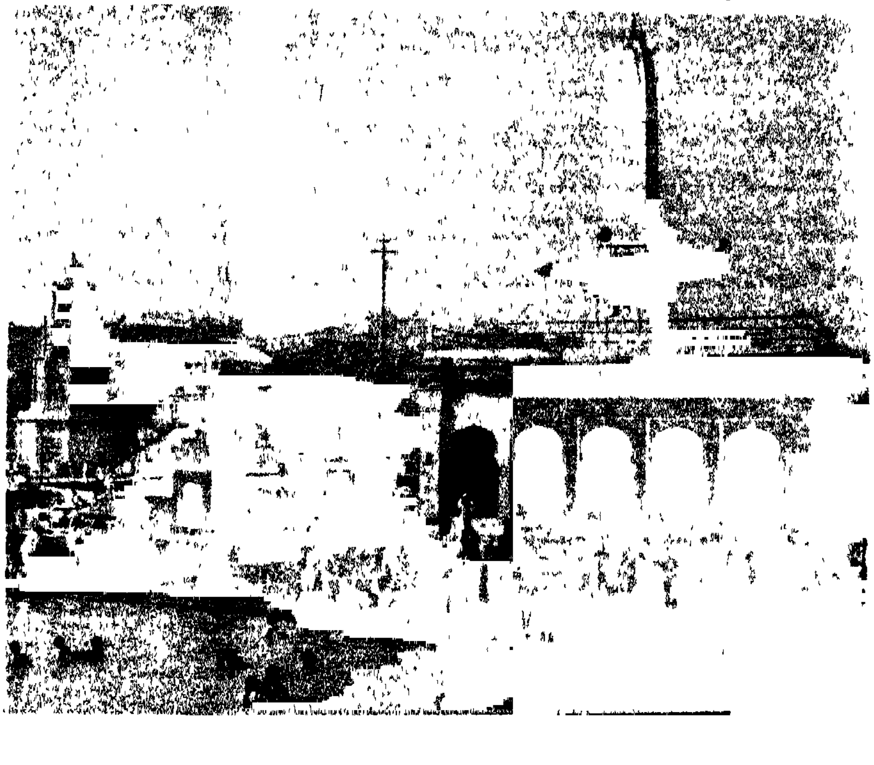
موجودہ پلان کے تحت حکومت ان کاموں پر ۳۳۲ لاکھ روپے خرچ کرنے والی ہے۔ جس میں سے آج تک ۹۴،۸۷ لاکھ روپیہ خرچ بھی ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ توقع ہے کہ عوامی اداروں سے ۲۳،۷ لاکھ روپے وصول ہو سکیں گے۔ کلُ اخراجات مرکزی اور ریاستی حکومتیں مل کر برداشت کریں گی۔

ناشک ضلع کی خاص پیداوار پیاز۔ باجرہ۔ جوار۔ گیہوں۔ مونگ پھلی اور گنے پر مشتمل ہے۔ ریاست کی پیاز کی کلُ پیداوار میں سے تقریباً ۵۰ فیصدی پیاز ناشک ہی میں پیدا ہوتی ہے۔ ناشک ضلع کا لاسلگاؤں ملک کی ایک بہت بڑی پیاز کی منڈی ہے، ہر سال لاسلگاؤں میں تقریباً ۱۶ - ۱۷ لاکھ کوئنٹل پیاز لائی جاتی ہے۔ پیاز کی سالانہ خرید و فروخت ۶ سے ۸ کروڑ روپیہ سالانہ کی ہے۔ ہمارے ملک سے پیاز بڑی مقدار میں برآمد کی جاتی ہے۔ خاص طور پر کویت۔ بحرین۔ مسقط۔ فرانس اور سنگاپور میں یہاں کی پیاز برآمد کی جاتی ہے۔

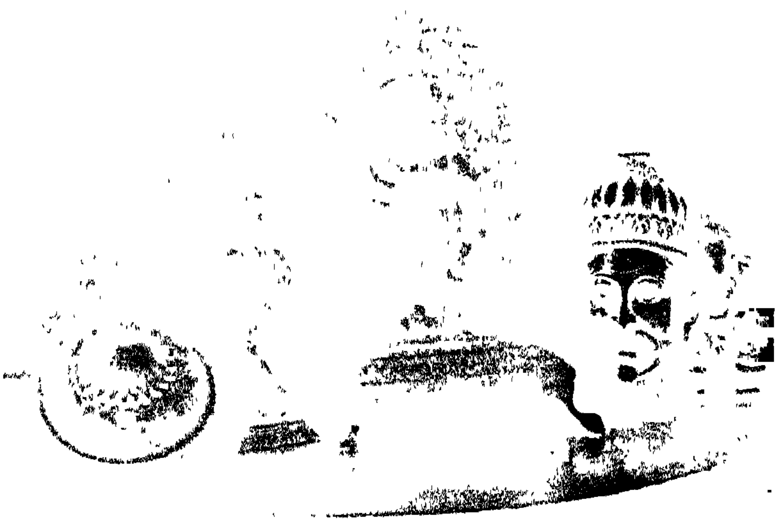
ناشک کے انگور بھی مشہور ہیں اور برآمد بھی کئے جاتے ہیں۔ تقریباً ایک لاکھ ہیکٹر زمین پر انگور کے باغات پھیلے ہوئے ہیں جہاں پر سالانہ ۲ ہزار میٹرک ٹن انگوروں کی کاشت ہوتی ہے جن کی سالانہ خرید و فروخت ۸ کروڑ روپے ہے۔ ناشک ضلع میں مختلف قسم کے انگور جیسے سلیکن ۔۷، عناب شاہی، تھامپسن بے دانہ مشہور ہیں۔

ناشک ضلع اپنے تانبے اور پیتل کے ظروف بنانے میں بھی شہرت رکھتا ہے۔ مختلف قسم کے ظروف تقریباً ۲۰ لاکھ روپے تک کے تیار کئے جاتے ہیں جن کی خرید و فروخت ۲ کروڑ روپے تک پہنچتی ہے۔

مالیگاؤں پاورلوم کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں ۱۹ ہزار ۵ سو پاورلوم چلتے ہیں جن میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ۸۰،۰۰۰ ہے۔ یہاں



ناشک شہر میں پنچوٹی کے مقام پر رام کنڈ کا ایک منظر



ناشک میں بنائی گئی چاندی کی نقشین مورتیاں

پر رنگین ساڑی، کوراکپڑا اور ململ تقریباً ۵ کروڑ روپے ماہانہ کی مالیت کا تیار کیا جاتا ہے۔ یاولہ کے علاقہ میں ۰۰ ۷ ہینڈلوم ہیں جن سے بنارسی قسم کا اصلی سِلک، شالو، ہمرو شال اور سوتی ساڑیاں تیار کی جاتی ہیں۔ ریاستی حکومت ادیباسیوں کی حالت سُدھارنے کیلئے کوشاں ہے۔ اس کے حصول کے لئے ٹرائیبل ویلفیر پلان زیرِ عمل ہے۔ اس مقصد کی کامیابی کے لئے حکومت نے ۷۵-۱۹۷۴ء میں ۱۵۷٫۶۳ لاکھ روپے ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۱۷۱٫۶۴ لاکھ روپے اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۲۱۲٫۵۱ لاکھ روپے خرچ کئے ہیں۔ حکومت نے ۷۸-۱۹۷۷ء کے لئے ۱۰٫۵۴ کروڑ روپے میں سے ۵٫۷۴ کروڑ روپے ٹرائیبل سب پلان کے لئے مخصوص رکھے ہیں۔ ضلع کے کم از کم ۷۶۴ دیہات اس ٹرائیبل سب پلان کے تحت آتے ہیں۔

یہاں کے ادیباسیوں کو زرعی پیداوار کے نئے طریقے سکھائے جائیں گے، اور انھیں زیادہ سے زیادہ آبپاشی کی سہولت دی جائے گی۔ ادیباسی علاقوں میں سڑکیں اور اسکول تعمیر کئے جائیں گے۔ اس مقصد سے کہ ادیباسی تجارت پیشہ لوگوں اور سُود خوروں کے چنگل میں نہ پھنسیں، حکومت نے آئندہ سال تک ۴۶ ادیباسی کوآپریٹو سوسائٹیز قائم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

ہندوستان کی ہر ریاست اپنی اناج پیداوار پر زیادہ سے زیادہ توجہ دے رہی ہے۔ اسی ضمن میں ریاست مہاراشٹر نے بھی توجہ دی ہے ناشک ضلع میں ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت کام ہو رہا ہے۔ ضلع کی زرعی زمین کے ایک بہت بڑے حصے میں باجرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ کچھ عرصے سے باجرہ کی بجائے مخلوط قسم کے جوار کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ ہیں تاکہ جوار کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو، ۷۵-۱۹۷۴ میں ۵٫۰۴۰ ہیکٹر زمین پر جوار کی کاشت کی گئی تھی جو ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۴٫۰۰۰ ہیکٹر تک ہو گئی ہے۔

ناشک ضلع کے کُل ۱۵٫۵۸۲ کلومیٹر رقبہ میں سے اس کا ۲۱ فیصد علاقہ یعنی ۳۲۵۱ کلومیٹر جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔ مغربی حصہ میں گھنے جنگلات ہیں جہاں ساگ کے درخت پائے جاتے ہیں۔ ساگ کے درخت عمارت سازی کے کاموں میں بڑے کارآمد ثابت ہوئے ہیں ضلع کے مغربی حصے میں بارش بہت کم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہاں پر جنگلات بھی نہیں ہیں۔ اس حصے میں عام طور پر آم۔ کتھیر، مہوا پلاس، بانس وغیرہ کے درخت پائے جاتے ہیں۔

ضلع میں شجرکاری کی مہم پر پوری طرح عمل ہو رہا ہے۔ گنگا پور میں ایک نرسری قائم کی گئی ہے اور دوسری نرسری دیتر نامیں بنائی گئی ہے۔ یہاں مختلف قسم کی قلمیں بھی لگائی گئی ہیں تا محکمۂ جنگلات کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ یہاں پر ساگ، کاجو، نیلگری، گلُ مُہر، آسٹریلین ببول، ٹیک، اشوک اور دیگر مختلف قسم کے درختوں کی قلمیں ہیں لگائی گئی ہیں تاکہ وہ ضرورت کی پیداوار بھی مہیا کر سکیں۔ خوبصورتی میں اضافہ بھی۔ دیتر ناڈم کے علاقے میں جو دیتر نا نرسری قائم کی گئی ہے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل نئی اور دوسری نرسریوں سے مختلف ہے۔ ۷۸-۱۹۷۷ء میں اس نرسری سے ۵ لاکھ پودے حاصل کرنے کا منصوبہ ہے۔ یہ نرسری ۴ ہیکٹر زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ گنگاپو



باغ میں انگور کے خوشے، دلچسپی کا مرکز

نرسری، دیترنا نرسری سے پُرانی ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ یہاں سے بھی سال رواں میں ۵ لاکھ پودے حاصل ہو سکیں گے۔

اگت پوری اور ناشک تعلقہ کا پہاڑی علاقہ بنجر زمین پر مشتمل ہے۔ لیکن ضلع کی طرف سے ایک مہم جاری کی گئی ہے جس کے ذریعہ ان پہاڑی علاقوں کو سرسبز اور شاداب بنا دیا جائے گا ـــــ ۶۵-۱۹۶۴ء میں یہ کام ایک نئے جوش اور ولولے سے شروع ہوا تھا اور آج تک ...۴ ہیکٹر علاقے پر نیلگری کے پودے لگا دیئے گئے ہیں جنھوں نے اس علاقے کو تازگی بخشدی ہے۔ نیلگری کے درخت ۱۵ سال میں کارآمد ہو جاتے ہیں، اور اس وقت کے لگائے ہوئے پودے اب محکمۂ جنگلات کے لئے سود مند ثابت ہو رہے ہیں۔

اسی طرح محکمۂ جنگلات نے اس علاقے میں تجربے کے طور پر کاجو کے درخت بھی لگانا شروع کر دیئے ہیں اور اُمید کی جا سکتی ہے کہ یہ بھی سُود مند ثابت ہوگا۔

ناشک ضلع کی کہانی میں جب تک وہاں کی شخصیتوں کے بارے میں نہ لکھا جائے کچھ تشنگی باقی ہی رہے گی۔ فلم انڈسٹری کے دادا صاحب پھالکے اسی ضلع سے تعلق رکھتے ہیں۔ دادا صاحب پھالکے نے ناشک ہی میں پہلی خاموش فلم دکھائی تھی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں تا تیہ ٹوپے کنہا رے برادران۔ لکشمی بائی تلک، شری نارائن وامن تلک، شری وی۔ وی شیر واڈکر، وسنت کانیٹکر۔ شری اے۔ وی وارتی شری سوپا ندیو۔ شری دتا بھٹ، شری بالونا ڈکرنی اور شری سدانند جوشی پیدا ہوئے۔

ضلع ناشک - ایک نظر میں

رقبہ	۱۵٫۵۸۲ اسکوئر کلیو میٹر
آبادی	۲۳٫۶۹۰۰۰
کاشتکار	۳٫۱۴٫۵۴۹
پیداوار	چاول، گیہوں، جوار، باجرہ، دالیں، گنا
پیداوار (بالترتیب)	چاول: ۳۶٫۵۰۰ - گیہوں: ۵۳٫۷۰۰ جوار: ۲۴۵۰۰ - باجرہ: ۱٫۷۵٫۵۰۰ دالیں: ۴۸٫۹۰۰ اور گنا: ۱٫۰۷٫۴۰۰ میٹرک ٹن
بارش	۲۸ء۱۱۴۸ ایم ایم
زرعی زمین	۹ لاکھ ہیکٹر
جنگلات	۳۹ء۳ لاکھ ہیکٹر
فیکٹریز	۳۱۸

مستورات بیڑی بنانے میں مصروف





تانبے
کے
برتنوں
کی
گھڑائی

مزدور	... ...	۲۶,۷۷۰
بینک	... ...	۱۶۴
بجلی	... ...	۸۷۳ (شہر اور دیہاتوں میں)
کوآپریٹیو ادارے	...	۲۰۴۰
اُن کے ممبر	... ...	...۳۴۹

سیاحوں کے لئے تفریح گاہیں : ... پانڈولینی (غار) چمارلینی (غار) ... تپوون۔ گنگا گھاٹ، سات گیھا ترمبکیشور، سیپت شرنگھ کالارام مندر اور دیگر مندر

گوشۂ خواتین

"آزاد ریڈیو" کی کوشش

• ڈاکٹر (مس) اُشا مہتا

مترجمہ • طلعت بانو

۹ اگست ۱۹۴۲ء کو جب تمام مقبول لیڈر جیل میں بند کر دیئے گئے تھے اسس وقت ہم خود اپنا ریڈیو چلانے کی تیاریاں کر رہے تھے، جس کا م تھا "صدائے آزادی' ہند میں کسی مقام سے"۔

"ہندوستان چھوڑ دو" تحریک شروع ہونے سے قبل میں اور میرے ھ رفیق یہ سوچ رہے تھے کہ تحریک شروع ہو جانے پر ہمیں کیا کرنا چاہیئے ونکہ ہماری دلی خواہش یہی تھی کہ آزادی کی خاطر حتی المقدور اپنا فرض ادا کریں۔ ذاہی سے مجھے مظاہروں اور عوامی جلسوں سے خاص دلچسپی نہ تھی۔ ماضی کی تحریکات ی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے ہم پر یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ تحریک ی کامیابی میں خود اپنا ٹرانسمیٹر ہی بڑا اہم اور ضروری حربہ ہے۔ اخبارات ی زبان بند کر دی گئی ہے اور خبروں پر پابندی ہے۔ ایسے وقت پر ٹرانسمیٹر وں کو پیش آنے والے واقعات سے پیش آنیوالے واقعات سے باخبر کھنے میں بڑا ممد و معاون ہوگا۔ لہذا بابو بھائی کھاکھر اور میں نے "آزاد یڈیو" کے لئے کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

وش آئند موقع : یہ حقیقت ہم پر عیاں تھی کہ ٹرانسمیٹر، پرچار کے لئے ر دست قدر و قیمت رکھتا ہے۔ نیز اس بات سے بھی ہمارا جوش و خروش ھا کہ ایک قوی ٹرانسمیٹر کے ذریعے بدیسی ملکوں تک ہماری رسائی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے روپیہ کہاں سے آتا؟ میری ایک رشتہ دار نے اپنے ام زیورات دیدینے کی پیشکش کی اور یہ طے کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اسے ول کیا جائے یا نہیں۔ بالآخر بابو بھائی کو روپیہ مل گیا۔ انھوں نے ایک ہر سے سیٹھ بھی منوالیا جو بعد میں سرکاری گواہ بن گیا۔

اسی کے ساتھ یادگار فلم "مہاتما" کے خالق وِٹھل بھائی کے۔ جھویری کی ہمائی میں ایک اور جماعت بھی دوسرا ٹرانسمیٹر بنانے میں لگی تھی۔ ان ے علاوہ کئی دوسری ٹولیاں بھی اسی نہج پر سرگرم عمل تھیں۔ ڈاکٹر رام منوہر ہیا ان سب سے واقف تھے اور انھوں نے ان سب میں رابطہ قائم ۔نے کی کوشش کی۔ دیگر ٹولیاں "کانگریس ریڈیو" کے نام سے مشترکہ ور پر کام کر رہی تھیں جس کے ساتھ بہت سی خوش آئند باتیں اور راز بستہ ہیں۔

کانگریس ریڈیو نام کے لحاظ سے صرف ایک ہی نہیں تھا۔ اس کا خود اپنا ٹرانسمیٹر، ٹرانسمیٹنگ اسٹیشن، ریکارڈنگ اسٹیشن، صوتی اشارہ اور جدا لہریں تھیں۔ ہم نے ۱۴ اگست ۱۹۴۲ء کو اس طرح نشریات کا آغاز کیا۔ "یہ کانگریس ریڈیو ہے، ہم ہندوستان میں ایک مقام سے ۴۲ ؍ ۴۲ میٹر پر بول رہے ہیں"۔

ٹرانسمیٹر کے لئے ضروری مواد اکٹھا کرنا بڑا کٹھن کام تھا۔ بابو بھائی اس کے حصول کے لئے جہاں تک ان کا ذہن کام کرتا سوچتے۔ انھیں اور وٹھل بھائی کو اپنے ٹھوس ذرائع پر بھروسہ تھا۔

بسا اوقات بابو بھائی کی ٹوپی یا جیب سے اور کبھی ٹفن کیریر سے کوئی 'پرزہ' وغیرہ گر جاتا۔ یہ بڑا ہیجان خیز موقع ہوتا۔ برابر تعاقب میں لگی پولس اور اس کی گاڑی سے بچنا کوئی کھیل نہ تھا۔ ہمارے ٹرانسمیٹر اور پولس کی تعاقب کرنیوالی گاڑی کے درمیان اکثر آنکھ مچولی جاری رہتی ہم پولس کو یہ چکمہ دیکر نکل جاتے کہ ہمارا ٹرانسمیٹر بس اُن کی دسترس میں ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا بھی۔ لیکن چند گھنٹوں ہی بعد وہ میلوں دُور پہنچ جاتا اور وہ حیران و پریشان دیکھتے رہ جاتے۔

"ہمارے مددگار" خوش قسمتی سے شمال سے کوئی نہ کوئی چچا یا بہن یا کوئی اور عزیز ہمیں بچانے کے لئے آ نکلتا۔ چچا کو ایک ماہ کے لئے فلیٹ کی ضرورت ہوتی۔ ایک بھتیجہ جا کر کرایہ پر لے لیتا اور وہاں تمام سامان پہنچا کر بے چینی سے اُن کی آمد کا انتظار کرتا۔ اسس اثناء میں دوسرے چچا کے پہنچنے کی اطلاع آتی اور ایک دوسرا فلیٹ لینا پڑتا۔

ہر مرتبہ چال یہی ہوتی کہ موجودہ براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے ریلوے اسٹیشن جاتے اور وہاں سے نئے ٹرانسمیٹنگ اسٹیشن پہنچتے۔ ہر پندرہ بیس دن میں ایسا ہی کرنا پڑتا۔ ایک مرتبہ بابو بھائی اور مجھے ایک اچھی جگہ مل گئی جو ہمارے خیال میں بڑی محفوظ تھی۔ ہم بہت خوش تھے کہ چلو اب ایک ہی جگہ سے ایک یا دو ماہ کام کر سکیں گے ہم مالک کو کرایہ ادا کرنے گئے۔ ایک عجیب قسم کا آلہ وہاں پڑا ہوا تھا۔ ہم نے دریافت کیا "سیٹھ جی یہ کیا ہے؟"

"غیر قانونی ریڈیو کو پکڑنے والی مشین" ہمیں جواب ملا۔

میں نے دل میں کہا 'اللہ خیر کرے، یہ پکڑنے والی مشین۔ لیکن اپنے چہرے سے کسی قسم کا خوف ظاہر نہیں ہونے دیا۔ بابو بھائی نے بھی بڑی ہوشیاری سے اس کے ساتھ ان لوگوں کی مذمت کی جو اس قسم کی غیر قانونی حرکتیں کرتے ہیں۔ ہم وہاں سے نکل آئے اور خدا

کا شکرادا کیا کہ ہمیں وقت پر آگاہی ہوگئی۔ بابو بھائی کے منہ سے سب سے پہلے یہی الفاظ نکلے "بہن، ہم شیر کے پنجے سے نکل آئے"۔ انھوں نے مجھے یہ بھی تاکید کی تھی کہ میں اُس دن سفید کھادی کی ساڑی نہ پہنوں۔ لیکن میں نہ مانی۔ بہرحال اس دن کے بعد سے میں نے اپنا لباس قدرے تبدیل کر دیا تاکہ آسانی سے نظروں میں نہ آسکوں۔

ہماری راہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ آل انڈیا ریڈیو (جسے ہم اینٹی انڈیا ریڈیو کہتے تھے) شرارت کرکے ہماری نشریات کو سائٹ کر دیتا تھا۔ ہر چیز تیار ہوتی اور ہمیں یقین ہوتا کہ نشریہ صاف ہوگا۔ بس ٹھیک اُسی وقت وہ اپنی چالبازی شروع کر دیتے۔ یہ بڑی پریشان کن بات تھی۔ لہٰذا ہمارے ٹیکنیشنوں نے 'اے۔ آئی۔ آر' کو جامد کرنے کے لئے ایسی ہی چالیں اختیار کرنے کی ٹھانی اور ہم ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

صرف ایک ہی ٹرانسمٹنگ اسٹیشن قائم رکھنا جوکھم کا کام تھا۔ لہٰذا ہم نے یہ سوچا کہ سارے ہندوستان میں براڈ کاسٹنگ کا جال بچھا دیا جائے تاکہ کسی ایک سیٹ کے پکڑے جانے سے کام نہ رُکے۔ کچھ عرصہ تک ہم دو ٹرانسمیٹروں پر کام کرتے رہے جو باری باری چلتے تھے۔ ان میں سے ایک وِٹھل بھائی کا تھا۔ اس طرح ایک حد تک ہمارا کام ہلکا ہوگیا کیونکہ دو ٹرانسمیٹر دو مختلف مقامات سے کام کرتے تھے۔

ہم مختلف طبقات کے لوگوں کے لئے خبریں، تقاریر، ہدایات اور اپیلیں نشر کیا کرتے۔ اس مقصد سے مقرروں اور ادیبوں کی ایک جماعت تھی۔ ان سب کو براڈ کاسٹنگ اسٹیشن لے جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لہٰذا ہم نے سوچا کہ تقاریر ریکارڈ کرلی جائیں۔ ریکارڈنگ کی جگہ براڈ کاسٹنگ کی جگہ سے الگ ہوتی۔ اس طرح خطرہ بڑی حد تک کم ہوجاتا۔ وِٹھل بھائی جھویری اس شعبے کے نگراں تھے، اور براڈ کاسٹنگ شعبہ بابو بھائی کے ذمے تھا۔

خبرنامہ روزنامے کے پروگرام کا جز تھا۔ خاص پیغام رسانوں کے ذریعہ ہمیں ہندوستان بھر سے خبریں مل جاتیں۔ چٹاگانگ میں بم کے حملہ، جمشید پور کی ہڑتال اور بلیا کے واقعات کے بارے میں ہم نے ہی سب سے پہلے خبر دی تھی۔ آشتی اور چمور میں ہونے والے مظالم کی پوری کیفیت ہم نے ہی نشر کی۔ اس وقت لگی پابندیوں اور حالات میں اخبارات ان موضوعات کو چھو بھی نہیں سکتے تھے، ایسے وقت میں یہ کانگریس ریڈیو ہی تھا جو قانون کو توڑ کر لوگوں کو ہونے والے واقعات سے باخبر کرتا۔ ہمارے سامعین ان خبروں کو لوگوں میں پھیلانے میں ہماری مدد کرتے۔

پالیسی کی وضاحت : تقاریر میں ہم زیادہ تر قومی اور بین الاقوامی نقطہ نظر سے کانگریس کے موقف کی وضاحت کرتے۔ خصوصاً ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اور کبھی کبھی اچھوت پٹوردھن تقاریر کرتے تھے۔ بعض تقاریر ممتاز صحافیوں، مدرسین اور کانگریسی کارکنوں کی لکھی ہوئی ہوتیں۔ ابتدا میں ہم دن میں صرف ایک مرتبہ نشر کیا کرتے، لیکن کچھ عرصہ بعد ہم نے صبح اور شام دو مرتبہ انگریزی اور ہندوستانی میں نشریات شروع کر دیں۔

'اشاراتی صدا' کے بعد سب سے پہلے اقبال کا ترانہ 'ہندوستاں ہمارا' ریلے کیا جاتا۔ آخر میں 'وندے ماترم' ہوتا۔

۱۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو، یعنی ہماری گرفتاری کے دن ہم نے اپنی ٹولی کے کارکنوں کی ایک میٹنگ منعقد کی تاکہ یہ طے کیا جائے کہ ہماری گرفتاری کی صورت میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا ہوگا۔ یہ طے پایا کہ کوئی بھی اپنے کسی بھی دوسرے رفیق کار کا نام نہ بتائے اور ہر راز کو پوری طرح مخفی رکھا جائے۔

ہماری گرفتاری سے ایک ہفتہ قبل شہر کے کچھ بڑے ریڈیو بیوپاریوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان سے حکام نے یہ معلوم کرلیا کہ بابو بھائی اور وِٹھل بھائی کانگریس ریڈیو کے پس پردہ اصل آدمی ہیں۔ ۱۲ نومبر کو دوپہر کے وقت پولس نے بابو بھائی کے دفتر پر چھاپہ مارا۔ چندرکانت بھائی، نیز میں اور کئی افراد وہاں موجود تھے۔ جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ پولس وہاں پہنچ گئی ہے تو چندرکانت بھائی اور دیگر افراد نے چوکس بارہ سی۔ آئی۔ ڈی افسران کے روبرو دفتر سے تمام فائل صاف کر ڈالے۔ اس کے بعد میں نے بابو بھائی سے پوچھا کہ ماں کی صحت کے بارے میں ڈاکٹر کو کیا بتاؤں ۔ وہ بولے اُن سے کہنا کہ ماں کی حالت نازک ہے۔ لہٰذا دفتر سے میں اس کی جگہ گئی جہاں ڈاکٹر لوہیا، وِٹھل بھائی اور دیگر اصحاب دن کا پروگرام ریکارڈ کرنے میں مصروف تھے۔ میں نے انھیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ ابھی اثنا میں یہ خبر آئی کہ ایک ٹکنیشن کو بھی گرفتار کرلیا گیا ہے۔ پہلے ہم نے یہ طے کیا کہ آج شب کو کوئی پروگرام نشر نہ کیا جائے، لیکن پھر کچھ سوچ کر فیصلہ بدل دیا۔ ہماری شدید خواہش یہی تھی کہ کانگریس ریڈیو کسی حال میں چلنا بند نہ ہو۔ ہم نے ایک ہی اسٹیشن چلانے کا فیصلہ کیا اور راتوں رات دوسرا ٹرانسمیٹر بدل دیا۔ ایک منظم سپاہی کی طرح ہمارا فرض یہی تھا کہ کھلے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے جنگِ آزادی کے میدان میں ڈٹے رہیں۔

ن شب : شب میں معمول کے مطابق جب میں اسٹیشن جانے
رکانت بھائی جھویری میرے ساتھ ہو گئے حالانکہ انھیں خطرے
ح علم تھا۔ میں نے بار بار درخواست کی کہ وہ ایسا نہ کریں لیکن
میرے ساتھ ہو گئے۔ ان کے اس اقدام نے مجھے بہت متاثر کیا
رام قریب الختم تھا کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ ہم نے پروگرام
ھا۔ بند دروازہ کو توڑنے کے بعد ہی شکاری شکار پر جھپٹ
، کا چہرہ کہہ رہا تھا کہ آخر ہم نے تمھیں پکڑ ہی لیا نا۔ ہماری
ن تگ و دو بار آور ہوئی؟"
کمشنر آف پولس، ان کے فوجی ٹیکنیشن اور ۵۰ سے زیادہ
ں کی ٹولی اس کامیابی پر خوشی سے مست ہو گئی تھی۔
ہم سے کہا، کہا نہیں بلکہ حکم دیا کہ ریکارڈ بجانا بند کریں۔
نے ہمیں بھی بھاڑے کا سپاہی سمجھ لیا تھا؟ ہم نے ان کے
ادیا۔ ہم اپنی نشستوں سے بھی نہ اُٹھے۔
ے ماترم، کا ریکارڈ ختم ہوا۔ ہم یہ خبر سنانا چاہتے تھے کہ ہمارے
ن نے غداری کر کے پولس کو اس اسٹیشن تک پہنچا دیا
لوٹی انجام دیتے ہوئے ہماری گرفتاری ہونے والی ہے۔
ٹیکنیشن نے پھر پولس کا ہاتھ بٹایا اور فیوز میں گڑبڑ کر دی
ارے ساتھیوں کو جو ریڈیو سن رہے تھے دروازہ توڑ کر کھولنے
ن کر یہ اشارہ مل ہی گیا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ فیوز میں گڑبڑ کے
یں اندھیرا ہو گیا۔ اس پر پولس ذرا گھبرا گئی، کیونکہ اس طرح
نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ بہر حال وہ اور چوکنا ہو گئی۔

کا احتجاج : تقریباً ایک گھنٹہ بعد پولس ایک ہریکین
نظام کر سکی اور باضابطہ کارروائی شروع کی۔ ان تمام چیزوں کی
ت تیار کی گئی جو وہاں ملیں۔ پھر پنچوں کو اندر بلایا گیا۔ بلڈنگ
کو بھی ایک پنچ کی حیثیت سے طلب کیا گیا۔ اس نے پولس سے
ا۔ "ہم تو غریب لوگ ہیں۔ ہم یہاں کی باتوں کو کیسے سمجھتے ؟
ں نے اس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانا کہ وہاں
ہے۔ اس نے کہا "میں کیا جانوں ٹرانسمیٹر کیا ہوتا ہے"۔ اس
ہی چیخا۔ "کیا تم نہیں سمجھتے کہ اس سے کچھ گانے نکلتے ہیں"۔ اس
ہنسی کے درمیان کہا کہ "ایک لکڑی کا ڈبہ کیسے گا سکتا ہے"۔
ل میرے یہ سمجھانے پر کہ دستخط کرنے میں کوئی 'حرج' نہیں ہے،
الآخر بادل نخواستہ دستخط کر دیئے۔

ہمیں بھی دوستوں اور کانگریسی کارکنوں کی بات ماننا پڑی۔ اُن کا خیال تھا کہ ہمارا بچاؤ نہ کیا گیا تو کانگریس کی بدنامی ہو گی۔ لہٰذا ممتاز ترین وکلاء شری کنہیالال منشی، شری موتی لال سیتلواد، شری ایس۔ آر۔ ٹینڈولکر اور شری ٹھاکر کو ہمارے دفاع کے لئے مامور کیا گیا۔ شری ویدلال سرکاری وکیل تھے۔

تاریخی مقدمہ : جسٹس لوکر کی صدارت میں خاص عدالت قائم کی گئی۔ ۸ راپریل ۱۹۴۳ء کو ہمارے خلاف مقدمہ شروع ہوا اور پورے پانچ ہفتہ تک چلتا رہا۔ کل اسّی گواہوں کے بیانات کی جانچ ہوئی۔ وکلائے دفاع نے بڑی لیاقت سے جرح کی اور اس بات کے لئے کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی کہ ہم بری ہوں۔ میں نے بھی ایک مرتبہ بڑی بیباکی سے یہ بیان دیا کہ یہ تمام ملزمین مجرم اور سازشی کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ تو محبّ وطن اور جانباز سپاہی ہیں اور مادرِ ہند کی آزادی کی خاطر لڑ رہے ہیں جو ہر ہندوستانی کا قدرتی حق ہے۔

ویدلال نے ہمارا قصور ثابت کرنے کے لئے کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی، ہر ممکن شہادت پیش کی گئی۔ ہمارے کاغذات (ریکارڈ) پر لکھاوٹ ڈھل بھائی کے ہاتھ کی تھی۔ لیکن انھوں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور پولس اُن کی لکھاوٹ شناخت نہ کر سکی۔ اس وجہ سے نیز شری منشی اور شری سیتلواد کی جانب سے زبردست پیروی کے باعث ڈھل بھائی اور نانی بھائی چھوٹ گئے۔ چندر کانت بھائی اور میں نیز بابو بھائی کوئی بھی سزا بھگتنے کے لئے تیار تھے۔ لہٰذا بچ نہ سکے۔ چندر کانت بھائی کو ایک سال قید بامشقت، بابو بھائی کو پانچ سال قید بامشقت اور مجھے چار سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

ہم سزا پانے پر پریشان نہ ہوئے بلکہ اس سے ہمیں مسرت اور فخر محسوس ہوا۔ "غازی یا شہید" ہی گاندھی جی کا فرمان تھا۔"

ملک کی ترقی میں
چھوٹی بچت اسکیم کی اہمیت

ملک کے ہر انسان کی زندگی خوش حال ہو اور اس کی حالت بہتر ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے ضروریات زندگی کی ہر چیز مہیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں تمام خوشحال لوگ آباد ہیں آزادی کے بعد ہم نے اپنی معاشی حالت سُدھارنے کے لئے اور ملک کو مضبوط تر کرنے کے لئے معاشی منصوبے بنائے۔ اسی منصوبے میں چھوٹی بچت اسکیم بھی شامل ہے۔ ہر شہری کی ضروریات زندگی اچھی طرح پوری ہو سکیں اس لئے چھوٹی بچت اسکیم پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ چھوٹی بچت سے جمع کئے گئے پیسے ہی ملک کے ترقیاتی منصوبوں میں مددگار ثابت ہوتے ہیں جس سے عوام ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔

چھوٹی بچت اور ٹیکس :

چھوٹی بچت اور ٹیکس کا بہت قریبی تعلق ہے۔ چھوٹی بچت سے اگر آپ نے پیسے جمع کئے ہیں تو یہ سرکار کے لئے بچت ہوگی اور جب سرکار کے پاس پیسہ ہوگا تو نئے ٹیکسوں سے بھی عوام کو نجات ملے گی۔ یہی ایک حقیقت ہے اور یہ فیصلہ عوام کو کرنا ہے کہ حکومت کو ٹیکس بڑھانے دیا جائے یا چھوٹی بچت اسکیم سے روپیہ جمع کیا جائے۔

یہ بھی ملک کی خدمت ہے

عوام کی حُب الوطنی اس وقت عیاں ہوتی ہے جب ملک پر ادبار کے بادل چھائے ہوں۔ امن کے زمانے میں ایک آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ وہ ملک کی خدمت کس طرح کر سکتا ہے۔ اگر امن کے موقع پر آپ نے چھوٹی بچت اسکیم کے ذریعے روپیہ جمع کرنا شروع کیا تو وہ بھی ملک کی ہی خدمت ہے حالانکہ جنگ کے دوران اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ بچت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو خرچ کرنا ہے وہ خرچ نہیں کرتے بلکہ اُسے بچا لیتے ہیں اور یہی بچت ہوتی ہے۔ یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب آپ خود بھی خرید کم کر دیں گے تو بازار میں چیزوں کی مانگ بھی کم ہو جائے گی۔ اور اسی وجہ سے قیمتوں پر کنٹرول رہتا ہے۔ اب ہمارا یہ بچا ہوا پیسہ بوقت ضرورت ہمارے کام آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی بچت سے ہمارا اپنا بھی فائدہ ہوتا ہے اور ملک کا بھی!

پانچویں پانچسالہ منصوبہ میں چھوٹی بچت اسکیم کا کردار

جہاں تک ریاست مہاراشٹر کا تعلق ہے اگر چھوٹی بچت اسکیم کے بارے میں نہ کہا جائے تو مہاراشٹر کی تصویر مکمل نہیں ہوگی۔ ایک تخمینہ کے مطابق چوتھے منصوبے کے آخر تک مرکزی حکومت کی طرف سے حکومت مہاراشٹر کو چھوٹی بچت کے تحت ۶۰ کروڑ روپے کی اُمید تھی۔ مگر خلاف توقع ۶۰ کروڑ کے مقابلے میں مہاراشٹر کو ۱۵۰ کروڑ روپے ملے۔ پانچویں منصوبے کے تحت چھوٹی بچت اسکیم کے تحت مرکز سے ۲۲۰ کروڑ روپے ملنے کی اُمید کی جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس اسکیم کے مطابق کُل نقد رقم ۳۳۰ کروڑ روپے جمع ہونا ضروری ہے۔ پچھلے تجربوں کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنی رقم جمع کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی حکومت نے شرح سود بھی ترغیبی رکھی ہے۔ کئی مدوں میں شرح سود قومیائے بینکوں سے بھی زیادہ ہے۔

سالِ رواں کا نشانہ ۶۵ کروڑ ہے

حکومت مہاراشٹر نے مالی سالِ رواں ۷۸ ـ ۱۹۷۷ء کے لئے ۶۵ کروڑ روپے کا نشانہ مقرر کیا ہے۔ جون ۱۹۷۷ء کے آخر تک تخمینہ کے مطابق لگائی گئی رقم ۴۶٫۱۱ لاکھ روپے ہوگی۔

بمبئی عظمیٰ، قلابہ، رتناگیری، پونے اور سانگلی، ان اضلاع کی جمع شدہ نقد رقم بالترتیب ۷۳۸٫۰۳ ـ ۲۱٫۵۷ ـ ۴٫۳۰ ـ ۵۷٫۴۹ اور ۴٫۷۰ لاکھ روپے ہے۔ باقی اضلاع میں بھی کافی اچھی رقم جمع ہوئی لیکن زیادہ روپیہ نکالنے کی وجہ سے ان اضلاع کی حالت منفی ہے۔

طلباء کی کامیابی

چھوٹی بچت اسکیم کے تحت اسکولوں میں "سنچائیکا" نامی اسکیم شروع کی گئی ہے۔ اس اسکیم کے تحت اسکول کے بچے ہی اپنے اسکول میں قائم کئے گئے بنک کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ طالب علم ہی بنک کا مینجر ہوتا ہے اور طلباء ہی کیشئر اور آڈیٹر بھی ہوتے ہیں۔ یہ اسکیم بمبئی میں بہت فروغ پا رہی ہے اور بمبئی کے علاوہ پونے، ناگپور اور اورنگ آباد میں شروع ہو چکی ہے

خبریں، تصویروں میں



←

زیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل' ویسٹرن انڈیا ملز کے دوبارہ کھلنے پر ۲۸ جولائی
۱۹۷۷ء کو منعقدہ تقریب میں تقریر کر رہے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں (بائیں سے دائیں)
ری وسنت راؤ ہوشنگ' وزیر برائے ہاؤسنگ' شری شیواجی راؤ پاٹل' وزیر برائے
مداد باہمی، بیرسٹر رجنی پٹیل اور شری شنکر راؤ پاٹل' وزیر برائے محنت نظر آرہے ہیں۔



↑
سنٹرل کنزیومرس کوآپریٹیو سوسائٹی پونے کی تیار کردہ پاؤ روٹی (سلائس بریڈ) کو
وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے حال ہی
میں اس سوسائٹی کی پونے میں واقع بیکری کا افتتاح فرمایا تھا۔



لی شری وسنت دادا پاٹل' ۱۰ جولائی ۱۹۷۷ء کو بال گندھرو مندر' پونے میں
ہ تقریب تہنیت میں ایک سماجی کارکن شری ایس۔ کے کسالکر کو سمان پتر
ر رہے ہیں۔ ↑

-:o:-



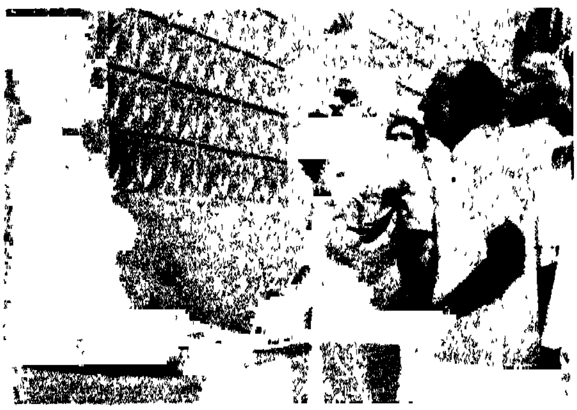
شری ڈی۔ ٹی۔ روپاولے' وزیر برائے سماجی بہبود' ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء کو رویندر
ناٹیہ مندر بمبئی میں مہاراشٹر راجیہ تماشہ شکشن شبر کی افتتاحی تقریب میں
تربیت یافتہ فنکاروں کو اسناد تقسیم کرتے ہوئے۔ ←



شری شرد پوار، وزیر برائے
داخلہ نے، ۲۴ جولائی ۷۷ء
کوستارا میں منعقدہ ایک
تقریب تہنیت میں مشتاق کبڈی
کھلاڑی اور ۷۶-۱۹۷۵ء
میں شیوا چھترپتی ایوارڈ یافتہ
شری دیے جادھو کو شاباشی
دی۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔



شری یسونت راؤ موہیتے، وزیر برائے مالیات، راج رشی شاہو مہاراج کی جنمی تقریب میں انھیں خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ یہ تقریب ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء کو ایم ایل اے ہوسٹل بمبئی میں منعقد ہوئی تھی۔ زیر نظر تصویر میں ان کے بائیں طرف شری ڈی۔ ٹی۔ رُوپاوتے، وزیر برائے سماجی بہبود و ثقافتی اُمور بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



شری راؤ صاحب جامکر، وزیر مملکت برائے دیہی ترقیات نے حال ہی میں پربھنی کے نئے جدید طرز کے ریلوے اسٹیشن کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں آپ کے ساتھ شری ایس۔ رام کرشنن چیف کمرشیل سپرنٹنڈنٹ اور شری گلشن رائے ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ آف ساؤتھ سنٹرل ریلوے بھی نظر آ رہے ہیں۔

فاریسٹ ڈویژن کے زیر عمل منصوبہ کی وجہ سے ناسک اور اگت پوری کے تعلقہ جات جہاں ہمیشہ ویرانی چھائی رہتی تھی اب سرسبز شاداب ہو گئے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں اگت پوری تعلقہ میں کامبلی کے مقام پر لہلاتے ہوئے یوکلپٹس کے پودے۔





شری دیوتلے، وزیر برائے جنگلات
چندرپور ضلع میں چھوٹی بچت
جمع کرنے کے کام میں عمدہ کارگزاری
پر پہلا انعام حاصل کرنے والے کارکن
کو سائیکل پیش کر رہے ہیں۔

ریاستی خبریں

لوکمانیہ تلک کو خراجِ عقیدت

لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک کی ۵۷ ویں برسی کے موقع پر منترالیہ میں انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت دادا پاٹل نے شری تلک کے مجسمہ کی گلپوشی کی اور پھول نذر کیئے۔

اس موقع پر وزراء، سرکاری افسران اور ملازمین نے بھی شری تلک کے مجسمہ کو گلہائے عقیدت پیش کئے۔

ترقی پذیر علاقوں کی صنعتوں کے لئے مرکزی سبسڈی

۷ء۸۰ کروڑ روپے کی منظوری

اضلاع کے منتخب کردہ ترقی پذیر علاقوں کی صنعتی یونٹوں کو سبسڈی دینے کی مرکزی اسکیم کے تحت ریاست مہاراشٹر کے اورنگ آباد، رتنا گیری اور چندر پور اضلاع کے ۵۵۰ صنعتی یونٹوں کو سال برائے ۷۳-۱۹۷۲ء سے ۷۷-۱۹۷۶ء یعنی پانچ سالوں کے دوران ۷ء۸۰ کروڑ روپے دینے کی منظوری دیدی گئی تھی۔

متذکرہ رقم میں سے ۴ء۱۶ کروڑ روپے ۳۸۲ صنعتی یونٹوں پر مارچ ۱۹۷۷ء تک خرچ کیئے جاچکے ہیں۔ صنعتوں کی جانب سے لگائی گئی رقم کے بعد ہی متذکرہ رقمیں انھیں دی گئیں۔

یہ اسکیم ترقی پذیر اضلاع کے منتخبہ صنعتوں کی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے جاری کی گئی تھی ابتداً میں یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء کو رتناگیری ضلع کے لئے ۱۰ فیصد سبسڈی اسکیم جاری کی گئی تھی بعد میں اس کی توسیع اورنگ آباد اور چندر پور علاقوں میں ۲۶ اگست ۱۹۷۱ء سے کی گئی۔ پہلے پہل فکسڈ کیپٹل انوسمنٹ پر ۱۰ فیصد شرح سے سبسڈی دیجاتی تھی جبکہ زیادہ سے زیادہ رقم کی حدود ۵ لاکھ روپے تھی لیکن بعد میں حکومت ہند نے یکم مارچ ۱۹۷۳ء سے ۱۰ فیصد شرح کو بڑھاکر ۱۵ فیصد کر دیا تھا اور زیادہ سے زیادہ رقم کی حدود بڑھاکر ۱۵ لاکھ روپے کردی گئی تھی۔ اس کیپٹل سبسیڈی پر آمدنی یا محصول وصولی کے تحت ٹیکس نہیں لگایا گیا ہے کیونکہ اس کا مقصد صنعت کی بنیاد ڈالنا ہے، اسے چلانا نہیں ہے۔

سمکو، ایم ایس ایف سی، ایم ایس ایس آئی ڈی سی، اور ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کی جانب سے سبسڈی کو خرچ کرنے کے لئے پیش کردہ تجاویز ریاستی سطح کمیٹی کے زیرِ غور ہیں۔

اُردو اکاڈیمی کی صدارت۔ ڈاکٹر زکریا نے استعفیٰ واپس لے لیا

بمبئی ۲۱ جولائی۔ وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کی گذارش پر ڈاکٹر رفیق زکریا نے ریاستی اُردو اکاڈیمی کی صدارت سے علیحدہ ہونے کے لئے اپنا پیش کردہ استعفیٰ واپس لے لیا۔ وزیراعلیٰ نے اپنے خط کے ذریعے ڈاکٹر زکریا سے درخواست کی تھی کہ اس عہدے پر اُن کا تقرر وزیر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ادب کے میدان میں ایک اعلیٰ مرتبہ رکھنے کی وجہ سے کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر رفیق زکریا نے اپنا استعفیٰ اُردو اکاڈیمی کو گذشتہ ماہ پیش کیا تھا لیکن اُردو اکیڈیمی کے دیگر اراکین نے وزیراعلیٰ سے سفارش کی تھی کہ وہ ان کا استعفیٰ منظور نہ کریں۔

اس ہفتہ ڈاکٹر زکریا اتفاق رائے سے علی گڈھ کے جامعہ اُردو (اُردو یونیورسٹی) کے چانسلر کی حیثیت سے دوسری ٹرم کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔

ریاستی ڈرامہ مہوتسو۔ داخلوں کی آخری تاریخ ۲۰ اگست

۱۷ ویں ریاستی ناٹیہ مہوتسو کے حصہ کے طور پر آئندہ نومبر میں علاقائی مراٹھی ڈرامہ مقابلے منعقد کیئے جائیں گے۔ شہری اور دیہی علاقوں کے مراٹھی ڈرامہ مقابلے علیحدہ علیحدہ ہوں گے۔ شہری علاقوں کے مراٹھی ڈرامہ کا فائنل مقابلہ رویندر ناٹیہ مندر، بمبئی میں جنوری ۱۹۷۸ء میں منعقد ہوگا

مراٹھی ڈراموں کے علاوہ گجراتی، ہندی، سنسکرت نیز مراٹھی میوزیکل ڈراموں کے داخلوں کی تعداد کم از کم ۵ ہونے پر ان زبانوں کے ڈرامائی مقابلے بھی منعقد کیئے جائیں گے۔

تمام مقابلوں کے لئے داخلے کی آخری تاریخ ۲۰ اگست ۱۹۷۷ء ہے۔ مراٹھی ڈرامہ مقابلے میں ریاست کے باہر کے اداروں کے ڈرامے بھی حصہ لے سکتے ہیں۔

متعلقہ دلچسپی لینے والے ادارہ جات کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ فارم کے ذریعے اپنے داخلے ڈائرکٹر آف کلچرل افیئرز اولڈ سکریٹریٹ اینکس، ایم۔ جی مارگ، بمبئی ۳۲ کے پتے پر ارسال کریں۔

مقررہ درخواست فارم متذکرہ دفتر سے مل سکتے ہیں۔

تریموُرتی کی معرفت ۲ء۵۰ لاکھ روپے کی ہنڈی کرافٹ اشیاء کی فروخت

ناگپور کے تریمورتی نے پچھلے دو سالوں کے دوران ۲ء۵۰ لاکھ روپے کے ہتھ کرگھے اور دستکاری کی اشیاء فروخت کیں۔ ۲۷ جولائی ۱۹۷۵ء کو مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے ذریعے ناگپور میں تریموُرتی' امپوریم کھولا گیا تھا

وزیر اعلیٰ ونوبا ملاقات : وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، اچاریہ ونوبا بھاوے سے ملاقات کرنے ۲۶ رجولائی کو پاؤنار آشرم میں تشریف لے گئے اور موصوف سے ایک مختصر سی ملاقات کی۔ وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ بیٹھک تقریباً نصف گھنٹے تک جاری رہی۔

ونوبا نے وزیر اعلیٰ سے اس تجویز کا مطالعہ کرنے کے لئے کہا جس کے تحت ریاست میں سنسکرت بطور لازمی مضمون قرار دینے کی سفارش کی گئی ہے۔

اچاریہ جی نے شری پاٹل کو دو کتابیں پیش کیں جن کے عنوان ہیں: "گیتا پروچن" اور "گیتائی"

وزیر اعلیٰ بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے یہاں تشریف لائے۔ ہوائی مستقر پر ان کا استقبال ڈاکٹر سوشیلا بلراج، وزیر مملکت برائے شہری ترقیات، ناگپور کے میئر شری اٹل بہادر سنگھ اور ڈویژنل کمشنر شری ڈی این کپور نے کیا۔

رابطۂ عامہ پروگرام : اسٹیٹ ایڈمنسٹریٹو اسٹاف کالج نے ۱۸ رجولائی سے تا ۲۲ رجولائی تک دوسرا رابطۂ عامہ پروگرام منعقد کیا۔ جس میں پولس، پے اینڈ اکاؤنٹ، ایمپلائمنٹ ایکسچینج، سول ڈیفنس، پبلک ورکس اینڈ ہاؤسنگ اور ریاستی حکومت کے دیگر محکمہ جات کے ۱۲۸ افسران نے شرکت کی۔

اس پروگرام کا مقصد شرکت کرنے والے افسران کی لیاقت میں بہتری پیدا کرنا ہے تاکہ وہ دوسروں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور اپنی ذمہ داریوں کو بجا طور پر انجام دے سکیں، اس کے علاوہ آپس میں ایک دوسرے سے ہمدردانہ برتاؤ کر سکیں اور اعلیٰ کارکردگی سے متعلق مثبت رویہ قائم کیا جا سکے۔ شری این. ایس پاٹل ریسرچ افسر نے پروگرام کا اہتمام کیا۔ ان کے علاوہ پروگرام کی کامیابی کا سہرا شری ایس. بی سگرے پاٹل، شری این. کیپا سوامی، شری آر. جے کبیکر، سینٹرل لیبر انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے سر ہے۔

ریاستی ترقیاتی قرضہ جات بابت ۱۹۷۷ء کی ادائیگی

حکومت مہاراشٹر نے نوٹیفائڈ کیا ہے کہ ۵½ فیصد مہاراشٹر اسٹیٹ ڈیولپمنٹ لون ۱۹۷۷ء جو کہ ۳ راگست ۱۹۶۵ء کے نوٹیفکیشن کے تحت جاری کئے گئے تھے وہ ۲۳ راگست ۱۹۷۷ء کو واپس کئے جائیں گے وہ تمام سود کے ساتھ جو کہ ۲۲ راگست ۱۹۷۷ء تک اس پر واجب الادا ہوگا۔ بہرحال ۲۲ راگست ۱۹۷۷ء سے یا اس کے بعد اس پر کوئی سود نہیں دیا جائے گا۔ بہرحال مندرجہ ذیل صورتوں میں بات دوسری ہوگی؛

حکومت اس سال ایک دوسرا نیا کھلے بازار قرض کا اعلان کریگی ۵½ فیصد مہاراشٹر اسٹیٹ ڈیولپمنٹ لون ۱۹۷۷ء رکھنے والوں کو یہ چھوٹ ہوگی کہ وہ اپنی ہولڈنگ کو نئے قرض میں تبدیل کرالیں۔ جو لوگ ایسا کریں گے ان کو نئے قرضے اعلان کی تاریخ سے ایک دن قبل تک کا سود ملے گا اس شرح پر جو کہ موجودہ شرح سے کم نہ ہوگا۔ جو لوگ اپنی ہولڈنگ کو تبدیل کرانے کے خواہشمند ہوں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اس موقع پر اپنی سیکیوریٹیز جمع نہ کرائیں۔ جو لوگ سیکیوریٹیز نقد جمع کرانے کے خواہشمند ہوں ان کو ادائگی میں سہولت کی غرض سے چاہیئے کہ اپنی سیکیوریٹیز ۹ راگست ۱۹۷۷ء یا اس کے بعد پبلک ڈیپٹ آفس، ٹریژری/سب ٹریژری یا اسٹیٹ بنک آف انڈیا کی شاخ یا اس کے ایسوسی ایٹ بنکوں میں جمع کرائیں جہاں وہ ادائیگی کے لئے رجسٹرڈ ہیں۔

سیکیوریٹیز کو ان کی پشت پر درج طریقے سے پُر کر کے جیسے:

(۱) پرامیسری نوٹ کے معاملے میں "اس نوٹ کی رقم (پرنسپل) حاصل ہوئی" اور (۲) اسٹاک سرٹیفکیٹ کے معاملے میں۔ "اس اسٹاک سرٹیفکیٹ پر بقایا پوری رقم (پرنسپل) وصول ہوئی" تک رقم وصول کے لئے داخل کریں۔

خاص طور پر یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ جہاں پر اسٹیٹ بنک آف انڈیا یا اس کے ایسوسی ایٹ بنک ٹریژری کا کام کرتے ہیں وہاں پر سیکیوریٹیز اگر اسٹاک سرٹیفکیٹ کی شکل میں ہوں تو انھیں متعلقہ بنک یا اس کی شاخ میں جمع کرائیں نہ کہ ٹریژری یا سب ٹریژری میں۔

جو ہولڈر رقم اس جگہ کے علاوہ جہاں ان کو رجسٹر کیا گیا تھا وصول کرنا چاہتے ہوں تو ان کو چاہیئے کہ وہ کارروائی پوری کر کے اپنی سیکیوریٹیز کو متعلقہ پبلک ڈیپٹ آفس کو بیمہ شدہ رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ یہ آفس ایک ڈرافٹ جاری کریگا جو کہ ایسی کسی ٹریژری/سب ٹریژری یا اسٹیٹ بنک آف انڈیا، یا اس کے ایسوسی ایٹ بنکوں یا شاخوں میں بھنایا جا سکتا ہے جہاں پر مہاراشٹر میں حکومت کی ٹریژری کا کام کیا جاتا ہے۔

بے وقت سائرن سنائی دینے پر شہری دفاع کے عہدیداروں سے رجوع کیجیے

ممبئی عظمیٰ میں شہری دفاع اقدام کے لئے سائرن لگائے گئے ہیں اگر یہ سائرن بے وقت سُنائی دیں تو عوام کو چاہیئے کہ وہ شہری دفاع حکام سے ٹیلیفون نمبر ۲۵۶۶۹۵ پر یا قریبی پولس اسٹیشن جا کر حکام کو بے وقت بجنے والے سائرن کے صحیح مقام سے مطلع کریں تاکہ اس سلسلہ میں اقدام کیا جا سکے۔

روزانہ ۹ بجے صبح جانچ کے لئے ایک منٹ کے وقفہ تک سائرن بجائے

ہ سوائے پیر اور مہینے کے چوتھے اتوار کو جبکہ ان دنوں میں سائرن ۵ منٹ کے لئے یعنی دو دو منٹ کے درمیان ایک منٹ کے دفعہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔

رٹ سینٹرل کنٹرول سسٹم کے ذریعے یہ جانچ خود بخود عمل میں آتی تمام سائرن ساتھ ہی ساتھ بجنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ہفتہ ہر ں ایک مرتبہ ان سائرنوں کی جانچ باقاعدہ اسکواڈ کے ذریعے ہے اور علاقائی ماسٹر سوئچ کے ذریعے بجلی کے برابر کام کرنے پر کی خاطر ہر علاقے کے سائرن کی جانچ ہوتی ہے۔ ان تمام جانچ کے باوجود بھی بعض اوقات مقررہ مدت کے علاوہ بے وقت بجنے لگتے ہیں۔ ایسے واقعات سائرن سرکٹ میں کسی خرابی کی تے ہیں یا پھر جانچ کے وقت سائرن کی بے وقت آواز آتی ہے

ن میدان میں نوجوان فنکاروں کو وظائف

سیکل ہندوستانی اور کرناٹک موسیقی انسٹرومینٹل اور ووکل مغربی کلاسیکل ہندوستانی رقص، ڈرامہ، روایتی تھیٹر یعنی کو دی یام رہ فائن آرٹ (مصوری اور سنگ تراشی) اور اپلائیڈ آرٹس ٹریشن و ڈیزائن) کے میدان میں ۵۰ وظائف کے لئے قابل نوجوانو استیں مطلوب ہیں۔

نب امیدواروں کو ہندوستان ہی میں بہتر تربیت کیلئے ۳۰۰ روپے ظائف ۲ سال کے لئے دیئے جائیں گے۔ درخواست بھیجنے والے روں کی عمر یکم جولائی تک ۱۸ سے ۲۸ سال کے درمیان ہونی درخواست فارم حاصل کرنے کی آخری تاریخ ۱۲ راگست ہے اور بھرے ہوئے درخواست فارم ۳۱ ستمبر ۱۹۷۷ء تک سکتے ہیں۔

خواست فارم حاصل کرنے کے لئے امیدوار کو نام، پتہ لکھا ہوا اسم × ۲۶ سم) سیکریٹری، ڈیپارٹمنٹ آف کلچر سی اے آئی (۱) روم نمبر ۲۳۳، سی۔ ونگ، شاستری بھون، نئی دہلی کے ایک روپیہ کا اس پوسٹل آرڈر کے، بنام سیکریٹری ڈیپارٹمنٹ ، گورنمنٹ آف انڈیا، بھیجنا چاہئے۔

یفنس کالج کے نئے کمانڈنٹ

ل ڈیفنس اسٹاف کالج بمبئی کے کمانڈنٹ اور سینئر اسٹاف یت) کی حیثیت سے شری وائی۔ وی پاٹل نے شری اے۔ این خان ہدہ سنبھال لیا ہے۔

ی پاٹل ہوم گارڈ ادارے میں بطور ڈپٹی چیف انسٹرکٹر کے نیز سول ڈیفنس اسٹاف کالج بمبئی میں بطور سینئر انسٹرکٹر کے اور ناشک، بھانے اور بھساول میں بطور ڈپٹی کنٹرولر آف سول ڈیفنس کے عہدے پر مقرر تھے۔

بمبئی بلڈنگ ریپیرز اینڈ ری کنسٹرکشن بورڈ
۷۸-۱۹۷۷ء کے لئے ۱۵ کروڑ روپے کی گنجائش

بمبئی بلڈنگ ریپیرز اینڈ ری کنسٹرکشن بورڈ نے سال برائے ۷۸-۷۷ء کے دوران مرمت اور از سر نو تعمیر کے لئے ۱۵ کروڑ روپے کا پروگرام مرتب کیا ہے۔

اس پروگرام سے تقریباً بمبئی شہر (ماہم اور سائن تک) کے ۵ لاکھ شہریوں کو فائدہ پہنچے گا۔

اس پروگرام کے تحت ۱۹۵۲ عمارتیں زیر مرمت لائی گئی ہیں اور اس مد کے لئے ۶ء۳۶ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

۱۰۲ عمارتوں کی از سر نو تعمیر کے لئے ۷ء۴۲ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔

فی الحال ۱۸۸ عمارتوں کی مرمت کی جارہی ہے اور ۶۰ عمارتیں دوبارہ تعمیر کی جارہی ہیں۔

جے سیز کا عطیہ: کراڈ کے دل کے مرض میں مبتلا غریب لڑکے ماسٹر قیوم عبدل دیگر کو ملبار ہل جے سیز کی جانب سے دل میں والو لگانے کی خاطر ۳۵۰۰ روپے کا قابل قدر عطیہ دیا گیا تھا۔ اس کا کل یہاں بمبئی اسپتال میں ڈاکٹر سکینہ کے ہاتھوں کامیاب آپریشن ہوگیا۔

والو دل میں لگا دیا ہے اور لڑکے کی حالت سدھر رہی ہے۔ اس موقع پر ریاستی وزیر نشہ بندی ڈاکٹر لیون ڈیسوزا، جنھوں نے اس عطیہ کو حاصل کرنے میں جے سیز سے مدد مانگی تھی، موجود تھے۔

قرض لینے والے کسانوں کے لئے چھوٹ

حکومت مہاراشٹر نے قرض لینے والے کسانوں کے لئے مندرجہ ذیل چھوٹ کا اعلان کیا ہے۔ یہ رعایت سرکار کی جانب سے براہ راست دیئے گئے قرض نیز بعض شرائط کی بنا پر قرض اسکیموں کے تحت دیئے گئے قرض سے متعلق ہے اراضی محصول اگر ۲۰ روپے ہو تو عام اور پینل سود کی ادائیگی سے مکمل طور پر چھوٹ (۲) ۲۱ روپے سے ۵۰ روپے کے درمیان محصول پر کل پینل سود کی ادائیگی سے مکمل چھوٹ اور عام سود کا ۵۰ فیصد ادا کرنا ہوگا (۳) ۵۱ روپے سے زائد محصول پر محض کل پینل سود کی ادائیگی پر چھوٹ دی جائے گی۔

قارئین کی رائے

قومی راج کا پابندی سے مطالعہ کرنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ 'گاڈگے بابا نمبر' نکال کر آپ نے ہم قارئین پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسی عظیم ہستی جس سے ہم ناواقف تھے اب ہمارے لئے اجنبی نہ رہی۔ یوں تو گاڈگے بابا کے متعلق تمام مضامین قابلِ تعریف ہیں۔ بدیع الزماں خاورصاحب کا مضمون تمام مضامین پر حاوی ہے۔

یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ 'قومی راج' تمام اقوام میں یکساں مقبولیت رکھتا ہے۔ اتنی کم قیمت پر اتنے جامع و بامقصد مضامین 'قومی راج' میں کسی تبدیلی کا مشورہ دینا قابلِ شرم بات ہے۔ اگر کسی مضمون کے اضافے کے لئے موجودہ پوزیشن میں کچھ کمی کی گئی تو یہ ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔ اتنا خوبصورت نمبر نکالنے پر آپ تمام حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں۔

انصاری شہید الزماں' بی۔اے (آنرز)
بھیونڈی (تھانے)

•

۱۰رجون ۱۹۷۷ء کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ ترتیب کے لحاظ سے بہت جامع اور مضامین کے لحاظ سے یہ رسالہ ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رسالے میں جو بھی مضامین ہیں' وہ معلومات کا سرچشمہ ہیں، جسے پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم پڑھ نہیں بلکہ ان مقامات کو دیکھ رہے ہیں۔ جن دو شخصیتوں کا تعارف (ڈاکٹر رابرٹ الیف گوہین اور شرمتی شاردا) آپ نے کرایا ہے، اس سے ہم مضافات میں رہنے والوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ اور ہم دیہات کے رہنے والے ہمیشہ عظیم ہستیوں سے متعارف ہوتے رہیں گے۔

میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ اس کالم کو جاری رکھیں گے

ڈاکٹر حافظ محمد اسلم رحیمی (ایم ڈی)
ہومیو پیتھک اسپتال، ڈردہ، پرتاپ گڈھ (یو۔پی)

•

'قومی راج' کا مطالعہ عرصہ سے کر رہا ہوں۔ ویسے 'قومی راج' اُردو ادب میں ایک نئی روشنی پھیلا رہا ہے اور ہر ماہ نکھرتا جا رہا ہے۔ مگر 'قومی راج' کے نئے روپ میں چار چاند لگانا چاہتے ہوں تو پھر سے منتخب غزلیں، نظمیں اور افسانوں کا سلسلہ شروع کر دیجئے۔

'حفظانِ صحت' میں مختلف امراض اور ان کا علاج و بچاؤ کے ساتھ ساتھ ایک کالم مختلف ترکاریوں، سبزیوں اور پھلوں کے بارے میں معلومات، کس موسم میں کیا کھائیں کیا نہ کھائیں وغیرہ وغیرہ بھی شروع کر دیں تو بہتر رہے گا۔ خدا کرے 'قومی راج' دن دونی رات چوگنی ترقی

م۔م۔ خان (حیدرآباد)

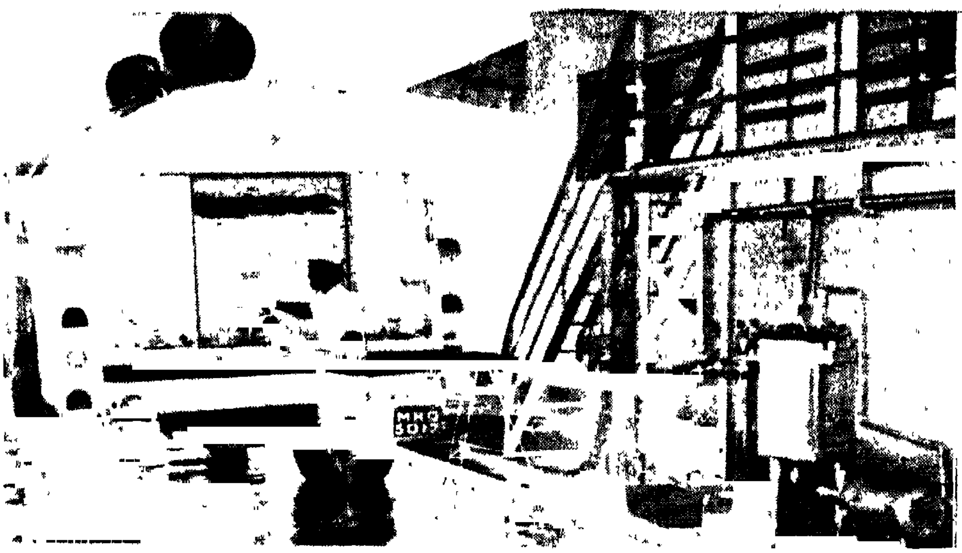
•

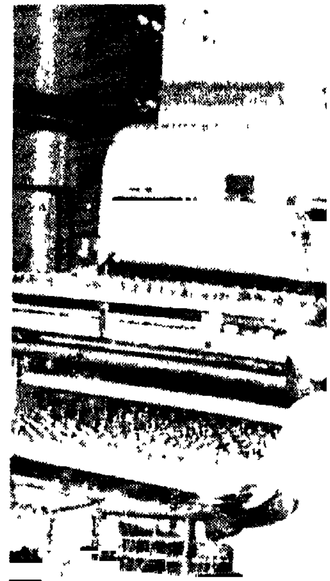
میں پندرہ روزہ 'قومی راج' کا ہر شمارہ بڑے شوق سے پڑھتا
اس جریدے کے تمام مضامین نہ صرف معلوماتی اور دلچسپ ہوتے ہ
عوام کے لئے مشعلِ راہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں کسی بھی مضمون پر اعترا
یا ناپسندیدگی کا اظہار کم سے کم ایک باشعور اور تعلیم یافتہ شخص نہیں کر
میری رائے یہ ہے کہ ان مضامین کی تعداد میں اضافہ کیا جائے جن
ذریعے سماجی برائیوں کا خاتمہ ہو سکے۔ ہمارے ملک میں شراب نوشی
لعنت دن بدن عام ہوتی جا رہی ہے۔ ایک شرابی شخص اپنے خاندا
اپنے سماج اور ملک و قوم کے خوبصورت جسم پر رستے ہوئے ناسور کی حی
رکھتا ہے۔ اس کی زندگی نہ صرف اپنی ذات کے لئے بلکہ والدین، بیو
اور بھائیوں کے لئے بھی تباہی کا فرمان ہوتی ہے۔ شرابیوں کے خا
کبھی نہیں پنپتے۔ شراب نوشی کی بدولت نہ جانے کیسی کیسی بیمار
وجود میں آتی ہیں جن کا علاج ایک مسئلہ بن جاتا ہے اور یہی بیماریاں ا
کو ورثہ میں ملتی ہیں اور سماج کے ستون دیمک زدہ ہو جاتے ہیں۔ تع
کی بات ہے کہ بعض لوگ یہ سب جانتے ہوئے بھی شراب کو ترک
نہیں چاہتے۔ آئے دن گلی گلی میں شراب کی دکانیں کھل رہی ہیں۔ قانو
غیر قانونی طور پر شراب پانی کی طرح بک رہی ہے
جس طرح حفظانِ صحت کے کالم میں ڈاکٹر ایس۔ این ناڈکرن
مضمون "کینسر کچھ حقائق" شائع ہوا تھا۔ اسی طرح کے مضامین ا
کالم کے صفحات میں اضافہ کر کے شراب نوشی، تمباکو نوشی اور دوسری
اشیاء سے پیدا ہونے والے خطرات سے عوام کو آگاہ کرنے والے مضا
سلسلہ "حفظانِ صحت" کے کالم میں جاری کیجئے۔

احمد اللہ خاں، بمبئی

—— • ——

فوری توجہ کیلئے: ترسیلِ زر اور مراسل کے دوران حوالہ نمبر
کے خط یا پتے کے اُوپری حصہ میں درج ہوتا ہے، ضرور تحریر فرمائیے





↑ (اوپر) کُرلا، بمبئی کی ڈیری پر ایک ٹینکر سے دُودھ وصول کیا جا رہا ہے۔

(دائیں سرے پر) ورلی ڈیری میں خوشبودار دُودھ بھرنے سے پہلے بوتلیں صاف کی جا رہی ہیں۔

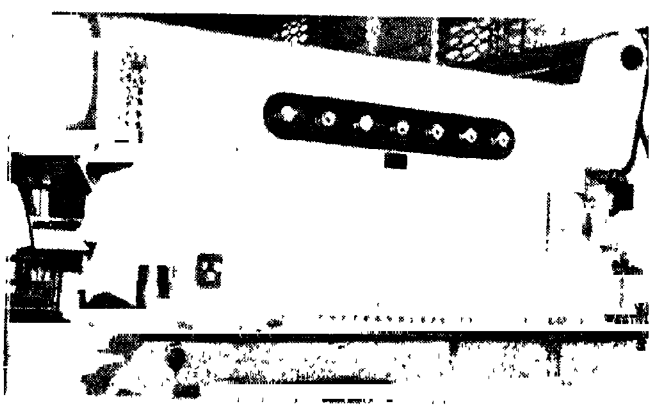
← (بازو میں) آرے ڈیری گورے گاؤں میں گھی کا وزن کیا جا رہا ہے، جسے میفکو پیک کر کے فروخت کرے گی۔





→ (بازو میں) ورلی ڈیری کا ایک منظر

(بالکل بائیں طرف سرے پر) بوتلیں صاف کرنے کا پلانٹ



← (سامنے) اضلاع سے دُودھ بھری ویگن کی بمبئی میں آمد۔

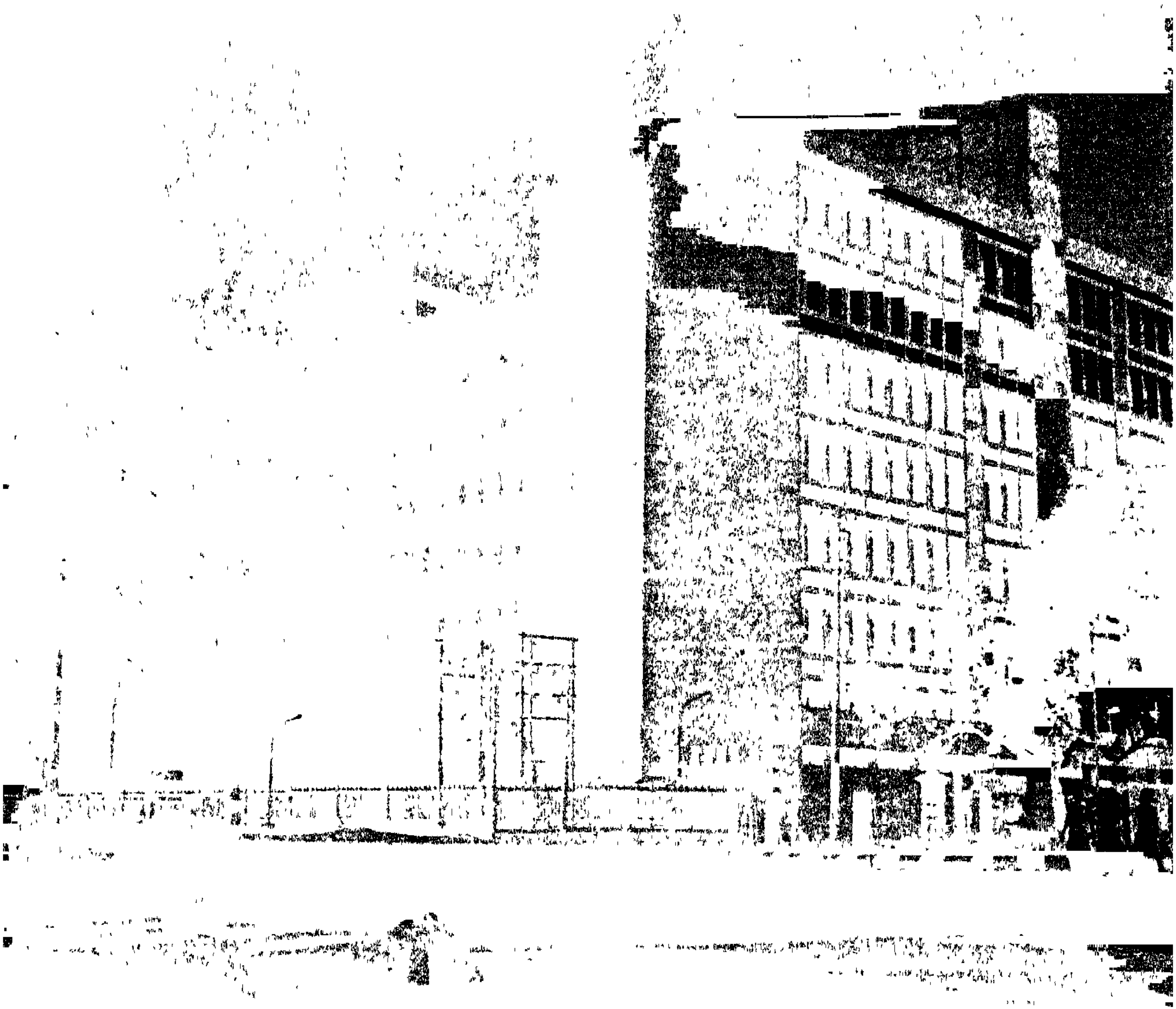


Qaumiraj Regd. No. MH-BY-South-544

Licence No. 89 for 'without prepayment of postage'



ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹرا نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔



• پبلک ورکس پروگرام

ماضی۔ حال اور مستقبل

• لیپزگ میلہ میں نوگا کو

"عالمی سونے کا تمغہ"

قومی راج

۱۰ ستمبر ۱۹۷۷ء

قارئین کی رائے

ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں اُردو سب سے پہلے مراٹھی سے ملی۔ دکن پر علاء الدین خلجی کے حملے سے پیشتر خود امیر خسرو کے عہد میں مراٹھی کے عظیم ترین شاعر گیانیشور نے (شمالی ہندکی یاترا کے بعد) اُردو میں شاعری کی ہے۔

سب گھٹ دیکھا مالک مولا ، کیسے کہوں میں کالا دھولا

اُردو اور مراٹھی کا رشتہ بہت پُرانا ہے۔ مہاراشٹر میں اب بھی مراٹھی بھاشیوں کے بعد سب سے بڑی تعداد اُردو بولنے والوں کی ہے۔ واضح رہے کہ لفظ "ہندی" فارسی سے آیا ہوا ایک اُردو لفظ ہے جس کے معنی ہیں "انڈین"۔ یہ لفظ مُسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آیا۔ اس سے قبل اس لفظ کا وجود کسی دیسی زبان میں نہیں ملتا۔

قومی راج جو مفید معلومات اُردو میں دے رہا ہے اُس کی اُردو والوں کو سخت ضرورت ہے۔ آپ ایک اہم ترین کام بڑے سلیقے اور دلچسپ طریقے سے کر رہے ہیں۔ بلاشبہ آج آپ کا رسالہ ایک باوقار اور باکار اُردو رسالہ ہے جس میں صوری کشش کے ساتھ بھرپور معنوی کشش بھی موجود ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ قومی راج کا معیار روز بروز بلند ہوتا رہے

صفدر آہ

•

دس اگست ۱۹۷۷ء کا شمارہ ملا۔ طبیعت خوش ہوگئی۔ حکومت مہاراشٹر قابل مبارکباد ہے جس کی توجہ سے قومی راج عوام کا ترجمان بنکر آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔ مختلف موضوعات پر مضامین پسند آئے۔ سوال و جواب کا سلسلہ اچھا ہے۔ "اضلاع کی جھلکیاں" یہ سلسلہ بھی خوب ہے۔ اس کالم کے ذریعہ صوبے کے مختلف ضلعوں کے لوگ ایک دوسرے کو بہتر بھی اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور اس طرح ہماری متحدہ قومیت کو مستحکم بنیادیں فراہم ہوں گی۔

ڈاکٹر لیین قدوسی کامٹی

•

قومی راج ملا۔ تمام ہی مضامین معلوماتی، ادبی، سائنسی اور طبی ہوتے ہیں۔ پڑھنے والے کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

"قومی راج"، حکومت مہاراشٹر کی اُردو کے ساتھ فراخدلی کا ایک ثبوت ہے۔ موجودہ شمارہ میں اسٹیٹ ٹرانسپورٹ اور فوجی کیریئر کافی معلوماتی مضامین ہیں۔

"قومی راج" کو سجانے میں واقعی آپ لوگوں کی محنتیں قابل مبارکباد ہیں۔ اس شمارے میں جناب احمد صدیقی منہاج پور نے جو تجویز پیش کی ہے کہ 'قومی راج' میں شعری تخلیقات بھی شائع کی جائیں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ غزلوں یا نظموں سے قومی راج کا حسن دوبالا ہو جائے گا یقین جانئے، بغیر منظور تخلیقات کے کوئی رسالہ ہو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے جسم کا کوئی حصہ اس سے جدا کر دیا گیا ہو۔ لیکن جو شعری تخلیقات قومی راج کے معیار پر پوری اُتریں' وہی شائع کی جائیں۔

مصطفےٰ جمیل، انجمن بازار
بالاپور۔ ضلع اکولہ

•

جہاں تک میری معلومات ہیں، جس قدر رسائل دیکھ سکا ہوں، اُن میں کوئی ایسا رسالہ نظر نہیں آیا جس کی مثال قومی راج سے دیجا سکے' قومی راج وہ واحد معلوماتی رسالہ ہے جس کا کوئی شمارہ ایسا نہیں ہوتا جسے محفوظ نہ رکھا جائے۔ زندگی کے مختلف شعبہ جات پر مبنی مفید مضامین قومی راج کا طرۂ امتیاز ہیں، پھر یہ کہ پرچہ جاذبِ توجہ ہوتا ہے۔

کمی یا خامی تو ہر چیز میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ پھر قومی راج اس کلیّہ سے مستثنیٰ کیونکر رہ سکتا ہے۔ قارئین کو جو کمی نظر آرہی ہے وہ ضرور ادارے کی نظر میں ہوگی۔ اور بعض موضوعات کے سلسلہ میں قارئین نے آپ کو توجہ بھی دلائی ہے۔ اُمید ہے آپ اُن پر ضرور غور کر رہے ہوں گے یہ تو واقعی نہایت ضروری ہے کہ اس میں آج کے ادب پر تنقیدی مضامین، ایک آدھ افسانہ یا غزل وغیرہ بھی ہوں۔

گاڈگے مہاراج نمبر نکال کر آپ نے واقعی کئی لوگوں کی معلومات میں اضافہ کیا ہے جو قابل مبارکباد ہے۔ اُمید ہے کہ مستقبل میں بھی اسی طرح ایسی شخصیتوں پر روشنی ڈالتے رہیں گے۔

اضلاع کے گرد، اپنا قانون جانئے، یوتھ فورم اور صحت کے مستقل کالم پیش کرنا آپ ہی کا حصہ ہے۔

تنویر اعجاز صدیقی
شاہ عالم، احمد آباد

مراسلت و ترسیلِ زر کا پتہ :
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر
منترالیہ، بمبئی ۳۲ ۔ ۴۰۰

قومی راج

جلد ۴ • ۱۰ ستمبر ۱۹۷۷ء • شمارہ ۱۶

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

قیمت فی کاپی: ۵۰ پیسے
سالانہ: دس روپے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی. اے. ایس)

سخنہائے گفتنی

قومی راج کے زیرنظر شمارے میں خاص مضمون "پبلک ورکس۔ ماضی۔ حال اور مستقبل" ریاست مہاراشٹر کی اس سمت میں ترقی کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہی ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکتا ہے جس میں نقل و حمل کے لئے عمدہ سڑکیں ہوں۔ راہ میں آنیوالے نالوں اور کھاڑیوں پر پُل بنے ہوں اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے کے لئے مختصر راستہ تلاش کیا جائے تاکہ وقت کے ساتھ ذرائع نقل و حمل میں بھی کفایت ہو۔ اس ضرورت کو حکومت مہاراشٹر نے بخوبی محسوس کیا اور بڑی تندہی سے ان کاموں میں منہمک ہو گئی۔ اس مضمون سے یقیناً آپ کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔

اسی شمارے میں آپ کو دو مختلف پُروجیکٹوں سے روشناس کیا جا رہا ہے، ایک ہے "بالائی پرورہ آبپاشی پُروجیکٹ" اور دوسرا باگھ۔ اتیادوہ پُروجیکٹ۔ اس قسم کے پُروجیکٹوں کا ایک سلسلہ لامتناہی مہاراشٹر میں قائم ہے جس سے یہاں کے سبز انقلاب کی ابتدا ہو چکی ہے۔

آپ کے خطوط کی روشنی ہی قومی راج کو معیاری اور معلوماتی مضامین دینے کی محرک ہے۔

ترتیب:

صفحہ نمبر

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا

ایڈیٹر: ریاض احمد خان

سب ایڈیٹرز: عبدالوحید خان جامی
فیروزہ خان

• شری آر۔ جی پاتھرکر
سینئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف پبلسٹی

باگھ ایتادوہ پروجیکٹ

سبز انقلاب کا نقیب !

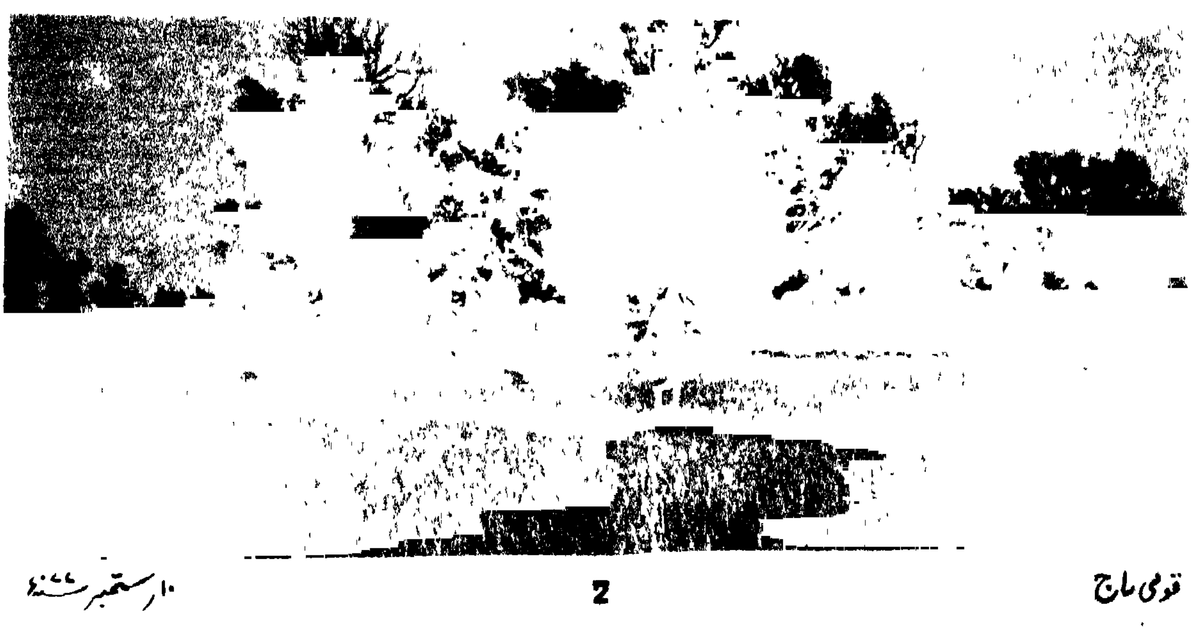
اس سال ماہ مئی میں یہ پہلے جمعہ کے بعد اگلا دن تھا۔ سورج نکلتے ہی ،گھ ایتادوہ پروجیکٹ کی جانب ہمارا سفر شروع ہُوا۔ ہم ناگپور ، امریڈ ، بھیرلوبہ ناگ موڈ اور برہم پوری ہوتے ہوئے واڈسا (دیسائی گنج) پہنچے۔ گرمی بڑھ رہی تھی اور کھیت خشک پڑے تھے۔ آسمان ابرآلود ہونے کی وجہ سے تپش قدرے کم تھی

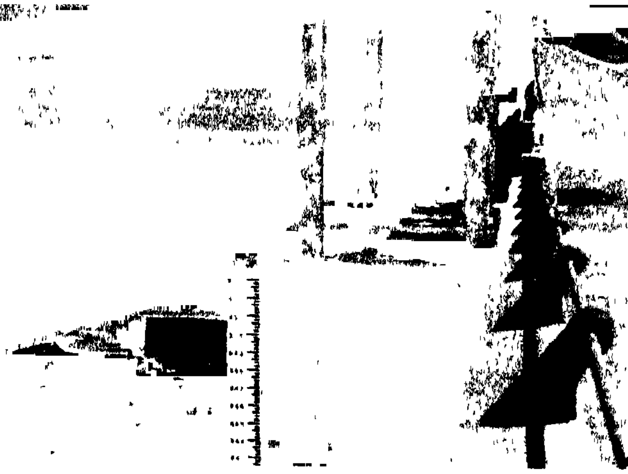
واڈسا کے ریسٹ ہاؤس پر شری دھرم جی ٹھاکرے، چیرمین، ارموری پنچائت سمیتی، ضلع چندرپور اور ان کے افسران بڑی بے چینی سے ہمارا انتظار کررہے تھے۔ ہم نے ان کو اپنے ساتھ لیا اور کونڈھل روانہ ہوئے۔ کونڈھل ارموری پنچائت سمیتی کا ایک گاؤں ہے اور اس کی آبادی ۲،۳۰۰ ہے۔ اس گاؤں نے گذشتہ سال مہاراشٹر بھر میں دھان پائیلٹ پروجکٹ کے تحت دوسرا انعام حاصل کیا تھا۔ اس گاؤں کے باسی شری یادو راؤ کیشو راؤ نے فی ہیکٹر ۹۶،۵ کوئنٹل (فی ایکڑ ۳۹ کوئنٹل) دھان پیدا کیا۔ ہم راستہ میں کسانوں سے ملے اور ان سے بات چیت کی۔ ان میں سے ایک تھے، شری انتارام ارجن بھرے۔ یہ کونڈھل کے باسی ہیں اور وہاں ان کے پاس ۵،۲ ہیکٹر (۳۸،۶ ایکڑ) زمین ہے۔ یہ سالوں اپنی زمین پر کاشت کررہے ہیں اور کھیتی باڑی کا خوب تجربہ رکھتے ہیں۔ اس سال انھوں نے ۲ ہیکٹر پر گرمائی دھان بوئی۔

اس سوال پر کہ باگھ ایتادوہ پروجیکٹ سے پانی دستیاب ہونے کے بعد کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے، شری بھرے نے کہا کہ ”یہ بند ہمارے لئے ایک نعمت ثابت ہوا ہے۔ ہماری پیداوار تقریباً دوگنی ہوگئی ہے“۔

اس پروجیکٹ سے پانی مہیا ہونے سے قبل اُن کی فی ایکڑ پیداوار صرف ۹ کوئنٹل دھان تھی اور یہ بھی صرف ایک خریف فصل میں ہوتی تھی۔ بہرصورت گذشتہ دو سال میں صورت حال کافی بدل گئی ہے۔ فی الحال وہ فی ایکڑ ۱۲ کوئنٹل دھان بوتے ہیں۔ گذشتہ فصل خریف میں اُن کی کل دھان پیداوار ۶۰ کوئنٹل تھی۔ اب وہ خریف دھان کے علاوہ گرمائی دھان بھی بوتے ہیں۔ اس سال انھوں نے ۲ ہیکٹر پر ربیع میں گرمائی دھان اسی زمین پر اُگائی، جہاں

چندرپور ضلع کی امردری پنچایت سمیتی کے کونڈھال گاؤں میں دھان کی کاشت





ضلع بھنڈارہ کے اتیادوہ پُروجیکٹ کا ایک منظر۔

پہلے بڑی محنت کے بعد مشکل سے صرف ایک فصل ہوتی تھی ب دو فصلیں اگائی جارہی ہیں۔

شری بہرے نے بتایا کہ گرمائی دھان کی فصل خریف پیداوار سے زیادہ ہے شری بہرے نے بڑی مسرت کے ساتھ کہا کہ "پہلے میرے پاس صرف سائیکل تھی اور اب میں ایک موٹر سائیکل کا مالک ہوں"۔

ایک دوسرے کسان شری گنپت صاحب راؤ نے بتایا کہ "میرا بھی یہی حال ہے جو شری بہرے کا۔ میرے پاس ۵۱۰۷ ایکڑ (۲ ہیکٹر) زمین ہے اس موسم میں، میں نے ۴ ایکڑ پر خریف دھان لوئی جس سے ۱۲ کوئنٹل فی ایکڑ کے حساب سے پیداوار ہوئی"۔

اس دھان پیداوار کے علاقے میں یہ دو کسان کم و بیش نمائندہ حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ خریف فصل کے علاوہ گرمائی دھان بھی بوتے ہیں۔ اس علاقے میں گیہوں نہیں بویا جاتا۔ لہذا کسانوں کا خیال ہے کہ وہ گیہوں کی کاشت بھی کریں۔ ان کی کامیابی چہروں سے عیاں تھی اور ان کے دلوں میں نیا جوش و ولولہ موجزن تھا۔

اضلاع بھنڈارہ اور چندر پور میں دھان کی کاشت کرنیوالے کسانوں کی حالت میں انقلاب اس علاقے میں باگھ اتیادوہ پُروجیکٹ کی تکمیل سے رونما ہوا ہے۔ اب وہ دن بیت گئے ہیں جب کہ ان کسانوں کو بارش کا آسرا دیکھنا پڑتا تھا۔ یہ پروجیکٹ اُن کے لئے ایک نعمت ہے۔

اس کے بعد ہم قریب ہی تلشی دھان پائیلٹ پُروجیکٹ کی طرف چلے۔ راستے میں شری بی۔بی پاٹل، ایڈمنسٹریٹر باگھ اتیادوہ اور پینچ پروجیکٹ کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے ہمیں پُروجیکٹ کے بارے میں معلومات دی۔

کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی:

باگھ اتیادوہ کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا قیام یکم مئی ۱۹۷۴ء کو عمل میں آیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان پُروجیکٹوں سے حاصل ہونیوالے پانی کو اناج کی پیداوار بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ کام میں لایا جائے۔ یہ کسانوں کے متعلقہ دیگر مسائل مثلاً نہروں کی تعمیر، بیج، کھاد اور کیڑا مار دوا کی فراہمی وغیرہ کے معاملات بھی طے کرتا ہے۔

پینچ پُروجیکٹ کی تکمیل ابھی باقی ہے۔ باگھ اتیادوہ پروجیکٹ کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ فی الحال اتھارٹی باگھ۔ اتیادوہ پروجیکٹوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔

باگھ پُروجیکٹ

باگھ پُروجیکٹ حکومت مہاراشٹر اور حکومت مدھیہ پردیش کا مشترکہ پُروجیکٹ ہے۔ اس کا کام قریب قریب مکمل ہو گیا ہے۔ اس کا تخمینی خرچ ۵۶۰ کروڑ روپیہ ہے۔ سرپور بند اور پجاری ٹولہ انیتری نہر اس پُروجیکٹ کا حصہ ہیں اور ان کی ذخیرہ آب کی گنجائش بالترتیب ۲۰۰۷ اور ۲۳۰۰ ایم سی فٹ ہے۔ اس پُروجیکٹ سے تقریباً ۲۴۴۰۰ ہیکٹر (۶۱۰۰۰ ایکڑ) زمین سیراب ہوگی۔

یہ پروجیکٹ خریف فصل کے لئے مخصوص ہے۔ لہذا اس سے فصل خریف کے دوران تقریباً ۷۶ فیصد فصل سیراب ہوگی۔ ۷۷-۱۹۷۶ء خریف فصل کے دوران تقریباً ۱۳۲۶۰ ہیکٹر (۳۳۴۰۰ ایکڑ) اراضی کے لئے پانی دیا گیا۔ نہر سے متصل تقریباً ۱۳۵ ہیکٹر علاقے میں ۵۴ کسانوں کے لئے پانی نہیں پہنچ سکا، کیونکہ یہ علاقہ پانی کی سطح سے اونچا ہے۔ لہذا اس علاقے میں سینچائی کے لئے اُٹھاؤ آب پاشی کا انتظام کیا گیا۔ اگر اندازاً سینچائی

کے سبب اوسطاً فی ہیکٹر پیداوار ۲۵ کوئنٹل ہو تو سنچائی کے علاقے میں کل پیداوار ۴۳ء۳۲ لاکھ کوئنٹل ہوگی اور اس کی قیمت ۴۳ء۳۴ کروڑ روپے ہوگی۔ خریف دھان کے بعد تقریباً ۶۲۳۰ ہیکٹر (۵۷۳ء۱۵ ایکڑ) میں فصل بوئی گئی۔

طریقۂ کاشت کے بارے میں کسانوں کی رہنمائی کے لئے یہاں ایک تجرباتی فارم ہے۔ یہاں چھ ہیکٹر پر گیہوں بویا گیا۔ پچیس سے پینتیس کوئنٹل تک فی ہیکٹر پیداوار حاصل ہوئی۔ یہ یقیناً ایک بڑی کامیابی ہے موسم گرما میں دھان کی کاشت کے لئے ۱۸۶ء۱ ہیکٹر علاقہ منظور کیا گیا ہے۔

اتیادوہ پُروجیکٹ :

گوتھن گاؤں میں تعمیر کردہ اتیادوہ پُروجیکٹ میں ۲۰۰ء۱۰ ایم سی فٹ ذخیرہ کی گنجائش ہے اور اس سے ضلع بھنڈارہ میں ۱۸۰۰۰ ہیکٹر اور ضلع چندرپور میں ۱۴۰۰۰ ہیکٹر پر سنچائی ہو سکے گی۔ پروجیکٹ کی تخمینی لاگت ۰۸ء۹ کروڑ روپے ہے۔ گذشتہ سال جون تک کام پورے ہو چکے تھے جن سے ۲۱۴۰۰ ہیکٹر پر سنچائی ہو سکے گی۔

اس پروجیکٹ سے ضلع بھنڈارہ میں ۶۲ گاؤں اور ضلع چندرپور میں ۲۶ گاؤں فیضیاب ہوں گے۔

گذشتہ فصل خریف میں اناج کی پیداوار میں اضافہ کی غرض سے اضلاع بھنڈارہ اور چندرپور میں ۱۴۴ء۱۲ ہیکٹر علاقے کے لئے ایک یا دو بار حسب ضرورت پانی مہیا کیا گیا۔ ۵۶۲ ہیکٹر میں گیہوں اور ۱۹۲ء۵ ہیکٹر میں گرمائی دھان بویا گیا۔

تلشی پائیلٹ پروجیکٹ :

اس دورے میں دوسرا اہم مقام تلشی پائیلٹ پُروجیکٹ تھا جو تلشی گاؤں میں واقع ہے۔ یہ تلشی ۱ اور تلشی ۲ کے نام سے مشہور ہے۔ ہم تلشی ۲ پُروجیکٹ گئے تھے۔ یہ ۲۰۱ ہیکٹر علاقے میں پھیلا ہے اور ۱۶۷ کسان اس سے وابستہ ہیں۔ ان میں ۸۴ چھوٹے کسان ہیں جن کی ملکیت ایک ہیکٹر سے بھی کم ہے۔ البتہ یہاں ایک کسان ہے جس کے پاس ۸ ہیکٹر سے زیادہ اراضی ہے۔ لگ بھگ ۷۴ کسان ادیباسی ہیں۔ دھان کی کاشت کے لئے ۱۱ باریوں میں پروجیکٹ سے پانی مہیا کیا گیا ہے۔ فصلوں کو بیماری یا کیڑے مکوڑوں کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ شری آر ڈی اکرے، زراعتی افسر پُروجیکٹ کے نگراں ہیں۔

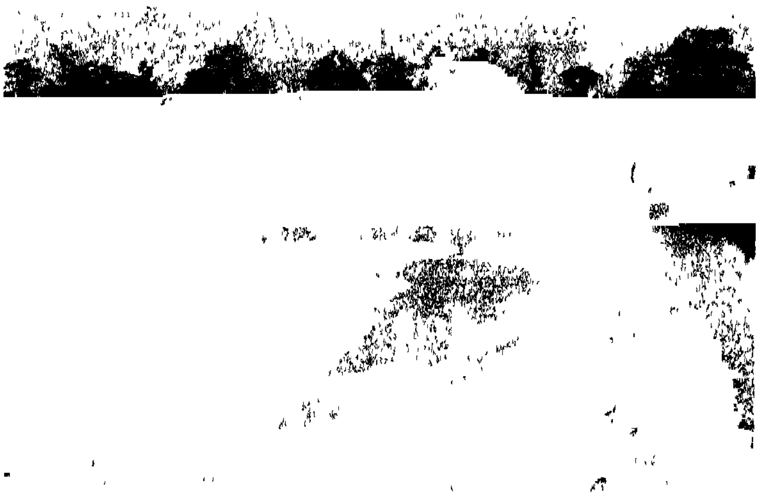
مثالی پروجیکٹ :

ملتی سے ہماری کاریں نہر کے کنارے کنارے ہوتی ہوئی اتیادوہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ہم مہا گاؤں میں رُکے۔ شری سدھاکر گوکل، ایگزیکٹیو انجنیئر اتھارٹی نے بتایا کہ رام گھاٹ مہاگاؤں کے نزدیک ایک پُروجیکٹ ہے جو دوسروں کی رہنمائی کرے گا۔

اس پُروجیکٹ سے ۲۰ ہیکٹر سے زیادہ رقبہ پر ٹیک، بانس اور یوکلپٹس وغیرہ کی کاشت کے لئے پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ جو گذشتہ جولائی سے شروع کی گئی ہے۔ یہ مہاراشٹر میں اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ ہے جس کے تحت جنگلات کے حلقے میں پودوں کے لئے پانی دیا جا رہا ہے۔

یہ ۲۰ ہیکٹر پُروجیکٹ، پانچ ذیلی زمروں میں بانٹ دیا گیا ہے اور اس میں کل ۵۰۰ء۵۱ درخت بوئے گئے ہیں۔ ان میں ۲۰۰۰۰ ٹیک، ۵۵۲۴ یوکلپٹس اور ۶۰۰۰ ملبیری درخت ہیں۔

(بقیہ صـ۳۲ پر)



بھنڈارہ ضلع میں مہاگاؤں کے قریب جنگل کے علاقے میں، ٹیک، بانس، یوکلپٹس اور ملبیری کے پودے اُگائے گئے ہیں جنھیں اتیادوہ پُروجیکٹ سے پانی مہیا کیا جاتا ہے

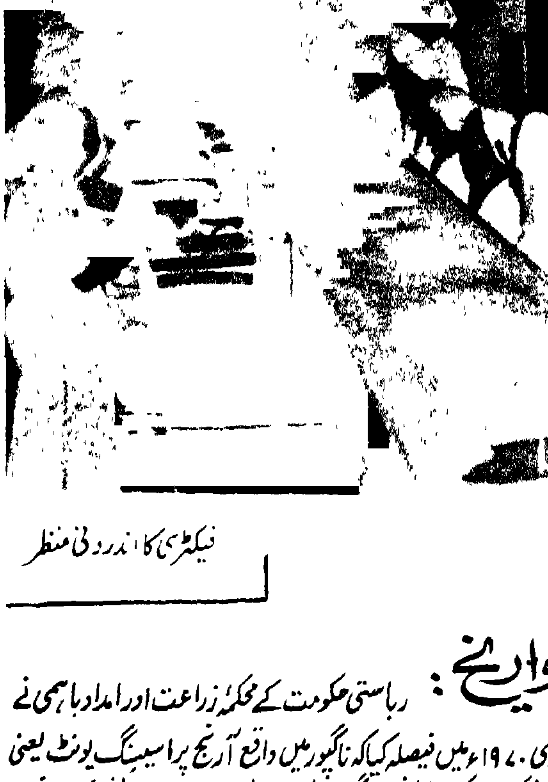
لیپزگ میلے میں نوگا کو سونے کا تمغہ

• از: آر۔ ڈی۔ کلکرنی پبلسٹی آفیسر
• ـــــ ترجمہ: اے۔ وی۔ پاشا

مہاراشٹرا ایگرو۔ انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹیڈ کی ایک نوگا فروٹ پراسیسنگ فیکٹری ہے۔ یہ فیکٹری ناگپور کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے سنتروں کے باغات میں واقع ہے۔ ملک کا یہ جدید ترین پلانٹ ہے جہاں پھلوں کی پراسیسڈ پیداوار روزانہ ۱۵ میگا ٹن ہے۔ یہاں کئی قسم کے پھلوں اور سبزیوں کو پراسیسڈ کیا جاتا ہے جو کہ 'نوگا' (NOGA) کے برانڈ نام سے فروخت ہوتی ہیں۔ یہاں تین خاص پھل' نارنگی، آم اور ٹماٹر پراسیسڈ کئے جاتے ہیں اور ان سے نارنگی کے شربت، پھانکیں، رس، مارملیڈ، آرنج آئل، آم رس، اماوٹ، آم کی پھانکیں، ٹماٹر کیچپ، ساس اور ٹماٹو سوپ وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔ اس فیکٹری میں سبزیوں کو بھی پراسیسڈ کیا جاتا ہے اور شربت، جام وغیرہ بھی تیار کئے جاتے ہیں۔

'نوگا' کی تیار کردہ اشیاء امریکہ، مشرقی وسطیٰ کے ممالک وغیرہ جیسی بین الاقوامی منڈی میں برآمد کی جاتی ہیں۔ نوگا کی تیار کردہ اشیاء میں سے غیر ملکی زرمبادلہ کمانے والے ہیں' مینگو جوس، مینگو نیکٹر، مینگو سلائس، آرنج جوس، سنگترے کی پھانکیں اور مختلف اقسام کے جام۔ چونکہ نوگا فیکٹری کے آس پاس ہی قدرتی ذرائع بڑے پیمانے پر حاصل ہیں اس لئے ملکی اور غیر ملکی اعلیٰ قسم کے خریداروں کے لئے بہترین اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔

'نوگا' کے ملازمین اور انتظامیہ کے لئے یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ اُسے جرمن ڈیموکریٹک ری پبلک کے مقام لیپزگ میں مارچ ۱۹۷۷ء میں منعقد ہونیوالے عالمی میلے میں سونے کا تمغہ دیا گیا۔ اس میلے میں ساٹھ ممالک کے ۹۰۰۰ نمائش کاروں نے حصہ لیا۔ ہندوستان سے اس سونے کے تمغے کے لئے ۳۳ مقابلہ کار تھے اور دیگر ۵۹ ممالک سے بھی اور بہت سے۔ لیپزگ عہدیداروں نے 'نوگا' کی اشیاء میں سے آرنج مارملیڈ' کو بہترین قرار دیا، جو کہ مشہور ناگپوری سنتروں سے تیار کیا گیا تھا۔



فیکٹری کا اندرونی منظر

تواریخ: ریاستی حکومت کے محکمۂ زراعت اور امداد باہمی نے فروری ۱۹۷۰ء میں فیصلہ کیا کہ ناگپور میں واقع آرنج پراسیسنگ یونٹ یعنی 'نوگا فیکٹری' کو مہاراشٹرا ایگرو انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن کو بغرض انتظام دے دیا جائے۔ دراصل اس یونٹ کو ۱۹۴۷ء میں سابق سینٹرل ہندوستان آرنج اینڈ کولڈ اسٹوریج کمپنی لمیٹیڈ نے قائم کیا تھا جس کو بعد میں ۱۹۵۸ء میں امداد باہمی سیکٹر کے تحت ایک ایسوسی ایشن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا جس کو ناگپور آرنج گروورز ایسوسی ایشن کہتے تھے۔ بہرحال اس کوآپریٹیو یونٹ کو بھی اس کارخانے کو چلانے میں دقت ہوئی۔ خاص طور پر مالی مشکلات پیدا ہوگئیں اور وہ ۱۹۶۹ء میں تحلیل ہوگئی۔

اس سوال پر کہ آیا نوگا فیکٹری کو لیز پر اُٹھا دیا جائے یا فروخت کردیا جائے اور ساتھ ہی یہ بات بھی کہ اس کو پرائیویٹ سیکٹر کی کس آرگنائزیشن کے ہاتھوں فروخت کیا جائے، ریاستی حکومت نے تفصیلی طور پر غور وخوض

"پہلے معیار بعد میں منافع"
نوگا کا مقصد



کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس آرگنائزیشن کے انتظامیہ کو ایم اے آئی ڈی سی کو فروخت کر دیا جائے۔ یہ امید کی گئی تھی کہ ایم اے آئی ڈی سی جیسے ادارے کے تحت اس یونٹ کے چلنے سے نارنگی نیز دیگر پھل پیدا کرنے والوں کو کافی مدد ملے گی ان کی ترقی میں، اور ساتھ ہی اس کی پیداوار کی مارکیٹنگ بہتر طور پر کی جا سکے گی۔

اس سلسلے میں حکومت کے مدنظر یہ بات تھی کہ اس طرح اس کی بہتر طور پر ترقی ہو سکے گی نیز روزگار کے مواقع بھی ملیں گے۔ اس روشنی میں کارپوریشن نے فیکٹری کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور مختلف باتوں کو مکمل کرنے کے بعد جنوری ۱۹۷۲ء سے پیداوار شروع کر دی۔

'نوگا' آم، نارنگی، انناس اور ٹماٹر پر مختلف اشیاء تیار کرتا ہے۔ اور بند ڈبوں میں فروخت کے لئے فراہم کرتا ہے۔ نوگا ہر قسم کے جام اور ہرے مٹر بھی فروخت کرتا ہے۔ سبزیاں خصوصاً آلو، بند ڈبوں میں دفاعی محکمے کو فراہم کرتا ہے۔

جائداد:

فیکٹری کی غیر منقولہ جائداد ۹۴ء۱۹ لاکھ روپے کے عوض تحلیل کار سے حاصل کی گئی۔ اس میں کارپوریشن وقتاً فوقتاً اضافہ کرتی رہی ہے جس سے ۳۱ مارچ ۱۹۷۵ء تک اس کی مالیت ۲۴ء۱۱ لاکھ روپے تک پہنچ گئی تھی۔ فیکٹری کی پیداواری صلاحیت سالانہ ۲۴۰۰ میگا ٹن ہے۔ جو فروخت کی قیمت کے حساب سے ۱۶۰ لاکھ روپے کے مساوی ہوتی ہے۔

نوگا کی پیداوار تین درجوں میں تقسیم ہوتی ہے یعنی برآمد۔ دفاع اور شہری برآمدات براہ راست کارپوریشن کرتی ہے۔ اسی طرح بمبئی اور پونے میں تقسیم کاری، حال ہی میں خود کارپوریشن نے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ دوسرے زون میں تقسیم کاروں کے ذریعہ مارکیٹنگ ہوتی ہے۔

۷۶-۱۹۷۵ء سال کے دوران، کل فروخت ۴۰ لاکھ روپے کی ہوئی حال ہی میں کارپوریشن کے لئے برآمدی آرڈر ملنا بھی ممکن ہو گیا ہے اور گذشتہ چھ ماہ سے فیکٹری پوری صلاحیت کے ساتھ اور شد و مد سے کام کر رہی ہے، یہ سیلز مینیجر کے غیر ملکی دورے کے بعد ہوا جب کہ وہ برآمدات کے امکان کا جائزہ لینے کے لئے گئے تھے۔ لیپزگ میلے میں ملنے والے سونے کے تمغے کی وجہ سے امید ہے کہ نوگا کی اشیاء ملک اور غیر ممالک میں زیادہ مقبول ہونگی کیونکہ اس کی خصوصیت کی جانچ مشرقی جرمنی میں غیر جانبدار بین الاقوامی عہدیداروں نے کی تھی۔

'نوگا' میں تقریباً سات سو ملازمین براہ راست روزگار میں ہیں جب کہ اس سے بہت بڑی تعداد بالراست ورکروں کی ہے۔

آرنج مارملیڈ کے لئے لیپزگ گولڈ میڈل

ناگپور میں واقع نوگا کارخانے کے منتظمین اور ملازمین کی اس وقت خوشی کا ٹھکانا نہ تھا جب مارچ ۱۹۷۷ء میں جرمن ڈیموکریٹک ری پبلک میں منعقدہ لیپزگ میلے میں ان کے آرنج مارملیڈ کو سونے کا تمغہ دیئے جانے کا اعلان آل انڈیا ریڈیو نے سنایا۔ میسرز کیجریوال انٹرپرائزز نئی دہلی نے لیپزگ کے فیئر اتھارٹیز کے سامنے نوگا کی پیداوار کو پیش کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ بین الاقوامی طور پر 'نوگا' کی پیداوار کی تسلیمی اس کی برآمدات میں سرعت لائے گی۔

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)



بالائی پرورہ آبپاشی پروجیکٹ

(مہالادیوی پروجیکٹ)

• شیواجی راؤ پاٹل ۔ نیلانگیکر
وزیر برائے آبپاشی

بالائی پرورہ آب پاشی پروجیکٹ، جو مہالادیوی آب پاشی پروجیکٹ کے نام سے مشہور ہے، اس مقصد سے شروع کیا گیا ہے تاکہ اکولہ، سنگمنیر کوپر گاؤں اور شری رامپور تعلقہ جات (ضلع احمد نگر) کے خشک علاقہ جات میں یقینی طور پر سینچائی کے لئے پانی فراہم کیا جاسکے اور زراعتی پیداوار میں اضافہ ہو۔

ان تعلقہ جات میں زمین کافی زرخیز ہے، لیکن اس کا انحصار بارش ہی پر ہے اور اکثر بارش کم ہونے سے زراعتی پیداوار پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لئے طویل عرصہ سے کوششیں جاری ہیں اور ان علاقوں میں سینچائی کے لئے پانی مہیا کرنے کے واسطے اسکیمیں لگ بھگ ۱۸۷۸ء ہی سے زیر غور ہیں۔

۱۸۸۲ء میں اس وقت کی حکومت ہند نے مہالادیوی میں سینچائی پروجیکٹ کے لئے منظوری دی تھی۔ اس پروجیکٹ کے مطابق تجویز یہ تھی کہ مہالادیوی میں ایک کچا بند تعمیر کیا جائے اور بند سے نہریں نکالی جائیں۔ چنانچہ ۱۸۹۹ء کے زمانۂ قحط میں مہالادیوی بند کا کچھ ابتدائی کام شروع کیا گیا اور اس وقت نالیوں وغیرہ کی کھدائی اور تقریباً ۱۰۵ میٹر (۳۵۰ فٹ) طویل حلقہ میں کچا کام انجام دیا گیا۔

جب یہ کام جاری تھا تو آشتی، ایکروک اور واگھڑ میں کچے بند کے سلسلہ میں کچھ فنی مسائل پیش آئے نیز سخت غلطیاں نظر آئیں۔ مہالادیوی میں مجوزہ کچے بند کی بلندی آشتی، ایکروک اور واگھڑ کے کچے باندھوں کے مقابلے میں کافی زیادہ تھی۔ لہٰذا یہ سوچ کر کہ مہالادیوی کے کچے بند کے سلسلہ میں بھی وہی مسائل درپیش آئیں گے، مہالادیوی میں کچے بند کی تعمیر کی تجویز ترک کردی گئی۔ کچے بند کی بجائے پختہ بند بہتر سمجھا گیا۔

بھنڈار ڈارہ کے قریب بالائی ندی پر پختہ بند کی تعمیر کے لئے اچھی جگہ دستیاب تھی، لہٰذا ۱۹۱۰ء میں بھنڈار ڈارہ میں پختہ بند کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا اور ۱۹۲۶ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ بھنڈار ڈارہ کے ذخیرۂ آب سے پانی پرورہ بائیں اور دائیں کنارے کی نہروں کے ذریعہ راہوری اور شری رامپور تعلقہ جات کے علاقوں کو سیراب کرتا ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں منصوبہ بناتے وقت صرف اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ صرف قلت زدہ علاقوں ہی میں سینچائی اسکیمیں شروع کی جائیں تاکہ قلت سے متاثر لوگوں کو کچھ راحت پہنچے۔ بس یہی محدود مقصد مدنظر ہوتا۔ اس بات کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی تھی کہ دستیاب ذرائع آب سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

۱۹۲۶ء میں بھنڈار ڈارہ کی تکمیل کے بعد مہاراشٹر میں پچیس تیس سال تک آب پاشی سرگرمیاں فی الحقیقت بند رہیں اور اس مدت کے دوران کوئی قابل ذکر بڑا سینچائی منصوبہ شروع نہیں کیا گیا، لہٰذا ان دنوں بھنڈار ڈارہ بند کی تعمیر کے بعد بھنڈار ڈارہ کی زیریں ندی پر دستیاب پانی کام میں لانے پر کوئی دھیان نہ دیا گیا۔

بدلا ہوا رجحان

بہرصورت آزادی کے بعد اس رجحان میں یکسر تبدیلی ہوئی۔ صرف یہی محدود مقصد نہ رہا کہ صرف قلت زدہ علاقوں میں سینچائی کا انتظام کیا جائے بلکہ یہ بھی سوچا گیا کہ دستیاب ذرائع آب کو زیادہ سے زیادہ کام میں لایا جائے۔ لہٰذا بھنڈار ڈارہ بند کی تعمیر کے بعد بھنڈار ڈارہ کے زیریں بہاؤ پر پانی استعمال میں لانے کے امکانات پر پھر غور کیا گیا البتہ یہ خیال ۶۷-۱۹۶۶ء کے بعد ہی عملی روپ اختیار کرسکا۔

بعدازاں چھان بین کی گئی اور ۸۲ء ۷ ٹی۔ایم۔سی پانی کام میں لانے نیز تقریباً ۱۹٫۵۰۰ ہیکٹر زمین پر سینچائی کے لئے مہالادیوی آب پاشی پروجیکٹ تیار کیا گیا اور ۱۹۷۰ء میں سنٹرل واٹر کمیشن کو پیش کیا گیا۔ اب کچے بند کی تعمیر کا فن کافی ترقی پا چکا ہے لہٰذا مہالادیوی میں کچے بند کی تعمیر میں وہ رکاوٹیں

تعلی پیش نہ آئیں گی جو قبل ازیں ۱۸۸۰ء میں اونچے کچے بند تعمیر کرنے میں پیش آئی تھیں۔

چونکہ مہالا دیوی پروجیکٹ گوداوری وادی میں واقع ہے نیز اس وادی میں پانی سے متعلق ایک تنازعہ چل رہا ہے لہٰذا مرکزی حکومت کی جانب سے اس پروجیکٹ کے لئے منظوری حاصل کرنے میں کچھ مشکلات پیش آئیں لیکن متعلقہ وادی ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کے مابین معاہدہ ہوجانے کے سبب مشکل حل ہوگئی اور پلاننگ کمیشن نے ۴۸ ء ۵۸۶,۱ لاکھ روپے کی لاگت کے ساتھ ۱۷ر فروری ۱۹۷۷ء کو مہالا دیوی پروجیکٹ کو منظوری دیدی۔

مہالا دیوی مقام کی مخالفت

جب یہ کام جاری تھا تو پروجیکٹ سے متاثرہ لوگوں نے مہالا دیوی مقام پر بند بنانے کی شدید مخالفت کی۔ ان مخالفین کی ایک خاص دلیل یہ تھی کہ زرخیز بگایت اراضی کا کافی بڑا حصہ مہالا دیوی بند کے باعث غرق ہوجائے گا اور اس پروجیکٹ سے بڑی آبادی بری طرح متاثر ہوگی۔ لوگوں نے اس زمین کو سدھارا ہے اور اس علاقے میں متعدد اٹھاؤ آب پاشی اسکیمیں جاری ہیں لہٰذا انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ بند کی جگہ بالائی بہاؤ پر تقریباً ۶ کلومیٹر آگے نیلونڈے کے پاس منتقل کردی جائے جہاں کم بگایت اراضی غرق ہوگی نیز پروجیکٹ سے متاثر ہونے والے اشخاص کی تعداد بھی کافی کم ہوجائے گی۔ اس سلسلے میں ایک وفد نے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی اور یہ اصرار کیا کہ بند کا مقام مہالا دیوی سے نیلونڈے منتقل کردیا جائے۔

نیلونڈے مقام کے فائدے یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ مہالا دیوی میں بند کی جگہ کا انتخاب کرتے وقت بند کی تقریباً پانچ جگہوں (یعنی مہالا دیوی کے قریب مہا دریا کے بالائی بہاؤ پر ساونت واڑی گاؤں کے قریب ایک اور دریا کے بالائی بہاؤ پر نیلونڈے گاؤں کے قریب ایک جگہ) پر غور کیا گیا۔ اگر جگہ نیلونڈے رکھی جائے تو ملنے والے پانی کی گنجائش تقریباً ۲۳ء۱۶ ٹی ایم سی کم ہوجائے گی۔ مزید برآں نیلونڈے میں ذخیرہ آب کی سطح بھنڈار ڈارہ بند کے زیریں بہاؤ پر مجوزہ پاور ہاؤس کی پیداوار بجلی پر بھی اثرانداز ہوگی اور تقریباً ۸ ملین یونٹ کم بجلی پیدا کی جاسکے گی نیلونڈے کے مذکورہ بالا نقصانات کے باوجود اس کے کچھ اہم فائدے بھی ہیں اگر بند کی جگہ نیلونڈے متعین کی جائے تو اس طرح کافی بڑی بگایت زمین اور آبادی مجوزہ بند کے باعث غرقاب ہونے سے بچ جائے گی اسی طرح اس سے پروجیکٹ سے متاثرہ لوگوں کی باز آبادکاری کا مسئلہ بھی کٹھن نہ ہوگا۔

۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق نیلونڈے میں پروجیکٹ سے متاثر ہونے والی آبادی کی تعداد ۲۰۷,۱ ہوگی جبکہ مہالا دیوی میں ۶۶۳,۴ رہتی۔ موصولہ

قومی راج

معلومات کی بنا پر یہ اندازہ ہے کہ مہالا دیوی جگہ کے تحت غرقاب ہونے والی بگایت اراضی ۴۴۰ ہیکٹر ہوگی جبکہ نیلونڈے کے تحت صرف ۱۲۰ ہیکٹر ہی غرقاب ہونے کا امکان ہے۔ اس طرح اگر نیلونڈے مقام رکھا جائے تو تقریباً ۳۲۰ ہیکٹر زرخیز بگایت اراضی بچائی جاسکے گی۔ اسی طرح مہالا دیوی میں غرقاب ہونے والی زراعت اراضی تقریباً ۹۲۰ ہیکٹر ہوگی جبکہ نیلونڈے میں صرف ۲۷۰ ہیکٹر ہی زراعت اراضی غرقاب ہوگی۔ اس طرح بند کی جگہ نیلونڈے منتقل کرنیکے باعث بگایت نیز زراعت اراضی کی غرقابی کافی کم رہے گی۔ بند کی جگہ بدلنے کا ایک بڑا اہم فائدہ ہے۔ مہالا دیوی میں متاثر ہونے والے دیہاتوں کی تعداد چھ ہوگی جبکہ نیلونڈے میں صرف دو گاؤں ہی متاثر ہوں گے۔ ان پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بند کی جگہ مہالا دیوی سے نیلونڈے منتقل کردی جائے۔

پانی کی گنجائش زیریں بھنڈار ڈارہ مہالا دیوی کھلا طاس تقریباً ۴۶۷,۲ مربع کلومیٹر ہے۔ جبکہ نیلونڈے تک کھلا طاس تقریباً ۹۷,۲۲۱ مربع کلومیٹر ہے۔ اس طرح نیلونڈے میں ملنے والے پانی کی مقدار تقریباً ۲۳ء۱۶ ٹی ایم سی کم ہوجائے گی۔ بہرصورت بھنڈار ڈارہ سے مشرق جانب جوں جوں آگے بڑھیں بارش بھی کم تر ہوتی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دونوں مقامات کی ملنے والی مقدار میں ۲۳ء۱۶ ٹی ایم سی کے اس فرق میں بھی مزید کمی ہوجاتی ہے۔

سینٹرل واٹر کمیشن کی وضع کردہ مائیات (ہائیڈرولوجی) کے مطابق مہالا دیوی میں دستیاب مقدار ۰۲ء۸۶ ٹی ایم سی ہے اسی طرح نیلونڈے میں یہ مقدار تقریباً ۲۸ء۷ ٹی۔ سی۔ ایم ہے۔ لہٰذا مہالا دیوی اور نیلونڈے میں مہیا پانی کی مقدار کے درمیان فرق صرف تقریباً ۷۴ء۰ ٹی ایم سی رہ جاتا ہے

غرقاب علاقے مہالا دیوی پروجیکٹ رپورٹ سال ۱۹۷۰ء میں تیار کی گئی تھی۔ موصولہ معلومات کے مطابق اس وقت مہالا دیوی کے تحت غرقاب علاقہ تقریباً ۱۵۷۰ ہیکٹر تھا جس میں سے تقریباً ۱۷۰ ہیکٹر بگایت اراضی تھی اسی معلومات کی بنا پر نیلونڈے میں غرقابی تقریباً ۱۱۲۰ ہیکٹر ہوگی جس میں سے تقریباً ۱۰۱ ہیکٹر بگایت اراضی ہوگی۔

بہرصورت ۱۹۷۰ء میں پروجیکٹ رپورٹ کی تیاری کے بعد سے بگایت اراضی کافی بڑھی ہے اور ملنے والی معلومات کے مطابق مہالا دیوی کے تحت غرقاب بگایت زمین ۴۴۰ ہیکٹر ہوگی اور نیلونڈے میں یہ زمین صرف تقریباً ۱۲۰ ہیکٹر ہی ہوگی اس طرح بند کا مقام نیلونڈے منتقل کردینے کے باعث تقریباً ۳۲۰ ہیکٹر بگایت اراضی بچائی جاسکے گی۔

پروجیکٹ سے متاثر آبادی ۱۹۷۰ء کی پروجیکٹ رپورٹ میں پروجیکٹ سے متاثر ہونے والی آبادی کا اندازہ ۱۹۶۱ء

کی مردم شماری کی ہی بنیاد پر کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق مہالا دیوی سے متاثرہ گاؤں کی تعداد چھ اور متاثرہ آبادی ۴۲،۷۶۳ تھی۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر نیلونڈے میں متاثر ہونے والے گاؤں کی تعداد صرف دو اور متاثرہ آبادی ۵۴۱ تھی۔

بہرصورت ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق مہالا دیوی میں متاثرہ گاؤں کی تعداد ۶ اور متاثرہ آبادی ۴۶،۶۶۳ ہے۔ اس کے مقابلے میں نیلونڈے میں متاثرہ گاؤں کی تعداد دو اور متاثرہ آبادی ۱۲،۰۷ ہے۔ اس طرح بند کی جگہ نیلونڈے منتقل کر دینے سے پروجیکٹ سے متاثرہ اشخاص کی باز آبادکاری کا کام کافی ہلکا ہو جائے گا۔

پانی کا استعمال جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے بند کی جگہ نیلونڈے رکھے جانے سے ۴۷،۰ ٹی ایم سی پانی کم ہو جانے کا امکان ہے لیکن زیریں بہاؤ پر اوزر میں اٹھاؤ بند واقع ہونے سے اس پانی کا کچھ حصہ استعمال میں لایا جا سکے گا اور اس طرح ممکنہ نقصان میں کمی ہو سکتی ہے۔

بہرصورت دستیاب پانی میں برائے نام کمی کے باوجود فصلوں میں تھوڑا سا ردوبدل کر کے یہ ممکن ہو سکے گا کہ ۱۹,۵۰۰ ہیکٹر زمین سیراب کی جا سکے جیسا کہ قبل ازیں مہالا دیوی کی پروجیکٹ رپورٹ میں اندازہ کیا گیا تھا۔

عموماً آب پاشی پروجیکٹ جس طرح وضع کئے جاتے ہیں اس سے ۷۵ فی صد حصول فائدے کی امید رہتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر سو سال کی مدت میں ۷۵ سال تک منصوبہ کے مطابق استعمال کے لئے پانی یقینی طور سے ملتا رہے گا اور بقیہ پچیس سال کی مدت میں منصوبہ کے تحت استعمال میں تخفیف ہوگی۔

البتہ نیلونڈے مقام بند پر ہر سو سال کی مدت میں ۷۰ سال تک ۷،۸۲ ٹی ایم سی سے باقاعدہ استعمال کے لئے پانی یقینی طور سے ملتا ہے گا اور بقیہ ۳۰ سال کے عرصہ میں تخفیف کرنا ہوگی۔

بنیاد اور نہریں نیلونڈے مقام پر کھوج کی غرض سے ابتدائی کھدائی فی الحال ہو چکی ہے اس کے نتیجہ میں یہ معلوم ہوا ہے کہ معقول گہرائی پر مناسب بنیادی چٹان موجود ہے۔

مہالا دیوی بند مقام سے بائیں کنارے پر مجوزہ نہر ۲۷ کلومیٹر لمبی ہے جس میں سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر طویل حصہ سخت خطۂ زمین سے گذرتا ہے۔ نیلونڈے میں بند کا مقام رکھنے سے مزید تقریباً ۶ کلومیٹر طویل حصہ نہر ایسی ہی زمین سے گزرے گا۔ بہرحال یہ عام خیال درست نہیں ہے کہ نیلونڈے سے براہ راست نہریں نکالنا ممکن نہیں ہے نیز یہ کہ زیریں بہاؤ پر ایک اٹھاؤ بند بنانے کی ضرورت لاحق ہوگی۔ نیلونڈے سے نکالی جانے والی مجوزہ نہر مہالا دیوی نہر سے مل جائے گی اور اس طرح اگر بند کا مقام نیلونڈے رکھا گیا تو بھی مہالا دیوی بائیں کنارے کی نہر پر اب تک جو کچھ کام انجام دیا گیا ہے وہ مفید ہی ثابت ہوگا۔ مہالا دیوی نہر کا مذکورہ حلقہ بھی مجوزہ نیلونڈے نہر سے مستفید ہوگا اس طرح پروجیکٹ کی رسائی میں عملاً بہت کم تبدیلی ہوگی۔

گذشتہ ۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو "بھومی پوجن" تقریب کے موقع پر وزیر اعلیٰ نے بیان کیا تھا کہ گو پروجیکٹ رپورٹ میں صرف بائیں کنارے کی نہر کی گنجائش ہے تاہم دائیں کنارے پر نہر کے امکانات پر بھی غور کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا دائیں کنارے پر بھی آب پاشی کی سہولتوں سے فیض پہنچایا جائے گا چنانچہ جہاں تک ممکن ہو سکا یہ کوشش کی جائے گی کہ دائیں کنارے والے بھی آب پاشی سے فیضیاب ہوں۔

بالائی پیروره اب تک مہالا دیوی بند پر اخراجات دراصل پلانٹ و مشینری کی خریداری، عمارت کے لئے درکار تعمیری سامان کی خریداری اور فراہمی آب وغیرہ کے سلسلے میں ہوئے ہیں۔ اصل بند کے تعمیری کام پر بہت کم خرچ ہوا ہے اس طرح بند کے مقام کی نیلونڈے منتقلی سے فی الحقیقت کوئی فاضل خرچ نہ ہوگا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مہالا دیوی نہر پر کیا گیا کچا کام نیلونڈے نہر کے سلسلے میں بھی کارآمد ہوگا اور اس طرح نہر پر کوئی الگ خرچ بھی نہ ہوگا۔

امید ہے کہ اس وضاحتی بیان سے وہ شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے جو بند کا مقام مہالا دیوی سے نیلونڈے منتقل کرنے کی ضرورت کے بارے میں پیدا ہو گئے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ اہم آبپاشی پروجیکٹ جس سے اکولہ، سنگمنیر، کوپرگاؤں اور شری رامپور تعلقہ جات (ضلع احمد نگر) فیض یاب ہوں گے، تمام متعلقہ لوگوں کے تعاون سے جلد ہی مکمل ہو جائے گا اور اس سے اس خطہ کو خوش حالی نصیب ہوگی۔

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ "قومی راج" میں 'قارئین کی رائے' کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونے والے بہتر اور خیال انگیز خط پر ۲۵ روپے کا انعام بھی دیا جاتا ہے۔

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار کرنا چاہیں تو وہ بھی کر سکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ سے زائد الفاظ پر مشتمل نہ ہو۔

آپ اپنے خطوط اس پتے پر روانہ فرمائیے:

مدیر، پندرہ روزہ 'قومی راج' ۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ایم. ڈی کالے
سیکریٹری پبلک ورکس اور ہاؤسنگ ڈیپارٹمنٹ

پبلک ورکس پروگرام

ماضی
حال
اور
مستقبل



ہندوستان اور غیر ممالک میں لئے گئے جائزوں سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اچھی سڑکیں معیشت کو فروغ دیتی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۲۰ء میں سڑکوں کی ترقی کے باعث معیشت کو بھی بڑھاوا ملا۔ چنانچہ امریکہ کے آنجہانی تھامس ایچ۔ ایم سی ڈونلڈ کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ "ہم امریکی اس وقت جب ہم نے اپنی شاہراہوں کو ترقی دینا شروع کی، کوئی امیر قوم نہ تھے۔ لیکن سڑکیں تجارت، صنعت اور زمین سے نئی دولت کمانے میں ممد و معاون ہوئیں۔ اس طرح درحقیقت دولت سے شاہراہیں وجود میں نہیں آئیں بلکہ شاہراہوں سے ہماری دولت بڑھی۔"

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر ہندوستان میں موٹر ٹرانسپورٹ کو فروغ حاصل ہوا اور دیس بھر میں اچھی سڑکوں کی مانگ بڑھی کیوں کہ سینکڑوں سال پرانی سڑکیں ناقص تھیں اور بھاری و تیز رفتار کاڑیوں کی ضرورت پوری کرنے سے قاصر تھیں۔ ان مطالبات پر بالآخر ۱۹۲۷ء میں ہندوستانی مجلس قانون ساز کے دونوں ایوانوں میں ایک کمیٹی کے قیام کے لئے قرارداد پاس کی گئی تاکہ وہ ہندوستان میں سڑک سدھار کے مسئلہ پر غور کر کے رپورٹ پیش کرے۔ اس قرارداد کے مطابق حکومت ہند نے شری ایم۔ آر جیکر کی زیر صدارت ایک کمیٹی مقرر کی۔

جیکر کمیٹی کی ایک خاص سفارش یہ تھی کہ سڑک سدھار کی غرض سے مرکز کی جانب سے موٹر اسپرٹ پر دو آنے فی گیلن کے حساب سے اضافی ٹیکس لگایا جائے اور اس کی رقم ایک سڑک سدھار فنڈ میں جمع کی جائے۔ لہٰذا مرکزی حکومت نے 'سنٹرل روڈ فنڈ' قائم کیا جو یکم مارچ ۱۹۲۹ء سے جاری ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں اضافی محصول دو آنے سے بڑھا کر ڈھائی آنے فی گیلن کر دیا گیا۔

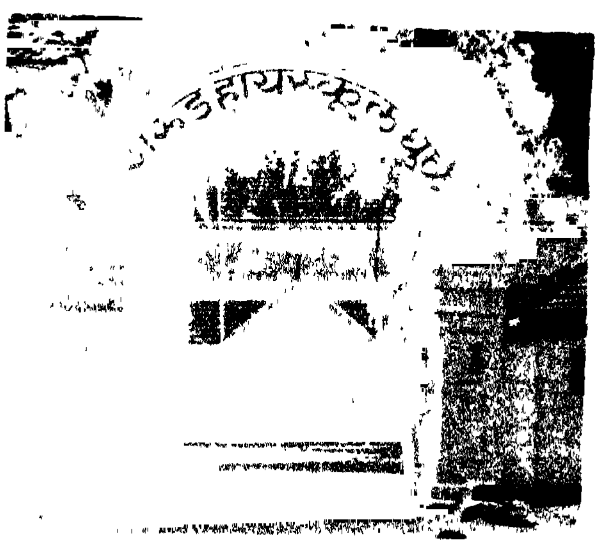
اس فنڈ کا قیام پہلا اہم قدم تھا جو ہندوستان میں مرکزی حکومت نے سڑک سدھار کا کام انجام دینے کے لئے اٹھایا تھا۔ فنڈ کی سالانہ آمدنی میں سے بیس فیصد مرکز کی محفوظ رقم کے طور پر رکھی جاتی جس میں سے مرکزی حکومت کی جانب سے فنڈ کے انتظام و انصرام، سڑک سے متعلق تجربات اور ریسرچ کے لئے امداد دی جاتی ہے۔ بقیہ اسی فیصد رقم مختلف ریاستوں کو ان کی الگ الگ پیٹرول کھپت کی بنیاد پر تقسیم کر دی جاتی۔

حکومت ہند نے دسمبر ۱۹۴۳ء میں ناگپور میں صوبائی اور ریاستی چیف انجینئروں کی ایک کانفرنس بلائی تاکہ ہندوستان میں بعد از جنگ سڑک سدھار مسئلہ پر غور کیا جائے۔ اس طرح ناگپور پلان

پونے ضلع کے امبیگاؤں تعلقہ کے مقام گوہے بزرگ میں نیا تعمیر شدہ آشرم شالہ



دھولے کا صد سالہ گرودڑ ہائی اسکول



بنا تھا. کئی ریاستیں ۱۹۶۰ء تک ناگپور پلان کے مطابق سڑک سدھار کے سلسلہ میں نشانہ پورا کر چکی تھیں.

سڑک سدھار منصوبہ بابت ۸۱-۱۹۶۱ء

ناگپور پلان وضع ہونے کے بعد ہونیوالی سیاسی، معاشی اور سماجی تبدیلیوں کے مدنظر یہ ضروری تھا کہ نقل و حمل کی ضروریات پر از سر نو نظر ڈالی جائے. حکومت ہند نے یہ کام ریاستی پبلک ورکس محکمہ جات کے چیف انجینیروں کے سپرد کیا، تاکہ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۱ء تک بیس سال کی مدت کے لئے نیا روڈ پلان تیار کیا جائے. اس پلان کا مقصد یہ ہے کہ وسعت سڑک خطّے کی فی ۱۰۰ مربع کلومیٹر کے حساب سے ۱۶ کلومیٹر سے بڑھا کر ۳۲ کلومیٹر یعنی دُگنا کر دی جائے. اس منصوبہ کی تکمیل پر کسی بھی زراعتی علاقہ میں پختہ سڑک تک گاؤں کا اوسطاً فاصلہ تقریباً ۶٫۴ کلومیٹر رہ جائیگا اسی طرح غیر پختہ سڑک سے یہ فاصلہ تقریباً ۲٫۴ کلومیٹر رہ جائے گا.

۸۱-۱۹۶۱ء کے اصل پلان کے تحت مہاراشٹر میں قومی شاہراہ، ریاستی شاہراہ، بڑی ضلع سڑکوں یا دیگر ضلع سڑکوں اور دیہی سڑکوں مشتمل سڑکوں کی کل طوالت ۲۹۶، ۱۲، ا کلومیٹر تھی لیکن معاشی، زراعتی صنعتی اور دیگر ترقیاتی سرگرمیوں نیز قبائلی علاقہ جات کے سُدھار کی لازمی ضرورت کے سبب یہ ضروری خیال کیا گیا کہ تمام اضلاع کے سلسلے میں ۸۱-۱۹۶۱ء کے پلان پر نظر ثانی کی جائے. اسی طرح ۷۳-۱۹۷۱ء کے دوران قلت کے زمانے میں بہت سی سڑکیں بنائی گئیں اور یہ خیال رکھا تھا کہ نئے پلان میں انھیں لے لیا جائے. اسی خیال کے مطابق حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۷۶ء میں تمام اضلاع کے تعلق سے ۸۱-۱۹۶۱ء کے پلان پر نظر ثانی کی اور اب کُل کلومیٹر لمبائی ۹۵۰، ۳۱، ا تک پہنچ گئی ہے مختلف درجہ کی سڑکوں کے سلسلہ میں نشانہ اور کامیابی حسب ذیل ہے.

درجہ سڑک	نظر ثانی شدہ ۸۱-۱۹۶۱ء پلان نشانہ - کلومیٹر	تکمیل نشانہ
قومی شاہراہ	۶, ۳۶۵	۲,۸۶۰
ریاستی شاہراہ	۱۵, ۹۰۶	۱۵, ۰۳۲
بڑی ضلع سڑکیں	۲۹, ۷۸۹	۱۹, ۹۲۵
دیگر ضلع سڑکیں	۳۵, ۷۱۸	۱۴,۵۰۶
دیہی سڑکیں	۴۴, ۱۷۲	۱۱ ۰۳
کل میزان	۱, ۳۱, ۹۵۰	۶۲ ۳۲۶

اس کے علاوہ غیر منصوبہ سڑک طول ۴۳۱ ۲۵٫ کلومیٹر ہے جو خصوصاً قحط کے زمانے میں تعمیر ہوئی تھی.

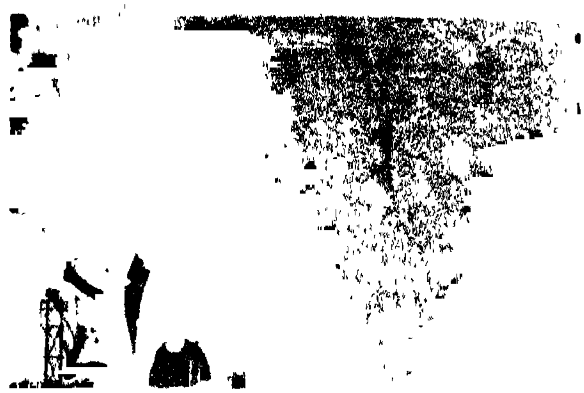
پانچ سالہ اور سالانہ منصوبہ بناتے وقت سڑک سُدھار کام کو پیداواری نہیں سمجھا جاتا. لہٰذا رقم مختص کرتے وقت اُسے کمتر فوقیت دی جاتی ہے. سڑک سدھار کے لئے مہیا کی جانیوالی رقومات گھٹتی رہی ہیں جس کا اندازہ چوتھے منصوبے کی مدت اور اس کے بعد سڑک سُدھار کے لئے مختص رقومات سے ہو جائے گا جو نیچے درج ہیں:

سال	ریاستی سالانہ منصوبہ (کروڑ روپے)	سالانہ منصوبہ سڑک کاموں کیلئے (کروڑ روپے)	ریاستی منصوبہ کے مقابلے میں سالانہ سڑک منصوبہ کا فیصد
۷۰-۱۹۶۹ء	۱۴۶٫۱۰	۸٫۲۱	۶٫۳۰
۷۱-۱۹۷۰ء	۱۷۰٫۹۲	۱۰٫۲۷	۶٫۰۱
۷۲-۱۹۷۱ء	۱۸۹٫۹۷	۱۰٫۴۲	۵٫۲۱
۷۳-۱۹۷۲ء	۲۱۰٫۲۷	۱۱٫۴۸	۵٫۴۶
۷۴-۱۹۷۳ء	۲۴۹٫۰۳	۱۰٫۶۴	۴٫۲۷
۷۵-۱۹۷۴ء	۲۷۶٫۰۰	۸٫۸۲	۳٫۱۹
۷۶-۱۹۷۵ء	۳۵۴٫۶۴	۱۲٫۷۷	۳٫۶۰
۷۷-۱۹۷۶ء	۴۹۷٫۰۳ (متوقع)	۱۹٫۹۴	۴٫۰۱
۷۸-۱۹۷۷ء	۶۵۰٫۰۷	۲۰٫۳۴	۳٫۱۳

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ گذشتہ آٹھ سال میں ریاستی حکومت کے تمام سالانہ منصوبے میں مختص رقم ۶٫۳۰ فیصد سے گھٹ کر ۳٫۱۳ فیصد رہ گئی. لہٰذا قلت سرمایہ ہی کے سبب دراصل ۸۱-۱۹۶۱ء کے نشانہ جات حسب توقع پورے نہیں کئے جا سکے. یہ بھی قابل غور بات ہے کہ گو نشانے کی ۵۰ فیصد حد تک طولانی سڑک پوری ہو چکی ہے. ان سڑکوں پر پُل اور نالیاں بنانا باقی ہے اور کئی ریاستی شاہراہوں پر ڈامر ڈالنا ہے

مہاراشٹر میں قومی شاہراہوں کی ترقی

قومی شاہراہ ایکٹ بابت ۱۹۵۶ء کے مطابق حکومت ہند کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام قومی شاہراہوں کو ترقی دے اور ان کی دیکھ بھال کرے. موجودہ انتظامات کے تحت مہاراشٹر میں قومی شاہراہوں کی ترقی، دیکھ بھال کا کام ریاستی حکومت ایجنسی کی بنیاد پر انجام دیتی رہتی ہے. مرکزی حکومت قومی شاہراہوں کے سُدھار نیز دیکھ بھال کے لئے



ناشک ضلع کی ایک مکمل سڑک

ریاستی سڑکوں کا سُدھار: ۶۲-۱۹۶۱ء کے بعد گذشتہ ۱۶ سال کے دوران ریاستی سڑکوں یعنی ریاستی شاہراہوں، بڑی ضلع سڑکوں، دیگر ضلع سڑکوں اور دیہی سڑکوں کی تعمیر اور درستگی پر ۱۳۷ کروڑ روپے کی رقم خرچ کی گئی.

نئے تعمیر شدہ اہم گھاٹوں میں انے مالا ہیج گھاٹ روڈ قابل ذکر ہے جو بمبئی اور ضلع احمد نگر کو براہ راست ملا دیتا ہے. اس گھاٹ روڈ کی تعمیر پر تقریباً ایک کروڑ روپے کی رقم صرف ہوئی ہے اور اس کے ذریعہ بمبئی اور تعلقہ جنار کے پھل پیدا کرنے والے علاقے کے درمیان مسافت ۵۰ کلومیٹر کم ہو گئی ہے.

مرکزی حکومت اس بات کے لئے رضامند ہو گئی کہ مذکورہ بالا تمام قسم کے کام شروع کئے جائیں اور بڑھے ہوئے کام کو نپٹانے کے لئے ریاستی حکومت نے مئی ۱۹۷۲ء میں الگ نیشنل ہائی وے ونگ قائم کی. بہر صورت سرمایہ کی کمی کے باعث ۷۳-۱۹۷۲ء میں جس رفتار سے کام شروع کیا گیا تھا اس میں ۷۴-۱۹۷۳ء اور اس کے بعد کمی واقع ہو گئی.

بہر حال ماضی قریب میں ان قومی شاہراہوں پر مختلف سُدھار کے کاموں کے باعث سفر سہل اور تیز ہو گیا ہے. مثال کے طور پر اگر بمبئی سے ناسک کا سفر کار کے ذریعہ طے کیا جائے تو مجوزہ سُدھار کے کاموں کی تکمیل پر ۱۸۵ کلومیٹر کا فاصلہ ۳ گھنٹے میں پورا کیا جا سکے گا. اسی طرح پونے سے کولہاپور تک ۲۳۰ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے لئے محض چار گھنٹے درکار ہوں گے.

ریاستی حکومت نے حکومت ہند کو یہ تجویز پیش کی ہے کہ مجموعی طور سے ۲۵۶۱ کلومیٹر لمبی ۱۲ سڑکوں کو قومی شاہراہیں قرار دیا جائے. ناگپور، وردھا. ایوت محل، ناندیڑ. عثمان آباد، سولاپور. سانگلی. کولہاپور. رتناگری، سولاپور. عثمان آباد. بیڑ. اورنگ آباد. جلگاؤں، کلیان. احمد نگر. بیڑ. ناندیڑ. سرونچا. وشاکھاپٹنم اور انکلیشور. شیرپور چوپڑا. برہان پور. ناگپور. یہ چند سڑکیں ہیں جنھیں قومی شاہراہوں میں شامل کرنے کی تجویز ہے، اس سلسلے میں مرکز کے فیصلے کا انتظار ہے.

بمبئی آگرہ روڈ پر، جو کہ بمبئی سے ملک کے دوسرے علاقوں کو جاتی ہے بہت آمد و رفت رہتی ہے، کیونکہ آگرہ، احمد آباد، پونے اور بنگلور کی جانب جانیوالے راستوں کو ملانیوالی یہی ایک سڑک ہے.

ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ کو کم کرنے اور احمد آباد نیز پونے جانے والی سڑکوں کو جوڑنے کے لئے علیحدہ راستہ نکالنے کی خاطر سڑکوں کا مناسب ضروری سرمایہ مہیا کرتی ہے نیز اس سلسلے میں کئے گئے اصل خرچ کے نو فیصد کے حساب سے ایجنسی اخراجات دیتی ہے.

فی الحال ریاست میں کل نو قومی شاہراہیں ہیں. جن کی کل لمبائی ۲٫۸۶۰ کلومیٹر ہوتی ہے جن کے نام یہ ہیں: بمبئی آگرہ روڈ، بمبئی، پونے بنگلور روڈ، دھولے. ایدلہ آباد. ناگپور روڈ، جبلپور. ناگپور. حیدرآباد روڈ، (آندھرا پردیش کی سرحد تک) بمبئی. احمد آباد روڈ، پونے. سولاپور. حیدرآباد روڈ (کرناٹک کی سرحد تک) سولاپور. وجے پور روڈ (کرناٹک کی سرحد تک) بمبئی. کوکن. گوا روڈ اور پونے. ناسک روڈ.

موجودہ قومی شاہراہیں چوڑائی میں کم تھیں اور بعض مقامات پر آڑی ترچھی ہونے کے سبب تیز رفتار گاڑیوں کے لئے خطرناک. لہذا یہ طے کیا گیا کہ سُدھار کر مناسب معیار پر لایا جائے. اس مقصد کے تحت ۱۹۶۱ء میں شروعات ہو چکی تھی. تیسرے پانچ سالہ منصوبہ نیز اس کے بعد سالانہ منصوبہ جات کے اختتام تک رفتار ترقی خاطر خواہ نہیں رہی. چوتھے پانچسالہ منصوبے کے دوران تمام قومی شاہراہوں پر بڑے پیمانے پر سُدھار کا کام شروع کیا گیا.

جال بچھائے جانے کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے پیش نظر مغربی اکسپرس شاہراہ، مشرقی اکسپرس شاہراہ، سائن پنویل سڑک، براہِ تھانے کھاڑی پل کے تعمیری کاموں کا آغاز کیا گیا اور اب حکومت کے ذریعے یہ تمام کام مکمل کئے جا چکے ہیں۔

باندرہ (ممبئی) سے دہیسر تک مغربی اکسپرس شاہراہ ۲۶ کلومیٹر لمبی ہے۔ اس سے باندرہ گھوڑ بندر روڈ پر ٹریفک کی کثرت دور ہو جاتی ہے جو ممبئی کے بھیڑ بھاڑ والے مضافاتی علاقے سے گذرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ سڑک سانتا کروز ہوائی مستقر تک پہنچانے کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔ اس شاہراہ کے کچھ حصہ پر مقامی ٹریفک کے لئے متوازی سڑکیں بھی تعمیر کی گئی ہیں جن سے اسے جوڑا گیا ہے اس قسم کی جوڑ سڑکیں احمد آباد اور دہلی جانیوالی ٹریفک کے لئے سود مند ہیں اور انھیں سہولت ہو گئی ہے۔

مشرقی اکسپریس شاہراہ: یہ سڑک بھیڑ بھاڑ والے مغربی مضافات سے ہٹ کر سائن سے تھانے تک جاتی ہے اور سینٹرل ریلوے راستے کے متوازی چلتی ہے۔ ماضی میں پونے جانے کے لئے تھانے سے گذرنا ہی پڑتا تھا، جس کا مطلب تھا زیادہ فاصلہ طے کرنا اور زیادہ وقت صرف کرنا۔ سائن۔ پنویل سڑک اور تھانے کھاڑی پل کی تعمیر سے پونے جانیوالی ٹریفک کو فائدہ پہنچا ہے کیونکہ اس طرح ۲۲ کلومیٹر کا فاصلہ کم ہو گیا ہے۔

ممبئی کے مضافات میں ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ کو کم کرنے کیلئے ان اکسپریس شاہراہوں کو شمالی ممبئی جزیرے میں مختلف جوڑ سڑکیں تعمیر کر کے ملانے کی تجویز زیر غور ہے۔ جوڑنے والی سڑکیں گوریگاؤں۔ ملنڈ، جوگیشوری۔ وکھرولی، اندھیری۔ گھاٹ کوپر، سانتا کروز۔ چیمبور، باندرہ۔ دھاراوی اور سائن۔ ماہم ہیں۔

یہ جوڑنے والی اول پانچ سڑکیں ممبئی ترقیاتی پروگرام کا حصہ ہیں۔ گوریگاؤں۔ ملنڈ اور اندھیری۔ گھاٹ کوپر، جوڑ سڑکوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ باندرہ۔ دھاراوی جوڑ سڑک کا کام مکمل ہو چکا ہے اور جنوری ۱۹۷۳ء سے یہ سڑک کھول دی گئی ہے۔

ممبئی اور نئی ممبئی میں ترقیاتی سرگرمیوں میں تیزی سے ردوبدل کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ممبئی عظمیٰ اور نئی ممبئی شہر گردو پیش کے علاقوں میں سڑکوں کے مواصلاتی نظام کے سلسلے میں ضروریات کا پھر سے جائزہ لیا جائے۔ چنانچہ ممبئی میٹروپولیٹن ریجن میں روڈ سسٹم منصوبہ بندی کی غرض سے جامع ٹریفک سروے کا کام سینٹرل روڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کو ۱۹۷۵ء میں سونپ دیا گیا۔

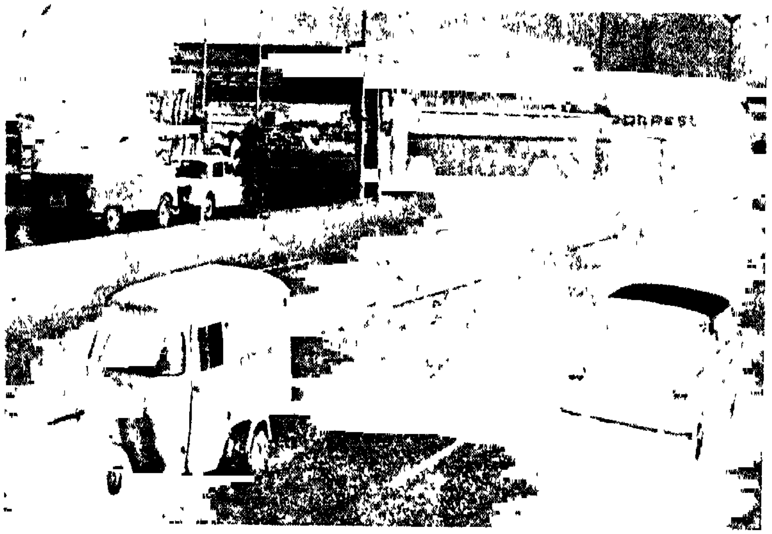
اقل ترین ضروریات پروگرام: دیہی سڑکوں کو اقل ترین ضروریات کے قومی پروگرام میں بڑی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ یہ سڑکیں انتظامیہ مارکٹنگ اور پروسسنگ مراکز کے ساتھ دیہی علاقوں کی معاشی یکجہتی میں بھی بڑی معاون و مددگار رہیں۔ پانچواں منصوبہ ۱۵۰۰ یا اس سے زائد آبادی والے موضع کے لئے ہر موسم میں کار آمد سڑکوں کی فراہمی کی جانب نشان دہی کرتا ہے۔



ممبئی میں فٹ پاتھ پر رہنے والوں کی وجہ سے سڑک کے کنارے شکستہ ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات سڑک میں گہرے گڑھے پڑ جاتے ہیں جس سے ٹریفک پر بھی اثر پڑتا ہے۔ ایسی ہی ایک متاثرہ سڑک۔



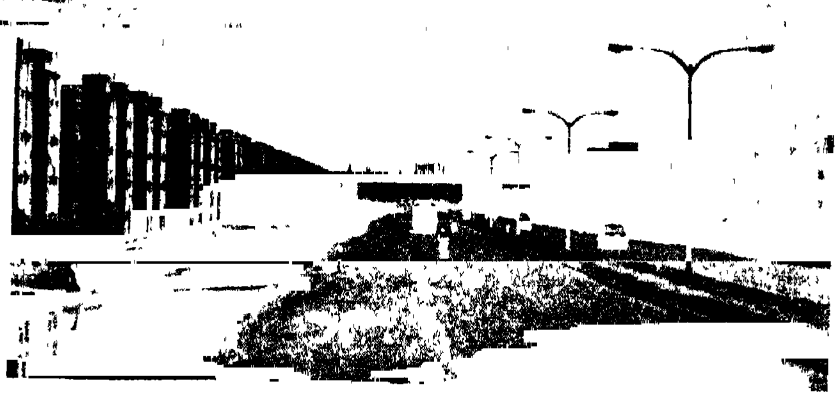
ادیباسی علاقوں میں سڑکیں بنانے کا کام ترقی کررہا ہے ۔
زیر نظر تصویر میں دھاول گھاٹ سے کاکرڈا جاتی ہوئی
پیچ دار سڑک



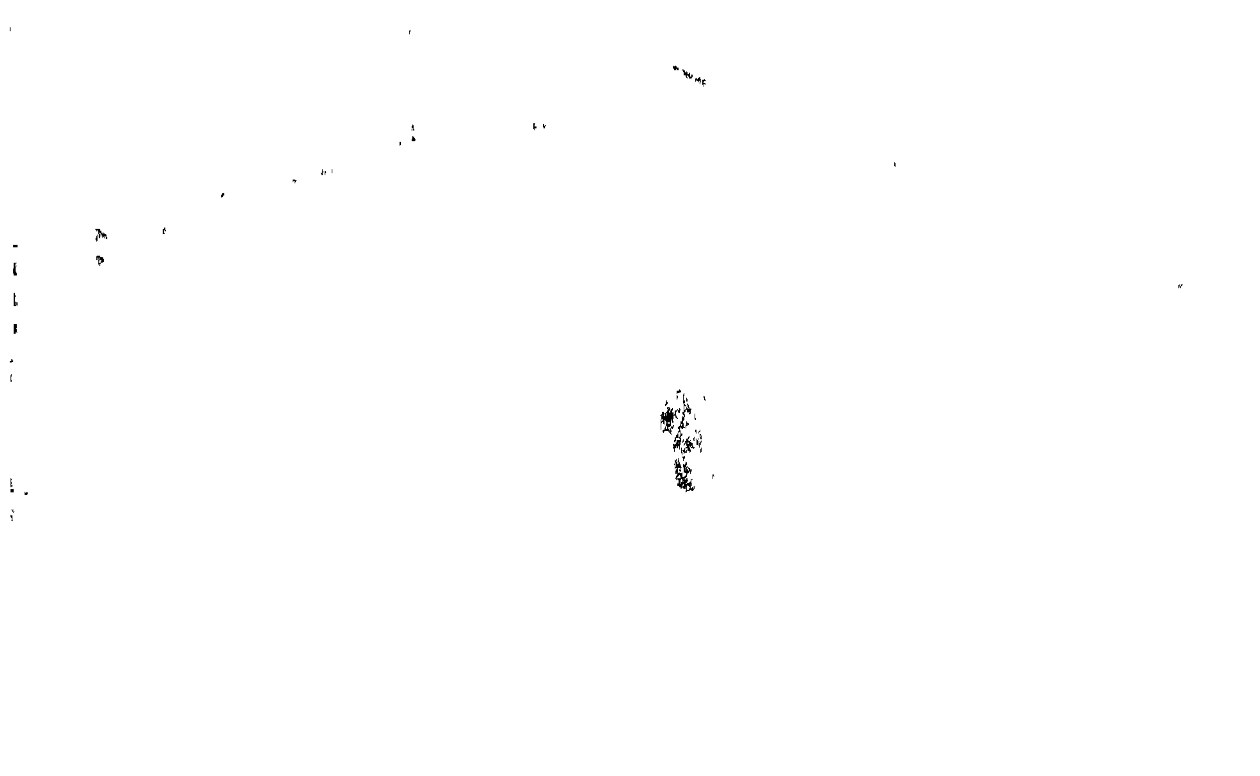
شہروں کی حدود تک سڑکیں ہماری ترقی کی نشاندہی
کرتی ہیں ۔ بمبئی میں سنیما کروز جانے والی یہ شاہ
ایک مصروف ترین شاہراہ ہے



دیہی علاقوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے
سڑکیں اور پل ضروری ہیں ۔ یہ پل ضلع قلابہ کے
مقام اسیٹ میں واقع ہے

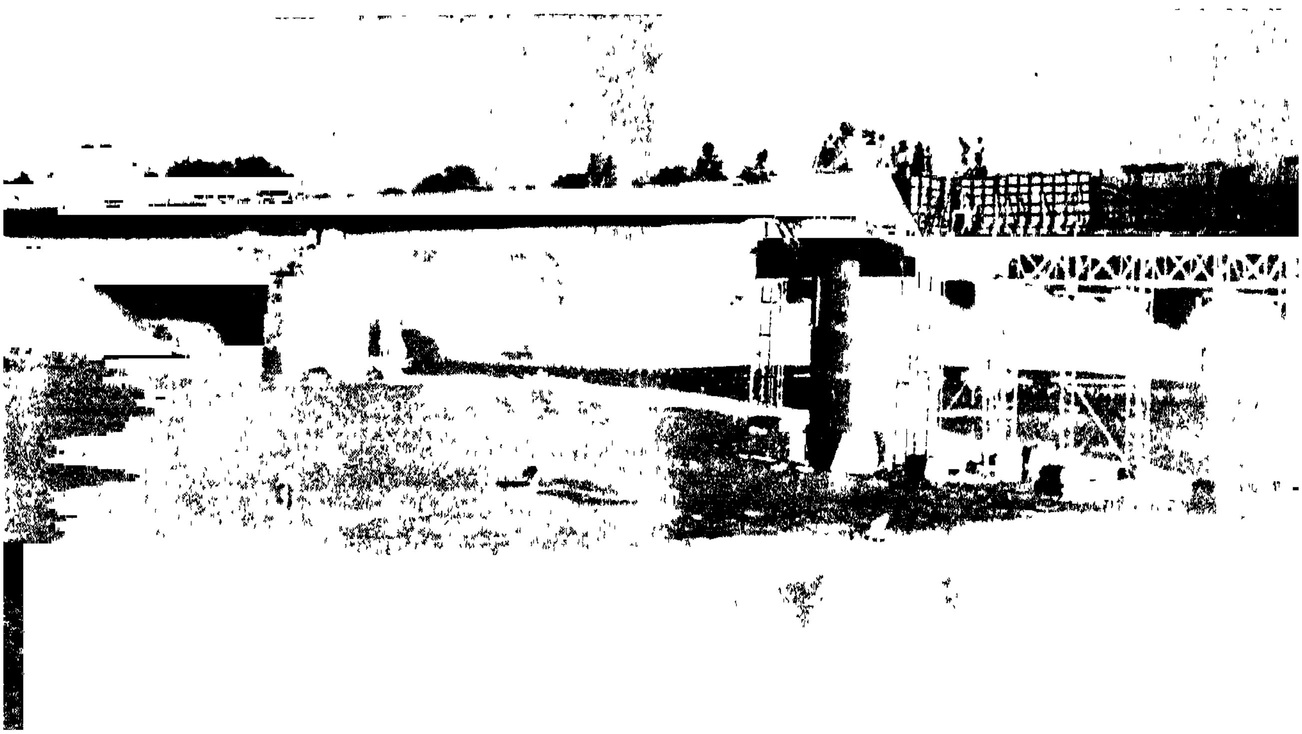


کنمور نگر وکھرولی (بمبئی) میں راہ گیروں کے
'فٹ برج' ۔ اس قسم کے فٹ برج شہر بمبئی
کئی جگہ بنائے گئے ہیں جس سے ٹریفک
راہ گیروں کو سہولت ملی ہے اور حادثات
بھی کمی ہوئی ہے



سائٹ ۔ دسویل روڈ اور تھانے کھاڑی کے پل کی دعہ

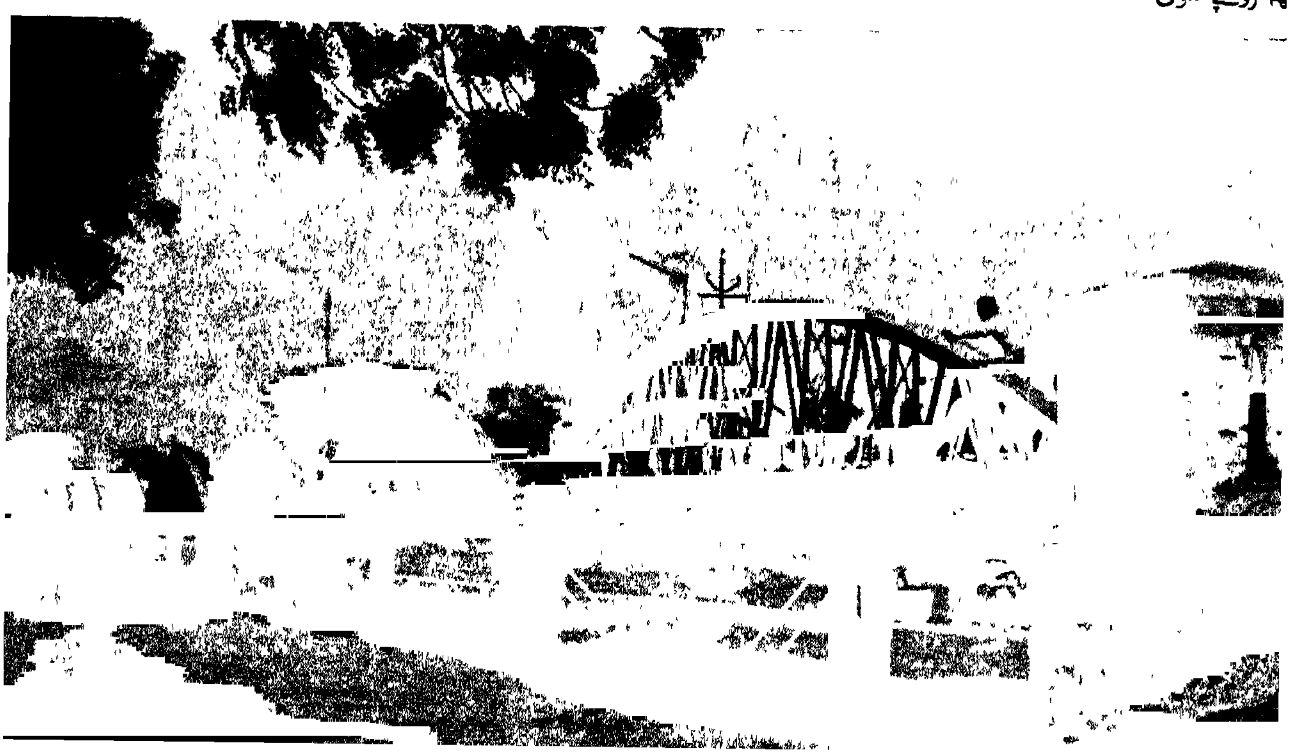
ریاست میں پرانی طرز تعمیر کا سب سے پرانا پل (دائیں طرف) جو سنہ ۱۸۷۳ع میں احمدنگر میں سینا ن
(دائیں طرف) جسکی لاگت

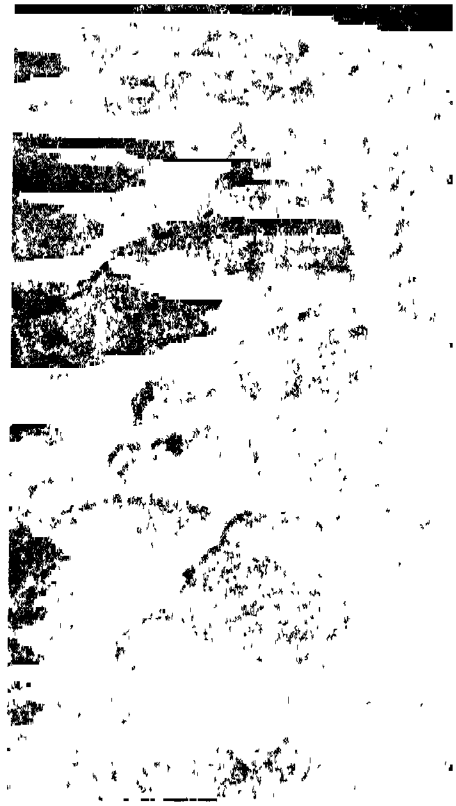




کا فاصلہ ۲۲ کیلومیٹر کم ہوگیا ہے

اور جسکی کل لاگت نوے ہزار روپے تھی – ضلع احمد نگر میں پروره ندی پر زیر تعمیر نیا پل
۵ روپے ہوگی





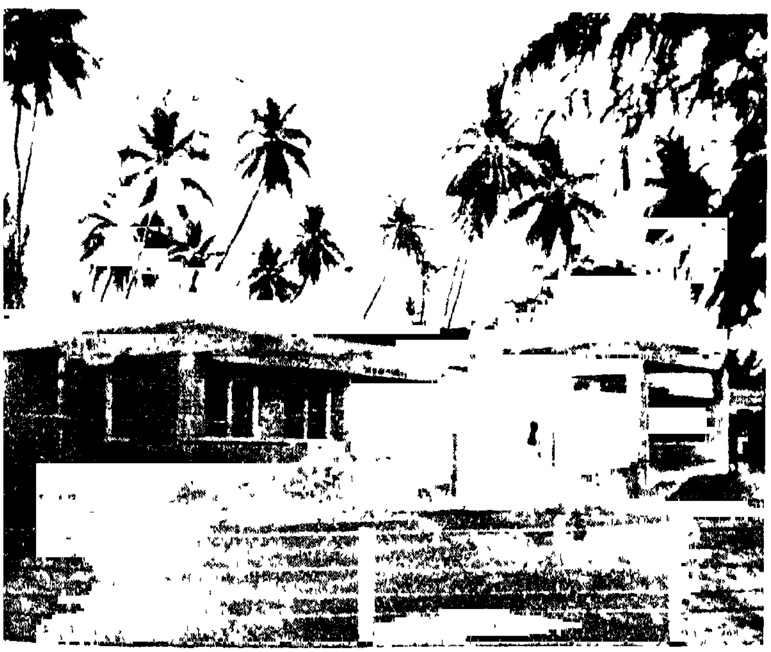
ریفک سے ٹوٹی ہوئی ایک سڑک (اوپر)

مرمت شدہ سڑک (نیچے)

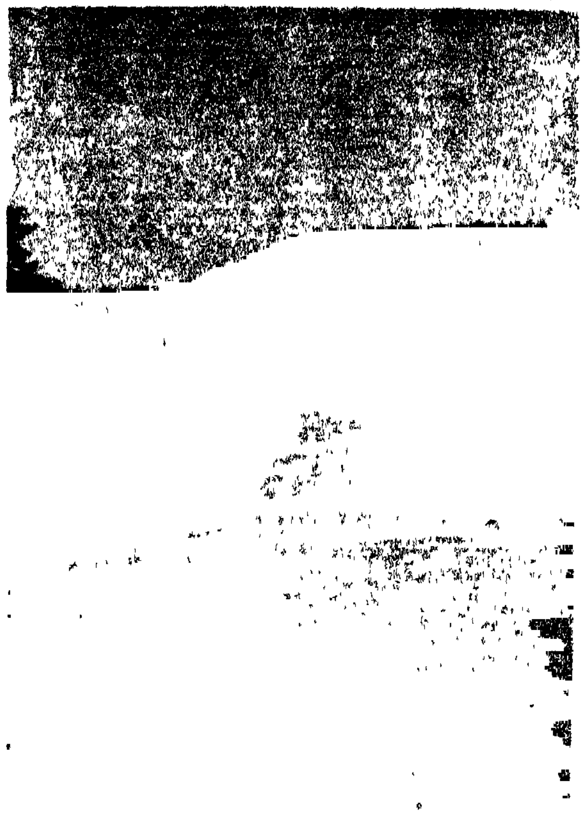




علی باغ ، ضلع قلابہ میں پرانی طرز تعمیر پر نیا بنگلہ (اوپر)



نیا ریسٹ ہاؤس جو جدید طرز تعمیر کا نمونہ ہے



ممبئی ۔ احمد آباد ایکسپریس شاہراہ

ریاست کے ۳۵،۲۰۵ موضع جات میں سے ۲،۶۱۰ موضع جات مقررہ سے زیادہ آبادی پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ انھیں ہر موسم میں کارآمد سڑکوں سے ملایا جانا چاہیئے۔ اس پروگرام کے تحت ۱۵۶۲۵ کلومیٹر لمبی سڑکوں کی تعمیر و سدھار کا کام انجام دیا جائے گا۔ جس پر لاگت کا تخمینہ ۷۰ کروڑ روپے ہے۔ بہر حال فنڈ کی کمی کی بنا پر اب تک تقریباً صرف ۱۵۰ موضع جات کو پکی سڑکوں سے ملایا جا سکا جبکہ ۵۰۰ کو پنجسالہ منصوبے کے دوران ملانے کا ارادہ تھا۔

قبائلی علاقوں میں سڑکوں کے کام: حالانکہ مہاراشٹر میں سڑک ترقیاتی پروگرام ۱۹۶۱-۸۱ء کے سڑک ترقیاتی منصوبے کے تحت ہاتھ میں لیا گیا تھا لیکن قبائلی علاقوں میں سڑکوں کی ترقی کا یہ کام قدرے سست رفتاری سے ہو رہا تھا چنانچہ حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ پندرہ بیس سال کی مدت میں اس نابرابری کو ختم کیا جائے اور اس مقصد سے ۱۹۷۶-۷۷ء میں قبائلی علاقوں کے لئے سڑکوں کی تعمیر کا ضمنی منصوبہ بنایا گیا۔ اس ضمنی منصوبے کے تحت ۱۰،۴ کروڑ روپے ضلع کی سڑکوں اور ریاستی شاہراہوں پر صرف کئے گئے۔ ۱۹۷۷-۷۸ء کے دوران اس کام کو اور آگے بڑھانے کے لئے ۵۳،۵ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

عمارات کی تعمیر: پانچ سالہ منصوبہ جات کے تحت متوقع ترقیاتی سرگرمیوں کے مدنظر انتظامیہ کی عمارتوں اور سرکاری عملے کے لئے رہائشی مکانات کی تعمیر کی ضرورت جتائی گئی ہے۔ گذشتہ ۲۰ سال میں تعمیر شدہ قابل ذکر انتظامیہ اور رہائشی عمارات یہ ہیں:

ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ (لاگت لاکھ روپے میں)

منترالیہ (۱۲۴) سینٹرل بلڈنگ، اورنگ آباد (۱۱)
ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ بمقابل منترالیہ، ممبئی (۸۲)
کوکن بھون، نئی ممبئی (۹۳) سیلز ٹیکس بلڈنگ، مجگاؤں ممبئی (۴۰)

رہائشی عمارات (لاگت لاکھ روپے میں)

نیو ایم ایل اے ہوسٹل، ناگپور (۱۰۰)، ممبئی اوشتی میں کوارٹرز برائے کلاس اول افسران (۱۴)، امبر (۱۴) سردچی اور سینیتی (۳۰) بیل ہیون (۱۴) ممبئی شیلٹر، چرچ گیٹ میں دوسرے درجے کے افسران کے لئے کوارٹرز (۱۲) اور باندرہ میں ۱۹۲ کوارٹرز (۴۶) باندرہ میں ۲۰۰۰ کوارٹرز تیسرے درجے کے ملازمین کے لئے (۲۷۷) اور باندرہ میں چوتھے درجے کے ملازمین کے لئے ۱۴۰۶ کوارٹرز (۱۲۸)

دیگر عمارات (لاگت لاکھ روپے میں):

ای ایس آئی ایس اسپتال، ملنڈ ممبئی (۱۴۷) میڈیکل کالج اسپتال، اورنگ آباد (۱۹۰) ای ایس آئی ایس اسپتال، واشی (۲۵۰) ای ایس آئی ایس اسپتال، اندھیری ممبئی (۲۵۰) نیو ڈسٹرکٹ اینڈ سول کورٹ بلڈنگ، ناگپور (۱۰۴)

زیر تعمیر اہم عمارات (لاگت لاکھ روپے میں)

نیو کونسل ہال، بمبئی (۶۲۰) میڈیکل کالج، امبیجوگئی بیڑ ڈسٹرکٹ (۳۲۲) ای. ایس. آئی. ایس اسپتال، کاندیولی (۲۶۱) ای. ایس آئی ایس اسپتال، تھانے (۱۳۰)

۱۸،۲۳ شرم شالاؤں کی تعمیر کا کام قبائلی علاقوں میں شروع کیا گیا ہے، ان میں سے ۱۲ عمارتیں مکمل اور ۴ قریب قریب مکمل ہو چکی ہیں۔ قبائلی سوسائٹیوں کے لیے قبائلی علاقوں میں ۱۱۶ گوداموں کی تعمیر کا کام بھی شروع کیا گیا ہے۔ ۹۰ گوداموں کی تعمیر کا کام بھی جاری ہے۔ ایجنسیاں مقرر ہونے پر بقیہ گوداموں کا تعمیری کام شروع کر دیا جائے گا۔

شکر کارخانوں کے علاقوں میں سڑکوں کی مرمت:

شکر کارخانوں کے علاقوں میں زبردست ٹریفک کی بناء پر خاص طور سے بیل گاڑیوں کے چلنے سے سڑکوں کی حالت ٹھیک نہیں رہتی ہے اور آمدورفت میں دقت ہوتی ہے چنانچہ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ۷۹-۱۹۷۸ء سال کے دوران ان سڑکوں کی مرمت کے لیے چار پانچ کروڑ روپے کی خاص امداد دی جائے۔

یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ شکر کارخانوں کے علاقوں میں بیل گاڑیوں کے پہیوں میں نیومیٹک ٹائر لگانے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ لہٰذا حکومت بیل گاڑیوں کے پہیوں میں نیومیٹک ٹائر لگانے کے لیے تو مبائے لئے بنکوں سے شکر کارخانہ جات کو قرض دلانے میں ضمانت دیتی ہے شکر کارخانہ جات یہ بیل گاڑیاں کرایہ پر دے سکتے ہیں تاکہ کاشتکار گنا اُن کی فیکٹری تک لا سکیں۔

ضمانت روزگار اسکیم:

ضمانت روزگار اسکیم، پیداوار سے منسلک اسکیم ہے چنانچہ سڑکوں کی اہمیت کے مدنظر اب حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مقررہ حلقہ میں آٹھ کلومیٹر کے اندر اگر پیداواری کام مہیا نہ ہو تو سڑک کے کام شروع کئے جا سکتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت سڑکیں پکی بنانے کی بھی گنجائش ہے۔ بہر صورت ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ضلع کے لیے کل مختص کام کے ۲۰ فیصد حصہ تک سڑک کام انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ ہر ضلع کو اوسطاً ضمانت روزگار اسکیم کے کاموں کے لیے تقریباً دو کروڑ روپے کی رقم مل سکتی ہے، اور اس طرح ہر ضلع میں ۴ لاکھ روپے تک کی لاگت کے کام شروع کئے جا سکتے ہیں۔ توقع ہے کہ اس اضافی سرمایہ سے دیہی علاقوں میں سڑکوں کے ترقیاتی کام کو بڑھاوا ملے گا۔

دیہی سڑک ترقیاتی پروگرام:

موضع جات کی تمام تعلیمی، تجارتی اور سماجی بھلائی وغیرہ سے متعلق ترقیاتی سرگرمیوں کا انحصار براہ راست سڑکوں ہی پر ہے۔ چنانچہ اس پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے دیہی علاقوں میں وقت مقررہ کے اندر دیہی سڑکوں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا ہے تاکہ ایک

ایک "ایس ٹی بس" کولہاپور ضلع کے کاگل بادشا کا رول گھاٹ سے گذر رہی ہے۔ سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی یہ سڑک، بلڈنگس اینڈ کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کے لیے ایک چیلنج تھی۔

ضع کو واڑی سے اور واڑی کو دوسری واڑی سے جوڑا جاسکے۔ حکومت
ے فنڈ سے اس سلسلے میں ۸ا کروڑ روپے کے مصارف کی گنجائش رکھی
ئی ہے اور مزید ۷ کروڑ روپے ضلع پنچائت سمیتیوں، گرام پنچایتوں
ے ذریعے خرچ کئے جانے کی اُمید ہے۔ اس اسکیم کے تحت راستوں
پکّا بنایا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ نالیاں فراہم کی جائیں گی۔
ال ۷۸-۱۹۷۷ء میں تقریباً چار پانچ ہزار کلومیٹر لمبی دیہی سڑکیں
مل کرلی جائیں گی۔

ہم پُل اور سڑکیں :

چند اہم سڑکیں اور پُل جو ۱۹۶۰ء کے بعد مکمل ہوئے ہیں یہ ہیں:

۱) مشرقی ایکسپریس شاہراہ، سائن سے تھانے تک
۲) مغربی ایکسپریس شاہراہ' باندرہ سے دہیسر تک
۳) تھانے کھاڑی پُل
۴) باندرہ۔ دھاراوی جوڑ سڑک
۵) احمد نگر۔ اورنگ آباد سڑک پر ٹوکا کے قریب گوداوری ندی پر پُل۔
۶) ضلع چندرپور میں شیمبلپیر۔ کالمنوری سڑک پر بین گنگا ندی پر پُل۔
۷) ضلع چندرپور میں مُل۔ گڈچرولی سڑک پر بین گنگا ندی پر پُل
۸) النے مل شیخ گھاٹ سڑک
۹) گگن باوڑا کرول گھاٹ سڑک
۱۰) ناسک اور نپھاڑ کے درمیان مسنگ لنک
۱۱) امرکھیڈ کنوت روڈ کے نزدیک بین گنگا ندی پر پُل
۱۲) چالیس گاؤں۔ دھولے سڑک پر گرنا ندی پر پُل
۱۳) ضلع بیڑ میں منجلے گاؤں کے قریب سندبھانا ندی پر پُل
۱۴) پیٹھن میں گوداوری ندی پر پُل
۱۵) ضلع بلڈانہ میں سلطان پور۔ سس کھیڈ سڑک پر کھڑک پورنا ندی پر پُل۔
۱۶) پربھنی۔ گنگا کھیڑ سڑک پر گوداوری ندی پر پُل
۱۷) راہیر۔ دھرم آباد سڑک پر گوداوری کے اوپر پُل

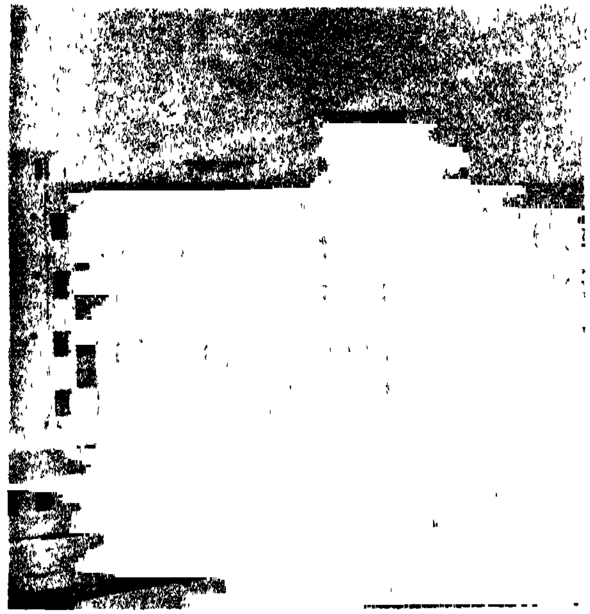
درجہ بندی کے لحاظ سے سڑکوں کی لمبائی (کلومیٹر)

(منصوبہ، غیر منصوبہ)

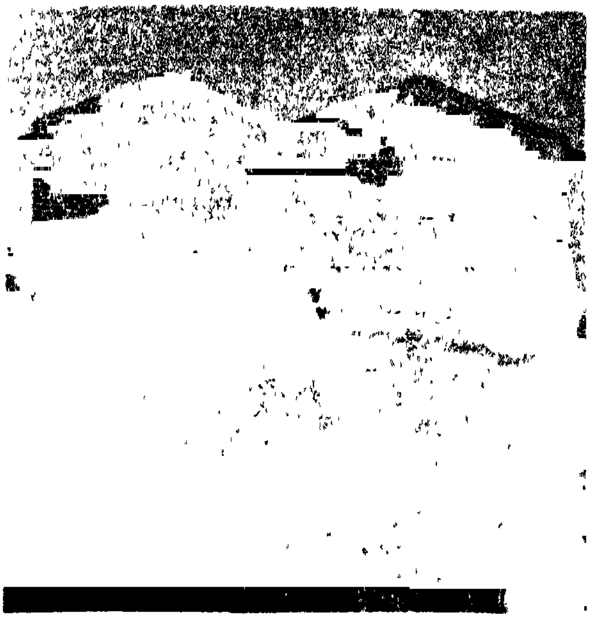
سال	قومی شاہراہ	ریاستی شاہراہ	بڑی ضلع سڑک	دیگر ضلع سڑکیں	موضع جاتی سڑکیں	کل سڑکیں
نشانہ (نظرثانی شدہ ۸-۱۹۶۱ء منصوبہ)	۶۲۶۸	۱۵۹۰۵	۲۹۷۹۰	۳۵۷۱۸	۴۴۱۷۲	۱,۳۱,۹۵۰
تاریخ مذکور پر حالت ۳۱-۳-۱۹۶۱	۲۳۱۱	۹۸۰۴	۱۱۰۵۸	۶,۹۵۴	۹۱۱۴	۳۹,۲۴۱
۳۱-۳-۱۹۷۶	۲۹۰۹	۱۵۰۴۲	۱۹۹۸۹	۱۶۰۴۶	۳۴۷۷۱	۸۸۷۵۷

سڑکوں کی لمبائی سطح وار

سال	مسطح: سیمنٹ کانکریٹ	مسطح: بیٹومین	مسطح: واٹر باؤنڈ میکاڈم	کُل مسطح سڑک	گراؤنڈ: غیر مسطح سڑک	کُل میزان
۳۱-۳-۱۹۶	۹۸۳	۵۸۶۰	۸۰۰۹	۲۴,۸۵۲	۱۴۳۸۹	۳۹,۲۴۱
۳۱-۳-۱۹۷	۸۸۴	۱۸,۴۱۹	۲۴,۵۴۱	۴۳,۸۴۴	۴۴,۹۱۳	۸۸,۷۵۷



ای. ایس. آئی. ایس ہسپتال (اندھیری. بمبئی)



ٹورسٹ کاٹیج (رائے گڈھ فورٹ)

(صفحہ ۶ سے آگے)

نوگا کئی چیزوں میں اوّل

۱۹۷۷ء لیزگ میلے نے ناگپوری سنترے پیدا کرتے والوں اور اُن مرد وعورتوں کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا جنھوں نے نوگا کے آرچ مارملیڈ تیار کرنے میں انتھک محنت اور لگن دکھائی، جس سے وہ عالمی میلے میں مقبولیت کا حامل ہوسکا.

نوگا کئی چیزوں میں اول ہے اور کتنے ہی ملکی اور غیر ملکی ٹکنالوجسٹوں نے اس کارخانے میں پراسیسنگ کا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے، نوگا کے سامنے بہت سی مشکلات آئیں مگر وہ ہر بار کامیابی سے سُرخرو ہوا مہاراشٹرا ایگرو انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے جنوری ۱۹۷۲ء میں اس کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد نوگا کی پیداوار کا معیار بڑھایا اور گذشتہ چار سال کے عرصے میں اس کو بہتر سے بہتر بنانے میں انتھک کوشش کی۔ شری اے. بی. بترہ، جنرل منیجر کی ہدایات نیز مینیجنگ ڈائرکٹر شری کے. راجن کی موثر قیادت میں کتنے ہی نوجوان ٹکنالوجسٹ اور تجربہ کار ورکروں نے نوگا کی اشیاء کو مقبولیت کے معیار پر پہنچانے میں زبردست محنت کی ہے جس کا نتیجہ ۱۹۷۷ء لیزگ میلے میں گولڈ میڈل کی شکل میں انھیں ملا' نوگا کی اشیاء کی نمائش میسرز کیجریوال انٹر پرائزز ۲۱ / ۱ آصف علی روڈ، نئی دہلی نے پوری لگن سے کی. اُن کی ہی لگن کا نتیجہ تھا کہ آج نوگا کی اشیاء عالمی شہرت حاصل کر رہی ہیں.

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے. اس سلسلہ میں موصول ہونیوالے بہتر اور خیال انگیز خط پر پچیس روپے کا انعام بھی دیا جاتا ہے.

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں.

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلہ میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کر سکتے ہیں. بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط آپ اس پتے پر روانہ فرمایئے:

مدیر پندرہ روزہ 'قومی راج'، پندرہواں منزلہ، نیو انڈسٹری بلڈنگ، مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

کنزیومرازم یا صارفین کی رہنمائی

• ترجمہ: عبداللہ

صارفین نوازی — نسبتاً جدید تصور — ایک سماجی تحریک ہے جو مصنوعات کے تیار کرنے والوں کی بہ نسبت صارفین کے حقوق کے تحفظ و توسیع کی زیادہ حمایت کرتی ہے۔ جبکہ مال تیار کرنے والوں کو مال کی ڈیزائنوں کے بنانے، تقسیم کرنے، اشتہار دینے اور قیمت مقرر کرنے کا اختیار اور حق ہے، صارف بیچارے کو صرف یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اُسے نہ خریدے۔ دلیل کے طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مال تیار کرنے والوں کو زیادہ جوکھم اُٹھانا پڑتا ہے باوجودیکہ اسے کئی طرح کے حقوق حاصل ہیں۔ کیونکہ "ویٹو پاور" یعنی حقِ نامنظوری صارف کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تاہم، صارف کو اکثر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ حقِ نامنظوری رکھتے ہوئے بھی، وہ اکثر ان سازوسامان سے پوری طرح آراستہ نہیں ہوا کرتا جن کے ذریعے وہ ان اختیارات کو اپنے مفاد میں استعمال کر سکے۔ یہ صورتِ حال ممکن ہے کہ ناواقفی کا نتیجہ ہو یا معلومات کی بہتات کا، جس سے صحیح فیصلے تک پہنچنے میں دشواری پیش آتی ہو، یا غلط معلومات کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے جو یک یا کئی مقابلتاً تیار کنندگان کی طرف سے پھیلائی گئی ہو۔ یہی مسئلہ، جس سے صارف دوچار ہوتا ہے۔ "صارفین نوازی" کی بنیاد ہے۔ اس امر کو ذہن میں رکھنا مفید ہوگا کہ "صارفین نوازی" دوسری کئی سماجی تحریکوں کی طرح، جیسے عورتوں کیلئے رائے دہندگی کی تحریک، آزادی کی تحریک، شہری حقوق کی تحریک وغیرہ، سماجی تصادم کا نتیجہ ہے اور اسلئے اس سے گلوخلاصی کی اُمید کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ تحریک ہمارے دامن سے وابستہ رہے گی، جب تک صارف اس تصادم کو باقی رکھنے پر آمادہ ہوگا۔

صارفین نوازی کی وسعت و حدود

صارفین نوازی صرف صارف کے استعمال کرنے والی اشیاء سے ہی متعلق نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا تعلق اُن تمام اشیاء سے ہوا کرتا ہے جو صارف خریدتا ہے۔ درحقیقت یہ بات زیادہ اہم ہے کہ صارف انشورنس کی پالیسی یا موٹر کار یا بمبئی میں جھونپڑی یا بنک سے قرض لیتے وقت اپنے مفاد کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتا ہے بہ مقابلہ اسکے جب وہ کوئی صابن کا ٹکڑا خرید رہا ہو۔ اسلئے کہ اول الذکر معاملات میں رقم خرچ کرنا زیادہ جوکھم کا کام ہوتا ہے۔ اور اس میں ذرا سی غلطی بعد میں تکالیف کا باعث بن سکتی ہے۔

عام لوگوں کے مصرف کی چیزیں بھی ہیں جیسے بس اور ٹرین کی سہولتیں، بجلی وغیرہ جن پر صارفین ہر ماہ اچھی خاصی رقم صرف کرتے ہیں۔ ٹیلیفون، ریڈیو جیسی عام استعمال میں آنے والی چیزوں میں صارفین کسی نہ کسی شکل میں نمائندگی بھی رکھتے ہیں۔

صارفین نوازی کیونکر وجود میں آئی

مغرب میں صارفین نوازی اُس وقت وجود میں آئی جب متعلقہ ممالک میں دولت کی کثرت ہو گئی۔ اس وجہ سے ضروری اشیاء کی پیداوار اور تقسیم میں کافی اضافہ ہو گیا۔ ساتھ ہی مصنوعاتِ آرائش بھی بڑھ گئیں۔ ان حالات میں صارفین نوازی کا مقصد یہ تھا کہ باہم مقابلہ کرنے والی مصنوعات کی خوبیوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کی جائیں اور صارفین کے خیالات بھی معلوم کئے جائیں تاکہ مصنوعات کے تیار کرنیوالوں پر بہتر طور پر اثر ڈالا جا سکے۔

ہندوستان میں صارفین نوازی کے وجود کے اسباب مغربی ممالک کے مقابلے میں کافی مختلف ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ صارفین کے لئے ضروری اشیاء کی کمیابی اور ۱۹۷۲-۷۳ء میں قیمتوں میں اضافے سے صارفین کی تحریک کو کچھ بڑھاوا ملا۔ اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں تھی کہ صارف مصنوعات کی بہتات سے دوچار ہوا ہو۔ درحقیقت اسے مصنوعات کی کمیابی، ملاوٹ، اور قیمتوں کی کالا بازاری سے سابقہ پڑا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ہندوستانی صنعت ٹیکنالوجی میں یا مشتہر کرنے میں وہ مقام حاصل نہیں کر سکی جو متبادل مصنوعات کے پیش کئے جانے کا سبب بن سکتی۔ تیسری بات یہ ہوئی ہے کہ ہندوستانی عورتیں اپنے آپ کو مغربی ممالک کی عورتوں سے زیادہ ذی شعور ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگیں کیونکہ مؤخر الذکر کے پاس اشیاء کی خرید کے لیئے پیسے کم اور ان اشیاء کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے وقت زیادہ ہوا کرتا تھا۔ اسی بنا پر اُنہیں

کسی تحریک کی ہمنوائی پر ابھارنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

نتیجتاً، ہندوستانی میں تحریک صارف کا نشانہ ضروری اشیاء کی دستیابی، خالص پن، اور اُن کی قیمتوں پر منحصر ہو کر رہ گیا۔ ہندوستان کی ایک کثیر آبادی کو آمدنی اور خرچ میں توازن برقرار رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسلئے اس رُخ میں صارف کے مفاد کی حفاظت کرنے کی ضرورت کو زیادہ اہمیت حاصل ہونے کا امکان ہے۔

صارفین نوازی کا ارتقاء

دوسری سماجی تحریکوں کی طرح صارفین نوازی کے لئے بھی ارتقائی مرحلوں سے گذرنا لازمی ہے۔ مغرب میں پہلا مرحلہ احتجاج اور تحقیقات کا تھا۔ ہندوستان میں بھی کسی حد تک احتجاج اور مخالفت کی نوبت پیش آئی۔ لیکن یہ مخالفت مغرب کے ہم پلہ نہیں تھی اسلئے کہ ہندوستان میں صارفین نوازی کی بنیاد، چیزوں کی کمیابی اور قیمتوں میں اضافہ کی بدولت پیش آئی تھی۔ پھر دوسری طرف حکومت بھی صارف کی ضروریات پر کافی توجہ دیتی ہے حتیٰ کہ اسکے لئے قانون بھی بناتی ہے۔

دوسرا مرحلہ موجودہ قانون کے استعمال کو زیادہ مؤثر بنانا اور اس کے حدود کو وسعت دینے سے متعلق ہے۔ فی الحال ملک اسی دور سے گذر رہا ہے۔ چنانچہ ویٹس اینڈ میزرس ایکٹ، دی پیکیجڈ کماڈیٹیز آرڈر وغیرہ اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ہمیں قانون کے بارے میں صرف اس بات پر نظر رکھنی چاہیئے کہ مغربی قوانین کی نقالی کرنے کی بجائے ہم اعتدال پسندی سے کام لیں۔ مثلاً ہندوستان میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ غریبوں کے استعمال میں آنے والی ضروری اشیاء میں ملاوٹ وغیرہ کے موجودہ قوانین پر زیادہ تندہی سے عملدرآمد کیا جائے نہ یہ کہ متمول شہریوں کے استعمال میں آنے والی اشیاء کے بارے میں زیادہ سے زیادہ قوانین پاس کئے جائیں۔

تیسرا دور، جس کی ہمیں تیاری کرنی ہے اور جو بہت ہی اہم ہے اس کا تعلق صنعتوں کی جانب سے امداد باہمی کی تحریکوں کی حمایت سے ہے۔ صارفین نوازی صنعتوں کی جانب سے صرف مثبت اور ذمہ دارانہ ردِ عمل ہی کی بدولت بااثر ثابت ہو سکتی ہے، حکومت کو چاہیئے کہ وہ اس قسم کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اُن مسائل کے حل کرنے پر بھی توجہ دے جو ان صنعتوں کو درپیش ہیں۔

دوسری طرف صنعتوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ وہ زیادہ عرصے تک تب ہی زندہ رہ سکتی ہے۔ جبکہ وہ صارف کی ضروریات کے پورا کرنے پر بیش از بیش توجہ دیں۔

حکومت کا فرضِ منصبی

ہر جمہوری ملک میں حکومت کیلئے صارفین نوازی پر توجہ دینا ضروری ہے۔ ہندوستان میں جہاں ہم نے سوشلسٹ سماج کو اپنا نصب العین بنایا ہے، یہ ہمدردی سماج کے غریب طبقات کے مفاد کے لئے خاص طور پر زیادہ ضروری ٹھہرتی ہے۔ اگر ہم ہندوستان کے صارفین کی ایک بڑی تعداد کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آئیگی کہ انہیں کسی باقاعدہ تحریک کے لئے منظم نہیں کیا جا سکتا سوائے اسکے کہ وقتاً فوقتاً ووٹروں کی حیثیت سے رائے دینے کے اپنے حق کو استعمال کریں۔ اسلئے حکومت کو چاہیئے کہ وہ صارف کے مفاد پر خاموش لیکن ٹھوس ڈھنگ سے توجہ دیتی رہے۔ بالخصوص اسلئے کہ صارفین نوازی کی کوئی منظم نمائندگی اسے اس پر آمادہ کرنے کے لئے موجود نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مغرب کے برخلاف ہندوستان میں صارفین کی ایک بڑی تعداد تعیش پسندی کی مصنوعات سے کوئی زیادہ واسطہ نہیں رکھتی بلکہ بنیادی ضروریات مثلاً پانی، کھانا، کپڑا، مکانات، خوردنی تیل، نقل و حمل کے ذرائع، ایندھن، بجلی، وغیرہ اُن کے لئے دلچسپی کا باعث ہیں۔ جہاں متمول شہریوں کے استعمال میں آنے والی مصنوعات کے بارے میں قوانین سازی ضروری ہے، اس سے صارف کے مفاد کی کوئی خاص نمائندگی نہیں ہوتی۔ دیہی آبادی کے استعمال میں آنے والی اشیاء پر علیحدہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مغربی ممالک کے برخلاف ہندوستان میں صارفین کو بعض ضروری اشیاء حکومت کے محکموں یا عوامی اداروں کے ذریعے مہیا کی جاتی ہیں۔ یہ اشیاء عام طور پر راشن پر دیئے جانے والے اناج، پانی، بجلی، گھاسلیٹ اور کوئلہ، شہری نقل و حمل کے ذرائع، ریلوے، وغیرہ ہیں۔ ایسی بہت سی دوسری اشیاء بھی ہیں، جن کی دستیابی اور قیمتوں کا تعین درآمد و برآمد سے متعلق حکومت کی پالیسی پر ہوتا ہے۔ ان اشیاء میں خوردنی تیل، کپاس، شکر، وغیرہ شامل ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ہندوستان میں حکومت صارفین کی ضروریات پورا کرنے کے سلسلے میں راست اور اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اسی طرح مغرب کے برخلاف ہندوستان میں حکومت کو

صنعت پر بہت بڑا کنٹرول حاصل ہے اور اس لحاظ سے ایسے مغربی ممالک کی حکومتوں کے مقابلے میں اپنا فرض زیادہ تیزی سے پورا کرنے کی طاقت ہے۔ بعض معاملات میں ہمارے یہاں کا برسر اقتدار طبقہ صارفین اور غریبوں کے تمام مفادات کی سرپرستی کا پوری طرح نگراں بن چکا ہے۔

مغربی ممالک اور ہندوستان کی حکومتوں کے کردار میں ان قابل ذکر اختلافات کے علاوہ حکومت کا ایک اور کردار ہے جس پر توجہ دینا ضروری ہے۔ ایسا خیال تقویت پکڑتا جا رہا ہے کہ صارفین کے تمام مسائل کا حل امداد باہمی تحریک کو بڑھاوا دینے میں ہے۔ اس قسم کی امداد باہمی سوسائٹیاں ایک طرح سے تقسیم کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ صارفین کے مسائل صرف مصنوعات کی پیداوار میں اضافہ اور کفایتی دام سے ان کی فروخت کے ذریعے ہی حل کئے جا سکتے ہیں۔ محض ایک قسم کی تقسیم کرنے والی ایجنسی کو دوسری قسم کی ایجنسی میں تبدیل کر کے مسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک جہاں انجمن امداد باہمی پیداوار کے میدان میں داخل ہو جاتی ہے جیسے ڈیری فارم وغیرہ۔ تو مقصد کا ایک اچھا حل نکل آتا ہے۔ لیکن اس کا دائرہ بہت ہی محدود ہے اور صنعت کے تمام گوشوں پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

صارفین کے اداروں کا رول

بہت سے ممالک میں، بشمول ہندوستان کے، رضاکارانہ طور پر کام کرنے والی ایجنسیوں نے کئی قابل تعریف کام انجام دیئے ہیں۔ متعدد مغربی ممالک میں ایسی سرکاری ایجنسیاں ہیں جو صارفین کے معاملات میں خاص طور پر دلچسپی لیتی ہیں۔ ان اداروں کا خاص مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ صارفین کی معلومات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں۔ چنانچہ ان کے ذریعہ صارفین کو مختلف اشیاء اور خدمات کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی جاتی ہے۔ ان معلومات میں صارفین کی توقع کے مطابق قیمتوں پر معیاری تجارتی دستور وغیرہ کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔

دوسری اہم بات مصنوعات کی درجہ بندی ہے۔ صارفین کو مصنوعات کے انتخاب میں رہنمائی کرنے کے لئے کچھ ایجنسیاں ایسی بھی ہیں جو جانچ کا کام کرتی ہیں اور اپنی رپورٹ پیش کرتی ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ میں کنزیومرز ایسوسی ایشن کی جانب سے شائع ہونے والا جریدہ "وچ" (WHICH) اس سلسلے کی ایک نمایاں مثال ہے۔ اس میں مصنوعات کے بارے میں صرف معلومات ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی مذکور ہوتا ہے کہ کس چھٹی کے موقع پر کون سی مصنوعات مفید ہیں۔ اسی طرح دوسرے جریدے بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔
'MONEY WHICH' اور 'HANDYMAN WHICH'
ہمارے ملک میں بھی کنزیومر گائڈنس سوسائٹی آف انڈیا کے جریدے اس سمت میں شروعات کے درجے میں ہیں۔

صارفین کے اداروں کا دوسرا اہم کردار مصنوعات بنانے والوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھنا اور حکام حکومت کے ساتھ بھی۔ چونکہ ہندستان میں حکومت ہی صارفین کی ضروریات کو پورا کرنے کا اہم کردار ادا کرتی ہے اسلئے ان اداروں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ انھیں خاص طور پر ہندوستان میں اس سمت میں اہم فرض انجام دینا ہے۔ صنعت سے تعلق رکھنے کی حیثیت سے، صارفین کی تحریکوں کو یہ بات دھیان میں رکھنی ہی ہوگی حقیقتاً یہ بات خود صارفین کے مفاد میں ہے کہ صنعت کو مناسب منافع ملے اور وہ ترقی کرے۔ جیسا کہ واضح ہے صرف بامنافع تجارت ہی صارفین کی انتہائی تمناؤں کو پورا کرنے کے لئے مصنوعات بنانے والوں کو مختلف اقدامات کی ترغیب دیتی ہے۔ اسکے برعکس اگر تجارت میں منافع نہ ہو تو اس سے مصنوعات کی خوبی، پیداوار، تقسیم وغیرہ میں کمی آجاتی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں توجہ صرف اس بات پر ہوا کرتی ہے کہ کسی طرح صنعت کو شکست سے بچایا جائے۔ یقیناً یہ بات صارفین کے مفاد میں نہیں ہو سکتی۔ پس، مصنوعات کو تیار کرنے والوں کے معاملات کو نبٹانے سے پہلے اس بات پر توجہ دینا ضروری ٹھہرتا ہے کہ ان کی تجارت منافع کے ساتھ چلے کیونکہ اسی سے صارفین کا مفاد وابستہ ہے۔

صارفین نوازی اور مارکیٹنگ

دوسرے بہت سے الفاظ اور خیالات کی طرح، مارکیٹنگ کا لفظ بھی بہت سے لوگوں نے مختلف معنوں میں اپنایا ہے۔ مارکیٹنگ ـــ صارف کی ضرورت کو جاننے اور اطمینان بخش مصنوعات کے بہم پہنچانے کا نام ہے۔ محض چیزوں کی فروخت یا مصنوعات کی تقسیم اس کے معنی نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں چونکہ صنعتوں کی تیار کردہ متعدد مصنوعات فروخت کرنے والوں کی منڈی سے بندھی ہوئی ہیں یا ان کا تعلق واحد فروخت کنندگان سے ہے اسلئے صنعت یا حکومت یا صارف کو مارکیٹنگ اور فروخت میں صحیح فرق سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی لئے مارکیٹنگ کی کارگذاریوں کا بیان کیا جانا

بہت ضروری ہے۔ مارکیٹنگ کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ صارف کی ضروریات اور ترجیحات کو معلوم کیا جائے۔ یہ کام میعادی طور پر کی جانے والی جانچ پڑتال کے ذریعے انجام دیا جاسکتا ہے کہ صارف کی عادات اور رجحانات کیا ہیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ کونسی مصنوعات غیرضروری اور فضول ہیں۔ ایسی جانچ پڑتال سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ کونسی مصنوعات کی اہمیت بڑھی ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر اس وقت جبکہ دنیا کیمیاوی طریقے سے بنائے گئے دھونے کے پاؤڈر کو ترجیح دے رہی ہے ہم نے دھونے کے لئے صابن کے بار کو اپنانے کا خیال کیا ہے۔ اسلئے کہ ہندوستان میں بہت سے لوگ کپڑا دھونے کے لئے مشینوں یا بالٹیوں کا استعمال کرتے ہی نہیں ہیں کیونکہ وہ کپڑوں کو صابن کے ٹکڑوں سے رگڑ کر صاف کرنے کے عادی ہیں جب ایک دفعہ یہ خیال قبولیت حاصل کرلیتا ہے تو دوسرا قدم یہ ہونا چاہئے کہ لوگوں کو ان مصنوعات کی ترقی کے لئے مناسب تحریرات کے ذریعہ واقف کرایا جائے۔ چوتھے یہ کہ مارکیٹنگ کے انتظام کاروں کے لئے لازم ہے کہ وہ تجارتی شعبوں کے ساتھ مل کر کام کریں تاکہ اخراجات اور کارکردگی دونوں مدّنظر رہیں۔ پانچویں مرحلے میں تیارکردہ اشیاء کو استعمال میں ان کے محفوظ ہونے کی حیثیت سے جانچا جائے۔ عام حفاظتی طریقوں اور اصولوں کے علاوہ، ایسی مصنوعات جو انسانوں کے کھانے کے لئے ہوتی ہیں یا جو جسم کے نازک اور حسّاس اعضاء سے چھوجایا کرتی ہیں، اُن کے سلسلے میں زہریلے پن کی حیثیت سے اُن کی جانچ کی جاتی ہے چنانچہ یہ مصنوعات پہلے جانوروں پر آزمائی جاتی ہیں اور اسکے بعد ان کے انسانوں کے لئے قابلِ استعمال ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "سالٹ مینٹ" کو جسے اب "کوکوبٹر" میں تبدیل کیا جانے لگا ہے، اس کی جانچ وسیع پیمانے پر سب سے پہلے اسکی سمیاتی کیفیات واثرات کے لحاظ سے کی گئی اور اس کے بعد اُس کے قابلِ استعمال ہونے کی منظوری دی گئی۔ اگرچہ یہی چیز آدی باسیوں میں پہلے ہی سے روایتی طور پر استعمال ہوا کرتی تھی۔ جوں جوں ٹیکنالوجی ترقی کررہی ہے، نہ صرف دواساز کمپنیوں کو بلکہ بہت سی ایسی کمپنیوں کو بھی جو صارفین کے استعمال کیلئے چیزیں تیار کرتی ہیں۔ اِن چیزوں کے زہریلے پن کی جانچ کرنے اور ایسے ہی دوسرے حفاظتی طریقوں کے اختیار کرنے کا خیال رکھنا ہوگا۔ چھٹے یہ کہ جب ایک دفعہ چیز کے محفوظ اور بےضرر ہونے کا اعتماد عام ہوجائے تو تجربہ گاہوں میں مصنوعات کا تخمینہ لگایا جاتا ہے اور صارفین کی عادتوں اور طور طریقوں کو بڑی باریک بینی کے ساتھ جانچا جاتا ہے۔

اس کا مقصد ہوتا ہے مصنوعات کی کارکردگی کو جانچنا۔ اگر مصنوعات غیر اطمینان بخش ہوئیں تو انھیں پھر سے ترکیب سازی اور اصول بندی کے لیئے واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ عمل اس وقت تک ہوتا رہتا ہے جب تک کہ مذکورہ مصنوعات جانچ کی کسوٹی پر کھری نہ اُتریں۔ اسکے بعد انہیں ڈبو میں بند کرنے اور اسٹور میں رکھنے والے حالات سے گذارا اور جانچا جاتا ہے۔

ساتویں یہ کہ بہت سی مصنوعات اپنی صفتوں اور خوبیوں کو صرف چھ ماہ یا ایک سال تک برقرار رکھ سکتی ہیں۔ اس دوران وہ کارخانوں سے صارف کے گھر پہنچنے تک بہت سی جگہوں میں اسٹور کی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں موسمی حالات مختلف سمتوں میں مختلف ہیں یعنی شمال میں اگر موسم سرد وخشک ہے تو جنوب میں گرم اور مرطوب۔ اس کے علاوہ خوردہ فروشی کے ذریعے بیچنے والے اداۓ شہروں میں اعلٰے درجے کے دوا فروشوں کی دوکانوں سے لے کر دیہاتوں میں ہر قسم کی چیز بیچنے والے "کرانہ فروش" کی دوکانیں ہوتی ہیں جہاں مصنوعات متاثر کرنے والے بہت سے حالات میں رکھا رکھایا جاتا ہے۔ پھر نقل وحمل کے حالات بھی اچھی خاصی آزمائش ہوا کرتے ہیں جس کی وجہ سے مصنوعات اور اُن کے ڈبوں کو نقصان پہنچنے کا ڈر رہتا ہے۔ اس لئے ڈبوں کی ڈیزائن تیار کرتے وقت اس بات کا دھیان رکھا جاتا ہے کہ راستے، ریل، بسیں، بیل گاڑیاں اور مزدوروں کے سر پر مال لے جاتے وقت مصنوعات کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ انہی اسباب کی بناء پر یہ بہت ضروری ہوجاتا ہے کہ چیزوں کو ذخیرہ کرنے کے طریقوں اور اُن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی آزمائش بھی کرلی جائے۔ اگرچہ ہمارے پاس ایسے طریقے موجود ہیں جن کے ذریعے ہم موسمی حالات اور نقل وحمل کے وقت نقصانات پر قابو پاسکتے ہیں۔ لیکن اِن آزمائشوں میں بعض دفعہ کئی ماہ بلکہ سال بھر ضائع ہوجاتا ہے۔

آٹھواں قدم صارف کی جانب سے کی جانے والی جانچ ہے، تیار کی گئی مصنوعات مختلف صارفین کو جانچ کے لیئے پیش کی جاتی ہیں اور ان سے ان کے عام استعمال کی مصنوعات سے مقابلہ اور تنقید اور خیالات معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یہ موقع مختلف قیمتوں کو جانچنے کے لیئے بھی استعمال میں لے لیا جاتا ہے اور یہ بھی معلوم کرلیا جاتا ہے کہ صارفین نئی مصنوعات کی خوبیوں کے پیشِ نظر کس قیمت کو خوشی خوشی برداشت کرنے کے لائق ہیں۔ اس سے قیمتوں کے متعین کرنے میں رہنمائی ملتی ہے

اور مصنوعات کو کفایتی داموں میں آگے بڑھانے میں بھی۔

عام طور پر یہ تمام جانچ بہت ہی محدود طریقوں پر کی جاتی ہے۔ اور پھر ان میں سے وہی جانچ پسند کر لی جاتی ہے جسے صارف ترجیح دیتا ہے۔

نویں مرحلے پر، جب کہ صارف کی جانب سے مصنوعات کا انتخاب ہو جاتا ہے۔ مصنوعات کو "مارکیٹنگ جانچ" کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔

جیسے، لیرل صابن جسے ہم نے قومی سطح پر کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اُسے شروع شروع میں دو شہروں ـــ لکھنؤ اور حیدرآباد ـــ میں پیش کیا گیا تھا۔ ان شہروں کو ہی اس لئے چنا گیا تھا کہ ان دونوں کی خصوصیات مختلف ہیں اور یہ ہندوستان کے دوسرے شہروں کے برابر ہیں۔ مصنوعات کو تمام عام طریقوں سے پورے شہر میں تقسیم کیا گیا اور صارفین کی آگاہی کے لئے اشتہارات بھی دیئے گئے۔ اس مارکیٹنگ جانچ کے نتائج کی وجہ سے بہت سی اصلاحات ہوئیں اور اس کے بعد اُسے قومی سطح پر پیش کیا گیا۔ تمام اشتہارات کو جو کہ مصنوعات کے لئے کمپنی کی جانب سے جاری کئے جاتے ہیں، سینئر قانون داں اور تکنیکی ماہرین سے اس بات کے لیئے جانچ کروائی جاتی ہے کہ مصنوعات کے سلسلے میں پیش کئے گئے دعوے صحیح ہیں۔ اس کے علاوہ گھر گھر تقسیم کرنے کا طریقہ اور تجارتی پیشکش بھی کی جاتی ہے تاکہ صارفین کو مصنوعات کی جانچ کے لئے راغب کر لیا جائے اسی دوران مصنوعات کی قیمتوں کو بھی جانچا جاتا ہے۔

مارکیٹ جانچ کے بعد، ایک سروے لیا جاتا ہے اس سے یہ معلوم کرنا مقصد ہوتا ہے کہ پہلی جانچ ابھی تک باقی ہے یا نہیں۔ پھر یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ مصنوعات کو کافی گھروں میں استعمال کیا جا چکا ہے یا نہیں اور آیا اُسے پسند بھی کیا گیا یا نہیں اور یہ کہ اس سلسلے میں جتنی اشتہار بازی کی ضرورت تھی کی گئی یا نہیں۔ اس سروے کی روشنی میں مختلف اقدامات کئے جاتے ہیں۔

اگر مذکورہ بالا طریقوں پر مارکیٹنگ کی جائے تو وہ صارفین لوازمی کے عین مطابق ہوگی۔ اسلئے کہ یہ صارفین کے مفاد کے لحاظ سے ہی تیار کی گئی ہے۔

پس یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ صارفین لوازمی کوئی خدشہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا موقعہ ہے جس سے وہ افراد فائدہ اٹھا سکتے ہیں جنھیں صارف کی ضروریات کو پورا کرنے کی اہلیت اور خواہش ہے۔

قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ ہر شمارہ میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلہ خیال سے ہمیں اور آپ کو اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ آپ اپنے سوالات مندرجہ ذیل پتے پر روانہ فرما سکتے ہیں

ایڈیٹر "قومی راج" پندرہ روزہ ۔ ۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

یوتھ فورم

"قومی راج" کے مئی ۱۹۷۷ء کے شمارے سے ہم نے "یوتھ فورم" کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوگا

اس فیچر میں قوم کی سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جائے گی۔ قومی پروگرام جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی کی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم بالغاں وغیرہ پر لکھے گئے، مضامین کو سراہا جائے گا۔ اپنے مضامین مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ کیجئے:

ایڈیٹر پندرہ روزہ "قومی راج"، ۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲



وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، آزادی کی ۳۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ۱۵ اگست ۱۹۷۷ء کو منترالیہ میں رسم پرچم کشائی کی تقریب میں تقریر کر رہے ہیں۔ ←

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے زیر اہتمام دعوتِ افطار کے موقع پر اکادمی کے چیرمین جناب ڈاکٹر رفیق زکریا، وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کی خدمت میں پھولوں کا گلدستہ پیش کر رہے ہیں۔ ↓





↑ وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، افطار سے قبل حاضرین سے خطاب کر رہے ہیں تصویر میں اکادمی کے سکریٹری خواجہ عبدالغفور، چیرمین ڈاکٹر رفیق زکریا اور وائس چیرمین سید فاروق باشا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



→ مبل گھاٹ کے لبادہ ادیباسی علاقے کی شریمتی نانو بائی دھانو اپنے خاندان کے ساتھ، اپنے کھیت میں غیر ضروری پودوں کو نکالنے میں مصروف ہیں۔

آزادی کی ۳۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ناگپور میں 'پرانے سچیوالیہ کی عمارت پر شری ناشک راؤ ترپڑے' وزیر برائے قبائلی بہبود اور سیاحت نے پرچم کشائی کی۔ اس تقریب میں شری شنکر راؤ گیڈم، وزیر برائے غذا اور شہری رسد ڈویژنل کمشنر شری دوارکا ناتھ کپور اور پولس کمشنر شری ایم جی گوائی نے شرکت کی۔



وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل ریاستی حکومت کے سندھی زبان میں شائع ہونیوالے' پندرہ روزہ 'لوک راجیہ' کا پہلا شمارہ دیکھ رہے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں شری ایم۔ ایشور راج ماتھر، ایڈیشنل چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، مس اندرا گیہانی ایڈیٹر 'لوک راج' (سندھی)، اور مس چندریکا ناناوتی' ایڈیٹر 'لوک راج' (گجراتی) بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

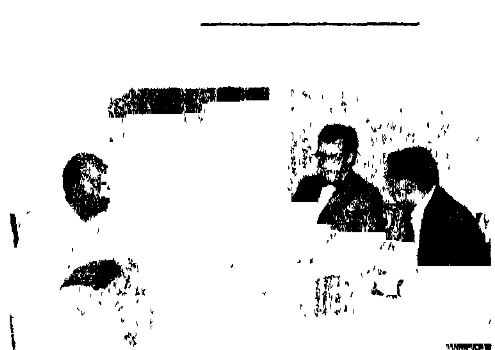




وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے مہاراشٹر راجیہ سہکاری بینک کی ساخ کا 'سما صوں' میں ۱۵ اگست ۱۹۷۷ء کو افتتاح کیا۔ تصویر میں ترتیب شالینی تائی، شری شیواجی راؤ پاٹل، وزیر برائے امداد، باہمی بھی نظر آرہے ہیں



شری ایم۔ جی مہولکر' وزیر مملکت برائے اٹومک انرجی' منصوبہ بندی' امور قانون سازی حکومت مہاراشٹر' بجلی بورڈ، امراوتی کے ڈویژنل آفس کے نواح میں پودا لگا رہے ہیں۔ آپ کے بازو میں ایم۔ ایل۔ اے شری شرد تسرے' کھڑے ہیں۔



وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل سے امریکی سفیر شری گوہین نے ۸ اگست کو بمبئی میں ملاقات کی۔

اُردو زبان کی ترقی کیلئے بھرپور امداد

وزیر اعلیٰ کی جانب سے یقین دہانی

''حکومت مہاراشٹر کی سدا یہ خواہش رہی ہے کہ اُردو زبان ریاست مہاراشٹر میں پوری طرح ترقی کرے۔ مراٹھی اور اُردو زبان کے درمیان جو صدیوں پرانا رشتہ ہے' وہ مزید مضبوط ہو اور مراٹھی و اُردو داں طبقہ ایک دوسرے کے قریب سے قریب تر آجائیں، آپس میں گھل مل جائیں۔ اس مقصد کے لئے اردو اکادمی قائم کی گئی ہے، اور اسی مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اکادمی سرگرم ہے۔ آئندہ یہ اپنی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے جو فیصلے اور اقدامات کرے گی ان میں حکومت مہاراشٹر حسب معمول تعاون کرے گی اور روپیہ پیسے کا سوال اس کے کاموں میں کبھی آڑے نہ آنے دیا جائے گا۔''

مذکورہ بالا امر کی یقین دہانی وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے دعوتِ افطار میں کی' جس کا اہتمام ریاست مہاراشٹر اُردو اکادمی نے ۱۸ر اگست' ۲ر رمضان المبارک کو سچیوالیہ جمخانہ بمبئی میں کیا تھا۔

وزیر اعلیٰ نے عالی جناب ڈاکٹر رفیق زکریا کی سربراہی میں اکادمی کی کارگذاری کو سراہا اور اُمید ظاہر کی کہ ڈاکٹر زکریا کی زیر قیادت مہاراشٹر اُردو اکادمی دوسروں کے لئے ایک مثال بن جائے گی۔

قبل ازیں اُردو اکادمی کے چیرمین عالی جناب ڈاکٹر رفیق زکریا نے ان پروگراموں پر روشنی ڈالی جن پر اکادمی عنقریب عمل کرنیوالی ہے۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ اکادمی کے بورڈ نے ریاست کے مختلف علاقوں میں اکادمی کی سرگرمیوں کو فروغ دینے اور ان خطوں کے اُردو داں طبقوں سے ربط رکھنے کی غرض سے علاقائی مراکز قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے چنانچہ پونے، اورنگ آباد اور ناگپور میں ایک ایک پر چارک مقرر کیا جائیگا

ڈاکٹر رفیق زکریا نے مزید بتایا کہ اکادمی ایک سالنامہ بھی شائع کریگی جو ریاست کی تہذیبی، علمی اور ادبی زندگی کا عکاس ہوا کرے گا۔ چیرمین صاحب نے مزید بتایا کہ اکادمی مراٹھی داں طبقے کو اُردو اور اُردو داں طبقے کو مراٹھی سکھانے کے لئے اُردو سیلف ٹیچر اور مراٹھی سیلف ٹیچر تیار کرائیگی اور شائع کرے گی۔ ڈاکٹر زکریا نے یہ بھی کہا کہ اکادمی نے اس کے علاوہ کئی توسیعی پروگرام مرتب کئے ہیں۔

خواجہ عبدالغفور' رکن معتمد اکادمی نے شکریہ ادا کیا۔ دعوتِ افطار میں متعدد ادباء، شعراء، صحافی اور اساتذہ حضرات نے شرکت کی۔

برآمد کنندگان کو انعامات

حکومت مہاراشٹر نے سال برائے ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران اعلیٰ پیمانے اور چھوٹے پیمانے کے رجسٹرڈ کارخانہ دار، برآمد کنندگان اور تسلیم شدہ اکسپورٹ ہاؤس کو انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

مختلف اشیاء گروپ کے لئے مثلاً انجینئرنگ اور الیکٹرونکس، بُنیادی کیمیکلز، ٹیکسٹائل، پلاسٹک وغیرہ میں' ۱۰ انعامات بڑے پیمانے کے برآمد کنندگان کو، ۱۳ چھوٹے پیمانے کے برآمد کنندگان کو اور ایک انعام تجار برآمد کنندگان اور تسلیم شدہ اکسپورٹ ہاؤس کو دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور انعام' ناگپور، اورنگ آباد، پونے (پونے میونسپل کارپوریشن کے علاقے اور سکوم SICOM علاقے، دونوں کو چھوڑ کر اور بمبئی (بمبئی عظمیٰ نیز سیمکو SIMCO علاقے کو چھوڑ کر) جیسے ترقی پذیر علاقوں میں چھوٹے پیمانے کے برآمد کنندگان کو ان کی اعلیٰ کارکردگی کے سلسلہ میں دیا جائے گا۔

مستحق برآمد کنندگان کو تعریفی سرٹیفکیٹ دیئے جائیں گے۔ برآمد کنندگان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ درخواستیں ڈائرکٹر، اکسپورٹ پروموشن، ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز، دوسرا منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ' بمقابل منترالیہ، بمبئی ۳۲ سے مقررہ فارم حاصل کرکے' بمبئی، پونے، ناگپور اور اورنگ آباد کے ڈائرکٹوریٹ کے تمام ریجنل دفاتر کے پتے پر بھیج سکتے۔

مقررہ درخواست فارم مذکرہ پتوں پر ۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۷ء سے قبل بھیجے جا سکتے ہیں۔

۳۲ صنعتی یونٹوں کو ۲۸ لاکھ روپے مرکزی سبسڈی

۱۵ فیصد مرکزی سبسڈی اسکیم کے تحت ریاست کے پسماندہ اضلاع میں ۳۲ چنندہ صنعتی یونٹوں کے لئے ۲۸۳۸۰۵۲ روپے کی سنٹرل سبسڈی کی منظوری دیدی گئی ہے۔ اس کا فیصلہ ۱۵ بز سینٹرل اسکیم کی ریاستی سطح کمیٹی کے چیرمین شری پی۔ ڈی کسبیکر' سیکریٹری محکمۂ صنعت، انرجی و محنت کی سربراہی میں منترالیہ میں منعقدہ بیٹھک میں کیا۔

مذکرہ رقم میں سے ضلع اورنگ آباد کی ۲۲ یونٹوں کے لئے ۲۴٫۳۸۸۰۴ روپے' اور ضلع رتنا گیری کے ۱۰ صنعتی یونٹوں کے لئے ۴۸ ۴٫۹۹۲ روپے کی منظوری دیدی گئی ہے۔ سبسڈی سیمکو/ ایم ایس ایف سی اور ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کے ذریعہ اصلی روپیہ لگانے کے بعد دی جائے گی۔

اس موقع پر انڈسٹریز کمشنر شری پی۔ ایس پالندے جو کہ ریاستی سطح کیمٹی کے سکریٹری بھی ہیں، موجود تھے۔

اکسرسائز بک کے لئے کاغذ

حکومت کی جانب سے اکسرسائز بک تیار کرنے کے لئے معیاری سفید کاغذ رجسٹرڈ چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹوں کو رعایتی داموں پر ۲,۵۰ روپے فی ٹن کے حساب سے دیا جائے گا۔

دیگر اخراجات مثلاً اکسائز ڈیوٹی، سیلس ٹیکس اور لانے لیجانے کا خرچ تھوک میں کاغذ خریدنے والے کو ادا کرنا ہوگا۔

بمبئی کی یونٹوں کو چاہیئے کہ وہ ریجنل جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز دھرمادیہ، آلوکت، ڈاکٹر اینی بیسنٹ روڈ، ورلی۔ کے پتے پر اور ضلعی یونٹوں کو چاہیئے کہ وہ متعلقہ ڈسٹرکٹ انڈسٹریز افسران کو درخواستیں روانہ کریں۔

دستکاری کے لئے انعامات

کل ہند ہینڈی کرافٹ بورڈ، نئی دہلی' قومی انعامات برائے ۷۸-۷۷ء کے لئے ماہر دستکاروں سے دستکاری کے نمونے طلب کرتا ہے۔

بمبئی کے ماہر دستکاروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ڈپٹی ڈائرکٹر آف انڈسٹریز (ہینڈی کرافٹس شاخ) دوسرا منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ بمقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ سے رجوع کریں تاکہ داخلے کے لئے درخواست فارم بھرے جاسکیں۔ تمام داخلے مقررہ درخواست فارم کے ساتھ ڈائرکٹوز آف انڈسٹریز کے پتے پر ۲۰ ستمبر ۱۹۷۷ء سے قبل پہنچ جانے چاہئیں۔

اضلاع میں دستکاری کے ماہرین مقررہ درخواست کے ساتھ دستکاری کے نمونے متعلقہ ڈسٹرکٹ انڈسٹریز افسر کے پتے پر ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء سے قبل بھیج سکتے ہیں۔

زمین دینے میں خاندانی منصوبہ بندی کی شرط نہیں

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ زراعتی اور رہائشی مقاصد کے لئے منظور کی جانیوالی زمینوں کے معاملے میں خاندانی منصوبہ بندی کی شرط لاگو نہیں کی جائے گی۔

اس لئے حکومت مہاراشٹر لینڈ ریوینیو (ڈسپوزل آف گورنمنٹ لینڈز) قوانین بابت ۱۹۷۱ء میں مناسب ترمیم کرنے کی تجویز رکھتی ہے۔ بہرحال زیرغور معاملات میں قوانین ۱۱، ۱۷ اور ۲۸ کے تحت فیصلے کئے جائیں گے۔

چوڑیاں برآمد کنندگان کو انعامات :

چھٹے چوڑیاں ایکسپورٹ ایوارڈ تقسیم پروگرام میں آل انڈیا پلاسٹک بینگل مینوفیکچرز ایسوسی ایشن بمبئی نے چوڑیاں برآمد کرنیوالے تاجروں کو ایکسپورٹ انعامات دیئے۔ یہ انعامات یہاں شری ایس۔ کے وانکھیڈے، وزیر صنعت کے ہاتھوں تقسیم کئے گئے۔

اس موقع پر وزیر موصوف نے تقریر کرتے ہوئے برآمد کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور انعام یافتگان کو ملک کے اس شعبے کی ترقی میں عملی طور پر حصہ لینے کے لئے مبارکباد دی۔ ایسوسی ایشن کی جانب سے وزیر موصوف کو پیش کردہ میمورنڈم کے جواب میں شری وانکھیڈے نے فرمایا کہ حکومت ان مسائل کا ضرور جائزہ لے گی کیونکہ حکومت عام طور سے اس صنعت کے بعض مسائل سے واقف ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اقدامات کئے جائیں گے۔

مندرجہ ذیل برآمد کنندگان نے سال برائے ۷۵-۱۹۷۴ء، ۷۶-۱۹۷۵ء اور ۷۷-۱۹۷۶ء کے انعام حاصل کئے:

میسرز پالی پروڈکٹس، میسرز روبی پروڈکٹس، میسرز سردیہ بینگل ورکس' اور میسرز ریڈیانٹ پلاسٹکس۔

اس سے قبل شری اے۔ این رانا، کنوینر ایکسپورٹ کمیٹی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ اور رمنش بھٹ آنریری سیکریٹری نے شکریہ ادا کیا۔

اس موقع پر میسرز گاندھی انڈسٹریز کے بھوگی بھائی گاندھی کی چوڑیوں کی صنعت میں قابل قدر خدمات کی بنا پر عزت افزائی کی گئی اور شیلڈ و توصیفی سند سے نوازا گیا۔

پنڈھرپور یاتریوں کے لئے ہیضے کے ٹیکے

حکومت مہاراشٹر نے یہ ہدایت کی ہے کہ پنڈھرپور یا کسی بھی نوٹیفائیڈ علاقے میں انسداد ہیضے کے ٹیکے کا جائز سرٹیفکیٹ رکھنے والے یاتریوں کو سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی تاریخ سے لیکر چھ ماہ کے دوران دوبارہ ٹیکہ لینے کی ضرورت نہیں ہے اس سلسلہ میں وزیر اعلیٰ سے نمائندگی کی گئی تھی جس کے جواب میں ہیلتھ سروسس اتھاریٹیز سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد یہ احکامات جاری کئے گئے ہیں۔ پنڈھرپور کے ہیلتھ اتھاریٹیز اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسداد ہیضے کے ٹیکے عام حالات میں چھ ماہ تک جائز مانے جاتے ہیں لیکن پنڈھرپور کے لئے یہ مدت محض تین ماہ تک رکھی گئی تھی جس سے یاتریوں کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

دفتر کی منتقلی : ڈپٹی ڈائرکٹر آف ٹیکنیکل ایجوکیشن بمبئی ریجن' بمبئی کا دفتر یکم اگست ۱۹۷۷ء سے ویرساورکر مارگ' دادر، بمبئی ۴۰۰۰۲۸ سے ۹۴ کھیرواڑی، مغربی ایکسپریس ہائی وے، باندرہ (مشرق)، بمبئی ۴۰۰۰۵۱ (بقیہ ۴۴)

۴۴ : میں منتقل کردیا گیا ہے۔

فلیٹوں کی منتقلی - طریقۂ کار میں آسانی

حکومت مہاراشٹر نے شہری اراضی (ملکیت کی حد بندی قانون) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے تحت فلیٹوں یا مکانوں کی فروخت، لیز، تحفہ یا رہن کے ذریعہ منتقلی کی اجازت کے طریقۂ کار کو مزید آسان بنا دیا ہے۔

اب درخواست کنندہ کے لیۓ جگہ کا منصوبہ، دستاویز کی ایک کاپی اور دیگر ملکیت کی دستاویز پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔

فارم نمبر ۶ پر تفصیلات درج کرتے وقت درخواست کنندہ کو صرف ایک نقل پیش کرنی ہوگی۔ جبکہ پہلے اس کی تین نقول پیش کی جاتی تھیں۔

اگر فلیٹ ہاؤسنگ سوسائٹی میں منتقل کیا جا رہا ہے اس صورت میں سوسائٹی سے "اعتراض نہیں" (نو آبجکشن) سرٹیفکیٹ پیش کرنا کافی ہوگا۔ اگر درخواست کنندہ عمارت کی تعمیر تاریخ سے ناواقف ہے تو اسے متعلقہ فارم بھرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

جس شخص کے نام فلیٹ یا مکان منتقل کیا جا رہا ہے اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں رہا کہ وہ اپنی دیگر ملکیت کے بارے میں تفصیلات پیش کرے۔

سندھی اور گجراتی لوک راجیہ

آزادی کے تیسویں جشن سالگرہ کے موقع پر سندھی اور گجراتی 'لوک راجیہ' کے افتتاحی شمارے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کی خدمت میں ایڈیشنل چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، شری ایم۔ آئی۔ آر ماتھرے نے مشار الیہ میں پیش کیے۔

ان دونوں زبانوں میں لوک راجیہ نکلنے کے بعد حکومت مہاراشٹر کا سرکاری پرچہ چھ زبانوں میں شائع ہونے لگا ہے۔ مراٹھی، انگلش، اردو، ہندی، سندھی اور گجراتی۔

حکومت نے لیجسلیچر میں یقین دہانی کی تھی کہ سرکاری پرچہ متذکرہ زبانوں میں نکالا جائے گا۔ اب اس وعدے کو عملی جامہ پہنا دیا گیا ہے۔

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی نے سندھی اور گجراتی کے افتتاحی شماروں کے لئے اپنے پیغام میں ان اشاعتوں کا خیر مقدم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ قومی ترقی میں عوامی شمولیت کو حاصل کرنے کے لئے ریاست میں بولی جانے والی دیگر زبانوں کے ذریعہ لوگوں کو ان کی فلاح و بہبود کی اسکیموں سے باخبر کرنا یقیناً مفید ہے۔

مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے افتتاحی شمارے کے لئے اپنے پیغام میں فرمایا کہ یہ مستقبل میں بھی مہاراشٹر کے کوسموپولیٹن کردار کو برقرار رکھیں گے نیز ریاست کے وسیع و تعصب سے پاک نظریات کو تقویت پہنچائیں گے۔

شری ایل۔ کے اڈوانی، مرکزی وزیر برائے انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ نے حکومت مہاراشٹر کو اس سلسلہ میں مبارکباد دی۔

کماری اندرا گیہانی، کماری چندریکا نانا وٹی بالترتیب سندھی اور گجراتی ایڈیشن کی ایڈیٹران بھی اس موقع پر موجود تھیں۔

ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم

ماہ جون ۱۹۷۷ء کے دوران ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم کے تحت ۱۲۴۳۱ بیمہ شدہ افراد کو راحت پہنچائی گئی اور ۱۷۰۸۹۲۶ روپے انھیں دیۓ گۓ ان افراد میں مستقل معذوری کی مد میں پنشن حاصل کرنیوالے ۴۲۴۸ افراد نیز فوت بیمہ شدہ افراد کے ۱۵۶۳ لواحقین بھی شامل ہیں۔ اس ماہ کے دوران ۹۷۸۲ حادثات کی اطلاع ملی۔

اس وقفہ کے دوران ۹۴۴۲۴ مطالبات وصول ہوۓ اور اس مد میں ۹۸۰۸۱۰۶۰ روپے علالت معاوضہ کے طور پر دیۓ گۓ طبی علالت کے معاوضہ کی مد میں ۳۷۸۶۵۴ روپے ادا کیۓ گۓ۔

زچگی معاوضہ کے طور پر ۲۵۱ بیمہ شدہ خواتین ملازمین نے ۳۶۴۲۹۲ روپے کے مطالبات کیۓ۔ ڈسپنسریوں میں ان کی کل تعداد ۲۶۱۷۸۲ تھی۔

۱۲۷ کفن دفن کے واقعات میں ۱۲۶۹۴ روپے دیۓ گۓ۔ بیمہ شدہ افراد کی بیویوں کی ایام حمل کے دوران اس مد میں ۸۲۴۷ روپے ادا کیۓ گۓ۔

اس اسکیم کا اطلاق ریاست کے ۲۶ مراکز پر ہوتا ہے اور اس کے تحت ۱۲۵۸۳۰۷ ملازمین کو راحت پہنچائی گئی

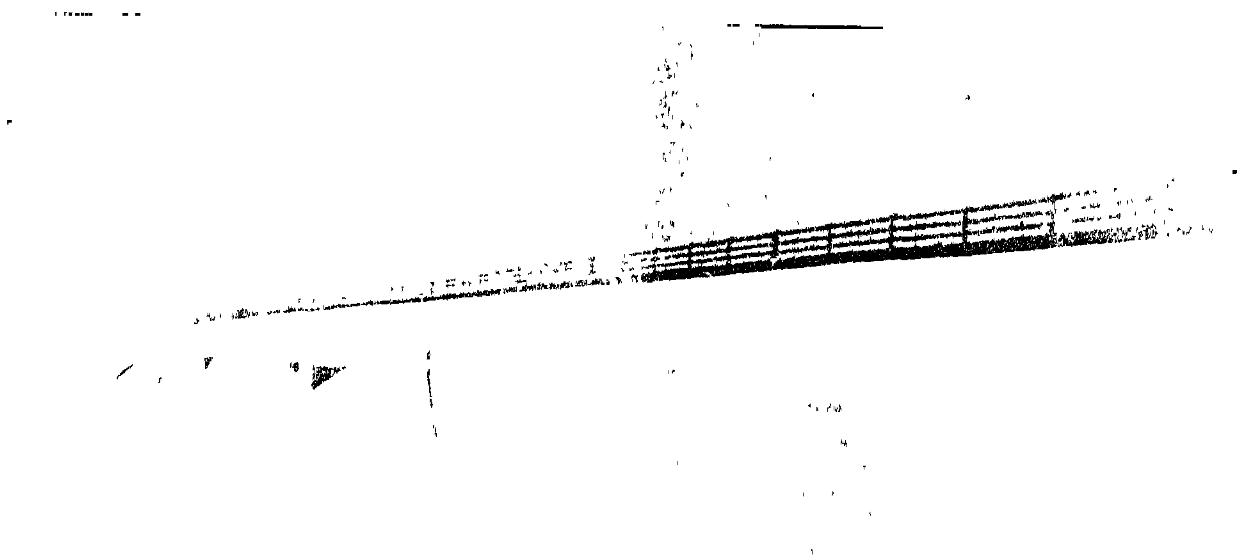
صفحہ ۴ سے آگے

درخت کاری کا کام فارسٹ ڈویژن نے سنبھالا ہے اور گذشتہ جولائی سے از سر نو درخت لگاۓ گۓ ہیں۔ دسمبر ۱۹۷۶ء سے ان پودوں کے لئے پانی دیا جا رہا ہے۔ کیوں کہ فی الحال انیا دوہ پروجیکٹ سے زائد پانی دستیاب ہے، لہٰذا درخت کاری کی یہ نئی اسکیم شروع کی گئی ہے۔ سینچائی کے سبب پودے خوب بڑھ رہے ہیں۔

باگھ اور انیا دوہ پروجیکٹ سبز انقلاب کا نقیب ہے۔ اضلاع بھنڈارہ اور چندرپور میں اس منصوبہ کی بدولت کسانوں کے لئے ترقی کی نئی راہیں کھل گئی ہیں۔



ضلع احمدنگر میں اکولہ درگام روڈ پر پل ۔ یہ ادیباسی علاقے میں اکولہ کے قریب پرورہ ندی پر تعمیر کیا گیا ہے



بمبئی - احمدآباد روڈ - وسئی کریک برج ... بمبئی اور وسئی کے درمیان فاصلہ ۳۸ کلومیٹر کم ہو گیا ہے

سرورق : اگور میں ایم-ایل-اے
ہوسٹل کی نئی عمارت جو ایک کروڑ
کے صرفے سے تیار ہوئی

ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا



قومی راج

قیمت: ۵۰ پیسے

• لاٹری پر ایک نظر

• راہوری ــ زراعتی یونیورسٹی
جدید زراعت کی رُوح رواں

۲۵ ستمبر ۱۹۷۷ء

قارئین کی رائے

تقریباً تین برسوں سے پندرہ روزہ 'قومی راج' زیر مطالعہ رہا ہے لیکن پچھلے چند مہینوں سے جو نکھار اس پرچے پر آیا ہے وہ نہایت ہی شاندار اور خوش کن ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

یوں تو یہ جریدہ منفعت کے اعتبار سے ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے اور اس کے سارے مضامین نہایت ہی معلوماتی اور مفید ہوتے ہیں۔ لیکن 'یوتھ فورم'، 'سوال وجواب' اور 'قارئین کی آراء' نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

چونکہ اس پرچے میں سارے مضامین ومقالات سنجیدہ ہوتے ہیں اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اگر آپ کم از کم دو صفحات ہلکی پھلکی نظموں اور چٹکلوں کے لئے اور ایک صفحہ ننھے منوں کے لئے بھی وقف کر دیں تو یہ گنگا جمنی رنگ اس جریدے کو کچھ لطافت اور لچک بخش سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر وقتاً فوقتاً خصوصی نمبر۔ حفظانِ صحت، صحتِ عامہ، زراعت، صنعت وحرفت، اینیمل ہسبنڈری، پولٹری فارمنگ، فشریز، دیہی اور چھوٹی موٹی صنعت وغیرہ پر بھی شائع ہوتے رہیں تو اس جریدہ کی افادیت وسیع سے وسیع تر ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اگر قارئینِ قومی راج اس نہایت ہی مفید پندرہ روزہ کو مقبول بنانے کے لئے نئے نئے خریدار بنائیں اور خود اپنی طرف سے بھی اپنے دوستوں کے نام تحفتاً بھی اس پرچہ کا اجراء کراتے رہیں تو یہ اردو زبان کی خدمت کے ساتھ ساتھ قارئین کی معلومات میں بھی اضافے کا باعث بن سکتا ہے۔

غلام غوث خاں ۔ بمبئی

'قومی راج' کی نمایاں خصوصیات دن بدن سامنے چلی آ رہی ہیں۔ ہر پرچہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۱۰ اگست کے پرچے میں صدر جمہوریہ سے متعلق معلوماتی مضمون، گیہوں ریسرچ سینٹر مہابلیشور، اسا قانون جانیئے، اسٹیٹ ٹرانسپورٹ سروس کا خاص مضمون، یوتھ فورم میں فوجی کیریئر، حفظانِ صحت، یوگا اور دوائیں بہت ہی پرکشش معلومات سے بھرا ہوا ہے۔ اسی طرح سانگلی ضلع اور ریاستی خبریں، تصویروں کی زبانی بہت ہی دلکش ہیں۔ ہر لحاظ سے 'قومی راج' ایک مکمل رسالہ ہے۔

شریف دلوال ۔ سانگلی

'قومی راج' کی اشاعت واقعی حکومت مہاراشٹر کا ایک مستحسن اقدام ہے۔ چکنا کاغذ، نفیس طباعت، عمدہ تصاویر، مہاراشٹر کی

قومی راج

سرسبز وشاداب وادیوں اور پہاڑوں کے قدرتی مناظر، طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔ ترقیاتی منصوبوں کا بروئے کار لانا ملک وقوم کی فلاح وبہبود کا باعث ہے اور یقیناً ہونا چاہیئے، لیکن میری ناقص رائے یہ ہے کہ ان چیزوں کو صرف مہاراشٹر تک ہی کیوں محدود کیا جائے، ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ۔ دوسری ریاستوں کا ذکر خیر بھی 'قومی راج' میں آجائے تو پرچے کی اشاعت بھی بڑھ سکتی ہے دوسری ریاستوں میں بھی اس کے خریدار پیدا کیئے جا سکتے ہیں کیونکہ ہر فرد کو اپنے گرد وپیش کے ماحول سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اور جبکہ ہمارے پرچے کا نام ہی 'قومی راج' ہے لہذا پورا ہندوستان ایک ملک ہے اور تمام ہندوستان ایک قومیت رکھتے ہیں اس لئے ہمارا پرچہ سب کے لئے روح کی غذا مہیا کرے تو مناسب ہے۔ نیز زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق تخلیقات کا شائع ہونا ضروری ہے تاکہ ہر مکتبِ خیال کے لوگ استفادہ حاصل کر سکیں۔

اعجاز غالبی ۔ بمبئی ۸

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونے والے بہتر اور خیال انگیز خط پر ۲۵ روپے کا انعام بھی دیا جاتا ہے۔ آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار کرنا چاہیں تو وہ بھی کر سکتے ہیں، بس یہ خیال رکھیئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ سے زائد الفاظ پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمایئے:

مدیر پندرہ روزہ 'قومی راج'، پندرہواں منزلہ،
نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

فوری توجہ کیلئے ٥ ترسیلِ زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر، جو آپ کے خط یا پتے کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے ضرور تحریر فرمایئے۔

قومی راج

جلد ۴ : ۲۵ ستمبر ۱۹۷۷ء : شمارہ ۱۷
ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
قیمت فی کاپی: ۵۰ پیسے * سالانہ دس روپے
نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے ایس)

ترتیب

صفحہ

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا
ایڈیٹر: ریاض احمد خان
سب ایڈیٹرز:
عبدالوحید خان جامعی
فیروزہ خان

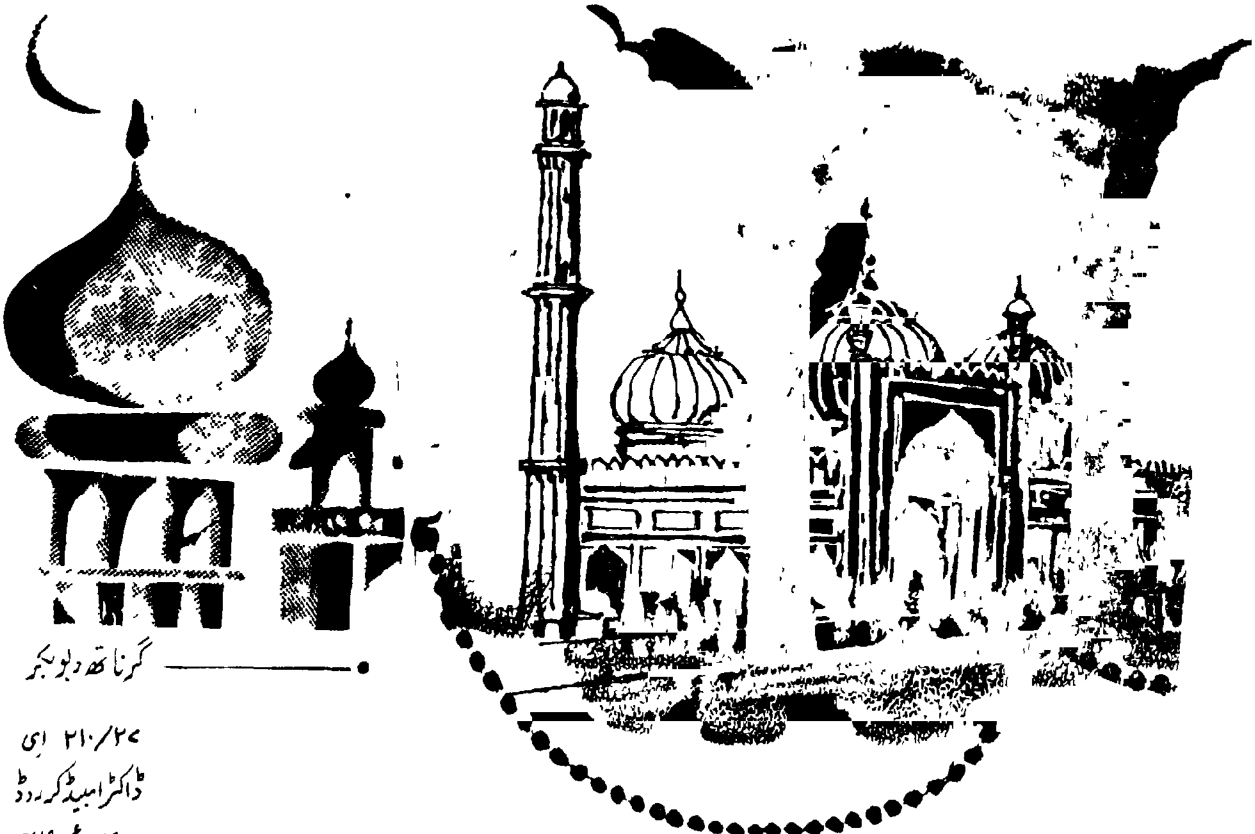
سخنہائے گفتنی

یقیناً مہاراشٹرا سٹیٹ لاٹری کے ٹکٹ آپ بھی خریدتے ہوں گے اور یہ بھی یقین ہے کہ اگر بڑا نہیں تو کم از کم چھوٹے موٹے انعامات ضرور حاصل کئے ہوں گے۔ آپ کی خدمت میں اس مرتبہ خاص مضمون مہاراشٹرا سٹیٹ لاٹری پیش کیا جارہا ہے۔

اس ماہ کے وسط میں مہاراشٹر کا سب سے بڑا تہوار "شری گنیش اُتسو" اور مُسلمانوں کا تہوار "عیدالفطر" ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ اس شمارے میں ایک مضمون "گنیش" پر اور دوسرا 'عیدالفطر' پر ہے، جس سے آپ ان دونوں تہواروں کے بارے ہی نئی باتیں معلوم کرسکیں گے۔ ان کے علاوہ 'کامیابی کی کہانی' میں آپ ڈاکٹر شیلاجہ کلیانی کی زبانی اُن کے حالات معلوم کرکے اپنے منصوبوں کو بھی اسی طرح عملی جامہ پہنا سکتے ہیں، بس لگن اور محنت شرط ہے۔

مہاراشٹرا سٹیٹ اُردو اکادمی نے سال رواں میں ان طلبہ کو انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے جو ایس ایس سی امتحان میں اُردو کے مضمون میں پہلے اور دوسرے نمبر پر پاس ہوئے ہیں۔

ذ ع ج
المحمد



گرناتھ دلو بکر

۲۷/۲۱۰ ای
ڈاکٹر امبیڈکر روڈ
بمبئی ۱۹ء

عید الفطر

" اگر کوئی مفلس بھوکا رہا تو اسلئے کہ اسے روٹی نہیں ملتی۔ اگر کوئی مریض کھاتا پیتا نہیں ہے تو اس کی وجہ اس کی بیماری ہی ہے۔ جب کوئی مہاجن کھانا پینا ٹالتا ہو تو وہ اپنی پونجی بڑھانے کی غرض سے اپنی بھوک دباتا ہے۔ کوئی بیٹھ کچھ دیر تک اپنی بھوک پیاس روک لیتا ہے تو اس لئے کہ بعد میں لذیذ کھانوں پر ہاتھ صاف کرے۔ ریاکار کا فاقہ دین داری کا رعب جمانے کے لئے ہوتا ہے اور مسلمان کا روزہ اپنی خطاؤں کو کٹوانے کے لئے ہوتا ہے"۔

مسز میر حسن علی۔ (۱۸۳۲ء)

اسلام کے دو بڑے تہوار ہیں۔ ایک عید الاضحیٰ یا بقر عید' اور دوسرا عید الفطر یا رمضان عید۔ رمضان کا چاند دیکھتے ہی مہینے بھر کے روزوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اور شوال کا چاند جو 'عید کے چاند' کے نام سے بڑے پیار کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ جونہی نظر آتا ہے' عید الفطر یا رمضان عید کا اعلان ہو جاتا ہے۔ اس عید کا اصلی نام ہے عید الصدقہ یعنی دان دھرم اور خیرات کا تہوار۔ آں حضرت صلعم کا حوالہ دیکر مشہور فقیہہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ صدقہ ایک اہم دینی فرض ہے اور اس دن جو گیہوں کھجور وغیرہ' امیر' فقیر' مرد' عورت' اور بوڑھوں' بچوں میں بانٹنا چاہئیے تاکہ روزوں کے دوران میں جو بھی کمی رہ گئی ہو وہ بخشوائی جا سکیں۔ عید کے دن صبح سویرے مسلمان انبوہ در انبوہ گاؤں کے باہر عید گاہ میں یا میدانوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور امام کی قیادت میں' دو رکعت نماز پڑھتے ہیں' بعد ازآں امام صاحب خطبہ پڑھتے ہیں۔ اس کا خلاصہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے۔

" خدا کے بندو! آپ کے روزوں سے خوش ہو کر اللہ تعالےٰ نے جو بڑا ہے اور ایک ہے' آپ کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ آپ کو وہاں پر ہر طرح کی خوشیاں نصیب ہونگی۔ رمضان کا مہینہ بڑا مقدس مہینہ ہے۔ کیونکہ اس مہینے میں اللہ نے جبرئیل کی وساطت سے اپنے آخری اور پیارے رسولؐ پر قرآن مجید نازل کیا تھا۔ تاکہ ایمان اور اسلام

کو تقویت پہونچے ۔ اس نے حضرت محمدؐ پر جو رحم اور امن برسایا ہے اس کا احسان ماننا آج کے دن ہمارا دینی فرض ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ عید الفطر کا دن مومنوں کے لئے ایک عطیہ ہے ۔ ساتھ ساتھ اس نے تنبیہ بھی دی ہے کہ اگر روزے مناسب طریقے سے نہیں رکھے گئے ہوں تو اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا اور جب تک صدقہ یا دان نہیں دیا جائے گا تب تک نمازیں قبول نہیں ہوں گی ۔ عید کی نماز سے پہلے غریبوں کو اناج یا اس کی قیمت پیسوں کے روپ میں دینے سے ہی مومن ثواب کا مستحق بن سکتا ہے ۔ اسی کو فطرہ کہتے ہیں ۔

ماہِ رمضان کے دوران میں مسلمان عشاء کی نماز کے ساتھ ساتھ تراویح کی نماز بھی پڑھتے ہیں ۔ اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں

ماہِ رمضان اسلئے بھی عظیم ہے کہ اس مہینے کی ستائیسویں رات "لیلتہ القدر" کہلاتی ہے ۔ یہ رات ہزاروں راتوں سے بھی جلیل القدر ہوتی ہے اس رات کو دیگر ملائک کے ساتھ جبرئیلؑ بھی پو پھٹے تک انسان کی فلاح و بہبود کے لئے دعائیں مانگتے ہیں ۔

رمضان کے روزوں کی نوعیت ہندوؤں کی ایکادشی اور تیوہاروں کے برتوں سے الگ ہے ۔ ہندو ۳۶ گھنٹوں تک برت رکھتے ہیں اور پانی تک نہیں پیتے ۔ اس کو مراٹھی میں "نشجکر ایواس" کہتے ہیں ۔

عید مبارک



چونکہ اس کو عام لوگ نہیں کرپاتے اس لئے ان کو یہ چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ اناج کے علاوہ دوسری چیزوں سے بنے "پھلا ہار" کھا سکتے ہیں ۔ مسلمانوں کا روزہ بہت کڑا ہوتا ہے ۔ "سحری" کے بعد سے شام کی "افطاری" تک نہ وہ کچھ کھا سکتے ہیں اور نہ پی سکتے ہیں ہاں ۔ بیماروں ۔ مسافروں کو روزہ معاف ہوتا ہے ۔ مگر اس کی تلافی میں انہیں بعد میں روزے رکھنے پڑتے ہیں ۔

بھارت میں عید

صدیوں سے ہندوستان میں بھی ہر جگہ عید الفطر بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے ۔ ہر چھوٹے بڑے گاؤں کے باہر سفید رنگ کی عیدگاہ دور سے بھی نظر آتی ہے ۔ گو سال میں عیدین کے موقع پر ہی وہاں لوگوں کا جمگھٹ ہوتا ہے ۔ تاہم وہ اس گاؤں کے مسلمانوں کے مذہبی ولولے کی یادگار ہوتی ہے ۔ اس کے علاوہ بھارت کے مسلمان عید کے موقع پر "شیر خرما" بھی پلاتے ہیں ۔ اس سے زیادہ عام رواج سوّیوں کا ہے ۔ ہندوستانی مسلمانوں پر ہندو تہواروں کے جو اثرات ہوئے ۔ ان میں سوّیاں بھی شامل ہیں ۔ جو ہندوؤں میں ۔ خاص طور پر دکن کے ہندوؤں کی سماجی زندگی میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں ۔ جشن عید الفطر کے متعلق اردو کے مشہور شعراء نے کافی نظمیں لکھی ہیں ۔ ان میں گولکنڈہ (حیدرآباد) کے سلطان محمد علی قطب شاہ (۱۵۸۰ — ۱۶۱۲) کی غزل مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے ۔



گنیش چترتھی

—— ڈاکٹر عبدالستار دلوی

گنیش ہندوستان کا ایک اہم دیوتا ہے۔ گن کے معنی جمہور کے ہیں اور گنپتی سے مراد جمہوریت نواز دیوتا ہے۔ ایشیا میں جہاں کہیں جمہوری نظام رہا وہاں گنپتی کو محافظ سمجھا جاتا رہا۔ اسی وجہ سے جاوا، ساترا، کمبوڈیا یا چینی ترکستان، شمالی افغانستان وغیرہ میں گنپتی کی مورتیوں کے ... اب بھی پائے جاتے ہیں۔

"گنیش چترتھی کا تہوار" اسی نسبت سے ہندوستان اور بطورِ خاص مہاراشٹر اور کرناٹک میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اگرچہ پچھلے کئی ہزار سال سے گنپتی کی پوجا کا رواج ہندوستان میں رائج ہے اور ہر چھوٹے موٹے جشنوں، شاعری، ڈراما اور دیگر ادبی تخلیقات کی ابتدا میں گنیش کی حمد ہوتی ہے اور جس طرح ہر نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھی جاتی ہے، ہندو بھی اسی طرح نیک کام کے آرمبھ میں "شری گنیش" کہتے ہیں۔ اسی طرح کوئی بھی بڑی پوجا چاہے وہ شیو جی کی ہو، وشنو کی ہو، ستیہ نارائن کی ہو، چاہے کسی دوسرے محسن دیوتا کی ہو گنیش کی پوجا کے بغیر شروع نہیں کی جاتی۔ اگرچہ گنیش ہندوؤں کے بڑے دیوتاؤں مثلاً شیو، رام، کرشن، وغیرہ میں سے نہیں ہیں پھر بھی روزمرہ کی زندگی میں یاد کئے جانے والے دیوتاؤں میں سب سے زیادہ اہمیت گنیش جی ہی کو حاصل ہے۔

مہاراشٹر میں "گنیش چترتھی" کے جشن کو نہ صرف دینی اہمیت حاصل ہے بلکہ علمی، سماجی اور فنی اعتبار سے بھی اس جشن کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس خاص نظریہ کے بانی مبانی مشہور رہنما لوک مانیہ بال گنگا دھر تلک ہیں۔ جنھوں نے قومی بیداری کی غرض سے قوم میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے اس جشن کو یہ نیا روپ دیا جسے پچھلے قریب سو سال سے مہاراشٹر بھر میں پورے اہتمام کے ساتھ ہر گاؤں، ہر قصبہ اور ہر شہر میں منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر گنیش کی پوجا اور آرتی کے علاوہ تفریحی، علمی اور ادبی نوعیت کے جلسے جلوس بھی کئے جاتے ہیں۔ بھادوں سو چترتھی سے لیکر چودھویں (اننت چترتھی) تک پورے دس دن میں ہر جگہ بڑی چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔ اچھی اچھی اور خوبصورت مورتیوں کو مثلاً رنگاری، بدک، جال کا گنیش، قومی راج



کو دیکھنے کے لئے لوگ ہزاروں کی تعداد میں گھنٹوں تک قطاروں میں کھڑے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ شاعری اور موسیقی کی محفلوں سے اور علمی اور سیاسی موضوع پر تقریروں سے گلی گلی گونج اٹھتی ہے۔ گنپتی سے متعلق جذبات کا یہ عالم ہے کیا بچے اور کیا بوڑھے دو دو تین مہینوں سے "گنیش اتسو" کی تیاریوں میں مصروف پائے جاتے ہیں۔ نوجوان جلوس نکال کر ناچتے گاتے جاتے ہیں اور ناٹک اور بھجن وغیرہ میں حصہ لیتے ہیں اور "گنپتی باپا موریا" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اسی طرح دس دن کے رسوم کے بعد وہ "اننت چتردشی" کا دن آتا ہے جب اتسو کے کارکنوں کے دل یاس و غم میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ دن گنیش کی مورتی کے "وسرجن" (پانی میں ڈبونا) کا دن ہوتا ہے۔ جلوس کی صورت میں سبھی گنپتی سمندر کی طرف لئے جاتے ہیں اور ایک ہی نعرہ دور دور تک سنائی دیتا ہے:

"گنپتی باپا موریا"، "پڑھچا درشی لوکریا"۔ یعنی گنیش جی اگلے سال جلد آیئے۔"

اسی روز وسرجن کے بعد جب محلے والے سمندر سے لوٹتے ہیں تو خالی منڈپ کو دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔

کامیابی کی کہانی

شیلاجہ کلیانی کا خود مختارانہ اور متاثر کن راستہ

.... منوہر گوسائیں
ضلع انفارمیشن افسر، وردھا

فی زمانہ ڈاکٹر بننا یا ڈاکٹر بننے کے لئے تعلیم کو اپنانا ایک کٹھن سفر ہے اور اس سفر میں باہمت و باصلاحیت لوگ ہی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں میڈیکل تعلیم اس قدر گراں ہے کہ ہر کس و ناکس کے لئے یہ پڑھائی نہ صرف مشکل ہے بلکہ ایک حد تک ناممکن بھی۔ جوں توں کر کے اگر میڈیکل تعلیم کامیابی کے ساتھ حاصل کر لی جائے تو مسائل کا حل نہیں نکلتا، کیونکہ اس کے بعد ہی سے اپنا دواخانہ قائم کرنا یا پھر کسی سرکاری یا غیر سرکاری اسپتال میں ملازمت کا انتظار کرنا صبر آزما مراحل ہیں۔ اگر کامیاب میڈیکل طلباء کچھ اثاثہ رکھتے ہیں تو وہ اپنی ذاتی ڈسپنسری قائم کر لیتے ہیں مگر غریب خاندانوں کے افراد کو سوائے نوکری کرنے کے اور کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا۔

یہ باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن کماری شیلاجہ کلیانی نے اس راستہ کو اختیار نہیں کیا جہاں ملازمت کی کرن نظر آتی بھی ہے اور غائب بھی ہو جاتی ہے۔ کماری شیلاجہ نے ۱۹۷۵ء میں ڈینٹل سرجری (B. D. S) کا امتحان پاس کیا۔ انھیں تھوڑی سی جدوجہد اور انتظار کے بعد یقیناً سرکاری اسپتال یا کسی اور اسپتال میں ملازمت مل ہی جاتی لیکن شروع ہی سے انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ بجائے نوکری کے اپنا ذاتی دواخانہ کھولیں گی۔ اپنے اسی مقصد کے تحت انھوں نے تجربہ حاصل کرنے کی غرض سے وردھا میڈیکل کالج اسپتال میں کچھ مہینہ کام کیا۔ بعد میں انھوں نے ریاستی حکومت کے پاس اپنا پندرہ ہزار روپے کا منصوبہ تیار کر کے بھیجا تاکہ وہ اپنا دواخانہ کھول سکیں۔ ان کا یہ پلان سلف امپلائمنٹ اسکیم کے تحت آتا تھا جس کے ذریعہ حکومت پڑھے لکھے بے روزگاروں کی مدد کرتی ہے۔ شیلاجہ کلیانی کو مطلوبہ رقم قومیائے بنک سے مل گئی اور انھوں نے وردھا میں اپنا دانتوں کا دواخانہ کھول لیا ہے۔

یہ ڈاکٹر شیلاجہ کے ارادوں کی پختگی اور اپنی ذاتی صلاحیت تھی کہ انھوں نے اپنے لئے ایک خود مختار اور متاثر کن راستہ اختیار کیا۔ اسی



ڈاکٹر شیلاجہ کلیانی اپنے دواخانہ میں ایک دانتوں کی مریضہ کے علاج میں منہمک

بناء بریں نے اُن سے انٹرویو لینا سود مند سمجھا، تاکہ اس سے دوسرے نوجوانوں کا حوصلہ بڑھے۔

۲۴ سالہ ڈاکٹر شیلاجہ نے ایک سوال کے جواب میں کہ انھوں نے یہ خود مختار پیشہ کیوں اختیار کیا، کہا کہ "اس وقت سے جبکہ وہ طالب علم تھیں، انھوں نے ملازمت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور دوسری وجہ انھوں نے یہ بتلائی کہ ملازمت ان کے مزاج میں ہے ہی نہیں۔

اپنا ذاتی دواخانہ کھولنے کے لئے روپیہ اور جگہ دونوں کا ہونا ضروری ہے اس مشکل پر فتح حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر شیلاجہ نے بتایا کہ ان کے لئے جگہ کا حاصل کرنا کوئی مرحلہ نہیں تھا کیونکہ لبِ سڑک ہی ان کا ذاتی مکان ہے

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

امول پالیکر

فلمی اُفق کا اُبھرتا ہوا ستارہ

تلخیص: ———— ریاض احمد خان

ہمارے ملک کی فلمی دنیا کی تاریخ [illegible] تو نہیں ہے۔ البتہ فلمی دنیا کے آغاز سے [illegible] اسٹیج نے [illegible] حاصل کر لی تھی جس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ عوام کی [illegible] کا اور دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ فلمی صنعت کی ترقی کو اس [illegible] ہوئی کہ اس نے اسٹیج کو اس منزل پر چھوڑ دیا [illegible] میں [illegible] اور وہ مجبور ہو کر اسٹیج پر سے چلے رہے۔ آج کی دنیا کے معروف اداکار [illegible] پرتھوی راج کپور ہی تھے جنہیں فلمی دنیا نے [illegible] اس میں پرتھوی راج کی ادا کاری کا بڑا ہاتھ ہے۔ ورنہ پرتھوی راج کا [illegible] ہوتا جو دوسرے اسٹیج اداکاروں کا ہوا۔

پرتھوی راج کے بعد دوسرے نمبر پر اسٹیج کی دنیا سے فلمی دنیا میں آنے کا اور عوام سے [illegible] قبولیت حاصل کرنے کا [illegible] امول پالیکر کے سر ہے۔ فلمی دنیا میں داخلے سے پہلے امول پالیکر مراٹھی ڈراموں میں کام کیا کرتے تھے۔ انھیں اس بات کا گمان [illegible] تھا کہ [illegible] وہ نہ صرف مراٹھی بلکہ ہندی فلموں میں بھی مقبول ہو جائیں گے۔



ایک سوال کے جواب میں کہ آپ کو ہندی فلموں میں بھی کام کرنے کی دعوت کس طرح ملی امول پالیکر نے جواب دیا کہ 'باسو دا' (باسو چٹرجی) اکثر میرے ڈرامے دیکھا کرتے تھے۔ جب انھوں نے رجنی گندھا کی کہانی پڑھی تو محسوس کیا کہ میں سنجے کا کردار بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کر سکوں گا اور یہیں سے ہندی فلموں میں میرا داخلہ شروع ہوا ——— دورانِ گفتگو امول پالیکر نے بتلایا کہ ہندی فلموں میں داخلے کے لئے انہیں بالکل بھی دقت نہیں ہوئی۔ اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ انہیں ہندی فلموں میں داخل ہونے کے لئے بڑے بڑے جتن کرنا پڑتے ہیں۔ عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ انتظار میں گذارنا پڑتا ہے۔ تب بھی انھیں فلمی دنیا میں داخلہ نہیں ملتا۔ امول پالیکر کے نزدیک یہ تمام باتیں بے بنیاد ہیں۔ کم از کم جہاں تک ان کا تعلق ہے انھیں اس قسم کی باتوں کا تلخ تجربہ کبھی نہیں ہوا۔

وہ لوگ جنھوں نے "رجنی گندھا" دیکھی ہے آج بھی اپنے ذہنوں سے 'سنجے' کا کردار فراموش نہیں کر سکے ہونگے۔ سنجے کے کردار میں امول پالیکر نے بڑی سادگی سے اداکاری کی ہے اور اپنے آپ کو عوام میں اس طرح جذب کر دیا ہے کہ تماشبین یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ پردہ پر نہیں بلکہ اپنے اڑوس پڑوس کے کسی جانے پہچانے شخص کو دیکھ رہے ہیں۔ سنجے کے ہونٹوں کی دلکش مسکراہٹ آج بھی لوگوں کی یادوں سے محو نہیں ہو سکی ہوگی۔ آج بھی لوگوں کے دماغ میں ان پھولوں کی خوشبو کی مہک باقی ہوگی جسے سنجے ہر روز اپنے دلبر کو پیش کرتا تھا۔ حالانکہ یہ ظاہری [illegible] کا کردار تھا مگر سنجے کو جس بات سے دلچسپی تھی وہ لگن کے ساتھ اپنے کام میں ترقی پانے کی۔ اس بے ساختگی نے فلم بینوں کے دل جیت لئے اور انہوں نے امول پالیکر کو اپنے دل میں جگہ دی۔

امول پالیکر کی تین فلموں نے سلور جوبلی منائی۔ 'رجنی گندھا'، 'چھوٹی سی بات' اور 'چت چور'۔

امول پالیکر نے اپنے پہلے ہی پکچر میں ایک عام انسان کا اس خوبصورتی، لگن اور جذبات سے بھرپور کام کیا کہ وہ فلمی دنیا میں ستارہ بن گئے اور آج ان کے پاس ۲۵ فلموں میں کام کرنے کا کنٹریکٹ بھی ہے۔ اب وہ انتہائی مصروف ترین

بھی ہیں اور معروف بھی۔

امول کہتے ہیں کہ ان کے پرستار انھیں بھی اپنے ہی جیسا ایک آدمی سمجھیں۔ انہیں اس بات کی مطلق فکر نہ ہونی چاہیئے کہ وہ کیا کھاتے ہیں۔ کیا پیتے ہیں۔ کیا ان کے پاس امپورٹیڈ کار ہے۔ کیا وہ غیر ملکی سگریٹ پیتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں سے اُن کی اداکاری کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

امول پالیکر پابندی سے اسٹیج پر بھی کام کرتے ہیں انھوں نے کئی ہندی ڈراموں میں بھی کام کیا ہے۔ 'آدھے ادھورے' میں امول کی اداکاری نے عوام پر بہت گہرے تاثرات چھوڑے ہیں۔ امول پالیکر اسٹیج کی اداکاری میں اور فلموں کی اداکاری میں فرق نہیں محسوس کرتے۔ حالانکہ ان کے نزدیک فلم اور اسٹیج دو الگ الگ ذرائع ہیں۔ جن سے عوامی رابطہ رہتا ہے۔ انھیں اسٹیج سے اگر فلم کے سیٹ پر کام کرنا ہوتا ہے۔ تب بھی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ البتہ اس بات کا احساس ہے کہ جب وہ اسٹیج پر عمدہ اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہیں تو سامعین پرجوش تالیوں سے انھیں سراہتے ہیں۔ جس سے ان میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے مگر فلم میں اسباب کے امکانات مفقود ہو جاتے ہیں۔

یہ نہیں کہا سکتا کہ امول پالیکر نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ قسمت کی دین ہے۔ بلکہ اس دین کے پیچھے ان کی محنت، انکی لگن، ان کا جذبہ کارفرما ہے جس کی وجہ سے وہ ایک بینک میں کام کرتے کرتے فلمی دنیا کے ستارے بن گئے۔ ان بلندیوں تک پہنچنے میں امول نے اپنی اسٹیج کی زندگی کو کبھی فراموش نہیں کیا جس نے انھیں بام عروج تک پہنچانے میں مدد کی۔ امول پالیکر عنقریب منگیش کللرنی کے ڈرامے میں ایک نئی ص پیرایہ کی حیثیت سے کام کرنے والے ہیں۔

تجرباتی ڈرامے

جہاں تک تجرباتی ڈراموں کا تعلق ہے چھبیل داس ہائی اسکول کا نام فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پر امول خود بھی حاضر ہوتے ہیں اور ان تجرباتی ڈراموں میں حصہ لیتے ہیں سادگی سے بنائے گئے سیٹ، صاف ستھری اداکاری۔ ڈائریکشن اور ان تمام شعبوں میں نئی نئی اختراع پر عمل کیا جاتا ہے۔ ڈرامے دیکھنے کے شائقین ٹکٹ خرید کر ان ڈراموں کو دیکھ بھی سکتے ہیں مگر چھبیل داس ہائی اسکول کا یہ ہال جہاں پر تجرباتی ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں۔ اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتا ہے۔ نہ تو یہ ہال ایرکنڈیشنڈ ہے اور نہ بجلی کے پنکھوں کا معقول انتظام ہے۔ مگر امول پالیکر کا خیال ہے کہ شائقین ان تمام باتوں سے بے خبر رہ کر اپنی تمام تر توجہ ڈرامے دیکھنے میں مرکوز کر دیتے ہیں



ان کا خیال ہے کہ حکومت یا دیگر عوامی ادارے اس امر کی طرف توجہ دیں اور کم کرایہ کے ڈرامہ ہال تعمیر کرائیں تاکہ بہت سی آسانیاں حاصل ہو سکیں۔

امول پالیکر کا خیال ہے کہ اچھے ڈرامے یا تماشے خود بخود شائقین کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور شائقین انھیں دیکھنے کے لئے اپنے آرام کو ترک دیتے ہیں۔ اسی سلسلے میں امول نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ تماشے کی رنگینیاں دیکھنے کے لئے ہنومان تھیٹر ایک مناسب جگہ ہے جہاں شائقین پنکھوں کی عدم موجودگی یا جگہ کی کمی پر مطلق توجہ نہیں دیتے بلکہ وہ تماشے کی بکھرتی ہوئی رنگینیوں میں محو ہو جاتے ہیں اور انہیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب تماشہ ختم ہوا۔

عام خیال یہ ہے کہ امول پالیکر کی اداکاری صرف ایک ہی روش یا ایک ہی ڈگر پر قائم ہے جیسی اداکاری انھوں نے اپنی تین مشہور فلموں میں کی تھی کم و بیش ویسی ہی اداکاری وہ آج بھی کر رہے ہیں۔ مگر امول پالیکر کا کہنا ہے کہ ان کی اداکاری ہر پکچر میں مختلف ہے مثال کے طور پر وہ بتلاتے ہیں کہ ان کی وہ اداکاری جو انھوں نے 'چھوٹی سی بات' میں کی ہے اس اداکاری سے قطعی مختلف ہے جو رجنی گندھا میں کی گئی ہے جبکہ جیت چور میں بھی مختلف ہے 'ٹیکسی ٹیکسی' میں سب ہی سے مختلف ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

مہاراشٹر کی پیش قدمی

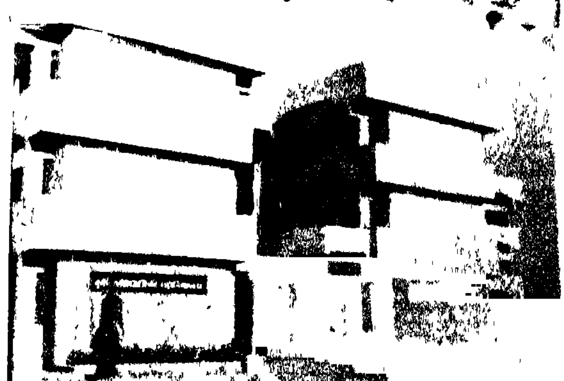
راہوری زراعتی یونیورسٹی جدید زراعت کی روحِ رواں

• رادھا کرشن (نامہ نگار ٹائمز آف انڈیا)

پونے ۔ اورنگ آباد شاہراہ پر چٹیل پہاڑی خطہ کے درمیان ۲۸۰۰ ہیکٹر ایک سرسبز قطعہ ہے جو مہاراشٹر کی سب سے پہلی اور قدیم زراعتی یونیورسٹی کی ملکیت ہے۔ یہ یونیورسٹی عظیم سماجی مصلح مہاتما جیوتیا پھُلے کے نام نامی سے موسوم ہے۔

یہ کیمپس راہوری کے نام سے مشہور ہے اور جدید زراعتی سرگرمیوں کا مرکز ہے جس کا دائرہ عمل دھولے، جلگاؤں، ناشک، احمد نگر، پونے، سولاپور، ستارہ، سانگلی اور کولہاپور اضلاع تک پھیلا ہے۔ یونیورسٹی کا کام بڑی اہمیت کا حامل ہے جو وہ مہاراشٹر کے خشک علاقے کے منتشر حصہ نیز کچھ زرخیز علاقہ میں انجام دے رہی ہے۔ یہ علاقہ دو بڑی ندیوں گوداوری اور کرشنا سے سیراب ہوتا ہے۔

راہوری زراعتی یونیورسٹی کی عمارت





یونیورسٹی فارم میں 'جوالا' نامی مرچ کی فصل

مغربی مہاراشٹر میں سخت سوکھا پڑنے پر یہی یونیورسٹی وہ واحد تعلیم یافتہ جماعت تھی جس نے بڑے پیمانے پر گھاس پیداوار پروگرام شروع کیا اور اس مقصد سے اُٹھاؤ سینچائی کا انتظام کیا اور نہریں نکالیں یہ کام جنگی پیمانے پر کیا گیا جس کے نتیجہ میں لاکھوں مویشیوں کی جانیں بچ گئیں۔ اس طرح شاندار عمارتوں اور وسیع زمین کے ساتھ اس زراعتی یونیورسٹی کی ضرورت اور اہمیت عیاں ہوگئی۔

راہوری مہاراشٹر کے عزم اور جوانمردی کی مظہر ہے۔ نو سال پہلے وضع قانون کے بعد اس یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس وقت کیمپس حلقہ ہریالی سے محروم تھا۔ زمین خشک اور کٹی پھٹی تھی۔ ذہانت کے ساتھ اور کڑی محنت کی بدولت یہ بنجر خطہ اب سرسبز و شاداب ہوگیا ہے، جہاں سوئٹزرلینڈ، تنزانیہ، مدغاسکر، ایران، ملیشیا اور فجی جزائر تک سے طلبا آتے ہیں۔

نوجوان طلباء کے لئے چیلنج :

کیمپس میں طلبا کو تعلیم کے اول سال ہی سے زمین کا ایک ٹکڑا دیا جاتا ہے تاکہ وہ خود اس پر کاشت کریں اور کھیتی باڑی میں علم و عمل کو یکجا کریں۔ کیمپس میں دستیاب اراضی نوجوان کاشتکاروں کے لئے چیلنج ہے، کیونکہ سخت، ٹھوس، اُتھلی، گہری اور سیاہ ہمہ قسم کی زمین یہاں موجود ہے۔ راہوری کے طالب علم کے لئے ڈگری حاصل کرلینا سہل نہیں ہے۔ البتہ اسے سود مند ملازمت ضرور مل جاتی ہے حالانکہ ہندوستان بھر میں عام شکایت یہی ہے کہ زراعتی گریجویٹ کو مناسب کام نہیں ملتا یا ماحول میں نہیں کھپتا

وائس چانسلر ڈاکٹر اے۔ بی جوشی نے خشک کھیتی اور جانوروں کی افزائش کے سلسلہ میں یونیورسٹی کے شعبۂ ریسرچ کے کام کو اہم قرار دیا ہے۔

خشک اراضی ٹیکنالوجی

یونیورسٹی کے ریسرچ کام کا مقصد خشک اراضی ٹیکنالوجی کو پوری طرح ترقی دینا ہے تاکہ قلت کے علاقوں کو فیض پہنچایا جا سکے۔

یونیورسٹی کے مقصد کے ... خشک اراضی ٹیکنالوجی بڑے غور خوض کے بعد وضع کی جاتی ہے۔ اس کی جانچ کی جاتی ہے۔ اول حسب صلاحیت اراضی معین کی جاتی ہے۔ اس میں زمین کے مختلف پہلوؤں اور ہر فصل کے لئے پانی کی کھپت کے بارے میں جانکاری ضروری ہے۔ اسی جانکاری کی بناء پر دستیاب پانی یا نمی کے لحاظ سے فصلوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ خشک کھیتی کے تحت بوائی کی تاریخ بڑھانا پڑتی ہے اور نظر ثانی شدہ نظام الاوقات کے لحاظ سے کھاد کے استعمال اور نرائی کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ خشک کھیتی میں کھاد کے استعمال کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے اب تو یہ عام کہاوت ہی بن گئی ہے کہ "خشکی نائٹروجن سے ختم کی جا سکتی ہے"۔

پودوں کی حفاظت کے لئے پودوں کے خاص مرکب یا سفید رنگ کی کیمیکل کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ پتوں کی نمی برقرار رہے۔ اس طرح نمی بچا کر پودوں کو دیا جاتی ہے۔ ڈاکٹر جوشی کا کہنا ہے کہ یونیورسٹی کی اس تحقیقات سے ترقی یافتہ خشک کھیتی طریقے کے تحت فصل کی پیداوار میں تقریباً ۲۰۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔

افزائش مویشی منصوبہ: خشک کھیتی کے ساتھ مویشی کی افزائش نسل کا کام بھی جاری ہے۔ کیوں کہ خشک علاقوں میں جانور کسان کی آمدنی کو بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔ یونیورسٹی کے افزائش مویشی منصوبے کو فی الحال ملک بھر میں بہترین قرار دیا گیا ہے۔

گرام سیوک ٹریننگ سینٹر میں گنے کی فصل کاٹنے کا عملی تجربہ کیا جا رہا ہے





یونیورسٹی کے احاطہ میں مخلوط جوار کی اعلیٰ فصل

انڈین کونسل آف اگریکلچرل ریسرچ کی جانب سے منظور شدہ یہ منصوبہ ۱۹۷۱ء میں شروع کیا گیا تھا۔ ایسی ہندوستانی گائے کی پرورش کا کام کافی آگے بڑھا ہے جو زیادہ دودھ دے گی۔

ایسا جانور جو ۳۰۵ دنوں کی دودھاری مدت کے دوران ... لیٹر سے کم دودھ دے، معاشی طور سے غیر منفعت بخش سمجھا جاتا ہے۔ ہماری برہمن گائیں ہندوستانی بھینسوں کے مقابلے میں کم دودھ دیتی ہیں حالانکہ وہ خاصی تنومند ہوتی ہیں۔ راہوری میں مویشی سے متعلق کل ہند مربوط ریسرچ منصوبے کا مقصد ایسے جانور کی افزائش ہے جو ۳۰۵ دن کی دودھاری مدت کے دوران ...۲،۳ لیٹر دودھ دے۔ ایک ہندوستانی برہمن گائے اس وقت ... ۵ر ۱ لیٹر دودھ دیتی تھی جبکہ یونیورسٹی نے اُسے خریدا تھا۔ گیر نامی ہندوستانی گائیں، بدیسی ہولسٹین، فریشین، بھوری سوِس اور جرسی گائیں مخلوط افزائش نسل کی غرض سے یونیورسٹی نے خریدی تھیں، ایسی مخلوط النسل گائے ...۵ر ۲ لیٹر دودھ دیتی ہے۔ ایسی مخلوط النسل گایوں کی پوری طرح افزائش اور انھیں مہاراشٹر کے کسانوں کو بہم پہنچانے میں مزید چھ سال لگیں گے۔ اس نئی نسل کے ذریعہ دودھ کی پیداوار دوگنی ہو جائے گی تیز فربہ ہونے کے سبب اس کی قیمت بھی زیادہ ہوگی جو کسانوں کے لئے سود مند ہوگی۔

مویشی سے متعلق منصوبے میں بکریاں شامل ہیں۔ یونیورسٹی اُن کی

ایسی نسل کی افزائش کی کوشش کر رہی ہے جس سے نہ صرف دودھ اور گوشت بلکہ اُون بھی حاصل ہوگا۔ اس مقصد سے مقامی بکرے بکری اور ترکی کے انگورہ بکرے بکری کے اختلاط سے ایک مخلوط نسل پیدا کی جا رہی ہے، اس نئی نسل کے بکرے بکری سے سال میں دو کلوگرام اُون بھی حاصل ہوگی اور ہر کلوگرام پر کسان کو ۶۰ روپے آمدنی ہوگی۔

یونیورسٹی میں بھیڑوں کی افزائش نسل کا کام بھی ہو رہا ہے جس سے مقامی بھیڑوں کے مقابلے میں زیادہ گوشت حاصل ہوتا ہے

جانوروں کی افزائش نسل کے ساتھ یونیورسٹی اچھی قسم کے چارے کی پیداوار بڑھانے پر بھی توجہ دے رہی ہے۔ ڈاکٹر جوشی نے بتایا کہ خود یونیورسٹی نے لیوسیرین (الفلفہ) قسم کے چارے کی پیداوار ۷ ٹن فی ہکٹر فی سال سے بڑھا کر ۱۱۰ ٹن تک پہنچا دی۔

ریاست میں لاکھوں ہکٹر پر پھیلے ہوئے غیر آبپاشی علاقے میں کپاس بوئی جاتی ہے اور اس کی پیداوار بہت کم ہوتی ہے، لہذا یونیورسٹی سنچائی کے تحت کپاس کی کاشت پر غور کر رہی ہے۔ اس ریسرچ کے سودمند نتائج سے کسانوں کو روشناس کرنے کے بعد ریاست کی معیشت کو بڑھاوا ملے گا

تِلہن پر توجہ: یونیورسٹی کا شعبۂ ریسرچ مونگ پھلی اور سرسوں جیسے تلہن پر بھی خاص توجہ دے رہا ہے۔ باغبانی، سبزیوں کی کاشت کے میدان میں بھی یونیورسٹی نے خاصی کامیابی حاصل کی ہے اچھی قسم کی ساز ند کی گئی جس سے برآمد کی مانگ پوری ہو سکے۔

یونیورسٹی نے سستے داموں پر اچھے بیج مہیا کر کے کسانوں کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ بنگلور میں ایک پرائیوٹ فرم ایک کلوگرام ٹماٹر کے بیج ۸ روپے میں فروخت کرتی ہے جبکہ راہوری کے ماہر مہاراشٹر کے کسانوں کو اپنی زیرِ سرپرستی اور رہنمائی کے ساتھ ۱۲۰ روپے میں فروخت کرتے ہیں۔

باغبانی کے میدان میں یونیورسٹی خشک علاقوں میں پھلوں کی پیداوار پر زیادہ توجہ دے رہی ہے۔



اعلیٰ قسم کی گھاس "دیناناتھ گھاس"



اکرولانٹر نسل کے اختلاط سے پیدا ہونے والی بھیڑوں کی اُون بہت ہی اعلیٰ مانی جاتی ہے۔

اگریکلچرانجینئرنگ کالج میں
طالب علم
عملی تجربہ میں مصروف



زراعتی انجینئرنگ میں ترقی :

یونیورسٹی نے زراعتی انجینئرنگ کے میدان میں بھی خاصی ترقی کی ہے جس کی ہندوستان میں بڑی ضرورت ہے۔ یونیورسٹی نے '۷' سکل کا دو بیلوں سے چلنے والا ہل بنایا ہے جو خاص طور سے خشک علاقے جات کے لئے موزوں ہے اور کھیت کی نرائی کے لئے کار آمد ہے۔ بیلوں کے ذریعہ کھینچی جانے والی بوائی مشین کا نمونہ تیار کرنے کے سلسلہ میں بھی ریسرچ جاری ہے نیز سینچائی کے مختلف طریقوں پر بھی غور ہو رہا ہے۔

کسانوں کے ہمسر گریجویٹس :

یونیورسٹی نے پانچ خاص ریسرچ مراکز اور ۲ ضمنی مراکز کے توسط سے کسانوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا ہے۔ تین کالج جو پونے، دھولے، اور کولہاپور میں قائم ہیں اور نو زراعتی اسکول جہاں یونیورسٹی کے زیر سرپرستی دو سالہ ڈپلوما کورس کا انتظام ہے بڑے انہماک سے علم پھیلا رہے ہیں۔ راہوری کے لائف سائنس وال جن میں کچھ بیرونی ڈگریوں کے حامل ہیں، ان سب کاموں کی جانچ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر جوشی کے الفاظ میں ان کا نصب العین یہ ہے :

"ایسے گریجویٹ تیار کرنا جو گاؤں میں جا کر وہاں اچھے سے اچھے کسان کی ہمسری کریں۔"

ترجمہ :- عبدالوحید خان

صفحہ ۶ سے آگے

امول کہتے ہیں کہ وہ ہر فلم میں کام کرنے سے پہلے اپنے اس کردار کو دیکھتے ہیں جس کا رول انہیں کرنا ہوتا ہے۔ وہ اسی وقت کام کرنا پسند کرتے ہیں جبکہ رول مختلف ہوں۔ اسلئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کی اداکاری صرف ایک ہی ڈگر پر قائم ہے۔

امول پالیکر کہتے ہیں کہ وہ نہ تو ویلن کا کام کر سکتے ہیں اور نہ کسی غصہ ور کردار کا۔ کیونکہ وہ سادگی پسند ہیں اور عام لوگوں سے قریب تر اس لئے وہ اپنی اداکاری میں ایک عام آدمی ہی کے تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی اُن کی کامیابی کا راز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ویلن ایک موقع پر دس آدمیوں کو مار بھگاتا ہے مگر حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ یہی باتیں عوام کو اداکار سے دور لے جاتی ہیں اور اداکار اپنے آپ کو "سپرمین" تصور کرنے لگتا ہے۔

امول پالیکر نہ صرف ہندی بلکہ کنڑ، تامل، گجراتی، اور بنگالی فلموں میں بھی کام کر رہے ہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ فی الحال ایک بھی ایسی مراٹھی فلم نہیں ہے جس میں وہ کام کر رہے ہوں۔ امول پالیکر خود بھی اپنی ڈائرکشن میں پکچر بنانے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔ ***

پرلی - ویجناتھ

• شری پی. ڈی مراٹھے ایڈیٹر روزنامہ 'مراٹھا' اورنگ آباد
• ترجمہ: فیروزہ خان



مشہور پرلی - ویجناتھ مندر کا جیوتیر لنگا

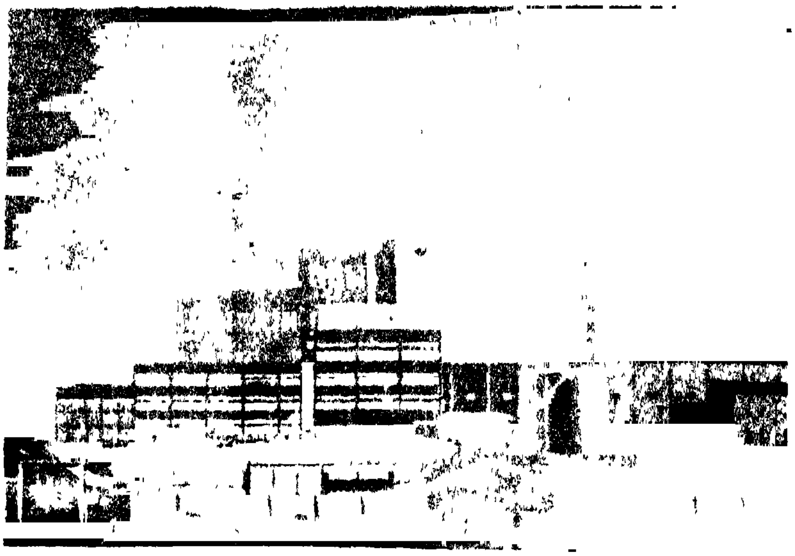
ضلع بیڑ کے پرلی مقام پر واقع ویجناتھ کا مندر بھارت کے ۱۲ جیوتیر لنگوں میں سے ایک ہے۔ دیگر جیوتیر لنگوں کی طرح یہ بھی سوئیمبھو اور سناتن ہونے کے ساتھ ساتھ جاترا کے لئے ایک پاک اور مقدس مقام ہے۔ شیو پورنا میں اس جیوتیر لنگا کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی مراٹھواڑہ میں دو اور جیوتیر لنگا ہیں ایک اوندھ کا ناگ ناتھ اور دوسرا ایلورہ میں واقع گھر شنیشور یہی وجہ ہے کہ مراٹھواڑہ ہمیشہ سے جاتریوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے۔ ایلورہ کا گھر شنیشور گرد و پیش کے قدرتی مناظر، شہرۂ آفاق ایلورہ کی گپھاؤں، گھنے جنگلوں اور متواتر پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے کافی پرکشش مقام ہے۔ اوندھ کا ناگ ناتھ بھی ایک تاریخی مقام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھگوان اپنے ایک بھگت کی بھگتی سے بہت خوش ہوئے تھے اور انھوں نے خود یہ مندر بنایا تھا اس بات کا حوالہ سنت نام دیو کی سوانح حیات میں ملتا ہے۔ یہ واقعہ اپنے بھگتوں کے پرتی بھگوان کے پریم کو ظاہر کرتا ہے۔ اوندھ کا یہ شیو مندر تاریخ میں فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ ویجناتھ بھی کافی پرانا مندر ہے لیکن یہاں کے در و دیوار سے جدیدیت عیاں ہے اس کی وجہ ملہار راؤ ہولکر کی بہو ہے جس کی مذہب پرستی نے ہزاروں سونے کے سکے خرچ کر کے مندر کو یہ شکل بخشی ہے۔ اہلیہ بائی کا نام سالہا سال تک ان کے اس کارہائے نمایاں کی وجہ سے یاد رہے گا۔ آج بھی یہ ۲۵۰ سالہ پرانا مندر وہی آن بان لئے ہوئے ہے۔

پرلی حالانکہ مراٹھواڑہ کے آخری کونے میں ضلع بیڑ کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نیز یہ کوئی بڑا قصبہ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی شہر کی سی خوبو لئے ہوئے ہے۔ یہاں ہائی اسکول ہے ویجناتھ مہاراج کے نام پر ویجناتھ کالج بنایا گیا ہے۔ اس مقام کا تعلقہ امبے جوگئی ہے۔ پرلی کی کل آبادی ۲۵۰۰۰ ہے۔ مراٹھواڑہ میں یہ خاص طور سے اناج اور کپڑوں کی تقسیم کا مرکز ہے۔ پرلی ریلوے جنکشن ہے۔ یہاں براڈ گیج لائن اور میٹر گیج لائن دونوں موجود ہیں۔ براڈ گیج لائن پرلی کو جنوب میں کھنڈوہ سے سکندر آباد تک ملاتی ہے۔ میٹر گیج لائن پر علاقائی ریلیں دن میں دو دفعہ پربھنی سے پرلی تک چلتی رہتی ہیں۔ چنانچہ یہ قصبہ پربھنی اور بیڑ اضلاع سے جڑا ہوا ہے۔ پرلی میں ایک بڑا تھرمل پاور جنریشن مرکز بھی ہے، اس مرکز کی استعداد کو ۶۰ میگا واٹ تک لانے کی تجویز ہے۔ اور اس کی تکمیل پر اس قصبہ کی اہمیت میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے گا

پرلی، مذہبی طور پر اہم ہونے کے ساتھ ساتھ صنعتی طور پر بھی اہمیت کا حامل ہے۔ مستقبل قریب میں یہاں ترقی کی کافی امیدیں ہیں۔ یوں تو مراٹھواڑہ میں گرمیوں کے دنوں میں اکثر پانی کی تکلیف محسوس کی جاتی ہے لیکن پرلی اس سے مبرا ہے اس لئے یہاں متعدی وباؤں کے پھوٹنے کا چنداں خطرہ نہیں ہوتا ہے۔ سالانہ اوسط بارش ۲۰ سے ۲۵ انچ تک ہوتی ہے جو کہ پیلی جوار کی فصلوں کے لئے کافی ہے۔ مخلوط جوار بھی یہاں بوئی جاتی ہے۔ یہاں کے کسان خوش اور قانع ہیں۔ یہاں کی آبادی زیادہ تر مراٹھوں، دیشمکھوں، ونجاروں، مارواڑیوں اور لنگایتوں پر مشتمل ہے

پہاڑی پس منظر:

پرلی کے چاروں طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پہاڑوں میں گھرا ہوا مقام ہو، یہاں کے پہاڑ بہت اونچے



[illegible] میں
[illegible] روپے کی
[illegible] سے بنایا گیا
[illegible]

نہیں ہیں۔ دیجناتھ مندر کے پیچھے جو پہاڑ ہے وہ سرسبز و شاداب ہے اور یہاں کی مٹی سفید ہے۔ یہاں کھڑے ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور مندر کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مندر میں صفائی کا بیحد خیال رکھا جاتا ہے۔ آب رسانی کی سہولتوں کی بنا پر ہر جگہ صاف ستھری نظر آتی ہے۔ دیجناتھ کے علاوہ بھی یہاں کئی مندر ہیں جن میں شائیشور، بالاجی، ناگیشور، رامیشور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ راستے میں کئی خانقاہیں بھی ہیں۔ مندر قدرے اونچائی پر بنایا گیا ہے اور سیڑھیاں کافی چوڑی رکھی گئی ہیں تاکہ بیک وقت کئی جاتری ایک ساتھ اتر یا چڑھ سکیں۔ شیو کے پجاری روز صبح و شام یہاں درشن کو آتے ہیں۔ خاص خاص موقعوں پر مثلاً شیوراتر اور شراون کے میر کے دنوں میں تو یہاں کافی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے خاص طور پر میلے میں شرکت کے لئے تو ملک کے کئی حصوں سے جاتری بڑی تعداد میں یہاں آتے ہیں۔ مندر میں پتھروں پر بنے ہوئے سنگتراشی کے اعلیٰ نمونے اور مندر کا بیرونی حصہ خاص طور سے قابل دید ہے نگر خانے سے منسلک داخلی دروازے کی لمبائی ۳۰ میٹر ہے۔ اہلیہ بائی نے اپنے خسر ملہار راؤ ہولکر کی یاد میں یہاں ان کا ایک قد آدم مجسمہ نصب کروایا ہے۔ مندر کے کام کاج کی دیکھ بھال سرکار کی جانب سے مقرر کردہ کمیٹی کرتی ہے امبے جوگئی کے تحصیلدار سرکاری کمیٹی کے ایکس آفیشیو ممبر ہیں۔ حالانکہ یہاں پر میلوں میں لوگوں کا اژدہام رہتا ہے لیکن بدعنوانیوں کے واقعات بہت کم ملتے ہیں۔ یہاں کے لوگ عقیدت مند اور سیدھے سادے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فن کے قدردان بھی ہیں۔ یہاں پر ڈراموں اور لوک ناٹکوں کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ یہاں جاتریوں کے لئے لاجنگ ریستوراں اور سرائے ہیں۔ شہروں کے سیاحوں کے لئے یہ بہت آرامدہ ہیں۔ یہاں پر کھانے پینے کی [illegible] مطابق [illegible] نہیں ہوتی ہے جو کہ جاتریوں کے لئے واقعی تعجب [illegible] ہے اناج، ترکاریوں اور دیگر کھانے پینے کی چیزوں کی قیمتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک درمیانی طبقے کا انسان بہ آسانی خرید سکتا ہے۔

خاص پیشہ زراعت :

زراعت یہاں کے لوگوں کا خاص پیشہ ہے۔ چنانچہ منڈیوں میں کسان زیادہ تعداد میں نظر آتے ہیں۔ ایک زمانے میں یہ مقام جنگلاتی دولت سے مالا مال تھا لیکن ایندھن کے طور پر لکڑیوں کو کاٹنے کی وجہ سے یہاں چارکول کی لکڑی بتدریج کم ہوتی چلی گئی ہے۔ یہاں کے مکانات پتھروں اور اینٹوں کے بنائے جاتے ہیں جن کی چھتیں ہموار ہوتی ہیں۔ بہت کم مکانات ایسے ملیں گے جن کی چھتیں ٹائیلز کی بنی ہوئی ہیں۔ یہاں کانکریٹ کی بنی ہوئی عمارتوں کے سلسلے بھی عنقا ہیں۔ یہاں کی سڑکیں چوڑی اور پکی ہیں اور سائیکل رکشا کی ریل پیل رہتی ہے۔ رکشا والے قصبہ کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک لے جانے کے لئے صرف ۵۰ پیسے کرایہ وصول کرتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہے تاوقتیکہ نادر بیل بندی جو کہ بیل گاڑی کی طرح ہوتی ہے مگر قدرے چھوٹی ہوتی ہے، نظر آتی ہے۔ چند لوگوں نے یہاں آٹو رکشا شروع کرنے کی کوشش کی لیکن سائیکل رکشا والوں نے اس کی سخت مخالفت کی کیونکہ یہاں کی زیادہ تر آبادی مفلوک الحال لوگوں پر مشتمل ہے اور ان کے پاس سائیکل رکشا کھینچنے کے علاوہ روزگار کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ البتہ ان کی حالت دیکھ کر ان سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ان کی رکشا میں انجن لگا دیئے جائیں تو دل کے مرض سے مرنے والوں کی تعداد میں البتہ کمی ہو سکتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

لاٹری پر ایک نظر

• کُماری اُمارنگنا تھن
فری لینس جرنلسٹ
ترجمہ: عبدالوحید خاں جامعی

رومن سلاطین اپنی رعایا کو مکانات اور جہاز تقسیم کرتے تھے ازمنہ وسطیٰ کے اٹلی میں اس کے ذریعہ ریاست کے انتظامیہ کے لئے محصول جمع ہوتا تھا۔ انگلستان میں اس سے تجارتی اُمور مثلاً ویسٹ منسٹر برج کی تعمیر اور برٹش میوزیم کے لئے سرمایہ ملتا تھا اور امریکہ میں یہ کالج چلانے میں کام آتا تھا جن میں ہارورڈ اور کولمبیا شامل ہیں۔ یہ سب کچھ لاٹری ہی کی کرم فرمائی تھی۔

۱۹۶۹ء میں مہاراشٹر دیگر ہندوستانی ریاستوں یعنی گوا اور تامل ناڈو کے ساتھ لاٹری کے میدان میں داخل ہوگیا اور اس نے اُس تمام نکتہ چینی کا سامنا کیا جو لاٹری جیسے موضوع پر لازماً کی جاتی ہے۔

انگلستان اور امریکہ میں یہ اس امر کی بنا پر سالوں بند رہی کہ اس سے کاہلی اور بدی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے پھر اس سے تجارت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ ہندوستان میں تو اخلاقیات کے مسئلے پر بہت زور دیا جاتا ہے لہٰذا شروع میں "مہاراشٹر لاٹری" پر بھی بڑی لے دے ہوئی۔ کیا یہ جوئے کی کھلی حمایت نہیں ہے؟ کیا اس سے لوگوں میں یہ شوق نہ پیدا ہوگا کہ اپنی کمائی کو لُٹا دیں؟ بہرحال، بالآخر تمام بحث سے یہی حقیقت ثابت ہوئی کہ خطیر رقم دیس بھر میں پھیلے مٹکا، ریس اور تاش بازی وغیرہ میں اُڑا دی جاتی ہے۔ پھر دیگر ریاستیں جنھوں نے لاٹری اسکیمیں منظور کی ہیں، بمبئی میں اپنے ٹکٹ فروخت کرکے مہاراشٹر کا سرمایہ کھینچ رہی تھیں۔ ابتدا ہی سے بازی لگانا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بھاگ، نصیب، قسمت اور جوکھم، یہی سب کچھ زندگی میں خصوصاً آج کی شہری زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا اس جذبے کو ایسے منصوبہ میں کیوں نہ لگایا جائے جس سے ساری ریاست کو فائدہ پہنچے اور ہارنے والا بھی لابھ اُٹھائے۔

ہری جھنڈی ہوتے ہی بڑا کام انجام دینا تھا۔ مختصر سی مدت میں لاٹری کی پوری اسکیم مرتب کرنا تھی جس میں ٹکٹوں کی چھپائی، تقسیم اور شوقین خریداروں میں پرچار، سب ہی قسم کے کام شامل ہیں۔ کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، مثلاً ناقص قسم کے ٹکٹ چھپ گئے لیکن مجموعی طور سے جلد ہی کامیابی حاصل ہوئی۔

قومی راج

۱۲ اپریل ۱۹۶۹ء کو بمبئی میں پہلی 'قرعہ اندازی' (ڈرا) منعقد ہوئی یہ شاندار عام تقریب تھی جس کی نگرانی ممتاز اصحاب پر مشتمل ایک جماعت نے کی۔ قرعہ اندازی پر ہمیشہ ہی ایسی عام تقریب ہوتی ہے جس میں 'بنک' انتظامیہ، صنعت، فائن آرٹ اور فلم غرض کہ تمام ہی شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔

ابتدا میں تقریباً ۱۷ء۱ کروڑ روپے کا منافع ہوا تھا۔ اُمید ہے کہ آئندہ سال لاٹری سے آمدنی لگ بھگ ۶ کروڑ روپے تک پہنچ جائے گی۔ ٹیکس لگانے کے گراں بار ذریعہ کے مقابلے میں یہ آمدنی کا سہل طریقہ ہے۔ ہر سال 'مین لاٹری' میں ہوباریوں کے باکروں سے ۵ کروڑ سے زیادہ کے ٹکٹ جن میں منی لاٹری کے ٹکٹ شمار نہیں کیے گئے ہیں، بک جاتے ہیں اور ہر سال ہزاروں خوش نصیب جیتتے ہیں۔

'مین لاٹری' کی اس کامیابی کے بعد ریاستی حکومت نے ۱۹۷۴ء میں 'منی لاٹری' جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح میدان وسیع کرکے سماج کے غریب افراد کو بھی شامل کرلیا گیا، جن میں سے بہت سوں کی قسمت کا ستارہ چمک اُٹھا۔

منافع کے اُصول کو ذہن میں رکھ کر تقسیم انعامات اور ٹکٹوں کی چھپائی کے لئے اسکیم وضع کی گئی۔ کچھ ریاستیں بڑے اول انعامات پیش کرتی ہیں، لیکن حکومت مہاراشٹر کی لاٹری خصوصاً 'ڈرا' اور انعامات کی باقاعدہ اسکیم کے ساتھ سب سے زیادہ کارگر ثابت ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہاراشٹر کا منافع کروڑوں میں شمار ہوتا ہے جبکہ بیشتر دیگر ریاستوں میں یہ صرف لاکھوں ہی رہتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ منافع ہو۔

ہر 'مین ڈرا' کی، جن میں سے ہر ماہ تین نکالے جاتے ہیں، دو سیریز ہوتی ہیں ہر سیریز دس لاکھ ٹکٹوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ منی لاٹری میں ۵ سیریز ہوتی ہیں، جن میں سے ہر ایک کے لئے ایک لاکھ ٹکٹ چھاپے جاتے ہیں۔ فی الحال ہر ماہ تین خاص 'ڈرا' ۵، ۱۵ اور ۲۵ تاریخ کو نکالے جاتے ہیں۔ ضلع ڈرا میں کلکٹر کلی طور پر نگراں ہوتا ہے اور فی الحال یہ ہر ماہ کی ۵ تاریخ کو نکالا جاتا ہے۔ اتوار نیز "مین ڈرا" کے دن کو چھوڑ کر منی ڈرا، تقریباً ہر روز شام کو نکالا جاتا ہے اور ایک ماہ میں ایسے 'ڈرا' کی تعداد ۲۰ یا ۲۴

رہتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر گڈی پڑوا، گنیش چترتھی، دیوالی اور کرسمس جیسے تہواروں کے موقعوں پر بڑی لاٹریاں ڈالی جاتی ہیں جن میں پانچ لاکھ اور بڑی رقموں کے کئی انعامات جیتنے کا موقع ملتا ہے۔

'مٹکا' کے مقبول ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انعامی رقم بڑی پھرتی سے تقسیم کردی جاتی ہے۔ اس 'برائی' کو روکنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ محکمۂ لاٹری بھی اتنی ہی مستعدی اور پھرتی سے کام کرے۔ ہر ماہ دس لاکھ سے زیادہ انعامات جیتنے والوں کے حوالے کرنا پڑتے ہیں۔ بڑے شہروں میں، بیوپاری بذات خود ۵۰ روپے سے کم رقم اسی دن ادا کردیتے ہیں جس کی بھرپائی بعدازاں ٹریژری افسران / پی۔ اے آفس انھیں کر دیتا ہے۔ سو اور ایکہزار روپے کے درمیان انعامی رقم ٹریژری آفس / پے اینڈ اکاؤنٹس آفس کی

اِن خوش نصیبوں سے ملیئے

شریمتی پرمیلا بیانی کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی جبکہ وہ مجھے اپنے چھوٹے سے سادہ فلیٹ میں لے گئیں جو باندرہ کی ایک ہاؤسنگ کالونی میں واقع ہے۔ پرمیلا بہن نے حال ہی میں مہاراشٹرا اسٹیٹ لاٹری کا اول انعام پایا ہے۔

ان کا ۱۴ سالہ بیٹا پہلے میرے لئے ٹھنڈا پانی لایا اور پھر گرم گرم ایک کپ چائے۔ پرمیلا بہن نے بڑی خوش دلی سے میرے سوالات کے جوابات دیئے۔ (س) کیا آپ باقاعدگی سے لاٹری ٹکٹ خریدتی ہیں؟

ج: جی نہیں کبھی کبھی۔ صرف اپنا دل خوش کرنے کے لئے۔ اس مرتبہ میں نے اتفاق سے نریمان پائنٹ پر ٹکٹ خریدا تھا، جہاں ہمارے گھر والے سیر کو گئے تھے (س) کیا آپ اخبارات میں نتیجہ پر شوق سے نظر ڈالتی ہیں؟

ج: جی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں بالکل بھول گئی تھی کہ میں نے ٹکٹ خریدا ہے۔ ہاں ایک مہینہ بعد ایجنٹ سے ٹکٹ خریدتے ہوئے مجھے پتہ چلا کہ میں نے ایک لاکھ روپے کی رقم جیتی ہے۔ اس سوال پر کہ آپ اب کیسا محسوس کر رہی ہیں۔ پرمیلا بہن نے صرف گہری مسکراہٹ سے جواب دیا۔ (س) اتنی ساری رقم کا آپ کیا کریں گی؟ انھوں نے فوراً جواب دیا کہ میں بنک کے 'شیئرز' خریدوں گی۔

پرمیلا بہن کے شوہر پریمیئر آٹوموبائل میں کام کرتے ہیں۔ وہ سیدھا سادہ زندگی گذارتے ہیں کبھی کبھی بینڈ اسٹینڈ پر چہل قدمی کے لئے جاتے ہیں۔ اور دو ماہ میں ایک مرتبہ پکچر دیکھتے ہیں۔

لاٹری جیتنے والے کیا جانتے ہیں؟ وہ کہاں کے ہیں؟ وہ کیا کرتے ہیں؟ کس قسم کے لوگ ٹکٹ خریدتے ہیں؟ یہ سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں جن میں پرمیلا بیانی جیسی گھروالیاں، دفتروں کے کارکن، کالج کے پروفیسر غرض سب ہی لوگ شامل ہیں۔ کوئی طبقہ ایسا نہیں جو لاٹری سے متاثر نہ ہوا ہو۔ شوقین ریاضی داں جوڑ توڑ لگاتے ہیں، حالانکہ 'لکی' نمبر کا انحصار محض تقدیر پر ہے۔ ماہرین معاشیات بھی لاٹری کی دھن میں پیچھے نہیں رہے اور سیدھے سادے لوگ بس ٹکٹ خرید لیتے ہیں اور بسا اوقات جیت بھی جاتے ہیں

اب دسودھا پیڈنیکر سے ملیئے جو بوری چال' دادر میں رہتی ہیں اور انھیں حال ہی میں ریاستی لاٹری کا دس ہزار روپے کا انعام ملا ہے۔ یہ اور ان کے شوہر جدید خیالات رکھتے ہیں۔ ان کی شادی 'مابین جاتی' ہوئی۔ ولاس وولٹاس فیکٹری میں مشین آپریٹر ہیں اور اپنے فرصت کے اوقات اپنے آس پاس کے علاقے میں سماجی خدمت بھی کرتے ہیں۔ اپنے دو بچوں کے ساتھ یہ ایک صاف ستھرے کمرے میں رہتے ہیں جس کی دیواروں پر دیوی دیوتا (جنھیں میں پہچان نہ سکا) اور سائی بابا شرڈی کی تصاویر آویزاں ہیں۔

یہ روپیہ ان کے کس کام آئے گا؟ فی الحال تو یہ بینک میں جمع ہے اور اس پر سود لگ رہا ہے، لیکن غالباً جلد ہی یہ رقم وہ کمرہ خریدنے میں لگادی جائے گی جس میں وہ رہتے ہیں اور جس کی کل لاگت ۲۰,۰۰۰ روپے ہے۔

تیسرا گھر جہاں میں گیا، دیو کلے کا تھا۔ یہ دادر میں واقع پوش اپارٹمنٹ میں ہے جس کے بیٹھک کے کمرے میں قالین کا فرش ہے اور نئے چمکدار فرنیچر سے آراستہ ہے۔ شری دیو کلے ایک پرنٹنگ پریس چلاتے ہیں اور لاٹری ٹکٹ خریدنا اُن کی 'ہابی' ہے۔ اس مرتبہ انھیں دس ہزار روپے کا انعام ملا۔ یہ رقم انھوں نے اپنی لڑکی کے نام پر میڈیکل اسکول کے لئے چندہ میں دیدی، جہاں غالباً وہ آئندہ دو سال میں داخل ہوگی۔ شریمتی دیو کلے نے ایک مشورہ بھی دیا، وہ یہ کہ کیوں نہ محکمۂ لاٹری انعامات کی رقم گھٹا کر ان کی تعداد بڑھا دے تاکہ اور زیادہ لوگوں کو انعامات پانے کا موقع ملے۔

جانب سے ایک ہفتہ کے اندر ادا کر دی جاتی ہے۔ سو روپے سے زائد رقم بذریعہ چیک ادا کی جاتی ہے۔ ایک ہزار روپے سے زیادہ انعامی رقم کی ادائگی میں تقریباً تین ماہ لگتے ہیں۔ لاٹری کا ۶۰ فیصدی مارکیٹ ممبئی ہی ہے اور نسبتاً انعام جیتنے والوں کی زیادہ تعداد یہیں کی ہوتی ہے لہٰذا یہ اینڈ اکاؤنٹس آفس برابر مستعد اور مصروف رہتا ہے۔

مرکزی حکومت کی جانب سے ۱۹۷۲ء میں ۱۰۰۰ روپے سے زیادہ رقم کے لاٹری انعامات پر ۳۳ فیصد انکم ٹیکس عائد کیا گیا تھا، اس کے باعث لاٹری کی آمدنی میں کچھ کمی ہوئی، نیز کچھ ناجائز لین دین بھی ہونے لگا مثلاً لاٹری کے شوقین عموماً یہ جانتے ہی ہیں کہ اکثر کالے دھن والے جنھیں اپنی رقم سفید بنانے کی فکر ہوتی ہے، بڑے انعامات جیتنے والے اشخاص کے پاس پہنچتے ہیں۔ ایک جیتنے والے شخص کو جسے سمجھئے جیتی ہوئی ایک لاکھ روپے کی رقم ٹیکس وضع کرنے کے بعد صرف ۶۷،۰۰۰ روپے ملے گی۔ لالچ دیکر سودا کیا جاتا ہے اور اس کا ٹکٹ کالے دھن والا اسی ہی رقم میں لے لیتا ہے، جو اصل لاٹری میں رکھی گئی ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ علم ہے کہ حکومت نے جیتنے والوں کے بعض زمروں کے لئے رعایت بھی رکھی ہے، اور ایسے افراد جن کا کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہے خصوصاً گرہست خواتین، تقریباً ۱۸ فیصد چھوٹ کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

صرف لاٹری انعام پانے والے ہی اس اسکیم سے براہ راست مستفید نہیں ہوتے بلکہ اس سارے منصوبے کے باعث بڑی تعداد میں لوگوں کو روزگار بھی ملتا ہے۔ ریاست میں ۱۵۰ یا اس سے زیادہ بڑے ایجنٹوں کے علاوہ چھوٹے موٹے بیوپاریوں کی تعداد بھی، جو ابتدا میں صرف ۵۰۰۰ تھی آج ۱۲،۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ کیوں کہ ۶۰ فیصد بکری صرف ممبئی ہی میں ہوتی ہے۔ لہٰذا بیوپاریوں کی بڑی تعداد بھی یہیں سرگرم رہتی ہے۔ بوری بندر، وی ٹی اور چرچ گیٹ کے باہر، گرگام، دادر، غرض کہ ہر اہم جگہ نظر آتے ہیں نابینا اور معذور اشخاص بھی لاٹری کے بیوپاری بن گئے ہیں فلورا فاؤنٹین پر میں نے کچھ بیوپاریوں کو روک کر بات چیت کی۔ وہ اپنے منافع پر خوش نظر آئے۔ وہ اپنے تمام ٹکٹ فروخت کر ڈالتے ہیں۔ البتہ ایک نے یہ ضرور کہا کہ بارش کے دنوں میں مندا رہتا ہے، کیونکہ ایسے دن دفتری لوگ اور مسافر تیزی سے ہمارے پاس سے گذر جاتے ہیں اور انھیں لاٹری کا خیال نہیں آتا۔ ابتدا میں میرے سوالات پر انھیں کچھ شبہ پیدا ہوا اور انھوں نے گول مول جواب دیئے لیکن جلد ہی انھیں اندازہ ہو گیا کہ میرا ارادہ نیک ہے اور وہ کھل کر بات کرنے لگے۔

ابتدا میں بیوپاریوں کو ۱۰ فیصد کمیشن دیا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ بڑھ کر ۱۲½ فیصد کر دیا گیا اور فی الحال 'مین ڈرا' کے معاملے میں ۱۵ فیصد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک لاٹری بیوپاری جو روزانہ ۲۰۰ سے اوپر ٹکٹ فروخت کر لیتا ہے، آسانی کے ساتھ ہر روز ۳۰ روپے کما لیتا ہے۔ مزید برآں بڑے انعامات پر ۲½ بونس ہے۔ جس میں ایجنٹ اور چھوٹا بیوپاری جو اپنے ٹکٹ اس سے خریدتا ہے حصہ دار ہوتے ہیں۔

لاٹری اسکیم کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام مختلف ذرائع سے اسے فروغ دینا ہے۔ 'مین لاٹری' میں کُل منافع کا ۳ فیصد اور منی لاٹری میں منافع کا ۲.۵ فیصد حصہ لوگوں کو اسکیم سے روشناس کرانے کے لئے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اخبارات میں اشتہار کے ذریعہ دوسری قمار بازیوں کے مقابلے میں لاٹری کے فوائد کو واضح کیا جاتا ہے۔

قسمت نے ہمیشہ ساتھ دیا!

پونے کے باسی شری نرائن پانڈو رنگ شنڈے کی تقدیر نے ادھیڑ عمر میں کئی مواقع پر ان کا ساتھ دیا، مہاراشٹرا اسٹیٹ لاٹری میں کئی دفعہ انھیں انعام ملا اور بالآخر، نومبر ۱۹۷۵ء کو ۱،۰۰،۰۰۰ روپے کی رقم ان کے ہاتھ لگی۔ لاٹری ٹکٹ کا نمبر جس پر انھیں انعام ملا یہ تھا NN ۱۰۱۳۷۹۹۔ ان کا مطالبہ ۲۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو منظور کر لیا گیا۔

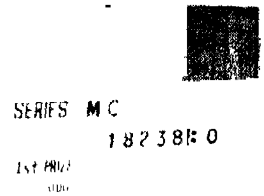
شری سنڈے سیدھے سادے آدمی ہیں اور منڈائی، پونے میں تلک مجسمہ کے قریب ان کی تمباکو کی دکان ہے۔

وہ بدھوار پیٹھ میں مشہور دگڈا ہلوائی دیا مندر چوک کے قریب ایک دکاندار سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ لاٹری کے ٹکٹ خریدتے ہیں۔ اب تک انھوں نے ۱۰ روپے، ۵۰ روپے اور ۱۰۰ روپے کی رقم کے کئی انعامات جیتے ہیں۔ ابھی گذشتہ سال انھیں ۱۰۰۰ روپے کا انعام بھی ملا تھا۔

اس طرح انعامات میں حاصل کی ہوئی رقم انھوں نے فکسڈ ڈپازٹ اکاؤنٹ میں جمع کرادی ہے جس پر انھیں ۴۰۰ روپے سود ملتا ہے۔

لاٹری ٹکٹوں کے بارے میں انھوں نے ایک مشورہ بھی دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر لاٹری ٹکٹ کے ساتھ ایک کاؤنٹر فائل بھی ہونا چاہیے اور خریدار سے کہا جائے کہ وہ دونوں یعنی اپنے ٹکٹ اور کاؤنٹر فائل پر دستخط کرے۔ اس طرح انعام جیتنے والے ٹکٹ 'بھنانے' کے سلسلے میں بے ایمانی کو روکنے میں مدد ملے گی اور لاٹری ٹکٹ کے اصل خریدار کا حق بھی محفوظ رہے گا۔

پُونے کے شری آر۔ ایس ٹینگارکر، پندرہویں
خوش نصیب ہیں جنھیں ۱۳ راپریل ۱۹۶۹ء
میں سب سے پہلے ڈرا میں پہلا انعام دو لاکھ
پچاس ہزار روپے ملا۔ انعام ملنے کے بعد انھوں
نے پُونے میں اپنی ذاتی دوکان کھولی ہے۔



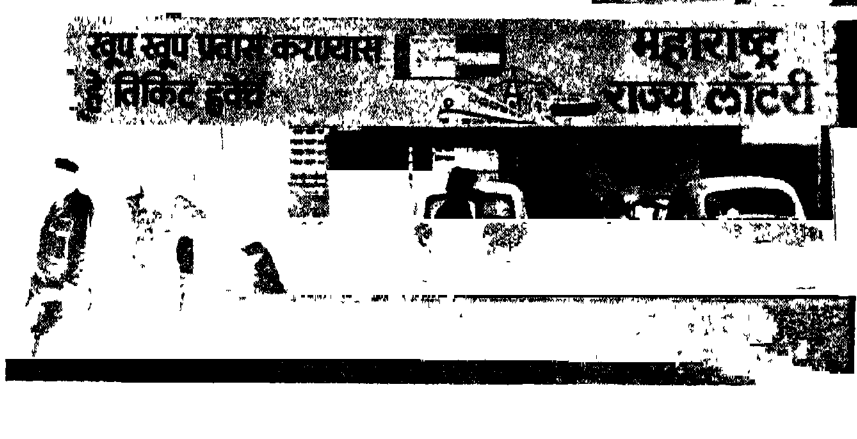












پُونے کے شری این۔ پی شندے، لاٹری کے کئی
انعامات حاصل کر چکنے کے بعد، آخر کار ۷ رنومبر
۱۹۷۵ء کو ایک لاکھ رُوپے کا انعام بھی حاصل
کر چکے ہیں۔ یہ اُن کی تمباکو کی دوکان ہے۔









اسپشل یا بمپر لاٹری ڈرا کے سلسلے میں مختلف
پروگرام منعقد ہوتے ہیں، جس میں مشہور
آرٹسٹ بھی شریک ہوتے ہیں۔















لاٹری ڈرا کے سلسلہ میں معروف شخصیتیں صدارت کے فرائض انجام دیتی ہیں اور یہ ایک قسم کی تقریب ہوتی ہے جس میں زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد شرکت کرتے ہیں۔







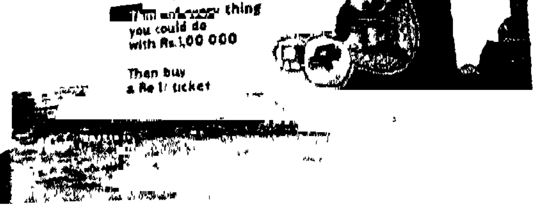


مختلف مقامات پر
لاٹری ٹکٹ کی فروخت

اُمید و بیم کے لمحات
دیکھئے کس خوش نصیب کی
قسمت مسکراتی ہے؟

نمبر ظاہر ہونے کے بعد ــ
کیا ہم بھی خوش نصیبوں میں ہیں؟





'میں جیتا یا ہارا' یہ ایک اشتہار ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری کی آمدنی بالآخر ریاست کی ترقی پر ہی صرف کی جاتی ہے۔ ایک دوسرے اشتہار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک روپیہ لگانے سے کتنی 'برکت' ہوسکتی ہے۔ اسی طرح ایک سُرخی ہے "جیاکماری کے نقشے میں جمائیکا کا نام ونشان نہ تھا۔ لیکن آج وہ دنیا کی سیر کرچکی ہے۔ یہ سب اس کے لاٹری ٹکٹ کی برکت ہے۔ لاٹری محکمہ کی جانب سے یہ پرچار بھی کتنا پرکشش ہے کہ "ایک روپیہ سے آپ کی قسمت بدل جائے گی"۔

اخبارات کے علاوہ ریاستی لاٹری کو فروغ دینے کے لئے دیگر ذرائع بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ ممبئی میں بڑے بڑے ۲۵ روشن بورڈ اور اضلاع میں تقریباً ۶۰ بورڈ لاٹری کا پیغام دیتے ہیں۔ شہر میں دوڑنے والی بسٹ بسوں پر اشارہ لکھا ہے "بنا ٹکٹ کبھی سفر نہ کیجئے" ریلوے اسٹیشنوں نیز ایس۔ ٹی کے اڈوں پر بھی اشتہار وغیرہ آویزاں ہیں اور لوگوں کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ اسی طرح سینما ہاؤسوں میں 'امر اکبر اور انتھونی' یا 'ڈریم گرل' جیسی فلموں کے ساتھ پردۂ سیمیں پر دلچسپ اشتہارات دکھائے جاتے ہیں جنھیں دیکھ کر بس یہی جی چاہتا ہے کہ لاٹری بیوپاری کے ہاتھ پر ایک روپیہ رکھ کر ٹکٹ نکال ہی لیا جائے۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ مختلف سیریز میں کس ڈیزائن کے ٹکٹ بنائے جائیں۔ ایجنٹ اپنے خریداروں سے برابر قریبی تعلقات رکھتے ہیں، لہذا ممبئی عظمیٰ میں ان کے خیالات پر مبنی مارکیٹ جائزہ لیا گیا۔ خاص طور سے ۳۲ ملازمین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کی گئی تاکہ وہ لاٹری مارکیٹ کے حالات اور اشتہارات وغیرہ کو سُدھارنے وغیرہ کے بارے میں مختلف سوالات پر ایجنٹوں کے جوابات قلم بند کریں۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا موجودہ ڈیزائن ٹھیک ہیں؟ لوگوں کے لئے کون سی تصاویر دلکش ہوں گی۔ کیا وہ اپنے ٹکٹ پر دیوی دیوتا، پھول، بچہ، دلفریب ماڈل یا جانوروں کی تصاویر دیکھنا پسند کریں گے؟ یہ دلچسپ بات ہے کہ ۵۰ فیصد ایجنٹوں نے اس امر کو ترجیح دی کہ ٹکٹوں پر قدیم آرٹ مثلاً 'اجنتا' کی تصاویر اور پوسٹروں پر خوش حال کنبہ کی تصاویر بنائی جائیں۔ انھوں نے یہ رائے بھی

منی لاٹری ڈرا کا نیا انعامی خاکہ حسبِ ذیل ہے، جو ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء سے زیرِ عمل لایا جائے گا:

ایک ایک لاکھ کی ۵ سیریز - ایک ٹکٹ کی قیمت ۵۰ پیسے

مُشترکہ انعام: ۲۰,۰۰۰ روپے

انعام کا درجہ	انعام کی تعداد	اِنفرادی انعام کی رقم	کُل رقمِ انعام
اوّل انعام	۱	۲,۰۰۰	۲,۰۰۰
دوسرا انعام	۱	۱,۰۰۰	۱ ۰۰۰
تیسرا انعام	۱	۵۰۰	۵۰۰
چوتھا انعام	۱	۲۵۰	۲۵۰
پانچواں انعام	۲۰	۵۰	۱,۰۰۰
چھٹا انعام	۱۰۰	۲۰	۲,۰۰۰
ساتواں انعام	۱,۰۰۰	۵	۵,۰۰۰
آٹھواں انعام	۱۰,۰۰۰	۱	۱۰,۰۰۰
		۱۱۱۲۴	۲۱,۷۵۰
		مشترکہ انعام کا عنصر	۴,۰۰۰
			۲۵,۷۵۰

اسٹیٹ لاٹری کا نیا انعامی خاکہ حسبِ ذیل ہے جو ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء سے زیرِ عمل لایا جائے گا:

اصل ڈرا

دس دس لاکھ ٹکٹوں کی ۳ سیریز

ٹکٹ کی قیمت: ایک روپیہ

تینوں سیریز کو یکجا مِلا کر اُن پر ۲,۰۰,۰۰۰ روپے کا مُشترکہ انعام

انعام کا درجہ	تعداد انعامات	انفرادی انعامی رقم	کُل میزان انعامی رقم
اوّل انعام	۱	۱,۰۰,۰۰۰	۱,۰۰,۰۰۰
دوسرا انعام	۱	۲۰,۰۰۰	۲۰,۰۰۰
تیسرا انعام	۱	۵,۰۰۰	۵,۰۰۰
چوتھا انعام	۱۰	۱,۰۰۰	۱۰,۰۰۰
پانچواں انعام	۱۰۰	۱۰۰	۱۰,۰۰۰
چھٹا انعام	۵,۰۰۰	۲۰	۱,۰۰,۰۰۰
ساتواں انعام	۲۰,۰۰۰	۵	۱,۰۰,۰۰۰
	۲۵۱۱۳		۳,۴۵,۰۰۰
		مُشترکہ انعام کا عنصر	۶۶,۶۶۶
			۴,۱۱,۶۶۶

لاٹری کی تاریخ میں نام نامی

۱۲ اپریل ۱۹۶۹ء کو مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری کے نکالے گئے پہلے ہی 'ڈرا' میں ۲,۵۰,۰۰۰ روپے کا اوّل انعام پانیوالے شری رماکانت سداشیو پینگارکر نے مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری میں دراصل ایک 'تاریخ ساز' حیثیت حاصل کرلی.

شری رماکانت نامی کامی موک شکراپل. آر پینگارکر خاندان کے فرد ہیں. وہ اُس وقت راول گاؤں شکر فیکٹری کے ڈسٹری بیوٹرز دی. ایم شاہ کمپنی میں سیلز مین کی حیثیت سے کام کرتے تھے.

انھوں نے پہلے 'ڈرا' کے لئے جاری شدہ آٹھوں ہی سیریز کے سے لاٹری کے ٹکٹ خریدے. ان میں سے 'اے' سیریز میں ٹکٹ نمبر ۱۵۳۳۹۷۲ 'لکی' نکلا، جس پر انھیں اکٹھا ۲,۵۰,۰۰۰ روپے انعام ملا۔ یہ ان کے لئے ناقابلِ یقین بات تھی. انھوں نے اپنے ٹکٹ کے نمبر ملانے شروع کئے اور جب اس خاص ٹکٹ کے ہندسے یکے بعد دیگرے انعام جیتنے والے ٹکٹ کے نمبروں سے مل گئے تو وہ ششدر رہ گئے اور اُن کی آنکھیں مارے خوشی کے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی. شری پینگارکر کے ایک فیملی ڈاکٹر نے ان کے خاندان کے افراد کو یہ خفیہ صلاح دی کہ وہ اس رات شری پینگارکر کو سونے نہ دیں.

شری پینگارکر ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں. آپ ہندی اور مراٹھی زبان کے اسٹیج اور فلم سے وابستہ رہتے ہیں. آپ سالوں تک آل انڈیا ریڈیو کے بھی آرٹسٹ رہے اور ایک اداکار اور سازندے کی حیثیت سے کام کیا.

فی الحال آپ بھاسکر لوا نکھلے چوک، باجی راؤ روڈ، شہر پونے میں خود ایک دوکان کے مالک ہیں. آپ مٹھائیاں وغیرہ فروخت کرتے ہیں. نیز مختلف کمپنیوں کی ایجنسیاں بھی رکھے ہیں. آپ بھگوان گنیش کے پجاری ہیں۔

یہ بھی قسمت کی خوبی ہے کہ ان کے ایک عزیز شری دنانر ڈھونڈو پنت کو بھی جو تلے گاؤں دابھاڈے، ضلع پونے کے باسی ہیں، اسی دن مہاراشٹر اسٹیٹ لاٹری کے پہلے ہی ڈرا میں ۱۰,۰۰۰ روپے کا انعام ملا۔ حقیقت میں کئی اور مواقع پر شری پینگارکر کی قسمت چمکنے میں بس ذراسی کسر رہ گئی۔ اسی ڈرا کی 'سی' سیریز میں بس ایک ہندسہ کی کسر رہ جانے سے وہ اسکے اول انعام سے محروم رہ گئے تھے. "بس ایک ٹکٹ خریدو جو تمھارے کام آسکتا ہے"، یہی لاٹری خریدنیوالوں کو ان کا پیغام ہے

قومی راج

دی کہ پوسٹروں میں مزاح کا رنگ بھی ہونا چاہیے.

غرض اس طرح یہ کوشش برابر جاری ہے کہ لوگوں کے لئے لاٹری کو زیادہ سے زیادہ پرکشش بنایا جائے اور ریاست کی ترقی کے لئے بڑا سرمایہ جمع کیا جائے یہ رقم، سڑکیں بنانے، کنوئیں کھودنے یا مکانات تعمیر کرنے پر صرف کی جائیگی لہذا آئندہ جب آپ ٹکٹ خریدیں اور اتفاق سے اس پر انعام نہ ملے تو بھی آپ یہ سمجھ لیں کہ بالآخر آپ گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۱۳ سے آگے)

ویجناتھ پرلی کیسے آئے؟

دیجناتھ، جن کی وجہ سے اس قصبہ کو شہرت حاصل ہے یہاں کیسے آئے، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس کے لئے ہمیں قصوں اور حکایتوں پر ہی انحصار کرنا پڑے گا۔

پاروتی نے دیجناتھ مہاراج کو نندی نامی بیل کے اوپر بیٹھے تین لوک کا طواف کرتے دیکھا۔ اس جنم میں وہ رینوکا کے روپ میں پیدا ہوئی تھیں اور اپنے والدین کے ساتھ کوکن میں رہتی تھیں۔ اس جنم میں بھی وہ شیو کی بھگت تھیں. جب دیجناتھ مہاراج نے اسے درشن دیئے تو رینوکا نے ان سے بیاہ کرنے کی خواہش ظاہر کی. بھگوان بہت خوش ہوئے اور وہ ایک شرط پر اس بیاہ کے لئے راضی ہو گئے کہ اُن کے پیچھے پیچھے وہ چلی آئے مگر پلٹ کر نہ دیکھے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو اس جنم میں ان کا بیاہ شیو سے ناممکن ہوگا۔ رینوکا۔ امبا، بھگوان شیو کے پیچھے چلنے لگیں، لیکن ہر عورت کو اپنا بابل عزیز ہوتا ہے اور جاتے وقت وہ اسے ایک بار مڑ کر ضرور دیکھتی ہے۔ وہ ابھی چند قدم بھی نہ چل پائی تھیں کہ مڑ کر انھوں نے اپنے مائیکے پر نظر ڈالی اور ہوا میں تحلیل ہوگئیں اور وہ اب امبے جوگئی میں ہیں اور دیجناتھ مہاراج ذرا آگے پرلی میں ہیں۔ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکایت 'دواپر' یا 'ترییتا' زمانے کی ہے لیکن ہزاروں سال سے امبا جوگیشوری کے روپ میں کفارہ ادا کر رہی ہیں۔ یہ کونکنستھا برہمن فرقہ کی دیوی ہیں اور لوگ دور دراز مقامات سے ان کے درشن کو آتے ہیں. کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب ایک مرتبہ یہ مورتی توڑنے کے لئے آئے تھے لیکن اس جگہ آتے ہی وہ اپنی بینائی کھو بیٹھے، پھر انھیں بھی اس دیوی کی مہانتا کا احساس ہوا، اور انھوں نے مندر کی تینوں سمتوں میں تین گنبد تعمیر کروائے جو کہ اب تک موجود ہیں۔

شنکر اور امبا کی محبت کی یہ ادھوری داستان اس مندر سے وابستہ ہے۔ یہ مندر پرلی سے بے حد قریب ہے۔ پرلی۔ دیجناتھ آنے پر امبا دیوی کے درشن کے لئے صرف دو تین گھنٹے کا سفر درکار ہے۔

ملیریا کے دوبارہ پھوٹ پڑنے کا اندیشہ

• ڈاکٹر بی۔ بی گائیٹونڈے
ڈائریکٹر، ہافکن انسٹی ٹیوٹ، بمبئی
ترجمہ: عبداللہ

مستقبل قریب میں برصغیر ہندوستان میں ملیریا ایک خطرناک ،تسکل اختیار کرسکتا ہے اور اگر اس بیماری نے متعدی صورت یار کرلی تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ بہت سی انسانی جانیں ں طور پر شیرخوار اور کم عمر کے بچے اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں ریا کی بیماری ابتدا سے ہی بڑی تیزی سے پھیلتی ہے اور اس کی سے متاثرہ شخص کسی کام کا نہیں رہتا اور دوسری بیماریوں کو بڑھاوا ا ہے۔

سماجی و معاشی حالات پر ملیریا کے بُرے اثرات کی ورلڈ تھ آرگنائزیشن نے عمدگی کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ ملیریا دور کرنے والے منصوبوں پر حکومت کی طرف سے خرچ کی جانے ،رقموں کے علاوہ، پیداوار کا زبردست نقصان، بچوں کی تعلیم رکاوٹ، سیاحوں کی پیداوار کی کمی کی وجہ سے مالیات اور دوسرے باتی پروجیکٹ متاثر ہوسکتے ہیں۔ اگرچہ اس خوف سے دہشت ،ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن حالات خطرناک صورت یار کرچکے ہیں۔ لوگوں کو اس بیماری سے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ۔چنانچہ سر پر منڈلانے والی اس بیماری کو عوام اور حکومت دونوں ،شتراک سے کم کیا جاسکتا ہے گو اسے پوری طرح ختم نہ کیا جاسکے۔

۱۹۴۷ء کے دستیاب حسابی گوشوارہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی سالانہ ۶ کروڑ لوگ اس بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ بخار سے فوت نے والے ۸۰ لاکھ لوگوں میں سے ۳۰٪ غالباً ملیریا سے ہی فوت ہوتے ۱۹۵۳ء میں ملیریا اراڈیکیشن پروگرام (M E P) رائج کرنے سے دس لاکھ آبادی والے علاقے میں صرف ملیریا سے سالانہ ۲ لاکھ د متاثر ہوا کرتے تھے۔ مذکورہ (M E P) پروگرام کے بعد ۱۹۶۳ء دس لاکھ کی آبادی میں سے صرف ۹۶۳۲ ۹ افراد متاثر پائے گئے۔

تاہم ۱۹۷۲ء سے ملک بھر میں ملیریا کے واقعات میں اضافہ ہورہا ہے۔ نتیجتاً ۱۹۷۶ء میں ملک بھر میں تقریباً ۶۰ لاکھ افراد ملیریا سے متاثر پائے گئے۔ ممکن ہے کہ یہ عدد ۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ایک کروڑ تک جا پہنچے۔

ملیریا سے کیونکر محفوظ رہا جائے

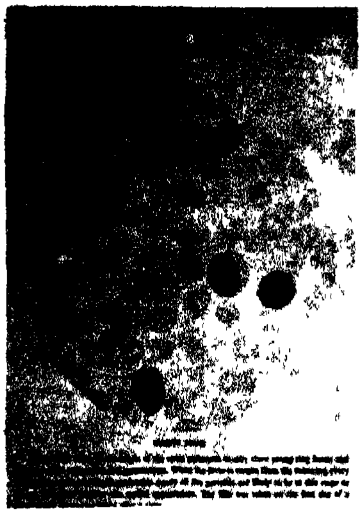
ملیریا سے محفوظ رہنے کا مسئلہ واقعی بہت ٹیڑھا ہے۔ اس بات کا پتہ کافی عرصہ پہلے لگ چکا ہے کہ بعض مخصوص علاقے کے رہنے والے افراد میں، خصوصاً بچوں میں، اس بیماری کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اگر ملیریا سے محفوظ رہنے کے طریقے تلاش نہ کئے گئے تو ایک نسل گذرنے پر ملیریا زدہ علاقوں کے رہنے والے کا صفایا ہوجانے کے امکانات ہیں۔ اگر ملیریا نے کسی غیر محفوظ آبادی میں سر نکالا تو اس آبادی کا بہت ہی برا حشر ہوگا۔

ملیریا کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن وہ قسمیں جن سے بیماری پیدا ہوا کرتی ہے، چار ہیں۔ (۱) طفیلی جراثیم Plasmodium Malariae طفیلی جراثیم سے پیدا ہونے والا ملیریا (۲) Plasmodium Vivax (۳) Plasmodium Ovale اور Plasmodium Falciparum ہندوستان میں بیماری Plasmodium Vivax کے جراثیم سے جسے Benign tertian Malaria ملیریا بھی کہتے ہیں، پیدا ہوتی ہے۔ اس میں بخار ہر تیسرے روز آتا ہے۔ دوسرے علاقوں میں خصوصاً ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں یہ بیماری Plasmodium Falciparum جراثیم کے شدید حملہ سے ہوا کرتی ہے۔ ملیریا کی یہ قسم کافی خطرناک ہوتی ہے۔ خاص طور پر بچوں کے لئے یہ بیماری بہت بری ہے کیونکہ اس سے موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ بالغوں کو بھی اس بیماری سے بہت تیز بخار آیا کرتا ہے۔

ملیریا کے جراثیم، جیسا کہ اکثر لوگ جانتے ہیں، مچھروں کے کاٹنے سے ایک شخص سے دوسرے شخص کے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ ملیریا کی بیماری پیدا کرنے والے مچھروں کی دو بڑی قسمیں ہیں۔

اینو فیلیز اسٹیفنیز Anophelese Stephanes
اور اینو فیلیز کیولیسیفیز Anophelelse Calglacies
ملیریا کے جراثیم انسانی جسم میں رفتہ رفتہ بڑھتے ہیں۔ مچھر ان جراثیم کو انسانی جسم میں یہ (Sporozoites) اپنے ڈنک کے ذریعے داخل کر دیتا ہے۔ جراثیم کا پتہ صرف آدھ گھنٹے کے مختصر وقت میں ہی خون کی جانچ کروا کر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ جراثیم جسم انسانی کے رگ و پے میں گھل مل کر غائب ہو جاتے اور نشو و نما پاتے ہیں۔ اس دوران یہ غلط tropozoites کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور خون کے سرخ خلیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ سرخ خلیوں میں پرورش پا کر یہ جراثیم نئے سرخ خلیات خون میں دوبارہ سرایت کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وقتاً فوقتاً بخار آتا ہے۔ جراثیم کی نشو و نما جاری رہا کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے وقفہ وقفہ سے بخار آتا ہے۔ خون کے سرخ خلیوں کے متاثر ہو جانے سے کمی خون کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض طفیلی جراثیم، بالخصوص (Plasmodium Vivax) قسم کے ملیریائی جراثیم جگر کو اپنا نشانہ بناتے ہیں اور اس کے عضلات میں پرورش پانے لگتے ہیں۔ اس ثانوی حالت کو رگ و ریشہ پر حملے کا دوسرا درجہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہی وہ حملہ ہے جو انسان کو نڈھال کر دیتا ہے۔ اکثر ملیریا میں یہی صورت حال پیش آتی ہے۔
خون کی بعض قسموں میں نر اور مادہ کی جنسی شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب مچھر اس قسم کے مریض کو کاٹتا ہے تو وہ اس جنسی مادے کو جذب کر لیتا ہے۔ اب یہ نر اور مادہ مادے مچھر کے جسم میں تمام جنسی کردار پورا کرتے ہیں اور آخر کار Sporozoites کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اب مچھر جس دوسرے شخص کو کاٹتا ہے تو اس کے جسم میں Sporozoites جراثیم داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح جراثیم کی زندگی کا دور پورا ہو جاتا ہے

پس یہ ظاہر ہو گیا کہ مرض کے جسم انسانی میں داخل ہونے کا ... مندرجہ ذیل صورتوں پر منحصر ہے؟
(الف) وہ مریض جس کے جسم میں نر اور مادہ جراثیم ہو جائیں۔
(ب) وہ مچھر جو ایک دوسرے کو کاٹنے سے جراثیم کو بڑھاوا دیں۔
ملیریا ختم کیا جا سکتا ہے یا اسے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے سے روکا جا سکتا ہے اگر
(الف) ایسی دوائیاں استعمال کی جائیں جو مرض کو جسم انسانی میں بڑھنے سے روکے۔
(ب) مریض کا ایسی دوائیوں سے فوری طور پر علاج کیا جائے جو جسم میں غیر جنسی اور جنسی شکلوں کے جراثیم کا صفایا کرے۔
(ج) مچھروں کو ختم کرنے کی تدبیریں اختیار کی جائیں


انسانی خون میں مختلف قسم کے ملیریائی جراثیم

ملیریا پر کنٹرول حاصل کرنے اور صفایا کرنے کے پروگرام

حکومت ہند نے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W.H.O) سے مشورہ کرنے کے بعد ایک ایسا پروگرام مرتب کیا ہے جس کی وجہ سے ملیریا پر قابو پایا جا سکتا ہے اور اسے ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔
یہ پروگرام مختلف ادوار پر منقسم ہے یعنی
پورا ملک کسی قدر مرض میں مبتلا علاقے، مرض میں مبتلا علاقے، اوسط طور پر مرض میں مبتلا علاقے، شدید طور پر مرض میں مبتلا علاقے اور بہت ہی شدت اختیار کیے ہوئے علاقے میں بانٹا گیا ہے۔ کسی قدر مرض میں مبتلا علاقے وہ ہیں جہاں جراثیم پائے جانے کی شرح ۱۰٪ سے کم ہے۔ اوسط طور پر مرض میں مبتلا علاقے وہ ہیں جہاں جسم میں جراثیم پائے جانے کی شرح ۳۰٪ - ۱۱٪ کے درمیان ہے۔ شدید طور پر مرض میں مبتلا علاقے وہ ہیں جہاں ۵۰٪ سے زیادہ جراثیم پائے جانے کی شرح ہو۔ جہاں ۵۰٪ سے زیادہ جراثیم پائے جانے کی شرح ہو تو وہ علاقے بہت شدت اختیار کیے ہوئے علاقے کہلاتے ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں ملیریا کے کنٹرول کرنے والے پروگرام کو ملیریا کا صفایا کرنے والے پروگرام (NMEP) میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ پروگرام جغرافیائی معائنہ، اسٹاف کی ٹریننگ وغیرہ پر مشتمل تھا۔

اس کے بعد مرض پر حملہ آور ہونے کا دور شروع ہوا۔ اس دور میں گھر گھر دوائیاں چھڑکنے کا کام انجام دیا گیا اور دوسری بہت

ی تدبیریں اختیار کی گئیں ۔ ان تدبیروں سے اصولاً یہ مقصد تھا ہ ملیریا کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کو ختم کیا جائے ۔ اس لئے الف) مچھروں کو مارنے کے لئے گھر گھر چھڑکاؤ کیا گیا (ب) رُکے ہوئے انی میں مچھروں کے لاروا پائے جانے کے بارے میں تحقیقات کی گئیں ج) لاروا مارنے کی دوائیوں کا استعمال جیسے Gammexene غیرہ کیا گیا ۔ (د) لاروا کو بڑھنے سے روکنے کے لئے تالابوں، ٹھہرے ونے پانی وغیرہ پر تیل کا چھڑکاؤ کیا گیا ۔ (ہ) ملیریا کے مریضوں کے لئے گولیوں کا استعمال تجویز کیا گیا ۔ اس مرحلے کے بعد ایک فوت بن کر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا گیا ۔ اور پچھلے دور کی تمام دبیروں کو روک دیا گیا ۔ ملیریا زدہ مریض کا پتہ چلانے کے لئے رابر کارروائی جاری رکھی گئی ۔ محکمہ صحت کے افراد اپنے اپنے حلقوں میں دورہ کرتے تھے اور ملیریا زدہ مریضوں کی تلاش کرتے تھے اور فوراً ان کے لئے دوائیوں کا بندوبست کرتے تھے ۔ بخار میں مبتلا اشخاص کے خون کی جانچ کی جاتی تھی اور پھر اس کے خون میں ملیریا کے جراثیم کا پتہ چلانے کی کوشش کی جاتی تھی ۔ مذکورہ بالا تدبیروں کے اختیار کرنے کے بعد جو کچھ قابو پایا گیا اس حالت کو قائم رکھنے کا دور شروع ہوا اور عوامی صحت خدمات کے ذریعے ملیریا و علاقے میں ختم رکھنے کی طرف توجہ دی گئی ۔ بعض علاقوں میں ملیریا ختم کرنے میں قابل ذکر کامیابی حاصل ہو چکی ہے اور بعض علاقوں میں ملیریا پوری طرح قابو میں آ چکا ہے ۔

لیکن ملیریا پھر سے سر اٹھا رہا ہے ۔ ۲۲۰ کروڑ روپے صرف رنے کے باوجود اس مرض کا پھر سے پیدا ہو جانا بہت ہی دردناک اکامی کے مترادف ہے ۔ اس ناکامی کے بہت سے اسباب ہیں جس یں تکنیکی اور انتظامی اسباب بھی شامل ہیں ۔ لگاتار کیڑے مارنے ی دوائیوں کے چھڑکاؤ کی وجہ سے مچھر DDT و BHC اور کارباميٹس غیرہ کے عادی ہو چکے ہیں ۔ اور اب یہ دوائیاں ان کے لئے غیر موثر ہو چکی ہیں ۔ اسی وجہ سے ایک اہم تدبیر جسے ہم نے مچھروں پر قابو پانے ور ان کے خاتمے کے لئے اپنائی تھی (خاص طور پر بڑے مچھروں کو اور اروا کو) اب بعض علاقوں میں ناکام ہو چکی ہیں ۔

پروگرام کے ناکام ہونے کا ایک اہم سبب ہے ــــ مالی فنڈ ی کمی اور محکمۂ صحت کے اسٹاف میں پائی جانے والی بے اطمینانی اور بے چینی ۔ پس ملیریا کو ختم کی ہوئی حالت میں قائم رکھنے کے لئے کوئی ناسب کارروائی نہیں کی گئی ۔ پچھلے پانچ سالوں سے ایسے اشارات مل رہے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ملیریا پھر سے سر اٹھا رہا ہے ۔

ہمارے محکمۂ صحت کے لئے یہ لازم ہے کہ فوری طور پر کارروائی شروع کرے ۔

ہماری کم آمدنی اور کیڑے مارنے کی دوائیوں کی کمی کی وجہ سے ملیریا کا مقابلہ کرنے میں بڑی دقت پیش آ رہی ہے ۔

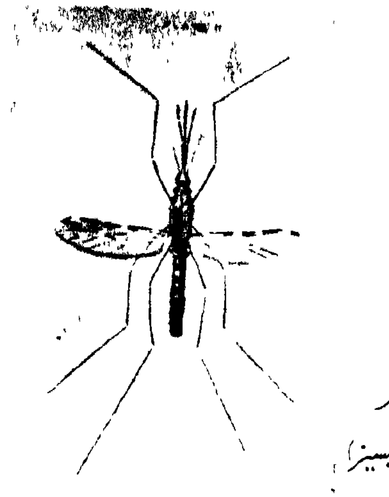
کوئی پروگرام اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملک کی عوام کی جانب سے اسے تعاون حاصل نہ ہو ۔ مذکورہ بالا پروگرام صرف حکومت کا پروگرام تھا ۔ اس پروگرام کی کامیابی کے لئے عوام کے اعتماد کو حاصل کرنا بہت ضروری تھا اور اس بات پر پوری توجہ دینا ضروری تھی کہ دیہی علاقے کے رہنے والوں کو کنٹرول کرنے والی تدبیروں سے باخبر رکھا جائے ۔ اگر دیہی علاقے کے رہنے والوں لوگوں کو پروگرام کا اصلی محور مکمل طور پر سمجھا دیا گیا ہوتا تو یہ پروگرام ہرگز ناکام نہ ہوتا ۔

اس کے علاوہ پروگرام کی ناکامی، یکساں ٹھوس تدبیروں کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوئی ہمارے وسیع و عریض ملک کے لئے جہاں کے جغرافیائی حالات جگہ جگہ مختلف ہیں، یکساں تدبیر کا رائج کرنا بالکل غیر مناسب تھا ۔ آسام جیسے گھنے جنگلات والے علاقے میں جہاں کی جغرافیائی، سماجی، و معاشی حالت مہاراشٹر کے مقابلے میں بالکل مختلف ہے، ایک جیسی تدبیروں کو اپنانا بالکل غیر ضروری تھا ۔ اسی طرح دیہی علاقوں میں اپنائی گئی کارروائیاں، شہری علاقوں کے لئے مناسب نہ تھیں ۔ شہری علاقوں میں، ملیریا کے خاتمہ کا پروگرام کم خرچ اور زیادہ بہتر طور پر نگرانی کر کے پورا کیا جا سکتا ہے لیکن دیہی علاقوں میں زیادہ رقم کی ضرورت پیش آتی ہے ۔

ہافکن انسٹی ٹیوٹ کی کوششیں

صرف دو یا تین بین الاقوامی کمپنیاں ایسی ہیں جن کے پاس کلوروکین بنانے کی ٹیکنالوجی ہے ۔ اسلئے یہ فوری طور پر ضروری ہو گیا ہے کہ یا تو ٹیکنالوجی کو ترقی دی جائے یا پھر کلوروکین کی دیسی طور پر بنانے کے طریقوں کو برآمد ٹیکنالوجی سے شروع کیا جائے ۔ اب ہافکن انسٹی ٹیوٹ نے اپنے آئندہ ۵ سالہ ترقیاتی پروگرام کے تحت اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ ۱۰۰-۵۰ ٹن کلوروکین اور ۵-۴ ٹن پریماکین Primaquine بنایا جائے ۔ پریماکین ملیریا کے دوبارہ ہونے والے اثر کو روکنے کے لئے بہت ضروری دوا ہے ۔ ہافکن انسٹی ٹیوٹ ملیریا پر تحقیقات کو آگے بڑھانے میں کوشاں ہے ۔

گزشتہ چند سالوں سے جو سب سے زیادہ پریشان کن بات سامنے آ رہی ہے وہ ہے ملیریا کے جراثیم میں قوتِ مزاحمت



ہندوستان میں
ملیریا پھیلانیوالا مچھر
(اینوفیلز کیولیسیفیسیز)

کا پیدا ہو جاتا ہے۔ ویتنام، روم، امریکی ممالک اور جنوبی مشرقی ایشیا میں اس بات کو محسوس کیا گیا ہے کہ پروکاینل، سائیکلو کاینل، ٹرائمیتھوپریم وغیرہ جیسی کچھ ملیریا روک دواؤں کے خلاف کچھ مزاحمت پائی گئی ہے فی الحال کلوراکین کے لئے بھی کچھ مزاحمت ظاہر ہو رہی ہے۔ خوش قسمتی سے جراثیم نے ابھی تک کونین کے اثرات کے خلاف کسی قسم کی مزاحمت پیدا نہیں کی ہے۔

اس طرح کی قوتِ مزاحمت رکھنے والے جراثیم برما اور ملیشیا میں پائے جاتے ہیں۔ اب یہ ہندوستان پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں، آسام میں اور مغربی بنگال کے قریبی علاقوں میں یہ اثرات پائے گئے ہیں۔ اگر یہ قوت مزاحمت پورے ملک میں پھیل گئی تو اس کے اثرات بہت ہی مہنگے ہوں گے اسلئے کہ کلوروکین اسی پر لیے اثر ہوتی ہے لیکن کونین کا اس پر اثر ہوتا ہے۔ ہندوستان کونین بنانے کا سب سے بڑا ملک ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ کونین کو زرمبادلہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے ممالک کو بھیجا جا رہا ہے۔ اب یہ ضروری ہے کہ مرکزی حکومت کونین کی وافر مقدار کو مہیا کرنے کے لئے کوئی اقدام کرے اور ریاستی حکومتوں کو اس بات کی طرف راغب کرے کہ وہ اسی مقدار کو برآمد کریں جو اُن کے پاس فاضل ہو۔ حال ہی میں کچھ نئی دوائیاں اور دوائیوں کے مرکب جیسے Sulphonamides، Pyremethamine اور Trimethoprim کے مرکب میں D.D.S کو ملیریا میں کلوروکین کیلئے قوتِ مزاحمت رکھنے والے جراثیم کو ختم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ملیریا دوبارہ ہماری صحت کے لئے ایک مسئلہ بن کر سامنے آسکتا ہے۔ اسی لئے اب یہ ضروری ہے کہ لوگوں کو ملیریا کے بارے میں اور اسے ختم کرنے کی تدبیروں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ آگاہی اور معلومات دی جائے تاکہ وہ اس بیماری کے وبائی شکل میں پھوٹ پڑنے سے بےخبر نہ رہیں۔ مرکزی حکومت کو بھی چاہیئے کہ وہ لوگوں میں دہشت پھیلنے نہ دے اور انہیں اپنے اعتماد میں رکھے۔ ساتھ ہی ساتھ اُن میں ملیریا روک پروگرام میں حصّہ لینے کی ذمہ داری کو سمجھائے۔

سستی دوائیاں

ملیریا، روک پروگرام میں سب سے اہم جُز کارآمد اور مؤثر دوائیوں کی کمیابی ہے۔ یہ دوائیاں بہت مہنگی قیمت پر دستیاب ہیں۔ صرف کلوروکین Chloroquin ہی ایسی پر اثر دوا ثابت ہوئی ہے جو پی۔ فالسیپرم (P. falciparum) حالت میں استعمال کی جاتی ہے۔ ملک میں کلوروکین تقریباً ۲۰ ـــ ۳۰ ٹن فی سال سے زیادہ نہیں بنائی جاتی۔ لیکن اس کی ۱۳۰ ـــ ۱۵۰ ٹن تک ہمیں ضرورت ہے۔ پس یہ معلوم ہوا کہ دوا بہت کم مقدار میں دستیاب ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے دوسرے ممالک سے دوائیاں منگوانی پڑتی ہیں۔

ملیریا کی تاریخ

گذشتہ ۴ یا ۵ صدی سے لفظ "مالیر" 'Malair' جو کہ بیماری کو پوری طرح بیان نہیں کرتا ہے۔ استعمال میں ہے۔ یہ لفظ تھامس والپول Thomas Walpole نے ۱۷۴۸ء میں بخار کی علامت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔

ملیریا کی کہانی بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ ملیریا انسانی دور میں ہر دفعہ پایا جاتا ہے۔ قدیم مصری ملیریا کے بخار AAT کے طور پر ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ ڈینڈرہ Denderah کے مندروں کی کھدائی سے واضح ہے۔ ۱۵۰۰ سال قبل مسیح میں لکھی گئی ایبرپے پی رس Ebers Papyrus میں ملیریا کے بارے میں تذکرہ پایا جاتا ہے۔ شام اور بابل کے باشندے ملیریا بخار کی وبائی شکل سے واقف تھے۔

۸ صدی قبل مسیح میں ہومر Homer نے اس بیماری کے بارے میں ایک مختصر سا ذکر کیا ہے۔ ہومر ہی نے اس بخار کو quotidean، Quartan اور tertain میں تقسیم کیا تھا۔ چرک کی دوائیوں کی کتابوں میں مچھروں کے ذریعے پھیلنے والے بخار کا کافی طویل ذکر پایا جاتا ہے اور ملیریا کے وقفہ وقفہ سے گھٹنے بڑھنے والے بخار کا بہت ہی طویل ذکر ہے۔

ملیریا کے بارے میں یہ تین اہم تحقیقات ہیں۔

(الف) ملیریا بخار میں Chenchona (سنکونا) چھال کا (ادین) مدی میں استعمال۔

(ب) ۱۸۸۰ء میں Laveran نے خون میں ملیریا کے جراثیم کا پتہ چلایا۔

(ج) رونلڈ روز Ronald Ross نے مچھروں کے ذریعے ملیریا پھیلنے کی تحقیقات کی۔

سنکونا درخت کی چھال کو اس وقت کے وائس رائے ڈیل سنکون Jesuits نے اسپین میں لایا تھا۔ اور اسے جےسوٹ Del Chenchon چھال کے نام سے یورپ میں بہت کثیر مقدار میں استعمال کیا گیا تھا۔ ۱۶۵۰ء میں ڈاکٹر بوگ Dr Bogue نے کلکتہ میں اسے استعمال کیا تھا۔ ولیم ہنٹر (William Hunter) نے ۱۸۰۴ء میں ملیریا بخار کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا تھا۔ کیونٹان Caventou اور پالیٹیر Pelletier نے ۱۸۲۰ء میں سنکونا چھال کے پُر اثر اجزاء کو حاصل کیا اور اسے کیونین کے نام سے موسوم کیا۔ کیونین ہندوستان میں (بمبئی میں) ۱۸۲۶ء میں لائی گئی۔

دوسری اہم تحقیق لیویران Laveran نے کی۔ اس نے ۱۸۸۰ء میں الجیریا میں ملیریا بخار میں مبتلا ایک مریض کے تازہ خون میں ملیریا کے جراثیم پائے۔ یہ تحقیق ریچارڈ Richard نے ۱۸۸۲ء میں صحیح پائی۔ ۱۸۸۴ء میں گیہارڈ Gerhardt نے یہ ثابت کر دیا کہ ملیریا بخار ایک صحت مند شخص کے جسم میں ملیریا زدہ شخص کے خون کو داخل کر دینے سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

رونالڈ روز نے پہلی دفعہ متاثر مچھر کے پیٹ میں ملیریا کے جراثیم کی جنسی تشکل کو بڑھتے ہوئے دکھایا۔ ۱۸۹۵ء میں، اسی نے اینافیلیز Anopheles مچھروں کے ذریعہ منتقل ہونے کا پتہ چلایا تھا۔

مہاراشٹر میں ۳۳ قومی ملیریا اراڈیکیشن پروگرام یونٹس ہیں۔ ہر یونٹ کے ماتحت میں تقریباً ایک پورا ضلع یا ۱۰ لاکھ افراد پر مشتمل آبادی دی گئی ہے۔ ہر یونٹ کو گاڑیاں، کیڑے مار دوائیاں "ملیریا۔ روک دوائیاں" جیسے کلوروکین وغیرہ سے لیس کیا گیا ہے۔ ان یونٹوں کو چھڑکاؤ کے سامان خوردبین وغیرہ بھی مہیا کی گئی ہیں۔ ہر یونٹ اپنے حلقے میں کیڑے مار دوائیوں کے چھڑکاؤ، نگرانی کے پروگرام، ملیریا زدہ شخص کا پتہ چلانے کے لئے کاروائیاں اور ملیریا زدہ علاقے کا پتہ چلنے پر فوری طور پر چھڑکاؤ کا بندوبست کرتا ہے۔

مہاراشٹر میں گذشتہ ۳ سالوں میں مندرجۂ ذیل تعداد میں ملیریا زدہ اشخاص کا پتہ چلا تھا۔

۱۹۷۴ء	۴,۴۰,۵۱۹
۱۹۷۵ء	۷,۱۲,۰۵۲
۱۹۷۶ء	۶,۹۸,۸۷۴

حکومتِ مہاراشٹر ۱۹۷۷ء میں ملیریا کے دوبارہ پھوٹ پڑنے کے خطرے کے خلاف پوری پوری کوشش کر رہی ہے۔ اس سال ۱۰۰ میگاٹن DDT '۷۵٪ W.d.p یا ۳۳۶ میگاٹن BHC '۵۰٪ w.d.p یا ۹ میگاٹن D.D. Malathion ۱۰ لاکھ کی آبادی کے لئے مہیا کرنے کے لئے کاروائی کی ہے۔ جن علاقوں میں DDT مؤثر نہیں ہوتا۔ اُن کے لئے Malathion یا B.H.C استعمال کیا جا رہا ہے۔ ملیریا روک دوائیاں جیسے کلوروکین بہت کثیر مقدار میں مہیا کی جا رہی۔ اور یہ دوائیاں اساتذہ، گرام پنچایت وغیرہ کے ذریعے تقسیم کی جا رہی ہیں۔

اب آپ سے اس ملیریا۔ روک پروگرام میں تعاون کی اپیل ہے اسلئے آپ اِن باتوں کا اہتمام کیجئے۔

جب NMEP کے افراد آپ تک پہنچیں تو پہلے اپنے گھروں میں دوائیاں کا چھڑکاؤ کروا لیجئے۔ قومی ملیریا اراڈیکیشن پروگرام یونٹ (NMEP) کے افراد سے مچھروں کے پیدا ہونے کی جگہوں کو بتلا ئیے اور اپنے گھروں میں وقفہ وقفہ سے چھڑکاؤ کیجئے۔

مچھر دانیوں کا استعمال کیجئے اور مچھر کو دور بھگانے والی چیزوں کا جیسے odomos, Deet وغیرہ تاکہ ذاتی طور پر مچھروں سے محفوظ رہا جا سکے۔

اگر آپ کو بخار آئے تو ایک اپنے خون کی جانچ ملیریا کا پتہ چلانے کے لئے کروا لیجئے۔ دوسرے افراد کو بھی یہی کام انجام دینے کی طرف راغب کیجئے۔

اگر آپ متاثر حلقوں میں رہتے ہوں تو کلوروکین کی گولیاں برابر کھاتے رہئیے۔

اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ کے خون میں ملیریا کے جراثیم ہیں تو فوراً علاج کروانا شروع کر دیجئے۔

ضروری تصحیح ۱۰ ستمبر کے سرورق پر جو رنگین تصویر شائع ہوئی ہے وہ "ایم۔ایل۔اے ہوسٹل" کی نہیں ہے بلکہ ناگپور ڈسٹرکٹ اینڈ سیول کورٹ کی نئی عمارت ہے اور ایک کروڑ روپے سے زائد کے صرفہ سے تیار کی گئی ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔

۲۵ ستمبر ۱۹۷۷ء

قومی راج

• کماری ایس. ایس شیو توکر
ڈپٹی ڈائرکٹر، سوشل ویلفیئر، حکومت مہاراشٹر
تلخیص : اے. دی پاسنا

گود لینا

ریاستہائے متحدہ کے چارٹر "بچوں کے حقوق کا اعلان" میں کہا گیا ہے کہ ہر بچے کا یہ بنیادی حق ہے کہ ایک خاندان ہو۔ کسی بھی بچے کو معاشی ضرورتوں کے تحت خاندان سے جدا نہیں کیا جانا چاہیئے۔

بچے کو ایک صحت مند خاندانی زندگی عطا کرنے کے لئے مختلف کوششیں کی گئی ہیں جیسے کفالت، اداروں میں سمونا، زیر پرورش لانا، کاٹیج سسٹم، جماعتی گھر وغیرہ۔ حیاتیاتی خاندان کو مضبوط بنانے کے لئے معاشی بوجھ کو دور کرنے کی غرض سے کفالت کی صورت میں مالی امداد فراہم کی جاتی ہے۔

بہت سے بچے ہیں جن کے خاندان عملی طور پر اپنے بچوں کی پرداخت نہیں کر سکتے ہیں۔ ایسی صورتیں اس وقت سامنے آتی ہیں جب والدین میں علاحدگی، طلاق، موت وغیرہ واقع ہو جائیں۔ ایسے بچوں کو عام طور پر متعلقہ اداروں میں پرداخت اور تحفظ عطا کیا جاتا ہے۔ اداروں میں چونکہ بہت سے بچے ہوتے ہیں اس لئے ان سب کو مناسب تحفظ اور پیار کرنا ممکن نہیں ہوتا، جس سے ان کی نشو و نما متاثر ہوتی ہے۔

زیر پرورش تحفظ کے تحت بچے کو اس کے خاندان میں آنیوالی عارضی مصیبت کی مدت کے دوران دوسرے خاندان کے ساتھ رکھا جاتا ہے یہ ایک بہتر متبادل ہے۔ بچہ اپنے قدرتی خاندان سے برابر رابطہ رکھتا ہے اور وقت آنے پر واپس آجاتا ہے۔ بہرحال بعض درجوں میں آنے والے بچے جیسے جسمانی طور پر معذور، دماغی طور پر غیر متوازن بچوں کو خاندانوں کے ساتھ نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے لئے متعلقہ اداروں میں بھیجنا ہی ضروری ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک نیا طریقہ جسے کاٹیج سسٹم کہا جاتا ہے، تیار کیا گیا۔ اس طریقے کے تحت بڑے اداروں کو جماعتی گھروں یا کاٹجوں کے تحت لایا جاتا ہے اور بچوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو چند سرپرستوں کے زیر حفاظت رکھا جاتا ہے۔ اس طرح کاٹیج سسٹم ایک خاندان کا تصور پیش کرتا ہے۔ بالسدن ایک دیگر خاندان کا متبادل ہے جہاں چھ سات بچے ایک چھوٹے سے گھر میں ایک ماں کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن یہ تمام ادارے بچوں کو قدرتی پیار اور انس عطا نہیں کر سکتے۔

گود لینا ہی اس کا بہترین حل ہے

ایک یتیم بچے کے لئے گود لیا جانا ہی بہترین حل ہے، یہ دونوں کی ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے۔ ایک بچے کو ایک گھر مل جاتا ہے اور ایک خاندان کو ایک بچہ۔ گود لینے میں ایک بچے کو چاہا جاتا ہے، ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اس سے ایک بچے میں اعتماد، پہچان اور اپنے پن کا گہرا احساس پیدا ہوتا ہے۔ صحت مند شخصیت کے لئے یہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ جن والدین کو بچے نہیں ہوتے ان کے لئے یہ عظیم سانحہ ہوتا ہے۔ ایک ایسا غمگین تجربہ جس میں امید، دعائیں، بڑھتا ہوا دکھ اور غم کہ ان کی بچے کی آرزو پوری نہ ہو سکے گی۔ ایسے حالات میں گود لینا ہی ایک بہترین حل ہے جس سے گود لینے والے والدین کے لئے ایک انوکھی خوشی انتظار کرتی ہے۔ ایک بچے کو اس کا گھر مل جاتا ہے اور والدین کو خوشی۔ بہرحال یہ بھی ضروری ہے کہ گود لیتے وقت شوہر اور اہلیہ میں پورا اشتراک اور ایک مرضی ہونا ضروری ہے۔ والد کا کردار اور احساسات بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ بانجھ پن اور لاولدیت کا احساس بالکل ہی ختم ہونا ضروری ہے۔ نہیں تو وہ بچہ اُن کی لاولدیت کو ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا۔

بعض دفعہ بچے کو گود لیتے وقت والدین کو خاندانی ورثہ کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس بچے کو اس کے خاندانی ورثہ کے طور پر کوئی بیماری، مجرمانہ ذہنیت یا اچھے خاندان کے ایک خوبصورت بچے کی چاہ وغیرہ کی جانب سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بچے کو جس ماحول میں اور جس طرح پروان چڑھایا جائے گا یا پرورش کیجائیگی وہ ویسا ہی نکلے گا اور یہ بات کافی اہمیت کی حامل ہے۔

ہندو قوانین کے تحت

ہندو قوانین کے علاوہ ایسا کوئی پرسنل قانون نہیں ہے (صرف خوجوں کے علاوہ) جس میں ہندو اڈاپٹشن اینڈ مینٹننس ایکٹ بابت ۱۹۵۶ء کے تحت کوئی بھی ہندو جو بالغ ہو چکا ہے اور دماغی طور پر صحت مند ہے تو وہ ایک لڑکی یا لڑکا، اگر اس کو نہیں ہے تو پوتا یا پرپوتا جیسی کہ اسے خواہش ہے، گود لے سکتا ہے۔

عیسائی، پارسی اور مسلم جن کو اگر بچہ گود لینا ہے تو وہ گارجین اینڈ وارڈز

ـ بابت ۱۸۹۰ء کے تحت ایسا کر سکتے ہیں، جس کے تحت ہائیکورٹ سٹرکٹ کورٹ کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایک نابالغ بچے کی شخصیت یا جائیداد ، ایک سرپرست مقرر کر سکتا ہے۔ اس سرپرست کو یہ اختیارات اسی ۔ تک رہتے ہیں جب تک کہ بچہ ۲۱ سال کی عمر کا نہیں ہو جاتا، بچے رپرست کے خاندان میں قدرتی بچے کے حقوق نہیں دیئے جاتے، اس اس کے لئے مناسب مالی انتظامات کر دیئے جاتے ہیں۔

سرپرستی کے حقوق حاصل کرنے کے لئے ہائیکورٹ یا ڈسٹرکٹ کورٹ ، ایک پٹیشن داخل کرنا پڑتا ہے۔ عام طور پر ایک باصلاحیت سماجی ن کی جانب سے تحقیقات کر کے رپورٹ داخل کی جاتی ہے کہ پٹیشن ں کرنیوالے کے خاندانی حالات سرپرست بننے کے لائق ہیں۔

اس ایکٹ کا اطلاق اسوقت بھی ہوتا ہے جب کہ ایک غیر ملکی کسی دستانی بچے کو گود لینا چاہتا ہو۔ آغاز میں غیر ملکی کو بچے کا سرپرست ر کیا جاتا ہے اور اُسے بچے کو ہندوستان سے باہر لے جانے کی اجازت جاتی ہے۔ اصل گود لوائی متعلقہ غیر ملک کے اپنے قوانین کے تحت وہاں ہوتی ہے۔

آج کل دو قسم کے بچے ہیں جنھیں گود لینے والے گود لے سکتے ہیں۔ بچے ہیں جو کسی عدالت کی پابندی میں نہیں ہیں اور یتیم خانوں ، ظ گھروں ، ہسپتالوں وغیرہ میں پرورش پا رہے ہیں۔

ان بچوں کے بارے میں جو کہ بمبئی چلڈرن ایکٹ کے تحت آتے اور جیوینائل اور عدالتوں کے ذریعہ اداروں کے سپرد کئے گئے ہوں کے لئے ریاستی حکومت کی جانب سے چھوڑ دینے کے احکام صادر لئے ہوتے ہیں، اس سے پہلے کہ انھیں گود لینے والا غیر ممالک میں جائے، ایسے بچوں کا مقامی سرپرست ڈائرکٹر چائلڈ ویلفیئر ہوتا ہے۔

دلینے کا طریقہ

موجودہ طریقہ کار یہ ہے کہ جس ادارے کو بچے کے لئے درخواست دل ہوئی ہے اس کی جانب سے ایک درخواست ہائیکورٹ کو گود نے والے والدین کی سرپرستی کے تبادلے کے لئے دینی ہوتی ہے۔ اسی ساتھ ساتھ ڈائرکٹر آف چائلڈ ویلفیئر کو بھی درخواست دینی ہوتی کہ بچے کو غیر مشروط طور پر چھوڑا جائے۔ کیونکہ قانونی طور پہ سرپرستی تبدیلی کے لئے یہ بہت ضروری ہوتا ہے۔ ہائیکورٹ احکام صادر نے سے قبل اس کے سامنے موجود تمام مواد پر غور کرتا ہے۔ غیر ممالک گود لینے کے سلسلہ میں ہائیکورٹ نے انڈین کاؤنسل آف سوشل ویلفیئر (آئی سی ایس ڈبلیو) کو مشیر کے طور پر مقرر کیا ہوا ہے۔ انڈین کاؤنسل ہائی کورٹ بچے کو گود لینے والے خاندان کی مناسبت کے بارے میں مشورہ دیتا ہے۔

ہندوستان میں غیر ملکی ادارے جیسے نیدرلینڈز انٹرکنٹری آرگنائزیشن خان۔ انفائونڈیشن، ٹیرے۔ڈیس ہوم وہ ادارے ہیں جو غیر ملکی خاندانوں کے لئے بچوں کے انتخاب کا کام کرتے ہیں۔

موجودہ انتظام میں سرپرستی حاصل کرنے کے لئے عدالت کے سامنے بہت ہی کم مواد ہوتا ہے چاہے وہ خود ادارے کے بارے میں ہو یا بچے کی اصلیت کے بارے میں یا گود لینے والے خاندان کے رُتبے کے بارے میں۔ چونکہ ادارہ اپنا خود کا مفاد رکھنے والی پارٹی ہوتا ہے اس لئے طریقہ کار میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ بچے کو دینے سے قبل متذکرہ تمام باتوں کی ایک غیر جانبدار تحقیقات کی جائے۔ اس سلسلہ میں عدالت نے آئی سی ایس ڈبلیو کو مقرر کر رکھا ہے۔ عام طور پر ہر ملک میں متذکرہ ہندوستانی مشاورتی ادارے کیطرح کے ادارے ہوتے ہیں اور یہ سب ایک مرکزی ادارے کے توسط سے ایک دوسرے کے معاملات کی تحقیقات کرواتے ہیں۔ اطمینان بخش رپورٹ ملنے کے بعد ہندوستانی ادارہ بمبئی ہائیکورٹ کو مشورہ دیتا ہے تاکہ سرپرستی کے پٹیشن پر منظوری دی جا سکے۔

غیر ملکی سرپرست کو ایک بچہ عطا کرنا

کسی غیر ملکی خاندان کو ایک ہندوستانی بچہ گود لینے کے لئے دینے کا رواج گذشتہ بیس سال سے ہی شروع ہوا ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے بہت سے غیر ملکی شہری گارڈجینس اینڈ وارڈز ایکٹ بابت ۱۸۹۰ء کے تحت ہندوستانی بچوں کو گود لینے میں کافی دلچسپی دکھا رہے ہیں، بہرحال اس ضمنی براعظم کا عام آدمی ابھی بھی ملکی یتیم بچوں کو غیر ممالک میں بھیجنے کا روادار نہیں ہے۔ عام ہندوستانی غیر ملکی کے گود لینے کے تصور کے بارے میں متضاد خیال رکھتا ہے اور مختلف اختلافی رائیں اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ بچوں کی فلاح کے میدان میں کام کرنیوالے عہدیدار اس غیر ملکی گود لینے کے معاملات پر سنجیدگی سے غور کرنے پر اپنے خیالات کا سنجیدگی سے اظہار کرتے ہیں۔

نیدرلینڈ میں گود لینا: آنکھوں دیکھا حال

نیدرلینڈ انٹرکنٹری چائلڈ ویلفیئر آرگنائزیشن نے ڈپٹی ڈائرکٹر آف چائلڈ ویلفیئر، مہاراشٹر اسٹیٹ، پونے جیسے ذمہ دار افسر کو دعوت دی جو کہ ریاست میں بچوں کی فلاح کے کام کی دیکھ بھال کرتے ہیں کہ وہ نیدرلینڈ آئیں اور ان ہندوستانی بچوں کی ترقی بہ نظر خود دیکھیں جنھیں اس ملک

میں گود لینے والوں کو دیا گیا ہے تاکہ دونوں ممالک ان معاملات کا بغور مطالعہ کر سکیں۔ اس دعوت پر حکومت مہاراشٹر نے اس عہدیدار کو نیدرلینڈ جانے کی اجازت عطا کی۔ اس عہدیدار نے وہاں تین اور چار ہفتوں میں قیام کیا اور ۲۹ بچوں اور ان کے گود لینے والوں سے ملاقات کی۔ موصوفہ نے ان بچوں سے بھی ملاقات کی جو کہ دیگر ممالک سے وہاں گود لے کر لائے گئے تھے، جیسے ویتنام، کوریا، انڈونیشیا وغیرہ۔

یہ دورہ، والدین اور بچوں نیز پڑوسیوں، اسکول مدرسین وغیرہ سے کس طرح کے رشتے ہیں، معلوم کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ نیز بچوں (ہندوستانی) پر غیر ممالک میں سماجی کرن کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس پر بھی غور کرنے کا موقع ملا۔ یہ تجربہ بہت ہی دلپذیر تھا۔ یہ بات نوٹ کرنے کے لائق تھی کہ بہت سے بچوں نے چند دنوں ہی میں ڈچ زبان سیکھ لی اور بہت کم مدت میں نیدرلینڈ کے رسم و رواج سے واقف ہو گئے۔ دیکھا گیا کہ نیدرلینڈ کے یہ گود لینے والے، ہندوستانی بچوں کو اپنے بچوں سے زیادہ پیار اور شفقت دیتے ہیں۔ نیدرلینڈ ہندوستانی بچوں اور یہاں کے کلچر کو بہت عزت دیتا ہے اور انھوں نے اسبات کی پوری کوشش کی ہے کہ ان کو محفوظ والا کریں۔ انھوں نے ان بچوں کا نہ تو گھر میں ہی نہ ہی اسکول میں نام تبدیل کیا ہے۔ ان بچوں کو دادا دادی اور پردادا دادی وغیرہ نے پوری طرح سے اپنا لیا ہے۔ ان میں سے بہت سے بچوں نے اپنی تعلیم میں 'اے' گریڈ حاصل کیا ہے، اس لئے نیدرلینڈ والے یہ سوچتے ہیں کہ دوسرے ممالک کے مقابلے میں ہندوستانی بچے زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔

یوتھ فورم:

قومی راج، کے مئی ۷۷ء کے شمارے سے ہم نے "یوتھ فورم" کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوگا۔

اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی کی مہم چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج، وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔ اپنے مضامین مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ کیجئے:

مدیر، پندرہ روزہ 'قومی راج' ۱۵واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

(باقی صفحہ ۵ سے آگے)

اور روپے کے بارے میں انھیں یہ معلوم تھا کہ حکومت اپنی سلف امپلائمنٹ اسکیم کے تحت قرض بھی دیتی ہے۔ مگر ڈاکٹر شیلاجہ کو کیونکہ دفتری کارروائی کے بارے میں معلومات نہیں تھیں اسی وجہ سے انھیں کچھ دقت پیش آرہی تھی۔

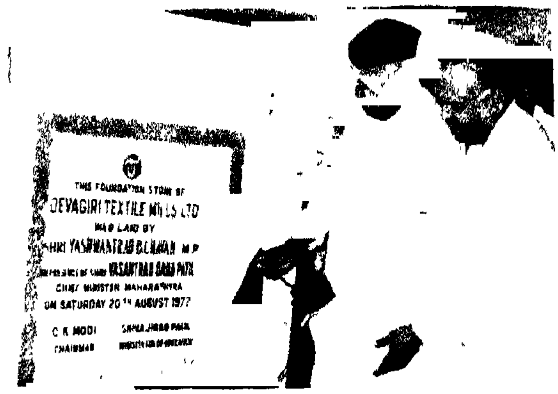
انھوں نے ان مشکلات کا حل اس طرح نکالا کہ متعلقہ افسران سے بذات خود ملاقات کی جس پر افسران نے بڑی شائستگی سے انھیں جملہ امور سمجھا دیئے۔ شیلاجہ کا خیال تھا کہ مذکورہ درخواست دینے کے بعد ایک عرصہ تک قرض ملنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ درخواست داخل کرنے کے ایک ماہ بعد ہی انھیں قرض مِل گیا اور ان کے دل میں طویل انتظار کرنے کا جو خیال تھا وہ غلط نکلا۔

ڈاکٹر شیلاجہ کو اپنا ذاتی دواخانہ کھولنے کے لئے پندرہ ہزار روپے درکار تھے جو انھیں بطور قرض بینک آف انڈیا کی طرف سے ۱۱ ہزار روپے اور ودربھ ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی طرف سے ایک ہزار پانچسو روپے ملے۔ ڈھائی ہزار روپے کی رقم خود ڈاکٹر شیلاجہ نے اپنی طرف سے مِلائی اور اپنا دواخانہ جاری کر دیا۔

اس وقت ڈاکٹر شیلاجہ کی آمدنی ۷۰۰ روپیہ ماہانہ ہے جس میں سے ۲۵ فیصد وہ الگ رکھتی ہیں تاکہ قرض کی قسط ادا کی جا سکے اس کے علاوہ اسی آمدنی میں سے وہ اپنے دواخانے کی صفائی، بجلی کا بِل، کرایہ ادا کرتی ہیں۔ باقی رقم وہ اپنے اور اپنے گھر والوں پر صرف کرتی ہیں۔

ڈاکٹر شیلاجہ نے وردھا ہی میں اپنا دواخانہ کھولنا اس لئے مناسب سمجھا کہ یہ مقام ان کے آبائی گاؤں 'سولنے گاؤں' سے جہاں ان کی کاشت کی زمین ہے، قریب ہے اور دوسری بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وردھا میں دانت کے ڈاکٹروں کی سخت ضرورت ہے۔ ڈاکٹر شیلاجہ کا دواخانہ خوب اچھی طرح چل رہا ہے اور روز بروز ان کے پاس کیسیز بھی آتے ہیں جن کا علاج کرنے سے ان میں خود اعتمادی بڑھتی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر شیلاجہ اپنی مدد کے لئے کسی معاون کو اپنے ساتھ کام پر رکھنے کی قائل نہیں ہیں۔ وہ یہ کہتی ہیں کہ جب کسی پر بھروسہ ہوا اور وہ شخص وقت پر نہ حاضر ہو تو پھر تمام کام خود اپنے ہی ہاتھوں سے کرنا پڑتا ہے اور اگر وہ شخص اپنی ناتجربہ کاری سے کسی مریض کو تکلیف پہنچا دیتا ہے تو اس کی وجہ سے ان کی شہرت پر بھی دھبہ آسکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہتی ہیں کہ فی الحال تو وہ کسی معاون کی ضرورت محسوس نہیں کرتی ہیں۔



△ لوک سبھا میں اپوزیشن لیڈر شری وائی۔ بی چوان نے دیوگیری ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ، اورنگ آباد کا ۲۰ راگست کو سنگ بنیاد رکھا۔ وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل بھی اس موقع پر موجود تھے۔



۵ ستمبر کو یوم اساتذہ کے موقع پر راج بھون میں ایک تقریب منعقد ہوئی، جس میں مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی ایک خاتون ٹیچر کو ایوارڈ پیش کر رہے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں وزیر تعلیم پرتیبھا پاٹل بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

شری وسنت دادا پاٹل، وزیر اعلیٰ ۱۹ راگست کو 'زنکا بھاکری' سینٹر تشریف لے گئے جو وی۔ ٹی، اسٹیشن بمبئی کے سامنے واقع ہے۔ ▽



۲۸ راگست کو سٹی ہی "ہنٹ" عرف نادوا سنگھ کی جانب سے لوک سبھا کے اسپیکر شری کے، ایس ہیگڈے (دائیں طرف سے پہلے) کو استقبالیہ دیا گیا۔ زیر نظر تصویر میں شری وسنت دادا پاٹل، وزیر اعلیٰ حاضرین سے خطاب فرما رہے ہیں۔ ▼





۶ ستمبر کو شری وسنت دادا پاٹل نے ڈسٹرکٹ کمانڈنس ہوم گارڈ کی دو روزہ کانفرنس کا بمبئی میں افتتاح کیا۔



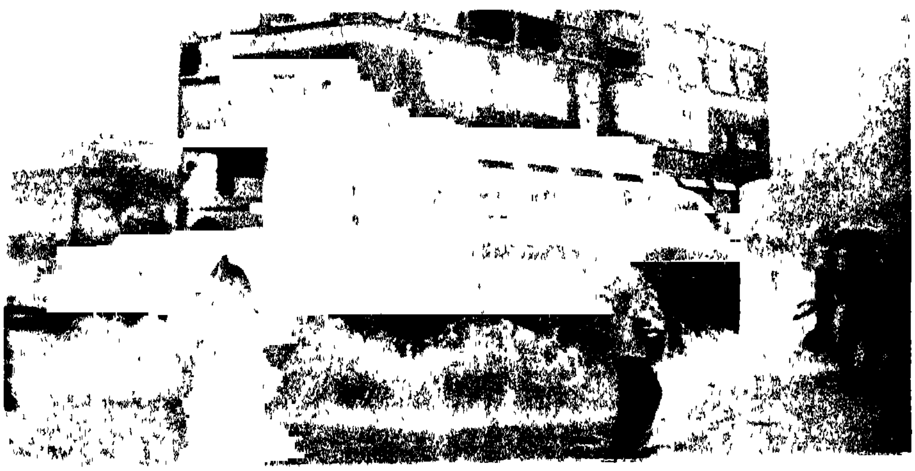
۵ کینیا کی ایک نیگرو طالبہ ریڈدن نے وزیر مالیات شری ایم ڈی جودھری ل کی کلائی پر "رکشابندھن کے تہوار" پر ۲۸ راگست کو پونے میں راکھی باندھی ۔



شہر ممبئی میں "جنم اشٹمی" کا تہوار بڑے جوش وخروش کے ساتھ منایا جاتا ہے ۔ زیر نظر تصویر میں نوجوانوں کی ایک ٹولی مینار بنا کر دہی ہنڈی توڑنے کی کوشش میں مصروف ۔



۵ راگست ۱۹۸۰ء کو ممبئی میں موسلا دھار بارش ہوئی جس کی وجہ سے شہر کے کئی علاقوں کی سڑکیں جھیل میں تبدیل ہوگئیں ۔ اسی موقع کی ایک تصویر



سڑکوں پر پانی بھر جانے کے باوجود بی ای ایس ٹی بسوں نے اپنا سفر جاری رکھا

ساگوان کی ۲۲ لاکھ قلمیں لگائی گئیں

جنگلات ترقیاتی کارپوریشن کے بھنڈارا ڈویژن نے کم معیار کے جنگل کو معیاری بنانے کیلئے ساگوان کی قلمیں لگا کر قابل قدر کام انجام دیا ہے. پروجیکٹ کے حصہ کے طور پر ایک سال کے دوران ۸۰۵۷ ہیکٹر علاقے میں ۲۲ لاکھ ساگوان کی قلمیں لگائی گئیں۔

ڈویژن کے جنگلاتی ترقیاتی سرگرمیوں کے تحت بھنڈارا تعلقہ کے ۵۶۷۸ ہیکٹر اور ساکولی تعلقہ کے ۲۳۲۹۲ ہیکٹر علاقہ کا تعین کیا گیا ہے. اس کے علاوہ محصول کے ذریعے ۶۷ لاکھ روپے جمع کرنے کی وجہ سے ڈویژن نے ۱۹۷۶ء کے دوران مقررہ نشانہ بڑھا دیا ہے. کینسر کے لئے کارآمد طبی قلمیں بھی لگائی گئیں۔

دیہی سڑکیں : ۱۸ کروڑ روپے کا زبردست پروگرام

دیہی مہاراشٹر کے قبائلی اور غیر قبائلی علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر کے کام میں تیزی لانے کے لئے ریاستی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ تمام اضلاع میں دو دو یا زائد گاؤں کو ملانے والی نیز گاؤں کو قومی و ریاستی شاہراہوں نیز بڑی اور دیگر ضلعی سڑکوں سے ملانے والی پکی سڑکوں کی تعمیر کا ایک زبردست پروگرام ۳۱ر مارچ ۱۹۷۸ء تک مکمل کر لیا جائے گا.

اس کام پر لاگت کا تخمینہ ۱۰ کروڑ روپے کا ہے. اسکے علاوہ امید ہے کہ سات کروڑ روپے ضلع پریشد وں، پنچایت سمیتوں اور گاؤں پنچایتوں سے حاصل ہوسکیں گے. اس طرح یہ پورا پروگرام ۲۵ کروڑ روپے پر مشتمل ہوگا.

اس پروگرام میں شامل کرنے کے لئے سڑکوں کے انتخاب کا کام آغاز میں موجودہ تعلقہ رابطہ کمیٹی کریگی جو کہ تحصیل کے ایم ایل اے، تحصیل میں مستقل سکونت پذیر، ایم ایل سی، چیئرمین، پنچایت سمیتی، تحصیل میں واقع خرید و فروخت امداد باہمی سوسائٹی کے چیئرمین اور تحصیلدار پر مشتمل ہے. ضلع سطح کی کمیٹی میں ضلع سے متعلق وزیر، صدر ضلع پریشد، کلکٹر، پبلک ورکس ڈویژن کے چیف ایکزیکیوٹیو انجینئر، ضلع میں سڑکوں کا انتخاب آخری طور پر کریں گے.

ضلع سطح کمیٹی سے کہا گیا ہے کہ وہ تجاویز کو ۳۱ر اگست ۱۹۷۷ء سے قبل آخری صورت دیدے. اسکیم تیار کرتے وقت کمیٹی سے کہا گیا ہے کہ وہ غیر تکمیل شدہ قلتی سڑکوں کو ذہن میں رکھیں. زمانہ قلت کے توڑے گئے پتھروں کے زیادہ سے زیادہ استعمال کو بھی ذہن میں رکھیں اگر دہ دوری پر حاصل ہونوالی ہوں تو کوائری کی قربت اور سڑک کی اہمیت ذہن میں رکھیں. سڑکوں کو ایک تعلقہ اور ضلع کے تمام تعلقوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا. جہاں تک ممکن ہوگا پانچ کلومیٹر سڑک کو ترجیح دیجائے گی تاکہ زیادہ سے زیادہ موضع جات کو اس پروگرام سے فیضیاب ہونے کی یقین دہانی ہوسکے۔

اضلاع وار رقم اسطرح رکھی گئی ہے : تھانے ـ ۳۳ء ۱ کروڑ روپے، قلابہ ـ ۶۹ لاکھ روپے، رتناگیری ـ ۲۱ء ۱ کروڑ روپے، ناسک ـ ۳۳ء ۱ کروڑ روپے، دھولے ـ ۴ء ۱ کروڑ روپے؛ جلگاؤں ـ ۱۰ء ۱ کروڑ روپے؛ پونے ـ ۴۲ء ۱ کروڑ روپے؛ احمدنگر ۲۵ء ۱ کروڑ روپے؛ ستارا ـ ۷۸ لاکھ روپے؛ سانگلی ۸۲ لاکھ روپے، شولاپور ۲۴ء ۱ کروڑ روپے، کولہاپور ـ ۹۲ لاکھ روپے؛ امراؤتی ـ ۹۳ لاکھ روپے، بلڈانہ ـ ۸۷ لاکھ روپے؛ اکولہ ـ ۹۷ لاکھ روپے ایوت محل ـ ۸۶ لاکھ روپے؛ ناگپور ـ ۰۱ء ۱ کروڑ روپے، وردھا ـ ۴۲ لاکھ روپے؛ بھنڈارا ـ ۸۹ لاکھ روپے، چندرپور ـ ۱۰ء ۱ کروڑ روپے؛ اورنگ آباد ـ ۲۶ء ۱ کروڑ روپے؛ بیڑ ـ ۸۲ لاکھ روپے؛ پربھنی ـ ۸۶ لاکھ روپے؛ ناندیڑ ـ ۸۷ لاکھ روپے، عثمان آباد ـ ۱۷ء ۱ کروڑ روپے اور حکومت کے پاس محفوظ ۱۱ لاکھ روپے۔

"تکمیل کا تخمینہ" پر سمینار

ایڈمنسٹریٹیو اسٹاف کالج بمبئی نے ۲۷ر اور ۲۸ر اگست کو ایک دو روزہ سمینار و ورکشاپ منعقد کیا تھا جن کا عنوان تھا تکمیل کا تخمینہ اور جو کہ حکومت مہاراشٹر کے اعلیٰ عہدیداروں کے لئے تھا اسمیں ۲۵ افسران نے حصہ لیا. جس میں سیکریٹریز، جائنٹ سیکریٹریز اور محکمہ جاتی سربراہ شامل تھے۔

سمینار میں پرائیویٹ سیکٹر، پبلک سیکٹر، اور فوج میں تکمیل کا تخمینہ کرنے کا مختلف طریقوں پر بحث و مباحثہ ہوا. پھر بعد میں اس کا موازنہ حکومت مہاراشٹر سے کیا گیا اور اس میں تبدیلیوں کے لئے کارروائیوں کا ایک منصوبہ تیار کیا گیا.

سمینار میں گفتگو کا آغاز شری این ایچ اتھریا، مینجنگ کنسلٹنٹ شری ایچ، ڈی، مہتہ، چیف آف آفیسر، مینی پاور پلاننگ آف دی بنک آف انڈیا، شری ڈی ـ پریرا، ڈپٹی جنرل مینجر، لارسن اینڈ ٹوبرو اور میجر جنرل آئی، ایم. وہرا. جنرل آفیسر کمانڈنگ، آرمی ہیڈ کوارٹرز، بمبئی نے کیا.

پروگرام کے ورکشاپ والے حصہ میں شرکت کرنے والے افسران نے

متذکرہ گفتگو کی روشنی میں کانفیڈنشیل ریکارڈ کے اصل معاملات ہ تجزیہ کیا تاکہ سرکاری افسران تکمیل کا تخمینہ کے ڈھانچے میں تبدیلی کی جائے
اس پروگرام کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پروگرام کے دوران وائڈیو ٹیپ ایک بند سرکٹ ٹی، وی، میں استعمال کیا گیا نیز رول پلے، انٹرویوز، کیس اسٹڈی، اور جماعتی گفت و شنید کے دیگر طریقے اپنائے گئے، اس پروگرام میں شرکت کرنے والے تمام افسران نے پروگرام کی زبردست تعریف کی۔

۲۵ کاشتکاروں کو "شیتی نشٹ" انعام

گاندھی جینتی کے موقع پر

۲ اکتوبر گاندھی جینتی کے موقع پر ریاست کے ۲۵ ترقی پسند کاشتکاروں کو شری صادق علی، گورنر مہاراشٹر کے ہاتھوں شیتی نشٹ انعامات دیئے جائیں گے۔

وزیر اعلےٰ شری کے ہاتھوں ٹریفک سیفٹی ایسوسی ایشن کا افتتاح

وزیر اعلےٰ شری وسنت دادا پاٹل نے آل انڈیا ٹریفک سیفٹی ایسوسی ایشن نامی ایک نئے ادارے کا افتتاح ہوٹل سی راک باندرا میں ۱۷ ستمبر کو کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلےٰ نے اسکول جانے والے بچوں کو روڈ سیفٹی سے متعلق تعلیم دینے پر زور دیا۔" انہوں نے فرمایا کہ" یہ ایک مشکل کام ہے اور اسے محض ایک روز کی محنت یا وقتی پروپیگنڈا سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اس کیلئے ایک باقاعدہ مہم کی ضرورت ہے

انہوں نے مزید کہا کہ اگر راہ گیر اور ڈرائیور ضروری احتیاط برتیں تو حادثات کی تعداد میں یقیناً کمی پیدا ہو سکتی ہے۔

شری دی، وی، چوہل، کمشنر آف پولیس، بمبئی عظمیٰ نے زیادہ سے زیادہ احتیاط برتنے کیلئے اپیل کی کیونکہ حادثات میں روزبروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ انہوں نے بمبئی پولیس کیجانب سے ادارے کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔

شری سیتارام سنگھانی، ایسوسی ایشن کے صدر نے وزیر اعلےٰ کا خیر مقدم کیا۔ شری جی، بی، للتھریا نے شکریہ ادا کیا۔

فوری طور پر دودھ اُبالیئے

بمبئی عظمیٰ دودھ اسکیم کے کارڈ ہولڈرز کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ دودھ مراکز سے دودھ حاصل کرنے کے بعد بڑھتے ہوئے بیرونی درجۂ حرارت کے تحت تیزابیت کے امکانات بڑھنے کو دور کرنے کے لئے فوری طور پر دودھ ابال لیا کریں۔

ایسے صارفین جن کے پاس ریفریجریٹر کی سہولتیں ہیں ان سے بھی گذارش کی جاتی ہے کہ دودھ کی بوتلیں براہ راست ریفریجریٹر میں رکھنے کے بجائے پہلے دودھ کو اُبال کر اسے ٹھنڈا کر لیا کریں۔

صارفین سے یہ بھی گذارش کی جاتی ہے کہ دودھ کی بوتلیں خالی کرنے کے فوراً بعد انہیں ٹھنڈے پانی سے دھو لیا جائے۔

چھوٹی بچت میں ۲۶٫۷۰ لاکھ روپے

شری ایس، کے وانکھیڈے، وزیر صنعت کو ناگپور کے چھوٹی بچت ایجنٹوں نے ۲۶٫۷۰ لاکھ روپے کی رقم چھوٹی بچت میں جمع کرنے کے لئے پیش کی۔

چھوٹی بچت مہم کے تحت پچھلے پانچ دنوں کے دوران ۲۸٫۲ لاکھ روپے کی رقم جمع کی گئی۔

شری پی، آر، و، اس، گپتا، کلکٹر اور شری کے، کے، رنگناری، ڈپٹی ڈائرکٹر آف اسمال سیونگ بھی اس موقع پر موجود تھے۔

۱۶۸۲۰ یونٹوں کو ۵ کروڑ روپے کی ابتدائی امداد

حکومت مہاراشٹر نے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کیلئے ترقی روزگار پروگرام کے تحت ۱۹۷۷-۷۸ کے دوران ۴۹۷٫۸۲ لاکھ روپے کی ابتدائی رقم بطور امداد دینے کی گنجائش کے لئے ۱۶۸۲۰ صنعتی یونٹوں کا نشانہ مقرر کیا ہے۔

پروگرام کے تحت یکم اپریل ۱۹۷۲ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء تک ریاست کی کل ۸۶۰۸ یونٹوں کو ۵۱۲٫۱۷ لاکھ روپے کی امداد دی گئی ہے۔

اس پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ جو کم کار کو منصوبہ کی کل لاگت کی صرف دس سے پندرہ فیصد رقم مہیا کی جائے اور بنکوں سے دیجائے گی اور اس کے بیچ جو رقم باقی بچے گی یعنی ۱۰ سے ۱۵ فیصد رقم آسان شرائط پر بطور قرض مل سکے جس پر زیادہ سے زیادہ ۴ فیصدی شرح سود ہونا چاہیئے۔

ریاستی حکومت اپنے چار علاقائی ترقیاتی کارپوریشنوں، مہاراشٹر اسٹیٹ سمال انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور کھادی اینڈ ویلیج انڈسٹریز بورڈ کے ذریعہ اس پروگرام پر عمل درآمد کر رہی ہے۔ انڈسٹریز کمشنر کو اس پروگرام کا نگراں بنایا گیا ہے۔

یہ پروگرام ۷۶-۱۹۷۵ء تک مرکز کے زیر اہتمام چلایا جاتا تھا۔ اب اسے "اسٹیٹ پلان اسکیم" کے تحت جاری رکھا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کیجانب

[redacted]

سے امداد کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۷۶ء میں ریاستی حکومت نے اس اسکیم کا اندازہ لگانے کے لئے ایک سروے جاری کیا تھا اس سروے کے تحت اس بات کا اندازہ لگایا گیا کہ ریاست کی ۸۶۸۰ یونٹوں میں سے ۹۸ء۸۸ فیصد یونٹیں پسماندہ علاقوں میں ہیں اسی طرح ۲۸ء۱۹۸ لاکھ روپے ترقی پذیر علاقوں کی صنعتوں پر صرف کئے گئے جوکہ کل ابتدائی امدادی رقم کا ۲۴ء۸۸ فیصد ہے۔ آمدنی گروپ کے حساب سے تجزیہ کرنے پر یہ بات سامنے آئی کہ ۲۴۸۸ یونٹیں ۲۴۰۰ روپے سالانہ آمدنی کے حساب سے شروع کی گئیں تھیں۔ ان یونٹوں کو ابتدائی امدادی رقم کے طور پر ۹۴ء۷۴ لاکھ روپے کی رقم دی گئی۔ ۸۶۸۰ یونٹوں میں ۱۰۲۷۲ افراد کے لئے روزگار مہیا کیا گیا۔

چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹوں کی تیار کردہ اشیاء

ریاستی انڈرٹیکنگز خریدیں گی

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت دی ہے کہ ریاستی انڈرٹیکنگز اور اسٹیچوٹری باڈیز وغیرہ کے ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز کے ساتھ رجسٹرڈ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں سے وہ تمام اشیاء خریدیں جوکہ خاص طور پر اسے ہی خریدنے کیلئے محفوظ رکھی گئی ہیں۔

حکومت نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ ایسی چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹیں جو براہِ راست یا ایم ایس ایس آئی ڈی سی کے ذریعے قیمتیں پیش کرتی ہیں انکو ۱۵ فیصدی قیمت پر ترجیح اس لائق منظوری کم از کم قیمت پر دینی چاہیئے جوکہ ٹریڈنگ فرم، درمیانی اور بڑے پیمانے کی صنعتیں پیش کریں۔ اسی طرح انڈسٹریل کوآپریٹیو، سرکاری امداد پانے والے بلائنڈ ہوم اور جسمانی طور پر معذوروں کے ادارے نیز استری ہتھودھن سہکاری سمتھا کو مزید ۱۰ فیصد قیمت پر ترجیح دینا چاہیئے۔ یہ دس فیصدی مزید قیمت ترجیح چھوٹے پیمانے کی کم از کم قیمت پر ہوگی۔

درجہ بندی حوصلہ افزائی کی پیکیج اسکیم کے تحت جو یونٹ سی کوم اہلیت سرٹیفکیٹ رکھتی ہیں انہیں ترجیحی رتبہ دینے کی غرض سے تمام انڈرٹیکنگز ایسی سبھی اہل اور کوٹنگ یونٹوں سے جتنی مقدار خریدنے کا ارادہ ہو اس کا ۳۳ فیصد حصہ کھلے مقابلے کے ٹنڈر کی کم از کم قیمت خریدی جائیں گی۔

ارنسٹ منی ڈپازٹس اور سیکورٹی ڈپازٹس کے معاملے میں پرچیزنگ اتھارٹیز یونٹوں کو سنٹرل اسٹورز پرچیزنگ آرگنائزیشن کی موجودہ سہولیتں فراہم کریں گی۔

اسی طرح وہ خود جو سامان تیار کریں گی تو ان یونٹوں کو ارنسٹ منی ڈپازٹ کی ادائیگی سے چھوٹ دی جائے گی۔

ایسی یونٹوں کو ...۲۵ روپے تک اسٹورس خریدنے کے معاملے میں سیکورٹی ڈپازٹ کی ادائے گی سے چھوٹ ہوگی۔

اگر اسٹورس کی خریداری ...۲۵ روپے سے زائد ہوگی تو کل قیمت کا ۳ فیصد یا دس ہزار روپے جو بھی کم ہو وہ بطور سیکورٹی ڈپازٹ ادا کرنا ہوگا۔ بہرحال سیکیورٹی ڈپازٹ کے لئے مالیت کا حساب لگاتے وقت ...۲۵ روپے کی مالیت تک چھوڑ کر اس کے بعد کی رقم کا حساب کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں مزید تفصیلات، جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز (اسٹورز پرچیز) نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بمبئی سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

چھوٹی بچت انعامات

حکومت مہاراشٹر نے چھوٹی بچت کے میدان میں کام کرنے والے مشہور سوشیل ورکروں اور غیر سرکاری عہدیداروں (جن میں مقررہ ایجنٹ شامل نہیں ہیں) کو جوکہ حوصلہ افزائی اسکیم کے تحت نہیں آتے ہیں انعامات دینے کی اسکیم کو منظوری دیدی ہے۔

اس اسکیم کی خصوصیات یہ ہیں: (۱) اس اسکیم کا اطلاق چھوٹی بچت کے میدان میں ۵ سال تک اعلےٰ کارکردگی کرنے والوں پر ہوگا۔

(۲) انعام: بچت مِتر عنوان سے دیا جائے گا۔

(۳) ہر سال بمبئی، پونے، ناگپور، اور اورنگ آباد سے چار کارکنوں کا انتخاب کیا جائے گا اور ان کی عزت افزائی کی جائے گی۔

(۴) ان افراد کو حکومت کلکٹران اور ڈیویژنل کمشنران کی سفارشات پر منتخب کرے گی۔

(۵) یہ انعام سرٹیفکٹ کی صورت میں ہوگا۔

(۶) انعام پانے والے اور اسکے خاندان کے ایک فرد (شوہر بیوی) کو ہیڈ کوارٹر تک انعام وصول کرنے کے لئے مسافرت بھتہ حاصل کرنے کا مستحق قرار دیا جائیگا۔

شری جاگیش دیسائی کے ہاتھوں بچت مہم کا افتتاح

ماہ ستمبر ۱۹۷۷ء کے دوران ایک ماہی خصوصی بچت اسکیم کے افتتاح کے دن بمبئی عظمیٰ میں مقررہ ایجنٹوں نے ایک روز میں جمع کردہ ۸۱۰۲۰۰ روپے کی رقم شری جاگیش دیسائی، وزیر مملکت برائے مالیات، ٹرانسپورٹ اور جیل کو پیش کی جوکہ اس خصوصی مہم کی افتتاح کی رسم انجام دے رہے

تھے۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری جاگیش دیسائی نے بمبئی عظمیٰ کے تمام مقررہ ایجنٹوں کی ستائش کی جنھوں نے چھوٹی بچت اسکیم کی عمل آوری میں انتھک کوششیں کی ہیں۔ انہوں نے بمبئی عظمیٰ جیسے شہر کے لئے ڈیڑھ کروڑ کے مقررہ نشانہ کو کم بتلایا اور فرمایا کہ چھوٹی بچت کے میدان میں ٹھوس اقدام کئے جانے چاہئیے کیونکہ ریاستی ترقیاتی سرگرمیوں کے وسائل کیلئے یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔

اس موقع پر نیشنل سیونگ سرٹیفکٹ کی صورت میں شہر کے ۱۴۰ ایجنٹوں کو سال برائے ۷۶-۱۹۷۵ء میں اُن کی اعلےٰ کردگی پر حوصلہ افزائی کے انعامات تقسیم کئے گئے۔

شری وی۔ ای۔ اردناچلم، پوسٹ ماسٹر جنرل، مہاراشٹر سرکل اور شری ایم، کمار، ریجنل ڈائرکٹر، نیشنل سیونگس آرگنائزیشن بمبئی ریجین نے اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس موقع پر اسٹیٹ ڈائرکٹر آف سیونگ شری ایل، ایل لکھیال بھی موجود تھے۔ جائنٹ ڈائرکٹر شری، ڈی، پی کیتش والانے انعام پانے والوں کی فہرست پڑھ کر سنائی۔

ایسوسی ایشن کے سربراہ شری، سی، ڈی وورا نے مہمانوں کا خیرمقدم کیا۔ اور شری جی، آر، پربھو، آنریری سیکریٹری نے شکریہ ادا کیا

بہترین اسکولوں کی حوصلا افزائی

حکومت مہاراشٹر نے ایسے غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کو جو سرکاری امداد کے تحت بہترین طریقۂ کار سے چلائے جارہے ہیں اور اپنا اعلیٰ اکادمیک ریکارڈ برقرار رکھے ہوئے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کے لئے خصوصی امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

امداد کی نوعیت اس قسم کی ہوگی (۱) سائنس کے آلات اور آڈیو ویژول ایڈ خریدنے کے لئے ۵۰۰۰ روپے کی خصوصی امداد (۲) رصد گاہ اور متعلقہ کتابوں، نقشوں، چارٹ اور دیگر ٹیچنگ ایڈ خریدنے کے لئے ۵۰۰۰ روپے کی خصوصی امداد۔

اس سلسلے میں حکومت نے اسکولوں کے منتخب کرنے کی غرض سے مندرجہ ذیل اصول وضع کئے ہیں۔ دو قسم کے اسکول ہونگے۔

(۱) ۳۰۰۰۰ سے زائد آبادی والے علاقے میں واقع اور ۳۰۰۰۰ سے کم آبادی میں واقع اسکول (۲) دیہی علاقوں میں واقع اسکولوں میں سے کم از کم ایک اسکول کو منتخب کیا جائے گا۔ انتخاب کیلئے ایسا کوئی اگر اسکول نہ ملے تو پھر اسکی جگہ شہری علاقے کے اسکول کو دی جائیگی۔

(۳) متعلقہ اسکولوں کو قائم ہوکے کم از کم سات سال کا عرصہ ہو چکا ہو۔

(۴) شہری علاقوں کے لئے ایس ایس سی امتحان کے پچھلے ۵ سال کے نتائج ۶۰ فیصد سے کم نہ ہوں جبکہ دیہی علاقوں کے اسکولوں کے لئے ۵۰ فیصد سے کم نہ ہونا چاہئیے۔ (۵) اسکول میں جتنے طلباء ہونگے ان میں سے پاس طلبا کے نتائج پر فیصد نکالا جائے گا۔ (۶) اسکول سیکنڈری اسکول کوڈ اور سرکاری احکامات کے ذریعے لگائی پابندیوں پر عمل درآمد کرتے ہوں۔ (۷) تعلیم کی حصولیابی کیلئے اسکول کا ماحول صاف ستھرا ہو اور نظم ونسق قائم ہو۔ (۸) اسکول میں نصابی تعلیم کے علاوہ دیگر سرگرمیاں بھی جاری ہونی چاہئیے۔ جس سے پسماندہ طبقہ کے طلبہ کی کارکردگی اور اہلیت میں اضافہ کیا جارہا ہو نیز قابلیت میں سدھار کے لئے مختلف کام کئے جارہے ہوں۔

اسکولوں کو حوصلہ افزائی کیلئے خصوصی امداد دینے کی غرض سے منتخب کرنے کی خاطر ہر ضلع کے لئے ریجنل ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشنز کی سربراہی میں انتخابی کمیٹیاں بنائی جائیں گی۔

حکومت نے سال ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران حوصلہ افزائی کے لئے امداد دینے کی خاطر ۶۰،۸ لاکھ روپے کی منظوری دیدی ہے۔

قیمتوں کی تشہیر نظرثانی شدہ حکمنامہ

مہاراشٹر سرکار نے مہاراشٹر کیٹرنگ، اسٹیبلشمنٹ (قیمتوں کی تشہیر) آرڈر بابت ۱۹۷۶ء جاری کر دیا ہے۔ یہ حکمنامہ ایک لاکھ سے زائد آبادی والے تمام علاقوں کی ہوٹلوں اور طعام خانوں پر نافذالعمل ہوگا۔ محکمہ سیاحت، حکومت ہند کی جانب سے تسلیم شدہ فائیو اسٹار ہوٹل اس حکمنامہ سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔

اس حکمنامہ کے تحت تمام طعام خانوں کو کھانے پینے کی تمام اشیاء کی ایک فہرست اور ان کی قیمتوں کی تشہیر طعام خانوں کے داخلے کے قریب جگہوں پر کرنی ہوگی۔

اس حکمنامہ کے تحت تشہیر کردہ قیمتوں سے زائد قیمت پر خرید و فروخت کرنے کی نیز بازار میں جن اشیاء کا اسٹاک موجود ہے ان کی فروخت کو روکنے کی یا فروخت کیلئے ذخیرہ کردہ اشیاء جن کی فہرست اور قیمتوں کی تشہیر کی جاچکی ہے۔ ان پر کمیشن لینے کی اجازت نہیں۔

حکومت نے پولیس، سب انسپکٹروں / راشننگ انسپکٹروں سپلائی انسپکٹروں، اول کارکنں اور دیگر افسران جو کہ متذکرہ افسران کے مقابل میں پولیس، شہری رسد محصول کے محکموں میں اعلےٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ انہیں ہر قسم کی جانچ وتحقیق کے اختیارات دیدیئے ہیں۔

اس حکمنامہ کا نفاذ دفاع اور اندرونی سلامتیٔ ہند قوانین بابت [redacted] ۱۹۷۱ء کے تحت موجودہ حکمنامہ کی جگہ پر کیا گیا ہے۔

[redacted]



ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹرا نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔



قومی راج

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء

* زراعتی محاذ پر نئی جدت
* ایک مکان کیسے تعمیر کیا جاسکتا ہے
* پولس ایکٹ اور آپ

قیمت : پچاس پیسے

قارئین کی رائے

قابلِ ستائش بات ہے کہ حکومت مہاراشٹر ’قومی راج‘ جیسا معلوماتی، ادبی، سائنسی اور طبی جریدہ شائع کر رہی ہے، جس کو پڑھنے کے بعد ایک سماجی ذمہ داری محسوس ہوتی ہے اور سرکاری کارروائیوں نیز قانون کے بارے میں جانکاری حاصل ہوتی ہے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس قدر کم قیمت یعنی صرف پچاس پیسوں میں ملتا ہے۔ اور اس کی سالانہ خریداری صرف دس روپیہ ہے۔
میں اپنے دوستوں اور اُردو داں حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ وہ ’قومی راج‘ جیسے بامقصد رسالے کو خرید کر اپنی ادب نوازی کا ثبوت دیں۔ اسکولوں اور کالجوں سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ ’قومی راج‘ خرید کر طلباء کی معلومات میں اضافہ کریں۔

محمد عبدالقادر، دکھرولی، ممبئی

’قومی راج‘ کا مطالعہ میرا محبوب مشغلہ ہے مختلف قسم کے رنگارنگ مضامین معلوماتی اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ نظمیں، غزلیں اور افسانے بھی ’قومی راج‘ کے حسن کو دوبالا کرنے کے لئے شائع کئے جاسکتے ہیں۔

نئے مضامین کی اشاعت سے متعلق اس ناچیز کی ایک رائے ہے کہ جس طرح ’اضلاع کی جھلکیاں‘ کے تحت آپ مختلف اضلاع سے متعلق آپ خصوصی مضامین شائع کرتے ہیں، اسی طرح اُن اضلاع کے تعلقوں سے متعلق بھی خصوصی فیچر شائع کریں تو بیجا نہ ہوگا۔

مہاراشٹر میں بہت سارے صنعتی تعلقے ہیں جن کی طرف اگر حکومت نظر کرے تو وہاں پر بہت سارے ترقیاتی پروگرام عمل میں لائے جاسکتے ہیں جن کی وجہ سے وہاں کی صنعت ترقی پاسکتی ہے۔ مثلاً ضلع ناسک کا ایک تعلقہ مالیگاؤں پاورلوم کا بہت بڑا مرکز ہے۔ جہاں ۱۹ ہزار ۵ سو پاورلوم ہیں جن میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ۸۰،۰۰۰ ہے۔ اسا ہی نہیں بلکہ یہاں تقریباً ۶ کروڑ روپے ماہانہ کی مالیت کا کورا کپڑا، ململ اور رنگین ساڑیاں تیار کی جاتی ہیں، اگر یہاں ریلوے لائن آجائے تو یہاں کی صنعت کے ترقی کے دروازے کھل جائیں گے۔

صنعت کے لئے مشہور ہے۔ اس صنعت کی ترقی کے لئے فلاں ترقیاتی پروگرام عمل میں لایا جاسکتا ہے اس طرح متعلقہ تعلقہ حکومت کی نظر میں جائے گا اور اگر اس طرح ایک تعلقہ کو بھی فائدہ پہنچ گیا تو اس کا سہرا قومی راج کے سر ہوگا اور یہ قومی راج کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

م۔ انصاری۔ رتناگیری

’قومی راج‘ دن بدن قابلِ تقلید اور لائقِ رشک بنتا جارہا ہے۔ مہاراشٹر کے مختلف مقامات کی دلچسپ معلومات، پیداوار، صحت افزا مقامات، حکومت کی پالیسیوں کی وضاحت، امراض و علاج، سوال و جواب، غرض کیا کچھ ہے جو اس مجلہ میں نہیں ہے اور وہ بھی شُستہ اُردو میں۔ یہ میگزین بلاشبہ شمالی ہند کے موقر رسالوں کی صف میں امتیازی شان کے ساتھ جگہ پاسکتا ہے۔ قومی راج جہاں ایک طرف خاصی تعداد میں اُردو بولنے والے ابنائے وطن کے لئے اضافۂ معلومات اور خوشی کا سبب ہے وہیں دوسری جانب ـ جبکہ اُردو کے بارے میں لوگوں کو مختلف ریاستی حکومتوں سے کچھ نہ کچھ شکایت ہے ـ حکومت مہاراشٹر کے اُردو کے سلسلہ میں لچکدار، انصاف پسند اور فراخ دلانہ جذبات کی غمازی بھی کررہا ہے جو اُردو داں طبقہ کے لئے اکسیر صفت مرہم اور داروئے شفا سے کم ہر گز نہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس میں صوفیاء، علماء، مصلحین اور سادھو سنتوں وغیرہ کی تعلیمات اور اُن کی پاکباز زندگی کو بھی مسلسل جگہ دی جائے۔ اس اخلاق باختگی کے دور میں نوجوان نسل کو صحیح سمت میں لے جانے کے لئے ایسی تعلیمات اور پاک طینت اور روشن ضمیر انسانوں کے حالات پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ انھیں یہ معلوم ہوسکے کہ ہمارے عظیم دیش کی اپنی شاندار تہذیب و روایت کیا ہے۔ مغرب کی ثقافتی تہذیب و رواج ہمارے لئے کس قدر عظیم نقصان ہے۔ ساتھ ہی کیا میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ مختلف عرب اور اسلامی ملکوں کے حالات بھی گاہے گاہے پیش کئے جائیں تو بہتر ہوگا، کیونکہ ہمارا اور ہماری حکومت کا ان ملکوں سے اٹوٹ رشتہ ہے، اور ہماری اور ان کی جذباتی ہم آہنگی تو ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے۔ اس دور میں اتنا بہترین اُردو میگزین کا حکومتی سطح سے نکلنا اعجاز سے کم نہیں جس کے لئے ادارہ تحسین و آفرین کا مستحق ہے۔

محمد زبیر اعظمی، فاضل دیوبند، ایم اے بی ایڈ۔ ایولہ۔ ناسک

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے، لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافہ کے خیال سے ”سوال و جواب“ کا خصوصی صفحہ ہر شمارہ میں شائع کیا جارہا ہے۔
ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بہ خوشی قبول کئے جائیں گے۔ آپ اپنے سوالات مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرماسکتے ہیں: ایڈیٹر ”قومی راج“ (پندرہ روزہ) ۵ اوّل منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

قومی راج

جلد ۲ • شمارہ ۱۸ • ۱۰ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ: دس روپے • فی پرچہ: پچاس پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب:

چیف ایڈیٹر: ڈی۔ مہتا

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹرس: عبدالوحید خاں جامعی

فیروزہ خان

سخنہائے گفتنی

موسمِ باراں کے ختم ہونے سے پہلے ہی بمبئی میں ادبی سرگرمیاں شروع ہوگئی ہیں۔ ستمبر کے آخری ہفتے میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام "اقبال صدی نمائش" کا افتتاح مہاراشٹر کے ہردلعزیز وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کے ہاتھوں سر کاؤس جی جہانگیر ہال میں ۲۷ر ستمبر کی شام میں ہوا۔ یہ نمائش حکومت ہند کے ڈائرکٹوریٹ آف ایڈورٹائزنگ اینڈ ویژول پبلسٹی کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ تقریب کے بعد وزیراعلیٰ نے نمائش دیکھی اور اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ نمائش کی مفصل رپورٹ اندرونی صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

اس شمارے میں زراعت پر ایک خاص مضمون لکھا گیا ہے جو آپ کی زرعی معلومات میں کافی اضافہ کرے گا۔ شری ونوبا بھاوے اور ضلع بیڑ کے بارے میں نئی نئی باتیں معلوم ہوں گی۔ آپ کی طرف سے جو بےشمار خطوط ہمیں مل رہے ہیں ان میں سے چند جو وقت پر مل جاتے ہیں شریک اشاعت ہوتے ہیں۔ ان خطوط کی روشنی میں ہی 'قومی راج' پر خاص طور سے محنت کی جا رہی ہے۔

خ ع الغفور

ترسیل زر کا پتہ

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر

منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲



پاؤنار کے سنت ۔ ونوبا جی

• سری رام ترپکا ناڈ (چیف رپورٹر ۔ فری پریس جرنل)

ونوبا جی کو مہاتما گاندھی "کرتیا یوگی" کہتے تھے۔ جو آشرم کے چند نایاب موتیوں میں سے ایک تھے جو کبھی کچھ حاصل کرنے نہیں بلکہ دینے کے لئے آشرم میں حاضری دیتے تھے وہی ونوبا جی ۱۱ر ستمبر ۱۹۷۷ء کو ۸۲ سال کے ہو گئے۔

تاریخ میں ونوبا جی جیسی شخصیت کا مالک تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکے گا۔ جنھوں نے گاندھیائی فلسفے کی اپنی روش سے بہترین ترجمانی کی ہے جو صحیح معنوں میں روز مرّہ کی زندگی میں بروئے کار آتی ہے۔ سابق صدر ہند شری وی وی گری ونوبا جی کو ایک پکے عقیدے کا مذہبی شخص مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ونوبا جی جیسا عقیل اور ذہین شخص، جو وہی کچھ سکھاتا ہے جس پر وہ خود عمل پیرا ہے، کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔ گری کہتے ہیں کہ یہ ہماری اور ملک کی خوش قسمتی ہے کہ ہم سب کے درمیان ایک کرم یوگی' موجود ہے جو ہمیں صحیح راہ دکھا رہا ہے۔ ہمیں ونوبا جی ۱۹۴۰ء تک ہمارے ملک کے غیر معروف تھے جبکہ گاندھی جی نے انھیں پہلی ستیہ گرہ کے لئے منتخب کیا (پنڈت جواہر لال نہرو دوسرے نمبر پر آتے تھے) یہ ستیہ گرہ آزادی حاصل کرنے اپنی نوعیت کی انفرادی حیثیت رکھتی تھی۔ گاندھی جی نے بذاتِ خود پاونار جا کر ونوبا جی کی اجازت حاصل کی اور تب اُن کے نام کا اعلان کیا گیا۔ اُس موقع پر شری مان نرائن، ہندوستان کے سابق سفیر برائے نیپال نے یہ تاریخی ملاقات اپنی آنکھوں سے دیکھی اور اُن دو بڑے لیڈروں میں جو بات چیت ہوئی اُسے اس طرح بیان کرتے ہیں۔

گاندھی جی ونوبا جی سے، "کانگریس نے مجھے انگریزی حکومت کے خلاف ستیہ گرہ کرنے کو کہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ پہلے یہ ستیہ گرہ انفرادی طور پر کی جائے اور اس کے لئے میری خواہش ہے کہ آپ سب سے پہلے ستیہ گرہ کریں۔"

"جو آپ کے مزاج میں آئے۔" ونوبا جی کا جواب تھا

"کیا میں یہ مطلب اخذ کر سکتا ہوں کہ آپ نے میری درخواست منظور کر لی۔" گاندھی جی نے دریافت کیا۔

"باپو میں آپ سے متفق ہوں۔" ونوبا جی نے جواباً فرمایا۔

قومی راج

"آپکی آشرم میں مصروفیت بہت زیادہ ہے لیکن پھر بھی مجھے اُمید ہے کہ آپ اِن مصروفیات سے چھٹکارہ حاصل کر سکیں گے" گاندھی جی نے پوچھا۔

"میں اپنے کاموں کو اپنے سر پر سوار نہیں کرتا" ونوبا جی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں ابھی اور اسی وقت سے آپ کا حکم مانتا ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ملک الموت کا حکم مانا جاتا ہے" یہ ایک طرح کی خودسپردگی تھی جو ونوباجی نے اپنے آپ کو اپنے عظیم لیڈر کے حوالے کر دی تھی۔ وہ گاندھی جی سے پہلی ہی ملاقات میں جبکہ وہ اپنی عمر کے دوسرے دہے میں تھے متاثر ہو گئے تھے اُن کے پیش نظر گاندھی جی کی ملک کے لئے عظیم قربانیاں تھیں۔ دراصل اس وقت تک جب تک گاندھی جی نے انھیں ستیہ گرہ کرنے کا نہیں کہا تھا ونوباجی خاموشی سے گاندھی جی کے اصولوں اور اُن کی دی ہوئی سماجی فلاح وبہبود کی تعلیم پر کام کر رہے تھے۔ مگر جب اُن کا نام پہلے ستیہ گرہی کی حیثیت سے ظاہر ہوا انھوں نے آزادیٔ وطن کی خاطر سیاسی دنیا میں ہلچل پیدا کر دی۔ ونوبا جی نے ۱۹۱۶ء میں اپنی کالج کی پڑھائی ترک کر دی اور گاندھی جی کے آشرم میں داخل ہو گئے۔ گاندھی جی نے ۵ر اکتوبر ۱۹۴۰ء کو اپنے ایک بیان میں بتایا کہ ونوبا جی نے اِس طرح کا اقدام کیوں کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ونوباجی نے اپنے دل سے چھوت چھات کو فراموش کر دیا تھا۔ سب کے ساتھ مل جل کر رہنے میں اُن کا عقیدہ ہے بالکل اسی طرح جسطرح کہ خود گاندھی جی چاہتے ہیں۔

ونوباجی بھی چاہتے ہیں کہ ہندوستان سیاسی اعتبار سے آزاد ہو۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دیہات کے لوگوں کی سچی آزادی اس وقت تک ناممکن ہے تاوقتیکہ تعمیراتی کام جیسے کھادی پر توجہ نہ دی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ چرخہ عدم تشدد کا نشان ہے۔ جو ملک کی اندرونی یکجہتی اور ستیہ گرہ تحریک کا ایک حصہ بن چکا ہے۔

آج تمام ملک میں ونوبا جی اچاریہ ونوبا کے نام سے مشہور ہیں۔ دنیا میں گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کے بعد ونوباجی ہی کی شخصیت ایسی ہے جس سے بیرون ملک کے لوگ آشنا ہیں۔ آپ کے بارے میں کئی مضامین اور کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ونوباجی نے اپنی "بھودان" تحریک کے ذریعہ ملک میں سماجی اور معاشی انقلاب برپا کر دیا ہے۔ گاندھی جی کے خیالات کے تحت ونوباجی کے بھودان تحریک کے ساتھ ہی ساتھ گرام دان" تحریک شروع کی جو عدم تشدد پر مشتمل تھی اور جس کی وجہ سے انھوں نے سماجی اور معاشی میدان میں نمایاں کام انجام دیئے۔

آپ نے محنت اور لگن سے کام کرنے میں ہی گاندھی جی کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی حالانکہ دیکھنے میں نحیف و نزار نظر آتے ہیں مگر کام کرنے کا جذبہ نہایت بلند ہے اور ہر کام محنت اور ایمانداری سے کرتے ہیں۔ ونوبا جی اصول کے پابند ہیں سنسکرت اور مراٹھی اور ہندی کے اسکالر ہیں اور قریب قریب ہندوستان کی اور بھی بہت سی زبانیں جانتے ہیں۔ اسکے علاوہ عربی، فرنچ اور جرمن زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ آپکی یادداشت خدا کی دین ہے ایک مرتبہ جو پڑھ لیتے ہیں وہ انہیں ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ جس وقت آپ ۱۹۴۰ء کے دوران دھولے جیل میں تھے اُس وقت اپنے ساتھی قیدیوں کیلئے گیتا اور گیتا پرچن کے بارے میں تقریر کرتے تھے۔ اُن کی یہ تقریریں کلاسیکی ادب میں ایک شاہکار کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ آپ کی "سوراجیہ شاستر" تھیسس پولیٹیکل سائنس میں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ آپ اپنی تعلیم چھوڑ کر گاندھی جی کے ساتھیوں میں سابرمتی آشرم میں داخل ہو گئے اور گاندھی جی کے سچے عقیدتمندوں میں رہے۔ سابرمتی آشرم سے فارغ ہونے کے بعد ونوباجی نے پاؤنار میں اپنا آشرم کھولا۔ یہ آشرم وردھا سے ۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہیں پر ونوباجی نے جو کچھ اپنے آقا سے سیکھا ہے اسکی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہیں پر آپ نے تعمیری کام کرنے والوں کی ایک فوج بنائی جسکے بارے میں گاندھی جی نے کہا تھا کہ اس فوج کا ہر سپاہی ملک کی خاطر قربانی دینے میں پیش پیش ہوگا۔ ونوباجی نے ایک نوجوان کو ایسی تربیت دی جس نے تمام عمر کوڑھ کے مریضوں کی خدمت میں گذاری۔ اسی نوجوان نے ونوباجی کے کہنے پر کوڑھ کی بیماری کے موثر علاج کے لئے شفاخانے بنوا دیئے۔ جہاں سینکڑوں اور ہزاروں آدمی صحت یاب ہو رہے ہیں۔

گاندھی جی کے قتل کے بعد جو ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا سیوا گرام میں ایک آل انڈیا کانفرنس ماہ مارچ میں منعقد کی گئی تھی جسمیں بڑے بڑے قومی لیڈروں جیسے ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ آچاریہ کرپلانی۔ شنکر راؤ دیو اور گاندھی خیالات کے سرفہرست رہنما جیسے آچاریہ ونوبا بھاوے۔ کاکا صاحب کلیکر۔ اور جے پرکاش نرائن سیعول نے شرکت کی۔ اسی کانفرنس میں سب سے پہلے ونوبا بھاوے نے سروودیہ سماج کی بنیاد ڈالی جو آگے چل کر سروودیہ منڈل میں تبدیل ہو گئی جس کا مقصد گاندھی جی کے اصولوں پر مبنی مطلب براری کے لئے پاکیزگی" اور بین الاقوامی سطح پر انسان کی خدمت

تھا۔ پنڈت نہرو ونوبا جی کو اپنا کیمپ کا ساتھی مانتے تھے اور اُن کے مفید صلاح و مشورے سے مستفید ہوتے تھے۔ پنڈت نہرو کی درخواست پر ونوبا جی دلی آئے اور اس وقت پاکستان سے جو مہاجرین ہندستان آ رہے تھے انکی بازآبادکاری میں انہوں نے حکومت کا ہاتھ بٹایا، آپ نے فسادات کے بارے میں پنجاب کے گڑگاؤں ضلع اور تمام ملک میں ٹرین اور موٹر سے طویل سفر اختیار کئے اور متاثرہ افراد کی جو دل شکنی ہوئی تھی انھیں تسلی دیتے پھرے۔

۱۹۵۰ء میں ونوبا جی پاؤنار آشرم واپس آئے اور ایک نئی تحریک کی داغ بیل ڈالی، یہ نئی تحریک "کنچن مکتی" تھی جس کا مطلب تھا معاشی آزادی۔ آپ گھنٹوں کھیتوں میں کام کرتے پتھروں کو توڑتے اور زمین کو قابل کاشت کرتے۔

ونوبا جی اور ان کے ساتھیوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے آشرم کی زمین پر پیدا کیا ہوا اناج ہی استعمال کریں گے اور آشرم میں بنی ہوئی کھادی ہی زیب تن کریں گے۔ ۱۹۵۱ء میں سب سے اہم "بھودان" تحریک شروع کی جس سے زمین کی تقسیم بے زمین لوگوں میں کرنا مقصود تھی۔

۱۸ر اپریل ۱۹۵۱ء کو ونوبا جی نے پہلی پدیاترا کی اور تلنگانہ کے دیہات پوچمپلی پہنچے جہاں ۴۰ خاندانوں کے افراد نے جو مظالم کا شکار تھے اور جو بے زمین ہریجن تھے گھیر لیا تاکہ ونوبا جی انہیں زمین دلائیں تاکہ وہ خود اپنی زمین پر کاشت کرکے اپنا ذریعہ معاش پیدا کریں ونوبا جی تذبذب میں پڑ گئے کہ ان لوگوں کی کس طرح امداد کریں۔ اسی عالم اضطراب میں ونوبا جی نے حاضرین سے پوچھا کہ ان میں سے کوئی ایسا ہے جو ان بے زمین ہریجنوں کو زمین دے سکے۔ اسی وقت مجمع میں سے ایک نوجوان ہاتھ جوڑتا ہوا آیا اور ایک سو ایکڑ زمین کا دان دیا۔ سامعین کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ونوبا جی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے انھوں نے اس کام میں قدرت کا کرشمہ دیکھا اور یہیں "بھودان" نے جنم لیا۔

ونوبا جی کا نام اخبارات کی سرخی بنا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ایوان میں انھیں خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ جہاں طاقت کا استعمال کامیاب نہیں ہوتا وہاں عدم تشدد کے ذریعہ لوگوں کے دل جیتے جاتے ہیں اور ونوباجی ایسے ہی ایک انسان ہیں۔

نیویارک ٹائمز کے خصوصی نمائندے نے اپنی یادداشت میں یہ کرشمہ اس طرح لکھا ہے کہ وہ دیوتا ہے جو زمینیں تقسیم کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی محبت سے لوٹ لیتا ہے۔"

ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بھودان تحریک کے بارے میں کہا تھا کہ یہ نہ صرف زمین کا عطیہ ہے بلکہ یہ ایک جذبہ ہے جو گاندھی جی کے خوابوں میں سے ایک ہے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے فرمایا کہ "بھودان" تحریک لوگوں میں یکجہتی پیدا کر دے گی کیونکہ یہ سچائی پر قائم ہے۔ "ٹائم" میگزین نے اپنی سرورق کی کہانی میں ونوبا جی کے بارے میں "پیدل سفر کرنے والا" لکھا تھا اور ونوبا جی کو گاندھی جی کا صحیح شاگرد بتایا تھا۔

اس ڈھائی جگ کے عرصے میں ونوبا جی نے ملک کے طول و عرض میں بے شمار پیدل بے تکان سفر کئے اور "محبت" اور "عدم تشدد" کا پیغام دیتے پھرے۔ کھادی۔ بھودان اور دیگر دان مثلاً شرمدان، گرامدان، وغیرہ ہی کا پیغام ملک بھر میں پہنچاتے رہے۔

مشہور ہے کہ ایک استاد اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے ونوبا جی نے بھی ملک کے بڑے بڑے دانشور جوان کے جیسے ہی خلیق تھے اور جن کا کھادی۔ شرمدان اور گرامدان پر یقین تھا، جمع کر لئے تھے۔ انھیں میں سے ایک جے پرکاش نرائن تھے جے پرکاش بھودان تحریک میں ۱۸ر اپریل ۱۹۵۴ء کو جبکہ اس کا چھٹا سمیلن بہار میں بدھ گیا میں ہو رہا تھا شامل ہوئے۔ یہی وہ تاریخی اجلاس تھا جہاں جے پرکاش نے اپنی تمام زندگی بھودان تحریک کے لئے وقف کر دینے کا فیصلہ کیا جے پی نے ایک مختصر خط میں ونوباجی کو لکھا تھا "آپکی آواز پر لبیک کہتے ہوئے میں جیون دان کے لئے اپنی زندگی وقف کرتا ہوں تاکہ تشدد کا خاتمہ ہو اور دیہی صنعت کو فروغ حاصل ہو۔ جے پرکاش نرائن کا انقلاب دو جگ بعد ہی رونما ہوا۔

پنڈت نہرو نے ونوبا جی کے بارے میں کہا تھا "ان کی شخصیت ایک مضبوط چٹان کی سی ہے جس سے طاقت مظہر ہے اُن کی آنکھوں میں مستقبل کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ہم جیسے چھوٹے لوگوں کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم انھیں اپنے اصولوں پر تولیں۔ ونوبا جی ہی گاندھی جی اور ہندستان کی صحیح تصویر پیش کرتے ہیں۔ پنڈت نہرو نے مزید کہا "آج بھی ونوبا جی اپنے آشرم سے ایک ستارہ کی طرح درخشاں ہیں اور یہ مقام اُن کی وجہ سے متبرک ہو گیا ہے جہاں پہ لوگ عقیدت سے بھرپور دل لے کر حاضری دیتے ہیں اور راہِ نجات پر گامزن ہوتے ہیں۔ سرزمین مہاراشٹر کے لئے یہ بات قابلِ فخر ہے کہ اس نے ایک ایسے سپوت کو جنم دیا جس کی وجہ سے قدیم ہندوستان کے رشیوں کی اخلاقی قدریں آج بھی زندہ ہیں۔" ———

***

جی۔ بی گجر، ایڈیٹر لوک راجیہ (انگریزی)
ترجمہ: عبدالوحید خاں

یہ ہونہار سائنسداں

"اس جدید خلائی دور میں وہی ملک زندہ اور خوش حال رہ سکتا ہے جہاں علمی ریسرچ کی لگن ہو۔ خصوصاً نوجوان نسل کے دل میں سائنسی ریسرچ کا شوق و ولولہ ہونا چاہیئے اور یونیورسٹیوں کو چاہیئے کہ پوسٹ گریجویٹ درجہ پر ریسرچ کو لازمی قرار دیدیں۔"

مذکورہ بالا خیال انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، بمبئی کے پروفیسر ایس۔ اے۔ سل گرے نے، جو لگاتار دوسرے سال بھی انڈین بائیو۔ سائنٹفک ایسوسی ایشن کا نیشنل ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں، اس وقت ظاہر کیا تھا جبکہ میں گذشتہ ماہ قدرے تاخیر سے اُن سے ملنے گیا تھا تاکہ انھیں اُن کی شاندار ریسرچ پر مبارکباد پیش کروں جس کا ذکر کئی اخبارات میں پڑھ چکا ہوں۔

یہ انعام ۲۵،۰۰۰ روپے، گولڈ میڈل اور سند پر مشتمل ہے اور مختلف مشہور و معروف سائنسی جریدوں میں شائع شدہ خود تخلیقی مضامین پر دیا جاتا ہے۔ مالی لحاظ سے بھی یہ سب سے بڑا نقد انعام ہے جو سائنسدانوں کو دیا جاتا ہے۔

شری سل گرے ضلع بیڑ کے تعلقہ منجلے گاؤں میں واقع مہاجن گاؤں میں ۷ رمئی ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے سوامی رامانند تیرتھ سوسائٹی کے ہائی اسکول اور یوگیشوری مہاودیالیہ، امبے جوگئی میں تعلیم پائی۔ گریجویشن کے بعد آپ نے ریسرچ کے ساتھ ایم۔ ایس سی ڈگری انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، بمبئی کے توسط سے ۱۹۷۱ء میں حاصل کی۔ آپ گذشتہ چھ سال سے اسی انسٹی ٹیوٹ میں پڑھا رہے ہیں۔

ہماری گفتگو قدرتی طور سے سائنسی ریسرچ اور جدید معاشرے میں اس کے مقام سے متعلق ہی تھی۔ اس ذہین ریسرچ اسکالر کی آنکھیں اس وقت اُمید اور حوصلہ مندانہ جذبات سے چمک اُٹھتیں جبکہ ان کی زبان پر اپنے ریسرچ کام اور اپنے طلباء کا ذکر آتا جن کے لئے وہ فیض کا سرچشمہ ہیں۔

سوال و جواب کی صورت میں اُن سے گفتگو کی کیفیت یہ ہے:

س: آپ کو سائنسی ریسرچ سے کیسے دلچسپی پیدا ہوئی؟ کیا سائنس سے اس دلچسپی اور شوق کا تعلق اسکول کے زمانۂ تعلیم سے ہے؟

ج: خوش قسمتی سے مجھے اس اسکول اور کالج میں تعلیم پانے کا موقع ملا



پروفیسر ایس۔ اے سل گرے

جو سوامی رامانند تیرتھ کے پیروں نے قائم کیا تھا اور جہاں کی فضا پر بھگوان کو بھی رشک آتا تھا۔ ہمیں بڑے لائق محب وطن اُستاد ملے جنھوں نے ہمارے دلوں میں سماج کی بہتری کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کام کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔

میرے پتا کسان تھے اور انھیں باغبانی سے بڑی دلچسپی تھی۔ اسکول کے زمانے میں مجھے ڈاکٹر جگدیش چندر بوس سے والہانہ عقیدت تھی جب کبھی میں اپنے کھیتوں پر جاتا میرے دل میں یہی خواہش پیدا ہوتی کہ ڈاکٹر بوس کے نقش قدم پر چلوں اور علم زراعت سیکھوں۔ درحقیقت مجھے یہی دیکھنے کا شوق تھا کہ کھیت لہلہائیں اور درخت پھلوں سے لدے پھندے ہوں۔

اس کے علاوہ بوٹنی یعنی علم نباتات میں مجھے اچھے نمبر ملا کرتے تھے۔ اسی چیز نے میرا مستقبل طے کیا اور اس کے بعد میں نے کبھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا۔ گو میں انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم دیتا ہوں، لیکن ریسرچ ہی سے مجھے زیادہ دلچسپی ہے۔

س: اب تک آپ کے کتنے ریسرچ مضامین و مقالات شائع ہو چکے ہیں؟

ج: میں نے اب تک مختلف قومی اور بین الاقوامی رسائل مثلاً دی جورنل آف انڈین بائیو سائنٹفک ایسوسی ایشن، دی سائنس اینڈ کلچر، دی کرنٹ سائنس، دی اکادمی آف سائنسیز (یو ایس ایس آر) وغیرہ میں دو سو مضامین دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی بین الاقوامی جریدوں میں میرے کام کی چرچا کی گئی ہے۔

س: یہ ہر لحاظ سے زبردست شاندار کام ہے۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس کے لئے کیسے وقت نکالتے ہیں۔ اس میدان میں آپ کے گرو کون ہیں؟

ج: سائنسی ریسرچ میرے خیال میں تو ایسا کام نہیں جو صرف فرصت کے اوقات میں انجام دیا جائے۔ اس کے لئے تو اس کے شیدائی کو دن رات کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کی ہر سانس میں سائنس اور سائنس ہی اس کی جان ہوتی ہے۔ میں روزانہ صبح ۸ بجے انسٹی ٹیوٹ آتا ہوں اور نصف شب کو گھر لوٹتا ہوں۔ ضرورت پڑنے پر میں رات بھی وہیں گذار دیتا ہوں۔ سائنسی ریسرچ اس کے سوا کچھ نہیں کہ دل میں سچی لگن ہو اور اس کے لئے جان کھپا دی جائے۔ میں اس میدان میں ڈاکٹر لوس، لوتھر بربینک، ڈاکٹر مہیشوری اور ڈاکٹر گیان ساگر کو اپنا گرو سمجھتا ہوں۔

س: کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کا وہ کونسا ریسرچ کا کام تھا جسے انڈین بائیو سائنٹفک ایسوسی ایشن نے انعام دینے کے لئے بہترین سمجھا—؟

ج: اس ایسوسی ایشن نے ۱۹۷۵ء سے علم حیات (لائف سائنس) پر بہترین کام کے سلسلہ میں انعام دینا شروع کیا ہے۔ میں نے دونوں مواقع پر یعنی ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں اس ضمن میں کسی مخصوص کام پر نہیں بلکہ اس موضوع پر مجموعی طور سے ۱۲۰ آزادانہ ریسرچ مضامین اور ۹ مفصل مضامین مرتب کر کے یہ دو انعامات حاصل کئے ہیں جو دو جلدوں میں شائع کئے گئے ہیں۔ جلد کی قیمت ۱۰۰ روپے ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہ اپنی نوعیت کی پہلی اشاعت ہے جو کسی سائنس داں کے سال بھر کے آزادانہ تحقیقی کام سے وابستہ ہے۔

س: علم حیات میں آپ کا خاص موضوع کیا ہے؟

ج: عموماً اس قسم کے انعامات علوم حیات مثلاً بوٹنی، زولوجی، بائیو کیمسٹری، میڈیکل سائنس، ویٹرینری سائنس اور زراعتی سائنس کے میدان میں تخلیقاتی کام پر دیئے جاتے ہیں۔ میں نے بہر حال مارفولاجی ایمبرائیولاجی، پالینالوجی، فزیالوجی، ریڈیو-بائیولاجی اور ویڈ کنٹرول کے بارے میں مہارت حاصل کی ہے۔ اپنے تحقیقاتی کام ہی کی بنا پر میں ان مختلف نظریات کو رد کر سکا جو مشہور و معروف سائنس دانوں مثلاً فرانس کے سوجیز (جو علم الجنین کا خالق سمجھا جاتا ہے) کریٹ، (فرانس) ریمبرتھ (امریکہ) وغیرہ نے وضع اور معین کئے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے نظریات بین الاقوامی طور سے تسلیم کر لئے گئے ہیں۔

س: کیا آپ کے نظریات یا تحقیقاتی کام عملی طور سے کارآمد ہیں؟

ج: عموماً ہماری ریسرچ اصولی اور بنیادی نوعیت کی ہوتی ہے۔ پھر بھی ہمارے نظریات مختلف صنعت و حرفت یا زراعتی اداروں میں برتے جائیں تو وہ بڑے کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ خصوصاً میرے تحقیقاتی کام سے کسانوں نے کافی فائدہ اُٹھایا ہے۔ مثال کے طور پر میں نے ایکس۔ ریز اور گیما ریز وغیرہ سے پودوں کا علاج کر کے نئی اقسام پیدا کیں۔ بے کار گھاس اور پودوں وغیرہ کو ختم کرنے کے لئے میں نے کیمیاوی ادویہ چھڑکنے کا نیا طریقہ تلاش کیا جس سے بیکار گھاس وغیرہ ختم ہو جاتی ہے اور فصل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس کے علاوہ یہ طریقہ کفایتی ہے کیوں کہ یہ ادویہ تھوڑی مقدار میں استعمال کی جاتی ہیں۔ اسی طرح میں نے مختلف اقسام کے بیج اور کیمیاوی ادویہ کے بارے میں تجربات کئے ہیں تاکہ جوار اور گیہوں وغیرہ کی بھرپور فصل حاصل ہو۔

س: انسٹی ٹیوٹ میں آپ کو کیا سہولتیں حاصل ہیں؟ کیا آپ قطعی مطمئن ہیں؟ کیا آپ مزید تعلیم و مطالعہ کی غرض سے بدیس جانا چاہتے ہیں—؟

ج: حقیقت یہ ہے کہ مجھے ہر سہولت دی گئی ہے اور میرا پوری طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ بیرونی ممالک میں مہیا سہولتوں اور ذرائع کے مقابلے میں یہاں ہر چیز قدرتی طور سے ناکافی ہے۔ خصوصاً مجھ جیسا ماہر نباتات (بوٹانسٹ) یہی چاہے گا کہ اس کی لیبوریٹری میں ایک طاقتور الیکٹرانک مائیکروسکوپ لگا ہو۔ لیکن میرے خیال میں اگر کام کرنے کا پکا عزم ہو تو ہمارے دیس میں بھی ہم ریسرچ کی راہ پر میلوں آگے بڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا میں اپنے طلباء کو سمندر پار جانے کی صلاح نہیں دیتا۔

س: ایک کالج ٹیچر ہونے کی حیثیت سے آپ کا تجربہ کیا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں ہمارے طلباء کا مستقبل روشن ہے؟

ج: میں نہیں سمجھتا کہ طلباء کی موجودہ نسل برگشتہ ہے۔ میرے خیال میں اگر ہم ان کی انفرادیت کی عزت کریں، ان سے برابری کا سلوک کریں اور اُن پر وشواس رکھیں تو ہم ان کے دلوں میں ایک نئی دنیا تعمیر کرنے کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں۔ میں ان سے دوستی رکھتا ہوں اور وہ میرا ادب کرتے ہیں۔ میری یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ میں اپنے طلباء کے دلوں میں ریسرچ کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے قابل ہوں۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میرے ایک شاگرد جے۔ ایس پنسکر نے صرف ایک سال میں ۶ مضامین شائع کئے ہیں۔ دو طالبات نے دو دو مضامین اور ایک طالبہ نے ایک مضمون پیش کیا ہے۔ یہ اس لئے اور بھی قابل تعریف ہے کہ ان تمام طلباء نے یہ ریسرچ کام اس وقت انجام دیا جب کہ وہ مقالات کے ساتھ ایم ایس سی کے لئے تعلیم پا رہے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

ملازم خواتین کے تحفّظ کیلئے مہاراشٹر چارٹر

• شری کرشن دنجاری • ترجمہ: فیروزہ خان

صنفِ نازک کی آزادی اور تحفظ کو برقرار رکھنے کی خاطر ملازم خواتین کیلئے ایک چارٹر مرتب کرنے کا سہرا مہاراشٹر سرکار کے سر ہے۔ اس ضمن میں اس قسم کا اقدام کرنے کا فخر ملک بھر میں صرف اسی ریاست کو حاصل ہے۔ اصل میں سرکاری دفاتر، میونسپل اتھارٹیز، ضلع پریشد اور دیگر عوامی ادارہ جات سے وابستہ ملازم خواتین کے تحفظ کی خاطر یہ چارٹر تیار کیا گیا ہے اور اس بات کی بھی توقع ہے کہ مرکزی حکومت نیز دیگر ریاستی حکومتیں اپنے اپنے علاقوں میں حالتِ ملازمت وغیرہ کی نوعیت کے مطابق بعض ترمیمات کے ساتھ اس چارٹر سے استفادہ کریں گی۔

مہاراشٹر میں تھانے کے کرڈس علاقے میں ۲۶ جنوری ۱۹۶۸ء کے روز کماری دیدیا کے المناک قتل کے واقعہ نے اور دیہی علاقوں میں ملازم خواتین کے قتل کی وارداتوں نے عوام میں ہلچل پیدا کر دی تھی اسلئے انتظامیہ کی سطح پر خواتین ملازمین کے تحفظ اور ان کے استحصال کو روکنے کے لئے اقدام کرنے کی خاطر راہیں ہموار کی گئیں۔

اس کے علاوہ ۱۹۶۷-۶۸ء میں ملازم خواتین کو زک پہنچانے اور ان پر مجرمانہ حملے کرنے کی وارداتوں سے مجبور ہو کر فوری طور پر اس کے تدارک کیلئے ۱۹۷۰ء میں ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی تشکیل کی گئی ہے اس کمیٹی کے سربراہ خود وزیر اعلیٰ مہاراشٹر تھے۔ ان کے علاوہ وزیر صحت اور دیگر دو وزراء نیز سرکاری اور غیر سرکاری عہدیداران بھی اس کمیٹی میں شامل تھے۔ اس کمیٹی کا خاص مقصد سرکاری اور ضلع پریشدوں کی ملازم خواتین کے درپیش مسائل کی خبر گیری کرنا اور اُن کا حل تلاش کرنا تھا۔

پونے اور بمبئی میں کئی عوامی جلسے منعقد کئے گئے اور کمیٹی کی طرف سے جاری کردہ سوال ناموں کے ذریعہ کئی افراد اور ادارہ جات کے نمائندوں کے زبانی اور تحریری بیانات قلم بند کئے گئے۔ اس سلسلے میں ۱۱۲ خواتین اور مردوں کا انتخاب کیا گیا۔ جن میں سے ۷۰ افراد نے سوالنامے کے جوابات دیئے اس کے علاوہ ۲۱ نمائندے مختلف ادارہ جات سے بھی چنے گئے جنھوں نے سوالنامے کے جوابات دیئے جن میں خواتین کی بہبود و سرگرمیوں نیز خواتین کی انجمنوں اور سیکریٹریٹ ایسوسی ایشن، ریاست کی ضلع اسٹاف پریشد، ایمپلائز یونین اور دہلی کی انڈین نرسنگ کونسل ادارے شامل ہیں۔

کمیٹی نے ہر طرح سے معلومات اکٹھا کرنے کے بعد اپنی رپورٹ ۱۹۷۱ء میں پیش کی جو ۴۹ سفارشات پر مشتمل تھی۔ ان سفارشات کے ۵ بنیادی نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ذاتی اور اخلاقی تحفظ (۲) رہنے کے لئے جگہ کا انتظام
(۳) منتقلی (۴) دورے، رات کو رکنے کے لئے حفاظتی انتظام
(۵) ٹرانسپورٹ اور ملازمت کی شرائط

اس سلسلہ میں ان سفارشات کی روشنی میں حکومت نے اپنے احکامات جاری کئے اور ضرورت کے وقت ان سفارشات سے استفادہ کیا۔

کمیٹی کا خاص مقصد یہی تھا کہ جہاں تک ہو سکے خواتین کا ہر طرح سے تحفظ کیا جائے تاکہ کسی بھی قسم کے استحصال کو روکا جا سکے۔ لہذا زیادہ سے زیادہ موافق حالات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ خواتین کی کمزوریوں سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔

۱۹۶۹ء میں سرکاری ملازمت میں خواتین کی تعداد ۲۴۶ر۲۴ تھی۔ جن میں سے ۲۰۳۲ خواتین تکنیکی اور اکزیکیوٹیو عہدوں پر فائز تھیں۔ دیہی ترقیاتی محکمہ میں خواتین کی تعداد ۲۹ر۵۸۲ تھی، جس میں سے ۲۲۹۴۴ پرائمری اسکولز ٹیچرز تھیں۔ یہ خواتین اپنے آپ کو دیہی علاقوں کے غنڈہ عناصر سے غیر محفوظ پاتی تھیں۔ خاص طور پر وہ خواتین جو کہ میڈیکل اور پیرا میڈیکل کاموں سے وابستہ تھیں۔ مثلاً نرسیں مڈ وائف وغیرہ۔ جنہیں ہنگامی صورت میں کسی بھی وقت ڈیوٹی پر بلایا جا سکتا ہے ایسے موقع پر رات کے وقت ان کے لئے حفاظتی اقدام کیا جانا بیحد ضروری تھا۔ چنانچہ حکومت نے کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر چند احکامات کا اعلان کیا جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) احکامات کے مقابل میں کمیٹی کے سفارشات کے نمبر ہیں۔

۲۔ ہراسمنٹ کی انکوائری کمیٹی ڈویژنل ہیڈ کوارٹر میں کمشنر کی سربراہی میں ستائی ہوئی ملازم خواتین کے معاملات کی چھان بین کرے گی اور نتیجہ اخذ کرکے ۳ ماہ کے اندر اندر اپنی رپورٹ سرکار کو پیش کردیگی

۳۔ قصوروار افسر کا تبادلہ کیا جائیگا۔ اخلاقی جرائم کا مرتکب ہونے پر اسے نوکری سے برخاست کر دیا جائیگا۔ ڈویژنل انکوائری یا قانونی کارروائی اس قسم کے اقدام تبادلہ کے بعد کئے جائینگے۔

۴۔ جرائم کی رپورٹ قریبی پولس اسٹیشن میں درج کی جانی چاہیئے۔ اگر ضروری ہو تو جس خاتون کا استحصال کیا گیا ہو اسے اعلےٰ افسر سے ملنے کی اجازت دی جانی چاہیئے۔

۵۔ ملازم خواتین کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اضلاع میں براہ راست ڈویژنل کمشنر اور منترالیہ میں اپنے متعلقہ محکمہ جات کے سیکریٹریز سے مل سکتی ہیں۔

۶۔ شکایات کے بیان کرنے کے سلسلے میں ملازم خواتین اگر براہ راست اعلےٰ حکام سے ملیں تو اس صورت میں ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

۷۔ دیہی علاقوں میں جسطرح بمبئی پولس ایکٹ کا نفاذ غیر سماجی اور غنڈہ عناصر کے خلاف کیا گیا ہے، اسی قسم کا اقدام ملازم خواتین کے تحفظ کے لئے بھی استعمال کیا جائے

۸۔ پولس پاٹلوں کو چاہیئے کہ دیہی علاقوں کی خاتون ملازمین کے تحفظ کا پورا پورا خیال رکھیں۔

۹۔ مختلف ایکٹ کے متعلقہ قوانین کے تحت ضلع پریشد پنچایت سمیتی کے عہدیداران کو خواتین کے ساتھ ناروا برتاؤ کرنے پر برخاست کردینے کی گنجائش ہے۔

۱۰۔ ضلع پریشدوں اور کلکٹروں کو چاہیئے کہ وہ ملازم خواتین کی بھرتی اور منتقلی سے متعلق ایک رجسٹر تیار کریں۔ وزراء اپنے دوروں کے درمیان ملازمت کرنے والی خواتین سے ان کی شکایات کے بارے میں پوچھ تاچھ کریں۔

۱۱۔ پولس افسران ملازم خواتین کی درج کردہ شکایات سے متعلق جلد از جلد تفتیش کریں اور اپنی تحقیقات و اقدامات سے انہیں باخبر کرتے رہیں۔

۱۲۔ محکمہ جات کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ملازم خواتین کی بھرتی اور منتقلی کے وقت ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی ناانصافی نہ کی جائے۔

۱۳۔ ان افسران کے خلاف جو ملازم خواتین سے ناروا سلوک برتتے ہوں اور جنکے خلاف کوئی بدعنوانی کی شکایت درج نہ کی گئی ہو۔ ان کے کانفیڈنشیل ریکارڈ میں مناسب طریقے سے ضروری اندراج کردینا چاہئے۔

۱۴۔ نئی بھرتی شدہ نوجوان ملازم خواتین کی دیہی علاقوں میں دور دراز مقامات پر پوسٹنگ نہ کی جائے اس کے خلاف تجربہ کار اور پختہ عمر کی ملازم خواتین کو ایسی جگہوں پر معمور کیا جائے۔

۱۵۔ دفتر سے دور مقام پر رہنے والی ملازم خواتین اگر اپنی خدمات کی ادائیگی وقت مقررہ پر کرسکتی ہیں لیکن کسی وجہ سے قریب میں رہائش کا کوئی معقول انتظام نہیں کرسکتی ہیں تو ایسی صورت میں ان خواتین کی منتقلی نہ کی جائے بلکہ ان کو اسی جگہ پر رکھا جائے۔

۱۶۔ سرکار نے غیر شادی شدہ ملازم خواتین کے لئے دہلی/بمبئی میں ایک ہوسٹل تعمیر کرنے کی اسکیم کی منظوری دیدی ہے۔

۱۷۔ ہر خاتون کانسٹبل کو علیحدہ کمرہ دینا ناممکن ہے پھر بھی یہ احکامات جاری کئے گئے ہیں کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

۱۸۔ اگر میاں بیوی ایک ہی دفتر یا جگہ پر کام کرتے ہوں تو جہاں تک ممکن ہے انہیں علیحدہ نہ کیا جائے۔

۱۹۔ ملازم خواتین کو جہاں تک ممکن ہو اپنے شوہر کے کام کے مقام پر ہی رکھا جائے۔ خاص طور سے کانسٹبل خاتون کو۔

۲۰۔ ڈویژنل کمشنر اور ڈپٹی انسپکٹر آف جنرل پولس کے احکامات کے بغیر ملازم خواتین کا تبادلہ اس جگہ سے جہاں ان کے شوہر کام کرتے ہیں نہ کیا جائے۔

۲۱۔ ایک محکمہ سے ایک ضلع سے، ضلع پریشدوں کی سرکاری ملازمت سے، میونسپلٹیوں سے ملازم خواتین کو تبادلہ کی سہولت اس صورت میں دی جائے ہے جبکہ وہ اپنی گذشتہ ملازمت میں حاصل کردہ سہولیات نہ مانگیں۔

۲۲۔ ایک مقام سے دوسرے مقام پر یا دور دراز علاقوں میں ملازم خواتین کا تبادلہ نہ کیا جائے۔

۲۳۔ اگر خواتین ملازمین مرد افسروں کے ساتھ دورے پر جانے کیلئے رضامند نہ ہوں تو انہیں اس کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔

۲۴۔ ٹرانسپورٹ:۔ اگر ضلع پریشد اور دیہی ترقیاتی محکمہ کی موٹر گاڑیاں ضلع پریشد افسران کے استعمال میں نہ ہوں تو ایسی صورت میں یہ موٹر گاڑیاں دورے پر جانے والی خواتین کے استعمال میں لائی جاسکتی ہیں۔

۲۵۔ سکھیہ سیویکاؤں کو چاہیئے کہ وہ دورے کا انتظام پیشگی طور پر کریں تاکہ سرکاری یا ضلع پریشد کی موٹر گاڑیاں ان کے دوروں میں استعمال

کی جاسکیں.

۲۶۔ مَرد ملازمین نے اگر پہلے سے درخواستیں دیدی ہوں لیکن پھر بھی انسپکشن بنگلوں کے ریزرویشن میں ملازم عورتوں کو فوقیت دی جائے اگرچہ مَرد ملازمین نے پہلے سے ریزرویشن کے لئے درخواست دے دی ہو.

۲۷۔ صحت عامہ سے وابستہ ملازم خواتین کو اپنی مرضی کا چپراسی رکھنے کی اجازت دی جائے خاص طور پر اس صورت میں جبکہ وہ رات کی ڈیوٹی پر ہوں.

۲۸۔ غیر شادی شدہ ملازم خواتین یا بیواؤں کو جہاں تک ہو سکے اُن کے رشتہ داروں کے قریبی علاقوں میں روزگار دیا جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ انہیں ٹرانسپورٹ کی تکالیف نہ ہو؛

۲۹۔ دیہی علاقوں کی خواتین کو قریبی علاقوں میں ہی بھرتی کیا جائے۔ اُن کی پوسٹنگ دور دراز علاقوں میں نہ کی جائے.

۳۰۔ سرکاری دفاتروں میں اور عمارتوں میں خواتین کیلئے علیحدہ بیت الخلاء کا انتظام کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو کھانے کے کمرے کا بھی علیحدہ انتظام ہونا چاہیئے.

یہ حقیقت ہے کہ حکومت کے مندرجہ بالا احکامات کی عمل آوری کی بنا پر اخباروں میں ملازم خواتین کو ایذا پہنچانے اور تنگ کرنے کی خبریں مفقود ہوگئی ہیں اور یہ سب کچھ یقیناً سرکار کے اس سلسلے میں اُٹھائے گئے ٹھوس اقدامات کی بنا پر ممکن ہوسکا ہے۔ ★★

صفحہ ۶ سے آگے

میں اپنے طلباء کے ذہن میں ریسرچ کا شوق پیدا کر رہا ہوں۔ یہ میرے لئے بڑے فخر کی بات ہے۔

س: آپ سائنس کی تعلیم کا معیار بڑھانے کے لئے کیا کرنا چاہتے ہیں؟

ج: ہمارا زمانہ سائنس کا زمانہ ہے۔ میرے خیال میں پوسٹ گریجویٹ درجہ پر ریسرچ کو لازمی قرار دے دینا چاہیئے جیسا کہ ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنس نے کیا ہے۔ ہر طالب علم کو جو مقالات سمیت پوسٹ گریجویشن کر رہا ہے کم سے کم دو مقالات شائع کرنا چاہیئے۔ ریسرچ ذہن رکھنے والا معاشرہ ہی ترقی کر سکتا ہے۔

س: ریسرچ میں آپ کا مستقبل میں منصوبہ کیا ہے؟

ج: میرا ارادہ ہے کہ ۱۹۸۵ء تک مذکورہ بالا ایسوسی ایشن کے ایوارڈ کے لئے مقابلہ کرتا رہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہر سال یہ انعام مجھے مل جائیگا۔ (ایسوسی ایشن نے اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی سائنس داں لگاتار پانچ سال تک ایوارڈ حاصل کرتا رہے تو اُسے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے مزید انعام نیز گولڈ میڈل دیا جائے گا) میں ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۵ء میں کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کے شانتی سروپ بھٹناگر پرائز کے لئے بھی مقابلہ کروں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ امتیازی اعزاز بھی میں حاصل کرلوں گا۔

س: ہمارے قارئین کے لئے آپ کا پیغام کیا ہے؟

ج: ریسرچ ذہن پیدا کرنا کافی کٹھن ہے۔ تاہم ہمیں اس کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنا چاہیئے، اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

انٹرویو کے اختتام پر میں نے پروفیسر سل گرے سے کہا "میری دعا ہے کہ آپ سائنس کے میدان میں عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوں اور نہ صرف بھٹناگر ایوارڈ بلکہ ممتاز ترین نوبل پرائز حاصل کر کے ہندوستان کی عظمت و وقار کو چار چاند لگا دیں۔

فوری توجہ کیلئے ترسیل زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر، جو آپ کے خط یا پتے کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے، ضرور تحریر فرمایئے!

بہت زیادہ تیزابیت والے

اعضائے ہاضمہ کے اَلسَر (پھوڑے)

• ڈاکٹر بی۔ این بٹی (بمبئی) • ترجمہ عبداللہ

ڈاکٹر بی این بٹی جنہوں نے اس مضمون کو سپردِ قلم کیا ہے ایسوسی ایشن آف ہومیو پیتھک فزیشینز، بمبئی کے صدر ہیں۔ اُن کے بہت سے مضامین میڈیکل جریدوں میں چھپ چکے ہیں اور کئی قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں وہ متعدد سائنسی مضامین سُنا بھی چکے ہیں.

دَباؤ اور تَناؤ زندگی کے لئے موجودہ دَور کی ضمنی پیداوارین ہیں۔ بے لگام جذباتی تَناؤ کی وجہ سے بہت سی ذہنی اور جسمانی بیماریوں کے لاحق ہوجانے کا خدشہ ہوتا ہے اور ان میں سے تقریبًا ہر حالت میں اگر محتاط اور تحقیقی سوالات کئے جائیں تو اندازہ ہوگا کہ بیماری اور دماغی عارضہ میں قریبی تعلق ہے۔ اگرچہ بہت سی شدید بیماریوں کا اصل سبب معلوم کرنا اب بھی تحقیق طلب ہے.

شدید تیزابیت والی کیفیت ہمیشہ نفسیاتی اسباب ہی کی پیداوار نہیں ہواکرتی۔ حتیٰ کہ اُن افراد میں بھی جو تیز، مسالے دار اور چٹپٹی غذا کے، بلکہ کسی حد تک شراب نوشی کے عادی ہوتے ہیں، نفسیاتی اسباب اس کا سبب نہیں ہواکرتے۔ البتہ ایسی غذاؤں اور نفسیاتی اسباب سے، اُن افراد میں اس بیماری میں اضافہ ضرور ہوجاتا ہے جن کے جسم عمومًا تیزابیت کو زیادہ سے زیادہ قبول کر لیا کرتے ہیں.

"تیزابیت نہیں تو اَلسَر بھی نہیں"، ایک قدیم کہاوت ہے۔ معدے میں پیدا ہونے والے سیّال مادے میں ہائیڈروکلورک ایسڈ ہوتا ہے. بعض افراد میں، اس تیزاب کا اخراج اعتدال سے زیادہ ہوتا ہے اسی حالت کو ہائپرایسی ڈیٹی (شدید تیزابیت)، یا ہائپرکلورہائیڈریا" کہتے ہیں۔ عمومًا اَلسَر کے مریض میں تیزابیت کا اخراج عام مقدار کی بہ نسبت ۲ تا ۴ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ تیزاب کی کثرت معدہ کو اور پیٹ کے بالکل نیچے چھوٹی آنت کے اگلے حصّہ کو متاثر کرتی ہے۔ اگر ان اعضا میں تیزاب کو زائل کرنے کی مناسب سکت ہوتی ہے تو مرض کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔ لوگوں کی کافی بڑی تعداد شدید تیزابیت کے اثرات کو زائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ افراد جن میں اس کے اثرات کو زائل کرنے کی صَلاحیت نہیں ہوتی، ان میں اس کی مختلف علامتیں رونما ہوتی ہیں اور ان کے معدہ یا چھوٹی آنت کے اگلے حصّہ میں اَلسَر ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے اَلسَر کو اعضائے ہاضمہ کا اَلسَر کہتے ہیں

بعض خاندانوں کو اعضائے ہاضمہ کے اَلسَر عمومًا لاحق ہواکرتے ہیں۔ یہ مرض زیادہ تر ایسے افراد میں پایا جاتا ہے جن کے خون گروپ " O " سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مرض عورتوں کی بہ نسبت مردوں میں اکثر پایا جاتا ہے۔ بلوغیت کے بعد عورتوں کی بہ نسبت مردوں میں تیزابیت کا اخراج ۵۰ فیصد بڑھ جاتا ہے۔ شدید تیزابی کیفیت اور اَلسَر ضروری نہیں کہ کسی خاص عمر کے افراد ہی کو لاحق ہو بلکہ ہر عمر کے افراد ہی کو ان بیماریوں کا ہوجانا ممکن ہے۔ جذبات کے کھینچاؤ اور تناؤ کی وجہ سے یہ علامتیں بالعموم شدت اختیار کرلیتی ہیں۔ کھانے میں عادتًا بے قاعدگی، چٹپٹی اور مسالہ دار غذاؤں کا بکثرت استعمال، شراب، کافی تمباکو نوشی وغیرہ بھی اَلسَر کے پیدا کرنے میں سازگار ہوا کرتے ہیں.

• بچوں اور نابالغوں میں اس کی عَلامتیں

پیٹ (آنتوں اور دوسرے اعضائے ہضم کو شمار کرکے) یا معدے میں درد متلی اور قے، درد، دِل پر جلن کی کیفیت وغیرہ جو کسی بھی وقت نمودار ہوسکتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ کیفیت کھانا کھانے سے پہلے یا بعد میں محسوس ہو.

بالغوں میں اس کی علامتیں

کبھی کبھی صرف "بدہضمی یا گیس کی شکایت"

مخصوص علامتیں

فکر و تردد، سوزش، اندرونِ ناف پیٹ میں اینٹھن کے ساتھ درد یا صرف دل پر جلن کی کیفیت.

درد کی چمک کبھی کبھی پیٹھ میں محسوس ہوتی ہے۔ اور شاذ و نادر

طور پر دائیں کندھے کی طرف۔

متلی اور قے اور یہ کبھی کبھی بہت شدید ہوا کرتی ہے۔

درد کا احساس کھانا کھانے کے ایک یا دو گھنٹے بعد ہونے لگتا ہے اور جیسے جیسے دن چڑھتا ہے درد بڑھتا جاتا ہے۔ اکثر یہ درد نصف شب اور ۲ بجے رات کے درمیان بہت شدید ہوتا ہے۔ صبح کے وقت مریض عام طور پر درد سے راحت پا جاتا ہے۔ اس درد کو غذا، دودھ اور تیزاب کو زائل کرنے والی دواؤں سے دور کیا جاتا ہے۔ لبعض دفعہ مریض کو درد کے شروع ہونے سے آدھ گھنٹے بعد ہی قے آجاتی ہے۔ جس کے سبب درد سے عموماً مکمل آرام محسوس ہوتا ہے۔

یہ درد عام طور پر کھانے سے پہلے یا بھوک کی حالت میں بڑھ جایا کرتا ہے۔

شدتِ مرض کے دوران علاج (انتہائی دردناک حالت)

تین چار ہفتہ تک آرام، اگر ممکن ہو۔ شراب، تمباکو نوشی اور ایسی دواؤں سے، جن کے متعلق معلوم ہے کہ اعضائے ہاضمہ کے السر کو بڑھاتی ہیں، پرہیز کیا جانا چاہیئے۔

ہلکی، تغذائیت والی غذائیں، کثیر مقدار میں جوش دیا ہوا دودھ اور پروٹین والے کھانے ـــ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مختصر مقداروں میں استعمال کرتے رہنا چاہیئے۔ موٹے جسم والے لوگ بالائی نکالے گئے دودھ کا استعمال کرسکتے ہیں تاکہ ان کا وزن بڑھنے نہ پائے۔

دوائیاں

ہر وہ دوا جو تیزابیت کو زائل یا اُسے بڑی حد تک کم کرنے والی ہو۔ جب درد دور ہو جائے تو مریض کو چاہیئے کہ اپنی زندگی میں بہت باقاعدگی لے آئے۔ انتہائی دردناک حالت مرض میں تخفیف کے بعد کسی بھی وقت پھر پیدا ہوسکتی ہے۔ جس سے مرض اضافہ پذیر ہوسکتا ہے اور شدید صورت اختیار کرسکتا ہے اور مرض رفتہ رفتہ مزمن ہو جاتا ہے۔ اگر اچھی طرح علاج نہ کیا جائے اور مرض جڑ سے دور نہ ہوا تو شدید درد کی کیفیتیں، قے وغیرہ کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بیماری جڑ پکڑ لیتی ہے اور مریض ہر وقت یا اکثر وقت درد میں مبتلا رہتا ہے۔

مرض میں تخفیف کے دوران یا جب اسکی کوئی علامت پائی نہ جائے تو مریض کو گوشت یا اُن کا شوربہ، کچی سبزیاں اور پھل، تلی ہوئی اور ترش غذائیں، اچار، مسالے دار غذا، شراب، کافی، چائے، اور بہت گرم یا بہت ٹھنڈی اور کاربونک سے ترش بنائے ہوئے مشروبات وغیرہ سے پرہیز کرنا نہایت ضروری ہے۔

عام طور پر لبعض مریضوں کو یوگ قسم کی ورزش سے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

مزمن السر

اگر علاج ناکافی ہو، یا باقاعدگی کے ساتھ نہ کیا جائے اور غذا بھی ناقص اور نامناسب ہو، تو مریض شدید السر کا شکار ہو سکتا ہے اگر علاج لگ کر اور مناسب طور پر کیا جائے تو اکثر و بیشتر حالتوں میں مرض پر قابو حاصل ہونا مشاہدہ میں آچکا ہے۔ بہت کم مریض ایسے ہوتے ہیں، جن کے مرض میں سوراخ جیسی پیچیدگیوں کی طرح کوئی پیچیدگی پیدا ہو جائے۔ جو مریض عرصے سے اس مرض میں مبتلا ہوں اور جن پر طبی دوائیں کارگر نہ ہوتی ہوں ان کا علاج سرجری کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔

اعضائے ہاضمہ کے مزمن السر کے وہ مریض جن میں مندرجہ ذیل علامتیں پائی جائیں، فوراً اسپتال میں داخل کردیئے جانے چاہئیں۔

(الف) یکایک کمزوری، غشی، سر چکرانا، سردی ٹھٹھرنا، پیاس لگنا، جلد کا ٹھنڈا پڑ جانا، سیاہ یا سرخ اجابتوں کا آنا، سیاہ مادے کے ساتھ قے ہونا۔

یا

(ب) معدے کے اندر ناف کی جگہ شدید درد جس کی چمک کندھے تک یا شکم کے نیچے دائیں جانب پہنچ جائے ـــ متلی اور قے، درد میں چند گھنٹوں کیلئے پھر اس کے بعد بخار اور شکم میں سختی۔

وہ مریض جس کا مرض مزمن ہو اس میں اگر باقاعدہ علاج کے باوجود مندرجۂ ذیل علامتیں ظاہر ہوں تو اُسے کسی سرجن سے مشورہ طلب کرنا چاہیئے۔

(الف) معدہ میں درد جس کی چمک بڑھکر پیٹھ تک جا پہنچے اور رات میں شدت اختیار کرلے۔

یا کھانا کھانے کے بعد یا دوائیں استعمال کرنے پر بھی آرام نہ ملے جب آگے کی طرف جھک کر بیٹھے رہنے سے وقتی طور پر درد سے آرام ملے۔

یا

(ب) معدے کے بھرا ہوا ہونے پر پیٹ میں یا پیٹ کے اندر ناف کی جگہ گرانی محسوس ہونا۔

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

• وی۔ وی رکتیکر (پرنسپل پولیس ٹریننگ اسکول، بمبئی)
• ترجمہ: اے۔ وی پاشا

بمبئی پولس ایکٹ اور آپ

یہ کہا جاتا ہے کہ بمبئی پولس ایکٹ پولس کے لئے ایک 'بائبل' کا درجہ رکھتا ہے۔ قانون ماننے والے شہریوں کے لئے یہ ایکٹ ایک بہت ہی اچھا مشورہ ہے اور ساتھ ہی انکو یہ یاد بھی دلاتا ہے کہ بطور شہری کے ان کے فرائض کیا ہیں۔

غیر سماجی عناصر کے لئے یہ ایک سد راہ ہے۔ ساتھ ہی وہ محکمہ پولس کو یہ اختیار دیتا ہے کہ نظم و ضبط کیسے برقرار رکھا جائے۔ اس کے ذریعہ سے خود پولس مین کو بھی سزا دی جا سکتی ہے۔

ریاست میں ایک مضبوط اور باضابطہ پولس فورس قائم کرنے کے لئے یہ قانون ۱۹۵۱ء میں بنایا گیا تھا۔ بمبئی پولس ایکٹ کا نفاذ اسی سال میں کیا گیا جس کے ساتھ ہی پولس فورس کے سربراہ کے طور پر انسپکٹر جنرل آف پولس کا تقرر بھی عمل میں آیا۔ ان کے مددگار کے طور پر پولس کمشنر، بمبئی، پونے اور ناگپور نیز مختلف رینجوں میں ڈپٹی انسپکٹرز جنرل آف پولس کا تقرر عمل میں آیا جو کہ مختلف اضلاع پر اختیار رکھتے ہیں۔ اُن کے دیگر مددگاروں میں ہیں، ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولس، سی آئی ڈی، ریلوے مسلح افواج ٹریننگ اور اسپیشل یونٹس، ڈائریکٹر برائے انسداد بدعنوانی اور پولس تحقیقاتی بیورو نیز ڈائریکٹر برائے شعبہ لاسلکی۔ اُن کی ڈیوٹی یہ ہے کہ مہاراشٹر میں امن وامان اماں و قانون برقرار رکھیں نیز جرائم کا پتہ لگائیں۔

اس ایکٹ میں آٹھ چیپٹر ہیں۔ اول تین چیپٹرز پولس آرگنائزیشن جیسے نگرانی، کنٹرول اور پولس فورس میں ڈسپلن نیز انتظامیہ سے متعلق ہیں، بقیہ چیپٹرز میں پولس کمشنر، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور پولس سپرنٹنڈنٹ کے اختیارات جیسے پبلک تحفظ کے لئے قوانین بنانے امن قائم رکھنے کے لئے احکام جاری کرنا اور ریاست کا تحفظ کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ پولس کے اختیارات و فرائض، جرائم اور سزائیں نیز انتظامیہ سے متعلق دیگر معاملات ان چیپٹرز سے متعلق ہیں۔ چیپٹرز نمبر ۴ میں پولس کمشنر، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور پولس سپرنٹنڈنٹ کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ گھاٹوں، جیٹیوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر افراد کو لائسنس دیتے ہیں تاکہ مسافروں کا مال و اسباب اٹھا سکیں ساتھ ہی اُن کی مزدوری بھی مقرر کرتے ہیں۔ ان اختیارات میں سڑکوں پر ٹرافک کا کنٹرول موٹریں، مویشی، کھڑے کرنے کی جگہوں کی نشاندہی نیز اوقات مقرر کرنا بھی شامل ہے۔ وہ رات کے اوقات میں موٹر گاڑیوں پر روشنی کے استعمال نیز گاڑیوں پر تصویریں وغیرہ لگانے پر پابندی کے قوانین بھی مرتب کرتے ہیں۔

وہ کسی عمارت یا عوامی جگہوں پر اشتہارات کی نمائش کا لائسنس بھی جاری کرتے ہیں۔ وہ سڑکوں پر لکڑی کے کھمبے لوہے کے گرڈر۔ دھماکو اشیاء یا اسلحہ وغیرہ لیکر چلنے پر پابندی لگا سکتے ہیں۔ نیز کسی عمارت سے زہریلی اشیاء یا وبائی بیماریوں سے متاثر افراد یا مویشی کو نکالنے پر بھی پابندی لگا سکتے ہیں مذبح خانے قائم کرنے، ہڈیوں وغیرہ کی صاف صفائی نیز اس جگہ کی صفائی تاکہ وبائی یا چھوت کی بیماریاں نہ پھیل سکیں کے لئے بھی قوانین مرتب کر سکتے ہیں اسکے علاوہ پینے کے پانی کو آلودگی سے بچانے کی غرض سے نیز سڑکوں پر باجہ وغیرہ بجانے پر بھی پابندی عائد کر سکتے ہیں۔

پولس کمشنر، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور پولس سپرنٹنڈنٹ کسی جلوس میں شامل افراد کے برتاؤ پر ہدایات دے سکتے ہیں اور کنٹرول کر سکتے ہیں، ٹرافک میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزوں جیسے سڑکوں پر آر پار ایسی لکڑی باندھنا یا عمارتی ساز و سامان نیز گھوڑے یا دیگر جانوروں کی وجہ سے اگر پیدا ہو تو اس پر بھی پابندی لگا سکتے ہیں۔ وہ نجی عمارتوں پر چراغاں، سڑکوں کی کھدائی، کسی پبلک مقام یا پبلک کے تفریحی مقام کے قریب لاؤڈ اسپیکر لگانے پر بھی پابندی لگا سکتے ہیں۔ آخر میں وہ مردوں کو دفن کرنے و جلانے والی جگہوں کے قیام کے لئے قوانین مرتب کرتے ہیں اور عوامی تفریحی مقامات کو لائسنس عطا کرتے ہیں۔ ان عہدیداروں کی جانب سے مرتب کردہ کسی بھی قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جا سکتی ہے۔

خصوصی فرائض

عام طور پر عوامی تحفظ کے لئے قوانین مرتب کرنے کے علاوہ یہ ایکٹ بمبئی عظمیٰ میں پولس کمشنر کو خصوصی فرائض الاٹ کرتا ہے۔ وہ پولس

اسٹیشن کے انچارج افسران کو یہ کام سونپتا ہے کہ جلوس میں شامل افراد کے برتاؤ کو کنٹرول میں رکھیں۔ وہ لوگوں کو کسی خاص سڑک یا محلے سے گذرنے پر پابندی عائد کر سکتے ہیں اور نقص امن کے انسداد کی غرض سے جلوس کا رُخ موڑ سکتے ہیں۔ ساتھ ہی پبلک مقامات یا سڑک پر ڈھول وغیرہ بجانے سے بھی منع کر سکتے ہیں۔

پولیس کمشنر خاص مدت کے دوران نقص امن کی روک تھام کے لئے خطرناک ہتھیار، اسلحہ، تلوار، چاقو، چھرے، وغیرہ لیکر چلنے پر پابندی کے احکامات بھی صادر کر سکتا ہے۔ وہ پتھر جمع کرنے، دھماکو اور خطرناک اشیاء و میزائل لیکر چلنے۔ پتلوں کی نمائش کرنے یا افراد کی جانب سے نعرے لگانے یا سڑکوں پر ڈھول بجانے جہاں بھی حالات کے تحت ضروری ہو پابندی لگا سکتے ہیں۔ پابندی کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کو ایکٹ کی دفعہ ۷، (۲)، ۲۷ اور ۹۷ کے تحت گرفتار کیا جا سکتا ہے اور انہیں دفعہ ۱۳۵ کے تحت سزا دی جا سکتی ہے۔

پولیس کمشنر کو یہ اختیار ہے کہ پولیس اسٹیشن کا انچارج اگر رپورٹ کرتا ہے تو وہ کسی خاص محلے میں کسی بھی موسیقی یا باجا بجانے پر پابندی عائد کر سکتا ہے اگر محلے والوں کو اس سے تکلیف پہونچتی ہو۔ فساد کی روک تھام کی غرض سے وہ عمارت پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور اس عمارت میں رہنے والوں کا داخلہ بند کر سکتا ہے تاکہ امن و قانون بنائے رکھا جا سکے۔

خصوصی اقدامات

ایکٹ کا پانچواں چیپٹر امن و امان برقرار رکھنے نیز ریاست کے تحفظ کے لئے خصوصی اقدامات بتاتا ہے۔ اس چیپٹر میں یہ بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ تحفظ کی غرض سے مزید پولیس کا تقرر کیا جا سکے اور اگر کوئی نجی ادارہ تحفظ کی غرض سے مزید پولیس کی مانگ کرے اس وقت بھی مزید پولیس کا تقرر کیا جا سکے۔ زائد پولیس کی تنخواہ و دیگر اجرتیں یہ ادارے ادا کریں گے۔ جب کبھی فساد کی سی صورت حال پیدا ہو اس وقت بھی مزید پولیس مقرر کی جا سکتی ہے اور ان کی تنخواہیں وغیرہ اس محلے کے رہنے والوں پر جرمانہ عائد کر کے ادا کی جا سکتی ہیں۔

پولیس کمشنر کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی محلے کے رہنے والوں کو اگر کسی جماعت یا گینگ سے خطرہ یا خوف لاحق ہو تو انہیں وہاں سے ہٹانے کے لئے احکام صادر کرے۔ اگر کوئی غنڈہ یا اس کی جماعت کا رکن کسی علاقے میں موجود ہو تو اس علاقے میں اسکے داخلے پر پابندی لگا سکتا ہے۔

ایسا فرد جو کسی محلے کے لوگوں کو برے نتائج کی دھمکی دیتا ہو یا ایسا لگتا ہو کہ وہ مال وزر کے خلاف جرم کرے گا یا چیپٹر XVI آئی پی سی کے تحت)، یا جسمانی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ (چیپٹر XVII کے تحت)، اور یا جائداد کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ (چیپٹر XII کے تحت)، تو پولیس کمشنر اسکو بمبئی عظمیٰ کی حدود سے تڑی پار کر سکتا ہے۔ ایسے افراد کو بھی تڑی پار کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ چیپٹر XII، XVI، XVII تینوں شراب بندی ایکٹ کی بعض دفعات کے تحت، بردہ فروشی ایکٹ انسداد قمار بازی ایکٹ، کسٹم ایکٹ کے تحت مختلف بار سزا یاب ہو چکے ہوں نیز اور اگر تین بار بمبئی پولیس ایکٹ کی دفعہ ۱۲۲ کے تحت سزا پا چکے ہوں۔ یعنی سورج ڈوبنے کے بعد یا نکلنے سے قبل بھیس بدلکر مشتبہ حالت میں گھوم رہے ہوں اور اگر ان کے پاس خطرناک ہتھیار یا چوری کا مال ملے اور اگر وہ تین بار بمبئی پولیس ایکٹ کی دفعہ ۱۲۴ کے تحت سزا پا چکے ہوں یعنی چوری کا مال بیچنے یا خریدنے کے لئے میں تو انسداد جرم کے طور پر انکو بھی تڑی پار کیا جا سکتا ہے۔

عاملانہ اختیارات

پولیس کے عاملانہ اختیارات اور فرائض چیپٹر VI میں دیئے گئے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ پولیس افسران کو کچھ اختیارات دیئے گئے ہیں اور اس کو کچھ فرائض انجام دینے ہوتے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

سمن تعمیل کرنا، وارنٹ، پر عمل آوری۔ قابل سزا جرم سے متعلق معلومات حاصل کرنا۔ پبلک کو تکالیف سے بچانا۔ قابل سزا جرم میں ملوث افراد کو شبہے میں گرفتار کرنا اور دوسرے پولیس افسران کو اُن کے بڑے افسران سے ملے احکام کی بجا آوری میں مدد کرنا۔ پولیس افسران کی ایسے فرد کو گرفتار کرنے یا تلاش کرنے کے لئے کسی بھی پبلک مقام پر بغیر وارنٹ کے داخل ہو سکتا ہے جس پر یہ شک ہو کہ اس نے شراب بندی ایکٹ یا انڈین پینل کوڈ کے تحت قابل سزا جرم کیا ہے

پولیس کے کچھ فرائض عوام کے لئے بھی ہیں۔ اسکو اس شخص سے بھی ملنا ہوتا ہے جو اس کے زیر حراست ہے اور اس کے علاوہ علاج معالجہ کا بھی انتظام کرنا ہوتا ہے جو اس کے زیر حراست ہے اور اسکے رہنے کی جگہ اور کھانا فراہم کرنا ہوتا ہے اور اسکی دوسری سہولتوں کا دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ جب وہ کسی شخص یا مقام کی تلاشی لے رہا ہو تو اسکو نرمی برتنی چاہیئے اور خواتین اور بچوں کے معاملے میں ایماندار اور نرم دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے اور عوام کو غیر مرئی خطروں سے جیسے آگ، پانی، سیلاب وغیرہ سے بچانے کی خاطر بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔

ساتویں (VII) چیپٹر میں اس ایکٹ کے تحت کئے گئے مختلف جرائم کے تحت مجرموں کے لئے سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ یہ سزائیں جرمانے

سے قید تک کی ہوتی ہے ۔ زیادہ تر افراد اس ایکٹ کی گنجائشوں سے واقف ہیں ہیں اور اس ایکٹ کے تحت مرتب کردہ قوانین کی خلاف ورزی راکثر گرفتار ہوتے رہتے ہیں ۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ عوام اس ایکٹ کی گنجائشوں کو اچھی طرح سمجھیں جو کہ جرائم کی تعداد کو کم سے کم کرنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے ۔

یہ بھی نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ بمبئی پولس ایکٹ نہ صرف بعض قوانین پر عمل کرنے کی ہدایت دیتا ہے بلکہ بعض قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزائیں بھی دیتا ہے جیسے جانوروں کے ذریعہ چلائی جانے والی گاڑیاں اور سڑک کے بائیں طرف نہ چلائی جانے والی موٹر گاڑیاں ـــــ سڑک پر جانوروں کے ذریعہ رکاوٹ پیدا کرنا، یا فٹپاتھ پر کوئی سامان وغیرہ رکھ کر رکاوٹ پیدا کرنا، یا سڑک پر نقل اتارنا یا گانا، سڑک پر گندگی کرنا، خراب برتاؤ وغیرہ ۔ کنویں کے پانی کو آلودہ کرنا بھی قابل سزا ہے ۔ اسی طرح سڑک پر پتنگ اڑانا، عوامی عمارتوں میں سگریٹ وغیرہ پینا، رات کے وقت مشتبہ حالت میں گھومنا پھرنا سڑک پر کھیلنا، نجی زمین اور جائداد میں گھسنا اور بغیر اجازت لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا یہ سب ایکٹ کے تحت قابل سزا ہے ۔

آٹھویں چیپٹر میں فیس، میونسپل اور مقامی ٹیکس کی ادائیگی نوٹس، احکام، نفاذ، وغیرہ کی اجرائی شامل ہیں ۔

ایک روشنی کا مینار

بمبئی پولس ایکٹ ایک روشنی کے مینار کی طرح ہے جو کہ عوام کو یہ ہدایت دیتے ہے کہ ریاست میں نظم نسق کے قیام میں انتظامیہ کی کس طرح مدد کی جاسکتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ غلط کاروں کو سزا بھی دیتا ہے تاکہ انھیں قانون کے تحت اپنے فرائض یاد دلائیں جائیں ۔

معمول کے مطابق ڈیوٹی کی انجام دہی کے علاوہ پولیس کو عوام کے روزمرّہ کے معاملات سے بھی روشناس ہونا پڑتا ہے اور خطرے یا آفات کے وقت اپنی پوری کوشش سے اُن کی مدد کرنا ہوتا ہے تاکہ ان کی مشکلات حل کی جاسکیں، کتنی ہی مثالیں ملتی ہیں ۔ جبکہ پولیس نے اپنی جان پر کھیل کر لوگوں کی جانیں بچائیں ہیں ۔ وہ عوام کا سچا دوست اور قابل بھروسہ خدمت گار ہوتا ہے ۔

***

(باقی صفحہ ۱۱ سے آگے)

کھانا کھانے کے بعد بڑی مقدار میں قے کے ذریعے نکل جانا.

قے میں پہلے کھایا ہوا غیر ہضم شدہ کھانے کا باہر آنا ۔

خوش قسمتی سے ہومیوپیتھی، آیورویدک اور موجودہ طریقۂ علاج کی دواؤں میں دفعیہ مرض کے لئے ایسے اجزاء ہوتے ہیں جن سے اعضائے ہضم کے السر کا علاج کامیابی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے ۔ اکثر اوقات السر کے مرض میں مبتلا مریض اس شک اور اندیشے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ کہیں انہیں پیٹ کا کینسر نہ ہو گیا ہو ۔

اگرچہ اعضائے ہضم کے السر کا شدید شکل اختیار کر لینے کے واقعات شاذو نادر ہی پیش آتے ہیں پھر بھی طریقۂ علاج جو بھی اختیار کیا گیا ہو مریضوں کی کما حقہ، تشخیص ضروری ہے پیتھالوجیکل تحقیق کے ذریعہ اچھی اور قطعی تشخیص میں مدد ملتی ہے جو معالج اور مریض دونوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوتی ہے :-

***

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے ۔ اس سلسلہ میں موصول ہونیوالے بہتر اور خیال انگیز خط پر ۲۵ روپے کا انعام دیا جاتا ہے آپ قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کرسکتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کرسکتے ہیں ۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو ۔ اپنے خطوط آپ مندرجہ ذیل پتے پر روانہ فرمایئے :

مدیر پندرہ روزہ "قومی راج" ۱۵واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

انسان کی بنیادی ضروریات میں مکان کا نمبر کھانے اور کپڑوں کے فوراً بعد آتا ہے اس اہم ترین ضرورت کے بارے میں ایک غریب اور ایک امیر کے احساسات میں مطلق فرق نہیں ہوتا ہے۔ ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ایک ذاتی مکان ہو۔ اس مضمون میں ایک مکان کی تعمیر سے متعلق مختلف قوانین و ضوابط پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ ایک عام آدمی کو اس بات سے باخبر کیا جاسکے کہ ایک مکان کس طرح سے تعمیر کیا جاسکتا ہے۔

ایک مکان کیسے تعمیر کیا جاسکتا ہے

• اے۔ ایچ مُنبادکر

عمارت سازی کیلئے سب سے پہلے ایک پلاٹ یا قطعۂ اراضی کی ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے ہوا میں معلق کھڑا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جگہ کا انتخاب مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے اہم قدم ہے سب سے پہلے اسباب کا خیال رکھنا چاہیئے کہ خرید و فروخت کی سہولتیں ہوں اسکول کالج دفاتر وغیرہ زیادہ دور نہ ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ پانی کی فراہمی الیکٹریسیٹی اور گندے پانی کے نکاس کے بارے میں بھی ہر طرح کا اطمینان کر لینا چاہیئے۔

یہ تمام معلومات عموماً علاقائی میونسپل کونسل سے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ دیگر چیزوں میں اراضی کی سطح اور ہوا کے رُخ وغیرہ کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

مختلف ایکٹ

ایک مرتبہ اگر جگہ کا انتخاب کر لیا جائے تو سب سے پہلے یہ لازم ہوجاتا ہے کہ مختلف قوانین کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ مہاراشٹر اراضی محصول کوڈ بابت ۱۹۶۵ء مہاراشٹر ریجنل اینڈ ٹاؤن پلاننگ ایکٹ بابت ۱۹۶۶ء شہری اراضی (ملکیت کی حدبندی اور ضابطہ) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء اور مہاراشٹر میونسپلیٹیز ایکٹ بابت ۱۹۶۵ء اراضی سے متعلقہ اہم قوانین ہیں۔

مہاراشٹر اراضی محصول کوڈ کے مطابق تمام اراضی زرعی تخمینہ کے تحت آتی ہے لہذا اگر کسی قطعۂ اراضی کو زرعی مقصد کے علاوہ اور کسی مقصد کے تحت استعمال میں لایا جائے تو اس کیلئے ضلع کلکٹر سے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ ایک عمارت کی تعمیر کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ قطعۂ اراضی زرعی مقصد کے لئے استعمال نہیں ہو رہا ہے۔

شہری اراضی (ملکیت کی حدبندی و ضابطہ) ایکٹ ریاست کے خصوصی علاقوں پر لاگو ہوتا ہے۔ اس کے تحت کوئی بھی فرد ان مخصوص علاقوں میں مقررہ حد سے زائد اراضی نہیں رکھ سکتا ہے۔ ایکٹ کے تحت بیان کردہ شہری علاقوں میں اراضی کی خرید و فروخت کمپٹینٹ اتھارٹیز کے بغیر اجازت نہیں کی جاسکتی ہے۔

ترقیاتی منصوبہ

مہاراشٹر ریجنل اینڈ ٹاؤن پلاننگ ایکٹ کے تحت ہر میونسپل کونسل کو اپنے علاقے میں ترقیاتی منصوبہ تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس منصوبہ کے لئے حکومت کی منظوری حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ آج کل ریاست کے تقریباً تمام میونسپل کونسلوں کے ترقیاتی منصوبے ابتدائی تیاریوں سے لیکر تقریباً مکمل ہو جانے کے مرحلوں میں ہیں۔ ترقیاتی منصوبہ کے تحت مختلف قطعۂ اراضی پر دو قسم کی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ پہلی پابندی جس کو کہ "زوننگ آف لینڈ" کہا جاتا ہے۔ اس کی رُو سے اراضی کا استعمال کسی خاص مقررہ وجہ کی بنا پر ہی کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اراضی کا استعمال رہائشی، تجارتی، صنعتی یا زرعی مقاصد کیلئے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک خاص زون میں قطعی اراضی کا استعمال بھی ایک خاص مقصد کے لئے

ہی کیا جاتا ہے ۔ اگر ایک مکان تعمیر کرنا ہو تو اسبات کا خیال رکھنا بیحد ضروری ہے کہ مکان کیلئے رہائشی زون کا انتخاب کیا جائے ۔ دوسری پابندی عوامی مقاصد کیلئے اراضی کے استعمال پر لاگو ہوتی ہے جیسے پرائمری اسکول، کھیل کود کے میدان، کھلی جگہیں، باغیچے ثانوی اسکول پارک، قدرتی ریزر وائیر، سرکاری اور دیگر دفاتر وغیرہ ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میونسپل کونسلوں میں ہیا ترقیاتی منصوبوں کا جائزہ لیا جانا کتنا ضروری ہے یا پھر ٹاؤن پلاننگ اور ویلیویشن محکمہ کے مقامی دفاتر سے بھی تفصیلات حاصل کی جا سکتی ہے کہ کون سا زون کس مقصد کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے معلوم ہو جاتا ہے ۔ بعض اوقات عوامی مقاصد کیلئے استعمال میں لائے جانے والے زون کے مالکان اپنی اراضی کم نرخوں میں بیچ دیتے ہیں اس لئے اراضی کی خرید سے قبل اس بات کا اطمینان کر لیا جانا چاہیئے کہ جس زون میں قطعۂ اراضی خریدا جا رہا ہے وہاں کوئی دھوکہ تو نہیں ہے بہتر ہے کہ میونسپل کونسل، ویلیویشن محکمہ اور ٹاؤن پلاننگ کے مقامی دفاتر سے خط وکتابت کے ذریعے معلومات حاصل کی جائے تاکہ تحریری ثبوت بھی رہے ۔

ترقیاتی منصوبوں کے بعض ضوابط ترقیاتی قوانین کے نام سے جانے جاتے ہیں ۔ یہ بھی مقررہ قوانین ہیں اور اراضی کے انتخاب سے قبل ان قوانین کی روشنی میں پلاٹ کا جائزہ لینا ضروری ہے ۔ مثلاً متذکرہ قوانین کے تحت اگر کم از کم ۲۰۰۰ اسکوائر فیٹ سے کم قطعۂ اراضی پر مکان کی تعمیر کی اجازت نہیں ہے اور اگر مقررہ قوانین سے کم اراضی خریدی جائے تو مکان کی تعمیر کی اجازت نہیں ملے گی اور پھر متذکرہ قوانین کے تحت مکان کی تعمیر کے وقت اطراف میں کتنی جگہ چھوڑی جائے یا کتنے منزلے تعمیر کئے جائیں ۔ قطعۂ اراضی کے حدود و اربعہ کے مطابق رہائشی کمروں کی زیادہ سے زیادہ سائز، اونچائی، کچن، دروازے، کھڑکیاں، وغیرہ بھی قوانین کے مطابق تعمیر ہونے چاہیئں ۔

اس سے قبل کہ کسی قطعۂ اراضی پر عمارت تعمیر کی جائے مہاراشٹرا ریجینل اور ٹاؤن پلاننگ ایکٹ کے تحت پلاننگ اتھارٹی کی اور خاص طور سے میونسپل کونسل کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اجازت حاصل کرنے کے طریقۂ کار کی تفصیل عموماً ڈیولپمنٹ کنٹرول قوانین میں درج ہوتی ہے اور جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے کسی بھی قسم کی تعمیر کرنا غیر قانونی ہوتا ہے ۔ ایکٹ میں اجازت دینے کے لئے وقت کی حدود بھی مقرر کی گئی ہے اور عام طور سے مقررہ مدت کی اندر ہی اجازت دیدی جاتی ہے ۔

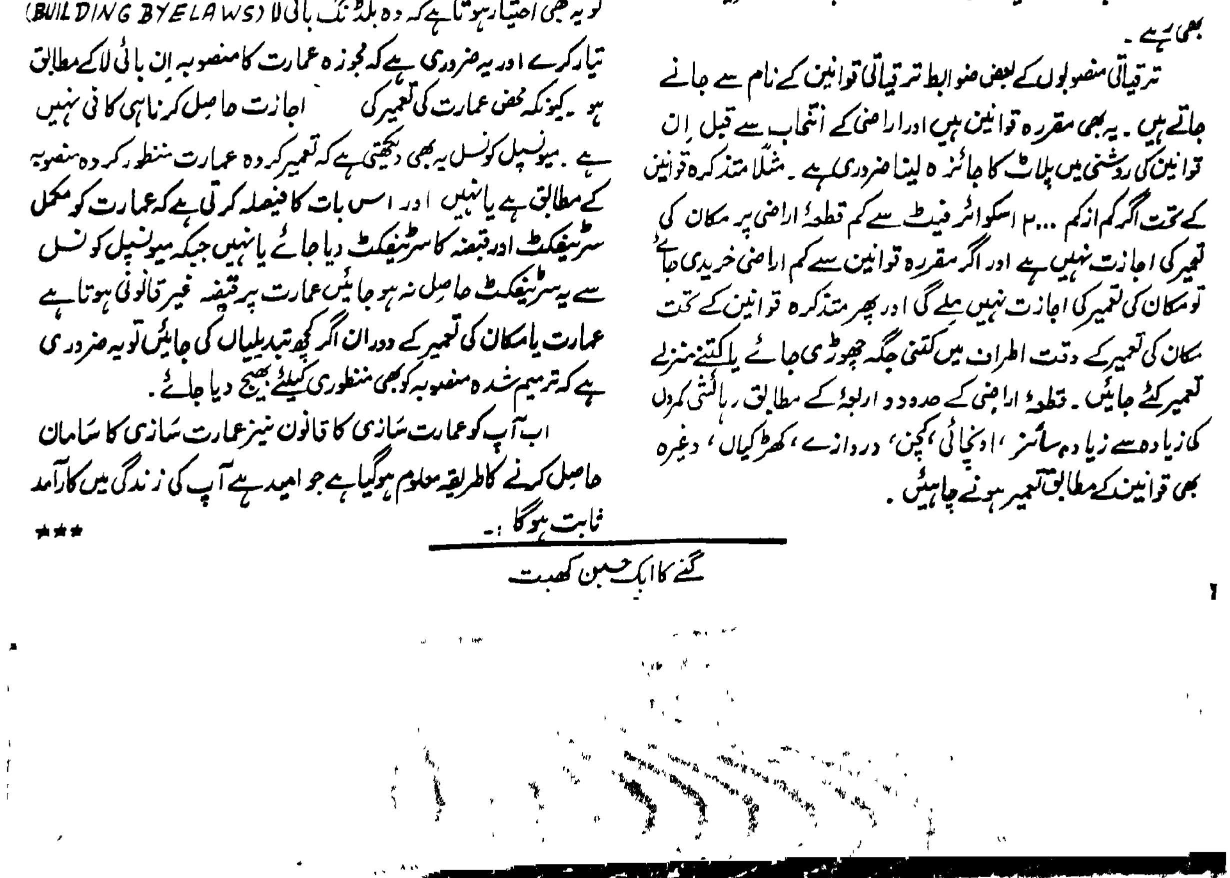
میونسپل قوانین

مہاراشٹر میونسپلٹیز ایکٹ کے تحت میونسپل علاقوں کے اندر عمارتوں کی تعمیر پر بھی کنٹرول کیا گیا ہے ۔ ان قوانین کا اطلاق عمارتوں کے تحفظ اور عوامی حقوق مثلاً دیواروں کی موٹائی تعمیر کے لئے استعمال کردہ اشیاء، عمارت کا سامنے کے حصّہ کا سڑک کی طرف ہونا ۔ گٹر گندی نالیاں وغیرہ پر بھی ہوتا ہے ۔ اسی طرح اس ایکٹ کے تحت میونسپل کونسل کو یہ بھی اختیار ہوتا ہے کہ وہ بلڈنگ بائی لا (BUILDING BYELAWS) تیار کرے اور یہ ضروری ہے کہ مجوزہ عمارت کا منصوبہ ان بائی لا کے مطابق ہو ۔ کیونکہ محض عمارت کی تعمیر کی اجازت حاصل کرنا ہی کافی نہیں ہے ۔ میونسپل کونسل یہ بھی دیکھتی ہے کہ تعمیر کردہ عمارت منظور کردہ منصوبہ کے مطابق ہے یا نہیں اور اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ عمارت کو مکمل سرٹیفکٹ اور قبضہ کا سرٹیفکٹ دیا جائے یا نہیں جبکہ میونسپل کونسل سے یہ سرٹیفکٹ حاصل نہ ہو جائیں عمارت پر قبضہ غیر قانونی ہوتا ہے عمارت یا مکان کی تعمیر کے دوران اگر کچھ تبدیلیاں کی جائیں تو یہ ضروری ہے کہ ترمیم شدہ منصوبہ کو بھی منظوری کیلئے بھیج دیا جائے ۔

اب آپ کو عمارت سازی کا قانون نیز عمارت سازی کا سامان حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو گیا ہے جو امید ہے آپ کی زندگی میں کارآمد ثابت ہوگا ۔

***

گنے کا ایک حسین کھیت



زراعتی محاذ پر نئی جدّت

• ایس. آر چوپڑے (ڈائرکٹر آف ایگریکلچر، پونے)

دنیا کے اکثر ترقی یافتہ ممالک میں غذائی پیداوار زراعت کا صرف ایک حصہ ۔۔ اُن کے خیال میں زراعت کی اصطلاح وسیع معنی رکھتی ہے۔ اس میں فارم یوں کا کُل مجموعہ شامل ہے جو فارم سپلائی صنعتوں (سامان، بیج اور کھاد، یسی اور میکانیکی) کی توسیع و ترقی نیز غذا پروسیسنگ اور تقسیمی صنعت و حرفت ہتعلق ہے۔ یقینی لگاتار زراعتی پیداوار کے خیال سے انھوں نے زراعتی م اطلاعات بھی وضع کیا ہے جو کسانوں کو جدید ترین ٹکنالوجی سے روشناس اہے۔

اس پس منظر میں مہاراشٹر کا رُدیب کیا ہے؟ اولاً اس قسم کے تقابلی زے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ریاست کی حالت مجموعی طور سے مایوس کن ہا۔ بہرحال زراعتی محاذ پر ریاست کی کارگذاری کے مناسب جائزے کی ں سے مختلف جغرافیائی و موسمی عناصر کو نظر میں رکھنا ضروری ہے جس کی ۔ سے زراعتی صورت حال میں عجیب تنوع پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً ایک طرف لی اضلاع کے بعض حصوں میں ہماری زمین زرخیز ترین ہے اور دوسری طرف ست کے مغربی اور شمالی حصہ میں زمین کی زرخیزی کم ترین ہے۔ اسی ح بارش میں بھی ۔۔۵مم تا ۔۔۔۵مم کا فرق ہے۔

اس حالت میں یک رنگی کے خیال سے ریاست میں جدید میکانکی ینی طریقے اپنانا اور ٹریکٹر، برقی موٹر اور ڈیزل انجن کا استعمال ضروری ۔ جن کی وجہ سے بیشتر ترقی یافتہ ممالک، اور خود ہمارے ملک خصوصاً اب میں زراعتی صورت حال میں انقلاب رُونما ہوا ہے۔ پنجاب میں ینی طریقوں کے ذریعہ زمین کے استعمال، زمین کی قوت پیداوار نیز جغرافیائی عناصر میں کافی تبدیلی آئی۔ اُس ریاست کے کسانوں نے یزی بڑھانے کے لئے کھاد کا استعمال کیا اور اس کے باعث مُنافع بخش لیں حاصل ہوئیں۔ دوسرے الفاظ میں پنجاب فی ہیکٹر پیداوار بڑھانے ۔اس حد تک کامیاب ہوا جو آج زراعت میں سُدھار کا اندازہ کرنے لئے بین الاقوامی معیار ہے۔

گو مہاراشٹر ابھی اِن امکانات کی کھوج میں لگا ہے پھر بھی زراعتی محاذ الیہ سُدھار سے آئندہ زراعت کو زبردست فروغ حاصل ہوگا۔ ریاست کے لئے یہ بات قابلِ فخر ہے کہ اب یہاں کے بیشتر کسانوں کے لئے کھیتی باڑی جوکھم کا پیشہ نہیں رہا، اور نہ ہی وہ موسم کا محتاج ہے۔

۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران ریاست میں ہمیشہ سے زیادہ ۹۶ لاکھ ٹن پیداوار ہوئی جو ۷۳-۱۹۷۲ء تک اور اس کے بعد کسی طرح بھی کم تر کامیابی نہیں۔ ریاست میں پیداوار کبھی بھی ۷۰ لاکھ ٹن سے زیادہ نہیں رہی۔ ایک زمانے میں تو یعنی ۷۳-۱۹۷۲ء میں، جبکہ سوکھا پڑا تھا، پیداوار انتہائی گھٹ گئی تھی اور صرف ۳۱ لاکھ ٹن سے کچھ زیادہ پیداوار ہوئی تھی۔

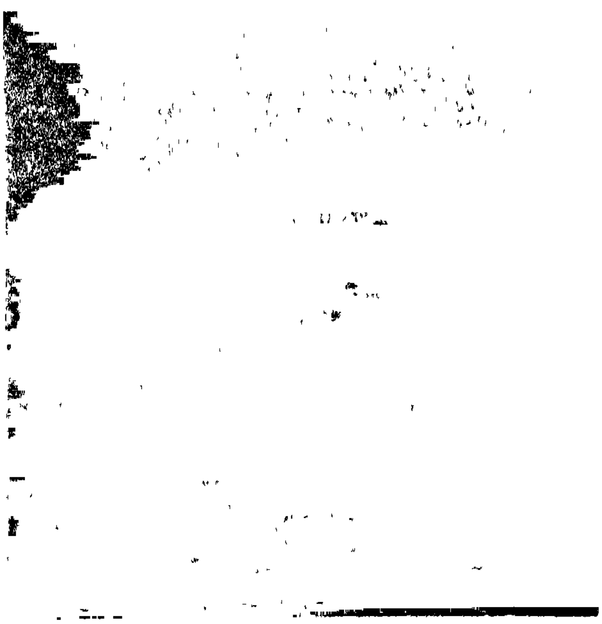
۷۱-۱۹۷۰ء، ۷۲-۱۹۷۱ء اور ۷۳-۱۹۷۲ء کے دوران سُوکھے نے یہ احساس پیدا کیا کہ بارش کے آسرے رہنا بیکار ہے۔ آب پاشی سے طبعی صورت حال بدلی سکتی ہے۔ لہذا ریاست نے آب پاشی پر مصارف کافی بڑھا دیئے اور اس مقصد سے ۷۷-۱۹۷٦ء کے سالانہ منصوبے میں ۱۲۰ کروڑ روپے کی رقم رکھی۔ اب بھی آب پاشی کا علاقہ کل فصلی علاقہ کا دس فیصد ہے۔

گنّا۔ کلّی آب پاشی فصل:

ریاست میں گنّا، کلّی طور سے آبپاشی فصل ہے۔ اضلاع احمد نگر اور کولہاپور گنّے کی پیداوار میں پیش پیش ہیں۔ آبپاشی سہولتوں میں توسیع سے اس میدان میں یہ ڈرامائی کامیابی حاصل ہوئی، یعنی ۱۹۵۵ء میں گنّے کی پیداوار ۶,۸۳,۰۰۰ ٹن تھی، جو ۱۹۶۸ء میں دوگنا بڑھ گئی، اور تیرہ لاکھ ٹن سے اوپر ہو گئی۔ فی الحال یہ پیداوار ۲۰ لاکھ ٹن سے بھی زیادہ ہے۔ یہ تبدیلی یقیناً موسم کا نتیجہ نہیں بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آب پاشی ہی کی بدولت ایسی حیرتناک ترقی ممکن ہوسکتی ہے۔

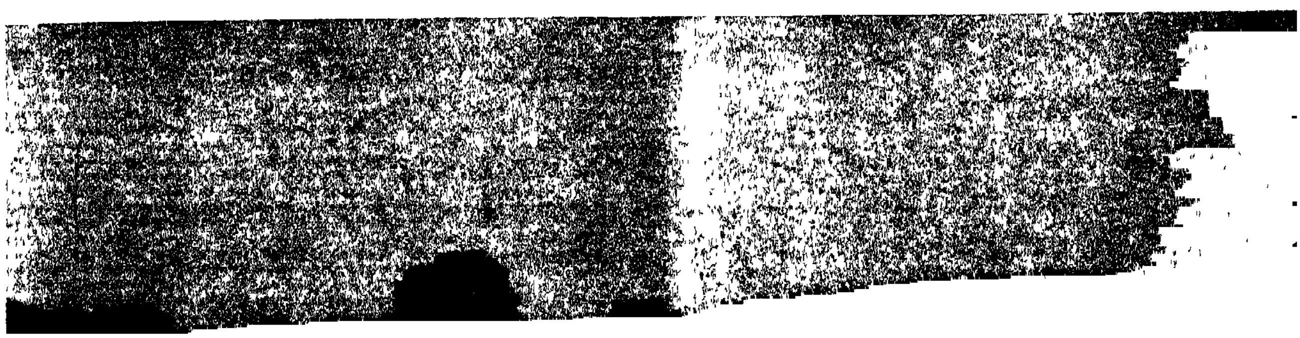
اہم اَناج فصلیں: جوار، باجرہ، دھان، گیہوں اور دالیں، اہم اناج فصلیں ہیں۔ جوار بڑی حد تک واحد اہم فصل ہے۔ جس کی ۶۰ لاکھ ہیکٹر سے زیادہ (کُل فصلی رقبہ کا ۳۰ فیصد حصہ) زمین پر کاشت کی جاتی ہے۔ ۱۸ لاکھ ہیکٹر یا کُل فصلی زمین کے ۹٫۵ فیصد حصہ پر باجرہ کی کاشت ہوتی ہے۔ دھان اور گیہوں کی کاشت بالترتیب ۱۴ اور ۱۰ لاکھ ہیکٹر یعنی ۷ اور ۵ فیصد حصہ پر ہوتی ہے۔ دالوں کے لئے زیر کاشت رقبہ ۲۸ لاکھ ہیکٹر یعنی تقریباً ۱۶ فیصد ہے۔ گنّے کے علاوہ کپاس اور تلہن دیگر نقد فصلیں ہیں جن کی کاشت بالترتیب کُل فصلی رقبہ کے ۱۳ فیصد، ۱۰ فیصد اور ۱۲٫۵ فیصد یعنی ۲۵ لاکھ ہیکٹر، ۱۹ لاکھ ہیکٹر اور ۲۶٫۵ لاکھ ہیکٹر پر ہوتی ہے۔

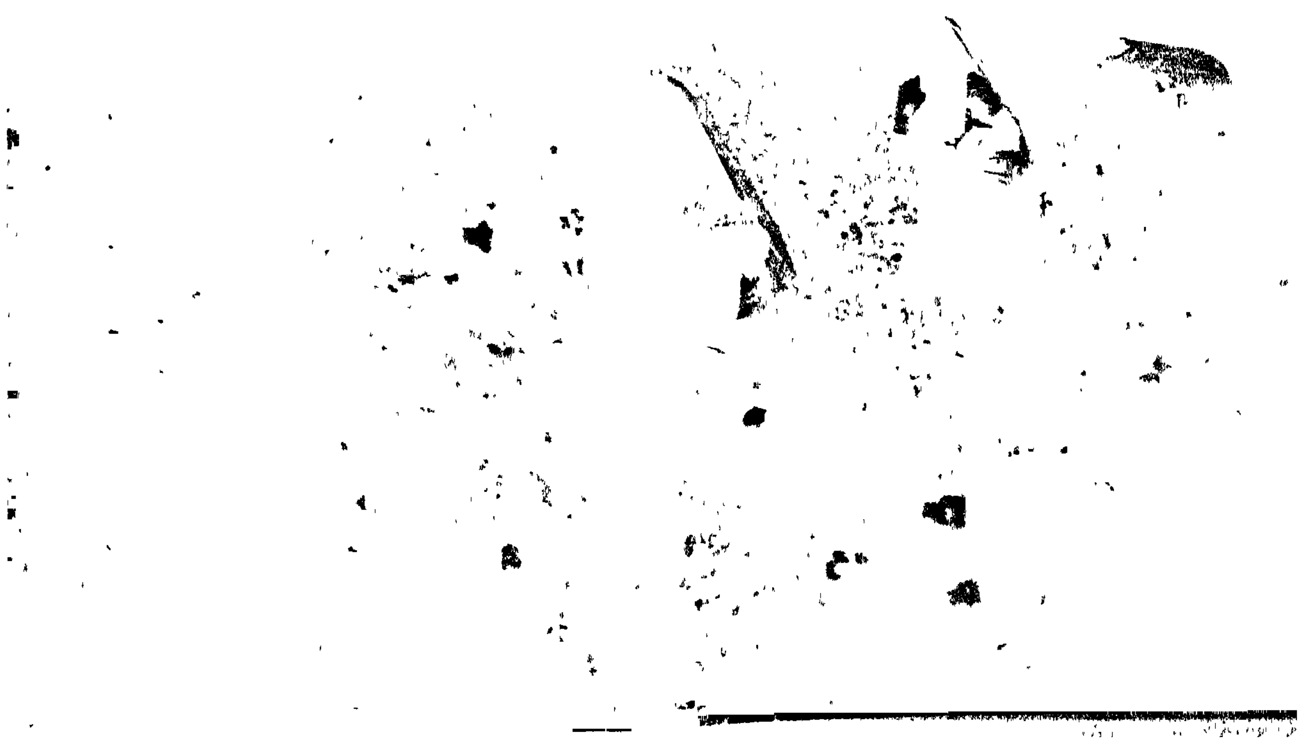
دھان: دھان ریاست کی سب سے اہم ترین فصلِ اناج ہے جو خصوصاً خریف

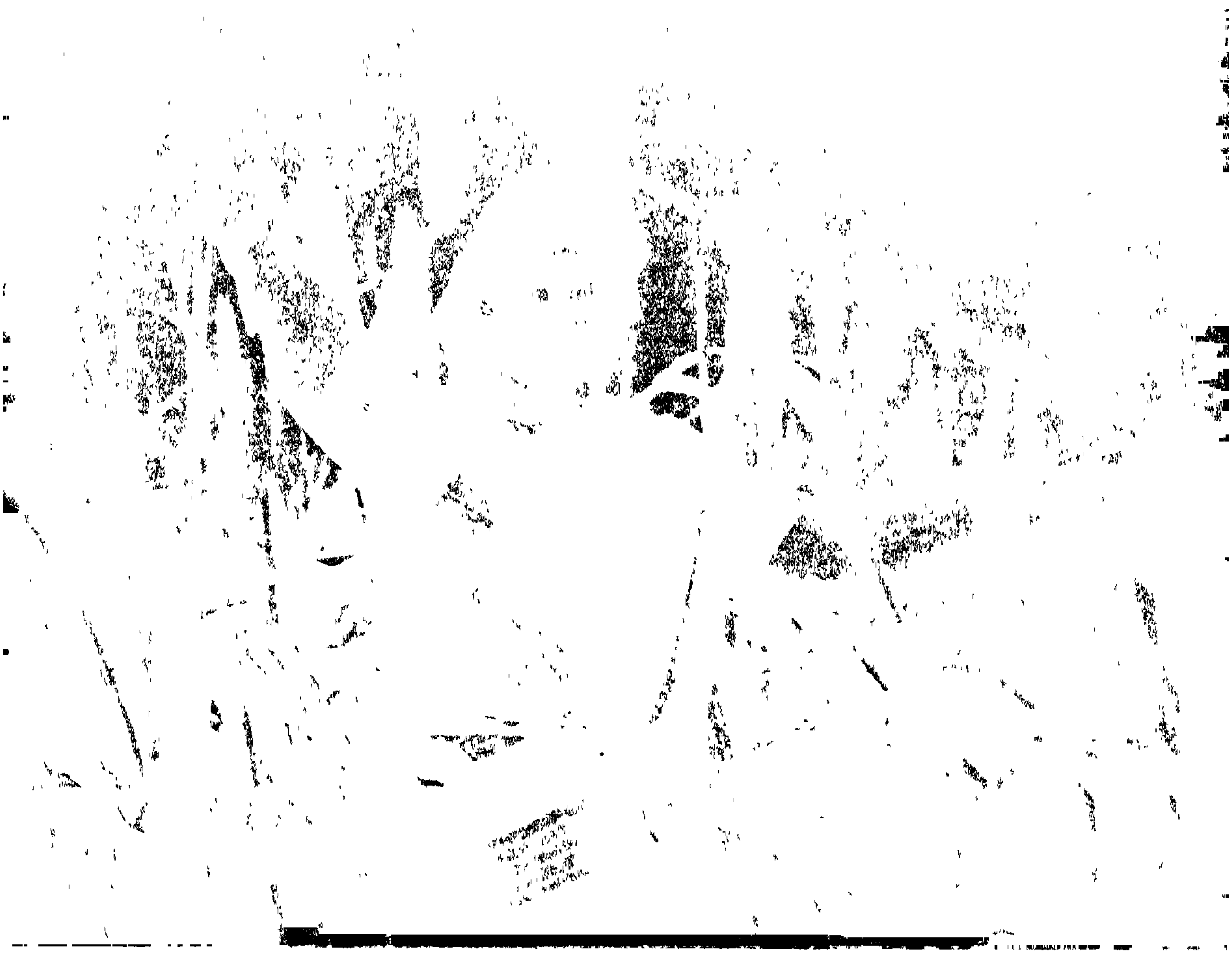




کپاس چُننے کا ایک منظر ۔ کپاس ریاست کی اہم ترین پیداوار ہے ۔







«ڈگوبین» کے ذریعہ دیہاتوں میں عام طور سے فصل کی حفاظت کی جاتی ہے۔



حصار کیمپ انا... کر لد ضلع برشد کی جانب سے کپڑا امار ادویہ وغیرہ کی تقسیم۔

فصل ہی میں اگائی جاتی ہے۔ تین ساحلی اضلاع (تھانے، رتناگیری اور قلابہ) میں نیز اضلاع چندر پور اور بھنڈارہ میں بھی دھان پیدا کی جاتی ہے۔ ریاست میں دھان کے زیر کاشت کل رقبہ تقریبًا ۱۳،۵ لاکھ ہیکٹر ہے۔ یہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں بڑھ کر ۱۴،۲۷ لاکھ ہیکٹر اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱۴،۳۸ لاکھ ہیکٹر ہوگیا۔ غیر روایتی علاقے یعنی بڑے آب پاشی پروجیکٹوں کے حلقۂ آب میں دھان کی زیر کاشت رقبہ بڑھانے کی تندہی سے کوشش کی گئی جس کے نتیجہ میں یہاں دھان کاشت کے رقبہ میں کچھ اضافہ ہوا۔ دھان کی سالانہ عام پیداوار جو لگ بھگ ۱۲،۵ لاکھ ٹن تھی بڑھ کر ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۱۶،۳۷ لاکھ ٹن اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۱۹،۹۶ لاکھ ٹن ہوگئی۔ ۷۶-۱۹۷۵ء سال کے دوران دھان کی ۲۲،۴۱ لاکھ ٹن ریکارڈ پیداوار ہوئی۔ دھان کی اوسطاً پیداوار جو تقریبًا ۱۰ کوئنٹل فی ہیکٹر تھی بڑھ کر ۱۵ کوئنٹل فی ہیکٹر ہوگئی ہے۔ ۸،۳۰ لاکھ ہیکٹر پر زیادہ پیداواری اقسام کی دھان کی کاشت کی جاتی ہے یعنی تقریبًا ۵۷ فیصد ایسی اقسام دھان کے زیر کاشت ہے۔

جوار: ریاست میں خاص فصل اجناس جوار ہے۔ یہ دونوں موسموں یعنی خریف اور ربیع میں اگائی جاتی ہے۔ فصل خریف میں جوار کے زیر کاشت رقبہ تقریبًا ۲۵ لاکھ ہیکٹر اور فصل ربیع میں تقریبًا ۳۲ لاکھ ہیکٹر ہے۔ جوار دراصل خشک اراضی کی فصل ہے۔ خریف جوار کی اوسطاً پیداوار جو تقریبًا ۱۶،۴۷ لاکھ تھی، بتدریج بڑھ رہی ہے۔ سال ۷۵-۱۹۷۴ء میں خریف جوار کی پیداوار ۲،۸ لاکھ ٹن تھی۔ یہ بڑھ کر ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۲۲،۲۴ لاکھ ٹن اور ۷۷-۱۹۷۶ء سال میں ۲۹،۵۸ لاکھ ٹن ہوگئی۔ اعلیٰ پیداواری اقسام جوار کے زیر کاشت رقبہ تقریبًا ۱۳ لاکھ ہیکٹر ہے جو خریف جوار رقبہ کے ۵۰ فیصد حصہ سے کچھ زیادہ ہے حالانکہ خریف جوار کے مقابلے میں زیادہ رقبہ پر ربیع جوار کی کاشت ہوتی ہے لیکن ربیع جوار کی پیداوار خریف جوار سے کم ہوتی ہے۔ عمومًا ربیع جوار کی سالانہ پیداوار پندرہ سولہ لاکھ ٹن کے درمیان ہے۔ ربیع جوار کی پیداوار کا انحصار زیادہ تر موخر بارش پر ہوتا ہے لہٰذا پیداوار قدرتًا کم رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ابھی تک فصل ربیع میں کاشت کے لئے مخلوط یا زیادہ پیداواری اقسام جوار دستیاب نہیں ہیں۔ ربیع جوار کی پیداوار بڑھانے میں یہ بڑی رکاوٹ ہے۔

باجرہ: ریاست کی خشک اراضی فصل میں دوسری اہم اناج فصل باجرہ ہے اور اٹھارہ بیس لاکھ ہیکٹر پر اس کی کاشت کی جاتی ہے۔ عمومًا باجرہ کی سالانہ پیداوار تقریبًا ۴،۶ لاکھ ٹن ہے۔ یہ پیداوار ۷۱-۱۹۷۰ء میں بڑھ کر تقریبًا ۸،۲۵ لاکھ ٹن ہوگئی تھی۔ باجرہ کی مخلوط اقسام ریاست میں کافی مقبول ہیں اور ۷۴-۱۹۷۳ء میں تقریبًا ۷۳ فیصد رقبہ ان کے زیر کاشت تھا بہرحال کھریا مٹی کے سبب پھپھوندی کے روگ سے اس فصل کو بڑا نقصان پہنچا اور مخلوط اقسام کا زیر کاشت رقبہ بتدریج گھٹ رہا ہے اسی سبب سے ریاست میں باجرہ کی پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔ اُمید ہے کہ مستقبل قریب میں مخلوط باجرہ کی ایسی نئی اقسام دستیاب ہوجائیں گی جن پر یہ بیماری اثر انداز نہ ہوسکے گی، اور اس کی پیداوار پھر بڑھ جائے گی۔

گیہوں: گیہوں کے زیر کاشت رقبہ جو ماضی میں تقریبًا ۸،۸ لاکھ ہیکٹر تھا بڑھتی ہوئی آب پاشی سہولتوں کے ذریعہ بتدریج بڑھ رہا ہے۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں گیہوں کے زیر کاشت کل رقبہ ۱۱،۸۳ لاکھ ہیکٹر تھا اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں بھی یہی رہا۔ گیہوں کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا ہے گیہوں کی عام سالانہ پیداوار لگ بھگ ۴،۱۳ لاکھ ٹن تھی جو ۷۵-۱۹۷۴ء میں بڑھ کر ۶،۷۷ لاکھ ٹن اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۱۲،۶۰ لاکھ ٹن ہوگئی۔ پیداوار میں اس اضافہ کا خاص سبب یہ ہے کہ زیادہ پیداواری اقسام گیہوں ریاست میں کافی مقبول ہوئیں اور فی الحال گیہوں کے تقریبًا ۸۴ فیصد رقبہ پر ایسی اقسام کی ہی کاشت ہو رہی ہے۔

موٹا اناج: چار لاکھ ہیکٹر پر موٹے قسم کے معمولی اناج مثلاً راگی، واری اور کودرہ وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ ان کی فصل زیادہ تر پہاڑی خطوں میں ہلکی زمین پر ہوتی ہے۔ ان اقسام کے معمولی اناج کی پیداوار تقریبًا تین لاکھ ٹن ہے اور حالیہ سالوں میں بھی کم و بیش اتنی ہی رہی۔ ان اجناس میں ابھی تک زیادہ پیداواری اقسام دستیاب نہیں ہیں۔

دالیں: اناج کے زیر کاشت رقبہ کے تقریبًا ۱۴،۵ فیصد حصہ پر دالوں کی کاشت ہوتی ہے نیز کل اناج پیداوار میں دالوں کی مقدار بارہ تیرہ فیصد ہے۔ فصل خریف میں دال کی اہم فصل تورا اور ربیع میں چنا ہے۔ تورا اور چنے کے علاوہ اُڑد، مونگ، کلتھی اور دال وغیرہ کی بھی کاشت کی جاتی ہے دالوں کی فصل عمومًا اناج کے ساتھ ملی جلی فصل ہوتی ہے۔ خریف دالوں کی اوسط پیداوار جو ماضی میں ۶،۸ لاکھ ٹن تھی اب بڑھ گئی ہے۔ یہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں ۸،۲۰ لاکھ ٹن اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۹،۵۳ لاکھ ٹن ہوگئی تھی۔ ربیع دالوں کی پیداوار ۱۰،۵۸ لاکھ ٹن سے بڑھ کر ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۲،۶۰ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی۔

تلہن: ریاست کی خاص تلہن فصلوں میں خریف میں مونگ پھلی اور ربیع میں سیفلاور کی فصل ہوتی ہے۔ ان دونوں اقسام تلہن کی کاشت



بالترتیب ۹٫۴۱ لاکھ ہیکٹر اور ۳٫۸۶ لاکھ ہیکٹر پر کی جاتی ہے۔ سیفلاور کے زیر کاشت رقبہ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ اور فی الحال یہ ۴٫۵ لاکھ ہیکٹر ہو گیا ہے۔ ریاست میں تلہن کے زیر کاشت کل رقبہ ۱۷٫۵ لاکھ ہیکٹر ہے۔ ریاست میں تلہن کی اوسطاً سالانہ پیداوار تقریباً ۹٫۶ لاکھ ٹن ہے جس میں سے مونگ پھلی کی پیداوار ۶٫۷۰ لاکھ ٹن اور سیفلاور کی ۱٫۷۵ لاکھ ٹن ہے

کپاس: کپاس ریاست کی ایک اہم تجارتی فصل ہے۔ تقریباً ۲۷ لاکھ ہیکٹر پر اس کی کاشت ہوتی ہے اور اس کی سالانہ اوسط پیداوار ۱۴٫۵ لاکھ گانٹھیں ہے۔ کپاس کی پیداوار میں بھی بڑی اونچ نیچ رہتی ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تقریباً کپاس کے کل علاقہ میں کاشت کا انحصار بارش پر ہے۔ ایک لاکھ ہیکٹر سے بھی کم علاقہ آب پاشی سے سیراب ہوتا ہے۔ امریکی اقسام کپاس موسمی حالات سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں لہذا کپاس کی پیداوار میں یہ اونچ نیچ رہتی ہے۔ ریسرچ ماہرین نے کپاس کی پیداوار میں پائیداری لانے کا مسئلہ ہاتھ میں لیا ہے۔ امید ہے کہ مستقبل قریب میں ان کی کوشش بارآور ہو گی۔

زراعتی پالیسی: فی الحال ریاستی حکومت کی زراعتی پالیسی کے تحت ضرورت بھر اناج کا ستر فیصد حصہ ایسے علاقوں میں پیدا کیا جاتا ہے جہاں یقینی بارش ہوتی ہے نیز وہاں سنچائی کے لئے پانی کی یقینی فراہمی (بذریعہ بڑے، درمیانی اور چھوٹی آب پاشی پروجیکٹ، کنوؤں اور اٹھاؤ آب پاشی پروجیکٹ) کے واسطے سہولتیں موجود ہیں۔ بقیہ ۳۰ فیصد اناج کی پیداوار دیگر علاقوں میں ہوتی ہے جہاں قلیل بارش ہوتی ہے۔ ریاست کے اس خشک زرعی علاقے میں خشک کھیتی باڑی طریقے اپنائے جا رہے ہیں۔ یہ کام سولاپور میں واقع زرعی ریسرچ مرکز کے سپرد کیا گیا ہے۔

مرکزی حکومت نے بھی ایک پائلاٹ اسکیم جاری کی ہے تاکہ اس علاقہ میں خشک کھیتی باڑی طریقے رائج کرنے کے لئے زوردار کوشش کی جائے۔ مرکز کے زیر سرپرستی دو پروجیکٹ ہیں جن میں سے ایک سولاپور اور دوسرا اکولہ ضلع میں ہے۔ بہتر خشک کھیتی طریقہ لازماً خشک اراضی علاقے میں وسیع کاشتکاری پر مشتمل ہے۔ اس طریقے کے تحت اولاً یہ ضروری ہے کہ زمین سدھاری جائے، زمین کا جائزہ لیا جائے اور کنٹور بند تعمیر کئے جائیں۔ بعد ازاں پانی کی رسائی کے لئے کھیت، تالاب وغیرہ بنائے جائیں۔

اس علاقے میں کھیتی باڑی کے بہتر طریقے کو رواج دینے کے لئے ترقی پسند کسانوں کو۔۔۔ ۵ خشک کھیتی باڑی آلات وغیرہ تقسیم کئے گئے۔

اُن کے استعمال نیز مظاہروں کے سبب ۔ ۱۹۶۹-۷۰ء تک تقریباً دو لاکھ ہیکٹر پر اس طریقے کے مطابق کاشت ہونے لگی تھی۔ اب اس نئے پروگرام کے تحت خشک سالی سے متاثرہ چھ اضلاع میں کام جاری ہے۔ اس طرح ۱۹۷۷-۷۸ء میں ۷۰۰،۰۰۰ ہیکٹر علاقہ بہتر طریقے پر زیر کاشت آجائے گا۔

پائلٹ پروجیکٹ : ریاستی حکومت نے پائلٹ پروجیکٹ بلاکس کی ایک مثالی اسکیم شروع کی ہے۔ اس تجربہ کا مقصد یہ ہے کہ ۲۰۰ تا ۴۰۰ ہیکٹر متصل علاقہ جات پر پوری توجہ دی جائے اور یہاں ضروری ساز و سامان کسانوں کو ان کے گھر کے قریب ہی مہیا کیا جائے اور زراعتی کام زراعتی افسران کی زیر نگرانی انجام دیا جائے۔ اس طریقے سے یہ توقع ہو گئی کہ شریک کسانوں کو یقیناً کم سے کم پیداوار مل ہی جائے گی جو ریاست کی اوسط پیداوار کے تین گنا سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس اسکیم کی کارگذاری مختصراً حسب ذیل ہے

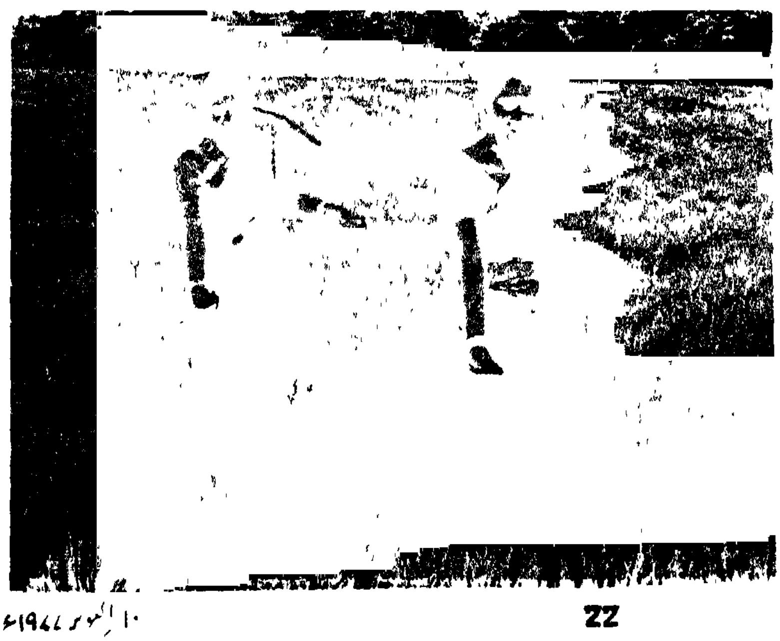
اس اسکیم کے تحت توسیعی کارکن ایک ساتھ متصل علاقے منتخب کرتے ہیں جہاں شریک ہونے والے کسانوں کو پیکیج طریقوں کی تربیت دی جاتی ہے بیج، کھاد اور کیڑا مار ادویہ پروجیکٹ علاقوں میں وقت سے پہلے موقع پر جمع کرلی جاتی ہیں۔ ان حلقہ جات میں یہ اشیاء موقع پر تیار رکھنے کا کام مہاراشٹر زرعی صنعتی سُدھار کارپوریشن کے سپرد ہے اور کارپوریشن یہ کام قابل اطمینان طریقے پر انجام دے رہی ہے۔

کیڑا مار ادویہ کی صنعت نیز کھاد صنعت کے نمائندے اس اسکیم کے سلسلے میں تعاون کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف مذکورہ ضروری سامان بہم پہنچاتے ہیں بلکہ اپنی مہارت سے کسانوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح کوآپریٹیو شکر کارخانے بھی تعاون کرتے ہیں۔

زرعی یونیورسٹیوں کے ماہرین فیلڈ ورکروں کو زراعت کے سلسلے میں فنی تربیت دیتے ہیں تاکہ وہ کاشتکاروں کو فنی صلاح و مشورہ دے سکیں یہ فیلڈ ورکر قرض کے لئے درخواستیں تیار کرنے میں بھی کسانوں کی مدد کرتے ہیں نیز حصولِ قرض کے لئے بنکوں سے معاملہ طے کراتے ہیں۔

۱۹۷۵-۷۶ء کی ربیع فصل میں یہ اسکیم اولاً جاری کی گئی تھی جب کہ سینچائی گیہوں اور گرمائی دھان اسکیم میں شامل کئے گئے تھے گیہوں کے کل ۳۷، پروجیکٹ بلاک اور گرمائی دھان کے ۱۲ بلاک بالترتیب ۲۲،۲۹۱ ہیکٹر اور ۲،۲۵۲ ہیکٹر پر بنائے گئے۔ اقل ترین یقینی پیداوار میں ۲۰ کوئنٹل گیہوں اور ۳۰ کوئنٹل دھان کی امید تھی۔ لیکن بالآخر نتیجتاً ۳۱.۲ کوئنٹل گیہوں اور ۴۸ کوئنٹل دھان حاصل ہوا۔ ۱۹۷۶ء کی خریف فصل کے دوران جوار اور دھان کے لئے یہ اسکیم جاری رکھی گئی۔ ۵۰،۰۰۰ ہیکٹر پر مشتمل ۲۳۳ پروجیکٹ بلاکس کے لئے انتظام کیا گیا۔ جوار کے سلسلے میں یقینی اقل ترین پیداوار ۲۰ کوئنٹل فی ہیکٹر تھی جبکہ بالآخر نتیجتاً ۲۷.۴ کوئنٹل فی ہیکٹر اوسطاً پیداوار حاصل ہوگی۔ دھان کے سلسلہ میں ۲۵،۶۰۰ ہیکٹر پر مشتمل ۱۹۶ پروجیکٹ بلاکس کا انتظام کیا گیا۔ ۳۰ کوئنٹل فی ہیکٹر متوقع اقل ترین پیداوار کے مقابلے میں بالآخر اوسطاً پیداوار ۴۳ کوئنٹل فی ہیکٹر رہی۔

کھاد کی کھپت : ریاست میں کھاد کی کھپت برابر بڑھ رہی ہے۔ کھاد کے معقول استعمال کے لئے کوشش جاری ہے۔ ۱۹۶۰-۶۱ء کے دوران اس کی اوسط لئے کی کھپت بالترتیب ۲۴،۰ لاکھ ٹن ۰۵،۰ ... ہوئی تھی۔



کسان عورتیں کھیت میں کھاد ڈال رہی ہیں۔ اس کھاد کی پیداوار بڑھانے میں کیا اہمیت ہے؟ اس بات کو مہاراشٹر کے کسانوں نے بخوبی سمجھ لیا ہے۔

مخلوط اور اعلیٰ پیداواری اقسام کے تحت علاقہ

فصل:	۷۴-۱۹۷۳ء: اناج کے تحت کل علاقہ (لاکھ ہیکٹر)	۷۴-۱۹۷۳ء: اعلیٰ پیداواری اقسام کے تحت علاقہ (لاکھ ہیکٹر)	۷۴-۱۹۷۳ء: فیصد	۷۹-۱۹۷۸ء: اناج کے تحت کل علاقہ (لاکھ ہیکٹر)	۷۹-۱۹۷۸ء: اعلیٰ پیداواری اقسام کے تحت علاقہ (لاکھ ہیکٹر)	۷۹-۱۹۷۸ء: فیصد
چاول	۱۳٫۵۱	۳٫۹۳	۲۹٫۰۱	۱۴٫۰۰	۱۰٫۰۰	۷۲٫۴
خریف جوار	۲۷٫۶۳	۵٫۰۸	۱۸٫۴	۲۵٫۵۰	۱۶٫۰۰	۶۲٫۷
باجری	۲۲٫۱۵	۸٫۲۳	۳۷٫۲	۲۰٫۰۰	۱۰٫۰۰	۵۰٫۰
راگی	۲۲٫۰۵	—	—	۲٫۱۵	—	—
مکئی	۰٫۵۲	۰٫۰۹	۱۷٫۳	۱٫۰۰	۱٫۰۰	۱۰۰٫۰
دیگر خریف اجناس	۲٫۰۵	—	—	۲٫۱۰	—	—
خریف دالیں	۲۲٫۱۳	—	—	۲۲٫۰۰	—	—
کلُ خریف فصل	۹۰٫۰۴	۱۷٫۳۳	۱۹٫۰۲	۸۶٫۷۵	۳۷٫۰۰	۴۲٫۶
ربیع جوار	۳۳٫۲۵	۰٫۳۲	۰٫۹	۳۴٫۰۰	۴٫۰۰	۱۱٫۷
گیہوں	۹٫۶۵	۳٫۷۷	۳۹٫۱	۱۲٫۰۰	۱۲٫۰۰	۱۰۰٫۰
دیگر ربیع اجناس	۰٫۱۰	—	—	۰٫۱۰	—	—
دالیں	۵٫۴۹	—	—	۷٫۱۵	—	—
کلُ ربیع فصل	۴۸٫۴۹	۴٫۰۹	۸٫۴	۵۳٫۲۵	۱۶٫۰۰	۳۰٫۰
کلُ اناج	۱۳۸٫۵۳	۲۱٫۴۲	۱۵٫۵	۱۴۰٫۰۰	۵۳٫۰۰	۳۷٫۹

یہ کھپت ۷۶-۱۹۷۵ء میں بڑھ کر بالترتیب ۳۸٫۰ لاکھ ٹن اور ۵۴٫۰ لاکھ ٹن ہوگئی۔

مختصر المدت مخلوط اور اعلیٰ پیداواری اقسام کی وجہ سے مرکب کاشت کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ مزید برآں زیر آب پاشی علاقہ بتدریج بڑھنے کی وجہ سے دُہری کاشت کے امکانات بھی بڑھ گئے ہیں۔

ضلع افسران کے ذمہ یہ کام ہوتا ہے کہ ہر سال علاقہ جات مرکب کاشت کے تحت لائیں۔ آب پاشی کی رکاوٹوں اور کم بارش کی وجہ سے دُہری کاشت کے امکانات بلاشبہ محدود رہتے ہیں۔ بہرحال جو بھی امکان ہے اس سے وسیع کاشت پروگرام کے تحت فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ سال ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران ضلع افسران کے لئے ۰٫۷ لاکھ ہیکٹر کا نشانہ رکھا گیا۔

مخلوط اور زیادہ پیداواری اقسام:

یہ اقسام اولاً ۶۷-۱۹۶۶ء میں کاشت کے لئے استعمال کی گئی تھیں پہلے سال ان اقسام کے تحت علاقہ ۰٫۰۸ لاکھ ہیکٹر تھا اور گذشتہ دس سال کے دوران اس میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ ۷۴-۱۹۷۳ء تک جو پانچویں پنج سالہ منصوبے کی شروعات سے پہلے کا سال تھا یہ علاقہ بڑھ کر ۲۱٫۴۲ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ گیا۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران ان اقسام کے تحت علاقہ ۳۸ لاکھ ہیکٹر تھا۔ اب ارادہ یہ ہے کہ ان اقسام کی کاشت ۷۹-۱۹۷۸ء کے اختتام تک ۵۳ لاکھ ہیکٹر سے بھی زیادہ رقبہ پر کی جائے۔ مخلوط اور اعلیٰ پیداواری اقسام کی کاشت کے تحت علاقہ ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۱۵٫۰۵

فصل	کل فصلی علاقہ: علاقہ (لاکھ ہیکٹر)	کل فصلی علاقہ: کل علاقہ کا فیصد	کل آب پاشی علاقہ: علاقہ (لاکھ ہیکٹر)	کل آب پاشی علاقہ: کل علاقہ کا فیصد
فصلی علاقے				
چاول	۱۳٫۵۷	۷٫۰	۳٫۴۹	۱۸٫۱
جوار خریف	۲۶٫۰۶	۱۳٫۳	۰٫۲۵	۱٫۳
جوار ربیع	۳۴٫۱۷	۱۷٫۶	۳٫۴۷	۱۸٫۰
باجرہ	۱۸٫۴۴	۹٫۵	۰٫۶۸	۳٫۵
مکئی	۰٫۵۲	۰٫۳	۰٫۲۴	۱٫۱
راگی	۲٫۰۶	۱٫۱		
کودرہ	۰٫۲۸	۰٫۱	۰٫۰۳	۰٫۲
دیگر اجناس	۱٫۸۴	۰٫۹		
گیہوں	۹٫۴۸	۴٫۸	۳٫۷۱	۱۹٫۲
تور	۶٫۱۴	۳٫۱	۰٫۰۲	۰٫۱
چنا	۴٫۰۸	۲٫۱	۰٫۶۱	۳٫۲
دیگر دالیں	۱۸٫۳۴	۹٫۴	۰٫۰۵	۰٫۲
کل اناج	۱۳۴٫۹۸	۶۹٫۲	۱۲٫۵۵	۶۴٫۹
تجارتی فصل				
کپاس	۲۴٫۹۷	۱۲٫۸	۰٫۷۶	۴٫۰
گنا	۲٫۴۸	۱٫۲۵	۲٫۴۸	۱۲٫۸
مونگ پھلی	۸٫۰۰	۴٫۱	۰٫۲۱	۱٫۱
دیگر تلہن	۱۰٫۹۵	۵٫۶	—	—
تمباکو	۰٫۱۰	۰٫۰۵	۰٫۰۱	۰٫۰۵
دیگر پیداوار	۱۳٫۵۷	۷٫۰۰	۳٫۳۲	۱۷٫۱۵
کل میزان	۱۹۵٫۰۵	۱۰۰٫۰	۱۹٫۳۳	۱۰۰٫۰

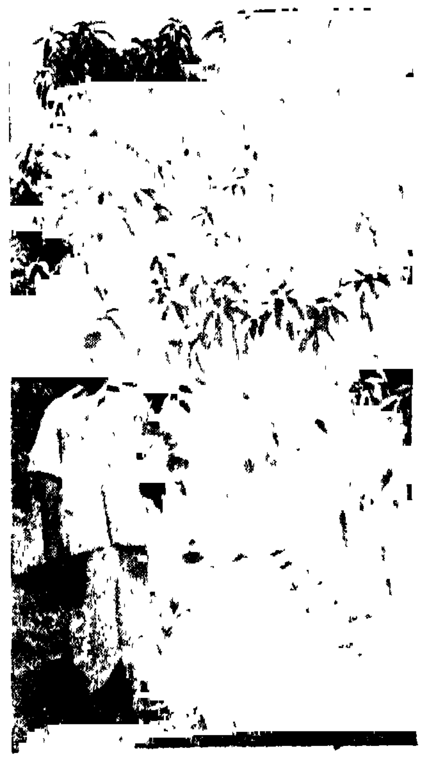
(راگی، کودرہ اور دیگر اجناس کے آب پاشی علاقے کے اعداد ایک ساتھ دیے گئے ہیں۔)

فیصد تھا۔ یہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۲۷٫۵ فیصد تک پہنچ گیا ہے اور اب ارادہ یہ ہے کہ پانچویں پنجسالہ منصوبے کے آخری سال یعنی ۷۹-۱۹۷۸ء میں اسے بڑھا کر تقریباً ۳۸ فیصد تک پہنچا دیا جائے۔

تحفظ اراضی پروگرام: ریاست میں تحفظ اراضی پروگرام قبل آزادی زمانہ ہی سے جاری ہے۔ ابتدائی مراحل میں یہ کام صرف قلت زدہ علاقوں میں کنٹور باندھ پروگرام تک ہی محدود تھا لیکن اب اس پروگرام میں قلت زدہ علاقوں نیز یقینی بارش کے علاقوں میں زیر کاشت اراضی کی کنٹور بندی یا بتدریج / باندھ بندی اور سوکھے علاقوں میں نالہ بندی شامل ہے۔ تحفظ زمین کے دیگر کام یہ ہیں: کثرت باراں کے علاقوں میں پہاڑی ڈھلوان زمین کو ٹھیک کر کے دھان کی کاشت کے لئے کھیت بنانا کوکن کے ان علاقوں میں جہاں بھاری بارش ہوتی ہے ناقابل کاشت اراضی کا سدھار و باغبانی سدھار، سوکھے بنجر خطہ میں غیر ساحلی کھاری دلدلی اراضی کی چھوٹے پیمانے پر بازیابی اور تحفظ زمین کاموں کی دیکھ بھال۔

مذکورہ بالا کام انجام دینے کے لئے محکمۂ زراعت میں تحفظ اراضی شعبہ ہے جو ۲۵ حلقہ جات اور ۱۲۵ ضمنی حلقہ جات پر مشتمل ہے۔ کنٹور یا بتدریج باندھ کام کا نشانہ فی ضمنی حلقہ فی سال ۳۴۳ ہیکٹر ہے اور کاموں کی لاگت ۲۰۰ روپے ہیکٹر یعنی ۶٫۸۰ لاکھ روپے فی ضمنی حلقہ فی سال ہے۔ اس کے مطابق ایک ضمنی حلقہ میں ایک سال میں ۶٫۸۰ لاکھ روپے کی حد تک تحفظ اراضی کام انجام پانا چاہیئے۔

فی الحال ریاست کی زرعی پالیسی کے سلسلہ میں قابل ذکر امر یہ ہے کہ مختلف اضلاع میں مختلف فصلوں کے لئے نشانے معین کئے جاتے ہیں۔ ریاستی حکومت خریف اور ربیع فصل کے لئے الگ الگ یہ نشانے



آمدنی فصل

بن کرتی ہے۔ ہر ضلع میں متعلقہ فصل میں اوسط اناج پیداوار کے سلسلے ں معین نشانہ پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ربیع اور خریف کی مہمیں باقاعدہ پورے زور شور سے چلانے کی غرض ، اضلاع اور دیہاتوں میں ضلع پریشد، امداد باہمی بنک ادارہ جات متعدد رضاکارانہ اور دیگر جماعتیں آگے بڑھ کر کسانوں کی مدد کرتی ہیں۔ س پوری مہم کی کامیابی کا انحصار ان کی متحدہ کوششوں نیز باقاعدہ مُوبہ بندی پر ہے۔ اس سارے کام میں ضلع پریشدیں بنیادی کردار ادا تی ہیں۔

کسان ضروری اشیاء یعنی بیج، کھاد اور کیڑا مار ادویہ وغیرہ نقد یا ے سے حاصل کردہ قرض کی رقموں سے خریدتے ہیں۔ قرضہ جات کی تقسیم کام میں کوآپریٹیو بنک ادارے موثر رول ادا کرتے ہیں۔

زراعتی منصوبہ بندی اسی صورت میں بارآور ہو سکتی ہے جبکہ موثر لاعاتی نظام قائم ہو جس کے ذریعے خود کسانوں کو پوری زراعتی لومات دی جائے۔ بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں کسانوں کو ہر ہر مرحلے پر جانکاری دینے کے لئے تمام ہی عام ذرائع سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اراشٹر میں بھی چار زراعتی یونیورسٹیاں، زراعتی اطلاعاتی مرکز، جو لونے ں قائم کیا گیا ہے۔ سرکاری رسالے، ریڈیو اور ٹی وی کسانوں کو زراعت بارے میں تمام امور سے روشناس کرانے کے لئے سرگرم ہیں۔

ریاست نے ایک اور اسکیم وضع کی ہے جس کے تحت ہر ضلع میں سانوں کو شبیر (کیمپ) اور مظاہروں کے ذریعے تربیت دی جاتی ہے۔ یباً ہر ضلع میں ۱۰۰ شبیر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پیشہ ورانہ تربیتی کلاسیں ی چلائی جاتی ہیں۔

زراعتی یونیورسٹیوں نے ایک وسیع پروگرام کیا ہے تاکہ کسانوں کو اعتی ریسرچ کے میدان میں جدید ترین تحقیقات اور معلومات سے باخبر یا جائے۔ اسی ریسرچ کے ذریعے ان یونیورسٹیوں نے مختلف اچھی اقسام بیج چلایا اور رواج دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان اداروں نے کسانوں ے براہ راست رابطہ قائم کیا اور ان میں نیا حوصلہ پیدا کیا۔

کسانوں کو جدید تحقیقات سے روشناس کرنا ایک کٹھن کام ہے، ہر ترقی پذیر ملک کو درپیش ہے۔ مہاراشٹر جیسی ترقی پذیر ریاست ں "معلوماتی خلاء" کو پُر کرنا نہایت ضروری ہے۔ باقاعدہ منصوبہ بندی، اسب طریقہ پر عمل آوری اور موثر طریقہ پر معلومات کی بہم رسانی، یہی ریاست ے زراعتی پروگرام کے لازمی عناصر ہیں۔ یہ تمام عناصر ایک دوسرے سے بوط ہیں۔ اس سارے پروگرام کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ یہ رابطہ ئم اور مضبوط رہے۔

قومی راج



یہ ایک 'بند' ہے جو ریاستی حکومت کے تعمیر بند پروگرام کے تحت بنایا گیا ہے، تاکہ زمین 'کٹاؤ بہاؤ' سے محفوظ رہے

ریاست ہی نہیں بلکہ سارے ملک کے لئے یہی بات سچ ہے۔ در حقیقت صنعتی ترقی کے لئے اولین شرط یہی ہے کہ زراعت بھرپور ترقی کرے

آنجہانی وزیراعظم، پنڈت جواہر لال نہرو نے ارشاد فرمایا تھا۔

"زراعت میں ہماری ناکامی لازمی طور سے ہمیں صنعت میں بھی ناکام بنا دے گی۔"

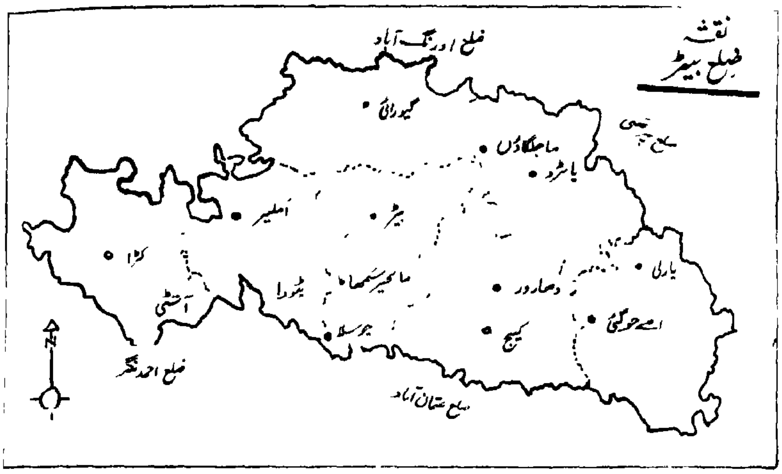
ہماری ریاست میں بھی جہاں کُل آبادی کا ستّر فیصد حصہ زرعی محنت کشوں پر مشتمل ہے یہ نہایت ضروری ہے کہ صنعتی ترقی سے پہلے زراعت پوری طرح فروغ پائے۔

(ترجمہ: عبدالوحید خاں)

قومی راج

• پربھاکر پرانک
ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر، بیڑ

بیڑ۔ ترقی کی راہ پر



• تلخیص، ریاض احمد خاں

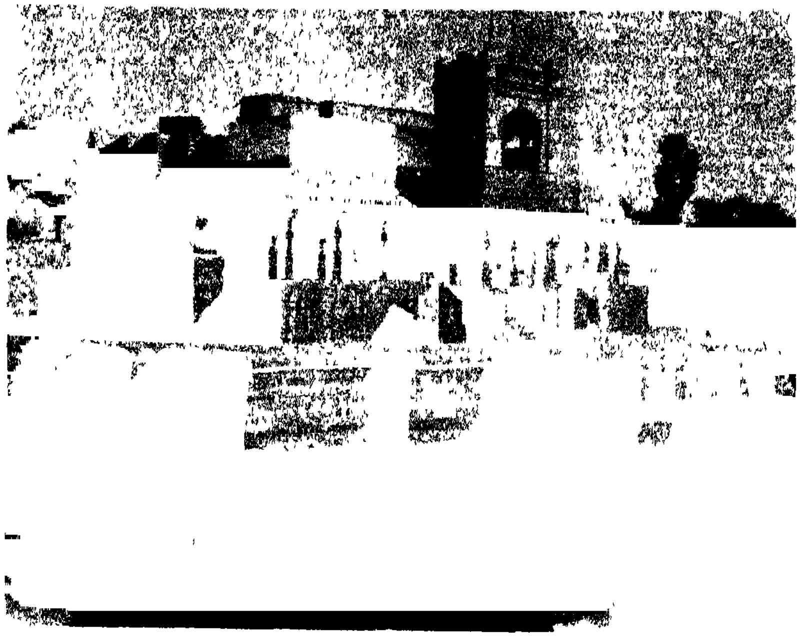
حالانکہ بیڑ حکومت مہاراشٹر کے اضلاع میں ایک پچھڑا ہوا ضلع ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اب یہی ضلع ریاست مہاراشٹر کی تشکیل کے بعد سے یعنی یکم مئی ۱۹۶۰ء سے تیزی سے ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ یہ ضلع اپنی قدیم اور تاریخی روایات کا حامل ہے اور آزادی وطن کی خاطر جد وجہد میں بھی برابر شریک رہا۔

"بیڑ" نام کی وجہ تسمیہ دو طرح کی بتائی جاتی ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ بیلا گھاٹ پہاڑی کی سطح مرتفع "بند دری" کے قریب ہے اس وجہ سے اسے بیل یا بیڑ کہا گیا اور دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس جگہ زیر زمین وافر پانی ہے جو تھوڑی سی کھدائی پر ابل پڑتا ہے اور خشک بھی کم ہوتا ہے جس کی وجہ سے مسلم حکمرانوں نے اسے "بھیر" کا نام دیا جس کے معنی پانی ہوتے ہیں۔

بیڑ کی تاریخی حیثیت چوتھی صدی سے پائی جاتی ہے اس دور سے پہلے بھی بیڑ کی تاریخی حیثیت "پرانوں" میں ملتی ہے۔ شہر کے وسط میں ایک قدیم مگر دلکش مندر ہے۔ جیسے "جا طاشنکر" کا مندر کہتے ہیں جسکے بارے میں رامائن میں بھی تذکرے ملتے ہیں اس کی تاریخی حیثیت 'چالوکیہ' اور 'آندھرا بھرتیہ' دورِ حکومت سے بھی ظاہر ہے اس سے قبل "ست واہان" "کلیوری" "دکالک" اور 'کدمب' حکمرانوں کا اس ضلع سے ساتھ رہا ہے۔ چالوکیہ سے دکرما دتیہ دور تک اس ضلع کا نام چمپا دتی رہا۔ علاؤالدین خلجی کے دور میں ملک کافور نے 'یادو' حکومت کو ختم کر کے اس ضلع میں ۱۳۱۲ء میں ایک بہت بڑی فوج رکھی تھی۔ تغلق حکمرانوں نے یہاں کی فوجی طاقت کا خاتمہ کر دیا اور اس ضلع کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

بہمنی دورِ حکومت میں کنکلیشور مندر کے قریب ایک گھمسان کا رن پڑا اور بہمنی سلطنت کے بعد ضلع بیڑ پہلی مرتبہ بیدر میں شامل کیا گیا اور بعد میں نظام ریاست میں شامل ہوا۔ مغلیہ دورِ حکومت میں اور اکبر کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے مراد نے بیڑ پر حملہ کیا۔ یہ ضلع کافی عرصے تک مغلوں کے زیر اقتدار رہا۔ مراٹھا دور کی ابتداء میں بیڑ میں دو خونریز جنگیں ہوئیں جو راکھشا بھون اور کھارڈا کے نام سے مشہور ہیں۔ مراٹھا اقتدار کے بعد ضلع بیڑ پھر نظام حکومت میں شامل رہا اور آزادی وطن تک نظام حکومت ہی میں رہا۔

ضلع کی ترقی کی طرف کسی کی بھی توجہ نہیں ہوئی مغلیہ دور میں بھی اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی آمد و رفت کے لیئے سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ یہانتک کہ پانی کی فراہمی اور صنعت سے بھی ضلع محروم رہا۔ ۱۰۰۹ء میں صرف دو سڑکیں تعمیر ہوئیں۔ ایک بیڑ سے اورنگ آباد (۱۱۵ کلومیٹر) اور دوسری بیڑ سے احمد نگر (۱۱۲ کلومیٹر)۔ اندرون ضلع آمد و رفت کا کوئی بھی انتظام نہیں تھا۔ ذرائع آمد و رفت پل نہ ہونے کی وجہ سے بہت متاثر رہا۔ یہ تمام کام پنجسالہ منصوبوں کے تحت ریاستوں کی دوبارہ تشکیل کے دوران شروع ہوئے۔ موجودہ دور میں ضلع میں ۶۱۲ کلومیٹر شاہراہیں ہیں۔ ۳۹۷ بڑی سڑکیں اور ۱۰۸۱ دوسری سڑکیں ہیں جنکے ذریعہ تعلقہ مقامات بھی ایک دوسرے سے جوڑ دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے نقل و حمل میں نمایاں آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ قومی شاہراہوں نے بیڑ کو سولاپور۔ جالنہ۔ اور احمد نگر سے



بیڑ کا مشہور
کنکلیشور مندر
جو ۲۴ ستونوں
پر قائم ہے۔

اور بیڑ۔ پارلی۔ گنگا کھیڈ کو بمبئی سے ملا رکھا ہے اسی طرح دزبکا پیٹم سے بھی رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ ضلع میں پارلی۔ پربھنی کے درمیان میٹر گیج ریلوے لائن ہے اور پارلی۔ سکندرآباد کے درمیان براڈ گیج ریلوے لائن ہے۔

زراعت "خاص پیشہ"

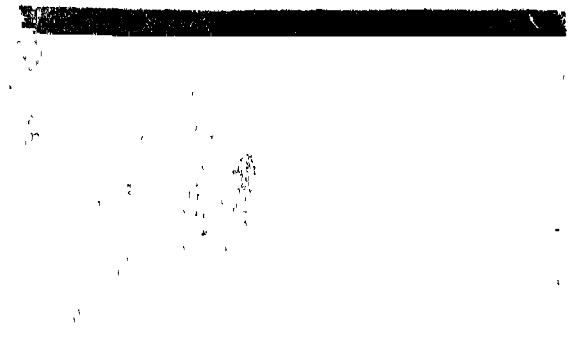
ضلع میں ۸۰ فیصد لوگ کاشتکاری کرتے ہیں اور یہی ان کا خاص پیشہ ہے۔ جوار، کپاس، باجرہ، مونگ، تور، سال یہاں کی خریف کی پیداوار ہیں اور ربیع فصل میں جوار، گیہوں، چنا، مونگ پھلی شامل ہیں۔ کچھ علاقوں میں سنگترے، انگور بڑے پیمانے پر کاشت کئے جاتے ہیں۔ گنے کی کاشت بھی بہت بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ کسان عام طور پر کھیتی باڑی کے لئے اپنے قدیمی طرز کے ہل بکھر استعمال کرتے ہیں۔ یہاں کی بارش کا اوسط ۲۵ انچ سے ۳۰ انچ تک ہے۔ کیونکہ ضلع کے تین تعلقے ہمیشہ سوکھے کا شکار رہتے ہیں اس وجہ سے یہاں نہروں اور نئے طریقوں سے پانی کی فراہمی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔ یوں تو یہاں برساتی ندیاں ہیں — گوداوری، سند پھلنہ، بندسارہ، مانجرہ دتھا، کونڈالیکا، اور سینا۔ مگر سوائے گوداوری کے اور تمام ندیاں چھوٹی ہیں۔ ان ندیوں سے چھوٹی اور درمیانی قسم کی نہریں بنائی جا رہی ہیں تاکہ فصلوں کو پانی مہیا کیا جا سکے۔ فی الحال یہاں پر ۱۱ درمیانی اور ۲۵ چھوٹی قسم کے آبپاشی پروجیکٹ ہیں جو ضلع کی ۴۱،۲۶۴ ہیکٹر زمین سیرآب کرتے ہیں

ضلع میں کنوؤں کی تعداد ۲۸۰۰۰ ہے جن کا پانی آبپاشی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جائیک واڑی پروجیکٹ کا دوسرا اسٹیج مکمل ہونے پر گیورائی تعلقہ گاؤں کا علاقہ بھی سیرآب ہو سکے گا۔

صنعتی ترقی

کیونکہ ضلع میں خاص پیشہ کاشتکاری ہے اسی وجہ سے وہی صنعتیں بھی قائم ہیں جن کا کاشتکاری سے تعلق ہے مثلاً۔ جننگ اینڈ پریسنگ فیکٹری۔ تیل نکالنے کی فیکٹری، ہینڈلوم وغیرہ۔ صنعتی ترقی کے لئے بجلی ایک اہم جز ہے۔ ضلع کی ترقی میں بجلی کے نہ ہونے کا کافی اثر پڑا جس کی وجہ سے فیکٹریاں قائم نہیں کی جا سکیں۔ جیسے ہی پڑوسی ضلع اورنگ آباد میں صنعتی ترقی شروع ہوئی ویسے ہی پارلی اور بیڑ پر بھی اس کا اثر پڑا اور یہاں بھی ترقی ہونا شروع ہوئی۔ ضلع بیڑ میں فی الحال ۲۰۳ مستقل چھوٹے یونٹ اور ۲۰۲۳ غیر مستقل چھوٹے انڈسٹریل یونٹ قائم ہیں جو کہ انڈسٹریز ڈیپارٹمنٹ میں رجسٹرڈ ہیں۔ ان میں سمینٹ اور برف کے کارخانے بھی ہیں، شکر کے کارخانے بھی، برتنوں کے کارخانے لکڑی کاٹنے کے مل اور فرنیچر بنانے کے کارخانے شامل ہیں۔ دیہی انڈسٹریل پروجیکٹ کے قائم ہونے اور دوسرے اداروں سے مالی امداد ملنے کی وجہ سے یہاں کی صنعت نے دن رات ترقی کرنا شروع کر دی ہے۔

۱۹۵۶ء تک ضلع میں بجلی کی پیداوار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اسی سال



پارلی: اسے جوگئی سڑک پر گراڈلی میں تعمیر کردہ ۲۲۰ کے ڈبلیو بجلی کا سب اسٹیشن جہاں سے بیڑ، ناندیڑ، اور عثمان آباد کے اضلاع میں برقی قوت پہنچائی جاتی ہے۔

پارلی میں پہلے ہائیڈرو الیکٹرک پاور پروجیکٹ کی بنیاد ڈالی گئی جس سے نومبر ۱۹۷۱ء میں بجلی کی فراہمی شروع ہوئی۔ اس یونٹ کی موجودہ قوت ۶۰ میگاواٹ ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ قوت بڑھکر ۱۱۰ میگاواٹ تک پہونچ جائے گی۔

ضلع بیڑ ——— ایک نظر میں

رقبہ ———	۲۲۷ و ۱۱ کیلومیٹر
زراعتی زمین ———	۹۰۰ و ۰۰ و ۱ ہیکٹر
کھاتے دار کاشتکار ———	۱۸۷ و ۸۰ و ۱
جنگل ———	۶۶۹ و ۲۱ و ۱ ہیکٹر
بارش کا اوسط ———	۷۵۰ سے ۸۶۰ ایم ایم
آبادی ———	۱۲۱ و ۸۶ و ۱۲
دیہات ———	۴۲ ۰ و ۱
کوآپریٹو اداروں کی تعداد ———	۷۶ ۱ و ۱
" " کی ممبرشپ ———	۶۲۵ و ۹۵ و ۱
پاور سپلائی ———	۵۴۰ دیہات
مزدور ———	۵۳۰ و ۴
کارخانے ———	۱۹
بینک ———	۷۵

اسے جوگئی میں جو شکر کا کارخانہ قائم کیا گیا تھا اس میں شکر کی پیداوار شروع ہوگئی ہے۔ اسی سال ماہ اکتوبر، نومبر کے درمیان چورائے میں ایک دوسرا شکر کا کارخانہ شروع ہونے کی توقع ہے۔ بیڑ ضلع میں دودھ کی پیداوار بھی اہم ہے۔ حکومت نے ۳۲ ء ۱ کروڑ روپے کی لاگت سے ایک ملک پروسسنگ یونٹ یہاں پر قائم کیا ہے جو بہت جلد اپنا کام شروع کردے گا۔ مکمل ہونے پر یہ یونٹ ۲۰ ء ۱ لاکھ لیٹر دودھ روزانہ پروسیس کرے گا۔ ۶۵ لاکھ روپے کی لاگت سے مراٹھواڑہ لیدر گڈس کارپوریشن نے ایک کارخانہ قائم کیا ہے امید کی جاتی ہے کہ یہ کارخانہ ۱۵۰ لوگوں کو روزگار مہیا کریگا۔

جیساکہ اوپر بتلایا گیا ہے ۱۹۵۶ء تک ضلع بیڑ میں بجلی کی پیداوار کے لئے کوئی ذرائع نہیں تھے لیکن اسی سال پارلی میں ایک ہائیڈرو الیکٹرک پاور پروجیکٹ شروع کیا گیا جہاں سے بجلی کی سپلائی نومبر ۱۹۷۱ء سے شروع ہوچکی ہے۔

تعلیمی محاذ میں بیڑ ضلع بہت پچھڑا ہوا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں صرف ۳ فیصد آدمی تعلیم یافتہ تھے تعداد بتدریج بڑھتے ہوئے اب ۳۴ فیصد تک پہونچ گئی ہے۔ اس وقت ضلع میں ۵۶۹ و ۱ پرائمری اور ۱۴۹ سیکنڈری اسکول ہیں۔ اسکے علاوہ آرٹس، سائنس اور کامرس کے ۱۱ کالج ہیں۔ ایسے ۵ سنیٹر ہیں جہاں پر زراعتی اور ٹیکنیکل تعلیم دی جاتی ہے۔ صنعت کے لئے دو درس گاہیں بھی قائم ہوچکی ہیں۔

بیڑ ضلع میں میڈیکل کالج کی کمی بڑی حد تک محسوس کی جاتی تھی اس لئے اب اسے جوگئی میں سوامی رامانند تیرتھ میڈیکل کالج



امبے جوگئی کا کھولیشور مندر

قائم کر دیا گیا ہے جس سے منسلک ایک اسپتال بھی ہے جو دیہی علاقوں کے مریضوں کی خدمت میں مصروف ہے۔

سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بیڑ کا کنکلیشور مندر ہے جو قدیم آرٹ کا بہترین شاہکار ہے۔ کھانڈوبا مندر کے سامنے "دیپ مالا" بھی سیاحوں کے لئے پرکشش ہے۔ دیوگیری کے حکمران کے تعمیر کردہ قلعہ کے کھنڈر اپنی عظمت کی آج بھی گواہی دیتے ہیں۔

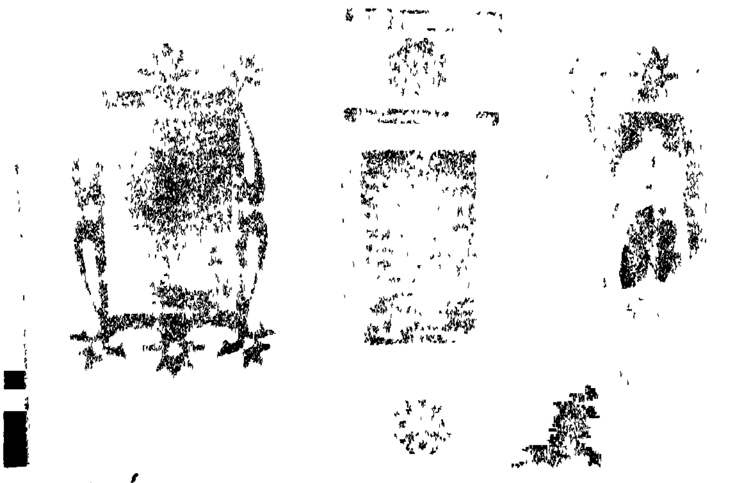
بیڑ شہر سے، کیلو میٹر کی دوری پر "خزانہ" واقع ہے جس کے زمین دوز پانی کے ذخیرے سے آبپاشی میں کافی مدد ملتی ہے۔ اس کنویں کی خاصیت یہ ہے کہ یہ کبھی نہیں سوکھتا۔

ہندوستان میں قائم ۱۲ جیوتر لنگوں میں سے ایک بیڑ میں واقع ہے۔ جہاں عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے۔ دھرم پوری میں شیو مندر اپنی دلکش طرزِ تعمیر کیلئے مشہور ہے جس میں وشنو اور شیو کے کئی اوتار بتلائے گئے ہیں۔

پٹودا تعلقہ کے سنتا دا مقام پر ۲۲۵ فیٹ بلند آبشار ہے جو دنچپرنا ندی میں گرتا ہے۔ اس آبشار کے نزدیک ہی رامیشور مندر ہے۔ جہاں شرادن میں سینکڑوں عقیدتمند حاضر ہوتے ہیں۔ بیڑ ضلع میں کئی بلند پایہ صوفی شاعروں نے جنم لیا جن کے نغمے آج بھی فضاؤں میں محسوس کئے جاتے ہیں۔ انھیں صوفی شاعروں میں شیخ محمد باسلنے بھی اپنے کلام سے بیڑ کی فضاؤں کو معطر کیا :-

***

بمبئی میں اقبال صدی نمائش



سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

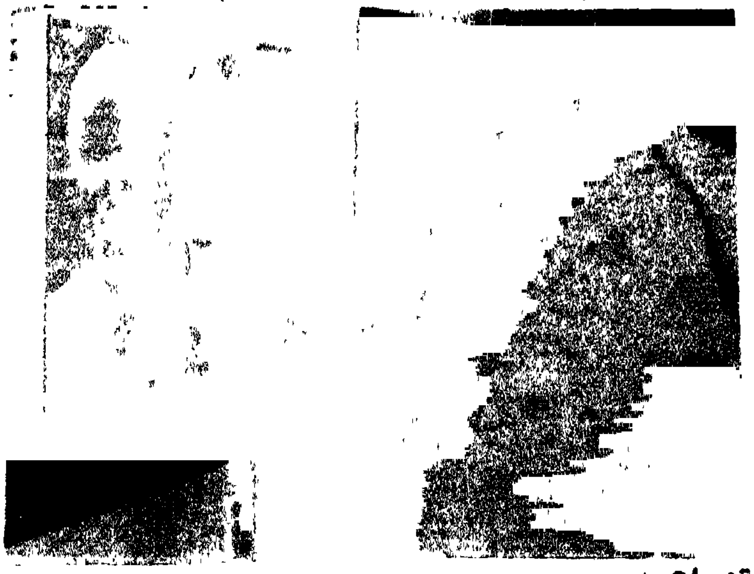
نمائش کا آغاز۔

عوام سے رابطہ قائم کرنے کے مختلف ذرائع میں سے ایک مؤثر ذریعہ "نمائش" بھی ہے جہاں لوگ کسی معروف شخصیت یا کسی نئی ایجاد کے بارے میں تصاویر۔ خاکوں۔ نقشوں اور موڈل کے ذریعے سے اپنی معلومات میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ اور اس طرح سے دیکھی ہوئی تحریریں یا تصویریں ان کے حافظے میں ہمیشہ قائم رہتی ہیں جن سے وہ وقت ضرورت فیضیاب بھی ہوتے ہیں اور دوسروں کی معلومات میں اضافہ بھی کرتے ہیں۔

سرزمین ہند میں آج سے ایک سو سال پہلے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے ۱۸۷۷ء میں جنم لیا۔ ڈاکٹر اقبال نے شعر و سخن میں ایک نئی رُوح پھونکی اور ملک کے ساتھ تمام دنیا کو امن و آشتی کا پیغام دیا۔ شاعری کے ذریعہ علامہ اقبال نے اپنے وطن اور اپنی قوم کی بے مثال خدمات انجام دیں۔ ان کا کلام زمانہ میں مشعل راہ کا کام کرتا رہے گا اور علامہ اقبال تا ابد اپنے کلام کی وجہ سے یاد کئے جائیں گے۔

اس سال کے شروع ہوتے ہی دنیا کے کئی ملکوں میں اقبال صدی منائی جا رہی ہے اور مختلف قسم کی تقریبات منعقد ہو رہی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی جگہ جگہ اقبال صدی کے موقع پر سیمینار ہو رہے ہیں۔ اقبال پر کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ اکثر رسالے اپنے خاص نمبر شائع کر رہے ہیں حکومتِ ہند کے ڈائرکٹوریٹ آف ایڈورٹائزنگ اینڈ ویزول پبلسٹی نے اقبال صدی کے موقع پر ایک بڑی نمائش کا اہتمام کیا اور بڑی کامیاب نمائش تیار کی۔

بمبئی میں مہاراشٹرا سٹیٹ اُردو اکادمی نے یہ نمائش پیش کرنے کا اہتمام کیا اور ۲۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کو سرکاؤس جی جہانگیر ہال میں "اقبال نمائش" کا افتتاح مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کے مُبارک ہاتھوں سے ہوا۔



اُردو اکادمی کے چیرمین ڈاکٹر رفیق زکریا، مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کو اقبال نمائش میں لگائی گئی تصویروں کے بارے میں مزید معلومات بہم پہنچانے میں معروف۔

اپنی افتتاحی تقریر میں شری وسنت دادا پاٹل نے ڈاکٹر اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان دِنوں جن لوگوں نے وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کی' ان کی زبان پر ڈاکٹر اقبال کا قومی ترانہ ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

تھا۔ یہی وہ ترانہ تھا جو دلوں میں تازگی بخشتا اور عزائم کو بلند کرتا تھا۔

اقبال صدی نمائش جو کہ سرکاؤس جی جہانگیر ہال میں ۲۷ر ستمبر سے ۳۰ر ستمبر، ۱۹۷۷ء تک دیکھی گئی۔ اسے ہر طبقہ نے بہت پسند کیا۔ یہ نمائش دو حِصّوں میں منقسم تھی۔ پہلے حصّہ میں ڈاکٹر اقبال کی ابتدائی زندگی کے حالات' ان کے والدین اور قریبی عزیز و اقارب نیز وہ مقامات جن سے علامہ اقبال کا خاص تعلق رہا، تصویروں، خاکوں اور تحریروں کے ذریعے دکھائے گئے ہیں ان تصویروں کو دیکھ کر آدمی اس دَور میں گُم ہو جاتا ہے جس میں علامہ اقبال نے زندگی کے دن گذارے تھے۔ تصویریں دلکش اور نایاب قسم کی ہیں جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئیں۔

نمائش کا دوسرا حِصّہ علامہ اقبال کے کلام پر ہے جہاں ان کی کہی ہوئی کئی غزلیں بذاتِ خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں۔ اس حصے میں ان کے وہ خطوط بھی شامل ہیں جو انھوں نے اُردو اور انگریزی میں لکھے تھے اس حصہ کو دیکھ کر بھی اقبال کی شخصیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

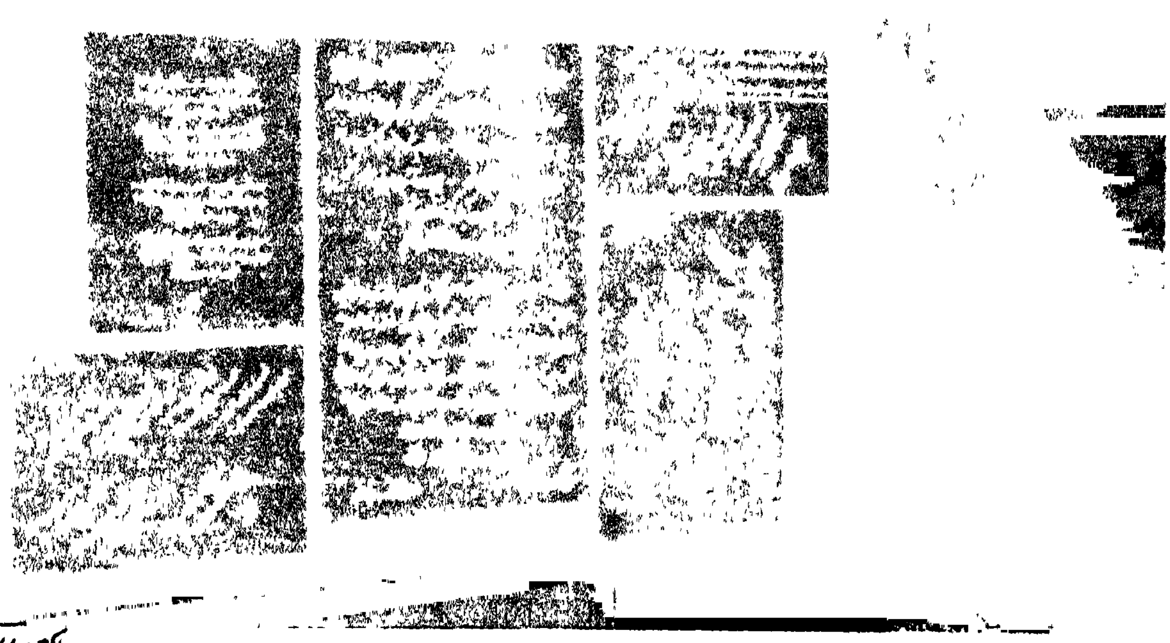
نمائش اقبال کے قومی ترانے کے مصرع

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

سے شروع ہوتی ہے۔ یہ پوری نظم اقبال کے ہاتھ سی لکھی ہوئی ہے۔ یہ نظم سب سے پہلے شائع کرنے کا سہرا کانپور کے ہفتہ وار اخبار 'زمانہ' کے سر ہے جو دیاشنکر نسیم کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ اقبال نے بعد میں اس نظم میں کچھ تبدیلیاں بھی کی ہیں۔ اس نظم کے ساتھ ہی ساتھ اقبال کے دو مختلف فوٹو ہیں ایک انگریزی طرز کے لباس میں اور دوسرا ہندوستانی لباس میں۔ اقبال کا اولین فوٹو جو آج تک دستیاب ہوسکا ہے وہ ۱۸۹۹ء کا ہے۔ یہ فوٹو نمائش کی زینت بڑھاتا ہے اس فوٹو کے ساتھ ہی ساتھ اقبال کی بے شمار تصویریں جو ہندوستان اور غیر ممالک میں لی گئی تھیں نظر آتی ہیں۔

اس نمائش میں اقبال کی مشہور کتاب 'اسرارِ خودی' کا دیباچہ بھی نظر آتا ہے۔ اسی حصہ میں اقبال کی وہ نظمیں بھی ہیں جو انھوں نے رام۔ سوامی رام تیرتھ، گرونانک اور گائتری منترا پر لکھی تھیں۔ وہ جذبہ حُبّ الوطنی سے بھرپور نظمیں جن سے جدوجہد آزادی میں قوت ملتی تھی اسی حصے میں نظر آتی ہیں۔ ان نظموں کے علاوہ 'وصال' تنہائی، نوائے شام، اتحاد، ٹیپو سُلطان وغیرہ بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ دکھائی گئی ہیں اور یہ تمام نظمیں

علامہ اقبال کی تحریروں میں منہمک



علامہ اقبال کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ کچھ نظمیں جیسے مرزا غالب۔ فلسفۂ غم، گورستانِ شاہی، ماتم پسر۔ صدائے درد، اپنی اصلی حالت میں نظر پڑتی ہیں۔

نمائش کے ایک حصے میں وہ تمام تحریریں بڑے سلیقے سے سجائی گئی تھیں جو ملک کے دانشوروں نے اقبال کے بارے میں نذرانۂ عقیدت کے طور پر لکھی ہیں۔ انھیں تحریروں میں پنڈت جواہر لال نہرو۔ سروجنی نائیڈو مولانا آزاد، سبھاش چندر بوس اور رابندر ناتھ ٹیگور کی تحریریں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مختلف پینٹنگس اور فن خطاطی کے اعلیٰ نمونے جو مختلف ماہرین نے اقبال کے بارے میں پیش کئے تھے' ان کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔

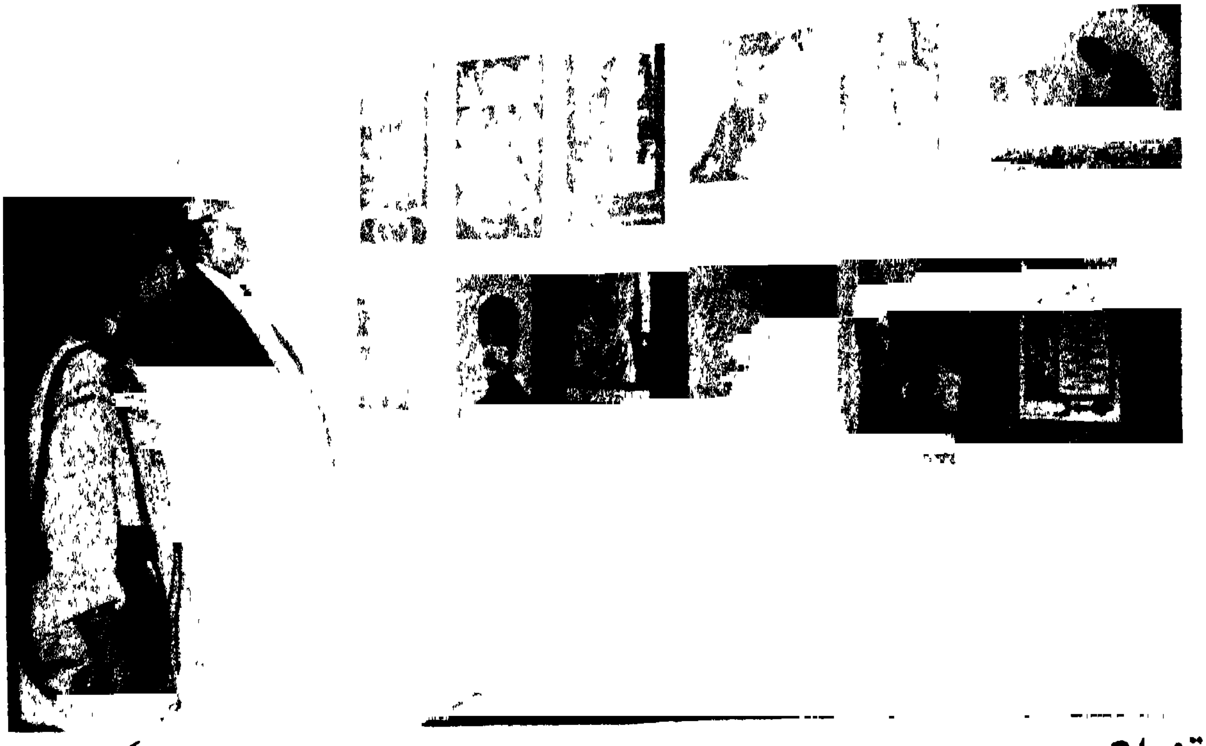
ایک حصہ متفرقات پر مبنی ہے اور اس حصہ میں علامہ اقبال کا رجسٹرڈ معاملہ دکھایا گیا ہے جس میں انھوں نے اپنے آپ کو سپرو خاندان سے متعلق کشمیری پنڈت ظاہر کیا ہے۔

اس نمائش میں کم و بیش ۰۰۸ تصاویر ہیں جن میں سے کئی تصاویر نایاب ہیں۔ مختلف وسائل سے یہ تمام چیزیں جمع کی گئی ہیں اور انھیں خوبصورت اسٹینڈز پر مناسبت کے ساتھ لگایا گیا ہے جس سے ان کا ماحول منظم ہوگیا ہے۔

بمبئی میں اس نمائش کو سینکڑوں لوگوں نے دیکھا اور اپنی معلومات میں اضافہ بھی کیا۔ نمائش دیکھنے والوں میں غیر اُردو داں طبقے کے لوگوں نے جو دلچسپی ظاہر کی اس سے اس بات کا اور بھی پختہ یقین ہوگیا کہ اقبال کے چاہنے والے صرف اُردو داں ہی نہیں بلکہ ہر زبان جاننے والے اقبال کو اپنا عظیم شاعر مانتے ہیں۔

(ریاض احمد خاں)

نمائش دیکھنے والوں نے اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔





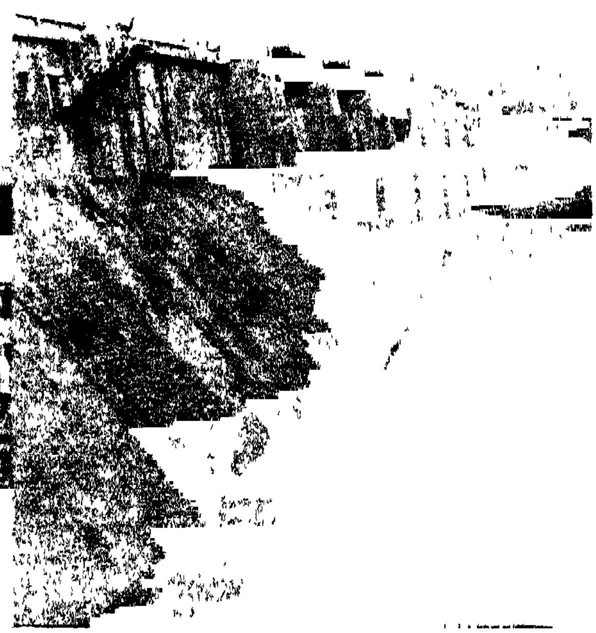


شری گوجر "لوک راجیہ" (انگریزی) کا ایوارڈ، نائب صدر شری جتی کے دست مبارک سے وصول کر رہے ہیں۔

شری اُدے سنگھ راؤ گائیکواڑ، وزیر مملکت برائے پبلسٹی، وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کو اُن کی رہائش گاہ "درشا" پر ایوارڈ دکھلا رہے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں (دائیں سے بائیں) شری ڈی۔ مہتا، شری گوجر، شری دوبے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

حال ہی میں وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے ڈھوم پروجیکٹ کی نہروں کا افتتاح کیا، جس سے ستارا۔ سانگلی کے اضلاع مستفیض ہوں گے تصویر میں وزیر آب پاشی شری سواجی راؤ پاٹل اور وزیر مالیات شری وائی۔ بی موہیتے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔









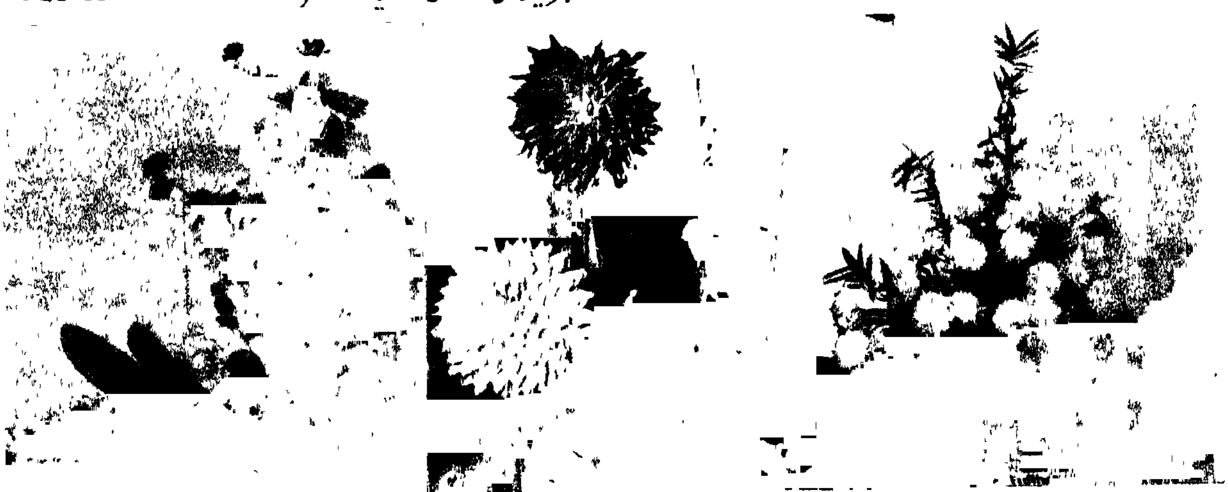
شری مدھوکر راؤ چودھری، وزیر مالیات، مہاراشٹر نے کماری ودیا شندے کو، اس سال مہاراشٹر بھر میں ایس ایس سی امتحان میں اوّل آنے پر مبارکباد دی۔ یہ تہنیتی جلسہ مراٹھا مندر ہال میں ہرالی لوک سماج کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا۔



شری ایس۔ اے سپرے، ڈائرکٹر گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی، نائب صدر ہند شری بی۔ ڈی جتی کے دست مبارک سے ایوارڈ حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ایوارڈ گورنمنٹ سینٹرل پریس بمبئی اور فوٹو زنکو پریس پونے کو بہترین طباعت پر دیئے گئے ہیں۔

شریمتی شانتی صادق علی، بیگم گورنر مہاراشٹر، پونے میں منعقدہ پھلوں اور سبزیوں کی نمائش میں پہلا انعام دے رہی ہیں۔

پونے کے راج بھون میں پھلوں اور سبزیوں کی نمائش کا ایک منظر۔



اُردو ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کی حوصلہ افزائی کی اسکیم

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کی اسکیم کے تحت ایسے اُردو ادیب، شاعر اور صحافی جن کی تخلیقات درج ذیل مقررہ مدت کے دوران شائع ہوئی ہوں، اس انعامی مقابلے میں حصہ لے سکتے ہیں۔

انعامات: پہلا انعام ... ... ۲۰۰۰ روپے
دوسرا انعام ... ... ۱۰۰۰ روپے
تیسرا انعام ... ... ۵۰۰ روپے

یہ انعامات مندرجہ ذیل میں سے ہر موضوع پر لکھی ہوئی کتاب پر دیئے جائیں گے۔ ۱۔ اُردو نظم (شعر و سخن)
۲۔ اُردو نثر (ناول، افسانہ، ڈرامہ)
۳۔ بچوں کا ادب
۴۔ تکنیکی ادب (سائنسی، علمی اور تنقیدی)

شرائطِ داخلہ: مقابلے میں شرکت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی ضروری ہوگی:

۱۔ مصنف ریاست مہاراشٹر کا باشندہ ہو۔
۲۔ مقابلے میں بھیجی ہوئی کتاب اس کی اپنی تخلیق ہو۔
۳۔ مذکورہ کتاب پہلا اڈیشن ہو۔
۴۔ مقابلے کے لئے صرف مطبوعہ جلدیں بھیجی جائیں (مسودے قبول نہیں کئے جائیں گے)
۵۔ کتاب جنوری ۱۹۷۶ء سے دسمبر ۱۹۷۶ء کے دوران شائع ہوئی ہو۔
۶۔ مذکورہ کتاب کی چھ جلدیں حسب ذیل معلومات کے ساتھ ۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء تک مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے دفتر منترالیہ، بمبئی ۳۲ میں پہنچ جانی چاہئیں۔
ا۔ کتاب کا نام
ب۔ موضوع جس کے تحت کتاب کو مقابلے میں شامل کیا جائے۔
ج۔ مصنف کا نام اور پتہ
د۔ کتاب کی تاریخ اشاعت
ہ۔ اس بات کا صداقت نامہ کہ مقابلے میں بھیجی گئی کتاب، مصنف کی اپنی تخلیق اور طبعزاد ہے۔

انتخاب کا طریقہ:

۱۔ اردو اکادمی کا بورڈ ہر موضوع کے لئے کمیٹی تشکیل کرے گا جو مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کو انعامات کے سلسلہ میں بھیجی گئی کتابوں کی جانچ کرے گی۔

۲۔ موضوع نمبر (۵) صحافتی ادب کے ضمن میں اخباروں اور رسالوں سے درخواست کی جائے گی کہ وہ مقررہ مدت کے دوران تخلیقی مضامین اور مقالات لکھنے والے تین یا تین سے کم صحافیوں (بشمول رپورٹر، ایڈیٹر اور سب ایڈیٹر) کے نام تجویز کریں۔ اس مقصد کے لئے تشکیل کی ہوئی کمیٹی ان تمام تجاویز کا جائزہ لے گی۔ (۳) بورڈ ان کمیٹیوں کی تجاویز کا جائزہ لے گا اور چیرمین کا فیصلہ آخری ہوگا۔

طریقہ تقسیم انعامات:

۱۔ انعام یافتگان کو مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کی جانب سے منعقد کئے جانے والے پروگرام میں انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔

۲۔ پروگرام میں شرکت کے لئے بیرونِ بمبئی سے آنیوالے انعام یافتگان اور ان کے شریکِ حیات کو تین روز تک سرکاری مہمان منظور کیا جائے گا اور ان کا بمبئی آمد و رفت کا سفر خرچ اکادمی برداشت کرے گی۔ علاوہ ازیں وہ قواعد کے مطابق یومیہ الاؤنس کے بھی مستحق ہوں گے۔

نوٹ: اس مقابلے میں شرکت کے لئے کوئی داخلہ فیس یا داخلہ فارم نہیں ہے۔ مصنفین اپنی کتابیں سیکریٹری "مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی" جی۔ اے ڈی، منترالیہ، بمبئی۔ ۳۲ کو مذکورہ شرائط پر عمل کرتے ہوئے ۱۵ ر اکتوبر ۱۹۷۷ء تک بھیج سکتے ہیں۔

ودربھ علاقے میں آبپاشی کا منصوبہ

ودربھ علاقے میں موجودہ آبی ذرائع کے استعمال کا ایک ماسٹر منصوبہ اب تیار ہے اور جب اس کے مختلف ادوار کو کامیابی سے پورا کر لیا جائے گا تو اس وقت اس ڈویژن کی ۵۲ لاکھ ہیکٹر زیر کاشت اراضی کا ۳۰ فیصدی حصہ زیر آبپاشی لایا جاسکے گا۔

تکمیل کے مراحل پر اس وقت جو مختلف منصوبے ہیں ان میں بین الریاستی پینچ ہائیڈرو پراجیکٹ ہے، اپنی طرح کا اس علاقے میں واحد زیر زمین پاور ہاؤس والا ہے جیسا کہ کوئنہ پراجیکٹ ہے۔

علاقے کے بڑے پروجیکٹوں میں لوئر پراجیکٹ جس کی صلاحیت ۵۰۸۹ ہیکٹر کی ہے، باغ پراجیکٹ ۳۳۶۷۰ ہیکٹر، اٹیادوہ ۲۵۹۶۳ ہیکٹر، ضلع بھنڈارہ میں ۳۲۰۱۹ ہیکٹر ضلع چندرپور میں۔ پینچ پروجیکٹ ۱۰۲۹۴۶ ہیکٹر اپر وردھا پروجیکٹ ۵۹۸۰۰ ہیکٹر اور باؤنتھاڑی ۲۵۳۰۹ ہیکٹر۔

ان پراجیکٹ سے حاصل ہونے والی کل صلاحیت ۳۰۶۰۵۶ ہیکٹر کی ہے۔ اسکے علاوہ کئی درمیانی، بڑے اور چھوٹے پراجیکٹ میں جو ابھی تحقیقاتی سطح پر ہیں اور جب مکمل ہو جائیں گے تو اس علاقے کی خوشحالی میں چار چاند لگ جائیں گے۔

نہرو پلانیٹیریم تفریحی ٹیکس سے مستثنیٰ

حکومت مہاراشٹر نے نہرو پلانیٹیریم، نہرو سینٹر، بمبئی کو اس شرط پر تفریحی ٹیکس اور تفریحی ڈیوٹی ایکٹ بابت ۱۹۲۳ء کے تحت لگائے جانے والے سرچارج سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اگر وہاں روزانہ ہونے والے دو شو مفت دکھائے جائیں گے۔

ان دو شو میں سے ایک شو میونسپل اسکول کے بچوں کیلئے اور دوسرا مہاراشٹر سرکار سے امداد پانے والے نیز ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، بمبئی عظمیٰ کے تحت آنے والے اسکولوں کے غریب بچوں کیلئے اور دیہی علاقوں کے بچوں اور جسمانی طور پر معذور بچوں کیلئے ہوگا۔

بھنڈارہ منصوبہ جاتی اسکیموں کا جائزہ

شری این کے، ترپوڑے، وزیر برائے قبائل بہبود نے ضلعی منصوبہ جاتی اسکیموں پر عمل درآمد کرنے کے لئے جائزہ لینے کی خاطر یہاں منعقدہ حالیہ جلسہ کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

موجودہ سال کے دوران ۲۸ء۵ کروڑ روپے کی رقم ضلع کے منصوبہ جاتی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے دی گئی جنہیں سے ۴۶ فیصد غیر قبائیلی اور ۱۵ فیصد قبائیلی اسکیموں پر خرچ کئے گئے۔

ضلع کا سالانہ منصوبہ سال برائے ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۱۳ء۴۴ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ جس میں ۱۳ء ۱ قبائلی ضمنی منصوبے ۵۶ء۱ کروڑ ضمانت روزگار اسکیموں اور ۴۴ء۱۰ کروڑ دیگر اسکیموں پر خرچ کئے جائیں گے۔

اس جلسہ میں شری ترپوڑے نے فرمایا کہ ۲۶ء۳ کروڑ روپے کی اضافی رقم ضلع کو دی گئی جو کہ سالانہ مصارف کی رقم کے علاوہ ہے

نوجوانوں کے وفود کا تبادلہ

حکومتِ ہند نے بین الریاستی اور بین الاقوامی سطح پر نوجوانوں کے وفود کے تبادلہ کی اسکیم مرتب کی ہے۔ اس پروگرام کا مقصد علاقائی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر نوجوانوں میں رابطہ قائم کرنا ہے اور اس اسکیم میں حصہ لینے والے نوجوانوں کو مالی امداد بہم پہنچانا ہے۔

اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کیلئے نوجوانوں کے ادارہ جات ڈسٹرکٹ اسپورٹس افسران سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں۔

ٹوریزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی از سر نو تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے شری این کے ترپوڑے، وزیر برائے قبائلی بہبود، ٹوریزم کی سربراہی میں مہاراشٹر ٹوریزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے ڈائرکٹران کے بورڈ کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

شری آر ایم پانڈے، وزیر مملکت برائے ٹوریزم کارپوریشن کے وائس چیئرمین ہیں۔

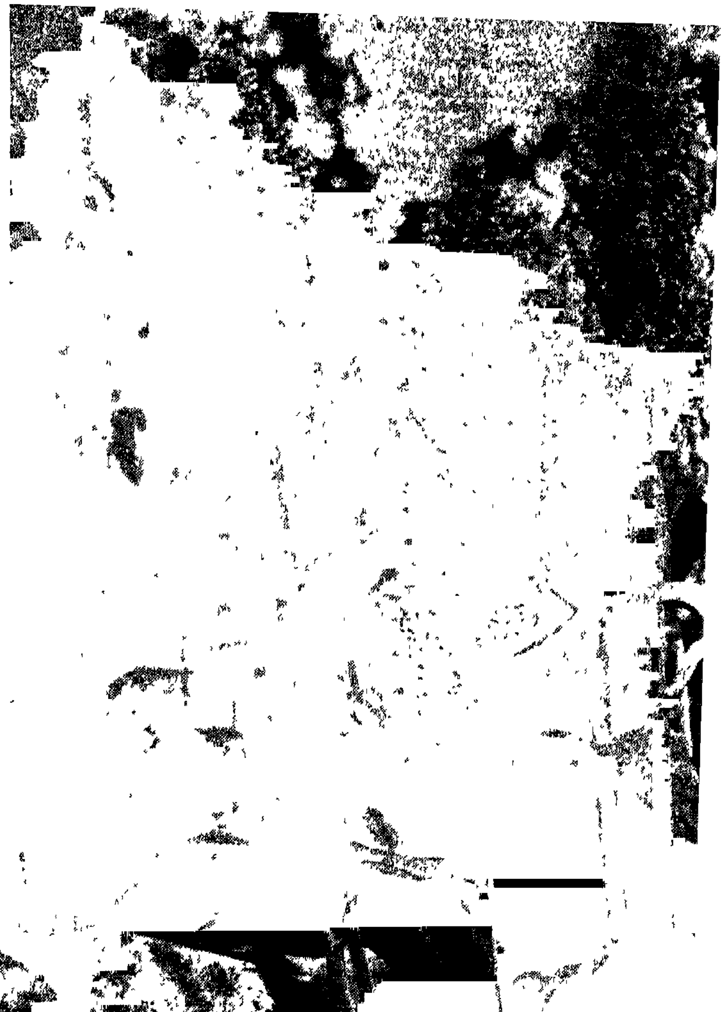
شری دی، بی سنڈلیکر، سیکریٹری سوشیل ویلفیر ڈیپارٹمنٹ مینجنگ ڈائرکٹر ہیں اور شری آئی کے بی، چوبے، ٹوریزم کے ڈائرکٹر، ڈپٹی مینجنگ ڈائرکٹر ہیں۔

دیگر ممبران یہ ہیں: شری اجیت کیرکر، شری گنیش پوتدار، شری آئی، ایم، قادری، شریمتی بکل پٹیل، شری این. ایچ. دستور ڈاکٹر رام. ایس ترنیما، شری رام کرشنا نائیک (ایم ایل اے)، (سب کے سب بمبئی سے)؛ شری کے آر، پانڈے، اچپور، شری ایس اقبال حسین ایم ایل اے، پربھنی، شری کے آر شینڈے، بھنڈارہ اور شری ایس اے چوان، پونے؛

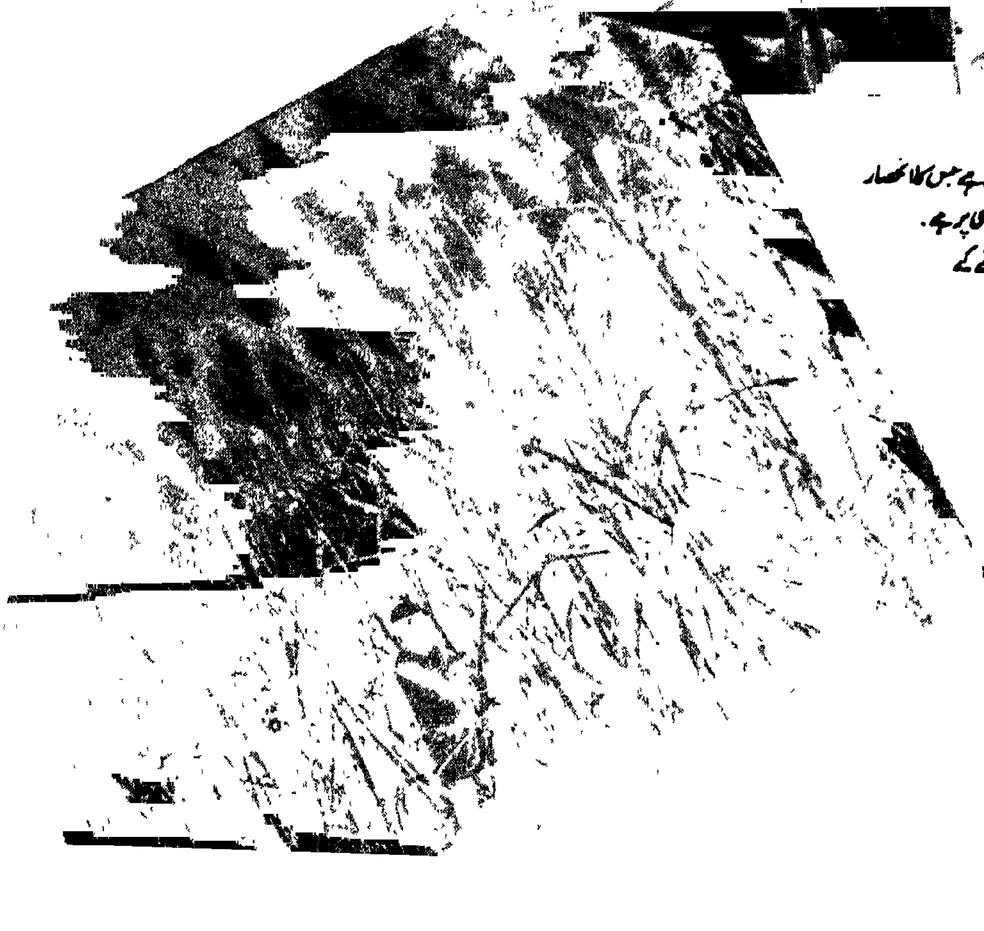
ریاستی ناٹیہ مہتسو

ریاستی ڈائرکٹوریٹ آف کلچرل آفیسرز کو ۱۷ ویں مہاراشٹر ریاستی ناٹیہ مہوتسو کے حصہ کے طور پر مختلف زبانوں میں ہونے والے غیر پیشہ ورانہ ڈرامہ مقابلے کے لئے ۳۷۵ داخلے موصول ہوئے ہیں جنہیں سے ۲۹۲ مراٹھی ڈرامہ مقابلوں کیلئے ہیں۔ ۲۲۸ شہری اور ۶۴ دیہی ڈرامہ مقابلوں کیلئے اور ۳۵ مراٹھی میوزیکل ڈرامہ مقابلوں کے لئے ہیں۔ اسکے علاوہ ۴۳ داخلے ہندی ڈراموں کے مقابلے کیلئے موصول ہوئے ہیں۔

چونکہ گجراتی ڈراموں کے صرف ۲ داخلے موصول ہوئے ہیں لہذا ناٹیہ مہوتسو کے قوانین کے تحت انہیں مقابلوں میں شریک نہیں کیا جائیگا داخلے کے فارم ابھی تک زیر غور ہیں اور ڈرامہ مقابلوں کے لیئے آخری پروگرام کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ شہری مراٹھی ڈراموں کے علاقائی مقابلے مختلف مراکز پر نومبر کے دوسرے ہفتہ سے شروع ہوں گے۔

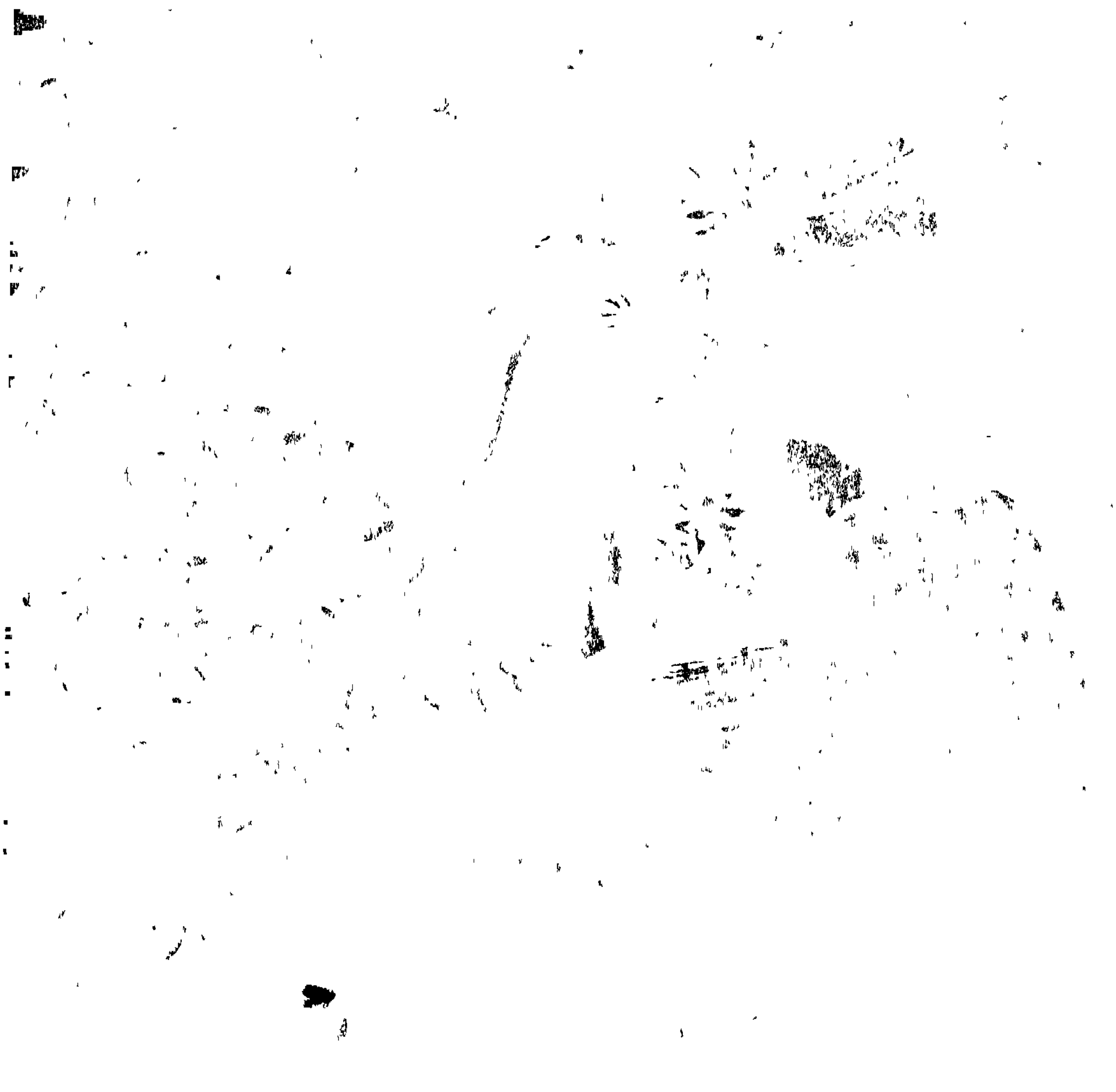


مخلوط جوار فصل۔ یہ ریاست کی خاص
فصلِ اناج ہے جو خریف اور ربیع دونوں
موسموں میں ہوتی ہے۔



نا ریاست کی ایسی فصل ہے جس کا انحصار
ب پوری طرح سے آبپاشی پر ہے۔
بپاشی کی سہولتیں بڑھنے کے
ساتھ گنے کی پیداوار بھی
ڈب بڑھی ہے اور
ن الحال بیس لاکھ
ن تک پہنچ گئی ہے۔

"چیکو" ریاست کا ایک خاص "خوش ذائقہ" پھل ہے جس کی کاشت تقریباً ایک ہزار ایک سو ہیکٹر پر کی جاتی ہے۔ ہر ضلع میں اس کی کاشت ہوتی ہے۔



ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

قومی راج

★ مہاراشٹر میں صنعتوں کا پھیلاؤ
★ ایلا بھٹ نے "میگ سیسے" انعام حاصل کیا
★ رام ٹیک ۔ جاتری کی جنت

۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۷ء

قیمت : ۵۰ پیسے



احمد نگر میں « سیکوم » کا شیڈ اپنے اخراجات سے سیکوم نے « مڈک » کے ذریعے اسی طرح کے شیڈ، تاراپور، ناگپور، اورنگ آباد، ناسک اور جلگاؤں میں تعمیر کرائے ہیں، جن میں سے ہر ایک کا رقبہ ایک ہزار مربع میٹر ہے ۔



ناسک کی مائیکو فیکٹری جہاں ۹۲۵ آدمی کام کر رہے ہیں۔

قارئین کی رائے

مدیر محترم۔ آداب!

جہاں تک ''قومی راج'' میں شائع شدہ مضامین کا تعلق ہے، ۱۰ر ستمبر کے شمارے میں ''مہاراشٹر کی پیشقدمی'' کے تحت شری آر۔ڈی کلکرنی، پبلسٹی آفیسر کی تخلیق اور شری اے۔ دی یاشا کے ترجمے ''لیبزگ میلے میں نوگا کو سونے کا تمغہ'' سے میں کافی متاثر ہوا ہوں۔ یہ مضمون پڑھ کر مجھے بے اختیار اولمپک گیمز یاد آ گئے۔ جن میں ہم کبھی ہاکی کے کھیل میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر کے سونے کا تمغہ جیتا کرتے تھے، لیکن اب تو ہماری ہاکی کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہم سونے کا تمغہ چھوڑ چاندی کا تمغہ حاصل کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں رہے ہیں جبکہ دوسرے ممالک سونے کے ڈھیروں تمغے جیت کر لے جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں یہ مضمون پڑھ کر مجھے ایسا لگا کہ چلو ''نوگا'' کا دم ہی غنیمت ہے جو اس نے یہ کامیابی حاصل کر کے دکھائی ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں 'نوگا' کی تاریخ اور اس کی جائداد کو مناسب انداز میں بیان کرنے کے علاوہ اس بات کی بھی بالتفصیل واقفیت بہم پہنچائی گئی ہے کہ 'نوگا' نے کس طرح اور کس جذبہ کے لئے عالمی میلے میں کافی کڑے مقابلے کے بعد سونے کا تمغہ حاصل کیا ہے اور اس تمغہ کے حصول کے لئے کن کن افراد اور اداروں کی مساعیٔ جمیلہ کو دخل رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس شمارے میں مجھے یہ مضمون بہت پسند آیا ہے، کیوں کہ بطور ایک ہندوستانی کے، ایک ہندوستانی ادارے کی طرف سے عالمی مقابلے میں سونے کا تمغہ حاصل کر لے پر مجھے فخر اور خوشی کا جو احساس ہوا ہے وہ میرے جیسے ہر ہندوستانی کو ہونا لازمی ہے۔

اور جہاں تک تخلیقات کی پسند کا سوال ہے، مجھے خیال آفریں اور خیال انگیز تخلیقات زیادہ پسند آتی ہیں۔ ایسی تخلیقات جن میں صحت مند اور اعلیٰ قدروں کا احساس رچا بسا ہو۔ اور جن کو پڑھنے کے بعد بے اختیار منہ سے واہ! نکل جائے اور ذہن میں خیالات کا ہجوم پرا باندھے ہوئے کھڑا ہو جائے جو قومی راج پڑھ کر تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔

خلوص کار: کشوری منجندہ، ایم اے بی ایڈ
۱۰۵۔ پرتاپ گڈھ، (جموں توی)

حکومت مہاراشٹر کا ڈائرکٹریٹ آف انفارمیشن واقعی قابل مبارکباد ہے کہ وہ اُردو زبان میں 'قومی راج' جیسا بامقصد رسالہ شائع کر رہا ہے۔ قومی راج جو مفید معلومات اُردو میں دے رہا ہے اُن کی اُردو والوں کو سخت ضرورت ہے۔ میں اُردو داں طبقہ سے پُرخلوص التماس کرتا ہوں کہ وہ قومی راج جیسے بامقصد رسالے کو خریدے اور اپنی معلومات اور ساتھ ہی ساتھ اپنے بچوں کی معلومات میں بھی اضافہ کرے۔ نیز میں اسکولوں اور کالجوں سے بھی درخواست کروں گا کہ وہ قومی راج کو اپنی لائبریری کی زینت بنائیں۔

بی۔ ایم رشید
۵۲۔ وزیر بلڈنگ، گراؤنڈ فلور، ابراہیم رحمت اللہ روڈ، بمبئی

جس وقت سے 'قومی راج' کا اجراء ہوا، اس وقت سے آج تک کے اس کے تمام شمارے میری فائل میں موجود ہیں۔ ان کا باقاعدہ مطالعہ میرا معمول رہا ہے۔ 'قومی راج' کے بیشتر خاص نمبر اپنے مضامین، معیار، موزونیت اور جامعیت کے لحاظ سے منفرد ہی شمار کئے جائیں گے۔ رفتہ رفتہ اس رسالے میں تبدیلی آتی گئی۔

ابتدا میں رسالہ مواد، معیار اور کتابت کے لحاظ سے جس قدر خوبصورت اور پُرکشش تھا، آج نہیں ہے۔ ادبی تخلیقات کل تک اس میں برابر جگہ پاتی تھیں لیکن آج اشاعت سے محروم ہیں۔

یہ بھی صحیح ہے کہ آج رسالہ جس قدر معلوماتی ہے، کل نہیں تھا۔ آج ہماری سماجی اور قومی زندگی کے جو مسائل اور ان کے حل پیش کئے جاتے ہیں کل تک رسالہ میں ان کا پتہ نہیں تھا۔ لہٰذا یہ تبدیلی طالب علموں اور عام لوگوں کے لئے مفید تو ہو سکتی ہے لیکن 'قومی راج' میں ادبی شہ پاروں کی کمی یوں محسوس ہوتی ہے جس طرح خوشبو کے بغیر کوئی خوبصورت پھول!

اس لئے میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ آج ادبی حلقے کے بیشتر افراد اس کے مطالعہ کے لئے دلچسپی کم لیتے ہیں کیونکہ اس میں اب ان کے مذاق کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔

بہتر ہوگا کہ پرچے میں ان کے بھی مذاق کا سامان فراہم کر دیا جائے۔ تاکہ زندگی کے ہر شعبہ اور ذوق سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا یہ پسندیدہ اور محبوب رسالہ بن جائے۔

غلام رسول اشرف بی ایس سی، بی ایڈ
سکریٹری اُردو سبھا۔ ناگپور

قومی راج

جلد ۴ ☆ شمارہ ۱۹

۲۵ راکتوبر ۱۹۷۷ء

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت: دس روپے ☆ فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب:

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خان

سب ایڈیٹرز: عبدالوحید خان جامعی

نیروزہ خان

سخنہائے گفتنی

ہمیں اس بات کا اعلان کرتے ہوئے مسرت ہو رہی ہے کہ "قومی راج" کے ساتھ ہی ساتھ مراٹھی، انگریزی، ہندی، گجراتی اور سندھی 'لوک راجیہ' نے اقبال صدی کے موقع پر ایک خصوصی "اقبال نمبر" شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو دسمبر ۱۹۷۷ء کے اواخر میں آپ تک پہنچ سکے گا۔

اسی سلسلے میں معروف شخصیتوں سے اپنے رشحات قلم روانہ کرنے کی درخواست بھی کی گئی ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ ہمیں بھرپور تعاون حاصل ہوگا۔

زیرِ نظر شمارے میں ہماری "صنعتی ترقی" پر ایک خاص مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف آپ کو ریاست کی اب تک کی صنعتی ترقی کے بارے میں معلومات ہوں گی بلکہ ہمارے آئندہ منصوبوں کی جھلکیاں بھی نظر آئیں گی۔

'رام ٹیک' مہاراشٹر کا ایک صحت افزا مقام ہے' یہاں کی خوبصورتی ہر سیاح کے دل پر اپنا لافانی نقش چھوڑ دیتی ہے۔ اس مقام کی تاریخی اور ادبی اہمیت بھی ہے اور وہ یہ کہ یہیں پر کالیداس نے اپنا مشہور منظوم ڈرامہ "میگھ دوت" مکمل کیا تھا۔ زیرِ نظر شمارے میں 'رام ٹیک' کے بارے میں ایک مضمون ملاحظہ فرمائیے۔

عبدالغفور

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔ منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

سرورق کے لئے پیپر:

ٹرانس فریٹ کنٹینرز لمیٹیڈ کی تاراپور فیکٹری کا بیرونی منظر۔ "سیکوم" سے امداد یافتہ اس کمپنی نے حال ہی میں اپنا تیار مال روس کو برآمد کرنے کے لئے ایک معاہدہ پر دستخط کئے ہیں۔

ناناصاحب گورے

• پرسنّا کمارا بھینکر

• تلخیص: عبدالوحید خاں جامعی



برطانیہ میں ہند کے ہائی کمشنر کی حیثیت سے شری ناناصاحب گورے کا تقرر ایک طرح سے اُن کی زنگا رنگ زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہے۔ اس موقع پر معًا یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ آیا شری ناناصاحب گورے جیسے بے باک، اُلوالعزم اور سرگرم سیاسی رہنما کے لئے یہ عہدہ قابل قبول ہو گا۔ آپ نے اپنی زندگی کے بہترین سال قوم کی خدمت میں لگا دیئے۔ مجاہد آزادی کی حیثیت سے آپ نے بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ آزادی کے بعد بھی آپ کا یہی حال رہا۔ ملک میں سب سے پرانی اور سب سے بڑی سیاسی جماعت کا متبادل پیش کرنے کی غرض سے سیاسی طاقتوں کو متحد کرنے میں آپ کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ناناصاحب گورے سالہا سال سے سیاست میں سرگرم حصہ لے رہے ہیں، ان کے ماضی کے کارنامے قابل فخر ہیں۔ اب ستّر سال کی عمر میں انھیں یقیناً یہ حق ہے کہ ایسی سرگرم سیاسی زندگی سے الگ ہو کر آرام وسکون سے دن گذاریں۔

بہر حال آل انڈیا ریڈیو، پونے کے لئے ایک انٹرویو کے موقع پر شری ناناصاحب سے جب یہ سوال پوچھا گیا کہ 'کیا آپ اپنی زندگی میں اس نئے باب کا آغاز کریں گے' تو آپ نے فرمایا کہ "جب ہم سب نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ پارلیمانی جمہوریت اختیار کی جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ایک نہ ایک دن ایسا آئے گا جب کہ ہمیں ریاستی اور انتظامی فرائض و ذمے داریاں بھی اُٹھانا ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت جبکہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں تھا یہ پوچھے جانے پر کہ آیا میں یہ ذمے داری قبول کر دوں گا، میں نے بلا تامل حامی بھر لی۔ درحقیقت میں تو اس موقع کو اپنے لئے ایک چیلنج سمجھتا ہوں۔"

ناناصاحب کی کامیاب سیاسی زندگی پر نظر ڈالنے سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اس مرد مجاہد نے ہمیشہ ہی وقت کے 'چیلنج' کا بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا ہے۔ اس نئی ذمے داری کو قبول کر کے آپ نے اپنے اُسی عزم اور حوصلہ کا ثبوت دیا ہے۔ اُن کا یہ قدم کسی طرح بھی اُن کے شاندار ماضی سے ہٹکر نہیں بلکہ اُن کی شایانِ شان ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں جب گاندھی جی نے نوجوانوں سے پُرزور اپیل کی تو ناناصاحب بھی تحریک آزادی میں کود پڑے۔ انگریزوں کی جیلوں میں بڑی اذیتیں اُٹھائیں، لیکن آپ کا جوش و خروش سرد نہ ہوا، پھر جب آپ نے یہ محسوس کیا کہ تحریک آزادی کو سوشلسٹ رُخ دیا جائے تو کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے قیام میں نمایاں حصّہ لیا۔ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کے آغاز پر آپ نظام کی جیل میں بند دلاچار تھے۔ لیکن یہاں سے رہا ہوتے ہی آپ مہاراشٹر میں 'خفیہ تحریک' چلانے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ پھر جونہی آپ کے دل میں خیال آیا کہ اُن ہم وطنوں کی آزادی کے بغیر جو پُرتگالی حکومت کے محکوم ہیں، دیس کی آزادی ادھوری ہی رہے گی، آپ نے میدان کارزار میں ڈٹ کر مقابلہ کیا اور گوا میں سزائے قید کاٹی۔ اُنیس ماہ بعد وہاں سے واپس آکر آپ نے سمیکت مہاراشٹر کے سوال پر لوک سبھا کا انتخاب لڑا اور جناب کاکا صاحب گاڈگل کے مقابلے میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ سوشلسٹوں میں جب آپسی اختلافات کی بنا پر پھوٹ پڑ گئی تو اس موقع پر آپ نے شری ایس۔ایم جوشی جیسے دیرینہ رفیق سے قطع تعلق کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ اسی طرح اپنی سیاسی بصیرت کی بدولت آپ نے یہ حقیقت بھی جان لی کہ دیس کو 'کانگریس' کی جگہ مضبوط تنظیم کی ضرورت ہے۔

باکمال شخصیت: نانا صاحب زندگی بھر مجاہد رہے۔ اخلاق وضابطہ پر سختی سے کاربند۔ لیکن اپنے کئی ہم عصروں کے برعکس زندگی کے دوسرے پہلو آپ کی نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہوئے۔ ہماری نسل کے کتر نوجوان آپ کی توانا وچست شخصیت سے متاثر ہوئے آپ کی شخصیت سادگی، شائستگی اور پاکیزگی کا نمونہ ہے۔ شاید چند ہی لوگوں کو یہ علم ہو، یہ اعلیٰ صفات آپ کے پابند اخلاق، لائق ومشفق والد کی تربیت کی دین ہیں جن کے زمانہ میں سادگی اور بلند خیالی ہی زندگی کی معراج تھی۔

نانا صاحب کی تحریر نہایت صاف، شستہ اور رواں ہے اور آپ کی تقریر ہمیشہ پُر زور، پُر لطف، مربوط اور بامقصد رہی ہے۔ یہ کمال سالوں کی محنت اور ریاضت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ناگپور کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے۔ نانا صاحب ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرنے کے لئے میرے گھر تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد ایک عام جلسہ ہونے والا تھا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نانا صاحب نے عام جلسہ کے مقررہ وقت سے نصف گھنٹہ پہلے پریس کانفرنس ختم کردی۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ "مجھے ایسا گوشہ بتا دو جہاں اکیلے بیٹھ کر عام تقریر کے لئے اپنے خیالات ٹھیک سے مرتب اور ذہن نشین کرسکوں۔ ہمارے کتنے رہنما ہیں جو اس قدر اہتمام اور اس ضابطہ کی پابندی کرتے ہیں؟

نانا صاحب گورے سیاست داں ہی نہیں بلکہ بہترین قلمکار اور انشا پرداز بھی ہیں۔ زندگی کے رنگا رنگ پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ کا مطالعہ وسیع ہے۔ اپنے مشاہدے اور تجربات کی روشنی میں زندگی کے واقعات کی حسین و دلکش عکاسی کرتے ہیں۔ آپ کی مشہور مراٹھی تصانیف "سیتے چے پوہے" "ڈالی"، "کروندے" "کارہ گریہ چیا بھنتی" "آواہن آنی اواہن" "ایرانی وریل پرشیا اور امریکن سنگھراجیہ چا اتہاس" آپ کی انشا پردازی کے بہترین نمونہ ہیں۔

نانا صاحب کی زندگی میں بچپن ہی سے سمندر کی لہریں موجزن ہیں۔ آپ کے آبائی گاؤں ہینڈالے کے قریب دیوگڈھ کا حسین ساحل ہے، جہاں آپ نے بچپن کے خوش گوار ایام گذارے ہیں۔ ننھے 'نانو' گھنٹوں ساحل پر کھیلتے کودتے، گھونگے سیپیاں جمع کرتے، بار بار لہریں اُٹھتیں اور نرم نرم ریت پر آپ کے ننھے ننھے پاؤں کے نقوش مٹا دیتیں۔ سمندر کی یہی حسین لہریں اور دلکش روپ آج بھی آپ کی آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ اب آپ سمندر پار جارہے ہیں۔ برطانیہ میں سفیر ہند بن کر۔ نیا عزم، نیا حوصلہ اور نیا پیام لے کر۔ آپ کی کوشش یہی ہوگی کہ ملکہ کے دیس کے شہری ہندی تہذیب کے حسن وجمال کو دیکھیں' برطانیہ اور ہند کے باشندوں کے درمیان تعلقات مزید استوار اور خوشگوار رہیں۔ آپ وہاں مقیم ہندوستانیوں کی بھی اعانت اور رہنمائی کریں گے۔ نانا صاحب ہماری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں' بہ سلامت روی و باز آئی! آپ سمندر کے عاشق ہیں' اور یہ عین مناسب بات ہے کہ آپ برطانیہ میں ہند کی رہنمائی کریں' جس کا ایک زمانے پر راج تھا۔

●●

بہترین خط پر انعام: آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلہ میں موصول ہونیوالے بہتر اور خیال انگیز خط پر ۲۵ روپے کا انعام بھی دیا جاتا ہے۔

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند کرسکتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کرسکتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کرسکتے ہیں، بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط آپ مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیے:

مدیر پندرہ روزہ 'قومی راج'، پندرہواں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ' مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مہاراشٹر اور شرابِ بندی

• ڈاکٹر ایس۔ ڈی پونیکر، پروفیسر آف سوشل سائنسز
ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنسز بمبئی

• ترجمہ: اے۔ وی پاشا

شراب بندی کے اُن تمام چاہنے والوں کے لئے شری مُرار جی دیسائی کا ہندوستان کے وزیرِ اعظم کے طور پر انتخاب خوشی اور تحرکا باعث ہوگا کیونکہ گذشتہ چالیس سال سے موصوف مکمل شراب بندی کے لئے جدوجہد اور وکالت میں مصروف ہیں۔ جب ۱۹۳۷ء میں ریاست بمبئی میں پہلی کانگریسی وزارت بنی تھی اس میں شری دیسائی وزیرِ محصول تھے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے شراب بندی روشناس کرانے کی ہدایت دی۔ اور ریاستی حکومت نے فیصلہ کا نفاذ کرتے ہوئے ۲۷ راگست ۱۹۳۷ء کو شراب بندی کے ایک منصوبے کا اعلان کیا جو کہ آئندہ تین سالوں میں مکمل ہوگا۔ بمبئی حکومت نے احمد آباد شہر کے صنعتی علاقہ نیز بھڑوچ کے بعض حصوں کنارہ، سُورت اور احمد نگر کے اضلاع میں شراب بندی نافذ کی۔ بمبئی شہر میں شراب بندی کا نفاذ ۱۹۳۹ء میں عمل میں آیا۔

مکمل شرابِ بندی

بہر حال جب نومبر ۱۹۳۹ء میں کانگریسی حکومت نے دوسری جنگِ عظیم کے شروع ہونے کے فوراً بعد استعفےٰ دیدیا تو شراب بندی کا جو تھوڑا بہت نفاذ عمل میں آیا تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔ شراب بندی کا پروگرام ٹھنڈا پڑ گیا اور صرف مقامی طور پر تیار کردہ دیسی شراب، تاڑی اور ادویہ تک محدود رہ گیا۔

جب ۱۹۴۶ء میں ایک بار پھر کانگریس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تب حکومت بمبئی نے یکم اپریل ۱۹۴۷ء سے چار سالہ مکمل شراب بندی کا پروگرام درجوں میں شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ شری مُرارجی دیسائی نے یہ بات اپنی سوانح حیات میں تحریر کی ہے، لکھتے ہیں:

"ہماری پہلی وزارت کے اہم اقدامات میں سے ایک بعض اضلاع میں ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک شراب بندی نافذ کرنا تھا لیکن تجربے سے ہم پر ظاہر ہوا کہ کام مناسب اور مؤثر طریقے سے نہیں ہوا کیونکہ باری باری سے اضلاع میں نافذ کیا گیا۔ اس لئے ۱۹۴۶ء کے اختتام پر ہم نے فیصلہ کیا کہ پوری ریاست میں شراب بندی نافذ کی جائے وہ اس طرح کہ ہر سال کے ایک ہفتے میں دو دن کے لئے شراب کی دکانیں بند رکھی جائیں اور ہر سال کے ایک ہفتے میں دھیرے دھیرے دو دن کا اضافہ کیا جائے۔ اس طرح سے چار سال کے اندر پوری ریاست میں مکمل شراب بندی ہو سکے گی۔"

(جلد ۱ صفحہ ۲۳۱)

اس شراب بندی پالیسی کے نفاذ کے سلسلہ میں حکومت بمبئی نے کئی اقدامات کیئے۔ دیسی شراب اور ادویہ کی فراہمی، تاڑی کے پیڑوں کی تعداد اور غیر ملکی شراب کے کوٹے کی فروخت پر راشن لگایا اور دھیرے دھیرے ۲۵ فیصدی سالانہ کی شرح سے استعمال میں کمی لائی گئی تاکہ ۶ راپریل ۱۹۵۰ء کو مکمل شراب بندی ہو سکے۔

اقدامات کا اعلان شراب بندی کے آغاز کے سالوں میں بہت سے دلچسپ اقدامات کئے گئے جن میں:

(۱) ریاست کی تمام آبکاری دکانوں کو ایک ہفتہ میں مقررہ دنوں میں بند رکھنے کے احکام صادر کئے گئے (۱۹۴۷-۴۸ء میں ہفتہ میں دو دن۔ ۱۹۴۸-۴۹ء، ہفتہ میں تین دن اور ۱۹۴۹-۵۰ء، ہفتہ میں چار دن)

(۲) شراب کی دکانوں کی تعداد میں دھیرے دھیرے کمی آنا شروع ہوگئی ۱۹۴۷-۴۸ء ۲۱۰ دکانیں، ۱۹۴۸-۴۹ء میں ۱۳۵ دکانیں اور ۱۹۴۹-۵۰ء میں ۵۴۷ دکانیں بند ہوگئیں۔

(۳) شراب کی تیزی میں کمی کی گئی۔

(۴) شراب وادویہ نوشی کی مقدار میں کمی واقع ہوگئی۔

(۵) شراب پر آبکاری محصول میں اضافہ کر دیا گیا۔

(۶) ڈینیچرڈ اسپرٹ پینے اور آبکاری کے جرائم پر سخت سزائیں رکھی گئیں۔

پرمٹ سسٹم

حالانکہ ۱۹۵۰ء میں مکمل شراب بندی نافذ کردی گئی تھی مگر افیم گانجہ، بھانگ اور غیر ملکی شراب کی درآمد، برآمد، ٹرانسپورٹ، قبضہ میں رکھنا، نوشی اور استعمال کی اجازت' لائسنس یا پرمٹ کے تحت دی گئی تھی۔ افیم اور نشہ آور ادویہ کا پرمٹ سسٹم ۱۹۴۷ء میں شروع کیا گیا جب کہ غیر ملکی شراب کا پرمٹ ۱۹۵۰ء میں شروع کیا گیا۔ افیم اور نشہ آور ادویہ کے پرمٹ سسٹم کے نتیجہ میں ان نشہ آور اشیاء کو فروخت کرنیوالی دکانیں اگست ۱۹۴۷ء میں بند ہوگئیں اور صرف پرمٹ رکھنے والوں کو ان کی فروخت کے لئے سرکاری محکمہ جاتی ڈپو کھولے گئے۔ افیم، گانجہ اور بھانگ کے استعمال کے لئے پرمٹ صرف صحت کی بناء پر اس وقت جاری کئے جاتے تھے جبکہ حکومت کے ذریعہ اس مقصد کے لئے تشکیل کردہ میڈیکل بورڈ سفارش جاری کرتا تھا۔

غیر ملکی شراب رکھنے اور استعمال کرنے پر بھی پرمٹ کے علاوہ پابندی لگادی گئی تھی۔ یہ غیر ملکی شراب کے پرمٹ سات اقسام کے ہوتے تھے: (۱) عارضی رہائشی پرمٹ (۲) صحت پرمٹ، (۳) ہنگامی پرمٹ (برانڈی، رم یا شمپین کو ہنگامی مواقع پر استعمال کے لئے) (۴) اہم اشخاص کے لئے خصوصی پرمٹ (۵) مہمانوں کے لئے پرمٹ (۶) درمیانی پرمٹ اور (۷) سیاحوں کا پرمٹ۔

شراب بندی ایکٹ کے تحت آنے والے جرائم کو سماج کے خلاف جرم تصور کیا جاتا تھا۔ اس لئے ۱۹۴۸ء میں ایسے جرائم کے انسداد، پتہ لگانا، تحقیقات کرنا اور مقدمہ دائر کرنے کا کام محکمۂ آبکاری سے لے کر محکمۂ پولس کے سپرد کر دیا گیا۔ محکمۂ آبکاری کے بہت سے ملازمین کا محکمۂ پولس میں تبادلہ کر دیا گیا۔ ایک اسپیشل پروہبیشن انٹلی جنس برانچ بھی بنائی گئی تاکہ اچانک چھاپہ مار سکے اور مقامی پولس کے ساتھ مِل کر شراب سازی کا دھندہ کرنے والے معاملات کا پتہ لگا سکے

شراب بندی ایکٹ بابت ۱۹۴۹ء

مکمل شراب بندی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے آبکاری ایکٹ بابت ۱۸۷۸ء موزوں نہیں پایا گیا۔ اس لئے حکومت نے مزید جامع 'بمبئی شراب بندی ایکٹ بابت ۱۹۴۹ء' پاس کیا جو کہ نشیلی چیزوں کی تیاری، برآمد درآمد، ٹرانسپورٹ، قبضہ میں رکھنے، خرید و فروخت، نوشی اور استعمال کے معاملات کے سلسلے میں تھا غیر ملکی شراب کی تجارت اس ایکٹ کے باہر رکھی گئی تھی۔ یہ ایکٹ ۱۹۴۹ء میں نافذ کیا گیا مگر ۱۹۵۰ء میں بمبئی ہائی کورٹ میں شری ایف. ایس بلسارا نے اس کے جائز ہونے کی حیثیت کو چیلنج کیا۔ بمبئی ہائیکورٹ نے فیصلہ کیا چونکہ اس ایکٹ میں ایسی گنجائش ہے جس سے غیر ملکیوں اور مسلح افواج سے نوازش برتی گئی ہے جس سے دستور میں مساوات کی جو یقین دہانی کی گئی ہے' اس پر ضرب آتی ہے۔ ہائی کورٹ نے مزید کہا کہ اس ایکٹ کے ذریعہ ایسی دواؤں اور ٹائلٹ وغیرہ کی تیاری جس میں الکحل شامل ہوتی ہے' کی خرید و فروخت اور استعمال وغیرہ پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے جس سے دستور نے جو جائداد کے حصول، قبضہ داری اور فروخت کے لئے بنیادی حقوق مہیا کئے ہیں' اس کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جب انصاف کے لئے مزید غور و خوض کی غرض سے ایک اپیل کی گئی تو سپریم کورٹ نے ایکٹ کی جائزیت کو اس حد تک قبول کیا جہاں تک غیر ملکیوں اور مسلح افواج کے ساتھ نوازش شامل تھی۔ بہرحال دواؤں اور ٹائلٹ کے معاملوں میں سپریم کورٹ بمبئی ہائیکورٹ کے فیصلہ سے مطابقت رکھتی تھی۔

ایسے چیلنجوں کے سبب بمبئی شراب بندی ایکٹ میں ۱۹۵۲ء میں ترمیم کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی بمبئی ڈرگس (کنٹرول)، ایکٹ بھی اسی سال نافذ کیا گیا تاکہ الکوحل کی آمیزش سے تیار کی جانیوالی دواؤں سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔ چونکہ یہ ایکٹ بھی جامع اور غیر مناسب پایا گیا اس لئے اس میں ۱۹۵۴ء میں ترمیم کی گئی جس کے ذریعہ حکومت کو "ریٹی فائڈ ڈرگس" کے فروخت اور قبضہ داری پر کنٹرول کا اختیار ملا۔ اس کے ذریعہ ایک ماہرین کے بورڈ کی تشکیل کا اختیار ملا جو کہ یہ فیصلہ کرے کہ الکوحل کی آمیزش سے تیار ہونیوالی ادویہ، ٹائلٹ اور شربت وغیرہ کو بطور نشیلی اشیاء کے تو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

ودربھ اور مراٹھواڑہ

۱۹۵۶ء میں ریاستوں کی تشکیلِ نو کے موقع پر ودربھ اور مراٹھواڑہ کو ریاست مہاراشٹر میں ضم کر دیا گیا۔ ودربھ کے بعض اضلاع جیسے ایوت محل اور چندر پور میں شراب بندی نافذ نہیں تھی اور مراٹھواڑہ میں بھی نہیں تھی۔ ان تمام نئے ضم شدہ علاقوں میں یکم اپریل ۱۹۵۷ء سے شراب بندی کے نفاذ کا ایک درجہ بند پروگرام شروع کیا گیا۔ سالانہ ۳۳ ۱/۳ فیصد کٹوتی لگائی گئی تاکہ تین سال کی مدت میں مکمل شراب بندی نافذ ہو سکے۔ یہاں شراب بندی کے لئے جو درجہ بند اقدامات کئے گئے وہ ویسے ہی تھے جیسے کہ شروع میں بمبئی ریاست میں اُٹھائے گئے تھے۔

بمبئی شراب بندی (توسیع اور ترمیم) ایکٹ میں' ۱۹۵۹ء میں

ترمیم کی گئی تاکہ حکومت کی پالیسی کو نئے ضم شدہ علاقوں میں نافذ کرکے پوری ریاست میں یکساں پالیسی رکھی جا سکے۔

۱۹۶۰ء تک بمبئی شراب بندی ایکٹ بابت ۱۹۴۹ء اور اس کے تمام قوانین وضوابط مہاراشٹر کے سارے علاقوں میں نافذ ہو چکے تھے، صرف چندر پور کا علاقہ ہی بچ گیا تھا۔ وہ صرف اس لئے کہ اس علاقے کا جغرافیہ اور ایک عام افلاس میں مبتلا وہاں کے رہنے والوں کو شراب بندی کے لئے تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یکم اپریل ۱۹۶۱ء سے چندر پور کے پورے علاقے کو 'خشک' قرار دیدیا گیا اور اس طرح سے پوری ریاست مہاراشٹر میں یکساں شراب بندی کی پالیسی کا نفاذ عمل میں آگیا۔

پالیسی پر نظر ثانی

شراب بندی پالیسی کے نفاذ کے دس سال سے زائد عرصہ کے بعد حکومت نے محسوس کیا کہ شراب نوشی کے مسئلے کو اطمینان بخش طریقے سے حل نہیں کیا گیا۔ قانون سے بچنے کے لئے لوگ مختلف قسم کے حربے استعمال کرتے تھے۔ 'ہاتھ بھٹی' کی غیر قانونی شراب کا خدشہ، جو کہ کسی بھی پیمانے سے عوامی صحت کے لئے زبردست مضرت رساں ہے، بڑھ گیا تھا۔ حکومت نے اس مسئلے پر پھر سے غور کرنا شروع کیا۔ کیا شراب بندی' شراب نوشی' کے مسئلے کو حل کر رہی ہے یا اس میں اضافہ کر رہی ہے، جس پر کہ ایک رائے سے دھیان دیا گیا تھا جب کہ عوام اس کے لئے دل سے تیار نہیں ہیں تو کیا شراب بندی سنجیدگی سے نافذ کی جا سکتی ہے؟ کیا 'مکمل' شراب بندی جلد بازی اور سخت قدم تھا جو حکومت مہاراشٹر نے اُٹھایا؟

ان میں سے بعض سوالات کو حل کرنے کی غرض سے حکومت نے گذشتہ سالوں سے مزید نرم رویہ اپنایا اور اس نے ۱۹۷۳ء میں شراب بندی کی ترمیم پالیسی کا اعلان کیا۔ اس نظر ثانی شدہ پالیسی کی ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کے ذریعہ سے ۴۰ سال سے زائد عمر والے افراد کو صحت کی بنا پر پرمٹ کی اجرائی' کی جا سکتی تھی۔ ایسے شخص کے لئے ضروری تھا کہ وہ کسی رجسٹرڈ میڈیکل پریکٹیشنر سے میڈیکل سرٹیفکٹ حاصل کر کے دے۔ اور جو لوگ ۲۱ سال سے ۴۰ کی عمر کے اندر والے تھے اُن کے لئے ضروری تھا کہ ایریا میڈیکل بورڈ ان کی جانچ کرے اور اگر اس کو پورا اطمینان ہو جائے کہ اس شخص کے لئے صحت کی بنا پر شراب ضروری ہے تو وہ ان کو پرمٹ دے سکتا تھا۔ یہ پرمٹ زیادہ سے زیادہ ایک سال کے لئے جاری کئے جاتے تھے۔ اس طرح کی سخت چھان بین کا مقصد یہ تھا کہ پرمٹ غلط لوگوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔

ہنگامی حالات کے دوران ۱۲ نکاتی منصوبہ

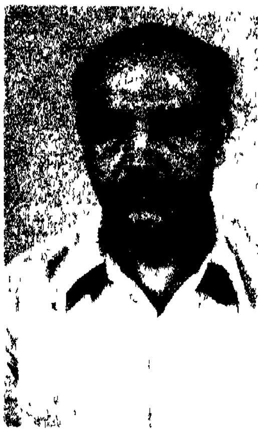
ہنگامی حالات کے دوران مرکزی حکومت نے کئی اقدامات کے اعلان کئے۔ جس کا مقصد الکوحل کے استعمال کو کم سے کم کرنا تھا اور قوم کو مکمل شراب بندی کے لئے تیار کرنا تھا جو کہ پورے ملک پر آگے چل کر نافذ کی جانی تھی۔ یہ ۱۲ نکاتی منصوبہ ۲ راکتوبر ۱۹۷۵ء کو گاندھی جینتی کے دن جاری کیا گیا تھا۔

مہاراشٹر میں اس وقت شراب سازی کے ۲۴ کارخانے ہیں ان میں سے ۱۴ دیسی شراب تیار کرتے ہیں، چھ ہندوستان میں تیار کردہ غیر ملکی شراب بناتے ہیں اور ۴ بیئر تیار کرتے ہیں۔ شراب کی دکانوں کو آسانی سے پرمٹ دیئے گئے ہیں۔ ۱۸۰۰ سے زائد شراب کی دکانیں ہیں۔ سینکڑوں ریسٹوراں اور دکانیں ہیں جہاں بیئر فروخت کی جاتی ہے جو کہ سالانہ ۲۰۰ کروڑ روپے تک بکتی ہے۔ تقریباً ۴۰۰ لائسنس یافتہ بار ہیں جو پرمٹ رکھنے والوں کو دیسی شراب پرچون میں فروخت کرتے ہیں۔ تفنن نہیں ہے کہ شراب بندی کی اس نرم پالیسی کی وجہ سے غیر قانونی شراب کے دھندے کو مؤثر طور پر ختم کرنے میں مدد ملی ہوگی۔

جنتا پارٹی اور شراب بندی

یہ کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ جنتا پارٹی نے ۱۹۷۷ء کے چناؤ کے موقع پر جو منشور جاری کیا تھا اس میں شراب بندی کا تذکرہ بالکل نہیں تھا۔ اس منشور پر چُن کر وزیر اعظم بننے والے شری مرارجی دیسائی نے ۴ر اپریل ۱۹۷۷ء کے دن قوم سے اپنے پہلے اور اہم ریڈیو خطاب میں بھی شراب بندی کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ بہر حال بعد میں انھوں نے اعلان کیا کہ اُن کی پارٹی اہم شہروں میں شراب بندی نافذ کرے گی اور چار سال کی مدت میں اس کو کامیاب بنائے گی۔ یکم ستمبر ۱۹۷۷ء کو اپنی دہلی کی پریس کانفرنس میں مکمل شراب بندی کا اظہار کیا۔ ۱۴ر ستمبر کو انھوں نے اپنی پارٹی کے اراکین کو تنبیہہ کی کہ اگر وہ شراب نوشی کرتے پائے گئے تو ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔ چناؤ کے فوراً بعد پارٹی اراکین نے راج گھاٹ پر عہد کیا کہ وہ گاندھی جی کے راستے پر چلیں گے۔ اس طرح سے شراب بندی خود بخود ایک مانا ہوا نشانہ بن جاتا ہے۔ یہ حقیقتیں ظاہر کرتی ہیں کہ شری مرارجی دیسائی شراب بندی کی پالیسی کے بارے میں پوری طرح مستعد ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)



• آر۔ جی مائے دیو
سب ایڈیٹر 'لوک راجیہ'

باہمّت نابینا صنعت کار

گوردھن داس بھگوان داس اُدیشی عمر ۴۹ سال غالباً مہاراشٹر کے پہلے نابینا صنعت کار ہیں جن کے سُنہرے خواب ۴ ستمبر کو حقیقت میں بدل گئے جب ۱۰ء۱ لاکھ روپے کی لاگت کے ان کے پلاسٹک اسکرین، اسٹیکر، گریٹنگ کارڈ، بریف کیس وغیرہ تیار کرنے کے ایک کارخانے کا' مشہور کرکیٹر، صنعت کار اور نابیناؤں کے نیشنل ایسوسی ایشن کے صدر سری بجے مرچینٹ نے بمبئی کے قریب بدلہ پور میں افتتاح کیا۔

جسمانی طور پر دیگر معذوریوں میں' نابینائی انسان کو سب سے زیادہ دوسروں کا محتاج بنا دیتی ہے۔ البتہ آجکل سرکاری امداد اور خیراتی اداروں نیز انفرادی کوششوں کی بنا پر ایسے سائنٹفک طریقے وضع کئے گئے ہیں جن سے نابیناؤں کی بازآبادکاری میں کافی مدد مل رہی ہے مثلاً بریل رسم الخط ایجاد ہونے پر نابیناؤں کو پڑھنے لکھنے میں کافی مدد ملی ہے۔ اب وہ بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور دیگر پیشوں میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ مختلف ورکشاپ میں نابیناؤں اور معذور افراد کو اپنی روزی آپ حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے کام سکھائے جاتے ہیں۔

نابیناؤں نے یونیورسٹی یا ڈائرکٹوریٹ کی تعلیم امتیازی درجے میں کامیاب ہو کر حاصل کی ہے۔ ایسی کئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ صنعتی اداروں میں کام کرنیوالے نابیناؤں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی آنکھ والے انسانوں سے کام کاج میں کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔

البتہ دیہی علاقوں میں خاص طور سے نابیناؤں کی بازآبادکاری کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے، اور یہاں پر ان لوگوں کی جانب خاص طور سے توجہ درکار ہے۔ ایسے حالات میں یہ بات واقعی باعثِ مسرت ہے کہ شری ادیشی جیسا بینائی سے محروم شخص نہ صرف اپنی روزی آپ کما رہا ہے بلکہ اپنا ایک ذاتی کارخانہ قائم کر کے کئی معذوروں اور نابیناؤں کے لئے روزی فراہم کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا ہے یہ کامیابی انتھک محنت اور سچی لگن کا ہی نتیجہ ہے۔

شری اُدیشی نے ریاست آندھرا کے ردنی مقام پر جنم لیا لیکن اُن کا آبائی وطن سوراشٹر ہے ۱۹۴۰ء سے ہی شری اُدیشی بمبئی میں مقیم ہیں۔ اُن کے خاندان میں کل ۶ بھائی اور ۳ بہنیں ہیں۔ اور سوائے گوردھن داس کے کوئی اور نابینا نہیں ہے۔ گوردھن داس کی بینائی ۱۱ سال کی عمر سے کم ہونے لگی تھی اور باقی کے ۲۰ سالوں میں وہ بہت کم دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے صرف تیسری جماعت تک انگریزی میں تعلیم پائی ہے۔

جب اُنکی قوت بینائی بالکل ختم ہو گئی اُس وقت اُن کی عمر ۳۱ سال کی تھی اور اس صورت میں وہ دیگر معذوروں کی طرح خاندان پر بوجھ بن کر جی سکتے تھے لیکن شری اُدیشی اس بات میں یقین نہیں رکھتے ہیں کہ ایک نابینا شخص کسی بھی صورت میں دوسروں کا محتاج ہو سکتا ہے بلکہ وہ انتھک محنت اور لگن سے اپنے آپ کو اس لائق بنا سکتا ہے کہ اپنے قدموں پر کھڑا رہ سکے کسی کا محتاج نہ ہو۔

"ابتدائی دنوں میں آپ نے روزگار حاصل کرنے کے لئے کیا کیا؟" میں نے پوچھا۔

ج: تھوڑا بہت تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی میں نے سخت محنت کے کام میں بھی کبھی شرم محسوس نہیں کی۔ مجھے پہلے ہی سے پلاسٹک اسٹیشنری کی اشیاء سے دلچسپی ہے اور میں نے وہی سیکھنا شروع کیا۔ بعد میں ان نمونوں کو بتا کر میں نے آرڈر حاصل کرنے شروع کئے اور میں انھیں دوسروں سے بنوایا کرتا تھا اس طرح مجھے کمیشن مل جایا کرتا تھا۔ یہ کام میں نے ۲ء۳ سال تک کیا۔

س : آپ کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کیوں پلاسٹک اسٹیشنری کی اشیاء تیار کرنے کا کارخانہ کھولا لیکن یہ بتایئے کہ بدلہ پور میں ایم۔ آئی۔ ڈی۔ سی صنعتی اسٹیٹ میں یہ جگہ دستیاب کرلینے میں آپ کس طرح کامیاب ہوئے جو کہ بمبئی سے کافی دور ہے؟

ج : میں کافی دنوں سے پونے، ڈمبیولی اور اندھیری میں جگہ کی تلاش میں تھا، لیکن بدلہ پور میرے لئے سب سے زیادہ آرامدہ جگہ ثابت ہوئی۔

س : کیوں؟ پلاٹ کتنا ہے اور تعمیر پر کتنا خرچ آیا؟

ج : پلاٹ ۲۴۰۰ اسکوائر میٹر ہے۔ تمام عمارت کا رقبہ ۱۷۰۰ اسکوائر میٹر ہے۔ ۱۲۰۰ میٹر میں کارخانہ ہے اور ۵۰۰ میٹر رہائشی جگہ کے لئے ہے۔ چنانچہ میرا گھر اور میرا کارخانہ ایک ہی چھت کے نیچے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جگہ مجھے سب سے بہتر اور آرام دہ لگی ہے۔ اور پھر یہ مقام ریلوے اسٹیشن سے بہت قریب ہے۔ چل کر بھی آپ یہاں تک آسکتے ہیں۔ اور یہاں سے بمبئی جانے کے لئے صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا وقفہ درکار ہے۔ کیونکہ شہر کے لئے کافی ریلیں یہاں مل جاتی ہیں جبکہ مجھے بمبئی میں اتنی آرامدہ جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ اس کے علاوہ بمبئی میں آبادی جس تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے اس سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا دشوار ہوگیا ہے۔

س : آپ نے سرمایہ کس طرح اکٹھا کیا؟

ج : میرے لئے سب سے بڑا مسئلہ جگہ کے انتخاب کا تھا۔ اس سے چھٹکارا پانے کے بعد باقی کا منصوبہ میں نے ذہن میں اچھی طرح تیار کرلیا تھا، چنانچہ میں نے پروجیکٹ کی ایک بلو پرنٹ تیار کی۔ جس میں جگہ، مشینوں کی اقسام، تعداد، پیداوار اور منفع کا اندازہ وغیرہ شامل تھا یہ بلو پرنٹ میں نے سینٹرل بنک آف انڈیا کی بوری بندر شاخ میں پیش کردی۔

س : کیا قرض حاصل کرنا آسان ہے؟

ج : قطعی نہیں۔ کیونکہ بنک بہرحال ایک تجارتی ادارہ ہے۔ حیرانی نہیں۔ بنک کے عہدے داران نے میری اس تجویز کا بغور مطالعہ کیا اور تجویز کی بہتری کے لئے کئی باتیں پوچھی گئیں، کئی شکوک ظاہر کئے گئے۔ لیکن میں نے ان کے تمام شک وشبہات دور کردیئے۔ شری ایس۔ پی دکشت بنک کے اسسٹنٹ چیف افسر نے اس بات کا اظہار ایک پریس کانفرنس میں کیا کہ اُن کی بنک نے میرے معاملے میں بھی وہی رویہ اختیار کیا جو کہ عام طور پر کیا جاتا ہے۔ یعنی مجھے کوئی خاص رعایت نہیں دی گئی۔ اس سلسلہ میں میری قابلیت پر بھروسہ کرکے مجھے قرض دیا گیا۔

س : کتنا قرض منظور کیا گیا تھا؟

ج : ۱٬۱۰ لاکھ روپے کا قرض انھوں نے منظور کیا۔ جس میں سے ۲۷۰۰۰ ہزار روپے ۸ سال کے اندر واجب الادا ہیں، ۳۰۰۰۰ کی بنیادی رقم اور ۸۰۰۰۰ روپے کارخانے کی تعمیر اور ریپئر کے لئے دیئے گئے۔

س : آپ نے کتنی مشینیں خریدی ہیں؟

ج : چار۔ ۲ ویلڈنگ مشین جن کی قیمت ۱۷٬۲۸۰ روپے ہے۔ ایک اسکرین پینٹنگ اور ایک اسٹنگ مشین، ان دونوں کے لئے ۲۰۰۰ روپے خرچ کئے گئے۔ میرے پاس دو سلائی کی مشینیں تھیں جن کی قیمت دو ہزار روپے ہے۔

س : اپنے ملازمین کے بارے میں کچھ بتلایئے؟

ج : میں نے زیادہ تر جسمانی طور پر معذور افراد کو اپنے ہاں ملازمت دی ہے، فی الحال ۹ ملازمین ہیں جن میں سے ٦ جسمانی طور پر معذور افراد ہیں۔ ایک شخص جس کے پیروں میں کچھ نقص ہے، وہ اکاؤنٹ کا کام سنبھالتا ہے۔ دیگر ملازمین میں ایک لڑکی بھی شامل ہے جو کہ ایک آنکھ سے محروم ہے۔ ایک لڑکے کے ہاتھوں میں نقص ہے ایک اپنے پیروں کو پوری طرح سیدھا کرکے نہیں چل سکتا ہے۔ میں نے خود ان جسمانی طور پر معذور افراد کو تربیت دی ہے اور انھیں کام سکھایا ہے۔

س : اپنے کام کی ترقی کے بارے میں آپ نے کچھ سوچا ہے؟

ج : میرا ایک چھوٹا سا دفتر بمبئی کے فورٹ علاقے میں ہے۔ کام کے آرڈر لینے کے لئے میں بذات خود روزانہ بمبئی آتا ہوں اور میرے ساتھ ایک جسمانی طور پر معذور لڑکا رہتا ہے جس کی مدد سے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک فرد کے پاس سے دوسرے کے پاس جاتا ہوں تاکہ کارخانے کے لئے آرڈر حاصل کرسکوں۔

س : آپ کو کون کونسے لوگ آرڈر دیتے ہیں؟

ج : پچھلے چند سالوں میں میں نے ایجنٹوں، ڈیولپمنٹ افسروں، بیمہ کمپنی آف انڈیا اور سینٹرل بیمہ کارپوریشن کے برانچ مینیجروں سے بھی اچھے مراسم پیدا کرلئے ہیں، ان کے علاوہ نجی ادارے بھی ہیں مثلاً ٹھاکرسی گروپ، جیون سلک ملز، بی۔ مہتا اینڈ کمپنی وغیرہ۔ مجھے اسپتالوں کے اور بعض نجی آرڈر بھی ملتے رہتے ہیں۔

س : آپ کو اپنے گاہک کو لاگت کا تخمینہ دینے میں دشواری تو پیش نہیں آتی؟

ج : جی نہیں۔ مجھے اپنے کام کے بارے میں کافی معلومات ہے میں صرف سنگر اور نمونے کو چھو کر لاگت کا تخمینہ بتا سکتا ہوں جو کہ

کم وبیش صحیح ہوتا ہے۔

س: آپ کتنے روپے کا بیوپار کر سکتے ہیں؟

ج: اب تک تو مجھے صرف ۶۰۰۰ روپے کے آرڈر ملے ہیں، لیکن میرا اندازہ ہے کہ ۲ سے ۳ لاکھ روپے کے مال کی سالانہ کھپت کر سکتا ہوں۔

س: منافع کے بارے میں کچھ بتایئے اور یہ بھی بتایئے کہ آپ قرض کی یہ رقم کس طرح واپس کریں گے؟

ج: میں ۱۵ فیصد منافع کی توقع کرتا ہوں۔ فی الحال ایک ماہ میں میرے یہاں ۲۵۰۰ سے ۳۰۰۰ روپے کی کھپت ہے اخراجات اور تنخواہ ملاکر ۲۰۰۰ روپے کی رقم صرف ہوگی اور باقی کا میرا منافع رہے گا۔ میں ہر تین سال میں ۲۷۰۰ روپے واپس کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

س: میں نے سنا ہے کہ آپ کی دھرم پتنی بھی نابینا ہیں۔ وہ کس حد تک آپ کے لئے معاون ثابت ہوتی ہیں؟

ج: میں نے ۸ر جولائی ۱۹۷۳ء کو نابیناؤں کے لئے دادر اسکول کی ایک نابینا لڑکی سے شادی کی تھی۔ بتری دجے مرچنٹ نے ہماری شادی طے کی تھی۔ میری پتنی بچپن میں ہی آنکھیں کھو بیٹھی تھیں جب کہ وہ چیچک کا شکار ہوئی تھیں۔ دادر کے نابیناؤں کے اسکول میں انھوں نے تربیت حاصل کی۔ وہ سلائی کا کام اچھی طرح جانتی ہیں اور پلاسٹک وائر کے بیگ بنا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ستار بجا لیتی ہیں اور اچھی باورچن ہیں۔ جب میں آرڈر لینے کے لئے بمبئی آجاتا ہوں تو وہی فیکٹری کی نگرانی کرتی ہیں

س: اس کا مطلب ہے کہ وہ آپ کی کافی مدد کرتی ہیں۔

ج: نہ صرف وہ میرے کاموں میں ہاتھ بٹاتی ہیں بلکہ میری طرح وہ بھی ایک چھوٹے پیمانے کی گھریلو صنعت قائم کرنا چاہتی ہیں جس میں چاول اور دال سے وہ پاپڑ اور چکلی بنانا چاہتی ہیں۔ اس کے علاوہ پلاسٹک وائر کا کام بھی وہ کروانا چاہتی ہیں، تاکہ ہمارے یہاں کام کی تلاش میں جو معذور خواتین آتی ہیں انھیں بھی کام مہیا ہو سکے۔ ان کا جو منصوبہ ہے اس میں خرچ کا زیادہ امکان نہیں ہے۔ اس لئے ہمارا ارادہ اس سال دیوالی سے اس پر عمل درآمد کرنے کا ہے۔

باقی صفحہ ۳۲ پر

جسمانی طور پر معذوروں کے لئے انسانی جذبہ

شہر کے ایک اسپتال کی قیمتی میڈیکل مشین کے لئے ایک پلاسٹک کور تیار کرنا تھا۔ شری اُدیشی کے ایک ملازم کو اپنی لیاقت پر پورا بھروسہ تھا اور اس نے کور تیار کرنے کی حامی بھر لی شری ادیشی کو بھی اپنے ملازم پر پورا اعتماد تھا لہٰذا انھوں نے کہا۔ "اگر وہ اتنی پیچیدہ مشین تیار کر سکتے ہیں تو کیا ہم اس کا کور تیار نہیں کر سکتے"۔

چنانچہ ایک ڈمی کور تیار کیا گیا۔ اس کور کی تیاری میں ۵ فیصد زیادہ محنت درکار تھی جو کہ کوئی مشکل بات نہیں ہے

ایک مرتبہ ایک غیر ملکی ڈیزائن کا ایک موڈل بیگ جس کی قیمت ۳۰۰ روپے تھی تیار کرنے کے لئے شری ادیشی کو دیا گیا۔ ان کے ملازم نے ۳ دن کی محنت کے بعد اسے تیار کیا۔ لیکن جیسا کہ گاہک نے بتایا تھا اس طریقے سے نہیں بن سکا، وہ چین کے نیچے خانے ڈالنا بھول گیا۔ چنانچہ محنت اور وہ بیگ دونوں بے کار ثابت ہوئے۔ لیکن شری ادیشی نے اپنے ملازم کو ڈانٹا نہیں، انھوں نے اپنے ملازم سے کہا کہ وہ اس بیگ کو بھول کر ایک دوسرا بیگ تیار کرے۔

قارئین کیلئے ضروری اعلان:

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں، تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ ہر شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ آپ اپنے سوالات اس پتہ پر روانہ فرما سکتے ہیں:- مدیر پندرہ روزہ 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، پندرہواں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۳۲ ۴۰۰۰

دیہی سڑکوں کی تعمیر کا زبردست پروگرام

وزیر پبلک ورکس شری ایس۔ اے سولنکے کا بیان

شری ایس۔ اے سولنکے، وزیر برائے پبلک ورکس نے ۷ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو منترالیہ میں منعقدہ پریس کانفرنس میں دیہی سڑکوں کی تعمیر سے متعلق وسیع پروگرام پر روشنی ڈالی جو حکومت مہاراشٹر نے شروع کیا ہے۔ آپ کا بیان حسب ذیل ہے:

حکومت مہاراشٹر نے دیہی سڑکوں کی تعمیر کے لئے ایک زبردست پروگرام شروع کیا ہے جس کی لاگت ۲۵ کروڑ روپے ہے۔ حکومت نے مجلس قانون ساز کے گذشتہ اجلاس باراں میں اس کے لئے فی الحال ۱۸ کروڑ روپے دینے کی منظوری دیدی تھی۔ اس کے علاوہ اُمید ہے کہ ضلع پریشدوں، پنچایت سمیتیوں اور گرام پنچایتوں کی جانب سے اس پروگرام پر تقریباً ۷ کروڑ روپے کی رقم خرچ کی جائے گی۔ اس پروگرام کے تحت تجویز یہ ہے کہ ریاست کے تمام اضلاع میں پختہ سڑکیں بنائی جائیں۔ پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ کی جانب سے ۸ اگست ۱۹۷۷ء کو احکامات جاری کر دیئے گئے تھے جن میں اس پروگرام کی تفصیلات کی واضح طور پر صراحت کی گئی ہے۔

ہر ضلع میں ایک کمیٹی بنائی گئی ہے تاکہ اس پروگرام کے تحت کام چنے جائیں۔ ضلع کے وزراء / وزرائے مملکت، صدر ضلع پریشد، کلکٹر، چیف ایگزیکیٹو انجینئران پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ اس کمیٹی کے ممبران ہیں۔ یہ ضلع سطح کمیٹی متعلقہ رابطہ کمیٹی کی سفارشات پر غور کرنے کے بعد اس پروگرام کے تحت کاموں کی فہرست تیار کرتی ہے۔

یہ پروگرام ۳۱ر مارچ ۱۹۷۸ء سے قبل ختم کرنا ہے۔ لہٰذا اس محکمہ نے فی الحال اس پروگرام کو شروع کرنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ چند اضلاع میں فی الحال کام شروع ہوچکا ہے۔ اس سلسلہ میں ۶ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو محکمۂ مذکور کے تحت چیف انجینئران / ایڈیشنل چیف انجینئران / سپرنٹنڈنگ انجینئران کی ایک میٹنگ بلائی تھی تاکہ موسم باراں کے اختتام پر اس پروگرام کو زور شور سے آگے بڑھایا جائے اور اس پروگرام کی عمل آوری میں جو بھی مشکل درپیش ہو اُسے دُور کیا جائے۔ اس موقع پر پروگرام کی اب تک کی رفتار ترقی پر بھی نظر ڈالی گئی۔

اس محکمہ نے ۱۸ کروڑ روپے کے اس پروگرام کی عمل آوری کے سلسلے میں حسب ذیل کارروائی کی ہے جو محکمہ کے اسٹیٹ سیکٹر میں زیر عمل ہے۔

۱۔ انتظامی منظوری، فنی منظوری اور ٹنڈروں کی منظوری وغیرہ کے بارے میں افسران کے موجودہ اختیارات مناسب طور پر کافی بڑھا دیئے گئے ہیں تاکہ تمام ضروری فیصلے ضلع کی سطح ہی پر کئے جاسکیں۔ ان اضافی اختیارات کے تحت ایگزیکیٹو انجینئران کو ایسے کاموں کے لئے انتظامی منظوری، فنی منظوری اور ٹینڈروں کی منظوری دینے کا اختیار دیا گیا ہے جن کی لاگت ۵ لاکھ روپے تک ہو۔

۲۔ ٹینڈر طلب کرنے کے لئے نوٹس کی میعاد بھی گھٹا دی گئی ہے۔

۳۔ مقامی افسران کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ عارضی طور سے فنی عملہ، ماہر اور غیر ماہر مزدور مقرر کرسکتے ہیں جن کی اس پروگرام کی عمل آوری میں ضرورت ہو۔

۴۔ اس پروگرام کے تحت کام انجام دینے کے لئے ضروری ساز وسامان مثلاً روڈ رولرز اور ٹرک وغیرہ کی بڑے پیمانے پر ضرورت پڑے گی۔ لہٰذا اس محکمہ نے اپنے موجودہ ساز وسامان کو ٹھیک کرنے کے لئے کارروائی کی۔ محکمۂ آب پاشی اور ضلع پریشدوں کی مشینری بھی جہاں کہیں ممکن ہو کام میں لائی جاتی ہے۔ مزید برآں مقامی افسران کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ جہاں کہیں دستیاب ہو، حسب ضرورت ساز وسامان پرائیویٹ پارٹیوں اور اداروں سے کرایہ پر بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ اس طرح مشینری یعنی سامان وغیرہ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

۵۔ سڑکیں کنکر پتھروں سے پختہ بنائی جائیں گی۔ ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ ایسے علاقوں میں جہاں کنکر پتھر آسانی سے دستیاب نہیں ہوسکتے نیز جہاں کم بارش ہوتی ہے وہاں 'مرولی' سڑکیں بنانے کی اجازت دی جائے۔ لہٰذا حکومت نے طے کیا ہے کہ خاص صورتوں میں مقامی حالات کے لحاظ سے 'مرولی' سڑکوں کی اجازت دی جاسکتی ہے، تاہم اس پروگرام کے تحت تعمیر کی جانیوالی سڑکیں جہاں تک ممکن ہو کنکر پتھر سے بنی پختہ ہونا چاہئیں۔

۶۔ اس پروگرام کے تحت بنائی جانیوالی سڑکیں دیہی ہی ہونا چاہئیں۔

خاص صورتوں میں مقامی حالات کے لحاظ سے دیگر ضلع سڑکوں یا بڑی ضلع سڑکوں کے سلسلے میں اس پروگرام کے تحت ان کے چھوٹے سے حصہ کی تعمیر کی اجازت ہے البتہ اس کے لئے پہلے سے حکومت سے منظوری لینا ہوگی۔ بہر حال توقع یہی ہے کہ ایسے چند ہی معاملات خاص نوعیت کے حامل ہوں گے۔

۷۔ اس پروگرام کے تحت پختہ تعمیر کے مدنظر محکمہ نے ۱۴٫۵۰۰ ٹن سیمنٹ کا کوٹہ بھی فراہم کیا ہے تاکہ سیمنٹ کی قلت نہ پیش آئے۔

۸۔ گذشتہ قلت کے زمانے میں خریدا گیا ساز و سامان مثلاً کلہاڑیاں پھاوڑے، کدالیں اور ہتھوڑے وغیرہ اس پروگرام کے تحت استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

۹۔ اس پروگرام کے لئے متعدد جونیئر انجنیئر درکار ہوں گے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایسے طلبہ جو سول انجنیئرنگ کے ڈگری / ڈپلوما امتحان میں شرکت کر چکے ہیں، جونیئر انجنیئر کی حیثیت سے ایک سال کے لئے عارضی طور پر مقرر کئے جا سکتے ہیں۔

اب تک انجام دیئے گئے کام پر نظر ڈالنے کے بعد پروگرام کی رفتارِ ترقی حسب ذیل ہے:

۱۔ اس پروگرام کے تحت شروع کئے جانے والے کاموں کی فہرست تقریباً تمام اضلاع میں مکمل کر لی گئی ہے۔ تعمیر سڑک کے کل ۲۲۹۴ کام اس پروگرام میں شامل ہیں اور تعمیر کی جانیوالی سڑک کی لمبائی تقریباً ۵٫۵۹۰ کلومیٹر ہوتی ہے۔ ان کاموں میں سے ۱٫۰۸۵ کاموں کے لئے منصوبہ جات اور تخمینہ جات تیار کئے جا چکے ہیں اور انتظامی منظوری دی جا چکی ہے۔ بقیہ کاموں کے لئے منصوبے اور تخمینہ جات پایۂ تکمیل کو پہنچنے والے ہیں۔ ۷۰۳ کاموں کے لئے ٹینڈر طلب کئے گئے ہیں۔ ۲۰۴ کام فی الواقعی شروع ہو چکے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں۔

اس پروگرام کے تحت تمام کاموں پر ایک ایک کی لاگت ۵ لاکھ روپے سے کم ہے۔ بیشتر کاموں کی لاگت ایک یا دو لاکھ روپے کے درمیان ہے۔ اس خیال سے کہ یہ کام وقت پر پورے ہو سکیں انھیں محکمہ کے ماتحت مختلف ڈویژنوں یعنی نیشنل ہائی وے ڈویژن، کالٹی کنٹرول ڈویژن اور پبلک ورکس ڈویژن وغیرہ کے ذریعے زیر عمل لایا جا رہا ہے منظورہ فہرست میں درج کام اس کے مطابق مختلف افسران کے درمیان تقسیم کر دیئے گئے ہیں اور ضروری رقم بھی ان کی تحویل میں دیدی گئی ہے، ان کاموں کو جہاں تک ممکن ہو جلد سے جلد پورا کرنے کی غرض سے انھیں جزوی مزدوروں، لیبر کوآپریٹو سوسائٹیوں اور ٹھیکیداروں کے ذریعے انجام دیا جائے گا، نیز محکمہ کے توسط سے درج رجسٹر مزدور لگا کر بھی پورا کیا جائے گا۔ دیگر الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ اس پروگرام کی عمل آوری میں تمام ذرائع کام میں لائے جائیں گے۔ موجودہ قوانین کی رو سے ایک لاکھ روپے تک کی لاگت کے کام لیبر کوآپریٹو سوسائٹیوں کو ان کی فیڈریشن کے صلاح مشورے سے سونپے جاتے ہیں۔ اسی طرح محکمہ کے قوانین کے مطابق ٹھیکیداروں یا لیبر کوآپریٹو سوسائٹیوں یا جزوی مزدوروں کو ان کاموں کے انجام دینے کی ذمے داری سونپی جاتی ہے۔ مقامی افسران کو سختی سے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اس پروگرام کی عمل آوری کے دوران موجودہ قوانین اور ضابطہ کار کی پابندی کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ موسم باراں کے ختم ہو جانے پر توقع ہے کہ اب ان کاموں کی رفتار تیز ہوگی۔

ان کاموں کے ذمے دار افسران کو چاہیئے کہ یہ کام ہر طرح مقررہ معیار کے مطابق انجام پائیں اور ۳۱ر مارچ ۱۹۷۸ء سے قبل پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں۔ اس مقصد سے وقتاً فوقتاً اس پروگرام کی رفتار پر نظر ثانی کی جائے اور نتیجہ کی روشنی میں ضروری کارروائی کی جائے۔

حکومت ان تعمیری مشوروں کو بھی زیر عمل لانے کے لئے کارروائی کریگی جو ان کاموں کو تیزی سے انجام دینے کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔

اُمید ہے کہ اس پروگرام کے تحت ضلع پریشدیں ایسے کام انجام دینگی جن کی لاگت لگ بھگ ۷ کروڑ روپے ہے۔ اس مقصد سے ضروری رقومات ضلع پریشدوں، پنچایت سمیتیوں اور گرام پنچایتوں کو ان کے پاس بقایا میں سے مہیا کی جائیں گی۔

اس میٹنگ میں ضلع پریشد پروگرام پر بھی نظر ڈالی گئی۔ دیہی سدھار محکمہ ضلع پریشدوں کے پروگرام کو تیزی سے روبہ عمل لانے کے لئے ضروری کارروائی کر رہا ہے۔

••

مہاراشٹر میں صنعتوں کا پھیلاؤ

• ایس پدمنا بھان - مینجنگ ڈائرکٹر سیکوم

مہاراشٹر میں سب سے اوّل آباد ہونیوالے آریا دانا پرشورام تھے۔ تاریخ کے آغاز پر جب شمالی ہند جنگوں سے دوچار تھا، وہ چپلون کے قریب مہندرا کے پُرسکون پہاڑوں میں گوشہ نشین ہو گئے۔

بعد ازاں مختلف نسلوں کے لوگ لگاتار آتے رہے اور اس سرزمین پر ایک کے بعد دوسری نسل کا راج رہا، لیکن یہاں فنون و ثقافت بلا روک ٹوک پروان چڑھتی رہی۔

آج مہاراشٹر نہ صرف ثقافتی میدان میں بدستور نمایاں مقام رکھتا ہے بلکہ یہ صنعتی ہند کے لیئے مایۂ افتخار بھی ہے۔ ماہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں مہاراشٹر کی صنعت و حرفت نقشہ پر ایک ہی جگہ اُٹھا یا محدود نہیں ہے۔ یہ جگہ جگہ پھیلی اور جدید طرز پر ترقی کر رہی ہے۔

صنعتی مرکز: مہاراشٹر کے ۲۶ اضلاع میں یہ بمبئی ہی ہے جو ایک زمانہ سے ریاست میں صنعتی مرکز بنا ہوا ہے۔ اوّل بحری بندرگاہ اور پھر ہوائی اڈہ کی وجہ سے بیرونی منڈی کا دروازہ کھل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سال بہ سال پہلے بمبئی اور پھر بمبئی - پونے حلقہ میں دبادب صنعتیں قائم ہوتی گئیں اور ریاست کی کل صنعتی پیداوار میں ۸۰ فیصد سے زیادہ حصہ اسی کا ہو گیا

بہر حال اس صنعتی اژدھام نے خواہ یہ بصورت دیگر کتنا ہی ناپسندیدہ کیوں نہ ہو، بقیہ مہاراشٹر کے لیئے صنعتی بنیاد ڈالنے میں مدد ملی، کیونکہ یہ ترقی پذیر خطہ کے لیئے اچھے صنعت کاروں، ٹکنیکل ماہرین اور کاریگروں وغیرہ کی دستیابی کا ایک ذریعہ بن گیا۔ مثلاً حال ہی میں ناگپور میں زراعتی آلات کارخانہ بمبئی کے ماہرین اور منتظمین کی بدولت تعمیر ہوا۔ اسی طرح ناسک میں واقع نئی الیکٹرانک فیکٹری کو ماہر مزدور حاصل کرنے میں بھی دقت پیش نہیں آئی، جو کہ اس کے پیچیدہ کاموں کے لیئے موزوں تھے۔

اس قدیم بنیاد کے ماسوا ریاستی حکومت کی دور اندیشانہ پالیسی کے سبب مہاراشٹر میں متوازن صنعتی ترقی کی راہ ہموار ہوئی۔ اپنے صنعتی پھیلاؤ کے مقصد کے حصول کے لیئے ریاستی حکومت نے گذشتہ پندرہ سال کے دوران سوچ سمجھ کر کئی عملی اقدامات کیئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ۱۹۶۲ء میں مہاراشٹرا انڈسٹریل صنعتی کارپوریشن قائم کی گئی تاکہ خود کفیل صنعتی علاقہ جات وجود میں آئیں۔ پھر اس سلسلہ میں دوسرا قدم حوصلہ افزائی کی شالی پیکج اسکیم ہے جو ۱۹۶۴ء میں جاری کی گئی۔ تیسری اور غالباً سب سے مؤثر کارروائی مارچ ۱۹۶۶ء میں سیکوم کا قیام ہے۔ اس اسکیم کی عمل آوری کے لیئے بالآخر ۱۹۶۹ء میں سیکوم بحیثیت ایجنسی مقرر کی گئی۔

اسی طرح آج مہاراشٹر میں مختلف مقامات پر صنعتوں کا پھیلاؤ حقیقی روپ اختیار کر چکا ہے۔ ۱۹۵۲ء میں ۷۵ فیصد بڑی صنعتیں بمبئی عظمیٰ میں ہی تھیں اور اب یہ تناسب ۵۰ فیصدی ہے۔ اسی طرح چھوٹے سیکٹر میں بھی یہی حال ہے، بیس سال قبل اس کا ۵۰ فیصد حصہ بمبئی خطہ ہی میں تھا، لیکن فی الحال یہ تناسب کم و بیش ۳۰ فیصد ہے۔

ترقی پذیر مقامات: مہاراشٹر کے سب سے اوّل ترقی پذیر پانچ مقامات ناگپور، ناسک، اورنگ آباد، احمد نگر اور تاراپور ہیں۔ زمانہ قدیم سے تاراپور کے سوا یہ تمام مقامات اپنی خصوصیات کی بنا پر اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ ناگپور جو ہندوستان کے وسط میں واقع ہے، تجارتی مقام رہا ہے نیز سابق ریاست کی راجدھانی بھی رہ چکا ہے۔ ناسک ایک مقدس شہر ہے جہاں ہزاروں یاتری آتے رہتے ہیں۔ اورنگ آباد سیاحتی شہر کی حیثیت سے دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے۔ احمد نگر تاریخی شہر ہے جس کے گرد و نواح میں شکر کارخانے ہیں۔ تاراپور ہند کے نقشے پر اُبھر چکا ہے کیونکہ یہاں دیس کا اٹومک پاور اسٹیشن قائم کیا گیا ہے۔

ان مقامات پر صنعتوں کو ترقی دینے کے لیئے بس اتنی ضرورت تھی کہ یہاں زمین سدھار، واٹر پاور اور پانی کی فراہمی اور حوصلہ افزائی کی اسکیمات جاری کر کے ابتدائی ڈھانچہ تیار کر دیا جائے۔ یہ بندوبست ہوتے ہی صنعتیں فروغ پانے لگیں۔ جس کا اندازہ جدول نمبر ا سے بخوبی ہو جائے گا۔ جن کا تعلق اس میدان میں تمام متعلقہ سرکاری اداروں کی کارگذاری سے نہیں بلکہ صرف سیکوم سے ہے۔

ناگپور: یہاں سیکوم کی مدد سے کُل ۱۹۳ نئے کارخانے جاری ہیں جن میں متفرق اشیاء اور سامان مثلاً کاغذ، بسکٹ، پلاسٹک، اسٹیل ٹیوبس، آلات اور بھاری ڈھانچے تیار کیئے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعہ ناگپور میں مضبوط صنعتی بنیاد ڈالنے میں مدد ملی ہے۔ یہاں کی کچھ خاص (موجودہ یا مجوزہ) صنعتیں یہ ہیں: بجاج پلاسٹک لمیٹیڈ، فرتھ انڈیا اسٹیل کمپنی لمیٹیڈ، گارڈن ریچ بلڈرس اینڈ انجنیئرز لمیٹیڈ، انٹرنیشنل ٹریکٹرز، لمیٹیڈ، رچرڈسن اینڈ کروڈاس (۱۹۷۲) لمیٹیڈ، اسٹریچ فائبرس (انڈیا) لمیٹیڈ وغیرہ۔

ناشک:

ناشک میں ۱۹۶۶ء سے صنعتی ترقی شروع ہوئی اور اس کی رفتار بہت تیز ہے۔ اُمید ہے کہ یہ تیز رفتہ نگری آئندہ مہاراشٹر میں الیکٹرانک ساز و سامان کی تیاری کا ایک مرکز بن جائے گی۔ یہاں کی کچھ خاص (موجودہ یا مجوزہ) صنعتیں یہ ہیں: ارسٹو پلاسٹ پرائیویٹ لمیٹیڈ، اسپین انڈیا، بلُو پلاسٹ پرائیویٹ لمیٹیڈ، سیٹ ٹائرز آف انڈیا لمیٹیڈ، جیوفرے مینرس، گریوز کاٹن اینڈ کمپنی لمیٹیڈ، کرلوسکر ٹریکٹرز لمیٹیڈ، مہندرا اینڈ مہندرا لمیٹیڈ (الیکٹرانک ڈویژن) وغیرہ۔

اورنگ آباد: ناگپور اور ناشک کی طرح اورنگ آباد کا منظر بھی بدل گیا ہے جس میں چمنیاں بھی اُبھر آئی ہیں۔ یہاں صنعتی لہر تیز ہے۔ سب سے اوّل اسٹیل رولنگ مل قائم ہوا۔ آج اس سیاحتی شہر میں جننگ، پرلنگ اور تیل نکالنے کے پروسیسنگ پلانٹوں کے علاوہ ایسے کارخانے بھی قائم ہیں جن میں زراعتی ساز و سامان، آٹو موبائل پارٹس، ریزر بلیڈز، ہیڈ لوکز، گیر بوکس، ادویاتی اور ریاتی تھیلین تھیلے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں کے کچھ صنعتی یونٹ (موجودہ یا مجوزہ) یہ ہیں: آٹو موبائل پروڈکٹس آف انڈیا لمیٹیڈ، بروک بانڈ (انڈیا) لمیٹیڈ، فوربس کیمیل لمیٹیڈ، گروارے پلاسٹک لمیٹیڈ، گودریج ٹولز (انڈیا) پرائیویٹ لمیٹیڈ، اسٹیل انڈیا پرائیویٹ لمیٹیڈ، ٹیکسٹائل کارپوریشن آف مراٹھواڑہ لمیٹیڈ وغیرہ۔

تاراپور: کسی زمانے میں یہ خاموش مقام جو بمبئی سے صرف ۱۲۰ کلو میٹر دور واقع ہے آج ۵۷ صنعتی یونٹوں کی آماجگاہ ہے جن میں لگ بھگ ۵۷ کروڑ روپے کا سرمایہ لگا ہے۔ یہاں لکھائی اشیاء اور گتے، جراحی میں کام آنے والی روئی اور لوہے کے تار وغیرہ، ہمہ اقسام کا سامان تیار ہوتا ہے۔ اس علاقہ میں انجینئرنگ اور کیمیکل دونوں ہی صنعتوں کے لئے وسیع گنجائش ہے، لیکن مستقبل میں تاراپور کے قریب ساحل سے کچھ فاصلے پر گیس کی دریافت سے اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور یہاں کیمیکل صنعتوں کے لئے مواقع خصوصاً بڑھ گئے ہیں۔ یہاں کے کچھ خاص صنعتی یونٹ (موجودہ یا مجوزہ) یہ ہیں: بسنت الائز، کیملین پرائیویٹ لمیٹیڈ، انڈین ڈائی اسٹف انڈسٹریز، آئی سی پیپر، نکسن داداجی لمیٹیڈ وغیرہ۔

احمد نگر: سیکوم کے زیرِ سرپرستی اس شہر کی نئی ترقی پر کشش ہے اور کچھ بڑے صنعتی اداروں نے بھی اِدھر کا رُخ کیا ہے۔ پونے اور بمبئی سے نواحی قربت کے سبب احمد نگر بھی جلد ہی صنعتی شہر بن جائے گا۔ یہاں کے کچھ خاص صنعتی یونٹ (موجودہ یا مجوزہ) یہ ہیں: بوٹز کمپنی (انڈیا) لمیٹیڈ، کرلوسکر آئل انجن لمیٹیڈ، اسٹینڈرڈ بیٹریز، لارسن اینڈ ٹوبرو، ولکن انجینیرز، گروارے نائلون (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، وغیرہ۔

دیگر علاقہ جات: مہاراشٹر میں ان ترقی پذیر پانچ مقامات یعنی ناگپور، ناشک، اورنگ آباد، تاراپور اور احمد نگر کے علاوہ دیگر مقامات بھی ہیں جہاں صنعتی ترقی کی بڑی گنجائش ہے۔ ان مقامات میں کوکن خطہ میں واقع رتناگیری، کڈل اور چپلون، مراٹھواڑہ خطہ کے ناندیڑ اور لاتور، ودربھ خطہ کے اکولہ اور چندرپور۔ اور مغربی مہاراشٹر میں واقع جلگاؤں شامل ہیں۔ ان چار خطوں کی ہمہ جہتی ترقی خصوصاً مقامی ذرائع پر مبنی صنعتی ترقی کی غرض سے چار علاقائی کارپوریشنیں بھی قائم کر دی گئی ہیں۔

مراٹھواڑہ ترقیاتی کارپوریشن نے جو ۱۹۶۷ء میں جاری کی گئی تھی ایک مرطوب یا درلوم پروجیکٹ شروع کیا ہے۔ اس پروجیکٹ کی عمل آوری کے لئے اس نے ایک معاون کمپنی یعنی ٹیکسٹائل کارپوریشن آف مراٹھواڑہ لمیٹیڈ (ٹیکس کوم) قائم کی ہے جو فی الحال ۲۰۰ سے زیادہ مراکز کے ذریعے اس کا کپڑا فروخت کرتی ہے نیز زیادہ تر رُوس کو برآمد کرتی ہے مراٹھواڑہ ترقیاتی کارپوریشن نے ڈیری اور لیدر صنعتوں کے لئے بھی ترقیاتی پروجیکٹ شروع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

ودربھ، کوکن اور مغربی مہاراشٹر کی ترقیاتی کارپوریشنوں نے ۱۹۷۰ء سے کام شروع کیا۔ انھوں نے مشترکہ سیکٹر پروجیکٹ قائم کئے ہیں اور ایسی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہیں جو مقامی ذرائع پر مبنی ہوں۔

اندرونی زرخیز زراعتی خطہ میں زرعی صنعتی بنیاد پڑ گئی ہے۔ کولہاپور، سانگلی اور میرج خطہ میں جہاں شکر صنعت کا جمگھٹا ہے، حال ہی میں زرعی صنعتی اشیا مثلاً کاغذ، ہارڈ بورڈ، ونسپتی تیل، اسپرٹ، الکحل، ٹیکسٹائل، چمڑا اور زراعتی آلات بھی تیار ہونے لگے ہیں۔

اورنگ آباد کی تیز صنعتی ترقی نے پڑوسی اضلاع پربھنی، ناندیڑ، بیڑ اور عثمان آباد کو بھی متاثر کیا۔ اب یہ بھی ابتدائی پروسیسنگ صنعتوں مثلاً کاٹن جننگ اور بیلنگ، لکڑی کی کٹائی، شکر اور گڑ پروسیسنگ، دال اور چاول کی ملنگ اور پھلوں و سبزیوں کی حفاظت سے متعلق صنعتوں کے لئے تیار ہیں۔

کوکن دوسرا خطہ ہے جہاں خصوصاً پھل اور مچھلی کے سلسلے میں صنعتی فروغ کے بڑے اچھے مواقع ہیں۔ وسیع ساحل اور وافر بارش

سیکوم کی کارگزاری کی کیفیت

سال	منظوریاں				تقسیم رقومات			
اپریل تا	سال کے دوران		اجتماعی سال کے اختتام تک		سال کے دوران		اجتماعی سال کے اختتام تک	
مارچ	یونٹ	رقم لاکھ روپے	یونٹ	رقم لاکھ روپے	یونٹ	رقم لاکھ روپے	یونٹ	رقم لاکھ روپے
۷۵-۱۹۷۴ء	۸۲	۱۳۸۷٫۸۲	۷۷۱	۷۵۷۰٫۶۸	۶۶	۹۰۱٫۱۱	۴۶۴	۳۹۶۳٫۹۸
۷۶-۱۹۷۵ء	۱۱۵	۱۴۸۰٫۵۷	۸۸۶	۹۰۵۱٫۲۵	۶۱	۹۳۴۷٫۰۶*	۵۲۵	۴۹۰۱٫۰۴*
۷۷-۱۹۷۶ء	۱۵۳	۱۶۸۴٫۷۸	۱٬۰۳۹	۱۰۷۳۶٫۰۳	۶۸	۱۰۷۳٫۸۴	۵۹۳	۵۹۷۴٫۸۸*

* منہائی / ۲۴۵ لاکھ روپے جو مہاراشٹر ایک ٹو سمیلٹ لمیٹیڈ کو دیئے گئے تھے۔ کارپوریشن نے یہ کمپنی چندر پور میں اسٹیل پلانٹ جاری کرنے کے لئے قائم کی تھی۔ سیکوم سے امداد پانے والے ۲،۴۱۲ یونٹوں میں سے، جن میں کل تقریباً ۷۵۰ کروڑ روپے کا سرمایہ لگے گا ۳۱ر مارچ ۱۹۷۷ء تک ۱۵۵۹ جاری ہو چکے تھے یا جاری ہونے والے تھے ان میں تخمیناً لگا سرمایہ ۳۱۳ کروڑ روپے ہے۔ اور ان میں ۸۰،۲۷۸ اشخاص کے لئے ملازمت کی گنجائش ہے۔

صنعتوں کی سرمایہ کاری، گنجائشِ روزگار اور مالی امداد

جو سیکوم کی جانب سے یکم اگست ۱۹۷۷ء تک بہم پہنچائی گئی

علاقہ / مدت	یونٹوں کی تعداد جنکی اعانت کی گئی				سرمایہ جو لگنے کی توقع ھے				گنجائشِ روزگار			مالی امداد (کروڑ روپے)	
ترقیاتی مقامات	درجہ۔اے	درجہ۔بی	درجہ۔سی	کل میزان	درجہ۔اے	درجہ۔بی	درجہ۔سی	کل میزان	درجہ۔اے	درجہ۔بی	کل میزان	منظور شدہ	تقسیم شدہ
ناشک (۱۹۶۷ء)	۱۴۵	۲۶	۱۱۰	۲۸۱	۴۶٫۰۹	۱۰٫۴۶	۴۵٫۰۸	۱۰۱٫۶۴	۱۲۳۰۱	۱۸۵	۱۲۴۸۶	۱۱٫۴۶	۵٫۷۴
ناگپور (۱۹۶۹ء)	۱۹۳	۱۴	۳۴	۲۴۱	۴۴٫۷۵	۱٫۴۱	۲٫۷۱	۴۸٫۸۷	۹۰۹۵	۱۰	۹۱۰۵	۱۵٫۷۳	۹٫۸۳
اورنگ آباد (۱۹۷۰ء)	۱۰۴	۲۶	۸۹	۲۱۹	۲۴٫۰۵	۲۴٫۵۵	۳۲٫۴۰	۹۱٫۰۰	۶۸۱۴	۴۳	۶۸۵۷	۲۰٫۵۱	۱۱٫۸۵
تاراپور (۱۹۷۳ء)	۳۰	۱۴	۳۱	۷۵	۲۲٫۸۱	۳۸٫۷۰	۱۷٫۱۱	۷۸٫۶۲	۱۳۵۵	۳۴	۱۳۸۹	۹٫۴۱	۴٫۵۲
احمد نگر (۱۹۷۵ء)	۳	۱۰	۳۱	۴۴	۲٫۵۲	۵٫۲۷	۲۸٫۴۶	۳۶٫۲۵	۲۶۶	۱۵۰	۴۱۶	۴٫۳۰	۱٫۰۶

'اے' ۔ یونٹ، تیاری مال کے درجہ میں

'بی' ۔ یونٹ، تعمیری درجہ میں

'سی' ۔ یونٹ، مجوزہ درجہ میں

ترقیاتی مقامات کے نام کے سامنے قوسین میں وہ سال درج ہے، جس میں اس مقام پر ترقی کا کام شروع کیا گیا تھا

کی بدولت کونکن مہاراشٹر کا مالدار ترین خطہ ہے لیکن اس سے کم تر استفادہ کیا گیا ہے۔ 'ڈومکو' کے مجوزہ فشریز پروجیکٹ سے رتناگیری خطہ کو بڑی ترقی نصیب ہوگی، جس کی تخمینی لاگت تقریباً ۱۵ کروڑ روپے ہے۔ آئندہ اس ترقی کی رفتار میسرز جے۔ کے انجینئرنگ فائلز لمیٹیڈ کے ذریعے اور تیز ہوگی، یہ ۱۵۰ لاکھ روپے کا پروجیکٹ ریمانڈس نے جاری کیا ہے۔ گذشتہ پانچ سال میں کڈال میں نمایاں طور سے خوشحالی آئی ہے۔ ڈبلیو۔ جی فورج کا کرینک شیفٹ پلانٹ فی الحال جاری ہوچکا ہے نیز ۹ دیگر یونٹ جن میں ۱۰ کروڑ روپے کی رقم لگے گی تیار ہیں۔

کونکن میں 'سیکوم' کے ذریعے ترقی پانیوالا دوسرا مقام روہا ہے۔ وہاں 'مڈک' کا صنعتی علاقہ فی الحال بھر چکا ہے۔ نرلون، دھرمسی مُرارجی، یونیچیم اور کلر چیم جیسے ممتاز کیمیکل یونٹوں کی وجہ سے روہا کیمیکل سینٹر بن چکا ہے۔ اس خطہ میں مجوزہ کونکن ریلوے نیز بمبئی ہائی گیس پر مبنی یونٹوں کے قیام سے علاقہ کونکن میں صنعتوں کو اور فروغ حاصل ہوگا اس خطہ کے کچھ اہم صنعتی ادارے یہ ہیں: البیو۔ سی اینڈ سیمنٹ کمپنی، گھوٹس، ابھالی فارمسیٹیکلز لمیٹیڈ، احمد نگر، بلارپور پیپر اینڈ اسٹرا بورڈ ملز، بلارپور، کلر۔ چیم، روہا، گھاٹگے پاٹل انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹیڈ، کولہاپور، گورنمنٹ ڈسٹیلری، جبالی، کرلوسکر برادرز لمیٹیڈ، کراڈ اور کرلوسکر واڈی۔ کرلوسکر گھاٹگے پاٹل آٹو لمیٹیڈ، کولہاپور، خاندیش اسپننگ اینڈ ویونگ ملز کمپنی لمیٹیڈ جلگاؤں، لکشمی وشنو کاٹن ملز لمیٹیڈ، سولاپور، مہاراشٹر الیکٹرو سملٹ لمیٹیڈ، چندرپور، مہاراشٹر ویجیٹیبل پروڈکٹس پرائیویٹ لمیٹیڈ، دھولے، مراٹھے ٹیکسٹائل ملز، اچل کرنجی، نرلون سنتھیٹک اینڈ فائبرس لمیٹیڈ، روہا۔ ریلیس انڈیا لمیٹیڈ، روہا، سہ لے (انڈیا) لمیٹیڈ، روہا، ستواجی ورکس لمیٹیڈ، سولاپور، یونیورسل فیبرز، تمسار اور ڈبلو۔ جی فورج، کڈال وغیرہ۔

صنعتوں کی حوصلہ افزائی:

مہاراشٹر کے اُن خطوں میں جہاں ترقی کی بڑی گنجائش ہے صنعتی اراضی تدریجی پروگرام کے تحت مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی جانب سے مہیا کی جاتی ہے۔ اپنے آغاز سے مارچ ۱۹۷۷ء تک 'مڈک' نے ریاست میں ۵۴ صنعتی علاقوں کو ترقی دی ہے۔ 'مڈک' نے ہر ضلع میں کم سے کم ایک علاقہ کو ترقی دے کر خاص امتیاز حاصل کیا ہے۔

ترقی پذیر خطوں میں ابھرنے والی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کا ایک ذریعہ 'قیمت پالیسی' ہے جو صنعتی علاقوں میں زمین کے پلاٹ دینے کے سلسلہ میں اختیار کی گئی ہے۔ بمبئی سے دور جانے والے کے لئے یہ قیمت بھی کم ہونے لگتی ہے۔ ترقی پذیر علاقے میں پہلے پہلے آنے والی صنعتیں اس کم ترین اراضی قیمت سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ انھیں بعض دیگر سہولتیں بھی رعایتی شرح پر بہم پہنچائی جاتی ہیں۔

صنعتوں کیلئے بجلی:

صنعتی و تجارتی ترقی اور دیہاتوں میں بجلی رسانی کے مدنظر ریاست مہاراشٹر میں برقی قوت کو مسلسل بڑھایا جارہا ہے تاکہ آئندہ بڑھتی ہوئی ضرورت پوری کی جاسکے۔ فی الحال ریاست کی موجودہ برقی قوت ۲٫۶۰۰ میگاواٹ سے زیادہ ہے جو پورے ملک میں سب سے زیادہ ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے ایک زبردست پروگرام بنایا ہے جس کے تحت ۸۲-۱۹۸۱ء تک ۲٫۴۵۰ میگاواٹ سے زیادہ امکانی قوت کے مزید بڑے تھرمل سیٹ جاری ہو جائیں گے نیز ۵۴۹ میگاواٹ پن بجلی پیدا ہونے لگے گی۔

ان پروجیکٹوں کے جاری ہونے پر مہاراشٹر میں آئندہ پانچ سال کے اندر بجلی پیدا کرنے کی امکانی قوت دوگنی ہوجائے گی۔ ریاست میں مزید برقی قوت مل جانے سے صنعتوں کی رفتار ترقی بھی تیز ہوگی۔ مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ ترقی پذیر علاقوں میں صنعتی مقامات پر لگاتار بجلی کی فراہمی بڑھاکر نیز پاور کے سلسلے میں صنعتوں کی مشکلات کو دور کرکے صنعتوں کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

اجتماعی امداد:

مہاراشٹر کے ترقی پذیر علاقوں میں صنعت و حرفت کی متواتر ترقی کے کئی اسباب ہیں جن میں سب سے اول ریاستی حکومت کا معاونانہ رویہ ہے۔ صنعت کاروں کی متفرق ضروریات کے مدنظر کئی مشترکہ ادارے قائم کئے گئے ہیں تاکہ اُن کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ یہ ادارے باہمی تعاون سے کام کرتے ہیں۔ صنعتوں سے وابستہ دیگر حکومتوں اور نیم سرکاری اداروں سے بھی رابطہ قائم کرتے ہیں۔ غرض کہ اس طرح بڑی اہم صنعتی امداد بہم پہنچاتے ہیں۔ ان اداروں کا طریقۂ کار بھی خصوصیات کا حامل ہے۔ ان اداروں جن کا ذکر ابتدا میں آیا ہے مختصراً تعارف حسب ذیل ہے:

مہاراشٹر اسٹیٹ فائننشل کارپوریشن (ایم ایس ایف سی):

یہ کارپوریشن ریاستی حکومت، ریزرو بنک آف انڈیا اور دیگر مالیاتی اداروں نے قائم کی ہے تاکہ چھوٹی اور درمیانی درجہ کی صنعتوں کی مدد کی جائے۔ پبلک لمیٹیڈ کمپنیاں اور کوآپریٹیو سوسائٹیاں ۳۰ لاکھ روپے تک قرض حاصل

کر سکتی ہیں۔ پرائیویٹ لمیٹیڈ کمپنیاں، حصہ دارانہ اور مالکانہ ادارے ۱۵ لاکھ روپے تک قرض پا سکتے ہیں۔ سال ۷۷۔۱۹۷۶ء میں ہی کارپوریشن نے ۱۴۹۹ یونٹوں کے لئے امداد منظور کی، منظور شدہ رقم ۲۴۲۰۱ کروڑ روپے تھی جب کہ ۱۷۰۳ کروڑ روپے کی رقم تقسیم کی گئی۔ اس معاملہ میں کل منظور شدہ رقم کا ۶۳ فیصد حصہ بمبئی، تھانے اور پونے کو چھوڑ کر دوسرے علاقہ جات کیلئے تھا

اس کارپوریشن نے فشریز، ٹرانسپورٹ اور ہوٹل جیسی صنعتوں نیز ٹکنیکل ماہرین کی جاری کردہ چھوٹی صنعتوں کے لئے خاص اسکیمیں بنائی ہیں۔ مزید حوصلہ افزائی کی غرض سے یہ کارپوریشن ریاست کے بعض ترقی پذیر علاقوں میں موجودہ یا آئندہ قائم کی جانیوالی صنعتوں سے کم شرح سود لیتی ہے۔

مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (مڈک):

۱۹۶۲ء میں قائم کی گئی، اس کارپوریشن کی ذمہ داری یہ ہے کہ خطوں کی امکانی گنجائش کا جائزہ لیکر یہاں صنعتی علاقوں کو ترقی دے۔ یہ صنعتی علاقوں کی ترقی کے لئے پہلے سے بنیادی صنعتی سہولتوں مثلاً اچھی سڑکوں، ذخیرۂ آب، فراہمیٔ آب کے لئے پائپ لائن وغیرہ کا بندوبست کر کے راہ ہموار کرتی ہے۔ ساتھ ہی 'مڈک' یہ بھی کوشش کرتی ہے کہ صنعتی علاقوں کے نواح میں ڈاکخانے، ٹیلیفون ایکسچینج اور بنک کی سہولتیں بھی حاصل ہوں۔

مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹڈ (مسیڈک):

یہ کارپوریشن بھی ۱۹۶۲ء میں قائم کی گئی تھی تاکہ مہاراشٹر میں خصوصاً ترقی پذیر علاقوں میں چھوٹی صنعتوں کی باقاعدہ وسعت و ترقی کا آغاز ہو۔ 'مسیڈک' مختلف اقسام کی امداد دیتی ہے۔

'مسیڈک' دیسی اور درآمدی دونوں قسم کا کمیاب خام مال حاصل کر کے تقسیم کرتی ہے۔ درآمدی مال کا ۴۰ فیصد حصہ ریاست کے ترقی پذیر علاقہ جات کے لئے ہے۔ مناسب داموں پر سامان کی باقاعدہ اور وافر فراہمی کی ضمانت دے کر 'مسیڈک' اس صنعتی سیکٹر کی مستعدی اور تجارتی کارکردگی میں معاون ہوتی ہے جس کے ذرائع عموماً محدود ہوتے ہیں۔ 'مسیڈک' چھوٹے یونٹوں کے کم قیمتی درآمدی لائسنسوں کا نرخ بڑھوانے کی بھی کوشش کرتی ہے نیز ان کی جانب سے منتخب خام مال درآمد کرتی ہے۔ ۷۶۔۱۹۷۵ء میں ۵۴ء۶۶ لاکھ روپے کی مالیت کا مال درآمد کیا گیا ۳۱ء۲ کروڑ روپے کی مالیت کا خام مال تقسیم کیا گیا۔

'مسیڈک' سرکاری ایجنسیوں مثلاً ڈائرکٹوریٹ جنرل آف سپلائز اینڈ ڈسپوزلز، سینٹرل اسٹورس پرچیز آرگنائزیشن اور بڑے پبلک سیکٹر اداروں کے خریداری پروگرام میں شریک ہوتی ہے۔ یہ اس مقصد سے کیا جاتا ہے کہ ریاست میں جہاں تک ممکن ہو سرکاری خریدی کا بڑا حصہ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے لئے حاصل کیا جائے۔

مسیڈک ۵ء۱ لاکھ روپے کی حد تک جدید مشینری چھوٹے پیمانے کے صنعتی یونٹوں کو سپلائی کرتی ہے جو مہاراشٹر کے ۱۲ پسماندہ اضلاع میں قائم کئے گئے ہیں۔ ان علاقوں کے ٹکنیکل صنعت کار اس اسکیم کے تحت ۰۰ء۲ لاکھ روپے کی حد تک مشینری حاصل کر سکتے ہیں۔

مسیڈک نے ترقی پذیر علاقوں میں جوتے اور چھتریاں وغیرہ بنانے کے کارخانے بھی قائم کئے ہیں۔

اسٹیٹ انڈسٹریل اینڈ انویسٹمنٹ کارپوریشن آف مہاراشٹر لمیٹڈ: (سیکوم)

یہ کارپوریشن ۱۹۶۶ء میں قائم کی گئی تھی تاکہ مہاراشٹر کے ترقی پذیر علاقوں میں صنعتوں کو فروغ دیا جائے۔ اس مقصد سے 'سیکوم' ایسے صنعت کاروں کو مختلف سہولتیں پیش کرتی ہے جو گراہکوں کی ضروریات کو اولیت دیتے ہیں۔ یہ سہولتیں ہر اُس شخص کو دی جاتی ہیں جو ریاست کے ترقی پذیر خطوں میں صنعت میں سرمایہ لگانے کا خواہش مند ہو۔

سیکوم کا طریقۂ کار:

ان سہولتوں پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ بتانا مناسب ہی ہوگا کہ سیکوم کا طریقۂ کار کیا ہے؟

سیکوم کا علاقہ بڑا ہے۔ بمبئی، پونے خطہ کو چھوڑ کر مہاراشٹر کا رقبہ لگ بھگ ......۳ مربع کلومیٹر رہتا ہے، جس کی آبادی لگ بھگ ۴۹ ملین ہوتی ہے۔ اس وسیع اور آباد خطہ میں سرمایہ کاری کے امکانات کو فروغ دینے کے لئے سیکوم کے سامنے دو متبادل طریقے یہی تھے کہ آیا اپنے پورے علاقے میں یکساں طور پر کم و بیش کوشش کی جائے یا ایک وقت میں، پہلے منتخب مقامات پر پوری پوری توجہ دیکر انھیں جلد سے جلد خود ترقی کے قابل بنا دیا جائے اور پھر دوسرے مقامات پر توجہ دی جائے۔ بعض وجوہات کی بنا پر پہلا طریقہ قابل عمل نہ سمجھا گیا اور دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا جو واضح طور پر بہتر اور کار آمد ہے۔

مالی امداد:

سیکوم مختصر المدت، درمیانی مدت یا طویل المدت قرض دیتی ہے یا سرمایہ حصص کی خریداری میں براہ راست شرکت کرتی ہے یا اس کی ذمے داری لیتی ہے۔

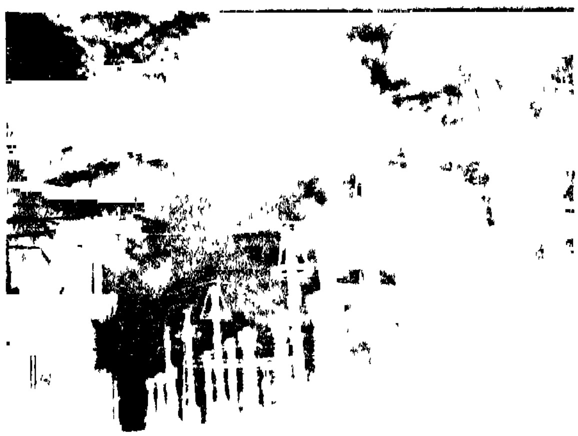
سیکوم نے ۱۹۶۷ء میں "کیپٹل پارٹی سپیشن اسکیم" وضع کی تھی تاکہ چھوٹی اور درمیانی صنعتوں کو خاص امداد دی جا سکے۔ یہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی اسکیم ہے جس کے تحت رکھے جانے والے فکسڈ اسٹس



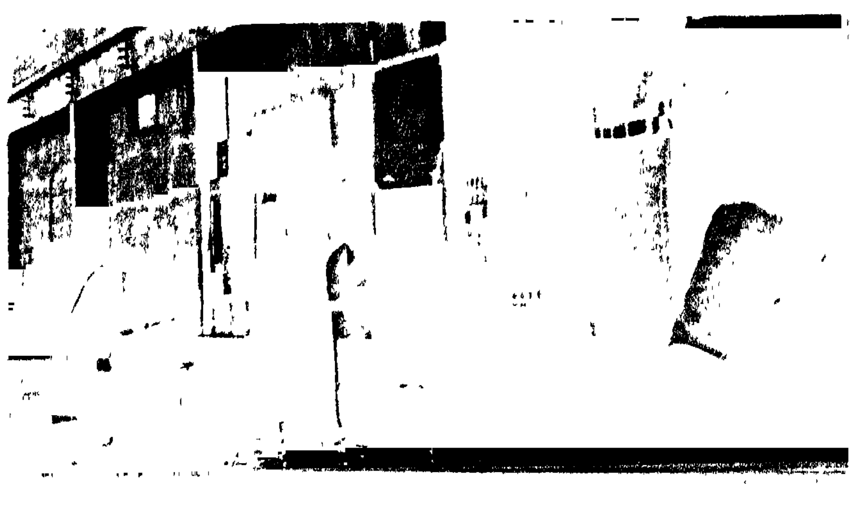


(اوپر دائیں طرف)
ناشک میں ست پور صنعتی بستی کا ایک منظر

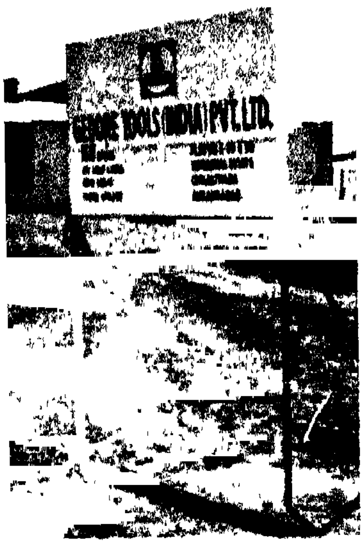
(اوپر بائیں طرف)
نارلور میں صنعتی بستی کو جانیوالی ایک سڑک۔



ایک پاور اسٹیشن جو اورنگ آباد کے چکل تھانہ صنعتی علاقہ میں واقع ہے۔



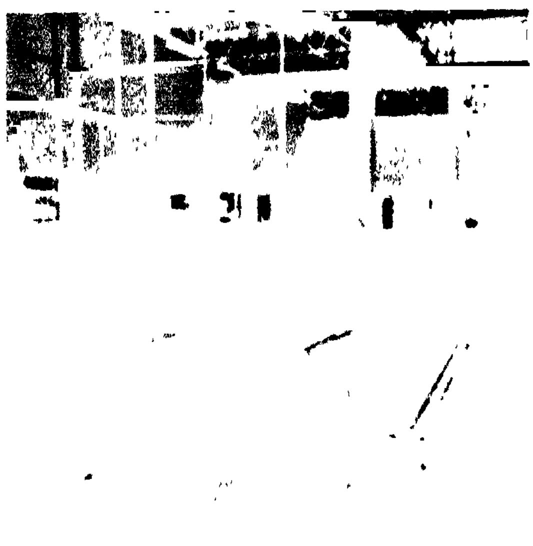
اعلیٰ قسم کی اسپرنگ تیار کرنیوالی کونیڑی (اسپرنگس اینڈ انجنیئرنگ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔



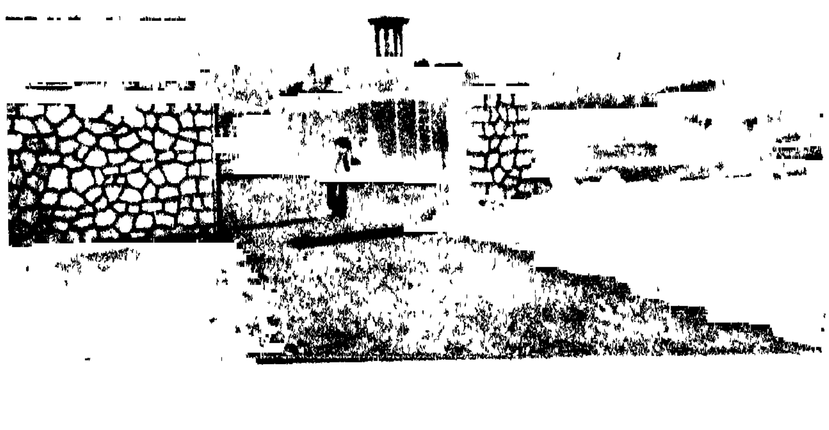


(اوپر بائیں طرف)
اورنگ آباد میں "سیکوم" کی زیر سرپرستی قائم شدہ ایک کارخانہ جہاں دستی اوزار وغیرہ بڑے پیمانے پر تیار کئے جاتے ہیں۔

(اوپر دائیں طرف)
اورنگ آباد میں مہاراشٹر اسٹیٹ فائننشیل کارپوریشن کا علاقائی دفتر۔



احمد نگر میں ڈرلکو میٹل کاربائڈز لمیٹڈ کا اندرونی منظر۔ ۱۰ء۲ کروڑ روپے کی لاگت سے قائم شدہ اس کارخانے میں کاربائڈز پروڈکٹس اور ڈریلنگ روڈز وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں



ضلع قلابہ میں روہا تک پھیلے ہوئے کیمیکل کارخانوں کے کچرے وغیرہ کو ٹھکانے لگانے کے لئے "میڈک" نے خاص طور سے ۵ء۷ لاکھ روپے کی لاگت سے یہ کارخانہ قائم کیا ہے۔

کی مالیت کے ۷۵ فیصد حصہ تک قرض امداد کی پیشکش کی جاتی ہے۔

سیکوم درمیانی درجہ کی صنعتوں کے لئے حکومت مہاراشٹر کی کریڈٹ گارنٹی اسکیم' کا سدولست بھی کرتی ہے۔ اسکیم کے تحت مہاراشٹر کے ترقی پذیر علاقہ جات میں کریڈٹ اداروں کی جانب سے درمیانی درجہ کی صنعتوں کے لئے جاری کردہ مدتی قرضہ جات وغیرہ کے سلسلہ میں نقصان پر ۶۷ فیصد ضمانت دی جاتی ہے۔

اپنی کارگذاری کے گیارہ سال میں' ۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء تک سیکوم نے مہاراشٹر کے کم ترقی یافتہ علاقوں میں ۱۰۳۹ یونٹوں کے لئے ۸۵٫۰۷ کروڑ روپے کی رقم منظور کی۔ مذکورہ تاریخ تک ۵۹٫۷۵ کروڑ روپے کی رقم تقسیم کی جاچکی تھی۔ یہ رقومات حوصلہ افزائی پیکیج اسکیم کے سوا تمام مالیاتی امدادی اسکیمات سے متعلق ہیں۔

اگست ۱۹۷۶ء سے سیکوم اس اسکیم کی رُو سے منظور شدہ مدتی قرضہ جات کے سلسلہ میں آئی ڈی بی آئی سے دوبارہ مالی امداد کی مجاز ہے۔ اب سیکوم ریاست کے ترقی پذیر علاقوں میں قائم ہونے والے پُروجیکٹوں کے لئے ½۹ فیصد رعایتی شرح سود پر سرمایہ دے سکتی ہے۔ اس سے ترقی پذیر علاقوں میں صنعتوں کو فروغ دینے کی رفتار تیز کرلے س مد ملنگی ستمبر ۱۹۷۷ء تک سیکوم ۵۷٫۹۷ لاکھ روپے کی حد تک مذکورہ دوبارہ مالی امداد سے فائدہ اُٹھا سکی۔

حوصلہ افزائی کی نئی اسکیم

حکومت مہاراشٹر کی حوصلہ افزائی کی پیکیج اسکیم' سیکوم اپریل ۱۹۶۹ء سے چلا رہی ہے۔ اس اسکیم کو انتظامی لحاظ سے سہل العمل نیز صنعت و حرفت خصوصًا روزگاری صنعت و حرفت کے لئے زیادہ پُرکشش بنانے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے مذکورہ اسکیم پر نظر ثانی کی' اور یہ یکم اگست ۱۹۷۶ء سے نئی اسکیم زیرِ عمل ہے۔

اس اسکیم کی نمایاں سہولت' بلاسُودی بلاکفالت قرض کی دستیابی ہے جس سے اس بِکری ٹیکس کی بھرپائی ہو سکے جو ترقی پذیر صنعتی خطہ میں کسی صنعتی یُونٹ نے کچھ سال تک ادا کیا ہو یا ایسے خطہ میں نئے یونٹ میں سرمایہ لگایا جا سکے۔ اس اسکیم کی دیگر خصوصیات یہ ہیں: (۱) حصہ (۵۰ فیصدی تک) بغرض لاگت کارآمدی جائزہ، (۲) بعض محاصِل اور ٹیرف کے بارے راحت (۳) سرکاری خریداری پُروگرام میں ترجیحی سلوک (۴) ٹکنیکل ٹریننگ میں، مدد۔

مارچ ۱۹۷۷ء تک پیکیج اسکیم کے تحت صنعتکاروں کی جانب سے ایک یا اس سے زیادہ سہولتوں کے واسطے درخواستیں موصول ہوئیں۔ اسکیم کے تحت سیکوم نے ۵۱۸ یونٹوں کو تقریبًا ۱۲ کروڑ روپے کی رقم بطور قرض تقسیم کی۔

یہ پہلا موقع ہے کہ سرمایہ کے لئے' اصل رعایت بلاسُود بلاکفالت قرض کی شکل میں دی گئی ہے جو فکسڈ اسٹس کے ۱۵ فیصد تک' شیئرز یا دَر سے زیادہ ۱۵ لاکھ روپے کی حد تک دیا جاتا ہے۔ یہ خاص مالی رعایت، بِکری ٹیکس رعایت کے ماسوا ہے۔ یہ قرض ۱۲ سال بعد ۱۲ مساوی سالانہ اقساط میں واپس ادا کرنا ہوگا۔

سیڈ کیپٹل اسکیم

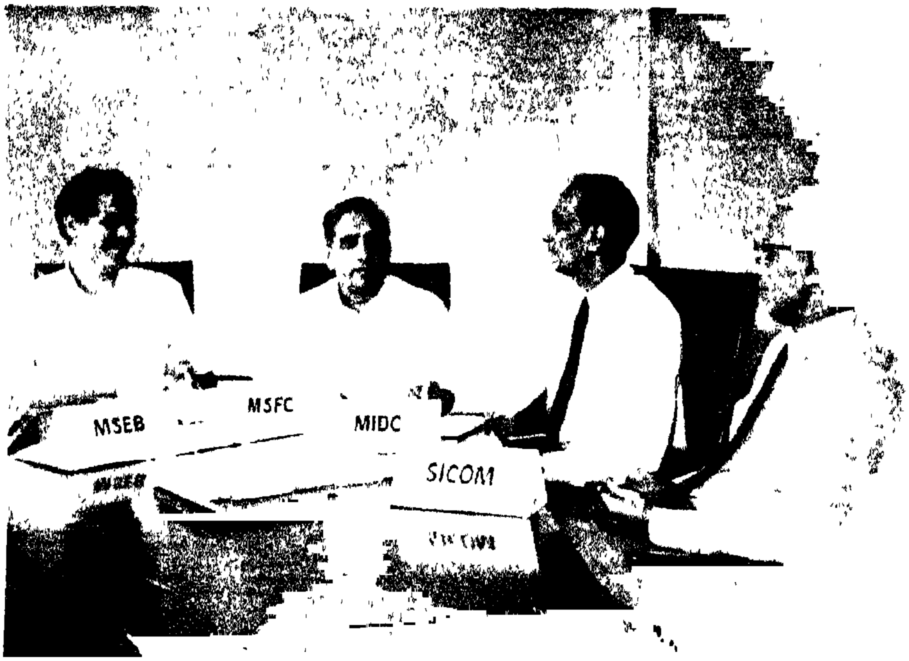
گذشتہ سال کے آخر میں سیکوم نے بغرض عمل آوری ایک اور اسکیم 'آئی ڈی بی آئی' اسکیم ہاتھ میں لی تاکہ سیڈ کیپٹل اسِسٹنس' یعنی (بُنیادی سرمایہ امداد) کی گنجائش نکالی جائے۔ یہ اسکیم ایسے فنی تربیت یافتہ صنعت کاروں کے لئے وضع کی گئی ہے' جو ایسے پُروجیکٹ زیرِ عمل لانا چاہتے ہیں جن کے لئے ۱۰ لاکھ تا ۱۰۰ لاکھ روپے کا سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ ایک اور ۱۰ لاکھ روپے کے درمیان دی جانیوالی امدادی رقم ''ابتدائی امداد' ہوتی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ کسی پُروجیکٹ کے لئے درکار سرمائے میں بعض کمیاں پوری کی جاسکیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ دیس بھر میں سیکوم پہلا ادارہ ہے جس نے نئی 'آئی ڈی بی آئی' اسکیم سے فائدہ اُٹھایا اور اسکیم کے تحت مقررہ اسکریننگ کمیٹی کے ذریعے پانچ پُروجیکٹوں کی سفارش کی۔ جن کی اصل لاگت ۱۴۹٫۳۰ لاکھ روپے اور ابتدائی مالی امداد ۱۲٫۳۰ لاکھ روپے ہے جو اولاً سیکوم تقسیم کرے گی اور بعض ازاں 'آئی ڈی بی آئی' کی جانب سے بھرپائی کی جائے گی۔

خاص خدمات:

مختلف مالی امداد کے علاوہ سیکوم ایسے صنعت کاروں کی خاطر بعض خدمات کی پیشکش کرتی ہے جو ریاست کے ترقی پذیر خطوں میں جانا چاہتے ہیں۔

ترقیاتی بنکوں کی طرح سیکوم کو یہ بھی احساس ہے کہ صرف روپیہ پیسے ہی سے صنعتی سرمایہ کاری اور ترقی ممکن نہیں ہوسکتی۔ لہذا دس سال سے بھی زیادہ عرصے سے سیکوم اس مقصد سے حوصلہ مندانہ منصوبہ جات وضع کرکے انھیں بسرعت عملی جامہ پہنا رہی ہے۔

سیکوم کے انجینئر لگاتار نئے پروجیکٹوں کے امکانات کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح ابتک ۲۰۰ سے زیادہ نئے پُروجیکٹوں کی نشان دہی کی گئی ہے جس سے صنعت کاروں کو نئے نئے مقامات پر نئے کام منتخب کرنے کا موقع ملا ہے۔



ہر ماہ کے
پہلے بدھ کو
متعلقہ اداروں
کے سربراہ
ایک جگہ بیٹھ کر
تمام ضروری
امور پر
تبادلۂ خیالات
کرتے ہیں اور
حل طلب مسائل
پر غور کرتے ہیں

ودربھ، مراٹھواڑہ، مغربی مہاراشٹر اور کوکن کی علاقائی ترقیاتی کارپوریشنوں کی اعانت سے ضلع سطح پر بھی صنعت کاروں کی نشان دہی کر کے چھوٹے اور درمیانی درجہ کے پروجیکٹوں کے قیام کے لئے صلاح اور منظوری دی جاتی ہے۔ گویہ اصلاحی سروس ہے اس کے ذریعہ ۷ سے زیادہ پروجیکٹوں کو معین شکل دی گئی ہے۔

سیکوم کے کاروباری منتظم افسراں نئے صنعت کاروں کی کل ضروریات اور فوائد کا اندازہ کرلینے کے بعد ان کے پروجیکٹوں کے قیام کے لئے ممکنہ جگہ کے انتخاب میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

سیکوم تمام معاملات میں نئے صنعت کاروں کو صلاح مشورہ دیتی ہے۔ جب کبھی ضروری ہو ماہرانہ صلاح بھی دی جاتی ہے۔ صنعت کار پروجیکٹ کے بارے میں صلاح لے سکتے ہیں۔

سیکوم کے حلقہ میں ایک مکمل شعبہ ہے جو نئے صنعت کاروں سے برابر رابطہ رکھتا ہے۔ حصول زمین، بجلی اور پانی وغیرہ کے بارے میں امداد کی جاتی ہے پروجیکٹ میں پیداواری کام شروع ہو جانے کے بعد بھی سیکوم اس کی سرپرستی کرتی ہے تاکہ وہ عملی مشکلات پر قابو پا سکے۔

بین الاقوامی شعبہ: یہ ڈویژن یا شعبہ غیر مقامی ہندوستانی صنعت کاروں کو ترجیحی امداد بہم پہنچاتا ہے۔ دہلی میں مقیم خاص نمائندہ تمام معاملات

بنری سے ہٹانے کے لئے مرکزی حکومت کے اداروں کے ساتھ رابطہ قائم کرتا ہے۔

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ شری پی۔ این ہکسر، سابق ڈپٹی چیرمین پلاننگ کمیشن نے بھی ۱۰ مئی ۱۹۷۶ء کو سیکوم کی دس سالہ یادگار تقریب کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ صنعتیانہ بالکل نئے ڈھنگ کا دلچسپ کام ہے جس میں آدمی، مشینری اور ذرائع سرمایہ، سب ہی باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ گو اس لحاظ سے مہاراشٹر کے ترقی پذیر خطہ جات میں اب تک کا کام خاطر خواہ ہے، پھر بھی ریاستی حکومت اور اس کے اداروں کو پوری طرح یہ احساس ہے کہ ابھی میلوں آگے جانا ہے۔

مڈک کی کارگزاری

۱۔ صنعتی علاقوں کی تعداد میں ترقی کا کام انجام دیا گیا۔	۵۳
۲۔ علاقہ منصوبہ بندی	۱۹,۵۰۶ ہیکٹر
۳۔ قائم آبی گنجائش	۱۳۰ ایم جی ڈی
۴۔ تعمیر شدہ سڑک (لمبائی)	۵۴۷٫۷۱ کلومیٹر
۵۔ تعمیر شدہ انڈسٹریل شیڈز	۸۸۵
۶۔ زیر تعمیر انڈسٹریل شیڈز	۳۱۰

ریاست میں کتنی صحتِ عامہ لیبوریٹریاں ہیں یہ کہاں تک لوگوں کے لئے فائدہ بخش ہیں؟

شرمیاد مانے (کولہاپور)

فی الحال گیارہ صحت عامہ لیبوریٹریاں ہیں۔ یہ پونے، میرج، کولہاپور، سولاپور، ناشک، امراؤتی، اورنگ آباد، جلگاؤں، ناگپور، کوکن بھون (نئی بمبئی) اور ناندیڑ میں واقع ہیں۔

پونے کی لیبوریٹری ریاستی لیبوریٹری قرار دی گئی ہے، جبکہ اورنگ آباد اور ناگپور کی لیبوریٹریاں علاقائی لیبوریٹریاں ہیں۔ بقیہ آٹھ لیبوریٹریاں ضلع صحتِ عامہ لیبوریٹریاں ہیں۔ ان لیبوریٹریوں نے سائنٹیفک لٹریچر کی روشنی میں تازہ ترین ٹکنیک اور ضابطہ کو رواج دیا ہے۔ یہ دیگر لیبوریٹریوں اور ادارہ جات سے رابطہ قائم کرکے خاص چھان بین اور ریسرچ کا کام انجام دیتی ہیں۔

ان صحت عامہ لیبوریٹریوں کے مقاصد یہ ہیں:

غذائی ملاوٹ کی روک تھام ایکٹ بابت ۱۹۵۴ء اور اس کے تحت وضع کردہ قوانین کے تحت غذائی نمونوں کی جانچ، پانی کے نمونوں کا تجزیہ کرکے پتہ چلانا کہ یہ پینے کے قابل ہے یا نہیں۔ اسٹریلائزر کی مقدار مقرر کرنا، آلودگی ماحول کی قانونًا روک تھام کی غرض سے گندے پانی وغیرہ نیز ندی کے پانی کے نمونوں کا تجزیہ، وبائی امراض اور دیگر امراض کے سلسلے میں آگاہی کے لئے خوردنی اشیاء، پانی کے نمونوں، نیز پاخانہ (اسٹول) قے، تھوک اور خون کی جانچ کرنا، چھوت چھات کی بیماریوں پر نظر رکھنا، اُن کی روک تھام کی تدبیر کرنا اور اس مقصد سے قوانین کے تحت فوڈ انسپکٹر کو تربیت دینا، نیز ڈی۔پی۔ایچ کورس، اسٹوڈنٹس اور لیبوریٹری ٹکنیشنوں کو صحت عامہ لیبوریٹریوں کے کام کاج کی تربیت دینا۔ غذائی ملاوٹ کے سلسلے میں نمائشوں میں شریک ہونا، غذائی ملاوٹ کے نقصانات سے لوگوں کو آگاہ کرنا، کوئی وبا پھوٹنے پر اسی مقام پر لیبوریٹری کھولنا اور زہریلی غذا کے واقعات کے سلسلے میں فوری چھان بین کرنا۔

اس ادارہ کے سربراہ ڈپٹی ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروسیز، انچارج آف پبلک ہیلتھ لیبوریٹری، پونے ہیں جو آئینی لیبوریٹری ہے۔ یہ پہلا ادارہ ہے جسے ادارہ عالمی صحت (ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن) نے ریجنل ریفرل لیبوریٹری تسلیم کیا ہے نیز پہلے پانچ میں سے ایک ہے، جنھیں ڈائرکٹوریٹ جنرل آف ہیلتھ سروسیز، گورنمنٹ آف انڈیا نے تسلیم کیا ہے تاکہ وبائی امراض سے حفاظت اور غذائی ملاوٹ کی روک تھام ایکٹ کا نفاذ موثر طریقے پر عمل میں آسکے۔ پونے یونیورسٹی نے بھی اسے بائیوکیمسٹری بذریعہ ریسرچ میں پی۔ایچ۔ڈی کے مقصد سے تسلیم کیا ہے۔

•

مہاراشٹر میں فلیریا پر قابو پانے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے ہیں؟

گووند سار دیسائی (ناشک)

نیشنل فلیریا کنٹرول پروگرام (این ایف سی پی) دیس میں ۱۹۵۵ء میں شروع کیا گیا تھا۔ ریاست میں ۱۹۶۰ء تک ۵ رہم این ایف سی پی یونٹ سرگرم عمل تھے جن کے نام یہ ہیں: ۱۔ این ایف سی پی یونٹ۔ ناگپور دیہی، ۱۔ این ایف سی پی یونٹ۔ چندرپور، ۱/۲ ۱ این ایف سی پی یونٹ۔ ناگپور میونسپل کارپوریشن، ۱/۲ این ایف سی پی یونٹ۔ بھنڈارہ اور ۱/۲ این ایف سی پی یونٹ وسئی۔

چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کے دوران مذکورہ بالا ۱/۲ ۴ این ایف سی پی یونٹوں کے علاوہ وردھا میں ۱۹۶۹ء میں ریسرچ و ٹریننگ سینٹر قائم کیا گیا۔ نیز دو 'اے' ٹائپ یونٹ یعنی امریر میں ایک اور پال گھر میں ایک اور پونے میں ہیڈکوارٹرز بیورو ۱۹۷۱ء میں قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۲ء میں تھانے میونسپل کونسل میں 'اے' ٹائپ یونٹ جاری ہوا۔

فلیریا کنٹرول یونٹ کے علاقوں میں سال بھر ہفتہ میں ایک مرتبہ افزائشی جگہوں پر ملیریائی آئل استعمال کرکے انسدادی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، وقفہ وقفہ سے جائزہ لیا جاتا ہے اور اِدھر اُدھر سے نمونے حاصل کرکے یہ پتہ لگایا جاتا ہے کہ علاقہ کہاں تک متاثر ہے اور کس حد تک قابو پایا گیا ہے۔ مچھر جمع کرکے اُن کا تجزیہ کیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کہاں تک بیماری پھیلانے کے قابل ہیں۔ فلیریا کے مریضوں کے علاج میں 'ڈیتھل کارب میزائن' (DIETHYLCARB MAZINE) ٹیبلٹ مفید ہیں۔ اس طرح ان کا علاج سول اسپتال یا ہیلتھ سینٹر کے توسط سے بارہ ہفتہ یا بارہ ماہ ہونا چاہیئے۔

ریسرچ و ٹریننگ سینٹر، وردھا ٹکنیشنوں اور کارکنوں کو تربیت دیتا ہے مزید برآں یہ خاص فلیریائی مریضوں کا علاج بھی کرتا ہے۔

•

کس قسم کی تفریحات سرچارج یا تفریحی ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں؟

سداشیو پاٹل (جلگاؤں)

حکومت مہاراشٹر نے سولہ اقسام کی تفریحات کو زائد محصول (سرچارج) کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا ہے جو بمبئی انٹرٹینمنٹ ڈیوٹی ایکٹ بابت ۱۹۲۳ء کی دفعہ ۳ الف ۔ ۱ کے تحت عائد کیا گیا ہے۔

ان مستثنیات میں کسی ایکویریم کی سیر کے لئے جانیوالے اشخاص کو دیئے

گئے ٹکٹ، پولس کی بھلائی اور امداد کے لئے تفریحی پروگرام، سرکاری ملازمین اور اُن کے خاندان کی راحت کے لئے پروگرام، ہندوستانی سرکس، ڈرامہ، ہندوستانی طرز کی کُشتیاں، ہندوستانی موسیقی، کوی سمیلن، مشاعرے اور عام امداد کی غرض سے فلم شو وغیرہ شامل ہیں۔

س: حکومت مہاراشٹر ریاست میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کے بے روزگاری مسئلے کو حل کرنے کے لئے کیا اقدامات کر رہی ہے؟

اشوک دلیش پانڈے
دلوپور، دھولے

ج: ریاست کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے درمیان موجودہ بیروزگاری کے مسئلہ پر حکومت مہاراشٹر کو بڑی تشویش لاحق ہے۔ یہ بڑا زبردست مسئلہ ہے۔ ریاستی حکومت کو اُمید ہے کہ یہ مسئلہ آجرین اور بیروزگار تعلیم یافتہ نوجوانوں کے تعاون سے حل ہوجائے گا۔ اس مقصد سے اس نے ایک اسکیم وضع کی ہے تاکہ ایک طرف آجرین کو آمادہ کیا جائے کہ وہ نسبتاً زیادہ پڑھے لکھے نوکری کے خواہاں اشخاص ہی میں سے رکھیں اور انھیں متعلقہ کام کی مناسب تربیت دیکر لائق کار بنالیں اور دوسری طرف اس طرح تعلیمیافتہ بے روزگار نوجوان اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں۔ اس اسکیم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ تربیت پانیوالوں کو ماہانہ مشاہرہ حکومت کی جانب سے ادا کیا جاتا ہے۔

یہ اسکیم "ایمپلائمنٹ پروموشن پروگرام" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ریاست میں گذشتہ تین سال سے زیرِ عمل ہے۔ بہت سے اداروں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور خود اُمیدواروں کو تربیت دیکر اپنے ہاں ہی ملازمت میں لے لیا۔

اس پروگرام کے تحت اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کا ہر وہ شخص مستحق ہے جس نے کم سے کم ایس ایس سی امتحان پاس کرلیا ہے، نیز اس میں وہ اشخاص بھی شامل ہیں جنھوں نے کسی انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ سے پیشہ ورانہ تربیت حاصل کی ہے۔

آجرین تعلیم یافتہ بیروزگاروں کو ایسی تربیت دیتے ہیں جس سے وہ کسی بھی علاقہ میں ان کے کارخانے یا خدماتی صنعت میں مختلف کاموں مثلاً پروڈکشن، ڈیزائن، کوالٹی کنٹرول، پلاننگ، مشینوں کی دیکھ ریکھ دستکاری یا دفتری کام مثلاً حساب کتاب، اسٹینوگرافی، اسٹورکیپنگ، ٹیلیکس اور ٹیلیفون اور کمپیوٹروں پر حساب کتاب وغیرہ کے بارے میں جانکاری اور مہارت حاصل کرلیں۔

تربیت کی مدت چھ ماہ ہوگی اور یہ اپرنٹس شپ ایکٹ بابت ۱۹۶۱ء کے تحت تربیتی پروگرام کے علاوہ ہوگی۔

حکومت کی جانب سے دیا جانیوالا ماہانہ مشاہرہ حسبِ ذیل ہے:

میٹری کولیٹ / آئی۔ٹی۔آئی کوالیفائڈ	۱۰۰ روپے
گریجویٹ	۱۵۰ روپے
پوسٹ گریجویٹ / ایگریکلچرل / ویٹرنیری گریجویٹ	۲۰۰ روپے
انجینئرنگ ڈپلوما یافتہ	۲۵۰ روپے
انجینئرنگ گریجویٹ	۴۰۰ روپے

یہ عین ممکن ہے کہ تربیت کے بعد تربیت یافتہ شخص کو اسی ادارے میں مناسب جگہ پر ملازم رکھ لیا جائے۔

اس پروگرام کے تحت ایسے اداروں میں جہاں ضمانتی ملازمت موجود ہے یا جہاں چھوٹے صنعتی ادارے خود اپنے آدمیوں کو تربیت دینے کی گنجائش نہیں رکھتے باقاعدہ ادارتی تربیت کا انتظام بھی کیا جاسکتا ہے۔ صنعتیں اُمیدواروں کو مہارت حاصل کرنے کے سلسلہ میں ریفریشر یا معینہ تربیت کے لئے بھی بھیج سکتی ہیں جن کی ترقیاتی مراکز پر قلت رہتی ہے۔ ان صنعتی تربیتی اداروں میں جہاں فاضل گنجائش ہے، ادارتی یا برسرِ کام تربیت کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔ ایسے ادارے جن کے پاس لمبی مدت کے لئے خود اپنی تربیتی اسکیمات ہیں اول چھ ماہ کے لئے خود یہ پروگرام اپنی اسکیمات سے جوڑ سکتے ہیں۔

آجرین کا یہ فرض ہے کہ وہ مقامی ایمپلائمنٹ ایکسچینج کو مقررہ فارم پر یہ اطلاع دیں کہ انھیں کتنے اُمیدواروں کی ضرورت ہے۔ 'ایمپلائمنٹ ایکسچینج' اپنے جاریہ رجسٹروں میں درج شدہ اُمیدواروں میں سے ضروری تعلیمی لیاقت کے حامل اُمیدواروں کو معینہ تاریخوں پر بغرض انٹرویو یا انتخاب اُن کے پاس بھیجتے ہیں۔ انتخاب اور تقرر صرف انھیں اُمیدواروں میں سے کیا جانا چاہیے جنھیں ایمپلائمنٹ ایکسچینج نے بھیجا ہے۔ بہرحال منتخب کرنے یا رد کرنے کا اختیار آجرین ہی کو حاصل رہتا ہے۔

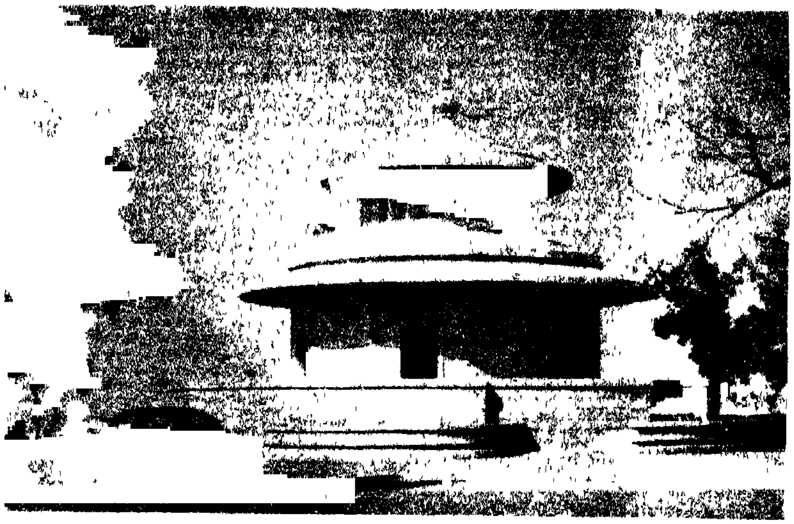
ریاست میں ایسے ۳۶ دفاتر روزگار یعنی ایمپلائمنٹ ایکسچینج ہیں جو اس اسکیم کی عمل آوری میں ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

س: غالباً حکومت نے ریاست کے اہم مذہبی مقامات پر ریسٹ ہاؤس یعنی آرامگاہیں تعمیر کرنے کی اسکیم شروع کی ہے، کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اسی طرح تاریخی اہمیت کے حامل

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

رام ٹیک
جاتری کی جنّت

• جی۔ٹی۔ پرانڈے



رام گری میں کالیداس میموریل' جہاں کالیداس نے اپنا عظیم شاہکار "میگھ دوت" مکمل کیا۔

چاہے آپ سیّاح ہوں یا جاتری' آثار قدیمہ کے طالب علم ہوں یا تاریخ کے، مچھلی کے شکاری ہوں یا بیل گاڑی کے مُسافر، یا پھر آپ تبدیلی آب وہوا کے متوالے ہوں۔ رام ٹیک کے باہیں آپ کو خوش آمدید کہنے کے لئے ہمیشہ کھیلی ہوئی ہیں۔ جی ہاں! رام ٹیک کی باہیں جو صرف جاتریوں ہی کی جنت نہیں ہے بلکہ ہماری، آپ کی اور ہم سب کی جنت ہے۔

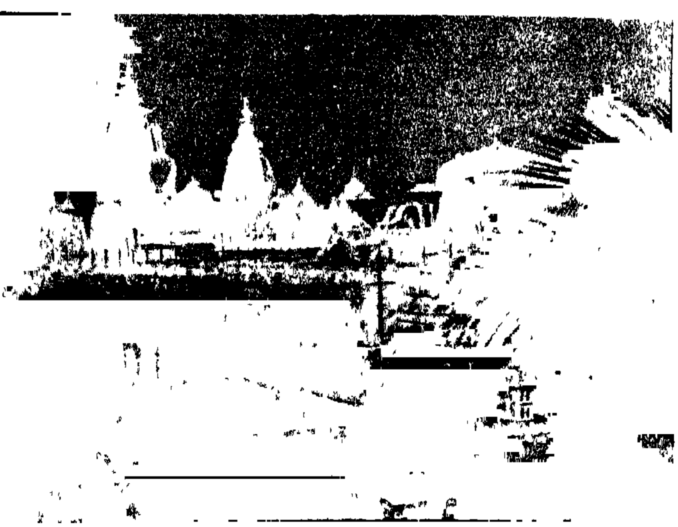
رام ٹیک میں پہاڑیاں ہیں، گھاٹیاں ہیں، جنگلات سے گذرتے ہوئے راستے ہیں، چشمے ہیں، مندر ہیں جو اپنے نقش ونگار اور فن تعمیر کے مظہر ہیں۔ خوبصورت ڈاک بنگلے ہیں۔ رام ٹیک پر آپ کے قدم پہنچتے ہی آپ میں ایک شاعر جاگ اُٹھتا ہے آپ میں نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے' اگر یہ کہا جائے کہ رام ٹیک ملک کے خوبصورت ترین مقامات میں سے ایک ہے جہاں قدرت کے عطا کردہ جنگلات نے فضا کو سنوار رکھا ہے جس کا تذکرہ مہاکوی کالیداس نے "میگھ دوت" میں کیا ہے۔

اتنا جاننے کے بعد یقیناً آپ کے دل میں رام ٹیک کی سیر کرنے کی خواہش ضرور پیدا ہوگئی ہوگی۔ آیئے ان اوراق میں آپ کو کچھ تو سیر کرادی جائے۔

رام ٹیک' ناگپور سے بہت زیادہ دور نہیں ہے بلکہ صرف ۴۵ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ بس سے سفر طے کریں، اپنی کار سے جائیں یا پھر اپنی اسکوٹر کے ذریعے یہ فاصلہ طے کریں یا پھر اگر آپ میں ہمت ہے تو پھر اپنی سائیکل پر بھی یہ سفر طے کر سکتے ہیں۔

جس راستے سے آپ سفر کریں گے وہ ہے نیشنل ہائی وے ۷ جو بہت کشادہ ہے' اور پختہ بھی۔ آپ کا یہ سفر اس وقت سے اور زیادہ خوشگوار ہو جائے گا جب آپ کنہانی ندی پر تعمیر

رام ٹیک میں نرسمہا، چکر دھارا، ہنومان، شری رام، سیتا اور لکشمن کے خوشنما مندروں کی جھلک۔



کردہ پُل پار کرلیں گے۔ یہ برج دو ریلوے پُلوں کے درمیان ہے اور یہی بات یاد رکھنے کی ہے۔

منسار: یہ ناگپور سے ۴۸ کلومیٹر دُور ہے۔ یہاں پر آپ چاء کے لئے وقفہ کر سکتے ہیں اور اسی جگہ سے نیشنل ہائی وے کو چھوڑکر مشرق کی طرف سفر شروع کیجئے۔ نیشنل ہائی وے چھوڑتے وقت ہی دُور اُفق میں پہاڑیوں پر سفید سفید دھبّے سے نظر آتے ہیں۔ یہ سفید نشانات ہی رام ٹیک کے مشہور مندر ہیں۔

منسار سے رام ٹیک کی سڑک لمبے اور گھنے درختوں کی قطاروں سے آراستہ ہے اور اس قسم کی سڑکیں شاذونادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ ایک فرحت بخش منظر ثابت ہوگا۔ اس سڑک کے اختتام پر اور پہاڑیوں کے قدموں میں رام ٹیک شہر آباد ہے۔

شہر میں سے گذرتے ہوئے تھوڑے ہی عرصے میں آپ اُس مقام پر پہنچیں گے جہاں سڑک منقسم ہوگئی ہے اور جہاں پر نرسری قائم کی گئی ہے یہ سڑک اور آگے کھنڈسی تالاب تک جاتی ہے۔ اس تالاب کی سیر بعد میں کی جائے گی۔ آپ بائیں سمت اپنا سفر جاری رکھئے۔ یہ راستہ آپ کو مقبرہ نما عمارت تک لے جائے گا۔ یہی "کالیداس میموریل" ہے۔ اور اس وقت آپ رام ٹیک میں ہیں۔

رام ٹیک کی سیر یوں تو آپ کسی بھی موسم میں کر سکتے ہیں مگر ستمبر میں یہاں کے مناظر بے حد دلکش ہو جاتے ہیں اور مختلف مقامات کی سیر کیلئے بھی ستمبر کا مہینہ نہایت موزوں ہے۔

کالیداس میموریل سے آپ اپنی نظریں دوڑایئے۔ دُور نیچے کی طرف جنوب میں امباگڑھ پہاڑی سلسلہ نظر آئے گا انھیں پہاڑوں پر آہستہ خرام مانسونی بادل آپ کے لئے بہترین قدرتی منظر لئے منتظر ہوں گے۔ آپ کے چاروں طرف سبزہ زار ہے۔ سبزہ کا ایک لامتناہی سلسلہ!

شمال مغرب میں آپ کو مندروں کا سلسلہ نظر آئے گا اور شمال مشرق میں امبالا تالاب آپ کو تازگی بخشے گا۔ آپ یہاں کے مناظر میں کھو جائیں گے اور آپ کے دل و دماغ میں شاعرانہ خیالات کا سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ اُن محققین اور اسکالرز کا شکریہ ادا کیجئے جنھوں نے یہاں ہو یا دیا ہے

مندروں سے گھِرا ہوا امبالا تالاب



ڈاکٹر ڈی ۔ وی میراشی کی قیادت میں یہ ثابت کر دیا کہ رام ٹیک ہی 'رام گیری' ہے جہاں کالیداس نے اپنا عظیم منظوم شاہکار "میگھ دُوت" ۴۰۰ سال قبل مسیح پورا کیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر کالیداس میموریل قائم کیا گیا ہے حکومت مہاراشٹر نے اس خوبصورت میموریل کی تعمیر کے سلسلہ میں ۳ لاکھ ۵۹ ہزار روپے کی مالی امداد دی ۔ اس میموریل کا کام ۱۹۶۸ء میں شروع ہوا اور ۱۹۷۳ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

اس کے اندر ایک دائرہ کی شکل میں بنی ہوئی جگہ آپ کو دعوتِ نظارہ دے گی ۔ یہاں آپ کو مشہور آرٹسٹوں کے شاہکار نظر آئیں گے جو انھوں نے کالیداس کی شاعری میں مختلف موضوعات پر بنائے ہیں جن میں رگھون شیام، کمار سمبھون، میگھ دُوت، مالا ویکا گنی متر وغیرہ شامل ہیں' اس عمارت کا اندرونی حصہ اور طرز تعمیر دونوں خوشگوار ہیں۔

اب یہاں سے آپ کا سفر رام ٹیک کی طرف ہوگا۔ یہاں پر آپ کو ایک کھلی چھت کا مندر ملے گا جہاں نرسمہا کی مُورتی نصب ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مُورتی اس وقت بھی یہاں تھی جس وقت وشنو، نرسمہا کے اوتار میں آئے اور یہاں کے راکھشش 'ہیرانکا شیالو' کو ہلاک کیا۔ اسی وقت سے یہ پہاڑیاں جو آپ اطراف میں دیکھ رہے ہیں' سُرخ ہوگئیں، اسی وجہ سے ان پہاڑیوں کا نام 'سِندورگی' بھی پڑ گیا۔

مشرق کی طرف سے خاص مندروں کی طرف آتے ہوئے آپ محسوس کریں گے جیسے کہ یہاں کے تمام مندر بڑی خوبصورتی سے ایک بڑے مقام پر آراستہ کئے گئے ہیں ۔ پہلے صدر دروازے سے گذرنے پر آپ کو "وراہا" کی سنگی مُورتی نظر آئے گی ۔ پہلے یہ عقیدہ تھا کہ ایک سچا اور دیانتدار آدمی ہی 'وراہا' کے پیٹ کے نیچے سے گذر جاتا ہے' مگر اَب تو ہر کس و ناکس اپنی تدبیروں سے 'وراہا' کے پیٹ کے نیچے سے گذر سکتا ہے ۔ اَب آپ کے سامنے لمبی لمبی سیڑھیاں ہیں اور بائیں طرف شری چکر دھارا کا مندر ہے' یہ وہی چکر دھارا ہیں جو 'مہانو بھاوا پنت' کے بانی ہیں اور تیرھویں صدی عیسوی میں رام ٹیک آئے تھے ۔ اوپر چلتے ہوئے آپ ایک اور دروازہ سے گذریں گے، تب آپ کے سامنے گوکُل دروازہ ہوگا ۔ یہی وہ دروازہ ہے جس کے ذریعے آپ رام اور لکشمن کے مندروں میں داخل ہوسکتے ہیں سب سے پہلے ہنومان کا مندر ہے جو ایک محافظ کی طرح تمام مندروں پر نظریں جمائے ہوئے ہے ۔ اس مندر کے بعد لکشمن کا مندر ہے۔ لکشمن مندر کے پیچھے اور سب سے بڑا جو مندر ہے وہ شری رام اور سیتا کا ہے۔

تاریخی دستاویز کے مطابق راجہ رگھوجی بھونسلے اوّل نے اپنے خواب میں دیکھا کہ سور ندی میں شری رام، لکشمن اور سیتا کے سیاہ پتھر کے بُت ہیں ۔ انھوں نے اُن کو نکال کر مندر میں رکھوا دیا ۔ شری رام مندر سے اُوپر چڑھیے اور آپ واٹر ٹاور پر پہنچیں گے ۔ یہاں پر تیز ہوائیں اور بندر آپ کے استقبال کو موجود ہوں گے ۔ یہاں سے جب آپ نیچے کی طرف دیکھیں گے تو آپ کو رام ٹیک شہر کا منظر نظر آئے گا ۔ یہیں سے شمال میں واقع جین مندر کا منظر بھی دیکھ لیجئے ۔

رام ٹیک' تاریخ میں پچھلی دو صدیوں سے منظرِ عام پر آچکا تھا ۔ یہاں کے مندر چودھویں صدی کے ہیں اور لکشمن مندر کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مندر چھ سو سال پُرانے ہیں جن کی نگرانی آج بھی ناگپور کے بھونسلے خاندان کے ذمے ہے ۔

کارتک پورنیما میں یہاں پر سالانہ میلہ ہوتا ہے جہاں پر مختلف مقامات سے لوگ جمع ہوتے ہیں ۔

مندروں اور کالیداس میموریل سے نیچے اُترتے وقت امبالا اور اس کے تالاب آپ کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر لیں گے ۔ کہا جاتا ہے کہ 'امبا کنڈ' میں نہانے سے راجا امبرش برص کے مرض سے صحتیاب ہوگیا تھا ۔ راجہ رگھوجی اوّل نے یہاں بہت سے مندر تعمیر کرائے اور امبالا سے رام ٹیک کے مندروں تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بھی بنوائیں ۔ آپ محسوس کریں گے کہ امبالا تالاب صفائی طلب ہے ۔

ناگ ارجُن مندر : اب آپ کھنڈسی سڑک پر دوبارہ سفر شروع کیجئے ۔ ایک کلومیٹر کے بعد ہی آپ کے سامنے پہاڑوں کی بلند چوٹیاں ہونگی اسی پہاڑی کے درمیان' ناگ ارجن مندر' ہے ۔ ناگ ارجن ایک بڑے سادھو تھے جنھوں نے جڑی بوٹیوں کا طریقۂ علاج جاری کیا ۔ ان ہی پہاڑیوں کو انھوں نے قریب دو ہزار سال قبل اپنا مسکن بنا لیا تھا ۔ یہ مندر آپ کی سمادھی پر قائم کیا گیا ہے ۔

یہاں سے اوپر آپ کو شیو مندر دیکھنے کو ملے گا ۔ شیو مندر سے اور اُوپر چڑھئے اور شمال میں نیچے کی طرف راما ساگر تالاب ایک دلکش منظر لئے ہوئے نظر آئے گا ۔

کھنڈسی تالاب : ناگ ارجن مندر سے نیچے اُترتے ہوئے ایک چھوٹے سے بنگلے پر پہنچیے اور دوبارہ سڑک پر آجائیے ۔ مشرق کی سمت آپ کھنڈسی تالاب پر پہنچیں گے ۔ اس تالاب سے نکالی گئی نہر بھنڈارہ ضلع تک دھان کی فصلوں کو پانی مہیا کرتی ہے ۔ تھوڑی دیر یہاں پر وقفہ کیجئے اور دوسری پہاڑی پر چڑھیئے، آپ کھنڈسی ریسٹ ہاؤس اور ہالی ڈے کیمپ پر ہوں گے ۔

یہ ریسٹ ہاؤس اتنی خوبصورت جگہ پر قائم کیا گیا ہے کہ ان انجنیئروں

کی، جنھوں نے جگہ کا انتخاب کیا، تعریف کرنے کو آپ کا جی چاہے گا۔

لیجئے، اب رام ٹیک کی سیر ختم ہو رہی ہے۔ گھومتے گھومتے اتنا وقت صرف ہو گیا کہ پتہ بھی نہ چلا اور چاند بھی طلوع ہو گیا جس کی چاندنی میں تالاب کی لہریں نقرئی رقص پیش کر رہی ہیں۔ آپ اپنے دل میں ایک مرتبہ اور یہاں تفریح کی غرض سے آنے کی خواہش لیکر واپس ہو رہے ہیں۔

تلخیص: ریاض احمد خاں

صفحہ ۲۳ سے آگے

مقامات مثلاً قلعوں کو بہتر بنانے کی اسکیم بھی شروع کی جائے؟

یردیپ وینگورلیکر — علی باغ

ج : فی الحال اہم قلعوں پر سیاحی مراکز کو ترقی دینے کی اسکیم حکومت کے زیر غور ہے۔ اسی طرح مختلف ساحلوں پر سیاحی مراکز تعمیر کرنے کی اسکیم بھی زیر غور ہے۔ اسکیم مکمل ہو جانے پر اس کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

س : میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا سماج کے کمزور طبقات کے بچوں کے لئے قوت بخش غذا کی فراہمی کے لئے مالی امداد دینے کی اسکیم اب بھی جاری ہے اور اس سے کتنے بچے فیضیاب ہوئے ہیں؟

آر۔ ایس شیٹی

دھارادی، بمبئی

ج : حکومت اپنے تعلیمی و سماجی بہبود پروگرام کے سلسلہ میں ۳ کروڑ روپے سالانہ کی حد تک مالی امداد دیتی ہے تاکہ قوت بخش غذا کا خرچ پورا کیا جا سکے۔ کمزور طبقات کے تقریباً ...۸۵ طلبہ اس سے مستفید ہوئے ہیں۔

ریاستی حکومت نے حکومت ہند کے توسط سے ایک معاہدہ بھی کیا ہے تاکہ اس مقصد سے "ورلڈ فوڈ پروگرام" سے امداد حاصل کی جا سکے۔ اس معاہدہ کی میعاد جو نومبر ۱۹۷۷ء میں ختم ہونے والی ہے مارچ ۱۹۷۹ء تک بڑھا دی گئی ہے۔

••

(صفحہ ۶ سے آگے)

بمبئی کا کردار

شراب بندی کے سلسلے میں ایک عظیم شہر کے بطور بمبئی کو ہندوستان میں مکمل شراب بندی میں اولیت ملنی چاہئے تھی ایسی غریبوں خاص طور پر محنت کشوں کے لئے بہت مددگار ثابت ہوتی اپنی سوانح حیات (جلد ۱، صفحات ۱۶۱۔۱۶۲، ۲۱۷، ۲۳۱ اور ۲۶۷ نیز جلد ۲، صفحات ۲۰۔۲۱، ۹۴۔۹۷) میں شری مرارجی ڈیسائی نے بمبئی کے محنت کشوں، پولس اور شہریوں کو جو شراب بندی سے فائدے پہنچے ہیں اس کے تجربات بیان کئے ہیں۔ حکومت مہاراشٹر فوائد دوبارہ حاصل کر سکتی ہے اگر چار پانچ سال کی مدت میں مکمل شراب بندی نافذ کر دے۔

اس موقع پر ایک فائدہ مند پوائنٹ بنایا جا سکتا ہے۔ شراب بندی سماج سدھار تحریک کا ایک اہم اور ضروری حصہ ہے مگر صرف عوام کی شرکت سے ہی اسے کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ ایسی شرائط تعلیمی اور ثقافتی کاموں کے ذریعہ خاص کر سماج سدھار ایجنسیوں کے ذریعے کی جائیں جو رائے عامہ کو سماج سدھار کی طرف راغب کریں۔ مثال کے طور پر فی الحال نشہ بندی منڈل اور گاڈگے مہاراج مشن شراب بندی کے لئے فائدہ مند پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ سماج سدھار اداروں کی جانب سے اس کام میں تعاون سے ہی شراب بندی کے لئے رائے عامہ تیار کی جا سکتی ہے خاص کر دیہی علاقوں میں۔

••

• جی۔ بی گجر (ایڈیٹر لوک راجیہ، انگریزی)

ایلا بھٹ نے میگ سیسے انعام حاصل کیا

• ترجمہ: فیروزہ خان



ایلا بھٹ

سماج کے غریب اور نظرانداز شدہ طبقے کی فلاح وبہبود کے لئے اپنے کو وقف کردینے والی جس خاتون سوشل ورکر اور ٹریڈ یونین لیڈر کو اس مرتبہ رومن میگ سیسے انعام برائے ۱۹۷۷ء کا مستحق قرار دیا گیا ہے وہ کوئی اور نہیں بلکہ احمد آباد کی شریمتی ایلا بھٹ ہیں۔

... ۱۸ ڈالر کا یہ لائق تحسین انعام، فلپائن کے مرحوم صدر مسٹر رومن میگ سیسے کی یاد میں، جن کی ۱۹۵۷ء میں ایک ہوائی حادثہ میں موت واقع ہوگئی تھی، کمیونٹی لیڈر شپ کے لئے ہر سال دیا جاتا ہے۔

اس سے قبل شریمتی کملا دیوی چٹوپادھیائے اس اعزاز کو حاصل کر چکی ہیں۔ لیکن وہ اس وقت بین الاقوامی شہرت کی مالک تھیں جب کہ شریمتی ایلا بھٹ (۴۴) کو آج سے کچھ عرصہ قبل گجرات کی سرحدوں سے پرے بہت کم لوگ جانتے تھے۔ یہ بین الاقوامی اعزاز انھوں نے ایسی خواتین کی بہتری کے لئے لگن کے ساتھ کام کرکے حاصل کیا ہے جو کہ محنت مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتی ہیں، جن کا پیشہ ہاتھ گاڑی کھینچنا ہے یا جو سبزی ترکاری، پرانے کپڑے، برتن یا پرانے اخبار اور کاغذات کی پھیری کرتی ہیں۔

آج شریمتی ایلا بھٹ بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی ہیں لیکن وہ بجائے اپنے آپ کے ان بچھڑی ہوئی غریب خواتین کو اس انعام کا مستحق سمجھتی ہیں جن کی فلاح وبہبود ایلا بہن کی زندگی کا نصب العین ہے خود ان کے الفاظ میں:

"میرے خیالات کو عملی جامہ پہنانے والے تم لوگ ہو، اس لئے تمہیں لوگ اس انعام کے مستحق بھی ہو۔"

اس انعام کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے — "ایلا بھٹ اور ان کے ساتھی جس طرح غریبوں کے لئے فلاحی کام کر رہے ہیں وہاں اس کی بے حد ضرورت ہے۔ احمد آباد میں ان کے ترقیاتی کاموں کی کامیابی کے پیش نظر ایشیا کے ابھرتے ہوئے شہروں میں لاکھوں خواتین کے لئے قیادت کا امکان پیدا ہوگیا ہے۔"

ایلا بہن شری سومنت راؤ بھٹ کی بیٹی ہیں جو کہ پیشہ کے اعتبار سے وکیل ہیں۔ انھوں نے سیشن جج کے عہدے پر سرکاری نوکری میں قدم رکھا تھا اور گجرات کے چیریٹی کمشنر کے عہدے پر رہ کر ریٹائر ہوئے۔ ان کی والدہ ونیلا بہن منو بھائی مہر دیاس کی بیٹی ہیں جنھوں نے ۱۹۲۰ء سے ہی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینا شروع کیا اور ہمیشہ سے غریبوں کی بہتری کے کاموں میں مگن رہیں لہٰذا بچپن سے ہی ایلا بہن کے ذہن میں سماج کے پچھڑے ہوئے طبقے کی خدمت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اپنے کالج کے دنوں میں انھوں نے مہیلا منڈلوں کو آرگنائز کیا تھا، اور غریب خواتین کی امداد میں ہاتھ بٹایا تھا۔

ایلا بہن کے شوہر شری رمیش بھٹ خود بھی معاشیات کے ماہر ہیں اس کے علاوہ انھوں نے گاندھین اکونومکس کے ماہر شری جے۔ سی کمار اپا کی تخلیقات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ شری رمیش بھٹ فی الحال ایک مقامی کالج میں معاشیات پڑھاتے ہیں اس کے علاوہ آپ گجرات یونیورسٹی سینٹر فار پروفیشنل مینجمنٹ کے نگراں بھی ہیں۔ ان دونوں میاں بیوی نے غریبوں کی خدمات کو اپنا شعار بنالیا ہے۔

۱۹۱۷ء میں مہاتما گاندھی نے جو احمد آباد ٹیکسٹائل لیبر ایسوسی ایشن قائم کی تھی ایلا بہن نے اس سے اپنا رشتہ قائم کیا۔ اور خواتین کی شاخ کی قیادت کی۔

روزانہ ہزاروں خواتین اپنی اپنی شکایتیں لے کر ایسوسی ایشن جاتی ہیں اُن کے درمیان رہ کر ایلا بہن ان کی غریبی، ان کی گرتی ہوئی صحت اور سماج کی طرف سے اُن کی جانب لاپرواہی کے رجحان کو اچھی طرح سمجھ گئی ہیں۔ اس قسم کی باتوں اور ماحول سے گھبرا کر اگر وہ چاہتیں تو

بھاگ کھڑی ہوتیں اور اپنے آرام دہ گھر میں راحت کی زندگی بسر کرتیں لیکن ایلا بہن میں تو ایک دوسری رُوح سمائی ہوئی ہے، جو کہ ان غریب خواتین کے دُکھ درد کو سمجھتی ہے اور انھیں اس کا مقابلہ کرنا سکھانا چاہتی ہے۔ انھوں نے اس چیلنج کو قبول کیا تاکہ کم از کم یہ بدنصیب خواتین انسانوں کی طرح زندگی گذار سکیں۔

ان خواتین میں سے زیادہ تعداد پھیری کرنے والی خواتین کی ہے، کچھ سبزی ترکاریاں بیچتی ہیں یا پھر پُرانے کپڑے یا برتن کی پھیری کرتی ہیں ان کے یہاں بڑی حد تک غریبی اور تنگ دستی ہے اور وہ اپنے پیشے سے متعلق چنداں معلومات نہیں رکھتی ہیں چنانچہ اُن کی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے کی خاطر ایلا بہن نے SELF EMPLOYED WOMEN'S ASSOCIATION (ایس ای ڈبلیو اے) کی بنیاد ۱۹۷۴ء میں ڈالی۔ یہ ادارہ تین سال کے عرصے میں ہی کافی کامیاب ہو گیا۔ آج ایس ای ڈبلیو اے کے تقریباً ۱۲,۰۰۰ ممبران ہیں ہر ممبر سے تین روپے ممبر شپ کے وصول کئے جاتے ہیں۔

اس ادارے کا مقصد غریب خواتین کو ساہوکاروں کے چنگل سے نجات دلانا ہے جو کہ ۱۰۰ روپے کی رقم پر ۱۰ روپے ماہانہ سُود لیتے ہیں۔ ایلا بہن نے S.E.W.A امداد باہمی بنک بھی قائم کیا۔ جس کے اب تک ۸,۰۰۰ شیئرز ہولڈر ہیں اور ۱۲,۰۰۰ ڈیپازیٹرز ہیں۔ اس بنک سے جو خواتین کام کرنا چاہتی ہیں انھیں ۵۰۰ روپے تک کا قرض آسان شرائط پر دیا جاتا ہے۔ ہاتھ گاڑی چلانیوالی خواتین یا خوانچہ فروش خواتین کو سامان خریدنے کے لئے اب قرض بآسانی مل جاتا ہے۔ اب تک ۸,۰۰۰ خواتین کی امداد کی جا چکی ہے اور ان کی زندگی کو بہتر بنانے میں ہاتھ بٹایا گیا ہے۔

ایلا بہن صرف خواتین کی معاشی حالات کے سدھارنے پر ہی مطمئن نہیں ہوئی ہیں۔ انھوں نے ایک تربیتی کیمپ گجرات یونیورسٹی کے پولی ویلنٹ سینٹر آف نان فارمل ایجوکیشن کے اشتراک سے کھولا ہے۔ یہاں دباری (گوالنوں) کو تربیت دی جاتی ہے۔ انھیں مویشیوں کی دیکھ بھال کس طرح کی جائے سکھایا جاتا ہے، تاکہ زیادہ مقدار میں اچھا دودھ حاصل ہو سکے۔ غیر شادی شدہ لڑکیوں کو جنسی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ سبزی ترکاری بیچنے والی خواتین کے لئے حساب کی کلاسیں چلائی جاتی ہیں۔ بچوں کو دستکاری سکھانے کے لئے بھی کلاسیں چلائی جاتی ہیں۔ یہاں ہنگھری خواتین کا ذکر ضروری ہے۔ انھیں مصوری، ایمبرائیڈری سنگتراشی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مقامی نمائشوں میں اُن کے ہاتھ سے بنائی ہوئی اشیاء کے نمونے رکھے جاتے ہیں جنھیں گجرات ہینڈلوم اینڈ ہینڈ کرافٹ بورڈ بھی خریدتا ہے۔

ایلا بہن کی ان بیش بہا خدمات کی بناء پر اب سماج کے ٹھکرائے ہوئے طبقے نے بھی جینا سیکھ لیا ہے۔ اب یہ لوگ بھی بنیادی مسرتوں سے واقف ہو گئے ہیں۔ ایلا بہن نے ان خواتین میں اتنا اعتماد پیدا کر دیا ہے کہ تقریباً ۹۰۰ خواتین جنھوں نے بنک میں کچھ رقم جمع کی ہے وہ اب اپنے لئے چھوٹے کاٹج بنوانا چاہتی ہیں تاکہ ان جھونپڑ پٹیوں سے نکل کر وہ بھی کھلی ہوا میں سانس لے سکیں۔

سرکار نے ایلا بہن کی قوم کے لئے بے غرض خدمات کو سراہتے ہوئے انھیں کئی بورڈ مثلاً اسٹیٹ سینٹر بورڈ آف کلچرل پروگرام، اسٹیٹ ایکول ریمیونریشن (مساوی اُجرت کمیٹی، گجرات لیبر ایڈوائزری کونسل وغیرہ کے لئے نامزد کیا ہے۔ آپ بنگلہ دیش خواتین محکمہ کے لئے یونیسیف صلاح کار بھی ہیں۔

ایلا بہن سال ۱۹۷۷ء کے لئے سوسکس یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف ڈیولپمنٹ اسٹڈیز میں اسٹڈی فیلو بھی تھیں نیز ۱۹۷۵ء میں میکسیکو شہر میں ہونیوالے اقوام متحدہ کے ذریعہ منعقدہ پروگرام میں کام کرنے والی خواتین کی ایک PANALIST بھی تھیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اسرائیل اور جاپان کا دورہ بھی کیا ہے۔

ہمیں نہ صرف ایلا بہن کے کارہائے نمایاں پر فخر کرنا چاہیئے بلکہ ان کے نقشِ قدم پر چل کر بڑے شہروں میں سیلا ماڈل قائم کرنے چاہئیں۔ اور سماج کی ٹھکرائی ہوئی غیر تعلیم یافتہ خواتین کی امداد کے لئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ ان کو اس قابل بنانا چاہیئے کہ وہ اپنی مدد آپ کر سکیں۔ ایلا بہن نے جس کام کو شروع کیا ہے وہ صرف آغاز ہے کیونکہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایسے لوگ ہیں جو باعزت زندگی گذارنا چاہتے ہیں اور ہماری ذراسی امداد انھیں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں مدد کر سکتی ہے۔

●●

فوری توجہ کیلئے: ترسیلِ زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر، جو آپ کے خط یا پتہ کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے، ضرور تحریر فرمایئے۔



گورنر مہاراشٹر شری صادق علی نے ۲ اکتوبر کو راج بھون، بمبئی میں ۲۵ کسانوں کو "درشتیبتی نشتھا" ایوارڈ دیئے۔ تصویر میں شریمتی شانتی صادق علی بھی نظر آرہی ہیں۔

رباستی حکومت نے ۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء سے ۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء تک "سال مساوات" منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ زیر نظر تصویر میں وزیر دفاع شری جگجیون رام اس تقریب کا افتتاح کر رہے ہیں۔ ان کے دائیں طرف وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل اور وزیر محصول شری ایم۔ ڈی چودھری اور بائیں طرف وزیر سماجی بہبود شری ڈی۔ ٹی رویاڈے بیٹھے ہیں۔ یہ تقریب یکم اکتوبر کو بمبئی میں منعقد ہوئی۔



وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل چندے کے ڈبے میں اپنی طرف سے عطیہ ڈال کر چلڈرنس اینڈ سوسائٹی کے فلیگ ڈے کا افتتاح کر رہے ہیں۔ یہ تقریب ۲ اکتوبر کو بمبئی میں منعقد ہوئی تھی۔

گورنر مہاراشٹر شری صادق علی نے ۲ اکتوبر کو بمبئی میں جے جے اسپتال کی بالارام بلڈنگ میں جذام کے مریضوں کے لئے سرجری وارڈ کا افتتاح کیا۔ تصویر میں وزیر برائے صحت عامہ شری جی ایس سرنائیک بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔







وزیر دفاع شری جگجیون رام نے بمبئی میں یکم اکتوبر کو نہرو سنٹر، میں اسکائی تھیٹر شو "جہانما - امرجیوتی" کا افتتاح کیا۔ زیر نظر تصویر میں دائیں سے بائیں، شری رجنی پٹیل، نہرو سینٹر کے ایگزیکٹیو پریسیڈنٹ، شری وسنت دادا پاٹل وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، اور شری ایچ۔ جی ورتک، وزیر برائے زراعت بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

حکومت ہند کے وزیر برائے صنعت شری جارج فرنانڈس نے ۳۰ ستمبر کو ناگپور ضلع کے "کوراڈی تھرمل پروجیکٹ" کا بائلر روشن کیا۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل بھی اس موقع پر موجود تھے۔





وزیر برائے قانون، عدلیہ، ماہی گیری، کھار اراضی اور پروٹوکول شری حسین دلوائی، کوکن بوٹ ٹرانسپورٹ سروس کا فیری وہارف، بمبئی میں افتتاح کر رہے ہیں۔

"لوک راجیہ"، "مہاراشٹر مانس" اور "الف بجیت" کو حکومت ہند کی طرف سے بہترین طباعت پر "ایوارڈ" دیا گیا جو وزیر مملکت برائے انفارمیشن اینڈ پبلسٹی مسٹر یو۔ این گائیکواڑ، وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کو دکھلا رہے ہیں۔ تصویر میں شری ڈی۔ سنہا، شری سپرے اور مسٹر دُدلے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



صفحہ ۹ سے آگے

س: کیا آپ ایسا سمجھتے ہیں کہ آپ کو کچھ مشکلات درپیش ہیں جن کے لئے آپ مدد کے خواہاں ہیں؟

ج: ویسے کوئی خاص دشواری تو نہیں ہے کیونکہ ریاستی محکمۂ صنعت اور ایم ایس ایف سی کے افسران کا مجھے تعاون حاصل ہے۔ یہ لوگ میری بڑی مدد کرتے ہیں اور انھوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ لیکن میں کہنا چاہوں گا کہ جبکہ میں اور میری پتنی دونوں نابینا ہیں اور پھر ہمارے کارخانے میں ہم نے جسمانی طور پر معذور افراد کو ہی ملازم رکھا ہے اس لئے ہمیں سیلز ٹیکس کی ادائیگی میں کچھ رعایت دی جانی چاہیئے، جیساکہ نابیناؤں کے اداروں سے بنی اشیاء پر یہ رعایت دی جاتی ہے۔ دوسرے میری لوگوں سے اور اداروں سے یہ گذارش ہے کہ وہ جو کام دوسروں کو دیتے ہیں اس میں سے کچھ ہمیں بھی دیں۔ ان کی چھوٹی سی مدد سے ہمارا کام مکمل ہوسکتا ہے ہمیں پورا اعتماد ہے کہ ہم برآمد کرنے کے لئے بھی اچھی چیزیں تیار کرسکتے ہیں اور ہم سے ہمارے گاہک ہمیشہ مطمئن رہیں گے۔

س: آپ کے پاس ہمارے دیگر نابینا بھائیوں کے لئے کیا پیغام ہے؟

ج: کوئی بھی شخص کسی بھی وقت نابینائی کا شکار ہوسکتا ہے حالانکہ آجکل تو تدارکی اقدامات کئے جانے لگے ہیں۔ لیکن اگر ایک مرتبہ انسان اس کا شکار ہوگیا تو پھر چھٹکارا نہیں۔ پھر بھی اس کا مقابلہ حوصلہ مندی سے کرنا چاہیئے۔ نابیناؤں کو ایسی تربیت حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ باہنر بن سکیں اور اپنے قدموں پر آپ کھڑے ہوسکیں۔ انھیں نوکری کے بجائے چھوٹے پیمانے پر ذاتی پیشہ اختیار کرنا چاہیئے، اور ایک نابینا شخص کو رشتہ داروں اور دوستوں سے بحالی کے لئے مکمل تعاون حاصل ہونا چاہیئے۔

میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنا جو پروجیکٹ شروع کیا ہے اس کی مثال اس بوڑھے شخص کی ہے جو کہ بیج بو رہا ہے لیکن اس کا پھل نہیں کھا سکے گا۔ مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے۔ میں اس بات سے مطمئن ہوں کہ جب میرا یہ منصوبہ کامیاب ہوگا تو ۴۰ سے ۵۰ جسمانی طور پر معذور افراد اس سے فیضیاب ہوسکیں گے۔ اور جسمانی طور پر معذور افراد جو کہ اکثر احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور وہ بھی اس قسم کے منصوبے لے کر آگے بڑھ سکیں گے۔

ترجمہ: فیروزہ خان

اعلان

غیر طلبیدہ مضامین کی اشاعت پر معاوضہ نہیں دیا جائیگا۔

(ادارہ)

یوتھ فورم:

قومی راج کے مئی ۱۹۷۷ء کے شمارے سے ہم نے "یوتھ فورم" کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر، کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔

اس فیچر میں قوم کی سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا رواج، وغیرہ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔ اپنے مضامین اس پتہ پر روانہ فرمائیں:

مدیر 'قومی راج'، پندرہ روزہ، ۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

۱۹۷۸ء کے دوران عوامی چھٹیاں

حکومت مہاراشٹر نے نیگوشیبل انسٹرومنٹ ایکٹ بابت ۱۸۸۱ء کے تحت برائے ۱۹۷۸ء کے دوران مہاراشٹر میں مندرجہ ذیل عوامی چھٹیوں کا اعلان کیا ہے:

'یوم جمہوریہ' جمعرات ۲۶ رجنوری ۱۹۷۸ء' ماگھ ۶ر ۱۸۹۹؛ عید میلاد' بدھ' ۲۲ رفروری ۱۹۷۸ء' پھاگن ۳، ۱۸۹۹؛ گڈ فرائیڈے، ۲۴ رمارچ ۱۹۷۸ء، چیترا، ۳ر۱۹۰۰؛ ہولی (دوسرا دن) سنیچر ۲۵ رمارچ ۱۹۷۸ء، چیترا، ۴ ر۱۹۰۰؛ گڈی پڑوا، سنیچر ۸ راپریل ۱۹۷۸ء، چیترا، ۱۸ر۱۹۰۰؛ مہاویر جینتی، جمعہ ۲۱ راپریل ۱۹۷۸ء، ویشاکھ، ۱ر۱۹۰۰؛ مہاراشٹر ڈے، پیر یکم مئی ۱۹۷۸ء، ویشاکھ ۱۱ر۱۹۰۰؛ بدھ پورنیما، پیر ۲۲ رمئی ۱۹۷۸ء جیٹھ، ۱ر۱۹۰۰؛ بنکوں کے سہ ماہی حساب کتاب کے لئے، جمعہ ۳۰ رجون ۱۹۷۸ء، اساڑھ ۹ر۱۹۰۰؛ یوم آزادی، منگل ۱۵ راگست ۱۹۷۸ء، شراون ۲۴ر۱۹۰۰؛ گنیش چترتھی اور رمضان عید (عید الفطر) یکم شوال بدھ، ۶ رستمبر ۱۹۷۸ء، بھدرا، ۱۵ر۱۹۰۰؛ دسہرہ' بدھ ۱۱ راکتوبر ۱۹۷۸ء، اشونا ۱۹۰۰؛ دیوالی (اماوس) منگل ۳۱ راکتوبر ۱۹۷۸ء، کارتک ۹ر۱۹۰۰ بقرعید (عید الضحیٰ) پیر ۱۳ رنومبر ۱۹۷۸ء، کارتک ۲۲ر۱۹۰۰؛ گرونانک کی پیدائش، منگل ۱۴ رنومبر ۱۹۷۸ء، کارتک ۲۳ر۱۹۰۰؛ محرم، منگل ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۸ء، اگرہایانہ ۲۱ر۱۹۰۰؛ کرسمس، پیر ۲۵ ردسمبر ۱۹۷۸ء، بادسا ۴ر۱۹۰۰؛ بنکوں کے سالانہ حساب کتاب کے لئے، سنیچر ۳۰ ردسمبر ۱۹۷۸ء بادسا ۹ر۱۹۰۰۔

دلت متروں کی حوصلہ افزائی

گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے فرمایا کہ ایک اچھا سماجی کارکن بمشکل پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہ مہاراشٹر کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں اتنی زیادہ تعداد میں اچھے سماجی ادارے اور سوشیل ورکر ہیں۔

گورنر آج بمبئی یونیورسٹی کے کنوکیشن ہال میں دلت متروں کی حوصلہ افزائی کے لئے منعقدہ ایک تقریب میں تشریف فرما تھے۔ شری وی۔ایس پاگے، چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ اس موقع پر ۳۷ دلت متروں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

شری صادق علی نے فرمایا کہ جمہوری طریقہ کار میں اچھا سوشیل ورکر بے حد اہم رول ادا کرتا ہے۔ ہندوستان میں ہمیشہ سے عظیم سماجی رہنما پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے سماجی برائیوں کے قلع قمع کے لئے حکومت کی مدد کے بغیر کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

گورنر نے اچھے سوشیل ورکروں کی عزت افزائی کے لئے انعامات دینے کی اسکیم کے لئے مہاراشٹر کی ستائش کی۔

شری پاگے نے فرمایا کہ یہ تمام ۳۷ دلت متر مہاراشٹر کے تمام اضلاع کی نمائندگی کرتے ہیں اور ۲۲ دلت متروں نے خاص طور سے مندرج جاتیوں اور مندرج قبیلوں کی فلاح و بہبود کے کام کئے ہیں۔

اس سے قبل شری بابوراؤ مداوی' وزیر مملکت برائے سماجی بہبود نے گورنر کا خیر مقدم کیا۔

شری ڈی۔ٹی رویاتے، وزیر سماجی بہبود نے شکریہ ادا کیا۔

قومی راج

گنا پیرنے کا لائسنس ضروری

ڈائرکٹر آف شوگر' مہاراشٹر اسٹیٹ پونے' نے تمام شکر کارخانہ کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ کارخانے شروع کرنے سے قبل گنا پیرنے کا لائسنس ضرور حاصل کرلیں۔

ڈائرکٹر نے شکر کارخانہ جات کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ یکم نومبر ۱۹۷۷ء سے قبل وہ کوئی بھی نیا کارخانہ شروع نہیں کرسکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں حکومت سے نمائندگی کی گئی ہے۔ ۲۹ راکتوبر سے اس قسم کے کارخانہ جات کے شروع کرنے پر حکومت کو کوئی اعتراض نہیں ہے' البتہ کوئی بھی کارخانہ مذکورہ تاریخ سے قبل گنا پیرنے کا کام شروع نہیں کرسکتا ہے۔

اگر مذکورہ تاریخ سے قبل گنا پیرنے کا کام شروع کیا گیا تو ایسے کارخانہ کے خلاف ڈائرکٹر اقدام کریں گے۔

تجارتی مقاصد کے لئے ڈھانچوں کی دوبارہ تعمیر

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ شہری اراضی (حدبندی اور باضابطگی) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے سیکشن ۲۲ کے تحت یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر کمپیٹنٹ اتھارٹی یہ سمجھتی ہے کہ موجودہ ڈھانچوں کو گراکر دوبارہ ان کو تعمیر کیا جائے تو اس جگہ کو تجارتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، اگر وہ ماسٹر پلان یا ترقیاتی منصوبہ اور ڈیولپمنٹ کنٹرول قوانین نیز موجودہ میونسپل ضابطوں کے تحت متذکرہ مقاصد کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہوں تو وہ اس کی اجازت دے گا۔ بہرحال اگر کوئی موجودہ کرایہ دار ہوگا تو اس کو متبادل جگہ مالک کی طرف سے فراہم کرنی ہوگی۔

وہ زمین مالکان جو ایسی اجازت کے متمنی ہوں ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ متعلقہ کامپٹنٹ اتھارٹی کے دفاتر سے رجوع کریں۔

۲۵ راکتوبر ۱۹۷۷ء

فاضل خالی زمین پر کمزور طبقات کے لئے مکانات

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ شہری زمین (حدبندی و ضابطگی) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے سیکشن ۲۰ کے تحت فاضل زمینوں پر سماج کے کمزور طبقات کے لئے مکانات تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

اس اسکیم سے اُمید ہے کہ تعمیر مکانات کے کام کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور خالی زمین کے ایک بڑے حصہ پر کمزور طبقات کے لئے مکانات تعمیر ہو سکیں گے جو کہ سماجی طور پر بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ ایسے زمین مالکان کی جانب سے ریاستی حکومت کو بہت سی درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن کے پاس حدبندی کے بعد فاضل زمین موجود ہے ایسے زمین مالکان نے خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ مہاراشٹر کے مختلف شہری علاقوں میں موجود فاضل زمین پر سماج کے کمزور طبقات کے لئے مکانات تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ایکٹ میں ایسی ایک ایسی گنجائش رکھی گئی ہے کہ بعض قواعد و ضوابط پر ایسی تعمیر کی اجازت دی جا سکتی ہے مگر چونکہ ابھی وہ قواعد و ضوابط حکومت ہند کی جانب سے آخری شکل اختیار نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ریاستی حکومت نے ایسی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

اسکیم کے تحت بمبئی عظمیٰ کی شہری آبادی میں زمین مالکان کی لائق تعمیر زمین کا ۵۰ فیصدی مکانات تعمیر کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ جس کا پلنتھ ایریا ۴۰ مربع میٹر سے زائد نہ ہو۔ لائق تعمیر زمین کے ۳۰ فیصدی حصہ پر پلنتھ ایریا ۵۰ مربع میٹر سے زائد نہ ہو اور بقیہ ۲۰ فیصدی لائق تعمیر زمین پر پلنتھ ایریا ۸۰ مربع میٹر سے زائد نہ ہونا چاہیئے۔

دوسرے شہری علاقوں میں بہر حال کل لائق تعمیر فاضل زمین کے ۸۰ فیصدی پر مکانات ۵۰ مربع میٹر پلنتھ ایریا سے زائد نہ ہوں اور بقیہ ۲۰ فیصدی زمین پر مکانوں کا پلنتھ ایریا ۸۰ مربع میٹر سے زائد نہ ہونا چاہیئے۔

اس اسکیم کے تحت تعمیر کردہ مکانات کی قیمت فروخت کی ایک حد مقرر ہوگی۔ وہی تجاویز مقرر کی جائیں گی جن میں ۵۰۰ روپیہ فی مربع میٹر پلنتھ ایریا تک فروخت کی قیمت رکھی گئی ہوگی۔ ریاستی حکومت کے سامنے اگر ثبوت پیش کئے گئے کہ کسی خاص جگہ پر ڈیولپمنٹ کا صرفہ بہت زیادہ ہے تو وہ قیمت میں اضافہ پر غور کرے گی۔ بمبئی عظمیٰ کے علاوہ دیگر شہری علاقوں میں قیمت فروخت کم ہوگی جو کہ ریاستی حکومت آئندہ مقرر کرے گی۔

ایسی زمینوں کے لئے چھوٹ نہیں دی جائے گی جن کو حکومت یا قومی حکومت یا اداروں کی جانب سے عوامی مقاصد کے لئے حاصل کئے جانے کی اُمید ہوگی۔

زمین مالک کو ایک مکمل اسکیم عمارت کے منصوبے کے ساتھ متعلقہ کامپیٹنٹ اتھارٹی کو داخل کرنی ہوگی ساتھ ہی ایک ایک نقل متعلقہ میونسپل اتھارٹی کو بھی داخل کرنی ہوگی۔ ہر شہری علاقے میں ایک کمیٹی ہوگی جس میں کلکٹر، سٹی انجینیر، کامپیٹنٹ اتھارٹی اور محکمہ ٹاؤن پلاننگ کا ایک نمائندہ ہوگا جو کہ اسکیم پر غور کرے گی اور اگر وہ ریاستی حکومت کی جانب سے اعلان کردہ اسکیم سے مطابقت رکھتی ہوگی تو وہ کمیٹی چھوٹ کے لئے ریاستی حکومت سے سفارش کرے گی۔

مالک زمین کو چھوٹ کے احکام ملنے کے بعد میونسپل اتھارٹیز سے ضروری اجازت نامہ حاصل کرنا ہوگا اور اس کے بعد چھوٹ کی منظوری ملنے کی تاریخ سے ایک سال کے اندر تعمیر کا کام شروع کرنا ہوگا اور پانچ سال کے اندر تعمیر مکمل کرنی ہوگی۔ پانچ سال کے اختتام پر اگر زمین کا استعمال نہیں ہوا ہوگا یا تعمیر مکمل نہیں ہوگی تو اس کو شہری حدبندی ایکٹ کے تحت حاصل کر لیا جائے گا اور چھوٹ کی منظوری واپس لے لی جائے گی۔

مالک زمین اسکیم پر عمل آوری کی غرض سے کسی بلڈر یا مجوزہ امداد باہمی ہاؤسنگ سوسائٹی کے چیف پروموٹر کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ مالک زمین کو خالی زمین کے تبادلے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کو صرف تعمیر شدہ مکانات یا عمارات کی تکمیل کے بعد زمین کے تبادلے کی اجازت ہوگی اور زمین کو میونسپل ضابطوں کے مطابق کھلا رکھنا ہوگا۔

ریاستی حکومت نے کم از کم شرائط رکھی ہیں جو کہ مکانات تعمیر کرتے وقت دھیان میں رکھنی ہوں گی۔ ریاستی حکومت نے تفصیلی قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں اگر زمین کا ایک حصہ تجارتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو کہ الاٹمنٹ مالک زمین اگر پیشگی فنڈ لیتا ہے اور ایسی ہی دوسری تفصیلات پر منحصر ہیں تفصیلی اسکیم کامپیٹنٹ اتھارٹی کے دفتر سے مل سکتی ہے۔

ایسی درخواستیں وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۷ء ہے۔ جو زمین مالک اس اسکیم سے فائدہ اُٹھانے کے خواہش مند ہوں ان کو چاہیئے کہ مذکورہ تاریخ سے قبل اپنی اسکیم کے ساتھ درخواستیں متعلقہ شہری علاقوں کے کامپیٹنٹ اتھارٹی کو داخل کریں۔ ان کو یہ یقین دہانی کر لینی چاہیئے کہ جو اسکیم انھوں نے داخل کی ہے وہ ریاستی حکومت کی اعلان کردہ اسکیم سے مطابقت رکھتی ہے۔

لاٹری انعامات کی وصولی کے لئے طریقۂ کار

حکومت مہاراشٹر نے ایک طریقہ کار مقرر کیا ہے جس کے تحت ۱۰۰ روپے سے زیادہ رقم کے ہر لاٹری انعام کی وصولی کے لئے فارم ایم ایس ایل

۵ کے ذریعہ انعام کی رقم کا کلیم بل ٹکٹ کے ساتھ پیش کیا جانا چاہیئے۔ ۱۰۰۰ سے زائد انعام کی رقم کی وصولی کے لئے ڈائرکٹر آف اسٹیٹ لاٹریز سے ہی مطالبہ کیا جائے۔ دیگر انعامات سب ٹریژری یا پے اینڈ اکاؤنٹ آفس بمبئی سے وصول کئے جائیں۔

انعامات کی جلد ادائیگی کے لئے حکومت نے تمام ایجنٹس مقررہ افراد جوکہ مہاراشٹرا اسٹیٹ لاٹری کے ٹکٹ فروخت کرتے ہیں انھیں ہدایت کی ہے کہ وہ ۵۰ روپے تک کے انعامات کی ادائیگی کر کے حکومت سے مقررہ مدت کے اندر وصول کر سکتے ہیں۔

۱۰۰ روپے تک کی انعامی رقم اسی روز کسی بھی سب ٹریژری یا ڈسٹرکٹ ٹریژری یا پے اینڈ اکاؤنٹس آفس بمبئی سے نقد حاصل کی جاسکتی ہے۔ سو روپے سے ۱۰۰۰ روپے تک کی رقم ۷ دن کے اندر چیک کے ذریعے ادا کردی جائے گی۔ ۱۰۰۰ روپے سے زیادہ کی انعامی رقم ۱۵ روز کے اندر چھان بین کے بعد ادا کی جائے گی۔

انعام یافتگان کے لئے کسی قسم کی شناخت کی ضرورت نہیں ہے ۱۰۰ روپے سے زائد کے انعام کی رقم کی ادائیگی اسی شخص کے نام پر ہوگی جوکہ کلیم بل پر دستخط کرے گا یا جو ۵ روپے سے ۱۰۰ روپے تک کی انعام کی ٹکٹ پیش کریگا۔

ریاست میں شیڈولڈ بنک یا کوآپریٹو بنک کے دفاتر سے انعامی رقم کی وصولی کی جاسکتی ہے یا پھر تحریری گذارش پر بھی انعام کی رقم منی آرڈر کے ذریعے (منی آرڈر کا خرچ نکال کر) یا کراس یا آرڈر چیک کے ذریعے ڈاک سے بھیجی جاسکتی ہے۔

۵ روپے کا انعام دس روز کے اندر وصول کر لیا جائے اور پانچ روپے سے زائد کے لاٹری انعام ڈرا کی تاریخ سے جس میں جس روز لاٹری کا ڈرا ہوا، شامل نہیں ہے۔ ۲ ماہ کے اندر وصول کئے جاسکتے ہیں۔

سینما، پٹرول پمپ اور گودام بنانے کیلئے فاضل زمین کو چھوٹ!

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط پر اگر زمین مالک چاہتا ہے تو فاضل خالی زمین کو گودام، سینما یا پٹرول پمپ تعمیر کرنے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

جہاں تک ویر ہاؤسنگ اور گودام کی تعمیر کا معاملہ ہے تو اس کی اجازت موجودہ ڈیولپمنٹ کنٹرول قوانین کے تحت ہوگی۔

جہاں تک سینما اور پٹرول پمپ کا سوال ہے تو مالک زمین کو یا تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا پولس کمشنر، جیسا کہ ضروری ہو، "اعتراض نہیں' سرٹیفکیٹ" ۲۸ جنوری ۱۹۷۶ء سے قبل حاصل کیا ہوا، ہونا چاہیئے۔ بہرحال ایسے معاملات میں جہاں مالک زمین نے ایسا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کیا ہے مگر ایکٹ کے نفاذ یعنی ۱۷ دسمبر ۱۹۷۵ء سے کم از کم ایک سال قبل درخواست دے رکھی ہے اور کچھ موثر اقدامات کئے ہیں تو چھوٹ کے لئے اس پر غور کیا جائے گا۔

چھوٹ کی منظوری ملنے سے قبل مالک زمین کو بازار کی قیمت اور شہری زمین (حد بندی اور ضابطگی) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے تحت قابل ادائیگی رقم کے بیچ کے فرق کی رقم پانچ مساوی قسطوں میں حکومت کے پاس ڈپازٹ کرنی ہوگی جس پر دس فیصدی شرح سود ہوگی۔ یہ شرط صرف اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ زمین مالک فاضل زمین سے بازار کی قیمت پر منافع خوری نہ کر سکے۔

ریاستی حکومت کو چھوٹ کی مختلف درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن میں خالی زمین کو مختلف تجارتی مقاصد جیسے شاپنگ سینٹر، دواخانے دفتری جگھوں، شادی ہالوں وغیرہ کی تعمیر کے لئے استعمال کی اجازت مانگی گئی ہے۔ بہرحال حکومت نے اصولی طور پر ایک فیصلہ کیا ہے کہ ایسی تمام درخواستوں کو رد کر دیا جائے۔

جذام کے مریضوں کیلئے سرجری یونٹ کا افتتاح

گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے جذام کے مریضوں کی جراحی کے لئے ۲۰ بستروں پر مشتمل یونٹ کا جے جے اسپتال میں افتتاح کیا۔ بمبئی میں اپنی نوعیت کا یہ واحد یونٹ ہے۔

اس موقع پر وزیر صحت شری جی. ایس سرنائیک نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے گورنر نے فرمایا، بڑے پیمانے پر جذام کنٹرول پروگراموں کے علاوہ جذام کے مریضوں کے لئے اگر عوام کا سلوک ناروا نہ ہو تو اس مرض کے خاتمے اور کنٹرول میں خاطر خواہ مدد ملے گی۔

سماج اور میڈیکل پریکٹشنروں کے جذام کے مریضوں کے لئے جو رجحانات ہیں ان پر اطمینان ظاہر کرتے ہوئے شری صادق علی نے فرمایا کہ اب جذام کے مریضوں کا ابھی دیگر امراض میں مبتلا مریضوں کی طرح خیال رکھا جاتا ہے اور اسپتالوں میں ہی ان کا علاج کیا جاتا ہے۔

گورنر نے فرمایا کہ ہندوستان میں ۳۵۰ لاکھ افراد اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ہندوستان میں ہر ۱۰۰۰ افراد میں سے ۶ افراد اس مرض کے شکار ہیں جب کہ مہاراشٹر میں یہ تناسب ہر ۱۰۰۰ پر ۸ افراد کا ہے۔

اپنے صدارتی خطبہ میں شری سرنائیک

سرنا ٹنک نے سرکاری حکومت کی جانب سے اس ضمن میں اٹھائے گئے اقدامات کا جائزہ لیا اور فرمایا کہ مہاراشٹر میں ۵۰، جذام سروے مراکز کے علاوہ ۸۳ جذام کے مراکز بھی ہیں۔

وزیر موصوف نے رضاکار اداره جات سے اپیل کی کہ عوام کو اس مرض سے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائیں اور اس سلسلہ میں ہر ممکن سرکاری امداد کا یقین دلایا۔

شری کے۔ ڈی شرما، اسپتال کے ڈین نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ جذام کے ۸۵ فیصد واقعات متعدی نہیں ہیں اور باقی ماندہ بھی باقاعدہ علاج سے کم کئے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر بی۔ کپور، جائنٹ ڈائرکٹر آف ہیلتھ سروس نے شکریہ ادا کیا۔

اسٹیٹ اسپورٹس کانسل کی دوبارہ تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے شری ایس۔ کے وانکھیڈے، وزیر صنعت اور اسپورٹس کی زیر صدارت مہاراشٹر اسٹیٹ اسپورٹس کانسل کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔ شری سوشیل کمار شندے، وزیر مملکت برائے صحت اور اسپورٹس کانسل کے نائب صدر ہیں۔

دوسرے ایکس آفیشو اراکین یہ ہیں: شری آر۔ ایس گوئی، ڈپٹی چیرمین مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل، شری وی۔ بی منڈلیکر، سیکریٹری محکمہ سوشیل ویلفیر ثقافتی امور، اسپورٹس اور سیاحت، شری ڈی۔ جی واکھرکر، اسپورٹس کے لئے حکومت کے مشیر شری رام بھگوت، پونے، شری ایس۔ این لوی شری ایم۔ کے حسین، ڈائرکٹر آف اسپورٹس اور یوتھ سروسیز، مہاراشٹر اسٹیٹ پونے، ممبر سیکریٹری ہیں۔

کانسل کے غیر سرکاری اراکین یہ ہیں: شری جگن ناتھ کا کھوڑ، اورنگ آباد، شری بی۔ آر بومٹے، بھیڑ، شری آر۔ ڈی واڈیکاڈنکر، برھنی، شری ایس۔ آر تلاوڑے، عثمان آباد، شری جی۔ ناگوراؤ قنوت، ضلع ناندیڑ، شری ڈی۔ جی آگاشے، پونے، شری این۔ ایس موہول پونے، شری ایس۔ بی کھراڈے، کولہاپور، شری مہوندرکر، سولاپور، شری بابوراؤ ہکولے، ضلع سولاپور، شری کے۔ ایم رانگنیکر، تھانے، شری پی۔ ڈی پاٹل، حلگاؤں، ڈاکٹر جی ایل اواتے، رتناگیری، شری صاحب راؤ پاٹل، دھولے۔ شری لاس بوناری، ایم۔ ایل۔ اے، ناسک۔ شری مدھو کوشتی، سانگلی۔ پروفیسر منگلا سنگھ ٹھاکرے، احمد نگر۔ ڈاکٹر نریندر دابھولکر، ستارا۔ شریمتی پربھا راؤ، ایم۔ ایل۔ اے، شری بی۔ جی دیشمکھ، چندرپور۔ شری بی۔ اے۔ ویدیا، امراوتی۔ شری ڈی۔ این تیردکھ، اکولہ۔ شری صاحب راؤ بی۔ پاٹل، دیگرس، ضلع یوت محل۔ شری پی۔ ایچ اینگلے بلڈانہ۔ شری ستار خاں، بھنڈارہ۔ شری ایس۔ وی دھالیے، ایم۔ پی، شریمتی کنداتے۔ وجیئنگر، شری ہری بھاؤ کیدار، ڈاکٹر بی۔ آر اکرے (تمام ناگپور سے)، پروفیسر ایم۔ وی۔ چندگڑھ کر، شری جال پارڈی والا، شری دینا جان جمشید جی، شری نندو نائیکر، شری جان کیسٹرو، شری دلیپ سمپت، شری خالد انصاری، شری وی۔ اے گوکلے، شری لوئس کارڈیرو، صدر پریسیڈنسی ہاکی اسوسی ایشن، شریمتی سوشیلا کپاڈیا، شری تلوالکر، شریمتی چترا نیار اور شری اوینا ش سارنگ (تمام بمبئی سے) کماری گربنس کنور، پونے۔ شری یلپا جفیور، سولاپور۔ شری چندر کانت گرہ دارے، پونے۔ شری ایچ۔ ایم جیولکر، کھیڑ، ضلع کولابہ۔ شری وی۔ آر دلوگڑھے، ناگپور اور شری اے۔ ایم۔ نیکم، کولہاپور۔ کانسل کی مدت کار دو سال کی ہوگی۔

وکیشنل گائیڈنس کیمپ کا وزیراعلیٰ کے ہاتھوں افتتاح

وزیراعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت راؤ پاٹل نے ۵ر اکتوبر کو گائیڈنس کیمپ کا افتتاح کیا، جس کو انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل گائیڈنس، بمبئی نے منعقد کیا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ وکیشنل گائیڈنس تربیت اس طرح بنائی گئی ہے تاکہ خود کے روزگار کے مواقع فراہم ہوسکیں۔

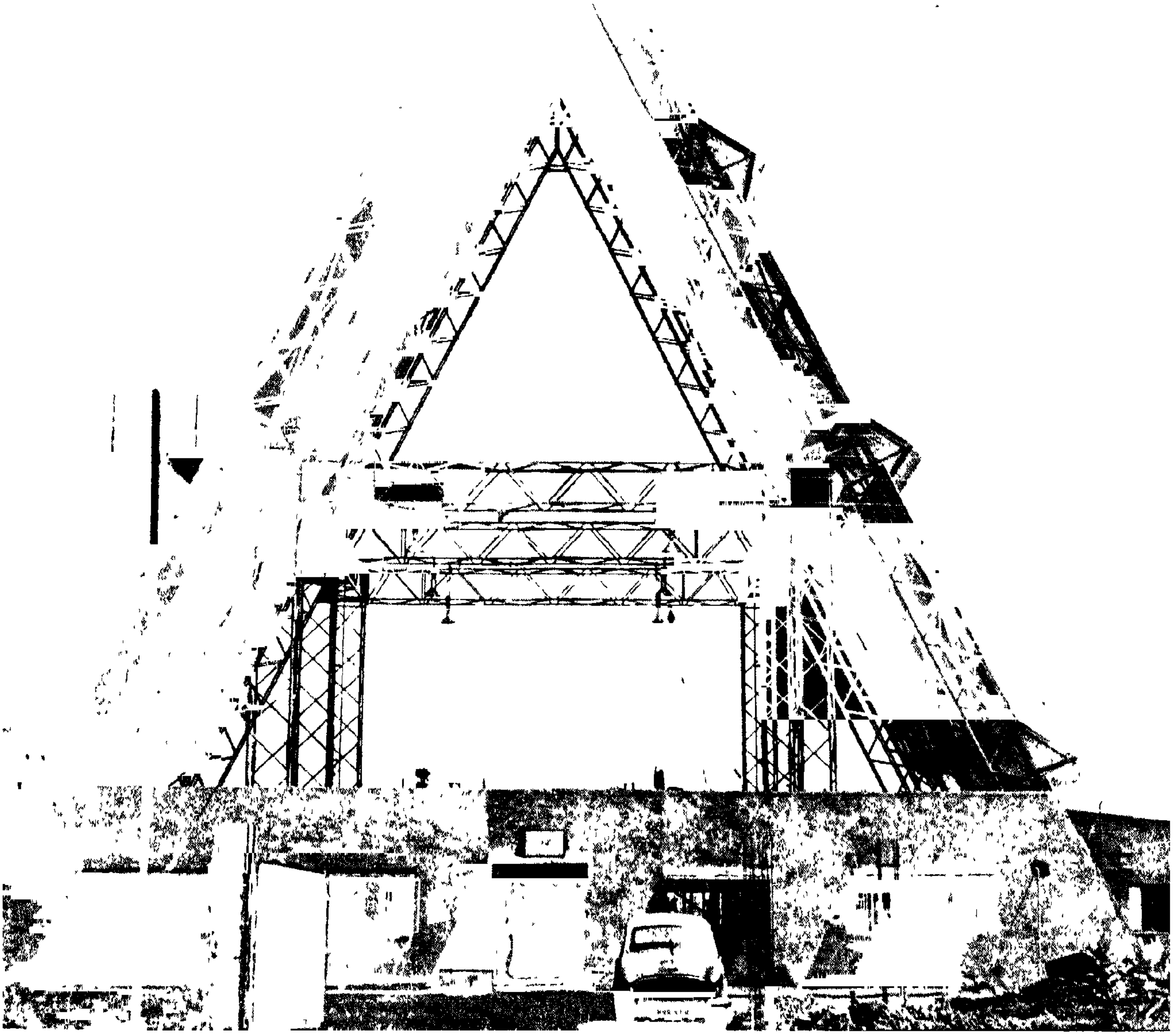
شری پاٹل نے فرمایا کہ حکومت نے تعلیمی ڈھانچے میں مناسب تبدیلیاں کی ہیں اور مختلف پیشوں اور دھندوں کے لئے تربیت کی سہولیں فراہم کی ہیں۔

آغاز میں شری جی۔ ایچ پنہاڑے، انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

خالی زمین کا پورا استعمال، اوپر کی طرف توسیع کی اجازت

شہری زمین (حد بندی اور ضابطگی) ایکٹ کے تحت آنے والے شہری علاقوں میں عمارت سازی کے کاموں کو بڑھاوا دینے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ ایسے معاملات میں جہاں موجودہ عمارت کے چاروں طرف کی زمین پر مکانات نہ بنائے جاسکیں اور صرف اوپر کی جانب توسیع کی اجازت ہو اور اگر عمارت کے چاروں طرف زمین کافی ہو تو وہاں اوپر کی جانب توسیع کی اجازت ہوگی تاکہ مالک زمین ایف ایس آئی کا پوری طرح استعمال کرسکیں۔

حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ شہری اراضی (حد بندی اور ضابطگی) ایکٹ کے سیکشن ۲۰ کے تحت چھوٹ کے لئے آنیوالی درخواستوں پر غور کرے گی جو کہ عوام کی بہبود میں ہوگا اور مالک زمین کو بھی خالی زمین میں اوپر کی جانب توسیع کر کے پورے استعمال کی اجازت دیگی۔



تاراپور ضلع تھانے میں تیس لاکھ روپے کی لاگت سے قائم کردہ' انڈسٹریل پروسیز (مہاراشٹر) لمیٹڈ کا منظر ۔ جو "سیکوم" نے انڈسٹریل کنسلٹنگ بیورو لمیٹیڈ، بمبئی کی مدد سے تعمیر کیا ہے' جہاں ریسرچ کرنے کی سہولیت بہم پہنچائی جاتی ہے۔

Qaumi Raj Regd. No. MH-BY-South-544

Licence No. [illegible] for without prepayment of postage



ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔

میرین لائنس، بمبئی کا حسین منظر

سرورق نمبر ۴ پر

غارہائے "ایلورہ" میں فنِ سنگ تراشی کے بے نظیر نمونے .



قومی راج

★ مہاراشٹر۔ سرزمینِ سیاحت

★ سُروں کی ملکہ۔ کیسر بائی

★ اپنے گُردے کے بارے میں جانیئے

۱۰ر نومبر ۱۹۷۷ء

قیمت ۔ ۵۰ پیسے

قومی راج

جلد نمبر ۴ ؛ ۱۰ر نومبر ۱۹۷۷ء ؛ شمارہ نمبر ۲

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر کو شائع ہوتا ھے

سالانہ قیمت : دس روپے ؛ فی پرچہ : ۵۰ پیسے

نگران : خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب

مینیجنگ ایڈیٹر : ایم۔ ایشور راج ماتھر
چیف ایڈیٹر : موہن ناڈکرنی
ایڈیٹر : ریاض احمد خان
سب ایڈیٹرز : عبدالوحید خان جامعی
فیروزہ خان

سخنہائے گفتنی

یوں تو قارئین 'قومی راج' میں شائع ہونے والے مضامین کو بہت سراہتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ کچھ صفحات ادب کے لئے بھی مخصوص کر دیئے جائیں۔ لہٰذا زیر نظر شمارے میں آپ کو ادبی صفحات بھی ملیں گے جس سے آپ کی دیرینہ آرزو پوری ہو سکے گی۔ اس شمارے میں سیّد اطہر حسین صاحب اور کرشن بہاری نور اپنی اپنی غزلیں لے کر حاضر ہو رہے ہیں، اور حسن الدین احمد صاحب کی مرتبہ 'سازِ مغرب' پر تبصرہ بھی شائع کیا جا رہا ہے ہمیں امید ہے کہ قارئین اپنی گرانقدر رائے سے نوازیں گے۔

مہاراشٹر سیاحوں کے لئے بڑی جاذبیت رکھتا ہے یہاں پر مشہور زمانہ اجنتا اور ایلورہ کے غاروں میں منقش مورتیاں ہندوستانی فن تعمیر کا بہترین مظہر ہیں۔ اسی طرح کارلہ۔ ایلیفنٹا کے غار بھی مشہور ہیں۔ بی بی کا مقبرہ مہاراشٹر کا تاج محل ہے۔ جنہیں دیکھنے کے لئے ہر سال سینکڑوں سیاح یہاں آتے ہیں اور خوشیوں سے مالا مال ہو کر لوٹتے ہیں۔ اس شمارے میں آپ کو سیاحت کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہو سکیں گی۔ ایک مضمون ناگپور شہر کے بارے میں ہے جو آپ کی معلومات میں اضافہ کر سکے گا۔

جیسا کہ پچھلے شمارے میں اعلان کیا جا چکا ہے 'قومی راج' کا ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۷ء کا شمارہ "ڈاکٹر اقبال" خصوصی نمبر ہو گا۔

خ۔ عبدالغفور

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲



شریمتی کیسر بائی کیرکر

سُروں کی ملکہ۔ کیسر بائی

• موھن ناڈکرنی
ڈپٹی ڈائرکٹر آف پبلسٹی

• تلخیص: فیروزہ خان

سب سے پہلے میں نے کیسر بائی کے ریکارڈ سُنے۔ اُن کی آواز میں جو دل موہ لینے والی نغمگی تھی اس نے مجھے بے چین کر رکھا تھا اور میں بالمشافہ انھیں گاتا ہوا دیکھنے کی تمنّا لیئے دن گذارتا رہا۔ ایک خلش تھی جسے صرف کیسر بائی کی آواز ہی مِٹا سکتی تھی۔ یہ موقع مجھے ۱۹۴۸ء سے پہلے میسر نہیں ہوا۔ شکر گذار ہوں بمبئی کے موسیقی نواز عوام کا جن کی بدولت مجھے کیسر بائی کو اپنے سامنے گاتا ہوا دیکھنا نصیب ہوا اور مدّت کی تشنگی دُور ہوئی۔

نغمہ و سُرور کی یہ محفل ایک موسیقی نواز گروپ کی جانب سے مضافات میں منعقد کی گئی تھی اور وقت سے قبل ہی ہال کھچا کھچ بھر گیا تھا تِل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ آواز کی دنیا کے شیدائی کیسر بائی کے جلوہ افروز ہوتے ہی اُن کی پُرکشش شخصیت سے مرعوب ہو گئے، حالانکہ اس وقت بھی وہ ساٹھ کے پیٹھے میں تھیں۔ اُن کے گلے سے سُر نکلنے اور ایک شعلہ سا لپک جانے سے قبل ہی ان کی ہمہ گیر ہنس مکھ اور پُر وقار شخصیت نے سامعین کو مسحور کر لیا تھا۔

ان کی مدہوش کر دینے والی آواز اور راگ راگنیوں کی مدھر لے نے مجھ پر بھی بے خودی طاری کر دی۔ کیسر بائی نے ۴ گھنٹے تک اپنی سحر انگیز آواز کا جادو جگایا۔ ہر راگ سے ان کے فن کا کمال ظاہر ہوتا تھا۔ سانسوں کے زیر و بم پر اُن کا مکمل کنٹرول تھا۔ انھوں نے جو بھی راگ گائے اُن کی ادائیگی اتنی خوبصورتی سے کی اور اتنے صحیح طور سے کی کہ سامعین پر ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا اور یہ کہنا غلط نہ تھا کہ ع

کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا است

اختتام پر انھوں نے سامعین پر ایک قسم کا اِنٹلیکچوئل اور جمالیاتی تاثر چھوڑا۔

بعد کے پندرہ سالوں میں شاذ و نادر ہی انھیں سُننے کے مواقع ملے، کیونکہ وہ عوامی جلسوں میں محفلوں میں گانا مطلق پسند نہ کرتی تھیں پھر ان کے اپنے اُصول تھے، REMUNERETION کے علاوہ دیگر کئی شرائط مثلاً انھیں لاؤڈ اسپیکر، مائیکروفون وغیرہ سخت ناپسند تھے۔ اُن کی آواز میں جواری تھی جو ان چیزوں کی محتاج نہ تھی۔ وہ اخباری نمائندوں اور فوٹو گرافروں سے کتراتی تھیں اور نہ ہی انھیں ایسے لوگ پسند تھے جو ان کے آتے ہی کھٹا کھٹ تصویریں لینا شروع کر دیتے۔

میں انھیں جتنا سُنتا اتنا ہی ان کے فن اور ان کی آواز کا گرویدہ ہوتا جاتا تھا۔ اسی دوران میں نے موسیقی کے بارے میں بحیثیت فری لانس FREELANCE ادیب کے لکھنا شروع کیا تھا۔ خوش قسمتی سے میں بہت جلد موسیقی کے مانے ہوئے فن کاروں کے انٹرویو لینے میں کامیاب ہو گیا جن میں سے اُستاد علاؤالدین خاں، پنڈت روی شنکر اور استاد علی اکبر خاں، پنڈت اوم کار ناتھ ٹھاکر، پنڈت ڈی. وی پالسکر کے نام پیش پیش ہیں لیکن میں کیسر بائی سے انٹرویو لینے کی سعادت سے محروم ہی رہا۔

پہلی ملاقات: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں پہلی مرتبہ کیسر بائی سے کیسے ملا تھا۔ یہ ملاقات ان کی رہائش گاہ شیواجی پارک میں واقع پراگ منزل میں ہوئی۔ ۱۹۵۰ء کی بات ہے میں نے کونکنی میں اپنا تعارف کرایا جو خوش قسمتی سے ہم دونوں کی مادری زبان تھی، اس کا خاطر خواہ اثر ہوا لیکن انھوں نے میرے ہاتھ میں قلم اور کاغذ

دیکھ کر منہ بنالیا۔ جب میں نے موسیقی کے بارے میں چند سوالات کئے تو مجھے بہت جلد احساس ہوگیا کہ اس میدان میں میری کتنی جانکاری ہے، اصل میں اس کا امتحان لیا جارہا ہے۔

رسیدہ بود بلائی ولے بخیر گذشت۔ یہ امتحان خلاف توقع بہت جلد ختم ہوگیا۔ شاید اس امتحان میں میری کارگردگی سے کیسر بائی خوش ہوگئیں کیونکہ میں نے ان میں ایک دوسری شخصیت اور نیا موڑ محسوس کیا۔ وہ نہ صرف ایک نیک دل اور باسمجھ انسان نظر آئیں بلکہ خلوص کی پیکر ثابت ہوئیں۔

جب میں نے رخصت چاہی تو انھوں نے مجھے دوبارہ آنے کی دعوت دی، مگر اس تاکید کے ساتھ کہ آئندہ قلم اور کاغذ ساتھ نہ لاؤں اور پھر اس قسم کی بے تکلف ملاقاتوں میں مجھے اس عظیم فن کار اور عظیم انسان سے ملنے کے مواقع بار بار نصیب ہوتے رہے۔

ان ملاقاتوں میں مجھے ایک واقعہ، ۱۹۵۷ء کا اچھی طرح یاد ہے جب بمبئی راجیہ سنگیت ناٹیہ مہتسو کے پروگرام میں کیسر بائی کو ہم لوگ لانا چاہتے تھے، ان کا مدعا معلوم کرنا تھا اس وقت میں ڈائرکٹوریٹ آف پبلسٹی سے وابستہ ہوچکا تھا۔ ان کی گروبہن موگھو بائی کرڈیکر کی رضامندی حاصل کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا لیکن کیسر بائی کے "یہ ہونا چاہیئے اور یہ نہیں ہونا چاہیئے"، جن سے کہ میں بخوبی واقف ہوچکا تھا، کے باوجود بھی ان کی رضامندی کے لئے کافی محنت کرنی پڑی، لیکن میں اس میں کامیاب رہا اور پروگرام بھی ان کی منشا کے مطابق ہوا۔

ایک اور ناقابل فراموش واقعہ ہے، جب میں نے ان کا آٹوگراف مانگا تھا۔ اس وقت مہاراشٹر ٹائمز کے میوزک کریٹک (موسیقی کے تنقید نگار) میرے ہمراہ تھے۔ خلاف توقع کیسر بائی نے اپنی ایک تصویر نکالی اور کہا "لڑکے، تم انگریزی میں لکھتے ہونا؟"

"کیا تم جانتے ہو کہ میں انگریزی لکھ سکتی ہوں، کیا تمھیں حیرت ہوگی اگر میں اپنا آٹوگراف انگریزی میں دوں؟"

یہ کہہ کر انھوں نے میرا قلم مانگا اور انگریزی میں اپنا آٹوگراف دیا اور اب وہ تصویر میرے لئے ایک نادر خزانے سے کم نہیں ہے۔

موسیقی تپسیا: موت تو برحق ہے ہر انسان پر لازم ہے، لیکن جب کیسر بائی جیسے عظیم انسان کو موت گھیر لیتی ہے تو ایک دور اور ایک روایت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ کیسر بائی ایک بےمثال اور لازوال فن کارہ تھیں۔ انھوں نے نہ تو اپنے فن کا کوئی نشان



اپنی گروبہن کی عزت افزائی:
کیسر بائی اپنی گروبہن موگھو بائی کرڈیکر کو پھول ہار پہنا رہی ہیں۔
کیسر بائی کو ریاستی حکومت نے ۱۹۶۹ء میں "راجیہ گائیکا" کے اعزاز سے نوازا تھا۔

چھوڑا اور نہ ہی شاگرد تیار کئے۔ ان کے لئے موسیقی ایک تپسیا تھی۔ ایک یوگ تھا، روحانی پاکیزگی کا ایک ذریعہ۔

اُن کے اپنے الفاظ میں "میں سات دہائی سے اپنے بھگوان کے لئے گا رہی ہوں، اگر اتفاقاً میں اپنے سننے والوں کو خوش کر سکی ہوں تو میرا کام مکمل ہوگیا ہے۔"

اس عظیم فن کار نے ۱۲ سال قبل ہی موسیقی کو خیرباد کر دیا تھا محض اس لئے کہ اُن کے نزدیک ان کی آواز کمزور سی پڑگئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال کی تھی۔

گو اکی جانب سے کیسر بائی ہندوستانی کلاسیکی روایتی موسیقی کا سب سے نادر تحفہ ہیں۔ ان کا کمال اُن کی انتھک محنت اور لگن کا ہی نتیجہ تھا۔ ان کے گرو عبدالکریم خاں وازے بوا، برکت اللہ، بھاسکر بوا بکھالے اور اللہ دیا تھے۔ اُن کے اصل گرو صحیح معنوں میں اُستاد اللہ دیا ہی تھے۔ جن کی دکشنا حاصل کر کے انھوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا۔ دھرپد

(بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

مہاراشٹر میں اقتصادی اعداد شماری

• وی. ونکٹیشن
سیکریٹری پلاننگ ڈیپارٹمنٹ
اینڈ ایکونومکس سینس کمشنر

ہندوستان بھر میں غیر زرعی سیکٹروں میں اقتصادی اعداد شمار کا کام جاری ہے جس سے حکومت کو مختلف ترقیاتی پروگراموں کے وضع کرنے نیز اُن پر موثر طور سے عمل درآمد کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔
مصنف نے جو کہ حکومت مہاراشٹر کے پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کے سکریٹری ہیں۔ اس مضمون میں ریاست میں اقتصادی اعداد و شماری کی تفصیلات بیان کی ہیں اور لوگوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اس معاملے میں بھرپور تعاون عطا کریں۔

آبادی کی مردم شماری کی بنیاد پر اقتصادی اعداد و شماری کی مہم ہندوستان بھر میں شروع کی گئی ہے۔ حکومت ہند کی طرف سے جاری کردہ اس مہم پر ریاستی حکومتیں اپنی اپنی ریاستوں میں عمل درآمد کریں گی۔ اس کا خاص مقصد ملک کی قومی معاشیات کے غیر زرعی ادارہ جات اور گھریلو صنعتوں کی معاشی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنا ہے۔ قومی صنعت و حرفت کو مختلف حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً زراعت، جنگلات اور ماہی گیری، معدنیات۔ دکانیں۔ کارخانے۔ بجلی گیس۔ اور پانی کی سپلائی، تعمیرات۔ تجارت۔ ہوٹل۔ اور ریسٹورنٹ، ٹرانسپورٹ، گودام، بینک اور انشورنس۔ بیوپار۔ محنت مزدوری وغیرہ۔
قومی حساب کتاب کے تیار کرنے میں نیز انتظامیہ منصوبہ بندی و دیگر پالیسی کے وضع کرنے میں اِن تمام سیکٹروں کی سرگرمیوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔
زرعی سیکٹر کے متعلق اعداد و شمار و دیگر تفصیلات کم و بیش باقاعدہ حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ جن غیر زرعی سیکٹروں کے کام کاج کے متعلق معلومات باقاعدہ حاصل ہوتی ہیں وہ صرف منظم ادارے ہیں مثلاً رجسٹرڈ شدہ کارخانے، کانیں، ریلوے، ٹرانسپورٹ کمپنیاں، بنک انشورنس کمپنیاں بنک انشورنس کمپنیاں، اور تسلیم شدہ تعلیمی ادارے، غیر منظم کارخانے، بیوپار، ٹرانسپورٹ، تعمیرات وغیرہ سے متعلق صحیح اور مناسب معلومات کی کمی موجودہ اعداد و شمار کے طریقۂ کار کی سب سے بڑی کمزوری ہے اِن سیکٹروں کا قومی آمدنی میں ایک بڑا حصہ ہے اور یہ سیکٹر قومی ترقیاتی کاموں میں بہت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا اقتصادی اعداد و شمار کے کام کی اس اسکیم کا خاص مقصد غیر زرعی خصوصاً غیر منظم صنعت و حرفت والے اداروں کے جائے مقام ڈھانچے اور پیداوار کے متعلق بنیادی معلومات حاصل کرنا ہے۔
ہر شہر اور گاؤں سے حاصل کردہ معلومات مستقبل میں سرمایہ، تنخواہ روزگار سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کیلئے کئے جانے والے سروے کیلئے ایک نمونہ بن سکتے ہیں۔
ملک کے تمام ریاستی اور مرکزی علاقوں کے دیہی اور شہری حصوں (چند چھوڑ کر) میں اعداد و شمار کا کام کیا جائے گا۔ اعداد و شمار کے کام کے مقصد کے تحت ایک یا اس سے زائد تنخواہ پانے والے افراد کی مدد سے چلائی جانے والی گھریلو صنعت یا یونٹ جو کہ غیر زرعی معاشی سرگرمی میں مصروف ہو تو اُسے کارخانے کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔ اس کارخانے کیلئے کسی مقررہ جگہ کا تعین ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں ہے مثلاً سڑکوں پر پھیری کرنے والے یا خوانچہ فروش کی صنعتیں بھی اس زمرے میں آجاتی ہیں
چند شہری کارخانہ جات جو کہ فوجی علاقوں (محدود) کے زون میں قائم ہیں۔ انہیں اعداد و شماری کے زمرے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا۔ البتہ کنٹونمنٹ کے علاقے پر اعداد و شماری کا اطلاق ہوگا۔ ملک بھر میں ایسے ۲۰ لاکھ ادارے ہیں۔ جن میں سے تقریباً ۳ لاکھ (تقریباً ۱۴ فیصدی) مہاراشٹر میں ہیں۔ ریاست مہاراشٹر اس معاملے میں ملک بھر میں اوّل ہے۔

طریقۂ کار

اعداد شماری کے طریقۂ کار دو قسم کے ہونگے۔ پہلے طریقۂ کار کے تحت شہری علاقوں اور دیہی علاقوں میں جن کی آبادی ... ۵ یا اس سے زائد ہے۔ انہیں گھر گھر اعداد شماری ایک علیحدہ مکانوں کی فہرست کے ذریعے مکمل کیا جائے

گا۔ یہ فہرست تیار کرتے وقت ایک فارم پُر کیا جائے گا جس میں نام، پتہ، کاروبار کی نوعیت، کام کرنے والوں کی یونٹ اور تعداد وغیرہ جیسی معلومات درج کرنی ہوں گی۔ اعداد و شمار کے کام کاج کے دوران اگر کوئی یونٹ کارخانہ قرار دی جاسکتی ہے تو اسکے لئے فہرست میں اندراج کے فوراً بعد ایک سلپ بھرنی ہوگی۔

دوسرے طریقۂ کار میں ان دیہاتوں کی فہرست تیار کی جائیگی جہاں آبادی ۵ سے کم ہے۔ ایسی جگہوں پر گھروں کے بجائے موضع جاتی سطح پر اعداد و شماری کا کام کیا جائیگا۔ ایسے تمام دیہی علاقوں میں ایک یا زائد لوگوں کے ذریعہ ان علاقوں میں واقع ایسے تمام گھروں کے متعلق معلومات اکٹھا کی جائیگی۔ جہاں کسی قسم کا کاروبار کیا جاتا ہے اور جسے معلومات بہم پہنچانے والے کی رائے میں کارخانہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ معلومات دیہی نمبر شماری کے فارم میں درج کی جائیں گی۔ اسکے بعد ان یونٹوں اور گھریلو اداروں کا معائنہ کیا جائیگا تاکہ یہ یقین کیا جاسکے وہ واقعی کارخانے ہیں۔ اور پھر انہیں کارخانوں کی سلپ میں درج کیا جائے گا۔

اطلاعات

ہر گاؤں کیلئے ایک "دیہی سہولیاتی شیڈائیوں" بھی جاری کیا جائے گی جس کے ذریعے دیہاتوں میں حاصل ہونے والی بنیادی سہولیات کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں گی۔ اقتصادی اعداد و شمار کے دوران جو معلومات حاصل کرنی ہیں وہ درج ذیل پر مشتمل ہے۔

عملہ کا نام اور پتہ، کاروبار کا نام، کام کرنے والی کی تعداد (گھر کے اور دیگر افراد)، ملکیت کی نوعیت، مالک کی سماجی حیثیت، کام کی نوعیت، پاور یا کوئلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ سالانہ کتنا مال تیار ہوتا ہے۔ یا فروخت ہوتا ہے۔ دیہات میں حاصل شدہ سہولیات مثلاً سڑک، بس اسٹاپ، تعلیم وصحت کی سہولیات، مارکیٹ اور قرض وغیرہ کی سہولیات، پینے کے پانی کی سپلائی، بجلی وغیرہ۔

تنظیم

اقتصادی اعداد و شماری ایک بڑے پیمانے کی مہم ہے۔ اسلئے حکومت کو زیادہ تعداد میں ملازمین اور سپروائزروں کو کام پر لگانا ہوگا۔ پرائمری اسکول ٹیچر اور دیگر مقامی ملازمین کو شمار کنندہ اور سپروائزرس کی حیثیت سے جز وقتی طور پر کام کرنا ہوگا۔ بمبئی، پونہ اور ناگپور جیسے شہروں میں علیحدہ اسٹاف مقرر کئے جائیں گے۔ شمار کنندہ اور سپروائزروں کو شناختی کارڈ دیئے جائیں گے تاکہ عوام انہیں پہچان سکیں گے۔

مہاراشٹر میں ضلع پریشد کے چیف ایکزیکیوٹیو آفیسرس کو ڈپٹی ... اعداد و شماری کمشنر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا ہے اور وہ ضلع ... اعداد و شماری کے کام کے ذمہ دار ہونگے۔ ڈائرکٹوریٹ آف ... اینڈ اسٹیٹسٹک کے ڈسٹرکٹ اسٹیٹسٹک افسران کو ڈپٹی کمشنرس ... کے لئے ڈسٹرکٹ سنیئرس آفیسر مقرر کیا گیا ہے۔

عوام کا کردار

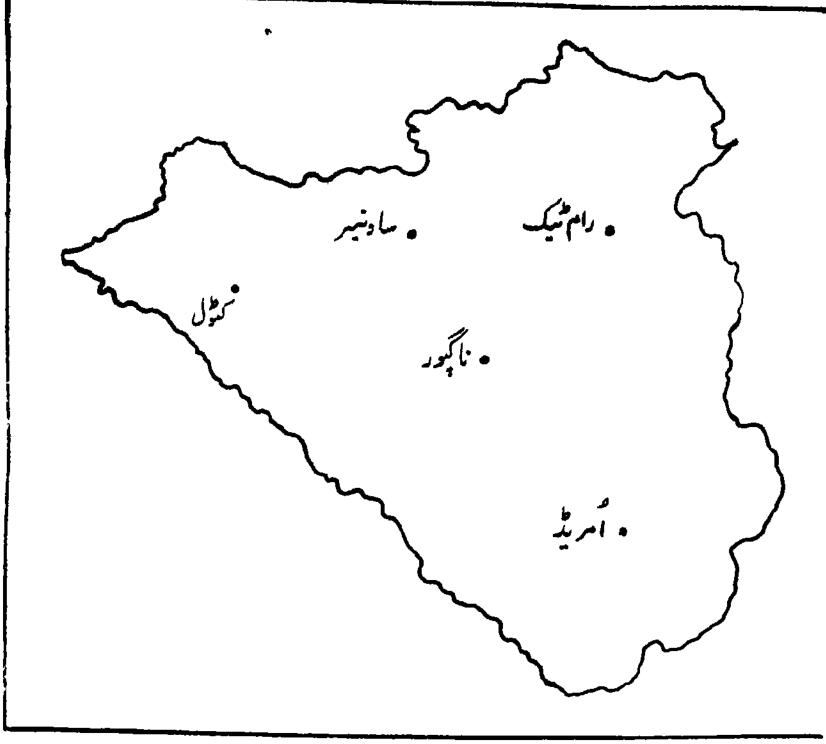
اگرچہ یہ ایک بڑے پیمانے کی مہم ہے۔ اعداد و شماری کا درحقیقت کام بہت ہی قلیل عرصہ کا ہے۔ اعداد و شماری کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر منحصر ہے کہ عوام کارکنوں کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ٹھیک ٹھیک معلومات بہم پہنچائیں۔ اعداد و شماری کے فارم بناتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جب شمار کنندہ یا سپروائزر کسی گھریلو صنعت یا ادارے پر حاضر ہوں تو انہیں معلومات حاصل کرنے میں کم سے کم وقت لگے۔

اگر کوئی یونٹ غیر زراعتی کاروبار سے متعلق نہ ہو تو ایسے ادارے کے مالک یا کسی بھی ذمہ دار شخص کو معلومات بہم پہنچانے میں صرف ایک یا دو منٹ درکار ہوں گے۔ اگر کوئی یونٹ ادارے کی تعریف میں آتا ہے تو ضروری معلومات مہیا کرنے کیلئے مالک کو تقریباً پانچ یا دس منٹ لگیں گے۔

اقتصادی رائے شماری سے حکومت کے کئی مسائل مثلاً قومی حساب کتاب، منصوبہ بندی اور انتظامیہ کی سطح پر دیگر کام کاج میں بیحد سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔ اس سے حکومت کئی ترقیاتی منصوبہ کی تشکیل کر سکے گی اور ان پر موثر طریقے سے عمل درآمد کر سکے گی۔ اقتصادی رائے شماری کے دوران جو بھی چھان بین کی جائیں گی وہ خفیہ رکھی جائیں گی۔ لہٰذا عوام کو چاہیئے کہ وہ سپروائزروں اور اس سلسلہ میں معلومات اکٹھا کرنے والے عہدیداروں کے ساتھ مکمل طور پر تعاون کریں۔

ناگپور

آر۔ جی۔ پاٹھرکر
سینئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف پبلسٹی
ناگپور۔



ناگپور ہندوستان کے وسط میں ہونے کی وجہ سے اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ریاست مہاراشٹر کے زرخیز علاقے "ودربھ" میں یہ ضلع واقع ہے۔ ضلع کا صدر مقام ناگپور ہے جو اپنی تاریخی اہمیت کا بھی حامل ہے۔ مورخین اور محققین نے ثابت کر دیا ہے کہ دراصل "رام گیری" پہاڑی ہی موجودہ "رام ٹیک" کی پہاڑی ہے جس کے بارے میں مشہور شاعر کالیداس نے "میگھ دوت" میں جگہ جگہ حوالے دیئے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انھوں نے اپنا عظیم شاہکار مکمل کیا۔

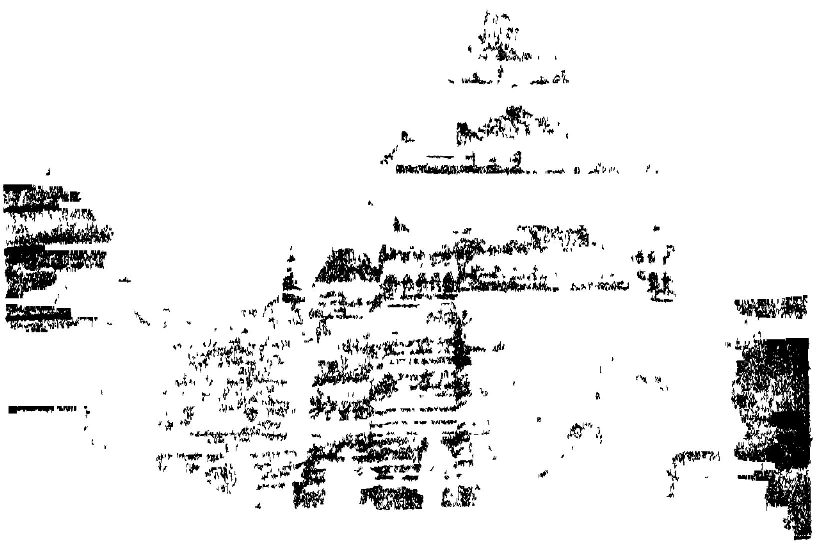
مورخین نے یہ بات بھی ظاہر کر دی ہے کہ زمانۂ قدیم میں شری رام چندرا کا گذر بھی اسی جگہ سے ہوا تھا۔ ناگپور کی ایک تاریخی خصوصیت یہ ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں وکاٹک اور شیل حکومتیں قائم تھیں۔ گونڈ راجے اور بھونسلے خاندانوں نے بھی یہاں حکومت کی۔ بھونسلے خاندان نے اس جگہ اپنی بہادری اور وطن پرستی کی بے مثال روایات قائم کیں۔ وہی روایات ناگپور ضلع نے آج تک قائم رکھی ہیں اور ملک کے ترقیاتی کاموں میں بھرپور تعاون کر رہا ہے اور ہر وقت پیش پیش ہے۔ پرانی روایات کا حامل اور نئی روشنی کا متمنی ہو کر اس ضلع نے ایک خاص تہذیب کو جنم دیا ہے۔

یہ ضلع مہاراشٹر کے مشرقی حصہ میں آباد ہے جس کی حدود چھندواڑہ، سیونی اور بالاگھاٹ، چندرپور، وردھا اور امراؤتی سے ملتی ہیں۔ ضلع کی مشرق سے مغرب تک لمبائی ۱۵۰ کیلو میٹر اور شمال سے جنوب تک ۱۲۱ کیلو میٹر ہے۔ اس ضلع کے ۵ تعلقے ہیں۔ ۱۳ شہر ہیں اور ۱۶۶۷ دیہات ہیں۔ ضلع کی کُل آبادی ۱۹،۴۳،۰۰۰ ہے۔ ضلع کی زمین، کنہان، کولر، پینچ، ناگ، چندر بھاگا، وینا، جامب اور سور ندیوں سے سیراب ہوتی ہے۔ یہاں کی بارش کا اوسط ۳۰" سے ۴۵" تک ہے۔

ناگپور ضلع ریاست مہاراشٹر کا سب سے زیادہ گرم علاقہ ہے اپریل سے مئی تک سخت گرمی پڑتی ہے۔ آب و ہوا خشک ہے جو صحت کے لئے مفید ہے۔ علاقے کی زمین کی زرخیزی بھی مختلف حصوں میں مختلف ہے ایک جگہ کالی مٹی پائی جاتی ہے تو دوسری طرف ریتیلی۔ کچھ حصوں میں زمین اونچی نیچی ہے۔

زراعت کے تعلق سے ناگپور کے کاشت کار ترقی پسند واقع ہوئے ہیں۔ وہ محنتی ہیں اور نئی طرز کے اصولوں کو اپنا لینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کاشتکاری کے لئے پرانے اور فرسودہ آلات کے بجائے نئے طرز کے آلات استعمال کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ ضلع کی زمین کل ۹،۷۵ لاکھ ہیکٹر پر مشتمل ہے جس میں سے ۵،۲۵ لاکھ ہیکٹر زمین زیر کاشت ہے۔ باقی زمین پر جنگلات ہیں۔

ضلع کی خاص پیدا وار جوار، کپاس اور گیہوں ہے۔ کچھ حصوں



رام ٹیک میں رام مندر

میں چاول کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ یہاں کے سنترے نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہاں کے سنترے دُور دُور ممالک میں برآمد کئے جاتے ہیں۔ تقریباً ۸ ہزار ۵ سو ہیکٹر اراضی پر سنترے کی کاشت ہوتی ہے۔ ۷۶-۱۹۷۵ء سال کے دوران سنترول کی ۷۱ ہزار ٹن کاشت ہوئی جو امید سے بڑھکر ہے۔

ضلع کا اُمریڈ — بھوالپور حصہ مرچ کی کاشت کے لئے مشہور ہے جبکہ ناگپور۔ کٹول اور ساونیر علاقوں میں کپاس کی کاشت کی جاتی ہے ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران چاول کی کاشت ۲،۴۰،۲۷ ہیکٹر زمین پر کی گئی۔ گیہوں کی کاشت ۸۵،۴۰۰ ہیکٹر زمین پر، جوار کی کاشت ۱،۵۰،۰۰۰ ہیکٹر زمین پر، تُور کی کاشت ۱۰،۰۰۰ ہیکٹر زمین پر اور چنے کی کاشت ۷،۰۰۰ ہیکٹر زمین پر کی گئی ہے۔

ریاست کی ترقی میں امداد باہمی پروگراموں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ امداد باہمی کی وجہ سے دیہی علاقوں کے کسانوں کی معیشت سدھر گئی ہے۔ فی الحال کاشتکاری سے متعلق ۲،۰۰۰ امداد باہمی ادارے ہیں۔ اور ۶۲۸ ایسے ادارے ہیں جو کسانوں کو مالی امداد پہنچاتے ہیں۔ اسی زمرہ میں ہینڈ لوم۔ مویشی خانہ، تعمیر مکانات وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ صنعت سے متعلق ۸۵ امداد باہمی ادارے ہیں۔

اِس ضلع نے زمین کے بڑے بڑے قطعوں کو زیر آبپاشی لانے کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ۶۳-۱۹۶۲ء کے درمیان ۵،۰۰۰ ہیکٹر زمین پر کنویں کھود کر، پرانے کنوؤں کی مرمت کرکے اور چھوٹی نہروں کے ذریعہ پانی مہیا کرکے کاشتکاری کے لائق بنا دیا ہے۔ پنچ واٹر سپلائی اسکیم ضلع کی باوقار ترقی ہے۔ اس اسکیم پر ۱۷ کروڑ روپے صرف ہوئے جو ۸۸،۰۰۰ ہیکٹر زمین کی آبپاشی کریگی۔

اکتوبر ۱۹۶۱ء تک برقیائے دیہاتوں اور پمپوں کی تعداد، بالترتیب ۶۶۰ اور ۹۴۷،۹ تھی۔ بعد میں حکومت نے اِس سمت میں نمایاں کام انجام دیئے جس کے نتیجہ میں آج تک ۱۸۰۱ دیہی علاقے برقیائے گئے ہیں اور ۲۰،۰۰۰ پمپ کے لئے بجلی کی طاقت پہنچائی گئی ہے۔ کوراڈی تھرمل پاور پروجیکٹ کے ذریعہ مزید برقی قوت بڑھ جائیگی۔ یہ پاور پروجیکٹ زیرِ تکمیل ہے جس کی تکمیل پر ۸۱ کروڑ روپے صرف ہونگے۔

ناگپور میں ہینڈ لوم صنعت بہت پُرانی ہے۔ ضلع میں تقریباً ساٹھ ہزار ہینڈ لوم ہیں —



ضلع کی ترقی کا اندازہ ہنگنا اور کامٹی سڑکوں کی تعمیر سے ہو سکتا ہے یہاں پر بڑے بڑے صنعتی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے .. ہیکٹر زمین حاصل کی ہے جہاں پر انڈسٹریل اسٹیٹس قائم کی جائیں گی۔ اس زمین میں سے ۵۴۰ ہیکٹر زمین ہنگنا روڈ سے متعلق ہے جس سے ضلع کی صنعتی ترقی ظاہر ہوتی ہے۔ فی الحال اس نواح میں ۱۲۸ صنعتی ادارے قائم ہو چکے ہیں۔

اس صنعتی پھیلاؤ میں مہاراشٹر اسٹیٹ انڈسٹریل کارپوریشن، انڈسٹریل فائننس اور ودربھ ڈیولپمنٹ کارپوریشن (۱۹۷۱ء میں قائم شدہ) کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ان تینوں اداروں کی کوششوں سے ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۱,۵۰۰ انڈسٹریل یونٹ قائم کئے جا چکے ہیں۔ جن میں ۹۰۰۰ آدمی کام کرتے ہیں۔

ہینڈلوم صنعت یہاں کی ایک بہت پرانی صنعت ہے جو پیڑھیوں سے چلی آرہی ہے۔ یہاں کی ہینڈلوم پر بنی ہوئی ساڑھیاں ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔ آج کل یہاں پر ۶۰,۰۰۰ ہینڈلوم ہیں اس صنعت کو ترقی دینے کے لئے حکومت نے بنکروں کے لئے کوآپریٹو سوسائیٹیاں قائم کی ہیں۔ ورک شاپ قائم کئے ہیں اور ڈیزائن کے ساتھ ساتھ ٹریننگ سینٹر بھی قائم کئے ہیں۔

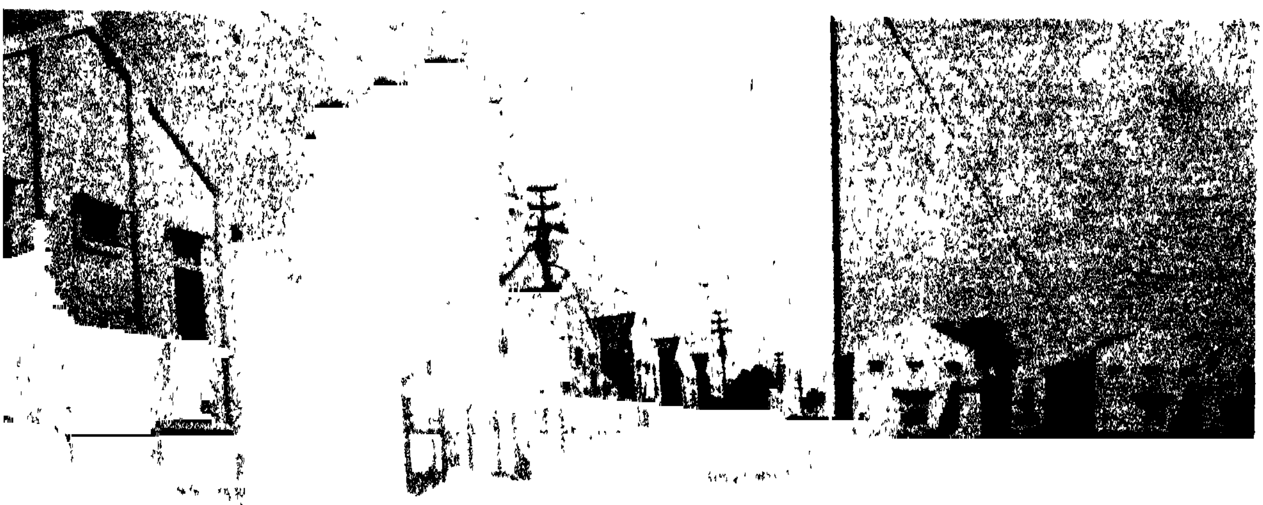
ضلع میں معدنیات بھی پائی جاتی ہیں۔ اچھی قسم کا کوئلہ اور میڈیم قسم کا کوئلہ بڑی تعداد میں حاصل ہوتا ہے۔ ضلع کی متعدد تحصیلوں میں مینگنیز پایا جاتا ہے۔ ۲۵ کیلو میٹر کی لمبائی میں کھاپا سے رام ٹیک تک مینگنیز حاصل کیا جاتا ہے اور ناگپور تحصیل میں ابرق بھی ملتا ہے۔

معدنیات، ذرائع آمد و رفت اور ایندھن، ان سب نے مل کر ناگپور ضلع کو صنعتی علاقہ بنا دیا ہے۔

تعلیمی میدان میں بھی ناگپور ضلع نے کافی ترقی حاصل کی ہے۔ پرائمری تعلیم سے کالج کی تعلیم تک طالب علموں کو مراعات حاصل ہیں۔ آج ہر علاقے میں کالج نظر آتے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں پرائمری اسکولوں کی تعداد ۱,۲۰۵ تھی جو ۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۱,۷۰۷ تک ہو گئی ہے۔ ان اسکولوں میں طالب علموں کی تعداد ۲٫۷۵ لاکھ تک پہونچ گئی ہے۔ سیکنڈری اسکولوں کی تعداد ۲۹۶ ہے جہاں پر ۱٫۶۷ لاکھ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میڈیکل تعلیم کے لئے بھی مراعات دی گئی ہیں۔ ایک میڈیکل کالج کے علاوہ ضلع میں پرائمری ہیلتھ سنٹرس۔ اسپتال اور موبائل اسپتال بھی ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں ۱۸ لاکھ مریضوں کا علاج کیا گیا۔

سیاحوں کی دلچسپی کے لئے بھی ضلع میں خوبصورت مقامات ہیں۔ سب سے زیادہ خوبصورت مقام امبیزاری لیک ہے جو ناگپور سے ۵ کیلومیٹر کی دوری پر مغرب میں واقع ہے۔ سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ایگریکلچرل کالج بھی ہے جو مہاراجہ باغ دھرم پیٹھ سڑک پر واقع ہے۔ امبیزاری لیک سے صرف تین کیلومیٹر کی دوری پر تیلم کھیڑی لیک ہے۔ جو اپنی خوبصورتی سے سیاحوں کے دلوں کو تازگی بخشتی ہے۔ ساؤنیر تعلقہ میں اداسہ ایک چھوٹا سا دیہات ہے یہاں پر شری گنیش کا مندر ہے اور یہاں پر بادشاہ دھیا چتور تھی

کامٹی روڈ پر ایک انڈسٹریل اسٹیٹ کا منظر





ناگپور کے سنترے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۷۱ ہزار ٹن سنترے ۸ر۵۰۰ ہیکٹر اراضی پر پیدا کئے گئے۔ سنترے کی خرید و فروخت کا ایک منظر۔

ضلع ناگپور ایک نظر میں

آبادی	۱۹ر۴۲ر۶۸۸
رقبہ	۹ر۹۲۸ مربع کیلومیٹر
کھاتے دار کسانوں کی تعداد	۱ر۴۷ر۳۸۰
زیر کاشت علاقہ	۵ر۵۴ر۹۰۰ ہیکٹر
جنگلاتی علاقہ	۱ر۸۲ر۹۰۰ ہیکٹر
بارش کا اوسط	۹۳۹ر۴۸ ایم ایم
فیکٹریوں کی تعداد	۱ر۶۴۴

خاص پیداوار (ٹن میں)

چاول	۵۰٫۰۰۰
گیہوں	۹۰ر۰۰۰
جوار (دونوں فصلوں میں)	۱ر۵۰ر۰۰۰
تور	۱۰ر۰۰۰
کپاس	۴۰ر۰۰۰ گانٹھیں
مونگ پھلی	۱۰ر۰۰۰
سنترے	۱۷ر۰۰۰

کو ہر سال میلہ لگتا ہے۔ اس وجہ سے اس دیہات کو کافی شہرت ملی ہے۔ دابھیواڑہ جو چندرابھنگہ ندی کے کنارے واقع ہے ایک تیرتھ استھان ہے جہاں پر اشاڑھی پورنیما میں وٹھوبا کا جلوس نکالا جاتا ہے۔

رام ٹیک پہاڑی تاریخی اور مذہبی روایات لئے ہوئے ہے۔ یہاں پر شری رام مندر ہے۔ کھنڈسی ایک خوبصورت مقام ہے امبالہ اور رام ساگر چشمے سیاحوں کی تفریح کا مرکز ہیں۔ رام ٹیک کیونکہ ایک تفریحی مقام بھی ہے۔ اس وجہ سے یہاں پر بہت سے ریسٹ ہاؤس۔ ہوٹل اور آرامگاہیں بنائی گئی ہیں تاکہ سیاحوں کو زیادہ سے زیادہ سہولت میسر ہوسکے :-

تلخیص :- ریاض احمد خان

فوری توجہ کیلئے 8 ترسیل زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر، جو آپ کے خط یا پتے کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے، ضرور تحریر فرمائیے۔ (ادارہ)

غزلیں

● کرشن بہاری نورؔ لکھنوی
۶۷۔ غوث نگر
لکھنؤ۔ ۴

کبھی جنوں تو کبھی آگہی کی قید میں ہوں
میں اپنے ذہن کی آوارگی کی قید میں ہوں

شراب میرے لبوں کو ترس رہی ہوگی!
میں رند تو ہوں مگر تشنگی کی قید میں ہوں

نہ کوئی سمت، نہ جادہ، نہ منزلِ مقصود
یگوں یگوں سے یونہی بیرخی کی قید میں ہوں

یہ کس خطا کی سزا ہیں یہ دوہری زنجیریں
گرفت موت کی ہے زندگی کی قید میں ہوں

نہ جانے کتنی نقابیں اُلٹتا جاتا ہوں
جنم جنم سے میں بے چہرگی کی قید میں ہوں

یہاں تو پردۂ سیمیں پہ چل رہی ہے فلم
میں جس جگہ ہوں وہاں روشنی کی قید میں ہوں

جہاں بھی قید سے چھوٹوں وہیں پہ مل جانا
ابھی نہ آنا، ابھی زندگی کی قید میں ہوں

غرض نصیب میں لکھی رہی اسیری ہی
کسی کی قید سے چھوٹا کسی کی قید میں ہوں

گناہ یہ ہے کہ کیوں اپنا نام رکھا۔ نورؔ
وہ دن اور آج کا دن تیرگی کی قید میں ہوں

● سید اطہر حسین (آئی اے ایس)
۲/۱ گورنمنٹ نرسری کمپاؤنڈ
مال روڈ، لکھنؤ

نہ اوجِ چرخ میں وہ اور نہ مہر و ماہ میں ہیں
وہ رفعتیں جو فقط تیری بارگاہ میں ہیں

عجب سُرور ہے چھایا ہوا مرے دل پر
نہ جانے کون سے جلوے مری نگاہ میں ہیں

یہ چاہتا ہوں کبھی تیرے پاس آجاؤں
قیود و رسم مٹا کر، جو تیری راہ میں ہیں

ادھر سے گذرے ہیں شاید تمھارے دیوانے
بگولے رقص میں دیوانہ وار راہ میں ہیں

ضرور ہے کہ رہے باخبر ضمیرِ بشر
ہزار فتنے چھپے قلبِ روسیاہ میں ہیں

ہے ایک یہ بھی کہ عذرِ گناہ کر لیجئے
گناہگاری کے پہلو بہت گناہ میں ہیں

طلسم خانۂ ہستی فریب ہے اطہرؔ
ہزار شعبدے اس نیستی کی راہ میں ہیں

• ایس. وی. کھانڈیوالے
ایگزیکٹیو (پبلسٹی)
مہاراشٹر ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن

مہاراشٹر - سرزمینِ سیاحت

بھارت کے مغربی ساحل پر مہاراشٹر کا سندر، دلکش ہے جہاں شاندار ماضی اور تر و تازہ حال نے مل کر اس کے رُوپ کو دوبالا کر دیا ہے۔ یہاں سیاحوں کی دلکشی کا ہر سامان ہے۔ غاروں میں قدیم مندر، تاریخی قلعے، پہاڑ، میدان سرسبز و شاداب جنگل، حسین ساحل، رنگ برنگی تہوار، جدید اور قدیم تہذیب و تمدن کے حامل شہر اور سب سے بڑھ کر اس کے ملنسار اور ہنس مکھ باشندے سیاحوں کا من موہ لیتے ہیں۔

جغرافیائی لحاظ سے مہاراشٹر ملک کے نقشۂ سیاحت میں نمایاں اور مرکزی مقام رکھتا ہے۔ اس کی راجدھانی ممبئی بدیسی سیلانیوں کے لئے ایک بڑی ہوائی اور بحری بندرگاہ ہے۔ ہند آنیوالے ۴۵ فیصد بدیسی سیاح ممبئی اور مہاراشٹر کی سیر کے لئے ضرور آتے ہیں۔

۱۹۷۶ء میں اندازاً ۲٫۸۸ لاکھ بدیسی سیاحوں نے ریاست کی سیر کی۔ ہر سال ریاست میں آنیوالے مقامی سیاحوں کی تعداد کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔

ریاست کی تنظیم سیاحت: سیر و سیاحت کے میدان میں ریاست کی اس اہمیت اور فروغ سیاحت کے مدنظر ریاست کی تنظیم سیاحت کو پوری طرح منظم کیا گیا۔ ریاستی حکومت نے پہلے ۱۹۶۰ء میں ڈائریکٹوریٹ آف پبلسٹی میں ایک خاص شعبہ سیاحت قائم کیا اور پھر ۱۹۶۹ء میں اُسے مکمل دفتر سیاحت (ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم) بنا دیا گیا۔ جنوری ۱۹۷۵ء میں ریاستی حکومت نے پرائیویٹ لمیٹیڈ کمپنی کے طور پر مہاراشٹر

دھرنشوری، ضلع تھانے میں
ایک ہالی ڈے کیمپ
ہندوستان بھر میں مہاراشٹر،
سب سے پہلی ریاست
ہے جس نے ریاست کے
پندرہ مقاماتِ سیاحت
پر ایسے کیمپ قائم کئے ہیں۔

ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن (ایم ٹی ڈی سی) قائم کی تاکہ سیاحت کی رفتار ترقی کو اور تیز کیا جائے۔

دفتر سیاحت کا ترقیاتی اور تجارتی کام اس کارپوریشن کے سپرد کر دیا گیا۔ تنظیمی اور سفارشی اُمور دفتر سیاحت ہی کے ذمے رہے۔ یہ اُمور حسب ذیل ہیں:

نفاذ مہاراشٹر ٹیکس برائے آسائش (اندرون ہوٹل اور لاجنگ ہاؤس) ایکٹ بابت ۱۹۷۴ء، مالی امداد یا قرض کے لئے نئے ہوٹل پروجیکٹوں کی سفارش، ٹورسٹ ٹیکسی کے طور پر درآمدی کاریں ٹرانسپورٹ آپریٹرز کو دینے کی سفارش، تقسیم سیمنٹ اور ٹیلیفون کنکشن نیز ہوٹل صنعت سے متعلق سامان مثلاً کراکری اور فرنیچر وغیرہ درآمد کرنے کے لئے ہوٹلوں کی سفارش۔ مزید برآں کرایہ کنٹرول ایکٹ بابت ۱۹۷۴ء کے مقصد سے بمبئی کے بعض علاقوں میں یہ دفتر ہوٹل کنٹرولر کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔

کارپوریشن کے مقاصد:

کارپوریشن کے اصل مقاصد یہ ہیں: ہالی ڈے کیمپ، ٹورسٹ بنگلوں، اجتماعی مراکز، پارک، پہاڑی مقامات اور قدیم غاروں وغیرہ جیسے مقامات پر رہائشی جگہوں کا انتظام، آمد و رفت کے لئے اداروں کا قیام اور نگرانی، پبلسٹی مواد اور سوئنیر کی تیاری، تقسیم و فروخت، کلچرل پروگراموں کے ذریعے سیاحوں کی تفریح کا سامان اور ریاست میں سیاحت کو فروغ دینے کے لئے تمام ضروری اقدامات۔

کارپوریشن کا صدر دفتر بمبئی میں ہے اور اس کے علاقائی دفاتر پونے، ناگپور اور اورنگ آباد میں ہیں جو اپنے اپنے اختیاری حلقوں میں ہالی ڈے کیمپوں کے انتظامات کی نگرانی کرتے ہیں، مقاماتِ سیاحت کی سیر کے لئے انتظامات کرتے ہیں اور سیاحت کو فروغ دینے کے لئے کارروائی کرتے ہیں۔ ریاست کے باہر بھی اس کے دو دفاتر ہیں جنمیں سے ایک پاناجی (گوا) اور دوسرا نئی دہلی میں واقع ہے۔ یہ دفاتر سیاحت کے سلسلے میں تمام معلومات بہم پہنچاتے ہیں نیز دفتر رابطہ کا فرض بھی انجام دیتے ہیں۔

سیّاحوں کی خدمت:

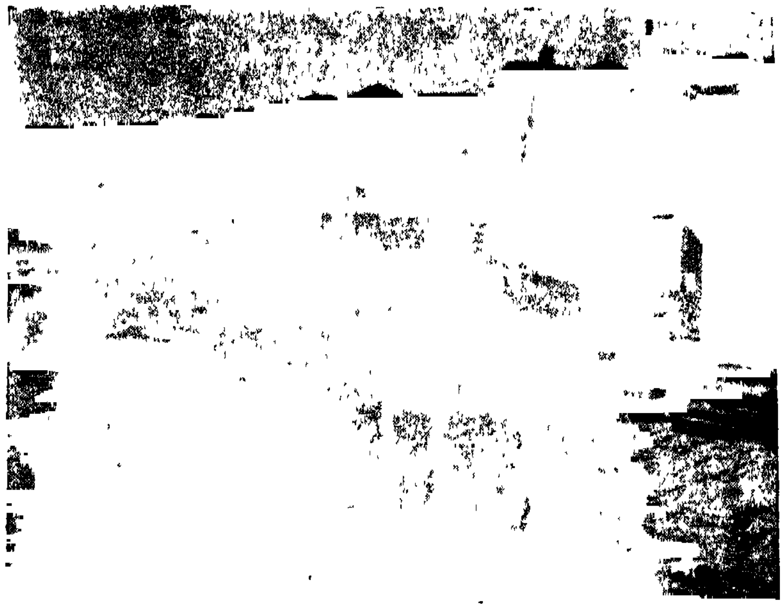
دفتر سیاحت اور پھر مذکورہ بالا کارپوریشن کا تمام تر مقصد یہی ہے کہ ہر طرح سے سیاحوں کی خدمت کی جائے۔ اور ان کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

تمام منصوبہ بندی میں تنظیم سیاحت کی خاص کوشش یہی ہے کہ ملکی سیاحوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں حاصل ہوں۔ ہالی ڈے کیمپ

سنجیونی ماچھی — چھترپتی شیواجی مہاراج کا ناقابلِ تسخیر قلعہ رائے گڑھ۔

اور سیر و تفریح کے لئے دیگر سہولتیں اندرونی سیّاحوں کے لئے مخصوص ہیں نئے منصوبوں کے تحت مقدس مقامات پر یاتریوں کے لئے رہائشی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ قیام کی جگہ سادہ اور صاف ستھری ہوتی ہے اور اس کا کرایہ بھی معمولی ہوتا ہے۔ یہ تنظیم بدیسی سیّاحوں کے آرام و آسائش کا بھی خیال رکھتی ہے۔

ہندوستان میں مہاراشٹر پہلی ریاست ہے جس نے سیاحوں کی دلچسپی کے پندرہ مقامات پر خود اپنے ہالی ڈے کیمپ قائم کئے ہیں۔ یہ اجنتا (فرداپور)، اکلولی، امبولی، اورنگ آباد، بھنڈار ڈارہ، چکالدہ، کارلہ، مروڈ، جنجیرہ، مہابلیشور، ماتھیران، پنچگنی، پنہالہ، تورن محل، وجرشیوری اور وردھا میں واقع ہیں۔ ان ہالی ڈے کیمپوں میں ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ افراد کے لئے بستروں کی گنجائش ہے۔ اجنتا (فرداپور)، اورنگ آباد اور کارلہ کے کیمپ مشہور غاروں یعنی اجنتا، ایلورہ اور کارلہ غاروں کے نواح میں قائم کئے گئے ہیں۔ وردھا ہالیڈے



ناشک - دریائے گوداوری
کے کنارے آباد ہے
اور ایک بڑا تیرتھ استھان ہے۔

کیمپ سیواگرام کے قریب ہے جہاں گاندھی جی سالوں رہے۔ مہابلیشور، ماتھیران، پنہالہ، امبولی، پنچ گنی اور چکالدہ کے کیمپ پہاڑی مقامات پر ہیں۔ اکلولی اور وجریشوری کیمپ گرم چشموں اور تیرتھ استھانوں کے قریب واقع ہیں۔ تورن محل اور بھنڈار ڈارہ کے کیمپوں کا ماحول حسین ہے اور مرود جنجیرہ کیمپ ساحلی قصبہ میں آباد ہے۔

اس اسکیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ متوسط طبقے کے لوگ بھی سیر و سیاحت سے لطف اندوز ہو سکیں۔ بیشتر کیمپوں میں کھانے پکانے کے برتنوں کا خاص طور سے انتظام کیا گیا ہے۔ بعض کیمپوں میں انڈور گیمز اور مطالعہ کی سہولتیں بھی بہم پہنچائی گئی ہیں۔

۷۶-۱۹۷۵ء میں ہالی ڈے کیمپوں میں ٹھہرنیوالے سیاحوں کی تعداد ۵۸,۵۶۶ تھی۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے دوران یہ تعداد بڑھ کر ۶۲۹۸۱ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح کرایہ سے حاصل ہونیوالی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں یہ آمدنی ۶,۵۷,۱۰۹ روپے تھی اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۸,۸۱,۷۴ روپے ہوگئی ہے۔

کارپوریشن نے موجودہ کیمپوں میں رہائش کی گنجائش بڑھانے اور زیادہ آرام و آسائش بہم پہنچانے نیز نئی قیام گاہیں بنانے کی غرض سے ایک پروگرام ہاتھ میں لیا ہے۔ ۷۸-۱۹۷۷ء میں مہابلیشور، ماتھیران اور پنچ گنی میں واقع ہالی ڈے کیمپوں میں رہائش کی گنجائش بڑھائی جائے گی۔

یوتھ ہوسٹل: طلبائے ہند کی جانب سے ملک بھر میں اہم مقامات سیاحت پر یوتھ ہوسٹل قائم کئے گئے ہیں تاکہ نوجوان اور طلبہ تاریخی اور قدیم مقامات کی سیر کر سکیں۔ مہاراشٹر میں ایسا ایک یوتھ ہوسٹل اورنگ آباد میں قائم کیا گیا ہے۔ اس میں ۴۲ بستروں کی گنجائش ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے سونے کے کمرے الگ الگ ہیں۔ یہ ہوسٹل حکومت ہند کی مالی امداد سے تعمیر کیا گیا ہے اور اس کا انتظام و انصرام کارپوریشن کے ہاتھ میں ہے

سیاحتی دورے: باقاعدہ سیاحتی دورے سیاحت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کارپوریشن اندرون مہاراشٹر اور ریاست کے باہر بھی اہم مقامات سیاحت کی اجتماعی سیر کے لئے دورے کا انتظام کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں آمد و رفت اور قیام وغیرہ کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ سیاح ایسی سہولتوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ دورے سیاحوں میں بہت مقبول ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ کم خرچ ہی نہیں بلکہ آرام دہ بھی ہوتے ہیں۔

کارپوریشن اندرون ریاست اورنگ آباد، اجنتا-ایلورہ اور مہابلیشور وغیرہ جیسے مقامات سیاحت کی باقاعدہ سیر کا انتظام کرتی ہے۔ دیگر مقامات جیسے لوناولہ، کھنڈالہ، کارلہ، ناشک، اور شیرڈی وغیرہ کی سیر کے لئے "اسپیشل ٹور" رکھے جاتے ہیں۔ مہاراشٹر کے باہر جموں و کشمیر اور ہماچل پردیش وغیرہ کی سیر کے لئے بھی خاص دورے کا انتظام کیا جاتا ہے۔

اس سال سے جنوبی ہند کے مقامات کی سیر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کارپوریشن حسب ضرورت کسی بھی مقام کی کتنی ہی مدت کیلئے خاص اجتماعی سیر کا بھی انتظام کرتی ہے۔

بڑی تعداد میں سیاح مسلسل بمبئی آتے رہتے ہیں اور شہر کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد سے اُن کے لئے روزانہ شہر کے خاص خاص مقامات کی سیر اور ہفتہ کے آخری دن بمبئی کے نواحی علاقہ کی سیر کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح پُونے، اور اورنگ آباد نیز مہابلیشور میں مقامی طور سے سیر کا انتظام کیا جاتا ہے۔

اس قسم کی سیر کرانے کے لئے کارپوریشن کے پاس چار ایرکنڈیشنڈ بسیں، چھ لکزری بسیں اور دو چھوٹی بسیں ہیں۔

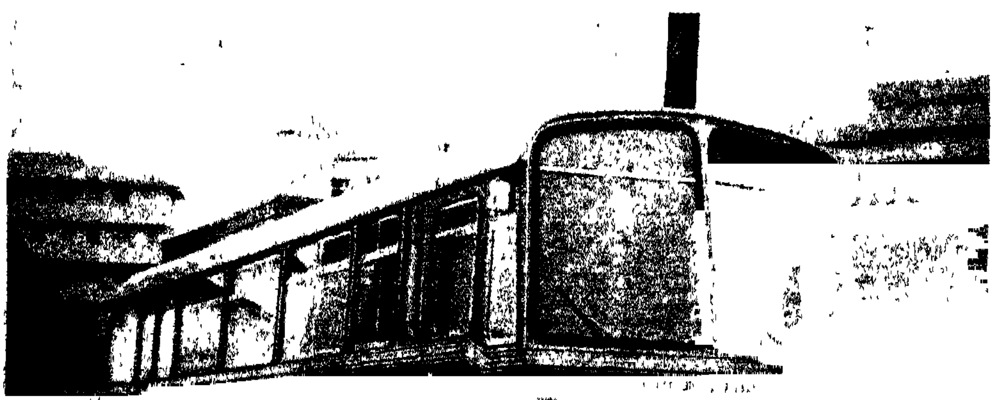
اس قسم کی سرگرمی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس ذریعہ سے ۷۶-۱۹۷۵ء میں آمدنی ۱۲,۶۳ لاکھ روپے تھی جو ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۱۶,۲۴ لاکھ روپے ہوگئی ہے۔

دلکش سووینیر: سیاح مختلف مقامات کی سیر کرکے سووینیر بطور یادگار اپنے وطن لے جانا چاہتے ہیں' ہمارے دیس میں نجی ایجنسیاں' گھٹیا، بھدّے اور غیر مستند سووینیر بڑی گراں قیمت پر بیچتی تھیں۔ چنانچہ خوبصورت سووینیر اشیا تیار کرنے کے لئے ایک اسکیم وضع کی گئی' تاکہ سیاحوں کی ضرورت پوری کی جائے۔ مہاراشٹر غالباً واحد ریاست ہے جس نے منظم طریقہ پر یہ کام شروع کیا ہے۔ یہ سووینیر اشیاء یا یادگاری اشیاء دستکاری کا نمونہ ہیں اور لکڑی' دھات، کانچ، کاغذ، چمڑے اور کپڑے وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں۔ یہ یادگاری اشیا مشہور و معروف یادگاروں کی ہو بہو نقل اور فن دستکاری کا شاہکار ہیں۔

ممتاز اداروں مثلاً ایرانڈیا، انڈین ایرلائنز، وزارت سیاحت، وزارت امور خارجہ اور میدان سیاحت کے حکام نے ان سووینیر کو بہت پسند کیا ہے۔

یہ دلکش سووینیر بطور تحفہ دیئے جاسکتے ہیں، اور کانفرنسوں کے مواقع پر گیسٹ ہاؤس یا استقبالیہ دفاتر پران کی آرائش کی جاسکتی ہے' انہی خوبیوں کی وجہ سے یہ خوب بکنے لگی ہیں۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں ان اشیاء کی بکری سے ۶,۵۶,۵۷۰ روپے کی آمدنی ہوئی تھی اور یہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۷,۸۰,۰۰۰ روپے ہوگئی ہے۔

معلوماتی کتابچے: اس ریاست میں سیاحوں کو متوجہ کرنے کیلئے کارپوریشن نے خوبصورت کتابچے، پوسٹر، باتصویر پوسٹ کارڈ، گائڈ بک اور نقشے وغیرہ تیار کئے ہیں جن میں مہاراشٹر کے تاریخی، قدیم اور پُرفضا مقامات کے بارے میں جانکاری دی گئی ہے۔ انہیں دیکھ کر اندرونی اور بیرونی سیاحوں دونوں ہی کے دل میں مہاراشٹر کی سیر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔



باقاعدہ سیاحتی دورے کے لئے کارپوریشن کے پاس کئی ایرکنڈیشنڈ بسیں، لگزری، اور منی بسیں ہیں۔ کارپوریشن اہم مقامات سیاحت کی سیر کا انتظام کرتی ہے۔ زیر نظر تصویر میں کارپوریشن کی ایک ایرکنڈیشنڈ بس دکھائی دے رہی ہے۔



باب الہند (گیٹ وے آف انڈیا)
یہ شاندار عمارت بمبئی کی تاریخ معماری
میں ایک امتیازی شان ہے۔

حال ہی میں کارپوریشن نے مہاراشٹر کے مشہور و معروف قلعوں کے بارے میں سلسلہ وار رنگین اور خوبصورت فولڈر تیار کرنے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ رائے گڈھ، راج گڈھ، سنہ گڈھ، سندھرگ، پرتاپ گڈھ، دولت آباد، پورندھر، شیونیری، لوہا گڈھ اور پنہالہ کے بارے میں فولڈر تیار کیے جا چکے ہیں۔ ان فولڈروں کی تیاری کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ لوگ، خصوصاً نوجوان ان کی تاریخ سے روشناس ہوں اور ان میں بھی مہم جوئی کا جذبہ پیدا ہو۔

اطلاعاتی مراکز:

'انفارمیشن کاؤنٹرز' یعنی اطلاعاتی مراکز کے ذریعے سیاحوں کو صحیح معلومات اور ہدایات ملتی ہیں اور وہ بھٹکنے سے بچ جاتے ہیں۔ مذکورہ کارپوریشن نے بمبئی، اورنگ آباد اور اجنتا جیسے اہم مقامات سیاحت پر ایسے ۱۲ اطلاعاتی مراکز قائم کئے ہیں۔ کارپوریشن مہابلیشور، پنچ گنی، ماتھیران، لوناولہ اور پنہالہ کی میونسپلٹیوں کو مالی امداد بھی دیتی ہے تاکہ وہ اطلاعاتی مراکز چلا سکیں۔

اس کے علاوہ کارپوریشن کے تمام علاقائی دفاتر نیز ہالی ڈے کیمپ کے دفاتر ہر قسم کی پوری معلومات سیاحوں کو دیتے ہیں۔

ترقیاتی پروجیکٹ:

کارپوریشن نے سیاحی مقامات پر مزید سہولتیں بہم پہنچانے اور یہاں کے ماحول کو سنوارنے کی غرض سے کئی ترقیاتی پروجیکٹ شروع کئے ہیں۔ ہر سال تقریباً تین لاکھ سیاح مشہور غارہائے اجنتا دیکھنے آتے ہیں۔ لیکن یہاں ان کے لئے سہولتیں ناکافی رہتی ہیں۔ لہذا ایک 'ماسٹر پلان' تیار کیا گیا ہے تاکہ اجنتا پہاڑ کے دامن میں اس علاقے کو پوری طرح سدھارا اور سنوارا جائے۔ اس 'ماسٹر پلان' کی تخمینی لاگت ۲۵ لاکھ روپے ہے۔ اس 'ماسٹر پلان' کے تحت ہمہ اقسام کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ اور اس علاقے کی ترقی و توسیع اجنتا کے شایان شان ہوگی۔ اسی طرح غارہائے ایلورہ کے علاقے کی ترقی کے لئے بھی ایک 'ماسٹر پلان' تیار کیا جا رہا ہے۔ دولت آباد کے قدیم اور مضبوط ترین تاریخی قلعہ کے نواح کو اور بھی دلکش بنایا جائے گا اور سیاحوں کے لئے بنیادی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

بیرونی اور اندرونی سیاحوں کی دلچسپی کی خاطر ایلفنٹا کی ترقی کی بڑی گنجائش ہے۔ یہ جزیرہ بمبئی بندرگاہ کے پار واقع ہے جہاں لانچ سے صرف آدھ گھنٹہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ مختصر سمندری سفر بہت پُرلطف ہوتا ہے۔ یہاں ساتویں صدی کے مشہور غار ہیں۔ اس جزیرے کی پہاڑی سے بمبئی



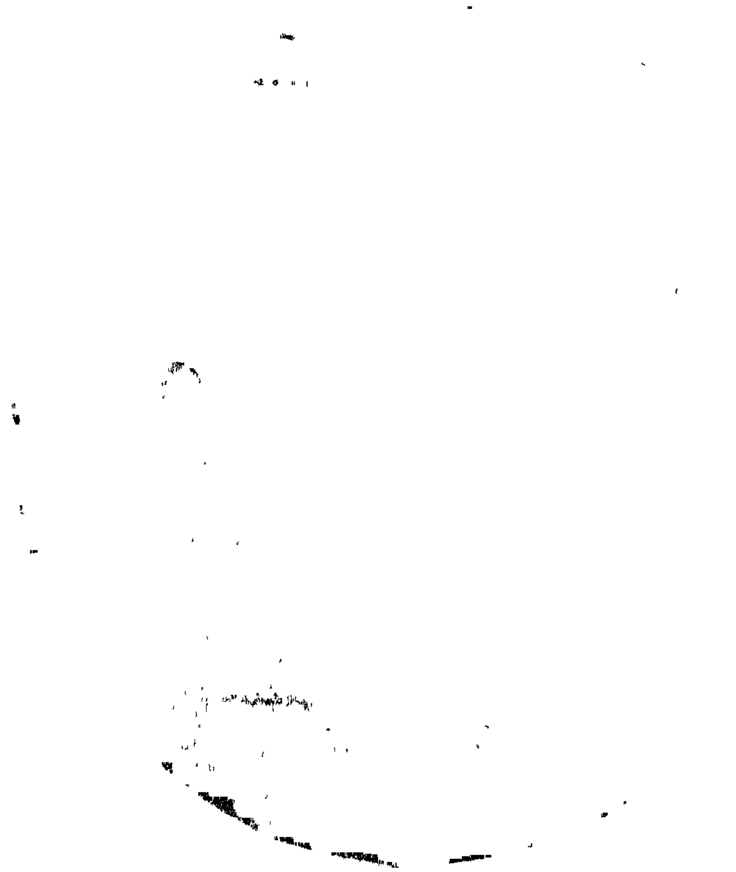
"وکٹری پلر" یا "ستونِ فتح" ۔ غار نمبر ۱۶
کیلاش مندر، غار ہائے ایلورا ۔



مہاراشٹر ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے شائع کردہ جاذبِ نظر، معلوماتی اور باتصویر کتابچے ۔ اس کی کچھ اشاعتوں پر مختلف مقابلوں میں انعامات مل چکے ہیں۔

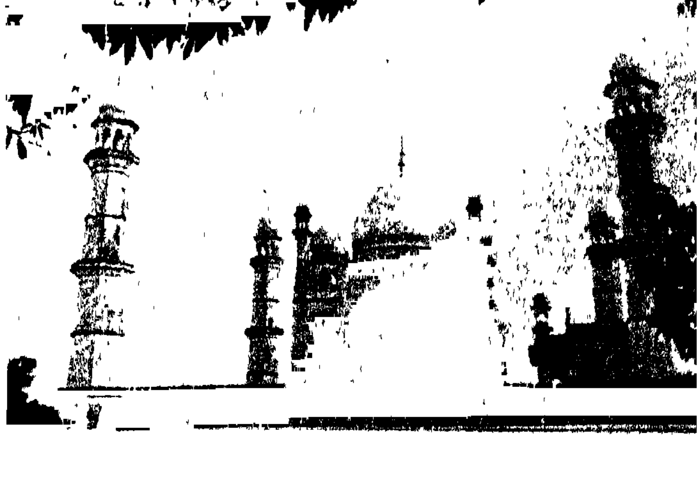


پیشوا پارک پونے کا دل کش منظر



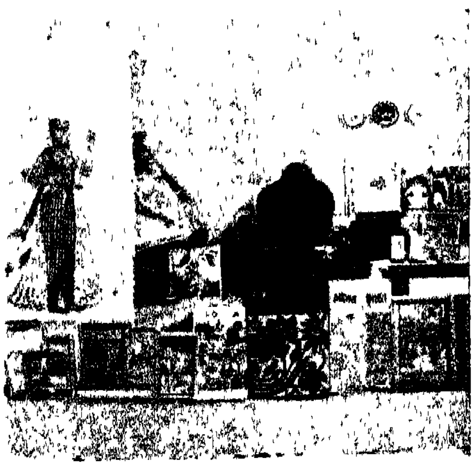
غارہائے "ایلیفینٹا" ۔ یہاں کی " ترمی مورتی " فنِ سنگ تراشی کا ایک بےمثال نمونہ ہے۔

ادرنگ آباد میں "بی بی کا مقبرہ" جو ہو بہو آگرے کے "تاج محل" کا نمونہ ہے۔

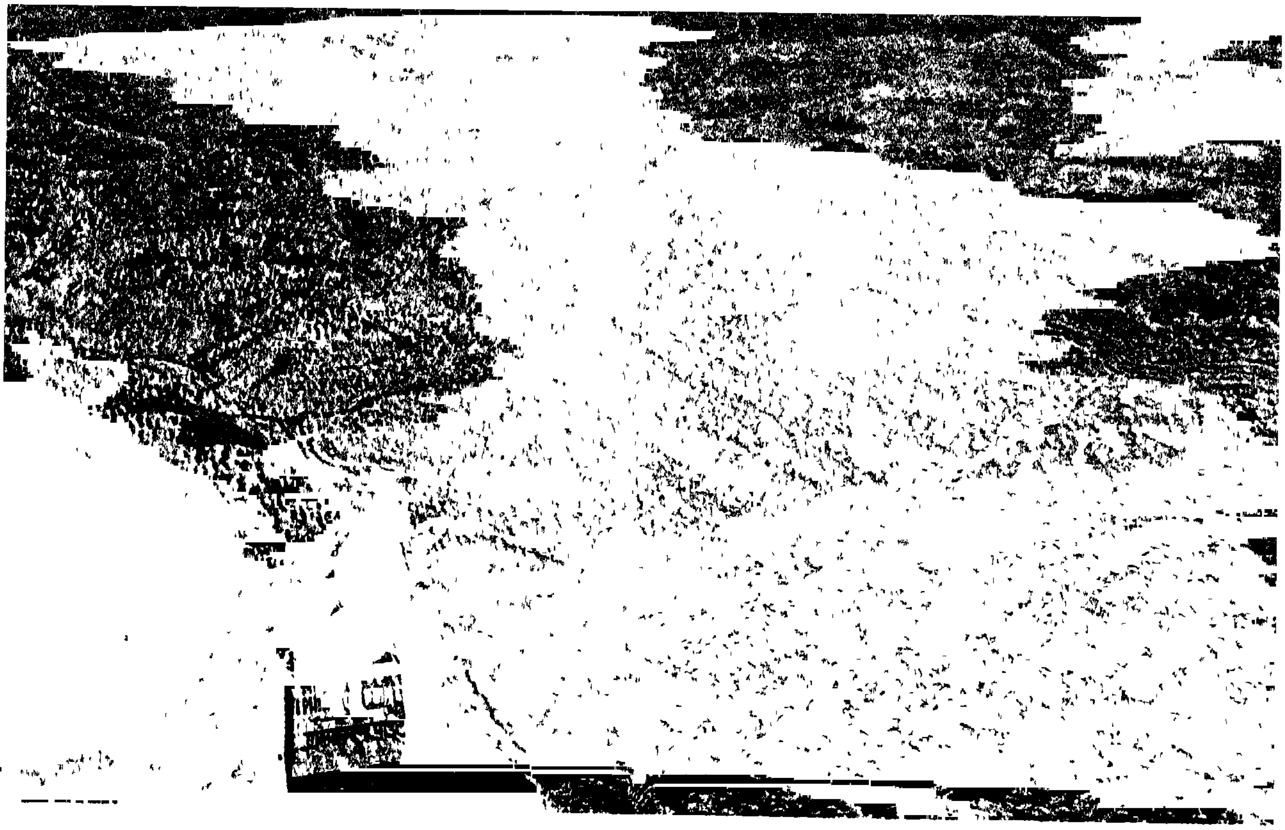




"چاند مینار" ۔ دولت آباد ۔ یہ بلند اور خوبصورت مینار سلطان احمد شاہ ولی نے ۱۴۳۵ء میں تعمیر کرایا تھا شاہی خاندان کے افراد اِس مینار سے عید کا چاند دیکھا کرتے تھے۔



مہاراشٹر ٹورِیزم ڈیولپ منٹ کارپوریشن کے تیار کردہ دل کش سووینیئر۔



ٹ پر کئی پُرفضا پہاڑی مقامات ہیں جہاں کوہ پیمائی کے بھی مواقع ہیں۔ پہاڑی مقامات کی رانی " مہابلیشور" میں "ایلفنسٹن پائنٹ" سے پہاڑیوں اور ہریالی کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

شنوار واڑہ ، پونے میں پیشوائی دورِ حکومت کی ایک دائمی یادگار۔



بندرگاہ اور بھابھا اٹومک ریسرچ سنٹر کا نظارہ بڑا دلکش ہوتا ہے۔

محکمۂ سیاحت کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ ان تمام ترقیاتی کاموں میں رابطہ قائم کرے جو مختلف شعبہ جات کی جانب سے جزیرہ میں انجام دیئے جا رہے ہیں۔ جزیرے کی ترقی کے لئے دو مراحلی پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ پہلے مرحلہ پر سینیٹری بلاک، کاٹیج اور اطلاعاتی مراکز بنائے جائیں گے اور اس سلسلے میں کام جاری ہے۔ پانی کی فراہمی اور بجلی کا بندوبست کیا جا چکا ہے۔

قدرت نے مہاراشٹر کو بڑا حسین ساحل بخشا ہے جو تقریباً ۸۰۰ کلو میٹر طویل ہے۔ لہٰذا محکمۂ سیاحت نے یہ طے کیا ہے کہ چنندہ ساحلوں پر تفریح گاہیں بنائی جائیں، جن کے نام یہ ہیں: ممبئی کے قریب اریناگل، جنجیرہ، مرڈ، گنپتی پلے، بھگوتی فلیج، تورڈی، کھیم، علی باغ، ناگاؤں، مالون، اور دبنگورلہ۔ اُبھے ڈانڈہ۔

اریناگل اور گنپتی پلے، ساحل پر ترقیاتی کام جاری ہے۔ ممبئی سے قربت نیز مشرق وسطیٰ سے کثیر تعداد میں سیلانیوں کی آمد کے سبب اریناگل مقبول ساحلی تفریح گاہ بن جائے گا۔ یہاں دلچسپی بڑھانے کے لئے 'واٹر اسپورٹس' شروع کرنے کا بھی ارادہ ہے۔

فی الحال مختلف تیرتھ استھانوں پر یاتریوں کے لئے سہولتیں ناکافی ہیں۔ اولین ضرورت تو یہ ہے کہ قیام کے لئے سادہ اور صاف ستھری جگہ مناسب کرایہ پر مہیا کی جائے۔ لہٰذا کارپوریشن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمام اہم مقدس مقامات مثلاً پنڈھرپور، گنپتی پلے اور شٹوالہ میں ایسی قیام گاہیں بنائی جائیں جہاں یاتریوں کے لئے تمام سہولتیں مہیا ہوں۔ ان مقامات پر تعمیری کام فی الحال شروع ہو چکا ہے۔

کارپوریشن نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ ضلع پونہ میں واقع بھیما شنکر، ضلع ناسک میں ترمبکیشور اور ضلع بلڈانہ میں واقع شیگاؤں جیسے مقدس مقامات میں سیاحتی حلقہ جات بنائے جائیں، جہاں سیاح بڑی تعداد میں آتے ہیں۔

اورنگ آباد اور لوناولہ میں کیمپ و کارواں کے لئے خاص طور سے جگہیں بنائی جائیں گی اورنگ آباد میں یہ جگہ حکومت ہند کی امداد سے اور لوناولہ کی جگہ کارپوریشن خود بنائے گی۔ لوناولہ میں فی الحال تعمیری کام شروع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی گھاٹ خطہ کی مربوط ترقی کے پروگرام کے تحت ملشیج میں ایک ہوٹل، جوہر میں ہالی ڈے کیمپ کے قیام اور امبولی میں واقع ہالی ڈے کیمپ میں رہائش کی گنجائش بڑھانے کے لئے کام شروع کیا گیا ہے جس کے لئے پسماندہ خطوں کی ترقی کی خاطر مرکزی حکومت نے مالی امداد دی ہے۔

●●

سیر و تفریح کا باقاعدہ انتظام

مقامی سیر: کارپوریشن نے ممبئی میں روزانہ قابلِ دید مقامات اور غار ہائے ایلیفنٹا کی باقاعدہ سیر کا انتظام کیا ہے۔ اسی طرح اتوار اور چھٹی کے دنوں میں نواح ممبئی کی باقاعدہ سیر کرائی جاتی ہے۔

اجنتا - ایلورہ - اورنگ آباد کی سیر: اختتام ہفتہ پر دو ٹور۔ جمعہ کی شام کو روانگی اور پیر کی صبح کو واپسی۔ ان میں سے پہلا "ڈی لکس ٹور" ہے۔ اس میں اورنگ آباد تک سفر اور واپسی بذریعہ ایرکنڈیشنڈ بس اور قیام کا انتظام اورنگ آباد کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا جاتا ہے۔ دوسرا 'اکانومی ٹور' کہلاتا ہے جس میں سفر بذریعہ لگژری بس اور قیام کے لئے ہالی ڈے کیمپ میں انتظام ہوتا ہے۔

مزید برآں کارپوریشن، ممبئی اور اورنگ آباد کے درمیان روزانہ سیاحت سروس بھی چلاتی ہے اور بیچ میں پونے اور احمد نگر میں کچھ دیر ٹھہرنے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے

ممبئی - مہابلیشور سیاحت سروس: سیر و تفریح کے زمانہ یعنی اکتوبر، نومبر اور دسمبر نیز اپریل، مئی، جون میں کارپوریشن روزانہ لگژری بس کے ذریعے ممبئی اور مہابلیشور کے درمیان سفر کا انتظام کرتی ہے۔

اورنگ آباد: اورنگ آباد سے ہر روز لگژری بسوں کے ذریعے (۱) اجنتا (۲) ایلورہ اور شہر اورنگ آباد کی سیر کا انتظام۔

مہابلیشور: کارپوریشن زمانۂ سیاحت میں لگژری بسوں کے ذریعہ روزانہ حسبِ ذیل مقامات کی باقاعدہ سیر و تفریح کا اہتمام کرتی ہے۔ مہابلیشور درشن، پرتاپ گڈھ درشن اور پنچ گنی درشن۔

پونے: پونے سے خاص رعایت کے ساتھ اکٹھا ٹولیوں کے لئے مہابلیشور، اجنتا - ایلورہ، آشٹا، ونایک اور دیگر مقامات کی سیر و سیاحت کا خاص انتظام کیا جاتا ہے۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

اپنے گُردے کے بارے میں جانیئے

• ڈاکٹر ایس - ڈی بپاٹ
آنریری یورولاجسٹ اینڈ آنریری
سرجن اینڈ آنریری پروفیسر آف سرجری
لوکمانیہ تلک میموریل میڈیکل کالج،
سائن، بمبئی
• ترجمہ: عبداللہ

پیشاب کا نظام مشتمل ہوتا ہے گُردے پر - جس میں پیشاب بنتا ہے، حالب (پیشاب کی نالی) پر - جو پیشاب کو گُردے سے مثانہ میں پہنچاتا ہے، مثانہ پر - یعنی ایک مضبوط تھیلی جیسا مخزن جو پیشاب کو جمع رکھتا ہے تا آنکہ اُسے خارج کر دیا جائے اور مجری البول (پیشاب کو خارج کرنیوالی نالی) پر - جو مثانے سے متعلق ہوتا ہے اور جس کے ذریعے بالآخر پیشاب خارج ہوتا ہے۔ ان میں سے آنکھوں کو صرف وہی حصّہ دکھائی دیتا ہے جہاں سے پیشاب خارج ہوتا ہے جسے عرف عام میں پیشاب کی نالی کہتے ہیں۔

پیشاب کا بننا اور اُس کا مثانے تک پہنچنا ایک ایسا عمل ہے جو خود بخود اندرونِ جسم جاری رہتا ہے لیکن اس کا آخری طور پر خارج کیا جانا عموماً انسان کے قابو میں ہوتا ہے لیکن دو تین سال کے بچے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

مثانے میں بالعموم ۲۵۰ سے ۳۰۰ سی سی تک پیشاب جمع رکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور اِتنی مقدار کے جمع ہو جانے پر پیشاب کی حاجت محسوس ہونے لگتی ہے۔

گُردے ناف کے اُوپر ہوتے ہیں اور مثانہ ناف کے نیچے۔ جسم میں دو گردے ہوتے ہیں جو ریڑھ کی ہڈی کے دونوں طرف محفوظ جگہوں پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کی جسامت مُشت بھر ہوتی ہے۔ ہر گردہ تقریباً دس لاکھ باریک باریک خلیوں پر مشتمل ہوتا ہے جنھیں نیفرانس (NEPHRONS) کہتے ہیں۔ انھیں نیفرانس میں پیشاب بنتا ہے۔ ہر منٹ تقریباً نصف لٹر سے کچھ زائد خون ہر گردے میں سے گزرتا ہے۔ گُردے کی ان تنگ راہداریوں میں سے گزرتے ہوئے وہ بیرونی حصوں میں چھنتا ہے۔ بہت سا چھنا ہوا پیشاب ان باریک نالیوں میں دوبارہ جذب ہو جاتا ہے اور تقریباً نصف سی سی پیشاب تیار ہوتا ہے۔ پس ۲۴ گھنٹوں میں گردے سے تقریباً ۱۸۰ لیٹر خون کے دَوران سے تقریباً ۱،۵ لیٹر پیشاب بنتا ہے۔

جسم کی استحالی خاصیتوں کی وجہ سے بہت سے فُضلات بنتے اور تیزابیت پیدا ہوتی ہے۔ ان چیزوں کا جسم سے خارج ہو جانا بہت ہی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ خارج نہ ہوں تو جسم میں ایسا زہر پھیل جائے گا جسے یوریمیا (UREMIA) کہتے ہیں۔ یہ چیزیں خون کے ذریعے گُردے تک پہنچتی ہیں۔ سب سے پہلے خون گردوں میں چھنتا ہے اور پھر اس چھنے ہوئے محلول کو ایک اہم عمل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس عمل کی وجہ سے جس چیز کی جسم کو ضرورت ہوتی ہے، محفوظ رہ جاتا ہے۔ اور جو چیز غیر ضروری اور نقصان دہ ہوتی ہے وہ پیشاب کی صورت میں جسم سے خارج ہو جاتی ہے۔ ایک سی سی پیشاب بنانے کے لئے تقریباً ۱،۲ لٹر خون ہر منٹ گُردے کے ذریعے صاف ہوتا ہے۔

ہر گُردے میں پیدا شدہ پیشاب کی نالیوں کے ذریعہ مثانے میں آتا ہے یہ مثانہ پیشاب کو اس وقت تک جمع رکھتا ہے جب تک کہ وہ جسم سے مجری البول سے خارج نہ ہو جائے۔

پس یہ ظاہر ہو گیا کہ پیشاب ہی وہ ذریعہ ہے جس کی وجہ سے بہت سے فضلات جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔

یہ ایک عام بات ہے کہ بہتے چشمے میں ہمیشہ صاف پانی ہوتا ہے اگر یہ پانی رُکا رہے تو وہ غیر شفاف اور بدبودار بن جاتا ہے۔ یہی بات پیشاب کے لئے بھی حقیقت ہے۔ اگر پیشاب کا اخراج بلا کسی رکاوٹ کے جاری رہے تو اس میں بیماری کے جراثیم رکھنے والے مادے بھی کم ہوتے ہیں۔ اسی لئے پیشاب کے اخراج کی بدنظمی کو دور کرنے کا اچھا ذریعہ پانی پینا ہوتا ہے۔

قدرت نے ہمیں گُردے کے بہت سے خلیات سے نوازہ ہے اسی وجہ سے جب ایک گردہ جسم سے نکال دیا جائے تو بھی صحت پر کسی قسم کا کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا، بشرطیکہ دُوسرا گردہ حسبِ معمول اپنا کام انجام دے رہا ہو۔ بہت سے افراد کو تو پیدائشی طور پر صرف ایک گردہ ہوتا ہے

پیشاب کے نظام میں عام بدنظمی

پیشاب کے نظام میں عام طور پر چار قسم کی بدنظمی ہوتی ہے — یعنی رکاوٹ، مواد، جلن، پتھری اور متعدی بیماری۔

نظام میں رکاوٹ۔ مثانہ کے اوپر پیدا ہوتی ہے اور اس حالت میں پیشاب کی کثرت میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یا پھر یہ مثانے کے نیچے ہوتی ہے اور اس سے پیشاب کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ عام طور پر پیشاب کرنے کا عمل بنا کسی زور لگائے ۲۰ تا ۳۰ سیکنڈ میں پورا ہو جاتا ہے اگر پیشاب کرنے میں کسی طرح کی تکلیف ہو اور زیادہ وقت لگے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے جس کا فوری طور پر علاج ضروری ہو جاتا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس طرح رکاوٹ کے باوجود کسی قسم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ اگر اس رکاوٹ کو بنا علاج چھوڑ دیا گیا تو پیشاب کے نظام کا مکمل طور پر خراب ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ مثانہ کے اوپر پیدا ہونے والی رکاوٹ کا پتہ چلانا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔

مردوں میں غدہ مثانہ کے بڑھ جانے کی وجہ سے عام طور پر پیشاب میں رکاوٹ کی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ مردوں میں پیشاب کی نالی سے تقریباً ایک انچ کی دوری پر یہ غدود ہوتے ہیں جو ۵۰ سال کی عمر کے بعد بڑھنے لگتے ہیں۔ بہت سے بوڑھے لوگ پیشاب میں رکاوٹ کو اپنی عمر کی زیادتی کا سبب سمجھتے ہیں۔ یہ بہت ہی غلط خیال ہے اور اسی وجہ سے بہت سے بوڑھے لوگ علاج کے لئے کافی عرصہ تک توجہ نہیں دیتے۔

اگر غدہ مثانے کی وجہ سے پیشاب کی نالی میں کسی طرح کی رکاوٹ پیش آئے تو اُسے فوراً دُور کرنا چاہئے۔ سرجری اور اعضا کو سُن کرنے کی تکنیک کی وجہ سے غدہ مثانے کو دُور کرنے کا کام بہت ہی باحفاظت ہو چکا ہے، یہاں تک کہ بوڑھے لوگوں کے لئے بھی یہ خطرناک نہیں ہے۔ اگر غدہ مثانے کا تھوڑا سا حصہ ہی بڑھ گیا ہو جو رکاوٹ کا سبب بن رہا ہو تو اُسے پیشاب کی نالی میں ایک خاص قسم کا آلہ ڈال کر دُور کیا جاتا ہے۔ اگر غدہ مثانہ کافی زیادہ ہو تو اسے اس طرح کھلے آپریشن کے ذریعے دور نہیں کیا جا سکتا۔

جلن: جلن پیشاب کی عام شکایت ہے۔ اور اس کی وجہ سے پیشاب کے نظام کا کوئی بھی حصہ بنا کسی زخم یا زخم کے ساتھ متاثر ہو سکتا ہے۔

بچوں میں گلے کی خراش کے حملے یا جلدی خرابی کی وجہ سے جیسے پھوڑا۔ گردے پر یکایک سُوجن اور اس کی وجہ سے پیشاب کے ساتھ خون کی تھوڑی سی مقدار گرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ چہرے پر خاص طور سے آنکھوں کے پپوٹوں پر سوجن آجاتی ہے۔ یہ عام طور پر بہت ہی خطرناک مرحلہ ہوتا ہے اور اس کا فوری طور پر علاج بہت ہی ضروری ہوتا ہے۔

پیشاب کی نالی میں شدید زخم کی وجہ سے ہمیشہ شدید بخار آتا ہے۔ اور پیشاب بار بار اور درد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس حالت میں پیشاب بدبودار ہو جاتا ہے اور اگر اس کی جانچ کی جائے تو اس میں (جراثیمی) مادّہ پایا جاتا ہے۔

پتھری کی بیماری: پتھری کی شکایت کی طرف ڈاکٹروں نے ہمیشہ توجہ دی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ پتھر کس وجہ سے بنتا ہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ کس طرح بنتا ہے۔ بس صرف ۵ تا ۱۰ فیصد مریضوں میں پتھری کے بننے کے سبب کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔

پیشاب ایک چھنا ہوا محلول ہوتا ہے جس میں بہت سی قلمیں ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ یہ قلمیں محلول سے علیٰحدہ ہو کر یکجا ہو جاتی ہیں اور پھر پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اگر کافی مقدار میں پانی پیا جاتا رہے تو اس طرح پتھر بننے کے امکانات کو بہت حد تک کم رکھا جا سکتا ہے۔ عام طور پر رات کے وقت بہت کم پیشاب بنتا ہے اس لئے رات کے وقت پیشاب بہت گاڑھا ہوتا ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے رات کو سونے سے پہلے ایک یا دو گلاس پانی پی لینا چاہئے تاکہ رات کو پیشاب کی حاجت محسوس ہو اور پیشاب ہو جائے۔ سونے سے پہلے پھر پانی پی لینا چاہئے۔ میں یہ بات اپنے ہر پتھری والے مریض سے کہتا ہوں۔

پتھری کی شکایت کا سبب بہت سی کھانے کی چیزوں کو گردانا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عام طور پر یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کا پرہیز کرنا چاہئے۔ مجھے اس بات پر شک ہے کہ کھانے کی چیزوں پر اس طرح کی پابندی لگانا کچھ کارآمد بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر پیشاب دن میں دو لیٹر کے قریب ہو تو یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ پانی کافی مقدار میں پیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دودھ، دودھ سے بنائی گئی چیزیں، چاکلیٹ کی اشیاء، زمینی جڑوں والی ترکاریاں، جس میں آلو بھی شامل ہے، کم کر دینا چاہئے۔

مناسب شکل اور جسامت والا پتھر پیشاب کی نالی کے ذریعے نکل جاتا ہے۔ گردے کی بڑی پتھری کو نکالنے کے لئے آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثانے کی پتھری کو پیشاب کرنے کے راستے سے نکالنے کے لئے مخصوص آلات کو گزارا جاتا ہے اور ان کے ذریعے پتھری کو نکالا جاتا ہے۔ اور اس

طرح آپریشن سے بچا جا سکتا ہے، صرف بڑے پتھروں کے لئے آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے۔ چونکہ آپریشن کی وجہ سے پتھری کے بننے کا سبب دُور نہیں ہوتا اس لئے گردے میں دوبارہ پتھری بننے کا بہت امکان ہوتا ہے۔ اس لئے آپریشن شدہ مریضوں کو بہت ہی احتیاط برتنی چاہیئے۔

یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پتھری کو ریزہ ریزہ کر کے محلول بنا کر نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن اس طرح کے دعوے صرف مخصوص قسم کی پتھریوں کے لئے جو کہ یورک ایسڈ یا سائیسٹائن کی ہوتی ہیں، کئے جا سکتے ہیں۔ تاہم پتھری کی بڑی مقدار کو صرف دوائیاں کھا کر محلول کی شکل نہیں دی جا سکتی۔ مجھے صرف ایک کیس معلوم ہوا ہے جس میں گردے کے ایک بڑے پتھر کو دوائیوں کے ذریعے محلول بنا دیا گیا تھا۔

پیشاب کی نالی کا کینسر: یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے۔ لیکن اگر اس کا فوری طور پر پتہ چل جائے تو مکمل شفا مل سکتی ہے۔

کینسر کی عام علامت یکایک پیشاب کی نالی سے خون کا نکلنا ہے اور یہ عمل عام طور پر بنا کسی درد اور تکلیف کے ہوتا ہے۔ خون کا نکلنا فوری طور پر بند ہو سکتا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ بیماری سے مکمل شفا مل گئی ہے۔

خوش قسمتی سے پیشاب کی نالی کو (CYSTOSCOPE) سسٹو اسکوپ کے ذریعے براہِ راست دیکھا جا سکتا ہے یا پھر ایکسرے کے ذریعے۔ مثانے کے بہت سے کینسروں کا کھلے آپریشن کے علاوہ علاج کیا جا سکتا ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ کبھی بھی پیشاب کے ذریعے بنا کسی درد کے اگر یکایک خون جاری ہونے لگے تو اس کی طرف سے کبھی بے توجہی نہیں برتنا چاہیئے۔

گردے کی کارکردگی میں خامی: ایک گردہ اگر کام کرنا بند کر دے تو اس سے صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تاہم اگر دونوں گردے خراب ہو جائیں تو فضلات اور تیزابیت جسم میں جمع ہونا شروع ہونے لگتی ہے۔ یہ عمل بہت ہی دھیرے دھیرے ہوتا ہے اور بعض دفعہ تو مریض بہت صحت مند معلوم ہوتا ہے اور پھر اسی طرح بیماری کے آخری مرحلہ تک جا پہنچتا ہے۔ اگرچہ گردے کی خرابی کا پتہ بعض علامتوں سے ہو جاتا ہے اسے صرف خون کی جانچ کے بعد ہی پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ یوریا اور کریٹی نائن (CREATININE) عام سطح سے بڑھ گئے ہیں۔

گردے کی معمولی خرابیوں کو دوائیوں سے دُور کیا جا سکتا ہے۔ اگر خرابی صرف رُکاوٹ کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہو تو گردہ اچھی حالت میں لایا جا سکتا ہے بشرطیکہ نقصان زیادہ نہ ہوا ہو۔

اگر کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہ آ رہی ہو اور گردے کی خامی بہت شدید صورت اختیار کر چکی ہو تو، مصنوعی گردے کی مدد سے صحت مند رہا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مصنوعی ایجاد ہے جس کی مدد سے خون کے فضلات کی صفائی ہوتی ہے۔ مصنوعی گردہ بہت ہی مہنگی ایجاد ہے لیکن آجکل مریض کے گھر میں چھوٹے ماڈل کو لگا دیا جا سکتا ہے اور مریض کی بیوی یا شوہر کو مشین چلانے کی تربیت دی جا سکتی ہے۔ یہ گھریلو طریقۂ عمل ترقی یافتہ ممالک میں بہت کثیر تعداد میں استعمال میں لایا جا رہا ہے تاہم ہندوستان میں صرف چند ایک ہی بڑے طبی ادارے ایسے ہیں جن میں مصنوعی گردے کے مراکز قائم ہیں۔

مصنوعی گردے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ مریض زندگی بھر اس پر ہی منحصر ہو جاتا ہے۔ اس بات کا بھی پتہ چلا ہے کہ مصنوعی گردے کا زیادہ دنوں تک استعمال کرنا نئے نئے مسائل پیدا کر دیتا ہے، اس خامی پر قابو پانے کے لئے گردے کی تبدیلی کا طریقۂ عمل میں لایا گیا۔

گردے کی تبدیلی کے وقت، کسی زندہ آدمی کے گردے کو نکالا جاتا ہے یا کسی مُردہ شخص کے جسم سے، جیسے مرے ہوئے صرف ایک گھنٹہ ہوا ہو، نکال کر فوراً مریض کے جسم میں لگا دیا جاتا ہے۔ مریض اور گردے کا عطیہ دینے والے کے خلیات اور خون میں تقریباً یکسانیت ہونی چاہیئے، ورنہ مریض کا جسم نئے گردے کو قبول کرنے سے انکار کر دیگا۔

ڈاکٹروں کے لئے اس طرح نئے گردے کا، کام انجام نہ دینے کی شکایت کافی دنوں تک پریشان کُن بنی رہی۔ تاہم اب یہ ممکن ہو چکا ہے کہ پہلے سے ہی اس طرح کا انتخاب کر لیا جائے تاکہ گردے کی تبدیلی کے بعد نئے گردے اپنا کام برابر انجام دیں۔

آجکل سینکڑوں لوگ ایسے ہیں جو گردے کی تبدیلی کی وجہ سے موت کے مُنہ سے صحیح سلامت نکل آئے ہیں۔ عورتیں بھی گردے کی تبدیلی کے بعد کامیابی کے ساتھ حاملہ پن کے دور سے گزر چکی ہیں۔

اُن مریضوں کے لئے جن کی چند سال پہلے جینے کی اُمید نہ تھی اب وہ نئی زندگی پا چکے ہیں اور سماج کے ایک اہم ممبر بن کر خدمت کر رہے ہیں۔

گردے کی بیماریوں کے لئے علاج: حکومت کے اسپتالوں میں گردے کی بیماریوں کے لئے علاج ہوتا ہے۔ تاہم اگر گردے اپنا

کام انجام دینا بند کردیں تو ان کے لئے دو طرح کے علاج ہیں۔ ایک طریقہ DYALYSIS (ڈائیلاسیس) ہے جس کے ذریعہ جسم کا فاضل مادہ خارج کیا جاتا ہے اور دوسرا گردے کی تبدیلی ہے۔ ڈائیلاسیس کا طریقۂ علاج ناگپور میں گورنمنٹ میڈیکل کالج میں، ممبئی میں کے۔ای۔ ایم اسپتال میں، بمبئی اسپتال اور جسلوک اسپتال میں۔ پونے میں، کے۔ای۔ ایم اسپتال اور روبی نرسنگ ہوم میں جاری ہے۔ اورنگ آباد میں (حکومت کے میڈیکل کالج) میں ایک ڈائیلاسیس کا یونٹ جلد ہی لگ جائے گا۔ رہا گردے کی تبدیلی کا طریقۂ علاج تو وہ ممبئی کے جے جے اسپتال، سینٹ جارج اسپتال اور جسلوک اسپتال میں ہوتا ہے۔

صفحہ ۲ سے آگے

میں اُن کے سُر اور لے کا ایک نرالا ہی طرز تھا۔ ان کی گائیکی کا اسٹائل اپنی مثال آپ تھا۔ حقیقت پر بھی خواب اور افسانے کا گمان ہوتا تھا۔

ان کا گانا ایک عام سُننے والے کے لئے کچھ مشکل ہی تھا۔ لیکن ان کے اپنے مستقل شیدائی تھے جو ہزاروں میل کی دوری طے کر کے انھیں سننا باعث فخر سمجھتے تھے۔ انھوں نے بھی زیادہ سامعین کے لئے اپنے درجہ کو کبھی نہ چھوڑا اور ایک درخشاں ستارے کی مانند اُفق موسیقی پر جگمگاتی رہیں۔

آزادی سے قبل کتنا ہی درباروں سے انعاموں اور وظائف کی ان کے لئے کوئی کمی نہ رہی۔ گرو دیو رابندر ناتھ ٹیگور نے انھیں 'سُر اشری' کا خطاب دیا تھا۔ وہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے ہندوستانی موسیقی میں پریسیڈنٹ ایوارڈ (۱۹۵۳ء) حاصل کیا۔ اور مہاراشٹر سرکار نے بھی انھیں 'راجیہ گائیکہ' کے خطاب سے ۱۹۶۹ء میں نوازہ تھا۔ اس کے علاوہ انھیں پدم بھوشن کا خطاب بھی ۱۹۷۱ء میں دیا گیا۔ ان خطابات کو انھوں نے شاید ہی کبھی اپنے نام کے ساتھ استعمال کیا ہو۔

ای۔ ایم فاسٹر نے موسیقی کے بارے میں کہا ہے کہ موسیقی کی دو قسمیں ہوتی ہیں' ایک تو وہ جو کسی دوسری چیز کی یاد دلائے اور دوسری وہ جو بذات خود موسیقی ہو۔ کیسر بائی بذاتِ خود موسیقی تھیں۔ میرا مطلب اُن لوگوں پر واضح ہو گیا ہو گا جنھوں نے کیسر بائی کی ترنم ریز آواز کا لُطف اُٹھایا ہو گا۔

صفحہ ۱۵ سے آگے

ناگپور : ناگپور سے اکٹھا ٹولیوں کے لئے تا بودا، نوے گاؤں اور ناگ زیرہ جنگلات اور جانوروں کے مامن، رام ٹیک، چکلدرہ کی سیر اور ناگپور درشن کا انتظام کیا جاتا ہے۔ کارپوریشن ناگپور سے مدھیہ پردیش میں واقع کھجوراہو، جبلپور، کنہا نیشنل پارک اور پچمڑھی کی سیر کے لئے جانے کا انتظام بھی کرتی ہے۔



ڈائرکٹوریٹ آف ٹورزم کی 'وزیٹرز بک' میں ہنس ارنی نامی سیاح نے الفاظ میں نہیں بلکہ اس خوبصورت اسکیچ کے ذریعہ نرالے انداز سے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے (جو یونانی دیومالا میں خوبصورتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔)

تبصرے

سازِ مغرب (اُردو آہنگ میں)

حصہ اوّل و دوم

(مرتب: حسن الدین احمد)

کسی بھی ادب کا دامن اُسی وقت وسیع ہو سکتا ہے، جب کہ اس میں دوسری زبانوں سے استفادہ کیا جائے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ اُردو ادب میں اگر کسی دوسری زبان کا لفظ استعمال ہو جاتا تو ابرو پر بل پڑ جاتے تھے اور یہ الزام تراشی ہوتی تھی کہ ادب کو نجس کیا جا رہا ہے۔ اس رجحان سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اُردو ادب جو کہ ہندی، فارسی اور عربی الفاظ سے پُر تھا سکڑنے لگا۔ اُردو بذاتِ خود ایسی زبان ہے جو ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کی دین ہے۔ متوسطین نے اس کٹرپن سے نجات دلانے کے لئے کوشش کی اور اُردو ادب میں ہندی، پنجابی، مراٹھی اور ان سب کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی الفاظ بھی مستعمل ہونا شروع ہو گئے۔

آج کے دور میں یہ ایک نہایت اچھا شگون ہے کہ ادب میں نہ صرف ہندی بلکہ انگریزی الفاظ بھی بکثرت استعمال ہو رہے ہیں جس سے دامنِ ادب وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہے۔

حسن الدین احمد صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ انھوں نے زمانے کی نبض کو پہچانتے ہوئے بڑی کاوشوں سے 'سازِ مغرب' مرتب کی۔ 'سازِ مغرب' دراصل مشہور انگریزی نظموں کا اُردو میں منظوم ترجمہ ہے جو مختلف اُردو شعراء نے کیا ہے۔ یہ کام جس قدر مشکل تھا اسے اُسی قدر آسان اور دلکش بنانے کی حسن الدین احمد صاحب نے قابلِ تعریف کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر سازِ مغرب حصہ اول و دوم میں شامل نظمیں ترجمہ نہیں اصل معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر شاعر نے اپنے آپ کو ان تاثرات میں ڈبو دیا اور جب اُبھرے تو وہی خیالات ادبِ لطیف کے بیش بہا خزانے کے موتی لگنے لگے۔

یہاں یہ بات بھی عرض کر دی جائے کہ بعض اوقات تو ہمارے شاعروں نے انگریزی نظموں پر برتری حاصل کر دکھائی ہے۔ وہی خیالات جو انگریزی نظم میں بھی اتنے لطیف اور اثر انگیز نہیں ہیں مگر جب وہ قالبِ اُردو میں ڈھلتے ہیں تو جاوداں ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلی نظم تھامس گراؤ کی لی گئی ہے جس کا عنوان ہے 'ELEGY'۔ یہی نظم اُردو میں 'گورِ غریباں' عنوان سے چھپی ہے۔ علامہ سید علی حیدر طباطبائی نے دن کا طویل سفر ختم ہونا اور شام ہو جانا۔ چراگاہوں سے جانوروں کے ریوڑ کا گھروں کو لوٹنا اسی طرح دہقان کا گھر جانا اس خوبصورتی کے ساتھ منظوم کیا ہے کہ وہ تمام باتیں ذہن میں رقصاں ہو جاتی ہیں جو شام ہوتے ہی دیہات میں نظر آتی ہیں۔ انگریزی کی یہ طویل نظم ۳۲ بند (STANZAS) پر مشتمل ہے۔ اُردو میں ہر مصرعہ اور ہر بند اس قدر معنی خیز اور روانی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ترجمہ نہیں بلکہ شاعر کی اپنی ہی تخلیق ہے۔ اسی طرح گورِ غریباں پر دوسرے شعراء سید احمد کبیر صاحب، امیر چند بہار صاحب اور جناب سیّد صابر حسینی صاحب نے بعنوان "گاؤں کا قبرستان" میں اپنے تاثرات اور فنی کمال دکھلائے ہیں۔

اسی طرح دوسری انگریزی نظم ایچ۔ ڈبلیو لانگ فیلو کی 'A PSALMA OF LIFE' ہے جسے منظوم کیا ہے جناب خلیفہ عبدالحکیم صاحب اور سعد حسن سعد صاحب نے۔ محمد امیر صاحب نے آر۔ ہیرک کی THE DAFFODILS کے مندرجہ ذیل بند کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ منظوم کیا ہے:

"I WANDERED LONELY AS A CLOUD
THAT FLOATS ON HIGH OVER VALES AND HILLS
WHEN ALL ATONCE I SAW A CROWD,
A HOST OF GOLDEN DAFFODILS."

یہی خیالات اُردو میں ملاحظہ فرمائیے ؎

پھر رہا تھا میں اکیلا ابرِ بے ہنگام سا
جو چمن و وادی و کہسار پر ہو چھا رہا
اتفاقاً ایک جانب گلستاں آیا نظر
جس کی خوشبو سے مہک اُٹھا تھا سارا دشت و در

'سازِ مغرب' حصہ اول ۳۳ معروف شاعروں کی ۴۷ نظموں سے مزین ہے۔ اُردو میں طباعت بہت عمدہ ہے۔ جہاں تک انگریزی کا تعلق ہے، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انگریزی نظمیں ٹائپ سیٹ کر کے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے۔ 'سازِ مغرب' کی خوبصورتی دوبالا ہو جاتی اگر انگریزی نظمیں بھی خوبصورت ٹائپ میں چھاپی جاتیں ۔۔ جید پریس، بلیماران، دہلی نے طباعت کے فرائض بڑی خوش اسلوبی

سے انجام دے کر کتاب کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کیا ہے۔
قیمت کے لحاظ سے ۲۰ رُوپے آج کے دَور میں مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ وِلا اکاڈیمی۔عزیز باغ، سلطان پورہ، حیدرآباد سے یہ کتاب منگوائی جاسکتی ہے۔

اسی طرح 'سازِ مغرب' حصہ دوم حسن الدین احمد صاحب کی مسَاعیٔ جمیلہ کا مظہر ہے۔ جس میں ۵۴ شاعروں کی ۸۰ نظمیں ہمارے شعراء نے منظوم کی ہیں حصّہ دوم میں انگریزی نظموں کو شریک نہیں کیا گیا ہے، مگر بہتر ہوتا کہ جو روایت حصّہ اوّل میں قائم کی تھی اسے حصہ دوم میں بھی جاری رکھا جاتا، تاکہ قارئین ان خیالات سے بھی واقف ہوسکتے جو انگریزی نظموں میں شعراء نے ظاہر کئے ہیں اور اس کی وجہ سے جو ایک تشنگی باقی رہ جاتی ہے وہ نہ رہتی۔ اس حصہ دوم میں بھی جہاں تک اُردو میں نظموں کو منظوم کیا گیا ہے وہ انداز نہایت دلکش ہے اور دماغ پر اچھے تاثرات قائم کرتا ہے۔

'سازِ مغرب' کے دونوں حصے اس لائق ہیں کہ ہر لائبریری کی زینت بن سکیں۔

(ریاض احمد خاں)

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اسمیں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے، لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافہ کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جارہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے' البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

آپ اپنے سوالات مندرجہ ذیل پتے پر روانہ فرما سکتے ہیں:
ایڈیٹر پندرہ روزہ 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ،
۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

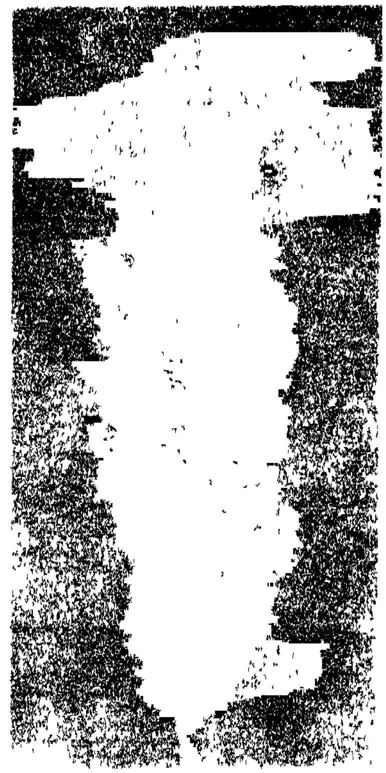
مہارشی دیانند کالج آف آرٹس اینڈ سائنس میں اقبال صدی کے سلسلہ میں دوسرا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں شری حسین دلوائی، وزیر برائے قانون و عدلیہ اور شری وسنت راؤ ہوشنگ' وزیر برائے تعمیرات نے شرکت کی۔ اسی موقع پر لی گئی تصویر میں کالج کے دو سابق طلبہ صبا نظامی (دائیں طرف) اور عبدالقیوم نشتر (بائیں طرف) بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ جنھیں کالج کی طرف سے' اسپیشل ایگزیکیٹو مجسٹریٹ ہونے پر استقبالیہ بھی دیا گیا۔



مہاراشٹر میں یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء سے سو ابتدائی صحت مراکز پر دیہی صحت پروجیکٹ شروع کیا گیا ہے۔ ایسے ہی ایک ابتدائی صحت مرکز پر جو امبیلوہل، ضلع اورنگ آباد میں واقع ہے ایک بچّہ کا معائنہ کیا جا رہا ہے۔

اعلیٰ جوار کی یہ بھری بھری بالی بتا رہی ہے کہ اس سال ریاست میں بھرپور فصل خریف ہوگی

خبریں - تصویروں میں



ضلع احمد نگر تعلقہ پاؤ نیر کا بونڈی پر مجوزہ درمیانی سینچائی پروجیکٹ کی لاگت ۷ء۱۰ کروڑ روپے ہے جس سے ۱۴۲۸۵ ہیکٹر زمین سیراب ہوگی۔ حال ہی میں شری شیواجی راؤ پاٹل نیلا نگیکر وزیر آبپاشی نے اس پروجیکٹ کا افتتاح فرمایا تھا۔

حال ہی میں اورنگ آباد میں فیڈریشن آف مہاراشٹر اسٹیٹ ٹیچنگ اسٹی ٹیوٹس ڈائریکٹرز کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ زیر نظر تصویر میں وزیر تعلیم، شریمتی پربھا پاٹل افتتاحی تقریر کرتے ہوئے





وزیر آبپاشی، شری شیواجی راؤ پاٹل نیلا نگیکر نے حال ہی میں ورکھیڈ، تعلقہ پاتھری، ضلع پربھنی میں جائیک واڑی سینچائی پروجیکٹ کی بائیں نہر پر تقسیم پانی پائنٹ کا افتتاح کیا۔ اس تصویر میں شری ایس اے سولنکے وزیر پبلک ورکس بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



ستارہ جیل کے قیدیوں نے گذشتہ یکم اکتوبر کو سول ہسپتال، ستارا میں خون کا عطیہ دیا۔ اس تصویر میں ڈاکٹر جوشی، ریذیڈنٹ میڈیکل افسر، خون کا عطیہ دینے میں ایک قیدی کو سہارا دے رہے ہیں۔

'سوگراس' - یہ جانوروں کی غذا ہے جو مہاراشٹر زرعتی و صنعتی کارپوریشن نے تیار کی ہے اور برآمد بھی کی جانے لگی ہے۔ اس تصویر میں مذکورہ کارپوریشن کے جنرل منیجر ایڈمنسٹریشن، شری جی۔ کے۔ راوک، اس مال کا تھیلا منیجنگ ڈائرکٹر آف یا اسپیج ایکسپورٹ لمیٹڈ کو پیش کر رہے ہیں۔



شری ماما صاحب بھیلے، چیرمین ہمیری۔ جینچو ڈمیونسپل کونسل ریاست مہاراشٹر اسکول اسپورٹس مقابلہ کے افتتاح پر کھلاڑیوں سے سلامی لیتے ہوئے یہ اسپورٹس حال ہی میں پونے میں ہوئے تھے اور ان میں کل آٹھ سو تیس ۸۳۰ کھلاڑیوں نے حصہ لیا تھا۔



تعلیمی اداروں کو سرکاری اراضی: وزیرِ محصول کا بیان



وزیرِ محصول شری مدھوکر راؤ چودھری

حکومت نے طے کیا ہے کہ اسکول اور کالج کی بلڈنگوں کے لئے میونسپل حدود میں واقع حکومت کی زمینیں جاری بازار نرخ کے ۲۵ فیصد قبضہ جاتی قیمت پر اور کھیل کے میدان کے لئے جاری بازار کے ۱۰ فیصد قبضہ جاتی قیمت پر دی جائیں۔

اب تک ایسی زمینیں جاری بازار نرخ کے ۵۰ فیصد قیمت پر یا کرایہ پر دی جاتی تھیں۔ عام طور سے تعلیمی اداروں کا بڑی حد تک پرائیویٹ چندے پر انحصار ہوتا ہے۔ اس مشکل پر غور کرتے ہوئے حکومت نے مندرجہ بالا سہولت دینا طے کیا ہے۔

درخواست گذار ادارہ ایک تعلیمی ادارہ ہونا چاہئے جو سوسائٹی رجسٹر ایکٹ ۱۸۶۰ اور بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ء کے تحت رجسٹر شدہ ہو۔ ایسا تعلیمی ادارہ محکمۂ تعلیم سے تسلیم شدہ ہونا چاہئے اور تعلیمی پروگرام شروع کرنے یا بڑھانے کے لئے محکمۂ تعلیم کی سفارش بھی ہونا چاہئے ادارہ کو چاہئے کہ وہ حکومت کو مطمئن کرے کہ فی الوقت عمارت کے اخراجات کے لئے ان کے پاس ۲۵ فیصد رقم موجود ہے اور بقیہ ۷۵ فیصد رقم ۲ سال کے اندر جمع ہو سکے گی۔

یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ چند شرائط کے تحت کارپوریشن کے علاقوں کی زمینیں عام قیمت کے ۲۵ فیصد نرخ پر مندرجہ ذیل کے لئے دی جائیں:

(الف) مہاراشٹر پبلک لائبریری ایکٹ کے تحت رجسٹر شدہ پبلک لائبریریاں۔

(ب) سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء اور بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ء کے تحت رجسٹر شدہ غیر تجارتی اداروں کے ذریعہ چلائے جانے والے ملازم خواتین اور طلبہ کے لئے ہوسٹل۔

پونے شہر کے پسماندہ طبقہ کی چھ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو زمین کے عطیات

حکومت نے پسماندہ طبقہ کی کوآپریٹو ہاؤسنگ اسکیم کے تحت شیواجی نگر (بھمبوردہ)، گھوڑپڑی، ہڈپسر اور ارنڈاوانے میں واقع حکومت کی زمینوں میں سے لومبینی، لال بہادر شاستری، بھارتیہ والمیکی، دتہ کرپا اور ستیہ واڑی پسماندہ طبقہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو پلاٹ دینا منظور کر لیا ہے۔

اس منظوری سے پسماندہ طبقہ کے ۱۲۸ خاندان کو فائدہ ہوگا اور انہیں اپنے خود کے فلیٹ حاصل ہوں گے۔ سوسائٹی کے ہر ممبر کو اس اسکیم کے تحت ۲۰۰ اسکوائر فیٹ کا فلیٹ حاصل ہوگا نیز ممبران کو سوشیل ویلفیر ڈیپارٹمنٹ سے قرضہ اور دوسری رعائتیں حاصل کرنے کی سہولت ہوگی۔

حکومت کی زمینیں پسماندہ طبقہ کی کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹیوں کو جلد دیئے جانے کے لئے ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

محکمۂ محصول میں تلاٹھی کو ۲۰۰ اور سرکل کی ۶۰ زائد اسامیاں

یہ دیکھا گیا ہے کہ ریاست کے کچھ ضلعوں میں مجموعاً کام کے مقابلہ میں سرکل اور تلاٹھی سازوں کی بہت زیادہ قلت ہے اس لئے حکومت نے طے کیا ہے کہ ۹ ضلعوں میں تلاٹھی سازوں کی دو سو اور ۱۴ ضلعوں میں سرکل کی ۶۰ زائد اسامیاں نکالی جائیں۔

ضلع کلکٹروں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ کام کے بوجھ کو دیکھتے ہوئے نئے سازاس اور سرکل کے بارے میں غور کر کے ابتدائی کارروائی کریں۔

ناگپور میں ہونیوالے آئندہ اسمبلی اجلاس میں ان اضافی مطالبات کو پیش کیا جائے گا اور ان کے منظور ہونے پر تقرری کی جائے گی۔ ان زائد اسامیوں کے لئے تقریباً گیارہ لاکھ روپے سالانہ اخراجات برداشت کئے جائیں گے۔

تحصیلداروں کے لئے گاڑیاں : تمام تحصیلداروں کو دَورے کے لئے جیپ گاڑیاں دیئے جانے کے حکومت کے فیصلے کے مطابق ۱۵۲ تحصیلداروں کو جیپیں دی جا رہی ہیں۔ یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ باقی ماندہ ۸۰ تحصیلداروں کو بھی اسی سال جیپ دی جائیں۔ اس مقصد کیلئے ناگپور اجلاس میں مطالبہ پیش کیا جائے گا اور اس کے پاس ہونے .. پر اقدامات کئے جائیں گے۔

زائد زمین عطا کئے گئے افراد کو ایک کروڑ چھ لاکھ روپے کی امداد

مہاراشٹر اراضی ایکٹ (حد بندی) بابت ۱۹۶۱ء کے تحت آئی ہوئی زمین زمین، بے زمین اور زراعت پیشہ افراد وغیرہ میں تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ زمینیں جنھیں عطا کی جاتی ہیں، انھیں زراعت کے لئے نیز زمین سُدھارنے کیلئے حکومت ہند کی اسکیم کے تحت مالی امداد دی جاتی ہے۔ ہمارے مطابق کے مطابق حکومت ہند نے جاری سال ۷۷-۷۸ء کے دوران ۴۲۸ ۳۹,۹ روپے کی رقم ایسے زمینداروں کو دیئے جانے کے لئے منظور کی ہے۔ فصلی امداد دو موسموں میں ۲۵۰ روپے فی ہیکٹر کے حساب سے بیج، کھاد اور جراثیم کش دوائیں خریدنے کے لئے دی جاتی ہے۔ یہ امداد ان لوگوں کو دی جاتی ہے جنھیں یکم جنوری ۱۹۷۵ء کے بعد زمینیں عطا ہوئی ہیں۔

مالی امداد زمین سُدھارنے کے لئے بھی جیسے زمین ہموار کرنا، مدھ باندھنا وغیرہ کے لئے ۱۰۰۰ روپے فی ہیکٹر کے حساب سے دی جاتی ہے۔ اس میں سے ۵۰ فیصد امدادی رقم اور ۵۰ فیصد قرض ہوتا ہے حکومت ہند نے جاری مالی سال کے دوران مختصر عرصہ کے قرض کی جننت سے ۷۰,۷۷,۲۴ روپے کی رقم منظور کی ہے۔

فصلی امداد اور زمین کے سُدھار کے لئے گذشتہ سال حکومت ہند نے ۱۰۵۰۴۳,۴۰۰ روپے منظور کئے تھے جس میں سے غیر استعمال شدہ ۴۲ لاکھ روپیہ زائد زمین والوں، زراعت اور زمین کے سُدھار کے لئے موجود ہے اس طرح سے جاری سال کے لئے کُل ایک کروڑ ۶ لاکھ روپے کی رقم زراعت اور زمین کا سُدھار کرنیوالوں میں تقسیم کرنے کے لئے موجود ہے اور یہ تمام رقم ڈویژن کمشنروں کو دی گئی ہے۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ وہ فوراً اسے تقسیم کر دیں ۔ ابھی تک ۱۰۰۵۱۱ بے زمین افراد کو ۱۷۱۲۱۸ ہیکٹر زمین عطا کی گئی ہے۔

فوری توجہ کیلئے ترسیلِ زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر جو آپ کے خط یا پتے کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے، ضرور تحریر فرمایئے۔ (ادارہ)

وِدربھ میں ۲۲,۶۴ لاکھ خریف فصل کا نشانہ

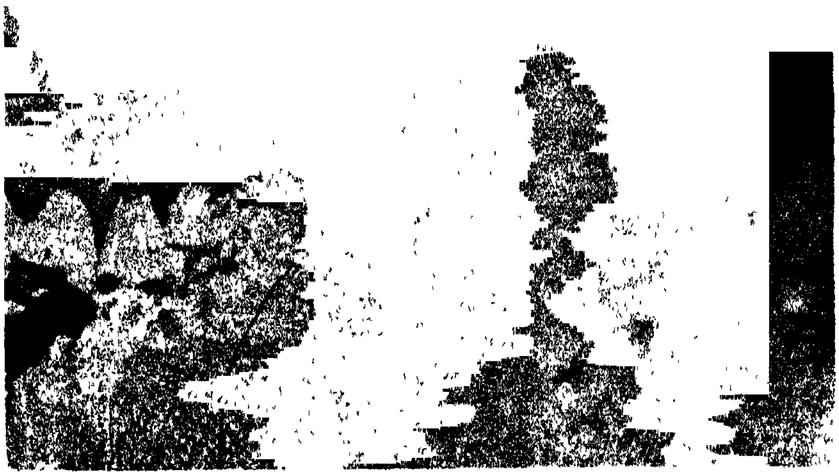
امسال وِدربھ کے آٹھوں اضلاع میں خریف فصل کی صورتحال بہتر ہے۔ مونگ کی فصل کی کٹائی کا کام زور و شور سے جاری ہے۔ مخلوط جوار، قریب قریب تیار ہے۔ کپاس کی فصل میں پھول لگ رہے ہیں اور مونگ پھلی تیار ہونے کے مراحل میں ہے بعض مقامات پر ربیع فصل کے لئے تِل بونے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ دیگر جگہوں پر ربیع فصل کے لئے دیگر تیاریاں مکمل کی جا رہی ہیں۔

فصل خریف میں مخلوط جوار اور دیگر اعلیٰ اقسام کے اناجوں کے لئے ڈویژن کو ۸۷۷۶۰۰ ہیکٹر اراضی الاٹ کی گئی تھی جبکہ ۸۴۳۹۵۲ ہیکٹر اراضی پر فصل اُگائی گئی۔ جس میں دھان کے لئے ۲۸۸۴۶۲ ہیکٹر مخلوط جوار کے لئے ۴۹۱۲۷۱ ہیکٹر۔ مختلف اعلیٰ قسم کی جوار کے لئے ۸۲۸۱۱ ہیکٹر اور مکئی کیلئے ۱۴۰۸ ہیکٹر۔ مخلوط جوار کی فصل ۴۳,۳۷ ہیکٹر اراضی پر بوکر ۴,۱۲۵ فیصد حصل کرکے مقررہ نشانہ کو پار کر لیا گیا۔ جبکہ دھان میں مقررہ نشانہ کا ۹۵,۵٪ حاصل ہوا۔

ڈویژن کے لئے حکومت کے ذریعے جاری فصل خریف میں اناج کی پیداوار کا نشانہ ۲۲۶۳۷۰۰ ٹن مقرر کیا گیا تھا مناسب بارش اور دیگر معاون باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ مقررہ نشانہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کُل پیداوار میں سے ۷,۵۸ لاکھ ٹن دھان، ۱۲,۵ لاکھ ٹن جوار، ۱۳۶۰۰ ٹن باجری، ۷۰۰ ٹن راگی، ۹۱۰۰ ٹن دیگر خریف فصل ۲,۱۷ لاکھ ٹن تور اور ۵۹,۵۰۰ ٹن دیگر خریف فصل کی دالیں پیدا ہونے کی امید ہے۔

پائیلیٹ پروجیکٹ : ریاست میں پچھلے سال سے فی ہیکٹر اناج کی پیداوار میں اضافے کی خاطر پائیلیٹ پروجیکٹ شروع کئے گئے ہیں۔ موجودہ سال کے دوران ناگپور ڈویژن میں مخلوط جوار کے لئے ۴۲۷ موضع جات پر مشتمل ۵۳ پائیلیٹ پروجیکٹ شروع کئے گئے زیادہ سے زیادہ موضع جات یعنی ۱۳۹ ایوت محل ضلع کے ہیں جہاں ۱۶ پائیلیٹ پروجیکٹ شروع کئے گئے۔ ڈویژن میں پائیلیٹ پروجیکٹ کے تحت ۲۲۰۵۲ ہیکٹر اراضی لائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ اقسام کی دھان کے لئے بھی ڈویژن میں ۲۱ پائیلیٹ پروجیکٹ بھی شروع کئے گئے ہیں۔

اس اسکیم کی خصوصیت یہ ہے کہ ۹ مخلوط جوار اور ۴ دھان کے لئے جاری کردہ پائیلیٹ پروجیکٹوں کا فائدہ چھوٹے اراضی کے مالکان کو حاصل ہوتا ہے۔ امسال پہلی مرتبہ، پائیلیٹ پروجیکٹ والوں اور تیل کے بیجوں کے لئے بھی جاری کئے گئے ہیں۔



متعدد انجمنوں کی طرف سے ۱۷ اکتوبر کی شب کارنیکا اسکول گراؤنڈ، کرلا میں عید ملن کا جشن منعقد کیا گیا جس میں مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے انرجی منصوبہ بندی و محنت شری ملہار راؤ ماہولکر نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی اور ہدیۂ عید مبارک پیش کیا۔ زیر نظر تصویر میں میاں احمد مرچنٹ وغیرہ دیگر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

ربیع مہم : حکومت کے ذریعے ڈویژن کے لئے آئندہ ربیع فصل میں ربیع اناج کا نشانہ ۶۹۱۶۰۰ ٹن مقرر کیا گیا ہے۔ پچھلے سال جو ربیع کے لئے اور گرما کی فصل کے لئے نشانہ ۶۸۸۶۰۰ ٹن مقرر کیا گیا تھا۔

جاری سال کے لئے مختلف اناج کی فصلوں کے لئے مقررہ نشانہ یوں ہے: ربیع جوار ۴۷ء۱ لاکھ ٹن، گیہوں ۹۴ء۳ لاکھ ٹن، چنا ۳۹۰۰۰ ٹن، دیگر ربیع فصل کی دالیں ۵۰۰۰ ٹن اور گرما کی دھان ۵۶۰۰۰ ٹن۔

نشانے کی تکمیل کے لئے ربیع فصل کے مخلوط اور اعلیٰ اقسام کے اناجوں کے لئے ۶۳۲۰۰ء۴ ہیکٹر اراضی پر ایک پروگرام وضع کیا گیا ہے، جس میں ۸۰۰۰ ہیکٹر مخلوط جوار، ۲۲ء۴ لاکھ ہیکٹر اعلیٰ اقسام کے گیہوں، ۲۰۰ ہیکٹر مکئی اور ۳۲۰۰ ہیکٹر موسم گرما کی دھان شامل ہے۔

آئندہ ربیع فصل کے لئے ڈویژن کے آٹھ اضلاع میں سے ۱۷۵۰ ہیکٹر اراضی کے لئے ۴۲ پائیلیٹ پروجیکٹ میں ۳۲ پروجیکٹ گیہوں کی فصل کے لئے ہوں گے۔

امداد باہمی محکمہ نے ۷۵ء۲ لاکھ ہیکٹر اراضی کے لئے ۹۳ء۸ کروڑ کا قرض مخلوط جوار اور اعلیٰ اقسام کے اناجوں کے لئے موجودہ خریف فصل کے لئے منظور کیا ہے۔ اس قرض میں سے ضلع بلڈانہ کے لئے ۳۳ء۲ کروڑ روپے کی رقم مختص کی جا چکی ہے۔

اس کے علاوہ ضلعی مرکزی امداد باہمی بنک کی جانب سے اور قومیائے گئے بنک کی جانب سے ۴۵ء۹۸ لاکھ روپے کی رقم خریف پائیلیٹ پروجیکٹ قرض کے لئے تقسیم کی جا چکی ہے۔

چھوٹے اخباروں کو نیوز پرنٹ کی فراہمی - معاہدہ پر دستخط

اسٹیٹ ٹریڈنگ کارپوریشن اور مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے درآمد کردہ نیوز پرنٹ کو چھوٹے اور درمیانی اخباروں میں تقسیم کے لئے ایک اعلیٰ اسکیم کے نفاذ کے لئے آج یہاں ایک پروٹوکول پر دستخط کئے۔ شری بی. ایس ٹھکر، ایگزیکیٹو ڈائرکٹر، ایس. ٹی. سی اور شری اے ایل یوئینگر وہار، مینجنگ ڈائرکٹر، ایم. ایس ایس آئی ڈی سی کے اپنے متعلقہ اداروں کی جانب سے معاہدہ پر دستخط کئے۔ یہ اسکیم مہاراشٹر، گوا، دیو، دمن پر نافذ العمل ہوگی۔

منترالیہ میں منعقدہ معاہدے پر دستخط کی اس تقریب میں شری

ایس. کے وانکھیڈے، وزیر صنعت؛ شری پی. ڈی کسبیکر، سکریٹری، محکمۂ صنعت؛ شری پی. ایس پلاندے، چیرمین، ایم ایس ایس آئی ڈی سی؛ شری نریندر تیواری، ہندوستانی زبانوں میں نکلنے والے اخبارات کے ادارہ کے صدر اور شری رتی لال سیٹھ، سکریٹری، آئی ایل این اے موجود تھے۔

یہ اسکیم رضاکارانہ طور پر جاری کی گئی ہے اور شریک ہونے والے اخبارات کو تقسیم اور کلیرنگ کے لئے ایم ایس ایس آئی ڈی سی کو اپنا ایجنٹ مقرر کرنا ہوگا۔ اس کے عوض اخبارات کو، فنانس کلیرنگ، ہینڈلنگ اسٹوریج، بیمہ مطالبات کا تصفیہ اور نیوز پرنٹنگ، کٹنگ وغیرہ کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔

شری وانکھیڈے نے ایم ایس ایس آئی ڈی سی اور آئی ڈی بی سی کو چھوٹے اخبارات کی مدد کے لئے اس اسکیم کے مرتب کرنے پر ستائش کی اور اس اسکیم کی کامیابی کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

شری نریندر تیواری، صدر آئی ایل این نے اس اسکیم کا خیر مقدم کیا اور امید ظاہر کی کہ اس طرح چھوٹے اخبارات کو مراعات حاصل ہونگی شری اے. ایل بونگیر وار نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

گورنر کے ہاتھوں نابیناؤں کی اسکول کا سنگ بنیاد

گورنر مہاراشٹر شری صادق علی نے نابیناؤں کے دادر اسکول کی پلاٹینم جوبلی تقریبات کے موقع پر بلائنڈ ریلیف ایسوسی ایشن بمبئی کے زیر اہتمام ایک تقریب میں نابیناؤں کیلئے ایک نئی اسکول کی عمارت کا ۱۲ ر اکتوبر کو بمبئی میں سنگ بنیاد رکھا

شری صادق نے مذکورہ اسکول کی کارگزاری کی ستائش کی اور سرکاری امداد کا یقین دلایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر نابیناؤں اور معذوروں کو اچھی تعلیم دی جائے تو وہ سماج کیلئے بیحد فائدہ مند ثابت ہوسکتے ہیں جیسے کہ دیکھا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنا کام لگن اور محنت سے انجام دیا کرتے ہیں۔

شری صادق علی نے فرمایا کہ جمہوری نظام کے رائج ہونے کے بعد نابیناؤں کی جانب سے عوامی رجحانات میں بھی کافی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے اس موقع پر رضاکار سماجی کارکنوں، اسکول کے سابق طلبا اور اسٹاف کی گورنر کے ہاتھوں عزت افزائی کی گئی۔

اسکول کی پرنسپل کماری پالکر نے ادارے کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ اس موقع پر شریمتی صادق علی نے اعزاز نامے پیش کئے۔ شریمتی ہنسا مہتا، کمیٹی کی چیرمین نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شری ایچ ایچ شاہ، اعزازی سکریٹری نے شکریہ ادا کیا۔

ہنگامی دودھ کارڈ

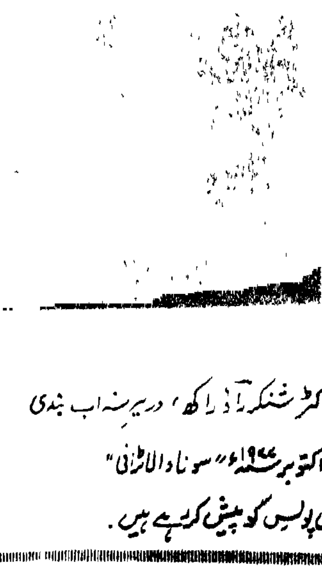
بمبئی عظمیٰ ملک اسکیم، ہول اور اسٹینڈرڈ دودھ کے ہنگامی کارڈ جاری کررہا ہے جوکہ ۲۸ ر فروری ۱۹۷۸ء تک کارآمد رہیں گے۔

دلچسپی لینے والے حضرات کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ یہ کارڈ درج ذیل تین سینٹروں ورلی، آرے کالونی اور کرلا؛ میں سے کہیں ایک پر صبح دس بجے سے دوپہر ساڑھے دس بجے کے دوران مناسب ثبوت مثلاً راشن کارڈ پیش کرکے حاصل کرسکتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ کے ہاتھوں کم لاگت پر بننے والے ہاؤسنگ پروجیکٹ کا افتتاح

ناگپور میں سماج کے پسماندہ طبقات کیلئے کم لاگت پر مکانات تعمیر کرنے کا سلسلہ میں ... ۹ روپے کی لاگت کے بنائے جانے والے مکان کو .. ۵۷ روپے میں تیار کرنے پر انجینئروں اور رضاکار اداروں کی وزیر اعلیٰ نے ستائش کی۔

وزیر اعلیٰ ۱۷ مکانوں کی ایک کالونی کا افتتاح کررہے تھے جو کہ مہاڈے ہاؤسنگ کوآپریٹیو کے ذریعے تعمیر کی گئی تھی۔



ڈاکٹر شنکر راؤ راکھے، وزیر سینا اب بندی ۷ ر اکتوبر ۱۹۷۷ء "سونا دا لاٹرانی" بمبئی پولیس کو پیش کررہے ہیں۔

شری سندر راؤ سولنکے، وزیر پبلک ورکس نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ مکانات کی تعمیر کا مطالبہ روز بروز بڑھ رہا ہے اور حکومت کے پسماندہ طبقات کے افراد کیلئے کم نرخ پر مکانات تعمیر کرنے کے پروگرام کو بغیر رضاکارانہ اداروں کی امداد کے آگے نہیں بڑھایا جا سکتا ہے۔

اپنے صدارتی خطبے میں شری سولنکے نے فرمایا کہ حکومت اسبات پر غور کرے گی کہ وہ پسماندہ طبقات کیلئے کم لاگتی مکانات کیلئے اپنے انجنیئروں کو کام کرنے کی اجازت دے۔

ڈاکٹر پی، وی، سالوی

گورنر مہاراشٹر و چانسلر شری صادق علی نے کوکن ایگریکلچرل یونیورسٹی کے ایگریکلچرل ڈپارٹمنٹ کے ڈپٹی، ڈاکٹر پی، وی، سالوی کو ۲۶ راکتوبر ۱۹۷۷ء سے کوکنی ایگریکلچرل یونیورسٹی، داپولی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے پانچ سال کے لئے نامزد کیا ہے۔

ڈاکٹر سالوی کی عمر ۴۶ سال ہے۔ آپ اعلےٰ تعلیمی قابلیت رکھتے ہیں اور کئی اسکالرشپ حاصل کر چکے ہیں۔ آپ نے کئی ریسرچ طالب علموں کی رہنمائی کی ہے۔ اور آپ کے کئی مقالے و مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

مدت میں توسیع

زراعت پیشہ مزدوروں کو مختلف علاقوں اور موسم میں روزگار مہیا کئے جانے کے لئے اُن کی حالتِ ملازمت مثلاً اقل ترین شرح اجرت اور موجودہ زون وغیرہ پر نظر ثانی کرنے کی خاطر حکومت مہاراشٹر کی جانب سے مقررہ کردہ کمیٹی کی مدت کار میں ۳۱ ردسمبر ۱۹۷۷ء تک توسیع کر دی گئی ہے۔

منصوبہ جاتی یکجہتی کیلئے ورکنگ گروپ کی تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے علاقائی منصوبہ اور ضمانتِ روزگار اسکیم میں رابطہ قائم کرنے کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بلاک لیول منصوبوں کی یکجہتی قائم کرنے کے مسئلے پر غور و خوض کرنے کے لئے ایک ورکنگ گروپ کی تشکیل کی ہے۔

شری وی، ایس، پاگے، مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل کے چیئرمین اس گروپ کی صدارت کریں گے۔ گروپ کے دیگر ممبران یہ ہیں:

پروفیسر ایم ایل، دانت والا۔ پروفیسر وی ایم، ڈانڈیکر۔ ڈاکٹر وی، وی بورکر۔ ڈاکٹر ایم اے چندرکر۔ شری وی، سبرامنیم، سیکریٹری، پلاننگ ڈیپارٹمنٹ، اور ڈپٹی سیکریٹری، پلاننگ ڈیپارٹمنٹ (سیکریٹری)۔

یہ گروپ ریاست میں ضمانت روزگار اسکیم پر عمل درآمد کرنے کی خاطر بلاک منصوبوں کی تیاری کیلئے رہنما اصول بنائے گا۔ اسکے علاوہ ضمانت روزگار اسکیم کے کام کاج کے متعلق بلو پرنٹ بنانے کے موجودہ طریقۂ کار کا جائزہ لے گا۔ نیز بلو پرنٹ کی تیاری میں بلاک کیلئے کام کرنے والوں کی تعداد کے بجٹ کی روشنی میں ترقیاتی تجاویز پیش کرے گا۔ بلاک لیول پر پلاننگ عہدیداروں کیلئے تربیتی پروگرام کس طرح وضع کئے جائیں اس سلسلہ میں بھی یہ گروپ تجاویز پیش کرے گا۔

زمینی حد بندی ایکٹ کے تحت چھوٹ کی درخواستیں

حکومت مہاراشٹر مشورہ دیتی ہے کہ شہری آراضی (حدبندی اور ضابطگی) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے سیکشن ۱۹ اور ۲۰ کے تحت چھوٹ کی درخواستوں کے ساتھ پوچھ تاچھ متعلقہ شہری علاقے کے کامپیٹنٹ اتھارٹیز اور ڈپٹی کلکٹران، شہری زمین حدبندی سے کیجائے کیونکہ ایسی تمام درخواستیں چھان بین کیلئے انہیں کو بھیجی جاتی ہیں۔

ایکٹ کے تحت جو اشخاص حدبندی سے فاضل زمین رکھتے ہیں وہ چھوٹ کیلئے ریاست کو درخواست دے سکتے ہیں۔

درخواستیں سیکریٹری، جنرل ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ (یو ایل سی)، منترالیہ، بمبئی کو خطاب کی جائیں اور پھر انھیں مزید کارروائی کے لئے متعلقہ کامپیٹنٹ اتھارٹیز کو بھیجی جائیں۔

درخواست کنندوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ درخواستیں براہ راست منترالیہ کو نہ بھیجیں کیونکہ ایسی درخواستوں کی چھان بین کامپیٹنٹ اتھارٹی کرتا ہے اور تب حکومت کے پاس آخری فیصلے کیلئے داخل کرتا ہے۔

بلڈانہ میں ادویہ کا پہلا بنک

غریب اور ضرورتمند افراد کیلئے سرکاری اسپتال میں ادویہ کا پہلا بنک قائم کرکے ضلع بلڈانہ نے ریاست میں امتیازی مقام حاصل کیا ہے۔

اس بنک کے ذریعہ اب تک ... ۱۵ روپے کی قیمتی دوا یئے

انجکشن وغیرہ ...۲۰ ضرورتمند مریضوں کو ایک سال کیلئے کم عرصے میں سپلائی کئے جا چکے ہیں۔

سول سرجن ڈاکٹر ڈی، کے، کدسنے کے ایماء پر ایک بنک جاری کیا گیا تھا۔

سرکاری اور نجی ڈاکٹروں کو مینوفیکچرنگ فرموں سے جو قیمتی دوائیوں کے مختلف نمونے ملتے ہیں انکو بطور عطیہ یہ ڈاکٹر یہاں باقاعدہ سپلائی کرتے رہتے ہیں۔

عموماً اسپتال کے اسٹاک سے ہی مریض کو دوائیں دی جاتی ہیں بصورت دیگر ادویہ بنک سے یہ دوائیں فراہم کی جاتی ہیں۔

پبلک پراویڈنٹ فنڈ کے مقررہ ایجنٹوں کیلئے حوصلہ افزائی کی اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے پبلک پراویڈنٹ فنڈ کے مقررہ ایجنٹو ل کیلئے ایک خصوصی ترغیبی اسکیم وضع کی ہے جس کی رو سے ریاست میں سال برائے ۷۸-۷۷ ۱۹ء کے دوران اب ایجنٹ اس قابل ہوسکیں گے کہ وہ چھوٹی بچت میں زیادہ سے زیادہ رقم مہیا کرسکیں گے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس اسکیم میں شریک کرسکیں۔

اس تحریک کیلئے ریاست کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اسکے مطابق بمبئی عظمیٰ کو گروپ نمبر۱ میں رکھا گیا ہے جسمیں بنیادی نشانہ ...۵۰ر روپیہ ہے۔ پونہ، شولاپور، ناگپور اور کولہاپور کے میونسپل کارپوریشن کے علاقوں کو گروپ نمبر۲ میں رکھا گیا ہے اور اُن کا بنیادی نشانہ ...۳۰ر روپے ہے۔ گروپ نمبر۱ اور گروپ نمبر۲ کے علاوہ باقیماندہ اضلاع گروپ نمبر۳ میں رکھے گئے ہیں۔ جن کا بنیادی نشانہ ...۲۰ر روپے ہے۔

اگر ان ایجنٹوں نے اپنا نشانہ پورا کر لیا تو انھیں کل رقم پر ۱ء۰ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔ یہ کمیشن اسکے علاوہ ہوگا جو انھیں مرکزی حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

تیل کے بیجوں کی پیداوار میں اضافے کیلئے اقدامات

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں تیل کے بیجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کسم کے پھولوں کی پیداواری علاقوں میں اضافہ کی غرض سے زبردست مہم جاری کی ہے۔

اس پروگرام کے تحت ...۶۰ر ۵ ہیکٹر زمین کسم کے پھولوں کے لئے کام میں لائی جائے گی۔ جس سے توقع ہے کہ ...۲۲۴ر۲ میٹرک ٹن پیداوار ہوگی۔

مہاراشٹر میں کھانے کے لئے تیل کی سالانہ کھپت ۲۷ء۲ لاکھ ہے جبکہ مونگ پھلی اور کسم سے نکلنے والا تیل ۱۹ء۲ لاکھ ٹن ہے۔ اس طرح تقریباً ۱۵۰۶ لاکھ ٹن کا خسارہ پیدا ہوتا ہے۔ عموماً ۹۹ فیصدی تیل کے بیجوں کی پیداوار مانسونی حالات میں کی جاتی ہے۔

اورنگ آباد، پونہ، اور کولہاپور، ڈویژن کے کچھ علاقوں میں اور امراؤتی ڈویژن کے ضلع بلڈانہ میں یہ فصل مشترکہ فصل کے طور پر یا انفرادی طور پر اگائی جاتی ہے۔

سوکھے کے سالوں میں فصل کی اچھی پیداوار نے محکمہ زراعت میں کسم کے فصلی علاقوں کو بڑھانے اور اسے دوسرے درجہ کی فصل قرار دینے کیلئے بڑے پیمانے پر تحریک شروع کرنے کا حوصلہ پیدا کیا ہے۔

خواتین کی بہبود کیلئے کمیٹیوں کی دوبارہ تشکیل

خواتین کیلئے قومی منصوبہ پر عمل درآمد کرنے کی خاطر حکومت مہاراشٹر نے ریاستی سطحی کمیٹی اور اسٹیرنگ کمیٹی کی دوبارہ تشکیل کی ہے۔

وزیر اعلےٰ ریاستی سطحی کمیٹی کے صدر رہیں۔ اور وزیر برائے سماجی بھلائی اور ثقافتی امور اس کے نائب صدر رہیں۔

یوتھ فورم!

'قومی راج' کے ۷ مئی ۱۹۷۷ء کے شمارے سے ہم نے "یوتھ فورم" کا ایک مستقل فیچر شروع کیا ہے۔ یہ نیا فیچر کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔

اس فیچر میں قوم کی سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی کی مہم، چھوت چھات کا خاتمہ، تعلیم کے فروغ وغیرہ پر تحریر کئے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔ اپنے مضامین مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیے:

ایڈیٹر پندرہ روزہ 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ،
۱۵واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

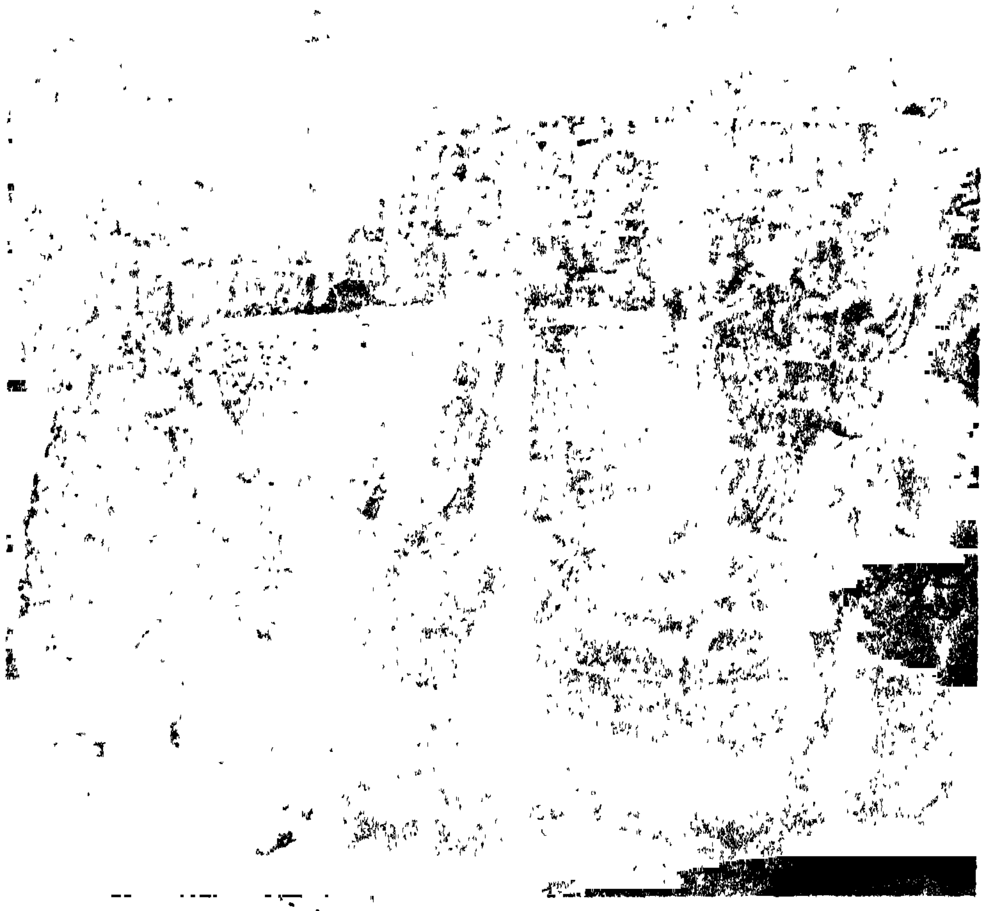


غارہائے" ایلورہ " ہندوستانی سنگ تراشی
ور بُت سازی کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس تصویر
بں غار ۳۲ میں دیوی ۔ سدھیکی (جین دیوی)
نیچے غار نمبر ۲۹ میں
ایئں طرف .. شیو اور پاروتی پاسہ کھیلنے میں
مصروف ۔
ئیں طرف .. راون کیلاش کو ہلاتے ہوئے ۔



Qaumi Raj Reg
MH-BY-South-

Licence No 89
without prepayr
of postage



ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی میں چھپواکر شائع کیا۔



قومی زبان

۲۵ نومبر

قیمت: ۵۰ پیسے



معزّی تسلیمات ۔!

ابھی ابھی 'قومی راج' کا شمارہ نظر سے گذرا۔ قومی راج دن بدن نکھرتا جارہا ہے اور یہ سب کچھ آپ کی پُرخلوص کوششوں کا ہی نتیجہ ہے۔ قومی راج کو معلوماتی مضامین کا ڈائجسٹ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

بیشک حکومت قابل مبارکباد ہے کہ اس نے اتنی کم قیمت میں جاذب نظر فوٹو آفسیٹ کی چھپائی کے ساتھ، معلوماتی مضامین سے پُر قومی راج جیسا رسالہ عوام کو پیش کیا ہے۔ اس بامقصد رسالہ کو تو ہر تعلیمی اور عوامی اداروں کی لائبریریوں کی زینت بننا چاہیئے۔ خاص طور سے اسکول اور کالجوں کے ذمّہ داروں کو چاہیئے کہ وہ قومی راج کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنیں تاکہ طالب علم اس سے فیض اُٹھا سکیں۔

اب یہ جان کر مسرت ہوئی کہ قومی راج اپنی قابل تعریف روایت کو برقرار رکھتے ہوئے 'اقبال نمبر' پیش کر رہا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نہ صرف ایک اعلیٰ مفکّر اور چوٹی کے شاعر تھے بلکہ ایک سچے محبِ وطن بھی تھے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

نغمہ ڈاکٹر اقبال کی حب الوطنی کا مایہ ناز ثبوت ہے۔ یہ نغمہ کل تک آزادی کے متوالوں میں جوش و ولولہ پیدا کرتا تھا تو آج فرقہ وارانہ بیر مٹا کر سا ہندوستانی بننے اور ہموطن ہونے کی حیثیت سے بھائی چارہ قائم کرنے پیغام دیتا ہے۔ ایسی گراں مایہ ہستی کو قومی راج کا خراج عقیدت [illegible] ہونا چاہیئے۔ دعا کرتی ہوں کہ آپ کے حوصلے بلند ہوں اور 'اقبال نمبر' گنجینۂ ادب ثابت ہو۔

زیب النساء اقبال۔ بمبئی نمبر ۸

•

مدیر محترم، تسلیمات!

ادھر کچھ شماروں میں 'قارئین کی رائے' کالم کے تحت اس قسم کے مطالبات نظر سے گذرے کہ رسالے میں ادبی تخالیق کی کمی ہے۔ افسانے نہیں ہیں، نظمیں نہیں ہیں۔ مجھے افسانوں یا غزلوں کی اہمیت سے انکار نہیں ہے، قومی راج کے نئے پیرہن میں افسانوں اور غزلوں کے سلمیٰ ستارے نہیں ہیں لیکن جو مضامین فی الوقت اس میں پیش کئے جاتے ہیں، کیا ان کی اثر آفرینی کچھ کم ہے؟ ریاستی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی جھلک کیا کسی افسانے سے کم دلکش ہوتی ہے؟ قومی ترقی میں ہماری ریاست کیا کردار ادا کر رہی ہے' اس کا بیان کیا کسی غزل سے کم دل آویز ہے؟ کامیابی کی کہانی، یوتھ فورم، سوال و جواب، سماجی، ثقافتی، اقتصادی اور صنعتی پیش قدمی پر خصوصی مضامین کیا کسی معرّیٰ نظم سے کم دلفریب ہیں؟ کیا یہ موضوعات ادبی موضوعات نہیں کہے جا سکتے؟

یہ حقیقت پسندی کا دور ہے، گھسے پٹے پلاٹ اور بے ربط عبارت کو ادب کہنا، پوچ قوافی کے سہارے غزل کی بے ہنگم عمارت کھڑی کرنا محض ایک خواب ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ افسانہ یا غزل وقتی طور پر متاثر کن ضرور ہو سکتے ہیں مگر کتنے فیصد افسانے یا کتنی فیصد غزلیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں قاری بار بار پڑھ سکتا ہے؟ قومی راج میں جو کچھ اس وقت پیش کیا جارہا ہے وہ "حوالہ" کے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے۔ قومی راج کے ہر شمارے کو مہاراشٹر کی انسائیکلوپیڈیا کا ضمیمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

نام نہاد "ادبی تخالیق" کے لئے اُردو کے بہت سے اخبار و رسائل کافی ہیں۔ آج کے ادبی حلقے کے جو افراد قومی راج کے مطالعے کے لئے اس وجہ سے پس و پیش کرتے ہیں کہ اس میں ان کے مذاق کا کوئی سامان نہیں ہوتا، وہ خود اپنے آپ سے مذاق کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سچائی سے منہ موڑتے ہیں' روزمرہ کے تحریروں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کل کو شاید وہ یہ مطالبہ بھی کر بیٹھیں کہ ہماری نصابی کتابوں میں بڑے خشک مضامین پائے جاتے ہیں ان میں بھی کچھ افسانے اور چند غزلیں شامل کی جائیں۔

سیّد آل رسول نظمی۔ پیڈر روڈ، بمبئی

قومی راج

جلد نمبر ۴ • ۲۵ر نومبر ۱۹۷۷ء • شمارہ نمبر ۲۱

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ؛ فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب

مینجنگ ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

چیف ایڈیٹر: موہن ناڈکرنی

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹرز: عبدالوحید خاں جامعی
فیروزہ خان

سخنہائے گفتنی

جیسا کہ پچھلے شمارے میں اعلان کیا جاچکا ہے، قومی راج کے ڈاکٹر اقبال خصوصی نمبر کی تیاری جاری ہے۔ اس سلسلہ میں اہل قلم حضرات سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے رشحات قلم جلد از جلد روانہ فرمائیں۔ کیونکہ یہ خصوصی نمبر ۲۰ر دسمبر تک شائع ہوگا اس وجہ سے اس ماہ کے آخیر تک مضامین کا دفتر میں پہنچایا جانا ضروری ہے تاکہ ہمیں تمام مضامین سلیقے کے ساتھ پیش کرنے کا وقت مل سکے۔

زیر نظر شمارے میں شری اُدے سنگھ راؤ گائیکواڑ کا بیان جو انھوں نے ۴ر نومبر ۱۹۷۷ء کو نئی دہلی میں منعقدہ اسٹیٹ منسٹرس آف انفارمیشن کی کانفرنس میں دیا تھا، شامل ہے۔

خاص مضمون کی حیثیت سے "میڈک۔ جدید زراعت کی محرک" شامل کیا گیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حکومت نئے آلات اور عمدہ قسم کی کھاد کے ذریعے کس طرح زراعتی پیداوار میں ترقی حاصل کر رہی ہے۔ زرعی پیداوار ہی ہماری بنیادی ضرورتوں میں سے اولین ہے جس کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔

اس مرتبہ آپ "اضلاع کی جھلکیوں" میں 'اورنگ آباد' کے بارے میں بڑا عمدہ اور معلوماتی مضمون پڑھیں گے۔ مہاراشٹر کے شہروں میں حالانکہ اورنگ آباد نے خاطر خواہ ترقی حاصل نہیں کی ہے مگر اس شہر کی تاریخی عظمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

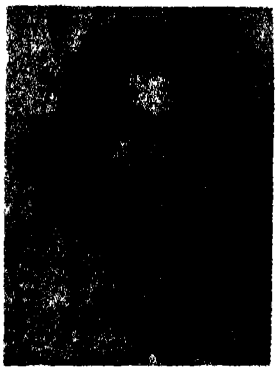
خواجہ عبدالغفور

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز
گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔ منترالیہ، بمبئی ۳۲ ۴۰۰۰۰

پبلسٹی کے لئے خاص طریقۂ عمل کی ضرورت

شری گائیکواڑ کی مرکزی حکومت سے گذارش



شری یو۔این گائیکواڑ، وزیر مملکت برائے جنرل ایڈمنسٹریشن، حکومت مہاراشٹر نے حال ہی میں نئی دہلی میں منعقدہ ریاستی وزرائے اطلاعات کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مرکزی حکومت سے گذارش کی کہ وہ خاص طریقہ کار وضع کرے تاکہ پبلسٹی سے متعلق مختلف سفارشات زیر عمل لائی جاسکیں جو کانفرنس نے پیش کی ہیں۔

پبلسٹی کے لئے فیصد بنیاد پر رقومات مختص کرنے کے بارے میں وزیر موصوف نے فرمایا کہ کیونکہ عرصہ دراز سے اس سفارش پر عمل نہیں ہوسکا ہے۔ لہذا ترقیاتی سرگرمیوں کو مؤثر پبلسٹی نہیں دی جاسکی منصوبہ کے تحت ان سرگرمیوں کے پرچار کے لئے معینہ طریقہ عمل وضع کرنا ہی پڑے گا۔

چھوٹے اور خصوصاً دیسی زبانوں کے اخبارات کی مدد کے لئے حکومت مہاراشٹر کے اقدامات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں معینہ ہدایات اور رہنمائی سے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

اشتہارات کا بڑا حصہ بڑے اخبارات حاصل کرلیتے ہیں اور ریاستی حکومت نیک خواہشات کے باوجود چھوٹے اخبارات کی مدد سے قاصر رہتی ہے۔ حکومت چھوٹے اخبارات کو رعایتی قیمت پر پرنٹنگ سامان اور اخباری کاغذ کی فراہمی، کم خرچ پر اخباری دورے کی سہولت، کافی سرکاری اشتہارات اور ٹیلی پرنٹر کرایہ میں رعایت وغیرہ کی شکل میں امداد دے سکتی ہے۔

آپ نے مرکزی حکومت سے یہ بھی گذارش کی کہ ٹیلی پرنٹر لائن لنکس جس سے چھوٹے اخبارات کو خبریں پھیلانے میں مدد ملتی ہے، ریاستی حکومت کی جانب سے مطالبہ پر ترجیحی بنیاد پر مہیا کئے جائیں۔

بڑے بڑے اخبارات کو دی جانیوالی ڈی اے وی پی اشتہارات کی اعلیٰ شرح کے بارے میں آپ نے یہ مشورہ دیا کہ اس معاملے میں مساویانہ پالیسی اختیار کی جائے تاکہ ان میں فرق کم تر ہو۔

کانفرنس میں شری گائیکواڑ کی پیش کردہ دیگر خاص سفارشات یہ ہیں:

چھوٹے اور ضلع اخبارات کے مدیروں کے لئے ملک گیر دورے کا انتظام، پسماندہ اور ادیباسی علاقہ جات وغیرہ میں ٹیلی ویژن پروگرام کی براہ راست رسائی کے لئے تجربہ میں مہاراشٹر کی شرکت۔

ریاستی صدر مقامات پر بھارت درشن دورہ میں اخباری نمائندوں کی ناکافی نمائندگی کے مدنظر شری گائیکواڑ نے ایک طرف دہلی سے آنیوالے اور دوسری طرف ریاست سے آنیوالے صحافیوں کے لئے دوطرفہ تبادلہ کی ضرورت پر زور دیا۔

••

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج'، میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونیوالے بہتر اور خیال انگیز خط پر ۲۵ روپے کا انعام بھی دیا جاتا ہے۔

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کرسکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھیئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔

اپنے خطوط آپ مندرجہ ذیل پتے پر روانہ فرمایئے:

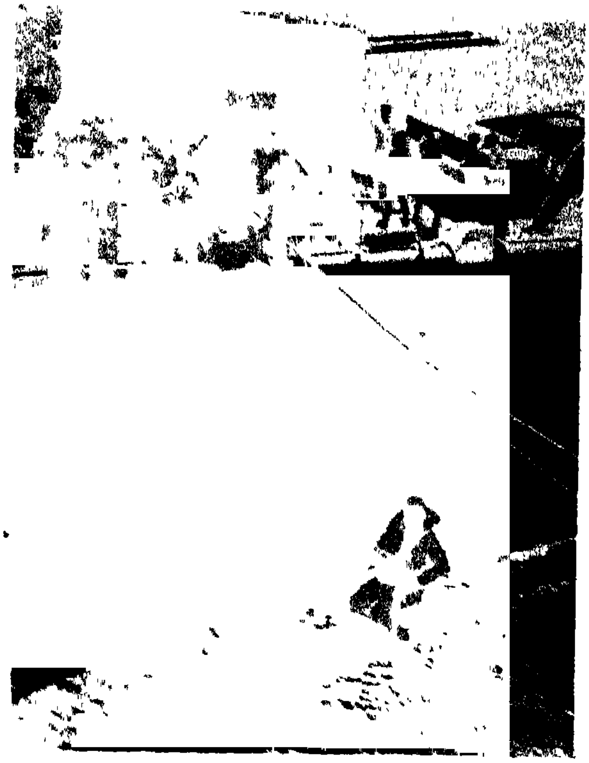
مدیر پندرہ روزہ 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ،

۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

وزیر اعظم مرارجی دیسائی
بمبئی میں ۲ روزہ مصروفیات

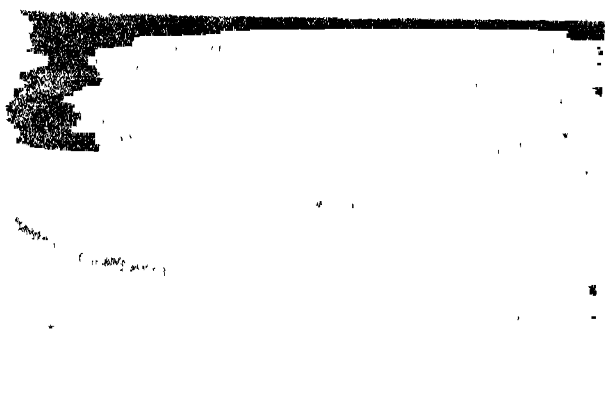


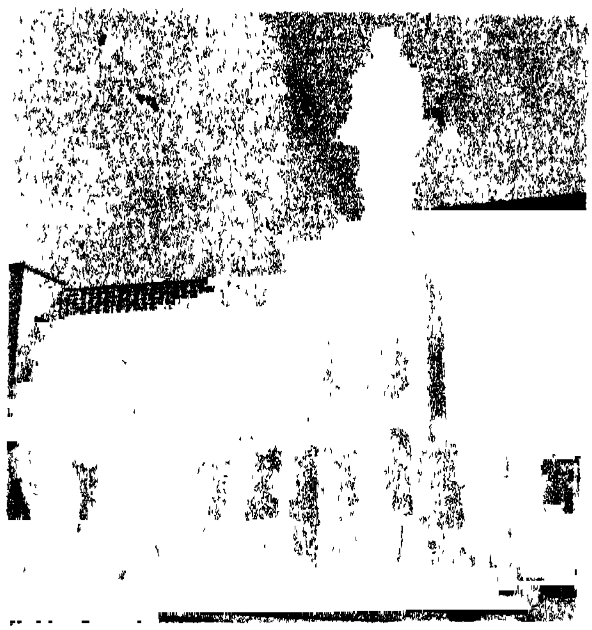
وزیر اعظم، شری مرارجی دیسائی، سردار ولبھ بھائی پٹیل کے مجسمہ کی گل پوشی کرتے ہوئے۔



وزیر اعظم، شری مرارجی دیسائی ۲۰ راکتوبر کو بمبئی سے آگے سمندر میں 'بحری مشق' کے دوران 'جیک اسٹے' کے ذریعے آئی۔ این۔ ایس 'ڈونگری' سے 'نیلگری' جا رہے ہیں۔

عرشہ پر صف بستہ ملاح اپنی ٹوپیاں لہرا کر وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی کو سلامی دیتے ہوئے۔





۳۱ اکتوبر کو سردار ولبھ بھائی پٹیل اسٹیڈیم میں سردار پٹیل کے مجسمہ کی گل پوشی کے بعد کی ایک یادگار تصویر جس میں وزیرِ اعظم شری مرارجی دیسائی، مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی، وزیرِ اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، تاملناڈ کے گورنر شری پٹواری دیکھے جا سکتے ہیں۔

وزیرِ اعظم نے ۳۰ اکتوبر کو ممبئی مراٹھی ساہتیہ سنگھ، ممبئی میں لٹل تھیٹر (بال رنگ بھومی) کا آٹھواں شو دیکھا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔



• ضیاء زخمی کھام گانوی

آئی ہے دیوالی

سج دھج کے نئے رُوپ میں آئی ہے دیوالی
پھر بن کے گھٹا کیف کی چھائی ہے دیوالی

•

امّید کے سُورج کی شعاعوں میں نہا کر
انگڑائیاں لیتی ہوئی آئی ہے دیوالی

•

مُفلس ہو کہ زردار بہر حال سبھی نے
کیا خوب مسرّت سے منائی ہے دیوالی

•

ظلمت کا بدن چیر کے نکلے ہیں اُجالے
زخموں کا مداوا لئے آئی ہے دیوالی

•

ہر سمت سرِ شام پٹاخوں کی صدائیں
دلکش سے مناظر میں سمائی ہے دیوالی

•

تسکینِ دل و جاں کے لئے ہم نے بھی زخمی
رنگین چراغوں سے سجائی ہے دیوالی

لیلا مولگاؤنکر کے ساتھ چند لمحات

• نورجہاں قاضی
سب ایڈیٹر 'لوک راجیہ' (انگلش)



شریمتی لیلا مولگاؤنگر

سماجی بہبود کے میدان میں شریمتی لیلا مولگاؤنکر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے خاص طور سے رضاکارانہ طور پر خون کا عطیہ دینے کی مہم سے وابستگی کی بناء پر آپ کو ایک ممتاز مقام کب کا حاصل ہوچکا ہے اس سال سے آپ نے سینٹرل سوشیل ویلفیئر بورڈ کے چیرمین کی ذمہ داری بھی سنبھال لی ہے۔

شریمتی لیلا مولگاؤنکر کا جنم بمبئی میں ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے سینئر کیمرج کا امتحان پاس کیا اور سینٹ جارج اسپتال میں بطور نرس کے اپنے سوشیل سروس کیریئر کا آغاز کیا۔ آج آپ کئی سماجی بہبود سے متعلقہ ادارہ جات میں ذمہ دار عہدوں پر فائز ہیں۔ آپ ٹاٹا ریلیف کمیٹی کی چیرمین اور بلڈ بنک ایسوسی ایشن کی وائس چیرمین اور سکریٹری بھی ہیں۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں آپ بمبئی کی 'شریف' بھی رہ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ اکورتھ لیپرسی اسپتال کے مینجمنٹ بورڈ کی ممبر بھی ہیں۔

سماجی بھلائی کے کاموں میں آپ کی اعلیٰ کارکردگی کی بناء پر شمالی بمبئی 'جے سیز' نے آپ کو ۱۹۷۵ء میں "ممتاز شہری" کا خطاب بھی عطا کیا، نیز 'لائنز انٹرنیشنل' کا "ڈسٹرکٹ سٹیزن" کا انعام بھی آپ کو بخشا گیا جو کہ اچاریہ اترے فاؤنڈیشن کے علاوہ ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

رحمدلی اور ہمدردی ہی انسانیت کا زیور ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ خواتین میں یہ جذبات بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بیوہ کی کتھا یا ایک ستم رسیدہ انسان کی دکھ بھری داستان سنتے وقت خواتین کے جو تاثرات ہوتے ہیں وہ زیادہ فطری اور گہرے ہوتے ہیں۔

اور آج جب سینٹرل سوشیل ویلفیر بورڈ کی نئی چیرمین شریمتی لیلا مولگاؤنکر سے مجھے پہلی مرتبہ شرف ملاقات حاصل ہوا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ خاتون صحیح معنوں میں ایک سوشیل ورکر کہلانے کی حقدار ہیں۔ ان کا ہمدردانہ رویۂ ملائم آواز اور لوگوں سے ملنے کا انداز (کم از کم ایک درجن ملاقاتی اس انٹرویو کے دوران اُن سے ملنے آئے) اور پھر سب سے بڑھ کر ان کے ہونٹوں پر جو دلکش تبسم تھا وہ ان کے اندر چھپے ہوئے ایک ہمدرد انسان کی غمازی کر رہا تھا۔

ان کے ملاقاتیوں میں ایک بے حد غریب خاتون تھی۔ اس کے ہر انداز سے غربت ٹپکتی تھی پھٹے پُرانے چیتھڑوں میں وہ شریمتی مولگاؤنکر سے مدد مانگنے آئی تھی۔ شریمتی مولگاؤنکر نے اپنا پرس کھولا اور کچھ روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ جب وہ خاتون چلی گئی تب میں نے پوچھا کہ "آپ کس طرح یہ اندازہ لگالیتی ہیں کہ یہ لوگ سچ مچ مدد کے قابل ہیں ہوسکتا ہے ان میں بہت سے فراڈ یا مکار لوگ آپ کے پاس آتے ہوں!"

انھوں نے مسکراکر جواب دیا "یہ چیزیں تو یہاں ہوتی ہی ہیں۔ میں خو[د] خیرات پر یقین نہیں کرتی ہوں، لیکن جب میں ادارہ جات کی مدد کے لئے رقم دینا چاہتی ہوں تو کافی احتیاط برتتی ہوں، اس وقت میں واقعی کا[فی] چھان بین کرکے اور محتاط ہوکر قدم اُٹھاتی ہوں"۔

سینٹرل سوشیل ویلفیر بورڈ کی صدارت کی بنا پر ۵ کروڑ روپے کی کثیر رقم کو مختلف ریاستوں کے سوشیل ویلفیر ادارہ جات میں تقسیم کرنے کا کام انھیں کو کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ انھیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت بھی ہے تاکہ جو ادارہ جات صحیح معنوں میں مستحق ہیں وہ اس مدد سے پوری طرح مستفید ہوسکیں۔

"ان ادارہ جات کو (سوشیل ویلفیر باڈیز) مجھ سے دھوکہ نہیں کرنا چاہئے ز رخود میرے لئے بھی یہ جاننا بیحد ضروری ہے کہ ان کی سرگرمیاں کیا ہیں ۔ ہیں جو رقم بطور امداد دی جا رہی ہے وہ اس کا استعمال کس طرح کریں گے ز رکس مقصد کے لئے کریں گے!" انھوں نے جواب دیا۔

"آپ کس طرح یہ بات معلوم کریں گی؟" میں نے پوچھا۔

"میں ایک تحقیقاتی پروگرام وضع کرنا چاہتی ہوں' تاکہ بذاتِ ود جا کر یا اپنے ورکروں کو بھیج کر ان ادارہ جات کا معائنہ کیا جا سکے اور س بات کا بھی اطمینان کر لیا جائے کہ جو رقم ان اداروں کو دی جانیوالی ہے وہ رائیگاں نہیں جائے گی"۔ انھوں نے جواب دیا۔

میں نے ایک بات اور محسوس کی کہ ہمدرد اور رحم دل ہوتے ہوئے بھی وہ کسی قسم کی بدعنوانی کو قطعی برداشت نہیں کر سکتی ہیں۔ اور نہ ہی اس معاملہ میں سمجھوتہ کرتی ہیں، مثلاً فون پر وہ کسی سے بات کر رہی تھیں میں نے ان کے لہجہ میں سختی اور غصہ محسوس کیا۔ وہ کسی سے کہہ رہی تھیں کہ اس طرح ایک سوشیل ورکر کا اپائنٹمنٹ نہیں ہونا چاہیئے جب تک کہ اس شخص کے بارے میں مکمل معلومات نہ ہوں۔ اسے اس کام کے لئے کیسے چُنا جا سکتا ہے اور اس کے بعد انھوں نے ایک اٹل 'نہیں' کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔

ان کے لہجہ کی سختی کی بنا پر میں یہ پوچھ بھی نہ سکی کہ وہ کس سے مخاطب تھیں، ہو سکتا ہے کوئی نوکری کا خواستگار ہوگا اور وہ اس کی قابلیت جانے بغیر کچھ کرنے کے لئے تیار نہ تھیں۔ اس ناخوشگوار واقعہ سے مجھے ایسا لگا کہ شاید اب انٹرویو سے ان کی دلچسپی ختم ہو گئی ہوگی۔

لیکن خلافِ توقع انھوں نے دوبارہ سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بڑی ملائمت سے کہا "بیک وقت کئی افراد نوکری چاہتے ہیں' اب بتائیے میں ہر ایک کو کیسے نوکری دے سکتی ہوں"۔

میں نے سوال کیا "زیادہ تر سوشیل ورکروں کو بیروزگاری اور غریبی کے مسائل سے ہی دوچار ہونا پڑتا ہے تب بجائے کچھ اور کرنے کے کیوں نہ پہلے اسی مسئلے سے نپٹا جائے؟" انھوں نے میرے سوال کو مکمل ہونے سے قبل ہی کہا "تمھارا مطلب ہے کہ ہم ہر ایک شخص کے لئے نوکریاں تلاش کریں اور پھر اتنی اسامیاں نکلیں گی کہاں سے؟" انھوں نے کہا۔

اور پھر انھوں نے مجھے ایک دلچسپ واقعہ سُنایا۔ "ایک مرتبہ ایک شخص کی حالت بہت نازک تھی میں نے اپنا خون دیکر اُسے بچا لیا تھا۔ صحتیاب ہونے کے بعد وہ شخص اپنے گاؤں واپس چلا گیا وہاں اُسے پتہ چلا کہ میں نے اُسے خون دیا تھا۔ اس نے مجھے ایک دھمکی آمیز خط لکھا، جس میں درج تھا "چونکہ میں نے اُسے مرنے سے بچا لیا لہذا اب مجھے اس کے لئے ایک نوکری بھی تلاش کرنی چاہئے"۔ اس کے بعد وہ زندہ دلی سے ہنس پڑیں۔ "اس قسم کے حالات میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا کیا جائے"؟ انھوں نے کہا۔

"اگر ہمارا معاشی نظام ایسا قائم کیا جائے جس سے کہ ہر ایک کو نوکری مل سکے، تو سوشیل ورکر بھی اپنا کام بخوبی کر سکیں گے"۔ میں نے ان سے کہا۔

میری بات سنکر ایک لمحہ کے لئے ان کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوئی اور پھر وہ چمک دُھندلی ہوتی گئی۔ وہ حقیقت کی جانب لوٹ آئیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ "اس کے لئے مُسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کرے جن سے پیداوار میں اضافے کی اُمید ہو نیز اس صنعت کے فروغ کی اُمید ہو تاکہ مستقبل میں زیادہ سے زیادہ افراد کے لئے روزگار فراہم کیا جا سکے، اس کے لئے ہمیں اپنی عادتیں بدلنی ہونگی..." وہ کہتی گئیں۔

"ہم ۲۴ فٹ اونچی گنیش جی کی مورتی کیوں بناتے ہیں' کیا ہم نہیں سمجھتے یہ محض روپے پیسے برباد کرنا ہے۔ اگر یہی لوگ ہمارے ادارہ یا کسی اور خیراتی ادارے کو اتنی رقم دیں تو وہ ان پیسوں سے کسی ضرورت مند کی مدد کر سکتے ہیں"۔

اس وقت مجھے ایک مشہور مصوّر کی پینٹنگ یاد آئی جس میں اس مصور نے مہاتما بدھ کی ایک عظیم الشان پورٹریٹ بنائی تھی اور نیچے ایک شخص دھوتی پہنے کھڑا تھا وہ اس مورتی کے پیروں کو بھی نہیں چھو پا رہا تھا اس کی آنکھوں سے عیاں تھا کہ وہ کہہ رہا ہو "بھگوان آخر تم اتنے اونچے کیوں ہو؟"

میں نے ایک بات یہ بھی محسوس کی کہ شریمتی لیلا مولگاؤنکر بذاتِ خود شری گنیش کی بھگت ہیں کیونکہ میں نے ان کے کمرے میں گنیش جی کی تصویر آویزاں پائی۔ لیکن وہ اپنے عقیدوں میں بھی کتنی اعتدال پسند ہیں!

انھوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "غریب سے غریب شخص بھی پیسوں کے غلط استعمال کو پسند نہیں کرتا اور انھوں نے ایک واقعہ سنایا کہ جب وہ قحط راحت آپریشن کے وقت یعنی ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۳ء کے دوران وہ مزدور خواتین کو ساڑیاں دینا چاہتی تھیں کیونکہ اُن کے جسم پر چیتھڑوں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا لیکن ریلیف کمیٹی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ بجائے ساڑیوں کے ان خواتین کے لئے کنواں کھدوایا جائے تاکہ انھیں پینے کا پانی فراہم ہو سکے۔ شریمتی مولگاؤنکر نے کہا، جب میں نے اُن سے پوچھا "تم لوگ کیا پسند کرو گے؟"

تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک بوڑھی عورت نے کہا کہ "میم صاحب، ہمارے لئے کنواں کھدوا دیجئے تاکہ ہمیں پینے کا پانی مل سکے اور ہمیں دور نہ جانا پڑے۔ اس طرح وقت بھی بچ جائے گا اور محنت بھی، اس مدت میں ہم کچھ اور کام کرسکیں گے، اور زیادہ پیسے کما سکیں گے۔ جس سے ہم خود ساڑیاں خرید سکتے ہیں" یہ کہتے ہوئے اس کا گلا رندھ سا گیا۔

"میں جب بھی ان بچھڑے ہوئے لوگوں کے لئے کام کرتی ہوں" انھوں نے کہا "تو اپنے آپ کو علیحدہ نہیں سمجھتی ہوں" اس کے برخلاف بعض سوشیل ورکروں میں ایک احساسِ برتری پایا جاتا ہے۔"

انھوں نے واقعہ سنایا کہ کس طرح ایک سوشیل ورکر جو کہ جذام کے اسپتال سے وابستہ تھیں وہ جیسے ہی اسپتال پہنچتیں اس ڈر سے کہ کہیں جذام چھوت کی بیماری ہے، چیخنا چلانا شروع کردیتیں اور اس سوشیل ورکر کی اس حرکت سے مریض بھی اس کا مضحکہ اڑایا کرتے تھے۔

"مجھے اس قسم کا احساسِ برتری پسند نہیں ہے" انھوں نے کہا۔ شریمتی مولگاؤنکر نے ریاستی عوام سے بھی اپیل کی کہ وہ جذام کے لئے طبّی معائنہ کروائیں جن کے جسم پر سفید داغ ہیں وہ ڈاکٹر کے پاس جانے سے نہ ہچکچائیں۔ کیونکہ کسی مرض کا شروع ہی میں قلع قمع کردیا جائے تو وہ موذی نہیں بنتا ہے اور اس کا علاج ہوسکتا ہے۔ جذام مہاراشٹر میں بُری طرح پھیل رہا ہے۔

میں نے شریمتی مولگاؤنکر سے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کے 'لوک راجیہ' کے شمارے کا تذکرہ کیا جو کہ جذام کے بارے میں نکالا گیا خصوصی شمارہ تھا، انھوں نے اس شمارے کی ایک کاپی حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

مرضِ جذام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ طبّی موضوعات پر ان کی کافی دسترس ہے، وہ ایک ڈاکٹر کی طرح بول رہی تھیں، آخر وہ ایک ڈاکٹر ہی تو بننا چاہتی تھیں جیسا کہ وہ مجھے پہلے بتا چکی تھیں۔

رضاکارانہ طور پر 'خون کا عطیہ مہم' کا ذکر کرتے وقت بھی شریمتی مولگاؤنکر نے پلازمہ، بلڈ ٹرانسفیوجن وغیرہ وغیرہ جیسے الفاظ کا بکثرت استعمال کیا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے اپنا کیریئر بطور نرس شروع کیا تھا۔

رضاکارانہ طور پر خون کا عطیہ دینے والوں کی تعداد آج ۴۰ ہزار لاکھ ہے جبکہ پیشہ ور خون دینے والے محض دس ہزار رہ گئے ہیں، جس طرح سے شریمتی مولگاؤنکر نے اس مہم کو سر کیا ہے اس سے ممبئی کے باشندے بخوبی واقف ہیں۔ اگر اس مہم کی بابت شریمتی مولگاؤنکر سے پوچھا جائے کہ آپ کی خاموش خدمات نے آخرکار عوام میں بیداری اور شعور پیدا کردیا ہے تو وہ اس بات سے خوش نہیں ہوتی ہیں اُن کا کہنا ہے کہ خون کا عطیہ جیسی مہم یا جذام کا قلع قمع کرنے کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے ان سرگرمیوں کو پبلسٹی کی بیحد ضرورت ہے۔ یہ تمام کام عوام کی نظروں کے سامنے آنے ہی چاہئیں ورنہ ایک عام انسان اتنے اہم مقاصد سے کس طرح واقف ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں کچھ کرنے کا جذبہ اس کے دل میں کس طرح پیدا کیا جاسکتا ہے۔

(تلخیص: فیروزہ خان)

(بقیہ صفحہ ۳۶ سے آگے)

مقابلے کے لئے تمام درخواستیں چیف کنزرویٹر آف فاریسٹ، مہاراشٹر اسٹیٹ، پونے، ۴۱۱۰۰۱ کو، ۷ر دسمبر ۱۹۷۷ء سے قبل مل جانی چاہئیں۔

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں، تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے 'سوال وجواب' کا خصوصی صفحہ ہر شمارے میں شائع کیا جارہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کیے جائیں گے۔

آپ اپنے سوالات مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرما سکتے ہیں:
ایڈیٹر، 'قومی راج' (پندرہ روزہ) نیو اینڈ منسٹریلیٹو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

حیدر بیابانی
اچل پور سٹی ضلع امراؤتی

دیپ سے دیپ جلائیں

دیپ سے دیپ جلائیں ساتھی
ہر آنگن اُجیارا کرلیں
ہر ذرہ مہ پارہ کرلیں

میرے سپنے تیرے سپنے !
تیرے دُکھ سُکھ میرے اپنے !
ہر آشا کو پائیں ساتھی
دیپ سے دیپ جلائیں ساتھی
ہر آنگن اُجیارا کرلیں
ہر ذرہ مہ پارہ کرلیں

یہ گھر اپنا، وہ گھر اپنا
ہیرا اپنا، کنکر اپنا
مِل جُل ساتھ نبھائیں ساتھی
دیپ سے دیپ جلائیں ساتھی
ہر آنگن اُجیارا کرلیں
ہر ذرہ مہ پارہ کرلیں

بھائی بھائی بن کے رہیں گے
ساتھ جئیں گے ساتھ مریں گے
منَ سے من مِل جائیں ساتھی
دیپ سے دیپ جلائیں ساتھی
ہر آنگن اُجیارا کرلیں
ہر ذرہ مہ پارہ کرلیں



جو ساتھی بھی چھُوٹ گیا ہو
بن کارن ہی رُوٹھ گیا ہو
اُس کو بھی منوائیں ساتھی
دیپ سے دیپ جلائیں ساتھی
ہر آنگن اُجیارا کرلیں
ہر ذرہ مہ پارہ کرلیں



عید اپنی، دیوالی اپنی
سپنوں کی ہریالی اپنی
دنیا کو دکھلائیں ساتھی
دیپ سے دیپ جلائیں ساتھی
ہر آنگن اُجیارا کرلیں
ہر ذرہ مہ پارہ کرلیں



• پروفیسر برھمانند دیشپانڈے

اورنگ آباد — قدیم اور جدید



ملک عنبر نے جامع مسجد (مسجد عنبری) تعمیر کرکے اورنگ آباد میں اپنی یادگار قائم کر دی ہے۔

اورنگ آباد آنیوالے سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ایک طرف ایلورا کی منقش مورتیاں ہیں اور دوسری طرف اجنٹا کے غاروں میں بنائی گئی پینٹنگ ہیں جو اس دور میں بھی ماضی کی عظمتوں کی مظہر ہیں۔ اس نواح میں آنے والے سیاحوں کی زبان پر مسلسل ایسے سوالات آتے ہیں جن سے ان کی دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اورنگ آباد کتنا قدیم شہر ہے؟ کس نے اسے بسایا؟ کیا ملک عنبر نے؟ پچھلی صدیوں میں اس کا کیا نام تھا؟ شہر سے باہر جو غار ہیں وہ کیسے ہیں؟ غرضیکہ اسی قسم کے سوالات کی بوچھار آپ پر پڑے گی۔ ان سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل مضمون میں دیئے جارہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اورنگ آباد کی تاریخی حیثیت کے بارے میں بھی اطلاعات فراہم کی جارہی ہیں۔

زمانۂ قدیم سے ہی پیٹھن۔ اورنگ آباد کا علاقہ جو گوداوری ندی کے کنارے واقع ہے، مشہور رہے۔ گوتم بدھ کے زمانے میں ۱۶ بڑی بڑی حکومتیں جو ہندوستان میں داخل ہوئیں "سولاس مہاجنپد" کے نام سے مشہور ہیں جن میں سے 'اشماک' بھی ایک ہے۔ جس کا صدر مقام 'پرتشٹھناپور' تھا، جو آجکل پیٹھن کے نام سے مشہور ہے۔

سمراٹ اشوک کے بعد موریہ سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور مہاراشٹر میں ستواہان دورِ حکومت شروع ہوا، جس کے سب سے بہادر حکمراں 'گوتم پترا ستکرنی' تھے۔ ناشک کے غاروں میں جو تحریریں ملتی ہیں، اُن سے ان علاقوں کا پتہ چلتا ہے جن پر ستواہان کے بہادروں کی حکومت تھی۔ سب سے پہلا نام 'آساک' (اشماک) کے علاقے کا ملتا ہے۔ گوتم بدھ کے زمانے کے ادبی اوراق میں بھی اشماک کا حوالہ ملتا ہے غرضیکہ اشماک علاقے کا نام بہت صدیوں سے تاریخ میں ملتا ہے۔

گتھا سپ تشتی - پہلی رزمیہ شاعری

ستواہان دورِ حکومت کا راجہ 'کوی وتسال ہال' کافی مشہور تھا۔ جس نے اپنی انتھک محنت سے عام لوگوں کی لکھی ہوئی ۴ کروڑ نظمیں جمع کیں ان میں سے ۔۔، منتخب کرکے انھیں 'گاتھا سپ تشتی' کا نام دیا جس کا مطلب ہے ۔۔، نظموں کا مجموعہ۔ مراٹھی ادب میں یہ سب سے پہلا نظموں کا مجموعہ ہے جو اپنی لطافت سے مقبول ہوا۔ جہاں تک تخیلات کا سوال ہے یہ نظمیں اپنے اندر بڑی کشش رکھتی ہیں۔ کالیداس اور ان کے زمانے کے دوسرے شاعروں نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے۔ اس زمانے کے مراٹھی شعرا اپنے ان خیالات کو صحیح گردانتے تھے کہ زمین ایک طرف کو جھکی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس میں جو توازن ہے وہ ایک طرف جنوب میں تو ستواہان دورِ حکومت سے قائم ہے اور دوسری طرف شمال میں ہمالیہ پہاڑ سے۔

بدھ کے زمانے کے ادبی اوراق 'مہامیوری' سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرتشٹھنہ کے قریب 'اسکندیکشہ' کے جنیہ کا وجود تھا۔ یہی اسکندیکشہ کھانڈوبا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اورنگ آباد کے جنوب میں ستارہ کے پاس کھانڈوبا ایک پرانی عبادت گاہ ہے۔ اہلیہ بائی ہولکر نے اس مقام پر ایک خوبصورت مندر تعمیر کرایا ہے۔ حالانکہ یہ ایک غیر معروف اور نظرانداز



دِلّی دروازہ ۔ آگرہ جاتے وقت شیواجی مہاراج اسی دروازے سے گذرے تھے۔

کردہ مقام ہے ، مگر پھر بھی مندر میں کی گئی نقاشی دل موہ لینے والی ہے ، جو اورنگ آباد کے لئے طرۂ امتیاز ہے۔

نیپٹ نرنجن کے غار

مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے پیچھے پہاڑیوں پر مکمل غار ہیں۔ کیونکہ قریب میں ہی سنت سری نیپٹ نرنجن کی سمادھی ہے اسی لئے ان غاروں کا نام بھی نیپٹ نرنجن پڑ گیا ہے۔ لیکن ممبئی کے قریب کنہاری کیوز کی ایک تحریر کے مطابق ان کا نام رجت گڈھ کیوز ہے۔ یہ غار تین حصوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ شمال ۔ مشرق میں پہاڑی پر جو غار ہیں وہ نامکمل ہیں حالانکہ پہلے دو غار خوبصورت بھی ہیں اور مکمل بھی۔

ساتواں غار بڑا دلکش اور ہر طرح مکمل ہے جو برہمنی کاریگری کا بہترین نمونہ ہے۔ اس غار میں داخل ہوتے ہی آپ کی توجہ بدھ کے ایک عظیم مجسمہ پر مبذول ہوگی۔ اسی طرح بدھ زمانے کی مورتیاں مثلاً تارا۔ ماموکھی لوچنا ہرتی اور پنچک بھی آپ کے مشاہدے میں آئیں گی۔ غار کے نچلے حصہ میں اندھیرا ہے۔ یہیں پر ایک رقاصہ جو اپنے رقص سے فن کا بہترین مظاہرہ کر رہی ہے بنائی گئی ہے۔ اس کے چہرے سے خوشی ، ہلکا سا نشہ و نغمگی ظاہر ہیں ، اس کے پیر رقص میں جھکے ہوئے ہیں۔ بائیں پیر ایک جگہ پر قائم ہے ، مگر دایاں پیر کا انگوٹھا صرف زمین کو چھو رہا ہے۔ اس رقاصہ کے چہرے اور گلے میں اس زمانے کے خوبصورت زیورات دکھائے گئے ہیں بدھ کے زمانے کی فن نقاشی کی یہ ایک بے نظیر مثال ہے۔

اجنتا کے فن مصوری اور ایلورا کے فن نقاشی کے مقابلے میں ان غاروں کا دوسرا درجہ ہے لیکن اورنگ آباد کے لئے یہ غار جو ساتویں صدی میں تعمیر کئے گئے تھے باعث فخر ہیں۔

راشٹرکٹاس عہد

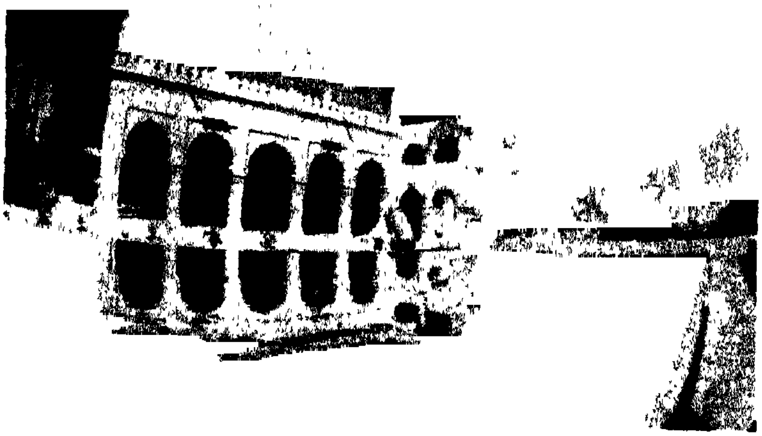
آٹھویں صدی میں راشٹرکٹاس عہد کا آغاز ہوا۔ جس کا پہلا راجہ دانتی درگ سہاس تنگ تھا۔ ایلورا کی دشا اوتار غار میں اس کے زمانہ کی ایک تحریر ملی ہے۔ اس کے چچازاد بھائی شنبھا تنگ کرشنا راج سب سے پہلا فرد ہے جس نے ایلورا میں نقاشی کا کام شروع کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راشٹرکٹاس کی حکومت ایلاپور ۔ ایلورا اور اورنگ آباد نیز اس کے اطراف تک پھیلی ہوئی تھی۔ دیوگیری کا مشہور قلعہ بھی راشٹرکٹاس ہی کے زمانے کا تعمیر کردہ ہے۔

راشٹرکٹاس کے بعد یادو کا عہد شروع ہوا جس نے دیوگیری پر اپنی آزاد حکومت شروع کی۔ یادو عہد میں وہ لوگ جو اپنی بہادری کی وجہ سے مشہور ہوئے ان میں بھیلم (پانچواں) جیتوگی ، سمم گھاندیو۔ کرشنا دیو۔ مہادیو۔ آمندیو اور رامچندر دیو ، کافی مشہور گزرے ہیں۔ یادو کا پایہ تخت کاٹک تھا۔ سنت گیانیشور نے گیانیشوری کے بارہویں حصہ میں بھی کاٹک کا تذکرہ کیا ہے۔ مہانوبھاؤ کے ادبی اوراق میں بھی کاٹک کے کئی حوالے ملتے ہیں۔ چکردھر کے ایک شاگرد "ڈیمتی" کاٹک ہی سے وابستہ تھے جو بعد میں "کاٹکر" کہلائے۔ کاٹک کا نام پھر بدلا اور کاٹکی پڑا اور آخیر میں کھڈکی مشہور ہوا۔ اورنگ آباد کا قدیمی نام یہی تھا۔ رامچندر دیو یادو راجہ کے دربار کے شاعر نریندر نے اورنگ آباد شہر کے قصیدے لکھے اور گائے۔

علاؤالدین کا حملہ

جس وقت یادو راجہ بڑے کروفر سے کاٹک پر حکومت کر رہے تھے اسی زمانے میں علاؤالدین نے ۱۲۹۶ء میں دیوگیری پر حملہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یادو حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور دیوگیری کا نام دولت آباد رکھا گیا اور قلعہ کو

ملک عنبر نے اپنی صلاحیتوں کو استعمال
کرتے ہوئے زیر زمین پائپ لائن (مٹی کی)
ڈال کر، پہاڑی چشمہ سے
اس پن چکی تک پانی مہیا کیا،
جس سے آج بھی یہ پن چکی
چل رہی ہے۔



قلعۂ اعظم دولت آباد کا نام دیا گیا۔ اس کے بعد اورنگ آباد میں بدامنی پھیلی خلجیوں سے حکومت محمد تغلق اور بہمنی نے حاصل کرلی۔ بہمنی سلطنت بھی پانچ حصوں میں بٹ گئی اور یہ علاقہ احمد نگر کے نظام کے زیر اثر آگیا۔

ملک عنبر نے یہاں اخاص میدان میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جو عنبری مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ ملک عنبر کا مقبرہ میڈیکل کالج کی حدود میں ہے اور ان کی بیگم کا مقبرہ خلد آباد میں ہے۔ ۱۶۳۶ء میں احمد نگر کی نظام شاہی کا دور بھی ختم ہوگیا۔

اورنگ آباد مغلوں کے زیر اثر

مغلیہ دور حکومت میں شاہجہاں کا بیٹا اورنگ زیب دکن کا صوبیدار بن کر اورنگ آباد آیا۔ اسی زمانے میں اس شہر کا نام کاٹک کھڈکی سے اورنگ آباد ہوا۔ اورنگ زیب نے اس شہر میں متعدد تبدیلیاں کیں۔ اپنی رہائش کے لئے "قلعہ ارق" تعمیر کیا۔ ۱۶۹۲ء میں اس قلعہ کے چاروں طرف مضبوط فصیل بنوا کر اسے محفوظ کیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں اورنگ زیب کو مراٹھوں کی طرف سے حملہ کا ہمیشہ خطرہ رہا کرتا تھا۔ اس فصیل میں گیارہ دروازے بنوائے گئے جو دلی گیٹ، جالنہ گیٹ، روشن گیٹ، پیٹھن گیٹ، جعفر گیٹ، کھڑکی گیٹ، بڑا پل گیٹ، خنجری گیٹ، مکہ گیٹ، مدا گیٹ اور کمہار گیٹ کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان میں سے کچھ گیٹ منہدم ہو چکے ہیں۔

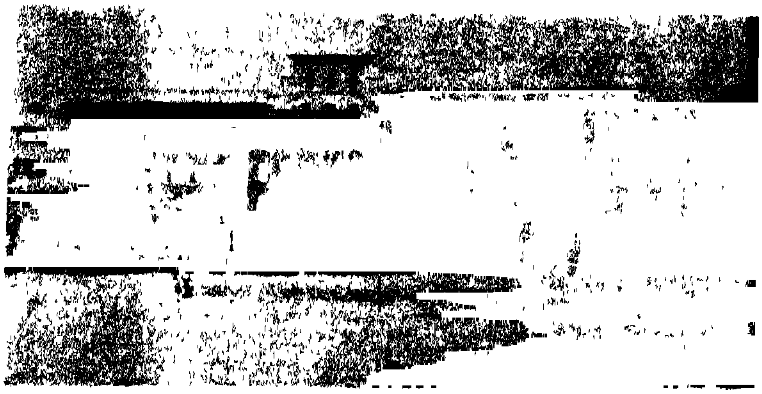
اورنگ زیب ۱۶۸۳ء سے ۱۷۰۷ء تک دکن میں رہے۔ اس زمانے میں اورنگ آباد صحیح معنوں میں یہاں کا صدر مقام رہا۔ اورنگزیب کے بڑے بڑے فوجیوں نے یہاں پر اپنا فوجی اڈہ بنالیا تھا اور اسی وجہ سے اورنگ آباد دن دونی ترقی کرتا گیا اور نئی نئی آبادیاں قائم ہوتی چلی گئیں۔

یہاں پر بڑے بڑے صوفیوں کے مزارات ہیں۔ شاہ مسافر، شاہ علی صاحب نہری، شاہ نور صاحب حموی، شاہ نظام الدین، سید نور الہدیٰ، شاہ احمد گجراتی، شاہ قمر الدین کے مزار بھی اورنگ آباد میں ہیں۔

اورنگ زیب کے بعد جتنے صوبیدار یہاں آئے انھوں نے اس شہر کی ترقی پر خوب توجہ دی۔ شاہراہ پر شائستہ خاں نے ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی۔ شاہ گنج کی مسجد سید علی حسین نے تعمیر کرائی۔

اورنگ آباد غاروں کے قریب اورنگزیب کی پہلی بیوی دلرس بانو عرف رابعہ دُرانی کا مقبرہ ہے جسے اورنگزیب کے لڑکے اعظم شاہ نے تعمیر کرایا تھا یہ مقبرہ پندرہ ہزار مربع میٹر زمین کے احاطے میں ہے۔ اس مقبرہ کی طرز تعمیر بالکل آگرے کے تاج محل جیسی ہے۔ یونیورسٹی کے پاس کا گولڈن محل بندیل حکمراں کا تعمیر کردہ ہے۔ یادو کے زمانے میں مشہور مصنف ہیمد پنڈت اور بابدیو بھی یہیں قیام پذیر تھے۔ شاہ مسافر کے مقبرے میں پہلے اورنگ آباد کا ایک اسکول تھا' اسی جگہ کو آجکل پن چکی کہا جاتا ہے۔ اس قدیم مقام پر کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔ اورنگ آباد کے مشہور شعراء میں شیراز، ولی اورنگ آبادی اور صفی اورنگ آبادی گذرے ہیں۔ شاہ تراب جنھوں نے سمرتھ رامداس سوامی کے "منچے شلوک" کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ بھی اورنگ آباد ہی میں رہتے تھے۔

آگرہ جاتے وقت شیوا جی مہاراج نے اورنگ آباد میں قیام کیا تھا۔ مشہور



گورنمنٹ میڈیکل کالج، اورنگ آباد

یاح ابن بطوطہ اور تھیونو نے بھی اورنگ آباد کا دورہ کیا تھا۔ ای ام
دسٹر نے ۱۹۱۳ء میں یہاں کا دورہ کیا اور اُجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر
ی یادداشت کے طور پر لکھا کہ اس شہر کو دیکھ کر مجھے احساس ہوتا ہے کہ
ہندوستان کی تہذیب ختم ہو رہی ہے۔

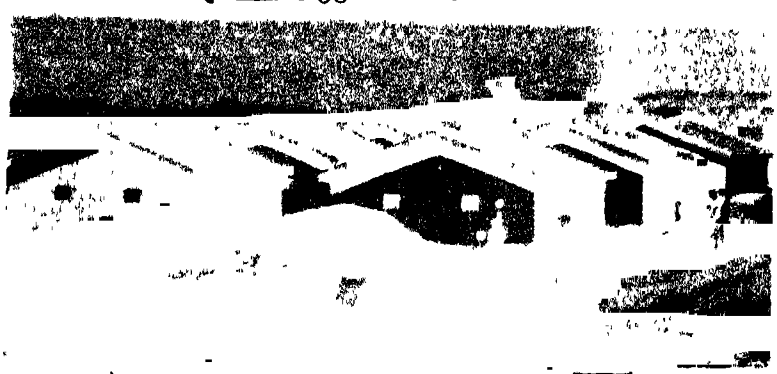
جدید اورنگ آباد

۱۹۵۶ء میں مراٹھواڑہ مہاراشٹر میں ضم ہو گیا اور یہاں صنعتی ترقی شروع ہوئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اورنگ آباد میں مراٹھواڑہ یونیورسٹی قائم کی تاکہ طلبہ کو تعلیمی سہولت مہیا ہو سکے۔ آج مراٹھواڑہ یونیورسٹی میں ۸۲ کالج ہیں۔ طلبہ کو مزید ڈاکٹری اور انجینیئرنگ کی تعلیم کے لئے مقابلے میں آنا پڑتا ہے۔ یونیورسٹی میں ڈرامے، صحافت اور لائبریری سائنس کے کورس بھی ہیں۔ مراٹھواڑہ درحقیقت ایک پسماندہ علاقہ ہے۔ مہاراشٹر میں صنعتی پھیلاؤ صرف ممبئی اور پونے کے درمیان ہوا ہے۔ حکومت نے یہاں کی صنعتی ترقی کے لئے کئی منصوبے بنائے ہیں جس کے تحت یہاں پر دو انڈسٹریل اسٹیٹ قائم کی جا چکی ہیں، ایک تو ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی ہے اور دوسری چیکل تھانہ علاقے میں۔ ۱۹۶۵ء کے مقابلہ میں ۱۹۷۵ء میں یہاں کافی صنعتی ترقی ہوئی ہے۔

مہاراشٹر اسٹیٹ فائننشیل کارپوریشن، مراٹھواڑہ ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور سیکوم کے علاوہ دیگر ادارے بھی یہاں کی صنعتی ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔

نیا اورنگ آباد: اسکول کالج اور صنعتی اداروں کے قائم ہونے سے مکانات کی قلت محسوس ہونے لگی۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لئے حکومت نے مختلف ذرائع استعمال کئے۔ موجودہ اورنگ آباد شہر سے متصل ۸۰ ہیکٹر زمین حاصل کی گئی جہاں نئی بستی وجود میں آئی۔ یہاں پر رہائشی مکانات کے علاوہ اسکول کی عمارتیں، بازار، پوسٹ آفس، دواخانے اور بھی عام سہولت کی متعدد تعمیرات زیر عمل ہیں۔ آج تک ۱۶۲ را مکانات تعمیر ہو چکے ہیں۔ جہاں مختلف لوگ آباد ہیں۔ آج اس نئی بستی میں مشینوں کی آواز زندگی کی لہر پیدا کرتی ہے۔ لوگوں میں ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ وہ ان مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ میں اپنا تابناک مستقبل دیکھ رہے ہیں۔ اگر مسٹر فردسٹراب آکر اورنگ آباد دیکھیں تو انھیں اپنی یادداشت سے اورنگ آباد کے بارے میں وہ الفاظ نکالنا پڑیں گے جو انھوں نے پہلے لکھ لئے تھے۔

تلخیص: ریاض احمد خاں



سڈکو کے تعمیر کردہ ۱۶۲ را رہائشی مکانات جو نئے اورنگ آباد میں رہائشی مسئلہ کو حل کرنے میں بڑے مددگار ہیں۔

• ایس. کے. مُنّا ٹکر
نامہ نگار 'اکنامک ٹائمز'

'میڈک' جدید زراعت کی محرک

مہاراشٹر زرعی وصنعتی ترقیاتی کارپوریشن (میڈک) ریاست میں دستوری ادارہ جات میں ممتاز مقام رکھتی ہے. اس نے گذشتہ گیارہ سال کے مختصر عرصہ میں اپنی گوناگوں تجارتی سرگرمیو اور خصوصاً کسان برادری کی خدمت کے ذریعہ بڑی شہرت حاصل کرلی ہے.

دیگر سرکاری تجارتی تنظیموں کے مقابلے میں 'میڈک' ایک جداگانہ مقام رکھتی ہے. اس کی کارگزاری ایک لحاظ سے قابل فخر ہے، جس کے نتیجہ میں مختلف درجوں کے ملازمین اور کارکنوں کے بونس میں خاطر خواہ اضافہ ہوا. ۷۷-۱۹۷۶ء میں بونس کی شرح ۲۰ فیصد رہی. کارپوریشن کا کاروباری لین دین لگ بھگ ۲۰ کروڑ روپے ہے.

میڈک نے ۱۵ ر دسمبر ۱۹۶۵ء سے ایک لمیٹیڈ کمپنی کی حیثیت سے تیزی سے کام شروع کیا جس کے لئے سرمایہ حصص حکومت ہند اور حکومت مہاراشٹر نے برابری سے مہیا کیا تھا. اس کی وسیع تر پیداواری سرگرمیوں میں جدید کھیتی باڑی کے لئے درکار ساز وسامان بشمول کھاد، کیڑا مار ادویات، مختلف اقسام کی زراعتی مشینری اور مویشیوں کے لئے قوت بخش چارے کی فراہمی شامل ہے.

کارپوریشن کی مختلف زراعتی پروسیسنگ سرگرمیوں میں تیزی قابل تعریف ہے جس کی ایک مثال پھلوں اور سبزیوں کی پروسیسنگ سے متعلق ناگپور آرینج گرو ورز کوآپریشن ایسوسی ایشن (نوگا) ہے، جسے اُس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے. گذشتہ دو سال سے 'نوگا' کی تیار کردہ اشیاء بازار میں آرہی ہیں اور فی الحال اپنی کوالیٹی کے لحاظ سے لاجواب سمجھی جاتی ہیں.

اصل مقصد: 'میڈک' صحیح معنوں میں ایک نیا ترقیاتی ادارہ ہے جس کی لگاتار کوشش یہی ہے کہ ترقی کی نئی راہیں تلاش کرے. اس کارپوریشن نے یہ بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ حکومت کی زیر سرپرستی ایک ادارہ بھی ایسے کام محنت اور استقلال سے سُود مند طریقہ پر سرانجام دے سکتا ہے جو اب تک نجی اداروں ہی کی میراث سمجھے جاتے ہیں.

اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ مشینی کاشت کاری کے خیال کے لئے زراعتی ساز وسامان مہیا کیا جائے. اپنے زرعی وصنعتی مقصد کے تحت کارپوریشن کسانوں کی قابل قدر خدمت انجام دے رہی ہے. گو حقیقتاً اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کارپوریشن کافی کام کر چکی ہے، لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے.

حکومت نے ایک اسٹڈی گروپ قائم کیا ہے تاکہ ریاست میں زرعی وصنعتی ترقی کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کیا جائے. فی الحال یہ گروپ ایسی صنعتوں کا خاکہ تیار کر رہا ہے جن کے لئے مہاراشٹر میں زیادہ مواقع ہیں. کارپوریشن کے لئے ایک امکانی صورت یہ ہے کہ 'سیکوم' جیسے ادارہ کی عام مالی امداد سے دیہی علاقوں میں صنعتوں کے قیام کو فروغ دیا جائے. مثال کے طور پر میڈک ایسی صنعت کے قیام کے لئے جس میں لگا سرمایہ ۷۰ لاکھ روپے تک ہو مساوی طور سے ایک دو لاکھ روپے کی حد تک مالی امداد دے سکتی ہے. ایسی صنعتوں کو فروغ دینے میں میڈک اور سیکوم دست بدست کام کر سکتی ہیں. لہٰذا کارپوریشن کی مجلس منتظمہ نے یہ تجویز کیا ہے کہ یہ ادارہ ہر سال اپنے منافع اور محفوظ سرمایہ میں سے ۱۰ لاکھ روپے کی رقم مہاراشٹر میں صنعتوں کے قیام کو فروغ دینے کے لئے الگ رکھے.

'میڈک' زراعتی میدان میں خدمت کرتے ہوئے دس سال پورے کر چکی ہے. اس پر ایک سال اور گذر چکا ہے. اس طرح یہ گیارہ سال ایک ایسی مدت ہے جس پر کوئی بھی سرکاری تجارتی ادارہ فخر سے نظر ڈال سکتا ہے. اس کارپوریشن نے ۵ کروڑ روپے کے اختیاری سرمایہ سے کام شروع کیا تھا. اس مختصر مدت کے دوران اُس نے زراعت اور جانوروں کی غور وپرداخت کے سلسلے میں ضروری ساز وسامان اور امداد بہم پہنچانے کے علاوہ مہاراشٹر کی فروٹ پروڈکٹس کے لئے بھی منڈی بنائی ہے. یہ خود اپنی جگہ ایک بڑی کامیابی ہے.

منتظمینِ کارپوریشن مفصل خاکہ منصوبہ جات تیار کرنے میں مصروف ہیں جو آئندہ میڈک زیر عمل لائے گی. انھوں نے تفصیل سے جماعتی منصوبہ بندی پر خاص طور سے توجہ دی ہے. کارپوریشن کے منتظمین کے

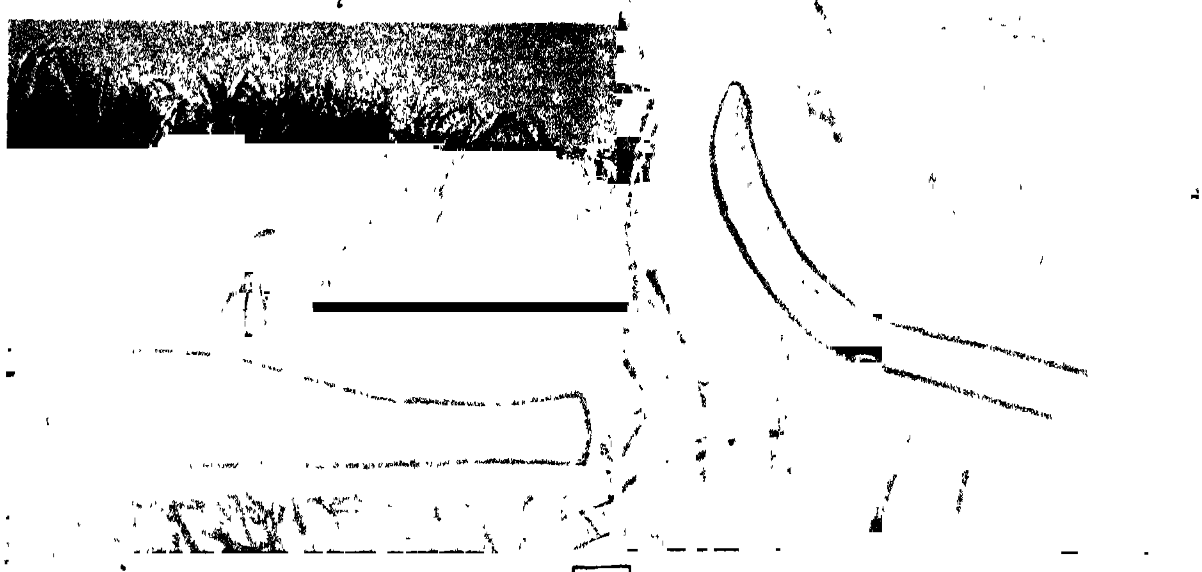
"سوگراس" (مویشی کی غذا) تیار کرنیوالی ایک فیکٹری کا اندرونی منظر۔ یہ فیکٹری گورےگاؤں بمبئی میں ہے۔





میڈک نے "اناج بحاؤ مہم" کے تحت ۳ اور ۵ کوئنٹل تھیلیوں کی فروخت کا کام بھی اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

جدید زراعت میں 'میڈک' کی تیار کردہ کھیتی باڑی کے لئے اس قسم کی گنا کٹنی اور درانتی بڑی کارگر ہے۔



خیال میں یہ بہتر ہے کہ آئندہ چند سال پر مشتمل باقاعدہ ٹھوس منصوبے کے بارے میں وضاحت کردی جائے تاکہ حال اور مستقبل میں میڈک کی کارگذاری کا اندازہ کرنے میں سہولت ہو۔

متنوع سرگرمیاں: گذشتہ دس سال کی مدت کے دوران کارپوریشن کی متنوع سرگرمیاں یہ ہیں: دانہ دار کھاد مُرکب، کیڑا مار ادویہ اور مویشی کے چارہ وغیرہ کی تیاری و تقسیم، توگا فیکٹری' ناگپور میں پھل اور سبزیوں سے مختلف اشیاء کی تیاری۔ اس کے علاوہ کارپوریشن نے زراعتی آلات اور مشینری تقسیم کی۔ اسی کے ساتھ اس نے بیروزگار گریجویٹوں کے ذریعہ زراعتی خدمات مراکز کے قیام کی مرکزی اسکیم کو روبہ عمل لانے کا کام بھی انجام دیا۔

سائنٹفک زراعت کو فروغ دینے کے مدنظر 'میڈک' نے گذشتہ گیارہ سال کے دوران درآمد شدہ ٹریکٹر اور ان کے متعلقہ سازوسامان کی تقسیم کا کام بھی نمایاں طور سے انجام دیا۔ مہاراشٹر میں یہ کارپوریشن اب تک مختلف ساخت کے ۲،۸۰۰ سے زیادہ ٹریکٹر نیز ٹائر اور ٹیوب وغیرہ تقسیم کرچکی ہے۔ کارپوریشن بعض دیسی ساخت کے ٹریکٹر تقسیم کرنے میں بھی پیچھے نہیں رہی۔ کارپوریشن پونے، کولہاپور، ناسک، اورنگ آباد، پربھنی، اکولہ اور ناگپور میں واقع اپنے سات علاقائی دفاتر کے توسط سے چھوٹے اور معمولی کسانوں کو ٹریکٹر اور دیگر آلات کرایہ پر بھی دیتی ہے۔

کارپوریشن بیروزگار زراعتی انجینئرنگ گریجویٹوں کی اعانت کے لئے مرکزی حکومت کی اسکیم بھی زیر عمل لارہی ہے جس کے تحت زراعتی خدمات مراکز قائم کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے سلسلے میں جو ۷۳ ۔ ۱۹۷۲ء سے شروع کی گئی ہے اب تک ۳۹۰ امیدواروں کو تربیت دی جاچکی ہے۔ ان میں سے فی الحال ۲۶۷ اشخاص مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں خود اپنے زراعتی خدمات مراکز قائم کرچکے ہیں۔ یہ کرایہ پر زراعتی مشینری، پمپ وغیرہ کی تنصیب اور دیگر سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں۔

جدید زراعت: جدید زراعت کو فروغ دینے کے مدنظر میڈک کے ایگرو انجینئرنگ ڈویژن یعنی زرعی انجینئرنگ شعبے زراعتی آلات وغیرہ کی تیاری اور فروخت وغیرہ کا کام الگ الگ انجام دیتے ہیں۔ فی الحال یہ آلاتِ زراعت اور سامان "کرشی اُدیوگ" کے نام سے فروخت ہوتا ہے۔

مذکورہ شعبہ کا ایک اہم کام یہ ہے کہ زراعتی آلات کو اور بہتر بنوائے اور مہیا کرے۔ کارپوریشن نے کولہاپور اور پونے کی چھوٹی صنعتوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ محکمۂ زراعت کے "آیاکٹ عمل" کے لئے خاص قسم کے کھیتی آلات و اوزار تیار کریں۔ چنانچہ دس لاکھ روپے کی مالیت کے کھیتی باڑی کے آلات و اوزار بنوا کر محکمۂ زراعت کو بلغاریہ سے درآمد شدہ بولگر ٹریکٹر سمیت مہیا کئے گئے۔

اس شعبہ نے ہوا دار ٹائر، بیل گاڑی اور بیل ڈرل وغیرہ کو اور بہتر بنانے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ اس شعبہ کی جانب سے بہتر دندانہ دار درانتیاں' دھان کاشت کے علاقوں میں بکثرت فروخت ہوتی ہیں۔

ہر علاقائی دفتر میں پوری طرح سے لیس ورکشاپ قائم کی گئی ہے تاکہ بعد از فروخت زراعتی ساز و سامان کی دیکھ بھال اور مرمت کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔ اس سہولت کو اور بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کارپوریشن نے ماضی میں بڑی تعداد میں اسپیئر پارٹس درآمد کئے جو روسی بائی لاروس۔ ڈی ٹی ۔ ۱۴' بی این ٹی ۔ ۶ کرالر ٹریکٹرز نیز بولگر، زیتور اور رومانیہ کے ٹریکٹروں وغیرہ کے لئے مہیا کئے گئے تھے۔ اسی کے ساتھ کارپوریشن نے مہاراشٹر میں چھوٹی صنعتوں کے ذریعہ دیسی اسپیئر پارٹس کو بہتر بنانے اور مہیا کرنے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ اس بات کی بھی کوشش کی جارہی ہے کہ مختلف ساخت کے ٹریکٹروں کے لئے درکار اسپیئر پارٹس ان کے اصل سپلائروں سے ہی حاصل کئے جائیں۔

میکانکی زراعت کو بڑھانے اور کھیتی باڑی میں جدید طریقہ اختیار کرنے میں میڈک کا رول بڑا کارگر ثابت ہوا ہے۔ لہٰذا یہ یقینی امر ہے کہ مستقبل قریب میں اس شعبے کی سرگرمیاں ریاستی زراعت کا اٹوٹ حصہ بن جائیں گی۔

میڈک کا یہ شعبہ جو ۱۹۶۹ء میں قائم کیا گیا تھا محض منافع کمانے کے تجارتی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ سماجی مقاصد سے کام کرتا ہے جبکہ حکومت ہند کی اسکیم کو زیر عمل لانے کی ذمہ داری بھی اسی شعبہ کو سونپی گئی ہے جس کا مقصد بیروزگار زراعتی اور انجینئرنگ گریجویٹوں کے لئے زرعی خدماتی مراکز کا قیام، صنعت کاروں کا مناسب انتخاب اور ان کی تربیت نیز زرعی۔ خدماتی مراکز کے قیام میں ان کی مدد کرنا ہے۔ اس مقصد سے اُمیدواروں کا انتخاب سلیکشن کمیٹی کرتی ہے۔ منتخب صنعت کاروں کو چار ماہ تربیت دی جاتی ہے اور زرعی خدماتی مراکز چلانے کے سلسلے میں مختلف پہلوؤں سے روشناس کیا جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں ایسے کل ۲۰۲ مراکز قائم کئے گئے ہیں جن کی علاقہ واری تقسیم یہ ہے: مغربی مہاراشٹر ۱۳۹، ودربھ ۱۰۴، کونکن ۱۰،

رمراٹھواڑہ میں ۴۹ ۔ مزید برآں ۸۱ صنعت کا تربیت پوری
رچکے ہیں لیکن ابھی مراکز نہیں کھول سکے ہیں۔ علاقہ واری تقسیم
ے علاقہ واری نابرابری ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اب حکومت اور کارپوریشن
نوں ایک ضلع واری اسکیم پر غور کر رہی ہیں تاکہ مزید مراکز کے قیام
ے امکانات کا اندازہ کیا جاسکے۔

دیگر ریاستوں مثلاً تامل ناڈو اور پنجاب کے مقابلے میں زرعی
دماتی مراکز کی تعداد کم ہے۔ مزید مراکز کے لئے بڑھتے ہوئے مطالبہ
ے مدنظر فی الحال مناسب یہی ہے کہ کم از کم ہر ایک ضلع پریشد
لقہ میں ایک مرکز ضرور قائم کیا جائے۔ اسی طرح اس وقت جبکہ
ارپوریشن کو یہ فکر بھی کرنی چاہیے کہ ان زرعی خدماتی مراکز کے توسط
سے مزارعین کو مربوط سہولتیں ملیں۔

اس شعبے کے قیام کا اصل مقصد یہی ہے کہ ریاست میں مزارعین
و انجینئرنگ سروس بہم پہنچائی جائے۔ اس خیال سے انھیں ٹریکٹر
روخت کئے جائیں اور بہتر زراعتی آلات دیئے جائیں۔ ان زراعتی
لات خصوصاً ٹریکٹروں کی دیکھ بھال اور مرمت کے سلسلے میں یہ مشورہ
یا گیا کہ یہ خدمت یقینی طور سے مذکورہ مراکز ہی انجام دیں تاکہ ٹریکٹر
غیرہ علاقائی ورکشاپ بھیجنے میں جس تاخیر اور خرچ کا احتمال ہوتا
ہے اس سے بچا جاسکے۔

مزید برآں یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ نجی ادارے ایگرو سروس سینٹر،
بنی زرعی خدماتی مرکز، کے نام سے کوئی مرکز نہ کھول سکیں تاکہ غلط فہمی
پھیلے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ منظور شدہ زرعی خدماتی مراکز ہی
مایاں رہیں اور نگرانی رکھیں۔ نجی اداروں کو یہی نام استعمال کرنے
ی ممانعت کر دی جائے۔ اگر ضرورت ہو تو اس مقصد سے قانون میں
رمیم کر دی جائے۔ مزید برآں تمام منظور شدہ مراکز کو ہدایت کی جائے
لہ وہ سالانہ رپورٹ پیش کریں جس میں اس بات کا ذکر ہو جو انھوں
نے مزارعین کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ اس رپورٹ سے میڈک
ور کارپوریشن کو ان مراکز کی کارگذاری اور افادیت کا اندازہ ہوتا
رہے گا۔ ایک مشورہ یہ دیا گیا ہے کہ اچھی کارگذاری پر ان مراکز کی
حوصلہ افزائی کے لئے انھیں توصیفی سند دی جائے۔

زراعتی آلات کی ایجاد: حکومت کو زراعتی آلات و سازوسامان
کے سلسلے میں ایجادات کا پوری طرح خیال رکھنا چاہئے جو مہاراشٹر میں
خصوصاً چھوٹے مالکانِ اراضی کے لئے مفید و مناسب ہوں۔ کارپوریشن
کو یہ جانچ کر لینا چاہئے کہ آیا تمام ۲۵ اضلاع کو نئے ایجاد کردہ سیڈ
ڈرل مل گئے ہیں یا نہیں۔ جہاں تک نئی قسم کی درانتیوں کا تعلق ہے
جو نجی آلات سازوں کے تعاون سے تیار کرائی جاتی ہیں، یہ معلوم ہوا
ہے کہ اس قسم کی ۱۰،۰۰۰ درانتیاں تیار کرائی جاچکی ہیں جو خاص طور
سے کونکن کے علاقے میں استعمال کی جائیں گی جہاں 'کھوڈکیڈا'
کی دقتیں ہیں۔ کارپوریشن کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ نجی آلات سازوں
پر انحصار کرنے کے بجائے یہ آلات محکمہ واری طور پر تیار کئے جائیں۔

مرکزی حکومت کی "اناج بچاؤ مہم" کے سلسلے میں میڈک نے
۷۵-۱۹۷۴ء میں ہاپڑ میں واقع ادارے کے نمونے پر ۵ کوئنٹل، ۳
کوئنٹل، ۵۰ کلوگرام اور ۳۰ کلوگرام اناج رکھنے کے لئے پیپے
بنوانے اور فروخت کرنے کا کام بھی شروع کیا۔ اولاً شعبہ نے ۳ اور ۵
کوئنٹل اناج رکھنے کے قابل ۶۸۷ پیپے بنوائے جن میں سے ۵۰۰
فروخت ہو چکے ہیں۔

تازہ پھل اور سبزی کی فروخت

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تازہ پھل اور سبزیوں کی
فروخت، خصوصاً بین الاقوامی منڈیوں میں فروخت کیلئے میڈک
کو اصل ایجنسی بنا دیا جائے۔

اس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ کارپوریشن ناشک میں واقع پیاز کی
"ڈی ہائی ڈریٹنگ فیکٹری" اپنے ہاتھ میں لے لے، تاکہ اضلاع میں
پیاز کی پیداوار بڑھائی جاسکے۔ کارپوریشن کو رتناگیری میں واقع،
کونکن کینڈ فروٹ پروڈکٹس کو، جو بند ہے، لے لینے کا اختیار بھی
دیا گیا ہے۔ میڈک نے حکومت کو یہ رائے دی ہے کہ ان کاموں
کے بجائے بہتر یہ ہوگا کہ ایک الگ امدادی کمپنی قائم کی جائے۔
ناشک فیکٹری کا خرچ لگ بھگ ۶۰ لاکھ روپے اور رتناگیری کی
فیکٹری کا ۴ لاکھ روپے ہوگا۔ برآمد کی غرض سے تازہ پھل اور
سبزیوں کی پیداوار کے بندوبست کے لئے کافی سرمایہ کاری کی
ضرورت ہوگی۔ نئی امدادی کمپنی منظور شدہ اختیاری سرمایہ کے
طور پر ایک کروڑ روپے کی رقم رکھ سکے گی جس میں میڈک
۵۱ لاکھ روپے دے گی۔

پیپوں کی تیاری کے سلسلے میں فروخت تقریباً ۸۰ فیصد ہے۔ پیپوں
کی کم فروخت کی اصل وجہ یہ ہے کہ ۸ فیصد بکری ٹیکس عائد ہے، نیز
نقل و حمل کا خرچ ۱۵ تا ۲۰ روپے فی پیپا ہوتا ہے۔ مزید برآں اس قسم

کے دھاتی بییوں کی کم فروخت کا بظاہر خاص سبب ان کی گراں لاگت بھی ہے۔ لہذا ان کی موجودہ اونچی قیمت کو کم کرنے کی غرض سے تدابیر سوچنا ہوں گی۔

کوئی ایسی اسکیم وضع کرنا ہوگی جس کے تحت اس قسم کے بییوں کی خریداری میں امداد دی جا سکے۔ حکومت کو ان بییوں پر بکری ٹیکس میں چھوٹ دینے کے امکانات پر غور کرنا ہوگا۔ ان بییوں کی تیاری کے لئے دیگر صورتوں پر غور کرنا بھی ضروری ہے تاکہ نقل و حمل کا خرچ کم ہو سکے۔ مزید برآں یہ مناسب ہوگا کہ ابتدا میں اس میدان میں موجودہ پرائیویٹ مینوفیکچروں کے تعاون سے کم قیمت پر چھوٹے پیپے تیار کرائے جائیں۔

'سوگراس' کی خوبیاں

'سوگراس' یہ مویشی کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا قوت بخش چارہ یا غذا ہے، جس میں اچھے قسم کا اناج گیہوں، چاول، بھوسی، مونگ پھلی، سوبابین اور بنولہ وغیرہ کی کھلی شامل ہوتی ہے۔ میڈک کی لیبوریٹری میں' استعمال سے قبل' ان سب اشیاء کی بڑی احتیاط سے جانچ کی جاتی ہے تاکہ کوالیٹی میں کوئی فرق نہ رہے۔

خام اشیاء کے نمونے "روگ چھان بین شعبے" میں بھیجے جاتے ہیں۔ جہاں اُن کی جانچ کر کے یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ 'فنگوس' 'فنگوس' یا 'روگ دار' تو نہیں ہیں۔ مزید برآں تیاری کے دوران ہر گھنٹہ ہر شے کا نمونہ نکالا جاتا ہے اور ملوان نمونے کا تجزیہ کر کے کیفیت درج کی جاتی ہے۔

'میڈک' کی جانب سے پوری پوری احتیاط برتی جاتی ہے اور یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ اس میں کوئی ضرر رساں جُز شامل نہ ہونے پائے۔

بہتر آلات زراعت: موجودہ آلاتِ زراعت کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے کیونکہ بہتر اور نئی ساخت کے آلات ترقی پذیر زراعت میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آلات زراعت کو مکمل طور پر سے میکانکی بنانے کے سوال پر انھیں رائج کرنے سے قبل ہر پہلو سے غور کرنا ضروری ہے۔ جانوروں کے ذریعے چلائے جانے والے روایاتی آلاتِ زراعت کو جزوی طور سے میکانکی بنانا موجودہ حالات میں سُودمند ہو سکتا ہے۔

اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے ماضی میں بہت سے بہتر آلاتِ زراعت تیار کئے گئے۔ ان آلات کی اچھی طرح آزمائش کے بعد ان میں خاص ڈھال دار ہل، نارویجین دندانے دار سرادن، گول چپٹے سرادن، بتری یا کیتی اور مہاراشٹری مثالی بینتر سب سے زیادہ موزوں پائے گئے۔

اعلیٰ پیداواری اقسام اور ملوان فصل پروگرام' کے رواج سے کھیتی باڑی کا طریقہ بدل گیا ہے' لہذا فارم میکانکی ناگزیر ہوگئی ہے۔ چھوٹے کسان جن کے پاس چھوٹے قطعات اراضی ہیں محدود ذرائع کے سبب سے جدید ترین طریقوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ "کسٹم سروس" کھیتی باڑی میں کوئی نیا تصور نہیں ہے جس کا مقصد یہی ہے کہ ایسے زراعتی خدماتی مراکز قائم کئے جائیں جن کا انتظام افراد' اداروں اور جماعتوں کے ہاتھ میں ہو۔ زمین کے چھوٹے ٹکڑے رکھنے والے کسان قیمتاً ان خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

زرعی انجنیئری شعبہ نے ۱۹۷۱ء سے ریاست کے مختلف حصوں میں ٹریکٹروں کا کرایہ پر لین دین شروع کیا۔ ۱۹۷۲ء میں جب کہ سخت سوکھا پڑا تھا، کھیتی باڑی کے قابل جاندار بیل کمیاب تھے اور آئندہ فصل کیلئے کھیتوں کی جوتائی وغیرہ کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس کٹھن زمانے میں میڈک نے جو کچھ خدمت انجام دی اس سے کسان بہت متاثر ہوئے۔

دوسرے مرحلے پر کارپوریشن نے ۱۹۷۴ء سے علاقہ واری زراعتی خدماتی مراکز جاری کئے۔ ان کے ذریعے ٹریکٹروں کے موثر استعمال اور اُن کی دیکھ بھال ممکن ہو سکی۔ اس سلسلے میں ابتدا میں ہولگر ٹی ایل۔ ۲۰ ایچ۔ پی ٹریکٹر اور روسی بائی لاروس ۵۰ ایچ پی ٹریکٹروں سے کام لیا گیا۔ فی الحال پونے، کولہاپور، ناسک، جلگاؤں اور اکولہ میں ۲۶ روسی بائیلاروس ٹریکٹر کام کر رہے ہیں۔ یہ ٹریکٹر کسانوں کو معقول کرایہ پر وقت یا رقبہ کی بُنیاد پر یعنی ۴۰ روپے فی گھنٹہ یا ۶۵ روپے فی ایکڑ کے حساب سے دیئے جاتے ہیں۔ زمین کی تیاری کے علاوہ ۱۹۷۴ء سے گیہوں اور جوار گاڑھنے کی مشینیں (تھریشر) بھی مہیا کی جا رہی ہیں۔ 'کسٹم ہائرنگ اسکیم' کے تحت بہت سے کسانوں نے اُن سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جو کارپوریشن نے مہیا کی ہیں۔ تقریباً ۹۱,۶۰۰ ہیکٹر زمین پر ہل چلایا گیا اور ۱۱۸۴ ہیکٹر زمین تیار کی گئی۔ اندازاً ہر سال ۲,۵۰۰ کسان کارپوریشن کی زیر تحویل ٹریکٹروں کے حلقہ کار میں اس سہولت سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ ترقیاتی سرگرمیوں کے سلسلے میں کارپوریشن نے ٹکنیکل گریجویٹوں کی خاطر حکومت ہند کی 'خود روزگار اسکیم' کے تحت ۴۰۰ منتظمین زرعی خدماتی مراکز کو تربیت دی۔



'میڈک' کے ایگرو-انجینیئرنگ ڈویژن نے بلغاری نمونے پر
یہ روٹو ویٹر تیار کیا ہے۔



یادر ٹیلر جو کیرالا ایگرو انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے
'میڈک' کے ذریعہ فروخت کیا جا رہا ہے۔

ی" مویشیوں کا چارہ۔ یہ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پڑوسی
، کرناٹک، گجرات، مدھیہ پردیش اور گوا میں بھی مقبول ہے







نوگا فیکٹری، ناگپور میں خودکار مشینوں پر کام کیا جا رہا ہے جو
ی نوعیت کے اعتبار سے ایشیا میں سب سے بڑی فیکٹری ہے
(پہلی اور دوسری تصویر)



بھوپال کے قریب رسائینی میں واقع کھاد فیکٹری کا اندرونی منظر
اس کی سالانہ قوت پیداوار ۴۵ ہزار میٹرک ٹن ہے۔

ریاست کے مختلف حصوں میں قائم تقریباً سب ہی زرعی خدماتی مراکز 'کسٹم ہائرنگ سروس' مہیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھاد، چارہ، کیڑا مار ادویہ اور اسپیئر پارٹس وغیرہ سپلائی کرتے ہیں نیز صلاح مشورہ بھی دیتے ہیں۔ یہ مراکز کسٹم سروس کے تحت کھیتی باڑی کے مختلف کاموں کے لئے ٹریکٹر اور فصلی بیماریوں پر قابو پانے کے لئے ساز و سامان فراہم کرتے ہیں۔ کل زیر کاشت رقبہ اور 'کسٹم ہائرنگ سروس' کی مانگ کے لحاظ سے کارپوریشن خاطر خواہ خدمت انجام دے رہی ہے۔ لیکن ہنوز یہ مطالعہ کیا جا رہا ہے کہ محکمۂ زراعت' کوآپریٹو سوسائٹیوں' کوآپریٹو شکر کارخانوں، زرعی خدماتی مراکز اور پنچائت سمیتیوں کے ذریعہ ان سرگرمیوں کو بڑھایا جائے۔

گو مختلف سطحات پر کسانوں کو ٹریکٹروں کے لئے 'کسٹم سروس' اور زراعتی مشینری مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ان کا مناسب طریقے پر استعمال حسب معیار نہیں ہے۔ لہٰذا کسٹم ہائرنگ سروس کی حوصلہ افزائی کے لئے متعدد دیگر سہولتیں بہم پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ان میں اولاً سب سے مقدم ضرورت یہ ہے کہ بیروزگار اشخاص کو بڑے پیمانے پر بنکوں کے ذریعہ قرض کی سہولت بہم پہنچائی جائے تاکہ وہ کسٹم ہائرنگ یونٹ جاری کرسکیں۔ نیز ان منتظمین کے لئے کام چلاؤ سرمایہ مہیا کرنا چاہئے تاکہ وہ کرایہ پر مشینری چلا سکیں۔ اسی طرح چھوٹے اور معمولی کسانوں کو کاشتکاری کے لئے بنک اور دیگر مالیاتی اداروں سے فصلی قرض دلانا چاہیئے۔

ان زرعی خدماتی مراکز نے کسانوں کو جدید تکنیک سے روشناس کیا ہے اور مختصر مدت میں اپنی کارگذاری سے زراعتی ترقی اور دیہی فلاح و بہبود کے میدان میں اہم مقام بنا لیا ہے۔ لہٰذا ریاست کے محکمۂ زراعت، زراعتی یونیورسٹیوں، دیہی بنکوں اور زرعی صنعت و حرفت کا فرض ہے کہ ان مراکز کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کریں تاکہ یہ اپنی سرگرمیوں کو بڑھا سکیں۔ اندازہ ہے کہ مہاراشٹر کے ایسے علاقے اور پسماندہ خطے میں جہاں فی الحال ایسے مراکز نہیں ہیں مزید ۲۵۰ مراکز کھولے جا سکتے ہیں دیہی علاقوں میں اس قسم کی اسکیم پر عمل لاکر لائق فنی افراد کو وہیں رکھا جا سکے گا نیز دیہاتوں میں بے روزگار اشخاص کے لئے روزی کے مواقع بھی بڑھیں گے۔ اس طرح دیہی علاقوں سے تعلیم یافتہ اشخاص کی شہروں کی طرف ہجرت کا مسئلہ بھی کسی نہ کسی حد تک خود بخود حل ہو جائے گا۔

کھاد: کارپوریشن نے ضلع قلابہ میں پنویل کے قریب رسائنی میں دانہ دار کھاد تیار کرنے کے لئے دو پلانٹ قائم کئے ہیں ان میں سے ایک میں ایک سال میں ۴۵۰۰۰ میٹرک ٹن کھاد تیار کرنے کی گنجائش ہے۔ ان کارخانوں میں ڈائرکٹر جنرل کی سفارشات کے مطابق مقررہ اقسام کی کھاد تیار کی جاتی ہے۔ کارپوریشن کے پاس ایک سپر فاسفیٹ پلانٹ بھی ہے جس کی سالانہ قوت پیداوار ۴۵،۰۰۰ میٹرک ٹن ہے۔ اعلیٰ قسم کی اچھی زراعتی پیداوار کی غرض سے کھاد کی تیاری اور تقسیم بھی ایک اہم کام ہے۔ میڈک کھاد کی تیاری کے لئے دو کارخانے چلا رہی ہے جن میں ایک رسائنی (ضلع قلابہ) اور دوسرا کراڈ (ضلع ستارا) میں ہے۔ دو مزید کارخانوں میں پیداواری کام شروع ہو گیا ہے جن میں سے ایک پلسورا (ضلع جلگاؤں) اور دوسرا ناندیڑ میں واقع ہے۔ اس طرح میڈک سالانہ مقررہ اقسام کی ۱،۶۵،۰۰۰ میٹرک ٹن کھاد تیار کرانے کے قابل ہے۔ مطالعہ پر مزید دیگر اقسام کی کھاد بھی تیار کرائی جاتی ہے۔

مہاراشٹر میں دانہ دار کھاد کارخانوں کی کل قوت پیداوار پانچ لاکھ ٹن ہے۔ اس کل قوت پیداوار میں میڈک کا حصہ ۳۲ فیصد ہے۔ کھپت کے معاملے میں میڈک کا حصہ لگ بھگ ۴۰ فیصد ہے۔

'پولٹری فیڈ'

اب لوگوں میں پولٹری یا مرغی پالن کا شوق بڑھ رہا ہے۔ اکثر کسان اور مزدوروں نے پولٹری کا کام بھی شروع کیا ہے تاکہ یہ ان کی آمدنی بڑھانے میں معاون ہو۔ تعلیم یافتہ افراد بھی جو سائنٹفک جانکاری بھی رکھتے ہیں' اسے بطور پیشہ اختیار کرنے لگے ہیں۔ اچھے صحت مند چوزے' انتظامی تربیت طبی امداد اور مالی امداد اب آسانی سے دستیاب ہوتی ہے

پولٹری کو فروغ دینے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے میڈک کے تعاون سے چینچوڈ، پونے، آلے اور گورے گاؤں میں 'اینیمل فیڈ' کارخانے قائم کئے ہیں تاکہ اس صنعت و حرفت کی ایک اہم ضرورت پوری کی جا سکے۔

ماہرین کی زیر نگرانی میڈک' پولٹری کے لئے ایک قوت بخش غذا تیار کراتی ہے۔ اس طرح بھیڑ، بکری، گھوڑے' اونٹ وغیرہ کے لئے حسب ضرورت قوت بخش چارہ تیار کرایا جاتا ہے۔

میڈک لگاتار کوشش سے 'کرشی اُدیوگ' نے کسانوں میں ساکھ قائم کرلی ہے۔ کارپوریشن نے کراڈ میں ایک امداد باہمی کھاد کارخانے کا انتظام بھی سنبھال لیا ہے تاکہ جنوبی مہاراشٹر کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ اُمید ہے کہ اس کارخانے میں بھی دانہ دار کھاد تیار ہوگی۔

ایس۔ایس۔پی کی تیاری کے واسطے سلفیورک ایسڈ کی کمیابی کارپوریشن کے لئے ایک بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہلکا سلفیورک ایسڈ حاصل کرنے میں میڈک، ہندوستان آرگینک کیمیکلز ہی کی محتاج ہے۔ ماہانہ تقریباً ۲٫۵۰۰ ٹن کی ضرورت کے مقابلے میں کارپوریشن صرف ۶۰۰ ٹن ماہانہ حاصل کرسکتی ہے۔ جبتک ۴۵۰۰ قوت پیداوار رکھنے والے ایس۔ایس۔پی پلانٹ سے پورا استفادہ نہ کیا جائے تیاری کی لاگت بھی زیادہ رہے گی۔ اب تجویز یہ ہے کہ کارپوریشن روزانہ ۷۵ ٹن پیداوار کے قابل سلفیورک ایسڈ پلانٹ لگائے۔ اس سلسلہ میں آخری فیصلہ جلد ہی ہوجائے گا۔ خیال ہے کہ اس پلانٹ کی لاگت لگ بھگ ۴ کروڑ روپے ہوگی۔

کارپوریشن کی مجلس منتظمہ کے فیصلہ کی روشنی میں کارپوریشن نے فی الحال منصوبہ رپورٹ تیار کرلی ہے تاکہ چار میونسپل شہروں یعنی بمبئی پونے، ناگپور اور سولاپور میں شہری کچرے سے ملواں کھاد بنانے کے پلانٹ قائم کئے جائیں۔ ان چار پلانٹوں کی کل منصوبہ جاتی لاگت ۴۰ء۳ کروڑ روپے ہوگی جس میں مرکز کا حصہ ۱۵ء ۱ کروڑ روپے ہوگا یعنی مرکزی امداد ۳۳ فیصد ہوگی۔ منصوبہ جاتی لاگت کا ایک تہائی حصہ مالیاتی اداروں کی جانب سے پورا کیا جائے گا اور بقیہ رقم اس کے محرک برابری سے دینگے۔ بمبئی میں پلانٹ کے قیام میں کارپوریشن بمبئی میونسپل کارپوریشن اور دکن سیلز کارپوریشن پرائیویٹ لمیٹیڈ کے ساتھ شریک کار ہے جبکہ دیگر تین شہروں میں میڈک تینوں کارپوریشنوں کے تعاون عمل سے پلانٹ قائم کرے گی۔ بمبئی کے معاملے میں 'بمبئی کمپوسٹ کمپنی' نامی ایک الگ کمپنی قائم کی جارہی ہے جس میں میڈک ۱/۲ سرمایہ حصص دے گی۔ دیگر تین شہروں کے سلسلہ میں فی الحال یہ تجویز کی گئی ہے کہ ایک نئی کمپنی بنام 'مہاراشٹر کمپوسٹ کمپنی' قائم کی جائے جس کے سرمایہ حصص میں ۵۰ فیصد حصہ میڈک دے گی۔

کھاد ۷۵ امداد باہمی جماعتوں اور اتنے ہی تقسیم کاروں کے توسط سے تقسیم کی جاتی ہے۔ تقریباً ۳۰۰ منتظمین زرعی خدماتی مراکز کے وسیلے سے بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ قیمت اور رعایت کے معاملہ میں امداد باہمی جماعتوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ کارپوریشن ایک سرکاری ادارہ ہے لہذا فروخت کے لئے میدان محدود ہے۔ اسے ریاست کی حدود سے باہر کھاد فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بہرحال پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر میں کھاد بنانیوالے بڑے اداروں سے سخت مقابلے کے باوجود میڈک نے مغربی مہاراشٹر میں ابتدائی بھرپور منڈی بنالی ہے۔

کیڑا مار ادویہ : کارپوریشن فی الحال کیڑا مار ادویہ کے معاملے میں تجارتی طور سے کام کرتی ہے یا کامدھینو پیسٹی سائڈ لمیٹیڈ سے ٹھیکہ پر مال حاصل کرتی ہے۔ بہرحال اب یہ خیال ہے کہ کارپوریشن کیڑا مار ادویہ کی تیاری کا کام بھی ہاتھ میں لے تاکہ یہ بروقت معقول قیمت پر کسانوں کی ضرورت پوری کرنے کے قابل ہوجائے۔ اس مقصد سے کارپوریشن کا ارادہ ہے کہ کیڑا مار ادویہ کی تیاری کے لئے خود اپنا یونٹ قائم کرے۔

تقریباً دو سال ہوئے کارپوریشن نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کیڑا مار ادویات کی فراہمی کے میدان میں داخل ہو۔ اس سلسلہ میں اس نے ایک موجودہ کمپنی سے معاہدہ کیا تھا۔ اس نے دیگر کمپنیوں کی تیار کردہ کیڑا مار ادویات کی تقسیم کا کام بھی شروع کیا ہے۔ کیڑا مار ادویات مہاراشٹرا اسٹیٹ ویر ہاؤسنگ کارپوریشن کے ضلع گوداموں میں جمع کی جاتی ہیں اور ان کے توسط سے فروخت کی جاتی ہیں۔ پہلے دو سال میں بالترتیب تین کروڑ روپے اور ۵۰ء۳ کروڑ روپے کی مالیت کی کیڑا مار ادویات کسانوں کے ہاتھ فروخت کی گئیں۔

میڈک پوری پوری کوشش کرتی ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو مختلف اقسام کی کیڑا مار ادویہ کی قیمتِ فروخت کم سے کم رہے اور مہاراشٹر کے کسانوں کو قدرتی یا مصنوعی قلت کے زمانے میں لوٹا نہ جاسکے۔

لوہا اور فولاد : زراعتی استعمال کے لئے لوہے اور فولاد کی تقسیم کا کام ۱۹۶۹ء میں کارپوریشن کو سونپا گیا تھا جبکہ اس پر کنٹرول عائد تھا۔ اس کے بعد لوہے اور فولاد کی تقسیم پر سے کنٹرول اُٹھا لیا گیا اور یہ آزادی سے دستیاب ہونے لگا۔ اس کے باوجود میڈک کی کوشش یہی ہے کہ اس کی تقسیم باقاعدہ ہوتی رہے اور کسان مطمئن رہیں۔

مویشی کا چارہ : حکومت کی طرف سے جاری کئے گئے ڈیری اور مویشی نیز پولٹری شدھار پروگراموں کے باعث مویشی اور پولٹری کے لئے خاص مرکب چارے اور غذا کی مانگ بڑھ گئی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے میڈک نے گورے گاؤں اور چھچھونڈ میں دو جدید 'فیڈ مکسنگ پلانٹس' قائم کئے ہیں۔ اس نے ناندیڑ اور ناگپور میں دو چھوٹے فیڈ



ہند کے اولین ادیبان پنڈت' دھولے
(مہاراشٹر) کے شری جی۔ ڈی مالی، جنھیں
صدر ہند شری نیلم سنجیوا ریڈی مبارکباد
پیش کر رہے ہیں۔



کراڈ، ضلع ستارا میں کھاد فیکٹری کے
جنریٹر اور کولر پلانٹ کا منظر۔

مکسنگ یونٹوں کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ ان تمام پلانٹوں کی کل سالانہ قوتِ پیداوار ۶۶۰۰۰ میٹرک ٹن ہے۔ گوریگاؤں اور چنچوڑ میں واقع کارخانوں میں جدید ترین لیبوریٹریاں ہیں جہاں خام اور تیار مال کی جانچ کی جاتی ہے، اور کوالٹی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ کوالیفائڈ اینیمل نیوٹریشن افسران پیداوار کی نگرانی کے لئے ان کارخانوں سے منسلک ہیں۔

یہ چارہ اور غذا جس کا تجارتی نام "سوگراس" ہے بازار میں فروخت کیا جاتا ہے۔ ترقی پسند ڈیری اور پولٹری کسان، کوآپریٹو ملک سوسائٹیاں، سرکاری فارم، زراعتی یونیورسٹیاں اور پڑوسی ریاستیں گوا، کرناٹک، اور گجرات بڑے پیمانے پر یہ چارہ استعمال کرتی ہیں۔ 'سوگراس' ساٹھ تقسیم کاروں کے توسط سے فروخت کی جاتی ہے جن میں سے ۱۲ کوآپریٹو سیکٹر اور ۴۸ پرائیویٹ سیکٹر کے ہیں اور سات زرعی و خدماتی مراکز کے صنعت کار ہیں۔ مراٹھواڑہ کی ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور ودربھ ڈیولپمنٹ کارپوریشن کو بھی تقسیم کار مقرر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فروخت کو بڑھانے کی غرض سے سیلز مینیجر کی زیر رہنمائی بکری افسران اور بکری نمائندوں کی ایک جماعت بھی مقرر کی گئی ہے۔ بکری افسران اور بکری نمائندے ویٹرنری گریجویٹ ہیں۔

نوگا: میڈک نے ۱۹۷۲ء میں سابق ناگپور آرینج گروورس ایسوسی ایشن کے پھل اور سبزیوں کے پروسیسنگ پلانٹ کو اپنی تحویل میں لے لیا اور پھل و سبزیوں سے معیاری مشروبات اور اشیاء تیار کرنا شروع کیا۔ اس کا تجارتی نام برقرار رکھا گیا کیونکہ منڈی میں اسی نام سے اس کی ساکھ قائم ہے۔ سنتروں کے باغات کے حلقہ میں واقع یہ کارخانہ ایشیا بھر میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا کارخانہ ہے۔ 'نوگا' کی اشیاء اندرونی منڈی میں سب سے اعلیٰ مانی جاتی ہیں۔ گھریلو نیز فوجی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ میڈک نے ۱۹۷۵ء کی دوسری ششماہی سے برآمدی منڈی میں بھی قدم رکھ دیا ہے۔ برآمدی قدر مبادلہ جو ۷۴-۱۹۷۳ء میں صرف ۹۰ء۴۹٬۳۲ روپے تھی فی الحال ۷۷-۱۹۷۶ء میں بڑھ کر ۱۵٬۴۱٬۲۸٬۵۸ روپے ہوگئی ہے۔ میڈک کی تیار کردہ اشیاء کا بڑا حصہ خلیج ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا مال امریکہ، روس، کنیڈا اور سنگاپور بھی جاتا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں خصوصاً آم سے تیار کردہ اشیاء پلپ، رس، جام اور اسکاش ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتی ہیں۔

ناگپور کی اس 'نوگا' فیکٹری میں خاص طور پر تین پھلوں سنترہ، آم اور ٹماٹر سے شربت، رس، جام جیلی اور ساس وغیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہاں سبزیوں سے بھی اسی قسم کے مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ کارپوریشن ملک میں فوجی افراد کے لئے ڈبوں میں بند غذا بھی مہیا کرتی ہے۔ ناگپور کے مشہور سنترے 'مندرن' سے نوگا کی تیار کردہ اعلیٰ قسم کی خوش ذائقہ مشروبات، اسکاش اور مارملیڈ دنیا بھر میں مقبول ہیں۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں مشرقی جرمنی کے بین الاقوامی لیپزگ میلہ میں نوگا کے آرینج مارملیڈ پر سونے کا تمغہ ملا تھا جس میں ۶۱ ممالک شریک ہوئے تھے۔

اس روئیداد سے گذشتہ گیارہ سال کے عرصہ میں کارپوریشن کی کارگذاری اور خدمات کا تھوڑا بہت اندازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن ابھی اسے کافی مسافت طے کرنا ہے یہ زرعی و صنعتی میدان میں لازماً ایک ترقیاتی ادارہ ہے اور ترقی کی کوئی منزل آخری نہیں ہوتی۔ یہ تو فلک ہی کو چھوتی ہے۔ بہرحال بقول شری کے۔ راجن، مینیجنگ ڈائرکٹر کارپوریشن "میڈک کی صدا کوشش یہی ہے کہ نئے نئے میدان تلاش کرے اور آگے ہی آگے قدم بڑھاتی جائے۔"

●●

• وی۔ سی سانے جوائنٹ کمشنر (پونہ ڈویژن)
فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن، مہاراشٹر اسٹیٹ

ملاوٹی غذا کا قانون اور آپ

گذشتہ ۲۵ سالوں سے ملک میں ملاوٹی غذا کی وباء عام رہی ہے اور اس دوران پری وینشن آف فوڈ ایکٹ میں دو بار ترمیم کی جاچکی ہے۔ یہ قانون نہ صرف یہ کہ غیر ذمہ دار تاجروں کی غیر سماجی حرکتوں کے خلاف قانونی جواز پیش کرتا ہے بلکہ ملاوٹی غذاؤں سے پیدا ہونیوالے بُرے نتائج سے لوگوں کو خبردار بھی کرتا ہے۔

صحت کی خرابیاں : اس قانون کو جاننے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ جانا جائے کہ ملاوٹی غذائیں کس طرح انسانوں کے لئے خطرناک ہو سکتی ہیں، مثلاً دال، چیٹ پٹے مسالے، مٹھائیاں، برف کے گولے اور شربت وغیرہ کو رنگنے کے لئے ممنوعہ رنگ کے استعمال سے کینسر ہو سکتا ہے۔ کھانے کے تیل میں مضر کیمیاوی اجزاء یا معدنی تیل کی ملاوٹ سے استسقا کا مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ ہاتھ اور پیر سوج سکتے ہیں، لاک دال کھانے سے لیتھی ریزم نامی بیماری ہو جاتی ہے اس مرض میں جسم کے نچلے جوڑ مفلوج ہو جاتے ہیں اور مریض کو سرکتے ہوئے چلنا پڑتا ہے۔ شکر کے سفوف میں واشنگ سوڈا ملانے سے آنت کی بیماریاں ہوتی ہیں۔ الکحل کی مشروبات میں میتھائل الکحل کی ملاوٹ سے اندھاپن یا موت واقع ہو سکتی ہے۔

غذا کی تعریف : ' غذا ' سے کیا مراد ہے؟ عام معنوں میں ' غذا ' کا مطلب ہے ' کھانے کے لئے تیار شدہ غذا۔ اگر ' غذا ' کی تعریف کو محدود کر دیا جائے تو کئی اشیاء جو غذا کہلاتی ہیں لیکن درحقیقت غذا تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں، قانون کے شکنجہ سے بچ سکتی ہیں۔ لہذا مذکورہ بالا ایکٹ میں ' غذا ' کی تشریح کو بہت ہی وسیع معنوں میں پیش کیا گیا ہے۔

اس قانون کے تحت غذا سے مراد ہے ایسی شے جو غذا کے طور پر یا مشروب کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، بجز دوا اور پانی کے۔ اس میں یہ بھی شامل ہیں :

الف) کوئی بھی شے جو کہ انسانی غذا میں شامل کی گئی ہے یا غذا بنانے کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ (ب) کوئی بھی خوشبو یا مصالحہ (ج) کوئی بھی شے جسے مرکزی حکومت نے استعمال، نوعیت یا خاصیت کی بنا پر، حکومت کے گزٹ میں قانونی نقطہ سے بحیثیت غذا کے پیش کیا ہے۔

اس طرح سے باوجود اس کے کہ پانی جسم کے لئے اور دوائیاں بیماریوں کے خاتمہ کے لئے ضروری ہیں، یہ دونوں ہی قانون میں غذا کی تعریف میں نہیں آتے۔ اسی طرح ہم مرچ، ہلدی، نمک، اجوائن وغیرہ کو بھی غذا نہیں کہہ سکتے، لیکن پھر بھی ان کا اصلی ہونا ضروری ہے۔

پانی اگرچہ قانون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، لیکن برف، سوڈا، لیمن اور بیج وغیرہ قانون کے مطابق غذا قرار دیئے گئے ہیں۔ خمیر، سوڈا بائی کارب، کھانے کے رنگ، خوشبو وغیرہ کو بسکٹ، کیک اور پیسٹری وغیرہ تیار کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ درحقیقت ہم ان کیمیائی اجزاء کو کھاتے نہیں ہیں لیکن قانونی نقطۂ نظر سے انھیں غذا تصور کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

مِلاوٹی غذا : عام لفظوں میں غذا کے مِلاوٹی اجزاء سے ہمارا مطلب ہوتا ہے غذا سے نکالے گئے خاص اجزاء یا غذا میں شامل کئے گئے ایسے کمتر اجزاء جن سے غذا کی خاصیت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ہم ہمیشہ دودھ میں پانی کی ملاوٹ، دودھ میں سے چربی کی علیحدگی، گھی میں بناسپتی کی ملاوٹ یا مسکہ میں نشاستہ کی آمیزش کی مثالیں دیتے ہیں۔ یہ روزمرہ زندگی میں پیش آنیوالے تجربات ہیں۔

قانون کے تحت، کئی وجوہات کی بناء پر کسی غذا کو ' ملاوٹی ' غذا قرار دیا جا سکتا ہے۔

کبھی کبھار ایسی غذائیں فروخت کی جاتی ہیں جو خاصیت میں خریدار کی منشا کے خلاف پائی جاتی ہیں۔ کبھی غذا میں کچھ ایسے اجزاء شامل پائے جاتے ہیں جو غذا کی خاصیت کو بُری طرح متاثر کرتے ہیں۔

اگر کسی غذا میں کوئی کمتر خاصیت کی شے مکمل یا جزوی صورت میں ملا دی گئی ہو یا کوئی جزو مکمل طور سے یا حصوں میں غذا سے علیحدہ کر دیا گیا ہو جس کی بنا پر غذا کی خاصیت بُری طرح متاثر ہوتی ہے، تو ایسی غذا کو ملاوٹی کہا جا سکتا ہے۔

نیز، کوئی غذائی شے جو غیر صحت مند حالات میں تیار کئے جانے یا سیل بند یا رکھے جانے کی بنا پر خراب ہو جائے جس سے صحت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، یا ایسی شے میں گندے، سڑے گلے، بیمار جانور یا ترکاریوں کے اجزاء موجود ہوں، یا جس میں کیڑے ہوں یا ایسی غذا جو انسانوں کے کھانے کے لائق نہ ہو تو انھیں ملاوٹی غذا کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں ایسی غذا جس میں زہریلا مادہ شامل ہو، یا زہریلے مادے کا کوئی حصہ شامل ہو، یا اس میں مشروط رنگ کے علاوہ کسی دوسرے رنگ کی آمیزش ہو، یا رنگ مخصوص مقدار سے کم یا زیادہ ہو جس سے صحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو ایسی غذا کو بھی ملاوٹی غذا کہا جائے گا۔

اسی طرح کسی غذا میں ممنوعہ اجزاء شامل ہوں، یا منظور شدہ اجزاء کی مقدار مخصوص حد سے زائد ہو، یا اس غذا کی خاصیت مقررہ معیار سے کم ہو، یا اس میں شامل اجزاء کی تعداد مخصوص حد سے کم و بیش ہو جس کی وجہ سے صحت پر بُرا اثر پڑنے کا خطرہ ہو یا نہ ہو ایسی غذا کو بھی ملاوٹی غذا تصور کیا جا سکتا ہے۔

لہذا قانون میں 'ملاوٹی غذا' کے معنی بہت وسیع کر دیئے گئے ہیں۔

غلط لیبل لگی ہوئی غذائی اشیاء

زیرِ قانون کئی وجوہات کی بناء پر کسی بھی غذائی اشیاء کو غلط لیبل شدہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی غذائی شے کسی دوسری غذائی شے کی نقل ہو، یا کسی دوسری غذائی شے سے اس طرح مماثلت رکھتی ہو کہ اس سے اصل کا دھوکہ ہو اور اس پر اصلیت چھپانے کے لئے دوسرا لیبل لگایا گیا ہو، یا اس شے کو غلط طور سے کسی دوسری جگہ کا یا ملک کا بنا ہوا بتایا گیا ہو، یا اُسے ایسے نام سے فروخت کیا جاتا ہو جو کسی دوسری ہی شے کا ہے، تو اُسے غلط لیبل شدہ کہا جائے گا۔

نیز، اگر کسی شے کی خرابی کو چھپانے کے لئے رنگ، خوشبو، یا پاوڈر استعمال کیا گیا ہو یا اس کی اصل قدر و قیمت سے زیادہ قیمتی بتانے کے لئے پالش کیا گیا ہو، یا لیبل پر غلط اندراج ہوں یا قانون کی رو سے ایسی اشیاء کی پیکٹ پر لگے ہوئے لیبل پر اشیاء کے بارے میں ضروری معلومات درج نہ ہوں تو اُسے غلط لیبل شدہ کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں، اگر پیکٹ پر اشیاء کے اجزاء یا اشیاء کے بارے میں غلط معلومات درج کی گئی ہوں یا پیکٹ ہی غلط استعمال کیا گیا ہو، یا پیکٹ پر اور پیکٹ پر لگے ہوئے لیبل پر کسی خیالی شخص یا کمپنی کو اشیاء سے منسوب کیا گیا ہو، یا اسے کسی قوت بخش غذا کے طور پر پیش کیا گیا ہو لیکن اس پر لگے ہوئے لیبل پر غذا میں شامل وٹامن، معدنیات وغیرہ کا اندراج نہ ہو، تو اُسے بھی غلط لیبل شدہ کہا جائے گا۔

اسی طرح اگر بناوٹی خوشبو، رنگ یا کیمیکل کا استعمال کیا گیا ہو لیکن لیبل پر اس کا کوئی ذکر نہ ہو یا لیبل پر اندراجات، متعلقہ قانون و شرائط کے خلاف ہوں تو اُسے غلط لیبل شدہ کہا جائے گا۔

ممنوع اقدامات اور سزائیں

پری وینشن آف فوڈ اڈلٹریشن ایکٹ کے تحت (ملاوٹی غذا کی روک تھام کا قانون) ایسی غذائی اشیاء کی درآمد، تیاری، تقسیم، اسٹاک کرنا یا فروخت ممنوع ہے جو ملاوٹی ہوں، غلط لیبل شدہ ہوں یا جو فوڈ (ہیلتھ) اتھارٹی کی جانب سے ممنوع قرار دی گئی ہوں۔ اس کے علاوہ مخصوص غذائی اشیاء کی تیاری اور فروخت جن کے لئے لائسنس ضروری ہے، بنا لائسنس ممنوع ہے۔ لائسنس کی ضروری شرائط کی تکمیل کئے بغیر غذائی اشیاء کی تیاری اور فروخت ایک جرم ہے۔

۱۹۷۴ء میں کی گئی ترمیم کی بناء پر اس قانون کے تحت سخت سزائیں رکھی گئی ہیں۔ کم از کم سزا چھ مہینے سے لے کر ۲ سال کی جیل مع جرمانہ جو ایک ہزار روپیہ یا زائد۔

اگر ملاوٹ صحت کے لئے زیادہ مضر ثابت ہو تو سزا ایک سال سے لیکر چھ سال تک جیل مع جرمانہ دو ہزار روپیہ۔

ملاوٹی غذا کے استعمال کے نتیجہ میں موت یا تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۲۰ میں بیان کئے گئے اپاہج ہونے کی حد تک متاثر ہونے کی صورت میں اس قانون کی رو سے تین سال سے لیکر عمر قید مع جرمانہ پانچ ہزار روپیہ کی سزا دی جا سکتی ہے۔

قانون کا نفاذ : حکومت نے غذا میں ملاوٹ کے خاتمے کے لئے گذشتہ چھ سالوں میں کئی اقدامات کئے ہیں جو حوصلہ افزا ثابت ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلے قدم کے طور پر ریاستی حکومت نے ۱۹۷۰ء میں اس قانون کے نفاذ کی ذمہ داری قبل کے ڈرگ کنٹرول ایڈمنسٹریشن کو

سونپ دی ہے جس کا نیا نام ڈرگ ایڈمنسٹریشن رکھا گیا ہے۔

مہاراشٹر ملک بھر میں پہلی ریاست ہے جہاں غذا، دوائیں اور زیبائشِ حسن کی چیزوں پر نظر رکھنے کے لئے اور جراثیم کش دواؤں میں ملاوٹ، دواؤں کے اشتہارات اور دواؤں کی قیمتوں پر توجہ دینے کی ذمہ داری صرف ایک ہی عملہ کے سپرد کی گئی۔

اس کے علاوہ میونسپل حدود کے باہر کے علاقوں میں بھی اس قانون کے نفاذ کو عمل میں لانے کے لئے ریاستی حکومت نے اقدامات کئے ہیں جس سے وہی علاقوں کی ۷۰ فیصد آبادی کی حفاظت کا انتظام ہو سکا ہے۔ اس سلسلہ میں ۲۰۰ فوڈ انسپکٹروں کا تقرر کیا گیا ہے۔ شاید ملک بھر میں مہاراشٹر ہی ایسی ریاست ہے جہاں اتنی تعداد میں پورے وقت کے لئے فوڈ انسپکٹر مقرر کئے گئے ہیں۔ یہ افسران دوکانداروں، تھوک فروشوں اور کارخانوں کے علاوہ ایس ٹی کینٹین، گورنمنٹ اسپتال، اکٹرائے ناکہ وغیرہ سے غذا کے نمونے حاصل کرتے ہیں۔ یہ کارخانوں اور دوکانوں کا بھی دورہ کرتے ہیں اور انھیں صفائی، صحت عامہ، چیزوں کو محفوظ رکھنے کے طریقوں کے بارے میں ہدایات دیتے رہتے ہیں۔

فوڈ انسپکٹر کی جانب سے روانہ کردہ غذا کے نمونوں کی جانچ کے لئے ریاست میں آٹھ تجربہ گاہیں بمقام بمبئی، پونے، اورنگ آباد، امراؤتی، ناگپور، جلگاؤں، کولہاپور اور سولاپور میں قائم کی گئی ہیں۔ ریاست کے دیگر مقامات پر بھی ایسی تجربہ گاہیں قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

مختلف مقامات پر لیکچر، سیمینار کے ذریعے، پریس اور دیگر عوامی وسائل کی مدد سے عوام کا تعاون حاصل کرنے کی کوششیں بھی فوڈ و ڈرگ ایڈمنسٹریشن نے کی ہیں۔

ایسی نمائشیں بھی کی جاتی ہیں جس میں گھر ہی پر غذائی اشیاء میں ملاوٹی اجزاء معلوم کرنے کے طریقوں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اینڈ ایڈمنسٹریشن نے ۷۰۰ سے زائد نمائشیں کی ہیں۔ مہاراشٹر ہی شاید ایسی ریاست ہے جہاں کافی بڑے پیمانے پر صارفین کے لئے تعلیمی مہم کا انتظام کیا جاتا ہے۔

حکومت کی جانب سے کئے گئے ان تمام اقدامات کے نتیجہ میں ملاوٹی غذا کی شرح جو ۱۹۷۲ء ۲۰ فیصد تھی، گذشتہ سال کے دوران کم ہو کر ۶ فیصد رہ گئی ہے۔ امید ہے کہ مستقبل قریب میں ملاوٹی غذا کا مکمل خاتمہ ہو جائیگا

لوگ کیسے تعاون کریں: غذا میں ملاوٹ کے خاتمے کے لئے عوام درج ذیل طریقوں سے مدد کر سکتے ہیں جہاں تک ممکن ہو سکے سیل بند اور ہوا بند ڈبوں میں ہی غذائی اشیا خریدیں۔ ہمیشہ اگمارک اور آئی ایس آئی سرٹیفکیٹ والی اشیاء کو ہی ترجیح دیں۔ اپنے بچوں کو خوانچہ والوں سے ٹافی، قلفی، برف کے گولے اور دوسری مٹھائیاں خریدنے سے روکئے۔ ایسی اشیاء میں غیر صحت مند رنگ اور نقصاندہ میٹھے اجزاء کی ملاوٹ ہو سکتی ہے۔

پھیری والوں کو خالی بوتلیں دینے سے پہلے دوا غذائی اشیاء وغیرہ کو خالی بوتلوں سے لیبل الگ کر دیجئے۔ ایسی بوتلوں میں نقلی دوا، زیبائشِ حسن کی اشیاء اور غذائی اشیاء دوبارہ بھری جا سکتی ہیں۔

اگر غذا اور دواؤں کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن سے رابطہ قائم کیجئے۔ فوراً ہی تحقیقات کے لئے کارروائی کی جائے گی، اور آپ کا نام راز میں رکھا جائے گا۔

مِلاوٹ کیسے کی جاتی ہے

آپ کی رہنمائی کے لئے عام طور سے غذا میں ملائے جانیوالے اجزاء کے بارے میں چند مثالیں دی جارہی ہیں:

گھی اور مسکہ میں وناسپتی اور جانوروں کی چربی کی ملاوٹ کیجاتی ہے

ہلدی کے سفوف میں پیلی مٹی یا ابرق کو پیلا رنگ دیکر ملایا جاتا ہے۔

مسکہ میں نشاستہ کی آمیزش کی جاتی ہے۔

مرچ کے سفوف میں لکڑی کے برادے کو رنگ کر یا اینٹ پیس کر ملائی جاتی ہے۔

کافی میں املی کے بیج ملائے جاتے ہیں۔

چائے کے سفوف میں مرجھائی ہوئی چائے کی پتیاں رنگ کر ملائی جاتی ہیں۔

باریک شکر میں سوڈا بائی کارب یا واشنگ سوڈے کی آمیزش ہوتی ہے۔

کھانے کے تیل میں ستنا تیل یا معدنی تیل کی ملاوٹ کی جاتی ہے۔

مٹھائیاں، فرسان، دالیں وغیرہ کپڑا رنگنے کی ڈائی سے رنگ دی جاتی ہیں۔

زعفران میں مکئی کی بھوسی ملائی جاتی ہے۔

• دیواکر گندھے
سب ایڈیٹر، مہاراشٹر ٹائمس،

صنعتی تربیتی ادارے۔ نوجوانوں کیلئے ترقی کی راہیں

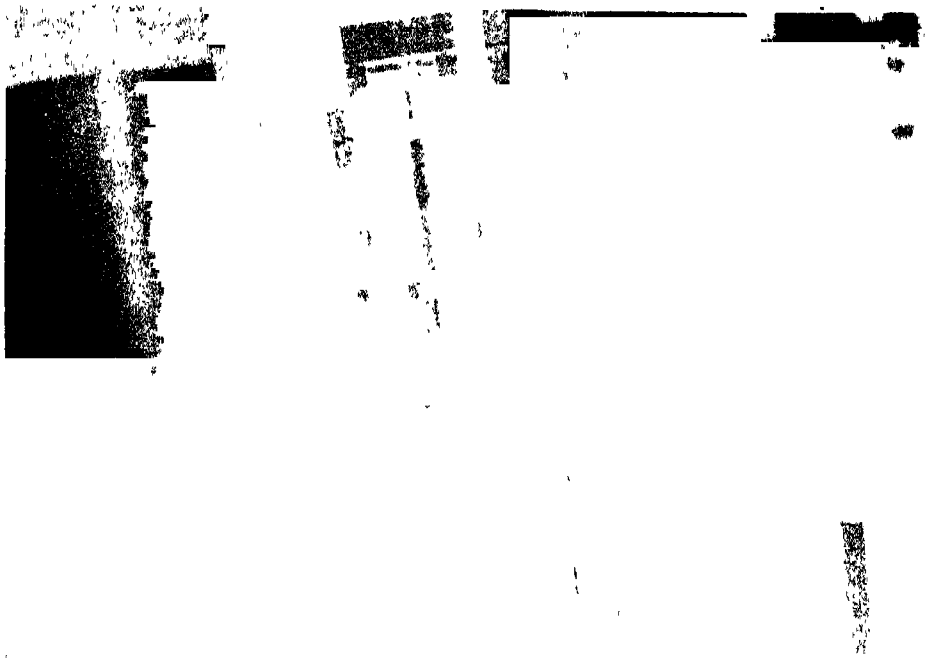
نیلی وردی میں ملبوس، گریس آلودہ ہاتھ لیئے ہوئے جا بجا لڑکے، مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ، اسپرے سے نکلنے والے رنگ کی تیز بو، ویلڈنگ مشین سے پھوٹنے والی تیز روشنی کسی کارخانے کا منظر پیش کر رہی تھی جب کہ حقیقت میں یہ اگری پاڑہ بمبئی میں واقع ایک صنعتی تربیتی ادارے (آئی ٹی آئی) کا ماحول تھا۔ ادارے کے پرنسپل شری سکھدانی کے ہمراہ میں ادارے کے تمام سیکشن کا دورہ کر رہا تھا۔

فیٹر سیکشن میں میری ملاقات وشوا ناتھ باپو راؤ کوٹھاوڑے نامی ایک طالبعلم سے ہوئی جو سیکنڈ ایر میں پڑھ رہا تھا۔

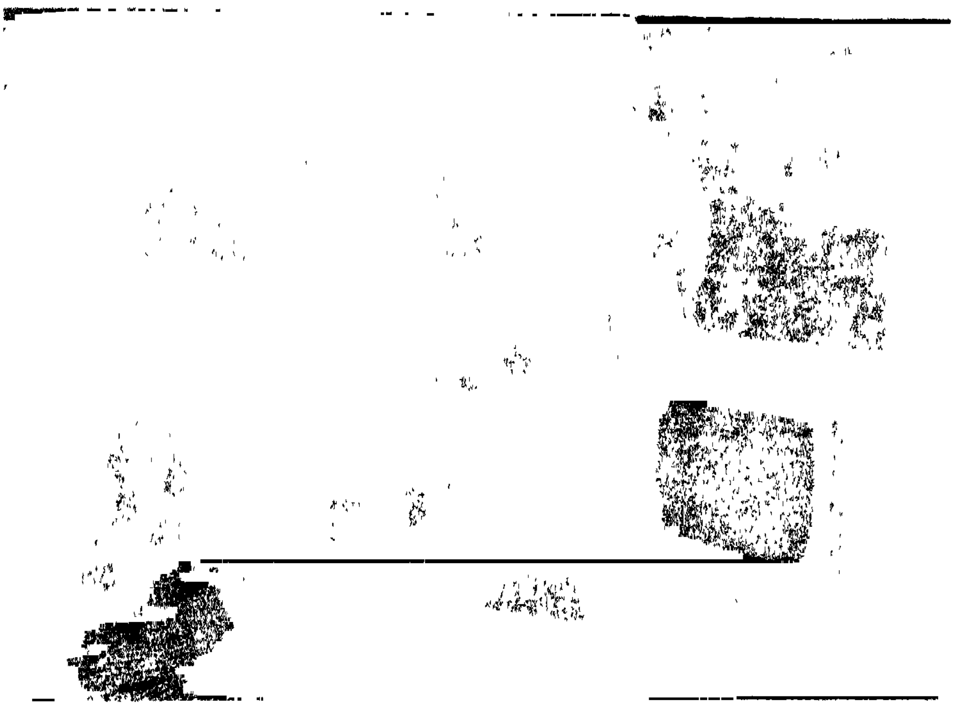
"آپ نے اس کورس میں داخلہ کیوں لیا؟" میں نے پوچھا۔

"میرے دماغ میں پہلے ہی سے یہ کورس کرنے کا خیال تھا" اس نے جواب دیا۔

وشوا ناتھ نے بتایا کہ وہ گریجویٹ ہونا چاہتا تھا لیکن مالی حالات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے مجبور تھا۔ دوسالہ کورس کرنے کے بعد اسے توقع ہے کہ کسی مشہور کمپنی میں اُسے اپرنٹس شپ کا موقع ملے گا اور شاید اسی کمپنی میں اپرنٹس شپ کے خاتمہ پر ملازمت بھی حاصل ہو جائے گی۔ اس کی خواہش ہے کہ ملازمت ملنے کے بعد گریجویشن مکمل کرے لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ جس کورس کو اس نے پسند کیا ہے اس میں تعلیم کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔



ایک طالب علم، لیتھ مشین پر اپنے کام میں محو!



طلبہ "ٹی وی میکنزم" سیکھ رہے ہیں۔

مشہور فنون: دوران گفتگو جب ہم دوسرے شعبے کی طرف جا رہے تھے، میں نے پرنسپل سکھرانی سے دریافت کیا کہ کون سے فنون کی زیادہ مانگ ہے۔ پرنسپل نے بتایا کہ اس بارے میں کچھ کہنا تو مشکل ہے لیکن ٹرنر اور ویلڈر کورس کے لئے زیادہ بھرتی ہوتی ہے۔ مشینسٹ اور ڈرافٹس مین کورس ہمیشہ زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ پرنسپل صاحب نے مزید بتایا کہ حقیقت یہ ہے کہ اس تربیت کی بدولت روزگار مہیا ہونے کی توقع نے اوسط آمدنی والے خاندان کے نوجوانوں کو بھی متوجہ کیا ہے کیونکہ تربیت مکمل کرنے کے بعد ۸۰ فیصد لڑکوں کو نوکریاں مل جاتی ہیں۔ جب میں ٹرنر سیکشن میں پہنچا تو مجھے اس بات کا ثبوت بھی جلد ہی مل گیا۔ اس سیکشن میں شری شانتا رام باگل نامی نوجوان سے میری ملاقات ہوئی۔ خاندانی حالات کے متعلق اس نے بتایا کہ اس کے والد اپنے وطن دھولے میں خود کا تانگہ چلاتے ہیں۔ لیکن آٹو رکشا عام ہونے کی وجہ سے انھیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شری باگل نے کہا کہ ایس ایس سی میں اس نے ٹیکنیکل مضامین لئے تھے۔ ٹرنر کام کی زیادہ مانگ ہونے کی وجہ سے میں نے یہ کورس پسند کیا ہے۔ اسی طرح معمولی سوجھ بوجھ کے لوگ بھی اس کورس کو سیکھنا پسند کرتے ہیں نہ صرف یہ کہ اس کورس کی بدولت روزگار مل سکتا ہے بلکہ خود کے کاروبار کے لئے بھی اس سے کافی فائدہ ہوتا ہے۔ ریاست مہاراشٹر میں ان فنون کی بہت زیادہ شہرت ہے۔ جہاں تک آئی ٹی آئی اداروں کی تعداد کا سوال ہے، ملک بھر میں یوپی کے بعد مہاراشٹر کا نمبر ہے۔ یوپی میں ان اداروں کی تعداد ۶۴ ہے۔ جبکہ مہاراشٹر میں ۴۰۔

تاریخی پس منظر: دوسری جنگ عظیم کے دوران، برطانیہ کی ناکہ بندی ہونے کی وجہ سے چونکہ مشینوں اور ماہروں کی ہندوستان میں درآمد مشکل تھی، اس لئے حکومت برطانیہ نے ایک "وار ٹیکنیشن اسکیم" جاری کی تھی جس کے تحت ہندوستانیوں کو انجنیئرنگ کے مختلف شعبوں میں ۶ سے ۸ مہینے تک تربیت دی جاتی تھی۔ جنگ کے خاتمہ پر اس اسکیم کو ریٹائرڈ فوجیوں کے لئے جاری رکھا گیا۔ آزادی ملنے کے بعد جب ملک تقسیم ہوا تو اسی اسکیم کو پناہ گزینوں کی بہبودی کے لئے استعمال کیا گیا تاکہ پناہ گزین نوجوانوں کو مختلف فنون کی تعلیم دی جا سکے۔ اس کے بعد جلد ہی حکومت نے ۱۹۵۱ء میں، ڈاکٹر شیوارائے کی صدارت میں "ٹریننگ اینڈ ایمپلائمنٹ سروس آرگنائزیشن" نامی ایک کمیٹی کا تقرر کیا۔ اس کمیٹی نے اپنی سفارشات میں حکومت سے درخواست کی کہ وہ مشینوں اور ماہرین کے مسئلہ پر گہری توجہ دے اور بڑی تعداد میں ایسے ادارے قائم کرے جہاں نئی نئی مشینوں اور ماہر ٹیکنیکل اسٹاف کی مدد سے لوگوں کو

مہاراشٹر میں آئی ٹی آئی ادارے

اور اگست ۱۹۷۷ء تک آسامیوں کی تعداد

نمبر شمار	ادارے کا نام	موجودہ آسامیاں	اگست ۱۹۷۷ء سے اضافہ شدہ آسامیاں
۱۔	آئی ٹی آئی، بمبئی	۹۰۴	۳۲
۲۔	" " " " ، اندھیری	۱۵۲	—
۳۔	" " " " ، ملنڈ	۲۵۲	—
۴۔	" " " " ، امبرناتھ	۹۱۲	۴۰
۵۔	" " " " ، بھانڈوپ	۲۴۰	—
۶۔	" " " " ، پنویل	۷۱۶	—
۷۔	" " " " ، رتناگیری	۴۱۶	—
۸۔	" " " " ، چپلون	۱۰۴	۱۲
۹۔	" " " " ، ناشک	۹۴۰	—
۱۰۔	" " " " ، دھولے	۸۴۸	—
۱۱۔	" " " " ، جلگاؤں	۷۰۴	۳۲
۱۲۔	" " " " ، احمدنگر	۵۸۴	۳۲
۱۳۔	" " " " ، شیگاؤں	۹۶	—
۱۴۔	" " " " ، اوندھ	۱۲۳۶	—
۱۵۔	" " " " ، اردلی کنچن	۱۴۴	—
۱۶۔	" " " " ، ستارہ	۹۶۰	—
۱۷۔	" " " " ، کراڈ	۷۸۴	—
۱۸۔	" " " " ، سانگلی	۷۷۲	۱۶
۱۹۔	" " " " ، سولاپور	۶۴۰	—
۲۰۔	" " " " ، کولہاپور	۱۲۴۴	—
۲۱۔	" " " " ، اورنگ آباد	۶۷۶	۶۰
۲۲۔	" " " " ، پربھنی	۳۱۲	۸۰
۲۳۔	" " " " ، بیڑ	۲۷۶	۴۴
۲۴۔	" " " " ، ناندیڑ	۴۴۸	—
۲۵۔	" " " " ، لاتور	۳۹۲	۲۲۴
۲۶۔	" " " " ، کھامگاؤں	۳۹۲	—
۲۷۔	آئی ٹی آئی، اکولہ	۴۰۸	۶۴
۲۸۔	" " " " ، امراؤتی	۶۷۲	۲۴
۲۹۔	" " " " ، یوت محل	۳۱۲	۱۶
۳۰۔	" " " " ، پلگاؤں	۳۲۸	—
۳۱۔	" " " " ، ناگپور	۱،۱۲۴	—
۳۲۔	" " " " ، گونڈیا	۷۲۰	—
۳۳۔	" " " " ، چندراپور	۳۸۸	۹۶
۳۴۔	" " " " ، ون گاؤں	۷۶	۷۶
۳۵۔	" " " " ، ندوربار	۱۶۰	۱۲۸
۳۶۔	" " " " ، ساونت واڑی	۴۸	۸۰

کل میزان : ۱۹،۴۰۴

اگست ۱۹۷۷ء سے جاری شدہ نئے ادارے

۱۔ آئی ٹی آئی، کرنجون ضلع ناسک	۱۴۴	سیٹیں
۲۔ " " " " ، پارلی ویجناتھ ضلع بیڑ	۶۰	"
۳۔ " " " " ، دھرما باد، ضلع ناندیڑ	۱۳۶	"
۴۔ " " " " ، جالنہ، ضلع اورنگ آباد	۶۰	"
۵۔ " " " " ، کھام گاؤں، تعلقہ جنیر ضلع پونے	۶۴	"

ٹیکنیکل تعلیم دی جاسکے۔ یہ بھی سفارش کی گئی کہ اس معاملے میں یکساں طریقہ رائج کیا جائے۔

بورڈ کا تقرر : ڈاکٹر شیو رائے کمیٹی کی سفارشات کو کیسے عمل میں لایا جائے اس سلسلے میں حکومت ہند کو وقتاً فوقتاً مشورہ دینے کیلئے



کولہاپور کے صنعتی تربیتی ادارے میں اوزار و آلات کھلے رکھے جاتے ہیں تاکہ طلبہ آسانی کے ساتھ استعمال کر سکیں۔

نیشنل کونسل برائے وکیشنل ٹریننگ نامی ایک بورڈ قائم کیا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں بورڈ کی تجویز کردہ کرافٹسمین ٹریننگ اسکیم کو ریاستی حکومتوں کی مدد سے ملک بھر میں عمل میں لایا گیا۔ اس ملک میں ۱۴۱۷ آئی ٹی آئی ادارے ہیں جن میں سے ۱۴۱ مہاراشٹر میں ہیں۔ ان اداروں کی ترقی و وسعت کی ذمہ داری حکومت ہند کے سپرد ہے جبکہ ان اداروں کا انتظام اور دیکھ بھال ریاستی حکومت کے ذمے ہے۔

مختلف صنعتی اداروں میں ماہرین کی ضرورت پوری کرنا، لوگو کو اس طور سے کام میں ماہر کرنا تاکہ ان کی بدولت پیداوار کے معیار و تعداد میں اضافہ ہو اور تعلیمیافتہ بیروزگار لوگوں کو کام سکھانا تاکہ بیروزگاری کا مسئلہ حل ہو، ان اداروں کا خاص مقصد ہے۔

مہاراشٹر میں ۱۴۱ آئی ٹی آئی اداروں میں ۲۸ مختلف صنعتی کام کے لئے ۲۰،۰۰۰ آسامیاں ہیں۔ علاوہ ازیں ۲۱ پرائیویٹ ادارے ہیں جن میں ۱،۷۰۰ آسامیاں ہیں۔

نصاب کی تیاری: نیشنل کونسل برائے پیشہ ورانہ فنون کی تربیت نامی ادارہ ٹریڈ کمیٹیوں کا تقرر کرتا ہے جن کی مدد سے نصاب تیار کیا جاتا ہے۔ متعلقہ کاموں میں ماہرین کے علاوہ کارخانوں کے نمائندے بھی ان کمیٹیوں میں شریک کئے جاتے ہیں۔ یہی ماہرین اور نمائندے مختلف صنعتوں میں کام کی نوعیت و ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے نصاب میں نئے کورس کی شمولیت پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ پھر ان پر غور و خوض کرنے کے بعد نصاب طے کیا جاتا ہے۔ امتحانات مرکزی حکومت کی جانب سے لئے جاتے ہیں۔ صنعتی کاموں اور صنعتی پیداوار میں رد و بدل کے پیش نظر ہر چار یا پانچ سال بعد نصاب پر دوبارہ غور کیا جاتا ہے۔ ریاستی کونسل برائے پیشہ ورانہ فنون کی تربیت، حکومت مہاراشٹر کو کارخانوں اور ماہر کاریگروں کے سلسلے میں اور آئی ٹی آئی میں سکھائے جانے والے کورس کے سلسلہ میں ضروری مشورے دیتی رہتی ہے۔ ساتھ ہی نئے کورس جاری کئے جانے کے بارے میں، آئی ٹی آئی میں آسامیوں کی گنجائش کے بارے میں، کسی پرانے کورس کو ختم کرنے کے بارے میں یا نئے ادارے جاری کرنے کے بارے میں بھی یہ کونسل حکومت کو مشورے دیتی ہے۔

داخلے کا طریقۂ کار: ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق طلبہ کو ان اداروں میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ پہلے پہل ہر سال اپریل کے آخری ہفتہ میں یا مئی کے پہلے ہفتہ میں درخواستوں کے بارے میں اشتہار شائع کیا جاتا ہے۔ درخواست فارم کے ساتھ ایک روپیہ (پچاس پیسے پسماندہ طبقات کے اُمیدوار کے لئے) بھیجنا ہوتا ہے۔ ان درخواستوں کو جانچنے کے بعد اُمیدواروں کو انٹرویو کے لئے بلایا جاتا ہے۔ انٹرویو

آئی ٹی آئی میں سکھائے جانے والے فنون کے مطابق

موجودہ آسامیاں اور ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران اضافہ شدہ آسامیوں کی تفصیلات

نمبر شمار	کام کا نام	موجودہ آسامیاں	اگست ۱۹۷۷ء میں کی گئی اضافہ شدہ آسامیاں
۱۔	لوہار	۱۱۲	
۲۔	کارپینٹر	۴۴۸	۸۰
۳۔	میکینک (ڈیزل)	۵۴۴	۱۶
۴۔	،، (ریفریجریشن ایرکنڈیشن)	۱۶۰	۱۶
۵۔	،، (موٹر گاڑیاں)	۸۹۶	۹۶
۶۔	،، (ٹریکٹر)	۲۲۴	۳۲
۷۔	مولڈر	۴۶۴	۱۶
۸۔	پینٹر	۹۶	۱۶
۹۔	پلمبر	۳۲	۱۶
۱۰۔	شیٹ میٹل ورکر	۱۹۲	۴۸
۱۱۔	ویلڈر (گیس و الیکٹرک)	۱۱۷۶	۷۲
۱۲۔	وائرلیس آپریٹر	۳۲	—
۱۳۔	پرنٹنگ مشین آپریٹر	۱۴۴	۱۶
۱۴۔	کٹنگ اور ٹیلرنگ	۲۲۴	۱۴۴
۱۵۔	ہینڈ کمپوزنگ	۱۹۲	۴۸
۱۶۔	لیدر گڈس ورکر	۱۶	۱۶
۱۷۔	اسٹینو گرافی	۷۰۴	۱۶۰
۱۸۔	بک بائنڈنگ	۱۶	—
۱۹۔	میسنری	۱۶	—
۲۰۔	آٹو الیکٹریشن	۱۶	۴۸
۲۱۔	ڈرافٹسمین (سول)	۲۸۸	۱۶
۲۲۔	ڈرافٹسمین (میکنیکل)	۴۹۶	۱۶
۲۳۔	الیکٹریشین	۱،۷۱۲	۸۰
۲۴۔	الیکٹروپلیٹر	۸۰	—
۲۵۔	فٹر	۳،۶۰۰	۱۴۴

نمبر شمار	کام کا نام	موجودہ آسامیاں	اگست ۱۹۷۷ء میں کی گئی اضافہ شدہ آسامیاں
۲۶۔	وائرمین	۹۴۴	۱۱۲
۲۷۔	مشینسٹ (کمپوزٹ)	۱،۲۵۶	۱۲
۲۸۔	،، (ایس۔ ایس۔ پی)	۳۶۰	—
۲۹۔	،، (گرائینڈر)	۶۳۶	۲۴
۳۰۔	،، (ملر)	۳۹۶	—
۳۱۔	،، (انسٹرومنٹ)	۲۷۲	—
۳۲۔	مکینک (ریڈیو، ٹی وی)	۳۳۶	۶۴
۳۳۔	پیٹرن میکر	۲۷۲	—
۳۴۔	سرویئر	۱۴۴	—
۳۵۔	ٹول اینڈ ڈائی میکر	۹۶	—
۳۶۔	بلڈنگ کنسٹرکشن	۴۸	—
۳۷۔	واچ ریپئرر	۶۴	—
۳۸۔	ٹرنر	۲،۴۶۰	۶۰
۳۹۔	الیکٹرونکس	۸۰	—
۴۰۔	فارم مکینک	۴۸	۸۰

۱۹۷۷ء میں جاری کیے گئے نئے کورس

۴۱۔ مل رائٹ مین ٹیننس مکینک ۶۴

۴۲۔ مینوفیکچر آف فٹ ویر ۳۲

۴۳۔ اسٹرکچرل فٹر ۱۶

کے لئے ایک سلیکشن کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ اس میں ایم. ایل. اے شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب کے نمائندے، کاریگروں اور مالکوں کے نمائندے نیز ضلع پریشد کے ایجوکیشن کمیٹی کے ممبران شامل ہوتے ہیں۔ ادارے کی طرف سے پرنسپل اور ڈپٹی ڈائرکٹر ٹیکنیکل ایجوکیشن کا ایک نمائندہ بھی موجود رہتے ہیں۔ یہ کمیٹی مشاورتی بورڈ کے بھی فرائض انجام دیتی ہے۔ یہ کمیٹی صحیح اُمیدواروں کا انتخاب کرتی ہے اور مستحق اُمیدواروں کے لئے وظیفہ کی سفارش کرتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر آسامیاں بڑھانے کے لئے بھی تجویز پیش کرتی ہے۔ بعض دفعہ انٹرویو سے پہلے ذہانت کا امتحان بھی لیا جاتا ہے اور صرف اسی امتحان میں کامیاب ہونیوالے اُمیدواروں کو انٹرویو کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ طالب علموں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سلیکشن کمیٹی کا انتخاب آخری ہوتا ہے۔ داخلہ سے قبل اُمیدواروں کا طبی معائنہ بھی کیا جاتا ہے۔

کچھ فنون کے لئے بھیڑ: ویسے تو آئی ٹی آئی اداروں میں داخلے کیلئے ہمیشہ ہی بھیڑ ہوتی ہے۔ ہر سال اگست میں داخلہ کا کام کیا جاتا ہے امسال بمبئی کے آئی ٹی آئی میں ۱۰۶۳۹ درخواستیں موصول ہوئیں جن میں سے صرف ۹۳۲ اُمیدوار منتخب ہوئے۔

صرف الیکٹریشن کے کام کے لئے بمبئی کے آئی ٹی آئی میں اگست ۱۹۷۷ء میں ۱۶۵۳ درخواستیں موصول ہوئیں جبکہ ٹرنر کے لئے ۵۶۸ اور فٹر کے لئے ۳۶۸ درخواستیں موصول ہوئیں۔

طالبعلموں کو سہولتیں: طالب علموں کو کئی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان اداروں میں مفت تربیت دی جاتی ہے اتفاقی رخصت اور چھٹیاں دی جاتی ہیں۔ ۳۳ فیصد طالبعلموں کو ماہانہ ۲۵ روپے فی طالب علم کے حساب سے وظیفہ دیا جاتا ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے طلبہ کو ۴۵ روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ دوسری سہولیات میں مفت اسٹیشنری، یونیفارم، طبی امداد، کھیل کود، ہوسٹل اور مفت لائبریری شامل ہیں۔ کسی تعلیمی دورہ کے دوران طالب علموں کو کرایہ میں رعایت دی جاتی ہے اس کے علاوہ روزانہ ۴ روپیہ کے حساب سے بھتہ دیا جاتا ہے۔

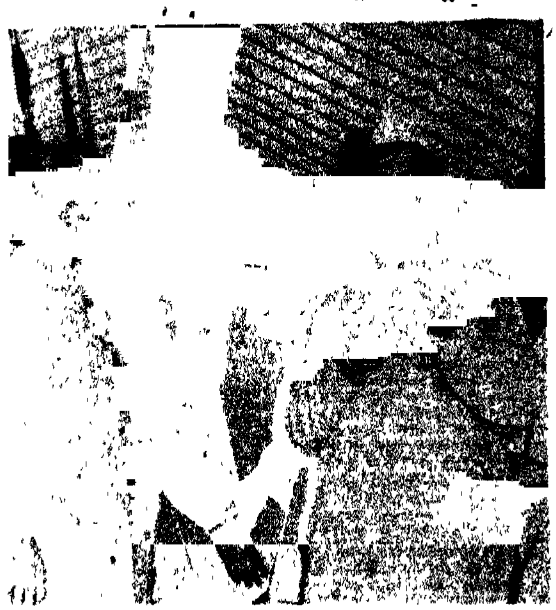
بمبئی آئی ٹی آئی کی شہرت: بمبئی آئی ٹی آئی کو ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۵ء میں "بہترین ادارہ" کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ کولہاپور کا آئی ٹی آئی بھی ایک مانا ہوا ادارہ ہے۔

مشین سیکشن میں میری ملاقات ایک طالب علم ہریش باپو راؤ نائک سے ہوئی۔ اس کے چاچا فاؤنٹین پین کے کارخانے میں کام کرتے ہیں چونکہ ہریش اپنی تعلیم جاری رکھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس لئے مشینی کام سیکھنے کے لئے اس ادارے میں داخل ہوا۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ کسی مشہور کمپنی خاص طور سے میسرز سائمن میں ملازمت حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے۔

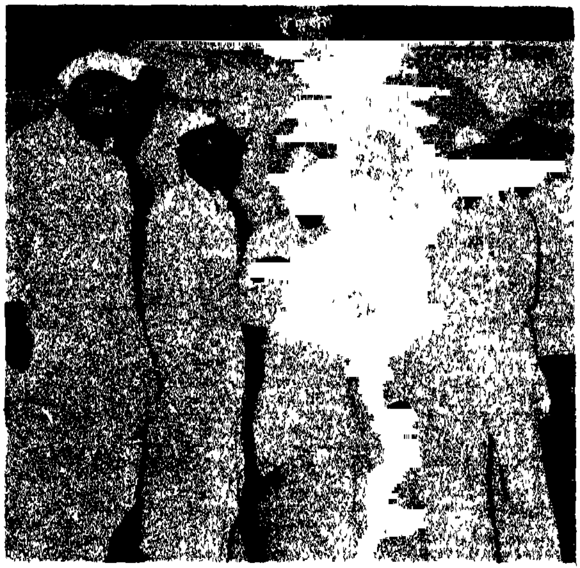
پرنسپل سکھدانی نے بتایا کہ آجکل طالب علموں کی بڑی تعداد ڈیزل میکنزم میں داخلہ حاصل کرنے کی خواہشمند ہے۔ ایسے طلبہ زیادہ تر ماہی گیروں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آجکل مچھلیاں پکڑنے کے لئے موٹر بوٹ کا استعمال عام ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ موٹر میکینک کام کی بھی بہت زیادہ مانگ ہے، اسی لئے آر. ٹی. او کے ذمہ داروں نے اس کورس کو تسلیم بھی کیا ہے۔

مہاراشٹر میں بمبئی، امبرناتھ، پنویل، ناسک، دھولیہ اور جلگاؤں میں واقع آئی ٹی آئی ادارے کافی بڑے ہیں جن میں آسامیوں کی گنجائش ۶۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰ تک ہے۔

کچھ طالب علموں نے محض روزگار کی خاطر آئی ٹی آئی میں داخلہ نہیں لیا ہے بلکہ وہ اپنا خود کا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرنا چاہتے ہیں۔ کئی طالب علم اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں اور آج ان کی اپنی دکانیں ہیں۔ حکومت نے بھی ایسی اسکیم بنائی ہے جس کے تحت دیہی علاقوں کے طلبہ کو جنھیں روزگار کے مواقع بہت کم حاصل ہوتے ہیں، ان اداروں کے ذریعہ کام سکھایا جاتا ہے تاکہ اپنا خود کا کاروبار کرسکیں۔ یہ اسکیم کولہاپور، لاتور اور چندر پور میں تجرباتی دور سے گذر رہی ہے۔ دوسری ریاستوں میں اس منصوبے کو عمل میں لانے کا مسئلہ ابھی زیر غور ہے۔



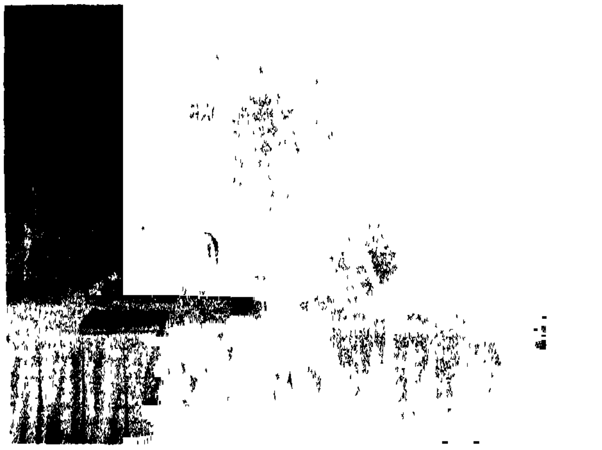
شراب بندی کے نفاذِ عمل میں بہترین کارکردگی کے صلہ میں شری ایچ. ایم. ڈی چودھری، وزیر برائے محصول، قصبہ گوڑے گاؤں، تعلقہ بھڈگاؤں ضلع جلگاؤں کو ٹرافی دے رہے ہیں. اس تصویر میں شری کے. ایم پاٹل، وزیر برائے دیہی ترقیات بھی دکھائی دے رہے ہیں (بائیں سے پر سب سے پہلے)



نائب صدر جمہوریہ ہند شری بی. ڈی جیٹی نے ۲۹ راکتوبر کو جیجا ماتا اسپتال، علی باغ کا افتتاح کیا. راج ماتا جیجا پرتشٹھان، مہاراشٹر کے ہر ضلع میں ایسے دو، دو اسپتال کھولنے کا ارادہ رکھتی ہے.

دسہرہ کے موقع پر بمبئی میں "اُتر بھارتیہ" مقبول عام 'رام لیلا' ناٹک پیش کرتی ہے. اس میں اداکاری کے لئے خاص طور پر یوپی سے مشہور، پیشہ ور اداکاروں کو مدعو کیا جاتا ہے. زیر نظر تصویر میں 'رام لیلا' کا ایک منظر.



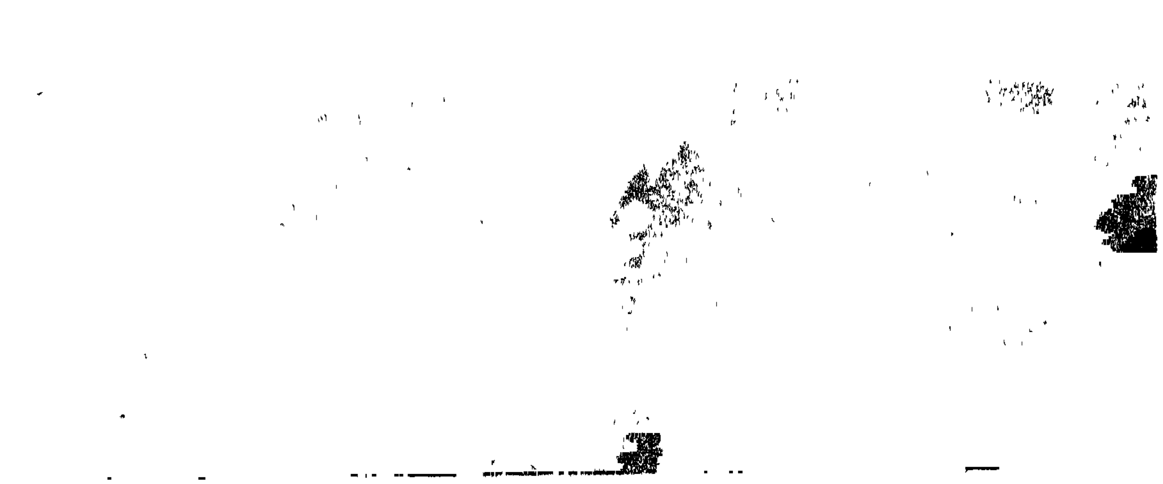


شری آر۔ ان مردھا۔ ڈپٹی چیرمین، راجیہ سبھا، یوم اقوام متحدہ کے موقع پر ۲۴ر اکتوبر کو اوبرائے شیریٹن ہوٹل بمبئی میں منعقدہ اجلاس سے خطاب فرما رہے ہیں، جس کا اہتمام مشترکہ طور پر مہاراشٹر یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن (MUNA) اور ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے کیا تھا۔ تصویر میں (بائیں سے دائیں) شری مدھوسودن ویرالے، نائب صدر، ایم۔یو۔این۔اے۔: شری ایس۔جی۔ سکسینہ، سکریٹری جنرل ایم۔یو۔این۔اے، اور شری ایم۔ ایشور راج ماتھر چیف ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز دکھائی دے رہے ہیں۔



اقتصادی اعداد شماری کا کام، غیر زراعتی سیکٹر میں، وسط اکتوبر ۱۹۷۷ء سے شروع ہوگیا ہے۔ یہ اعداد شماری قومی معیشت کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ زیر نظر تصویر میں ایک شمار کنندہ معلومات درج کر رہا ہے۔

نائب صدر جمہوریہ شری بی۔ڈی جتی، ۱۱ر اکتوبر کو پنڈھرپور میں حکومت کے زیر اہتمام سنت گاڈگے مہاراج جنم شتابدی جشن کی اختتامی تقریب میں خطاب فرما رہے ہیں۔ شری وسنت دادا پاٹل وزیر اعلیٰ مہاراشٹر اور شریمتی پربھا پاٹل، وزیر برائے تعلیم بھی دکھائی دے رہی ہیں۔



گورنر کا کینسر ہسپتال میں دورہ

مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے ناگپور میں تلک دجی مہاراج کینسر ہسپتال کا دورہ کیا۔ آپ کے ہمراہ آپ کی بیگم شریمتی شانتی علی، ڈویژنل کمشنر شری ڈی۔ این کپور اور ضلع ناگپور کے کلکٹر شری پی۔ آر داس گپتا، موجود تھے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے گورنر نے کہا کہ دیہی علاقوں کے باشندے چونکہ شہروں میں جاکر کینسر کا علاج کروانے کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے اس لئے جگہ جگہ ایسے ہسپتال قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

کینسر ریلیف سوسائٹی کے سکریٹری ڈاکٹر پھسواپورکر نے مہمانوں کا استقبال اور جوائنٹ سکریٹری شری رجلداس نے شکریہ ادا کیا۔

کچی مونگ پھلی کا تیل ۷ روپیہ کلو

حکومت نے کارڈ رکھنے والوں کو راشن کی دکانوں سے ۷ روپیہ کلو کے حساب سے کچی مونگ پھلی کا تیل سپلائی کرنے کا انتظام کیا ہے۔

فی کارڈ پر ایک کلو تیل دیا جائے گا اور یہ سہولت انھیں حاصل ہوگی جو پہلے آئیں گے۔ کارڈ رکھنے والے اگر چاہیں تو پہلے کم از کم ½ کلو تیل خرید سکتے ہیں اور بقیہ تیل دکان میں اسٹاک رہنے تک کبھی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

راشن میں تقسیم کئے جانیوالے ریفائن تیل کے دام گھٹا کر ۶.۵۰ روپیہ کلو کر دیئے گئے ہیں۔ کچی مونگ پھلی کے ساتھ کارڈ رکھنے والے ریفائن تیل بھی خرید سکتے ہیں جو ہر پندرھواڑے ۴ کلو گرام فی کارڈ کے حساب سے دیا جائے گا۔

بیروزگار تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے تربیتی پروگرام

روزگار فراہم کئے جانے کے پروگرام کے تحت حکومت مہاراشٹر نے بیروزگار تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے ایک تربیتی اسکیم کا اہتمام کیا ہے۔ اس تربیت کی مدت چھ مہینے ہے اور اس کے خاتمے پر عام طور سے تربیت یافتہ لوگوں کو ملازمت میں بھرتی کر لیا جاتا ہے۔

فی الحال ستمبر ۷۷ء کے آخری ایام میں ۱۵۰۹ افراد تربیت حاصل کریں گے۔ مالی طور سے کمزور طبقات اور پسماندہ طبقات کے لوگوں کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ جن کی تعداد بالترتیب ۱۲۲۶ اور ۲۷۰ ہے۔

ڈی۔ ایڈ۔ مواصلاتی کورس میں داخلے

۳۱ر دسمبر تک درخواستیں مطلوب

اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، پونے ۳۱ر دسمبر تک غیر تربیت یافتہ یا نیم تربیت یافتہ اساتذہ سے جو کہ اس وقت اسکولوں میں پڑھا رہے ہیں، ڈی۔ ایڈ مواصلاتی کورس برائے سال ۷۹-۱۹۷۸ء کے لئے درخواستیں طلب کرتا ہے۔

ایسے اساتذہ جو کہ پچھلے سال درخواستیں بھیج چکے ہیں لیکن جن کا انتخاب نہیں ہوا ہے وہ دوبارہ درخواستیں بھیج سکتے ہیں۔ پچھلے سال کی گئی درخواستیں امسال کے لئے کارآمد نہیں ہوں گی۔

درخواست فارم مع پروسپیکٹس ایک روپیہ میں تمام جونیئر کالجوں اور گائیڈنس سینٹر آف اسکیم سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

گیہوں کے بیجوں کی قیمت فروخت

حکومت مہاراشٹر نے امداد باہمی ادارہ جات کی جانب سے نقد/قرض پر ربیع فصل کے دوران سال برائے ۷۸-۱۹۷۷ء میں کاشتکاروں کو گیہوں کے بیج تقسیم کئے جانے کے لئے اعلیٰ اقسام کے گیہوں کے بیجوں کی قیمت فروخت مقرر کر دی ہے۔

یہ قیمت فروخت ذیل میں درج ہے:

تعلقہ کے بکثرت گیہوں کے بیج پیدا کرنے والے کھیتوں اور زرعی یونیورسٹیوں کے ذریعے اعلیٰ اقسام کے لیبل کئے ہوئے گیہوں کے بیج فی کوئنٹل ۲۳۰ روپے جسمیں فی کوئنٹل ۲۰ روپے ضلع پریشد کا کمیشن شامل ہے اور نیشنل سیڈز کارپوریشن کے ذریعے فراہم کردہ گیہوں کے سرٹیفائیڈ بیج ۲۵۵ روپے فی کوئنٹل جس میں ۱۳ روپے فی کوئنٹل ضلع پریشد کا کمیشن شامل ہے۔

مرکزی قیمت پر اناج کی خریدی

حکومت مہاراشٹر نے زراعتی زمین کے مالکوں پر محصول نہیں عائد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ البتہ حکومت نے ۵ر نومبر سے قیمتوں کے استحکام کے اقدام کے طور پر حکومت ہند کے مقرر کردہ ۷۸-۱۹۷۷ء سال کے نرخ پر دھان، چاول، جوار اور باجرہ خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ عمدہ باجرہ ۷۴ روپے فی کوئنٹل کے حساب سے خریدا جائے گا۔ جبکہ درمیانی اور عام باجرہ گذشتہ سال کی طرح بالترتیب ۷۲ اور ۶۶ روپیہ فی کوئنٹل کے حساب سے خریدا جائے گا۔

اسی بنیاد پر معمولی دھان اور دھان و چاول کی مختلف قسموں کی قیمت

خریدی کونٹل مندرجہ ذیل ہوگی:

دھان (بہت عمدہ) ۹۲ روپیہ، (عمدہ) ۸۷ روپیہ، (مدھم) ۸۲ روپیہ اور (معمولی) ۷۷ روپیہ۔ چاول (بہت عمدہ) ۱۳۲ روپیہ، (عمدہ) ۱۲۴ روپے، (مدھم) ۱۱۷ روپیہ، اور (معمولی) ۱۱۰ روپے۔

اس اسکیم کے تحت اناج کی خریدی کے لئے ایپکس مارکٹنگ فیڈریشن، حکومت کے چیف ایجنٹ کے بطور کام کریگی۔ دھان اور چاول کی خرید کو آپریٹیو چاول کی ملوں پر ہوگی، جن کا انتخاب متعلقہ کلکٹر کے مشورہ کر کے ایپکس مارکٹنگ فیڈریشن کرے گی۔ جوار اور باجرہ کی خرید ضلع اور تعلقہ میں واقع حکومت کے گودام پر عمل میں لائی جائے گی۔

مُفت کھاتے پُستک

حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے ان کھاتے داروں کو جن کی کل ملکیت کا محصول اراضی سال بھر میں ۵۰٫۷ روپے سے زائد نہیں ہوتا ہے انھیں کھاتے پُستک مُفت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

البتہ اس صورت میں ان چھوٹے کھاتے داروں کی رقم واپس نہیں لوٹائی جائے گی جبکہ وہ پیسے دیکر کھاتے پُستک خرید چکے ہیں۔

اب تک ۲۶ لاکھ کھاتے داروں کو کھاتے پُستک فراہم کئے جا چکے ہیں۔ یہ پروگرام جہاں تک ممکن ہے ۳۱ ردسمبر ۱۹۷۷ء تک مکمل ہو جائیگا۔

ریاستی آرٹ نمائش

حکومت مہاراشٹر نے سال ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران ریاستی آرٹ نمائش منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

پیشہ ور فنکاروں اور آرٹ اداروں کے طلبہ کی نمائشیں علیحدہ علیحدہ ہوں گی۔

آرٹ طلبہ کے ذریعہ نمائش اورنگ آباد میں منعقد کی جائے گی۔ اس نمائش میں ۱۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے تک کے انعامات اور توصیفی اسناد دیئے جائیں گے۔ پیشہ ور فن کاروں کی نمائش سے متعلق دیگر تفصیلات کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

دالوں کے بیوپاریوں کے لئے اطلاع

ضروری اشیا قانون بابت ۱۹۵۵ء کے تحت حکومت مہاراشٹر نے پلسیس (ڈیلرز و ملرس) لائسننگ آرڈر بابت ۱۹۷۷ء کا اجرا کیا ہے۔

اس حکمنامہ کے تحت اگر کسی شخص کے پاس ایک وقت میں پانچ کونٹل سے زائد تمام دالوں کا اسٹاک موجود ہے تو لائسنس کی شرائط کے سوائے اُسے ڈیلر کی حیثیت سے بیوپار کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ریٹیل ر تھوک فروش ڈیلر اور میلرس کی بابت لائسنس کی ضروری شرائط اس حکمنامہ میں دی گئی ہیں۔ اس حکمنامہ کے ذریعے ریاستی حکومت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مرکزی حکومت کی منظوری حاصل کر کے ریاستوں کے مابین دال کی آمد و رفت کا انتظام کرسکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی پابندی عائد کی گئی ہے کہ ریٹیل بیوپاریوں کے پاس تمام دالوں کا اسٹاک ۲۵ کونٹل اور تھوک فروش بیوپاریوں کے پاس ۵۰۰ کونٹل تک ہی ہونا چاہیئے۔

اس حکمنامہ کو عمل میں لانے کے لئے حکومت نے سب انسپکٹر پولس، راشننگ انسپکٹر، سپلائی انسپکٹر اور متعلقہ محکموں کے اعلیٰ افسران کو کسی جگہ داخل ہونے، معائنہ کرنے، تلاش کرنے اور قبضہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔

وائلڈ لائف ہفتہ

مضامین، فوٹوگرافی کے مقابلوں کیلئے درخواستیں مطلوب

نوجوانوں میں وائلڈ لائف سے متعلق دلچسپی اور بیداری پیدا کرنے کے لئے دسمبر کے پہلے ہفتہ میں وائلڈ لائف منایا جارہا ہے۔ حکومت مہاراشٹر "جنگلی زندگی" اس موضوع پر مضامین، مصوری اور فوٹوگرافی کے مقابلوں کے لئے درخواستیں طلب کرتی ہے۔ مضامین کے مقابلے میں حصہ لینے کے لئے موضوعات یہ ہیں:

۱) وائلڈ لائف کا تحفظ ضروری کیوں؟ (کالج کے طلبہ کے لئے) اور
۲) میرا پسندیدہ جنگلی جانور/پرندہ (ثانوی اسکول کے طلبہ کیلئے)

یہ تمام مضامین مراٹھی، ہندی یا انگلش میں ہونے چاہئیں۔

مصوری کے لئے مرکزی خیال یوں ہے۔

۱) جنگلی جانوروں اور پرندوں کے جبلی افعال، سرکاری تسلیم شدہ آرٹس کالجوں اور دیگر کالجوں کے طلبہ کے لئے اور
۲) میرا پسندیدہ جنگلی جانور یا جنگلی پرندہ (ثانوی اسکول کے طلبہ کے لئے)، پینٹنگ کی سائز ۳۵٫۰۰ سی ایم × ۵۰ سی ایم ہونی چاہیئے۔ فوٹوگرافی مقابلے کے لئے موضوع ہے کوئی جنگلی جانور یا پرندہ اپنی فطری حالت میں۔

یہ مقابلے سرکاری منظور شدہ آرٹس کالجوں اور دیگر کالجوں کے طلبہ کے لئے محدود ہیں۔

فوٹوگراف کی سائز (کیبنٹ سائز) یعنی ۱۸ سی ایم × ۱۳ سی ایم ہونی چاہیئے۔

(باقی صفحہ ۴۳ پر)



جانب سے ٹریکٹر کے ذریعے ..ی
باڑی کے مختلف کام انجام
دینے کا مظاہرہ۔

ریجنل ایگرو - سروس سینٹر (آر۔ اے۔
ایس۔سی) ناشک۔ جو چھوٹے کسانوں
کی خدمت انجام دیتا ہے۔ ایسے سینٹر
پونے، کولہاپور، جلگاؤں، اکولہ،
ناگپور اور پربھنی میں بھی قائم کئے
گئے ہیں۔





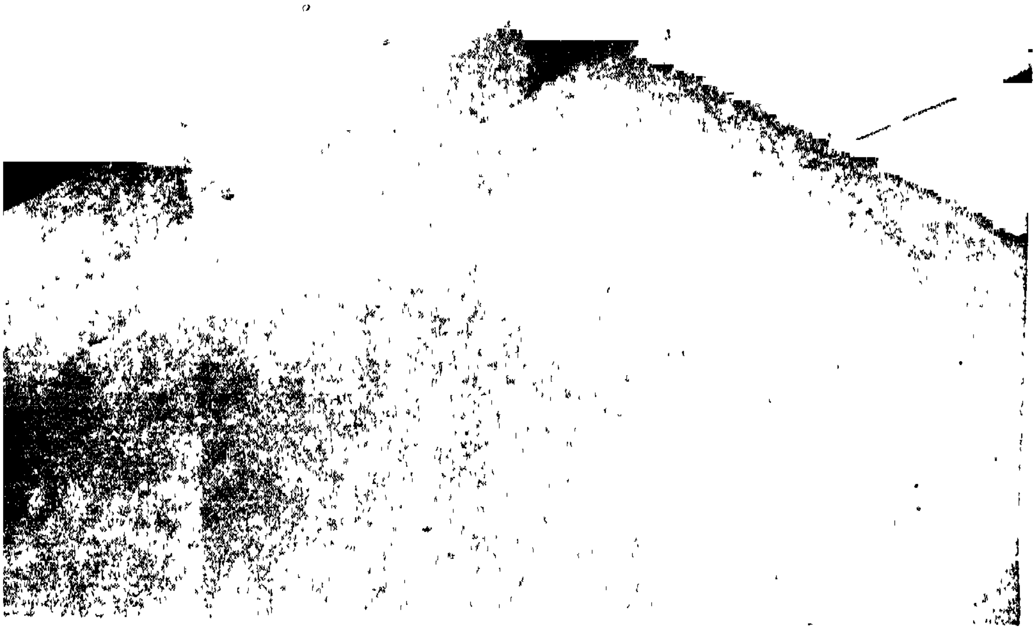
اس قسم کے پاور ا
میڈک کی جانب
ترقی پسند کسانوں
فروخت کئے جاتے

اس طرح کے اسپریئر سے فصلوں کی
حفاظت کے لئے کیڑا مار دوا کے
چھڑکاؤ میں بڑی سہولت رہتی ہے
جس کا تجارتی نام "کرشی اُدیوگ" ہے۔





میڈک کے زیرنگرانی
ایک
کھاد
فیکٹری



پنویل (ضلع قلابہ)
کے قریب
دسنا ئینی میں
تیار کی گئی
کھاد ۔

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی میں چھپواکر شائع کیا ۔



قومی راج

* مہاراشٹر میں 'مامن' اور پارک
* بہشت ارضی کو خطرات سے بچایئے
* گھریلو صنعت سے زرِ مبادلہ ۔ کولہاپوری چپل

۱۰ر دسمبر ۱۹۷۷ء قیمت : پچاس ۵۰ پیسے

قارئین کی رائے

"زراعتی محاذ پر نئی جدت" کے زیرِ عنوان خاص مضمون "قومی راج" ۱۰ر اکتوبر کے شمارے میں نظر سے گذرا۔ مضمون پڑھنے کے بعد طبیعت بے حد مسرور ہوئی۔ چونکہ ہمارا ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور اس کی ترقی کا انحصار اچھی زراعت پر ہے۔ اس لئے کاشتکار کا زراعت کے فن سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔ اس خاص مضمون میں زراعت کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کیڑے مار ادویات نیز زیادہ سے زیادہ پیداوار کے لئے نہایت وضاحت سے تفصیلات پیش کی گئی ہیں جس سے ملک کے کاشتکاروں کی رہنمائی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مضامین بھی مفید اور معلوماتی ہیں۔ قومی راج کی اعلیٰ خدمات سے متاثر ہوکر ایک قطعہ پیش ہے۔ ملاحظہ ہو۔

قومی راج

علم و عمل کا گنج ہے اس میں بھرا ہوا
اس کے معاونین ہیں سب صاحبانِ فن
ہو کس طرح نہ رشکِ چمن آج قومی راج
بے لوث کر رہا ہے ضیاء خدمتِ وطن

نیاز مند: ضیاء انصاری جونپوری
خطیب شیر مسجد۔ شاہی پل۔ جونپور (یو۔پی)

۱۰ر نومبر کا "قومی راج" پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ رنگا رنگ تصاویر سے آراستہ سرزمین۔ مہاراشٹر کی جھلکیاں اور متعلقہ مضمون خوب ہے۔ ساتھ ہی سُروں کی ملکہ۔ کیسر بائی کیرکر، حفظانِ صحت سے متعلق معلوماتی مضمون، غزلیں، تبصرے اور ناگپور سے متعلق معلوماتی مضمون ہم سب کو بے حد پسند آیا۔ ۲۵ر دسمبر کو علامہ اقبال سے متعلق خصوصی نمبر کے اعلان سے بے حد خوشی ہوئی۔ تمام دوست احباب منتظر ہیں۔ "قومی راج" اپنے ڈھنگ کا ملک بھر میں واحد رسالہ ہے جو ہر لحاظ سے قابلِ تعریف اور قابلِ قدر ہے۔

جمیل سر مسیح پوری
۷۲۔ باپو کھوٹے اسٹریٹ۔ بمبئی ۳

"قومی راج" پہلی بار نظر سے گذرا۔ اکثر دوستوں سے تعریف سن چکا تھا مگر پڑھنے کے بعد حیرت ہوئی اس قدر دلکش، جاذبِ نظر اور رنگا رنگ معلوماتی مضامین سے آراستہ و پیراستہ رسالہ قیمت فقط پچاس پیسے، واقعی "قومی راج" ہر لحاظ سے سراہنے کے قابل ہے مجھے تعجب ہوا کہ اس رسالہ کو قارئین کی رائے میں کسی صاحب نے "سرکاری گزٹ" تحریر فرما کر اپنے مشوروں سے نوازا ہے۔ جبکہ اس میں ایسی بیش قیمت معلومات اور حکومت کی طرف سے ہونے والے تعمیری کاموں سے متعلق مفید اور عام لوگوں کی بھلائی کے لئے چند صفحات پر ریاستی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ یقین ہے اس رسالے سے متعلق خاطر خواہ پبلسٹی قومی راج کو بے حد مقبول بنائے گی۔

محمد ایوب للو بھائی
کرلا - قصائی واڑہ - بمبئی

محترمی تسلیم!
"قومی راج" واقعی بے مثال جریدہ ہے۔ جس میں ادبی، ثقافتی، نئے موضوعات نیز خبریات و اطلاعات، بے حد پُراثر پیرائے میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اس معلوماتی رسالہ میں ہر وہ خوبصورتی پنہاں ہے جو ایک عمدہ رسالہ میں ہونی چاہئے۔
قارئین کی تجویز سے میں بھی اس حد تک متفق ہوں کہ اس میں آج کے ادب پر تنقیدی مضمون۔ ایک آدھ افسانہ اور غزل وغیرہ بھی شامل ہو۔

منبر رشید و انور رشید (بی اے)
داردہ - ۴۴۵۲۰۲ - ضلع ایوت محل

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،

حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

قومی راج

۱۰ر دسمبر ۱۹۷۷ء

جلد نمبر ۴ ٭ شمارہ نمبر ۲۲

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ دس روپے ٭ فی پرچہ ۵۰ پیسے

نگراں : خواجہ عبد الغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

مینجنگ ایڈیٹر: ایم - ایشوراج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خان

سب ایڈیٹرس: عبد الوحید خاں جامی

فیروزہ خان

سخنہائے گفتنی

ہرسال دسمبر کے مہینہ میں جنگلی جانوروں کی زندگی کے تحفظ کا ہفتہ منایا جاتا ہے۔ امسال بھی قومی راج کا یہ شمارہ جنگلات، جنگلی جانوروں و پرندوں کے بارے میں عمدہ مضامین شائع کر رہا ہے اور یقیناً یہ مضامین پڑھ کر قارئین کو جنگلی جانوروں کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہوں گی۔ شہر میں رہنے والے ان جانوروں کو زیادہ سے زیادہ میوزیم میں دیکھ سکتے ہیں۔ انھیں قدرتی مناظر میں گھرے ہوئے دیکھنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں جنگلی جانوروں اور پرندوں کی بے شمار نسلیں ہیں جن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک سے محققین یہاں آتے ہیں اور معلومات کا خزانہ لیکر واپس لوٹتے ہیں۔

اسی شمارے میں شری آر. بی مجمدار، چیف کنزرویٹر آف فارسٹ مہاراشٹرا اسٹیٹ کا مضمون بعنوان "مہاراشٹر میں مامن اور پارک" آپ کی معلومات میں بھرپور اضافہ کرے گا۔ "ہندوستانی گینڈے" سے متعلق ایک معلوماتی مضمون بھی زیر نظر شمارے میں شامل کیا گیا ہے اور ساتھ ہی "جنگلی جانوروں کی عجیب و غریب عادتوں" کے بارے میں، اور دنیا کے چند عجیب و غریب جانوروں سے متعلق مضامین بھی آپ کی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ اسی شمارے میں دیگر مضامین کے علاوہ مشہور زمانہ 'کولہاپوری' چپل کے بارے میں جو مضمون شائع کیا جا رہا ہے وہ اپنی نوعیت کا خاص ہے۔

اس شمارے کے بعد آپ کو قومی راج کا "علامہ اقبال" نمبر پڑھنے کو ملے گا جس کی تیاریاں بڑی تیزی سے جاری ہیں۔

خ ع الغفور

’بیش بہا ورثہ کی حفاظت‘

— وزیر اعلیٰ کی اپیل



شری وسنت دادا پاٹل
وزیر اعلیٰ مہاراشٹر

’جنگل پرانی ہفتہ‘ کے موقع پر وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے اپنے پیغام میں لوگوں سے پُرزور اپیل کی کہ وہ اپنے بیش بہا ورثہ جنگلی جانوروں کی حفاظت کریں اور اس طرح کائنات میں فطری توازن برقرار رکھنے میں معاون ہوں۔

وزیر اعلیٰ کے پیغام کا متن حسب ذیل ہے:

”اس کائنات میں خود انسان کا وجود ایک عجوبہ ہے۔ قدرت نے انسان کو عقل و ذہانت بخشی ہے تاکہ وہ اس کائنات میں گھل مِل جائے اور ہمیشہ ہمیشہ خوش حال زندگی گذارے۔ اپنی عقل و ذہانت سے انسان اس دنیا کو جنت بھی بنا سکتا ہے اور اپنی نادانی سے اسے برباد بھی کرسکتا ہے۔ انسان فطرتاً محتاط اور روادار واقع ہوا ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ وہ قدرت کی ہر چیز کو بڑی دور اندیشی اور احتیاط سے برتے تاکہ قدرتی توازن برقرار رہے، کیونکہ اس پر ہی خود انسانی زندگی کا انحصار ہے۔

قدرت کی ہر شئے خواہ جاندار ہو یا بے جان ایک خاص خوبی اور مقام رکھتی ہے۔ قدرت کے ان تمام عناصر کا وجود، ان کی فلاح و بہبود، نشو و نما اور انحطاط‘ باہم مربوط ہیں — زراعت کے لئے زمین ضروری ہے، کیونکہ اس کے ہی ذریعہ جانداروں کے واسطے غذا مہیا ہوتی ہے۔ اسی طرح گھنے جنگلات سے پُر زمین ناگزیر ہے۔ جنگلی جانور، کیڑے مکوڑے اور دیگر جاندار چیزیں انسان کی نشو و نما میں برابر کی حصہ دار ہیں۔ یہ تمام عناصر اپنے اپنے طور پر قدرتی توازن برقرار رکھنے میں سرگرم ہیں۔

عتاب قدرت کے ماسوا کائنات میں بقائے باہم یا تخریب کاری کا زیادہ تر انحصار خود انسان پر ہے لہٰذا اس ’جنگل پرانی ہفتہ‘ کی تقریب کے موقع پر ہمیں قدرت کے اس ”بیش قیمت تحفہ“ کی حفاظت کا عہد کرنا چاہیئے تاکہ جنگل کے یہ جانور، چرند و پرند امن و چین سے رہ سکیں اور قدرت کا توازن برقرار رہے۔ اسی میں انسان کی بھی بقا مضمر ہے۔“

• آر۔ جے۔ دیوتلے
(وزیر جنگلات وانرجی)

بہشتِ ارضی کو خطرات سے بچائیے

کروڑوں سال پہلے جب زمین وجود میں آئی تو یہ بالکل بنجر اور ویران تھی۔ اس پر زندگی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ آہستہ آہستہ لاکھوں سال بعد زمین پر سب سے پہلے نباتات کا وجود ہوا۔ پھر سمندری حیوانات اور خشکی وتری میں زندہ رہنے والے حیوانات سے زمین آباد ہوئی۔ کچھ اور سالوں بعد رینگنے والے مہیب جانور اور دیو نما پرندوں کے آثار نمایاں ہوئے۔ اسی طرح ہزاروں سال کا عرصہ گذرنے کے بعد زمین پر گوشت خور اور سبزی خور جانوروں کا وجود ہوا۔ لیکن جغرافیائی حالات کی بنا پر ان کی نسلیں ناپید ہوتی گئیں۔ آب وہوا گرمی اور نمی کی کمی وبیشی کی بنا پر حیوانوں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں اور اُن کا ارتقاء ہوتا رہا۔ آج ہمارے پاس نباتات وحیوانات کا جو ذخیرہ موجود ہے بڑی جدوجہد سے بچا سکے ہیں، اسے ہم اپنی قومی وراثت سمجھتے ہیں۔

قائم رہنے کی صلاحیت اور ہم وجودیت

کئی حیوانات جغرافیائی حالات مثلاً نمی، حرارت وغیرہ برداشت کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ گرمی برداشت کرنیوالے جانور زیادہ تر عام ہیں۔ ایسے حیوانات جو اونچا درجۂ حرارت برداشت نہیں کر پاتے اپنی آماجگاہوں سے رات میں یا علی الصبح نکل آتے ہیں۔ حیوانات کو بھی اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی عادتوں میں مناسب تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔ ایسا اتفاقاً نہیں ہوتا بلکہ قدرتی حالات میں تبدیلیاں حیوانات کو متاثر کرتی ہیں۔

قدرتی حالات اور جنگلاتی زندگی

• قدرتی حالات ہمارے اطراف کی تمام چیزوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ جاندار سے بے جان اشیاء سے تعلق پیدا کرتی ہیں، اس طریقے سے ایک ترتیب وار سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ قدرتی حالات پودوں پر اس طرح اثرانداز ہوتے ہیں کہ ان میں پایا جانے والا کلوروفل کاربوہائیڈریٹ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جانوروں کے لئے غذا کے کام آتا ہے۔ سبزی خور جانور، گوشت خور جانوروں کی غذا بنتے ہیں اور پھر ان کی بچی ہوئی ہڈیاں اور ڈھانچے قدرتی پیداوار کے لئے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس ترتیب میں بگاڑ پیدا ہونے کی صورت میں پورے قدرتی نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ نتیجہ میں حالات میں زبردست تبدیلیاں ہوتی ہیں جو نباتات اور حیوانات دونوں کی زندگی پر اثرانداز ہوتی ہیں اور ان کی نسل میں کمی ہوجاتی یا نسل ناپید ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

قدرتی حالات اور انسان

تقریباً دس لاکھ سال قبل بندر نما انسان کی زمین پر موجودگی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ یہ انسان اپنی حفاظت اور شکار کے لئے نوکیلے سیب اور لکڑیاں استعمال کرتے تھے۔ پھر مزید لاکھوں سال بعد انسانوں نے پتھر سے بنے ہوئے اسی طرح کے ہتھیار استعمال کئے۔ ساتھ ہی اپنی حفاظت کی خاطر آگ کا استعمال بھی اسی دور میں شروع ہوا۔ ان انسانوں کے بعد کی نسل نے ان ہتھیاروں کو ترقی یافتہ شکل دی۔ اب انھوں نے دھات سے بنے ہوئے آلات کی مدد سے شکار کرنا شروع کیا۔ چالیس ہزار سال بعد کی انسانی نسل نے تیر کمان اور تیز دھار والے ہتھیار ایجاد

گئے۔ اسی طرح سے اگر دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ انسان زیادہ تر اپنی زندگی کے لئے جدوجہد کرتا رہا اور قدرتی ذخیروں میں اس نے سبزیوں اور جانوروں کو بطور غذا استعمال کیا۔

۱۲،۰۰۰ سال بعد انسان نے کھیتی باڑی میں دلچسپی لینا شروع کیا۔ اس زمانۂ قدیم کے انسان نے جنگلی سبزیاں اُگائیں اور انھیں بطور غذا کے استعمال کیا۔ آہستہ آہستہ اس نے زمین میں سے اناج اُگانا شروع اور اس طرح سے صرف شکار سے حاصل کی ہوئی غذا کی ضرورت کم ہوتی گئی۔ پھر بھی درج ذیل کاموں کے لئے شکار جاری رہا۔

۱) پالتو جانور اور فصل کی حفاظت کے لئے۔ اس سلسلہ میں درندوں کے شکار میں کافی سخت رویّہ اپنایا گیا۔
۲) غذا کے لئے۔ (۳) گوشت وغیرہ کی تجارت کے لئے۔
۴) اپنے وقار کو بڑھانے کے لئے، اور
۵) شوق کے لئے۔

ماضی میں جنگلاتی زندگی

زمانہ قدیم کے لوگوں نے قدرتی ماحول سے خوشگوار رابطہ قائم رکھا اور صرف اپنی فنی حد تک اس میں مداخلت کی۔

ہمارے خطّہ زمین پر ۱۹ویں صدی کے خاتمے تک جنگلاتی زندگی بے انتہا آزاد تھی۔ انھیں مجروح کرنا عیب سمجھا جاتا تھا اور ان کی پوری طرح حفاظت کی جاتی تھی۔ مہاراجہ اشوک نے ۲۴۲ قبل مسیح میں شکار کے لئے قانون نافذ کئے۔ ان کے بعد کے حاکموں نے بھی اپنے طور سے قانون نافذ کئے اور شکار کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ نتیجہ میں بے ضرر درندوں اور پرندوں کے ساتھ ساتھ جنگلی اور گوشت خور درندوں کی آبادی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ لیکن ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے حالات میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ انگریز شکار کے بہت شوقین تھے۔ اس کے علاوہ دوسری وجوہات مثلاً جنگِ عظیم کی شروعات، مسلح فوجیوں کی جنگلوں میں پناہ گزینی، غذا کی قلت کی وجہ سے جانوروں اور پرندوں کے شکار وغیرہ سے بھی جنگلاتی زندگی بُری طرح متاثر ہوئی۔

ماضی کے بہشت کو خطرہ

جیسے جیسے سماج ترقی کرتا گیا۔ جنگلاتی زندگی میں کمی واقع ہوتی گئی ۱۸ سے ۱۹ ویں صدی کے درمیان دنیا بھر میں جنگلی جانوروں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ صنعتیں پھیلیں اور آبادی میں اضافہ ہونے کی وجہ سے جنگلوں کو صاف کیا گیا جس کی وجہ سے جنگلی جانوروں کی زندگی خطرے میں پڑگئی، ان کی کئی نسلیں ناپید ہوگئیں اور جو کچھ نسلیں ابھی باقی ہیں وہ بھی اب دنیا سے ناپید ہونے کے قریب ہیں۔

جنگلاتی زندگی کو خطرہ پیش آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسانی آبادی میں اضافہ ہوگیا ہے اور انسانوں نے صنعتیں، کارخانے اور عمارتیں وغیرہ تعمیر کرنی شروع کردی ہیں۔ کارخانوں سے خارج ہونیوالی گیس نے ہوا اور پانی کو متاثر کیا جس کی وجہ سے خود انسانی زندگی خطرہ میں پڑگئی ہے۔ ان تمام حالات کی ذمّہ داری انسان پر ہے۔

ماضی کے سُنہری زمانہ کو واپس لانے کی اپیل

ان خطروں سے بچنے کے لئے سنجیدگی سے جدوجہد کرنی چاہیئے۔ خود انسان کے فائدے کے لئے سبزی خور اور گوشت خور جانوروں میں توازن قائم رکھنا ضروری ہے۔ جنگلی جانور غذا اور تجارت کے علاوہ سیّاحوں کے لئے بھی دلچسپی کا سامان رکھتے ہیں۔ اگر ان جانوروں کا ابھی تحفظ نہ کیا گیا تو ہماری آئندہ نسلیں ان کے پُرفریب نظاروں سے محروم رہ جائینگی لہٰذا تمام انسانوں پر اخلاقی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جنگلی جانوروں کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ قدرت کے دیئے ہوئے عطیات سے انسان ہی کو فائدہ پہنچتا ہے، لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم جنگلاتی زندگی کا تحفظ کریں اور ماضی کے سُنہرے زمانہ کو ایک بار پھر سے زندہ کریں۔

(ترجمہ: ایم۔ اقبال)

یُوتھ فورم!

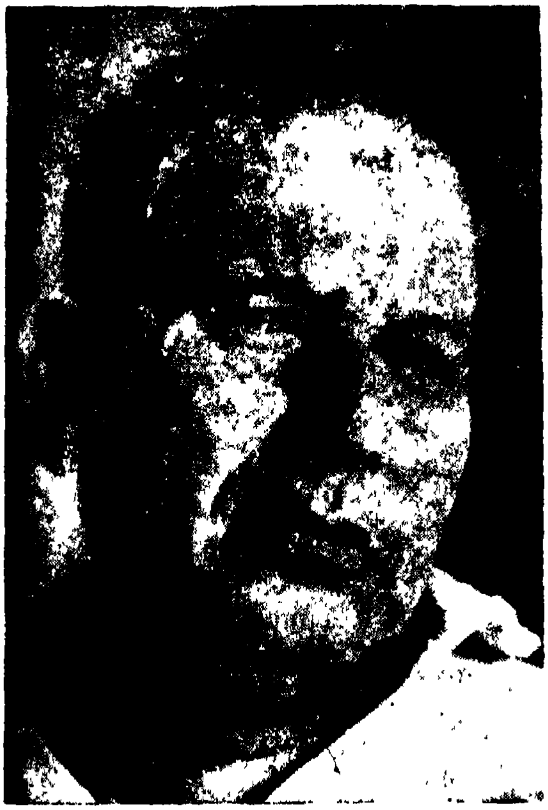
’قومی راج‘ کے مئی ۱۹۷۷ء کے شمارے سے ہم نے ”یُوتھ فورم“ کا ایک مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک‘ صفائی کی مہم چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا فروغ‘ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔ اپنے مضامین اس پتہ پر بھجوائیں:

ایڈیٹر ’قومی راج‘ (پندرہ روزہ) نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ،
۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

• پروفیسر آر۔ بی جوشی

پی۔ بی بھاوے



اس مضمون میں شری پی۔ بی۔ بھاوے کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ شری پی۔ بی۔ بھاوے ۱۸ نومبر کو پونے میں منعقد کی جانے والی مراٹھی ادبی کانفرنس کے صدر منتخب کئے گئے تھے۔

مراٹھی زبان کے جاننے والوں کی جانب سے کسی بھی ادیب کے لئے سب سے بڑا اعزاز یہی ہے کہ اسے سالانہ مراٹھی ادبی کانفرنس میں صدارت کا شرف بخشا جائے اور امسال پونے میں منعقد ہونے والی اس مراٹھی ادبی کانفرنس کی صدارت کیلئے شری پرشوتم بھاسکر بھاوے کو منتخب کیا گیا۔

شری بھاوے کی پہلی کہانی ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد اُن کی کہانیوں افسانوں، ڈراموں مزاحیہ اور سنجیدہ ادبی خاکوں کے ۲۷ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ لیکن مراٹھی ادب میں شری بھاوے بحیثیت ایک افسانہ نگار کے کافی مشہور ہیں۔

گو افسانہ نگاری کی ابتدا مراٹھی ادب میں ۱۹۲۰ء سے مانی جاتی ہے لیکن ۱۹۴۰ء سے ۱۹۶۰ء تک مراٹھی افسانہ نویسی کے میدان میں ایک نیا موڑ پیدا ہوا۔ اس سے قبل یعنی ابتدائی ادوار میں افسانوں میں زیادہ تر مرکزی خیال کو اہمیت دی جاتی تھی لیکن بعد میں کرداروں کے تضادان کے احساسات اور جذبات کی عکاسی پر زور دیا جانے لگا نفسیاتی تنازعات کو پیش کیا جانے لگا اس ضمن میں شری بھاوے اس نئے رجحان کے علمبردار تھے۔ ان کے ساتھیوں میں گنگادھر، گاڈگل اروندگو کھلے اور ونیکنش مڈ گلکر وغیرہ بھی قابلِ ذکر ہیں۔

شری بھاوے کی نگارشاتِ قلمی میں جذبات نگاری کا پرتو نمایاں ہے تاثرات اور احساسات کو وہ شعبدہ باز کی طرح فنکاری اور سبک رفتاری کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اُن کے اسلوب بیان میں تنوع ہے یکسانیت نہیں۔ انہوں نے خاص طور سے سن بلوغیت کے مسائل نیز نوجوانوں کی ذہنی کیفیت اور کشمکش کو بڑے موثر انداز میں قلم بند کیا ہے۔

آپ کے پہلے افسانے کے مجموعہ کو شائع ہو کر تقریباً ۳۰ سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن ادبی مقام جو آپ کو روزِ اوّل حاصل ہوا ہے وہ ابتک برقرار ہے آپ کی ہردلعزیزی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

شری بھاوے نے ناگپور میں تعلیم حاصل کی اور وہیں سے آرٹ اور قانون میں ڈگری حاصل کی۔ ادبی خدمات کے ساتھ آپ نے صحافت سے بھی اپنا رشتہ جوڑ لیا پہلے وہ "سوادھین" اور پھر "آدیش" سے وابستہ رہے۔ اصل میں "سوادھین" کی بنیاد کا سہرا شری بھاوے کے ہی سر ہے لیکن "آدیش" کے اڈیٹر کی حیثیت سے اس میدان میں آپ کو ممتاز حیثیت حاصل ہوئی۔ آدیش میں شری بھاوے نے قسط وار مضامین لکھے جس میں شری اترے پر سوا تنتر ویر ساورکر کیلئے قابلِ اعتراض زبان کے استعمال کرنے کی مذمت کی گئی تھی اس دوران اِن دونوں انٹیلیکچوئیل میں ٹھن گئی بھاوے ہمیشہ سے ایک پکے ہندو اور ساورکر کے پیرو رہے ہیں آدیش

میں انہوں نے اترے پر اعتراض کیا اور ساورکر کی مخالفت میں اترے کے رجحان کے خلاف آواز اٹھائی۔ اترے نے آدیش کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور اس تنازعہ میں اترے کو بھاوے نے شکست دی۔ اس کے بعد بھاوے کی ہر دلعزیزی کا دور شروع ہو گیا۔

بھاوے شروع سے ہی ایک صحافی رہے ہیں اور اس میدان میں ان کا قلم تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز ہے انہوں نے اس سے جب بھی کسی پر حملہ کیا میدان مارے گئے حزب مخالف کو کسی بھی قسم کی مدافعت کا کبھی موقع نہیں دیا۔ جنگ بہرحال جنگ ہے اور دشمن کی سرکوبی ضروری ہے۔

بھاوے ایک بہت اچھے مقرر بھی ہیں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ انکی صحافتی تخلیقات کافی خطیبانہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ بھاوے ایک کٹر ہندو ہیں وہ گاندھی اور نہرو جی کے سیاسی خیالات کے بھی سخت مخالف ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کانگریس کے بھی۔ بحیثیت مقرر کے آپ کا انداز ایسا ہے کہ مجمع کو خطاب کرتے وقت جب کلائمکس آتا ہے تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور نیلی آنکھیں شعلہ فشانی کرنے لگتی ہیں گردن کی رگیں تن جاتی ہیں اور الفاظ کے ریلے میں اپنے ساتھ سامعین کو بھی بہائے لئے جاتے ہیں۔

شری بھاوے سیاسی اور سماجی مسائل سے متعلق سخت قسم کے خیالات رکھتے ہیں لیکن صحافت اور ادب کو دو علیحدہ چیزیں مانتے ہیں وہ ادب کو ادبی معیار سے تولنے کے عادی ہیں۔ بعض اوقات ان کی ادبی تخلیقات میں ان کے سیاسی خیالات کی جھلکیاں ضرور ملتی ہیں لیکن ان کی بہترین تخلیقات پروپیگنڈہ سے مبرا ہیں انہیں صرف ادبی پائے کہا جا سکتا ہے۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جس ادیب کے یہاں الفاظ کی شعبدہ بازی زیادہ ہوتی ہے وہاں خطیبانہ رنگ ضرور ملتا ہے بھاوے کے یہاں بھی بسا اوقات یہ چیز پائی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ جذباتیت بھی پنہاں ملتی ہے۔

شری بھاوے کا کہنا ہے کہ اُن کے سیاسی اور سماجی نقطۂ نظر کی بناء پر ان کے کئی مخالفین پیدا ہو گئے ہیں چنانچہ اُن کے کئی ووٹ اسی طرح کم ہو گئے ہیں۔

لیکن شری بھاوے ایک اچھے انسان ہیں جو ہمیشہ گرم جوشی سے ملتے ہیں وہ انسانوں سے پیار کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے کئی دوست اور بہی خواہ بھی ہیں اور وہ ان کے خیالات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی ان کی دوستی کے خواہاں ہیں۔

بھاوے سنہ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے اور آج مراٹھی افسانہ نگاری میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ مراٹھی افسانہ نگار کی حیثیت سے وہ کافی مقبول ہیں ایسے افراد جنھوں نے الیکشن میں مراٹھی ادبی کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے چنے جانے کے لئے انہیں ووٹ نہیں دیا ہوگا وہ بھی اس مقام پر ان کے انتخاب سے خوش ہوئے ہوں گے اور اُن کے لئے نیک خواہشات رکھتے ہوں گے۔

ترجمہ :۔ فیروزہ خان

ترسیل زر کے وقت کوپن منی آرڈر پر اپنا نام و پتہ اُردو کے ساتھ ہندی یا انگریزی میں بھی تحریر فرمائیں تاکہ فوری اندراجات میں آسانی ہو۔

(ادارہ)

بہترین خط پر انعام

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پندرہ روزہ 'قومی راج' میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں موصول ہونے والے بہترین اور خیال انگیز خط پر ۲۵ روپے کا انعام بھی دیا جاتا ہے۔

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں۔ اور اگر اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کر سکتے ہیں، بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط آپ اس پتے پر روانہ فرمائیے:

مدیر پندرہ روزہ 'قومی راج'، پندرھواں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ مقابل منترالیہ۔ بمبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲

طوفان زدہ افراد کی امداد

گورنر مہاراشٹر کی اپیل

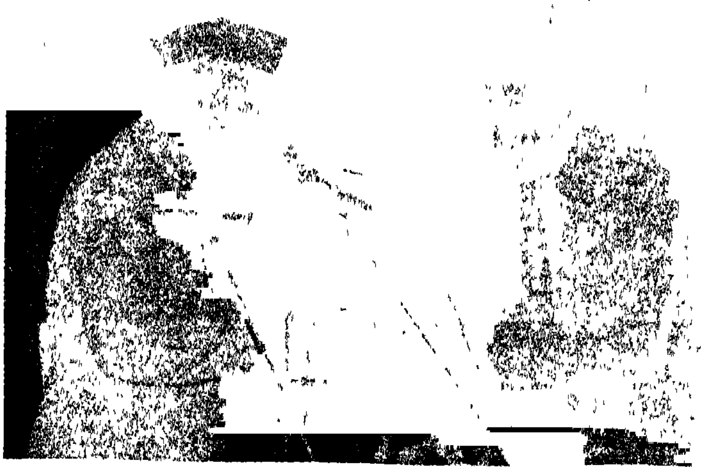
مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے صنعت کاروں، رضاکار تنظیموں تعلیمی اداروں، تجارتی اداروں اور عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ آندھرا پردیش اور تاملناڈو میں طوفان سے متاثرہ افراد کی امداد کے لئے زیادہ سے زیادہ مدد دیں۔

گورنر موصوف، سٹیزنس سائیکلون ریلیف کمیٹی سے خطاب کر رہے تھے۔ اس میٹنگ میں، جو راج بھون میں منعقد ہوئی، مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، تاملناڈو کے گورنر شری پربھوداس پٹواری، شریمتی پربھا پاٹل، شری ایس۔ کے وانکھیڈے، شری مرلی دیورا (میئر) شری دائی۔ جے مہنت، شریمتی انجنا بائی مگر، شریمتی مرنال گورے اور شری رجنی پٹیل بھی شریک تھے۔

شری مرلی دیورا نے میئر ریلیف فنڈ کی طرف سے گورنر کو ۲۵ ہزار روپے کا چیک پیش کیا

شری پربھوداس پٹواری نے شری جے پرکاش نرائن کو آندھرا پردیش و تاملناڈو کے طوفان سے متاثرہ علاقوں سے واقف کرایا اور امدادی کاموں کی طرف توجہ دلائی۔

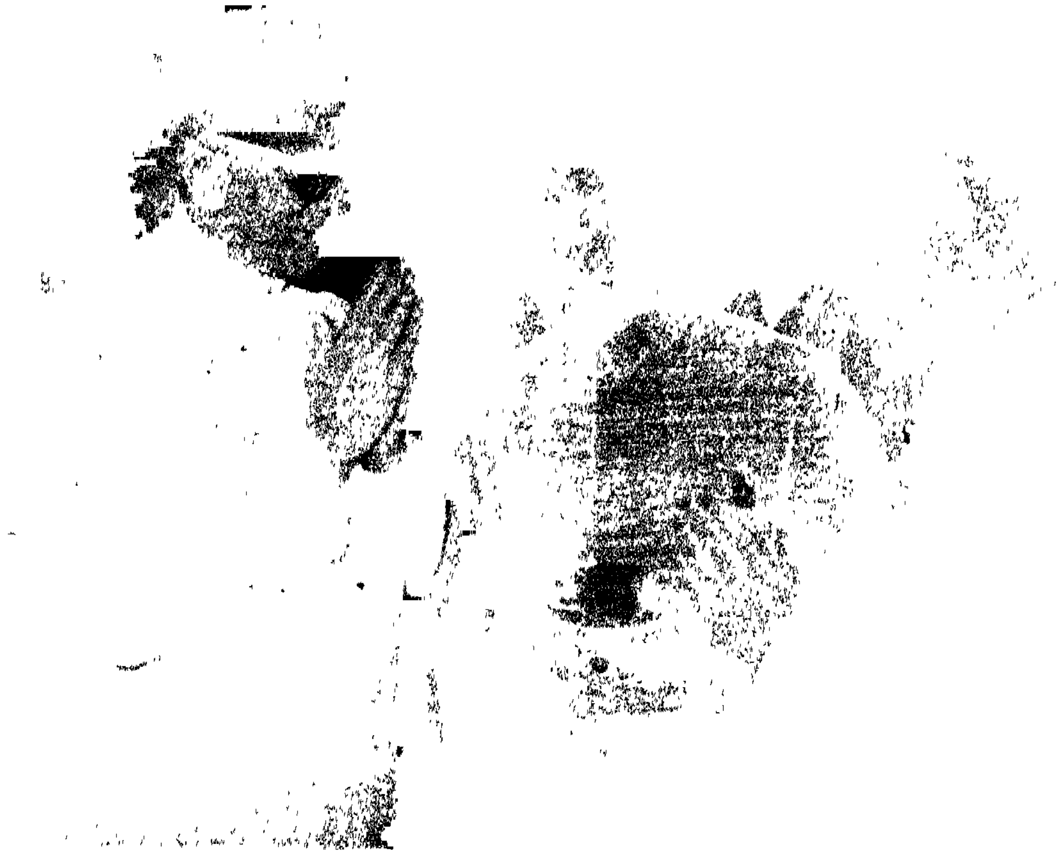
●●

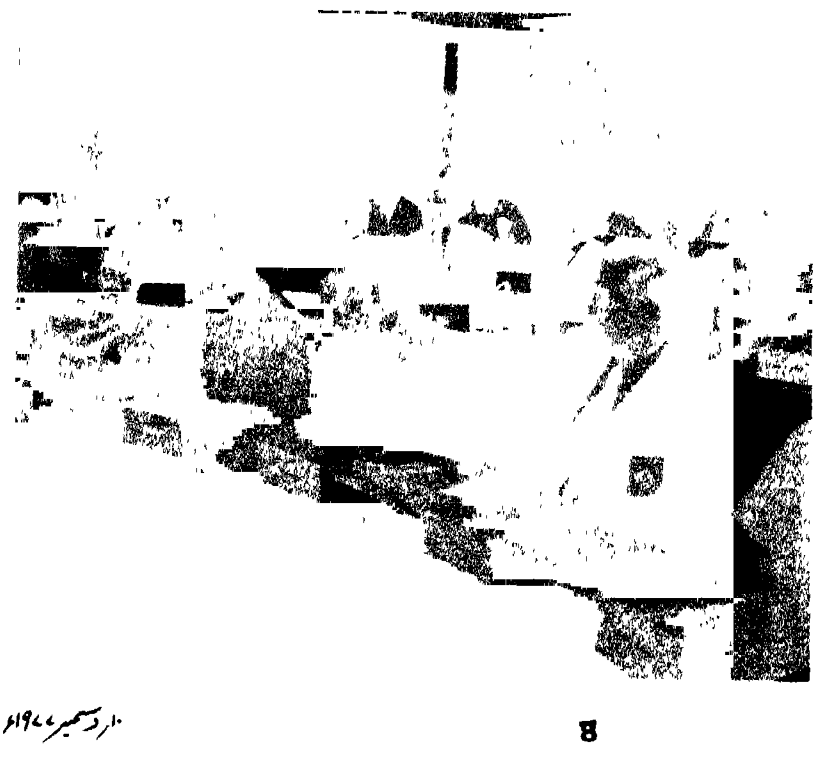


شری مرلی دیورا، میئر ریلیف فنڈ کی جانب سے ۲۷ نومبر کو پچیس ہزار روپے کا ایک چیک راج بھون میں گورنر تاملناڈو، شری پربھوداس پٹواری کو پیش کر رہے ہیں۔ جہاں سٹیزنس سائیکلون ریلیف کمیٹی مہاراشٹر کا اجلاس ہوا تھا۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے۔



اسی موقع کی دوسری تصویر یہ گورنر تاملناڈو شری پربھوداس پٹواری اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت دادا پاٹل، گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی اور شریمتی شانتا صادق علی بھی نظر آ رہی ہیں۔





اسٹیٹ منسٹرز آف انفارمیشن کی حالیہ میٹنگ میں جو نئی دہلی میں ۴ر نومبر کو منعقد ہوئی تھی، مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے جنرل ایڈمنسٹریشن (جی. اے. ڈی) شری یو. این گائیکواڑ، مہاراشٹر کے ایڈیشنل چیف سکریٹری شری کے. کے موگھے کو وزیر اعظم ہند، شری مرارجی دیسائی سے متعارف کرا رہے ہیں.

اسٹیٹ منسٹرز آف انفارمیشن کی میٹنگ کا ایک منظر، جو نئی دہلی میں ۴ر نومبر ۱۹۷۷ء کو منعقد ہوئی تھی.

اِقبال ریویو

• خواجہ عبدالغفورؔ
(آئی۔اے۔ایس)

جب کہ اقبال کے مطالعہ اور اقبال فہمی کو فرقہ پرستی اور رجعت پسندی سے وابستہ کر دیا گیا تھا اور" سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ۱۹۵۹ء میں اقبال اکیڈمی کا قیام ایک طرح سے فالِ نیک ثابت ہوا کہ اسی دوران غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا اور زنگ نظری دور ہو گئی۔ حکومتِ ہند کی سرپرستی اور نگرانی میں جگن ناتھ آزاد جیسے محقق و ماہر اقبالیات نے اقبال نمائش سنواری اور سجائی۔ جس کو ہندوستان کے اہم مقامات پر ترتیب دیکر پھر سے اقبال شناسی کی گئی اور اب اقبال صدی کے عالمی جشن میں ہماری حکومت بھی حصہ لے رہی ہے۔ ہند و پاکستان کے سرمایہ کو اکٹھا کر کے اقبال کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لیۓ ڈاکومنٹری فلم بھی بنائی گئی ہے۔

ایسے موقع پر اقبال اکیڈمی کی جانب سے سہ ماہی رسالہ' اقبال ریویو' کا اجرا بھی ایک مبارک و مسعود اقدام ہے۔

ڈاکٹر عالم خوندمیری، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر غلام دستگیر رشید' ڈاکٹر مرزا صفدر علی اور سید عباس رضوی جیسے محقق، نقاد، مبصر، دانشور، فاضل، ادیب و مقرر کا مجلس مشاورت پر رہنا اس امر کی ضمانت ہے کہ علامہ اقبال کی ہمہ جہتی شخصیت [illegible] اور ان کی تخلیقات کو عوام الناس تک صحیح رنگ میں پہنچایا جائے گا اور بھر سے علامہ اقبال کی گوناگوں خوبیاں آشکارا ہوں گی۔

محمد منظور احمد جیسے مدیر اور مجلس ادارت کے ان کے ساتھی یقیناً اس نوخیز و نوبہار معیاری جریدے کی نشوونما اور بالیدگی میں ممد و معاون ہوں گے

اولین شمارہ کے مندرجات کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ علامہ اقبال کو صحیح فکری پس منظر، مطالعہ کے مسائل، ان کی شخصیت وغیرہ کے دلچسپ اور اہم پہلوؤں کو ماہرانہ طریق پر ابھارا گیا ہے۔ یقیناً یہ ایک علمی، ادبی، تحقیقی رسالہ ہے اور اعلیٰ ادبی حلقوں میں یہ مقبول و معروف ہو گا۔

ماہرانِ اقبالیات اور محققوں سے البتہ ہماری یہ التجا ہے کہ علامہ اقبال کو محض دانشوروں یا یونیورسٹی کی اعلیٰ جماعتوں کے طالب علموں ہی کی میراث بنا کر نہ رکھا جائے۔ ان کے کلام اور ان کی فکر کو عام فہم اور مقبول عوام بنایا جائے، کہ موجودہ نسل اُردو کے فاضل کامل ادیبوں کی نہیں بلکہ عام سطح کے پڑھے لکھے لوگوں کی ہے کہ جن کو اُردو فلمی سوانگ میں زیادہ بھاتی ہے اور جو اقبال کو محض علامہ اور ڈاکٹر نہیں بلکہ عوام الناس کے سینوں میں دھڑکن پیدا کرنیوالے شاعرِ مشرق اور پیغمبرانہ شانِ نزول سے رچے بسے کلام کے انداز میں پڑھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ اقبال اکیڈمی اس تحریر کو پیش نظر رکھے تو بہت جلد اقبال بھی عوام الناس کے شاعر بن جائیں گے۔

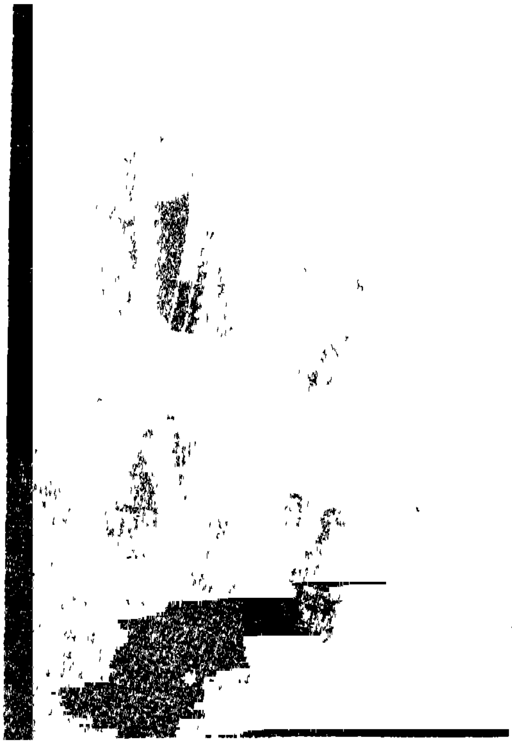


پرائگنی میدان [illegible]
احمد [illegible] ۱۹۷۷ء
نمائش میں مہاراشٹر اسٹیٹ پویلین کا ایک منظر جس کے سامنے ۶۵ فٹ کی لمبائی میں بنایا گیا 'ہل' جو زراعت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔
اس نمائش کا افتتاح وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی نے ۱۴ر نومبر ۱۹۷۷ء کی شام کو کیا۔ عوام کے لیۓ مہاراشٹر پویلین کی نمائش ۱۴ر نومبر سے شروع ہوئی۔

گھریلو صنعت سے زرِ مبادلہ

''کولہاپوری چپّل''

• جی۔ آر۔ گھوڑ پڑے
(میرج)



باہی اور دیسی قسم کے کولہاپوری چپل جو اپنی خاص طرز کی بناوٹ کی وجہ سے مشہور ہیں۔

ہمارے ملک میں سالانہ ۳ سے ۴ کروڑ روپے کا زرمبادلہ حاصل کرنے والی گھریلو صنعت جو کہ مستقل طور پر روزگار بھی مہیا کرتی ہے۔ وہ کولہاپوری چپل بنانے والے گھریلو صنعتی ادارے ہیں جو میرج کے اطراف میں ۱۰۰ سے ۱۲۵ کیلومیٹر کے دائرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان اداروں کو وہاں کے بسنے والے موچی قائم کئے ہوئے ہیں۔ یہاں پر آپ کو فیکٹری نہیں ملے گی اور نہ مشینوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دے گی۔ یہاں نہ تو کوئی حیلنگ کے لیے آتا ہے نہ کام کرنے کے اوقات پر پابندی ہے اور نہ ہی شرح مزدوری ہے۔ اسکے باوجود اس گھریلو صنعت نے نمایاں ترقی کی ہے جس کے بارے میں معلومات یقیناً دلچسپ ہوگی۔ اور یہ گھریلو صنعت ہے کولہاپوری چپل

اس گھریلو صنعت کو ترقی کی منزل تک پہنچانے میں چھوٹے ادارے مثلاً ملک ٹریڈرز، یونیورسل ٹریڈرز کے شری درشن، بی۔ ایس انٹرپرائزز کے شری ایس پرکاش۔ دی بلس اینڈ کمپنی، بڑے مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ افریقہ۔ امریکہ۔ اٹلی۔ میڈل ایسٹ۔ مغربی جرمنی۔ آسٹریلیا کنیڈا۔ فرانس۔ ہالینڈ وغیرہ میں کولہاپوری چپل ایک معروف نام ہے۔ اس کولہاپوری چپل کو مقبول کرنے میں بلس کمپنی کے شری جے ایم شاہ اور ملک ٹریڈرز کے شری درشن آنند کی کاوشوں کو بڑا دخل ہے۔ ان کے ساتھ ہی دوسرے ایکسپورٹرز نے بھی کولہاپوری چپلوں کی مقبولیت کے لئے نمایاں کام انجام دیئے ہیں۔ کولہاپوری چپل کی بدیسی ملکوں میں بڑھتی ہوئی مانگ کے پیشِ نظر ملک ٹریڈرز نے تقریباً ۴ ٹن چپل ہوائی جہاز سے برآمد کئے اور اس سمت میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

امریکہ میں پہلی برآمد

شری چھبیل داس میگھانی اور شری جے ایم شاہ جو بلس کمپنی سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اس سلسلے میں بتلایا کہ امریکہ میں کولہاپوری چپلوں کو مقبول عام کرنے میں امریکہ کے مرحوم سینٹ ڈرد فمین کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ انھوں نے بتلایا کہ جب ڈرد فمین بمبئی آئے تھے تب ان کی خدمت میں ایک جوڑ کولہاپوری چپل پیش کئے گئے۔ چپل پہن کر وہ گھومنے کے لئے جوہو تشریف لے گئے اور یہ محسوس کیا کہ یہ کولہاپوری چپل کافی آرام دہ ہے۔ انھوں نے امریکہ لیجانے کے لئے ۲۰۰ را کو لہاپوری چپلوں کا آرڈر دیا۔ شروع میں انھیں گاہکوں میں یہ چپل عام کرنے میں مشکل ہوئی۔ تاہم ان کی کوشش میں کوئی فرق نہیں آیا اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوئے اور خاص طور سے ہپیوں کو انھوں نے کافی متاثر کیا اور امریکہ میں یہیں سے کولہاپوری چپلوں کے استعمال کا دور شروع ہوا۔ جب یہ چپل امریکہ میں رواج پا چکے تو دوسرے ملکوں نے بھی انہیں اپنانا شروع کر دیا۔ اس وجہ سے کولہاپوری چپلوں کو مقبول عام کرنے میں دراصل مرحوم

سنیٹ ڈورفمین کا ہاتھ ہے جس کے لئے شری سیگھانی اور شری شاہ دونوں مرحوم کے شکر گذار ہیں ۔

موچیوں کا وہ خاندان جو کولہاپوری چپل تیار کرتا ہے ۔ میرج ۔ اتھانی شیڈبل ۔ کواتھے پیراج ۔ نڑاڈ ۔ کواتھے مہاز کول ۔ اننت پور ۔ نیپانی ۔ کو یواڈ ۔ مادھوی ۔ سوندالگے ۔ جاٹ ۔ کوڈولی ۔ تیرڈل ۔ بیڈگ کے دیہاتوں میں ۵۰ مربعہ میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے ۔ ایک تخمینہ کے مطابق ۷۰۰ سو سے ۸۰۰ خاندان اس گھریلو صنعت میں کام کر رہے ہیں جس کے ذریعہ ۴ ہزار لوگوں کو روزگار مہیا ہوتا ہے ۔

بڑھتی ہوئی برآمد

۱۹۷۵ء سے کولہاپوری چپلوں کی بدیسی ملکوں میں مانگ بڑھتی جارہی ہے ۔ حالانکہ یہ چپل کولہاپور میں بڑی تعداد میں نہیں بن پاتے مگر دوسری جگہ کے بنے ہوئے چپلوں پر بھی کولہاپور کا نام ہوتا ہے اسکی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ یہاں پر جگدمبا دیوی کا مندر ہے یہاں پر بنائی جانے والی چپلوں کے مختلف نام ہیں مثلاً اتھانی ۔ کپاشی وغیرہ ۔ میرج شہر چپلوں کو جمع کرنے کا سب سے بڑا مرکز ہے ۔ موچی ان چپلوں کو اپنے گھر میں بیٹھکر بناتے ہیں ۔ گھر کا ہر فرد چاہے مرد ہو یا عورت ۔ ضعیف ہو یا لڑکا لڑکی اس کام میں منہمک رہتے ہیں ۔ وقت کی کوئی قید نہیں ہے جب بھی جس کا جی چاہے اپنا کام شروع کر دیتا ہے ۔ چپل بنانے کا مختلف کام مختلف افراد کرتے ہیں — کولہاپوری چپل بنانے میں سب سے مشکل اور محنت طلب کام جانوروں کی کھالوں سے مناسب چمڑا بنانے کا ہے جسے عام طور پر مرد ہی کرتے ہیں ۔ اپنی صلاحیت اور ہمت کے مطابق دوسرے کام مثلاً تلے بنانا ۔ انگوٹھا بنانا دیتی بنانا ، یا بہایا بنانا خاندان کے دوسرے لوگ کرتے ہیں ۔ مختلف حصے تیار ہونے پر ایک جگہ جمع کئے جاتے ہیں اور ان سب کو جوڑ کر کولہاپوری چپل تیار ہوتا ہے ۔ سلائی اور دھلائی کا کام عورتوں کے ذمہ ہے ۔ نوجوان لڑکے بڑی خوبصورتی کے ساتھ دیتی اور باہی چپلوں پر کام کرتے ہیں جس سے چپلوں کی دلکشی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے ۔ یہاں پر کوالٹی کنٹرول یا پھر انسپکشن اسٹاف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جبکہ کسی فیکٹری میں محسوس ہوتی ہے ۔ چپل تیار کرنے والوں کو احساس ہے کہ ذراسی بھی خرابی کی وجہ سے چپل ناقص کر دیا جائے گا اسلئے وہ بڑی جانفشانی سے اپنا کام کرتے ہیں ۔ چپل بنانے والے ایک خاندان کی اوسط آمدنی ۳۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے ماہانہ تک کی ہے ۔

کریڈٹ سہولیت

ایکسپورٹرز کولہاپوری چپل بنانے والے موچیوں کو چمڑا خریدنے اور مزدوروں کو مزدوری دینے کی غرض سے پیشگی روپیہ ادا کرتے ہیں موچیوں کو خام مال خریدنے کی سہولیت کے لئے انھوں نے میرج میں اپنے دفاتر قائم کر رکھے ہیں ۔ ۳ لاکھ روپے سے ۴ لاکھ روپے تک کی رقم بغیر کسی ضمانت کے پیشگی دی جاتی ہے ۔ اُن مشوروں پر بھی اچھی طرح عمل کیا جاتا ہے جو بدیسی ملکوں سے چپلوں کے بارے میں موصول ہوتی ہیں ۔



کولہاپوری چپل بنانے میں گھر کا ہر فرد لگا ہوا نظر آتا ہے ۔ چپل کے مختلف حصے مختلف افراد بناتے ہیں ۔

چپلوں کو جمع کرنے کیلئے بمبئی۔ میرج۔ آنکالی۔ نپانی۔ بشگولی وغیرہ مقامات پر گودام بنائے گئے ہیں۔ پیکنگ میرج اور نپانی میں کی جاتی ہے۔ تمام ایکسپورٹرز کی خرید میرج ہی میں ہوتی ہے۔ چپلوں کے لئے پٹھے کے ڈبے بھی بنائے جاتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ چمڑا جس سے کہ چپل بنائے جاتے ہیں حیدرآباد۔ بیلگام۔ ماسود کولہاپور۔ لاتور۔ مالیگاؤں۔ بارامتی۔ دیجاپور اور گوا وغیرہ مقامات سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس چپل کی تیاری میں بھیڑ۔ بکری۔ بیل اور بھینس کا چمڑا استعمال ہوتا ہے۔ کھال بنانے کے ۵ اسٹینڈ ہیں۔ چپل جب تیار ہو جاتے ہیں۔ تب ان پر اسٹامپ لگایا جاتا ہے اور وہی چپل برآمد کئے جاتے ہیں جن میں کوئی خامی نہیں ہو۔ جن چپلوں میں خامی نظر آتی ہے انھیں اپنے ہی ملک میں استعمال کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ چپلوں کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرنے کی غرض سے انھیں موبائیل انڈین آئیل نمبر ۴ میں ڈوبا یا جاتا ہے۔ اسکے بعد ہی اُن پر سفید دھنہرا کام کیا جاتا ہے جس سے چپلوں کی خوبصورتی میں خوب اضافہ اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ چپلوں کی پیکنگ کی طرف بھی خاص توجہ دی جاتی ہے باہر بھیجی جانے والی چپلوں کا معائنہ کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ وہ ان مشوروں پر ہی بنائی گئی ہیں جو حکومت ہند کی ایکسپورٹ انسپکشن کے افسران کی طرف سے حاصل ہوئے ہیں۔ ناقص چپلوں کو باہر بھیجنے سے روک دیا جاتا ہے۔

چپلوں کی امریکہ میں مقبولیت

امریکہ میں روز بروز کولہاپوری چپل عام ہوتے جا رہے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ کولہاپوری چپل امریکہ میں ضروریاتِ زندگی میں سے ایک ہیں۔ اِن چپلوں کی نمائش امریکہ کی ڈپارٹمنٹل اسٹورز میں کی جاتی ہے۔ کارخانوں میں کام کرنے والے امریکن اِن چپلوں کو دوسرے چپلوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ کارخانوں کے دھاتی فرش پر یہ چپل گرم نہیں ہوتے اسکے علاوہ یہ سستے و آرام دہ بھی ہوتے ہیں۔ خریداروں کو دیسی اور باہری قسم کی چپلوں پر کی گئی کاریگری کافی متاثر کرتی ہے جس کی وجہ سے یہ چپل وہاں بہت مقبول ہو رہے ہیں۔

کولہاپوری چپلوں کی مقبولیت کا اندازہ مندرجہ ذیل میں نظر آسکتا ہے

سال	تجارت (روپیوں میں)
۱۹۶۵ء	۴۲,۸۱,۸۶۷
۱۹۶۶ء	۹,۵۰,۹۷۲
۱۹۶۷ء	۱۳,۴۸,۰۴۰
۱۹۶۸ء	۸,۹۶,۸۳۵
۱۹۶۹ء	۱۹,۵۳,۰۳۷
۱۹۷۰ء	۳۲,۴۳,۸۸۲

شری درشن آنند اور شری مچھیل داس میگھانی نے بتلایا کہ کرناٹک اور جنوبی مہاراشٹر کے موچیوں کا خاندانی پیشہ کولہاپوری چپل بنانا ہی ہے۔ اس بات کی بھی کوشش کی گئی تھی کہ گجرات۔ سوراشٹر اور راجستھان میں کولہاپوری چپل بنائے جائیں مگر اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور یہ ظاہر ہوا کہ کولہاپوری چپل صرف وہی موچی تیار کر سکتے ہیں جن کا خاندانی پیشہ ہی یہ رہا ہو۔ اسی طرح پاکستان اور اٹلی میں بھی کولہاپوری چپل بنانے کی کوشش کی گئی مگر ان ممالک میں بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

موچیوں کیلئے مستقل آمدنی

کیونکہ کولہاپوری چپلوں کی مقبولیت بڑھتی ہی جا رہی ہے اسلئے ۳۰ سے ۴۰ ہزار موچیوں کے لئے یہ صنعت ایک مستقل روزگار بن گئی ہے۔

بقایا صفحہ نمبر ۳۰ پر



مختلف سائز اور ڈیزائن کے کولہاپوری چپل

کلامِ نوشاد

• نوشاد علی نوشاد
دآشیانہ، کارٹر روڈ، باندرہ۔ بمبئی ۔ ۵۰ ۴۰۰

اگر مجھ پر کبھی جورِ حسن کا الزام آئے گا
بُرا کیا ہے تمہارے ساتھ میرا نام آئے گا

تمہاری ٹھوکریں کچھ ڈھونڈتی ہیں آج راہوں میں
زہے قسمت مرا دل کچھ تمہارے کام آئے گا

کبھی تو رات بیتے گی، ملے گی مہر سے شبنم
کسی دن تو میرے آغاز کا انجام آئے گا

اسی اک آرزو میں رات کاٹی مرنیوالے نے
کہ شاید صبح تک ان کا کوئی پیغام آئے گا

گلی میں یار کی سب یکسے مشتاق بیٹھے ہیں
خدا جانے وہاں سے حکم کس کے نام آئے گا

مرا نغمہ کہ تھا مخصوص اک میرے لئے کل تک
بہ فیضِ عشق وہ نغمہ سب ہی کے کام آئے گا

ابھی تو دل پہ اے نوشاد کیا کیا نام لکھتے ہو
دمِ آخر لبوں پہ بس خدا کا نام آئے گا

غزل

• تمکین الرحمٰن

مجھ میں چھپا ہوا کوئی رہزن ہے دوستو
میرا وجود ہی مرا دشمن ہے دوستو

سمتوں سے ہے نجات نہ محور سے ہے مفر
سبد ھی لکیر ہوں، یہی اُلجھن ہے دوستو

پگھلا رہی ہے مجھ کو، یہ احساس ہے مجھے
اندر کہیں جو شمع سی روشن ہے دوستو

ہوں کتنی خواہشات کا مسکن بنا ہوا
میرا وجود کیسا نشیمن ہے دوستو

کیا مجھ میں ایک قطرۂ خوں بھی نہیں بچا
کیوں خشک میرا گوشۂ دامن ہے دوستو

چہرے ہیں زرد برگِ خزاں دیدہ کی طرح
ساون یہی ہے؟ کیا یہی ساون ہے دوستو

پازیب کی صدا نہیں تمکین کے لئے
کہنے کو گھر وہی، وہی آنگن ہے دوستو

مہاراشٹر میں 'پارک اور مامن'

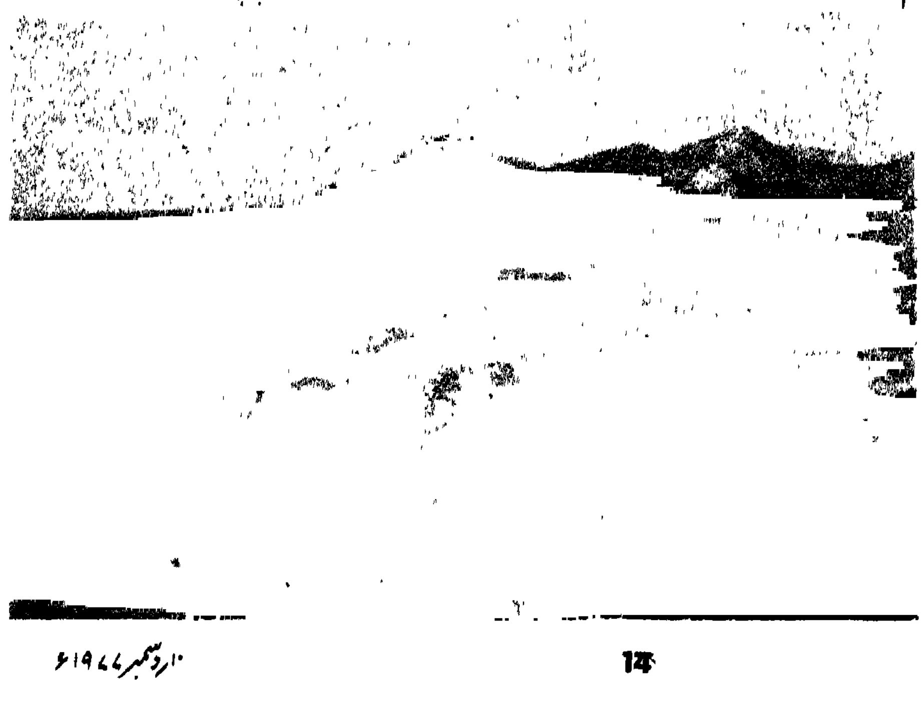
• شری آر۔ بی مجمدار
چیف کنزرویٹر آف فارسٹ مہاراشٹر اسٹیٹ
پونے

قدرتی ماحول زندگی کی جان ہے۔ گھنے جنگل، ان کی تروتازہ آب وہوا، طرح طرح کے حیوانات، رنگ برنگے خوبصورت پرندے، سرسبز شاداب درخت، انواع واقسام کے پھل پھول، یہ سب قدرت کی بخش بہا دین ہیں اور اشرف المخلوقات انسان کے لئے سیر وتفریح اور روحانی تروتازگی وتسکین کا سامان بھی۔ مہاتما بدھ کو بھی ایسے پرسکون قدرتی ماحول میں روحانی روشنی اور من کی شانتی ملی تھی۔

قدرت کی اس دین پر نادان انسان اِترانے لگا۔ وہ خود کو ہی اس قدرتی دولت کا مالک ومختار سمجھ بیٹھا اور ماضی میں ایک عرصہ تک بے تحاشا اس سے فائدہ اُٹھاتا رہا۔ اس نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ قدرت کا ہر عنصر زندگی میں کتنی قدر وقیمت رکھتا ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی کو بسانے، نئے نئے شہر تعمیر کرنے، صنعت وتجارت کو فروغ دینے اور آمد ورفت وغیرہ کی سہولت کی خاطر اس نے جنگل کے جنگل کاٹ ڈالے اپنی انانیت کو بہلانے کے لئے جنگل کے پرانیوں کو اپنا نشانہ بنایا۔ اس تخریب کاری کا نتیجہ یہی نکلا کہ ہرے بھرے جنگل ویران اور نادر جنگلی جانوروں کی نسلیں معدوم ہونے لگیں۔ جنگل اور درخت زمین کو شاداب اور قدرتی فضا کو پاک وصاف اور تروتازہ رکھنے میں معاون ہیں۔ ان کی بربادی سے آب وہوا متاثر ہوئی۔ گنجان بستیوں، پھیلی ہوئی صنعتوں اور ان کی کثافت وغلاظت سے قدرتی فضا بھی آلودہ ہونے لگی۔ اس کثافت اور آلودگی سے خود انسانی زندگی کو خطرہ لاحق ہونے لگا، بالآخر انسان کو عقل آئی۔ ساری دنیا میں احساس جاگا جنگلات اور ان کی دولت کی حفاظت کے لئے اقدامات کئے گئے۔

مہاراشٹر میں اقدامات: مہاراشٹر میں بھی کم وبیش یہی حالت تھی۔ گو اس کے بعض حصوں میں جنگلات کی وہ شان تو نہیں رہی جو قدرت نے ماضی میں بخشی تھی، پھر بھی قانونی اقدامات اور نگرانی کے باعث آج ان کی حالت بہتر اور قابلِ فخر ہے۔

بعض اقسام کے جنگلی جانوروں کی نسل معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ ان کی قانوناً حفاظت ناگزیر تھی۔ اس کی شروعات ۱۹۰۵ء سے ہی ہو گئی تھی اور جنگلات کے بعض حلقوں میں ایسے خونخوار جانوروں کو چھوڑ کر جو زندگی کے لئے خطرہ بن جائیں، باقی جانوروں کے شکار پر پابندی عائد کر دی گئی۔



نوے گاؤں لیک
ضلع بھنڈارہ میں "نوے گاؤں نیشنل پارک" میں درختوں کے جھنڈ میں چمکتا ہوا گیارہ مربع کیلو میٹر میں پھیلا ہوا ہے جس کی خوبصورتی قدرتی مناظر نے اور بڑھا دی ہے۔ چاندنی راتوں میں اس کا نظارہ بڑا جاذبِ نظر ہوتا ہے۔

شکار کے قاعدے قانون، بنیادی پالیسی کے طور پر وضع کئے گئے۔ بعد ازاں ۱۹۱۲ء میں جنگلی جانور اور ان کی حفاظت سے متعلق قانون وضع کیا گیا۔ پھر ۱۹۳۵ء میں اس میں بہت کچھ ترمیم کی گئی، جس کے بعد 'مامن' بنائے گئے تاکہ جنگل کے پرانی امن وچین سے رہ سکیں۔ آزادی کے بعد اس قدرتی دولت کی حفاظت کے لئے عالمی احساس کے ساتھ اور بھی وسیع تر قوانین یعنی بمبئی نیشنل پارک ایکٹ بابت ۱۹۵۰ء بمبئی جنگلی جانور اور جنگلی پرند حفاظتی ایکٹ بابت ۱۹۵۱ء، مدھیہ پردیش نیشنل پارک ایکٹ بابت ۱۹۵۵ء اور قومی وریاستی پارک ایکٹ وغیرہ لاگو کئے گئے۔

وسیع تر حفاظتی پروگرام کے سلسلے میں ایسے حلقہ جات جنھیں 'فارسٹ پارک' قرار دیا گیا ہے حسب ذیل ہیں:

(۱) اجنتا اور حمایت باغ، ضلع اورنگ آباد (۲) امبولی، ضلع رتناگری (۳) بلڈانہ، ضلع بلڈانہ (۴) چکالدہ۔ امزاری، ضلع امراوتی (۵) ایلیفنٹا، ضلع قلابہ (۶) نرنالہ ضلع اکولہ (۷) پال، ضلع جلگاؤں (۸) پرتاب سنگھ اور پرتاب گڈھ، ضلع ستارا (۹) سنہوبیری اور سنہ گڈھ، ضلع پونے (۱۰) سیمنری ہل، ضلع ناگپور (۱۱) تاپک باغ، ضلع کولہاپور (۱۲) تورن مل، ضلع دھولے، (۱۳) دحیرلستوری، ضلع تھانے۔

ریاست مہاراشٹر میں واقع جنگل' اور ان میں آباد جانور قابلِ دید ہیں۔ ان جنگلی جانوروں میں قابلِ ذکر یہ ہیں.





شیر: یہ جنگل کا راجہ ہے۔ جنگل میں اپنے مقررہ حلقے میں گشت کرتا ہے. اسے زیادہ تر اپریل تا جون کے زمانہ میں قدرتی ماحول میں دیکھنے کے مواقع، ڈھکنہ۔ کول کنہ مامن میں ملتے ہیں جو فی الحال 'پروجیکٹ ٹائیگر ریزرو' کے تحت ہے۔ اسی طرح اسی زمانے میں یہ ناگ زیرہ مامن، نوے گاؤں، پینچ اور تاڈوبا نیشنل پارک میں عموماً نظر آتا ہے۔

چیتا: چیتے یا تیندوے، مارچ وجون کے درمیان، ڈھکنہ۔ کول کنہ مامن میں کثرت سے نظر آتے ہیں۔ نوے گاؤں، پینچ اور تاڈوبا نیشنل پارک ہر ریاست کے دیگر مامن میں بھی انھیں دیکھنے کا موقع ملتا ہے.

سانبھر: ڈھکنہ۔ کول کنہ مامن میں سانبھروں کی کثرت ہے۔ یہ تاڈوبا، پینچ، نوے گاؤں نیشنل پارکس، ناگ زیرہ، لنواٹ پور اور یاول کے مامنوں میں عموماً نظر آتا ہے۔ گرمیوں کے مہینوں میں زیادہ نظر آتا ہے۔

چیتل اور ہرن: تاڈوبا نیشنل پارک اور ناگ زیرہ مامن میں ان کی بہتات ہے جہاں یہ سال بھر نظر آتے ہیں۔

(ارنا بھینسا (بزن)): ڈھکنہ۔ کول کنہ مامن میں ان کی کثرت ہے نیز تاڈوبا، نوے گاؤں، پینچ نیشنل پارکس اور ناگ زیرہ اور رادھانگری کے مامنوں میں نظر آتا ہے۔ گرمیوں کے زمانے میں یہ جانور پانی کے گڑھوں کے آس پاس زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

ریچھ یا بھالو: ڈھکنہ۔ کول کنہ مامن میں ریچھ زیادہ نظر آتا ہے، پینچ، نوے گاؤں، تاڈوبا کے نیشنل پارکوں اور ناگ زیرہ، کنواٹ اور

پال فارسٹ پارک میں لکڑی سے تعمیر کردہ خوبصورت جھونپڑی۔ جہاں سے اطراف میں پھیلے ہوئے قدرتی مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔



"نیل گائے" ملک کے ان مقامات پر پائی جاتی ہے جہاں گھاس کے میدان اور ایسے جنگلات ہوں جہاں انھیں کھانے پینے کے لئے پانی آسانی سے مل سکے "نیل گائے" عام طور پر گھوڑے کی طرح ہوتی ہے مگر اس میں خوبصورتی کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ اکثر ۵ - ۱۰ کے جھنڈ میں رہتی ہے

پاول میں واقع جانوروں کے مامن میں بھی یہ جانور دکھائی دیتا ہے۔

رنگارنگ پرندے : نوے گاؤں نیشنل پارک میں جھیل بڑا حسین منظر ہے۔ اس جھیل کے اردگرد رنگارنگ پرندوں کا جھرمٹ رہتا ہے۔ یہاں پرندوں کے ماہرین اور مشاہدین کو قدرت کی اس حسین مخلوق کا مشاہدہ کرنے کا بہترین موقع ملتا ہے۔ مہاراشٹر کے اکثر پرندے یہاں نظر آتے ہیں۔

سیلانیوں کے لئے سہولت : قومی نیشنل پارک اور جانوروں کے مامن میں ٹھہرنے کی کافی سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ سیلانیوں کے قیام کے لئے فرنیچر سے آراستہ فارسٹ ریسٹ ہاؤس اور جھوٹی جھونپڑے ہیں۔ بڑی بڑی ٹولیوں کے لئے ڈورمیٹریوں اور یوتھ ہوسٹلوں میں ٹھہرنے کا انتظام ہے۔ ڈورمیٹریوں، ریسٹ ہاؤسوں، بالائے درخت ہوٹل اور پکنک شیڈ پر مزید آسائشیں بہم پہنچائی جا رہی ہیں جن سے سیلانی مستقبل قریب ہی میں فیضیاب ہونے لگیں گے۔ یہ تمام قیام گاہیں عین قدرتی ماحول میں واقع ہیں۔ قدرت کے شیدائیوں کو یہاں بڑی راحت اور سکون ملتا ہے۔

مستقبل کے منصوبے : ریاست مہاراشٹر کا کل بری رقبہ ۳۰۷،۷۶۲ مربع کلومیٹر سے زیادہ ہے جس میں سے ۶۲،۳۱۱ مربع کلومیٹر علاقہ میں جنگلات ہیں جو بحیثیت مجموعی کل رقبہ کا ۲۰.۲۴ فیصد ہوتا ہے۔ قومی پارک اور جنگلی جانوروں کے مامن کے تحت علاقے کا تناسب کل جغرافیائی رقبہ میں صرف ۰.۹۴۳ فیصد ہے اور کل جغرافیائی رقبہ کا ۴.۶۹ فیصد ہے۔

مراٹھواڑہ کا سارا علاقہ صرف ضلع ناندیڑ میں واقع کنیاٹ جنگل کو چھوڑ کر عموماً چٹیل پہاڑی اور چٹانی ہے۔ مغربی مہاراشٹر کے بیشتر علاقہ اور ودربھ میں جہاں تہاں قطعات کا بھی یہی حال ہے۔ سارے جنگلاتی علاقے کو سرسبز و شاداب بنانے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد سے بڑے پیمانے پر کوشش جاری ہے اور کئی طرح سے کامیابی بھی ہوئی ہے گذشتہ دو دہائیوں میں کامیاب درخت کاری مہم کے نتیجہ میں خصوصاً ضلع احمد نگر اور سارے مراٹھواڑہ خطہ میں جنگلات کا بیشتر علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا ہے اور یہاں کالے ہرنوں کو قدرتی ماحول میں محفوظ مسکن مل گیا ہے۔ جس میں وہ فطرتاً رہنا پسند کرتے ہیں۔ اضلاع احمد نگر اور پربھنی میں ایسے مقامات کی نشاندہی ہو چکی ہے اور جنگلی جانوروں کے لئے مامن بنانے کے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ مستقبل قریب ہی میں اضلاع چندرپور، پربھنی، اورنگ آباد اور احمد نگر میں مزید مامن بنائے جائینگے۔

قانونی اقدامات : سب سے پہلے ۱۸۷۰ء میں جنگل کے جانوروں اور پرندوں کی حفاظت کی خاطر قانون وضع اور نافذ کیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۱۲ء میں جنگلی جانوروں اور پرندوں کی حفاظت کے لئے ایک اور قانون لاگو ہوا پھر ہندوستانی جنگلاتی ایکٹ ۱۹۲۷ء سے کسی حد تک جنگلی جانوروں کے تحفظ میں مدد ملی۔ سابق مدھیہ پردیش نے اپنے صوبہ جات متوسط و برار شکار ایکٹ بابت ۱۹۳۵ء کے ذریعے پرانے قوانین کی خامیاں دور کر کے جنگلی جانوروں کے تحفظ کو فروغ دیا۔ یہ قانون ۱۹۵۶ء میں ریاستوں کی از سر نو تنظیم تک نافذ العمل رہا۔ حیدرآباد کے قواعد و ضوابط شکار بابت ۱۳۵۴ فصلی کے ذریعے بھی جنگلی جانوروں کے قانونی تحفظ کا بندوبست کیا گیا۔ بمبئی

مہاراشٹر میں نیشنل پارک اور مامن

(قیام کی کیفیت)

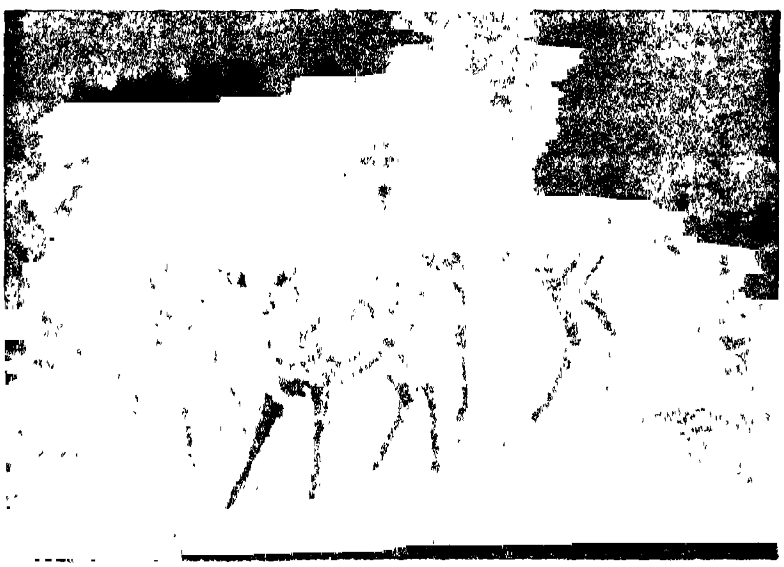
نمبر شمار ۱	نام نیشنل پارک / مامن ۲	ضلع ۳	رقبہ (مربع کلومیٹر) ۴	قانونی درجہ ۵	دستیاب جانور (شکار) ۶	ریمارک ۷
۱	تاڈوبا	چندرپور	۱۱۶٫۵۵ ※ ۲۳۳٫۷۹ ※ یہ مجوزہ رقبہ ہے جو بڑھایا جائیگا اس کا اعلان ہونیوالا ہے۔	اس کا اعلان ۱۹۵۵ء میں کیا گیا تھا۔	شیر، چیتا، جنگلی کتے، گیدڑ، ریچھ، بھالو، لکڑ بگھا، جنگلی بلیاں، ہرن، چیتل، سانبھر، نیل گائے، ارنا بھینسا، خرگوش، مختلف پرندے، جڑیاں، آبی پرندے	اول ۱۹۳۵ء میں اسے مامن (سینکچوری) بنایا گیا اور ۱۹۵۵ء میں اسے نیشنل پارک بنا دیا گیا۔ یہاں جانور بہت ہیں اور شکار کے بھی وافر مواقع ہیں۔ شیر بھی نظر آجاتا ہے۔
۲	بوریولی	بمبئی مضافات و تھانے	۶۸٫۹۷۷	ایضاً	چیتا / تیندوا، ہرن وغیرہ	
۳	نوے گاؤں	بھنڈارہ	۱۳۳٫۸۸		مانندِ تاڈوبا	
۴	پینچ	ناگپور	۲۵۷٫۹۷		ایضاً	

جنگلی جانوروں کے مامن:

۱	رادھانگری	کولہاپور	۲۰٫۷۲	اعلان ۱۹۵۸ء	ارنا بھینسا اور ہرن	
۲	کرنالہ (پرندوں کا مامن)	قلابہ	۴٫۴۸	" ۱۹۶۸ء	۱۴۰ اقسام کے پرندے	
۳	※ ڈھکنہ۔کول کز مامن	امراؤتی	۳۸۱٫۵۸	" ۱۹۶۹ء	مانندِ تاڈوبا	جانوروں کی بہتات، شیر دیکھنے کے مواقع، خصوصًا مارچ سے موسم باراں شروع ہونے تک زیادہ ملتے ہیں ※ یہ اب ٹائیگر پروجیکٹ علاقہ ہے۔
۴	یاول (جنگلی جانوروں کا مامن)	جلگاؤں	۱۷۷٫۵۲	ایضاً۔ایضاً	شیر، چیتا، سانبھر اور ہرن	
۵	بور (" ")	وردھا	۶۱٫۱۰	" ۱۹۷۰ء	شیر، چیتا، سانبھر اور ہرن	جانوروں کے شکار کے وافر مواقع
۶	ناگ زیرہ (" ")	بھنڈارہ	۱۳۶٫۱۴	" ۱۹۷۰ء	مانند تاڈوبا	
۷	تانسہ (" ")	تھانے	۲۱۶٫۷۵	" ایضاً	چیتا، ہرن، ریچھ	
۸	کنواٹ (" ")	ایوت محل اور ناندیڑ	۲۱۸٫۷۶	" ۱۹۷۱ء	مانندِ تاڈوبا	ضلع ایوت محل میں واقع مامن کے حلقہ میں جانوروں کی بہتات اور شکار کے مواقع



شیر، بہادری کا مظہر۔ ہمارا قومی جانور
ہے اور ہندوستان میں ہمالیہ سے کیپ
کاموری تک (سوائے ریگستانی علاقوں کے)
پایا جاتا ہے۔

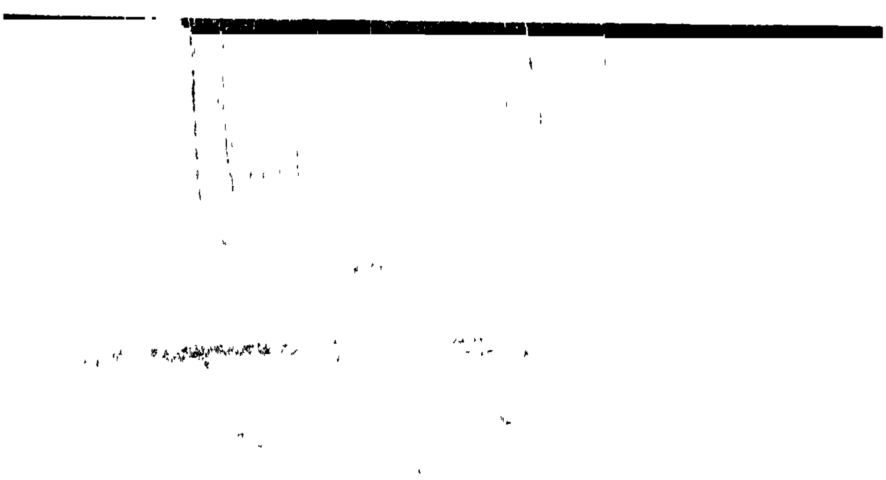


چیتل، عام طور پر اُن گھاس کے
میدانوں میں پائے جاتے ہیں جہاں
پانی انھیں آسانی سے میسر ہو سکے۔

'کالا ہرن' ہمیشہ اپنے غول میں رہتا ہے
جس کی تعداد ۲۰ سے ۳۰ تک ہوتی ہے،
نر کی کھال کالی، خوبصورت اور چمکدار ہوتی
ہے جبکہ مادہ اور بچوں کی کھال بھورے
رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ کھلے میدانوں میں
جہاں زراعت ہوتی ہے، رہتے ہیں۔



چوہے سے مُشابہت رکھنے والا یہ ہرن گھاس کے میدانوں اور جنگلوں میں واقع سرسبز پہاڑیوں پر رہتا ہے۔ جہاں اس کے چھپنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ بڑا شرمیلا جانور ہے اور اس کا رنگ اس کی زندگی کی حفاظت کرتا ہے۔



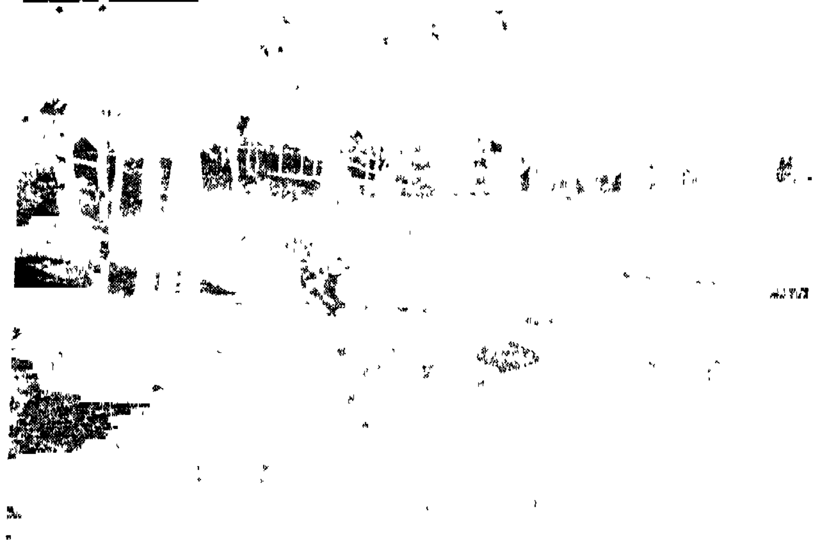
ہندوستانی ارنا بھینسا یا گور۔ پہاڑی جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ پیدائش کے وقت اس کے بچے کی رنگت سُنہری ہوتی ہے جو بتدریج بھوری اور سُرخ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ معمر جانوروں کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے، اور وزن کم و بیش نو سو کلوگرام تک ہوتا ہے۔



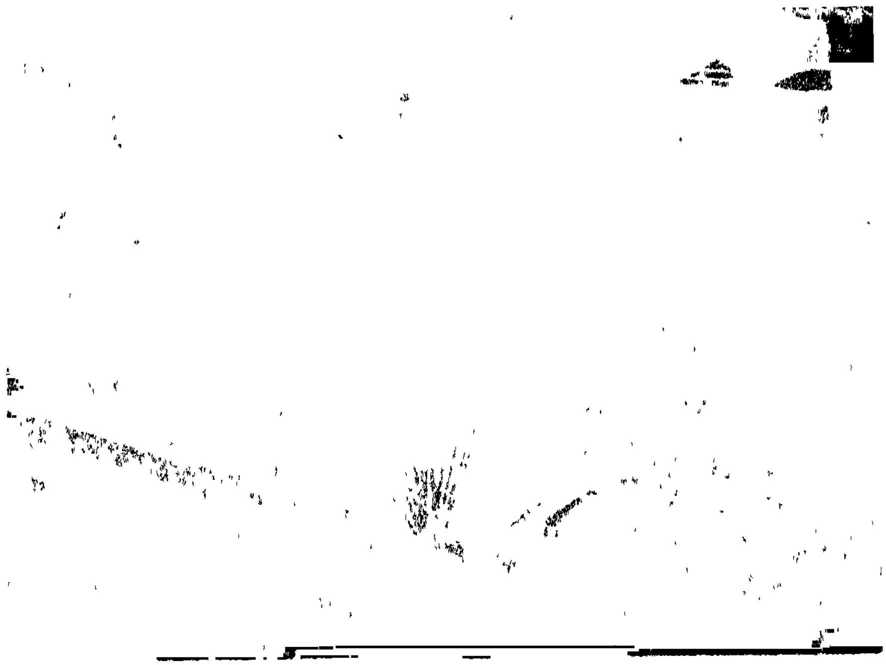
جنگلی جانور و پرند تحفظ ایکٹ بابت ۱۹۵۱ء سابق ریاست بمبئی پر ۱۹۵۲ء میں لاگو کیا گیا۔ پھر یہی بمبئی جنگلی جانور و پرند تحفظ (توسیع و ترمیم) ایکٹ بابت ۱۹۶۰ء کی شکل میں ریاست مہاراشٹر میں ۱۹۶۱ء میں لاگو کر دیا گیا۔ اس ایکٹ کو موثر طریقہ پر نافذ کرنے کے لئے وائلڈ لائف پری زرویشن افسر اور گیم وارڈن وغیرہ مقرر کئے گئے۔

ریاستی مجلس قانون ساز نے ۱۹۷۱ء میں ریاستی پارکوں کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کی جانب سے سفارش کردہ مثالی بل کے مطابق جامع و مربوط قومی اور ریاستی پارک ایکٹ منظور کیا جو ۱۵ر جون ۱۹۷۱ء سے نافذ کیا گیا اس ایکٹ کے تحت بوریولی، پینچ اور نوے گاؤں میں ایسے قومی پارک بنانے کا اعلان اور اقدامات کئے گئے۔

جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لئے ریاستی حکومتوں کی جانب سے کئے جانیوالے اقدامات میں یکسانیت و ربط رکھنے کی ضرورت ہے چنانچہ اس مقصد سے پارلیمنٹ نے ستمبر ۱۹۷۲ء میں جنگلی جانوران (تحفظ) ایکٹ بابت ۱۹۷۲ء وضع کیا۔ یہ ایکٹ ریاست مہاراشٹر میں یکم جون ۱۹۷۳ء سے لاگو کیا گیا۔ ایکٹ کی رو سے اختیارات کے تحت جنگلی جانور (تحفظ) (مہاراشٹر) قواعد وضع کر کے ۶ر مارچ ۱۹۷۵ء سے ریاست مہاراشٹر میں نافذ کئے گئے۔ اس طرح فی الحال ریاست میں جنگلی جانوروں کے تحفظ، اُن کے شکار کی روک تھام، ان کے لئے مامن اور قومی پارکوں کے قیام و انتظام، جنگلی جانوروں اور اُن کی اشیاء وغیرہ کی تجارت اور قانونی جرائم وغیرہ کی روک



جنگلات سے گھرے ہوئے پہاڑوں کو سانبھر اپنا مسکن بناتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ بغیر آواز کئے چل پھر سکتا ہے۔ مہاراشٹر کے جنگلات میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے۔



جلگاؤں ضلع میں
پال نانی مقام پر
فارسٹ پارک کا
ایک دلکش منظر۔

عوام کے لئے جامع قوانین رُوبہ عمل ہیں۔

وائلڈ لائف ایڈوائزری بورڈ:

وزیر برائے جنگلات کی زیر صدارت مشاورتی بورڈ میں ممتاز ماہرین حیوانات و نباتات اور عوامی نمائندے شامل ہیں۔ یہ بورڈ جانوروں کے تحفظ کے مسائل پر غور کرتا ہے اور باہمی معاملات میں سفارشات مرتب کرتا ہے۔ اس طرح یہ جانوروں کے تحفظ کے میدان میں موثر رہنمائی اور خدمت انجام دے رہا ہے۔

ریاستوں کی تنظیم نو سے قبل وائلڈ لائف پریزرویشن افسر جس کا تقرر ۱۹۵۲ء سے ہوا تھا چیف کنزرویٹر آف فارسٹس کی رہنمائی میں ۱۹۶۰ء تک انتظامی فرائض انجام دیتا رہا۔ بعد ازاں اس کے دستوری فرائض بھی چیف کنزرویٹر آف فارسٹس ہی کے سپرد کر دیئے گئے۔ اس میدان میں بعض پارکوں اور مامن کے انتظامات کے لئے مختصر عملہ مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں ایک وائلڈ لائف وارڈن، تین اسسٹنٹ وائلڈ لائف وارڈنس اور ایک کیوریٹر پر مشتمل مختصر تنظیمی جماعت مقرر کی گئی۔

قومی اور ریاستی پارک ایکٹ کے نفاذ کے بعد اس قانون کو روبہ عمل لانے کے لئے ڈائرکٹر، منیجر کنزرویشن کا عہدہ قائم ہوا۔ اس طرح جنگلی جانور (تحفظ) ایکٹ بابت ۱۹۷۲ء لاگو ہونے پر اس قانون کی عمل آوری کے لئے چیف وائلڈ لائف وارڈن کا دستوری عہدہ قائم ہوا۔ جنگلی جانوروں کے مامن اور قومی پارکوں کا انتظام و انصرام بدستور مقامی حلقہ واری افسران جنگلات اور نگرانِ جنگلات ہی کے ذریعہ جاری ہے۔ ان کے انتظام کے لئے تربیت یافتہ افراد کمیاب ہیں۔ لہٰذا یہ کوشش کی جارہی ہے کہ ہر سطح پر انتظامیہ کارکنوں کو مناسب تربیت دی جائے اور الگ الگ قومی پارک ... کا انتظام ہو سکے۔ بہت باصلاحیت کارکن کے سپرد کر دیا جائے۔ موجودہ ... کی اس طرح توسیع حکومت نے اصولاً مان لی ہے جس پر حکومت ہند کی جانب سے بھی بار بار زور دیا گیا ہے۔ جنگلی جانوروں سے متعلق ... کی اس طرح مطلوبہ توسیع حکومت کے زیر غور ہے۔ اور اُمید ہے کہ مستقبل قریب ہی میں روبہ عمل آجائے گی۔

جنگلات اور ان کے پرانی قدرت کی بیش بہا دولت ہیں، اور ان کی حفاظت کے لئے حکومت نے مختلف قانونی اور عملی اقدامات کئے ہیں ان کی ... کا انحصار عوام کے سرگرم تعاون پر ہی ہے۔

نوے گاؤں نیشنل پارک میں
لکڑیوں سے تعمیر کردہ ہٹ ... اپنی
حیرت انگیز دلکشی لئے ہوئے ہے۔



• سلیمان ظفر

"مدھوریما" فلیٹ نمبر ۱،
ڈی۔ این نگر، ڈھلکے کالونی
اندھیری (ویسٹ)، بمبئی ۵۸

ہندوستانی گینڈا



دنیا میں گینڈوں کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) کالا گینڈا (۲) سفید گینڈا (۳) ایک سینگ والا عظیم ہندوستانی گینڈا (۴) سماترائی دو سینگوں والا گینڈا (۵) جاوائی ایک سینگ والا گینڈا۔ ان میں سے اوّل الذکر دو براعظم افریقہ میں پائے جاتے ہیں اور یہ ہی دو سینگوں والے ہوتے ہیں۔ ایک بات اور بھی ہے کہ کالا گینڈا نہ بالکل سیاہ ہوتا ہے نہ سفید گینڈا سفید۔ البتہ جب کچھ مخصوص زاویوں سے روشنی پڑتی ہے تو یہ سیاہ یا سفید سے دکھائی دیتے ہیں۔ بقیہ تین براعظم ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔ سو سال سے بھی کم عرصے پہلے تک یہ تینوں ایشیائی قسمیں ہندوستان میں پائی جاتی تھیں لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر ان کی تعداد دھیرے دھیرے گھٹنے لگی اور بالآخر ۱۹۳۵ء تک موخر الذکر دونوں قسم کے گینڈے ہندوستان سے بالکل ناپید ہو گئے۔

جسامت کے اعتبار سے افریقہ کا سفید گینڈا سب سے بڑا ہوتا ہے اس کے بعد ہندوستانی گینڈے کا نمبر آتا ہے۔ تیسرا افریقی کالا گینڈا، چوتھا جاوائی ایک سینگ والا اور ان سب سے چھوٹا سماترائی دو سینگوں والا گینڈا ہوتا ہے۔

جاوائی ایک سینگ والا گینڈا پچھلی صدی تک بنگال اور خاص طور سے سندربن کے علاقے میں کافی عام تھا لیکن وہ ۱۹۰۰ء کے قریب ہندوستان سے ناپید ہو گیا۔ سماترائی دو سینگوں والا گینڈا ۱۹۳۵ء تک میزو پہاڑیوں اور آسام میں پایا جاتا تھا۔ آخر کار اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ اس کی نسل بھی ہندوستان سے بالکل ختم ہو گئی۔ اب ہمارے پاس صرف ایک سینگ والا عظیم ہندوستانی گینڈا ہی بچا ہے موجودہ صدی کے اوائل میں بھی ناپید ہونے کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اس کی تعداد گھٹتے گھٹتے صرف دس بارہ ہی رہ گئی تھی۔ لیکن اس کے تحفظ کی انتہائی کوششوں کی وجہ سے اس کی نسل نہ صرف یہ کہ برقرار رہی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب اندازہ ہے کہ ان کی آبادی آٹھ سو سے زیادہ ہو چکی ہوگی۔ ان کی آبادی کا بیشتر حصہ آسام میں قاضی رنگا نیشنل پارک میں اور کچھ مغربی بنگال میں ہے۔ اس کے علاوہ دو سو کے قریب گینڈے نیپال میں بھی پائے جاتے ہیں۔

گینڈا پہلے سارے شمالی ہندوستان میں پایا جاتا تھا اور موہن جو دارو تہذیب کے جو آثار برآمد ہوئے ہیں ان میں ہمیں گینڈے کی تصویر کندہ ملتی ہے۔ گویا کوئی پانچ ہزار سال قبل وہ سندھ کے علاقوں میں پایا جاتا تھا۔ تاریخ میں اس بات کے ریکارڈ موجود ہیں کہ تیمور لنگ نے ۱۳۹۸ء میں کشمیر کی سرحد کے پاس بہت سارے گینڈوں کا شکار کیا تھا۔ اس کے بعد کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ سولہویں صدی عیسوی تک گینڈے اس وقت کے ہندوستان کے انتہائی مغربی حصے میں یعنی شمال مغربی صوبہ سرحد اور پشاور کے علاقوں میں پائے جاتے تھے۔ شہنشاہ بابر نے اپنی یادداشت میں دریائے سندھ کے قریب جھاڑی والے علاقے میں ۱۵۱۹ء میں کئے گئے اپنے گینڈے کے شکار کی تفصیل بیان کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر اتنی کافی تعداد میں اور اتنے وسیع علاقے میں پائے جانے والے اس بھاری بھرکم جانور کی تعداد اس قدر کم اور اس کا علاقہ اس قدر تنگ کیوں ہو گیا۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ گھریلو مویشیوں کے ذریعے بیماریوں کا لگنا۔ شوقیہ شکار لیکن ان سب سے بڑی وجہ ان کے سینگوں اور جسم کے دوسرے اعضاء حاصل کرنے کی خاطر ان کا ناجائز طریقہ پر بے تحاشہ شکار رہے۔

گینڈے کے سینگ، کھال، ہڈی، خون حتیٰ کہ پیشاب تک کے بارے میں عام لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بہت ہی زیادہ طلسماتی اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ یہ اشیاء بہت ہی زیادہ داموں فروخت ہوتی تھیں اور پیسوں کے لالچ میں گینڈوں کا بڑی بے رحمی سے شکار کیا جاتا تھا۔ انتہائی سخت حفاظتی اقدامات کے باوجود ان کا شکار کرنے والے موقع ملنے پر چوکتے نہیں ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ گینڈے کے جسم کی سب سے نمایاں چیز اس کا سینگ ہے۔ اس کا یہ سینگ اس کے سر کی کھوپڑی سے جڑا ہوا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کی کھال کا ایک حصہ ہے۔ یہ دراصل بہت ہی اچھی طرح سے دبے ہوئے بالوں کا گچھا ہے۔ یہ نام نہاد سینگ ایک زور دار ضرب سے اڑایا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی گینڈوں کے سینگ اوسطاً پندرہ یا سولہ انچ لمبے ہوتے ہیں۔ ویسے قاضی رنگا (آسام) کی حفاظت گاہ میں ایسے گینڈے بھی ہیں جن کے سینگ اٹھارہ انچ یا اس سے زیادہ لمبے ہیں۔ ہندوستانی گینڈے کا سب سے لمبا سینگ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے اس کی لمبائی چوبیس انچ ہے۔

پرانے وقتوں میں لوگوں میں یہ خیال عام تھا کہ گینڈے کے سینگ کے ذریعے اس بات کا آسانی سے کھوج لگا سکتے ہیں کہ کسی مشروب میں زہر ملا ہوا ہے یا نہیں۔ اس کے لیئے بادشاہ اور راجے کسی بھی چیز کو گینڈے کی سینگ کے بنے ہوئے منقش پیالوں میں پیا کرتے تھے تاکہ انھیں دھوکے سے کوئی شخص زہر آمیز چیز نہ پلا دے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ زہریلے مشروب کے گینڈے کے سینگ کے بنے پیالے میں ڈالتے ہی اس میں جھاگ پیدا ہو جائیں گے۔ اس سلسلے میں تحقیقات کی گئیں اور یہ بات غلط ثابت ہوئی ہے۔ اس قسم کے پیالوں میں سخت زہریلے مشروب انڈیلے گئے لیکن کوئی بھی غیر معمولی بات رونما نہیں ہوئی۔

گینڈے کے سینگ کے بارے میں ایک اور خیال بھی تھا اور اب بھی ہے کہ یہ حیات افزا صلاحیت رکھتا ہے۔ گینڈے کے سینگ کو ایک برتن بھر پانی میں ساری رات رکھتے ہیں۔ پھر اس پانی کو روزانہ ایک ایک چمچہ پیتے رہتے ہیں۔

مشرقی ایشیا میں یہ عقیدہ بھی بہت عام ہے کہ اگر بچے کی پیدائش کے وقت کسی زچہ کے بستر کے نیچے گینڈے کے سینگ کو رکھا جائے تو اس کی مدد سے اسے دردِ زہ میں سہولت اور آسانی رہے گی۔ اس غرض سے لوگ تین تین سو روپے دے کر اسے مستعار لیا کرتے ہیں۔

ان مبینہ خصوصیات کی وجہ سے گینڈوں کے سینگ بہت ہی بھاری داموں فروخت ہوتے ہیں۔ حکومت کے منعقد کردہ نیلام میں یہ دس ہزار روپے فی کلوگرام فروخت ہوتے ہیں جبکہ ناجائز طریقے پر شکار کرنے والے اسے اس سے بھی مہنگا بیچتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ گینڈے کے جسم کا ہر عضو کار آمد سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کھال اور ہڈی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بلا، آسیب جادو اور بیماری سے بچاؤ کی غرض سے بطور تعویذ پہنتے ہیں۔ مشرقی ہندوستان میں آباد بہت سارے قبائل اس کی ہڈیاں اپنے کھیتوں میں گاڑ دیتے ہیں تاکہ ان کے اثر سے ان کے کھیت بہترین فصل دے سکیں۔

گینڈے کے گوشت کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نہ صرف لذیذ اور ذائقہ دار ہوتا ہے بلکہ جنسی اور نفسانی خواہشات کا زبردست محرک بھی ہے۔ ان کے مطابق اس کو کھانے کے بعد انسان ایک ناقابلِ بیان سرور و سرمستی میں کھو جاتا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ سوکھے گوشت کے چبانے سے جسم میں ہمیشہ سے دفاع کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

نیپال میں گینڈے کا گوشت اور خون دیوتاؤں پر چڑھایا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دیوتاؤں کے لیئے ان سے زیادہ قابلِ قبول اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگر مرتے ہوئے شخص پر گینڈے کے خون کا چھڑکاؤ کیا جائے تو اس کا آخری سفر بڑی آسانی سے طے ہو جائے گا۔ اسلئے ناجائز طور پر شکار کرنے والے سب سے پہلے گینڈے کے جسم سے اس کا خون اکٹھا کرتے ہیں۔ اس کا خون اس قدر قیمتی ہے کہ اس میں بھیگا ہوا کاغذ کا ایک پرزہ بھی خاصے داموں فروخت ہوتا ہے۔

جنگل میں بالغ گینڈے سے سارے دوسرے جانور خوف زدہ رہتے ہیں یہ سدھایا ہوا ہاتھی تک اس کے قریب جانے سے کتراتا ہے۔ تنہا شیر بھی کبھی اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہاں کبھی کبھی دو تین شیر مل کر اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں لیکن وہ اکثر منہ کی کھاتے ہیں۔۔۔ گینڈے کا بچہ شیر کی مرغوب غذا ہے اور وہ ہمیشہ اس کے شکار کی تاک میں لگا رہتا ہے پر اسے اس کا موقع کم ہی ملتا ہے کیونکہ بچہ ہمیشہ اپنی ماں کے آگے آگے چلتا ہے تاکہ وہ ہر دم اپنی ماں کی نگاہوں کے سامنے رہے اور اس پر کوئی شیر حملہ نہ کر بیٹھے۔ بچہ بھی اپنی ماں سے بے حد لگاؤ رکھتا ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ ماں کے مرنے کے بعد وہ اس کی لاش کے پاس سے نہیں جاتا ہے اور وہیں بھوک پیاس سے مر جاتا ہے یا کسی شیر کا شکار ہو جاتا ہے۔ قاضی رنگا مامن کے محافظ اس طرح کے یتیم بچوں کو وقتاً فوقتاً بچاتے رہتے ہیں۔

جانوروں میں عام طور سے جنسی اختلاط کے لئے تحریک اور پہل نر کی طرف سے ہوتی ہے لیکن گینڈوں کی دنیا میں ہمیں اس کے الٹ منظر دیکھنے کو ملتا ہے۔ مادہ نر کے پیچھے بھاگتی ہے اور نر خود مستی میں نہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بچائے دوڑتا پھرتا ہے۔ گینڈوں میں جنسی ملاپ اسی وقت ہوتا ہے جب دونوں کی خواہش بہ یک وقت بیدار ہوتی ہے۔ ہندوستانی گینڈے میں حمل کی مدت اُنیس مہینہ ہوتی ہے۔ گینڈے کو ایک وقت میں ایک ہی بچہ ہوتا ہے۔ پیدائش کے وقت اس کا قد شانوں تک چار فٹ اور وزن کوئی چوتن کلوگرام ہوتا ہے جبکہ ایک پورا بالغ گینڈا چھ فٹ اونچا ہوتا ہے۔ بچہ تین سے چار سال تک ماں کی نگہداشت اور پرورش میں رہتا ہے اور اس کی ماں بھی اس درمیان کوئی دوسرا بچہ نہیں دیتی ہے۔ اس وجہ سے گینڈوں کی آبادی بہت ہی دھیرے دھیرے بڑھتی ہے۔

گینڈا اپنی عادتوں کی وجہ سے بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ خونخوار سے خونخوار اور بہادر سے بہادر جانور بھی اپنے دشمن کو جب زیادہ قوی اور زبردست پاتا ہے تو راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔ گینڈا ایسا نہیں کرتا۔ وہ دشمن کو اپنے قریب آتا دیکھتا ہے لیکن وہ گھاس چرنے میں مگن رہتا ہے حتیٰ کہ وہ بہت ہی قریب آ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی وہ بھاگ کھڑا نہیں ہوتا بلکہ اس پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

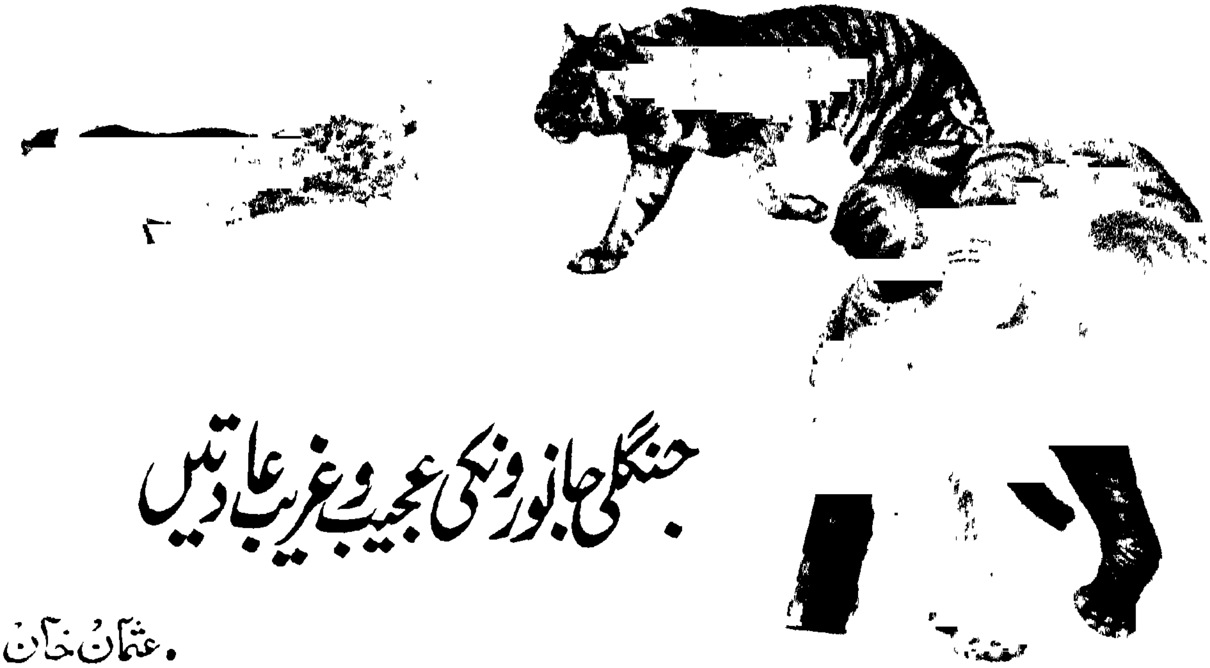
گینڈے کی ایک اور عادت بھی ہے۔ وہ اپنا فضلہ ایک خاص جگہ پر ہی خارج کرتا ہے۔ یہ بات گینڈے پر ہی کیا موقوف ہے کوئی بھی گینڈا جب فضلے کے اس ڈھیر کے پاس سے گذرتا ہے تو اسے بھی حاجت محسوس ہوتی ہے کہ اپنا فضلہ اس جگہ خارج کرے۔ مزید یہ کہ وہ اس مخصوص جگہ الٹا چلتا ہوا آتا ہے۔ گینڈے کا ناجائز طور سے شکار کرنے والوں کو اس کی اس عادت کا پتہ ہے اور وہ اس کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اس جگہ گینڈے کا انتظار کرتے بیٹھے رہتے ہیں اور جب کوئی قسمت کا مارا گینڈا وہاں سے گذرتا ہے تو اسے بھی اپنی حاجت رفع کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔

گینڈے کے شکار کرنے کا ایک اور طریقہ بھی اپنایا جاتا ہے۔ گینڈوں کی عام گذرگاہ پر ایک دس فٹ لمبا، پانچ فٹ چوڑا اور چھ فٹ گہرا کنواں کھودتے ہیں۔ اس پر بانس کچھ اس طرح رکھتے ہیں کہ پھر اس پر گھاس بچھا کر اسے چھپایا جا سکے۔ نتیجہ یہ کہ گینڈا بے خیالی میں اس پر سے گذرتا ہے اور سیدھا گڑھے میں گر جاتا ہے۔ [illegible] پہنچ کر وہ بے بس اور اپنا دفاع اور بچاؤ کرنے کے بالکل نا [illegible]

رہ جاتا ہے اور شکار ہو جاتا ہے۔ گینڈے کے شکاری اس طریقے کو اس لئے بھی اپناتے ہیں کیونکہ اس میں گولی داغنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے اور وہ بڑی خاموشی سے حفاظت گاہ یا مامن کے محافظین سے بچ کر شکار کر سکتے ہیں۔ حفاظت گاہ کے ذمہ داران بھی گینڈے کو پکڑنے کے لئے یہی طریقہ اپناتے ہیں۔ چونکہ گینڈے کا بچہ اپنی ماں کے آگے آگے چلتا ہے اسلئے گڑھے میں وہی گرتا ہے اس طرح انھیں ملکی اور غیر ملکی چڑیا گھروں کو فراہم کرنے کے لئے مطلوبہ گینڈے کا بچہ مل جاتا ہے۔

گینڈے کا شمار دنیا کے سب سے مہنگے جانوروں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان میں واقع چڑیا گھر کو یہ ایک لاکھ روپے میں اور غیر ملکی چڑیا گھر کو دو لاکھ روپے میں فروخت کیا جاتا ہے۔

عام طور سے ماہرین حیوانیات کا یہ خیال ہے کہ کسی جانور کی تعداد گھٹتے گھٹتے جب ایک خاص نکتے تک پہنچ جاتی ہے تب اس کی نسل کی بقا کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوتی ہیں لیکن گینڈے کے تحفظ کی مخلصانہ کوششوں نے اس کلیے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کیا تھا کہ اس صدی کے اوائل میں گینڈوں کی تعداد صرف چند نفوس رہ گئی۔ ان کے تحفظ کے لئے ۱۹۰۸ء میں قاضی رنگا کی حفاظت گاہ کا قیام عمل میں آیا یہ اس حفاظت گاہ کے ذمہ داران کے خلوص اور لگن کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے ایک انتہائی قیمتی سرمایہ کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۴۳۰ مربع کلومیٹر کے علاقے میں پھیلی اس حفاظت گاہ میں شروع سے ہی یہ کوششیں کی جاتی رہی ہیں کہ اس میں آباد جانوروں کو بھرپور تحفظ دیا جائے۔ ناجائز طریقے پر شکار کرنے والوں سے انھیں بچانے کے لئے ایسے راستے قائم کئے گئے ہیں جن پر جیپیں چلائی جا سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ سترہ ہاتھیوں کی مدد سے چوبیسوں گھنٹے محافظین پہرہ دیا کرتے ہیں ان کے پاس رائفلیں اور جدید قسم کے وائرلیس سیٹ ہوا کرتے ہیں۔ اہم مقامات پر تیس کے قریب چوکیاں قائم کی گئی ہیں تاکہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہو۔ مزید یہ کہ تقریباً دو سو پچاس افراد کا باقاعدہ عملہ ہوم گارڈس کی مدد سے پارک اور اس کے اطراف کے علاقے کے جنگلی جانوروں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔ گذشتہ سال تقریباً ۱۲۰۰ ملکی اور ۹۰ غیر ملکی سیاح حفاظت گاہ دیکھنے آئے امید کی جاتی ہے کہ اس تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا رہے گا۔



جنگلی جانوروں کی عجیب و غریب عادتیں

• عثمان خان

شیر ایک مشہور درندہ جو اپنی گوناگوں صلاحیتوں کی بناء پر جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے قدرت نے اسے ان تمام صفات سے نوازا ہے جو کہ ایک بادشاہ کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔

اس کی مادہ صرف ایک ہی بچہ دیتی ہے۔ پیدائش کے وقت بچہ بالکل گوشت کا بے حس و حرکت ایک لوتھڑا ہوتا ہے۔ نہ وہ حرکت کرتا ہے اور نہ سانس لیتا معلوم ہوتا ہے۔

عربی زبان میں شیر کے پانچ سو نام ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ شیر تنہائی پسند جانور ہے۔ اور اکثر پانی کے قریب ہی اپنا مسکن بنا کر رہتا ہے۔ جب شیر بھوکا ہوتا ہے تو دہاڑتا ہے۔ اسکی دہاڑ سے جنگل میں موت کا سناٹا چھا جاتا ہے اور مختلف جانوروں پر عجیب سی بدحواسی طاری ہو جاتی ہے بسا اوقات تو جانور خود اس کی خوراک بن جانے کے لئے اس کے آگے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شیر تنہا شکار کرتا ہے اور اس کے بعد اپنے خاندان کے ہمراہ اسے کھاتا ہے شیرنی اپنے بچوں کو بچپن سے ہی شکار کا عادی بنا دیتی ہے وہ ادھ مرا تڑپتا ہوا شکار ان کے سامنے لاکر ڈال دیتی ہے اور وہ اسے مار کر کھاتے ہیں۔

شیر کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے ایک ہی تھپیڑے سے قوی سے قوی جنگلی بھینسے کا کام تمام کر دیتا ہے۔

شیر زخمی ہونے کے بعد غصہ کے عالم میں بے حد خطرناک ہو جاتا ہے۔ شیر جب غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو ہاتھی تک اس سے کترا کر نکل جاتے ہیں۔

ہندوستان میں گیر کے جنگلوں میں شیر ببر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ قدرت نے شیر کو موسم کا مقابلہ کرنے کی قوت بخشی ہے اسکا بدن چیتے سے تین گنا زیادہ ہوتا ہے۔ شیر کے دوڑنے کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اسکی ایک جست تقریباً چھ میٹر تک ہوتی ہے اس کے بدن سے ایک خاص قسم کی بو نکلتی ہے جس کو سونگھ کر دیگر جانور راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ شیر کی خصوصیت جہاں یہ ہے کہ وہ پانی کے قریب رہنا پسند کرتا ہے وہیں یہ روشنی سے ڈرتا ہے۔ شکاری اس کی اس کمزوری سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے شکار میں اکثر سرچ لائٹ کا استعمال کرتے ہیں۔

شیر کی چربی اور چمڑے کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں کہا جاتا ہے کہ شیر کی چربی جو شخص اپنے بدن پر مل لے گا اس کے قریب نہ کوئی درندہ آئے گا اور نہ اس کے بدن پر جوئیں پڑیں

گی . جس مکان میں شیر کی کھال کے بال جلائے جائیں وہاں کبھی سانپ بچھو نہیں آئیں گے اور اگر ہوں گے بھی تو بھاگ جائیں گے اگر کپڑوں کے صندوق میں شیر کی کھال کا ایک ٹکڑا رکھ دیا جائے تو کپڑوں میں کسی قسم کا کیڑا نہیں لگ سکتا .

ہاتھی

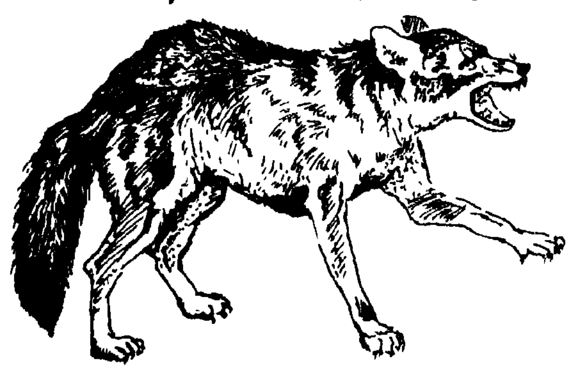
ہاتھی ایک عظیم الجثہ جانور ہے بلند قامت عجیب و غریب شکل و صورت لمبی سونڈ اور دو بڑے بڑے کان رکھتا ہے . ہاتھی بڑے کام کا جانور ہے . اسکو سدھا کر اس سے بہت سے کام لیئے جا سکتے ہیں مثلاً شکار کا ، بڑے بھاری سامان ڈھونے کا ، سواری کا اور دوران جنگ میں بھی اس سے کام لیا جاتا رہا ہے . ہاتھی صرف ایک ہی مادہ سے تعلق رکھتا ہے اور اپنی مادہ کے حق میں بڑا غیرت دار ہوتا ہے . اسکی مادہ پانی کے چھوٹے تالاب وغیرہ میں داخل ہو کر بچہ جنتی ہے . بچہ پیدا ہوتے کے بعد نر ہاتھی بھی اسکی دیکھ بھال کرتا ہے . ہاتھی میں مقابلتاً دیگر جانوروں سے زیادہ قوت شامہ ہوتی ہے . اسے اپنی سونڈ سے سونگھنے میں بہت مدد ملتی ہے . کسی بھی غائبانہ حملہ کے امکان کی صورت میں ہاتھی اپنی سونڈ اوپر نیچے آگے پیچھے کرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس پر حملہ کرنے والا کہاں چھپا ہے مخالف سمت میں چلنے والی ہوائیں ہاتھی پانچ پانچ میل کے فاصلے سے آدمی کی بو سونگھ لیتا ہے . ہاتھی کی نگاہ بہت کمزور ہوتی ہے اگر ہوا ساکن ہے تو کوئی بھی آدمی چپ چاپ جا کر اس کے پیچھے پیٹھ پر کاغذ چپکا سکتا ہے یا اس کے قریب کھڑا ہو سکتا ہے . ہاتھی کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدر عظیم الجثہ ہوتے ہوئے بھی بلی سے بے حد ڈرتا ہے جہاں بلی کو دیکھا یہ فوراً وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے . ہاتھی کافی وفادار جانور ہے اور وہ اپنے مالک پر اس قدر مہربان ہوتا ہے کہ اس کے خاطر اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا اسی طرح اس کا غصہ بھی خطرناک ہوتا ہے یعنی جب دشمنی پر آجائے تو جان لیکر ہی ٹلتا ہے . ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے جب یہ غصہ کی حالت میں ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو بڑی دور دور تک آواز جاتی ہے اور یہ منظر بڑا ہی دل دہلا دینے والا ہوتا ہے .

ہاتھی کی اصل طاقت کا سرچشمہ اسکی سونڈ ہوتی ہے . ہاتھی صرف اپنی سونڈ کی طاقت سے مضبوط سے مضبوط درخت کو دو چار جھٹکوں میں اکھاڑ پھینکتا ہے . یہ زیادہ تر اپنے گروہ میں رہنا پسند کرتا ہے . اسکی خوراک سبزی پتیاں ہیں گنا اور ناریل ہاتھی کی مرغوب غذا ہے - لیکن چٹانوں اور کھاری جگہوں کو یہ بڑے شوق سے چاٹتے ہیں ہاتھی دانت کسی قیمتی دھات سے کم اہمیت نہیں رکھتے . ایک زمانے میں ہاتھی کے دانتوں کی بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی . دانتوں سے زیورات آرائش بنائے جاتے ہیں اور اب بھی ہاتھی کے دانتوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے .

بھیڑیا

یہ ایک مشہور درندہ ہے اس میں قوت برداشت بہت ہوتی ہے . اور لبا اوقات شیر کے مقابلے میں بھی ڈٹ جاتا ہے . اکثر کئی دن بنا شکار کے رہ سکتا ہے . جب اسے شکار حاصل ہوتا ہے تو بڑی جلدی سے اس کا صفایا کر جاتا ہے یہاں تک کہ اسکی ہڈی بھی کھا جاتا ہے جو اسکے پیٹ میں گل جاتی ہے شیر کی طرح بھیڑیا بھی اپنے چھوڑے ہوئے جھوٹے شکار کو دوبارہ نہیں کھاتا . اسکی سب سے زیادہ حیرت انگیز خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی آنکھ سے سوتا ہے دوسری آنکھ ممکنہ حملہ کے پیش نظر کھلی رکھتا ہے جب وہ ایک آنکھ سے سو لیتا ہے تو دوسری آنکھ بند کر لیتا ہے اور پھر سو جاتا ہے غرض یکہ بعد دیگرے وہ اپنی دونوں آنکھوں سے سو لیتا ہے اور اپنی حفاظت بھی کر لیتا ہے اسکی قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے اور لبا اوقات یہ کئی میل تک کام کرتی ہے .

بھیڑیئے میں سب سے عجیب یہ بات ہے کہ اگر اسکی اور بکرے



کی کھالیں اکٹھی رکھی جائیں تو بکرے کی کھال کے بال خود بخود جھڑ جاتے ہیں۔ اگر یہ پیاز کے پتوں پر سے گذر جائے تو فوراً مر جاتا ہے عین بھوک عالم میں چلاتا ہے اور اسکی یہ آواز سنکر دوسرے بھیڑیئے جمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں اگر ایسے میں اُن میں سے کوئی بھیڑیا نکل بھاگے تو سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اسے کھا جاتے ہیں اگر اس کا مقابلہ کسی انسان سے ہو تو یہ مدد کے لئے دوسرے بھیڑیوں کو آواز دیتا ہے اسکی آواز پر بہت سے بھیڑیئے آکر انسان پر حملہ آور ہو کر اسے ختم کر دیتے ہیں۔ اگر بھیڑیا بیمار ہوتا ہے تو اپنے گروہ سے الگ تھلگ رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میرے ہم جنسوں کو میری بیماری کا علم ہو گیا تو وہ مجھے کھا جائیں گے۔

یہ اکثر گروہ کی شکل میں رہتے ہیں اور شکار بھی اجتماعی طور پر کرتے ہیں۔ ہل بانٹ کر شکار کا صفایا کرتے ہیں۔ اکثر بھوک کے عالم میں پورا کا پورا گروہ وحشی بن جاتا ہے اور اکثر شیر کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے۔

مور

مور بھارت کا قومی پرندہ ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی پرندہ خوبصورتی سجاوٹ اور سجیلے پن میں اسکی برابری کر سکے۔ مور کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جب وہ مست ہو کر ناچتا ہے اور اسی دوران رقص جب اسکی نظر اپنے پنجوں کی بے ساختگی پر پڑتی ہے تو اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں جنھیں مورنی بڑی احتیاط سے اپنے حلق کے نیچے اتار لیتی ہے اور اس طرح وہ انڈے دینے کے لائق ہو جاتی ہے۔ ایسا شاید مور کے حسن کو زیر نظر رکھ کر کہا گیا ہے ورنہ حقیقت کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے کیونکہ مور بھی افزائش نسل کا وہی طریقہ اپناتے ہیں جو دیگر پرندے اپناتے ہیں۔ سکندر اعظم جب اپنے ملک واپس ہونے لگا تو اس نے بھارت سے دو سو مور اپنے ساتھ لے لئے تاکہ اپنے ملک والوں کو مور سے روشناس کرا سکے مصر کی مشہور زمانہ ملکہ قلوپطرہ کو بھی مور کی خوبصورتی پسند تھی اور وہ اپنے محل میں اکثر اُن سے دل بہلایا کرتی تھی۔

مور کے بچے انڈوں سے نکلنے کے چند ہی گھنٹوں بعد اپنی دم کو آسمان کی طرف اٹھانے لگتے ہیں۔ دم کو اپنی معراج پر پہنچنے تک دو سال کا وقفہ لگ جاتا ہے اس کی دم کی جسمانی زیادہ سے زیادہ ننو انچ تک ہوتی ہے۔
دم کے پر موسم گرما کے آخر میں جھڑنے لگتے ہیں اور موسم سرما کے شروع میں نکلتے ہیں۔

عموماً ایک مور سے منسوب تین مورنیاں ہوتی ہیں یہ بات حیرت انگیز ہے کہ مورنیاں ہمیشہ مور سے آگے چلتی ہیں اور رات کو جب مور کسی بڑے درخت پر بسیرا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس وقت مورنیاں ہی راہبری کے فرائض انجام دیتی ہیں۔

مور کی آواز پرکشش اور سوز و گداز سے پُر ہوتی ہے عین مستی کے عالم میں پی اؤ۔ پی اؤ سے ملتی جلتی آواز نکالتا ہے۔

مور سانپ کی طرح چوکنا اور ہوشیار رہتا ہے اور جنگلی بلے کی طرح گھات لگاتا ہے۔ آنے والے خطرے سے ہوشیار رہتا ہے۔

مور اور سانپ کی دشمنی ازلی دشمنی پائی جاتی ہے جس کی تصدیق کی کوئی گنجائش نہیں ہے مور سانپ کو دیکھتے ہی اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسے فوراً ہی نگل لیتا ہے۔

جہاں کہیں بھی مور رہے گا سانپ اس جگہ سے دور ہی دور رہے گا۔

مور سے چوکیداری کے فرائض لئے جا سکتے ہیں چنانچہ بعض افراد اس سے اپنے گھر کی چوکیداری کا بھی کام لیتے ہیں کیونکہ یہ جنگلی پرندہ ہونے کے باوجود قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے جھیل جاتا ہے۔

مور کے پر بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اور مقدس مقامات میں اکثر پنکھوں کی شکل میں بنا کر رکھے جاتے ہیں اور اُن سے خوب منافع کمایا جاتا ہے۔

• شیخ ایم سلیم
۵۰۰، بیپے، موتی شاہ روڈ، بمبئی ۲۰۰۰ بم

دنیا کے چند عجیب و غریب جانور





ہمالیہ کی چیل

ہمالیہ پربت کی بلندیوں پر رہنے والی الّو کی طرح بڑی بڑی روشن آنکھوں والی سفید اور بھورے رنگ کی خوبصورت چیل جس کا نام (...) گالئیے ٹس۔ باربے ٹس ہے یہ چیل کافی بلندی پر اڑتی ہے اور اسکی غذا صرف ہڈی اور نلی کا گودا ہے۔ یہ چیل اس قدر ہوشیار ہوتی ہے کہ اگر ہڈی یا نلی میں سوراخ نہ ہو تو اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے وہ ہڈی کو لیکر بلندی پر اُڑ جاتی ہے اور پھر کسی چٹان پر اسکو پھینک دیتی ہے جس سے ہڈی ریزہ ریزہ ہوتی ہے۔ اور اسی لمحے وہ ہڈی کے گودے کو چٹ کر جاتی ہے۔

تتلی

تتلی رنگین، خوبصورت پروں والی آپ نے ضرور دیکھا ہوگی بڑی نازک اور بہت خوبصورت رنگوں والی تتلیاں ہوتی ہیں مگر امریکہ میں ایک ایسی تتلی پائی جاتی ہے جس کے دو سر ہوتے ہیں اس تتلی کا نام تھیکلا توگارنا ہے (Thecla togarna) ہے۔ یہ تتلی جب کسی شاخ، پھول یا پتی پر بیٹھتی ہے تو فوراً پلٹ جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے دو سروں میں سے ایک سر تو اصلی ہوتا ہے مگر دوسرا صرف دکھاوے کا نقلی سر ہوتا ہے جسے وہ اوپر اٹھائے رہتی ہے جب کوئی چڑیا اس کو پکڑنے کے لئے جھپٹتی ہے تو وہ فوراً اپنی جان بچانے کے لئے اُڑ جاتی ہے اس طرح دکھاوے کا سر اسکی حفاظت کے کام آتا ہے اور اس کا شکار کرنے والے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

چوبیس انچہ لمبی زبان

امریکہ میں خرگوش کی قسم کا ایک ایسا جانور ہوتا ہے جس کی لمبائی ۴۸ (اڑتالیس انچہ ہوتی ہے) مگر اسکی زبان چوبیس انچہ (یعنی ساٹھ سینٹی میٹر) لمبی ہوتی ہے۔ اس کی لمبی زبان سے لیس دار ایسی رطوبت نکلتی ہے جو گوند کی طرح چپکدار ہوتی ہے۔ چیونٹی یا چھوٹے کیڑے مکوڑوں کو کھانے کے لئے یہ دور سے ہی اپنی زبان بڑھا کر اپنی غذا کو اسمیں چپکا لیتا ہے اور آسانی سے کھا لیتا ہے اسکی مرغوب غذا چیونٹی ہے۔ جس کے بل میں یہ زبان داخل کر کے انکو حاصل کر لیتا ہے۔



عجیب مچھلیاں

سالمن نام کی مچھلی کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ نارنجی رنگ والی ایک فٹ لمبی یہ مچھلی جو کھانے میں کافی لذیذ ہوتی ہے جب انڈے دینے والی ہوتی ہے تو سمندر سے دریا کی سمت یعنی مخالف دھارے کی طرف چل پڑتی ہے اسکی یہ خاصیت ہے کہ اگر دریا بلندی سے گر رہا ہو تو وہ چھلانگیں مارکر دریا کے گرتے ہوئے دھارے سے اوپر کی طرف چڑھ جاتی ہے اور دریا میں جگہ تلاش کر کے انڈے دیتی ہے۔

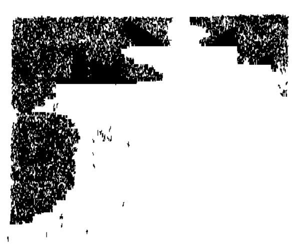
اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ انڈے دینے کے بعد رات گذرتے ہی وہ بوڑھی ہو جاتی ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ہفتہ عشرہ میں دم توڑ دیتی ہے۔

اسی طرح جنوبی مشرقی ایشیاء میں پائی جانے والی کچھ مچھلیاں پانی کے قریب ہی مگر پانی سے باہر نرم مٹی میں یا درختوں پر رہنا پسند کرتی ہیں۔ سمندر کا پانی جب چڑھنے لگتا ہے تو وہ سمندر کے کنارے مینگرو جھاڑ (mangrove) پر قطار در قطار چڑھ جاتی ہیں درخت پر چڑھنے میں ان کے ننھے ننھے پر جو بازو میں ہوتے ہیں بڑی مدد دیتے ہیں۔ پانی اتر جانے کے بعد وہ اسی طرح قطار در قطار درخت سے نیچے اتر آتی ہیں نرم مٹی میں دائرہ نما گھر بنا کر رہتی ہیں ان کی خوراک سمندر کے ننھے منے کیڑے یا نرم مٹی میں پیدا ہونے والے کیڑے اور پودے ہوتے ہیں۔ اس قسم کی مچھلیوں کی تین قسمیں ہیں جن کے رنگ قدرے مختلف ہوتے ہیں۔

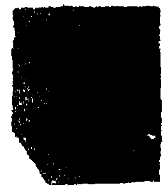
مینڈک

برسات میں ندی، نالوں، تالابوں حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے پانی بھرے گڑھوں تک میں پائے جانے والے مینڈک سب ہی نے دیکھے ہوں گے۔ مینڈک کی ٹرٹر کافی مشہور ہے۔ مینڈک کئی قسم اور کئی ذاتوں کے ہوتے ہیں مگر آج میں امریکہ کے تین خاص قسم کے عجیب مینڈکوں کے بارے میں کچھ بتانا چاہوں گا۔

ڈینڈرو بیٹس Bendro Bates نام کے مینڈک جو امریکہ میں پائے جاتے ہیں اس لحاظ سے عجیب وغریب ہوتے ہیں کہ اس قسم کے نر مینڈک کی پشت پر اس کے انڈے، بچے چپکے رہتے ہیں جب تک کہ وہ خود تیرنے اور آزادی سے اچھل کود کرنے کے لائق نہیں ہو جاتے وہ نر مینڈک کی پشت پر چپکے رہتے ہیں۔ اسی طرح سیرا تھائل Sera Thiel نام کے مینڈکوں کی ایک قسم ہوتی ہے اور اس قسم کے مینڈکوں کی مادہ مینڈک کی پشت پر قدرتی طور پر ایک باسکٹ کیطرح جگہ بنی ہوتی ہے مادہ مینڈک اس باسکٹ میں اپنے انڈوں کو لئے پھرتی ہے اور اس وقت تک لئے پھرتی ہے جب تک کہ انڈے مکمل نہ ہو جائیں وہ برسات کے موسم میں جب پانی برستا ہوتا ہے اپنے انڈوں کو توڑ لیتی ہے انڈوں کے ٹوٹتے ہی بچے باہر آجاتے ہیں اور برسات کے پانی میں اچھلتے کودتے وہ زندگی

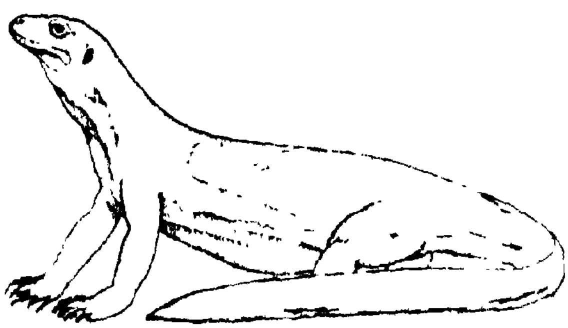






کے ترانے گانے لگتے ہیں۔

ایک اور عجیب و غریب مینڈک ہوتا ہے جو عموماً مارسوپیل Mar Sub›al نامی درخت پر یا اس کے تنے کے قریب ملتا ہے۔ یہ مینڈک گیسٹرو تھیکس Gestro Thecos کے نام سے مشہور ہے اسکی عجیب و غریب خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پیٹھ پر جو ابھرا ہوا حصہ ہوتا ہے اس کے نیچے اسی ابھرے ہوئے زِپ (طرز z) میں سے مکمل ہونے کے بعد نکلتے ہیں۔



سب سے بڑی زندہ چھپکلی

پرانے زمانہ میں جو خوفناک قسم کے جانور ہوا کرتے تھے شاید اسی نسل سے تعلق رکھنے والی ایک چھپکلی کومو جزیرے میں پائی جاتی ہے اسکی لمبائی بارہ فٹ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس زندہ چھپکلی کو کومو جزیرے میں خاص اہتمام سے رکھا گیا ہے۔ اس قسم کی زندہ چھپکلی کہیں دوسری جگہ نہیں دیکھی گئی ہے۔ یہ کیڑے مکوڑے کھاتی ہے اور اس علاقے میں جہاں اسکو رکھا گیا ہے گھومتی پھرتی یا سر اٹھائے آرام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

صفحہ ۱۲ سے آگے

ان کی یومیہ اوسط آمدنی ۴ روپے سے ۱۰ روپے تک بڑھ گئی ہے جبکی وجہ سے ان کے طرزِ رہائش میں بھی کافی ترقی ہوئی ہے۔ انھوں نے نئے مکانات تعمیر کر لیئے ہیں۔ اپنی آسائش کے لیئے ریڈیو، ٹرانسسٹر، گھڑی، سائیکل استعمال کرتے ہیں۔ عورتیں اچھی اچھی ساڑھیاں استعمال کرتی ہیں اور اکثر لڑکے ٹیریلن کے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ اس گھریلو صنعت کو جاپان جیسے ملکوں میں قائم گھریلو صنعت کی طرح فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو موچیوں کے زیادہ سے زیادہ خاندان اس سے مستفیض ہو سکیں گے۔

کولہاپوری چپل کے مشہور ایکسپورٹر شری ایچ۔ آر۔ ملک ہیں جو اس گھریلو صنعت کی مزید ترقی کے لیئے کوشاں ہیں۔ ان کا خیال ہے قومیائے گئے بنکوں کی مدد سے یہ صنعت مزید ترقی کر سکے گی۔

'ہرکپی' چپل

مستورات کے لیئے استعمال کے لیئے ملک ٹریڈرز 'ہرکپی' چپل بناتے ہیں۔ اس قسم کے چپل کی تیاری میں جو چمڑا استعمال کیا جاتا ہے وہ مدراس اور کانپور سے منگوایا جاتا ہے۔ کانپور میں اسی قسم کی ۲۰ہم جوڑی چپل تیار کی جاتی ہیں۔ اگر کولہاپوری چپلوں کی مانگ میں کبھی کمی آجائے تو یہ چپل تیار رکھی جاتی ہے تاکہ ایکسپورٹ میں فرق نہ آئے۔

کچھ تجارتی ادارے چمڑے کی اشیاء تیار کرنے کے لئے فیکٹری قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر میرج کی انڈسٹریل اسٹیٹ یا 'بیڈک' کی طرف سے مناسب زمین مل جائے تو یہاں پر بھی کانپور جیسی فیکٹری قائم کی جا سکتی ہے جس سے بڑی تعداد میں چپل بنائے جا سکیں گے۔

فی الحال اگر کولہاپوری چپلوں کی فروخت کو بڑھانا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے گودام بنوائے جائیں۔ مناسب طریقہ پر انہیں مشتہر کیا جائے اور بدیسی ملکوں میں ان کے استعمال کا مناسب طریقہ پر پرچار کیا جائے۔

ریاض احمد خاں

غیر طلبیدہ مضامین پر معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ مضمون نگار حضرات نوٹ فرمالیں۔

(ادارہ)

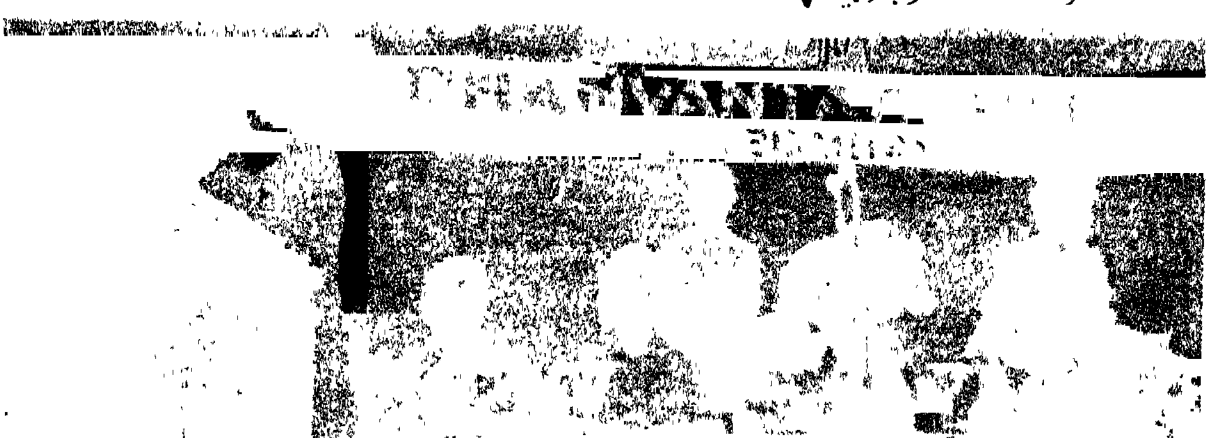
گورنر مہاراشٹر شری صادق علی نے حال ہی میں امراؤتی میں بھگوان مہاویر کے کیرتی استمبھ کا افتتاح کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔ →



وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، تکڑو جی مہاراج کی نویں برسی کے موقع پر موزاری، ضلع امراؤتی میں منعقدہ ایک تقریب سے خطاب فرماتے ہوئے۔



ڈاکٹر منوچہر سودی کو مرکزی وزیر برائے صحت عامہ، شری راج نارائن نے ۶ر نومبر کو بمبئی میں دھن ونتری فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام منعقدہ دھن ونتری جینتی تقریب میں دھن ونتری ایوارڈ عطا کیا۔ زیر نظر تصویر میں وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل اپنا افتتاحی خطبہ دے رہے ہیں۔ شری سوشیل کمار شندے وزیر مملکت برائے صحت عامہ، فاؤنڈیشن کے صدر، ڈاکٹر بی۔ کے گوئل اور مرکزی وزیر برائے صحت عامہ شری راج نارائن تشریف فرما ہیں ▼





↑ وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل نے ۲ر نومبر کو کملیتور میں مجوزہ ٹیکسٹائل مل کی 'بھومی پوجن' کی رسم ادا کی۔ یہ تصویر اسی موقع کی ہے۔



↑ وزیراعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل پونے ضلع سہکاری دودھ اتپادک سنگھ کی کرجت ڈیری میں فِل پیک مشین کا افتتاح فرما رہے ہیں۔ مشین پلاسٹک کے تھیلوں میں دودھ بھر کر تقسیم کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوئی ہے۔



↑ وزیر مملکت برائے نشہ بندی ڈاکٹر لیون ڈیسوزا نے حال ہی میں ینگ ومینس کرسچین ایسوسی ایشن بمبئی کے زیر اہتمام 'فنٹاسٹک اینڈ کارنیوال ۱۹۷۷ء' کا افتتاح فرمایا۔ اوپر تصویر میں وزیر موصوف تقریر کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔



← شری کے. ایم پاٹل، وزیر برائے دیہی ترقیات جلگاؤں ضلع کے تعلقہ پاچورہ میں چھوٹی آبپاشی اسکیم کا افتتاح کر رہے ہیں جس کی لاگت ۱۶ء۶۵ لاکھ روپے ہے۔ اور اس کے ذریعے ۲۱۶ ہیکٹر زمین سیراب ہوگی۔

قومی راج



پروفیسر رام جوشی، وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی، ہندی ادیبوں کی سہ روزہ کانفرنس میں تقریر کر رہے ہیں، جو حال میں برلا کریڑا کیندر، بمبئی میں منعقد ہوئی تھی۔

سنت گاڈگے مہاراج کی زندگی پر بنائی گئی فیچر فلم "دیوکی نندن گوپالا" کے گراموفون ریکارڈ حال ہی میں وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل کو اکولہ میں پیش کیئے گئے۔ زیر نظر تصویر میں مشہور اسٹیج اور اسکرین ایکٹر، ڈاکٹر شری رام لاگو، گاڈگے مہاراج کے رُوپ میں نظر آ رہے ہیں۔





ریاستی حکومت نے ضلع ناسک کے پیٹھ اور سرگانہ تعلقہ جات میں اجارہ دارانہ اناج خریداری کے لئے تیس خریداری مراکز کھولے ہیں۔ یہ مراکز مہاراشٹر قبائلی اقتصادی حالت سُدھار قانون بابت ۱۹۷۶ء کے تحت اسٹیٹ کوآپریٹو ادیباسی ڈیولپمنٹ کارپوریشن چلاتی ہے تاکہ ادیباسیوں کو فائدہ پہنچے۔ زیر نظر تصویر میں کلکٹر ناسک اور ٹرائبل ڈپٹی کمشنر شری اشوک باسک پیٹھ تعلقہ کے کرنجلی مقام پر خریداری مرکز کا معائنہ کر رہے ہیں۔

بین الاقوامی نمائش میں ریاستی کتابیں

حال ہی میں ماسکو میں پہلی 'بین الاقوامی کتب نمائش' (انٹرنیشنل بک فیئر) منعقد ہوئی تھی جس میں ۸۰۰ ہندوستانی کتابیں بھی رکھی گئی تھیں۔ ان میں سے ۹ ریاستی حکومت کی کتابیں تھیں، جن کے نام یہ ہیں: کالیداس' مصنف مہامہو پادھیہ وی وی میراشی۔ آیوروید شبدکوش۔ حصہ ۱-۲ (سنسکرت بسنسکرت) مدیران۔ وینی مادھوشاستری جوشی اور آبجہانی این۔ ایچ جوشی۔ آیوروید شبدکوش۔ حصہ ۱، ۲ (سنسکرت سنسکرت۔ مراٹھی) مدیران۔ وینی مادھوشاستری جوشی اور آنجہانی شری این۔ ایچ جوشی۔ مراٹھی وشوکوش، جلد ۲، مدیراعلیٰ۔ ترک تیرتھ لکشمن شاستری جوشی، نندا دیپ، ڈاکٹر سروجنی بابر، مہاراشٹر۔ لینڈ مس آنجہانی ڈاکٹر شریمتی اندمتی کروے اور آدھنک مدراکشر کلا۔ شری ایس آسمرے

بخارسٹ (رومانیہ) میں بھی اسی قسم کی نمائش کا اہتمام ہندوستانی سفارتخانہ نے کیا تھا۔

نمائش دیکھنے والوں نے ان کتابوں سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔

مولانا ناطق ایوارڈ

ودربھ اُردو ایسوسی ایشن' ناگپور کی جانب سے اُن طلبہ کو مولانا ناطق گلاؤٹھی ایوارڈ دیا گیا جنھوں نے ودربھ ایجوکیشن بورڈ کے ایس ایس سی امتحان بابت سال ۷۶-۱۹۷۵ء اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں اُردو، ہندی، مراٹھی اور انگریزی میں سب سے امتیازی نمبر حاصل کئے تھے۔ ڈاکٹر شریمتی سوشیلا تائی بلراج، وزیرمملکت برائے شہری ترقیات نے طلبہ کو انعامات تقسیم کئے اور انھیں مبارکباد دی۔ موصوفہ نے اردو کے ساتھ دیگر زبانوں کے طلبہ کو بھی انعامات دینے پر ودربھ اُردو ایسوسی ایشن کو مبارکباد دی اور ہرقسم کی اعانت کا یقین دلایا۔

شری انصاری' صدر ایسوسی ایشن نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

ہنگری کے وفد کی وزیراعلیٰ سے ملاقات

مسٹر بارک نلوک' ڈپٹی چیئرمین کی سربراہی میں کوآپریٹیوز کے ہنگیرین وفد نے وزیراعلیٰ مہاراشٹر، شری وسنت دادا پاٹل سے ۲۳ر نومبر کو منترالیہ میں ملاقات کی۔ دونوں ممالک کے درمیان مشترکہ دلچسپیوں سے متعلق تبادلۂ خیال کیا گیا۔ ہنگیرین وفد نے شکر اور کاٹن ٹیکسٹائل کوآپریٹیوز میں مہاراشٹر کی خاطرخواہ ترقی پر مسرت کا اظہار کیا۔

ہنگری کے وفد نے کوآپریٹیو سیکٹر میں تیارکردہ اشیاء کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ وفد نے وزیراعلیٰ کو بتلایا کہ ہنگری میں ایک سیمینار جلد ہی منعقد کیا جانیوالا ہے جس میں دنیا بھر کے مختلف میدانوں سے متعلقہ کوآپریٹیو ملازمین شرکت کریں گے۔

ہنگری کے اس وفد کے دیگر اراکین یہ ہیں: مسٹر سینڈور ڈیمزن' ڈاکٹر اسٹوان لوکیکس، مسٹر مائیکلوزکدار، ڈپٹی جنرل مینجر اور مسٹر لے ہملرس' ڈپٹی ٹریڈ کمشنر۔

"تربیت کے طریقہ کار" پر سیمنار

شری کے بکے مو گھے۔ حکومت مہاراشٹر کے ایڈیشنل چیف سکریٹری نے ریاست کی فلاح وبہبودی کے سلسلہ میں حکومت کے عہدیداروں کی تربیت پر زوردیا۔ آپ نے یہ بات ۱۵ر نومبر کو ایڈمنسٹریٹیو اسٹاف کالج میں تربیت کے طریقہ کار پہ ۷ روزہ سیمنار کا افتتاح کرتے وقت کہی۔

اس سیمنار میں حکومت مہاراشٹر کے مختلف ڈیپارٹمنٹ سے متعلقہ تربیتی محکموں کے ۲۲ سربراہوں نے حصہ لیا۔ اس تربیت کا مقصد تربیت حاصل کرنے والے عہدیداروں کو تربیت کے نئے طریقے سے واقف کرانا ہے۔

اس پروگرام کو حکومت ہند کے انسٹی ٹیوٹ آف سکریٹریٹ ٹریننگ اور مینجمنٹ نئی دہلی کے تعاون سے ترتیب دیا گیا ہے۔ شری ایس جی' کاشیکر' جوائنٹ ڈائرکٹر' ایڈمنسٹریٹیو اسٹاف کالج نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ شری پی پربھاکرن' ایڈیشنل ڈائرکٹر آئی ایس۔ٹی۔ایم نے سیمنار کی تفصیلات پیش کیں۔

سیاحوں کے لئے رہائشی جگہیں

ایم' ٹی' ڈی' سی' نے شرڈی میں سیاحوں کے لئے رہائشی جگہیں تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ وزیرسیاحت نے ایم' ٹی' ڈی' سی کے عہدیداروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ منتخب زمین اس مقصد کیلئے اپنے قبضہ میں لے لیں۔ ایم' ٹی' ڈی' سی ایک تین منزلہ عمارت تعمیر کرے گی جس میں مکمل سہولتیں حاصل ہوں گی اور ایک کینٹین اور ایک کھانے کا ہال ہوگا۔ اس عمارت پر لاگت کا تخمینہ ۲۵ لاکھ روپے ہے۔

قرض کی وصولیابی بند

کوآپریٹیو سوسائٹیوں اور ضلع محصول افسران کو ہدایت کردی گئی ہے کہ وہ ایسے اناج والے علاقے جہاں قحط جیسی صورت حال کا خطرہ ہے اور جو چار آنے سے کم محصول والے علاقوں میں شمار کئے جاتے ہیں، وہاں قرض کی وصولیابی بند کردیں۔ اس بات کا انکشاف منترالیہ میں منعقد کی گئی ڈویژنل کمشنر اور ضلع کلکٹروں کی ایک میٹنگ میں شری ایم، ڈی، چودھری وزیر محصول نے کیا۔ یہ میٹنگ چند اضلاع میں قلّت جیسے حالات پر اور وہاں کے لوگوں کو راحت پہنچانے کے اقدامات پر غور کرنے کے لئے منعقد کی گئی تھی۔

زیادہ ابتر حالات والے علاقوں میں بوڑھوں، بچوں اور معذور لوگوں میں ایک روپیہ فی بالغ اور ۳۵ سے ۶۵ پیسے فی بچہ کے حساب سے سرکاری امداد تقسیم کی گئی۔ وزیر محصول نے ضلع کلکٹروں کو ہدایت کی کہ قلّت والے علاقوں میں سرکاری امداد کی تقسیم کا کام فوراً شروع کردیں۔ قلّت اور امدادی اقدامات کے بارے میں ضلع کلکٹروں کی رپورٹ کے پیش نظر، وزیر محصول نے کہا کہ سولاپور میں آیاکٹ ڈویژن احمد نگر میں حفاظتی ڈویژن اور سانگلی میں سب ڈویژن قائم کرنے کی منظوری دی جائے گی۔

پینے کے پانی کی قلت کے بارے میں وزیر محصول نے ضلع کلکٹروں کو ہر دیہات کے لئے ایک پروگرام ترتیب دینے کی ہدایت کی۔ ساتھ ہی انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ چھوٹے گاؤں اور بستیوں کو امدادی کاموں کے سلسلے میں ترجیح دی جائے اور وعدہ کیا کہ اس مقصد کے لئے ضروری رقم مہیا کی جائے گی۔

اس میٹنگ میں شری ایم راؤ راٹھوڑ، ریاستی وزیر محصول، سولاپور، سانگلی، احمد نگر، اورنگ آباد، بیڑ، عثمان آباد اور ناشک کے ضلع کلکٹر، پونہ، بمبئی اور اورنگ آباد کے کمشنر اور محکمہ محصول، محکمہ مال، محکمہ پلاننگ، محکمہ زراعت، کوآپریشن، رورل ڈیولپمنٹ اور پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے سیکریٹریوں نے شرکت کی۔

نیچروپیتھی تسلیم کرلی گئی۔

حکومت مہاراشٹر نے نیچروپیتھی طریقۂ اعلاج کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آیورویدک اور یونانی نیز ہومیوپیتھک کے ساتھ اس طریقۂ کار سے بھی علاج کیا جائے گا۔

نیچروپیتھک طریقۂ علاج کے طور پر تسلیم کرنے کی تجویز حکومت کے زیر غور تھی۔

شرڈی کے زائرین کے لئے مزید سہولتیں

پرانے جھگڑے کا تصفیہ

شری این، کے ترپوڑے، وزیر قبائلی ترقیات وسیاحت کی کامیاب مداخلت کی بنا پر شری سائیں بابا ٹرسٹ اور گرام پنچایت کے درمیان ۱۶ سالہ جائداد ٹیکس کے جھگڑے کا خوش اسلوبی سے تصفیہ ہوگیا۔ نتیجہ میں زائرین کو مزید سہولتیں فراہم کرنا اب ممکن ہوگیا ہے۔ چونکہ معاملہ عدالت میں پیش کیا گیا تھا اس لئے پنچایت ٹرسٹ کو ۵۰۰ زائرین کے لئے رہائشی جگہ اور ۴۰۰ زائرین پر مشتمل کھانے کے لئے ایک ہال کی تعمیر کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ شری ترپوڑے نے ۱۲ر نومبر ۱۹۷۷ء کو دونوں فریقین کو ایک جگہ جمع کیا اور اپنے رسوخ کا استعمال کرکے نزع کا فیصلہ کیا۔

دونوں فریقین نے دوستانہ طریقے سے سمجھوتہ کیا اور عدالت سے کیس واپس لینے پر اتفاق کیا۔ زائرین کو مزید سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں دونوں فریقین نے مہاراشٹر ٹوریزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن (M T D C) سے تعاون کا عہد بھی کیا۔ پنچایت نے ٹرسٹ کو چھ سرائے اور ایک ہال کے تعمیر کی اجازت دے دی ہے۔ اس عمارت کی تعمیر پر کل ۱۴ لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔

ہفتہ میں دو بار بس سروس

شری ترپوڑے نے اس بات کا بھی یقین دلایا کہ بمبئی اور شرڈی کے درمیان ہفتہ میں دو بار جمعرات اور اتوار کو آرام بس سروس جاری کرنے کی تجویز پر بھی ایم، ٹی، ڈی، سی غور کرے گی۔

ہوائی پٹی

شرڈی سے آٹھ کلومیٹر پر واقع آسٹے میں ایک ہوائی پٹی بھی تعمیر کرنے کی تجویز پر بھی غور کیا گیا۔ وزیر سیاحت نے متعلقہ افسران کو ہدایت کی کہ وہ جگہ کا معائنہ کریں۔

اس میٹنگ میں شری کے، ایس پاٹھک، کورٹ ریسیور ٹرسٹ کے اراکین پنچایت کے سرپنچ اور ممبران، شری قاضی، سب ڈویژنل افسر اور ایم، ٹی، ڈی، سی کے عہدیداروں نے شرکت کی۔

لاٹری کے ٹکٹ کی فروخت

حکومت مہاراشٹر نے تمام ٹریژری اور سب ٹریژری آفسوں کو ہدایت جاری کی ہے کہ وہ لاٹری ٹکٹ کی خریدی کے لئے لاٹری ایجنٹوں کی جانب سے پیش کردہ ڈیمانڈ ڈرافٹ کو معمول کے اوقات جو شام چار بجے تک مقرر ہیں کے بعد بھی قبول کریں۔ ایسے ڈرافٹ اسٹیٹ بنک آف انڈیا/ بنک آف حیدرآباد روانہ کئے جائیں گے اور دوسرے روز ان کا کلیرنس کیا جائے گا۔

ناگپور امپروومنٹ ٹرسٹ کے علاقوں میں تعمیرات کیلئے ضابطہ

ناگپور میں کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کی تعمیر میں ضابطگی پیدا کرنے کی غرض سے ناگپور امپرومنٹ ٹرسٹ کی جانب سے پیش کردہ تجاویز میں تبدیلیوں کو چند شرائط کے ساتھ حکومت مہاراشٹر نے منظور کرلیا ہے۔

اس کے نتیجے میں اس انتظام میں جو کہ وزیر اعلیٰ کے فارمولا بابت سنہ ۱۹۷۰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، چند تبدیلیاں واقع ہوں گی۔

شرائط یہ رکھی گئی ہیں کہ مستقل یا عارضی تعمیر میں مداخلت نہیں ہوگی۔ دوسرے یہ کہ تعمیر کا باقاعدہ پروگرام مرتب کرنا ہوگا اور یہ کہ ہر سطح پر تعمیر کئے گئے حصہ کی وصولی مکمل ہونی چاہیئے۔

علاوہ ازیں شہری اراضی حدبندی سے علیحدہ زمین این۔ آئی۔ ٹی کی پیش کردہ تجویز کے مطابق چھوڑی جاسکتی ہے۔ زمین جس پر بلڈنگ موجود ہے اس میں شامل نہیں ہے۔ بقیہ زمین کو عام زمین کی طرح ناگپور امپرومنٹ ٹرسٹ کے ضابطہ کے مطابق الاٹ کیا جاسکتا ہے۔

دفتر کی منتقلی

اسٹیٹ کونسل فار چائلڈ ویلفیئر کا دفتر جو کہ ۱۲- بی آلور دیہ آشرم ڈاکٹر اینی بیسنٹ روڈ، ورلی پر واقع تھا، وہ اب منتقل ہوکر شیونیری اینکس ایلکزنڈر گراہم بیل روڈ، مالا بار ہل، ممبئی ۴۰۰۰۰۶ پر آگیا ہے۔

استعفٰی

حکومت مہاراشٹر نے شری آر۔ ڈی سنگھ اور ڈاکٹر آر۔ ڈی ہرواڈکر اعزازی میٹرو پولیٹن مجسٹریٹ، بمبئی عظمیٰ کا استعفیٰ منظور کرلیا ہے۔

فلم، اسٹیج اور ثقافتی امور کیلئے ریاستی کارپوریشن

حکومت مہاراشٹر نے شری ڈی۔ ٹی روپاتے کی صدارت میں "مہاراشٹر فلم اسٹیج اینڈ کلچرل ڈیولپمنٹ کارپوریشن لیمیٹیڈ" قائم کی ہے۔ مشہور فلم پروڈیوسر شری وی شانتا رام اس کے نائب صدر ہیں۔

بورڈ آف ڈائرکٹرز میں ثقافت سے تعلق رکھنے والے مشہور اشخاص شامل کئے گئے ہیں۔ کارپوریشن کی اعانت کے لئے دو علیحدہ کمیٹیاں ایک ثقافتی سرگرمیوں کے لئے اور دوسری فلمی امور کے لئے بنائی گئی ہیں۔ جس کے بالترتیب صدر ڈاموکینکرے، ڈائرکٹر برائے ثقافتی امور اور شری رام گبلے، کارپوریشن کے جوائنٹ مینجنگ ڈائرکٹر ہیں۔

قارئین کے لئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال وجواب" کا خصوصی صفحہ ہر شمارے میں شائع کیا جارہا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ آپ اپنے سوالات مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرماسکتے ہیں:

ایڈیٹر، قومی راج (پندرہ روزہ) نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ،
۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

اشتہارات کے نرخ

قومی راج میں اشتہارات مندرجہ ذیل شرح سے قبول کئے جائیں گے:

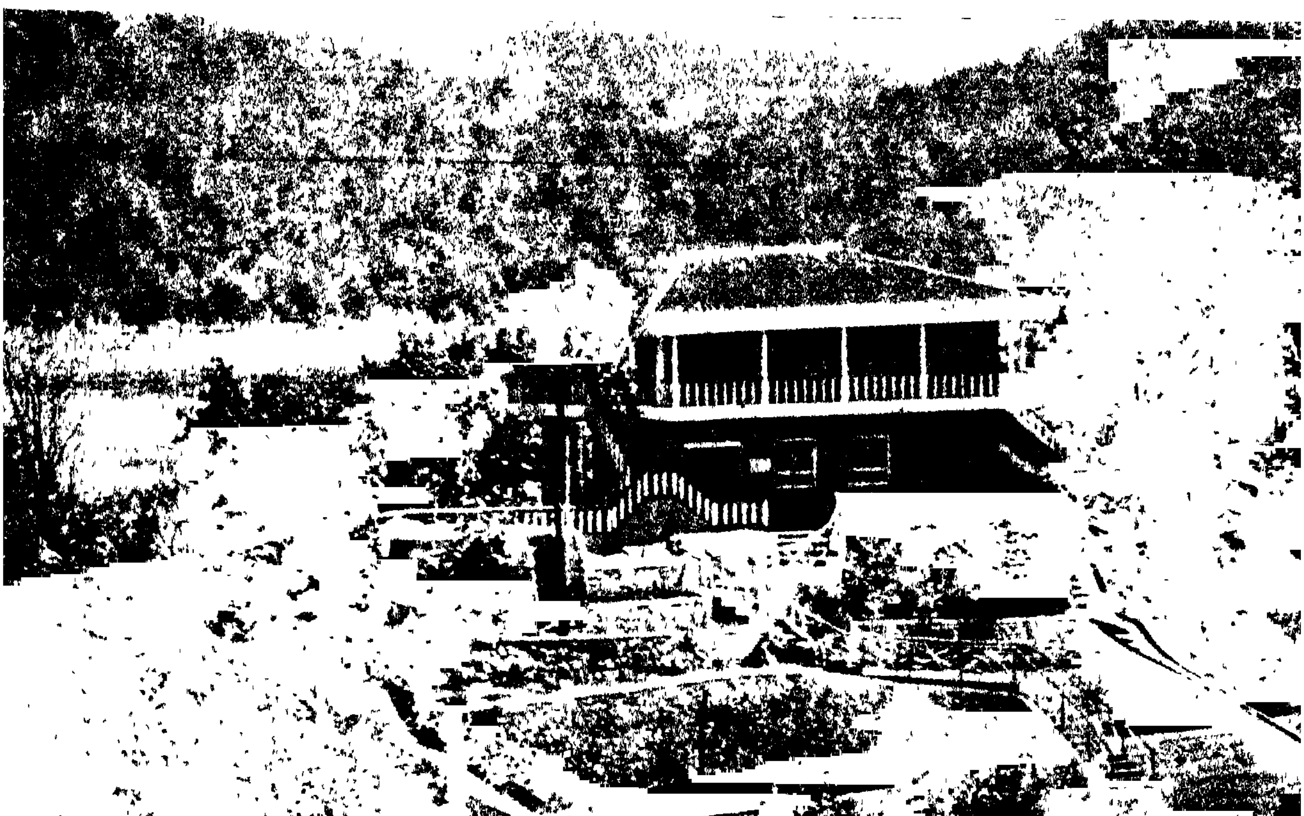
سرورق نمبر ۲	ایک ہزار روپے
سرورق نمبر ۳	ایک ہزار روپے
سرورق نمبر ۴	پندرہ سو روپے

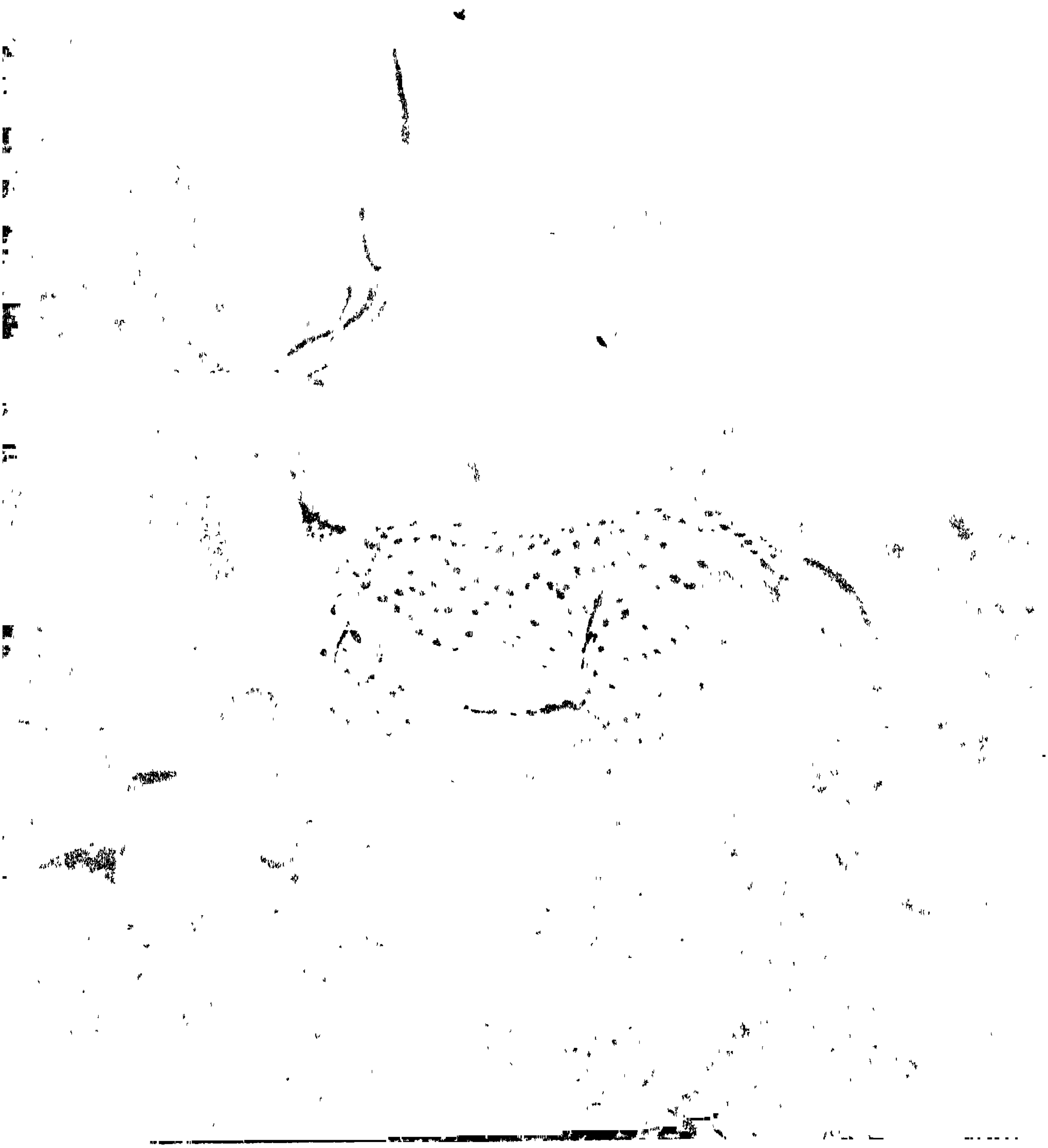
اندرونی صفحات

پورا صفحہ	پانچ سو روپے
آدھا صفحہ	تین سو روپے
چوتھائی صفحہ	ایک سو پچھتر روپے



قدرتی مناظر، پھول پھل اور درختوں سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لئے اور جنگلات میں رہنے والے جنگلی جانوروں کی سلامتی کے لئے مہاراشٹر میں چار بڑے نیشنل پارک اور آٹھ مامن (وائلڈ لائف سینکچیوریز) قائم کئے گئے ہیں۔





ہرن کی مختلف اقسام میں سب سے خوبصورت
نر چیتل ہوتا ہے۔ معمر نر کا رنگ گہرا خاکی
ہوتا ہے۔

Qaumiraj Regd. No. MH-BY-South-544

Licence No. 89 for 'without prepayment of postage'





قومی راج

اقبال صدی
خصوصی نمبر
۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو ؟ اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

گاندھی جی کا یادگار خط جو انھوں نے علامہ اقبال کی نظم "ترانۂ ہندی" سے متاثر ہوکر لکھا تھا۔

مہاتما گاندھی

SEGAON, WARDHA

مورخہ ۹ ؍ جون ۱۹۳۸ء

بھائی محمد حسین۔

آپ کا خط ملا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم
کے بارے میں میں کیا لکھوں؟
لیکن اتنا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جب
انکی مشہور نظم "ہندوستان ہمارا"
پڑھی تو میرا دل بھر آیا۔ اور
یرودہ جیل میں تو سینکڑوں بار
میں نے اس نظم کو گایا ہوگا۔ اس نظم
کے الفاظ مجھے بہت ہی میٹھے لگے اور یہ
خط لکھتا ہوں تب بھی وہ نظم میرے
کان میں گونج رہی ہے

آپکا

مو۔ک۔ گاندھی

بشکریہ مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر۔ بمبئی

خصوصی اقبال صدی نمبر
۲۵ر دسمبر ۱۹۷۷ء

قومی راج

جلد ۲
شمارہ ۲۳/
قیمت
فی پرچہ: ۵۰ پیسے
سالانہ دس روپے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔اے۔ایس)

سخنہائے گفتنی

امسال نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ پوری دنیا میں علامہ اقبال صدی منائی جارہی ہے۔ اقبال پر کتابیں شائع ہورہی ہیں۔ سیمینار منعقد ہورہے ہیں۔ مشاعرے ہورہے ہیں اور اکثر جریدے علامہ اقبال پر اپنا خصوصی نمبر شائع کرکے علامہ کو خراجِ عقیدت پیش کررہے ہیں۔

قومی راج نے بھی اس سمت کوشش کی ہے اور یہ خصوصی نمبر انھیں کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس خصوصی نمبر میں علامہ اقبال پر لکھے گئے مضامین سے اپنی معلومات میں اضافہ کرسکیں گے۔ دراصل، قومی راج کا یہ خصوصی نمبر ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۷ء کو شائع ہونے والا تھا جس کی تمام تو تیاریاں مکمل تھیں مگر اسی درمیان چند مجبوریوں کی وجہ سے طباعت میں تاخیر ہوگئی جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے۔

ان اہلِ قلم حضرات کے ہم شکرگذار ہیں جنھوں نے ہماری درخواست پر فوراً ہی اپنے رشحاتِ قلم ہم تک پہنچائے۔ اسی طرح اُن سے شکایت ہے جنھوں نے باوجود یاددہانی کے نہ تو ہمارے مکتوب کا جواب دیا اور نہ ہی علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرنے میں کوئی دلچسپی ظاہر کی۔

اس خصوصی نمبر میں شائع ہونے والے مضامین کے بارے میں بجائے اس کے کہ کچھ کہا جائے آپ کی اپنی رائے مستند ہوگی جس سے، اُمید ہے کہ آپ ہمیں جلد نوازیں گے۔

خواجہ عبدالغفور

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر
ایڈیٹر: ریاض احمد خان
اسسٹنٹ ایڈیٹر: عبدالوحید خان جامعی

ترتیب

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سُنایا — نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا — جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یُونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا — سارے جہاں کو جس نے علم و ہُنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا — ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے — پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سُنی تھی دنیا نے جس مکاں سے — میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیمؑ جس کے، پربت جہاں کے سینا — نوحِ نبیؑ کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا — جنّت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے





رام

لبریز ہے شرابِ حقیقت سے جامِ ہند
سب فلسفی ہیں خطۂ مغرب کے رامِ ہند

یہ ہندیوں کے فکرِ فلک رس کا ہے اثر
رفعت میں آسماں سے بھی اُونچا ہے بامِ ہند
اس دیس میں ہوئے ہیں ہزاروں ملک سرشت
مشہور جن کے دم سے ہے دنیا میں نامِ ہند
ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تر از سحر ہے زمانے میں شامِ ہند

تلوار کا دھنی تھا، شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں، جوشِ محبت میں فرد تھا



نانک

قوم نے پیغامِ گوتم کی ذرا پروا نہ کی　　قدر پہچانی نہ اپنے گوہرِ یک دانہ کی!
آہ! بدقسمت رہے آوازِ حق سے بےخبر　　غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اُس نے کیا جو زندگی کا راز تھا　　ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمعِ حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی　　بارشِ رحمت ہوئی، لیکن زمیں قابل نہ تھی
آہ! شودر کے لئے ہندوستاں غم خانہ ہے　　دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں　　شمعِ گوتم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں
بُتکدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا　　نورِ ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا

پھر اُٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اِک مردِ کامل نے جگایا خواب سے



مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا رُوح تو، بزمِ سخن پیکر ترا زیبِ محفل بھی رہا، محفل سے پنہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اُس حسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار تیری کشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر خندہ زن ہے غنچۂ دلی گلِ شیراز پر
آہ! تو اُجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے [1]

لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہمنشیں
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سرزمیں آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں!
گیسوئے اُردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دل سوزیِ پروانہ ہے

اے جہاں آباد! اے گہوارۂ علم و ہنر! ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در
ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟

[1] جرمنی کا مشہور شاعر گوئٹے اس جگہ مدفون ہے

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے



خواجہ احمد عباس

'فلمونا لاج'، جوہو، بمبئی ۵۴۔۔۔۔

انقلاب کا پیامبر اقبال

لوگ عام طور سے اقبال کو شاعرِ اسلام کہتے ہیں اور ؎

"چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا ٭ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا"

کو ثبوت کے طور پر پیش کر دیتے ہیں۔

پاکستان میں عام طور سے اقبال کو 'شاعرِ پاکستان' کہا جاتا ہے۔ گو پاکستان اقبال کے انتقال کے ۹ برس بعد وجود میں آیا۔ وہاں کے ایک ناقد نے تو اقبال کے کلام میں تصحیح بھی فرما دی ہے۔ یعنی جب اقبال نے اپنے پیغام میں اپنے بیٹے کو لکھا کہ ؎

اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں

سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

تو انھوں نے "سفالِ ہند" کو "سفالِ پاک" کر دیا، بالکل جیسے لاہور کے ایک پبلشر نے جب میرے ناول "چار دل چار راہیں" کا چوری سے پاکستانی ایڈیشن نکالا تو کتاب جو 'مینا کماری' کے نام معنون کی گئی تھی وہ ایک دوسرے درجہ کی پاکستانی ایکٹریس 'ریحانہ' کے نام معنون کر دی گئی، فقط اتنا احسان کیا انھوں نے کہ مصنف کا نام 'خواجہ احمد عباس' کی بجائے 'خدا بخش پاکستانی' نہیں کر دیا گیا!

زیادہ سے زیادہ لوگوں نے اقبال کا 'ترانۂ ہندی' پڑھا ہے۔ مہاتما گاندھی نے بھی یہی ایک نظم پڑھی تھی اور اس کے بارے میں ایک اُردو کے اپنے خط میں انھوں نے لکھا تھا کہ "جب میں نے اقبال کی مشہور نظم "ہندوستاں ہمارا" پڑھی تو میرا دل بھر آیا اور بروڈا جیل میں تو سینکڑوں بار اس نظم کو گایا ہوگا۔ اس نظم کے الفاظ مجھے بہت ہی میٹھے لگے اور یہ خط لکھتا ہوں تب بھی وہ نظم میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔"

بے شک اقبال نے "ترانۂ ہندی" لکھا تھا جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

پربت وہ سب سے اُونچا ہمسایہ آسماں کا

وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یہ ترانہ آج تک ہندوستان کے دو قومی ترانوں میں سے ایک ہے، اور اس کی "دھن"، ٹیلیویژن کی کال سائن یا سگنیچر ٹیون کی حیثیت سے بمبئی کے ہر ٹی وی پروگرام شروع ہونے سے پہلے سنائی جاتی ہے! جبکہ یہ ترانہ 'ہندوستان' کا ترانہ ہے اقبال کو ہندوستان میں بھلایا نہیں گیا۔

اقبال کا حُبِّ وطن واقعی قابلِ ذکر اور قابلِ فخر ہے۔ لیکن اقبال معمولی "نیشنلسٹ" نہیں تھے۔ انھوں نے ہی بعد میں یہ لکھا تھا کہ ؎

"اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے"

مگر یہ نیشنلزم کی جارحانہ ذہنیت کی مخالفت تھی۔ اپنے وطن سے غداری نہیں تھی۔

اقبال ایک محدود آدمی نہیں تھے۔

وہ ایک عظیم شاعر تھے جس کی شخصیت کے مختلف پہلو تھے۔ وہ ایک ہندوستانی تھے جن کو اپنے وطن سے (اس کے پہاڑوں سے، اس کی وادیوں سے، اس کے انسانوں سے) بے حد پیار تھا۔

وہ ایک مسلمان تھے۔ لیکن ان کا اسلام اتنا فراخ دل تھا کہ اس میں ساری انسانیت سما سکتی تھی۔ وہ اسلام کے شیدائی ہونے کے ساتھ

دوسرے مذہبوں کی روحانی قدروں اوران کے نمائندوں کے قائل تھے۔ انھوں نے رام، کرشن، گوتم بدھ، گرونانک، سوامی رام تیرتھ وغیرہ کی روحانی عظمت کے بارے میں نظمیں لکھی ہیں۔ رام کے بارے میں کہتے ہیں کہ ؎

"ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند"

مگر جیسے جیسے اقبال کی شاعری جوان ہوتی گئی۔ اسی کے ساتھ ان کا انقلابی شعور جاگا اور انھوں نے اس کی ترجمانی اپنی اُردو اور فارسی کی نظموں میں کی۔ انقلاب کا پہلا پیغام انھوں نے ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے کتنے ہی سال پہلے دیا تھا۔ جب انھوں نے ایک فارسی نظم میں کہا تھا ؎

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب
اے انقلاب

(مالک یا زمیندار مزدور کی رگوں کے خون سے اپنے لعل و گہر بناتا ہے جاگیردار کی جفا سے کسان کی کھیتی برباد ہوتی ہے۔
انقلاب
اے انقلاب!)

اور جب ۱۹۱۷ء کا انقلابِ روس ہوگیا تو اقبالؔ نے اِن الفاظ میں اُسے لبیک کہا تھا ؎

بندۂ مزدور کو جاکر میرا پیغام دے...
آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک؟
توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
دوریِٔ جنت سے روتی چشمِ آدم کب تلک؟

دیکھیے کہ مذہبی اِشاروں اور علامتوں سے کیا انقلابی کام لیا ہے انھوں نے انقلاب کے انقلابی تصوّر کو خود خدا کی زبان سے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے ؎

اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگادو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو!

جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو
سُلطانیِٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ۔
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو!

وہ جانتے تھے کہ انقلابی تخریب کے بغیر نئی دنیا اور نئی زندگی کی تعمیر نہیں ہوسکتی، اس لئے اس 'تخریب' کی ترجمانی ان اشعار میں کی ہے۔

"لینن خدا کے حضور میں" نظم میں انھوں نے اپنے انقلابی نظریات کی زیادہ ٹھوس اور مدلّل تشریح کی ہے۔ لینن کی زبان سے انھوں نے کہلوایا ہے۔ بلکہ سرمایہ داری نظام کی ایک بھیانک (مگر سچی) تصویر پیش کی ہے ؎

رعنائیٔ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بینکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا، لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات

یہ علم یہ حکمت یہ تدبّر یہ حکومت!
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

خدا کو "قادر و عادل" مانتے ہوئے اقبال لینن کی زبان سے) شکایت کرتے ہیں

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

اسلامی شاعر
ہندوستانی شاعر
انقلابی شاعر

یہ تین شخصیتیں اجتماعِ بالضدین نہیں تھیں۔ بلکہ ایک عظیم تین پہلوئی شاعر کے تین رُخ تھے۔ جو اُن کی تمام شاعری میں نمایاں ہیں۔

اقبال اور ہندوستان

جگن ناتھ آزاد

موجودہ صدی میں ہمارے جن شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کی بدولت ہندوستانی اُدب کو ایک عالمگیر اہمیت حاصل ہوئی ہے ان میں علامہ اقبال کا نام بہت بلند ہے لیکن یہ ایک طرح سے ہمارے ادب کی بدقسمتی ہے کہ نقادوں اور سیاستدانوں نے علامہ اقبال کی ہمہ گیر شخصیت کو مختلف خانوں میں تقسیم کر کے اس حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے جس کی تابانی سے آنے والی نسلوں کے دماغ روشن ہو سکتے تھے اور نتیجتاً ہمارے سماجی اندھیرے بڑی حد تک دُور ہو سکتے تھے۔

اقبال کی شخصیت ایک جلوۂ صد رنگ بلکہ جلوۂ ہزار رنگ کی تصویر پیش کرتی ہے لیکن کوتاہ بین نگاہوں نے صرف ایک ایک پہلو کو دیکھا اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ اگر ایک ایک پہلو پر بھی پورے خلوص اور جامعیت کے ساتھ نظر ڈالی جاتی تو اس وقت تک بڑا کام ہو چکا ہوتا اور ہماری آپس کی کئی غلط فہمیاں دُور ہو چکی ہوتیں۔

اقبال کے ملکی نظریات کے متعلق سب سے بڑی غلط فہمی کی بنا صرف یہ ہے کہ اقبال کی شخصیت کا جائزہ لیتے وقت ہمیشہ ہم اپنے خود ساختہ سیاسی پیمانوں سے کام لیتے رہے ہیں، بعض حلقوں کی طرف سے اقبال کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا کہ چند دوسرے حلقوں میں خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں ہندوستان میں اقبال کی یاد منانا ایک غیر ملکی یا غیر وطنی نوعیت کا کام ہے' اور 'یوم اقبال' منانے سے ہندوستان کی کوئی سماجی، تہذیبی یا تمدنی خدمت انجام نہیں دی جا سکتی۔ حالانکہ اگر ہم اقبال کا ذکر اوروں کی زبان سے سُننے کے عوض خود اقبال کے کلام کی جانب رجوع کرتے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی کہ وہ چیز جسے ہم آج ہندوستانی تمدن یا بھارتی سنسکرتی کہتے ہیں اس کی تجلیاں کلامِ اقبال کے صفحات میں قدم قدم پر بکھری ہوئی ہیں اور ۱۸۵۷ء سے لیکر جب کہ ہماری شاعری میں پہلی بار سیاسی شعور کی جھلکیاں نظر آئیں آج تک شاید ہی کوئی اُردو یا فارسی کا ہندوستانی شاعر ایسا نظر آئے جس نے قدیم بھارتی سنسکرتی کو اس احترام کی نگاہ سے دیکھا ہو اور اس سے اس قدر فیض حاصل کیا ہو، جس قدر علامہ اقبال نے کیا ہے۔

بھارتی تمدن سے وابستگی کا مطلب جو حضرات محض بیکار قسم کی نعرہ بازی سمجھتے ہیں یا اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آگے کی جانب قدم بڑھانے کے عوض پیچھے کو چلنا شروع کر دیں یا ہندوستانی تمدن کا شور مچا کر ہم اپنے ملک کی اس خوبصورتی کو ختم کر دیں جو ایک گلہائے رنگ رنگ کی صورت میں ہمارے وطنِ عزیز کے چمنستان میں نظر آ رہی ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ایسے حضرات کو کلامِ اقبال میں ہندوستانی تمدن سے وابستگی اور دلبستگی کی تصویریں نظر نہ آئیں گی لیکن اگر ہندوستانی تمدن سے مُراد وہ عظیم قومی وطنی اور مذہبی روایات ہیں، وہ فلسفہ ہے جو وید، اُپنشد، رشیوں، منیوں، فقیروں اور درویشوں کے اقوال اور سیرۃ کی صورت میں ایک قیمتی ورثے کے طور پر ہم تک پہنچا ہے تو اس قیمتی ورثے سے اقبال کی محبت بلکہ عشقِ بے پایاں ان معترضین کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے جو ذکرِ اقبال کو محض ایک ہوّا سمجھتے ہیں۔

اس مختصر سے مقالے میں، میں یہ نہیں کہوں گا کہ اقبال نے اپنے شعوری ارتقاء کے ابتدائی دور میں 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' کا نغمہ سُنایا، یا 'میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے' کا گیت گایا۔ کیونکہ اس کے جواب میں تو اکثر یہ کہا گیا ہے کہ اس دور کے بعد اقبال کا شعور اپنے ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہوا بالکل ہی ایک مختلف طور پر ہمارے سامنے آیا۔ اگرچہ یہ جواب بھی اُردو شعر و ادب کے طلبہ کو مطمئن یا خاموش کرانے کے لئے ناکافی ہے لیکن میں اس بحث میں اُلجھے بغیر اس وقت اقبال کی عظیم الشان کتاب "جاوید نامہ" کا ذکر کروں گا۔

غالباً اس حقیقت کے واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ "جاوید نامہ" صرف اقبال ہی کا شاہکار نہیں ہے بلکہ ساری فارسی شاعری میں ایک

شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تھی تو حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے فرمایا تھا کہ اس وقت تک فارسی ادب کی چار کتابوں کو بقائے دوام حاصل تھی، اب ان کی تعداد پانچ ہو گئی ہے اور وہ چار کتابیں ہیں شاہنامۂ فردوسی، دیوانِ حافظ، مثنوی مولانا روم اور گلستانِ سعدی۔

'جاوید نامہ' میں حضرت اقبال بازندہ رود رومی کی رہنمائی میں مختلف افلاک کا اور پھر آنسوئے افلاک سفر کرتے ہیں۔ اس سفر کے دوران میں وہ سب سے پہلے فلکِ قمر پر پہنچتے ہیں۔ جس باب میں زندہ رود نے فلک قمر کے سفر کا حال بیان کیا ہے اس کا عنوان علامہ اقبال نے یہ قائم کیا ہے

عارفِ ہندی کہ بہ یکے از غار ہائے قمر خلوت گرفتہ و اہلِ ہند
اُورا "جہاں دوست"، می گویند۔

(ہندوستانی سنیاسی جو چاند کے ایک غار میں اپنا آسن جمائے ہوئے تھے اور اہلِ ہند اُن کو 'جہاں دوست' کہتے ہیں۔)

اب اس سفر کی تفصیل بیان کرنے اور اس کے متعلق بات چیت کرنے سے پیشتر میں ایک عام غلطی کی جانب جس کے اکثر نقادان و شارحینِ اقبال مرتکب ہوئے ہیں ناظرین کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ "جہاں دوست" کا لغت کی رو سے ترجمہ کرتے ہوئے عام طور پر اس کے معنی 'وشوامتر' لکھ دیئے گئے ہیں۔ لیکن علامہ کے اشعار میں 'جہاں دوست' کی جو وضاحت کی گئی ہے اس سے یہ راز کھلتا ہے کہ 'جہاں دوست' وشوامتر نہیں بلکہ شِوجی مہاراج ہیں، اور چونکہ شوجی کی متعدد صفات میں جہاں دوستی بھی ایک صفت ہے اس لئے موقع و محل کی مناسبت سے علامہ نے انھیں 'جہاں دوست' کہا ہے۔ یہاں اقبال کے اشعار کی جانب ہی رجوع کرنا مناسب ہوگا، کہتے ہیں ؎

زیرِ نخلے عارفِ ہندی نژاد　　دیدہ ہا از سرمہ اش روشن سواد
موئے بر سر بستہ و عریاں بدن　　گردِ او مارے سفیدے حلقہ زن

(ایک درخت کے نیچے ہندی سنیاسی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے (علم و فضل) سُرمے سے دیکھنے والوں کی آنکھیں روشن ہو رہی تھیں۔ بال اس کے سر پر گندھے ہوئے تھے اور جسم پر لباس نہیں تھا اور اس کے اِردگِرد ایک سفید سانپ نے حلقہ ڈال رکھا تھا۔)

یہ "مارے سفیدے حلقہ زن" اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ مذکورہ شخصیت وشوامتر نہیں ہیں بلکہ پاربتی کے شوہر شوجی مہاراج ہیں۔ نیز شِوجی مہاراج کے بارے میں ہندو دیومالا کی اس روایت کو بھی پیشِ نظر رکھنا لازمی ہے جو یہ کہتی ہے کہ شوجی مہاراج کے ماتھے میں چاند ہے۔ یہی سبب ہے کہ علامہ اقبال کی ملاقات شِوجی مہاراج سے فلک قمر پر ہوتی ہے۔

خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ مجھے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ شِوجی مہاراج کا بطور ایک روحانی اور فلسفی رہنما کے علامہ اقبال کی نظر میں کیا مقام ہے اور اس فلسفے کے باریک نکات کو جسے ہندوستانی فلسفہ یا ہندو فلسفہ کہا جاتا ہے اقبال نے شوجی کی زبان سے بیان کرا کے کس طرح فارسی شعر و ادب میں زندۂ جاوید کر دیا ہے۔ یہ وہ سعادت ہے جو اقبال کے علاوہ اور کسی ہندوستانی شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور بھارتی سنسکرتی کے تحفظ اور نشر و اشاعت کا دعویٰ کرنیوالے تو شاید اس مقام کے قریب ہی کبھی نہ پہنچے ہوں گے۔ اس سفر کی ابتدا یوں ہوتی ہے۔ فلکِ قمر پر جب اقبال پہنچتے ہیں تو ایک نئی قسم کی دنیا دیکھتے ہیں۔ فلکِ قمر اُن کے الفاظ میں ایک عجیب فرسودہ عالم ہے جس میں رنگ ہے نہ صوت، نہ وہاں نشانِ زندگی ہے، نہ آثارِ موت۔ یہاں پہنچ کر اقبال پر ایک حیرت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور رومی یہ کہہ کر ان کی رہنمائی کرتے ہیں کہ جہاں میں تمھیں لے جانا چاہتا ہوں وہاں چلو اور چند لمحوں کے لئے اس حقیقت کے سوا ہر چیز سے بیگانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں ؎

من چو کوراں دست بر دوشِ رفیق
پا نہادم اندراں غارِ عمیق !
ماہ را از ظلمتش دل داغ داغ
اندرو خورشید محتاجِ چراغ
وہم و شک بر من شبیخوں ریختند
عقل و ہوشم را بدار آویختند

(اندھوں کی طرح میں اپنے ساتھی (گورو) کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے اس گہرے غار میں داخل ہوا۔ اس غار کا میں کیا عالم بیان کروں۔ وہاں تاریکی کا یہ عالم تھا کہ اس کی وجہ سے چاند کا دل داغ داغ ہو رہا تھا۔ سورج کو اس میں داخل ہو کر چراغ کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس حالت میں وہم اور شک نے مجھ پر حملہ کر دیا اور میرے عقل و ہوش نے مطلقاً جواب دیدیا۔)

یہ تو ہے کیفیت اس وقت کی جب پیرِ رومی اور مریدِ ہندی غار میں داخل

ہوتے ہیں لیکن جونہی شوجی کے قریب پہنچتے ہیں تو معاملہ اسکے بالکل برعکس ہوجاتا ہے ؎

تا نگہ را جلوہ ہا شد بے حجاب   صبح روشن بے طلوعِ آفتاب
در ہوائے او چو مے ذوقِ سرور   سایہ از تقبیلِ خاکش عینِ نور
نے زمینش را سپہرِ لاجورد   نے کنارش از شفق ہا سرخ و زرد
نور در بندِ ظلام آنجا نبود !   دودِ گردِ صبح و شام آنجا نبود
زیرِ نخلے عارفِ ہندی نژاد   دیدہ ہا از سرمہ اش روشن سواد
موئے بر سر بستہ و عریاں بدن   گردِ او مارے سفیدے حلقہ زن!
آدمے از آب و گِل بالا ترے!   عالم اندر بر خیالش پیکرے!
وقتِ او را گردشِ ایام نے   کارِ او را چرخِ نیلی فام نے

(یہاں تک کہ جتنے جلوے تھے اُن پر سے حجاب اُٹھ گیا۔ بغیرِ آفتاب کی موجودگی کے ایک روشن صبح کا نظارہ سامنے تھا۔ اس غار کی ہوا میں شراب کا سا ذوقِ سرور موجود تھا۔ اور اس کی خاک کو بوسہ دینے کی وجہ سے سایہ نور کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ نہ اس کی زمین پر نیلے رنگ کا آسمان تھا اور نہ شفق کی وجہ سے اس کے کنارے سُرخ یا زرد رنگ اختیار کئے ہوئے تھے۔ اس جگہ اندھیرے کے پھندے میں نور گرفتار نہیں تھا نہ ہی وہاں صبح و شام کی گرد کا دھواں تھا۔ (وہاں) ایک ہندوستانی سنیاسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے (علم و فضل) کے سُرمے سے دیکھنے والوں کی آنکھیں روشن ہو رہی تھیں۔ بال اس کے سر پر گندھے ہوئے تھے اور جسم پر لباس نہیں تھا اور اس کے اردگرد ایک سفید سانپ نے حلقہ ڈال رکھا تھا۔ ایک انسان جو آب و گِل سے کہیں بلند تھا۔ یہ دنیا اس کے صنمکدۂ خیال کا محض ایک بُت تھی۔ اس کا وقت گردشِ ایام سے بے نیاز تھا اور وہ چرخِ نیلی فام سے قطعاً لاتعلق تھا۔)

یہاں پہنچکر شوجی مہاراج کے لئے اقبال کا احترام یہ انداز اختیار کرتا ہے کہ نہ وہ خود شوجی سے بات کرتے ہیں نہ اپنے آپ کو ان کا مخاطب بناتے ہیں بلکہ شاہاں بہ شاہاں می دہند کے مصداق شوجی کو رُومی کا مخاطب بنا کر یہ کہتے ہیں ؎

گفت با رومی کہ "ہمراہ تو کیست
در نگاہش آرزوئے زندگیست !"

(اس نے رُومی سے کہا "آپ کے ساتھ یہ کون ہے۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کی آرزو چمک رہی ہے۔")

اس نظم کے ساتھ ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں اقبال کی حُبّ الوطنی روشن سے روشن تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اقبال کی تصانیف کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ رسول اللہؐ کی ذاتِ اقدس کے بعد اقبال نے جس انسان کی عظمت کو تسلیم کیا ہے وہ رُومی ہیں۔ آیئے ذرا اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر اس نظم کے باقی اشعار دیکھیں۔

شوجی کے اس سوال کے جواب میں کہ "ہمراہ تو کیست ؟" رُومی اقبال کے بارے میں کہتے ہیں ؎

مردے اندر جستجو آوارۂ   ثابتے با فطرتِ سیارۂ
پختہ تر کارش ز خامی ہائے اُو   من شہیدِ ناتمامی ہائے اُو
ہر زماں از شوق می نالد چو نال   می کشد او را فراق و ہم وصال
من ندانم چیست در آب و گِلش !
من ندانم از مقام و منزلش

("یہ بیتاب شخص تلاش و جستجو میں آوارہ پھر رہا ہے۔ یہ ہے تو ایک ستارہ لیکن اس کی فطرت سیاروں کی سی ہے۔ اپنی خامیوں ہی سے اس نے قوت حاصل کی ہے۔ میں اس کی نامکمل کوششوں ہی پر اپنا دل و جان دے بیٹھا ہوں۔ ہر لمحہ یہ اپنے جذبۂ شوق سے مجبور ہو کر نالہ و زاری کر رہا ہے۔ فراق بھی اس کے لئے موت کا باعث ہے اور وصال بھی۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی آب و گِل میں کیا تڑپ پنہاں ہے۔ مجھے اس کے مقام اور منزل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔")

مقصد اس ساری گفتار سے رُومی کا اس قدر ہے کہ یہ یعنی اقبال اپنی مشکلات لے کر آپ کے سامنے آیا ہے اس کی مشکلات حل کیجئے۔ اب شوجی پہلے تو رومی سے پوچھتے ہیں ؎

عالم از رنگ است و بے رنگی است حق
چیست عالم ؟ چیست آدم؟ چیست حق!

("جہاں رنگ سے ہے اور صداقت (خدا) بے رنگی ہے۔
جہاں کیا ہے؟ آدم کیا ہے؟ صداقت (خدا) کیا ہے؟")

اس سوال کا تسلی بخش جواب پا کر شوجی رومی کو یہ مژدہ دیتے ہیں کہ مشرق میں ایک نئی صبح طلوع ہونے والی ہے اور میں نے اس کے آثار دیکھ لئے ہیں اس کے بعد وہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر اقبال سے مخاطب ہوتے ہیں اور بقول اقبال ؎

پیرِ ہندی اندکے دم در کشید   باز در من دید و بے تابانہ دید

گفت "مرگِ عقل؟" گفتم "ترکِ فکر" | گفت "مرگِ قلب؟" گفتم "ترکِ ذکر"
گفت "تن؟" گفتم کہ "زاد از گردِ رہ" | گفت "جان؟" گفتم کہ "رمزِ لا اللہ"
گفت "آدم؟" گفتم "از اسرارِ اوست" | گفت "عالم؟" گفتم "او رو برو ست"
گفت "ایں علم و ہنر؟" گفتم کہ "پوست" | گفت "حجت چیست؟" گفتم "روئے دوست"
گفت "دینِ عامیاں؟" گفتم "شنید" | گفت "دینِ عارفاں؟" گفتم کہ "دید"

از کلام لذتِ جانش فزود
نکتہ ہائے دل نشیں بر من کشود

(بھارتی پیر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور بڑی بیتابی سے دیکھا۔ اس نے کہا "مرگِ عقل کیا ہے؟" میں نے کہا "ترکِ فکر"۔ اس نے پوچھا "دل کی موت؟" میں نے کہا "ترکِ ذکر"۔ اس نے پوچھا "تن؟" میں نے کہا کہ "یہ تو راستے کی گرد سے پیدا ہوا ہے"۔ اس نے پوچھا "جان؟" میں نے کہا کہ "یہ لا الٰہ کی ایک رمز ہے"۔ اس نے پوچھا "آدم؟" میں نے کہا "یہ اس کے رازِ دل میں سے ایک راز ہے"۔ اس نے پوچھا "جہاں؟" میں نے کہا "وہ جو کچھ ہے سامنے نظر آ رہا ہے"۔ اس نے پوچھا "یہ علم و ہنر؟" میں نے کہا کہ "یہ صرف چھلکا ہے یعنی سطحی چیز ہے"۔ اس نے پوچھا "اس کی دلیل کیا ہے؟" میں نے کہا کہ "دوست کا سامنا کر کے یہ حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے"۔ اس نے پوچھا "دنیا کے لوگوں کا دین کیا ہے؟" "محض سنی سنائی بات"۔ اس نے پوچھا "رشیوں کا دین کیا ہے؟" میں نے کہا کہ "درشن"۔)

(میری گفتگو سے اس کی روح میں ایک لذت پیدا ہوئی۔ اور اس نے مجھ پر دل میں گھر کرنیوالے نقطے کھولے۔)

اور اس کے بعد شوجی حکمت و معرفت کے وہ نکتے اقبال پر فاش کرتے ہیں جنھیں ہندوستانی فلسفہ کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ؎

کافرِ بیدار دل پیشِ صنم
بہ ز دیندارے کہ خفت اندر حرم

(مورتی کے سامنے جاگتے ہوئے دل والا کافر اس دیندار سے بہتر ہے جو کعبے میں سو رہا ہے۔)

اس ایک شعر سے تو یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کافر اور دیندار کے الفاظ سے کیا مراد ہے۔ جب شوجی نو نکتے فاش کر کے خاموش ہو جاتے ہیں تو اقبال کہتے ہیں ؎

مردِ عارف گفتگو را در بہ بست | مست خود گردید و از عالم گسست
ذوق و شوق او را ز دست او ربود | در وجود آمد ز نیرنگِ شہود
با حضورش ذرہ ہا مانندِ طور | بے حضورش نے نمود و نے ظہور!

(اس پہنچے ہوئے انسان نے اپنی بات چیت ختم کی۔ اپنے آپ میں مست ہوگیا اور دنیا سے اس نے رشتہ توڑ لیا۔ ذوق و شوق نے اسے اس کے ہاتھوں سے چھین لیا اور وہ دنیا کی رنگا رنگی سے نکل کر اپنے آپ میں آ گیا۔ اس کے حضور میں ذرے طور کے پہاڑ کی طرح چمک رہے تھے اور اس کے بغیر تو ظاہر ہے کہ نہ نور ہے نہ ظہور)

اسی طرح وادیٔ یرغمید میں، کہ فرشتے اسے وادیٔ طواسین کہتے ہیں۔ طاسین مسیحؑ اور طاسین محمدؐ کے ساتھ طاسین گوتم بھی موجود ہے اور قدیم ہندوستانی روحانیت کے اس باب کو بھی اقبال نے اپنے کلام کا جزو بنانا ضروری خیال کیا ہے جس میں گوتم بدھ رقاصۂ عشوہ فروش سے کہتے ہیں ؎

دانشِ مغربیاں فلسفۂ مشرقیاں!
ہمہ بتخانہ و در طوفِ بتاں چیزے نیست
از خود اندیش و ازیں بادیہ ترساں مگذر
کہ تو ہستی و وجودِ دو جہاں چیزے نیست
بگذر از غیب کہ ایں وہم و گماں چیزے نیست
در جہاں بودن و رستن ز جہاں چیزے نیست
آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ
تا جزائے عملِ تست جناں چیزے نیست

(پچھم والوں کی عقل اور پورب والوں کا فلسفہ، یہ سب بتخانہ ہے اور بتوں کا طواف کرنا ایک بیکار چیز ہے۔ اپنے آپ سے ڈر، اس جنگل سے نہ ڈر جس سے تو گذر رہا ہے۔ کیونکہ تو، تو ہے اور باقی دونوں جہانوں کا وجود ہے ہی نہیں۔ غیب کی دنیا سے آگے نکل جا کہ یہ وہم و گماں کچھ بھی نہیں ہے۔ جہاں میں رہنا اور جہاں سے نجات پا لینا ہی سب کچھ ہے۔ وہ بہشت جو خدا تجھے انعام میں دے دیتا ہے نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہاں اگر تیرے عمل کے بدلے میں تجھے بہشت ملتی ہے تو وہ کوئی چیز ہے۔)

اسی طرح سے اقبال، رومی کی رہنمائی میں ایک آسمان سے دوسرے

ؔ یہاں لا اللہ سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے، یعنی کوئی نہیں ہے سوا خدا کے۔

آسمان کا رُخ کرتے ہیں۔ اور فلکِ قمر کے بعد فلکِ عطارد، فلکِ زُہرہ۔ فلکِ مریخ اور فلکِ مشتری سے ہوتے ہوئے فلکِ زحل تک پہنچتے ہیں۔ فلکِ زحل کے چند اشعار میں، میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اقبال سرزمینِ ہندوستان کے ساتھ کتنی بے پایاں محبت رکھتے ہیں۔ اس باب میں اُن ارواحِ رذیلہ کا ذکر ہے جنھوں نے ہندوستان کے ساتھ غداری کی تھی اور جنھیں دوزخ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا فلکِ زحل کو ــــ منزلِ ارواحِ بے یوم النشور

"ایسی روحوں کا ٹھکانہ جن کے لئے حشر کا دن ہی نہیں یعنی جن کے لئے نجات ہی نہیں۔"

کہہ کر جعفر و صادق کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

منزلِ ارواحِ بے یوم النشور   دوزخ از احراقِ شاں آمد نفور
اندرونِ او دو طاغوتِ کہن !   رُوحِ قومے کشتہ از بہرِ دو تن !
جعفر از بنگال و صادق از دکن   ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن
ناقبول و نا اُمید و نامُراد !   ملّتے از کارِ شاں اندر فساد!
ملّتے کو بندِ ہر ملّت کشاد   ملک و دینش از مقامِ خود فتاد!
می ندانی خطّۂ ہندوستاں   آں عزیزِ خاطرِ صاحبدلاں
خطّۂ ہر جلوہ اش گیتی فروز   درمیاں خاک و خوں غلطد ہنوز
در گِلش تخمِ غلامی را کہ کِشت   ایں ہمہ کردارِ آں اَرواحِ زِشت

(دوزخ کو اُن کے جلانے سے بھی نفرت تھی۔ اس کے اندر دو پُرانے شیطان میں نے دیکھے۔ جنھوں نے اپنا اپنا جسم پالنے کے لئے قوم کی رُوح کو ہلاک کر دیا تھا۔ جعفر بنگال سے اور صادق، دکن سے۔ یہ انسان کے لئے بھی لعنت، دین کے لئے بھی لعنت اور وطن کے لئے بھی لعنت ہیں۔ یہ دونوں ناقبول ہیں، نااُمید ہیں اور نامُراد ہیں۔ ان کی بداعمالی کی وجہ سے ایک قوم میں خرابی پیدا ہوگئی۔ ایک ایسی قوم جس نے دوسروں کو آزادی کا پیغام دیا تھا اس کا ملک اور اس کا دین اپنے اپنے مقام سے گر گئے کیا تو نہیں جانتا کہ خطۂ ہندوستان، دنیا کے صاحب دل لوگوں کی محبوب سرزمین ہے۔ وہ سرزمین جس کے ہر جلوے نے دنیا کو چمکا دیا ہے، ابھی تک خاک اور خون میں لوٹ رہا ہے۔ اس کی مٹی میں غلامی کا بیج کس نے بویا؟ یہ انہی بُری روحوں کے اعمال کا نتیجہ ہے۔)

اب مکافاتِ عمل کا وقت آتا ہے۔ خدا جانے جعفر و صادق کی رُوحوں کے ساتھ درحقیقت کیا سلوک ہُوا ہوگا لیکن اقبال نے انھیں ہندوستان کے ساتھ غداری کرنے کی جو سزا دی ہے، اس کے تصور سے رُوح کانپ جاتی ہے ؎

آنچہ دیدم می نگنجد در بیاں   تن ز سہمش بے خبر گردد ز جاں!
من چہ دیدم قلزمے دیدم زخوں   قلزمے طوفاں بروں طوفاں دروں!
در ہوا ماراں چو در قلزم نہنگ   کفچہ شب گوں بال و پر سیمابِ رنگ
موجہا درندہ مانندِ پلنگ   از نہیبش مردہ بر ساحل نہنگ
بحر ساحل را اماں یک دم نداد   ہر زماں کہ پارۂ در خوں فتاد
موجِ خوں با موجِ خوں اندر ستیز   درمیانش زورقے در افت و خیز!

اندر آں زورق دو مرد زرد روے
زرد رو عریاں بدن آشفتہ موے

(جو کچھ میں نے دیکھا وہ بیان میں نہیں سما سکتا۔ اس کے خوف سے جسم اور رُوح کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ میں نے کیا دیکھا۔ میں نے خون کا ایک سمندر دیکھا۔ ایک ایسا سمندر جس کی سطح پر بھی طوفان تھا اور سطح کے نیچے بھی۔ ہوا میں سانپ اس طرح لہرا رہے تھے جیسے سمندر میں مگرمچھ۔ ان کے پھن کالی رات کی طرح سیاہ اور پارے کی طرح سفید تھے۔ موجوں میں ایسی کاٹ تھی جو چیتے کے دانتوں میں ہوتی ہے۔ ان کے خوف سے ساحل پر مگرمچھوں کی رُوح فنا ہو رہی تھی۔ اس سمندر میں طوفان ہی طوفان تھا۔ اور ہر لمحہ پہاڑ کا ایک ٹکڑا خون میں گرتا تھا لہو کی موج لہو کی موج سے ٹکرا رہی تھی۔ اس طوفان میں میں نے ایک ڈولتی کشتی دیکھی۔ اس کشتی میں دو شخص دیکھے جن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ چہروں پر ہوائیاں اُڑنے کے علاوہ وہ ننگے بدن تھے اور ان کے بال بکھرے ہوئے تھے۔)

یہاں رُوحِ ہندوستاں نمودار ہوتی ہے اور بقول اقبال، اس رُوح کے ماتھے پر ایک کبھی فنا نہ ہونے والا نور جگمگا رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں فلسفے اور روحانیت کا ایک لازوال سرور موجود ہے۔ اس کا لباس بادلوں سے زیادہ سُبک ہے جس کا تار و پود گلاب کی پتیوں کے رگ و ریشے سے تیار کیا گیا ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود اس رُوح کے نصیب میں غلامی ہے اور اس کے ہونٹوں پر آہ و فغاں جاری ہے۔ رُومی، اقبال سے

کہتے ہیں کہ دیکھ یہ رُوحِ ہند ہے۔ اس کی فغاں سے سُننے والوں کے کلیجے پھُنک رہے ہیں۔ روحِ ہندوستان اپنی فغاں کے درمیان میں کہتی ہے کہ ہندوستان میں اب روحانیت کی روشنی بجھ رہی ہے اور اہلِ ہند اپنے ناموس سے خود بیخبر ہو رہے ہیں۔ نہ جانے ہندوستان کی رات کب سویرے میں تبدیل ہو۔ جعفر مر چکا لیکن اس کی رُوح ابھی تک زندہ ہے۔ یہ ناپاک رُوح جب ایک بدن سے نکلتی ہے تو دوسرے بدن میں اپنا نشیمن بنا لیتی ہے۔ جعفر کسی لباس میں بھی ہو، وہ مِلّت کشُ ہے۔ ایسے شخص کی رُوح سے بلکہ اس دور کے تمام جعفروں سے خدا کی پناہ!

جعفر و صادق کو، زرد رو عریاں بدن، آشفتہ مُو، خون کے دریا میں جھوٹنے کے بعد اقبال بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں پر کیا گذری ہے۔ ایک رُوح فریاد کرتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ ہمیں عدم نے سہارا دیا نہ وجود نے' اس بود و نبود کی بے مہری سے فریاد ہے۔ ہم درد و کرب کے مارے ہوئے جہانِ شرق و غرب سے ہو کر دوزخ کے دروازے پر پہنچے کہ شاید ہمیں سنبھال لے۔ لیکن اس نے اپنی ایک چنگاری بھی ہمارے لئے۔ جعفر و صادق ۔ کے لئے وقف نہ کی اور ہمارے سروں پر راکھ کی ایک مٹھی بھی نہ پھینکی، بلکہ دوزخ نے یہ کہا کہ میرے لئے دوسرا خس و خاشاک بہت ہے ان دو کافروں سے میرا شعلہ پاک ہی رہے تو بہتر ہے۔ اس کے بعد ہم دو آسمانوں کے اس طرف مرگِ ناگہاں کے پاس گئے۔ مرگِ ناگہاں نے اس رُوح سے یہ کہا کہ رُوح میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ رُوح کی حفاظت اور تن کا ہدم میرا کام ہے۔ رُوحِ بد' جو کی برابر بھی اہمیت نہیں رکھتی اگر تو میرے پاس اس لئے آئی ہے کہ مجھ سے ہدمِ جان طلب کرے تو یہاں سے دُور ہو جا۔ موت سے یہ کام نہیں ہو سکتا اور غدّار کی رُوح مرنے کے بعد بھی تسکین نہیں پا سکتی۔ اب وہی رُوح دورانِ فریاد کچھ اس طرح خطاب کرتی ہے کہ اسے آسانی حسنِ معانی کا ایک شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے ؎

اے ہوائے تند! اے دریائے خوں!
اے زمیں! اے آسمانِ نیلگوں!
اے نجوم! اے ماہتاب! اے آفتاب!
اے قلم! اے لوحِ محفوظ! اے کتاب!
اے بتانِ ابیض! اے مردانِ غرب!
اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب!

این جہاں بے ابتدا بے انتہاست
بندۂ غدّار را مولا کجاست

("اے تیز ہوا! اے لہُو کے سمندر! اے زمین! اے نیلے آسمان! اے ستارو! اے مہتاب! اے آفتاب! اے قلم! اے قسمتوں کی تختی! اے کتاب! اے سفید مورتیو! اے یورپ کے شاہی خاندان والو! اے بغیر لڑائی کے ایک دنیا سنبھالنے والو! اس جہاں کی نہ تو ابتدا ہے نہ انتہا۔ لیکن اس کے باوجود غدّار شخص کے لئے خدا کہیں بھی موجود نہیں۔")

فلکِ زحل کے بعد افلاک کا سفر ختم ہو جاتا ہے اور آن سوئے افلاک کا سفر شروع ہوتا ہے۔ اس سفر میں جرمنی کے فلسفی نیٹشے، حضرت سید علی ہمدانی اور مُلّا طاہر غنی کشمیری کے بعد ان دو مسافروں کی مُلاقات ہندوستان کے مشہور شاعر بھرتری ہری سے ہوتی ہے۔ وہی بھرتری ہری جس کے اس شعر سے اقبال نے اپنے مجموعۂ کلام "بالِ جبریل" کی ابتدا کی ہے ؎

پھُول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

تو بھرتری ہری کو دیکھ کر رُومی اقبال سے کہتے ہیں ؎

آں نوا پرداز ہندی را نگر | شبنم از فیضِ نگاہ او گہر!
نکتہ آرائے کہ نامش بھرتری است | فطرتِ او چوں سحاب آذری است
از چمن جز غنچۂ نورس نچید | نغمۂ او سوئے ما او را کشید!!
پادشاہے با نوائے ارجمند | ہم بہ فقر اندر مقامِ او بلند!
نقش خوبے بند داز فکرِ شگرف | یک جہاں معنی نہاں اندر دو حرف!
کارگاہِ زندگی را محرم است | او جم است و شعر او جامِ جم است!

("اس ہندوستانی شاعر کو دیکھ، جس کی نگاہ سے شبنم کا قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ وہ باریکیوں کو سُجھانے والا جس کا نام بھرتری ہے، اس کی فطرت بہار کے بادل کی طرح ہے۔ اس نے باغ سے تازہ غنچے کے سوا اور کچھ نہیں چُنا۔ تیرے نغمے نے اس کو ہماری طرف کھینچا ہے۔ یہ پوری شان و شوکت والا بادشاہ ہے لیکن فقیری میں بھی اس کا مقام بہت اونچا ہے۔ خوبصورت کلپنا کے ذریعے وہ حسین نقشے بناتا ہے اور دو حرفوں کے اندر معنی کا ایک جہاں بند کر دیتا ہے۔ وہ زندگی کے کارخانے کو پہچاننے والا ہے۔ گویا وہ خود تو جم ہے اور اُس کی شاعری جامِ جم۔")

بھرتری ہری کی یہ تعریف وتوصیف محض رسمی نہیں۔ اس کے نقطۂ عروج سے جو ابھی آخری شعر میں آرہا ہے اقبال کا خلوص اور اس کی عقیدت بخوبی اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ ہمارے مشرق میں اور غالباً دنیا کے ہر حصے میں اہلِ علم وادب اور اہلِ ہنر کا احترام ہم کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ جب بھرتری ہری، اقبال اور رومی کو نظر آتے ہیں تو صرف اقبال ہی اس کے احترام کے طور پر کھڑے نہیں ہو جاتے بلکہ اُن کے پیر و مرشد بھی تعظیماً استادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں ؎

ما بہ تعظیمِ ہنر برخاستیم
باز با وے صحبتے آراستیم

(پہلے تو ہم دونوں عزت کے طور پر اُٹھ کھڑے ہوئے پھر ہم نے
اس کے ساتھ بات چیت شروع کی۔)

یہاں بھی ہندوستان کے قدیم تمدن اور فلسفے کے لئے اقبال کا خلوص و احترام اسی بلندی پر نظر آتا ہے جس پر شیو جی سے ملاقات کرتے وقت نظر آیا تھا۔ زندہ رود، بھرتری ہری سے کہتے ہیں ؎

اے کہ گفتی نکتہ ہائے دلنواز　مشرق از گفتارِ تو دانائے راز
شعر را سوز از کجا آید بگوئے　از خودی یا از خدا آید بگوے!

("اے کہ تو نے دل میں گھر کرنے والے باریک نقطے کھولے ہیں۔
پورب کی دنیا تیری شاعری سے بھیدوں کو سمجھنے میں اور آگے
بڑھ گئی ہے۔ یہ بتا کہ شعر میں سوز کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ
چیز خودی سے پیدا ہوتی ہے یا خدا سے۔")

اقبال پر یہ نکتہ فاش کرنے کے بعد بھرتری ہری شعر کا مقام بتاتے ہوئے کہتے ہیں ؎

با دبیتے در جہانِ سنگ و خشت
می تواں بردن دل از حورِ بہشت!

(اِس فانی دنیا میں اگر کام کے دو شعر بھی کہہ دیئے جائیں تو
اُن سے بہشت کی حور کا دل مٹھی میں لیا جا سکتا ہے۔")

اقبال ہندوستان کی حالت بیان کرتے ہیں ؎

ہندیاں را دیدہ ام در پیچ و تاب
وقتِ حق وقت است گوئی بے حجاب!

("میں نے ہندوستانیوں کو پیچ و تاب کے عالم میں دیکھا
ہے۔ اب وقت ہے کہ تو سچی بات بغیر کسی پردے کے کہہ دے۔")

اس کے جواب میں بھرتری ہری اقبال کو وہ پیغام دیتے ہیں جسے گیتا کی تعلیم کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے۔ گیتا کی تعلیم فارسی میں شاعری میں غالباً صرف دو بار منتقل ہوئی ہے۔ ایک تو فیضی کے ذریعہ سے کہ انھوں نے شہنشاہ اکبر کے کہنے سے گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ دوسرا اقبال کی اس نظم میں جو بھرتری ہری کی زبان سے کہلوائی گئی ہے۔ اور بھرتری ہری کے اشعار کا لفظی ترجمہ ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

ایں خدایاں تنگ مایہ ز سنگ اند و ز خشت
برترے ہست کہ دور است ز دیر و ز کنشت

سجدہ بے ذوقِ عمل خشک و بجائے نرسد
زندگانی ہمہ کردار چہ زیبا و چہ زشت

فاش گویم بتو حرفے کہ نداند ہمہ کس!
اے خوش آں بندہ کہ بر لوحِ دل او را بنوشت

ایں جہانے کہ تو بینی اثرِ یزداں نیست
چرخہ از تست و ہم آں رشتہ کہ بر دوکہ تو رشت

پیشِ آئینِ مکافاتِ عمل سجدہ گذار!
زانکہ خیزد ز عمل دوزخ و اعراف و بہشت

("ہم نے جو یہ چھوٹے چھوٹے خدا بنا ڈالے ہیں ان سے اونچا ایک خدا موجود ہے۔ جو مندروں اور مسجدوں سے کہیں دور ہے وہ سجدہ جس میں عمل کا ذوق شامل نہیں ہے خشک ہے اور انسان کو کہیں بھی نہیں لے جاتا۔ زندگی تو محض عمل ہی عمل ہے خواہ وہ اچھی ہو خواہ وہ بری ہو۔ میں ایک راز کی بات کھول کر تم سے کہتا ہوں۔ اور اس بات سے ہر شخص واقف نہیں ہے، وہ شخص خوش نصیب ہے کہ جس نے دل کی تختی پر یہ بات لکھ لی۔ یہ جہاں جو کہ تو دیکھ رہا ہے خدا کا اثر نہیں ہے بلکہ یہ جو چرخہ ہے یہ بھی تیرا ہے اور وہ دھاگہ بھی تیرا ہے جو اس کے چکر پر چل رہا ہے۔ مکافاتِ عمل کے قانون کے سامنے سجدہ کر۔ کیونکہ دوزخ ہو یا اعراف ہو یا بہشت ہو یہ سب عمل ہی کے نتیجے ہیں۔")

بھرتری ہری سے ملاقات کے بعد پیرِ رومی اور مریدِ ہندی، کا رخ سلاطینِ مشرق کی جانب حرکت کرتے ہیں اور یہ سلاطین ہیں نادر شاہ ابدالی اور ٹیپو سلطان۔ ٹیپو سلطان اقبال سے ہندوستان کے بارے

میں سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس ملک یعنی ہندوستان کا حال سنا جس کی خس و خاشاک کے سامنے بوستاں بھی ہیچ ہیں. جس کی مسجدوں میں ہنگامے ختم ہو چکے ہیں اور جس کے مندروں میں آگ بجھ چکی ہے۔ جس کے غم میں ہمارا دل خون ہو رہا ہے اور جس کی یاد کو ہم اپنے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں. ہمارے غم سے اس محبت کا اندازہ کر جو ہندوستان کی خاک سے ہمیں ہے۔ افسوس اس محبوب پر جس نے اپنے چاہنے والے کو نہ پہچانا۔

اقبال جواب میں کہتے ہیں کہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہندوستانی فرنگی حکومت سے بیزار ہو چکے ہیں۔ اب فرنگستان کے جادو کا اُن پر اثر نہیں ہو سکتا. غیروں کا بنایا ہوا آئین ہندوستان کی رُوح کے لئے ایک بوجھ بنا ہوا ہے. خواہ وہ آئین آسمان ہی سے کیوں نہ اُترا ہو۔ یہ مکالمہ اول سے آخر تک اتنا دردناک ہے کہ اسے پڑھنے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہیئے. اقبال نے ہندوستان کی آزادی کے لئے جیلوں کا رُخ نہیں کیا لیکن اس کے قلمی جہاد سے انکار کرنا حقیقت سے ایک بہت بڑی روگردانی کرنا ہے.

ٹیپوُ سلطان اقبال سے پُوچھتے ہیں ؎

زائرِ شہر و دیارم بودہ ! چشمِ خود را برمزارم سودہ !
اے شناسائے حدودِ کائنات در دکن دیدی ز آثارِ حیات

("تو میرے شہر اور میرے دیس سے ہو آیا ہے اور اپنی آنکھوں کو میرے مزار پر مل چکا ہے۔ اے دنیا کی حدوں کو جاننے والے تو نے دکن میں بھی زندگی کے آثار دیکھے ہیں؟")

اقبال کہتے ہیں ؎

تخمِ اشکے ریختم اندر دکن لالہ ہا دید ز خاکِ آں چمن!
رودِ کاویری مدام اندر سفر دیدہ ام در جانِ او شورِ دگر

("میں نے دکن کی خاک میں آنسوؤں کا بیج بویا ہے۔ اس چمن کی خاک سے لالے پھُول اُگ رہے ہیں۔ کاویری ندی کو میں نے ہمیشہ سفر میں دیکھا ہے۔ اس کی روح میں ایک نئی بیچینی پائی ہے۔")

سلطان شہید یعنی ٹیپو سلطان اس کے جواب میں اقبال سے فرماتے ہیں کہ اس سوز و گداز کی قسم جو تیرے کلام میں ہے میرا چھوٹا سا پیغام کاویری ندی تک پہنچا دے۔ کاویری ندی بھی زندہ رود ہے تو بھی زندہ رود ہے، تو یہ پیغام کاویری تک پہنچائے گا تو گویا نغمے میں نغمہ شامل ہو جائے گا۔ اور یہ پیغام کہ سلطان شہید نے کاویری ندی کو دیا وراصل جیسا کہ اقبال نے کہا ہے حیات، موت اور شہادت کے موضوعات پر حرفِ آخر کا حکم رکھتا ہے۔ یہ مختصر سا پیغام اس اعتراض کا بھی مسکت جواب ہے کہ اقبال کا کلام دجلہ و فرات کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور اس میں ہندوستان کے دریاؤں وغیرہ کا ذکر موجود نہیں۔ ہاں تو ٹیپو سلطان کاویری کو ؎

اے مرا خوشتر ز جیحوں و فرات
اے دکن را آب تو آبِ حیات

("اے کہ تو مجھے جیحوں اور فرات سے زیادہ محبوب ہے۔ اور اے کہ دکن کے لئے تیرا پانی امرت کا اثر رکھتا ہے")

یہ کہ پیغام دیتے ہوئے سرنگا پٹم کا اور پھر ان معرکوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے ٹیپوُ سلطان کی زندگی عبارت ہے۔ ان معرکوں کے ذکر کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ زندگی تسلیم و رضا سے محکم ہوتی ہے۔ موت نیرنگ اور طلسم و سیمیا کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ سچائی کا بندہ ایک شیر ہے اور موت محض ایک ہرن ہے. موت تو اس کے سینکڑوں مقاموں میں سے ایک مقام ہے۔ مکمل انسان تو موت پر یوں گرتا ہے جیسے شاہین چڑیا پر اور غلام ہمیشہ موت کے خوف سے مرتا رہتا ہے۔ موت کے خوف کی وجہ سے اس پر زندگی حرام ہو جاتی ہے۔ بندۂ آزاد کی تو شان ہی اور ہے۔ موت اُسے ایک نئی زندگی بخشتی ہے۔ اسے اپنا ڈر رہتا ہے موت کا ڈر نہیں اور آزاد لوگوں کی موت ایک لمحے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ یہ تمام اشارے موت و حیات کے بارے میں اس مقام پر جمع کرنے سے علامہ اقبال کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی عوام نے انگریزی حکومت کے خلاف آزادی کی جو جدوجہد شروع کر رکھی ہے اس میں اُن کے حوصلوں کو بلند کیا جائے۔ اس قسم کے اشارات اس موقع پر بھی موجود ہیں جب غنی کاشمیری اقبال کو ملوکیت کے خلاف جنگ پر آمادہ کرتے ہیں اور کھلے الفاظ میں نہرو خاندان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

آں برہمن زادگانِ زندہ دل لالۂ احمر ز روئے شاں خجل
تیز بین و پختہ کار و سخت کوش از نگاہ شاں فرنگ اندر خروش
اصل شاں از خاکِ دامنگیرِ ماست مطلعِ ایں اختراں کشمیرِ ماست

("وہ زندہ دل برہمن جن کے چہرے کی سُرخی دیکھ کر لالے کا پھُول شرما جائے، تیز دیکھنے والے، اپنے کام میں پختہ اور سخت جدوجہد کرنیوالے، ان کی نگاہوں سے فرنگستان میں ایک کھلبلی ہو رہی ہے وہ ہماری دامنگیر زمین ہی کے رہنے والے ہیں۔ یہ وہ ستارے

ہیں جن کا آسمان کشمیر ہی کی سرزمین ہے ۔")

اس قسم کی مثالیں صرف 'جاوید نامہ' ہی میں موجود نہیں ہیں بلکہ بعد کی تصنیفات میں بھی جا بجا نظر آتی ہیں ۔ "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی ۔ اس میں بھی ہندوستان کی غلامی کا ذکر اسی دردناک انداز سے موجود ہے ۔ گنگا اور ہمالہ کا مکالمہ اس سلسلہ میں ایک توجہ طلب نظم ہے جس میں گنگا کے بارے میں اقبال نے اس قدیم عقیدے کو بھی نظم کیا ہے کہ گنگا شوجی کی جٹاؤں سے نکلی ہے ۔

اب میں آخر میں اس کتاب کی ایک نظم کا ذکر کر دوں گا جو اقبال کے انتقال سے صرف چند برس پہلے منظرِ عام پر آئی ۔ وہ کتاب ہے 'ضربِ کلیم' ۔ مختلف تاریخوں کا ذکر میں اس خیال سے بھی کر رہا ہوں کہ اس غلط خیال کی تردید ہو سکے کہ ۱۹۱۵ء کے بعد اقبال کا ہندوستان کے بارے میں نظریہ اس حد تک تبدیل ہو گیا تھا کہ وہ ہندوستان کو اپنا وطن بھی تسلیم نہیں کرتے تھے ۔ یہ نظم ہے "شعاعِ امید" اور مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کسی قسم کے تبصرے کے بغیر اس ساری نظم کو جو ایک معجزانہ شعر کی حیثیت رکھتی ہے یہاں درج کر دوں تاکہ ہندوستان کے بارے میں اقبال کے آخری نقوش میں سے ایک نقش پوری طرح سے ناظرین کے سامنے آ سکے ۔

سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز کبھی صبح کبھی شام
مدت سے تم آوارہ ہو پہنائے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہریِ ایام
نے ریت کے ذروں پہ چمکنے میں ہے راحت
نے مثلِ صبا طوفِ گل و لالہ میں آرام !
پھر میرے تجلی کدۂ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیابان و در و بام
آفاق کے ہر گوشہ سے اٹھتی ہیں شعاعیں
بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش
اک شور ہے مغرب میں اجالا نہیں ممکن
افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش
مشرق نہیں گو لذتِ نظارہ سے محروم
لیکن صفتِ عالمِ لاہوت ہے خاموش
پھر ہم کو اسی سینۂ روشن میں چھپا لے
اے مہرِ جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش
اک شوخ کرن شوخ مثالِ نگہِ حور !!
آرام سے فارغ صفتِ جوہرِ سیماب
بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو
جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو !
جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب
خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشمِ مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن
یہ خاک کہ ہے جس کا خزف ریزۂ دُرناب
اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواصِ معانی
جن کے لئے ہر بحرِ پر آشوب ہے پایاب
جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب
بتخانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہِ محراب
مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر !

بار ایٹ لا : ... ... ۱۹۰۸ء - لندن
بیرسٹری کی ابتدا : ۲۲ / اکتوبر ۱۹۰۸ء - لاہور
ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری : ۴ / دسمبر ۱۹۳۳ء، پنجاب یونیورسٹی - لاہور

ظ۔ انصاری

اقبال ۔ بمبئی میں چند روز

صوفی نشود صافی تا در نہ کشد جامے ؛ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے ✷

غالب اور اقبال میں اور جو خوبیاں مشترک ہوں گی وہ تو ہیں ہی، لیکن ایک خصلت میں دونوں برابر کے شریک تھے! دنیا بھر کے سیر و سفر کا ارمان تھا، مگر اپنے شہر سے باہر جانے میں سو طرح کے چونچلے آج نکلیں، کل نکلیں، یہاں تک کہ وعدے کرتے، پروگرام بناتے، برس نکل جاتے۔ غالب کی طرح اقبال بھی مردانہ کمرے میں بیٹھے بیٹھے دنیا جہان کی خیر خبر رکھتے تھے۔ کرید لگی رہتی کہ کہاں کیا ہو رہا ہے، کیا سوچا کیا لکھا جا رہا ہے۔ اپنے اپنے دور میں ان شاعروں کی باخبری پر حیرت ہوتی ہے کہ آمنا اتنی بے چین اور وجود اتنا تن آسان!

اقبال کو کسی نے طعنہ دیا کہ ٹیگور کو دیکھئے، ٹولی لئے ہوئے دنیا بھر میں گھومتے پھرتے ہیں اور ایک آپ ہیں کہ گھر سے باہر صبح کی سیر تک کو نہیں جاتے! کہنے لگے۔ برادر، ٹیگور شانتی ("Rest") کی تعلیم دیتے ہیں اور سرگرمی ("Action") میں بسر کرتے ہیں۔ میں ایکشن 'Preach' کرتا ہوں اور تن آسانی میں بسر کرتا ہوں؛

"تن آسانی" تو صرف کہنے کی بات ہے۔ ذہنی زندگی بسر کرنے والے اندر سے حرکت میں رہتے ہیں۔ یعنی اپنی ذات کے اندر سفر کر لیا تو باہر کے سفر کی تلافی ہو گئی۔

بمبئی سے انھیں بلاوے بہت ملے مگر وہ آئے گئے صرف تین بار۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ لاہور سے لندن کا یہی نزدیکی راستہ تھا۔

پہلی بار وہ چوتھی ستمبر ۱۹۰۵ء کو فرنٹیر میل سے پہنچے اور چوتھے دن یہاں سے جہاز پر سوار ہو گئے۔

دوسری بار ۲۶ سال بعد — دسویں ستمبر ۱۹۳۱ء کو آئے اور تیسرے دن رخصت ہوئے۔

تیسری بار، تیسری گول میز کانفرنس ۱۹۳۲ء میں جاتے وقت ۱۸ اکتوبر کو بمبئی پہنچے اور دو دن سے زیادہ نہیں ٹھیرے ـ یہ تینوں سفر ان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں؛ ان کے کام اور کلام کو موڑ دینے والے، گہرا اثر چھوڑنے والے۔ فی الحال ہمیں خاص طور پر بمبئی میں ان کے چند روزہ قیام اور اس کے اثر سے، تاثر اور تصور سے دلچسپی ہے۔

پہلی بار جب وہ فرنٹیر میل سے بامبے سنٹرل پر اترے تو کسرتی بدن، سرخ سفید چہرہ، خوش پوش، خوش باش، ۲۹ سال کے بھرپور جوان تھے۔ پہلی بار گھر سے نکلے تھے۔ اتنا بڑا شہر نہیں دیکھا تھا۔ انھوں نے حیرت اور شوق کی آنکھیں کھول کر بمبئی کو، اس کے در و دیوار، کوچہ و بازار کو ایسے تکنا اور سوچنا شروع کیا جیسے ۱۸۲۸ء میں غالب نے کلکتے کو دیکھا ہوگا۔

سامان لے جا کر میجسٹک (Majestic Hotel) ہوٹل میں رکھا۔ تین روپے روز کا کمرہ ملا۔ یہ وہی عمارت ہے جہاں آجکل "سہکاری بھنڈار" اور "نامدار نواس" (پرانا MLA Hostel) ہے۔ یہ عمارت سر کریم بھائی کی تھی، انتظامیہ ایک جہاندیدہ پارسی کے ہاتھ میں۔ انگریزی وضع پر بنا ہوا یہ نفیس اور کم خرچ ہوٹل آخر تک پارسی "بلیموریا" خاندان کے انتظام میں رہا۔ اقبال ایک خط میں اس ہوٹل کے بوڑھے منیجر کے عجز و انکسار کا ذکر کرتے ہیں:

> "... میرے دل پر اس پیرمرد کی صورت کچھ ایسا اثر کرتی تھی کہ بعض اوقات اسے دیکھ کر میری آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں لیکن جب اس کی وقعت میرے دل میں اندازے سے زیادہ ہو گئی تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میں ایک شام نیچے کی منزل

✷ ترجمہ: صوفی جب تک ایک جام نہ چڑھالے پاک صاف نہیں ہوتا۔ کچے آدمی کو پکا ہونے کے لئے بڑے سفر کرنے ضروری ہیں

میں کرسی پر بیٹھا تھا کہ پارسی پیر مرد کمرے سے باہر نکلا۔ اُس کی بغل میں شراب کی ایک بوتل تھی۔ جب اس نے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو اُس کو چھپانے کی کوشش کی اور میں نے دُور سے تاڑ کر آواز دی کہ سیٹھ صاحب، ہم سے کیوں چھپاتے ہو۔ خوشی سے اس کا شوق کرو۔ ذرا مُسکرایا اور کچھ پیئے ہوئے بھی تھا۔ بولا:

سَرابِ شوک پینے سے سبھی گم دُور ہو جائے

میں نے سُن کر کہا، واہ رے بڈھے، خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری پُرانی شاخ سے بہت سا میوۂ نورس پیدا ہو کر بمبئی کھیت باڑی میں بکتا پھرے۔۔ "

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ہوٹل کے نیچے مسلمان دوکاندار ہیں۔ ہر روز گجراتی اخبار پڑھتے تھے۔ میں نے ایک روز اُن سے پوچھا " تم اُردو پڑھ سکتے ہو؟" کہنے لگے، " نہیں، سمجھ سکتے ہیں۔ پڑھنا نہیں جانتے۔" میں نے پوچھا: جب مولوی تمھارے نکاح پڑھاتا ہے تو کونسی زبان بولتا ہے؟ مُسکرا کر بولا " اُردو "... یہاں پر ہر کوئی اُردو سمجھ سکتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتا ہے۔ ہمارے ہوٹل کا سیٹھ کبھی ہندوستان نہیں گیا مگر خاصی اردو بولتا تھا۔"

اقبالؔ کے اس بیان سے دو باتیں ظاہر ہوتیں: ایک سّتر، پچھتّر سال پہلے بمبئی میں اُردو کا چلن، دوسرے یہ کہ آتے ہی اپنے ہوٹل سے دور کھیت واڑی کے علاقے اور اس کی معنویت کا کھوج انھوں نے نکال لیا تھا۔ خیر، تب تک وہ " رحمۃ اللہ علیہ" کی روحانی حیثیت کے امیدوار بھی نہیں تھے۔ انھیں تو اس کا گمان تک نہ ہو گا۔

آگے چلیں:

"... میں نے ایک روز اُس (یونانی مُسافر) سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ بولا چین سے آیا ہوں اب ٹرانسوال جاؤں گا۔ میں نے پوچھا: چین میں تم کیا کام کرتے تھے؟ کہنے لگا " سوداگری کرتا تھا، لیکن چینی لوگ ہماری چیزیں نہیں خریدتے۔" میں نے سنکر دل میں کہا، ہم ہندیوں سے تو یہ افیمی ہی عقلمند نکلے کہ اپنے ملک کی صنعت کا خیال رکھتے ہیں، شاباش، افیمیو، شاباش! نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ ابھی تم آنکھیں ہی مل رہے ہو کہ اس سے دیگر قوموں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی ہے۔ ✱

ہاں، ہم ہندوستانیوں سے یہ توقع نہ رکھو کہ ایشیا کی تجارتی عظمت کو از سرِ نو قائم کرنے میں تمھاری مدد کر سکیں گے۔ ہم متفق ہو کر کام کرنا نہیں جانتے ..."

یعنی اس پرائیویٹ خط میں اپنے دل کا درد اور معاشی نظر دونوں ظاہر کر دیتے ہیں۔ ایک طرف یہ کہ ہندوستان میں نفاق ہے، پھوٹ ہے۔ ہمارے مختلف فرقے اور گروہ مل کر کام کرنا نہیں جانتے۔ اگر جان لیں تو غلام نہ رہیں گے۔

یہ میں اپنی طرف سے حاشیہ نہیں چڑھا رہا ہوں۔ لاہور سے بمبئی روانگی کے پہلے جو نظمیں ان کی نکلی تھیں ان میں یہ درد بھرا ہوا ہے۔ " ترانۂ ہندی" ــ " سارے جہاں سے اچھا..." کئی سال پہلے نکل چکا تھا نظم " صدائے درد" میں وہ کہہ چکے تھے:

جل رہا ہوں، کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا، یاں تو قُربِ فراق انگیز ہے
بدلے یک رنگی کے، یہ ناآشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جُدائی ہے غضب!
جس کے پھولوں میں اُخوت کی ہوا آئی نہیں
اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

" ہندوستانی بچوں کا گیت" اُن دنوں یوپی اور پنجاب کے اسکولوں میں چل نکلا تھا:

" میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے "

"نیا شِوالہ"، نظم تازہ تازہ شائع ہوئی تھی:

سچ کہہ دوں، اے برہمن، گر تو، بُرا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بُت ہو گئے پُرانے

اس میں ایک پکار ہے:

✱ ۲۵ سال بعد بھی، جب وہ اپنی مشہور مثنوی "ساقی نامہ" لکھ رہے تھے، شاید بمبئی کا یہ مشاہدہ نظر میں رہا ہو گا:

گیا دورِ سرمایہ داری گیا! | تماشا دکھا کر مداری گیا
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے | ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

آغیریت کے پردے اِک بار پھر اُٹھا دیں!
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دوئی مٹا دیں!
سُونی پڑی ہوئی ہے مدّت سے دل کی بستی
آ اِک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں!

اِقتصادیات پر نظر

یہ درد سینے میں بھرے ہوئے وہ مغربی علوم کی تلاش میں نکلے تھے اور ابھی سے ہمارے شاعر کو یہ احساس تھا کہ جب تک ہندوستان بدیسی مال کا محتاج رہے گا، وہ سر نہیں اُٹھا سکتا۔

اقبال نے عین نوجوانی میں "عِلم الاقتصاد" (Economics) کا مطالعہ کیا تھا اور وہ اتنے متاثر ہوئے کہ ابتدائی قسم کا ایک کتابچہ بھی لکھ ڈالا جو بہت زمانے تک چھپا بھی نہیں۔

(بے محل نہ ہوگا اگر میں یہیں یاد دلادوں کہ اُردو کے ایک اور بزرگ اور اقبال کے ہم عمر شاعر مولانا حسرت موہانی نے اپنے رسالہ "اُردوئے معلّیٰ" علی گڑھ، میں سودیشی کا پرچار اسی زمانے میں شروع کر دیا تھا اور خود گاڑھا پہننے اور پھیلانے لگے تھے۔)

— ہندو مسلم سکھ عیسائی اتحاد میں ہندوستان کی آزادی کا راز پوشیدہ ہے اور

— دیسی صنعت و حرفت کی ترقی میں غیر ملکی طاقت کا زوال!

یہ دونوں نکتے ۱۹۰۵ء میں اقبال کی آنکھوں پر روشن ہو چکے تھے۔

جب جب ملک میں قومی آزادی کی تحریک نے زور پکڑا، قومی اتحاد کی لہر اونچی ہوئی، اقبال کی آواز بلند ہوئی اور وہ ۱۹۰۵ء کے ان تصورات کی جانب پلٹے، بلند تر سطح پر پلٹے۔ تاریخ ہند گواہ ہے کہ قومی تحریک نے پہلی جنگ عظیم کے بعد زبردست جولانی دکھائی اور قومی جوش و خروش ۱۹۲۲ء تک قائم رہا۔ ٹھیک یہی زمانہ ہے جب انھوں نے اپنے بہترین مجموعۂ کلام "پیامِ مشرق" کی شیرازہ بندی کی۔ اسی زمانے میں یہ کتاب نکلی۔ اور اس کے سال بھر بعد "بانگِ درا" — ان دو مجموعوں کے ساتھ اقبال نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان سے باہر کی دنیا کو تازہ دم پُرجوش مشرق کی طرف سے خطاب کرنے لگے:

خیز، کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابرِ بہار
خاکِ چمن وانمود رازِ دلِ کائنات
بود و نبودِ صفات
جلوہ گری ہائے ذات
آنچہ تو دانی حیات
آنچہ تو خوانی ممات
ہیچ ندارد ثبات
خاکِ چمن وانمود رازِ دلِ کائنات

(فصلِ بہار — پیامِ مشرق ۱۹۲۱ء)

پھر بادِ بہار آئی، اقبال غزل خواں ہو
غنچہ ہے اگر گُل ہو، گُل ہے تو گلستاں ہو

چند اشعار کے بعد...

اے رہروِ فرزانہ، رستے میں اگر تیرے
گلشن ہے تو شبنم ہو، صحرا ہے تو طوفاں ہو

اور بات یہیں تمام نہیں ہو جاتی، ۳۱-۱۹۳۰ء کے بعد (شمالی ہندوستان، کلکتہ اور بمبئی کے فرقہ وارانہ فسادوں سے قطع نظر) اقبال دنیا کے مستقبل میں مشرق کے رول سے اور مشرق کی بیداری میں ہندوستان کی تحریکِ آزادی سے، اور ہندوستان کی عظمت و سربلندی میں اس کے اتحاد و اتفاق سے اور قومی صنعتوں، حرفتوں کی ترقی کی اہمیت سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

ان کی نظم "شعاعِ اُمید" ۳۵-۱۹۳۴ء کے دور کی ہے، اور اس میں سورج کی کرن واپسی سے انکار کرتے ہوئے کہتی ہے:

اِک شوخ کرن، شوخ مثالِ نگہِ حور
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ اُٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب!
خاور کی اُمیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
اس خاک سے اُٹھے ہیں وہ غوّاصِ معانی
جن کے لئے ہر بحرِ پُرآشوب ہے پایاب

(ضربِ کلیم۔ اشاعت ۱۹۳۷ء)

اقبال کے آخری دنوں کی تصنیف ہے "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" یعنی مشرقی قوموں کے لئے آزادی کا نسخہ تجویز کرتے وقت پھر قومی خودداری اور سودیشی کے استعمال پر زور دیتے ہیں:

پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق!
باز روشن می شود ایامِ شرق

مشرق کی بیداری کا اعلان کرتے ہوئے وہ اپنے سوال کا جواب دیتے ہیں:

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں
آں یدِ بیضا بر آر از آستیں

خیز و از کارِ اُمم بکشا گرہ
نشۂ افرنگ را از سر بنہ

نقشے از جمعیّتِ خاور فگن!
واستاں خود را ز دستِ اہرمن

یعنی مغربی تہذیب اور تجارت کے اثر سے آزاد ہو کر مشرق کا نشان بلند کرو اور سمندر پار کے ریشم کے بجائے اپنے ہاں کے گاڑھے کھدّر کو اپناؤ!

گر تو می دانی حسابش را درست
از حریرش نرم تر کرباسِ تست!

بے نیاز از کارگاہِ او گزر
در زمستاں پوستینِ او مخر

...

تاجرانِ رنگ و بُو بُردند سود
ما خریداراں ہمہ کور و کبود

آنچہ از خاکِ تو رُست اے مردِ حُر
آں فروش و آں بپوش و آں بخور

اس نظم میں جو ۱۹۳۶ء میں لکھی گئی، ہندوستان کی معاشی اور سیاسی آزادی کے لئے اقبال کے دل میں جو تڑپ ہے، اس تڑپ میں گہرا سیاسی اور اقتصادی شعور بھی بلبلا رہا ہے۔

۱۹۰۵ء میں، بمبئی کے ہوٹل میں یونانی تاجر کا بیان سُن کر شاعر کا دل مچلا تھا کہ ہائے، کاش ہندوستان یورپ کی اقتصادی غلامی کا راز جانے اور اتحاد کی راہ پر قدم بڑھا کر سیاسی آزادی حاصل کرے ۔ اب تیس برس پُرانے اس جذبے میں، اپنے دور کی گہری حقیقتوں کو پرکھ کر دیکھنے والے کا شعور بھی شامل ہو گیا ۔ اور ایسی بے پناہ نظم نکلی۔ سیاسی داؤ پیچ کے گلی کوچوں میں برسوں بھٹک لینے اور دوسری انتہا کو پہنچنے کے بعد اقبال آخر اسی مرکز کی جانب اسی Patriotism کی طرف لوٹے ۔ لیکن پہلے سے کہیں زیادہ گہرائی، زیادہ قوت، زیادہ سُوجھ بُوجھ کے ساتھ۔ اقبال شناسی کی گتھی میں یہ نکتہ خود پیچ کا دھاگہ ہے، اِسے تھامے رہنا چاہیئے۔

اب ہم پھر اقبال کے پہلے سفرِ بمبئی کی طرف لوٹتے ہیں:
بمبئی انھیں پہلی نظر میں پسند آیا:

... غرض کہ بمبئی (خدا اسے آباد رکھے) عجب شہر ہے، بازار کُشادہ، ہر طرف پختہ سر بفلک عمارتیں ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ ان سے خیرہ ہوتی ہے۔ بازاروں میں گاڑیوں کی آمد و رفت اس قدر ہے کہ پیدل چلنا محال ہو جاتا ہے۔ یہاں ہر چیز مل سکتی ہے۔ یورپ امریکہ کے کارخانوں کی کوئی چیز طلب کرو فوراً ملے گی۔ ہاں، البتہ ایک چیز ایسی ہے جو اس شہر میں نہیں مل سکتی ــ یعنی فراغت۔

لیجیئے، تین دن میں شاعر کی شاہینی نظر نے بھانپ لیا کہ یورپ امریکہ کے کارخانوں کی تجارت اور نئی مشینی ہلچل کی زندگی جینے والے شہری ماحول میں آدمی کو فراغت نصیب نہیں ہوتی۔ وہ بڑے فراغت پسند آدمی تھے۔ انھیں ہر اس چیز سے وحشت ہوتی تھی جو فراغت، اطمینان یا Relaxation میں خلل ڈالے۔ اسی لئے وہ مشینوں سے بھڑکتے تھے، آگے چل کر وہ بھی مغربی تمدّن کے ان ناقدوں کی صفِ اول میں کھڑے ہو گئے جو Man اور Machine کے اس ہولناک تصادم کو دیکھ چکے تھے۔

یہاں "فراغت کی نایابی" کا شکوہ کرنیوالے اس شاعر نے جب یہ بات نوٹ کی تھی، اُسے اب بہتّر سال ہو چکے ہیں۔ تب سے ابتک ایک بمبئی کے اندر دو اور بمبئی بس چکے ہیں اور اسی نسبت سے تناؤ Tension بڑھا ہے، Relexation کم ہوا ہے۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ اسی نسبت سے اسبابِ مُروّت بھی کچلے گئے۔ آج یہ شہر پہلے سے کہیں زیادہ غریب پرور ہے اور "فراغت" کے ساتھ ذہنی، مادی، اخلاقی یا دینی خدمت انجام دینے والے یہاں پر مشینوں کی گڑگڑاہٹ سے، کیریئر یا منافع کی بھاگ دوڑ سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں ــ اور مشینوں کے جبر کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اس سے

’خیر‘ کا رس کھینچ لیتے ہیں۔

تجارتی نقطۂ نگاہ

خیر، یہ موجودہ تمدن میں جبر و اختیار کے پیمانوں کی الگ بحث ہے۔ ہم تو اقبال کا خط پڑھتے ہیں:

... ایک روز سرِ شام میں اور یہ ”ترک منتظمین“ بمبئی کا اسلامیہ مدرسہ دیکھنے چلے گئے۔ وہاں اسکول کی گراؤنڈ میں مسلمان طلبا کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ہم نے ان میں سے ایک کو بلایا اور اسکول کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کیں

اقبال نے ایک یہ بات دریافت کی کہ انجمن اس اسکول کو کالج کیوں کیوں نہیں بناتی؟* کیا فنڈ کی کمی ہے؟ انجمن اسلام ہائی اسکول (بوری بندر) کے اس نوعمر طالب علم نے جواب دیا، فنڈ کی یہاں کمی نہیں‘ بہت سے مالدار مسلم سوداگر روپیہ دیدیں، مگر...

ومشکل یہ ہے کہ مسلمان طلبا پڑھنے کے لئے نہیں آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور اچھے اچھے کالج بمبئی میں موجود ہیں اور جیسی تعلیم ان میں ہوتی ہے ویسی سردست ہم یہاں دے بھی نہیں سکتے : یہ جواب سنکر میں بہت خوش ہوا۔ میرا خیال تھا کہ بمبئی جیسے شہر میں مسلمانوں کا کالج ضرور ہوگا.... معلوم ہوا کہ یہاں کے مسلمانوں میں تموّل کے ساتھ عقل بھی ہے ۔ ہم پنجابیوں کی طرح احمق نہیں ہیں“ ہر چیز کو تجارتی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نفع و نقصان پر ہر پہلو سے غور کر لیتے ہیں...“

اقبال نے گھر سے، پنجابیوں کے وطن سے باہر ایک ترقی یافتہ شہر میں پہنچکر ”تجارتی نگاہ“ یا بلفظِ، نگاہ، نفع و نقصان کی پرکھ میں دیکھا اور پسند کیا۔ ۔ لیکن جب وہ یورپ میں ڈھائی برس رہ لئے، انگریز کی تجارتی پائپی اور اس پالیسی پر مبنی ہوئی تہذیبی عمارت کو دیکھا تو اسے انسان کے حق میں خطرناک اور رُو بہ زوال قرار دیا۔ مارچ ۱۹۰۷ء میں انھوں نے یورپ میں ہی وہ غزل لکھی جس کے چند اشعار آج تک گائے جاتے ہیں:

دیارِ مغرب کے رہنے والو، خدا کی بستی دکاں نہیں ہے\
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہوگا

* یہ اسکول ۱۸۹۲ء میں قائم ہوا تھا اور آج تک ہائی اسکول ہی ہے انجمن نے ۵۰ برس تک اسکو کالج نہ بنایا اسکی وجہ کچھ اربابِ انجمن ہی بتا سکتے ہیں۔

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی\
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا

اس تہذیب نے خنجر اٹھایا، لیکن خودکشی یا ”ہراکری“ کے لئے نہیں‘ بلکہ Causarean operation کرکے اپنے بطن سے روس کے انقلابی مزدور طبقے کو جنم دینے کے لئے۔ اور بالآخر اس طبقے کو فتح نصیب ہوئی جو ”دیارِ مغرب کے رہنے والوں“ کی زر و کے لئے نئے باٹ لیکر آیا۔ (میرا مطلب Transvaluation of Values سے ہے۔)

مگر ابھی تو اقبال بمبئی کی سڑکوں پر گھوم رہے ہیں۔

دہلی سے نکلتے وقت انھوں نے سلطان جی‘ خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی تھی اور عرض کیا تھا:

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے\
شرابِ علم کی لذّت کشاں کشاں مجھ کو

دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی تھی کہ علم کی دولت سے میری جھولی بھر جائے اور ے

مقام ہمسفروں سے ہو اس قدر آگے\
کہ سمجھے منزلِ مقصود کاروان مجھ کو\
مری زبان (و) قلم سے کسی کا دل نہ دُکھے\
کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسمان مجھ کو

دعا بڑی حد تک قبول ہوئی۔ خصوصاً ”شرابِ علم“ کی تمنا۔ علم کے حصول کو لگن اور آئینہ دل کی جو صفائی لازم ہے وہ اقبال کو عمر بھر نصیب رہی۔

شہر میں پارسی آبادی کی کثرت سے (جو نوے ہزار کے قریب تھی)، اُن کی صلاحیت، دولت اور عظمت سے اقبال بہت متاثر ہوئے۔ تعریف کر چکنے کے بعد اس پرائیویٹ خط میں لکھتے ہیں:

”مگر اس قوم کے لئے کسی اچھی فیوچر (Future) کی پیشگوئی نہیں کرسکتا۔ یہ لوگ عام طور پر سب کے سب دولت کمانے کی فکر میں ہیں اور کسی چیز پر اقتصادی پہلو کے سوا کسی اور پہلو سے نگاہ ہی نہیں ڈال سکتے۔ علاوہ اس کے نہ کوئی ان کی زبان ہے نہ ان کا لٹریچر ہے ۔ اور طرّہ یہ کہ فارسی کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ افسوس کہ یہ لوگ فارسی لٹریچر سے غافل ہیں ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ ایرانی لٹریچر میں عربیت کو فی الحقیقت کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ زرتشتی رنگ اس کے

رگ و ریشے میں ہے اور اسی پر اس کے حسن کا دار و مدار ہے۔"

فارسی زبان و ادب اقبال نے کسی کالج میں نہیں پڑھا تھا۔ بی اے انھوں نے عربی سے کیا تھا اور ایم۔ اے فلسفے میں۔ فارسی اپنے گھر پر، پرانے مولویوں سے، صاحبِ نظر اور ذی علم اُستادوں سے حاصل کی تھی اور وہ ان کی روح میں کچھ ایسی رچ بس گئی تھی کہ آگے چل کر زیادہ تر شاعری فارسی ہی میں کی۔ جن شعری کارناموں پر انھیں خود ناز تھا، وہ بھی فارسی لباس میں سامنے آئے، مثلاً اسرار و رموز، پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ اور ارمغانِ حجاز ــ دس مجموعوں میں صرف سوا تین اُردو میں ہیں، باقی فارسی میں۔ لیکن ۱۹۰۵ء کے اس خط میں جو نکتہ انھوں نے اُبھارا ہے، وہ ایسا ہے کہ عمر بھر اُن کے کلام اور پیغام میں اُبھرا رہا۔ جتنی شدید محبت ہوتی گئی انھیں فارسی سے، اسی قدر وہ بیزار ہوتے چلے گئے اسلام پر اور مسلمانوں پر فارسی یا عجمی اثرات سے۔

اقبال فارسی ادب کے رگ و ریشے میں جس "غیر عرب" عنصر کو زرتشتی رنگ کہتے ہیں، وہ جتنا زرتشتی ہے، اتنا ہی یونانی، اتنا ہی مسیحی، اتنا ہی ہندوستانی۔ وہ مذہبی قوانین کی سادہ اور موٹی لکیروں میں انسانی تخیل اور "فراغت پسندی" کی ــ بلکہ میں صاف ہی کہہ دوں ــ "محسوس پیکروں" سے دل لگانے کی انسانی فطرت کے لئے بہترین رنگ آمیزی ہے۔ اس رنگ آمیزی کے بغیر مذاہب اپنے مدفن یا مزار کے قریب ہی جی سکتے ہیں۔ کھیتوں، کھلیانوں، گلیوں اور میدانوں میں رنگ رلیاں نہیں منا سکتے۔ "بدعتیں" ایک بنیادی تہذیبی عمل کی دین ہوا کرتی ہیں، اُن سے بھڑکنے اور تھو تھو کرنے والوں کو شب و روز ہزاروں کی تعداد میں آجکل ممبئی میں ہی دیکھا جا سکتا ہے، جن کا حال یہ ہے کہ:

بغیر حکمِ شرع شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اُجالے میں چوکتا بھی نہیں

بہرحال یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے اور کچھ ضرور نہیں کہ اقبال کو ٹوکا ہی جائے۔ وہ اپنی نیت میں مخلص تھے۔ اور خلوص کی پہلی کرن ۱۹۰۵ء کے اس خط سے بھی پھوٹی پڑتی ہے۔

دوسری بار

بمبئی کے پہلے اور دوسرے سفر کے درمیان ۲۶ سال میں اقبال نے اِدھر آنے کے بڑے وعدے کئے، وقت مانگا، تیاری کی لیکن ۱۹۱۰ء میں لاہور سے حیدر آباد پھر میسور اور مدراس تک آئے، بمبئی سے پرے پرے نکل گئے۔ اِدھر نہ جانے کیوں آنا نہ ہو سکا۔ یہ نوبت آئی سالہا سال بعد، جب وہ شاعر، مفکر، علامہ، ڈاکٹر سر محمد اقبال بنتے بنتے بالوں کی سیاہی اور گالوں کی سُرخی کھو چکے تھے۔ اس بار وہ تین روپے روز کے ہوٹل میں نہیں، دسویں ستمبر ۱۹۳۱ء کی صبح کو اسٹیشن سے سیدھے تاج محل ہوٹل پہنچے۔ لندن کی دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں وہ ہندوستانی مسلمانوں کے ڈیلی گیشن کا حصہ بن کر جا رہے تھے۔ قومی نمائندے کی حیثیت تھی۔ اقبال بڑے سحر خیز آدمی تھے۔ سفر حضر میں سُورج نکلنے سے پہلے طلوع ہو جایا کرتے تھے۔ فرنٹیئر میل کی سیکنڈ کلاس میں ہی وہ ضروریات سے فارغ ہو لئے۔ اور صبح سویرے گاڑی سے نکلے تو تیار اور ہشاش بشاش تھے۔ ناشتہ انھیں افغان قونصل جنرل سردار صلاح الدین سلجوقی کے ہاں کرنا تھا۔ اقبال سامان رکھوا کر ان کے بنگلے واڈکیشور روڈ پر چلے گئے، جہاں، پہلے سے کئی معززین ان کی زیارت کے منتظر تھے۔

واضح رہے کہ یہ بزرگ صلاح الدین سلجوقی، بقول اقبال:

... فارسی اور عربی ادبیات پر پورا عبور رکھتے ہیں عربی کی جدید شاعری سے بھی باخبر ہیں۔ فارسی میں خاقانی کے بڑے معترف ہیں۔ علوم دینی میں بھی کافی دسترس رکھتے ہیں۔ ہرات کے قاضی بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے دولتکدہ پر مرزا طلعت یزدی نے، جو بمبئی میں دس سال سے مقیم ہیں، ایرانی لہجے میں اپنے اشعار سنائے۔

جو نکتے کی بات تھی، اقبال غالباً اسی کا ذکر بھول گئے۔ مشرق و مغرب کے فلسفے کا یہ عالم فاضل شخص صلاح الدین سلجوقی مولانا روم اور مرزا بیدل ــ دونوں کے صوفیانہ عقائد اور کلام کا رسیا تھا۔ اقبال سے اُسے بڑی محبت تھی اور بیدل کے کلام کی چاٹ بھی اسی نے لگائی تھی۔ بعد کی زندگی میں اقبال سے کسی نے پوچھا۔ آپ کا سب سے پسندیدہ شاعر کون ہے؟ اقبال نے جواب دیا:

رومی تخیل میں
بیدل انداز بیان میں

میرے محترم، شیخ محمد اکرام (مرحوم) کو اقبال نے ایک خط میں (خاص اسی زمانے میں) بیدل کی اہمیت سے آگاہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ غلامی کے مارے ہوئے ہندوستان میں اس ہندوستانی شاعر کی قدر نہ ہوئی ورنہ افغانستان

اور ترکستان میں اس کے بڑے پرستار موجود ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی پر ۴۰-۱۹۳۰ء کے درمیان دو بڑے کام ہوئے، ایک افغانستان کے اسکالر سرآر صلاح الدین سلجوقی کی تصنیف "نقدِ بیدل" دوسرے تاجیکستان کے عالم شاعر صدرالدین عینی کی تصنیف بیدل اور اب یورپ میں جو لوگ بیدل کو دریافت کر رہے ہیں، اس کے کلام پر سر دھننے والے پیدا ہو رہے ہیں، ان کے سامنے بمبئی کا چھپا ہوا دیوان 'نکاتِ بیدل' اور یہ دونوں تصانیف ہی چراغِ راہ بنے ہیں۔

اقبال، دہلی میں بھی انھی صلاح الدین سلجوقی کے مکان ہیلی روڈ (نئی دہلی) پر ٹھیرائے جاتے تھے، یہاں بھی وہی صورت پیش آئی ــــ سلجوقی نے 'نقدِ بیدل' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایران والے جسے سبکِ ہندی (Indian Style) فارسی کہتے ہیں، وہ دراصل تصوّف کی شاعری ہے جو خراسان میں پہلے ہی جگہ بنا چکی تھی۔ صلاح الدین سلجوقی "وحدۃ الوجود" کے دلدادہ تھے اور اقبال اسے کفر و الحاد اور اسلام سے گمرہی تک قرار دے چکے تھے۔ تاہم ان دونوں کی دوستی کے آبگینے میں کبھی بال نہ پڑا۔ تمام عمر یہ دلی تعلق قائم رہا۔

بعد میں آغا سلجوقی افغانستان کے سفیرِ ہند ہو گئے تھے۔ انھی سلجوقی کی تحریک پر اقبال اور ان کے ساتھ دو علماء سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو افغانستان کے سرکاری دورے کا دعوت نامہ بھیجا گیا اور اقبال وہاں گئے۔ انھی کی تجویز پر اقبال کا سنگِ مزار افغانستان سے تحفتہً بھیجا گیا۔ خاص قسم کا پتھر "لاجورد" Lapis Lazuli جو افغانستان اور وسط ایشیا کا قدرتی اور بے حد قیمتی تحفہ ہے، اسی پر تعویذ اور لوحِ مزار کندہ ہو کر لاہور بھیجا گیا اور وہیں نصب ہوا، البتہ اس پتھر پر اقبال کی تاریخِ پیدائش غلط لکھی ہے ــــ ۱۲۹۲ھ، جبکہ اقبال خود اپنی تاریخِ ولادت ۱۲۹۴ھ لکھا کرتے تھے۔

خیر، مزے کی بات یہ ہے کہ سنگِ مزار پر اقبال کا جو قطعہ کندہ ہے، وہ اقبال اور صلاح الدین سلجوقی کے اختلافِ رائے سے زیادہ ان کے درمیان خلوص کے رشتے کی بنیاد جتاتا ہے:

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم   چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است   کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

غرض کہ صلاح الدین سلجوقی کی صحبت اور محبت اقبال کی شاعری میں رائیگاں نہیں گئی۔

دسویں ستمبر کی شام کو، یادش بخیر، عطیہ بیگم فیضی کے مکان "ایوانِ رفعت" میں دعوت تھی۔ ملابار ہل Ridge Road پر یہ عالی شان بنگلہ نواب جنجیرہ کے خاندان سے بعد میں مشہور پارسی فیملی "سیاوالا" نے خریدا، اور ان سے جرمن کونسلیٹ نے لیکر اُسے اپنا کلچرل سینٹر بنا دیا۔ وہاں کچھ سال پہلے تک Max Muller Bhavan تھا۔ اقبال اس شام کے بارے میں لکھتے ہیں:

اسی شام عطیہ بیگم صاحبہ کے ہاں سماع کی صحبت رہی، جہاں اہلِ ہوش بار نہیں پا سکتے۔

بر سماعِ راست ہر تن چیر نیست
طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست!

یعنی ہر پرندے کو انجیر نہیں کھلایا جاتا۔ اقبال کی غزا کے متعلق ان سطروں کے لکھنے والے کا علم بہت محدود اور تحیر آلود ہے۔ البتہ ان کا خصوصیت سے یہ جتانا کہ "یہاں اہلِ ہوش بار نہیں پا سکتے" بے سبب نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کیمبرج، لندن اور ہائیڈل برگ کی بے تکلف ملاقاتوں کے بعد (جو ۱۹۰۸ء میں تمام ہو گئیں) علم، ادب اور فن کی ان دونوں تشنہ ادبیات روحوں کے درمیان صرف خط و کتابت کا رشتہ برقرار رہا۔ اقبال جس طرح انھیں اپنے رقیبوں سے ہوشیار رکھنے اور اپنی ذہنی افسردگی اور خانگی زندگی کی جان لیوا کھٹک سے خبردار رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اس کے بعد نفسیات کریدنے والے کئی اہلِ قلم نے سوال کیا ہے کہ آخر اقبال نے بعد میں ایک چھوڑ دو دو شادیاں کیں، سیدھے سبھاؤ یہیں پیغام کیوں نہ دے دیا۔

ہمارے پاس ایسے سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔ "زندہ دلانِ ہور" بہتر جانتے ہوں گے۔ اقبال، بمبئی سے متاثر تو ضرور تھے، ممکن ہے اِرسٹاکریسی کی تہذیب اور جلوہ سامانی سے مرعوب بھی رہے ہوں۔

۱۹۳۱ء کے اس دوسرے سفر میں وہ خلافت ہاؤس کے عصرانے میں بھی گئے اور دیر تک وہیں رہے۔

تیسری بار

۱۸ راکتوبر ۱۹۳۲ء کو اقبال بمبئی آئے۔ بیمار تھے۔ بمبئی میں فرقہ وارانہ

فسادات ہو چکے تھے، فضا ابھی تک خراب رہی تھی۔ وہ مس فارقوہرسن (President of National League of England) کو لکھتے ہیں:

"ذاتی طور پر میں ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں خاصا مایوس ہوں۔ بمبئی کے فسادات ابھی جاری ہیں۔ اس صورت حال نے مجھے خاصا پریشان کیا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا نتیجہ خونریزی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ کچھ لوگوں نے تو اب اس انداز سے سوچنا شروع کر دیا ہے کہ ہندوستان کو بھی سوویت طرز کی خونریزی (مطلب ہے Civil War) سے گزرنا چاہیئے.... بہر حال ہمیں توقع رکھنی چاہیئے کہ حالات بہتر ہو جائیں گے..."

مئی سے آخر جون ۱۹۳۲ء تک فرقہ وارانہ فسادات نے بمبئی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ فرقہ وارانہ فیصلے کی ساری کوششیں کاغذی تجاویز کی صورت میں رہ گئی تھیں ۔۔۔ اور غیر ملکی ایجنسیوں کی ریشہ دوانی زوروں پر تھی۔ اقبال بیمار، افسردہ، دل برداشتہ آئے۔ دو دن قیام رہا۔ تیسرے دن روانہ ہو گئے۔

لندن کی اس تیسری گول میز کانفرنس میں ۔۔۔ کانگریس نے جس کا بائیکاٹ کیا تھا۔ اقبال جو اقلیتوں کے مسائل والی کمیٹی کے ممبر تھے، زیادہ تر خاموش ہی رہے۔

زمانے کا الٹ پھیر

ہمیں یاد ہے کہ جب پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے فلسطین کے مستقبل پر لندن میں کانفرنس بلانی چاہی اور ہز ہائی نس آغا خاں نے جو بمبئی چھوڑ کر لندن میں مقیم تھے، مطالبہ کیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی بھی نمائندگی ہونی چاہیئے، تو اقبال نے آغا خاں کا مذاق اُڑایا تھا۔

وفد ہندوستان سے کرتے ہیں آغا خاں طلب
کیا یہ چورن ہے پئے ہضم فلسطین و عراق؟

جن آغا خاں کی آواز کو وہ کل تک برطانوی ڈپلومیسی کا در پردہ ترجمان سمجھتے تھے، راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے لیڈر اب وہی آغا خاں تھے اور اندر سے طے پایا تھا کہ اقبال یا مسٹر جناح زیادہ بولنے نہ پائیں، آغا خاں ہی بحیثیت لیڈر ترجمانی کا فرض انجام دیں گے۔ اقبال وہاں سے اسپین، فرانس اور اطالیہ ہوتے ہوئے فروری میں لوٹے اور سیدھے پہلی گاڑی سے لاہور چلے گئے۔ ہمیں بمبئی میں ان کے قیام یا سرگرمی کی کوئی اطلاع نہیں۔

اسی بار لندن میں انھیں اپنے ہونہار اور سب سے چہیتے بیٹے جاوید اقبال کے ہاتھ کا لکھا پہلا خط ملا تو انھوں نے منظوم جواب لکھا جس کے لفظ لفظ سے اُن کی ذہنی کیفیت جھلکتی ہے:

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

پھر سال بھر بعد جب ہز ہائی نس آغا خاں بمبئی میں تھے۔ سر راس مسعود نے اپنے طور پر ان سے بات کر کے تجویز کرایا کہ اقبال کو ہز ہائی نس کی طرف سے ۵۰۰ روپے ماہوار وظیفہ یا امداد ملا کرے۔ مگر اس سے پہلے نواب بھوپال کے یہاں سے یہ رقم ملنی شروع ہو گئی تھی۔ اقبال نے آغا خاں کو شکریے کا خط لکھا، لیکن رقم نہ لی اور سر راس مسعود کے وسیلے سے یہ چاہا کہ آغا خاں والا (وظیفہ "پنشن") کم عمر بیٹے جاوید اقبال کے نام ہو جائے، اور اس کی تعلیم مکمل ہونے تک جاری رہے۔ زمانے کی نیرنگی دیکھئے کہ جس طرح غالب کو عمر کے آخری دور میں اپنے لے پالک بچوں کے لئے کسی سٹیٹ سے پنشن کی فکر کھائے جاتی تھی، اقبال بھی درویشی اور قناعت کے تمام دعاوی کے باوجود یہی فکر لئے دنیا سے سدھار گئے۔

یوں، بمبئی سے جو یک طرفہ رشتہ ۱۹۰۵ء میں قائم ہوا تھا، وہ آگے چل کر مسٹر جناح، اور آغا خاں کی بدولت اور گہرا ہو گیا اور آخر دم تک قائم رہا ۔۔ مگر افسوس کہ بمبئی کے اہلِ قلم نے اپنا حق ادا نہیں کیا۔

عربیک ریڈر	: ...	اورنٹیل کالج، لاہور
اسسٹنٹ پروفیسر	: ...	گورنمنٹ کالج، لاہور ۱۹۰۳ء
عربی کے پروفیسر	: ...	لندن یونیورسٹی، ۱۹۰۷ء تا ۱۹۰۸ء
فلسفہ کے پروفیسر	: ...	گورنمنٹ کالج، لاہور، ۱۹۱۱ء

سَر اقبال۔ اپنے گھر میں...

• سلمیٰ صدیقی

میں نے اپنے بچپن میں پہلے تو کچھ اچھے لوگوں کو جانا پھر اُن لوگوں ہی سے یہ بھی جانا کہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہے" لیکن اُس عمر میں سارا جہاں اتنا اچھا نہیں لگتا تھا جتنا کہ کھیل کود اور گڑیا گھر کا ساز و سامان ــــ سعیدہ (ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی صاحبزادی) اور میں کھیل کود کی دلچسپیوں میں اتنے منہمک رہتے تھے کہ ہمارے بزرگ ہماری تعلیمی بدشوقی سے متفکر رہنے لگے تھے. ہماری "والدائیں"، تو ہمیں ہر دم ڈانٹتی پھٹکارتی رہتی تھیں کہ عام طور سے ماؤں کا یہی کردار اور مصرف ہوتا ہے۔ لیکن ابا میاں (میرے والد) اور ذاکر صاحب کھیل کود کو بھی زندگی کی نشو و نما میں بڑی اور غیر معمولی اہمیت دیتے تھے، اور ذاکر صاحب تو اتنے مہربان تھے کہ ان کی موجودگی میں تو کوئی بزرگ یا معلم بچوں کو زبردستی درس و تدریس میں 'مبتلا' نہیں کر پاتا تھا۔

لہٰذا ہر طرف "خیر و عافیت" تھی۔ اور زندگی "جہالت" کے سہارے بڑے سُکھ چین سے گذر رہی تھی کہ اچانک کرنا خدا کا کیا ہوا کہ گڑیا کی شادی دیکھتے دیکھتے ہمیں ایک سچ مچ کی شادی میں شرکت کا موقع مل گیا اور ہم نے ایک اصلی دلہن دیکھ لی ۔ ابا میاں کے ایک بہت قریبی دوست نے (ڈاکٹر اصغر علی حیدر) جو یونیورسٹی میں نوفتی کے پروفیسر تھے، ایک جرمن خاتون سے شادی کی ۔ شادی کی رسومات اور تقریب سب کچھ بہت ہی روایتی طور پر انجام پائیں ۔ یورپین دلہن کو یونیورسٹی کی بیگمات نے ایسے ہندوستانی ڈھنگ سے گھونگھٹ میں ڈھانپ لپیٹ کے بٹھایا اور ایسے بھاری بھرکم لباس اور زیورات میں مقید کر دیا کہ اس بچاری کو شاید پہلی بار مشرق و مغرب کا فرق معلوم ہوا ہو گا ــ اسی دلہن کی چھوٹی بہن مِس ڈورا لینڈوے ایر، چند سال پہلے ہندوستان آ چکی تھیں۔ اور میری والدہ کی بہترین سہیلی کی حیثیت سے ہمارے گھر میں سب کے ساتھ رہتی تھیں ۔ ان خاتون کو سب لوگ "آپا جان" کہتے تھے ۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ ذاکر صاحب جرمنی سے ایک یہودی خاتون مس فلپس بورن کو چند سال پہلے جامعہ کے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے اپنے ساتھ لائے تھے ۔ اُن بچاری پر ہٹلر کے عہد میں بڑے ظلم و ستم ڈھائے گئے تھے پورا خاندان تہہ تیغ ہو چکا تھا اور وہ تنہا اور غمزدہ تھیں ۔ وہ جامعہ (دہلی) آ گئیں تو انھوں نے اپنی زندگی کے تمام تر رنج و الم کو محبت و ایثار کی بے غرض بھٹی میں جھونک دیا، اور ان کا غم و اندوہ ننھے ننھے بچوں کی صحبت و سنگت میں کندن بن کے چمکنے لگا ــ مس فلپس بورن بچوں کی "آپا جان"، بن گئیں ۔ صرف بچے ہی نہیں، اُن سے بڑے اور چھوٹے، اپنے اور پرائے، معلم اور طالب علم، ملازمین اور عوام الناس سب ہی ان کو آپا جان کہنے لگے۔

مِس ڈورا علیگڑھ آنے سے پہلے جامعہ میں اُن سے ملی تھیں اور اُن کو ہندوستانی لفظ 'آپا جان' بہت بھایا تھا ــ وہ ہمارے یہاں آئیں تو انھوں نے یہی فرمائش کی کہ اُن کو بھی 'آپا جان' پکارا جائے۔ چنانچہ وہ خاتون علی گڑھ میں 'آپا جان' مشہور ہوئیں ــ!!

ہماری آپا جان کو جرمن بیویوں کی طرح "خالی" اور "بیکار" بیٹھنے سے بہت گھبراہٹ ہوتی تھی ۔ اس زمانے میں علی گڑھ کی بیویاں عام طور سے تخت پہ گاؤ اور مسند کے سہارے بیٹھی بیٹھی پاندان، خاصدان اور اُگالدان کی دیکھ بھال میں مصروف رہتی تھیں ــ آپا جان تو یہ تن آسانی دیکھ کے بوکھلا اٹھیں اور انھوں نے خود کام کرنے کی باوقار پیش کش کی، اور صبح سے شام تک وہ یا تو خود کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتیں یا کسی نہ کسی کو کسی نہ کسی کام میں اُلجھائے رکھتی تھیں ــ لیکن اتنا کچھ کام کرنے کرانے پہ بھی وہ خوش اور مطمئن نہ تھیں

اور ہر دم اس کوشش میں رہتی تھیں کہ وہ کچھ کام کریں، وہ ایسا کام چاہتی تھیں جس میں کام کے ساتھ کچھ معاوضہ بھی ملے تاکہ وہ کسی پہ بوجھ نہ بنیں ـــ

ایک دن ابّا میاں دوپہر کو یونیورسٹی سے لوٹے تو کچھ متفکر نظر آئے کھانا شروع ہوا ـــ ختم ہوا ـ انھوں نے معمولی گفتگو میں تو حصہ لیا لیکن کوئی ایسا چٹکتا نکھرتا فقرہ کسی سے نہ کہا جس کا ہم سب کو دوپہر کے کھانے پہ انتظار رہتا تھا ـــ کھانے کے بعد جب کوفی کا دور شروع ہوا (کوفی کا آغاز اور اہتمام بھی ہمارے گھر میں آپا جان کی دین ہے) تو ابّا میاں نے آپا جان سے پوچھا ـ

"آپ نے کبھی ڈاکٹر اقبال کا نام سنا ہے؟"

"ہاں ہاں ضرور سنا ہے، جس نے کہا ہے ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ابّا میاں نے حیران ہو کے پوچھا

"آپ کو یہ کس نے بتایا؟"

آپا جان نے اپنی اس ٹوٹی پھوٹی زبان میں جواب دیا جو وہ ہماری صحبت میں سیکھ رہی تھیں ...

"سلمیٰ اور سعیدہ سے میں سیکھ لیا..."

ابّا میاں نے مسکرا کے کہا "سلمیٰ اور سعیدہ کی قابلیت تو مشکوک ہے لیکن خلوص میں بہرحال شبہ نہیں ہے!!"

ابّا میاں نے ڈاک میں سے ایک لفافہ اُٹھایا ـ اور بتایا کہ یہ خط لاہور سے سر اقبال نے ان کو لکھا ہے ... وہ ان دنوں بیمار رہتے ہیں لیکن اپنی صحت سے زیادہ ان کو اپنے بچوں خصوصاً مُنیرہ بانو کی نگرانی اور تعلیم و تربیت کی طرف سے فکر رہتی ہے ـ وہ چاہتے ہیں کہ اگر یو۔پی کے کسی شریف اور مہذب گھرانے کی شریف اور تعلیم یافتہ خاتون بطور گورنس، بچی کی دیکھ بھال کے لئے لاہور آسکے تو ان کی تسکین کا باعث ہوگا ـ انھوں نے خاتون کے "مہذب" ہونے پر بہت زور دیا تھا ـــ!! ابّا میاں نے آپا جان سے فرمائش کی کہ وہ لاہور جا کے ڈاکٹر اقبال سے ملیں۔

آپا جان نے کچھ وقت "غور" کرنے کے لئے مانگا ـــ

اگلی صبح آپا جان نے منظوری دیدی ـــ ابّا میاں نے تفصیلی خط اُن خاتون کے بارے میں لکھ دیا ـ چوتھے دن ڈاکٹر اقبال کا تار آیا "معزز جرمن خاتون کا انتظار ہے"

اور اس طرح آپا جان ۱۹۳۶ء کے اوائل میں علی گڑھ سے روانہ ہو کے 'جاوید منزل' لاہور میں شاعرِ مشرق علامہ سر محمد اقبال کی بچی مُنیرہ کی گورنس کی حیثیت سے رہنے لگیں ـ

ایک ہفتے کے اندر اندر مس ڈورا کا خط ابّا میاں کو ملا ـ لکھا تھا:

"میں تو بہت ڈرتے ڈرتے اس گھر میں داخل ہوئی تھی، لیکن چوبیس گھنٹے کی مدت میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرا کھویا ہوا وہ گھر جو میں برلن میں چھوڑ آئی تھی مجھے واپس مل گیا ہے ـ سر اقبال کی عالمانہ بصیرت اور شہرۂ آفاق قابلیت سے تو میں ناواقف ہوں لیکن اُن کی شریفانہ دل نوازی اور مشفقانہ سرپرستی نے مجھے زندگی کی بہت سی ناانصافیاں اور محرومیاں بھلادی ہیں ـ"

اگلی ڈاک سے ڈاکٹر اقبال کا خط ملا ـــ

"جرمن خاتون کی آمد نے میرے تاریک گھر کو روشنی عطا کی ہے میری بچی (بانو) کو مادرانہ شفقت کا بے بہا ذخیرہ خدائے کریم کی مہربانی سے عطا ہوا ہے ـــ اللہ کریم آپ کو اس کا اجر دیگا ـــ"

آپا جان کا دوسرا خط ملا ـــ

"ابتدا کے دو چار دن سر اقبال مجھ سے اس طرح پیش آتے تھے اور اور کھانے کے اوقات پہ لباس اور دوسرے لوازمات کا اتنا ہی لحاظ رکھتے تھے جیسا کہ عموماً یورپ کے شرفاء کا دستور ہے ـــ لیکن کل رات انھوں نے مجھ سے کہا کہ "میڈم اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے "روزمرّہ" کو واپس لوٹ جاؤں ـــ موتیا بند اور گاؤٹ کی تکلیف کی بنا پر ضابطے کی پابندی مجھ پہ گراں گزرتی ہے میری خواہش ہے کہ میں اپنے دیرینہ اور آرامدہ لباس کو اپنا لوں اور کھانا بھی اپنے کمرے میں کھایا کروں ـ" میں حیران رہ گئی کہ اتنی عظیم ہستی مجھ سے ایسے معذرت آمیز الفاظ میں مخاطب ہے ـ میں نے خود ان سے درخواست کی کہ وہ میری موجودگی کو تکلیف کا باعث سمجھیں گرانی کا سبب نہیں ـــ اب تک وہ مجھ سے جرمن میں گفتگو کرتے تھے لیکن علی بخش کا اصرار

ہے کہ مجھے پنجابی جلد سے جلد سیکھ لینی چاہیئے اور اس سلسلے میں موصوف نے اپنی خدمات بھی پیش کر دی ہیں ــــ علی بخش اور میری پنجابی گفتگو سے سر اقبال بہت محظوظ ہوتے ہیں اور جاوید اور بانو کے لئے بھی یہ لطف کا باعث ہے۔"

کچھ عرصے کے بعد خواجہ غلام السیّدین صاحب، بھوپال ہو کے علی گڑھ آئے تو آپا میاں کو انھوں نے بتایا کہ بھوپال میں ان کے قیام کے دوران سر اقبال کا خط اپنے عزیز ترین دوست اور سیدین صاحب کے دوست اور میزبان سر راس مسعود کے نام آیا جس میں انھوں نے آپا جان کے بارے میں بہت تفصیل سے لکھا ہے وہ بہت مسرور و مطمئن ہیں کہ ان کی ایک بڑی اور مسلسل پریشانی اس جرمن خاتون کی آمد سے دور ہو گئی ہے اس بات سے سر راس مسعود اور لیڈی راس مسعود بہت خوش ہیں!!"

تقریباً چھ سات ماہ کے بعد مس ڈورا اپنی بہن سے ملنے علی گڑھ آئیں اور جتنے دن ان کا قیام رہا بیشتر اوقات وہ سر اقبال، اُن کے دوستوں، مداحوں، پرستاروں اور بچوں کا تفصیلی ذکر کرتی رہتی تھیں، وہ بتاتی تھیں کہ سر اقبال نہایت سادہ مزاج اور سادگی پسند انسان ہیں۔ اچھا کھانا بہت پسند کرتے تھے لیکن بیماری اور پرہیز کی وجہ سے ہلکی غذا اور دواؤں کا پابندی سے استعمال کرتے ہیں۔ مطالعہ ان کا مرغوب ترین مشغلہ تھا لیکن آنکھ کی تکلیف کی وجہ سے وہ اس شوق کی خاطر خواہ تسکین نہ کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی فارسی کے اشعار گنگناتے تھے اور اس کے مطلب و معانی آپا جان (مس ڈورا) کو جرمن میں بتاتے سمجھاتے تھے۔ جرمن ادیبوں سے بہت متاثر تھے۔ آپا جان کہتی تھیں کہ وہ خود چھوٹی عمر سے آفس میں کام کرتی تھیں اور لٹریچر سے ان کو دلچسپی بھی نسبتاً کم تھی لیکن سر اقبال ایسے دلنشیں پیرائے میں اُن کو خود ان کے ادیبوں اور مفکروں کے بارے میں سمجھاتے تھے کہ گوئٹے، شیلر وغیرہ کو انھوں نے ڈاکٹر اقبال کے کہنے ہی سے پڑھا اور سمجھا۔ گوئٹے کے آبائی وطن ویمر کے بارے میں تفصیل سے باتیں کرتے تھے اور وہاں کے پُرسکون ماحول سے متاثر تھے۔ سردی کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھنا بہت پسند کرتے تھے اور کھلے صحن میں اپنے پلنگ پہ لیٹے لیٹے لوگوں سے ملتے تھے اور حقّہ پیتے رہتے تھے۔ حُقّے کے شوقین تھے اور اس کا بہت اہتمام کرتے تھے اُن کا پُرانا اور وفادار ملازم علی بخش اس بات کا خاص لحاظ رکھتا تھا۔ علی بخش، ڈاکٹر اقبال کے جان نثاروں میں تھا، اور آپا جان بتاتی تھیں کہ آدھی آدھی رات تک وہ اپنے آقا کے پاؤں داباتا رہتا تھا، ہر طرح کی خدمت کرتا تھا اور ایسا کرنے میں انتہائی خوشی اور سکون محسوس کرتا تھا۔ لگتا تھا جیسے علی بخش کی زندگی کی ایک ہی آرزو ہے اور وہ ہے اپنے مالک کی خدمت!!

سر اقبال بھی علی بخش کی خدمات کے معترف تھے اور ہمیشہ اُسے بہت اچھے الفاظ میں یاد کرتے تھے۔ کبھی کبھی جب علی بخش سے اپنے "خلوص" یا "ذہانت" کی بنا پہ کوئی احمقانہ حرکت سرزد ہو جاتی یا علی بخش کسی بات پہ ناراضگی کا اظہار کرتا تو بہت خاموشی اور لطف سے اس سے مخاطب ہوتے اور صرف ایک فقرہ کہتے...

"صبر... علی بخش صبر!!"

اور محض یہ چند الفاظ سنتے ہی علی بخش "نارمل" ہو جاتا!!

آپا جان آقا اور ملازم کے اس رشتے اور طرزِ گفتگو سے بہت محظوظ ہوتی تھیں لیکن شروع کے چند دن علی بخش نے آپا جان کی آمد کو کچھ ایسے شک و شبہ اور تاسف و رنجوری کے ملے جلے احساس کے ساتھ جانچا اور پرکھا، جیسے کوئی اپنے سیاسی حریف کو چیلنج کرتا ہو ــــ سر اقبال نے اس بارے میں آپا جان کو پہلے ہی وارننگ دے دی تھی۔ اور اس کے رویّے کو نامناسب مگر فطری بھی قرار دیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ "علی بخش کا اس گھر پہ بہت حق ہے... وہ ہمیشہ ہی خاندان کا وفادار ملازم رہا ہے لیکن والدۂ جاوید کی وفات کے بعد تو اس نے سارے خاندان کی، گھر کی، بچوں کی اور خصوصاً میری نگرانی اور خدمت کے لئے خود کو وقف کر دیا ہے ــــ ایسے افراد، زندگی میں کم دستیاب ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے جیتے ہیں۔ علی بخش ایسے ہی چند انسانوں میں شامل ہے جو اپنی بہترین صلاحیتوں کا بہترین حصہ دوسروں کی خدمت کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ لہٰذا علی بخش کے "اقتدار و اختیار" میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیئے ــــ

دوسری طرف انھوں نے علی بخش کو بھی سمجھایا کہ "میم صاحب علی بخش کے "مقبوضہ علاقے" میں کسی غنیم کی طرح نہیں بلکہ ایک دوست، نگراں اور خود علی بخش کی ہی خیر خواہ کی حیثیت سے داخل ہوئی ہیں" علی بخش نے جب آپا جان اور بانو کے باہمی شوق و شغف کو دیکھا

اور آپا جان کی شریفانہ، باوقار اور باصلاحیت کارگزاریوں کو پرکھا تو بہت جلد خود بھی ان کے معترف اور معتقد ہو گئے ۔!

کبھی کبھی ڈاکٹر اقبال، مس ڈورا کے بارے میں مختصر خطوط لکھا کرتے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ان کی موجودگی سے کسقدر مسرور و مطمئن ہیں ۔ ان کی بچی بانو، آپا جان سے اس درجہ مانوس ہو گئی تھی کہ اُن کو موتا' کہنے لگی تھی (موتا جرمن زبان میں ماں کے لئے استعمال ہوتا ہے' ہماری 'ماما' سے کس قدر ملتا جُلتا نظر آتا ہے)

اپریل ۱۹۳۸ء تک آپا جان سر اقبال کے بچوں ہی کی نہیں خود ان کی تیمار دار بھی رہیں ۔ ان کی علالت سے سفرِ آخرت تک ان کی دیکھ بھال کرتی رہیں ۔ وفات کے وقت بھی وہ ان کے بسترِ مرگ کے قریں تھیں ۔ اس سانحہ کا چشم دید حال جب وہ بتاتی تھیں تو ان کی آواز گلوگیر ہو جاتی تھی اور ان کے لئے خود پہ قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا ۔ ایک واقعہ انھوں نے بتایا جو بڑا ہی المناک ہے' بتاتی تھیں کہ وفات سے چند گھنٹہ قبل سر اقبال نے خواہش ظاہر کی کہ بانو کو ان کے قریب لایا جائے ، بانو پاس آئی تو عادتاً بستر پہ اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھے بیٹھے اچانک ان کے گلے سے لگ گئی ۔ ڈاکٹروں نے گھبرا کے بچی کو وہاں سے ہٹا لینے کو کہا ..... باپ نے گھبرا کے آنکھیں کھول دیں اور اشارے سے کہا کہ "اسے اسی طرح انکی آغوش میں رہنے دیا جائے ۔"

وفات کے چوتھے پانچویں دن جب بانو اپنے گھر کے صحن میں آپا جان کی مسہری پہ ان کے پہلو میں بیٹھی تھی تو بار بار بے چین ہو جاتی تھی اور بڑی اداسی سے تاروں بھرے آسمان کو تکتی تھی ۔ آپا جان نے پوچھا ۔ "بانو کیا بات ہے؟" چار سال کی ننھی منی سی بچی نے بڑے غمگین لہجہ میں کہا ۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے ... اباجی کے سامنے یہ ستارے بہت چمکتے تھے ۔ اب ان میں چمک کیوں نہیں ہے!!"

سر اقبال کی وفات کے بعد بھی اُن کی وصیت اور جاوید اور بانو کی خواہش کے مطابق آپا جان جاوید منزل ہی میں بہت عرصہ تک رہیں ۔ بانو نے ان کو ہمیشہ اپنی ماں کی طرح چاہا، اور جب اُس کی شادی ہو گئی تو وہ آپا جان کو اپنے ہمراہ یورپ کے سفر پہ لے گئی اور بالآخر برلن لے جا کے آپا جان کو ان کی جنگ کی ستائی ہوئی ماں اور لٹے اُجڑے گھر کے باقی ماندہ افراد سے ملوایا ۔۔۔۔ آپا جان اب ہائیڈل برگ میں رہنے لگی ہیں لیکن ہر دو تین سال کے بعد بانو اور جاوید کی فرمائش پہ لاہور آتی ہیں اور جاوید منزل میں قیام کرتی ہیں ۔

۱۹۶۱ء میں آپا جان، بانو کو ساتھ لیکر ہندوستان آئی تھیں اور پہلی بار اس موقع پہ مجھے اُس عظیم باپ کی شریف، باوقار اور خوبصورت بیٹی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا ۔

جنوری ۱۹۷۷ء میں میرے والد کی وفات پہ جاوید اقبال کا جو تعزیتی خط آیا تھا اس میں تحریر تھا کہ "ان دنوں آپا جان لاہور آئی ہوئی ہیں، اور اُن کے گھر پہ مقیم ہیں ۔'

کس قدر ضرورت ہے اس بات کی کہ ان معزز و محترم خاتون (مس ڈورا) سے سر اقبال کی ذات گرامی کے بارے میں تفصیل سے معلومات حاصل کی جائیں ۔ کتنی ہی وجوہات کی بنا پر میں تو ایسا نہ کر سکی لیکن اقبال کے طلباء، مؤرخین اور پرستاروں کی توجہ اس سمت مبذول کرانا چاہتی ہوں ۔

یادِ اقبال

برصغیر میں علامہ اقبال صدی کے موقع پر تقاریب کا سلسلہ جاری ہے انجمن ترقی اُردو، شاخ کھنڈوہ (مدھیہ پردیش) کی طرف سے علامہ اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے "یادِ اقبال" کا اہتمام کیا جا رہا ہے ۔ اسی سلسلے میں ۱۰ فروری ۱۹۷۸ء کو ایک جلسہ منعقد ہوگا، جس میں اقبال پر مقالات پڑھے جائیں گے اور ۱۱ فروری کو "کل ہند" مشاعرے کا انتظام کیا گیا ہے ۔

انجمن ترقی اُردو شاخ کھنڈوہ کے صدر ڈاکٹر خورشید احمد صدیقی، نائب صدر سید مسعود علی صاحب اور حسن رضا صاحب قاضی انصار صاحب سیکریٹریز اس تقریب کو کامیاب بنانے کے لئے کوشاں ہیں

اقبال کی حقیقت و عظمت

عبدالمغنی

اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں اقبال نے کہا تھا:

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے

واقعہ یہ ہے کہ کم از کم اُردو دنیا تو اقبال، حقیقی اقبال سے بہت کم آگاہ ہے کوئی انھیں محض فلسفی سمجھتا ہے، کوئی محض شاعر، کوئی مسلم فرقہ پرست، کوئی سیاستداں، کوئی اشتراکیت نواز وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اقبال ان تمام حدوں سے بہت پرے اور ہر قسم کی حد بندیوں سے بالاتر ایک وجود رکھتے تھے۔ وہ بیک وقت اعلیٰ درجہ کے فلسفی اور کمال درجہ کے شاعر بھی تھے، آفاقی سطح کے اسلام پسند بھی، ایک عالی دماغ اور دوربیں مدبرِ سیاست بھی، اور سرمایہ داری کی بجائے عام معاشی فلاح کے علمبردار بھی۔

اس طرح اقبال ایک انتہائی جامع، مرکب اور مؤثر شخصیت رکھتے تھے، ایسی شخصیت جو انسانی زندگی کی طرح وسیع، متنوع اور دلچسپ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور انسانیت کی گہرائیوں اور بلندیوں کی جیسی اور جتنی نغمہ سرائی اقبال نے کی ہے دنیا کے کسی دوسرے شاعر نے نہیں کی۔ کسی شاعر نے زندگی کی تعریف اس طرح کی ہے؟ ؎

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی!

(زندگی۔ خضرِ راہ۔ بانگِ درا)

اور ترقی کا معیار یہ ہے ؎

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

(ساقی نامہ۔ بالِ جبریل)

یہ زندگی اور انسانیت کے مطلق معیار ہیں اور بلا امتیاز پورے عالمِ انسانیت کے لئے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ معیار اقبال نے جس موقف سے پیش کیا ہے وہ ان کا مخصوص نظریۂ اسلام ہے، جو اُن کے نزدیک فرقے، طبقے، علاقے اور زمانے کی تمام حدود سے آگے بڑھ کر صرف ایک اصولی تصور اور فکری نصب العین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال ہمیشہ اسلام کو کسی روایتی مذہب کے بجائے ایک نظریۂ کائنات اور نظامِ حیات کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور بلا امتیازِ فرقہ و مذہب ہر انسان کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ اقبال کے کلام میں مومن و کافر کے الفاظ کا استعمال قطعاً مسلم و غیر مسلم کے اس مفہوم میں نہیں ہوا ہے جو عام محاورے میں سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ الفاظ صرف دو قسم کی انسانی شخصیتوں کے لئے اصطلاح اور علامت کے طور پر مستعمل ہوئے ہیں اور ان کا مطلب بس یہ ہے کہ جو شخص قدرتِ الٰہی کے مرتب کئے ہوئے نظام کو تسلیم کرتا ہے وہ مومن ہے اور جو نہیں تسلیم کرتا وہ کافر! مومن و کافر کی اس تعریف کے لحاظ سے ایک کافر کو بھی مومن ہونے کی توفیق مل سکتی ہے اور ایک مومن بھی اپنے عقیدہ و عمل کی خرابی سے کافر ہو جا سکتا ہے۔ اسی تعریف کے تحت اقبال نے مومن و کافر کی پہچان اس طرح بتائی ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(کافر و مومن۔ ضربِ کلیم)

اس اصولی موقف سے اقبال عام انسان دوستی اور آفاقیت کا پیام دیتے ہیں۔ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں ؎

نہ میں عجمی نہ ہندی، نہ عراقی و حجازی!
کہ خودی سے میں نے سیکھی دوجہاں سے بے نیازی

(ضربِ کلیم)

اور اہلِ نظر کے بارے میں ان کا خیال اور عزم ہے ۔

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد (بالِ جبریل)

وہ یہاں تک بڑھ جاتے ہیں ع

سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی

ذیل کا شعر اقبال کی انسان دوستی اور مطلق احترامِ انسانیت کا ایک نشان ہے ۔

آدمیت احترامِ آدمی ؛ باخبر شو از مقامِ آدمی

درحقیقت اقبال کا تصورِ خودی، آدمیت کے صحیح مقام کی دریافت شناخت ہی کے لئے ہے ۔ گرچہ یہ تصور بظاہر فرد کی اہمیت پر زور دیتا ہے، مگر یہ اہمیت سماج کی قیمت پر ہرگز نہیں، بلکہ سماج ہی کی بہتر تشکیل و تکمیل کے لئے ہے ۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
(شمع اور شاعر - بانگِ درا)

واقعہ یہ ہے کہ اسرارِ خودی ، رموزِ بیخودی کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہیں

اقبال کے تصورِ خودی کا محرک عشق ہے اور مقصودِ عمل ۔ وہ سماج کے لئے ایسے افراد، مردانِ مومن اور مردانِ کار چاہتے ہیں جو اپنی شخصیت وصلاحیت کو پوری طرح جان اور پہچان کر اس کا مصرف اس طرح لیں کہ معاشرے اور انسانیت کا فروغ اور عروج ہو، فرد کی بالیدگی اور سماج کی ترقی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں ۔ اس خودشناسی کا محرک ایک کائناتی عشق ہی ہو سکتا ہے اور جب عشق عرفانِ ذات کا باعث ہوگا تو پھر تعمیرِ ذات کے لئے مثبت و موثر عمل پر ہی ابھارے گا. اور تعمیرِ ذات کی تکمیل تعمیرِ کائنات کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ ذات خلاء میں تربیت نہیں پا سکتی، بہرحال اس کی تربیت کے لئے صحیح و سازگار ماحول چاہئے ۔ اقبال دورِ حاضر کی انسانیت میں ایک عام اور بنیادی انقلاب چاہتے تھے، جسے وہ موجودہ انسانی سماج کے لئے واحد راہِ نجات سمجھتے تھے ۔ یہ انقلاب آج کی دنیا کا رخ مادیت کی طرف سے ہٹا کر روحانیت کی طرف پھیرنیوالا ہے ۔ اس لئے عشق ہی اپنے وسیع ترین معنی میں اس کی قوتِ محرکہ ہو سکتی ہے، اور وہی انسان کو ایسے عمل پر ابھار سکتی ہے جو ہر لحاظ سے نتیجہ خیز ہو ۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں اقبال کے ان تصورات کی اہمیت و افادیت کافی واضح ہو گئی ہے، حالانکہ جس وقت ان کا اظہار ہوا تھا بہت کم لوگ ان کے عملی پہلو پر یقین کر سکے ہوں گے ۔

بہرحال، اقبال کے متعلق جاننے کی ایک بنیادی بات یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے شاعر تھے اور دنیا کے بہترین شاعر تھے ۔ ان کی جو کچھ حیثیت انسانی تاریخ میں ایک عظیم آفاقی مفکر کی ہے وہ ان کی شاعرانہ حیثیت ہی پر مبنی ہے ۔ وہ جتنے بڑے مفکر ہیں اتنے ہی بڑے شاعر ہیں، اور واقعہ تو یہ ہے کہ جس طرح کی شاعری اقبال نے جس پیمانے پر اور جس فنی کمال کے ساتھ کی ہے اس کا کوئی موازنہ دنیا کے کسی شاعر کی تخلیقات کے ساتھ کرنا فضول ہے ۔ اس لئے کہ اتنی منظم فکر کے ساتھ اتنی موثر شاعری نہ دانتے نے کی، نہ شیکسپیئر اور گوئٹے نے ۔ رومی اور حافظ نے بھی نہیں ۔ اقبال ایک طرف تو پوری مشرقی و ایشیائی شاعری کا نمونۂ کمال اپنے کلام میں پیش کرتے ہیں اور ان کا فن عربی، سنسکرت، فارسی اور اردو کی تمام شاعرانہ روایات کا بہترین مرکب اور ان میں نہایت قیمتی توسیع و اضافہ ہے، جب کہ دوسری طرف دورِ حاضر کے تمام مسائلِ حیات کو اقبال نے وسائلِ فن میں ڈھال دیا ہے، واقعات کو استعارات اور حالات کو علامات بنا دیا ہے ۔ پھر ان کا انتہائی نغمہ ریز آہنگ ہے جس کی مثال دنیا کا کوئی غنائی شاعر بھی پیش کرنے سے قاصر ہے ۔

میرا خیال ہے کہ اگر شیکسپیئر کے ڈراموں سے اس کی شاعری کے تمام عناصر نیز اس کی دیگر شاعرانہ تخلیقات کو یکجا کر کے اقبال کی شاعری کے مجموعی مواد کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے تو یقینی طور پر معلوم ہو جائیگا کہ شعریت کے اعتبار سے اقبال کا پلہ بھاری ہے ۔ یہی بات دانتے اور گوئٹے کے ساتھ ہوگی، اگر ان کی شعریت کے مجموعی عناصر کا موازنہ اقبال کے عناصرِ شعریت کے ساتھ کیا جائے، اقبال کی فنی برتری واضح ہو جائے گی ۔ رومی و حافظ کے مقابلے میں بھی اقبال کا سرمایۂ فن زیادہ ہے

یہ ہے ایک مفکر اور شاعر کی حیثیت سے اقبال کی حقیقت اور اسی حقیقت پر ان کی شاعرانہ عظمت مبنی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ شاعری کی دنیا میں ابتک اقبال سے برتر کوئی شخصیت نمودار نہیں ہوئی ہے ۔ اقبال کی فکری متانت ان کی فنی نفاست سے اتنی ہم آہنگ ہے اور دونوں کا معیار اتنا اعلیٰ ہے کہ اس معیار پر ایسی ہم آہنگی بس ایک معجزۂ فن ہے ۔

یادِ اقبال

معین الدین حارث

پیدائش کے لحاظ سے اقبال کا تعلق سیالکوٹ سے تھا جو برِ صغیر ہند کے اس خطے میں ہے جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان بن گیا ہے۔ اقبال مرحوم اسی خطے میں لاہور کی خاکِ پاک میں مدفون ہیں۔ لاہور اب پاکستان میں ہے مگر اقبال مرحوم کے انتقال کے وقت لاہور بھی ہندوستان میں شامل تھا۔ گویا پیدائش اور تدفین کے وقت بھی علامہ اقبال ہندوستانی تھے اور انھیں مادرِ ہند کا سپوت ماننا غلط نہ ہوگا۔

مگر اقبال جیسی بلند پایہ، عظیم المرتبت اور آفاقی شخصیتوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ توطن اور جغرافیائی حدود کی قیود سے آزاد ہوا کرتی ہیں اور ان پر صرف ان کے پیدائشی وطن یا اس جغرافیائی خطے کا جس میں انھوں نے اپنی زندگی گذاری ہو، حق نہیں ہوتا، بلکہ پورے انسانی معاشرے کا یکساں حق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بحث بے سود ہوگی کہ اقبال ہندوستانی تھے یا پاکستانی۔ البتہ ان کی فکر، فلسفہ اور شاعری کے پیشِ نظر اگر انھیں شاعرِ اسلام مانا جائے تو یہ بات کسی حد تک صحیح ہوگی، مگر یہ بھی اقبال کی شخصیت کو محدود کرنیوالی بات ہوگی۔ عالمِ انسانیت کے دیگر بلند پایہ مفکرین اور شعراء کی طرح وہ بھی پوری انسانیت کی مِلک تھے اور ان کا پیغام بھی پوری نسلِ انسانی کے لئے تھا۔

اقبال کو دنیا ایک مفکر، فلسفی، صوفی اور انقلابی شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے۔ ان کے انتقال کے بعد جو چار دھائیاں گذری ہیں ان میں ان پر اور ان کے کلام پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے جو ایک دفتر کے برابر ہے۔ مضامین اور مقالات کا تو کیا ذکر، ان پر اور ان کے کلام پر مستقل تصانیف کی تعداد بھی کافی بڑی ہے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے، اور مدتوں جاری رہے گا اور جب تک ان کا کلام باقی رہے گا اس کے مطالعہ اور اس کی بابت تحقیق کا شوق بھی باقی رہے گا اور اس تحریری و تصنیفی ذخیرے سے ان کی شخصیت اور ان کے کلام، فکر و فلسفہ کی خوبیاں سمجھنے میں امداد ملتی رہے گی۔ اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ بھی ایسے اصحاب کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جن کا مطالعۂ اقبال وسیع رہا ہے، اور جو نقد و نظر کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں ان کے ایک عام قاری یا کلامِ اقبال اور فکرِ اقبال کے ایک معمولی طالب علم کے لئے اس اہم موضوع پر کوئی نئی بات کہنا بہت مشکل ہے۔ میں اپنا شمار اقبال کے ہزارہا عام قارئین اور شیدائیوں میں کرتا ہوں اور اسی لئے جب مجھے 'قومی راج' کی اس موضوع پر کچھ لکھنے کی دعوت ملی تو کچھ تذبذب ضرور ہوا مگر پھر سوچا کہ یہ موقع انھیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کا ہے کیوں نہ ان کے متعلق اپنے تاثرات اور چند یادیں قلم بند کر دوں تاکہ جہاں ان کا گہرا مطالعہ کرنیوالے اربابِ نقد و نظر کی تحریروں سے مستفید ہوتے رہے ہیں عام قاری اپنے ہی زمرے کے ایک شیدائیِ اقبال کے تاثرات سے واقف ہو جائیں۔

اقبال کی شاعری کا آغاز و عروج موجودہ صدی کے ربعِ اوّل یا زیادہ سے زیادہ اس کے ثلث اول سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی وہ دور تھا جو میری نسل کے ہندوستانی نوجوانوں کی طالب علمی کا دور تھا اور اس خوش نصیب نسل کو جہاں برصغیر ہند کی تحریکِ وطنی اور جدوجہد آزادی کا دور دیکھنے اور ہزاروں کو اس جدوجہد میں کم یا زیادہ عملی شرکت کا اور اس دور کی بہت سی بلند و بالا شخصیتوں کو قریب سے دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا موقع ملا وہیں اسی دور کے دو عظیم المرتبت قومی شاعروں کو بھی دیکھنے اور ان کا کلام، اسی وقت جب کہ وہ منصۂ شہود پر آ رہا تھا پڑھنے کا موقع بھی نصیب ہوا۔ ان میں سے ایک ہندوستان کے مشرقی اُفق سے نمودار ہوا اور دوسرا مغربی اُفق سے۔ گرودیو ٹیگور اور اقبال، دونوں کی شاعری سے روشناس ہونے کی اور اُن کے افکار و خیالات سے متاثر ہونے کی جو سعادت اس نسل کو نصیب ہوئی وہ بھی ایک ایسا فکری اور ادبی سرمایہ تھا جسے سینے سے لگائے رکھنے پر یہ نسل بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔

ٹیگور کا کلام بنگالی، کسی قدر انگریزی اور بہت کچھ انگریزی ترجمے کی صورت میں سامنے آرہا تھا اور ملک والوں سے اور باہر کی دنیا سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر رہا تھا، ادھر اقبال اپنے اردو اور فارسی کے کلام سے اس دور کے ہندوستان خاص کر اس دور کی نوجوان نسل سے خراجِ عقیدت حاصل کر رہے تھے اور ملک کے باہر بھی ان کے قدر دانوں کی تعداد کم نہ تھی۔ مجھے یاد آتا ہے کہ جامعہ ملیہ کے قومی تعلیمی نصاب میں کالج کے طلبہ کے لیئے بی۔ اے کے واسطے انگریزی کا جو نصاب طے پایا تھا اس میں ٹیگور کی گیتا نجلی کا انگریزی ترجمہ بھی شامل تھا۔ جہاں تک اقبال کا تعلق تھا ان کے شکوہ اور جوابِ شکوہ، قومی ترانہ اور ملی ترانہ نیز ان کی طویل نظموں مثلاً تصویرِ درد، شمع و شاعر اور طلوعِ اسلام کی دھوم مچی ہوئی تھی اور نہ صرف ان کے صدہا اشعار بلکہ ان کی بعض پوری پوری نظمیں اور طویل نظموں کے بند کے بند اس دور کے طلبہ کے زبان زد ہو گئے تھے۔ جب ان کی بانگِ درا، پہلی بار شائع ہوئی اور اس کے یکے بعد دیگرے ایڈیشن نکلنے شروع ہوئے اور اس کے نسخے ہزاروں کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونے لگے تو یہ پتہ چلا کہ ان کے کلام کو کس درجے کا قبولِ عام حاصل ہے اور اس نسل پر ان کے کلام کی گرفت کتنی گہری ہے۔

اردو کے علاوہ فارسی میں ان کی اولین مثنوی 'اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی' نے فارسی دانِ ہندوستانیوں اور باہر کے فارسی دانِ طبقے پر غیر معمولی اثر ڈالا اور حقیقت یہ ہے کہ اس ایک مثنوی نے ان کا فلسفۂ زندگی، قرآن و حدیث سے ان کا انس، ان کے عشقِ رسول ﷺ اور تصوف پر ان کی عمیق نظر کو قارئین پر واضح کر دیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے پیامِ مشرق، ارمغانِ حجاز، بالِ جبریل اور آخر میں سفرِ افغانستان کے بعد ایک اور فارسی مثنوی 'مسافر' اور 'پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق' شائع ہوئیں اور ان میں سے ہر مجموعۂ کلام ان کے ہزاروں شیدائیوں اور عقیدت مندوں سے بھرپور خراجِ عقیدت حاصل کرتا گیا۔

مجھے اس بات کی دلی مسرت ہے کہ میرے مختصر سے ذاتی کتب خانے میں کلامِ اقبال کے یہ سارے مجموعے محفوظ ہیں اور بطور تعلّی نہیں بلکہ محض اظہارِ حقیقت کی خاطر یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ یہ مجموعے محض کتابوں کی الماری کی زینت نہیں ہیں بلکہ باوجود اپنی مصروف زندگی کے وقتاً فوقتاً مطالعے کے لیئے ہیں اور اس مطالعے میں ایک ذاتی غرض اور تجربہ بھی شامل ہے۔ میری زندگی کے بعض بہت سخت اور صبر آزما مرحلوں پر کلامِ اقبال کے بروقت مطالعے نے درروئے شفاء اور ایک ایسے مرہم کا کام کیا ہے جس سے بعض شدید اور گہرے زخموں کے اندمال میں بڑی مدد ملی ہے۔ اقبال کے اس احسانِ عظیم کا میں بدل ممنون ہوں اور جیتے جی ممنون رہوں گا۔

اقبال کے کلام کا وہ حصہ جس میں قرآنی تلمیحات اور احادیثِ نبوی ﷺ کے حوالوں سے کام لیا گیا ہے خاص کر ان کی مثنوی 'اسرارِ خودی و رموزِ بے خودی' تو اس پایہ کی چیز ہے کہ اسے بطور تلاوت بار بار پڑھا جا سکتا ہے اور اس میں قاری کو وہی حلاوت و شیرینی حاصل ہو سکتی ہے جو کلامِ ربانی کی تلاوت کا خاص حصہ ہے۔ میں یہ کہہ کر کسی راز کا افشا نہیں کرنا چاہتا کہ نزولِ قرآن کے ماہِ مبارک میں تلاوتِ کلام اللہ کے ساتھ اس مثنوی کے مطالعہ کو بھی بے اختیار جی چاہتا ہے اور ادھر کئی سال سے یہ معمول سا ہو گیا ہے کہ اس ماہِ سعادت میں تلاوتِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس مثنوی اور کلامِ اقبال کے کچھ اور حصوں کا بار بار مطالعہ کیا جائے۔

درحقیقت یہ جامعہ ملیہ کی طالب علمی اور اس دور میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے جو لیکچر جامعہ میں اور جامعہ کے علاوہ ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ دہلی کی شاہجہانی جامع مسجد میں سننے کا موقع ملتا رہا اس کی دین ہے۔ مولانا محمد علی علم کا ایک دریا تھے اور ان کی تقریریں ان جدید علوم کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات سے مالا مال ہوتی تھیں جو انھوں نے مغرب کی یونیورسٹیوں سے حاصل کی تھیں مگر اسی کے ساتھ وہ تقریباً قرآن مجید کی تفسیر بھی ہوا کرتی تھیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ایک بار قرول باغ دہلی میں جامعہ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی نے کہا تھا کہ جہاں تک قرآن فہمی کا تعلق ہے اس دور کے مسلمانوں پر مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال کا بڑا احسان ہے۔ ترجمان القرآن تو اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھی مگر الہلال' و 'البلاغ' کے مضامین کے ذریعے مولانا آزاد نے اپنے قارئین کو قرآن آشنا بنا دیا تھا اور اقبال نے اپنی اسی اولین مثنوی میں یہ کہہ کر کہ ؏

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد

اس حقیقت کو واشگاف کر دیا تھا کہ قرآن دین و دنیا دونوں کیلئے مستقل پیغامِ حیات ہے۔

اقبال اصلاً مفکر اور شاعر و فلسفی تھے مگر اس دور کے حالات

کی بنا، پر وقت کی سیاست سے بھی انھیں تعلق رہا اور دلچسپی بھی اور اس سلسلہ میں انھوں نے بیسویں صدی کی چوتھی دھائی کے آغاز اور خود اپنی زندگی کی آخری دھائی میں گول میز کانفرنس میں شرکت بھی کی۔ چونکہ اس زمانے میں ہوائی سفر رائج نہیں ہوا تھا اس لئے ہندوستانی زائرین مغرب کو بمبئی آکر سمندری جہاز کے ذریعہ سفرِ لندن پر روانہ ہونا پڑتا تھا۔ اسی مقصد سے اقبال بمبئی تشریف لائے اور یہاں ان کا چند روز قیام رہا۔ اس زمانے میں میرا تعلق بمبئی کرانیکل کے اسٹاف سے تھا اور اس جریدے کے نامور ایڈیٹر سید عبداللہ بریلوی مرحوم کے حکم پر میں نے اقبال مرحوم سے ملاقات کی اور ان کا ایک انٹرویو بھی حاصل کیا۔ اس صحافتی فرض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ مجھے جس بات کی زیادہ مسرت تھی وہ یہ تھی کہ اس بہانے عالمِ اسلام کی اس عظیم المرتبت شخصیت کی زیارت اور ان کی دست بوسی اور ان سے ہمکلامی کا شرف مجھے حاصل ہو سکا۔

علامہ اقبال کا اصل موضوعِ سخن اور ان کے کلام و فلسفہ کا مرکزی نکتہ اپنے قارئین کو مردِ مومن سے متعارف کرانا تھا جن لوگوں نے انھیں قریب سے دیکھا تھا اور ان کے کلام کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کو بآسانی تسلیم کریں گے کہ انھیں دیکھ کر اور ان کا کلام پڑھ کر ان کی جو تصویر ذہن میں ابھرتی ہے وہ ایک پاک باطن صوفی اور ایک مردِ فقیر کی ہے۔ مگر وہ صوفی نہیں جو کسی خانقاہ کی چہار دیواری میں بند ہو اور ھو الحق ہو کے نعرے لگاتا ہو، نہ وہ صوفی جو فقر و درویشی کے دعوے کے ساتھ اربابِ دولت کی چوکھٹوں پر جبہ سائی کرتے ہوں بلکہ وہ صوفی اور وہ مردِ فقیر جسے اکلِ حلال کی فکر دامنگیر ہو، جو زندگی کی جد و جہد سے کنارہ کش نہ ہو بلکہ اس میں پوری طرح حصہ لے کر اپنے آپ کو دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھتا ہو اور ان بلند اقدار کو اجاگر کرتا ہو جو اسلامی تصوف کی شان ہیں اور جن کی تابناکی سے دنیا منور ہو رہی ہے۔

اس سلسلے میں علامہ اقبال کے اسی سفرِ لندن کا ایک اور سبق آموز واقعہ یاد آگیا میں خود اس کا شاہدِ عینی تو نہیں تھا مگر میں نے متواتر با وثوق ذرائع سے روایتاً سنا ہے اور جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ اس سفرِ لندن میں گول میز کانفرنس کے کئی اور شرکاء بھی اقبال کے ہمسفر تھے انھیں میں ایک خوش خو اور خوش پوش نوجوان بھی تھے جن کا تعلق اس دور کے رہنمایانِ ہند کے ایک خاندان سے تھا۔ نہ معلوم کیوں ان نوجوان کو ڈاکٹر اقبال کی پوشاک پر تنقید کی سوجھی اور انھوں نے کہہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ جس سوٹ میں ملبوس ہیں اس کی سلائی غالباً لاہور کے کسی درزی کی کاوش کی رہینِ منت ہے ڈاکٹر اقبال ان نوجوان کی خوش پوشی اور ذوقِ لباس سے واقف تھے انھوں نے یہ گستاخانہ استفسار سُنکر برجستہ جواب دیا "صاحبزادے! یہ سچ ہے کہ میرا یہ سوٹ لاہور کے دہلی دروازے کے ایک معمولی درزی نے تیار کیا ہے اور ممکن ہے کہ تم جس سوٹ میں ملبوس ہو، وہ بانڈ اسٹریٹ میں سلا ہو مگر دونوں میں فرق اتنا ہے کہ میرا یہ سوٹ میری اپنی کمائی سے تیار ہوا ہے اور ممکن ہے تمھارے سوٹ پر قومی چندہ یا سرکاری الاؤنس کی رقم صرف ہوئی ہو۔"

کہتے ہیں کہ شاعری میں پیغمبرانہ شان ہوتی ہے، وہ شاعری نہیں جو عشق و عاشقی اور جام و سبو کے ذکر تک محدود ہو بلکہ وہ شاعری جو حقیقتاً الہامی شان رکھتی ہو جیسی کہ اقبال کی شاعری تھی۔ وہ شاعری جو زندگی کے حقائق پر سے پردہ اُٹھاتی ہے اور اپنی الہامی شان سے کچھ ویسا ہی تاثر پیدا کرتی ہے جیسا کلامِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس طرز کی شاعری کے نمونے رومی اور عطار اور اسی قبیل کے اور شعراء کے ہاں ملتے ہیں اور موجودہ دور میں جس کی اعلیٰ ترین مثال اقبال کی شاعری ہے۔ اسی قسم کی شاعری پر ع

شاعری جزویست از پیغمبری

والی بات صادق آتی ہے اور اسی بناء پر مولانا رومؒ کی مثنوی کے دفاتر کے صفحۂ اول پر وہ رباعی درج ہے جس میں "مثنویِ مولویِ معنوی" کو "قرآن در زبانِ پہلوی" کہا گیا ہے اور رومی کا وصف بیان کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے ع

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

میری رائے میں اقبال کے کلام پر اصل کر اس کے اس حصے پر جو زیادہ تر فارسی میں ہے اور جو سراسر قرآن اور حدیث کی تفسیر ہے یہی بات صادق آتی ہے اور رومی کی طرح، جسے اقبال اپنا مرشد مانتے تھے، ہم اقبال کو بھی پیغمبر نہ ہوتے ہوئے بھی صاحبِ کتاب کہہ سکتے ہیں۔ اسی بناء پر بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح صدیاں گذر جانے کے بعد بھی رومی کا کلام زندہ ہے اور قرآن فہمی میں مدد دے رہا ہے، اسی طرح اقبال کا کلام بھی ان کے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف



مسجد حسام الدین، محلہ کشمیریاں سیالکوٹ،
جہاں علامہ اقبال نے درس قرآن سے اپنی تعلیم
کا آغاز کیا۔

میں ایک شام (بمبئی کے ہوٹل میں) نیچے کی منزل میں بیٹھا تھا کہ پارسی پیر مرد (جو ہوٹل کا منتظم تھا) کمرے سے باہر نکلا، اس کی بغل میں شراب کی ایک بوتل تھی، جب اس نے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو چھپانے کی کوشش کی اور میں نے دور سے تاڑ کر آواز دی کہ سیٹھ صاحب ہم سے کیوں چھپاتے ہو۔ خوشی سے اس کا شوق کرو۔ ذرا مسکرایا اور کچھ پیئے ہوئے بھی تھا، بولا:۔

سراب شوک پینے سے سبھی گم دور ہو جائے

(اس نے اس مصرعہ میں شراب، شوق اور غم کی مٹی پلید کی ہے)

میں نے سنکر کہا: "واہ رے بڈھے، خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری پرانی شاخ سے بہت سے میوۂ نورس پیدا ہو کر بمبئی کھیت باڑی میں بکتا پھرے۔"

• اقبال کا خط۔ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء
بنام مولوی انشاء اللہ، اڈیٹر اخبار وطن

ہوٹل کے نیچے مسلمان دو کاندار ہیں، میں نے دیکھا ہر روز گجراتی اخبار پڑھتے تھے، میں نے ایک روز ان سے پوچھا "تم اردو پڑھ سکتے ہو؟" کہنے لگے "نہیں، سمجھ سکتے ہیں، پڑھنا نہیں جانتے۔" میں نے پوچھا "جب مولوی تمہارا نکاح پڑھاتا ہے تو کونسی زبان بولتا ہے؟" مسکرا کر بولا "اردو یہاں ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتا ہے، ہمارے ہوٹل کا سیٹھ (وہی بوتل والا پیر مرد) کبھی ہندوستان نہیں گیا مگر اردو خاصی بول لیتا تھا۔

• خط بنام مولوی انشاء اللہ

کوچ کر جانے کے صدیوں بعد بھی زندہ رہے گا، اپنے قارئین کے دلوں کو گرماتا رہے گا اور انھیں قرآن فہمی اور ان بلند پایہ اقدار کو زندہ کرنے پر ابھارتا رہے گا جنھیں اقبال زندہ کرنا چاہتے تھے اور جس کی تصویر اقبال کے مرد مومن میں ابھر کر سامنے آتی ہے۔

اقبال جیسے آفاقی شاعر صدیوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور جس زبان کو ایسے شاعر نصیب ہوں وہ اپنی خوش بختی پر بجا طور پر ناز کر سکتی ہے۔ فارسی کے ساتھ ساتھ ہماری اپنی زبان اردو کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں اقبال کے پائے کا شاعر پیدا ہوا اور جس نے گیسوئے اردو کو جو اس وقت منت پذیر شانہ تھے اپنی کاوشوں سے سنوارا اور اس شمع کو جو دلسوزی پروانہ کی سودائی تھی وہ دلسوزی بھی بھرپور مقدار میں عطا کی۔

اقبال

جوشیلے، جذباتی اور پکّے مُسلمان!

شمس کنول

۴۴۸۸/۱۴۸ - کنمّور نگر ۱، وِکرولی (ایسٹ) بمبئی نمبر ۸۳

جامعہ ملیہ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے علامہ اقبال کو لکھا کہ "ہمارے طالب علموں نے آپ کی 'اسرارِ خودی' سے دلچسپی ضرور لی ہے مگر وہ اسے پورے طور پر سمجھ نہیں پائے۔ اب جب بھی آپ کا دلی آنا ہو تو جامعہ آنے کی زحمت فرمائیں اور اپنی یہ نظم ہمارے طالب علموں کو پڑھائیں، نوازش ہوگی!"

اقبال نے جواب میں لکھا کہ "شاعر جس کیفیت کے تحت شعر کہتا ہے، شعر کہنے کے بعد اپنی اس کیفیت کو وہ بیان نہیں کرسکتا۔ شعر کیفیت ہی کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کے طالب علموں کو 'اسرارِ خودی' پڑھانا میرے لئے مناسب نہیں ہوگا!" یقیناً شاعری کی زبان میں ابہام اور تاویل کی بڑی گنجائش ہے یعنی شاعری میں دل کا مدعا استعارے میں اکثر چھپ جاتا ہے۔ اسی لئے اقبال کو اگر سمجھنا ہے تو ان کے شعروں سے نہیں بلکہ ان کی نثر سے اُن کو سمجھا جا سکتا ہے چنانچہ ان کے خطوط میں اور ان کی ڈائری کے ذریعہ ان کی نیت کا بے تکلف اظہار ہوا ہے۔

اقبال کی ڈائری انگریزی زبان میں Stray Reflections (پریشان خیالات) کے نام سے ۱۹۶۱ء میں لاہور سے شائع ہوئی تھی!

اقبال کی اس ڈائری کا ایک ورق ہے کہ:

"تمام قومیں ہم پر متعصب ہونے کا الزام لگاتی ہیں۔ میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں بلکہ آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ ہمارا متعصب ہونا درست ہے۔ مذہب کے لئے تعصب حبِ وطنی جیسی بات ہے جبکہ حبِ وطنی ملک کے لئے تعصب بن جاتی ہے!"

اسی ڈائری کا ایک اور ورق ہے کہ:

"اورنگ زیب نے پچھلے مسلم خاندانوں کی تاریخ سے یہ سبق لیا تھا کہ ہندوستان میں اسلام کی قوت کا انحصار ہندوستان کے رہنے والوں کی خیرسگالی پر نہیں بلکہ حاکم قوم کی طاقت پر ہے لہذا اورنگ زیب کو ہندوستان میں مُسلمان قومیت کی بنیاد ڈالنے والا سمجھنا چاہیئے!"

رئیس احمد جعفری ندوی نے بھی اپنی تصنیف 'اقبال اور سیاستِ ملّی' میں ایک جگہ اقبال کی کہی ہوئی اس بات کو دوہرایا ہے کہ "ہماری (مسلمانوں کی) تعداد سات کروڑ ہے اور ہم ہندوستان کے دوسرے باشندوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ یک رنگ قوم ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں کوئی قوم بستی ہے تو وہ صرف مسلمان ہی ہے!"

اقبال ہندوستان میں دو قومی نظریے کے اس حد تک سختی سے حامی تھے کہ ایک بار جب مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی ایک سیاسی تقریر میں یہ کہا کہ "ہندوستان ہندی مسلمانوں کا قومی وطن ہے!" تو اقبال مشتعل ہو گئے اور انھوں نے اس کا جواب اپنی ایک نظم میں بڑی حقارت سے دیا۔ اقبال اس بات پر مصر تھے کہ مُسلمان کسی قومیت کے پابند نہیں ہیں۔ ان کی قومیت اسلام ہے۔ اس کے بعد اقبال اور مولانا مدنی میں قومیت کے موضوع پر نجی اور اخباری خط و کتابت بھی ہوئی۔ اس موضوع سے متعلق دونوں کے یہ خطوط بعد میں ایک کتابچے کی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ دراصل اقبال کا بخشا ہوا دو قومی نظریے کا یہی وہ جذبہ تھا جو ہندوستان کے مسلمانوں کی رگ رگ میں اس حد تک رچ بس گیا کہ وہ پھر مطالبۂ پاکستان کی صورت میں اُبھر کر سب کے سامنے آیا۔

یوسف سلیم چشتی نے اقبال کی شرح لکھی ہے۔ اس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ "اقبال نے مجھ سے خود ایک مرتبہ کہا تھا کہ انسان اور مسلم

ہم معنی لفظ ہیں، جو مسلمان نہیں وہ انسان ہی نہیں یعنی انسانیت کے مقام کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لئے میرا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام اور حیات ہم معنی لفظ ہیں جو شخص اسلام سے دور ہے وہ گویا زندگی سے دور ہے!" اقبال کی کہی ہوئی روشنی میں ان کا مشہور قومی ترانہ ؂

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

بھی دراصل ایک مسلم ترانہ ہے۔

اقبال نے ہلال کو بھی اپنے مطلب کی چیز جان کر یہ کہہ دیا کہ ع

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا!

اقبال نے اپنے مخصوص مزاج کی بنا پر فاختہ، کوئل یا پپیہے سے محبت نہیں کی بلکہ ان کے پسندیدہ پرندے شاہین، عقاب اور شہباز ہیں ۔ جانوروں میں انھیں چیتا پسند ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ؂

جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

بہت ہی لذت محسوس کرتے ہیں۔ اقبال کی پیش کی ہوئی پرندوں اور جانوروں کی علامتوں میں بھی جہاد کا سا انداز پایا جاتا ہے۔

اقبال شاعر تھے، سیاست داں نہیں تھے مگر جب انھوں نے سیاست میں دلچسپی لی تو اپنی سیاست کو بھی مذہب ہی کا جامہ پہنا کر پیش کیا۔ اس سلسلہ میں محمد عزیز احمد اور مجنوں گورکھپوری کی یہ رائے ہے کہ "اقبال مسلم ہندوستان کا دماغ اور جناح اس کا دل ہے!" چنانچہ اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس میں (دسمبر ۱۹۳۰ء میں) خطبۂ صدارت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"میری تمنا ہے کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک سلطنت کے قیام کی کوشش کی جائے۔ حکومت خود اختیاری خواہ سلطنت برطانیہ کے اندر رہ کر ملے یا اس کے باہر۔ ہندی مسلمانوں کے لئے مذکورہ بالا متحدہ سلطنت کی تعمیر مسلمانوں کا مقصد اعلیٰ ہونا چاہیے!"

دراصل اس موقع پر اقبال نے اسلام کو ایک سیاسی نعرے کے طور پر استعمال کیا تھا۔

اقبال قطعی طور پر اسلامی شاعر تھے۔ ان کا سینہ جذبۂ اسلامی سے معمور تھا۔ وہ آفاقی شاعر بھی اسی معنی میں ہیں کہ انھوں نے اسلام اور مسلمان کے متعلق جو کچھ سوچا اور کہا وہ سب کچھ عالمی سطح ہی پر۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں کہ "میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل مطمئن ہے۔ یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کر لے۔ حال ہی ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ فرانسیسی خوب بولتا تھا مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے!"

آج کے پکے مسلمان کی بھی یہی پہچان ہے کہ اس کی طبیعت کا میلان جدید کی جانب نہیں بلکہ قدیم کی طرف ہو اور وہ اپنی ترقی دینی تعلیم ہی میں مضمر سمجھے اور یہ بھی کہ وہ سرمایہ داری کے حق میں ہو۔ چنانچہ اقبال بھی اپنے دو خطوں میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں کہ:

"دنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے، جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے، تہذیب و تمدن بالخصوص یورپ میں حالتِ نزع میں ہے!"

دوسرے خط میں اقبال نے اپنے سلسلے میں جدید پر قدیم کو ترجیح دی ہے:

"میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک کے عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے معنوی استیلا (غلبہ) کا اندیشہ ہے جس کا سدِ باب ضروری ہے۔ مجھ ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں، کیا عجب کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ندوہ علی گڑھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو!"

اقبال محض ایک عام مسلمان یا مسلمان شاعر ہی نہیں تھے بلکہ وہ اسلام کے مبلغ بھی تھے۔ وہ اپنے ایک اور خط میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں کہ "میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے اگر

ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے جیسا کہ آجکل قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے!"

اقبال کے اسلامی نظریات محض زبانی یا خط و کتابت ہی کی حد تک نہ تھے بلکہ انھوں نے عملی طور پر ایک علمی اور اسلامی مرکز (دارالاسلام کے نام سے) پٹھان کوٹ میں قائم کیا تھا جس کے لئے اقبال کے ایک دوست چودھری نیاز علی خاں نے زمین کا ایک قطعہ بھی نذر کیا تھا۔

دراصل اقبال کو صرف ہندوستانی مسلمانوں ہی کی فلاح و بہبودی مقصود نہیں تھی بلکہ ان کا روئے سخن دنیا کے سارے مسلمانوں کی طرف تھا، وہ چاہتے تھے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بہ خاک کاشغر!

ان کا دل طرابلس کے شہیدوں، مسجد قرطبہ، ترکی، مسلم حکومتوں کے زوال، تثلیث کے مقابلے میں توحید کی پسپائی، مسلم معاشرے میں علمی ادارں کی کمی اور مسلمانوں میں دینی شعور کے فقدان کو دیکھ دیکھ کر تڑپتا تھا۔ اُن کی شاعری اسلامی تاریخ کا پورے طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ اسی شاعری کو دنیا کے مسلمانوں کے مقصد میں اس حد تک استعمال کرتے تھے کہ مسلم جلسوں اور کانفرنسوں میں وہ اپنے شعر النہ نیلام کراتے تھے اور نیلام سے جو رقم حاصل ہوتی اس کو مسلمانوں کے کسی فنڈ (جیسے بلقان فنڈ) میں دیدیتے تھے۔

اقبال کی ذات اور ان کے نظریئے میں ترقی پسندی یا جدیدیت بالکل نہ تھی۔ وہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت رکھتے تھے اور پیر مہر علی شاہ کے نیازمندوں میں سے تھے۔

آج کا یہ ترقی پسند خیال ہے کہ سیاست میں مذہب کی آمیزش کوئی صحت مند بات نہیں ہے۔ جن ملکوں میں سیاست کو مذہب سے الگ رکھا گیا ہے ان کی حکومتیں نسبتاً زیادہ عوامی ہیں اور ان ملکوں کے عوام میں مساوات بھی زیادہ ہے۔ ایسے ملکوں میں انسان دوستی کی فضا زیادہ ہے جیسے سوشلسٹ ممالک۔ اس کے برخلاف امریکہ آج کی دنیا میں عیسوی مذہب کا سب سے بڑا مبلغ ہے۔ دنیا میں جتنے بھی چرچ قائم ہیں اور عیسوی مشن جاری ہیں ان میں سے زیادہ تا تر (؟) امریکہ ...

ہی برداشت کرتا ہے مگر اس نے اپنی اس خدا پرستی کے باوجود انسان دشمنی کا جو عملی ثبوت دیا ہے وہ مہر و شیما سے ویٹنام تک تاریخ بن چکا ہے۔

لیکن اقبال نے ہمیشہ ساری خرابیوں کی جڑ لادینی سیاست ہی کو سمجھا جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

نہیں کہ اقبال ہی نے دنیا میں پہلی بار مذہب کی اساس پر اپنی شاعری کی بنیاد رکھی۔ ملٹن کی شاعری کے بیک گراؤنڈ میں عیسائیت موجود ہے۔ بلیک کی نظم 'دارالسلام' سے بھی بائیبل سے واقفیت پیدا کئے بغیر لطف اندوز نہیں ہوا جا سکتا۔ اسی طرح ایلیٹ کے یہاں بھی زیادہ تر تلمیحات، محاکات اور شعری کردار براہ راست انجیل سے لئے گئے ہیں۔ اردو کے انیس اور دبیر جیسے نامور شاعروں کے کلام میں مذہب پورے طور پر ملحوظ ہے۔ اُن کے کردار تاریخ اسلام سے تعلق رکھتے ہیں اور ساری تلمیحات بھی اسلامی ہیں مگر انگریزی اور اردو کے ان شاعروں نے اپنے کبھی بندیا شعر سے اپنے مذہبی عقیدہ کا نہ پروپیگنڈا کیا ہے اور نہ اپنے مذہب کی تبلیغ کی ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم اردو زبان کے شاید ہی کسی مشہور شاعر کا کلام مذہب کے عناصر سے اتنا رچا بسا ہو جتنا کہ اقبال کا کلام ہے۔ اقبال کا زیادہ تر کلام مقصد، پیغام اور اسلامی تعلیم کا حامل ہے اور یہاں تک کہ اکثر جگہ مقصد کے غالب آجانے کی بنا پر شعریت کم ہوگئی ہے۔

اقبال بہت ہی جذباتی اور جوشیلے مسلمان تھے مگر ان کا جوش و جذبہ اپنے عقیدے کے سلسلے میں مکمل طور پر مخلص ہونے کی دلیل تھا۔ ان کو حافظ شیرازی محض اس لئے پسند نہیں تھے کہ ان کے خیال میں حافظ نے اپنے اس شعر سے

شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی
چرا بگردن حافظ نمی نہی رسنے!

میں ... نہیں رکھا ان کے ... نے اپنے معشوق کے ... اپنے آپ کو کتا ثابت کر دیا ہے اس بنیاد پر اقبال نے اپنی مثنوی 'اسرارِ خودی' میں حافظ پر سخت تنقید کی۔ ان کے احباب نے اس مثنوی کو بہت پسند کیا، مگر حافظ پر جو تنقید کی گئی تھی اس پر اپنی ناگواری کا بھی اظہار کیا۔ اقبال نے جواب دیا کہ مجھ کو حافظ کا اپنی خودی کو اس طرح ملیامیٹ کر دینا پسند نہیں آیا۔ تب اقبال کے ایک دوست نے انھیں سمجھایا کہ حافظ کا وہ شعر مجازی

نہیں ہے بلکہ معرفت کا شعر ہے اور اُس شعر کا مطلب ہے کہ "اے خدا! میں نے سُنا ہے کہ تو فسّاق اور فجار کو بھی اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے۔ حافظ بھی تو فاسق اور فاجر ہے اُسے کیوں اپنی آغوش میں نہیں لے لیتا!" چنانچہ اقبال نے اپنی ناسمجھی کا اعتراف کرتے ہوئے حافظ سے متعلق اپنے تنقیدی اشعار کو اُس مثنوی میں سے نکال دیا۔

اِسی طرح ایک غلط فہمی کے نتیجے میں مسٹر جناح اور مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق اقبال نے ایک ایک قطعہ کہہ ڈالا۔ بعد میں جب انھیں ان کی غلط فہمی کی طرف توجہ دلائی گئی تو وہ افسردہ ہوئے اور فرمایا کہ "واقعی میں نے جوش میں آکر چند تنقیدی اشعار لکھ دیئے تھے!"

اقبال نے مولانا مدنی کی مذمت میں جو قطعہ کہا تھا اس کے جواب میں اقبال سہیل نے ایک نہایت سخت غزل لکھی اور شائع کرادی جس پر اقبال نے 'مدینہ' (بجنور) کی اشاعت ۵ مارچ ۱۹۳۸ء میں معافی چاہ لی!

دراصل اسلام سے اقبال کو اُس حد تک لگاؤ تھا کہ وہ اپنی آخری عمر میں قرآن مجید اور مثنوی مولانا روم کے سوا ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ ترک کر چکے تھے۔ اپنے ایک خط میں وہ حکیم محمد حسین عرشی کو لکھتے ہیں کہ

"آپ اسلام اور اس کے حقائق کے لذت آشنا ہیں، مثنوی رُومی کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمیٔ شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہیئے! شوق خود مُرشد ہے۔ میں ایک مدت سے مطالعۂ کتب ترک کر چکا ہوں اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رُومی!"

اقبال کے خطوط، اقبال کی ڈائری اور اقبال کے دوست احباب اس امر کے گواہ ہیں کہ اقبال تمام زندگی اسلام کے عشق میں سرشار رہے۔ پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اقبال اشتراکی تھے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ اقبال کا کہنا تھا کہ:

"اسلام سے خدا کو نکال لیا جائے تو بالشویزم رہ جاتا ہے اور بالشویزم میں خدا کو اگر شامل کر دیا جائے تو وہ اسلام بنجائیگا!"

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ نہ تو اسلام خدا کے بغیر بالشویزم رہ جاتا ہے اور نہ بالشویزم میں خدا کی شمولیت سے اسلام ظہور میں آتا ہے، دوسرے یہ کہ اسلام اور کمیونزم میں صرف خدا ہی کا نہیں بلکہ اقتصادی نظریئے کا بھی بہت بڑا فرق ہے۔ اسلام اگرچہ حق مساوات تسلیم کرتا ہے مگر مقدارِ مساوات نہیں۔ اسلام میں اُونچ نیچ کا کوئی اعلانیہ طبقہ نہ سہی مگر اسلام نے امیروں اور غریبوں کے طبقوں کو واضح طور پر مانا ہے۔ قرآن میں خدا کہتا ہے کہ "ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی!" اقبال کو اگر واقعی اسلام اور کمیونزم میں (خدا کے سوا) یکسانیت نظر آئی تو یہ کہنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی کہ وہ اسلام کو نہیں سمجھے تھے مگر یہ ضرور کہا جائے گا کہ وہ کمیونزم کو نہیں سمجھ پائے تھے۔

اس سلسلے میں حقیقت یہ بھی ہے کہ اقبال کی ذات متضاد خیالات و نظریات کی حامل تھی۔ اس لئے اُن کے اکثر اشعار سے مختلف معنی لے لئے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن کے سارے کلام میں چند اشعار ایسے بھی ہوں جن سے کمیونزم کی جانب ان کے رُجحان کا شبہ ہوتا ہو۔ ویسے وہ غلام السیدین کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

"سوشلزم کے معترف ہر جگہ رُوحانیت اور مذہب کے مخالف ہیں اور اس کو افیون تصوّر کرتے ہیں۔ لفظ افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ میں مسلمان ہوں اور انشاءاللہ مسلمان مرونگا۔ میرے نزدیک تاریخِ انسانی کی مادّی تعبیر سراسر غلط ہے۔ رُوحانیت کا میں قائل ہوں مگر رُوحانیت کے قرآنی مفہوم کا، جس کی تشریح میں نے ان تحریروں میں جا بجا کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی۔ جو روحانیت میرے نزدیک مغضوب ہے یعنی افیونی خواص رکھتی ہے، اس کی تردید میں نے جا بجا کی ہے۔ باقی رہا سوشلزم سو اسلام خود ایک طرح کا سوشلزم ہے جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اُٹھایا ہے!"

یہی نہیں بلکہ ایک بار اقبال نے لاہور کے روزنامہ 'انقلاب' کے ایڈیٹر کے نام ایک خط میں یہ واضح کر دیا تھا کہ:

"میرے نزدیک بالشویزم خیالات رکھنا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے برابر ہے!"

اگرچہ اقبال ابتدا میں کمیونزم کے بانی کارل مارکس اور فاشزم کے ہیرو مسولینی کے مدّاح ضرور تھے مگر یہ سب کچھ اس بنا پر تھا کہ وہ ابتداء میں یہ سمجھ نہیں پائے تھے کہ کارل مارکس اور مسولینی کے نظریات اور اسلامی نظریات میں کتنا بُعد ہے۔ چنانچہ بالشویزم سے متعلق

اقبال کا وہ رُجحان تھوڑے ہی دن تک برقرار رہا۔ بعد میں وہ خود اپنے سابقہ رُجحان کو اپنے لئے منفی رُجحان سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ ان کا یہ شعر اسلام کے معاشی نظام کا پورے طور پر ترجمان ہے ؎

جو حرف قُلِ العَفوَ میں پوشیدہ ہے ابتک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

'جاوید نامہ' جو اقبال کی ایک طویل اور مشہور نظم ہے اس میں اقبال نے مہاتما بدھ، زرتشت، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کی علامتوں سے تہذیب کے ارتقا کو پیش کیا ہے۔ وہ اپنی نظم میں یہ بات واضح کرتے ہیں کہ اسلام ہی وہ آخری تہذیب ہے جو پچھلی تمام تہذیبوں سے افضل و اعلیٰ ہے، یعنی اقبال کا یہ نظریہ ہے کہ اسلامی تہذیب ہی وہ چیز ہے جو اپنے مذہب کے ذریعہ انسانیت کی حقیقی راہنمائی کر سکتی ہے۔ اس نظم کے کوئی دوسرے معنیٰ پیدا کرنا درست نہیں ہوگا۔ اقبال کے کلام میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر خواہ کتنے ہی ایسے عناصر نکال لئے جائیں کہ جن کو ہندوستانی یا قومی کہہ دیا جائے مگر واقعہ یہ ہے کہ اقبال کی شاعری کا اصل محور اسلامی نظریہ ہی ہے!

دراصل ایک مدت سے اس دنیا میں دو نظریئے دائم و قائم ہیں۔ پہلا یہ کہ 'یہ ہے اور وہ بھی' دوسرا 'بس یہی یہ ہے!' پہلا نظریہ اپنانے والوں میں مثال کے طور پر مصر کے سابق صدر جمال ناصر کا نام لیا جا سکتا ہے ان کا کہنا تھا کہ "قرآن میں بہت کچھ ہے مگر قرآن کے باہر بھی کچھ اور ہے!" مگر دوسرے نظریئے کے حامیوں میں اقبال قابل ذکر ہیں ان کا یہ راسخ عقیدہ تھا کہ "سب کچھ قرآن ہی میں موجود ہے باہر کچھ بھی نہیں!"

پاکستان کے عوام و خواص اور حکمراں طبقہ بھی اقبال کو سولہ آنے اپنا ہی شاعر مانتے ہیں وہ ایسا ماننے میں حق بجانب بھی ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان دو قومی نظریئے ہی کی بنیاد پر وجود میں آیا ہے اور اقبال، جناح سے بھی بہت پہلے دو قومی نظریئے کے علمبردار بن چکے تھے چنانچہ انگلستان کے ایک فاضل پروفیسر آربری کا کہنا ہے کہ "اگر پاکستان سے اقبال کو حذف کر دیں تو پاکستان کی حیثیت ایک صحرا کی سی ہو جاتی ہے پاکستان کے فکر و نظر کی معراج اقبال ہے!" آغا شورش کاشمیری نے تو ایک بار بہت ہی غضبناک ہو کر کہا تھا کہ "اس سے بڑھ کر اقبال کے خلاف ہذیان گوئی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ یورپ کے فلاں فلاں حکماء سے متاثر تھا۔ وہ اشتراکیت کا حامی ہو گیا تھا اور مغرب پر اس کی تنقید جذبات کا اُبال ہے!" اقبال چونکہ نظریہ پاکستان کے خالق تھے اس لئے اُن کے یوم پیدائش پر کل پاکستان میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ پاکستان کے سابق حکمراں ہی اقبال کا احترام کرتے تھے بلکہ آج کے جنرل ضیاء الحق نے حال ہی میں (۷ دسمبر، ۱۹۷۷ء) اقبال صدی سے متعلق لاہور کے ایک جلسہ میں کہا ہے کہ "اقبال نے پاکستان کا فارمولا پیش کر کے مسلمانوں کو اپنے ماضی کی عزت واپس لانے میں مدد دی ہے!"

چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی آئندہ نسل کے سامنے اقبال کو وہی بنا کر پیش کریں جو دراصل وہ تھے۔ جو وہ تھے اس سے مختلف ثابت کرنا جہاں تاریخی بددیانتی ہوگی وہاں ہم اپنی آئندہ نسل کے سامنے غیر مخلص بھی ثابت ہوں گے۔ مولانا سید سلیمان ندوی جیسی اسلام شناس اور ذمہ دار ہستی نے اُن کے انتقال پر اُن کو 'فخرِ اسلام'، 'عارف فلسفی'، 'عاشقِ رسولؐ' اور 'فلسفۂ اسلام کا ترجمان' قرار دیا ہے۔ انھوں نے اقبال کو سوشلسٹ یا اشتراکی کبھی نہیں کہا۔

ان حقائق کے قطع نظر دلّی اور یوپی کے اکثر بڑے ادباء اور شعراء نے اقبال کو کبھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ فانی بدایونی تو اقبال کو شاعر ہی نہیں مانتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ "اقبال شاعر نہیں ناظم ہیں، اسلامی احکام کو نظم کرنیوالے!" مرزا یاس یگانہ چنگیزی تو اقبال کے شدید مخالف تھے۔ وہ اقبال کے متعلق کہا کرتے تھے کہ "شاعر ہونا اس کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ فطرت نے اس کو سچا شاعرانہ شعور بخشا ہی نہ تھا۔ البتہ موزونیٔ طبع، مشقِ سخن اور علمی استعداد نے مِل جُل کر اُسے شاعر نما ضرور بنا دیا تھا۔" ؎

اقبال سر تو بن گیا شاعر نہ بن سکا
آخر کو مر گیا اس فکرِ محال میں

•

کم سے کم شاعر نما تو ڈاکٹر ہو جائے گا
پاؤں پر انگریز کے جھکتے ہی سر ہو جائیگا

•

اِک آرزوئے خام ہے یا فکرِ محال
ستلج سے نیل تک حکومت کا خیال

•

اسٹیج کا شاعر ہے نہ چورا ہے کا
لیتا ہے قلم سے کام چرواہے کا

میں بھی وہی کہتا ہوں جو تم کہتے ہو
'اِکبال اِکبال ہے' مگر کا ہے کا

اقبال کے خیالات و نظریات سے تو اختلاف ہو سکتا ہے مگر اس کے شاعر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اقبال کو شاعر ہی نہ ماننا فانی اور یگانہ کی زیادتی ہے۔ دراصل اقبال کے سلسلے میں اتنی شدید مخالفت کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک فن کار کو دوسرے فن کار سے جو رقابت ہوتی ہے وہ دلی اور یوپی کے شعراء کو بھی اقبال سے تھی۔ اقبال دشمنی میں قدرے صوبائی تعصب بھی کام کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ناپسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اقبال نے مروجہ رومانیت کو رد کر کے مذہب کو اپنا موضوع بنایا اور مذہب کے موضوع کو بھی صرف اسلام ہی تک محدود ہو کر رکھا۔ (نہ صرف اسلام بلکہ ہر مذہب رسوم و قیود سے عبارت ہے) نتیجے میں غیر مسلم اردو شعراء (اور یگانہ جیسے آزاد طبع مسلمان) کے لئے اقبال کے کلام (جو اسلام کا پیغام ہی پیغام تھا) میں کوئی چارم نہیں رہا۔ اُن کے لئے اقبال کی شاعری قطعی طور پر ایک مسلمان کی اسلامی شاعری تھی! اور پھر اقبال کا تلفظ بھی درست نہیں تھا، اُردو، فارسی اور حد یہ کہ وہ انگریزی الفاظ کا بھی تلفظ غلط کرتے تھے، ان کا لب و لہجہ قطعی طور پر پنجابی تھا۔ اسی لئے علامہ نیاز فتحپوری نے بھی اقبال کی گفتگو کو پنجابی قرار دیا ہے۔ اس سلسلے کی آخری بات یہ کہ چونکہ اقبال کی مادری زبان پنجابی تھی اور اُردو زبان کے سلسلے میں وہ صاحبِ زبان نہیں صاحبِ لغت تھے اس لئے اُن سے اپنے اشعار میں اُردو زبان کے روزمرّہ اور محاوروں کے استعمال میں اکثر سہو ہو جاتا تھا جیسے ؎

ضمیرِ لالہ مئے لعل سے ہوا لبریز
اشارہ پاتے ہی زاہد نے توڑ دی پرہیز

اقبال نے 'پرہیز' کو مؤنث سمجھا ہے جب کہ 'پرہیز' مذکر ہے۔

؎ اِسی خطا سے عتابِ مُلوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مآلِ سکندری کیا ہے

'اِسی خطا سے' نہیں بلکہ 'اِسی خطا پہ' ہونا چاہیئے۔

اقبال چونکہ اپنے عقیدے میں شدّت سے کام لیتے تھے اس لئے یہاں بھی اُن سے بھول ہوئی۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مزار سے متعلق فرماتے ہیں کہ ؎

تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دِل کی ؛ مسیحؑ و خضرؑ سے اونچا مقام ہے تیرا

خضر پیغمبر تھے یا نہیں، یہ تو نہیں معلوم، لیکن حضرت عیسیٰؑ کے پیغمبر ہونے میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کوئی ولی خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اُس کو کسی بھی پیغمبر پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

اقبال کا ایک اور مشہور شعر ہے ؎

اے ارضِ پاک، تیری حُرمت پہ کٹ مرے ہم
ہے خُوں تیری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

'کٹ مرنا' بے مقصد اور رائیگاں جانیوالی موت کو کہتے ہیں یا 'کٹ مرنا' کتے کی موت مرنے کو کہتے ہیں جب کہ یہاں اقبال کہنا چاہتے ہیں 'قربان ہوئے': 'محبت و عقیدت میں فدا ہوئے' یا 'جان نثار کر بیٹھے'! اس لئے یہاں 'کٹ مرنا' نہیں بلکہ 'مر مٹنا' آنا چاہیئے تھا!

غرضیکہ اقبال کی ایسی ہی بھول اور غلطیوں پر اُردو زبان کے اکثر اساتذہ ناک بھوں چڑھایا کرتے تھے۔

اقبال کی شاعرانہ شخصیت کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگرچہ اُن کی شاعری کا کینوس بہت ہی چھوٹا تھا اور وہ ساری زندگی مذہب ہی کے دائرے میں گھومتے رہے مگر ان کو اُردو دنیا میں خوب خوب شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ غالب کے بعد اقبال اُردو دنیا کے سب سے بڑے شاعر تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ دراصل ایشیا کے لوگوں کو ان کے مخصوص مزاج کی بنا پر محبت اور مذہب کے موضوع کی جانب بہت ہی آسانی سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ تماشے کی دنیا ہو یا فن کا بازار، محبت اور مذہب کے نام پر شہرت بھی ملتی ہے اور دولت بھی۔ حفیظ جالندھری نے ع

ابھی تو میں جواں ہوں!

جیسے رومانی کلام سے شہرت پائی اور 'شاہنامہ اسلام' لکھ کر ان کو عزت بھی ملی اور دولت بھی۔ آج حفیظ سرکاری سطح پر پاکستان کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ اقبال نے بھی مذہب کے موضوع پر اتنی شدّت اور تندہی سے طبع آزمائی کی اور اسلامی روایات و تلمیحات کا اس حد تک احاطہ کیا کہ سلیمان ندوی نے ان کو اسلامی دنیا کا ہیرو قرار دے دیا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اقبال جیسے ذہین انسان نے مروجہ مذہبی روایات ہی کو کیوں اپنایا؟

اس سلسلہ میں اقبال ہی موردِ الزام نہیں ہیں بلکہ اقبال کے عقیدت مند بھی قصوروار رہیں۔ بقول ایک مصنف "حقیقت یہ ہے کہ 'تقلید میں بڑی سہولت ہے'" (باقی صہ 80 پر ملاحظہ فرمائیے)

زاہدِ تنگ نظر نے مُجھے کافر جانا

حلس جعفری

ٹینی سن نے کہا تھا کہ 'جس شاعری سے ملّت کا دل قوی ہو' اور اس کی ہمتیں بلند ہوں' اس کو اعلیٰ درجے کے "اعمالِ حسنہ" میں شمار کرنا چاہیئے بلا شبہ اقبال کی شاعری اسی درجہ کی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اقبال نے شاعری سے جو کام لیا ہے اس کی نظیر اُردو شاعری کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

اقبال کو حکیم الامّت، ترجمانِ حقیقت، خودی کا پیغامبر، بیخودی کا رمز شناس اور محی الملّت کہا گیا ہے، لیکن یہ سمجھنا یا دعویٰ کرنا کہ اقبال کسی ایک مخصوص فکر یا فرقے کے شاعر تھے، اقبال کے ساتھ سخت ناانصافی ہوگی۔

اس صدی کے اوائل تک قوم و ملّت میں بیداری کی رُوح پھونکنے کا جو کام ادر فریضہ حالی نے انجام دیا تھا (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور ہندوستانی راج کی شکست و ریخت کے بعد) اُسے اقبال نے انقلاب آفریں بنا دیا' قوم خُفتہ کو بیدار کرنے کی مہم گویا قدرت نے اقبال ہی کے ذمّے کی تھی۔

اقبال انقلاب پسند بھی ہیں اور انقلاب کے نقیب بھی۔ وہ یورپ کے صنعتی انقلاب اور انقلابِ فرانس کو تاریخ کا ایک اہم موڑ قرار دیتے ہیں وہ روس کے اشتراکی انقلاب کو ارتقائے انسانی کے لئے ایک لازمی اقدام قرار دیتے ہیں کیونکہ اس نے قدیم استبداد کا خاتمہ کیا لیکن روحانیت سے معرا ہونے کی وجہ سے انھیں یہ انقلابات ادھورے معلوم ہوتے ہیں

اقبال' مشرق و مغرب کے بہترین اور ارفع و اعلیٰ افکار کے وارث ہیں۔ وہ آزادانہ اور محققانہ نظر رکھتے ہیں، اور اندھا دُھند کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ہر چیز کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں۔ آزادانہ تحقیق و تنقید کے حق میں' رائے دیتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ کوئی نبی بھی پُرانی لکیروں کا فقیر رہ کر پیغمبر نہیں ہو سکتا تھا۔

اُردو شاعری کو نیا رنگ و آہنگ اقبال ہی کی دین ہے۔ اُن کے کلام میں بے پناہ گہرائی، وسعت اور بلند پروازی ہے اور بہت سے لوگ تو بڑی عقیدت سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کلامِ اقبال کو ایک طرح کا مذہبی صحیفہ قرار دیا ہے۔ بہرحال اقبال کا اندازِ بیان نرالا اور انوکھا ہے۔ اور یہ نرالا پن' جو دل و دماغ کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ نہ صرف ہر موضوع کے ساتھ بلکہ آخر تک قائم رہا ہے۔

اُردو شاعری میں شیخ یا محتسب (اقبال کی شاعری کا مُلّا اور صوفی) کا کردار بڑا معتوب رہا ہے اور شعرائے اُردو نے معاملاتِ دل اور حسن و عشق اور نا و نوش میں اسے 'مداخلت کار' قرار دیکر ہمیشہ اُس کے اعلاناتِ پارسائی اور اس کے خود ساختہ مذہبی اہمیت کی ہنسی اڑائی ہے اور اسے بُرا بھلا کہا ہے۔ اقبال بھی مُلّا و صوفی سے بیزار ہے لیکن اُس کے اظہار میں اقبال کا انداز بالکل مختلف اور نرالا ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں اقبال کی شاعری کے اسی پہلو کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سے قوم و ملّت کے لئے ان کی درد مندی بھی جھلکتی پڑتی ہے۔

اقبال اور شاعروں کی طرح ملا کا مذاق نہیں اُڑاتے نہ اس کی ہجو کرتے ہیں اور نہ طریفانہ انداز اختیار کرتے ہیں بلکہ اُن کے بیان میں درد و رنج ہے۔ دراصل وہ ملا کو اہلِ دل' اور اہلِ علم دیکھنا چاہتے تھے، لیکن یہاں یہ ... ہے کہ اس کی تعلیم محدود، کم علمی اور مفلسی کی وجہ سے سماج میں اسکی کوئی حیثیت اور درجہ نہیں۔ اور جب یہ حال ہو جاتا ہے کہ اچھے گھرانوں کے لوگ اپنی اولاد کو ملائیوں بنائیں۔ اقبال کے زمانے میں جو صورتِ حال تھی' آج بھی وہی ہے' کم و بیش۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ مُلّا کو تو اقبال قوم کی امامت پر فائز دیکھنا چاہتے تھے لیکن وہ بے چارہ تو بس دو رکعت کا امام بن کر رہ گیا۔

ادھر پیری (پیری مُریدی!) کا سلسلہ جس طرح بگڑ کر سجادہ نشینی کی شکل اختیار کر گیا تھا اور جس طرح جہالت میں مبتلا اور دین سے بے خبر عوام غلامی پر رضامند' نظر آتے تھے اور جس طرح ملا و صوفی نے تنگ نظری کی بنا پر اپنے گروہ قائم کر کے ایک دوسرے کا بائیکاٹ کر دیا اس نے بعض اوقات اقبال کو اس قدر مایوس کیا کہ وہ اس ملّت کو

"جہاں کے دوش پر بار" قرار دیکر خود اسی کو اس جہاں سے اُٹھا لینے کی دعا کرتے نظر آتے ہیں۔ ملا و صوفی سے بیزار ہو کر وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ع۔

خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن!

اور جن خانقاہوں میں ذہنوں کی تربیت ہوا کرتی تھی اور جو زندگانی کے پیاسوں کے لئے میٹھے اور ٹھنڈے چشمے کا درجہ رکھتی تھیں وہاں سے رعنائیٔ افکار معدوم ہو گئی اور یہی حال مدرسوں کا تھا ؎

مکتبوں میں کہیں رعنائیٔ افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے

ان اداروں میں تو بس ماضی کے فسانوں کی گونج سُنائی دیتی تھی ؎

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اک روز
کتابِ صوفی و مُلاّ کی سادہ اوراقی

مُلاّ و صوفی میں رسمِ محبت عام کرنے کی خُو باقی نہیں رہ گئی تھی اس لئے اقبالؔ کی اُن سے نہیں نبھ سکتی ؎

بھلا نبھے گی تری ہم سے کیوں کر اے واعظ
کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں !

لفظی اور فروعی تکرار یا جنگ مُلاّ کا شوق بھی ہے اور پیشہ بھی اس لئے اقبالؔ صرف یہی نہیں کہتے کہ ع

دینِ مُلاّ فی سبیل اللہ فساد

بلکہ خود خدا کے حضور یہ بھی عرض کر دیتے ہیں کہ بہشت میں مُلاّ کو کچھ لطف نہ آئے گا کہ وہاں فتنہ و فساد کا کوئی سامان نہ ہوگا۔ "مُلاّ اور بہشت" میں اقبالؔ کہتے ہیں ؎

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرتِ مُلاّ کو ملا حکمِ بہشت
عرض کی میں نے الٰہی میری تقصیر معاف !
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت
نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت

ہے بد آموزیٔ اقوام و ملل کام اس کا
اور جنّت میں نہ مسجد، نہ کلیسا نہ کنشت

اقبالؔ کو صوفی و مُلاّ کے معمولات میں فقط مستیٔ احوال اور مستیٔ گفتار نظر آتی ہے، مستیٔ کردار عنقا ہے جس کے بغیر افراد ہی کی نہیں قوموں کی تعمیر بھی ممکن نہیں ؎

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
مُلاّ کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ! !
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

اقبالؔ کی شاعری میں سب سے زیادہ زور اعمال، سیرت اور کردار پر دیا گیا ہے۔ یہ خوبیاں انھیں اس اُمت میں نظر نہیں آتیں جس کے لئے ان کا دل تڑپتا رہتا ہے لیکن اقبال خوب جانتے ہیں کہ صرف عمل ہی کی بدولت زندگی جنّت بن سکتی ہے اور جن میں قابلیت، کردار کی پختگی اور جوشِ عمل ہوتا ہے ان کو عظیم الشان سلطنتیں دی جاتی ہیں۔ جویندہ یابندہ کا اصُول بلاتفریق سب کے لئے ہے۔ یہ عالمگیر اصول ہے اور اسی کے مطابق کولمبس نے ایک نئی دنیا تلاش کر لی تھی۔ اقبال اسی سلسلے میں کہتے ہیں ؎

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

اور اسی اصول کا اطلاق اس وقت ہوا جب مادہ پرست رُوس اور امریکہ کے جوانوں نے خلا میں پرواز کی اور چاند پر انسانی نقشِ پا ثبت کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اب وہ بجا طور پر اعلان کر سکتے ہیں ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

خطۂ ارض کی حکمرانی کس کی قسمت میں ہے۔ بے عمل اور ظاہر داری کو سب کچھ سمجھنے والوں کے لئے ؟ جی نہیں۔ اقبال کے الفاظ میں ؎

قسمتِ بادہ مگر حق ہے اُسی ملّت کا
انگبیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات

اقبالؔ کی یہی حقیقت پسندی اور اظہار کا تیکھا پن اور تلخ انداز انھیں عام مُلاّؤں اور فقیہوں کے انداز سے بالکل الگ اور ممتاز کرتا ہے اور اسی وجہ سے شروع ہی میں انھیں ایک اندیشہ سا تھا جس کا اظہار انھوں نے یوں کیا ؎



نیشنل لیگ۔ لندن کی استقبالیہ دعوت
میں علامہ اقبال، سید احمد علی، لیڈی سائمن
اور دیگر معزز مہمان۔

ڈاکٹر اقبال کا دیرینہ خادم علی بخش، جس نے
۴۰ سال اُن کی خدمت کی۔



ڈاکٹر اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد
مرحوم (۱۸۵۹ء - ۱۹۴۰ء)





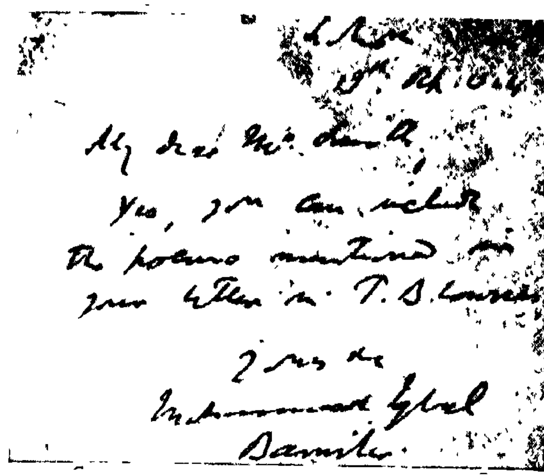
جاوید منزل کا وہ کمرۂ خاص، جہاں شاعر مشرق کے دوستوں، عقیدت مندوں اور نئے ملاقاتیوں کی آمد ہر وقت جاری رہتی. فلسفہ، حکمت، سیاست اور عشق و جنوں کی کونسی گتھیاں ہیں جو یہاں سلجھائی نہیں گئیں محفلِ اقبال کی یہ ہنگامہ آفرینیاں اور بے تکلف احباب کے قہقہے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو اسی یادگار فضا میں آنسوؤں کے ساتھ تحلیل ہو گئے۔



جاوید منزل علامہ اقبال روڈ، لاہور۔ جہاں شاعر مشرق نے زندگی کے آخری تین سال گذارنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا



"اقبال منزل" محلہ کشمیریاں، سیالکوٹ، جہاں شاعر مشرق علامہ اقبال پیدا ہوئے۔



[illegible]

My dear Mr. [illegible],

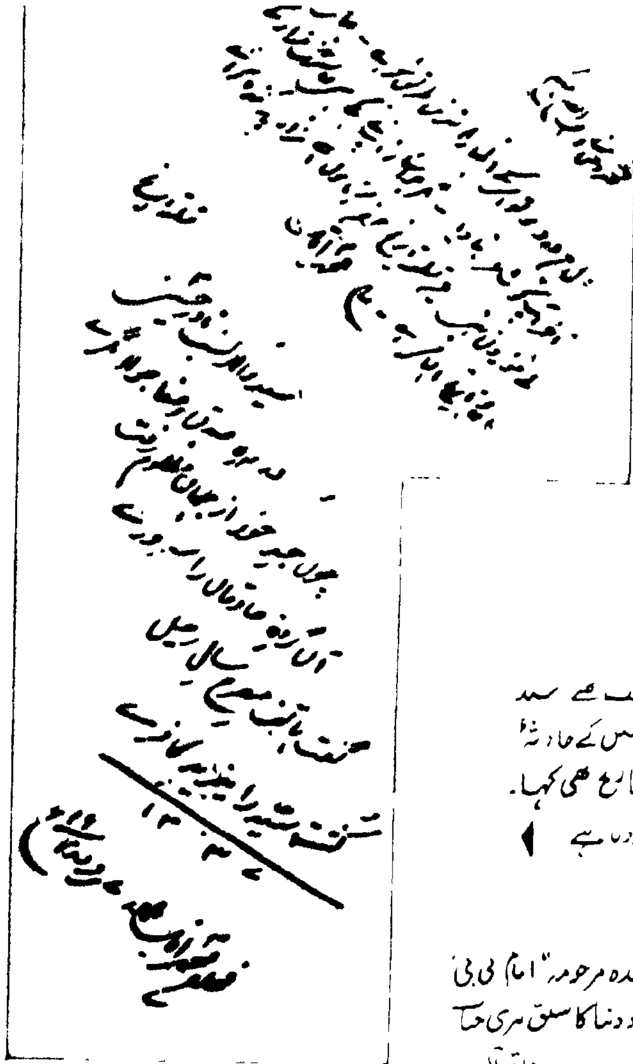
Yes, you can include the poems mentioned in your letter in T. S. [illegible]

Yours [illegible]

Muhammad Iqbal

[illegible]

علامہ کی انگریزی طرزِ تحریر کا ایک نادر عکس۔



سید محمد حسن علامہ کے دوست تھے سید محمد حسن کے بھائی سید نادر حسن کے حادثۂ وفات پر علامہ نے یہ پُر اثر قطعہ تاریخ بھی کہا۔ جسے انھوں نے الہامی قرار دیا ہے

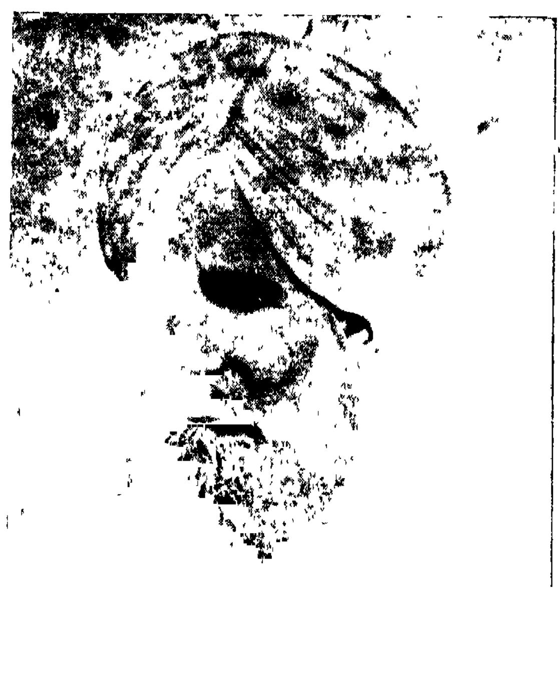
علامہ اقبال کی والدہ مرحومہ "امام بی بی"

تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

(اقبال)



علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد مرحوم





علامہ اقبال، مسجد قرطبہ (اسپین) میں۔
اسلامی دورِ اقتدار ختم ہونے کے تقریباً سات
سو سال بعد انھوں نے پہلی بار یہاں اذان
دی اور نماز پڑھی۔



ڈاکٹر اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد





دوسری گول میز کانفرنس لندن میں ڈاکٹر اقبال (دائیں طرف) کی شرکت کا ایک تاریخی منظر۔ ڈاکٹر صاحب کی بائیں طرف مولانا شوکت علی۔ دائیں طرف دوسرے نمبر پر سر عبدالقادر اور چھٹے نمبر پر سید امجد علی بیٹھے ہیں۔

زاہدِ تنگ نظر نے مجھے کافر جانا!
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

اقبال کا زمانہ غیر ملکی استبداد اور غلامی کا زمانہ تھا۔ گو سر سیّد کی تحریک سے کچھ بیداری پیدا ہو گئی تھی لیکن قوم بہت سے امراض میں مبتلا تھی۔ غلامی سے شدید نفرت اور قوم کی زبوں حالی نے اقبال کو ذہنی

اقبال اور بمبئی

بمبئی (خدا اسے آباد رکھے) عجیب شہر ہے، بازار کشادہ ہر طرف پختہ سربفلک عمارتیں ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ ان سے خیرہ ہوتی ہے، بازاروں میں گاڑیوں کی آمد و رفت اس قدر ہے کہ پیدل چلنا محال ہو جاتا ہے۔ یہاں پر ہر چیز مل سکتی ہے یورپ امریکہ کے کارخانوں کی کوئی چیز طلب کرو فوراً ملے گی ہاں البتہ ایک چیز ایسی ہے جو اس شہر میں نہیں مل سکتی، یعنی فراغت!

(اقبال کا خط مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر "وطن" کے نام) مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء

طور پر مردہ قوم میں انقلاب کی رُوح پھُونکنے کا عزمِ محکم اختیار کرنے پر آمادہ کیا اور یہ ابتدا تھی اس شاعری کی جسے مشرق کی سب سے عظیم الشان پُر اثر اور انقلاب آفریں شاعری کہا جا سکتا ہے۔

اقبال کا پیغام ہر زمانے کے لئے ہے کیونکہ وہ جس صداقت کو پھیلانا چاہتے تھے وہ عالمگیر صداقت ہے۔ وہ ذاتی، شخصی یا کسی مخصوص مِلّت کی چیز نہ تھی اور نہ کسی قوم و نسل کا تعصب تھا بلکہ یہ وہ صداقت تھی جس سے کائنات کا وجود قائم ہے۔

کتنی سچی بات ہے کہ ہر نفس سے عمرِ جاوداں پیدا کرنیوالا ہی زمانے کی گردش پر غالب آتا ہے، خواہ وہ کوئی ہو، کسی نسل کا، کسی خطے کا، کسی دھرم و مذہب کا ہو اور ہر نفس سے عمرِ جاوداں پیدا کرنے کے لئے افکارِ تازہ کی ضرورت ہوتی ہے ؎

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود!
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

اقبال اسی جہاں کی بات کر رہے ہیں، کسی اور جہاں کی نہیں ؎

ہے آبِ حیات اسی جہان میں
شرط اس کے لئے ہے تشنہ کامی!

اقبال، ٹیگور اور ڈاکٹر لمعہ حیدرآبادی

اکبر رحمانی

علامہ اقبال اور ٹیگور ہندوستان کے وہ جامع الکمال شعراء ہیں جن کے افکار و نظریات نے صرف ہندوستانی ادب ہی کو نہیں بلکہ عالمی ادب کو بھی متاثر کیا۔ اگرچہ دونوں کے افکار و نظریات میں بیّن فرق ہے اس کے باوجود بنیادی اعتبار سے دونوں آفاقی شاعر ہیں۔ دونوں کی شاعری میں عالمگیر قدریں ملتی ہیں۔ دونوں کا پیغام کسی خاص فرقہ یا قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ دونوں نے انسانیت کی اعلیٰ قدروں کو اپنی شاعری میں سمویا ہے۔ اس لئے اقبال اور ٹیگور کی شاعری لافانی اور جاودانی ہے۔

اقبال اور ٹیگور دونوں عالمگیر شہرت کے مالک تھے، ہمعصر تھے مگر تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ دونوں میں کبھی ملاقات ہوئی تھی یا کبھی خط و کتابت ہوئی تھی۔ حالانکہ دونوں کا تعلق برصغیر ہند سے تھا دونوں کی شاعری نے ہندوستانی عوام کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا تھا۔ ان میں آزادی اور حب الوطنی کے جذبہ کو پروان چڑھایا تھا۔ ان کے گیتوں اور نغموں کی گونج ہندوستان کے کونے کونے میں سنائی دیتی تھی۔ اتنی مقبولیت کے باوجود یہ کتنی تعجب انگیز بات ہے کہ اقبال اور ٹیگور ایک دوسرے سے ناآشنا تھے اور ان کے درمیان کوئی مراسم نہ تھے۔

ادب اور فنونِ لطیفہ جن کا تعلق انسان کے دلی جذبات و احساسات سے ہوتا ہے ان کا نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ قومیت نہ رنگ و نسل اس لحاظ سے ادیب و شاعر چاہے اس کا تعلق کسی قوم سے ہو، چاہے وہ کسی جغرافیائی خطہ میں پیدا ہوا ہو پوری انسانیت کا عظیم ورثہ ہے لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے، خصوصاً ہمارے ملک میں کہ جب کبھی ادب میں سیاست نے اثر و نفوذ کیا یا ادب کی کمان سیاستدانوں کے ہاتھ آئی تو انسانیت کے پجاریوں اور خادموں کو تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہونا پڑا۔ یہی کچھ اقبال اور ٹیگور کے ساتھ بھی ہوا۔ تنگ نظر نقادوں اور سیاستدانوں نے ان دو عظیم آفاقی شاعروں کو فرقہ وارانہ عینک سے دیکھنا شروع کیا اور ان کے درمیان ناگوار موازنہ کیا جانے لگا۔ ایک کو دوسرے پر برتر اور انھیں ایک دوسرے کا حریف ثابت کرنے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ ہندوستانی سیاست کا مزاج بھی اس زمانے میں کچھ اسی قسم کا تھا اس لئے شعر و ادب پر بھی اس کے اثرات ہوئے۔ لیکن اس 'ناگوار موازنہ' کے اثرات شعر و ادب سے زیادہ ملکی سیاست پر پڑ رہے تھے گرو دیو ٹیگور کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے عزیز دوست ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی کو ایک خط اقبال کی عظمت کے اعتراف میں لکھ کر اس 'ناگوار موازنہ' کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اس خط نے ان دو عظیم شاعروں سے متعلق نقادوں کی پھیلائی ہوئی بہت سی غلط فہمیوں کا نہ صرف ازالہ کیا بلکہ اقبال اور ٹیگور کو ایک دوسرے کا رقیب ثابت کرنے والوں کو تازیانۂ عبرت دیا۔ اقبال اور ٹیگور کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے آج کا کوئی نقاد اس خط سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ اس مکتوب کو ہندوستانی ادب میں ایک یادگار حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے نہ صرف ان دو عظیم شاعروں کو ملانے کی سعی کی بلکہ ان کے متعلق پھیلی ہوئی بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد دی۔ مگر یہ کس قدر افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ جس شخص کے طفیل اقبال اور ٹیگور کے درمیان 'ناگوار موازنہ' کا خاتمہ ہوا وہ اردو داں طبقہ میں نہایت غیر معروف ہے۔ بلکہ اکثر لمعہ کی اس مخلصانہ خدمت، پر تعجب و اشتباہ کا اظہار کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر لمعہ وہ واحد شخص ہیں جو اقبال اور ٹیگور کے بیک وقت عقیدت مند تھے اور دونوں سے ان کے نہایت مخلصانہ اور دوستانہ مراسم تھے اقبال اور ٹیگور دونوں نے لمعہ کو بے شمار خطوط سے نوازا ہے۔ ٹیگور کے خطوط ابھی شائع نہیں ہوئے

(... اقبال ... صاحب)

ہیں لیکن علامہ اقبال نے لمعہ کو جو خطوط لکھے تھے۔ ان میں سے چند شیخ عطاء اللہ نے اقبال نامہ حصہ اول میں شائع کر دیئے ہیں۔ ان خطوط کے مطالعہ سے ڈاکٹر لمعہ کی بیشتر صلاحیتوں کا ہمیں علم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر لمعہ حیدرآبادی ایک اچھے شاعر، بلند پایہ نثر نگار اور انشا پرداز تھے۔ ایک زمانے میں ان کا کلام مخزن، نیرنگ خیال، ہمایوں، ہمدرد اور زمیندار جیسے وقیع ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوتا تھا۔ علامہ اقبال نے جو خطوط لکھے ہیں ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خود علامہ لمعہ کی شاعری کے مدّاح اور معترف تھے۔ "بعض مقامات پر لمعہ کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے علامہ اقبال کے قلم سے ایسے توصیفی جملے نکل گئے ہیں جو شاید ہی کسی شاعر کی توصیف میں علامہ نے کہے ہوں۔ مزید حیرت کی بات یہ کہ علامہ اقبال جو ہمیشہ اصلاحِ سخن سے پہلو تہی کرتے رہے وہ ڈاکٹر لمعہ کو نہ صرف مفید مشوروں سے نوازتے ہیں بلکہ اُن کے کلام پر مسلسل اصلاحیں بھی دیتے ہیں"۔ [1]

ڈاکٹر لمعہ نے نہ صرف اُردو ہی میں شاعری نہیں کی بلکہ فارسی اور انگریزی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اُردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں پر انھیں یکساں قدرت و مہارت حاصل تھی۔ ٹیگور ان کی انگریزی شاعری کے بے حد مدّاح تھے۔ ڈاکٹر لمعہ کی ایک انگریزی نظم کے جواب میں ٹیگور نے جو دو سطریں لکھ بھیجی تھیں وہ اس قدر وقیع ہیں کہ ان سے لمعہ کی عظمت اور خداداد شاعرانہ صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ ٹیگور لکھتے ہیں:

"THE SAME SUN IS NEWLY BORN IN
NEW LANDS.
IN A RING OF ENDLESS DAWNS!"

لمعہ نے اس کا جو منظوم ترجمہ کیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

وہ تابناک سورج اب سرزمینِ نو میں
جلوہ نما ہوا ہے لو پھر نئی ادا سے!
اس کے جلو میں ہیں وہ رنگینیاں شفق کی
محفوظ ہیں جو یکسر اندیشۂ فنا سے

ٹیگور کا لمعہ کو "تابناک سورج" کہنا جس کو 'اندیشۂ فنا' نہیں ہے' موصوف کی شاعرانہ صلاحیت کو عظیم خراجِ عقیدت ہے۔ اس سے بہتر اور خوبتر تعریف و مدح نہیں ہو سکتی۔ مگر افسوس یہ "تابناک سورج" ۶ر مارچ ۱۹۷۷ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا۔

ڈاکٹر لمعہ نہ صرف ایک اچھے شاعر تھے بلکہ بلند پایہ نثر نگار بھی۔ اگرچہ ان کے کلام کا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے لیکن مضامین کا ایک مجموعہ "پریم رس" کے نام سے سر عبدالقادر مرحوم کے زیر نگرانی مخزن پریس لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کا دیباچہ 'نیرنگ خیال' لاہور کے ایڈیٹر حکیم یوسف حسن صاحب نے لکھا ہے۔ لمعہ کی شاعری میں اقبالیاتی رنگ نظر آتا ہے تو نثر میں ان کے اسلوب بیان پر ٹیگور کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ اس سے ڈاکٹر لمعہ کی اقبال اور ٹیگور سے گہری عقیدت و محبت کا پتہ چلتا ہے۔ کئی مشاہیر ادب نے "پریم رس" پر گرانقدر رائیں دی ہیں۔ جن سے ڈاکٹر لمعہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر لمعہ نوجوان مصنف ہیں۔ طبِ مغربی کے ڈاکٹر لیکن طبیعت میں شاعری اور ادبیت غالب ہے۔ "پریم رس" ان کے چھوٹے بڑے تیرہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ مضامین عموماً ٹیگور کے رنگ کے ہیں۔ دیباچہ نویس نے صحیح کہا ہے کہ لمعہ کی بعض عبارتوں کے نیچے سے اگر ان کا نام نکال دیا جائے تو خود ٹیگور کی تحریر کا شبہ ہونے لگے۔ لیکن اس ٹیگوری نثر میں مصنف نے اپنا کمالِ عقیدت بار بار حضرتِ اقبال کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور کتاب کا انتساب اقبال کے نام کے ساتھ ہے۔ عبارت عام طور پر صاف، سلیس، شُستہ اور دلآویز ہے۔ صاحبِ دل ہونے کی صلاحیت لمعہ صاحب میں اچھی خاصی موجود ہے۔ اور اب بھی جا بجا تصوف اور معرفت کی جھلکیاں نظر آ رہی ہیں"۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے۔ لمعہ صاحب نے حساس طبیعت پائی ہے۔ ان کے اظہار خیالات کی پاکیزگی تعریف کے قابل ہے۔ زبان شُستہ پائی ہے اور جو کچھ لکھتے ہیں'

[1] 'اقبال اور حیدرآباد' از سید نظر حیدرآبادی

اس میں اثر اور دلکشی ہوتی ہے۔ اقبال مرحوم اور ٹیگور سے انھیں بہت عقیدت ہے۔ مگر ان کا کلام جو کچھ اس مجموعۂ نثر میں ہے ٹیگوریت کی طرف میلانِ غالب کا پتہ دیتا ہے۔ نظم میں اقبال کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔ یوسف حسن صاحب ایڈیٹر نیرنگِ خیال لاہور نے اس کتاب کا دیباچہ لکھا ہے۔ وہ درست فرماتے ہیں کہ "عشق اور محبت میں مایوس انسان اسے پڑھ کر اطمینان اور سکون پا سکتے ہیں۔"

(سہ ماہی اُردو اکتوبر ۴۰ ۱۹ء)

ان مشاہیر کے علاوہ سر تیج بہادر سپرو، نیاز فتحپوری، علامہ عمادی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا احسن مارہروی، مولانا محمد علی جوہر ڈاکٹر زور اور دیگر کئی ادیبوں اور نقادوں نے آپ کے کلام اور مضامین کو سراہا ہے۔

اقبال اور ٹیگور کے درمیان ڈاکٹر لمعہ کو ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان دونوں سے لمعہ کے نہایت دوستانہ اور مخلصانہ تعلقات تھے۔ دونوں شہرۂ آفاق شاعروں کے دلوں میں اس نوجوان شاعر ادیب کے لئے محبت و احترام کا جذبہ تھا۔

جس زمانے میں ان دو عظیم شاعروں کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی تھیں اس زمانے میں ڈاکٹر لمعہ نے غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ انھوں نے ٹیگور اور اقبال کی ملاقات کروانے کی بھی کوشش کی۔ جس وقت ٹیگور لاہور تشریف لے گئے تو ڈاکٹر لمعہ نے ایک خط کے ذریعہ ان سے فرمائش کی تھی کہ وہ لاہور میں اقبال سے ضرور ملاقات کریں۔ ٹیگور لاہور پہنچنے پر اقبال کی مزاج پرسی کے لئے ان کے گھر گئے۔ سوئے اتفاق سے علامہ اقبال اس وقت لاہور میں موجود نہ تھے اس طرح اِن دو عظیم شاعروں کے درمیان ملاقات ہوتے ہوتے رہ گئی۔ علامہ اقبال نے بھی لمعہ کے نام ایک خط میں ٹیگور کے مزاج پرسی کے لئے گھر آنے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"...... آپ کی ایماء پر ٹیگور میری مزاج پرسی کے لئے لاہور آئے تھے مگر میں لاہور میں موجود نہیں تھا، اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ انھیں مطلع کر دیں۔"

(اقبال نامہ حصہ اول صفحہ نمبر ۲۸۷)

ٹیگور نے لمعہ کو جو خط لکھا ہے اس میں انھوں نے عظیم ادب شاعری کے بارے میں جو مختصراً اشارے کیئے ہیں، علامہ اقبال کی شاعری کی جو تعریف کی ہے ان کے بلند ادبی مرتبے کا ذکر جس پرخلوص انداز میں کیا ہے اس کی وجہ سے اس مکتوب کو ایک یادگار حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس خط سے ٹیگور کی نظر میں اقبال کی منزلت کا پتہ چلتا ہے۔ اصل خط انگریزی میں ہے۔ ڈاکٹر لمعہ مرحوم نے مرنے سے چند ماہ قبل اصل خط راقم الحروف کے حوالے کیا تھا۔ اب تک یہ خط شائع نہیں ہوا ہے۔ اس لئے ہم یہاں اصل خط کا مضمون اور ترجمہ دونوں شائع کر رہے ہیں:

Visva Bharti,   February 7,1933.
Santiniketan,
Bengal.

My Dear Dr.Khan,

Your letter and poem have touched my heart. It has given me deep pleasure to know that you have found an inner affinity between my poems and those of your great poet Sir Mohammad Iqbal.

Not knowing the languages in which he writes his original poems, I am not in a position to reach the depths of his creative productions or properly evaluate them, but I am assured through the wide fame they have won that they carry the majesty of eternal literature.

It has pained me often to find certain class of critics trying to creare misunderstanding by ranging literary works against those of Sir Mohammad Iqbal on a competitive basis. This is an entirely erroneons attitude to take towards literature which deals with the universal aspects of human mind and heart and therefore provides a platform where poets and artists of all lands and times can fraternise.

I am sure, both my self and Sir Mohammad Iqbal are comrades working for the cause of truth and beauty in literature and meet in a realm where the human mind offers its best gifts to the Shrine of the eternal man.

With kind regards,

sincerly yours,

Sd/ Rabindranath Tagore.

To,

Dr.M.Abbas Ali Khan Lamaa Esqr.

ترجمہ:

۷ رفروری ۱۹۳۲ء

وشوابھارتی
شانتی نکیتن، بنگال

محبی ڈاکٹر خان!
آپ کے خط اور نظم نے میرے دل پر خاص اثر کیا۔ مجھے یہ سُن کر بڑی مسّرت ہوئی کہ آپ میری اور اپنے شاعرِ اعظم سر محمد اقبال کی نظموں کے درمیان ایک خاص اندرونی تعلق پاتے ہیں۔ چونکہ میں اس زبان سے نابلد ہوں جس میں وہ اپنا کلام فرماتے ہیں اس لئے میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں ان کی اُپج کی گہرائی یا اُن کی قدروقیمت کا صحیح اندازہ لگا سکوں۔ لیکن ان کی عالمگیر شہرت سے مجھے یقین ہوتا ہے کہ ان میں جاودانی علم وادب کی عظمت ہے۔
بارہا اس چیز نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے کہ نقادوں کی ایک جماعت میری اور سر محمد اقبال کی ادبی کوششوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ رویہ اس ادب کے متعلق بالکل غلط ہے جو انسانی دل ودماغ کے عالمگیر پہلو سے بحث کرتا ہے اور اس طرح تمام ملکوں اور زبانوں کے شعراء اور اہلِ فن کو ایک برادری میں منسلک کرنے کا سامان پیدا کرتا ہے۔
مجھے یقین ہے کہ سر محمد اقبال اور میں ادب میں صداقت اور حُسن کی خاطر کام کرنیوالے دو دوست ہیں اور اس جگہ ایک ہو جاتے ہیں جہاں انسانی دماغ اپنا بہترین ہدیہ "جاودانی انسان" کے حضور میں پیش کرتا ہے۔

آپ کا مخلص
رابندر ناتھ ٹیگور [1]

---

[1] نیرنگِ خیال، لاہور سالنامہ ۱۹۳۶ء بحوالہ فکر و نظر علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۱ء



ہائیڈل برگ میں
ڈاکٹر اقبال
عطیہ بیگم فیضی
کے ساتھ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

خواجہ عبدالغفور
(آئی۔ اے۔ ایس)

معمولی سی بات بھی کئی ڈھنگ سے کہی جاتی ہے اور کہی جاسکتی ہے اس کا ردِ عمل بھی مختلف آدمیوں پر الگ الگ طرح کا ہوتا ہے۔ سیدھی سادھی بات کسی کو متاثر کر سکتی ہے تو کسی اور کے لئے بے اثر ہوتی ہے کوئی کسی کے لہجے کا برا مان لیتا ہے تو اسی پر دوسرا غیر متاثر رہتا ہے کسی کو پچکار کر سمجھا بجھا کر کہا جاتا ہے تو کسی کو تادیب اور تنبیہہ کے طور پر کہنا پڑتا ہے۔ کہیں ڈانٹ ڈپٹ، کہیں ترغیب و تحریص، کہیں احسان جتلانا تو کہیں سمجھا کر طنز و استہزاء، سنجیدہ سمجھانے کے علاوہ ان طریقوں سے بات کہی جا سکتی ہے بات موافق جاسکتی ہے۔ کبھی بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے کبھی بات ان سنی ہو جاتی ہے۔ اکثر نظر انداز کر دی جاتی ہے کسی وقت ایک جملے سے ہی ساری بات بگڑ جاتی ہے کبھی کوئی تیز جملہ تیر کی طرح پیوست ہو جاتا ہے

انداز تکلم تو وہی اچھا کہ جو دلچسپ بھی ہو دل نشین بھی، جو معقول بھی لگے قابل قبول بھی ہو۔ لیکن دنیا والے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جب تک ان پر طنز و استہزاء کے نشتر نہ چلائے جائیں وہ کسی بات کو قبول نہیں کرتے اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

جہاں مزاج کی جس نہ ہو اور شیشۂ لطیف کی کمی ہو ان پر تو طنز یہ رمز و کنایہ کا اثر نہیں ہوتا اسی لئے شاید ہر زبان میں گالی گلوچ، ہلڑ بازی اور فحش کلامی کا چلن پایا جاتا ہے کہ جب کسی کو مار پیٹ سے کمتر طریقے پر متاثر کرنا ہو تو وہ لوگ جنھیں تہذیب و اخلاق کی پرواہ نہیں ہوتی وہ انھیں کا سہارا لیتے ہیں اور ان ہی سے کام بھی بن جاتے ہیں۔

اُردو زبان نے فوجی لشکر میں جنم لیا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے مختلف مذاہب و فکر و خیال والوں کو ایک واسطہ فراہم کیا روزمرہ کی بول چال میں سہولت پیدا کی اور پھر جب یہ شاہی دربار اور امراء دوساء کی محفلوں میں پہنچی تو عشق و محبت، گل و بلبل، شمع و پروانہ، ہجر و وصال کی کہانیاں شعر و نغمہ میں ڈھل گئیں لیکن زمانہ کی دھڑکنیں اس کے مزاج میں رچی بسی رہیں۔ انقلاب زندہ باد کا نعرہ کسی اور زبان میں پراشانہ جا سکا۔ آزادی کی جنگ بھی اُردو زبان ہی لڑتی رہی۔ اور پھر امن و امان کے زمانے میں جب غیر آہنگی بڑھی تو اُردو زبان نے طنز و مزاح کے حربے اپنائے۔ کہیں ہجو نگاری کہیں کھلم کھلا تمسخر تو کہیں طنز و استہزا کے نشتر چلانے پڑے۔ زٹلی، سودا، انشا، نظیر، غالب، اکبر الہ آبادی نے سماج کے ناسور پھوڑنے کے لئے اپنی شاعری میں خوب نشتر چلائے۔ ان اساتذہ کی جولانیٔ طبع نے ادبی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ ظرافت، شگفتگی اور خوش طبعی کو مقصد سے عطا کی۔ محض تفنن طبع یا ہنسی مذاق یا ہیجان پروری ان کا مطمح نظر نہ تھے۔

مذکورہ بالا اساتذہ متقدمین میں سے ہیں بالخصوص حضرت غالب کو بابائے طنز و مزاح کہا جائے تو حقیقت پر مبنی ہوگا۔ لیکن علامہ اقبال نے جہاں اپنی دانشوری، تفکر، فلسفہ، بصیرت کے ساتھ مذہبی للکار، حب الوطنی کی درد بھری آواز بلند کی وہیں پر سماج کو بھی جھنجھوڑا اور اپنی غیر معمولی باریک بینی و خوب مشاہدہ کے ساتھ حساس دل کی آواز کو ایک ملند پایہ شاعری میں رنگنے کی کوشش کی لیکن ایک بات واضح ہے کہ علامہ اقبال کے تاثرات شخصیات سے نہیں ٹکراتے، یہ غم و غصہ، تلخی ترشی سے بہت اجتناب کرتے رہے ہیں ان کے طنز میں شگفتگی ہے۔ وہ شکوہ و شکایت کے انداز میں لاڈ دیار کی باتیں کرتے ہیں لیکن فکر میں توازن بلندی اور پاکیزگی ہوتی ہے

انداز بیان دلآویز، اسلوب سخن دلکش ہوتا ہے۔ بصارت و بصیرت ۔ بس دماغی، اعلیٰ تفکر نے اُن کے مزاح کو بلند معیار عطا کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال یہ ہر رنگ علامہ نظر آتے ہیں اُن کی مزاحیہ شاعری کہیں کارٹون کا رنگ اختیار کرتی ہے اور کہیں کامک کا۔ مگر ان کی شاعری کو مضحک نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کسی فرد کی تضحیک نہیں کرتے کسی شخصیت کی کھلی نہیں اڑاتے۔ قاری اپنی بساط کے مطابق مسرور و محظوظ ہوتا ہے۔ اور تاثر کو اپنے ذوق اور شعور کے مطابق قبول کرتا ہے۔ ذہنی آسودگی اور سُرور حاصل کرتا ہے۔

ویسے اقبال کی شاعری کو بجا طور پر "شاعری جزویست از پیغمبری" کہا جا سکتا ہے اور ان کی شاعری ساحری بن جاتی ہے۔ لیکن انھوں نے اکبر الٰہ آبادی کے انداز میں جو مزاحیہ شاعری کی ہے وہ کافی دلچسپ، دلگداز اور دل نشین ہے۔

ساتھ ساتھ ان کی اس شاعری کا مدعا و مقصد سماج اور معاشرہ کی فلاح و بہبود۔ ملک و ملت کا ارتقاء اور عوام الناس کی بہتری رہا ہے۔ ان کا مطمح نظر ضیافتِ طبع نہیں بلکہ کہیں کہیں جھنجھوڑ کر جگانا تو کہیں رستے ہوئے ناسور کے لئے مرہم ہے۔ جونکہ علامہ اقبال کا مشاہدہ وسیع اور ... ساتھ ہی ساتھ گہرا دیکھنا اور ان کا مطالعہ عالمگیر اس لئے مفکرانہ بصیرت اور ... رجحان بھی ہے۔

ان کے مزاحیہ و طنزیہ کلام کے مختلف رنگ ہیں جیسا کہ ... ، شوخی، طنز، ظرافت ان سب کا حسین امتزاج شکوہ اور جواب شکوہ میں ملتا ہے کہ جب وہ شکوہ شکایت کرنے پر آتے ہیں تو پہلے خاکساری اور انکساری سے کام لیتے ہیں ع

شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

اور یہ گلہ شکوہ کچھ ذاتی بد نصیبی یا انفرادی تکلیف کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام لیواؤں کی بدحالی اور ملتِ اسلامیہ کے زوال کا ہے۔ اور پھر علامہ اقبال یہ شکوہ بھی بڑے سلیقے سے کرتے ہیں کہ پہلے مسلمانوں کے ایثار و قربانی کا حوالہ دیتے ہیں ؎

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبہ کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

ان سب کا حوالہ دیکر وہ آمدم بر سرِ مطلب یعنی لطیف طنز پر اُتر آتے ہیں ؎

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

اور شکوہ اس طرح کرتے ہیں ؎

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے!

اور ان کا مشہور و معروف شعر جو زباں زدِ عام ہے ؎

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزّاقی نہیں ہے

ایسے ہی شکوہ کے طنز کو پھر جوابِ شکوہ کی صورت میں پیش کرتے ہیں ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اور اسی لاڈ و پیار کے انداز میں خدائے قادرِ مطلق کی طرف سے کہتے ہیں ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں ...
تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے؟

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس عمدگی سے طنزیہ شاعری کسی اور نے نہیں کی۔

علامہ اقبال کا ظریفانہ کلام بھی نہایت ہی دلچسپ ہے جس میں طنز ہے تو تنقیدی طور پر اور قوم کو برائیوں سے بچانے کے لئے اس پر ہنسی کے وار کئے ہیں۔ بڑھتی ہوئی بے حجابی اور عریانی کو غلط قسم کی مغربی تعلیم کا ... بنا کر اقبال فرماتے ہیں ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی　　ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّ نظر　　وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈرامہ دکھائیگا کیا سین　　پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

ان اشعار میں ڈرامہ اور پردہ اٹھنے کی بات کس قدر ماہرانہ انداز میں کی گئی ہے کہ ہنسی بھی آتی ہے، شرم و غیرت بھی۔

اقبال تعلیم نسواں کے مخالف تھے نہ قدامت پسند، انھوں نے اس زمانہ کے غلط بہاؤ کو روکنا چاہا ویسے انھوں نے عورت کو جو مقام عطا کیا ہے وہ کسی اور مفکر، محقق، حکیم، ادیب شاعر نے نہیں دیا انھوں نے عورت کو شرارِ زندگی، رشکِ ثریا، محافظ سوزِ حیات، معاونِ دین و سیاست، امینِ شریعت پیکرِ رحمت جیسے القاب اور خطاب عطا کئے ہیں۔

اس زمانہ کی تعلیم نسواں اور اس کے مضر اثرات کو ہدف ملامت بناکر عام تعلیم کی تضحیک دلچسپ پیرایہ میں کی ہے تاکہ وہ رجحان بدل جائے اور عورت تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوکر حقیقی معنوں میں ماں، اور اپنی اولاد کی رہبر بنے۔

لڑکوں کے تعلق سے کہتے ہیں ؎

تعلیم مغربی ہے بہت جرأت آفریں
پہلا سبق ہے بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اسی کا تقابل پرانی تعلیم کے اثرات کا اس طرح کیا ہے ع

تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عوض
دل چاہتا ہے ہدیۂ دل پیش کیجئے

اور پھر موجودہ سماج پر بھرپور طنز ہے ع

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی ناشکیبائی ہوسناکی

اقبال کے دل و دماغ میں حب الوطنی اور حبِّ ملّت کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں ع "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" ایک ایسا ترانہ ہے کہ جس کی مثال کسی اور جگہ یا کسی اور زبان میں نہیں ملتی۔

جرمنی کا نعرہ تو صرف تعلّی اور اپنی بڑائی ہے "واچ لینڈ اوبر آلس"۔ مگر وہ دل کی لگن اور حبّ الوطنی کے جذبہ کا مظہر نہیں۔ اس ترانہ کے سوا انھوں نے ہندوستانی بچوں کے قومی گیت ع

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

میں ہندوستان کی عظمت و شوکت کا بہترین اور دلاویز نقشہ کھینچا ہے ؎

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا!
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا!

اسی طرح 'نیا شوالہ' بنانے کی للکار بھی ان کی زبان سے سُنئے ؎

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی　　آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

انھوں نے جہاں خدا سے شکوہ کیا اور اس کا جواب بھی منہ توڑ دیا وہیں پر مذہبی رہنماؤں اور نام نہاد پیشواؤں کو بھی زہرخند کا نشانہ بنایا ہے ؎

اُمیدِ حور نے سب کچھ سکھا رکھا ہے واعظ کو!
یہ حضرت دیکھنے میں سیدھے سادے بھولے بھالے ہیں

عجب واعظ کی دینداری ہے یارب
عداوت ہے اُسے سارے جہاں سے

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں
لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے!

ان کے زمانہ میں کروٹ لیتی ہوئی پوچ قسم کی تہذیب کے متعلق کہتے ہیں ؎

اُٹھا کر پھینکدو باہر گلی میں　　نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن ممبری کونسل صدارت　　بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجّار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

انھوں نے سرمایہ داری اور مزدوروں کسانوں کے بے جا استحصال پر بھی بڑے ماہرانہ انداز میں للکارا ہے ؎

کارخانہ کا ہے مالک مردکِ ناکردہ کار
عیش کا پتلا ہے محنت ہے اُسے ناسازگار
حکمِ حق ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

اور ؎　جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اقبال نہ صرف مفکر فیلسوف تھے بلکہ وہ دور رس نگاہ رکھتے تھے،

مستقبل کے بارے میں انھوں نے ظریفانہ اور طنزیہ انداز میں جو پیشین گوئیاں کی ہیں وہ بھی صحیح ثابت ہوئی ہیں ؎

تکرار تھی مزارع و مالک میں ایک روز !
دونوں یہ کہہ رہے تھے مرا مال ہے زمیں
کہتا تھا وہ کرے جو زراعت اسی کا کھیت
کہتا تھا یہ کہ عقل ٹھکانے تری نہیں
پوچھا زمیں سے میں نے کہ ہے کس کا مال تو
بولی مجھے تو ہے فقط اس بات کا یقیں
مالک ہے یا مزارع شوریدہ حال ہے
جو زیرِ آسماں ہے وہ دھرتی کا لال ہے

•

اُٹھو ! میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمراء کے در و دیوار ہلا دو !

ان کا مزاح خود برداشتہ ہے اور یہ کسی کو محسوس نہیں ہونے دیتے کہ ان کا اشارہ کس پر ہے۔ خود کو نشانۂ ملامت بنا کر دوسروں کی شرم کو اکساتے ہیں ؎

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

پوری قوم کی حمیت کو للکارتے ہیں مگر یہ خود کو اپنے طنز کا نشانہ بنا کر سب پر اس خوبی سے وار کرتے ہیں کہ سمجھ دار مارے ندامت کے پانی پانی ہو جائے ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

علامہ اقبال نے جہاں رموزِ خودی دوسروں کو سمجھائی ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے !
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خود اپنے متعلق طنز بھرے استعارے میں کہتے ہیں ؎

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اقبال کبھی تعلّی یا بڑائی نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی بُرائی سے گریز کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

مجھ کو پیدا کر کے اپنا نکتہ چیں پیدا کیا
نقش ہوں اپنے مصور سے گلہ رکھتا ہوں

بُرا سمجھوں انھیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

مختصراً عرض ہے کہ اقبال کا فلسفہ ان کی فکر کی اُپج، ان کی شاعری اور اُن کے ناصحانہ، پیغمبرانہ کلام کے متعلق ان کے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے ؏ کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا ؛ فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں

اقبال کا کلام درد انگیز نالوں سے بھرا ہے یا طنز و مزاح، شکوہ شکایت اور حکایت سے بھرپور ہے۔ ••

اِقبالؔ : عطیہ بیگم کی ڈائری سے {جو انگلستان میں فلسفہ کی طالب علم تھیں۔}

ہائیڈلبرگ ۔ ۳ ستمبر ۱۹۰۷ء

اقبالؔ کی ظرافت اور حاضر جوابی بے مثل ہے۔ چونکہ کوچ ہے، لہٰذا ہم سب کھڑے کھڑے بات چیت کر رہے تھے، فرالاین دیگے ناست، سینے شل اور کاڈینا میرے گرد و پیش تھیں اور اقبالؔ صاحب کھڑے ٹکٹکی لگائے بُت بنے دیکھ رہے تھے۔ اس پر پروفیسر شیرر نے کہا "اقبال کیا دیکھ رہے ہو، تم مبہوت نظر آتے ہو!" اقبالؔ نے برجستہ جواب دیا۔ "میں یکایک ہیئت داں کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہوں، میں ستاروں کے اس جھرمٹ کا مطالعہ کر رہا ہوں" رات کھانے پر ایک لڑکی کو دیکھ کر ہم سے کہتے ہیں ؎

اس کے عارض پر سنہری بال ہیں
ہو طلائی اُسترہ اس کے لئے

ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ تمام وقت اسی قسم کے اشعار کہتے رہے۔ اقبال اس قدر ہمہ گیر اور ہر خوبی سے معمور ہیں۔

• ایم۔ ایشور راج ماتھر

اقبال نقادوں کی نظر میں

اس حقیقت سے منہ نہیں موڑا جا سکتا کہ ہر اس شخص کے پیچھے نقادوں کا ایک جم غفیر رہتا ہے جو اپنی کاوشوں سے، اپنی علمی قابلیت سے، اپنی محنت سے، اپنے استقلال سے معراج کمال تک پہنچتا ہے۔ کم و بیش ایسا ہی ڈاکٹر اقبال کے ساتھ ہوا۔ ایک طرف تو ڈاکٹر صاحب کی شہرت عالمگیر ہوتی جا رہی تھی، ملک و بیرون ملک ... اور پرستاروں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی تو دوسری طرف ... کی ہم ان کی ہلکی سی لغزش کی متلاشی تھی۔ ڈاکٹر اقبال بھی ایک انسان تھے اور ان سے بھی غلطی ہونا کوئی ناممکن بات نہیں تھی۔ انسان ہونے کے ناطے سے بھی اپنے اشعار میں یا اپنے کردار میں اگر سہو ہو جائے تو کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔ مگر علامہ کی زندگی میں بھی اور زندگی کے بعد بھی نقادوں نے، گو وہ علامہ کی شاعری سے مرعوب ضرور رہے، ان کے اشعار میں نقص ظاہر کرتے رہے۔ میں تنقید کے حق میں ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک تنقید نہ ہو ادب اپنی بلند وسعت حاصل نہیں کر سکتا مگر میں اس کے خلاف ہوں کہ تنقید کا پہلو اپنے اندر تخریب کار ... جذبات لئے ہوئے ہو۔ دراصل اس قسم کی تنقید صحیح تنقید نہیں ہوتی بلکہ یہ تنقید نگار کے ذہنی خلفشار (FRUSTRATION) کو ظاہر کرتا ہے۔

ملک میں اردو شاعری کو جو حسن اور لطافت دلی اور لکھنؤ نے دی ہے اس سے انکار نہیں مگر دلی اور لکھنؤ کے علاوہ بھی ملک میں مشہور شاعر گذرے ہیں جنھوں نے افقِ شاعری میں نام پیدا کیا ہے۔ حیدرآباد، گجرات، مدھیہ پردیش، کرناٹک، پنجاب، بنگال، بہار وغیرہ کے شعراء کے نام فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ ڈاکٹر اقبال کیونکہ نہ تو دلی مکتبۂ خیال کے تھے اور نہ لکھنؤ کے، اس لئے نثر میں اور عام بول چال میں پنجابی لہجہ کی جھلک ضرور نظر آتی ہے مگر یہ کہنا کہ دلی اور لکھنؤ جیسی نکھری ہوئی زبان علامہ کے پاس نہیں تھی، ان کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ ہمارا بڑا وسیع ملک ہے جہاں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اردو ہی کو لے لیجئے، دلی میں تلفظ اور بات چیت کا عام لہجہ لکھنؤ سے مختلف ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک اپنے تجربے کی بنا پر کہوں گا کہ اردو انگریزی کی طرح ملک میں ہر ایک اس میل کے بعد مختلف صورت، مختلف تلفظ اور مختلف لب و لہجہ اختیار کر لیتی ہے۔ اس لئے اگر علامہ اقبال کی اردو دلی اور لکھنؤ میں رائج اردو سے کچھ مختلف رہی ہے تو اس کی وجہ جغرافیائی ہے نا کہ علامہ کی کم فہمی۔ اس وقت یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ عربی اور فارسی کے الفاظ اور تراکیب جتنی مہارت اور متوازن طریقہ سے علامہ نے اردو زبان میں سموئی ہیں اس کی مثال دوسرے شعراء میں نہیں ملتی۔ اردو ادب کا دامن وسیع سے وسیع تر کرنے میں علامہ اقبال کا بڑا حصہ ہے جو کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا اعتراض علامہ پر یہ عائد کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے اشعار مغربی مفکرین کے کلام سے متاثر ہو کر کہے ہیں۔ یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ ہر وہ شخص جو دنیا میں آتا ہے پہلے اپنے والدین سے متاثر ہوتا ہے۔ ان کی عادات و اخلاق اپناتا ہے اور غیر شعوری طور پر اپنا کردار انھیں کے کردار کے بیتں لظر بناتا ہے۔ جب وہ اسکول میں داخل ہوتا ہے تو یہاں پر اُسے اپنے استاد کا کردار متاثر کرتا ہے اور اس کے تحت الشعور میں ماں باپ، استاد اور اسکول کے ساتھیوں کے کردار گڈمڈ ہوتے ہیں اور وہ اس وقت بھی غیر شعوری طور پر کسی بات سے متاثر ہوتا ہے اور کسی سے نہیں۔ مگر اس وقت جب وہ کالج کے حدود میں داخل ہوتا ہے اور مختلف قسم کے انسان اس کے سامنے مختلف حیثیت سے آتے ہیں تب وہ شعوری طور پر ان سے متاثر ہو کر اپنا کردار ڈھالنا پسند کر لیتا ہے۔ بالکل ایسے ہی حالات

سے علامہ اقبال بھی دوچار ہوئے۔ والدین کے زیر سایہ انھوں نے مذہبی عقیدت کو سب کچھ سمجھا۔ تعلیم کے دوران پروفیسر تھامسن آرنلڈ کی تعلیمات نے انھیں متاثر کیا اور جب وہ لندن اور جرمنی گئے تو وہاں کے فلاسفر اور شعراء کے کلام سے متاثر ہوئے اور اسی وجہ سے علامہ کی شاعری میں مغربی ممالک کی واپسی کے بعد سے گہرائی اور وسعت و نُدرتِ خیال زیادہ نمایاں ہوئی ہے۔ ہمارے نقاد اسے تقلید کہتے ہیں جو سراسر علامہ کے ساتھ ناانصافی ہے۔ یہ تو دنیا کا دستور ہے اور صحیح معنوں میں وہی کامیاب انسان ہے جو اچھی باتوں کو اپنائے اور لوگوں میں عام کرے۔

یہاں پر ایک تیسرے الزام کا بھی تجزیہ کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ علامہ اقبال کے بارے میں ہمارے نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ علامہ صاحب "ملتِ اسلامیہ" کے شاعر ہیں اور انھوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ملک کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ میرے خیال میں یہ تنقید صحیح نہیں ہے۔ علامہ نے پوری ہندوستانی قوم کو جگانے کے لئے اپنی شاعری کو وقف کر دیا۔ یہ ضرور ہوا کہ اکثر ان کے مخاطب مسلمان رہے۔ اگر ہم اس دور کے جسے گذرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے، حالات کا تجزیہ کریں تو ہم [illegible] یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے ہندوستانی سیاست نے ایک عجیب رُخ اختیار کیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمان پسِ دیوار [illegible] پہنچ رہے تھے۔ علامہ اقبال نے بھی یہی محسوس کیا اور [illegible] خوابیدہ قوم کو بیدار کرنے کے لئے اپنے اشعار کا سہارا لیا۔ یہ صحیح ہے کہ انھیں مسلم قوم سے دلی ہمدردی تھی وہ ان کی تکالیف کا مداوا کرنا چاہتے تھے اور ان کی زبوں حالی پر تڑپ تڑپ کر رہ جاتے تھے۔ یہی وہ تڑپ تھی جس کی وجہ سے علامہ نے مسلمانوں کو دوسری زندہ قوموں کے شانہ بشانہ چلنے اور قومی دھارے میں شامل ہونے کی تلقین کی۔ مسلمانوں کے ساتھ وہ پورے ہندوستان کی محکومی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور ہر قیمت پر وطن کو غلامی سے آزاد کرانے کے خواہش مند تھے۔ اس لئے اگر انھیں صرف ملتِ اسلامیہ کا شاعر کہا جائے تو نہ صرف یہ علامہ کے ساتھ زیادتی ہوگی بلکہ آئندہ نسلوں کے ذہن پراگندہ ہوں گے اور وہ علامہ کو ایک عالمگیر شاعر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک فرقہ کے شاعر سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اور اب اس امر کی طرف بھی تھوڑی سی توجہ دی جائے کہ بعض لوگ اپنے تحقیقی مقالوں میں یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ علامہ کی شاعری میں مسائل کا حل نہیں ہے وہ یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ ع

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مگر یہ نہیں کہتے کہ داستان قائم کس طرح رہ سکتی ہے۔ راہ کی نشاندہی تو خضر علیہ السلام بھی کرتے ہیں اور انہی کی طرح اشاروں اور کنایوں میں علامہ اقبال ہر طرح کی نشاندہی کرتے جاتے ہیں جنھیں سمجھنا اور پھر ان پر عمل کرنا اہلِ دانش کا کام ہے۔ یہ کسی بھی اہلِ بصیرت کا کام نہیں کہ وہ راہنمائی بھی کرے اور آپ کی اُنگلی پکڑ کر منزل تک لے جائے۔ اگر علامہ سے اس قسم کی توقع رکھی ہے تو یہ اپنی ہی کوتاہی ہے علامہ پر یا ان کی شخصیت پر اس طرح سے کوئی حرف نہیں آتا۔

یہاں پر ایک اور ضروری امر کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا ہمارے ملک میں ایک رواج قائم ہو گیا ہے کہ وہ اگر مثالیں پیش کریں گے تو مغربی شاعروں اور مفکروں کی مثالیں۔ اسی طرح علامہ اقبال کی شاعری کا مقابلہ ٹی ایس ایلیٹ، شیکسپیئر، [illegible] درحقیقت وہ [illegible] سے [illegible] ہیں اور [illegible] ہیں کہ ان مغربی شعراء کی شاعری کا چرچا تمام عالم میں ہے جبکہ علامہ اقبال کی شاعری [illegible] ایک طبقہ میں شرف قبولیت حاصل کر سکی ہے [illegible] ہے کہ جہاں تک علامہ کی شاعری کا تعلق ہے وہ [illegible] کسی مغربی زبان میں علامہ کے [illegible] [illegible] لطافت اور ملکوتی [illegible] [illegible] عالم ہے جو انگریزی [illegible]

[illegible] بھی نہیں [illegible] آسان ہے تو علامہ کو دنیا میں اس طرح متعارف کرایا جائے اور علامہ کے ساتھ ساتھ اُردو کا [illegible] طرح مغربی ممالک میں پڑھایا جائے۔ علامہ اقبال اور ہندوستان کے ادیبوں اور شاعروں کی [illegible] بدبختی رہی ہے کہ ان کی تخلیقات کو مغربی زبانوں میں منتقل نہیں کیا جا سکا جس کی وجہ سے آج ملک کا کوئی بھی نامور شاعر اور ادیب مغربی مفکرین کو متاثر نہیں کر سکا۔ اس میں [illegible] [illegible] تصور اور ہم اور آپ قصوروار۔

اب صرف ایک ہی موضوع اور زیرِ بحث لانا چاہوں گا [illegible] کہ ہمارے اکثر محققین علامہ اقبال کے بارے میں یہ لکھا کرتے ہیں کہ علامہ اقبال ہندوستانی تھے مگر ہندوستانی تہذیب [illegible]



حکیم الامت

علامہ اقبال

سرنگاپٹم، میسور میں

سلطان ٹیپو کے مزار پر۔

فلسفہ، ہندوستانی رسم و رواج سے مرعوب تو ضرور ہوئے مگر اس کا اظہار انھوں نے ببانگِ دہل نہیں کیا۔ بلکہ وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں

حافظ اور اقبال

یوسف حسین خاں

اقبال نے حافظ شیرازی پر اور تصوّف کے متعلق جو اعتراض کیئے، اُن سے صوفیوں میں بڑی برہمی پیدا ہوئی تھی۔ خواجہ حسن نظامی نے اقبال کے خلاف مضامین لکھے، جس کے جواب انھوں نے امرتسر کے اخبار "وکیل" میں شائع کیئے۔ اس بحثا بحثی نے کافی طول کھینچا، اکبر الہ آبادی بھی اس معاملے میں خواجہ حسن نظامی کے ہمنوا تھے لیکن وہ چونکہ ذاتی طور پر اقبال کو عزیز رکھتے تھے، اس لیئے انھوں نے خواجہ حسن نظامی پر روک کا کام کیا، اپنے ایک خط میں انھوں نے خواجہ صاحب کو مشورہ دیا کہ ؎

"اقبال سے زیادہ نہ لڑیئے
دُعائے ترقی و درستیِ اقبال کیجئے"

ہندوستان میں اسلامی قدروں کو جو دن بدن عنقا ہوتی چلی جا رہی تھیں انھیں اُبھارنے کی کوشش میں لگے رہے۔ ایک وطن پرست شاعر پر اس طرح کے الزام لگانا معیوب ہے۔ علامہ اقبال نے یہ کہکر

ع خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

وطن کی محبّت و عظمت کا جو جذبہ پیدا کیا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے اور یہی ایک مصرعہ معترضین کے لیئے کافی ہے۔ علامہ اقبال نہ صرف ہندوستان میں بسنے والی ہر قوم بلکہ تمام دُنیا کو خوشحال دیکھنا چاہتے تھے اور یہی ان کا مقصد حیات تھا۔ انھوں نے سب ہی کو پستی سے نکالنا بھی چاہا اور یہی پیغام وہ آخیر تک پہنچاتے رہے۔

اگر کچھ عرصے تک اسی قسم کی غلط تحقیق کی گئی تو ہماری آئندہ نسلیں نہ صرف علامہ اقبال کو ایک فرقہ کا شاعر سمجھیں گی بلکہ ان کی شخصیت پر رکیک حملے چست کریں گی جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عوامی شاعر جس نے قوم کے درد میں اپنی آواز بلند کی ایک نرالے ہی رنگ میں نظر آئے گا۔ اس لیئے ملک کے عظیم نقادوں سے صرف اتنا کہنا ہے کہ وہ تنقید ضرور کریں مگر ایسی نہیں کہ سفید کو سیاہ کر دیں۔

حکیم الامت، فلسفی، مفکر و شاعر

ڈاکٹر سر محمد اقبال

ریاض احمد خاں

سرزمینِ مشرق نے یوں تو عظیم المرتبہ شخصیتوں کو جنم دیا جن کے افکار نہ صرف موجودہ دور میں اپنی کرنوں سے روئے زمین کو منور کر رہے ہیں بلکہ آئندہ صدیوں میں بھی یہی روشنی صلح و آشتی کا پیغام دیتی رہے گی۔ مگر علامہ اقبال جیسے حکیم الامت۔ فلسفی۔ مفکر و شاعر کو جنم دے کر عوام الناس کو اپنا مطیع کر لیا ہے۔ کیونکہ مشرق کا یہی شاعر اپنی بصیرت و علمی افکار کی وجہ سے تمام عالمِ ادب کی نظروں کا مرکز بن گیا۔ اس کی شاعرانہ صلاحیت نے غلامی کے خلاف پرچم بلند کیا جس نے قومی آزادی کو ہر چیز پر فوقیت دی۔ دراصل علامہ اقبال نے حکیم الامت بن کر آنے والی نسلوں کے لئے اپنی فہم و ادراک۔ حکمت و بصیرت سے ایسے چراغ روشن کر دیئے ہیں جن کی روشنی کبھی ماند پڑنے والی نہیں ہے۔

ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے ناطے سے علامہ اقبال ایک سچے مسلمان تھے جنھیں اپنے قول و فعل کا پاس تھا۔ ایمان کی پختگی ان کا سرمایۂ حیات تھا۔ جب تک وہ قید و بندِ حیات کی پابندیوں میں رہے اپنے آقائے دو جہاں سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عشق میں مبتلا رہے، بنی نوع انسان سے حقیقی ہمدردی رکھی اور انھیں کی عظمتوں کے قیام کی تدابیر کرتے رہے۔

جیسا کہ دنیا کا اصول ہے زمانہ ہر لحظہ بدلتا رہتا ہے اور اسی گردشِ لیل و نہار سے حکومتیں بدلتی ہیں۔ اطوار بدلتے ہیں، نئی اُفق پیدا ہوتی ہے اور گذری ہوئی باتیں تاریخ کے ابواب کی زینت بنتی ہیں بالکل اسی طرح علامہ اقبال کی شاعری بھی مختلف ادوار سے اثر پذیر ہوتی رہی مگر علامہ نے اپنا شعار نہیں بدلا۔ وہ ہندوستان کی سرزمین سے حصولِ علم کی خاطر لندن اور جرمنی گئے، وہاں کے شاعروں، ادیبوں اور فلسفیوں سے ملے۔ ان کے رجحانات کو پرکھا، ان کے علم سے مستفیض ہوئے مگر اپنے مسلک پر قائم رہے اور یہ باتیں علامہ کے فلسفۂ پیام اور کلام کی فلسفیانہ بصیرت اور وسعتِ مطالعہ کی جیتی جاگتی شہادت ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو دیارِ مغرب سے واپسی پر ہمیں مثنوی "اسرارِ خودی" والا اقبال نصیب نہیں ہوتا بلکہ اسی قالب میں دیارِ مغرب کا پرستار ملتا جو ہمیں بھی مغربی تقلید پر اکساتا۔

علامہ اقبال کا جذبۂ وطن پرستی بے مثال ہے۔ وہ سرزمین ہند کے بلند پہاڑوں میں اپنے آپ کو کھو دینا چاہتے ہیں، وہ سُبک رفتار ندیوں میں اپنے آپ کو بہا دینا چاہتے ہیں۔ وہ ارضِ ہند کی فضاؤں میں اپنے آپ کو بکھیر دینا چاہتے ہیں۔ ایک طرف انھیں موذن کی اذان پیغامِ عمل دیتی ہے تو دوسری طرف مندر میں بجنے والی گھنٹیاں ان کو پیغامِ زیست دیتی ہیں۔ کبھی وہ کلیساؤں میں امن کی آواز بلند ہوتے ہوئے سنتے ہیں تو کبھی گوردواروں سے۔ کبھی بھگتی کے گیت ان کے دل کو قرار بخشتے ہیں تو کبھی خوش الحان طیور۔ علامہ نے اپنے وطن سے بے تحاشا محبت کی اور جب یہ محبت اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تب قالبِ اقبال میں جو شاعر ہے وہ بے خود ہو کر کہتا ہے ؎

خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

جب یہی شاعرِ ہندوستان میں نفاق کو آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے حساس دل پر چوٹ سی لگتی ہے وہ تڑپ جاتا ہے اور اپنے احساسات کو شعری جامہ اس طرح پہناتا ہے ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

علامہ اقبال نے اپنے ملک کا دورہ کیا۔ یہاں کی عظمتیں جو زمانے کی چادروں میں لپٹ چکی تھیں، غبار آلود ہو چکی تھیں انھیں تلاش کیا۔ انھیں صاف ستھرا کر کے اپنے سینے سے لگایا اور جب ان میں زندگی کی حرارت پیدا ہو گئی تب وہی عظمتیں بطور مثال ہمارے سامنے پیش کیں۔ علامہ اقبال نے ہندوستانی فلسفیوں کے ویدانت کا مطالعہ کیا۔ ایران کی زرداتیت کا مطالعہ کیا، یونان کی اشراقیت کا مطالعہ کیا۔ یورپ کے فلسفہ کے افکار و نظریات کا مطالعہ کیا مگر اسلامی نقطۂ نظر اور قرآنی فکر ہر حال میں اُن کا مقصود، ماخذ اور سرچشمہ رہا۔ علامہ کے یقینِ محکم اور ان کے ایمان کی پختگی کی ہی قوت تھی جو کسی دوسرے نظریئے اور عقیدے سے مغلوب نہیں ہو سکی۔ یہی اقبال کی کامرانی ہے، فتح ہے اور ایک عظیم شاعر کی جیت ہے کہ وہ ہر چند دوسرے رنگوں میں رہا مگر نہ اپنا رنگ بدلنے دیا اور نہ بدلا بلکہ

دوسرے رنگوں کو اپنے رنگ سے متاثر کیا۔ یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔

یہ کہنا کہ علامہ اقبال کسی ایک فرد، کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک کے شاعر تھے، ان کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی۔ دراصل علامہ اقبال ایک عالمی شاعر تھے اور ان کا پیغام ساری دنیا کے لئے ہے اور آئندہ صدیوں میں بھی رہے گا۔ یہ صحیح ہے کہ اقبال مغربی مفکرین سے متاثر ہوئے ہیں، لندن اور مغربی جرمنی سے واپسی کے بعد ان کی شاعری میں مزید تخیلات جلوہ افروز ہونے لگے۔ جن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال مشرق اور مغرب کے اتحاد سے نئی دنیا آباد کرنے کے خواہش مند تھے۔ انھوں نے جہاں حبّ الوطنی اور قوم پرستی کے نغمے سنائے ہیں وہیں غیر ملکی مدبرین کی ستائش بھی کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فنون جن سے ہم بے بہرہ ہیں مغربی ممالک سے سیکھیں اور مغربی ممالک کے لوگ ہماری اچھی باتوں کو اپنائیں۔ اگر یہ ممکن ہو سکا تو ایک نئی دنیا کی تعمیر بھی ممکن ہے۔ اس دنیا کی تعمیر سے ساری مخلوق فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

چلئے اب اس عظیم شاعر کی زندگی کے کچھ اوراق دیکھیں کہ جس بے ساختگی، برجستگی اور روانی سے اس نے اپنے وسیع خیالات کو اشعار میں ڈھالا، اس کی نجی زندگی کیسی تھی ــ روزگار فقیر (جلد ۲) میں ڈاکٹر رحمت اللہ قریشی فرماتے ہیں کہ "علاّمہ اقبال کی زندگی بہت کچھ قلندرانہ تھی۔ ان کے مالی حالات کبھی اچھے نہیں رہے، جس کا خود انھیں بھی احساس تھا۔ مگر ان کا یہ احساس کبھی فکر و غم سے آلودہ نہ نہیں ہوا۔ قناعت اور صبر و شکر علامہ کا شعار تھا۔"

علاّمہ اقبال نے بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی ضمن میں اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کا تذکرہ کیا ہے جو اکثر ان کی کفالت کیا کرتے تھے۔ یہ شیخ عطا محمد ہی تھے جنھوں نے علامہ اقبال کو حصولِ تعلیم کے لئے لندن بھیجا اور تمام اخراجات برداشت کئے۔

علاّمہ اقبال کو کتابوں سے شغف نہیں بلکہ عشق تھا۔ وہ ہر فن کی کتابیں پڑھتے تھے۔ اُن کی تمام زندگی کتابوں کے مطالعے میں گذری علامہ کا اندازِ گفتگو سادہ لیکن دلکش تھا۔ وہ عام گفتگو میں تکلف اور بناوٹ سے دُور رہتے تھے۔ گھر میں اکثر تہبند باندھتے اور بنیان پہنتے تھے اور ٹھاٹ باٹ سے دُور بھاگتے تھے۔ اُن کے اکثر ملاقاتیوں نے انھیں اسی لباس میں دیکھا۔ احباب میں علامہ کی بذلہ سنجی کافی مشہور تھی۔ علامہ اقبال تاکید کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے زندگی کو باقاعدہ اور سادہ بنانے کی کوشش کی جائے۔ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے کی بھی بہت تاکید فرماتے تھے کہ اُن کی صحبت میں اکسیر کی تاثیر ہے۔ علامہ اپنے دانتوں کی صفائی کے لئے مسواک استعمال کرتے تھے۔ اُن کے غسلخانے میں مسواک ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ مسواک کو مبارک اور مفید اس لئے بھی بتاتے تھے کہ اس میں سنتِ رسول بھی مضمر ہے۔ علاّمہ اقبال کو حقّے سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ یہ ایک خاندانی عادت تھی جس سے علامہ کے والد اور بڑے بھائی بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ کھانے پینے کی چیزوں سے علامہ کو زیادہ شغف نہیں تھا بلکہ وہ سادہ غذا استعمال کرتے تھے۔ پھلوں میں آم سے دلی رغبت تھی۔ اکثر احباب فصل میں آموں کی پیٹی بھیجتے تاکہ علامہ اپنی پسند کے مطابق آموں سے شوق فرمائیں۔

علامہ کی زندگی قرآنی اصولوں کی پابند رہی۔ عشقِ رسولؐ میں تو وہ ڈوبے ہوئے تھے ہی۔ قرآن کی تعلیم علامہ نے مدرسے میں داخلہ لینے سے پہلے ہی مکمل کر لی تھی۔ علامہ کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی ذاتی پریشانیوں میں گھر کر بھی پریشان نہ ہوتے بلکہ راضی بہ رضا رہتے اور اسی کی تلقین بھی کرتے۔ علامہ اقبال کی مثالی زندگی میں خوفِ خدا، عشقِ رسولؐ، تزکیۂ نفس۔ محبت و اخلاص اور خودداری، سب ہی نمایاں ہیں۔ اسی لئے ان کے اشعاروں میں گھن گرج بھی ہے اور چمک بھی! نزاکت بھی ہے ملائمت بھی! شیرینی بھی ہے، پہاڑوں سے ٹکرانے کا عزم بھی! دریاؤں کے رُخ موڑنے کی طاقت بھی ہے۔ علامہ اقبال پہاڑوں سے نکلنے والی ندیوں کے ترنم سے محظوظ بھی ہوتے ہیں اور طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار بھی رہتے ہیں۔ ان کی شاعری میں نالہ ہائے نیم شبی بھی ہے اور وصل کی آرزو بھی!

علامہ اقبال کی سب سے پہلی کتاب جو منظرِ عام پر آئی وہ "بانگِ درا" ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ یہی کتاب علامہ کی شہرت کا سنگِ بنیاد ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ علامہ نے اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی تھی۔ بانگِ درا میں ان کی کئی غزلیں شامل ہیں۔ جن میں غالب۔ میر، مومن اور داغ کا رنگ جھلکتا ہے۔ بانگِ درا کے پہلے حصہ میں علامہ اقبال کی وہ نظمیں اور غزلیں ہیں جو انھوں نے ابتدا میں لکھیں۔ جن میں علامہ کی وطن پرستی کا جذبہ درجۂ کمال تک پہنچا ہوا نظر آتا ہے۔

"ہمالہ"، "صدائے درد"، "تصویرِ درد"، "نیا شوالہ" اور "ترانۂ ہندی" نے پورے ملک میں علامہ اقبال کی وطن پرستی کے ڈنکے بجوا دیئے۔ علامہ اپنے وطن سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ وہ یہاں کی غربت یہاں کی مفلوک الحالی پر آنسو بہاتے تھے اور دل و جان سے انھیں دور کرنے کے خواہش مند تھے۔

علامہ اقبال کی سب سے پہلی نظم "ہمالہ" ان کے جذبۂ وطن پرستی کی مظہر ہے۔ اسی نظم میں 'ہمالہ' سے مخاطب ہوتے ہیں ؎

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیم طورِ سینا کے لئے!
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لئے

"صدائے درد" علامہ اقبال نے آپسی کشیدگی سے متاثر ہو کر لکھی۔ پوری نظم اتحاد کا درس دیتی ہے۔ اُن کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان میں بسنے والے ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب ہی اقوام کو محبت اور پریم کی ایک ہی مالا میں پرو دیا جائے ؎

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے!

"تصویرِ درد" نظم بھی علامہ اقبال کے جذبۂ وطن پرستی سے پُر ہے۔ انھوں نے پُر اثر الفاظ میں اہلِ وطن کی نفاق انگیز روش پر نوحہ خوانی کی ہے اور صاف صاف الفاظ میں ان کے ذہن نشین کرا دیا ہے کہ اگر پوری قوم میں اتحاد قائم نہیں ہو سکا تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں بربادی سے نہیں بچا سکے گی ؎

ٹپک اے شمع! آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں، حسرت بھری ہے داستاں میری

اور ؎

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

"نیا شوالہ" علامہ اقبال کے دورِ وطن پرستی کا جگمگاتا ستارہ ہے اندازِ بیان پر علامہ کو جو عبور تھا اس کی بہترین مثال اس نظم میں ملتی ہے۔ علامہ نے وطن کی عظمت دلوں پر نقش کر دی ہے ؎

آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں

اور ؎

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

۱۹۰۴ء میں اقبال نے "ترانۂ ہندی" نظم لکھی۔ یہی وہ ترانہ ہے جو آزادی کے متوالوں نے مِل جُل کر گایا اور اسی ترانہ کے سہارے دونوں فرقوں نے شانہ بشانہ آزادی کی جنگ لڑی اور کامران ہوئے ؎

اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

علامہ اقبال کی فکری وسعت مغربی ممالک کا دورہ کر لینے کے بعد بہت بڑھ گئی اور ۱۹۰۸ء کے بعد ان کے قلم نے جو گوہر افشانیاں کیں ان کی وجہ سے اقبال کی شہرت ہندوستان سے نکل کر مغربی ممالک میں پھیل گئی۔ علامہ اقبال نے اپنی زندگی کے آخیری زمانے میں بہت کم لکھا جس کی ایک وجہ تو آنکھوں کی تکلیف اور دوسری طرف ذہنی انتشار تھا۔

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہندوستان کا یہ عظیم شاعر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا اور "کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ" کا ربانی قانون پورا ہو کر رہا۔

شیخ محمد اقبال

ولادت : ... ... بروز جمعہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء
مقامِ پیدائش : ... ... سیالکوٹ
والد بزرگوار : ... ... شیخ نور محمد
والدہ مخدومہ : ... ... امام بی بی

حیاتِ اقبال کی چند جھلکیاں

واقعاتی نیوز ریل

* عبدالمجید سرور، مالیرکوٹلوی

باپ کا خواب

اقبال کی پیدائش سے کچھ روز پہلے میں نے ایک خواب دیکھا۔ ایک بڑے میدان میں بہت سے لوگوں کا ہجوم ہے۔ فضا میں ایک نگار رنگ پر دل فرالا ایک نہایت ہی خوبصورت پرندہ اڑ رہا ہے، اس کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ لوگ دیوانہ وار اپنے بازو اٹھا کر اس پرندے کو حاصل کرنے کی جد و جہد کر رہے ہیں، اس ہجوم میں، میں بھی ہوں۔ وہ پرندہ کسی کی کوشش سے ہاتھ نہیں آتا۔ آخر ایک دم فضا سے اترا، خود بخود میرے دامن میں آگرا، میں نے اسے پکڑ لیا۔ اقبال کی پیدائش کے بعد اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ وہ پرندہ یہی بچّہ ہے۔"

شیخ نور محمد (والدِ محترم علامہ مرحوم)

ہونہار بروا

علامہ کے والد چونکہ دین اور تصوّف کے دلدادہ تھے، اس لئے انھوں نے اقبال کو بھی دینی تعلیم سے پوری طرح بہرہ مند کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے سیالکوٹ کے مایہ ناز عالم اور مفسّر مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے اور وہاں داخل کرا دیا۔ حافظ میر حسن صاحب کے مولانا غلام حسن کے گہرے تعلقات تھے اور وہ ان سے ملنے اکثر مکتب جایا کرتے تھے، اقبال کو مکتب میں داخل ہوئے ابھی دو ہی ماہ ہوئے تھے کہ ایک روز حافظ میر حسن وہاں گئے، اور کونے میں بیٹھ کر سبق یاد کرنے میں منہمک اقبال کو دیکھ کر اس گوہرِ نایاب کو پہچان گئے۔ اور اس کی طرف اشارہ کر کے مولانا غلام حسن سے پوچھا "یہ کس کا بچّہ ہے؟"

مولانا نے بتایا "یہ شیخ نور محمد کا بچّہ ہے۔ تو حافظ صاحب نے اشارے سے اقبال کو اپنے پاس بلایا۔ اور مولانا غلام حسن سے کہا "ہم اس بچہ کو خود تعلیم دیں گے۔ اس کے لئے یہ ماحول سازگار نہیں ہو سکے گا۔ اور اسی وقت اقبال کو اپنے ہمراہ لے گئے۔

—— منظور انور قریشی

والد کا اندازِ تربیت

سفر کابل سے واپسی میں قندھار کا ریگستانی میدان طے ہو چکا تھا اور سندھ و بلوچستان کی پہاڑیوں پر ہماری موٹریں دوڑ رہی تھیں۔ شام کا وقت تھا، ہم دونوں ایک ہی موٹر میں بیٹھے تھے، روحانیت پر بات چیت ہو رہی تھی ارباب دل کا تذکرہ تھا۔۔۔ کہ موصوف نے بڑے تاثر کے ساتھ اپنی ابتدائی زندگی کے دو واقع بیان کئے۔۔۔

فرمایا "جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ تلاوتِ کلام پاک کرتا تھا۔ والد محترم اپنے اوراد و ظائف سے فرصت پا کر آتے، اور مجھے دیکھ کر گذر جاتے۔ ایک دن صبح میرے پاس سے گذرے تو مسکرا کر فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ میں نے دو چار مرتبہ بتانے کا تقاضا کیا تو فرمایا جب امتحان دے لوگے۔ جب پاس ہو گیا، پوچھا تو فرمایا بتاؤں گا۔"

ایک دن صبح کو جب میں حسب دستور قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آگئے۔ اور فرمایا "بیٹا! کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو، تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے"۔ ڈاکٹر اقبال کا کہنا ہے کہ ان کا یہ فقرہ میرے دل میں اتر گیا۔ اور اس کی لذت دل میں اب تک محسوس کرتا ہوں۔

اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ۔ باپ نے ایک دن بیٹے سے کہا "میں نے تمھیں پڑھانے، لکھانے اور سکھانے میں جو محنت کی ہے، میں تم سے اس کا معاوضہ چاہتا ہوں۔ لائق بیٹے نے بڑے شوق سے پوچھا "وہ کیا ہے؟"

باپ نے کہا "کسی موقع پر بتاؤں گا۔" چنانچہ انھوں نے ایک دفعہ کہا "بیٹا! میری محنت کا معاوضہ یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کرنا۔ بات ختم ہوگئی۔ ڈاکٹر اقبال کہتے تھے کہ اس کے بعد میں نے امتحان وغیرہ دیکر اور کامیاب ہو کر لاہور میں کام شروع کیا۔ ساتھ ہی میری شاعری کا چرچا ہوا۔ ترانہ اور دوسری نظمیں لکھیں، اور لوگوں نے انھیں ذوق و شوق سے پڑھا۔ اور سنا۔ اور سامعین میں ولولہ پیدا ہونے لگا۔ تو ان ہی دنوں میں میرے

والد مرض الموت میں بیمار ہوئے۔ میں اُن کو دیکھنے لاہور جایا کرتا تھا ایک دن میں نے اُن سے پوچھا والدِ بزرگوار! آپ سے جو میں نے اسلام کی خدمت کا عہد کیا تھا۔ وہ پورا کیا یا نہیں؟' باپ نے شہادت دی۔ 'جان من! تم نے میری محنت کا معاوضہ ادا کر دیا'۔

— سید سلیمان ندوی

اُستاد اور شاگرد

حافظ میر حسن صاحب نے اقبال کو مشرقی اور مغربی علوم کی بھٹی میں کندن بنانے کے لئے جس انداز سے محنت کی' اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ مکتب میں اپنے ہونہار شاگرد کو عام طلبہ کے ساتھ لیکچر دینے کے علاوہ رات کو بلاناغہ پڑھایا کرتے تھے۔ وہ خود ادبیات، ریاضی، فلسفہ اور نفسیات کے اعلیٰ اُستاد تھے' اس لئے انھوں نے اپنے شاگرد کو ان علوم میں پوری طرح ماہر کر دیا تھا۔ عالی مرتبت استاد اور ہونہار و فرمانبردار شاگرد کے آپس کے تعلقات خاصے دوستانہ تھے' حافظ صاحب نے کبھی بھی اقبال میں مکتب یا گھر کے تعلیمی ماحول میں بدمزگی کا احساس پیدا نہیں ہونے دیا تھا۔ علامہ اقبال بھی شہرت اور تعلیم کے بام عروج پر پہنچنے کے باوجود اپنے عالی مرتبت استاد کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب کبھی حضرت شاہ صاحب ان کی مجلس میں جاتے' تو وہ اٹھ کھڑے ہوتے اور اُستاد کی موجودگی میں کبھی کرسی پر بھی نہ بیٹھتے۔ علامہ اقبال نے اسی ادب و احترام کے تحت بڑے واضح انداز میں کہا ہے ؎

مجھے اقبال اس سید کے گھر سے فیض پہنچا ہے
پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں

— مرزا جلال الدین

کرب اور شاعری

شعر؟ — جی ہاں شعر؟ — اُن پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوتی' ہفتوں فکرِ شعر میں مستغرق رہتے۔ عموماً رات کو پچھلے پہر شعر کہتے۔ ایک عجیب کرب ان کے سارے جسم پر محیط ہوتا۔ ایک کپکپی سی طاری ہو جاتی، ان کا چہرہ تمتمانے لگتا۔ آنکھیں سُرخ ہو جاتیں۔ اور جب شعر یا نظم دماغ میں موزوں ہو جاتی تو پکارتے "علی بخش! کاپی لاؤ! قلم لاؤ' دوات لاؤ' قرآن شریف لاؤ۔ شعر کہنے سے پہلے قرآن مجید کے اوراق کھولتے جاتے، اس میں کچھ دیکھتے' پھر شعر کہنے لگتے۔ کبھی کبھار قرآن کھولتے ہی چپ ہو جاتے، کاپی واپس کر دیتے۔ میں چارپائی پر جا کر سوتا تو آواز آتی "علی بخش آؤ"۔ غرض کہ اُن کے شعر کہنے کا انداز کسی طرح ایک کٹھن سفر سے مختلف نہ تھا۔ میں نے بارہا انھیں روتے دیکھا۔ شعر کہتے جاتے اور روتے جاتے۔

— علامہ اقبال کی کہانی علی بخش کی زبانی

شعر کیوں کر لکھتے تھے

اُن کے شعر کہنے کی حالت بھی دوسرے شعراء سے کچھ الگ تھی' فرماتے تھے' سال میں چار یا پانچ ماہ تک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں ایک خاص قوت پیدا ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے بلا ارادہ شعر کہتا رہتا ہوں' اس قوت کی موجودگی میں گھر کے دوسرے کام بھی کرتا رہتا ہوں، مگر زیادہ تر طبیعت کا رجحان شعر گوئی کی طرف رہتا ہے' ان دنوں عموماً شعر گوئی کے لئے رات میں بیدار رہنا پڑتا ہے۔ میرے استفسار کرنے پر فرمایا کہ میں نے ایک رات میں زیادہ سے زیادہ تین سو اشعار کہے ہیں' ۴-۵ ماہ بعد یہ قوت ختم ہو جاتی ہے۔ تو غور و فکر کے بعد شعر کہے جا سکتے ہیں' مگر یہ آورد ہوتی ہے اور وہ آمد۔ دونوں طرح کے اشعار میں تمیز کی جا سکتی ہے۔ اس حالت کو ڈاکٹر صاحب حمل سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور اس حالت کے اختتام کو وضع حمل سے۔

— شفاء الملک حکیم محمد حسن قریشی

غریب پروری

کوئی فقیر مانگنے آتا تو اُس کے چہرے سے اصلیت معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔ اُسے مایوس نہ کرتے۔ کئی سائل چپکے سے عرض حال کرنے آجاتے' کہتے' علی بخش انھیں کہو پھر کبھی آنا۔ جب وہ باہر چلا جاتا تو مجھے کہتے اسے یہ روپے دے آؤ۔ یہ خبر نہ ہونے دینا کہ میں نے بھجوائے ہیں۔

میرے آقا غریب پرور بہت تھے۔ اگرچہ بہت امیر نہ تھے، کہ غریبوں کی عام مدد کر سکتے، مگر جو بھی تنگ دست آتا اس کی مدد ضرور کرتے۔ خواہ انھیں منشی طاہر دین سے کچھ اُدھار لے کر ہی حاجت مند کی ضرورت کیوں نہ پوری کرنی پڑے۔ عجیب بات یہ کہ جب قرض لینے والا، قرض لوٹانے آتا تو لینے سے انکار کر دیتے۔"

— علامہ اقبال کی کہانی علی بخش کی زبانی

دوست

چودھری محمد حسین صاحب بلاناغہ عموماً رات کو علامہ کے پاس آیا کرتے

جبکہ سب ملنے جلنے والے جا چکے ہوتے، اور علامہ تنہا ہوتے۔ علامہ چودھری صاحب کو اپنا تازہ کلام سناتے۔ ایک پرانے لیمپ کی مانند ہی روشنی میں دونوں بزرگ فارسی یا عربی لغت کی موٹی موٹی جلدوں کے صفحے الٹتے اشعار میں مضمون کی یکجہتی، الفاظ کی صحت یا جذبات کی صحت پر بحث و تمحیص ہوتی یا ہنسی مذاق کی باتیں ہوتیں۔ بعض اوقات اسلام، فلسفہ یا سیاست پر گفتگو ہوتی، چودھری صاحب بہت کھل کر ہنستے تھے اور آپ کے قہقہوں کی آواز اکثر علامہ کے کمرے میں گونجا کرتی۔ آپ اچھی غذا کے نہ صرف شوقین تھے بلکہ خوب خوب کھاتے تھے۔ جن دنوں علامہ علیل تھے اور اطباء کے مشورے پر انھوں نے مرغن غذائیں کھانی بند کر رکھی تھیں تو اکثر علامہ بریانی، قورمہ، مرغ مسلم اور کباب پکواتے اور اپنے روبرو چودھری صاحب کو کھلواتے اور آپ کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔

(حکیم الامت کے دستِ راست، چودھری محمد حسین از جاوید اقبال)

صوفی اقبال

میں شام کے وقت حسب معمول حاضر تھا۔ ایک بزرگ فقیر حضرت کے پاس آئے۔ باتیں شروع ہوئیں، حضرت نے فرمایا "سائیں جی میرے لئے دعا کیجئے" وہ کہنے لگے "کیا آپ کو دولت مطلوب ہے؟"

"نہیں مجھے دولت کی ہوس نہیں، اللہ مجھے ضرورت کے مطابق عطا کر دیتا ہے، درویش آدمی ہوں۔"

"کیا دنیا میں عزت و جاہ کے طلب گار ہو؟"

"نہیں، وہ بھی اللہ کے فضل سے حاصل ہے، میں کسی اونچے مرتبے کا طالب نہیں ہوں۔"

سائیں جی نے پوچھا "پھر کیا خدا سے ملنا چاہتے ہو؟" اس پر حضرت کی آنکھوں میں خاص چمک پیدا ہوئی۔ فرمانے لگے۔ "خدا سے ملنا؟ سائیں جی! خدا خدا کرو، میں اس سے کیونکر مل سکتا ہوں، میں بندہ وہ خدا، میرا اس کا واسطہ صرف بندگی کا ہے، ملنا کیا معنی؟ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ خدا مجھ سے ملنے آ رہا ہے تو میں بیس کوس دور بھاگ جاؤں۔ اس لئے کہ قطرہ دریا سے ملے گا تو قطرہ غائب ہو جائے گا۔ میں قطرے کی حیثیت سے قائم رہنا چاہتا ہوں، اپنے آپ کو مٹانا نہیں چاہتا۔ بلکہ قطرہ رہ کر اپنے آپ میں دریا کے خواص پیدا کرنا چاہتا ہوں۔" اس پر سائیں بے خود ہو کر جھومنے لگے، اور کہنے لگے "واہ اقبال، بابا جیسا سنتے تھے، ویسا ہی پایا۔ تو خود آگاہ مشرب ہے، تجھے کسی فقیر کی دعا کی کیا ضرورت ہے۔"

— عبدالمجید سالک

یتیم پروری

روپے پیسے کے معاملے میں بےحد دیانتدار اور محتاط تھے، میکلوڈ روڈ والی کوٹھی کا پونے دو سو روپے ماہوار کرایہ دیا کرتے تھے۔ ہزار دفعہ عرض کیا "یہ کوٹھی اتنے کی نہیں، آپ کیوں روپیہ برباد کرتے ہیں، لیکن ہمیشہ یہی کہتے۔ یہ کوٹھی ایک ہندو بیوہ کی ہے۔ جس کے بچوں کی گذر اسی کرائے پر ہے، مجھے کرایہ کم کرنے کی تحریک کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ پونے دو سو روپے اس بیوہ کو بھیج دیا کرتے تھے۔

(دگر دانائے راز آید کہ ناید)

ریشمی رضائی

ایک دفعہ بیگم صاحبہ نے ان کے لئے ریشمی رضائی تیار کی، جب انھیں اوڑھنے کے لئے دی گئی تو لینے سے انکار کر دیا۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ آپ کے پاس بڑے بڑے آدمی آتے ہیں، اس لئے آپ کا بستر اچھا ہونا چاہئے، جواب میں فرمانے لگے۔ ظاہری نمائش سے مجھے اپنی سہولت اور آرام زیادہ عزیز ہے اس لئے مجھے کھدر کے استر والی پرانی رضائی دے دی جائے۔ کھدر زیادہ گرم ہوتا ہے اور وہی مجھے درکار ہے۔

(علی بخش۔ خادم اقبال)

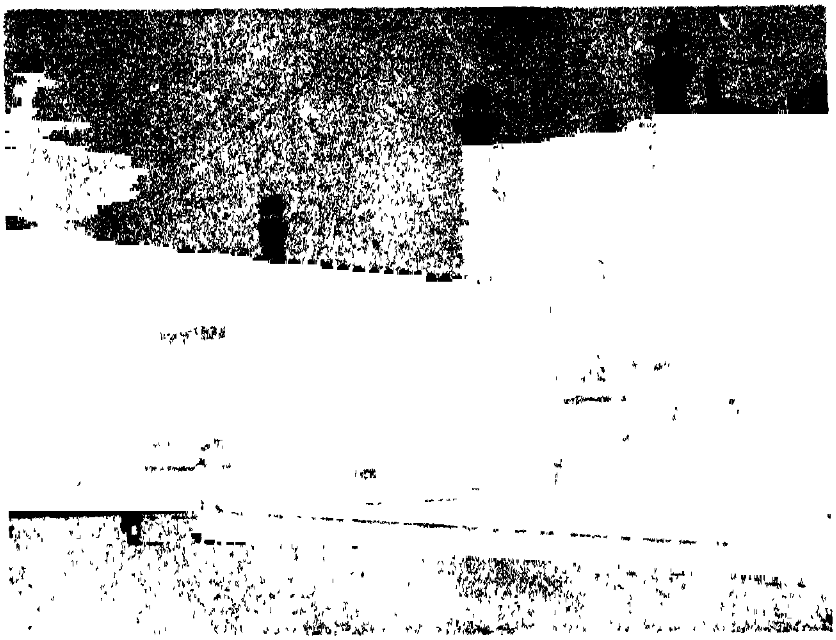
انتہائی غصہ

جب ناراض ہوتے تو "بڑا بیوقوف ہے"، "بڑا نالائق ہے"، کہتے تھے، یہ انتہائی غصہ کے اظہار کے وقت کہتے تھے۔

(علی بخش۔ خادم اقبال)

آخری لمحات

۱۹ اپریل کو حالت خراب ہونی شروع ہو گئی۔ تھوک میں خون آنے لگا۔ اور نبض بہت ضعیف ہو چکی تھی، شام کو جب میں نے اور تین چار ڈاکٹروں نے دیکھا تو حالت اطمینان بخش نہیں تھی، تاہم حواس اسی طرح صحیح سالم تھے کہ ظاہری حالت میں کوئی تغیر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں اس رات ۱۲ بجے تک پاس بیٹھا رہا۔ چودھری محمد حسین صاحب، سید نذیر نیازی صاحب، پروفیسر مظفرالدین صاحب اور میاں محمد شفیع صاحب بھی



لاہور کی
عظیم الشان
بادشاہی مسجد
کے زیرِ سایہ
مزارِ حکیم الامّت۔

موجود تھے، ایک آدھ دفعہ میں نے اجازت چاہی تو فرمایا ابھی ٹھہریں۔

جب ڈاکٹر صاحب کی طبیعت بحال ہو گئی تو میں اجازت لیکر اپنے رفقاء کے ساتھ چلا آیا۔ میرے آنے کے بعد کچھ دیر تک نیند آئی۔ پھر آنکھ کھُل گئی اور بے چینی شروع ہوئی۔ تین بجے کے قریب میاں محمد شفیع صاحب کو میرے پاس بھیجا۔ مکان کا دروازہ بند تھا، باہر ملازم سویا ہوا تھا۔ شفیع صاحب نے اسے کوئی غیر آدمی سمجھ کر نہ جگایا۔ چند آوازیں دیں اور جواب نہ پاکر واپس چلے گئے۔ جب شفیع صاحب ویسے ہی چلے گئے تو فرمایا کہ افسوس قرشی صاحب بھی نہ پہنچے۔ اس کے بعد پونے چار بجے راجہ حسن اختر صاحب کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ قرشی صاحب کو بلا لائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ رات بہت دیر سے گئے ہیں، اس وقت ان کو بیدار کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اس پر وہ قطعہ ارشاد فرمایا، جس کی اس قدر شہرت ہو چکی ہے ؎

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید ؛ نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے ؛ دگر دانائے راز آید کہ ناید

راجہ صاحب نے قطعہ کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا، میں ابھی حکیم صاحب کو لا رہا ہوں۔ وہ ۴ بجکر ۵ منٹ پر جاوید منزل سے نکلے۔ اس کے بعد فرمایا کہ پلنگ کے ساتھ کمرے میں لے چلو۔ جب اندر پلنگ لے گئے تو فرمایا کہ کندھا دبایا جائے۔ اس کے بعد ہی فرمایا کہ دل پر تکلیف ہے۔ اس کے ساتھ ہی پانچ بجکر ۱۴ منٹ پر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

میں جب جاوید منزل پہنچا، تو معلوم ہوا کہ طلوعِ آفتاب کے ساتھ علم و ادب کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو چکا ہے۔

(شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی)

موت

اقبال نے فرمایا تھا کہ موت کا کوئی وجود نہیں ہے ؎

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

؎ موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

• مناظر عاشق ہرگانوی

علامہ اقبال اور ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں اُردو ادب کے مشاہیر میں سے ہیں۔ انھیں بابائے صحافت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے ہمعصروں اور ان کے خاص دوستوں میں مولانا ظفر علی خاں کا بھی شمار ہوتا تھا۔

اقبال سے ان کی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب اقبال انارکلی والے مکان میں رہتے تھے۔ اس سے پہلے جب ظفر علی خاں حیدرآباد میں تھے تو مخزن میں اقبال کی نظمیں دیکھ کر انھوں نے ایک خط لکھا، جس میں ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو خراجِ تحسین ادا کیا گیا تھا۔ اقبال نے بھی اس خط کا جواب دوستانہ پیرائے میں دیا۔ اور یوں ان دونوں کے درمیان "قلمی دوستی" قائم ہوگئی۔

جب ظفر علی خاں لاہور آئے تو انارکلی والے مکان میں اقبال سے پہلی ملاقات ہوئی۔ ان دنوں وہ جوان تھے، شباب ان کے چہرے سے پھوٹ پھوٹ پڑتا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے۔ اس کے بعد دونوں میں برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں میں اس دور کے حالات، شاعری، فلسفے اور طرح طرح کے مسائل پر گھنٹوں گفتگو ہوتی۔

یہ حقیقت ہے کہ اقبال شاعر کے ساتھ ساتھ ایک عظیم المرتبت فلسفی بھی تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ ملتِ اسلامیہ کی حیاتِ نو کے پیغامبر تھے۔

حیدرآباد کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر جب ظفر علی خاں نے لاہور سے "زمیندار" نکالا تو اقبال نے اس میں پوری پوری دلچسپی لی۔ اکثر وہ "زمیندار" کے لئے کوئی نہ کوئی نظم لکھ دیتے جو اس کے صفحۂ اول پر شائع ہوتی تھی۔

اقبال کے مزاج میں ظریفانہ رنگ بھی بہت تھا۔ بے تکلف دوستوں کی محفل میں وہ بڑی فراغ دلی سے شامل ہوتے اور ایک ہی نشست میں کئی کئی لطیفے کہہ ڈالتے تھے۔ مزاحیہ اشعار وہ خود بھی کہتے تھے۔ ان کا یہ مصرعہ زبان زدِ عوام ہے ؎ الہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک آیا

مولانا ظفر علی خاں، اقبال کے ایسے بے تکلف دوستوں میں تھے کہ کبھی کبھی اقبال ایک آدھ مصرعہ کہہ دیتے اور ظفر علی خاں سے کہتے کہ وہ باقی نظم مکمل کریں۔ اسی طرح ایک مرتبہ ان دونوں نے ایک مشترکہ نظم کہی جس میں آدھے شعر اقبال کے اور آدھے شعر ظفر علی خاں کے تھے۔ یہ واقعہ جولائی ۱۹۱۱ء کا ہے۔ نظم کا موضوع اس دور کے غدار اور ضمیر فروش تھے۔ پوری نظم یہ تھی:

؎ ہمارے شاہ کا ہمسر نہ دارا ہے نہ خسرو ہے
کہ اس کی ذات پہ نازاں بساطِ کہنہ و نو ہے
اگر اس کی سلامی کے لئے نواب جھکتے ہیں
تو راجاؤں نے بھی چھدوائی اپنے کان کی لَو ہے
کئی مسلک کئے ہیں لازمی تعلیم نے پیدا
اور ان کا کوئی پٹھو کوئی آغا کا پیرو ہے
عجب ہے کھیل قسمت کا کہ کونسل الیکشن کی
بچھائی شیخ بیچارے نے لالہ کو پڑی پو ہے
نہیں ہے ہر اظہار دغا لازم نمود اصلاً!
کہ بحرِ شعر میں پانی نہیں مطلق مگر رو ہے!

اقبال بطور دوست ایک مثالی انسان تھے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ "زمیندار" میں ظفر علی خاں نے شعر کی زبان میں اقبال پر کچھ لطیف چوٹیں کیں، مگر اقبال نے بُرا نہ مانا بلکہ ظفر علی خاں کی نظموں کی تعریف کی۔ یہی "لطیف چوٹیں" تھیں، جن کا مطلب لوگوں نے یہ نکالا تھا کہ اقبال اور ظفر علی خاں ایک دوسرے سے کبیدہ خاطر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اقبال کا ظرف بہت بلند تھا۔ دوستوں کی چشمک سے کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوئے۔ ظفر علی خاں نے جو کچھ لکھا وہ ایک مخلص دوست کا شکوہ تھا۔

اقبال کی موت پر ظفر علی خاں کے یہ اشعار دیکھئے ؎

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا!
اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنا!

کلکتہ د کابل میں بھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا
تھا اس کے تخیل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کو اُبھرنا
ہر روز دیا اس نے مُسلمانوں کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا !
ملّت کو نئی زندگی اقبالؔ نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

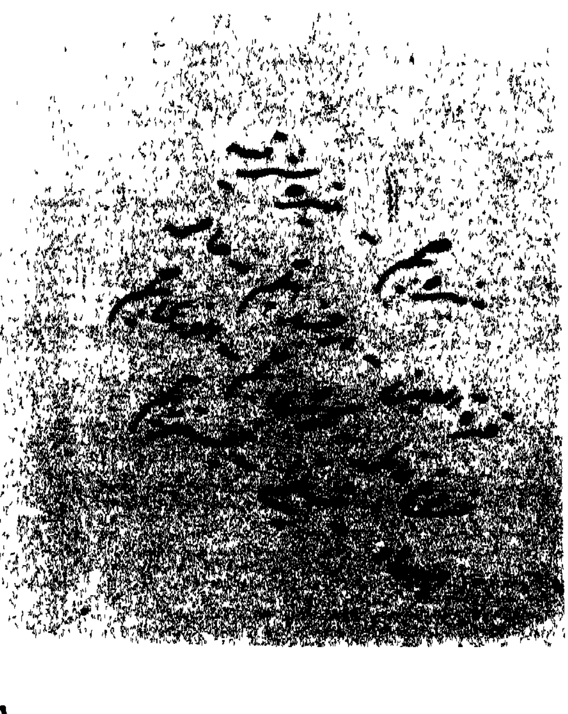
اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں، یہ اقبال ہی تھے جن کی گرمیٔ گُفتار نے جوانانِ اسلام کے سینوں میں آرزو اور سوز و گداز کی مشعلیں روشن کیں اور انھیں اپنی منزل سے آشنا کیا۔ اقبالؔ نے ایک بار یہ آرزو کی تھی ؎

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کردے

••



علامہ اقبال، مولانا سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کی ایک یادگار تصویر، جو سفرِ افغانستان کے موقع پر لی گئی تھی۔



اسلامی طرز کے نام ۔ ڈاکٹر اقبال کو اسلامی طرز کے نام رکھنے کا بہت شوق تھا۔ آپنے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کے ہاں لڑکی پیدا ہونے پر اپنے قلم سے یہ نام لکھ کر بھیجے تھے

اقبال ایک ہیومنسٹ (انسانیت نواز) شاعر کی حیثیت سے...

اصغر علی انجینئر

اقبال کو اُردو اور فارسی ہر دو زبانوں کی شعر گوئی میں امتیازی مقام حاصل ہے۔ اُن کی شاعرانہ ذہانت نے انھیں دنیا کے نامور شعراء کے دوش بدوش کر دیا ہے۔ تصوّرِ کائنات سے متعلق اُن کے خیالات وعقائد ایک نسل، ایک فرقے یا ایک قوم کی حد تک محدود نہ تھے بلکہ ان کے خیالات آفاقی یا عالمگیر نوعیت کے تھے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے ان کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگرچہ اظہارِ خیال کے لئے انھوں نے اسلامی اصطلاحات کا سہارا لیا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال اپنے نظریہ و پیغام میں اسی طرح آفاقی تھے جس طرح گاندھی جی یا ٹیگور، کیونکہ ان دونوں بلند مرتبہ شخصیتوں نے بھی اپنے فلسفیانہ تصورات کا اظہار ہندو مذہبی اصطلاحات کے ذریعہ ہی کیا تھا۔ اگر گاندھی جی اور ٹیگور اپنے خیالات کو ہندو مذہبیات کے رنگ میں پیش کرنے کے باوجود آفاقی تھے تو ڈاکٹر اقبال جنھوں نے اپنے خیالات کا اظہار اسلامی اصطلاحات کے ذریعہ کیا تھا، آفاقی ہی قرار دیئے جائیں گے۔

یہ نکتہ خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ اقبال نے اسلام کو من وعن اس شکل میں کبھی قبول نہیں کیا جس شکل میں انھوں نے ورثہ میں پایا تھا بلکہ وہ تو جاگیردارانہ طرز والے اور قرونِ وسطیٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے اُس اسلام کے شدید ناقدین میں سے تھے جو مافوق الفطرت نظریوں اور رسوم پرستی کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور اسلام کی اصل رُوح کو مجروح کرتا تھا۔ اسلام کے بارے میں وہ ایک خاص تصوّر رکھتے تھے اور اسی کی مطابقت میں انھوں نے اسلام میں نظریاتی خیالات کے بلند کوشش تعمیرِ نو پر توجہ مرکوز کی تھی۔ لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کماحقہٗ کامیاب اس لئے نہ ہو سکے کہ اس دشوار گذار منزل کی طرف انھوں نے نہایت محتاط انداز میں اقدام کیا تھا۔ سر دست اقبال کے اس طرزِ کلام کے متعلق کچھ کہنا میرا موضوع نہیں ہے اقبال کے کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مجموعی طور پر ہیومنسٹ (انسانیت نواز) شاعر تھے۔ بحیثیت ایک مسلمان کے، نہ صرف ہندوستان، بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی تباہ حالی پر انھیں دلی رنج تھا۔ وہ انھیں اپنے کلام کے نشتر سے بیدار کرنا چاہتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اگر مسلمانوں کے رگ و پے میں ابتدائے اسلام کی سی متحرک قوتِ عمل پیدا کی جا سکے تو وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے انھیں بے جان سماجی بندھنوں، جاگیردارانہ اوہام اور رسوم پرستی کو ترک کرنا اور کردار کی بلندی والا طرزِ عمل کو اپنانا ہوگا۔ بقول اقبال ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

فلسفیانہ طور پر، اقبال معروضی تصوریت OBJECTIVE IDEALISM کے قائل تھے نہ کہ مادہ پرستی کے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے کارل مارکس کے تاریخی مادیت پسندی کے نقطۂ نظر کو قبول نہیں کیا اور مسلمانوں کے زوال کے اسباب نفسیاتی، روحانی اور جذباتی عوامل میں تلاش کئے۔

شدّتِ جذبات نے اقبال کی شاعری میں غضب کا اثر پیدا کر دیا، اور جس نے دل کی گہرائیوں سے ہم آہنگ ہو کر عجیب و غریب کیفیتیں پیدا کیں۔ بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا جیسے خیالات کو محسوسات کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہو اور پڑھنے والے کو ان کے کلام میں یہ عنصر ملتا ہے۔

ہیومنزم کے اس فلسفے کی رُو سے، جو یورپ میں رینساں کے دور میں اُبھرا ہے، انسان کو زمین پر مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ کیونکہ اس مکتبِ فکر کی رُو سے انسان نہ صرف قدرت کی قوتوں کو مطیع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ اُن پر غلبہ حاصل کرنے اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان میں زبردست تخلیقی صلاحیتیں ہیں اور آئے دن نت نئی تخلیقات ہی اس کی زندگی کو بامعنی بناتی ہیں۔ علاوہ ازیں ہیومنسٹ مکتب

فکر کے فلسفیوں کی نظر میں یا تو خدا کا کوئی تصور سرے سے ہے ہی نہیں، یا تخلیقی قوت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو کر انسان تخلیقی عمل میں خدا کا شریک کار بن جاتا ہے۔ اقبال اگرچہ باقاعدہ طور پر ہیومنسٹ مکتب فکر کے فلسفیوں میں سے نہیں تھے، پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے نظریات میں ایسے فلسفیوں کے بڑے حد تک ہم خیال تھے۔ انسان سے متعلق اقبال کے ویژن کا نچوڑ ارنسٹ کاسیرر کے الفاظ میں یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ:

"انسان کی مابہ الامتیاز خصوصیات اور اس کی خاص علامت
اس کی مابعد الطبیعاتی فطرت نہیں ہے۔ صرف اس کا عمل ہے
یہ اس کا عمل اور انسانی اعمال کی تنظیم ہی ہے جو اس کی شناخت
کراتی ہے اور اس کی بشریت کا دائرہ مقرر کرتی ہے۔ زبان، دیو
مالائی کہانیاں، مذہب، آرٹ، سائنس اور تاریخ اسی دائرۂ
بشریت کے مختلف حصے اور اجزا ہیں۔"

اقبال کے صدہا اشعار انسانی وقار، احترام آدمی اور اس کے بلند رتبے کی توصیف سے بھرے پڑے ہیں جو ہیومنزم فلسفے کے اہم پہلو ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است

اقبال ہندو حکماء اور عقلاء کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنی نظم 'جاوید نامہ' میں، جسے ان کے شاعرانہ کارنامے سے تعبیر کیا جاتا ہے، انھوں نے وشوامتر اور مشہور عارف مولانا رومی کی گفتگو کو اس انداز میں پیش فرمایا ہے ؎

برمقام خود رسیدن زندگی است
ذات را بے پردہ دیدن زندگی است
بندہ چوں از زندگی گیرد برات
ہم خدا آں بندہ را گوید صلوٰۃ!

اقبال کی نظر میں انسان صرف گوشت اور ہڈیوں کے مجموعے کا نام نہیں ہے جو مشیت الٰہی کا ایک حقیر اور مجبور آلۂ کار ہو۔ وہ اگر اپنی خودی کو بلند کر لے تو اس اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکتا ہے کہ خدا کی خدائی میں اس کی بھی مرضی کا عمل دخل ہو ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے!
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اردو یا فارسی کے کسی شاعر نے انسان کو اس رتبۂ بلند پر فائز نہیں کیا۔ عالم وجد کی اپنی کیفیات میں اقبال تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں ؎

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدی
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ!

اپنی تصنیف "پیام مشرق" میں، جسے اقبال نے گوئٹے کے ویسٹ آستلی یشیر دیوان (WEST ÖSTICHER DIWAN) کے جواب میں منظوم کیا تھا، انسان اور خدا کے درمیان ایک مکالمہ مرقوم ہے جس میں انھوں نے انسان کی قوت تخلیق کے ذریعہ یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ اس باب میں آدمی، اللہ سے گھٹ کر نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ برابری کر سکتا ہے، چنانچہ انسان کہتا ہے ؎

تو شب آفریدی، چراغ آفریدم
سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

اقبال کے اس نقطۂ نظر کے مطابق، انسان، اللہ سے کمتر نہیں ہے۔ وہ عمل تخلیق میں اللہ کا شریک اور ساتھی ہے۔ اقبال کے نزدیک یہی کارنامۂ تخلیق عظمت انسان کا ثبوت ہے۔ اگر انسان اس قوت تخلیق سے عاری ہو تو وہ بنی نوع انسان میں سے نہیں ہے۔ یہی قوت اس کی زندگی کا جوہر ہے۔ اقبال اپنے کلام میں اکثر یہ بات دہراتے ہیں ؎

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرّ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی!

اس سلسلے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ عشق حیات انسانی کی جان ہے۔ عشق کے بغیر تخلیق ناممکن ہے۔ محبت تخلیق کو پائیدار بناتی ہے۔ اس کے ماسوا، اقبال نے انسان کی قوت تخلیق کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ ان کے بقول اس قوت سے جو عاری ہے وہ درحقیقت 'کافر' ہے اور جو اس قوت کا بہترین حامل ہے وہ مرد 'مومن' ہے۔ ظاہر ہے کہ اقبال کے خیالات کی وسعت کسی مذہب کی چہار دیواری میں مقید نہیں ہے۔ اقبال سے پہلے شعراء کے یہاں 'خودی کو فنا کر دینا' قابل تعریف

خیال کیا جاتا تھا۔ خودی کو مٹا دینا مرکزی خیال ہوا کرتا تھا۔ اقبال نے ایک ہی ضرب میں اس خیال کو نہ صرف رد کر دیا بلکہ خودی کے تصور تعمیر پر زور دیا۔ خودی کا یہ تصور صرف افراد تک ہی محدود نہیں ہے۔ مجموعی حیثیت سے ہر نسل، قوم، ملت یہاں تک کہ جملہ بنی نوع انسان کی مجموعی خودی ہوتی ہے۔ چونکہ خودی سے انسانی زندگی کی شان وابستہ ہوتی ہے اس لئے اس کی تعمیر و ترقی بنی نوع انسان کے لئے لازمۂ حیات میں سے ہے۔ خودی کو فنا کرنا اقبال کے نزدیک افراد کے لئے بھی اور اقوام کے لئے بھی خودکشی کے مرادف ہے۔ اقبال چونکہ نفسیاتی اور روحانی تصورات کو واقعات کے مادی تصریحات کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک مشرق کی زبوں حالی حقیقت میں خودی کو فنا کر دینے کے عقیدے کا لازمی نتیجہ تھی۔ اقبال نے اپنے تصورات خودی کے ذریعہ کوشش کی ہے کہ مشرقی اقوام اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پھر سے بحال کر لیں۔

اقبال کی شاعری کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ عمل پر زور کرنے میں پوری قوت سے کام لیتے ہیں۔ ان کے بقول، زندگی عمل ہی سے بنی ہے۔ تخلیق بھی ایک عمل ہے اور بیشتر اوقات یہ دونوں الفاظ ایک معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ عمل پر اقبال نے اس حد تک زور دیا ہے کہ جہاں زندگی کا کارٹیسین تصور یہ ہے کہ "میں سوچتا ہوں، اس لئے میرا وجود ہے" اقبال ہمیں جتاتے ہیں کہ "میں عمل کرتا ہوں، اس لئے میرا وجود ہے"۔

البتہ اقبال نے "عمل" کا کوئی واضح تصور پیش نہیں کیا بلکہ اسے محض "عمل برائے عمل" کی انتہا تک پہنچا دیا ہے، کیونکہ اقبال نہ تو "عمل" کی کوئی خاص سمت مقرر کرتے ہیں نہ ہی اس کے اجزائے ترکیبی کی نشان دہی۔ یہاں تک کہ اقبال نفی (NEGATIVE) کو بھی سراہتے ہیں چاہے وہ ابلیس کی بغاوت کی شکل ہی اختیار کیوں نہ کرے۔ ان کے نزدیک "عمل" اور "تبدیلی" کا نام ہی زندگی ہے اور خموشی اور سکون "موت" کی علامت ہے۔

اقبال کی نگاہ میں سری کرشن اور ان کی گیتا کی بڑی قدر و منزلت تھی ہندو فلاسفی کے عام رجحانات کے برخلاف سری کرشن نے عمل کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ان کے متعلق اقبال لکھتے ہیں:

"بنی نوع انسان کی ذہنی تاریخ میں سری کرشن کا نام ہمیشہ ادب اور احترام سے لیا جائے گا کہ اس عظیم الشان انسان نے ایک نہایت دلفریب پیرائے میں اپنے ملک و قوم کی فلسفیانہ روایات کی تنقید کی اور اس حقیقت کو آشکار کیا کہ "ترکِ عمل" سے مراد "ترکِ کلی" نہیں ہے کیونکہ عمل اقتضاءِ فطرت ہے، اور اسی سے زندگی کا استحکام ہے بلکہ "ترکِ عمل" سے مراد یہ ہے کہ عمل اور اس کے نتائج سے متعلق دل بستگی نہ ہو۔ سری کرشن کے بعد سری رام نوج بھی اسی راستے پر چلے، مگر افسوس ہے کہ جس عروسِ معنیٰ کو سری کرشن اور سری رام نوج بے نقاب کرنا چاہتے تھے، سری شنکر کے منطقی طلسم نے اسے پھر محجوب کر دیا اور سری کرشن کی قوم ان کے تجدید کے ثمر سے محروم رہ گئی"۔

ہیومنزم کا دوسرا اہم پہلو مساوات، محبت، عدل اور عقل کا احترام ہے۔ اقبال نے انھی وجوہ کی بنا پر انقلاب روس کو گرمجوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا تھا۔ اگرچہ وہ اس کے ملحدانہ رجحانات سے بیزار تھے اقبال کو یہ بات بھی ناپسند تھی کہ ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا غلام بنائے کیونکہ موخر الذکر نے مزدور کا لہو پی کے اسے بے جان بنا ڈالا ہے۔ اقبال نے اس دور کو مزدور کا دور کہا ہے۔ اور انھیں ظالمانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ دینے پر آمادہ کیا ہے۔ "خضر راہ" میں "سرمایہ اور مزدور" کے ذیل میں فرماتے ہیں ؎

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

اور آگے چل کر اسی بند کے آخر میں فرماتے ہیں ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اس سے آپ اندازہ لگا لیں گے کہ اقبال ہیومنزم کے حامی، ترقی و تبدیلی کے خواہاں، قدیم روش کی برقراری کے مخالف، انسان کو عمل کا، آزادی کا، تخلیق کا اور دلی محبت کا مرکز تصور کرنے والے تھے۔ ان کے خیالات و تصورات میں کہیں کہیں کوئی تضاد بھی پایا جاتا ہے جس کی توجیہ مشکل ہے لیکن ان کے خلوص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا، وہ بڑی بصیرت کے حامل تھے۔

(ترجمہ: عبداللہ)

تھی برتر از امکاں نیا اسلوبِ بیاں کا

● عبدالوحید [illegible] اعظمی

ڈاکٹر محمد اقبال کی زندگی، سیرت اور شخصیت گوناگوں پہلوؤں اور خوبیوں کی آئینہ دار ہے۔ انھیں مفکر، فلسفی، شاعر اور حکیم الامت کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر اقبال کے فکر، فلسفہ اور شاعری کا سرچشمہ ہے' دینِ اسلام۔ کل بنی نوعِ انسان کے لئے وحدانیت، صداقت، انسانیت، مساوات اور اخوت کا پیغام۔ وہ اسی دین اسلام کے فدائی، اس کے پیام یعنی قرآن کے ترجمان، رسولؐ خدا کے عاشق، سچے اور پکے مسلمان اور ایک کامل انسان تھے۔ اُن کی ساری شاعری میں اسلام کی رُوح کارفرما ہے اور زندگی میں تادمِ آخر ہر لمحہ، ہر موقع و محل پر ان کی یہی اعلیٰ وارفع خوبیاں عیاں رہیں۔ خواہ خلوت ہو یا جلوت، کوئی تقریب ہو یا اجلاس، زعماء سے ملاقات ہو یا دوست احباب کی محفل، موقع بموقع ڈاکٹر اقبال نے دین اسلام، رسولؐ خدا اور قرآن کی عظمت ہی کو اُجاگر کیا۔

علامہ اقبال کے دیرینہ رفیق و ہمدم فقیر سید وحیدالدین کا بیان ہے کہ ایک نجی ملاقات میں جبکہ ڈاکٹر صاحب باتیں کرنے کے خاص موڈ میں تھے اُن سے یہ سوال کیا گیا۔ "ڈاکٹر صاحب! آپ شعر کیسے کہتے ہیں؟"

فرمایا "ایک مرتبہ فارمن کرسچین کالج' لاہور کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے مجھے بھی اس میں دعوتِ شرکت دی۔ اجلاس کا پروگرام ختم ہونے کے بعد چائے کا اہتمام تھا۔ ہم لوگ چائے پینے بیٹھے تھے تو ڈاکٹر لوکس میرے پاس آئے اور کہنے لگے چائے پی کے چلے نہ جانا۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ ہم لوگ چائے پی چکے تو ڈاکٹر لوکس آئے اور مجھے اپنے ساتھ ایک گوشے میں لے گئے اور کہنے لگے "اقبال! مجھے بتاؤ کہ تمھارے پیغمبر پر قرآن کریم کا مفہوم نازل ہوا تھا اور چونکہ انھیں صرف عربی زبان آتی تھی' انھوں نے قرآن کریم عربی میں منتقل کر دیا، یا یہ عبارت ہی اسی طرح اُتری تھی"۔ میں نے کہا' "یہ عبارت ہی اُتری تھی"۔ ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا کہ "اقبال تم جیسا پڑھا لکھا آدمی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ یہ عبارت ہی اس طرح اُتری ہے۔

میں نے کہا "ڈاکٹر لوکس! یقین؟ میرا تجربہ ہے، مجھ پر شعر پورا اُترتا ہے تو پیغمبر پر عبارت کیوں پوری نہیں اُتری ہوگی"۔

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا۔ "مشہور شاعر گوئٹے کے متعلق ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جب اس نے جرمن زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھا تو اس نے اپنے بعض دوستوں سے کہا کہ جب میں یہ کتاب پڑھتا ہوں تو میری رُوح میرے جسم میں کانپنے لگتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شاعر کو بھی ایک طرح کا الہام ہوتا ہے، اِسلئے جب وہ کوئی الہامی کتاب پڑھتا ہے تو اپنی روح کو اس کی معنویت سے ہم آہنگ پاتا ہے اور اس کی طبیعت ایک خاص اہتزاز محسوس کرتی ہے۔ یہ چیز دوسرے لوگوں کو نصیب نہیں ہوتی"۔

علامہ اقبال کا یہ مختصر اور حکیمانہ بیان لاجواب ہے۔ آپ نے کس فہم و فراست سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ قرآن مجید فی الواقعی کلامِ خدا ہے اور کیا تاثیر رکھتا ہے۔ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ان کی نظر میں "شاعری۔ جزو یست از پیغمبری۔

ڈاکٹر صاحب اسلام کے پیرو، شیدائی اور فدائی تھے۔ سر عبدالقادر مرحوم کے قول کے مطابق اس کی وجہ یہ تھی کہ ماں کے دودھ کے ساتھ اسلام ان کی رگ و پے میں نفوذ کر گیا تھا۔ انھوں نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ بڑے غور سے کیا تھا اور اُسے خوب سمجھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا کے دوسرے مذاہب کے متعلق جو کچھ کہتے تھے وہ بہت

وقیع ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک پادری اُن سے ملنے آیا اور اثنائے گفتگو میں پوچھنے لگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق اسلام کیا کہتا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اس سے پہلے کہ میں اس معاملے میں اسلام کا نقطہ نظر بیان کروں آپ بتایئے۔ کیا عیسویت کے نزدیک جناب مسیح علیہ السلام اسی طرح خدا کے بیٹے تھے جس طرح میں اپنے باپ کا بیٹا ہوں یا آپ اپنے باپ کے بیٹے ہیں یا محض استعارہ کے طور پر مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ پادری نے جواب دیا۔ نہیں، یہ تو صرف استعارہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا" توبس اسلام کا نظریہ بھی یہی ہے"۔

ڈاکٹر اقبال کا یہ برجستہ انداز استدلال اور حاضر جوابی شمس العلماء مولوی سید میر حسن مرحوم کی دین ہے جو آپ کے مشفق اُستاد تھے۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے اقبال نے اپنے استاد محترم کا یہ قصہ سُنایا:

"ایک مرتبہ مرے کالج کے کسی انگریز پروفیسر نے مولوی صاحب (سید میر حسن صاحب) کو چھیڑنے کی خاطر ان سے کہا کہ مولوی صاحب آپ کا خدا بہت سُست معلوم ہوتا ہے کہ آپ دن میں پانچ مرتبہ اذان دیکر اُسے جگاتے ہیں۔ مولوی صاحب نے فوراً جواب دیا" اور حضرت آپ کا خدا ہمارے خدا سے ۳۵ گنا زیادہ سُست ہے، کیونکہ ہفتہ بھر گھنٹے بجا بجا کے اُسے جگاتے رہتے ہیں اور وہ پھر بھی نہیں جاگتا!"

عشق رسولؐ ڈاکٹر صاحب کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا اور ان کے ذہن و فکر پر چھا گیا تھا۔ وہ کتنے بڑے فلسفی تھے؟ اور فلسفہ کا سارا معاملہ عقل کے بل بوتے پر چلتا ہے۔ مگر رسولؐ کی سیرت کو وہ عقل کی کسوٹی پر جانچنے کی جرائت نہ کرتے تھے۔ اس معاملہ میں وہ ایمان بالغیب کے قائل تھے۔ بس جو حضورؐ نے فرما دیا وہی دین و ایمان اور سر آنکھوں پر۔ اس بارگاہ میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا" اطاعت، فرمانبرداری اور غلامی، یہی ایمان کی دلیل ہے ۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است!

رسول اللہؐ سے ان کے عشق کا کیا عالم ہے، کیا شان ہے، کیا مقام ہے اس کی ترجمانی ان کی مشہور نظم 'جواب شکوہ' کے اس شعر میں کس خوبی سے کی گئی ہے ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ایک بار فلسفہ کے کچھ طلبہ نے (لاہور میں میکلوڈ روڈ والی کوٹھی پر دوران ملاقات) ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا۔

ہم نے پڑھا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ آنحضرتؐ جب چلتے تو درخت تعظیم سے جھک جاتے۔ ہمیں یقین ہے کہ عمرؓ جھوٹ نہیں بولتے تھے لیکن ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہمارا نبیؐ انسانیت کے لئے نمونہ ہے، لیکن اگر قدرت کے مظاہر نبیؐ کے لئے مختلف ہوں اور ہمارے لئے مختلف تو پھر نبیؐ نمونہ تو نہیں بن سکتا۔

ڈاکٹر صاحب نے بلا تامل جواب دیا "تم بالکل سچ کہتے ہو، کہ حضرت عمر جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ بات یہ ہے کہ یہ واقعہ پڑھ کر تمھارا ذہن مختلف راستہ پر منتقل ہو گیا ہے، تم اُلجھ کر رہ گئے ہو، قدرت کے مظاہر اور درختوں کے جھکنے میں۔ بھائی یہ واقعہ تو صرف عمرؓ کا عشق بتاتا ہے کہ ان کی آنکھ یہ دیکھتی تھی کہ درخت جھک رہے ہیں، اس کا درختوں کے جھکنے کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔

اگر تمھیں بھی عمرؓ کی آنکھ نصیب ہو تو تم بھی دیکھو گے کہ دنیا اُن کے سامنے جھک رہی ہے ع

عقل انسانی ہے فانی زندۂ جاوید عشق

ڈاکٹر اقبال نے اپنے ہم عصر کئی ممتاز زعماء سے ملاقاتیں کیں۔ جن میں شاہ بھی ہیں اور عالم بھی، مفکر، فلسفی، شاعر، سیاستدان، حتیٰ کہ مسولینی جیسے فاشسٹ لیڈر بھی شامل ہیں۔ اقبال کسی موقع پر خدا اور رسولؐ کو نہ بھولے، ہر ملاقات میں ان کی اسلامی شان اور اسلامی جذبہ ہی نمایاں اور غالب رہا۔

شاہ افغانستان نادر شاہ سے ملاقات کے موقع پر ڈاکٹر اقبال نے انھیں جو تحفہ پیش کیا وہ کیا تھا؟ یہی 'قرآن مجید کا نسخہ' جس سے بڑھ کر اس دنیا میں اور کوئی بیش قیمت تحفہ نہیں ہو سکتا۔ پھر قرآن مجید کا یہ نسخہ پیش کرتے ہوئے آپ نے شاہ سے مخاطب ہو کر یہ زرین الفاظ فرمائے:

"اہل حق کی یہی دولت و ثروت ہے۔ اسی کے باطن میں حیات مطلق کے چشمے بہتے ہیں۔ یہ ہر ابتدا کی انتہا اور ہر آغاز کی تکمیل ہے، اسی

کی بدولت مومن خیبر شکن بنتا ہے۔ میرے کلام میں تاثیر اور میرے دل کا سوزوگداز سب اسی کا فیضان ہے۔"

۱۹۳۲ء میں پیرس میں علامہ اقبال نے فرانس کے مشہور ریسرچ اسکالر پروفیسر برگساں سے بطور خاص ملاقات کی جن کے نظریۂ واقعیت زماں کو وہ اسلامی تصور کے بہت قریب سمجھتے تھے۔ برگساں اس وقت کافی ضعیف ہو چکے تھے اور گٹھیا کے مرض میں مبتلا۔ پہیوں والی کرسی کے بغیر ان کے لئے ہلنا جلنا اور کہیں آنا جانا محال تھا۔ خادم ان کی خواہش کے مطابق کرسی کو ادھر ادھر لے جاتے تھے۔

اس حالت میں پروفیسر برگساں نے لوگوں سے ملنا جلنا بھی بند کر دیا تھا۔ لیکن جب انھیں علامہ اقبال کی آمد اور خواہش کا علم ہوا تو انھوں نے بطور خاص اس ملاقات کے لئے وقت نکالا۔ یہ ملاقات کوئی دو گھنٹہ تک جاری رہی۔ فلسفہ کے کئی مسائل بالخصوص نظریۂ زمان و مکان پر علامہ اقبال اور پروفیسر برگساں کے درمیان خوب کھل کر بحث ہوئی۔ اسی بحث کے دوران جب ڈاکٹر صاحب نے برگساں کو یہ حدیث سنائی "زمانہ کو برا مت کہو، زمانہ خود خدا ہے" تو اس حدیث کو سنتے ہی برگساں ششدر رہ گئے کرسی سے اچھل پڑے اور ڈاکٹر صاحب سے پوچھا "کیا یہ واقعی حدیث ہے"؟

اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی سے علامہ اقبال کی ملاقات بھی قابل ذکر ہے جو ۲۷ نومبر ۱۹۳۳ء میں، روم میں مسولینی ہی کی خواہش اور دعوت پر ہوئی تھی۔

ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق مسولینی کا جسم مضبوط، قد درمیانہ بازو بھرے بھرے، سینہ کشادہ اور آنکھیں شکرے کی طرح چمکدار تھیں۔ جب وہ ہال میں داخل ہوئے تو مسولینی اپنے کام میں ہمہ تن مصروف تھا اور اس کے سامنے میز پر کاغذات کا انبار لگا ہوا تھا۔ کسی کی آمد کی آہٹ پا کر مسولینی نے نظریں اٹھائیں اور علامہ اقبال کو سامنے دیکھ کر پیشوائی کے لئے آگے بڑھا۔ رسمی مزاج پرسی کے بعد مسولینی نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا "میری فاشسٹ تحریک کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" انھوں نے جواب دیا۔

"آپ نے 'ڈسپلن' کے اس اصول کا بڑا حصہ اپنا لیا ہے، جسے اسلام انسانی نظام حیات کے لئے بہت ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن آپ اسلام کے نظریۂ حیات کو پوری طرح اپنا لیں تو سارا یورپ آپ کے تابع ہو سکتا ہے"

لیکن یہ ایک ایسی بات تھی جو مشکل ہی سے مسولینی کی سمجھ میں آ سکتی تھی۔

مسولینی نے علامہ سے اٹلی کے قیام کے تاثرات پوچھے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"میں اطالویوں کے متعلق سمجھتا ہوں کہ وہ ایرانیوں سے کافی حد تک مشابہت رکھتے ہیں اور بڑے ذہین و فطین، خوب رو اور فن پرست ہیں۔ ان کے پیچھے تمدن کی کتنی ہی صدیاں ہیں مگر ان میں خون نہیں۔"

مسولینی نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تو آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"ایرانیوں کو ایک فائدہ میسر رہا ہے، جو اطالویوں کو میسر نہیں اور وہ یہ کہ ان کے ارد گرد مضبوط اور توانا قومیں افغان، کرد اور ترک آباد ہیں، جن سے وہ تازہ خون حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ اطالوی ایسا نہیں کرتے۔"

اس پر مسولینی نے پوچھا۔ "اچھا، ہم اطالویوں کو کیا کرنا چاہیئے؟"

علامہ اقبال نے جواب دیا:

"یورپ کی تقلید سے منہ موڑ کر مشرق کا رخ کرو، اس لئے کہ یورپ کا اخلاق ٹھیک نہیں۔ مشرق کی ہوا تازہ ہے اس میں سانس لو۔"

مسولینی نے ڈاکٹر صاحب سے کوئی اچھوتا مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے فرمایا:

"ہر شہر کی آبادی مقرر کر کے اسے ایک خاص حد سے آگے بڑھنے نہ دو۔ اس سے زیادہ بسنے والوں کو نئی بستیاں مہیا کی جائیں۔"

مسولینی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کی وجہ پوچھی تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

"شہر کی آبادی جس قدر بڑھتی جاتی ہے، اس کی تہذیبی و اقتصادی توانائی بھی کم ہوتی جاتی ہے اور ثقافتی توانائی کی جگہ محرکات شر لے لیتے ہیں۔" ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ یہ میرا ذاتی نظریہ نہیں بلکہ میرے پیغمبر نے آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ مصلحت آمیز ہدایت جاری فرمائی تھی کہ جب مدینہ منورہ کی آبادی ایک حد سے تجاوز کر جائے تو مزید لوگوں کو آباد ہونے کی اجازت دینے کے بجائے دوسرا شہر آباد کیا جائے۔"

یہ حدیث قدسی سنتے ہی مسولینی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، اور دونوں ہاتھ میز پر مارتے ہوئے کہنے لگا (WHAT AN EXCELLENT IDEA) "کتنا خوبصورت خیال ہے!"

۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کو بوقت فجر اقبالؔ، صاحبِ جمال، شیریں مقال، شاعرِ بے مثال اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ زبان پر اللہ۔ اللہ۔ چہرہ مبارک قبلہ رو۔ پُرسکون، مسرور اور پُرنور ؎

دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

••

اقبال: خواجہ عبدالحمید کا مضمون

"اقبال کے چند علمی جواہر ریزے"

کیمبرج میں چند ہم عصروں میں مذہب پر بحث چھڑ گئی، ایک صاحب پوچھنے لگے، مسٹر اقبال، یہ کیا بات ہے، جتنے بھی پیغمبر اور بانیانِ مذہب دنیا میں آئے وہ بلا استثنا ایشیا میں مبعوث ہوئے۔ یورپ میں ایک بھی پیدا نہیں ہوا، میں نے جواب دیا:

"بھئی شروع شروع میں اللہ میاں اور شیطان نے اپنا اپنا پینترا جما لیا، اللہ میاں نے ایشیا کو پسند کیا اور شیطان نے یورپ کو۔ اسی لئے پیغمبر جو اللہ میاں کی طرف سے آتے تھے، ایشیا میں مبعوث ہوئے۔ وہ صاحب بول اٹھے تو پھر شیطان کے پیغمبر کیا ہوئے؟ میں نے جواب دیا: "یہ تمھارے میکاولی اور مشہور اہلِ سیاست اُس کے ہی تو رسول ہیں"

سرسید علیہ رحمۃ کے ایک رفیق جن کا اسمِ مبارک مولوی ...... صاحب تھا، سیاحت کے سلسلے میں یورپ کی سیر کرتے ہوئے انگلستان پہنچے، چونکہ آرنلڈ صاحب سرسید مرحوم کے حلقۂ اثر بلکہ خود علی گڑھ کالج میں رہ چکے تھے اس لئے مولوی صاحب اُن ہی کے پاس گئے اقبال کو حکم دیا کہ بھئی مولوی صاحب کو لندن کی تمام قابلِ دید جگہیں اور چیزیں دکھا دو۔ اقبال نے نہایت تندہی سے مولوی صاحب کو جگہ جگہ پھرایا اور شام کے قریب کسی قہوہ خانے میں بٹھایا۔ وہاں چائے اور قہوہ کے علاوہ چند ستم پیشہ لڑکیاں بھی تھیں اور خدا جانے اقبال کے اشارے یا اپنی جولانیٔ طبع سے وہ مولوی صاحب کے گرد جمع ہوگئیں۔ کوئی مولوی صاحب کو قہوہ پینے کی تلقین کرتی، کوئی ان کی نورانی ڈاڑھی پہ شیدا تھی، ایک دو نے تو شاید مولوی صاحب کے رخساروں پر عقیدت مندی کی ایک دو مہریں بھی جڑ دیں۔ اس مصیبت سے جب نجات ملی تو وہ غصہ میں پروفیسر آرنلڈ کی خدمت میں پہنچے اور اقبال کی شکایت کی۔ دوسرے روز آرنلڈ نے اقبال سے اپنی خفگی کا اظہار کیا کہ تم لندن آکر بے حد شریر ہوگئے ہو، تمھیں شرم نہ آئی کہ مولوی صاحب ایسے بزرگ کو اس قہوہ خانے میں لے گئے۔' اقبال نے نہایت متانت سے جواب دیا "قبلہ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ لندن کی تمام قابلِ دید جگہیں مولوی صاحب کو دکھا دوں۔ اگر میں مولوی صاحب کو صرف لندن کا عجائب خانہ، چڑیا گھر، محلات، تاریخی عمارات ہی دکھا دیتا تو وہ لندن کی طرف سے سخت غلط فہمی میں مبتلا رہتے اور ہندوستان جاتے ہوئے لندن کے متعلق نہایت غلط اور یک طرفہ خیالات لے کر جاتے۔ لندن کی زندگی میں قہوہ خانوں کا رُخ خواہ بُرا ہو یا بھلا، بہت اہم ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ مولوی صاحب کو یہ تاریک پہلو بھی دکھا دوں، میں انھیں جان بوجھ کر انھیں وہاں لے گیا تھا۔

ڈاکٹر اقبال کی پہلی تصنیف "علم الاقتصاد" کی اشاعت ۱۹۰۳ء
نظم "سارے جہاں سے اچھا..." کی تخلیق ... ۱۰ر اگست ۱۹۰۴ء
'اسرارِ خودی' کی اشاعت ... ... ۱۹۱۵ء۔ لاہور
'رموزِ بے خودی' کی اشاعت ... ... ۱۹۱۸ء۔ لاہور
'بانگِ درا' کی اشاعت ... ... مارچ ۱۹۲۴ء
'زبورِ عجم' کی اشاعت ... ... ۱۹۲۷ء۔ لاہور
'ضربِ کلیم' کی اشاعت ... ... اپریل ۱۹۳۶ء۔ لاہور

اقبال — موت کے بعد

• اِندر اجیت گاندھی (صدر سنٹرل مجلسِ ادب)
سبزی منڈی، دہلی

"اسرارِ خودی"، "رموزِ بے خودی"، "پیامِ مشرق"، "بانگِ درا"، "زبورِ عجم"، "بالِ جبریل"، "جاوید نامہ"، "مسافر"، شمع اور شاعر، شکوہ اور جوابِ شکوہ، خضرِ راہ، طلوعِ اسلام اور ضربِ کلیم کے تخلیق کار، شاعرِ مشرق سر محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پا گئے۔ اس عرصہ میں اقبال نے جو عروج حاصل کیا وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اس لحاظ سے اقبال کو اردو کا عظیم شاعر کہا جا سکتا ہے۔

اقبال کی فکر، اقبال کی شاعری، اقبال کی شخصیت پر بیشمار مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ جن میں اقبال کی شخصیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اقبال کی شاعری اور شخصیت کے کئی پہلوؤں پر خاطر خواہ روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ کچھ مصنفین اقبال کو انسان دوست اور آفاقی شاعر کا درجہ دے رہے ہیں تو کچھ اقبال کو شاعرِ اسلامیات کے "خطاب" سے نواز رہے ہیں۔ کسی کی نظر میں اقبال پاکستان کے بانی شاعر ہیں تو کسی کی نظر میں اقبال شاعرِ ہندوستان! لیکن یہ بات تو جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ شاعرِ مشرق اقبال صاحبِ ادراک تھے۔ وقت کی رفتار کو بخوبی جانتے تھے — ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے ساتھ اقبال کا جو رشتہ ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اقبال کا یہ ترانہ جذباتِ حریت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اس ترانہ کی تخلیق ۱۹۰۴ء میں ہوئی تھی اور آج بھی یہ قومی ترانہ سب کی زبان پر ہے۔ جو لوگ اقبال کو شاعرِ اسلامیات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ ترانہ ؏

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا

پیش کرتے ہیں، وہ شاید یہ تاثر لینا نہیں چاہتے کہ یہاں بھی ان کا حریت کا جذبہ ہی کارفرما ہے۔ اگرچہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں، لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں اقبال نے حریت، یک جہتی اور فلسفہ کو ہی پیش کیا ہے۔ یہاں اس بات سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اکثر دانشوروں کی طرف سے اقبال کی شخصیت کو سیاسی مصلحتوں کے تحت پیش کیا گیا ہے لیکن اقبال کی یہ للکار ؎

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اور اقبال کا یہ پیغام ؎

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے!
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

آج بھی سب کی زبان پر ہے اور یہ حقیقت بھی آشکارا ہے کہ اقبال کل تک جو ہر حلقے کے مقبول شاعر تھے وہ صورت آج بھی جوں کی توں ہے۔ اقبال کا ذکر آج بھی ہر حلقے میں ہے۔

کسی کی زندگی میں ہی تعریف و توصیف کو اگر تنگ نظری سے دیکھا جائے تو اسے چاپلوسی، سیاست اور منہ دیکھی بات کہا جا سکتا ہے۔ موت کے بعد کی تعریف و خراجِ عقیدت کو اس زمرے میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال کی موت کے بعد کئی ایک مقتدر ہستیوں و شخصیتوں نے اقبال کو جن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا تھا ان الفاظ کی روشنی میں اقبال کی عظمت کی تصویر ہر لحاظ سے نمایاں ہو جاتی ہے۔ خراجِ عقیدت کے ان الفاظ کو یوں پیش کیا

جاسکتا ہے:

★ " یہ سوچ کر ناقابلِ بیان صدمہ دل پر گزرتا ہے کہ اب اقبال ہم میں موجود نہیں رہا۔ اقبال کی وفات سے تنہا ہندوستان کو ہی نہیں بلکہ پورے مشرق کو نقصان پہنچا ہے۔ مجھے اس اس بات کا انتہائی قلق ہے کہ میرا ایک دیرینہ دوست مجھ سے بچھڑ گیا۔" (مولانا ابوالکلام آزاد)

★ " ہمارے ادب میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کے پُر ہونے میں بہت عرصہ لگے گا۔ ہندوستان، ایسے شاعر کی وفات سے قلاش ہوگیا ہے جس کی شاعری عالمگیر اور آفاقی شہرت کی حامل تھی۔ (ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور)

★ " ڈاکٹر اقبال مرحوم کے بارے میں کیا لکھوں، اُن کی مشہور نظم 'ہندوستاں ہمارا' پڑھی تو دل بھر آیا۔ یرودا جیل میں سینکڑوں بار اس نظم کو گایا گیا ہوگا، اور یہ خط لکھتا ہوں تب بھی وہ نظم میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔" (مہاتما گاندھی)

★ سر محمد اقبال خدا شناس تھے، درویش تھے، مفکر تھے اور فلسفی بھی۔ ایک عملی سیاست داں کے لحاظ سے بھی وہ کم حیثیت کے مالک نہیں تھے۔ بے شک وہ ایک عظیم محبِ وطن تھے اور آج ہندوستان کی ایک عظیم ترین ہستی ہم سے جدا ہوگئی ہے۔"
(محمد علی جناح)

★ " ڈاکٹر سر محمد اقبال سیاسی لحاظ ہی سے عظیم نہیں تھے بلکہ اپنے فن میں بھی بے مثال تھے۔" (میاں افتخار الدین احمد)

★ سر محمد اقبال ہمیں ایسے نازک وقت میں داغ مفارقت دے گئے ہیں جب کہ ہمیں ان کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔ ان کی وفات سے ہندوستان اپنے ایک عظیم ترین فلسفی اور مفکر سے اور اسلام اپنے ایک ایسے ہونہار فرزند سے جس کا نام تاابد روشن رہے گا، آج محروم ہوگیا ہے۔"
(سر ناظم الدین، ہوم منسٹر بنگال)

★ " یہ افسوسناک خبر سنتے ہی کہ سر محمد اقبال وفات پاگئے ہم سب کو ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچا ہے۔ سر محمد اقبال نے اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر وکالت ترک کر دی تھی۔ اُن کی گفتار میں روانی و سلاست اور انداز میں نرمی و حلیمی تھی، وہ انتہائی درجہ کے حاضر دماغ تھے۔ تاہم جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اُن کی زیادہ تر شہرت اُن کی شاعری کی وجہ سے ہوئی ہے۔"
(سر جیمز ایڈیسن)

★ " ڈاکٹر سر محمد اقبال کی موت صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ وہ ایک عظیم محبِ وطن اور حریت و آزادی کے پروانے تھے۔ وہ جس طرح مسلمانوں کے خیر خواہ تھے، اسی طرح دیگر فرقوں کے لئے بھی خیر سگالی کے جذبات رکھتے تھے۔ وہ ایک ایسے شاعر، مفکر اور فلسفی تھے جس پر ہر ہندوستانی بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔" (مولوی غلام محی الدین)

★ " سر محمد اقبال کی رحلت کے یہ معنی ہیں کہ ہندوستانی ادب کے آسمان پر جو ستارے روشن تھے ان میں سے درخشاں ترین ستارہ ٹوٹ گیا ہے۔ اُن کی رحلت سے ہم سب کو جو عظیم نقصان پہنچا ہے اُسے شدت کے ساتھ سارے ملک میں محسوس کیا جائیگا۔ ان کی یاد "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" جیسے گیتوں کے باعث ہمیشہ ہمیشہ ان کے ہم وطنوں کے دلوں کی گہرائیوں میں جاگزیں رہے گی۔" (نیتا جی سُبھاش چندر بوس)

★ " سر محمد اقبال کی شاعری انتہائی بلند اور آفاقی تھی۔ ان کی اردو اور فارسی کی نظمیں آنیوالے ہر زمانے میں مشعلِ راہ کا کام دیں گی۔" (لالہ جگن ناتھ اگروال، صدر بار ایسوسی ایشن لاہور)

★ " ڈاکٹر اقبال صاحب "بار" میں ایک ممتاز و منفرد حیثیت کے حامل تھے لیکن انھیں بین الاقوامی شہرت بطور شاعر اور فلاسفر حاصل ہوئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ ملک اپنے ایک عظیم ترین فرزند سے محروم ہوگیا ہے تو یہ ہر ایک کے جذبات کی ترجمانی ہوگی۔"
(مسٹر سلیم صاحب ایڈوکیٹ جنرل)

★ " ڈاکٹر سر محمد اقبال بلا تفریق مذہب و ملت ساری دنیا میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مرحوم کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اُسے پُر کرنے کے لئے دوسرا اقبال پیدا ہونے میں صدیاں لگیں گی۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال حقیقی معنوں میں ایک جانثار محبِ وطن تھے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام کے دشمن

(باقی صفحہ ۹۳ پر ملاحظہ فرمائیے)

اقبال اور حبِّ وطن

احمد صدیقی ایم (بی-اے)

۱۶۳۔ منہاج پور، الہ آباد (یو-پی)

اقبال کی شخصیت اردو ادب میں ایک ستون کی حیثیت رکھتی ہے ان کا شعری کارنامہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر چل کر آنیوالی نسلوں نے اپنی فکری پرواز کی راہیں متعین کیں ۔ انفرادی خصوصیات کے حامل ہونے کے باوجود اکثر انھیں ایک فرقہ، ایک طبقہ، ایک علاقے یا ایک عقیدہ کا شاعر کہا جاتا ہے جو اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی ہے۔ اُن کی شاعری دراصل آفاقی خصوصیات کی حامل ہے اور اُسے کسی ایک دائرے میں محدود کرنا مناسب نہیں ہے۔ دراصل وہ پوری عالمِ انسانیت کے شاعر تھے۔ ان کے شعری کارناموں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بہت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ فلسفۂ زندگی، جذبۂ خودی اور جذبۂ عمل کے ساتھ ساتھ حبّ الوطنی کا جذبہ بھی ان کے کلام میں جابجا نمایاں ہے۔

اپنی شاعری کے پہلے دور میں اقبال کا رجحان ہندوستان کی طرف ہے اور یہ ان کی ملکی شاعری کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں ان کی فکر میں حبِّ وطن اور اتحادِ قومی کا رنگ نمایاں ہے اور وہ مختلف انداز، مختلف خیال اور مختلف مذاہب کے ہندوستانیوں کو یک رنگ ہونے اور اپنے وطن سے محبّت اور الفت کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ اقبال کی شاعری کے ابتدائی دور میں ان کے تخیل کی پرواز میں وطن کی آزادی کا جذبہ اس حد تک اور قومیت کا رنگ ان پر اس غایت درجہ غالب تھا کہ وہ سب سے اچھا وطن اپنے وطنِ عزیز ہندوستان کو سمجھتے تھے

"ترانۂ ہندی" کے علاوہ "بچوں کا قومی گیت" "نیا شوالہ" "ہمالیہ سے خطاب" اور "پرندے کی فریاد" اقبال کی ایسی منظومات ہیں جنھیں آفاقی شہرت نصیب ہوئی۔ اور ان سب میں حُبِّ وطن کا جذبہ بدرجۂ احسن موجود ہے۔ ان کی شاعری اُردو ادب و شعر کی "قومی تحریکات" کے سلسلے میں ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی داغ بیل اُردو شاعری میں مولانا محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی نے ڈالی تھی اور اقبال نے اپنے ذہنِ رسا اور فکری تخیل کو بروئے کار لاکر اس تحریک کو اس راہ پر گامزن کر دیا جس سے مستقبل میں قومی درد اور احساس رکھنے والے ادیب اور شاعر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"ہمالیہ سے خطاب" حبِّ وطن کے اظہار میں اقبال کی پہلی نظم ہے جس میں شگفتہ بیانی، لطفِ بیان کے وہ عناصر بدرجۂ اتم موجود ہیں جو عظیم شاعری کی خصوصیات ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ان کے قلب کا ایک نفسیاتی مطالعہ بھی پیش کرتی ہے۔ مادرِ وطن پر اغیار قابض ہیں۔ وہ خود روز و شب غلامی کے احساس سے گھُٹ رہے ہیں۔ ہر قدم پر ایسے واقعات اور حادثات در پیش ہیں جو انھیں برابر اپنی غلامی اور اپنے وطن کی یاد دلائے جاتے ہیں۔

حبِّ وطن کے جذبے سے سرشار ہو کر اقبال نے جو نظمیں لکھی ہیں، اُن میں "تصویرِ درد" ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ اس نظم میں انھوں نے ان کیفیات کو سامنے لانے کی کامیاب کوشش کی ہے جو اس محکوم ملک کی دو بڑی قوموں کے باہمی اختلاف اور آخر کار ایک غیر قوم پر کارفرماں تھیں۔ "تصویرِ درد" ان کے جذباتی پہلو سے ایک نمایاں تعلق رکھتی ہے جو عناصر اس نظم کی تخلیق کا باعث بنے، انھوں نے شاعر کے ذہن و ضمیر میں اس انداز پر پرورش پائی ہے جس طرح کہ ان کی ابتدائی شاعری کے دیگر عناصر نے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کیفیات کے نابود ہو جانے کے باوجود جو اس نظم کی تخلیق کا باعث ہوئیں، اس کا پیغام آج بھی کارگر اور اس کا تاثر آج بھی تر و تازہ ہے۔

یورپ کی سیاحت سے قبل جو کلام اقبال کی زبانِ قلم سے نکلا وہ زیادہ تر حبِّ وطن کے جذبات میں ڈوبا ہوا تھا اور یہ جذبہ اس قدر ان کے دل و دماغ میں سرایت کئے ہوئے تھا کہ حکومتِ وقت کی قید بندی کو بھی

خاطر میں نہ لائے اور ہر موقع پر اظہار حال کے لئے اپنے ضمیر کی آواز بلند کر کے قوم کو باخبر کرتے رہے۔ "تصویر درد" کے شعروں میں قومیت و وطنیت کی وہی تڑپ اور لگن موجود تھی کہ جس کے تقاضے سے ملک غلامی کا جُوا اپنے سر سے اُتار پھینکے۔ یہ دعوت آزادیٔ وطن کو دعوت تھی۔ اسی طرح آزادی کے جذبہ کو بروئے کار لانے اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنے، فریاد کی سکت اور ہمت پیدا کرنے کی جرأت اس شعر میں دلاتے دکھائی دیتے ہیں ؎

یہ خاموشی کہاں تک؟ لذّتِ فریاد پیدا کر!
زمیں پر تو ہو، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں!

انھیں اتحاد اور باہمی محبت پیدا کرنے پر زور دیتے ہیں ؎

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

•

اُجاڑا ہے تمیزِ ملّت و آئیں نے قوموں کو!
مرے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے

وطن سے محبت اور اپنے ہم وطنوں کے درد میں ان کا دل انتہائی متفکر تھا اور باہمی بیگانگی اور قیامت خیز نفاق کو دیکھ کر وہ اپنی اسی نظم "تصویرِ درد" میں دریائے گنگا کو مخاطب کرتے ہوئے انتہائی ندامت سے اپنے دلی کیفیات اور درد کا ذکر کرتے ہیں ؎

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال ایک عظیم مفکر، دیدہ ور، عالمِ انسانیت کے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم محبِ وطن بھی تھے اور حبِ وطن کا جذبہ ان کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ اپنے اس جذبے سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنے اہلیانِ وطن کو جو پیغام دیا وہ ہر دور میں ان کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ بلاشبہ ان کا جذبۂ حبِ وطن قابلِ فخر بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی اور اس وقت جب کہ دنیا اس عظیم شاعر کی پیدائش کا صد سالہ جشن منا رہی ہے، ہم بھی روحِ اقبالؒ کے حضور تہہ دل سے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

❀ ❀ ❀



ڈاکٹر اقبال اپنے علم و فضل سے ہر فرقہ میں یکساں طور پر مقبول تھے سرداران سکھ معززین کے ہمراہ ان کی یہ تصویر اس کی ایک مثال ہے۔

بقیہ "اقبال - جوشیلے، جذباتی، پکّے مسلمان"

فکر کی کاوش انسان پر موت سے زیادہ بھاری ہوتی ہے۔ چنانچہ راحت و عافیت اسی میں ہے کہ جو لوگ کرتے آئے ہیں خود بھی وہی کیا جائے!"

اس حقیقت کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر لکیر کا فقیر ہے وہ آسانی سے نئے خیالات اور فکر و عمل میں تبدیلیوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا خواہ وہ تبدیلیاں کتنی ہی مفید ہوں۔ اس لئے اقبال کو بھی 'نیا شوالہ' سے 'سرزمین حجاز' کی طرف آنا پڑا اور پھر اس نے مروّجہ خیالات و نظریات اور عقائد کی جو خوشگوار آگ جلائی اس آگ کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگ آج تک اپنے ہاتھ تاپ رہے ہیں۔

••

"سر" کا خطاب : ... یکم جنوری ۱۹۲۳ء۔ لاہور
پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے الیکشن میں کامیابی : دسمبر ۱۹۲۶ء
کونسل کی مدتِ رکنیت : ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک

سر اکبر حیدری کے نام

تضمین بر پیغامِ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ

ضیا اصفہانی، بھیونڈی ۴۲۱۳۰۲

۵ جنوری ۱۹۳۸ء کو "اسلامیہ کالج" لاہور کے طلبہ کی پرخلوص کوششوں سے غیر منقسم ہندوستان میں تقریباً تمام انجمنوں، کالجوں یونیورسٹیوں اور پبلک اداروں کی جانب سے حکیمِ مشرق علامہ اقبالؒ کا یادگار دن (اقبال ڈے) بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا تھا اور مشرق کے عظیم فلاسفر و شاعر علامہ اقبال کو خراجِ تحسین و عقیدت پیش کر کے اُن کی بین الاقوامی عظمت و مقبولیت کا اعتراف کیا گیا تھا۔

علامہ مرحوم اس وقت بقیدِ حیات تھے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے آپ کی خدمت میں مبارکباد کے پیغامات اور قیمتی تحائف موصول ہوئے تھے ان میں ایک تحفہ مرحوم سر اکبر حیدری کی جانب سے بھی تھا۔

مرحوم سر اکبر حیدری اس موقع پر دولتِ آصفیہ کے صدرِ اعظم تھے اور حضور نظام کے توشہ خانے سے بطور تواضع ایک ہزار روپے کا چیک علامہ اقبال کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

علامہ اقبال مرحوم نے اس چیک کو لوٹاتے ہوئے ایک حقیقت افروز قطعہ بھی اس کے ساتھ منسلک فرمایا تھا۔

اس تاریخی قطعہ پر تضمین ملاحظہ فرمایئے:

میرا پیمانۂ دل تھا مئے حق سے لبریز　　میرے اوصاف کا چرچا بھی تھا حیرت انگیز
مثلِ شاہیں میری پرواز کی رفتار بھی تیز　　تھا یہ اللہ کا فرماں کہ شکوہِ پرویز
دو "قلندر" کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات

جب ہویدا ہوئی مستورِ حقیقت مجھ پر　　میں نے جب فاش کئے "سرِ خودی" کے دفتر
مجھ میں جب دیکھ لئے خوب سلف کے جوہر　　مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشائی کر
حسنِ تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات

میری نظروں کی بلندی سے نہیں کچھ روپوش　　میری گفتار کی ضربوں سے ہے آفاق میں جوش
آپ بھی سنئے مرے دل کی یہ آواز بگوش　　میں تو اس بارِ امانت کو اٹھاتا سرِ دوش
کامِ درویش میں ہر تلخ ہے مانندِ نبات

میرے مسلک نے بنا رکھے ہیں کچھ ایسے اصول　　کہ سمجھتا ہوں "تحائف" کو بھی اک رسمِ فضول
قابلِ قدر سہی صدق اور اخلاص کے پھول　　غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

جب علامہ اقبال کی تدفین ہوئی

جگہ کا مسئلہ

خواجہ عبدالرحیم (مرحوم) کا ایک مضمون

مرسلہ:- حمید اختر، مالیگاؤں

بیسویں صدی کے نصف اوّل کا دم واپسیں تھا کہ ۲۱ راپریل ۱۹۳۸ء کو حکیم الامت علامہ اقبال نے سفر آخرت اختیار کیا ؎

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

ہمارے سامنے اُن کی رحلت کے فوراً بعد یہ سوال تھا کہ قوم کے اس مایۂ ناز فرزند کو سپردِ خاک کرنے کے لیۓ کون سی جگہ موزوں ہو سکتی ہے۔ یہ سوال اس لیۓ بھی اہم تھا کہ ہم ایک ایسے وجود کو لحد میں اُتارنیوالے تھے جس کی تاریخ ساز شخصیت نے نہ صرف مسلمانوں کی حیاتِ ملی کا ساز و سامان مہیا کیا بلکہ قدرت نے اس کی ذاتِ گرامی پر قبولِ عام اور شہرتِ دوام کی غیر فانی مہریں ثبت کردی تھیں۔ یہ اقبال ہی تھے جنھوں نے دنیائے اسلام کی رگ رگ میں نشاۃ ثانیہ کی رُوح پھونکی اور تقدیرِ اُمم کی تعمیر و تشکیل کے لیۓ مستقبل میں جو تاریخی کردار اس دنیا کو ادا کرنا تھا اس کا شعور بھی اس مردِ حق آگاہ نے بیدار کیا۔ اس برصغیر کے مُسلمان اس حقیقت سے اس کی حکیمانہ تعلیمات ہی کی بدولت آگاہ ہوئے ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اس نے اپنی قوم پر یہ حقیقت واضح کی کہ اس کے افراد کی قسمت میں محض بزم کشتی اور رستائی کے گرے پڑے پیشے نہیں ہیں بلکہ یہ تو وہ ہیں جن کے نقوشِ قدم کبھی خورشید در آغوش بھی ہو سکتے ہیں ؎

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سُلطانی کے گنبد پر !
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

غرض یہ تھی کہ وہ عبقریت مآب شخصیت جس کی ابدی خوابگاہ کیلئے موزوں ترین مقام کے انتخاب کا مسئلہ زیرِ غور تھا۔

حکیم الامت کے عقیدت کیش جاں نثار چودھری محمد حسین مرحوم، راجہ حسن اختر (جنھیں بارہ سال تک علامہ کی صحبت سے فیض یابی کے مواقع میسر آئے) اور دیگر متعلقین نے یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے قریب حکیم الامت کی آرام گاہ بنے۔ موزوں ترین مقام یہی ہو سکتا ہے۔

صوبائی حکومت کے سربراہ سر سکندر حیات خاں مرحوم نے اس فیصلہ سے اتفاق نہیں کیا۔ سر سکندر حیات خاں پنجاب سے باہر دورے پر تھے کہ میاں امیرالدین نے ان سے تار کے ذریعہ مذکورہ مقام پر تدفین کی اجازت طلب کی لیکن انھوں نے نفی میں جواب دیا اور یہ متبادل تجویز پیش کی کہ اسلامیہ کالج کے میدان میں اس مقصد کے لیۓ کسی مقام کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانانِ لاہور کی ملی جلی آرزؤں کا احترام کرتے ہوئے علامہ کے عقیدت کیش اپنے فیصلے پر جمے رہے۔ اس اثناء میں حیرت ناک صورتِ حال یہ پیش آئی کہ خود گورنر صوبہ سر ہنری کریک نے بروقت ان کے ساتھ ہمدردانہ تعاون کیا۔ اس شریف النفس انگریز کی مدد سے ان تمام مشکلات پر قابو پالیا گیا جو محکمۂ آثارِ قدیمہ سے گفت و شنید کے سلسلہ میں پیش آئیں۔ کیونکہ یہ مقام اسی محکمہ کے زیرِ نگرانی تھا مختصر یہ کہ حکیم الامت کی تدفین کے لیۓ مطلوبہ مقام کی اجازت مل گئی۔ اس آرام گاہ کے انتخاب سے حکیم الامت کی وہ آرزو بھی پوری ہو گئی جس کا اظہار موصوف نے اپنی بصیرت کی بناء پر ان اشعار میں کیا تھا ؎

کو کبم را دیدۂ بیدار بخش ‏ ‏ مرقدے در سایۂ دیوار بخش
تا بیاساید دلِ بیتابِ من ‏ ‏ بستگی پیدا کند سیمابِ من
با فلک گویم کہ آرامم نگر ‏ ‏ دیدۂ آغازم انجامم نگر!

مزار کی تعمیر کا جو نقشہ زیرِ تجویز تھا اور اس کے سلسلہ میں جو تدابیر زیرِ غور تھیں ان کی تکمیل و اتمام کی راہیں بعض وزراء اور سرکاری افسران کے غیر ہمدردانہ طرزِ عمل سے بہت حد تک مسدود ہو کر رہ گئیں ۔ بعض دشواریاں ایسی بھی تھیں جو مزار کے محلِ وقوع اور ان اقدار پر اثر انداز ہوتی تھیں جو مزار کے مجوزہ نقشہ کی رو سے اس کی ہیئتِ ترکیبی کا جزوِ لازم قرار دی گئی تھیں۔

الف : مزار کسی صورت میں بھی صحنِ مسجد کی فصیل سے اونچا نہ ہو ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ تعمیرِ مزار کی اونچائی دس بارہ فٹ سے زیادہ نہ ہونے پائے ۔

ب : نقشہ تعمیر گردوپیش کی تعمیرات کے عین مطابق ہو ۔

ج : الف اور ب کی قیود کے باوجود یہ ضروری سمجھا گیا تھا کہ مزار کی تعمیر اس انداز سے ہونی چاہیئے کہ اس سے اقبال کے فلسفۂ خودی اور نظریۂ قومیت وغیرہ کی شان نمایاں ہو جائے ۔ مرحوم چودھری محمد حسین کی تمنا تھی کہ مزارِ اقبال اس حقیقت کا مظہر ہو ؎

جہانگیری بخاکِ ما سرشتند — امامت بر جبینِ ما نوشتند
درونِ خویش بنگر آں جہاں را — کہ تخمش در دلِ فاروق کشتند

مزار کمیٹی نے تعمیر کے سلسلے میں ان تمام ماہرینِ فنِ تعمیر کے مشوروں سے استفادہ کیا جن تک آسانی سے رسائی ہو سکتی تھی ۔ ان میں خصوصیت سے حیدرآباد دکن کے نواب زین یار جنگ کا نام قابلِ ذکر ہے انجام کار انہی کے تعمیری خاکے کے مطابق مزار کی تعمیر ہوئی ۔ لیکن اس موقع پر ہمیں بلا تامل یہ کہہ دینا چاہیئے کہ ان کے پہلے اور بعد کے خاکے میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ پہلے خاکے سے صاف یہ نظر آتا تھا کہ یہ کسی بلبل کا قفس ہے ، اور یہی وجہ تھی کہ اُسے کالعدم قرار دیا گیا ۔

مجھے خوب یاد ہے کہ نواب زین یار جنگ شاہی مسجد میں تھے اور چودھری محمد حسین مرحوم انہیں یہ سمجھا رہے تھے کہ گردوپیش کی عمارت میں مزار کی کیا حیثیت اور کیا اہمیت ہے ۔ اس وقت ان کے ہمراہ راجہ حسن اختر، میاں امیرالدین مرحوم ، سر سکندر حیات خاں اور راقم الحروف بھی تھا ۔ چودھری صاحب مرحوم کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی اور ان کی زبان پر یہ فقرے کہ مزار کے غرب میں شاہی مسجد ہے جس سے اسلام کی روحانی طاقت کی آئینہ داری ہوتی ہے ۔ اس کے بالمقابل مشرق میں شاہی قلعہ ہے جو اسلام کی دنیاوی عظمت کا مظہر ہے ۔ تیسری سمت رنجیت سنگھ کی مڑھی ہے ۔ چوتھی جانب حکیم الامت کا مزار ہے جنہیں مجددِ ملت کہا جا سکتا ہے ۔ مزارِ اقبال کا نقشہ کچھ ایسا ہونا چاہیئے کہ سنگ و خشت کی خاموش زبانیں حقیقت کی ترجمانی کریں اور ان کی ترتیب و تعمیر سے اس حقیقت کا انکشاف ہو کہ اقبال کا کلام اور اس کا پیام فقر و سلطنت اور درویشی و شاہی کا ایک حسین امتزاج تھا ۔

ان توجیہات سے نواب زین یار جنگ کے دماغ میں تخلیق و ایجاد کی برقی رو دوڑ گئی اور پہلے سے اُن کے تصوراتِ ذہنی میں جو نقشہ بسا ہوا تھا اس کی بساط ہی اُلٹ گئی ۔ دکن کے اس ماہرِ تعمیرات نے از سرِ نو کام کا آغاز کیا ۔ صلاح و مشورہ کے بعد موصوف نے وہ تعمیری خاکہ تیار کیا جسے انجام کار قبولِ خاص و عام کی سند ملی ۔ مزار کمیٹی نے شروع دن سے یہ طے کیا تھا کہ وہ مزار کی تعمیر کے سلسلے میں عوام سے چندہ کی اپیل نہیں کرے گی ۔ اور وہ اس لئے کہ مزار کمیٹی کو معلوم تھا کہ حکیم الامت عوامی چندوں اور سرکاری مدد کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے ۔ مزار کمیٹی نے ایک حکمران اور ایک بہت بڑے تاجر کی پیش کش کو ٹھکرا دیا ۔ یہ اس شرط پر تعمیر کے جملہ مصارف برداشت کرنے کے لئے آمادہ تھے کہ ان کے ناموں کی تختیاں مزار کے ساتھ نصب کر دی جائیں ۔ کمیٹی ایسی پیش کش قبول نہیں کر سکتی تھی ۔ اقبال اپنی قوم کا 'اقبال' تھا ۔ اس کی اُمیدوں اور آرزوؤں کا مرکز ۔ یہ کیسے گوارہ کیا جا سکتا تھا کہ اس کے نام کی آڑ میں حکمرانوں اور تاجروں کی دولت و ثروت کے چراغ جلیں ۔

قیامِ پاکستان کے بعد مسٹر غلام محمد مرحوم نے جبکہ وہ وزیرِ مالیات تھے حکومت کی طرف سے کچھ رقم کی پیش کش کی مگر مزار کمیٹی نے اپنی سابقہ روایات کے پیشِ نظر اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ کمیٹی کو اس امر سے ایک گونہ مسرت اور اطمینان ہوا کہ مزار کی تعمیر حکیم الامت کے خیرخواہوں اور عقیدت کیشوں کی نجی کوششوں سے پایۂ تکمیل کو پہنچی ۔

مزار کے بیرونی حصہ پر سنگِ سرخ اپنی چھب دکھا رہا ہے اور یہ اس مناسبت سے کہ شاہی مسجد کا بیرونی حصہ بھی سنگِ سرخ کا جامہ پہنے ہوئے ہے ۔ مزار کے اندرونی حصہ میں مکرانی سنگِ مرمر کی سلیں جڑی ہوئی ہیں ۔ یہ دونوں قسم کے پتھر راجپوتانہ سے درآمد کئے گئے تھے ۔ ہر دو قسم کے پتھروں کی آخری درآمدی قسط ابھی راستہ ہی میں تھی کہ تقسیمِ ملک کا سلسلہ پیش آگیا ۔ اس لئے یہ سامان کھوکھرا پار کے راستے منگانا پڑا ۔ فروری ۱۹۵۰ء کو تعمیر کی مہم سر ہوئی ۔ مسٹر بشیر احمد انجنیئر انچارج نے تعمیر کے سلسلے میں رضاکارانہ خدمات پیش کیں ۔ مزار کی حسبِ ذیل خصوصیات

قابلِ ذکر ہیں:

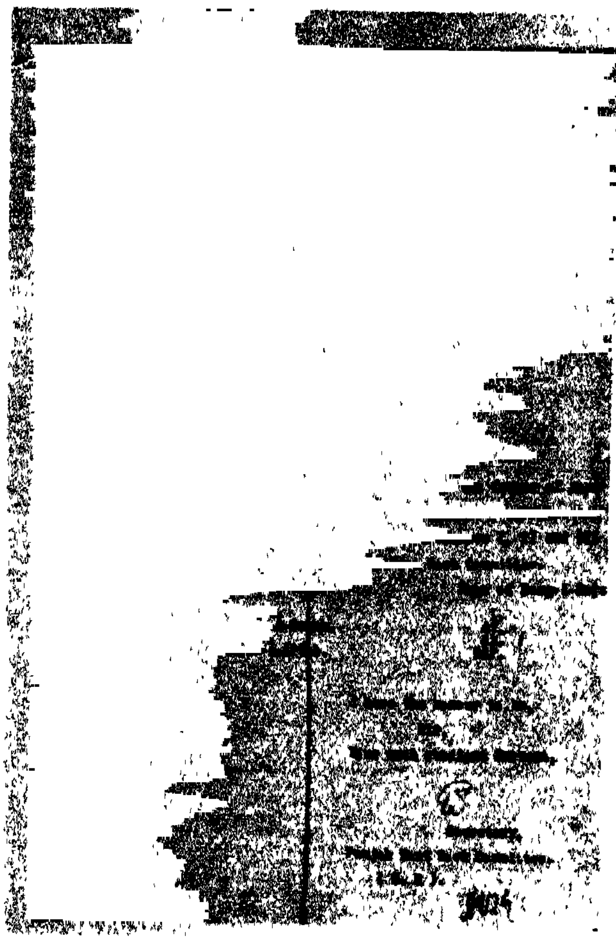
۱۔ مزار کی چھت تمثیلی اشاریت کی حامل ہے۔ اس کے وسط میں اسم "محمدؐ" کندہ ہے۔ چاروں گوشوں میں اقبال کا نام ہے، اس انداز میں کہ ہر نام کی ایک برقی لہر مرکز کی طرف مائل ہے۔ اس تمثیلی اشاریت سے یہ اظہار مقصود ہے کہ اقبال نے جس مرکزِ انوار سے اقتباسِ نور کیا ہے وہ ذات ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور انھیں کی الہامی تعلیمات کا پَرتو اُس کے کلام اور اس کے پیغام پر پڑا ہے۔

۲۔ مغربی دیوار پر خطِ کوفی میں قرآن حکیم کی یہ آیت شریف کندہ ہے جو حکیم الامّت کو بے حد مرغوب تھی:

کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ

(ملے مطبوعہ روزنامہ 'ملّت' لندن۔ ۱۲ر فروری ۱۹۷۶ء) ●●

دردِ گردہ کا پہلا حملہ :	۹ جولائی ۱۹۱۶ء۔ لاہور
دردِ گردہ کا دوسرا حملہ :	۱۹۲۸ء۔ لاہور
موتیا بند کی شکایت :	۱۹۳۷ء۔ لاہور
دردِ نقرس کی ابتدا :	۱۹۳۷ء۔ لاہور
دمہ کے شدید دورے :	۱۹۳۸ء۔ لاہور
دردِ گردہ کا تیسرا حملہ :	۱۹۳۸ء۔ لاہور
وفات :	۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء۔ لاہور



محکمۂ تعلیم پنجاب کا وہ خط جو ڈاکٹر اقبال کی چار نظموں 'ہمالہ' 'پیامِ صبح' 'جگنو' اور 'شعاعِ آفتاب' کو اُردو نصاب میں شامل کرنے کے لئے لکھا گیا تھا۔

بقیہ "اقبال۔ موت کے بعد"

اور کٹّر سوشلسٹ تھے۔ وہ شعلہ نوا شاعر تھے۔ اُن کی شاعری بے مثال تھی۔ اپنی اس شاعری کی بدولت غیر فانی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔" (منک رکن علی)

یہ ذکر اگرچہ چند ایک تعزیت ناموں پر مبنی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ "اقبال صدی" میں اِس کا ذکر شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال کو سب سے بڑا خراجِ عقیدت ہے۔

●●

علامہ اقبال اور ان کی حب الوطنی

ایس ۔ ایم ۔ عباس

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

مرحوم علامہ اقبال کا شعر رہ رہ کر مجھے یاد آتا ہے اور یاد بھی کیوں نہ آئے؟ علامہ محمد اقبال کو سب نے اپنے ترازو میں تولنے کی کوشش کی لیکن ان کے پیغام کی گہرائی میں جاکر انھیں پہچاننے کی کوشش بہت کم لوگوں نے کی۔ ان پر اعتراض کرنیوالے اور ان کی تعریف کرنیوالے دونوں ہی حد سے بڑھ گئے اور ان کے پیغام کو بہت ہی کم لوگ اس اسپرٹ میں سمجھ پائے جس اسپرٹ میں خود اقبال اسے اپنے ہم وطنوں یا دنیا والوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ کسی فن کار کے لئے سب سے دکھ بھرا مسئلہ وہ ہوتا ہے جب لوگ اس کے پیغام اور فن کو سمجھے بغیر اس کی تعریف شروع کردیں یا اس کی مخالفت پر اتر آئیں۔ کچھ لوگوں نے تنگ نظری کی بنا پر انھیں مسلمانوں کا شاعر کہا اور کچھ نے انھیں مسلمانوں کا شاعر کہنے میں فخر محسوس کیا۔ حالانکہ وہ ایک انسان دوست شاعر ہیں انھیں مذہب، ملک، زبان کی قید میں بند کرنا ان پر اور ان کی شاعری پر ظلم ہے۔ ان کی وطن پرستی اور انسانی محبت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

اگر ٹیگور 'گیتا نجلی' کے بعد ہندو شاعر نہیں ہیں تو اقبال ع

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

لکھنے کے بعد مسلم شاعر کیسے ہو سکتے ہیں۔ جن کے بارے میں ہمارے مرحوم وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ''ڈسکوری آف انڈیا'' میں لکھا ہے:

''عمر کے آخری حصے میں اقبال زیادہ سے زیادہ سوشلزم کے قریب ہوتے گئے۔ سوویٹ روس نے جو عظیم ترقی کی تھی وہ اس سے متأثر ہوئے اور ان کی شاعری نے بھی ایک نیا رنگ اختیار کیا۔''

علامہ اقبال نے پنڈت جواہر لال نہرو جیسے عظیم نیشنلسٹ لیڈر کے بارے میں فرمایا:

''جواہر لال، آپ محب وطن ہیں (دیش بریمی) اور محمد علی جناح سیاستداں۔''

اس سے بڑھ کر اقبال کی وطن پرستی کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ انھیں اقبال کے لئے جنھیں تنگ نظروں نے فرقہ پرست شاعر کہا، ہمارے عظیم نیتا جی سبھاش چندر بوس نے علامہ اقبال کی وفات کے موقع پر فرمایا تھا:

''ہندوستان کی تاریخ سے اس سربلند شخصیت کا نام کیسے مٹ سکتا ہے جس نے 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' جیسا ترانہ تصنیف کیا ہو۔''

علامہ اقبال ایک دردمند دل لیکر آئے تھے انھیں اگر اپنے وطن سے محبت تھی تو سارے جہاں کا درد بھی اُن کے سینے میں تھا اور پھر وہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور اس وقت مسلمانوں کی جو قابلِ رحم حالت تھی وہ اس سے کیسے آنکھیں پھیر سکتے تھے انھیں ملک کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کا بھی خیال تھا وہ مسلمانوں کی ترقی اور خوشحالی بھی چاہتے تھے اور کسی بھی شاعر یا ادیب پر اُس کے ماحول کا اثر پڑنا لازمی ہے یہی اثر اقبال پر بھی پڑا۔

اقبال کتنے محبِ وطن تھے اس کا اندازہ مرحوم سرتیج بہادر سپرُد کے داماد جناب چاند نرائن چاند کے اس شعر سے بخوبی ہو سکتا ہے ؎

دل مگر اقبال ہے گنجینۂ قارون تیرا !
تو ہے لیلائے سخن ہندوستاں مجنوں تیرا

حسبِ ذیل شعر میں علامہ اقبال جنھیں مسلمانوں کا شاعر کہا جاتا ہے، بھگوان رام چندر جی کے بارے میں اس طرح اپنا ہدیۂ عقیدت

شس کرتے ہیں ؎

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اُس کو امامِ ہند

مہاتما گوتم بُدھ کو وہ پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں۔ بابا گرونانک جی کو ہ سوئی ہوئی قوم کو جگانے والا اور سچائی کا راستہ دکھانیوالا سمجھتے تھے ؎

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اِک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

اتنا ہی نہیں سوامی رام تیرتھ۔ کنارِ راوی آفتاب ہمالہ۔ ہندوستانی بچوں کا قومی گیت' اُن کی لافانی تخلیقات ہیں۔

اقبال نے گیتا کی تعلیم سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ گیتا کی تعلیم ہے :

" جو خودی کو چھوڑ دیتا ہے وہ موت کے جنگل میں نہیں پھنستا بلکہ برہما کے درجے میں پہنچتا ہے جس کے بارے میں اقبال نے فرمایا ہے:

نسان کی ذہنی تاریخ میں سری کرشن کا نام ہمیشہ ادب، عزت ور احترام سے لیا جائے گا کہ اس عظیم الشان انسان نے ایک نہایت لفریب پیرائے میں ملک و قوم کی فلسفیانہ روایت کی تنقید کی اور اس قیقت کو آشکار کیا کہ ترک عمل یہ ہے کہ عمل اور اس کے نتائج سے طلق ل بستگی نہ ہو یعنی صرف کرم کرو اور اس کے نتیجہ پر نظر نہ رکھو"

ان کے انھیں خیالات سے متاثر ہو کر سر تیج بہادر سپرو نے کہا تھا:

" یہ کہنا کہ اقبال' اسلامی شاعر تھا، اس کے دائرۂ اثر کو محدود کرنا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس نے اسلامی فلسفے، اسلامی عظمت اور اسلامی تہذیب پر بہت کچھ لکھا ہے مگر کسی نے آجتک ملٹن کی نسبت یہ کہہ کر کہ وہ عیسائی تھا اور کالیداس ہندو مذہب کا شاعر تھا۔ ان کے اثر کو محدود نہ کیا اور نہ دوسرے مذہب کے ماننے والوں نے ان کی قدر دانی میں کمی کی۔ اگر اقبال اسلامی تاریخ کے بڑے کارناموں کے بارے میں کہتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ غیر مسلم ان کی قدر نہ کریں"

اقبال نے جس انداز سے ہندو مسلمان کو متحد ہونے کی تلقین کی۔ کسی دوسرے شاعر نے ان سے پہلے اتنی خوبصورت کوشش نہیں کی تھی ن کا ایمان تھا کہ ہندوستان کی عظمت اور بڑائی کا لوہا دنیا مانے گی' گر یہاں ہر مذہب والے ایک جسم ایک جان ہو جائیں۔ ان کی مشہور ظم "نیا شوالہ" پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال کسی ایک مذہب کے شاعر نہیں تھے ؎

آ غیریت کے پردے اِک بار پھر اُٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں

اقبال نے عمل، اتفاق، اتحاد اور انسانیت کی سربلندی کا جو اعلیٰ پیغام دیا ہے وہ آج بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا اس وقت تھا جب اقبال نے اسے ہمارے سامنے رکھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس پیغام کو اپنائیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

علامہ اقبال نے ہندو مسلم ایکتا کے بارے میں فرمایا تھا "میرا خود یہ خیال ہے کہ امتیاز مذہب اس ملک سے اُٹھ جانا چاہئے اور میں پرائیویٹ زندگی میں اسی پر کاربند ہوں۔ قومی شخصیت کو محفوظ رکھنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لئے ضروری ہے ملک میں ایک مشترک قومیت ہونی چاہیئے"

ایک زمانہ وہ تھا جب ترک موالات کے بعد شُدھی اور سنگھٹن کا جوش و خروش برپا تھا اور مسلمان اس کے جواب میں تبلیغ اسلام میں مشغول تھے بعض متعصب مسلمانوں کو علامہ اقبال کی قومی یک جہتی کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی، انھیں ایک آنکھ نہ بھایا کہ وہ بھگوان رام، کرشن، سوامی رام تیرتھ، مہاتما بدھ، بابا گرونانک کی تعریف کریں۔ پیرزادہ محمد صدیق سہارنپوری نے کفر کے فتوے کے لئے مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ' خطیب مسجد وزیر خاں لاہور کو لکھ کر بھیجا کہ ایک شاعر بھگوان رامچندر جی کو " امام اور چراغ ہدایت" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور اس کی تعریف کرتا ہے۔ کیا مذہبِ اسلام کی رُو سے یہ شاعر مسلمان ہے ؟

مولانا سید دیدار علی نے بغیر تحقیق کے کُفر کا فتویٰ دیدیا جس پر ملک بھر میں کہرام مچ گیا اور مولانا دیدار علی پر ہر طرف سے لعن طعن ہوئی مسلمانانِ ہند آگ بگولا ہو اُٹھے اور ہر طرف شور برپا ہو گیا کہ اگر اقبال جیسا مسلمان کافر ہے تو پھر مسلمان کون ہے ؟ میرے نزدیک اقبال کا جذبۂ حُبّ الوطنی ہی انھیں بلند تر کرتا ہے اور ان کی عظمت میں چار چاند لگاتا ہے۔

اقبال نے اپنے پاک خیالات سے ہر ہندوستانی کے دل میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے جو وقتی تنقیدوں سے کبھی پامال نہیں ہو سکے گا۔ اقبال کی شاعری جس بلندی پر پہنچی' دیگر شعراء کم ہی پہنچ پائے۔

اپنا مُنہ ... ذرا دیکھ

اقبال

ا
امیرِ لفظ و قلم، نازشِ سخن اقبال
شعورِ شعر و ادب، افتخارِ فن اقبال

ق
قرینۂ لبِ اردو، نقیبِ آزادی
اصولِ کشورِ فن، عظمتِ وطن اقبال

ب
بہ فیضِ عشق رہا آشنائے رازِ خودی
دیارِ حسن کا تھا تمکنت شکن اقبال

ا
اسیرِ زلفِ تصوف، دیوانۂ رندی
بساطِ شرحِ شریعت کا بانکپن اقبال

ل
لیاقتوں کا غزالی، روایتوں کا نظیر
جدید ذہن و تخیل کی انجمن اقبال

بیکل اتساہی بلرامپوری
بلرام پور — گونڈہ (یو۔پی)

رمزِ خودی

• مظہر نظامی
جوہری محلہ، لکھنؤ (یو۔پی)

سحر و شام کا اندازِ حسیں آج بھی ہے — راہِ مستقبل تو تیرا امیں آج بھی ہے
فکر و تحقیق میں عنوانِ یقیں آج بھی ہے — ادبِ خاص کا پائندہ نگیں آج بھی ہے

ذوقِ بیدار کو ترشا ہوا اک رنگ ملا
یہی نقطہ سرِ دیباچۂ فرہنگ ملا

شاعرِ نکتہ رس و زینتِ تاریخِ ادب — سازِ افکار میں نغموں سے بھرے رنگ عجب
افق نو پہ ہے ابھرا ہوا اک مہرِ طرب — کوئی دیکھے دلِ کونین کی دھڑکن کا سبب

پوچھتی ہے یہ بہاروں سے چمن کی تنظیم
"بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم"

خوب ہے رمزِ خودی کا بھی یہ اندازِ فسوں — جیسے گہوارۂ طوفاں میں کوئی موجِ سکوں
نفسِ شوق میں ہے قوم کا سب حالِ زبوں — فیضِ ایثار کو کیونکر نہ میں اعجاز کہوں

ہے نہاں سینۂ امروز میں دھڑکن تیری
گرد بھی پا نہ سکے راہ میں رہزن تیری

تیرے اشعار کی فطرت میں ہے عرفانِ نمو — نبضِ ادراک سے بھی تو نے نچوڑا ہے لہو
تیرے جملے ہیں کہ ترشے ہوئے مینا و سبو — چشمۂ نور کی موجوں سے کیا تو نے وضو

مرکزِ فکر ہے یا رنگوں کا گہوارہ ہے
جس پہ عالم کی نگاہیں ہیں وہ سیارہ ہے

دل کی دھڑکن کا ہر انداز تھا اک رازِ وطن! — یوں 'ترانے' میں سموئی گئی آوازِ وطن!!
تیرے انفاس میں پوشیدہ تھی پروازِ وطن — تیرے افکار و خیالات سے ہے نازِ وطن

روشن عہد میں پیغام رواں ہیں اب بھی
لالہ و گل ترے قدموں کے نشاں ہیں اب بھی

اک نیا جلوہ بنا پردۂ زرنگاری کا — نکہتِ گل میں ہے عالم تری بیداری کا
جامِ اول ہوا حامل تری سرشاری کا — خود ترا فن ہے معترف تری فنکاری کا

بن کے سالارِ سپاہِ مہ و سال آیا تھا
حدِ کونین پسِ پشت میں ڈال آیا تھا

تھی ذہانت تری الفاظ و معانی کے لئے — تو نے ہی الٹے ہیں اوراق نشانی کے لئے
زیست کو رنگ دیئے جلوہ فشانی کے لئے — خاص ماحول تراشا ہے کہانی کے لئے

ظرفِ کردار جو انفاس کی تمہید میں ہے
اس لئے ذہنِ ترقی تری تقلید میں ہے

ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ

• قاضی محمد تاج الدین تاجؔ اورنگ آبادی

اقبالؔ جس کی فکر کے جلوے ہیں چار سو
جس نے نئی حیات کا گرما دیا لہو
شعر و سخن کی بزم کا وہ آفتاب تھا
اقبالؔ عہدِ نو کا نیا انقلاب تھا
وہ شہرِ آرزو کا مسافر تھا بے نظیر
فکرِ رسا نے جس کی ستارے کئے اسیر
تاریکیاں مٹائیں بصیرت کے نور سے
آگاہ اس نے کر دیا غیب و حضور سے
اردو کو جس نے زندۂ جاوید کر دیا!
اسلوب کو معانی و مقصد سے بھر دیا
نقادِ فن کو جس نے عطا کی نظر بلند
وہ بے مثال فکر و نظر کا تھا نقشبند
وہ واقفِ حقائق اسرارِ کائنات
جس نے تصورات کو بخشا عجب ثبات
مشک و عبیر خاکِ وطن کو بنا دیا
تقدیس میں زمیں کو فلک سے بڑھا دیا
آمادۂ خرام ہوئے سُست قافلے!
طے کر گئے یقین و عزائم کے مرحلے!
ہندی نژاد حق کا فدائی وہ مرد تھا
عشقِ محمدیؐ میں یگانہ وہ فرد تھا
اُس کے یقیں کا نور عجب دلنشیں ہوا
اُس کا جواب آج بھی پیدا نہیں ہوا

دُعا

(اقبالؔ صدی تقاریب کے موقع پر)

اُس کی نوا تہذیبِ عصر
اُس کا سخن ظلمت میں جیسے روشنی
ذہنِ رسا انسانیت کی سربلندی
فلسفہ ریز خودی حُسنِ عمل
آگہی، پرواز، ہفت افلاک آدم کا سفر
اقبالؔ مشرق کا اثاثہ!
صبح کی شفاف کرنوں کی لہک
زندگی، تابندگی، رقصندگی
روشنی ہی روشنی انسانیت کی تازگی
اس صدی سے تا صدی وہ حرفِ معنیٰ کی دُعا!!

• اسحاق ملک
سلطانپورہ، حیدرآباد

علی حسین
اسٹیشن روڈ، شنگزون، تھاٹون، لوربرما

میں اور ہاتف

— نذرِ اقبالؒ

میں:
گلستانِ زیست میں وہ علم و فن کی تھا بہار

ہاتف:
شاعرِ اعظم . وہ یعنی ایشیا کا افتخار

میں:
اس کے ہر مصرعے سے اک سوزِ دروں ہے آشکار
اس کے ہر اک شعر سے ہوجاتا ہے سینہ فگار

ہاتف:
شکوۂ بے جا بھی اُس کا شکوۂ بیجا نہیں
لطف برساتی ہے اس میں خود مشیت کی پھوار
عرش پیما اس کی ہے ہر ایک آہِ کارگر
ناز فرماتا ہے اُس کی عرض پر خود کردگار
عرش اور کرسی بھی بیباکی پہ اس کی مست ہیں
ہر صدائے ناز اُس کی گونج اٹھتی ہے مستانہ وار

میں:
اُس کی رگ رگ میں لہو تھا یا کہ تھا عشقِ رسولؐ
جانبِ یثرب جو وہ بڑھتا رہا دیوانہ وار
اصل میں وہ ملّتِ بیضا کا اک پروانہ تھا
دین کی خدمت تھی اُس کے واسطے وجہِ قرار
تھا وہ اک دلدادۂ خلفائے اربعہؓ اے ندیم!
اور حقیقت میں وہ دینِ مصطفےٰؐ پر تھا نثار

ہاتف:
خونِ دل سے کرگیا وہ کِشتِ ملّت لالہ زار

میں:
کیوں نہ پھر اب سبطِ انوار ہو اُس کا مزار

ڈاکٹر محمد منشاء الرحمٰن خاں منشا
ناگپور

نذرِ اقبال

اے حکیمِ نکتہ سنج و شاعرِ شیریں بیاں!
زندگی کے راز تونے کردیئے ہم پر عیاں
تونے حرکت کو کہا رُوحِ روانِ زندگی!
کیا حسیں انداز میں تونے دیا درسِ خودی
عشق کو تونے بتایا وجہِ معراجِ حیات
فاش کیا کیا کردیئے تونے رموزِ کائنات
خوب دکھلائے ہیں تونے جوہرِ طبعِ سلیم
شعر میں تیرے ہے پنہاں قوتِ ضربِ کلیم
کرکے خاص انداز میں تشریحِ اسرارِ خودی
مردِ حق آگاہ تونے خوب بخشی آگہی!
اے حکیمِ خوش نظر، اے شاعرِ والا مقام
اہلِ مغرب کو دیا ہے تونے مشرق کا پیام
جلوہ گر ہے تیرے ہر اک شعر میں فکرِ بلند
بحرِ بے پایاں کو تونے کردیا کوزہ میں بند
ہے ترا جاوید نامہ، نکر و فن کا شاہکار
دیدنی ہے اس کے الفاظ و معانی کی بہار
تازگی پاتے ہیں اس سے دین و ایمان، قلب و جاں
کس قدر پیارا ہے تیرا یہ حجازی ارمغاں
تو ہے علم و فضل کا اک بحرِ ناپیدا کنار
گلشنِ شعر و ادب ہے تیرے دم سے پُربہار
بے نیازِ مدح ہے یہ فکرِ پیمائی تری
تا ابد قائم رہے گی یہ مسیحائی تری!
"آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے"

آدم نصرت

ندھیری (ایسٹ) ممبئی ۶۹

اقبال کے رنگ میں

ہے کاہ بھی کوہ سے فزوں تر اگر ہے تیری نگاہ کوتاہ
ملے نگاہِ بلند تجھ کو، تو ہیچ ہیں سارے منصب جاہ

تڑپ ہو بڑھنے کی ہر قدم پر، نگاہ میں ذوقِ جستجو ہو!
وہ دیکھ ہے دو قدم پہ منزل نہیں ہے دشوار تر کوئی راہ

جنوں میں ہوش و حواس گم ہیں نگاہ منزل کی سمت بھی ہے
نگاہِ عبرت سے دیکھ غافل، یہ شانِ اہلِ جنوں خود آگاہ!

جلالِ شاہی نہیں تو کیا ہے، ملالِ غربت نہیں ہے اس کو
برہنہ شمشیر ہے مسلماں کے واسطے ضربِ لا الٰہ

وہ مردِ مومن نہیں، یقین و عمل کا جذبہ نہیں ہو جس میں
وہ مردِ غازی نہیں، جو رکھتا ہے اپنے انداز مثلِ روباہ

مٹا کے حرص و ہوس کو دل سے رہے توکل پہ تو جو تا عمر
خلیفۃ اللہ کے واسطے کم نہیں ہے دنیا میں منصب و جاہ

اگر حیا آنکھ میں ہے باقی، اگر ہے دل میں گداز باقی
تو شعر وہ کہہ کہ جس میں نصرتؔ ہو احترامِ شعائر اللہ

غزل

— نذرِ علامہ اقبالؒ

بھلا کیا ہے، بُرا کیا ہے، وفا کیا ہے، جفا کیا ہے
جو ہو دیوانہ کیا سمجھے کہ یہ سب ماجرا کیا ہے

مسیحائے زمانہ کوئی ہو تو آ کے سمجھا دے
مٹے جس سے ہمارا دردِ دل ایسی دوا کیا ہے

قدم چومے گی آ کر منزلِ مقصود خود تیرے
گزر جا عزمِ کامل کے سہارے دیکھتا کیا ہے

بتائیں وہ ترقی کر کے جو فتنے اٹھاتے ہیں
جہاں میں آدمی کے ارتقاء کا مدعا کیا ہے

ترا ہو کر مری آہ و فغاں میں زندگی گزرے
بتا اے دوست کچھ تیری مروت کو ہوا کیا ہے

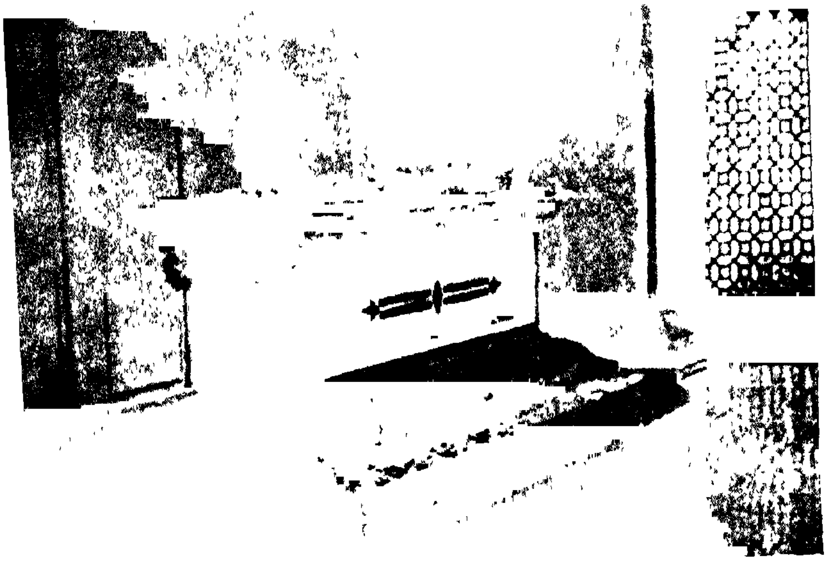
گریباں چاک، آنکھیں نم، جگر میں درد ہے پیہم
محبت کی جو یہ ہے ابتدا تو انتہا کیا ہے

یہ مانا ہم گنہگارِ زمانہ ہیں مگر زاہد
تجھے اس کی خبر بھی ہے کہ رحمت کی ادا کیا ہے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا جواب اس کا انھیں کیا دوں
بتاؤ شانؔ صاحب تم کہ تفسیرِ وفا کیا ہے

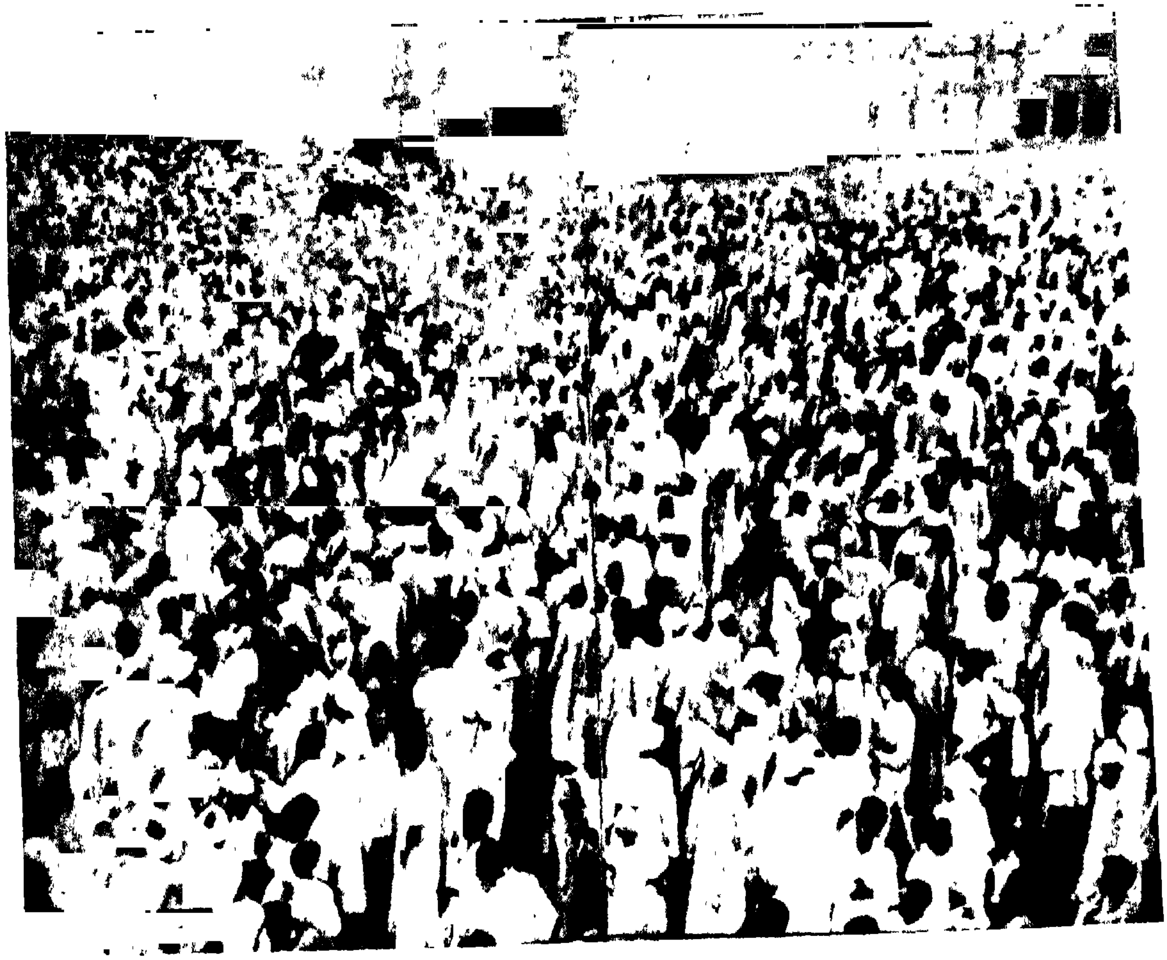
شانؔ بھارتی

پی. او. بھوا، دھنباد، بہار



شاعرِ مشرق کی آخری قیام گاہ، جہاں ملتِ خوابیدہ کو بیدار کرنیوالا خود محوِ خواب ہے۔

۲۱ راپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ عقیدت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر علامہ کی قیام گاہ کی طرف اُمنڈ پڑا۔ اجتماع ہر لمحہ بڑھ رہا تھا۔ جب جاوید منزل سے علامہ کا جنازہ روانہ ہوا تو اور بھی اضافہ ہونے لگا۔ اس تصویر میں سوگواروں کا ہجوم اُس مقام پر ہے جس کے پس منظر میں اسلامیہ کالج نظر آتا ہے۔





علامہ اقبال کے زمانہ علالت کی وہ تصویر جب وہ آخری مرتبہ ۱۹۳۷ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں تشریف لے گئے

ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی میں چھپوا کر شائع کیا۔